بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

هو الله جل جلاله | الذی لا اله جل جلاله

الا هو جل جلاله | الرحمن جل جلاله | الرحيم جل جلاله | الملك جل جلاله

القدوس جل جلاله | السلام جل جلاله | المؤمن جل جلاله | المهيمن جل جلاله | العزيز جل جلاله

الجبار جل جلاله | المتكبر جل جلاله | الخالق جل جلاله | البارئ جل جلاله

المصور جل جلاله | الغفار جل جلاله | القهار جل جلاله | الوهاب جل جلاله | الرزاق جل جلاله

الفتاح جل جلاله | العليم جل جلاله | القابض جل جلاله | الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله | الرافع جل جلاله | المعز جل جلاله | الحكم جل جلاله | البصير جل جلاله

السميع جل جلاله | المذل جل جلاله | العدل جل جلاله | اللطيف جل جلاله

الخبير جل جلاله | الحليم جل جلاله | العظيم جل جلاله | الغفور جل جلاله | الشكور جل جلاله

العلى جل جلاله | الكبير جل جلاله | الحفيظ جل جلاله | المقيت جل جلاله

الحسيب جل جلاله | الجليل جل جلاله | الكريم جل جلاله | الرقيب جل جلاله | المجيب جل جلاله

الواسع جل جلاله | الحكيم جل جلاله | الودود جل جلاله | المجيد جل جلاله

الباعث جل جلاله | الشهيد جل جلاله | الحق جل جلاله | الوكيل جل جلاله | القوي جل جلاله

المتین · الولی · الحمید · المحیی · الممیت

الحیی · القیوم · الواجد · الماجد

الواحد · الاحد · الصمد · القادر · المقتدر

المقدم · المؤخر · الاول · الآخر

الظاہر · الباطن · الوالی · المتعال

البر · التواب

المنتقم · العفو

اللہ
جل جلالہ

الرؤف · مالک الملک

ذوالجلال والاکرام · المقسط · الجامع · الغنی

المغنی · المانع · الضار · النافع

النور · الهادي · البدیع · الباقی · الوارث

الرشید · الصبور · رب العالمین · مالک یوم الدین

القدیر · الوحید

(each name followed by: جل جلالہ)

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

یاقوت

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد نہم

العنکبوت تا الصّٰفّٰت

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی فاضل علوم شرقیہ
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : صفر 1425ھ/اپریل 2004ء
الطبع الثانی : صفر 1426ھ/اپریل 2005ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوٰۃ اللہ عن صلوٰۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاٰخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہٖ اللھم الق فی قلبی اسرار القراٰن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القراٰن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القراٰن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اٰمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار رہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کردے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کردے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنادے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کردے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

سُوۡرَةُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ

(۲۹)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ العنکبوت

سورت کا نام

اس سورت کا نام العنکبوت ہے' کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں العنکبوت کا ذکر ہے:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚۖ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ○ (العنکبوت: ٤١)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے' جو ایک گھر بنا لیتی ہے' اور بے شک تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے' کاش کہ وہ جان لیتے۔

قرآن مجید میں العنکبوت کا لفظ صرف اسی سورت کی اسی آیت میں ہے' لہٰذا اس سورت کا نام العنکبوت رکھنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو اپنا کارساز اور مددگار بنا رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

سورۃ العنکبوت کے متعلق احادیث

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ العنکبوت کو پڑھا اس کو ہر مومن اور منافق کے عدد کے برابر دس نیکیاں ملیں گی۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کو امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۴۱۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن الضریس' امام النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ العنکبوت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام الدارقطنی نے السنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج اور چاند گہن لگنے کی نماز چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھی پہلی رکعت میں سورۃ العنکبوت یا سورۃ الروم پڑھی اور دوسری

رکعت میں سورۃ یٰسین پڑھی۔ (الدر المنثور ج۶ ص ۳۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورج گرہن لگنے کی نماز دو رکعت ہے جس میں چار رکوع ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں عام معمول کے مطابق ایک رکوع ہے ائمہ ثلاثہ کی دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور امام ابوحنیفہ دلیل مذکور ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا (اتنا لمبا قیام کیا کہ) لگتا تھا آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی۔

(سنن ابوداؤد رقم: ۱۱۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱)

سورۃ العنکبوت کا زمانہ نزول

یہ سورت مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی ہے' جب مکہ میں مسلمانوں کو مشرکین اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے' نوجوانوں کو ان کے والدین زدوکوب کرتے تھے' اور غلاموں پر ان کے آقا مشق ستم کرتے تھے' اس وجہ سے قدرتی طور پر ان نو مسلموں کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے اور شبہات سر اٹھاتے تھے کہ جب ہم برحق دین پر ہیں تو ہم پر یہ مصائب کیوں آرہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی خاطر تمہیں قربانیاں دینی ہوں گی اور ابھی تو تم پر اتنا ظلم وستم نہیں ہوا جتنا ظلم وستم پچھلی امتوں پر ہوا ہے اور جتنے مصائب انہوں نے راہ حق میں برداشت کیے ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے	لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا
چوں مے گویم مسلمانم بلرزم	کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۵ ہے' یہ سورت سورۃ الروم کے بعد اور سورۃ المطففین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ مکہ میں سورۃ العنکبوت کے بعد المطففین کے سوا اور کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور یہ سورت ان آخری سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

سورۃ العنکبوت کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتدائی آیات میں یہ بتایا ہے کہ حق اور سچائی کے راستہ میں مشکلات لازماً آتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

☆ ماں باپ کی اطاعت کی حدود متعین کی ہیں' اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

☆ انبیاء سابقین حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت صالح اور حضرت ھود کی امتوں اور ان کے حالات کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی دین حق کی راہ میں مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔

☆ جو کفار دوسروں کے سہاروں پر اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی سازشیں تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اہل کتاب اور مشرکین کے اعتراضات کے جوابات۔

☆ جو مسلمان کفار کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہو رہے تھے ان کو ہجرت کرنے کی ہدایت اور ان کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت۔

☆ توحید پر دلائل اور مشرکین کی مذمت۔

اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ العنکبوت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے

ہیں۔ الٰہ العلمین! مجھے حق پر مطلع کرنا اور اس کو لکھنے کی توفیق دینا اور مجھ پر باطل کو آشکارا کرنا اور اس سے اجتناب کرنے اور اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/ ۲۳ جون ۲۰۰۲ء
فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتها ٦٩ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — سورة العنكبوت مكية ٨٥ — ركوعاتها ٧

سورۃ العنکبوت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں انہتر آیات اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ

الف لام میم O کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا

لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ

نہیں جائے گا O اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا ' سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر

اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿٣﴾ اَمْ حَسِبَ

دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں O جو لوگ برے کام کرتے

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿٤﴾

رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں O

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ

اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ بہت سننے والا '

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٥﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ

سب کچھ جاننے والا ہے O اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش

اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٦﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کرتا ہے ' بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ

تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں

اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ

دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے

بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اور (اے مخاطب!) اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک

لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا

قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو' تو ان کی اطاعت نہ کر' میری ہی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر میں تم کو خبر دوں گا

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کہ تم کیا کام کرتے تھے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ

کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے ○ اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پس جب انہیں

آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذاء کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں

كَعَذَابِ اللَّهِ ؕ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو تمہارے

كُنَّا مَعَكُمْ ؕ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

ساتھ تھے! کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہان والوں کے سینوں میں ہیں! ○

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿١١﴾ وَ

اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرما دے گا ○ اور

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ

کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے' حالانکہ وہ

خَطَايَاكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ

ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے'

إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ

بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ

أَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع ۱۳ ۱۴

(اور) کئی بوجھ' اور قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی افتراء کی ہوئی باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف' لام' میم O کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا O اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا' سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں O (العنکبوت: ۳۔۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی آزمائشیں

الف' لام' میم O (العنکبوت: ۱) اس کی تفسیر البقرہ: ۱ میں گزر چکی ہے۔

فرمایا: کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا O (العنکبوت: ۲)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے' ابن جریج اور ابن عمیر نے کہا یہ آیت حضرت عمار بن یاسر کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کو اللہ کے ماننے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا تھا اور یہ سابقین اولین میں سے تھے' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب ان کو عذاب دیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا: اے آل یاسر صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ (الاصابہ رقم الحدیث: ۵۷۲۰)

امام شعبی نے کہا یہ دونوں آیتیں ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں ہیں جو مکہ میں تھے اور اسلام لا چکے تھے' مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ان کو لکھا جب تک تم ہجرت نہیں کرو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اسلام کے اقرار کو قبول نہیں فرمائے گا' وہ مدینہ کا قصد کر کے روانہ ہوئے' مشرکین نے ان کا تعاقب کر کے ان کو پھر مکہ واپس لوٹا دیا' تب ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ان کی طرف لکھا کہ تمہارے متعلق اس طرح آیت نازل ہوئی ہے' تب مکہ کے مسلمانوں نے کہا اب ہم ہر حال میں مدینہ جائیں گے' خواہ ہم کو مشرکین سے قتال کرنا پڑے۔ پھر وہ مکہ سے روانہ ہوئے' مشرکین نے حسب سابق ان کا تعاقب کیا' تو مسلمانوں نے ان سے قتال کیا' بعض ان میں سے شہید ہو گئے اور بعض نجات پا کر مدینہ پہنچ گئے تو اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق یہ دو آیتیں نازل فرمائیں۔

اور مقاتل نے کہا کہ یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام مہجع کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ پہلے شخص تھے جو جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے شہید ہوئے تھے' عامر بن الحضرمی نے ان کو تیر مارا تھا جس سے وہ شہید ہوئے تھے' اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہجع سید الشہداء ہیں اور اس امت میں وہ پہلے شخص ہیں جن کو جنت کے

دروازہ سے پکارا جائے گا۔ان کے شہید ہونے پر ان کے ماں باپ اور ان کی بیوی بے قراری سے گریہ کررہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ اللہ کو واحد ماننے کی وجہ سے ان کو جو مصائب اور مشقتیں پہنچیں ان پر صبر کریں اور یہ کہ دین اسلام میں بہر حال امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔

(الکشف والبیان ج ۷ص ۲۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ الوسیط ج ۳ص ۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھاO (العنکبوت:۳)

سابقہ امتوں کی آزمائشیں

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی المعروف بابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ O (البقرہ:۲۱۴)

کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جیسی تم سے پہلے لوگوں پر آئیں تھیں ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ (اس قدر) جھنجھوڑ دیئے گئے کہ اس وقت کے رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو بے شک اللہ کی مدد عنقریب آئے گی!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہتے تھے کہ ہمیں پچھلی امتوں کے حالات بتائے گئے انہیں اللہ کی راہ میں ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے مصائب اور تکالیف میں صبر کیا اور راحت میں اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ عنقریب اللہ ان کو کشادگی اور تنگی میں مبتلا کرے گا اور خیر اور شر میں اور امن اور خوف میں اور اطمینان اور بے قراری میں آزمائے گا۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ص ۳۰۳۱-۳۰۳۰ رقم الحدیث:۱۷۱۲۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے عرض کیا: آیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کرتے! آیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے! آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص کو زمین میں دبا دیا جاتا پھر اس کے جسم پر آری رکھ کر اس کے جسم کو دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا اور یہ ظلم اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھی چلا کر اس کے گوشت اس کی رگوں اور اس کے پٹھوں کو چھیل دیا جاتا اور یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا اور اللہ اپنے اس دین کو مکمل فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا البتہ اس کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیئے کا ڈر ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۱۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۶۴۹ سنن النسائی رقم الحدیث:۲۰۴ مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۳۷۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار تھا میں آپ کے پاس گیا میں نے آپ پر ہاتھ رکھا تو میں نے اپنے ہاتھوں میں اس کی تپش محسوس کی میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کتنا تیز بخار ہے! آپ نے فرمایا: ہمارا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ ہمارے لیے مصائب کو دگنا کر دیا جاتا ہے تاکہ ہم کو اجر بھی دگنا ملے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصائب کس پر آتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نبیوں پر میں نے پوچھا: پھر کس پر؟ آپ

نے فرمایا: پھر نیک لوگوں پر' بے شک ان میں سے کسی ایک کو فقر میں مبتلا کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ اس کے پاس پہننے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی ہے' اور بے شک ان میں سے ایک شخص مصیبت سے اس طرح خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک شخص راحت سے خوش ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۴۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۲۶' مسند احمد ج ۳ ص ۹۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء پر' پھر جوان کے قریب ہوں' پھر جوان کے قریب ہوں' سو ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے' جو شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے اس پر سخت مصیبت آتی ہے اور جو شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے' اس پر اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت آتی ہے' بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴)

اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک اشکال کے جوابات

سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں O (العنکبوت: ۳)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشا پوری متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: سو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل میں ہونے والے کسی کام کا پہلے علم نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے واقع ہو جانے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کا امتحان لینے سے پہلے ان کا علم ہوتا ہے اس کا علم قدیم تام ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس کا معلوم ہونا موجود اور متحقق ہو جائے۔

مقاتل نے کہا اس کا معنی ہے اس کو اللہ تعالیٰ دکھا دے گا' الاخفش نے کہا اس کا معنی ہے اللہ اس کو ممتاز اور ممیز کر دے گا۔

الثقفی نے کہا اللہ تعالیٰ کے علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم یہ ہے کہ وہ ماضی کی کسی بات کو جانتا ہے (۲) اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو علم ہے کہ مستقبل میں فلاں کام ہوگا' اور اس کو یہ علم ہے کہ فلاں وقت میں یہ کام ہوگا سو اس کام کے ہو جانے اور وقوع کا علم تو اسی وقت ہوگا جب وہ کام واقع ہو جائے گا (اور اگر اس کے وقوع سے پہلے یہ علم ہو کہ یہ کام واقع ہو گیا ہے تو یہ غلط اور خلاف واقع ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ O (محمد: ۳۱)

ہم ضرور تمہارا امتحان لیں گے حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں گے اور ہم تمہاری خبروں کو جانچ لیں گے۔

اسی طرح اس آیت میں بھی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے تا کہ اللہ صادق کے صدق کے وقوع اور کاذب کے کذب کے وقوع کو جان لے

حالانکہ اللہ کو صادق اور کاذب کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے صدق اور کذب کا علم تھا' لیکن اس کو علم تھا کہ صادق کے صدق کا وقوع ہونے والا ہے اور عنقریب اس کا صدق واقع ہوگا لیکن اس نے قصد کیا کہ اس کو ان کے صدق اور کذب کے وقوع کا علم ہوتا کہ ان کے صدق اور کذب کی جزاء دی جائے۔

نحاس نے کہا اس آیت کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) صادقین اور کاذبین کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جو صلہ ملے گا' آخرت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس صلہ اور ان کے انجام سے واقف کرے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کو اور جہان والوں کو اس پر مطلع کرے گا کہ یہ صادق ہیں اور یہ کاذب ہیں' یعنی ان کو مشہور کرے گا' صادقین کی کرامت اور وجاہت ظاہر فرمائے گا کہ یہ صادق ہیں اور کاذبین کو رسوا اور ذلیل کرے گا کہ یہ کاذب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ صادقین کے اوپر صدق کی علامت چسپاں کر دے گا اور کاذبین پر کذب کی علامت چسپاں کر دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۰-۲۹۹' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام کو ظاہر کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمار' ان کی ماں سمیہ' حضرت صہیب' حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم' رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ کی' اور رہے حضرت ابوبکر تو ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے ذریعہ کی اور رہے باقی صحابہ تو ان کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنائیں اور ان کو دھوپ میں تپایا' ان میں سے ہر ایک پر خود انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق سختی اور ظلم کیا' ماسوا حضرت بلال کے' ان کے نزدیک ان کی جان معمولی اور حقیر تھی' اور ان کی قوم بھی ان کو حقیر جانتی تھی' انہوں نے ان کو پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا وہ حضرت بلال کو مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال کہتے تھے احد احد (اللہ واحد ہے' اللہ واحد ہے)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۴۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳' المستدرک ج ۳ ص ۲۸۴' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۸۲-۲۸۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ برے کام کرتے رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے! وہ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں O اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے' اور وہ بہت سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے O اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے' بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O (العنکبوت: ۷-۴)

اللہ تعالیٰ کا غنی اور بے نیاز ہونا

جو لوگ برے کام کرتے رہے ہیں' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک کرتے رہے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے' اس سے یہ مراد ہے کہ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ہم کو عاجز کر دیں گے اور ہم ان کی گرفت نہیں کر سکیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت الولید بن المغیرہ' ابوجہل' الاسود' العاص بن ہشام' شیبہ' عتبہ' الولید بن عتبہ' عقبہ بن معیط' حنظلۃ بن ابی سفیان اور العاص بن وائل وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے رب کی صفات کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ وہ اپنے رب کی گرفت میں نہیں آسکیں گے' ان کا یہ کہنا بہت بُرا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص موت سے ڈرتا ہے اس کو نیک عمل کرنے چاہئیں' کیونکہ موت ٹلنے والی چیز نہیں ہے۔

پھر فرمایا اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے' اس کا معنی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم رہتا ہے اور کفار سے جہاد میں مشغول رہتا ہے تو اس کی یہ تمام سعی اپنے نفس کے لیے ہے' کیونکہ ان تمام نیک اعمال کا ثواب اس کو ہی ملے گا' ان اعمال کا کوئی نفع اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا' بے شک اللہ تمام جہانوں سے غنی ہے یعنی اس کو کسی کے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو' سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' تم مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں گا' تم سب فقیر ہو' سوا اس کے جس کو میں غنی کروں' تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا' اور تم سب گنہگار ہو سوا اس کے جس کو میں عافیت سے رکھوں' سو تم میں سے جس کو یہ یقین ہو کہ میں گناہ بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے بخشش کا سوال کرے تو میں اس کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر اضافہ نہیں ہو گا' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے فاسق و فاجر کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر کمی نہیں ہو گی' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر ایک میدان میں جمع ہو جائیں' پھر تم میں سے ہر انسان اپنی تمام آرزوؤں کا سوال کرے اور میں ہر شخص کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک سے صرف اتنی کمی ہو گی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے' کیونکہ میں جواد اور واجد اور ماجد (بہت سخی اور بہت بزرگ) ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں' میری عطا میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے' جب میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو فقط اتنا کہتا ہوں "ہو" اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴' ۱۷۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳)

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے۔

گناہوں کو مٹانے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد جو دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے' اس نقطہ کو مٹا دیا جائے گا' یا فرشتوں نے اس کے صحائف اعمال میں اس کے جو گناہ لکھے ہیں ان کو مٹا دیا جائے گا' یا یہ مغفرت اور بخشش سے کنایہ ہے۔

اور ان کے اچھے کاموں سے مراد ان کی عبادات ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے زمانہ کفر و شرک میں جس قدر گناہ کیے تھے ان سب کو مٹا دیا جائے گا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے زمانہ کفر اور اسلام کے سب گناہوں کو مٹا دیا جائے گا' جمہور کے نزدیک کفر اور شرک کے زمانہ میں کیے گئے نیک کام مقبول نہیں ہوتے اس لیے ان کے صرف ان ہی کاموں پر جزا ملے گی جو انہوں نے اسلام لانے کے بعد کیے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ کفر میں کیے ہوئے نیک کاموں پر بھی جزا ملے گی' اس کی تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۵۔۵۸۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اور (اے مخاطب!) اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو' تو ان کی اطاعت نہ کر' میری ہی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر میں تم کو خبر دوں گا کہ تم کیا کرتے تھے O (العنکبوت: ۸)

شرک اور معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنے کا حکم

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اور لقمان: ۱۴' اور الاحزاب: ۲۷' حضرت سعد بن ابی وقاص (سعد بن مالک) رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں حمنہ بنت ابی سفیان کے متعلق نازل ہوئیں ہیں' جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے' حضرت سعد سابقین اولین میں سے تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرتے تھے' ان کی ماں نے کہا یہ کون سا دین ہے جو ابھی ظاہر ہوا ہے' اور اللہ کی قسم میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک کہ تم اپنے سابق دین کی طرف نہیں رجوع کرو گے' ورنہ میں مر جاؤں گی اور تم کو ہمیشہ یہ طعنہ دیا جائے گا کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو' پھر ان کی ماں نے پورا دن کھائے' پیے اور آرام کے بغیر گزار دیا' پھر اس نے دوسرا دن بھی اس طرح کھائے پیے بغیر گزار دیا' پھر حضرت سعد ان کے پاس گئے اور کہا اے ماں! اگر آپ کے پاس سو زندگیاں ہوتیں اور آپ اسی طرح ایک ایک کر کے ان زندگیوں کو ختم کر دیتیں پھر بھی میں اپنے دین کو ترک نہ کرتا' آپ چاہیں تو کھانا کھائیں اور چاہیں تو کھانا نہ کھائیں۔ جب ان کی ماں حضرت سعد کے سابق دین کی طرف لوٹنے سے مایوس ہو گئیں تو پھر انہوں نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اور حسن سلوک کریں اور اگر وہ اللہ کا شریک بنانے کا حکم دیں تو اس حکم میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

یہ حدیث کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ حسب ذیل کتب حدیث میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۸۲)

ہر چند کہ قرآن مجید کی اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ صرف اللہ کا شریک بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور ناقابل مغفرت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی معصیت میں ماں باپ کی یا کسی بھی مخلوق کی اطاعت کرنی جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر پر ایک شخص کو امیر مقرر کر دیا' اس نے آگ جلائی اور لشکر سے کہا اس آگ میں داخل ہو جاؤ' بعض نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسروں نے کہا ہم نے آگ سے ہی تو فرار اختیار کیا ہے' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو جن لوگوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی آگ میں رہتے اور دوسروں سے فرمایا معصیت (اللہ کی نافرمانی) میں کسی کی اطاعت نہیں ہے' اطاعت صرف نیکی میں ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۶۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۵۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۲۴۳)

والدین کی اطاعت کے متعلق احادیث

قرآن مجید کی اس آیت میں والدین کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور والدین کی اطاعت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا کون سب سے زیادہ حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو! اس شخص کی کی ناک خاک آلودہ ہو! اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو! عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا' پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے' آپ نے فرمایا: تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے' بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی میں سے ہے' پس تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے جہاد کی اجازت طلب کی' آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر ان (کی خدمت) میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۲)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پاس مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں آپ نے فرمایا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر اس کی خدمت میں لازم رہو' کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو' میں نے انکار کیا' پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰)

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا میں نے اپنی ماں پر ایک باندی کو صدقہ کیا تھا' اب وہ فوت ہو گئی ہیں' آپ نے فرمایا تمہارا اجر ثابت ہو گیا اور وراثت نے اس کو تمہیں واپس کر دیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! اس پر ایک ماہ کے روزے تھے' کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے روزے رکھو' اس نے پوچھا اس نے حج نہیں کیا تھا آیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے حج کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۷ ـ ۹۲۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۶ ـ ۲۸۷۷ ـ ۳۳۰۹' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں' آیا میں ان سے ملوں؟ آپ نے فرمایا تم ان سے ملو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے آیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۱۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۲)

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنو سلیمہ سے ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے استغفار کرو اور ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو' ان کے رشتہ داروں سے ملو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۴)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجعرانہ میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے' میں اس وقت لڑکا تھا اور گوشت اٹھا کر لا رہا تھا' ایک عورت آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچی آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کی رضاعی ماں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۹۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۷)

حضرت طلحہ بن معاویہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں' آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پاؤں کے پاس لازم رہو جنت وہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۶۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۴۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین کی اطاعت کرتے ہوئے صبح کی' اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر اس نے ان میں سے ایک کی اطاعت میں صبح کی تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے' اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی میں صبح کی تو اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کی تو ایک کھلا ہوا ہوتا ہے' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ماں باپ اس پر ظلم کریں؟ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ ظلم کریں' اگرچہ وہ ظلم کریں' اگرچہ وہ ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۱۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۹۴۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۶۴۲' الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے ○

اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' اور جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آ جائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے! کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہانوں والوں کے سینوں میں ہیں! O اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرما دے گا O اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے' حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے' بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ (اور) کئی بوجھ' اور قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی افتراء کی ہوئی باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا O (العنکبوت: ١٣۔٩)

العنکبوت: ١٠۔٩ کے متعدد اسباب نزول

العنکبوت: ٧ میں فرمایا تھا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O اور العنکبوت: ٩ میں پھر اسی آیت کو دہرایا ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ہم ان کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے O

صالحین سے مراد ہے جو نیکی کے آخری درجہ کو پہنچے ہوئے ہوں اور جب مومن نیکی اور تقویٰ کے انتہائی درجہ پر فائز ہو گا تو اس کو اس کا ثمرہ اور اس کی جزاء حاصل ہو گی اور وہ جنت ہے' سو ان دونوں آیتوں کا ایک ہی مآل ہے۔

اور فرمایا اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے۔ الآیۃ (العنکبوت: ١١)

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: اہل مکہ کے کچھ لوگ اسلام لے آئے' وہ اسلام کو معمولی سمجھتے تھے (اس لیے انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لڑنے کے لیے لے گئے ان میں سے کچھ زخمی ہو گئے اور کچھ قتل کر دیئے گئے' صحابہ نے کہا یہ لوگ مسلمان تھے ان کو جبراً لڑنے کے لیے لایا گیا تھا اور صحابہ نے ان کی مغفرت کی دعا کی' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا O (النساء: ٩٧)

بے شک جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے' وہ کہتے ہیں ہم اس زمین میں کمزور اور مغلوب تھے' فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی تم اس میں ہجرت کر لیتے' یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

پھر صحابہ نے باقی مسلمانوں کی طرف اس آیت کا حکم لکھ کر بھیج دیا کہ اب تمہارے لیے کوئی عذر نہیں ہے تم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ' وہ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ اس آزمائش کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کو ایذاء کی اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں الخ پھر صحابہ نے ان کی طرف اس آیت کو لکھ کر بھیج دیا وہ روانہ ہوئے اور وہ ہر خیر سے مایوس ہو چکے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٧١٠٠ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی المالکی المتوفی ٨٧٥ھ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن ج ۴ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ ھ نے اس آیت کے متعدد شانِ نزول بیان کیے ہیں:

سدی اور ابن زید نے کہا اس سے مراد منافق ہے جب اس کو اللہ کی راہ میں کوئی اذیت پہنچتی تو وہ دین اسلام سے منحرف ہو کر کفر کو اختیار کر لیتا۔ اور جب اللہ کی طرف سے کوئی مدد آتی یعنی جب مسلمان فتح یاب ہوتے اور ان کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو منافقین مومنوں سے کہتے' ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے دشمنوں کے مخالف ہیں' ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور ہم نے اس سے پہلے جو دین اسلام سے انحراف کے متعلق کہا تھا' اس کی وجہ کفار کا جبر کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا' کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہانوں والوں کے سینوں میں ہیں O اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرمادے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرمادے گا O (العنکبوت: ۱۱۔۱۰)

اس آیت کے سبب نزول کے متعلق کافی اختلاف ہے:

مجاہد نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور جب لوگوں کی طرف سے ان کو کوئی اذیت پہنچتی یا ان پر کوئی مصیبت آتی تو وہ منحرف ہو جاتے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد ہجرت نہیں کی (جیسا کہ تفسیر امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے تفصیلاً گزر چکا ہے)۔

قتادہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو کفار مکہ واپس لے گئے تھے۔ اسی وجہ سے امام شعبی نے یہ کہا ہے کہ ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی سورت مکی ہے۔

دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع کرنے یا ان پر ظلم کرنے کی وجہ سے ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے' حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے۔ الآیۃ (العنکبوت: ۱۳۔۱۲)

کفار کے اس قول کا معنیٰ یہ ہے اگر تم نے ہمارے عقائد کو اپنا لیا تو ہم تمہارے گناہوں کے بوجھ کو اٹھالیں گے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ مشرکین قریش نے مسلمانوں سے کہا ہم اور تم دونوں مرنے کے بعد زندہ نہیں کیے جائیں گے' اگر تمہارے گناہ ہوئے تو وہ ہمارے ذمہ ہیں اور جو کام تمہارے اوپر واجب ہیں ان کے نہ کرنے کا بوجھ بھی ہمارے ذمہ ہوگا' ایک روایت ہے کہ یہ کہنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی کا حق ضائع کرے گا یا اس پر ظلم کرے گا تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب بنے گا۔ اس پر اس کے گناہ کا بوجھ ڈال دیا جائے گا۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچایا پھر فرمایا تم ظلم کرنے سے بچو' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن قسم کھا کر فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! آج کوئی شخص ظلم کی سزا پائے بغیر نہیں رہے گا' پھر ایک منادی ندا کرے گا فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ اپنی نیکیوں سمیت آئے گا اس کی نیکیاں پہاڑوں کی طرح ہوں گی لوگ نظریں اونچی کر کے اس کی طرف دیکھیں گے' حتیٰ کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے گا' پھر

منادی یہ اعلان کرے گا جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ ہوں یا اس شخص نے جس پر ظلم کیا ہو وہ بدلہ لینے کے لیے آ جائے تو وہ لوگ رحمٰن کے سامنے آ کر کھڑے ہو جائیں گے پھر رحمان فرمائے گا میرے اس بندہ سے اپنے حقوق لے لو لوگ کہیں گے ہم اس سے کس طرح حقوق لیں' اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اس کی نیکیاں لے لو لوگ اس کی نیکیاں لینا شروع کر دیں گے' حتیٰ کہ اس کی ایک نیکی بھی نہیں رہے گی' اور ابھی بدلہ لینے والے باقی ہوں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس سے اپنا حق لے لو' لوگ کہیں گے اس کی تو اب ایک نیکی بھی نہیں رہی ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے اپنے گناہ اس کے اوپر لاد دو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال کیا: اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۸۷' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۶۔۴۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جو شخص کسی گناہ کا سبب بنے گا اس پر لوگوں کے اس گناہ کا بوجھ ڈال دیا جائے گا

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جس نے کسی قوم کو گمراہی کی طرف بلایا اس کے اوپر اس قوم کے گناہ لاد دیئے جائیں گے اور اس قوم کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۸۹' الکشف والبیان للثعلبی ج ۷ ص ۲۷۴' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مومن سے قیامت کے دن اس کی تمام باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کے سرمہ کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا اور اس نے انگلی سے کسی کی مٹی جو کھرچی ہو گی اس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا' سوائے معاذ! میں قیامت کے دن تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ کوئی شخص تم سے ان نیک اعمال کے لینے میں کامیاب نہ ہو جائے جو تم کو اللہ نے عطا کیے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث کی تصدیق اس حدیث صحیح میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ کے پاس چند لوگ آئے' جن کے پیر ننگے' بدن ننگے' گلے میں چمڑے کی کفنیاں یا عبائیں تھیں اور وہ تلواریں لٹکائے ہوئے تھے' ان میں سے اکثر بلکہ سب کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا' ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے' پھر باہر آئے' پھر آپ نے بلال کو اذان اور اقامت کا حکم دیا' آپ نے نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۞ (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا' اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی' اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتوں کو پھیلا دیا' اور اللہ سے ڈرو جس سے تم سوال کرتے ہو' اور رشتوں کو توڑنے سے بچو' بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۞ (الحشر: ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور غور کرو کہ تم نے کل (قیامت کے دن) کے لیے کیا (نیک عمل) بھیجا ہے۔

کوئی شخص دینار اور درہم اور کپڑا اور ایک صاع (چار کلو گرام) گندم اور ایک صاع کھجوروں کا صدقہ کرے خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا

ہی ہو پھر انصار میں سے ایک شخص وزنی تھیلی اٹھا کر لایا جس کو اس نے بہ مشکل اٹھایا ہوا تھا' پھر لگا تار لوگ آ کر صدقہ کرنے لگے' حتیٰ کہ میں نے کپڑے اور طعام کے دو ڈھیر دیکھے' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (خوشی سے) سونے کی طرح چمک رہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ ایجاد کیا اس کے لیے اس کا اجر ہو گا' اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے' ان کا بھی اجر ہو گا بغیر اس کے کہ ان کے اجور میں کوئی کمی ہو' اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا' اس کا گناہ اس پر بھی ہو گا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے' ان کا گناہ بھی اس پر ہو گا' بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷)

اور اس کی تصدیق اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ کے بوجھ کا ایک حصہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے پر بھی ہو گا کیونکہ یہ پہلا شخص تھا جس نے گناہ کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم کا پہلا بیٹا قابیل تھا جس نے ان کے دوسرے بیٹے ھابیل کو اس حسد سے قتل کر دیا تھا کہ ھابیل کی قربانی قبول ہو گئی تھی اور اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی' اس نے پہلا قتل کیا تھا اور بعد کے لوگوں کو قتل کرنے کے طریقہ کی رہ نمائی کی تھی اس لیے بعد کے لوگوں کے قتل کرنے کا وہ سبب بنا' اور جب کوئی شخص کسی شخص کے گناہ کا سبب بنے تو وہ بھی ان کے گناہوں میں حصہ دار ہوتا ہے۔ یہ حدیث قواعد اسلام کے مطابق ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا۔ الحدیث۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۰۴' ج ۱۵ ص ۲۹۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۱ ھ)

پس العنکبوت: ۱۳ میں جو فرمایا ہے کہ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔ اس کا محمل یہ ہے کہ مشرکین پر اپنے شرک اور گناہوں کا بھی بوجھ ہو گا اور ان کے سبب سے جن لوگوں نے شرک کیا اور دیگر گناہ کیے ان کے گناہوں کا بھی بوجھ ہو گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے'

اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ○

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی' اور ہم نے اس کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا ○

وَاِبۡرٰهِيۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ‌ ؕ ذٰلِكُمۡ

اور ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور یہ

خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ

تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ۝ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی

دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا‌ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ

عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو'

تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا

وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں' سو تم اللہ سے رزق طلب کرو

عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ

اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ

لوٹائے جاؤ گے ۝ اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں

قَبۡلِكُمۡ‌ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾

اور رسول کے ذمہ صاف صاف پیغام پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۝

اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' بے شک

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

یہ اللہ پر آسان ہے ۝ آپ کہیے کہ تم زمین میں

فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ

سفر کرو پس غور کرو کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے' پھر اللہ دوسری بار نئی

اَلنَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۚ﴿۲۰﴾

پیدائش کرے گا ' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا

اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں'

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۠﴿۲۲﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے پس ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ○ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی' اور ہم نے اس کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا ○ (العنکبوت: ۱۵۔۱۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی حیات کا اجمالی خاکہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ دونوں مومن تھے ان کی ماں کا نام قینوش بنت برکاییل تھا' اور ان کے والد کا نام شیث تھا' ان کو قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث کیا گیا تھا' بعثت کے وقت حضرت نوح کی عمر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی اور بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۳۵۰ سال تھی اور بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۴۸۰ سال تھی۔ اسی طرح ان کے مقام بعثت میں بھی اختلاف ہے مجاہد نے کہا ان کو ہند میں مبعوث کیا گیا' حسن بصری نے کہا ان کو ارض بابل (عراق کا ایک شہر جو کوفہ اور بغداد کے درمیان ہے) اور کوفہ میں مبعوث کیا گیا۔ امام ابن جریر نے کہا حضرت نوح' حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے' مقاتل نے کہا حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان بھی ایک سو سال کا عرصہ ہے' اور یہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں۔

مقاتل نے کہا ان کا نام السکن ہے' ایک قول ہے ان کا نام الساکن ہے' طبری نے کہا ان کا نام عبد الغفار ہے اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح ہو گیا' نوح کا معنی نوحہ کرنا اور رونا ہے' ان کے زیادہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے کتے کو دیکھ کر دل میں کہا یہ کس قدر بدشکل ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو گویائی دی اس نے کہا اے مسکین! آپ نے کس پر عیب لگایا ہے نقش پر یا نقاش پر۔ اگر نقش پر عیب ہے تو اگر میرا بنانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں خود کو حسین بنا لیتا اور اگر نقاش پر عیب ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی ملک پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جان لیا کہ اس کتے کو

اللہ تعالیٰ نے گویائی دی ہے' پھر وہ اپنے اس خیال پر چالیس سال تک روتے رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۹۔۲۹۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح نے دل میں کہا کہ یہ کس قدر بد شکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم اس سے زیادہ حسین مخلوق پیدا کر کے دکھاؤ' حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس خطا پر عرصہ تک روتے رہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۷' دار الفکر' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۹۶' دار الکتاب العربی' ۱۴۲۰ھ)

اس وقعہ کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں ان کا مقام اس سے بلند ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت پر اعتراض کریں یا اس کو برا جانیں' علاوہ ازیں دل میں جو غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں ان پر انسان کو قدرت نہیں ہے اور نہ اس سے ان پر باز پرس ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک یہ واقعات صحیح نہیں ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں ان کے نام کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال تک افسوس کرتے رہے اور روتے رہے۔

سدی نے کہا حضرت نوح کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی' امام ابن جوزی نے کہا کہ ان کی عمر ایک ہزار تین سو سال تھی' ایک قول ہے ان کی عمر ایک ہزار سات سو سال تھی (کیونکہ بعثت کے بعد ساڑھے نو سو سال تک انہوں نے تبلیغ کی تھی' پھر طوفان آیا' اس کے بعد بھی وہ ایک عرصہ تک زندہ رہے) حضرت نوح موصل کی مشرقی جانب میں فوت ہوئے تھے یہ وہی جگہ ہے جہاں ان کی کشتی جودی پہاڑ کے پاس ٹھہری تھی' امام ابن اسحاق نے کہا وہ ہند میں فوت ہوئے تھے' عبد الرحمان بن سابط نے کہا حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب اور حضرت نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں زمزم' رکن اور مقام کے درمیان ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ بابل میں فوت ہوئے' ایک قول یہ ہے کہ وہ بعلبک (شام کا ایک شہر) کی کرک نام کی ایک بستی میں فوت ہوئے اور اب بھی وہاں پر ان کی قبر معروف ہے' اس کو کرک نوح کہا جاتا ہے' حافظ ابن کثیر نے کہا کہ امام ابن جریر اور امام ازرقی نے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قول دوسرے متاخرین کے اقوال کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر اس کے بعد ان ظالموں پر طوفان آیا۔ پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔ امام ابن جریج' امام ازرقی اور دیگر مورخین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قوی قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۰۔۱۰۰ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جو آج دنیا میں عراق کے نام سے مشہور ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں ہے اور جو روایات کردستان اور آرمینیہ میں زمانہ قدیم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور ان کی

قوم کی اکثریت نے ان کی رسالت اور نبوت کو نہیں مانا اور بالآخر ان پر ایک طوفان بھیج کر ان کو غرق کر دیا گیا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی ہے کہ آپ کو مکہ میں تبلیغ کرتے ہوئے چند سال ہوئے ہیں اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے یا آپ کے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہیں تو آپ رنج اور افسوس نہ کریں' حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیں وہ ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اسی افراد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا تو حضرت نوح علیہ السلام کی بہ نسبت آپ صبر کرنے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ آپ کی تبلیغ کی مدت ان سے بہت کم ہے اور آپ کے متبعین ان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں۔

اس کی تحقیق کہ طوفان نوح تمام زمین پر آیا تھا یا بعض علاقوں پر

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ طوفان صرف ان ہی کے علاقہ میں آیا تھا یا تمام روئے زمین پر وہ طوفان آیا تھا' مسلم مؤرخین اور مفسرین کے زیادہ تر اقوال یہ ہیں کہ یہ طوفان پوری روئے زمین پر آیا تھا اور بعض نے یہ کہا کہ یہ طوفان صرف انہی کے علاقہ میں آیا تھا' تورات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر بھیجا گیا تھا۔ ہم پہلے تورات کی آیات نقل کریں گے اس کے بعد مسلم مؤرخین اور مفسرین کی عبارات نقل کریں گے اور اخیر میں ان بعض علماء کی عبارات کا ذکر کریں گے جن کے نزدیک یہ طوفان صرف حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ مخصوص تھا۔

طوفان نوح کا تمام روئے زمین کو محیط ہونا

تورات میں لکھا ہے:

اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا اور پانی بڑھا اور اس نے کشتی کو اوپر اٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی O اور پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی O اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے O پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے O اور سب جانور جو زمین پر چلتے تھے پرندے اور چوپائے اور جنگلی جانور اور زمین پر کے سب رینگنے والے جاندار اور سب آدمی مر گئے O اور خشکی کے سب جاندار جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا مر گئے O بلکہ ہر جاندار شے جو روئے زمین پر تھی مر مٹی۔ کیا انسان کیا حیوان کیا رینگنے والا جانور کیا ہوا کا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر سے مر مٹے۔ فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے O اور پانی زمین پر ایک سو پچاس دن تک چڑھتا رہا O (تورات پیدائش باب ۷' آیت: ۲۴۔۱۷' کتاب مقدس' بائبل سوسائٹی لاہور)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ' ان سب نے لکھا ہے:

فسارت بهم السفينة فطافت بهم الارض كلها فی ستة اشهر لا تستقر على شیء حتى اتت الحرم فلم تدخله' ودارت بالحرم اسبوعًا ورفع البيت الذين بناه ادم رفع من الغرق.

وہ کشتی چھ ماہ تک تمام روئے زمین کے اوپر تیرتی رہی وہ کسی چیز پر نہیں ٹھہری حتیٰ کہ حرم میں پہنچی اور اس میں داخل نہیں ہوئی اور حرم کے گرد ایک ہفتہ تک گھومتی رہی اور جس بیت کو حضرت آدم نے بنایا تھا اس کو اٹھالیا گیا اور وہ غرق ہونے سے بلند رہا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۱۸۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' المنتظم ج ۱ ص ۱۳۲' دارالفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ' الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۴۱' دارالکتاب العربی' ۱۴۰۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قال جماعة من المفسرين ارتفع الماء على اعلى جبل الارض خمسة عشر ذراعا وهو الذى عند اهل الكتاب وقيل ثمانين ذراعا وعم جميع الارض طولها والعرض سهلها وحزنها وجبالها وقفارها ورمالها ولم يبق على وجه الارض ممن كان بها من الاحياء عين تطرف ولا صغير ولا كبير. (البدایہ والنہایہ ج۱ص ۱۷۵ دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ طبع جدید)

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ پانی زمین کے بلند ترین پہاڑ سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ مقدار اہل کتاب کے نزدیک ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اسی ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا' زمین کے طول وعرض پر' خواہ نرم زمین ہو یا سخت' اس کے پہاڑوں پر' میدانوں پر' ریگستانوں پر اور روئے زمین پر کوئی زندہ شخص دکھائی نہیں دیتا تھا' چھوٹا اور نہ بڑا۔

نیز حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

بعض جاہل فارسیوں اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طوفان صرف ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ بے دین مجوسیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(البدایۃ والنہایہ ج۱ص۱۸۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبع جدید)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی لکھا ہے:

لما اغرق اهل الارض كلهم الا اصحاب السفينة. (تفسیر ابن کثیر ج۲ص۴۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جب اللہ تعالیٰ نے کشتی والوں کے سوا تمام روئے زمین والوں کو غرق کر دیا۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نے لکھا ہے:

اس سے بڑا حادثہ دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوا کہ زمین کے تمام طول وعرض پر طوفان کا پانی چھا گیا تھا اور اس میں کشتی والوں کے سوا دنیا کے تمام جاندار اور بے جان غرق ہو گئے تھے۔ (نظم الدرر ج۵ص۵۴۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے لکھا ہے:

یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ (روح البیان ج۶ص۵۸۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ ھود: ۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر چند کہ بعض عدم عموم طوفان کے قائل ہوئے ہیں لیکن ظاہر آیات سے جن کو مؤول کہنا بعید ہے عموم معلوم ہوتا ہے' قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۷۷) اور نوح کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والا بنا دیا۔ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر رہنے والے کو نہ چھوڑ۔ اور عموم طوفان پر ظاہراً جو بعض اشکالات واقع ہوتے ہیں سب کے جواب قریب ہیں مثلاً یہ کہ تمام انواع حیوانات کے ایک متعارف مقدار کشتی میں کیسے سما سکتے ہیں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ جو پانی میں رہتے ہیں یقیناً خارج ہیں جو محتاج تناسل نہیں وہ بھی خارج ہیں' رہے اور اقسام سوان میں سے ممکن ہے کہ وہی سوار کیے گئے ہوں جن سے انسانی حاجت متعلق ہوتی ہو جیسے ماکولات ومرکوبات دعوامل وحوامل تاکہ بعد ختم طوفان کے بقیہ افراد انسانی کو تکلیف نہ ہو' سو ایسے جانور بہت قلیل ہیں ہر ایک کا جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں اور جن سے حاجت انسانی متعلق نہیں جیسے سباع وغیرہ وہ سوار نہ کیے گئے ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کر دیا ہو یا یہ کہ بہ طور خرق عادت کے ان کی بھی جگہ نکل گئی ہو اور یہ اشکال کہ نابالغ بچے کیسے غرق ہو گئے تو ہو سکتا ہے

کہ چند سال پہلے توالد و تناسل بند ہو گیا ہو پس پرانے نابالغ بالغ ہو گئے اور نیا نابالغ پیدا نہ ہوا جیسا کہ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ چالیس سال قبل توالد و تناسل بند ہو گیا تھا' اور مثلاً یہ اشکال کہ جانوروں نے کیا خطا کی تھی اس کا یہ جواب ہے کہ یہ طوفان کفار کے حق میں عذاب تھا اور جانوروں کے لیے بہ منزلہ موت طبعی تھا جو ہر روز واقع ہوتی ہے۔

(بیان القرآن ج ۱ ص ۴۵۸' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ ہود: ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں؟ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں' مگر یاد رہے کہ دائرۃ المعارف میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کیے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔

(حاشیۃ القرآن ص ۲۹۹' مطبوعہ سعودی عربیہ)

علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ عقائد کے بیان میں لکھتے ہیں:

طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔ (بہار شریعت حصہ ۱ ص ۱۰' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' ۱۴۱۶ھ)

طوفانِ نوح کا صرف بعض علاقوں پر آنا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور جس چیز کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو سوار کیا تھا جن کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ طوفان کا عموم اپنے اطلاق پر ہے اور حضرت نوح نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو رکھا تھا جن کے بغیر چارہ کار نہیں' اور باقی سب جانور غرق ہو گئے اور ان جانوروں کی نظیروں کو اللہ تعالیٰ نے محض لفظ "کُنْ" سے دوبارہ پیدا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے یہ کیا بعید ہے۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

دراصل اشکال یہ ہوتا تھا کہ اگر تمام زمین پر طوفان آیا ہو تو تمام زمین کے جانوروں' چرندوں' درندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو کشتی میں رکھنا تو عادۃً محال ہے' اس کے علامہ آلوسی نے دو جواب دیئے ایک یہ کہ یہ طوفان مخصوص علاقے میں آیا تھا اس لیے تمام زمین کے جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا' دوسرا جواب یہ دیا کہ ہر چند کہ یہ طوفان تمام زمین پر آیا تھا لیکن تمام جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا اور کشتی میں صرف ان ہی جانوروں کو رکھا گیا تھا جن کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے' اور طوفان رک جانے کے بعد باقی جانوروں کو پیدا کرنا اللہ کے لیے کیا مشکل ہے!

شیخ محمد حفظ الرحمان سیوہاری لکھتے ہیں:

کیا طوفانِ نوح تمام کرۂ ارضی پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر؟

اس کے متعلق علماءِ قدیم و جدید میں ہمیشہ سے دو رائے رہی ہیں' علماء اسلام میں سے ایک جماعت' علماء یہود و نصاریٰ اور بعض ماہرینِ علوم فلکیات' طبقات الارض' اور تاریخ طبیعات کی یہ رائے ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار کلو میٹر مربع ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفانِ نوح کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف

کوشوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے' نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی قوم آباد تھی' ابھی حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا' لہٰذا وہی مستحق عذاب تھے ان ہی پر طوفان کا یہ عذاب بھیجا گیا' باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام اور ماہرین طبقات الارض اور علماء طبیعات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر حادی تھا اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں' ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا اور وہ پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو آثار سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "جزیرہ" یا عراقِ عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرینِ علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں' پانی سے باہر ایک لحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے' اس لیے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات و آراء کی ان تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں درج ہے اہلِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ طوفان خاص تھا عام نہ تھا۔ اور یہ مسئلہ بھی محلِ نظر ہے کہ تمام کائناتِ انسانی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے' اور آیت ان تذرھم یضلوا عبادک بھی کچھ اسی طرح اشارہ کرتی ہے۔

(قصص القرآن ج اول ص ۷۷۔۷۶' مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

شیخ سیوہاری نے طوفان نوح کے عام نہ ہونے پر جو دلیل قائم کی ہے وہ ان کے اس اعتراف سے ساقط ہو جاتی ہے کہ جزیرہ عرب یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بہ کثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں' پانی سے باہر ایک لحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے اس لیے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ طوفان' جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے' عالم گیر طوفان تھا یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوح کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا (پیدائش ۷: ۱۸۔۲۴) مگر قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں جو طوفان نوح سے بچالیے گئے تھے' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو' کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود رہی ہو جہاں طوفان آیا تھا اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے' آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے' لیکن روئے زمین کے تمام خطوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالم گیر طوفان کا یقین کیا جا سکے' دوسرے یہ کہ روئے زمین کی اکثر و بیش تر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں' حتیٰ

کہ آسٹریلیا' امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباؤ اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا۔ اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۴۲' ۳۴۱' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۲ء)

سید مودودی کی دلیل بھی ان کے اپنے بیان سے ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ روئے زمین کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانہ سے مشہور ہیں حتیٰ کہ آسٹریلیا' امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے' اس عبارت کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ ان علاقوں کی پرانی روایات میں ایک طوفان عظیم آنے کا ذکر اس لیے ہے کہ ان علاقوں میں وہ عظیم طوفان آیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ عالم گیر طوفان تھا' سید مودودی نے جو اس کا یہ مطلب نکالا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباء و اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔ سو یہ بہت دور کی تاویل ہے اور طوفان نوح کو مختصر کرنے کی تقریباً ناکام کوشش ہے۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

یہ چیز غور طلب ہے کہ کیا یہ طوفان روئے زمین پر آیا تھا اور کیا آپ نے دنیا بھر کے حیوانات کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ محققین کا قول یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا جہاں نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ ایسی تصریحات بھی کتب میں موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں یا ان سے اخذ کیے ہوئے علماء کے اقوال' کتاب و سنت سے کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جا سکتی جس سے صراحۃً اس طوفان کا عالمگیر ہونا ثابت ہو۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ) لیکن ہو سکتا ہے الارض جو معرّف باللام ہے اس سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہو۔ جس طرح فرعون کے متعلق ہے وان فرعون لعال فی الارض یہاں بھی الارض سے مراد ساری روئے زمین نہیں بلکہ ملک مصر مراد ہے' نیز من الکافرین بھی معرّف باللام ہے یعنی وہ مخصوص کافر جو آپ کی قوم سے تھے۔ قرآن کریم میں ہمیں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ کی بعثت صرف آپ کی قوم کے لیے تھی ولقد ارسلنا نوحا الی قومه ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک نسلِ انسانی زیادہ پھیلی نہ ہو بلکہ اسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اس کو عالمگیر کہہ دیا گیا ہو۔ یہ بات قابلِ فہم ہے۔ لیکن اگر یہ اندازہ درست ہو کہ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے تئیس سو سال بعد ہوئی تو اتنے عرصۂ دراز تک اولاد آدم کا ایک تنگ سے رقبہ میں محدود رہنا دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے۔ انہیں امور کے پیشِ نظر علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے محتاط پیرایہ میں لکھا ہے:

والذی یمیل القلب الیه ان الطوفان لم یکن عاما. (روح المعانی) یعنی دل اس طرف مائل ہے کہ طوفان عام نہیں تھا۔

اگر اس قول کو راجح قرار دیا جائے تو پھر نوح علیہ السلام کو دنیا بھر کے حیوانات کشتی میں لے جانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ جانور اپنے ہمراہ لیے ہوں گے جن کی فوری ضرورت تھی اور جن کو دور دراز کے علاقوں سے جو طوفان کی زد سے محفوظ تھے لے آنا مشقت اور تکالیف کا موجب تھا۔ بل امر بحمل ما یحتاج الیه اذا انجا ومن معه من الغرق لئلا یغتموا لفقده ویتکلفوا مشقة جلبه من الاصقاع النائیة التی لم یصلها الغرق (روح المعانی)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ المومنون کی آیت فاسلک فیھا من کل زوجین اثنین کی تفسیر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے: ای کل زوجین من الحیوان الذی یحضرہ فی الوقت اثنین الذکر والانثی لکی لا ینقطع نسل ذالک الحیوان واللہ تعالیٰ اعلم (کبیر) (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۶۱)

یہ درست ہے کہ کتاب وسنت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ طوفان عام تھا یا خاص تھا' لیکن کتاب وسنت میں اس کے مذکور نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں تورات کی روایت کو مردود قرار دیا جائے جب کہ عام اصول یہی ہے کہ سابقہ شرائع کے وہ احکام حجت ہوتے ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں' حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صرف بے دین مجوسیوں نے یہ کہا ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا اور نہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۲) حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا میں کہا تھا اے رب! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ اس میں زمین سے مراد صرف ان کا مخصوص علاقہ مراد لینے کو پیر صاحب نے یہ طور احتمال ذکر کیا ہے اور احتمال دلیل نہیں ہوتا' کیونکہ اس کے برعکس احتمال بھی موجود ہے' حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ارشاد ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ: ۳۰) اور حضرت آدم کو تمام روئے زمین کے لیے خلیفہ بنایا گیا تھا کسی خاص علاقے کے لیے نہیں اور وہی الارض کا لفظ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں بھی ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح: ۲۶) تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں بھی الارض سے عموم ہی مراد ہو!

علامہ آلوسی کی عبارت پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں اور امام رازی کی جو عبارت پیر صاحب نے نقل کی ہے وہ ان کو مفید نہیں ہے کیونکہ امام رازی نے لکھا ہے کہ اس وقت جتنے بھی حیوان موجود تھے ان سب کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیں۔ اور اس وقت کے حیوانوں کا کشتی میں رکھنا یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ طوفان تمام روئے زمین پر آتا تھا۔ ورنہ امام رازی یوں لکھتے کہ اپنے مخصوص علاقے کے تمام حیوانوں کو کشتی میں رکھ لیں' شاید اسی لیے پیر صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: اور ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو' وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں' سو تم اللہ سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ صاف صاف پیغام پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے O (العنکبوت: ۱۸۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فرائض پر عمل کرنے اور اس کو سجدہ کرنے سے اس کا قرب حاصل ہونا

اس سے پہلی دو آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا اجمالی ذکر فرمایا تھا' انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا وہ مسلسل ساڑھے نو سو سال تک ان کو تبلیغ کرتے رہے اور جب اس کے بعد بھی ان کی قوم کے سرکش ظالموں نے اثر قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک عالم گیر طوفان کا عذاب بھیجا' اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا اجمالی ذکر فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو حکم دیئے ایک یہ کہ اللہ کی عبادت کرو' دوسرا یہ کہ اس سے ڈرتے رہو' "اللہ کی عبادت کرو" اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات ہے اور "ڈرتے رہو" میں اس کا شریک بنانے کی ممانعت ہے' یا یہ کہ پہلے حکم میں فرائض اور واجبات پر عمل کرنے کا حکم ہے اور دوسرے حکم میں محرمات اور مکروہات کے ارتکاب کی ممانعت ہے۔

اور فرمایا یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اس کا قرب حاصل ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹) اور ''سجدہ کر اور (اللہ کے) قریب ہو جا'' اور اللہ کے قریب ہونے سے بڑھ کر کون سا نفع ہے! حدیث میں ہے:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ کسی چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا زیادہ قرب میری فرض کی ہوئی چیزوں پر عمل کر کے حاصل کرتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۲' مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶' مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۰۷۱' دار الحدیث' قاہرہ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۰۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے' سو تم بہ کثرت دعا کرو۔ (یعنی سجدہ میں)

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۸۷۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۱۳۷)

مشرکین کا رد فرمانا

اس کے بعد فرمایا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کی بت پرستی کا رد فرمایا کیونکہ انسان کسی کی عبادت کسی نفع کی توقع پر کرے گا یا کسی خوف کی وجہ سے' اور پتھر کے بے جان بت کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ان کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھنا صریح جھوٹ ہے۔ اور فرمایا وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں تو پھر ان کی عبادت کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا! اس کے بعد فرمایا: سو تم اللہ سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ یعنی ہر قسم کا رزق اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لیے اس سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم تکذیب کرو (تو کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے تو صرف حضرت نوح علیہ السلام کی امت گزری ہے پھر حضرت ابراہیم کا یہ فرمانا کس طرح درست ہوگا کہ تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح سے پہلے حضرت ادریس کی امت گزر چکی ہے' اور حضرت شیث کی قوم گزر چکی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے کئی نبی اور کئی ان کی امتیں گزر چکی ہوں گی کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے ہیں اور قرآن اور حدیث میں ہم سے صرف چند نبیوں کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن:۷۸)

بے شک ہم آپ سے پہلے بہت رسول بھیج چکے ہیں' جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور بعض کے واقعات آپ سے بیان نہیں کیے۔

قرآن مجید میں صرف پچیس انبیاء اور رسل کا ذکر ہے اور جن کا ذکر نہیں فرمایا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا' پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا بے شک یہ اللہ پر آسان ہے O آپ کہیے کہ تم زمین میں سفر کرو پس غور کرو کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے' پھر اللہ دوسری بار نئی پیدائش کرے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں' اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O (العنکبوت:۲۲۔۱۹)

حشر کا ثبوت اور عذاب اور ثواب کا بیان

انما تعبدون من دون اللہ العنکبوت: ۱۷ سے الوہیت کو ثابت فرمایا اور وما علی الرسول الا البلاغ العنکبوت: ۱۸ سے رسالت کو ثابت فرمایا اور اب اولم یروا کیف یبدیء اللہ الخلق العنکبوت: ۱۹ سے حشر ونشر اور آخرت کو ثابت فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا' اس پر اعتراض ہے کہ لوگوں نے کب دیکھا ہے اور کب مشاہدہ کیا ہے کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو بداہۃً معلوم ہے کہ اس مخلوق کو ابتداءً کسی مخلوق نے پیدا نہیں کیا کیونکہ مخلوق تو خود اپنے وجود اور ظہور میں کسی خالق کی محتاج ہے' اور ضروری ہے کہ اس مخلوق کا خالق ممکن اور حادث نہ ہو' کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے حدوث میں کسی محدث کا محتاج ہوتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس کا خالق واجب اور قدیم ہو اور وہی اللہ ہے اور یہ اتنا جلی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مشاہدہ اور دیکھنے سے تعبیر فرمایا' اور جب لوگ بداہۃً یہ جانتے ہیں کہ ابتداءً اس مخلوق کو پیدا کرنے والا اللہ ہے' تو پھر دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیوں مستبعد جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ابتداءً پیدا کیا تو وہ اس کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو رہ نمائی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آفاق میں جو نشانیاں پیدا کی ہیں ان پر غور کرو' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا ان میں ساکن اور متحرک ستارے بنائے اور زمینوں کو پیدا کیا ان میں پہاڑوں' وادیوں' دریاؤں اور سمندروں کو پیدا کیا' درختوں کو پیدا کیا' کھیتوں اور باغات کو پیدا کیا اور یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا خالق ان کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور اس نے ان چیزوں کو پیدا کرنے کے لیے صرف لفظ کن فرمایا تو جو ایک لفظ "کُنْ" سے اتنی عظیم کائنات پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ اسی لفظ "کُنْ" سے ایسی ہی کائنات دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

اور فرمایا وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے۔ یعنی وہ حاکم مطلق ہے وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے سب اس کے بندے اور مملوک ہیں اس کے فیصلہ اور تصرف پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو ضرور عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲)

اس آیت میں عذاب دینے کے ذکر کو رحم فرمانے کے ذکر پر مقدم کیا ہے حالانکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کرتی ہے۔ (مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۶' مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ المدینۃ المنورۃ)

چونکہ ان آیات میں کفار سے خطاب ہو رہا ہے اس لیے اس مقام پر عذاب کا ذکر رحمت کے ذکر پر مقدم فرمایا اور اس سے بھی کہ گناہ کرنے والے مسلمان اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز آ جائیں اور اس کی رحمت کی امید پر نیک کام کریں۔ یہاں پر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ گناہوں پر عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور نیکیوں پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں۔

اس سے پہلے کفار کو عذاب دینے کا ذکر فرمایا تھا اور عذاب سے نجات یا تو اس طرح ہو سکتی ہے کہ انسان عذاب دینے والے کی پہنچ سے بھاگ جائے اور اس کی گرفت سے باہر نکل جائے اور یا اس سے مقابلہ کر کے اس کو زیر کر دے' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صورتوں کا رد فرما دیا کہ تم اس سے بھاگ کر کہیں زمین میں جا سکتے ہو نہ آسمان میں اور نہ تم طاقت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روک سکتے ہو' کیونکہ اس کے مقابلہ میں تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ

اور ان لوگوں کے لیے درد ناک عذاب ہے ۞ سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس

اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ

کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو' تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا'

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ

بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۞ اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے'

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ

پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت

وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ

کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ۖ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

وقف لازم

مددگار نہ ہو گا ۞ سو لوط ان پر ایمان لائے اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف

إِلَىٰ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ إِسْحٰقَ

ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہی بہت غلبے والا ہے بڑی حکمت والا ہے O اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق

وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے

وَاٰتَيْنٰهُ أَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ

ان کو اس دنیا میں انؑ کا اجر دے دیا اور بے شک وہ آخرت میں

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ إِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

نیکو کاروں میں سے ہیں O اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک تم بے حیائی کا

الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O

أَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ

کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور راستے منقطع کرتے ہو اور تم اپنی

فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ إِلَّاۤ أَنْ قَالُوا

عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو! تو ان کی قوم کا صرف

ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ

یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں O لوط نے دعا کی کہ

انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ / ۸ / ۱۵

اے میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی

زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے' پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا O (العنکبوت: ۲۵۔۲۳)

توحید' رسالت اور آخرت کے عقائد کی تعلیم کے بعد ان کو تاکیداً دہرانا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ ہی کا ایک حصہ ہے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے پھر اپنی رسالت کو بیان فرمایا اور پھر حشر و نشر اور حیات بعد الموت کا ذکر فرمایا۔ اور اب اس آیت سے انہوں نے توحید اور آخرت کے ذکر کو پھر دہرایا اور جو کفار اس میں ان کی مخالفت کر رہے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا' آیتوں سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان کا انکار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر جو دلائل قائم فرمائے تھے ان کا انکار کیا' اور اللہ سے ملاقات کا انکار کیا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جانے کا انکار کیا' وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے یعنی وہ میرے رب کی رحمت سے مایوس ہو گئے' کیونکہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت مؤمنوں پر بھی ہے اور کافروں پر بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنوں پر ہوگی کافروں پر نہیں ہوگی' سو آخرت میں کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے' ہر چند کہ ان کا مایوس ہونا آخرت میں متحقق ہوگا لیکن اس کا وقوع اور تحقق یقینی ہے اس لیے فرمایا وہ میری رحمت سے یعنی میرے رب کی رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ العنکبوت: ۱۶ سے العنکبوت: ۲۵ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب کو نقل فرمایا ہے اور درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بہ طور جملہ معترضہ نقل فرمایا سو العنکبوت: ۲۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کو نقل نہیں فرمایا بلکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

جو لوگ دلائل سے لاجواب ہو جائیں وہ دھمکیوں پر اتر آتے ہیں

اس کے بعد فرمایا: سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو۔

جو شخص کسی شخص کے دلائل کا معقولیت کے ساتھ جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سے اس کا یہی طریقہ رہا ہے کہ پھر وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے اسی طرح جب فرعون حضرت موسیٰ کے دلائل سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا تھا:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ O (الشعراء: ۲۹)

فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو' اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک فریق دوسرے فریق کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتا تو وہ گالیوں اور کوسنوں پر اتر آتا ہے' ہمارے زمانہ میں بعض انتہا پسند علماء کسی فرعی مسئلہ میں اپنے نظریہ سے دلائل کے ساتھ اختلاف کرنے والے عالم کو کافر' مرتد' جہنمی یا دیو بندی' وہابی اور ناصبی وغیرہ کہنے سے نہیں چوکتے' خود مصنف حق بیان کرنے کی پاداش میں اس قسم کی دشنام کی ہدف بنتا رہا ہے اور ان کے فتووں کے تیروں سے گھائل ہوتا رہا ہے اور ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہے' حضرت ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے بعض مسائل میں علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ سے اختلاف کیا تو اس پر ان کے زمانہ میں ان پر تبرا کیا گیا۔

حضرت عمر اس کے قائل تھے کہ میت پر رونے اور ماتم کرنے کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ نے اس کا رد کیا اور فرمایا کسی کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا قرآن مجید میں ہے:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی. (الانعام:۱۶۴) کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس کی شرح میں ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد دلیل کے تابع ہوتا ہے اور دلیل کی بنا پر وہ دوسرے کو خطاء پر قرار دے سکتا ہے خواہ وہ علم میں اس سے زیادہ اور بڑا ہو' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم میں حضرت عائشہ سے بڑے تھے اور علامہ ابن حجر کی اس عبارت میں اس پر صریح دلیل ہے اور بعض شافعی مقلدین جو تقلید کی پستی سے نہیں نکلے اور تحقیق کی بلندی کی طرف نہیں آئے انہوں نے جب دیکھا کہ ہم نے علامہ ابن حجر مکی کے بعض کمزور دلائل کا رد کیا تو انہوں نے کہا تم جیسے شخص کے لیے علامہ ابن حجر ایسے شخص کا رد کرنا جائز نہیں ہے جو ائمہ اعلام کے نزدیک علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے اور تمام لوگوں کا مفتی ہے۔ (مرقات ج ۴ ص ۱۰۰' مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا

اس کے بعد فرمایا تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا۔ یہ آیت اس آیت کے موافق ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (الانبیاء:۶۹) ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مخالفین پر اپنی حجت تمام کر دی اور ان کی گم راہی اور جہالت کو اس طرح ظاہر کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کی تیاری شروع کر دی' آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم کو پھینکا گیا' پس اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جا' اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈک کے ساتھ سلامتی والی نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی' اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہت بڑا معجزہ ظاہر فرمایا کہ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی آگ چشم زدن میں گل و گلزار بن گئی' اس کی مکمل تفسیر الانبیاء:۶۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طوفان کے بعد ٹھہرنے کا ذکر فرمایا تھا وہاں پر فرمایا تھا اس میں تمام جہان والوں کے لیے نشانیاں ہیں (العنکبوت:۱۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سالہا سال تک جودی پہاڑ پر ٹھہری رہی تھی اور اس کو بے شمار لوگوں نے دیکھا تھا اس کے برخلاف وہ آگ تو فوراً ٹھنڈی ہو گئی تھی اور اس سے صرف وہی لوگ متاثر ہوئے تھے جو اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کی تصدیق کر چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اللہ پر ایمان کی وجہ سے ان پر آگ ٹھنڈی کر دی' اور مومنوں کے لیے فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ. (الممتحنہ:۴) تمہارے لیے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے۔

سو مومنوں کو امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیں گے' مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ کے مطابق زندگی گزاریں تا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور جس طرح حضرت ابراہیم پر دنیا کی آگ ٹھنڈی کی تھی ان کے متبعین اور ان کے نمونہ کے مطابق زندگی گزارنے والوں پر آخرت کی

آگ ٹھنڈی فرمادے۔

عقائد میں اندھی تقلید کا مذموم ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے بت پرستوں کے مذہب کا فساد اور بطلان ظاہر کر دیا اور ان کی جلائی ہوئی آگ سے صحیح اور سلامت نکل آئے تو اس کے بعد فرمایا:

اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنایا ہے۔ (العنکبوت:۲۵)

یعنی تم کسی دلیل کی بناء پر ان بتوں کی پرستش نہیں کر رہے' بلکہ اپنے آباء واجداد اور دوستوں اور ساتھیوں کی اندھی تقلید میں ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو' تمہارے دوستوں' رشتہ داروں اور بڑوں کی عبادت کا جو طریقہ ہے تم اس سے سرمو منحرف ہونا نہیں چاہتے اس لیے تم ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو یہ تمہارے قومی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور باہمی دوستی کی بنیاد ہیں اور تم نے محض دنیاوی دوستی کی خاطر دلیل اور حجت کی پیروی کو ترک دیا ہے' پھر فرمایا:

پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (العنکبوت:۲۵)

جس دوستی اور محبت کی وجہ سے دنیا میں بتوں کی عبادت کی تھی قیامت کے دن وہ محبت اور دوستی زائل ہو جائے گی اور تم پر حقیقت واضح ہو جائے گی' اس دن بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں کے متعلق کہیں گے یہ ہمارے معبود نہیں ہیں ان کا انکار کریں گے اور ان پر لعنت کریں گے اور بت کہیں گے یہ ہمارے عبادت گزار نہیں ہیں ہم نے ان سے عبادت کرنے کے لیے نہیں کہا تھا' عبادت کرنے والے کہیں گے ان بتوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' بت کہیں گے ان کے عبادت کرنے کی بناء پر ہم کو دوزخ میں ڈالا گیا ہے' وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

آیت کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ بت پرستوں نے بتوں کی محبت کی وجہ سے ان کی عبادت کی تھی کیونکہ ان پر جسمیت غالب تھی وہ چاہتے تھے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کا جسم ہو جوان کو دکھائی دے اور ان کو نظر آئے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ عبادت اس کی کرنی چاہیے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں بلکہ وہ یہ جانتے تو تھے لیکن مانتے نہیں تھے' ان پر آباء واجداد کی اندھی تقلید غالب تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو لوط ان پر ایمان لائے' اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بے شک وہ بہت غلبہ اور بڑی حکمت والا ہے O اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے ان کو اس دنیا میں ان کا اجر دے دیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہیں O (العنکبوت:۲۷۔۲۶)

حضرت لوط اور حضرت سارہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن هاران بن آزر (تارخ)' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوگئی تو ان کا یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط ان کی نبوت پر ایمان لے آئے' اور حضرت سارہ ان کی عم زاد بہن تھیں وہ بھی اس معجزہ کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح بھی کر لیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۵۰' تفسیر ثعلبی ج ۷ ص ۲۷۶)

حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور نبی پیدائشی مومن اور موحد ہوتا ہے' حضرت لوط علیہ السلام کا اللہ کی توحید پر تو

پہلے ہی ایمان تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ان کی نبوت اور رسالت پر ایمان لائے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا اہم واقعہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ اس کا معنی ہے میں اپنے رب کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں' علامہ ثعالبی اور علامہ قرطبی وغیرہما نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھتر سال کی عمر میں ہجرت کی تھی۔

حضرت ابراہیم جب اپنے وطن کے لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر آپ نے ہجرت فرمائی' آپ کا وطن کوفہ کے مضافات میں تھا اس کا نام کوثی تھا وہاں سے آپ نے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم نے جب ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط بھی تھے اور ان کی عم زاد حضرت سارہ بھی تھیں جس سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا' وہ پہلے جران میں گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے مصر میں پہنچے وہاں فراعنہ مصر میں سے ایک فرعون تھا۔ اور حضرت سارہ آپ کی حکم عدولی نہیں کرتی تھیں اسی وجہ سے اللہ نے ان کو عزت دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۲۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے دو ان میں سے اللہ کے لیے تھے ایک ان کا یہ قول ہے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصّٰفّٰت: ۸۹) (میں بیمار ہوں) دوسرا ان کا یہ قول ہے: بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء: ۶۳) (بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے) ایک دن وہ اور سارہ سفر کر رہے تھے' وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے' اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوا کر پوچھا یہ عورت کون ہے' حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے' پھر حضرت سارہ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے سارہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتا دیا تھا کہ تم میری بہن ہو سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔ الحدیث (یعنی تم میری دینی بہن ہو)

بہ ظاہر یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس وقت حضرت لوط بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور دیگر احادیث میں ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ سفر کر رہے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا شوہر اور بیوی کا اور کوئی جوڑا مومن نہیں ہے' اس لیے اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کا بھی مومن ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس خاص علاقہ میں ان کے ساتھ حضرت لوط نہیں تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے۔ بقیہ حدیث اس طرح ہے: اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا' جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا' اس نے حضرت سارہ سے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا' حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا' اس نے کہا تم اللہ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا' حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا' پھر اس نے اپنے بعض پہرے داروں کو بلایا اور ان سے کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو' پھر اس نے حضرت سارہ کو حضرت ھاجر بہ طور خادمہ دے دی وہ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اشارے سے کہا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود

اس پر الٹ دیا اور اس نے ھاجَر بہ طور خادمہ ہدیہ کر دی حضرت ابو ہریرہ نے کہا اے زمزم کے بیٹو وہ تمہاری ماں ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶)

حضرت ابراہیم کی طرف جھوٹ کی نسبت کی توجیہ اور دیگر مسائل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جن اقوال پر جھوٹ کا اطلاق فرمایا ہے وہ محض صوری اور ظاہری ہے، حقیقت میں ان میں سے کوئی قول جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نے جو فرمایا تھا میں بیمار ہوں اس کا محمل یہ ہے کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا کیونکہ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی بیماری آتی ہے، اور انہوں نے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اس کی خدائی کو باطل کرنے کے سبب سے چھوٹے بتوں کو توڑا تھا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس کے سامنے ان تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور یہ ان کا دفاع نہیں کر سکا، اور انہوں نے اپنی بیوی سارہ کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔ اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ظلم سے بچنا جھوٹ بولنے پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے، مثلاً کسی کے پاس کسی شخص کی امانت رکھی ہو اور ظالم اس امانت کو غصب کرنے کے لیے اس سے طلب کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بول کر کہے مجھے پتا نہیں وہ کہاں رکھی ہے بلکہ وہ اس پر حلف بھی اٹھالے۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بیوی کو بہن کہنے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا اور طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن بلاضرورت بیوی کو بہن کہنا یا بلا تاویل اس کو بہن کہنا جھوٹ ہے اور گناہ ہے۔ یہ ظالم بادشاہ مصر کے فراعنہ میں سے پہلا فرعون تھا اور بہت عرصہ تک زندہ رہا، بعض احادیث میں ہے کہ جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ زمین میں دھنس گیا اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا پورا ہاتھ سینہ تک سوکھ گیا تھا۔

ھاجَر سریانی لفظ ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان کے والد قبط کے بادشاہوں میں سے تھے ان کا وطن مصر کا ایک علاقہ تھا جس کو حفن کہا جاتا ہے۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کو ہدیہ میں حضرت ھاجَر بہ طور خادمہ دی اور انہوں نے قبول کیا اس سے معلوم ہوا کہ مشرک سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت سارہ نے اس کے خلاف دعا کرنے سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں بھی وضو کرنا مشروع تھا اور یہ کہ جب انسان پر کوئی ناگہانی آفت یا مصیبت آئے تو وہ نماز کی پناہ میں آئے، اور یہ کہ جب انسان اخلاص کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ظالم سے نجات دیتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت سارہ کی کرامت کا ثبوت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۴۵۔۳۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی خبر پہنچنے میں دیر ہو گئی، پس قریش کی ایک عورت نے آپ کے پاس آ کر کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ کے داماد کو ایک خاتون کے ساتھ دیکھا ہے، آپ نے پوچھا کس حال میں دیکھا؟ اس نے کہا میں نے ان کو ایک دراز گوش پر دیکھا جو سست روی سے جا رہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کی رفاقت کو قائم رکھے بے شک حضرت لوط کے بعد حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۴۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱۔۸۰)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان، رقیہ اور حضرت لوط کے

درمیان کوئی مہاجر نہیں تھا' یعنی حضرت عثمان اور رقیہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۲۸۱)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عثمان بن خالد العثمانی متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی اتباع کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی نعمت عطا کی ان کو دو بیٹے عطا فرمائے حضرت اسماعیل جو حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوئے اور حضرت اسحاق جو حضرت سارہ سے پیدا ہوئے' اور ان کے بیٹے کو بیٹا عطا فرمایا اور حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء ان ہی کی نسل سے پیدا ہوئے' پھر فرمایا ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء ان ہی کی صلب سے پیدا ہوئے' بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحاق کی صلب سے پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل کی صلب سے ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کی اولاد میں کتاب کو رکھ دیا اس سے مراد تورات' زبور' انجیل اور قرآن مجید ہے' تورات ان کی اولاد میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور زبور ان کی اولاد میں سے حضرت داؤد پر نازل ہوئی' اور انجیل ان کی اولاد میں سے حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی اور قرآن مجید ان کی اولاد میں سے ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کو اس دنیا میں اس کا اجر دے دیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو دو قسم کے اجر عطا فرمائے' ان کو ظالموں سے نجات عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں انبیاء بنائے اور ان انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے نیکو کاروں کی تمام نیکیوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی آخرت میں اجر ملے گا' اور مزید یہ فرمایا کہ ان کا شمار آخرت میں صالحین میں ہوگا۔

ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کے طریقہ پر اتباع کی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور راستے منقطع کرتے ہو اور تم اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو! تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں O لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما O (العنکبوت: ۳۰-۲۸)

قوم لوط کا راستوں کو منقطع کرنا

سورۃ الاعراف: ۸۴-۸۰ اور سورۃ ھود: ۸۳-۷۷ میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۹-۲۱۳' اور تبیان القرآن ج ۵ ص ۶۰۴-۵۹۷' ان آیات کی مختصر تفسیر اس طرح ہے:

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O

ان کی قوم اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے اپنی عورتوں سے مباشرت کرنے کے بجائے مردوں سے عمل معکوس اور خلاف فطرت کام کرتی تھی۔

نیز فرمایا: اور راستے منقطع کرتے ہو' اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ آنے جانے والوں مسافروں اور اجنبی لوگوں کو زبردستی پکڑ

پکڑ کر یہ بے حیائی کا کام کرتے تھے' جس کی وجہ سے لوگوں کا سفر کرنا اور راستوں سے گزرنا مشکل ہو گیا تھا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے تھے' اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ مسافروں کو لوٹ لیتے تھے' ان کو قتل کر دیتے تھے اور از روئے شرارت ان پر کنکر مارتے تھے' اور اس کی تیسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ برسر راہ یہ عمل کرتے تھے پس لوگ وہاں سے گزرنے میں شرم محسوس کرتے تھے تو اس طرح انہوں نے راستے بند کر دیئے تھے اور اس کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے تو گویا انہوں نے افزائش نسل کا راستہ منقطع کر دیا تھا اور وہ مردوں کی وجہ سے عورتوں سے مستغنی ہو گئے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ چاروں وجوہ متحقق ہوں اور اس وجہ سے انہوں نے راستے منقطع کر دیئے تھے۔

قوم لوط کا برسر مجلس بے حیائی کے کام کرنا

اور فرمایا تم اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کے کام کرتے ہو۔ اس کی تفسیر میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **وتاتون فی نادیکم المنکر** العنکبوت: ۲۹ کی تفسیر میں فرمایا وہ زمین (سے گزرنے) والوں پر کنکر مارتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۱' المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۱۰۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۰۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم لوط کے لوگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور ہر ایک کے سامنے کنکریوں سے بھرا ہوا ایک پیالہ ہوتا تھا جو شخص راستہ سے گزرتا وہ اس پر کنکر مارتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنکر مارنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس سے دشمن ہلاک ہوتا ہے نہ شکار ہوتا ہے لیکن اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۴' الکشف والبیان للثعلبی ج ۵ ص ۵۴)

علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی مالکی متوفی ۸۷۵ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا ان کے مرد مردوں کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بدکاری کرتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنی مجالس میں گوز لگاتے تھے اور ایک دوسرے کو تھپڑ مارتے تھے۔

(الجواہر الحسان للثعالبی ج ۴ ص ۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا وہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔

مکحول نے کہا قوم لوط کے اخلاق میں سے یہ چیزیں تھیں وہ دنداسہ چباتے تھے' انگلیوں پر مہندی لگاتے تھے' تہبند کھول دیتے تھے' سیٹیاں بجاتے تھے اور ہم جنس پرستی کرتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۶-۵۵۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے' ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے' مجلس میں گوز لگاتے تھے' گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے' چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے' رنگدار کپڑے پہنتے تھے' مرغ لڑاتے تھے' مینڈھے لڑاتے تھے' انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے' مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں' ہر گزرنے والے سے ٹیکس لیتے تھے' ان تمام کاموں کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے' اور ہم جنس پرستی کی ابتداء سب سے پہلے ان میں ہوئی تھی' جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان برے کاموں سے منع کیا تو انہوں نے کہا آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں۔ اور انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو حضرت لوط علیہ السلام کے دعویٰ رسالت کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا' پھر حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس عذاب کے فرشتے بھیج دیئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۴-۳۰۳' دار الکتاب العربی' جز ۱۳ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے ' تو انہوں نے کہا ہم بے شک اس بستی والوں کو

مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚۖ ﴿۳۱﴾

ہلاک کرنے والے ہیں ' یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں O

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ وقفۃ

ابراہیم نے کہا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں ' فرشتوں نے کہا ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ہیں ' ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہ جانے والوں میں سے ہے O

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کو فرشتوں کا آنا ناگوار ہوا ' اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا '

ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ

فرشتوں نے کہا آپ نہ خوف کریں اور نہ غمگین ہوں ' یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو (عذاب سے) بچانے

اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ

والے ہیں سوا آپ کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے O بے شک ہم اس بستی والوں پر

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے O

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِلٰى

اور بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے (عبرت کی) واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا O اور ہم نے

مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا ' انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو

وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٣٦﴾

اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں

جٰثِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ

کے بل پڑے رہ گئے ○ اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا، اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت بنا دیا تھا سو ان کو صراط مستقیم (پر چلنے) سے روک

وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ

دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے ○ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہلاک کر دیا، اور بے شک ان کے پاس

جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا

موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے پس انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم پر سبقت

سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

کرنے والے نہ تھے ○ سو ہم نے ہر ایک (سرکش) کی اس کی سرکشی پر گرفت کی تو ہم نے ان

حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

میں سے بعض پر پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان

بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ

میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے

وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے ○ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ

اور مددگار بنا لیے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا' اور بے شک

اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ وقف لازم

سب سے کمزور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے' کاش یہ لوگ جانتے ○

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ

بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا

اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں' اور ان مثالوں

يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کو صرف علماء سمجھتے ہیں ○ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا' بے شک

بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع ع ٤ ١٦

اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا ہم بے شک اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں ○ ابراہیم نے کہا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں' فرشتوں نے کہا ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں' ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے ○ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کو فرشتوں کا آنا ناگوار گزرا' اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا' فرشتوں نے کہا آپ نہ خوف کریں اور نہ غمگین ہوں' یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو (عذاب سے) بچانے والے ہیں سوا آپ کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے ○ بے شک ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے ○ بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے عبرت کی واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا ○ (العنکبوت: ٣٥-٣١)

قوم لوط پر نزول عذاب کا پس منظر و پیش منظر

وہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس حضرت سارہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہونے کی بشارت لے کر آئے تھے' اثناء گفتگو میں انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں' اس بستی کا نام سدوم تھا' اور یہ قوم لوط کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی تھی اور مردم پرستی اور مردوں کے ساتھ بے حیائی کا سب سے پہلے اسی بستی میں ظہور ہوا تھا' فرشتوں نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بستی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بستی اس بستی کے نزدیک تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں' یہ ان کی حضرت لوط پر کمال شفقت تھی' وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ نزول عذاب کے وقت حضرت لوط اسی بستی میں ہوں گے یا پہلے ان کو اس بستی سے نکال لیا جائے گا پھر اس بستی پر عذاب نازل کیا جائے گا۔

اس بستی والوں سے مراد وہ لوگ تھے جو اس بستی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت لوط اور ان کے گھر والے دوسرے علاقہ سے آ کر اس بستی میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور جو لوگ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ بھی ان کے اہل اور گھر والوں میں شامل تھے۔

قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو منع کیا تھا کہ وہ کسی مہمان کو اپنے گھر میں نہ ٹھہرائیں اور جب فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں ان کے ہاں بہ طور مہمان آ گئے تو حضرت لوط علیہ السلام پریشان ہو گئے' ادھر ان کی قوم کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر خوب صورت بے ریش لڑکے آئے ہیں انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر دھاوا بول دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کر لو مگر ان کی قوم اپنے مطالبہ پر بضد رہی' تب فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا: ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ ہمارے متعلق پریشان نہ ہوں یہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے' فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں' ماسوا آپ کی بیوی کے کیونکہ وہ کافرہ ہے۔ ادھر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر کے اندر داخل ہو گئے فرشتوں نے ان پر اپنے پر مارے تو وہ اندھے ہو گئے اور چیختے چلاتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے اور جیسے ہی صبح ہوئی تو ان کو عذاب نے آ لیا۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر اس بستی کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں اور کنکریوں کو برسایا۔ زمین کو ان کے اوپر اس لیے پلٹ دیا کیونکہ یہ بھی شہوت رانی کے وقت لڑکوں کو پلٹ دیتے تھے اور ان پر کنکریاں اس لیے برسائیں کیونکہ یہ بھی لوگوں کو کنکر مارتے تھے' اور فرمایا بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے (عبرت کی) واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد ان کے ویران اور اوندھے گرے ہوئے مکانوں کے کھنڈرات ہیں' مجاہد نے کہا اس سے مراد سیاہ پانی ہے جو زمین میں نکل آیا تھا' قتادہ نے کہا اس سے مراد ان پر برسائے ہوئے پتھر ہیں اور اس امت کے بعض متقدمین کو وہ پتھر ملے بھی تھے' ابوسلیمان الدمشقی نے کہا اب بھی ان کے گھروں کی بنیادیں اوپر ہیں اور چھتیں نیچے ہیں۔

آیا جنت میں عمل قوم لوط ہوگا یا نہیں؟

ان آیات میں عمل قوم لوط کی قباحت اور مذمت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے' اور اس کی بھی تصریح ہے کہ اس کی حرمت زنا سے زیادہ ہے' شرح المشارق میں مذکور ہے کہ یہ عمل عقلاً شرعاً اور طبعاً حرام ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد اس لیے واجب نہیں ہے کہ ان کو اس پر دلیل نہیں ملی' یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک یہ زنا سے کم گناہ ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اس پر تغلیظاً حد نہیں ہے کیونکہ حد گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ جنت میں یہ فعل ہوگا یا نہیں؟ علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے کہا اگر اس کی حرمت عقلاً اور شرعاً

ہے تو یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا اور اگر اس کی حرمت فقط شرعاً ہو تو پھر یہ فعل جنت میں ہو سکتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مستبعد اور قبیح قرار دیا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (العنکبوت: ۲۸) بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو خبیث فرمایا كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ (الانبیاء: ۷۴) اس بستی کے لوگ خبیث کام کرتے تھے اور جنت خبیث کاموں سے منزہ ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ حموی نے اس دلیل پر اعتراض کیا ہے کہ کسی چیز کا خبیث ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ جنت میں اس کا وجود نہ ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ خمر (انگور کی شراب) دنیا میں ام الخبائث ہے اس کے باوجود خمر جنت میں ملے گی اور اس میں بحث ہے کیونکہ خمر کا خبث دنیا میں اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے اور عقل ہی ہر برے کام سے روکتی ہے اور جنت کی خمر میں یہ وصف نہیں ہوگا اور قوم لوط کا یہ فعل اس طرح نہیں ہے۔

جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر علامہ آلوسی کے دلائل

الفتوحات المکیہ میں یہ لکھا ہوا کہ اہلِ جنت کی صفت یہ ہے کہ ان کی دُبُر (سرین) نہیں ہوگی کیونکہ دُبُر پاخانہ نکلنے کا راستہ ہے اور جنت نجس چیزوں کا محل نہیں ہے اس بناء پر جنت میں اس فعل کا نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور میرا گمان نہیں ہے کہ کوئی سچا اور غیور آدمی جنت میں یہ فعل چھپ کر یا ظاہراً کروائے گا اور اگر اس فعل کے وقوع کو ممکن مانا جائے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ جب کسی شخص کو اس فعل کے کرنے کی خواہش ہو دوسرا شخص خوشی سے یہ کام کروائے یا وہ شخص جبراً اس کے ساتھ یہ کام کرے اور کوئی غیور شخص خوشی سے تو یہ فعل کرائے گا نہیں اور جنت میں کسی پر جبر ہو نہیں سکتا ہر چند کہ یہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر قطعی دلیل نہیں ہے مگر اس سے عدم وقوع کا قول مستحکم ہوتا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۲۴۴-۲۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع کی قطعی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل ناجائز اور حرام ہے اور تمام ناجائز اور حرام کاموں کی تحریک اور ترغیب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ لعین اس وقت دوزخ میں ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱) اور جنت میں تم کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قبیح اور غیر فطری فعل کی خواہش فساق اور فجار کرتے ہیں اور جنت میں فساق اور فجار نہیں ہوں گے بلکہ پاک صاف اور نیک لوگ ہوں گے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ہر جائز خواہش اور ہر جائز طلب پوری کی جائے گی اور اگر اس کو عموم پر محمول کیا جائے کہ ان کی ہر خواہش پوری ہوگی خواہ جائز ہو یا ناجائز تو اگر بالفرض کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ جنت میں اس کا مقام نبی کے مقام سے بڑھ کر ہو یا یہ خواہش کرے کہ اولیاء اور انبیاء کی ازواج مطہرات اس کو مہیا کی جائیں (العیاذ باللہ) تو کیا اس کی یہ ناپاک خواہشیں پوری کی جائیں گی اس لیے ماننا پڑے گا کہ جنت میں صرف جائز خواہش پوری کی جائے گی اور یہ فعل جائز نہیں ہے بلکہ ناجائز اور حرام ہے اس لیے اوّلاً تو یہ ناجائز خواہش کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوگی اور ثانیاً بالفرض اگر کسی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو بھی تو اس کو پورا نہیں

کیا جائے گا اور یہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع کی قطعی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھروO پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلہ نے پکڑ لیا' سو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئےO (العنکبوت: ۳۷۔۳۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنا

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیل الاعراف: ۹۳۔۸۵ اور ھود: ۹۵۔۸۴ میں گزر چکی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۳۰۔۲۲۰ اور تبیان القرآن ج ۵ ص ۶۱۴۔۶۰۴۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا تم صرف ایک اللہ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرو' اور روزِ قیامت کی توقع رکھو کیونکہ اس دن نہایت ہولناک امور پیش آئیں گے اس دن کے دہشت ناک حوادث کو دیکھ کر حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے' اس دن ہر شخص اپنے انجام کے متعلق فکر مند اور خوف زدہ ہوگا' سو تم ایسا نیک عمل کرو جو تمہیں اس دن کی ہولناک پریشانیوں سے نجات دے اور اللہ کے عذاب سے بچائے اور تمہیں جنت کے ثواب تک پہنچائے' اور تم اپنی موت کے دن کو یاد رکھو' اور ناپ اور تول میں کمی کر کے اس دن کی مشکلات میں اضافہ نہ کرو' عثو اور فساد عربی میں دونوں کا معنی زمین میں فتنہ اور بغاوت کرنا ہے اور یہاں تاکیداً دونوں لفظ ذکر کیے ہیں کیونکہ بعض فساد میں اصلاح بھی مضمر ہوتی ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا تھا یا ایک لڑکے کی گردن توڑ دی تھی یا جیسے ڈاکٹر اور سرجن کسی عضو کو کاٹ دیتا ہے کیونکہ ایک عضو کو کاٹ دینے میں پورے جسم کی صلاح مضمر ہوتی ہے لیکن ناپ اور تول میں کمی کرنا یہ ایسا فساد ہے جس میں کسی قسم کی خیر اور صلاح نہیں ہوتی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ناپ اور تول میں کمی کرنے اور شرک کرنے سے باز نہیں آئے تو ان پر شدید زلزلہ آیا جس سے ان کے گھر منہدم ہو گئے اور پورا شہر کھنڈر بن گیا۔ اس آیت میں ان کے عذاب کے لیے الرجفة کا لفظ ہے جس کا معنی زلزلہ ہے اور سورۃ ھود میں اس کے لیے الصیحة کا لفظ ہے' جس کا معنی ہولناک چنگھاڑ ہے اور یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی اور ان کی چیخ کے نتیجہ میں زلزلہ پیدا ہو گیا' اور وہ اپنے شہروں میں اور گھرون میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے یعنی وہ اپنے گھروں میں مردہ پڑے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا' اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت بنا دیا تھا سو ان کو صراط مستقیم (پر چلنے) سے روک دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھےO (العنکبوت: ۳۸)

عاد اور ثمود کی ہلاکت

عاد قوم کی بستی حضر موت (یمن) کے قریب ہے اور ثمود کی بستی حجر ہے اس کو آج کل مدائن صالح کہتے ہیں یہ علاقہ حجاز کے شمال میں ہے' عربوں کے لیے ان کی بستیاں انجان نہیں تھیں' ارشاد فرمایا: اور ہم نے (حضرت) ھود (علیہ السلام) کی قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور (حضرت) صالح (علیہ السلام) کی قوم ثمود کو ہلاک کر دیا اور اے اہل مکہ تم نے اپنے سفر کے دوران قوم عاد کے گھروں کے کھنڈرات اور قوم ثمود کے ویران مکانوں کے آثار دیکھے ہوں گے' شیطان نے ان کے کفر اور دیگر ناجائز کاموں کو ان کی آنکھوں میں خوبصورت اور خوش نما بنا دیا تھا اور ان کو اس سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا جس پر چلنا ان پر واجب تھا اور

یہ وہ صراط مستقیم ہے جس کی انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور صرف اس کی اطاعت اور عبادت کریں' حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے' ان میں عقل تھی' غور وفکر کرنے اور نظر اور استدلال کرنے کی صلاحیت تھی' لیکن شیطان کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی بصیرت اور دیگر صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قارون اور فرعون اور ھامان کو ہلاک کر دیا اور بے شک ان کے پاس موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے پس انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم پر سبقت کرنے والے نہ تھے O (العنکبوت: ۳۹)

قارون کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت مال و دولت عطا کیا تھا اس کے خزانوں کی چابیاں ستر خچروں پر لادی جاتی تھیں' یہ اس مال کثیر کی بناء پر متکبر اور مغرور ہو گیا اور اس مال کو اللہ کا عطیہ قرار دینے کے بجائے اپنی ذہانت کا ثمرہ کہتا تھا' یہ فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اسی لیے اس کا فرعون اور ھامان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم قوم اور عم زاد ہونے کے باوجود ان پر حسد کرتا تھا کہ ان کو نبوت کیوں مل گئی اس کے غرور اور تکبر اور حسد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا' اس کی پوری تفصیل القصص: ۸۱۔۷۶ میں گزر چکی ہے۔

فرعون مصر کے ملک کا بادشاہ تھا لیکن اقتدار کے نشہ میں اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا' اس نے بنی اسرائیل کی قوم کو اپنا غلام بنا رکھا تھا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دے کر اس کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی الوہیت کے دعویٰ سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرے' اور بنی اسرائیل کی قوم کو آزاد کرے جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا لیکن فرعون نے غرور اور تکبر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل تبلیغ اور معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لایا بالآخر ایک صبح کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے پورے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا۔ اس کا تفصیلی قصہ کئی بار گزر چکا ہے۔

ھامان فرعون کا وزیر اور اس کا معاون تھا اور جو کسی ظالم اور متکبر کا اس کے ظلم اور اس کی سرکشی میں معاون اور مددگار ہو اس کا انجام بھی اسی کی طرح عبرت ناک ہوتا ہے۔

ان آیات کے ذکر سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ مشرکین کے سردار اور صنادید قریش آپ پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی کیوں بنا دیا' اگر مکہ کے کسی شخص کو نبی بنانا تھا تو جو زیادہ مالدار تھے اور جن کے اعوان اور انصار بہت زیادہ تھے ان میں سے کسی کو نبی بنایا جاتا' ایک غریب گھرانے کے فرد کو کیوں نبی بنایا گیا' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے حسد سے نہ گھبرائیں' قارون بھی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرتا تھا کہ اس جیسے مال دار شخص کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ ایسے تہی دست شخص کو کیوں نبی بنایا' لیکن اس کا حسد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکا بلکہ اپنے بغض وحسد اور غرور اور تکبر کی وجہ سے وہ خود اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو گیا' سو آپ ان کی معاندانہ کارروائیوں اور حاسدانہ سازشوں سے بے فکر اور بے خوف ہو کر اپنے مشن کو جاری رکھیں انجام کار آپ ہی کامیاب اور کامران ہوں گے اور آپ کے مخالفین ناکام اور نامراد ہوں گے۔

قارون کے ذکر کو فرعون اور ھامان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجوہ

قارون کے ذکر کو فرعون اور ھامان کے ذکر پر مقدم کیا کیونکہ فرعون اور ھامان کی بہ نسبت وہ پہلے عذاب میں مبتلا ہوا تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ عاد اور ثمود ارباب بصیرت تھے اس کے باوجود اتباع شیطان کی وجہ سے وہ گمراہ

گئے اسی طرح قارون بھی صاحب بصیرت تھا اور عام بنی اسرائیل کی بہ نسبت تورات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن وہ بھی اتباع شیطان کی وجہ سے گم راہ ہو گیا تھا' یا اس وجہ سے کہ قارون' فرعون اور ھامان سے بہتر تھا کیونکہ وہ بہ ظاہر تورات پر ایمان لے آیا تھا اور تورات کا عالم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' اور اس مقام غضب میں اس کے ذکر کو مقدم کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس قسم کا شرف اور مرتبہ کفر اور شرک کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے نجات نہیں دے سکتا۔ (روح المعانی)

علامہ آلوسی نے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ قارون کے ذکر کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ اس کو فرعون اور ھامان سے پہلے عذاب دیا گیا تھا اس لیے اس کا ذکر ان سے پہلے فرمایا تاکہ ذکر واقع کے موافق ہو' لیکن میرے نزدیک یہ وجہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ قارون تورات کا عالم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق کرنے کے بعد تورات دی گئی تھی۔

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہم پر سبقت کرنے والے نہ تھے' سبقت کا معنی کسی کام کو دوسروں سے پہلے کر لینا یا دوسروں سے بڑھ چڑھ کر' کرنا ہے اس کا معنی ہے تجاوز کرنا' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے متجاوز ہونے والے یا اس سے بچنے والے نہ تھے' علامہ ابوالحیان اندلسی نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ قارون' فرعون اور ھامان دوسری امتوں سے پہلے یا ان سے بڑھ کر کفر کرنے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے ہر ایک (سرکش) کی اس کی سرکشی پر گرفت کی تو ہم نے ان میں سے بعض پر پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے ○ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مددگار بنا لیے' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا' اور بے شک سب سے کم زور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ لوگ جانتے ○ (العنکبوت: ۴۱۔۴۰)

تمام دنیا کے کافروں کو کس کس نوع کے عذاب دیئے گئے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے پاس اپنے رسول بھیجے اور جب انہوں نے اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان کے پہنچائے ہوئے پیغام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کیے' اور یہ آیت اور اس کے بعد والی آیتیں ان آیات سابقہ کا خلاصہ ہیں جو اس سورت میں اور اس سے پہلی سورتوں میں کافروں اور منکروں پر عذاب کرنے کے سلسلے میں بیان فرمائی ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

انسان کو چار عناصر سے پیدا فرمایا ہے آگ' ہوا' پانی اور مٹی اور انسانوں میں سے کافروں اور منکروں پر جو عذاب نازل کیے گئے ہیں وہ بھی ان ہی چار عناصر کی نوع سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حاصب کا ذکر فرمایا یہ آگ میں تپائی ہوئی کنکریاں ہیں جو مجرموں کے اجسام میں نفوذ کر جاتی تھیں اور آر پار ہو جاتی تھیں جیسا کہ قوم لوط پر کنکریاں برسائی گئیں اور اس میں آگ کے عذاب کی طرف اشارہ ہے' اور اللہ تعالیٰ نے الصیحۃ کا ذکر فرمایا اس کے معنی آواز ہے ان کو ہولناک چنگھاڑ سے عذاب دیا گیا اور چیخ و چنگھاڑ دراصل ایک متموج ہوا ہے کیونکہ آواز ایک ہوا کے ساتھ نکلتی ہے اور فضاء میں جو ہواؤں کا موجیں مارتا ہوا سمندر ہے اس سے ٹکراتی ہوئی کان کے پردوں تک پہنچتی ہے اور اس میں ہوا کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ہود اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قوم میں سے کافروں کو اسی سے عذاب دیا گیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے خسف کا ذکر فرمایا

یعنی ان کو زمین میں دھنسا کر عذاب دیا گیا اور اس میں مٹی کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے غرق کرنے کا ذکر فرمایا اس میں پانی کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے' جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کافروں اور منکروں کو طوفان میں غرق کر دیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو بحر قلزم میں غرق کر دیا تھا۔

سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عناصر اربعہ سے پیدا فرمایا اور ان میں سے ہر عنصر اس کے وجود اور اس کی بقا کا سبب تھا پھر ان ہی عناصر اربعہ میں سے ہر ہر عنصر کے ساتھ اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور جس چیز کو اس کے وجود کا سبب بنایا تھا اسی چیز کو اس کے عدم کا سبب بنا دیا تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کوئی اپنی ذات میں مؤثر نہیں ہے' مؤثر حقیقی صرف اللہ عزوجل ہے وہ چاہے تو آگ' ہوا' مٹی اور پانی سے انسان کو موجود کر دے اور جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دے اور وہ چاہے تو ان ہی چیزوں سے انسان کو فنا کر دے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ (العنکبوت: ۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے ان پر ظلم نہیں کیا خود انہوں نے شرک کر کے اپنی جانوں کو عذاب کا مستحق بنایا ہے' اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا ولقد کرمنا بنی ادم (الاسراء: ۷۰) ہم نے بنو آدم کو عزت دی ہے' اس نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا اپنے ہاتھوں سے اپنی صورت کے موافق اس کی صورت بنائی اس کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا' اس کے سر پر عزت اور کرامت کا تاج رکھا ناموس وحی سے اس کو سرفراز فرمایا اور اس انسان نے مٹی کے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا' جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر عزت اور کرامت دی تھی اس نے ذلت کے ساتھ بتوں کے آگے اپنا سر جھکا دیا اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی کے بے جان بتوں کو اپنا حاجت روا اور نفع اور ضرر کا مالک مان لیا' سو اللہ تعالیٰ نے تو اس کو عزت دی تھی اس نے خود اپنے آپ کو ذلیل کر لیا اس لیے فرمایا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۔۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مکڑی کے گھر کا سب سے کمزور گھر ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مددگار بنا لیے' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا اور بے شک سب سے کمزور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے۔ (العنکبوت: ۴۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے دنیا میں شرک کیا اور اس کے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی اور اسی پر اصرار کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمانی عذاب بھیجا اور جن باطل خداؤں کو وہ اللہ عزوجل کا شریک قرار دیتے تھے اور ان کو اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کو ہر قسم کے ضرر سے بچا لیں گے وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے اور وہ لوگ اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو گئے' اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو اور معبود بنا رکھے ہیں' وہ بالکل بے بس اور لاچار ہیں وہ کسی کے بھی کام نہیں آ سکتے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو اس مثال سے واضح کیا ہے کہ مشرکین کے خود ساختہ مددگار تو مکڑی کے جالوں کی طرح کمزور ہیں اور وہ کسی کے کام نہیں آ سکتے۔

مکڑی کا گھر سب سے کمزور گھر حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) گھر میں دیواریں' چھت اور دروازے ہوتے ہیں' چھت کی وجہ سے گھر والے بارش اور دھوپ سے محفوظ رہتے ہیں' دیواروں کی وجہ سے وہ سرد ہواؤں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہتے ہیں اور دروازوں کی وجہ سے وہ اجنبی لوگوں کے آنے

اور دشمنوں اور مخالفوں سے محفوظ رہتے ہیں اور مکڑی جو جالوں سے گھر بناتی ہے اس میں ان میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی اس لیے وہ سب سے کمزور اور سب سے زیادہ غیر محفوظ گھر ہوتا ہے' سورج کی شعاعیں اس سے آر پار گذر جاتی ہیں اور تیز آندھی یا ہواؤں کے تھپیڑوں سے وہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

(٢) اینٹوں' ریت' بجری' سیمنٹ اور لوہے سے جو گھر بنایا جائے وہ سب سے زیادہ مضبوط ہے' وہ انسان کو آگ سے بارش سے اور آندھیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر لکڑی کا گھر بنایا جائے تو وہ انسان کو آگ سے تو محفوظ نہیں رکھتا لیکن دھوپ' بارش اور آندھیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(٣) تیسرے درجہ کا گھر وہ ہے جو کپڑے کا خیمہ ہو وہ انسان کو سایہ فراہم کرتا ہے ہر چند کہ وہ آگ' بارش اور تیز ہواؤں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔

(٤) اور ان گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے جو نہ صرف یہ کہ کسی آفت سے بچا نہیں سکتا ہے بلکہ اس کو ثبات اور قرار بھی نہیں ہوتا جس گھر میں مکڑی کے جالے لگے ہوں جب گھر والا اپنے گھر کی صفائی کرتا ہے تو دیواروں سے مکڑی کے جالوں کو صاف کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کو مکڑی کے گھر سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح تیز آندھی مکڑی کے جالوں کو اڑا کر لے جاتی ہے اور اس کو بکھرے ہوئے غبار کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی ہے اسی طرح کفار نے بتوں کی خاطر جو عمل کیے ہیں وہ بھی قیامت کے دن ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان: ٢٣)

اور ہم ان کے کیے ہوئے کاموں کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم ان کو بکھرے ہوئے ذرات کی طرح بنا دیں گے۔

غارِ ثور کے منہ پر مکڑی کا جالا بنانا

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال: ٣٠)

اور یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں' وہ سازشیں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ایک رات قریش نے مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہمی مشورہ کیا' بعض نے کہا جب آپ صبح کو اٹھیں تو آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا جائے' بعض نے کہا آپ کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا آپ کو مکہ سے نکال دیا جائے' اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس سازش سے مطلع کر دیا' سو اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر غار میں چلے گئے اور مشرکین رات بھر حضرت علی کا پہرہ دیتے رہے وہ حضرت علی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کر رہے تھے' جب صبح ہوئی تو وہ گھر میں گھس گئے جب انہوں نے حضرت علی کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش ان پر الٹ دی' انہوں نے پوچھا تمہارے پیغمبر کہاں ہیں؟ حضرت علی نے کہا میں نہیں جانتا' پھر وہ آپ کے پاؤں کے نشانات پر چلتے رہے' حتیٰ کہ وہ غار (ثور) تک پہنچ گئے' اور یہاں انہیں اشتباہ ہو گیا وہ پہاڑ پر چڑھے اور غار کے پاس سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بنایا ہوا تھا' انہوں نے کہا اگر وہ اس غار میں ہوتے تو اس کے منہ پر جالا نہ ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں تین راتیں رہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۸۹ رقم الحدیث: ۹۷۴۳ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷ دار الکتاب العربی بیروت مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۸ طبع قدیم اس حدیث کی سند پر عثمان جزری کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے حافظ احمد شاکر نے کہا امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی سند کے باقی راوی حدیث صحیح کے رجال ہیں حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۵۱ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۵۵ جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۳۹۵ الکشف والبیان للثعلبی ج ۴ ص ۳۴۹ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۲ الدر المنثور ج ۴ ص ۴۷ فتح القدیر للشوکانی ج ۲ ص ۴۳۷ فتح البیان ج ۳ ص ۲۹ ان تمام مفسرین نے الانفال: ۳۰ کی تفسیر میں اس حدیث کو درج کیا ہے)۔

مکڑی کے جالوں کے متعلق احادیث اور ان کے شرعی احکام

یزید بن المرثد المرئی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العنکبوت (مکڑی) شیطان ہے اس کو قتل کر دو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲ الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۰)

عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عنکبوت نے دو مرتبہ جالا بنایا ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اور ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۲۳ الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ عنکبوت سے مراد وہ (کیڑا) ہے جو فضا میں جالے سے اپنا گھر بناتا ہے اور اس سے مراد وہ کیڑا نہیں ہے جو زمین کو کھود کر اپنا گھر بناتا ہے (دیمک) اور یہ زہریلے کیڑوں میں سے ہے اس لیے اس کو قتل کرنا مسنون ہے نہ کہ اس روایت کی وجہ سے جس کو امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں یزید بن المرثد سے روایت کیا ہے کہ عنکبوت شیطان ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا ہے سو جو شخص اس کو پائے وہ اس کو قتل کر دے علامہ دمیری کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو قتل کرنا مسنون نہیں ہے کیونکہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار (ثور) میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر غار پر جالا بنا دیا سو تم ان کو قتل نہ کرنا اس حدیث کو حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور (ج ۶ ص ۴۱۰ دار احیاء التراث العربی بیروت) میں ذکر کیا اس حدیث کی صحت کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے اور اس بات کا کہ یہ استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں ہاں فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا بنایا ہوا جالا طاہر ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک اور صاف رکھنا مستحسن ہے حدیث میں ہے:

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک رکھو کیونکہ گھروں میں مکڑی کے جالوں کو چھوڑ دینے سے فقر پیدا ہوتا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ نقل صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک کرنا صفائی اور ستھرائی کے زیادہ قریب ہے لہٰذا مکڑی کے جالوں کو زائل کرنے کے مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۲۴۱-۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علماء سمجھتے ہیں ○ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ (العنکبوت: ۴۴-۴۲)

پہلے زمانے کے نیک لوگوں کی عبادت کرنے کا بطلان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودوں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی تھی تو مشرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ درحقیقت ہم اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی پتھر کی مورتیوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ہم درحقیقت ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی ہم نے صورتیں بنائی ہیں یہ صورتیں پچھلے زمانے کے نیک لوگوں اور ستاروں کی ہیں جو نفع اور ضرر اور خیر اور شر کے مالک تھے اور ہم ان ہی کی عبادت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ پچھلے زمانے کے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندے تھے۔ وہ موحد تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت نہیں گردانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی لیکن ان کو نفع اور ضرر اور خیر اور شر کا مالک نہیں بنایا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نفع اور ضرر اور خیر اور شر کا مالک نہ بنایا ہو اس کو بلا دلیل نفع اور ضرر کا مالک قرار دینا اور اس کو عبادت کا مستحق قرار دینا محض شرک اور کفر ہے۔

قرآن مجید میں بیان کردہ مثالوں کی فہم صرف علماء کو حاصل ہے

فرمایا: اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)

مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے تو مچھر' مکھی اور مکڑی ایسی چھوٹی حقیر اور بے وقعت چیزوں کی مثالیں دینا اسے کب زیب دیتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مثال میں مثال دینے والے کی نہیں بلکہ جس چیز کی مثال دی جائے اس کی رعایت کی جاتی ہے اگر کسی عظیم چیز کی مثال دی جائے تو عظیم چیز کا ذکر کیا جائے گا اور اگر حقیر چیز کی مثال دی جائے تو حقیر چیز کا ذکر کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو کہا جائے گا تم مردار کا گوشت کھا رہے ہو اس قول میں غائب شخص کو مردے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح مردہ کسی بات کو سنتا ہے نہ سمجھتا ہے نہ اس بات کا جواب دے سکتا ہے اس طرح تم جس غیر موجود اور غائب شخص کا عیب بیان کر رہے ہو وہ نہ اس وقت اس بات کو سن رہا ہے نہ سمجھ رہا ہے نہ اس بات کا جواب دے سکتا ہے وہ ایک مردے کی طرح ہے اور تم اس کا گوشت کھا رہے ہو' اور اس کو پتا نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو اور وہ اپنی مدافعت کرنے پر قادر نہیں ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردار کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ (الحجرات: ۱۲)

اور تم میں کوئی کسی کی غیبت نہ کرے' کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ سو تم کو اس سے گھن آئے گی!

اس کے بعد فرمایا: اور ان مثالوں کو صرف علماء سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو اور اس کو اپنا مددگار بنانے کو تار عنکبوت کی طرح کمزور اور ناپائیدار قرار دیا ہے اور اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ یہ جہان خود سے نہیں بن گیا اس کا کوئی خالق ضرور ہے اور تمام جہانوں میں صرف ایک نظام کا جاری ہونا یہ بتاتا ہے کہ اس کا ناظم واحد ہے اور وہ خالق اور ناظم واجب اور قدیم ہے اس جہان کو بنانے میں کوئی اس کا شریک ہے نہ اس کو چلانے میں کوئی اس کا شریک ہے' وہی سب کو پیدا کرتا ہے اور وہی سب کی مدد کرتا ہے' اس کے سوا کسی اور کو مددگار سمجھنا اور ماننا اور اس کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا تار عنکبوت سے زیادہ کمزور اور باطل ہے' رہے اولیاء اللہ تو وہ من دون اللہ نہیں ہیں بلکہ ماذون من اللہ ہیں' ان کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگنا شرعاً جائز ہے ہر چند کہ اصل یہی

ہے کہ اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے لیکن اگر اولیاء اللہ کو بھی غیر مستقل اور ماذون سمجھ کر پکارا جائے تو وہ خلاف اصل اور خلاف اولیٰ ہے لیکن شرک اور ناجائز نہیں ہے' اس کی مدلل اور باحوالہ بحث الفاتحہ: ۵ اور یونس: ۲۲ میں تفصیل سے گزر چکی ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

علماء ہی قرآن مجید میں دی گئی مثالوں کی صحت' حسن اور فائدہ کو سمجھتے ہیں کیونکہ مثالوں اور تشبیہات کے ذریعہ ان معانی کو دریافت کیا جاتا ہے جو پردوں میں مستور ہوتے ہیں جیسا کہ تار عنکبوت کے ضعف کی مثال سے موحد اور مشرک کے حال کے فرق کو واضح فرمایا ہے۔ اور عالم وہ شخص ہے جو اپنی عقل سے اللہ کو جانے اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرے۔ (الکشاف ج ۳ص ۴۵۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عالم کی یہ تعریف صحیح ہے لیکن اس کو بہ طور حدیث بیان کرنا صحیح نہیں ہے' اس حدیث کی سند موضوع ہے۔

عالم دین کی تعریف اور اس کی شرائط

عالم دین وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے' اسی طرح اس کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے مراتب اور ان کی صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ مکلف پر کیا چیزیں فرض ہیں اور کیا چیزیں واجب ہیں اور اس کو سنن اور مستحبات اور مباحات کا علم ہو' اور اس کو معلوم ہو کیا چیزیں حرام ہیں اور کیا مکروہ تحریمی ہیں اور کیا مکروہ تنزیہی ہیں اور کیا خلاف اولیٰ ہیں' اور وہ علم کلام اور عقائد' علم تفسیر' علم حدیث اور علم فقہ واصول فقہ پر عبور رکھتا ہو' علم صرف' علم نحو' علم معانی اور علم بیان میں ماہر ہو اور بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ ہو اور اس میں اتنی صلاحیت ہو کہ اس سے دین کے جس مسئلہ کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے خواہ وہ جواب اس کو مستحضر ہو یا وہ کتب متعلقہ سے ازخود اس کو تلاش کر سکے۔ اور جو شخص ان صفات کا حامل نہیں ہے وہ عالم دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو صرف اور نحو پر عبور نہیں ہے تو وہ احادیث کی عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا اور اگر عبارت غلط پڑھے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کو منسوب کرے گا جو آپ نے نہیں فرمایا' اور اگر وہ بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ نہیں ہے اور علم معانی اور بیان پر دسترس نہیں رکھتا تو وہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا اور اگر اس کو علم کلام اور علم تفسیر اور حدیث پر عبور نہیں ہے تو وہ عقائد کو صحیح بیان کر سکتا ہے اور نہ صحیح عقائد پر دلائل قائم کر سکتا ہے' اور نہ باطل فرقوں کا رد کر سکتا ہے اور اگر اس کو فقہ پر عبور نہیں ہے تو وہ حلال اور حرام کے احکام کو جان سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے' سو ایسا شخص عالم دین کس طرح ہو گا' اور اس پر عالم دین کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ ہر چند کہ عالم دین کے مصداق کے لیے ان امور کو جان لینا کافی ہے لیکن کامل عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہو ورنہ وہ اس آیت کا مصداق ہو گا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا . (الجمعہ: ۵)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عالم دین کے لیے علم شرعی ضروری ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم اور نقائص سے اس کی تنزیہ کا علم اور مکلف پر اس کے دین میں جو اللہ تعالیٰ کی عبادات اور معاملات میں اس کے احکام واجب ہیں ان کا علم' اور ان کا مدار تفسیر' حدیث اور

ـد کے علم پر ہے۔ (محصلہ فتح الباری ج ا ص ۱۹۲ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۲۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ علم نافع کے بیان میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ' صفات ' اس کے افعال اور اس کے فرشتوں کا علم ہے اور اس میں علم کلام اور اس کی کتابوں کا علم بھی داخل ہے اور علم تفسیر ' علم حدیث ' علم فقہ اور علم اصول فقہ بھی داخل ہے۔

(مرقات ج ا ص ۲۶۹ ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ' ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

علم شرعی کتاب اور سنت سے عام ہے ' اور علم ایک نور ہے جو مؤمن کے قلب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ' افعال اور احوال سے حاصل ہوتا ہے اور اسی علم سے مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی ذات ' صفات ' اس کے افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر یا کتاب سے حاصل ہو تو یہ علم کسبی ہے اور اگر بغیر واسطہ کے حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے اور علم لدنی کی تین قسمیں ہیں ' وحی ' الہام اور فراست ' وحی انبیاء کے ساتھ خاص ہے ' الہام اولیاء اللہ کے ساتھ خاص ہے اور فراست وہ ہے جس کے ذریعے ظاہری صورتوں سے امور غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں۔ (محصلہ مرقات ج ا ص ۲۶۴ ملتان ' ۱۳۹۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۴۰ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ ہر مسلم مرد اور ہر مسلم عورت پر علم کا طلب کرنا فرض ہے ' اس علم سے کون سا علم مراد ہے ' اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

حدیث **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے اوس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد و عورت پر طلب علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اوس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر اون علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں پھر علم مسائل نماز یعنی اوس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم ' مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ۔ صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج۔ نکاح کیا چاہے تو اوس کے متعلق ضروری مسئلے۔ تاجر ہو تو مسائل بیع وشرا۔ مزارع پر مسائل زراعت۔ موجر ومستاجر پر مسائل اجارہ وعلیٰ ہذا القیاس ہر شخص پر اوس کی حاجت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انہیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہا اور اون کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریا وعجب وحسد وغیرہا اور اون کے معالجات کہ ان کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے ' جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یوں ہی بعینہ ریا سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ **نسئل اللہ العفو والعافیة** تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس (الیٰ ان قال) ہاں آیات واحادیث دیگر کہ فضیلت علما وترغیب علم میں وارد وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہو سکتا اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اوس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط ' خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان کہ فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کے لئے وسیلہ ہیں ' اور فقیر غفر اللہ تعالیٰ اس کے لئے عمدہ معیار عرض کرتا ہے مراد متکلم جیسے خود اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے

نہیں ہو سکتی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے علم وعلماء کے فضائل عالیہ وجلائل عالیہ ارشاد فرمائے انہی کی حدیث میں وارد ہے کہ علما وارث انبیاء کے ہیں انبیاء نے درم و دینار ترکہ میں نہ چھوڑے علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے جس نے علم پایا اوس نے بڑا حصہ پایا اخرج ابو داؤد والترمذی وابن ماجه وابن حبان والبیهقی عن ابی الدرداء رضی الله تعالی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فذکر الحدیث فی فضل العلم وفی اخره ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر بس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی کہ آیا یہ وہی عظیم دولت نفیس مال ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا جب تو بے شک محمود اور فضائل جلیلہ موعودہ کا مصداق اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم ومولوی کا استحقاق۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ ا ص ۱۶' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت کی موخر الذکر عبارت میں یہ تصریح ہے کہ عالم اور مولوی کے لقب کا مستحق وہ شخص ہو گا جس کو تفسیر' حدیث و فقہ پر عبور ہو اور جن علوم پر تفسیر وحدیث وفقہ کا علم موقوف ہے مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان' ان کے علوم پر بھی اس کو عبور ہو۔

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ اس زمانہ میں بہت لوگ تفسیر وحدیث بے خواندہ وبے اجازت اساتذہ برسر بازار ومسجد وغیرہ میں بہ طور وعظ ونصائح بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی ومطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ (ترمذی) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ اول ص ۱۸۸' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں' ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے' مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا الخ۔

نیز فرماتے ہیں:

اگر عالم ہے تو اوس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ دوم ص ۳۰۸' دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

عالم دین کے فرائض اور نیکی کا حکم دینے کی تفصیل اور تحقیق

عام آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو ان احکام کا علم ہو جن کا وہ مکلف ہے اور عالم دین کے لیے ضروری ہے کہ اس کو عقائد صحیحہ اور ان کے دلائل' عقائد باطلہ اور ان کے رد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو حتیٰ کہ اس سے عقائد اور احکام سے متعلق جس چیز کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دینے پر قادر ہو' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہو ورنہ دنیا میں اس کی تبلیغ میں اثر نہیں ہو گا اور آخرت میں وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ تم ولید کی شراب نوشی کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان سے نہیں کہتا! میں ان سے تنہائی میں کہتا ہوں اور لوگوں کے سامنے کہہ کر امیر کے خلاف شکایات کا دروازہ نہیں کھولتا اور میں اس حدیث کے سننے کے بعد کسی کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ وہ سب سے نیک

ہے خواہ وہ شخص میرا امیر ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی آنتیں تیزی سے نکل جائیں گی اور وہ اس طرح گردش کر رہا ہو گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گردش کرتا ہے' دوزخ والے اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں شخص کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور ہم کو برائی سے نہیں روکتے تھے وہ کہے گا میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تم کو بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۸۔ ۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث (۷۰۹۸) کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہلب نے کہا ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے الولید بن عقبہ کے معاملہ میں بات کریں کیونکہ اس سے شراب کی بو آتی تھی اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا اور حضرت عثمان نے اس کو کوفے کا گورنر بنایا ہوا تھا' حضرت اسامہ نے کہا میں نے حضرت عثمان سے تنہائی میں بات کی ہے اور برسرِ عام بات نہیں کی' میں نہیں چاہتا کہ ائمہ سے لوگوں کے سامنے بات کی جائے اور فتنہ پیدا ہو اور اتحادِ ملت کا شیرازہ بکھر جائے' پھر ان کو یہ بتایا کہ وہ کسی سے مداہنت نہیں کرتے خواہ وہ سربراہِ مملکت ہو۔ بلکہ تنہائی میں خیر خواہی سے اس کو نصیحت کرتے ہیں اور ان کے سامنے حدیث سنائی کہ ایک شخص لوگوں کو نصیحت کرتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا تا کہ وہ حضرت عثمان سے برسرِ عام بات کرنے سے جو احتراز کر رہے ہیں اس وجہ سے لوگ ان کے متعلق بدگمانی نہ کریں' مہلب کا کلام ختم ہوا' مہلب نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت اسامہ نے حدیث اس لیے سنائی کہ لوگ ان کے سکوت کی وجہ سے ان کے متعلق بدگمانی نہ کریں یہ واضح نہیں ہے' بلکہ اس حدیث کو سنانے سے حضرت اسامہ کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص کسی علاقہ کا گورنر یا والی ہو' خواہ وہ چھوٹا علاقہ ہی ہو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو برائی سے روکے اور میں اس امیر (ولید بن عقبہ) کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ یہ سب لوگوں سے نیک ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس کی نیکیاں اور برائیاں برابر سرابر ہو جائیں گی۔

قاضی عیاض نے کہا حضرت اسامہ کی مراد یہ تھی کہ وہ امام کے خلاف برسرِ عام شکایت کرنے کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتے کیونکہ ان کو اس کے برے نتائج کا خدشہ تھا' بلکہ وہ نرمی اور خیر خواہی سے تنہائی میں نصیحت کرتے ہیں اور یہ طریقہ اثر اور قبول کے زیادہ قریب ہے اور کسی کی پردہ دری اور اس کی غیرت کو جوش میں لانے سے زیادہ بعید ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا کہ میں کسی شخص کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ وہ سب سے نیک ہے خواہ وہ میرا امیر اور حاکم ہو' یہ حدیث حق بات میں امراء کی مداہنت کرنے کی مذمت پر حجت ہے' اور جو شخص خوشامد کرتا ہے اور اپنے باطن کے خلاف اظہار کرتا ہے اس کے معیوب اور ممنوع ہونے پر بھی دلیل ہے یہ چیز مذموم ہے' اور پہلی صورت یعنی لوگوں کے سامنے حاکم کو ملامت نہ کرنا اور تنہائی میں اس کو نصیحت کرنا یہ مداراۃ محمودہ ہے کیونکہ اس میں دین کا نقصان نہیں ہے اور نرمی سے کلام کرنا ہے اور دین اور دنیا کی بہتری کے لیے اسباب دنیا کو حاصل کرنے کا جائز اور مستحسن طریقہ ہے' اور مداہنت کا معنی ہے دنیا کے اسباب اور آسائش کو حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بول کر حق کو چھپایا جائے اور بُرے کام کو اچھا کہا جائے اور ناجائز کام کو جائز کہا جائے۔ اور مدارات کا معنی ہے دینی مفاد کی وجہ سے کسی فاسق و فاجر کے ساتھ نرمی سے کلام کیا جائے اور اس کی غلط روش کی برسرِ عام مذمت نہ کی جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۵۳۸' دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: طبری نے کہا امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینے) میں اختلاف ہے' ایک جماعت نے کہا یہ مطلقاً واجب ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظالم بادشاہ کے خلاف

کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱) اور آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اس کو بدل ڈالے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹) اور بعض علماء نے کہا برائی کا رد کرنا واجب ہے بہ شرطیکہ اس سے کسی مصیبت اور آزمائش' مثلاً قتل کیے جانے کا خطرہ نہ ہو' اور بعض علمائے نے کہا اس پر صرف یہ لازم ہے کہ وہ دل سے برائی کو برا جانے کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم پر کچھ حاکم مسلط کیے جائیں گے جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بری ہو گیا اور جس نے ان کا رد کیا وہ سلامت رہا لیکن جو ان سے راضی رہا اور جس نے ان کی اتباع کی (وہ عذاب کا مستحق ہوگا) مسلمانوں نے پوچھا کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں! جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۵) اور صحیح یہ ہے کہ حکام کو نیکی کو حکم اسی وقت دیا جائے جب عالم دین کو کسی آزمائش میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے' مسلمانوں نے پوچھا وہ اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۶، مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۱)

اور طبری کے غیر نے کہا جو شخص نیکی کا حکم دینے پر قادر ہو اور اس کو اپنے اوپر ضرر کا خطرہ نہ ہو اس پر نیکی کا حکم دینا واجب ہے خواہ وہ حکم دینے والا (عالم دین) معصیت میں مبتلا ہو کیونکہ اس کو نیکی کا حکم دینے پر اجر ملے گا خصوصاً جب کہ وہ اطاعت شعار ہو' رہا اس کا خاص گناہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے اور ہو سکتا ہے کہ اس پر گرفت فرمائے' اور جس شخص نے یہ کہا کہ جو شخص خود گناہوں میں ملوث ہو وہ نیکی کا حکم نہ دے تو اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اس کے لیے نیکی کا حکم نہ دینا اولیٰ ہے تو یہ ٹھیک ہے ورنہ اگر اس کے علاوہ اور کوئی عالم دین نہیں ہے تو پھر امر بالمعروف کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

پھر طبری نے کہا کہ حضرت اسامہ کی اس حدیث میں ہے کہ جن کو نیکی کا حکم دیا گیا تھا وہ بھی دوزخ میں تھے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور ان کے امیر کو بھی اس لیے عذاب دیا گیا کہ اس نے جس نیکی کا حکم دیا تھا اس پر وہ خود عمل نہیں کرتا تھا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکام کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان کا ادب کرنا چاہیے اور لوگوں کو ان سے جو شکایات ہوں وہ ان تک حکمت اور خیر خواہی سے پہنچانی چاہئیں تا کہ وہ ان شکایات کا ازالہ کریں۔

(فتح الباری ج ۱۴ ص ۵۵۴-۵۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی نے بھی حدیث: ۳۲۶۷ میں تقریباً یہی تقریر کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے حدیث: ۳۲۶۷ میں اس پر کلام نہیں کیا اور حدیث: ۷۰۹۸ میں اس کی شرح کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

کائنات کی ہر چیز کا برحق ہونا

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے ۝ (العنکبوت: ۴۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو تنہا بغیر کسی کی شرکت کے پیدا فرمایا ہے اور ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے' عبث اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا اور نہ ان کو محض لعب اور بہ طور مشغلہ کے پیدا فرمایا ہے' ان کو پیدا کرنا برحق ہے اور ان میں اللہ

تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور ان میں مومنین کے لیے حق کو مستور رکھا ہے کیونکہ مومنین کاملین اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں ان کو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال کا عکس نظر آتا ہے وہ اس کائنات میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔

علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے خنفساء (گبریلا' بھونرے کی طرح ایک سیاہ پر والا کیڑا) کو دیکھا تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے اس کیڑے کو کیوں پیدا کیا ہے نہ اس کی شکل اچھی ہے نہ اس کی بو اچھی ہے' پھر اس شخص کے ایک پھوڑا نکل آیا اور کسی دوا سے اس کا علاج نہ ہو سکا' ایک دن کوئی حاذق حکیم آیا اس نے اس پھوڑے کو دیکھ کر کہا گبریلا لاؤ' سو گبریلے کو لایا گیا اس نے اس کو جلا کر اس کی راکھ اس پھوڑے پر لگائی تو وہ ٹھیک ہو گیا' تب اس شخص کے منہ سے بے ساختہ نکلا بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ناحق پیدا نہیں کی ہر چیز کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے (حیات الحیوان ص ۲۷۹' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۵ھ) پھر فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے' ہر چند کہ اس میں سب لوگوں کے لیے نشانی ہے لیکن مومن ہی اس کو مانتے ہیں اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ

(اے رسول مکرم!) آپ اس کتاب کی تلاوت کرتے رہیے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم رکھیے'

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ

بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے' اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور

اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۝ اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ

هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ

طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ

جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور

لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ

ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں ۝ اور (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس جن کو ہم

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖؕ

نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لے آتے ہیں

وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ

اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں O اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب

مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے O

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَؕ وَ مَا یَجْحَدُ

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینوں میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے' اور ظالموں کے

بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ

سوا ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا O اور کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ

نہیں نازل کیے گئے! آپ کہیے معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں میں تو صرف برسرِعام عذاب سے ڈرانے والا ہوں O کیا

اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ

ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے' بے شک

ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵

اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور رحمت اور نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) آپ اس کتاب کی تلاوت کرتے رہیے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم رکھیے' بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O (العنکبوت: ۴۵)

انبیاء سابقین کے احوال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کو اس بات سے رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ آپ کے پیہم تبلیغ کرنے کے باوجود اہل مکہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس کتاب کی تلاوت کیجیے اس میں حضرت نوح' حضرت ہود حضرت صالح

اور حضرت ابراہیم علیہم السلام وغیرھم کے قصص نازل کیے گئے ہیں' انہوں نے اللہ کا پیغام آپ سے بہت زیادہ عرصہ تک لوگوں کے پاس پہنچایا' معجزات پیش کیے اور دلائل بیان کیے اس کے باوجود ان کی قوم سے بہت کم لوگ ایمان لائے اور وہ اپنی گمراہی' جہالت اور کفر وشرک سے باز نہیں آئے' اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہونے کے بعد جب آپ ان آیات کی تلاوت کریں گے تو آپ کا غم دور ہوگا اور آپ کو تسلی ہوگی کہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ پیش نہیں آیا بلکہ تاریخ حسب سابق اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نماز بُرے کاموں سے روکتی ہے..... پھر بعض نمازی بُرے کام کیوں کرتے ہیں؟

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ پابندی سے نماز بھی پڑھتے ہیں اور بے حیائی اور برائی کے کام بھی کرتے ہیں اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نماز جو ان کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں انواع واقسام کی عبادات ہیں نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام ہے' تکبیر ہے' تسبیح ہے' تلاوت قرآن ہے' رکوع اور سجود ہے صلوٰۃ النبی ہے اور دعا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عاجزی اور خضوع اور خشوع پر دلالت کرتے ہیں' گویا کہ نماز زبان حال سے نمازی سے کہتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس قدر تعظیم بجالاتا ہے اس قدر ادب کے ساتھ اس کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے اپنے قول اور فعل سے اس کی عبادت کا اظہار کرتا ہے اور پھر تو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور بے حیائی اور برائی کے کام کرتا ہے سو نماز کے اندر اور نماز کے باہر تیرا حال متضاد اور متناقض ہے اور یہ منافق کی روش ہے کہ اس کے باطن اور ظاہر میں تخالف ہوتا ہے سو تو خارج از نماز کے حال کو نماز کے موافق کرلے۔

(۲) جب انسان خضوع اور خشوع کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے اور ہر روز پانچ مرتبہ اس طرح نماز پڑھے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کو ہر وقت خیال رہے گا کہ وہ اپنے رب کے سامنے ہے اور اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے اور عین حالت معصیت میں بھی اس کو یہ خیال آئے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے تو پھر وہ اس معصیت سے باز آجائے گا' معصیت کے ارتکاب کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب سے غافل ہوتا ہے اور جب اس کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کا خیال ہوگا تو پھر وہ معصیت پر جرأت نہیں کرے گا۔

(۳) جب انسان پابندی سے نماز پڑھتا رہے گا تو اس پر نماز کی برکات اور اس کے ثمرات مرتب ہوں گے اور وہ گناہوں سے باز آجائے گا' امام بغوی اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ایک آدمی ساری رات قرآن پڑھتا ہے اور صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا عنقریب اس کی قرأت اس کو چوری سے روک دے گی۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۹۔۵۵۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۷۲۲۔۲۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۶۰)

(۴) جس طرح کوئی شخص خاک روب ہو یا مٹی کھودنے والا ہو اور ہر وقت مٹی اور گندگی میں ملوث رہتا ہو لیکن جب وہ صاف ستھرے اور نئے کپڑے پہن لے تو وہ اس لباس میں مٹی اور گندگی سے مجتنب رہتا ہے اور اس کا وہ صاف ستھرا لباس اس کو مٹی اور گندگی میں تلوث سے مانع ہوتا ہے اسی طرح جو شخص معصیت میں مبتلا رہتا ہے وہ بھی حالت نماز میں معصیت سے مجتنب رہتا ہے اور اس کو نماز معصیت میں تلوث سے منع کرتی ہے' اسی وجہ سے حضرت ابن عباس' ابن جریج اور حماد

بن ابی سل[illegible] وغیرہم نے کہا [illegible] کہ جب تک نمازی نماز میں مشغول رہ [illegible]
روکتی ر[illegible]۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۵۹)

(۵) جس شخص [illegible] پڑھی اور اس نے بے حیائی اور برائی کے کام بھی کیے اس [illegible] صرف صورۃً اور ظاہراً نماز پڑھی [illegible] حقیقۃً نماز نہیں پڑھی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں روکا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں روکا' اس نماز سے اس کو صرف اللہ سے دوری حاصل ہوگی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۰)

ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ نماز کے تین اوصاف ہیں اور جس نماز میں ان تین اوصاف میں سے کوئی وصف بھی نہ ہو وہ نماز نہیں ہے (۱) اخلاص (۲) خشوع (۳) اللہ کا ذکر' پس اخلاص اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور خشوع اور خشیت اس کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر یعنی قرآن پڑھنا اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۴)

(۶) حضرت ابن عباس نے فرمایا الفحشاء (بے حیائی) سے مراد زنا کرنا ہے اور المنکر سے مراد شرکیہ کام کرنا ہے سو جو شخص یہ کام کرے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۷)

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ: ۱۴) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھو اور جو شخص اللہ کو یاد رکھنے والا ہوگا وہ اللہ کا ناپسندیدہ کام نہیں کرے گا' اور ہر وہ شخص جو بے حیائی اور برائی کے کام کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے تو اگر وہ بے نمازی ہوتا تو ایسے برے اور بے حیائی کے کام بہت زیادہ کرتا اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کے برے کاموں میں کمی آ جاتی ہے۔

(۸) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص کو روکتی ہے' سو اگر بعض لوگ نماز پڑھنے کی وجہ سے برائی اور بے حیائی کے کاموں سے رک گئے تو اس آیت کے صدق کے لیے کافی ہے۔

(۹) نماز دو کیفیتوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہے ایک کیفیت یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام فرائض' واجبات' سنن' آداب اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے اور جب وہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرے یا تلاوت سنے تو اس کے معانی میں تدبر کرے' تشہد میں محبت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرے اور محبت سے درود شریف پڑھے' اخلاص' حضور قلب اور تضرع کے ساتھ اپنے لیے دعا کرے تو جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے اس کی نماز مقبول ہوتی ہے اور یہی نماز اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے' اور دوسری کیفیت یہ ہے کہ انسان غفلت اور بے توجہی سے نماز پڑھتا ہے' اس کی نماز قرآن میں تدبر کرنے اور خضوع اور خشوع سے خالی ہوتی ہے وہ اعتدال کے ساتھ رکوع اور سجود نہیں کرتا' اس کے سلام اور صلاۃ میں اخلاص ہوتا ہے نہ دعا میں استحضار ہوتا ہے اور ایسی نماز کا برائیوں سے روکنا بہت کمزور ہوتا ہے اور نہ

ہونے کے برابر ہوتا ہے' یہ نماز رد کر دی جاتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو پھٹا پرانا اور گندہ کپڑا تحفہ میں دے تو وہ اس کپڑے کو دینے والے کے منہ پر مار دیتا ہے' اور نماز زبان حال سے کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے اللہ بھی تجھے اسی طرح ضائع کر دے' اور بعض امامیہ نے حضرت ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ جاننا چاہتا ہو کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہے یا نہیں وہ یہ دیکھے کہ آیا اس کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے یا نہیں' وہ جس قدر برائی سے دور رہو گا اسی قدر اس کی نماز مقبول ہوگی۔

(۱۰) اس اشکال کا اصل جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نمازی کو روکتی ہے اور منع کرتی ہے یہ نہیں فرمایا کہ نماز کے روکنے اور منع کرنے سے نمازی ان کاموں سے رک جاتا ہے' یہاں تو بندہ کو نماز کے برائیوں سے روکنے اور منع کرنے کا ذکر ہے خود اللہ عزوجل بھی تو بندہ کو بے حیائی اور برائی سے منع کرتا ہے تو جب اللہ کے منع کرنے سے تمام بندے برائیوں سے نہیں رکتے تو نماز کے منع کرنے سے اگر تمام بندے برائیوں سے نہ رکیں تو کیا اعتراض کی بات ہے اور کیا اشکال ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ عدل کرنے اور نیکی کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے وہ تم کو خود نصیحت فرما رہا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتا ہے تو اگر بعض بندے بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں رکتے تو یہ اللہ تعالیٰ کے بے حیائی اور برائی سے روکنے کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے تو اگر بعض نمازی بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں رکتے تو یہ نماز کے بے حیائی سے روکنے کے خلاف نہیں ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے جو تم اس کا ذکر کرتے ہو۔ امام ابن جریج نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ اللہ کا نماز میں بندے کا ذکر کرنا بندے کی نماز سے زیادہ بڑا ہے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بندہ نماز میں جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کی نماز کے تمام ارکان سے زیادہ بڑا ہے' اور ایک معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ کا جو ذکر کرتا ہے وہ اس کے تمام نیک اعمال سے زیادہ بڑا ہے اور اس کا ایک معنی ہے اللہ کا ذکر ہر ذکر سے بڑا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ تمہارے رب کے نزدیک تمہارا کون سا عمل سب سے اچھا' سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ والا ہے اور جو تمہارے سونے اور چاندی کے صدقہ کرنے سے زیادہ اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا ہے کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا اللہ کا ذکر کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵' شعب الایمان رقم الحدیث ۵۱۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۴۷' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ کے نزدیک کون سے بندہ کا درجہ سب سے بلند ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے ہیں' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ان کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ بلند ہوگا؟ آپ نے فرمایا اگر وہ اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو قتل کردے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے کا درجہ اس سے افضل ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۴۰۱' شرح السنہ رقم الحدیث:۱۲۴۹' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۷۰)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں آپ مجھے بتائیے کہ میں کس عمل کو زیادہ کروں؟ آپ نے فرمایا تمہاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۱۴' شعب الایمان رقم الحدیث:۵۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ میں جا رہے تھے' آپ کا ایک پہاڑ سے گزر ہوا جس کو جمدان کہتے ہیں' آپ نے فرمایا چلتے رہو یہ جمدان ہے' مفردون سبقت لے گئے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵' شعب الایمان رقم الحدیث:۵۰۵)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر اطمینان اور سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ ان کا ذکر ان میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں O اور (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں O (العنکبوت: ۴۷۔۴۶)

اہل کتاب کے ساتھ بحث میں نرمی اور سختی کرنے کے محمل

اس آیت میں مفسرین کا اختلاف ہے' مجاہد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے یعنی غیر منسوخ ہے اور قتادہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' مجاہد نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب کو نرمی کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کے ساتھ سختی نہ برتی جائے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھی جائے' اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' یعنی اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے' ورنہ تمام اہل کتاب ظالم ہیں' اور ان ظالموں سے تم بحث میں سخت لب ولہجہ اختیار کر سکتے ہو۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اس کے رفقاء اگر وہ تمہارے سامنے سابقہ امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان کریں تو ان سے بحث نہ کرو اور ان کی موافقت کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اپنے کفر پر قائم

رہے اور انہوں نے عہد شکنی کی جیسے بنی قریظہ اور بنی النضیر' اس صورت میں بھی یہ آیت محکمہ ہے۔
اور قتادہ نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ:۲۹)

ان اہل کتاب سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں (ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں ظالم ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے اولاد کے قائل ہیں جیسے یہود نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور یہودیوں نے کہا يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ:۶۴) اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (آل عمران:۱۸۱) بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' سو یہ لوگ مشرک ہیں انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور جزیہ ادا نہیں کیا۔

النحاس وغیرہ نے کہا جن مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت مکہ میں قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور نہ جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا' اور ان دونوں قولوں میں مجاہد کا قول بہتر ہے کیونکہ بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ اہل کتاب کے ساتھ نرمی سے بحث کرو ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں اس سے مراد وہ ہیں جنہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی سو ان کے خلاف تلوار سے جہاد کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں' یعنی ہر چند کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی یہ آیت مدنی ہے اور اس سورت کو اس کی اکثر آیات کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔

(ملخصہ روح المعانی جز ۲۱ ص ۴۔۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

جب دلائل متعارض ہوں تو توقف کیا جائے یا کسی ایک صورت کو ترجیح دی جائے

اس کے بعد فرمایا اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے پھر مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۸۵۔۷۳۶۲۔۷۵۴۲' دار ارقم بیروت)
علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو ہوسکتا ہے کہ واقع میں ان کی بات غلط ہو اور ان کی تکذیب بھی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ان کی بات واقع میں صحیح ہو' اس ارشاد کا تعلق ان احکام کے ساتھ نہیں ہے جو ہماری شریعت کے موافق ہیں۔
علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جن مسائل میں دلائل کے متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کیا جاتا ہے یہ حدیث ان میں توقف کرنے کی اصل اور دلیل ہے' جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جو دو بہنیں باندیاں ہوں ان کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں' حضرت عثمان نے فرمایا ان کو ایک آیت نے حلال کر دیا اور وہ یہ ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ (النساء:۲۴)

اور شوہر والی عورتیں تم پر حرام کی گئی ہیں' ماسوا باندیوں کے جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں۔

اور ایک آیت [illegible] ان [illegible] م کر [illegible] اور وہ یہ آیت ہے:

وَاَنْ [illegible] الْاُخْتَ [illegible] (النساء: ۲۳) اور تم پر دو بہنوں کو جمع کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ ہر پیر کے دن روزہ رکھے گا پھر اتفاق سے ایک پیر کو عید کا دن تھا تو اب وہ اس دن روزہ رکھے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے: وَلْيُوفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج: ۲۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ ان علماء کا طریقہ ہے جو احتیاط کرتے ہیں' اگرچہ دوسرے علماء اجتہاد کرتے ہیں اور اصول اور قواعد کا اعتبار کر کے کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح دیتے ہیں اور ان میں سے ہر فریق خیر پر ہے اور اس کا طریقہ مشکور ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اصول یہ ہے کہ جب حلت اور حرمت کے دلائل مساوی ہوں تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے' لہٰذا پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب دو بہنیں باندیاں ہوں تو ان کو وطی میں جمع نہ کیا جائے' اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نذر پوری کرنے کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی ہے اور عید کے دن روزے کی ممانعت خبر واحد سے ہے جو ظنی ہے لہٰذا یہ مساوی دلائل نہیں ہیں پس اس صورت میں عید کے دن بھی روزہ رکھ کر نذر پوری کی جائے گی۔

اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے ہی اہل کتاب کے لقب کے مستحق ہیں

اور فرمایا (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں O (العنکبوت: ۴۷)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ان اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اس قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس دین کے متعلق پیش گوئی پڑھی تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آپ کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان ہی لوگوں کی تخصیص کی ہے کہ ان کو کتاب دی گئی ہے حالانکہ جو یہودی اور عیسائی ایمان نہیں لائے وہ بھی اہل کتاب ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ جن یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کی بعثت سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں آپ کی تصدیق کی اور قرآن مجید پر ایمان لائے وہی درحقیقت اہل کتاب ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں کی پیش گوئی کی تصدیق کی اور اس کے تقاضے پر عمل کیا' اور رہے ایمان نہ لانے والے اور منکرین تو وہ صرف نام کے اہل کتاب ہیں' درحقیقت اہل کتاب نہیں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اب ان کی کتاب کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں' رہا یہ سوال کہ یہ سورت تو مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے اس کا جواب ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس سورت کو اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔

اور فرمایا ہے: اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں' اس سے مراد عرب اور اہل مکہ ہیں اور فرمایا اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کفار ہی کرتے ہیں' اس آیت میں انکار کے لیے جحد کا لفظ فرمایا ہے اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کے برحق ہونے کے علم کے باوجود اس کا انکار کرنا' اس سے مراد وہ اہل مکہ بھی ہو سکتے ہیں جو متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور وہ یہود بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی کتاب میں آپ کی نبوت کی پیش گوئی پڑھنے کے باوجود آپ کی

نبوت کا انکار کرتے تھے' جیسے کعب بن اشرف اور ابورافع وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے O بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے' اور ظالموں کے سوا کوئی ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا O (العنکبوت: ۴۹۔۴۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے کا ثبوت اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے

یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ نزول قرآن سے پہلے نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں بیٹھتے تھے جس سے آپ پہلی امتوں کی خبریں سن لیتے' بلکہ آپ نے جو قرآن مجید لوگوں کے سامنے پیش کیا یہ اللہ کا کلام ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے' اور اگر آپ پہلے سے لکھتے پڑھتے ہوتے تو باطل پرست شبہ میں پڑ جاتے' مشرکین کہتے کہ انہوں نے انبیاء سابقین کی جو خبریں بیان کی ہیں وہ انہوں نے تورات میں پڑھ لی ہیں غیب کی خبریں نہیں ہیں اور ان پر اللہ کا کلام نازل نہیں ہوا' اور اہل کتاب یہ کہتے کہ ہماری کتاب میں جس آخری نبی کی پیش گوئی کی ہے وہ اُمّی ہے اور یہ تو پڑھے لکھے ہیں۔ تاہم محققین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ قید ہے کہ آپ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے اور لکھتے نہیں تھے اور نزول قرآن کے بعد جو آپ نے لکھا یا پڑھا وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ کسی مخلوق سے پڑھنا لکھنا سیکھے بغیر آپ کا لکھنا اور پڑھنا ایک الگ معجزہ ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے کے ثبوت میں متعدد احادیث ہیں ان میں سے ایک صریح اور واضح حدیث یہ ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح کی شرائط لکھنے کا حکم دیا اور یہ لکھوایا بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ نے صلح کی' مشرکین نے اعتراض کیا کہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ لکھیں' آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ آپ اس کو مٹا دیں' حضرت علی نے کہا نہیں' اللہ کی قسم! میں اس کو نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دکھاؤ یہ کہاں ہے' حضرت علی نے وہ جگہ دکھائی تو آپ نے اس کو مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھ دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا کیونکہ امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے پس آپ نے لکھ دیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵۱) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر اس لکھنے کو جاری کر دیا' آپ کو علم نہیں تھا کہ کیا لکھنا ہے اور قلم نے لکھ دیا یا اس وقت اللہ سبحانہ نے آپ کو لکھنا سکھا دیا حتیٰ کہ آپ نے لکھ دیا اور یہ آپ کا زائد معجزہ ہے کہ آپ نے امی ہونے کے باوجود لکھ دیا' سو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا علم عطا کیا جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ سے اس چیز کو پڑھوایا جس کو آپ نے نہیں پڑھا تھا' اور ان چیزوں کی تلاوت کرائی جن کی آپ نے تلاوت نہیں کی تھی اسی طرح آپ کو لکھنا سکھایا جب کہ پہلے آپ نے نہیں لکھا تھا' اور اعلان نبوت کے بعد لکھنے کو آپ کے ہاتھوں پر جاری کر دیا اور یہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے' اور انہوں نے شعبی اور بعض متقدمین کے اقوال سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک لکھا نہیں آپ فوت نہیں ہوئے' علامہ باجی کا یہی مذہب ہے اور اس کو انہوں نے شیبانی اور ابوذر وغیرہما سے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء نے اس تقریر پر اس آیت سے اعتراض کیا ہے اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ لکھتے تھے' ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے O (العنکبوت: ۴۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸۰) انہوں نے یہ زعم کیا کہ اگر آپ کے لکھنے کو مان لیا جائے تو آپ کے امی ہونے کا معجزہ باطل ہو جائے گا۔ اور علامہ باجی اور ان کے موافقین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے پہلے لکھا ہے نہ تلاوت کی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''نزول قرآن سے پہلے'' پھر جس طرح نزول قرآن کے بعد آپ کا تلاوت کرنا جائز ہے اسی طرح نزول قرآن کے بعد آپ کا لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آپ کا صرف امی ہونا معجزہ نہیں ہے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ پہلے آپ امی تھے پھر آپ نے علوم کثیرہ بیان فرمائے جن کو امی لوگ نہیں جانتے' پس جس طرح آپ کا ان علوم کو بیان کرنا آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی آپ کے امی ہونے کے مناقض نہیں ہے' بلکہ یہ ایک زائد معجزہ ہے اور بخاری کی حدیث میں آپ کی طرف لکھنے کا اسناد ہے اور اس کو مجاز پر محمول کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا تھا بلاضرورت ظاہر سے عدول کرنا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۱۵۲۔۱۵۱ مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے قاضی عیاض مالکی کی اس پوری عبارت کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۴۹۶۶۔۴۹۶۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے یہاں پر اختصاراً لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول قرآن کے بعد لکھنا پڑھنا ثابت ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے اور شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۴۴۶۔۴۳۳ میں اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے اسی طرح ہم نے الاعراف: ۱۵۷ کی تفسیر میں بھی اس کی بہت زیادہ تحقیق کی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۳۶۸۔۳۵۷۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی متعدد آیات کے مصداق ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے' اور ظالموں کے سوا کوئی ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا۔ (العنکبوت: ۴۹)

حسن بصری نے کہا اس امت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حفظ کرنے کی نعمت عطا کی ہے' اس سے پہلی امتیں اپنی کتاب کو دیکھ کر پڑھتی تھیں' اس وقت دنیا میں تورات' انجیل اور زبور آسمانی کتابیں مختلف زبانوں میں موجود ہیں' ہندوؤں کی وید بھی ہے لیکن کسی کتاب کا دنیا میں ایک بھی حافظ نہیں ہے یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ دنیا میں اس کے لاکھوں بلکہ کروڑوں حافظ موجود ہیں۔

یہ قرآن ان کے سینوں میں ہے جن کو علم دیا گیا ہے وہ حکماء اور علماء اور تفقہ میں انبیاء کی مثل ہیں' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں (کتاب العلم باب: ۱۰) کافروں کے قول کے موافق یہ قرآن سحر یا شعر نہیں ہے بلکہ اس میں ایسی آیات ہیں جن سے اللہ کے دین اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے' اور یہ قرآن اسی طرح اہل علم کے سینوں میں ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور مومنین ہیں جو قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں اور اس کی قرأت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت میں علم کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے کلام اور انسانوں اور شیاطین کے کلام میں فرق کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا آیات بینات (واضح آیتوں) سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی اہل کتاب اپنی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات لکھی ہوئی پاتے ہیں کہ آپ نبی امی ہیں لیکن انہوں نے اپنی

جانوں پر ظلم کیا اور ان آیتوں کو چھپالیا' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیات بینات کے مصداق ہیں آپ ایک آیت نہیں ہیں بلکہ آیات ہیں' کیونکہ آپ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی ایک نشانی نہیں ہے بلکہ آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کی بہ کثرت نشانیاں ہیں' نیز آیات سے دین کے احکام کا علم ہوتا ہے اور آپ سے دین کے تمام احکام کا علم حاصل ہوا' اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صاحب آیات بینات ہیں اور اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بتایئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا بے شک نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۱)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے احکام پر عمل کو انسانی پیکر میں دیکھنا چاہو تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے اور اگر سیرتِ مصطفیٰ کو نظم اور عبارت میں دیکھنا چاہو تو وہ متن قرآن ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسں وہی طٰہٰ
لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں نازل کیے گئے! آپ کہیے معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں میں تو صرف برسرعام عذاب سے ڈرانے والا ہوں O کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے' جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے! بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور رحمت اور نصیحت ہے O (العنکبوت: ۵۱-۵۰)

معجزہ کا حصول نبی کے اختیار میں نہیں اور معجزہ کا دکھانا نبی کے اختیار میں ہے

مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کو ایسے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے معجزات انبیاء سابقین کو دیئے گئے تھے' مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کے لیے پہاڑ سے اونٹنی نکالی گئی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردے زندہ کیے گئے' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے معجزات تو اللہ کے پاس ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے نبیوں اور رسولوں کو معجزات عطا فرماتا ہے۔ معجزہ کو وجود میں لانا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو معجزہ عطا فرمادے تو پھر وہ اس کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جب چاہے اس معجزے کو لوگوں کے سامنے دکھائے اور پیش کردے' علماء دیوبند کہتے ہیں اس میں بھی نبی کا اختیار نہیں ہوتا' معجزہ نبی کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے' قلم کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا' اختیار کاتب کے ہاتھ میں ہوتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ معجزہ کو وجود میں لانا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ عطا فرما دیتا ہے تو پھر نبی کو اختیار دیتا ہے کہ وہ حسب ضرورت اس معجزہ کو پیش کردے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى — فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر O
عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الشعراء: ۳۲-۳۱) — موسیٰ نے اسی وقت اپنا عصا ڈال دیا تو وہ برسرعام اژدھا بن گیا O

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے فرمائشی معجزات عطا نہیں فرمائے کیونکہ ان کی فرمائش اور طلب کا سلسلہ تو کہیں

ختم نہیں ہوتا' اور اگر وہ اپنے مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے تو پھر ان پر ایک ایسا عذاب آتا جس سے منکرین کی قوم ہلاک ہو جاتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ان کی قوم پر عذاب بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔

تورات وغیرہ پڑھنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ناراض ہونا

اس کے بعد فرمایا: کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں نازل کیے گئے' جواب کی تقریر یہ ہے کہ کیا ان مشرکین کے لیے قرآن مجید کا معجزہ کافی نہیں ہے! جس کے ساتھ ان کو چیلنج کیا گیا کہ تم اس کی نظیر لے آؤ اور وہ اس کی نظیر نہیں لا سکے' پھر ان سے کہا گیا کہ تم اس کی کسی ایک سورت کی نظیر لے آؤ تو یہ بھی نہیں لا سکے' اور اب چودہ سو سال سے زائد گزر چکے ہیں اسلام کے منکرین اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور علوم اور فنون بھی بہت ترقی کر چکے ہیں پھر بھی کوئی منکر اور مخالف قرآن مجید کی نظیر آج تک نہیں پیش کر سکا۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن جعدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہڈی پر لکھی ہوئی ایک کتاب لائے اور فرمایا کسی قوم کی حماقت اور اس کی گمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کا نبی ان کے پاس ایک کتاب لے کر آئے اور وہ اس سے اعراض کر کے کسی اور کتاب کا مطالعہ کریں پھر یہ آیت نازل ہوئی: کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر الکتاب نازل کی ہے۔ الآیۃ۔ (اگر کوئی شخص تورات وغیرہ سے احکام حاصل کرنے کے لیے ان کو پڑھے تو یہ ممنوع ہے اور اگر دین اسلام کی حقانیت اور آپ کی نبوت کے اثبات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرے تو پھر جائز ہے بلکہ مستحسن ہے)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸۴' الکشف والبیان للثعلبی ج ۷ ص ۲۸۶)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ایک ہڈی پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ لکھا ہوا لائیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ متغیر ہونے لگا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر میرے ہوتے ہوئے تمہارے سامنے حضرت یوسف خود بھی آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ان کتابوں کا پڑھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ اسلام سے اعراض کر کے ان کا پڑھنا ممنوع ہے)

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۱۰ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۰ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۵)

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیسے سوال کر سکتے ہو جب کہ تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تازہ خبریں ہیں' اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ اس میں تبدیلی کرتے ہیں اور آیات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور وہ اس کے معاوضہ میں تھوڑی قیمت لیتے ہیں کیا تم کو اللہ کے دین کے متعلق ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کیا' اللہ کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو تم سے تمہارے دین کے متعلق سوال کرتا ہو۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۱۰۔۱۰۹ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۲۸ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۴)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا' حضرت عمر نے اس کو غور سے سنا وہ ان کو اچھی لگی انہوں نے اس سے کہا کیا تم مجھ کو بھی یہ کتاب لکھ دو گے؟ اس نے کہا ہاں! پھر حضرت عمر نے ایک چمڑے کا پترا خریدا اور اس کی دونوں طرف اس کو لکھوایا۔ پھر وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور آپ کو سنانا شروع کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا پھر ایک انصاری نے اس مکتوب پر ہاتھ مار کر کہا اے ابن الخطاب! تم پر تمہاری ماں روئے کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے اور تم حضور کو یہ پڑھ کر سنا رہے ہو! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے پاس صرف شریعت کا افتتاح کرنے والا اور شریعت کو ختم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع الکلم اور فواتح الکلم عطا کیے گئے ہیں' سو تم کو مشرکین ہلاک نہ کر ڈالیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۱۰ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۲)

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت عمر' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف جگہوں سے تورات کو پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سخت متغیر ہو رہا تھا' حضرت عبداللہ بن حارث نے حضرت عمر سے کہا کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے! حضرت عمر نے کہا میں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں! تب آپ کے چہرے سے غصہ کی کیفیت دور ہوئی اور آپ نے فرمایا اگر اب موسیٰ نازل ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم گم راہ ہو جاتے نبیوں سے میں تمہارا حصہ ہوں اور امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۱)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' اس کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور زمینوں میں ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ

اٹھانے والے ہیں ○ یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور اگر عذاب کے لیے ایک

مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا اور ان پر ضرور عذاب اچانک آئے گا اس حال میں

يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ

کہ ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اور (یہ مطمئن رہیں) یقیناً دوزخ کافروں

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

کا احاطہ کرنے والی ہے O اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ

اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

لے گا اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزہ چکھو O اے میرے ایمان دار بندو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ

بے شک میری زمین وسیع ہے سو تم میری ہی عبادت کرو O ہر جان دار موت کو

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اعمال کیے ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جس کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے O جن لوگوں نے صبر کیا

وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے،

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ

ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے کام پر لگایا تو وہ ضرور کہیں گے

اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

کہ اللہ نے، تو وہ کہاں الٹے پھر رہے ہیں O اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر

عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ

دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا O اور اگر

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ

آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ

بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں'

ع ۱۲ ۶ ۲ یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

بلکہ ان کے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' اس کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اور اگر عذاب کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا' اور ان پر ضرور عذاب اچانک آئے گا اس حال میں کہ ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا O یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور (یہ مطمئن رہیں) یقیناً دوزخ کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے O اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا' اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزا چکھو O (العنکبوت: ۵۵-۵۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے پر دلائل

آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' یعنی تم جو میرے رسول ہونے کی تکذیب کر رہے ہو وہ اس کو جانتا ہے' اور اس کو یہ بھی معلوم ہے جو میں تم سے کہتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں' اگر میں نے تم سے جھوٹ بولا ہوتا اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہوتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۙ﴿﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۙ﴿﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۙ﴿﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ O (الحاقۃ: ۴۷-۴۴)

اور اگر یہ کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے O تو ہم ضرور ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے O پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے O پھر تم میں سے کوئی بھی ان کی طرف سے مدافعت کرنے والا نہ ہوتا O

اور جب اللہ تعالیٰ نے میرے دعویٰ رسالت پر کوئی گرفت نہیں کی اور کوئی انتقام نہیں لیا تو معلوم ہو گیا کہ میرا دعویٰ رسالت سچا ہے' اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روشن معجزات اور قوی اور قطعی دلائل سے میری نبوت اور رسالت کی تائید فرمائی' اور اللہ کی گواہی برحق ہے کیونکہ اس کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کا علم ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے' اور جن لوگوں نے باطل کو مانا یعنی بتوں کی شیطان کی اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کی اور اللہ کے ساتھ کفر کیا یعنی جس کا

انکار کرنا چاہیے تھا اس پر ایمان لائے اور جس پر ایمان لانا چاہیے تھا اس کا انکار کیا' اس طرح انہوں نے اپنی فطرت اصلیہ اور فطری ہدایت کو بھی ضائع کیا اور ان کو جو دلائل پہنچائے گئے تھے ان کو بھی انہوں نے ضائع کیا' یہی لوگ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کاموں کی سزا دے گا۔

کفار مکہ کے عذاب میں تاخیر کی وجہ

اس کے بعد فرمایا یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' قرآن مجید میں **یستعجلونک** کا لفظ ہے اس کا مصدر استعجال ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔ نضر بن الحارث نے کہا تھا یہ عذاب کی وعید کب پوری ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اگر عذاب کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا' اور ان پر عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی قوم پر ایسا عذاب نازل نہیں کرے گا جس سے آپ کی پوری قوم نیست اور نابود ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے منکروں اور کافروں کے عذاب کو روز قیامت تک مؤخر کر دے گا' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ قیامت کے دن ان پر اچانک عذاب آئے گا' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کی موت کے فوراً بعد ان پر عذاب آ جائے گا' کیونکہ انسان کے مرتے ہی اس پر قیامت آ جاتی ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اس کی قیامت آ جاتی ہے سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرتے رہو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۴۸)

کیونکہ برزخ میں عذاب ہوتا ہے اور یہ عذاب روح کو اور جسم کے اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے' اور موت اچانک آتی ہے اور ان کافروں کے مرتے ہی ان پر قیامت آ جائے گی اور ان پر اچانک وہ عذاب آ جائے گا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ بعض آثار میں ہے جو شخص درست کام کرتا رہتا ہو اور اپنی موت کے لیے تیار رہتا ہو' اس کی موت اچانک نہیں ہوتی خواہ نیند میں اس کی روح قبض کر لی جائے اور جس شخص کے کام درست نہ ہوں اور نہ وہ موت کے لیے تیار ہو تو اس کی موت اچانک آتی ہے خواہ وہ ایک سال سے بستر علالت پر ہو۔ (روح البیان ج ۶ ص ۶۱۷)

زمین پر دوزخ کے وجود کے متعلق روایات اور بحث ونظر

اس کے بعد فرمایا: یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں (یہ مطمئن رہیں) دوزخ کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے۔ (العنکبوت: ۵۴)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جہنم سے مراد یہ سمندر ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جہنم یہی سبز رنگ کا سمندر ہوگا اسی میں ستارے ٹوٹ کر گریں گے اسی میں سورج اور چاند ہوں گے' پھر اسی میں آگ بھڑکا دی جائے گی تو یہی جہنم ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۴)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر ہی جہنم ہوگا' ان سے کسی نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ — بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی۔ (الکھف: ۲۹)

حضرت یعلیٰ نے اس سے جواب میں کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گا' حتیٰ کہ میں اللہ عزوجل کے سامنے پیش کیا جاؤں اور جب تک میں اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں مجھے اس آگ کے سمندر کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا۔ (مسند احمد ج ۴ص ۲۲۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۸۸۳' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے یہ بہت غریب ہے اور حضرت یعلیٰ نے جو اس کی تفسیر کی ہے وہ بھی بہت غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۴۵۹-۴۵۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ زین نے مسند احمد کے حاشیہ میں لکھا ہے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے رجال موثق ہیں یعنی اس کے راوی قوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۸۶' دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۴ص ۳۳۴' مطبوعہ ملتان)

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج' عمرہ یا جہاد کے سوا سمندر میں سفر نہ کیا جائے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی بشیر بن مسلم ہے' امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے (یعنی ضعیف ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا سمندر کا پانی وضو یا غسل جنابت کے لیے کافی نہیں ہے سمندر کے نیچے آگ ہے' پھر پانی ہے پھر آگ ہے' سات سمندر اور سات آگ ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۴ص ۳۳۴' مطبوعہ ملتان)

بشیر بن مسلم کی روایت کو امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۹)

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المتوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث مضطرب ہے' امام بخاری نے اپنی تاریخ میں کہا یہ حدیث مضطرب ہے اور صحیح نہیں ہے۔

(التاریخ الکبیر ج ۲ص ۹۰' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ) (مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ص ۳۵۹' دارالمعرفۃ بیروت)

علامہ حمد بن محمد ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا اس حدیث کی سند ضعیف ہے' سمندر کے نیچے آگ ہونے کی تاویل یہ ہے کہ اس میں سفر کرنے والا آفات اور مصائب سے مامون نہیں ہے اور قریب ہے کہ وہ آگ میں جل جائے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ص ۳۵۹ دارالمعرفۃ' بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی ان دونوں حدیثوں کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے ان حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور سورۃ ق کی تفسیر میں وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ذوالقرنین نے ق نامی پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھا تو انہیں کوہ قاف کے نیچے چھوٹے چھوٹے پہاڑ دکھائی دیئے' انہوں نے اس پہاڑ سے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں قاف ہوں' انہوں نے پوچھا یہ تمہارے گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ کیسے ہیں' اس نے کہا یہ میری رگیں ہیں اور ہر شہر میں میری رگوں میں سے کوئی نہ کوئی رگ ہے اور جب اللہ تعالیٰ زمین میں زلزلہ لانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دیتا ہے تو میں اپنی ان رگوں کو حرکت دیتا ہوں اور زمین میں زلزلہ آجاتا ہے' ذوالقرنین نے کہا اے قاف! مجھے اللہ کی عظمت کے متعلق کوئی خبر سنایئے' قاف نے کہا ہمارے

رب کی شان ہمارے وہم وگمان سے بہت بلند ہے انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کم از کم کوئی وصف بتائیں، قاف نے کہا میرے پیچھے ایک زمین ہے جس کی مسافت پانچ سو در پانچ سو سال کی ہے وہ برف کا پہاڑ ہے جو تہہ در تہہ ہے اگر وہ نہ ہوتا تو جہنم کی فضا سے زمین جل جاتی۔

علامہ قرطبی نے کہا یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہنم روئے زمین پر ہے اور وہ زمین میں کس جگہ پر ہے اس کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔ (التذکرہ ج ۲ ص ۱۴۰۔۱۳۹ مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ ۱۴۱۷ھ)

کوہ قاف کے متعلق جو روایات ہیں ان کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ہم پر ان کی تصدیق یا تردید واجب نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ کس جگہ پر واقع ہے یہ کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہے البتہ جنت کے متعلق حدیث صحیح سے معلوم ہے کہ وہ سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۵، المستدرک ج ۱ ص ۸۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزا چکھو○ (العنکبوت: ۵۵)

جس طرح دنیا میں ان کو حرص نے اور شہوت نے اور تکبر اور حسد نے اور غضب نے اور کینہ نے ڈھانپ رکھا تھا اور ان کے تمام اقوال، افعال اور احوال نفس کی ان صفات ذمیمہ کے تابع ہوتے تھے، تکبر، غضب، حسد اور کینہ ان کے اوپر سے ان پر حاوی تھا اور حرص اور شہوت نیچے سے ان پر غالب تھی اس کی سزا میں دوزخ کی آگ ان کو ان کے اوپر اور ان کے نیچے سے ڈھانپ لے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے ایمان دار بندو! بے شک میری زمین وسیع ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو○ ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے○ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے!○ جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں○ اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے○ (العنکبوت: ۶۰۔۵۶)

کن صورتوں میں کفار کے ملک سے ہجرت کرنا فرض ہے اور کن میں نہیں

سعید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب کسی زمین میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے تو وہاں سے نکل جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی زمین وسیع ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۷)

عطاء نے کہا جب تم کو گناہ کی دعوت دی جائے تو وہاں سے بھاگ جاؤ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۸)

زید بن اسلم نے کہا اس آیت میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن پر مشرکین ان کے ایمان کی وجہ سے ظلم کر رہے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۰۲)

اگر ایمان، فرائض، واجبات اور دیگر نیک اعمال کو کافروں کے ملک سے ہجرت کیے بغیر بچانا ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا فرض ہے، ورنہ مستحب ہے۔

مطرف بن عبد اللہ نے کہا اس کا مطلب ہے کہ میرا رزق تم پر وسیع ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۰۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے ملک میں رہنا درست نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ انسان کافروں کے ملک سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اللہ کے نیک بندے ہوں' اور اگر کسی علاقہ میں تمہارے لیے اپنے ایمان کا اظہار کرنا مشکل ہو تو تم پر اس جگہ سے ہجرت کرنا واجب ہے اور جس جگہ ظلم اور فسق و فجور ہو وہاں سے بھی ہجرت کر کے پر امن اور نیک لوگوں کے علاقے میں چلا جائے' اسی طرح اگر کسی جگہ روزگار نہ ملے تو کسی دوسری جگہ چلا جائے' بعض علماء نے کہا زمین سے مراد جنت کی زمین ہے یعنی جنت کی زمین بہت وسیع ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ہر جاندار موت کو چکھنے والا ہے۔ (العنکبوت: ۵۷)

اس کی مکمل تفسیر آل عمران: ۱۸۵ میں گزر چکی ہے' یہاں مراد یہ ہے کہ دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے کیونکہ ایک دن بہر حال مرنا ہے اس لیے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ مکہ اگرچہ ان کا وطن ہے لیکن اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے ان کو اگر مکہ چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیں اور ہجرت کر لیں کیونکہ یہ زندگی فانی ہے اور انہوں نے بہر حال مر کر اللہ کے پاس جانا ہے۔

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کی وجہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں گیا خواہ وہ ایک بالشت کے فاصلہ پر گیا ہو تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما السلام کا رفیق ہوگا۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

جنت کے بالا خانوں کا کون مستحق ہوگا

اس کے بعد فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ (العنکبوت: ۵۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ آسمان میں ستاروں کو دیکھتے ہو' حضرت ابوسعید نے کہا جس طرح تم آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے میں روشن ستارے کو دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت میں ایک بالا خانہ ہے اس کی ظاہری چیزیں اس کی باطنی چیزوں سے نظر آئیں گی اور اس کی باطنی چیزیں اس کی ظاہری چیزوں سے نظر آئیں گی۔ ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بالا خانہ کس کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بالا خانہ اس کے لیے ہے جو شیریں گفتگو کرے' کھانا کھلائے' ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو اٹھ کر اللہ کے لیے نماز پڑھے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۲۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگ اپنے اوپر بالا خانے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے میں دور سے چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھتے ہو' کیونکہ بعض کے درجات بعض سے زائد ہیں' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا وہ انبیاء کے درجات ہوں گے؟ جن تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۲-۲۸۳۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۷)

مستقبل کے تحفظ کے لیے مال جمع کرنے یا نہ کرنے کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق

اس کے بعد فرمایا: جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے O (العنکبوت: ٦٠-٥٩)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا اور ہم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے' آپ پھل توڑ کر کھا رہے تھے آپ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عمر! کیا بات ہے تم کیوں نہیں کھا رہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بھوک نہیں ہے' آپ نے فرمایا میں ضرور کھاؤں گا مجھے بھوک لگی ہوئی ہے' یہ چوتھی صبح ہے میں نے کوئی طعام چکھا ہے نہ مجھے ملا ہے' اور اگر میں چاہوں تو میں اپنے رب سے دعا کروں تو وہ مجھے قیصر و کسریٰ جیسا ملک عطا فرما دے' اے ابن عمر! اس وقت کیا حال ہوگا جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو اپنا ایک سال کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان کا یقین کمزور ہوگا پس اللہ کی قسم ابھی ہم اس باغ سے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوگئی: اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی! الایۃ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خزانہ جمع کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ اپنی خواہش پوری کرنے کا' آپ کی مراد تھی باقی زندگی میں' اور بے شک زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' سنو میں دینار اور درہم کو جمع نہیں کرتا اور نہ کبھی رزق کو چھپا کر رکھوں گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٧٤١٤' اسباب النزول للواحدی ص ٣٥٣' الدر المنثور ج ٦ ص ٣١٩)

ان احادیث کی بناء پر بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ کل کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کر کے رکھنا جائز نہیں ہے اور مستقبل کے لیے مال کو پس انداز کر کے رکھنا بھی صحیح نہیں ہے' لیکن ان کا یہ قول باطل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا غلہ ازواج مطہرات کو فراہم کر دیتے تھے' اور حضرات صحابہ کرام بھی مال جمع کرتے تھے اور وہی ہمارے لیے نمونہ اور مقتدا ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم رئیس المتوکلین ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد والوں کے لیے متقین اور متوکلین کے امام ہیں' یہ احادیث ابتدائی دور کی ہیں جب مسلمانوں پر بہت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس وقت کا شانہ رسالت میں کئی کئی دن کھانا نہیں پکتا تھا' جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تنگی اور وسعت کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٥٧' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ ص ٢٣٩' مسند احمد ج ٦ ص ٤٢' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٥٠٩٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل مدینہ میں آئی ہے انہوں نے مسلسل تین دن گندم نہیں کھائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٤١٦-٦٤٥٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٧٠' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٥٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٣٤٤)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا کئی کئی دن بھوکا رہنا مشکل ہے۔ جب کہ یہ ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ایک سال کی روزی (طعام اور غلہ وغیرہ) فراہم کر دیتے تھے اور آپ نے مال فئی میں سے چار آدمیوں کو ایک ہزار اونٹ عطا کیے' اور آپ اپنے عمرہ میں ایک سو اونٹوں کو لے

گئے' آپ نے وہ اونٹ ذبح کیے اور مسکینوں کو کھلائے اور آپ نے ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرنے کا حکم دیا' علاوہ ازیں آپ کے ساتھ مال دار صحابہ تھے' مثلاً حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرھم اور یہ صحابہ اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو آپ کے سامنے خرچ کرتے تھے' آپ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر اپنا تمام مال لے آئے' حضرت عمر آدھا مال لے آئے' آپ نے غزوۂ تبوک کے لشکر کی امداد کی ترغیب دی تو حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ پیش کیے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے احوال مختلف ہوتے تھے' ان کا کم خوراک کھانا کسی احتیاج' فقر یا تنگی کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ وہ کبھی ایثار کی وجہ سے کم کھاتے تھے اور کبھی سیر ہو کر کھانے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یا بسیار خوری سے اجتناب کی وجہ سے' (امام طبری کا کلام ختم ہوا' اب علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:) امام طبری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے مطلقاً تنگی کی جو نفی کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں اس کا ذکر ہے' امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا کہ جو شخص تم سے یہ حدیث بیان کرے کہ ہم سیر ہو کر کھجوریں کھاتے تھے اس نے تم سے جھوٹ بولا' کیونکہ جس سال بنو قریظہ مفتوح ہو گئے اس سال ہم کو کچھ کھجوریں اور چربی ملی' اور غزوۂ خیبر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے' اور کتاب الاطعمۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے' اور حضرت ابن عمر نے فرمایا جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ہجرت سے پہلے زیادہ تر تنگی کے حال میں رہے تھے جب وہ مکہ میں تھے' اور جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تب بھی ان میں سے اکثر اسی حال میں تھے حتیٰ کہ انصار نے ان کی مدد کی اور اپنے گھر اور اپنے عطیات دیئے' اور جب بنو النضیر مفتوح ہو گئے اور اس کے بعد ان پر خوش حالی آئی تو انہوں نے ان کے عطیات واپس کیے' جیسا کہ کتاب الھبۃ میں تفصیل سے گزر چکا ہے' اور اسی کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے مجھے اللہ کی راہ میں اس قدر دھمکیاں دی گئیں کہ کسی کو اتنی دھمکیاں نہیں دی گئیں۔ اور مجھے اللہ کی راہ میں اس قدر اذیت دی گئی ہے کہ کسی کو اتنی اذیت نہیں دی گئی اور مجھ پر اور بلال پر تیں ایسے دن رات آئے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی ماسوا اس چیز کے جو بلال نے بغل میں چھپالی تھی (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۶۰) ہاں باوجود اس کے کہ آپ کو دنیا میں وسعت اور خوش حالی حاصل ہو گئی تھی پھر بھی آپ اپنے اختیار سے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ وہ میرے لیے مکہ کی وادی کو سونے کی بنا دے' میں نے کہا نہیں اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے گڑ گڑا کر طلب کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷)

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۸۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

لوگوں کی ضرورت اور ان کے ضرر کے وقت ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ..... اور حالت توسع میں اس کا جواز

ہم نے اس بحث میں یہ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کو ایک سال کا طعام اور غلہ فراہم کر دیتے تھے' اس کے ثبوت میں یہ حدیث ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر کے کھجور کے باغ

فروخت کر دیتے تھے اور اپنے اہل کے لیے ایک سال کا رزق محفوظ کر کے رکھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۱ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں یا غلہ کی نصف پیداوار کے عوض خیبر کی زمین دی، آپ ہر سال ازواج مطہرات کو سو وسق طعام دیتے تھے (ایک وسق ۱۵۵ کلوگرام کے برابر ہے) جس میں سے اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جَو ہوتے تھے، حضرت عمر جب خلیفہ ہوئے اور انہوں نے اموال خیبر کی تقسیم کی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زمین اور پانی میں سے ایک حصہ لے لیں یا وہ ہر سال مقررہ وسق لے لیں، ازواج مطہرات میں اختلاف ہوا، بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض ازواج نے مقررہ وسق طعام لینے کو اختیار کیا، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ان میں سے تھیں جنہوں نے زمین اور پانی لینے کو اختیار کیا۔

(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب: ۱ رقم الحدیث: ۲ رقم الحدیث بلاتکرار ۱۵۵۱ رقم الحدیث المسلسل: ۳۸۸۸)

علامہ ابی الحسین علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہلب نے کہا ہے اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم کے لیے اپنے اہل اور عیال کے لیے ایک سال کے رزق کو ذخیرہ کرنا اور جمع کرنا جائز ہے، اور یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے اور انسان اپنے باغ کے پھلوں میں سے جو اپنی روزی کے لیے جمع کر لے اور محفوظ کر لے وہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ امام طبری نے کہا اس میں صوفیاء کے اس قول کا رد ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آج کے دن کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر رکھ لے، اور ایسا کرنے والا اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے اور اپنے رب پر اس طرح توکل نہیں کرتا جو توکل کرنے کا حق ہے، اور اس قول کا فساد بالکل ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کے لیے ایک سال کی روزی جمع کر کے محفوظ رکھتے تھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۴۴، مکتبۃ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ایک سال کی روزی کو ذخیرہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اپنے نفس کے لیے بالکل نہیں تھا بلکہ اپنے اہل وعیال کے لیے تھا، اور اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کہ انسان اپنی زمین اور اپنی زراعت میں سے اپنی پیداوار کو ذخیرہ کر لے، جب کہ اس نے اس غلے کو بازار سے نہ خریدا ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کے لیے جس طعام کا ذخیرہ کیا تھا وہ اپنی زراعت سے کیا تھا، اور بازار سے طعام خرید کر اس کو ایک سال کے لیے ذخیرہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک قوم نے اس کو بھی جائز کہا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث میں اس کی دلیل نہیں ہے، اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر بازار سے اتنا غلہ خریدنے سے لوگوں کو نقصان نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر بازار میں طعام کی کمی ہو تو حسب ضرورت ایک ماہ یا ایک دن سے زیادہ طعام خرید کر جمع نہ کرے، اور جب طعام کی وسعت کی امید ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور دوسرے علماء نے منع کیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ذخیرہ اندوزی صرف خطا کار کرتا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ایک سال کی روزی خرید کر جمع کرنا ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۷، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں مہلب اور طبری کے اقوال ذکر کیے ہیں اور یہ کہا ہے کہ اپنی زراعت کی پیداوار سے ایک سال کے غلہ کو جمع کرنا ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کے پاس ایک سال کا طعام ہونے کے...... باوجود ان کی تنگی اور عسرت کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سنن الترمذی کے حوالے سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے' اور ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا رزق ازواج مطہرات کو فراہم کر دیتے تھے' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ اپنی ذات کی خاطر کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے' اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا طعام ذخیرہ کرتے تھے' ہر چند کہ جب آپ اپنے اہل کے لیے ایک سال کا طعام ذخیرہ کرتے تھے تو اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے لیکن آپ کا مقصد صرف اپنے عیال کے لیے ذخیرہ کرنا تھا اور اپنے لیے ذخیرہ کرنا آپ کا مقصد نہ تھا' اور جب پورے سال کے لیے گھر میں طعام کا ذخیرہ ہوتا تھا تو اس میں سے آپ ضرورت مندوں پر خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات اتنا خرچ ہو جاتا تھا کہ آپ کے اہل وعیال کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچتا تھا' اسی وجہ سے حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور آپ کی زرہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۳۶' ایک صاع چار کلو گرام کا ہوتا ہے)

توکل کا صحیح معنی اور مفہوم

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی (العنکبوت: ۶۰) اور اس سے پہلی آیت میں توکل کا بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ حریص اور متوکل کو اور دنیا میں رغبت کرنے والے اور زاہد اور قناعت گزار دونوں کو رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح قوی اور ضعیف اور سخت کوشش کرنے والے اور سست اور عاجز سب کو رزق عطا فرماتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۵)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ توکل میں سعی اور جدوجہد اور حصول اسباب کو ترک نہیں کیا جاتا' بلکہ توکل میں اسباب کی ایک نوع کا حصول ضروری ہے کیونکہ پرندوں کو بھی ان کی کوشش اور طلب کے بعد رزق دیا جاتا ہے' اسی لیے امام احمد نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ترک عمل کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں حصول رزق کے لیے سعی اور جدوجہد کی دلیل ہے' اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے آنے جانے اور تمام کاموں میں اللہ پر توکل کرتے اور یہ یقین رکھتے کہ ہر قسم کی خیر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو وہ پرندوں کی طرح اپنی ہر مہم میں کامیابی کے ساتھ لوٹتے' اور جو شخص اللہ پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنی قوت اور اپنے عمل پر اعتماد کرے تو یہ توکل کے منافی ہے۔

بعض صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے بدن سے کسب کو ترک کرنا اور دل سے کسی کام کی تدبیر نہ کرنا اور مردوں کی طرح زمین پر پڑے رہنا یہ جاہلوں کی سوچ ہے اور شریعت میں حرام ہے۔ امام قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے توکل کی تعریف میں یہ حدیث ذکر کی ہے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ آیا میں اونٹنی کو چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔ (ترمذی قیامت: ۶۰) (الرسالۃ القشیریہ ص ۲۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے

کام پر لگایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو وہ کہاں الٹے پھر رہے ہیں O اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان کے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں O (العنکبوت: ۶۳-۶۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر روزمرہ کے مشاہدات سے استدلال

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ اہل مکہ سے سوال کریں کہ مخلوق کی مصلحت اور فائدہ کے لیے آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو تمہاری ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے کس نے ایک مقرر نظام کا پابند کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! تو پھر تم اس کی توحید کا کیوں اقرار نہیں کرتے اور کیوں اس کے شریک قرار دیتے ہو!

رزق کی تنگی اور کشادگی اسی کے ہاتھ میں ہے' رزق کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری رزق ہے وہ طعام اور مشروب ہے اور ایک باطنی رزق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور حقائق اشیاء کا ادراک ہے۔ پھر فرمایا: بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' اور ان میں یہ چیز بھی ہے کہ کسی شخص کو کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کو کتنی مقدار میں وہ چیز دینے سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی' اور اس کو اس کی ضرورت کے مطابق دینا حکمت اور مصلحت ہے یا اس کی ضرورت سے کم دینا اس کے حق میں حکمت اور مصلحت ہے یا اس کی ضرورت سے زائد دے کر اس کو آزمائش میں مبتلا کرنا حکمت اور مصلحت ہے۔

اس آیت میں فرمایا وہی رزق میں کمی اور زیادتی کرتا ہے اس کا معنیٰ ہے وہی زندہ ہے اور علم والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے علم اور قدرت کے موافق کلام کرنے والا ہے' اور اپنی مخلوق کو دیکھنے والا ہے اور ان کی فریاد کو سننے والا ہے اور وہی چاہنے والا ہے' اور جس چیز کو چاہے اس کو کرنے والا ہے اور اسی کی سلطنت ہے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں' وہ جس کو چاہے تونگر بنا دے اور جس کو چاہے نان شبینہ کا محتاج بنا دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں سب اس کے مملوک اور اس کے بندے ہیں سو وہی تمام کائنات کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے' پھر اس پر ایک اور دلیل قائم کی اور فرمایا: اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ آیت کے اس حصہ میں یہ دلیل ہے کہ تم بار بار دیکھتے ہو کہ وہی مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اور قحط اور خشک سالی کے بعد خوش حالی' تروتازگی اور فصلوں کی زرخیزی لاتا ہے تو جو مردہ زمینوں کو زندہ کر رہا ہے اور جو زمینوں کو بار بار مردہ کرتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے وہ اس پوری کائنات اور تمام انسانوں کو مردہ کر کے ان کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا' اس نے ابتداءً اس کائنات کو بنایا پھر اس کائنات کو اور خصوصاً تمہیں باقی اور زندگی پر قائم رکھنے کے لیے زمین کی فصلیں اگانے اور بارش نازل کرنے کا نظام بنایا اور تمہارے رزق کا سبب بنایا' سو وہی ہر نعمت پر ہر انسان سے ہر زمانہ میں حمد اور تعریف کا مستحق ہے اور جو محمود ہے وہی معبود ہے' اس لیے آپ کہیئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے کوئی بتوں کی پرستش کرتا ہے' کوئی حضرت عیسیٰ کی عبادت کر رہا ہے اور کوئی اپنی خواہشوں کے آگے سر جھکا رہا ہے اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنے نفس کے حکم کی بڑائی ظاہر کر رہا ہے' پھر زبان سے کہتا ہے اللہ اکبر' اللہ ہر چیز سے بڑا ہے سو یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے' اسی طرح یہ مشرکین کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ نے بنایا اسی نے چلایا ہے پھر اس کی مخلوق کے آگے سر جھکاتے ہیں اور شرک کرتے ہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ
اور دنیا کی یہ زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت

الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ
کا گھر ہی اصل زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے O سو جب وہ کشتیوں میں سوار

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ
ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں' پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ
اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ
فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے حالانکہ ان

مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾
کے گردونواح سے لوگوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے O

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ
اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے

لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ
تو اس کو جھٹلائے' کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہو گا O اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں (اور

جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع
مشقت اٹھاتے ہیں) ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے O

وقف لازم

ع ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی یہ زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے' کاش وہ جانتے ہوتے O سو جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم

نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے O (العنکبوت: ۶۶۔۶۳)

دنیا کا معنی اور دنیا کے خسیس اور گھٹیا ہونے کے متعلق احادیث

لھو کا معنی ہے وہ کام جو انسان کو کسی اہم کام سے غافل کر دے موسیقی کے آلات کو ملاہی کہتے ہیں' اور لعب کا معنی ہے عبث' بے کار اور بے مقصد کام۔

حیات دنیا کو دنیا دو اعتبار سے کہا جاتا ہے ایک یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ہے حیات دنیا پہلی زندگی ہے اور حیات آخرت دوسری زندگی ہے اور دنیا کا معنی اولیٰ ہے یعنی پہلی زندگی' اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ حیات آخرت دور اور بعید ہے اور حیات دنیا قریب ہے اور دنیا' دنو سے بنا ہے پس دنیا کا معنی قربیٰ ہے' یعنی دنیا کی زندگی قریب ہے' اس میں ایک تیسرا اعتبار بھی ہے کہ دنیا' دنی سے بنا ہے اور دنی کا معنی ذلیل اور گھٹیا ہے اور دنیا آخرت کے مقابلہ میں ذلیل اور گھٹیا ہے اور آخرت افضل اور اعلیٰ ہے۔

دنیا کے دنی اور گھٹیا ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے جس کو اس کے گھر والوں نے پھینک دیا تھا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال اس سے زیادہ آسان ہے جتنا اس مردار بکری کے گھر والوں کے نزدیک اس کو پھینکنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کا کوئی گھر نہ ہو دنیا اس کا گھر ہے اور جس کا کوئی مال نہ ہو دنیا اس کا مال ہے اور جس کے پاس عقل نہ ہو وہ دنیا کے مال کو جمع کرتا ہے (یہ حدیث صحیح ہے۔ سیوطی)

(مسند احمد ج ۶ ص ۷۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۶۳۸' الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۲۹۳۱' الترغیب ج ۴ ص ۱۰۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی اے داؤد! دنیا کی مثال اس مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو کر اس کو گھسیٹ رہے ہوں! (اے مخاطب!) کیا تو پسند کرتا ہے کہ تو بھی ان کی طرح کتا بن کر دنیا کو ان کے ساتھ گھسیٹے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۰۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۷۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۲۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا پر لعنت کی گئی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس پر بھی لعنت کی گئی ہے' سوا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور اس کے جو اس کے ذکر کے قائم مقام ہے یا عالم یا متعلم کے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۲' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۳۱۱۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۰۸۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۰۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا مردار ہے' سو جو شخص دنیا کا ارادہ کرے اس کو کتوں کے ساتھ مخلوط ہونے پر صبر کرنا چاہیے۔ (الدر المنتثر للسیوطی ص ۱۶۹' رقم الحدیث: ۲۴۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

''دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں'' ان کا معنی صحیح ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے' امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ہر روز ایک منادی تین بار یہ ندا کرتا ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دو' جس نے ضرورت سے زیادہ دنیا کو لیا اس نے بے خبری میں اپنی موت کو لیا ہے' اس معنی میں اور متعدد احادیث ہیں (ان کو ہم نے باحوالہ ذکر کر دیا ہے) ہمارے

امام شافعی نے اپنے اشعار میں دنیا کو مردار کہا ہے اور خوب کہا ہے:

ومن یامن الدنیا فانی طعمتها — وسیق الینا عذبها وعذابها

اور دنیا سے کون بچے گا میں اس کو چکھ چکا ہوں — اس کی مٹھاس اور اس کا عذاب ہم تک پہنچ چکا ہے

فما هی الا جیفة مستحیلة — علیها کلاب همهن اجتذابها

دنیا تو صرف ایک متغیر مردار ہے — جس پر کتے ہیں جو اس کو کھینچنا چاہ رہے ہیں

فان تجتنبها کنت سلما لاهلها — وان تجتذبها نازعتک کلابها

اگر تم دنیا سے اجتناب کرو گے تو دنیا داروں — اگر تم دنیا کو کھینچو گے تو اس کے کتے تم سے جھگڑا کریں گے

(کے شر) سے سلامت رہو گے (الکشف الخفاء ومزیل الالباس ج ا ص ۴۱۰۔۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق)

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا فرمانے کی وجہ

دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشے کے ساتھ دو وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشا بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا' اسی طرح دنیا کی زیب و زینت اور اس کی باطل خواہشیں بھی جلد ختم ہو جاتی ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشے میں مشغول رہنا بچوں اور کم عقلوں کا کام ہے نہ کہ عقل والوں کا' اسی طرح عقل والے دنیا کی رنگینیوں اور دل چسپیوں سے دور رہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انا من دد ولا الدد منی. — نہ میں کھیل کود سے ہوں اور نہ کھیل کود مجھ سے ہے۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر للجزری ج ا ص ۱۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حکمت اور مصلحت کی بناء پر پیدا فرمایا ہے پھر اس آیت میں اس کو لہو و لعب کیوں فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اعم اور اغلب کے اعتبار سے فرمایا ہے کیوں کہ اکثر لوگوں کی غرض دنیا کے حصول سے لہو و لعب ہوتی ہے اور جب انسان دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے تو پھر وہ اللہ سے غافل ہو جاتا ہے' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے اور زیب و زینت ہے اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر ہے اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر کثرت کو ظاہر کرنا ہے' جیسے بارش سے زرخیزی کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ فصل خشک ہو جاتی ہے پس تم دیکھتے ہو وہ زرد ہو جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے' اور (کافروں کے لیے) وہ آخرت میں عذاب شدید ہے اور (مومنوں کے لیے) وہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی پونجی ہے۔

دار آخرت کا حقیقی زندگی ہونا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔

دار آخرت سے مراد ہے جنت' یعنی جنت ہی حقیقی زندگی کا گھر ہے' کیونکہ جنت میں موت کا آنا اور فنا کا طاری ہونا ممتنع

ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا موت کا گھر ہے' کیونکہ کافر اگر دنیا میں زندہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مردہ فرمایا' ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى. (النمل:۸۰) بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے۔

لِّيُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الۡقَوۡلُ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ○ (یٰسین:۷۰) تاکہ قرآن ہر اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔

پس معلوم ہوا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں مردہ ہیں جیسا کہ ہم نے اس کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں' ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے زندہ کر دیا سو وہ زندہ ہیں۔اس آیت میں آخرت کو فرمایا ہے یہی حیوان ہے' حیوان اس کو کہتے ہیں جو اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ زندہ ہو اور آخرت میں ارواح ہیں اور فرشتے ہیں اور جنت ہے اور جنت کے درخت اس کے پھل اس کے بالا خانے' اس کے باغات اس کے دریا اور اس کی مٹی اس کے حور و قصور ان میں سے کسی چیز پر فنا نہیں آئے گی سو آخرت اپنے تمام اجزاء کے ساتھ زندہ ہے' اور حیات حقیقی وہ ہے جس میں کوئی بدمزگی نہ ہو' کسی قسم کا رنج اور خوف نہ ہو کوئی بیماری نہ ہو کسی نعمت کے زوال کا خدشہ نہ ہو سو جنت ایسی ہی ہے اور جنت آخرت میں ہے سو آخرت ہی حیات حقیقی ہے' اور فرمایا اگر وہ جانتے ہوتے یعنی اگر کفار یہ جانتے کہ دنیا تو مردہ ہے اور موت ہے اور حقیقی حیات تو آخرت میں ہے' اور آخرت میں کامیابی اور سرخ روئی ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے سے حاصل ہوگی تو وہ ایمان لے آتے اور اس فانی اور عارضی حیات کے تقاضوں کو ترک کر کے دائمی اور حقیقی حیات کے تقاضوں کو اپنا لیتے۔

اخلاص کا معنی اور مومن اور کافر کے اخلاص کا فرق

اس کے بعد فرمایا: سو جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں' پھر جب وہ انہیں سمندر سے بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ○ (العنکبوت:۶۵)

اخلاص کا معنی ہے دل کو اللہ کے ماسوا ہر چیز سے خالی کر لیا جائے اور اللہ کے سوا کسی چیز پر انسان کا اعتماد نہ ہو اور اس کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو اور ذہن میں اس کے سوا اور کسی کا قصد نہ ہو' اور انسان کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہے' اور جب انسان پر کوئی افتاد پڑے یا کوئی مصیبت آئے تو اس سے نجات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی طرف نظر نہ کرے' اور جب وہ اس کی عبادت کرے تو صرف اسی کے حکم پر عمل کرنا اس کا مقصود ہو اور اس کی رضا مندی کا حصول اس کا مطلوب ہو تو وہ اپنی عبادت میں اور اپنی دعا میں اور اپنی فریاد اور پکار میں مخلص ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کافر کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں جب کافر کا اللہ پر ایمان ہی نہیں ہے تو اس کے اخلاص کا کیسے وجود ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کے اخلاص سے مراد یہ ہے کہ جب ان کو کوئی حاجت پیش آتی ہے یا ان پر کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو اس سے نجات کے لیے وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کے سوا اور کسی سے نجات کی آس نہیں لگاتے اور یہ عزم مصمم کرتے ہیں کہ آئندہ وہ شرک نہیں کریں گے اور اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے' پھر جب ان کی کشتی سمندروں اور دریاؤں کے طوفان سے نجات پا کر ساحل پر آ لگتی ہے تو ان پر پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے' اور وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے' پھر جب اللہ اپنے پاس سے اس کو نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے

قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ (الزمر: ۸) اس سے دعا کرتا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے شریک بنالیتا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گم راہ کرے' آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے چند روز فائدہ اٹھالو (انجام کار) تم یقیناً دوزخ والوں میں سے ہو گے۔

مومن کے اخلاص اور کافر کے اخلاص میں یہ فرق ہے کہ مومن کا اخلاص اللہ کی تائید سے مؤید ہوتا ہے وہ مصائب کے نازل ہونے سے پہلے راحت کے ایام میں بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے صرف اسی سے دعا کرتا ہے اور اسی سے فریاد کرتا ہے اسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر گڑگڑاتا ہے اپنی خطاؤں پر لغزشوں پر معافی مانگتا ہے اور آخرت میں سے جنت کو طلب کرتا ہے' سو مومن کا اخلاص سختی اور آرام میں مصیبت اور راحت میں مختلف نہیں ہوتا وہ ہر حال میں اسی کی طرح رجوع کرتا ہے اور اسی کو یاد کرتا ہے' اور کافر کا اخلاص طبعی ہوتا ہے وہ صرف مصائب میں' جب اس کو اور کوئی نجات کی صورت نظر نہیں آتی تو ہر طرف سے مایوس ہو کر صرف اسی کو پکارتا ہے اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور جب اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ اسی وقت اپنے شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تا کہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے ۝ (العنکبوت: ۶۶)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ لام ''کسے'' ہے' یعنی وہ شرک اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے راستے پر چلیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لام امر ہے یعنی انہوں نے شرک کیا ہے تو اب انہیں چاہیے کہ وہ اللہ کی ناشکری کریں اور یہ امر تہدید اور وعید کے لیے ہے جیسے فرمایا:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ تم جو چاہو کرو' وہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

(حٰم السجدۃ: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گرد و نواح سے لوگوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے' تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے ۝ اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اس کو جھٹلائے کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہو گا! ۝ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں (اور مشقت اٹھاتے ہیں) ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے ۝ (العنکبوت: ۶۹-۶۷)

مشرکین کی ناشکری اور ان کا ظلم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین جب دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرتے ہیں اور جب طوفانی ہوائیں چلتی ہیں اور ان کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور شرک کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ ان کو سلامتی سے پار لے آتا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ جس اللہ نے سمندروں میں تم پر زندگی دینے کا احسان کیا تھا وہی اللہ مکہ کی سرزمین میں بھی تم پر سلامتی اور زندگی کی حفاظت کرنے کا احسان فرما رہا ہے' کیونکہ تم جس شہر مکہ میں رہتے ہو اس کے آس پاس کے علاقوں میں قتل اور اغواء کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور مفسدین لوگوں کو پکڑ کر اور اغواء کر کے لے جاتے ہیں پھر ان کو غلام بنا کر دوسرے علاقوں میں فروخت کر دیتے ہیں' اور ہم نے سرزمین مکہ کو حرم بنا دیا ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو قتل کیے جانے اور اغوا کیے جانے سے محفوظ کر دیا ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ سمندروں میں تم کو غرق

ہونے کا خطرہ ہو تو تم صرف اللہ کو پکارتے ہو اور خشکی میں اللہ تم کو قتل و غارت گری اور اغواء اور پکڑ دھکڑ سے محفوظ رکھے تو تم اس کا احسان نہیں مانتے پھر تم بتوں کو کیوں مانتے ہو اور ان پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے!

اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یعنی جو اللہ عزوجل کا شریک قرار دے یا کسی کو اس کا بیٹا کہے یا کسی کو اس کی بیٹیاں کہے اور جب ان کو اس شرک سے منع کیا جائے تو پھر کہے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور ہم کو اللہ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر صریح بہتان ہے اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام اور قرآن مجید اور اسلام کی دعوت لے کر آئے تو آپ کو انہوں نے جھٹلا دیا اس لیے فرمایا اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اس کو جھٹلائے کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہو گا! یعنی ضرور ہو گا کیونکہ کافروں کو سزا دینا اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

والذین جاھدوا فینا کے دس محامل

اس کے بعد اس سورت کی آخری آیت میں فرمایا: اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اور مشقت اٹھاتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔ اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جو لوگ ہماری نشانیوں سے ہم تک پہنچنا چاہتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی ذات کی معرفت کی ہدایت دیں گے یہ نشانیاں اس کے اپنے اندر بھی ہیں اور اس خارجی کائنات میں بھی ہیں انسان کے اندر اس کے جسمانی اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں جگر غذا سے خون بنا کر رگوں میں پہنچا رہا ہے اور فاضل تلچھٹ کو مثانہ میں بھیج رہا ہے معدہ غذاء کو ہضم کر رہا ہے اور فاسد مادہ بڑی آنت میں بھیج رہا ہے یہ کس کا بنایا ہوا نظام ہے؟ سورج طلوع ہو کر دن کی روشنی پہنچا رہا ہے تاکہ لوگ کاروبار حیات کو انجام دے سکیں اور غروب ہو کر رات کو لا رہا ہے تاکہ لوگ دن کی تھکاوٹ اتار کر آرام کر سکیں سو یہ کس کا نظام ہے! اللہ تعالیٰ نے غور و خوض کے لیے انسان کے اندر اور اس کے باہر اس کائنات میں یہ نشانیاں رکھی ہیں کہ انسان کے اندر اور اس کے باہر سب ایک ہی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں اور اس کے اندر کے نظام کی وحدت اور اس کے باہر نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے اس لیے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس کائنات میں بھی اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سو جو لوگ اپنے اندر اور اپنے باہر کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں اپنی راہ دکھاتا ہے۔

(۲) جو لوگ اپنی جسمانی طاقت کو خرچ کر کے جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں کفار سے جنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں فتح اور کامرانی کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۳) جو لوگ صدقہ و خیرات کر کے اور دین کو پھیلانے کے لیے مال خرچ کر کے دین کی ترویج اور اشاعت کی جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دین کی ترویج اور اشاعت کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۴) جو علماء دین عقائد فاسدہ اور بدعات سیئہ کو رد کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے قرآن اور حدیث میں غور و فکر کر کے

دلائل تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کی ان دلائل کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے۔

(۵) جو علماء عقائد صحیحہ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کو عقائد صحیحہ کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۶) جو علماء احکام شرعیہ کے استخراج اور مسائل کے استنباط کے لیے قرآن اور سنت میں غور و فکر کرتے ہیں اللہ جل مجدہ ان کو ضرور ان عقائد کے اثبات کی طرف راہیں دکھاتا ہے۔

(۷) جو علماء علم میں وسعت کی طلب کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں اور خوف خدا سے گناہوں سے باز رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو وسعت علم کی راہیں دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں علم عطا فرماتا رہے گا۔

اس حدیث کی تحقیق کہ جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا........ اللہ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے جن کا اس کو علم نہیں

حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے ذکر کیا کہ از یزید بن ہارون از حمید الطویل از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اس کو اللہ اس علم کا وارث کر دے گا جس کو اس کا علم نہیں ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۱۵ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۱۴' رقم الحدیث: ۱۴۳۲۰ طبع جدید' احیاء العلوم ج ۱ ص ۷۱' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۳۶' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۲ طبع قدیم' روح البیان ج ۶ ص ۶۳۲' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۷۲' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۳۶۸' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۸۳)

نیز حافظ ابو نعیم اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ اس کلام کو بعض تابعین نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے روایت کیا ہے سو بعض راویوں نے یہ وہم کیا کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تو انہوں نے ایک اسناد گھڑ کر یہ حدیث بنا دی اور یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ امام احمد بن حنبل سے محتمل نہیں ہے۔

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰' دار احیاء التراث العربی)

شیخ محمد علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الفوائد المجموعۃ ج ۲ ص ۳۶۷' مطبوعہ نزار مصطفیٰ' ریاض)

علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حافظ ابو نعیم نے ضعیف کہا ہے (بلکہ موضوع کہا ہے) اور صاحب القوت نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے' حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کا ایک شاہد ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں بے رغبتی کی اس کو اللہ تعالیٰ بغیر علم سیکھے علم عطا فرمائے گا اور بغیر ہدایت حاصل کیے ہدایت دے گا اور اس کو صاحب بصیرت بنائے گا اور اس پر نامعلوم باتیں منکشف کر دے گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے لیکن اس کا معنی ثابت ہے اور جو شخص مزید علم کے حصول کی نیت سے علم کے تقاضوں پر عمل کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کی راہوں کو کشادہ کر دے گا۔

(۸) جو شخص علم دین کی طلب میں محنت اور کوشش کرے گا' اللہ تعالیٰ اس پر علم دین کی راہیں کشادہ کر دے گا۔

جہاد بالنفس کے جہاد اکبر ہونے کی تحقیق

(۹) جو شخص اپنی شہوت کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معصیت سے اجتناب کرنے کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے گا تو

اللہ اس کے لیے اس جہاد کی راہوں کو آسان کر دے گا۔
حافظ ابونعیم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ عزوجل کی ذات میں (یعنی اس کی رضا کے لیے) اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴۹ قدیم ج ۲ ص ۲۸۲ 'رقم الحدیث: ۲۲۳۲ جدید)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱ 'مسند احمد ج ۶ ص ۲۲-۲۰ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴-۴۷۰۶ ' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۸۰۳-۸۰۲ 'المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴-۷۲)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے' جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۱۹ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ 'تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳)
نفس کے جہاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے نفس پر قہر کر کے عبادات کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اجتناب کیا جائے' اور اس کو جہاد اکبر اس لیے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے جہاد نہیں کر سکے گا اس کے لیے خارجی دشمن سے جہاد کرنا ممکن نہیں ہوگا اور یہ کیوں کر ہو سکے گا کہ وہ دشمن جو اس کے دو پہلوؤں میں ہے اور وہ اس پر قاہر اور مسلط ہے' سو جب تک وہ باہر کے دشمن سے لڑنے کے لیے اس اندر کے دشمن سے جہاد نہیں کرے گا اس کے لیے خارجی دشمن سے جہاد ممکن نہیں ہوگا اور خارجی دشمن کے مقابلہ میں باطنی دشمن سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔
(اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۳۷۹ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:
لوگوں کی زبان پر یہ حدیث مشہور ہے کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے اور جہاد اکبر قلب سے جہاد کرنا ہے' حافظ ابن حجر نے تسدید القوس میں لکھا ہے کہ یہ ابراہیم بن عیلہ کا کلام ہے (یعنی حدیث نہیں ہے) عراقی نے کہا ہے کہ امام بیہقی نے اس کو سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں خوش آمدید ہو تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو' صحابہ نے کہا اور جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بندہ کا اپنی خواہش سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳ 'جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۷۶ 'الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۱۰۷ حافظ سیوطی نے لکھا ہے یہ حدیث ضعیف ہے' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۲۶۰-۱۱۷۷۹ 'الدر المنتشر ہ ص ۱۷۵ 'رقم الحدیث ۲۵۲ 'الاسرار المرفوعہ ص ۱۲۷ 'رقم الحدیث: ۴۸۰ 'تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۱) اور لوگوں کی زبان پر یہ حدیث اس طرح مشہور ہے' ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔
(کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۱ ص ۴۲۵-۴۲۴ 'مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

(۱۰) جو شخص اللہ کی رضا کے لیے' اس کے دیدار اور جنت کے حصول کے لیے محنت اور مشقت سے عبادت کرے ہم اس کے لیے جنت کی راہوں کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو جنت کے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔
اس آیت کی تفسیر میں میں نے غور و فکر کر کے اس آیت کے دس محمل تلاش کیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے تلامذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کے لیے یہ دس محامل مہیا فرما دے۔ (آمین)

محسنین کا معنی اور مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے۔

محسنین کا لفظ احسان سے بنا ہے اور احسان کا مادہ حسن ہے' اور ہر اچھی اور مرغوب چیز میں حسن ہوتا ہے' اور اس کی تین قسمیں ہیں جو عقلاً حسین ہو جیسے دقائق اور معارف' قرآن اور حدیث کے نکات' عمدہ اجتہاد' کسی اعتراض کا مسکت جواب اور جو حسی طور پر حسین ہو جیسے لہلہاتے ہوئے کھیت اور مہکتے ہوئے باغات' خوب صورت چہرے اور بلند و بالا عمارتیں' اور جو نفسانی خواہش کے اعتبار سے حسین ہو جیسے کھانے پینے کی لذیذ اور مرغوب چیزیں اور شہوت کے تقاضے پورے کرنے کی اجناس' قرآن مجید میں ان چیزوں پر زیادہ تر مستحسن کا اطلاق ہے جو بصیرت کے لحاظ سے مستحسن ہوں جیسے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ. جو لوگ غور سے بات سنتے ہیں پھر جو اچھی اور مستحسن بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔ (الزمر: ۱۸)

یعنی جو بات معصیت اور اس کے شبہ سے بعید ہو اس پر عمل کرتے ہیں' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کی کیا علامت ہے؟ فرمایا جب تمہیں اپنی نیکی سے خوشی ہو اور برائی سے غم ہو تو تم مومن ہو' اس نے پوچھا یا رسول اللہ! اور گناہ کی کیا علامت ہے فرمایا جس چیز سے تمہیں شبہ ہو اور جو تمہارے دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

اور احسان کا اطلاق دو اعتبار سے کیا جاتا ہے ایک ہے کسی شخص پر انعام کرنا' اور دوسرا قول اور فعل کا عمدہ ہونا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ. (النحل: ۹۰) بے شک اللہ عدل کرنے اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کا درجہ عدل سے زیادہ ہے' عدل یہ ہے کہ کسی کا حق ادا کر دیا جائے اور اپنا حق وصول کر لیا جائے اور احسان یہ ہے کہ حق سے زائد دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے' عدل کرنا واجب ہے اور احسان کرنا مستحب ہے' اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو ادا کرنا عدل ہے اور فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور نوافل کو ادا کرنا احسان ہے اور فرائض اور واجبات کو عمدگی سے ادا کرنے والے اور ان کے علاوہ سنن اور نوافل کو بھی عمدگی سے ادا کرنے والے محسنین ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۵۶۔۱۵۵' ملخصاً موضحاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۔۹۔۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴)

اس حدیث کے اعتبار سے محسنین وہ ہیں جو حسن الوہیت کی تجلیات میں اس طرح ڈوب کر نماز پڑھتے ہیں گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہے ہیں جیسا کہ ایک انصاری صحابی نماز پڑھ رہے تھے' نماز میں ایک کافر نے ان پر تاک کر تیر مارے' خون بہتا رہا اور وہ نماز میں منہمک رہے' ان کو پتا بھی نہ چلا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸) امام بخاری کو نماز میں بھڑ نے سترہ ڈنک لگائے اور نماز سے ان کی توجہ نہ ہٹی (ہدی الساری ص ۶۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام اعظم نماز پڑھ رہے تھے' مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا' لوگ نکل کر بھاگے اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے (تفسیر کبیر' ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) اسی طرح غوث اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرما رہے تھے' سانپ چھت سے گرا اور آپ کے جسم پر رینگنے لگا اس کی دہشت سے سب اہل مجلس بھاگ گئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اطمینان و سکون میں کوئی فرق نہیں آیا (فوائد الجواہر ص ۲۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر) یہ کامل درجہ کے محسنین ہیں' اور عام محسنین وہ ہیں جو نماز کم از کم اس یقین سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے' اور جب مجرم کو علم ہو کہ وہ حاکم کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ اس کے جلال اور ہیبت سے کس قدر لرزہ براندام ہوگا اور خوف سے کانپ رہا ہوگا اسی طرح اللہ سے ڈرتے ہوئے وہ خضوع اور خشوع سے نماز پڑھے تو یہ عام محسنین کا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ احسان کا معنی ہے اخلاص' یعنی محسنین وہ ہیں جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں وہ صرف اس نیت سے عبادت کریں کہ وہ صرف اللہ عزوجل کے حکم پر عمل کر رہے ہیں اور ان کا مطلوب اور ان کی غرض صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

احسان کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی بھی عبادت کو اس کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ بجا لانا اور اس عبادت میں کسی طور سے بھی کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ عمل نہ آنے دینا' اس لحاظ سے محسنین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ان کی شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کریں اور کسی طور سے بھی ان میں مکروہ پہلو نہ آنے دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ محسنین وہ ہیں (۱) جو اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن' مستحبات اور نوافل کو بھی ادا کریں (۲) جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو عمدگی سے ادا کریں (۳) جو حسن الوہیت میں ڈوب کر عبادت کریں (۴) جو بہت ادب' احترام' خضوع' خشوع اور خوف خدا سے لرزتے ہوئے اس کی عبادت کریں (۵) جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (۶) جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ان کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کریں اور ان میں کوئی مکروہ عمل نہ آنے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ محسنین کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے وہ دنیا میں ان کی نصرت اور اعانت فرماتا ہے اور ان کو دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے' اور آخرت میں ان کی مغفرت فرمائے گا' ان کو اپنے فضل سے اجر و ثواب' جنت' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائے گا۔

سورۃ العنکبوت کا اختتام

آج بہ روز جمعرات مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء بعد نماز فجر سورۃ العنکبوت کی تفسیر مکمل ہوگئی فالحمد للہ رب العلمین' ۲۳ جون ۲۰۰۲ کو اس سورت کی تفسیر کی ابتدا کی تھی' اس طرح چھبیس دنوں میں اس کی تفسیر اختتام کو پہنچ گئی۔

الٰہ العلمین! اس تفسیر کے لکھنے میں مجھ سے جو کوئی لغزش اور کوتاہی ہوگئی ہو اس کو معاف فرمانا اور اس کی اصلاح کی توفیق دینا' اور آئندہ کے لیے سہو اور نسیان سے محفوظ رکھنا' موافقین کے لیے اس کو استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دینا اور محض اپنے فضل سے اس کو قبول فرما لینا' جس طرح محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی محض اپنے فضل سے مکمل کرا دینا' تا حیات اسلام پر قائم رکھنا' عزت اور کرامت سے ایمان پر خاتمہ فرمانا' سکرات موت کو آسان فرمانا' مرنے سے پہلے اپنے حبیب اور میرے مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شاد کام کرنا اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمانا' دنیا اور آخرت کی ہر بلاء اور ہر عذاب سے محفوظ رکھنا اور دارین کی سعادتوں سے نوازنا' جنت الفردوس' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمانا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین ' قائد المرسلین ' شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین وعلی اصحابہ الراشدین وعلی ازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین.

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

(۳۰)

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ

(۳۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الرّوم

سورت کا نام

اس سورت کا نام الرّوم ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے عہد میں اس سورت کا یہی نام تھا' اور یہ نام اس سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے:

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ (الروم: ۳-۱)

الف' لام' میم ○ رومی مغلوب ہو چکے ہیں ○ قریب کی سر زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے۔

اس سورت کا نام روم اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کے شروع میں یہ خبر دی گئی ہے کہ رومی مجوسیوں سے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سالوں میں مجوسیوں پر غالب آ جائیں گے' اور یہ قرآن مجید کے عظیم معجزات میں سے ہے کہ اس نے رومیوں کی فتح کی پہلے سے پیش گوئی کر دی تھی' جب کہ ظاہر حالات کے اعتبار سے رومیوں کا مجوسیوں پر غالب آنا بہت مشکل اور مستبعد تھا' اور پھر وہی ہوا جس کی قرآن مجید نے پیش گوئی کی تھی اور یہ اسلام کی صداقت پر بہت قوی دلیل ہو گئی۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور جس طرح بالعموم مکی سورتوں کا موضوع عقائد اسلام کا بیان ہوتا ہے اس سورت کا موضوع بھی توحید' رسالت' حیات بعد الموت' قیامت اور جزاء اور سزا پر دلائل قائم کرنا ہے۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۰ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۴ ہے یہ سورت الانشقاق کے بعد اور العنکبوت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

مشہور روایت کے مطابق رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد ساتویں سال میں ہی رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے' اسی سال ۲ھ میں مسلمانوں نے جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے خلاف فتح حاصل کی تھی' اور بعض روایات کے مطابق صلح حدیبیہ کے دن ۶ھ میں رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد نویں سال میں رومیوں نے ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل کی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۵-۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورة الرّوم کے متعلق احادیث

امام ابن الضریس' امام النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ روم مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بزار نے اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورت روم پڑھی۔

امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور امام احمد اور ابن القانع نے ابو روح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورت روم پڑھی' اور اس کے پڑھنے میں آپ کو کچھ تردد ہوا' نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا جو لوگ اچھی طرح وضو کیے بغیر نماز پڑھنے آتے ہیں ان کی وجہ سے ہمیں نماز میں اشتباہ ہو جاتا ہے' جو شخص نماز پڑھنے آئے تو وہ اچھی طرح وضو کر کے آئے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الرّوم کی سورۃ العنکبوت سے مناسبت

(۱) سورۃ العنکبوت اور سورۃ الرّوم دونوں کو الٓمّٓ سے شروع کیا گیا ہے اور ان حروف مقطعات کے بعد ان دونوں سورتوں میں قرآن' کتاب اور تنزیل کا ذکر نہیں کیا گیا' ورنہ سورت القلم کے علاوہ ہر سورت میں حروف مقطعات کے بعد قرآن' کتاب اور تنزیل میں سے کسی ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) سورۃ العنکبوت کا اختتام جہاد کے ذکر پر ہوا ہے والذین جاھدوا فینا' اور سورۃ الرّوم کی ابتداء غلبہ اور نصرت کے ذکر سے کی گئی ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) سورۃ العنکبوت میں اجمالی طور پر توحید پر دلائل بیان کیے گئے تھے اور اس سورت میں توحید پر دلائل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الرّوم کے مشمولات

(۱) سورت الرّوم کو غیب کی خبر اور قرآن مجید کی پیش گوئی سے شروع کیا گیا ہے کہ رومی' ایرانیوں سے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے' یہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت پر زبردست دلیل ہے۔

(۲) پھر الرّوم: ۹۔۸ میں توحید پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۳) اس کے بعد الرّوم ۱۲۔۱۱ میں قیامت' حیات بعد الموت اور حشر و نشر پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۵) یہ بتایا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے جو شخص اسلام پر قائم رہے گا وہ فطرت پر قائم رہے گا اور جو شخص اسلام سے انحراف کرے گا وہ فطرت سے انحراف کرے گا۔

(۶) ان نیک خصال کا بیان فرمایا ہے جن کی اسلام دعوت دیتا ہے اور ان بری خصال کا ذکر فرمایا ہے جو مشرکین کا خواص ہیں۔

(۷) بعث بعد الموت کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

سورۃ الرّوم کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں' الٰہ العٰلمین! اے رب کریم! مجھے ان امور پر مطلع فرمانا جو حق اور صواب ہوں اور ان ہی کو لکھوانا' اور جو امور غلط اور باطل ہیں ان کے بطلان کو مجھ پر منکشف کرنا اور ان کا مجھ سے رد کرا دینا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ نبیک سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین'

قائد الغر المحجلين وعلى اصحابه الراشدين وعلى آله الطيبين وعلى ازواجه امهات المومنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته اجمعين.

غلام رسول سعیدی
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔۳۸
۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ/۱۹ جولائی ۲۰۰۲ء
فون: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

آیاتہا ٦٠ — بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — سورۃ الروم (٣٠) رکوعاتہا ٦

سورۃ الروم مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ اس میں ساٹھ آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾ فِيٓ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۢ بَعۡدِ

الف لام میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ○ قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد

غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ﴿٣﴾ فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ ۗ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ

عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے ○ چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی

قَبۡلُ وَمِنۢ بَعۡدُ ؕ وَيَوۡمَئِذٍ يَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٤﴾ بِنَصۡرِ اللّٰهِ ؕ

کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○ اللہ کی مدد سے'

يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿٥﴾ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ

وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے

اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿٦﴾ يَعۡلَمُوۡنَ

وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ ظاہری دنیاوی

ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿٧﴾

زندگی کا علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں ○

اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ

کیا وہ اپنے نفسوں میں (اس پر) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو

وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ

اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ اور مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے' اور بے شک اکثر لوگ

بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ ﴿٨﴾ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا

اپنے رب سے ملاقات کے ضرور منکر ہیں ○ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے

وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ

اور انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا' اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' تو اللہ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود

يَظْلِمُوْنَ ۹ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ

ع ۱ / ۴

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰ ع

وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ○ قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے ○ چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○ اللہ کی مدد سے' وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ ظاہری دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں ○ (الروم: ۷۔۱)

رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کی پیش گوئی کی احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الروم: ۳ کی تفسیر میں فرمایا: مشرکین یہ پسند کرتے تھے کہ اہل فارس (ایرانی جو کہ آتش پرست تھے) اہل روم (عیسائی جو کہ الوہیت' رسالت اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے تھے) پر غلبہ پالیں' کیونکہ مشرکین اور ایرانی دونوں بت پرست تھے' اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ رومی' ایرانیوں پر غالب آجائیں کیونکہ مسلمان اور رومی دونوں اہل کتاب تھے' مسلمانوں نے اس بات کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا' حضرت ابوبکر نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا عنقریب رومی غالب آجائیں گے' حضرت ابوبکر نے اس بات کا مشرکین سے ذکر کیا' مشرکین نے کہا آپ ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کرلیں' اگر ہم غالب ہو گئے تو ہمیں اتنی اور اتنی چیزیں مل جائیں گی اور اگر تم غالب ہو گئے تو تمہیں اتنی اور اتنی چیزیں مل جائیں گی' حضرت ابوبکر نے پانچ سال کی مدت مقرر کرلی' اور پانچ سال میں

رومی ایرانیوں پر غلبہ نہ پاسکے حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا تم نے اتنی کم مدت کیوں مقرر کی! (قرآن مجید نے فرمایا وہ بضع سنین میں غلبہ پائیں گے اور بضع سنین کا اطلاق تین سے نو سال تک پر ہوتا ہے)' پھر اس کے بعد رومی غلبہ پا گئے ۔سفیان نے کہا میں نے سنا ہے کہ غزوہ بدر کے دن رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ پایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۷۶' التاریخ الکبیر للبخاری رقم الحدیث:۲۶۲۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۳۷۷' المستدرک ج ۲ص ۴۱۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۳۳۱ـ۳۳۰)

نیار بن مکرم الاسلمی روایت کرتے ہیں جس زمانہ میں سورۃ الروم کی ابتدائی چار آیات نازل ہوئیں' اس زمانہ میں ایرانی رومیوں پر غالب تھے' اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں پر رومیوں کا تسلط اور غلبہ ہو' کیونکہ مسلمان اور رومی دونوں اہل کتاب تھے اور اسی کے متعلق یہ آیت ہے: اس دن مومنین خوش ہوں گے O اللہ کی مدد سے' وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب' بے حد مدد فرمانے والا ہے O (الروم:۵ـ۴) اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں کا رومیوں پر غلبہ ہو' کیونکہ قریش اور ایرانی دونوں آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے' اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان رکھتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا تو صبح کو حضرت ابوبکر مکہ کے اطراف میں گئے اور بلند آواز سے سورۃ الروم کی ابتدائی چار آیتیں پڑھنے لگے' قریش کے لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے' تمہارے پیغمبر کا دعویٰ ہے کہ عنقریب رومی بضع سنین (چند سالوں) میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے' کیا ہم اس کے اوپر شرط نہ باندھ لیں' حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں! اور یہ شرط باندھنے اور جواء کھیلنے کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ تھا' پس حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط باندھی اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے کہا بضع سنین کا اطلاق تین سال سے نو سال تک پر ہوتا ہے تم اس کی ایک متوسط مدت کو اختیار کرلو کہ اتنے سال میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوں گے' پھر انہوں نے چھ سال مدت مقرر کرلی' پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ آئے' تو مشرکین نے حضرت ابوبکر کی شرط جیت لی' پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہوگئے' اور مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کی مذمت کی کہ انہوں نے چھ سال کیوں مقرر کیے' اللہ تعالیٰ نے تو بضع سنین میں رومیوں کے غلبہ کی خبر دی تھی اور اس کا اطلاق نو سال تک پر ہوتا ہے اس موقع پر بہت لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۶۷ـ۱۶۶' الاسماء والصفات للبیہقی ج ۱ص ۳۷۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ روم اور فارس (ایران) نے قریب کی سرزمین میں ایک دوسرے سے قتال کیا (قریب کی سرزمین سے مراد شام اور اس کے اطراف کے علاقہ یعنی اردن اور فلسطین وغیرہ مراد ہیں جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی) رومی مغلوب ہوگئے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں یہ خبر پہنچی تو ان پر یہ خبر بہت شاق گزری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ایران کے ان پڑھ مجوسی روم کے اہل کتاب پر غالب ہوں اور مکہ کے کافروں نے اس خبر سے بہت خوشیاں منائیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے کہا' تم بھی اہل کتاب ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں اور ہم امی اور ان پڑھ ہیں' اور ایران کے ہمارے مجوسی بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غلبہ پاگئے ہیں' اور بے شک اگر تم ہم سے قتال کروگے تو ہم بھی تم پر غلبہ پالیں گے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: الف لام میم O رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہوگئے O قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے O چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے O الایات۔تب حضرت ابوبکر صدیق کفار کی طرف گئے اور ان سے کہا تم اس پر خوش ہو رہے ہو کہ تمہارے بھائیوں نے ہمارے بھائیوں پر غلبہ پالیا ہے' تم

خوشیاں نہ مناؤ' اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کو برقرار نہیں رکھے گا' اللہ کی قسم رومی ایرانیوں پر ضرور غلبہ پائیں گے' ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے' ابی بن خلف نے کھڑے ہو کر کہا اے ابو فضیل تم نے جھوٹ بولا۔ حضرت ابو بکر نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن تم زیادہ جھوٹے ہو' میں تم سے دس اونٹنیوں کی شرط لگاتا ہوں' تین سال کے بعد رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے' اگر رومی غالب آ گئے تو میں تم سے دس اونٹنیاں لوں گا ورنہ تم مجھے دس اونٹنیاں دینا' پھر حضرت ابو بکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کی خبر دی' آپ نے فرمایا میں نے اس طرح ذکر نہیں کیا تھا' بضع سنین کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے تم شرط میں اونٹنیوں کی تعداد بھی بڑھا دو اور مدت میں بھی اضافہ کر دو پھر حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف سے ملاقات کی' اس نے کہا کیا اب تم اپنی شرط پر پچھتا رہے ہو' حضرت ابو بکر نے کہا نہیں' بلکہ میں شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کر رہا ہوں تم شرط سو اونٹنیوں کی باندھو اور مدت نو سال تک کر لو' ابی نے کہا میں نے کر دیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۲۲۷' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۶۹۔ ۵۶۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸۹)

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹے (۶ ہجری میں) تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے' اور مسلمان اپنی صلح سے بھی خوش ہوئے اور اہل کتاب کے مجوسیوں پر غلبہ سے بھی خوش ہوئے۔ (ایک قول یہ ہے کہ یہ غلبہ غزوہ بدر کے دن حاصل ہوا)

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۲۲۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۶۱' الکشف والبیان للثعالبی ج ۷ ص ۳۰۶' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: الم غلبت الروم تو مشرکین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے نبی نے کیا کہا ہے' وہ کہتے ہیں کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے' حضرت ابو بکر نے کہا میرے نبی نے سچ کہا ہے' مشرکین نے کہا کیا تم اس پر شرط لگاؤ گے' پھر حضرت ابو بکر نے ایک مدت مقرر کر دی اور رومیوں کے غلبہ سے پہلے وہ مدت پوری ہو گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ رنجیدہ ہوئے اور حضرت ابو بکر سے پوچھا تمہیں اس شرط پر کس نے برانگیختہ کیا' انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نے' آپ نے فرمایا ان سے پھر بات کرو اور شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کر دو' حضرت ابو بکر نے مشرکین سے بات کی اور دوبارہ شرط لگائی' ابھی وہ مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور انہوں نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے' حضرت ابو بکر اپنی جیت کی اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے' آپ نے فرمایا ان کو صدقہ کر دو' یہ سحت (حرام مال) ہے تو حضرت ابو بکر نے ان کو صدقہ کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۵۸' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۲)

جوئے میں جیتی ہوئی رقم کو صدقہ کرنے کے حکم پر اشکال کے جوابات

ان روایات میں یہ اختلاف ہے کہ رومیوں کو یہ غلبہ غزوہ بدر کے دن ۲ھ میں حاصل ہوا تھا یا حدیبیہ کے دن ۶ھ میں حاصل ہوا تھا' بہر حال یہ دونوں مسلمانوں کی فتح اور کامرانی کے دن تھے' بعض مفسرین نے غزوہ بدر کے دن کی روایت کو ترجیح دی ہے اور اکثر مفسرین نے حدیبیہ کے دن کو ترجیح دی ہے۔ قاضی بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

حدیبیہ کے دن رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا اور حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف کے وارثوں سے اپنی شرط کی جیت کو وصول کر لیا اور ان اونٹنیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ نے فرمایا ان کو صدقہ کر دو' اور اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ دار الحرب میں فاسد معاملات منعقد ہو جاتے ہیں اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ جوئے کو حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے اور یہ آیت آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے' کیونکہ اس میں غیب کی خبر ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۱۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگرچہ یہ واقعہ جوئے کو حرام قرار دینے کے بعد کا ہے لیکن یہ واقعہ مکہ میں ہوا ہے اور فتح مکہ سے پہلے' مکہ دارالحرب تھا' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارالحرب میں عقود فاسدہ جائز ہیں جیسا کہ ان کے نزدیک دارالحرب میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں' اور حدیث میں جو جیتی ہوئی شرط کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کا بعض احادیث میں ذکر نہیں ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ سحت (مال حرام) کو صدقہ کرنے کی کیا دلیل ہے اور جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس کو صدقہ کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مال حرام کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے' اور بعض علماء نے اس کو جائز کہا ہے اور اس میں بحث ہے کیونکہ کسی حرام مال کے مالک کا علم ہو تو وہ مال اصل مالک کو لوٹا دینا چاہیے سو یہ مال ابی بن خلف کے وارثوں کو لوٹا دینا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے آپ نے کسی اور مصلحت کی وجہ سے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہو' اگر یہ کہا جائے کہ یہ حربی کا مال ہے اور اس کا مال مباح ہوتا ہے حرام نہیں ہوتا' لہٰذا یہ مال حرام کا صدقہ نہیں ہوگا۔ اور ہمارے مذہب میں جب تک مال حرام دوسرے کے مال سے مخلوط نہ ہو جائے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے' اس کا جواب ہے کہ یہاں صدقہ کرنے کے حکم سے مقصود یہ ہے کہ مال حرام کو اپنے پاس رکھنے سے بری ہوا جائے۔ (حاشیۃ الخفاجی علی البیضاوی ج ۷ ص ۲۷۳' مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط میں جیتی ہوئی اونٹنیوں کے متعلق فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کردو' اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور خمر اور جوئے کو حرام قرار دینے کی آیت قرآن مجید کے آخر میں نازل ہوئی ہے تو اس کو حرام فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر جوئے کو حرام قرار دینے کے بعد آپ نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو جب اس کے مالک (ابی بن خلف کے ورثاء) معلوم تھے اور موجود تھے اور ایسی صورت میں مال اصل مالک کو لوٹا دیا جاتا ہے تو پھر صدقہ کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کے متعلق فرمایا یہ سحت ہے اور اس حدیث میں سحت کا معنی مال حرام نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے وہ مال جو عار کا باعث ہو اور مروّت اور نیک نامی میں نقص اور خلل کا سبب ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا فصد لگانے کا کسب سحت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ کسب حلال نہیں ہے' اسی طرح آپ کا مطلب یہ تھا کہ جوئے میں جیتا ہوا مال ہر چند کہ حلال ہے کیونکہ اس کا عقد دارالحرب میں ہوا ہے' اور یہ جوئے کی تحریم سے پہلے کا عقد ہے لیکن ابوبکر کی نیک نامی اور ان کی شرافت کی جو شہرت ہے اس کے یہ منافی ہے کہ وہ جوئے میں جیتا ہوا مال اپنے پاس رکھیں۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

زیر تفسیر آیات کے مسائل اور فوائد

علامہ منصور بن محمد التمیمی المروزی السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے ہجرت کرنے کا قصد کیا تو ان کے پاس ابی بن خلف آیا' اور ان سے کہا کہ آپ اپنی اونٹنیوں پر کفیل فراہم کریں' تو حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو کفیل اور ضامن مقرر کیا' پھر جب ابی بن خلف جنگ احد میں لڑنے گیا تو عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے اس سے کفیل کو طلب کیا تو ابی بن خلف نے اپنے بیٹے کو اونٹنیاں ادا کرنے کا ضامن بنایا پھر جب رومی ایرانیوں پر غالب آگئے تو حضرت ابوبکر نے وہ اونٹنیاں لے لیں۔

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس غیب کی خبر دی جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور بعد میں آپ کی خبر اور پیش گوئی کے مطابق پیش آیا۔ (تفسیر السمعانی ج ۴ ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الوطن ریاض' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ان آیات سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے:

(۱) یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل اور آپ کا معجزہ ہیں' کیونکہ ان آیات میں مستقبل کی ان خبروں کو بیان فرمایا جن کو علام الغیوب کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے باطل کے ذریعہ مال کھانے کو حرام کر دیا ہے' اور ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ جوا ہے۔ جوا اس عقد کو کہتے ہیں جس میں کسی ایک فریق کو معین نفع اور دوسرے فریق کو معین نقصان لازم ہو مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے اگر فلاں کام اس طرح ہو گیا تو تم مجھے سو روپے دو گے ورنہ میں تم کو دو سو روپے دوں گا' یہ ابتداء اسلام میں مروج تھا جیسا کہ اور کئی احکام حلال اور حرام کے بیان سے پہلے مروج تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل میں آیات نازل فرما دیں' اب صرف یہ جائز ہے کہ ایک شخص گھوڑے سواروں کا مقابلہ کرائے اور آگے نکلنے والے کے لیے کوئی انعام مقرر کر دے تاکہ مسلمانوں کو شہسواری کی مشق ہو' لیکن گھوڑے سواروں کا باہم شرط لگا کر مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ لوگ از خود اس شرط پر رقم لگائیں کہ فلاں گھوڑا آگے نکلے گا۔

(۳) ان آیات میں فرمایا ہے اس دن مومنین خوش ہوں گے' اللہ کی مدد سے' اگر مسلمان مشرکوں کے خلاف کامیابی پر خوش ہوں تو یہ بالکل ظاہر ہے' کیونکہ اس میں اسلام کی سربلندی اور دین کا غلبہ ہے' لیکن رومیوں کی کامیابی پر مسلمان اس وجہ سے خوش ہوئے تھے کہ رومی اہل کتاب تھے اور وہ بہر حال نبوت کے قائل تھے' اور ان کو اس قوم کے خلاف غلبہ حاصل ہوا تھا جو آسمانی کتاب اور نبوت کی منکر تھی اور چونکہ مسلمانوں اور رومیوں میں یہ قدر مشترک تھی اس وجہ سے مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے تھے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ ص ۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم نے لکھا ہے کہ قدیم مفسرین میں سے زیادہ تر کی رائے یہ ہے کہ رومی صلح حدیبیہ کے دن ۶ ہجری کو ایران پر غالب ہوئے لیکن بعض متاخرین نے لکھا ہے کہ ایرانیوں پر رومیوں کی فتح اور جنگ بدر میں مشرکین پر مسلمانوں کی فتح کا زمانہ ایک ہی تھا' اس لیے مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی' یہی بات ایران اور روم کی تاریخوں سے بھی ثابت ہے ۶۲۴ء ہی وہ سال ہے جس میں جنگ بدر ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں قیصر روم نے زرتشت کا مولد تباہ کیا اور ایران کے سب سے بڑے آتش کدہ کو مسمار کر دیا۔

اللہ کے وعد اور وعید کا معنی اور ان کی خلاف ورزی کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الروم: ۶)

وعد کا معنی ہے کسی مفید اور نافع کام کی اس کے وقوع سے پہلے خبر دینا اور وعید کا معنی ہے کسی مضر اور ہلاکت خیز کام کی اس کے وقوع سے پہلے خبر دینا۔ یہ صرف رومیوں کی فتح کی خبر میں منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے امور میں سے جس چیز کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور جس چیز کے وقوع کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرتا' کیونکہ کسی چیز کا خبر کے خلاف واقع ہونا کذب ہے اور اللہ سبحانہ پر کذب محال ہے۔

وعدہ کی خلاف ورزی کرنا بالاتفاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ کسی شخص سے انعام کا وعدہ کرنا اور پھر اس کو انعام نہ دینا باعث ملامت ہے اور نقص اور عیب ہے سو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے کہ وہ کسی شخص سے انعام اور اکرام یا اجر و ثواب کا وعدہ فرمائے اور اس کو اجر و ثواب نہ دے۔ اور وعید کے خلاف کرنے کو کرم اور رحم سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے اگر تم نے چوری کی تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا' پھر جب وہ چوری کرے تو وہ شخص اس کو معاف کر دے اور اس کو سزا نہ دے تو اس کو کرم اور رحم کہا جاتا ہے اور یہ باعث ملامت نہیں ہے بلکہ لائق تحسین ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کفر اور شرک پر جس دائمی عذاب اور سزا کی خبر دی ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے' لیکن گنہ گار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جس سزا کی خبر دی ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ بعض گناہگار مسلمانوں کو معاف کر دے گا اور ان کو سزا نہیں دے گا اور یہ اس کا کرم ہوگا' اور گنہ گار مسلمانوں کو اس کا سزا نہ دینا اس کی وعید کی صرف ظاہری اور صوری خلاف ورزی ہے حقیقی خلاف ورزی نہیں ہے' کیونکہ جو بھی وعید کی آیتیں ہیں ان میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں چاہوں یا اگر میں معاف نہ کروں (تو سزا دوں گا) مثلاً سود کھانے پر زکوٰۃ نہ دینے پر' نماز نہ پڑھنے پر اور جھوٹ بولنے پر قرآن مجید میں وعید کی آیات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کاموں پر سزا کی خبر سنائی ہے مگر ان تمام سزاؤں میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں چاہوں (تو یہ سزا دوں گا) یا اگر میں معاف نہ کروں (تو یہ سزا دوں گا) اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جن گنہ گار مسلمانوں کو معاف کر دے گا وہ اس کی وعید کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور اس کو کذب یا جھوٹ نہیں کہا جائے گا' اور یہ قید اس لیے ملحوظ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ آیت ہے یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء المائدہ: ۱۸ وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور متعدد آیات میں مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور کتنی ہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کتنی ہی آیات میں فرمایا ہے کہ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

سو اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کی سزا کو معاف نہ فرمائے تو ایسی تمام آیات کا خلاف لازم آئے گا' اس لیے مسلمانوں کی وعید کی تمام آیات میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر اللہ معاف نہ فرمائے یا اگر اللہ ان کو سزا دینا چاہے تو ان کو سزا ملے گی ورنہ نہیں' اور اس قید کو صراحۃً ذکر نہیں فرمایا تاکہ مسلمان معصیت کے ارتکاب پر دلیر نہ ہو جائیں' اور جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو معاف فرمائے گا تو یہ ظاہری اور صوری طور پر آیات وعید کے خلاف ہوگا حقیقی طور پر آیات وعید کی خلاف ورزی نہیں ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کی آیات وعید کی بہ ظاہر خلاف ورزی ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کی آیات وعید کی مطلقاً خلاف ورزی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کو مطلقاً معاف نہیں فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے وعد کی خلاف ورزی کرنا مطلقاً محال ہے اور گناہ گار مسلمانوں کی آیات وعید کی ظاہری اور صوری طور

پر مخالفت فرمائے گا اور اس کی حقیقی خلاف ورزی کرنا محال ہے' اور کفار کی جو آیات وعید ہیں ان کی خلاف ورزی مطلقاً محال ہے۔

دنیا دار لوگوں اور دین دار لوگوں کی سوچ اور فکر کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ظاہری دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں' اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں O (الروم: ۷)

یعنی اکثر لوگ کفار ہیں اور ان کو صرف دنیا کا علم ہے اور ان کو دنیا کا علم بھی کامل نہیں ہے' ان کو دنیا کا علم صرف ظاہری ہے' وہ دنیا کی رنگینیوں' اس کی زیبائشوں' اس کی لذتوں اور دنیا میں کھیل کود کی انواع اور تجارت اور حصول آمدنی کے ذرائع اور عیش و عشرت کی اقسام کا علم رکھتے ہیں اور وہ دنیا کے باطن کو نہیں جانتے' دنیا میں مستغرق ہونے کے ضرر کو اور دنیاوی عیش و عشرت' شکوہ اور سلطنت کے وبال کو نہیں جانتے وہ دنیا کی فنا سے غافل ہیں اور اس وجہ سے وہ آخرت اور قیامت اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کے بھی منکر ہیں۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ دنیا داروں میں سے لوگوں کو کوئی سکہ دیا جائے تو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا ہے اور اس میں کوئی خطا نہیں کرتے۔

ضحاک نے کہا دنیا دار اپنے محلات (بنگلوں اور کوٹھیوں) کے بنانے کے طریقوں کو' نہریں نکالنے کو اور فصلوں اور باغات اگانے اور ان کی کاشت کے طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اکثر لوگ نہیں جانتے اس کا محمل ہے وہ امور دین کو نہیں جانتے اور اس آیت میں فرمایا ہے وہ جانتے ہیں اور اس کا محمل بیان فرمادیا ہے' وہ ظاہری دنیاوی امور کو جانتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا اور یہی لوگ غافل ہیں یعنی یہ لوگ دنیا کے ظاہری امور میں اس قدر زیادہ مستغرق اور منہمک رہتے ہیں کہ انہیں قیامت کا' مرنے کے بعد اٹھنے کا اور آخرت کا اور جزاء اور سزا کا کوئی خیال نہیں آتا' اور یہ تو حیوانوں کی زندگی ہے جو صرف دنیا کی ظاہری چیزوں میں مشغول رہتے ہیں اور انہیں آخرت کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔

دنیا دار لوگ صرف ظاہری چیزوں اور ظاہری کاموں میں مشغول رہتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کے اسرار منکشف نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر اللہ عزوجل کے دیدار اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت انہیں دنیا کے معاملات اور دنیا کے کاموں کی تدبیر اور اس کے حصول کے منصوبوں اور طریقوں سے غافل کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ اپنے نفسوں میں (اس پر) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ ہی مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے' اور بے شک اکثر لوگ اپنے رب سے ملاقات کے ضرور منکر ہیں O کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا پس وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے' انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' تو اللہ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے O (الروم: ۱۰۔۸)

انسان کے اپنے نفس اور خارجی کائنات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے الروم: ۸ میں توحید اور حشر پر دلیل قائم کی ہے' اور یہ دلیل دو اعتبار سے قائم کی ہے ایک انسان کے اپنے نفس کے اعتبار سے اور دوسری دلیل خارج کے اعتبار سے قائم فرمائی ہے' انسان کے اپنے نفس میں اور اس کے جسم کے اندر ایسے شواہد موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید اور حشر پر دلالت کرتے ہیں۔ انسان اپنے جسم کے اندر غور کرے' اس

کے جسم میں معدہ ہے' معدہ کے اوپر ایک منفذ ہے اور معدہ کے نیچے بھی ایک منفذ ہے' اوپر والے منفذ سے غذا معدہ کے اندر داخل ہوتی ہے' اور اس وقت نیچے والے منفذ کا منہ بند ہو جاتا ہے' پھر جب غذا معدہ میں حاصل ہو جاتی ہے تو معدہ اس میں ہضم کا عمل کرتا ہے اور غذا کو پیستا ہے' اور اس کا جوہر مصفی جگر کی طرف روانہ کر دیتا ہے اور جو تلچھٹ اور فضلہ رہ جاتا ہے وہ نچلے منفذ سے بڑی آنت کی طرف روانہ کر دیتا ہے' پھر جگر میں اس کا دوسرا ہضم ہوتا ہے' جگر اس غذا کے جوہر مصفی کو خون کی شکل میں منتقل کرتا ہے اور اس کے تلچھٹ کو گردوں کی طرف روانہ کرتا ہے جس میں کچھ خون بھی ہوتا ہے اور خون کو بڑی رگوں کی طرف روانہ کرتا ہے' پھر گردے عمل کرتے ہیں اور خون کو باریک رگوں کی طرف بھیجتے ہیں اور خالص پانی کو مثانہ کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' معدہ کے منہ پر ایک غدود بنا ہوا ہے جس کو لبلبہ کہتے ہیں اس سے ایک سیال مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جس کو انسولین کہتے ہیں خون میں جو ضرورت سے زیادہ شکر ہوتی ہے وہ اس سیال مادہ سے جل جاتی ہے' اگر لبلبہ کمزور ہو تو یہ سیال مادہ کم مقدار میں خارج ہوتا ہے اور خون میں شکر کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور اس سے ذیابیطس کا مرض ہو جاتا ہے۔

تمام انسانوں کے جسموں میں یہ واحد نظام ہے جو غذا کو خون اور گلوکوز کی شکل میں تبدیل کرتا ہے' اور اسی خون اور گلوکوز سے انسان کی اور اس کے تمام اعضاء کی حسب ضرورت نشوونما ہوتی رہتی ہے اور اسی خون سے اس میں حرارت قائم رہتی ہے اور اس میں حرکت کرنے کی توانائی برقرار رہتی ہے' اور تمام انسانوں میں اس نظام کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا خالق بھی واحد ہے' کیونکہ اگر انسان کی بقا اور اس کی نشوونما کے خالق متعدد ہوتے تو وہ اس کی بقاء اور نشوونما کے اپنے اپنے حساب سے اسباب بناتے' لیکن جب انسان اپنے اندر دیکھتا ہے تو اس کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک اس کی بقاء اور اس کی نشوونما کا ایک ہی نظام ہے جس کے ذریعہ اس کی کھائی ہوئی غذا ہضم کے مراحل طے کر کے خون اور گلوکوز میں تبدیل ہوتی ہے اور تا حیات اس نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی ایک نظام اس کو زندہ اور متحرک رکھتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا بھی ایک ہے' اس کے متعدد خالق نہیں ہیں سو جب انسان اپنے اندر غور و فکر کرے تو وہ نظام واحد کے تحت جی رہا ہے اسی طرح جب وہ اپنے نفس سے خارج اور باہر دیکھے تو خارج اور باہر کی دنیا میں نظام واحد کار فرما ہے جس طرح اس کے اندر غذا کو خون بنانے کا نظام واحد ہے اسی طرح اس کے باہر اس غذا کے حصول کا نظام بھی واحد ہے' مٹی میں بیج ڈالا جاتا ہے پھر پانی' ہوا' سورج کی شعاعیں اور چاند کی کرنیں اس بیج کو غذا کی شکل میں ڈھالنے کے لیے اپنا اپنا رول ادا کرتی ہیں۔ اور اس بکھری ہوئی اور پھیلی ہوئی عظیم کائنات میں ایک نظام جاری ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا خالق بھی واحد ہے سو انسان اپنے اندر دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی توحید نظر آتی ہے اور اپنے باہر دیکھے تو اس کی توحید دکھائی دیتی ہے اسی لیے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حم السجدہ: ۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں اس کائنات میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھائیں گے' حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ ہی برحق ہے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے: کیا وہ اپنے نفسوں میں اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ ہی مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے۔ (الروم: ۸)

الروم: ۸ میں پہلے انسان کے اپنے نفسوں کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور پھر کائنات کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور حم السجدہ: ۵۳ میں پہلے کائنات کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور پھر انسان کے نفسوں کے دلائل کا ذکر کیا ہے' کیونکہ انسان کا اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کو جاننا کائنات کی معرفت حاصل کرنے اور اس کو جاننے سے زیادہ قریب ہے اور سورۃ الروم' سورۃ حم السجدہ

پر ترتیب مصحف میں مقدم ہے' اس لیے قریب کی دلیل کو پہلے ذکر کیا اور بعید کی دلیل کو بعد میں ذکر کیا۔

قیامت اور حشر ونشر پر دلائل

انسان اپنے جیسے اجسام کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنی عمر طبعی پوری کر کے مر جاتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری کائنات بھی ایک دن فنا ہو جائے گی' پھر اگر انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے ان کے اعمال کا محاسبہ نہ کیا جائے اور ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کو جزاء اور سزا نہ دی جائے تو پھر لازم آئے گا کہ انسانوں کو پیدا کرنا محض عبث اور بے فائدہ تھا' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد ان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نیک عمل کریں یا نہ کریں اور بُرے کاموں کو ترک کریں یا نہ کریں' پھر اگر وہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان سے یہ حساب نہ لے کہ انہوں نے نیک کام کیا ہے اور برے کام کو ترک کیا ہے یا نہیں تو پھر ان کو آزادی عمل کے اختیار دینے کا اور رسولوں کو نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دینے اور برے کاموں پر عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ سارا سلسلہ عبث اور رائگاں ہوگا' نیز انسانوں کو نیک عمل کرنے کی ترغیب اور برے کاموں کو ترک کرنے کی تحریک اسی وقت ہوگی جب انہیں نیک کاموں پر کسی اجر اور ثواب کی توقع ہو اور برے کاموں پر کسی گرفت اور سزا کا خطرہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب انسان کا قیامت اور حشر ونشر اور جزاء اور سزا پر ایمان ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بعض انسان دوسرے انسانوں پر ساری عمر ظلم کرتے رہتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض انسان ساری عمر ظلم سہتے رہتے ہیں اور ان کو ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی' پس اگر اس جہان کے بعد اور کوئی جہان نہ ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کی جزا ملے اور ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزاء کے رہ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہو جہاں ظالم کو سزا اور مظلوم کو جزا ملے اور یہ عالم آخرت' حشر ونشر اور جزاء اور سزا کی دلیل ہے۔

اور وقوع قیامت پر دلیل یہ ہے کہ انسان کی نیکی یا بدی کا سلسلہ اس کی موت پر ختم نہیں ہو جاتا' انسان نے نیکی کے مظاہر اور مشاعر جو بنا دیئے ہیں جب تک وہ باقی رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہے گا مثلاً ایک مسلمان نے کوئی مسجد بنا دی ہے' کوئی دینی لائبریری یا دینی مدرسہ بنا دیا ہے' کوئی ہسپتال بنا دیا ہے تو جب تک ان میں نیکی کے کام ہوتے رہیں گے اس کے اعمال نامہ میں نیکیوں کو لکھا جاتا رہے گا' اسی طرح اگر کسی انسان نے کوئی بت خانہ بنا دیا ہے' یا فحاشی کا کوئی اڈہ بنا دیا ہے تو جب تک ان میں گناہ ہوتے رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہوں کو لکھا جاتا رہے گا' اور جب تک اس کا اعمال نامہ مکمل نہیں ہو جاتا اس کو جزا اور سزا نہیں ملے گی اور جب تک اس جہان میں کسی کی نیکی یا برائی کا ایک اثر بھی باقی ہوگا اس کا اعمال نامہ مکمل نہیں ہوگا' اس لیے تمام انسانوں کے اعمال ناموں کو مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس تمام جہان کو ختم کر دیا جائے اور اس تمام جہان کو ختم کر دینا ہی قیامت ہے' اس لیے ہر مظلوم کی دادرسی اور ہر ظالم کو سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس جہان میں قیامت برپا کی جائے اور اس جہان کے بعد دوسرا جہان قائم کیا جائے۔

انبیاء کا انکار کرنے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور عذاب دوزخ کے مستحق ہوئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے' انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O(الروم: ۹)

یعنی کیا اہل مکہ نے اپنی آنکھوں سے سفر کے دوران ان لوگوں کے آثار کو نہ دیکھا جو زمین میں ہل چلاتے تھے اور اہل مکہ سے زیادہ بلند عمارتیں بناتے تھے' رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے اور احکام شرعیہ لے کر آئے انہوں نے ان رسولوں کو نہیں مانا اور ان کے احکام کا انکار کیا' اور اللہ نے ایسا نہیں کیا کہ بغیر کسی رسول کو بھیجے اور بغیر دلائل قائم کیے اور ان کے کسی گناہ کے بغیر ان قوموں کو عذاب بھیج کر ہلاک کر دیتا جس کو بہ ظاہر ظلم کہا جاتا (کیونکہ حقیقت میں اگر وہ اس طرح کرتا بھی تو یہ اس کا ظلم نہ ہوتا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں) لیکن وہ لوگ شرک اور نافرمانی کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے O (الروم: ۱۰)

اس آیت میں السوای فرمایا ہے یہ صیغہ فعلی کے وزن پر ہے اور اسوا کی تانیث ہے یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اسم تفضیل نہیں ہے کیونکہ اس میں عیب کا معنی ہے اور جو لفظ افعل کے وزن پر ہو اور اس میں رنگ اور عیب کا معنی ہو وہ صفت مشبہ ہوتا ہے۔ اس کا معنی برا اور قبیح ہے جس طرح حسنیٰ' احسن کی تانیث ہے یہ معنیٰ اس کی ضد ہے' السّوء اسم مصدر ہے اس کا معنی ہے برا کام کرنا' بے جا سلوک کرنا' اور السُّوء اسم جامد ہے اس کا معنی ہے برا الرجل السّوء کا معنی ہے بدکار آدمی۔ اس آیت میں السُّوای کا معنی ہے شرک کرنا' کیونکہ وہ سب سے برا کام ہے' نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی' اللہ کی آیات سے مراد قرآن مجید ہے' یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات ہیں یا خود آپ کی ذات مقدسہ مراد ہے' کفار مکہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے' آپ کا انکار کرتے تھے اور شرک کرتے تھے اور یہ سب سے برے کام ہیں اس وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ سابقہ امتیں اپنے نبیوں کا انکار کر کے کفر کی مرتکب ہوئیں اور عذاب کی مستحق ہوئیں اور اس آیت میں بتایا ہے کہ کفار مکہ بھی ان کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر کے کفر کے مرتکب ہوئے اور دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ

اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جس دن

السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا

قیامت قائم ہو گی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے O اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے

وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ

والا نہیں ہو گا اور وہ (خود) اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے O اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن لوگ منتشر

يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ

ہو جائیں گے O رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو

رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا O اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات

لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ

کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا O پس شام

اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ

کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اور جب تم صبح کو اٹھو O اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑱ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

اور زمینوں میں اور پچھلے پہر اور دوپہر کو O وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط

اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے' اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے

ع ۲ ۹ ۵ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑲ ع

اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے O اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا اور وہ (خود) اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ منتشر ہو جائیں گے O (الروم: ۱۴۔۱۱)

قیامت کے دن مشرکین کے احوال اور ابلیس کے صیغہ کی تحقیق

عکرمہ نے بیان کیا کہ کفار اس پر تعجب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتایا ہے کہ کسی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اس کو پہلی بار پیدا کرنے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۸۴)

دنیا میں پہلی بار اللہ تعالیٰ انسان کو نطفہ سے پیدا فرماتا ہے اور پھر آخرت میں اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' اس کے بعد سب کو مخاطب کر کے فرمایا پھر حساب اور جزاء اور سزا کے لیے تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اس آیت میں حصر ہے یعنی تم کو کسی اور کی طرف نہیں پیش کیا جائے گا تم سب کو صرف اسی ایک احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے O (الروم: ۱۲)

اس آیت میں مایوس ہونے کے لیے "یبلس" کا لفظ ہے: علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سخت خوف کے بعد جو غم طاری ہو اس کو ابلاس کہتے ہیں' اسی سے ابلیس ماخوذ ہے' کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف بہت دلائل قائم کر دیئے جاتے ہیں تو اس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور وہ حیران اور پریشان ہو کر بھول جاتا ہے کہ اس کو کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا ایسے موقع پر کہا جاتا ہے اَبْلَسَ فلان یعنی جب وہ اپنی حجت منقطع ہونے کے بعد خاموش ہو گیا۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ابلیس بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ابلیس منصرف ہوتا حالانکہ قرآن مجید میں ابلیس غیر منصرف ہے۔ اور اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے اور علم ہے اور اگر اس کو عربی کہا جائے اور ابلاس سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا غیر منصرف ہونا شاذ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ الآیۃ (الروم: ۱۴-۱۲)

قیامت کے دن بت مشرکین سے بے زاری کا اظہار کریں گے اور مشرکین بتوں سے بے زاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے نہ یہ ہمارے خدا ہیں نہ یہ ہماری شفاعت کرنے والے ہیں' پھر مومنین اور کافرین الگ الگ ہو جائیں گے' جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ. (یٰس: ۵۹) اے مجرمو! آج (نیکوکاروں سے) الگ ہو جاؤ۔

اور یہ حالت ان کی مایوسی پر مترتب ہے گویا پہلے وہ مایوس ہوں گے' پھر ان کو نیکو کاروں سے الگ کھڑا کر کے ان سے مایوس کیا جائے گا پھر مومنوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' اور قیامت کا ذکر مکرر فرمایا ہے تاکہ لوگ قیامت سے ڈریں' کفار ایمان لے آئیں اور فساق برے عمل ترک کر کے نیک عمل کرنا شروع کر دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے کس طرح الگ الگ ہوں گے۔

جنت میں سماع کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا O اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا O (الروم: ۱۶-۱۵)

قیامت کے دن لوگ منتشر ہوں گے یہ اجمال تھا اب اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں۔

ان کو جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا اس کے لیے اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: فھم فی روضۃ یحبرون۔

ضحاک نے کہا الروضۃ کا معنی جنت ہے یعنی باغ اور اس کی جمع ریاض ہے یعنی جنان' بعض علماء نے کہا جو باغ اونچی جگہ پر ہو' اس کو الروضۃ کہتے ہیں' اور بعض علماء نے کہا جو باغ پست زمین پر بنا ہوا اس کو الروضۃ کہتے ہیں' امام قشیری نے کہا جس تالاب کے اردگرد سبزہ ہو اس کو الروضۃ کہتے ہیں۔

ضحاک نے کہا یحبرون کا معنی ہے ان کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی اور مجاہد اور قتادہ نے کہا ان کو نعمتیں دی جائیں گی السدی نے کہا وہ خوش اور مسرور ہوں گے' اور عرب کے نزدیک الحبرۃ کے معنی فرح اور خوشی ہے' اسی طرح جوہری نے بھی کہا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا وہ جنت میں سماع کریں گے یعنی گانے کی آوازیں سنیں گے اور جنت کے ہر درخت سے تسبیح اور تقدیس کے غنا کی آوازیں سنائی دیں گی امام اوزاعی نے کہا اللہ کی مخلوق میں حضرت اسرافیل سے زیادہ کسی کی حسین آواز نہیں ہے اور جب وہ غنا شروع کرتے ہیں تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی تسبیح اور نماز منقطع ہو جاتی ہے اور جنت کا ہر درخت ان کے غنا کو دہراتا ہے اور جنت کی حوریں بھی نغمہ سرا ہوتی ہے اور مزامیر بجاتی ہیں اور پرندے بھی خوش الحانی سے گاتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی کرتا ہے اس نغمہ کو دہراؤ اور میرے ان بندوں کو سناؤ جنہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو مزامیر شیطان سے محفوظ رکھا تھا تو وہ خوش الحانی اور روحانی آوازوں کے ساتھ نغمہ سرا ہوں گے اور حوروں اور فرشتوں کی آوازیں مل کر ایک ہو جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ حضرت داؤد سے فرمائے گا کہ آپ عرش کے پائے کے پاس کھڑے ہو کر میری تمجید کریں اور وہ نہایت خوش گوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمجید کریں گے جس سے سننے والوں کی لذت دوبالا ہو جائے گی۔

(التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ج ۲ ص ۳۱۶۔۳۱۵ دار البخاری المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۷ھ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ علامہ قرطبی نے اس روایت کو حکیم ترمذی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کا حال ہمیں معلوم نہیں)

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان میں اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند اور افضل درجہ ہے اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور قیامت کے دن اسی پر عرش رکھا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۱ المستدرک ج ۱ ص ۸۰) یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! مجھے اچھی آوازیں پسند ہیں کیا جنت میں اچھی آوازیں ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں ایک درخت کی طرف وحی فرمائے گا! میرے وہ بندے جو میری عبادت اور میرے ذکر کی وجہ سے سارنگیوں اور مزامیر کو نہیں سنتے تھے ان کو سناؤ پھر وہ درخت بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں اتنی خوش آوازی سے نغمہ سرا ہوگا کہ مخلوق نے اس طرح کا نغمہ اس سے پہلے نہیں سنا ہوگا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے آپ نے جنت کا ذکر کیا اور جنت میں جو حوریں ہیں اور دوسری نعمتیں ہیں ان کا ذکر کیا ایک اعرابی لوگوں میں سب سے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس نے گھٹنے کے بل کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا جنت میں سماع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اے اعرابی جنت میں ایک دریا ہے اس کے دونوں کناروں پر خوب صورت لڑکیاں ہوں گی جو اس قدر خوش آوازی کے ساتھ گا رہی ہوں گی کہ مخلوق نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابوالدرداء سے پوچھا وہ کیا گا رہی ہوں گی؟ انہوں نے کہا یہ اہل جنت کی سب سے افضل نعمت ہوگی۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ جنت میں ایسے درخت ہیں جن پر چاندی کی گھنٹیاں لٹکی ہوئی ہیں جب اہل جنت کو سماع کی خواہش ہوگی تو اللہ عزوجل عرش کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا اور اس ہوا کے چلنے سے وہ گھنٹیاں بجنے لگیں گی اگر زمین والے ان کی آوازوں سے سن لیں تو وہ فرط مسرت اور وجد سے مر جائیں۔

سلمان کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ سے سوال کیا گیا آیا اہل جنت کے لیے سماع ہوگا؟ انہوں نے کہا ہاں ایک درخت ہے جس کی جڑ سونے کی ہے اور اس کے پتے چاندی کے ہیں اور اس کے پھل موتی زمرد اور یاقوت ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک

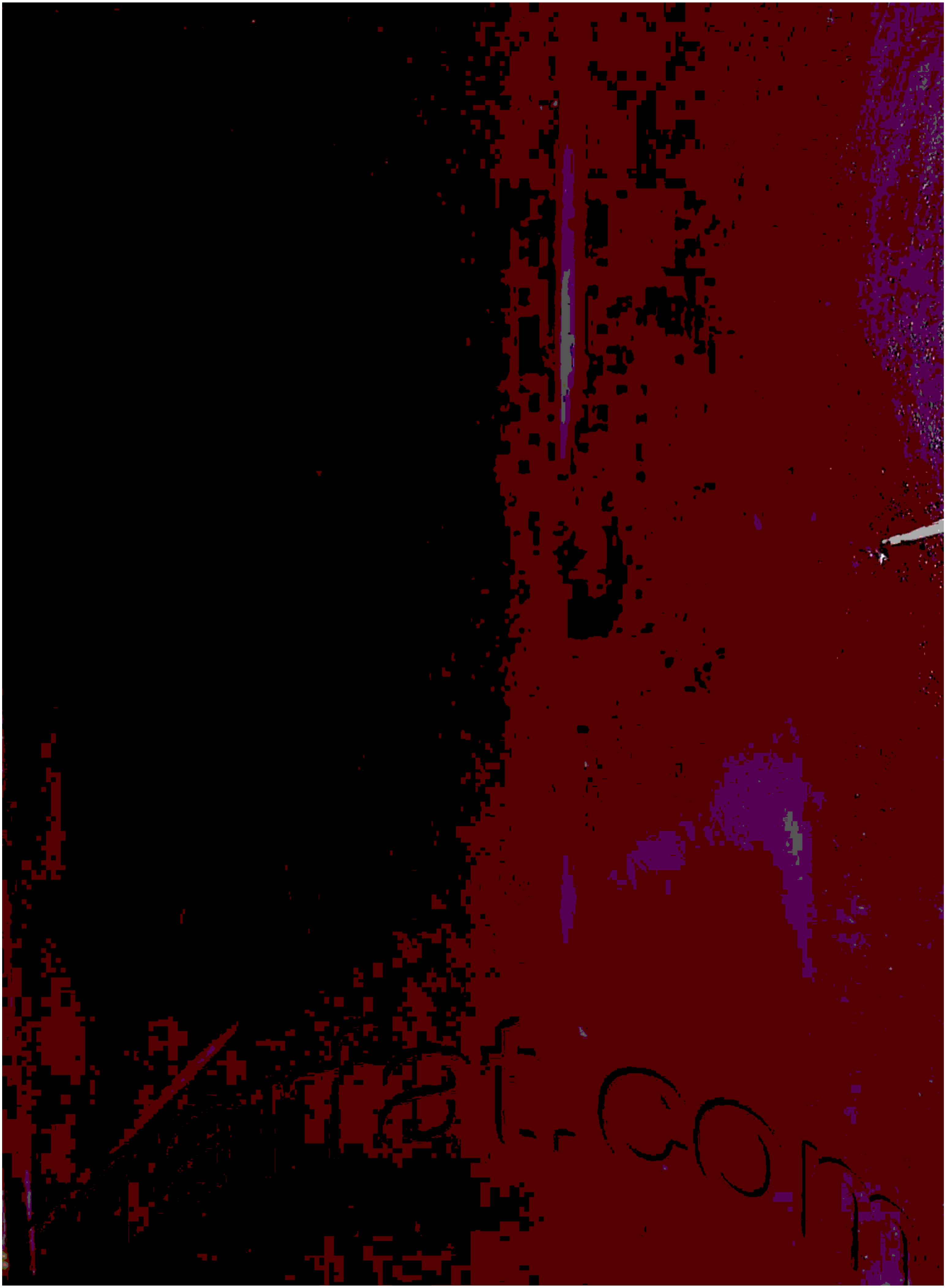

ہوا بھیجے گا جس سے وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور کسی شخص نے اس سے زیادہ حسین آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۹۷ ـ ۲۹۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

یہ تمام چیزیں نعمتوں، سرور اور اکرام پر مشتمل ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ (السجدہ:۱۷) کسی شخص کو معلوم نہیں کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں، یہ ان کے (نیک) اعمال کی جزا ہے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے بلکہ یہ وہ ہیں جن کی میں نے تم کو اطلاع دی ہے اور جن کی میں نے تم کو اطلاع نہیں دی وہ اس سے بہت عظیم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۲۸)

السجدۃ:۱۷ اور اس حدیث سے جنت میں سماع کی نعمت کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (دنیا میں) غنا سنا وہ جنت میں اس کے سننے سے محروم رہے گا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۷۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۲۷، یہ حدیث ضعیف ہے)

اور چونکہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد دوسری ضد بیان فرماتا ہے اس لیے قیامت کے دن مومنوں کا حال بیان کرنے کے بعد کافروں کا حال بیان فرمایا: اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا○ (الروم:۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس شام کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اور جب تم صبح کو اٹھو○ اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، آسمانوں میں اور زمینوں میں اور پچھلے پہر اور دوپہر کو○ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے○ (الروم:۱۹۔۱۷)

پانچ نمازوں کے اوقات

اس آیت میں مسلمانوں کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور ان اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نمازوں کے اوقات کو بیان فرمایا ہے مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت، اس آیت کے اس حصہ میں ہے پس شام کے وقت اللہ کی تسبیح کرو، اور فجر کا وقت اس حصہ میں ہے۔ اور جب تم صبح کو اٹھو، اور دوسری آیت میں فرمایا اور پچھلے پہر اس میں عصر کا وقت ہے، اور فرمایا: اور دوپہر کو اس میں ظہر کا وقت ہے۔ اور دوسری آیت کے شروع میں جو فرمایا ہے: اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمینوں میں، یہ جملہ معترضہ ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۱۲۶۱، ج۲۱ ص ۳۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی اس طرح ہے ان پانچ اوقات کی نمازوں میں اللہ سبحانہ کی تسبیح کرو، نماز کو تسبیح سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ تسبیح نماز کا جز ہے کیونکہ ثناء میں پڑھا جاتا ہے **سبحانک اللھم** اور رکوع میں پڑھا جاتا ہے **سبحان ربی العظیم** سجدہ میں پڑھا جاتا ہے **سبحان ربی الاعلی** اور اس آیت میں کل پر جز کا اطلاق کیا گیا ہے اور کل کو جز کا نام دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی نماز پر تسبیح کا اطلاق کیا گیا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۰)

اور (نماز میں) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' آفتاب کے طلوع سے پہلے (نماز فجر میں) اور آفتاب کے غروب سے پہلے (نماز عصر میں) اور رات کے بعض اوقات میں (مغرب اور عشاء کی نمازوں میں) اور دن کے درمیانی کناروں میں اس کی تسبیح کیجئے (ظہر کے وقت میں) تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔

اور حدیث میں بھی نفل نماز پر سبحۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی ہے جن کو میں بالکل ترک نہیں کرتا (۱) مجھے ہر ماہ تین روزے رکھنے کی وصیت کی ہے (۲) میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں (۳) اور یہ کہ میں سفر میں اور حضر میں تسبیحۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کو ترک نہ کروں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۵' ج ۶ ص ۴۵۱۔ ۴۴۰)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبحۃ (نفل نماز) کبھی بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وفات سے ایک سال پہلے آپ سبحۃ (نفل نماز) کو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۵۷' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۵)

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح یہ آیت: وکذالک تخرجون تک پڑھی اس کی دن کی تقصیرات کی تلافی ہو جائے گی اور جس نے شام کو یہ آیت پڑھی اس کی رات کی تقصیرات کی تلافی ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۶)

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس کے بعد فرمایا: وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ○ (الروم: ۱۹)

اس آیت میں بھی حشر ونشر پر دلیل ہے جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرمائے گا' اس کی مزید تفسیر آل عمران: ۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر

تَنْتَشِرُوْنَ ۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

ہو کر پھیلتے جا رہے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے

لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ

تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی'

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے' بے شک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝۲۲ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں

وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے' بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لیے

يَّسْمَعُوْنَ ۝۲۳ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ

ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید پر قائم رکھنے

يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ

کے لیے بجلیوں کی چمک دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۴ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ

کرتا ہے' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے

تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ

یہ ہے کہ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب تم کو وہ زمین سے بلائے گا تو

مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝۲۵ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

تو تم فوراً (قبروں سے) باہر نکل آؤ گے O اور آسمانوں اور زمینوں

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت شعار ہیں ○ اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي

پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی

الربع ع ۳ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع

سب سے بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ اور بہت حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو کر پھیلتے جا رہے ہو ○ (الروم: ۲۰)

انسان اور بشر کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرمائے گا' اور اس رواں رکوع میں جتنی آیات ہیں ان سب میں بھی یہی دلائل دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے بعد تمام مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور اس کے ساتھ یہ دلائل بھی ہیں کہ یہ پوری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ بہت سے خداؤں کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے بلکہ یہ کائنات اس خدائے واحد کی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے' اس مطلوب پر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا ہے۔

اس نے ارشاد فرمایا کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس نے تم کو چلتا پھرتا بشر بنا کر کھڑا کر دیا' اور مٹی ایک بے جان عنصر ہے جس میں حیات اور حرکت کا کوئی اثر نہیں ہے' جو چیزیں عناصر سے مرکب ہیں ان میں پہلا مرتبہ معدنیات کا ہے پھر نباتات ہیں' پھر حیوانات ہیں' اور اس کے بعد انسان اور بشر ہے' اللہ تعالیٰ نے معادن کی تمام خوبیاں نباتات میں رکھ دیں اور نباتات کے تمام خواص حیوان میں رکھ دیئے اور حیوانات کے تمام کمالات انسان میں رکھ دیئے' پھر انسان اور بشر کو حیوانات سے ایک زائد وصف عطا کیا اور وہ عقل سے ادراک کرنا ہے' پھر اس عظیم خالق کا یہ کتنا زبردست کمال ہے کہ اس نے بے جان اور ساکن مٹی سے ایک جیتا جاگتا متحرک انسان اور بشر بنا کر کھڑا کر دیا جو صرف حیوانات کی طرح چلنے پھرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ملائکہ کی طرح غور و فکر کرنے والا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے حالانکہ مٹی سے تو صرف حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا ہم کو تو اس نے نطفہ سے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ○ (المرسلات: ۲۰)

کیا ہم نے تم کو حقیر پانی (منی) سے نہیں پیدا کیا!

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ. (الحج: ۵)

سو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی صورت اور شکل واضح

نبی ہو یا نہ نبی ہو۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ ہمارے باپ اور ہماری اصل حضرت آدم ہیں اور جب ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا تو گویا ہم سب کو مٹی سے پیدا کیا گیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم کو نطفہ سے پیدا کیا گیا اور نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا خواہ سبزیوں پر مشتمل ہو خواہ گوشت پر اس کا مآل زمین کی مٹی ہے تو انجام کار ہمیں بھی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی ناف کی مٹی کو چھڑکا جاتا ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی ناف کی اس مٹی کو چھڑکا جاتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے اور جب اس کو اس کی ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس کو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا گیا تھا حتیٰ کہ اسی مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے تھے اور اسی میں دفن کیے جائیں گے۔ (خطیب) (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۶۶-۳۲۶۷۳ فتاوی افریقہ رقم الحدیث ۱۰۰-۹۹' فردوس الاخبار رقم الحدیث: ۶۴۸۶-۲۷۷۵' اللئالی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۶-۲۸۴)

عطا خراسانی نے کہا فرشتہ انسان کی اس جگہ کی مٹی کو لاتا ہے جہاں اس کو دفن کیا جائے گا اور اس کو نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی (کو گوندھ کر اس) سے اس انسان کو پیدا کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے اسی سے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو (دفن کے وقت) لوٹائیں گے اور اسی سے (حشر کے دن) تم کو دوبارہ نکالیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵) (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۵' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حمید اور امام ابن منذر سے روایت کیا ہے' الدر المنثور ج ۵ ص ۵۱۴)

اللہ تعالیٰ نے مٹی اور چند دیگر عناصر سے جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے اندر شعور اور عقل کے ادراکات پیدا کیے' خیالات' احساسات اور جذبات پیدا کیے اور یہ چیزیں یعنی قوت نمو' احساس' حرکت بالارادہ اور عقل اور شعور' مٹی' پانی' ہوا اور آگ میں سے کسی عنصر میں بھی نہیں ہیں اور برس ہا برس سے انسان ان ہی خواص کے ساتھ پیدا ہوتا چلا آ رہا ہے' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان صفات کے ساتھ انسان کی پیدائش محض ایک اتفاقی حادثہ ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کئی خداؤں کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے' کیونکہ متعدد موجد کسی ایک طریقہ پر متفق نہیں ہو سکتے اور ہزاروں برس سے انسان کی اس منضبط اور واحد طریقہ سے مسلسل پیدائش یہ بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے ورنہ اس کی پیدائش کے طریقہ میں ہزاروں سال سے یہ نظم وضبط اور تسلسل نہ ہوتا' پھر کیا عقل یہ باور کرتی ہے کہ جو ہزاروں سال سے انسان اور بشر کو لگاتار ایک سرشت سے پیدا کر رہا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۱)

مردوں اور عورتوں کے متناسب جنسی تقاضوں اور ان کی متوازن ......

شرح پیدائش سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تمہارے نفسوں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ حضرت

کے جسم سے حضرت حوا کو پیدا کر دیا' لیکن یہ محمل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نشانی تمام انسانوں میں جاری نہیں ہوگی اس لیے اس کا صحیح محمل یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے' جس طرح فرمایا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ:۱۲۸) تحقیق تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول آ گئے' نیز اس کے بعد فرمایا تا کہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو' اور جب دو مختلف جنسوں کے افراد ہوں تو ان کا ایک دوسرے کی طرف میلان نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل نہیں کر سکتے اور جب ایک جنس کے دو افراد ہوں تو وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہیں' نیز فرمایا اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔

نسل انسانی کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ مرد عورت کی کشت میں تخم ریزی کرے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے درمیان غیر معمولی محبت پیدا کر دی حالانکہ یہ عمل اس قدر حیاء سوز ہے کہ عام حالات میں انسان یہ عمل نہ کرتا' لیکن نسل انسانی کی افزائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اس قدر پر کشش بنا دیا ہے کہ انسان اس عمل کو ترک نہیں کر سکتا' اور مرد اور عورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمدردی بھی رکھ دی یہی وجہ ہے کہ جب دونوں ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس عمل کے قابل نہیں رہتے تو وہ ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

پھر جب عورت کے رحم میں نطفہ کا استقرار ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کمال ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ بہ تدریج نشوونما پاتا ہے اور نو ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے' اگر بالفرض مرد اور عورت کے اختلاط اور ملاپ کے فوراً بعد عورت کے پیٹ میں سات آٹھ پونڈ کا بچہ بن جاتا تو عورت کے لیے مشکل ہو جاتی اور وہ اس کو سہار نہ سکتی سو اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ بچہ کی نشوونما کرتا ہے اور اس کا وزن بڑھاتا ہے حتیٰ کہ عورت کے لیے وہ وزن نا مانوس نہیں ہوتا اور سہل اور آسان ہو جاتا ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ سخت گرمی کے بعد اچانک سخت سردی نہیں لاتا اور سخت سردی کے بعد فوراً سخت گرمی نہیں لاتا بلکہ موسم میں بہ تدریج تبدیلی لاتا ہے تا کہ انسان کا جسم موسم کے ساتھ مانوس ہو جائے اسی طرح اللہ عزوجل نے ماں کے پیٹ میں بچہ کو بھی نو ماہ میں مکمل کیا ہے تا کہ ماں اس کے وزن کے ساتھ بہ تدریج عادی اور ہم آہنگ ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اس عالم کبیر کو بھی بہ تدریج چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ ایک لفظ کن سے دفعۃً اس عالم کو پیدا کر دے' اور انسان عالم صغیر ہے وہ اس کو بھی چشم زدن میں لفظ کن سے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن جس طرح اس نے عالم کبیر کو تدریجاً پیدا کیا ہے اسی طرح اس نے عالم صغیر کو بھی تدریجاً پیدا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا جسم' دوسرے کے جنسی تقاضوں اور طلب کے موافق بنایا ہے' پھر ایک متوازن اور متناسب تعداد میں ہر ایک کی پیدائش ہو رہی ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قبیلہ یا کسی قوم میں صرف لڑکے پیدا ہوں اور دوسری قوم یا قبیلہ میں صرف لڑکیاں پیدا ہوں' ہزاروں سال سے یہ سلسلہ یونہی جاری ہے اور ایک معروف اور منضبط طریقہ سے انسانوں کی پیدائش کا یہ سلسلہ کوئی بخت و اتفاق کا کرشمہ ہے اور نہ کئی خداؤں کی مشترکہ کاوش ہے بلکہ اسی قادر و قیوم کی قدرت کا شاہکار ہے جو واجب اور قدیم ہے اور واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے' بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم:۲۲)

اس خارجی کائنات اور انسان کی زبانوں اور رنگوں کے اختلاف سے توحید پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر وہ نشانیاں بتائی تھیں جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اب اپنی توحید کی وہ

نشانیاں بتا رہا ہے جو اس خارجی کائنات میں ہیں' اس نے اس قدر وسیع اور بلند آسمان بنائے اور طویل و عریض زمینیں بنائیں' پھر آسمانوں میں بعض ستاروں کو مرکوز اور ثابت کر دیا' جو رات کو روشن نظر آتے ہیں اور آسمان کی زینت ہیں۔ اور بعض ستارے رواں اور متحرک بنائے' زمین کو ٹھوس بنایا اس میں پر ہیبت پہاڑ نصب کر دیئے' وسیع و عریض میدان بنائے' گھنے جنگلات بنائے' ریت کے ٹیلے بنائے' دریا اور سمندر جاری کر دیئے اور نباتات کا سلسلہ قائم کیا ان میں لہلہاتے ہوئے زرخیز کھیت ہیں' پھلوں اور پھولوں کے مہکتے ہوئے باغات ہیں۔ کیا یہ سب چیزیں از خود وجود میں آ گئی ہیں یا چند خداؤں کی اجتماعی سعی کا نتیجہ ہیں تو پھر ان میں ہزار ہا سال سے اس قدر نظم اور تسلسل کیوں ہے' کبھی اختلاف کیوں نہیں ہوتا۔

تم اپنی زبانوں کے اختلاف پر غور کرو عربوں کی زبان اور ہے' افریقیوں کی زبان اور ہے' انگریزی' جرمن' فارسی اور ہسپانوی زبان اور ہے' کرہ ارض پر بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں' ان زبانوں کا خالق کون ہے؟ تم اپنے رنگوں پر غور کرو' جسمانی ساخت پر سوچو! کسی کا رنگ دوسرے کے رنگ سے نہیں ملتا' کسی کا چہرہ دوسرے کے چہرے سے نہیں ملتا' حتیٰ کہ کسی کے ہاتھ کی لکیریں دوسرے کے ہاتھ کی لکیروں سے نہیں ملتیں کسی انسان کے انگوٹھے کی لکیریں دوسرے انسان کے انگوٹھے کی لکیروں سے نہیں ملتیں' ہزار ہا سال سے ارب ہا انسان پیدا ہو رہے ہیں اور کسی کا نقش دوسرے کے نقش سے' رنگ' رنگ سے اور لکیریں لکیروں سے نہیں ملتیں' اتنی باریکی اور بوقلمونی کس کی تخلیق ہے! کیا یہ محض اتفاق ہے یا پتھر کی مورتیوں کا کارنامہ ہے یا کسی دیوی یا دیوتا کی صناعی ہے' تم کہتے ہو کہ اس عالم کو بنانے میں خدا کے کچھ شریک ہیں' وہ شریک خود کیوں نہیں کہتے کہ اس عالم کی تخلیق پر کسی فرد واحد کا اجارہ نہیں ہے' اس میں ہمارا بھی حصہ ہے' حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی زبان سے اللہ تعالیٰ یہ کہلوا تا رہا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اگر واقع میں اس کے کچھ شریک تھے تو انہوں نے اس کا رد کیوں نہیں کیا' وہ بھی اپنا کوئی نمائندہ بھیجتے' کوئی آسمانی کتاب نازل کرتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہاری نیند ہے' اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے' بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ (الروم: ۲۳)

انسان کی نینداور طلب رزق کی صلاحیت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صفات لازمہ سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور وہ اس کے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے' اور اب اس کی صفات مفارقہ سے اپنی توحید پر استدلال فرما رہا ہے اور وہ دن اور رات میں انسان کی نیند اور اس کا سونا ہے' دن میں دوپہر کے کھانے کے بعد سونے کو قیلولہ کہتے ہیں اور رات میں عشاء کی نماز کے بعد سونے کو لیلولہ کہتے ہیں۔

نیند اور سونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے' نیند موت کی بہن ہے جب انسان سو جاتا ہے تو وہ مردہ کی طرح گرد و پیش سے بے خبر ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد بیدار کرنا ایسے ہے جیسے موت کے بعد زندگی ہے اور اس میں یہ نشانی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نیند کے بعد بیدار کر دیتا ہے' اسی طرح وہ تمہیں موت کے بعد پھر زندہ کر دے گا۔

انسان اپنی بقاء حیات کے لیے جو رزق تلاش کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے' جس طرح فرمایا:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (الجمعہ: ۱۰)

جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے اس میں

غور سے سننے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' کیونکہ بعض ایسی نشانیاں ہوتی ہیں جن کا پتا بغیر غور وفکر کے نہیں چلتا اور بعض ایسی نشانیاں ہوتی ہیں کہ محض توجہ دلانے سے ان کا پتا چل جاتا ہے اور رات اور دن میں سونا اور رزق کی صورت میں اس کے فضل کو تلاش کرنا ایسی ہی نشانی ہے۔

انسان رات اور دن میں جو نیند کرتا ہے اور برسہا برس سے نیند کر رہا ہے تو اس کی نیند کا یہ معمول کس نے بنایا ہے اور تلاش رزق کی جو صلاحیت اس میں ہے یہ کس کی دی ہوئی ہے' اگر انسان ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لے تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ ہزار ہا برس سے ارب ہا انسانوں کا یہ معمول اور اس کا فطری نظام صرف اسی خدائے واحد کا پیدا کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید پر قائم رکھنے کے لیے بجلیوں کی چمک دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے' پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کرتا ہے' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۴)

زمین کی روئیدگی سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان پر بجلی کوندتی ہے' جسے دیکھ کر کبھی تم دہشت سے خوف زدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یا تمہارے کسی سامان پر بجلی گرے اور وہ ہلاک ہو جائے' اور کبھی تم کو یہ امید ہوتی ہے کہ بجلی چمک رہی ہے' اب بارش ہوگی پیاسی زمین سیراب ہوگی اور خشک سالی دور ہو جائے گی' اور وہ زمین جس پر کوئی سبزہ نہ تھا بارش کے بعد وہ لہلہانے لگتی ہے اور کھیتیاں پھلنے پھولنے لگتی ہیں اور باغوں میں درخت پھلوں سے لد جاتے ہیں اور عقل والے اس نشانی سے صاحب نشان تک پہنچتے ہیں کہ ہزاروں برس سے زمین کی سیرابی کا یہی نظام ہے اس میں سرمو کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اس نظام کا تسلسل اور اس کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا ممکن نہیں ہے واجب ہے ورنہ وہ خود کسی ناظم کا محتاج ہوتا' اور وہ حادث نہیں ہے قدیم ہے اور متعدد نہیں ہے واحد لاشریک ہے' اور اس میں یہ نشانی بھی ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اسی طرح ایک دن مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب تم کو وہ زمین سے بلائے گا تو تم فوراً (قبروں سے) باہر نکل آؤ گے O اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت شعار ہیں O اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اس کی سب سے بلند صفات ہیں' اور وہی بہت غلبہ اور بہت حکمت والا ہے O

(الروم: ۲۷۔۲۵)

زمین اور دیگر سیاروں کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

زمین اپنے محور پر گردش کر رہی ہے اور باقی سیارے بھی اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں' اور زمین اور سیاروں کی اپنے اپنے محوروں کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ کسی تخصیص مخصص اور ترجیح مرجح کے بغیر نہیں ہو سکتی' اسی طرح افلاک جس وضع کے ساتھ قائم ہیں اس وضع کے لیے کسی مخصص اور مرجح کی ضرورت ہے اور وہ مخصص اور مرجح ممکن نہیں ہو سکتا ورنہ وہ بھی ان ہی کی طرح حادث ہوتا' اس لیے ضروری ہے کہ ان کا مرجح واجب ہو اور قدیم ہو اور واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء محال ہے' پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس زمین اور آسمان کو بدل دے گا' پھر اللہ تعالیٰ کی ایک آواز پر تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے باہر نکل آئیں گے:

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا وہ صرف ایک آواز ہوگی پھر سب کے سب ہمارے سامنے

مُّحْضَرُوْنَ۝ (یٰس: ۵۳) حاضر کر دیے جائیں گے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۝ وہ صرف ایک ڈانٹ کی آواز ہوگی۝ کہ سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ (النٰزعٰت: ۱۴۔۱۳)

سب اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں

زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے' اور ملکیت کسی چیز کو خریدنے سے ہوتی ہے' اس نے اس زمین و آسمان کو کسی سے نہیں خریدا' یا ملکیت کسی چیز کے وراثت میں ملنے سے ہوتی ہے' اس کا کوئی مورث نہیں ہے جس کے مرنے کے بعد یہ کائنات اس کو ملی ہو' یا ملکیت کسی چیز کو ہبہ کرنے یا تحفہ میں دینے سے ہوتی ہے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے بلکہ وہی سب کو دینے والا ہے' پھر ملکیت کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے کوئی شخص اس کا مالک ہوتا ہے' سو اس نے اس تمام کائنات کو بنایا ہے سو وہی اس کا خالق اور مالک ہے اور خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہوا تو اس کو پھر کسی خالق کی ضرورت ہوگی' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو ورنہ تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ محال ہے' اور جب وہ سب کا خالق اور مالک ہے تو سب اس کے مملوک ہوئے اور مملوک کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالک کا اطاعت شعار ہو' سو ساری کائنات اس کی اطاعت گزار ہے۔

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بلند صفات

توحید کی ان دلیلوں سے واضح ہو گیا کہ اسی نے اس تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور جب وہ اس کائنات کو ایک بار پیدا کر چکا ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے' آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سب سے بلند صفات ہیں' سب سے بلند صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اس کی ذات اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں' اور وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے' آسمانوں میں اور زمینوں میں صرف وہی سب کی عبادت کا مستحق ہے' سب اسی کے محتاج ہیں وہی سب کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے' اسی کو ہر چیز کا علم ہے' غیب اور شہادت میں سے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے' وہ فعال لما یرید ہے وہ جس چیز کو چاہے' جس کا ارادہ کرے ایک کلمہ کن فرما کر اس کو وجود میں لے آتا ہے' وہ حکیم ہے ہر کام کو حکمت سے کرتا ہے وہ اپنے کسی فعل پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے' اور ہر شخص اس کے سامنے جواب دہ ہے' وہ متکلم ہے اور اس کا کلام حروف سے مرکب نہیں ہے' وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے' اور ہر بات کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۗ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ

اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے (ہی) ایک مثال بیان فرمائی' کیا تمہارے غلاموں میں

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

سے کوئی تمہارا اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے' کہ تم اور وہ (غلام)

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اس (رزق) میں برابر ہوں، تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے، ہم عقل والوں

يَّعْقِلُوْنَ ۞۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان فرماتے ہیں O بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہش کی پیروی کی،

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۞۲۹ فَاَقِمْ

سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے O سو آپ

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر قائم رکھیں (اے لوگو!)

عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ

اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا

ہے، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (اسی دین پر قائم رہو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے، اور اللہ سے

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

ڈرتے رہو، اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ O ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ)

دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۞۳۲

جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو O

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ

اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۞۳۳ لِيَكْفُرُوْا

اپنی طرف سے ان کو رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O تاکہ وہ

بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا

ہماری ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں، سو تم (عارضی) فائدہ اٹھالو پھر تم عنقریب جان لوگے O کیا ہم نے ان پر

فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا

کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو ان کے شرک کی تصدیق کرتی ہے؟ O اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے

بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

خوش ہوتے ہیں، اور جب ان کے پہلے سے کیے ہوئے بُرے کاموں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں O

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے رزق) تنگ کر

ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ

دیتا ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق

الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ

ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا

اللّٰهِ ٘ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ

کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تاکہ

فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم اللہ کی

تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ

رضا جوئی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں O اللہ نے ہی تم کو

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ

پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں

مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے' اللہ ان تمام چیزوں سے پاک

ع ۴ ۱۲ يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰

اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے (ہی) ایک مثال بیان فرمائی' کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ (غلام) اس (رزق) میں برابر ہوں' تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے' ہم عقل والوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان فرماتے ہیں O بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی' سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے O (الروم: ۲۹۔۲۸)

انسان اپنے نوکروں کو اپنا شریک کہلوانا پسند نہیں کرتا تو وہ اللہ کی مخلوق کو اس کا شریک کیوں کہتا ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ابطال پر متعدد دلائل قائم فرمائے تھے اور اب ان آیتوں میں شرک کے رد پر ایک واضح حسی دلیل بیان فرما رہا ہے' اس مثال کا معنی یہ ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ جو شخص اس کا نوکر اور غلام ہو وہ اس کے مال اور کاروبار میں اس کا شریک بن جائے' تو جب تم اپنے لیے اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے نوکروں اور غلاموں کو تمہارے اموال اور کاروبار میں شریک کہا جائے تو تم اللہ کے مملوک اور اس کی مخلوق کو اللہ کا شریک کیوں کہتے ہو اور جو چیز تمہیں اپنے لیے ناپسند ہے اس کو اللہ کے لیے پسند کیوں کرتے ہو! پھر فرمایا تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے غلاموں اور نوکروں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم آزاد لوگ ایک دوسرے سے ڈرتے ہو یعنی جس طرح تم مشترکہ کاروبار یا مشترکہ املاک میں تصرف کرتے ہوئے ڈرتے ہو کہ دوسرے شرکاء تم سے باز پرس کریں گے کہ تم نے ان کو بتائے بغیر کیوں تصرف کیا' کیا تم اپنے نوکروں اور غلاموں سے بھی اسی طرح ڈرتے ہو' یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ جب تم نے اپنے نوکروں اور غلاموں کو اپنے کاروبار اور املاک میں شریک بنایا ہی نہیں تو پھر ان سے ڈرنے کا کیا سبب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہش کی پیروی کی' یعنی کفار جو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں یہ کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کفار اپنی خواہش سے ان بتوں کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں ان کی پرستش کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: سو جس کو اللہ نے گم راہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے! بعض لوگ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب مشرکین کو اللہ نے گم راہ کیا ہے تو پھر ان کی گم راہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے شرک پر اصرار کرتے ہوئے ضد اور عناد میں ایسے گستاخانہ کلمات کہے کہ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی جیسا کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِکُفْرِہِمْ ۔ (النساء:۱۵۵) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر قائم رکھیں' (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الروم:۳۰)

ایک انسان کے اعضاء کے ساتھ کسی دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری کی تحقیق

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنا چہرہ دین مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف قائم اور متوجہ رکھیں چہرے کو قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی پوری قوت کے ساتھ دین اسلام کے احکام پر عمل کریں اور چہرے کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ وہ انسان کے حواس کا جامع ہے اور اس کے اعضاء میں سب سے اشرف ہے' اور تمام مفسرین کے نزدیک اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے اور حنیف کا معنی ہے تمام ادیان محرفہ اور شرائع منسوخہ سے اعراض کرتے ہوئے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے O (الروم:۳۰)

فطرت کا لغوی معنی

فطر کا معنی ہے پھاڑنا' پیدا کرنا' شروع کرنا' فطر العجین کا معنی ہے گندھے ہوئے آٹے کے خمیر ہونے سے پہلے روٹی پکانا' فطر ناب البعیر کا معنی ہے اونٹ کے دانت کا ظاہر ہونا' فطر الرجل الشاۃ کا معنی ہے انگلیوں کے اطراف سے بکری کو دوہنا' فطر الصائم کا معنی ہے روزہ دار کا روزہ افطار کرانا' تفطر کا معنی ہے پھٹنا۔

(المنجد ص ۵۸۸۔۵۸۷' ایران' ۱۳۷۹ھ)

امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

فطر اللہ الخلق کا معنی ہے مخلوق کو پیدا کیا' اور اشیاء بنانے کی ابتداء کی اور فطرت کا معنی ہے وہ دین جس پر ان کو پیدا کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ربوبیت کی معرفت پر پیدا کیا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۴۰۴' مطبعہ باقری' قم' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن ابی بکر الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے ابتداء اور اختراع۔

(مختار الصحاح ص ۲۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا۔

(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

فطرت کا شرعی معنی

علامہ الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا (الروم:۳۰) میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مرکوز کر دیا' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے'' (الزخرف:۸۷) اور قرآن مجید میں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر:۱) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا اَلَّذِیْ فَطَرَهُنَّ (الانبیاء:۵۶)

جس نے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کیا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۴ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ھ)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۸۳ ھ لکھتے ہیں:

الفطر کا معنی ہے ابتدا اور اختراع 'حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فاطر السموات والارض کا معنی مجھ پر اس وقت منکشف ہوا جب دو اعرابی میرے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے ہر ایک کا ایک کنویں کے متعلق یہ دعویٰ تھا انا فطرتھا یہ کنواں میں نے ابتداءً کھودا ہے۔ فطرت کا معنی ہے جس نوع کی پیدائش پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ اللہ کی فطرت ہے' یعنی انسان کو خوشی سے دین حنیف کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت پر پیدا کیا گیا اور یہ چیز اس میں طبعًا ہے تکلفًا نہیں ہے' اگر انسان کو بہکانے والے شیاطین جن وانس سے الگ رکھا جائے تو وہ صرف اسی دین کو قبول کرے گا اور اس کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا' اور اس کی مثال جمعاء سے دی گئی ہے' یعنی وہ جانور جو سلیم الاعضاء پیدا ہوا' بعد کے کسی حادثہ سے جس کا کوئی عضو ٹوٹا نہ ہو' ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنفاء (ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے) پیدا کیا' پھر شیاطین نے ان کو ان کے دین سے پھیر دیا اور میں نے ان کو جو رزق عطا کیا تھا وہ حلال تھا' پھر شیطان نے ان پر وہ رزق حرام کر دیا جس کو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۶۵) یعنی انہوں نے بحیرہ اور سائبہ (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) وغیرہ بنا لیے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں اور اللہ کی خلقت (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

(الفائق ج ۳ ص ۳۹ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ 'الکشاف ج ۳ ص ۴۸۵-۴۸۴ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ' اور علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(النہایہ ج ۳ ص ۴۰۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ 'مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۸ 'مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ طاہر پٹنی نے فطرت کے معنی میں مزید لکھا ہے:

علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے' یا فطرت سے مراد لوگوں کی سعادت یا شقاوت کی تقدیر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے' اور علامہ طیبی نے شرح المشکوٰۃ میں کہا ہے کہ فطرت سے مراد یہ ہے کہ اگر انسان پیدا ہونے کے بعد اسی حال پر رہے تو وہ دین اسلام پر ہوگا' علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا حدیث میں ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں یعنی سنت سے ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کی وہ دس سنتیں ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے' علامہ کرمانی نے کہا فطرت سے مراد انبیاء علیہم السلام کی قدیم سنتیں ہیں۔ جن کو انہوں نے اختیار کیا اور جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں گویا یہ جبلی (طبعی) امر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے' ان میں سے مونچھوں کو کم کرنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا ہے اور ختنہ کرنا ہے' نیز جب شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو ترک کر کے دودھ کو پیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا' یعنی آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا' نیز حدیث میں ہے تم فطرت پر مرو گے یعنی اسلام اور دین حق پر۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۹-۱۵۸ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

ہر بچہ کی فطرت پر پیدائش کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے ایک جانور سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ دیکھتے ہو؟ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا. (الروم: ۳۰)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۸ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۸ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴ 'مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۸۱ 'عالم الکتب بیروت)

اس پر اعتراض ہے کہ اس آیت میں ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰) اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' حالانکہ تبدیلی تو ہو جاتی ہے بعض بچے بڑے ہو کر یہودی یا نصرانی ہو جاتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ صورۃً خبر ہے اور معنیً نہی ہے اس کا معنی ہے اس سرشت کو تبدیل نہ کرو جس پر اللہ نے پیدا کیا ہے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ فطرت سے مراد اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اگر فطرت سے مراد دین حق یا اسلام ہو تو پھر یہ حدیث عموم پر نہیں رہے گی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے مراد عموم نہیں ہے اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ بنو آدم کے تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں خواہ ان کے ماں باپ کافر ہوں' سو جب بچے نابالغ ہوں تو ان پر وہی حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے ماں باپ کا ہے۔ اگر ان کے ماں باپ یہودی ہوں تو وہ یہودی ہوں گے اور اگر ان کے ماں باپ نصرانی ہوں تو وہ نصرانی ہوں گے اور ان کے وارث ہوں گے' اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کے متعلق فرمایا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا' جس دن وہ پیدا ہوا' اللہ تعالیٰ نے اس پر کفر کی مہر لگا دی تھی (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۰ 'مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۱) اور امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! جب بنو آدم کو پیدا کیا گیا تو ان کے کئی طبقات تھے ان میں سے بعض ایمان پر پیدا ہوتے ہیں' ایمان پر زندہ رہتے ہیں اور ایمان پر مرتے ہیں' اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں' کفر پر زندہ رہتے ہیں اور کفر پر مرتے ہیں' اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں' کفر پر زندگی گزارتے ہیں اور ایمان پر مرتے ہیں' پس اس حدیث میں اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس حدیث میں عموم مراد نہیں ہے کیونکہ بعض بچے فطرت پر پیدا نہیں ہوتے' اسی طرح قرآن مجید کی بعض آیات میں کل کا لفظ ہے اور وہاں عموم مراد نہیں ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا. (الاحقاف: ۲۵) وہ (عذاب کی ہوا) اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔

حالانکہ اس ہوا نے آسمان اور زمین کو ہلاک نہیں کیا تھا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ پھر جب وہ کفار ان چیزوں کو بھولے رہے جس کی ان کو

تلقی ﷺ. (الانعام: ۴۴) نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔
حالانکہ ان پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔

(۱) دوسرے علماء نے یہ کہا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا اور فرشتوں نے اس کی تعبیر بتائی انہوں نے کہا آپ نے جو دراز قامت انسان دیکھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے' اور آپ نے ان کے گرد جو بچے دیکھے تو یہ ہر وہ بچہ ہے جو فطرت پر مر گیا' بعض مسلمانوں نے پوچھا' یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد بھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵)

اور امام سعید بن منصور کی حدیث دو وجہوں سے ضعیف ہے اول اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جدعان ہے' ثانی اس وجہ سے کہ یہ حدیث دعوی عموم کے معارض نہیں ہے کیونکہ چاروں قسمیں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف راجع ہیں کیونکہ کبھی کوئی بچہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور العیاذ باللہ' اللہ کے علم میں وہ مسلمان نہیں ہوتا' اور حضرت خضر نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اس کا یہی محمل ہے' اسی طرح کبھی کوئی بچہ کافروں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے علم میں وہ کافر نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر ہوتا ہے لیکن اس سے وہ بچے مستثنیٰ ہیں جو اللہ کے علم میں مسلمان نہیں ہیں جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا تو پھر مآل تو یہی نکلا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ فتدبر (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی نے علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں کیا لیکن اس حدیث کو صرف امام سعید بن منصور نے روایت نہیں کیا بلکہ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے: سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' مسند احمد ج ۳ ص ۷' میں یہ حدیث ہے' اور علی بن زید بن جدعان سے امام بخاری نے الادب المفرد میں' امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور چاروں اصحاب سنن نے استدلال کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں فطرت کا معنی ایمان یا دینِ اسلام کیا جائے تو یہ عموم پر نہیں رہے گی الا یہ کہ اس حدیث میں فطرت کا معنی یہ کیا جائے کہ ہر بچہ صحیح و سالم عیوب سے خالی اور کامل خلقت اور ہیئت پر پیدا ہوتا ہے۔

الروم: ۳۰ اور اس حدیث میں فطرت سے مراد کامل ہیئت اور صحیح و سالم خلقت ہے

حافظ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ فطرت کا معنی خلقت ہے اور فاطر کا معنی خالق ہے' اور انہوں نے اس کا انکار کیا کہ مولود کو کفر یا ایمان یا معرفت یا انکار پر پیدا کیا جائے انہوں نے کہا اعم اور اغلب طور پر مولود' جسم کی سلامتی کے ساتھ خلقۃً اور طبعاً پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایمان ہوتا ہے نہ کفر' نہ انکار اور نہ معرفت' پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کرنے کا اہل ہوتا ہے تو پھر وہ کفر یا ایمان کا اعتقاد رکھتا ہے' اور ان کا اس موقف پر استدلال اس سے ہے کہ حدیث میں ہے ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے' جیسے جانور صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی کٹی ہوئی یا ٹوٹی ہوئی چیز دیکھتے ہو یعنی کیا اس کے کان کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ نے بنو آدم کی جانوروں کے ساتھ مثال دی کیونکہ جب جانور پیدا ہوتے ہیں تو ان کی خلقت کامل ہوتی ہے ان میں کوئی کمی نہیں ہوتی پھر بعد میں ان کی ناک یا کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بحیرہ ہے اور یہ سائبہ ہے۔ اسی طرح جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو ولادت کے وقت ان میں کفر ہوتا ہے نہ ایمان' نہ انکار ہوتا ہے نہ معرفت جیسے صحیح و سالم جانور پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں تو شیطان ان کو گمراہ کر دیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر

کرتے ہیں اور کم کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر بچے ابتداء کفر یا ایمان پر پیدا ہوتے تو وہ اس سے کبھی منتقل نہ ہوتے' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایمان لاتے ہیں پھر کفر کرتے ہیں' اور انہوں نے کہا یہ محال ہے کہ بچہ ولادت کے وقت کفر یا ایمان کو سمجھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس حال میں پیدا کیا اس حال میں وہ کچھ نہیں سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۔ (النحل: ۷۸) اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

اور جو اس وقت کچھ بھی نہ جانتا ہو اس کا اس وقت کفر یا ایمان یا انکار یا معرفت پر ہونا محال ہے۔

امام ابو عمر ابن عبد البر مالکی نے کہا فطرت کے معنی میں جتنے اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہ صحیح ترین قول ہے' یعنی ہر مولود کو صحیح اور سالم جسم کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ (التمہید ج ۷ ص ۲۳۰۔ ۲۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

محققین کے نزدیک فطرت کا معنی کامل خلقت ہی ہے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے فطرت کے جس معنی کو اختیار کیا ہے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں بہ کثرت محققین کا وہی مختار ہے' ان میں سے قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ ہیں وہ لکھتے ہیں فطرت کی معتمد تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد بچہ کی وہ خلقت اور ہیئت ہے جس میں استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو باہم ممتاز اور ممیز کر سکے اور ان مصنوعات سے اپنے رب کے وجود پر استدلال کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی شرائع کو پہچانے اور ان پر ایمان لائے' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: اپنے چہرے کو دین حنیف کے رخ کی طرف قائم رکھیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے یعنی وہ صلاحیت جس پر اس نے بشر کو پیدا کیا ہے' لیکن ان کو عوارض پیش آجاتے ہیں اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں آپ نے ان عوارض کا بہ طور مثال ذکر کیا ہے ورنہ عوارض بہت ہیں۔ (المحرر الوجیز ج ۱۲ ص ۲۵۸' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکۃ المکرمہ' ۱۴۰۸ھ)

اور ہمارے شیخ حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے قلوب کو حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے جیسے ان کی آنکھوں کو اور کانوں کو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے' پس جب تک ان میں یہ صلاحیت رہے گی وہ دین حق اور اسلام کا ادراک کر سکیں گے اور حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت پر پیدا کیا' پھر شیاطین نے ان کو گمراہ کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵) (اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت کی استعداد اور صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے' النحل: ۷۸' پس پیدائش کے وقت ان میں بالفعل اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں تھی بلکہ اس کی معرفت کی استعداد اور صلاحیت تھی) اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیسے جانور سے صحیح سالم جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو' یعنی جانور کامل خلقت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور تمام آفتوں سے سلامت ہوتا ہے' اگر اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے تو وہ تمام عیوب سے سلامت اور کامل رہے گا لیکن اس جانور میں تصرف کیا جاتا ہے اس کے کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کے چہرے پر داغ لگا دیا جاتا ہے' پھر اس میں آفات

نقائص آ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل سے نکل جاتا ہے اور اسی طرح انسان ہے (یعنی اس کو اس کے تمام اعضاء کے ساتھ مکمل اور عیوب سے خالی پیدا کیا جاتا ہے پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ماں باپ کی اتباع اور تقلید یا کسی اور عارضہ اور سبب سے کفر یا ایمان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے) پس یہ تشبیہ واقع کے مطابق ہے اور اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ (المفہم ج ٦ ص ٦٧٦' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ١٤١٧ھ)

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٤ ص ٢٨۔٢٧' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ نے بھی فطرت کے اسی معنی کو برقرار رکھا ہے جس کو حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٨ ص ٢٥٩۔٢٥٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢١ھ)

اپنے جسم کے بعض اعضاء نکلوا کر کسی کو دے دینا' اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ' قاضی ابن عطیہ اندلسی متوفی ٥٤٦ھ' حافظ ابو العباس قرطبی متوفی ٦٥٦ھ' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ اور علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ نے فطرت کے معنی پر بحث کی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ جس خلقت اور جس ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح اور سالم اور تمام جسمانی نقائص اور عیوب سے خالی پیدا کیا وہی فطرت ہے' اس کے بعد فرمایا لا تبدیل لخلق اللہ یعنی اللہ کی خلقت اور بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہ صورۃً خبر ہے اور معنیً نہی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلقت اور ہیئت میں تبدیلی نہ کرو' اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی اور تغیر نہ کرو جو لوگ اپنے بعض اعضاء مثلاً گردہ وغیرہ نکلوا کر کسی کو دے دیتے ہیں ان کا یہ فعل بھی اس آیت کی رو سے ممنوع اور حرام ہے۔ اس پر مزید دلائل اور بحث و تمحیص ہم آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں' ہر چند کہ کتب لغت' کتب تفسیر اور شروح حدیث میں فطرت کے دیگر معانی کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن وہ تمام معانی اس آیت کی تفسیر اور اس حدیث کی تشریح میں درست نہیں ہیں' قرآن مجید میں فاطر کا معنی خالق اور فطر کا معنی خلق ہے اور فطرت کا معنی خلقت ہے اور ''لا تبدیل لخلق اللہ'' اس پر قرینہ ہے' اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد'' جانور کی جانور سے صحیح و سالم پیدائش ہوتی ہے'' اس معنی پر واضح دلیل ہے' اپنے جسم کے اعضاء نکلوانے کے حرام ہونے پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

اپنے جسم کے بعض اعضاء کو نکلوانا یا کٹوانا تغییر خلق اللہ ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء:١١٩)

اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کر دوں گا اور میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے' اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں' عورتوں کی طرح چوٹی رکھتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں' یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں پر سیاہ خضاب لگاتے ہیں اور جو مرد خصی ہو جاتے ہیں یا کسی کو دینے کے لیے اپنے بعض اعضاء

نکلواتے ہیں یہ سب شیطان کے حکم پر عمل کر کے تغییر خلق اللہ کر رہے ہیں اور اللہ کی تخلیق کو تبدیل کر رہے ہیں' سو یہ تمام افعال ناجائز اور حرام ہیں' سفید بالوں کو عنابی' زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت ہے اور مطلوب اور مستحسن ہے۔

تغییر خلق اللہ کے حرام ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم کو گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتی ہیں اور اللہ کی تخلیق کو بدلتی ہیں' ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کیوں لعنت کرتے ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے' اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے' مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی' حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی' کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا اور رسول تم کو جو احکام دیں وہ لے لو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۶۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۸۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۳۴۳ عالم الکتب)

انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کاری کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کا پیوند لگانے والی اور اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کو پیوند لگوانے والی اور گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی ہوئی وہ بیمار ہو گئی اور اس کے بال جھڑ گئے' اس کے گھر والوں نے ارادہ کیا کہ اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بالوں کو پیوند کر دیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا: بالوں میں پیوند کرنے والی اور بالوں میں پیوند کرانے والی پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۹۵)

انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کاری کی تحریم اور ممانعت کے متعلق فقہاء مذاہب کی تصریحات

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

واصلہ کا معنی ہے وہ عورت جو کسی عورت کے بالوں میں دوسرے بالوں کا پیوند لگائے اور مستوصلہ کا معنی ہے وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کا پیوند لگوائے۔

ہمارے اصحاب نے اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے اور یہ کہا کہ اگر عورت نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی آدمی کے بالوں کو پیوند کیا ہے تو یہ بالاتفاق حرام ہے' خواہ وہ مرد کے بال ہوں یا عورت کے اور خواہ وہ اس کے محرم کے بال ہوں یا شوہر کے یا ان کے علاوہ کسی اور کے' اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ احادیث میں عموم ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی کے بالوں اور اس کے سارے اجزاء سے اس کی تکریم کی وجہ سے نفع حاصل کرنا حرام ہے' بلکہ اس کے بالوں' ناخنوں اور اس کے تمام اجزاء کو دفن کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۹ ص ۵۷۶۸' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بالوں کے ساتھ بالوں کا پیوند لگانا حرام ہے (الی قولہ) البتہ عورتیں جو کنگھی چوٹی کرتے وقت رنگین ریشمی چٹلے (پراندے) بالوں کے ساتھ باندھتی ہیں وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔

(المفہم ج ۵ ص ۴۴۳ 'مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۲۷۶ 'مکمل اکمال الاکمال ج ۷ ص ۲۷۶ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بالوں کے بالوں کے ساتھ پیوند لگانے کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ وہ فاجرات (بدکار عورتوں) کے بال ہوتے ہیں یا اس لیے کہ وہ تدلیس کرتی ہیں (لمبے بالوں کا وہم ڈالتی ہیں اور دھوکا دیتی ہیں) اور یا یہ تغییر خلق اللہ کی وجہ سے حرام ہے' ابو عبید نے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ بالوں کے علاوہ اور دیگر چیزوں کے ساتھ بالوں کو جوڑنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جو عورتیں کسی عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال پیوند کرتی ہیں یا جو عورتیں اس فعل کو طلب کرتی ہیں ان پر اس لیے لعنت کی گئی ہے کہ یہ فعل صورۃً جھوٹ ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۱۲ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

بالوں کو بالوں کے ساتھ پیوند کرنا ممنوع ہے اور اون یا ریشمی دھاگوں کے ساتھ بالوں کو جوڑنا جائز ہے' اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ بالوں کا بالوں کے ساتھ پیوند کرنا مطلقاً ممنوع ہے' خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بغیر ضرورت کے ہو' یا شادی کی وجہ سے ہو اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے (کیونکہ اس حدیث میں اس لڑکی کا ذکر ہے جس کے بال بیماری کی وجہ سے جھڑ گئے تھے اور اس کی شادی ہونی تھی)۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۶۵۲ 'مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں انسان کے اجزاء کی دوسرے انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی گئی ہے خواہ کسی مرض کی ضرورت کی وجہ سے یہ پیوند کاری کی جائے' اور فقہا مذاہب نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور جب انسان کے بالوں کے ساتھ دوسرے انسان کے بالوں کی پیوند کاری ممنوع ہے تو پھر انسان کے اعضاء کے ساتھ دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری بہ طریق اولیٰ ممنوع اور حرام ہوگی' البتہ سونے کی دھات سے یہ پیوند کاری ہو سکتی ہے' حدیث میں ہے:

عبدالرحمٰن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کاٹ دی گئی تھی انہوں نے چاندی کی ناک لگائی وہ سڑ گئی اور اس سے بدبو آنے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی جگہ سونے کی ناک لگالیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۲ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۰ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷۶)

انسان کے بالوں سے پیوند کاری کی ممانعت پر ایک شبہ کا جواب

جدید طبی مسائل کے مؤلف[1] نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ امام ترمذی نے اس باب میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے

[1] ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر صاحب

جس سے اس حدیث کا معنی واضح ہو جاتا ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرے کے بال کو چنتی ہیں حسین بننے کے لیے اور اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں (جامع ترمذی ابواب الاستیذان) پھر لکھتے ہیں: اس حدیث مبارک میں للحسن کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدل اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و زینت اور حسن و جمال کے لیے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۶۴۔۶۳)

یہ جواب تین وجہ سے مردود ہے اول اس لیے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' ثانیاً اس وجہ سے کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ایک لڑکی کے بیماری کی وجہ سے بال جھڑ گئے اس کی شادی ہونی تھی اس کے گھر والوں نے ارادہ کیا کہ اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورتوں کو بالوں کو پیوند کر دیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا بالوں کو پیوند کرنے والی اور بالوں میں پیوند کرانے والی پر اللہ نے لعنت کی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۹۵) اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ (مرض کی) ضرورت کی وجہ سے بھی انسان کے بالوں کے ساتھ پیوند کاری جائز نہیں ہے (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۶۵۲) علاوہ ازیں یہ بخاری کی حدیث ہے اور معترض کی پیش کردہ روایت ترمذی کی ہے اور بخاری ترمذی پر مقدم ہے۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ جسم گودنے اور گدوانے والی عورت پر حسن کی طلب کی وجہ سے لعنت نہیں کی گئی عورت کے لیے حسن اور زیب و زینت کو طلب کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ جائز اور مستحسن ہے اسی وجہ سے عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات اور ریشم پہننے کو حلال کیا گیا ہے اور انہیں مہندی لگانے اور اپنے خاوند کے لیے بننے سنورنے کی ترغیب دی گئی ہے' بلکہ اس حدیث میں ان پر لعنت اس لیے کی گئی ہے کہ انہوں نے طلب حسن کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے اور یہ شیطان کے حکم پر عمل کرنا ہے' شیطان نے اللہ کو چیلنج کر کے کہا تھا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی تخلیق کو تبدیل کر دیں گے (النساء: ۱۱۹) اور ان مجوزین نے بھی اپنے جواب میں اعتراف کیا ہے کہ یہ جسم میں تغیر و تبدل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کرنے کی بھی وجہ بیان فرمائی ہے کہ یہ جسم گودوا کر یا چہرے کے بال نوچ کر اللہ کی تخلیق میں تغیر کرتی ہیں' سو واضح ہو گیا کہ اللہ کی تخلیق میں تغیر کرنا شیطان کے حکم پر عمل کرنا ہے' اور لعنت کا مستحق بنتا ہے اور جو شخص اپنے جسم کا کوئی عضو کٹوا کر دوسرے کو دے رہا ہے وہ بھی اللہ کی تخلیق میں تغیر کر رہا ہے' شیطان کے حکم پر عمل کر رہا ہے اور زبان رسالت سے اللہ کی لعنت کا مصداق بن رہا ہے' العیاذ باللہ! پھر جو شخص مسلمانوں کو اعضاء کٹوانے کی ترغیب دے اس کا کیا حکم ہوگا!

مثلہ کی تحریم سے استدلال پر ایک اعتراض کا جواب

ہم نے شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا تھا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور پیوند کاری کے لیے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶۵۔۸۶۴)

مؤلف مذکور نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مثلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں ملے گی کہ "اعضاء کا کاٹنا" لیکن احادیث مبارکہ میں جس انسانی مثلہ سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ

بجھانے کے لیے اس کے اعضا کاٹ کر اس کی لاش کو مسخ کرنا۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۸)

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا ان کی لغت، حدیث اور فقہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ لغت حدیث کے امام مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجذری المتوفی ۶۰۶ھ مثلہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منه الحديث من مثل بالشعر فليس عند الله خلاق يوم القيامة مثلة الشعر حلقه من الخدود وقيل نتفه او تغيره بالسواد.

مثلہ کے متعلق حدیث ہے جس نے بالوں کا مثلہ کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس (اس کے اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہوگا، بالوں کے مثلہ کا معنی ہے بالوں کو چہرے سے مونڈنا، ایک قول ہے بالوں کو چہرے سے نوچنا یا بالوں پر سیاہ خضاب لگانا۔

(النہایہ ج ۴ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن اثیر نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ ان کتابوں میں ہے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۰، المعجم الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۰۹۷۷، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۱، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۷۵۔

فقہاء کرام نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۵۵، مطبوعہ ملتان، البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵۵، مطبوعہ مصر، النہر الفائق ج ۲ ص ۹۹ مطبوعہ کراچی، رد المحتار ج ۳ ص ۴۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اب جو لوگ روز صبح ذوق و شوق سے اپنی ڈاڑھی مونڈتے ہیں یا جو ہر ہفتہ دلچسپی کے ساتھ اپنے بالوں پر کالا خضاب لگاتے ہیں آیا وہ اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے اپنی لاش کو مسخ کر رہے ہیں یا اپنے زعم میں بننے سنورنے اور خوب صورت نظر آنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں!

انسان کی اپنے جسم پر عدم ملکیت سے استدلال پر اعتراض کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں، مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیونکہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور دلیل کے طور پر وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: ۱۱۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا لہٰذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہوگئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں (الیٰ قولہ) اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لیے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہو گیا ہے (بلکہ وہ پہلے سے ہی حقیقی مالک ہے۔ سعیدی غفرلہ) لیکن اس نے ہمیں یہ چیزیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنا دیا ہے اور اس میں تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے (الیٰ قولہ) لہٰذا عدم ملک سے النفس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

(جدید طبی مسائل ص ۶۳۔۶۰ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر ہمیں اپنی جان و مال کا مالک بنا دیا ہے لیکن ہمارا اپنی جان و مال میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہے علی الاطلاق نہیں ہے، ہم اپنی جان و مال کے مالک ہیں لیکن ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ نماز جمعہ کے وقت دکان پر بیٹھ کر سودا بیچیں یا نماز کے اوقات میں دنیاوی کاموں میں مشغول رہیں اور نماز نہ پڑھیں، یا اپنے پیسے کو سودی کاروبار میں لگائیں، بدکاری کریں، جوا کھیلیں اور شراب پئیں، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم وہی کام کر سکتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے، اور اپنے اعضاء کٹوا کر کسی کو دینے

کا ہمیں حکم دیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے بلکہ اس سے منع فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنا ہے اور اس کو شیطان کی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اللہ کی لعنت کی ہے۔

ہم بہ ظاہر اپنے مال کے مالک ہیں لیکن ہم تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتے' اپنے اعضا کی وصیت کرنے کا کیا سوال ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے اس وقت میں مکہ میں بیمار تھا' میں نے عرض کیا میرے پاس مال ہے آیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے پوچھا: آدھے مال کی' فرمایا نہیں! میں نے پوچھا پھر تہائی کی' آپ نے فرمایا تہائی کی! اور تہائی مال بہت ہے' اگر تم اپنے ورثاء کو خوش حال چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں' اور تم جس جگہ بھی خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے حتیٰ کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۴۵۳)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

میت نے وصیت کی تھی کہ میری نماز فلاں پڑھائے یا مجھے فلاں شخص غسل دے تو یہ وصیت باطل ہے۔ یعنی اس وصیت سے ولی کا حق جاتا نہ رہے گا ہاں ولی کو اختیار ہے کہ خود نہ پڑھائے اس سے پڑھوا دے۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۸۵' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' عالم گیری ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

میت کو تو شرعاً یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے یا غسل دینے کے لیے کسی کی وصیت کر دے تو اس بے چارے کو یہ اختیار کہاں سے ہو گا کہ وہ اپنی آنکھیں یا کسی اور عضو کو نکلوا کر کسی کو دینے کی وصیت کرے؟

ایک صحابی کے ہاتھ کاٹنے پر مواخذہ سے اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر استدلال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی بھی اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے' حضرت طفیل کا ساتھی بیمار ہو گیا اور جب بیماری اس کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے جس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا اور اسی سبب سے اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل نے خواب میں اسے اچھی حالت میں دیکھا لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے۔ حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا حضرت طفیل نے پوچھا ہاتھوں کو کیوں لپیٹے ہوئے ہو؟ اس نے کہا مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے' حضرت طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا خواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ کراچی)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے اور ان کو کاٹ نہیں سکتا' پورا عضو کاٹنا تو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کاٹنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا اور فرمایا: ''لن نصلح منک ما افسدت جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو

درست نہیں کریں گے''۔ جولوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ دیئے ہوئے اعضاء کوکٹوا دیتے ہیں یا مرنے کے بعد کاٹ دیئے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کر دیئے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔ جب صحابیٔ رسول نے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کٹے ہوئے جوڑوں کو ٹھیک نہیں کیا تو ماوشما اگر اپنے پورے اعضاء کٹوادیں تو کیا وہ اس خطرہ میں نہیں ہیں کہ آخرت میں ان کا ان اعضاء کی محرومی کے ساتھ حشر ہو؟ اللہ تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق دے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶۶ 'مطبوعہ لاہور)

استدلال مذکور پر اعتراض کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیونکہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خودکشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی عطا کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خودکشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز پر کیسے استدلال درست ہوسکتا ہے ایک اعضاء کا کاٹنا مذموم ہے اور ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۴۵)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھی سے خودکشی کا جو فعل سرزد ہوا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم از خود معاف فرما دیا تھا' اور جس فعل کو از خود نہیں معاف فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرمایا وہ ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹنا تھا جس کو مؤلف مذکور نے بھی اپنے ہاتھوں کو بگاڑنے سے تعبیر کیا ہے' اور ان کا یہی فعل اللہ کی تخلیق کو بدلنا اور شیطان کی اتباع تھا اور خودکشی کو معاف کرنے کے باوجود اس فعل کے متعلق فرمایا لن نصلح منک ما افسدت ''جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے' ہم اس کو ہرگز درست نہیں کریں گے'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کرم فرمایا اور اس کو بھی معاف کر دیا۔ اب جو لوگ کسی کو گردہ دینے کے لیے اپنا گردہ کٹوائیں گے کیا وہ اس خطرہ میں نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق کو بگاڑ کر اور شیطان کی اطاعت کر کے اور پیوند کاری میں معاونت کر کے اپنے اوپر اللہ کی لعنت کا طوق ڈال رہے ہیں۔

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ ''ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے'' نہ صرف فعل حرام کو حلال لکھنا ہے بلکہ حرام کی تحسین کرنا ہے' العیاذ باللہ! مؤلف مذکور نے اس عبارت میں پیوند کاری کے لیے گردہ کٹوانے والے کو زندگی عطا کرنے والا لکھا ہے' زندگی عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ہر چند کہ اس عبارت میں اسناد مجازی کی تاویل کی گنجائش ہے لیکن ایسے مشتبہ الفاظ سے احتراز لازم ہے۔

تکریم انسانیت سے اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر استدلال

اور یہ عمل تکریم آدمیت کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولقد کرمنا بنی ادم اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو تکریم دی ہے' اس کو احسن تقویم میں بنایا ہے اور اعضاء کٹوانے سے انسان کی احسن تقویم کو بگاڑ دیا جاتا ہے اور اس کی تکریم کی مخالفت ہوتی ہے' رہا یہ کہنا کہ دوسرے اندھے آدمی کو بینائی دینا یا جو گردوں سے محروم ہو اس کو گردہ دینا یہ بھی آدمیت کی تکریم ہے محض مغالطہ آفرینی ہے' اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اختیار نہیں دیا کہ ہم اپنے اعضاء بانٹتے پھریں' اپنی آنکھیں نکلوا کر خود مثلہ کرا کر اور

تکریم بنو آدم اور احسن تقویم کو بگاڑ کر دوسرے شخص کے لیے بینائی یا دوسرے اعضاء کے حصول کا موقع فراہم کرنے کے ہم مکلف ہیں نہ مجاز' یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا طاسین صاحب کے استدلال کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری سے لاکھوں روپے کمائے اور ان پیسوں سے یتیم خانے اور دارالامان کھول لے اور کہے کہ میں انسانیت کی خدمت کر رہا ہوں' اور اگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ جن ذرائع سے انسانیت کی یہ خدمت انجام دے رہا ہے وہ ناجائز ہیں تو بعینہٖ جو شخص اپنے اعضاء سے کسی کو بینائی اور گردے فراہم کر رہا ہے اور انسانیت کی خدمت کر رہا ہے اس کی اس خدمت کا ذریعہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اپنے اعضاء کٹوانے کی اجازت دی ہے نہ دوسروں کے مال لوٹنے اور قتل و غارت گری کی۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶۵ مطبوعہ لاہور)

استدلال مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اس پر مؤلف مذکور نے ایک اعتراض تو یہ کیا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے اس بچہ کو نکال لیا جائے گا' اس کا مفصل جواب ہم اضطرار کی بحث میں پیش کریں گے' دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ بعض حنفی اور شافعی علماء نے یہ کہا ہے کہ زندہ اپنی جان بچانے کے لیے مردہ انسان کا گوشت کھا سکتا ہے یہ دونوں صورتیں بھی احترام آدمیت کے خلاف ہیں' اس کا مفصل جواب بھی ہم اضطرار کی بحث میں دیں گے' تیسرا ایک لغو اعتراض کیا ہے کہ عرف کے بدلنے سے احترام کی علامت بھی بدلتی رہتی ہے کہ مغرب میں ننگے سر رہنا احترام کے خلاف نہیں ہے اور مشرق میں ہے' اس کا رد بھی عنقریب آئے گا اور چوتھے اعتراض کی عبارت یہ ہے:

آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حیثیت ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لیے اس میت کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے اور اگر کسی شخص نے کسی کا مال نگل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا۔ فتح القدیر (جدید طبی مسائل ص ۵۳)

مؤلف مذکور نے علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی کی پوری عبارت نہیں لکھی اور جو عبارت ان کے خلاف تھی اس کو چھوڑ دیا' علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ جرجانی نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور مر گیا اور اس کا کوئی ترکہ نہیں ہے تو وہ شخص ظالم ہے اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کر کے وہ موتی اس کے پیٹ سے نکالا جائے گا' اور یہ میت کے احترام کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس نے ظلم کر کے اور حد سے تجاوز کر کے اپنے احترام کو خود ساقط کر دیا ہے' رد المحتار میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۵۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' رد المحتار ج ۱ ص ۸۴۰ طبع قدیم)

احیاء نفس سے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جدید طبی مسائل کے مؤلف لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدہ: ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقال مجاهد فی روایة ومن احیاها ای انجاها من غرق او حرق او هلكة. یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ''ومن احیاھا'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج۲ص۸۰)

ذرا غور فرمائیے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا' ایک کو زندگی بخشا پوری نوع انسانی کو زندگی بخشا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جارہا ہے' اور ایک کو نہ بچا کر ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جارہا ہے' اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز تساہل نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فوقیت دینا یہ تمام فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیہ مبارکہ کے باوجود جو مفتیان کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں! جو شخص مرتا ہے تو اس کو مرنے دو لیکن گردہ لگا کر اس کو نہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشو وہ نہ صرف یہ کہ اس آیہ مبارکہ کا صریح انکار کر رہے ہیں بلکہ اس آیہ میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ ساری انسانیت کے قاتل ہیں! (جدید طبی مسائل ص ۳۳۔۳۲ ملخصاً)

جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے ہوں وہ اس مرض سے فوراً مر نہیں جاتا بلکہ اپنی حیات طبعی پوری کرتا ہے' اور ڈائی لیسز کے ذریعہ زندگی گزارتا ہے اس لیے پیوند کاری سے منع کرنے والوں کو ساری انسانیت کا قاتل اور اس آیت کا منکر قرار دینا درست نہیں ہے۔

ثانیاً حضرت مجاہد نے احیاء نفس کا معنی بیان کیا ہے کسی شخص کو ڈوبنے سے یا جلنے سے یا ہلاک ہونے سے بچانا' اور ظاہر ہے ڈوبنے سے بچانا اس شخص کے حق میں مستحب اور مستحسن ہے جس کو تیرنا آتا ہو اور جس کو تیرنا نہ آتا ہو وہ کسی ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے دریا یا سمندر میں کود پڑے تو وہ خود ہی ڈوب کر ہلاک ہو جائے گا اور اس کا یہ فعل بجائے خود نا جائز اور حرام ہو گا۔ اسی طرح کسی بھی مرتے ہوئے شخص کو موت سے بچانا اس وقت مستحسن ہے جب اس میں اس کو کسی ضرر کا خطرہ نہ ہو' اور جو شخص اپنا گردہ کٹوا کر دوسرے کو دے دے گا وہ خود اس ضرر کے خطرہ میں مبتلا ہو گا کہ ہوسکتا ہے کسی وقت اس کا یہ باقی ماندہ گردہ نا کارہ ہو جائے۔ ثالثاً جواب یہ ہے کہ کسی کی جان بچانے کی کوشش کرنا اس وقت درست ہے جب یہ کوشش کسی حرام قطعی پر موقوف نہ ہو اور اپنا گردہ کٹوانا' اللہ کی تخلیق کو متغیر کرنا اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے' اور انسان کے اجزاء کے ساتھ کسی انسان کی پیوند کاری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے تو یہ لعنتی بننے کی کوشش کرنا ہے' اور یہ فعل حرام قطعی ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے' اس کا اس بیماری سے فوراً مر جانا یقینی اور قطعی نہیں ہے' وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ عرصہ دراز تک زندہ رہتا ہے' خود مؤلف کے استاذ [1] گرامی مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ جو اس

---

[1] ڈاکٹر ابو الخیر محمد زبیر صاحب کے استاذ گرامی مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ کے متعلق باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۹۹۴ء میں اس عارضہ میں مبتلا ہوئے' ان کو علاج کے لیے حیدرآباد سے کراچی لایا گیا تو ابتداء میں ایک ہفتہ میں دوبار ڈائی لیسز کراتے تھے' پھر کبھی مہینہ میں چار بار' کبھی دو بار ڈائی لیسز کراتے تھے' چھ ماہ بعد انہوں نے تقریر اور درس وغیرہ شروع کر دیا تھا' اور ہر ماہ کی آخری جمعرات کو تقریر کرتے تھے۔ اور شہر میں بھی خطابات کے لیے جاتے تھے۔ ایک سال بعد وہ حیدرآباد گئے اور جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد متعدد بار حیدرآباد گئے' مفتی سعید احمد کی نماز جنازہ پڑھانے اور ان کے چہلم کے جلسہ میں شرکت کے لیے کراچی سے حیدرآباد گئے اور تقریر کی' دار العلوم نعیمیہ کراچی میں بھی ہم سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عارضہ میں مبتلا تھے جن کو گردہ دینے کی ترغیب میں یہ رسالہ لکھا گیا اس عارضہ کے بعد پانچ سال تک زندہ رہے اور بغیر کسی سے گردہ لے کر لگوائے تندرست بھی ہوئے اور ہم سے ملاقات کرنے دارالعلوم میں بھی آئے' اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مؤلف مذکور' جو گردہ کٹوا کر کسی کو دینے سے منع کرنے والے علماء کو ساری انسانیت کا قاتل قرار دیتے ہیں خود انہوں نے اپنے استاذ گرامی کو اس بیماری کے دوران اپنا گردہ نہیں دیا اور خود اپنے فتویٰ پر عمل نہیں کیا اور ان کے بہ قول تمام فرائض سے اہم اس فرض کو ترک کر دیا اور صرف ہمیں کوسنے پر اکتفا کر لیا۔ (ڈائی لیسز کی تشریح اس بحث کے اخیر میں آ رہی ہے)۔

نیز مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کے نیکیوں کے پلہ کو بھاری کر کے اس کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا۔
(جدید طبی مسائل ص ۳۰)

کسی مخصوص عمل پر مخصوص ثواب کا اعلان یا بشارت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو سزاوار نہیں ہے' حیرت ہے کہ خود مؤلف مذکور نے اپنے بیان کردہ اجر و ثواب کے حصول کا موقع گنوا دیا اور اپنے استاذ گرامی کو اپنا گردہ کٹوا کر نہیں دیا۔

انسان کے اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کے جواز پر ایثار نفس سے استدلال

مؤلف مذکور لکھتے ہیں ارشاد پروردگار ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (الحشر: ۹)

اس آیہ مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق تحسین اور قابل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطیہ یا وصیت کر دیتے ہیں وہ اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔ (الی قولہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخموں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں آپ نے ان کو پینے کے لیے پانی دیا تا کہ ان کی جان بچ جائے ابھی انہوں نے پانی پینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹا دیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن

(سابقہ حاشیہ) ملاقات کے لیے آئے ان کو یہاں تدریس کی بھی پیش کش کی گئی تھی' ۱۴ جون ۱۹۹۹ء ۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کو ان کا انتقال ہو گیا' ڈاکٹر صاحب کا یہ رسالہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا' اور اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ان کے استاذ محترم تقریباً چار سال زندہ رہے اور گردہ دینے کی تمام تر ترغیب اور زور بیان کے باوجود موصوف نے ان کے لیے اپنے گردہ کی قربانی نہیں دی۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں گردوں کا فیل ہو جانا بہر حال ایسا اضطرار نہیں ہے کہ اگر اس کو گردہ نہ دیا جائے تو انسان فوراً مر جائے گا۔ اس کا مریض اپنی طبعی حیات کو پورا کرتا ہے اور اپنے وقت پر مرتا ہے اور اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے نہ وہ مضطر ہے' ڈائی لیسز کے ذریعہ اس کا علاج ہوتا رہتا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاؤ یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی تھے جو زخموں سے چور اس جہاں میں چند لمحوں کے مہمان تھے حضرت شرحبیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تاکہ یہ پی کر اپنی جان بچالیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آ گئی اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پئے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ تاکہ اس کی جان بچ جائے چنانچہ جب حضرت شرحبیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرما چکے تھے پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے پھر وہ اسی پانی کو لے کر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایثار کا بڑا بلند مقام اور محبوبیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا زریں سبق ہے۔ (الی قولہ)

ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرض ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لیے اپنی جان دینے کے ''حرام فعل'' کا ارتکاب کر کے معاذ اللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے؟ معاذ اللہ استغفر اللہ۔ (جدید طبی مسائل ص ۳۸۔۳۰ ملخصاً)

استدلال مذکور کا ابطال

قرآن مجید کی آیت حشر: ۹ میں جو ایثار کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ہے اپنی ضرورت کی جائز اور حلال چیزوں میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دینا مثلاً کھانے' پینے کی چیزوں' کپڑوں اور مکان وغیرہ میں اپنی ضرورت پر اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضرورت کو مقدم رکھنا' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اپنے جسم کے اعضاء کو کٹوا کر دوسرے انسانوں کو دے دئے کیونکہ اپنے اعضاء کو کٹوانا اللہ کی تخلیق کو متغیر کرنا ہے اور النساء: ۱۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان کی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر لعنت فرمائی ہے' اور یہ فعل حرام ہے اور حرام چیز دینے کو ایثار نفس کی تفسیر میں داخل کرنا خالص تفسیر بالرائے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۱)

مہاجرین پر انصار مدینہ کے ایثار کی تفصیل

اب ہم اس پوری آیت کا ترجمہ اور اس کی معتمد تفسیر پیش کر رہے ہیں جس سے اس آیت کا مطلب واضح ہو جائے گا اور یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ مؤلف مذکور نے اس آیت سے جو مطلب کشید کیا ہے وہ قطعاً باطل اور مردود ہے۔

پوری آیت اس طرح ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر: ۹)

اور جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دار الہجرت اور دار الایمان (مدینہ منورہ) میں مقیم ہو گئے تھے وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ (مال فے سے) دیا گیا ہے اس کی اپنی دلوں میں کوئی طلب نہیں پاتے' اور وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو شدید ضرورت

کیوں نہ ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے جاتے ہیں

وہی لوگ کامیاب ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ایثار نفس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی' اور اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہوئے ان کو اپنے اموال دیئے خواہ ان کو خود ان مکانوں اور اموال کی ضرورت کیوں نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۵۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں اس کی تفسیر میں دو روایتیں ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن حیان نے بیان کیا کہ انصار نے مال فے (کفار کا چھوڑا ہوا مال) اور مال غنیمت (میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا مال) میں اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی حتیٰ کہ وہ مال مہاجرین کو دیا گیا اور ان کو نہیں دیا گیا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالنضیر کا مال فے مہاجرین میں تقسیم کیا' اور بنوقریظہ سے حاصل شدہ مال مہاجرین کو دے کر فرمایا انصار نے اپنے اموال جو تم کو دیئے تھے تم ان کے اموال واپس کر دو' انصار نے کہا نہیں ہم ان کو ان اموال پر برقرار رکھیں گے اور اموال فے میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔

(۲) ابن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تمہارے بھائی (مکہ میں) اپنے اموال اور اولاد کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم اپنے اموال میں ان کو شریک کر لیں گے' آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور! انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کھیتی باڑی نہیں آتی' تم ان کی جگہ کام کر و اور پیدا شدہ کھجوریں آپس میں تقسیم کر لینا' یعنی بنونضیر سے حاصل شدہ کھجوروں کو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ٹھیک ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

صرف اصحاب صبر کے لیے تنگی میں اپنے اوپر ایثار کی اجازت ہے' ہر شخص کے لیے نہیں

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تنگ دست ضرورت مند کا صدقہ سب سے افضل ہے (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷) اور یہ مقام سب سے بلند ہے' کیونکہ ان صحابہ نے اس چیز کو خرچ کیا جس کی ان کو خود سخت ضرورت تھی اور یہی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کر دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے' انہوں نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول کو باقی رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۷۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تمام مال قبول فرما لیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصف مال قبول فرما لیا' اور جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے' آپ نے ہر ایک سے اتنا مال لیا جتنے مال کی سخاوت کو اس کا دل برداشت کر سکتا تھا اور آپ کو علم تھا کہ حضرت ابولبابہ اپنے تمام مال کے خرچ ہونے پر صبر نہیں کر سکیں گے جس طرح حضرت ابوبکر اپنے تمام مال کے راہ خدا میں صرف ہونے پر صبر کر لیں گے اور جس طرح حضرت عمر اپنے نصف مال کے خرچ ہونے پر صبر کر لیں گے' اس لیے آپ نے

حضرت ابولبابہ کو صرف تہائی مال کے صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ (عارضۃ الاحوذی ج ٣ ص ١١٩ ' دارالکتب العلمیہ بیروت ' ١٤١٨ ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اس حال میں صدقہ کیا کہ وہ خود ضرورت مند تھا ' یا اس کے اہل و عیال ضرورت مند تھے ' یا اس پر قرض تھا تو صدقہ کرنے ' غلام کو آزاد کرنے یا ہبہ کرنے کی بہ نسبت قرض کی ادائیگی کا استحقاق ہے ' اور اس نے جو صدقہ کیا ہے یا غلام آزاد کیا ہے یا ہدیہ دیا ہے وہ واپس لیا جائے گا ' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ضائع کرنے کے لیے لوگوں کے اموال لیے اللہ اس کو ضائع کر دے گا ' ماسوا اس شخص کے جس کا صبر کرنا معروف اور مشہور ہو جو اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو ' خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو ' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا تھا اور جس طرح انصار نے اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی تھی ' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صدقہ کرنے کے بہانے سے لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے ' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو اللہ اور رسول کی طرف صدقہ کر دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے تو میں نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب: ١٨ لا صدقۃ الا عن ظھر غنی ' اسی وقت صدقہ کرے جب صدقہ کرنے کے بعد اس کا پاس خوش حالی رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اور اپنے عیال سے ابتدا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٢٦ ' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٧٧٧)

تنگی میں دوسروں کے لیے ایثار کرنے کا ضابطہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ جس شخص کا بدن تندرست ہو ' اس کی عقل صحیح ہو ' اس پر کسی کا قرض نہ ہو اور وہ شخص فقر و فاقہ پر صبر کر سکتا ہو اور اس کے عیال نہ ہوں ' یا عیال ہوں اور وہ بھی مال نہ ہونے پر صبر کر سکتے ہوں ' تو جمہور کے نزدیک اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے ' اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا اس کا وہ صدقہ واپس لیا جائے گا ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق (رجعی) دے کر اپنا تمام مال اپنے بیٹوں میں صدقہ کر دیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ تم یہ طلاق واپس لو ' تقسیم کیا ہوا مال بھی واپس لو ورنہ میں حکم دوں گا کہ تمہاری قبر پر بھی رجم کیا جائے جیسا کہ ابو رغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا (مسند ج ٢ ص ١٤ ملخصاً) اور ایک محتاج شخص نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا (یعنی اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گا) تو آپ نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت اس محتاج شخص کو واپس کر دی ' امام طبری نے کہا ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مذکور الصدر شرائط کے ساتھ اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے لیکن مختار اور مستحب یہ ہے کہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے ' تاکہ حضرت ابوبکر کے فعل اور حضرت کعب بن مالک کے فعل میں تطبیق رہے (علامہ عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے عمدۃ القاری ج ٨ ص ٤٢٢ ' دارالکتب العلمیہ بیروت ' ١٤٢١ ھ) اور جس حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اس کا معنی یہ ہے کہ اتنا زیادہ صدقہ نہ کرے کہ صدقہ کے بعد وہ خود اور اس کے اہل و عیال محتاج ہو جائیں اور اس کے پاس اتنا مال رہے کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کر سکے ' یعنی وہ بھوک دور کرنے کے لیے کھانا کھا سکیں ' کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا ' اور اپنی ستر

پوشی کر سکیں' اور ان کو کوئی اذیت پہنچے تو اس کو دور کر سکیں' اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال نہ بچے تو پھر اپنی ضروریات پر کسی کے لیے ایثار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے' کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دوسروں کو ترجیح دے گا تو لازم آئے گا کہ وہ بھوک سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے یا اپنے آپ کو ضرر میں مبتلا کرے یا اپنے آپ کو برہنہ کرے' اور اپنے حقوق کی رعایت کرنا ہر حال میں راجح ہے اور جب یہ واجبات ساقط ہو جائیں تو پھر ایثار کرنا جائز ہے اور اس وقت اس کا صدقہ کرنا افضل ہوگا کیونکہ وہ فقر اور مشقت کی شدت کو برداشت کرے گا' اور اس طرح دلائل میں جو تعارض ہے وہ دور ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۸۔ ۴۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنا حق دوسروں پر مقدم ہے' اولاد اور بیوی کا خرچ بالاتفاق فرض ہے اور خادم کا خرچ بھی واجب ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اپنے اوپر اپنے عیال پر اور دوسروں پر خرچ کرنے کی ترتیب

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی ''اپنے عیال سے ابتدا کرو'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام النسائی نے طارق محاربی کی سند سے روایت کیا ہے: ہم جب مدینہ منورہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے دینے والے کا ہاتھ اوپر ہے' اپنے عیال سے (دینے کی) ابتدا کرو' تمہاری ماں' تمہارا باپ' تمہاری بہن اور تمہارا بھائی پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو' جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرو' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵' اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید' تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے' اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اس کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے' پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا' کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا' چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا' کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا' (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے' علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہیں اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵-۴۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان: ۱۵) دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

ترتیب مذکور کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی ہو' اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے دینے کی ابتدا کرو' عورت کہے گی مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دے دو' اور غلام کہے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور (نابالغ) بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ' تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۷ ' عالم الکتب)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تم میں سے کسی کو خیر عطا فرمائے تو وہ اپنے نفس سے اور اپنے گھر والوں سے ابتدا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے' اس وقت ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ معدن (کان) سے ملا ہے' آپ اس کو لے لیں' یہ صدقہ ہے' میرے پاس اس کے سوا اور مال نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر دائیں جانب سے آیا' آپ نے اس سے اعراض کیا وہ پھر بائیں جانب سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا وہ پھر پیچھے سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر پھینک دیا اگر وہ اس کو لگ جاتا تو وہ زخمی ہو جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ایک شخص کوئی چیز لے کر آتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے' پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی نہ ہو۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگا' اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تم اس کی قیمت کے زیادہ حق دار ہو اور اللہ اس سے غنی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۴' اس کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے)

جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ کے جاں بلب اور پیاسے ہونے ..... کے باوجود پانی دوسروں کو دے کر مر جانے کا جواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹) اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' اس حکم کی وجہ سے انسان کے لیے کوئی ایسا فعل کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی موت پر منتج ہو' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی (صحیح البخاری کتاب تیمم باب: ۷) اس لیے یہ سوال ہوگا کہ مؤلف مذکور نے جو بیان کیا ہے کہ جنگِ یرموک میں حضرت عکرمہ اور چند دوسرے زخمی جاں بلب صحابہ کے سامنے جب پانی لایا گیا تو انہوں نے خود پانی پینے کے بجائے دوسرے ساتھی کو کیوں دیا' جب کہ اپنی

جان بچانا فرض ہے تو انہوں نے اس فرض کو ترک کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤلف مذکور نے اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام کے مہمل حوالہ سے ذکر کیا ہے (جلد اور صفحہ کا ذکر نہیں کیا) سیرت ابن ہشام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے اور آپ کی وفات اور تکفین اور تدفین کے ذکر کے بعد وہ ختم ہو گئی اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تین سال بعد ۱۳ھ کا ہے' حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے امام واقدی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۷۶ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ) اور امام واقدی کی کتاب المغازی میں اس کا ذکر نہیں ہے سو یہ حافظ ابن کثیر کا وہم ہے اور نہ ہی سیرت ابن ہشام میں اس کا ذکر ہے۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام محمد بن سعد نے کہا میں نے اس کا محمد بن عمر سے ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ وہم ہے' ہم نے اہل علم اور اہل سیرت سے روایت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے تھے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے لکھا ہے حضرت عکرمہ بن ابی جہل' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام گئے اور وہاں اجنادین کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اجنادین میں شہید ہوئے' پھر تمریض کے صیغہ کے ساتھ یرموک اور صفر کے دو قول بھی نقل کیے ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عکرمہ اجنادین کے دن شہید ہو گئے جمہور کا قول اسی طرح ہے' حتیٰ کہ امام واقدی نے کہا ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الاصابہ ج ۴ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن کثیر نے جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ کے پیاسے شہید ہونے کی روایت کی جو امام واقدی کی طرف نسبت کی ہے یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام واقدی نے کہا ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عکرمہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل القرشی المخزومی یوم اجنادین میں شہید ہوئے' اور یہ حضرت عمر کے عہد کا واقعہ ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۶ ص ۳۵۸' رقم الحدیث: ۹۵۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ بن ابی جہل القرشی صحابی ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

(الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۷۔۶' رقم: ۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۲ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ بن ابی جہل ۱۳ھ میں اجنادین میں شہید ہوئے۔

(تاریخ دمشق ج ۴۳ ص ۱۹۸' رقم: ۴۸۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اجنادین کا واقعہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں ہوا اور اسی جنگ میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل شہید ہوئے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۷۶' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ صرف حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں اپنے اصحاب کے ساتھ پیاسے شہید ہوئے' اور یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ' امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ' امام ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ' امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ' حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ سب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ اجنادین کی جنگ میں شہید ہوئے' اور امام محمد بن سعد نے یہ تصریح کی ہے کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یہ اس کا وہم ہے' پس واضح ہو گیا کہ یہ کہنا کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں زخمی جاں بلب اور پیاسے تھے پھر بھی جب ان کو پانی پیش کیا گیا تو وہ انہوں نے اپنے ساتھی کو دے دیا اور خود پیاسے شہید ہو گئے محض ایک افسانہ ہے' جس کو وضاعین نے گھڑ لیا ہے' اور حضرت عکرمہ اور ان کے اصحاب کی طرف **ولا تقتلوا انفسکم** کے حکم کی مخالفت کی نسبت کی اور اس جھوٹے افسانے کے بل بوتے پر مؤلف مذکور نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسان اپنا گردہ نکلوا کر دوسرے کو دے سکتا ہے اور اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے' خواہ شیطان کی اتباع کر کے اللہ کی تخلیق کو بدلنا پڑے اور انسانی اجزاء کی پیوند کاری کی وجہ سے لعنت کا طوق گلے میں لٹکانا پڑے' اور ہم کو جی بھر کے کوسا اور کہا یہ شخص آیت کریمہ **ویؤثرون علی انفسھم** کا منکر ہے اور ان عظیم صحابہ کو حرام موت پر مرنے والا کہتا ہے اور ساری انسانیت کا قاتل ہے **فالی اللہ المشتکی**۔

ایک کتے کو پانی پلانے سے مغفرت کے حصول سے پیوند کاری پر استدلال اور اس کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

ترجمہ: ایک بدکار عورت صرف اس لیے بخش دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری تھی جو ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا' اس عورت نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھ کر اس کے لیے اس سے پانی نکالا بس اس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی' صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے۔

غور فرمایئے ایک کتا جو مرنے کے قریب ہو اس کی اگر کوئی جان بچالے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف المخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا؟ پھر صحابہ کرام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۴۰۔۳۹)

کتے کو پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی مخالفت لازم نہیں آتی اور اپنا گردہ کٹوانے سے اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کے حکم کی اطاعت لازم آتی ہے اور انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ آپ نے اس فعل پر اللہ کی لعنت کی ہے۔ لہٰذا کتے کو پانی پلانے پر اعضاء کی پیوند کاری کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' نیز اپنی طرف سے کسی فعل پر جنت کی بشارت دینا بھی بہت سنگین بات ہے' کسی مخصوص فعل پر جنت کی بشارت دینا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اور ان کا منصب ہے' اور جس فعل کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہو اس پر جنت کی بشارت دینا اور حرام قطعی کو حلال کرنا' اس کا کیا

حکم ہے؟ مؤلف مذکور خود مفتی ہیں اس پر غور کریں اور یہ سوال بہر حال قائم ہے کہ مؤلف مذکور نے اپنے ضرورت مند استاذ محترم کو خود گردہ دے کر جنت کیوں نہ حاصل کی وہ اس رسالہ کی تالیف کے بعد تقریباً چار سال تک زندہ رہے تھے۔

مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے اور اضطرار کی بنیاد پر پیوند کاری سے استدلال کا جواب

عام طور پر انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے مجوزین اضطرار سے استدلال کرتے ہیں ہم نے اس کے متعلق لکھا تھا:

باقی یہ جو کہا گیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے اس سے پیوند کاری کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ جو شخص اعضاء کٹوا رہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار' تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لیے مباح ہو گی۔

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۶)

مؤلف مذکور اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطر ہے اور اس کو ضرورت ہے اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور و لاچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہو جائے گی جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لیے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے' اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی' ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو کہ اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جا سکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جا رہا ہے' ''یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہو رہی ہے'' اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانبین میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دیں حالانکہ اس کے تو وہ بھی قائل نہیں! لہٰذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے جو آدمی بیمار ہے وہ مضطر ہے اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کاٹ کر اسے دینا جائز ہو جائے گا اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والی کی حرمت ختم ہو جائے گی جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔ (جدید طبی مسائل ص ۲۷-۲۶)

فقہاء کرام کا یہ جزئیہ دراصل پوسٹ مارٹم کی اصل ہے کہ جس طرح کسی ضرورت کی بناء پر زندہ کے جسم کی سرجری اور اس کا آپریشن کرنا جائز ہے اسی طرح ضرورت کی بناء پر مردہ کے جسم کی سرجری اور اس کا آپریشن کرنا بھی جائز ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو اور حرکت کر رہا ہو تو اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس زندہ بچے کو نکال لیا جائے گا' لیکن فقہاء کرام کا یہ جزئیہ انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کی اساس اور اصل نہیں بن سکتا اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) مردہ حاملہ کے پیٹ سے زندہ بچہ کو جو نکالا جاتا ہے اس میں صرف سرجری کا عمل کیا جاتا ہے' بچہ نکالنے کے بعد عورت کے پیٹ کو سی دیا جاتا ہے اس عمل سے عورت کی جسمانی ساخت اور اس کی صورت میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی اس کے

کسی عضو کو کاٹ کر نکالا نہیں جاتا' نہ اس کے کسی جز کو دوسرے جسم کے ساتھ پیوند کیا جاتا ہے' اس کے برخلاف انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے عمل میں' ایک شخص اپنے جسم سے گردہ کٹوا کر یا آنکھیں نکلوا کر اللہ کی تخلیق میں تغیر اور تبدیلی کرتا ہے اور یہ شیطان کے حکم پر عمل ہے' اور دوسرے شخص کے جسم میں پیوند کرنے کے لیے دیتا ہے اور انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے' مردہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کرنے کی طرح یہ صرف سرجری کا عمل نہیں ہے۔

(۲) حاملہ مردہ عورت اور اس کے پیٹ میں جو زندہ بچہ ہے یہ دو الگ الگ شخص نہیں ہیں' اول تو اس لیے کہ کسی شخص کی اولاد اس کے اجزاء کے بہ منزلہ ہے اور خصوصاً اس صورت میں تو وہ بچہ صورۃً اور حساً بھی اس حاملہ عورت کا جز ہے اور سرجری کا یہ عمل ایک ہی شخص میں ہو رہا ہے' اور اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں اپنا گردہ کٹوا کر دینے والا اور اس گردہ کو اپنے جسم میں لگوانے والا حقیقۃً' صورۃً اور حساً دو الگ الگ اور مغائر شخص ہیں۔

(۳) سرجری کے عمل سے اس بچہ کی زندگی کا حصول یقینی ہے جب کہ پیوند کاری کے ذریعہ مریض کی صحت کا حصول یقینی نہیں ہے۔

(۴) مردہ عورت اب احکام شرعیہ کی مکلفہ نہیں ہے' اس کے پیٹ کو چاک کیے جانے پر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی' اور جو شخص اپنا گردہ کٹوا رہا ہے اس سے بہر حال وہ آخرت میں باز پرس کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی تخلیق کو کیوں تبدیل کیا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں شیطان کی کیوں اطاعت کی اور انسان کے اجزا کے ساتھ پیوند کاری پر لعنت ہونے کے باوجود پیوند کاری کیوں کروائی۔

(۵) جس طرح اس عورت کے بدن کی اصلاح اور منفعت کے لیے اس کی زندگی میں اس عورت کی سرجری اور اس کا آپریشن جائز تھا اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کی منفعت کے لیے اس کے پیٹ کی سرجری کر کے اس بچہ کو زندہ نکال لینا جائز ہے اور بچہ کو زندہ نکال لینے میں اس عورت کی منفعت ظاہر ہے' کیونکہ اغلب یہ ہے کہ وہ بچہ بڑا ہو کر نیک کام کرے گا اور اپنی ماں کے لیے دعا کرے گا تو اس سے آخرت میں ماں کو ثواب پہنچے گا' اس کے برخلاف جو شخص پیوند کاری کے لیے اپنا گردہ کٹوا رہا ہے یا آنکھیں نکلوا رہا ہے اس کو اس عمل سے کوئی منفعت نہیں ہوگی' بلکہ دنیا اور آخرت میں اس کو نقصان ہوگا' آخرت میں اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب اور لعنت کا مستحق ہے اور دنیا میں اس لیے کہ جب اس کے جسم میں دو گردے ہیں تو اگر کسی حادثہ یا مرض کی وجہ سے اس کا ایک گردہ فیل ہو جائے تو دوسرے گردہ سے اس کا جسمانی نظام کام کرتا رہے گا' اور جب اس نے ایک گردہ نکلوا دیا اور بالفرض کسی مرض یا حادثہ کی وجہ سے وہ گردہ فیل ہو گیا تو اس کو ساری عمر ڈائی لیسز پر گزارہ کرنا پڑے گا' اور یہ پیش گوئی کرنا کہ اس کا گردہ کبھی خراب نہیں ہوگا غیب کا دعویٰ کرنا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس کے زندہ بچے کو نکالنے میں اس کی سراسر منفعت ہے اور پیوند کاری کے لیے گردہ کٹوانے والا خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق ہے۔

(۶) ہم کہتے ہیں کہ مردہ حاملہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے اس کے پیٹ سے زندہ بچہ کو نکالنا علی التعیین فرض ہے کیونکہ اگر زندہ بچے کو نکالے بغیر اس عورت کو یوں ہی بچے سمیت دفن کر دیا جائے تو اس بچہ کو زندہ درگور کرنا لازم آئے گا' اور بچہ کو زندہ درگور کرنا حرام ہے اور حرام کو ترک کرنا فرض ہے تو مردہ عورت کے پیٹ سے زندہ بچے کو نکالنا فرض ہوا' اور پیوند کاری کے مجوزین کے نزدیک بھی کسی شخص پر گردہ کٹوانا علی التعیین فرض نہیں ہے۔

(۷) مردہ حاملہ عورت کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ کو نہ نکالا جائے یونہی دفن کر دیا جائے تو بچہ مر جائے گا لہٰذا یہاں اضطرار ہے' لیکن جو شخص نابینا ہے اگر اس کے لیے آنکھوں کا عطیہ نہ کیا جائے تو وہ مر نہیں جائے گا' زندہ ہی رہے گا' اسی طرح جس کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہیں وہ اس سے مر نہیں جائے گا زندہ ہی رہے گا' بس ہر ہفتہ ڈائی لیسز کرانا پڑے گا' لہٰذا یہ اضطرار نہیں ہے اور اس فقہی جزئیہ کی مثل نہیں ہے اور اعضاء کی پیوند کاری کے لیے اساس' اصل اور مقیس علیہ نہیں بن سکتا' خود مؤلف نے پیوند کاری کے لیے اس بے تابی اور بے قراری کے باوجود اپنے استاذ محترم کو گردہ نہیں دیا اور وہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی چار سال تک زندہ رہے اور ہر ہفتہ ڈائی لیسز کرا کر ٹھیک ٹھاک زندہ رہے اور یہاں ہم سے ملنے آئے۔ ہم نے جس طرح اس فقہی جزئیہ اور پیوند کاری میں سات وجوہ سے فرق بیان کیے ہیں شاید کسی اور جگہ یہ نہ مل سکیں۔ وللہ الحمد۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں لکھا تھا کہ حالت اضطرار میں بھی کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے شخص سے یہ کہے کہ تم اپنی جان بچانے کے لیے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھا لو' تو وہ کسی مریض کے علاج کے لیے اسے گردہ دینے کی شرعاً پیش کش کب کر سکتا ہے! اور اس پر حسب ذیل مذاہب اربعہ کے فقہاء کی عبارات سے استدلال کیا تھا:

علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں:

مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاک فقال له رجل اقطع يدی و كلها او قال اقطع منی قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذلک ولا يصح امره به كما لا يصح للمضطران يقطع قطعة من لحم نفسه فيا كل.

کسی شخص کو حالت اضطرار میں کھانے کے لیے مردار بھی نہیں ملا اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور اس سے ایک شخص کہے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھا لے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۰۴' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن بزاز کردری حنفی فرماتے ہیں:

خاف الهلاک جوعا فقال له اخر اقطع يدی و كله ليس له ذلک لان لحم الانسان لا يباح حال الاضطرار لكرامته.

کسی شخص کو بھوک کی بناء پر موت کا خوف ہو اس سے دوسرا شخص کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ انسان کے گوشت کو کھانا اس کی تکریم کی وجہ سے حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں ہے۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۶۶' عالم گیری ج ۵ ص ۳۳۸' مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ' شرح المہذب ج ۹ ص ۴۵ (فقہ شافعی) المغنی ج ۹ ص ۳۳۵' (فقہ حنبلی) الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۶' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۶ (فقہ مالکی) میں بھی اسی طرح مذکور ہے)۔

مذاہب اربعہ کی ان صاف اور صریح عبارت کا مؤلف سے کوئی جواب نہیں بن پڑا پہلے انہوں نے لکھا کہ عرف اور عادات کے بدلنے میں حسن اور قبح کی علامات بدلتی رہتی ہیں جیسے مشرقی ممالک میں ننگے سر پھرنا معیوب ہے اور مغربی ممالک میں معیوب نہیں ہے' اسی طرح انسانی اعضاء کی قطع و برید پہلے انسانیت کی توہین شمار ہوتی تھی' اور اب یہ انسانیت کی تکریم کہلاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں وزیر نے اپنی آنکھ کا عطیہ کر دیا تو لوگ اس کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں (جدید طبی مسائل ص ۴۹-۴۸ ملخصاً) گویا اب حلت اور حرمت کا مدار عام لوگوں کی تحسین اور تقبیح پر ہے' اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ پہلے عورتوں کے پردہ کی تحسین ہوتی تھی اور اب عورتوں کے پردہ کو معیوب سمجھا جاتا ہے' پہلے عام مسلمان ڈاڑھی رکھنے کی تحسین کرتے تھے اب عام لوگ ڈاڑھی منڈانے کو حسن

سمجھتے ہیں اور اکثر وزراء اور سرکاری افسران ڈاڑھی منڈاتے ہیں' لہٰذا عورتوں کا بے پردہ پھرنا اور مردوں کا ڈاڑھی منڈانا نہ صرف جائز بلکہ شرعاً قابل تحسین ہو گیا کیونکہ آپ کے بقول شرعی احکام اب لوگوں کی تحسین اور تقبیح کے تابع ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ پہلے آپ ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات کیجئے پھر اس کی تکریم کی بات آپ کو زیب دے گی (جدید طبی مسائل ص ۵۰ ملخصاً) اس کا جواب ''احیاء نفس سے اعضاء کی پیوندکاری کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب'' کے زیر عنوان آ چکا ہے' اس جواب کی شق ثانی میں مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ نکالنے کے فقہی جزئیہ سے معارضہ کیا ہے' اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے' تیسرے جواب میں لکھا ہے:

ایک اور فقہی جزئیہ ہے کہ کوئی مضطر انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیونکہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم و تکریم سے زیادہ انسانی جان کی اہمیت ہے لہٰذا اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۲)

اور چوتھے جواب میں لکھا ہے:

فقہاء نے یہ بھی ایک مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مضطر کو کوئی ایسا شخص مل جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا سنائی گئی ہو تو وہ مضطر ایسے شخص کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳۵)

یہ جزئیہ بھی ہمارے اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں ''حرمت آدمیت'' کا خیال نہیں کیا جائے گا حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۳)

یہ بعض فقہاء کے اقوال ہیں جمہور کا نظریہ نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے مذاہب اربعہ کے مسلّم فقہاء کے حوالہ سے لکھا تھا کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے جو بھوک سے مر رہا ہو یہ کہے تم میرا گوشت کاٹ کر کھاؤ' اور مؤلف بعض فقہاء کی ان عبارات سے معارضہ کر رہے ہیں جن میں مردہ انسان کے گوشت کھانے کی اجازت دی ہے' واضح رہے کہ عموماً زندہ آدمی کے اعضاء سے پیوندکاری ہوتی ہے اور مردہ کے اعضاء سے نہیں ہوتی' تیسرا جواب یہ ہے کہ مؤلف بار بار لکھتے ہیں یہ انسانی زندگی بچانے کا مسئلہ ہے اور ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ جس کے دونوں گردے فیل ہو جائیں وہ اس سے مر نہیں جاتا' مرے گا تو اپنے وقت پر' وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ زندگی گزار سکتا ہے۔

پانچویں جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کا موتی نگل لے اور مر جائے تو اس کا پیٹ چاک کر کے اس موتی کو نکال لیا جائے گا' لکھتے ہیں:

ذرا غور فرمایئے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں ایک انسان کے مالی حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان جیسی چیز آ جائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو کیسے نظر انداز کیا جائے گا' ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت' احترام آدمیت اور احترام میت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۴-۵۳)

اس کا مفصل جواب تو ہم تکریم انسانیت سے اعضاء کی پیوندکاری کی ممانعت پر استدلال کے زیرعنوان لکھ چکے ہیں' یہاں پر صرف یہ بتانا چاہتے کہ مصنف نے یہاں پھر جان بچانے اور زندگی بچانے کا ذکر کیا ہے حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ جس کے دونوں گردے فیل ہو جائیں وہ فوراً نہیں مرجاتا' اس کا علاج ہوتا رہتا ہے اور وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ زندہ رہتا ہے۔

گردوں کے کام کی توضیح

انسان کے جسم میں دو گردے جن کا حجم عام طور پر اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں جانب پسلیوں سے ذرا نیچے واقع ہوتے ہیں۔ ان کو خون کی فراہمی شریانِ اعظم کے ذریعے ہوتی ہے اور ایک منٹ میں ۱۲۰۰ سی سی یعنی سوا لیٹر خون ان سے گذرتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر گھنٹے تقریباً ۷۲ لیٹر خون اور چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار سات سو پچیس لیٹر خون کا دوران گردوں سے ہوتا ہے۔ گردوں کا کام انتہائی پیچیدہ ہے۔ حقیقتاً گردوں کے کام کی پیچیدگی دل کے کام سے کہیں زیادہ ہے۔ ہر منٹ گردے اس گذرتے ہوئے خون سے ۱۲۰ سی سی رقیق مادہ چھان لیتے ہیں۔ جن میں نہ صرف فاسد اور زہریلے مادے ہوتے ہیں بلکہ بہت سے کار آمد اور زندگی کے لیے انتہائی ضروری مادے بھی ہوتے ہیں۔ یہ رقیق مادہ مختلف اور انتہائی پیچیدہ اور نازک نالیوں سے گذرتا ہے۔ جس کے دوران اچھے اور کار آمد مادے دوبارہ خون میں جذب ہو جاتے ہیں اور صرف فاسد مادے اور وہ اجزاء پانی کی اس مقدار کے ساتھ جس کی ہمارے جسم کو ضرورت نہیں ہوتی پیشاب کی صورت میں خارج ہوتے ہیں۔

گردوں کا دوسرا اہم کام تولید خون ہے۔ اگرچہ براہ راست گردے خون بنانے میں حصہ نہیں لیتے مگر خون کی پیداوار جس خاص کیمیائی مادے کے زیر اثر ہوتی ہے وہ صرف گردے ہی تیار کرتے ہیں۔ اگر یہ مادہ موجود نہ ہو تو ہڈیوں کا گودا خون کی پیدائش میں کام آنے والے تمام تر اجزاء کی موجودگی کے باوجود خون نہیں بنا سکتا اور اس طرح خون کی کمی ہو جائے گی۔

گردوں کا تیسرا اہم کام ہڈیوں کی ساخت کو بہتر حالت میں رکھنا ہے۔ وٹامن ڈی کو کیمیائی عمل کے ذریعے کار آمد بناتے ہیں اور اس طرح وہ جسم میں نہ صرف کیلشیم کی مقدار کو نارمل رکھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ بالواسطہ طور پر ہڈیوں کی مضبوطی اور نشوونما کے بھی ذمہ دار ہیں۔

انسانی جسم میں گردوں کے فعل کی وضاحت کا مقصد اس کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے کے ۸۰ فیصد افراد کے ذہن میں گردوں کی اہمیت پیشاب کے اخراج سے زیادہ نہیں جب کہ گردے ہی وہ واحد عضلات ہیں جو انسانی جسم کے تمام کیمیائی مرکبات کو نہ صرف کنٹرول کرتے ہیں بلکہ ان کا تناسب بھی برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں حتیٰ کہ خون کا دباؤ بھی گردے ہی کنٹرول کرتے ہیں۔

اس ساری تمہید کا لب لباب یہ ہے کہ گردوں کا کام فاسد مادوں کا اخراج' جسم کی کیمیائی ہیئت کو برقرار رکھنا' تیزابیت سے بچاؤ' خون کی تولید اور ہڈیوں کو اچھی حالت میں رکھنا ہے اس لیے اگر گردے ناکارہ ہو جائیں تو انسانی جسم کے ہر ریشے اور ہر عضو کا کام متاثر ہوتا ہے اور کسی مصنوعی طریقے سے گردوں کے کام کا نعم البدل تلاش نہ کیا جائے تو انسانی زندگی ممکن نہیں رہتی۔ گردوں کے مکمل طور پر ناکارہ ہو جانے کے بعد موت یقینی ہو جاتی ہے۔ زہریلے اور فاسد مادے دماغ پر اثر کرتے ہیں جس سے غشی طاری ہو جاتی ہے۔ جسم میں تیزابیت کی زیادتی خون میں مل کر زندگی کے لیے خطرناک ہو جاتی ہے۔ وہ پانی جو پیشاب کے ذریعے نہیں نکل سکتا پھیپھڑوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ خون کا دباؤ بڑھتا جاتا ہے' خون کی شدید کمی ہو جاتی ہے اور ہڈیوں کا چونا کم ہو جاتا ہے۔ جس سے ہڈیاں نرم ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسانی زندگی کو بچانے کے لیے "تطہیر خون" یعنی خون کی صفائی کی جاتی ہے۔

ساری دنیا میں مکمل طور پر ناکارہ اور وقتی طور پر خراب گردوں کی صورت میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو دور کرنے کے لیے جو طریقہ کار رائج ہیں۔طبی زبان میں اسے ''ڈائیلیسس''(DIALYSIS) کہتے ہیں۔

خون سے فاسد مادوں کی صفائی' دھلائی یا چھان پھٹک کے تین مروّجہ طریقہ کار ہیں۔

(۱) پیری ٹونیل ڈائیلیسس (PERITONEAL DIALYSIS)

(۲) سی اے پی ڈی (C.A.P.D.)

(۳) ہیموڈائیلیسس (HEMODIALYSIS)

پیری ٹونیل ڈائیلیسس

گردوں کی صفائی کا یہ طریقۂ کار فی الوقت سب سے سہل گردانا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال انتہائی ایمرجنسی کے وقت یا بالفاظ دیگر موت کے منہ سے نکالنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس طریقۂ کار کو شروع کرنے میں محض چند منٹ لگتے ہیں جبکہ دوسرے طریقہ ڈائیلیسس کو آزمانے میں وقت لگتا ہے۔

خرابی گردہ کے ایسے مریض جن کا یوریا اچانک بہت بڑھ جاتا ہے یا وہ افراد جن کے گردے جسم سے زیادہ مقدار میں پانی یا خون نکل جانے کی صورت میں کام کرنا بند کردیتے ہیں۔مثلاً بچے کی پیدائش یا حمل ضائع ہونے کی صورت میں خون کا زیادہ بہہ جانا۔کسی حادثے کے دوران خون کا ضائع ہوجانا۔

انسانی جسم کا تیسرے درجے تک جل جانا' پانی کی کمی اور ادویات بھی گردوں کا فعل متاثر کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔یہی نہیں بہت زیادہ مقدار میں قے اور دست ہونے کے باعث انسانی جسم میں پانی کی کمی ہوجاتی ہے۔وہ بھی وقتی طور پر گردے خراب ہونے کا سبب ہوسکتی ہے۔

ایسی تمام صورتوں میں گردوں کا فعل کارگر بنانے کے لیے اور اس سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کو ختم کرنے کے لیے یہ طریقۂ کار استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک عام طور آدمی گردوں کی صفائی کے اس طریقۂ کار کے بارے میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہے کہ یہ عمل کس طرح ظہور پذیر ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟

جیسا کہ شروع مین آپ کو بتایا گیا ہے کہ گردوں کے افعال میں سب سے اہم فعل خون سے فاسد مادوں کا اخراج اور تازہ خون بنانے میں مدد دینا ہے۔اس فعل کے متاثر ہونے کی صورت میں بحیثیت متبادل کے جب پیری ٹونیل ڈائیلیسس کا طریقۂ کار استعمال کیا جاتا ہے تو ڈاکٹر مریض کے پیٹ میں زیر ناف حصے کو سن کر کے پلاسٹک کی ٹیوب ڈال دیتا ہے۔اس ٹیوب کا تعلق پیٹ کی اس اندوزنی جھلی سے ہوتا ہے جو تمام اندرونی اعضاء کو لپیٹے ہوتی ہے اس جھلی یا تھیلی میں خون جسم کے دیگر حصوں کی نسبت زیادہ مقدار میں گردش کرتا ہے۔اس خوبی کے باعث اس جگہ کو گردوں کی خرابی کی صورت میں خون کی صفائی کے لیے سب سے بہتر مانا جاتا ہے اس عمل کے لیے بذریعہ ٹیوب محلول داخل کیا جاتا ہے۔جسے پیری ٹونیل ڈائیلیسس سلوشن کہتے ہیں۔یہ محلول انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام نمکیات کا مرکّب ہوتا ہے اس کی تشریح یوں بھی کرسکتے ہیں کہ اس محلول کا فارمولا خون کے فارمولے ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔

اس محلول کو پیٹ میں کم از کم ۴۵ منٹ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔اس دوران محلول اور خون کے درمیان نمکیات کا تبادلہ عمل پذیر ہوتا ہے۔خون میں جن اجزاء کی زیادتی ہوتی ہے وہ محلول جذب کرلیتا ہے۔اس طرح جو اجزاء خون میں کم ہوتے

ہیں انہیں خون محلول سے جذب کر لیتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق خون جس حساب سے گردش کرتا ہے۔ ۳۰ منٹ کے دورانیہ میں داخل شدہ محلول کی افادیت مکمل ہو جاتی ہے اور بذریعہ ٹیوب اسے واپس نکال لیا جاتا ہے' یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ پیٹ میں داخل کی گئی ٹیوب کا جو حصہ جسم سے باہر ہوتا ہے' اس کا تعلق دو مزید ٹیوب سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک محلول کے داخلے اور دوسری اخراج کے لیے ہوتی ہے۔

صفائی کا یہ سلسلہ مریض کی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ سلسلہ بلا کسی توقف کے کئی کئی دن جاری رہتا ہے لیکن جوں ہی مریض کی حالت سنبھلنے لگتی ہے صفائی کا دورانیہ کم ہوتا جاتا ہے۔ مریض کی حالت بہتر ہوتے ہی ٹیوب نکال دی جاتی ہے۔ مریض کی بہتری کا اندازہ اس عمل کے دوران ہونے والے خون ٹیسٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

جن افراد کے گردے وقتی یا حادثاتی طور پر متاثر ہوتے ہیں وہ اس عمل کے بعد دو سے چھ ہفتے کے دوران دوبارہ معمول کے مطابق کام کرنے لگتے ہیں لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں گردوں کے دوسرے متبادل طریقہ علاج کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ اس تمام کارروائی کے دوران مریض کا داخلِ ہسپتال رہنا لازمی ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں مریض کو حالت سنبھلنے کے بعد گھر بھیج دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ ہفتے میں کم از کم دو بار ڈاکٹر سے ملاقات کرے۔

سی۔اے۔پی۔ڈی

ڈائیلیسس کے اس طریقۂ کار کی آسان الفاظ میں تشریح کچھ یوں بنتی ہے۔ لگاتار ڈائیلیسس۔ چلتے پھرتے ڈائیلیسس' اس طریقہ کار کی بنیاد تو پیری ٹونیل ڈائیلیسس ہی ہے البتہ یہ اس کی بہتر شکل ہے۔ اس میں مریض کو ہسپتال میں داخل نہیں رہنا پڑتا۔ وہ دفتر' اسکول' کالج' گھر' چلتے پھرتے جہاں وقت اور موقع میسر ہو اپنا ڈائیلیسس خود کر سکتا ہے۔

اس طریقۂ کار میں بذریعۂ آپریشن تقریباً نو انچ لمبی ربڑ کی ٹیوب زیر ناف پیٹ کی اندرونی جھلی سے مستقل طور پر منسلک کر دی جاتی ہے۔ تاکہ مریض کو چلنے پھرنے میں کم سے کم تکلیف ہو۔ یہ پیٹ کا وہی حصہ ہوتا ہے جس کا استعمال پیری ٹونیل ڈائیلیسس میں بھی کیا جاتا ہے۔

اس ٹیوب کا ایک حصہ پیٹ سے باہر ہوتا ہے جسے استعمال کرنے کے بعد والو سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ٹیوب میں دو فلٹر ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ صفائی میں بھی پیری ٹونیل ڈائیلیسس سلوشن کا استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ سلوشن کا پیٹ میں رہنے کا دورانیہ ۴ سے ۶ گھنٹے تک کا ہوتا ہے۔ مقررہ وقت کی تکمیل کے بعد پیٹ کا سلوشن نکال کر نیا ڈال دیا جاتا ہے۔

بیرون ملک بلکہ یہ کہا جائے کہ ہند و پاک کے علاوہ ان تمام ممالک میں جہاں ڈائیلیسس کی سہولت میسر ہے' یہ طریقۂ کار بہت مقبول اور فائدے مند ہے۔

اس طریقۂ کار کا اطلاق خرابیٔ گردہ کے ان مریضوں پر کیا جاتا ہے جن کے گردے مستقل طور پر خراب ہو جاتے ہیں اور زندہ رہنے کے لیے تبدیلیٔ گردہ یا ڈائیلیسس میں سے کسی ایک کا اطلاق لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ طریقۂ علاج خرابی گردہ کے مریض بچوں' بوڑھوں یا وہ افراد جن کی نسیں (VESSELS) کسی وجہ سے صحیح نہ ہوں ان کے لیے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے کیوں کہ بچوں کی نسیں چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں۔ بوڑھے افراد میں عموماً نسیں سکڑ جانے یا چربی کی مقدار بڑھ جانے کے سبب یہ طریقۂ کار بہتر رہتا ہے۔

مشینی صفائی یا ہیموڈائیلیسس

گردوں کی خرابی سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کو دور کرنے کے طریقۂ کار میں سے ایک ہیموڈائیلیسس ہے۔ اس طریقۂ کار

میں خون میں جمع ہونے والے فاسد مادوں' نمکیات بوجہ پیشاب کی کمی جمع شدہ پانی کو خون سے بذریعہ مشین علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اسی سبب کو عام فہم زبان میں صفائی کے اس طریقۂ کار کو ''مشینی صفائی'' بھی کہا جاتا ہے۔ مقصد اس کا بھی وہی ہے یعنی ''تطہیر خون'' یا ''خون کی صفائی''۔

یہ طریقۂ کار خرابی گردہ کے ان مریضوں کے لیے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے جن کے گردے مستقل طور پر خراب ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اتفاقی یا حادثاتی طور پر خراب ہونے والے گردوں اور ایمرجنسی میں بھی کارگر رہتا ہے۔ گذشتہ سالوں کے دوران پاکستان میں بھی اس طریقۂ کار کا استعمال ایمرجنسی کی صورت میں کافی بڑھ گیا ہے۔

گردوں کی صفائی کا یہ عمل ابھی تک ساری دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ خون کی صفائی کے اس فعل کا اطلاق عملی طور پر کچھ یوں ہوتا ہے کہ ہر ڈاکٹر اپنے زیرِ علاج مریضوں کے وقتاً فوقتاً معائنہ کے دوران گردوں کی کارکردگی کا اندازہ بذریعہ ٹیسٹ کرتے رہتے ہیں۔ اس دوران جب گردوں کا فعل کم ہوتے ہوتے ۱/۸ حصہ رہ جاتا ہے تو مذکورہ مریض کو فسچولا (FISTULA) بنوانے کا مشورہ دیتے ہیں یہ ایک طرح سے متاثرہ مریض کا حق میں حفاظتی اقدام ہوتا ہے۔

مریض کے بائیں یا دائیں بازو میں جلد کے بالکل نیچے آپریشن کے ذریعے خون کی شریانوں اور وریدوں کو ملا کر سی دیا جاتا ہے۔ طبی زبان میں اسے فسچولا (FISTULA) کہا جاتا ہے۔

یہ اقدام خون کا دباؤ بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس سے خاص مقام پر خون کی گردش بڑھ جاتی ہے۔ خون کی نالیاں بڑی اور موٹی ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ گرم اور تھوڑا موٹا معلوم ہوتا ہے۔

اس مقام پر ڈائیلیسس کے وقت دو سوئیاں لگا دی جاتی ہیں۔ ان کے ذریعے خون پلاسٹک کی نالیوں سے ہوتا ہوا مشین سے منسلک مصنوعی گردے یا ڈائیلائزر (DIALYSER) میں آتا اور واپس چلا جاتا ہے۔ مصنوعی گردہ پلاسٹک کے خول میں بند باریک' کھوکھلے ریشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ریشے ایک خاص عنصر سیلی لوز (CELLULOSE) سے بنے ہوتے ہیں۔ اسے ڈائیلائزر (DIALYSER) یا مصنوعی گردہ کہا جاتا ہے۔ اس کا نظام ایک مشین سے کنٹرول ہوتا ہے۔ اسے ڈائیلیسس مشین کہا جاتا ہے۔ مشین کا کنٹرول ہر مریض کی ضرورت کے مطابق منظم کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف بٹن لگے ہوتے ہیں جو بوقتِ ضرورت الارم بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح مصنوعی گردوں کا سائز بھی متاثرہ افراد کے وزن اور جسمانی مناسبت سے الگ الگ ہوتا ہے۔ خون کی صفائی کا یہ عمل ۴ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ البتہ جدید مشینوں میں اس کا دورانیہ ۲ گھنٹے کم ہو گیا ہے لیکن اس میں خون کی روانی بڑھنے کے سبب فسچولا پر کافی دباؤ پڑ سکتا ہے۔ ڈائیلیسس کے دوران مریض آرام سے بستر پر لیٹا رہتا ہے' اخبار پڑھتا ہے' میوزک' ٹی وی کی سہولت ہو تو اس سے مستفید ہوتا ہے۔

ڈاکٹر یا طبی عملے کے دیگر افراد اس دوران اس کا بلڈ پریشر اور ایسی ہی دیگر علامات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔ ۴ گھنٹے کا دورانیہ مکمل ہونے کے بعد خون کی گردش کا سلسلہ مصنوعی گردہ سے منقطع کر دیا جاتا ہے۔ تمام خون واپس جسم میں چلا جاتا ہے۔ سوئیاں نکال دی جاتی ہیں۔ اس مقام پر چند منٹ تک دباؤ کے ساتھ روئی رکھی جاتی ہے' پھر ٹیپ سے بند کر دیا جاتا ہے' مذکورہ فرد کو اگلے ۲۴ گھنٹے تک روئی اور ٹیپ نہ ہٹانے کی ہدایت کر دی جاتی ہے۔

اس عمل کی تکمیل کے بعد مریض کے خون کا دباؤ اور وزن چیک کیا جاتا ہے اور گھر جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

گھر جانے کی اجازت خرابی گردہ کے ان افراد کو دی جاتی ہے جن کی زندگی کا انحصار ہیموڈائیلیسس کے مستقل پروگرام پر ہوتا ہے۔ کسی بھی ایمرجنسی کے باعث ہیموڈائیلیسس کے مرحلے سے گذرنے والے فرد کو طبیعت کی مکمل بہتری تک ہسپتال میں مقیم

رہنا پڑتا ہے۔ ایمرجنسی میں ہیموڈائیلیسس کے جو طریقہ کار استعمال ہوتے ہیں انہیں شنٹ (SHUNT) سب کلوین (SUBCLAVIAN)، فیمورل (FEMORAL) کہا جاتا ہے۔

شنٹ

مریض کے بائیں ٹخنہ سے اوپر آپریشن کے ذریعے ٹیوب ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے ذریعے مریض کا خون صاف کیا جاتا ہے۔

سب کلوین (SUBCLAVIAN)

اس میں مریض کی گردن کے نچلے حصے میں بذریعہ آپریشن شریان میں ٹیوب ڈال دی جاتی ہے اور خون کی صفائی کا کام کیا جاتا ہے۔ یہ عموماً دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس آپریشن سے پھیپھڑوں میں ہوا بھر سکتی ہے۔ لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

فیمورل (FAMORAL)

انسانی جسم کے اوپری حصے اور ٹانگ کے ملاپ کے مقام پر بذریعہ آپریشن شریان میں ٹیوب ڈال کر صفائی کرنے کے اس طریقے کو فیمورل کہتے ہیں۔ (ڈائیلیسس، دی کڈنی سنٹر، کراچی)

خون اور پیشاب سے قرآن مجید کو لکھنے سے اعضاء کی پیوند کاری پر استدلال اور اس کا جواب

پانچویں جواب میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

شریعت اسلامیہ میں ''انسانی جان'' کی کتنی قدر و قیمت اور کس قدر اس کو اہمیت حاصل ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کلام اللہ یعنی قرآن پاک کی عظمت و حرمت عام آدمی کی عظمت و حرمت سے کہیں زیادہ ہے، جس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جنبی کو اس کا پڑھنا اور بے وضو آدمی کو اس کا ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں لیکن اگر اس کے مقابلہ میں انسانی جان کے بچانے کی بات آ جائے تو ترجیح انسانی جان ہی کو دی جائے گی اس سلسلہ میں فقہاء کے بیان کردہ اس مسئلہ کو ملاحظہ فرمایئے:

ترجمہ: اور جس کو نکسیر آئے اور خون بند نہ ہوتا ہو تو اگر وہ اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن سے کچھ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر پیشاب سے قرآن کا کچھ حصہ لکھا جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اگر اس میں اس کی شفاء ہے تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اللہ اکبر! فقہاء نے اس جزئیہ کے ذریعہ بتا دیا کہ دین اسلام میں ایک جان کے بچانے کی بڑی اہمیت ہے اس کے سامنے آدمی کی حرمت تو کیا اگر قرآن جیسی عظیم اللہ کی کتاب کی عظمت و حرمت کو بھی نظر انداز کرنا پڑا تو کر لیں گے لیکن انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیں گے انسانی جان کو ہر حال میں بچانے کی کوشش کریں گے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۵۔۵۴)

بعض فقہاء نے یہ جزئیہ انسان کی جان بچانے کے لیے نہیں بلکہ مرض سے شفاء کے متعلق لکھا ہے اور فقیہ ابوبکر کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے اور جن فقہاء نے اس کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، ہمارے نزدیک قرآن مجید کی عزت اور حرمت بہت زیادہ ہے مرض سے شفاء کی کیا حیثیت ہے اگر مریض کو سو فی صد یقین ہو کہ اس کی پیشانی پر خون یا پیشاب سے کلام اللہ کی آیات لکھنے سے اس کی جان بچ جائے گی تو اس کا سو بار مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب سے قرآن مجید لکھنے کی جسارت کرے اور اس کی توہین کا مرتکب ہو۔ ہمیں یہ پڑھ کر بہت رنج اور افسوس ہوا کہ مؤلف پیوند کاری ثابت کرنے کے جوش میں کلام اللہ کی توہین کے جواز تک اتر آئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مؤلف نے یہاں پھر انسان کی جان بچانے اور اس کو ضائع نہ ہونے دینے کو لکھا ہے اور ہم کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ گردہ کے مریض کو اگر گردہ نہ دیا جائے تو وہ اس سے فوراً مرتا نہیں ہے۔ قرآن مجید کی توہین کے جواز کا فتویٰ دینے کے بعد مؤلف مزید لکھتے ہیں:

قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء تو انسانی جان کو اتنی اہمیت اور وقعت دیں لیکن آج کل کے بعض مفتیوں کی نظر میں یہ انسانی جان اتنی بے قیمت اور بے وقعت ہے کہ ایک آدمی سسک سسک کر جان دے رہا ہے لیکن بغیر کسی نقصان کے اس کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف احترام آدمیت اور احترام میت کے باعث کسی کو اس کی مدد کی اجازت نہیں' اس تڑپتے ہوئے انسان کی بے کسی اور بے بسی کا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہو لیکن قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کر و اس کی زندگی نہ بچاؤ اس کو اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو یہ کون سا اسلام ہے اور کہاں کی شریعت ہے؟ یہ انتہائی سنگدلی' بے رحمی اور سفاکی ہے اس کو اسلامی حکم کہنا اسلام کی توہین اور دین کی حرمت کی پامالی ہے' یہ احترام انسانیت نہیں بلکہ تذلیل انسانیت ہے یہ تکریم آدمیت نہیں بلکہ تحقیر آدمیت ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۵)

انداز بیان دیکھئے! کیا علمی اور تحقیقی مسائل میں اسی طرح کی زبان استعمال کی جاتی ہے' اور اجتہادی گرہیں اسی طرح جوش اور جذباتیت سے کھولی جاتی ہیں۔

سرجری کی تعلیم اور مشق کے لیے غیر مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کے جواز اور مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کے عدم جواز کی تحقیق

اس بحث میں ہم نے لکھا ہے: سرجری کی مشق کے لیے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیر پھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۹ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

مؤلف مذکور نے اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں چنانچہ اس پر فقہ کا جزیہ شاہد ہے: اور انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے بوجہ آدمی کی عزت اور کرامت کے اگرچہ کافر ہی ہو۔ (اس جزئیہ کا کوئی حوالہ مذکور نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی جان قیمتی ہے' انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں' جو مسلمان کی جان کا حکم ہو گا وہی کافر کی جان کا حکم ہو گا' اگر مسلمان کے جسم کی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے' لہٰذا عدم القائل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی (الیٰ قولہ) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ''غیر مسلم اموات'' کی قید لگانا درست نہیں اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہو گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۸ ۷-۶ ۷ ملخصاً' حیدر آباد' ۱۴۱۶ھ)

مؤلف مذکور کا یہ فتویٰ یا ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے' دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ مسلم اموات اور غیر مسلم اموات کی حرمت میں فرق ہے اور غیر مسلم اموات کی توہین شرعاً جائز ہے اس پر احادیث صحیحہ موجود ہیں اور فقہاء کا بھی یہی مختار ہے' جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز ہم ابھی وہ احادیث اور عبارات پیش کریں گے' بنا بریں طبی ضرورت اور سرجری کی مشق کے لیے غیر مسلم کو حاصل کرنا

لازم ہے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احادیث اور عبارات فقہاء پیش کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

غیر مسلم اموات کے احترام لازم نہ ہونے اور ان کی اہانت کے جواز میں احادیث

مسجد نبوی بنانے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس جگہ مسجد نبوی بنائی گئی تھی اس جگہ کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس میں کچھ کھجوروں کے درخت' مشرکین کی قبریں اور کھنڈرات تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا وہ کاٹ دیئے گئے اور مشرکین کی قبریں کھود کر ان کے مردوں کو نکال کر پھینک دیا گیا۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہے کافر تو ان کی قبروں کو کھودنے اور ان کی اہانت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ مشرکین کی قبروں کو کھود کر اور ان کی لاشوں کے بقایا جات کو قبروں سے نکال کر وہاں مسجد بنانا اور نماز پڑھنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طائف میں گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے' وہ اس حرم میں پناہ لیے ہوئے تھا جو اس سے عذاب دور کر رہا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس کو اس عذاب نے پکڑ لیا جو اس کی قوم پر آیا تھا' پھر اس کو اس جگہ دفن کر دیا گیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن کی گئی تھی اگر تم اس کی قبر کھودو گے تو تم کو وہ شاخ مل جائے گی' مسلمان اس کی قبر کھودنے کی طرف جھپٹے اور وہ شاخ قبر سے نکال لی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۸۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۷۵۰)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابورغال قوم عاد کا ایک فرد تھا' اللہ تعالیٰ نے عاد کو ہلاک کر دیا تھا' ان کی کوئی نسل جاری نہیں ہوئی' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مشرکین کی قبروں کو کھودنا جائز ہے' جب کہ اس کی کوئی ضرورت ہو اور مسلمانوں کے لیے کوئی نفع ہو اور یہ کہ مشرکین کے مُردوں اور ان کے اموات کی حرمت مسلمانوں کی اموات کی طرح نہیں ہے۔ (معالم السنن مع مختصر المنذری ج ۴ ص ۲۷۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۰ھ)

اس سلسلہ میں تیسری حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مردہ مومن کی ہڈی کو توڑنا' زندہ مومن کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۵۸ طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۱۸۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۲' الفتح الربانی ج ۸ ص ۸۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے پہلی احادیث سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ مردہ کافروں کا کوئی احترام نہیں ہے' اور ضرورت کی بنا پر اور مسلمانوں کے

کے لیے مردہ مشرکوں کی اہانت کرنا جائز ہے اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مردہ مسلمانوں کا احترام لازم ہے اس لیے غیر مسلم اموات کی سرجری کرنا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے اور مسلم اموات کی سرجری اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء اسلام کی حسب ذیل عبارات ہیں:

غیر مسلم اموات کے احترام لازم نہ ہونے اور ان کی اہانت کے جواز میں فقہاء اسلام کی عبارات

صحیح بخاری وغیرہ کی جس حدیث میں ہے کہ جس جگہ مسجد نبوی بنائی جا رہی تھی وہاں کفار کی قبریں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کفار کی قبروں کو کھود کر ان کی لاشوں اور ہڈیوں کو نکال کر پھینک دیا جائے' اس حدیث کی شرح میں علامہ حمد بن محمد سلیمان خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ علم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت کفار کی قبروں کو کھود کر ان کے مردوں کو نکال کر پھینکنے کو مباح قرار دیا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورغال کی قبر کو کھودنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۸۸)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کا خون اس کی زندگی میں محترم نہ ہو اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں بھی محترم نہیں ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنا زندہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنے کی مثل ہے (مسند احمد ج ۶ ص ۵۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۲) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کفار کی ہڈیوں کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۸۔۲۵۷ ملخصاً دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء نے مال کی طلب کے لیے مشرکین کی قبروں کے کھودنے کو جائز کہا ہے' اشہب نے کہا مرنے کے بعد ان کی حرمت ان کی زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۸۱' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کی زندگی میں اس کی حرمت نہیں ہے اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی حرمت نہیں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنا زندہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنے کی مثل ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۴۳۔۴۴۲' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

آپ نے مشرکین کی قبروں کو کھودنے کا اسی لیے حکم دیا کہ ان کی کوئی حرمت نہیں ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۱۲۲' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض اور علامہ خطابی کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۱۷' مکمل اکمال الاکمال ج ۲ ص ۴۱۷' دار الباز' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کی قبروں کو کھودنا اور ان کی ہڈیوں کو نکال کر پھینکنا جائز ہے کیونکہ اموات مشرکین کا کوئی احترام نہیں ہے' اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا اس زمانہ میں بھی مشرکین کی قبروں کو کھود کر اس جگہ مسجد بنانا جائز ہے تو میں کہوں گا کہ سنن ابوداؤد میں جو ابورغال کی حدیث ہے اس کی بناء پر فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے ابورغال کی قبر کو کھود کر اس سے سونے کی شاخ نکال لی تھی' فقہاء نے کہا جب مشرک کی قبر کو مال کی

طلب کے لیے کھودنا جائز ہے تو کسی نفع کو حاصل کرنے کے لیے یا کسی ضرورت کی وجہ سے اس کی قبر کو کھودنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے
اور مرنے کے بعد مشرکین کا احترام ان کی زندگی سے زیادہ نہیں ہے' اور ان کی قبر کھودنے والے کو اس کام میں اجر ملے گا' فقہاء
احناف' امام شافعی اور اشہب مالکی نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)
ان تمام فقہاء اسلام کی عبارات میں یہ تصریح ہے کہ غیر مسلم اموات کا کوئی احترام نہیں ہے کسی ضرورت کی بناء پر یا کسی
فائدے کے حصول کے لیے ان کی قبروں سے ان کی ہڈیوں کو نکال کر پھینکا جا سکتا ہے بنا بریں سرجری کی تعلیم کی مشق کے لیے
غیر مسلم اموات کا پوسٹ مارٹم کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ وللہ الحمد

مسلم اموات میں سرجری کے عدم جواز اور غیر مسلم اموات میں اس کے جواز کی اصل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ مسلم اموات کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض جاہل قبر کھودنے والے غیر بوسیدہ اموات کی قبروں کو کھود کر ان میں اجنبیوں کو دفن کر دیتے ہیں یہ صراحۃً ناجائز ہے
خواہ کسی میت سے تبرک حاصل کرنے کے قصد سے اس کی قبر کھود کر اس میں دوسرے کو دفن کیا جائے' اس میں پہلی میت کی توہین
ہے اور اس کے اعضاء کو متفرق کرنا ہے اس سے احتراز کرنا لازم ہے' علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ جب میت کا جسم پرانا ہو کر مٹی ہو
جائے تو پھر اس کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا جائز ہے' اس کے برخلاف تاتارخانیہ میں مذکور ہے جب میت قبر میں مٹی ہو جائے
تب بھی اس کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کا احترام باقی ہے' اور اگر اس کی ہڈیاں ایک طرف کر کے صالحین
کے قرب کا تبرک حاصل کرنے کے قصد سے اس میں دوسرے مردہ کو دفن کیا جائے پھر بھی مکروہ ہے کیونکہ اس کا احترام باقی ہے۔
(علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی المتوفی ۷۸۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۱۷۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ)

اور علامہ شامی غیر مسلم اموات کے متعلق لکھتے ہیں:

''الاحکام'' میں مذکور ہے کہ مشرکین کے قبرستان میں مسلمان کو دفن کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ ان کی قبروں میں کوئی علامت باقی
نہ رہے اس طرح خزانۃ الفتاویٰ میں ہے' اور اگر ان کی ہڈیوں میں سے کوئی چیز باقی ہو تو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اور اس کے
آثار مٹا دیئے جائیں اور اس جگہ مسجد بنا دی جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی سے پہلے اس جگہ مشرکین کی قبریں تھیں ان کو
کھود کر ان کی ہڈیاں پھینک دی گئیں اور اس جگہ مسجد نبوی بنا دی گئی۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)
علامہ شامی اور صاحب تاتارخانیہ کی عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلم اموات کی ہڈیوں کا احترام باقی رہتا ہے لہٰذا ان کا
پوسٹ مارٹم کرنا اور ان پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے' اور غیر مسلم اموات اور ان کی ہڈیوں کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا لہٰذا
ان پر سرجری کی مشق کرنا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بلا کراہت جائز ہے اور یہی بات ہم نے شرح صحیح مسلم میں کہی تھی۔ اور
احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام اور خصوصاً فقہاء احناف کی عبارات سے اس کا برحق ہونا واضح ہو گیا وللہ الحمد۔

واضح رہے کہ ہم نے تعلیم کی مشق کے لیے مسلم اموات کی سرجری کو ناجائز کہا ہے لیکن اگر اس کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو
مثلاً کسی بے قصور شخص کا سزائے موت سے بچنا مسلم مردہ کے پوسٹ مارٹم پر موقوف ہو تو یہ بھی جائز ہے اس کی تفصیل اور دلائل
شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۷۔۸۲۶ میں مذکور ہیں۔

مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت اور مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی حدیثوں میں تعارض کا جواب

ہم نے مسند احمد اور موطا امام مالک کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے: ''مردہ مومن کی ہڈی کو توڑنا زندہ مومن کی ہڈی

(تو)ڑنے کی مثل ہے' اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دوسری کتب حدیث میں یہ حدیث مطلق ہے' مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ (کی) ہڈی توڑنے کی مثل ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۶) اور اس حدیث میں مردہ کے ساتھ مسلم کی (ق)ید نہیں ہے اور آپ کی اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جائے اور یہ احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے' (ا)س کا جواب یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید میں تعارض ہو اور کسی تیسری دلیل کی بناء پر مقید کی ترجیح ہو جائے تو پھر فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے' اصولیین نے اس کی دو نظیریں ذکر کی ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

ملا احمد جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں:

ایک حدیث میں ہے فی خمس من الابل شاۃ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۸) پانچ اونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے' اس حدیث میں اونٹوں کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے اور یہ حدیث مطلق ہے اور ایک اور حدیث میں ہے فی کل خمس من الابل السائمۃ شاۃ (المستدرک ج ۱ ص ۳۹۶ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۴۷ جدید) ہر پانچ ایسے اونٹ جو قدرتی چراگاہ میں چرتے ہوں ان میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اور یہ حدیث مقید ہے اور حدیث مطلق کو ایک تیسری حدیث کی بنا پر مقید کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے: ہل چلانے والے' بوجھ اٹھانے والے اور (خریدا ہوا) چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے (ہدایہ اولین ص ۱۹۲ میں بھی اسی طرح ہے تاہم حدیث میں صرف یہ ہے: لیس فی البقر العوامل صدقۃ' سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۱۰۳) اور اس تیسری حدیث سے حدیث مقید کی تائید ہوتی ہے' نیز سنت معروفہ بھی یہی ہے کہ ان جانوروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے جو قدرتی چراگاہ میں چرتے ہوں سو اس حدیث اور سنت معروفہ کی بنا پر مطلق کو مقید پر محمول کر دیا گیا۔

(علامہ عبدالعزیز بخاری متوفی ۷۳۰ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' کشف الاسرار ج ۲ ص ۵۳۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس کی دوسری نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بغیر کسی قید کے گواہ بنانے کا ذکر ہے اور وہ آیت مطلق ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ. تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۸۲)

اور دوسری آیت میں دو نیک گواہوں کو بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ آیت مقید ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ. (الطلاق: ۲) اور تم اپنوں میں سے دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ نیک آدمیوں کو گواہ بنایا جائے اور یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کر دیا گیا ہے' اس کا فقہاء احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم نے ایک تیسری آیت کی بناء پر مطلق کو مقید پر محمول کر دیا ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا. اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (الحجرات: ۶)

اور جب فاسق کی خبر بھی واجب التوقف ہے تو پھر دو نیک آدمیوں کو گواہ بنانا واجب ہے' اور اس تیسری دلیل کی بناء پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔ (نور الانوار ص ۱۶۵' موضحاً مخرجاً' میر محمد کتب خانہ کراچی)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت ہے' لیکن جب دوسری حدیث میں کافر مردوں کی ہڈیوں کو قبروں سے نکالنے کی تصریح ہے تو ہم نے مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت کو مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے پر محمول کر دیا' اور اس قاعدہ کی بنا پر یہاں بھی

مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں مطلقاً خون کو حرام فرمایا ہے: اِنَّمَا
حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ (البقرہ: ۱۷۳) اور دوسری آیت میں بہنے والے (مقید) خون کو حرام فرمایا ہے: اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ
مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الانعام: ۱۴۵) اور فقہاء احناف نے یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے' امام ابوبکر جصاص متوفی
۳۷۰ھ نے اس کی توجیہ میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ مطلق اور مقید ان میں سے کون سی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور
ایسی صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح ہم کو معلوم نہیں کہ مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت اور مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں
کون سی حدیث مقدم ہے اس لیے ہم نے یہاں مطلق حدیث کو مقید حدیث پر محمول کر دیا۔

بہ طور جملہ معترضہ کے پوسٹ مارٹم کی تفصیل کے بعد ہم پھر اصل مبحث کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

حرف آخر

صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر صاحب کا یہ رسالہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا' اس کی زبان و بیان کو دیکھ کر اور اس کے دلائل کی ناپختگی کو پڑھ کر اور اس کو غیر اہم سمجھ کر میں نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا' نیز میرا طریقہ ہے کہ میں اپنے کام اور مشن کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور جو لوگ میرے خلاف لکھتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔ تاہم بعض احباب (مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ) نے اصرار کیا کہ آپ اس کا جواب تفسیر تبیان القرآن میں کہیں لکھ دیں تاکہ آنے والی نسلیں انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کو جائز نہ سمجھ لیں اور اس رسالہ کی وجہ سے لوگ گمراہ نہ ہو جائیں' ہر چند کہ اس رسالہ کی اتنی اشاعت اور وقعت نہیں تھی کہ اس کا خطرہ ہوتا اور خود مؤلف پر اپنی تحریر کا اثر نہیں ہوا تھا اور انہوں نے اپنے استاذ محترم مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ کو اپنا گردہ کٹوا کر نہیں دیا تھا جب کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت کے بعد چار سال تک زندہ رہے۔ لیکن بہرحال میں نے حق کو واضح سے واضح تر کرنے کے لیے انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کے حرام اور ممنوع ہونے پر مزید دلائل رقم کیے اور مؤلف مذکور کے شبہات کے جوابات لکھے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ہر چند کہ مؤلف کا مرکزی اور بنیادی شبہ صرف ایک ہے کہ جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے ہیں اگر اس کو کوئی دوسرا شخص اپنا گردہ کٹوا کر نہ دے تو وہ مر جائے گا لہٰذا اس کی زندگی بچانے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا شخص اپنا گردہ کٹوا کر اس کو دے' اور ہم نے واضح کر دیا ہے کہ جس کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہوں اس کو فوری موت کا کوئی خطرہ نہیں ہے وہ اپنی عمر طبعی پوری کرتا ہے ڈائی لیسز کے ذریعہ علاج کرا کر زندگی گزارتا ہے۔ دراصل اس ایک بات سے ہی ان کے پورے رسالہ کا رد ہو جاتا ہے اور باقی شبہات کے ازالہ کی ضرورت نہیں رہتی تاہم' ہم نے تبرعاً اور احساناً ان کے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا۔ وللہ الحمد۔

اب ہم باقی آیات کی تفسیر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اسی دین پر قائم رہو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ○ ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے ○ (الروم: ۳۲-۳۱)

منیب کا معنی

اس آیت کے شروع میں فرمایا منیبین الیہ' یہ لفظ انابت سے بنا ہے' اس کا معنی ہے قطع کرنا' اسی وجہ سے ڈاڑھ کو ناب

کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی قطع کرتی ہے اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو انابت کہتے ہیں' اور جب کوئی شخص ایک [ب]ار کے بعد دوسری بار رجوع کرے تو اس کو بھی انابت کہتے ہیں' اور جو شخص بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کو منیب کہتے ہیں۔ اور اس آیت میں اس کا معنی ہے جو لوگ توبہ اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں' یحییٰ بن سلام نے کہا اس کا معنی ہے' اللہ جل مجدہ کی طرف متوجہ ہونے والے' عبد الرحمان بن زید نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے' اور اس کا معنی یہ بھی ہے اپنے گناہوں سے اللہ کی طرف توبہ کرنے والے۔

اور فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو' یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی اطاعت کرتے رہو۔

نماز کے عمداً ترک کرنے کو کفر اور شرک قرار دینے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے' سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۵۴' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۹۶' المستدرک ج ۱ ص ۷' سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اور شرک کے درمیان صرف نماز کو ترک کرنا ہے' اور جب بندہ نے نماز کو ترک کیا تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۸۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۰۰' اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ابان الرقاشی ضعیف ہے لیکن اس کا متن صحیح ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے ظاہراً کفر کیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۳۴۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کی توثیق کی گئی ہے)

اس حدیث میں عمداً نماز کے ترک کرنے کو کفر اور شرک قرار دیا ہے' لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نماز کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر ترک کیا جائے یا نماز کی فرضیت کا انکار کر کے ترک کیا جائے' یا نماز کی اہانت کرتے ہوئے اس کو ترک کیا جائے تو پھر یہ کفر ہے۔

ہر فریق کا اپنے نظریہ سے مطمئن اور خوش ہونا

اس کے بعد فرمایا: ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے۔ (الروم: ۳۲)

حضرت ابو ہریرہ' حضرت عائشہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم نے کہا اس سے مراد اہل قبلہ کے بدعتی فرقے ہیں۔

الربیع بن انس نے کہا اس سے مراد اہل کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ ہیں۔

پھر فرمایا ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے۔

جو لوگ نافرمانیوں میں مستغرق ہیں وہ نافرمانیوں پر خوش ہوتے ہیں' اسی طرح شیطان اور ڈاکو وغیرہ اپنی کارروائیوں سے خوش رہتے ہیں۔

حزب کے معنی لوگوں کی جماعت ہے یعنی لوگ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے' بعض وہ ہیں جن کا آخرت اور جنت کی طرف میلان ہے' بعض وہ ہیں جو دنیا کی رنگینیوں اور عیاشیوں میں مست ہیں اور ہر فریق اپنی سوچ اور نظریہ پر مطمئن

اور خوش ہے۔

فقہ کے چار امام ہیں: امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل' اور ہر ایک کے پیروکار اور مقلد اپنے اپنے امام کی تحقیق اور اجتہاد پر مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح عقائد کے امام' امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی ہیں' اور ان کے ماننے والے ان کے نظریات پر مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح طریقت میں قادری' چشتی' اویسی اور نقشبندی سلسلے ہیں اور ہر ایک کے ماننے والے اپنے طریقہ پر مطمئن ہیں' بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث اور شیعہ مکاتب فکر ہیں اور ہر مکتب فکر سے وابستہ لوگ اپنے اپنے نظریہ سے مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح دنیا میں اسلام' یہودیت اور عیسائیت کے مذاہب ہیں' خدا پرستوں' بت پرستوں' کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے افکار اور ان کے ماننے والے ہیں' بدھ مت کے پیروکار ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہے' اور ہر فریق خود کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں' پھر جب وہ اپنی رحمت سے ان کو رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اس وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O تاکہ وہ ہماری ان نعمتوں کی ناشکری کرے' جو ہم نے ان کو دی ہیں' سو تم (عارضی) فائدہ اٹھا لو پھر تم عنقریب جان لو گے! O (الروم: ۳۴۔۳۳)

نفس اور روح کے تقاضے

ان کفار پر جب بیماری یا کوئی اور آفت آتی ہے تو یہ اس کو دور کرنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں' کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی مصیبت کو دور نہیں کرسکتا' اس لیے وہ مصائب کے وقت اپنے بتوں کو نہیں صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔ تاکہ وہ انجام کار ہماری نعمتوں کی ناشکری کریں' اور مصائب دور ہونے کے بعد وہ پھر شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

اس آیت میں یہ وصف عام لوگوں کا بیان فرمایا ہے اور اس میں یہ ارشارہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں روح کی ہدایت اور اطاعت بھی ہے اور نفس کی گمراہی اس کی نافرمانی اور سرکشی بھی ہے' ان پر جب آفتوں اور مصیبتوں کی یلغار ہوتی ہے تو ان کے نفوس مضمحل ہو جاتے ہیں اور نافرمانی کے محرکات معطل ہو جاتے ہیں پھر ان کی ارواح شہوتوں اور نفسانی تقاضوں کی قیود سے نکلتی ہیں اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کی طرف لوٹ آتی ہیں' پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور ان کے نفوس بھی اپنے طبعی تقاضوں کے خلاف اپنی ارواح کی موافقت کرتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دیتے ہیں' اور جب اللہ ان سے وہ مصائب دور کر دیتا ہے تو اس کے سرکش نفوس اپنی بری عادتوں کی طرف پھر لوٹ آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو تہدید فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور رحمتوں سے عارضی فائدہ اٹھا لو پھر تم نے اپنی نافرمانی اور سرکشی کے موافق جو عمل کیے ہیں ان کی سزا پا لو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو ان کے شرک کی تصدیق کرتی ہے؟ O اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور جب ان کے پہلے سے کیے ہوئے برے کاموں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں O (الروم: ۳۶۔۳۵)

راحت اور مصیبت کے ایام میں مومنوں اور کافروں کے احوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے' یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ایسی حجت اور دلیل نازل نہیں کی جو ان کے شرک کی تصدیق اور تائید کرتی ہو۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال جب اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے دلائل کے موافق ہوں گے تو وہ اعمال ان کے حق میں مفید ہوں گے اور جب ان کے اعمال ان کے سرکش نفوس کے تقاضوں کے موافق ہوں گے تو وہ ان کے حق میں مضر ہوں گے' پس محض اپنی طبیعت کے موافق عمل کرنا گمراہی ہے اور اللہ کی نازل کی ہوئی دلیل کے موافق عمل کرنا ہدایت ہے۔

پھر فرمایا: اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ یحییٰ بن سلام نے کہا اس سے مراد فصلوں کی زرخیزی اور زرعی پیداوار کی کثرت ہے اور صحت اور عافیت ہے' نقاش نے کہا اس سے مراد نعمت اور بارش ہے۔

اور فرمایا جب ان کے برے کاموں کی وجہ سے ان پر مصیبت آتی ہے' اس سے مراد قحط اور دیگر مصائب ہیں' ان کے برے کاموں سے مراد فرائض اور واجبات کو ترک کرنا اور حرام اور مکروہ کاموں کا کرنا ہے۔

اس آیت میں کافروں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اس پر اتراتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں' اس کے برخلاف مومن کو جب کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت اور اس مصیبت کے دور ہونے کی امید رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے رزق) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو' یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O

(الروم: ۳۸ـ۳۷)

شکر اور صبر کی تلقین

یعنی کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے وسعت کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے' اس لیے محض فقر کی وجہ سے ان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کو مال دنیا کی نعمتیں دے کر اس کو شکر کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس پر تنگ دستی طاری کر دیتا ہے اور اس کو صبر کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے' اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مصیبت کے ایام میں صبر سے کام لیں۔ شفیق بلخی نے کہا جس طرح تم اپنی جسمانی بناوٹ کو زیادہ بہتر اور خوب صورت نہیں بنا سکتے اور جس طرح اپنی زندگی کے ایام میں اضافہ نہیں کر سکتے اسی طرح تم اپنے رزق میں بھی زیادتی نہیں کر سکتے سو رزق کی طلب میں اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔ غالباً شفیق بلخی کا یہ مطلب ہے جب تمہاری ضروریات فراغت سے پوری ہو رہی ہوں تو محض رزق میں اضافہ کی طلب میں زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو اور مال و دولت کی حرص میں اپنی توانائی کو ضائع نہ کرو بلکہ اپنی توانائیوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف کرو' ورنہ اگر انسان کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں تو پھر رزق کے حصول کے لیے جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنی چاہیے' اور یہ کوئی ناجائز کام نہیں ہے۔

اپنا مال قرابت داروں کو دینے کی فضیلت

اور فرمایا پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور مراد آپ بھی ہیں اور آپ کی امت بھی' کیونکہ اس کے متصل بعد فرمایا: یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت کا پہلی آیت سے اس طرح ربط ہے کہ پہلی آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ کچھ لوگ مال دار ہوتے ہیں اور کچھ

لوگ تنگ دست' تو مال دار لوگوں کو چاہیے کہ وہ تنگ دستوں کی مدد کریں' پھر جب مالدار لوگ غریبوں کی مدد کریں تو اس میں ترجیح یہ ہے کہ پہلے اپنے قرابت داروں کو دیں کیونکہ اس میں صلہ رحم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲) تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسند کی چیزوں کو خرچ نہ کرو' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گمان ہے کہ ہمارا رب ہمارے مالوں میں سے سوال کر رہا ہے' پس میں آپ کو گواہ کرتا ہوں یا رسول اللہ! میری وہ زمین جو بیر حاء (مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ تھی جہاں حضرت ابوطلحہ کا باغ تھا اب یہ جگہ مسجد نبوی میں آ گئی ہے) میں ہے اس کو اللہ کی راہ میں دیتا ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ زمین اپنے قرابت داروں کو دے دو' تب انہوں نے وہ زمین حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما کو دے دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث:۳۶۰۲)

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک باندی آزاد کی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا اگر تم وہ باندی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ملتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۹۲' صحیح مسلم الزکوۃ رقم الحدیث:۴۴' الرقم المسلسل:۲۲۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۴۹۳۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو' خواہ زیورات سے کیا کرو' حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ تم خالی ہاتھ اور مفلس ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو اگر (تمہیں دینا) ادائیگی صدقہ سے کافی ہو تو فبہا ورنہ میں تمہارے سوا کسی اور کو دے دیتی ہوں۔ حضرت زینب کہتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا تم خود جاؤ! حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں گئی تو دیکھا کہ انصار کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی ہے اور اسے بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مرعوب رہتے تھے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو ہم نے کہا تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ دو عورتیں دروازے پر یہ معلوم کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور جو ان کی گود میں یتیم بچے ہیں ان کو صدقہ دیں تو ادا ہو جائے گا! اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں' حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے یہ مسئلہ معلوم کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا وہ عورتیں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا ایک انصار کی عورت ہے دوسری زینب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون سی زینب؟ انہوں نے کہا عبد اللہ بن مسعود کی بیوی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں دو اجر ملیں گے ایک اجر قرابت کا اور ایک اجر صدقہ کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۳۶۔۶۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۲۳۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا' اور تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو زکوۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں O اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا' پھر تم کو موت دے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا' کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے' اللہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O (الروم:۴۰۔۳۹)

معاوضہ کی طلب سے کسی کو ہدیہ دینا

البقرہ:۲۷۸۔۲۷۹ میں ربا کی مفصل بحث گزر چکی ہے‘ ربا (سود) کا معنیٰ‘ اس کی تعریف اور اس کا حکم‘ ان تمام امور پر ہم وہاں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں سود سے مراد وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والا اس سے افضل چیز کا طالب ہو یہ حقیقۃً سود نہیں ہے لیکن صورۃً سود کے مشابہ ہے اس لیے اس کو سود فرمایا ہے‘ یہ جائز ہے اس میں ثواب ہے نہ گناہ ہے‘ ہمارے عرف میں اس کو نیوتا کہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

البقرہ:۲۷۹ میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حرام ہے اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حلال ہے‘ اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ایک شخص کسی دوسرے شخص کو‘ کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں اس سے افضل چیز کو طلب کرتا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

(۲) ایک آدمی اپنے ساتھ سفر میں کسی شخص کو لے جاتا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے وہ آدمی اس شخص کو اس کی خدمت کے معاوضہ کے طور پر کچھ رقم دیتا ہے اور اس سے اللہ کی رضا کے لیے دینے کا ارادہ نہیں کرتا۔ یہ شعبی کا قول ہے۔

(۳) ایک آدمی اپنے قرابت داروں کو کچھ صدقہ دیتا ہے تاکہ اس قرابت دار پر اس کا غنی ہونا ظاہر ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرتا ہے نہ صلہ رحم کی۔ یہ ابراہیم کا قول ہے۔

جو شخص اپنے قرابت داروں کو اس لیے دے کہ ان پر اس کی دولت مندی ظاہر ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہے اور اگر وہ ان کو اس لیے دے کہ قرابت داری کی وجہ سے ان کا اس پر حق ہے تو یہ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ اس طرح جو شخص سفر میں خدمت کرنے والے کو اس کی خدمت کے عوض رقم دیتا ہے تو یہ اللہ کے لیے نہیں ہے لیکن اس وجہ سے اس کا مال لوگوں کے مال میں نہیں بڑھے گا‘ اور صریح آیت اس شخص کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کو اپنا مال اس لیے ہبہ کرتا ہے تاکہ اس کو بدلہ میں لوگوں کے مال سے زیادہ ملے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی کو ثواب کی نیت سے ہبہ کرے تو وہ اس کا ہبہ ہی ہے حتیٰ کہ وہ اس سے راضی ہو۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ ہدیہ اللہ کی رضا کے لیے دیا جاتا ہے یا دوستی بڑھانے کے لیے جیسا کہ حدیث میں ہے ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو‘ اور یہ باطل ہے (یعنی امام شافعی کا قول) کیونکہ عرب میں ہدیہ صرف بدلہ لینے کے لیے دیا جاتا ہے اور اس سے دوستی تبعاً حاصل ہوتی ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۲۳۔۵۲۲‘ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا ربا کی دو قسمیں ہیں ایک ربا حلال ہے اور ایک ربا حرام ہے‘ جو ربا حلال ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دے اور اس سے افضل چیز کا طالب ہو‘ اس ہدیہ میں اس کو کوئی اجر ملے گا اور نہ اس کو کوئی گناہ ہوگا‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ ضحاک‘ ابن جبیر‘ طاؤس اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے‘ علامہ ابن عطیہ اور قاضی ابوبکر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثقیف کا وفد آیا اور ان کے پاس ہدیہ تھا‘ آپ نے پوچھا کیا آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے‘ اگر یہ ہدیہ ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کیا گیا ہے اور اپنی

کسی حاجت کو پورا کرنے کا قصد کیا گیا ہے' اور اگر یہ صدقہ ہے تو اس سے صرف اللہ عزوجل کی رضا کی طلب کا قصد کیا گیا ہے' انھوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ صدقہ ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صدقہ کو قبول کر لیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے' آپ ان سے سوالات کرتے رہے اور وہ آپ سے سوالات کرتے رہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۶۲' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے قرابت داروں اور بھائیوں کو اس لیے چیزیں دیتے تھے کہ ان کو اس سے نفع ہو گا اور وہ مال دار ہو جائیں گے اور وہ لوگ بدلہ میں ان کو اس سے زیادہ چیزیں دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو ہدیہ کر کے اس سے زیادہ لینا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منع تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ○ (المدثر: ۶) اور احسان کر کے بدلے میں زیادہ لینے کی خواہش نہ کیجئے۔

سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا کہ آپ کسی کو کوئی چیز دیں اور معاوضہ میں اس سے زیادہ لیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہی ربا (سود) مراد ہے جس کو البقرہ: ۲۷۹ میں حرام فرما دیا ہے یعنی تم قرض دے کر جو سود لیتے ہو اور اپنے اموال میں اضافہ کرتے ہو تو اللہ کے نزدیک وہ اضافہ نہیں ہے' سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت ثقیف کے سود کے متعلق نازل ہوئی جو قریش کے ساتھ سودی معاملہ کرتے تھے۔

معاوضہ کی طلب سے ہدیہ دینے میں مذاہب فقہاء

المھلب نے کہا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کوئی شخص کسی کو' کوئی چیز ہدیہ کرے اور اس سے معاوضہ کا طالب ہو' امام مالک نے کہا وہ جس معاوضہ کو طلب کر رہا ہے اگر وہ اس کے ہدیہ میں مساوی ہے تو پھر جائز ہے' امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے' امام ابو حنیفہ نے کہا اگر اس نے ہدیہ کرتے وقت معاوضہ کی شرط نہیں لگائی تو وہ معاوضہ کا مستحق نہیں ہو گا' اور یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے امام شافعی نے کہا معاوضہ کے لیے ہبہ کرنا باطل ہے' اس سے اس کو نفع نہیں ہو گا' کیونکہ یہ کسی چیز کو ایسی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو نا معلوم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہدیہ کی تین قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا' دوسری قسم وہ ہے جس سے لوگوں کی رضا کا ارادہ کیا گیا اور تیسری قسم وہ ہے جس سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا' پس جس ہدیہ سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا ہے تو وہ معاوضہ لینے سے پہلے اس ہدیہ کو واپس لے سکتا ہے' اور امام بخاری نے ہدیے میں بدلہ لینے کا باب قائم کیا ہے اور اس باب میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے عوض میں ہدیہ دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہبہ کی جو تین قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں کیونکہ ہبہ کرنے والا تین احوال سے خالی نہیں ہے:

(۱) وہ شخص کوئی چیز اللہ کی رضا کے لیے ہبہ کرے اور اسی سے ثواب کا طالب ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔

(۲) وہ ریاکاری کے لیے کوئی چیز ہبہ کرے گا اور اس کا طالب ہو گا کہ لوگ ہبہ کرنے کی وجہ سے اس کی تعریف اور تحسین کریں۔

(۳) جس کو اس نے ہدیہ دیا ہے وہ اس سے اس کے بدلہ میں معاوضہ چاہتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمر ملتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ا صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷)

اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔
یعنی جو شخص ریاکاری کے لیے یا معاوضہ کے لیے کوئی ہدیہ دیتا ہے تو اس سے اس کا مال نہیں بڑھتا' اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر آخرت میں دس گنا ملے گا یا اس کو اس کا اجر سات سو گنا ملے گا (البقرہ: ۲۶۱)۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۷-۳۴ ملخصاً' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی تنزیہ بیان کی کہ کوئی اس کا شریک ہو' یا اس کی کوئی ضد ہو' یا اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو' اور فرمایا اللہ نے تم سب کو پیدا کیا وہ تم سب کو رزق دیتا ہے' پھر تم سب پر موت طاری کرے گا' پھر تم سب کو زندہ کرے گا' پھر یہ چیلنج فرمایا کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے ہو کیا ان میں سے کوئی ان کاموں کو کر سکتا ہے!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ
تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے' شاید وہ باز آ جائیں ○ آپ کہیے

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا

مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
جن میں سے اکثر مشرک تھے ○ آپ اپنا رخ دین مستقیم ہی کی

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ
طرف رکھیں' اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ

يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
متفرق ہو جائیں گے ○ جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہو گا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے

فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
تو وہ اپنے ہی لیے (جنت کو) تیار کر رہے ہیں ○ تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۵ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○ اور اس کی بعض نشانیوں

اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ

میں سے خوش خبری دیتی ہوئی ہواؤں کا بھیجنا ہے، اور اس لیے کہ وہ تمھیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرے

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ وَ

اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ تم اس کے فضل سے رزق تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ○

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ

بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا

بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا

وہ ان کے پاس دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا، اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا

عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ

(ہمارے فضل سے) واجب ہے ○ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں

فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ

پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ

ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے، پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا

مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ

ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ○ اور بے شک

كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝۴۹

وہ اس پانی کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے ○

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَاؕ

پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے'

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰىۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۵۰) وَلَىِٕنْ

بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور اگر

اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ (۵۱) فَاِنَّكَ

ہم تیز ہوا بھیج دیں پھر وہ اپنی کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے O پس بے شک

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ (۵۲)

آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سناتے ہیں جب وہ (بہرے) پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں O

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں

ع ۱۴ ۵/۸ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۵۳) ع

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے شاید وہ باز آ جائیں O آپ کہیے تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے O (الروم: ۴۲-۴۱)

بحر و بر کے فساد کا محمل

فساد سے مراد ہر وہ خرابی اور بگاڑ ہے جس سے انسانی معاشرہ میں امن و سکون تباہ ہو جائے یہ کبھی انسان کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے جیسے نعمتوں کا زائل ہونا' اور آفات اور مصائب کا آنا مثلاً قحط آنا اور زمین میں پیداوار کا نہ ہونا' بارشوں کا رک جانا' یا بہ کثرت سمندری طوفانوں کا آنا' دریاؤں میں سیلاب آنا' فوائد کا کم اور نقصانات کا زیادہ ہونا' زلزلوں کا آنا' آگ لگ جانے' ڈوب جانے' مال چھن جانے' چوری اور ڈاکہ کے واقعات کا زیادہ ہونا' ہمارے زمانے میں دہشت گردی کے واقعات عام ہو رہے ہیں' ہوائی جہاز اغوا کر لیے جاتے ہیں' عمارتیں بموں سے اڑا دی جاتی ہیں' ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ۱۱۰ منزلہ دو ٹاوروں کے ساتھ اغوا کیے ہوئے دو ہوائی جہاز ٹکرائے گئے اور وہ دونوں عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن گئیں' اسی دن واشنگٹن میں پینٹا گون کی ایک عمارت کے ساتھ ایک ہوائی جہاز ٹکرایا اور اس کی عمارت کا پیشتر حصہ تباہ ہو گیا' فلسطین پر اسرائیل کے مظالم جاری ہیں' سری لنکا میں برسوں سے خونی جنگ

ہورہی ہے' ۱۹۴۴ء میں جاپان کے دوشہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے یہ واقعہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا' ہمارے شہر کراچی میں اور اسی طرح دوسرے شہروں میں سیاسی' مذہبی' علاقائی اور لسانی اختلاف کی بناء پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں' زندہ جلارہے ہیں۔ انسان کے جسم سے کھال اتاری جاتی ہے' اس کے جسم کو سگرٹوں سے داغا جاتا ہے اس کے جسم میں ڈرل مشین سے سوراخ کیے جاتے ہیں' روز گاڑیوں کے چھن جانے اور اغوا برائے تاوان کے عام واقعات ہوتے ہیں' البر اور البحر کنایہ ہے تمام دنیا سے' غرض ساری دنیا فساد کی زد میں ہے' ہم جنس پرستی کی بناء پر ایڈز کی بیماری کی وبا پھیل گئی ہے' فحاشی اور بے راہ روی کی وجہ سے لوگوں کا ذہنی سکون ختم ہوگیا لوگ رات کی نیند سے محروم ہوگئے پھر سکون کی تلاش میں لوگوں نے تیز سے تیز نشہ کی پناہ لی' خود کو شراب میں ڈبو دیا' ہیروئن' چرس' راکٹ اور پیتھوڈین کے انجیکشنوں سے خود کو تباہ کرلیا اور یہ تمام فساد اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی کا نتیجہ ہے یہ شرک اور بداعمالیوں کا ثمرہ ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰) اور تم کو جس قدر مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہیں اور بہت سی باتوں سے' اللہ درگزر فرما لیتا ہے۔

مکہ کے کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور شرک اور کفر کو ترک نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ اہل مکہ سے کہیے تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے یعنی تم زمین میں پچھلی امتوں پر آئے ہوئے عذاب کی نشانیوں پر غور کرو' عاد اور ثمود کی بستیوں میں تباہی کے آثار کو دیکھو' دشت لوط پر غور کرو' اللہ تعالیٰ نے کس طرح سابقہ امتوں کو ان کے کفر اور شرک اور فطرت سے بغاوت کرنے کی وجہ سے ہلاک کردیا تھا' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو کس طرح ملیامیٹ کردیا گیا' اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا' سو تم ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو' شرک اور کفر سے توبہ کرلو اور ہمارے رسول جس دعوت کو لے کر اٹھے ہیں' جس نظام زندگی پر عمل کرنے کے لیے تم سے کہہ رہے ہیں اور ہمارے جس پیغام کو پہنچا رہے ہیں اس کو قبول کرلو اور ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو برباد ہونے سے بچالو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اپنا رخ دین مستقیم ہی کی طرف قائم رکھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ متفرق ہوجائیں گے ۝ جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے تو وہ اپنے لیے ہی (جنت کو) تیار کررہے ہیں ۝ تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۝ (الروم: ۴۵۔۴۳)

اللہ پر بندوں کا حق نہ ہونا

اقم وجھک للدین القیم کا لفظی معنی ہے اپنے چہرہ کو دین قیم کے لیے قائم رکھیں' زجاج نے کہا دین قیم سے مراد ہے اسلام اور چہرہ سے مراد ہے جہت اور رخ' یعنی اپنا رخ ہمیشہ دین اسلام کی طرف رکھیں' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے آپ اپنی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور ان کے اسلام نہ لانے سے غم نہ کریں۔

اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ متفرق ہوجائیں گے' اس سے مراد قیامت کا دن ہے اس دن لوگ متفرق ہوجائیں گے' نیک لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کفار دوزخ میں چلے جائیں گے۔

پھر فرمایا جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا' یعنی اس کے کفر کی سزا اسی کو ملے گی' پھر فرمایا اور جنہوں نے

نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی (جنت کو) تیار کر رہے ہیں۔ اس آیت میں "یمھدون" کا لفظ ہے مہد کا معنی ہے بستر اور مسکن اور قرار کی جگہ' مہد الصبی بچے کے پالنے کو کہتے ہیں اور مہاد بستر کو کہتے ہیں' تمہید الامور کا معنی ہے چیزوں کو ہموار کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور تمہد کا معنی ہے جگہ حاصل کرنا۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں یہ تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی جو جزا دیتا ہے یہ محض اس کا فضل ہے اس میں بندوں کا استحقاق نہیں ہے' بلکہ بندے جو نیک عمل کرتے ہیں وہ بھی اس کے فضل سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بندہ کو طاقت نہ دیتا اور اس کو نیک اعمال کی توفیق نہ دیتا تو وہ کب کوئی نیک عمل کر سکتا تھا' کسی بندہ کے نیک عمل کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کو اتنی زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہوئی ہیں کہ بندہ ان کا حساب بے باق نہیں کر سکتا' انسان کو اس کے بالغ اور عبادت کے قابل ہونے سے پہلے ہی اتنی نعمتیں مل چکی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی تمام زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف کر کے بھی ان نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کر سکتا تو اگر اللہ تعالیٰ ان سابقہ نعمتوں کے شکر میں تقصیر اور کوتاہی سے ہی صرف نظر کرے اور اس کو معاف کر دے تو اس کا بڑا کرم ہے اجر و ثواب کے استحقاق کا کیا سوال ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو سو روپیہ روزانہ کی اجرت پر ملازم رکھے اور اس کو پیشگی دس کروڑ روپے دے دے' اور پانچ دس سال کام کرنے کے بعد وہ ملازم اس سے اجرت مانگے تو وہ شخص کہے گا میں پیشگی ہی دس کروڑ روپے دے چکا ہوں تم پہلے ان کا حساب بے باق کرو' سو کسی شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے' خواہ وہ کتنی ہی عبادت کرے وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکوں کو ان کی نیکیوں پر جو بھی اجر عطا فرمائے گا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے' بندہ کا اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا' اس لیے قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کو الگ الگ کر دے گا اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز اور ممیز ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی بعض نشانیوں میں سے خوش خبری دیتی ہوئی ہواؤں کا بھیجنا ہے' اور اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں' اور اس لیے کہ تم اس کے فضل سے رزق تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا' وہ ان کے پاس دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا' اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا (ہمارے فضل سے) واجب ہے O اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں' پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے' اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے' پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے' پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں O اور بے شک وہ اس پانی کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے O (الروم: ۴۹۔۴۶)

بارش کے ذریعہ بندوں پر رحمت نازل فرمانا

اللہ کی قدرت کے کمالات میں سے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کا بھیجنا ہے' اس سے اللہ اپنی رحمت سے آشنا کرتا ہے' بارش ہوتی ہے' زمین سیراب ہوتی ہے اور فصلیں زرخیز ہوتی ہیں' سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں' فرمایا تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو یعنی اس کے واحد ہونے پر ایمان لاؤ اور نیک اعمال کرو تاکہ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ اس آیت کی تفسیر الحجر: ۲۲ میں گزر چکی ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا' وہ ان کے پاس

دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کیونکہ آپ کو اس پر غم ہوتا تھا کہ آپ کفار مکہ کے سامنے دلائل اور براہین بیان کرتے تھے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے غم کو زائل کرتے ہوئے فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے کفار رسولوں کی تکذیب کرتے چلے آئے ہیں۔

پھر فرمایا تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا (ہمارے فضل سے) واجب ہے' آیت کے اس جملہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے بشارت ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی مدافعت کی تو اللہ عزوجل پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کر دے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۶۰۴' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۸-۲۵۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۸)

اس کے بعد فرمایا: اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ (الروم: ۴۹-۴۸)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے موافق ہواؤں کو چلاتا ہے اور ان سے بادلوں کو جس جہت کی طرف چاہتا ہے روانہ کرتا ہے' پھر ان کو آسمان میں جمع کرتا ہے اور پھیلاتا ہے' پھر وہ بادلوں کو مختلف اقسام کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے' اس سے کبھی بادل ہلکے ہوتے ہیں اور کبھی بھاری ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب سمندر سے اٹھنے والے بخارات پانی کے قطرات کی صورتوں میں بادل میں مجتمع ہو جاتے ہیں تو اس سے بادل بھاری ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان سے پانی نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

یعنی بارش کے نازل ہونے سے پہلے وہ بارش کے ضرورت مند اور محتاج تھے پھر جب ان پر بارش نازل ہوتی ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور اگر ہم تیز ہوا بھیج دیں پھر وہ اپنی کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے O پس بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سناتے ہیں جب وہ (بہرے) پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں O اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O (الروم: ۵۳-۵۰)

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل ذکر فرمائے' پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار پر غور کرو یعنی بارش سے اس پر استدلال کرو کہ جو مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر کیوں نہیں قادر ہوگا!

پھر فرمایا: اور اگر ہم تیز ہوائیں بھیج دیں پھر وہ کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر ان سے بارش روک لی جائے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور جب ان پر بارش نازل ہو تو وہ خوش ہو جاتے ہیں' اب فرمایا اگر ان پر تیز ہوائیں بھیج دی جائیں تو وہ ناشکری کریں گے' چونکہ ان کا اللہ پر ایمان نہیں ہے اس لیے وہ اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں نہ مصائب پر صبر کرتے ہیں نہ نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے' یہ آیت النمل: ۸۰ میں گزر چکی ہے' بعض لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مردے قبر میں نہیں سنتے' ہم نے سماع موتی پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۸ ص ۵۸۹-۵۷۶ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا

پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے

یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ

اور وہ بہت علم والا بے حد قدرت والا ہے ○ اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرم قسم

الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

کھا کر کہیں گے ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے' وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے ○

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا وہ کہیں گے بے شک تم لوح محفوظ

كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ ٘ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ

کے موافق حشر تک ٹھہرے رہے ہو' سو یہ یوم حشر ہے لیکن تم جانتے

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

ہی نہ تھے ○ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی

مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ

اور نہ عتاب اور ناراضگی کو زائل کیا جائے گا ○ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے

فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ

ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں' اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں تو کفار

قرأ حفص بفتح الضاد وذكرها في التذكرة لكن الضم مختار ۱۲

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

ضرور کہیں گے کہ آپ تو محض جھوٹے ہیں O اللہ اسی طرح جاہلوں کے

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

دلوں پر مہر لگا دیتا ہے O سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے'

وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶ ۷ ۹

کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کردیں جو یقین نہیں رکھتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی' پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا' اور وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اور وہ بہت علم والا بے حد قدرت والا ہے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھا کر کہیں گے ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے O (الروم: ۵۵۔۵۴)

عذاب قبر کے متعلق احادیث

کمزوری کی حالت میں پیدا کیا اس سے انسان کی پیدائش کی حالت اور اس کے بچپن کی حالت مراد ہے' کیونکہ اس وقت اس کا جسم اور بدن کمزور ہوتا ہے' اور کمزوری کے بعد قوت دی اس سے اس کی جوانی کی حالت مراد ہے پھر بہ تدریج اس میں ضعف پیدا کیا' وہ پہلے ادھیڑ عمری کی حالت میں پہنچا' پھر وہ بڑھاپے میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ قوت کے بعد کمزوری کی حالت ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھا کر کہیں گے' ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے' آیت کے اس حصے سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ مشرکین نے عذاب قبر کا ذکر نہیں کیا' اگر انہیں قبر میں عذاب ہوا ہوتا تو وہ اس کا بھی ذکر کرتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرما دیا اور وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے' یعنی جس طرح وہ دنیا میں جھوٹ بولتے تھے اور گمراہی میں مبتلا رہتے تھے اور حق سے منحرف ہوتے تھے اسی طرح اب بھی حق سے منحرف ہو رہے ہیں' اور یہ جھوٹی قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا میں صرف ایک ساعت رہے تھے۔

عذاب قبر کے ثبوت میں متعدد احادیث ہیں' بعض ازاں یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے اپنے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد حضرت ابوسفیان اور اپنے بھائی حضرت معاویہ سے نفع پہنچانا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ سے ان مدتوں اور عمروں کے متعلق سوال کیا جو مقدر ہو چکی ہیں اور ان روزیوں (ارزاق) کے متعلق سوال کیا ہے جو تقسیم کی جا چکی ہیں' لیکن تم اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تم کو دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اور دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۹' سنن ابوداؤد ۸۸۰)

قیامت کے دن کفار کا جھوٹ بولنا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار اور مشرکین قیامت کے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار قیامت کے دن جھوٹ نہیں بولیں گے' اس سلسلہ میں مزید آیات یہ ہیں:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ (المجادلہ: ۱۸)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو حشر میں جمع کرے گا تو جس طرح یہ تمہارے سامنے قسم کھاتے ہیں اسی طرح اللہ کے سامنے بھی قسم کھائیں گے کہ ان کے پاس کوئی چیز (دلیل) ہے' سنو! بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ. (الانعام: ۲۴-۲۳)

پھر ان کے شرک کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک نہیں کرتے تھے' آپ دیکھئے وہ کس طرح اپنی جانوں پر جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا' وہ کہیں گے بے شک تم لوح محفوظ کے موافق حشر تک ٹھہرے رہے ہو' سو یہ یوم حشر ہے لیکن تم جانتے ہی نہ تھے ○ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ ان سے عتاب اور ناراضگی کو زائل کیا جائے گا ○ (الروم: ۵۷-۵۶)

لا ھم یستعتبون کا معنی

اس آیت میں جن علم والوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے مصداق میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے علماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اس امت کے علماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام مومنین ہیں' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کفار کا قول رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم اپنی قبروں میں حشر تک رہتے رہے ہو' اور یہی وہ حشر کا دن ہے جس کا تم انکار کرتے رہے تھے' اور لوح محفوظ میں پہلے ہی یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ تم حشر تک قبروں میں رہو گے۔

اور جب مسلمان ان پر رد کریں گے تو وہ پھر دوبارہ دنیا میں لوٹائے جانے کا سوال کریں گے اور اپنے پچھلے کفر اور شرک پر معافی طلب کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔

یستعتبون میں ازالہ ماخذ کا معنی مراد ہے یعنی ان سے عتاب اور ناراضگی کو دور نہیں کیا جائے گا وہ اللہ کے عتاب اور ناراضگی کے ازالہ کو طلب کریں گے لیکن ان سے عتاب اور ناراضگی کو زائل نہیں کیا جائے گا (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۴۶) امام رازی المتوفی ۶۰۶ ھ نے اس کا معنی کیا ہے ان سے ازالہ عتاب یعنی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۱۲' علامہ آلوسی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے' روح المعانی جز ۲۱ ص ۹۲' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں تو کفار ضرور کہیں گے کہ آپ تو محض جھوٹے ہیں ○ اللہ اسی طرح جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے ○ (الروم: ۶۰-۵۸)

کفار کے مطلوبہ معجزات نہ دینے کی وجہ

یعنی عقائد کی تفہیم کے لیے ہم نے ان کی ضرورت کی ہر مثال بیان کر دی ہے' اور ان کے تمام شبہات اور اعذار کو زائل کر

دیا ہے اور دین کو پہنچانے میں ہمارے رسولوں کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہوئی اس کے باوجود اگر وہ آپ سے کوئی دلیل او
معجزہ طلب کرتے ہیں تو یہ محض ضد اور عناد ہے' اور جو شخص کسی ایک معجزہ کو جھٹلا سکتا ہے اس کے لیے دیگر معجزات کو جھٹلانا بھی
آسان ہے' اور اگر آپ ان کے مطالبہ کے موافق کوئی اور معجزہ پیش کریں مثلاً سمندر کو چیر کر راستہ بنا دیں یا پہاڑ سے اونٹنی
نکالیں تو اس کو بھی یہ لوگ یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ جادو ہے اور جھوٹ ہے۔ اور جس طرح ان لوگوں کے دلوں پر مہر ہے حتیٰ
کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے' سو آپ ان کی ایذ
رسانیوں پر صبر کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے' اس سے مراد النضر بن الحارث ہے' اس
آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس میں تعریض ہے' خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔

سورۃ الروم کا اختتام

آج ۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ/ ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء بہ روز منگل قبیل العصر سورۃ الروم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۱۹ جولائی کو یہ سورت
شروع ہوئی تھی اس طرح چھبیس دنوں میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی' الہٰ العلمین آپ باقی سورتوں کی تکمیل بھی کرا دیں
واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ و
اصحابہ وازواجہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ لقمان

سورت کا نام

اس سورت کا نام لقمان ہے کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں لقمان کا ذکر ہے اور اس سورت میں لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں اور اس کا قصہ بیان کیا گیا ہے' جس آیت میں لقمان کا ذکر ہے وہ یہ ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ ؕ وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ○ (لقمان: ۱۲)

اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ صرف اپنے نفس کے فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز' حمد کیا ہوا ہے۔

اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ ان کو لقمان اور اس کے بیٹے کے متعلق بتائیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کر دی۔

سورۃ لقمان کا زمانہ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

النحاس نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ لقمان مکہ میں نازل ہوئی ہے ماسوا تین آیتوں کے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں (لقمان: ۲۹۔۲۸۔۲۷)۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ لقمان مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور لقمان اور الذاریات سے ایک سورت کے بعد دوسری سورت سنتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۷۱)

(الدر المنثور ج ۶ ص ۴۴۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

جن تین آیتوں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں ان کے مدینہ میں نازل ہونے کی روایات ضعیف ہیں' سورۃ العنکبوت اور سورۃ لقمان دونوں کے نزول کا زمانہ تقریباً ایک ہے' جب نئے اسلام لانے والے نوجوانوں کو ان کے

والدین اسلام کو چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے' اس موقع پر ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ماں باپ کی خدمت اور اطاعت ضروری ہے لیکن شرک اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی نافرمانی کرنے میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے سورۃ لقمان کا نمبر ۳۱ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۷ ہے' یہ سورت سورۃ الصّٰفّٰت کے بعد اور سورۃ سباء سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ لقمان کی سورۃ الروم سے مناسبت

سورۃ الروم کی آخری آیتوں میں سے یہ آیت ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ. (الروم: ۵۸)

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے۔

اور سورۃ لقمان کی ابتدائی آیتیں یہ ہیں:

الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ (لقمان: ۳-۱)

الف' لام' میم ○ یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں ○ یہ کتاب نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس طرح سورۃ الروم کا آخر اور سورۃ لقمان کا اول دونوں قرآن مجید کی صفات کے بیان میں ہے۔

اسی طرح ان دونوں سورتوں میں فرمایا کہ مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے دلائل اور معجزات سے اثر قبول نہیں کرتے اور ان سے اعراض کرتے ہیں' سورۃ الروم میں فرمایا:

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○ (الروم: ۵۸)

اور اگر آپ ان کے پاس کوئی (نیا) معجزہ لے کر آئیں تو یہ کفار ضرور یہ کہہ دیں گے کہ آپ تو صرف جھوٹے اور جادو کرنے والے ہیں۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا. (لقمان: ۷)

اور جب اس کے اوپر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب مشرکین پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہ پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں' سورۃ الروم میں فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (الروم: ۳۳)

اور جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے دعائیں کرتا ہے' پھر جب اللہ اس کو اپنی رحمت چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ○ (لقمان: ۳۲)

اور جب (سمندر کی) موجیں ان پر سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو یہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو مانتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ ان کو خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو ان میں

سے بعض معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو عہد شکن اور بہت ناشکرے ہیں۔

اسی طرح ان دونوں سورتوں میں فرمایا انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے سورۃ الروم میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ. (الروم:۲۷) اور وہی ہے جس نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا، پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ. (لقمان:۲۸) تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے نزدیک صرف ایک شخص کو زندہ کرنے کی مانند ہے۔

سورۃ لقمان کے مشمولات

اس سورت کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ سے شروع کیا گیا ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا دستور ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق لوگوں کے مختلف گروہ ہو گئے مؤمنین نے قرآن مجید کی تصدیق کی اور وہ جنت کے مستحق قرار پائے اور کفار نے قرآن مجید کے ساتھ استہزاء کیا اور اس کا انکار کیا اور اپنی جہالت اور تکبر سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور دائمی دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت پر دلائل قائم کیے اور اس کے بعد لقمان حکیم کا قصہ بیان فرمایا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کیا نصیحتیں کی تھیں اور اس سے مقصود لوگوں کو ہدایت دینا تھی کہ وہ شرک کو چھوڑ دیں ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے بچیں اور نماز قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں تواضع اور انکسار کو اختیار کریں اور تکبر نہ کریں زمین پر نرمی اور آہستگی سے چلیں اور اپنی آوازیں پست رکھیں۔

اس کے بعد ان مشرکین کی مذمت کی جو شرک پر اصرار کرتے تھے اور توحید کے دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر جمے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں کی ناشکری کرتے تھے اور ان کو یہ خبر دی کہ نجات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر اطاعت کو جھکا دیا جائے اور نیک اعمال انجام دیے جائیں اور مشرکین کے عقائد کا تضاد بیان فرمایا کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ بزرگ و برتر ہے اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک اور غلام ہیں اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور تمام انسانوں کو پیدا کرنا اس کے لیے صرف ایک انسان کو پیدا کرنے کی مانند ہے وہی قادر مطلق ہے اور کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے اور ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ سختی اور مصیبت میں وہ اسی کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور سختی دور ہونے کے بعد اس کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید پر مزید دلائل قائم کیے کہ وہ رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد وارد کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے اور سمندروں میں کشتیوں کو رواں دواں رکھا ہے اور اس سورت کو تقویٰ کے حکم پر ختم کیا ہے اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ غیوب خمسہ کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

سورۃ لقمان کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ لقمان کا ترجمہ اور اس کی

تفسیر شروع کر رہا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوائے گا جو حق اور صواب ہے اور جو چیز باطل اور غلط ہے اس کی مجھ سے تردید اور تغلیط کرادے گا اور اللہ اپنے بندوں کے گمان کے موافق ہوتا ہے اور جو اس پر توکل کرتا ہے اس کی وہ غیب سے مدد فرماتا ہے سو میں نے اس تفسیر میں اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ/ ۱۴ اگست ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ لقمٰن مکیۃ ۵۷ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتہا ۳۴ رکوعاتہا ۴

سورۂ لقمان مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں چونتیس آیات، چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳

الف لام میم ○ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں ○ (یہ کتاب) نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر

يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

یقین رکھتے ہیں ○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ

اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں، تاکہ بغیر علم کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶

لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ

اور جب اس شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے

اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

دونوں کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں ○ ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ اللہ کا برحق

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى

وعدہ ہے، اور وہی بہت غالب حکمت والا ہے ○ اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم

فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ

دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿١٠﴾

اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلے (اور میوے) پیدا کیے O

هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ

یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! پس مجھے وہ دکھاؤ جو اللہ کے ماسوا دوسروں نے پیدا

الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١١﴾ ع

کیا ہے بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم O یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں O (یہ کتاب) نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں O وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں O (لقمان ۵۔۱)

بسم اللہ کے اسرار

اس سورت کو باقی سورتوں کی طرح اللہ عزوجل کے نام سے شروع کیا ہے، اللہ کا علم اور اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے، وہ رحمن ہے اور اس نے اپنی رحمت کے عموم سے اپنی تمام مخلوق کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اور وہ رحیم ہے سو اس کے وہ خواص جو اس کی محبت میں رچے ہیں ان کے لیے اس نے اپنی جنت کے راستے روشن کر دیے ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری النیشاپوری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

یہ ایسا اسم ہے کہ جو شخص بھی اس کو سنتا ہے وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے ایسا کوئی اور کلمہ نہیں سنا، وہ اس کے سوا کوئی اور کلمہ نہیں سنتا اور جو شخص اس کو سن لیتا ہے اس کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اس کی کلفت دور ہو جاتی ہے، دنیا میں اس کی راحت اور عقبیٰ میں اس کا حصہ مکمل ہو جاتا ہے، اللہ کا نام سن کر پھر کسی اور چیز کی طرف اس کی رغبت نہیں رہتی خواہ وہ چیز کتنی ہی [illegible] اشتیاق ہو اس کے سوا صرف اس نام والے مالک و مولیٰ سے ملاقات اور اس کے دیدار کی تمنا رہ جاتی ہے اور اس کے [illegible] کوئی اور خواہش نہیں ہوتی۔ (لطائف الاشارات [illegible])

[illegible] اللہ سے محبت اور اس کے کلام کی لذت [illegible] عارفین کا حصہ [illegible] قرآن کریم پڑھتے ہیں اور ہم پر کوئی کیفیت مرتب ہوتی ہے نہ دل میں کوئی لگی لگتی [illegible] ہے۔

الف لام میم کے اسرار

بعض [illegible] الف لام میم کے تین حروف سے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے: میں اللہ ہوں، تمام صفات کمال [illegible]

ساتھ متصف ہوں' گناہوں کو بخشنا اور اجر و ثواب عطا فرمانا میرا ہی کام ہے' الف سے انا کی طرف اشارہ ہے جس کا معنیٰ ہے میں اور لام سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور میم سے منّی کی طرف اشارہ ہے' اور بعض عارفین نے کہا الف سے عارفین کی الفت کی طرف اشارہ ہے اور لام سے اس لطف و کرم کی طرف اشارہ ہے جو وہ محسنین پر فرماتا ہے اور میم سے اس کے مجد (بزرگی) اور ثناء کی طرف اشارہ ہے' اس نے اپنی نعمتوں کی وجہ سے دوستوں کے دلوں سے انکار کو اٹھا لیا اور اپنی عطا کے لطف کے سبب سے اپنے اصفیاء کے دلوں میں اپنی محبت کو ثابت کر دیا اور اپنی بزرگی اور ثنا کی وجہ سے وہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے۔

قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا اور محسنین کا معنی

فرمایا: یہ سورت اور اس کی آیات' کتاب حکیم کی آیات ہیں' یعنی اس قرآن یا اس سورت کی آیات حکمت والے مضامین پر مشتمل ہیں' یا اس قرآن کی آیات محکم ہیں یعنی تغیر و تبدل سے محفوظ ہیں اور ان میں فساد اور جھوٹ محال ہے' یا اس سورت کے احکام منسوخ نہیں ہوں گے۔

اور فرمایا: یہ کتاب نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' اس کو ہدایت اس لیے فرمایا کہ اس کتاب میں نیکی اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ہدایت ہے' یا زندگی کے ہر شعبہ کو صحیح اور صالح طریقہ سے گزارنے کی ہدایت ہے یا زندگی کے ہر باب میں عبادت کے طریقہ کی ہدایت ہے یا اس کتاب میں ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ملک کو فساد اور بگاڑ سے دور رکھنے اور صلاح اور فلاح سے مزین کرنے کی ہدایت ہے' اور لوگوں کے عقائد اور اعمال کی صحت اور ثواب اور آخرت میں عذاب سے بچنے اور ثواب کے حاصل کرنے کی ہدایت ہے اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے اور عارفین کے لیے دلیل اور حجت ہے۔

یہ کتاب حق اور صدق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور جو اس کی تصدیق کرے اور اس پر عمل کرے اس کے لیے رحمت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب محسنین کے لیے رحمت ہے' محسنین سے مراد ہے نیک عمل کرنے والے' اور قرآن اور حدیث میں محسنین کا اطلاق صرف نیک عمل کرنے والے مومنین پر کیا جاتا ہے' ہرچند کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لیکن اس آیت میں محسنین کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس کتاب کی ہدایت اور رحمت سے صرف محسنین ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محسن اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کی رسی پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۸) سو جو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑے گا اور اللہ کی رسی کو پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس پر اعتماد کرے اس کے کلام کو برحق مانے اور اس کے احکام پر عمل کرے ورنہ اللہ تعالیٰ سمت اور جہت سے پاک ہے۔

نماز قائم کرنے کے معانی

اس کے بعد محسنین اور نیکی کرنے والوں کی صفات ذکر فرمائیں کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں' اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ہرچند کہ محسنین کی اور بھی صفات ہیں لیکن یہ صفات دوسری صفات سے زیادہ اہم اور زیادہ افضل ہیں اس لیے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ نماز کو قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط اور اس کے تمام ظاہری اور

باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا' اور نماز کی شرائط دو قسم کی ہیں ایک اس کے جواز کی شرائط ہیں یعنی نماز کو اس کے فرائض اور واجبات کے ساتھ اس کے وقت میں ادا کرنا' اور نماز کو اس کی سنن اور آداب کے ساتھ پڑھنا' ان شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس کی فرضیت انسان کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے' اور دوسری شرائط ہیں نماز کی مقبولیت کی شرائط یعنی نماز کو اخلاص اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے اور جو نماز اخلاص اور تقویٰ یعنی خوف خدا کے جذبہ سے نہیں پڑھی جائے گی وہ قبول نہیں ہو گی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (المائدہ: ۲۷) اللہ صرف متقین (خوف خدا رکھنے والوں) کے عمل کو قبول فرماتا ہے۔

اور اقامت صلوٰۃ کا دوسرا معنی ہے نماز کو حضور قلب کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا۔

اور اقامت صلوٰۃ کا تیسرا معنی ہے نماز کے اوقات' اس کے ارکان' واجبات سنن اور آداب کی حفاظت کرنا' خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ پڑھنا' نماز کو دائما پڑھنا اور نماز کی حفاظت کرنا۔

ان معانی پر غور کرنے سے اقامت صلوٰۃ کا ایک اور معنی حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے نماز کی ادائیگی کا نظام قائم کرنا' جو شخص کسی گھر کا بڑا اور سرپرست ہو وہ بچوں کو نماز پڑھنے کی تربیت دے اور مار مار کر ان سے نماز پڑھوائے' حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بچوں کی عمر سات سال کی ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰ طبع قدیم' سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۲۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۶ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۸)

اور جو افراد اس کے زیر کفالت ہیں ان سے سختی سے نماز پڑھوائے' قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم: ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور ملک کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ دفاتر میں' محکموں میں اور تمام اداروں میں نماز پڑھنے کا نظام قائم کرے اور جو لوگ نماز نہ پڑھیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور (سیدنا) محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' پس جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۹۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا' امام (سربراہ مملکت) محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (عوام) کے متعلق سوال کیا جائے گا' ایک شخص اپنے اہل و عیال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (زیر کفالت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر کی چیزوں) کے متعلق سوال کیا جائے گا اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی ر

کے متعلق سوال کیا جائے گا' اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا' اور تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹)

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو' لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو' اس کے متعلق امام احمد' اسحاق اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیز لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور مزنی نے یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا نظام قائم کیا جائے اور ہر حاکم اپنے ماتحت افراد سے نماز پڑھوائے اور ان پر نظر رکھی جائے' جو نماز نہیں پڑھتے ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ پھر بھی نماز نہ پڑھیں تو ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری النیشاپوری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کی ظاہری شرائط کے موافق ادا کیا جائے' شرم گاہ کو ڈھانپا جائے' پہلے وضوء کیا جائے' قبلہ کی طرف منہ کیا جائے' نماز کو اس کا وقت داخل ہونے کے بعد شروع کیا جائے' پاک جگہ میں نماز پڑھی جائے اور نماز کی باطنی شرائط کے مطابق نماز پڑھی جائے' اپنے دل و دماغ کو دنیاوی افکار اور تعلقات سے خالی کر لیا جائے' اپنے تمام عیوب اور گناہوں سے توبہ کر کے اپنے دل کو پاک اور صاف کر لیا جائے' کیونکہ وہ جہاں بھی ہو گا اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہو گا' پس اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو نہ دیکھے تو وہ عیوب اور گناہوں کے اقدام سے باز رہے' یہ باطنی شرم گاہ کا چھپانا ہے اور باطنی جگہ کی پاکیزگی یہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی دعویٰ بلا تحقیق نہ ہو' اور باطنی وقت کے دخول کا معنی یہ ہے کہ اس کو علم ہو کہ اس کا دل اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہے اور متذلل اور متواضع ہے اور بڑائی اور تکبر سے خالی ہے' اور اپنے دل کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۱۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

زکوٰۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

نیز فرمایا: اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' یعنی زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے مطابق مستحقین کو ادا کرتے ہیں' اور اہل سنت و جماعت کے مستحق افراد کو زکوٰۃ دیتے ہیں' کیونکہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہوا ہے کہ اہل بدعت اور بدمذہبوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی' زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے پاکیزہ اور صالح ہونا' قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۴) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا مال میل کچیل سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور انسان خود بھی گناہوں سے پاک ہو

جاتا ہے۔

اور زکوٰۃ کا معنی ہے مال کا بڑھنا اور زیادہ ہونا' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ (الروم ۳۹)

اور تم اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو' سو وہی لوگ اپنے مال کو دگنا کرنے والے اور بڑھانے والے ہیں۔

اور جو لوگ پابندی سے اور اخلاص کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مال کو زیادہ کر دیتا ہے' بڑھا دیتا ہے اور دگنا چوگنا کر دیتا ہے۔

اور زکوٰۃ کا معنی ہے مدح کرنا اور کسی کی تعریف اور ستائش کرنا' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود اپنی مدح اور تعریف کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کی چاہتا ہے مدح اور تعریف کرتا ہے۔

اور جو لوگ فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ ان کی مدح کرتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں کہ یہ سخی لوگ ہیں۔ اور زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: جو مال بہ قدر نصاب ہو اس کی حاجات اصلیہ (خوراک' لباس اور رہائش) سے زائد ہو اور اس مال پر ایک سال گزر چکا ہو اس مال کا چالیسواں حصہ کسی غیر ہاشمی سنی مسلمان فقیر شخص کو دیا جائے جو خود صاحب نصاب نہ ہو یا صاحب نصاب تو ہو لیکن مقروض ہو یا مسافر ہو یا اللہ کی راہ (مثلاً جہاد یا دین کی طلب) میں ہو اور نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت پر مشتمل روپیہ یا مال تجارت ہے۔ جو مال زکوٰۃ میں دیا جائے اس کو اپنی ملکیت سے بالکل منقطع کر لیا جائے' جمہور فقہاء احناف کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے' اور ائمہ ثلاثہ' محققین احناف اور غیر مقلدین کے نزدیک مال زکوٰۃ کا مالک بنانا شرط نہیں ہے اگر کسی مقروض کا قرض اتار دیا جائے یا کسی مسجد یا دینی مدرسہ کسی یتیم خانہ یا کسی ہسپتال میں زکوٰۃ کی رقم لگا دی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کی تفصیل ہم التوبہ: ۶۰ تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۸۱-۱۹۶ میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں بیاسی (۸۲) جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ متصل ذکر فرمایا ہے (صحیح یہ بتیس (۳۲) جگہ ہے) اور زکوٰۃ ۲ھ میں رمضان سے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ [illegible]

انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ کا فرض نہ ہونا

[illegible]

انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس خصوصیت کے اعتبار سے زکوٰۃ مال اور زکوٰۃ بدن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۱۶۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

زکوٰۃ کی تاکید اور اس کے فضائل کے متعلق احادیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دولت مند مسلمانوں پر ان کے اموال میں فقراء کے لیے اتنی مقدار فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور فقراء اسی وقت بھوک اور لباس کے نہ ہونے کی مشقت میں مبتلا ہوں گے جب دولت مند ان کو ضائع کر دیں گے' سنو اللہ تعالیٰ ایسے مال داروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۴۵۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان مال داروں پر افسوس ہے جن کے متعلق قیامت کے دن فقراء یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمارے جو حقوق ان پر فرض کیے تھے ان مال داروں نے ہمارے ان حقوق پر ظلم کیا' تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! میں تم کو ضرور جزا دوں گا' اور میں ان کو ضرور دور رکھوں گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج: ۲۵-۲۴) اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے مانگنے والوں کا اور محروم کا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۶۹۳' اس حدیث کی سند میں الحارث بن النعمان ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۶' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۸' اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کی نماز (قبول) نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۰۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس سے اس کا شر دور ہو گیا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنے مالوں کی حفاظت کرو اور صدقہ سے اپنے بیماروں کا علاج کرو اور دعا سے مصائب کی تیاری کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۱۹۶' المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۱۹۸۴' اس کی سند میں موسیٰ بن عمیر کوفی متروک ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بنا دیا جائے گا اس کے پھن پر انگور کے برابر دو غدود ہوں گے اس کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا' پھر وہ اس شخص کو اپنے جبڑوں سے پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال

ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران:۱۸۰)

جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ اس (بخل) کو اپنے لیے اچھا گمان نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے بہت بدتر ہے جس چیز میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق بنا کر قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۳۶ عالم الکتب)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اور اللہ کی قسم! وہ بکری کا بچہ جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیتے تھے اگر وہ اس کو مجھے دینے سے منع کریں تو میں اس کے منع کرنے پر ان سے ضرور قتال کروں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پس اللہ کی قسم وہ چیز ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا پس میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۹۳)

عوام کی زکوۃ یہ ہے کہ جس مال پر بہ قدر نصاب پر ایک سال گزر چکا ہو اور وہ اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہو اس مال میں سے چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے' اور خواص کی زکوۃ یہ ہے کہ اپنے دلوں سے دنیا کی محبت کا زنگ اتارنے کے لیے اور دلوں کو صاف کرنے کے لیے ضرورت سے زائد تمام مال راہ خدا میں دے دیا جائے اور اخص الخواص کی زکوۃ یہ ہے کہ اپنے معبود کے لیے اپنے مقصود کے حصول کے لیے اپنے وجود کو خرچ کر دیا جائے۔

آخرت پر یقین اور ہدایت پر قائم رہنے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں ○

آخرت سے مراد ہے دار آخرت جہاں اعمال کی جزا دی جائے گی' اس کو آخرت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے بعد ہے۔ اور فرمایا وہی یقین رکھتے ہیں' یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں اور حساب و کتاب میں کوئی شک نہیں رکھتے' اہل اللہ کے نزدیک دنیا حجابات جسمانیہ ظلمانیہ کا نام ہے اور آخرت حجابات روحانیہ نورانیہ کا نام ہے اور سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسمانی حجاب اتارے اور روحانی حجاب کی طرف متوجہ ہو پھر ان حجابات کو بھی اتارے اور حقیقت کا مشاہدہ کرے۔

اور فرمایا وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بندہ کو از خود ہدایت حاصل نہیں ہوتی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہ دے۔ اس آیت میں معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان از خود ہدایت حاصل کرتا ہے' علماء کہتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہونے کی چار علامتیں ہیں' جب اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ اس پر نادم ہو اور توبہ کرے' جب اس پر کوئی دنیاوی مصیبت آئے تو وہ صبر کرے اور کہے انا للہ وانا الیہ راجعون اور جب اس کو کوئی نعمت ملے تو وہ اللہ کی حمد کرے اور اس کا شکر ادا کرے اور جب وہ کسی کو کوئی چیز عطا کرے تو اس پر احسان نہ جتلائے اور جب کسی نیک کام کی توفیق ہو اور کسی برے کام پر افسوس ہو اور نیک کام کرنے کی خوشی ہو تو یہ اس کے ایمان پر قائم رہنے کی علامت ہے۔

مفلحین کا معنی

ان ہدایت یافتہ لوگوں کے متعلق فرمایا یہ مفلحون ہیں' مفلح اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے ہر مطلوب کے حصول میں کامیاب ہو اور اس کو ہر درد اور تکلیف وہ چیز سے نجات حاصل ہو اور یہ اس کا مقام ہے جو عقائد صحیحہ کا حامل ہو' اعمال صالحہ سے دائماً متصف ہو اور اعمال سیۂہ (برے اعمال) سے دائماً مجتنب ہو' کامیابی اور مطلوب کے حصول کی دو قسمیں ہیں' دنیاوی کامیابی اور اخروی کامیابی' دنیاوی کامیابی کا حصول ان چیزوں پر موقوف ہے جن سے انسان کی زندگی آسانی اور سہولت کے ساتھ اور عیش و آرام کے ساتھ گزر جائے' اور اخروی کامیابی میں چار چیزیں ہیں بقا ہو اور فنا نہ ہو' عزت ہو اور ذلت نہ ہو' غنا ہو اور فقر نہ ہو' علم ہو اور جہل نہ ہو' بعض روایات میں ہے کہ مومن' قلت' یا علت (بیماری) یا ذلت سے خالی نہیں ہوتا۔

(کشف الخفاء رقم الحدیث: ۲۶۸۰)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ. اے اللہ! خوشگوار زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۸)

یعنی مومن جب تک دنیا میں رہے گا تو وہ مصائب و آلام' حوادث روزگار اور تکلیفوں اور بیماریوں کا سامنا کرتا رہے گا' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ (الحج: ۵) اور تم میں سے بعض کو ارذل عمر (سخت بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ اس کو کسی چیز کے علم کے بعد اس کا بالکل علم نہ رہے۔

یعنی جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا مزاج اور اس کا دماغ بچوں کی طرح ہو جاتا ہے اس کا حافظہ ختم ہو جاتا ہے اور جس طرح وہ اپنے بچپن میں مسائل سے ناواقف اور نابلد تھا اسی طرح بڑھاپے میں ناواقف ہو جاتا ہے لیکن یہ عام دنیا دار لوگوں کے بڑھاپے کی کیفیت ہے لیکن خواص مومنین' علماء کرام اور اولیاء عظام کا حال اس طرح نہیں ہوتا' ان کو جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ کا علم ہوتا ہے وہ دنیا میں' برزخ میں اور آخرت میں قائم رہتا ہے اور یہی لوگ مفلحین ہیں پس صاحب عقل پر لازم ہے کہ وہ اہل فلاح کی جماعت میں داخل ہونے کی کوشش کرے' اور یہ اس وقت ہو گا جب وہ تزکیہ نفس کرے گا اور اپنے نفس کو گناہوں کے زنگ اور برے کاموں کے میل کچیل سے پاک اور صاف کرے گا تاکہ وہ مقربین کے مقام کی طرف ترقی کرے اور آخرت میں جنات الفردوس کو حاصل کرے' اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو مفلحین اور ابرار کے ساتھ لاحق کر دے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہکائیں' اور اس کا مذاق اڑائیں' ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے O (لقمان: ۶)

لہو الحدیث کا محمل غناء کو قرار دینا

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ تجارت کے لیے فارس جاتا تھا وہاں عجمیوں کی خبریں خرید کر لاتا ان کو روایت کرتا اور قریش کو سناتا' اور کہتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی

خبریں سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار کی خبریں سناتا ہوں اور عجمی بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں "لوگ اس کی خبروں اور قصوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننا چھوڑ دیتے۔ (علامہ قرطبی نے بھی یہی شان نزول لکھا ہے الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۴۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والیوں کو تعلیم دینا اور ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور اسی کی مثل میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو بہکائیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۴ کنز العمال ج ۴ ص ۳۹)

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: جو شخص گانا گاتے وقت اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان بھیج دیتا ہے ایک اس کے ایک کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے دوسرے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور جب تک وہ گاتا رہتا ہے شیطان اس کو لاتوں سے مارتے رہتے ہیں۔

دوسرے مفسرین نے کہا اس آیت کا محمل وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کو چھوڑ کر لہو معازف 'مزامیر اور غنا سنتے ہیں اور انہوں نے کہا اللہ کے راستہ سے مراد قرآن مجید ہے (معازف سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو ہاتھوں سے بجایا جائے 'اور مزامیر سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو منہ سے بجایا جائے)۔

ابوالصہباء البکری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر فرمایا اس سے مراد غنا ہے 'ضحاک نے کہا غنا مال کو ضائع کرتا ہے 'رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو یاد الٰہی سے غافل کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی خریدی تھی جو اس کو دن رات گانا سناتی تھی 'اور ہر وہ بات جو اللہ کے راستہ سے غافل کر کے اس کے منع کیے ہوئے کام کی طرف لے جائے وہ لہو الحدیث ہے اور گانا بھی اسی قسم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے غنا کی تحریم میں حسب ذیل آیات پیش کی ہیں:

(۱) غنا کی تحریم میں یہی زیر تفسیر آیت ہے یعنی لقمان: ۶۔ اس آیت سے علماء نے غناء کی کراہت اور ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

(۲) وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ۝ (النجم: ۶۱) اور تم کھیل میں پڑے ہوئے ہو۔

[illegible] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد غنا ہے باندی سے کہا جاتا ہے سمدی لنا اس کا معنی ہے ہمیں گانا سناؤ۔

(۳) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ [illegible] تو ان میں سے جس کو بھی اپنی آواز سے بہکا سکتا ہے بہکا لے

(بنی اسرائیل: ۶۴)

[illegible]

[illegible]

غناء کی تحریم اور ممانعت میں احادیث اور آثار

[illegible]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آوازیں ملعون اور فاجر ہیں میں ان سے منع کرتا ہوں' مزمار کی آواز اور شیطان کی آواز جو کسی نغمہ اور خوشی کے وقت ہو' اور کسی مصیبت کے وقت رونے پیٹنے اور گریبان پھاڑنے کی آوازیں۔ (امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مزامیر توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۸۹' تلبیس ابلیس ص ۲۳۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنا' مسخ اور آسمان سے پتھر برسنا ہوگا' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اور یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابوں کو (کھلے عام) پیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' علل الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر بلاؤں کا نزول حلال ہو جائے گا' آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون سی خصلتیں ہیں آپ نے فرمایا (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے (۳) اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے (۶) اور دوست کے ساتھ نیکی کرے (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں (۹) اور سب سے رذیل شخص کو قوم کا سردار بنا لیا جائے (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے (۱۱) اور شرابیں (برسر عام) پی جائیں (۱۲) اور ریشم پہنا جائے (۱۳) اور گانے والیوں (۱۴) اور آلات موسیقی کو رکھا جائے (۱۵) اور اس امت کے بعد والے پہلوں کو برا کہیں' اس وقت تم سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا انتظار کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۸' ج ۱۲ ص ۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال فے (کافروں کا چھوڑا ہوا مال) کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے' اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے' اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے' اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے' اور اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے' اور مسجدوں میں آوازوں کو بلند کیا جائے' اور فاسق کو قبیلہ کا سردار بنایا جائے اور قوم کا سربراہ رذیل ہو' اور کسی شخص کے شر کی بناء پر اس کی عزت کی جائے' اور گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں' اس وقت تم سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو اور ان نشانیوں کا انتظار کرو جو پے در پے آئیں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی باندی کے پاس گانا سننے کے لیے بیٹھا اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۴۰'

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف کی طرف رمزکی ہے)۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گانے کو سنا قیامت کے دن اس کو جنت میں روحانیین کی آواز سننے کی اجازت نہیں ہوگی' آپ سے پوچھا گیا کہ روحانیین کون ہیں یا رسول اللہ؟! آپ نے فرمایا وہ جنت کے قاری ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

(نوادر الاصول ج۲ص ۷۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۳۳۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۶۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کے پاس گانے والی تھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ص ۵۱۔ ۴۹' دار الفکر بیروت' تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۲۲۶۔ ۲۲۸' دار الکتب العلمیہ بیروت)

جس قسم کے اشعار کا دف کے ساتھ یا بغیر دف کے سماع جائز ہے

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں ان احادیث اور ان کے علاوہ دیگر احادیث اور آثار کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ غنا سے مراد وہ معروف غنا ہے جس سے دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے' اس سے عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے' اس قسم کے اشعار میں عورتوں کا اور ان کے حسن کا ذکر ہو اور ان کی خوبیوں کا بیان ہو اور شراب اور دیگر محرمات کا ذکر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ لہو ہے اور مذموم غنا ہے' اور جو اشعار ان چیزوں سے خالی ہوں ان کی قلیل مقدار کو خوشی کے ایام میں گانا جائز ہے' مثلاً شادی اور عید کے ایام میں اور سخت مشقت کے کاموں کی مشقت کو سرور سے زائل کرنے کے قصد سے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر تھا یا جیسا کہ حبشی غلام انجشہ اور سلمہ بن اکوع نے اونٹوں کو چلاتے وقت غنا کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ص ۵۱)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق کے دن مٹی کھود رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا پیٹ خاک آلود ہو گیا اور آپ یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا　　　ولا تصدقنا ولا صلینا

اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے　　　اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا　　　وثبت الاقدام ان لاقینا

پس تو ہم پر طمانیت نازل فرما　　　اور دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولی قد بغوا علینا　　　ان ارادوا فتنۃ ابینا

بے شک پہلوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی　　　اگر وہ ہم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابینا ابینا کا تکرار کرتے اور اس پر آواز کو بلند فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۱۰۶' ۲۸۳۷' ۳۰۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۰۳' مسند احمد رقم الحدیث ۱۸۶۸۰' سنن دارمی رقم الحدیث ۲۴۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۸۸۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پشتوں پر مٹی منتقل کر رہے تھے اور یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے

نحن الذین بایعوا محمدا　　　علی الجہاد ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے

اللہم انہ لا خیر الا خیر الآخرۃ　　　فبارک فی الانصار والمہاجرۃ

اے اللہ! اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے سو تو انصار اور مہاجرین میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۸۷)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ان احادیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف شجاعت پر ابھارنے کے لیے اشعار اور رجزیہ کلام پڑھنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ) نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مشقت زائل کرنے کے لیے اور کسی کام کو خوشی سے کرنے کے لیے اشعار پڑھنا جائز ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۳۸)

امام ابوالفرج عبدالرحمان ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (غزوۂ تبوک سے واپس ہوکر) مدینہ تشریف لائے تو آپ کی نعت میں اہل مدینہ نے یہ اشعار پڑھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا مدینہ کے جنوب کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع

ہم پر شکر کرنا واجب ہے جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس قسم کے اشعار وہ لوگ مدینہ میں پڑھتے تھے، اور بسا اوقات ان اشعار کو دف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اسی جنس کے اشعار سے یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا، اور کہا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مزمار شیطان بجا رہی ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر ان کو چھوڑو، کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں، اور ایک روایت میں ہے اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۲، ۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۸)

امام ابن جوزی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکیاں کم عمر تھیں کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں اور وہ آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے لکھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت فرمائی کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے جیسے مجوسیوں کی عید نیروز ہے اور یہ دن ہماری عید کا دن ہے، اور شرعاً خوشی کا دن ہے، سو اتنی مقدار میں خوشی کے دن غنا کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وہ غناء نہیں ہے جو دلوں میں فسق و فجور کی آگ بھڑکاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۹۱، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سرور شرعی کا دن ہے اور اس دن اتنی مقدار میں غنا کا انکار نہیں کیا جاتا جیسا کہ شادی کے موقع پر انکار نہیں کیا جاتا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۶، دار الفکر، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی انصار کے لڑکے سے کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا، لوگوں نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا جی نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا انصار ایسے لوگ ہیں جنہیں گانے کا شوق ہے کاش تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم **فحیانا وحیاکم**

ہم تمہارے پاس آئے ہیں' ہم تمہارے پاس آئے ہیں سو اللہ تمہیں بھی زندہ رکھے اور ہمیں بھی زندہ رکھے

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۰۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۵۱۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۹۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۱۵۵' اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر اس کی تائید صحیح البخاری میں ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک لڑکی کی انصار کے ایک مرد کی طرف رخصتی کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لھو (گانا بجانا) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لھو اچھا لگتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۲)

حضرت محمد بن حاطب الجمحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام اور حلال کے درمیان فرق دف اور آواز ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۶۹_۳۳۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نکاح کا اعلان کرو اور اس کو مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دفوف (دف کی جمع) بجاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے پاس بیٹھے ہو اس وقت بچیاں دف بجا رہی تھیں اور میرے جو آباء غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کا مرثیہ گا رہی تھیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک نے یہ مصرع پڑھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد اور ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو (ازخود) غیب کو جانتے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس مصرع پر چپ رہو' اور وہی پڑھو جو اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۷۸' المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۶۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانے کی آواز کو سننا جائز ہے' اور مخلوق میں سے کسی ایک کی طرف بھی علم غیب کی نسبت کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کیونکہ جب علی الاطلاق کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کی جائے تو اس سے متبادر علم غیب بالذات ہوتا ہے اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح لکھا ہے (الملفوظ ج ۳ ص ۴۷' نوری کتب خانہ لاہور) اسی لیے جو لڑکیاں یہ مصرع پڑھ رہی تھیں آپ نے انہیں اس مصرع پر خاموش ہونے کا حکم دیا اس لیے حافظ ابن حجر نے اس کو مکروہ لکھا ہے' لیکن بہر حال مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر و شرک نہیں ہے ورنہ آپ ان لڑکیوں کو توبہ کرنے کا اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔

اور حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانا اور اس کا سننا جائز ہے اور جو علماء اس کو منع کرتے ہیں وہ اس

ابتداء اسلام پر محمول کرتے ہیں' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کرے اس کو منع کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۲۱ ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن محمد بن علی بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

عید' شادی اور دیگر خوشی کی تقاریب میں قلیل مقدار میں دف بجا کر اس قسم کے اشعار پڑھنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے' اسی طرح وہ اشعار جو وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں وہ بھی امام احمد کے نزدیک جائز ہیں' امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا ایسے اشعار جن میں دلوں کو نرم کرنے کا اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہو آیا ان کو پڑھنا جائز ہے امام احمد نے کہا کوئی اس قسم کا شعر سناؤ تو سائل نے یہ اشعار پڑھے:

اذا ما قال لی ربی امـا استحییت تعصینی
وتخفی الذنب من خلق وبالعصیان تاتینی

جب مجھ سے میرا رب فرمائے گا تجھ کو حیا نہیں آتی تو میری نافرمانی کرتا ہے اور تو میری مخلوق سے گناہ کو چھپاتا ہے اور ان گناہوں کے ساتھ میرے پاس آتا ہے۔

امام احمد نے کہا یہ شعر مجھے پھر سناؤ' وہ بار بار فرمائش کر کے یہ شعر سنتے رہے پھر جب وہ گھر گئے تو خود یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اور رہے وہ اشعار جو کہ مرثیہ پڑھنے والے اور نوحہ کرنے والے پڑھتے ہیں اور خود بھی آواز سے روتے ہیں اور لوگوں کو بھی آواز سے رلاتے ہیں تو ایسے اشعار پڑھنا اور لوگوں کو آواز سے رلانا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح آلات موسیقی کے ساتھ اشعار کو پڑھنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع کا حرام ہونا

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے حدیث بیان کی اور بہ خدا انہوں نے جھوٹ نہیں کہا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور باجوں (آلات غنا) کو حلال قرار دیں گے' اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ "کل آنا" اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور باجوں وغیرہ کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۲' سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲۲۱)

اس حدیث میں معازف (آلات غنا) کے حلال کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے' بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیے جانے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً بندر اور خنزیر کی شکل میں متشکل کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اخلاق یا ان کے قلوب بندر اور خنزیر کے اخلاق اور قلوب کے ساتھ تبدیل کر دیئے جائیں۔

آلات غنا کی حرمت کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸۴ ۔ ۶۷۷ میں بہت احادیث بیان کی ہیں۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء احناف کا نظریہ

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں میری امت کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے' روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ آلات موسیقی اور گانے بجانے والیوں میں مشغول ہوں گے' اور وہ ان شرابوں کو پئیں گے وہ اس لھو میں اور شراب نوشی میں رات گزاریں گے اور جب وہ صبح اٹھیں گے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲) اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں گھبراہٹ ہوگی لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی صحیح البخاری: ۹۴۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

الغنا (گانے بجانے) کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اس لھو ولعب سے ہے جو بالاتفاق مذموم ہے' اور رہا وہ غنا جو محرمات سے خالی ہو تو اس کی قلیل مقدار' عید' شادی اور خوشی کی تقاریب میں جائز ہے' اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے' اور اہل عراق کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی کے مذہب میں یہ مکروہ ہے' امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' صوفیاء کی ایک جماعت نے عید کے دن لڑکیوں کے دف بجانے کی حدیث سے غنا کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے خواہ وہ آلات موسیقی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو' اور ان کا یہ استدلال مردود ہے کیونکہ ان لڑکیوں کا یہ غنا صرف جنگ اور بہادری کی نظم سے متعلق تھا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی' لیکن جو غنا معروف اور مشہور ہے وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے محاسن پر مشتمل ہوتا ہے اور دیگر حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے' جو پرسکون آدمی کے دل میں شہوت کا جوش اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' اور صوفیاء نے اس کی جو بدعت نکالی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب تم ان کے اقوال اور افعال کو دیکھو گے تو اس میں زندیقی کے آثار پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم: ۸۹۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا وہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں' یعنی گانا بجانا ان کی عادت نہیں تھی اور نہ وہ اس میں مشہور تھیں' اور غنا میں علماء کا اختلاف ہے' اہل حجاز کی ایک جماعت نے اس کو مباح کہا ہے اور یہ امام مالک سے ایک روایت ہے' اور امام ابوحنیفہ اور اہل عراق نے اس کو حرام کہا ہے' امام شافعی کا مذہب اس کی کراہت ہے' امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔

پیشہ ور گانے والیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنے گانے سے عورتوں کا شوق اور ان کی محبت پیدا کرتی ہیں اور بے حیائی کی طرف اپنے کلام میں تعریض اور اشارے کرتی ہیں اور پرسکون دلوں میں حسین عورتوں کی طلب کے جذبات کی آگ بھڑکاتی ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ غنا میں زنا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۵۰۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی کے متعلق ایک قوم نے لکھا ہے کہ ان کی تحریم پر اجماع ہے اور بعض علماء نے اس کے برعکس لکھا ہے' ہم کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی تشریح میں اس پر مفصل لکھیں گے' اور فریقین کے شبہات کا ذکر کریں گے۔
(فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی شرح میں آلات موسیقی کی تحریم کی جس بحث کا وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کرنا وہ بھول گئے۔

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاءِ مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:
صوفیہ نے آلات موسیقی کے ساتھ سماع کی جو بدعت رائج کی ہوئی ہے' اس کی تحریم میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' لیکن جو لوگ نیکی کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے اوپر نفوس شہوانیہ اور اغراض شیطانیہ غالب ہو چکی ہیں اور اس کا ذکر ان میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ وہ اس کی تحریم اور اس کے فحش سے اندھے ہو چکے ہیں اور ان میں سے بہت لوگوں سے بے حیاؤں' ہیجڑوں اور بچوں کی قبیح حرکات صادر ہوتی ہیں' اور وہ موزون اور منضبط حرکات کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ناچتے ہیں جس طرح جاہل اور بے حیاء کرتے ہیں' اور ان کی بے حیائی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ کام عبادات اور نیک اعمال سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آلات موسیقی کے سماع سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے' اور تحقیق یہ ہے کہ یہ زندیقی کے آثار ہیں اور اہل باطل کے اقوال ہیں' ہم بدعتوں سے اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اللہ سے توبہ کا اور سنت پر عمل کرنے کا سوال کرتے ہیں۔ (المفہم ج ۲ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاءِ حنبلیہ کا نظریہ

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سماع اللہ عزوجل کی عبادت ہے' جنید سے منقول ہے کہ ان صوفیاء پر تین وقتوں میں رحمت نازل ہوتی ہے کھانے کے وقت کیونکہ یہ فاقہ کے بعد کھاتے ہیں' اور مذاکرہ کے وقت کیونکہ یہ صدیقین کے مقامات اور انبیاء کے احوال سے متجاوز ہوتے ہیں اور سماع کے وقت کیونکہ یہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر جنید سے یہ روایت صحیح ہے تو اس سماع سے ان اشعار کا سماع مراد ہے جو دلوں کو نرم کرتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں' ابن عقیل نے کہا ہم نے ان صوفیاء سے سنا ہے کہ جب کوئی ساربان اونٹ کو ہنکاتے وقت گانا گاتا ہے اس وقت دعا کی جائے تو مستجاب ہوتی ہے' کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ گانے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے' ابن عقیل نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو عبادت اعتقاد کرے وہ اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔
(تلبیس ابلیس ص ۲۵۲ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب یہ صوفیا غناء کو سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے ہیں اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ کتنے ہی عابد جب قرآن مجید کو سنتے ہیں تو بعض مر جاتے ہیں' بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض چیختے اور چلاتے ہیں' اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے' حضرات صحابہ سے اس کی مثل نہیں سنی گئی۔
سب سے صاف دل صحابہ کرام کے تھے اور جب ان کو وجد آتا تو وہ صرف روتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کیا تو ایک شخص بے ہوش ہو گیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: یہ ہم پر دین میں کون تلبیس کر رہا ہے اگر یہ سچا ہے تو یہ اپنی شہرت کر رہا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اس کو مٹا دے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۴۔۲۵۳ بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب صوفیاء پر رقص کے حال میں طرب طاری ہوتا ہے تو یہ ناچتے ناچتے کسی شخص کو مجلس سے اٹھا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی کھڑا ہو جائے' اور ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے کہ جو شخص جذب سے ناچ رہا ہو تو اہل مجلس بیٹھے رہیں جب وہ کھڑا ہو تو باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کوئی شخص سر ننگا کرے تو باقی لوگ بھی سر ننگا کر لیتے ہیں' حالانکہ سر ننگا کرنا قبیح ہے اور خلاف ادب ہے اور صرف حالت احرام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار ذلت کے لیے سر ننگا کیا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۲۶۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی تین قسم کے ہیں: ستار' بانسری اور منہ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے' سارنگی' طنبور اور ہاتھ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے' ان کا بجانا حرام ہے اور جو شخص عادتاً ان باجوں کو سنے اس کی شہادت مردود ہے' اور دوسری قسم دف ہے' خوشی کے مواقع پر عورتوں کا دف بجانا جائز ہے۔ اور مردوں کے لیے دف بجانا ہر حال میں مکروہ ہے۔ کیونکہ عورتیں اور مخنث دف بجاتے ہیں اور مردوں کے دف بجانے میں عورتوں کی مشابہت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں' تیسری قسم چھڑی بجانا ہے یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز ہو جیسے تالی بجانا' گانا یا ناچنا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۴۔۱۷۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۶ھ)

غنا اور آلات موسیقی پر ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت طویل بحث کی ہے اور مجوزین اور مانعین دونوں کے دلائل کو ذکر کیا ہے اور شبہات کو زائل کیا ہے اور حق کو واضح کیا ہے۔ یہ تحقیق شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۷۷۔۶۷۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اس شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے O (لقمان: ۷)

غناء اور سماع کے متعلق مفسرین احناف کی تصریحات

اور جو لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں' ان پر جب کتاب اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور حق کو سننے سے اعراض کرتے ہیں' آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔

یہ آیت بھی لھو الحدیث کی مذمت میں ہے اور لھو الحدیث کی تفسیر میں آلات موسیقی اور غنا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص گانے بجانے والی باندیوں کو خریدتا تھا۔ امام ابو اللیث نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶۸)

(بحر العلوم تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

لھو ہر اس باطل چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر کے خیر سے روک دے' اور ہاں لھو سے مراد رات کو سنائی جانے والی جھوٹی کہانیاں اور غنا ہے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے اس سے مراد غنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کو خراب کرتا ہے' مال کو ختم کرتا ہے اور رب کو ناراض کرتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص بھی غنا کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے اللہ اس کے اوپر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے' ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر اور وہ اس وقت تک اس کو لاتیں مارتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ گر جاتا ہے۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۴۶۸ مطبوعہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مزامیر (منہ سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) اور بربط اور معازف (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) کو اور ان بتوں کو مٹا دوں جن کی زمانہ جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵' المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۰۳) نیز حدیث میں ہے مجھے مزامیر کو توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اہل معانی نے کہا اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو لھو ولعب کو اور مزامیر اور معازف کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترجیح دے' اور ذمیوں کو مزامیر اور طنابیر کی بیع سے منع کیا جائے گا اور غنا کے اظہار سے بھی روکا جائے گا' اور جن احادیث میں عید کے ایام میں غنا کی رخصت ہے وہ متروک ہیں' اس زمانہ میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا اسی لیے عید کے دن معازف کو جلانا مستحب ہے (علامہ اسماعیل حقی نے یہ صحیح نہیں لکھا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس سے احادیث کو منسوخ کرے اور صحیح یہ ہے کہ عید' نکاح اور دیگر خوشی کے ایام میں اچھے اشعار کو دف کے ساتھ اور بغیر دف کے قلیل مقدار میں پڑھنا جائز ہے البتہ دیگر آلات موسیقی کو استعمال کرنا مطلقاً ممنوع ہے اسی طرح ان اشعار کا پڑھنا بھی مطلقاً ممنوع ہے جن کا مضمون غیر شرعی ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آلات موسیقی کی حرمت لعینہا نہیں ہے' جیسے خمر اور زنا کی حرمت ہے' بلکہ یہ حرمت لغیر ہا ہے' اسی لیے علماء نے اس سے جہاد کے طبل کو مستثنیٰ کیا ہے' پس جب آلات موسیقی کو بہ طور لھو ولعب استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہیں اور جب لھو ولعب نہ ہو تو پھر حرمت زائل ہو جائے گی' (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے صرف عید' نکاح اور خوشی کے ایام میں قلیل مقدار میں بہ طور لھو ولعب دف بجانے کی رخصت ہے جیسا کہ احادیث کے حوالے سے گزر چکا ہے اور ان کے علاوہ دف بجانے کی رخصت نہیں ہے' خواہ لھو ولعب مقصود ہو یا نہ ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

جائز اور ناجائز سماع

طرز اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے' اگر اشعار میں عورتوں کا ذکر ہو اور انسان کے قد اور رخسار کا ذکر ہو جس سے نفس اور شہوت کی آگ بھڑکتی ہو تو دین دار لوگوں کے لیے ان کا سننا جائز نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کو بہ طور مشغلہ سنا جائے۔ اور اگر ان اشعار میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہو' دوزخ سے ڈرایا گیا ہو اور جنت کی ترغیب دی گئی ہو اور اللہ عزوجل کی نعمتوں کی تعریف کی گئی ہو' اور نیک کاموں کی تحریک ہو تو پھر ان کے سننے پر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے' اور اسی قبیل سے جہاد اور حج کے فضائل کے اشعار ہیں' جن کو سن کر جہاد کرنے اور حج کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر اشعار پڑھنے والا بے ریش

نوخیز لڑکا ہو جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو' یا عورتیں بھی اس مجمع کو جھانک کر دیکھ رہی ہوں تو یہ عین فسق ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

بعض لوگ تکلف سے سماع کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم یہ ہے کہ لوگ کسی مرتبہ کے حصول یا دنیاوی منفعت کے لیے سماع کرتے ہیں یہ تلبیس اور خیانت ہے' اور حقیقت کی طلب کے لیے تکلف کرنا ہے جیسے کوئی شخص مصنوعی اور بناوٹی وجد خود پر طاری کر کے وجد کو طلب کرتا ہے' فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہو اور اس کے سامنے پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو اگر وہ سچے جذب سے اپنے آپ کو گرا دے تو فبہا ورنہ صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل کرنے سے ڈرے' اور اس کا سماع کے وقت نعرہ مارنا' یا تالی بجانا یا کپڑے پھاڑنا یا رقص کرنا اگر لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لیے ہو تو اس سے بچنا لازم ہے۔

دکھانے اور سنانے کے لیے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

دکھاوے کے لیے حال کھیلنے کی خرابیاں

(۱) وہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ نے اس پر وجد طاری کر دیا ہے اور بے خودی اور جذب میں رقص کر رہا ہے یا اس پر حال طاری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا' اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بدترین گناہ ہے۔

(۲) وہ حاضرین محفل کو اس فریب میں مبتلا کرتا ہے وہ اس کے متعلق حسن ظن رکھیں اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا خیانت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

(۳) وہ اپنے کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں دوسرے لوگوں کو اپنی موافقت اور اپنا ساتھ دینے پر ابھارتا ہے سو وہ لوگوں کو جھوٹ اور باطل کا مکلف کرتا ہے۔ آج کل محفل سماع میں جو لوگ حال کھیلتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال ایسا ہی ہوتا ہے (مصنف)

سماع کی طرف میلان کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

سماع کے اسباب

(۱) انسان کی طبیعت خوش آوازی کی طرف مائل ہو اور یہ شہوت ہے اور حرام ہے (یہ وجہ درست نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) انسان کے نفس میں نغمات اور خوش الحانی کی طرف میلان ہو یہ بھی حرام ہے کیونکہ یہ لذت شیطانی ہے جو مردہ قلب اور زندہ نفس کو حاصل ہوتی ہے اور دل کے مردہ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو بھول جائے اور دنیا کے اشغال میں منہمک ہو اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو اور ہر وہ دل جو دنیا کی محبت میں ملوث ہو اس کا سماع طبیعت کا سماع ہے اور تکلف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کے مطالعہ سے اس کے دل میں سماع کی طرف میلان ہو اور یہ عشق ہے اور حلال ہے کیونکہ یہ میلان رحمانی ہے اور زندہ دل اور مردہ نفس کو حاصل ہوتا ہے (زندہ دل سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل اللہ کی یاد سے زندہ ہو اور مردہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حیوانی اور نفسانی خواہشات مر چکی ہوں' ایسا شخص بغیر آلات موسیقی کے ان ہی اشعار کو سنے گا جن کا مضمون غیر شرعی نہ ہو)۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور کے مشاہدہ سے اس کی روح میں سماع سے انس پیدا ہو جائے اور یہ محبت اور سکون ہے اور یہ بھی

حلال ہے۔

سماع کی حقیقت

شیخ سعدی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے: اے برادر میں نہیں جانتا کہ سماع کیا ہے! میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سماع کرنے والا کون ہے' یہ وہ شخص ہے جس کی روح برج معنی کی طرف پرواز کرتی ہے اور اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز رہتا ہے۔ یہ عاشق صادق کا حال ہے اور اصحاب حال وہ لوگ ہیں جن میں اعمال صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے تو اللہ ان کو دین پر استقامت کے ساتھ حال اور وجد اور ذوق اور کشف اور مشاہدہ اور معائنہ اور معرفت عطا فرماتا ہے' زین الدین الخافی قدس سرہٗ نے کہا جس شخص کے دل میں یہ نور پیدا ہو وہ ان علماء کے قول پر عمل کر کے سماع کرے جو سماع کو جائز کہتے ہیں (یعنی آلات موسیقی کے بغیر ان اشعار کا سماع کرے جو شریعت کے مطابق ہوں) ورنہ ان علماء کے قول پر عمل کرنے میں زیادہ سلامتی ہے جو سماع کو مکروہ کہتے ہیں' اور سماع کا معنی ہے دل کش اور اچھی آواز کو سننا جس کی طرف دل بے اختیار کھنچتا ہو اور یہ انسان کی فطرت میں مرکوز ہے حتیٰ کہ جن میں عقل نہیں ہے وہ بھی اچھی اور سریلی آواز کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کی وجہ سے پرندے ان کے پاس آ کر ٹھہر جاتے تھے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۸۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سماع کی انواع' شرائط' آلات موسیقی کے استعمال اور تواجد کی تحریم اور ممانعت پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے فرمایا سماع یا تو محبوب ہوگا بایں طور کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہو' تا کہ اس سے اس کو مکاشفات اور ملاطفات حاصل ہوں' یا سماع مباح ہوگا بایں طور کہ اس کو اپنی بیوی سے عشق ہو (اور وہ حسن کو اپنی بیوی کے حسن پر محمول کرے گا) یہ مباح ہے جب کہ اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہو نہ نفسانی خواہشوں کا' اور یا سماع حرام ہوگا بایں طور کہ اس کے اوپر ناجائز اور حرام خواہشوں کا غلبہ ہو۔

العز بن عبد السلام سے محبت کے اشعار سننے' سر دھننے اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا رقص کرنا بدعت ہے' اور وہی شخص رقص کرے گا جس کی عقل ناقص ہوگی' اور رہے عشق و محبت کے اشعار تو اگر وہ امور آخرت پر مشتمل ہوں تو ان کے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب انسان کا دل دنیا میں منہمک ہو تو ایسے اشعار کا سننا مستحب ہے' اور جس شخص کے دل میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں ہوں وہ سماع نہ کرے کیونکہ اس سے اس کی ناپاک خواہشوں کو تحریک ہوگی' اور انہوں نے کہا کہ سننے والوں اور جن سے سنا جاتا ہے ان کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ پس سننے والے یا تو عارف باللہ ہوں گے اور ان کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں جن پر خوف خدا اور خشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے جب وہ سماع کرتے ہیں کہ تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور ان پر غم کے آثار طاری ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں یا ان کو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے یا اللہ کا انس اور قرب ہوتا ہے' اور وہ سب سے افضل ڈرنے والے اور سب سے عمدہ سننے والے ہیں اور جس کلام کو سنا جائے اس میں قرآن مجید کی تاثیر سب سے زیادہ ہے۔

جس شخص پر امید کا غلبہ ہو اس پر نعمتوں کا ذکر سننے سے اثر ہوتا ہے اور اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے انس اور قرب کی امید ہو تو وہ امید رکھنے والوں میں افضل ہے اور اگر اس کو ثواب کی امید ہو تو اس کا سماع دوسرے درجہ میں ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی وجہ سے اللہ سے محبت کرتا ہو تو اس کے انعام و اکرام کا سماع اس میں اثر کرتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سماع اس میں تاثیر کرتا ہے اور یہ سماع پہلے درجات سے افضل ہے' اور جس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کا غلبہ ہو اس کا سماع سب سے افضل ہے۔

یہ تو جس نوع کا ذکر سنا جائے اس کے اعتبار سے سننے والوں کے مدارج تھے' اور جس سے ذکر کو سنا جائے اس کے اعتبار سے اختلاف مدارج کی تفصیل یہ ہے کہ عام آدمی کی بہ نسبت عالم سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے' عالم کی بہ نسبت اللہ کے ولی سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے' اور ولی کی بہ نسبت اللہ کے نبی سے سماع میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تاثیر خود اللہ عزوجل سے سننے میں ہوتی ہے اور یہ بلاواسطہ سماع صرف کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حبیب اللہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا' اور ان درجات کی وجہ یہ ہے کہ محب کے دل میں سب سے زیادہ تاثیر محبوب کے کلام کی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام' صدیقین اور ان کے اصحاب اور اتباع اور مومنین صالحین آلات موسیقی کے سماع میں مشغول نہیں رہے اور صرف اپنے رب اللہ عزوجل کے کلام کے سننے میں مشغول رہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے سماع کی شرائط ذکر کی ہیں' ان میں سے ایک شرط ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت' تاکہ صفات ذات' صفات افعال سے ممتاز ہوں اور معلوم ہو جائے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز ہے اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے' اور اہل تحقیق کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ صدق مجاہدہ سے اپنے نفس کو فنا کر چکا ہو اور اپنی روح کے مشاہدہ سے اپنے دل کو زندہ کر چکا ہو اور جو اس مرتبہ پر نہیں پہنچا اس کا سماع کرنا وقت کا ضیاع اور اس کا بناوٹی وجد کرنا ریا ہے اور اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے اکثر صوفیاء کا سماع کرنا حرام ہے۔

جو لوگ سماع میں تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں اور بے ہوشی اور وجد کا ڈھونگ رچاتے ہیں' یہ سب تصنع اور ریا ہے اسی طرح بال نوچنا سینہ کوبی کرنا اور کپڑے پھاڑنا حرام ہے۔

اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ آلات موسیقی کو استعمال کرنا حرام ہے اور امام بخاری' امام احمد' امام ابن ماجہ' امام ابونعیم اور امام ابوداؤد نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ضرور میری امت میں ایسی قوم ہوگی جو ریشم کو شراب کو اور آلات موسیقی کو حلال کرے گی' اور یہ حدیث تمام آلات موسیقی کی تحریم اور ممانعت میں بالکل صریح ہے۔ اور اسی کے مشابہ وہ حدیث ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت انس سے اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری اس امت میں ضرور زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ ہوگا' اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ شرابیں پئیں گے' گانے والیوں کو رکھیں گے اور آلات موسیقی کو استعمال کریں گے۔ امام دوقی نے آلات موسیقی کی تحریم کے دلائل بہت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

بعض صوفیاء نے مزامیر اور دیگر آلات موسیقی کے جواز میں رسائل لکھے ہیں اور ان میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم' تابعین' علماء عاملین اور ان کے مقلدین پر حیرت ناک افتراء باندھا ہے اور بہتان تراشا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جس کے ساتھ لھو و لعب کرتا ہے اس کو خواہش کے گڑھے میں گرا دیتا ہے' سو وہ حق سے بہت بعید ہوتا ہے اور تصوف سے ہزار ہا میل دور ہوتا ہے' لہٰذا اگر بعض اکابر آلات موسیقی کے استعمال کو حلال کہیں تو تم ان کے قول سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ قول ائمہ مذاہب اربعہ اور دیگر مستند فقہاء کبار کے اقوال کے خلاف ہے' اور ہر شخص ان فقہاء کے قول پر عمل کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کو ترک کر دے گا' اور جس شخص کو عقل سلیم دی گئی ہے اور اس کا دل باطل

خواہشوں سے پاک ہے اس کو اس میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ آلات موسیقی سے ساز اور آواز کو سننا دین میں سے نہیں ہے اور یہ سید المرسلین وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقاصد سے کوسوں دور ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۷۔۱۰۸ ملخصاً وموضحاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

غناء اور سماع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق

مسئلہ: راگ یا مزامیر کرانا یا سننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ اس فعل کا مرتکب فاسق ہے یا نہیں۔

جواب: مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہیں جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح اون کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلۂ عالیۂ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا بہم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافترا ہے حضرت سیدی فخر الدین زراوی قدس سرہٗ کہ حضور سیدنا محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدنیا والدین محمد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلۂ خلفا سے ہیں جنہوں نے خاص عہد کرامت مہد حضور ممدوح میں بلکہ خود بحکم حضور والا مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا اپنے اسی رسالہ میں فرماتے ہیں سمع بعض المغلوبين السماع مع المزامير في غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضي الله تعالى عنهم فبرئ عن هذه التهمة وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالى یعنی بعض مغلوب الحال لوگوں نے اپنے غلبۂ حال وشوق میں سماع مع مزامیر سنا اور ہمارے پیران طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سننا اس تہمت سے بری ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی جل وعلا سے خبر دیتے ہیں انتہیٰ۔ بلکہ خود حضور ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ملفوظات شریفہ فوائد الفواد وغیرہا میں جابجا حرمت مزامیر کی تصریح فرمائی۔ بلکہ حضور والا صرف تالی کو بھی منع فرماتے کہ مشابہ لہو ہے بلکہ ایسے افعال میں عذر غلبہ حال کو بھی پسند نہ فرماتے کہ مدعیان باطل کو راہ نہ ملے والله يعلم المفسد من المصلح فرضي الله عن الائمة ما انصحهم للامة یہ سب امور ملفوظات اقدس میں مذکور و ماثور' فوائد الفواد شریف میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ مزامير حرام است كما نقل احمد عنه رضي الله تعالى عنه سيدي الشيخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوي رحمة الله تعالى عليهم وعلينا بهم آمين حضور ممدوح کے یہ ارشادات عالیہ ہمارے لیے سند کافی اور ان اہل ہوا وہوس مدعیان چشتیت پر حجت وافی۔ ہاں جہاد کا طبل سحری کے نقارہ حمام کا بوق اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہیں کہ یہ آلات لہو ولعب نہیں' یوہیں یہ بھی ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمات نفس وکدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہو کر فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو گئے کہ لا يقولون الا الله ولا يسمعون الا الله بل لا يعلمون الا الله بل ليس هناك الا الله اون میں کسی نے بحالت غلبہ حال خواہ عین الشریعۃ الکبریٰ تک پہنچ کر از انجا کہ اون کی حرمت بعینہا نہیں وانما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى بعد وثوق تام واطمینان کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو ولہٰذا فاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی ردالمحتار میں زیر قول درمختار ومن ذلك (اى من الملاهي) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبه فلا باس به كما اذا ضرب في ثلثة اوقات لتذكير ثلاث نفخات الصور الخ فرماتے ہیں هذا يفيد ان الة اللهو ليست بحرمة بعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا ترى ان ضرب تلك الالة بعينها حل تارة و حرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بسماعها امورا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض

بالانکار کہے لا یحرم برکتهم فانهم السادة الاخیار امدنا الله تعالی بامداداتهم واعاد علینا من صالح دعواتهم وبرکاتهم.

اقول بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب العزۃ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے پھر جب میں اوسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اوس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اوس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اوس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اوس کا وہ پاؤں جس سے چلتا ہے انتہیٰ۔ اب کہیے کون کہتا اور کون سنتا ہے آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہ کہا انی انا الله رب العلمین۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود یہی حال سننے کا ہے ولله الحجة البالغة مگر اللہ اللہ یہ عباد اللہ کبریت احمر وکوہ یاقوت ہیں اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو اون کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہو سکتا کما افاده المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الهمام رحمة الله تعالی علیه فی اخر الحج من فتح القدیر فی مسئلة الجواز نہ یہ مدعیان خامکار اون کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز فانها اکذب ما یکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرالینا صحیح ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ جہاں اوس کا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات فاعل سے بحث نہ کیجئے هذا هو الانصاف فی امثال الباب والله الهادی الی سبیل الصواب. سماع مجرد بے مزامیر اوس کی چند صورتیں ہیں اول: رنڈیوں ڈومنیوں محل فتنہ امردوں کا گانا۔ دوم: جو چیز گائی جائے معصیت پر مشتمل ہو مثلاً فحش یا کذب یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو یا شراب وزنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالتعیین تعریف حسن یا کسی معین عورت کا اگرچہ مردہ ہو ایسا ذکر جس سے اوس کے اقارب احبا کو حیا و عار آئے۔ سوم: بطور لہو ولعب سنا جائے اگرچہ اوس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو تینوں صورتیں ممنوع ہیں الاخیرتان ذاتا والاولی ذریعة حقیقة ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث کل لعب ابن ادم حرام الا ثلثة کافی ہے ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ نہ لہو ولعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام گائیں بلکہ سادے عاشقانہ گیت غزلیں ذکر باغ و بہار و خط و خال ورخ و زلف وحسن وعشق وہجر ووصل ووفائے عشاق وجفائے معشوق وغیرہا امور عشق وتغزل پر مشتمل سنے جائیں تو فساق وفجار واہل شہوات دنیہ کو اس سے بھی روکا جائے گا وذلک من باب الاحتیاط القاطع والنصح الناصح وسد الذرائع المخصوص به هذا الشرع البارع والدین الفارع اسی طرح حدیث الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل ناظر. رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الملاهی عن ابن مسعود والبیهقی فی شعب الایمان عن جابر رضی الله تعالی عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہیے تو دور نہیں گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو ابھارتا ہے جب دل میں بری خواہش بے ہودہ آلائشیں ہوں تو انہیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا ورسول سے مملو ہیں اون کے اس شوق محمود وعشق مسعود کو افزائش دے گا وحکم المقدمة حکم ما هی مقدمة له انصافا ان بندگان خدا کے حق میں اوسے ایک عظیم دینی کام ٹھہرانا کچھ بے جا نہیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے لیس فی القدر المذکور من السماع ما یحرم بنص ولا اجماع

وانما الخلاف فی غیر ماعین والنزاع فی سوی ما بین وقد قال بجواز السماع من الصحابة والتابعین جم غفیر (الی ان قال) اما سماع السادة الصوفیة رضی اللہ تعالی عنہم فبمعزل عن ھذا الخلاف بل و مرتفع عن درجة الاباحة الی رتبة المستحب کما صرح بہ غیر واحد من المحققین یہ اوس چیز کا بیان تھا جسے عرف میں گانا کہتے ہیں اور اگر اشعار حمد و نعت و منقبت و وعظ و پند و ذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں بلکہ پڑھنا کہتے ہیں تو اس کے منع پر تو شرح سے اصلاً دلیل نہیں حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خاص مسجد اقدس میں منبر رکھنا اور اون کا اوس پر کھڑے ہو کر نعت اقدس سنانا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کا استماع فرمانا خود حدیث صحیح بخاری شریف سے واضح اور عرب کے رسم حدی زمانہ صحابہ و تابعین بلکہ عہد اقدس رسالت میں رائج رہنا خوش الحانی رجال کے جواز پر دلیل لائح انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدی پر حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے انکار نہ فرمایا بلکہ بلحاظ عورات رویدک یا انجشہ لا تکسر القواریر ارشاد ہوا کہ اون کی آواز دلکش و دل نواز تھی عورتیں نرم نازک شیشیاں ہیں جنہیں تھوڑی ٹھیس بہت ہوتی ہے' غرض مدار کار تحقق و توقع فتنہ ہے جہاں فتنہ ثابت وہاں حکم حرمت جہاں توقع و اندیشہ وہاں بنظر سد ذریعہ حکم ممانعت جہاں نہ یہ نہ وہ بلکہ بہ نیت محمود استحباب موجود۔ بحمد اللہ یہ چند سطروں میں تحقیق نفیس ہے کہ انشاء اللہ العزیز حق اس سے متجاوز نہیں نسال اللہ سوی الصراط من دون تفریط ولا افراط واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/ اص ۵۶ ـ ۵۴ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عبارت ہر چند کہ کافی دقیق اور علمی ہے اور ہم ایسے عام لوگوں کی ذہنی سطح سے بلند ہے' تاہم اعلیٰ حضرت نے وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے قرآن مجید کی آیات' احادیث صحیحہ اور مفسرین' محدثین' ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عبارات کو آسان انداز میں پیش کر چکے ہیں' عوام کے لیے یہ کافی ہے اور اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ سے اقتباس پیش کر دیا ہے' شرح صحیح مسلم جلد ثانی ص ۶۷۷ ـ ۷۰۲ میں بھی اس مسئلہ پر لکھا ہے لیکن یہاں اس سے مختلف انداز میں اور زیادہ جامعیت کے ساتھ لکھا ہے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں O ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (لقمان: ۹ ـ ۸)

کفار کی سزا کے ذکر اور مومنوں کی جزا کے ذکر کا تقابل

اس سے پہلی دو آیتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے کافر معاند کے حال کا بیان فرمایا تھا کہ جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ موڑ لیتا ہے' اور ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا استقبال کرتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' کفار ان آیتوں سے پیٹھ موڑ لیتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں مومنین ان آیتوں کو قبول کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں' جو شخص ان آیات کو سن کر قبول کرے اور ان پر عمل کرے تو اس کا درجہ اس شخص سے زائد ہوگا جو ان آیتوں کو قبول تو کرے لیکن ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے عذاب کا ذکر کیا تو واحد کا صیغہ ذکر فرمایا کہ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے اور مومنین کے ثواب کا ذکر کیا تو جمع کے صیغہ کے ساتھ کیا کہ ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں' اور عذاب کے ساتھ صراحۃً دوام اور خلود کا ذکر نہیں فرمایا اور مومنوں کے ثواب میں دوام اور خلود کا ذکر فرمایا: کہ ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' پھر اس کی مزید

تا کید فرمائی کہ یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے۔ کافروں کے عذاب کے ساتھ بشارت کا ذکر فرمایا اور بشارت اس چیز کی دی جاتی ہے جو بہت عظیم ہو یعنی کافروں کو بہت عظیم عذاب دیا جائے گا' اور مومنوں کے اجر و ثواب میں نعمت والی جنتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ بشارت کا ذکر نہیں فرمایا' یعنی ہر چند کہ جنت بھی بہت بڑا اجر و ثواب ہے لیکن بشارت اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور رضا کی دی ہے فرمایا:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ (التوبہ: ۲۱)

ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور اپنی رضا کی بشارت دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف جنت کے ساتھ بھی بشارت کا ذکر فرمایا ہے:

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰)

اور اس جنت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا ذکر ہے اور بشارت کا تعلق اس مہمانی کے ساتھ ہے' وہ آیتیں یہ ہیں:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۲-۳۱)

تمہاری دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے کارساز تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے' جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا اور جس کو تم طلب کرو گے ○ یہ غفور رحیم کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے' اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے ○ یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! پس مجھے وہ دکھاؤ جو اللہ کے ماسوا دوسروں نے پیدا کیا ہے بلکہ ظالم کھلی گم راہی میں ہیں ○ (لقمان: ۱۱-۱۰)

آسمانوں کا مستدیر (گول) اور ایک دوسرے سے منفصل ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا ہے' آسمانوں کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علما نے کہا آسمان صفحہ قرطاس کی طرح چپٹے ہیں جیسے کوئی ہموار سطح ہو' اور اکثر علماء نے کہا آسمان گول ہیں یہ آسمان جو ہمیں نظر آ رہا ہے یہ زمین پر محیط ہے اور اس پر دوسرا آسمان جو اس کو محیط ہے علیٰ ہذا القیاس سات آسمان ہیں اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو محیط ہے جیسے پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں' لیکن پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور ساتوں آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے اوپر ایک بادل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ بادل ہے! یہ زمین پر پانی برسانے والا ہے' اللہ تعالیٰ اس بادل کو اس قوم کی طرف بھیج دیتا ہے جو اس کا شکر ادا کرتی ہے نہ اس کو پکارتی

ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ آسمان دنیا ہے' محفوظ چھت ہے اور (گرنے سے) روکی ہوئی موج ہے' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے اوپر ایک اور آسمان ہے اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمانوں کو گنا' اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے' انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے' اس کے اور (ساتویں) آسمان کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے' پھر آپ نے پوچھا کیا تم جانتے کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا اس کے نیچے زمین ہے' پھر آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور ان دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات زمینوں کو گنا اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اگر تم سب سے نچلی زمین کی طرف رسی لٹکاؤ تو اللہ تعالیٰ پر اترے گی (یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت ہر جگہ کو محیط ہے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ (الحدید:۳)

وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۵۷۸' کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۴۳' العلل المتناہیہ رقم الحدیث: ۹)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سات زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہیں اور یہ ساتوں زمینیں اسی کرۂ ارض میں ہیں اور چونکہ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اس لیے پہلی زمین سے ساتویں زمین تک کی مسافت پانچ سو سال میں قطع ہونی چاہیے' اب اس پر اشکال یہ ہے کہ ہوائی جہاز اس پورے کرۂ ارض کے گرد زیادہ سے زیادہ دو دن میں چکر لگا لیتا ہے' کیونکہ انسان دو دن سے کم کی مسافت میں پاکستان سے امریکا پہنچ جاتا ہے حالانکہ اس حدیث کے اعتبار سے یہ مسافت پینتیس (۳۵) سو سال میں قطع ہونی چاہیے یا اوپر اور نیچے کا کوئی اور معنیٰ ہو جو فی الحال ہماری علمی دسترس سے باہر ہے کیونکہ کائنات کے بارے میں دن بدن نت نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔

آسمانوں کے مستدیر (گول) ہونے پر اس آیت میں دلیل ہے:

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (الانبیاء: ۳۳)

ان میں سے ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے (گردش کر رہا ہے)۔

اور فلک اس چیز کو کہتے ہیں جو مستدیر ہو' علامہ جار اللہ محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے:

الفلک: ستارے کے گردش کرنے کی جگہ۔ (الفائق ج ۳ ص ۵۱' النہایہ ج ۳ ص ۳۲۴' مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۷۸)

المنجد کے مترجمین نے لکھا ہے: ستاروں کے چکر لگانے کی جگہ' ہر چیز کا گول اور بڑا حصہ' موج دریا' جہاں پانی ہر طرف سے چکر کھا کر جمع ہونے لگے' الفلکۃ ایک آسمان' ہر وہ چیز جو ابھری ہوئی بلند اور گول ہو' فلکۃ المغزل چرخے کا تکلہ' سوت کاتنے کی جگہ۔ (المنجد اردو ص ۷۶۲)

زمین کا متزلزل نہ ہونا اس کی حرکت کے منافی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو۔

یعنی آسمان کسی ایسی چیز پر قائم نہیں ہیں جو ان کو اپنی جگہ سے زائل ہونے سے روک رہی ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے۔

یعنی زمین کو بھی اپنے مدار پر قائم رکھا ہے اور وہ بھی دیگر سیاروں کی طرف اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے۔

اور فرمایا: اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔

یعنی زمین کا اپنے مدار میں گردش کرتے رہنا اور اس کا متزلزل نہ ہونا اس میں مختلف جانداروں کے سکون اور ان کے چلنے پھرنے کا سبب ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب زمین گردش کر رہی ہے تو ہم ہلتے جلتے کیوں نہیں؟ اور چکر کھا کر گر کیوں نہیں جاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ بہت بڑے بڑے بحری جہاز میں جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ بھی اس میں پرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور ان کو اس کی حرکت کا پتا نہیں چلتا بلکہ ہوائی جہاز میں جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ بھی اس میں پُرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور ان کو اس کی حرکت کا پتا نہیں چلتا تو زمین تو بحری جہاز اور ہوائی جہاز سے کروڑھا اور ارب ھا درجہ بڑی ہے اس کو حرکت اور گردش سے زمین والوں کے سکون اور ان کے چلنے پھرنے میں کب فرق آ سکتا ہے!

اس کے بعد فرمایا: اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے O

اللہ تعالیٰ نے زمین' آسمان اور پانی کا ذکر کیا ان کی حرکت طبعی ہے اختیاری نہیں ہے اور حیوانوں کا ذکر کیا ان کی حرکت اختیاری اور ارادی ہے' یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے خواہ اس کی حرکت طبعی ہو یا اختیاری ہو!

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلائل

جب اللہ تعالیٰ کی صناعی اور اس کی قدرت میں غور کیا جائے تو عقلاء کی عقلیں اور اذکیاء کی فہمیں حیران رہ جاتی ہیں' جب انسان درختوں کے عجائبات اور ان کے خواص' ان کے فوائد اور ان کے نقصانات' ان کے پتوں' پھولوں اور پھلوں کے مختلف رنگوں' ان کی مختلف خوشبوؤں اور ان کے مختلف ذائقوں پر غور کرتا ہے تو اس کو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب یونہی اتفاق سے نہیں پیدا ہو گیا ہے' ان سب کو ایک زبردست مدبر اور حکیم نے بنایا ہے' اور ان تمام چیزوں کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ ان چیزوں کا بنانے والا واحد ہے اگر ان کے بنانے والے متعدد ہوتے تو ان میں یکسانیت اور نظم نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور حیوانات اور نباتات کا جو ذکر فرمایا ہے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! تو اے مشرکو! مجھے دکھاؤ کہ جن کو تم نے عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا ہے انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

توحید کی فضیلت اور شرک کی مذمت

جاننا چاہیے کہ عقائد میں سب سے افضل عقیدہ توحید کا ہے' اور تمام بدعقیدگیوں میں سب سے بری بدعقیدگی شرک کی

ہے' اسی طرح تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے اور تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے' توحید کا ایسا نور ہے جو موحدین کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور شرک ایک ایسی آگ ہے جو مشرکین کی تمام نیکیوں کو جلا ڈالتی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے) وہ جنت میں داخل ہو جائے گا' میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو! میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو' اور خواہ اس نے چوری کی ہو! میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو' آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو' ابوالدرداء کی ناک کو خاک آلود کرتے ہوئے! پھر میں باہر نکلا تا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کروں' تو میری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' حضرت عمر نے کہا واپس جاؤ' اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تو وہ صرف اسی قدر کہنے پر تکیہ کر لیں گے' میں نے واپس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ نے فرمایا عمر نے سچ کہا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۲ طبع قدیم' رقم الحدیث: ۲۷۵۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۳۶۴' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث سے اللہ کو واحد ماننے اور شرک نہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ اس کی جزاء جنت ہے' اس حدیث میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو برحق مانا جائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے محمد رسول اللہ (الفتح: ۲۹) اسی طرح اس حدیث میں باقی احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا بھی ذکر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو برحق ماننا ان تمام احکام کے ماننے کو مستلزم ہے' اور یہ جو فرمایا کہ موحد خواہ زنا کرے خواہ چوری کرے وہ جنت میں داخل ہو گا یہ عام ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے فضل محض یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ابتداءً جنت میں داخل ہو خواہ اپنی بداعمالیوں کی سزا پا کر بعد میں تاخیر سے جنت میں داخل ہو' نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اوقات اکابر' اصاغر کے قول کی طرف رجوع کر لیتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے قول کی طرف رجوع فرما لیا' اور یہ کہ عام لوگوں کے سامنے بشارت کے بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے تا کہ وہ کسی بشارت کا غلط مفہوم نہ سمجھ لیں یا وضاحت کر کے بشارت کو بیان کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ

فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے' حمد کیا ہوا ہے O اور جب لقمان نے اپنے بیٹے

لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا' بے شک شرک کرنا ضرور سب سے

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ

بڑا ظلم ہے O اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا؛ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری

وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ

برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے (اور یہ کہ تو) میرا شکرادا کر اور اپنے والدین کا

الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ

(تو نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے O اور اگر وہ تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے

بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ

علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور اس کے طریقہ

سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو' پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے سو میں تم کو ان کاموں کی خبر

تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

دوں گا جو تم کرتے تھے O (لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی

فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا

چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمینوں میں' تو اللہ اس کو لے آئے گا بے شک اللہ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿١٦﴾ يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ

ہر باریکی کا جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O اے میرے پیارے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا

بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ

حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا'

إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں O اور لوگوں سے تکبر کے ساتھ اپنا چہرہ نہ پھیرنا

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۱۸﴾

اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا' بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا O

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ

اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں

لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿۱۹﴾

سب سے بُری آواز گدھے کی ہے O

ع ۸ / ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۱۲)

حکیم لقمان کا تعارف

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشا پوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

امام النحاس اور امام محمد بن اسحاق نے لقمان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: لقمان بن باعوراء بن ناحور بن تارح (تارح حضرت ابراہیم کے والد ہیں)۔

اور سہیلی نے اس طرح بیان کیا ہے: لقمان بن عنقاء بن سرون ۔ یہ ایلہ کے رہنے والے تھے۔

وہب بن منبہ نے کہا یہ حضرت ایوب کے بھانجے تھے' مقاتل نے کہا یہ حضرت ایوب کے خالہ زاد بھائی تھے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آزر کی اولاد سے تھے' یہ ایک ہزار سال زندہ رہے' انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا' حضرت داؤد علیہ السلام کے اعلان نبوت سے پہلے یہ فتویٰ دیا کرتے تھے' جب حضرت داؤد علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے تو انہوں نے فتویٰ دینا بند کر دیا۔

امام واقدی نے کہا کہ لقمان بنی اسرائیل میں قاضی تھے' سعید بن میتب نے کہا لقمان مصر کے سیاہ فام حبشیوں میں سے تھے ان کے ہونٹ موٹے موٹے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی اور نبوت کو ان سے روک لیا (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۳۰) اور جمہور علماء اور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ لقمان ولی تھے اور نبی نہیں تھے (اور حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور صرف ولی نہ تھے) البتہ عکرمہ اور شعبی کا یہ قول ہے کہ لقمان نبی تھے (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۳۵) اور صحیح یہ ہے کہ لقمان حکیم تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی تھی' عقائد' فقہ فی الدین اور عقل کے نزدیک یہی صحیح ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لقمان بنی اسرائیل میں قاضی تھے' سیاہ فام تھے' دونوں پیر پھٹے ہوئے تھے اور موٹے موٹے ہونٹ تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لقمان نبی نہ تھے لیکن وہ بہت غور وفکر کرنے والے بندے تھے۔ ان کا عقیدہ عمدہ تھا وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا محبوب بنا لیا (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۳۸۴) اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا خلیفہ بنا دے جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے' تو انہوں نے کہا اے میرے رب جب تو نے مجھے اختیار دیا ہے تو میں عافیت کو قبول کرتا ہوں اور آزمائش کو ترک

کرتا ہوں اور اگر تو نے مجھے اپنا خلیفہ (نبی) بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تیرا حکم سنوں گا اور تیری اطاعت کروں گا' بے شک تو عنقریب میری حفاظت فرمائے گا' فرشتوں نے لقمان سے پوچھا (جب کہ وہ فرشتوں کی آواز سن رہے تھے اور ان کو دیکھ نہیں رہے تھے) اے لقمان اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا حاکم کا کام سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہوتا ہے اس کو ہر طرف سے مظلوم گھیر لیتے ہیں۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرے تو نجات پا لیتا ہے اور اگر وہ خطاء کرے تو جنت کے راستہ سے خطا کرتا ہے' اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے اس کو دنیا ملتی ہے نہ آخرت' فرشتوں کو ان کے کلام سے بہت تعجب ہوا پھر وہ سو گئے تو ان کو حکمت دی گئی اور جب وہ بیدار ہوئے تو حکمت کے ساتھ کلام کر رہے تھے' پھر اس کے بعد حضرت داؤد کو ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت کو قبول کر لیا اور انہوں نے لقمان کی طرح کوئی شرط عائد نہیں کی' سو انہوں نے کئی مرتبہ فیصلہ میں (اجتہادی) خطاء کی اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اور ان کو معاف فرما دیا اور لقمان ان کو اپنے علم اور حکمت سے مشورے دیتے تھے' ان سے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے لقمان تم کو مبارک ہو تم کو حکمت دی گئی اور تم سے آزمائش دور کر دی گئی ہے' حضرت داؤد کو خلافت دی گئی اور ان کو آزمائش کو مبتلا کر دیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۲' رقم الحدیث: ۴۱۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' تفسیر الثعالبی ج ۴ص ۳۱۹)

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ لقمان درزی کا کام کرتے تھے۔

(الکشف والبیان ج ۷ص ۳۱۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۵۷۔۵۵' تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۴۸۶۔۴۸۵)

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو حکمت اور نبوت کے درمیان اختیار دیا تو انہوں نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کو اختیار کیا جس وقت وہ سوئے ہوئے تھے ان کے پاس جبریل آئے اور ان پر حکمت القاء کر دی' وہ صبح حکمت کے ساتھ کلام کر رہے تھے' ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کو کیوں اختیار کیا' حالانکہ آپ کو آپ کے رب نے اختیار دیا تھا' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ مجھے بلا اختیار نبوت عطا فرماتا تو مجھے امید تھی کہ میں فرائض نبوت کی ادائیگی میں کامیاب رہتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید میں بار نبوت کو نہ اٹھا سکوں تو پھر میرے نزدیک حکمت زیادہ پسندیدہ ہوئی۔ (رقم الحدیث: ۱۷۵۳۳)

وہب بن منبہ سے سوال کیا گیا آیا: لقمان علیہ السلام نبی تھے؟ انہوں نے کہا نہیں ان کی طرف وحی نہیں کی گئی لیکن وہ نیک شخص تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۳۴)

حکمت کے معانی' اس کی تعریفات اور اس کے اطلاقات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حکمت سے مراد عقل' فہم اور ذہانت ہے' الفریابی' امام احمد' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے: عقل' فقہ اور درست بات کہنا حکمت ہے' امام راغب اصفہانی نے کہا موجودات کی معرفت اور نیکیوں کا کام حکمت ہے' امام رازی نے کہا علم کے مطابق عمل کی توفیق حکمت ہے' ابو الحیان اندلسی نے کہا: جس کلام سے نصیحت حاصل ہو اور انسان اس کلام سے متنبہ ہو' اور لوگ اس کلام کو نقل کریں وہ حکمت ہے' ایک قول ہے علم اور عمل میں پختگی حکمت ہے' ایک اور قول یہ ہے کہ علوم نظریہ کے حصول کے بعد نفس کے کمال کا حصول اور بہ قدر طاقت اچھے کاموں کرنے کی مہارت' یہ حکمت ہے' اور حکماء نے کہا بہ قدر طاقت بشریہ' واقع کے مطابق حقائق اشیاء کی معرفت یہ حکمت

حکمت کی اور بھی بہت تعریفیں ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۶۔ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

بعض علماء نے کہا حکمت یہ ہے کہ انسان کو اس چیز کی معرفت ہو کہ کون سی چیز اس کے لیے مفید ہے اور کون سی چیز اس کے لیے مضر ہے' مفسرین نے کہا حکمت یہ ہے کہ انسان کو احکام شرعیہ کی معرفت ہو' محدثین نے کہا وہ نور جس سے الہام اور وسوسہ میں فرق ہو وہ حکمت ہے یا سرعت کے ساتھ صحیح جواب دینا حکمت ہے' یا بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو' نفس کی اصلاح کا علم ہو اور اس کے تقاضے پر عمل کرے اور نفس کے بگاڑ اور فساد سے بچے یہ حکمت ہے' صوفیاء نے کہا نفس اور شیطان کی آفات کی معرفت حکمت ہے' یا ایسی قوت عقلیہ عملیہ جو چالاکی اور حماقت کے درمیان متوسط ہو۔

قرآن مجید میں حکمت کا اطلاق حسب ذیل معانی پر کیا گیا ہے:

نصیحت پر: حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (القمر: ۵) — یہ جامع نصیحت ہے' پس عذاب سے ڈرانے والی آیات نے (ان کو) کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

سنت پر: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ: ۱۵۱) — وہ تم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

عقل و فہم پر: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (لقمان: ۱۲) — اور ہم نے لقمان کو عقل اور فہم عطا کی۔

نبوت پر: وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص: ۲۰) — اور ہم نے داؤد کو نبوت عطا کی تھی اور مقدمات کے فیصلہ کی صلاحیت۔

حکمت کا اطلاق دلائل پر' عام فہم مثالوں پر' ثواب کی بشارت دینے اور عذاب سے ڈرانے پر بھی کیا گیا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: ۱۲۵) — دلائل دے کر' مثالوں سے سمجھا کر اور ثواب کی بشارت دے کر اللہ کے راستہ کی دعوت دیجئے۔

علوم قرآن اور تفقہ فی الدین پر:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ: ۲۶۹) — اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے' اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی۔

ذہانت' فقہ' علم' سکون اور اطمینان' غور و فکر اور بصیرت' ان سب پر حکمت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حماقت' طیش' عجلت' خواہش کی پیروی' غفلت' جہالت اور غباوت یہ سب حکمت کی ضد ہیں۔

حکیم لقمان کی حکمت آمیز باتیں

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کا لقمان کے پاس سے گزر ہوا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے' اس نے کہا تم وہ سیاہ فام شخص نہیں ہو جو فلاں علاقے میں بکریاں چرایا کرتا تھا' لقمان نے کہا' ہاں! کیوں نہیں! اس نے پوچھا پھر تم کو یہ حکمت اور دانائی کیسے ملی؟ انہوں نے کہا سچ بولنے سے' امانت داری سے اور فضول اور غیر متعلق باتوں کو چھوڑنے سے۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ لقمان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بدتر کون ہے؟ لقمان نے کہا وہ شخص جس کو اس کی پروانہ ہو کہ لوگ اس کو برا کام کرتے ہوئے دیکھ لیں گے! اور لقمان سے کہا گیا کہ تم کتنے بدصورت ہو! لقمان نے کہا تم نقش

میں عیب نکال رہے ہو یا نقاش میں؟ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۸۔۳۱۶، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اے بیٹے! یہ دنیا گہرا سمندر ہے اور اس میں بہت لوگ غرق ہو چکے ہیں، تم اس میں خوف خدا کو، ایمان اور احکام شرعیہ کو اور اللہ پر توکل کو اپنی کشتی بنا لو تو نجات پا لو گے، ورنہ مجھے تمہاری نجات کی توقع نہیں، جو شخص اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہے تو اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے، جو شخص خود اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرتا رہے تو اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ذلت اٹھانا اس کی معصیت میں عزت سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اللہ تم کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرے گا، جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے، جس آدمی کا خلق اچھا نہیں ہوتا اس کی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں، کسی چٹان کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا کسی بے وقوف کو مسئلہ سمجھانے سے زیادہ آسان ہے، میں نے بھاری چیزوں کو برداشت کیا لیکن بد اخلاق پڑوسی سے زیادہ ناقابل برداشت کوئی چیز نہیں، جنازوں میں جاؤ اور شادیوں میں نہ جاؤ، کیونکہ جنازہ تم کو آخرت کی یاد دلائے گا اور شادی تم میں دنیا کی خواہش پیدا کرے گی، شکم سیری سے زیادہ کھانے سے بہتر ہے کہ تم فالتو کھانا کتے کو ڈال دو، اتنے میٹھے نہ بنو کہ نگل لیے جاؤ اور اتنے کڑوے نہ بنو کہ اگل دیئے جاؤ، اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنے معاملات میں علماء سے مشورے کرو، جب تک تم علم کے تقاضے پر عمل نہ کرو تمہارے علم حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھالے اور اس کو اتارنے سے پہلے ایک اور گٹھا اٹھالے، اس کو بوجھ سے ہانپنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، تم لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور کشادہ روئی اور ہنستے چہرے کے ساتھ ان سے ملاقات کرو تو لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے، تم لوگوں سے اس طرح ملو جیسے تم کو ان سے کوئی غرض نہیں ہے، لوگوں سے اپنی تحسین چاہو نہ ان کی مذمت کی پرواہ کرو، آرام سے رہو گے، اپنا منہ بند رکھو جب تک خاموش رہو گے سلامت رہو گے، تم صرف وہی بات کرو جو تمہارے لیے مفید ہو۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۷۔۱۲۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت آمیز احادیث

ہم نے اس سے پہلے حکیم لقمان کی حکمت آمیز باتوں کا ذکر کیا ہے، اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایسی احادیث ذکر کریں جو سراسر حکمت ہیں، فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو زیادہ تر لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جس شخص نے مشتبہ چیزوں میں ہاتھ ڈال دیا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سرکاری چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے، خطرہ ہے کہ اس کے جانور سرکاری چراگاہ میں گھس جائیں گے، سنو ہر بادشاہ کی ایک خاص چراگاہ ہوتی ہے، اور اس زمین میں اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں، اور سنو جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے، سنو وہ دل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث ۴۴۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۸۴، مسند احمد رقم الحدیث ۱۸۵۵۸، عالم الکتب بیروت)

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس چیز کا ضامن ہو

جائے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کا ضامن ہو جائے جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی فرج) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۷۴)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا' وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا ہو وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمیوں پر اللہ اس دن اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے جوانی کو پہنچا (۳) وہ شخص جس کا دل مساجد میں لٹکا رہتا ہے (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں' وہ اللہ کی محبت میں ملتے ہوں اور اللہ کی محبت میں الگ ہوتے ہوں (۵) وہ شخص جس کو ایک اقتدار والی اور حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ آدمی جس نے چھپا کر صدقہ دیا حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۹۱)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے ہجرت کرے (دور رہے) جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۰' مسند احمد رقم الحدیث:۶۵۱۵' عالم الکتب)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اسلام کا کون سا وصف سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ہر واقف اور ناواقف کو کھانا کھلائے اور سلام کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۵۱۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۵۰۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۵۳)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت معاف کر دی جائے گی سوا ان کے جو علانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے' اور علانیہ گناہ یہ ہے کہ ایک آدمی رات کو کوئی گناہ کرتا ہے اور جب وہ صبح اٹھتا ہے تو اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ کیا ہوا ہوتا ہے اور وہ شخص خود اپنا پردہ فاش کر کے کسی کو کہتا ہے کہ اے فلاں شخص رات کو میں نے یہ یہ کام کیے تھے' حالانکہ رات کو اس کے رب نے اس پر ستر کیا ہوا تھا اور وہ صبح کو اللہ کا کیا ہوا پردہ فاش کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۹۰)

(۸) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھے' جب وہ راستہ میں ملیں تو ایک اس طرف منہ موڑ لے اور دوسرا اس طرف منہ موڑ لے' اور ان دونوں میں افضل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۶۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۹۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۳۲)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر بڑھائی جائے وہ رشتہ داروں میں میل جول رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۸۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۳)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان‘ مسلمان کا بھائی ہے‘ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے‘ اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں رہتا ہے‘ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا‘ اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۲‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۸۰‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۹۳‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۶‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۲۹۱)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم‘ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد تو کرتے ہیں ظالم کی کیسے مدد کریں‘ آپ نے فرمایا تم اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو‘ (یعنی اس کو ظلم نہ کرنے دو)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۴‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۵۵‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۱۶۷)

(۱۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ہر کام کے رئیس اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی کی خبر نہ دوں‘ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمام کاموں کا رئیس اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے‘ پھر فرمایا کیا میں تم کو ان تمام چیزوں کے مدار کی خبر نہ دوں! میں نے کہا کیوں نہیں! اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: تم اس کو روک کر رکھو‘ میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں کیا اس کی وجہ سے ہماری گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہیں تمہاری ماں روئے! جو چیز لوگوں کو دوزخ میں مونہوں کے بل یا نتھنوں کے بل گرائے گی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل ہی تو ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث‘ حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۶‘ مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸)

(۱۳) حضرت ابو کبشہ الانماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں‘ جو بندہ صدقہ دے گا اس کا مال کم نہیں ہوگا‘ جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ عزوجل اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے‘ اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے‘ اور میں تم کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں تم اس کو حفظ کر لو‘ دنیا صرف چار آدمیوں کے لیے ہے‘ ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دیا ہو اور وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہو‘ اور اس میں صلہ رحم کرتا ہو‘ اور اللہ تعالیٰ کے لیے برحق کام کرتا ہو‘ یہ منازل میں سب سے افضل ہے‘ اور ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور مال نہ دیا ہو اور وہ صدق نیت سے یہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس سے فلاں کام کرتا تو اس کو اپنی نیت سے اجر ملے گا اور وہ دونوں اجر میں برابر ہیں‘ اور ایک وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور علم نہیں دیا اور وہ اس مال کو خرچ کرنے میں مخبوط الحواس ہے‘ اپنے رب سے ڈرتا ہے نہ صلہ رحم کرتا ہے اور نہ اللہ کے لیے برحق کام کرتا ہے تو یہ منازل میں سب سے اخبث ہے‘ اور ایک وہ

بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے نہ علم دیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس سے فلاں (برا) کام کرتا' جیسے فلاں نے کام کیا ہے تو اس کو اس کی نیت کے اعتبار سے گناہ ہوگا اور یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۴۰' الترغیب للمنذری ج ا ص ۵۸' کنز العمال رقم الحدیث:۶۱۸۹' ۴۳۲۳۲' کامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۷۸۲)

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی اور ان کا مذاق بھی سنجیدگی ہے' نکاح' طلاق اور طلاق سے رجوع کرنا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۲۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۱۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۷' مشکوۃ رقم الحدیث:۳۲۸۴' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث:۱۶۰۳)

(۱۵) حضرت نافع بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دنیا میں مسلمان شخص کی سعادت سے تین خصلتیں ہیں: نیک پڑوسی' وسیع گھر اور اچھی سواری۔

(کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۲۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۴۶)

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دعائیں قبول ہوتی ہیں' روزہ دار کی دعا' مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۵۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۶۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۴۰۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۲۰' ۳۳۲۲' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۸۴)

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کاموں میں کسی ایک شخص کے لیے بھی رخصت نہیں ہے' والدین کے ساتھ نیکی کرنا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر' عہد کو پورا کرنا' خواہ مسلمان سے عہد ہو یا کافر سے' امانت کو ادا کرنا' خواہ مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۰' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۷۹۱)

(۱۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کے اخلاق میں سے ہیں جب کوئی شخص غضب میں آئے تو وہ غضب کی وجہ سے کوئی ناجائز کام نہ کرے اور جب کوئی شخص خوش ہو تو خوشی کی وجہ سے وہ حق سے تجاوز نہ کرے اور جب کسی شخص کو اقتدار ملے تو وہ کوئی ناجائز کام نہ کرے۔

(مجمع الزوائد ج ا ص ۵۹' اتحاف ج ۸ ص ۲۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۲۲۵)

(۱۹) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان سے ہیں' تنگ دستی میں خرچ کرنا' عام لوگوں کو سلام کرنا اور اپنے نفس سے انصاف کرنا۔

(مجمع الزوائد ج ا ص ۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۸۸۔۴۳۱۲۹۔۴۳۲۳۶)

(۲۰) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگ فقر میں مبتلا ہونے والے ہیں: ایسا امام کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو تو وہ شکر نہ کرے' اگر تم غلطی کرو تو وہ معاف نہ کرے' اور ایسا پڑوسی کہ اگر وہ اچھائی دیکھے تو اس کو چھپائے اور اگر وہ کوئی برائی دیکھے تو اس کا چرچا کرے' اور ایسی بیوی کہ اگر تم حاضر ہو تو وہ تم کو ایذاء پہنچائے اور اگر تم اس سے غائب ہو تو وہ تمہاری خیانت کرے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۷۸۵)

(۲۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو تین اوصاف دیئے گئے گویا

کہ اس کو آل داؤد کے اوصاف دیئے گئے جو غصہ اور خوشی کی حالت میں عدل کرنے' فقر اور غنا کے حال میں میانہ روی سے رہنے' اور خلوت اور جلوت میں اللہ سے ڈرتا ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۲۴)

(۲۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ میرا برحق دوست ہے اور جس نے ان تین چیزوں کو ضائع کیا وہ میرا برحق دشمن ہے' نماز' روزہ اور جنابت۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۲۱)

(۲۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اپنی رحمت سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا (وہ خصلتیں یہ ہیں:) جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو' جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو' جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۵' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۴' ج ۹ ص ۱۸۹' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۳۰۸' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۸' کامل ابن عدی ج ۳ ص ۱۱۲۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۱۵)

(۲۴) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ابدال میں سے ہے: وہ تقدیر پر راضی ہو' جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان پر صبر کرے اور اللہ عزوجل کی ذات کی وجہ سے غضب ناک ہو۔ (اتحاف ج ۸ ص ۳۸۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۹)

(۲۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ منافق ہے' خواہ وہ روزے رکھے' نماز پڑھے' حج کرے اور عمرہ کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں' وہ شخص جو بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کے خلاف کرے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۶' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۸۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۵۵' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۵۹۴' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۳۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۸۵۵)

(۲۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں میں تاخیر مت کرو' وقت آنے کے بعد نماز کی ادائیگی میں' جنازہ آنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنے میں' جب کفو مل جائے تو بے نکاح عورت کا نکاح کرنے میں۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲)

(۲۷) حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے تین چیزوں کا حساب نہیں لیا جائے گا: وہ جھونپڑی جس میں وہ سایا حاصل کرے' وہ روٹی کا ٹکڑا جس کو اپنی کمر قائم رکھنے کے لیے کھائے' وہ کپڑے کا ٹکڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۰۵)

(۲۸) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کاموں کا کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے' ایک آدمی کسی قوم کا امام ہو اور وہ صرف اپنے لیے دعا کرے' اگر وہ ایسا کرے گا تو ان کی خیانت کرے گا' اجازت طلب کرنے سے پہلے کسی کے گھر میں نہ جھانکے اگر اس نے ایسا کیا تو وہ ان کے گھر میں . خل ہو گیا' اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو روک رہا ہو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۰' مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۰۷۰' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۴۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۳۹۸)

(۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کی آنکھوں کو دوزخ کا

عذاب نہیں چھوئے گا' وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکال دی گئی' وہ آنکھ جو اللہ کی راہ کی حفاظت میں بیدار رہی' وہ آنکھ جو اللہ کے عذاب کے ڈر سے روئی۔

(المستدرک ج ۲ص ۸۲' الترغیب ج ۲ص ۲۵۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۳۸)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ (شعب الایمان ج ۱ص ۴۴۰' الفردوس للدیلمی ج ۲ص ۳۰۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۸۷۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۱' اس کی سند صحیح ہے)

(۳۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین کا رئیس حکم پر ہیز گاری ہے۔

(الکامل لابن عدی ج ۲ص ۱۵۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۲۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۳)

(۳۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا لوگوں سے محبت کرنا ہے اور ہر نیک اور بد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۰۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ص ۲۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۴)

(۳۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا لوگوں کے ساتھ نرم گفتگو کرنا ہے' دنیا کے نیک لوگ آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور دنیا کے برے لوگ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ص ۱۰۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۷۰)

(۳۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا حیاء اور اچھے اخلاق ہیں۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۰۷۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۷۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۷۵)

(۳۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی دی تو اس کے نصف دین پر اس کی اعانت کر دی اب اس کو باقی نصف دین میں اللہ سے ڈرنا چاہیے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ص ۱۶۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۴)

(۳۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی قلیل رزق پر اللہ سے راضی ہو جائے' اللہ قلیل عمل پر اس سے راضی ہو جاتا ہے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۸۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۵)

(۳۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے راضی ہو جائے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۵۶)

(۳۸) حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۹۸' المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۶۰)

(۳۹) حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بغیر فقر کے

سوال کیا' وہ گویا انگارے کھا رہا ہے۔اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۵' صحیح ابن خزیمہ ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۷۲۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۳۰)

(۴۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کا سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپالیا اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۳۲)

حکیم لقمان کے حکمت آمیز کلمات ذکر کرنے کے بعد میں نے چاہا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت آمیز احادیث کا بھی ذکر کروں' سو میں نے اس نوع کی چالیس احادیث ذکر کیں' حالانکہ اس نوع کی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث حکمت آمیز ہیں اور آپ کی کوئی حدیث حکمت سے خالی نہیں ہے' لیکن میں نے چالیس احادیث پہنچانے کی بشارت میں دخول اور شمول کی نیت سے یہ چالیس احادیث ذکر کی ہیں' چالیس احادیث کو پہنچانے کی بشارت کی احادیث میں نے تفصیل سے تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۴۔۱۸۳ میں ذکر کی ہیں تبرکاً اور تیمناً ایک حدیث کا یہاں بھی ذکر کر رہا ہوں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو ان کے دین کے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں' اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۲۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۴ ص ۱۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۸۳۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶' الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۳۴۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۳۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۵۶۳' ۲۰۵۶۲' کنز العمال رقم الحدیث ۲۸۸۱۷۔۲۹۱۸۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۵۸' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۱۸' البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۰)

میں نے شفاعت کی امید پر شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں متعدد موضوعات پر چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے حظ وافر عطا فرمائے اور اپنی مغفرت سے نوازے۔ (آمین)

حکیم لقمان کو شکر کرنے کی تلقین

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان سے فرمایا: تم اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے۔(لقمان: ۱۲)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان سے فرمایا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور زجاج نے اس کی تفسیر میں کہا اس کا معنی ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے' اور ایک تفسیر یہ ہے کہ لقمان کی حکمت ہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا' شکر کا معنی' حمد اور شکر کا فرق' شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور شکر کے متعلق احادیث اور آثار وغیرہ دیگر مباحث ہم تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۵۲۔۱۴۶ میں بیان کر چکے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی اجر و ثواب کے لیے کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے یعنی اس کو واحد نہیں مانتا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے وہ خود اپنی صفات پر حمد کرتا ہے' فرشتے حمد کرتے ہیں' انبیاء علیہم السلام اور نیک بندے حمد کرتے ہیں' اس کی مزید تفصیل کے لیے تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۵۳۔۱۵۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا' بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے O اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا (تو نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے O (لقمان: ۱۴۔۱۳)

حکیم لقمان کے بیٹے کا نام اور اس کا دین

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

حکیم لقمان کے بیٹے کے متعلق تین قول ہیں کلبی نے کہا ان کے بیٹے کا نام مشکم تھا' نقاش نے کہا ان کے بیٹے کا نام انعم تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے بیٹے کا نام بابان تھا' حکیم لقمان نے جس وقت اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی اس وقت وہ مشرک تھا۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۳۳۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حکیم لقمان کا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں کافر تھے' حکیم لقمان ان دونوں کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے' اس کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی بیوی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مسلمان ہو گئیں تھیں اور ان کی بیوی مسلمان نہیں ہوئی تھی۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی حکیم لقمان کے بیٹے اور بیوی کے متعلق اسی قول کو نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شرک کے ظلم عظیم ہونے کی توجیہ

نیز فرمایا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا حکیم لقمان کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ شرک کو سب سے بڑا ظلم اس لیے فرمایا کہ ظلم کا معنی ہے کسی کا حق دوسرے کو دے دینا جو اس حق کا مستحق نہ ہو' اور مستحق عبادت ماننا اللہ تعالیٰ کا حق ہے' اسی طرح اللہ ہی کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' پس اگر مخلوق میں سے کسی کا حق دوسرے غیر مستحق کو دے دیا جائے تو یہ بھی ظلم ہے' لیکن سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ کسی غیر مستحق کو دے دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو عبادت کا مستحق مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔

اسی کی دوسری توجیہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اس کی حکم عدولی کر کے انسان اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اس وجہ سے انسان عذاب کا مستحق ہوتا ہے لیکن دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا سو یہ انسان کا اپنی جان پر ظلم ہے لیکن سب سے بڑا ظلم نہیں ہے' اور جب انسان شرک کرتا ہے تو وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے' لہٰذا شرک کرنا انسان کا اپنی جان پر سب سے بڑا ظلم کرنا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا ہم میں سے کون ہے جو ظلم نہیں کرتا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان: ۱۳) بے شک شرک ضرور سب سے بڑا ظلم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۳۹۰)

لفظ عام سے عموم اور خصوص مراد لینے کا ضابطہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ نے الانعام: ۸۲ میں عام کو اپنے عموم پر قرار دیا تھا' اور ظلم سے ظلم کی تمام انواع کو مراد لیا تھا حتیٰ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں معمولی سی کمی کو بھی ظلم قرار دیا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم میں سے کون ظلم نہیں کرتا' اور اس پر قرینہ یہ تھا کہ اس آیت میں نکرہ حیّز نفی میں ہے' اور نفی کے بعد نکرہ مفید عموم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس آیت میں ظلم سے مراد اس کی خاص نوع ہے اور وہ شرک ہے کیونکہ وہ ظلم عظیم ہے' اور اس پر دلیل ہے کہ ظلم پر تنوین تعظیم کے لیے ہے اور اس سے مراد ظلم عظیم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۲۔۳۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ماں کے ساتھ زیادہ نیکی کرنے کی وجوہات

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ (لقمان: ۱۴)

اس سے پہلی آیت میں شرک کی ممانعت فرمائی تھی' اور عبادت کے قریب اطاعت ہے' تو بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت ہے' اور اگر والدین مشرک بھی ہوں پھر بھی ان کی خدمت اور اطاعت کی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں والدین یا کسی کی بھی اطاعت نہیں کی جائے گی اس وقت ان کے احکام کی خلاف ورزی کرنا واجب ہے۔

نیز فرمایا: اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کے تین درجے بیان فرمائے' اس نے کمزوری پر کمزوری برداشت کی' اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کو دودھ پلایا' اس وجہ سے ماں کو باپ پر تین درجہ فضیلت حاصل ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ماں کی تین درجہ زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا میرے حسن خدمت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے فرمایا تمہارا باپ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں لیکن اس پر قدرت نہیں رکھتا' آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس

نے کہا میری ماں زندہ ہے! آپ نے فرمایا تم ماں کے ساتھ نیکی کرو یہی اللہ کی راہ میں قتال ہے' جب تم یہ کر لو گے تو حج کرنے والے ہو' عمرہ کرنے والے ہو اور جہاد کرنے والے ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۴۶۳' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۱۶ھ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا میں نے سخت گرمی میں اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے دو فرسخ (نو انگریزی میل) سفر کیا وہ اتنی سخت گرمی تھی کہ اگر اس میں کچھ گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جاتا تو پک جاتا' تو کیا میں نے اس کا شکر ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا یہ تمہاری طرف ایک دفعہ کشادہ روئی سے دیکھنے کا بدلہ ہوا۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۵۵' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے آپ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت اللہ میں جا کر اس کی نچلی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا' آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دے دو' تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

(اس حدیث کو تمام نے روایت کیا ہے' عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے اہل و عیال بھی ہیں' میرا باپ ہے' میری ماں ہے' میرے حسن سلوک کا ان میں سے کون سب سے زیادہ مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اور تمہارا باپ اور تمہاری بہن اور تمہارا بھائی' پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۲۴' مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۱۶ھ)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پوچھا یا رسول اللہ! میں اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کی طلب کے لیے آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے! کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو' میں آپ کے پاس پھر دوسری جانب سے آیا اور میں نے آپ سے دوبارہ وہی سوال کیا' آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو' جب تیسری بار اسی طرح سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اپنی ماں کے پیروں کے پاس لازم رہو۔ اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۰۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۶۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۲۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (القضاعی ج ۱ ص ۱۱۹' الجامع للخطیب ج ۲ ص ۲۸۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۱۲۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۶۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۴۳۹' ج ۱۶ ص ۴۶۱)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ماں کا حق باپ کے حق پر مقدم ہے' کیونکہ حمل' وضع حمل اور دودھ پلانے کی مشقت اور صعوبت صرف ماں اٹھاتی ہے باپ نہیں اٹھاتا' اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے تین درجہ کے بعد باپ کا ذکر کیا' اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نیکی کرنے میں اور اطاعت کرنے میں ماں کا مرتبہ اور حق باپ سے زیادہ ہے' ماں اگر بلائے تو نفل نماز توڑ دینا مستحب ہے' فرض نماز کو نہیں' اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ماں' باپ یا کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وجوہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میرا شکر ادا کرو کیونکہ میں نے تم کو وجود عطا کیا اور خلق کیا' اور اللہ کا شکر ادا کرنا اس کی تعظیم تکبیر اور عبادت اور اطاعت سے ہوگا' اور ماں باپ کا شکر ادا کرو کیونکہ وہ اس دنیا میں تمہارے ظہور کا سبب ہیں اور ان کا شکر ان کی توقیر ان کی خدمت اور ان پر شفقت سے ہوگا' اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کو انسان کے والدین کے شکر کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے کیونکہ انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے وجود کا مجازی سبب اس کے والدین ہیں' اور انسان کو جس واسطے سے نعمت ملی ہے جب تک اس کا شکر ادا نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کو شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۰۷)

سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لیے دعا کی اس نے ماں باپ کا شکر ادا کر دیا' علامہ آلوسی نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا شکر ہے اسی طرح ماں باپ کے بعض احسانات کا شکر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۳۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو میرے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے' انہوں نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا نہیں! انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلہ رحم کرنا چاہتا ہو وہ اپنے باپ کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحم کرے' اور بات یہ ہے کہ میرے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمہارے باپ کے درمیان اخوت اور دوستی تھی اس لیے میں نے صلہ رحم کرنا پسند کیا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری کی شرط کے موافق ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی شب بارہ رکعات نماز پڑھی اور اس میں ہر رکعت میں ایک بار سورۃ فاتحہ پڑھی اور پانچ بار آیت الکرسی پڑھی اور پانچ بار سورۃ اخلاص پڑھی اور پانچ پانچ بار سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پندرہ بار استغفار کیا' اور اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا تو اس نے اپنے والدین کا حق ادا کر دیا خواہ وہ ان کا نافرمان ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو صدیقین اور شہداء کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ عراقی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے اس حدیث کو ابوموسیٰ المدینی اور ابومنصور الدیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

سید محمد بن محمد الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث قوت القلوب اور مسند الفردوس میں ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے' اس حدیث میں فوت شدہ رشتہ داروں کو ایصال ثواب کا بھی ثبوت ہے۔ والدین کے حقوق کے بارہ میں ہم البقرہ: ۸۳' النساء: ۳۶' الانعام: ۱۵۱ اور العنکبوت: ۸ میں زیادہ تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور ان کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۔ (لقمان:۱۴) یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پیر و استاذ علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے وہ مربی بدن ہیں اور یہ مربی روح' جو نسبت روح سے بدن کو ہے' وہ نسبت استاذ و پیر سے ماں باپ کو ہے جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں اس کی تصریح کی ہے' قرآن عظیم میں ماں باپ کا ذکر فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ ان کے برابر کسی کا حق نہیں بلکہ وہ آیہ کریمہ (ان اشکرلی ولوالدیک) جس میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو فرمایا' مربیان دین کا مرتبہ ماں باپ سے بہت زائد ہونے کی طرف اشارہ فرماتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تربیت دین نعمت عظمیٰ ہے اور اس کا شکر قطعاً فرض مگر ان کا شکر بعینہ شکر الٰہی عزوجل ہے اس واسطے انہیں ان اشکرلی (میرا شکر ادا کرو) میں داخل فرمایا ان کے بعد والدین کا ذکر ارشاد ہوا' ورنہ والدین کا حق نبی سے بھی بڑھ جائے گا کہ یہاں جس طرح استاذ و پیر کا ذکر نہیں نبی کا بھی ذکر نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۴۱' دارالعلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے حصول تعلیم کے لیے ادب سے درخواست کرنا

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ (الکہف: ۷۰-۶۶)

موسیٰ نے کہا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم میں سے مجھے بھی کچھ تعلیم دیں ○ اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا ○ اس بندہ نے کہا اگر تم میری پیروی کرو گے تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی لطیف پیرائے میں کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں' اس طریقہ سے سوال کرنے میں انتہائی ادب و احترام ہے اور استاذ کو اپنے سے بہت بلند مقام پر فائز کرنا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے؟ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۸-۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست میں ادب کی وجوہ

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا: آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم سے مجھے بھی تعلیم دیں' اس قول میں ادب کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تابع قرار دیا' کیونکہ انہوں نے کہا آیا میں آپ کی

اتباع کروں۔

(۲) حضرت خضر کی اتباع کرنے میں حضرت موسیٰ نے ان سے اجازت طلب کی گویا کہ انہوں نے یوں کہا کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں' اور اس میں بہت زیادہ تواضع ہے۔

(۳) کیا میں حصول تعلیم کے لیے آپ کی اتباع کروں' اس قول میں اپنے لیے جہل کا اور اپنے استاذ کے لیے علم کا اعتراف ہے۔

(۴) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھ بھی (کچھ) تعلیم دیں' یہ من تبعیض کے لیے ہے یعنی انہوں نے یہ طلب کیا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بعض کی تعلیم دیں گویا کہ انہوں نے کہا میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آپ مجھے علم میں اپنے برابر کر دیں' بلکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ اپنے علم کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے بھی عطا کر دیں جیسا کہ فقیر غنی سے کہتا ہے کہ تم اپنے مال کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے عطا کر دو۔

(۵) انہوں نے کہا آپ کو جو اللہ کا علم دیا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا کر دیں گویا کہ وہ اللہ کے طلب گار تھے۔

(۶) حضرت موسیٰ نے کہا آپ کو جو اللہ کا علم دیا گیا ہے' اس میں یہ اعتراف ہے کہ آپ کو اللہ نے علم عطا کیا ہے۔

(۷) انہوں نے یہ کہا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے علم دیں یعنی آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ مجھے تعلیم دینے سے آپ کا مجھ پر اسی طرح انعام ہو گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کیا ہے' اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف کی بھی تعلیم دی میں اس کا بندہ اور غلام ہوں۔

(۸) متابعت کا معنی یہ ہے کہ تابع اس وجہ سے وہ کام کرے کہ متبوع نے وہ کام کیا ہے اگر متبوع وہ کام نہ کرتا تو وہ اس کام کو نہ کرتا جیسے ہم کعبہ کی طرف منہ کر کے صرف اس لیے نماز پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اگر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے تو ہم بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے' اسی طرح استاذ کی اتباع کرنے کا معنی یہ ہے کہ تلمیذ استاذ کے کیے ہوئے کام کو صرف اس وجہ سے کرے گا کہ وہ کام اس کے استاذ نے کیا ہے اس طرح اتباع کرنے میں اول امر سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ استاذ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کرے گا۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مطلقاً کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمام کاموں میں حضرت خضر کی اتباع کرنے کی درخواست کی کسی خاص کام کے ساتھ اتباع کو مقید نہیں کیا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر نے ابتداءً پہچان لیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں گویا انہوں نے جان لیا تھا یہ وہی نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ شرف کلام سے نوازا ہے اور ان کو کثیر معجزات عطا فرمائے اس کے باوجود حضرت موسیٰ نے اتنی وجوہ سے تواضع کی اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مرتبہ جتنا زیادہ ہوتا ہے وہ اہل علم کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کرتا ہے اور ان کا اتنا زیادہ ادب اور احترام کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں' پہلے انہوں نے اپنی اتباع پیش کی اس کے بعد انہوں نے ان سے حصول تعلیم کو طلب کیا' گویا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے استاذ کی خدمت کرو پھر اس سے علم طلب کرو۔

(۱۲) انہوں نے کہا آیا میں اس بناء پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ یعنی انہوں نے اس اتباع کا کوئی معاوضہ

طلب نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ ان کو تعلیم دیں۔

حضرت خضر کے تعلیم دینے سے احتراز کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا O

متعلم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس نے پہلے بالکل کچھ نہ پڑھا ہو' ظاہر ہے استاذ اس کے سامنے مسئلہ کی جو بھی تقریر کرے گا اس کا شاگرد اس کو بلا چون و چرا تسلیم کرلے گا' دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھا ہوا ہو اور اس کو اپنے پڑھے لکھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو' یہ شخص استاذ کی اس بات کو تسلیم کرے گا جو اس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہو گی اور جو اس کے مخالف ہو گا اس کے قبول کرنے میں اس کو تامل ہو گا اور اس پر وہ اعتراض کرے گا' حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے مخالف ہو گی اس پر وہ اعتراض کریں گے' جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور ان کو معلوم تھا کہ ان کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے اور اس طرح تعلیم اور تعلم کا یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا' اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ صبر کا تعلق تو مستقبل کے ساتھ ہے اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں صبر ہو سکے گا یا نہیں اس لیے اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے' لیکن حضرت خضر کی نافرمانی نہ کرنے کا عزم تو انہوں نے اسی وقت کر لیا تھا اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح نہ تھا' کیونکہ اسی چیز کے ساتھ ان شاء اللہ کہا جاتا ہے جس کا حصول غیر یقینی ہو' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اس وقت معصیت نہ کرنے کا عزم نہیں تھا ورنہ وہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ ملاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت بھی ان کا عزم تھا کہ وہ معصیت نہیں کریں گے یعنی اپنے مقصد اور ارادہ سے ان کی معصیت نہیں کریں گے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھول جائیں یا ان سے خطا سرزد ہو جائے اور اس پر وہ قادر نہیں تھے کہ وہ نسیان اور خطا کو روک لیں اور انہوں نے حضرت خضر پر جو اعتراضات بھی کیے تھے وہ نسیان ہی کی وجہ سے کیے تھے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر کا تقاضا وجوب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں آپ کے امر کی معصیت نہیں کروں گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ . اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ (الجن: ۲۳)

اور یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے بہت زیادہ تواضع ہے اور بہت بڑے تحمل اور حوصلہ کا اظہار ہے۔

تعلیم اور تعلم کے آداب

یہ تمام آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تلمیذ اور متعلم پر واجب ہے کہ استاذ کے سامنے انتہائی ادب اور احترام کا اظہار کرے اور اگر استاذ کو یہ اندازہ ہو کہ متعلم پر تشدید اور سختی کرنا اس کے حق میں مفید ہو گا تو وہ ضرور اس کے اوپر تشدید اور سختی

کرے ورنہ ہوسکتا ہے کہ تشدید نہ کرنے کی وجہ سے متعلم غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور یہ اس کے حق میں مضر ہے۔

اس کے بعد حضرت خضر نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔

یعنی جب آپ کے نزدیک میرا کوئی کام قابل اعتراض ہو تو جب تک میں خود اس کی توجیہ نہ کروں آپ اس کے اوپر اعتراض نہ کریں اور یہی تعلیم اور تعلم کا ادب ہے' سبق میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی آگے چل کر خود بہ خود وضاحت ہو جاتی ہے اس لیے متعلم پر لازم ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور جو بات بہ ظاہر غلط معلوم ہو اس پر نہ ٹوکے حتیٰ کہ آگے چل کر استاذ خود اس کی وضاحت کردے گا۔ اگر حضرت موسیٰ حضرت خضر کی نصیحت پر کاربند رہتے تو ان کی صحبت طویل ہوتی اور' اور بھی کئی عجیب وغریب واقعات پیش آتے' لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے اور جب بھی کوئی بات بہ ظاہر خلاف شرع ہوتی تو اس پر ضرور ٹوکتے' اور یوں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور ان کے حقوق کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۹۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۲۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۰۹۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۹۴)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی تخفیف صرف منافق کرتا ہے' جو شخص اسلام میں سفید ریش ہو' عالم اور امام عادل۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۴۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۵۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۵۳۳' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کی تعلیم دی تو وہ اس بندہ کا مولیٰ ہے' وہ بندہ اس استاذ کو ناامید کرے نہ اس پر اپنے آپ کو ترجیح دے اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اسلام کی گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲۸' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۸۷۴' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۴۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۴' فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۸' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت حماد انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کو قرآن کی تعلیم دی تو وہ اس کا مولا ہے' وہ اس کو نامراد کرے نہ اس پر اپنے آپ کو فضیلت دے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۴۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم سیکھو اور علم کے لیے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کیا ہے ان کے سامنے تواضع اور انکسار کرو۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۸۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۸۰' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم سیکھو اور علم کے لیے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے ڈکٹیٹر نہ بنو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۲۷۵' جامع بیان العلم ج اص ۵۰۱' رقم الحدیث ۸۰۳' دار ابن الجوزیہ سعودیہ ۱۴۱۹ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے عاجزی کرو اور جو تم سے علم حاصل کرتے ہیں وہ تمہارے سامنے عاجزی کریں اور تم اساتذہ پر حکم نہ چلاؤ اور تمہارے علم کے ساتھ جہالت کے کام نہ ہوں۔

(حاشیہ جامع بیان العلم وفضلہ ج اص ۵۰۲' المدخل الی السنن للبیہقی ص ۳۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم کا تم پر یہ حق ہے کہ تم مجلس میں لوگوں کو بالعموم سلام کرو اور عالم کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ سلام کرو' تم ان کے سامنے بیٹھو' ان کے سامنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرو اور نہ آنکھوں سے اشارے کرو' جب وہ کوئی مسئلہ بتائے تو یہ نہ کہو کہ فلاں نے اس کے خلاف کہا ہے۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو نہ اس کی مجلس میں کسی سے سرگوشی کرو' اس کے کپڑے کو نہ پکڑو' جب وہ اکتا جائے تو اس کے پاس نہ جاؤ' اس کی لمبی معیت سے احتراز نہ کرو' کیونکہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے' تم منتظر رہو کہ تم پر کب اس سے کوئی پھل گرتا ہے' کیونکہ مومن عالم کا اجر روزہ دار اور قیام کرنے والے عابد اور اللہ کی راہ میں مجاہد سے زیادہ ہے' اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز بند نہیں کر سکتی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث: ۹۹۴' ج اص ۵۸۰' الجامع للخطیب رقم الحدیث: ۳۴۷' کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۵۵' احیاء العلوم ج اص ۵۳)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ایک جنازہ میں گئے جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہونے لگے' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی' حضرت زید بن ثابت نے کہا اے میرے بھتیجے! ایک طرف ہٹ جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا علماء کے ساتھ اسی طرح کیا جاتا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۲۸' طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۵۸۰۸' طبع جدید' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ چار آدمیوں کی تعظیم اور توقیر کی جائے' عالم کی' سفید ریش کی' سلطان کی اور والد کی اور یہ جفا سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کو اس کا نام لے کر بلائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۳۷' طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایوب بن القریہ نے کہا سب سے زیادہ تعظیم کے مستحق تین ہیں' علماء' بھائی اور سلطان' جس نے علماء کی بے ادبی کی اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور بھائیوں کی توہین سے اس کی مروت فاسد ہو جاتی ہے اور سلطان کے استخفاف سے اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور عاقل ان میں سے کسی کی توقیر میں کمی نہیں کرتا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث: ۹۹۶' ج اص ۵۸۱' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ السعودیہ' ۱۴۱۹ھ)

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور توقیر کے متعلق فقہاء اور علماء کے اقاویل

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

شاگرد کو چاہیے کہ استاذ کو کسی چیز کا حکم نہ دے بلکہ اپنے تمام معاملات کی لگام استاذ کو بالکلیہ سونپ دے' اور جس طرح جاہل مریض مشفق اور حاذق طبیب کی خیر خواہی پر یقین رکھتا ہے اسی طرح استاذ کی خیر خواہی پر یقین رکھے۔ اور اپنے استاذ کے سامنے عاجزی کرے اور اس کی خدمت کر کے شرف اور ثواب کو حاصل کرے۔ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت کی رکاب تھام لی تھی' اور استاذ کے سامنے تکبر نہ کرے' اور اس سے استفادہ کرنے کو عار نہ سمجھے' وہ جو کچھ کہے اس کو توجہ سے سنے' اس سے خوش رہے' اس کا شکر ادا کرے اور اس کا احسان مانے' استاذ کے نظریات کی تقلید کرے' اس کے سامنے اپنی رائے کو چھوڑ دے کیونکہ استاذ کی خطاء اس کی صحت سے زیادہ نفع آور ہے' کیونکہ باریک بینی اور تجربہ کی

باتیں زیادہ مفید ہوتی ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں متنبہ فرمایا ہے' اس لیے استاذ سے استفادہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کے سامنے خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے' جب تک استاذ خود اس کو نہ بتائے۔ پھر امام غزالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کو لکھا جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۵۳۔۵۲' ملخصاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

مرید کے لیے اپنے شیخ سے' شاگرد کے لیے اپنے استاذ سے اور عام آدمی کے لیے عالم اور مفتی سے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ مجھے آپ کے قول سے' یا آپ کی رائے سے یا آپ کے فتویٰ سے اختلاف ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۲۲۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جو استاذ کامل اور متبحر ہو اس کے سامنے شاگرد کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے اگر اس نے تین مرتبہ سے زیادہ اعتراض کیے تو پھر ان میں انقطاع ہو جائے گا جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں ہوا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

استاذ کا سفر میں خدمت کے لیے اپنے کسی شاگرد کو ساتھ لے جانا درست ہے اور یہ تعلیم کا عوض نہیں ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون کو لے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر حال میں تواضع کو لازم رکھنا چاہیے' اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم اللہ ہونے کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے علم کو طلب کیا تاکہ ان کی امت بھی ان کی سیرت پر عمل کرے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے التاویلات النجمیہ میں فرمایا ہے: شاگرد اور مرید کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ تواضع اور انکسار کرتے ہوئے اور اپنے شیخ اور استاذ کی تعظیم کرتے ہوئے اس سے استفادہ کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے اجازت طلب کرے' اور اس کا استاذ اور شیخ جس چیز کا حکم دے اس پر عمل کرے اور جس سے منع کرے اس سے باز رہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے' نبی اور رسول تھے' حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس آتے تھے' ان پر تورات نازل کی گئی تھی وہ اللہ سے کلام کرتے تھے' بنی اسرائیل ان کی اقتداء کرتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے حضرت خضر کی اتباع کی' اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا' اپنے اہل اور متبعین کو چھوڑا اور اپنے تمام مناصب اور مناقب کو ترک کیا اور حضرت خضر علیہ السلام کی ارادت کے دامن کو پکڑ لیا اور ان کے اوامر اور نواہی کی اطاعت کی۔

نیز امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا شاگردی کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر استاذ اس کو بار بار رد کرے اور اپنی شاگردی میں لینے سے انکار کرے پھر بھی اس کے دامن کو نہ چھوڑے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر صبر کیسے کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم کے احاطہ نہیں

کیاO موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گاO

(روح البیان ج ۵ ص ۳۲۷' ۳۲۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی لکھتے ہیں:

اسکندر سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں' اسکندر نے جواب دیا میرے والد مجھے آسمان سے زمین کی طرف لائے اور میرے استاذ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔

بزرجمہر سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں؟ اس نے کہا کیونکہ میرے والد میری حیات فانی کے سبب ہیں اور میرے استاذ میری حیات باقی کے سبب ہیں۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

عالم اور استاذ کے ساتھ ادب کا استعمال کرنا اور مشائخ کا احترام کرنا' اور ان کے اقوال' افعال اور ان کی حرکات پر اعتراض نہ کرنا اور ان کی مناسب تاویل کرنا مستحب ہے۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۳۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ محمد بن محمد ابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

نوجوان عالمِ دین بوڑھے غیر عالم پر مقدم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (المجادلہ:۱۱) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجات بلند کردے گا۔

پس جن کے درجات کو اللہ بلند کرنے والا ہے جو ان کو پست اور نیچا کرے گا اللہ اس کو جہنم میں گرا دے گا' اور عالم غیر عالم قرشی پر مقدم ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی پر مقدم ہیں' حالانکہ داماد کا رشتہ خسر سے زیادہ قریب ہے' اور علامہ الزندویستی نے کہا عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر برابر ہے' اور وہ یہ ہے کہ شاگرد استاذ سے پہلے کلام نہ کرے اور استاذ خواہ غائب ہو اس کی جگہ پر نہ بیٹھے' اس کی بات کو رد نہ کرے' چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور شوہر کا حق بیوی پر اس سے بھی زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر جائز کام میں اس کی اطاعت کرے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۵۲' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ خیر الدین رملی حنفی متوفی ۱۰۸۱ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقیہ کو تصغیر کے ساتھ فُقیہ پڑھنا کفر ہے۔ (فتاویٰ خیریہ علی ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۳' المکتبۃ الحسبیبیہ کوئٹہ)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کو غیر علماء پر کیوں نہیں مقدم کیا جائے گا جب کہ قرآن مجید میں علی الاطلاق وارد ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر:۹) آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بغیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے نماز میں عالم کو مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳) (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۹' مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اور علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے بھی ان عبارات کا خلاصہ لکھا ہے۔ (الدر المختار رد المحتار ج ۱۰ ص ۴۰۵۔۴۰۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

استاذ کی تعظیم وتکریم کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دلائل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ استاذ کے حقوق اور اس کی تعظیم وتکریم کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴) اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۝ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور استاذ نے شاگرد کو جو تعلیم کی نعمت دی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کی خدمت اور اس کی تعظیم وتکریم کی جائے اور اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔

(۲) استاذ کے حقوق سے انکار کرنا' نہ صرف مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے بلکہ تمام عقل والوں کے اتفاق کے خلاف ہے۔

(۳) استاذ کی تعظیم اور اس کی خدمت نہ کرنا اس کے احسان کا انکار کرنا ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی نیکی کو حقیر نہ جانو خواہ وہ تم سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملتا ہو (یعنی اس کی اس نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۶)

(۴) استاذ کی نیکیوں کو حقیر جاننا قرآن' حدیث اور فقہ کو حقیر جاننا ہے جن کی اس نے تعلیم دی ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر ہے۔

(۵) استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے کیوں کہ ماں باپ سے بدنی حیات ملی اور استاذ سے روحانی حیات ملی۔

(۶) حضرت علی نے فرمایا جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا خواہ وہ مجھے فروخت کردے یا آزاد کردے اور استاذ کی نافرمانی کرنا غلام کے بھاگنے کے مترادف ہے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۸۷ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸ مسند الشامیین رقم الحدیث: ۸۱۸)

(۷) امام طبرانی اور امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرو' طمانیت اور وقار کے لیے علم حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو ان سے عاجزی کرو (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۸۷ الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۴۷۸) کتنے شاگرد استاذ کی برکت اور اس کا فیض حاصل کرنے کے لیے اس کے پیروں کی خاک اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

(۸) استاذ کا شاگرد پر حق یہ ہے کہ استاذ کی غیر موجودگی میں بھی شاگرد اس کی جگہ پر نہ بیٹھے' اس کے کلام کو رد نہ کرے اس کے آگے نہ چلے' اس کو علامہ شامی نے بزازیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

(۹) جب استاذ سے آگے چلنا بھی جائز نہیں ہے تو استاذ کی نافرمانی کرنا اور اس کی تحقیر کرنا کب جائز ہوگا۔

(۱۰) استاذ کی دل آزاری کرنا اور اس کو رنج پہنچانا حرام ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو ایذا دینا ہے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا حرام' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے

اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ ایذاء پہنچاتے ہیں وہ ان پر بہتان باندھتے ہیں اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ (الاحزاب:۵۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۶۳۲، ریاض)

(۱۱) استاذ کی بے توقیری کرنا ایک مسلمان کے لیے موجب تذلیل ہے اور مسلمان کی تذلیل حرام ہے' حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا گیا اور اس نے اس کی مدد نہیں کی جب کہ وہ اس کی مدد پر قادر تھا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سامنے ذلیل کردے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۷)

(۱۲) عالم اور استاذ کی بے توقیری کرنے کی ایک وجہ اس سے حسد کرنا ہے اور حسد حرام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۱۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۶۵۶)

(۱۳) استاذ کی بے توقیری کرنا ظلم ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (ھود:۱۸) سو ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(۱۴) جو شخص استاذ کی عزت نہیں کرتا وہ اپنے بڑوں کی بے توقیری کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۸۱۹)

(۱۵) جو شخص بزرگ عالم دین کی عزت نہ کرے اس پر وعید فرمائی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۸۱۹)

(۱۶) وہ علماء اور اساتذہ جو بالخصوص سادات ہوں ان کی تعظیم اور تکریم واجب ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے اہل بیت' انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانا یا تو وہ منافق ہوگا یا ولد الزنا ہوگا' یا وہ ہوگا جس کا حمل اس کی ماں کو ناپاکی کی حالت میں ہوا ہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۹۵۵)

(۱۷) جو عالم دین سید اور متقی ہو وہ تعظیم اور تکریم کا مستحق ہے اور اس کی بے توقیری اللہ کی حدود سے تجاوز کرنا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (الطلاق:۱) جس شخص نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/۱ ص ۲۲۔ ۱۹ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی اطاعت نہ کرنا' اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا' اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو' پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو ان کاموں کی خبر دوں گا جو تم کرتے تھے ○ (لقمان:۱۵)

کافر ماں باپ کی خدمت کرنے کا استحسان

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہوں اور تنگ دست ہوں تو اس کو چاہیے کہ جہاں تک اس کے لیے ممکن ہو وہ ان کی مالی امداد کر کے ان کی خدمت کرتا رہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ان کی ماں آئیں اور وہ مشرکہ تھیں' اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے معاہدہ کیا ہوا تھا اور ان کی ماں کے والد سے بھی معاہدہ تھا' وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کیا اور میں نے کہا میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہے! آپ نے فرمایا تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳)

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری ماں بوڑھی ہو گئی ہے' میں اس کو اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں اور اپنے ہاتھ سے پلاتا ہوں اور اپنے ہاتھ سے وضو کراتا ہوں' اور اس کو اپنے کندھے پر سوار کر کے لے جاتا ہوں' آیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا نہیں! یہ تو سو میں سے ایک بھی نہیں ہے' اس نے پوچھا کیوں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس لیے کہ اس نے تمہاری خدمت اس وقت کی جب تم کمزور تھے اور وہ یہ چاہتی تھی کہ تم زندہ رہو اور تم اس کی خدمت کرتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ وہ مر جائے! لیکن بہر حال تم نیک عمل کر رہے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کم عمل پر زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کا مصداق

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو۔

یہ آیت بھی انسان کو وصیت کرنے کے سیاق میں ہے' اور اس میں تمام جہان کے انسانوں کے لیے وصیت ہے' اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ہے وہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین ہیں۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں حضرت سعد کو حکم دیا گیا ہے' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس سے مراد حضرت ابوبکر ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت ابوبکر اسلام لے آئے تو ان کے پاس حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت سعید اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم آئے اور حضرت ابوبکر سے پوچھا: آپ نے اسلام قبول کر لیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (الزمر: ۹)

بھلا جو شخص رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہو' آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو!

جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر یہ چھ افراد اسلام لے آئے اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ (الزمر: ۱۷)

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا' ان ہی کے لیے بشارت ہے' سو آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جنہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ہے اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۶۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمینوں میں تو اللہ اس کو لے آئے گا' بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O اے میرے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں O

(لقمان: ۱۷۔۱۶)

تلاش رزق میں اعتدال چاہیے

اس رکوع کو اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان کی' ان نصیحتوں سے شروع کیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اور پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ اے بیٹے تم شرک نہ کرنا' اس کے بعد دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان کی نصیحتوں کے درمیان اپنے کلام کا ذکر فرمایا اور ان آیتوں میں انسان کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تاہم اگر وہ اس کو کسی ناجائز کام کرنے کا حکم دیں اس میں ان کی اطاعت نہ کرے' اس کے بعد پھر حکیم لقمان کی نصیحتوں کا سلسلہ شروع کیا:

رائی کا دانہ بہت باریک ہوتا ہے اور انسان اس کا وزن محسوس نہیں کرسکتا اور وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا نہیں سکتا' اس کے باوجود اگر انسان کا رزق رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں چھپا ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ اس رزق کو اس بندے تک پہنچا دے گا جس کا وہ رزق ہے' اس لیے بندے کو اپنے رزق کی تلاش میں سرگرداں ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادات سے غافل نہیں ہونا چاہیے' بلکہ پہلے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور پھر حصول رزق اور کسب معاش کے لیے جدوجہد کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (الجمعہ: ۱۰)

پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (کاروبار میں) اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر بہ کثرت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان یہ یقین کر کے بیٹھ جائے کہ اس کے لیے جو رزق مقدر ہو چکا ہے وہ اس تک ہر حال میں پہنچے گا اور وہ حصول رزق کے لیے کوئی سعی اور کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو تجارت اور کاروبار کرنے کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں:

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (المزمل: ۲۰)

اور دوسرے لوگ زمین میں سفر کرتے ہیں اور (کاروبار میں) اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا رزق جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ خواہ کہیں ہو اور خواہ ایک رائی کے دانہ کے برابر ہو وہ اس کو ملے گا اس لیے رزق کی طلب میں ڈوب کر اور دنیاوی مشغلوں میں منہمک ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد کو اور اس کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کو فراموش نہ کرے۔

انسان کا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ انسان کے نیک اعمال یا برے اعمال خواہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہوں اور انسان خواہ وہ عمل کسی پہاڑ کے غار میں چھپ کر کرے' یا کسی زمین دوز تہ خانے میں' یا کسی کھلی جگہ پر وہ عمل کرے' اللہ کے علم سے اس کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے' اور اس کے تمام اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے سب قیامت کے دن حاضر کر دیئے جائیں گے اور انسان کو اس کے ان اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھ لے گا' اور جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) برائی کی وہ اس (کی سزا) کو دیکھ لے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص ایسی بند چٹان میں کوئی عمل کرے جس میں کوئی کھڑکی ہو نہ روشن دان تو اس کا وہ عمل جیسا بھی ہو اللہ اس کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۸ طبع قدیم' ج ۳ ص ۳۵' رقم الحدیث: ۱۱۲۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ لطیف اور باریک بین ہے' اس کا علم سب سے پوشیدہ چیز کو بھی محیط ہوتا ہے' وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اندھیری رات میں چلنے والی چیونٹی کی حرکات وسکنات سے بھی باخبر ہے۔

صبر اور عزیمت کی تفصیل

اس کے بعد حکیم لقمان نے نصیحت کی: اے میرے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ (لقمان: ۱۷)

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک حکم یہ دیا کہ نماز پڑھو' اور دوسرا حکم یہ دیا کہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کی اپنی ذات کامل ہو اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ دوسروں کو کامل بنائیں۔

امام ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے جو کہا نیکی کا حکم دو' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کا حکم دو' اور یہ جو فرمایا ہے برائی سے روکو اس کا معنی ہے شرک کرنے سے منع کرو۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے سے مراد صرف توحید کا ماننا اور برائی سے روکنے سے مراد صرف شرک سے ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد تمام فرائض اور واجبات کا حکم دینا ہے اور تمام کبائر اور صغائر سے منع کرتا ہے اور تمام اچھے کاموں کا حکم دینا اور تمام برے کاموں سے منع کرنا ہے' خصوصاً اس لیے کہ شرک سے اجتناب کا حکم تو حکیم لقمان ان کو پہلے دے چکے تھے' اس کے بعد فرمایا: اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ حوادث روزگار اور آفات اور مصائب اور بیماریاں اگر تم کو پہنچیں تو تم اللہ سے شکوہ اور شکایت نہ کرنا اور جزع اور فزع نہ کرنا' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھنے اور احکام شرعیہ کی تبلیغ سے تم کو جو مشقت ہو اس پر صبر کرنا' کیونکہ بعض اوقات انسان کو نماز پڑھنے میں بھی مشقت اٹھانی پڑتی ہے' جیسے سخت گرمی اور دھوپ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے جانا یہ بھی نفس کے لیے بار خاطر ہوتا ہے۔

صبر کا ایک معنی ہے' کسی کی موت' یا کسی نقصان یا کسی بیماری اور تکلیف کے وقت جزع' فزع اور رونے پیٹنے سے اپنے نفس کو روکنا یا حالت غضب اور جوش انتقام کے وقت اپنے نفس کو تجاوز اور حد سے بڑھنے سے روکنا' یا غلبہ شہوت کے وقت اپنے نفس کو فسق وفجور سے روکنا' اور اس کا جامع معنی یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تمام منع کیے ہوئے کاموں سے روکنا۔

اس کے بعد فرمایا یہ عزم الامور سے ہے' اور یہ عزیمت کے معنی میں ہے جو رخصت کے مقابلہ میں ہے' بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے' جیسے سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنا اور جیسے مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہو تو تیمم کرنا یا روزہ نہ رکھنا' اور بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا مستحب ہوتا ہے جیسے اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا' اور بعض اوقات عزیمت پر

عمل کرنا مستحب ہوتا ہے جیسے اگر سفر میں مشقت نہ ہوتو روزہ قضا کرنے کے بجائے عزیمت پر عمل کرنا اور روزہ رکھ لینا' یا جیسے مرض اور بیماری کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا' تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں عـزم الامـور سے مراد وہ کام ہوں جن کا رخصت کے مقابلہ میں عزیمت پر عمل کرنا مستحب ہو۔

اور عزیمت کا دوسرا معنی ہے جو کام اصالۃً فرض یا واجب ہیں تو توحید پر قائم رہنا اور فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اس اعتبار سے عزیمت ہیں' اور عزیمت کا تیسرا معنی ہے مکارم اخلاق اچھے اور پسندیدہ کام' اور اپنی ضروریات پر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دینا اور بلاشبہ یہ ہمت والوں کے کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حکیم لقمان نے مزید نصیحت کی) اور لوگوں سے تکبر کے ساتھ اپنا چہرہ نہ پھیرنا اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا' بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا O اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے O (لقمان:۱۹۔۱۸)

لا تصعّر کا معنی

لا تصعر کا لفظ صعر سے بنا ہے' تصعیر کا معنی ہے تکبر سے گردن پھیر لینا۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۹۹)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لا یلی الامر بعد فلان الا اصعر او ابتر. فلاں کے بعد اس حکومت کا والی ہر وہ شخص ہوگا جو ازراہ تکبر اپنا چہرہ پھیرنے والا ہوگا۔

نیز حدیث میں ہے: کل صعار ملعون ہر وہ شخص جو تکبر کے ساتھ لوگوں سے رخ پھیرتا ہو وہ ملعون ہے۔

حضرت کعب بن مالک نے کہا فانا الیہ اصعر میں اسی کی طرف مائل ہوں۔ (صحیح مسلم' التوبہ:۵۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۷)

(النہایہ ج ۳ ص ۲۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

اسی معنی میں یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو' ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو' اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۵۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۹۱۰)

ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے سے مراد ہے' دشمنی رکھنا' یا ایک دوسرے سے تعلق منقطع کرنا' کیونکہ ایسی صورت میں انسان ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرتا ہے' اور حسد کا معنی ہے کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا' اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اس کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہو' نرمی اور دوستی رکھو اور خیر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اور جو شخص تکبر کی وجہ سے کسی سے چہرے پھیرے اس میں بھی تکبر کے ساتھ پیٹھ پھیرنے کا معنی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اس آیت کا معنی ہے بغیر ضرورت کے انسان اپنے نفس کو ذلت میں نہ ڈالے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے نفس کی تحقیر نہ کرے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے نفس کی تحقیر کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ یہ جانتا ہو کہ اللہ

کی رضا کے لیے اس نے ایک بات کہنی ہے پھر وہ اس بات کو نہ کہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے فرمائے گا: تم کو میرے متعلق' فلاں' فلاں بات کہنے سے کس نے منع کیا؟ وہ کہے گا لوگوں کے خوف نے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تم مجھ سے ڈرتے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۰۸' مسند احمد ج۳ ص۳۰)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے' صحابہ نے پوچھا وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۵۴' العلل رقم الحدیث:۳۳۲۸)

اور فرمایا: اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا۔

ابن عائذ الازدی غضیف بن الحارث سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن عبید بن عمیر بیت المقدس گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے اے ابن آدم! تجھے کس چیز نے مجھ سے دھوکے میں رکھا' کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں تنہائی کا گھر ہوں! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں اندھیروں کا گھر ہوں! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں برحق گھر ہوں! اے ابن آدم! تجھے کس چیز نے مجھ سے دھوکے میں رکھا' تو مجھ پر فداد کی طرح چلتا تھا۔ ابن عائذ نے کہا میں نے غضیف سے پوچھا: اے ابو السماء! فداد کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے! جس طرح تم کبھی کبھی چلتے ہو یہ فداد کی طرح چلنا ہے' ابو عبید نے کہا فداد اس کو کہتے ہیں جو بہت مال دار اور بہت تکبر کرنے والا ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ ص۶۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے کپڑے کو از راہِ تکبر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کبھی کبھی میرے تہبند کا ایک پلڑا (ٹخنوں سے نیچے) لٹک جاتا ہے سوا اس کے کہ میں اس کا خیال رکھوں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو جو از راہِ تکبر ایسا کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۶۵' مسند احمد رقم الحدیث:۴۸۸۴' عالم الکتب)

آہستگی سے چلنے کی فضیلت اور بھاگ کر چلنے کی مذمت

اس کے بعد فرمایا: اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ (لقمان:۱۹)

اس آیت میں قصد کا لفظ ہے اور قصد کا معنی ہے متوسط' اسی لفظ سے اقتصاد بنا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ بہت تیز چلو نہ بہت آہستہ چلو' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی جلدی چلنے سے مومن کی رونق (اور وقار) چلی جاتی ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج۱۰ ص۲۹۰' مسند الفردوس ص۳۳۲۵' الکامل لابن عدی ج۵ ص۱۳' کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۶۲۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۴۶۸۹' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۲۹۶۵)

اس حدیث میں جو جلدی جلدی چلنے کی مذمت کی گئی اس سے مراد ہے اتنا تیز چلنا جو بھاگنے کے مشابہ ہو' کیونکہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تیز تیز چلنے کا ذکر ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا' آپ کا

چہرہ آفتاب کی مانند تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا کہ آپ کے لیے زمین کو لپیٹا جا رہا ہو' ہم (تیز چلنے سے) اپنے آپ کو تھکا دیتے تھے اور آپ کو پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۴۸' ۳۶۴۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۰ـ۳۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۳۰۹' شرح السنہ رقم الحدیث:۳۶۴۹' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۱۳' قدیم)

گدھے کی آواز کی مذمت اور مرغ کی بانگ کی فضیلت

نیز فرمایا اور اپنی آواز کو پست رکھنا' یعنی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کر کے مشقت نہ اٹھانا' اور گلا پھاڑ کر نہ چلانا' کیونکہ اس سے تمہیں بھی تکلیف ہو گی اور سننے والے کو بھی تکلیف ہو گی' بعض اوقات بہت بلند آواز اور ہولناک چیخ کانوں کے پردوں کو پھاڑ دیتی ہے۔

پھر فرمایا: بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

جب کسی کو بہت ملامت کی جائے اور اس کی زیادہ مذمت کی جائے تو اس کی گدھے کے ساتھ مثال دی جاتی ہے' بعض لوگ گدھوں پر سواری کرنے کی بہ نسبت پیدل چلنے کو ترجیح دیتے ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دراز گوش پر سواری کرتے تھے وہ آپ کی تواضع اور انکسار پر محمول ہے اور جو آپ کی سواری کو کم تر خیال کرے وہ گدھے سے زیادہ ذلیل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے' اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۲۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۵۱۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۹۱' مسند احمد رقم الحدیث:۸۰۵۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

چونکہ مرغ بانگ دیتے ہوئے فرشتے کو دیکھتا ہے اسی لیے یہ حکم ہے کہ مرغ کی بانگ سن کر دعا کرو تا کہ فرشتے اس دعا پر آمین کہیں' اور اس کے لیے استغفار کریں' اور اس کے عجز اور اخلاص کی شہادت دیں' اور اس کی دعا قبول ہو اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کے آنے کے وقت جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے' اور امام ابن حبان نے حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت کی ہے: کہ مرغ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ نماز کی طرف بلاتا ہے (صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۷۳۱) اور امام بزار نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرغ نے بانگ دی تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو یہ نماز کی طرف بلا رہا ہے' اور مرغ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ نماز فجر سے پہلے بانگ دیتا ہے خواہ رات لمبی ہو یا چھوٹی' اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرغ میں ادراک پیدا کیا ہے کہ وہ فرشتہ کو دیکھ لیتا ہے اور گدھے میں ادراک پیدا کیا ہے وہ شیطان کو دیکھ لیتا ہے' گدھے کے چیخنے کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا' کیونکہ اس وقت وہاں شیطان موجود ہے لہٰذا اس کے شر سے پناہ طلب کی جائے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گدھا اس وقت تک نہیں چیختا جب تک کہ شیطان کو نہ دیکھے یا اس کے لیے شیطان متمثل نہ ہو' اور جب ایسا ہو تو تم اللہ کو یاد کرو اور مجھ پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھو۔

داؤدی نے کہا ہے کہ انسان کو مرغ سے پانچ چیزیں سیکھنی چاہئیں' خوش آوازی' سحری کے وقت اٹھنا' سخاوت' غیرت اور کثرت نکاح۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۶۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ

ہے اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَ

بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں ○ اور

اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو ○

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اور جس شخص نے اپنے چہرہ کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو تو اس نے ایک مضبوط

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا

دستہ پکڑ لیا، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○ اور جس نے کفر کیا تو اس کا

يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے، انہوں نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم ان کو خبر دیں گے کہ انہوں نے کیا عمل کیے ہیں؛

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى

بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو جبراً سخت

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

عذاب کی طرف لے جائیں گے ○ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا

ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّمَا

کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' بے شک اللہ ہی بے پرواہ' حمد کیا ہوا ہے O اور اگر تمام

فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں' اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

کا اور اضافہ ہو' تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بے شک اللہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے' بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ

ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

کر رہا ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے

ع ۳ ۱۲ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند بہت بزرگ ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں' اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے

نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو O (۲۱-۲۰)

ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اس سے استدلال فرمایا تھا کہ: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے O (لقمان: ۱۰) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر اپنی دی ہوئی مزید نعمتوں سے استدلال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو آدم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ آسمانوں میں جو سورج' چاند اور ستارے ہیں اور ان پر فرشتے مقرر ہیں اور وہ ان ثوابت اور سیاروں کے فوائد انسانوں تک پہنچاتے ہیں' اور اسی طرح زمینوں میں جو پہاڑ' درخت' دریا' سمندر اور معدنیات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے منافع انسانوں تک پہنچائے ہوئے ہیں کیا یہ نعمتیں اس کی الوہیت اور اس کی توحید کی معرفت کے لیے کافی نہیں ہیں۔

پھر فرمایا اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں' ان ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی نعمت سے مراد اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا ہے۔

(۲) مجاہد اور وکیع نے کہا ظاہری نعمت سے مراد زبان ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل ہے۔

(۳) نقاش نے کہا ظاہری نعمت سے مراد لباس ہے اور باطنی نعمت سے مراد گھر کا ساز و سامان ہے۔

(۴) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت لذت جماع ہے۔

(۵) ظاہری نعمت دنیا کی زیب و زینت ہے اور باطنی نعمت آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہے۔

(۶) ظاہری نعمت مال و دولت اور صحت و عافیت ہے اور باطنی نعمت عبادت اور ریاضت کی توفیق ہے۔

(۷) ظاہری نعمت حسن صورت ہے اور باطنی نعمت اچھے اخلاق اور نیک سیرت ہے۔

(۸) ظاہری نعمت تقویٰ اور پرہیز گاری ہے اور باطنی نعمت اس کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کا قبول کرنا ہے۔

(۹) ظاہری نعمت علماء کی تبلیغ اور تصنیف و تالیف ہے اور باطنی نعمت وہ علم اور حکمت ہے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پائے۔

(۱۰) ظاہری نعمت ماں باپ ہیں اور باطنی نعمت اساتذہ اور مشائخ ہیں۔

(۱۱) ظاہری نعمت حکام اور سلاطین کی حکومت ہے اور باطنی نعمت اولیاء اور اتقیاء کی ولایت ہے۔

یہ چند نعمتیں ہیں اور اللہ کی نعمتیں تو غیر متناہی ہیں وہ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ (ابراہیم: ۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد فرمایا: اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر الحج: ۸ میں گزر چکی ہے۔

یہ آیت ایک یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ بتایئے آپ کا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے؟ پھر ایک بجلی کی کڑک آئی جس نے اس کو ہلاک کر دیا' اس کی تفصیل الرعد: ۱۳ میں گزر چکی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تقلید اور عقیدہ کا فرق

اور فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو O (لقمان: ۲۱)

یعنی جب کفار اور مشرکین سے کہا جاتا ہے' اللہ کو واحد مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت کرنے کو چھوڑ دو' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان ہی کی عبادت کریں گے جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے رہیں گے جیسا کہ ہمارے باپ دادا بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خواہ ان کے باپ دادا کو شیطان بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف دعوت دے رہا ہو' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ O (البقرہ: ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو' جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کے باپ دادا بے عقل اور گمراہ ہوں۔

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ عقائد اور اصول دین میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ عقائد اور اصول دین میں غور و فکر کر کے دلائل کی اتباع کرنی لازم ہے' البتہ فروعی مسائل اور احکام عملیہ میں ائمہ کی تقلید کرنی جائز ہے' واضح رہے کہ تقلید اس جزم (پختہ ادراک) کو کہتے ہیں جو تشکیک مشکک سے زائل ہو جاتا ہے اور عقیدہ اور یقین اس جزم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو' مثلاً ہمیں اللہ کے واحد ہونے کا یقین ہے اور یہ ہمارا عقیدہ ہے اب کوئی شخص اللہ کے شریک کے ثبوت میں لاکھ دلائل دے تو ہمارے توحید کے عقیدہ میں کوئی شک نہیں ہوگا اور ہمارا اس پر جزم اور یقین زائل نہیں ہوگا' اس کے برخلاف ہم جو امام ابوحنیفہ کی تقلید میں کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کرنا یا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اس پر ہم کو جزم ہے لیکن اگر کسی عالم نے اس کے خلاف بہت احادیث صحیحہ پیش کر دیں تو ہمارا یہ جزم زائل ہو جائے گا' تقلید میں غالب جانب یہ ہوتی ہے کہ ہمارے امام کا قول صحیح ہے اور مغلوب جانب یہ ہوتی ہے کہ ہوسکتا ہے دوسرے امام کا قول صحیح ہو' اس لیے عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے اور احکام فرعیہ عملیہ میں تقلید کرنا جائز ہے۔

عقائد میں تقلید کے جواز یا عدم جواز کی بحث

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ عقائد اور اصول دین میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے امام رازی اور علامہ آمدی کا بھی یہی مختار ہے کہ عقائد میں غور و فکر کر کے استدلال کرنا ضروری ہے اور اصول دین میں کسی کے اجتہاد کی تقلید کرنا حرام ہے' تاہم جو شخص برحق عقائد میں سے کسی کی تقلید کرے اس کا ایمان صحیح ہے جیسے آج کل کے مسلمان ہیں' ہر چند کہ دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اور غور و فکر اور نظر و استدلال نہ کرنے کے سبب سے وہ گنہ گار ہوں گے' اور امام اشعری یہ کہتے ہیں کہ

ان کا ایمان صحیح نہیں ہے' اور استاذ ابو القاسم القشیری نے کہا یہ قول مردود ہے' کیونکہ اس سے عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آتی ہے' اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اگر مقلد کا ایمان درجہ تقلید میں ہو یعنی وہ کسی کے کہنے کی وجہ سے توحید کو مانتا ہو اور اس میں اس کو شک یا وہم کا احتمال ہو بایں طور کہ مقلد کو توحید پر یقین نہ ہو اور اس کا توحید کا علم جازم اور ثابت نہ ہو' یعنی تشکیک مشکک سے زائل ہو سکتا ہو تو پھر ایسی تقلید سے ایمان لانا بالکل کافی نہیں ہے کیونکہ تردد اور شک کے ساتھ ایمان بالکل صحیح نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کا ایمان خواہ کسی کے کہنے سے ہو لیکن جازم اور ثابت ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو امام اشعری کے نزدیک بھی اس کا ایمان صحیح ہے' اور علامہ خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو یہ علم نہ ہو کہ جس چیز کو وہ مان رہا ہے وہ کس برحق دلیل پر مبنی ہے اس کی تقلید جائز نہیں ہے اور یقین میں جس طرح برحق عقلی دلیل معتبر ہے اسی طرح برحق نقلی دلیل بھی معتبر ہے' اور کفار کی مذمت اس وجہ سے کی جا رہی ہے کہ وہ جو اپنے باپ دادا کی تقلید میں شرک کرتے تھے تو ان کا شرک پر جزم اور اعتماد کسی برحق عقلی دلیل پر مبنی تھا نہ کسی برحق نقلی دلیل پر مبنی تھا ان کو جو شرک پر جزم تھا وہ جہل مرکب تھا یعنی ادراک جازم ثابت غیر مطابق للواقع۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۴۳' موضحاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس شخص نے اپنے چہرے کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو تو اس نے ایک مضبوط دستہ پکڑ لیا' اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے O اور جس نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے' انہوں نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے' پھر ہم ان کو خبر دیں گے کہ انہوں نے کیا عمل کیے ہیں' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے' پھر ان کو جبراً سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' بے شک اللہ ہی بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۲۶-۲۲)

اللہ کے پاس حسن انجام کا پانا

یعنی جو شخص اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور اسی کی اطاعت کا قصد کرتا ہو اور وہ اپنی عبادت میں محسن ہو اور اس قدر خوف سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو' حدیث میں ہے حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مجھے بتائیے احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو' اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو (یہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳) اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ وہ تمام شرائط' ارکان' واجبات' سنن اور آداب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

اور فرمایا: اس نے ایک مضبوط دستہ کو پکڑ لیا' حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد ہے لا الہ الا اللہ ' بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص نے اپنے چہرے کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو' اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کے حوالے کر دیا جس طرح بیچنے والا کسی چیز کو فروخت کر کے خریدار کے حوالے کر دیتا ہے' اور اس سے یہ بھی مراد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر پورا پورا توکل کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے' سب سے مضبوط رسی اور سب سے مضبوط دستہ' اللہ کی جانب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی اور منقطع ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور اس کا کوئی انقطاع نہیں ہے'

اور جو شخص اللہ کے دستہ اور اس کے سہارے کو پکڑ لے گا تو وہ اس کو اللہ تک پہنچا دے گا اور جو اللہ تک پہنچ جائے گا اس کا انجام بہت اچھا ہو گا' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے معاملات کا رجوع صرف ایک ذات کی طرف ہو پھر وہ اس کے پاس پہنچنے سے پہلے اس کی طرف ہدیے بھیجتا رہے تو جب وہ اس ذات کے پاس پہنچے گا تو اس کو اس ذات کے فوائد حاصل ہو جائیں گے' اس معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ۱۱۰) اور تم نے اپنے نفع کے لیے جو کچھ پہلے بھیجا ہے' تم اس (کے اجر و ثواب) کو اللہ کے پاس پالو گے۔

کافروں کی تکذیب سے آپ کو غم کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور جس نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے۔ الآیۃ (لقمان: ۲۴۔۲۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے احوال ذکر فرمائے تھے اب ان آیتوں میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے' کیونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں' آپ کافروں کے کفر اور ان کی تکذیب پر اس لیے افسوس اور غم نہ کریں' کیونکہ جس شخص کی تکذیب کی جائے اور اس کو یقین ہو کہ عنقریب اس کا صدق ظاہر ہو جائے گا تو اس کو کوئی غم نہیں ہوتا' بلکہ تکذیب کرنے والا دشمن جب غیر ہدایت یافتہ ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ جس کی وہ تکذیب کر رہا ہے وہ صادق اور برحق ہے تو وہ بہت جلد شرمندگی اور رسوائی سے دوچار ہوتا ہے' پس غم اور افسوس تو ان کافروں کو کرنا چاہیے جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں نہ کہ آپ کو غم اور افسوس کرنا چاہیے' کیونکہ وہ شرمندگی اور رسوائی کے خطرہ میں ہیں۔

پھر فرمایا: بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' یعنی لوگوں کا باطن اور ظاہر اور ان کی خلوت اور جلوت اس سے پوشیدہ نہیں وہ ان کے دلوں کے ارادوں اور منصوبوں کو جاننے والا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کو اس کی خبر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے' پھر ان کو جبراً سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے O

یعنی دنیا میں وہ اپنی مقررہ زندگی پوری کریں گے اور تھوڑا عرصہ رہیں گے' پھر بتایا ان کو اپنی تکذیب اور کفر کا خمیازہ بھگتنا ہو گا اور ہم ان پر سخت ترین عذاب مسلط کر دیں گے اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا' اور وہاں فرشتے ان پر آگ کے گرز ماریں گے۔

ایک اور توجیہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت میں ان پر منکشف ہو گا کہ رسول تو سچی خبریں دے رہے تھے اور وہ جو ان کو جھٹلا رہے تھے وہی غلط اور باطل تھے' اس وقت وہ خجل اور شرمندہ ہوں گے اور اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے گھبرائیں گے تو فرشتے ان کو گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے' اس لیے فرمایا آپ ان کے کفر اور تکذیب سے غم نہ کریں' ہم روز قیامت ان کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے۔

آپ کو الحمد للہ کہنے کے حکم کی توجیہ

نیز فرمایا: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (لقمان: ۲۵)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور فرمایا تھا اس نے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر ستونوں کے

پیدا کیا اور تمام انسانوں کو ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں' اب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق اور آفرینش کا اور اس کی ظاہری اور باطنی نعمتوں اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا یہ کفار بھی انکار نہیں کرتے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے' لیکن وہ اس کو نہیں جانتے' اور اگر ان کو بالفرض علم ہو بھی تو وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا کہ کفار جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آپ غم نہ کریں کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتا دے گا کہ آپ سچے ہیں اور یہ جھوٹے ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ کفار مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس اعتراف سے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے کہ اللہ واحد ہے' اور یہ جو شرک کرتے ہیں اس کا جھوٹ اور باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے تو آپ اس نعمت پر کہیے الحمد للہ' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کیونکہ آپ کے دعویٰ کا صدق اور آپ کے مکذبین کا کذب ظاہر ہو گیا' اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے کذب اور آپ کے صدق کے ظہور کو نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کی وجوہ

پھر فرمایا جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' بے شک اللہ ہی بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۲۶)

جو شخص کسی چیز کو بنانے والا ہو وہ اس چیز کا مالک ہوتا ہے' اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ کفار کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے اور جب وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے تو وہی ان کا مالک ہے۔

اور فرمایا: اللہ غنی ہے' کیونکہ جب تمام چیزیں اس نے پیدا کی ہیں تو وہ ان چیزوں میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے' اس لیے وہ ہر چیز سے غنی ہے' یعنی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' یعنی وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے' کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے' سب کچھ اس کا پیدا کیا ہوا ہے' اور ہر چیز کا حسن اور کمال اس کا بنایا ہوا ہے' اور حمد کا معنی ہے اظہار صفات کمالیہ تو جب اس نے اس کائنات کو بنا کر اس میں محاسن اور کمالات اور وجوہ ستائش اور خوبیاں رکھ دیں تو اس کی حمد ہو گئی کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے وہ ہر حامد کی ہر حمد سے غنی ہے۔

اور اس کے غنی ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی حمد خود کرتا ہے' مخلوق میں سے جس نے بھی اس کی حمد کی پیدا ہونے کے بعد کی' اور اللہ تعالیٰ اپنی حمد ازلاً ابداً کر رہا ہے' سو وہ مخلوق کی حادث اور فانی حمد سے غنی ہے کیونکہ اس کی حمد قدیم اور لافانی ہے۔

نیز مخلوق کا علم محدود اور ناقص ہے وہ اس کے غیر متناہی کمالات کا اور اس کی لامحدود خوبیوں اور نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی' کوئی مخلوق اس کی ایسی حمد نہیں کر سکتی جیسی حمد وہ خود اپنی کرتا ہے' لہٰذا وہ ہر حامد کی ہر حمد سے غنی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں فرما رہے تھے:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. میں تیری ایسی حمد و ثنا نہیں کر سکا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنی فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۰' سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۳۸۴۱، ۳۸۴۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۱۹۳، مسند احمد ج ۳ص ۴۲۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۴۷۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۴۵ ۷، المستدرک ج ۱ص ۵۳۴)

بعض واعظین کا اللہ کے ذکر کو فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو باقی قرار دینا

بعض واعظین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور آپ کا ذکر کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثنا مخلوق کرتی ہے اور مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ختم ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ دائم اور باقی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی دائم اور باقی رہے گا' خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر ختم ہو جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ختم نہیں ہوگا۔

ہم ایسی نکتہ آفرینیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی حمد و ثناء فرماتا ہے اور اپنا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے بیان کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تیری ایسی حمد و ثنا نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی حمد و ثنا فرماتا ہے اور النمل: ۸۷ اور الزمر: ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے صور پھونکے جانے کے بعد بعض افراد کا استثناء کیا ہے جو بے ہوش نہیں ہوں گے' ان میں ملائکہ مقربین' شہداء اور انبیاء داخل ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء کرتے رہیں گے۔

نیز قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے جیسے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر: ۲۳) اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے سو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بھی قدیم ہے' سو اللہ تعالیٰ کا ذکر ازلی' ابدی' دائمی اور سرمدی ہے' غیر فانی اور لازوال ہے' اللہ تعالیٰ کے ذکر کو فانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو باقی کہہ کر مخلوق کو خالق سے بڑھانے کی مذموم کوشش کرنا ہے' کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تعریف سے خوش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں' اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بے شک اللہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے' بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے' اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش کر رہا ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند بہت بزرگ ہے O (لقمان: ۳۰ ـ ۲۷)

کلمات اللہ کا غیر متناہی ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں لقمان: ۲۷ کی آیت کے دو شان نزول ہیں:

(۱) قتادہ نے بیان کیا کہ مشرکین نے کہا قرآن ایک کلام ہے اور یہ عنقریب ختم ہو جائے گا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر خشکی کے ہر درخت کی قلمیں بنالی جائیں اور اس سمندر کو سیاہی بنا لیا جائے اور اس کے ساتھ سات سمندر اور بھی ملا لیے جائیں' تب بھی یہ قلم ٹوٹ جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے عجائبات' اور اس کی حکمت اور اس کے علم کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں گئے تو آپ سے علماء یہود

نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۵)

اس آیت سے آپ کی قوم مراد ہے یا ہم مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ہو یا وہ ہوں جس کو بھی جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔ تب انہوں نے کہا آپ نے اللہ کی طرف سے یہ بتایا ہے کہ ہمیں تورات دی گئی ہے اور تورات میں ہر چیز کا واضح بیان ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں وہ بھی بہت کم ہے اور اس کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو جنت میں اہل جنت کو دی جائیں گی، یا اس سے مراد وہ امور ہیں جو لوح محفوظ میں مذکور ہیں یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ ہیں۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی دو آیتوں میں تعارض ہے، ایک آیت میں ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۵)

اور دوسری آیت میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

(البقرہ: ۲۶۹)

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ علم کم دیا گیا ہو اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو کثیر علم دیا گیا، سو ان کو علم کم بھی دیا گیا ہو اور زیادہ بھی، یہ اجتماع ضدین ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو فی نفسہ کثیر علم دیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے یہ بہت کم علم ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہے، بلکہ یہ نسبت بھی نہیں کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور مخلوق کے علم کی اللہ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے۔ (لقمان: ۲۸)

یہ آیت ابی بن خلف، ابی الاشدین اور منبہ اور نبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ تعالیٰ نے کئی مراحل میں ہماری تخلیق کی ہے، پہلے نطفہ بنایا، پھر جما ہوا خون بنایا، پھر گوشت کی بوٹی بنایا پھر ہڈیاں بنائیں اور آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک ساعت میں دوبارہ پیدا کر دے گا! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو چیزیں بندوں پر دشوار ہوتی ہیں وہ اللہ پر دشوار نہیں ہوتیں، اس کے لیے تمام عالم کو پیدا کرنا ایک جان کو پیدا کرنے کے برابر ہے۔

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کے معانی

اس کے بعد فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ (لقمان: ۲۹)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کا محمل یہ ہے کہ سردیوں کے دنوں کا کچھ حصہ گرمیوں کے دنوں میں داخل کر دیتا ہے اور گرمیوں کی راتوں کا کچھ حصہ سردیوں کی راتوں میں داخل کر دیتا ہے۔ سو گرمیوں کے دن بڑے ہوتے ہیں اور سردیوں کی راتیں۔ حسن، عکرمہ، ابن جبیر اور قتادہ نے کہا دن کو کچھ کم کر کے رات میں داخل کر دیتا ہے اور رات کو کچھ کم کر کے دن میں داخل

کر دیتا ہے۔

ابن الشجرہ نے کہا روشنی کے راستوں میں اندھیروں کو داخل کر دیتا ہے اور اندھیروں کے راستوں میں روشنی کو داخل کر دیتا ہے' اس طرح ہر ایک دوسرے کی جگہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش کر رہا ہے۔

یعنی سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے اور وہ ایک مقرر نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم دن اور رات میں کیا کر رہے ہو۔

اور اس کے بعد فرمایا: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے۔ (لقمان: ۳۰)

(۱) ابن کامل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(۲) ابوصالح نے کہا اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم حق ہے۔

(۳) اللہ عزوجل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۴) اللہ عزوجل کی اطاعت کرنا حق ہے۔

پھر فرمایا: اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

مجاہد نے کہا شیطان باطل ہے۔ ابن کامل نے کہا انہوں نے جن بتوں اور دوسری چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیا ہوا ہے وہ سب باطل ہیں۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۳۴۶-۳۴۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ان آیات کی مزید تفسیر آل عمران: ۲۷ اور الحج: ۶۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی نعمت سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں تاکہ وہ تم لوگوں

مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا

کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے' بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور

غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا

جب انہیں کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں' اور جب اللہ

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا

انہیں (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل رہتے ہیں اور ہماری

كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بدعہد اور سخت ناشکرا ہے ○ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ

کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا

عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْــًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ

اپنے باپ کی طرف سے کوئی فدیہ دے سکے گا' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' پس تم کو دنیا کی

الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ

زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں شیطان کا فریب اللہ کے متعلق دھوکے میں ڈالے O بے شک قیامت کا علم

عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ

اللہ ہی کے پاس ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ

اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا

بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴ ع

کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی نعمت سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں' تاکہ وہ تم کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے' بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں O اور جب انہیں کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ انہیں (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل رہتے ہیں' اور ہماری آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بدعہد اور سخت ناشکرا ہے O (لقمان: ۳۲۔۳۱)

صبر اور شکر کی فضیلت میں احادیث اور آثار

لقمان: ۳۱ میں صبار اور شکور کے الفاظ ہیں' یہ صبر اور شکر کے مبالغہ کے صیغے ہیں' یعنی بہت صبر کرنے والا اور بے حد شکر کرنے والا' صبار وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر صبر کرے اور شکور وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرے' صبر اور شکر ایمان کی افضل صفات ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صبر نصف ایمان ہے اور یقین (کامل) ایمان ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۸۵۴۴' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷' دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف صبر میں

ہے اور ایک نصف شکر میں ہے۔ حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۱۵' الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۴۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱)

انسان اپنی قوت بدنیہ کے اعتبار سے صبر میں مشقت اٹھاتا ہے جیسے مسجد کی تعمیر میں بنیادیں کھودنے کے لیے مشقت برداشت کرنا یا دیواریں بنانے کے لیے بھاری پتھر یا اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانا یا مثلاً سر میں یا کمر میں شدید درد ہو تو اس کو برداشت کرنا' اس قسم کے صبر میں بھی فضیلت ہے لیکن زیادہ فضیلت اس میں ہے کہ اس کا دل کسی کام کے لیے چاہ رہا ہو اور اس کی طبیعت اس کام کے لیے مچل رہی ہو لیکن وہ خوف خدا سے نفس کے منہ زور گھوڑے کے منہ میں قوت سے لگام ڈال کر اس کو روک لے' مثلاً صبح کی نماز کی جماعت کے وقت اس کو زبردست نیند آ رہی ہو اور باہر سردی ہو اور اس کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ اسی طرح گرم گرم بستر میں دیر تک سوتا رہے لیکن وہ صرف خوفِ خدا سے نیند اور گرم بستر کو چھوڑ کر اپنی طبیعت کے خلاف مشقت برداشت کرے اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جائے' یا جیسے کمرہ کی تنہائی میں کوئی حسین اور مقتدر عورت اس کو گناہ پر اکسائے اس کا دل بھی گناہ پر آمادہ ہو لیکن وہ صرف خوف خدا سے اپنے نفس پر قابو پائے اور گناہ سے اپنا دامن چھڑائے' صبر کی اس پُر مشقت وادی کے امام حضرت سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جنہوں نے فرمایا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ اے میرے رب! جس چیز کی طرف مجھے یہ عورتیں دعوت دے رہی ہیں اس کی بہ نسبت مجھے قید خانہ زیادہ محبوب ہے۔ (یوسف: ۳۳)

اور شکر میں دل سے نعمت کا تصور کیا جاتا ہے اور زبان سے نعمت دینے والے کی تعریف اور تحسین کی جاتی ہے اور جسمانی اعضاء کے ساتھ اس کی خدمت کی جاتی ہے' اس میں اختلاف ہے کہ صبر افضل ہے یا شکر افضل ہے' بعض نے کہا بلا اور مصیبت پر صبر کرنا افضل ہے' بعض نے کہا نعمت ملنے پر شکر کرنا افضل ہے' بعض نے کہا بلاء اور مصیبت پر بھی شکر کرنا افضل ہے۔

بعض صوفیاء یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں عبد صابر نہ بنانا عبد شاکر بنانا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص یوں دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں! آپ نے فرمایا تم نے اللہ سے بلاء (مصیبت) کا سوال کیا ہے' تم اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۶۹' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۰۰-۹۹-۹۸-۹۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۰۴' کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۲۲۴)

صوفیاء کے نزدیک صبر کی تعریفات

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس طرح جسم میں سر کا مقام ہے' اسی طرح ایمان میں صبر کا مقام ہے۔

جنید نے کہا ناگواری کا اظہار کیے بغیر تلخی کے گھونٹ پینا صبر ہے۔

ذوالنون نے کہا مخالفات شرعیہ سے دور رہنا اور سکون کے ساتھ مصائب کے گھونٹ بھرنا صبر ہے۔

بعض نے کہا اظہار شکایت کیے بغیر مصائب میں فنا ہونا صبر ہے۔

ابو عثمان نے کہا جس نے اپنے آپ کو مصائب برداشت کرنے کا عادی بنا لیا ہو وہ صبار ہے۔

عمرو بن عثمان نے کہا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضا پر ثابت قدم رہنا اور مصائب کا خوشی سے استقبال کرنا صبر ہے۔

الخواص نے کہا کتاب اور سنت کے احکام کی تعمیل میں ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

محمد بن الحسین نے کہا میں نے علی بن عبد اللہ البصری سے سنا کہ شبلی سے ایک شخص نے پوچھا صبر کرنے والوں پر کس سے صبر کرنا زیادہ سخت ہوتا ہے؟ شبلی نے کہا اللہ کی اطاعت اور عبادت میں صبر کرنا' اس نے کہا نہیں! شبلی نے کہا اللہ کی خاطر صبر کرنا! اس نے کہا نہیں! شبلی نے کہا اللہ کے ساتھ صبر کرنا! اس نے کہا نہیں' شبلی نے کہا پھر کس چیز پر صبر کرنا سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے؟ اس نے کہا اللہ کے فراق پر صبر کرنا' یہ سن کر شبلی نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ لگتا تھا کہ ان کی روح نکل گئی ہے۔

بعض نے کہا اپنے نفسوں کو اللہ کی اطاعت پر صابر رکھو' اپنے دلوں کو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی مصیبتوں پر صابر رکھو اور اپنی روحوں کو اللہ سے ملاقات کے شوق پر صابر رکھو۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۲۲۱۔۲۱۹ ملتقطاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صوفیاء کے نزدیک شکر کی تعریفات

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف اور تحسین کی جائے' پس بندہ اللہ کا شکر ادا کرے تو اس کے احسان کا ذکر کر کے اس کی حمد وثناء کرے' اور اللہ سبحانہ بندہ کا شکر کرے تو اس کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تحسین فرمائے اور بندہ کا احسان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے اور اللہ سبحانہ کا بندہ پر احسان یہ ہے کہ وہ اس پر انعام اور اکرام کرے اور اس کو شکر ادا کرنے کی توفیق دے۔

زبان سے شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے' اعضاء سے شکر یہ ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کرے' دل سے شکر یہ ہے کہ ہر وقت اس کی صفات کے مطالعہ اور ذات کے مشاہدہ میں حاضر رہے۔

علماء کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام پہنچائیں' عابدوں کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادت میں زیادہ مشغول رہیں عارفین کا شکر یہ ہے کہ وہ ہر حال میں استقامت پر رہیں۔

ابو بکر وراق نے کہا نعمت کا شکر ہے منعم کا مشاہدہ کرنا اور اپنے آپ کو محروم ہونے سے محفوظ رکھنا۔

ابو عثمان نے کہا اپنے آپ کو شکر کی ادائیگی سے عاجز پانا شکر ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ شکر کی ادائیگی پر شکر کرنا بڑا شکر ہے۔ پھر اس شکر کی ادائیگی پر شکر کرنا اس سے بھی بڑا شکر ہے' علی ہذا القیاس۔

جنید نے کہا شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس کی نعمت کا اہل نہ پاؤ۔

بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو موجود پر شکر کرتا ہے' اور شکور وہ ہے جو نعمت کے مفقود ہونے پر شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو اللہ سے ملاقات پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو مسترد ہونے پر بھی شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو نفع پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو منع پر شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو عطا پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو بلا پر شکر کرتا ہے۔ ابو عثمان نے کہا عام لوگ کھانے پینے اور پہننے کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور خواص دلوں پر وارد ہونے والے معانی پر شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں کیونکہ تیری نعمت پر شکر ادا کرنا یہ بھی نعمت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: اے اللہ! تو نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان پر متعدد انعامات فرمائے انہوں نے تیرا شکر کیسے ادا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ انعامات میں نے کیے ہیں' سو میرا شکر ادا ہو گیا۔

سہل بن عبد اللہ سے کسی نے کہا رات کو چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا مال و متاع لے گیا' سہل نے کہا اللہ کا شکر کرو' اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارا ایمان چرا لیتا تو تم پھر کیا کرتے!

جنید نے کہا ایک دن سری نے مجھ سے پوچھا شکر کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا اللہ کی کسی نعمت سے اس کی کسی نافرمانی پر مدد نہ لی جائے۔ حسن بن علی حجر اسود سے لپٹ کر کہہ رہے تھے: اے اللہ تو نے مجھے نعمت دی اور مجھے شکر گزار نہ پایا اور مجھ پر مصیبت طاری کی تو مجھے صبر کرنے والا نہ پایا' تو نے شکر نہ کرنے کی بناء پر مجھ سے نعمت چھینی نہیں اور صبر نہ کرنے کی وجہ سے سختی نہیں کی' اے اللہ! تو کریم ہے اور کریم کرم کرنے کے سوا اور کیا کرتا ہے! حضرت نوح علیہ السلام کو عبد شکور اس لیے فرمایا کہ وہ بیت الخلاء سے آتے وقت یہ دعا کرتے تھے **الحمد لله الذی اذا قنی لذته وابقی فی جسدی منفعته واخرج عنی اذاه** ۔(الرسالۃ القشیریہ ص ۲۱۳۔۲۱۱ ملتقطاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

معتدل لوگوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب کوئی موج انہیں سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے۔ الآیۃ (لقمان: ۳۱)

موج واحد ہے اور اس کو سائبانوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ وہ جمع ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر موج کے بعد دوسری موج آتی ہے' اور وہ بھی سائبانوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔

اور فرمایا جب اللہ انہیں خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل ہیں' یعنی انہوں نے سمندری طوفان میں گھرتے وقت اللہ سے جو نذر مانی تھی اور جو عہد و پیمان کیا تھا اس کو پورا کرتے ہیں اور وہ توحید کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ چار آدمیوں کے سوا کسی کو قتل نہ کریں' عکرمہ بن ابی جہل' عبداللہ بن خطل' قیس بن ضبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح' رہے عکرمہ تو وہ سمندر کے سفر پر روانہ ہو گئے' سمندر میں طوفان آ گیا تو کشتی والوں نے کہا اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ یہاں تمہارے معبود کسی کام نہیں آ سکتے' عکرمہ نے دل میں سوچا جب سمندر میں صرف اللہ دعائیں سنتا ہے تو خشکی میں بھی وہی معبود ہے' اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے اس طوفان سے سلامتی کے ساتھ نکال لیا تو میں سیدھا جا کر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا' سو میں ان کو ضرور معاف کرنے والا کریم پاؤں گا پھر وہ آپ کے پاس جا کر مسلمان ہو گئے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۲' الوسیط ج ۳ ص ۴۴۷' الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۸' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۰)

پھر فرمایا اور ہماری آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بدعہد اور سخت ناشکرا ہے' اس آیت میں ختار کا لفظ ہے:

ختر کا معنی عہد شکنی کرنا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۸۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کوئی فدیہ دے سکے گا' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' پس تم کو دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں شیطان کا فریب اللہ کے متعلق دھوکے میں ڈالے ○ (لقمان: ۳۳)

اولاد کی وجہ سے والدین کی مغفرت کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: اے لوگو! اور اس آیت میں کافر اور مومن دونوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کے کام نہیں آ سکے گا اور نہ کوئی بیٹا باپ کے کام آ سکے گا' جب کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ کی بخشش ہو جائے گی اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں وہ دوزخ میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۞ (مریم: ۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کن بات ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں وہ سوال کر رہی تھی اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہیں تھا، میں نے وہ کھجور اس کو دے دی، اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں میں تقسیم کر دیئے اور خود نہیں کھائی، پھر وہ کھڑی ہوئی اور چلی گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا آپ نے فرمایا جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش کرنے میں مبتلا ہوا وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کا یہ محمل ہے کہ باپ کے گناہ بیٹے پر نہیں ڈالے جائیں گے اور نہ بیٹے کے گناہ باپ پر ڈالے جائیں گے اور نہ ایک کے گناہوں کا دوسرے سے مواخذہ کیا جائے گا، اور ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے بچوں کی موت پر صبر کرے گا اور بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کرے گا وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی، اور بچوں کی سفارش سے وہ شخص جنت میں چلا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، یعنی قیامت کا آنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا برحق ہے، پھر فرمایا اور تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یعنی تم دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں منہمک ہو کر آخرت کو نہ بھول جانا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کو ترک نہ کر دینا، کیونکہ شیطان انسان کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے وہ اس کے دل میں دنیا کے حصول کی تمنائیں ڈالتا ہے اور اس کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے، وہ شیطان کے کہنے میں آ کر گناہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھتا ہے، اور وہ مغفرت کی توقع دلا کر گناہوں پر اکساتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور شیطان کے مکر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے، اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا، بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے ۞ (لقمان: ۳۴)

علوم خمسہ کی نفی کی آیت کا شان نزول

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یہ آیت دیہاتیوں میں سے الحارث بن عمرو بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر قیامت اور اس کے وقت کے متعلق سوال کیا اور کہا ہماری زمین قحط زدہ ہے، پس بارش کب نازل ہو گی؟ اور میں نے اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہے، اس کے ہاں بچہ کب پیدا ہو گا؟ اور مجھے یہ معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں، سو میں کس جگہ مروں گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے الخ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مفاتیح الغیب (غیب کی چابیاں) پانچ ہیں' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۷۷' روح البیان ج ۷ ص ۱۲۳' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۴)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی

اس آیت میں ان علوم خمسہ کا اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں انحصار بیان فرمایا ہے' سو بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ ان پانچ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پانچ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے' ان کو' کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی مرسل' اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی کو جانتا ہے' اس نے قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا' کیونکہ اس نے قرآن مجید کی مخالفت کی' پھر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بہ کثرت غیب کا علم ہے اور اس آیت سے کاہنوں اور نجومیوں کے قول کو باطل کرنا مقصود ہے' اور زیادہ تجربہ سے انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کے پیٹ میں مذکر کا حمل ہے یا مؤنث کا' اور کبھی تجربہ اور عادت کے خلاف ہو جاتا ہے اور صرف اللہ عزوجل کا علم باقی رہ جاتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک یہودی ستاروں کے حساب کو جانتا تھا اس نے حضرت ابن عباس سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے بیٹے کا ستارہ بتاؤں اور یہ کہ وہ دس دن بعد مر جائے گا' اور آپ موت سے پہلے نابینا ہو جائیں گے اور میں اس سال کے مکمل ہونے سے پہلے مر جاؤں گا' حضرت ابن عباس نے اس سے پوچھا اے یہودی تم کس جگہ مرو گے؟ اس نے کہا یہ میں نہیں جانتا! حضرت ابن عباس نے فرمایا اس نے سچ کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون کس جگہ مرے گا' حضرت ابن عباس جب لوٹ کر آئے تو ان کے بیٹے کو بخار چڑھا ہوا تھا' اور وہ دس دن بعد فوت ہو گیا اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ یہودی فوت ہو گیا اور جب حضرت ابن عباس فوت ہوئے تو اس سے پہلے نابینا ہو چکے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کی احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح الغیب پانچ ہیں ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے' اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا' اللہ کے سوا ان پیٹوں کو کوئی نہیں جانتا جو گھٹتے (یا بڑھتے) ہیں اور اللہ کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا کہ بارش کب ہو گی اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہو گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۹۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۱۳۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' بے شک وہی بارش کو نازل کرتا ہے' وہی جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا' بے حد خبر رکھنے والا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۸۲' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' بے شک وہی بارش کو نازل کرتا ہے' وہی جانتا ہے کہ (ماؤں کے) پیٹوں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا' بے حد خبر رکھنے والا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۸۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۷۹)

عبد اللہ بن مسلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے' پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت پڑھی (لقمان: ۳۴)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۱۸' ج ۶ ص ۳۲۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کا محمل اور مفاتیح الغیب کا معنی

تحقیق یہ ہے کہ بعض فرشتوں' نبیوں اور خصوصاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان پانچ میں سے چار چیزوں کا علم ثابت اور واقع ہے' اس لیے اس آیت کا محمل یہ ہے کہ بغیر تعلیم کے اور بغیر کسی واسطے کے ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے' اور جن احادیث میں مخلوق سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا بھی یہی محمل ہے' اور جن احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے سو مفاتیح الغیب سے مراد ہے ان پانچ چیزوں کا کلی علم بایں طور کہ ان پانچ چیزوں کی ہر ہر جزی کا علم ہو اور ان پانچ چیزوں کی کوئی جزی بھی اس علم سے خارج نہ ہو' مثلاً ابتداء آفرینش سے قیامت تک تمام ہونے والی بارشوں کا علم ہو' اور تمام انسانوں' حیوانوں' چرندوں' پرندوں' درندوں اور حشرات الارض کی ماداؤں کے پیٹ میں کیا ہے اس کا علم ہو' اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کل کیا کرے گا' اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کس جگہ مرے گا' ایسا علم محیط صرف اللہ عزوجل کو ہے اور یہ علم کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں اسی طرح حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا: پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے' اس کا یہی محمل ہے' اور ان پانچ چیزوں کی چابیوں سے یعنی ان پانچ چیزوں کے علم کلی سے بعض جزئیات کا علم مخلوق کو بھی عطا کیا گیا ہے اور جس مخلوق کا جتنا زیادہ مرتبہ ہے اس کو اتنی زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے۔

بارش کے نزول کا علم

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہو گی اس کا علم بھی صرف اللہ کو ہے اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے' ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے:

ثُمَّ يَأْتِي مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ○ (یوسف: ۴۹)

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی اور اس سال انگور کا رس بھی خوب نچوڑیں گے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں:

امام شافعی نے کتاب الام میں اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر میں المطلب بن حنطب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی' بیروت ص ۸۲' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' دار احیاء التراث العربی' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش

نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے۔ (یہ حدیث ہر چند کہ صراحتاً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے)۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہو گی جب تک کہ اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور یاجوج ماجوج کا تفصیل سے ذکر فرمایا اس کے اخیر میں ہے: پھر اللہ کے نبی اور ان کے اصحاب دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو صبح کو وہ یک لخت مر جائیں گے' پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہو گی' پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند پرندے بھیجے گا یہ پرندے ان لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا وہاں پھینک دیں گے' پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہو یا کھال کا خیمہ ہو وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۶۔۴۰۷۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱' ج ۴ ص ۳۶۸)

ماؤں کے رحم کا علم

قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی بشارت دی اور حضرت سارہ کے پیٹ میں لڑکے کی خبر دی:

قَالُوا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ (الذاریات: ۲۸)

فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں اور ان کو علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

اس بشارت کا ذکر الحجر: ۵۳ میں بھی ہے۔

اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى. (آل عمران: ۳۹)

پس فرشتوں نے زکریا کو ندا کی جب کہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کو اللہ یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

اور حضرت جبریل نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم: ۱۹)

جبریل نے کہا میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

اور فرشتوں کو بتلا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ کہتا ہے اے رب! یہ نطفہ ہے' اے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے' پھر جب وہ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے یہ مذکر ہے یا مونث؟ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کی مدت حیات کتنی ہے' پھر وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶)

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن پیدا ہوں گے۔

قابوس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں آپ کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے' آپ نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے' عنقریب فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی' پھر حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسین یا حضرت حسن پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت قثم بن عباس کے ساتھ ان کو دودھ پلایا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۲۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۸۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی پیٹ کی خبر دی کہ ان کی بنت خارجہ سے ایک بیٹی پیدا ہونے والی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو اپنے غابہ کے مال سے بیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں' پھر جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا: اے بیٹی! مجھے اپنے بعد تمام لوگوں کی بہ نسبت تمہارا خوش حال ہونا سب سے زیادہ پسند ہے' اور اپنے بعد تمہارا تنگ دست ہونا مجھ پر سب سے زیادہ شاق ہے' اور میں نے تم کو درخت پر لگی ہوئی کھجوروں میں سے بیس وسق کھجوریں دی تھی' اگر تم ان کھجوروں کا اندازہ کر کے درختوں سے توڑ لیتیں تو وہ تمہاری ہو جاتیں' اب آج کے دن وہ وارث کا مال ہے' (وفات کے وقت) اور اب تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں' اب تم اس مال کو کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا' حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے کہا: اے میرے ابا جان! اگر یہ مال اس سے بہت زیادہ بھی ہوتا تو میں اس کو چھوڑ دیتی مگر میری بہن تو صرف ایک ہے' اور وہ حضرت اسماء ہیں تو دوسری بہن کون سی ہیں؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا وہ ان کی زوجہ بنت خارجہ سے پیدا ہوں گی۔ (موطاء امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۰۳' تنویر الحوالک ص ۵۶۰' القبس ج ۳ ص ۴۷۰)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق کے گمان کے مطابق ان کی زوجہ بنت خارجہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام ام کلثوم تھا۔

(شرح الزرقانی علی الموطاء ج ۴ ص ۶۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابو عمر ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی لکھا ہے کہ بنت خارجہ ان کی زوجہ تھی اس سے ایک لڑکی ام کلثوم پیدا ہوئی۔

(الاستذکار ج ۲۲ ص ۲۹۸' مطبوعہ دار قتیبہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

کل کا اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کاری کر کے غلہ جمع کریں' پھر اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ (یوسف: ۴۷-۴۸)

یوسف نے کہا تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوا اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے ۝ اس کے بعد سات سخت قحط کے سال آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے سوا اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق بتایا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ (یوسف: ۴۱)

اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے' تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قیامت تک بلکہ دخول جنت اور دخول نار تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہم کو ابتداء آفرینش سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲)

اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

لا عطين الراية غدا يفتح الله على يديه.

کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶)

اور آپ نے بدر میں کفار کے مقتول ہونے کے متعلق فرمایا:

هكذا مصرع فلان ان شاء الله غدا.

ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ گرے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

اور آپ نے فرمایا:

منزلنا غدا ان شاء الله بخيف بني كنانه.

کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بن کنانہ میں ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱)

مرنے کی جگہ کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا تمہیں سولی دی جائے گی (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی' اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا۔

نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی التوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے' ان کی مجلس میں ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے وہ

ان میں سے ایک شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے' اس شخص نے حضرت سلیمان سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ انھوں نے کہا یہ ملک الموت ہے' اس نے کہا لگتا ہے کہ یہ میری روح قبض کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اڑا کر لے جائے اور ہندوستان کے کسی شہر میں پہنچا دے' حضرت سلیمان نے ایسا کر دیا' پھر ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا جو اس شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس پر تعجب تھا کہ مجھے ہندوستان کے ایک شہر میں اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ یہاں آپ کے پاس موجود تھا۔

(الکشاف ج ۳ ص ۵۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور شیخ قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے' علامہ آلوسی نے اس روایت کا مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن مصنف میں یہ روایت نہیں ہے۔

(مدارک علی حامش الخازن ج ۳ ص ۴۷۴' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰' فتح البیان ج ۵ ص ۳۱۲)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

قیامت کا علم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں مہدی کا ظہور ہو گا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دآبۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی' اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیھقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیھقی ص ۳۸۲)

آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۔ (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۰۲) ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے اس کے مکذب بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات' بلا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے' اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں

کو بھی ہے اور اولیاء اللہ کو بھی ہے' اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

علوم خمسہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا کرنے کے منافی نہیں ہے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ جاننا چاہیے کہ ہر غیب کا علم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے' اور مغیبات کا حصر ان پانچ چیزوں میں نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ کے غیر سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی اس لیے کی ہے کہ کفار اور مشرکین ان کے متعلق بہ کثرت سوال کرتے تھے۔

اور لوگوں کو ان کے جاننے کا اشتیاق تھا' علامہ قسطلانی نے کہا کہ ان پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا حالانکہ غیب تو غیر متناہی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ کی تخصیص دوسرے عدد کی نفی نہیں کرتی۔

علامہ قسطلانی کی بیان کردہ توجیہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض پسندیدہ بندوں کو ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے علم پر مطلع فرمادے' اور یا اللہ تعالیٰ اس کو ان پانچ چیزوں کا اجمالی علم عطا فرمادے اور جو علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے وہ علم محیط ہے جو ان پانچ چیزوں کے ہر ہر احوال کو مکمل تفصیل کے ساتھ شامل ہے۔

الجامع الصغیر میں یہ حدیث ہے پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے (الجامع الصغیر رقم الحدیث:۳۹۶۳) علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے اس کی شرح میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو علی وجہ الاحاطہ والشمول نہیں ہے' یعنی ایسا علم جو ان پانچ چیزوں کی تمام جزئیات کو محیط اور شامل ہو' اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خواص کو ان پانچ چیزوں کی بعض جزئیات کا علم عطا فرمادے کیونکہ وہ قابل شمار جزئیات ہیں اور معتزلہ جو اس کا انکار کرتے ہیں وہ محض ہٹ دھرمی ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۶ ص ۳۰۹۷-۳۰۹۶' مکتبہ نزار مصطفی الباز' ۱۴۱۸ھ)

فیض القدیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں' ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان پانچ چیزوں اور دیگر غیوب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غیوب کی خبریں دینے میں کوئی تعارض نہیں ہے' اسی طرح علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ بارش نازل فرمانا چاہتا ہے تو جو فرشتے بارش نازل کرنے پر مامور ہیں ان کو مطلع فرماتا ہے اور وہ ان جگہوں پر بادلوں کو ہانک کر لے جاتے ہیں اور ان کو علم ہوتا ہے کہ بارش کب ہو گی اور کس جگہ ہو گی' اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو یہ جان لیتا ہے کہ یہ بچہ مذکر ہے یا مونث ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے اس کا رزق کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے اور یہ شقی ہے یا سعید ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبریں دینا اور فرشتوں کو ماؤں کے رحموں کا علم ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ غیب کا علم اور خصوصاً ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور اسی میں منحصر ہے' کیونکہ اللہ عزوجل کے ساتھ وہ علم خاص ہے جو علم کلی ہے اور ہر ہر جزی کو محیط اور شامل ہے' لہٰذا فرشتوں کو جو علم ہے اور بعض خواص کو جو علم دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے' اور ملا علی قاری نے شرح شفا میں کہا ہے کہ ہر چند کہ اولیاء اللہ پر بعض چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں لیکن ان کا علم یقینی نہیں ہوتا اور ان کا الہام ظنی ہوتا ہے' اور نجومیوں کا علم تو بہت بعید ہے

(اسی طرح الٹرا ساؤنڈ اور دیگر آلات سے جو ماں کے پیٹ کا حال معلوم ہو جاتا ہے اس کا بھی اس آیت سے معارضہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علم آلات کے واسطے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم بلا واسطہ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قیامت کا علم عطا فرمایا ہے وہ غایت اجمال میں ہے اگرچہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں آپ کا علم بہت کامل ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کا علم کامل طریقہ پر عطا فرمایا ہو' لیکن آپ نے کسی کو اس پر مطلع نہ فرمایا ہو اور اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر یہ واجب کر دیا ہو کہ آپ اس علم کو مخفی رکھیں اور یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو لیکن میرے پاس اس بات کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰۔۱۶۸ ملخصاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۸۴۔۴۶۹ میں علم غیب پر مفصل بحث کی ہے اور آپ کے علم غیب' علم ما کان و ما یکون اور علم قیامت کے متعلق چھیاسی احادیث ذکر کی ہیں اور ہر ہر حدیث کو متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا ہے' اس کے مطالعہ سے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب عطا فرمایا تھا وہ علم کا ایسا عظیم سمندر ہے جس کا تصور بھی ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

نیز علوم خمسہ کے متعلق بھی ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۶۱۔۴۴۱ میں مفصل بحث کی ہے' تاہم اس مقام کی اہمیت اور اس کی خصوصیت کے پیش نظر ہم اس مبحث کے بعض اقتباسات کو قارئین کی ضیافت طبع کے لیے دوبارہ پیش کر رہے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ و علم روح وغیرہ دیئے جانے کے متعلق جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئی منها غیر مسند الی رسول الله صلی الله علیه وسلم کان کاذبا فی دعواه.

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المفہم ج ۱ ص ۱۵۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی' علامہ ابن حجر عسقلانی' ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے: (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰' فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴' ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۳۸' مرقات ج ۱ ص ۶۵' فتح الملہم ج ۱ ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم لیس فی الایة دلیل علی ان الله لم یطلع نبیه علی حقیقة الروح بل یحتمل ان یکون اطلعه ولم یامره انه یطلعهم وقد قالوا فی علم الساعة نحو هذا والله اعلم.

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۃ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا' بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ زرقانی ''المواہب'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد قالوا فی علم الساعة وباقی الخمس المذکورة فی اية ان الله عنده علم الساعة (نحو هذا) یعنی انه علمها ثم امربکتمها.

(شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۶۵)

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورہ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الی انه صلی الله علیه وسلم اوتی علم الخمس ایضا وعلم وقت الساعة والروح وانه امربکتم ذالک.

اور بعض علماء نے یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص ۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعه الله علی تلک الخمس ولکنه امره بکتمها. (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵)

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرما دیا' لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔

اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

لم یقبض رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی علم کل شیٔ یمکن العلم به.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ویجوز ان یکون الله تعالی قد اطلع حبیبه علیه الصلوٰة والسلام علی وقت قیامها علی وجه کامل لکن لاعلی وجه یحاکی علمه تعالی به الا انه سبحانه اوجب علیه صلی الله تعالی علیه وسلم کتمه لحکمة ویکون ذلک من خواصه علیه الصلوٰة والسلام ولیس عندی ما یفید الجزم بذلک.

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقوع وقت قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الٰہی کا اشتباہ ہو لاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو' لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه المخصوص وهو قیام القیامة احد اثم قال بعده لکن من ارتضی من رسول. (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۱۹)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان الغیب ھھنا لیس للعموم بل مطلق او معین ھو وقت وقوع القیمة بقرینة السیاق ولا یبعدان یطلع علیه بعض الرسل من الملئکة او البشر. (شرح المقاصد ج ۵ ص ۶ طبع ایران)

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت' اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق آنست کہ در آیت دلیلے نیست بر آنکه حق تعالی مطلع نگر دانیده است حبیب خود را صلی الله علیه وسلم بر ماهیت روح بلکه احتمال دارد که مطلع گردانیده باشد وامرنکرد اورا که مطلع گرداند ایں قوم راو بعضی از علماء در علم ساعت نیز ایں معنی گفته اندالی ان قال ولے گوید بنده مسکین خصه الله بنور العلم والیقین وچگونه جرات کند مومن عارف که نفی علم به حقیقت روح سید المرسلین وامام العارفین صلی الله علیه وسلم کند و داده است اورا حق سبحانه علم ذات و صفات خودوفتح کرده بروے فتح مبین از علوم اولین و اخرین روح انسانی چه باشد که درجنب حقیقت جامعه وے قطره ایست از دریائے ذره از بیضائے فافهم وبالله التوفیق. (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰)

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے' اور بندہ مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں' ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حیثیت ہے۔ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

سید عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:

وکیف یخفی امر الخمس علیه صلی الله علیه وسلم والواحد من اهل التصرف من امته الشریفة لا یمکنه التصرف الا بمعرفة هذه الخمس.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوگا' حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہو سکتا جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔ (الابریز ص ۴۸۳)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ ھ تحریر فرماتے ہیں:

لا یعلم متی تقوم الساعة الا الله الا من ارتضی من رسول فانه یطلعه علی من یشاء من

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دے

غیبه والولی تابع له یاخذ عنه.
(ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۷۸)

دیتا ہے۔ (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) رہے اولیاء وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی کے تفحص اور تتبع سے حسب ذیل حوالہ جات ہیں:

علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

لم یخرج صلی الله علیه وسلم الدنیا الا بعد ان اعلمه الله تعالٰی بهذه الامورای الخمسة.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا۔

علامہ شنوانی نے جمع النہایہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا ہے کہ:

قد وردان الله تعالی لم یخرج النبی صلی الله علیه وسلم حتی اطلعه علی کل شئی.

بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ عنہ سے راوی:

هو صلی الله تعالی علیه وسلم لا یخفی علیه شئی من الخمس المذکورة فی الایة الشریفة وکیف یخفی علیک ذالک والاقطاب السبعة من امته الشریفة یعلمونها وهم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والاخرین الذی هو سبب کل شئی ومنه کل شئی.
(خالص الاعتقاد ص ۴۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی)

یعنی قیامت کب آئے گی مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے کل کیا ہوگا۔ فلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آیہ کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے۔ غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا باعث

سورۃ لقمان کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (لقمان: ۳۴)

بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا بے شک اللہ ہی جاننے والا (جسے چاہے) خبر دینے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہر چیز کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مشرکین ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے اس لیے بتایا گیا کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے کاہنوں اور نجومیوں کو ان کا علم ہے اس لیے بتایا گیا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے' حالانکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے' روایت ہے کہ دیہاتیوں میں سے حارث بن عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین خشک ہے میں نے اس میں بیج ڈالنے ہیں' بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حاملہ ہے اس کے پیٹ میں مذکر ہے یا مؤنث' اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں لیکن میں کہاں مروں گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے' اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبر دینا' وحی' الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے' لہٰذا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان غیوب پر انبیاء' اولیاء اور ملائکہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿ۙ﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (جن: ۲۷-۲۶)

(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو اس نے پسند فرمالیا' جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا' جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ . (الانعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' اس کے سوا (بذات خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے' اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو مخفی رکھا' لیکن صاحب شرع کی زبان سے اس کی علامتوں کو ظاہر فرما دیا' مثلاً خروج دجال' نزول عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے' اسی طرح ابو العزم اصفہانی شیراز میں بیمار ہو گئے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے اگر بالفرض شیراز میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ تندرست ہو گئے اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی' اور میرے شیخ نے بیس سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر فوت ہوئے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۰۵-۱۰۳' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ)

حرف آخر

آج مورخہ ۳ رجب ۱۴۲۳ھ/ گیارہ ستمبر ۲۰۰۲ء بہ روز بدھ بعد نماز ظہر سورۃ لقمان کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۲ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی گئی تھی اور گیارہ ستمبر ۲۰۰۲ء کو یہ مکمل ہو گئی' اس طرح ۲۹ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوئی' اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد اور بے پناہ احسان ہے کہ میری کمزوری ناتوانی اور خرابی صحت اور مختلف النوع مصروفیات کے باوجود کم وقت میں اس سورت کی تفسیر کو مکمل کروا دیا۔ الٰہ العٰلمین! آپ اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور اس کو عام مسلمانوں کے لیے

آفریں اور نفع آور بنا دیں اور قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی اپنے فضل و احسان سے مکمل کرا دیں' میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیں اور محض اپنے فضل سے جنت' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائیں اور دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین.

سُورَةُ السَّجْدَةِ

(۳۲)

سُورَةُ الْاَحْزَابِ

(۳۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ السجدۃ

سورت کا نام

اس سورۃ کا نام السجدۃ ہے کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں اس بات پر مومنین کی تعریف اور تحسین کی گئی ہے کہ وہ اللہ کوسجدہ کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (السجدہ:۱۵)

ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کو جب بھی ان آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

سورۃ السجدہ کے فضائل میں احادیث

امام ابن الضریس، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (الم) السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے سورۃ السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے سوا افمن کان مومنا (۲۰۔۱۸) تین آیتوں کے۔ (الدرالمنثور ج۶ ص ۴۷۰، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں (الم تنزیل) السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۹۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۲، سنن الدارمی رقم الحدیث:۳۴۱۱، السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۰۵۴۲)

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ المنجیہ (نجات دینے والی سورت) کی تلاوت کیا کرو، اور وہ الم تنزیل ہے، کیونکہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کی تلاوت کرتا تھا اور اس کے علاوہ اور کسی سورت کی تلاوت نہیں کرتا تھا، اور وہ گناہ بہت کرتا تھا، اس سورت نے اس شخص کے اوپر اپنے پر پھیلا دیئے اور کہا اے میرے رب! اس کی مغفرت فرما دے، یہ میری

قرأت بہت کرتا تھا' تو رب نے اس سورت کی شفاعت اس شخص کے متعلق قبول کر لی' اور فرمایا اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث:۳۴۰۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ الم تنزیل اپنے پڑھنے والے کی قبر میں وکالت کرے گی اور کہے گی اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما' اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور یہ سورت ایک پرندہ کی مانند ہوگی اور اپنے پر اس شخص پر پھیلا دے گی' اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جائے گا اور تبارک الذی کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے' اور خالد بن معدان ان دونوں سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث:۳۴۱۱' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ السجدہ کی سورۃ لقمان سے مناسبت

(۱) سورۃ لقمان میں توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اس کے بعد قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا تھا اور یہ عقائد کی پہلی دو اصلیں ہیں اور اس سورت کی ابتداء عقائد کی تیسری اصل سے کی گئی ہے وہ رسالت ہے:

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ (السجدۃ:۳۔۱)

الف لام میم O بلاشبہ اس کتاب کا نازل کرنا رب العلمین کی جانب سے ہے O کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ آپ کے رب کی جانب سے برحق ہے تاکہ آپ اس قوم کو (عذاب سے) ڈرائیں جس کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔

(۲) سورۃ لقمان کی بعض آیتوں کی سورۃ السجدۃ میں تشریح ہے' سورۃ لقمان میں فرمایا تھا اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے (لقمان:۳۴) اور اس سورت میں قیامت کے دن کی مدت بیان فرمائی:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ O (السجدۃ:۵)

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس دن اس کی طرف رجوع کرتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

(۳) سورۃ لقمان میں فرمایا تھا وینزل الغیث (لقمان:۳۴) اور اس سورت کی تشریح فرمائی:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ O (السجدۃ:۲۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر اس سے نباتات پیدا کرتے ہیں جس کو ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود (بھی) کھاتے ہیں کیا وہ غور نہیں کرتے۔

(۴) نیز سورۃ لقمان میں فرمایا تھا ویعلم ما فی الارحام (لقمان:۳۴) اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے رحموں میں ہے اور اس سورت میں فرمایا:

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ O (السجدۃ:۷)

جس نے ہر چیز کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی۔

سورۃ السجدۃ' سورۃ النمل کے بعد اور سورۃ نوح سے پہلے نازل ہوئی ہے' اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ...

(۷۵) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر بتیس (۳۲) ہے۔

سورۃ السجدۃ کے مشمولات

(۱) اس سورت کی ابتداء اس سے کی گئی ہے کہ قرآن مجید' اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت برحق ہے۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی تخلیق اور اس کی ربوبیت پر تفصیل سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

(۳) مجرموں اور کافروں اور اطاعت گزار مومنوں کی دنیا اور آخرت کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) یہ بتایا ہے کہ نافرمانوں اور اطاعت گزاروں کا انجام مساوی نہیں ہوسکتا۔

(۵) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں مشابہت بیان کی گئی ہے' اور اس سے آپ کی رسالت پر متنبہ کیا گیا ہے۔

(۶) پچھلی امتوں کے منکروں پر جو عذاب نازل کیا گیا تھا اس سے اس زمانہ کے منکروں کو ڈرایا گیا ہے۔

(۷) اس سورت کے اول اور آخر میں توحید' رسالت اور حشر و نشر کے عقائد پر بحث کی گئی ہے۔

سورۃ السجدۃ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس دعا کے ساتھ اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برحق چیزوں کو مجھ پر منکشف فرمائے اور ان کی تحریر اور تقریر عطا فرمائے' اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان کا غلط اور باطل ہونا مجھ پر منکشف فرمائے اور ان کو رد کرنے کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' کراچی ۔ ۳۸

۴ رجب ۱۴۲۳ھ/۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ السجدۃ ۳۲ — آیاتہا ۳۰ — رکوعاتہا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ السجدہ مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں تیس آیتیں، تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾ اَمۡ

الف، لام، میم ○ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے ○ کیا یہ

یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ

منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ

اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ

(اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت قبول کر لیں ○ اللہ ہی ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ

جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا،

اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیۡعٍ ؕ

پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، اسے چھوڑنے کے بعد نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنے والا،

اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴﴾ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ

پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○ وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، پھر

یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾

وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ○

ذٰلِکَ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۶﴾ الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ

وہی عالم الغیب ہے اور عالم الظاہر ہے، بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اسی نے ہر چیز

کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ

کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی ○ پھر ایک حقیر

نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ

پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی ○ پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے

رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

روح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت کم

تَشْكُرُوْنَ ۝۹ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ

شکر ادا کرتے ہو ○ اور انہوں نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری

خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰

از سر نو پیدائش ہو گی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں ○

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے'

ع ۱۱/۱۴ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم ○ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے ○ کیا یہ منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت قبول کرلیں ○ (السجدہ: ۳۔۱)

الف لام میم کے نکات

الف لام میم ○ کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف کا مخرج حلق کا آخر ہے' اور لام اوسط مخارج ہے اور میم شفوی ہے اور یہ ہونٹوں سے نکلتا ہے اور اول مخارج ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو اپنی عمر کے اول' اوسط اور آخر تمام ادوار میں اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار رہنا چاہیے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف سے اعلام کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی خبر دینا' اور لام سے لزوم کی طرف اشارہ ہے اور میم سے اللہ کی ملکیت کی طرف اشارہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ سب پر اس کی عبادت لازم ہے اور سب اس کے مملوک ہیں اور سب پر اس کی اطاعت لازم ہے خواہ وہ اس کی اطاعت خوشی سے کریں یا ناخوشی سے۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف سے الفت کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نے اپنے احباء کے دلوں میں اپنے

قرب کی الفت ڈال دی ہے اور لام سے اپنی لقاء اور ملاقات کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نے اپنے احباء اور دوستوں کے لیے اپنی لقاء اور ملاقات کا ذخیرہ کر رکھا ہے اور میم سے ان کی مراد کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کے احباء نے اپنی مراد کو اللہ تعالیٰ کی مراد میں فنا کر رکھا ہے' ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں' ان کی وہی خواہش ہوتی ہے جو اللہ کی مشیت اور اس کی مرضی ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی مختلف النوع ہدایات

یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' یعنی اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل کی کہ لوگوں پر اس کی تلاوت کی جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ اگر وہ اس کتاب کے احکام پر عمل کریں گے تو دنیا میں ان کی تعریف اور تحسین ہوگی اور آخرت میں ان کو اجر و ثواب ملے گا' اور اگر وہ اس کتاب کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو دنیا میں ان کو ملامت کی جائے گی اور ان کی مذمت ہوگی اور وہ ایک صالح معاشرہ کے رکن نہیں بن سکیں گے اور آخرت میں ان پر عتاب اور عذاب ہوگا' اور جو عباد خواص ہیں وہ اس کتاب کے اسرار پر عمل کر کے اپنے دلوں کو تجلیات الٰہیہ کے لیے آئینہ بنالیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔

اس اشکال کا جواب کہ اہل عرب کے پاس تو پہلے بھی کئی..... رسول اور عذاب سے ڈرانے والے آئے تھے

اور فرمایا تا کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت کو قبول کر لیں۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اہل مکہ کے پاس حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی نہیں آیا اور کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تو یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طویل عرصہ تک اس قوم کے پاس کوئی ڈرانے والا اور کوئی نبی اور رسول نہیں بھیجا' نیز یہ مفروضہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے:

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ○ (الفاطر: ۲۴)

اور کوئی امت ایسی نہیں تھی جس میں کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

نیز فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ (النحل: ۳۶)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو' پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی' سو تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب والوں کی طرف بھی ڈرانے والے اور رسول بھیجے گئے تھے۔

عرب کے لوگوں کو شرک اور کفر پر عذاب سے ڈرانے کے لیے سب سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھیجا گیا تھا' پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مبعوث کیا گیا جن کا زمانہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی

ہزار برس پہلے ہے' ان کے بعد جو آخری پیغمبر سرزمین عرب میں مبعوث کیے گئے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے' وہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو ہزار برس پہلے تھے۔

اس لیے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک سرزمین عرب میں کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافی مدت سے عرب والوں کے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

اس طویل عرصہ میں ہر چند کہ عرب والوں کے پاس عمل کرنے کے لیے کوئی مکمل شریعت نہ تھی اور ان کے پاس ایک صالح حیات گذارنے کے لیے دستور عمل نہ تھا' لیکن یہ حقیقت انہیں معلوم تھی کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' وہ الوہیت اور تخلیق میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں مانتے تھے وہ عبادت اور پرستش میں بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے' عرب والوں کا اصل دین' دین ابراہیم تھا' عمرو بن لُحی نام کے ایک شخص نے عرب میں بت پرستی کی بدعت شروع کی تھی' اس کے باوجود عرب کے مختلف علاقوں میں ایسے لوگ تھے جو بت پرستی کے مخالف تھے اور توحید کا پرچار کرتے تھے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل زمانے میں قس بن ساعدہ الایادی' امیہ بن ابی الصلت' سوید بن عمرو المصطلقی' زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور ایسے کئی حضرات موحد تھے ان کو حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ اگر آپ صرف قریش مکہ کے رسول ہیں..... تو پھر اہل کتاب کے لیے رسول نہیں ہیں

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف قریش مکہ اور امیین کے رسول ہیں جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی رسول نہیں آیا تھا اور آپ ان اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے رسول نہیں ہیں کیونکہ ان کے پاس تو اللہ کے عذاب سے بہت ڈرانے والے انبیاء بنی اسرائیل آچکے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کی تخصیص کرنے سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۴) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اور کسی کو نہ ڈرائیں یا ان کو ڈرانے کا حکم نہیں دیا گیا' اس طرح جب یہ فرمایا'' آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا'' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اہل کتاب کو نہ ڈرائیں یا ان کو وعظ اور نصیحت نہ کریں' اور قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ آپ نے اہل کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کو وعظ فرمایا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ (المائدہ: ۱۸)

اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' آپ کہیے پھر وہ تم کو تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دے گا؟ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو' وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور تمام آسمان اور زمینیں اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی

ملکیت ہے اور اس کی طرف (تم سب نے) لوٹنا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (المائدہ:۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس رسولوں کی آمد منقطع ہونے کے بعد ہمارے رسول آ گئے ہیں جو تمہارے لیے (احکام) بیان کررہے ہیں' تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر (ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا) نہیں آیا تو اب تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ پہنچا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ (آل عمران:۷۰)

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں کفر کررہے ہو حالانکہ تم ان کی گواہی دیتے تھے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران:۷۱)

اے اہل کتاب! تم حق اور باطل کو کیوں خلط ملط کررہے ہو اور حق کو چھپا رہے ہو! حالانکہ تم جانتے ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' اسے چھوڑنے کے بعد نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنے والا' پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○ (السجدہ:۴)

جن چھ دنوں میں دنیا بنائی گئی ان کی تفصیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا' اور اتوار کے دن زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور پیر کے دن درختوں کو پیدا کیا اور منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور زمین پر چلنے والے جانداروں کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور تمام مخلوق کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا' حضرت آدم کو جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات کے وقت کے درمیان میں پیدا کیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

منگل کے دن کو منحوس سمجھنے کی تحقیق

اس حدیث میں ہے منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا' قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں: امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ التقن کو منگل کے دن پیدا کیا (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷) التقن سے مراد ہے سخت اور مضبوط چیزیں' مثلاً لوہا اور دیگر معدنیات جن سے کار معاش میں مدد حاصل ہوتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کی اصلاح اور مضبوطی ہو اس کو تقن کہتے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۲۱' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ ھ نے لکھا ہے ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' ان دونوں چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا گیا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۹۶۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

چونکہ اس حدیث میں ہے کہ منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا گیا ہے اسی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ منگل کا دن منحوس ہوتا ہے اور وہ اس دن میں کام کاج شروع کرنے میں بدشگونی لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا: منگل کے دن کی نسبت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا

چوری ہو جائے گا۔

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں علامہ حامد آفندی سے سوال کیا گیا کہ:

آیا دن اور رات میں سے کوئی دن یا رات سفر کرنے کے لیے یا کہیں منتقل ہونے کے لیے کوئی ساعت منحوس یا نا مبارک ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا جو شخص کسی دن کے منحوس ہونے کے متعلق سوال کرے اس کو جواب دینے کے بجائے اس سے اعراض کیا جائے' اور اس کے اس فعل کو جہالت قرار دیا جائے اور اس کی مذمت کی جائے' کیونکہ یہ یہود کا طریقہ ہے اور مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے' جو اپنے خالق اور پیدا کرنے والے پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں بعض دنوں کے مایوس کن ہونے کے متعلق روایات ہیں وہ سب باطل اور جھوٹ ہیں' اس سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۷' المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

بعض ایام کو منحوس اور نا مبارک سمجھنے کو یہودیوں کا طریقہ اس لیے قرار دیا ہے کہ جب بنی اسرائیل پر کوئی مصیبت آتی تو وہ اس کو حضرت موسیٰ کی نحوست کہتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱)

پس جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب ان پر بد حالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے' سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

کسی چیز کو منحوس سمجھنے اور اس سے بدشگونی لینے کے متعلق احادیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بدشگونی شرک ہے' حضرت ابن مسعود نے کہا ہم میں سے ہر شخص کو بدشگونی عارض ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس سے سخت ناپسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اس کو زائل کر دیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸' جامع الاصول رقم الحدیث: ۵۸۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ کوئی مرض (از خود) متعدی ہوتا ہے نہ (کسی چیز میں) کوئی بدشگونی ہے اور مجھ کو فال پسند ہے' صحابہ نے پوچھا فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھی بات۔ نیک بات۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

نحوست اور بدشگونی کے متعلق ہم نے مفصل بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۷۹۔ ۲۷۰ میں کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ○ وہی عالم الغیب اور عالم الظاہر ہے' بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (السجدۃ: ۶۔۵)

اللہ تعالیٰ کے تدبیر کرنے کا معنی

اس آیت میں یدبر کا لفظ ہے اور وہ تدبیر سے بنا ہے' تدبیر کا معنی ہے کسی کام کے نتیجہ اور انجام میں غور و فکر کرنا' اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے کسی کام کو مقدر کرنا اور اس کے اسباب مہیا کرنا' علامہ قرطبی نے عبد

الرحمان بن سابط سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی تدبیر کرنے والے چار فرشتے ہیں: جبریل' میکائیل' ملک الموت اور اسرائیل صلوٰت اللہ علیہم اجمعین' رہے جبریل تو وہ ہواؤں اور لشکروں پر مامور ہیں' اور میکائیل رزق کی فراہمی اور بارش نازل کرنے پر مقرر ہیں' اور ملک الموت کے ذمہ روحوں کو قبض کرنا ہے' اور رہے اسرافیل تو ان کا کام حوادث کو نازل کرنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ تدبیر کا مقام عرش الٰہی ہے اور عرش کے نیچے اس تدبیر کے مطابق کارروائی ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۸۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات کی اسباب سماویہ مثلاً فرشتوں کے ذریعہ تدبیر کرتا ہے' اور تدبیر کی اپنی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلہ میں بندوں کی تدبیر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الا لہ الخلق و الامر (الاعراف: ۵۴) ''سنو چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کے لیے احکام کو نافذ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے'' اور پیدا کرنے اور احکام نافذ کرنے سے ہی عظمت ظاہر ہوتی ہے' کیونکہ جس سلطان کی کئی ملکوں پر حکومت ہو اور ان ملکوں میں اسی کے حکم پر عمل کیا جاتا ہو اس کی سطوت' شوکت اور ہیبت دلوں پر بیٹھ جاتی ہے۔

ایک ہزار سال میں اللہ تعالیٰ کی طرف کاموں کے چڑھنے کے محامل

اس کے بعد فرمایا: پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔ آیت کی اس حصہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ عرش اور لوح محفوظ سے قضاء وقدر کے احکام زمین پر نازل فرماتا ہے اور زمین پر وہ احکام نافذ ہوتے ہیں' جیسے موت اور حیات' صحت اور مرض' عطا اور منع کرنا' غنا اور فقر' جنگ اور صلح' عزت اور ذلت وغیرہ' اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں کرتا ہے اور اپنے تصرفات کو نافذ فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ عرش سے زمین پر فرشتوں کی وساطت سے اپنے احکام شرعیہ کو نافذ فرماتا ہے' پھر فرشتے ان احکام کے مطابق بندوں کے کیے ہوئے اعمال کو مقبول کرانے کے لیے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں' اور زمین سے آسمان دنیا کی مسافت پانچ سو سال کا عرصہ ہے اور ان کے اترنے اور چڑھنے کی مسافت دنیا والوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اگرچہ فرشتے یہ مسافت ایک دن سے بھی کم میں طے کر لیتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ روزانہ حادث ہونے والے معاملات کی تدبیر لوح محفوظ میں مقرر فرما دیتا ہے پھر فرشتے ان کو لے کر زمین پر اترتے ہیں پھر اس کی رپورٹ لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں جو فی نفسہٖ ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن وہ بہت کم وقت میں چڑھتے ہیں۔

(۴) فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور ان پر اخلاص سے عمل کرنے والے چونکہ بہت کم ہوتے ہیں اس لیے کافی مدت کے بعد ان کے اعمال کو لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔

(۵) اہم اور عظیم امور کے متعلق عرش عظیم سے حکم صادر ہوتا ہے اور فرشتے اس حکم کو لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور فرشتے اس کو انجام دینے کے انتظامات میں لگ جاتے ہیں اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی اسباب کو مہیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق وہ عظیم امور مدت طویلہ تک باقی رہتے ہیں' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کسی اور عظیم کام کے اسباب مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۶) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہزار سال کی تدبیریں فرشتوں کو القاء فرما دیتا ہے اور یہ اس کے نزدیک ایک دن

ہے' پھر جب فرشتے ان کو انجام دے کر فارغ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آئندہ ایک ہزار سال کی تدبیریں القا فرما دیتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنا ہوتا ہے اس کے مبادی اور اسباب کا سلسلہ ایک ہزار سال پہلے شروع فرما دیتا ہے پھر وہ کام اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا ہوا بہ تدریج اپنے منتہائے کمال تک پہنچتا ہے پھر اس کے جو نتائج اور آثار مرتب ہوتے ہیں وہ بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لیے چڑھتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ اس کائنات کی جو تدبیر فرماتا ہے اگر انسان اور بشر اس کی تدبیر کرتے تو اس میں ایک ہزار سال لگتے۔

(۹) حضرت جبریل آسمان سے زمین کی طرف وحی لے کر آتے ہیں' پھر واپس اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں سے وحی قبول کی تھی اور یہ درحقیقت ایک ہزار سال کی مسافت ہے' کیونکہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن حضرت جبریل امین اس مسافت کو ایک دن میں طے کر لیتے ہیں۔

(۱۰) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد یوم قیامت ہو' یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے زمینوں تک تمام کائنات کی تدبیر فرماتا ہے' پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور تمام انسانوں کے اعمال آخری فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے اور یہی قیامت ہے اور یہ دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

پچاس ہزار سال کے دن اور ایک ہزار سال کے دن کی آیتوں میں تطبیق

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا' حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج: ۴)

فرشتے اور جبریل اس کی طرف اس دن میں چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا' لیکن وہ اپنی شدت اور ہولناکی کے اعتبار سے کفار پر پچاس ہزار اور مومن پر اپنی خفت اور آسانی کے اعتبار سے صرف اتنے وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں ایک فرض نماز پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ السجدہ میں دن کی مقدار ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال فرمائی ہے اور سورۃ المعارج میں اس کی مقدار پچاس ہزار سال فرمائی ہے' مفسرین نے ان میں اس طرح تطبیق فرما دی ہے کہ زمین سے آسمان دنیا کی مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اور زمین کے آخری طبقہ سے لے کر پہلے آسمان تک یہ مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے۔

رہا یہ کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ مومن کے اوپر یہ وقت اتنی دیر میں گزرے گا جتنے وقت میں فرض نماز پڑھی جاتی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن کس قدر طویل ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے یہ وقت مومن پر بہت خفیف ہو کر گزرے گا' حتیٰ کہ مومن جتنے وقت میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا یہ اس سے بھی کم وقت میں گزر جائے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۶۵۷' حافظ الہیثمی نے بھی کہا

اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۴۷'۳۴۷ شرح السنہ رقم الحدیث:۴۳۱۴' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۳۳۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۱۳۹۰_۶۰۲۵)

امام الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں عطا اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام مخلوق کا حساب قیامت کے دن بندوں کے ذمہ کیا جاتا تو اس میں پچاس ہزار سال لگتے لیکن اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے آدھے دن میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔

محمد بن الفضل نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کا حساب فرشتوں اور جن وانس کے ذمہ لگاتا تو وہ پچاس ہزار سال میں بھی یہ حساب نہ لے پاتے' اور اللہ تعالیٰ ایامِ دنیا کی ایک ساعت میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ۵ص ۱۵۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے یہ لکھا ہے کہ مومن پر یہ وقت بہت خفیف ہو کر گزرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہو اس پر صدیاں بھی گھڑیوں کی طرح گزر جاتی ہیں اور مومن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے:

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿﴾ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿﴾ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور خوش وخرم ہوں گے' اپنے رب کی طرف محو دید ہوں گے۔ (القیامۃ:۲۳_۲۲)

اور کفار پر یہ دن سخت مشکل' دشوار اور عذاب میں گزرے گا کیونکہ جو محبوب سے فراق میں ہو اس پر گھڑیاں بھی صدیوں کی طرح گزرتی ہیں اور کفار قیامت کے دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔

کَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ یَوۡمَىِٕذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ﴿﴾ ہرگز نہیں یہ لوگ اپنے رب سے اس دن حجاب میں رکھے جائیں گے۔ (المطففین:۱۵)

عالم الغیب کا معنی' اس کا ربط اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہی عالم الغیب اور عالم الظاہر ہے بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (السجدہ:۶)
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ وہ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بتایا ہے کہ وہ صرف مخلوق کی تدبیر نہیں فرماتا بلکہ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا علم بھی رکھتا ہے اور صرف علم ہی نہیں رکھتا وہ بہت غالب بھی ہے لوگ جلوت میں کوئی عمل کریں یا خلوت میں کوئی عمل کریں اس سے کسی مخلوق کا کوئی عمل مخفی نہیں ہے' اگر وہ اس کی نافرمانی کریں یا اس سے بغاوت کریں تو وہ ان کا مواخذہ کرنے اور ان کی گرفت کرنے پر قادر ہے وہ غالب ہے ان کو ہر طرح کی سزا دے سکتا ہے' اور وہ بے حد رحم فرمانے والا ہے' اس لیے اگر بندوں سے کوئی خطا ہو جائے تو وہ مایوس نہ ہوں وہ رحیم و کریم ہے ان کی خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

اور جو بندے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی حکم عدولی نہیں کرتے وہ ان پر رحم فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اور کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے لیکن آپ کو بھی عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عزیز و جلیل ہیں لیکن آپ کو محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف میں عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو چکا ہے' اسی طرح اس کے باوجود کہ آپ کو بہت بلکہ سب سے زیادہ علوم غیبیہ عطا کیے گئے ہیں' آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' اس

لیے آپ کو عالم الغیب کے بجائے مطلع علی الغیب کہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے ہر چیز کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی O پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی O پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (۹۔۷)

ہر چیز اور ہر مخلوق کو حامل حسن بنانا

اس آیت میں احسن کا لفظ ہے، جس کا مصدر احسان ہے، احسان کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہے کسی پر انعام اور افضال کرنا، اور دوسرا معنی ہے کسی انسان کا حامل حسن ہونا، خواہ یہ حسن اس کے اقوال میں ہو یا اس کے افعال میں ہو۔ یا اس کی صورت میں ہو یا اس کی حقیقت میں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حسین بنایا اس کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے تقاضے کے مطابق بنایا۔ اور ہر چیز کو حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے بنایا جانوروں کے پیر اور ان کی گردنیں لمبی بنائیں تاکہ ان پر رزق کا حصول دشوار نہ ہو، اسی طرح انسان کے تمام اعضاء اس طرح بنائے جس میں اس کی مصلحت ہو اور انسان کی تخلیق کو سب سے افضل قرار دیا۔ فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O بے شک ہم نے انسان کا حسین قوام بنایا (اس کے اجزاء (التین: ۴) ترکیبی اور اعضاء سب سے اچھے بنائے)۔

تمام جانداروں میں انسان کے جسم کی فضیلت ہے۔ انسان کے علاوہ اور کسی کی قامت سیدھی نہیں ہے، سب منہ نیچا کر کے کھاتے ہیں انسان طعام اٹھا کر منہ تک لے جاتا ہے منہ کھانے تک نہیں لے جاتا، اور یوں ہر مخلوق کو اس کی مصلحت اور اس کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت اچھا اور بہت حسین بنایا ہے۔

جو جاندار بہ ظاہر بدصورت ہیں وہ بھی اس لحاظ سے حسین ہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق ہیں، بعض چیزیں بہ ظاہر مضر ہوتی ہیں لیکن ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے منفعت رکھی ہے، ان میں سے بعض چیزوں کی مصلحت اور ان کی افادیت کا پہلے علم نہ تھا ان کا اب علم ہو گیا ہے۔ جیسے انسان کی پنڈلیوں میں کچھ زائد اور فالتو شریانیں ہوتی ہیں اور جب انسان کے دل کی شریانیں کولیسٹرول اور چربی سے بلاک (بند) ہو جاتی ہیں اور ان سے خون کا دوران نہیں ہو سکتا تو سرجری کے ذریعہ ان ناکارہ شریانوں کے ساتھ پنڈلی کی زائد شریانوں کو نکال کر ان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، سو ان شریانوں کی افادیت کا اب علم ہو گیا ہے اسی طرح کائنات کے اور سربستہ راز ہیں جو بہ تدریج کھل رہے ہیں اور قیامت تک اسی طرح ان کا علم ہوتا رہے گا سو اللہ نے ہر چیز میں اور ہر مخلوق میں حسن رکھا ہے، کسی چیز کا حسن آنکھوں سے نظر آتا ہے اور کسی چیز کے حسن کا عقل ادراک کرتی ہے اس کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز حسن اور خوبی سے خالی نہیں خواہ ہم کو وہ حسن نظر آئے یا نہ آئے۔

انسان کو مٹی سے بنانا

اور فرمایا: اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی۔ اس ارشاد کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔ اور ان کو مٹی سے بنایا ہے، دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہے، اور عام انسان بہ ظاہر نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے مٹی سے پیدا ہونے کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ عطا خراسانی سے روایت ہے کہ فرشتہ انسان کے مدفن سے مٹی اٹھا کر لاتا ہے اور اس کو انسان کے نطفہ پر چھڑک دیتا ہے اس سے اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۵، الدر المنثور ج ۵ ص ۵۱۳)۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا زمین اور مٹی کی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے تو اس طرح نطفہ کا

مآل بھی مٹی ہے اور یوں ہر انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

پانی کی ایک حقیر بوند سے انسان کو بنانا

اس کے بعد فرمایا: پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی (السجدہ:۸)
یہ نطفہ انسان کی پشت سے نچڑتا ہے اور نسل کا معنی ہے اولاد یعنی اس نچڑی ہوئی حقیر بوند سے انسان کا سلسلہ نسب چ
ہے۔

پھر فرمایا: پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور د
بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (السجدہ:۹)

اللہ کی طرف روح کی اضافت کا معنی

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں ضمیریں حضرت آدم کی طرف لوٹ رہی ہیں، یعنی حضرت آدم کے پتلے کو ہموار اور معتدل کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی، اور اس کے بعد حضرت آدم کی اولاد کا ذکر کیا اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ ص۸۵)

اور اس کا دوسرا محمل ہے کہ یہ ضمیریں، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور انسان کی طرف لوٹ رہی ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پھر اس نطفہ کو معتدل کیا اور ماں کے رحم میں اس کے اعضاء کو مکمل کیا اور اس کی تصویر اس کی صلاحیت کے مطابق جیسی چاہیے تھی ویسی بنائی، اور اس میں اپنی روح پھونکی، روح کی اپنی طرف اضافت اس کو مشرف کرنے کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ بہت عظیم مخلوق ہے۔ (روح المعانی جز۲۱ ص۱۸۸)

روح کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں روح پھونکنے کا جو ذکر ہے وہ اطلاق مجازی ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ روح کو بدن کے متعلق کر دیا، اور یہ ان کے مذہب کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ روح بدن سے مجرد ہے، اور بدن میں داخل نہیں ہے، یہ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا مذہب ہے، امام غزالی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اطلاق حقیقی ہے اور جو فرشتہ رحم کے ساتھ مقرر ہو ہے اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ چار ماہ بعد جب نطفہ جسمانی صورت میں بنا دیا جائے تو پھر اس میں روح پھونک دی جائے، اور اس طرف وہ لوگ گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ روح ہوا کی طرح جسم لطیف ہے اور اس کا بدن میں اس طرح حلول ہے، جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے، اور ظاہر احادیث بھی اسی پر دلالت کر ہیں اور علامہ ابن قیم جوزی نے اس پر سو دلیلیں قائم کی ہیں۔ (روح المعانی جز۲۱ ص۱۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو السعادت المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن اور حدیث میں روح کا کئی بار ذکر آیا ہے، اور اس کا کئی معانی پر اطلاق کیا گیا ہے، اور اس کا غالب اطلاق اس پر ہے جس کے ساتھ جسم قائم ہے اور جس کے سبب سے جسم میں حیات ہے، اس کے علاوہ اس کا اطلاق، قرآن، وحی، رحمت جبریل پر بھی کیا گیا ہے۔ (النہایہ ج۲ ص۲۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر انباری نے کہا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے البتہ عربی زبان میں روح کا لفظ مذکر ہے اور نفس کا لفظ مؤنث ہے' فرا نے کہا روح وہ چیز ہے جس کے سبب سے انسان زندہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی روح کا علم نہیں دیا' اور ابوالہیثم نے کہا روح انسان کا سانس ہے اور جب سانس نکل جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے' اور انسان کی آنکھیں اس کو دیکھتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۱۴۷' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ خون ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں' اشعری نے کہا وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۹۴۔ ۳۹۳' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا روح خون ہے' اور اس کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں یا نہیں! زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح اور نفس متغایر ہیں' نفس انسانی وہ چیز ہے جس کی طرف ہم میں سے ہر شخص "میں" یا "ہم" سے اشارہ کرتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے روح اور نفس میں فرق نہیں کیا' انہوں نے کہا نفس لطیف بخاری جوہر ہے (اسٹیم اور بھاپ کی طرح ہے) جو حیات' حس اور حرکت ارادیہ کی قوت کا حامل ہے وہ اس کا نام روح حیوانی رکھتے ہیں اور یہ نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے' امام غزالی نے کہا روح ایک جوہر حادث ہے جو بنفسہ قائم ہے غیر متحیز ہے (یعنی وہ جگہ نہیں گھیرتا) وہ جسم میں نہ داخل ہے نہ خارج ہے وہ جسم سے متصل ہے نہ منفصل ہے' ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کی طرح ایک لطیف عضو ہے اس کی دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں' اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک لطیف عضو ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک لطیف جسم ہے اور اس کا انسان کے جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے' حکماء اور علماء متقدمین اور متاخرین کا روح کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے' وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں' اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔ (التعریفات ص ۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

روح کے مصداق میں مختلف اقوال

علامہ شمس الدین ابوعبداللہ بن قیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے کہ انسان اس جسم مخصوص کا نام ہے جو اس جسم کے اندر ہے' اور اس کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) انسان ان اخلاط اربعہ (سوداء' صفراء' خون اور بلغم) کا نام ہے جن سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

(۲) انسان خون ہے۔

(۳) جسم کی بائیں جانب دل کے پاس روح لطیف ہے جو تمام اعضاء کی شریانوں میں نفوذ پذیر ہے' وہی انسان ہے۔

(۴) انسان وہ روح ہے جو قلب میں دماغ کی طرف چڑھ رہی ہے اور وہ قوت حفظ' فکر اور ذکر کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۵) وہ دل میں ایک غیر منقسم جز ہے۔

روح کی صحیح تعریف

روح ایک ایسا جسم ہے جس کی ماہیت اس جسم محسوس کی مخالف ہے' وہ جسم نورانی علوی خفیف ہے' زندہ ہے متحرک ہے جو تمام اعضاء میں نفوذ کرتا ہے اور اس کا ان اعضاء میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا گلاب میں حلول ہے اور تیل کا زیتون میں' اور آگ کا انگارہ میں حلول ہے۔ اور جب تک اس جسم لطیف کا ان اعضاء میں حلول رہتا ہے ان اعضاء سے حس اور حرکت ارادیہ کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' اور جب اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے یہ اعضاء فاسد ہو جائیں اور حس اور حرکت ارادیہ کے آثار قبول نہ کر سکیں تو روح بدن سے نکل جاتی ہے اور عالم ارواح کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مذکور الصدر روح کے متعلق چھٹا قول ہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں' کتاب' سنت' اجماع صحابہ' دلائل عقلیہ اور فطریہ سے روح کی یہی تعریف ثابت ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے' بدن میں حلول کرنے' منتقل ہونے اور درد اور لذت..... کا ادراک کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى . (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت' اور جنہیں موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے' پھر جن کی موت کا فیصلہ فرما چکا ہے' ان (کی روحوں) کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک میعاد معین تک چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے' ان کو روک لیتا ہے اور ان کو چھوڑ دیتا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم ہے اس کو پکڑا' روکا اور چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ ایک لطیف جسم ہے جو پہلے جسم میں تھی پھر اس کو پکڑ کر جسم سے نکال لیا گیا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ . (الانعام: ۹۳)

اور اگر آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اب اپنی روح کو نکالو! آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح کو پکڑنے کے لیے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائیں گے اور یہ تب ہو گا جب روح جسم ہو' اور کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو' اور یہ جب ہو گا کہ روح کا جسم میں حلول ہو اور روح کو اس دن عذاب ہو گا اور عذاب درد کے ادراک کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح میں ادراک کی صلاحیت ہے۔ نیز اس آیت کے بعد میں فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (الانعام: ۹۴) آج تم ہمارے پاس الگ الگ آئے ہو اس سے معلوم ہوا کہ روحیں آتی جاتی ہیں' یہ کل سات دلائل ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى . (الانعام: ۶۰)

اور وہی ہے جو رات میں تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے اور اس کو علم ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر وہ تم کو دوبارہ اٹھائے تاکہ میعاد معین پوری کی جائے۔

نیز فرمایا:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ۝ (الانعام: ۶۱)

حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ بالکل کوتاہی نہیں کرتے۔

ان آیتوں میں تین دلیلیں ہیں (۱) فرشتے رات کو روحوں کو عارضی طور پر قبض کرتے ہیں (۲) دن میں ان روحوں کو واپس جسموں میں لوٹا دیتے ہیں (۳) موت کے وقت فرشتے روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ اور یہ تبھی ہو گا جب روح جسم لطیف ہو اور اس کا جسم میں حلول ہو اب یہ دس دلیلیں ہو گئیں۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۝ (الفجر: ۳۰۔۲۷)

اے مطمئن روح○ تو اپنے رب کی طرف اس کیفیت میں لوٹ جا کہ تو اس سے خوش ہو' وہ تجھ سے خوش ہو○ سو تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا○ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ان آیتوں میں بھی چار دلیلیں ہیں (۱) روح کو لوٹنے کا حکم دیا (۲) خاص بندوں میں داخل ہونے کا حکم دیا (۳) اور اس کو خوش ہونے کا حکم دیا (۴) اور اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ یہ چودہ دلیلیں ہو گئیں کہ روح جسم ہے وہ آتی جاتی ہے' حکم سنتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے اور مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ روح کو قبض کیا جاتا ہے اور آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ یہ اس کے جسم ہونے کی دلیل ہے اور کل سولہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک روح' دوسری روح سے (خواب میں) ملاقات کرتی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۵۔۲۱۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۷)

اس حدیث میں خواب میں روح کی روح سے ملاقات کا ذکر ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زندوں کی روحیں اور مُردوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتی ہیں۔ یہ سترہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب چاہے تمہاری روحیں (نیند میں) قبض فرما لیتا ہے اور جب چاہے واپس فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸۵' عالم الکتب)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں روحوں کو قبض کرنا اور ان کو واپس کرنا' یہ ان کے جسم ہونے اور جسم میں حلول کی دلیلیں ہیں اب انیس دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۷۔۴۵۶ طبع قدیم)

(۴) انسان وہ روح ہے جو قلب میں دماغ کی طرف چڑھ رہی ہے اور وہ قوت حفظ' فکر اور ذکر کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۵) وہ دل میں ایک غیر منقسم جز ہے۔

روح کی صحیح تعریف

روح ایک ایسا جسم ہے جس کی ماہیت اس جسم محسوس کی مخالف ہے' وہ جسم نورانی علوی خفیف ہے' زندہ ہے متحرک ہے جو تمام اعضاء میں نفوذ کرتا ہے اور اس کا ان اعضاء میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا گلاب میں حلول ہے اور تیل کا زیتون میں' اور آگ کا انگارہ میں حلول ہے۔ اور جب تک اس جسم لطیف کا ان اعضاء میں حلول رہتا ہے ان اعضاء سے حس اور حرکت ارادیہ کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' اور جب اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے یہ اعضاء فاسد ہو جائیں اور حس اور حرکت ارادیہ کے آثار قبول نہ کر سکیں تو روح بدن سے نکل جاتی ہے اور عالم ارواح کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مذکور الصدر روح کے متعلق چھٹا قول ہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں' کتاب' سنت' اجماع صحابہ' دلائل عقلیہ اور فطریہ سے روح کی یہی تعریف ثابت ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے' بدن میں حلول کرنے' منتقل ہونے اور درد اور لذت..... کا ادراک کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت' اور جنہیں موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے' پھر جن کی موت کا فیصلہ فرما چکا ہے' ان (کی روحوں) کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک میعاد معین تک چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے' ان کو روک لیتا ہے اور ان کو چھوڑ دیتا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم ہے اس کو پکڑا' روکا اور چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ ایک لطیف جسم ہے جو پہلے جسم میں تھی پھر اس کو پکڑ کر جسم سے نکال لیا گیا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ۔ (الانعام: ۹۳)

اور اگر آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اب اپنی روح کو نکالو! آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح کو پکڑنے کے لیے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائیں گے اور یہ تب ہو گا جب روح جسم ہو' اور کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو' اور یہ جب ہو گا کہ روح کا جسم میں حلول ہو اور روح کو اس دن عذاب ہو گا اور عذاب درد کے ادراک کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح میں ادراک کی صلاحیت ہے۔ نیز اس آیت کے بعد میں فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (الانعام: ۹۴) آج تم ہمارے پاس الگ الگ آئے ہو اس سے معلوم ہوا کہ روحیں آتی جاتی ہیں' یہ کل سات دلائل ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۔ (الانعام: ۶۰)

اور وہی ہے جو رات میں تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے اور اس کو علم ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر وہ تم کو دوبارہ اٹھائے گا تاکہ میعاد معین پوری کی جائے۔

نیز فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ○ (الانعام: ۶۱)

حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ بالکل کوتاہی نہیں کرتے۔

ان آیتوں میں تین دلیلیں ہیں (۱) فرشتے رات کو روحوں کو عارضی طور پر قبض کرتے ہیں (۲) دن میں ان روحوں کو واپس جسموں میں لوٹا دیتے ہیں (۳) موت کے وقت فرشتے روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ اور یہ تبھی ہو گا جب روح جسم لطیف ہو اور اس کا جسم میں حلول ہو اب یہ دس دلیلیں ہو گئیں۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (الفجر: ۳۰-۲۷)

اے مطمئن روح ○ تو اپنے رب کی طرف اس کیفیت میں لوٹ جا کہ تو اس سے خوش ہو وہ تجھ سے خوش ہو ○ سو تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ان آیتوں میں بھی چار دلیلیں ہیں (۱) روح کو لوٹنے کا حکم دیا (۲) خاص بندوں میں داخل ہونے کا حکم دیا (۳) اور اس کو خوش ہونے کا حکم دیا (۴) اور اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ یہ چودہ دلیلیں ہو گئیں کہ روح جسم ہے وہ آتی جاتی ہے، حکم سنتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے اور مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ روح کو قبض کیا جاتا ہے اور آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ یہ اس کے جسم ہونے کی دلیل ہے اور کل سولہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک روح، دوسری روح سے (خواب میں) ملاقات کرتی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۵-۲۱۴، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۷)

اس حدیث میں خواب میں روح کی روح سے ملاقات کا ذکر ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زندوں کی روحیں اور مُردوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتی ہیں۔ یہ سترہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب چاہے تمہاری روحیں (نیند میں) قبض فرما لیتا ہے اور جب چاہے واپس فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸۵، عالم الکتب)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں روحوں کو قبض کرنا اور ان کو واپس کرنا، یہ ان کے جسم ہونے اور جسم میں حلول کی دلیلیں ہیں اور اب انیس دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶-۴۵۷، طبع قدیم)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں مومن کی روح کو پرندہ فرمایا اور درخت کے ساتھ لٹکا ہوا فرمایا۔ اب اکیس دلیلیں ہوگئیں۔

شہداء کی روحوں کو جنت کا رزق ملنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آل عمران: ۱۶۹ کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا: آپ نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں' وہ جہاں سے چاہتے ہیں جنت میں چرتے ہیں' پھر ان قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے' تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے' وہ کہتے ہیں کس چیز کی خواہش کریں' ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہاں جا کر چر لیتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۱)

اس حدیث میں چھ دلیلیں ہیں (۱) روحیں پرندوں کے پیٹ میں ہیں (۲) وہ جنت میں چرتی ہیں (۳) جنت کا پھل کھاتی ہیں اور جنت کے دریا سے پانی پیتی ہیں (۴) وہ قندیلوں میں لوٹ جاتی ہیں اور وہیں بسیرا کرتی ہیں (۵) اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا جواب دیتی ہیں (۶) وہ دنیا میں واپس جانے کو طلب کرتی ہیں تا کہ پھر شہید ہوں۔

یہ ستائیس دلیلیں ہوئیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مقام الغابہ میں اپنا مال لینے کے لیے گیا' مجھے رات ہوگئی تو میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچا میں نے قبر سے اتنی حسین آواز سنی کہ اس سے پہلے میں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی' یہ قرآن پڑھنے کی آواز تھی میں اس آواز سے مانوس ہوگیا اور میں صبح تک قرأت سنتا رہا' پھر میں نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا یہ عبداللہ بن عمرو تھے' اے طلحہ! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل نے شہداء کی روحوں کو قبض کیا اور ان کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھا اور اس قندیل کو جنت کے وسط میں رکھ دیا جب رات آتی ہے تو ان کی روحیں وہیں لوٹا دی جاتی ہیں جہاں پر وہ تھیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۶۱)

اس حدیث میں مزید چار دلیلیں ہیں (۱) روحوں کا قندیل میں ہونا (۲) ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا (۳) قبر کے پاس قرآن پڑھنا (۴) ان کا کسی مکان میں پہنچنا۔

مومن اور کافر کی روحوں کو قبر میں ان کے جسموں میں داخل کرنا

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم ایک قبر کے پاس بیٹھے' اس کی لحد بنائی جا رہی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کھرچ رہے تھے' آپ نے سر اٹھا کر فرمایا عذاب قبر سے پناہ طلب کرو' یہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا' پھر آپ نے فرمایا جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے' اس سے کہا جاتا ہے اے شخص! تیرا رب کون ہے' تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے۔ ھناد نے کہا اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے' وہ اس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے! وہ پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! وہ پوچھتے ہیں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ میں پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑ

کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آتی ہے اور اس کے لیے وہ جگہ منتہائے نظر تک کھول دی جاتی ہے اور فرمایا کافر کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے لیے دوزخ کا فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوا اور اس کی تپش آئے گی' اور اس پر قبر تنگ کر دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کر دیا جائے گا اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوگا کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی کا ڈھیر ہو جائے' پھر وہ اس کو اس گرز سے مارے گا اور اس کی چیخ کو جن اور انس کے سوا تمام مشرق اور مغرب والے سنیں گے' وہ مردہ مٹی ہو جائے گا اور اس میں اس کی روح پھر لوٹا دی جائے گی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ روح کو جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔

مومن اور کافر کی روحوں کی ان کے جسموں سے نکلنے کی کیفیت اور ان کے برزخی حالات اور ان کا باہمی فرق

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت زیادہ تفصیل سے مسند احمد میں ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم قبر تک پہنچے' جب لحد بنائی جا رہی تھی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے' گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے تھے' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے' آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' پھر آپ نے فرمایا: جب بندہ مومن کے دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف روانہ ہونے کا وقت آتا ہے تو سفید چہرے والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں' گویا کہ ان کے چہروں میں آفتاب ہو' ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ منتہائے بصر تک اس بندہ مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' اور کہتے ہیں اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل۔ پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں' پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے' پھر پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو فرشتے نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کو کفن میں رکھ دیتے ہیں' اور اس میں خوشبو لگا دیتے ہیں' اور اس سے مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو آتی ہے اور روئے زمین پر ایسی خوشبو نہیں ہوتی' پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' پھر وہ جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے' تو دنیا میں اس روح کا جو سب سے اچھا نام لیا جاتا تھا وہ نام ذکر کر کے فرشتے اس روح کا تعارف کراتے ہیں' حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں' پھر اس آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اسی طرح وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں' تب اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے اس بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو' اور اس روح کو زمین پر لوٹا دو' کیونکہ میں نے اس کو زمین (مٹی) سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے اس کو دوبارہ اٹھاؤں گا' آپ نے فرمایا: پھر اس کی روح دوبارہ اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور

اس سے کہیں گے تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے' پھر فرشتے اس سے کہیں گے تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے' پھر فرشتے اس سے کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' فرشتے کہیں گے تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہے گا میں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے سو میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو' آپ نے فرمایا پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی' اور اس کے لیے قبر میں منتہاء بصر تک وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کے پاس ایک حسین شخص خوب صورت کپڑے پہنے ہوئے اور اچھی خوشبو لگائے ہوئے آئے گا اور کہے گا جس دن سے تم کو ڈرایا جاتا تھا آج تمہیں اس دن کی آسانی مبارک ہو! وہ بندہ مومن کہے گا! تم کون ہو اور تم کتنے حسین چہرے والے ہو' وہ شخص کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں' وہ بندہ مومن کہے گا: اے میرے رب! ابھی قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں! آپ نے فرمایا اور جب بندہ کافر پر دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس سخت موٹا ٹاٹ ہوتا ہے' وہ منتہاء بصر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور اس بندہ کافر سے کہتا ہے: اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف نکل' پھر وہ روح اس کے جسم میں متفرق جگہ بکھر جاتی ہے' فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم سے اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں جس طرح بھیگے ہوئے اون سے سلاخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' ملک الموت اس کی روح کو پکڑ لیتا ہے اور فرشتے اس کو پکڑتے ہی پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتے اور فوراً اس کو اس موٹے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں وہ روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ سخت بدبو ہوتی ہے' وہ اس روح کو لے کر جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ کیسی خبیث روح ہے! تو فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام لیتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے برا نام تھا' حتیٰ کہ اس کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔ (الاعراف: ۴۰)

کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے صحیفہ اعمال کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ دو پھر اس روح کو پھینک دیا جائے گا' پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۔ (الحج: ۳۱)

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس وہ گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اس کو پرندے جھپٹ کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو کسی دور دراز جگہ پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے پس وہ اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر وہ اس سے کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر وہ کہیں گے یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا' وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس

دوزخ کی تپش اور اس کی گرم ہوا آئے گی اور اس پر قبر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جائیں گی۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا۔ جس کے کپڑے بھی بہت برے ہوں گے اور وہ سخت بدبودار ہوگا وہ کہے گا تم کو مبارک ہو آج وہ برا دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا وہ کافر کہے گا تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ کتنا بدصورت ہے؟ وہ کہے گا میں تمہارا خبیث عمل ہوں! تو وہ کہے گا: اے میرے رب ابھی قیامت قائم نہ کرنا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۳۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲۔۳۸۰، مطبوعہ کراچی، ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷ طبع قدیم، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۴۴۳، جدید دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث ۸۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۷۵۳۰، المستدرک ج ۱ ص ۱۵۳ قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۳۰۲، جدید۔ حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۴۔۲۷۰، دار ابن کثیر ۱۴۱۴ھ، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۱۸ قدیم، علامہ قرطبی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، التذکرہ ج ۱ ص ۱۹۳۔۱۹۱، دارالبخاری ۱۴۱۷ھ، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۴۴ قدیم، حافظ ابن قیم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، کتاب الروح ص ۴۱۔۳۹، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔۴۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۶۳۰، شرح الصدور ص ۵۶۔۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۴ھ، کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۲۹۳۶۔۴۲۵۱۲۔۴۲۵۱۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ریشم کے کپڑے میں مشک اور پھولوں کا گلدستہ لاتے ہیں اور اس کے جسم سے روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف نکلو تم اس سے خوش وہ تم سے خوش، پھر اس روح کو اس کپڑے میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۴ قدیم، رقم الحدیث: ۳۴۱۰ جدید)

علامہ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ اس حدیث کے فوائد کے بیان میں لکھتے ہیں:

(۱) ملک الموت مومن کی روح سے کہتا ہے یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ اس سے معلوم ہوا کہ روح خطاب کو سنتی اور سمجھتی ہے (۲) اس حدیث میں ہے اے روح تو اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل (۳) اس حدیث میں ہے وہ روح جسم سے اس طرح بہتی ہوئی نکلتی ہے جس طرح پانی کا قطرہ مشک سے نکلتا ہے (۴) اس میں ہے کہ فرشتے پلک جھپکنے کے لیے بھی اسے نہیں چھوڑتے اور فوراً اس روح کو پکڑ لیتے ہیں (۵) اس میں ہے کہ وہ مشک سے معطر کیے ہوئے کفن میں اس کو رکھ دیتے ہیں اور اس پر خوشبو لگاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ روح کو کفن میں رکھا جاتا ہے اور اس پر خوشبو لگائی جاتی ہے (۶) اس میں ہے کہ پھر اس روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے (۷) پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس سے ملاقات کرتے ہیں (۸) اس میں ہے کہ اس روح سے مشک سے زیادہ اچھی خوشبو آتی ہے (۹) اس میں ہے کہ اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (۱۰) ہر آسمان پر مقرب فرشتے اس روح کا استقبال کرتے ہیں حتیٰ کہ اسے اس کے رب کے پاس پہنچا دیتے ہیں (۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو زمین کی طرف لے جاؤ (۱۲) پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی (۱۳) کافر کی روح کے متعلق فرمایا پھر اس کی روح اس کے جسم میں بکھر جائے گی اور فرشتے اس کی روح کو کھینچ کر نکالیں گے (۱۴) اس روح سے جو بدبو آئے گی وہ روئے زمین پر سب سے سخت بدبو ہوگی (۱۵) اس روح کو آسمان سے اٹھا کر زمین کی طرف پھینک دیا جائے گا (۱۶) جب فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کے

پاس سے گزریں گے تو فرشتے کہیں گے کہ یہ کیسی سخت بدبو ہے (۱۷) فرشتے اس کو قبر میں بٹھا کر پوچھیں گے کہ تم اس شخص کو کیا کہتے تھے' اگر وہ روح سے یہ کہیں گے تو پھر یہ روح سے کلام کا ثبوت ہے اور اگر وہ بدن سے کہیں گے تو یہ آسمان سے روح کے لوٹائے جانے کے بعد ہوگا (۱۸) فرشتے اس روح کے متعلق اپنے رب سے کہیں گے کہ یہ تیرا فلاں بندہ ہے (۱۹) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اس روح کو لے جاؤ اور اس کو دکھاؤ میں نے اس کے لیے کیا معزز چیزیں تیار کی ہیں پھر مومن کی روح کو جنت اور کافر کی روح کو دوزخ دکھائی جائے گی (۲۰) مومن کی روح پر آسمان کا ہر فرشتہ صلاۃ پڑھے گا۔ پس بنو آدم جسم پر صلاۃ پڑھتے ہیں اور فرشتے روح پر صلاۃ پڑھتے ہیں (۲۱) روح قیامت تک جنت یا دوزخ کو (قبر کی کھڑکی سے) دیکھتی رہے گی' بدن تو بوسیدہ ہو کر گل جائے گا اور ان دونوں ٹھکانوں کو روح دیکھتی رہے گی' اور یہ روح کے آثار اور افعال پر ترپن دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوتی ہے' جو فرشتے اس مومن پر وفات طاری کرتے ہیں وہ اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' ان کی آسمان کے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے' وہ پوچھتے ہیں تمہارے ساتھ کون ہے؟ وہ بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کے نیک اعمال بتاتے ہیں' وہ کہتے ہیں اللہ تم کو بھی زندہ رکھے اور جو تمہارے ساتھ ہے اس کو بھی زندہ رکھے' پھر اس روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس مومن کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے' پھر وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوتا ہے' اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوتی ہے' اس پر موت طاری کرنے والے فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' پھر آسمان کے نزدیک ان کی دوسرے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے' وہ پوچھتے ہیں یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ وہ بتاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے برے اعمال کا ذکر کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں اس کو واپس لے جاؤ' اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا' پھر حضرت ابو موسیٰ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ. (الاعراف: ۴۰)

اور کافر جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نہ گزر جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۳-۳۸۲' مطبوعہ کراچی' ۱۴۰۶ھ' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۰۶۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' کتاب الروح ص ۱۷۵' شرح الصدور ص ۶۶-۶۵)

علامہ ابن قیم جوزی نے کہا ہے اس حدیث میں دس دلیلیں ہیں:

(۱) روح کا نکلنا (۲) اس کا خوشبودار ہونا (۳) فرشتوں کا اس کو لے کر چلنا (۴) فرشتوں کا اس کی تعظیم کرنا (۵) فرشتوں کا روح کو پکڑنا (۶) فرشتوں کا اس کو لے کر چڑھنا (۷) اس کے نور سے آسمانوں کا روشن ہونا (۸) اس کو لے کر عرش پر پہنچنا (۹) فرشتوں کا اس کے متعلق سوال کرنا یہ کون ہے (۱۰) کافر کی روح کے متعلق فرشتوں کا یہ کہنا اس کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں لے جاؤ۔ یہ تریسٹھ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوتی ہے' آسمان والے کہتے ہیں تو پاکیزہ روح ہے زمین کی طرف سے آئی ہے' اللہ تیری مغفرت کرے' اور اس جسم کی مغفرت کرے جس میں تو آباد تھی' پھر فرشتہ اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جاتا ہے' اللہ فرماتا ہے اس کو اس کی آخری مدت تک لے جاؤ' (یعنی اس کو علیین کی طرف لے جاؤ) اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو سخت بدبو آتی ہے اور آسمان والے کہتے ہیں یہ خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۲، مشکوٰۃ شریف رقم الحدیث: ۱۶۲۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱۷۰)

اس حدیث میں روح کے جسم لطیف ہونے پر چھ دلیلیں ہیں:

(۱) روح سے فرشتے ملاقات کرتے ہیں (۲) روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں (۳) فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے (۴) فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں (۵) اس کی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے (۶) اس کو اللہ عزوجل کے پاس لے جاتے ہیں۔ اس حدیث سمیت یہ انہتر دلیلیں ہیں۔

اس نوع کی مزید احادیث ذکر کر کے علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ نے تیس مزید دلیلیں نکالی ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ روح ایک لطیف جسم ہے جس کا جسم عنصری میں حلول ہوتا ہے، اس کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے، اس کو منتقل کیا جاتا ہے یہ دیکھتی ہے، سنتی ہے، کلام کرتی ہے، مومن کی روح خوشبودار ہوتی ہے اور کافر کی روح بدبودار ہوتی ہے، اور ان میں اور بھی امتیازات ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۸۱۔۱۷۱، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۰ھ)

روح کے مزید مباحث اور نفس اور روح کے فرق کی تحقیق کے لیے تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۳۔۷۸۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری از سر نو پیدائش ہوگی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں O آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (السجدہ: ۱۱۔۱۰)

ضلال کے معانی

کفار قریش میں سے جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری از سر نو پیدائش ہوگی، اس آیت میں ضــلــلــنــا کا لفظ ہے اور اس کا مصدر ضلال ہے، اور ضلال کے حسب ذیل معانی ہیں۔

ضلال جب ہدایت کے مقابلہ میں ہو تو اس کا معنی ہے صراط مستقیم سے انحراف کرنا، قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ (یونس: ۱۰۸)

سو جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے فائدے ہی کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس نے گم راہی کو اختیار کیا تو اس نے (انجام کار) اپنے ضرر کے لیے گم راہی کو اختیار کیا۔

شدت شوق اور زیادہ محبت کو بھی ضلال کہتے ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے کہا:

اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ O (یوسف: ۹۵)

بے شک آپ اپنی اسی پرانی محبت میں ہیں۔

سہو اور اجتہادی خطا پر بھی ضلال کا اطلاق کیا جاتا ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الزام دیا کہ تم نے ایک بے قصور شخص کو قتل کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا:

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ O (الشعراء: ۲۰)

یہ کام میں نے سہو اور اجتہادی خطا سے کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس قبطی کو گھونسا مارا تھا جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا اس لیے آپ نے اس کو سہو اور اجتہادی خطا قرار دے کر ضلال سے تعبیر فرمایا، تاہم کسی اور شخص کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل کو ضلال کہنا جائز نہیں ہے۔

نسیان کو بھی ضلال کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے، دو عورتوں کو گواہ بنانے کی وجہ ذکر فرمائی:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ (البقرہ: ۲۸۲) تاکہ دو گواہ عورتوں میں سے ایک بھولے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

ضلال غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ (طٰہٰ: ۵۲) میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔

جس طرح اللہ نے ہدایت کے اسباب پیدا کیے ہیں اسی طرح اس نے گمراہی کے اسباب بھی پیدا کیے ہیں اور جب انسان خود گمراہی کے اسباب کو اختیار کرے تو ان اسباب کی تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ (المومن: ۷۴) اللہ اسی طرح کافروں میں گم راہی پیدا فرماتا ہے۔

یعنی جب انسان نے اپنے اختیار اور ارادہ سے گم راہی کے اسباب کو چن لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں گمراہی کو پیدا کر دیا۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۸ ملخصاً مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ' ملک الموت اور دیگر فرشتوں کے موت دینے کے محامل

آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ (السجدہ: ۱۱)

قرآن مجید میں وفات دینے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کیا گیا ہے' اور ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف بھی اس کا اسناد کیا گیا ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی اس کا اسناد کیا گیا ہے۔

اللہ کی طرف موت طاری کرنے کا اسناد ان آیتوں میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ (الزمر: ۴۲) اللہ ہی روحوں کی موت کے وقت ان کو قبض فرمالیتا ہے' اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو ان کی نیند میں قبض فرمالیتا ہے۔

اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الملک: ۲) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (البقرہ: ۲۵۸) وہی زندہ کرتا ہے وہی موت طاری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف موت طاری کرنے کی جو نسبت کی گئی ہے وہ خلق کے اعتبار سے ہے یعنی وہ موت کو پیدا کرتا ہے' یا اس اعتبار سے ہے کہ وہ حضرت عزرائیل اور دیگر فرشتوں کو روح قبض کرنے کا اذن دیتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل کی طرف بھی موت طاری کرنے کی نسبت کی گئی ہے' جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدہ: ۱۱) آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

ملک الموت کی طرف روح قبض کرنے کی نسبت بہ اعتبار کسب کے ہے یا اس کا روح قبض کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع ہے' اور اللہ تعالیٰ کا روحوں کو قبض کرنا اور موت طاری کرنا اصالۃً اور استقلالاً ہے۔

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ملک الموت کے نزدیک تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے' وہ بغیر کسی مشقت کے جس شخص کو چاہے پکڑ لیتا ہے' وہ مشارق اور مغارب سے' مخلوق کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے' اور رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس کے مددگار ہیں' سو رحمت کے فرشتے مومنوں کے لیے ہیں اور عذاب کے فرشتے کافروں کے لیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ملک الموت کا قدم مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔
مجاہد نے کہا تمام روئے زمین ملک الموت کے سامنے ایک تھال کی طرح ہے وہ اس میں سے جو چیز چاہتے ہیں جہاں سے چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں۔
بعض روایات میں ہے کہ ملک الموت آسمان اور زمین کے درمیان ایک سیڑھی پر ہیں' ان کے مددگار انسان کی روح کو کھینچتے ہیں اور جب اس کی روح اس کے سینہ اور گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اس کو قبض کر لیتے ہیں۔
(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور قرآن مجید میں فرشتوں کی طرف بھی موت طاری کرنے اور روح قبض کرنے کی نسبت کی گئی ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ○ (الانعام: ۶۱)
حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ (النحل: ۲۸)
جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں۔

ان فرشتوں کی طرف جو روح قبض کرنے کی نسبت کی گئی ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس معاملہ میں ملک الموت کی مدد کرتے ہیں جیسا کہ بعض آثار سے ابھی گزرا ہے کہ حضرت عزرائیل کے مددگار فرشتے انسان کی روح کو کھینچتے ہیں حتیٰ کہ جب روح نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو پھر ملک الموت اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔
ان آیات میں اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے کہ بعض انسانوں کی روح کو اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتا ہے اور بعض انسانوں کی روح کو ملک الموت قبض کرتے ہیں اور بعض کی روح کو فرشتے قبض کرتے ہیں۔

آیا ملک الموت تمام مخلوق پر موت طاری کرتے ہیں یا خاص مخلوق پر

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
امام ابن جویبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ملک الموت علیہ السلام کو صرف مومنین کی روحیں قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' اور ایک فرشتہ جنات میں ہے' اور ایک فرشتہ شیاطین میں ہے' اور ایک فرشتہ پرندوں اور وحوش میں' درندوں' مچھلیوں اور چیونٹیوں میں ہے' سو یہ چار فرشتے ہیں اور جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب فرشتے مر جائیں گے اور ملک الموت ان کی روحوں کو قبض کریں گے پھر وہ خود بھی مر جائیں گے اور جو سمندر کے شہداء ہیں ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتا ہے' اور ان کی کرامت کی وجہ سے اس کو ملک الموت کے سپرد نہیں کرتا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۷۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)
علامہ آلوسی نے بھی حافظ سیوطی کا حوالہ دیئے بغیر اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۹۰' دارالفکر بیروت)
حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کے شہداء کے سوا تمام روحوں کو قبض کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام کو مقرر کیا ہے تو سب کی روحوں کو قبض کرنے کے وہی متولی ہیں۔ الحدیث (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۳۳۵)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چار ملک الموت کی روایت صحیح نہیں ہے۔
حارث بن خزرج بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے

ملک الموت علیہ السلام کو ایک انصاری کے سرہانے بیٹھے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا اے ملک الموت! میرے صاحب کے ساتھ نرمی کرنا یہ مومن ہے' ملک الموت نے کہا آپ خوش رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں کیونکہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں' اے محمد! آپ یقین رکھیں! میں ابن آدم کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے گھر والوں میں سے کوئی چیخ کر روتا ہے تو میں اس کی روح کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہوں' اور میں سوچتا ہوں کہ یہ کیوں چیخ رہا ہے! اللہ کی قسم! ہم نے اس پر کوئی ظلم کیا ہے نہ وقت سے پہلے اس کی روح قبض کی ہے' اگر یہ اللہ کی تقدیر پر صبر کریں گے تو ان کو اجر دیا جائے گا اور اگر یہ چیخ و پکار اور واویلا کریں گے تو یہ گنہ گار ہوں گے' اور ہم نے آپ کے پاس بار بار آنا ہے سو آپ احتیاط کریں اور میں ہر دن اور ہر رات کو' ہر قسم کے گھر پر' ہر خشکی اور ہر سمندر پر اور ہر نرم جگہ اور ہر پہاڑ پر نظر رکھتا ہوں اور میں ان جگہوں کے ہر چھوٹے اور بڑے کو پہچانتا ہوں' اور اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایک مچھر کی روح بھی قبض نہیں کرتا۔ جعفر نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص نمازوں کا پابند ہو جب اس پر موت کا وقت آئے تو اس سے شیطان کو دور کر دیا جاتا ہے اور ملک الموت اس کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے اور یہ بہت عظیم حال ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۸۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۷۸۴' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۶)

ملک الموت پر موت کا آنا

روایت ہے کہ جب تمام مخلوق مر جائے گی اور کوئی جاندار باقی نہیں رہے گا تو ملک الموت اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے میرے رب! اب تیرے اس عبد ضعیف ملک الموت کے سوا اور کوئی زندہ نہیں بچا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ملک الموت! تو نے میرے نبیوں' رسولوں' میرے ولیوں اور میرے خاص بندوں کو موت کا مزہ چکھایا ہے اور میں عالم الغیب ہوں اور میرے علم قدیم میں یہ ہے کہ میری ذات کے سوا ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور اب تمہارے مرنے کی باری ہے' ملک الموت کہیں گے: اے اللہ! اپنے بندہ ملک الموت پر رحم اور لطف فرمانا وہ بہت کمزور ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر جنت اور دوزخ کے درمیان لیٹ جاؤ اور مر جاؤ' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت مر جائیں گے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ

اور اگر آپ دیکھ لیتے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب!

اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ

(اب) ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں لوٹا دے' ہم نیک عمل کریں گے اور ایمان لائیں گے (تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھتے) O

لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے' لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا

میں ضرور جہنم کو انسانوں اور جنات سے بھر دوں گا O تم نے جو اس

نَسِيتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينٰكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا

دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اب تم اس کا مزہ چکھو، بے شک ہم نے (بھی) تم کو فراموش کر دیا ہے، اور تم جو کچھ کرتے تھے اس کی

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا

سزا میں دائمی عذاب چکھو O ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں جن کے سامنے جب (ہمارا) ذکر کیا جاتا ہے تو

سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰى السجدۃ ۱۵

وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O ان کے پہلو

جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا

اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں، اور وہ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ

ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں O سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک

أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ

کے لیے اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O تو کیا کوئی مومن کسی فاسق کی مثل ہو سکتا ہے!

فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ وقف غفران

وہ برابر نہیں ہیں O رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی

جَنّٰتُ الْمَأْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا

مہمانی میں ان کے رہنے کے لیے جنتیں ہیں جو کچھ انہوں نے عمل کیے تھے اس کی جزا میں O رہے وہ لوگ جنہوں

فَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ أَرَادُوٓا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَآ أُعِيدُوا فِيهَا وَ

نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب بھی وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو اسی آگ میں لوٹا دیا جائے

قِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾

گا، اور ان سے کہا جائے گا اب اس آگ کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے O

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ

اور ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے' بڑے عذاب کے سوا

الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ

تاکہ وہ (کفر و نافرمانی سے) رجوع کر لیں O اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کو

بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ ع ۱۵ ۲ ۱۱

اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے' پھر وہ ان سے اعراض کرے' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ دیکھ لیتے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب! (اب) ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں لوٹا دے' ہم نیک عمل کریں گے اور ایمان لائیں گے (تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھتے) O اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے' لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا O تم نے جو اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا' اب تم اس کا مزہ چکھو' بے شک ہم نے (بھی) تم کو فراموش کر دیا ہے' اور تم جو کچھ کرتے تھے اس کی سزا میں دائمی عذاب چکھو O (السجدہ: ۱۴-۱۲)

قیامت کے دن کفار کے ایمان لانے کا ثمر آور نہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے: یا رسول اللہ! اگر آپ منکرین حشر کا حال قیامت کے دن دیکھ لیں تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھیں گے۔ جب ان کا رب ان کا حساب لے گا تو وہ ندامت اور رسوائی سے اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور اس وقت یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اب ہم نے اس چیز کی صداقت کو دیکھ لیا جس کی ہم تکذیب کرتے تھے اور ہم نے تیری وعید کے صادق ہونے کو جان لیا اور ہم جن باتوں کا انکار کرتے تھے ان کو سن لیا' انہوں نے ان چیزوں کی صداقت کو اس وقت دیکھا جب اس کے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور انہوں نے اس وقت ان چیزوں کو غور سے سنا جب ان کے سننے کا کوئی فائدہ نہ تھا' پھر وہ کہیں گے اب تو ہمیں دنیا میں بھیج دے' ہم اس دین اور اس پیغام کی تصدیق کریں گے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پاس سے لے کر آئے ہیں' اب ہمارے تمام شکوک اور شبہات زائل ہو چکے ہیں' اب ہم تیرے رسول پر ایمان لے آئیں گے' وہ کفار دنیا میں بھی سنتے اور دیکھتے تھے' لیکن وہ اس پر تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے تھے' اور اس وقت یوں لگتا تھا جیسے وہ نہ سنتے ہوں نہ دیکھتے ہوں' اور جب انہیں آخرت میں متنبہ کیا گیا تو ایسا لگا جیسے انہوں نے ابھی سنا ہو اور ابھی دیکھا ہو۔

اس کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تیری حجت برحق ہے! اب ہم نے تیرے رسولوں کی حیثیت معرفت حاصل کر لی ہے اور اب ہم نے ان کا کلام بھی غور سے سن لیا ہے' اور اب ہمیں شرح صدر ہو گیا ہے کہ ان کی صداقت کے خلاف ہمارے پاس کوئی حجت نہ تھی اور اس طرح وہ دنیا میں اپنے کفر اور باطل پر ہونے کا اعتراف کر لیں گے' لیکن اب ان کا اعتراف کوئی فائدہ نہیں دے گا' کیونکہ اب وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیں گے اور ایمان وہ معتبر ہے جو بن دیکھے اور غیب پر ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس پیش کش اور مطالبہ کو رد کر دے گا جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الانعام: ۲۸۔۲۷)

اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب کفار دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے (تو آپ ہولناک منظر دیکھتے) جب وہ کہیں گے اے کاش ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور (پھر) ہم اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم مؤمنوں میں سے ہو جائیں گے ○ بلکہ قرآن مجید کی وہ تصدیق ظاہر ہو جائے گی جس کو وہ پہلے (اپنے پیروں سے) چھپاتے تھے اور اگر (بالفرض) ان کو واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے اور بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں۔

تمام جنات اور انسانوں کو ہدایت یافتہ نہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا ○ (السجدہ: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ہر شخص کو جبراً ہدایت دینا چاہتے تو ہم ہر شخص کو نیک اور صالح بنا دیتے' اور دنیا میں کوئی شخص کافر اور فاسق نہ ہوتا' لیکن ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف تھا' ہم نے جمادات' نباتات' حیوانات اور فرشتوں میں جبری اطاعت اور عبادت رکھی ہے' اب ہم ایسی مخلوق بنانا چاہتے تھے جو اپنے اختیار اور ارادہ سے ہماری اطاعت اور عبادت کرے' اس لیے ہم نے تمہیں اختیار اور ارادہ دیا' اور دنیا میں ایمان اور کفر اور نیکی اور بدی پر ترغیب دینے والی چیزیں پیدا کر دیں اور ایمان اور نیکی کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء اور رسل کو پیدا کیا اور کفر اور معصیت کی طرف بلانے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کر دیا اور انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے' قرآن مجید میں ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)

اور ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے۔

نیز فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰۔۷)

نفس (انسان) اور اس کو درست بنانے کی قسم! ○ پھر نفس (انسان) کو بدی اور نیکی کی سمجھ عطا کر دی ○ جس نے نفس کو (گناہوں سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا ○ اور جس نے نفس کو گناہوں میں ملوث کر دیا وہ ناکام ہو گیا ○

سو جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے نیکی کا راستہ منتخب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیک افعال پیدا کر دے گا اور جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے برائی کا راستہ منتخب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے برے افعال پیدا کر دے گا' اور نیک افعال پر اس کو نیک جزا ملے گی اور برے افعال پر اس کو سزا ملے گی۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ زیادہ انسان اور زیادہ جنات کفر اور برے کاموں کو اختیار کریں گے اور اس کے نتیجہ میں جہنم انسانوں اور جنات سے بھر جائے گا اس لیے اس نے ازل میں ہی فرما دیا تھا میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ اور اللہ کا کلام واجب الصدق ہے اس کے خلاف ہونا محال ہے' اس لیے انسانوں اور جنات کے زیادہ افراد کفر اور معصیت کو اختیار کریں گے اور ایسا اس وجہ سے نہیں ہو گا کہ ازل میں اللہ کا علم اس طرح تھا بلکہ ایسا اس لیے ہو گا کہ دنیا میں زیادہ

افراد نے ایسا ہی کرنا تھا اس لیے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا علم تھا کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔

جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم کے سامنے تین چیزوں کے متعلق عذر پیش فرمائے گا (۱) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! اگر میں نے جھوٹوں پر لعنت نہ فرمائی ہوتی اور وعدہ خلافی اور جھوٹ سے بغض نہ رکھا ہوتا' اور اس پر عذاب کی وعید نہ سنائی ہوتی تو آج میں تمہاری تمام اولاد پر اس عذاب کی شدت سے رحم فرما دیتا جو میں نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے لیکن میرا یہ قول برحق ہو چکا ہے کہ اگر میرے رسولوں کی تکذیب کی گئی اور میری نافرمانی کی گئی تو میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا' (۲) اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم! یقین رکھو میں تمہاری اولاد میں سے کسی ایک کو بھی دوزخ میں داخل نہیں کروں گا اور نہ کسی ایک کو دوزخ کا عذاب دوں گا مگر اس شخص کو جس کے متعلق مجھے یہ علم ہو کہ اگر میں نے اس کو دنیا میں بھیج دیا تو وہ پہلے سے زیادہ برے حال کی طرف لوٹ جائے گا اور نہ رجوع کرے گا اور نہ توبہ کرے گا' (۳) اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! میں نے تم کو اپنے اور تمہاری اولاد کے درمیان حکم بنا دیا ہے' تم میزان کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو ان کے اعمال سے کون سا پلڑا بلند ہوتا ہے' اگر ان کی خیر ان کے شر کے اوپر ایک ذرہ کی مقدار بھی بھاری ہو گئی تو ان کے لیے جنت ہو گی حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے گا کہ میں ان میں سے صرف ظالم شخص کو ہی دوزخ میں داخل کروں گا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۸۶۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۵۵۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۵۵۹' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸' اس حدیث کی سند میں الفضل بن عیسیٰ الرقاشی کذاب ہے (الہیثمی))

اللہ تعالیٰ جس طرح جنت کو کمزوروں سے بھر دے گا اسی طرح دوزخ کو جابرہ سے بھر دے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے ایک دوسرے پر فخر کیا' دوزخ نے کہا اے میرے رب! میرے اندر جابرہ' متکبرین' بادشاہ اور سردار داخل ہوں گے' اور جنت نے کہا میرے اندر کمزور' فقراء اور مساکین داخل ہوں گے' تب اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمائے گا: تم میرا عذاب ہو میں جس کو چاہوں گا تم سے عذاب دوں گا' اور جنت سے فرمائے گا: تم میری رحمت ہو اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے' اور تم میں سے ہر ایک کے لیے پُر ہونا اور بھرنا ہے' پھر دوزخ میں دوزخ کے لائق لوگ ڈال دیئے جائیں گے' پھر دوزخ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں؟ اس میں اور لوگ ڈال دیئے جائیں گے وہ پھر کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آ کر اس میں اپنا قدم داخل کر دے گا تو پھر دوزخ کہے گی بس! بس! اور دوزخ کا بعض حصہ بعض سے مل جائے گا اور رہی جنت تو اس میں اتنی جگہ باقی رہ جائے گی جتنی اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ جتنی مخلوق چاہے گا پیدا فرما دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳)

دوزخ میں اللہ کے قدم ڈالنے کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' اللہ تعالیٰ کے قدم کے سلسلہ میں علماء کے دو مذہب ہیں:

(۱) جمہور متقدمین اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے ہمارا اس کے قدم ہونے پر ایمان ہے لیکن اس کی کیا کیفیت ہے اور اس سے کیا مراد ہے اس کا اسی کو علم ہے۔

(۲) جمہور متکلمین نے ملحدین کے اعتراضات کو دور کرنے کے لیے قدم کے معنی میں تاویل کی ہے اور ان کی تاویلات حسب ذیل ہیں:

(ا) قدم سے مراد متقدم ہے یعنی جن کو اللہ تعالیٰ پہلے عذاب دے چکا تھا ان کو پھر دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ب) اس سے مراد ہے مخلوق کا قدم یعنی کسی مخلوق کا قدم دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ج) قدم نام کی کوئی مخلوق ہے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا۔

(د) قدم کسی جگہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جگہ کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ہ) قدم سے مراد وہ ہیں جو کفر اور عناد میں مقدم اور پیش رو ہیں۔

(و) قدم رکھنا ڈانٹ ڈپٹ اور توہین سے کنایہ ہے جیسے کہتے ہیں فلاں چیز میرے قدموں کے نیچے ہے یا فلاں چیز کو میں نے اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ (یہ توجیہ سب سے عمدہ ہے)

(ز) قدم انسان کے اعضاء میں آخری عضو ہے سو اس سے مراد ہے اہل عذاب میں سے آخری لوگوں کو دوزخ میں ڈال دیا۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ جب جنت میں جگہ بچی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس جگہ کو بھرنے کے لیے ایک نئی مخلوق کو پیدا کر دے گا' اور اس مخلوق کو جنت کی فاضل جگہ میں رکھے گا' اس میں یہ دلیل ہے کہ ثواب اور جنت کا ملنا' اعمال پر موقوف نہیں ہے' کیونکہ وہ لوگ اسی وقت پیدا کیے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ان کو بغیر کسی عمل کے جنت دی جائے گی اور ان کو محض اللہ عزوجل کے رحم اور اس کے فضل سے جنت دی جائے گی' اسی طرح نابالغ بچوں اور مجنونوں کو بغیر کسی عمل کے جنت میں داخل کیا جائے گا' اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنت بہت وسیع ہے' کیونکہ ایک شخص کو جنت میں دنیا کی دس گنا جگہ دی جائے گی پھر بھی جنت میں جگہ باقی ہوگی تو اس کے لیے اور مخلوق پیدا کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی مختلف شارحین سے قدم کی توجیہ میں مذکور الصدر اقوال نقل کیے ہیں' نیز انہوں نے ایک یہ جواب بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہر مسلمان کو یہود اور نصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائے اور اس سے کہا جائے گا یہ تمہارا دوزخ سے فدیہ ہے' اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہی قدم ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا' ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد ابلیس کا قدم ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ پھر جبار اس میں اپنا قدم ڈال دے گا' اور ابلیس جبار اور متکبر ہے۔ لیکن یہ بعید توجیہ ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ کے قدم ڈالنے کی زیادہ تفسیر ان شاء اللہ ہم سورۃ ق: ۳۰ میں بیان کریں گے۔

نسیان کے دو معنی

اس کے بعد فرمایا: تم نے جو اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا' اب تم اس کا مزہ چکھو۔ (السجدہ: ۱۴)

نسیان کے ایک معنی ہے' کسی چیز کا یاد نہ آنا اور اس کو بھول جانا' اس معنی میں نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتا' اور نسیان کا دوسرا معنی ہے کسی چیز کو بالکل ترک کر دینا اور اس کام کو کبھی نہ کرنا' اس معنی میں نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتا ہے اور اس آیت میں نسیان کا یہی معنی مراد ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے ضحاک سے روایت کیا ہے اس آیت کا معنی ہے آج ہم تم کو اس طرح ترک کر دیں گے جس طرح

دنیا میں تم نے ہمارے احکام کو ترک کر دیا تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۸۰ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ضحاک نے کہا اگر انہوں نے نسیان سے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کو ترک کیا ہوتا تو کبھی تو کسی حکم پر عمل کرتے۔

اس آیت کا معنی ہے تم جو رسوائی سے سر جھکائے کھڑے ہو اور دائمی عذاب میں گرفتار ہو اب اس عذاب کو چکھو یہ اس کفر اور معاصی کی سزا ہے جو دنیا میں تم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہماری آیتوں پر تو صرف وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں جن کے سامنے جب (ہمارا) ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O (السجدہ: ۱۵)

سجدہ تلاوت کے آداب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مجرمو! تم ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے تقاضوں کے موافق نیک عمل نہیں کرتے' لیکن ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہمارے ایسے بندے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں' سجدہ تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے ایسی دعائیں کرے جو ان آیات کے مناسب ہوں مثلاً اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرے تو سجدہ میں یہ دعا کرے: اے اللہ! محض اپنی رضا کے لیے مجھے سجدہ کرنے والوں اور حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں میں سے بنا دے' اور میں اس سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تیرے حکم پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ لیکن یہ دعائیں اس وقت کرے جب وہ خارج نماز قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور آیت تلاوت پر سجدہ کرے اور جب وہ فرض یا نفل پڑھ رہا ہو تو یہ دعائیں نہ کرے اور نہ سجدہ میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرے۔

نماز میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا طریقہ

علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری الدہلوی المتوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

ایک آدمی نے سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی اگر وہ نماز میں ہے اور آیت سجدہ قرأت کے آخر میں پڑھی ہے یا آیت سجدہ کے بعد صرف ایک یا دو آیتیں پڑھی ہیں تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کے بعد رکوع کرے اور اس رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرے' اور اگر وہ چاہے تو الگ سجدہ تلاوت کرے اور پھر قیام کی طرف لوٹ جائے اور سورت کو ختم کرلے اور اگر وہ اس کے ساتھ کوئی اور سورت ملا لے تو وہ افضل ہے' اور اگر وہ فوراً سجدۂ تلاوت نہ کرے حتیٰ کہ اس سورت کو ختم کر لے پھر رکوع کرے اور نماز کا سجدہ کرے تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا' اور اگر اس نے فوراً نماز کا رکوع کر لیا اور نماز کا سجدہ کر لیا تو اس کا سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا' خواہ اس نے نماز کے سجدہ میں سجدہ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو' اسی طرح اگر اس نے آیت سجدہ کے بعد دو آیتیں پڑھی ہوں تو اس پر اجماع ہے کہ نماز کے سجدہ سے سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا خواہ اس نے سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی ہو۔ اور رکوع میں اختلاف ہے' امام خواہر زادہ نے کہا کہ رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ رکوع سجدہ کے قائم مقام ہو جائے' اور امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے' اور اگر اس نے آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد تین آیتوں کی تلاوت کر لی اور رکوع کر لیا تو اب الگ سجدہ تلاوت کرے گا اور امام خواہر زادہ نے کہا اب رکوع سجدہ کے قائم مقام نہیں ہو گا' اور شمس الائمہ الحلوائی نے کہا تین آیتیں پڑھنے سے سجدہ تلاوت کی فی الفور ادائیگی ختم نہیں ہوتی اور اس کے بعد رکوع کیا تو وہ سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہو جائے گا' اور اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ لیا تو اب رکوع سجدہ تلاوت کے قائم مقام نہیں ہو گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۷۔۱۸۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یہ آیت سجدہ تلاوت ہے اور یہ قرآن مجید میں سجدہ تلاوت کی نویں آیت ہے۔ اس آیت میں یہ الفاظ ہیں خروا سجدا یعنی وہ سجدہ میں جاتے ہوئے گر گئے' حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے ''رکعا'' یعنی وہ رکوع کرتے ہوئے گر گئے۔

علامہ مہدوی نے لکھا ہے یہ ان کے مذہب کے مطابق تفسیر ہے جو کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کی ادائیگی میں سجدہ کے بجائے رکوع کرنا چاہیے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ. (ص: ۲۴) اور داؤد رکوع کرتے ہوئے گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔

اور اس کی تفسیر سجدہ سے بھی کی گئی اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے' یعنی وہ لوگ اللہ کی تعظیم کے لیے اور اس کے جلال اور اس کے عذاب کے خوف سے سجدہ میں گر گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۹۳۔۹۲' دار الفکر ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہوئے اس کے لیے سجدہ میں گر گئے' اس لیے سجدہ تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کے لیے سبحان ربی الاعلی وبحمدہ پڑھنا چاہیے اور رکوع اور سجدہ میں قرآن مجید کی آیات تلاوت نہیں کرنی چاہئیں۔

رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اس وقت لوگ ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے صرف نیک خواب باقی رہ گئے ہیں جن کو مسلمان دیکھتے ہیں یا ان کے متعلق دیکھے جاتے ہیں' سنو مجھ کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن مجید پڑھوں' سو تم رکوع میں رب عزوجل کی تعظیم کرو' اور سجدہ میں دعا کی کوشش کرو توقع ہے کہ سجدہ میں تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو رکوع میں تین بار کہے سبحان ربی العظیم تو اس کا رکوع پورا ہو جائے گا اور جب سجدہ میں جائے تو تین بار کہے سبحان ربی الاعلی تو اس کا سجدہ مکمل ہو جائے گا' اور یہ کم سے کم مقدار ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۹۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۵۰)

اس حدیث کی وجہ سے سجدہ میں دعا کرنے کی روایت نفلی نمازوں اور نفلی سجدوں پر محمول ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد للعینی ج ۴ص ۸۷۔۸۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رکوع یا سجدہ میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۰۲)

رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ (المغنی ج ۱ص ۲۹۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ نے لکھا ہے کہ رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۱۶۹۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ نے لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے کو جائز کہا ہے' اور جمہور کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے۔(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۹۴' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو جائے گی اور صرف نبوت کی بشارتیں باقی رہیں گی' اور یہ بتایا کہ قرآن مجید کی شان بہت بلند ہے' اور بتایا کہ رکوع اور سجود بندوں کے اظہار تذلل اور اظہار عجز سے ہیں سو رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا کہ اس کو تذلل کے محل میں نہ پڑھا جائے بلکہ محل قیام میں پڑھا جائے جو کہ محل وقار ہے۔ تاکہ اہل علم اس کے معانی پر غور کریں' اگر کوئی شخص رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' خواہ وہ عمداً قرآن پڑھے یا بھول کر' لیکن اگر اس نے بھولے سے رکوع یا سجود میں قرآن پڑھا تو اس پر سہو کے دو سجدے واجب ہوں گے۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۸۶۔۸۵' مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے رکوع یا سجود میں قرآن پڑھا تو اس پر سجدہ سہو ہے۔(فتح القدیر ج ۱ ص ۵۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی غیر حالت قیام میں مثلاً رکوع' سجود یا قعود کی حالت میں قرآن مجید پڑھے کیونکہ ان حالتوں میں قرآن مجید پڑھنا مشروع نہیں ہے۔(حلبی کبیر (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی) ص ۳۵۷' سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ)

اسی طرح لکھا ہے:

اگر نمازی نے اپنے رکوع یا سجود یا تشہد میں قرآن مجید پڑھا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے' یہ اس وقت ہے جب پہلے قرآن مجید پڑھا' پھر تشہد پڑھا اور اگر پہلے تشہد پڑھا' پھر قرآن مجید پڑھا تو پھر اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے' اسی طرح محیط السرخسی میں ہے۔(فتاویٰ عالم گیری ج ۱ ص ۱۲۶' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ مصر' ۱۳۱۰ھ)

اگر کوئی شخص بھولے سے رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھے گا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس نے عمداً رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور اگر اس نے بھولے سے ایسا کیا تو اس کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے پہلو اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں' وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں' اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں○ (السجدۃ: ۱۶)

تتجافی اور مضاجع کا معنی

اس آیت میں تتجافی کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ارتفاع اور بلند ہونا' یعنی وہ لیٹنے کی جگہ سے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں' اور مضاجع کا لفظ ہے یہ مضجع کی جمع ہے' مضجع خواب گاہ کو کہتے ہیں' اور جنوب کا لفظ ہے یہ جنب کی جمع ہے اور جنب کروٹ اور

پہلو کو کہتے ہیں۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا وہ نماز اور غیر نماز میں اللہ کے ذکر کے لیے بستروں سے دور رہتے ہیں۔

مجاہد' اوزاعی' امام مالک بن انس اور جمہور مفسرین نے کہا وہ رات کو نوافل پڑھنے کے لیے اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں۔

تہجد اور رات کو دیگر نوافل پڑھنے کی فضیلت اور ان کی رکعات کی تعداد میں احادیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا' میں صبح کے وقت آپ کے قریب ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے؟ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایک عظیم چیز کا سوال کیا ہے' بے شک یہ اسی پر آسان ہے جس پر اللہ اس کو آسان کر دے' تم اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو' پھر فرمایا کیا میں تم کو نیکی کے ابواب کی رہ نمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح آگ پانی کو بجھا دیتی ہے' اور انسان کا آدھی رات کو نماز پڑھنا بھی' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ. (السجدۃ:۱۶)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۷۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۳۰۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ:۱۶) نماز عشاء کے انتظار کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۶)

حضرت ابو الدرداء' حضرت عبادہ اور ضحاک رضی اللہ عنہم نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشاء کی اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا نصف رات تک قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا کہ ساری رات قیام کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۱)

بعض احادیث میں مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنے کی بھی فضیلت بیان کی گئی ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. (متقین) رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

(الذاریات:۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں صحابہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۲۲)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' اور انہوں نے کہا میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے' اور آپ نے فرمایا جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے

جھاگ کے برابر ہوں۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث:۸۲۳‘ المعجم الصغیر رقم الحدیث:۹۰۰‘ حافظ المنذری نے کہا یہ حدیث غریب ہے‘ الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۸۵۴‘ حافظ الہیثمی نے کہا اس کی روایت میں صالح بن قطن البخاری متفرد ہے‘ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۰)

قیام اللیل اور تہجد کی نماز کی فضیلت میں بھی بہ کثرت احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے روزے ہیں‘ جو اللہ کا مہینہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۶۳‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۲۹‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۷۴۰)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ‘ اور رشتہ داروں سے مل جل کر رہو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۸۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۵۱‘ المستدرک ج ۳ ص ۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر سوج گئے یا پھٹ گئے‘ میں نے آپ سے عرض کیا آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) بخش دیئے گئے ہیں‘ آپ نے فرمایا کیا مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اللہ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۳۰‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲۰۔۱۸۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سویا ہوا ہوتا ہے تو شیطان اس کی گدی کے اوپر تین گرہیں لگا دیتا ہے ہر گرہ پر یہ پھونک مار دیتا ہے رات بہت لمبی ہے تم سو جاؤ‘ پس اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے‘ پس اگر وہ وضو کرے تو اس کی دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھ لے تو اس کی تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو تر و تازہ ہوتا ہے ورنہ صبح کو سستی کا مارا ہوا نحوست کے ساتھ اٹھتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۲‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۷۶‘ سنن النسائی رقم الحدیث:۱۶۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے‘ جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے‘ تو فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں! کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں! کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۵‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۵۸‘ سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۳۱۴‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۹۸‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۳۶۶)

تہجد کی رکعات کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کیسی (یعنی کتنی رکعت) نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے‘ آپ چار رکعت نماز پڑھتے ان کے حسن اور طول سے نہ پوچھو‘ آپ پھر چار رکعات نماز پڑھتے ان کے حسن اور طول سے نہ پوچھو‘ پھر آپ تین رکعت نماز (وتر) پڑھتے‘ حضرت عائشہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۳۸‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۴۳۹‘

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے ان میں وتر اور صبح کی دوسنتیں بھی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸ الرقم المسلسل: ۱۶۹۶ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۴)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعات کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دوسنتوں کے سوا سات رکعات' نو رکعات اور گیارہ رکعات پڑھی ہیں (ان میں تین رکعات وتر شامل ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے آٹھ رکعات سے زیادہ تہجد کی نماز نہیں پڑھی اور کم از کم چار رکعات پڑھی ہیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے تو دو رکعت نماز تخفیف سے پڑھے دوسری روایت میں ہے' پھر اس کے بعد جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۴-۱۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے' اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O تو کیا کوئی مومن کسی فاسق کی مثل ہوسکتا ہے! وہ برابر نہیں ہیں O (السجدۃ: ۱۸-۱۷)

اہل جنت کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا درجہ

اس آیت کے موافق یہ حدیثیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' بلکہ یہ ان نعمتوں کے علاوہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مطلع نہیں فرمایا ہے' پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: **فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين** (السجدہ: ۱۷)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۵-۲۸۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۰)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ جنت والوں کا سب سے کم درجہ کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو اس وقت آئے گا جب تمام جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے' اس سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے جنت میں جاؤں! سب لوگوں نے جنت کے گھروں پر قبضہ کرلیا ہے اور انہوں نے جنت کی چیزیں لے لی ہیں' اس سے کہا جائے گا کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں دنیا کے بادشاہوں کے ملکوں میں سے کسی ملک کی مثل مل جائے' وہ کہے گا: میں راضی ہوں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہیں وہ ملک بھی مل جائے اور اور اس جیسی تین امثال اور مل جائیں گی' پھر جب پانچ امثال کا کہا جائے گا تو وہ کہے گا اے میرے رب! میں راضی ہوں! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہیں وہ ملک بھی مل جائے گا اور اس جیسی دس امثال اور مل جائیں گی اور تم کو وہ چیز بھی مل جائے گی جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا اور جس چیز سے تمہاری آنکھوں کو لذت ملے گی' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں! حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! پھر جنت میں سب سے بلند درجہ کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو میں نے پسند کرلیا اور ان کی عزت اور کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے' اور میں نے ان کی کرامت پر مہر لگا دی ہے' ان کی کرامت کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان

کا خیال آیا ہے اور اس کا مصداق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدہ: ۱۷)
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا' کہا جائے گا اس کے اوپر اس کے گناہ صغیرہ پیش کرو اور اس کے گناہ کبیرہ اس سے اٹھالو' پھر اس کے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں گے' اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا' اور فلاں دن یہ کام کیا تھا' وہ کہے گا ہاں اور وہ ان گناہوں کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے خوف زدہ ہو گا کہ ابھی اس کے بڑے بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے کئی کام اور بھی کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا (یعنی بڑے بڑے گناہ) پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶)

مومن اور فاسق کا دنیا اور آخرت میں مساوی نہ ہونا

مومن فاسق کی مثل نہیں ہے' مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے اور فاسق جو کافر ہو وہ اللہ کی معصیت کرتا ہے اور اللہ کے شریک قرار دے کر ان کی پرستش کرتا ہے' اس لیے اللہ کے نزدیک مومن کے لیے دنیا میں تعریف اور تحسین ہے اور آخرت میں اس کے لیے جنت ہے' اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہے' اور کافر کے لیے اللہ کے نزدیک دنیا میں مذمت اور توہین ہے اور آخرت میں اللہ کے دیدار سے محرومی' اس کی ناراضگی اور دوزخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا بن یسار نے کہا یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور الولید بن عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان دونوں میں مناقشہ ہوا' الولید نے کہا میری زبان تم سے بڑی ہے اور میرے دانت تم سے تیز ہیں' اور میرا جسم تم سے مضبوط ہے' حضرت علی نے فرمایا خاموش رہ تو فاسق ہے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرے اس کا اطلاق مومن پر بھی ہوتا ہے اور کافر پر بھی ہوتا ہے اس آیت میں فاسق کا اطلاق کافر پر ہے۔

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا یستوٗن O مومن اور فاسق برابر نہیں ہے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قصاص میں مساوات ہوتی ہے اور مومن اور کافر میں مساوات نہیں ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی ذمی کافر کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے' اس کے برخلاف فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مسلمان نے کسی ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' اور قصاص اس وقت لیا جاتا ہے جب قاتل اور مقتول میں مساوات ہو اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ کافر اور مسلمان مساوی نہیں ہیں اس لیے کافر کا مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور یہ آیت احناف کے خلاف حجت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۹۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ائمہ ثلاثہ احناف کے خلاف اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

ولا یقتل مسلم بکافر. اور مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلائل

فقہاء احناف اس دلیل کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ نے ذمی کو بھی اس کے عہد ذمہ میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے اگر ذمی کو اس کے عہد کے دوران کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' امام بخاری کی روایت میں جو مذکور ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اس سے مراد کافر حربی ہے اور اس روایت میں پوری تفصیل نہیں ہے' پوری تفصیل اس روایت میں ہے:

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں اور اشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ہم نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد کیا ہے جو عام لوگوں سے نہیں کیا؟ حضرت علی نے فرمایا نہیں سوا ان چیزوں کے جو میری اس کتاب میں ہیں اور وہ کتاب ان کی تلوار کی میان میں تھی اور اس میں مذکور تھا' تمام مومنین کے خون مساوی ہیں' اور وہ اپنے ماسوا پر غالب ہیں' اور ادنیٰ مسلمان بھی کسی مسلمان کے عہد کے لیے کوشش کرے گا اور سنو کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' اور نہ کسی ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے اور جس نے کوئی جرم کیا تو اس کا وہ ذمہ دار ہے' اور جس نے کسی مجرم کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۷۵۹_۴۷۶۰' مسند احمد ج۱ص۱۲۲_۱۱۹' طبع قدیم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں اور ان کا ادنیٰ فرد بھی اپنے ذمہ کے حصول کی کوشش کرے گا' اور اپنے بعید پر اس کے حق کو لوٹائے گا' اور وہ اپنے ماسوا پر قوی ہیں اور سنو کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے گا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶۰' مسند احمد ج۱ص۱۱۹)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کو قتل کرنے پر سخت اظہار ناراضگی اور وعید فرمائی ہے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ذمی کو بغیر کنہہ (دلیل شرعی) کے قتل کر دیا اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۶۱' مسند احمد ج۵ص۳۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۰۷)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو بلا جواز قتل کیا' اللہ اس پر جنت کی خوشبو سونگھنے کو بھی حرام کر دے گا' امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۷۶۲' مسند احمد ج۵ص۵۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۶۶)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر دیا' یعنی قتل کرنے کا حکم دیا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے ذمہ (عہد) کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۲۳۴_۳۲۳۳_۳۲۳۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے' لیکن انہوں نے اس حدیث کی تین مختلف سندیں ذکر کی ہیں اور تعدد اسانید تقویت کا موجب ہے اور اس وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال ہے۔

متعدد صحابہ سے بھی یہ منقول ہے کہ انہوں نے ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا۔

ابراہیم النخعی بیان کرتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا' حضرت عمر نے اس معاملہ میں یہ لکھا کہ اس قاتل کو اولیاء مقتول کے سپرد کیا جائے وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور وہ چاہیں تو اس کو معاف کر دیں پھر اس شخص کو مقتول کے ولی کے سپرد کیا گیا جو اہل حیرہ (ذمیوں میں) سے تھا اس کا نام حنین تھا اس نے اس (مسلمان) قاتل کو قتل کر دیا۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۴۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲)

الجنوب الاسدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے ایک ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا' جب اس مسلمان کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو حضرت علی نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر اس ذمی مقتول کے بھائی نے آ کر کہا میں نے اس مسلمان قاتل کو معاف کر دیا' حضرت علی نے فرمایا شاید مسلمانوں نے تم کو ڈرایا اور دھمکایا ہوگا! اس کے بھائی نے کہا' نہیں لیکن مجھے خیال آیا کہ اس کو قتل کرنے سے میرا بھائی تو واپس نہیں آئے گا اور انہوں نے مجھے خون بہا کی پیش کش کی ہے سو میں راضی ہو گیا' حضرت علی نے فرمایا تم اپنے معاملہ کو بہتر جانتے ہو' ذمی شخص کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۵۰' رقم الحدیث: ۴۸۱۷' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۴)

امام بیہقی اور امام شافعی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علی نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا پھر وہ اس کے خلاف کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں!

(معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۵۴-۱۵۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے' نیز حضرت علی کی مفصل روایت اس طرح ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور نہ ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے جیسا کہ ہم متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی میں ان کے رہنے کے لیے جنتیں ہیں' جو کچھ انہوں نے عمل کیے تھے اس کی جزا میں O رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے' جب بھی وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے' ان کو اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا اب اس آگ کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے O اور ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے بڑے عذاب کے سوا تاکہ وہ (کفر یا نافرمانی سے) رجوع کر لیں O اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے اعراض کرے' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں O (السجدہ: ۲۲-۱۹)

عذاب ادنیٰ اور عذاب اکبر کے مصادیق

پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں دونوں کے اخروی ٹھکانوں کا ذکر فرمایا' مومنوں کو ان کے ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے رہائش کے لیے جنتیں دی جائیں گی اور جس طرح مہمانوں کی تکریم اور ضیافت کی جاتی ہے' ان کی تکریم اور ضیافت کی جائے گی' عربی میں مہمانی کے لیے نزل کا لفظ ہے کیونکہ کسی معزز شخصیت کے نزول کے فوراً بعد اس کی خاطر تواضع کی جاتی ہے' پھر اس کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اور اس کے دوسرے معاملات طے کیے جاتے ہیں' اس وجہ سے عربی میں مہمانی

کو نزل کہتے ہیں۔

اور کافروں کو اس آیت میں "الذین فسقوا" سے تعبیر فرمایا' فسق کا معنی ہے خروج' کیونکہ یہ لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف خروج کر چکے تھے اس لیے ان کو فاسق فرمایا' ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے' جب بھی یہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے دوزخ کے بلند شعلے ان کو واپس اسی مقام کی طرف دھکیل دیں گے اور دوزخ کے پہرہ داران سے کہیں گے' اب تم اس عذاب کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

السجدہ: ۲۱ میں فرمایا: ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے' چھوٹے اور ادنیٰ عذاب سے مراد دنیا کے مصائب اور بیماریاں ہیں جن میں بندوں کو اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ توبہ کر لیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد حدود اور تعزیرات اور جرائم کی سزائیں ہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد غزوۂ بدر میں کفار کا قتل کیا جانا ہے۔

مقاتل نے کہا اس سے مراد کفار مکہ پر مکہ میں نازل ہونے والے سات سال کا قحط ہے جس میں انہوں نے مردار تک کھا لیے تھے' اور مجاہد نے کہا اس سے مراد عذاب قبر ہے' اور بڑے عذاب سے مراد قیامت کا عذاب ہے اور دوزخ کا عذاب ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے تاکہ وہ رجوع کر لیں۔ اگر اس کا تعلق عذاب ادنیٰ سے ہو تو اس کا معنی ہے تاکہ وہ دنیا میں کفر اور معصیت سے رجوع کر لیں اور اگر اس کا تعلق عذاب اکبر سے ہو تو اس کا معنی ہے تاکہ وہ آخرت میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جانے کی تمنا کریں۔

السجدہ: ۲۲ میں فرمایا' اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے اعراض کرے' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

اس آیت میں ظلم پر وعید سنائی گئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ظلم کا معنی اور اس کی انواع و اقسام اور اس کی سزاؤں کے متعلق احادیث بیان کریں اور ان کی مختصر تشریح کریں۔

ظلم کا لغوی اور عرفی معنی

لغت میں ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے محل مخصوص کی بجائے کسی اور جگہ میں رکھنا' خواہ وہ جگہ اس سے کم ہو یا زیادہ ہو' یا کسی چیز کو اس کے مخصوص وقت میں ادا نہ کرنا' اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو اپنے ذکر اور فکر کے لیے بنایا ہے اگر انسان اپنے دل میں کسی اور کی یاد بسا لے' کسی اور کا ذکر و فکر کرے یا اللہ تعالیٰ سے غافل اور اس سے دور کرنے والی چیزوں کی یاد اپنے دل میں رکھے یا جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کی محبت اپنے دل میں رکھے تو یہ اس کا ظلم ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کو جو طاقت اور توانائی عطا کی ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرے' اگر انسان اپنے جسم اور اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنے نفس یا دوسرے لوگوں کی اطاعت میں خرچ کرے تو یہ اس کا ظلم ہے' اس لیے انسان اگر ظلم سے بچنا چاہتا ہے تو وہ اپنے دل اور اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رکھے۔

ظلم کی سزاؤں اور عذاب کے متعلق احادیث اور ان کی ضروری تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰)

اس حدیث میں ظلم سے مراد عام ہے خواہ مومن فاسق سے صادر ہو یا کافر فاجر سے' اور ظلم کی تمام انواع اور اقسام ظلم

کرنے والے کے لیے اندھیروں کا سبب ہیں' یا ظلم کی وجہ سے قیامت کے دن شدت' سختی اور صعوبت ہوگی یا ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے قیامت کے دن جنت کی طرف راہ نہیں پا سکے گا' اس کے برعکس مومن کے نیک اعمال کا نور اس کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا جس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کے راستے روشن اور تابناک ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ. (التحریم:۸) ان کا نور ان کے سامنے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۱۸)

اس حدیث میں فی الحال مظلوم کے لیے تسلی ہے اور ظالم کے لیے وعید ہے کہ وہ اس مہلت سے دھوکا نہ کھائے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ. (ابراہیم:۴۲) ظالموں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ گمان کرو وہ تو ان کو اس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہے جب ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت پر یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس دن کے آنے سے پہلے اس کو حلال (معاف) کرالے' جس دن کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا' اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کو اس کے ظلم کے برابر وصول کر لیا جائے گا' اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۹' مسند احمد رقم الحدیث:۱۰۵۸۰' عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کی مقدار کے برابر وصول کر لیا جائے گا' اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے نیک اعمال کو جو اجسام میں متمثل کیا جائے گا اور اس کے ظلم کے برابر اجسام مظلوم کو دے دیئے جائیں گے' اور اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظالم کے صحائف اعمال سے اتنی نیکیوں کو کاٹ کر مظلوم کے صحائف اعمال میں لکھ دیا جائے گا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اتنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب ہو وہ مظلوم کو عطا کر دیا جائے' اسی طرح مظلوم کے جو گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے ان کے بھی یہی تین محامل ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی مثل عمل نہ کرو' کہ تم کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے' لیکن تم اپنے آپ کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر وہ تم پر ظلم کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۰۰۷' المسند الجامع رقم الحدیث:۳۳۲۹)

کیونکہ ظلم نہ کرنا بھی احسان ہے' اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کو اخلاق حسنہ کا وطن اور محل بنالو حتیٰ کہ ظلم اور بد اخلاقی تمہارے لیے اس طرح اجنبی ہو جیسے پرایا شہر اجنبی ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور اللہ کسی حق دار کو اس کے حق سے منع نہیں کرتا۔

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ علم ہو کہ فلاں شخص ظالم ہے اور وہ اس کی معاونت کے لیے اس کے ساتھ گیا' وہ اسلام سے نکل گیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۶۷۴' مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۱۳۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص کمال اسلام سے نکل گیا کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰) اور ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! کون سا صاحب اسلام سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے نفس کو ضرر پہنچاتا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا نہیں اللہ کی قسم' حتیٰ کہ سرخاب پرندہ جو اپنے گھونسلے میں بھوک اور کمزوری سے مرجاتا ہے وہ بھی ظالم کے ظلم (کے ضرر) سے ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۴۷۵' مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۱۳۶)

اس کہنے والے کا قول برحق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (البقرہ: ۵۷)

اور قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا. جس نے نیک عمل کیا تو اس کا نفع اس کے لیے ہے اور جس نے برا کام کیا تو اس کا ضرر بھی اس پر ہے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۴۶)

لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ ظالم کے ظلم کا اثر دوسرے انسانوں' حیوانوں بلکہ پرندوں تک بھی پہنچتا ہے کیونکہ جب لوگ بہ کثرت' علی الاعلان گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور قحط مسلط کر دیتا ہے' جس کے نتیجے میں دانے اور گھاس پھونس پیدا نہیں ہوتے اور بھوک سے مویشی اور پرندے مرجاتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی پس آپ اس سے ملاقات میں شک نہ

مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَ

کریں' اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا ○ اور

جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۖ وَكَانُوْا

جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے بعض کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے' اور وہ

بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے O بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ

ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O کیا انہوں نے اس سے

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ط

ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے'

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ط اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ

بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' کیا پس یہ سنتے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو

الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ

بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں

اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ط اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى الثلثة

اور وہ خود کھاتے ہیں' کیا پس وہ نہیں دیکھتے O اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فیصلہ

هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

کب ہو گا اگر تم سچے ہو O آپ کہیے جس دن فیصلہ ہو گا اس دن کافروں کو ان کا ایمان

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ

نفع نہ دے سکے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O آپ ان سے اعراض کیجئے

عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۱۶

اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیںO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی پس آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا O اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے بعض کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے' اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے O بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان ان

چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O (السجدہ: ۲۵-۲۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے محامل

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور آخرت میں مومنوں کے ثواب اور کافروں کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا' اور اس رکوع کی ابتدائی آیتوں میں رسالت کا ذکر ہے اور رسالت کے ذکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا' حالانکہ جو رسول' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے اتفاق نہیں کرتے تھے' اس کے برخلاف عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو مانتے تھے' گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فریقین کے درمیان متفق علیہ رسول تھے' اس لیے اس آیت میں ذکر فرمایا کہ آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس ملاقات کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا شب معراج آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی ہے آپ اس میں شک نہ کریں۔

(۲) قیامت کے دن آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوگی آپ اس میں شک نہ کریں' کیونکہ عنقریب آپ کی ان سے ملاقات ہونی ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی گئی تھی اور انہوں نے جو کتاب سے ملاقات کی تھی آپ اس میں شک نہ کریں۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت آپ کی تسلی کے لیے نازل کی گئی ہو' کیونکہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر ہر طرح کے دلائل اور معجزات پیش کیے' اس کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی نبوت کو نہیں مانا' تو آپ اس سے غمگین ہوئے تو گویا کہ آپ سے کہا گیا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال یاد کریں اور غمگین نہ ہوں' کیونکہ ان کو بھی ایسے حالات پیش آئے اور ان کو بھی اسی طرح ایذاء دی گئی جس طرح آپ کو ایذاء دی گئی ہے' انبیاء سابقین کی ایذاء کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا کیونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو صرف ان لوگوں نے ایذاء پہنچائی تھی جو ان پر ایمان نہیں لائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کافروں کے علاوہ ان کی قوم کے مومنوں نے بھی ایذاء پہنچائی تھی اور ہٹ دھرمی اور کج روی سے انہوں نے کئی چیزوں کو طلب کیا مثلاً انہوں نے کہا:

یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً . اے موسیٰ! جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرہ: ۵۵)

اسی طرح جب ان سے جہاد کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کہا:

فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ O آپ اور آپ کا رب جائیں سو قتال کریں بے شک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۲۴)

پھر یہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت نفع آور تھی' اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنادیا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے جو ان کے صحیح متبعین تھے ہم نے ان کو امام بنادیا اسی طرح آپ کی امت میں سے صحابہ امام اور ہدایت یافتہ ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کر لی ہدایت پا جاؤ گے' اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ رقم الحدیث: ۶۰۱۸)

اب یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے بعض بنی اسرائیل کو امام بنا دیا جو ہدایت دیتے تھے' حالانکہ بنی اسرائیل کے تو بہت فرقے ہیں جب کہ ہدایت یافتہ تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اس کے جواب میں فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O (السجدہ: ۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے' بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' کیا پس یہ سنتے نہیں ہیں! O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں' جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود کھاتے ہیں' کیا پس وہ نہیں دیکھتے! O (السجدہ: ۲۷-۲۶)

بارش کے پانی سے بنجر زمین کو زرخیز کرنے کا انعام تا کہ تمہیں جسمانی خوراک حاصل ہو

پہلی آیت نے کفار مکہ کو خوف دلایا ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید میں شرک کر رہے ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کا انکار کر رہے ہیں' کیا انہوں نے اپنے سفر کے دوران عاد' ثمود اور قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں کو نہیں دیکھا وہ لوگ بھی اپنی دنیاوی زندگی پر مغرور ہو گئے تھے اور انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا' ہمارے رسولوں کا انکار کیا تھا' پھر ان پر کیسا عذاب آیا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔

اس آیت میں القرون کا لفظ ہے' کسی ایک زمانہ میں روئے زمین پر رہنے والوں کو قرن کہتے ہیں اور قرون قرن کی جمع ہے۔

دوسری آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دلانا ہے' وہ بنجر زمین کو زرخیز بنانے کے لیے بارش سے لدے ہوئے بادلوں کو مردہ زمین کی طرف بھیجتا ہے اور وہ زمینیں سرسبز اور شاداب ہو جاتی ہیں' کھیت غلہ سے اور باغات پھلوں سے لد جاتے ہیں' زمین کی اس پیداوار سے ان کے مویشی بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں' مویشیوں کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ مویشی صرف چارا کھاتے ہیں اور انسان زمین کی پیداوار سے سبزیاں بھی کھاتے ہیں اور جانوروں کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔

ہدایت کے پانی سے مردہ دلوں کو زندہ کرنے کا انعام تا کہ تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہو

بعض علماء نے کہا کہ بنجر زمین میں پانی بہانے اور اس سے زرخیز فصل پیدا کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ ہم تخت اور حق سے اعراض کرنے والوں کے دلوں میں وعظ و نصیحت پہنچا دیتے ہیں اور وہ اس سے ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض عارفین نے کہا ہم مردہ دلوں میں اپنے بحر معرفت کے پانی اور اس کے جلال کی تجلیات کو پہنچا دیتے ہیں جس سے اس دل کے گلشن میں نرگس اور یاسمین کے پھول کھلنے لگتے ہیں' اور بعض علماء نے کہا ہم گمراہ دلوں میں ہدایت کا پانی پہنچا دیتے ہیں جس سے اس میں ذات اور صفات کے مشاہدات اور واردات کا اجتماع ہو جاتا ہے' واضح رہے کہ ہر ایک کی ہدایت مختلف ہوتی ہے' کافر کی ہدایت ایمان تک پہنچنا ہے اور مومن فاسق کی ہدایت اطاعت اور عبادت تک پہنچنا ہے' اور مومن مطیع کی ہدایت زہد اور تقویٰ تک پہنچنا ہے اور زاہد اور متقی کی ہدایت معرفت صفات تک پہنچنا ہے اور عارف کی ہدایت ذات تک پہنچنا ہے اور یہیں سے انسان کامل حیات باقیہ میں داخل ہوتا ہے۔

طالب حق پر لازم ہے کہ وہ عبادت میں کوشش کرتا رہے' کیونکہ عبادت کے طریقوں سے ہی فیض حاصل ہوتا ہے' جب انسان فجر کی نماز پڑھتا ہے تو وہ مناجات میں مستغرق ہو جاتا ہے' جو انسان ناقص ہو وہ پھر دنیا کے کاروبار اور جھمیلوں میں محو اور مستغرق ہو کر صبح کی عبادت کے آثار گنوا چکا ہوتا ہے پھر جب وہ ظہر کی نماز پڑھتا ہے تو پھر اس کا رجوع اللہ کی طرف ہو جاتا ہے' ظہر کے بعد وہ پھر دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور عصر کی نماز اس کو پھر اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہے' اور یہ ایسا ہے جیسے کسی خشک اور بے آب و گیاہ زمین میں بار بار پانی دیا جاتا ہے تا کہ وہ فصل اگانے کے قابل ہو جائے' حتیٰ کہ ایک دن وہ فصل لہلہانے لگتی ہے' اسی طرح رمضان کا مہینہ جب آتا ہے تو مومن روزے رکھتا ہے' اور ایک محدود وقت میں فرشتوں کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور جب بار بار یہ عمل ہوتا ہے تو اس میں صفات الٰہیہ منعکس ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ کی صفات سے متصف اور اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے | یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

یعنی اگر انسان مظہر ملائکہ ہو جائے تو ہنوز معراج انسانیت سے دور ہے کہ اس کا کمال پیکر جبریل ہونا نہیں ہے اس کا کمال مظہر رب جبریل ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو O آپ کہیے جس دن فیصلہ ہوگا اس دن کافروں کو ان کا ایمان نفع نہ دے سکے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O آپ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں O (السجدہ: ۳۰۔۲۸)

آیا فیصلہ کے دن سے دنیا میں کفار کی شکست کا دن مراد ہے یا روز قیامت؟

مسلمان کفار مکہ سے کہتے تھے ایک دن اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا' اور اس سے ان کی مراد قیامت کا دن تھا' اور وہ کہتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا' اور اس دن نیکوکاروں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا' اور بدکاروں کو سزا دے گا' تو کفار مکہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے تھے بتاؤ وہ دن کب آئے گا؟ اگر تم سچے ہو' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا' آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جب وہ فیصلہ کا دن آئے گا تو تم کو ایمان لانے کی اور توبہ کرنے کی مہلت نہیں ملے گی' علامہ قرطبی نے کہا یوم فتح سے مراد یوم بدر یا یوم فتح مکہ ہے کیونکہ یوم بدر میں ستر کافر قتل کر دیئے گئے تھے اور فتح مکہ کے دن وہ بھاگ گئے تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کر کے ان کو قتل کر دیا تھا (الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ ص۱۰۴) لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں جو کفار لڑنے کے لیے آئے تھے' ان میں سے جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے ان میں سے بہت سے ایمان لے آئے' اسی طرح فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد تمام کفار مکہ اسلام لے آئے تھے اس لیے اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور اس دن کسی کافر کو ایمان لانے کی مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ کسی کو اس دن ایمان لانے سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

آیا ہر حال اور ہر جگہ میں مشرکین سے جہاد واجب ہے یا نہیں؟

آخری آیت میں فرمایا ہے آپ ان سے اعراض کیجئے' اس کا معنی ہے آپ ان کی جاہلانہ باتوں سے اعراض کیجئے اور ان کو جواب نہ دیجئے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا O (المزمل: ۱۱)

اور ان جھٹلانے والے امیروں کو آپ میرے ساتھ چھوڑ دیجئے (میں ان سے نمٹ لوں گا) اور ان کو کچھ مہلت دیجئے۔

بعض علماء نے کہا یہ آیت منسوخ ہے یہ حکم اس وقت تھا جب آپ کو مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور جب جہاد کی آیت نازل ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. سو آپ مشرکین کو قتل کیجئے جہاں بھی آپ ان کو پائیں۔

(التوبہ: ۵)

اور بعض علماء نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے' لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ہر جگہ مشرکین سے قتال واجب نہیں ہے' بعض اوقات کسی علاقے میں مشرکین سے صلح ہو جاتی ہے' بعض اوقات مشرکین یہود' نصاریٰ جزیہ پر تیار ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات مشرکین سے مقابلہ اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس مادی اسلحہ نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل امریکا' روس' برطانیہ' فرانس اور چین ایسی عالمی سپر طاقتیں ہیں اور ان کے خلاف قتال کرنا مسلمانوں پر واجب نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے' صحابہ نے پوچھا وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۱' مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۵' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۰۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار کرنے اور کفار کے انتظار کرنے کا فرق

نیز فرمایا: اور انتظار کیجئے' بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

وہ آپ کے اوپر حوادث زمانہ کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ ان کے اوپر عذاب الٰہی کے نزول کا انتظار کیجئے' وہ اس انتظار میں ہیں کہ بت ان کی مدد کریں گے' آپ اللہ کی مدد کا انتظار کیجئے' وہ استہزاءً قیامت کا انتظار کر رہے ہیں آپ سنجیدگی سے قیامت کا انتظار کیجئے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ وہ قیامت کا کیسے انتظار کریں گے وہ تو قیامت کے انکار کرتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے بعض قیامت میں شک کرتے تھے اور بعض قیامت کے آنے میں شک کرتے تھے۔

سورۃ السجدہ کا اختتام

آج ۱۸ رجب ۱۴۲۳ھ۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو سورۃ السجدہ کی تفسیر ختم ہوگئی' ۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء کو اس سورۃ کی تفسیر شروع کی گئی تھی' اس طرح صرف پندرہ دنوں میں یہ تفسیر ختم ہوگئی۔

الٰہ العلمین ! جس طرح آپ نے سورۃ السجدہ کی تفسیر کو مکمل کرا دیا ہے' باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرادیں' اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرمادیں' عزت وکرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمادیں' مرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين وعلى آله واصحابه وازواجه واولياء امته وعلماء ملته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

سورۃ الاحزاب

سورت کا نام

اس سورت کا نام الاحزاب ہے' احادیث' کتب تفسیر اور آثار میں غزوہ خندق کو الاحزاب سے تعبیر کیا گیا ہے' حزب کا معنی جماعت ہے اور الاحزاب حزب کی جمع ہے' مشرکین مکہ' یہودی اور منافقین کی تمام جماعتیں متحد اور متفق ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف میں خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا تھا اس وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے' اس سورت میں چونکہ غزوۃ الاحزاب کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام الاحزاب ہے' قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں الاحزاب کا ذکر ہے:

يَحۡسَبُونَ الۡاَحۡزَابَ لَمۡ يَذۡهَبُوۡا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِ الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِى الۡاَعۡرَابِ يَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ اَنۡۢبَآئِكُمۡ ؕ وَلَوۡ كَانُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا قٰتَلُوۡۤا اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ (الاحزاب:۲۰)

منافقین یہ گمان کر رہے ہیں کہ کفار کی حملہ آور جماعتیں ابھی (واپس) نہیں گئیں' اور اگر وہ حملہ آور جماعتیں (دوبارہ) آ جائیں تو وہ (منافقین) یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے رہتے' اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے (تب بھی) بہت کم قتال کرتے۔

اس آیت میں منافقین کی بزدلی اور کم ہمتی بیان فرمائی ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر چہ حملہ آور جماعتیں واپس جا چکی ہیں لیکن منافقین یہ گمان کر رہے ہیں کہ حملہ آور فوجیں ابھی تک ان کے سروں پر موجود ہیں' اور اگر وہ حملہ آور دوبارہ آ جائیں تب بھی منافقوں کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ کسی جنگل میں ہوں' میدان کارزار میں نہ ہوں اور لوگوں سے معلوم کرتے رہیں کہ انجام کار تم اس غزوہ میں کامیاب رہے ہو یا ناکام!

سورۃ الاحزاب کا زمانہ نزول

سورۃ الاحزاب بالاتفاق مدنی ہے' البتہ حسب ذیل آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ (الاحزاب:۳۶)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو اس کام کے متعلق کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا تھا' اس لیے یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے' اور سورۃ الاحزاب کی باقی آیتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی ۷۳ آیتیں ہیں یہ سورت الانفال کے بعد اور المائدہ سے پہلے نازل ہوئی ہے' یہ سورت ۵ ہجری میں نازل ہوئی جب کنانہ اور غطفان وغیرہ کے دس ہزار افراد نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا تھا اور ان کی پشت پر بنو قریظہ موجود تھے۔

سورۃ الاحزاب کے مشمولات

(۱) اس سورت کی اکثر آیتیں منافقین کے رد میں نازل ہوئی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

(۲) کفار یہ سمجھتے تھے کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنایا جائے وہ حقیقی بیٹا ہو جاتا ہے' اور جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا تو انہوں نے طعنہ دیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا پس ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۳) اس میں غزوۂ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے متعلق آیات ہیں۔

(۴) اس میں آداب معاشرت' مثلاً خواتین کے حجاب' نکاح کے بعد ولیمہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق ہدایات ہیں۔

(۵) اس میں متعدد احکام شرعیہ کا ذکر ہے: اللہ سے تقویٰ' کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرنا' اتباع وحی کا واجب ہونا' ظہار کا حکم' ہجرت اور دوستی کے حلف کی وجہ سے ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا' رحم اور رشتہ داری کو وارث بنانے کی میراث قرار دینا' ازواج مطہرات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مائیں ہونا' مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متصرف ہونا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دینا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا دگنا اجر ہونا' اور بالفرض اگر وہ گناہ کریں تو دگنے عذاب کا استحقاق' اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا حرام ہونا۔

(۶) غزوۃ الاحزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے ضمن میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر' منافقوں کی سازشوں کو منکشف کرنا' غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو نصیحت عطا فرمائی ہیں اس کی یاد دلانا' مسلمانوں کے دشمنوں کی سازشوں کو آندھی بھیج کر اور فرشتے نازل کر کے ناکام کرنا۔

بنو نضیر کو جلا وطن کرنا اور غزوۃ الاحزاب کا سبب

امام عبد الملک بن ہشام الحافری المتوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ربیع الاول' ۴ ہجری میں بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا واقعہ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو عامر کے دو افراد جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا' مدینہ منورہ سے اپنے گھر والوں کی طرف جا رہے تھے' راستے میں ان کی حضرت عمرو بن امیہ ضمری سے مڈ بھیڑ ہوئی' ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ بنو عامر کے یہ دو فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہیں' انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا' اب معاہدہ کی رو سے ان کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حلیفوں پر تھی اور بنو نضیر آپ کے حلیف تھے' اس لیے آپ نے بنو نضیر سے دیت میں تعاون کا مطالبہ کیا' انہوں نے کہا آپ بیٹھیں ہم آپس میں مشورہ کر

ہیں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی وغیرہم رضی اللہ عنہم ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے' یہود نے دیت میں تعاون کرنے کے بجائے یہ سازش کی کہ آپ کی بے خبری میں وہ دیوار کے اوپر سے آپ کے اوپر چکی کا پاٹ پھینک کر آپ کو ہلاک کر دیں' حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو ان کی اس سازش کی خبر دی' آپ فوراً مدینہ منورہ تشریف لائے' آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور بنونضیر کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے' یہ ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے آپ نے چھ دن ان کا محاصرہ کیا۔ بنونضیر قلعہ میں محصور ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے' منافقین نے بنونضیر کو تسلی دی تھی کہ ہم تمہاری مدد کو پہنچیں گے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ نہیں آئے' پھر بنونضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو قتل نہ کریں بلکہ جلاوطن کر دیں اور ان کو یہ اجازت دیں کہ وہ اپنے اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر لے جائیں' چنانچہ وہ مدینہ سے نکل گئے' ان کے سردار خیبر میں چلے گئے اور بعض شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۱۲-۲۱۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب کا مختصر ذکر

امام ابن ھشام متوفی ۲۱۳ھ نے لکھا ہے غزوۃ الاحزاب شوال ۵ ہجری میں رونما ہوا۔

بنونضیر کے جو افراد جلاوطن ہو کر خیبر جا رہے تھے' انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا' اور ان کے علاوہ دیگر عرب کے قبائل میں سے غطفان' بنوسلیم' بنومرہ' اشجع اور بنواسد وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا' بنو قریظہ پہلے ان کے ساتھ نہیں تھے مگر حیی بن اخطب نے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا' غرض قریش' یہود اور دیگر قبائل عرب بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے' کفار کی تیاری کی خبریں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت کے خلاف ہے' مدینہ کے گرد خندق کھود کے دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے' آپ نے اس رائے کو پسند فرما لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا' اور خود تین ہزار اصحاب کے ساتھ شہر سے نکلے' سلع نام کے پہاڑ کو پشت پر رکھ کر خندق کھودی گئی' اس بناء پر غزوۃ الاحزاب کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں' خندق کھودنے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ شریک تھے' کفار نے ایک ماہ تک محاصرہ برقرار رکھا' وہ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لیے دور سے پتھر اور تیر برساتے تھے' ایک دن قریش کے چند سوار جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا خندق کو عبور کر کے آ گئے' عمرو نے مقابلہ کے لیے للکارا' حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا' اس کا یہ حشر دیکھ کر اس کے باقی ساتھی بھاگ گئے' بالآخر بنوقریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور سردی کے موسم کے باوجود ایسی زبردست آندھی آئی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے رسیاں تڑا کر بھاگ گئے' چولہوں پر رکھی ہوئی دیگچیاں بار بار الٹ جاتی تھیں' محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے مشرکین کا سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا اس لیے کفار قریش اور دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے' اور بنوقریظہ اپنے قلعوں میں چلے گئے تھے۔

غزوہ احزاب میں شدت قتال کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بعض نمازیں بھی قضا ہو گئیں تھیں' چھ مسلمان شہید ہو گئے تھے اور ان میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے' تیر لگنے سے ان کے بازو کی ایک رگ کٹ گئی تھی' مسجد نبوی میں حضرت رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس خیمہ میں بھیج دیا تھا' مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور ایک ماہ بعد ان کی وفات ہو گئی'

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات ظاہر ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۵۶۔۲۳۶ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں جو نمازیں قضا ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات ظاہر ہوئے غزوہ بنوقریظہ کے بعد ہم ان کا ان شاء اللہ تفصیل سے ذکر کریں گے۔

غزوہ بنوقریظہ کا مختصر ذکر

اسی سال (۵ ہجری) میں غزوہ خندق کے فوراً بعد غزوہ بنوقریظہ برپا ہوا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنوقریظہ سے جنگ کرنے کا حکم آیا' بنوقریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے کفار کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہ کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ان کو پچیس دن محاصرہ میں رکھا' آخر کار انہوں نے یہ منظور کر لیا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملہ میں حاکم بنا دیا جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

سو ایسا ہی کیا گیا مردوں کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۶۰۔۲۵۷ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں قضا ہونے والی نمازیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے' اور کہا یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے اور سورج غروب ہو گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی' پھر ہم بطحان (مدینہ کی ایک وادی) میں کھڑے ہوئے' پھر ہم نے نماز کے لیے وضو کیا اور آپ نے وضو کیا' پھر آپ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھائی اور پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۃ الاحزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے' جس طرح انہوں نے صلوٰۃ وسطیٰ سے ہمیں (جنگ میں) مشغول رکھا' حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۳۔۴۷۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن مشرکین نے ہمیں چار نمازوں (کو پڑھنے) سے مشغول رکھا حتیٰ کہ رات کا اتنا حصہ گزر گیا جتنا اللہ نے چاہا' پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' پھر اقامت کہی' پس آپ نے نماز ظہر پڑھائی' پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز عصر پڑھائی' پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز مغرب پڑھائی پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز عشاء پڑھائی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۲۲۔۷۲' ج ۱۴ ص ۴۷۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۳۔۳۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۶۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۴۲۔۱۵۰۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۲۸' المعجم الاوسط رقم

الحدیث: ۱۲۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھنے سے مشغول رکھا' حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور یہ حالت جنگ میں ادائیگی نماز کے طریقہ کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (الاحزاب: ۲۵) ''اللہ خود ہی مومنین سے قتال میں کافی ہوگیا'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا' انہوں نے ظہر کی اقامت کہی پھر آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ ظہر کے وقت میں نماز پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے مغرب کی اقامت کہی تو آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ مغرب کے وقت میں اس کی نماز پڑھاتے تھے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ درحقیقت جنگ الاحزاب میں صرف تین نمازیں قضاء ہوئی تھیں' ظہر' عصر اور مغرب' اور عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا پڑھی گئی تھی لیکن چونکہ اس دن عشاء کی نماز اپنے معروف وقت سے کافی دیر بعد پڑھی گئی تھی اس لیے اس کو بھی قضا ہونے والی نمازوں میں شامل کر لیا گیا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں وقوع پذیر ہونے والے معجزات

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا' حضرت البراء نے کہا خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی' مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی' عوف نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فالتو کپڑے رکھ کر چٹان کی طرف اتر گئے' آپ نے کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں' آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے ملک شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' اور اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں! آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی' آپ نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر! میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۰۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۵' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۳۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۲۹۔۴۲۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھوک کے آثار دیکھے میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شدید بھوک کے آثار دیکھے ہیں! اس نے ایک تھیلا نکالا' جس میں چار کلو جَو تھے اور ہمارے پاس ایک پالتو بکری تھی' میں نے اس بکری کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ فارغ ہوگئی' میں نے بکری کا گوشت کاٹ کر دیگچی میں ڈالا' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے لگا' میری بیوی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا' میں آپ کے پاس پہنچا اور آپ سے سرگوشی میں کہا: یا رسول اللہ! ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع (چار کلوگرام) جَو پیس لیے ہیں' جو ہمارے پاس تھے' آپ چند اصحاب کو لے کر ہمارے ہاں

چلیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند فرمایا: اے اہل خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے؟ سو تم لوگ چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: جب تک میں نہ آؤں' تم ہانڈی نہ اتارنا' نہ روٹی پکانا' پھر میں گھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے آئے' میں اپنی بیوی کے پاس گیا اس نے کہا تمہاری ہی رسوائی اور فضیحت ہو گی' میں نے کہا میں نے وہی کیا ہے جو تم نے مجھ سے کہا تھا' پھر اس نے اپنا گندھا ہوا آٹا نکالا' آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا' اور برکت کی دعا کی' پھر آپ نے ہماری دیگچی کا قصد کیا اور اس میں لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا کی' پھر فرمایا ایک اور روٹیاں پکانے والی بلا لو' جو تمہارے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے' دیگچی میں سے سالن نکالنا' لیکن اس کو (چولہے سے) نیچے نہ اتارنا' اس موقع پر ایک ہزار صحابہ تھے' اللہ کی قسم ان سب نے کھانا کھایا اور کھانا بچ گیا' اور جس وقت آپ واپس گئے تو ہماری دیگچی اسی طرح جوش کھا رہی تھی اور ہمارا گندھا ہوا آٹا اتنا ہی تھا اور اس سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۲۶۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۷)

امام ابن اسحاق' نعمان بن بشیر کی بہن سے روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ عمرۃ بنت رواحہ نے مجھے بلایا اور ایک مٹھی کھجوریں مجھے ایک کپڑے میں باندھ کر دیں' اور کہا اے بیٹی یہ کھجوریں اپنے باپ اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس ان کے ناشتہ کے لیے لے جاؤ' انہوں نے کہا میں وہ کھجوریں لے کر گئی' پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری اس وقت میں اپنے باپ اور ماموں کو ڈھونڈ رہی تھی' آپ نے فرمایا: اے بیٹی! ادھر آؤ! یہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کھجوریں ہیں میری ماں نے ان کو میرے والد بشیر بن سعد اور میرے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس بھیجا ہے وہ ان کا ناشتہ کریں گے' آپ نے فرمایا یہ کھجوریں مجھے دے دو' وہ کہتی ہیں کہ میں نے وہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں میں ڈال دی' وہ اتنی کھجوریں نہیں تھیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی بھر جاتی' آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس میں وہ کھجوریں ڈال دیں' اس کپڑے کے اوپر وہ کھجوریں بکھر گئیں' پھر آپ نے ایک شخص سے کہا جاؤ اہل خندق میں اعلان کر دو کہ وہ میرے پاس ناشتہ کرنے کے لیے آئیں اور وہ اس سے کھجوریں لے کر کھانے لگے اور کھجوریں اور زیادہ ہو رہی تھیں حتیٰ کہ تمام اہل خندق ناشتہ کر کے چلے گئے اور وہ کھجوریں پھر بھی زیادہ ہو رہی تھیں۔

(السیرۃ النبوۃ ج ۳ ص ۲۴۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۴۲۷' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۲۷' سبل الہدی والرشاد ج ۴ ص ۳۷۰-۳۶۹)

سورۃ الاحزاب کے اس مختصر تعارف اور اس کی تمہید کے بعد ہم بسم اللہ پڑھ کر سورۃ الاحزاب کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہے ہیں' الٰہ العلمین مجھے اس کے ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر مستقیم رکھنا' جو امور حق و صواب ہوں ان کو مجھ پر منکشف کرنا اور اس کی تفسیر میں مجھ سے وہی امور لکھوانا' اور جو امور غلط اور باطل ہوں' ان کو مجھ پر ظاہر فرمانا' اور مجھے ان کا رد کرنے کا علم' حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔ آمین یا رب العلمین! والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ رجب ۱۴۲۳ھ - ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتہا ۷۳ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۳۳) سورۃ الاحزاب مدنیۃ (۹۰)

سورۃ الاحزاب مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ اس میں تہتر آیتیں نو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں، بے شک اللہ

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ

بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ○ اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے آپ اسی کی پیروی کیجئے،

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ اور اللہ پر توکل رکھیئے اور اللہ کافی

وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ

کارساز ہے ○ اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے، اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار

اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا

اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

(حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے، اور اللہ حق بات کہتا ہے اور

يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

سیدھا راستہ دکھاتا ہے ○ منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک بہت

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ

انصاف کی بات ہے، پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو، تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں، اور اگر

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ

تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہو گی) اور اللہ

اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ

بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے O نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں اور

اَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ

نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں' اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں

كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى

کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی

اَوۡلِيٰٓئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾ وَاِذۡ

نیکی کرو' یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے O اور یاد

اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ

کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے

وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ۖ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۙ﴿۷﴾

اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا O

لِّيَسۡـئَلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۸﴾ ع ۱۷

تاکہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں' اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں' بے شک اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے O اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے' آپ اسی کی پیروی کیجئے' بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O اور اللہ پر توکل رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے O (الاحزاب: ۳-۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی توجیہ

یایھا النبی کا لفظ اس سے پہلے الانفال: ۶۴' الانفال: ۶۵' الانفال: ۷۰ اور التوبہ: ۷۳ میں آچکا ہے اور اب پانچویں بار الاحزاب: ۱ میں آیا ہے۔

عربی میں لفظ یا کے ساتھ اس وقت ندا کی جاتی ہے جب منادیٰ (جس کو ندا کی جائے) غافل ہو' اور ظاہر ہے کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی گئی ہے اور غافل ہونا آپ کی شان سے بعید ہے' کیونکہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف متوجہ رہتے ہیں' اور دوسری وجہ یا کے ساتھ ندا کرنے کی یہ ہے کہ جس چیز کی خاطر ندا کی گئی ہے وہ بہت عظیم ہے' اور اس

کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے لفظ یا کے ساتھ ندا کی جاتی ہے' اس لیے یہاں پر یہی دوسری وجہ مراد ہے۔

نبی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

نبی کا لفظ نبو سے بنا ہے اس کا معنی رفعت اور بلندی ہے اور نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام اپنی امت میں سب سے بلند ہوتا ہے' قرآن مجید میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ (مریم: ۵۷) اور ہم نے اس کو بلند مقام پر اٹھالیا۔

اور یا یہ لفظ نبأ سے بنا ہے اور نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ہوں (۱) اس سے کوئی عظیم فائدہ حاصل ہو (۲) اس سے یقین حاصل ہو' اور جب تک کوئی خبر ان دو چیزوں کو متضمن نہ ہو اس کو نبأ نہیں کہا جاتا' اور جس خبر کو نبأ کہا جاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ نہ ہو' جیسے خبر متواتر (وہ خبر جس کے بیان کرنے والے ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل کے نزدیک ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو) اور اللہ تعالیٰ کی خبر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر' کو نبأ کہا جاتا ہے اور چونکہ نبأ علم کو متضمن ہے اس لیے اس کا معنی خبر دینا بھی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۔ (ھود: ۴۹) یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نبأ کا لفظ غیب کی خبر دینے کے معنی میں بھی آتا ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۔ (آل عمران: ۴۹) میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جن کو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۔ (طٰہٰ: ۹۹) اور اسی طرح ہم آپ کے سامنے پچھلے گزرے ہوئے واقعات کی خبریں بیان کررہے ہیں۔

اور اس اعتبار سے نبی کا معنی ہے غیب کی خبریں بیان کرنے والا' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے غیب کی خبریں بتانے والے' اور اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ نے وحی نازل کی ہو اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجا ہو۔

علامہ اسماعیل حقی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام کے ..... بجائے صفات کے ساتھ ندا کرنے کی توجیہ

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی صفت النبی کے ساتھ ندا کی ہے اور آپ کے اسم کے ساتھ ندا نہیں کی اور یا محمد نہیں فرمایا' جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ندا کرتے ہوئے فرمایا: یا آدم' یا نوح' یا موسیٰ' یا عیسیٰ' یا زکریا اور یا یحییٰ' اور آپ کو معزز اور مکرم القاب مثلاً یایھا النبی اور یایھا الرسول وغیرہ کے ساتھ ندا فرمائی اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمایا' اور آپ کے بہت اسماء اور القاب ہیں' اور کثرت اسماء اور القاب مسمیٰ کے شرف

اور اس کی قدر و منزلت پر دلالت کرتے ہیں' اور الفتح: ۲۹ میں جو فرمایا ہے محمد رسول اللہ اور آپ کے نام کا ذکر فرمایا ہے یہ اس لیے ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور وہ آپ کے رسول ہونے کا عقیدہ رکھیں اور اس کو عقائد حقہ میں شمار کریں۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک آپ کو ذات اور صفات دونوں کے ساتھ نداء کرنے کا جواز

قرآن مجید میں بے شک یا محمد کے ساتھ نداء کرنے کا ذکر نہیں ہے' لیکن احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا محمد کے ساتھ بھی ندا فرمائی ہے' حضرت جبریل نے بھی اور فرشتوں نے بھی اور امت نے بھی۔

اللہ تعالیٰ کے یا محمد فرمانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

یا محمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع. اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی عرض سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۱۰' صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸' طبع کراچی' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۹ طبع کراچی' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲' سنن ابن ماجہ ص ۳۲۹' طبع کراچی' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۸ القدیم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ (تجلی الیقین ص ۳۵' حامد اینڈ کمپنی لاہور۔۲)

حضرت جبریل کے یا محمد کہہ کر ندا کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

قال جبریل یا محمد اتدری من صلی خلفک قلت لا قال خلفک کل نبی بعثه الله. حضرت جبریل نے کہا اے محمد! کیا آپ از خود جانتے ہیں کہ کس کس نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں' حضرت جبریل نے کہا آپ کی اقتداء میں ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا۔

(المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۶۴' دار الکتب بیروت ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۶ ص ۴۹' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے' تجلی الیقین ص ۸۴' حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

امام ابو زکریا یحییٰ بن عائذ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصہ ولادت اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے' گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے' ان میں سے ایک نے حضور کو اٹھا کر ایک ساعت تک حضور کو اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا' اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے:

ابشر یا محمد فما بقی لنبی علم الا وقد اعطیته فانت اکثرهم علما واشجعهم قلبا. اے محمد! آپ کو بشارت ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں۔

(المواہب ج ۱ ص ۶۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۱ ص ۱۱۵' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

(تجلی الیقین ص ۸۲۔۸۱' حامد اینڈ کمپنی لاہور' ۱۴۰۱ھ)

قیامت کے دن ہزار ہا لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے:

یا محمد و یا نبی الله انت الذی فتح الله بک وجئت فی هذا الیوم امنا انت رسول الله و خاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربک فلیقض بیننا.

اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے' حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں' اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرما دے۔

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۴۵۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۸ ص ۳۷۶' دارالمعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

(تجلی الیقین ص ۲۷۔ ۱۷' حامد اینڈ کمپنی لاہور' ۱۴۰۱ھ)

رہا یہ اعتراض کہ آپ کا نام لے کر آپ کو ندا کرنے میں آپ کی بے ادبی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو بلانے کے لیے آپ کا نام لے کر آپ کو ندا کرنا جائز نہیں ہے' اور آپ کو متوجہ کرنے کے لیے آپ کا نام لے کر آپ کو متوجہ کرنا جائز ہے' اور ان تمام احادیث میں ایسا ہی ہے آپ کے نام کے ساتھ آپ کو ندا کر کے آپ کو متوجہ کیا گیا ہے' آپ کو بلایا نہیں گیا۔

نیز آپ کا نام مبارک محمد ہے' اور یہ ایک اعتبار سے آپ کا عَلَم شخصی اور آپ کا نام ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ آپ کی صفت ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے جس کی بے حد حمد اور تعریف کی گئی ہو یا جس کی بار بار حمد کی گئی ہو اور اس اعتبار سے یا محمد کا معنی ہے اے وہ شخص جس کی بے حد تعریف اور توصیف کی گئی ہے اور اس اعتبار سے یا محمد کہہ کر ندا کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس معنی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ نے قریش کے سب وشتم اور ان کے لعن طعن کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا ہے وہ کسی مذمم (مذمت کیا ہوا) کو سب وشتم کرتے ہیں اور کسی مذمم کو لعن طعن کرتے ہیں اور میں محمد (وہ جن کی حمد کی گئی ہو) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۱۸' عالم الکتب)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کیونکہ کفار آپ سے سخت بغض رکھتے تھے' اس لیے وہ آپ کا نام (محمد) نہیں لیتے تھے' جو آپ کی مدح اور تعریف پر دلالت کرتا تھا اس لیے وہ مدح سے اعراض کر کے اس کی ضد یعنی مذمت سے آپ کو پکارتے تھے اور آپ کو مذمم کہتے تھے اور مذمم آپ کا نام نہیں تھا اور نہ مذمم سے آپ معروف تھے' پس جب وہ مذمم کو برا کہتے تھے تو گویا کسی اور کو برا کہتے تھے' آپ نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے اور محمد اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت قابل تعریف صفات ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کو یہ الہام کیا تھا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آپ کی صفات محمودہ اور موجب تحسین ہوں گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام اسی وجہ سے آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کرتے تھے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ حدیث ہجرت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ہمارے پاس مدینہ پہنچے' مسلمانوں نے اس میں بحث کی کہ کس کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہریں' آپ نے فرمایا میں بنو النجار کے ہاں ٹھہروں گا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں' میں اپنے قیام سے ان کو شرف عطا کروں گا' پس تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھت پر چڑھ گئے اور لڑکے اور خدام راستوں میں پھیل گئے' وہ بلند آواز سے ندا کر رہے تھے (نعرے لگا رہے تھے) یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹' الرقم المسلسل: ۷۳۸۷' صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۹' طبع کراچی)

حافظ ابن اثیر الجزری متوفی ۶۳۶ھ اور حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

و کان شعارھم یومئذ یا محمداہ۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ص ۲۴۶ بیروت' البدایہ والنہایہ ج ۵ص ۳۰' دارالفکر بیروت' طبع جدید)

اور ان کا اس ندا سے مقصود آپ کے نام کا نعرہ لگانا تھا نہ کہ آپ کو بلانا' اور آپ کے نام کا قصد کر کے یا محمد کہہ کر آپ کو بلانا جائز نہیں ہے۔

اس مبحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے النور: ۶۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

کفار کا آپ کو پیغام توحید سنانے سے روکنے کی ناکام کوشش کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں (الاحزاب: ۱)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری التوفی ۴۲۷ھ اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ آیت ابوسفیان بن حرب' عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور عمرو بن ابی سفیان السلمی کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ یہ لوگ مدینہ میں غزوہ احد کے بعد آئے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عبد اللہ بن ابی سے کلام کرنے کی اجازت دے دی تھی' ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی کھڑا ہوا' اس وقت آپ کے پاس حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے' انہوں نے آپ سے کہا آپ لات' عزیٰ' منات اور ہمارے دیگر معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں' اور یہ کہیں کہ جو شخص ان بتوں کی عبادت کرے گا اس کو ان بتوں کی شفاعت اور منفعت حاصل ہوگی تو ہم اس کے عوض آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ بات ناگوار گزری' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کو انہیں قتل کرنے کی اجازت دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کو امان دے چکا ہوں! حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ اللہ کی لعنت اور اس کے غضب میں گرفتار ہو کر نکل جاؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال کر آئیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ص ۱۴۱' الکشف والبیان ج ۸ص ۶۔۵' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۶۸۸)

آپ کو ڈرنے کا حکم دینے کی توجیہ

س آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں' جب کہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے اور جو شخص کوئی کام کر رہا ہو اس کو یہ حکم دینا کہ تم یہ کام کرو یہ ظاہر عبث معلوم ہوتا ہے' مثلاً کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو تو اس کو یہ حکم دینا کہ تم بیٹھ جاؤ عبث اور بے فائدہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم دوام اور استمرار کے لیے ہے' اور اس کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اسی طرح اپنی آئندہ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں' اور عہد شکنی نہ کریں اور کسی کو امان دے کر امان نہ توڑیں' اور اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے میں مزید اضافہ اور ترقی کریں' کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

تقویٰ کا مادہ ہے وقی اور وقایۃ اور اس کا معنی ہے کسی چیز سے بچنا اور اس سے احتراز کرنا اور اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کی سزا اور عذاب سے بچنا' اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے اور اس کی منع کی گئی چیزوں کے ارتکاب

کرنے سے انسان جس سزا اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اس سے احتراز کرنا اور بچنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجوسیوں' مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنے کا حکم دینا

نیز فرمایا: اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کام آپ کے دین اور آپ کی شریعت کے خلاف ہوں ان میں آپ ان کی موافقت نہ کریں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور منافقین کی اطاعت ہرگز نہیں کرتے تھے اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی عدم اطاعت اور عدم موافقت کے طریقہ پر برقرار رہیں' اور اس پر دوام اور استمرار کریں' نہ صرف یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود کفار اور منافقین کے طریقہ کی موافقت نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ان کے طریقہ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ نے اپنی امت کو بھی ان کے طریقہ کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال النبی صلی الله عليه وسلم ان اليهود والنصاری لا يصبغون فخالفوهم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے' سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۸۷۔ ۵۰۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷۴' عالم الکتب بیروت)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم غيروا الشيب ولا تشبهوا اليهود.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید بالوں کو متغیر کرو' اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۲۔ ۵۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۴۷۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم جزو الشوارب و ارخوا اللحی خالفوا المجوس.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس (آتش پرست) کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰)

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفوا اللحی.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو' مونچھیں کم کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۴)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے' آپ نے چند انصاری بوڑھوں کی سفید ڈاڑھیاں دیکھیں' تو آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ یا زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' حضرت ابو امامہ کہتے ہیں ہم نے کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے؟ آپ نے فرمایا تم شلوار بھی پہنو اور تہبند بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' ہم نے کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب چمڑے کے موزے پہنتے ہیں اور (اس کے اوپر) جوتی نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا تم موزے بھی پہنو اور جوتی بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' ہم نے

کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں لمبی رکھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵ طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۴' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۲۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۲۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو' عاشوراء سے ایک دن پہلے بھی روزہ رکھو یا اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۱ قدیم' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۵۴' المنتقی رقم الحدیث: ۲۲۲۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۸۹۔۱۸۸)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کے ساتھ جاتے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ میت کو لحد میں نہ رکھ دیا جاتا' آپ کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا یہود کی مخالفت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۷۶' امام ترمذی نے کہا اس کی سند میں بشر بن رافع قوی نہیں ہے' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۵' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۲۲' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۳۳)

کفار اور فساق کی مشابہت کے حکم کی تحقیق

کفار اور فساق کی مشابہت کی ممانعت کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰ طبع قدیم' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۹۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہبوں کا لباس پہننے سے اجتناب کرو' کیونکہ جس شخص نے رہبانیت اختیار کی یا راہبوں کے مشابہ بنا وہ میرے طریقہ (محمودہ یا میرے دین کامل) پر نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۳۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی علی بن سعید رازی ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱' دار الکتاب العربی بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے' یہود کی مشابہت کرو نہ نصاریٰ کی' انگلیوں سے اشارہ کرنا یہود کا سلام ہے اور ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا نصاریٰ کا سلام ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۹)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں علامہ مناوی کی تحقیق

علامہ مناوی ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو شخص اپنے ظاہری لباس میں کسی قوم کے لباس کی' اپنے افعال اور عادات میں کسی قوم کی عادات کی اور اپنی سیرت اور خصلت میں کسی قوم کی سیرت کی مشابہت اختیار کرے حتیٰ کہ اس کا ظاہر اور باطن اس قوم کے موافق ہو جائے تو اس کا شمار اس قوم سے ہوگا' ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص صالحین کی مشابہت اختیار کرے گا اس کی ان کی طرح عزت کی جائے گی اور جو شخص فساق کی مشابہت اختیار کرے اس کی ان کی طرح رسوائی ہوگی' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اگر

کسی خاص لباس کو اختیار کرلیں تو دوسروں کو اس لباس کے پہننے سے منع کیا جائے گا تا کہ ناواقف شخص ان کو بھی فاسق گمان کرے اور اس بدگمانی کی وجہ سے گناہ میں مبتلاء نہ ہو' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تشبہ امور قلبیہ یعنی اعتقادات میں بھی ہوتا ہے اور امور خارجیہ یعنی اقوال اور افعال میں بھی ہوتا ہے اور اقوال اور افعال کی دو قسمیں ہیں عبادات اور عادات' عادات میں کھانا پینا' لباس کی وضع قطع' جائے سکونت' نکاح' تمدن اور ثقافت (یعنی کسی قوم کے رہن سہن اور طرز معاشرت کے اجتماعی آداب) سفر اور اقامت کے طور طریقے۔ اعتقادات اور عبادات میں تو کفار کا تشبہ اختیار کرنا کفر اور حرام ہے ہی شریعت اسلامیہ نے تمدن اور ثقافت اور دیگر عادات میں بھی کفار کے تشبہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ ظاہر اور باطن میں ربط اور مناسبت ہوتی ہے اور ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے تمدن اور ثقافت کے لیے ایسے امور بیان فرمائے جو کفار کے تمدن اور ثقافت سے الگ اور ممتاز ہیں' اور اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے ظاہری طور طریقہ میں بھی کفار کی مخالفت کریں' کیونکہ اگر مسلمان کفار کی تہذیب اور تمدن کو اختیار کریں گے تو اس کا اثر ان کے اخلاق' عبادات اور عقائد پر بھی پڑے گا' اور اس کا عام مشاہدہ ہے جن لوگوں نے مغربی تہذیب کو اختیار کرلیا' ان کے اخلاق سے پاکیزگی کا عنصر ختم ہو گیا' وہ لوگ عبادات سے دور ہو گئے اور ان کے عقائد کمزور پڑ گئے اور جن لوگوں نے دین داروں کی وضع قطع اختیار کی ان میں خدا خوفی کا غلبہ ہوا اور ان کا دین مستحکم ہو گیا' اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جب مسلمان اپنے ظاہری اطوار میں کفار کے مخالف رہیں گے تو اسباب غضب سے بچے رہیں گے اور گمراہی کے اسباب سے مجتنب رہیں گے' تیسری وجہ یہ ہے کہ جب کفار اور مسلمانوں کا لباس' وضع قطع' ان کی بود و باش اور طرز معاشرت ایک جیسی ہو گی تو ہدایت یافتہ اور گمراہوں میں ظاہری تمیز نہیں رہے گی' اس لیے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار کے تمدن اور ثقافت سے الگ رہیں اور ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کفار کی مشابہت اختیار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **ومن یتولھم منکم فانہ منھم** (المائدہ:۵۱) ''تم میں سے جس شخص نے یہود اور نصاریٰ سے دوستی رکھی اس کا انہی سے شمار ہو گا''، لیکن اس حدیث کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ کفار کی مشابہت حرام ہو' حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کفار کی سرزمین پر گھر بنایا اور ان کے نیروز اور مہرجان (یعنی ان کے تہواروں سے مثلاً کرسمس اور دسہرہ) کو منایا اور مرتے دم تک ان کے مشابہ رہا تو اس کا قیامت کے دن انہی کے ساتھ حشر ہو گا' اور کفار سے بالکلیہ مشابہ ہونا کفر ہے اور بعض امور میں مشابہ ہونا حرام ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ کفر میں ان کی مشابہت اختیار کرنا کفر ہے اور معصیت میں مشابہت اختیار کرنا معصیت ہے اور ان کے شعار میں ان کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱۱ ص ۵۷۴۴ـ۵۷۴۳' نزار مصطفیٰ الباز' ریاض ۱۴۱۸ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق دہلوی کی تحقیق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ شخص جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا' چونکہ حدیث میں تشبہ کو مطلقاً فرمایا ہے' لہٰذا یہ تشبہ اخلاق' اعمال اور لباس کو شامل ہے خواہ نیکوں کے ساتھ مشابہ ہو یا بُرے لوگوں کے ساتھ مشابہ ہو' اگر اخلاق اور اعمال میں مشابہ ہو گا تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں جاری ہو گا' اور اگر صرف لباس میں مشابہ ہو گا تو اس کا حکم صرف ظاہر میں ہو گا' مثلاً اگر کوئی شخص مثلاً سکھوں کا لباس اور ان کی وضع اور قطع اختیار کرے تو اس کا بظاہر سکھوں میں شمار ہو گا وہ حقیقت میں سکھ

نہیں ہو جائے گا' اور نہ قیامت کے دن سکھوں میں اٹھے گا' البتہ اس ظاہر لباس اور وضع و قطع کو دیکھ کر دیکھنے والے اس کو سکھ خیال کریں گے۔ سعیدی غفرلہٗ) زیادہ تر عرف میں ان مشابہت کو لباس پر محمول کرتے ہیں اسی وجہ سے اس حدیث کو کتاب اللباس میں ذکر کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز جس کے مشابہ ہوگی وہ اس چیز کے حکم میں ہوگی اگر ظاہر میں مشابہت ہے تو ظاہر میں اس چیز کے حکم میں ہوگی اور اگر باطن میں اس کے مشابہ ہے تو باطن میں اس چیز کے حکم میں ہوگی۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۴۷ 'مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلے میں فقہاء احناف کی تحقیق

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

اعلم ان التشبیه باهل الکتاب لا یکره فی کل شیء فانا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام هو التشبه فیما کان مذموما وفیما یقصد به التشبیه کذا ذکره قاضی خان فی شرح الصغیر. (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱ 'مصر)

جان لو کہ اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے' کیونکہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں' البتہ صرف مذموم کاموں میں ان کے ساتھ تشبہ ممنوع ہے' یا جس کام کو ان کے ساتھ تشبہ کے قصد کے ساتھ کیا جائے وہ ممنوع ہے' اسی طرح قاضی خان نے جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

فان التشبه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد به التشبه

اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے' بلکہ مذموم چیزوں میں تشبہ مکروہ ہے اور جن کاموں میں تشبہ کا قصد کیا جائے۔

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویویده ما فی الذخیرة قبیل کتاب التحری قال هشام رایت علی ابی یوسف نعلین مخصوفین بمسامیر' فقلت اتری بهذا الحدید باسا قال لا' قلت سفیان وثور بن یزید کرها ذلک لان فیه تشبها بالرهبان فقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال التی لها شعر وانها من لباس الرهبان فقد اشار الی ان صورة المشابهة فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر فان الارض مما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیها الا بهذا النوع اھ وفیه اشارة ایضا الی ان المراد بالتشبه اصل الفعل ای صورة المشابهة بلا قصد.

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۱ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی تائید میں "ذخیرہ" کی کتاب التحری سے ذرا پہلے یہ مذکور ہے کہ ہشام نے ابو یوسف کو دو ایسی جوتیاں پہنے دیکھا جس میں کیلیں ٹھکی ہوئی تھیں' میں (ہشام) نے پوچھا کیا آپ ان لوہے کی کیلوں میں کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں' میں نے کہا کہ سفیان اور ثور بن یزید اس کو مکروہ کہتے ہیں' کیونکہ اس میں راہبوں کے ساتھ تشبہ ہے' امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں والی جوتیاں پہنتے تھے اور وہ بھی راہبوں کا لباس ہے' امام ابو یوسف نے اپنے اس قول میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جس کام میں صورۃً مشابہت ہو اور اس کام میں لوگوں کا نفع اور فائدہ ہو تو اس مشابہت میں ضرر نہیں ہے' کیونکہ اس قسم کی جوتیوں کے بغیر زمین میں دور دراز کی مسافت کو طے نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف کے اس قول میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس قسم کی مشابہت میں اس وقت حرج نہیں ہے جب اس کام میں کفار کے ساتھ مشابہت کا قصد نہ کیا جائے' صرف صورۃً مشابہت ہو۔

علامہ شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ پر بھی یہی تقریر کی ہے۔

(منحۃ الخالق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱ مطبع علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تحقیق

مسئلہ: از پیلی بھیت محلہ محمد واصل مرسلہ مولوی محمد وصی احمد صاحب سورتی ۲۴ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دھوتی لباس ہند ہے یا کہ خاص ہنود کا لباس ہے ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ دھوتی لباس ہنود ہے اور بموجب **من تشبہ بقوم فھو منھم** کے جو مسلمان دھوتی پہنے وہ ہندو ہے اور نماز روزہ وغیرہ کوئی عمل صالح اوس کا مقبول نہیں مسلمانوں کو دھوتی پہننے والے کے ساتھ مناکحت و نشست برخاست کھانا پینا کھلانا پلانا صاحب سلامت سب منع ہے بلکہ دھوتی پہننے والا السلام علیک کرے تو اوس کے سلام کا جواب بھی نہ دے پس دھوتی پہننے والے کے ساتھ وہی برتاؤ چاہیے جیسا کہ عالم صاحب کہتے ہیں یا کہ مسلمانوں کا اس بارہ میں جو حکم شریعت ہو ارشاد فرمایا جاوے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: **اقول وباللہ التوفیق** اس جنس مسائل میں حق تحقیق و تحقیق حق یہ ہے کہ تشبہ دو وجہ پر ہے التزامی و لزومی، التزامی یہ کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز وضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ اون کی سی صورت بنائے اون سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے **فان معنی القصد والتکلف ملحوظ فیہ کما لا یخفی** اور لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعار خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہو گی، التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ اوس قوم کو محبوب و مرضی جان کر اون سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفار کے ساتھ معاذ اللہ کفر حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے، غمز العیون والبصائر میں ہے **اتفق مشائخنا ان من رای امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس او ترک المضاجعۃ عندھم حال الحیض حسن فھو کافر** دوم: کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اختیار کرے وہاں اوس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہو گا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت کا وقت ضرورت یہ تشبہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہو گا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ بعض فتوحات میں مقتول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کے بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا، اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالیٰ برہانہ کے زمانے میں جب کہ تمام کفار یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اوس آتش تعصب کو بجھا دیا، خلاصہ میں ہے **لو شد الزنار علی وسطہ ودخل دار الحرب لتخلیص الاساری لا یکفر ولو دخل لاجل التجارۃ یکفر ذکرہ القاضی الامام ابو جعفر الاستروشنی.** ملتقط میں ہے **اذا شد الزنار او اخذ الغل او لبس قلنسوۃ المجوس جادا او عازلا لا کفر الا اذا فعل خدیعۃ فی الحرب** منح الروض میں ہے **ان شد المسلم الزنار ودخل دار الحرب للتجارۃ کفر ای لانہ تلبس بلباس کفر من غیر ضرورۃ ملجئۃ ولا فائدۃ مترتبۃ بخلاف من لبسھا لتخلیص الاساری علی ما تقدم** سوم: نہ تو اونھیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لیے یا یوں ہی بطور ہزل و استہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام و ممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع اون کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنار قشقہ چٹیا چلیپا تو علماء نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا **کما سمعت انفا** اور فی الواقع صورت استہزاء میں حکم کفر ظاہر ہے **کما لا**

یخفی اورلزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا انگریزی ٹوپی جاکٹ پتلون
پردہ کہ اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ ولہٰذا علماء نے فساق کی وضع
کپڑے موزے سینے سے ممانعت فرمائی فتاویٰ خانیہ میں ہے الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیء
زی الفساق ویعطی له فی ذلک کثیرا جرلا یستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة مگراس کے تحق
اوس زمان و مکان میں اون کا شعار خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور اون میں اور اون کے
مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل ہاں وہ بات فی نفسہ شرعاً مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبہ کی
امام علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں دربارۂ طیلسان کہ پوشش یہود تھی فرماتے ہیں اما ما ذکرہ ابن القیم من
الیھود فقال الحافظ ابن حجر انما یصح الاستدلال به فی الوقت الذی تکون الطیالسة من شعارھم
ارتفع ذلک فی ھذہ الازمنة فصار داخلا فی عموم المباح وقد ذکرہ ابن عبد السلام رحمه الله تعالیٰ
امثلة البدعة المباحة امام اجل فقیه النفس فخر الملة والدین قاضی خان پھر امام محمد محمد ابن الحاج حلبی حلیہ شرح
منیہ فصل مکروہات الصلاۃ پھر علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر علامہ محمد بن علی دمشقی درمختار میں فرماتے ہیں التشبه باهل
الکتاب لا یکرہ فی کل شیء فانا ناکل ونشرب کما یفعلون ان الحرام التشبه بھم فیما کان مذموما
فیما یقصد به التشبه علامہ علی قاری منح الروض میں فرماتے ہیں انا ممنوعون من التشبه بالکفرة واھل البدع
المنکرة فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعة ولو کانت مباحة سواء کانت من افعال اھل السنة او
افعال الکفرة واھل البدعة فالمدار علی الشعار فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے ہے قال ھشام فی نوادرہ ورأیت
علی ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ نعلین محفوفین بمسامیر الحدید فقلت له اتری بھذا الحدید باسا قال
فقلت له ان سفین وثور بن یزید کرھا ذالک لانه تشبه بالرھبان فقال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ کان
رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال التی لھا شعور وانھا من لباس الرھبان الخ اس تحقیق سے روشن
ہوگیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شیء اون بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی
حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلیے دھوتی باندھنے والے مسلمانوں کا
قصد تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کی سی صورت بنائیں نہ مدعی نے اس پر بنائے کلام کی بلکہ مطلقاً دھوتی باندھنے کو اون
شدید اختراعی احکام کا مورد قرار دیا نہ زنہار قلب پر حکم روا نہ بدگمانی جائز قال الله تعالیٰ فلا تقف ما لیس لک به علم
ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا ○ اور فی نفسہ دھوتی کی حالت کو دیکھا جائے تو اوس کی
ذات میں کوئی حرج شرعی بھی نہیں بلکہ ساتر مامور بہ کے افراد سے ہے اصل سنت ولباس پاک عرب یعنی تہ بند سے صرف
چھوڑنے اور پیچھے گھرس لینے کا فرق رکھتی ہے اس میں کسی امر شرعی کا خلاف نہیں تو دو وجہ ممانعت تو قطعاً منتفی ہیں رہا
شعار کفار ہونا وہ بھی باطل بنگالہ وغیرہ پورب کے عام شہروں میں تمام سکان ہندو مسلمان سب کا یہی لباس ہے یوہیں
اضلاع ہند کے دیہات میں ہندو مسلمین یہی وضع رکھتے ہیں رہے وسط ہند کے شہری لوگ اون میں بھی فنائے شہر اور خود شہر
اہل حرفہ وغیرہم جنہیں کم قوم کہا جاتا ہے بعض ہر وقت اور بعض اپنے کاموں کی ضرورتوں کی حالت میں دھوتی باندھتے ہیں
یہاں کے معزز شہریوں میں اس کا رواج نہیں مگر اوس کا حاصل اس قدر کہ اپنی تہذیب کے خلاف جانتے ہیں نہ یہ کہ جو باندھے
اوسے فعل کفر کا مرتکب سمجھیں تو غایت یہ کہ ان اضلاع کے شہری وجاہت دار آدمی کو گھر سے باہر اوس کا باندھنا مکروہ ہو

بلاوجہ شرعی عزت و عادت قوم سے خروج بھی سبب شہرت و باعث کراہت ہے' علامہ قاضی عیاض مالکی امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شارحان صحیح مسلم پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی شارح طریقہ محمدیہ فرماتے ہیں خروجہ عن العادۃ شھرۃ ومکروہ اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے۔ حرج پیچھے گھرسنے میں ہے ورنہ تہ بند تو عین سنت ہے اس سے زائد جو کچھ لفاظیاں شخص مذکور نے کہیں محض بے اصل و باطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاطل ہیں بالفرض اگر دھوتی باندھنا مطلقاً ممنوع بھی ہوتا تاہم اوس میں اوتنا وبال نہ تھا جو شرع مطہر پر دانستہ افترا کرنے میں والعیاذ باللہ تعالیٰ نسئل اللہ ھدیۃ سبیل الرشاد والعصمۃ عن طریق الزیغ والفساد آمین واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ ص ۹۲ ـ ۹۰' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطاب ولباس ووضع واسباب میں کفار سے مشابہت ممنوع ہے اور عالم ہو کر ایسا کرے تو اور سخت معیوب ہے مگر فھو منھم اوس کے لیے ہے جو کفار کے دینی شعار میں بالقصد معاذ اللہ اوس کی پسند کے طور پر کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۳۲۰' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت سے مطلقاً کوئی کام کرنا ممنوع ہے' مثلاً ان سے مشابہت کی قصد سے کھانا پینا' یا سانس لینا بھی ممنوع ہے اور جب کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت نہ ہو بلکہ کسی اور مصلحت اور فائدہ کا حصول مقصود ہو مثلاً فوج اور پولیس' کفار کے مخصوص ہتھیاروں کو ان کی افادیت کی بناء پر استعمال کرے' یا پولیس اور فوج کی وردی کو اس لیے پہنے کہ اس کو پہن کر جسم چاق و چوبند رہتا ہے اور اس لباس کے ساتھ فوجی مشقیں اور دیگر فرائض آسانی کے ساتھ انجام دیئے جاسکتے ہیں (البتہ قمیض پتلون سے باہر نکالیں تاکہ سرین کا ابھار دکھائی نہ دے) اس صورت میں ان چیزوں کا استعمال جائز ہے' اس طرح میز کرسی پر کھانا' چھری کانٹے اور چمچوں کو کھانے میں استعمال کرنا' اگر ان میں کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت نہ ہو بلکہ دوسرے فوائد اور سہولتوں کی بناء پر استفادہ کرتے ہوں اور اس میں ہماری نیت کفار سے مشابہت نہیں ہوتی' مثلاً بجلی کی روشنی اور پنکھوں کو استعمال کرنا' موٹر کار' بس' ٹرین اور ہوائی جہاز سے سفر کرنا' ٹیلیفون پر بات کرنا' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات اور جائز پروگراموں سے استفادہ کرنا اور تمام صنعتوں اور کارخانوں میں ان کی تکنیک سے استفادہ کرنا یہ سب امور جائز ہیں اور تمام مسلمان بغیر کسی انکار کے ان پر عمل کرتے ہیں۔

کفار کے وہ اعتقادات جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں' اسی طرح ان کی وہ عبادات جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں اسی طرح ان کی وہ تہذیب اور ثقافت جو ان کا مخصوص شعار گردانی جاتی ہے یعنی وہ چیزیں جو ان کی کسی بدعقیدگی پر مبنی ہیں مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا اس لیے وہ گلے میں صلیب ڈالتے ہیں یا رسی کا پھندہ ڈالتے ہیں یا اس کی علامت کے طور پر ٹائی لگاتے ہیں' یہ تمام چیزیں مطلقاً ممنوع اور حرام ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں کفر ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے کہ ان کو سولی دی گئی تھی۔

عورتوں کی بے پردگی' مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول' کلبوں میں اجنبی مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا' گپ شپ کرنا رقص و سرود میں حصہ لینا' وڈیو اور سینما کی فلمیں بنانا ان کو دیکھنا موسیقی سننا خواہ بھارت کی موسیقی ہو' پاکستان کی ہو یا مغربی' لڑکیوں کا چست اور نیم عریاں لباس پہننا' ہپیوں کی وضع قطع اختیار کرنا' ان تمام امور میں مغربی تہذیب کی مشابہت ہے' بعض امور میں ہندوؤں کے طریقے اور ان کی رسموں کا رواج ہے ان چیزوں میں تشبہ مطلقاً ممنوع ہے اور ان

کاموں میں خواہی نخواہی تشبہ ہے خواہ تشبہ کی نیت ہو یا نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ان امور میں ممنوع ہے جو امور کفار کے عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ کے ساتھ مخصوص ہوں' یا جو امور کتاب اور سنت کی تصریحات کے خلاف ہوں اور جو امور ہمارے اور کفار کے درمیان مشترک ہوں یا جو امور نافعہ ہوں ان میں اگر کفار کے ساتھ تشبہ واقع ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' بلکہ احادیث میں اس قسم کے امور کو اختیار کرنے کی بہ کثرت مثالیں ہیں' دیکھئے دفاعی جنگ میں شہر کے گرد خندق کھودنا کفار عجم کا طریقہ تھا' لیکن جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غزوہ احزاب کے وقت مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول کر لیا' امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

فلما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فصولهم من مكة ندب الناس واخبرهم خبر عدوهم وشاورهم فى امرهم فاشار عليه سلمان الفارسى بالخندق فاعجب ذلك المسلمين.

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو دشمن کی خبر دی' اور ان سے جنگ کے متعلق مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا اور مسلمانوں کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۶۶' دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال سلمان للنبى صلى الله عليه وسلم انا كنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علينا فامر النبى صلى الله عليه وسلم بحفر الخندق حول المدينة وعمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين.

حضرت سلمان فارسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب ہم فارس میں تھے اور ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو رغبت دینے کے لیے آپ نے خود خندق کھودی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳' لاہور)

خندق کھودنا کفار کا طریقہ تھا' لیکن اس کے فائدہ مند ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کر لیا' اسی طرح خط کے اوپر مہر لگانا بھی کفار کا طریقہ تھا' لیکن اس کی افادیت کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر بنوالی' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك ان نبى الله صلى الله عليه وسلم اراد ان يكتب الى رهط او اناس من الاعاجم فقيل له انهم لا يقبلون كتابا الا عليه خاتم فاتخذ النبى صلى الله عليه وسلم خاتما من فضة نقشه محمد رسول الله.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی ایک جماعت کو خط لکھنے کا ارادہ کیا' آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۷۲' کراچی)

اسی طرح پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کرنے سے منع کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ روم اور فارس کے لوگ ایام رضاعت میں جماع کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا تو آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جدامة بنت وهب الاسدية انها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لقد هممت ان انهى عن الغيلة حتى ذكرت ان الروم والفارس يصنعون ذلک فلا يضر اولادهم.

(صحیح مسلم ج ۱ص ۴۶۶ ' کراچی)

جدامہ بنت وہب اسدیہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع سے منع کرنے کا ارادہ کیا پھر مجھے خیال آیا کہ روم اور فارس کے لوگ یہ عمل کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا۔

ان مثالوں سے واضح ہو گیا کہ کفار کے طریقوں میں سے کسی نفع دینے والے طریقہ کو اختیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کام ہماری شریعت میں ممنوع نہ ہو یا ان کی کسی بدعقیدگی اور بدعملی کے ساتھ خاص نہ ہو۔

لباس میں مشابہت کی وجہ سے صرف ظاہری اور دنیاوی حکم لاگو ہوگا

لباس کی جو وضع کسی کافر یا فاسق قوم کا شعار ہو یا وہ وضع ان کی کسی بدعقیدگی پر مبنی ہو اس لباس کو پہننا اس قوم کے ساتھ تشبہ ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے ورنہ ظاہری طور پر جو لباس جس گروہ کی علامت ہو اس لباس کے پہننے والے کا ظاہری طور پر اسی گروہ میں شمار ہوگا' مثلاً عمامہ' جبہ اور شلوار پہننا یا ٹوپی' شیروانی اور شلوار اور قمیض پہننا عرف میں علماء کا لباس ہے' اس لباس کے پہننے والے کا علماء میں شمار ہوگا خواہ وہ عالم نہ ہو لیکن اگر وہ جبہ و دستار میں ملبوس ہو تو لوگ اس کو عالم سمجھیں گے' اسی طرح مخصوص قسم کی خاکی وردی فوجی لباس ہے' اگر ایک غیر فوجی بھی اس لباس کو پہن لے تو لوگ اس کو فوجی سمجھیں گے' اسی طرح کوٹ پینٹ اور ہیٹ وغیرہ بابوؤں کا لباس ہے اگر کوئی عالم بھی یہ لباس پہن لے تو لوگ اس کو بابو سمجھیں گے' یہ صرف ظاہری اور دنیاوی حکم ہے اس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے الا یہ کہ وہ صلیب پہنے' اگر کوئی شخص ہندوؤں کی طرز کی دھوتی باندھے اور گاندھی ٹوپی پہنے تو لباس کی اس مشابہت کی وجہ سے لوگ اس کو ہندو سمجھیں گے لیکن محض اس لباس کی وجہ اس کا آخرت میں ہندوؤں میں شمار نہیں ہوگا' البتہ اس لباس سے اس لیے اجتناب لازم ہے کہ لوگ اس کے متعلق ہندو ہونے کی بدگمانی نہ کریں۔

بدعقیدگی' بدعات اور بداعمالیوں میں مشابہت کی وجہ سے کفر' گمراہی اور حرمت کا حکم لاگو ہوگا

مشابہت کی وجہ سے اخروی حکم صرف اس وقت لاگو ہوگا جب کوئی شخص کفار کے باطل عقائد کو اختیار کرے' تو پھر وہ کافر ہو جائے گا اور اگر کسی قوم کی بدعات سیئہ کو اختیار کرے جیسے سیاہ علم اور تعزیہ داری اور سینہ کوبی وغیرہ تو گمراہ ہوگا اور کسی قوم کے ناجائز افعال یا بدعقیدگی پر مبنی اعمال میں مشابہت کو اختیار کرے گا تو حرام کا مرتکب ہوگا۔

لباس کے موضوع پر میں نے کافی تفصیل سے لکھا ہے اور ہمارے زمانہ میں لباس کے متعلق جو غلط نظریات مشہور ہیں اور من تشبہ بقوم والی حدیث کے جو غلط سلط معنی بیان کیے جاتے ہیں اس کے ازالہ کی میں نے بھرپور سعی کی ہے' اللہ تعالیٰ ان سطور کو نافع بنائے اور لباس کے معاملہ میں جن لوگوں کے غلط نظریات یا غلط روش ہے ان کی اصلاح فرمائے وما ذلک علی الله بعزيز اللهم اجعل هذا الكتاب مقبولا عندک وعند رسولک واجعله لی صدقة جارية اے اللہ! اس کتاب کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کردے اور اس کو میرے لیے صدقۂ جاریہ کردے۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد الغر المحجلين افضل الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه وازواجه وعلماء ملته واولياء امته اجمعين۔

اتباع وحی کے محامل اور بدعت سیئہ کی تعریف

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے' آپ اسی کی پیروی کیجئے بے شک اللہ

تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے (الاحزاب: ۲) اس کا معنی ہے آپ تمام امور میں وحی کی اتباع کیجئے اور احکام شرعیہ پر عمل کیجئے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ تقویٰ پر اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت کے ترک کرنے پر دائم اور برقرار رہیں یعنی آپ وحی پر عمل برقرار رکھیں نہ کہ کافروں اور منافقوں کی خواہشوں پر' اس آیت میں مسلمانوں کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ سب سے صحیح طریقہ شریعت کی اتباع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے اور اپنی خواہش سے دین میں ایسے نئے نئے طریقے ایجاد کر لینا جن کی دین اور شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور وہ طریقے دین کے مزاج کے خلاف ہوں اور ان کو دین میں لازم قرار دے لیا جائے اور ان کو کار ثواب قرار دیا جائے' اور ان کے ترک پر ملامت کی جائے اس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں جیسے ایام عاشورہ میں نوحہ کرنا' ماتم کرنا اور تعزیے نکالنا' یا بلا دلیل شرعی' سوئم' چہلم' برسی' عرس اور مجالس میلاد کو ناجائز اور حرام کہنا۔

اور یہ جو فرمایا ہے: بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے' اس سے مراد آپ کے کام بھی ہو سکتے ہیں اور کافروں اور منافقوں کے کام بھی ہو سکتے ہیں' اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ کیا کیا عمل کریں گے سو اللہ تعالیٰ آپ کی نیک اعمال کی طرف رہ نمائی فرمائے گا' اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں اور اس کے تقاضوں پر لازماً عمل کریں' اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کفار آپ کے خلاف کیسی کیسی سازشیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کے توڑ کے لیے آپ کو وحی فرمائے گا اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں تا کہ ان کے مکر اور ان کی سازشوں کا سد باب ہو' اور اس کا پانچواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ کیا عمل کریں گے اور کفار اور منافقین کیا عمل کریں گے سو اللہ تعالیٰ آپ کی خیر خواہی کے لیے آپ کی طرف وحی فرمائے گا اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں اور اس کے تقاضوں پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے' یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے ○ (الاحزاب: ۴)

کسی شخص کے اندر دو دل نہ بنانے کے متعدد محامل

قابوس بن ابی ظبیان کے والد بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا یہ بتائیے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے: ''اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے'' (الاحزاب: ۴) انہوں نے بتایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز پڑھ رہے تھے' تو آپ کے دل میں ایک خیال آیا' جو منافق آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کے دو دل ہیں' ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور ایک دل ان کے ساتھ ہے' تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے۔ (الاحزاب: ۴)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۸۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ...)

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حسن ہے اور ہم نے احکام القرآن وغیرہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ بلا قصد آپ کی زبان پر جاری ہو گیا تو منافقوں نے کہا ان کے دو دل ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ نے کسی

کے دو دل نہیں بنائے' ہر انسان کے اندر ایک دل ہوتا ہے جس میں احوال اور مقاصد کے اختلاف سے مختلف چیزیں آتی ہیں' کبھی کوئی چیز یاد ہوتی ہے اور کبھی کوئی چیز بھول جاتی ہے' کبھی ذہول ہوتا ہے کبھی سہو ہوتا ہے لیکن ایک حال میں کبھی دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہوتیں۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ص ۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور حافظ ابو بکر ابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جو ایک شخص کا بیٹا ہو وہ دوسرے شخص کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

(۲) قتادہ نے کہا ایک شخص جو بات بھی سنتا تھا وہ اس کو یاد رکھتا تھا' اس طرح وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دو دل ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے دو دل نہیں بنائے۔

(۳) مجاہد نے کہا بنو فہر میں ایک شخص تھا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں اور میں ان میں سے ہر دل کے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے افضل عمل کرتا ہوں' اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے آپ کے دل میں کوئی خیال آیا' تو جو منافق آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کے دو دل ہیں ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور ایک دل ان کے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قلب کے مصداق کے متعلق قدیم اور جدید آراء

قلب صنوبری شکل کا گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمی کے اندر پیدا کیا ہے' اور اس کو علم اور روح کا محل بنایا ہے اور انسان اپنے دل میں اتنے علوم کو محفوظ کر لیتا ہے جن کو کتابوں میں محفوظ نہیں کیا جا سکتا۔

دل دو لمتوں کے درمیان ہے ایک شیطان کا لمۃ ہے (اس کے وساوس کی جگہ) اور ایک فرشتہ کا لمۃ ہے (اس کے القاءات کی جگہ) اور وہ آنے والے خیالات اور وساوس کی جگہ ہے اور کفر اور ایمان کی جگہ ہے اور گناہوں پر اصرار اور گناہوں سے رجوع کی جگہ ہے اور اطمینان اور بے چینی کی جگہ ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک دل میں کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی اور اللہ کی طرف رجوع اور اس سے انحراف جمع نہیں ہوتے' خلاصہ یہ ہے کہ دو متضاد چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں۔ (احکام القرآن ج ۳ص ۵۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ جس عضو کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا وہ قلب ہے اور وہی روح کا محل ہے' سب سے پہلے روح کا تعلق قلب کے ساتھ ہوا پھر اس کے بعد جگر اور باقی اعضاء کے ساتھ ہوا اور بعض نے کہا قلب سے مراد نفس ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ص ۲۲۱۔۲۲۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ قلب تو صرف خون کو پمپ کرنے کا آلہ ہے اور غور و فکر کرنا اور چیزوں کو اپنی یادداشت میں محفوظ رکھنا یہ دماغ کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ یاد کرنے سے دماغ تھکتا ہے دل کو کچھ نہیں ہوتا' اور دماغ پر چوٹ لگنے سے یادداشت چلی جاتی ہے اور دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا وغیرہ سے غور و فکر کرنے کی صلاحیت اور یادداشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' لیکن سرور آمیز خبروں سے دل میں تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے اور دردناک اور افسوس ناک خبروں سے بھی دل

کی کارکردگی پر اثر پڑتا ہے اور بعض اوقات کسی جانکاہ خبر کے سننے سے حرکت قلب بند ہو جاتی ہے' محبوب کی جدائی سے دل پژمردہ ہو جاتا ہے' گناہوں کے ارتکاب سے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرنے سے دل میں طمانیت پیدا ہوتی ہے اور غم اور افسوس زائل ہو جاتا ہے۔

ظہار کی تعریف' اس کا حکم اور اس کا کفارہ

اس کے بعد فرمایا: اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں' ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو سے تشبیہ دینا' اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ کفارہ ظہار نہ ادا کرے' اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی مثلاً اپنی بیوی سے کہا تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے' یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن' یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے' تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے کہا تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے' اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو' تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے' اور اگر اس نے کہا میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۱۰۔۴۰۹ ملخصاً وموضحاً مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

ظہار کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ (المجادلہ: ۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' وہ حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن کے بطن سے وہ خود پیدا ہوئے ہیں' بے شک یہ لوگ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔

اور کفارہ ظہار کے متعلق یہ آیات ہیں:

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (المجادلہ: ۴۔۳)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں' پھر اپنے قول سے رجوع کرلیں' تو عمل زوجیت کرنے سے پہلے ان کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے' اس کے ساتھ تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ اور جو شخص غلام کو نہ پائے اس کے ذمہ عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اور جو روزوں کی طاقت نہ رکھے اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر (کامل) ایمان لاؤ' یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے کا شرعی حکم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا یہ میری بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸‘ ۲۲۱۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰‘ عالم الکتب)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا ”اے میری بہن!“ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۱۔۲۲۱۰‘ بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے‘ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا اور کوئی حکم نہیں بیان فرمایا‘ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۵‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی‘ بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے‘ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لا مراته ان فعلت كذا فانت امی ونوی به التحریم فهو باطل لا یلزمه شیء.

(فتاویٰ قاضی خاں علی هامش الهندیہ ج ۱ ص ۵۱۹‘ مطبوعہ مصر‘ ۱۳۱۰ھ)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو‘ تو میری ماں ہے‘ اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے‘ اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا‘ یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے‘ یا کہا تو میری ماں کی مثل ہے‘ اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی‘ یا ظہار کی نیت کی‘ یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہوگا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳‘ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نوی.
(ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:
اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔
(ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الکلیوبی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:
اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔
(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیوبی نے لکھا ہے:
ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے' یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے' اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے' اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا' خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔
(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا' مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟
اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں' بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے تو میری ماں' بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے' مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو' درمختار میں ہے:

اولاینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ. (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی' یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا' اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے' یا یہ کہنا اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:
حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد منتقی عن القہستانی قلت ویدل علیہ ما نذکرہ عن الفتح من انہ لا بد من التصریح من الاداۃ اسی میں ہے: انت امی بلا تشبیہ باطل وان نوی.

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے' بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے' میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم فتح القدیر سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے حرف کا ذکر کرنا ضروری ہے نیز علامہ شامی نے کہا بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں

باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں بہن کی جگہ ہے، تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے، عورت سے جماع کرنا، یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا، یا بہ نگاہ شہوت اس کی شرم گاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگا تار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی، تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہو گا، جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، در مختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی (خانیہ) برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع مانواه وان لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا.

اس نے بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی، یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہو گا، اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہندیہ میں خانیہ سے ہے اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱۔۶۳۰، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے در مختار کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہو گی، اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گذر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸) یعنی اس سے طلاق نہیں ہو گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ، فتاویٰ قاضی خاں، الدر المختار، رد المحتار، ملتقی الابحر، مجمع الانہر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی، خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو، اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے۔ ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ عامۃ الوقوع ہے لوگ غصہ میں بیوی کو ماں بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہو گئی۔

منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصل باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارنے کا حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے O (الاحزاب: ۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، ہم ان کو صرف زید بن محمد کہا کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ   اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپ کی طرف منسوب

کر کے بلاؤ' یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ (الاحزاب:۵)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۹)

زمانہ جاہلیت میں جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا لوگ اس کو اسی شخص کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے اور وہ اس شخص کی میراث کا وارث ہوتا تھا' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۱۶۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ھشام بن محمد سائب الکلبی اپنے والد سے اور جمیل بن مرثد الطائی وغیرھما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ کے والد بنو قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے' جو یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا' ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ کا تعلق بنو معن سے تھا' جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی' ایک بار وہ حضرت زید کو لے کر اپنے میکہ گئیں' اس وقت حضرت زید کم عمر تھے' اس دوران بنو قین کے سوار لوٹ مار کر کے آ رہے تھے' وہ حضرت زید کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا کر لے گئے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کر دیا' حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ان کو چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے حضرت زید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا' ادھر ان کے والد حارثہ بن شراحیل ان کی گم شدگی پر بہت غمگین تھے اور اکثر روتے رہتے تھے۔

قبیلہ کلب کے کچھ لوگ حج کے لیے گئے' انہوں نے حضرت زید کو دیکھ کر پہچان لیا' اور حضرت زید نے بھی ان کو پہچان لیا' انہوں نے یمن جا کر حضرت زید کے والد کو خبر دی اور یہ بتایا کہ حضرت زید کس مقام پر ہیں' پھر حارثہ اور ان کے بھائی کعب فدیہ کی رقم لے کر مکہ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا' انہیں بتایا گیا کہ آپ مسجد میں ہیں' وہ دونوں آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے عبد المطلب کے بیٹے! اے اس قوم کے سردار کے بیٹے! آپ لوگ اللہ کے حرم میں رہنے والے ہیں آپ غلاموں کی گردنیں آزاد کرتے ہیں اور قیدیوں کو قید سے چھڑاتے ہیں' ہم اپنے بیٹے اور آپ کے غلام کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں' آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ ہم سے قبول کر کے اس کو آزاد کر دیں' آپ نے پوچھا' تمہارا بیٹا کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ زید بن حارثہ ہے' آپ نے فرمایا اس کو بلا لو اور اس کو اختیار دو' اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم اس کو کسی فدیہ کے بغیر اپنے ساتھ لے جاؤ اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اللہ کی قسم! جو شخص میرے ساتھ رہنے کو اختیار کرے میں اس پر فدیہ کو اختیار کرنے والا نہیں ہوں' پھر آپ نے حضرت زید کو بلایا' اور فرمایا کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یہ میرے والد اور میرے چچا ہیں' آپ نے فرمایا تم کو علم ہے کہ میں کون ہوں اور تم میرے سلوک کو بھی پہچانتے ہو' پس تم مجھے اختیار کر لو یا ان دونوں کو اختیار کر لو۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ص ۴۲)

حضرت زید نے کہا میں آپ کے اوپر کسی شخص کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا' میرے باپ اور چچا تو آپ ہی ہیں' حضرت زید کے والد اور چچا نے کہا اے زید! تم پر افسوس ہے! تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو اور اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو! حضرت زید نے کہا ہاں میں نے ان کی ایسی سیرت دیکھی ہے کہ میں ان پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی اس محبت کو دیکھا تو ان کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: لوگو! گواہ ہو جاؤ بے شک زید میرا بیٹا ہے' یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا' جب حضرت زید کے باپ اور چچا نے یہ

دیکھا تو وہ خوش ہو گئے اور واپس چلے گئے' پھر حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا جانے لگا حتیٰ کہ اسلام کا ظہور ہو گیا۔ امام ابن اسحاق نے بھی اس قصہ کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۷۶)

جب یہ آیت نازل ہوئی ادعوھم لاٰبائھم تو حضرت زید نے کہا میں زید بن حارثہ ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۴۲۲' تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۷۸)

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو بیٹا بنایا تو آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے ان کا نکاح کر دیا جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمن سے کر دیا تھا جن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے تھے' پھر جب حضرت زید نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو آپ نے ان کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا' ان سے زید بن زید اور رقیہ پیدا ہوئیں' پھر حضرت زید نے ام کلثوم کو طلاق دے دی اور درۃ بنت ابی لھب بن عبدالمطلب سے نکاح کر لیا' پھر ان کو طلاق دے دی اور حضرت زبیر کی بہن ھند بنت العوام سے نکاح کر لیا۔

امام عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لایا ہو۔

حضرت زید بن حارثہ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے' وہ اس لشکر کے امیر تھے اور کئی مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔

امام ابن ابی شیبہ نے سند قوی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لشکر میں بھی حضرت زید کو بھیجا ان کو اس لشکر کا امیر بنایا اور اگر وہ زندہ رہتے تو انہی کو اپنے بعد جانشین مقرر فرماتے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۶)

امام بخاری نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا امیر بنایا تھا۔ امام واقدی نے کہا کہ حضرت زید کا پہلا لشکر القردۃ کی طرف گیا' دوسرا الجموم کی طرف گیا' پھر العیص کی طرف پھر الطرف کی طرف' پھر الحسمیٰ کی طرف' پھر ام قرفہ کی طرف' پھر ان کو غزوہ موتہ کے لشکر کا امیر بنایا گیا' اسی غزوہ میں وہ پچپن سال کی عمر میں شہید ہوئے' حضرت زید کے علاوہ قرآن مجید میں اور کسی کا نام صراحۃً مذکور نہیں ہے۔

امام محمد بن سعد نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زید! تم میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو) ہو' اور تمہاری ابتداء مجھ سے اور میری طرف ہے اور تم تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۸۳)

امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک زید بن حارثہ امارت کے لائق ہیں اور بے شک وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۸۶)

امام ترمذی اور دیگر ائمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تھے' انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا' آپ دروازے کی طرف گئے' ان کو گلے سے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وظیفہ میرے وظیفہ سے زیادہ مقرر کیا' میں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے اور تمہارے باپ کی بہ نسبت حضرت اسامہ کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا' یہ حدیث صحیح ہے۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۴۹۸۔۴۹۴' ملخصا مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے اس سے بہت زیادہ تفصیل سے حضرت زید بن حارثہ کا تذکرہ لکھا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۱ ص ۲۶۴۔۲۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے' اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے (الاحزاب: ۴)

آیت کے اس حصہ میں اس بات کی مزید تاکید فرمائی ہے کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دینا ایک ایسی بات کہنا ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے' یہ محض زبانی کہنا ہے' اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے' جس کی واقعہ میں حقیقت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے' پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں' اور اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہوگی) اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے (الاحزاب: ۵)

اقسط' خطأ اور مغفرت اور رحمت کے معانی اور ان کی وضاحت

اقسط کا معنی ہے اعدل' یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات' اور کسی شخص کا خود کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرنا' باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل اور انصاف والی بات ہے' اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر باپ کی طرف خود کو منسوب کرنا بھی انصاف کی بات ہے لیکن زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اصل باپ کی طرف منسوب کرے' حالانکہ خود کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا منصفانہ بات نہیں ہے' بلکہ ظلم اور گناہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اسم تفضیل مجازاً صفت مشبہ کے معنی میں ہے اور یہاں زیادتی کا معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے صرف عادلانہ فیصلہ مراد ہے۔

نیز فرمایا: اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو تم پر کوئی گرفت نہیں ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بزرگ آدمی' یا استاذ یا اپنے مرشد کو تعظیم کے قصد سے اپنا باپ کہے اور اس کا یہ مقصد نہ ہو کہ وہ اس کے نسب اور اس کے نطفہ سے ہے' یا کوئی بڑا اور بزرگ آدمی کسی بچے کو شفقت سے کہے اے بیٹے یا استاذ شاگرد کو یا پیر اپنے مرید کو شفقت سے کہے اے بیٹے! تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ اس کو اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر ہے' مغفرت کا معنی ہے کسی کے جرم کو معاف کر دینا اور رحمت کا معنی ہے کسی پر فضل اور احسان کرنا' اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو عذاب نہ دینا اس کی مغفرت ہے اور ان کو جنت عطا فرمانا اس کی رحمت ہے۔

خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے پر وعید

زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کو' کوئی لڑکا پسند آتا وہ اس کو اپنا بیٹا قرار دیتا' اور اس کو اپنے مال کا وارث قرار دیتا' اور لوگ اس لڑکے کو اس شخص کا بیٹا کہا کرتے تھے' اسلام نے اس رواج کو منسوخ کر دیا اور یہ ہدایت دی کہ ہر شخص کی نسبت اس کے اصل باپ کی طرف کی جائے اور ایسا نہ کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت عذاب کی وعید فرمائی ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے' تو اس پر جنت حرام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۷۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۶۱۰' مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۹۷' عالم الکتب' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۱۹۹' سنن دارمی رقم الحدیث:۲۵۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو' سو جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو یہ کفر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۷۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' قیامت کے دن اللہ اس کا کوئی فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۱۲' مسند احمد ج ۱ ص ۸۱' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۳۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۸' کنز العمال رقم الحدیث:۱۲۹۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں' اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں' اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار' دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو' یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے O (الاحزاب:۶)

مومنوں کی جانوں اور مالوں پر ان کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... کو تصرف کرنے کا زیادہ اختیار ہے

اولیٰ کا معنی ہے زیادہ لائق اور زیادہ سزاوار' یعنی مومنوں کو اپنی جانوں پر تصرف کرنے کا اتنا زیادہ استحقاق نہیں ہے جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جانوں پر تصرف کرنے کا حق حاصل ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ان کے دین اور دنیا کے معاملات میں کسی چیز کا حکم دیں اور ان کی خواہش ان معاملات میں کوئی اور کام کرنے کی ہو تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کریں جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا ہو اور اپنی خواہش پر عمل نہ کریں' اور واجب ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور ان کی جان اور مال کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ مالک ہوں' مثلاً فجر کی نماز کے وقت انسان کا دل سونے کے لیے چاہے اور وہ آرام دہ بستر کو چھوڑنا نہ چاہے یا گرمی کی دوپہر میں اور سخت دھوپ میں ظہر کی نماز کے وقت وہ گھر سے باہر نکلنا نہ چاہے لیکن وہ اپنی جان اور آرام کی پرواہ نہ کرے اور آپ کے حکم پر نیند اور آرام چھوڑ کر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جائے' نماز کے اوقات میں دکان پر گاہکوں کا رش لگا ہوا ہو لیکن جماعت کے وقت وہ دکانداری چھوڑ کر نماز کے لیے جائے' وہ اپنا مکان یا اپنی دکان کسی ایسے اجنبی شخص کو فروخت کرنا چاہے' جو زیادہ قیمت دے رہا ہو لیکن اگر اس کا پڑوسی یا شریک اس پر شفعہ کر دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس اجنبی شخص کے بجائے اپنے پڑوسی یا شریک کو فروخت کرے وہ اپنے مال کا مالک ہونے کے باوجود جس کو وہ چاہے فروخت نہ کرے بلکہ جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اس کو فروخت کرے' وہ اپنی چیز کو جس جگہ فروخت کرنا چاہے وہاں فروخت نہ کرے کیونکہ مسجد میں بیع اور شراء سے آپ نے منع فرما دیا ہے' جس وقت چاہے اس وقت فروخت نہ کرے کیونکہ نماز کے اوقات میں آپ نے خرید و فروخت کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ جس طرح چاہے اس طرح قرض نہ دے کیونکہ سود پر قرض دینے

سے آپ نے منع فرمادیا ہے' وہ جب چاہے کھائے اور جب چاہے نہ کھائے یہ بھی نہ کرے کیونکہ رمضان میں دن کے اوقات میں آپ نے کھانے سے منع فرمادیا ہے اور عید کے دن آپ نے کھانے کو چھوڑنے سے منع کر دیا ہے' اگر طلوع آفتاب یا استواء آفتاب کے وقت وہ نماز پڑھنا چاہے اس وقت نماز نہ پڑھے کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ہر جگہ نماز نہ پڑھے کیونکہ قبر کے سامنے اور مذبح میں نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمادیا ہے' سومومنوں کو اپنی جانوں اور مالوں پر تصرف کرنے کا اتنا اختیار نہیں ہے جتنا ان کی جانوں اور مالوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے نزدیک اس کی جان' اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۰۱۴' مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۸۴۵' عالم الکتب)

بعض عارفین نے کہا جب تک کسی شخص کو یقین نہ ہو کہ تمام احوال میں اس کی جان اور اس کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں اس وقت تک وہ ایمان کی مٹھاس نہیں چکھ سکتا۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں تین اوصاف ہوں وہی ایمان کی مٹھاس پا سکتا ہے (۱) اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (۲) وہ جس شخص سے بھی محبت کرے تو اللہ کے لیے محبت کرے (۳) اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا اس طرح ناپسندیدہ ہو جس طرح آگ میں ڈالا جانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۹۸۸' مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۰۲)

مومنوں کی جانوں اور مالوں پر ان کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ شفیق ہیں

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مومن خود اپنی جانوں پر اتنے شفیق نہیں ہیں جتنے ان کی جانوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفیق ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ کسی شخص نے آگ روشن کی ہو اور پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں دھڑا دھڑ گر رہے ہوں' سو تم (اپنی خواہشوں کی آگ میں) دھڑا دھڑ گر رہے ہو اور میں تم کو کمر باندھنے کی جگہ سے پکڑ کر کھینچ رہا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۸۷۴)

عام مسلمانوں کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے حقوق کے زیادہ کفیل اور ضامن ہیں

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ مومنوں پر جو حقوق ہیں تو دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حقوق کی ادائیگی کے زیادہ قریب ہیں' جیسا کہ ان احادیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اگر کوئی ایسا شخص فوت ہوتا جس پر قرض ہوتو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے تھے آیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے فاضل مال چھوڑا ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ورنہ آپ مسلمانوں سے فرماتے تم خود اس کی نماز جنازہ پڑھ لو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ کثرت فتوح عطا کیں' تو آپ نے فرمایا میں مسلمانوں کی جانوں کا ان کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں' سو مسلمانوں میں سے جو شخص قرض چھوڑ کر مرا اس کو میں ادا کروں گا اور جو شخص مال چھوڑ کر مرا وہ مال اس کے وارثوں کا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۲۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۹۶۳)

ایک اور روایت اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے روئے زمین پر ہر مومن کا تمام لوگوں کی بہ نسبت میں زیادہ ولی ہوں' تم میں سے جو شخص قرض یا اہل وعیال کو چھوڑ کر مر گیا تو اس کا میں کفیل ہوں اور اگر مال چھوڑ کر مرا ہے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۹' کتاب الفرائض:۱۵)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں' آپ نے فرمایا تم اپنے صاحب پر خود نماز پڑھ لو' کیونکہ اس پر قرض ہے' حضرت ابو قتادہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ قرض میرے ذمہ ہے' آپ نے فرمایا تم وہ پورا قرض ادا کر دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں وہ قرض پورا ادا کر دوں گا' پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۴۰۷' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۱۵۲۵۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۷' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۵۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۰۵۸)

سربراہ مملکت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی زندگی اور موت میں ان کا کفیل اور ضامن ہو

ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں قرض ادا کرنے کی اہمیت ہو کہ اگر کوئی شخص قرض ادا کیے بغیر فوت ہو گیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور آپ کی دعا سے محروم ہو گا' دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو علم تھا کہ مسلمان آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر بہت حریص ہیں جب وہ دیکھیں گے کہ قرض کی وجہ سے آپ اس کی نماز نہیں پڑھا رہے ہیں تو ان میں سے کوئی اس کا قرض ادا کر دے گا' جیسے حضرت ابو قتادہ نے اس مقروض کا قرض ادا کر دیا تھا' سو اس بہانے سے اس میت کا قرض ادا ہو جائے گا' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا امام اور ان کا خلیفہ اور سربراہ مملکت مسلمانوں کی زندگی میں بھی ان کے حقوق کا محافظ اور ضامن ہے اور بہ وقت ضرورت ان کا کفیل ہے اور مسلمانوں کے مرنے کے بعد بھی ان کا ضامن ہے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ بیت المال سے ان کا قرض ادا کرے۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا بیت المال میں حق ہے اور جو شخص مقروض ہو تو بیت المال سے اس کے قرض کی ادائیگی لازم ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۳۳۹' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا متولی ہو اس پر لازم ہے کہ اگر کوئی مسلمان قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے' اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ گنہ گار ہو گا بہ شرطیکہ میت کا بیت المال میں اتنا حق ہو جس سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام اور سربراہ مملکت پر لازم ہے کہ اگر کوئی مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے تو وہ بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے اور اگر امام نے ایسا نہیں کیا تو قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا' اور دنیا میں وہ گنہ گار ہو گا بہ شرطیکہ میت کے گھر میں اتنا اثاثہ باقی نہ ہو جس سے اس کا قرض ادا کیا جا سکے اور اگر پورا قرض ادا نہ کیا جا سکے تو اس کے مال سے جتنا اس کا قرض ادا کیا جا سکے

اتنا قرض ادا کر دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۸۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے گھر میں قرض کی ادائیگی جتنا مال ہو تو امام پر لازم ہے کہ اس کے مال سے اس کا قرض ادا کرائے اور اگر مال کم ہو تو اس کے حساب سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور اگر اس کے گھر میں بالکل مال نہ ہو تو پھر بیت المال سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔

ازواج مطہرات کے مومنوں کی مائیں ہونے کی وضاحت

اس کے بعد فرمایا: اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو یہ شرف عطا کیا کہ ان کو مومنین کی مائیں قرار دیا یعنی ان کی تعظیم اور ان کی بزرگی اور ان کا ادب اور احترام مسلمانوں پر اس طرح لازم ہے جس طرح اپنی ماؤں کا ادب اور احترام لازم ہوتا ہے اور جس طرح ماں محرم ہے اور اس سے نکاح حرام ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کرنا امت پر حرام ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ (الاحزاب: ۵۳) اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

اور باقی معاملات میں ازواج مطہرات اجنبی عورتوں کی مثل ہیں' اس لیے ان سے خلوت میں ملنا' ان کے ساتھ سفر کرنا' بلا ضرورت شرعی ان سے باتیں کرنا اور ان کے چہروں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔـلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (الاحزاب: ۵۳) اور جب تم نبی کی ازواج سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

مہاجروں اور بنائے ہوئے بھائیوں کی باہمی وراثت کا منسوخ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔ (الاحزاب: ۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی وجہ سے بعض مہاجرین کو بعض انصار کا بھائی بنا دیا تھا' اور اس بناء پر وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اسی طرح بعض مسلمان دین میں ایک دوسرے کی حمایت کرنے کی وجہ سے اور دوستی کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وارث ہونے کی یہ تمام صورتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کی صورت باقی رہ گئی۔

اور یہ جو فرمایا ہے اللہ کی کتاب میں' اس کا معنی ہے یہ حکم لوح محفوظ میں ثابت ہے' یا اس کا معنی ہے یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت میں ہے' یا اس کا معنی ہے یہ حکم اللہ کی سنت میں ہے یا اس کی تقدیر میں ہے۔

نیز فرمایا: مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو۔ یعنی تمہارے دوست تمہارے وارث تو نہیں ہو سکتے' لیکن ان کے لیے اپنے تہائی مال سے وصیت کر سکتے ہو' اور ان کو ہدیے اور تحفے وغیرہ دے سکتے ہو' ان پر نفلی صدقہ کر سکتے ہو۔

مسلمانوں اور کافروں کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا

رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وارث اور مورث دونوں مسلمان ہوں کیونکہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) کہا: یا رسول اللہ! کل آپ مکہ میں کس جگہ قیام کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر یا کوئی زمین چھوڑی ہے؟ اور عقیل اور طالب' ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ان کی کسی چیز کے وارث نہیں ہوئے تھے' کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے' اور عقیل اور طالب دونوں کافر تھے' اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا' ابن شہاب زہری نے کہا وہ قرآن مجید کی اس آیت میں تاویل کرتے تھے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا. (الانفال:۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی' یہی لوگ ایک دوسرے کے ولی ہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۵۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۲۰۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۴۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۴۲۵۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے یا اس سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں ان کو وراثت نہیں ملے گی' اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا:

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ. (الانفال:۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور اب قرابت اور رشتہ داری وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ص ۶۹۔ ۶۷' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اس آیت میں ولایت کی تفسیر وراثت سے کرتے تھے۔

امام عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جو بھائی بنا دیا تھا' اس وجہ سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اور وہ اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور جو شخص اسلام لاتا اور ہجرت نہیں کرتا تھا وہ اس کا وارث نہیں ہوتا تھا' اور جب الانفال:۷۵ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ص ۳۲۶۔ ۳۲۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور زیر تفسیر آیت یعنی الاحزاب:۶ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے: اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور

مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' یعنی وہی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں' اور الانفال: ۷۵ اور الاحزاب: ۶ کا مضمون واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا ○ تا کہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۸۔۷)

یوم میثاق میں انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کے متعدد محامل

تمام نبیوں سے عالم میثاق میں جو عہد لیا گیا تھا اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی جو ذمہ داری سونپی ہے وہ اس کو پورا کریں' اور بعض نبی دوسرے بعض نبیوں کو بشارت دیں' اور بعض بعض کی تصدیق کریں۔

نیز فرمایا: اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے' تمام نبیوں کے ذکر میں ان پانچ نبیوں کا ذکر بھی آ گیا تھا' لیکن ان کی خصوصیت اور ان کے شرف کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا' اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ یہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان نصرت اور حمایت اور وراثت کی ممانعت کے حکم پر عمل کرانے کا عہد تمام نبیوں سے لیا گیا اور بالخصوص ان پانچ اولوالعزم رسولوں سے بھی یہ عہد لیا گیا۔

(۳) اس عہد کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شریعتیں مختلف ہوں گی لیکن وہ دین میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں' اور دین سے مراد وہ اصول ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید' نبیوں کی رسالت' فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا اور تقدیر پر' قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر اور جزاء اور سزا پر ایمان لانا' اللہ کی اطاعت اور عبادت کا واجب ہونا اور اس کی معصیت کا حرام ہونا' اور شریعت سے مراد عبادات کے وہ مخصوص اور جزوی طریقے ہیں جو ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے مقرر کیے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا "واوصیناک یا محمد وایاہ دینا واحدا" "اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے"۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب: ۱)

سو انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شرائع مختلف ہوں گی لیکن ان سب کا دین واحد ہوگا وہ دین میں اختلاف نہ کریں۔

(۴) اس عہد کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ تمام نبیوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا اعلان کریں اور

ان کی بشارت دیں اور اگر آپ ان کے زمانہ میں مبعوث ہوں تو وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت اور حمایت کریں اور سب نبی دنیا والوں کو بتائیں کہ ان کے بعد ایک عظیم الشان نبی آنے والا ہے اور آپ سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ یہ بتائیں کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲_۸۱)

اور (اے رسول) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا' کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں' جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا' فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۝ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں ۝

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور ان کی نصرت کرے گا اور پھر وہ نبی اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیتا تھا۔

(جامع البیان جز ۳ ص ۴۵۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک (حضرت) موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۴۲۷_۴۲۶' شعب الایمان ج ۱ ص ۲۰۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی. میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۹' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعدد محامل

اس کے بعد فرمایا: تا کہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ (الاحزاب: ۸)

اس آیت میں صادقین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ جو سوال فرمائے گا اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) نقاش نے کہا انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے اپنی قوم کو پیغام پہنچا دیا تھا' اور اس میں یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا تو باقی لوگوں کا کیا ٹھکانا ہے۔

(۲) علی بن عیسیٰ نے کہا: انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان کی قوم نے ان کو کیا جواب دیا۔

(۳) ابن الشجرہ نے کہا انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان سے جو عہد اور میثاق لیا گیا تھا آیا انہوں نے اس کو پورا کر دیا۔

(۴) سچے مونہوں سے مخلص دلوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۳۷۸ 'دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تفسیر کی تصدیق اس آیت میں ہے:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ. (الاعراف: ۶) سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر کفار کے لشکر

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

حملہ آور ہوئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا' اور اللہ تمہارے کاموں کو

بَصِيْرًا ۚ ⑨ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

خوب دیکھنے والا ہے ○ جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے' جب تمہاری

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے

الظُّنُوْنَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪

لگے تھے ○ اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھا ○

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا

اور اس وقت منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی' یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ

سے جو بھی وعدہ کیا وہ محض دھوکا تھا ○ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا اے یثرب والو!

يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ

اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ' اور ان کا دوسرا فریق نبی سے

مع
عند المتقدمین ۱۲

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا

جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے،

فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ

وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے ○ اور اگر مدینہ کے چاروں اطراف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے

لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ

پھر ان سے شرک طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے اور وہ اس میں ذرا دیر نہ کرتے ○ اور وہ اس سے پہلے اللہ سے یہ

مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾

عہد کر چکے تھے کہ وہ (میدان جنگ میں) پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے متعلق ضرور باز پرس ہو گی ○

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا

آپ کہیے کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا خواہ تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور اس وقت

لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ

تم کو بہت کم فائدہ پہنچایا جائے گا ○ آپ کہیے اگر اللہ تم کو

أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ

مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ

اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ

اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے ○ بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (جہاد سے)

لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾ أَشِحَّةً

روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ، اور وہ بہت کم جہاد کرنے والے ہیں ○ وہ

عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ

(تمہاری مدد میں) بخیل ہیں، پس جب دشمن حملہ آور ہو تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف ایسے دیکھتے ہیں کہ ان کی

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ

آنکھیں گھومتی ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو' پھر جب (جنگ کا) خطرہ ٹل جائے گا تو وہ

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا

مال غنیمت کی حرص میں تم سے تیزی اور طراری سے باتیں کریں گے' یہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ

سو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O وہ گمان کر رہے ہیں

الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ

کہ ابھی حملہ آور نہیں گئے اور اگر دشمن کے لشکر حملہ کرتے تو وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش وہ

بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا

جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے' اور اگر وہ تمہارے

قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۲ ۱۸

درمیان ہوتے تو دشمن سے بہت کم جہاد کرتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر کفار کے لشکر حملہ آور ہوئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا' اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے' جب تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے O (الاحزاب: ۱۰۔۹)

غزوۃ الاحزاب میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور احسان کا بیان

اس رکوع کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے غزوۃ الاحزاب اور غزوۂ بنو قریظہ کا ذکر فرمایا ہے' ہم سورۃ الاحزاب کے تعارف میں اس کا مختصر ذکر کر چکے ہیں اور اس رکوع کی آیات میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل بھی ان شاء اللہ مستند حوالہ جات کے ساتھ ذکر کریں گے۔ ان آیتوں میں الحناجر کا لفظ ہے یہ الحنجرہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے نرخرہ' سانس کی نالی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر یہ فضل اور احسان فرمایا کہ ان کے دشمن حملہ آوروں کو ان کے شہر مدینہ سے بھگا دیا اور ان کو شکست فاش دی' جب ان دشمنوں کی مختلف جماعتیں ایک ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئی تھیں' یہ پانچ ہجری شوال کا مہینہ تھا اور اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق اور غزوۃ الاحزاب رکھا گیا تھا۔

امام موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ غزوۃ الاحزاب کا سبب یہ تھا کہ بنو نضیر کے جن یہودی سرداروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا' ان میں سے سلام بن ابی الحقیق' سلام بن مشکم' اور کنانہ بن الربیع مکہ مکرمہ گئے' اور قریش کے سرداروں سے ملاقات کی' اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا' اور ان کو یہ یقین دلایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی بھرپور مدد کریں گے' قریش نے ان کے ساتھ اتفاق کر لیا' پھر وہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو بھی آپ کے خلاف جنگ پر تیار کر لیا' قریش نے مکہ کے گردونواح سے اپنے موافقین کو اکٹھا کر لیا' ان کے لشکر کا قائد ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور غطفان کا قائد عیینہ بن حصین بن بدر تھا' پھر دس ہزار افراد کا لشکر تیار ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی پیش قدمی کی خبر سنی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کی مشرقی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا' سو مسلمان مدینہ کے گرد خندق کھودنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ خندق کھودنے اور مٹی نکالنے کے عمل میں شریک تھے' اور خندق کھودنے میں متعدد معجزات کا ظہور ہوا تھا جس کا ہم نے اس سورت کے تعارف میں ذکر کیا ہے' مشرکین مدینہ کی مشرقی جانب احد پہاڑ کے پاس آ کر ٹھہرے تھے یہ مدینہ کا نچلا حصہ تھا اور دشمن کا دوسرا گروہ مدینہ کی زمین کے بالائی حصہ میں ٹھہرا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے' آپ کی پشت پر سلع پہاڑ تھا اور دشمن آپ کے سامنے تھا' آپ کے اور دشمن کے سواروں اور پیادوں کے درمیان خندق تھی' اور خواتین اور بچے مدینہ کے شہر میں تھے' اور مدینہ کی دونوں شرقی جانبوں میں یہود کی ایک جماعت بنو قریظہ تھی' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ اگر دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کریں گے' ان میں سات سو جنگ جُو تھے' دشمن کی طرف سے حیی بن اخطب النضری ان کے پاس گیا اور ان کو اس معاہدہ کے توڑنے پر اکسایا' حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا' اب صورت حال یہ تھی کہ باہر سے دس ہزار مشرکین نے مدینہ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا اور اندر سے سات سو یہودی غداری کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ پر کمربستہ تھے' یہ وہ منظر تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقشہ کشی کی ہے' جب تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے' اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا تھا' دشمن نے ایک ماہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا محاصرہ کیے رکھا لیکن ان کو خندق پار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی' اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی جنگ کی نوبت نہیں آئی' البتہ عمرو بن عبدود العامری زمانہ جاہلیت میں مشہور شہ سوار تھا وہ اپنے ساتھ شہ سواروں کی ایک جماعت لے کر خندق کے پار مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا' کچھ دیر ان میں مقابلہ ہوا بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا اور یہ مسلمانوں کی فتح اور نصرت کی علامت تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دشمن کے لشکر پر زبردست آندھی بھیجی جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے' ہر چیز تہس نہس ہو گئی' وہ چولہے جلا سکتے تھے نہ کھانا پکا سکتے تھے اور وہ ناکام اور نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باد صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو باد دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰)

مدینہ کے شمال سے مدینہ کے جنوب کی طرف چلنے والی ہوا کو باد صبا کہتے ہیں اور اس کے برعکس چلنے والی ہوا کو

بادِ دبور کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کی ایک شب کو سخت سردی تھی اور بہت زبردست آندھی چل رہی تھی اس رات میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مجھے مدینہ بھیجا کہ میں کھانا اور لحاف لے کر آؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر روانہ ہوا' آپ نے فرمایا تھا کہ تم کو جو میرے اصحاب ملیں ان سے کہنا کہ وہ میرے پاس آ جائیں' جب میں گیا تو زناٹے کی ہوا چل رہی تھی' مجھ کو جو مسلمان بھی ملا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے بھی یہ پیغام سنا وہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گیا حتیٰ کہ کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا' آندھی میری ڈھال کو دھکیل رہی تھی' حتیٰ کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جس کو میں نے نیچے پھینک دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوتا تو آپ کے ساتھ جہاد کرتا' اور خوب لڑتا' حضرت حذیفہ نے کہا: تم ایسا کرتے! مجھے وہ منظر یاد ہے کہ غزوۂ احزاب میں ہم ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ ایک سرد رات تھی اور بہت تیز آندھی چل رہی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کوئی ایسا شخص ہے جو کفار کی خبریں حاصل کر کے آئے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا' ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا' آپ نے پھر فرمایا کوئی ایسا شخص ہے جو کفار کی خبریں حاصل کر کے آئے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا' ہم پھر خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہیں دیا' آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم جاؤ اور کفار کی خبریں حاصل کر کے آؤ' جب آپ نے میرا نام لے کر پکارا تو میرے لیے اٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا' آپ نے فرمایا جاؤ کفار کی خبریں حاصل کر کے آؤ اور ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا' جب میں ان کی طرف روانہ ہوا تو یوں لگتا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں' جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنی پیٹھ کو آگ سے سینک رہا ہے' میں نے کمان پر تیر چڑھا کر اس کو تیر مارنے کا ارادہ کیا' پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا' اگر میں اس وقت تیر مارتا تو بلاشبہ وہ نشانے پر لگتا' میں واپس اس حال میں لوٹا کہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں' جب میں آپ کے پاس واپس پہنچا تو میں نے آپ سے کفار کی خبریں بیان کیں' جب میں فارغ ہوا تو مجھے سردی لگنے لگی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چادر کو اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اس کا ایک پلو مجھے اوڑھا دیا' میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سوتا رہا' جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے بہت سونے والے اٹھ جا! (صحیح مسلم کتاب الجہاد: ۹۹' رقم الحدیث: ۱۷۸۸' الرقم المسلسل: ۴۵۵۹)

اس رات سخت سردی تھی اور آندھی چل رہی تھی' لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں جا رہے تھے' اس لیے آپ کو بالکل سردی نہیں لگی اور نہ آندھی کے تھپیڑے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کو یوں لگا گویا کہ وہ گرم حمام میں چل رہے ہیں واپسی میں بھی ان پر سردی اور آندھی کا کوئی اثر نہیں ہوا' حتیٰ کہ وہ آرام اور عافیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور جیسے ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی خبریں بیان کر کے فارغ ہوئے ان پر موسم کا اثر ہوا اور سردی لگنے لگی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کمبل اوڑھا دیا' اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔ (شرح النواوی علی صحیح مسلم ج ۸ ص ۴۹۷۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا' انہوں نے خیموں کی رسیاں کاٹ دیں

اور میخیں اکھاڑ دیں' اور دیگچیاں الٹی کر دیں اور ان کی جلائی ہوئی آگ بجھا دی اور ان کے گھوڑے بدک کر بھاگنے لگے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر خوف اور رعب طاری کر دیا اور لشکر کے چاروں طرف فرشتے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے لگے' حتیٰ کہ ہر خیمہ کا سردار بلند آواز سے یہ کہنے لگا: اے بنوفلاں! یہاں میرے پاس آؤ' حتیٰ کہ جب وہ لوگ اس کے پاس آ گئے تو وہ کہنے لگا: نجات کو طلب کرو' نجات کو طلب کرو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا گیا تھا۔

اور فرمایا: اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے' یعنی تم جو خندق کھود رہے تھے اور دشمنوں سے مدافعت کی تدبیریں کر رہے تھے' تو اللہ تمہارے ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھاO اور اس وقت منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ محض دھوکا تھاO اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ' اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھےO (الاحزاب: ۱۳۔۱۱)

احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے اقوال سے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جب مدینہ کے گرد دشمن کی فوجیں جمع ہو گئیں اور مسلمان سخت تنگی میں محصور ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے' اور وہ آزمائش میں مبتلا تھے اور ان کو سختی سے جھنجھوڑا جا چکا تھا' اس وقت منافقوں کا نفاق ظاہر ہوا اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی انہوں نے یہ کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ جھوٹا تھا۔

اس وقت ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب! یثرب سے مراد مدینہ ہے' صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کروں گا جہاں کھجوروں کے درخت ہیں' میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ جگہ یمامہ ہے' پس وہ جگہ مدینہ یثرب تھی۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب' باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی نے لکھا ہے کہ یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کا نام ہے اور یہ غیر منصرف ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۷اص ۴۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب اس وقت فرمایا جب آپ نے اس کا نام طیبہ نہیں رکھا تھا۔ (فتح الباری ج ۷ص ۶۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ ہے یہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شہر میں جانے کا حکم دیا گیا

ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا' لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں' اور وہ مدینہ ہے وہ (برے) لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۶۱)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرے' یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۰۰' حافظ زین نے کہا اس کی سند میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے' لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے شواہد ہیں' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۴۲۸' قاہرہ' اور حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

منافق مدینہ کو یثرب کہتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام مدینہ ہے اور یہ طابہ اور طیبہ ہے' اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مدینہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے' مسند احمد میں بھی مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت ہے' عیسیٰ بن دینار نے کہا جو مدینہ کو یثرب کہے گا اس کا گناہ لکھا جائے گا' مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ تثریب کا معنی جھڑکنا اور ملامت کرنا ہے اور قرآن مجید میں منافقین کا قول نقل کیا ہے جنہوں نے یا اھل یثرب کہا تھا۔ (الاحزاب: ۱۳)

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۶ ص ۳۶۹۸ ـ ۳۶۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو اچھے نام سے بدل دیتے تھے اس لیے آپ نے یثرب کو طیبہ اور طابہ سے بدل دیا' طیبہ خوشبودار ہوا کو کہتے ہیں اور یہ مدینہ میں موجود ہے' اور مدینہ کی ہوا میں' اس کی مٹی میں اور اس کی تمام چیزوں میں خوش بو ہے' مدینہ کو طیبہ اس لیے فرمایا کہ اس میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ شہر کفر سے پاک کر دیتا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۵۰۱' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

بعض منافقین مدینہ کو یثرب کہتے تھے اور جو نام اس شہر کے لائق ہے وہ مدینہ ہے' اس لیے بعض علماء نے کہا کہ مدینہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے' اور قرآن مجید میں ہے کہ غیر مومنین نے مدینہ کو یثرب کہا تھا' اور امام احمد نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس نے مدینہ کو یثرب کہا تو وہ توبہ کرے یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے' اور اس کراہت کا سبب یہ ہے کہ یثرب یا تو تثریب سے بنا ہے جس کا معنی ملامت کرنا ہے اور یا ثرب سے بنا ہے جس کا معنی فساد کرنا ہے' اور یہ دونوں نام قبیح ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے اور برے نام کو ناپسند فرماتے تھے' اور عمر بن شبہ نے ابو ایوب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے اور عیسیٰ بن دینار مالکی نے کہا جس نے مدینہ کو یثرب کہا اس کا گناہ لکھا جائے گا۔ حضرت نوح کے پرپوتے کے پرپوتے یثرب بن قانیہ نے اس شہر کو سب سے پہلے مسکن بنایا تھا اسی کے نام پر اس علاقہ کا نام یثرب پڑ گیا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۵۷۳ ـ ۵۷۲ ـ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۳۳۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

علامہ خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(حاشیۃ الخفاجی علی البیضاوی ج ۷ص ۴۶۹ روح المعانی جز ۲۱ص ۲۴۱)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ یثرب تثریب سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے ملامت کرنا' پہلے صحت مند لوگ مدینہ جاتے تھے تو بیمار ہو جاتے تھے' اس لیے لوگ ملامت کرتے تھے کہ مدینہ کیوں گئے! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد اب وہ جگہ دارالشفاء بن گئی اب وہاں بیمار جائیں تو صحت مند ہو جاتے ہیں' پہلے وہاں جانے پر ملامت کی جاتی تھی اب کوئی شخص حج کرنے جائے اور مدینہ ہو کر نہ آئے تو لوگ اس کو مدینہ نہ جانے پر ملامت کرتے ہیں' حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج البیت فلم یزرنی فقد جفانی.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا پھر وہ میری زیارت کے لیے نہیں آیا تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

(الکامل لابن عدی ج ۸ص ۲۴۸طبع جدید' الدرالمنثور ج ۱ص ۵۳۲ داراحیاء التراث العربی' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۳۶۹)

منافقوں کے اس قول کے محامل اے اہل یثرب! واپس جاؤ

منافقین کے ایک گروہ نے مومنوں سے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے' تم واپس جاؤ۔

منافقین کے اس قول کے حسب ذیل محامل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) تم مدینہ واپس چلے جاؤ تاکہ تم کفار کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جاؤ اور جب تم کفار کے لیے میدان خالی چھوڑ جاؤ گے تو ان کے دلوں میں بھی تمہارے لیے نرم گوشہ ہوگا۔

(۲) ان کی مراد یہ تھی کہ تم مقابلہ سے بھاگ جاؤ لیکن انہوں نے اس کو رجوع سے اس لیے تعبیر کیا تاکہ مسلمان یہ نہ گمان کریں کہ یہ بھاگنا مذموم ہے۔

(۳) اب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر قائم رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' سو اب تم پچھلے شرک کی طرف لوٹ جاؤ یا تم نے اسلام پر جو بیعت کی تھی اس سے رجوع کر لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دشمنوں کے حوالے کر دو۔

(۴) آج کے بعد یثرب اور اس کے مضافات میں قیام کرنا تمہارے لیے خطرناک ہے' کیونکہ اب یہاں کفار اور مشرکین کا قبضہ ہو جائے گا اس لیے اب تم کفر کی طرف رجوع کر لو۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہم جنس منافقوں سے یہ کہا ہو کہ اب تمہارے نفاق کا بھانڈا پھوٹنے والا ہے اور خطرہ ہے کہ عنقریب تم کو قتل کر دیا جائے گا اس لیے اب تم اسلام سے رجوع کر لو اور کافروں سے مل جاؤ اسی میں تمہاری بقاء اور سلامتی ہے' لیکن پہلی توجیہات مقام کے زیادہ موافق اور مناسب ہیں۔

گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے محامل

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اس دوسرے فریق سے مراد بنو حارثہ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۵۱۹' الدرالمنثور ج ۶ص ۵۱۰' روح المعانی جز ۲۱ص ۲۴۲)

ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارے گھروں کی دیواریں کمزور ہیں اور ہمیں اپنے گھروں میں چوری کا خطرہ ہے یا ہمارے گھروں کی دیواریں ٹوٹی ہوئی ہیں اور جو شخص بھی ان میں داخل ہونا چاہے وہ داخل ہو سکتا ہے یا ہمارے گھروں میں صرف عورتیں ہیں

مرد نہیں ہیں اس لیے ہم کو خطرہ ہے یا ہم کو دشمنوں سے خطرہ ہے کہ وہ ہمارے گھروں کو خالی دیکھ کر ان پر قبضہ کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے' پھر ان سے شرک طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے' اور وہ اس میں ذرا دیر نہ کرتے O اور وہ اس سے پہلے اللہ سے یہ عہد کر چکے تھے کہ وہ میدان جنگ میں پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی O آپ کہیے کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا خواہ تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور اس وقت تم کو بہت کم فائدہ پہنچایا جائے گا O آپ کہیے اگر اللہ تم کو مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے' اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے O (الاحزاب: ۱۷-۱۴)

جہاد سے بھاگنے والوں کی سرزنش

الاحزاب: ۱۴ میں الفتنہ کا لفظ ہے' ضحاک نے کہا اس سے مراد قتال ہے' اور حسن' مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے مراد کفر اور شرک ہے' ضحاک نے جو تفسیر کی ہے اس کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ ان کا یہ کہنا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں محض بہانا ہے اگر بالفرض مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے' پھر کسی اور جانب سے کوئی اور ان سے لڑنے کے لیے کہتا تو یہ ذرا دیر نہ کرتے اور فوراً ان سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے' اور مجاہد وغیرہ نے جو الفتنہ کی تفسیر کفر اور شرک سے کی ہے اس کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے کہ اگر مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا جاتا پھر ان سے یہ عہد کیا جاتا کہ تمہارے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ تم کفر اور شرک کی طرف رجوع کر لو تو یہ فوراً کفر اور شرک کی طرف رجوع کر لیتے۔

اس سے پہلے ہم نے ذکر کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے والے بنو حارثہ تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ بنو سلمہ تھے غزوہ احد میں انہوں نے بزدلی دکھائی تھی پھر انہوں نے توبہ کی اور غزوہ خندق سے پہلے انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلۃ العقبۃ کو مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد کیا کہ وہ جس طرح اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کریں گے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان کو اس کا بہت ملال تھا کہ وہ اس عزت اور کرامت سے محروم رہے جو مجاہدین بدر کو حاصل ہوئی تھی۔

اور فرمایا کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا' اس کا معنی یہ ہے کہ موت تو تم کو بہر صورت اپنے وقت پر آنی ہے خواہ وہ طبعی موت ہو یا دشمن کے ہاتھوں قتل کی صورت میں ہو' خواہ تم میدان جنگ سے بھاگو یا نہ بھاگو' اور بھاگنے کی صورت میں تم زندگی سے عارضی فائدہ ہی اٹھا سکو گے پھر قیامت کے دن تمہیں ذلت والا عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار ممکن نہیں ہے' تم یہ نہ سمجھو کہ اگر تم میدان جنگ سے بھاگ گئے تو تم قتل ہونے سے بچ جاؤ گے' اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قتل کی صورت میں موت مقدر کر دی ہے تو وہ اسی طرح آ کر رہے گی اس لیے فرمایا: آپ کہیے اگر اللہ تمہیں مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (جہاد سے) روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور وہ بہت کم جہاد کرنے والے ہیں O وہ (تمہاری مدد میں) بخیل ہیں' پس جب دشمن حملہ آور ہو تو آپ دیکھیں گے وہ آپ کی طرف ایسے نظریں جما دیں گے جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو' پھر جب (

کا) خطرہ ٹل جائے گا تو وہ مالِ غنیمت کی حرص میں تم سے تیزی اور طراری سے باتیں کریں گے' یہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے' سو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O وہ گمان کر رہے ہیں کہ ابھی حملہ آور نہیں گئے اور اگر دشمن کے لشکر حملہ کرتے تو وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش وہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے اور اگر وہ تمہارے درمیان ہوتے تو دشمن سے بہت کم جہاد کرتے O (الاحزاب: ۲۰۔۱۸)

مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کے لیے منافقوں کی کوششیں..... اور ان کا خوف اور ان کی چرب زبانی

الاحزاب: ۱۸ میں المعوقین کا لفظ ہے اس کا معنی ہے روکنے والے اور منع کرنے والے' بعض لوگ مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے' یہ کون لوگ تھے اس کی تعیین میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن السائب نے کہا یہ آیت عبداللہ بن ابی' معتب بن بشیر اور ان دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو خندق سے لوٹ کر مدینہ چلے گئے تھے' ان کے پاس جب کوئی منافق آتا تو یہ اس سے کہتے تھے تم پر افسوس ہے' یہیں بیٹھے رہو اور خندق کی طرف واپس نہ جاؤ' اور لشکر میں جوان کے ساتھی تھے ان کو بھی یہ پیغام بھیجتے تھے ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہارے منتظر ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو مدینہ میں رہنے والے اپنے ان بھائیوں سے کہتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب تعداد میں بہت کم ہیں وہ ابوسفیان اور اس کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ عنقریب ہلاک ہونے والے ہیں تم ان کا ساتھ چھوڑ دو۔

(۳) امام ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ ایک دن ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے نکل کر اپنے بھائی کے پاس گیا اس کے پاس روٹی' بھنا ہوا گوشت اور نبیذ رکھا تھا' اس نے اپنے بھائی سے کہا تم یہاں داد عیش دے رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلواروں اور نیزوں کے درمیان ہیں! اس کے بھائی نے کہا تم بھی یہیں آ جاؤ میں قسم کھاتا ہوں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے! اس نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو' میں قسم کھاتا ہوں کہ میں حضور کے پاس جا کر یہ بات بتاؤں گا' وہ آپ کو بتانے گیا تو حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان جز ۲۱ ص ۱۶۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۱۲۱' الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۱)

الاحزاب: ۱۹ میں اشحة کا لفظ ہے' یہ شحیح کی جمع ہے' اور شحیح کا معنی بخیل ہے' مجاہد اور قتادہ نے کہا یہ لوگ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بخیل ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ تمہارے لیے ہر قسم کی منفعت میں بخیل ہیں۔ اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو اس وقت یہ سخت بزدل ہیں' عنقریب جب جنگ ختم ہو جائے گی تو یہ بہت تیز اور طرار زبانوں کے ساتھ مسلمانوں سے باتیں کریں گے اور مال غنیمت میں سے اپنا حصہ طلب کریں گے' اس وقت یہ اپنی بہادری اور دلیری کی جھوٹی داستانیں سنائیں گے اور اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کریں گے' حالانکہ میدان جنگ میں یہ سب سے زیادہ بزدل اور اپنے اصحاب کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے والے تھے۔

الاحزاب: ۲۰ میں یہ بتایا ہے کہ ان منافقوں کی بزدلی اور کم ہمتی اور ان کے خوف اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ ہر چند کہ کفار کے لشکر ناکام اور نامراد ہو کر واپس جا چکے ہیں لیکن ان کا ابھی تک یہ خیال ہے کہ کفار کا لشکر ہنوز اپنے خیموں اور مورچوں میں موجود ہے' اور اگر بالفرض کفار کا لشکر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آ جائے تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ کاش وہ یہاں ان کے سامنے ان کے مقابلہ میں نہ ہوتے' دور کسی جنگل میں ہوتے اور وہیں سے تمہارے متعلق لوگوں سے پوچھا کرتے کہ مسلمان جنگ میں ہلاک ہوئے یا نہیں!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے

يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ

لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو ○ اور جب

الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ

مسلمانوں نے الاحزاب (کفار کے لشکروں) کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ

اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس (لشکر کی آمد) نے ان کے ایمان اور ان کی اطاعت میں اضافہ ہی کیا ○ مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا، سو ان میں سے

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ

بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ○

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ

تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا

يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربانی فرمانے والا ہے ○ اور اللہ نے کافروں کو ان کے دلوں

كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَ

کی جلن کے ساتھ (ناکام و نامراد) لوٹا دیا وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا اور

كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

بے شک اللہ بہت قوت والا بہت غلبہ والا ہے ○ اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا

ان کو ان قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو O اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۳/۷/۱۹

ان کے مالوں کا وارث بنا دیا' اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو O (الاحزاب: ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنے کا نمونہ

اس آیت میں اسوہ کا لفظ ہے' اسوہ کا معنی ہے عمل کے لیے نمونہ' انسان کسی دوسرے شخص کی اتباع اور پیروی میں جس طریقہ پر ہوتا ہے اس کو اسوہ اور نمونہ کہتے ہیں' خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا' اس لیے اس آیت میں اسوہ کو حسنہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے اس آیت میں ان لوگوں پر عتاب کیا گیا ہے جو غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے' یعنی تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت عمدہ نمونہ ہے' کہ آپ نے اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی جان کو خرچ کیا اور کفار اور مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے میدان میں آئے اور بہ نفس نفیس خندق کھودی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۴۳)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے دن مٹی کھود کر منتقل کر رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو گیا اور آپ بلند آواز سے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا

اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے — اور نہ ہم صدقہ اور خیرات کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

سو تو ہم پر ضرور سکون اور امن نازل فرما — اور اگر دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۰۷' عالم الکتب' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۵۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے اور نیک اور اچھی خصلتیں ہیں' اور ایسی سنن صالحہ ہیں جو واجب الاتباع ہیں' آپ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں' بھوک و پیاس کی سختیوں سے گھبراتے نہیں' اللہ کی راہ میں جو زخم کھاتے ہیں ان پر صبر کرتے ہیں' غزوہ احد میں آپ کے سر پر زخم آیا' آپ کے سامنے کے دانت کا ایک حصہ شہید ہو گیا آپ کے عم مکرم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ان کو مثلہ کیا گیا' اللہ کی راہ میں آپ کو بہت ایذائیں

دی گئیں' آپ ثابت قدم رہے' آپ نے کبھی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا' سوا ے مسلمانو! تم آپ کے اسوہ اور نمونہ کی اتباع کرو۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں سے باندھا ہوا ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۷۱' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۷۱' المسند الجامع رقم الحدیث:۳۹۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کے اوپر جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا؟ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم سے جن سختیوں کا سامنا ہوا سو ہوا' اور سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جو یوم العقبہ کو پیش آیا (عقبہ کے معنی ہیں پہاڑ کی گھاٹی' آپ مکہ کے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر قریش مکہ کو تبلیغ فرماتے تھے) میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے اپنی رسالت کا پیغام پیش کیا' اس نے میرے پیغام کو قبول نہیں کیا' میں انتہائی دل گرفتہ حالت میں واپس آیا جب میں قرن الثعالب میں پہنچا میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایا کیا ہوا تھا میں نے دیکھا اس بادل میں حضرت جبریل تھے' انہوں نے مجھے آواز دے کر کہا آپ نے اپنی قوم کو جو پیغام سنایا اور انہوں نے جو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا' اور آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' تا کہ آپ ان کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دے کر مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد! آپ جو چاہیں میں وہ کر دیتا ہوں' اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کے دو پہاڑوں (ابو قبیس اور قیقعان) کو ان کے اوپر گرا کر ان کو پیس ڈالوں! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ نکالے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۷۰۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عبادات اور معاملات کا نمونہ

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا تھا کہ علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ خندق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے یا جو آپ سے میدان جنگ سے چلے جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے' اس کے برخلاف علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی یہ تحقیق ہے کہ یہ آیت مخلص مومنین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۵۳)

سعید بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستہ میں سفر کر رہا تھا' سعید کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خدشہ ہوا کہ اب صبح ہونے والی ہے تو میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے' پھر میں حضرت ابن عمر سے جا ملا' حضرت عبداللہ بن عمر نے پوچھا تم کہاں جا رہے تھے' میں نے کہا مجھے صبح کا خوف ہوا تو میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! اللہ کی قسم! حضرت ابن عمر نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۴۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۶۹۰)

ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ وتر کی نماز نفل ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر کی نماز پڑھی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز کو واجب قرار دینے سے پہلے وتر کی نماز

سواری پر پڑھی کیونکہ امام طحاوی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر سے ہی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل سواری پر پڑھے اور وتر سواری سے اتر کر پڑھے' اور حضرت ابن عمر نے اس حدیث کی کوئی توجیہ کر لی ہوگی۔ وتر کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی سو جانے کی وجہ سے یا بھول جانے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے وہ صبح کو وتر پڑھ لے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۶۶) اور قضا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۱۔۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ عمرہ کرنے والے ایک شخص نے بیت اللہ کا طواف کر لیا' آیا وہ صفا اور مروہ کی سعی سے پہلے عمل تزویج کر سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی' اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی' پھر یہ آیت پڑھی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا جب میں اس رکن کے پاس پہنچا جو حجر اسود کے پاس ہے تو میں نے ہاتھ سے اس کو تعظیم دی' حضرت عمر نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عمر نے کہا کیا تم نے آپ کو اس کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا؟ میں نے کہا نہیں! حضرت عمر نے کہا ابھی آپ کا زمانہ زیادہ تو نہیں گزرا' بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۲)

عیسیٰ بن عاصم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے سفر میں دن کے وقت فرض نماز پڑھی' پھر انہوں نے بعض مسلمانوں کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر میں نفل نماز پڑھوں تو فرض کی پوری چار رکعت پڑھ لوں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہے' آپ دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے' اور میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے' اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نہیں پڑھتے تھے' پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۴۵۵' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے آپ کو نحر (ذبح) کرے گا یا اپنے بیٹے کو نحر کرے گا اس کو چاہیے کہ ایک مینڈھے کو ذبح کر دے' پھر یہ آیت تلاوت کی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۱۸۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' مصنف ج ۸ ص ۴۶۰ قدیم)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ وہ پیشاب سے رنگی ہوئی یمنی چادروں کے پہننے سے منع کریں' ایک شخص نے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چادر پہنتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں! اس شخص

نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' پھر حضرت عمر نے اس سے منع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۹۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' مصنف ج ۱ص ۳۸۲)

اللہ کے ذکر میں کامل اجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذکر مکمل جملہ ہو اور ذکر کرنے والے کو اس کا معنی معلوم ہو

اس کے بعد فرمایا ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو۔

یعنی وہ شخص عذاب سے نجات' جنت کے حصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے عبادت کرتا ہو' پھر اس کو اس قید کے ساتھ مقید فرمایا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ شرعاً وہ ذکر معتبر ہوتا ہے جو عربی گرامر کے اعتبار سے مکمل جملہ ہو مثلاً کوئی شخص کہے سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اور اس طرح کے اوراذکار۔ اور جو جملہ نہ ہو مثلاً اللہ' القادر' السمیع' البصیر تو جو شخص ان اسماء کا ورد کرے تو یہ شرعاً ذکر معتبر نہیں ہے' جب تک کہ ان الفاظ سے مکمل کلام نہ ہو تو ذکر کرنے والے کو اس ذکر کا ثواب نہیں ملتا' مثلاً کوئی شخص سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ پڑھتا رہے اور اس کے معنی سے غافل ہو یا اس کے ذہن میں اس کا معنی متحضر اور ملحوظ نہ ہو تو اس پر اجماع ہے کہ اس کو اس ذکر کا ثواب نہیں ملے گا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں' انا للہ وانا الیہ راجعون!

خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے جن اسماء اور صفات کا ذکر کرے تو اول تو وہ اذکار مکمل جملہ ہوں اور ثانیاً یہ کہ اس کو جملہ کا معنی بھی معلوم ہو اور اس کا ذہن اس معنی کی طرف متوجہ ہو۔ (علامہ نووی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مقصود حضور قلب ہے اور یہ اس وقت حاصل ہو گا جب ذکر کے معنی میں آدمی غور کرے گا۔ یہ نہیں لکھا کہ اس کے بغیر ذکر کا ثواب حاصل نہیں ہو گا۔ (کتاب الاذکار ج ۱ص ۱۵) اللہ کا نام لینے سے بہر حال اجر ملے گا خواہ جملہ مکمل نہ ہو یا اس کا معنی معلوم نہ ہو لیکن بہر حال کامل اجر اسی صورت میں ملے گا جس طرح علامہ آلوسی نے لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (روح المعانی جز ۲۱ص ۲۵۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مسلمانوں نے الاحزاب (کفار کے لشکروں) کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس (لشکر کی آمد) نے ان کے ایمان اور ان کی اطاعت میں اضافہ ہی کیا ○ مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں' جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں' اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ○ تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا ان کی توبہ قبول فرمائے بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربانی فرمانے والا ہے ○ (الاحزاب: ۲۴-۲۲)

غزوۃ الاحزاب کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کے محامل

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یہ دیکھا کہ تمام اقسام کے کافروں کے لشکر متفق اور مجتمع ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ میں پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے کہا آج یوم خندق کو ہم جس بڑی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہیں اس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اشارہ فرما دیا تھا اور وہ اشارہ اس آیت میں ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: ۲۱۴)

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئیں تھیں ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔

علامہ ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور جنت کے حصول کا یقین تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا' کفار کی جماعتیں نو یا دس تاریخ کو تم پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوں گی' اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس مقررہ وقت پر کفار کی جماعتیں حملہ کے لیے پہنچ گئیں تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کھود رہے تھے تو پہلی ضرب پر آپ کو شام کے علاقے دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر فارس کے علاقے اور تیسری ضرب پر یمن کے علاقے دکھائے گئے اور اس آیت میں اللہ اور رسول کے وعدہ سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان علاقوں کی فتوحات ضرور حاصل ہوں گی اور یہ اللہ اور اس کے رسول کا سچا وعدہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی مدد کی جائے گی اور مسلمان ان علاقوں کو ضرور فتح کریں گے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۶۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

مجاہدین کو مَردوں سے تعبیر کرنے کا سبب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں' جنہوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا' جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ○ (الاحزاب: ۲۳)

ان مومنوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے آئندہ کفار کے خلاف جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے' اور یہ مومنین حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ بن عبید اللہ' حضرت سعید بن زید بن عمرو نفیل' حضرت حمزہ' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت انس بن نضر وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے' انہوں نے نذر مانی تھی کہ جب بھی کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے اور وہ مسلسل قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائیں' اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو مردوں سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جمادات اور نباتات کے بعد پہلا مرتبہ حیوانات کا ہے اس کے بعد انسانوں کا مرتبہ ہے اور انسانوں میں زیادہ مرتبہ مردوں کا ہے اور مردوں میں بھی زیادہ مرتبہ ان مردوں کا ہے جو ہمت والے مرد ہوں اور مرد میدان ہوں۔

بعض مجاہدین کے نذر ماننے کی تحسین کی توجیہ جب کہ نذر ماننا مکروہ ہے

اس آیت میں ''نحب'' کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے النحب اس نذر کو کہتے ہیں جس کا پورا کرنا واجب ہو کہا جاتا ہے: قضی فلان نحبه فلاں شخص نے اپنی نذر پوری کر دی۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۲۶)

معصیت کی نذر ماننا جائز نہیں ہے' نذر اس کام کی مانی جاتی ہے جو عبادات مقصودہ کی جنس سے ہو اور اس کو پورا کرنا واجب ہو قرآن مجید میں ہے وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج: ۲۹) اور ان کو چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۴۱۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نذر پر مفصل گفتگو ہم الحج: ۲۹ میں کر چکے ہیں اور یہ بحث تبیان القرآن کی ساتویں جلد میں ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان مومنوں کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نذر مان کر اس کو پورا کیا اور حدیث میں نذر ماننے کو ناپسند فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی' صرف بخیل شخص نذر مان کر عبادت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۸۷، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۸۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۲۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو عبادت کی نذر ماننے سے منع فرمایا جو شخص اس نذر کی وجہ سے تکلفاً اور جبراً عبادت کرے اور دل سے اس عبادت پر خوش نہ ہو، یا جو شخص بہ صورت معاوضہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کا فلاں کام کر دیا تو وہ اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی فلاں عبادت کرے گا' جب کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے، یا آپ نے نذر سے اس شخص کو منع فرمایا جس کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے، اور جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نذر مانے اس کا نذر ماننا مکروہ نہیں ہے اور اس آیت میں جن مومنین کا ذکر فرمایا ہے انہوں نے محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے نذر مانی تھی، اپنے کسی دنیاوی مطلوب کے لیے نذر نہیں مانی تھی۔

جہاد کی نذر پوری کرنے والے صحابہ کے مصادیق

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ آیت (الاحزاب:۲۳) حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۳، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس کا ان کو بہت قلق تھا وہ کہتے تھے کہ جو کفر اور اسلام کا پہلا بڑا معرکہ ہوا، میں اس میں حاضر نہ ہو سکا، اگر اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے کسی اور غزوہ میں حاضر ہونے کا موقع دیا تو پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ضرور دکھائے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، پھر وہ غزوہ احد میں حاضر ہوئے اور ان کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا اے ابوعمرو کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انس بن نضر نے کہا وہ دیکھو مجھے احد پہاڑ کے پاس سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، انہوں نے قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے، ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے اور ان کے اور ان کے اصحاب کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۳، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس آئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ راستہ میں مقتول پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۳)

مومنوں میں کچھ ایسے ہمت والے مرد ہیں، جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا، سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں۔ اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک شہداء ہیں، سو تم ان کے پاس آیا کرو اور ان کی زیارت کیا کرو، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو شخص بھی ان کو سلام کرے گا یہ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۴۸ قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۲۹۷۷ جدید، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۸۴، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰، احوال القبور ص ۱۴۲-۱۴۱، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۱۸-۵۱۷، کنز العمال ج ۱۰ ص ۳۸۱)

امام حاکم نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ج ۵ ص ۲۰۰ میں بھی روایت کیا ہے اور ذہبی نے اس سند کو صحیح لکھا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک ناواقف اعرابی سے کہا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو وہ شخص کون ہے جس کے متعلق یہ آیت ہے: فمنهم من قضى نحبه اور آپ کے اصحاب آپ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے وہ آپ کا بہت ادب کرتے تھے اور آپ سے ڈرتے تھے' اس اعرابی نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اعراض فرمایا اس نے پھر سوال کیا تو آپ نے پھر اعراض فرمایا' پھر میں مسجد کے دروازہ سے داخل ہوا' اس وقت میں نے سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ جو فمنهم من قضى نحبه کے متعلق سوال کر رہا تھا' اس اعرابی نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ان مومنوں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۰۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ وہ زمین پر اس آدمی کو چلتے ہوئے دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے' ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شہید کیا تھا حضرت علی کو ان کی لاش دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور فرمایا کاش میں اس حادثہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا' آپ نے حضرت طلحہ کے لیے شہادت کی بشارت دی جن کو حضرت علی کے لشکر نے شہید کیا اور حضرت عمار بن یاسر کے لیے بھی شہادت کی بشارت دی جن کو حضرت معاویہ کے لشکر نے شہید کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان جنگوں میں قتل ہونے والے دونوں فریق شہید تھے اور دونوں فریق اپنے اپنے اجتہاد میں برحق تھے کسی کا مطمح نظر نفسانیت نہ تھا' لیکن جمہور اسلام کے نزدیک واقع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد برحق تھا۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت (الاحزاب: ۲۳) کی تفسیر میں فرماتی ہیں ان مومنین میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے حتیٰ کہ ان کا ہاتھ چھلنی ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ نے جنت کو واجب کر لیا۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

ابوعبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ شہید کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کا حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے ملنا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مصاحف (قرآن مجید کے نسخے) لکھ رہے تھے تو ایک آیت گم پائی جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا پھر وہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الى قوله تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۲۳) اور حضرت خزیمہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ ذوالشہادتین ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۷' مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۵۶۶۴' مصنف ج ۱۰ ص ۲۲۷' رقم الحدیث: ۲۰۵۸۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابوبکر کے عہد میں صحابہ کرام کی ایک کمیٹی قرآن مجید کو ایک مصحف (مجموع مجلد) میں لکھ رہی تھی انہوں نے

مصحف میں قرآن مجید کی آیات کو درج کرنے کا یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ جس آیت کے متعلق کم از کم دو صحابہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا وہ اس آیت کو مصحف میں درج کرتے تھے' الاحزاب: ۲۳ کو لکھوانے کے متعلق حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کوئی گواہی نہیں ملی اور چونکہ حضرت خزیمہ کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے صحابہ نے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کر لیا' واضح رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت تواتر سے ثابت ہے یعنی اس کے قرآن ہونے کے متعلق ہر دور میں اتنے لوگوں نے خبر دی ہے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے' لیکن یہاں پر یہ مسئلہ نہیں تھا کہ یہ آیت قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ اس کا قرآن مجید میں ہونا تو انہیں تواتر سے معلوم تھا' مسئلہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ہے اور سورۃ الاحزاب میں درج کرایا ہے یا نہیں' سو اس پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ گواہ تھے' الاحزاب: ۲۳ کی طرح سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے مصحف میں درج کی گئیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورۃ توبہ کے آخر میں پہنچا تو لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۹-۱۲۸) مجھے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو جو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' اس کی وجہ دو واقعات ہیں جن کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام کرنے کا سبب

محمد بن عمارہ' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی کہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی قیمت لینے کے لیے سرعت کے ساتھ گئے' اس اعرابی کے نزدیک تاخیر ہوگئی' دوسرے لوگ اس اعرابی کے سامنے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے' ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر آپ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں تو فبہا ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں فروخت کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اس اعرابی نے کہا اچھا پھر آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے پوچھا تم کس بنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی (ہر بات کی) تصدیق کرتا ہوں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۱' الطبقات الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۶۶۱ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۶۶ طبع قدیم' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۷۳۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰' المستدرک ج ۲ ص ۱۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۴۰۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰۳۸' الاصابہ رقم الحدیث: ۲۲۵۶' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۱۴۳۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو قرض ادا کر چکا ہوں' یہودی نے کہا آپ گواہ لائیں' اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری آ گئے' انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو قرض ادا کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم کو کیسے علم ہوا؟

انہوں نے کہا میں اس سے بہت بڑی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' میں آسمان کی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتیں قرار دیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۲۶۳۔۲۰۵۸۵ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۶۶' ج ۱۱ ص ۲۳۵ طبع قدیم)

سورۃ توبہ کی آخری آیت آیا حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے قرآن مجید ...... میں مندرج ہوئی یا حضرت ابوخزیمہ کی شہادت سے؟

سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ۱۲۹۔۱۲۸ (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیتین) کے متعلق امام بخاری کی روایات مضطرب ہیں' جب کہ اس میں امام بخاری اور ان کے شارحین کو شرح صدر ہے کہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳) کے متعلق صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تھی کہ اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الاحزاب میں لکھوایا تھا اور چونکہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرتے وقت اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کر لیا' لیکن سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں میں ان کی روایت میں اضطراب ہے:

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کو تلاش کرتا رہا حتیٰ کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں مجھے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس سے ملیں اور میں نے کسی اور کے پاس ان دو آیتوں کو نہیں پایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۹' ۷۴۲۵)

پھر امام بخاری حدیث: ۴۶۷۹ کے آخر میں لکھتے ہیں: ابو ثابت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں: یہ دو آیتیں خزیمہ کے پاس سے ملیں یا ابوخزیمہ کے پاس ملیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خارجہ بن زید بن ثابت اور عبید بن السباق کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زید بن ثابت کو جو آیت حضرت خزیمہ کے پاس سے ملی تھی وہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا (الاحزاب: ۲۳) ہے یا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸) تھی امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کو ان مذکور سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے گویا کہ ان کے نزدیک دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شعیب نے زہری کی روایت سے ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے' اسی طرح ابراہیم بن سعد نے بھی ان دونوں حدیثوں کو زہری سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے' کیونکہ انہوں نے کہا حضرت زید بن ثابت کو سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت خزیمہ کے پاس سے ملیں یا حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملیں۔ اس طرح انہوں نے کتاب الاحکام میں بھی ان دونوں حدیثوں کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے' دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۲۵' اس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کے شاگردوں میں اختلاف ہے بعض نے کہا سورۃ توبہ کی آخری آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملیں اور بعض نے کہا حضرت خزیمہ کے پاس ملیں اور بعض نے اس میں شک کیا' موسیٰ بن اسماعیل نے کہا سورۃ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملی اور سورۃ الاحزاب کی آیت حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس سے ملی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۸۴۔۳۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۴۹۸۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابراہیم بن سعد نے روایت کیا ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور شعیب نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت خزیمہ انصاری کے پاس ملی' جیسا کہ سورۂ توبہ کی تفسیر میں گزرا ہے' اور امام ترمذی نے مسند الشامیین میں شعیب سے روایت کیا ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی' اسی طرح امام ابن ابی داؤد نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملی اس کا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مصنف کے نزدیک حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت...... سے اس آیت کا قرآن میں مندرج ہونا راجح ہے

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا یہ لکھنا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس قول کو زیادہ صحیح قرار دینا' دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں' کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں قرآن جمع کرنے والے صحابہ نے یہ اصول طے کر لیا تھا کہ جس آیت کے متعلق دو صحابی یہ گواہی دیں گے کہ اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اس آیت کو وہ مصحف میں درج کریں گے خواہ ان کو اس کا قرآن کی آیت ہونا تواتر سے معلوم ہو' اور سورۂ توبہ کی آخری آیت صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی تھی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا اس لیے ان کی شہادت پر اس آیت کو سورۂ توبہ میں درج کر لیا گیا' اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت صرف حضرت ابوخزیمہ بن اوس کے پاس سے ملی اور کسی کے پاس نہیں تھی اس لیے ان اکیلے کی شہادت پر اس کو سورۂ توبہ میں درج کر لیا گیا یہ روایت اس لیے مرجوح ہے کہ حضرت ابوخزیمہ کی شہادت کو تو دو شہادتوں کے برابر نہیں قرار دیا گیا تھا پھر اس کو قرآن مجید میں درج کرنا ان کے اصول کے خلاف ہے' اصول یہ تھا کہ جس آیت کے لکھوائے جانے پر دو گواہ ہوں اس کو قرآن مجید میں درج کیا جائے اور اس معیار کے مطابق حضرت خزیمہ بن ثابت کی روایت ہے کیونکہ ان کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا' ثانیاً اگر اس اصول سے صرف نظر کر لیا جائے پھر بھی جب صحیح بخاری میں سورۂ توبہ کی آخری آیت کو سورۂ توبہ میں درج کرنے کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک حضرت ابوخزیمہ بن اوس کی جن کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر نہیں قرار دیا گیا اور دوسری حضرت خزیمہ بن ثابت کی جن کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا گیا ہے اور دونوں صحیح حدیثیں ہیں تو ترجیح حضرت خزیمہ بن ثابت کی روایت کو دینا چاہیے نہ کہ حضرت ابوخزیمہ بن اوس کی روایت کو۔

ثالثاً' امام بخاری کو تو ان دونوں حدیثوں کی ترجیح میں تردد اور شک ہے لیکن دوسرے مصنفین صحاح کو اس میں کوئی تردد نہیں ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی سے سورۂ توبہ کی آخری آیات کو سورۂ توبہ میں درج کیا گیا ہے چنانچہ امام ترمذی نے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے اس آیت کو درج کرنے کی حدیث کو روایت کیا ہے' دیکھیے سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۳' اسی طرح امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کو درج کیا ہے دیکھیے صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۰۷ اور ۴۵۰۶' اسی طرح امام ابویعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ نے بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو درج کیا ہے دیکھیے مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴' مفسرین میں سے علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی حدیث کا ذکر کیا ہے دیکھیے الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۲۱۹' دارالفکر بیروت'

اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے امام محمد بن سعد' امام احمد' امام بخاری' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن ابی داؤد' امام ابن حبان' امام ابن المنذر' امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی حدیث کا ذکر کیا ہے دیکھیے الدر المنثور ج۴ص ۲۹۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ

دو شہادتوں سے کسی آیت کا قرآن مجید میں درج کرنا آیا تواتر کی شرط کے خلاف ہے یا نہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے بتانے سے سورۃ توبہ میں درج کی گئیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید تو تواتر سے ثابت ہوتا ہے تو صرف ایک شخص حضرت ابوخزیمہ کے بتانے سے ان آیتوں کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوا حتیٰ کہ ان کو سورہ توبہ کے آخر میں درج کرلیا گیا' اس کی تحقیق کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت نے کہا مجھے یہ آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملیں' اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوخزیمہ کے علاوہ اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملیں' کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ کسی آیت کے بارے میں صرف لوگوں کے حافظہ کو کافی نہیں سمجھتے تھے جب کہ ان کے پاس وہ آیت لکھی ہوئی نہ ہو اور ان کو جو آیتیں اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو ان آیتوں کا قرآن ہونا اس سے پہلے تواتر سے معلوم نہ ہو' اور حضرت زید بن ثابت صرف یہ تلاش کررہے تھے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے بلاواسطہ اس آیت کو حاصل کیا ہو' اور ہوسکتا ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت انصاری کو یہ آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس لکھی ہوئی مل گئی تو باقی صحابہ کو بھی یاد آ گیا ہو کہ یہ آیت لکھوائی گئی تھی جس طرح حضرت زید کو یاد آ گیا تھا' اور اس تلاش کا فائدہ یہ تھا کہ یہ بات زیادہ قوت کے ساتھ ثابت ہوگئی کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھوائی گئی تھی۔ (فتح الباری ج ۱۰ص ۱۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور باقی صحابہ کو یہ یاد آ گیا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھوائی گئی یہ صرف حافظ ابن حجر کا اندازہ اور گمان ہے کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے' حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس (لکھی ہوئی) ملی' اس پر یہ اشکال قائم رہے گا کہ صرف ایک شخص کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی ہونے سے ان کو اس کے لکھے ہوئے ہونے کا کیسے یقین ہوگیا اس کے برخلاف صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس (لکھی ہوئی) ملی اور یہ روایت اس لیے راجح ہے کہ ان کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا ہے' اس لیے حضرت ابوخزیمہ کی شہادت کی بہ نسبت حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے اس یقین کی کافی قوی وجہ ہے کہ یہ آیت آپ کے سامنے لکھوائی گئی تھی' خلاصہ یہ ہے کہ کسی آیت کا قرآن ہونا تو ان کو تواتر سے معلوم تھا لیکن اس کو مصحف میں درج کرنے کے لیے انہوں نے یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ دو شخص یہ گواہی دیں کہ اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اور اس آیت کے متعلق صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی تھی اور چونکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے قائم مقام تھی اس لیے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ توبہ کے آخر میں درج کرلیا گیا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ سخاوی نے جمال القراء میں فرمایا ہے کہ دو گواہوں کا ضابطہ انہوں نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ اسی آیت کو قرآن مجید میں درج کیا جائے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہو' ابوشامہ نے کہا ان کی غرض یہ تھی کہ اس آیت کو اسی طرح لکھا جائے جس طرح آپ کے سامنے وہ آیت لکھی گئی تھی' میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی

غرض یہ ہو کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس سال بھی اس آیت کو اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔
(مرقاۃ المفاتیح ج۴ ص۲۸ مکتبہ حقانیہ پشاور)

اس تفصیل اور تحقیق سے یہ واضح ہو گیا زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ملی تھی نہ کہ حضرت ابوخزیمہ بن اوس سے۔

خزیمہ اور ابوخزیمہ کے ناموں کا فرق

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے ابوخزیمہ اور خزیمہ بن ثابت دونوں سے مراد ایک ہی شخص ہو۔
(مرقاۃ المفاتیح ج۴ ص۲۸ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ملا علی قاری نے یہ صحیح نہیں لکھا حضرت خزیمہ کا نام خزیمہ بن ثابت اور اور ان کے والد کا نام ثابت ہے' اور حضرت ابو خزیمہ کا نام ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم ہے۔ (الاستیعاب ج۴ ص۲۰۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' فتح الباری ج۱۰ ص۱۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ' عمدۃ القاری ج۱۸ ص۳۸۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزاء دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا ان کی توبہ قبول فرمائے (الاحزاب:۲۴)

منافقوں کو عذاب نہ دینے پر ایک اشکال کا جواب

غزوۃ الاحزاب میں جو امور واقع ہوئے مومنوں نے مخلصانہ عمل کیے اور منافقین نے اپنے روایتی نفاق کا مظاہرہ کیا' یہ سب اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء دے' مومنوں کو دنیا میں دشمنان اسلام کے خلاف فتح اور نصرت عطا فرمائے اور ان کو اقتدار سے نوازے' اور آخرت میں ان کو اجر و ثواب' جنت الفردوس اپنی رضا اور اپنا دیدار عطا فرمائے' اور منافقین نے غزوۃ الاحزاب میں اسلام دشمنی پر مبنی اعمال کیے تھے' اگر انہوں نے اس پر توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کو معاف فرما دے گا۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو منافقوں کو عذاب دے گا اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو منافقوں کو عذاب نہیں دے گا حالانکہ منافقوں کو آخرت میں عذاب ہونا تو قطعی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء:۱۴۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان منافقین کو آخرت میں عذاب ہونا قطعی ہے جو نفاق اور کفر پر مرے ہوں اور جن کو اللہ تعالیٰ دنیا میں مرنے سے پہلے کفر اور نفاق سے توبہ کرنے کی توفیق دے دے گا' ان کو عذاب نہیں دے گا' سو جس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے گا اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق نہیں دے گا اور جس کو عذاب نہیں دینا چاہے گا اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق دے دے گا' اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض منافقین کو توبہ کی توفیق دینا اور بعض کو توبہ کی توفیق نہ دینا اس کی کیا وجہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی بناء پر ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بعض کا نفاق کم اور خفیف ہو اور بعض کا نفاق زیادہ اور شدید ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض نے اسلام کو کم نقصان پہنچایا ہو اور بعض نے زیادہ نقصان پہنچایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض نے نفاق کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہ کی ہو اور بعض نے آپ کی گستاخی کی ہو' اور اللہ تعالیٰ

کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ (ناکام و نامراد) لوٹا دیا وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے' اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا اور بے شک اللہ بہت قوت والا' بہت غلبہ والا ہے O اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو O (الاحزاب: ۲۶-۲۵)

اللہ تعالیٰ کا کفار کو غزوۂ خندق سے بے نیل مرام لوٹانا

محمد بن عمر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اس آیت میں کفار سے مراد ابوسفیان اور عیینہ بن بدر ہیں' ابوسفیان تہامہ کی طرف لوٹ گئے تھے اور عیینہ نجد کی طرف لوٹ گئے تھے' اور فرمایا: اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا بایں طور کہ اس نے بہت سخت آندھی بھیجی جس سے گھبرا کر کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور بنو قریظہ مرعوب ہو کر اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکروں کے اوپر سخت آندھی اور فرشتوں کے ان دیکھے لشکر بھیجے' یہ اس سے زیادہ سخت آندھی تھی جو قوم عاد کے اوپر بھیجی گئی تھی' اور اگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا ہوتا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ ان کے درمیان آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دے۔ (الانفال: ۳۳)

تو یہ آندھی ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی' کفار کی متعدد جماعتیں متحد اور متفق ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلی تھیں اس لیے مناسب یہ تھا کہ ان کے اوپر تیز اور تند آندھی بھیجی جائے جو ان کو منتشر اور متفرق کر دے اور ان کا اتحادہ پارہ پارہ ہو جائے' سو یہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے غیظ و غضب میں جلتے بھنتے ہوئے لوٹے اور جس کامیابی اور مال غنیمت کو لوٹنے کا خواب دیکھ کر آئے تھے وہ چکنا چور ہو گیا اور آخرت کے گناہوں کو جو بوجھ اٹھایا وہ اس پر مستزاد تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا' اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنا نہیں پڑا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی آندھی بھیج کر ان کو واپس بھیج دیا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' جو واحد ہے جس کا لشکر غالب ہے' جس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا کافروں کی جماعتوں کو شکست دی اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۴)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن کفار کے خلاف دعاء ضرر کی' آپ نے کہا: اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے' جلد حساب کرنے والے! اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کے قدم متزلزل کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۰۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۵۱۶)

نیز اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا' اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان سے قتال اٹھا لیا ہے اور اسی طرح واقع ہوا کہ غزوۃ الاحزاب کے بعد قریش نے مدینہ پر

حملہ نہیں کیا' بلکہ مسلمان ان پر ان کے شہروں میں حملے کرتے رہے۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا جب مشرکین کی فوجیں خندق کے نواح سے واپس چلی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر حملے کیا کرو گے' سو اس کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملے کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے مکہ فتح کر دیا' امام محمد بن اسحاق نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ حدیث صحیح ہے' امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن فرمایا: اب ہم کفار قریش پر حملہ کیا کریں گے وہ ہم پر حملے نہیں کر سکیں گے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۹)

نیز فرمایا: اور اللہ بہت قوت والا' بہت غلبہ والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور طاقت سے کفار اور مشرکین کو ذلت اور ناکامی کے ساتھ واپس کر دیا وہ کسی خیر کو حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا اور اپنے رسول کی مدد فرمائی۔ سو اسی کے لیے حمد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۳-۵۲۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا دینا

اس کے بعد فرمایا: اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو۔ (الاحزاب: ۲۶-۲۵)

اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کفار اور مشرکین کی فوجوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو بنو قریظہ نے اس معاہدہ کو توڑ دیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا تھا' یہودیوں کے سردار کعب بن اسد کو حیی بن اخطب نے بدعہدی پر آمادہ کیا تھا' بنو قریظہ نے اس معاہدہ کو توڑنے کا اعلان کر دیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد کی اور حملہ آور مشرکین ذلت و خواری کے ساتھ واپس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مظفر اور منصور ہو کر خوشی خوشی مدینہ آ گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے حضرت ام سلمہ کے گھر غسل فرما رہے تھے تو حضرت جبریل عمامہ باندھے ہوئے ایک خچر پر سوار آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے' آپ نے فرمایا ہاں' حضرت جبریل نے کہا لیکن فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً روانہ ہوئے اور مسلمانوں کو بھی بنو قریظہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا' یہ ظہر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے' بنو قریظہ کا قلعہ وہاں سے چند میل کی مسافت پر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھے' مسلمان روانہ ہوئے انہیں راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' بعض مسلمانوں نے راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی' اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ارادہ تھا کہ ہم جلدی روانہ ہوں' اور بعض مسلمانوں نے کہا نہیں ہم بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی فریق کو بھی ملامت نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے پیچھے بنو قریظہ کے قلعوں پر پہنچ گئے' آپ نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو چھوڑ دیا تھا' اور جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس روز تک ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کہا ہم اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا حکم پر قلعہ سے نکل آئیں گے' کیونکہ زمانہ

جاہلیت میں قبیلہ اوس یہودیوں کا حلیف تھا' اوران کا یہ گمان تھا کہ حضرت سعد ان کے ساتھ اسی طرح مصلحت اندیشی سے پیش آئیں گے جس طرح عبداللہ بن ابی ابن سلول بنو قینقاع کے ساتھ پیش آیا تھا' اوران کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں ان کی طرف سے ایک تیر پیوست ہو چکا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہا گرم کر کے ان کے زخم پر داغ لگایا تھا' اوران کو مسجد کے ایک خیمہ میں ٹھہرایا تھا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے بلایا تاکہ وہ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کریں' جب حضرت سعد دراز گوش پر سوار ہو کر آئے تو قبیلہ اوس نے ان سے بنو قریظہ کی سفارش کی کہ ان کے متعلق نرم فیصلہ کریں جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اب اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ سعد اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہیں ہے' حضرت سعد نے بنو قریظہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ میں جس قدر جنگجو ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے اوران کے اموال پر قبضہ کر لیا جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ساتویں آسمان کے اوپر حکم تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو باندھا گیا اوران کی گردنیں اڑا دی گئیں یہ سات' آٹھ سو نفر تھے' ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اوران کے اموال کو ضبط کر لیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۴ ۔ ۵۲۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غزوہ بنو قریظہ کے متعلق احادیث

ہم نے حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے جو تفسیر ذکر کی ہے وہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے لوٹے اور آپ نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور غسل کیا تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں' اللہ کی قسم! ہم نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے آپ ان کی طرف روانہ ہوں' آپ نے فرمایا کہاں؟ حضرت جبریل نے کہا وہاں اور بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اوران کے چلنے کی وجہ سے بنو غنم کی گلیوں میں گرد وغبار اڑ رہا تھا' گویا کہ میں اب بھی اس گرد وغبار کو دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے' بعض مسلمانوں کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' تو ان میں سے بعض نے کہا ہم بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے' اور بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی اور انہوں نے وہیں راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو اس پر ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صحابہ نے اپنے باغات سے چند کھجور کے درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعین کر دیتے تھے (تاکہ ان درختوں کے پھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جائیں) حتیٰ کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قبائل فتح ہو گئے (تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدیوں کو واپس کر دیا) تو میرے گھر والوں نے کہا جاؤ

ہم نے جو کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں وہ سب یا ان کا کچھ حصہ تم بھی جا کر لے آؤ' ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھجوریں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے' اسی اثناء میں وہ بھی آ گئیں اور میری گردن میں کپڑا ڈال کر کہنے لگیں ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اب یہ کھجوریں تمہیں نہیں ملیں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کھجوریں مجھے دے چکے ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم ان کھجوروں کے بدلہ میں مجھ سے اتنی چیزیں لے لو (اور ان کی کھجوریں ان کو واپس کر دو) انہوں نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! ہرگز نہیں! حتیٰ کہ آپ نے ان کو تقریباً دس گنا کھجوریں عطا کرنے کے لیے فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۵۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو قریظہ نے کہا ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق اپنے قلعوں سے باہر آ جائیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوایا وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر لائے گئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ نے انصار سے فرمایا اپنے سردار (کو دراز گوش سے اتارنے کے لیے ان) کی طرف کھڑے ہو' آپ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فیصلہ کو مان کر قلعوں سے نکل آئے ہیں' حضرت سعد نے کہا ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے' آپ نے فرمایا تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اموال کو تقسیم کر لیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۲۔۴۱۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے کہ میں تیری راہ میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کروں جنہوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ہے' اور ان کو ان کے شہر سے نکالا ہے' اے اللہ! بے شک مجھے یقین ہے کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو روک دیا ہے' اگر آئندہ قریش سے کوئی جنگ باقی ہو تو مجھے اس جنگ کے لیے باقی (زندہ) رکھ' حتیٰ کہ میں تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے' تو میرے زخم (سے خون) کو پھر جاری کر دے' اور اسی میں میری موت واقع کر دے' سو ان کی ہنسلی (سینہ کا بالائی حصہ) سے خون جاری ہو گیا' مسجد نبوی میں بنو غفار کا بھی ایک خیمہ تھا جب ان کی طرف خون بہہ کر آیا تو وہ گھبرا گئے' انہوں نے کہا اے خیمے والو! تمہاری طرف سے ہماری طرف یہ خون کیوں آ رہا ہے! انہوں نے دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اسی میں ان کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت سعد نے جو موت کی دعا کی تھی اس پر اعتراضات کے جوابات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کی دعا کی حالانکہ موت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت سعد کی غرض یہ تھی کہ ان کو شہادت کی صورت میں موت آئے تو گویا کہ انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ! اگر اس جنگ کے بعد کفار قریش سے جنگ ہونی ہے تو مجھ زندہ رکھ' اور اگر اس جنگ کے بعد ان سے جنگ نہیں ہونی تو مجھے اس شہادت کے ثواب سے محروم نہ فرما۔

حضرت سعد اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے' کتب سیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت سعد فوت ہو گئے تو حضرت جبریل ریشمی عمامہ پہنے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ کون فوت ہوا ہے' جس کے استقبال کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش ہل رہا ہے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے تہبند گھسیٹتے ہوئے ان کی طرف

کھڑے ہوئے اور آپ نے حضرت سعد کو فوت شدہ پایا' جب ان کے جنازہ کو اٹھایا تو وہ بہت ہلکا تھا' آپ نے فرمایا مسلمانوں کے علاوہ فرشتے بھی ان کے جنازہ کو اٹھائے ہوئے ہیں' ابن عائذ نے کہا حضرت سعد کے جنازہ میں ستر ہزار ایسے فرشتے آئے تھے جو اس سے پہلے زمین پر نازل نہیں ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۵۸۔۲۵۷' دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں یہ کہا تھا: اے اللہ اگر تو نے کفار قریش کے ساتھ ہماری جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو میری موت واقع کر دے' ان کا یہ قول صحیح نہیں تھا' کیونکہ اس کے بعد کے غزوات میں بھی قریش کے ساتھ جنگ ہوتی رہی ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ ان کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اجر عطا فرمائے گا' یا اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت سعد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اسی غزوہ میں کفار کی جماعتوں کے ساتھ جنگ ختم ہو چکی ہے تو مجھے موت عطا فرما دے' اور میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد کی دعا صحیح تھی' اور ان کی دعا کا محمل یہ ہے کہ اے اللہ! اگر کفار قریش کی طرف سے حملہ کرنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو مجھے اسی زخم میں موت عطا فرما دے' اور اس کے بعد کبھی کفار قریش اور مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ابتداء نہیں کی' کیونکہ غزوہ خندق پانچ ہجری میں ہوا تھا' اس کے بعد چھ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر کفار قریش نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو روک لیا اور عمرہ کے لیے جانے نہیں دیا اور اس پر صلح ہوگئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور جنگ نہیں ہوئی' پھر اگلے سال سات ہجری میں آپ نے خیبر پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور اسی سال حدیبیہ کے عمرہ کی قضاء کی اور آٹھ ہجری میں آپ نے مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور نو ہجری میں آپ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور دس ہجری میں آپ نے حجۃ الوداع کیا اور اگلے سال یکم یا دو ربیع الاول کو آپ کا وصال ہو گیا' اور اس تمام عرصہ میں کبھی مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا لہٰذا حضرت سعد کی دعا سے اعتراض ساقط ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۶۱' موضحا' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان مفتوحہ علاقوں کے محامل جہاں صحابہ نہیں پہنچے تھے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس زمین سے کون سی زمین مراد ہے' حسن نے کہا اس سے روم اور فارس کی زمین مراد ہے' اور یزید بن رومان نے کہا اس سے خیبر کی زمین مراد ہے' اور ابن زید نے کہا اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے علاقے مراد ہیں۔

امام ابو جعفر فرماتے ہیں اس مسئلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بنو قریظہ کی زمین' ان کے گھروں اور ان کا مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جہاں ابھی تک وہ نہیں گئے تھے' اور اس وقت تک مکہ فتح ہوا تھا نہ خیبر' اور نہ فارس' نہ روم اور نہ یمن' اور نہ ان علاقوں میں ابھی تک مسلمان گئے تھے' اور یہ تمام علاقے اس آیت کے عموم میں داخل ہیں جس میں فرمایا ہے اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی علاقے کی تخصیص نہیں کی' نیز فرمایا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان علاقوں کو بھی وارث بنایا اور بہت فتوحات عطا فرمائیں اور یہ سب چیزیں اس کی قدرت میں داخل ہیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ ص ۱۸۷۔۱۸۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ قیامت تک مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوں گی وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۴۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا جہاں وہ ابھی تک نہیں گئے تھے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ وارث بنا دیا تو ماضی کا صیغہ ہے حالانکہ مسلمان تو مستقبل میں ان علاقوں کے وارث ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا مستقبل میں تحقق ضروری ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ یہ واقعہ ضرور ہونا ہے۔

يَآَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے! اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی

وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ

اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا' تو بے شک

اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○ اے نبی کی بیویو!

مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا' اس کو دہرا عذاب

ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

دیا جائے گا' اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا' بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۲۹۔۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دینا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے نازل ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا تھا نفقہ (خرچ) میں اضافہ کرنے کا

کسی اور چیز کا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کے لیے اپنی ازواج سے الگ ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں کہ وہ آپ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر خوشی سے عمل کرتی رہیں اور یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کر دیتے ہیں اگر وہ آپ کے دیئے ہوئے خرچ پر راضی نہیں ہوتیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ص ۱۸۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر آئے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے' حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی' پھر حضرت عمر آئے اور اجازت طلب کی' سو ان کو بھی اجازت دی گئی' انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ افسردہ اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر نے دل میں سوچا کہ میں ضرور کوئی بات کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا' میں نے کہا یا رسول اللہ! کاش آپ دیکھتے کہ بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرے اور میں اس کی گردن مروڑ دوں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا ان کو جو تم میرے گرد بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں' پھر حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کی گردن مروڑنے لگے' پھر حضرت عمر کھڑے ہو کر حضرت حفصہ کی گردن مروڑنے لگے اور وہ دونوں سے کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے! انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ یا انتیس دن اپنی ازواج سے الگ رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اے نبی اپنی بیویوں سے کہیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۲۹۔۲۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں' مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی' حضرت عائشہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی! بلکہ میں اللہ' اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی (باقی) ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں' آپ نے فرمایا ان میں سے جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتا دوں گا' بے شک اللہ نے مجھے دشوار بنا کر بھیجا نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۰۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۷' عالم الکتب)

طلاق کے اختیار دینے کا سبب اور اس کی نوعیت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو جو اختیار دیا تھا اس کی نوعیت میں اختلاف ہے' حسن اور قتادہ نے یہ کہا

ہے کہ آپ نے ان کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا کو اختیار کر لیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں اور یا وہ آخرت کو اختیار کر لیں تو آپ ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھیں' اور آپ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لیں یا نہ کریں' اور حضرت عائشہ' مجاہد' شعبی اور مقاتل نے یہ کہا ہے کہ آپ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ خواہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لیں اور خواہ آپ کے نکاح میں آپ کے ساتھ برقرار رہیں' اس وقت آپ کے نکاح میں نو ازواج تھیں ان میں سے پانچ قریش میں سے تھیں وہ یہ ہیں: (۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۲) حضرت حفصہ بنت عمر (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) حضرت سودہ بنت زمعہ (۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ' اور نو میں سے باقی ازواج غیر قرشی تھیں اور وہ یہ ہیں: (۱) حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب الخیبریہ (۲) حضرت میمونہ بنت الحارث الھلالیہ (۳) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۴) حضرت جویرۃ بنت الحارث المصطلقیہ۔

اختیار دینے کے سبب میں بھی اختلاف ہے' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے ملک اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تھا تو آپ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کر لیا تھا سو اس نہج پر آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تا کہ آپ کی ازواج کا حال بھی آپ کی مثل ہو۔

(۲) ازواج نے آپ کے اوپر غیرت کی تھی (یعنی ان کو آپ کا دوسری ازواج کے پاس جانا ناگوار تھا) تو آپ نے ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔

(۳) ایک دن وہ سب ازواج آپ کے پاس جمع ہوئیں اور آپ سے اچھے کپڑے اور اچھے زیورات کا مطالبہ کیا۔

(۴) ان میں سے ہر ایک نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو آپ کے پاس نہیں تھی' حضرت ام سلمہ نے معلم کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ نے یمن کے حلوں کا مطالبہ کیا' حضرت زینب نے دھاری دار چادروں کو مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ نے سحولی کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت حفصہ نے مصر کے کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت جویرہ نے سر پر باندھنے کے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر کا مطالبہ کیا' البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷۔۱۶۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بیوی کو طلاق کا اختیار دینے سے وقوع طلاق اور مدت اختیار میں مذاہب فقہاء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا تو ہم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا تھا اور اس کو ہم پر کسی چیز کا شمار نہیں کیا تھا (یعنی طلاق کا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۰۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۵۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء اسلام کا مذہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے موافق ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو یہ طلاق نہیں ہے' لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیوی نے اپنے نفس کو اختیا

کرلیا تو پھر اس سے اس پر طلاق رجعی واقع ہوگی یا طلاق بائن ہوگی یا طلاق مغلظہ واقع ہوگی یعنی تین طلاقیں' امام ترمذی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی' اور اگر اس نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو ایک رجعی طلاق ہوگی' اور حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی' اور حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر ایک طلاق بائنہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اس پر کوئی چیز واقع نہیں ہوگی' امام مالک نے حضرت زید بن ثابت کے قول کو اختیار کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر تین طلاقیں ہوں گی' اور امام ابوحنیفہ نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی' اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

امام شافعی نے کہا تخییر کنایہ ہے جب اس کے شوہر نے اس کو اختیار دیا کہ خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے خواہ اپنے نفس کو اختیار کرے اور اس نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اس سے طلاق (بائنہ) واقع ہوگی۔

جب شوہر بیوی کو اختیار دے تو فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ اختیار اسی مجلس کے ساتھ مقید ہے بیوی اسی مجلس میں خواہ اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو' اور انقطاع مجلس کے بعد یہ اختیار نہیں رہے گا' ماسوا اس صورت کے کہ شوہر بتا دے کہ تم کو اتنی مدت تک اختیار ہے یا کہہ دے کہ تم کو تمام زندگی اختیار ہے' تو شوہر جتنی مدت کی تحدید کرے گا اتنی مدت تک بیوی کو اختیار رہے گا' اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا'' مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو' اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختیار اسی مجلس کے ساتھ مقید نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین سے مشورہ کرنے تک اس اختیار کی تحدید کر دی تھی' اس سے واضح ہو گیا کہ شوہر جتنی مدت تک چاہے اس اختیار کی تحدید کرسکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۶۴-۴۶۲ ملخصاً وموضحاً دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل نہیں کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بیوی کو شوہر جو یہ اختیار دیتا ہے کہ خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے خواہ وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرلے' اسی کو فقہاء تفویض طلاق کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیل

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ذکر ہے' آپ کی ازواج کی تین قسمیں ہیں' بعض ازواج سے آپ کا عقد نکاح بھی ہوا اور ان کی رخصتی بھی ہوئی' اور بعض ازواج کے ساتھ عقد نکاح ہوا اور رخصتی کے بعد آپ نے ان کو طلاق دے دی' اور بعض ازواج کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی اور بعض خواتین کو آپ نے صرف نکاح کا پیغام دیا اور ان کی رخصتی نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی نے لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا (۲) پھر حضرت سودۃ بنت زمعہ سے نکاح کیا (۳) پھر حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے نکاح کیا (۴) پھر حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب سے نکاح کیا (۵) پھر حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ سے نکاح کیا (۶) پھر حضرت جویرہ بنت الحارث سے نکاح کیا یہ غزوۃ المریسیع میں قید ہو کر آئی تھیں (۷) پھر حضرت زینب بن جحش سے نکاح کیا (۸) پھر حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا (۹) پھر حضرت ریحانہ

بنت زید سے نکاح کیا یہ بنو قریظہ سے تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ بنو نضیر سے تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید کیا پھر ان کو آزاد کر کے چھ ہجری میں ان سے نکاح کیا (۱۰) پھر حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا' صحابیات میں ان کے سوا اور کسی کا نام رملہ نہیں ہے (۱۱) پھر حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح کیا یہ حضرت ھارون کی اولاد سے تھیں' سات ہجری میں غزوہ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب کرلیا اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا (۱۲) پھر ذوالقعدہ سات ہجری میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام سرف میں حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح کیا (۱۳) حضرت فاطمہ بنت الضحاک سے بھی نکاح کیا (۱۴) حضرت اسماء بنت النعمان سے بھی نکاح کی۔

آپ کی ازواج کی تعداد اور ان کی ترتیب میں اختلاف ہے' مشہور یہ ہے کہ وفات کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور کل گیارہ ازواج تھیں اور دو باندیاں تھیں۔

باقی وہ ازواج جن سے آپ نے نکاح کیا اور ان کی رخصتی بھی ہوئی یا جن سے صرف نکاح ہوا ان کی تعداد اٹھائیس ہے:

(۱) حضرت ریحانہ بنت زید' ان کا ذکر ہو چکا ہے (۲) حضرت الکلابیہ ان کے نام میں اختلاف ہے' ایک قول ہے ان کا نام عمرہ بنت زید ہے' دوسرا قول ہے ان کا العالیہ بنت ظبیان ہے' زہری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے العالیہ بنت ظبیان سے نکاح کیا' اور رخصتی بھی ہوئی پھر آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ایک قول یہ ہے کہ رخصتی نہیں ہوئی اور آپ نے ان کو طلاق دے دی' ایک قول یہ ہے کہ یہی فاطمہ بنت الضحاک ہیں' زہری نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا' رخصتی کے بعد انہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تو آپ نے ان کو طلاق دے دی (۳) حضرت اسماء بنت النعمان' ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور ان کو بلایا تو انہوں نے کہا آپ خود آئیں تو آپ نے ان کو طلاق دے دی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ہی آپ سے پناہ طلب کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ بنت قیس ہیں جو الاشعث بن قیس کی بہن ہیں' ان کے بھائی نے ان کا آپ سے نکاح کیا تھا' پھر وہ حضر موت چلے گئے اور ان کو بھی ساتھ لے گئے اور وہاں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنی بہن کو ان کے شہر واپس بھیج دیا اور خود اسلام سے مرتد ہو گئے اور ان کی بہن بھی مرتدہ ہو گئیں (۴) ملیکہ بنت کعب اللیثی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ہی آپ سے پناہ طلب کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان سے عمل تزویج کیا تھا پھر یہ آپ کے پاس ہی فوت ہو گئیں' لیکن پہلا قول صحیح ہے (۵) حضرت اسماء بنت الصلت السلمیہ' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام سبا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا اور یہ رخصتی سے پہلے فوت ہو گئیں تھیں (۶) حضرت ام شریک ازدیہ ان کا نام عزبہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول سے پہلے ان کو طلاق دے دی تھی اور یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا' یہ نیک خاتون تھیں (۷) خولہ بنت ھذیل' ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا' پھر آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی (۸) شراف بنت خالد' دحیہ کلبی کی بہن ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور رخصتی سے پہلے ان کی وفات ہو گئی (۹) لیلیٰ بنت الخطیم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا' یہ غیرت والی تھیں' انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ نکاح فسخ کر دیں سو آپ نے نکاح فسخ کر دیا (۱۰) حضرت عمرہ بنت معاویہ الکندیہ' اس سے پہلے یہ آپ تک پہنچتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی (۱۱) حضرت الجندعیہ بنت جندب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور عمل تزویج نہیں کیا' ایک قول یہ ہے کہ ان کے ساتھ عقد نہیں ہوا تھا (۱۲) حضرت الغفاریہ' ایک قول یہ ہے کہ یہی السنا ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا پھر ان کے پہلو میں سفید داغ دیکھا تو آپ نے فرمایا تم اپنے گھر چلی جاؤ (۱۳) حضرت ھند بنت یزید' ان سے بھی آپ نے دخول نہیں کیا (۱۴) حضرت صفیہ بنت بشامہ آپ نے ان کو قید کیا تھا'

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم سے نکاح کرلوں' انہوں نے اجازت دے دی آپ نے ان سے نکاح کرلیا (۱۵) حضرت ام ھانی' ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے' حضرت علی بن ابی طالب کی بہن ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' انہوں نے کہا میں بچوں والی عورت ہوں اور عذر پیش کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کرلیا (۱۶) حضرت ضباعہ بنت عامر' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' پھر آپ کو یہ خبر پہنچی کہ یہ بوڑھی ہیں تو آپ نے ارادہ ترک کردیا (۱۷) حمزہ بنت عون المزنی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' ان کے والد نے کہا ان میں کوئی عیب ہے حالانکہ ان میں کوئی عیب نہ تھا' پھر جب ان کے والد ان کے پاس گئے تو ان کو برص ہو گیا تھا (۱۸) حضرت سودہ قریشیہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا یہ بھی بچوں والی تھیں' آپ نے ان کو ترک کر دیا (۱۹) حضرت امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب' ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا' آپ نے فرمایا یہ میری رضاعی بھتیجی ہے (۲۰) حضرت عزہ بنت ابی سفیان بن حرب' ان کو ان کی بہن حضرت ام حبیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا' آپ نے فرمایا چونکہ ان کی بہن حضرت ام حبیبہ میرے نکاح میں ہیں اس لیے یہ مجھ پر حلال نہیں ہیں (۲۱) حضرت کلبیہ' ان کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا' حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے اتنی لمبی عورت کوئی نہیں دیکھی تو آپ نے ان کو چھوڑ دیا (۲۲) عرب کی ایک عورت تھی جس کا نام نہیں ذکر کیا گیا' آپ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا پھر ترک کر دیا (۲۳) حضرت درہ بنت ابی سلمہ' ان کو آپ پر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا یہ میری رضاعی بھتیجی ہے (۲۴) حضرت امیمہ بنت شراحیل' ان کا ذکر صحیح البخاری میں ہے (۲۵) حضرت حبیبہ بن سہیل الانصاریہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تھا پھر ترک کر دیا (۲۶) حضرت فاطمہ بنت شریح' ابو عبید نے ان کا آپ کی ازواج میں ذکر کیا ہے (۲۷) العالیہ بنت ظبیان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا یہ آپ کے پاس کچھ عرصہ رہیں' پھر آپ نے ان کو طلاق دے دی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۲۱۔۳۲۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے اٹھائیس ازواج کے ذکر کرنے کا کہا تھا لیکن انہوں نے جو ذکر کی ہیں وہ ستائیس ہیں۔

ہم نے النساء: ۳ میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کے یہ عنوان ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بیان' تعدد ازدواج کا آپ کی خصوصیت ہونا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی تفصیل وار حکمتیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعدد ازدواج کمال ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہتات' یہ بحث تبیان القرآن ج ۲ ص ۵۶۶۔۵۵۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O (الاحزاب: ۳۰)

ازواج مطہرات کا مقام بیان فرمانا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے زیب و زینت کے اسباب کے حصول کی خواہشوں پر اللہ تعالیٰ کو' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دار آخرت کو ترجیح دی تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور ان کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرنے کے لیے حسب ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا O (الاحزاب: ۵۲)

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں' اور نہ یہ حلال ہے کہ ان کے بدلہ میں آپ دوسری خواتین سے نکاح کریں' خواہ ان کا حسن آپ کو پسند آئے اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○ (الاحزاب: ۵۳)

اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ تم ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔

نیز فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ.

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

(الاحزاب: ۳۲)

اسی طرح ان کے مقام کی عظمت اور ان کی شان کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے (الاحزاب: ۳۰)

ازواج مطہرات پر زیادہ گرفت فرمانے کی توجیہ

بعض مفسرین نے اس آیت میں فاحشة مبينة کی تفسیر زنا کے ساتھ کی ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جس کا فعل متصور ہو اور زنا ایسے قبیح فعل کا ازواج مطہرات سے سرزد ہونا متصور ہی نہیں ہے اس لیے اس آیت میں فاحشہ مبینہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور آپ کی نافرمانی ہے۔

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا ہے' سوائے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی نبی کی نافرمانی کی اس کو آخرت میں دگنا عذاب ہوگا' جس طرح تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل کرے تو آخرت میں اس کو دگنا ثواب ہوگا' یعنی ہر نماز' روزے یا صدقہ یا زبان سے تسبیح' تکبیر اور تہلیل پڑھنے سے عام لوگوں کو دس گنا اجر ملتا ہے تو تمہیں بیس گنا اجر دیا جائے گا' اسی طرح اگر تم نے (بالفرض) معصیت کا ارتکاب کیا تو آخرت میں اس کی سزا بھی دگنی ہو گی۔

قتادہ نے کہا دگنے عذاب سے یہ مراد ہے کہ اس کو دنیا کا عذاب بھی ہوگا اور آخرت کا بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا انبیاء علیہم السلام پر مواخذہ ان کے متبعین سے زیادہ سخت ہوتا ہے' اور علماء کا مواخذہ عوام سے زیادہ سخت ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مواخذہ عام عورتوں سے زیادہ سخت ہے اور ان میں سے جو نیک عمل کرتی ہیں اس کا اجر و ثواب بھی عام عورتوں کی بہ نسبت دگنا ہوتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۱۲۹۔ ۳۱۲۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے بھی لکھا ہے فاحشہ مبینہ سے مراد معصیت ظاہرہ ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا شرف اور ان کا درجہ اور ان کا مرتبہ اور ان کی فضیلت عام عورتوں سے بہت زیادہ ہے سو جس طرح آزاد کی سزا غلام سے دگنی ہوتی ہے اسی طرح ازواج مطہرات کا مرتبہ چونکہ دوسری خواتین سے زیادہ ہے اس لیے ان پر گرفت بھی اوروں سے زیادہ رکھی ہے' اور یہ وجہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات مہبط وحی ہیں ان کے سامنے احکام نازل ہوتے ہیں وہ دن رات معجزات کا مشاہدہ کرتی ہیں ان کے سامنے سوتی جاگتی نبوت اور چلتی پھرتی رسالت ہوتی ہے اس لیے عام عورتوں کی بہ نسبت ان سے نیکی اور پرہیز گاری زیادہ متوقع ہے' ان کو اجر بھی زیادہ دیا جائے گا اور اگر بالفرض وہ کوئی گناہ کریں تو ان کو

عذاب بھی دگنا دیا جائے گا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

فاحشہ مبینہ (کھلی ہوئی بے حیائی) سے مراد معصیت کبیرہ ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس سے مراد زنا ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم ہیں کہ آپ کی ازواج مطہرات اس فاحشہ کی مرتکب ہوں' اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فاحشہ کو مبینہ کے ساتھ مقید فرمایا ہے یعنی ایسا گناہ جو ظاہر کھلا ہوا اور علی الاعلان ہو اور زنا ایسا گناہ نہیں ہے جو برسر عام کیا جائے' بلکہ اس گناہ کو چھپ کر کیا جاتا ہے اور اس کو چھپایا جاتا ہے' اس لیے یہاں پر فاحشہ سے مراد خاوند کی نافرمانی اور خانگی معاملات میں بے اعتدالی ہے' اور چونکہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اور آپ کے زیر تربیت رہتی ہیں' ان کے سامنے وحی اترتی ہے اور احکام نازل ہوتے ہیں اور ان کا رتبہ اور مقام عام خواتین سے بہت بلند ہے اس لیے ان پر گرفت بھی بہت سخت ہے' اور اگر بالفرض وہ کوئی گناہ کبیرہ کرلیں تو ان کو دگنا عذاب ہوگا جیسے ان کو نیکیوں پر دگنا اجر دیا جاتا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ص ۴۷۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں مقاتل بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ یہاں فاحشہ مبینہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے یا کوئی ایسا کام کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار ہو یا جس سے آپ کا دل تنگ ہو یا جس کی وجہ سے آپ مغموم ہوں۔

(روح المعانی جز ۲۱ص ۲۷۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

جیسے کہ شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ کج خلقی سے پیش آنا کیونکہ بدکاری سے تو اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی بیبیوں کو پاک رکھتا ہے۔

الجزء ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت شعار رہے اور نیک عمل کرتی رہے'

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ

ہم اسے اس کا دگنا اجر عطا فرمائیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو!

النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو' بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو' سو کسی سے لچک دار لہجہ

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ ج

میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے' اور دستور کے مطابق بات کرنا ○

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَ
اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار
أَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ط
کی نمائش نہ کرنا، اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو،
إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ
اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے
يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ
اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے ○ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں
آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾ ع ۴ ع
کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو، بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت شعار رہے، اور نیک اعمال کرتی رہے، ہم اسے اس کا دگنا اجر عطا فرمائیں گے، اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو، بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا ○ (الاحزاب: ۳۲۔۳۱)

ازواج مطہرات کو دگنا اجر عطا فرمانا

الاحزاب: ۳۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو جو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر خشوع اور خضوع کرے گی، اور نیک عمل کرے گی اس کو دگنا اجر ملے گا، خشوع اور خضوع سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی مثلاً نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی، زکوٰۃ ادا کرے گی اور حج کرے گی، اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری کو اچھی طرح سے ادا کرے گی اور گھر کی بہتری کے لیے گھر کے کام کاج کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو دگنا اجر عطا فرمائے گا۔

دگنے اجر سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمان خواتین کو اللہ تعالیٰ ان کے نیک کاموں پر جتنا اجر عطا فرماتا ہے ازواج مطہرات کو اس سے دگنا اجر عطا فرمائے گا یعنی مسلمان عورتوں کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے تو ازواج مطہرات کو بیس گنا اجر عطا فرمائے گا۔

عیش و عشرت اور دنیاوی لذتوں میں غلو نہ کرنے کی تلقین

اور فرمایا ''ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے'' اور ہر وہ چیز جو اپنی جنس میں شرف والی ہو وہ کریم ہے، اور اس

میں یہ اشارہ ہے کہ حقیقت میں رزق کریم جنت کی نعمتیں ہیں اور جو شخص جنت کی نعمتوں کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی نعمتوں کو ترک کردیتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: عیش و عشرت سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرستی نہیں کرتے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳-۲۴۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میری امت کے کچھ لوگ طرح طرح کے کھانے کھائیں گے' طرح طرح کے مشروبات پئیں گے' مختلف رنگوں کے کپڑے پہنیں گے' ہر قسم کی غیر محتاط باتیں کریں گے وہ میری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث ۷۵۱۳-۷۵۱۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث ۲۳۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی دونوں سندیں ضعیف ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو عیش پرستی کرتے ہیں اور اسی عیش سے ان کے جسم پلتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث ۳۶۱۶' اس کی سند کے ایک راوی میں اختلاف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں سیر ہو کر کھانے والے کل آخرت میں بھوکے ہوں گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۱۶۹۳' اس کے ایک راوی میں کلام ہے باقی راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۱-۲۵۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عیش پرستوں پر سختی کرنے والا نہیں دیکھا' اور نہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر سے زیادہ' اور میرا گمان ہے کہ اپنے زمانہ میں روئے زمین پر عیش پرستی سے سب سے زیادہ ڈرنے والے حضرت عمر تھے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۵۰۲۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۶۷' اس حدیث کی دونوں سندوں کے رجال ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو عیش و عشرت کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶۷۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۵۸۴-۴۶۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۶۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۵۰۰۴)

ان تمام احادیث اور آثار سے مراد وہ لوگ ہیں جو عیش و عشرت میں بہت زیادہ غلو کرنے والے ہوں' اور دنیاوی لذتوں میں منہمک ہو کر یاد خدا اور فکر آخرت کو فراموش کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہوں۔

ورنہ مطلقاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا منع نہیں ہے بلکہ مطلوب اور مستحسن ہے۔

ازواج مطہرات اور سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہن کی باہمی فضیلت میں محاکمہ

نیز فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی بھی مثل نہیں ہو۔ (الاحزاب ۳۲)

یعنی ازواج مطہرات کا شرف اور ان کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ ہے' کیونکہ ان کے علاوہ کسی عورت کو یہ شرف اور فضیلت حاصل نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہو اور تمام مومنوں کی ماں ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ازواج مطہرات سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بے شک ازواج مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی حیثیت سے اور امہات المومنین ہونے کی حیثیت سے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں لیکن تمام حیثیات کے لحاظ سے ان سے افضل نہیں ہیں' اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دیگر حیثیات کے لحاظ سے حضرت فاطمہ ان سے افضل ہوں' بلکہ جس حیثیت سے سیدتنا فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا جز ہیں اس حیثیت سے تو وہ تمام خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عورت کا مردوں سے اپنی آواز کو مستور رکھنے کا حکم

نیز اس کے بعد فرمایا: سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی غلط امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا○ (الاحزاب: ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے ساتھ بہ وقت ضرورت سخت اور کھرے لہجے میں بات کریں' نرم اور لچک دار لہجہ میں بات نہ کریں جیسے آوارہ عورتیں اجنبی مردوں سے باتیں کرتی ہیں اور جس سے فساق کے دلوں میں نفسانی خواہشات بیدار ہوتی ہیں۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ بعض ازواج مطہرات جب کسی ضرورت کی بناء پر اجنبی مردوں سے بات کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتی تھیں مبادا ان کے آواز میں کوئی نرمی یا لچک ہو' اور جب عورت اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور شخص سے بات کرے اور اس سے سخت لہجہ میں بات کرے تو اس کو زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں اس عورت کے محاسن سے شمار کیا جاتا تھا۔ اور وہ جو بعض اشعار میں مطلقاً عورت کی خوش گلوئی اور نغمہ سرائی کو اس کی خوبیوں سے شمار کیا جاتا ہے وہ محض جہالت ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۹۔۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہمارے زمانہ میں خواتین کا مردوں کے ساتھ عام اور آزادانہ میل جول ہے' یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے اور شرعی حدود و قیود کے بغیر عورتیں مردوں کے دوش بدوش مختلف اداروں میں آزادی کے ساتھ کام کرتی ہیں' قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں ممبر بنتی ہیں اور تقریریں کرتی ہیں بلکہ بعض خواتین وزراء جلسوں میں تقریریں بھی کرتی ہیں حالانکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ شرعی ضرورت کے بغیر خواتین اجنبی مردوں سے باتیں نہ کریں خصوصاً نرم و نازک لہجہ میں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ (النور: ۳۱)

اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں تاکہ لوگوں کو ان کی چھپی ہوئی زینت کا علم ہو جائے۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں کیونکہ پازیب کی آواز سے اس کی اپنی آواز زیادہ فتنہ انگیز ہے' اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے عورت کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اذان میں آواز بلند کرنی پڑتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے" کیونکہ اذان اصل میں خبر دینے کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے خبر دینا مشروع نہیں ہے اور اذان میں آواز بلند کی جاتی ہے اور عورتوں کے لیے آواز بلند کرنا مشروع نہیں ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۵۳ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں امام کو متنبہ کرنے کے لیے) مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۰۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۴۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۸۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شارع علیہ السلام نے عورت کے سبحان اللہ کہنے کو اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کی آواز فتنہ ہے اس لیے اس کو اذان امامت اور نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۷۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں عورت کو زمین پر پیر مارنے سے منع کیا ہے تاکہ اس کی پازیب کی آواز اجنبی مردوں کو نہ سنائی دے اور حدیث میں عورت کو نماز میں سبحان اللہ کہنے کے بجائے تالی بجانے کا حکم دیا ہے کیونکہ عورت کا آواز بلند کرنا ممنوع ہے فقہاء احناف کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے اور جس طرح ماسوا ضرورت کے وہ اجنبیوں پر چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی اسی طرح وہ بغیر ضرورت کے اجنبی مردوں پر اپنی آواز کو بھی ظاہر نہیں کر سکتی اور فقہاء مالکیہ فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک عورت کا آواز بلند کرنا ممنوع ہے اور پست اور کرخت آواز کے ساتھ وہ بہ وقت ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے O اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O

(الاحزاب: ۳۴-۳۳)

بغیر شرعی ضرورت کے خواتین کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت

اس آیت میں ایک لفظ ہے وقرن یہ جمع مونث امر حاضر کا صیغہ ہے اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ قرار سے بنا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: اے نبی کی بیویو! اپنے گھروں میں برقرار رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وقار سے بنا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے: اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھروں سے باہر نہ نکلو لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز (واجب الستر) ہے جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا رہتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۸۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۹۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۵ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۵۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زانیہ ہے اور جب عورت معطر ہو کر کسی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ زانیہ ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۵۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶' سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے اس بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتے جو اب عورتوں نے ایجاد کر لیا ہے تو ان کو (مساجد میں نماز پڑھنے سے) اس طرح منع فرما دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۶۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۶۹)

حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں' اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۴۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۸۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو ان کے گھروں کے اندرونی حصہ میں ہو۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۲۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۸۳' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۹)

تبرج اور جاہلیت اولیٰ کی تفسیر

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: زمانہ جاہلیت کی طرح تبرج نہ کرو' تبرج کا معنی ہے زینت اور خوب صورتی کا اظہار کرنا اور عورت کا اپنے محاسن مردوں کو دکھانا' عورتوں کے مٹک مٹک کر چلنے کو بھی تبرج کہا جاتا ہے۔

جاہلیت اولیٰ کی کئی تفسیریں ہیں:

امام ابن جریر نے الحکم سے نقل کیا کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان آٹھ سو سال تھے' ان کی عورتیں بدصورت اور مرد خوب صورت ہوتے تھے' ان کی عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کے لیے بناؤ سنگھار کرتی تھیں اور یہ قدیم جاہلیت ہے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ تھا' حضرت آدم کی نسل سے ایک گروہ میدانوں میں رہتا تھا اور ایک گروہ پہاڑوں میں رہتا تھا' سال میں ایک بار ان کی عید ہوتی تھی اور ان کی باہم ملاقات ہوتی تھی' ایک مرتبہ عید کے موقع پر ایک گروہ نے دوسرے گروہ پر حملہ کر دیا اور ان میں فواحش کا ظہور ہوا اور یہ جاہلیت اولیٰ ہے۔

عامر سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عرصہ کو جاہلیت اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۲ ص ۷-۶' ملخصاً مرتباً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معرور بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات ہوئی ان پر ایک حلّہ تھا اور ان کے غلام پر بھی ایک حلہ تھا' میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا میں نے ایک شخص کو برا کہا اور اس کو اس کی ماں سے عار

دلایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں سے عار دلایا ہے؟ تم ایسے شخص ہو کہ تم میں زمانہ جاہلیت کی خصلت ہے' تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں' اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے' سو جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ طعام کھلائے جس کو وہ خود کھاتا ہے اور اس کو وہ لباس پہنائے جس کو وہ خود پہنتا ہو اور ان کو اس کام کا مکلف نہ کرے جو ان پر دشوار ہو اور اگر تم ان کو مکلف کرو تو ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے جاہلیت سے مراد اسلام سے پہلے زمانہ فترت ہے' اس کو جاہلیت اس لیے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں کفار کی بہ کثرت جہالات تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۳۔۳۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار خصلتیں زمانہ جاہلیت کی ہیں' جن کو لوگ ہرگز ترک نہیں کریں گے' نوحہ کرنا' حسب اور نسب میں طعن کرنا' مرض کو از خود متعدی یقین کرنا کہ ایک اونٹ کو خارش ہوئی تو گمان کرنا اس سے دوسرے اونٹ کو خارش ہو گی' پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی؟ اور ستاروں کے سبب سے بارش کو گمان کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ کام گناہ ہیں' اور میری امت کے لوگ ان کاموں کو حرام جاننے کے باوجود کرتے رہیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غیب کی خبریں دی ہیں' جن کا انبیاء کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہوتا اور آپ کی دی ہوئی تمام خبروں کا حق ہونا ظاہر ہو گیا۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۷۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے کی وضاحت کریں گے اور جنگ جمل کا پس منظر اور پیش منظر بھی بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے پر اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: (اے نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنگ جمل میں مسلمانوں کی قیادت کی اور آپ گھر سے نکلیں اور یہ بہ ظاہر اس حکم کی مخالفت ہے۔

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

رافضیوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے' حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دامن ہر طعن کے داغ سے بری اور صاف ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ گئیں اور پھر وہاں سے بصرہ گئیں اور اسی جگہ جنگ جمل ہوئی' رافضیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور باہر نہ نکلیں اور حضرت عائشہ نے اس حکم اور اس ممانعت کی مخالفت کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے' ورنہ اس آیت کے نازل

ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حج اور عمرہ کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جاتے اور ان کو اپنے ساتھ غزوات میں نہ لے جاتے اور ان کو والدین کی زیارت' بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کے لیے جانے کی اجازت نہ دیتے (کیونکہ یہ سورت ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور ٦ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے' اور اسی سال واقعہ افک کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والدین سے ملاقات کے لیے ان کے گھر جانے کی اجازت دی تھی' اور اسی سال عمرۃ الحدیبیہ میں آپ دیگر ازواج مطہرات کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ۷ ھ میں غزوہ خیبر میں آپ ازواج مطہرات کو لے گئے اور اسی سال آپ نے حدیبیہ کے عمرہ کی قضا کی اور اس سفر میں بھی آپ ازواج مطہرات کو ساتھ لے گئے اور اسی طرح باقی غزوات میں بھی آپ مختلف ازواج کو ساتھ لے گیئے اور ۱۰ ھ میں آپ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہرات کو ساتھ لے گئے تھے' اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلقاً گھروں سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔ سعیدی غفرلہ) اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حج کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سمیت تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ تمہارا حج ہے اس حج کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنا۔ پھر حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے علاوہ تمام باقی ازواج مطہرات نے اس کے بعد بھی حج کیا اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔

(مسند احمد ج ٦ ص ۳۲۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۷۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۵۴)

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات سے فرمایا تم کو ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۵۔ ۵۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو جو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو باقی خواتین سے امتیاز حاصل رہے کہ ازواج مطہرات اکثر اور غالب اوقات میں اپنے گھروں میں رہیں اور ان کا راستوں' بازاروں اور لوگوں کے گھروں میں زیادہ آنا جانا نہ رہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ حج کے لیے گھر سے باہر نکلیں یا اور کسی دینی مصلحت کی بناء پر ستر اور حجاب اور وقار کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں۔

حضرت عائشہ کا اصلاح کے قصد سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہما کے ساتھ بصرہ روانہ ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کرنے کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلی تھیں' اور حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ حج کے لیے گھر سے باہر نکلیں تھیں' لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین' حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو ان کو اس سے بہت سخت رنج پہنچا اور ان کو یہ خیال ہوا کہ اب مسلمانوں میں باہم فتنہ اور فساد ہوگا اور قتل اور خون ریزی ہوگی' وہ اسی سوچ و بچار میں تھیں کہ ان کے پاس حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت نعمان بن بشیر' حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے صحابہ' حضرت عثمان کے قاتلین کے خوف سے مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ آ گئے' کیونکہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے بہت خوش ہو رہے تھے اور اس پر بہت فخر کر رہے تھے اور بر سر عام حضرت عثمان کو برا بھلا کہہ رہے تھے' اور ان کے عزائم یہ تھے

کہ وہ حضرت عثمان کے خیر خواہوں کو بھی ان ہی کی طرح شہید کر دیں اور ان صحابہ کرام میں ان قاتلین سے مقابلہ کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں تھی' اس لیے وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت ام المومنین کی پناہ میں آ گئے' اور آپ کو یہ واقعہ سنایا' حضرت ام المومنین نے فرمایا مصلحت اس میں ہے کہ جب تک یہ قاتلین مدینہ میں ہیں اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے یا ان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہیں' اس وقت تک تم لوگ مدینہ واپس نہ جاؤ' سو تم کسی ایسے شہر میں رہو جس میں تم امن سے رہ سکو اور اس کا انتظار کرو کہ حضرت امیر المومنین کو قوت اور شوکت حاصل ہو اور وہ قاتلین عثمان سے قصاص لے سکیں' اور یہ کوشش کرو کہ وہ امیر المومنین کی مجلس سے نکل جائیں اور وہ ان سے قصاص لینے پر قادر ہوں تا کہ پھر کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے۔ ان حضرات صحابہ نے حضرت ام المومنین کی رائے کو پسند کیا اور اس کی تحسین کی' اور انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کرنے کو پسند کیا کیونکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر موجود تھا اور انہوں نے حضرت ام المومنین سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بصرہ چلیں حتیٰ کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور امن قائم ہو جائے اور حضرت علی کی خلافت کا معاملہ منظم اور مستحکم ہو جائے' صحابہ کرام کا خیال یہ تھا کہ حضرت ام المومنین ان کے ساتھ ہوں گی تو ان کا زیادہ احترام ہو گا اور ان کی زیادہ طاقت ہو گی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب اور مکرم زوجہ ہیں' خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں' سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کے قصد سے اور کبار صحابہ کی حفاظت کے ارادہ سے ان کے ساتھ روانہ ہو گئیں اور ان کے ساتھ ان کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور آپ کے ساتھ جس قدر صحابہ تھے وہ حکماً آپ کے محرم تھے اور آپ کے بیٹوں کے حکم میں تھے۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۹۴۔ ۴۹۳ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاتلین عثمان کا ان صحابہ کے تعاقب میں حضرت علی کو بصرہ...... روانہ کرنا اور فریقین میں صلح کے مذاکرات

قاتلین عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ اور ان صحابہ کے بصرہ جانے کی خبر کوئی اور رنگ دے کر سنائی اور حضرت علی کو اس پر تیار کیا کہ وہ بصرہ جا کر ان لوگوں کو سزا دیں' اور حضرت حسن' حضرت حسین اور حضرت عبد اللہ بن جعفر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ آپ اس وقت تک بصرہ نہ جائیں جب تک کہ صورت حال واضح نہ ہو جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تا کہ انجام کار تقدیر کا لکھا پورا ہو جائے' پس حضرت علی رضی اللہ عنہ ان اشرار اہل فتنہ کے ہم راہ بصرہ روانہ ہو گئے' جب یہ لوگ بصرہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ کو ام المومنین' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی طرف بھیجا تا کہ ان کے مقاصد معلوم ہوں اور وہ ان مقاصد کو حضرت علی کے سامنے پیش کریں' حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین کے پاس جا کر کہا: اے امی! آپ کس مقصد سے اس شہر میں آئی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے بیٹے میں لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے آئی ہوں' پھر آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو بلایا' حضرت القعقاع نے ان سے کہا آپ لوگ بتائیں کہ صلح کا کیا طریقہ ہو گا؟ انہوں نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین پر حد قائم کی جائے اور ان کے وارثوں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا جائے' پھر یہ ہمارے امن کا سبب ہو گا' اور بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو گا' حضرت القعقاع نے کہا یہ تبھی ہو سکے گا جب تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور فتنہ کی آگ ٹھنڈی ہو جائے سو تم لوگوں پر لازم ہے کہ اس وقت صلح کر لو' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے کہا تم نے درست بات کہی اور اچھا فیصلہ کیا۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۰۰' ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاتلین عثمان کا سازش کر کے بصرہ میں مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ کرا دینا

حضرت القعقاع[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس واپس گئے اور ان مذاکرات کی خبر دی' حضرت امیر یہ سن کر خوش اور مطمئن ہوئے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا اور تین دن وہاں ٹھہرے اور کسی کو صلح کے متعلق کوئی شک نہ تھا' جب چوتھی رات ہوئی اور فریقین کے درمیان صلح کے لیے پیش قدمی کی کوشش ہو رہی تھی اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے' اس موقع پر وہ قاتلین حاضر نہ تھے اور وہ سخت اضطراب اور پریشانی میں مبتلا تھے اور ان کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی' انہوں نے باہم گٹھ جوڑ کر کے یہ سازش کی کہ رات کو ان مسلمانوں پر حملہ کر دیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہیں تاکہ وہ لوگ یہ گمان کریں کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی ہے' پھر حضرت امیر کا لشکر ان پر ٹوٹ پڑے گا کہ حضرت عائشہ کی طرف سے بد عہدی ہوئی ہے' اور فریقین میں جنگ چھڑ جائے گی' سو ایسا ہی ہوا جب ان قاتلین نے اپنی سازش کے مطابق حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وغیرہما کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ حضرت علی کے اصحاب نے بد عہدی کی سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو مسلمان تھے انہوں نے حضرت امیر کے لشکر پر حملہ کر دیا اور قاتلین عثمان نے شور مچانا شروع کر دیا کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور غداری کی ہے سو فریقین میں شدت کے ساتھ جنگ چھڑ گئی' حضرت امیر کرم اللہ وجہہ حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا اور ان کے لیے اس جنگ میں مشغول ہونے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (تاریخ ابن خلدون ج ۱ص ۵۰۳-۵۰۴ ملخصاً تاریخ طبری ج ۳ص ۵۲۶' ۵۲۲ ملخصاً)

قاتلین عثمان کا حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کس قدر تسلط اور تغلب تھا اس کا اندازہ شیعہ کی مستند' مسلم اور مقبول کتاب نہج البلاغۃ کے اس اقتباس سے ہوتا ہے۔

قاتلین عثمان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر تسلط اور تغلب

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی تو آپ کے بعض اصحاب نے کہا کاش آپ ان لوگوں کو سزا دیتے جنہوں نے قتل عثمان کے لیے لشکر جمع کیا تھا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اے بھائیو! جو بات تم جانتے ہو میں بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میرے پاس ان پر قابو پانے کی طاقت کہاں ہے' حالت تو یہ ہے کہ جس گروہ نے قتل عثمان کے لیے لشکر کشی کی وہ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ ہنوز باقی ہے' یہ لوگ مجھ پر تسلط اور تغلب رکھتے ہیں میں ان پر تسلط اور تغلب نہیں رکھتا' اور آگاہ ہو جاؤ کہ قاتلین عثمان ایسے لوگ ہیں کہ تمہارے غلام تک ان کے پر جوش حامی ہیں' اور تمہارے بادیہ نشین ان سے ملے ہوئے ہیں' اور یہ قاتلین عثمان (کہیں باہر نہیں) خود تم میں موجود ہیں' ہنوز مدینہ سے باہر نہیں نکلے ہیں' اور تمہیں ہر طرح کا ضرر پہنچا سکتے ہیں' اور کیا تمہیں اس کا کوئی امکان نظر آتا ہے کہ تم ان پر غالب آسکو' کوئی شبہ نہیں کہ یہ قتل جاہلیت کی بناء پر کیا گیا ہے' ان لوگوں کے پاس کمک اور امداد کی کمی نہیں ہے اور جب لوگوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے کہا جائے گا تو لوگ چند فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے' ایک فرقہ تو وہ ہو گا جس کی رائے تمہارے موافق ہو گی' اور دوسرا فرقہ وہ ہو گا جس کی رائے تمہارے خلاف ہو گی اور تیسرا فرقہ وہ ہو گا جس کی رائے نہ یہ ہو گی

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: حضرت القعقاع بن عمرو تمیمی صحابی ہیں' ان سے کئی احادیث مروی ہیں' یہ جنگ قادسیہ میں شریک تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا جنگ قادسیہ میں کون سب سے تیز گھوڑے سوار تھا؟ انہوں نے کہا قعقاع بن عمرو۔ انہوں نے ایک دن میں تیس حملے کیے اور ہر حملہ میں متعدد دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ الاصابہ رقم الحدیث ۷۱۳۲

وہ۔ سوتم صبر سے کام لو حتیٰ کہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور لوگوں کے حقوق آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکیں (الیٰ قولہ) میں جلد ہی مروت کے ساتھ اصلاح کروں گا اور جب میرے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہے گا تو آخری دوا گرم لوہے سے داغ لگانا ہے۔

(نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۶۶ ص ۵۹۰ انتشارات زرین ایران' نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۶۷ ص ۴۵۹' شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی)

شیخ کمال الدین میثم علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ ھ اس خطبہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ' حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قاتلین سے قصاص لینے کی تاخیر کے سلسلہ میں ہے۔

اس عذر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر کو قاتلین عثمان پر کما حقہ قدرت نہیں تھی' اسی لیے فرمایا میں ان سے قصاص کس طرح لے سکتا ہوں اور قاتلین عثمان کو اسی طرح قوت اور شوکت حاصل ہے' اور حضرت الامیر کے کلام کا صدق اس سے ظاہر ہے کہ اکثر اہل مدینہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان کے خلاف چڑھائی کرنے کے لیے آئے تھے وہ لوگ اہل مصر سے تھے' اور کوفہ سے بھی ایک بڑی جماعت آئی تھی' وہ دور دراز سے سفر کر کے آئے تھے اور بہت سے بادیہ نشین اور غلام ان سے مل گئے تھے' ان کی بہت بڑی طاقت تھی اسی لیے فرمایا ''وہ تمہیں ہر طرح کا آزار پہنچا سکتے ہیں''۔

روایت ہے کہ حضرت الامیر نے لوگوں کو جمع کر کے وعظ کیا پھر فرمایا حضرت عثمان کے قاتلین کھڑے ہو جائیں تو چند آدمیوں کے سوا تمام لوگ کھڑے ہو گئے' حضرت علی کا یہ فعل اس بات کے صدق کی شہادت ہے کہ قاتلین عثمان اسی طرح طاقت ور تھے اور جب ان حالات کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ کو ان کے خلاف کسی اقدام کرنے کی بالکل طاقت نہیں تھی' پھر آپ نے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے فرمایا: بے شک یہ قتل عثمان زمانۂ جاہلیت کی کارروائی ہے' اس کا کوئی شرعی جواز نہ تھا' اور حضرت عثمان سے کوئی ایسا کام صادر نہیں ہوا تھا جس کی سزا میں ان کو قتل کیا جاتا' اور ان قاتلین کے بہت حامی اور مددگار ہیں۔ (الیٰ قولہ) پھر آپ نے لوگوں کو انتظار کرنے کے لیے کہا اور ان کو ڈرایا کہ اگر قصاص میں جلدی کی گئی تو دین کی شوکت کمزور پڑ جائے گی اور اس سے بڑا فتنہ نمودار ہو جائے گا' اس لیے مناسب یہ ہے کہ حالات کے پرسکون ہونے تک انتظار کیا جائے پھر شرعی طریقہ کے مطابق حضرت عثمان کے بیٹے معین کر کے بتائیں کہ فلاں فلاں قاتل ہیں اور فلاں فلاں محاصرہ کرنے والے ہیں اور امام کے پاس مقدمہ پیش کریں تاکہ امام اللہ کے حکم کے مطابق شرعی فیصلہ کرے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اہل شام نے شرعی مطالبہ کرنے کے بجائے میرے حکم کی مخالفت کی اور طاقت اور غلبہ سے قصاص کا مطالبہ کیا اور پھر اس کے نتیجہ میں جو ہوا وہ ہوا۔ (شرح نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۳۲۲۔۳۲۱' دارالعالم الاسلامی بیروت)

قاتلین عثمان سے قصاص نہ لینے پر سید مودودی کا تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ تین رخنے تھے جن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافتِ راشدہ کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے کر کام شروع کیا۔ ابھی انہوں نے کام شروع کیا ہی تھا اور شورش برپا کرنے والے دو ہزار آدمیوں کی جمعیت مدینے میں موجود تھی کہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے ملے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے' اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجیے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں' مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں؟'' سب نے کہا ''نہیں''۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا

حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس بجا ہو جائیں' خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے"۔

اس کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر ان کی رائے یہ قرار پائی کہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے بصرہ وکوفہ سے' جہاں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے بکثرت حامی موجود تھے۔ فوجی مدد حاصل کی جائے' چنانچہ یہ قافلہ مکہ سے بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۲۸۔ ۱۲۷' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۷۵ء)

اس کے بعد سید مودودی لکھتے ہیں:

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ' جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تابع فرمان بنانے کے لیے شام کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے' بصرے کے اس اجتماع کی اطلاعات سن کر پہلے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مجبور ہو گئے' لیکن بکثرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اور ان کے زیرِ اثر لوگ جو مسلمانوں کی خانہ جنگی کو فطری طور پر ایک فتنہ سمجھ رہے تھے' اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ جن سے پیچھا چھڑانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ موقع کا انتظار کر رہے تھے' اس تھوڑی سے فوج میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فراہم کی تھی' ان کے ساتھ شامل رہے۔ یہ چیز ان کے لیے بدنامی کی موجب بھی ہوئی اور فتنے کی موجب بھی۔

بصرے کے باہر جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں' اس وقت دردمند لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس بات کے لیے کوشاں ہوئی کہ اہل ایمان کے ان دونوں گروہوں کو متصادم نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ ان کے درمیان مصالحت کی بات چیت قریب قریب طے ہو چکی تھی۔ مگر ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہو گئی تو پھر ہماری خیر نہیں' اور دوسری طرف ام المومنین رضی اللہ عنہ کی فوج میں وہ لوگ تھے جو دونوں کو لڑا کر کمزور کر دینا چاہتے تھے' اس لیے انہوں نے بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کر دی اور وہ جنگ جمل برپا ہو کر رہی جسے دونوں طرف کے اہل خیر روکنا چاہتے تھے۔

جنگ جمل کے آغاز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ میں آپ دونوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں حضرات تشریف لے آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد دلا کر جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ سے ہٹ کر الگ چلے گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ لیکن ایک ظالم عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا' اور مشہور روایت کے مطابق' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن الحکم نے قتل کر دیا۔

بہر حال یہ جنگ برپا ہو کر رہی اور اس میں دونوں طرف کے دس ہزار آدمی شہید ہوئے۔ یہ تاریخ اسلام کی دوسری عظیم ترین بدقسمتی ہے جو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد رونما ہوئی' اور اس نے امت کو ملوکیت کی طرف ایک قدم اور دھکیل دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں جو فوج لڑی تھی وہ زیادہ تر بصرہ وکوفہ ہی سے فراہم ہوئی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اس کے پانچ ہزار آدمی شہید اور ہزاروں آدمی مجروح ہو گئے تو یہ امید کیسے کی جا سکتی تھی کہ اب عراق کے لوگ

اس یک جہتی کے ساتھ ان کی حمایت کریں گے جس یک جہتی کے ساتھ شام کے لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کر رہے تھے۔ جنگ صفین اور اس کے بعد کے مراحل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ کا اتحاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ کا تفرقہ بنیادی طور پر اسی جنگ جمل کا نتیجہ تھا۔ یہ اگر پیش نہ آئی ہوتی تو پچھلی ساری خرابیوں کے باوجود ملوکیت کی آمد کو روکنا عین ممکن تھا۔ حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے تصادم کا یہی نتیجہ تھا جس کے رونما ہونے کی توقع مروان بن الحکم رکھتا تھا' اسی لیے وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگ کر بصرے گیا تھا' اور افسوس کہ اس کی یہ توقع سوفی صدی پوری ہوگئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۳۰۔ ۱۲۹' ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۷۵ء)

نیز سید مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بے زار تھے' بادل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے' اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کرنے کے لیے جب انہوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک مؤخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں' آپ لوگ بیعت کر لیں تو پھر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا"۔ پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ دار ہیں' اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلۃ عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت)۔ لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے' حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے' دراں حالیکہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۷۵ء)

مشاجرات صحابہ میں مصنف کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی اس کتاب میں حضرت عثمان' حضرت معاویہ' ام المومنین حضرت عائشہ' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی غلطیاں گنوائی ہیں' اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور ان کے اختلافات میں ہمیں کسی فریق پر انگشت نمائی نہیں کرنی چاہیے اور ان کے تمام کاموں کی اچھی اور نیک تاویل کرنی چاہیے' بعض صحابہ سے بعض معاملات میں اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن وہ سب عند اللہ ماجور ہیں۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی طرف سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے یہ عشرہ مبشرہ سے ہیں' جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے انہوں نے متعدد زخم کھائے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوجب طلحۃ آج طلحہ نے جنت کو واجب کر لیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل

کے مقتولین کو دیکھ رہے تھے' جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو ان کے چہرے سے گرد صاف کرنے لگے اور کہا اے ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو' آسمان کے ستاروں کے نیچے تم کو اس طرح دیکھنا مجھ پر سخت دشوار ہے' اور اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ میں اس حادثہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت علی کے لشکر میں سے عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر بن العوام کا سر مبارک کاٹ دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں' جب عمرو بن جرموز نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کا سر مبارک کاٹ کر اس امید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا کہ وہ اس کو کوئی انعام دیں گے اور ملنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا اس کو ملنے کی اجازت نہ دو اور اس کو دوزخ کی بشارت دو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا' ابن جرموز کے پاس حضرت زبیر کی تلوار تھی' حضرت علی نے اسے دیکھ کر فرمایا اس تلوار نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے کرب کو دور کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۷۔۳۴۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عائشہ اور حضرت علی کا جنگ جمل میں مسلمانوں کے خون بہنے پر غم اور افسوس کرنا

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

پس جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابتداء میں اپنے محارم کے ساتھ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئی تھیں اور بعد میں مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان صلح کرانے کے قصد سے بصرہ گئی تھیں اور آپ کا یہ نیک مقصد بھی حج سے کم نہیں تھا' اور اس آیت مذکورہ میں مطلقاً گھر سے نکلنے کی ممانعت نہیں ہے اور نیک مقاصد کے لیے ازواج مطہرات کے گھروں سے نکلنا جائز اور مستحسن ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کوئی اعتراض نہیں رہتا' اور بعد میں جو واقعات پیش آئے اور قاتلین عثمان کی سازش سے فریقین کے درمیان صلح کے بجائے جنگ جمل برپا ہو گئی اس کا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہم وگمان بھی نہیں تھا' اور ان واقعات کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ روتے روتے آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

امام ابن المنذر' امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''وقرن فی بیوتکن'' کی تلاوت کرتیں تو آپ کو جنگ جمل کی یاد آجاتی جس میں بہ کثرت مسلمان شہید ہو گئے تھے' اور آپ کے رونے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ نے اس آیت کا معنی پہلے نہیں سمجھا تھا یا گھر سے نکلتے وقت آپ اس آیت میں مذکور ممانعت کو بھول گئی تھیں' بلکہ آپ بہ کثرت مسلمانوں کے قتل پر افسوس سے روتی تھیں اور آپ کا یہ افسوس ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل کے بعد افسوس ہوا تھا' حضرت ام المومنین کے ساتھ جو مسلمان تھے جب ان کو شکست ہو گئی اور طرفین سے جنہوں نے قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مقتل کا طواف کر رہے تھے اور افسوس سے اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہہ رہے تھے کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر جاتا یا بھولا بسرا ہو جاتا۔

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۴۲ ملخصاً مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

حضرت عائشہ کے متعلق شیعہ کی ناگفتنی روایات

بعض روایت میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا اور ان میں حضرت عائشہ بھی تھیں کہ میں تم میں سے ایک ایسی عورت کے ساتھ ہوں جس پر الحواب کے کتے بھونکیں گے' اور جب آپ بصرہ جا رہی تھیں تو راستہ

میں مقام حوأب آیا تھا اور وہ کتے آپ پر بھونکے تھے اور آپ نے واپسی کا قصد کیا تھا مگر آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے انہوں نے آپ کو واپس جانے نہیں دیا' یہ سب غیر مستند اور غیر معتبر روایات ہیں۔

اسی طرح شیعہ کا یہ بھی زعم ہے کہ حضرت عائشہ نے مسلمانوں کو حضرت عثمان کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل پر اکسایا تھا یہ سب جھوٹی اور بے اصل روایات ہیں۔

اسی طرح شیعہ کا یہ بھی زعم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے بصرہ روانہ ہوئی تھیں یہ بھی کذب اور افتراء ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں ان میں سے یہ حدیث ہے جس کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی کی محبت عبادت ہے' اور ان واقعات کے بعد فرمایا میرے اور علی کے درمیان وہی تعلق تھا جو ایک عورت اور اس کے دیور میں ہوتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے خاتمہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا اور آپ کے ساتھ بصرہ کی معزز اور مکرم خواتین کو بھیجا تھا اس موقع پر بھی شیعہ نے بعض ناگفتنی باتیں کہیں ہیں۔

حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے پر حضرت زینب اور حضرت سودہ ..... کے گھر سے نہ نکلنے کے معارضہ کا جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو حج کے لیے مکہ روانہ ہوئی تھیں اس پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت سودہ اور حضرت زینب بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حج کے لیے نہیں گئی تھیں' اگر آپ کے بعد ازواج مطہرات کے لیے حج کرنا جائز ہوتا تو وہ بھی آپ کے بعد حج کے لیے جاتیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ (تمہارا) حج ہے' اس کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنے کو لازم کر لینا' پھر حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات نے اس کو بعد بھی حج کیا اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے' اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۷۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۵۴۔ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۳' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

اور امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ آپ اس طرح حج اور عمرہ نہیں کرتیں جس طرح آپ کی دیگر صواحب کرتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے گھر میں ٹھہری رہوں' پس اللہ کی قسم! میں تا حیات اس گھر سے نہیں نکلوں گی' محمد بن سیرین نے کہا: پس اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرے سے نہیں نکلیں حتیٰ کہ حجرے سے ان کا جنازہ نکالا گیا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۵۲۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زینب اور حضرت سودہ کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نہ نکلنا' ان کے اجتہاد پر مبنی ہے' جیسا کہ دیگر ازواج کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نکلنا ان کے اجتہاد پر مبنی ہے۔

رہا یہ کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے آپ نے ازواج مطہرات سے فرمایا اس حج کے بعد تم اپنے گھروں میں منحصر رہنا'

اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس کے بعد تم کبھی حج نہ کرنا اور کسی حاجت شرعی کے باوجود گھروں سے نہ نکلنا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے وصال کے بعد باقی ازواج مطہرات حج کے لیے نہ جاتیں اور صحابہ کرام اس پر خاموش نہ رہتے بلکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو حج کے لیے روانہ کیا اور حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ بھیجا اور ان سے فرمایا تم دونوں ان کے نیک فرزندوں کے حکم میں ہو تم میں سے ایک ان کے آگے رہے اور ایک ان کے پیچھے رہے' اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو یہ ازواج مطہرات کے حج کے جواز پر اجماع سکوتی ہو گیا' سو حضرت زینب اور حضرت سودہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ حجۃ الوداع کے بعد ان کے لیے اپنے حجروں سے نکلنا جائز نہیں ہے' اسی لیے انہوں نے اس کے بعد حج نہیں کیا اور دیگر ازواج نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ اس حج کی جنس سے کوئی عبادت ہو یا کوئی اور دینی مہم ہو تو اس کے لیے تم سفر کرنا اور جب اس عبادت یا اس مہم سے فارغ ہو جاؤ تو پھر مناسب یہ ہے کہ تم اپنے گھروں میں منحصر رہنا اور اس کا مفاد یہ تھا کہ تمہارے لیے گھروں سے نکلنا مباح ہے۔

اور جو شخص انصاف سے غور کرے تو اس پر منکشف ہو گا کہ اس حدیث میں حجۃ الوداع کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں سے نکلنے کی مطلقاً ممانعت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں اپنی بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارے' اور دیگر ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے اپنے حجروں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آتی تھیں اور ان میں حضرت سودہ اور حضرت زینب بھی تھیں' اور جن بیویوں کو اپنے شوہر سے بہت کم محبت بھی ہو وہ بھی ایسے موقع پر اپنے شوہر کی زیارت اور اس کی عیادت کے لیے ضرور آتی ہیں چہ جائیکہ وہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی عیادت کے لیے نہ آتیں جن کی محبت ان کے ایمان کا جزو ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ حجۃ الوداع کے بعد ازواج مطہرات کے لیے اپنے گھروں سے نہ نکلنا لازم نہیں تھا بلکہ ضرورت شرعی کے پیش نظر ان کا گھروں سے نکلنا جائز تھا۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۸۔۱۳ ملخصاً ومخرجاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلاحی اقدام پر قرآن مجید سے دلائل

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے پہلے حج کی نذر مان لی تھی' اور انہوں نے نذر پوری نہ کرنے کو جائز نہیں سمجھا اور اگر وہ فتنہ کی اس آگ سے بچ جاتیں تو بہتر ہوتا۔

باقی رہا ان کا جنگ جمل کی طرف جانا تو وہ جنگ کرنے نہیں گئی تھیں' لیکن مسلمانوں نے اس عظیم فتنہ کی ان سے شکایت کی کہ لوگ حرج میں مبتلا ہیں وہ چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ اپنی برکت سے فریقین میں صلح کروا دیں' اور لوگوں کو امید تھی کہ فریقین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام کا احترام کریں گے اور ان کے حکم پر عمل کریں گے' کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح کے مطابق وہ تمام مومنوں کی ماں ہیں' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات پر عمل کیا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ. (النساء: ۱۱۴)

ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے' سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا کسی اور نیک کام کرنے کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا. (الحجرات: ۹)

اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کا جو حکم ہے اس کے مخاطب تمام مسلمان ہیں' خواہ وہ مرد ہوں یا عورت' آزاد ہوں یا غلام' سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس حکم کے موافق مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے حکم کی مکلف تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی سابق تقدیر اور اس کے علم ازل میں یہ مقرر تھا کہ یہ صلح نہیں ہوگی' دونوں فریقوں کے درمیان بصرہ میں زبردست جنگ ہوئی جس سے قریب تھا کہ مسلمانوں کے دونوں فریق فنا ہو جاتے۔ پھر کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور جب وہ اونٹ پہلو کے بل گر گیا تو محمد بن ابی بکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنبھال لیا اور ان کو بصرہ لے گئے' اس جنگ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر شہید ہو گئے اور اونٹ کے گرنے کے بعد ان کے لشکر کو شکست ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ کی تیس معزز خواتین کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا (تاریخ ابن خلدون ج۱ ص ۵۰۴' ملخصاً) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نیکو کارہ تھیں' اللہ سے ڈرنے والی تھیں' پرہیز گار تھیں' مجتہدہ تھیں انہوں نے اس معاملہ میں جو اجتہاد کیا تھا وہ اس اجتہاد میں برحق اور صحت اور صواب پر تھیں اور اس اجتہاد کے موافق انہوں نے جو کچھ کارروائی کی وہ اس میں اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور ہم اصول میں بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام کے آپس کے مناقشات' اختلافات اور ان کی لڑائیوں کی بہترین تاویل کرنی چاہیے اور ان کو صحت اور صواب پر محمول کرنا چاہیے۔

(احکام القرآن ج۳ ص ۵۷۰۔۵۶۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی اس عبارت پر اعتماد کر کے اس کو نقل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۶۴۔۱۶۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیت تطہیر کے مصادیق

اس کے بعد فرمایا: اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے۔ (الاحزاب: ۳۳)

اس آیت میں اہل بیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری' حضرت انس بن مالک' حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

(۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد آپ کے اہل اور آپ کی ازواج ہیں۔

اور فرمایا تم سے ہر قسم کی نجاست دور فرما دے' یعنی گناہوں اور برائیوں کی آلودگی سے حفاظت فرمائے گا' اور فرمایا تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ کر دے' یعنی بری خواہشات' دنیا کے میل کچیل اور دنیا کی طرف رغبت سے تم کو دور رکھے گا اور تمہارے دلوں میں بخل اور طمع نہ آنے دے گا اور تم کو سخاوت اور ایثار کے ذریعہ پاک اور صاف رکھے گا۔

(النکت والعیون ج۴ ص ۴۰۱۔۴۰۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

آیت تطہیر سے ازواج مطہرات کا مراد ہونا

اس سے پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہے: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: ۳۲) اور اس کے بعد والی آیت میں بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب: ۳۴) اس کا تقاضا ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہو۔

نیز قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ بیت سے مراد بیت سکنی ہوتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ. (ھود:۷۳)

فرشتوں نے (سارہ سے) کہا' کیا تم اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مخلوق کی دو قسمیں کیں' پس اللہ عزوجل نے مجھے ان میں سے بہترین قسم میں رکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واصحب الیمین واصحب الشمال** (دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے) سو میں دائیں ہاتھ والوں سے ہوں اور دائیں ہاتھ والوں میں سے سب سے بہتر ہوں' پھر دو قسموں کی تین قسمیں کیں' فرمایا **فاصحب المیمنۃ' والسابقون السابقون** 'سو میں سابقین میں سے ہوں اور سابقین میں سب سے بہتر ہوں' پھر اس تیسری قسم کے قبائل بنائے پس مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ. (الحجرات:۱۳)

اور تم کو مختلف گروہوں اور قبائل میں رکھا تاکہ تمہاری پہچان ہو اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

پھر ان قبائل کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:۳۳) پس میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ا ص ۱۷۱۔۱۷۰' دارالکتب العلمیہ بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت (الاحزاب: ۳۳) بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے' عکرمہ نے کہا جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۷۳ ص ۱۱۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آیت تطہیر سے اہل بیت کا مراد ہونا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اے لوگو! میں صرف ایک بشر ہوں' عنقریب میرے پاس اللہ کا سفیر آئے گا' اور میں اس کی دعوت کو قبول کروں گا' میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے' سو تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اس کا دامن تھام لو' پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی طرف راغب کیا' اور فرمایا دوسری بھاری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں' حصین نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا: اے زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کی اہل بیت نہیں ہیں؟ حضرت زید بن ارقم نے کہا آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت سے ہیں لیکن (اس ارشاد میں) آپ کے اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ کرنا حرام ہے' اس نے پوچھا وہ کون ہیں! انہوں نے کہا وہ آل علی' آل عقیل' آل جعفر اور آل عباس ہیں' اس نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۷۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حج کے موقع پر

دیکھا آپ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے اے لوگو! میں نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم نے ان کو پکڑ لیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اللہ کی کتاب اور میری اولاد میرے اہل بیت۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۶۸۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا. (الاحزاب:۳۳) اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور ان سب کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی پشت کے پیچھے تھے پس آپ نے ان کو بھی اس چادر میں ڈھانپ لیا پھر کہا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں' تو ان سے (ہر قسم کی) نجاست کو دور رکھنا اور ان کو خوب پاکیزہ رکھنا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! آیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا تم اپنے مقام پر ہو اور تم میری طرف منسوب ہو' نیک ہو' دوسری روایت میں ہے تم خیر پر ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۸۷'۳۲۰۵)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو تھام لیا تو تم میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے! ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظیم ہے' ایک کتاب اللہ ہے یہ وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تانی ہوئی ہے اور دوسری میری اولاد ہے میرے اہل بیت' وہ ہرگز ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ دونوں میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے' پس غور کرو کہ تم میرے بعد ان سے کس طرح پیش آتے ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۵۰۶' مسند احمد ج ۳ص ۱۴۔۱۷۔۲۶۔۵۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۱۰۲۱۔۱۰۲۷' الضعفاء للعقیلی ج ۲ص ۲۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۶۷۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۵۶۶' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۳۶۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو (امام طبرانی کی دیگر روایات میں حضرت علی کا ذکر بھی ہے) کو ایک کپڑے میں داخل کیا (حدیث:۲۶۶۷ میں سیاہ چادر کا ذکر ہے) پھر فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ داخل فرما لیں! آپ نے فرمایا تم (بھی) میرے اہل سے ہو۔ دیگر روایات میں الاحزاب:۳۳ کی تلاوت کا بھی ذکر ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۶۷۳۔۲۶۷۲۔۲۶۷۱۔۲۶۷۰۔۲۶۶۹۔۲۶۶۸۔۲۶۶۷۔۲۶۶۶۔۲۶۶۵۔۲۶۶۴۔۲۶۶۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا**' حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۲۶۱۱' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۳ص ۶۶' رقم الحدیث:۲۶۱۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو الحمراء ہلال بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے دروازے پر جا کر فرماتے **الصلاۃ الصلاۃ** (نماز کے لیے اٹھو) **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا** ○ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ص ۱۹۸' رقم الحدیث:۱۰۷۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

ہمارے نزدیک اہل بیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات' آپ کی اولاد اور آپ کے رشتہ دار سب داخل ہیں' اور بیت سے مراد عام ہے خواہ بیت سکنیٰ ہو یا بیت نسب' بیت سکنیٰ میں ازواج مطہرات داخل ہیں اور بیت نسب میں آپ کی اولاد اور رشتہ دار داخل ہیں' ہم اس سلسلہ میں پہلے کتب لغت سے نقول پیش کریں گے پھر قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے استشہاد کریں گے اور اس کے بعد علماء کی تصریحات پیش کریں گے فنقول وباللہ التوفیق ۔

تصریحات لغت سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے نسب' یا دین یا پیشہ یا گھر یا شہر میں شریک اور شامل ہوں' لغت میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے گھر میں رہتے ہوں' پھر مجازاً جو لوگ اس کے نسب میں شریک ہوں ان کو بھی اس کے اہل کہا جاتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو بھی مطلقاً اہل بیت کہا جاتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ . (الاحزاب: ۳۳)

اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے۔

کسی شخص کی بیوی کو اس کے اہل سے تعبیر کی جاتا ہے اور اہل اسلام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو سب اسلام کے ماننے والے ہوں ۔ اور چونکہ اسلام نے مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ . (ھود: ۴۶)

اے نوح! بے شک وہ (آپ کا بیٹا) آپ کے اہل سے نہیں ہے' اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت آپ کی ازواج' آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ۔

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۹' نشر ادب الحوزۃ' ۱۴۰۵ ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۲ ھ لکھتے ہیں:

آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں جن کو تعظیماً ثقل کہا گیا ہے لیکن یہ وہ اہل بیت نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۳۴' مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورۃ' ۱۴۱۵ ھ)

سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کی بیوی کو اس کی اہل کہا جاتا ہے' اور اہل میں اولاد بھی داخل ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل آپ کی ازواج' آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد حضرت علی ہیں ۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۷ ص ۲۱۷' دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید کی نصوص سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

فرشتوں نے (سارہ سے) کہا کیا تم اللہ کے کاموں سے

بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِؕ. (ھود:۷۳) تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے متعلق ارشاد ہے:

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا. (طٰہٰ:۱۰) موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ارشاد ہے:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ. (یوسف:۲۵) وہ کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔

بیوی اور بچوں کے متعلق ارشاد ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ. (الانبیا:۸۴) سو ہم نے ایوب کی دعا سن لی اور ان کو جو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے ان کو اہل وعیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ان کی مثل بھی۔

وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ. (مریم:۵۵) اور اسماعیل اپنے بیوی بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

احادیث صحیحہ کے اطلاقات میں اہل کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غزوہ بنوالمصطلق میں بدکاری کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی عنه اذاه فی اهلی والله ما علمت علی اهلی الا خیرا. اے مسلمانو! اس شخص کے معاملہ میں میری مدد کون کرے گا جس کی اذیت اب میری بیوی کے متعلق پہنچ چکی ہے' اللہ کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق سوا خیر کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۳۴۷_۱۹۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی اہل (بیوی) سے عمل زوجیت کرتے وقت یہ دعا کرے بسم اللہ اے اللہ شیطان کو ہم سے دور رکھ اور ہم کو جو (بچہ) دے اس کو بھی شیطان سے دور رکھ' پھر ان کے لیے جو بچہ مقدر کیا جائے اس کو شیطان ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۶۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۰۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۰۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۱۹)

اسی طرح صحیح مسلم (رقم الحدیث:۲۴۰۸) کے حوالہ سے یہ حدیث گذر چکی ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت سے ہیں لیکن ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے' اور جن پر صدقہ کرنا حرام ہے وہ اہل بیت آل علی' آل عقیل' آل جعفر اور آل عباس ہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۲۰' المفہم ج ۶ ص ۳۰۵' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۳۰۵)

اور اس وضاحت سے ان احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اپنی جگہ خیر پر ہو یعنی اہل بیت میں سے نہیں ہو' اور بعض احادیث میں ہے کہ تم اہل

بیت میں ہو یعنی ان اہل بیت میں سے نہیں ہو جن پر صدقہ حرام ہے اور مطلقاً اہل بیت میں سے ہو' روایات کی تفصیل یہ ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب: ۳۳) میرے گھر میں نازل ہوئی' میں اس وقت دروازہ پر بیٹھی ہوئی تھی' آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اپنے خاوند اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلاؤ' پھر آپ نے ان سب کو چادر میں داخل کر کے فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں' حضرت ام سلمہ نے کہا میں نے چادر اٹھائی تا کہ میں بھی ان میں داخل ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ کھینچ کر فرمایا (بعض روایات میں ہے تم الگ رہو) تم تو خیر پر ہو ہی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۳-۲۶۶۴-۲۶۶۶-۲۶۶۸)

اس روایت کا محمل یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے' اور دوسری روایات وہ ہیں جن میں آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اہل بیت سے ہو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' (دوسری روایات میں حضرت علی کا بھی ذکر ہے) اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ایک کپڑے میں داخل کر کے فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں' حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ داخل فرمالیں' آپ نے فرمایا تم بھی میرے اہل سے ہو' اور بعض روایات میں ہے تم بھی ہو۔ امام بغوی کی روایت میں ہے: حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! میں بھی اہل بیت میں سے ہوں آپ نے فرمایا کیوں نہیں! ان شاء اللہ۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۳-۲۶۶۵-۲۶۶۷-۲۶۶۹-۲۶۷۰ م معالم التنزیل ج ۳ ص ۶۳۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۰۵)

اہل بیت میں ازواج مطہرات اور آپ کی عترت کے دخول کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اہل بیت کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے اہل بیت' آپ کی اولاد اور آپ کی ازواج ہیں' اور حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت علی بھی ان میں سے ہیں' کیونکہ آپ کی بیٹی کی واسطے سے وہ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۶۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ازواج مطہرات اہل بیت سے خارج نہیں ہیں' بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اہل بیت کے عنوان کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت (گھر) میں آپ کے ساتھ لازم رہتی تھیں' علامہ ابن عطیہ نے کہا کہ آپ کی ازواج اہل بیت سے خارج نہیں ہیں' پس اہل بیت آپ کی ازواج ہیں' آپ کی بیٹی (حضرت فاطمہ) ان کے بیٹے اور ان کے شوہر ہیں' علامہ زمخشری نے کہا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اہل بیت سے ہیں' اور آپ کی ازواج کے گھر وحی نازل ہونے کی جگہیں ہیں۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں اور اس میں شیعہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اہل بیت حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہیں کیونکہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ چادر لے کر آئے پھر حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین کو اس چادر میں داخل کر کے یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے

کہ یہ حضرات اہل بیت سے ہیں' اس پر دلالت نہیں کرتی کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل بیت سے نہیں ہیں اور اگر بالفرض اس کی یہ دلالت ہو بھی تو قرآن مجید کی اس نص صریح کے مقابلہ میں اس روایت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ یہ آیت ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (روح البیان ج ۷ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد العماری الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ اور قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی تقریر کی ہے۔

(تفسیر ابی السعود ج ۵ص ۲۲۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر بیضاوی مع حاشیۃ الشہاب ج ۷ص ۴۸۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ میرے متعلق' علی کے متعلق' فاطمہ' حسن اور حسین کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس روایت میں حصر کا لفظ نہیں ہے اور عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا' اور شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ افضل اہل بیت ہیں اور یہ تقریر اس مفروضہ کی بناء پر ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو اور مجھے ظن غالب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مشکوٰۃ: ۶۱۳۶ میں صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح سیاہ چادر اوڑھی ہوئی تھی' آپ کے پاس حضرت حسن بن علی آئے تو آپ نے ان کو اس چادر میں داخل کرلیا' پھر حضرت حسین آئے تو وہ بھی اس چادر میں داخل ہوگئے' پھر حضرت فاطمہ آئیں تو آپ نے ان کو بھی اس سیاہ چادر میں داخل کرلیا' پھر حضرت علی آئے تو ان کو بھی اس چادر میں داخل کرلیا (رضی اللہ عنہم) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۳)

اس کی تشریح میں ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: ۳۲) اور اس آیت کے بعد بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: ۳۴)

(مرقات ج ۱۰ص ۵۰۸' مکتبہ حقانیہ پشاور)

الحمد للہ ہم نے کتب لغت' قرآن مجید کی آیات' احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات سے واضح کردیا ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت اور آپ کے داماد حضرت علی سب داخل ہیں اس لیے شیعہ علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اہل بیت کا لفظ صرف ان پانچ نفوس قدسیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اب ہم شیعہ علماء کی عبارت پیش کررہے ہیں۔

شیعہ علماء کے اس اعتراض کا جواب کہ اہل بیت کے ساتھ مذکر کی ضمائر کیوں لائی گئیں

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ اور شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید الخدری' حضرت انس بن مالک' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت واثلہ بن الاسقع (رضی اللہ عنہم) بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی'

حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلا کر اپنی سیاہ چادر میں داخل فرمالیا اور فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے نجاست کو دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر دے' (الی قولہ) عکرمہ نے کہا یہ آیت خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق ہے اور یہ غلط ہے' کیونکہ اگر یہ آیت ازواج کے متعلق ہوتی تو اس میں مؤنث کے صیغے ہوتے جیسے اس سے پہلے وقرن فی بیوتکن اور ولا تبرجن اور اطعن اللہ اور اقمن وغیرہا میں ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۴۰ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' مجمع البیان ج ۸ ص ۵۵۹ دار المعرفہ بیروت)

شیخ الطائفہ کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اور جب کسی جملہ میں مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو مذکر صیغے لائے جاتے ہیں مؤنث نہیں لائے جاتے اس لیے لیذھب عنکم الرجس فرمایا اور لیذھب عنکن الرجس نہیں فرمایا' اور اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل بیت لفظاً مذکر ہے اور معنیً مونث ہے اور ضمیروں کے لانے میں لفظ کی رعایت ہوتی ہے معنی کی نہیں ہوتی۔

شیعہ علماء کا اہل بیت کی عصمت کو ثابت کرنا اور اس کا جواب

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت (الاحزاب: ۳۳) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کی جماعت میں ایسے معصوم ہیں جن سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی اور ان کا اجماع ہمیشہ صحیح ہوتا ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے نجاست کو دور کرنے کا اور ان کو پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے مجتنب رکھنے اور ان سے اطاعت اور عبادت کرانے کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ تو تمام مکلفین سے فرمایا ہے اور اس ارادہ کی اہل بیت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے' بلکہ اہل بیت کی خصوصیت تب ہوگی جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسے لطف کا ارادہ کرے جس کی بناء پر ان سے معصیت کا صدور ممتنع اور محال ہو جائے اور اسی وجہ سے اس آیت کو اہل بیت کی مدح میں پیش کرنا درست ہوگا اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اہل بیت کی عصمت کا ثبوت ہے۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی نے بھی اہل بیت کی عصمت کے ثبوت میں یہی تقریر کی ہے۔

(مجمع البیان ج ۸ ص ۵۶۰' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

شیعہ مفسرین کی یہ دلیل حسب ذیل وجوہ سے مردود ہے:

(۱) اس آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ تقاضا ہو کہ نجاست کو دور کرنا اور گناہوں سے پاک کرنا آل رسول کی خصوصیت ہے اور کسی اور کو یہ وصف نہیں دیا گیا اور اس آیت کا سیاق وسباق ازواج مطہرات کی مدح کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ آل رسول کی' اس لیے اگر اس وصف کی خصوصیت ہوگی بھی تو وہ ازواج مطہرات کے ساتھ ہوگی نہ کہ آل رسول کے ساتھ۔

(۲) عصمت کا یہ معنی نہیں ہے کہ معصوم سے گناہ کا صدور ممتنع اور محال ہو ورنہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا یا اطاعت کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ مکلف اس کام کا کیا جاتا ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو' جیسے پتھروں اور درختوں کو عبادت کرنے اور گناہوں کو ترک کرنے کا مکلف نہیں کیا گیا' اور جب اہل بیت اس معنی میں معصوم ہیں کہ ان کے لیے نیکی کو ترک کرنا اور برائی کا ارتکاب کرنا ممکن نہیں ہے تو ان کا عبادت کرنا اور گناہوں سے باز رہنا

تعریف اور تحسین کا موجب بھی نہیں ہوگا جیسے دیواروں کی اس بات پر تعریف نہیں کی جاتی کہ وہ شراب نہیں پیتیں اور زنا نہیں کرتیں۔

(۳) اگر اہل بیت معصوم ہیں اور ان کا گناہ کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اس آیت کا نازل کرنا عبث اور بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب وہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتے تو پھر اس کہنے کا کیا فائدہ ہے کہ اللہ اہل بیت کو گناہوں سے مجتنب کرنے اور پاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کا ہونا لازم اور ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا اگر اس کا ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے تو پھر اہل بیت کا گناہوں سے پاک ہونا بھی لازم اور ضروری نہیں ہوگا اور اس سے اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوگا' اور اگر اس کا پورا ہونا لازم اور ضروری ہو تو پھر لازم آئے گا کہ تمام مسلمانوں کو معصوم مانا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضوٗ غسل اور تیمّم کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ.

اللہ تم کو کسی قسم کی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ تم کو پاک کرنے کا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔

(المائدہ:۶)

بلکہ اس آیت سے اہل بیت کی تطہیر کی بہ نسبت عام مسلمانوں کی عصمت زیادہ مؤکد طریقہ سے ثابت ہوگی کیونکہ اس میں مسلمانوں کو صرف گناہوں سے پاک کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان پر اپنی نعمت کو مکمل کرنے کا بھی ذکر ہے۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت تیمّم اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۶) یہ غلط ہے کیونکہ آیت تیمّم غزوۃ المریسیع ۶ ھ میں نازل ہوئی ہے (الاستذکار ج ۳ ص ۱۴۱) اور غزوہ بدر ۲ ھ میں ہوا ہے۔

ازواج مطہرات کا احادیث کو پہنچانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O (الاحزاب:۳۴)

اس آیت میں بھی ازواج مطہرات سے خطاب فرمایا ہے کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حکمت پر مشتمل جن آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے' اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث سنتی ہو اور آپ کے جن افعال اور احوال اور آپ کے جن خصائل اور شمائل کا مشاہدہ کرتی ہو ان کو خود بھی یاد رکھا کرو اور لوگوں کے سامنے بھی حسب ضرورت اور حسب مواقع بہ طور وعظ اور نصیحت بیان کرتی رہو یعنی پہلے ان آیات اور احادیث سے اپنے اندر کمال پیدا کرو اور پھر ان آیات اور احادیث اور سنن سے دوسروں کی تکمیل کا ذریعہ بنو۔

اللہ کی آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور اس سے وہ نشانیاں دلائل اور معجزات بھی مراد ہو سکتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی ہرگز شرمندہ ہونے نہیں دے گا' کیونکہ آپ رشتہ داروں سے ملاپ رکھتے ہیں' لوگوں کو بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کو مال کما کر دیتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق کی مشکلات میں مدد کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۳۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے' اپنے کپڑے سی لیتے

تھے اور جس طرح تم میں سے کوئی شخص گھر کے کام کرتا ہے' اس طرح آپ گھر کے کام کر لیتے تھے۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بدگو تھے نہ تکلفاً' نہ راستے میں بلند آواز سے بات کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تک اللہ کی حدود کو نہ توڑا جائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا اور جب اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو توڑا جائے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو غضب میں نہیں دیکھا اور جب بھی آپ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے متعلق بتایئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی تو تھا۔ الحدیث
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۱)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جامع اور کامل عبارت میں دیکھنا چاہو تو وہ متن قرآن ہے اور اگر متن قرآن کو انسانی پیکر میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہو تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ازواج مطہرات اللہ کی ان آیات کا ذکر کرتی تھیں اور ان آیات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' اور رسالت کے صدق پر دلالت کرتی تھیں نیز ازواج مطہرات قرآن مجید اور سنت نبویہ پر مشتمل احکام بھی حسب ضرورت لوگوں کے سامنے بیان کرتی تھیں۔

کتب احادیث مقبولہ کا حجت ہونا

اس آیت میں کتاب اور حکمت کی تلاوت کا ذکر ہے' قرآن مجید کی متعدد آیات میں کتاب اور حکمت کی تعلیم کا بیان ہے' البقرہ: ۱۲۹۔ ۱۵۱' آل عمران ۱۶۴ اور الجمعہ: ۲ میں اس کا ذکر ہے۔

حکمت کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا' اور قرآن مجید کے حقائق' دقائق اور اسرار اور نکات کو واضح کرنا' اور ان معارف اور احکام کو بیان کرنا جن سے نفوس انسانیہ کی تکمیل ہو' نیز حکمت کا اطلاق حکمت نظری اور حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے' اسلام کے عقائد اور نظریات حکمت نظری کے جامع ہیں' اور حکمت عملی سے مراد وہ تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ایک گھرانے' ایک شہر یا ایک ملک کے لوگ برے اعمال سے مجتنب ہوں اور اچھے اعمال سے متصف ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث حکمت کے ان تمام معانی کی جامع ہیں' اس وجہ سے مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیات میں حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اس آیت میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آیات اور حکمت کی باتوں یعنی احادیث کا ذکر کریں' سو اسی وجہ سے ازواج مطہرات لوگوں کے سامنے حسب ضرورت احادیث کو بیان کرتی تھیں' مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

۲۴۴۳ احادیث کی روایت ہے' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ۴۸ احادیث کی روایت ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ۲۸۲' حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی ۴' حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی بھی ۴' حضرت میمونہ بنت الحارث الھلالیہ رضی اللہ عنہا کی ۱۰۳ اور حضرت صفیہ کی ۱۰ احادیث کی روایت ہے۔

مذکور الصدر تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس آیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان احادیث کو حسب ضرورت لوگوں کے سامنے بیان کیا' جن احادیث کا ذکر ان کے گھروں میں کیا جاتا تھا' ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں کتاب اور حکمت کی تعلیم کا ذکر ہے اور حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں اور احادیث کی تعلیم میں احادیث کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

احادیث کے حجت ہونے سے ہماری مراد صرف نفس احادیث کا حجت ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے ہماری مراد معروف کتب احادیث خصوصاً کتب احادیث صحیحہ اور مقبولہ کا حجت ہونا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے' عہد رسالت میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے براہِ راست آپ کے احکام سنتے تھے اور آپ کی اطاعت اور اتباع کرتے تھے' اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کے لیے آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کی سیرت کی اتباع کا کیا ذریعہ ہے' کیونکہ وہ براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں اور نہ آپ کے اشادات سنتے ہیں اور ان کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ ان احادیث مقبولہ پر عمل کریں جو معروف اور مشہور کتب احادیث میں مذکور ہیں' قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ۝ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝ (الجمعۃ: ۳۔۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے باطن کو صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں' اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے○ اور ان ہی میں سے دوسروں کو بھی کتاب اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں' جو ابھی تک ان پہلوں سے نہیں ملے' اور وہی بہت غالب بڑی حکمت والا ہے○

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عہد رسالت وصحابہ کے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی کتاب اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں' سو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کتاب کی تعلیم تو واضح ہے' کیونکہ قرآن مجید تو قیامت تک مسلمانوں میں باقی اور موجود ہے' پس اگر آپ کی سنت اور آپ کی احادیث کو بھی قیامت تک موجود اور باقی نہ مانا جائے تو یہ آیت صادق نہیں ہوگی' اور بعد کے لوگوں کے لیے سنت پر عمل کرنے اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا اور بعد کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوگی' اور بعد کے لوگوں کے لیے آپ کے ارشادات آپ کی سنت اور آپ کی احادیث صرف ان معروف کتب احادیث کی صورت میں موجود ہیں اس لیے اگر ان معروف کتب احادیث کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت اور موجب عمل نہ مانا جائے تو بعد کے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوگی اور ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اسوہ اور نمونہ نہیں ہوگا اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوگا!

ان کتب احادیث میں بہ شمول مکررات صحیح بخاری میں ۷۵۶۳ احادیث ہیں اور صحیح مسلم میں ۷۴۲۸ احادیث ہیں اور یہ

تمام احادیث صحیح ہیں اور سنن ترمذی میں ۳۹۵۶' سنن ابوداؤد میں ۵۲۷۴' سنن نسائی میں ۵۷۶۱ اور سنن ابن ماجہ میں ۴۳۴۱ احادیث ہیں [1] ان میں اکثر اور غالب احادیث صحیح ہیں اور بعض احادیث کی اسانید حسن ہیں اور یہ احادیث بھی مقبول ہیں اور بہت کم احادیث کی سند ضعیف ہے' جن کی علماء اصول حدیث نے تعیین کر دی ہے ان کے علاوہ احادیث صحیحہ کا ایک اور مجموعہ صحیح ابن حبان ہے اس میں ۷۴۹۱ احادیث ہیں' مسند احمد (مطبوعہ عالم الکتب) میں ۲۸۱۹۹ احادیث ہیں اور دارالحدیث قاہرہ کے نسخہ میں ۲۷۷۱۶ احادیث ہیں' اور اسی نسخہ میں احادیث کی اسانید کی تحقیق کر دی گئی ہے اور اس کے حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے کہ کس حدیث کی سند صحیح ہے اور کس حدیث کی سند حسن ہے اور کس حدیث کی سند ضعیف ہے اور کس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور کس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے اور کس حدیث پر عمل کرنے میں فضیلت ہے اور کس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت نے ۵۰ جلدوں پر مشتمل مسند احمد طبع کی ہے' اُس میں کل احادیث کی تعداد ۲۷۶۴۷ ہے۔ احادیث کی بہت تحقیق اور تخریج کی ہے۔

حلال اور حرام اور احکام شرعیہ سے متعلق کل احادیث کی تعداد سات ہزار ہے اور یہ احادیث مکررۃ الاسانید ہیں اور ان کی تعداد بلا تکرار نو سو ہے اس کی مزید تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۔ ۹۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں

وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ

اور اطاعت شعار مرد اور اطاعت شعار عورتیں' اور صادق مرد اور صادق عورتیں' اور صابر مرد اور صابر عورتیں'

وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَ

اور متواضع مرد اور متواضع عورتیں ' او صدقہ دینے والے مرد اور

الْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِينَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ

صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد

فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں

[1] صحاح ستہ کی احادیث کی یہ تعداد جدید تحقیق کے مطابق ہے کیونکہ اب مصر اور بیروت سے طبع شدہ کتب احادیث میں نمبر لگا دیئے گئے ہیں لہٰذا یہی تعداد صحیح ہے' اس سے پہلے ہم نے تذکرۃ المحدثین میں ان کتابوں کی احادیث کی جو تعداد لکھی تھی وہ قدیم علماء کی گنتی کے مطابق تھی لیکن چونکہ پہلے ان کتابوں میں احادیث پر نمبر نہیں لگائے گئے تھے اس لیے وہ تعداد ظنی اور تخمینی تھی اور یہ تعداد حتمی اور قطعی ہے۔ اب ہم نے تذکرۃ المحدثین میں بھی صحیح تعداد کا اضافہ کر دیا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٣٥﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے O اور نہ کسی مومن مرد

وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں

الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ

تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾ ؕ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ

گم راہی میں مبتلا ہو گیا O اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے

عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ

اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو

مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا

چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے' پھر

قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی' تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر

حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ

اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق اس میں کوئی حرج نہ رہے کہ جب وہ انہیں طلاق دے کر بے غرض ہو جائیں (تو وہ ان

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

سے نکاح کر سکیں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہونے والا تھا O اور نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرما دیا

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿٣٨﴾ ۙ

ہے یہ اللہ کا دستور ہے جو ان امتوں میں بھی رہا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں O

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا

جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے

اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں' اور اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت شعار مرد اور اطاعت شعار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں' اور صابر مرد اور صابر عورتیں' اور متواضع مرد اور متواضع عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۳۵)

قرآن مجید میں خواتین کا ذکر

حضرت ام عمارۃ الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا میں دیکھتی ہوں کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر صرف مردوں کے لیے ہے اور میں عورتوں کے لیے کسی چیز کا حکم نہیں دیکھتی' تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الاحزاب: ۳۵)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۱' المعجم الکبیر ج ۲۵ رقم الحدیث: ۵۳۔۵۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہمارا اس طرح ذکر نہیں ہے' جس طرح مردوں کا ذکر ہے' پھر مجھے اس دن اس بات نے خوف زدہ کر دیا کہ میں نے منبر پر آپ کی ندا سنی' میں اس وقت اپنے بال سنوار رہی تھی' میں نے اپنے بالوں کو لپیٹا پھر میں اپنے گھر کے حجروں میں سے ایک حجرہ میں گئی میں نے اپنے کان لگائے تو اس وقت آپ اپنے منبر پر یہ فرما رہے تھے' اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں (الاحزاب: ۳۵)

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۵' رقم الحدیث: ۲۶۶۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۰۵)

اسلام' ایمان' قنوت اور خشوع وغیرہ کے معانی

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں: وہ مرد اور عورتیں جو کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت

شعار ہوں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔

مومن مرد اور مومن عورتیں: وہ لوگ جو اللہ کے واحد لاشریک ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں اور آپ اللہ کے پاس سے جو بھی پیغام لے کر آئے اس کو مانیں اور قبول کریں اور نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اور دیگر احکام شرعیہ کی پابندی کریں۔

قانتین اور قانتات: جو تمام عبادات پر دوام اور استمرار کے ساتھ عمل کریں۔

صادقین اور صادقات: جو ہمیشہ سچ بولیں اور اپنے اعمال سے اپنے اقوال کی تصدیق کریں۔

صابرین اور صابرات: جو مصائب پر بے قراری اور شکایت نہ کریں' عبادت کی مشقت پر ثابت قدم رہیں اور جب نفس اور شیطان ان کو گناہ پر اکسائے تو اس کے کہنے میں نہ آئیں اور خود پر ضبط کریں۔

الخاشعین و الخاشعات: جو اپنے دلوں اور اپنے اعضاء سے متواضع اور منکسر رہیں' تکبر نہ کریں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں دائیں اور بائیں التفات نہ کریں۔

المتصدقین و المتصدقات: جو فرض اور نفل صدقات ادا کریں

والحافظین فروجھم و الحافظات: بیویاں اپنے شوہروں کے ماسوا اور شوہر اپنی بیویوں کے ماسوا بے پردہ نہ ہوں۔

بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں: مجاہد نے کہا اس وقت تک کسی کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا نہ ہو۔

بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں' مجھے ایسی چیز بتایئے جس کے ساتھ میں چمٹ جاؤں' آپ نے فرمایا تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کس بندہ کا درجہ سب سے افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے والی عورتوں کا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین سے جہاد کرے حتیٰ کہ وہ زخمی ہو کر خونم خون ہو جائے' تب بھی اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۰۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۴۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے ان اعمال کی خبر نہ دوں جو تمہارے رب کے نزدیک سب سے اچھے اور سب سے پاکیزہ ہوں اور جو تمہارے درجات سب سے زیادہ بلند کرنے والے ہوں اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات کرنے سے زیادہ اچھے ہوں' اور اس سے زیادہ بہتر ہوں کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو' وہ تمہاری گردنیں ماردیں اور تم ان کی گردنیں مار دو' صحابہ نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے' حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیاO (الاحزاب: ۳۶)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا غیر کفو میں نکاح ہونا

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا' اور فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا زید بن حارثہ سے نکاح کر دوں' کیونکہ میں نے ان کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے' حضرت زینب بنت جحش نے اس کا انکار کیا اور کہا یا رسول اللہ! لیکن میں اپنے لیے زید کو ناپسند کرتی ہوں' میں اپنی قوم کی بے نکاح عورت ہوں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں سو میں اس نکاح کے لیے تیار نہیں ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا میں خاندانی شرافت کے لحاظ سے زید سے افضل ہوں' اور ان کے بھائی عبد اللہ نے بھی ان کی موافقت کی پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دونوں اس نکاح پر راضی ہو گئے اور تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا حضرت زید سے نکاح کر دیا' اور ان کے مہر میں دس دینار' ساٹھ درہم' ایک دوپٹہ' ایک قمیص' ایک چادر' ایک لحاف' ۲۵ کلوگرام طعام اور ایک سو بیس کلوگرام کھجوریں مقرر فرمائیں۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۷۔۱۶' الکشف والبیان جز ۸ ص ۴۷۔۴۶' روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۴' احکام القرآن ج ۳ ص ۵۷۴)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی المتوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت زینب بن جحش نسباً قریش تھیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے وہ بنو اسد سے تھیں۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۵۷۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ سب سے پہلی خاتون تھیں جنہوں نے خواتین میں سے ہجرت کی تھی' انہوں نے خود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا' اس پر وہ اور ان کے بھائی ناراض ہوئے اور کہا ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا تھا اور آپ نے اپنے غلام سے نکاح کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۶۸۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد مسلمانوں کے اختیار کی نفی فرمائی ہے اس سے علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امر کا تقاضا وجوب ہے۔

نکاح غیر کفو میں مذاہب ائمہ

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی الاندلسی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تصریح ہے کہ کفو میں حسب ونسب (خاندان) کا اعتبار نہیں کیا جاتا' کفو میں صرف دین کا اعتبار کیا جاتا ہے' اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی کا اختلاف ہے' کیونکہ آزاد شدہ غلاموں کا غیر خاندان میں نکاح ہوا ہے' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا یہ بنو اسد سے تھیں' حضرت مقداد بن اسود کا نکاح' حضرت ضباعہ

بنت الزبیر سے ہوا یہ ھاشمیہ تھیں' اور حضرت سالم مولی ابوحذیفہ کا نکاح ھند بنت الولید بن عتبۃ بن ربیعہ سے ہوا یہ قرشیہ تھیں۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۰-۱۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب لڑکی یا اس کا ولی یا سلطان یا قاضی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۵-۱۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ) امام شافعی کے نزدیک غیر کفو میں نکاح حرام نہیں ہے جب لڑکی اور اس کا ولی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۵' دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

امام احمد کے مسئلہ کفو میں دو قول ہیں' ایک قول کے مطابق کفو کا نکاح میں ہونا شرط ہے اور دوسرے قول کے مطابق نکاح میں کفو کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی نے اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اس کے ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے اور ان کو حق ہے کہ وہ عدالت سے اس نکاح کو فسخ کرالیں' لیکن اگر ان کو اس نکاح پر اعتراض نہ ہو تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۲۶' دار المعرفہ' قاضی خاں علی ھامش الھندیہ ج ۱ ص ۳۵۱' فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۶' سکھر)

نیز علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن الکرخی اور امام ابوبکر جصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے اور جو مشائخ عراق ان کے تابع ہیں ان سب نے کہا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا ایسا قول نہ ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نکاح غیر کفو کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (الجامع الصحیح رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴' مراسیل ابوداؤد ص ۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۵' مصابیح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۹۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے:

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۲۵' ج ۶ ص ۱۵۳-۱۵۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی درآں حالیکہ وہ غائب تھے۔ ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں وکیل نے کہا بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے' حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں' پھر فرمایا ان کے ہاں تو میرے

اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے' تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو' میں نے ان کو ناپسند کیا آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو' میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۸۰' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۱۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۴۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۶۹' موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۲۳۴' مسند احمد ج۶ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ بنت قیس قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے ان کے کفو نہ تھے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح کر کے یہ واضح کر دیا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے اور بسا اوقات اس میں بڑی خیر ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس کے بیٹے ابو حذیفہ جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' حضرت ابو حذیفہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا' سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے' حضرت ابو حذیفہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۸۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۲۸۰' مصنف عبدالرزاق ج۶ص ۱۵۵' سنن کبریٰ بیہقی ج۷ص ۱۳۷)

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے ایک آزاد قرشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے' اس کے مال کی وجہ سے' اس کے خاندانی محاسن کی وجہ سے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کی دین داری کی وجہ سے' سو تم اس کی دین داری میں کوشش کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۵۸' مسند احمد ج۲ص ۴۲۸' سنن دارمی رقم الحدیث:۲۱۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۶۵۷۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۰۳۶' شرح السنہ رقم الحدیث:۲۲۴۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج۷ص ۷۹' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث:۵۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۰۸۲' حلیۃ الاولیاء ج۸ص ۳۸۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۱۵۷۰)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لیے نسب میں کفو اور مماثلت کی شرط لگانا از روئے اسلام صحیح نہیں ہے۔

غیر ہاشمی اور غیر سیدہ کا ہاشمیہ یا فاطمی سیدہ سے نکاح

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کر دیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج۱ص ۲۱' مطبوعہ کوئٹہ)

افضل اور انسب یہی ہے کہ کفو میں یعنی ایک جیسے خاندانوں میں نکاح کیا جائے تا کہ شوہر اور اس کی زوجہ کے درمیان ذہنی یگانگت رہے اور خاندان کی ناہمواری کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہ ہوں تاہم اگر کسی وقت کسی وجہ سے ماں باپ کسی مصلحت کی بناء پر غیر کفو میں رشتہ کر دیں مثلاً سیدہ کا غیر سید سے نکاح کر دیں تو یہ نکاح جائز ہے۔

بعض سادات کرام نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی ان آیات کے عموم کے لیے مخصص ہیں اور سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام ہے۔ سادات کرام کا احترام اور اکرام مسلم ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہیں اور خبر واحد قرآن مجید کے عموم کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتی' بعض سادات کرام نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز اونچی کرنا جائز نہیں ہے تو آپ کے نسب کے اوپر نسب کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نسب بیوی کے نسب سے اونچا ہو جائے ورنہ کسی سید کا نکاح بھی سیدہ سے جائز نہیں ہوگا۔ نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کا نکاح تو یقیناً غیر فاطمی شخص سے ہوا ہے کیونکہ ہماری شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بیان میں گزر چکا ہے' اس بحث میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ہم یہ دعوت نہیں دیتے کہ غیر فاطمی سید فاطمی سیدہ سے نکاح کریں نہ یہ ہمارا منصب اور حق ہے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر کہیں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو اس کو حرام کہنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے' اگر ہمارے کسی استدلال سے سادات کرام کی دل آزاری ہوئی ہے تو ہم ان سے معافی چاہتے ہیں اور سادات کرام کی محبت کو حرز ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر اس نکاح کو حرام کہا جائے تو جس سیدہ خاتون نے اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی سے غیر سید سے نکاح کیا اس فاطمی سیدہ خاتون کو مرتکب حرام' زانیہ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا کہنا لازم آئے گا' اور مانعین ایسا کہتے بھی ہیں لیکن ہم شہزادیٔ رسول اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی کے متعلق ایسا فتویٰ لگانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو خطرۂ ایمان گردانتے ہیں' سو جو لوگ اس نکاح کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں وہ نادانستگی میں شہزادیٔ رسول کو زانیہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کسی بھی نکاح رجسٹرار کے ریکارڈ شدہ رجسٹر کو دیکھ لیں ملک کے طول و عرض میں غیر فاطمی سید کے فاطمی سیدہ سے نکاح کے بہت مندرجات مل جائیں گے' آخر جس فاطمی سیدہ خاتون نے غیر سید سے نکاح کیا ہے وہ بھی تو بنت رسول ہے اس کو زنا کی گالی دینا کسی مسلمان کے لیے کس طرح زیبا ہے کیا اس کا احترام اور اکرام واجب نہیں ہے۔ کیا اس کو گالی دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں پہنچے گی؟ خدارا سوچیے کہ ہم اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادیوں کی عزتوں کا تحفظ کر رہے ہیں یا العیاذ باللہ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ مانعین اس نکاح کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو جس سیدہ خاتون یا اس کے سادات والدین نے جائز سمجھ کر نکاح کر دیا تو آپ کے نزدیک وہ العیاذ باللہ کافر ہو گئے اور کافر کا ٹھکانہ دوزخ ہے آخر آپ خون رسول کو دوزخ میں کیوں پہنچانے کے درپے ہیں۔

غیر کفو میں نکاح کے جواز کے متعلق ہم نے یہاں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ گفتگو کی ہے اور شرح صحیح مسلم میں اس پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم نے کلام کیا ہے' اس بحث کے لیے دیکھیں شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۸۷۔۹۶۴' ضمیمہ شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۸۴۔۱۱۵۹' شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۱۰۵۔۱۰۲۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے' جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے' پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا' تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق اس میں کوئی حرج نہ رہے کہ جب وہ انہیں طلاق دے کر بے

غرض ہو جائیں (تو وہ ان سے نکاح کر سکیں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہونے والا تھا O (الاحزاب: ۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام دینا' غنی فرمانا اور تقسیم فرمانا

جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے: اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں' جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ اسلام لانے کی توفیق دی' اور آپ کے دل میں ڈالا کہ آپ ان کی اچھی تربیت کریں اور ان کو آزاد کر دیں اور ان کو اپنا قرب عطا کریں اور ان کو اپنا بیٹا بنالیں۔

اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے اس سے مراد آپ کا حضرت زید بن حارثہ کو آزاد کرنا ہے' اور ان پر اس قدر شفقت فرمائی اور اس قدر حسن سلوک کیا کہ جب ان کے والد اور چچا ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے تو انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے پر آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی منعم فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منعم فرمایا ہے' اس طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: ۷۴)

اور ان (منافقوں) کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو غنی کرنے والا قرار دیا ہے۔

اور حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانما انا قاسم والله يعطى.

اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں' اور اللہ عطا فرمانے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۹۶۲' عالم الکتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے انعام فرماتے ہیں اور غنی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہر چیز عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو تقسیم فرماتے ہیں' اس کائنات میں جس شخص کو جو نعمت بھی ملی ہے وہ آپ کے واسطہ سے اور آپ کی تقسیم سے ملی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تفصیلات

حضرت زید بن حارثہ کی بیوی' حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مزاج کی تیز تھیں اور حضرت زید کے مقابلہ میں اپنے نسب اور اپنے خاندان کو برتر خیال کرتی تھیں اور حضرت زید' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ان کی شکایت کرتے تھے کہ ان کی زبان بہت سخت ہے اس لیے میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو' اور اللہ سے ڈرو اور ان کی زبان کی تیزی اور تندی کی وجہ سے ان کو طلاق مت دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرما دیا تھا کہ بالآخر حضرت زید' حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور ان کی عدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے گا' اور آپ کو یہ خوف اور خدشہ تھا کہ پھر کفار اور منافقین آپ پر یہ اعتراض کریں گے کہ پہلے آپ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا' حالانکہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' ان اعتراضات کے خدشہ کی وجہ سے آپ حضرت زید سے فرماتے تھے کہ تم زینب کو طلاق مت دو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے فرمایا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے کسی آیت کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۰۸' المعجم الکبیر ج ۲۴' رقم الحدیث: ۱۱۱)

اس کے بعد فرمایا: جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی۔

اور طلاق دینے کے بعد زید کے دل میں ان کی طرف سے کوئی میلان اور رغبت نہ رہی اور نہ ان کے فراق سے ان کے دل میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا: تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم زینب کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو' حضرت زید ان کے پاس گئے اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں' وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ان کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی بہت عظمت اور ہیبت طاری ہوگئی اور میں ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہیں لا رہا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا' میں ان کی طرف پیٹھ کر کے اپنی ایڑیوں کے اوپر کھڑا ہو گیا' میں نے کہا اے زینب! تمہیں خوش خبری مبارک ہو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے' حضرت زینب نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کروں گی' پھر وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ چلی گئیں اور اسی وقت قرآن نازل ہو گیا (یعنی یہ آیت: وزوجنکھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجازت کے ان کے پاس داخل ہو گئے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ میں ہمیں روٹیاں اور گوشت کھلایا۔ الحدیث
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵ طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۵۹' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۰۴ طبع قدیم' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۸۲ طبع جدید' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المستدرک ج ۴ ص ۲۳' اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں پردہ کے حکم کی آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ولیمہ میں روٹیاں اور گوشت کھلایا' اور حضرت زینب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج کے سامنے فخر کرتی تھیں اور فرماتی تھیں اللہ تعالیٰ نے میرا آسمانوں میں نکاح کیا ہے' اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے وہ دیگر ازواج سے فرماتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۲۰۔ ۷۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۹۸' عالم الکتب)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ چیز ہے کہ آپ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپ بغیر مہر کے نکاح کر لیں تاکہ آپ کی ازواج مطہرات خلوص سے آپ کا قصد کریں نہ کہ مہر کے عوض' اور آپ سے تخفیف ہو اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی آپ کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح سے آپ اپنے نکاح میں گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی مستغنی ہیں' اسی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات سے فخر سے یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ عزوجل نے کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۳۹۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نکاح کا خود ولی ہو گیا اور اس لیے

فرمایا ہم نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا' امام جعفر بن محمد نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ اس نے آپ کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا' تو آپ بغیر اجازت کے حضرت زینب کے پاس داخل ہو گئے' کسی عقد نکاح کی تجدید کی گئی نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا اور نہ ان شرائط میں سے کوئی چیز تھی جو ہمارے نکاحوں میں ہوتی ہیں' اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی وجہ سے حضرت زینب دیگر ازواج سے بہ طور فخر یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر اللہ عزوجل نے کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس آیت کی یہی تقریر کی ہے۔
(روح البیان ج ۷ ص ۲۱۵' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۲۲ ص ۴۷' ۱۴۱۷ھ)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی مختصر سوانح

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ذوالقعدہ پانچ ہجری میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا نکاح کے وقت ان کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی' وہ بہت نیکی کرنے والی اور بہ کثرت صدقہ اور خیرات کرنے والی تھیں' ان کا پہلے نام برہ تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا' ان کی کنیت ام الحکم تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے ان سے زیادہ نیکوکارہ' صادقہ' اللہ سے ڈرنے والی' صلہ رحم کرنے والی' خیرات کرنے والی اور امانت دار خاتون نہیں دیکھی' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے میرے متعلق پوچھا اور ازواج مطہرات میں یہی میری ٹکر کی تھیں' ان کے تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۰۔ ۲۳۴۷)

نیز حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے سو ہم ناپتے تھے کہ ہم میں سے کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں' تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی کے ہاتھ سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ بہت صدقہ اور خیرات کرتی تھیں (آپ کی مراد لمبے ہاتھوں سے زیادہ سخاوت کرنا تھی اور ازواج نے اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد جسمانی لمبائی ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

امام واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب ۲۰ھ کو فوت ہوئیں اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور ایک روایت کے مطابق ان کی عمر ترپین سال تھی۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرما دیا ہے' یہ اللہ کا دستور جو ان امتوں میں بھی رہا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں' اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں ○ جو لوگ اللہ کے پیغامات

پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O
(الاحزاب: ۳۹۔۳۸)

حضرت زینب سے نکاح میں مسلمانوں کے لیے نمونہ اور آسانی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت زینب سے نکاح کو مقدر فرما دیا تھا' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نکاح کو کرنا قضا و قدر کے مطابق تھا' اور نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں مشروع فرما چکا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں ہے کہ جب آپ کے عقد میں پہلے سے ازواج مطہرات موجود تھیں تو پھر آپ نے حضرت زینب سے نکاح کیوں کیا' حضرت داؤد علیہ السلام کے عقد میں سو بیویاں تھیں اور ان کے پاس تین سو کنیزیں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عقد میں تین سو بیویاں تھیں اور سات سو کنیزیں تھیں۔ (الجامع لا حکام القرآن جز ۱۴ص ۱۷۷' روح المعانی جز ۲۲ص ۳۹' روح البیان ج ۷ص ۲۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے معاملہ میں انبیاء علیہم السلام پر کوئی تنگی نہیں رکھی اور اس معاملہ میں ان کو وسعت حاصل رہی ہے' اور ایمان کے بعد دنیا کی عبادات میں سے صرف نکاح ہی ایسی عبادت ہے جو جنت میں بھی حاصل ہوگی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں سے صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے' خوشبو' عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۹)

قدرا مقدورا کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کام قدر مقدور ہیں' اس سے قضاء و قدر کی طرف اشارہ ہے' قدر سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا جو علم ازل میں ہے' اور قضاء سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس علم کو لوح میں لکھ کر محفوظ کر لینا' ہر چیز جو تدریجاً وقوع پذیر ہو رہی ہے وہ مقدور ہے' اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی یا ولی کے لیے کسی کام کو مقدر فرما دیتا ہے تو خواہ بہ ظاہر اس میں کوئی حرج یا نقصان ہو لیکن حقیقت میں اس میں کوئی حرج یا نقصان نہیں ہوتا' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقدر کر دیا تھا' بہ ظاہر یہ نکاح بعض منافقوں کے طعن و تشنیع کا سبب بنا کہ آپ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنانے کے بعد ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا' لیکن حقیقت میں اس میں کوئی غلط بات نہ تھی کیونکہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا' اور اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا حقیقی بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کی طرح نہیں ہے' اور اس میں عام مسلمانوں اور مومنوں کے لیے یہ نمونہ اور یہ ہدایت ہے کہ وہ منہ بولے بیٹے کے اوپر حقیقی بیٹے کے احکام جاری نہ کریں اور منہ بولے بیٹے کو نسبی بیٹا نہ قرار دیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے کی حقیقت

اس کے بعد فرمایا: جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتے ہیں یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف ہو اور وہ اس پر عتاب فرمائے یعنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے' اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حجاب سے ڈرتے ہیں' یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مطالعہ اور اس کی تجلیات سے محروم ہوں اور ان کے اور اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کے درمیان حجاب آ جائے اور عام مسلمان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں' خواہ قبر کا عذاب ہو یا حشر کا عذاب ہو یا دوزخ کا عذاب ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے' حالانکہ

وہ بھی اللہ کے غیر سے ڈرتے رہے ہیں' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن گئی اور وہ اس سے خوف زدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا خذھا ولا تخف (طٰہٰ:۲۰) آپ اس اژدھے کو پکڑ لیجئے اور اس سے مت ڈریئے' اور اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ (یوسف:۱۳) اور مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھالے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی' کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتی ہے اور جن بعض واقعات میں ان کو غیر اللہ سے ڈر ہوا ان کو وہ ڈر بشری تقاضوں سے عارض ہوا' جیسے ان کا سونا' کھانا' پینا اور ازواج کے ساتھ مشغول ہونا بشری تقاضوں سے تھا ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور اس کی معرفت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہتے اور اس کی یاد اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے' خوشبو' عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے (سنن النسائی رقم الحدیث:۳۹۴۹) اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود عورت سے محبت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کو پورا کرنے کے لیے آپ کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے' اس لیے فقہاء احناف نے کہا کہ نفلی عبادات میں مشغول ہونے سے نکاح کرنا افضل ہے' نیز بغیر عوائق اور موانع کے عبادت کرنے سے افضل یہ ہے کہ انسان کو عبادت سے روکنے کے عوارض اور موانع ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جب انسان کے اوپر اہل و عیال کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کے دل میں ان کی محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے اوپر فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور محرمات اور مکروہات سے رکنا بہت کٹھن اور مشکل ہوتا ہے' اس لیے شادی شدہ انسان کا اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا زیادہ لائق تعریف ہے بہ نسبت مجرد انسان کے' اس لیے فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ نفلی عبادات میں مشغول ہونے کی بہ نسبت انسان کا نکاح کرنا افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الاحزاب:۴۰)

اس کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ وہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں اور آپ کے چار نسبی بیٹے تھے آپ حضرت قاسم' حضرت ابراہیم' حضرت طیب اور حضرت مطہر کے والد تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۲۱۷۶۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۷۶۹۸)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو کفار اور منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی آپ پر حرام ہو جائیں لیکن آپ تعظیم اور تکریم کے اعتبار سے امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر کفار اور منافقین کے اعتراضات کو ساقط کر دیا' اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں جو مرد تھے آپ ان میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں' یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کسی کے والد نہیں ہیں کیونکہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور آپ ان کے والد تھے اور آپ کے چار بیٹے تھے اور آپ ان کے والد تھے لیکن وہ سب صغر سن میں

وفات پا گئے اور ان میں سے کوئی بھی مرد ہونے کی عمر تک نہیں پہنچا' سو آپ مردوں میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور یہ چاروں آپ کے نسبی بیٹے تھے مخاطبین کے مردوں میں سے نہ تھے' بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹) لیکن آپ نے ان کو مجازاً اپنے بیٹے فرمایا وہ آپ کے نسبی بیٹے نہ تھے' وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسبی بیٹے اور آپ کے نواسے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں وہ نہ کسی مرد کے حقیقی والد ہیں' نہ رضاعی والد ہیں۔

ہم نے امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ کے دو بیٹے تھے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم' حضرت قاسم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہے اور حضرت ابراہیم آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل از اسلام پیدا ہوئی' صرف حضرت ابراہیم واحد ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اسی وجہ سے ان کا لقب طیب اور مطہر ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ص ۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ آپ کسی مرد کے شرعی والد ہیں نہ رضاعی اور نہ کسی کو آپ نے شرعاً بیٹا بنایا کیونکہ شرعاً بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید بن حارثہ مجہول النسب نہیں تھے ان کا نسب معروف تھا وہ حارثہ کے بیٹے تھے غرض آپ کسی اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہ تھے' نسبی نہ رضاعی نہ متبنیٰ کے اعتبار سے۔

(روح المعانی جز ۲۲ص ۴۵۔۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے پر صاف اور صریح آیت تو یہی الاحزاب: ۴۰ ہے' اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات بھی ہیں جن سے آپ کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا ثابت ہے:

(۲) اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند فرمالیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین کا کامل اور تمام ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ آخری نبی ہیں' کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا' جب آپ کے دین اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی ہوتی جس کمی کو بعد میں آنے والا نبی پورا کرتا' اور جب آپ کا دین کامل اور تمام ہے اور اس کا نامکمل ہونا ممکن نہیں ہے تو آپ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی ممکن نہیں ہے۔

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. (سبا: ۲۸)

اور (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے (جنت کی) بشارت دینے والا اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے آپ رسول ہیں اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ تمام لوگوں کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لیے کوئی اور رسول آئے گا' اور اس سے یہ آیت کاذب ہو جائے گی اور قرآن مجید کا کاذب ہونا محال ہے' اس سے لازم آیا کہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا محال ہے۔

(۴) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (الاعراف:۱۵۸) آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اس آیت کی بھی حسب سابق تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر آپ سب کے لیے رسول نہیں رہیں گے۔

(۵) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کی بھی اسی طرح تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر بعض لوگوں کے لیے وہ رسول رحمت ہو گا اور آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۶) تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان:۱) وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے عبد کامل پر وہ کتاب نازل کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے تا کہ وہ عبد کامل تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والا ہو جائے۔

اس آیت سے بھی اسی طرح استدلال ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز اور ممکن کہا جائے تو آپ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے نہیں رہیں گے کیونکہ بعض لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا وہ رسول ہو گا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۷) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران:۸۱) اور یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائے جو ان (چیزوں) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں، تو تم سب اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور تم سب ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا، انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا پس تم سب (ایک دوسرے پر) گواہ ہو جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس نبی کے آنے پر تمام رسولوں سے اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا پختہ عہد لیا گیا ہے وہ تمام رسولوں کے بعد آئے گا، پس اگر آپ کے بعد کسی اور رسول کے آنے کو ممکن مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہی آخری رسول ہو اور اسی کے متعلق تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا ہو بلکہ آپ سے بھی اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا ہو اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

(۸) هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الجمعہ:۲-۳) وہی ہے جس نے امی لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس کے آنے سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ۝ اس رسول کو دوسروں کے لیے بھی بھیجا ہے جو (ابھی تک) پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے لوگوں کے بھی رسول ہیں اور اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لیے بھی رسول ہیں' اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے بعد کسی اور رسول کا آنا بھی ممکن ہے تو پھر اس رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے آپ رسول نہیں ہوں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۹) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (النساء:۱۱۵)

اور جو شخص اس پر ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور تمام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔

عہد رسالت سے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا محال ہے سو جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہے۔

(۱۰) لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ. (الحدید:۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا' وہ دوسروں کے برابر نہیں ہیں' ان کا ان لوگوں سے بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے اس کے بعد (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور قتال کیا اور اللہ نے ہر ایک سے نیک عاقبت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے صحابہ' بعد کے صحابہ سے بہت افضل ہیں' اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہوتا تو وہ ان صحابہ سے افضل ہوتا کیونکہ نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے اور ان صحابہ سے اس کا افضل ہونا اس آیت کے خلاف ہے' پس آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ 'ان دس آیتوں سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق احادیث صحیحہ' مقبولہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے' جس نے بہت حسین وجمیل ایک گھر بنایا' مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے یہ کہنے لگے' اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی آپ نے فرمایا میں (قصر نبوت کی) وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸۶' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۴۲۲' مسند احمد رقم الحدیث:۹۱۴۷' عالم الکتب)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (الیٰ قولہ) عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے' ان میں سے ہر ایک کا زعم ہو گا کہ وہ نبی ہے' اور میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۵۲' صحیح البخاری ۷۱۲۱ میں ہے عنقریب تیس کذاب نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کا زعم ہو گا کہ وہ رسول اللہ ہے)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے گھر بنا کر مکمل کیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو رکھ کر اس گھر کو مکمل کر دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۰۹' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنا دیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۴۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۴۰۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۱' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۴۔۲۰۳۵۔۲۰۲۶' المستدرک ج ۳ ص ۱۰۹ قدیم' رقم الحدیث: ۴۵۷۵ جدید' سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۲۷' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۷۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۶۰)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا ملکی انتظام ان کے انبیاء کرتے تھے' جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا نبی ہو جاتا' اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اور میرے بعد بہ کثرت خلفاء ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۴۷' عالم الکتب بیروت)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے' پس میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۳۹۴۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۱)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (یعنی آخر مساجد الانبیاء ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۳۹۴' الرقم المسلسل: ۳۳۶۷)

(۱۰) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیدائش میں سب سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶۔۳۲۱۲۶)

(۱۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵)

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں لوگ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہیں گے یا محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں' اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت کر دی ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۷)

(۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے گویا ہمیں رخصت فرما رہے ہوں پھر تین بار فرمایا میں محمد نبی امی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۲' احمد شاکر نے کہا اس کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۰۲' دار الحدیث قاہرہ)

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعلمین بنایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنایا' مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے نفع کے لیے بنائی گئی ہے' اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو اول اور آخر بنایا' اور اس نے میرا سینہ کھول دیا میرا بوجھ اتار دیا اور میرے لیے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور (نبیوں کو) ختم کرنے والا بنایا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۱۶) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ جب آپ بیت المقدس پہنچے' آپ نے اپنی سواری کو ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ دیا پھر آپ نے مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی' نماز کے بعد نبیوں نے حضرت جبریل سے پوچھا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔

(المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۶۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۲' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۶۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

(۱۸) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتنہ دجال کے متعلق ایک طویل حدیث میں) فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷)

(۱۹) حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے سو تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ نمازیں پڑھو' اپنے مہینہ کے روزے رکھو' اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۷۹۷' ج ۸ رقم الحدیث: ۷۵۳۵-۷۶۱۷)

(۲۰) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! پہلے رسول آدم ہیں اور آخری رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۶۹)

(۲۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر

بن الخطاب نبی ہوتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴' المستدرک ج ۳ ص ۵۸' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۸۵۷)

(۲۲) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے کئی اسماء ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا' اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (آخر میں مبعوث ہونے والا) ہوں' جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

(۲۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں احمد ہوں' اور محمد ہوں' اور حاشر ہوں اور مقفی (سب نبیوں کے بعد مبعوث ہونے والا) ہوں اور خاتم ہوں۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۹۳۳)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث کیا گیا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرماتے تھے کیا تم میں سے کسی ایک نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر فرماتے میرے بعد نبوت میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۷)

(۲۶) وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دراز قد تھے اور ان کے بال گھونگریالے تھے' گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ سے تھے اور ان کے داہنے ہاتھ میں مہر نبوت تھی' مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میرے شانوں کے درمیان وہ مہر نبوت ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں پر ہوتی تھی' کیونکہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۷۷ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۰۵ جدید' المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

(۲۷) اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا وہ کم سنی میں فوت ہو گئے اور اگر ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنا مقدر ہوتا تو وہ نبی ہوتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۱۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۴)

(۲۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے تو سچے نبی ہوتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۷' رقم الحدیث: ۵۷۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۴۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۰۴)

(۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت میں سے صرف مبشرات باقی بچے ہیں' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۰)

(۳۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستائیس دجال اور کذاب ہوں گے' ان میں سے چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۶' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۵۱' دار الحدیث قاہرہ)

(۳۱) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ اور چچا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آئے اور آپ سے کہا آپ جو چاہے اس کی قیمت لے لیں اور اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں! آپ نے ان سے فرمایا میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم لا الہ الا اللہ کی شہادت دو اور اس کی کہ میں خاتم الانبیاء والرسل ہوں میں اس کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا' انہوں نے اس پر عذر پیش کیا اور دیناروں کی پیش کش کی' آپ نے فرمایا اچھا زید سے پوچھو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو تمہارے ساتھ بلا معاوضہ بھیج دیتا ہوں' حضرت زید نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے باپ کو ترجیح دوں گا اور نہ اپنی اولاد کو' یہ سن کر حضرت زید کے والد حارثہ مسلمان ہو گئے اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ' اور ان کے باقی رشتہ داروں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۱۴ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۹۴۶ طبع جدید)

(۳۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ہزار یا اس سے زائد انبیاء کا خاتم ہوں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ طبع جدید)

ایک ہزار سے زائد انبیاء سے مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں جیسا کہ المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ میں اس کی تصریح ہے۔

(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے درد ہو گیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز پڑھنے لگے اور مجھ پر اپنی چادر کا پلو ڈال دیا' پھر فرمایا اے ابو طالب کے بیٹے! تم ٹھیک ہو گئے اور اب تم کو کوئی تکلیف نہیں ہے' میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کیا ہے' تمہارے لیے بھی اس چیز کا سوال کیا ہے' اور میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کیا' اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرما دی سوا اس کے کہ مجھ سے کہا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۹۱۳' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۰)

(۳۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو مکمل کریں گے ہم ان میں سب سے آخری اور سب سے بہتر امت ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۶۲)

(۳۵) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی' آپ نے ان سے فرمایا: آپ اسی جگہ ٹھہریں جہاں آپ ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اس طرح ہجرت کو ختم کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۸۲۸' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۹' اس کی سند میں اسماعیل بن قیس متروک ہے)

(۳۶) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب: ۷) تو آپ فرماتے مجھ سے خیر کی ابتداء کی گئی ہے اور میں بعثت میں سب نبیوں میں آخر ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۳۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمانوں کی معراج

کرائی گئی تو میرے رب عزوجل نے مجھے اپنے قریب کیا حتیٰ کہ میرے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے سروں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک' بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک' اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے حبیب! اے محمد! کیا آپ کو اس کا غم ہے کہ آپ کو سب نبیوں کا آخر بنایا ہے' میں نے کہا اے میرے رب! نہیں! فرمایا: آپ اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دیں اور ان کو خبر دیں کہ میں نے ان کو آخری امت بنایا ہے تا کہ میں دوسری امتوں کو ان کے سامنے شرمندہ کروں اور ان کو کسی امت کے سامنے شرمندہ نہ کروں۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۳۲۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۱۱' تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۳۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۹۶' ۲۹۵' رقم الحدیث: ۸۱۱' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام کو ھند میں اتارا گیا تو وہ گھبرائے پس جبریل نے نازل ہو کر اذان دی' الله اکبر ' الله اکبر ' اشهد ان لا اله الا الله دو دفعہ' اشهد ان محمدا رسول الله دو دفعہ' حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا محمد کون ہیں' حضرت جبریل نے کہا وہ آپ کی اولاد میں سے آخر الانبیاء ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۷ ص ۳۰۹' رقم الحدیث: ۱۹۷۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۳۹) حافظ سیوطی نے مسند ابو یعلی اور امام ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے حضرت تمیم داری کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے: فرشتے قبر میں مردہ سے سوال کریں گے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اسلام میرا دین ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے نبی ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں' فرشتے کہیں گے تم نے سچ کہا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۳۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۴۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو اچھی طرح پڑھو' تم کو علم نہیں ہے شاید یہ درود آپ پر پیش کیا جائے گا' لوگوں نے کہا اے ابو عبدالرحمان آپ ہمیں تعلیم دیجئے' انہوں نے کہا تم اس طرح درود پڑھو: اللهم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدک ورسولک امام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۶۷' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۹)

(۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شفاعت کبریٰ کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں' میری اللہ کے سوا پرستش کی گئی ہے' آج مجھے صرف اپنی فکر ہے' یہ بتاؤ کہ اگر کسی سیل بند برتن میں کوئی چیز ہو تو کیا کوئی شخص سیل توڑے بغیر اس کو کھول سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں' حضرت عیسیٰ نے فرمایا پس (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور وہ یہاں موجود ہیں اللہ نے ان کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۲۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

(۴۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے پوچھا میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا آپ رسول رب العلمین اور خاتم النبیین ہیں (حافظ عسقلانی' علامہ آلوسی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے)۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۶)

(۴۳) ایاس بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر تمام لوگوں سے افضل ہیں مگر وہ نبی نہیں ہیں۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۴۸۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۴۴) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب کے پاس میرے دس نام ہیں' حضرت ابوالطفیل نے کہا مجھے ان میں سے آٹھ یاد ہیں' محمد' احمد' ابوالقاسم' الفاتح (نبوت کا افتتاح کرنے والا) الخاتم (نبوت کو ختم کرنے والا) العاقب (جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے) الحاشر' الماحی (شرک کو مٹانے والا)۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج ا ص ۶۱' رقم الحدیث: ۲۰)

(۴۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی تو انہوں نے اس میں اس امت کا ذکر پڑھا پس انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت تمام امتوں کے آخر میں ہوگی اور قیامت کے دن سب پر مقدم ہوگی اس کو میری امت بنا دے فرمایا وہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوت لابی نعیم ج ا ص ۶۸ رقم الحدیث: ۳۱)

(۴۶) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر دیکھا ایک یہودی کے پاس آگ کا شعلہ تھا' لوگ اس کے گرد جمع تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا یہ احمد کا ستارہ ہے جو طلوع ہو چکا ہے یہ صرف نبوت کے موقع پر طلوع ہوتا ہے اور انبیاء میں سے اب صرف احمد کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج ا ص ۷۶۔۷۵' رقم الحدیث: ۳۵)

(۴۷) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ جب فوت ہو گئے تو ان پر جو کپڑا تھا اس کے نیچے سے آواز آ رہی تھی' لوگوں نے ان کے سینہ اور چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو ان کے منہ سے آواز آ رہی تھی: محمد رسول اللہ النبی الامی خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۲۸۸' موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۴۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں مذکور ہے کہ مسجد اقصیٰ میں نبیوں نے حضرت جبریل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

هذا محمد رسول الله خاتم النبيين. یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔

(مسند البزار ج ا ص ۴۰' رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج ا ص ۶۹)

اسی روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کے خطبات کے بعد حسب ذیل خطبہ پڑھا:

الحمد لله الذي ارسلني رحمة للعلمين و كافة للناس بشيرا و نذيرا و انزل على الفرقان فيه تبيان كل شيء وجعل امتي خير امة اخرجت للناس وجعل امتي وسطا وجعل امتي هم الاولون والاخرون وشرح لي صدري وجعلني فاتحا و خاتما.

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں میں بہتر اور کامل بنایا جس کو لوگوں کے سامنے بھیجا گیا اور میری امت کو (قیامت میں) اول اور (دنیا میں) آخر بنایا اور میرے سینہ کو کھول دیا اور مجھے نبوت کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

(مسند البزار ج ا ص ۴۱' رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج ا ص ۶۹)

اور اس حدیث کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قد اتخذتك خليلا و هو مكتوب میں نے آپ کو خلیل بنایا' اور تورات میں لکھا ہوا ہے محمد

فی التوراة محمد حبيب الرحمان وارسلتک الى الناس كافة وجعلت امتک هم الاولون وهم الاخرون وجعلت امتک لا تجوزلهم خطبة حتى يشهدوا انک عبدی و رسولی وجعلتک اول النبيين خلقا واخرهم بعثا (الی قوله) وجعلتک فاتحا وخاتما.

رحمان کے حبیب ہیں اور میں نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا اور جب تک آپ کی امت یہ گواہی نہ دے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں ان کا خطبہ جائز نہیں ہوگا' اور میں نے آپ کو پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے بنایا اور دنیا میں سب سے آخر میں بھیجا اور آپ کو نبوت کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

(مسند البزار ج ۳ ص ۲۳ رقم الحدیث: ۵۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۴۹) حضرت ابن زمل رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: رہی وہ اونٹنی جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ میں اس اونٹنی کو چلا رہا ہوں تو اس سے مراد قیامت ہے' نہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہوگی۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۸)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے الواقعہ: ۱۳ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۵۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح درود شریف پڑھو:

لبيک اللهم ربی وسعديک صلوات الله البر الرحيم' والملائكة المقربين والنبيين والصديقين والشهداء والصالحين وما سبح لک من شیء يا رب العلمين على محمد بن عبد الله خاتم النبيين وسيد المرسلين وامام المتقين ورسول رب العلمين الشاهد البشير الداعی اليک باذنک السراج المنير وعليه السلام.

(الشفاء ج ۲ ص ۴۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' نسیم الریاض ج ۵ ص ۵۴۔۵۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

احادیث ختم نبوت کی صحیح تعداد

ہم نے پچاس احادیث صحیحہ اور مقبولہ مکمل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کی ہیں جن میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی صاف تصریح ہے' ہم نے اس سلسلہ میں مکرر احادیث کا ذکر نہیں کیا اور نہ ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کی ختم نبوت پر التزامی' تضمنی یا دور از کار یا بعید دلالت ہو[1] اور محض تعداد بڑھانے اور بھرتی کے لیے احادیث کو جمع نہیں کیا اس کے برخلاف بعض علماء نے ختم نبوت پر دو سو سے زائد احادیث جمع کی ہیں' لیکن ان میں اکثر احادیث مکررہ ہیں اور ایک حدیث کی عبارت جتنی کتابوں میں مذکور ہے اس حدیث کا اتنی بار شمار کر لیا گیا ہے' مفتی محمد شفیع دیو بندی نے اپنی کتاب ختم نبوت (ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۹ھ) میں دو سو دس احادیث ذکر کی ہیں لیکن اس کتاب میں مکررات کو الگ الگ حدیث شمار کیا گیا ہے' مثلاً ایک حدیث کی عبارت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم اس پر راضی

[1] کثرت احادیث میں حضرت ابو بکر کو امت میں سب سے افضل قرار دیا ہے اور تمام صحابہ کو بعد کے لوگوں سے افضل فرمایا ہے' بایں ہمہ ان کو نبی نہیں بنایا گیا تو اس کے بعد کے لوگ جو ان سے بہت کم درجہ کے ہیں وہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں سو یہ احادیث بھی ختم نبوت کی دلیل ہیں اور ایسی بہت احادیث ہیں لیکن ان کی ختم نبوت پر التزاماً دلالت ہے صراحۃً دلالت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے ان کا اس جگہ ذکر نہیں کیا۔

نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا مفتی صاحب نے اس حدیث کو بارہ مرتبہ ان نمبروں سے ذکر کیا ہے: حدیث نمبر: ۷' حدیث نمبر: ۲۴' حدیث نمبر: ۳۸' حدیث نمبر: ۵۱' حدیث نمبر: ۵۲' حدیث نمبر: ۲-۷' حدیث نمبر: ۳-۷' حدیث نمبر: ۴-۷' حدیث نمبر: ۵-۷' حدیث نمبر: ۶-۷' حدیث نمبر: ۸۲' حدیث نمبر: ۱۳۰۔ اس کے برخلاف ہم نے اس حدیث کو صرف ایک بار متعدد کتب حدیث کے حوالے سے حدیث نمبر: ۵ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اور کئی احادیث مکررہ ہیں جن کے الگ الگ نمبر ڈالے گئے جن میں حضرت ابن زمل کے خواب والی حدیث ہے' تیس دجالوں والی حدیث ہے' عاقب والی حدیث ہے اور کئی احادیث ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کی تصدیق کرنے ...... والوں کو فقہاء اسلام کا کافر اور مرتد قرار دینا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لانبی بعدی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں' غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے اور جو شخص اس حدیث میں تاویل یا تخصیص کرے وہ اجماع کا منکر ہے۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد (مترجم) ص ۱۶۳ ملحصًا' مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کی نبوت کا دعویٰ کرے (الی قولہ) اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے خواہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے' پس یہ سب لوگ کافر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا اور آپ نے اللہ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا ظاہر مفہوم مراد ہے اور اس کلام میں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے' اور ان لوگوں کا کفر قطعی اجماعی اور سماعی ہے۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۳۸۔۲۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اور ملا علی سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی الشفاء کی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

(نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۵۶۔۳۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۱۶۔۵۱۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

عبد الملک بن مروان الحارث نے نبوت کے دعویٰ دار ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور متعدد خلفاء اور بادشاہوں نے اسی طرح مدعیان نبوت کو قتل کیا اور اس زمانہ کے علماء نے ان کے اس اقدام کو صحیح قرار دیا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۴۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ خفاجی حنفی نے اس کی شرح میں کہا کیونکہ مدعیان نبوت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تکذیب کی کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ (نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۹۴ بیروت)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا کہ ان مدعیان نبوت کو ان کے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۲۳)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

جس کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کسبی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی یا جس کا یہ مذہب ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے وہ زندیق ہے اور اس کا قتل کرنا واجب ہے' اور کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور ہمارے زمانہ میں مالقہ (اندلس کا شہر) کے فقراء میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کو سلطان ابن الاحمر بادشاہ اندلس نے قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۸۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ محمد الشربینی الشافعی من القرن السابع لکھتے ہیں:

جو شخص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے وہ کافر ہے۔

(مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۵۲ ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا یا جس شخص نے کسی مدعی نبوت کی تصدیق کی وہ مرتد ہو گیا' کیونکہ جب مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی تو وہ سب اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے' اسی طرح طلیحہ الاسدی اور اس کے مصدقین بھی مرتد ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس کذاب نکلیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ ھ)

امام غزالی کی ''الاقتصاد'' کی عبارت پر فقہاء اسلام کے تبصرے

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

نظام معتزلی اور اس کے موافقین صرف خبر متواتر کو دین میں حجت قطعیہ مانتے ہیں اور اجماع کے حجت قطعیہ ہونے کا انکار کرتے ہیں' نظام نے کہا اس پر کوئی عقلی یا شرعی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اہل اجماع پر خطاء محال ہے' اور نظام کا یہ قول تابعین کے اجماع کے مخالف ہے' کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے وہ قطعی حق ہے اور اس کا خلاف ممکن نہیں ہے' پس نظام معتزلی نے اجماع کی حجیت کا انکار کر کے اجماع کے خلاف کیا۔

اور یہ ایک اجتہادی امر ہے اور میرے اس میں کئی اعتراض ہیں' کیونکہ اجماع کے حجت ہونے میں کئی اشکالات ہیں اور یہ نظام کے عذر ہونے کی گنجائش رکھتا ہے' لیکن اگر اجماع کے حجت ہونے پر عدم اعتماد کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔

ان خرابیوں میں سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہے تو اس کی تکفیر میں توقف کرنا بعید ہو گا۔

اور اس کو کافر کہنے کی بناء لامحالہ اجماع کی مخالفت پر رکھی جائے گی' کیونکہ آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو عقل محال نہیں قرار دیتی' اور وہ جو حدیث میں ہے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قرآن مجید میں خاتم النبیین ہے' تو منکر اجماع اس کی تاویل سے عاجز نہیں ہے' وہ کہہ سکتا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آپ اولوا العزم رسولوں کے خاتم ہیں

مطلقاً الانبیاء کے خاتم نہیں ہیں' اور اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ النبیین عام ہے تو عام کی تخصیص کرنا بھی کوئی مستبعد چیز نہیں ہے' اور یہ جو آپ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو اس حدیث میں آپ نے رسول کے آنے کی نفی نہیں کی ہے اور نبی اور رسول میں فرق کیا گیا ہے اور نبی کا مرتبہ رسول سے بلند ہے' منکر اجماع کے پاس اس طرح کے اور بھی ہذیان ہیں۔اس قسم کے فضول ہذیانوں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے کہ محض خاتم النبیین کا لفظ اس پر دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور بعض نصوص صریحہ میں اس سے بھی زیادہ بعید تاویلات کی جاتی ہیں لیکن ان بعید تاویلات کی وجہ سے وہ نصوص باطل نہیں ہوتیں۔

تاہم اس منکر اجماع پر اس طرح رد کیا جائے گا کہ تمام امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہی معنی سمجھا ہے (کہ آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے) اور آپ کے احوال کے قرائن سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ آپ کے بعد کبھی بھی کوئی رسول نہیں آ سکتا اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہو سکتی اور اس بات کا انکار وہی کرے گا جو اجماع کا منکر ہوگا۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۷۳-۲۷۲' دار و مکتبۃ الہلال بیروت' ۱۹۹۳ھ)

ہر چند کہ امام غزالی کے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کا آنا کبھی بھی ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں تاویل کرنا اور اسی طرح اس حدیث میں تخصیص کرنا ان کے نزدیک باطل اور ہذیان ہے۔لیکن اس کو کافر قرار دینے میں ان کو تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی تکفیر اجماع کی بناء پر ہوگی اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعی نہیں ہے اور جب تک اجماع کو ساتھ نہ ملایا جائے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آ سکتا' ہاں اس پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن ان کے نزدیک اجماع حجت قطعی نہیں ہے کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے امام غزالی کی اس عبارت سے اتفاق نہیں کیا اور اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے اپنی کتاب ''الاقتصاد'' میں اس آیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ میرے نزدیک الحاد ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنا ہے اور یہ بہت خبیث راستہ ہے' سو اس نظریہ سے بچو' اس نظریہ سے بچو' اور اللہ ہی اپنی رحمت سے ہدایت دینے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۷۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نے علامہ قرطبی کی عبارت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے ختم نبوت کے متعلق جو اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ الحاد ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنے کے لیے خبیث طریقہ ہے' سو اس نظریہ سے بچو! اس نظریہ سے بچو' یہ ابن بزیزہ کی عبارت ہے۔

امام غزالی کی عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف وہم پیدا کرے' امام غزالی کے حاسدین نے ان کی طرف یہ تہمت لگائی ہے' اور ابن عطیہ نے ان پر یہ حملہ کیا ہے اور امام غزالی اس تہمت سے بری ہیں' اور انہوں نے اپنی تحریروں میں اس بدعقیدگی سے برأت کا اظہار کیا ہے' کیونکہ یہ بات تو مبتدعین کہتے ہیں کہ نبوت کسبی چیز ہے اور انہوں نے اس مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ایک جملہ کو زائد ڈال دیا گیا ہے''عنقریب میرے بعد تیس ایسے آدمیوں کا ظہور ہوگا جن میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر جس کو اللہ چاہے'' اس آخری جملہ (مگر جس کو اللہ چاہے) کو محمد بن سعید شامی نے زائد کیا تھا اور اس کو اس کی زندیقی کی بناء پر سولی دی گئی' بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے نزول کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین والوں کی طرف رسول بن کر اور مبعوث ہو کر نازل نہیں ہوں گے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۱ص ۶۰۷-۶۰۶' ج ۸ص ۲۳-۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی نے بھی حسب معمول اس تمام عبارت کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔
(مکمل اکمال الاکمال مع شرح الابی ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۶ ج ۸ ص ۲۲-۲۳ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۵ھ)

امام غزالی کی ظاہر عبارت پر بہر حال یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان کو انکار ختم نبوت کو کفر قرار دینے میں تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا کفر ہونا اجماع سے ثابت ہو گا اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعیہ نہیں ہے' تاہم وہ آیت ختم نبوت اور حدیث ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو باطل اور ہذیان قرار دیتے ہیں' امام غزالی کو اعتراض سے بچانے کے لیے بعض علماء نے غزالی کی عبارت کا صرف اتنا حصہ ہی نقل کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بے شک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لا نبی بعدی) اور قرائن احوال سے بالاجماع یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد ابد تک نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل چل سکتی ہے نہ تخصیص۔
(ختم نبوت (کامل) ص ۲۶۹ ادارۃ المعارف کراچی '۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے امام غزالی سے اعتراض اٹھانے کے لیے ان کی عبارت میں تصرف کر کے اس عبارت کو یوں نقل کیا ہے:

یعنی تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہو گا حضور کے بعد کوئی رسول نہ ہو گا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑے' نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانہ یا زمین کے کسی طبقہ سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل اور تخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بکنے برانے یا بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کر رہا ہے جس میں اصلاً تاویل و تخصیص نہ ہونے پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۲۳۷ طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن لاہور '۱۴۲۰ھ)

اعلیٰ حضرت پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ انہوں نے امام غزالی کی عبارت میں تحریف کی ہے اور تکفیر کے لفظ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت نے تمام امت کے اجماع کی بناء پر ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو امام غزالی کے نزدیک کفر کہا ہے اور اجماع امت کی بناء پر امام غزالی بھی اس کو کافر کہتے ہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اجماع امت سے صرف نظر کر کے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے اس کے منکر کا کفر ثابت نہیں ہو گا اور اجماع ان کے نزدیک قطعی حجت نہیں ہے' بہر حال یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور امام غزالی کے نزدیک بھی آیت ختم نبوت اور حدیث ختم نبوت میں کوئی تاویل اور تخصیص جائز نہیں ہے۔

منکرین ختم نبوت کا اجمالی جائزہ

اس وقت دنیا میں بہائی اور قادیانی ہیں جو ختم نبوت کے منکر ہیں۔ یا امریکا میں کچھ لوگ ہیں جو علی جاہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ بہائی اور علی جاہ کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں' سب سے زیادہ قادیانی ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہیں ان کے دو فرقے ہیں ان کی غالب اکثریت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتی ہے' دوسرا فرقہ مرزا قادیانی کو مجدد اور محدث مانتا ہے اس کو لاہوری جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا کو الہام اور وحی میں اشتباہ ہو گیا' قادیانی فرقہ ان کو کافر کہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتا ہے' ان کے نزدیک جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا' وہ لکھتا ہے کہ:

جب اس کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو اس پر زور شور سے مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ (کتاب البریہ ص ۱۳۶)

۱۸۸۰ء میں مرزا ایک مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا پھر اس نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس نے یہ کہا کہ اس کو الہام کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے اور اب تک زندہ ہونے کا جو مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے وہ غلط ہے۔ اور اس عقیدہ کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور ۱۸۹۰ء تک برابر کہتا رہا کہ میرے نزدیک نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں' پھر اس نے خود کو مثیل مسیح اور مسیح موعود قرار دیا' اور ۱۸۹۱ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء تک اس دعویٰ پر قائم رہا اور اسّی سال کی عمر میں قے اور اور ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

ان تمام عنوانات پر پروفیسر محمد الیاس برنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' میں خود مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر صنادید مرزائیوں کی تصانیف کے حوالوں سے لکھا ہے' ہم قارئین کی معلومات کے لیے اس کتاب کے ان اقتباسات کو پیش کر رہے ہیں جن سے خود مرزا اور دیگر صنادید کے حوالوں سے مرزا کا محدث کا دعویٰ کرنا' پھر مثیل موعود کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا اقرار کرنا اور پھر نبوت کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا انکار کرنا واضح ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا ختم نبوت پر ایمان و اصرار

''قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی' پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے' اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوئی''۔

(''ایام صلح'' ص ۱۴۶ ''روحانی خزائن'' ص ۳۹۲۔۳۹۳' ج ۱۴ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور اللہ کو شایان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے اور نہیں شایان کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ از سر نو شروع کر دے۔ بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو اور بعض احکام قرآن کریم کے منسوخ کر دے اور ان پر بڑھا دے''۔ (ترجمہ)

(''آئینہ کمالات اسلام'' ص ۳۷۷ ''روحانی خزائن'' ص ۳۷۷ ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ' گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو' پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو' وہ محال ہوتا ہے''۔ (فتدبر) (''ازالہ اوہام' حصہ دوم ص ۵۸۳'' روحانی خزائن'' ص ۴۱۴ ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں بھی اشارہ ہے۔ پس اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کو تمام آنے والوں زمانوں اور ان زمانوں کے لوگوں کے علاج اور دوا کی رو سے مناسب نہ ہوتی تو اس عظیم الشان نبی کریم کو ان کے علاج کے واسطے قیامت تک ہمیشہ کے لیے نہ بھیجتا اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کیونکہ آپ کے برکات ہر زمانہ پر محیط اور آپ کے فیض اولیاء اور اقطاب اور محدثین کے قلوب پر بلکہ تمام مخلوقات پر وارد ہیں۔ خواہ ان کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے فیض پہنچ رہا ہے۔ پس اس کا احسان تمام لوگوں پر ہے''۔ (ترجمہ)

(''حمامۃ البشریٰ'' ص ۴۹' طبع اول' ص ۶۰' طبع دوم' ''روحانی خزائن'' ص ۲۴۳۔۲۴۴' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب قرآن کریم ہدایت کا وسیلہ ہے اور میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے رسول آدم کے فرزندوں کے سردار اور رسولوں کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کردیا''۔(ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۱' روحانی خزائن ص ۲۱ ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی''۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار' مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۰ ج ۱ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲)

محدثیت سے نبوت تک ترقی

''ہمارے سید و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہیں آ سکتا۔اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں''۔

(شہادت القرآن ص ۲۸' روحانی خزائن ص ۳۲۳۔۳۲۴' ج ۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تاکہ دین مصطفیٰ کی تجدید کروں''۔(ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۳' روحانی خزائن ص ۳۸۳' ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی۔میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے''۔(ترجمہ)

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۶' روحانی خزائن ص ۲۹۶۔۲۹۷' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا ہے اور کہہ دیا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا قول قطعاً جھوٹ ہے۔جس میں سچ کا شائبہ نہیں اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ہاں میں نے یہ ضرور کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں لیکن بالقوۃ' بالفعل نہیں تو محدث بالقوۃ نبی ہے اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوجاتا تو وہ بھی نبی ہوجاتا''۔

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۹' روحانی خزائن ص ۳۰۰' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے''۔(ازالہ اوہام ص ۴۲۱' روحانی خزائن ص ۳۲۰ ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اس (محدثیت) کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا''۔(ازالہ اوہام ص ۴۲۲' روحانی خزائن ص ۳۲۱ ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مسیح موعود کی اہمیت

''اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق

نہیں۔جس زمانہ تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی' اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا''۔(ازالہ اوہام طبع اول ص ۱۴۰' روحانی خزائن ص ۱۷۱ ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثل بھی نبی چاہیے' کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہو گا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہو گا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں''۔(توضیح المرام ص ۱۹' روحانی خزائن ص ۵۹' ج ۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مثیل مسیح بننے پر قناعت (م)

''اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بہ شدت مناسبت و مشابہت ہے''۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد اول ص ۱۵' مجموعہ اشتہارات ص ۲۴ ج ۱)

مرزا صاحب حقیقی نبی

''درحقیقت خدا کی طرف سے خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کے بتائے ہوئے معنوں کی رو سے نبی ہو اور نبی کہلانے کا مستحق ہو' تمام کمالات نبوت اس میں اس حد تک پائے جاتے ہوں جس حد تک نبیوں میں پائے جانے ضروری ہیں تو میں کہوں گا کہ ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود حقیقی نبی تھے''۔

(القول الفصل ص ۱۲' مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

''پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت (مرزا) صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں''۔(حقیقۃ النبوۃ ص ۱۷۴' مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

''حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) رسول اللہ اور نبی اللہ جو کہ اپنی ہر ایک شان میں اسرائیلی مسیح سے کم نہیں اور ہر طرح بڑھ چڑھ کر رہے''۔(کشف الاختلاف ص ۷' مصنفہ سید محمد سرور شاہ صاحب قادیانی)

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں' میں نے اپنی کتاب ''انوار اللہ'' میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود بموجب حدیث صحیح حقیقی نبی ہیں اور ایسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں (لا نفرق بین احد من رسلہ) ہاں صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں۔ جیسے کہ پہلے بھی بعض صاحب شریعت نبی نہ تھے''۔

یہ کتاب حضرت مسیح موعود نے پڑھ کر فرمایا ''آپ نے ہماری طرف سے حیدرآباد دکن میں حق تبلیغ ادا کر دیا ہے''۔

(اخبار الفضل قادیان ج ۳ ص ۳۸۔۳۹' مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

''غرضیکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا اور وہی نبی تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی نبی تھا جس کو خود اللہ نے اپنی وحی میں یا ایھا النبی کے الفاظ سے مخاطب کیا''۔(کلمۃ الفصل مصنفہ صاحب زادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجز قادیان ص ۱۱۴ نمبر ۳' جلد ۱۴)

''محترم ڈاکٹر صاحب! اگر آپ حضرات (یعنی لاہوری جماعت) صرف مسئلہ خلافت کے منکر ہوتے تو مجھے رنج نہ ہوتا کیونکہ آپ سے پہلے بھی ایک گروہ خوارج کا موجود ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ آپ حضرت اقدس (مرزا صاحب) کو مسیح موعود'

مہدی نبی نہیں مانتے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو مسیح موعود بھی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) اور اس لیے آپ کے ...
برابر ہے اور ضرور حقیقی نبی تھے اور خدا کی قسم ضرور بہ ضرور نبی تھے اور آپ کے مخالف حضرات کا بھی وہی حشر ہو گا ...
کے مخالفین کا۔ میں اس عقیدہ پر علی وجہ البصیرت قائم ہوں"۔

(مکتوب محمد عثمان خان صاحب قادیانی' مندرجہ المہدی نمبر ۱ ص ۵۸' مولفہ حکیم محمد حسین قادیانی ...)

ختم نبوت کی تجدید

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ وہ نبوت صحیح نہیں۔

(تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸' جلد ۱۲' صفحہ ۲۵' بابت ماہ اگست ...)

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا' وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۷۔۴۰۶' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس جگہ یہ سوال طبعاً ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بہت سے نبی گزرے ہیں۔ پس اس حالت میں موسیٰ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر نبی گزرے ہیں' ان سب کو خدا نے براہ راست چن لیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی ہے۔ اس کثرت فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔

(حقیقت الوحی ص ۲۸' روحانی خزائن حاشیہ ص ۳۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی ہے اس لیے آپ کے بعد اس کے سوا کوئی نبی نہیں جسے آپ کے نور سے منور کیا گیا ہو اور جو بارگاہ کبریائی سے آپ کا وارث بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ خمیت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔ اس لیے مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور وہ جس نے تعلیم حاصل کی' پس بلاشبہ حقیقی خمیت مقدر تھی چھٹے ہزار میں جو رحمان کے دنوں میں سے چھٹا دن ہے۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبۃ الہامیہ ص ب' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۱۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اسی طرح مسیح موعود چھٹے ہزار میں پیدا کیا گیا۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبۃ الہامیہ ص ج' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان قادیان' نمبر ۸' جلد ۱۲ ص ۱۱' ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ اور بجز بروزی وجود کے' جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا' وہ میں ہوں' اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے

ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔ اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لیے باقی نہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱' روحانی خزائن ص ۲۱۵ ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح ص ۵٦' روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۱۹' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **واخرین منهم لما یلحقوا بهم۔**

(اشتہار' ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن' ص ۲۱۴۔۲۱۵' ج ۱۸' مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم' مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات معتدبہ کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے' سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴' روحانی خزائن ص ۳۴۰ ج ۲۳' حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' جو درحقیقت ''خاتم النبیین'' تھے' رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ **واخرین منهم لما یلحقوا بهم** ۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن ص ۲۱۲' ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ وہ مسیح موعود کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم الرسلین تھا کہ خدائی وعدے کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا۔

وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ

مہدی نبی نہیں مانتے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو مسیح موعود بھی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) اور اس لیے آپ کا ماننا نہ ماننا برابر ہے اور ضرور حقیقی نبی تھے اور خدا کی قسم ضرور بہ ضرور نبی تھے اور آپ کے مخالف حضرات کا بھی وہی حشر ہوگا جو دیگر انبیاء کے مخالفین کا۔ میں اس عقیدہ پر علی وجہ البصیرت قائم ہوں"۔

(مکتوب محمد عثمان خان صاحب قادیانی' مندرجہ المہدی نمبر ۱' ص ۵۴' مولفہ حکیم محمد حسین قادیانی لاہوری)

ختم نبوت کی تجدید

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوائے مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ وہ نبوت صحیح نہیں۔

(تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸' جلد ۱۲' صفحہ ۲۵' بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا' وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۶-۴۰۷' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس جگہ یہ سوال طبعاً ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بہت سے نبی گزرے ہیں۔ پس اس حالت میں موسیٰ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر نبی گزرے ہیں' ان سب کو خدا نے براہ راست چن لیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی ہے۔ اس کثرت فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔

(حقیقت الوحی ص ۲۸' روحانی خزائن حاشیہ ص ۳۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی ہے اس لیے آپ کے بعد اس کے سوا کوئی نبی نہیں جسے آپ کے نور سے منور کیا گیا ہو اور جو بارگاہ کبریائی سے آپ کا وارث بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ختمیت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔ اس لیے مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور وہ جس نے تعلیم حاصل کی' پس بلاشبہ حقیقی ختمیت مقدر تھی چھٹے ہزار میں جو رحمان کے دنوں میں سے چھٹا دن ہے۔

(ماالفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ب' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۱۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اسی طرح مسیح موعود چھٹے ہزار میں پیدا کیا گیا۔

(ماالفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ج' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان قادیان' نمبر ۸' جلد ۱۲' ص ۱۱' ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ اور بجز بروزی وجود کے' جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا' وہ میں ہوں' اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک بروز محمدی جمیع کمالات

ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔ اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لیے باقی نہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱' روحانی خزائن ص ۲۱۵ ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح ص ۵۶' روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۱۹' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **واخرین منھم لما یلحقوا بھم**۔

(اشتہار' ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن' ص ۲۱۴-۲۱۵' ج ۱۸' مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم' مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات متعدیہ کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے' سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تا کہ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴' روحانی خزائن ص ۳۴۰ ج ۲۳' حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مگر میں کہتا ہوں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' جو درحقیقت ''خاتم النبیین'' تھے' رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ **واخرین منھم لما یلحقوا بھم** ۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن ص ۲۱۲' ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ وہ مسیح موعود کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدے کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا۔

وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ

ثابت کر گیا کہ واقعی اس کی دعوت جمیع ممالک وملل عالم کے لیے تھی۔ (اخبار الفضل قادیان ج ۳ نمبر ۲۱ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

مرزا صاحب کا دعویٰ کہ وہ تشریعی نبی ہیں

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امرونہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسی یعنی قرآنی تعلیم توراۃ میں بھی موجود ہے۔ (اربعین نمبر ۴، ص ۷، ۸۳ روحانی خزائن ص ۴۳۵ـ۴۳۶، ج ۱۷)

چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لیے اس کو مدار نجات ٹھہرایا۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ (حاشیہ اربعین نمبر ۴، ص ۷، ۸۳ روحانی خزائن ص ۴۳۵، ج ۱۷ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مرزا صاحب کا جہاد کو منسوخ قرار دینا

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر ۴، ص ۱۵ حاشیہ روحانی خزائن ص ۴۴۳، ج ۱۷ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے، وہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔ (تبلیغ رسالت ج ۹، ص ۴۷، مجموعہ اشتہارات ص ۲۹۵، ج ۳)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے — دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم، مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی ص ۴۹، مجموعہ اشتہارات ص ۲۹۸ـ۲۹۷، ج ۳، روحانی خزائن ص ۷۷، ج ۱۷)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب مملکت پاکستان قائم ہو گئی تو مسلمانوں کو اس مسئلہ سے بے چینی ہوئی کہ قادیانی جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان کر اسلام سے نکل چکے ہیں اور وہ خود بھی اہل اسلام کو کافر کہتے ہیں، ان کا اس ملک میں بہ حیثیت مسلمان رہنا

اور اس مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہنا کس طرح جائز ہے' پاکستان کے ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے پس ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے تمام علماء کی طرف سے اس سلسلہ میں زبردست تحریک چلائی گئی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت

مولانا محمد صدیق ہزاروی مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن نے کراچی کے مرکزی کنونشن کے لیے مندوبین منتخب کیے۔ ۲۰۔۲۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں مرکزی کنونشن منعقد ہوا' جس میں یہ مطالبات مرتب کیے گئے:

(۱) وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو برخاست کیا جائے۔

(۲) قادیانیوں کو کافر اقلیت قرار دیا جائے۔

(۳) قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کیا جائے۔

تحریک ختم نبوت میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کو اس تحریک میں خصوصیت حاصل تھی' وہ یہ کہ آپ اسمبلی کے ممبر تھے۔ نیز تحریکِ پاکستان میں کام کرنے کی وجہ سے مسلم لیگی کارکنوں سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔

مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت نے کراچی میں کنونشن کیا تو اس کے تیرہ نمائندوں میں آپ کا نام بھی تھا' لیکن آپ کو اس میں شامل نہ کیا گیا' کیونکہ انہیں آپ کی تیزیٔ طبع کی وجہ سے خطرہ تھا کہ وقت سے پہلے تصادم نہ ہو جائے۔

جب تحریک تیز ہوئی اور مجلس عمل کے نمائندے خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کرنے گئے تو مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاری اور پھانسی

آپ کا پروگرام تھا کہ قصور سے بس کے ذریعے اسمبلی گیٹ تک پہنچ جائیں اور اسمبلی میں تقریر کر کے ممبرانِ اسمبلی کو تحریک کے بارے میں مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دیں' لیکن قصور میں آپ جن لوگوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے' انہوں نے غداری کرتے ہوئے ملٹری کو بتا دیا' آپ صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ اپنے ایک کارکن مولوی محمد بشیر مجاہد کے ہمراہ گرفتار کر لیے گئے۔

قصور سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور شاہی قلعہ لایا گیا' جہاں سے بیانات لینے کے بعد ۱۶ اپریل کو آپ جیل منتقل کر دیئے گئے اور آپ کو چارج شیٹ دے دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا' جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔

۷ مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن آپ کو بلا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے نو اور ملزم بھی تھے' مگر ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا۔

دوسرا کیس بغاوت کا تھا جس میں آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا جو اس طرح تھا:

You will be hanged by neck till you are dead.

"تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی' جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے"۔

اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

Is that all? I was prepared to take more than that. If I would have got

... lives, I would have laid down those lives for the ... Prophet Mohammad may the peace Glory of God be Upon ...

یہی کچھ سزا لائے ہو' اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں ہوتیں' تو میں ان سب کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان کر دیتا۔

۱۴ مئی کو آپ کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی اور پھر مئی ۱۹۵۵ء کو آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔

(تعارف علماء اہل سنت ص ۱۶۴' ۱۵۷ ملخصاً مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

تحریکِ ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں آپ کراچی میں مولانا عبد الحامد بدایونی (م ۱۵ جمادی الاولیٰ' ۲۰ جولائی ۱۳۹۰ھ۔ ۱۹۷۰ء) اور دیگر علماء کے ساتھ تحریک میں شریک ہوئے۔ آرام باغ میں جمعہ کے دن تحریک کا آغاز ہوا' تو علامہ نورانی پیش پیش تھے۔ گرفتاری کے لیے رضا کاروں کی تیاری کے علاوہ دیگر ضروری انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کے پہلے اجلاس کے بعد آئندہ اجلاس کے انتظامات کے لیے گیارہ ممبروں پر مشتمل جو بورڈ بنایا گیا' آپ اس کے ممبر تھے۔

۱۹۶۹ء میں پاکستان آنے کے بعد آپ نے سب سے پہلا بیان قادیانیوں ہی کے بارے میں جاری کیا تھا۔ آپ نے یحییٰ خان (اس وقت کا صدر) کو مخاطب کرتے ہوئے صاف کہا تھا کہ تمہارا قادیانی مشیر ایم ایم احمد پاکستان کی معیشت کو تباہ کر رہا ہے جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ (تعارف علماء اہل سنت ص ۳۹۔ ۳۸' مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت

تحریکِ ختم نبوت (۱۹۷۴ء) میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی خاطر قومی اسمبلی میں حزبِ اختلاف کی طرف سے جو قرارداد ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو پیش کی گئی' اس کا سہرا بھی علامہ شاہ احمد نورانی کے سر ہے' اس قرارداد پر حزبِ اختلاف کے بائیس افراد (جن کی تعداد بعد میں ۳۷ ہو گئی) نے دستخط کیے' البتہ مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبد الحکیم نے اس قرارداد پر دستخط نہیں کیے۔ اس تحریک میں آپ کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کا ممبر بھی منتخب کیا گیا اور آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ دونوں کمیٹیوں کے اجلاسوں میں شرکت کی۔

آپ نے قادیانیت سے متعلقہ ہر قسم کا لٹریچر اسمبلی کے ممبروں میں تقسیم کرنے کے علاوہ ممبروں سے ذاتی رابطہ بھی قائم کیا اور ختمِ نبوت کے مسئلہ سے انہیں آگاہ کیا۔

اس تحریک میں تین ماہ کے دوران آپ نے صرف پنجاب کے علاقے میں تقریباً چالیس ہزار میل کا دورہ کیا۔ ڈیڑھ سو شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں عام جلسوں سے خطاب کرنے کے علاوہ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔

(تعارف علماء اہل سنت ص ۳۹' مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

سید محمد حفیظ قیصر لکھتے ہیں:

پیپلز پارٹی کے جے رحیم اور شیخ رشید نے بہت ہنگامہ کیا مگر وزیر اعظم بھٹو' مولانا شاہ احمد نورانی سے مکالمے کے دوران اپنے منشور کے اس جملے کی بناء پر شکست کھا چکے تھے کہ "اسلام ہمارا دین ہے"۔ اب بھٹو کا موقف یہ تھا کہ اسلام کی بات سے اور پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔ آخر مولانا شاہ احمد نورانی کا سچا عشق رسول جیت گیا اور مرزا ناصر قومی اسمبلی میں ...

سوالات میں لاجواب ہو کر شکست سے دوچار ہوا۔ مرزائیت کو اپنے انجام تک پہنچانے والی جو تاریخی قرارداد 30 جون 1974ء کو پیش کی گئی اس کا متن یہ تھا:

☆ چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو اللہ کے آخری نبی ہیں نبوت کا دعویٰ کیا۔

☆ چونکہ اس کا جھوٹا دعویٰ نبوت قرآن کریم کی بعض آیات میں تحریف کی سازش اور جہاد کو ساقط کر دینے کی کوشش' اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے۔

☆ چونکہ مسلم امہ کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہوں یا اسے کسی اور شکل میں اپنا مذہبی پیشوا یا مصلح مانتے ہوں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

☆ چونکہ اس کے پیروکار خواہ انہیں کسی نام سے پکارا جاتا ہو وہ دھوکا دہی سے مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ بن کر اور اس طرح ان سے گھل مل کر اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔

☆ چونکہ مسلمانوں کی تنظیموں کی ایک کانفرنس جو 6 تا 10 اپریل 1974ء مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ جس میں دنیا بھر کی 114 اسلامی تنظیموں اور انجمنوں نے شرکت کی اس میں مکمل اتفاق رائے سے یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ قادیانیت جس کے پیروکار دھوکا دہی سے اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ کہتے ہیں۔ دراصل اس فرقہ کا مقصد اسلام اور مسلم دنیا کے خلاف تخریبی کارروائیاں کرنا ہے۔

اس لیے اب یہ اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ انہیں لاہوری' قادیانی یا کسی نام سے بھی پکارا جائے مسلمان نہیں ہیں اور یہ کہ اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تا کہ اس اعلان کو دستور میں ضروری ترامیم کے ذریعے عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

7 ستمبر 1974ء کو وہ گھڑی آن پہنچی جس کا انتظار 1901ء سے مسلم امہ کو تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس طرح مسیلمہ کذاب کو اس کے انجام سے دوچار کیا تھا۔ آج انہیں کی اولاد مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی قرارداد کے مطابق حکومت نے باضابطہ طور پر قادیانی گروہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا اور یوں امت مسلمہ کا خواب ۷۳ سال کے بعد حقیقت میں ڈھل گیا۔ (ایک عالم ایک سیاست دان ص ۳۷۔۳۵' نورانی پرنٹنگ انڈسٹری کراچی' ۱۹۹۹ء)

اس تفصیل کے بعد اب ہم قادیانیوں کے مشہور اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ اگر آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو نبی بن جاتے

قادیانیوں کے اہل اسلام کے دلائل پر بعض اعتراضات ہیں ان میں سے ایک مشہور اعتراض اس حدیث پر ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے تو سچے نبی ہوتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳ طبع قدیم' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۶۷' رقم الحدیث ۵۷۹)

اس حدیث پر قادیانیوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے نبی بننے سے مانع ان کی موت تھی اگر وہ زندہ رہتے تو نبی بن جاتے' یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ آپ کے بعد نبی کا آنا محال تھا اس لیے آپ کے بیٹے کو زندہ نہیں رکھا گیا' اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو ایم۔اے کر لیتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایم۔اے پاس کرنا محال ہے' اس لیے میرا بیٹا زندہ نہیں رہا' بلکہ ایم۔اے پاس کرنا تو ممکن ہے' لیکن چونکہ میرا بیٹا زندہ

نہیں رہا اس لیے وہ ایم۔ اے نہیں کر سکا' اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آنا تو ممکن تھا' لیکن چونکہ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ نہیں رہے اس لیے وہ نبی نہیں بنے اگر وہ زندہ رہتے تو نبی بن جاتے' سو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''اگر ابراہیم زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے'' اس حدیث میں قضیہ شرطیہ ہے۔ جیسے یہ قضیہ ہے: اگر سورج طلوع ہوگا تو دن روشن ہوگا اور قضیہ شرطیہ میں جز اول کا ثبوت جز ثانی کے ثبوت کو مستلزم ہوتا ہے' جیسے سورج کا طلوع ہونا دن کی روشنی کو مستلزم ہے' اور جز ثانی کی نفی جز اول کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے جیسے دن کا روشن نہ ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ سورج طلوع نہیں ہوا اور جز اول کی نفی جز ثانی کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی یعنی سورج کا طلوع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دن روشن نہ ہو' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سورج طلوع ہو لیکن دن اس وجہ سے روشن نہ ہو کہ سخت ابر ہو یا بارش ہو یا سورج کو گہن لگا ہو یا سخت آندھی آئی ہوئی ہو اسی لیے جز اول کی نفی جز ثانی کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی' اس لیے اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم زندہ نہیں رہے اس لیے وہ سچے نبی نہیں ہوئے' بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سچے نبی کا آنا ممکن نہیں تھا اس لیے حضرت ابراہیم کو زندہ نہیں رکھا گیا۔

الاعراف: ۳۵ سے اجراء نبوت کا معارضہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (الاعراف: ۳۵)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مرزائی اس آیت سے اجراء نبوت پر استدلال کرتے ہیں اور پھر اجراء نبوت سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر دلیل کشید کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کے پاس ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں سو جو شخص اللہ سے ڈرا یعنی جس نے ان رسولوں کے احکام کو مانا اور ان پر ایمان لایا اس پر کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا' اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک رسول آتے رہیں گے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے آنے کا کوئی استثناء نہیں بیان فرمایا اور نہ کوئی مدت بیان فرمائی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک رسولوں کے مبعوث ہونے کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت جگہ ایک عام حکم بیان کیا جاتا ہے اور دوسری کسی آیت میں اس حکم کی تخصیص بیان کر دی جاتی ہے جس سے وہ حکم عام نہیں رہتا' اسی طرح بہ ظاہر اس آیت میں قیامت تک رسولوں کی بعثت کا حکم عام بیان فرمایا ہے لیکن جب الاحزاب: ۴۰ میں فرمادیا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمادیا کہ الاعراف: ۳۵ میں رسولوں کی بعثت کے سلسلہ کا جو ذکر فرمایا تھا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ سلسلہ نبوت منقطع اور ختم ہو گیا ہے اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی آ سکتا ہے نہ رسول' نہ تشریعی نبی نہ امتی نبی' نہ کامل نبی نہ ناقص نبی' نہ اصلی نبی اور نہ ظلی' اور بروزی نبی۔

اب ہم اس کی چند نظائر بیان کرتے ہیں کہ کسی آیت میں کوئی حکم عام بیان کیا جائے پھر دوسری آیت میں اس کی تخصیص

کردی جائے تو پھر وہ حکم عام نہیں رہتا' دیکھیے اللہ تعالیٰ نے عام حکم بیان فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ (العنکبوت:۵۷) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اور حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی نفس فرمایا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۔ (الانعام:۱۲) آپ پوچھیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے' اس نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کرلیا۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۔ (الانعام:۵۴) آپ کہیے تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے:

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ (المائدہ:۱۱۶) (اے اللہ!) تو جانتا ہے میرے نفس میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے نفس میں کیا ہے' بے شک تو تمام غیوب کو بے حد جاننے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی نفس کہا ہے اور العنکبوت:۵۷ میں فرمایا ہے ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی (العیاذ باللہ) موت کو چکھنے والا ہے' سو اس آیت کے عام حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھی موت آئے گی اور دوسری آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس پر کبھی موت نہیں آئے گی وہ آیت یہ ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَي الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ۔ (الفرقان:۵۸) آپ اس پر توکل کیجئے جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

پس اس آیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ موت کو چکھنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہے' اور اب یہ حکم عام نہیں ہے' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمادیا تو اب الاعراف:۳۵ میں رسولوں کی بعثت کے عام حکم میں تخصیص ہوگئی اور اب آپ کی بعثت کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں۔ اس کی نظیر دوسری یہ آیت ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۔ (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

المطلقات جمع کا صیغہ ہے اور اس میں طلاق یافتہ عورتوں کے لیے عام حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تین حیض تک عدت گزاریں' لیکن دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ غیر مدخولہ عورت کو طلاق دی جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۔ (الاحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو عمل زوجیت سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہاری عدت گزارنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اسی طرح وہ طلاق یافتہ بوڑھی عورت جس کو حیض نہ آتا ہو یا وہ کمسن لڑکی جس کا حیض شروع نہ ہوا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے اور طلاق یافتہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور یہ بھی اس عام حکم سے خاص ہیں ان کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَالّٰۗىِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ تمہاری جو طلاق یافتہ عورتیں حیض آنے سے مایوس ہوچکی

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق: ۴)

ہوں اور تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اسی طرح (ان کم سن مطلقہ عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے) جن کا ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔

پس البقرہ: ۲۲۸ میں جو مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض فرمائی ہے اس حکم عام سے غیر مدخولہ سن رسیدہ کم سن اور حاملہ عورتوں کی عدت کی تخصیص کر لی گئی ہے اسی طرح الاعراف: ۳۵ میں جو رسولوں کی بعثت کا عام حکم بیان کیا گیا ہے آیت خاتم النبیین سے اس عام حکم کی تخصیص کر لی گئی ہے اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور نبی کا آنا جائز نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ ختم نبوت کا معنی مہر نبوت ہے اور آپ کی مہر سے نبی بنتے ہیں

مرزائیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ خاتم کا معنی آخر نہیں ہے بلکہ خاتم کا معنی مہر ہے اور مہر نبوت کا معنی ہے جس پر آپ کی مہر لگ جاتی ہے وہ نبی بن جاتا ہے سو غلام احمد قادیانی پر بھی مہر لگ گئی اور وہ بھی نبی بن گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خاتم کا یہ معنی کرنا درست نہیں ہے کہ اگر خاتم کا معنی مہر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو اس میں کوئی اور چیز داخل نہیں ہو سکتی سو نبوت کو بند کر کے اس پر آپ کی مہر لگا دی گئی اب نبوت میں کوئی اور چیز داخل نہیں ہو سکتی۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

معنی ختم التغطیة علی الشیء والاستیثاق من ان لا یدخله شیء.

ختم کا معنی ہے کسی چیز کو ڈھانپنا اور اس کو اس طرح بند کر دینا کہ اس میں کوئی اور چیز داخل نہ ہو سکے۔

نیز لکھتے ہیں خاتمهم اخرهم، خاتم القوم کا معنی ہے اخر القوم و خاتم النبیین ای آخرهم اور خاتم النبیین کا معنی ہے آخر النبیین۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۶۵۔۱۶۳ مطبوعہ ایران ۱۴۰۵ھ)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نبوت منقطع ہو چکی ہے پس میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الامم.

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷)

اور قتادہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں کہا ای آخرهم۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۷۶۵)

تصریحات لغت، احادیث صحیحہ اور تابعین کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ خاتم کا معنی مہر کرنا باطل ہے بلکہ خاتم کا معنی آخر ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز خاتم المحدثین ہیں تو کیا اس کا عرف میں یہ معنی ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز کی مہر سے محدث بنتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ شامی خاتم الفقہاء ہیں تو کیا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ علامہ شامی کی مہر سے فقہاء بنتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ آلوسی خاتم المفسرین ہیں تو کیا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ علامہ آلوسی کی مہر سے مفسرین بنتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ احادیث، تفاسیر، لغت اور عرف سب کے اعتبار سے خاتم کا معنی مہر کرنا صحیح نہیں ہے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے اس آیت کے تحت وخاتم النبیین کے ترجمہ میں لکھا ہے ومہر پیغامبران است۔ (ترجمہ شاہ ولی اللہ ص ۵۱۰' تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مہر اس معنی میں نہیں ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا۔۔۔۔اور وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا' بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے' بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔۔۔اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۷' روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۳۰-۲۹)

محمد منظور الٰہی قادیانی لاہوری لکھتے ہیں:

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۹۰)

قادیانیوں نے خاتم کا جو یہ معنی بیان کیا ہے وہ غلط اور باطل ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک مہر سے مراد مہر تصدیق نہیں ہے بلکہ مہر سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تا کہ اس میں اور کوئی چیز داخل نہ ہو سکے جیسا کہ لغت' عرف' احادیث اور تفاسیر سے واضح ہو چکا ہے' خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

سچا خواب انبیاء کے حق میں نبوت کا ایک جزو ہے پس یقین رکھو کہ وہ برحق ہوتا ہے اور نبوت کے اجزاء ہیں اور اس کا ایک جز خاتم الانبیاء کے بعد بھی باقی ہے۔ (المسوی ج ۲ ص ۲۲۶' المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ' ۱۳۵۳ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین نے لکھا ہے:

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوائے مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے وہ نبوت صحیح نہیں۔

(''تشحیذ الاذھان'' قادیان نمبر ۸' جلد ۱۲ ص ۲۵' بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

اور خود مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں' اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا' تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا۔وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۷-۴۰۶ ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اگر مرزائیہ کے دعویٰ کے مطابق بہ فرض محال ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ جس پر آپ اپنی مہر لگا دیتے ہیں وہ نبی بن جاتا ہے تو پھر اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کی مہر سے زیادہ سے زیادہ نبی بنتے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس مہر سے صرف غلام احمد قادیانی ہی نبی بنا! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی اطاعت پر مقبولیت کی سند اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم فرما کر عطا کر دی وہ نبی نہیں بنے' اگر ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق ہوتا تو وہ نبی بنتے اور جب وہ نبی نہیں بنے تو معلوم ہوا کہ ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق نہیں ہے بلکہ وہ مہر ہے جو کسی چیز کو بند کرنے کے لیے لگائی جاتی ہے' علاوہ ازیں نبی بنانا اور رسول

بھیجنا اللہ کا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مہر لگا کر کسی کو نبی بنا کر بھیج دیں۔

مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خاتم المحدثین' خاتم المفسرین وغیرہ کہا جاتا ہے اسی طرح آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جن علماء کو خاتم المحدثین اور خاتم المفسرین کہا گیا ہے وہ مجازاً کہا گیا ہے اور آپ حقیقۃً خاتم النبیین ہیں نیز مجاز کا ارتکاب اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ نہیں ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خاتم المہاجرین فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس نے مکہ سے سب کے آخر میں ہجرت کی تھی اس کے بعد مکہ دارالاسلام بن گیا تھا سو اس حدیث میں بھی خاتم بہ معنی آخر ہے۔

مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری مسجد آخر المساجد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد کی وضاحت دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد' مساجد الانبیاء کی خاتم ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۹۹)

اس اعتراض کا جواب کہ لا نبی بعدی میں لانفی کمال کے لیے ہے نہ کہ نفی جنس کے لیے

مرزائیوں کا ایک اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ لا نبی بعدی میں لانفی جنس کے لیے نہیں ہے' نفی کمال کے لیے ہے جیسے لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں ہے۔ یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی اسی طرح لا نبی بعدی کا معنی ہے میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا اور ناقص اور امتی نبی کی نفی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح تو کوئی مشرک کہہ سکتا ہے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لانفی کمال کے لیے ہے یعنی اللہ کے علاوہ کامل خدا کوئی نہیں ہے' ناقص خدا موجود ہیں' اور اس کا حل یہ ہے کہ لانفی جنس کا نفی کمال کے لیے ہونا اس کا مجازی معنی ہے اور نفی جنس کے لیے ہونا اس کا حقیقی معنی ہے اور جب تک حقیقت محال یا متعذر نہ ہو اس کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا لا نبی بعدی میں حقیقت متعذر نہیں ہے اس لیے اس کا معنی ہے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اور لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں اس طرح نہیں ہے سورۃ فاتحہ کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے لیکن چونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس لیے نماز کامل نہیں ہوتی اور یہاں حقیقت متعذر ہے اس لیے لا کو نفی کمال اور مجاز پر محمول کیا ہے۔

اسی طرح مرزائیہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے جب کسریٰ مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۶' کراچی) اور کسریٰ ایران کے بادشاہ کو اور قیصر روم کے بادشاہ کو کہتے ہیں اور ان کے بعد بھی ایران اور روم کے بادشاہ ہوتے رہے ہیں۔

علامہ نووی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسریٰ ایران کا بادشاہ تھا اور قیصر روم کا بادشاہ تھا اس طرح وہ بعد میں بادشاہ نہیں ہوں گے اور اسی طرح ہوا' کسریٰ کا ملک روئے زمین سے منقطع ہو گیا اور اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' اور قیصر شکست کھا کر شام سے بھاگ گیا اور مسلمانوں نے ان دونوں ملکوں کو فتح کر لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعد میں اس نام کے بادشاہ نہیں گزرے۔

مرزائیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۳۷' رقم الحدیث: ۲۶۶۴۴' دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منشاء یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہونا ہے اس لیے یوں نہ کہو کہ کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ یوں کہو کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا کیونکہ جب مطلقاً یہ کہا جائے کہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو اس کا متبادر معنی یہ ہے کہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ان احادیث کے خلاف نہیں ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبشرات کے سوا میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی' صحابہ نے پوچھا اور مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا سچے خواب جن کو کوئی شخص دیکھتا ہے یا کوئی شخص اس کے لیے دیکھتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۹' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۵۸' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے متعلق احادیث

تیسرا مشہور اعتراض یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا محال ہے تو پھر ان احادیث کی کیا توجیہ ہوگی جن کے مطابق قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا' اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو: "وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" "اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۸' مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۱۰۹۴۴' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۱۸' مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۹۹' رقم الحدیث: ۲۰۸۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۴۴' رقم الحدیث: ۱۹۳۴۱' شرح السنہ ج ۷ ص ۴۱۷۰)

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۴۱' شرح السنہ ج ۷ رقم الحدیث: ۴۱۷۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان (مسلمانوں) کا امیر کہے گا آئیے آپ ہم کو نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰ اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے نہیں تمہارے بعض' بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴۔ ۳۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت

میں میری جان ہے' عیسیٰ بن مریم فج روحاء (مدینہ سے چھ میل دور ایک جگہ) میں ضرور بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک' لبیک لا شریک لک لبیک) کہیں گے درآں حالیکہ وہ حج کرنے والے ہوں گے یا عمرہ کرنے والے ہوں گے یا (دونوں کو ملا کر) حج قران کرنے والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹا دیں گے' اور ان کے لیے نماز جماعت سے پڑھائی جائے گی' وہ مال عطا کریں گے' حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' وہ خراج کو موقوف کر دیں گے' وہ مقام روحاء پر نازل ہوں گے' وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا قران کریں گے' پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته حنظلہ کا خیال ہے حضرت ابو ہریرہ نے "قبل موت عیسی" پڑھا تھا' پتا نہیں یہ بھی حدیث کا جز ہے یا حضرت ابو ہریرہ نے خود تفسیر کی تھی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ہم نے تبیان القرآن ج ۲ ص ۸۷۳-۸۶۲' پر نزول مسیح کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں۔

اس امت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکام نافذ کرنے کی توجیہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا' اور جو نبی پہلے مبعوث ہو چکے ہیں ان کا آپ کے بعد دنیا میں آنا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے' جیسے شب معراج تمام نبی مسجد اقصیٰ میں آئے اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی یا جس طرح جن لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں تو ان کا آپ کے بعد دنیا میں آنا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں ہے' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں آسمان سے زمین پر نازل ہونا بھی آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے' کیونکہ یہ تمام انبیاء آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے ہیں آپ کے بعد مبعوث نہیں ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شریعت اسلامیہ پر مطلع ہو کر مسلمانوں میں احکام جاری فرمانا

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا علم کیسے ہوا' حتیٰ کہ وہ اس علم کے مطابق آپ کی شریعت کے مطابق اس امت میں احکام جاری کر سکیں' تو اس کے متعدد جوابات ہیں ایک جواب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا علم تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی آپ کی شریعت کا علم تھا اور اسی کے مطابق آپ اس امت میں احکام جاری کریں گے' انبیاء سابقین کو جو ہماری شریعت کا علم تھا اس کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرگوشی کرنے کے لیے ان کو قریب کیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ ایک امت تمام امتوں میں افضل ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ پر ایمان رکھیں گے' تو ان کو میری امت بنا دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے' حضرت موسیٰ نے کہا میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت امتوں کے آخر میں مبعوث ہوگی اور قیامت کے دن وہ سب پر مقدم ہوگی' تو ان کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے ان

وہ امت احمد ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت صدقات کو کھائے گی اور اس سے پہلے کی امتیں جب صدقہ دیتیں تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتا جو اس صدقہ کو کھا جاتی' اور اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو آگ اس صدقہ کے قریب نہیں جاتی تھی' اے اللہ تو ان لوگوں کو میری امت بنا دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت جب گناہ کا منصوبہ بنائے گی تو اس کا گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب وہ اس گناہ کا کام کرے گی تو اس کا صرف ایک گناہ لکھا جائے گا اور جب وہ نیکی کا منصوبہ بنائے گی اور اس نیکی کو نہیں کرے گی تو اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی اور جب وہ نیکی کرے گی تو اس کو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اجر دیا جائے گا' اے اللہ تو اس امت کو میری امت بنا دے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۸۰-۳۷۹' دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ ہماری شریعت کے وہ احکام ہیں جو سابقہ شریعتوں میں نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان احکام پر مطلع فرما دیا۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف زبور میں وحی کی کہ اے داؤد! عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہوگا' وہ صادق اور سردار ہوگا' میں اس پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ کبھی وہ مجھ سے ملول ہوگا' اس کی امت کو میں نفل پڑھنے پر انبیاء کے نوافل کا اجر عطا فرماؤں گا' اور اس کے فرائض پر انبیاء اور رسل کے فرائض کا اجر عطا فرماؤں گا' حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو ان پر انبیاء کی طرح نور ہوگا' کیونکہ میں نے ان پر ہر نماز کے لیے اس طرح وضو کرنا فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر وضو فرض کیا تھا' اور ان پر اس طرح غسل جنابت فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر فرض کیا تھا' اور ان پر اس طرح حج فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر فرض کیا تھا اور ان کو اس طرح جہاد کا حکم دیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں کو جہاد کا حکم دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۸۰' دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ بھی ہماری شریعت کے مخصوص احکام ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مطلع فرما دیا تھا' سو اسی طرح جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ہماری شریعت کے احکام سے مطلع فرما دیا ہو اور وہ اس کے مطابق قرب قیامت میں احکام جاری فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن مجید میں اجتہاد کر کے احکام جاری فرمانا

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید میں غور کر کے اس شریعت کے تمام احکام کو حاصل کر لیں' کیونکہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ہی کے تمام احکام کو اپنی سنت سے بیان فرمایا ہے اور امت کی عقلیں نبی کی طرح ادراک کرنے سے عاجز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور میں اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی بہ حوالہ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۰)

اسی لیے امام شافعی نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر احکام بیان فرمائے ہیں ان سب کو آپ نے قرآن مجید

سے حاصل فرمایا ہے۔ پس جائز ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح قرآن مجید سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اسلام کے احکام حاصل کر کے اس امت میں نافذ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے..... بالمشافہ اسلام کے احکام کا علم حاصل کرنا

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شامل ہیں اور اس پر حسب ذیل احادیث شاہد ہیں:

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ کیا اور ہم نے اس کو نہیں دیکھا' ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو کسی سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا ہے' اور جس سے آپ نے مصافحہ کیا اس کو کسی نے نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسیٰ بن مریم ہیں میں ان کا انتظار کر رہا تھا حتیٰ کہ انہوں نے اپنا طواف مکمل کر لیا پھر میں نے ان کو سلام کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵ ص ۳۳۹' رقم الحدیث: ۱۱۳۰۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے' اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں' کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے' اور وہ جس وقت نازل ہوں گے تو میری امت پر خلیفہ ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' وہ متوسط القامت ہوں گے ان کا سرخی مائل سفید رنگ ہوگا' ان کے سر پر پانی نہ بھی ہو تو یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے' وہ دو گیروے رنگ کے کپڑے پہن کر چل رہے ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور مال بہت تقسیم کریں گے' جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور اسلام کے لیے جنگ کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام بد مذاہب ختم ہو جائیں گے اور زمین میں امن ہو جائے گا' سیاہ سانپ کے ساتھ اونٹ چریں گے اور چیتے بیلوں کے ساتھ گشت کریں گے اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ' اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور وہ ان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے' وہ زمین میں چالیس سال ٹھہریں گے پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے (اس حدیث سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے نبی کی شریعت کو منسوخ کرنے والے ہیں بلکہ منسوخ کرنے والے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں' کیونکہ آپ نے بتا دیا کہ جزیہ اور جہاد کی مشروعیت کی مدت نزول عیسیٰ تک ہے۔ سعیدی)۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۲۵۹' رقم الحدیث: ۱۱۲۷۴' دار احیاء التراث بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حکم میں ہیں اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ راہ راست اور بالمشافہ احکام حاصل کیے ہوں' اور نزول عیسیٰ کے بعد چونکہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے اس لیے پھر جہاد اور جزیہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی...... قبر انور سے اسلام کے احکام کا علم حاصل کرنا

چوتھی صورت یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

جائیں اور قبر پر جا کر آپ سے استفادہ کریں' اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس ذات کے قبضہ وقدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے' عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے' امام اور انصاف کرنے والے حاکم اور عادل ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' لوگوں میں صلح کرائیں گے اور بغض کو دور کریں گے' ان پر مال کو پیش کیا جائے گا تو وہ مال کو قبول نہیں کریں گے' پھر اللہ کی قسم! اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے پکار کر کہیں' 'یا محمد'' تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۴' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث ۱۱۳۱۳' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور فج روحاء کے راستہ سے گزریں گے اور میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۳۳۵' رقم الحدیث: ۱۱۳۱۲)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور ان کی اتباع میں علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ان احادیث سے اس صورت پر استدلال کیا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۳۔۱۶۲' روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱۔۵۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی تعلیم سے مستفید ہونا

نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۴) حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام کو تلبیہ پڑھتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حج کرتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱) اور جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین سے ملاقات ممکن ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات ممکن ہے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے آپ سے اسلام کے احکام حاصل کیے ہوں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ امام غزالی' علامہ تاج الدین سبکی' علامہ یافعی' علامہ قرطبی مالکی' علامہ ابن ابی جمرہ اور علامہ ابن الحاج نے مدخل میں یہ تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور آپ سے استفادہ کرتے ہیں' ایک مرتبہ ایک فقیہ نے ایک ولی کے سامنے ایک حدیث بیان کی' ولی نے کہا یہ حدیث باطل ہے' فقیہ نے کہا آپ کو کیسے علم ہوا؟ ولی نے کہا تمہارے سر کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں میں نے یہ حدیث نہیں کہی اور اس فقیہ کو بھی آپ کی زیارت کرا دی' سو جب اس امت کے اولیاء کا یہ حال ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مستفید نہ ہوں اور آپ کی تعلیم سے مستفیض نہ ہوں۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور)

اولیاء کرام کا نیند اور بیداری میں آپ کی زیارت کرنا اور آپ سے استفادہ کرنا

نیز علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ سراج الدین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے ظہر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا اے اباجان! میں عجمی شخص ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں! آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور فرمایا لوگوں کے سامنے وعظ کرو اور حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دو' پس میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور میرے سامنے بہت خلقت جمع ہو گئی' پھر مجھ پر کپکپی

طاری ہوگئی پھر میں نے دیکھا کہ اس مجلس میں میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا اے میرے اباجان! مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی ہے' آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے پوچھا آپ نے سات مرتبہ لعاب ڈال کر مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے' پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے پھر جب یوں لگا جیسے علوم و معارف کا ایک عظیم سمندر میرے سینہ میں موجزن ہے اور میں اپنی زبان سے حقائق اور دقائق کے یواقیت اور جواہر بیان کر رہا ہوں۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱)

۱۹۹۳ء میں جب میں دوسری بار برطانیہ گیا تھا تو میں ڈربی شائر میں حافظ فضل احمد صاحب کی جامع مسجد میں حضرت غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے مناقب پر تقریر کر رہا تھا میں نے روح المعانی کے حوالے سے مذکور الصدر روایت بیان کی اس پر ہمارے احباب میں سے صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی زید علمہ نے یہ سوال بھیجا کہ حضرت غوث الاعظم کے منہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن ڈالنے کے بعد کیا کمی رہ گئی تھی جس کو پورا کرنے کے لیے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے اس کے جواب میں عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن اور آپ کے فیضان میں کوئی کمی نہیں تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے استفادہ اور حصول فیضان کو سہل اور آسان بنانے کے لیے اپنا لعاب دہن ڈالا' جس طرح قرآن مجید کے فیضان میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن اس سے فیضان کے حصول کو آسان بنانے کے لیے اس کی تفسیر کی جاتی ہے اسی طرح احادیث کی افادیت میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن ان سے استفادہ کو سہل اور آسان بنانے کے لیے ان کی شروح لکھی جاتی ہیں۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور علامہ سراج الدین ابن الملقن نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور وہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت فیض حاصل کرتے تھے' انہوں نے ایک رات میں سترہ مرتبہ آپ کی زیارت کی' ایک مرتبہ آپ نے ان سے فرمایا اے خلیفہ تم میری زیارت کے لیے اتنے بے قرار نہ ہوا کرو' کیونکہ کتنے اولیاء تو میرے دیدار کی حسرت میں ہی فوت ہو چکے ہیں' اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابو العباس المرسی سے کہا آپ نے بہت شہروں میں بہت لوگوں سے ملاقات کی ہے آپ اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کر لیں' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا' اور انہوں نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے اوجھل پاؤں میں تو میں اس ساعت میں خود کو مسلمان شمار نہیں کرتا اور اس قسم کی عبارات اولیاء کرام سے بہت منقول ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ایک وقت میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیفیت

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی نے تنویر الحوالک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے نیند میں دیکھا وہ مجھ کو عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۴۳)

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ متعدد عارفین نے نیند کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے سوالات کر کے دینی مسائل کی مشکلات کو سمجھا اور اس حدیث کی تصدیق کی۔

علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ کو بیداری میں دیکھنے والا آپ ہی کے جسم اور بدن کو دیکھے گا یا آپ کی مثال کو دیکھے گا' علامہ جلال الدین سیوطی نے عبارات علماء کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ احادیث اور عبارات علماء سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک اور اپنی روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف عالم میں جہاں چاہتے ہیں' تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں' اور آپ اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ وفات سے پہلے تھے اور اس میں سرمو فرق نہیں ہوا' اور آپ زندہ ہونے کے باوجود لوگوں کی نظروں سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے ان کی نظروں سے غائب ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو آپ کی زیارت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے تو آپ کے اور اس بندہ کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے تو پھر آپ کی مثال کے قول کی کیا ضرورت ہے' اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں' اور ان کو اپنی قبروں سے باہر جانے اور اس جہان میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور اس پر بہ کثرت احادیث ناطق اور شاہد ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت اس طرح نہیں ہوتی جیسے عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو دنیا میں دیکھتے ہیں یہ ایک حالت برزخیہ اور امر وجدانی ہے اس کی حقیقت کو وہی شخص پا سکتا ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والا آپ کی روح کو دیکھتا ہے اور وہ روح کسی صورت میں متمثل ہو جاتی ہے جب کہ وہ روح اس وقت آپ کے اس جسم مبارک میں بھی ہوتی ہے جو روضہ مبارکہ میں ہے' جس طرح حضرت جبریل آپ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں موجود ہوتے ہیں یا کسی اور صورت میں اور اس وقت وہ سدرۃ المنتہٰی سے بھی جدا نہیں ہوتے' اور رہا آپ کا جسم مثالی تو اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قدسیہ متعلق ہوتی ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ آپ کے غیر متناہی اجسام مثالیہ ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ کی روح واحدہ متعلق ہو اور یہ اس طرح ہو جیسے روح واحدہ کا تعلق ایک جسم کے متعدد اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے' اور ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس طنجی کے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ انہوں نے آسمان' زمین' عرش اور کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا اور یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد مقربین نے ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۴-۵۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عہد صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ...... زیارت اور آپ سے استفادہ کا اس قدر ظہور کیوں نہیں ہوا؟

اولیاء کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے دینی اور فقہی معاملات میں استفادہ کرتے ہیں اور اپنے اشکالات کو حل کراتے ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرام کو جو اشکالات پیش آتے تھے' مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی میراث دینے یا نہ دینے کا مسئلہ تھا' حضرت ابوبکر کی خلافت کا مسئلہ تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا معاملہ تھا جس کی وجہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں' تو ان اکابر صحابہ کرام کو آپ کی زیارت کیوں نہیں ہوئی اور انہوں نے آپ سے ان الجھے ہوئے معاملات میں رہنمائی کیوں نہیں حاصل کی' بعد کے اولیاء کرام جن کو نیند اور بیداری میں آپ کی زیارت ہوتی رہی ہے اور وہ آپ سے اپنی مشکلات میں رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں ان

سے تو بہر حال ان صحابہ کرام کا آپ سے قرب بہت زیادہ تھا اور بعد کے عارفین اور مقربین سے ان کا مرتبہ بہت بڑھ کر تھا۔
علامہ سید محمود آلوسی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ نیند اور بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے استفادہ اولیاء کرام کی باقی کرامات کی طرح خلاف عادت امور سے ہے' اور عہد صحابہ میں ان کرامات اور خلاف عادت امور کا ظہور بہت کم تھا کیونکہ اس دور میں عہد رسالت اور آفتاب نبوت بہت قریب تھا اور جس طرح سورج کی موجودگی میں ستارے نظر نہیں آتے اسی طرح آفتاب رسالت کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی کرامات کے ستارے نظر نہیں آتے تھے۔
(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۶۔۵۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو ○ اور صبح

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ

اور شام کو اس کی تسبیح کیا کرو ○ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

(بھی)' تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے' اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا

جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور اس نے ان کے لیے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے ○ اے

النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى

نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور اللہ کے

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ

حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر ○ اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ

اللہ کا بہت بڑا فضل ہو گا ○ اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے گا اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اے ایمان والو! جب تم مسلمان

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ

لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ

سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ

کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو ○ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے

اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ

آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے، جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ کی ان کنیزوں کو

مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ

جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے

خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً

ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور

مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ

وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا، اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا

يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا

چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے، عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، بے شک ہم اس

مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے (آپ کے لیے یہ خصوصی حکم)

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

اس لیے ہے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں' اور جس بیوی سے آپ

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ

الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمالیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے' اس حکم سے یہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں

لَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ

ٹھنڈی رہیں گی اور وہ غمگین نہیں ہوں گی اور وہ سب اس پر راضی رہیں گی جو آپ انہیں عطا فرمائیں گے' اور اللہ خوب جانتا

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ

ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' اور اللہ بہت علم والا' بے حد حلم والا ہے ○ ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے

بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے' اور اللہ ہر چیز پر

رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع

نگہبان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو ○ اور صبح اور شام اس کی تسبیح کیا کرو ○ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور اس نے ان کے لیے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۴۴-۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ کا حکم دینے اور آپ کی امت کو ذکر کا حکم دینے کی توجیہ

اس سورت کے مقاصد میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو' آپ کی ازواج کو اور آپ کی امت کو نیک خصائل اور عمدہ شمائل کی طرف رہنمائی کرنا ہے' الاحزاب: ۱ میں فرمایا تھا: یایھا النبی اتق اللہ اے نبی اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہیے' اور الاحزاب: ۲۸ سے الاحزاب: ۳۴ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو نیکی' تقویٰ اور ذکر کی تلقین فرمائی' اور الاحزاب: ۴۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ ترغیب دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت یاد کیا کریں۔

آپ کی امت کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کو یاد کیا کریں کیونکہ مومن بعض اوقات دنیاوی کاموں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کیونکہ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور دنیا میں جو شخص جس کا زیادہ مقرب ہوتا ہے وہ اس سے بے خوف ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رہنمائی فرمائی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کسی کام کا حکم دیتے تو ایسے کام کا حکم دیتے جس کو وہ آسانی سے کر سکتے تھے' مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کی مثل تو نہیں ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آیا روزہ دار بوسہ لے سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مسئلہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے ہیں' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

بہ کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کو بہ کثرت یاد کریں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کریں' اور دائماً اس کا ذکر کریں' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص شب بیداری کی مشقت اٹھانے سے عاجز ہو' اور جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخیل ہو اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بزدل ہو وہ بہ کثرت اللہ کا ذکر کرے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۵۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۲۱) مسند بزار کی سند کے راوی صحیح ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا گناہوں کو چھوڑ دو' یہ سب سے افضل ہجرت ہے' اور فرائض کو دائماً پابندی سے ادا کرو یہ سب سے افضل جہاد ہے' اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو کیونکہ کثرت ذکر سے زیادہ اللہ کو' کوئی عمل محبوب نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۲۹) اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم ضعیف ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا تم حتی الوسع اپنے اوپر خوف خدا کو لازم کر لو' اور ہر شجر و حجر کے پاس اللہ کا ذکر کرو' اور تم کو (اپنے) جس برے کام کا علم ہو تو فوراً اللہ سے توبہ کرو' پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ کرو اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ کرو۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۹) اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قدر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ کہیں یہ دیوانہ ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۱۔ ۶۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۷۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۱۷) اس حدیث کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا اتنا زیادہ ذکر کرو کہ منافق یہ کہیں کہ یہ ریاکار ہے۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۷۸۶' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۱-۸۰)

ذکر اور تسبیح کرنے والوں کی اقسام اور ان کے مراتب اور درجات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور صبح اور شام اس کی تسبیح کیا کرو۔(الاحزاب:۴۲)

اس آیت میں بکرۃ و اصیلا کے الفاظ ہیں' بکرۃ کا معنی ہے دن کا اول حصہ اور اصیل شام کے وقت کو کہتے ہیں یعنی عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔ اور اللہ کی تسبیح کرنے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا اور ہر اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' اور اس سے مطلوب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہ بیان کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح کرنے والوں کی حسب ذیل اقسام اور ان کے درجات ہیں:

(۱) بعض لوگ صرف زبان سے ذکر کرتے ہیں وہ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اور انس نہیں ہوتا' نہ ان کا ذہن ذکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اور نہ ان کی روح ذکر کے معانی اور اسرار کی طرف متوجہ ہوتی ہے' وہ محض بے خیالی اور بے پروائی سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اور بعض لوگوں کا دل و دماغ تو کسی گناہ کے خیال اور اس کی لذت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور ان کی زبان پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان کے ہاتھ تسبیح رول رہے ہوتے ہیں' ایسا ذکر مطلقاً مردود ہے' یہ عام فساق اور فجار کا ذکر ہے۔

(۲) بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا ذہن اس کی طرف متحضر نہیں ہوتا اور نہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا انس اور اس کی محبت ہوتی ہے اور نہ ان کی روح میں انہماک اور استغراق ہوتا ہے یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور پہلی قسم کی بہ نسبت مقبول ہے۔

(۳) بعض مسلمان زبان سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی عقل اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت ہوتی ہے لیکن ان کی روح اللہ کی یاد میں منہمک اور اس کی تجلیات میں مستغرق نہیں ہوتی یہ مقربین' عارفین اور اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔

(۴) اور بعض ایسے ذاکرین ہیں جو زبان' عقل' قلب اور روح کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو یاد کرتے ہیں' یہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔

اللہ کا ذکر کرنے سے دلوں سے گناہوں کا میل اور زنگ چھوٹ جاتا ہے اور شیشہ دل صاف اور صیقل ہو جاتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح لوہے پر زنگ لگتا ہے اس طرح دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے' آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! وہ زنگ کس طرح صاف ہو گا؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ کی بہ کثرت تلاوت کرنے سے اور اللہ عزوجل کا بہت زیادہ ذکر کرنے سے۔(کنز العمال رقم الحدیث:۳۹۲۴)

سو اللہ کی راہ میں قدم رکھنے والے اور اس کا قرب حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' اور عقل سے اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرے' دل میں اس کی یاد رکھے' ذکر کے وقت ذہن کو اس کی بارگاہ میں حاضر رکھے تا کہ اس کا آئینہ دل صاف اور شفاف ہو جائے اور اس میں اس کی تجلیات منعکس ہونے لگیں۔

بعض اذکار اور اوراد

نماز، قرآن مجید کی تلاوت اور قرآن اور حدیث کا درس دینا یہ سب اللہ عزوجل کے ذکر کی اقسام ہیں لیکن سب سے افضل ذکر **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھنا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۰۰، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۸۳۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۴۶، المستدرک ج۱ص۴۹۸، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص۱۷۹، شرح السنہ ج۳ص۱۹۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث:۲۳۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ **سبحان اللہ وبحمدہ** پڑھا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۹۱)

اسی طرح بعض مواقع کے بعض مخصوص اذکار ہیں:

حضرت ابو حمید اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو پڑھے: **اللھم افتح لی ابواب رحمتک** اور جب مسجد سے باہر آئے تو پڑھے: **اللھم انی اسئلک من فضلک**۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۱۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو چر لیا کرو، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ جنت کے باغات کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو چرنا کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا: **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر** پڑھنا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۰۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے: **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد**۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کا معنی

اس آیت میں صلوٰۃ کا لفظ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے، اور جب صلوٰۃ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت نازل کرنا، اور جب اس کا فاعل فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہوتا ہے مومنوں کے لیے استغفار کرنا، قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا. (المومن:۷)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

پس اس آیت کا معنی ہے اللہ تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر یہ اعتراض ہوگا کہ ایک لفظ سے دو معنوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد مومنوں کے لیے صلاح اور خیر کا ارادہ کرنا اور جب اللہ مومنوں کے لیے خیر کا ارادہ کرے گا تو وہ ان پر رحمت نازل فرمائے گا اور جب فرشتے مومن کے لیے خیر کا ارادہ کریں گے تو اس کے لیے استغفار کریں گے۔

مومن پر اللہ کی صلوٰۃ اور رحمت کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ اس کے دل سے بری خواہشوں کو نکال دیتا ہے اور معصیت کے زنگ سے اس کے دل کو صاف کر دیتا ہے اور اس کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتا ہے' اس کو نور معرفت عطا فرماتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اس کو آپ کی سیرت کا متبع بنا دیتا ہے' اور یہ بھی مومن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ حاملین عرش اور اس کے مقرب فرشتے مومن کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کے محامل

نیز فرمایا تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے' اس آیت کے اس حصے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) تاکہ اللہ تم کو شرک' جہالت اور معصیت سے نکال کر ایمان' علم اور اطاعت کی طرف لائے۔

(۲) بشری کثافتوں اور کدورتوں سے نکال کر روحانیت کی جلاء اور صفا کی طرف لائے۔

(۳) حجابات اور ظلمات سے نکال کر مشاہدات اور تجلیات کی طرف لائے۔

(۴) قبروں سے نکال کر میدان حشر کی طرف لائے' استحقاق نار سے نکال کر اپنے فضل اور جنت کی طرف لائے۔

اس کے بعد فرمایا: جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا۔

تحیّت کا معنی اور اس کے مواقع

اس آیت میں تحیت کا لفظ ہے' اور تحیت کا معنی ہے کسی کے لیے حیات کی دعا کرنا' جیسے عرب کہتے ہیں حیاک اللہ' اللہ تم کو حیات عطا فرمائے پھر ہر نیک دعا کو تحیت کہا جانے لگا' ملاقات کے وقت جو دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں ان کو بھی تحیت کہا جاتا ہے۔

فرمایا: جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے' یعنی جب مومن موت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے' یا جب قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں اللہ سے ملاقات کریں گے' یا جب دخول جنت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے' تو ان کو اللہ کی طرف سے سلام پیش کیا جائے گا اور یہ سلام مومنین کی تکریم اور تشریف کے لیے ہوگا۔ اور یا فرشتوں کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے' تم پر سلامتی ہو' کیونکہ تم نے صبر کیا' پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لیے آئے گا تو کہے گا تمہارا رب تم کو سلام بھیجتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملک الموت ہر مومن کی روح قبض کرنے سے پہلے اس کو سلام کرے گا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۵۵۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر O اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل ہوگا O (الاحزاب: ۴۶-۴۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اور آپ کی صفات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا ومبشرا و نذیرا O تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلایا آپ ان دونوں کو یمن کی طرف بھیجنے کا حکم دے چکے تھے' آپ نے فرمایا تم دونوں جا کر لوگوں کو بشارت دینا' اور ان کو متنفر نہ کرنا' اور آسان احکام بیان کرنا اور مشکل احکام نہ بیان کرنا' کیونکہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو آپ کی امت کے اوپر شاہد بنا کر بھیجا ہے' اور جنت کی بشارت دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور لا الہ الا اللہ کی شہادت کی دعوت دینے والا اور قرآن کی روشنی دینے والا چراغ بنا کر۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸ رقم الحدیث: ۱۱۸۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا مجھے بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات ہیں' انہوں نے کہا تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض وہ صفات ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا (الاحزاب: ۴۵) اور آپ کو امیین کی پناہ بنایا' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ بد مزاج اور سخت طبیعت نہیں ہیں اور بازاروں میں شور نہیں کرتے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں' لیکن آپ معاف کر دیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں' اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح کو قبض نہیں کرے گا جب تک کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہیں کر دیتا بایں طور کہ وہ سب کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور جب تک آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں اور بند کانوں اور مقفل دلوں کو کھول نہیں دیتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸-۲۱۲۵ دار ارقم بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اسماء ہیں' شاہد' مبشر' نذیر' داعی الی اللہ' سراج اور منیر۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ اسماء ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (شرک اور کفر کو مٹانے والا) ہوں' اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں' میرے قدموں میں لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں (سب نبیوں کے بعد آنے والا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف رحیم رکھا ہے۔ (التوبہ: ۱۲۸)

علامہ ابو بکر بن العربی نے احکام القرآن میں الاحزاب: ۱۳ کی تفسیر میں آپ کے سڑسٹھ (۶۷) اسماء ذکر کیے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو اسی اسماء ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۸۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے حق میں شاہد ہونا

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد فرمایا ہے' اور شاہد کا معنی ہے گواہی دینے والا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کے چار محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے حق میں قیامت کے دن گواہی دیں گے' دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے والے ہیں اور تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ دنیا میں امور آخرت کی گواہی دیں گے اور چوتھا محمل یہ ہے کہ آپ اعمال امت پر شاہد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (البقرہ: ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہوگا' اور ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے' اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے' اس سے کہا جائے گا کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا ہاں! پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی' وہ کہیں گے نہیں! پھر اس نبی سے کہا جائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت' پھر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بلایا جائے گا' اور کہا جائے گا: کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے' اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۹۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس آیت اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں اور آپ اپنی امت کے اعمال کا بھی مشاہدہ فرماتے ہیں کیونکہ آپ اپنی امت کی گواہی دیں گے اور گواہی میں اصل یہ ہے کہ مشاہدہ کر کے اور دیکھ کر گواہی دی جائے' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور میری وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں' اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' طبع جدید' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی توحید اور ذات وصفات پر شاہد ہونا

شاہد ہونے کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور لا الٰہ الا اللہ پر شاہد ہیں اور آپ نے امت کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دیں' اور آپ جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دیتے ہیں یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل نے اور ان کی امتوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دی ہے' اور آپ کی اور باقی نبیوں اور رسولوں کی شہادت میں فرق یہ ہے

کہ تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کی شہادت فرشتوں سے سن کر دی ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کی شہادت دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے دی ہے بلکہ ساری کائنات اللہ کے واحد ہونے کی شہادت سن کر دیتی ہے اور آپ تنہا اور واحد ایسے شاہد ہیں جس نے اللہ کو دیکھ کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں میں صرف آپ کو شاہد فرمایا ہے' آپ نے جس چیز کی بھی شہادت دی ہے وہ دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے شہادت دی ہے' کرسی اور عرش ہو یا لوح و قلم ہو' فرشتے ہوں یا جنات ہوں یا جنت اور دوزخ ہو آپ نے ہر چیز کو دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے شہادت دی ہے اور جیسے آپ شاہد ہیں کائنات میں ایسا کوئی دوسرا شاہد نہیں ہے۔

امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توحید پر شاہد بنایا ہے توحید کا مدعی نہیں بنایا کیونکہ جس چیز کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ خلاف ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید تو اس کائنات میں ظاہر ہے بلکہ اظہر من الشمس ہے' (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۷۳) میں کہتا ہوں کہ اگر توحید ظاہر اور اظہر من الشمس ہوتی تو ساری دنیا اس کی منکر کیوں ہوتی اور اس کو منوانے کے لیے اتنے نبیوں اور رسولوں کو کیوں مبعوث کیا جاتا اور اس قدر دلائل اور معجزات کیوں پیش کیے جاتے! حق یہ ہے کہ اس کی توحید مخفی تھی اس کو نبیوں اور رسولوں نے ظاہر کیا اور سب سے زیادہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توحید کو آشکارا کیا' اللہ تو ہمیشہ سے واحد تھا لیکن اس کی توحید کے اتنے ماننے والے نہ تھے آپ نے اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دی تو کائنات کی ہر حقیقت نے اللہ کو واحد کہا۔ آپ نے اللہ کی توحید کی شہادت دی اور اللہ نے آپ کی رسالت کی شہادت دی سو فرمایا:

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ۸۱) تم (بھی ان کی رسالت کے اقرار پر) گواہ ہو جاؤ اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ. (المنافقون: ۱) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ. (البروج: ۳) شاہد کی قسم اور مشہود کی قسم!

آپ اللہ کی توحید پر شاہد اور اللہ آپ کی رسالت پر شاہد ہے سو آپ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں امور آخرت پر شاہد ہونا

اور شاہد کا تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ دنیا میں امور آخرت پر شاہد ہیں آپ جنت کے اور دوزخ کے شاہد ہیں اور میزان اور صراط کے شاہد ہیں' آپ نے جس کے جنتی ہونے کی شہادت دی اس پر جنت واجب ہو گئی اور جس کے دوزخی ہونے کی شہادت دی اس پر دوزخ واجب ہو گئی' آپ نے دس صحابہ کا نام لے کر فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر جنت میں ہیں' عمر جنت میں ہیں' عثمان جنت میں ہیں' علی جنت میں ہیں' طلحہ جنت میں ہیں' زبیر جنت میں ہیں' عبد الرحمان بن عوف جنت میں ہیں' سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں' سعید بن زید جنت میں ہیں' ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۰۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ طلحہ اور زبیر دونوں جنت میں میرے پڑوس میں ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۴۱ المستدرک ج ۳ ص ۳۶۵ کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۲۴۲ الکامل لابن عدی ج ۶ ص ...)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ نے اپنے لیے جنت کو واجب کر لیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۳۸ ...)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص شہید کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھنے سے خوش ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۲۵ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۰)

اسی طرح جن لوگوں کے متعلق ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخی ہونے کی شہادت دی ان کا دوزخی ہونا واجب ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا جہنم کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی' اور میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے لیے اونٹنیوں کو نامزد کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار:۹۰۱' رقم الحدیث المسلسل:۲۰۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دوزخ میں ایک ڈھال والے شخص کو دیکھا جو اپنی ڈھال سے حجاج کے کپڑے چرایا کرتا تھا اگر کسی کو پتا چل جاتا تو وہ کہتا یہ کپڑا میری ڈھال میں اٹک گیا تھا' اور جب وہ شخص غافل ہوتا تو وہ کپڑا لے جاتا' اور میں نے دوزخ میں ایک عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ کر رکھا تھا' اس کو کچھ کھانے کو دیا اور نہ اس کو آزاد کیا کہ وہ زمین پر پڑی ہوئی کوئی چیز کھا لیتی حتیٰ کہ وہ بلی بھوک سے مر گئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار:۹۰۴' رقم الحدیث المسلسل:۲۰۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعمال امت پر شاہد ہونا

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کا چوتھا محمل ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم حدیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے' اور وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیک عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برے عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث:۸۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے امتیوں کے اعمال پر شاہد تھے پھر تو بات بالکل واضح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ بعد کے امتیوں کے اعمال پر بھی شاہد تھے تو اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت انس' حضرت حذیفہ' حضرت سمرہ اور حضرت ابو بردہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر وارد ہوں گے' حتیٰ کہ میں ان کو دیکھ کر اور پہچان کر کہوں گا اے رب میرے اصحاب! میرے اصحاب! پس مجھ سے کہا جائے گا آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئے کام نکالے ہیں! ہاں اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو یہ تو علم تھا کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے لوگ کیا نیک کام کریں گے اور کیا برے کام کریں گے' لیکن آپ کو ...

لوگوں کا علم نہیں تھا کہ کون نیک کام کرنے والے ہیں اور کون برے کام کرنے والے ہیں تا کہ اس حدیث اور مسند بزار کی عرض اعمال والی حدیث میں تطبیق ہو جائے' اس کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کو نیکی کرنے والے اور گناہ کرنے والے معین لوگوں کا بھی علم تھا لیکن قیامت کے دن آپ بھول گئے' اور بعض صوفیاء کرام نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے اعمال پر مطلع فرما دیا تھا اور آپ نے ان کے اعمال کو دیکھا تھا اس لیے آپ کو شاہد فرمایا۔

مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ العزیز نے مثنوی میں فرمایا:

در نظر بودش مقامات العباد — زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

آپ کی نظر میں بندوں کے مقامات تھے — اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۶۵ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں علم کی نفی نہیں ہے درایت کی نفی ہے کیونکہ فرشتے یہ نہیں کہیں گے انک لا تعلم بلکہ یہ کہیں گے انک لا تدری' اور درایت کا معنی ہے کسی چیز کو اپنی عقل اور قیاس سے جاننا یعنی آپ ان لوگوں کے مرتد ہونے کو اپنی عقل اور اپنے قیاس سے نہیں جانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے جانتے ہیں' باقی رہا یہ کہ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں اصحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہو گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصیحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا محذوف ہو' یعنی کیا یہ میرے صحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ' اعمال نامے بائیں ہاتھ میں' آنکھیں نیلی' چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے اصحاب کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شاداب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ ان کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو گا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے' تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ ہو کہ کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو آپ کو علم تھا کہ کون ایمان پر قائم رہا اور کون مرتد ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرما رہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے آپ نے دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا اظہار فرما دیا ہے۔

اس بحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم میں کی ہے اس کو شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۰۵-۹۰۳ میں ملاحظہ فرمائیں' شاید اس قدر تحقیق آپ کو اور کہیں نہ ملے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج کہنے کی توجیہ

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرمایا ہے اور سراج کا معنی ہے چراغ' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شمس کیوں نہیں فرمایا حالانکہ شمس کی روشنی چراغ سے زیادہ ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو جاتا ہے اور ایک سورج سے دوسرا سورج نہیں بنتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے آپ کے اصحاب بھی ہادی بن گئے' حدیث میں ہے میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ

گے۔(مشکوۃ رقم الحدیث:۲۰۱۸)

جنت کا حصول اللہ کا بہت بڑا فضل ہے

اس کے بعد فرمایا: اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل ہو گا۔

بہت بڑے فضل سے مراد ہے اللہ تعالیٰ مومنوں کو جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کی تصریح ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ○ (الشوریٰ:۲۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے وہ ان کو ان کے رب کے پاس ملے گا یہی بہت بڑا فضل ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوسری امتوں پر فضیلت اور شرف عطا فرمائے گا۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو اجر اور جنت عطا فرمائے گا اس کا سبب ان کے اعمال نہیں ہیں بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحیح عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو' اور لوگوں کو بشارت دو' کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! فرمایا مجھ کو بھی نہیں! سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور (نیک) عمل کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۶۷۔۶۴۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۱۸)

اس حدیث میں اہل سنت کے مذہب پر دلیل ہے کہ کوئی شخص جنت اور ثواب کا اپنی عبادت کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت اور ثواب محض اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت کا سبب مسلمانوں کے اعمال ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (النحل:۳۲)

اپنے ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ' جو تم کیا کرتے تھے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (الزخرف:۷۲)

یہ وہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال دخول جنت کا ظاہری سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل جنت میں دخول کا حقیقی سبب ہے' کیونکہ نیک اعمال اور ان کی ہدایت اور ان میں اخلاص اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوتے اور ان نیک اعمال کو قبول کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت سے ہوتا ہے۔

سو ان آیات میں دخول جنت کے ظاہری سبب کا ذکر کیا گیا ہے اور حدیث مذکور میں دخول جنت کے سبب حقیقی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے گا اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے' جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر

حسن سلوک سے ان کو رخصت کردو O (الاحزاب: ۴۹۔۴۸)

کافروں اور منافقوں سے درگزر کرنے کے حکم کا منسوخ ہونا

الاحزاب: ۴۸ میں آپ کو کافروں اور منافقوں کی بات ماننے سے منع فرمایا ہے' بعض کافر آپ سے یہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہا کریں پھر ہم آپ کی پیروی کرلیں گے' اور منافقین آپ کو مصلحت کوشی سے کام لینے کا حکم دیتے تھے' تو آپ ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کریں اور ان کی زیادتیوں پر ان کو سزا نہ دیں' اور ان سے درگزر کریں' اس آیت کا حکم ان آیات سے منسوخ ہو گیا ہے جن میں آپ کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ (التوبہ: ۷۳) اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

یعنی اگر یہ کفار اور منافقین اپنی سازشوں اور کارروائیوں سے آپ کو ضرر پہنچائیں تو آپ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں' ان کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ آپ ان کی دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر اپنے مشن کو ترک کر دیں' آپ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس فکر میں نہ پڑیں کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون ایمان نہیں لاتا' لوگوں کے دلوں میں ایمان ڈالنا اور ان کی نازیبا حرکتوں پر ان کا مواخذہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ کافی کارساز ہے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔

اس آیت میں مسلمان عورتوں سے نکاح کی تخصیص فرمائی ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس تخصیص میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ مومن کے لائق یہ ہے کہ وہ مومنہ سے نکاح کرے' اور اہل کتاب عورتوں سے دارالکفر میں نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفار کا غلبہ ہوتا ہے اور مسلمان وہاں آزادی اور شرح صدر کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم اور تربیت نہیں دے سکے گا' اور دارالاسلام میں بلاضرورت اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے واضح رہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اللہ کو نبی کو اور آسمانی کتاب کو مانتے ہوں خواہ وہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل ہوں۔ (ردالمختار ج ۴ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

تہذیب اور شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ جماع اور مباشرت کو کنایہ سے تعبیر کیا جائے

اس کے بعد فرمایا: پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے۔

اس آیت (الاحزاب: ۴۹) میں عمل زوجیت کے لیے ان تمسوھن فرمایا اس کا معنی ہے تم ان کو چھوؤ' اور النساء: ۴۳ اور المائدہ: ۶ میں اس کے لیے لمستم النساء فرمایا اس کا معنی بھی ہے تم عورتوں کو چھوؤ' اور البقرہ: ۲۲۲ میں ولا تقربوھن حتی یطھرن فرمایا یعنی جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہوں ان سے مقاربت نہ کرو' اور الاعراف: ۱۸۹ میں فرمایا: فلما تغشاھا حملت حملا خفیفا اس کا معنی ہے جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا تو اس کو خفیف سا حمل ہو گیا اور البقرہ: ۲۲۳ میں فرمایا: نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم اس کا معنی ہے: عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتیوں میں جس طریقہ سے چاہو آؤ' سو اللہ تعالیٰ نے عمل زوجیت کے لیے صریح لفظ جماع' دخول یا وطی استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کو چھونے' مقاربت' ڈھانپنے اور آنے کے کنایہ سے تعبیر فرمایا اس میں ہم کو بھی شرم و حیاء کی تعلیم دی ہے کہ گفتگو اور کلام میں اس قسم کے کام کے لیے

صریح الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ان کے لیے استعارہ اور کنایہ کے الفاظ لانے چاہئیں۔

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں مذاہب ائمہ

اس آیت میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق' اب اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو آیا اس کو نکاح کے بعد طلاق پڑے گی یا نہیں؟ جمہور فقہاء کے نزدیک اس کو طلاق نہیں پڑے گی' ان کا استدلال اس آیت سے ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے: جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو' اس سے معلوم ہوا کہ طلاق تب واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح کیا ہو' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھ کو طلاق' تو نکاح کے بعد اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس پر تو اجماع ہے کہ اجنبی عورت پر فوراً طلاق نہیں پڑتی' لیکن اگر اجنبی عورت پر طلاق معلق کی جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق پس اس صورت میں جمہور صحابہ اور تابعین اور بعد کے فقہاء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی' اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک نکاح کے بعد اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔

(نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۰' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۳۸۳_۳۸۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جمہور فقہاء کا استدلال اس آیت کے علاوہ اس حدیث سے ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور جس غلام کا وہ مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے اور جس عورت کا وہ مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۱۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۷)

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کے موقف پر قرآن اور سنت سے دلائل

فقہاء احناف کے خلاف یہ آیت اور یہ حدیث اس وقت ہوتی جب وہ یہ کہتے کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی' اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ جو عورت اس کے نکاح اور اس کی ملک میں نہیں ہے اس پر طلاق کا واقع ہونا اس آیت اور اس حدیث کے خلاف ہے' لیکن فقہاء احناف اس طرح نہیں کہتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق تو جب وہ اس عورت سے نکاح کرلے گا تو اور وہ اس کی ملک میں آجائے گی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ صورت اس آیت اور اس حدیث کے خلاف نہیں ہے' اس صورت میں تعلیق صحیح ہے' جیسا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بھی یہ نذر صحیح ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرے پاس مثلاً سو روپے آ گئے تو میں ان کو صدقہ کر دوں گا' تو جب اس کے پاس سو روپے آ جائیں گے تو اس پر صدقہ کرنا لازم ہوگا' حالانکہ اس وقت اس کی ملک میں سو روپے نہیں ہیں۔ تو جس طرح اس وقت ملک میں سو روپے نہ ہونے کے باوجود اس کی تعلیقاً یہ نذر صحیح ہے

اس کے نکاح میں کسی معین عورت کے نہ ہونے کے باوجود تعلیقاً یہ طلاق صحیح ہے۔اس کی نظیر یہ ہے کہ عمران کی بیوی کے ہاں ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا اور انہوں نے اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر مان لی تھی' قرآن مجید میں ہے:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۔(آل عمران:۳۵)

اور یاد کیجئے! جب عمران کی بیوی نے کہا تھا اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو ہے اس کی میں نے خاص تیرے لیے نذر مانی ہے' (دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کیا ہوا' تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلمون عند شروطهم.

مسلمان اپنی شرط کو پورا کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب:۱۴)

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں فقہاء احناف کے ..... موقف پر آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین سے دلائل

ابوسلمہ بن عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آیا اور اس نے بتایا میں نے یہ کہا ہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اس کو تین طلاقیں' حضرت عمر نے فرمایا جس طرح تم نے کہا اسی طرح ہوگا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۲۵' رقم الحدیث:۱۱۵۱۸'طبع جدید' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

زہری سے پوچھا گیا ایک شخص نے کہا ہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے؟ انہوں نے کہا جس طرح اس نے کہا ہے اسی طرح ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۱۵۱۹)

معمر نے کہا کیا بعض صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑتی اور ملکیت سے پہلے کوئی آزاد نہیں ہوتا' انہوں نے کہا یہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں عورت کو طلاق یا فلاں غلام آزاد۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۴۵ طبع جدید)

شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ہر وہ عورت جس کو میں تجھ پر نکاح کر کے لاؤں اس کو طلاق ہے' انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنی بیوی کے اوپر جس عورت سے بھی نکاح کرے گا اس کو طلاق پڑ جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶' رقم الحدیث:۱۷۸۳۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ میں اس عورت سے نکاح کے بعد جس عورت سے بھی نکاح کروں گا' اس پر طلاق پڑ جائے گی تو یہ شرط جائز ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۷۸۳۳' دارالکتب العلمیہ بیروت)

خلوت صحیحہ سے مہر کے وجوب پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے عمل زوجیت سے پہلے تم انہیں طلاق دے دو' اس میں عمل زوجیت سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور حکماً عمل زوجیت سے مراد خلوت صحیحہ ہے' اور خلوت صحیحہ کو حکماً عمل زوجیت اس لیے قرار دیا ہے کہ عورت نے اپنے

آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا اس عمل سے کوئی شرعی اور طبعی مانع نہیں ہے اس کے باوجود اگر خاوند نے یہ عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے اس عمل کی پیش کش ہو چکی ہے اور یہ حکماً عمل زوجیت ہے' اس لیے اگر خلوت صحیحہ کے بعد خاوند نے عورت کو طلاق دے دی تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک پورے مہر کی مستحق ہوگی خواہ خاوند نے یہ عمل نہ کیا ہو' کیونکہ عورت اسے اس عمل کے لیے پیش کر چکی تھی اور خاوند نے اگر عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہے لہٰذا وہ اس صورت میں بھی مکمل مہر کی مستحق ہوگی اور اس قول پر امام رازی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے:

امام شافعی نے فرمایا ہے خلوت صحیحہ مہر کو ثابت نہیں کرتی' اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے خلوت صحیحہ مہر کو ثابت کرتی ہے' امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. تم نے جن عورتوں سے نفع اٹھالیا ہے ان کو ان کے مہر ادا کر دو۔ (النساء: ۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی کا وجوب عورتوں سے نفع اٹھانے یعنی عمل زوجیت کے سبب سے ہے' اور اگر خلوت صحیحہ بھی مہر کو واجب کرتی اور ظاہر ہے کہ خلوت صحیحہ عمل زوجیت پر مقدم ہوتی ہے تو پھر اس عمل سے پہلے ہی مہر ثابت ہو جانا چاہیے حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے ثبوت کا تعلق اس عمل کے سبب سے ہے' پس معلوم ہو گیا کہ خلوت صحیحہ سے مہر ثابت نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۱۔۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں ہے کہ مہر صرف عمل زوجیت سے ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بھی مہر ثابت نہیں ہوتا' اس جواب کا ہم نے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۳۳ میں بھی ذکر کیا ہے' اور دوسرا جواب وہ ہے جو ہم نے یہاں ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں استمتاع یعنی عمل زوجیت سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور خلوت صحیحہ بھی حکماً عمل زوجیت ہے اس لیے خلوت صحیحہ سے بھی مہر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس طرح عموم مراد لینے کی قرآن مجید میں اور بھی نظائر ہیں مثلاً فرمایا:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ. اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (المائدہ: ۵)

اب اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد شرک کرے تو پھر بھی اس کا عمل ضائع ہو جائے گا اور اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ کفر سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور شرک بھی حکماً کفر ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ. (النساء: ۴۸) بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

اب اگر کوئی شخص نماز یا زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دے اور یہ شرک نہیں ہے' تو کیا اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا؟ اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ حقیقۃً شرک نہیں ہے حکماً کفر ہے' اس لیے یہ بھی معاف نہیں ہوگا۔

اسی طرح خلوت صحیحہ بھی حکماً استمتاع اور عمل زوجیت ہے اور اس سے بھی مہر ثابت ہوگا خواہ بالفعل یہ عمل نہ کیا جائے۔ اور اس آیت (الاحزاب: ۴۹) میں فرمایا ہے' پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو' یعنی تم نے حقیقۃً یہ عمل ہو نہ حکماً' خلوت صحیحہ ہوئی ہو اور نہ عمل تزویج کیا ہو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے' جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

مطلقہ کو نصف مہر اور متاع دینے کے وجوب کے محامل

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عدت کی نفی خلوت صحیحہ اور جماع دونوں سے متعلق ہے اور ان کو ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا اس صورت میں ہے جب ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور اب ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا واجب ہے اور اگر ان کا مہر مقرر کیا گیا تھا تو ان کو نصف مہر دینا واجب ہے اور ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا مستحب ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ○ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ

(البقرہ: ۲۳۷_۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو (ان کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو نہ تم نے ان کے ساتھ عمل تزویج کیا ہو) یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو' اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو' خوش حال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق' دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○ اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے (خلوت صحیحہ اور عمل تزویج) سے پہلے انہیں طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے' البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں' یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے تو کچھ حرج نہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری الاحزاب: ۴۹ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے متعلق ہے جو کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے اس کو طلاق دے دے' پس جب وہ اس عورت کو ایک طلاق دے گا تو وہ اس سے بائن ہو جائے گی اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے' وہ جس سے چاہے نکاح کرے پھر **فمتعوھن وسرحوھن** کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اگر اس نے اس عورت کے لیے مہر مقرر کیا تھا تو اس کو صرف نصف مہر ملے گا' اور اگر اس نے اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تھا تو وہ اپنی وسعت کے مطابق اسے کچھ فائدہ کی چیزیں دے دے اور یہی سراح جمیل کا معنی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۲۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلوت صحیحہ کی تعریف

علامہ مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ الاحزاب: ۴۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے' اور فقہاء احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ بیوی کو ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) کے قائم مقام ہے' اور خلوت صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں عمل زوجیت سے کوئی شرعی مانع نہ ہو' مثلاً دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو' یا کسی کا روزہ ہو یا بیوی کو حیض ہو اور نہ کوئی حسی مانع ہو مثلاً بیوی کو ایسی بیماری ہو جو اس عمل سے مانع ہو' اور نہ کوئی عقلی مانع ہو' مثلاً وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اس عمل سے حیا کرے' اگر اس طریقہ سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو پھر خاوند نے اس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہو گا اور

اس عورت پر احتیاطاً عدت واجب ہوگی اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے عمل تزویج کیا ہو تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا' اور عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی۔

مطلّقات کی اقسام اور متاع کا بیان

نیز علامہ القوجوی الحنفی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک مطلقات کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور نہ اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے اس کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیص' دوپٹہ اور تہبند ہے۔

(۲) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے' اس کو نصف مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔

(۳) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا تھا اس کو پورا مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔

(۴) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اس کو مہر مثل دینا واجب ہے اور اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۴۸۔۶۴۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سراح جمیل کا معنی

سرحوھن سراحا جمیلا کا معنی یہ ہے کہ جب ان عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے تو پھر ان کو بغیر طعن اور تشنیع کے چھوڑ دو' اور جانے دو۔

اصل میں تسریح کا معنی ہے اونٹوں کو پھل دار درختوں پر چرنے کے لیے چھوڑ دینا پھر اس لفظ کو مطلقاً چرنے کے لیے چھوڑنے میں استعمال کیا جانے لگا' پھر اس کا اطلاق مطلقاً نکالنے اور چھوڑنے پر کیا جانے لگا۔

سراح جمیل کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ خاوند عورت کو جو کچھ دے چکا ہے اس کو اس سے واپس نہ مانگے' جبائی نے کہا اس سے مراد سنت کے مطابق طلاق دینا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے دی ہوئی طلاق پر مترتب ہے اس سے نئی طلاق دینا مراد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں' اور آپ کی ان کنیزوں کو جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں' جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں' یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے' بے شک ہم اس چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے (آپ کے لیے یہ خصوصی حکم) اس لیے ہے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الاحزاب: ۵۰)

حضرت ام ہانی کو نکاح کا پیغام دینا

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا' میں

نے آپ کے سامنے (اپنے بچوں والی ہونے کا) عذر پیش کیا' آپ نے میرا عذر قبول فرمالیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے' جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ کی ان کنیزوں کو جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں' جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں۔(الاحزاب:۵۰) حضرت ام ہانی نے کہا سو میں آپ کے لیے حلال نہ تھی کیونکہ میں نے ہجرت نہیں کی تھی اور میں طلقاء میں سے تھی (فتح مکہ کے بعد آپ نے اہل مکہ سے فرمایا تھا تم طلقاء ہو یعنی آزاد ہو)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۱۴' المعجم الکبیر ج ۲۴' رقم الحدیث:۱۰۰۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں' مجاہد وغیرہ نے بیان کیا آپ کی ازواج کا مہر پانچ سو درہم تھا یعنی 131.25 تولہ چاندی' ماسوا حضرت ام حبیبہ کے' ان کا مہر نجاشی نے چار سو دینار رکھا تھا' اور ماسوا حضرت صفیہ بنت حیی کے ان کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا گیا تھا' کیونکہ وہ غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئیں تھیں آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا' اسی طرح حضرت جویریہ بنت الحارث تھیں وہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو ان کا بدل کتابت ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کی ان کنیزوں کو آپ کے لیے حلال کر دیا جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی تھیں۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ آپ کی ملک میں آئیں آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا' اور حضرت ریحانہ بنت شمعون النضر یہ اور حضرت ماریہ قبطیہ جو حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں' یہ آپ کی کنیزیں تھیں۔

نکاح کی اجازت کے رشتوں میں اسلام کا متوسط حکم

نصاریٰ کے ہاں چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہ تھا یہ تفریط تھی اور یہود کے ہاں بھائی کی بیٹی اور بہن کی بیٹی سے بھی نکاح جائز تھا یہ افراط تھا' اسلام نے افراط اور تفریط کو ترک کر کے متوسط حکم دیا' بھانجی اور بھتیجی سے نکاح کو حرام کر دیا اور چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی سے نکاح کو جائز قرار دیا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں۔

جن خواتین نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لیے پیش کیا

اس کے بعد فرمایا: اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں' یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے' عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی بیٹی بھی تھی' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش

کیا' وہ کہنے لگی یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انس کی بیٹی نے یہ سن کر کہا اس عورت میں کس قدر کم شرم و حیا تھی' وہ کیسی بری عورت تھی! وہ کیسی بری عورت تھی! حضرت انس نے کہا وہ تم سے بہتر تھی' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت کی اور اپنے آپ کو حضور پر پیش کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۸۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی (یعنی وہ بری لگتی تھیں) تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو کسی پر پیش کر سکتی ہے! پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ

ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے پاس سے دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں' اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے ان میں سے جس کو چاہیں پھر طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵۱)

تب میں نے یہ کہا کہ میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا وہ حضرت میمونہ بنت الحارث ہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ الانصاریہ ہیں اور وہی ام المساکین ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فوت ہو گئیں تھیں' کافی عورتوں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا' اور یہ پیش کش صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز قرار دی گئی تھی۔ جن عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا' ان میں ایک خاتون بنو بکر کی تھیں' یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ کے مقابلہ میں دنیا کو اختیار کر لیا تھا' ایک خاتون بنو الجون کی تھیں یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تھی' اور دو قیدی عورتیں تھیں ایک حضرت صفیہ اور دوسری حضرت جویریہ۔ اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں ایسی کوئی خاتون نہیں تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ہو' اس کو امام ابن ابی حاتم نے از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے' اور امام ابن جریر نے یونس بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ جن خواتین نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کیا تھا' آپ نے ان میں سے کسی کو قبول نہیں فرمایا اور یہ آپ کے لیے مباح تھا اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ

اگر نبی ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں یعنی ان کو پسند کر لیں۔ (الاحزاب: ۵۰)

بغیر مہر کے محض ہبہ سے کوئی خاتون عام مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے

اس کے بعد فرمایا: یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے' عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵۰)

عکرمہ نے کہا جو عورت اپنا نفس آپ کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کرے تو اس کے لیے وہ عورت حلال نہیں ہے' وہ اس وقت تک اس سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک اس کا مہر مقرر نہ کرے' اسی طرح مجاہد اور شعبی وغیرہما نے کہا یعنی اگر کوئی عورت اپنا نفس کسی شخص کو ہبہ کر دے تو وہ شخص جب بھی اس کے ساتھ عمل زوجیت کرے گا تو اس پر مہر مثل واجب ہو جائے گا' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت واشق کے متعلق فیصلہ فرمایا تھا اس نے کسی شخص کو اپنا نفس ہبہ کر دیا تھا' جب اس کا خاوند فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے اس کے خاوند کے ترکہ سے مہر مثل واجب ہو گا اور موت اور عمل زوجیت دونوں برابر

مثل کے اثبات اور اس کی تاکید میں برابر ہیں۔ ہاں اگر کوئی خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نفس ہبہ کر دے تو آپ پر کسی صورت میں بھی اس کو مہر ادا کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ بغیر عقد نکاح اور بغیر گواہوں اور بغیر ولی کے اور بغیر مہر کے ذکر کے کسی خاتون کو اپنی زوجہ قرار دیں اور اس کو زوجیت سے مشرف فرمائیں جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ میں ہوا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر مہر کے اور بغیر ولی اور عقد نکاح کے محض کسی عورت کے ہبہ کرنے سے وہ کسی کی بیوی ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم اس چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے۔ (الاحزاب: ۵۰)

حضرت ابی بن کعب' مجاہد' حسن بصری' قتادہ اور امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی ہم نے عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار آزاد مومن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے' اور ان پر مہر کو لازم کیا ہے اور عقد نکاح میں دو مسلمان گواہوں کو لازم کیا ہے اور خود بالغہ یا اس کے ولی کی رضامندی کو نکاح کی شرط قرار دیا ہے' اور باندیوں سے حصول لذت میں ان کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں کی اور نہ اس میں مہر کی شرط ہے اور نہ خود باندی کی یا اس کے ولی کی رضامندی کی شرط ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ملخصاً و موضحاً ومخرجاً ج ۳ ص ۵۴۸۔۵۴۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر فرض ہیں امت پر فرض نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام شرعیہ خصوصیت سے آپ کے لیے مقرر کیے' بعض چیزیں صرف آپ پر فرض ہیں اور بعض چیزیں صرف آپ پر حرام ہیں اور بعض چیزیں صرف آپ کے لیے جائز اور حلال ہیں اور امت کے دوسرے افراد ان میں آپ کے شریک نہیں ہیں' بعض احکام جو صرف آپ پر فرض ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض علماء کے نزدیک تہجد کی نماز صرف آپ پر فرض تھی اور تاحیات آپ پر تہجد فرض رہی اور صحیح یہ ہے کہ پہلے آپ پر تہجد فرض تھی اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ (الاسراء: ۷۹) رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھیں' جو آپ کے لیے نفل ہے۔

(۲) جو مسلمان فقیر ہو اور وہ قرض ادا کیے بغیر فوت ہو جائے تو وسعت اور خوش حالی آنے کے بعد اس کا قرض ادا کرنا اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کرنا آپ پر فرض تھا۔

(۳) غیر شرعی امور میں اصحاب رائے سے مشورہ کرنا آپ پر فرض تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۔ (آل عمران: ۱۵۹) دنیاوی امور میں ان سے مشورہ کیجئے۔

(۴) اپنی ازواج کو اپنے پاس رہنے یا نہ رہنے اور دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دینا آپ پر فرض تھا۔

(۵) تمام قرآن مجید کا پہنچانا آپ پر فرض ہے قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۔ (المائدہ: ۶۷) اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے کار رسالت کو ادا نہیں کیا۔

(۶) قرآن مجید میں جو احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں ان کو سمجھانا اور ان کو قولاً اور عملاً بیان کرنا بھی آپ پر فرض ہے۔ قرآن

مجید میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ . (النحل:۴۴) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید کو نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

(۷) اگر کوئی شخص آپ کے سامنے غلط یا نا مناسب بات کہے یا غلط یا نا مناسب کام کرے تو اس کی اصلاح کرنا بھی آپ پر فرض ہے کیونکہ اگر آپ نے اس غلط کام یا غلط بات کی اصلاح نہ کی تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ نے اس غلط کام یا غلط بات کو جائز اور ثابت رکھا ہے۔

(۸) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چاشت اور وتر کی نمازیں‘ اور مسواک کرنا اور قربانی کرنا بھی آپ پر فرض تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۹۲‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

(۹) اگر آپ کا ساتھ کوئی بھی نہ دے پھر بھی اللہ کی راہ میں قتال کرنا آپ پر فرض تھا‘ قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ . (النساء:۸۴) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کے سوا اور کوئی اس حکم کا مکلف نہیں ہے۔

(۱۰) جب آپ کے پاس کوئی چیز ہو اور کوئی شخص اس کا سوال کرے تو اس کو دینا آپ پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ:۱۰) اور آپ سائل کو مت جھڑکیں۔

(۱۱) اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرنا بھی آپ پر فرض ہے‘ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ:۱۱) اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر...... حرام یا ممنوع ہیں‘ امت پر حرام یا ممنوع نہیں ہیں

اسی طرح بعض چیزیں صرف آپ پر حرام کی گئی ہیں اور وہ آپ کی امت پر حرام نہیں ہیں‘ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) آپ پر اور آپ کی آل پر زکوٰۃ لینا حرام کر دیا گیا ہے‘ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی کھجوروں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ‘ چھوڑ‘ اس کو پھینک دو‘ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور ایک روایت میں ہے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۹۱‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۶۹‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۶۴۵)

(۲) نفلی صدقہ بھی آپ پر حرام ہے‘ البتہ آپ کی آل کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

(۳) تکیہ لگا کر کھانا آپ کے لیے جائز نہیں ہے‘ حدیث میں ہے:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تکیہ سے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۹۹‘ سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۷۶۹‘ سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۰‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۶۳‘ مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۹۶۱‘ سنن دارمی رقم الحدیث:۲۰۷۷‘ المعجم الاوسط رقم الحدیث:۱۰۴۷)

(۴) کچا لہسن‘ کچی پیاز اور بدبودار سبزیوں کا کھانا بھی آپ کے لیے جائز نہیں تھا‘ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے کچا لہسن

پیاز کھائی وہ ہماری مساجد سے دور رہے اور اپنے گھر بیٹھے' آپ کے پاس سبزیاں لائی گئیں آپ نے ان کی بو محسوس کی' آپ نے پوچھا یہ کون سی سبزیاں ہیں' آپ کو بتایا گیا' آپ نے فرمایا یہ تم اپنے بعض اصحاب کو کھلاؤ' جب آپ نے دیکھا کہ وہ اس کے کھانے کو ناپسند کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تم لوگ کھاؤ کیونکہ میں ان سے ہم کلام ہوتا ہوں جن سے تم ہم کلام نہیں ہوتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۵۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۸۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۸۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث:۷۰۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۱۶۴۴' مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۳۷۳)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: (۵) آپ پر باطن کے خلاف ظاہر کرنا حرام ہے (۶) آپ پر ازواج کو بدلنا حرام ہے (۷) آزاد مکاتبہ سے نکاح کرنا آپ پر حرام ہے (۸) باندی سے نکاح کرنا آپ پر حرام ہے (۹) آپ پر پڑھنا اور لکھنا حرام ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے (۱۰) کفار کو اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی نعمتیں دی ہیں ان کی طرف نظر پھیلا کر دیکھنا آپ پر حرام ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۔ (طٰہٰ:۱۳۱)

اور آپ ان چیزوں کی طرف آنکھیں پھیلا کر نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو دی ہیں یہ محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۹۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر حلال ہیں امت پر حلال نہیں ہیں

اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کے لیے حلال کی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (۲) وصال کے روزے (۳) چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا (۴) جو عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کرے اس سے بغیر مہر ادا کیے نکاح کرنا (۵) بغیر گواہوں اور مہر کے اور بغیر عقد کے نکاح کرنا (۶) ازواج کے درمیان باری کے وجوب کا ساقط ہونا (۷) کسی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دینا (۸) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا (۹) مکہ میں قتال کرنا (۱۰) کسی کو وارث نہ بنانا (۱۱) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کا زوجیت پر برقرار رہنا اور ان سے دوسروں کے نکاح کا حرام ہونا (۱۲) آپ کی مطلقہ سے بھی دوسروں کے نکاح کا حرام ہونا (۱۳) حالت جنابت میں آپ کا مسجد میں داخل ہونا (۱۴) ایک ماہ کی مسافت سے آپ کا رعب طاری ہونا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے اعتبار سے آپ کے خصائص

(۱) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے مسجد ہونا (۲) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے آلۂ تیمم ہونا (۳) مال غنیمت کا آپ کے لیے حلال ہونا (۴) قربانی کا آپ کے لیے حلال ہونا (۵) قیامت تک تمام لوگوں کے لیے آپ کا رسول ہونا (۶) آپ کا خاتم النبیین ہونا (۷) اعمال امت کا آپ پر پیش کیا جانا (۸) آپ کی امت کا سب امتوں سے زیادہ ہونا (۹) قیامت میں سب سے پہلے اٹھنا (۱۰) شفاعت کبریٰ کا حصول (۱۱) مقام محمود کا حصول (۱۲) تمام انبیاء سابقین کے معجزات کا حصول (۱۳) آپ کے معجزات کا سب نبیوں سے زیادہ ہونا (۱۴) آپ کے ہمزاد کا کلمہ پڑھنا (۱۵) تمام مخلوق کی انواع کا آپ پر ایمان لانا (۱۶) سب سے کم بعثت کا زمانہ پانا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑ کر جانا (۱۷) انگلیوں سے پانی کا جاری کرنا (۱۸) کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا (۱۹) کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا (۲۰) آپ کی شریعت کا تمام شرائع سابقہ کے لیے ناسخ ہونا (۲۱) آپ کی شریعت کا غیر منسوخ ہونا (۲۲) شب اسراء میں تمام نبیوں کی امامت فرمانا (۲۳) حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہونا (۲۴) تمام نبیوں سے افضل اور ان کا قائد ہونا (۲۵) سب سے پہلے جنت میں داخل

ہونا (۲۶) قیامت کے دن تمام نبیوں کا گواہ ہونا (۲۷) اللہ کو دیکھ کر اس کی گواہی دینا (۲۸) حصول وحی کے لیے کسی جگہ جانے کا قصد نہ کرنا بلکہ جس جگہ آپ ہوں وہیں وحی الٰہی کا نازل ہو جانا (۲۹) حیات انسانی کے ہر شعبہ کے لیے اسوہ' نمونہ اور آئیڈیل ہونا (۳۰) دنیا میں اللہ کے دیدار کا حاصل ہونا (۳۱) اللہ کا محبوب ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں' اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمالیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے' اس حکم سے یہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ غمگین نہیں ہوں گی اور وہ سب اس پر راضی رہیں گی جو آپ انہیں عطا فرمائیں گے' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ بہت علم والا' بے حد حلم والا ہے O ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O (الاحزاب: ۵۲-۵۱)

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج میں باریوں کی تقسیم واجب تھی یا نہیں؟

اس آیت میں ترجی کا لفظ ہے یہ ارجاء سے بنا ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کو مؤخر کرنا' یعنی ازواج میں سے آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مؤخر کر دیں' فرقہ مرجئہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اعمال کو مؤخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد معصیت سے ضرر نہیں ہوتا۔ اور اس آیت میں تؤوی کا لفظ ہے یہ ایواء سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے جگہ دینا اور یہاں مراد ہے آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مقدم کر دیں۔ یعنی آپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ آپ باری باری ہر بیوی کے پاس رہیں' آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مقدم کر دیں اور جس بیوی کی باری کو چاہیں مؤخر کر دیں۔

علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا یہی صحیح اور معتمد قول ہے کہ آپ پر بیویوں میں باری کو تقسیم کرنا واجب نہیں تھا اور اس معاملہ میں آپ کو اختیار تھا' آپ چاہتے تو ان کے پاس باری باری رہتے اور آپ چاہتے تو اس تقسیم کو ترک فرما دیتے' اور آپ نے ایام مرض میں دیگر ازواج سے حضرت عائشہ کے ہاں رہنے کی اجازت طلب کی تھی یہ آپ کا ان کے اوپر فضل تھا یہ آپ پر واجب نہیں تھا۔ لیکن آپ از خود ان میں باری تقسیم کرتے تھے' تاکہ ازواج مطہرات کی دل جوئی ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف غیرت نہ کریں جس کی وجہ سے وہ کسی نامناسب کام میں مبتلا ہوں' اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے آپ پر تقسیم واجب تھی پھر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ ابو رزین نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا آپ جس طرح چاہیں ہم میں باری تقسیم کریں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب کو اپنے پاس رکھا اور آپ اپنی ذات کو اور اپنے مال کو ان میں برابر تقسیم فرماتے تھے اور حضرت سودہ' حضرت جویریہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن کو آپ نے مؤخر رکھا۔ آپ جس طرح چاہتے تھے ان میں اپنی ذات کو تقسیم فرماتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ جن کو آپ نے مؤخر کیا تھا اس سے وہ خواتین مراد ہیں جنہوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح ایک روایت ہے' شعبی نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن خواتین نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہے آپ ان میں سے جن سے چاہیں نکاح فرمائیں اور جن سے چاہیں نکاح نہ فرمائیں' زہری نے کہا ہم کو یہ علم نہیں کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو موخر کیا ہو بلکہ آپ نے سب کو اپنے پاس جگہ دی تھی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح میں

برقرار رکھیں' اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں' اور ہر تقدیر پر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازواج کے معاملہ میں وسعت دی اور آپ پر کوئی چیز واجب نہیں کی اور اس آیت کی تفسیر میں زیادہ صحیح وہ قول ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ازواج کے درمیان باریاں تقسیم کرنا آپ پر واجب نہیں تھا۔

ازواج کی باریوں کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان جو تقسیم کرتے تھے اس میں عدل فرماتے تھے' اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ میری ان چیزوں میں تقسیم ہے جن کا میں مالک ہوں' سو تو مجھے ان چیزوں کی تقسیم میں ملامت نہ فرمانا جن کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں (یعنی ان کے درمیان محبت میں برابری سے تقسیم کرنا)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۱' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۸۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۸۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور آپ کا درد زیادہ ہوگیا تو آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں تو انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے ایام میں فرماتے تھے' میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کس کے گھر ہوں گا' آپ گمان فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ کی باری بہت دیر میں آئے گی' پھر جس دن میری باری تھی اور آپ میرے گھر میں تھے تو میرے سینہ اور پہلو کے درمیان اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور میرے حجرے میں آپ کی تدفین ہوئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

عام مسلمانوں پر ازواج میں باریوں کی تقسیم کا وجوب

مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب ان کی متعدد ازواج ہوں تو وہ ان میں مساوات سے تقسیم کریں اور باریاں مقرر کریں' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کنواری عورت سے نکاح کرے تو کنواری کے پاس سات دن رہے اور جب اپنی بیوی کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو اس بیوہ کے پاس تین دن رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۸' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے عقد میں دو بیویاں ہوں' اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے جسم کی ایک جانب ساقط ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے۔ (الاحزاب: ۵۲)

ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر خواتین سے نکاح کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس آیت کی تفسیر میں چھ قول ہیں:

(۱) اس آیت کا حکم درج ذیل حدیث سے منسوخ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ کے لیے تمام عورتیں حلال نہیں کر دی گئیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۱۶، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۰۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۴)

(۲) النحاس نے کہا یہ آیت الاحزاب:۵۱ سے منسوخ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو کسی پر پیش کر سکتی ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ (الاحزاب:۵۱)

ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے پاس سے دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے ان میں سے جس کو چاہیں طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۶۴، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۹۹)

(۳) الحسن اور ابن سیرین نے کہا چونکہ ازواج مطہرات نے اللہ عزوجل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دار آخرت کو دنیا اور اس کی زیبائش پر ترجیح دی تھی اس کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اوپر کسی اور زوجہ سے نکاح کرنے سے یا ان کو کسی اور زوجہ سے تبدیل کرنے سے منع فرما دیا، اور بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے آپ کو دوسری ازواج کے ساتھ نکاح کرنے یا ان کو تبدیل کرنے کی اجازت دے دی، سو الاحزاب:۵۱ ذکر میں مقدم ہے اور حکم میں الاحزاب:۵۲ سے موخر ہے۔

(۴) ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی اور سے نکاح کرنے کو ازواج مطہرات پر حرام کر دیا تھا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان ازواج کے بعد کسی اور سے نکاح کرنے کو حرام کر دیا، بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۵) حضرت ابی بن کعب، عکرمہ اور ابو رزین نے کہا اس آیت کا محمل یہ ہے کہ یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کرنے کو آپ پر حرام کر دیا تا کہ مشرکہ مسلمانوں کی ماں نہ بن جائے، مگر یہ قول بعید ہے۔

(۶) محمد بن کعب القرظی نے کہا پہلے آپ کے لیے ہر عورت سے نکاح کرنا جائز تھا، بعد میں اس حکم کو منسوخ کر دیا، یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔

نکاح سے پہلے عورت کے چہرے کو دیکھنے کا جواز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ انسان جس عورت سے نکاح کا ارادہ کرے اس کے لیے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے، حدیث میں ہے:

بکر بن عبد اللہ المزنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دیکھ لو تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۸۷' سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۶۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۵۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۴' سنن دارمی رقم الحدیث:۲۱۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا' کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو دیکھ لیں۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۳۴)

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کوئی چیز (کمی) ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۲۴' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث:۵۳۴۸)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ امام شافعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد اور جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ انسان نکاح کرنے سے پہلے اس خاتون کو دیکھ لے اور بہ وقت ضرورت عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت کی رضا اور اس کی اجازت سے اس کے چہرے کو دیکھا جائے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو وہ عورت پسند نہ آئے اور جب اس کو معلوم ہو گا کہ اس کو مسترد کر دیا گیا ہے تو اس کی دل شکنی ہو گی' اس لیے اس عورت کی غفلت میں اس کو دیکھ لیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو' سوا اس کے کہ

يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا

تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے' کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو' بلکہ جب تمہیں

دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

بلایا جائے اس وقت جاؤ' پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز

نہ لگاؤ' بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے' سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں'

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا' اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے'

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ

تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں

مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ

سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے ○ اگر

تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ

ان خواتین پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں

وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا

اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی ہم دین خواتین اور

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ

اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں، اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز کا

شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا

نگہبان ہے ○ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو ○ بے شک جو لوگ

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ

اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے، اور اس نے

لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو

ع ۶
بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

بلا خطا ایذاء پہنچاتے ہیں' تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے' کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو' بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ' پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ' اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ' بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے' سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں' اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا' اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے' تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے O اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الاحزاب: ۵۴۔۵۳)

حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ اور آیت حجاب نازل ہونے کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں' کاش آپ امہات المومنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۰_۴۰۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰_۱۶۰_۱۵۷' عالم الکتب بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح' اللہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دعوت کی' انہوں نے کھانا کھایا پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' اور اس وقت ایسے لگا جیسے آپ جانے لگے ہوں' لیکن مسلمان نہیں اٹھے' جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے' جب آپ کھڑے ہوئے تو مسلمانوں میں سے بھی بعض کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں داخل ہونے کے لیے آئے اور وہ لوگ اسی طرح بیٹھے رہے' پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے' میں نکل کر گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ حجرے میں داخل ہو گئے' میں بھی داخل ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ (الاحزاب: ۵۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کے ساتھ شادی کی' میری ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حیس (کھجور' گھی اور ستو سے بنایا ہوا کھانا) بنایا' انہوں نے اس کو ایک تھال میں رکھا' اور کہا اے انس! یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ یہ کھانا میری ماں ام سلیم نے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور کہتی ہیں یا رسول اللہ! یہ ہماری طرف سے بہت تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ میں اس کھانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور بتایا کہ میری ماں آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور کہا ہے کہ یہ ہماری طرف سے بہت تھوڑا سا کھانا ہے' آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو' پھر فرمایا جاؤ اور فلاں' فلاں اور فلاں کو بلا کر لاؤ' اور جن سے تمہاری ملاقات ہو' سو آپ نے کئی لوگوں کے نام لیے' حضرت انس نے کہا آپ نے جن جن کے نام لیے تھے میں نے ان

کو بلایا اور جن سے میں ملا ان کو بھی بلایا' ابو عثمان راوی نے حضرت انس سے پوچھا تم لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے کہا اندازاً تین سو مسلمان تھے اور مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس وہ تھال (خوان) لاؤ' حضرت انس نے کہا پھر مسلمان آئے حتیٰ کہ (صفہ) مسجد نبوی کا چبوترہ اور حجرہ بھر گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس دس افراد کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنے آگے سے کھائے' حضرت انس نے کہا ان لوگوں نے کھانا کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے' پھر مسلمانوں کی وہ جماعت چلی گئی اور دوسری جماعت آ گئی حتیٰ کہ سب نے کھانا کھا لیا' حضرت انس نے کہا پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اب کھانا اٹھالو حضرت انس کہتے ہیں مجھے پتا نہیں جس وقت میں نے کھانا رکھا اس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ تھا' لوگوں کے کچھ گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اور آپ کی زوجہ دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں' یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ بنے ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے' اپنی ازواج کو سلام کیا' پھر لوٹ آئے' جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے ہیں تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ بنے ہوئے ہیں' وہ سب دروازے کی طرف لپکے اور سب کے سب آپ کے گھر سے نکل گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے حتیٰ کہ آپ نے پردہ ڈال دیا' آپ جس وقت داخل ہوئے تو میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا' آپ تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ میرے پاس آئے اور آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے لوگوں کے سامنے یہ آیات پڑھیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ الآیۃ (الاحزاب: ۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اس وقت لوگوں میں سب سے کم سن تھا جب یہ آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے پردہ کر لیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم النکاح: ۹۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۴۲۸' الرقم المسلسل: ۳۴۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۴۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور روٹیوں اور گوشت کی دعوت کی' سو مجھے کھانے کی دعوت کا پیغام دے کر بھیجا گیا' مسلمانوں کا ایک گروہ آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا' پھر دوسرا گروہ آتا اور وہ کھانا کھا کر چلا جاتا' سو میں لوگوں کو بلاتا رہا حتیٰ کہ سب لوگ آ چکے اور اب بلانے کے لیے کوئی نہیں بچا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف گئے' آپ نے فرمایا اے اہل بیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت عائشہ نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! آپ نے اپنے اہل (بیوی) کو کیسا پایا! اللہ آپ کو برکت دے' پھر آپ اپنی تمام ازواج کے حجروں میں گئے اور سب سے اسی طرح کلام کیا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام کیا تھا' اور سب ازواج نے اسی طرح جواب دیا جس طرح حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا پھر آپ گھر واپس آئے تو تین آدمی ابھی تک گھر میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت حیا (لحاظ اور مروت) والے تھے' آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف چلے گئے' مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی تھی یا کسی اور نے کہ وہ لوگ چلے گئے' آپ واپس آئے حتیٰ کہ ابھی آپ کا ایک پیر دروازے کی چوکھٹ میں تھا اور دوسرا باہر تھا کہ آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ لٹکا دیا اور آیت حجاب نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۳' صحیح مسلم النکاح: ۸۹-۹۲-۹۳' رقم بلا تکرار: ۱۴۲۸' الرقم المسلسل: ۳۴۴۴-

حضرت زینب کے ولیمہ کی بعض تفصیلات' ولیمہ کا شرعی حکم اور نزول حجاب کی تاریخ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کا اتنا وسیع ولیمہ کیا ہو جتنا وسیع ولیمہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا کیا تھا۔ (صحیح مسلم النکاح: ۹۰' الرقم المسلسل: ۳۴۴۰)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خوشی میں آپ نے اتنی عظیم دعوت اللہ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا حضرت زینب کے ساتھ وحی کے ذریعہ نکاح کر دیا' اس میں کوئی ولی تھا نہ گواہ تھا نہ مجلس نکاح منعقد ہوئی اور نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس دعوت کے موقع پر آپ کے لیے طعام بھیجا اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے احباب کے لیے اس کے ولیمہ کے موقع پر کھانا بھیجنا مستحب ہے' انہوں نے آپ کو سلام بھیجا اور طعام کے کم ہونے پر معذرت کی اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے مواقع پر ایسے کلمات کہنا بھی مستحب ہے۔

ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ کھانا اس دعوت میں تین سو سے زائد شرکاء نے کھایا پھر بھی وہ کھانا نہ صرف بچ گیا بلکہ پہلے سے زیادہ تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ تھا۔

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں حیس (طعام) بھیجا تھا اور مشہور یہ ہے کہ اس ولیمہ میں روٹی اور گوشت کھلایا گیا تھا' حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس دعوت میں یہ دونوں چیزیں کھلائی گئیں تھیں۔

امام طبرانی نے وحشی بن حرب سے روایت کیا ہے کہ ولیمہ حق ہے' بعض شافعیہ نے اس حدیث کی بناء پر کہا ولیمہ واجب ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیمہ سنت یا مستحب ہے' ولیمہ کے وقت میں بھی اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ یہ عقد نکاح کے وقت سنت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد سنت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۸۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے دن ولیمہ کرنا حق ہے' دوسرے دن کرنا معروف (نیکی) ہے اور تیسرے دن کرنا دکھانا اور سنانا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۷۷' رقم الحدیث: ۲۱۳۷_۲۸۹۷' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۹۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ بنو قریظہ کے بعد ذوالقعدہ پانچ ہجری میں ہوا اور اسی تاریخ کو حجاب کے احکام نازل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

دینی اور دنیاوی ضرورت کی بناء پر ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے نکلنے کی اجازت

اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ . (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں برقرار رہو۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ازواج مطہرات اور دیگر مسلمان خواتین کو گھر سے باہر نکلنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے' ستر اور حجاب کے ساتھ وہ کسی شرعی' طبعی یا دنیاوی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکل سکتی ہیں' حج اور عمرہ کے لیے' عیادت کے لیے' علاج کے لیے' اقارب کی زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے گھر سے باہر حجاب کے ساتھ جا سکتی ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کسی کام کے لیے گھر سے باہر نکلیں' وہ قد آور اور جسیم خاتون تھیں' جس نے ان کو دیکھا ہو وہ ان کو پہچان لیتا تھا' حضرت عمر بن الخطاب نے ان کو دیکھ کر کہا: اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ ہم سے مخفی نہیں رہ سکتیں' آپ دیکھ بھال کر گھر سے نکلا کریں' وہ الٹے پیر واپس آ گئیں' اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے' آپ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی' حضرت سودہ آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں اپنی کسی حاجت کی بناء پر گھر سے نکلی تھی' مجھ سے عمر نے اس اس طرح کہا' حضرت عائشہ نے کہا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی' پھر وحی کی کیفیت ختم ہو گئی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ہڈی لے کر رکھ دی' اس کے بعد فرمایا تم کو اپنی حاجتوں کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۵۔ ۵۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۰۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۲۹۴)

باہر نکلنے پر حضرت سودہ کو حضرت عمر کے دوبار ٹوکنے کی وضاحت

امام بخاری نے حضرت سودہ کے گھر سے نکلنے اور حضرت عمر کے ان کو آواز دینے کا واقعہ کتاب الوضوء (رقم الحدیث: ۱۴۶) میں روایت کیا ہے اور وہاں یہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور یہاں پر یہ بیان کیا ہے کہ یہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دوبار پیش آیا ہو' حجاب سے پہلے بھی اور حجاب کے بعد بھی' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرضی یہ تھی کہ اجنبی لوگ حرم نبوی پر بالکل مطلع نہ ہوں اگر وہ مستور ہوں پھر بھی ان کی جسامت سے یہ متعین نہ ہو کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مشقت اور حرج کو دور کرنے کے لیے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر جو حجاب فرض ہے وہ عام مسلم خواتین کی بہ نسبت زیادہ سخت اور موکد ہے' عام مسلم خواتین تو گواہی یا علاج کی ضرورت کی وجہ سے اجنبی مردوں کے سامنے چہرے اور ہاتھوں کو کھول سکتی ہیں اور ازواج مطہرات کو اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے سوال کرنے کا حکم دیگر مسلم خواتین کو بھی متضمن ہے

یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے۔

اس آیت میں جس چیز کے مانگنے کا ذکر فرمایا' اس سے مراد عام برتنے کی چیزیں ہیں جن کو لوگ عاریۃً مانگتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فتویٰ یعنی دینی مسائل کا پوچھنا ہے' ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد دین اور دنیا کی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے۔

نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردے کی اوٹ سے دینی مسائل بھی معلوم کر سکتے ہیں اور دنیاوی ضرورت کی چیزیں بھی طلب کر سکتے ہیں' اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں' کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں' ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب الستر ہے اور سوا شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

ہمارے زمانہ میں اسکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے۔ دفتروں اور نجی اور سرکاری اداروں میں عورتیں اور مرد ایک ساتھ کام کرتے ہیں' ان کا آزادانہ میل جول ہوتا ہے اور وہ بے تکلف ایک دوسرے کے ساتھ گپ شپ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں منع نہیں ہے اور چہرے کا پردہ اسلام میں نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں بس دل میں پاکیزگی اور خوف خدا ہونا چاہیے اور پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس آیت کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حجاب میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ عورت کے چہرہ کا ستر واجب نہیں ہے یعنی وہ چہرے کو نماز میں کھلا رکھ سکتی ہے اور محارم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے لیکن اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو چھپانا واجب ہے اور یہی حجاب ہے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے' اسی لیے فرمایا ہے کہ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو حجاب کی اوٹ سے مانگو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق کس کے دل میں کوئی برا خیال آ سکتا ہے؟

نیز فرمایا یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا چہرہ دیکھ کر انسان کے دل میں اچانک اور غیر اختیاری طور پر کوئی بے ہودہ خیال آ جاتا ہے' یا کوئی ناجائز خواہش پیدا ہو جاتی ہے' اور جب تم ازواج مطہرات پر نگاہ نہیں ڈالو گے تو تمہارا دل و دماغ اس قسم کے خیالات اور خواہشوں سے محفوظ رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات سے ایذا پہنچی تھی

اس کے بعد فرمایا اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن زید سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو وہ آپ کی ازواج میں سے فلاں زوجہ کے ساتھ نکاح کرے گا' اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تمہاری مائیں ہیں اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۴۰)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ عامر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کی ملکیت میں قیلہ بنت الاشعث ایک کنیز تھی' آپ کے بعد ان سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری' ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! یہ آپ کی ازواج میں سے نہیں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا تھا اور نہ ان کو حجاب میں رکھا تھا' اور جب یہ اپنی قوم کے ساتھ مرتدہ ہو گئیں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے برأت کا اظہار کر دیا تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج دنیا اور آخرت میں آپ کی ازواج ہیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں باقی رہیں یا آپ کی وفات سے ان کا نکاح زائل ہو گیا! اور جب آپ کی وفات سے ان کا نکاح زائل ہو گیا تو آیا ان پر عدت ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت لازم ہے کیونکہ شوہر کی وفات سے بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اور عدت عبادت ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب نہیں ہے' کیونکہ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بیویاں کسی دوسرے سے نکاح

کرنے سے رکی رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کا انتظار کرتی ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہ تھا' اور وہ بدستور آپ کے نکاح میں تھیں اور آپ کی زوجات تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء میرے دینار کو تقسیم نہیں کریں گے میں نے اپنی ازواج کے خرچ اور اپنے عامل کے معاوضہ کے بعد جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۸۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۰۱' عالم الکتب بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابن عیینہ یہ کہتے تھے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج معتدات کے حکم میں تھیں' کیونکہ ان کے لیے کبھی بھی نکاح کرنا جائز نہیں تھا' اسی لیے ان کا خرچ جاری رہا' اور ان کے ان حجروں کو ان کے لیے باقی رکھا گیا جن میں وہ رہائش رکھتی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۹۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دنیا میں میری ازواج ہیں وہی آخرت میں میری ازواج ہوں گی۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۴۷۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سبب (رشتہ نکاح) اور ہر نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا' سوا میرے سبب اور میرے نسب کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۴۔ ۲۶۳۵' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۶۸۴ جدید' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴' حافظ الہیثمی نے لکھا کہ امام طبرانی کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا یا آپ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا' اللہ تعالیٰ نے اس کو کبیرہ گناہوں میں سے قرار دیا اور اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم کی خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواہ حیات ظاہری میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں آپ کی حرمت اور عزت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا واجب ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے متعلق ...... دل میں برا خیال لانا بھی مستحق مواخذہ ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (الاحزاب: ۵۴)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر ظاہر اور مخفی چیز کو جاننے والا ہے' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ناپسندیدہ' ناگفتنی اور غیر شرعی باتوں کی جو خواہشیں کرتے ہو یا سوچتے ہو وہ ان سب کو جاننے والا ہے اور ان پر گرفت فرمائے گا۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دل میں بھی کوئی برا گمان کرے گا یا آپ کی ازواج مطہرات کے متعلق وہ دل میں کوئی بری نیت یا بری خواہش رکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی اس کو سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان خواتین پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ' دادا' اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی ہم دین خواتین سے اور اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں' اور تم اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہےO (الاحزاب: ۵۵)

خواتین پر ان کے محارم اور ان کی باندیوں سے پردہ نہیں ہے

جب آیت حجاب نازل ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا کہ ازواج مطہرات کے والدین' ان کے بیٹے' بھتیجے اور دیگر محارم بھی ان سے پردہ کی اوٹ سے سوال کریں گے یا یہ حکم صرف اجنبی مسلمانوں کے سوال کرنے کے ساتھ مخصوص ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ چچا اور ماموں آباء کے قائم مقام ہیں' قرآن مجید میں چچا پر بھی آباء کا اطلاق فرمایا ہے۔ اور وہ یہ آیت ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ. (البقرہ: ۱۳۳)

(حضرت یعقوب کے بیٹوں نے) کہا ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا کے خدا کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل ہیں۔

حضرت اسماعیل' حضرت یعقوب کے بیٹوں کے چچا تھے لیکن اس آیت میں ان کو آباء کے تحت درج فرمایا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عمر! اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیہ.

اے عمر! کیا تم کو معلوم نہیں کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۲۳' مسند احمد ج ۱ ص ۹۴)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں جن محارم کا ذکر کیا گیا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کے چہرے کو اس کے سر کو اس کی پنڈلیوں کو اور اس کے بازوؤں کو دیکھ سکتے ہیں اور اس کی پشت کو' اس کے پیٹ کو اور اس کی رانوں کو نہیں دیکھ سکتے' کسی خاتون کے محارم کے لیے اس کو دیکھنا اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ محارم کا گھروں میں آنا جانا بہت زیادہ ہوتا ہے اور خواتین کو ان سے ملنے جلنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح عورتوں کے اوپر ان کی ہم دین خواتین کا پردہ نہیں رکھا گیا' لہٰذا ایک مسلم عورت دوسری مسلم عورت کی طرف اس کی ناف اور گھٹنوں کے ماسوا کی طرف دیکھ سکتی ہے' اسی طرح مسلم خواتین پر اہل کتاب خواتین سے بھی پردہ کرنا لازم نہیں ہے' کیونکہ یہودی اور غیر یہودی کافر عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس آیا جایا کرتی تھیں اور وہ ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور نہ ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا' امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

اسی طرح عورتوں پر ان کی باندیوں سے بھی پردہ نہیں رکھا' اور اس میں ان کے غلام بھی داخل ہیں' سو کسی عورت کا غلام

بھی اس کا محرم ہے سو اس کا بھی گھر میں آنا جانا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ پاک باز ہو سو وہ بھی محارم کی طرح عورتوں کو دیکھ سکتا ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کے دیکھنے کو جائز قرار دیتی تھیں' آپ نے اپنے غلام ذکوان سے فرمایا: جب تم مجھے قبر میں رکھ کر باہر آ جاؤ گے تو تم آزاد ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اجازت صرف باندیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی عورت کے غلام کا حکم وہی ہے جو اس کے لیے کسی اجنبی مرد کا حکم ہوتا ہے' یہی حکم تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' اور حضرت عائشہ نے جو اپنے غلام کے متعلق فرمایا تھا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ کوئی عورت حضرت عائشہ کی مثل ہے نہ کوئی غلام ذکوان کی مثل ہے' خاص طور پر ہمارے زمانہ میں' امام ابوحنیفہ اور جمہور کا یہی قول ہے' اس لیے کسی عورت کا اپنے غلام کے ساتھ حج یا کسی اور سفر پر جانا جائز نہیں ہے' غلام اگر شہوت سے مامون ہو تو اس کا اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے' لیکن اس سے اس کا محرم ہونا لازم نہیں آتا۔
اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ سے ڈرتی رہو یعنی تم کو جو حجاب میں رہنے کا حکم دیا ہے' سو تم اللہ سے ڈرتی رہو حتیٰ کہ تم کو تمہارے محارم کے علاوہ اور کوئی نہ دیکھے' بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے' اس پر کسی وقت اور کسی حال میں کسی کا قول مخفی ہے نہ کسی کا فعل مخفی ہے' اس لیے تم کو چاہیے کہ تم اپنی عادات کو احکام شرعیہ کے مطابق ڈھال لو' اللہ تعالیٰ نے تم پر اور تمہارے محارم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ان کے لیے تمہارے اوپر حجاب واجب نہیں کیا سو تم اس احسان کا شکر بجا لاؤ اور اللہ نے تمہیں پردہ کا جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(روح البیان ج ۷ ص ۲۶۰۔۲۵۹' مطبوعہ دار التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں' اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو O (الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں ذکر کرنے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ اور فرشتوں کو ایک فعل میں شریک کیا ہے اور فرمایا ہے: اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں' اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے غیر کو ایک فعل میں شریک کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پالی اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم برے خطیب ہو یوں کہو جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسول کی وہ گمراہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۲۷۵' دار الفکر بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر ایک ضمیر میں جمع کریں کیونکہ اس سے سننے والوں کو یہ وہم ہو گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کو برابر سمجھتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر الگ الگ صیغوں میں کیا جائے البتہ اللہ تعالیٰ کسی حکم یا کسی قاعدہ کا پابند نہیں ہے' وہ ایک صیغہ اور ایک ضمیر میں اللہ اور اس کے غیر کا ذکر کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' ایک صیغہ میں دونوں کا ذکر کرنے کی مثال یہ آیت ہے اس میں فرمایا ہے: ان اللہ وملائکتہ یصلون اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں' اور ایک ضمیر میں دونوں کے ذکر کے مراد لینے کی مثال یہ

آیت ہے:

وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ (التوبہ:۷۴) اور ان (منافقین کو) صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں من فضلہ کی ضمیر واحد اللہ اور رسول دونوں کی طرف راجع ہے‘ اسی طرح یہ آیت ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ ۔ (التوبہ:۶۲) اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے۔

اس آیت میں بھی یرضوہ کی ضمیر واحد اللہ اور اس کے رسول دونوں کی طرف راجع ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قاعدہ کے پابند نہیں ہیں اور آپ نے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا‘ ایک یہ ہے کہ:

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما. اللہ اور اس کا رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۶‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۳‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۴‘ سنن النسائی رقم الحدیث:۴۹۸۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں کا ایک ضمیر میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ کے پابند نہیں ہیں اور وہ ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو بھی جمع کر دیتے ہیں‘ کیونکہ جب دوسرے لوگ ایک صیغہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر کریں گے تو ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے غیر کو ہم مرتبہ اور مساوی سمجھتے ہیں اس لیے دونوں کا ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں ذکر کر رہے ہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا اس لیے اگر وہ ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں دونوں کا ذکر کریں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

فقہاء اسلام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ...... اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی ہے آپ کی حمد وثناء کرنا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اس کا معنی ہے وہ ان کی حمد وثناء فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے‘ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اس کا معنی ہے آپ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں‘ اور فرشتے جو صلوٰۃ پڑھتے ہیں اس کا معنی ہے وہ مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۴‘ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں‘ اس کا معنی ہے وہ ان پر برکت نازل فرماتے ہیں۔ مبرد نے کہا صلوٰۃ کا اصل معنی ہے رحمت‘ پس اللہ کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے وہ رحمت نازل فرماتا

ہے اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے وہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے ہیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے اور بے وضو نہ ہو' فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں' اے اللہ! اس کی مغفرت فرما' اے اللہ اس پر رحم فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۹)

ابوبکر قشیری نے کہا جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کا معنی ہے رحمت نازل فرمانا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کا معنی ہے آپ کی زیادہ عزت افزائی اور تکریم کرنا۔

امام ابوالعالیہ نے کہا اللہ کے آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے فرشتوں کے سامنے آپ کی حمد و ثناء کرنا اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے دعا کرنا۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الاحزاب باب: ۱۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سلام پڑھنے کا ذکر ہے اس کے تین معنی ہیں:

(۱) یہ دعا کی جائے کہ آپ کے لیے سلامتی ہو اور آپ کے ساتھ سلامتی ہو' یعنی تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و سلامتی کو طلب کرو۔

(۲) اللہ آپ کا محافظ ہو اور آپ کی رعایت کرے اور آپ کا متولی اور کفیل ہو۔ یعنی تم آپ پر رحمت اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور رحمت کو طلب کرو۔

(۳) سلام کا معنی ہے تسلیم کرنا' مان لینا' اطاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا۔ گویا مومنوں سے فرمایا ہے تم آپ پر صلوٰۃ پڑھو اور اس حکم کو مان لو اور تسلیم کر لو اور اس حکم کی اطاعت کرو۔ (الشفاء ج ۲ ص ۵۱۔ ۵۰ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا معنی عبادت مخصوصہ (نماز) ہے' اور اس کا اصل معنی دعا ہے' اور نماز میں بھی دعا ہوتی ہے' ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ کا اصل معنی تعظیم کرنا ہے' اور نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے' اور تشہد میں کہتے ہیں التحیات للہ والصلوات' اس سے تعظیم کے وہ کلمات مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے' اور جب ہم کہتے ہیں اللھم صل علی محمد تو اس کا معنی ہے اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ذکر بلند کر کے آپ کی تعظیم اور تکریم فرما اور آپ کے پیغام کو غالب فرما اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا' اور آپ کے اجر و ثواب کو دگنا چوگنا فرما' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہم کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کا کیا مرتبہ ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہیے تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور ہم نے کہا اے اللہ! اپنے رسول مکرم کے مرتبہ کو تو ہی جاننے والا ہے تو ان کے مرتبہ کے موافق تو ہی ان پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے سو تو ہی ان پر صلوٰۃ پڑھ۔ (النہایہ ج ۳ ص ۴۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۳۴۷' مکتبۃ الایمان' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابوبکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا معنی ہے جس پر صلوٰۃ پڑھی جائے اس کی حمد و ثناء کرنا' امام بخاری نے ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے فرشتوں کے سامنے آپ کی حمد و ثناء کرنا اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی یہ ہے آپ کے حق میں دعا کرنا' اور اللہ تعالیٰ نے الاحزاب: ۵۶ میں اپنی اور فرشتوں کی صلوٰۃ کو جمع فرمایا ہے سو اس آیت میں معنی یہ ہے کہ

اللہ اور فرشتے دونوں آپ کی حمد و ثناء کرتے ہیں کیونکہ لفظ مشترک سے دو معنوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے' پس جب صلوٰۃ کا معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثناء کرنا اور آپ کے شرف اور فضیلت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کو ظاہر کرنا تو پھر لفظ صلوٰۃ اس آیت میں دو معنوں میں مستعمل نہیں ہے بلکہ ایک ہی معنی میں مستعمل ہے اور وہ ہے آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا۔

اور ہم کو جو آپ پر صلوٰۃ اور سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اسی صلوٰۃ کو طلب کریں جو صلوٰۃ اللہ آپ پر پڑھتا ہے اور جو صلوٰۃ فرشتے آپ پر پڑھتے ہیں' یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کریں گے وہ آپ کی حمد و ثناء کرے اور آپ کی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرے اور آپ کی تکریم کرے اور آپ کو اپنا مقرب بنانے کا ارادہ فرمائے' اور ہمارے اس سوال اور دعا کو ہماری صلوٰۃ دو وجہوں سے فرمایا ہے:

(۱) یہ دعا آپ کی حمد و ثناء اور آپ کے شرف اور فضیلت کے ذکر اور آپ کی محبت کو متضمن ہے' اور صلوٰۃ کا معنی ہے جس پر صلوٰۃ پڑھی جائے اس کی حمد و ثنا کرنا۔

(۲) اس دعا میں ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھے' اور اللہ کی آپ پر صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کی حمد و ثناء کرے اور آپ کے ذکر کو بلند کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا ارادہ فرمائے' اور جب ہم آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو اللہ سے ایسا کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ اور آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہم اللہ سے آپ پر نزول رحمت کو طلب کرتے ہیں بلکہ ہم اللہ سے یہ طلب کرتے ہیں کہ وہ آپ کی حمد و ثنا کرے اور آپ کی تعظیم و تکریم کرے۔

(جلاء الافہام ص ۸۷۔۸۵' ملتقطاً و ملخصاً دار الکتاب العربی' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلاۃ کے معنی میں کئی اقوال ہیں' امام بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے' اور ان کے غیر نے ربیع بن انس سے' اور حلیمی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کا ذکر بلند کرے اور آپ کے دین کو غالب کرے اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر آپ کی تعظیم کو ظاہر فرمائے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنائے اور آپ کے اجر و ثواب کو زیادہ اور دگنا چوگنا فرمائے اور آپ کو مقام محمود عطا فرما کر اولین اور آخرین پر آپ کی فضیلت کو ظاہر فرمائے اور تمام مقربین پر آپ کو مقدم فرمائے' اور صلوٰۃ میں آپ کے ساتھ آپ کی آل اور اصحاب کا ذکر اس معنی کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے حساب سے اور اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۰۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت کو نازل کرنا اور جب اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے دعا کرنا اور اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو ایک لفظ یصلون سے دو معنوں کا ارادہ کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ دونوں سے مراد ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور آپ کی فضیلت کا اظہار کرنا' اور آپ کی شان کی عظمت بیان کرنا' اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ اس کے نزدیک ملائکہ مقربین میں اس کے نبی کا کیا مرتبہ ہے کہ وہ ملائکہ کے سامنے اپنے نبی کی حمد و ثناء کرتا ہے اور ملائکہ بھی اس کے نبی کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اس نے اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بھی فرشتوں کی اقتداء کریں اور اس کے نبی کی حمد و ثناء کریں۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۳۹۷' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۸ھ)

غیر مقلدین کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کرکے اس پر اعتماد کیا ہے۔(فتح البیان ج ۵ ص ۴۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس سوال کا یہی جواب دیا ہے۔

(معارف القرآن ج ۷ ص ۲۲۲' ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے' علماء نے اللھم صل علی محمد کے یہ معنی بیان کیے ہیں یارب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما' دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقاء عنایت کرکے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کرکے' اور اولین اور آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء ومرسلین وملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کرکے ان کی عظمت ظاہر فرما۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی ہے مائل ہونا اور محبت کے ساتھ کسی کی طرف جھکنا اور اس آیت میں یہ دونوں معنی مراد ہیں اور جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان تو وہ تین معنوں میں ہوگا' اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا' مدح وثناء کا مفہوم بھی اور رحمت کا مفہوم بھی لہٰذا اہل ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صلوا علیہ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ ان کی مدح وثناء کرو اور ان کے لیے دعا کرو۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۲۵۔۱۲۴' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۳ء)

صلوٰۃ وسلام کا معنی بیان کرتے ہوئے ہم نے متعدد فقہاء اسلام کی تقریرات اور تحقیقات پیش کی ہیں اور ہمارے نزدیک اس میں بہترین تقریر اور تحقیق علامہ ابن قیم جوزیہ نے کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۰' سنن الترمذی ۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵۔۳۷۲' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۰ ص ۲۸' رقم الحدیث ۸۱۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۲) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص نماز میں دعا کر رہا تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے عجلت کی ہے' پھر اس کو یا کسی اور کو بلا کر فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد اور اس کی ثناء کرے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کا ذکر نہ کریں اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں تو قیامت کے دن ان کی وہ مجلس ان کے لیے باعث ندامت ہوگی' اللہ چاہے گا تو ان کو معاف فرما دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو ان سے مواخذہ فرمائے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۲۳۸' صحیح ابن حبان رقم

الحدیث:۵۹۰ المستدرک ج۱ص۲۹۱ حلیۃ الاولیاء ج۸ص۱۳۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج۳ص۲۱۰ مسند احمد ج۲ص۴۴۲)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا' اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے اوپر ماہ رمضان داخل ہوا اور اس کی مغفرت سے پہلے وہ ختم ہو گیا' اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس اس کے ماں باپ بوڑھے ہوں اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۰۸' مسند احمد ج۲ص۲۵۴)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم میری قبر کو عید نہ بناؤ' اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۲' مسند احمد ج۲ص۳۶۷)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۱' مسند احمد ج۲ص۵۲۷)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر پر درود پڑھا' اللہ وہاں ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچاتا ہے اور وہ درود اس کی دنیا اور آخرت کے لیے کافی ہوتا ہے اور میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

(تاریخ بغداد ج۳ص۲۹۲۔۲۹۱' شعب الایمان رقم الحدیث:۱۵۸۳' کتاب الضعفاء للعقیلی ج۴ص۱۳۷۔۱۳۶' اللآلی المصنوعۃ ج۱ص۲۵۸)

(۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھی اللہ اس پر دس بار صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے۔ امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج۱ص۵۵۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۲۰۱۸ جدید' کنز العمال ج۱ص۴۹۱)

(۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش خبری دی کہ آپ کا رب فرماتا ہے جو شخص آپ پر صلوٰۃ پڑھے گا تو میں اس پر صلوٰۃ پڑھوں گا' اور جو شخص آپ پر سلام پڑھے گا تو میں اس پر سلام پڑھوں گا' تو میں نے اللہ کے لیے سجدہ شکر کیا۔ امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج۱ص۵۵۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۲۰۱۹' کنز العمال ج۱ص۵۰۲)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ شخص ہو گا' جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہو گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۴۸۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۱۱)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور وہ میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۳۱۱۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۱۴' المستدرک ج۲ص۴۲۱' مسند احمد ج۱ص۴۴۱)

(۱۲) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں میں اپنی دعاؤں میں سے آپ پر درود کتنا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو میں نے عرض کیا میں اپنی دعاؤں سے چوتھائی حصہ آپ پر درود پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے' میں نے عرض کیا نصف حصہ؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے' میں نے کہا دو تہائی؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے! میں نے عرض کیا میں اپنی تمام دعاؤں میں آپ پر درود شریف پڑھوں گا' آپ نے فرمایا یہ تمہاری مہم کے لیے کافی ہے اور تمہارا گناہ بخش دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۷' المستدرک ج ۲ ص مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۶' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۹' دارالکتاب العربی' ۱۴۱۷ھ)

(۱۳) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن بے ہوشی ہوگی' تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا' آپ نے فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۰' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' مسند احمد ج ۴ ص ۸)

(۱۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو' کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے اور جو میری امت میں سے مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا وہ میرے زیادہ قریب ہوگا۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۹' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۵۰)

(۱۵) حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمار! بے شک اللہ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی سماعت عطا کی ہے اور جب میری وفات ہوگی تو وہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا' پس میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا' وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا اے محمد! فلاں فلاں شخص نے آپ پر درود پڑھا ہے' پھر اللہ عزوجل اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۶۳' ۳۱۶۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی نعیم بن ضمضم ضعیف ہے اور اس کی سند کے باقی رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲)

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا' جب تک اس کتاب میں میرا نام ہے' فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۵۶' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۴۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۲۱' رقم الحدیث: ۱۹۰۸)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی کتاب میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا جب تک وہ کتاب رہے گی فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۱۸۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص)

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو مجھ پر درود پڑھنا چاہیے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۹۴۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۳۰۰)

(۱۹) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۷۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۸۵)

(۲۰) ابوامامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے' پھر پست آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر میت کے لیے دعا کرے پھر آہستگی سے سلام پھیر دے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۴۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۴۲۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۶۰)

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتہ اس درود کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے' پھر ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس بندہ کی قبر پر جا کر اس بندہ کے لیے ایسا استغفار کرو جس سے اس بندہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۰۲۶' زہر الفردوس ج ۴ ص ۳)

(۲۲) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ بندہ کہیں پر ہو' ہم نے پوچھا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۱۰' ص ۶۴' دار الکتاب العربی' ۱۴۱۷ھ)

دعا کے اول و آخر میں درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۲۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے' جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء کی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لیے سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۰۱' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۰۳۸)

(۲۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دعا اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے' پس جب نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتے ہیں اور دعا قبول ہو جاتی ہے' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۴۸' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۰۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال ثقات ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰)

(۲۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے' اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶)

شیخ ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

احمد بن الحواری نے کہا میں نے ابوسفیان الدارنی سے یہ سنا ہے کہ جو اللہ سے اپنی حاجت کے سوال کا ارادہ کرے وہ

پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر اپنی حاجت کا سوال کرے' آخر میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے ہوئے درود کو قبول کیا جاتا ہے اور وہ اس سے بہت کریم ہے کہ وہ درمیان کی دعاؤں کو رد کردے۔

(جلاء الافہام ص ۲۱۷' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۲۶) علامہ الباجی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنی دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کو بھی رکھو' کیونکہ آپ پر صلوٰۃ کو قبول کیا جاتا ہے' اور اللہ عزوجل اس سے بہت کریم ہے کہ وہ بعض دعا قبول کرے اور بعض کو رد کردے۔

(احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۹۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور جو چیز مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ درود کے قطعاً قبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ درود اصلاً مردود نہیں ہوتا' درود دعا ہے' اور بعض دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور بعض دعائیں کسی حکمت کی وجہ سے مقبول نہیں ہوتیں' اور درود دعاؤں کے عموم سے خارج ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں اور یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کی خبر فعل مضارع ہے اس کا تقاضا استمرار تجددی ہے اور اس جملہ کو تاکید سے بھی موکد کیا ہے' اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر درود پڑھتا رہتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بھی احسان فرمایا اور ان کو بھی آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا تا کہ ان کو مزید فضل اور شرف حاصل ہو' ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے صلوٰۃ پڑھنے کی وجہ سے ان کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں پس جب مومن اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کی یہ دعا قطعاً مقبول ہوگی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ خبر دی ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے' اور باقی دعائیں اور عبادات اس طرح نہیں ہیں۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بعض دیگر مواقع اور مقامات پر درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۲۷) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو' کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے' اللہ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) کا سوال کرو' وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا' اور مجھے توقع ہے کہ وہ میں ہوں' پس جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۹۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۴۰)

(۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے اور یہ دعا کرے **اللھم افتح لی ابواب رحمتک** اور جب مسجد سے نکلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے اور یہ دعا کرے **اللھم اجرنی من الشیطان**۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۹۱۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۴۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۷۰)

(۲۹) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم مسجد میں گزرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔

(جلاء الافہام ص ۲۳۴)

(۳۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا تو جب تک اس کتاب میں میرا نام ہے اس پر درود پڑھا جاتا رہے گا۔

سفیان ثوری نے کہا صاحب حدیث کے لیے اس سے بڑا اور کیا فائدہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھتا ہے اور جب تک اس کی کتاب میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہو اس پر درود پڑھا جاتا رہے گا۔

محمد بن ابی سلیمان نے کہا میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا: اے ابا جان آپ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ کہا اللہ نے مجھ نے بخش دیا! میں نے پوچھا کس وجہ سے؟ انہوں نے بتایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھنے کی وجہ سے۔

عبداللہ بن عمرو نے کہا میرے بعض معتمد دوستوں نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک محدث کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے بخش دیا میں نے پوچھا کس سبب سے؟ انہوں نے کہا میں جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے پاس سے گزرتا تو وہاں صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتا۔

حافظ ابوموسیٰ نے متعدد محدثین سے روایت کیا ہے کہ ان کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور انہوں نے بتایا کہ اللہ نے انہیں اس لیے بخش دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے۔

(جلاء الافہام ص ۲۳۷۔۲۳۶' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۳۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت دس بار مجھ پر درود پڑھا اور شام کو مجھ پر دس بار درود پڑھا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کو پالے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۲۷' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ان میں سے ایک حدیث کی سند جید ہے اور اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۰)

(۳۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں یہ پڑھے: **اللھم صل علی (سیدنا) محمد عبدک و رسولک وصل علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات** تو یہ اس کی زکوٰۃ ہو جائے گی۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۳۰۔۱۲۹' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۳۹۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۷' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۷)

(۳۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ کام جس کی ابتداء اللہ کے ذکر سے نہ ہو اور مجھ پر درود سے نہ ہو وہ ناتمام رہتا ہے اور ہر قسم کی برکت سے منقطع رہتا ہے' اس کی سند ضعیف ہے۔

(جلاء الافہام ص ۲۵۱' دار الکتاب العربی' القول البدیع ص ۳۴۹' مکتبۃ المؤید' الطائف)

(۳۴) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے' تو وہ مجھ پر درود پڑھے' اور یہ دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر کے ساتھ یاد کرے جو مجھے یاد کرتا ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۵۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۰۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۲۵' مکارم الاخلاق ص ۵۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۱۴۲)

(۳۵) قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ تلبیہ (حج میں اللھم لبیک کہنے) سے فارغ ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۶۳)

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندنی رات اور روشن دن
مجھ پر زیادہ درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۳ حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۹
(۳۷) عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر
کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کر رہے تھے
(جلاء الافہام ص ۲۳۰
(۳۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کوئی چیز رکھ کر بھول جاؤ تو مجھ پر
درود پڑھو ان شاء اللہ تم اس کو یاد کر لو گے (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔ (القول البدیع ص ۳۲۶)
(۳۹) حضرت عثمان بن ابی حرب الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی حدیث کو
بیان کرنے کا ارادہ کرے پھر اس کو بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے کیونکہ مجھ پر درود پڑھنے کی وجہ
سے توقع ہے کہ اس کو وہ حدیث یاد آ جائے گی (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔
(القول البدیع ص ۳۲۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۶۴، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی رقم الحدیث: ۳۸۳
(۴۰) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کو تو ہم نے جان لیا
ہے پس آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا تم اس طرح پڑھو: اللهم صل على محمد وعلى آل
محمد كما صليت على ال ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: كما صليت على
ابراهيم وبارك على محمد و آل محمد كما باركت على ابراهيم و آل ابراهيم۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۸۔ ۴۷۹۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۳، سنن النسائی رقم الحدیث
۱۲۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۴)

درود ابراہیمی میں تشبیہ اور دوسرے اعتراض کا جواب

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اس کے نبی پر صلوٰۃ بھیجیں، ہم نے اس
اس طرح عمل کیا کہ اے اللہ تو اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیج دے، یہ اس کے حکم پر کیسے عمل ہوا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کی جناب
میں اس کے مرتبہ اور مقام کے موافق تحفہ پیش کیا جاتا ہے تو گویا ہم نے یہ عرض کیا کہ ہم تیرے نبی کے مرتبہ اور مقام سے
کما حقہ واقف نہیں ہیں، ان کے مرتبہ اور مقام سے تو ہی واقف ہے سو ان کے مرتبہ اور مقام کے مطابق صلوٰۃ کو بھی تو ہی پیش
فرما۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ
السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی ہے اور کسی نبی کی صلوٰۃ کے ساتھ کیوں تشبیہ نہیں دی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام امت مسلمہ رکھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو ان کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، درج ذیل آیات میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے ہمارا نام مسلم
رکھا۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ. (الحج: ۷۸) — ابراہیم نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمین رکھا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ. (البقرہ: ۱۲۸) — اے ہمارے رب ہمیں مسلمان (اپنا اطاعت شعار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان (اپنا اطاعت شعار) رکھ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنا خلیل بنایا تھا سو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی صلوٰۃ نازل فرما کہ آپ کو بھی اپنا خلیل بنا لے' اور یہ دعا مقبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنا لیا' حدیث میں ہے: آپ نے فرمایا:

اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳)

ایک اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ اور افضل ہوتا ہے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ مشبہ ہے اور حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ مشبہ بہ ہے۔ پس لازم آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ سے افضل ہو۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض اوقات مشبہ' مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے ہماری امت پچھلی امتوں سے افضل ہے اس کے باوجود روزے فرض کرنے میں ہماری امت کو پچھلی امتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' قرآن مجید میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرہ: ۱۸۳) — تم پر اس طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح پچھلی امتوں پر روزے فرض کیے گئے تھے۔

(۲) اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔

(۳) ہمارے نبی کی صلوٰۃ کو صرف حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ سے تشبیہ نہیں دی بلکہ ابراہیم اور آل ابراہیم کی صلوٰۃ سے تشبیہ دی ہے اور آل ابراہیم میں خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں' پس مشبہ بہ حضرت ابراہیم اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی صلوٰۃ ہے اور دونوں کی صلوٰۃ صرف ہمارے نبی کی صلوٰۃ سے افضل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے حکم میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پوری عمر میں صرف ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا فرض ہے' ہر چند کہ اس آیت (الاحزاب: ۵۶) میں آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن امر کسی کام کو بار بار کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تشہد اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے۔

امام احمد کے دو قول ہیں' ایک قول امام ابوحنیفہ کی مثل ہے اور ایک قول امام شافعی کی مثل ہے۔

امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے' اور صحیح یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر آپ کا ذکر متعدد بار کیا جائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے۔

(جلاء الافہام ص ۲۲۰ - ۲۱۹' القول البدیع ص ۴۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۱۰' روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۱۹' ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۱ - ۲۰۰)

ہر بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر درود پڑھنے کے دلائل اوران کے جوابات

جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پھر درود پڑھنا واجب ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸)

اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مجلس میں ہر بار آپ کا ذکر سننے سے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہوتا ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) صحابہ کرام اور سلف صالحین ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ درود نہیں پڑھتے تھے' بسا اوقات وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے صرف یارسول اللہ کہتے تھے اور آپ پر درود نہیں پڑھتے تھے' اگر ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ آپ پر درود پڑھنا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو درود ترک کرنے پر منع فرماتے۔

(۲) اگر ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ آپ پر درود پڑھنا واجب ہوتا تو مؤذن پر واجب ہوتا کہ وہ اذان میں اشھــــد ان محمدا رسول اللہ پڑھنے کے بعد آپ پر درود پڑھتا۔

(۳) اسلام میں داخل ہونے کے لیے جب کوئی شخص کلمہ شہادت میں آپ کا ذکر کرتا تو اس پر واجب ہوتا کہ وہ آپ پر درود بھی پڑھے۔

اور جس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے یا اس کی ناک خاک آلودہ ہو' یہ حدیثیں اس شخص پر محمول ہیں جو آپ کا ذکر سن کر مطلقاً آپ پر درود نہ پڑھتا ہو' یا آپ پر درود پڑھنے کا منکر ہو' یا استخفافاً آپ پر درود نہ پڑھتا ہو یا اس کو غیر اہم سمجھ کر ترک کرتا ہو یا آپ سے بغض رکھنے کی وجہ سے آپ پر درود نہ پڑھتا ہو' اور جو شخص مجلس میں ایک بار آپ پر درود پڑھنے کو کافی سمجھتا ہو اس لیے ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود نہ پڑھے' یا وہ نماز میں مشغول ہو یا قرآن مجید پڑھنے میں یا اوراد اور تسبیح وغیرہ پڑھنے میں یا دینی کتب کا مطالعہ کرنے میں یا وہ بیمار ہو یا وہ کسی پریشانی اور غم میں مبتلا ہو اور اس وجہ سے وہ ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود نہ پڑھے تو وہ ان وعیدوں میں داخل نہیں ہے' البتہ ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود پڑھنے میں فضیلت ہے بلکہ ہر فارغ وقت میں آپ پر درود پڑھنے میں فضیلت ہے۔

اذان سے پہلے اور بعد درود پڑھنے کا حکم

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور آپ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنا اور آپ کی شفاعت کے حصول کی دعا کرنا مسنون اور مستحب ہے' اور ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ مؤذن نماز مغرب اور خطبہ جمعہ کے علاوہ جب لاؤڈ اسپیکر پر اذان دیتے ہیں تو اذان سے کچھ وقفہ پہلے اور کچھ وقفہ بعد' مختلف الفاظ اور مختلف صیغوں میں تعداد کی تعیین کے بغیر آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں' اور ان کا یہ فعل محض آپ کی محبت اور آپ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے اور آپ کی تعظیم اور تکریم کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کے مستحسن اور محمود ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے' چونکہ عہد رسالت میں اس کا معمول اور رواج نہیں تھا

اس بناء پر اس کو فقہاء اسلام نے بدعت حسنہ لکھا ہے' تاہم عہد رسالت اور بعد کے مشہود بالخیر ادوار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے ذکر' آپ کے ذکر کی کثرت' محافل میلاد' جلوس اور مجالس نعت کو بدعت اور مکروہ بھی نہیں کہا جاتا تھا اس لیے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی' اور ہمارے زمانہ میں بعض لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کی فضیلت اور آپ کے ذکر کی کثرت اور صلوٰۃ وسلام کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین اور آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے شائقین ہر حیلہ اور ہر بہانے سے اور ہر مناسب موقع پر آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں' سو وہ اذان سے پہلے اور بعد بھی وقفہ کے ساتھ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور اس کو فرض یا واجب نہیں کہتے مستحب ہی سمجھتے ہیں۔

جن مواقع اور مواضع پر فقہاء اسلام نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مستحب کہا ہے

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مانع نہ ہو تو ہر وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے' اور فقہاء نے حسب ذیل مواقع پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے مستحب ہونے کی تصریح کی ہے:

جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب کو' اور ہفتہ' اتوار اور جمعرات کے دن بھی کیونکہ ان تین دنوں کے متعلق بھی احادیث وارد ہیں' اور صبح اور شام کو' اور مسجد میں دخول اور مسجد سے خروج کے وقت' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے وقت' اور صفا اور مروہ کے پاس' اور خطبہ جمعہ میں اور موذن کی اذان کے کلمات کے جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت' اور دعا کے اول' اوسط اور آخر میں' اور دعا قنوت کے بعد' اور تلبیہ (حج میں اللھم لبیک کہنے) کے بعد' اور لوگوں کے ساتھ جمع ہونے اور ان سے الگ ہونے کے وقت' اور وضو کے وقت اور کان میں بھنبھناہٹ کے وقت' اور کسی چیز کے بھولنے کے وقت' اور وعظ کہنے اور علوم کی اشاعت کے وقت' اور حدیث پڑھنے کی ابتداء اور انتہاء کے وقت' سوال اور فتویٰ لکھتے وقت' ہر تصنیف' درس اور خطبہ کے وقت' منگنی اور نکاح کے وقت' رسائل میں اور ہر اہم کام میں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ذکر کرتے وقت' آپ کا اسم سنتے وقت اور آپ کا اسم شریف لکھتے وقت' اس کی تفصیل علامہ فاسی نے دلائل الخیرات کی شرح میں کی ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اذان اور اقامت کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی تحقیق

مذکور الصدر عبارت میں علامہ شامی نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مستحب لکھا ہے' ہمارے شہروں میں عموماً مؤذن اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں' ہر چند کہ کچھ فصل کر کے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں بھی حرج نہیں ہے' تاہم اصل یہ ہے کہ اذان کے بعد کچھ وقفہ کر کے صلاۃ وسلام پڑھا جائے' علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ہجری (۷۸۱ھ) کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی اس کے بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا' اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۵۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

مؤذنوں نے جمعہ اور صبح کے علاوہ فرائض کی تمام اذانوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی ابتداء سلطان ناصر الدین یوسف بن ایوب کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی' اس سے پہلے جب حاکم

ابن العزیز قتل کیا گیا تھا تو ابن العزیز کی بہن جو بادشاہ کی بیٹی تھی' اس نے حکم دیا تھا کہ اذان کے بعد اس کے بیٹے ظاہر پر سلام پڑھا جائے جس کی یہ صورت تھی السلام علی الامام الظاہر' پھر اس کے بعد یہ طریقہ اس کے خلفاء میں جاری رہا تا آنکہ سلطان صلاح الدین نے اس کو ختم کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے' اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب ہے' مکروہ ہے' بدعت ہے یا جائز ہے' صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اجر ملے گا۔

(القول البدیع ص ۲۸۰-۲۷۹ ملخصا مکتبۃ المؤید الطائف المملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۴۰۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر الہیتمی المکی التوفی ۹۷۴ھ' علامہ عمر بن ابراہیم ابن نجیم الحنفی التوفی ۱۰۰۵ھ' علامہ احمد بن محمد الطحطاوی الحنفی التوفی ۱۲۳۱ھ' اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی التوفی ۱۲۵۲ھ وغیرھم نے علامہ جلال الدین السیوطی التوفی ۹۱۱ھ کی حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ کے حوالہ سے اس کو بدعت حسنہ لکھا ہے۔

(الفتاویٰ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۱' النہر الفائق ج ۲ ص ۱۷۲' حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۶' حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۳' رد المختار ج ۲ ص ۵۲)

ان حوالہ جات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جب اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع ہوا تو وہ اذان کے بعد ہی شروع ہوا تھا نہ کہ اذان سے پہلے' نیز اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی حدیث میں بھی اصل ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مؤذن سے اذان کے کلمات سنو تو ان کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر صلوٰۃ پڑھو' کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ (بلند درجہ) کی دعا کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے' جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ ہی کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا' سو جو شخص میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۷۸)

رہا اقامت سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا مسئلہ تو علامہ طحطاوی نے اس کو بدعت مکروہہ لکھا ہے (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ) ہو سکتا ہے علامہ طحطاوی کی مراد یہ ہو کہ اذان سے متصل بلا فصل صلوٰۃ وسلام پڑھنا مکروہ ہے اور اگر صلوٰۃ وسلام پڑھ کر کچھ وقفہ کیا جائے پھر اقامت شروع کی جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے' فتاویٰ رضویہ میں بھی اسی طرح ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

مسئلہ: از دمن خرو عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اقامت کے قبل درود شریف بآواز بلند پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اقامت یعنی تکبیر شروع کر دیتا ہے کہ جس سے عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف اقامت کا جز ہے اور عمرو درود شریف نہیں پڑھتا صرف اقامت کہتا ہے تو زید کو یہ فعل اس کا ناپسند آتا ہے اور اصرار سے اس کو پڑھنے کو کہتا ہے اس صورت میں درود شریف جہر سے پڑھنا اور زید کا اصرار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہیے یا درود شریف کی آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو' رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۳۹۵-۳۹۴ قدیم' مکتبہ رضویہ کراچی' فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۸۶ جدید' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۳ھ)

جن مواقع اور مواضع پر فقہاء اسلام نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مکروہ کہا ہے

تشہد اخیر کے علاوہ نماز میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا مکروہ ہے' جماع کے وقت' قضاء حاجت کے وقت' خرید وفروخت کی ترویج کے وقت' پھسلتے وقت اور تعجب کے وقت' ذبح کے وقت' اور چھینکتے وقت' اسی طرح قرآن مجید کے سماع کے وقت' یا خطبہ جمعہ سنتے وقت' کیونکہ قرآن مجید کا سننا فرض ہے اور خطبہ جمعہ کا سننا واجب ہے' عالم گیری میں مذکور ہے اگر اس نے قرآن مجید کی تلاوت کے دوران آپ کا اسم مبارک سنا تو فوراً آپ پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے اور اگر تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد آپ پر درود پڑھ لیا تو یہ مستحب ہے' اور اگر قرآن مجید میں آپ کا اسم مبارک آ گیا تو اس وقت تلاوت کو روک کر آپ کے اسم پر درود پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ قرآن مجید کو مسلسل پڑھتا رہے' تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد اگر درود پڑھ لیا تو افضل ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے' تشہد اول میں آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب تو کجا مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ اس سے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہوگی۔

آپ پر درود پڑھتے وقت جب آپ کا نام لے گا مثلاً کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** تو اس وقت آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے' ورنہ تسلسل لازم آئے گا کیونکہ اگر اس وقت درود پڑھنا واجب ہو تو وہ پھر آپ کا نام لے کر کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** اور اس دوسرے درود میں پھر آپ کا نام لے گا اور کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** تو ہر بار درود میں آپ کا نام آتا رہے گا اس لیے یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب ہے اس سے وہ نام مبارک مستثنیٰ ہے جو خود درود میں آتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۵۔۲۰۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی شخص پر لفظ صلوٰۃ کے ساتھ استقلالاً دعا کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد' امام شافعی' امام مالک اور جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں' اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے **اللھم صل علی ال ابی بکر** یا **اللھم صل علی ال عمر**۔ البتہ یوں کہا جاسکتا ہے **اللھم صل علی النبی وعلی الہ وعلی ال ابی بکر و عمر**۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۵' مصر)

علامہ نووی جمہور کی طرف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عرف میں لفظ صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو گیا ہے اگرچہ معنی کے اعتبار سے یہ دعا ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے۔ جیسا کہ عزّوجلّ کا کلمہ عرف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ہر چند کہ معنی کے اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے کیونکہ آپ بھی عزیز وجلیل ہیں اس کے باوجود محمد عزّوجلّ نہیں کہا جاتا' اسی طرح مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاتا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی ہے؟ صحیح یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اصحاب شافعیہ میں سے شیخ محمد الجوینی نے کہا ہے کہ لفظ سلام بھی صلوٰۃ کے حکم میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے لفظ سلام نہیں کہنا چاہیے۔ اور نہ غائب کے ساتھ کہنا چاہیے کہ فلاں علیہم السلام نے یہ بات کہی' البتہ زندہ اور فوت شدہ کو اس کے ساتھ خطاب کرنا مثلاً السلام علیکم کہنا سنت ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۳۴۶' کراچی)

غیر انبیاء پر استقلالاً سلام پڑھنے کا بھی ممنوع ہونا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ کا بھی یہی مختار ہے وہ لکھتے ہیں:

وہ سلام جو زندہ اور مردہ دونوں کو عام ہے' یہ وہ سلام ہے جس سے زندوں سے ملاقات کے وقت تحیت کا قصد کیا جاتا ہے اور جواب کی توقع رکھی جاتی ہے' خواہ وہ سامنے حاضر ہو یا غائب ہو اور اس کو پیغام کے ذریعہ یا لکھ کر سلام بھیجا جائے یا زیارت قبر کے وقت صاحب قبر کو بہ طور تحیت سلام کیا جائے' اور رہا وہ سلام جس میں یہ مقصود ہوتا ہے کہ اللہ سے یہ دعا کی جائے کہ اللہ آپ پر سلام بھیجے' جیسے صلوٰۃ میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر صلوٰۃ بھیجے اور کہتے ہیں اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد یا امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے تو یہ سلام امت کی طرف سے آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس طرح آپ کے علاوہ کسی اور کو علیہ الصلوٰۃ نہیں کہنا چاہیے اسی طرح کسی اور کو علیہ السلام بھی نہیں کہنا چاہیے۔ علامہ حلیمی کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۲۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ آلوسی نے اس بحث میں علامہ نووی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ اور سلام دونوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لیے آپ کو فقط علیہ الصلوٰۃ کہنا یا فقط علیہ السلام کہنا مکروہ ہے (ہمارا مختار یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام اس طرح پڑھنا چاہیے: اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ. سعیدی غفرلہٗ)

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۱۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز دوسرے نبیوں پر درود پڑھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود پڑھو کیونکہ اللہ نے ان کو بھی مبعوث کیا ہے جس طرح مجھے مبعوث کیا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۲-۱۳۱' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۸۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۷۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۲۳)

غیر انبیاء کے لیے استقلالاً لفظ صلوٰۃ استعمال نہ کرنے کے دلائل

غیر انبیاء کے لیے لفظ صلوٰۃ استعمال نہ کرنے پر جو دلائل دیے جاتے ہیں ہم ان کی تلخیص' تحقیق اور توضیح کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال لا ینبغی الصلوة علی احد الاعلی النبیین قال سفیان یکرہ ان یصلی الاعلی نبی. (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کہ نبیوں کے سوا کسی شخص پر صلوٰۃ نہیں بھیجنی چاہیے۔ سفیان نے کہا نبی کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ مکروہ ہے۔

عن ابن عباس قال ما اعلم الصلوة تنبغی من احد علی احد الا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ کا مجھے علم نہیں ہے۔

(۲) قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے کہ اہل بدعت اور روافض کا عقیدہ ہے کہ ائمہ اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہیں اور اسی بدعقیدگی کی بناء پر وہ ائمہ اہل بیت پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور جو کام کسی بدعقیدہ فرقہ کی بدعقیدگی کی بناء پر ہو اس کی مخالفت واجب ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۶۷' ملتان)

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں یہ اہل بدعت کا شعار ہے اس لیے اس کی مخالفت واجب ہے۔ (شرح الشفاج ۲ ص ۱۴۹ بیروت)

(۳) ابن قیم جوزیہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جاتی تو سلف صالحین ان پر صلوٰۃ بھیجتے۔ (جلاء الافہام ص ۲۷۸ فیصل آباد)

ہم نے تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۵۱۔ ۲۴۸ میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور غیر انبیاء پر انفراداً اور استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر سلام کے صرف صلوٰۃ پڑھنے کا بلا کراہت جواز

علامہ نووی شافعی اور بعض دیگر علماء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا (الاحزاب: ۵۶) کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھنا واجب ہے اور صرف صلوٰۃ کو بغیر سلام کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہمارے نزدیک صرف صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ سلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر صلوٰۃ کے ساتھ سلام پڑھنا بھی واجب ہوتا تو آپ متعدد مواقع پر صرف صلوٰۃ کا حکم نہ دیتے۔ ہم نے اس سے پہلے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار'' کے عنوان کے تحت ۴۰ احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے ۳۷ احادیث ایسی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ مواقع پر صرف صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا (الاحزاب: ۵۶) کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر دو یا دو سے زائد احکامات ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں، لیکن ان میں کہیں بھی احناف یہ موقف اختیار نہیں کرتے کہ ان احکامات پر بیک وقت عمل کرنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ احناف کا اصول یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ یعنی جب دو چیزوں کو واؤ کے ذریعہ ایک ساتھ بیان کیا جائے تو ان میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان دونوں پر ایک ساتھ عمل کیا جائے، بلکہ علیحدہ علیحدہ عمل کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ: ۴۳) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نیز فرمایا: اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الاحزاب: ۴۲-۴۱) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

مذکورہ دونوں آیات میں کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اور اللہ عزوجل کا ذکر اور تسبیح (صبح و شام) ایک ساتھ کرنا ضروری ہے۔ سو اسی طرح الاحزاب کی آیت: ۵۶ میں جو حکم دیا گیا کہ ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''۔ اس میں بھی یہی کہا جائے گا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود اور سلام دونوں پڑھو، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے۔ اگر کوئی شخص ایک وقت میں صلاۃ پڑھتا ہے اور دوسرے وقت میں سلام پڑھ لیتا ہے تو شرعاً یہ ممنوع نہیں ہے۔ اگر آیت مذکورہ (الاحزاب: ۵۶) میں یہ صراحت ہوتی کہ درود اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھو تو پھر کہا جاتا کہ ان کو علیحدہ کرنا حکم قرآن کے خلاف ہے، لیکن آیت میں اس طرح کی نہ کوئی صراحت ہے نہ اشارت، لہٰذا احناف کے اصول کے مطابق صلوا اور سلموا کے حکم پر علیحدہ علیحدہ عمل کرنا جائز ہوگا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

الاحزاب: ۵۶ سے یہ استدلال کرنا کہ ''صلوٰۃ اور سلام کو علیحدہ پڑھنا مکروہ ہے'' میرے نزدیک بہت ضعیف استدلال

ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس آیتِ مبارکہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو پڑھنے کا مطلقاً حکم ہے۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ دونوں کو بیک وقت پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ اس طرح کہ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ لہٰذا جس شخص نے مثلاً صبح ''صلوٰۃ'' پڑھی اور شام کو ''سلام'' پڑھا تو یقیناً اس نے بھی آیتِ مبارکہ کے حکم پر عمل کیا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو'' نیز یہ ارشاد ہے کہ ''کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور اس کی تسبیح بیان کرو'' اور اس طرح کے دیگر احکامات جو ملا کر (ایک ساتھ) دیئے گئے ہیں۔ البتہ چونکہ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے اس لیے میں اس سے عدول کو اچھا نہیں سمجھتا' خصوصاً اس لیے بھی کہ صلاۃ کے ساتھ ساتھ سلام پڑھنے میں ان شکوک وشبہات سے سلامتی مل جاتی ہے جو بیمار ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

نیز علامہ آلوسی نے اس عبارت سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے بغیر سلام کے فقط صلوٰۃ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے' علامہ ابن حجر ہیتمی نے یہ لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ اس کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کراہت اس وقت ہوتی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ کسی کام سے منع فرمایا ہو اور یہاں فقط صلوٰۃ پڑھنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا' اس لیے فقط صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ نہیں ہوگا (بلکہ ہمارے علماء احناف میں سے علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی نے یہ تصریح کی ہے کہ کسی کام کے مکروہ تنزیہی ہونے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہو' سو فقط صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ تحریمی تو کجا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے علامہ حموی نے منیۃ المفتی سے نقل کیا ہے کہ صرف صلوٰۃ پڑھنا یا صرف سلام پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (روح المعانی' جز ۲۲ص ۱۱۹۔۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اسی بحث میں علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ ایک مجلس میں جتنی بار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا جائے ہر بار آپ کے نام کے ساتھ صلاۃ (درود) پڑھنا واجب ہے۔ (علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:) امام طحاوی نے حضور پر سلام پڑھنے کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ آیت میں ''صلوا علیه وسلموا'' دونوں کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''وسلموا'' کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ پر سلام پڑھو' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کے حکم کو مان لو۔ اسی وجہ سے آپ پر صرف صلوٰۃ پڑھنا مشہور مذہب کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آیت میں ''تسلیما'' کا جو ذکر ہے اس کی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے حکم کی تاکید ہے۔ اور اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں' ان کے سلام پڑھنے کا ذکر نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ''وسلموا'' کا حکم اس حکم کو تسلیم کرنے کے لیے ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۲۲۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے بھی مذکورہ الصدر عبارت کا خلاصہ لکھا ہے۔

(رد المختار ج ۲ ص ۲۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو' اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے' اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے O اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بلا خطاء ایذاء پہنچاتے ہیں' تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا O (الاحزاب: ۵۸۔۵۷)

اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا اور گستاخانہ کلمات

ایذاء کا معنی ہے تنگ کرنا' ستانا' دکھ پہنچانا' اللہ تعالیٰ کو دکھ پہنچانا اور ستانا محال ہے' اس لیے اس سے یہاں مراد ہے کہ وہ ایسے افعال کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھے اور ایسی باتیں کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث تھیں' وہ ایمان نہیں لاتے تھے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے تھے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اس کے بیٹے ہیں' اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے تھے' مخلوق کے دوبارہ پیدا کرنے کو محال سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات میں الحاد کرتے تھے' زمانے کو برا کہتے تھے' اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کو خدا کہتے تھے' یہودیوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' نیز انہوں نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' یہ اس زمانہ کے یہود نصاریٰ اور مشرکین تھے جنہوں نے اللہ عزوجل کے متعلق ایسے گستاخانہ کلمات کہے' ہمارے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال نے اللہ عزوجل کے متعلق ایذاء دینے والے گستاخانہ کلمات کہے' وہ کہتا ہے:

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(بال جبریل ص ۲' کلیات اقبال ص ۱۷۱)

نیز ڈاکٹر اقبال نے کہا:

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

(کلیات اقبال ص ۱۹۲)

ڈاکٹر اقبال کو خود بھی اعتراف تھا کہ وہ بارگاہ الوہیت میں گستاخ ہے' وہ کہتا ہے:

یا رب یہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنرمند

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مے گلگوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
فرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

(کلیات اقبال ص ۱۸۵ـ۱۸۴' ملتقطاً)

رسول اللہ کی شان میں گستاخانہ اور نازیبا کلمات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے شاعر' کاہن اور مجنون کہا' آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ یا قاسم رضی اللہ عنہما

فوت ہو گئے تو عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا [illegible]

اپنے حبالہ عقد میں لیا تو اس پر کفار اور منافقین [illegible]

عبد اللہ بن ابی نے کہا ہم مدینہ میں جب واپس جائیں گے تو عزت والے [illegible]

آپ کو مراد لیا' آپ کی عزیز ترین حرم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگا کر آپ [illegible]

زمانہ میں بھی بعض لوگوں نے آپ کی شان میں دل آزار باتیں لکھیں:

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے [illegible]

صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔

(صراط مستقیم مترجم ص ۱۵۰ ملک سراج دین اینڈ سنز 'صراط مستقیم (فارسی) ص ۸۶ المکتبۃ السلفیۃ [illegible])

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ نمازی کے سامنے سے کتا' گدھا اور عورت گذرے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے مشابہ کر دیا ہے! اللہ کی قسم میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان تخت پر لیٹی ہوتی تھی' مجھے کوئی کام درپیش ہوتا' میں آپ کے سامنے بیٹھنے کو ناپسند کرتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دوں تو میں آپ کے پیروں کی جانب سے تخت سے نکل جاتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۵۱۲' الرقم المسلسل: ۱۱۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے ایذاء پہنچی کہ عورت کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ کیا تو انہوں نے فرمایا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے مشابہ کر دیا حالانکہ بالخصوص حضرت عائشہ کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا' اگر بالخصوص حضرت عائشہ کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ کیا جاتا تو حضرت عائشہ کو کس قدر ایذاء پہنچتی' اور صراط مستقیم کی عبارت میں بالخصوص رسالت مآب کا ذکر بیل اور گدھے کے ساتھ کیا گیا ہے بلکہ نماز میں رسالت مآب کی طرف ہمت (توجہ) لگا دینے کو اپنے گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا کہا گیا ہے' سوچیے کہ اس عبارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ایذاء پہنچی ہوگی!

اسی طرح شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب' اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے الخ۔ (حفظ الایمان ص ۷' مکتبہ تھانوی کراچی)

اس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو صبی (بچوں) مجنون (پاگلوں) اور حیوانات و بہائم (جانوروں) کے علم کے مشابہ قرار دیا ہے' اگر عام عالم دین کے علم کو بھی پاگلوں اور جانوروں کے علم کے مشابہ کہا جائے تو اس کو ایذاء پہنچے گی تو ان کو اس تشبیہ سے کس قدر ایذاء پہنچی ہوگی جن کا مرتبہ اللہ کے بعد سب سے زیادہ ہے' جن کا احترام اتنا زیادہ ہے کہ اگر ان کی آواز پر آواز اونچی ہو جائے تو سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۷ھ لکھتے ہیں:

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے' شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک کو ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ ص ۵۱' مطبع بلالی' ڈھوک ہند)

نیز اسی کتاب میں لکھا ہے: اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا علم ان امور میں ملک الموت کی برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ (براہین قاطعہ ص ۵۲)

ان عبارتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے شیطان اور ملک الموت کے علم کو زیاہ کہا گیا ہے' اور یقیناً یہ عبارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزادی اور آپ کی ایذاء کی موجب ہیں۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال نمبر ۳۰: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم یا بت یا آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ الفاظ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ بمعانی ظاہر خود مراد نہیں رکھتا' بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے' مگر تاہم ایہام گستاخی' اہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں' یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ راعنا بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا انظرنا کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا (الیٰ قولہ) پس ان کلمات کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم کہنے میں اتنی کھلی ہوئی توہین نہیں ہے جتنی آپ کے علم کو پاگلوں اور جانوروں کے مشابہ کہنے میں یا آپ کے علم کو شیطان اور ملک الموت کے علم سے کم کہنے میں ہے۔

علامہ قرطبی کا حضرت اسامہ کو امیر بنانے پر حضرت عیاش بن ربیعہ...... کی شکایت کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرنا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے آپ کو ایذاء پہنچانے میں یہ مثال بھی ذکر کی ہے:

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا اس سے بھی آپ کو ایذاء پہنچی' حدیث صحیح میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا امیر بنا دیا تو لوگوں نے اس کی امارت پر طعن کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

اگر تم اس کو امیر بنانے پر طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر طعن کر رہے تھے اور اللہ کی قسم! وہ بے شک ضرور امارت کے لائق تھے' اور وہ بے شک میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے' اور ان کے بعد مجھے یہ (حضرت اسامہ) لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۶) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۱۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک علامہ قرطبی کا اس مثال کو ان لوگوں کے بیان میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے' جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو ایذاء پہنچائی تھی' کیونکہ اس حدیث میں جن اعتراض کرنے والوں کا ذکر ہے ان میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ
جو صحابی رسول تھے' اور سابقین اولین میں سے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفر کے آخر میں غزوہ روم کے لیے صحابہ کو طلب کیا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم وہاں جاؤ جہاں تمہارے باپ کو شہید کیا گیا تھا' میں نے تم کو اس لشکر کا امیر بنا دیا ہے' اس وقت حضرت اسامہ کی عمر اٹھارہ سال تھی' جن لوگوں کو اس لشکر کے لیے بلایا تھا ان میں مہاجرین اور انصار میں سے اکابر صحابہ تھے' ان میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت ابوعبیدہ' حضرت سعد' حضرت قتادہ بن النعمان اور حضرت سلمہ بن اسلم تھے' بعض صحابہ نے اس کی شکایت کی' ان میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے' حضرت عمر نے ان کا رد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا جس طرح امام بخاری کی روایت میں ہے کہ اگر تم اس کو امیر بنانے پر طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر طعن کر رہے تھے' اس لشکر کے روم روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا' پھر حضرت ابوبکر نے اس لشکر کو روانہ کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۱۱۱۸' عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ سابقین اولین میں سے ہیں' انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں ابوجہل نے ان کو دھوکے سے قید کر لیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازلہ میں ان کی رہائی کی دعا فرماتے تھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۶) یہ جنگ یمامہ یا جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

(الاصابہ رقم الحدیث: ۶۱۳۸' ج ۴ ص ۶۲۴ ـ ۶۲۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۴۱۴۵ ج ۴ ص ۳۰۸' الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۹۶ طبع جدید ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۱۶۷ ـ ۱۶۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والوں پر اس وعید کا ذکر فرمایا ہے: اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے' اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر صحابہ کی شکایات کی توجیہات

اگر علامہ قرطبی کی تفسیر کے مطابق حضرت عیاش بن ابی ربیعہ بھی آپ کو ایذا پہنچانے والے تھے تو ان پر بھی یہ وعید منطبق ہو گی حالانکہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ سابقین اولین میں سے ہیں' اس لیے علامہ قرطبی کا ان کو ایذاء پہنچانے والوں میں درج کرنا صحیح نہیں ہے' باقی رہا یہ کہ حضرت عیاش نے حضرت اسامہ کی امارت پر جو طعن کیا تھا پھر اس کا کیا محمل ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طعن کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت عیاش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ آپ کا حضرت اسامہ کو لشکر کا امیر بنانا درست نہیں ہے' بلکہ ان کو طبعی طور پر یہ چیز ناگوار گزری تھی کہ تجربہ کار اور اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان اور نوخیز صحابی کو لشکر کا امیر بنا دیا جائے اور انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تھا اور اس کی شکایت کی تھی اس شکایت پر اصرار نہیں کیا تھا اور آپ کے فیصلہ کو طیب خاطر سے قبول کر لیا تھا' بشری تقاضوں سے ایسا ہو جاتا ہے' اور اس کی صحابہ میں بہت مثالیں ہیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے آپ کو منع کیا اور اس پر بہت اصرار کیا' خود فرماتے ہیں مجھے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی اس جرأت پر سخت تعجب ہوا تھا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین سے صلح کی شرائط طے کیں تو حضرت

نے اس پر بھی سخت اعتراضات کیے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲-۲۷۳۱) مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس دن ہدیے پیش کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ کی باری میں حضرت عائشہ کے گھر ہوتے تھے' اس پر حضرت ام سلمہ اور ان کی حامی دیگر ازواج کو سخت اعتراض تھا حتیٰ کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفارشی بنا کر یہ کہلوایا کہ آپ ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں عدل سے کام لیں' اسی طرح حضرت زینب بنت جحش نے بھی آپ سے یہی کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ ابن ابی قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں عدل کریں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں دیگر ازواج کو یہ ناگوار گذرا اور انہوں نے کہا آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کا مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے' آپ نے قریش کے بعض لوگوں کو سو سو اونٹ دیئے' انصار کے بعض نوجوانوں کو یہ ناگوار گذرا انہوں نے کہا اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے وہ قریش کو عطا کرتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں' حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے' حضرت انس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جو نئے مسلمان ہوئے ہیں' کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جاؤ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت اسامہ سے نکاح کرلیں تو انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا پھر آپ کے اصرار سے نکاح کرلیا اور خوش ہوئیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۲۰۲۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کتب احادیث میں اور بھی بہت مثالیں ہیں کہ بعض صحابہ کو طبعی تقاضوں سے کوئی بات ناگوار گزری اور انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور شکایت کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو عدل کے خلاف کہتے تھے' کسی وجہ سے انہیں آپ کے فیصلہ کی حکمت سمجھ نہ آتی تو وہ شکایت کر کے آپ کے فیصلہ کی حکمت جاننا چاہتے تھے اور جب انہیں اس حکمت کا پتا چل جاتا تو ان کی شکایت زائل ہو جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتے' اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو بھی جب حضرت اسامہ کو امیر بنانے کی حکمت معلوم ہو گئی تو وہ مطمئن ہو گئے' اور اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے حضرت اسامہ کو لشکر کا امیر بنانے کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا جائز ہے' اور سن رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں کے ہوتے ہوئے کم سن اور ناتجربہ کار کو لشکر کا امیر بنانا جائز ہے' اور آزاد کردہ غلام کے بیٹے کو بھی لشکر کا امیر بنانا جائز ہے' اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں اور خداموں کو بھی اتنا نوازا کہ ان کو اس لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایسے لوگ تھے اور یہ کہ اسلام میں رنگ اور نسب کی اہمیت نہیں ہے' اسلام غلاموں کو بھی امیر بناتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار اور منافقین ایسی اہانت آمیز باتیں کہتے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی تھی اور ان کے متعلق یہ وعید فرمائی کہ ان پر اللہ عزوجل دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والے عذاب کو تیار کر رکھا ہے۔ اور صحابہ کرام نے کبھی بشری تقاضے سے جو شکوہ کیا وہ آپ کے کسی ارشاد کی حکمت سمجھنے کے لیے تھا' اس لیے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے حضرت اسامہ کو امیر بنانے کی جو شکایت کی تھی وہ بھی حکمت سمجھنے کے لیے تھی اور وہ کوئی ایسا طعن نہیں تھا جو اہانت آمیز ہو اور آپ کی ایذاء کا باعث ہو' اس لیے علامہ قرطبی کا ان کی شکایت کو اس آیت کی تفسیر میں درج کرنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اس کا معنی ہے [illegible]
رحمت سے دور کر دیا ہے۔

اللہ اور رسول اور مومنوں کو ایذاء پہنچانے کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بلا خطاء ایذاء پہنچاتے ہیں بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا○ (الاحزاب: ۵۸)

ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بھی اہانت والی باتوں اور شر انگیز کاموں سے تکلیف پہنچتی ہے' مثلاً جھوٹے الزام لگانا' اور صحیح اور سچی باتوں کی تکذیب کرنا' یا کسی کی مذمت کرنا' اس کا مذاق اڑانا' اس کو اس کے کسی کمزور پہلو سے عار دلانا' اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء میں اور مسلمانوں کی ایذاء میں یہ فرق کیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء کو کفر قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی ایذاء کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک باندی زیب و زینت سے مزین ہو کر بازار میں جا رہی تھی' حضرت عمر نے باندی کو مارا اور اس کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع کیا' اس نے جا کر اپنے مالکوں سے شکایت کی' انہوں نے آ کر حضرت عمر سے توہین آمیز کلام کیا تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کے حکم اور برائی سے منع کرنے پر غضب ناک ہونا جائز نہیں ہے' اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) بدکار اور زانی جب مدینہ کے راستوں میں جاتے تو جو عورتیں قضاء حاجت کے لیے رات کو گھر سے باہر نکلتیں تھیں وہ ان کا پیچھا کرتے تھے اور ان سے چھیڑ خانی کرتے تھے' وہ عموماً باندیوں کو چھیڑتے تھے لیکن چونکہ آزاد اور پاکباز عورتیں لباس اور ہیئت میں باندیوں سے ممیز اور ممتاز نہیں تھیں اس لیے وہ بھی ان کی فحش حرکات کا شکار ہو جاتی تھیں' پھر انہوں نے اپنے خاوندوں سے اس کی شکایت کی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ راستے میں جانے والی عورتوں سے چھیڑ خانی کرنا ان کو تنگ کرنا اور فحش حرکات کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ پر جن منافقوں نے بدکاری کی تہمت لگائی تھی ان کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس تہمت کا گناہ کبیرہ ہونا بالکل واضح ہے۔

(۴) بعض منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بدتمیزی کے ساتھ کلام کیا تھا تو ان کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بدتمیزی کرنا نہ صرف یہ کہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ نفاق کی علامت ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۱' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں' اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت)

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا

اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکا لیا کریں' یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد

يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ

ہیں) تو ان کو ایذاء نہ دی جائے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اگر منافق باز نہ آئے اور

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے' تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا

دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے O وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی

ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ

جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا O جو لوگ اس سے پہلے

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ

گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے O لوگ آپ سے

النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۗ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ

قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے' اور (اے مخاطب) تجھے

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ

کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو O بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے

لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' (وہاں) وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی

نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا

مدد کرنے والا O جس دن ان کے چہرے آگ میں پلٹ دیے جائیں گے' وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی

اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا

اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی O اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں

معانقۃ ۱۲ عند المتاخرین ۱۴

الربع

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ

کی اطاعت کی' سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا O اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے' اور

لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

ان پر بہت بڑی لعنت فرما O

ع ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکا لیا کریں' یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد عورتیں ہیں) تو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب: ۵۹)

جلباب کی تحقیق

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور مسلمان عورتیں اپنی جلابیب (چادروں) کا کچھ حصہ اپنے (چہروں) پر ڈال لیں۔ جلابیب جلباب کی جمع ہے اس لیے دیکھنا چاہیے کہ جلباب کا معنی کیا ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

والجلباب الملحفة. جلباب ملحفہ ہے یعنی لحاف اور کمبل کی طرح وسیع و عریض چادر ہے۔ (صحاح ج ۱ ص ۱۰۱' دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

جلباب وہ چادر ہے جس کو عورت کمبل کی طرح اوپر سے اوڑھ لیتی ہے' ابوعبید نے کہا ہے کہ ازہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن الاعرابی نے جو یہ کہا ہے کہ جلباب ازار (تہبند) ہے۔ اس سے مراد وہ چادر نہیں ہے جو کمر پر باندھی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ چادر ہے جس سے تمام جسم کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۲۷۳' ایران' ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جلباب سے مراد وہ وسیع و عریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔

چہرہ ڈھانپنے کی تحقیق

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: یدنین علیھن من جلابیبھن اور یہ من تبعیضیہ ہے' یعنی عورتیں اپنی جلباب کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیں' مفسرین نے لکھا ہے کہ علیھن میں حذف مضاف ہے یعنی علی وجوھھن "چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیں"' یعنی چادر کا ایک پلو یا آنچل یا گھونگھٹ اپنے چہروں پر اس طرح ڈال لیں کہ چہرہ ڈھک جائے اور یہی حجاب کا تقاضا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر کو اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۶۱)

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی نے اس تفسیر کو عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۱' مطبوعہ لاہور)

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یغطین وجوھھن وابدانھن اذا برزن لحاجة ومن للتبعیض فان المراة ترخی بعض جلبابھا وتتلفع ببعض.

(بیضاوی علی حاشیۃ الخفاجی ج ۷ ص ۱۸۵' دار صادر بیروت)

جب عورتیں کسی کام سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور بدن کو ڈھانپ لیں' من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ عورتیں چادر کے بعض حصے کو (چہرہ پر) لٹکا لیتی ہیں اور بعض کو بدن کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

کشاف میں ہے کہ اس آیت کے دو محمل ہیں یا تو ایک چادر کو پورے بدن پر لپیٹنے کا حکم دیا ہے یا چادر کے ایک حصہ سے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیں اور دوسرے حصے سے باقی بدن ڈھانپ لیں۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۸۵' دار صادر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (ج ۲۲ ص ۸۹' دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورۂ نور میں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورۃ الاحزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رہتیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے' ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے' عورت اپنے محارم (باپ' بھائی وغیرہ) کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی' چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کر دیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔

عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے اور ان کے لیے بہت ہی پاکیزگی کا سبب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل' پلو یا گھونگھٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں

ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذاء نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ذالک ادنی ان یعرفن سے چہرہ ڈھانپنے پر استدلال

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ. یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے (کہ وہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے (الاحزاب:۵۹)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

جب کوئی باندی راستہ سے گزرتی تھی تو فساق فجار اس کو ایذاء پہنچاتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو باندیوں کی مشابہت سے منع فرمادیا' مجاہد نے یدنین علیھن من جلابیبھن کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "آزاد عورتیں اپنے چہروں پر آنچل ڈال لیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور فساق ان کو آوازیں کس کر یا چھیڑ خانی کر کے اذیت نہ پہنچائیں"۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین "یہ ان کی (باندیوں سے) شناخت کے زیادہ قریب ہے تا کہ ان کو ایذاء نہ پہنچائی جائے"۔(جامع البیان جز ۲۲ص ۵۸۔۵۷' دارالفکر بیروت)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں آزاد عورتیں اور باندیاں چہرہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور فساق اور فجار ان کے پیچھے دوڑتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر سے چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا۔(تفسیر کبیر ج ۹ص ۱۸۴)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں قمیص اور دوپٹے میں چہرہ کھول کر نکلتی تھیں' اور جب وہ رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے کھجوروں کے جھنڈ اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ بھی ان کے پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورت پر بھی دست درازی کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گمان کیا تھا۔تب آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ باندیوں سے مختلف وضع قطع اختیار کریں بایں طور کہ بڑی چادروں اور کمبلوں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تا کہ وہ باحیاء اور معزز رہیں اور کوئی شخص ان کے متعلق بری خواہش نہ کرے۔

(البحر المحیط ج ۷ص ۲۵۰' دارالفکر بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

آزاد عورتیں چادروں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تا کہ معلوم ہو جائے وہ آزاد عورتیں ہیں۔

(زاد المسیر ج ۶ص ۴۲۲)

علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں:

عورتیں جب کسی کام سے جائیں تو چادروں سے اپنے چہروں اور بدنوں کو چھپالیں۔

(تفسیر ابوسعود ج ۵ص ۲۳۹' دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ابوعبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم چادر کو اپنی پیشانی پر رکھ کر چہرے کے اوپر لپیٹ لو' سدی نے کہا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ لو (علامہ ابوالحیان کہتے ہیں) اندلس

شہروں کا بھی یہی طریقہ ہے عورتیں ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا چادر سے چہرے کو ڈھانپ لے اور دونوں آنکھوں کو کھلا رکھے۔ من جلابيبهن کا مطلب یہ ہے کہ چادر کے ایک پلو سے چہرہ کو ڈھانپ لیا جائے یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کیونکہ جب آزاد عورتیں اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں گی تو وہ بے پردہ پھرنے والی بے حیا باندیوں سے ممتاز ہو جائیں گی اور فساق اور فجار کی ایذاء رسانی اور چھیڑ خانی سے محفوظ رہیں گی۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۴' دار الفکر)

مشہور شیعہ مفسر شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

قال الحسن الجلابيب الملاحف تدنيها المراة على وجهها. (التبیان ج ۸ ص ۳۶۱)

حسن نے کہا کہ جلابیب سے مراد وہ چادریں ہیں جن کو عورتیں اپنے چہروں پر ڈال لیتی ہیں۔

جلباب کی تفسیر جو ہم نے معتمد مفسرین اسلام سے نقل کی ہے' ان میں علامہ ابن جریر طبری' علامہ ابوبکر رازی بصاص حنفی' علامہ ابن کثیر حنبلی' علامہ ابن جوزی حنبلی' قاضی بیضاوی شافعی' علامہ ابو سعود حنفی' علامہ خفاجی حنفی' علامہ آلوسی حنفی' علامہ ابو الحیان اندلسی اور شیعہ مفسر شیخ طوسی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج' آپ کی صاحبزادیوں اور عام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کا پلو اپنے چہرے پر ڈال کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیں۔

ان تفاسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ سورۂ نور میں عورتوں کو جو چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کے ستر کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس سے زائد حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

مصنف یہ کہتا ہے کہ آج بھی یہی طریقہ ہے جو عورت مکمل پردہ میں باہر نکلتی ہے وہ کسی شخص کی ہوا و ہوس کا نشانہ نہیں بنتی اس پر کوئی بری نظر ڈالتا ہے نہ کوئی آوازہ کستا ہے' نہ اس کا پیچھا کرتا ہے اور جو عورت بے پردہ تنگ اور چست لباس پہن کر' سرخی پاؤڈر سے میک اپ کر کے اور اپنے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے خوشبوؤں کی لپٹوں میں گھر سے نکلتی ہے وہ تمام ہوس ناک نگاہوں کا ہدف بنتی ہے' اوباش لوگ اس پر آوازے کستے ہیں اور چھیڑ خانی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی عزت لٹ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ! ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں اسلام عورت کو پردے کی بوبو بنانا چاہتا ہے! مغربی ممالک میں جہاں کوئی پردہ ہے نہ کوئی حدود و قیود ہیں لڑکیاں نیم عریاں لباس میں برسر عام پھرتی ہیں اور راہ چلتے برسر عام مرد اور عورت بوس و کنار کرتے ہیں' پارکوں اور تفریح گاہوں میں بغیر کسی پردے اور حجاب کے حیوانوں کی طرح مرد اور عورتیں ہم آغوش ہوتے ہیں اور جنسی عمل کرتے ہیں' ایک لڑکی کئی بوائے فرینڈ زرکھتی ہے' دفتروں' کارخانوں' ہوٹلوں اور سیر گاہوں میں ہر جگہ مرد اور عورت ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کام کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں ناجائز بچوں سے ان کی سڑکیں بھری رہتی ہیں اور ہسپتالوں میں اسقاط حمل کرانے والی عورتوں کی بھرمار رہتی ہے اور اس جنسی بے راہ روی سے ان کا ذہنی سکون جاتا رہتا ہے اور وہ لوگ مالیخولیائی کیفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر وہ سکون اور نروان کی تلاش میں سستے نشوں کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے آپ کو شراب میں ڈبو دیتے تھے لیکن اس سے بھی ان کو سکون نہیں ملا' اب وہ چرس' کوکین' ہیروئن اور راکٹ کی پناہ لیتے ہیں وہ ایسا تیز سے تیز نشہ چاہتے ہیں جو ان کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے سُلا دے' بے حس کر دے اور دنیا اور مافیہا سے بے خبر کر دے۔ مغربی ممالک کی حکومتیں ان منشیات پر پابندیاں لگا رہی ہیں اس کے باوجود منشیات کی کھپت بڑھتی جا رہی ہے' پابندیوں سے کام نہیں چلے گا لوگ سکون چاہتے ہیں ان کو سکون مہیا کیجئے راکٹ

اور مارفیا کا سکون ناپائیدار اور عارضی ہے' صحت کے لیے تباہ کن ہے' حقیقی سکون صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ. (الانعام:۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ انہوں نے گناہ نہ کیے (یعنی اسلامی احکام کی مخالفت اور ان سے بغاوت نہیں کی) انہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی انسان کے ذہنی سکون کو ختم کر دیتی ہے' اس لیے اگر ہم دنیا کو ذہنی سکون فراہم کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو جنسی بے راہ روی اور بدچلنی کو ختم کرنا ہوگا اور اس کی پہلی بنیاد پردہ اور حجاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ. (الاحزاب:۵۹)

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے (کہ وہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذاء نہ دی جائے۔

علامہ محمد امین بن مختار جکنی شنقطی لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور مابعد کے تمام مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ اہل مدینہ کی خواتین رات کو قضاء حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکلتیں تھیں اور مدینہ میں بعض فساق تھے جو باندیوں کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور آزاد عورتوں سے تعرض نہیں کرتے تھے' اور بعض آزاد عورتیں ایسی وضع میں نکلتی تھیں جس سے وہ باندیوں سے ممتاز نہیں ہوتی تھیں' سو وہ فساق ان کو بھی باندیاں سمجھ کر ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ازواج' اپنی صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اپنی وضع قطع میں باندیوں سے ممتاز رہیں بایں طور کہ چادروں سے اپنا چہرہ چھپائے رکھیں' اور جب وہ ایسا کریں گی تو فساق کو پتا چل جائے گا کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان کو ستایا نہیں جائے گا' اہل علم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فساق کا باندیوں کو چھیڑنا اور ان سے فحش حرکات کرنا جائز ہے بلکہ یہ حرام ہے اور ان فحش کاموں کے درپے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں والذین فی قلوبھم مرض ''وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے''۔

(اضواء البیان ج ۶ ص ۵۸۸۔۵۸۷)

مذاہب اربعہ کے بعض متقدمین فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت کے چہرہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بلا شہوت دیکھنا جائز ہے' اسی طرح انہوں نے کہا کہ عورت پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب نہیں ہے اس کے برخلاف بعض دوسرے فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے۔ اور یہی قول قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ چہرہ کے علاوہ باقی جسم کو چھپانا تو عورت پر پہلے بھی فرض تھا جیسا کہ سورۂ نور میں ستر کے احکام نازل ہونے سے ظاہر ہو گیا ہے اور اس کے بعد سورۃ الاحزاب میں جو حجاب کی آیات نازل ہوئیں ان میں ستر سے ایک زائد حکم بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کے سامنے عورتیں اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی' مجتہد فی المسائل ہیں' وہ لکھتے ہیں:

ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے' اور گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کرنے اور پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ آوارہ لوگوں کے دلوں میں بُری خواہش پیدا نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۲' لاہور)

چونکہ بوڑھی عورتوں کے حجاب کے متعلق قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے اس لیے علامہ ابوبکر رازی نے حجاب کی اس آیت کو جوان عورتوں پر محمول کیا ہے اور اس عبارت میں یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان عورتوں کو چہرہ ڈھانپنے کا امر کیا ہے اور امر کا تقاضا وجوب ہے اس لیے جو عورتیں بوڑھی نہ ہوں ان پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب ہے۔

بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف سے عمومی حجاب پر استدلال

جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف کی ہے وہ یہ ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ . (النور: ۶۰)

وہ بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں ہے اگر وہ اپنے (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے درآں حالیکہ وہ اپنی زینت دکھاتی نہ پھریں اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب نہ اتاریں) تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو جن کپڑوں کے اتارنے کی اجازت دی ہے اس سے مراد وہ چادریں ہیں جن سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے یہ تو ہرگز مراد نہیں ہے کہ بوڑھی عورت قمیص اور شلوار اتار کر بالکل برہنہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بے حیائی ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بوڑھی عورت سینہ سے دوپٹہ اتار کر اپنے سینہ کا اُبھار لوگوں کو دکھاتی پھرے کیونکہ غیر متبرجات بزینة میں اس سے منع کر دیا ہے' تو پھر متعین ہو گیا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو چہرہ سے صرف نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے یا اس چادر کو اتارنے کی اجازت دی ہے جس سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ ان کے لیے بھی افضل اور مستحب یہی ہے کہ وہ اس چادر کو نہ اتاریں اور چہرہ ڈھانپ کر رکھیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو عورتیں سن ایاس کو نہ پہنچی ہوں ان پر چہرہ چھپانا لازم اور واجب ہے۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے بیان کیا کہ یہاں وہ بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو نکاح کا ارادہ نہ رکھتی ہوں اور جن کپڑوں کو اتارنے کی اجازت دی اس سے مراد جلابیب (وہ چادریں جن کے پلو سے چہرہ ڈھانپتے ہیں) ہیں' حسن نے کہا جلابیب اور پٹکے مراد ہیں' ابراہیم اور ابن جبیر نے کہا چادر مراد ہے جابر بن زید سے چادر اور دوپٹے کی روایت ہے' علامہ ابوبکر اس روایت کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بوڑھی عورت کے بال بالاتفاق ستر ہیں جس طرح جوان عورت کے بال ستر ہیں' اس لیے اجنبی شخص کا بوڑھی عورت کے بالوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے' اور اگر بوڑھی عورت نے ننگے سر نماز پڑھی تو جوان کی طرح اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اس لیے اس آیت سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ بوڑھی عورت اجنبی مردوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اتار دے۔ اگر یہ سوال ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورت کو تنہائی میں دوپٹہ اتارنے کی اجازت دی ہے' جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بوڑھی عورتوں کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جوان عورت بھی تنہائی میں اپنا دوپٹہ اتار سکتی ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب بوڑھی عورت کا سر ڈھکا ہوا ہو تو وہ لوگوں کے سامنے اپنی جلباب اتار سکتی

ہے اور اس کے لیے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی [illegible] لاہور)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ وہ بوڑھی عورت بھی ستر میں جوان عورت کی طرح ہے مگر بوڑھی عورت اس جلباب کو اتار سکتی ہے جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر اوڑھا ہوا ہوتا ہے حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہ کا یہی قول ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو تمام کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس سے ہر ستر کا کھولنا لازم آئے گا اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں کپڑے سے مراد وہ جلباب چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جن کو دوپٹہ کے اوپر اوڑھا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰۷ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کپڑوں سے مراد وہ جلباب، چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جو دوپٹہ کے اوپر ہوتی ہیں، تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہیں، قاضی ابو یعلیٰ نے کہا بوڑھی عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے اور اس کے بالوں کو دیکھنا جوان عورت کے بالوں کو دیکھنے کی طرح ناجائز ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۶۳، بیروت)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بوڑھی عورت جس کو نکاح کی امید نہ ہو اور جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہو صرف اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے وہ جلباب اتار سکتی ہیں جس کے آنچل سے چہرے کو ڈھانپا جاتا ہے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر کر سکتی ہے پھر بھی اس کے لیے افضل اور مستحب یہی ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

اب اگر بوڑھی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا جائز ہو تو بتلایئے اس آیت میں بوڑھی عورتوں کی تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اور جب بوڑھی عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ چھپانا مستحب ہے تو جوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے!

عہد رسالت میں حجاب اور نقاب کے معمولات

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خیبر سے) مدینہ تشریف لائے درآں حالیکہ آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی سے شادی کی ہوئی تھی انصار کی عورتوں نے آکر حضرت صفیہ کے متعلق بیان کیا، میں نے اپنا حلیہ بدلا اور نقاب پہن کر (انہیں دیکھنے) گھر سے نکلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کو دیکھ کر پہچان لیا، میں (واپس) تیزی سے دوڑی، آپ نے مجھے پکڑ کر گود میں اٹھا لیا اور فرمایا: تم نے (ان کو) کیسا پایا، میں نے کہا اس یہودی عورت کو یہودیوں میں بھیج دیجئے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۸۰)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقاب پہننے کا ذکر ہے اور یہ کہ ازواج مطہرات اور مسلم خواتین جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو نقاب پہنتی تھیں یا چادروں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتی تھیں۔

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ افک کی حدیث میں روایت کرتے ہیں:

میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند غالب آگئی، اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی اللہ عنہ

کے پیچھے تھے' وہ رات کے آخری حصہ میں چلے اور صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی ہیولا دیکھا' جب وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون میں یہ سن کر بیدار ہوگئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱)

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات چادروں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں۔ وللہ الحمد۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ احرام میں ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیصیں اور شلواریں نہ پہنو' عمامے اور ٹوپیاں نہ پہنو' البتہ اگر کسی کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے لیکن ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس (ایک گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) سے رنگا ہوا ہو اور احرام کی حالت میں عورت نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۷۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۶۶)

احرام میں نقاب ڈالنے کی ممانعت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام حالات میں خواتین نقاب ڈالتی تھیں۔

حضرت شماس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاد نام کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی درآں حالیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی۔ اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے! اس نے کہا میں نے اپنے بیٹا کھویا ہے اپنی حیاء نہیں کھوئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۸)

عہد توریت میں نقاب اور حجاب کا معمول

اسلام سے پہلے دوسرے آسمانی مذاہب میں بھی حجاب اور نقاب کے ساتھ گھروں سے باہر نکلنے کی ہدایت کی جاتی تھی' توریت میں ہے:

اور ربقہ نے نگاہ کی اور اضحاق کو دیکھ کر اونٹ سے اتر پڑی O اور اس نے نوکر سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہم سے ملنے کو میدان میں چلا آ رہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا O

(پیدائش: باب ۲۴' آیت ۶۶۔ ۶۵)

اور تم کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کو پشم کترنے کے لیے تمنت کو جا رہا ہے O تب اس نے اپنے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا اور برقع اوڑھا اور اپنے کو ڈھانکا O (پیدائش: باب ۳۷' آیت: ۱۵۔۱۴)

پھر وہ اٹھ کر چلی گئی اور برقع اتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا۔ (پیدائش: باب ۳۸' آیت: ۲۰)

چہرے کے حجاب پر شبہات اور ان کے جوابات

بعض احادیث بظاہر حجاب کے خلاف ہیں جن میں اجنبی مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے اور عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کا ثبوت ہے اسی لیے ہم ان احادیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں' امام مسلم روایت کرتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی درآں حالیکہ وہ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے' میں اس وقت لڑکی تھی' سوچو کہ کم عمر شائقہ لڑکی کے شوق کا کیا عالم ہو گا! (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۹)

اس حدیث میں مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے کا جواز ہے' جبکہ مردوں کے بدن کی طرف (پسندیدگی سے) نہ دیکھا جائے' اور عورتوں کا اجنبی مرد کے چہرہ کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بغیر شہوت کے دیکھنے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن "آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ (بلکہ حضرت میمونہ) سے فرمایا "تم دونوں تو نابینا نہیں ہو' تم اس سے (یعنی حضرت ابن ام مکتوم سے) پردہ کرو" یہ حدیث حسن ہے اس کو امام ترمذی اور دوسرے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے دو جواب ہیں' قوی جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے چہروں اور بدنوں کی طرف (بالذات) دیکھا تھا اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے کھیل اور ان کی جنگ کی طرف دیکھا تھا اور ان کی جنگی مشقوں کے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے ان کے بدن کی طرف دیکھا ہو اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی نظر بلا قصد ان کے بدن پر پڑ گئی تو آپ نے فوراً نظر کو ہٹا لیا تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس وقت کمسن تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچیں تھیں۔

دوسری حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا آپ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں! اگر میں اس وقت کم سن نہ ہوتا تو حاضر نہ ہوتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ) گئے اور آپ نے نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا' اور اذان کا ذکر کیا نہ اقامت کا' پھر آپ عورتوں کے پاس گئے' ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور حضرت بلال کو زیورات دے دیئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷۷)

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت بلال نے اس موقع پر اجنبی عورتوں کو دیکھا' حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا جواب تو خود اس حدیث میں ہے کہ وہ کم سن تھے' اور حضرت بلال اگرچہ اس وقت آزاد ہو چکے تھے لیکن وہ عورتیں حجاب میں لپٹی ہوئی تھیں اور اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا یا ان کے چہرے کھلے ہوئے اور بے حجاب تھے۔

ایک اور حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے یہ ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت فضل بن عباس' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا' حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف کر دیا' اس عورت نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے' اور میرا باپ بہت بوڑھا ہے سواری پر بیٹھ کر حج نہیں کر سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور حجاب کرنا واجب نہیں ہے ورنہ وہ عورت بے پردہ نہ آتی اور اگر آ ہی گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ عورت محرمہ تھی البتہ اس کے برخلاف اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل بن عباس کی گردن پھیر دی' جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا''۔ اس وجہ سے آپ نے حضرت فضل بن عباس کی گردن کو دوسری طرف پھیر دیا۔ اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے معاملہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام پر اعتماد نہیں تھا حالانکہ خوف خدا اور تقویٰ اور پرہیز گاری میں ان کا سب سے اونچا مقام تھا تو پھر بعد کے لوگوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان کو شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر وہ اجنبی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں' اس لیے جن بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے' یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہی ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے' البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جن کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے بیان کر دیا ہے' اس لیے اس حدیث پر غور کرنا چاہیے:

فقال العباس یا رسول اللہ لم لویت عنق ابن عمک قال رایت شابا وشابۃ فلم امن الشیطان علیھما. (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۸۵)

حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے عم زاد کی گردن کیوں پھیر دی آپ نے فرمایا میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں غض بصر ''نگاہیں نیچی رکھنے کا'' حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ چھپانا ضروری نہیں ہے بس نگاہیں نیچی کر لینا کافی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف غض بصر کا حکم نہیں ہے چہرہ چھپانے کا بھی حکم ہے جیسا کہ ہم نے آیات حجاب میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہی نہیں ہے تو پھر غض بصر کے حکم کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے نقاب اور حجاب میں رہنے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جب اچانک کسی مرد اور عورت کا سامنا ہو جائے' اور ایک باپردہ عورت کو بھی نماز اور حج کے مواقع پر چہرہ کھولنے سے سابقہ پڑ جاتا ہے سوایسے تمام مواقع پر مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خواتین کے ستر اور حجاب اور اس سے متعلقہ جملہ مسائل پر ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت مفصل اور جامع گفتگو کی ہے اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۹۱۔۶۱۲ کا مطالعہ فرمائیں' اس موضوع پر اس سے زیادہ بحث شاید اور کہیں نہ مل سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے' تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے ○ وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا ○ جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ○ (الاحزاب: ۶۲۔۶۰)

المرجفون اور دیگر اصطلاحی الفاظ کے معانی

''منافقین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں کفر تھا اور ظاہر ایمان کرتے تھے' اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں زنا اور دیگر فحش کاموں کی محبت تھی' اور وہ برے ارادہ سے مسلمان عورتوں کا پیچھا کرتے تھے' اور ''مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے'' اس کے لیے اس آیت میں المرجفون کا لفظ ہے' یہ لفظ

رجف سے بنا ہے' رجف کے معنی ہیں تحریک اور زلزلہ' یہاں اس سے مراد ہے لرزہ خیز جھوٹی خبریں جو لوگوں کے دلوں کو ہلا دیتی ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر جہاد کے لیے جاتا تو یہ مدینہ میں مسلمانوں سے کہتے کہ تمہارے لشکر کے اکثر لوگ قتل کر دیئے گئے یا وہ شکست کھا گئے' تا کہ مسلمان رنجیدہ ہوں' یا وہ مدینہ کے مسلمانوں سے کہتے کہ تم پر دشمن حملہ کرنے والا ہے اور وہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے کے لیے جھوٹی خبروں کی اشاعت کرتے اور پاک باز لوگوں پر تہمتیں لگاتے' اصحاب صفہ کے متعلق کہتے کہ یہ غیر شادی شدہ لوگ ہیں اور یہ عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرمادیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے O

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت کم تعداد میں آپ کے پاس رہیں گے یا وہ بہت کم عرصہ آپ کے پاس رہ سکیں گے۔

اس سے پہلی آیت الاحزاب: ۵۷' میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا ذکر فرمایا تھا جن کا کفر ظاہر تھا اور اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو ایذاء پہنچاتے تھے' اور اس آیت میں منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے کفر کو چھپاتے تھے اور اللہ' رسول اور مومنین کو ایذا پہنچاتے تھے' منافقین کی ایذاء تو ظاہر ہے' اور جن کے دلوں میں فسق کی بیماری تھی وہ مسلمانوں کی عورتوں کا بری نیت سے تعاقب کر کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے تھے' اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والے بھی مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے تھے اور ان کو دشمنوں کے حملہ کی خبر دے کر تشویش میں مبتلا کرتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا: ''تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرمادیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے''یعنی ہم آپ کو انہیں قتل کرنے کا یا ان کو مدینہ بدر کرنے کا حکم دیں گے' آیت کے اس حصہ میں لنغرینک کا لفظ ہے' یہ اغراء سے بنا ہے' اس کا معنی ہے ہم آپ کو برانگیختہ کریں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

منافقین کو قتل کرنے اور مدینہ بدر کرنے کی سزا کیوں نہیں دی گئی

اس کے بعد فرمایا: وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا۔ (الاحزاب: ۶۱)

اس آیت میں ان کو قتل کرنے اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم ہے' یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اپنے نفاق' مسلم خواتین کا تعاقب کرنے' اور جھوٹی افواہیں پھیلانے سے باز نہ آئیں۔

پھر فرمایا: جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں' ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا' اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے O (الاحزاب: ۶۲)

یعنی اس سے پہلے کی امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی حکم تھا کہ جو لوگ زمین پر فساد کرتے تھے ان کو قتل کر دیا جاتا تھا یا گرفتار کیا جاتا تھا یا شہر بدر کیا جاتا تھا' اور یہ حکم ان احکام کی مثل نہیں ہے جن کو منسوخ کر دیا جاتا ہے یا تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ نفاق تین قسم کا تھا' ایک عبداللہ بن ابی کی طرح کے منافق تھے' جو زنا کرنے سے حیاء کرتے تھے' اور اس آیت میں منافق سے یہی لوگ مراد ہیں' دوسرے وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں فسق کی بیماری تھی اگر ان کو زنا کرنے کا موقع مل جاتا تو کر لیتے ورنہ مجتنب رہتے' اور تیسرے وہ لوگ تھے جو بغیر کسی احتیاط کے بدکار کرتے تھے' وہ عورتوں کا تعاقب کرتے تھے اور جس پر قابو پا لیتے اس کے ساتھ زنا کرتے تھے' ان تینوں قسموں کے متعلق فر کہ ان کو قتل کیا جائے اور ان کو مدینہ بدر کیا جائے۔

علامہ قرطبی نے المہدوی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ترک وعید کے جواز کی دلیل ہے' کیونکہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد بھی منافقین مدینہ میں رہے ان کو قتل کیا گیا نہ مدینہ سے نکالا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۲۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک منافقین اپنی روش پر قائم رہتے اور باز نہ آتے' لیکن انہوں نے اس روش پر اصرار کو ترک کر دیا تھا' البتہ یہودیوں نے اس روش کو ترک نہیں کیا تھا' لہٰذا ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو مدینہ بدر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے' اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو O بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (وہاں) وہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مدد کرنے والا O (الاحزاب: ۶۵۔۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا یا نہیں؟

ان آیتوں میں ان لوگوں کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو آخرت اور قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے' تو وہ قیامت کے آنے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اس کے آنے کی تکذیب کرتے تھے اور لوگوں کے دماغوں میں یہ وہم ڈالتے تھے کہ قیامت نہیں آئے گی' اس لیے وہ استہزاءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ بتایئے قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان لوگوں کے سوال کے جواب میں یہ کہیے کہ قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' یعنی از خود' بغیر تعلیم کے اور ذاتی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیامت کا علم عطا فرمایا ہے' آپ نے وقوع قیامت کی بہ کثرت علامتیں اور شرائط بیان فرمائی ہیں آپ نے بتایا کہ جب بروں کی عزت کی جائے اور نیکوں کو رسوا کیا جائے' علم اٹھ جائے اور جہل کا غلبہ ہو' اور زنا اور بدکاری عام ہو جائے' طوائفوں کا ناچ کھلے عام دیکھا جائے' شراب نوشی کی کثرت اور مساجد میں فساق کی آوازیں بلند ہوں تو یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔

قیامت کی نشانیاں بیان کرنے کے متعلق احادیث

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو' پھر آپ نے دھوئیں کا' دجال کا' دابۃ الارض کا' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا' حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا' یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا' ایک مرتبہ مشرق میں' ایک مرتبہ مغرب میں ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہو گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم الفتن ۳۹ (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہو' آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھایا جائے گا اور جہل کا ظہور ہو گا اور زنا عام ہو گا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے

اور عورتیں باقی رہ جائیں گی' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح مسلم العلم ۹(۲۶۷۱)۶۶۶۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متقارب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہو گا اور قتل بہت زیادہ ہو گا۔

(صحیح مسلم العلم ۱۰(۲۶۷۲)۶۶۶۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۶۲' ۶۰۶۴' سنن الترمذی: ۲۲۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۰_۴۰۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا' عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مال غنیمت کو ذاتی مال بنا لیا جائے گا' اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے گا' جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے' اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے' اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی' اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی' شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والیاں اور ساز رکھے جائیں گے' اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا کہیں گے اس وقت تم سرخ آندھیوں' زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔ جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح مسلم الجمعہ ۱۸_۸۵۴_۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور چار دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہو گی۔ (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عاشوراء کے فضائل میں روایت ہے کہ قیامت عاشوراء کے دن واقع ہو گی یعنی دس محرم کو۔ (فضائل الاوقات ص ۴۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرمائیں اور موخر الذکر حدیث میں یہ بھی بتا دیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہو گی' مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتا دیا صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۚ (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں مصدق تھے اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

اور جب ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم تھا تو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ "آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے" اس کا محمل یہ ہے کہ وقوع قیامت کے وقت کا بغیر تعلیم کے از خود علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

علم قیامت کی نفی کے متعلق مفسرین کی توجیہات

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کو کون سی چیز وقت وقوع قیامت کا عالم بنائے گی' یعنی آپ کو بالکل کوئی چیز اس کا عالم نہیں بنائے گی سو آپ کو وقت وقوع قیامت کا علم نہیں ہے' اور کسی شخص کے نبی ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو اللہ کی تعلیم کے بغیر غیب کا علم ہو جائے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو تہدید اور ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے جو قیامت کے وقوع کو جلد طلب کرتے تھے' اور ان لوگوں کو ساکت کیا ہے جو عناد اور سرکشی سے وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

لوگ آپ سے بہ طور استہزاء اور تمسخر قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کیونکہ وہ قیامت کے منکر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مکہ اور یہود قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے' اہل مکہ استہزاءً قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے اور یہود امتحاناً سوال کرتے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں قیامت کا علم مخفی رکھا تھا' اگر آپ معین کر کے بتا دیتے کہ فلاں سن میں قیامت آئے گی تو ان کے نزدیک آپ کی نبوت کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا' اور اگر آپ یہ فرماتے کہ قیامت کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے تو ان کے نزدیک آپ کی نبوت ثابت ہو جاتی' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے علم پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا' اس کا محمل یہ ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا' ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غیوبات پر مطلع نہیں فرما دیا' اور ان تمام غیوبات میں قیامت کا علم بھی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان غیوبات کے مخفی رکھنے کا حکم دیا ہے۔
(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۶۵۸۔۱۶۵۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اسی طرح سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم کی حکایت کریں' اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو' لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: "بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے"۔ لعنت کا معنی اور اس کی اقسام جاننے کے لیے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۸۷۔۶۸۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ان کے چہرے آگ میں پلٹ دیئے جائیں گے وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی O اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی' سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا O اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما! O (الاحزاب: ۶۸۔۶۶)

دوزخ میں کفار کے عذاب کی کیفیت

دوزخ کی آگ میں ان کے چہرے پلٹنے کا معنی یہ ہے کہ جس طرح سالن پکاتے وقت جب دیگچی میں جوش آتا ہے تو

گوشت کی بوٹیاں ایک طرف سے دوسری طرف پھرتی ہیں اسی طرح جب کفار دوزخ میں پڑتے ہوں گے اور دوزخ کی (آگ)
تیز ہوگی تو ان کے چہرے دوزخ میں ایک طرف سے دوسری طرف پھر رہے ہوں گے' اور جوش کی وجہ سے ایک طرف سے
دوسری طرف گھوم رہے ہوں گے' یا اس دن ان کے چہرے دوزخ میں ایک طرف سے دوسری طرف پھر رہے ہوں گے' اور
اس دن کے مصیبت ناک اور ہولناک احوال کی وجہ سے ان کے چہروں پر بہت قبیح کیفیات مرتب ہو رہی ہوں گی' یا اس دن
ان کو آگ میں منہ کے بل ڈال دیا جائے گا۔

ہر چند کہ ان کے پورے جسم پر یہ کیفیات طاری ہوں گی لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ چہرہ انسان کے جسم کا سب سے مکرم اور معظم عضو ہوتا ہے اور جب ان کا چہرہ آگ میں جھلس رہا ہوگا تو یہ ان کے لیے بہت زیادہ ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگا۔

اس دن وہ اپنی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جن کو اپنا امیر اور سردار سمجھتے تھے اور جن کی اطاعت کرنے کو ہم سعادت اور سرفرازی سمجھتے تھے ہم ان کے کہنے میں آ گئے اور اگر ہم دنیا میں ان کی اطاعت نہ کرتے تو وہ زور آور لوگ تھے وہ ہم پر تشدد کرتے' سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا' اور سیدھے راستے سے غلط راستے کی طرف اور ایمان سے کفر کی طرف اور سلامتی اور نجات سے آخرت میں ہلاکت اور عذاب کی طرف لے گئے تو اے ہمارے رب! ان پر دگنا چوگنا عذاب نازل فرما۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ
اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی' تو اللہ نے
اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞۶۹ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ
موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا' اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے ۞ اے ایمان والو!
اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۞۷۰ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ
اللہ سے ڈرتے رہو' اور درست بات کہا کرو ۞ اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
فرما دے گا' اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی' تو اس نے
عَظِيْمًا ۞۷۱ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ
بڑی کامیابی حاصل کی ۞ بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ
انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور انسان نے اس امانت کو

إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے O تاکہ انجام کار اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

ع ۵ ۹ ۶

اور اللہ بہت بخشنے والا ' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا' جنہوں نے موسیٰ کی اذیت پہنچائی تھی تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا' اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو O اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی' تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی O (الاحزاب: ۷۱۔۶۹)

منافقوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذیت ناک کلام کرنا اور آپ کا ان کو سزا نہ دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین اور ان کفار کا ذکر کیا تھا جنہوں نے اپنی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائی تھی' اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نادانستگی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا موجب ہو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی جن باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی تھی اس میں دو قول ہیں:

(۱) نقاش نے کہا بعض مسلمان حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو زید بن محمد کہتے تھے اس سے آپ کو اذیت پہنچتی تھی۔

(۲) ابو وائل نے کہا بعض مسلمانوں نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے اس سے آپ کو اذیت پہنچی تھی۔ (النکت والعیون ج ۴ص ۴۲۶' دارالکتب العلمیہ بیروت)

ابو وائل نے جس اعتراض کا حوالہ دیا ہے اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن مال غنیمت کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو ترجیح دی' آپ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرمائے' عیینہ کو بھی آپ نے اتنے ہی اونٹ دیئے' عرب کے دیگر سرداروں کو بھی آپ نے زیادہ دیا تو ایک شخص نے یہ کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا' اور نہ اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہے' میں نے دل میں کہا اللہ کی قسم! میں ضرور اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا' میں نے آپ کو خبر دی (دوسری روایت میں ہے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا) آپ نے فرمایا جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو اور کون عدل کرے گا' اللہ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی تھی' سو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۰۔۶۰۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۰۸' عالم الکتب)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو دوسروں سے زیادہ مال غنیمت عطا کیا تھا یہ مؤلفۃ القلوب تھے تہذیب و تمدن سے نا آشنا بادیہ نشین تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی اور ان کو اسلام پر ثابت قدم اور برقرار رکھنے کے لیے اوروں سے زیادہ دیتے تھے۔

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا' اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ اس کا نام معتب بن قشیر تھا' اس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ منافقین میں سے تھا۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عمر بن واقد المتوفی ۲۰۷ھ نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔
(کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۹۴۹' عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کیا جائے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس شخص کو قتل کیا گیا تھا' علامہ مازری نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے کلام سے نبوت میں طعن ظاہر نہ ہوتا ہو' اور اس کا مطلب صرف یہ ہو کہ آپ نے تقسیم میں عدل نہیں کیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس لیے سزا نہ دی ہو کہ آپ کے نزدیک اس کا طعن اور اعتراض ثابت نہیں ہوا تھا' کیونکہ صرف ایک شخص (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے اس کا طعن نقل کیا تھا' اور صرف ایک شخص کی شہادت پر کسی کو قتل نہیں کیا جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے قاضی عیاض مالکی کی پوری عبارت نقل نہیں کی' قاضی عیاض مالکی نے اس کے بعد علامہ مازری کے جواب کو رد کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:
علامہ مازری کا یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ اس شخص نے کہا تھا: اے محمد! عدل کیجئے! اے محمد اللہ سے ڈریئے' اور اس نے لوگوں کے سامنے یہ طعن کیا تھا' حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! لوگ یہ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں' اور اس کے علاوہ دیگر منافقین کے متعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی رویہ تھا' آپ نے متعدد بار منافقین سے اس قسم کا اذیت ناک کلام سنا لیکن آپ نے دیگر مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھنے کے لیے صبر اور حلم سے کام لیا' تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں اور اسلام سے برگشتہ ہوں اور اسلام قبول کرنے سے گریز کریں' ہم نے الشفاء کی القسم الرابع میں تفصیل سے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کرنا کفر ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۶۰۸' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

انبیاء علیہم السلام کا جسمانی عیوب سے بری ہونا اور دیگر مسائل

بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ایذاء رساں کلام کیا تھا اس کی مفسرین نے دو تقریریں کیں ہیں ایک یہ ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے' اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے' تو بنو اسرائیل آپس میں

کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ جو ہمارے ساتھ مل کر غسل نہیں کرتے اس کی ضرور یہی وجہ ہے کہ ان کے خصیے غیر معمولی بڑے ہیں (یعنی ان میں جسمانی عیب ہے اس کو چھپانے کے لیے یہ تنہا غسل کرتے ہیں) ایک مرتبہ حضرت موسیٰ غسل کرنے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے' وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا حضرت موسیٰ اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر! میرے کپڑے دو' حتیٰ کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیکھ لیا' اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ میں تو کوئی جسمانی عیب نہیں ہے' حضرت موسیٰ نے اس پتھر سے اپنے کپڑے لے لیے اور اس پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ حضرت ابوہریرہ نے قسم کھا کر کہا اس پتھر پر حضرت موسیٰ کی ضرب سے متعدد نشانات پڑ گئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۸)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان تنہائی میں برہنہ غسل کر سکتا ہے' ہر چند کہ تنہائی میں بھی چادر باندھ کر غسل کرنا افضل ہے' کیونکہ یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا بے شک اللہ حیادار ہے' پردہ کرنے والا ہے' وہ حیاء اور پردہ کو پسند کرتا ہے سو جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو وہ پردہ کر لے (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۴) دوسری روایت میں ہے: جب تم میں سے کوئی شخص غسل کا ارادہ کرے تو اپنے آپ کو کسی کپڑے سے چھپا لے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۱۳-۴۰۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم عجم کے ممالک کو فتح کرو گے' وہاں تم حمام دیکھو گے سو جب تم حمام میں داخل ہو تو بغیر تہبند کے داخل نہ ہونا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۸)

پتھر کے کپڑے لے کر بھاگنے والی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو صوری اور معنوی اور جسمانی اور روحانی طور پر کامل پیدا کیا ہے' اور ان کو جسمانی عیوب اور نقائص سے منزہ رکھا ہے' نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل نے جس عیب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے اس عیب کی نسبت کو دور کر دیا' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کے نبی کی طرف کسی جسمانی عیب اور موجب نفرت مرض کو منسوب کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی اسرائیلی اور جھوٹی روایات کو بیان کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرم گاہ کو چھپانے کا وجوب ہماری امت کی خصوصیت ہے کیونکہ بنی اسرائیل اکٹھے بے لباس ہو کر نہاتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو منع نہیں فرماتے تھے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا: "اے پتھر! میرے کپڑے دے" اور نبی کا کلام لغو نہیں ہو سکتا' پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا' اور حضرت موسیٰ کا اس سے کلام فرمانا اور اس کو لاٹھی سے مارنا اور اس میں لاٹھی کے نشانات پڑ جانا یہ سب امور خلاف عادت ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات ہیں۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل نے دوسری اذیت رساں بات جو کہی تھی اس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس آیت (الاحزاب: ۶۹) کی تفسیر میں کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام ایک پہاڑ پر چڑھے' حضرت ھارون علیہ السلام وہیں وفات پا گئے' تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور وہ آپ کی بہ نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنے والے تھے' اور آپ کی بہ نسبت زیادہ نرم مزاج تھے' اور انہوں نے ان باتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو وہ حضرت

ھارون کا جسم اٹھا کر لائے' اور ان کی موت کی خبر دی' تب بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ حضرت ھارون علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہوئے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی تہمت سے بری کر دیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۱۸۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وجیہ کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "وہ اللہ کے نزدیک وجیہ تھے"۔

وجہ کا معنی ہے' چہرہ' وجیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ کسی کے نزدیک قدر و منزلت والا ہو' اور وہ شخص اس کے نزدیک معزز اور مکرم ہو' اور وہ اس کی کوئی بات رد کرتا ہو نہ ٹالتا ہو۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ وجیہ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو نیکی میں معروف ہو اور جس کی سیرت پسندیدہ اور لائق تحسین ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۸۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جس کی بہت قدر و منزلت ہو اور اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بڑا بلند ہو اور وہ تعریف اور تحسین اور شرف کا مستحق ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۲۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرما دے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۹۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسین علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ابن زید نے کہا اس کا معنی ہے مقبول' حسن بصری نے کہا اس کا معنی ہے مستجاب الدعوات' ابن سنان نے کہا دیدار کے سوا جس کے ہر سوال کو پورا کر دیا ہو' قطرب نے کہا وجیہ' وجہ سے بنا ہے کیونکہ وجہ (چہرہ) جسم میں سب سے بلند عضو ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۴۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو' اور درست بات کہا کرو O (الاحزاب: ۷۰)

یعنی ہر وہ کام جس کو تم کرتے ہو اور جس کو تم ترک کرتے ہو ان میں تم اللہ سے ڈرا کرو' خاص طور پر ان کاموں کو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں' چہ جائیکہ ایسے کام کر دیا ایسی باتیں کہو جن سے اللہ کے رسول اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا' اور تمہارے لیے تمہارے کاموں کو بخش دے گا (الاحزاب: ۷۱)

یعنی تم کو نیک اعمال کی توفیق دے گا اور تمہارے اعمال کو قبول فرما لے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر عمل کرتا ہے اور ان کے منع کیے ہوئے تمام کاموں سے بچتا ہے' وہ دنیا اور آخرت میں اتنی بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں

نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے‘ اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی‘ بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے O (الاحزاب: ۷۲)

اس کی تحقیق کہ اس آیت میں ان یحملنھا کا ترجمہ امانت کو اٹھانا ہے یا امانت میں خیانت کرنا ہے

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

تحقیق روبرو کیا تھا ہم نے امانت کو اوپر آسمانوں کے اور زمین کے اور پہاڑوں کے پس انکار کیا سب نے یہ کہ اٹھاویں گے اوس کو اور ڈرے اوس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے تحقیق وہ تھا بے باک نادان۔

شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا اوس کو کہ اٹھاویں‘ اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اوس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ نے لکھا ہے:

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا اس کو کہ اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے‘ مگر انسان نے اسے اٹھالیا‘ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

بے شک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اس کے اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا بے شک وہ بڑی زیادتی کرنے والا نادان تھا۔

ان تمام مترجمین نے فابین ان یحملنھا کا ترجمہ کیا ہے آسمانوں‘ زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا‘ اور حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے‘ اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا‘

ان مترجمین کے ترجمہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آسمانوں‘ زمینوں اور پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے با اختیار نہیں بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں یا نہ کریں‘ با اختیار اللہ نے صرف انسانوں اور جنات کو بنایا ہے‘ اس لیے آسمانوں اور زمینوں کا اس امانت کو اٹھانے سے انکار کرنا محل اعتراض ہے۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا‘ اور اب اس آیت پر یہ اشکال

وارد نہیں ہوتا کہ آسمان اور زمین وغیرہ با اختیار نہیں ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ وحملها الانسان کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی جس امانت کو اٹھانے سے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تھا تو انسان کو باعث تحسین و آفرین ہونا چاہیے تھا اس کو اللہ نے بڑا ظالم اور بہت جاہل کیوں فرمایا؟ اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے' کیونکہ حمل کا معنی جس طرح اٹھانا ہے اس طرح حمل کا معنی خیانت کرنا بھی ہے' اور اب اس آیت پر کوئی اشکال اور اعتراض نہیں ہے۔

ہم اس آیت کی تفسیر میں پہلے امانت کے متعلق احادیث بیان کریں گے اور اس آیت میں امانت کے متعلق جو آثار اور اقوال ہیں ان کو پیش کریں گے پھر کتب لغت سے حمل کا معنی بیان کریں گے' اس کے بعد جن مفسرین نے حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے ان کا ذکر کریں گے اور ان کی تفسیر پر جو اعتراضات ہیں ان کے جوابات ذکر کریں گے اور ان پر تبصرہ کریں گے اور آخر میں ان مفسرین کا ذکر کریں گے جنہوں نے حمل کا معنی خیانت کیا ہے' اور اس تفسیر کو کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا ترجمہ بھی اسی تفسیر کے مطابق ہے۔

امانت کے متعلق احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائیں' میں ان میں سے ایک کے وقوع کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں' آپ نے فرمایا امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتار دی گئی ہے' پھر ان کو قرآن کا علم ہوا' پھر ان کو سنت کا علم ہوا' پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق فرمایا' آپ نے فرمایا: ایک شخص سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی' اور اس کے دل میں امانت کا صرف اثر رہ جائے گا' پھر جب دوبارہ سوئے گا تو یہ نشان (اور مضبوط ہو کر) چھالے کی طرح ہو جائے گا۔ جیسے آگ کی چنگاری تمہارے پاؤں پر گر جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے پاؤں پر چھالا پڑ جائے تم اس کو اُبھرا ہوا دیکھو گے اور اس کے اندر کوئی چیز نہیں ہوگی' پھر صبح کو لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں کوئی شخص امانت کو ادا نہیں کرے گا' اور کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہوا کرتا تھا' اور کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ فلاں شخص کتنی عقل والا ہے' کتنے حوصلے والا ہے اور کتنی قوت والا ہے' اور اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی امانت داری نہیں ہوگی' اور مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ میں یہ پرواہ نہیں کرتا تھا کہ میں کس سے خریدوں' اگر وہ مسلمان ہے تو اسلام اس کو (بے انصافی سے) منع کرے گا اور اگر وہ عیسائی ہے تو اس کا پادری اس کو ظلم سے روکے گا' اور رہا یہ زمانہ تو اب میں صرف فلاں فلاں (گنتی کے لوگوں) سے چیزیں خریدتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۱۴۸' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں چار خصلتیں حاصل ہوں تو پھر تم دنیا کی کسی نعمت سے محروم ہونے پر ملال نہ کرو (۱) امانت کی حفاظت کرنا (۲) اچھے اخلاق (۳) سچ بولنا (۴) پاکیزہ کمائی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۷' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۵۲' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کردو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۲۶۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۰۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۵۳۵' المستدرک ج ۲ص ۴۶' سنن بیہقی ج ۱۰ص ۲۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۶۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۴۷۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے گم پاؤ گے وہ امانت ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۱۸۳-۷۱۸۲' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث:۱۷۳۹)

آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر جس امانت کو پیش کیا گیا تھا اس کے مصداق میں آثار اور اقوال

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے اس آیت میں امانت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز پڑھنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' بیت اللہ کا حج کرنا' سچ بولنا' قرض ادا کرنا اور ناپ تول درست کرنا امانت ہے' اور سب سے بڑی امانت لوگوں کی رکھوائی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: فرائض اور واجبات ادا کرنا' اور محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا امانت ہے۔

(۳) ابو العالیہ نے کہا: جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ امانت ہیں۔

(۴) روزہ' غسل جنابت اور دیگر پوشیدہ احکام امانت ہیں۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرم گاہ کو پیدا کیا اور فرمایا: میں اس کو تمہارے پاس امانت رکھ رہا ہوں' پس شرم گاہ امانت ہے' اور کان امانت ہیں' اور آنکھ امانت ہے اور ہاتھ امانت ہیں اور پیر امانت ہیں اور جو امانت دار نہ ہو وہ ایمان دار نہیں ہے۔

(۶) بعض مفسرین نے کہا امانت سے مراد لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں ہیں' پس ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ کسی مومن کو دھوکا نہ دے اور نہ کسی کم یا زیادہ چیز میں عہد شکنی کرے۔ (معالم التنزیل ج ۳ص ۶۶۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس امانت کو پیش کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان احکام کی حفاظت کی جائے اور ان کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے' ان احکام پر عمل کرنے میں اجر و ثواب کی توقع ہے اور ان احکام کی خلاف ورزی کرنے میں سزا اور عذاب کا استحقاق ہے۔

جمادات وغیرہ کی حیات اور ان کے شعور پر قرآن مجید سے استدلال

ایک بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس امانت کے متعلق کلام کیا حالانکہ وہ جمادات ہیں' بے جان اور بے عقل ہیں تو ان پر احکام پیش کرنے اور ان سے ان احکام کی اطاعت کو طلب کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) قرآن اور سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمادات بہ ظاہر بے عقل اور بے شعور ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی حیات اور عقل اور شعور کو رکھا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ (الحج:۱۸)	کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام آسمان والے اور تمام زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان' سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝ (حم السجدہ: ۱۱)

پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں (سا) تھا' سو اس سے فرمایا اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ۷۴)

اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ (بنی اسرائیل: ۴۴)

سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں' سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ (النور: ۴۱)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے اور صف بستہ پرندے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں' اور ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

جمادات وغیرہ کی حیات اور ان کے شعور پر احادیث سے استدلال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو' پس جب تم اپنی بکریوں اور اپنے جنگل میں ہو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو' کیونکہ موذن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان یا جو چیز بھی سنے گی وہ قیامت کے دن اس کی اذان کی گواہی دے گی۔

(یعنی جمادات اور نباتات میں سے ہر چیز تمہاری اذان کی گواہی دے گی اور ان چیزوں کا گواہی دینا اس پر موقوف ہے کہ وہ ان کو اذان دیتا ہوا دیکھیں اور ان کی اذان سنیں اور دیکھنا اور سننا ان کی حیات اور ان کے شعور کی دلیل ہے۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۴۶۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں کی بنی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو خطبہ دیتے تو کھجور کے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس پر خطبہ دیتے تھے' تب ہم نے اس شہتیر سے ایسی آواز سنی جیسے دس سال کے حمل والی اونٹنی کے رونے کی آواز آتی ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو وہ شہتیر پرسکون ہو گیا (اس شہتیر کا رونا اور آپ کے فراق سے غم زدہ ہونا بھی اس کی حیات اور اس کے شعور کی دلیل ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۹۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنتے تھے (یہ اس طعام کی حیات اور اس کے کلام کرنے کی دلیل ہے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا' آپ کے سامنے جو پہاڑ یا درخت آتا تھا وہ یہ کہتا تھا' السلام علیک یا رسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے خوشہ کو بلاؤں تو تم میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دو گے؟ پھر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ کو بلایا تو وہ درخت سے اتر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گر گیا' آپ نے اس سے فرمایا ''لوٹ جا'' تو وہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا' سو وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۲۸' مسند احمد ج ۱ص ۲۲۳' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۶۲۲' المستدرک ج ۲ص ۶۲۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ص ۱۵)

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ ایک گوہ نے آپ کی نبوت کی شہادت دی اور کہا آپ رب العلمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔(المعجم الصغیر رقم الحدیث:۹۴۸) حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ آلوسی اور مفتی محمد شفیع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ کے بلانے پر ایک درخت زمین کو شق کرتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر تین بار آپ کی نبوت کی شہادت دی پھر آپ کے حکم سے واپس چلا گیا' یہ دیکھ کر ایک اعرابی مسلمان ہو گیا۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۳۵۸۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۵۶۶۲' مسند البزار رقم الحدیث:۲۴۱۱' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث:۱۴۰۸۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہرنی کو آزاد کر دیا تو اس نے کہا **لا الــٰه الا الله انک رسول الله** (المعجم الکبیر ج ۲۳ص ۳۳۱) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت یعلیٰ سے روایت ہے کہ اونٹ نے آپ سے شکایت کی کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور اب اس کے مالک اس کو ذبح کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اس کی شکایت زائل کر دی۔(مسند احمد ج ۴ص ۱۷۳)

حضرت یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ما من شیء فیها الا یعلم انی رسول الله الا کفرة او فسقة الجن والانس. روئے زمین کی ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ماسوا انسانوں اور جنات میں سے کفار اور فساق کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۲۶۲۔۲۶۱' مسند احمد ج ۴ص ۳۱۰' مسند البزار رقم الحدیث:۲۴۵۲)

ان تمام احادیث میں یہ دلیل ہے کہ تمام جمادات' نباتات اور حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حیات اور شعور عطا فرمایا ہے وہ کلام سمجھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے کلام فرمانا اور ان کا جواب دینا مستبعد نہیں ہے۔

جمادات سے کلام کرنے کی دوسری توجیہ

آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے اور ان کے جواب دینے پر جو یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ وہ تو حیات اور عقل و شعور سے عاری ہیں ان سے کلام کس طرح ہو سکتا ہے' اس کا ایک جواب تو دیا جا چکا ہے کہ جمادات اور نباتات وغیرہ میں بھی حیات اور شعور ہے' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ چلو مان لیا ان میں حیات اور شعور نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر امانت پیش کی تو ان کو حیات اور شعور عطا فرما دیا قرآن مجید میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی سے' ہدہد سے اور دیگر پرندوں سے کلام فرماتے تھے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی وغیرہ سے کلام کرنا مستبعد نہیں ہے تو رب کائنات کا آسمانوں اور زمینوں سے کلام کرنا کیونکر مستبعد ہو سکتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم حمل کا معنی بیان کر رہے ہیں تاکہ دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو کہ اس کا معنی امانت کو اٹھانا ہے یا امانت میں خیانت کرنا۔

حمل کا معنی خیانت کرنے پر کتب لغت کی تصریحات

حمل کا مشہور معنی تو اٹھانا' برداشت کرنا اور کسی بات پر ابھارنا ہے اور اس کا معنی خیانت کرنا بھی ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الزجاج نے کہا: یحملنها کا معنی ہے یخننها' یعنی آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور جو شخص کسی کی امانت میں خیانت کرے وہ اس کے بوجھ کو اٹھاتا ہے اسی طرح وہ شخص جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اس گناہ کو اٹھاتا ہے' حسن نے کہا یہی معنی صحیح ہے۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۷۵' مطبوعہ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ' علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ' علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اور علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(القاموس المحیط ج ۳ ص ۵۲۹' مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۵۶۵' تاج العروس ج ۷ ص ۲۸۸' اقرب الموارد ج ۱ ص ۲۳۲)

جن مفسرین نے یحملنها کا معنی کیا امانت کو اٹھانا

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ نے اس آیت میں یحملنها کی تفسیر اٹھانے سے کی ہے وہ لکھتے ہیں:

آسمانوں اور زمینوں پر جو امانت کو پیش کیا تھا وہ اختیاراً تھا ایجاباً نہیں تھا' یعنی ان کو اختیار دیا تھا کہ وہ اس امانت کو قبول کریں یا نہ کریں' یہی وجہ ہے کہ اس امانت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوئے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی یہ لکھا ہے کہ آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کو اس امانت کے اٹھانے کا اختیار دیا گیا تھا ان پر لازم نہیں کیا گیا تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۳' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری متوفی ۴۶۸ھ' علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ' اور علامہ احمد بن محمد الصاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' شیخ امین احسن اصلاحی' شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ' صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اور مفتی احمد یار خاں متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۳' تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۸۷' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' الوسیط ج ۳ ص ۴۸۴' غرائب القرآن ج ۵ ص ۴۷۷' حاشیہ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۶۶۰)

یہ تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جمادات مکلف نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف جن اور انسان کو اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عطا کیا ہے' صرف جن اور انسان اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں' باقی تمام مخلوق غیر اختیاری طور سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔

یحملنها کی تفسیر بار امانت اٹھانے سے کرنے پر علامہ قرطبی کی توجیہات اور ان پر مصنف کی بحث ونظر

جن مفسرین نے یحملنها کا معنی یہ کیا ہے کہ ''آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے امانت کا بوجھ اٹھالیا'' ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آسمان وغیرہ جمادات ہیں اور غیر مکلف ہیں ان پر بار امانت کو پیش کرنا اور ان کا اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کرنا دونوں غیر معقول ہیں' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے اس کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اس عبارت میں حذف مضاف ہے' اور آسمانوں اور زمینوں سے مراد ہیں آسمانوں اور زمینوں والے' یعنی فرشتے' انسان اور جن' اور بار امانت کو پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تو ان کو ثواب ہوگا اور اگر اطاعت نہیں کی تو ان کو عذاب ہوگا' اور ان سب نے یہ کہا کہ ہم اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فرشتے مکلف نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے متعلق فرمایا:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:۶) اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ اسی کام کو کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ان سے یہ متصور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے احکام کی امانت کو پیش کرے اور وہ اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیں' نیز اگر زمین والوں میں انسان بھی داخل اور مراد ہیں تو پھر الگ سے یہ فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ وحملها الانسان ''اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا''۔

(۲) حسن وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ معلوم ہے کہ جمادات بات سمجھتے ہیں نہ اس کا جواب دیتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ یہاں حیات کو مقدر مانا جائے یعنی ان کو زندہ کر کے فرمایا' اور آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو اختیاراً پیش کیا تھا اور انسان پر الزاماً پیش کیا تھا' یعنی آسمانوں وغیرہ کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا اور انسان کو اختیار نہیں تھا۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی غلط ہے کیونکہ آسمان' زمین اور پہاڑ جبراً اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور انسان پر اطاعت کرنا لازم نہیں ہے اس کو اختیار دیا گیا ہے اور اس توجیہ میں معاملہ الٹ کر دیا گیا ہے۔

(۳) قفال وغیرہ نے یہ کہا اس آیت میں ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اس قدر مشکل اور دشوار ہے کہ اگر اس کی اطاعت کی امانت کو آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا جاتا تو وہ اپنے کبر' ثقل اور قوت کے باوجود اس کی اطاعت سے عاجز آجاتے اور اس کے بوجھ کو اٹھانے سے انکار کردیتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس توجیہ کی بنیاد یہ ہے کہ آسمان' زمین اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مختار ہیں حالانکہ وہ مجبور ہیں مختار نہیں ہیں۔

(۴) ایک قوم نے یہ کہا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ امانت اس قدر بھاری ہے کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ بھی اپنی غیر معمولی طاقت کے باوجود اس کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے تھے اور اگر ان پر یہ بوجھ ڈالا جاتا تو وہ اس کو اٹھانے سے انکار کر دیتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی سابق وجہ سے غلط ہے آسمان اور زمین میں یہ مجال اور جرأت کہاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرسکیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ۔ (حٰمٓ السجدۃ:۱۱) پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں (سا) تھا' سو اس سے فرمایا اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آئے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۳۱ ـ ۲۳۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابومسعود محمد بن محمد عماری حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ'

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے بھی ان تاویلات اور توجیہات میں سے بعض کو اختیار کیا ہے' اور قارئین پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ تمام تاویلات باطل ہیں' ان تفاسیر کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

(تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۲۴۲' روح البیان ج ۷ ص ۲۹۸' روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۳۹' معارف القرآن ج ۷ ص ۲۴۶-۲۴۵' تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۳۶)

بعض علماء نے اس معنی کی تقویت میں یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کو پہلے اختیار عطا کر دیا تھا پھر ان پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو ان کو اختیار عطا فرمانے کا دعویٰ بلا دلیل ہے' ثانیاً یہ دعویٰ اس مسلّم حقیقت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف جن اور انس کو عبادت کرنے کا مکلف کیا ہے اور ان ہی کو بااختیار بنایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

میں نے جنات اور انسان کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

ثالثاً جب اس آیت میں ان یحملنها کا معنی بغیر کسی تاویل کے درست ہو سکتا ہے یعنی زمین و آسمان نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا تو پھر اس کمزور تاویل پر مبنی معنی کرنے کی کیا ضرورت ہے!

علامہ قرطبی نے بھی متعدد تاویلات کرنے کے بعد وحملها الانسان کی تفسیر میں لکھا ہے:

ومعنی حملها خان فيها. (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴' ص ۲۳۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امانت کو اٹھانے کا معنی یہ ہے کہ انسان نے اس امانت میں خیانت کی۔

جن مفسرین نے یحملنها اور حملها الانسان میں حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ نے یحملنها میں حمل کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

جب کوئی شخص امانت اس کے مالک کو واپس کرنے کا ارادہ نہ کرے تو کہا جاتا ہے فلاں شخص امانت کے بوجھ کو اٹھانے والا ہے' گویا امانت اس پر سوار ہے اور وہ اس کو اٹھانے والا ہے' حاصل یہ ہے کہ امانت اٹھانے کا معنی اس میں خیانت کرنا ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۵۷۴-۵۷۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

(فابين ان يحملنها) یعنی انہوں نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس سے انکار کیا کہ وہ امانت کو ادا نہ کریں (وحملها الانسان) اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس امانت کو ادا کرنے سے انکار کیا۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۵۱۴' دارالکتب العربیہ پشاور)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن النیشاپوری القشیری المتوفی ۴۶۵ھ' علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ' علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ نے بھی اسی طرح یحملنها اور حملها الانسان دونوں جگہ حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا ہے۔

(تفسیر القشیری ج ۳ ص ۴۶' البحر المحیط ج ۸ ص ۵۱۱-۵۱۰' نظم الدرر ج ۶ ص ۱۴۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۴۵۸)

اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ کازرونی' علامہ علی بن محمد خازن المتوفی ۷۲۵ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ' علامہ احمد بن محمد الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ' علامہ محمد بن

علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' نواب صدیق بن حسن القنوجی التوفی ۱۳۰۷ھ نے یحملنھا میں تو علامہ قرطبی کی ذکر کردہ تاویلات سے حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے اور وحملھا الانسان میں حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ص ۶۶۹ ـ ۶۶۸' تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۴ص ۳۸۸' حاشیۃ الکازرونی ج ۴ص ۳۸۸' تفسیر الخازن ج ۳ص ۵۱۵' حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ص ۶۶۹' عنایۃ القاضی ج ۷ص ۵۱۵' فتح القدیر ج ۴ص ۳۰۸' فتح البیان ج ۵ص ۴۱۷)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری التوفی ۱۴۱۸ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے اور تفسیر میں اس کا معنی امانت میں خیانت کرنا لکھا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے:

ہم نے پیش کی یہ امانت آسانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے بے شک یہ بڑا ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔

اور تفسیر میں اس طرح فرمایا ہے:

اہل لغت نے اس طرح لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں حمل الامانۃ یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا' اس آیت طیبہ میں حمل اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسانوں' زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا فابین ان یحملنھا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا' جو حکم ربانی ملا بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے' سرمو انحراف اور سستی نہیں کی' واشفقن منھا وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضب الٰہی کے شکار نہ ہو جائیں فحملھا الانسان (قرآن میں وحملھا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ (ضیاء القرآن ج ۴ص ۱۰۲ ـ ۱۰۱' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

بے شک ہم نے آسانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے۔ (الاحزاب: ۷۲)

انسان کے ظالم اور جاہل ہونے کی توجیہ

اس آیت میں انسان سے مراد کافر یا فاسق ہے' کیونکہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کرنے والے نہیں ہیں اور چونکہ انسان کے اکثر افراد کافر اور فاسق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنس انسان کے متعلق فرمایا کہ انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ (العدیات: ۶) بے شک انسان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ (العلق: ۶) حقیقت یہ ہے کہ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر اپنے احکام کی امانت کو پیش کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ اس کے اکثر افراد اس امانت میں خیانت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور عبادت کی استعداد اور صلاحیت رکھی تھی' اور اس لیے کہ عالم میثاق میں اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کا وعدہ کیا تھا' اس آیت میں اور دیگر ذکر کردہ آیات میں صرف انسان کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ انسان اور جن دونوں مکلف ہیں اور دونوں کو عبادت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں

زیادہ تر خطاب انسان سے کیا گیا ہے اور اسی کی نوع سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی تکریم اور احسن تقویم کی تصریح کی گئی ہے اور وہی اشرف الخلائق ہے۔

میں بچپن سے اس آیت پر غور کرتا رہا ہوں اور قرآن مجید کے تراجم میں یہ پڑھ کر کہ "آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اللہ کی امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے" میں یہ سوچتا تھا کہ جب کوئی بھی اس امانت کو نہ اٹھاسکا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تو اس کی تحسین ہونی چاہیے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی مذمت فرما رہا ہے کہ وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے' پھر جب میں نے پڑھانا شروع کیا اور دینی کتب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں حمل کا معنی خیانت کرنا ہے' یعنی انسان نے اس امانت میں خیانت کی وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے' پھر میں اسی طرح اپنے طلبہ کو پڑھاتا رہا تا آنکہ اب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر لکھنے کی توفیق اور سعادت عطا کی تو میں نے مکمل کر اس آیت پر لکھا اور قرآن مجید کے پیغام کو بسط اور تفصیل سے پیش کیا' اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے جس طرح اس نے محض اپنے فضل سے اس کو لکھنے کی توفیق دی ہے سو اسی طرح اس کے کرم سے توقع ہے بلکہ سوال اور دعا ہے کہ وہ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ انجام کار اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الاحزاب: ۷۳)

جنس انسان پر امانت پیش کرنے کی حکمت کفار کو عذاب دینا' توبہ کرنے والے مومنوں کو بخشنا اور انبیاء اور صالحین کو نوازنا ہے

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور انسانوں پر اپنے احکام کی امانت کو اس لیے پیش کیا تاکہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب دے اور مومنوں کی توبہ قبول فرمائے اور ان کو بخش دے۔

اس لیے بالعموم مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ لام عاقبت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۔ فرعون کے متبعین نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور باعث غم بن جائے۔ (القصص: ۸)

اسی طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ انسان کے اکثر افراد نے اس امانت میں خیانت کی اور کفر و شرک کو مخفی رکھا یا کفر و شرک کو ظاہر کیا تاکہ انجام کار اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے اور بعض نے کفر و شرک کو ترک کیا' پھر ان بعض میں سے اکثر وہ تھے کہ ایمان سے متصف ہونے کے باوجود ان سے خطائیں سرزد ہو گئیں اور تقصیرات اور کوتاہیاں ہوئیں پھر انہوں نے اپنی تقصیرات اور خطاؤں پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے متعلق فرمایا: اور وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور بعض کاملین تھے جو انبیاء اور مرسلین ہیں اور اولیاء عارفین ہیں ان کے متعلق فرمایا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کی دوسری تقریر اس طرح ہے کہ ہر چند کہ یہ لام عاقبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو لام علت اور غرض کی صورت میں ذکر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس انسان پر اپنے احکام کی امانت کو اس لیے پیش فرمایا تھا کہ جنس انسان کے بعض افراد اس امانت کو ظاہراً قبول کرنے کے بعد اس کو ضائع کر دیں اور وہ منافقین ہیں' اور بعض افراد اس امانت کو بالکل قبول نہ

کریں اور وہ مشرکین ہیں اور دونوں کے متعلق فرمایا تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ اور جنس انسان کے بعض افراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی امانت میں خیانت نہ کریں' لیکن ان سے کچھ تقصیرات ہوں اور وہ اس پر ندامت کا اظہار اور توبہ کریں ان کے متعلق فرمایا اور وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور جنس انسان کے بعض افراد جو کاملین ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی امانت میں بالکل خیانت نہ کریں وہ انبیاء اور مرسلین ہیں اور اولیاء عارفین ہیں ان کے متعلق فرمایا: اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے' اور ان میں سے ہر فرد کو اس کے مرتبہ اور ظرف کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے تین طبقات کا ذکر ہے' ایک طبقہ منافقین اور مشرکین کا ہے' دوسرا طبقہ توبہ کرنے والے گنہ گار مسلمانوں کا ہے' اور تیسرا طبقہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء عارفین کا ہے' اور ان تین طبقوں کو بنانے کی حکمت یہ تھی کہ متعدد آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے عکوس نظر آئیں سو منافقین اور مشرکین وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات قہر اور جلال کا عکس نظر آتا ہے' اور توبہ کرنے والے گنہ گار مسلمان وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات ستاری اور غفاری کا عکس نظر آتا ہے اور انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور اس کے الطاف و عنایات کی صفات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ان تین طبقوں میں سے دوسرے طبقہ پر اس حدیث میں دلیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ سے استغفار کریں گے پھر اللہ ان کو بخش دے گا۔ (صحیح مسلم کتاب التوبہ: ۱۱' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۹' الرقم المسلسل: ۶۸۳۲)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے گناہ کریں' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ گناہوں سے منع کرنے کے لیے نبیوں اور رسولوں کو کیوں بھیجتا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے اپنے آپ کو گنہ گار اور خطاء کار سمجھیں' خواہ وہ کسی قدر صالح اور نیک ہوں کم از کم اتنی بات تو ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت نہیں کر سکا جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمتیں عطا کی ہیں تو وہ کم از کم اسی تقصیر پر اللہ سے استغفار کرتا رہے' اور توبہ اور استغفار کو ترک کرنا بھی گناہ ہے' سو اگر لوگ اپنی نیکیوں پر مطمئن ہو جائیں اور توبہ اور استغفار نہ کریں تو وہ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو نیکیاں کرنے کے باوجود تقصیر طاعات کے خوف سے توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے۔

اختتام سورت

آج ۲ شوال ۱۴۲۳ھ/ ۷ دسمبر ۲۰۰۲ء بہ روز ہفتہ بعد نماز فجر سورۃ الاحزاب کی تفسیر ختم ہو گئی' ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو یہ تفسیر شروع کی تھی اس طرح تقریباً دو ماہ اور تین دنوں میں یہ تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچ گئی' الحمد للہ رب العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں' مجھے تا حیات صحت و عافیت اور نیکی اور تقویٰ اور اطاعت اور اتباع سنت کے ساتھ قائم رکھیں' عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں' موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائیں' دنیا کے مصائب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی سعادت اور سرخ روئی کو مقدر فرما دیں۔ اس تفسیر کو تا قیام قیامت باقی' مرغوب' مقبول اور فیض آفریں بنا دیں اور اس کی تحریر اور تقریر کو عمل کے لیے مؤثر بنا دیں' اس کو موافقین کے لیے وجہ استقامت اور طمانیت اور مخالفین کے لیے موجب

ہدایت کردیں۔وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

سُوۡرَةُ سَبَإٍ

(۳۴)

سُوۡرَةُ فَاطِرٍ

(۳۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلي و نسلم على رسوله الكريم

سورة سبا

سورت کا نام اور اس کا زمانہ نزول

اس سورت کا نام سبا ہے اور اس کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ. (سبا:١٥)

قوم سبا کے لیے ان کی بستیوں میں (اللہ کی قدرت کی) نشانی تھی' ان کی دائیں اور بائیں جانب دو باغ تھے' (اللہ نے ان کو حکم دیا کہ) اپنے رب کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' یہ عمدہ شہر ہے اور بہت بخشنے والا رب ہے۔

سبا یمن کے ایک علاقے کا نام ہے' جو صنعاء اور حضر موت کے درمیان ہے' اس کا مرکزی شہر مآرب ہے' اس علاقہ کا نام سبا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی ایک شاخ آباد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں کثرت سے باغات پیدا کیے تھے اور سبزہ اور ہریالی عطا کی تھی لیکن جب اس شہر کے لوگوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں چھین لیں' اور اس شہر کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

یہ سورت مکہ کے ابتدائی یا متوسط دور میں نازل ہوئی ہے جب مشرکین مکہ اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے' یہ سورت زمر سے پہلے اور لقمان کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ سبا اور سورۃ الاحزاب میں مناسبت

سورۃ سبا اور سورۃ الاحزاب میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الاحزاب کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: تاکہ انجام کار منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اللہ عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔ (الاحزاب:۷۳) اور سورۃ سبا کی پہلی آیت میں فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب چیزیں ہیں جو زمینوں میں ہیں۔ (سبا:۱) گویا سورۃ الاحزاب کے آخر میں جو دعویٰ فرمایا تھا کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو عذاب دے گا سورۃ سبا کی پہلی آیت میں اس پر دلیل ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں

کا مالک ہے اس لیے وہ منافقین اور مشرکین کو عذاب دینے پر بھی قادر ہے اور مومنین کو اجر و ثواب دینے پر بھی قادر ہے۔

(۲) سورۃ الاحزاب کی آخری آیت کے آخر میں فرمایا تھا: وکان اللہ غفورا رحیما ''اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے'' اور سورۃ سبا کی آیت: ۲ کے آخر میں فرمایا: وھو الرحیم الغفور وہ نہایت مہربان بہت بخشنے والا ہے۔

(۳) سورۃ الاحزاب میں کفار نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا کہ قیامت کب آئے گی:

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ (الاحزاب: ۶۳) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے اس کا ذاتی علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔

اور سورۃ سبا میں ذکر ہے کہ کفار نے قیامت کے آنے کا انکار کر دیا تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ ۔ (سبا: ۳) کفار نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ کہیے مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے' تم پر قیامت ضرور آئے گی۔

سورۃ سبا کے مشمولات

(۱) سورۃ سبا مکی سورت ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید' رسالت' قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر زور دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت داؤد' حضرت سلیمان علیہما السلام اور اہل سبا کو جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا بیان کیا گیا ہے اور اس کی توحید پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

(۴) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ہر زمانہ میں دستور رہا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں دی تھیں وہ اپنے اپنے زمانہ کے نبیوں اور رسولوں کے مخالف رہے ہیں۔

(۵) یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں' اور اس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کذب اور افتراء کہتے ہیں' حالانکہ آپ کاذب اور مفتری نہیں ہیں آپ تو آخرت کے ہولناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں' اور آپ جو اپنے رب کا پیغام سنا رہے ہیں اور اس کے دین کی دعوت دے رہے ہیں اس پر کوئی اجر نہیں طلب فرما رہے۔

(۶) اور اس سورت کو اس پیغام پر ختم کیا گیا ہے کہ ان مشرکوں کی فلاح اس میں ہے کہ وہ قیامت کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے پر ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں۔

سورۃ سبا کے اس تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ سبا کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں۔

الٰہ العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا حق اور صواب کو لکھنے اور باطل اور ناحق کو رد کرنے کی جرأت اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
۸ شوال ۱۴۲۳ھ/۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء
فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتہا ۵۴ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | (۳۴) سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۸)
رکوعاتہا ۶

سورت سبا مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَهُ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور

الۡحَمۡدُ فِى الۡاٰخِرَةِ‌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ۞ يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى

آخرت میں (بھی) اسی کی تعریف ہے، اور وہی بہت حکمت والا سب خبر رکھنے والا ہے O اس کو علم ہے جو کچھ

الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ

زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا

فِيۡهَا‌ ؕ وَهُوَ الرَّحِيۡمُ الۡغَفُوۡرُ ۞ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا

ہے، اور وہی رحم فرمانے والا، بے حد بخشنے والا ہے O اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی

السَّاعَةُ‌ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ‌ ۚ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ

آپ کہیے کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی، اس سے ذرہ برابر بھی

مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ

کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں، اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے

وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۞ ۙ لِّيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی O تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ‌ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۞ وَالَّذِيۡنَ سَعَوۡ

کام کیے، ان کے لیے مغفرت ہے اور معزز روزی ہے O اور جن لوگوں نے ہماری

فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ

آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے درد ناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

کی سزا ہے O اور اہل علم کو معلوم ہے کہ جو کلام آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾

وہی برحق ہے اور وہی اس کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو غالب ہے (اور) تعریف کیا ہوا ہے O

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ

اور کافروں نے کہا کیا ہم ایسے مرد کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر

اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ ج

دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو پھر تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے! O

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کیا اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ہے یا اس کو جنون ہے! بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا

نہیں لائے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہیں O پس کیا انہوں نے ان چیزوں

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ

کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں

لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ ع ع ۹

ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' اور وہی بہت حکمت والا' سب خبر رکھنے والا ہے O اس کو علم ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے' اور وہی رحم

فرمانے والا' بے حد بخشنے والا ہے O (سبا: ۲-۱)

آخرت میں اللہ کی حمد کرنے کے چھ مقامات

اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں اس لیے مختص ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا صرف وہی مالک ہے' حمد اور تعریف کا معنی ہے صفات کمال کا اظہار' اور جب تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو ان چیزوں کے تمام کمالات کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے' اور جن چیزوں کے مالک بہ ظاہر انسان ہیں درحقیقت ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے' اس لیے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ قابل تعریف تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' مومنین کاملین اور صالحین آخرت میں چھ مقامات پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے:

(۱) قیامت کے دن فیصلہ ہونے کے بعد فرشتے اور مومنین اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے:

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (الزمر: ۷۵)

اور (اے رسول مکرم) آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا' اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۲) جب مومنین اللہ کے فضل سے پل صراط سے عافیت کے ساتھ گزر جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۔ (فاطر: ۳۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

(۳) جب مومن جنت کے قریب پہنچیں گے اور جنت کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۔ (الاعراف: ۴۳)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔

(۴) جب مومنین جنت میں داخل ہوں گے اور ملائکہ سلام تحیت کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے تو وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ O الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ O (فاطر: ۳۵-۳۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا' شکر کی بہت جزا دینے والا ہے O جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام کی جگہ میں ٹھہرایا' جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف ہوگی نہ تھکاوٹ۔

(۵) جب مومنین جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ (الزمر: ۷۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں۔

(۶) جنت میں داخل ہونے کے بعد مومنین صالحین یہ کہیں گے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (یونس:۱۰)

جنت میں ان کی دعا ہوگی اے اللہ! تیری ہر نقص اور عیب سے برأت ہے۔ اور وہاں ان کی دعائے خیر یہ ہوگی سلام اور ان کا آخری جملہ یہ ہوگا ''الحمد لله رب العلمين''۔

مومنین دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور ان دونوں حمدوں میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بہ طور عبادت کرتے ہیں اور آخرت میں وہ اللہ کی حمد بہ طور لذت کریں گے۔

حمد کی تعریف' اللہ کی حمد کی اقسام اور شکر کی ادائیگی کا طریقہ

حمد کی تعریف یہ ہے: کسی اختیاری خوبی کی بہ طور تعظیم زبان سے تعریف و تحسین کرنا خواہ وہ خوبی اس کے لیے باعث نعمت ہو یا نہ ہو' نعمت کی مثال یہ ہے کسی شخص کی سخاوت پر اس کی تعریف کی جائے اور غیر نعمت کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے علم اور زہد و تقویٰ پر اس کی تعریف و تحسین کی جائے۔

اللہ کی حمد کی تین قسمیں ہیں' حمد قولی' حمد فعلی اور حمد حالی۔

حمد قولی یہ ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کی ہے ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے' ان کلمات حمد کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے: **هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى يسبح له ما فى السموت والارض وهو العزيز الحكيم** (الحشر:۲۴) اور حدیث میں ہے: **لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شىء قدير' اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد.** (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳)

اور حدیث میں ہے: **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.** (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۹۴)

اور حمد کے بہترین کلمات یہ ہیں **الحمد لله رب العلمين۔**

حمد فعلی یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے اس کی عبادت کرے۔

اور حمد حالی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جائے اور اللہ کے اوصاف سے متصف ہو جائے' اور جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کسی بیماری اور تکلیف کا سامنا ہو تو کہے **الحمد لله على كل حال**' ہم ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں' کیونکہ مصیبت اور تکلیف بھی باطنی نعمت ہیں' مصائب اور امراض گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں لیکن اس سے ظاہر شکر کا قصد نہ کرے' اس خوف سے کہ کہیں مصیبت اور تکلیف زیادہ نہ ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷)

اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تم میں (نعمت کو) زیادہ کروں گا۔

اور جب اس کو کوئی نعمت اور راحت ملے تو پھر اس کا شکر ظاہراً بھی ادا کرے' اور اس کو جو نعمت ملی ہے اس کا ذکر کر کے اس کا شکر ادا کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ. (ابراہیم:۳۹)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النمل:۱۵)

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی حمد سے خوش ہوتا ہے' ایک شخص نے نماز میں رکوع سے اٹھنے کے بعد یہ کلمات کہے:

ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ 'تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف جھپٹ رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۹)

نیز فرمایا اور وہ حکیم ہے: یعنی اس نے دین اور دنیا کے تمام معاملات کی محکم تدبیر کی ہے اور تمام چیزوں کو حکمت اور مصلحت کے تقاضوں کے موافق بنایا ہے اور فرمایا وہ خبیر ہے یعنی وہ تمام ظاہری اور باطنی اور کھلی ہوئی اور ڈھکی ہوئی چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی اور آسمان....... سے اترنے اور اس کی طرف چڑھنے والی چیزیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو علم ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے اور وہی رحم فرمانے والا' بے حد بخشنے والا ہے O (سبا ۲)

اس آیت میں "یلج" فرمایا ہے' یہ لفظ ولوج سے بنا ہے' ولوج کا معنی ہے تنگ جگہ میں داخل ہونا' اس سے پہلی آیت کے آخر میں فرمایا تھا وہ خبیر ہے یعنی ہر ظاہر اور باطن کی خبر رکھنے والا ہے' وہ جانتا ہے کہ زمین میں کیا چیزیں داخل کی جاتی ہیں اور کیا چیزیں زمین سے نکلتی ہیں' زمین میں بیج داخل کیے جاتے ہیں پھر زمین سے کونپلیں پھوٹ کر نکلتی ہیں' بارش کے قطرات زمین میں داخل ہوتے ہیں پھر وہ چشموں اور آبشاروں کی صورت میں زمین سے نکل آتے ہیں' خزانے اور دفینے' اور حشرات الارض زمین سے نکلتے ہیں' زمین میں مردوں کو دفن کیا جاتا ہے اور وہ آخرت میں زمین سے نکل آئیں گے' اسی طرح انسان کی کھال کی زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے' جو فاسد اور صالح غذا اور حلال اور حرام طعام جس کو وہ کھاتا ہے وہ سب اس کے علم میں ہے اسی طرح اس کی کھال سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے۔

اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں' مثلاً فرشتے' آسمانی کتابیں' تقدیریں' بندوں کے رزق اور برکتیں' بارشیں' برف' اولے' شبنم اور بجلیاں آسمان سے نازل ہوتی ہیں' اسی طرح دلوں پر روحانی فیوض اور الہامات ربانیہ نازل ہوتے ہیں اور فرشتے' پاک روحیں' دعائیں اور بندوں کے نیک اعمال اور بخارات اور دھوئیں وغیرہ اوپر چڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ کہیے کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی' اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں' اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے' خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی O تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے مغفرت ہے اور معزز روزی ہے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے O (سبا: ۵-۳)

وقوع قیامت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا تھا اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شرک' کفر اور برے اعمال پر آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے' اور توحید و رسالت پر ایمان لانے اور نیک کام کرنے پر آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت دیتے تھے' یہ سن کر کفار مکہ کہتے تھے ہم پر قیامت نہیں آئے گی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے تین دلیلوں سے قیامت کے آنے کو ثابت فرمایا:

(۱) کفار مکہ آپ کو صادق مانتے تھے اور الصادق الامین کہتے تھے اور آپ نے قسم کھا کر فرمایا: مجھے اپنے رب کی قسم ہے وہ ضرور آئے گی' اور الصادق الامین قسم کھا کر جو بات کہے وہ غلط نہیں ہو سکتی۔

(۲) کفار قیامت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں گے اور ان کے اجسام گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر ہوا ان ذرات کو اڑا کر دوسری جگہوں پر لے جائے گی اور یہ ذرات دوسرے اجسام کے ذرات سے مل کر خلط ملط ہو جائیں گے تو پھر یہ کیسے متعین ہو گا کہ یہ ذرہ فلاں جسم کا ہے اور یہ ذرہ فلاں جسم کا ہے' پھر یہ بکھرے ہوئے اور منتشر ذرات دوبارہ کس طرح جمع ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ عالم الغیب ہے اور اس سے اس جہان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے مختلط اور منتشر ذرات کو ایک دوسرے ممیز اور ممتاز کر کے ایک قالب میں جمع کر دینا اس پر بالکل مشکل اور دشوار نہیں ہے۔

(۳) اور دوسری آیت سبا: ۴ میں فرمایا (قیامت اس لیے ضرور آئے گی) تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' اور تیسری آیت سبا: ۵ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اور سزا کا نظام قائم فرمائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ایک شخص دوسرے پر مسلسل ظلم کرتا رہتا ہے اور اس کو اس کے ظلم کرنے پر کوئی سزا نہیں ملتی اور دوسرے کو ظلم سہنے پر کوئی جزا نہیں ملتی' پس اگر ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ اس دار دنیا کے بعد کوئی دار آخرت ہو جہاں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا دی جائے۔

رزق کریم کا معنی

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جزاء میں دو چیزوں کو ذکر فرمایا ہے مغفرت اور رزق کریم یعنی معزز روزی' مغفرت کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ مومنین صالحین سے بھی کچھ خطائیں اور تقصیرات ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور مغفرت کی نوید سنائی' اور انہوں نے جو نیک کام کیے ہیں ان کی جزاء کے طور پر انہیں رزق کریم کی بشارت دی' اور رزق کریم اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ان کو جو رزق دیا تھا اس میں ان کی محنت اور مشقت کی کلفت تھی' اور آخرت کا رزق کریم ہے وہ معزز روزی ہے اس میں کوئی کلفت اور تلخی نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کے رزق دو قسم کے ہیں ایک دوزخیوں کا رزق ہے جس میں **شجرۃ الزقوم** (تھوہر کا درخت) ہے' اور **الحمیم** (گرم پانی) ہے اور دوسرا جنتیوں کا رزق ہے جس میں پھل اور میوے ہیں اور شراب طہور ہے اور یہی رزق کریم ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔ (سبا: ۵)

یعنی جو کفار ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو باطل کہتے ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے' اللہ تعالیٰ ان کے متعلق عذاب کی وعید فرماتا ہے کہ ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل علم کو معلوم ہے کہ جو کلام آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہی برحق ہے اور وہی اس کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو غالب ہے (اور) تعریف کیا ہوا ہے O اور کافروں نے کہا ہم ایسے مرد کی طرف

تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم از سرِ نو پیدا کیے جاؤ گے O (سبا: ۷-۶)

اہل علم کا مصداق

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار اور مشرکین قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کو باطل کہتے ہیں' اور چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لیے اب ان کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا ذکر فرمایا اور ان کو اہل علم سے تعبیر فرمایا جو قرآن مجید کو برحق اور وحی الٰہی قرار دیتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اہل علم سے مراد علماء اہل کتاب ہیں' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما وغیرہ' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام مسلمان مرد مراد ہیں' بعض مفسرین نے کہا اس سے علماء اہل کتاب کو مراد لینا صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ مکی سورت ہے اور وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں اوتوا العلم یعنی اہل علم کا لفظ ہے اور وہ عام ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس سے امت کے تمام اہل علم مراد لیے جائیں۔

اس کے بعد فرمایا: کیا ہم ایسے مرد کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم از سرِ نو پیدا کیے جاؤ گے O (سبا: ۷)

جز لایتجزیٰ کے ثبوت پر دلیل

یعنی جب تم اپنی قبروں میں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جاؤ گے تو پھر تم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا' ان کا یہ قول ان کے انکار کی شدت کی بناء پر ان سے صادر ہوا اور انہوں نے بہ طور طنز اور استہزاء کے یہ بات کہی تھی۔

مزق کے معنی ہیں کسی چیز کا پھٹنا' ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور منقسم ہونا' متکلمین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جز لا یتجزیٰ برحق ہے' جز لایتجزیٰ کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی پوری پوری اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ اس کے بعد خارج میں اس کی مزید تقسیم نہ ہو سکے' اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے' اگر اس جز کی مزید تقسیم ہو سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مکمل ریزہ ریزہ نہیں ہوا اور جب یہ کہا کہ وہ مکمل ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کی کل اقسام کر دی گئیں تو اس کا یہ معنی ہے کہ اس کی مزید تقسیم نہیں ہو سکتی' اگر یہ کہا جائے کہ اس کی وہمی اور عقلی تقسیم تو پھر بھی ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہمی اور عقلی تقسیم تو کہیں نہیں رکتی لیکن خارج میں اس کی تقسیم کہیں نہ کہیں ضرور ٹھہرے گی' جیسا کہ علامہ میبذی نے کہا ہے کہ اجزاء ذی مقراطیسیہ غیر منقسم ہیں کیونکہ وہ اس قدر سخت ہیں کہ کٹ نہیں سکتے اور اس قدر چھوٹے ہیں کہ ٹوٹ نہیں سکتے اس لیے ہو سکتا ہے کہ جسم ان ہی اجزاء سے مرکب ہو اور وہی غیر منقسم اجزاء فصل اور وصل کو قبول کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ہے یا اس کو جنون ہے! بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہیں O پس کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں O (سبا: ۹-۸)

صدق اور کذب کی صحیح تعریفات اور نظام اور جاحظ کی تعریفات پر تبصرہ

اس آیت میں کذب اور افتراء کے الفاظ ہیں' افترا کا معنی ہے از خود کسی کے متعلق جھوٹی باتیں کہنا اور کذب کا لفظ عام ہے' از خود کسی کے متعلق جھوٹی بات کہے یا کسی سے سن کر اس کے متعلق جھوٹی بات کہے' اور اس کے بعد جنون کا ذکر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے صدق اور کذب کی تعریفات اور اس میں مذاہب بیان کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے کذب

کے محال ہونے پر دلیل اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ذکر کریں گے اور آخر میں جنون کا معنی بیان کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق:

کلام میں جو نسبت خبر یہ ہوتی ہے اس نسبت سے قطع نظر خارج اور واقع میں بھی نسبت ہوتی ہے اس کو نسبت خارجیہ کہتے ہیں کلام کی نسبت کو حکایت اور واقع اور خارج کی نسبت کو محکی عنہ کہتے ہیں' اگر کلام کی نسبت اور حکایت کا واقع کی نسبت اور محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے اور واقع میں حکایت محکی عنہ کے مطابق بھی ہو تو یہ کلام صادق ہوگا' جیسے کوئی شخص کہے کہ زید قائم ہے یعنی کھڑا ہوا ہے' اور واقع میں زید قائم بھی ہو تو یہ کلام صادق ہے' اور اگر حکایت کے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے اور واقعہ میں حکایت محکی عنہ کے مطابق نہ ہو مثلاً کوئی شخص کہے کہ زید قائم ہے اور زید قائم نہ ہو تو یہ کلام کاذب ہے' اور اگر نسبت کلامیہ کے نسبت خارجیہ سے مطابقت کا قصد نہ کیا جائے تو پھر یہ کلام صادق ہے نہ کاذب ہے' جیسے نحو کے معلم پڑھاتے وقت زید قائم کہتے ہیں اور کسی نسبت خارجیہ سے مطابقت کا قصد نہیں کرتے۔

نظام معتزلی نے یہ کہا کہ خبر صادق وہ ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو خواہ اس کا اعتقاد خطاء ہو اور خبر کاذب وہ ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو' اس نے اپنے موقف پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون: ۱)

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو علم ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔

نظام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اس لیے جھوٹا فرمایا کہ ان کا آپ کو رسول اللہ کہنا ان کے اعتقاد کے مطابق نہ تھا' اگر چہ واقع کے مطابق تھا اس سے معلوم ہوا کہ خبر صادق وہ ہوتی ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو' اور ان کے اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو جھوٹا فرمایا ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس خبر دینے میں جھوٹے ہیں بلکہ اس کا معنی ہے وہ گواہی دینے میں جھوٹے ہیں' یا اپنی اس خبر کو گواہی کہنے میں جھوٹے ہیں کیونکہ گواہی صمیم قلب سے ہوتی ہے اور وہ صرف زبان سے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور دل سے انکار کرتے تھے۔

جاحظ نے یہ کہا کہ خبر صادق وہ ہوتی ہے جو واقع اور اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق ہو اور خبر کاذب وہ ہوتی ہے جو واقع اور اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق نہ ہو' اور اس تعریف کی بناء پر خبر صادق اور خبر کاذب میں ایک واسطہ نکل آئے گا کیونکہ اگر خبر واقع کے مطابق ہو اور اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہو یا اعتقاد مخبر کے مطابق ہو اور واقع کے مطابق نہ ہو تو پھر یہ خبر صادق ہوگی اور نہ کاذب۔ اور ایسی خبر جو صادق ہو نہ کاذب ہو اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ (سبا: ۸)

اس شخص نے اللہ پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا اس کو جنون ہے۔

جاحظ کہتا ہے کہ ام بہ جنۃ سے مراد خبر صادق نہیں ہے کیونکہ کفار آپ کو صادق نہیں مانتے تھے اور اس سے مراد خبر کاذب بھی نہیں ہے کیونکہ خبر کاذب کا ذکر تو پہلی قسم میں آ چکا ہے اور اقسام متقابل اور متضاد ہوتی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ام بہ جنۃ سے مراد یہ ہے کہ یا اس شخص نے افتراء نہیں کیا کیونکہ افتراء عمداً جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں اور مجنون افتراء نہیں کر سکتا' پس افتراء عمداً جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں اور مجنون کسی چیز کا قصد نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس شخص

نے افتراء کیا ہے یا افتراء نہیں کیا' گویا کفار نے آپ کی خبر کو کاذب قرار دے کر اس کی دو قسمیں کر دی تھیں عمداً جھوٹی خبر اور بلا عمد جھوٹی خبر۔ (مختصر معانی ص ۳۳۔۳۹ ملخصاً' میر محمد کتب خانہ' کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے اور صدق واجب ہے کیونکہ صدق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا. (النساء: ۸۷) اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو؟

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا. (النساء: ۱۲۲) اور کون ہے جس کا قول اللہ سے زیادہ سچا ہو؟

مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے' کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا واجب بالذات ہونا چاہیے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہوگا۔

(نور العرفان حاشیۃ القرآن ص ۱۴۴' ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

نیز قرآن مجید سے واضح ہو گیا کہ صدق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں اور کذب صدق کا عدم ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کو کاذب فرض کیا جائے تو وہ صادق نہیں ہوگا اور صدق جا نہیں سکتا تو کذب آ نہیں سکتا' اور جس چیز کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے پس جب صدق کا قدم ثابت ہے تو اس کا عدم ممتنع ہو گیا اور کذب صدق کا عدم ہے تو کذب ممتنع ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر اعتراضات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے ممتنع بالذات ہونے پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی دو قسمیں ہیں کلام لفظی اور کلام نفسی' معترض کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت قدیم ہے وہ کلام نفسی ہے اور ہم کلام نفسی میں امکان کذب نہیں مانتے' ہم امکان کذب کلام لفظی میں مانتے ہیں اور کلام لفظی حادث اور ممکن ہے اور ممکن کا عدم بھی ممکن ہے لہٰذا جب اللہ کے کلام صادق کا عدم ممکن ہوا تو کذب ممکن ہو گیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کلام لفظی کے عدم کے ممکن ہونے کا معنی یہ ہے کہ سرے سے وہ کلام لفظی نہ ہو یا کلام لفظی تو ہو مگر صادق نہ ہو اور یہ مخالف کا مطلوب نہیں ہے' مخالف کا مطلوب یہ ہے کہ کلام لفظی ہو اور کاذب ہو اور کلام لفظی کے ممکن ہونے سے اس خاص معنی کا ثبوت لازم نہیں آتا بلکہ ایک عام معنی کا ثبوت لازم آتا ہے یعنی سرے سے کلام لفظی صادق نہ ہو یا کلام لفظی تو ہو مگر کاذب ہو پس کلام لفظی کے ممکن ہونے سے جو چیز لازم آ رہی ہے وہ عام ہے اور معترض اور مخالف کا مطلوب خاص ہے اور عام خاص کو مستلزم نہیں ہوتا پس اللہ کے کلام لفظی میں بھی کذب کا امکان ثابت نہیں ہوا۔ وللہ الحمد

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مثلاً دس بجے زید قائم یعنی کھڑا ہوا ہے اب اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا ممکن ہے کہ زید قائم ہے اور گیارہ بجے زید قائم نہیں ہے' مثلاً وہ بیٹھ گیا ہے' اب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ زید قائم ہے یا نہیں' اگر اب اس کے لیے یہ کہنا ممکن ہے تو یہ کذب ہے' سو اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہو گیا اور اگر اب اس کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ زید قائم ہے تو جو چیز پہلے ممکن تھی وہ اب محال ہو گئی' حالانکہ جو چیز ممکن ہو وہ ہمیشہ ممکن رہتی ہے کبھی محال نہیں ہوتی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ گیارہ بجے جب زید قائم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جب زید قائم کہے گا تو کسی محکی عنہ سے

مطابقت کا قصد کرے گا دس بجے والے محکی عنہ سے جب زید قائم تھا یا گیارہ بجے والے محکی عنہ سے جب زید قائم نہیں ہے اگر وہ دس بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کر کے کہتا ہے تو یہ کہنا ممکن ہے اور یہ کلام واقع کے مطابق ہے اور صادق ہے اور اگر گیارہ بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کرے تو یہ کلام کاذب ہے اور محال ہے اور یہ کہنا درست نہیں کہ جو پہلے ممکن تھا وہ اب محال ہو گیا' کیونکہ پہلے دس بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کے قصد سے زید قائم ہے کہنا ممکن تھا اور یہ گیارہ بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کے قصد سے کہنا ہے' سو جو کہنا ممکن ہے وہ صادق ہے اور جو کہنا کاذب ہے وہ ممکن نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کسی محکی عنہ سے مطابقت کا قصد نہیں کرتا تو پھر یہ کلام صادق ہو گا نہ کاذب' کیونکہ صدق اور کذب کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ کسی محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے۔

جنون کا لغوی اور اصطلاحی معنی

کذب اور افتراء کے بعد اس آیت میں دوسرا اہم لفظ جنون ہے' اس لیے اب ہم جنون کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کر رہے ہیں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کے نفس اور اس کی عقل کے درمیان جو کیفیت حائل ہو جاتی ہے' اس کو جنون کہتے ہیں۔

(المفردات ج۱ ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

جنون کی تعریف ہے عقل کا زائل ہو جانا' یا عقل میں ایسے خلل کا واقع ہو جانا جس کی بناء پر اقوال اور افعال بہت کم عقل کے تقاضے کے مطابق صادر ہوں۔ (دستور العلماء ج۱ ص ۲۸۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تلویح میں مذکور ہے: اچھے اور برے کاموں میں تمیز کرنے والی قوت اور کسی کام کے نتیجہ کے ادراک کرنے والی قوت میں خلل واقع ہو جانے کو جنون کہتے ہیں' بایں طور کہ عقل کے آثار ظاہر نہ ہوں اور اس کے افعال معطل ہو جائیں اس کا سبب یا تو قدرتی طور پر اس کے دماغ میں نقصان اور کمی ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے اس کا دماغ اعتدال پر نہ رہا ہو' یا شیطان کا اس پر غلبہ ہو اور اس نے اس کے ذہن میں ایسے فاسد خیالات ڈال دیئے ہوں جن کی بناء پر وہ بغیر کسی سبب کے ہنستا ہو اور خوش ہوتا ہو یا ڈرتا ہو اور گھبراتا ہو۔ (رد المحتار ج۴ ص ۳۳۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کے بعد فرمایا: پس کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں' یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں O (سبا: ۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جو ذات آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس پر بھی ضرور قادر ہے کہ ان لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس پر قادر ہے کہ بہت جلد ان کے اوپر عذاب لے آئے' کیونکہ تمام آسمان اور زمینیں اس کی ملکیت میں ہیں اور وہ کفار کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں تو ان کو اس بات کا ڈر اور خوف کیوں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے جس طرح قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا' یا اللہ تعالیٰ ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔ اور ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اس کے لیے اس میں اللہ کی

قدرت پر بہت دلائل ہیں۔

اس آیت میں آسمان کے ٹکڑے گرانے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آسمان ٹھوس جسم ہے' اس کے ٹکڑے گرائے جا سکتے ہیں' اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آسمان ہوائے کثیف کے کسی طبقہ یا محض حد نگاہ کا نام ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ

اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا' اے پہاڑو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو (تم بھی)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَ

اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب انداز ے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور

اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ

تم نیک عمل کرتے رہو' بے شک میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ

صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ

دیا اور ہم نے بعض جنات ان کے تابع کر دیئے تھے وہ اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے (اور ہم نے فرما دیا

عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ

تھا کہ) اور جو ان میں سے ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O سلیمان جو

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ

کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے' قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب' اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں'

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْرُ ۝۱۳

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو' اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ

پس جب ہم نے ان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے (دیمک)

الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ

نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تو تب جنات پر یہ بات

لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے ○

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ

بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ

اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' (سبا) پاکیزہ شہر ہے اور رب

غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ

بہت بخشنے والا ہے ○ پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا' پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے

بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بد ذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے

قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

بہت کم درخت تھے ○ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں ○

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً

اور ہم نے ان لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنا دیں'

وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں' تم اس میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو ○

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ

پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو

أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

داستانیں بنا دیا اور ہم نے ان کے مکمل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں

صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوهُ

اور نہایت شکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور بے شک ابلیس نے ان کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا تو

إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

مومنوں کی ایک جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی کی O اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَ

نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور

ع ۲ ۱۲ ۸ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾ ع

ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں' اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا' اے پہاڑو تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو (تم بھی) اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب اندازے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور تم نیک عمل کرتے رہو میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O (سبا ۱۱-۱۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل

کفار مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایک نئی اور انوکھی چیز سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پہلی بار نبی بن کر نہیں آئے ہیں' ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ دنیا میں نبیوں اور رسولوں کو معجزات اور دلائل کے ساتھ بھیجتا رہا ہے' سو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ فضل کے معنی زیادتی ہیں' سو اس آیت کا خلاصہ ہے ہم نے حضرت داؤد کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت زیادہ معجزات اور کمالات عطا فرمائے ہیں خواہ وہ بنو اسرائیل کے انبیاء ہوں یا دوسری امتوں کے' اور حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ فضائل عطا فرمائے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل فضائل دوسرے نبیوں کی بہ نسبت زیادہ عطا فرمائے:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا بے شک ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں پر فضیلت عطا

دَاوٗدَ زَبُوْرًا. (بنی اسرائیل:۵۵) فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وافر علم عطا فرمایا' جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. (النمل:۱۵) بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو وافر علم عطا فرمایا۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی قوت عطا فرمائی:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ (ص:۱۷) اور آپ ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بہت قوت والے تھے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔

(۴) پہاڑوں کو اور پرندوں کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا:

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ. (سبا:۱۰) اے پہاڑو تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو۔

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلافت عطا فرمائی:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ. (ص:۲۶) اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنادیا۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا روئی کی طرح نرم کر دیا تھا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ. (سبا:۱۰) اور ہم نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت خوب صورت اور روشن آنکھوں والا بنایا اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا' اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی' پھر وہ سب روحیں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی' پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے' کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے میرے رب! میری عمر سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۸۷' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۱۴)

(۸) حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت شیریں اور سریلی آواز والا بنایا تھا' ان کی آواز کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابو موسیٰ تم کو آل داؤد کی مزامیر (بانسریوں) میں سے ایک مزمار (بانسری) دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۸۳)

مزمار کا معنی خوش آوازی ہے اور قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کو بہ کثرت علماء نے مستحسن قرار دیا ہے۔

اوّبی کا معنی

اس آیت میں اوّبی کا لفظ ہے' اوب کا معنی رجوع کرنا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے انه اواب (ص:۱۷) وہ

بہت رجوع کرنے والے ہیں او یہاں اوّبی کا معنی ہے تم تسبیح کرو' کیونکہ تسبیح کرنے والا بھی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے' اس آیت میں پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ساتھ ادب کریں' اور چونکہ ایک اور آیت میں ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اس لیے یہاں بھی ادب کا معنی تسبیح کرنا ہے' اور وہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ. (ص:۱۸) بے شک ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ صبح اور شام کو تسبیح کریں۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت ابن عباس' عبد الرحمان' اور ابو میسرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اوّبی کا معنی ہے تم تسبیح کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۸۸۸ ج ۶ ص ۳۴۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب آپ اللہ کی تسبیح کرتے تو پہاڑ اور پرندے سب مل کر آپ کے ساتھ تسبیح کرتے' اس چیز کو اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد کے اوپر اپنا فضل فرما رہا ہے' اس تسبیح سے مراد وہ عام تسبیح نہیں ہے جو ہر چیز اپنی زبان حال و قال سے کرتی ہے اور نہ اس سے صدائے بازگشت مراد ہے' ورنہ اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت سے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا آہن گر ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا لوہا ان کے سامنے موم کی طرح ہو جاتا تھا' حسن نے کہا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر نرم کر کے اس سے زرہ بنا لیتے تھے' مقاتل نے کہا وہ دن کے ایک حصہ یا رات کے ایک حصہ میں زرہ بنا لیتے تھے۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت داؤد علیہ السلام بنو اسرائیل کے ملک کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو ایک فرشتہ ان کو انسان کے بھیس میں ملا' ادھر حضرت داؤد بھی رات کو بھیس بدل کر بنی اسرائیل سے اپنی ذات اور اپنی سیرت کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے' حضرت داؤد نے اس فرشتہ سے پوچھا جو انسان کے پیکر میں تھا کہ داؤد بادشاہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس فرشتے نے کہا' اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی تو وہ اچھا آدمی تھا' حضرت داؤد نے پوچھا وہ کون سی خصلت ہے؟ اس فرشتے نے کہا وہ بیت المال سے رزق کھاتا ہے' اگر وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزق کھاتا تو اس کے فضائل مکمل ہو جاتے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی صنعت سکھا دے اور اس کو ان کے لیے آسان کر دے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ. (الانبیاء: ۸۰) اور ہم نے ان کو تمہارے لیے ایسا لباس بنانے کی کاریگری سکھائی جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تو وہ ایک دن میں ایک زرہ بنا لیتے تھے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کے پاس بہت زیادہ مال جمع ہو گیا اور ان کی معیشت بہت وسیع ہو گئی' وہ اس مال کو فقراء اور مساکین پر صدقہ کرتے تھے اور اس میں سے ایک تہائی مال لوگوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس روایت کو امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ‘ علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۷۲‘ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۴۱‘ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۸ھ)

جائز پیشوں کی فضیلت اور بعض پیشوں کو برا جاننے کی مذمت

اس آیت میں صنعت اور پیشوں کے سیکھنے اور رزق حلال حاصل کرنے کی فضیلت ہے‘ اور کسی صنعت و حرفت کے سیکھنے سے کسی شخص کی عزت کم نہیں ہوتی‘ بلکہ اس سے اس کی عزت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے‘ کیونکہ اس سے اس شخص میں تواضع اور انکسار پیدا ہوتا ہے‘ اور دوسروں سے استغناء ہوتا ہے اور جس کسب حلال میں دوسروں کا احسان نہ ہو اس میں انسان کی خودداری قائم رہتی ہے اور اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے — خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ہمارے زمانہ میں بعض پیشوں کو نیچ اور حقیر سمجھا جاتا ہے‘ مثلاً جوتی مرمت کرنے والے کو حقارت سے موچی کہتے ہیں حالانکہ مشہور فقیہ احمد بن عمر خصاف متوفی ۲۶۱ھ جوتی مرمت کرتے تھے خصاف مشہور تھے خصاف کا معنی ہے موچی‘ اور احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ چونے کا کام کرتے تھے‘ جصاص سفیدی کرنے والے کو کہتے ہیں‘ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ ہنڈیا بناتے تھے‘ قدوری کمہار کو کہتے ہیں‘ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کپڑا بنتے تھے‘ غزال جلاہے کو کہتے ہیں‘ امام محمود بن احمد الحصیری التوفی ۶۳۷ھ چٹائیاں بناتے تھے‘ امام ابوبکر بن علی بن محمد الحداد التوفی ۸۰۰ھ لوہار تھے‘ ہمارے زمانہ میں ان تمام پیشوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اسلام کے زرین دور میں یہ علماء اور ائمہ و فقہاء فخر کے ساتھ اپنے آپ کو ان پیشوں کی طرف منسوب کرتے تھے‘ آج کل کسی بینک کے صدر کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کو رشتہ دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مبغوض ہے کیونکہ وہ سود کی شکل میں حرام کھاتا ہے‘ اور سڑک پر جوتی مرمت کرنے والے موچی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس کو رشتہ دینے میں عار سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ معزز ہے اور رزق حلال کھاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی لوہار تھے اور اپنی محنت کی کمائی سے کھاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۳‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۵‘ تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۴۱۴۳‘ ج ۱۹ ص ۶۵)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا‘ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲‘ عالم الکتب بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۔ (سبا: ۱۰) — اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔ (النساء: ۱۱۳) — اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا بہت عظیم معجزہ ہے لیکن لوہا اسباب سے نرم ہو جاتا ہے‘ اور پتھر کسی سبب سے نرم نہیں ہوتا اس کی خلقت میں سختی ہے اس لیے جس شخص کا دل سخت ہو اور اس میں کسی کی محبت نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں‘ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ نے احد پہاڑ میں اپنی محبت پیدا کر دی اور جس کی حقیقت میں

نرمی اور محبت نہیں ہے اس میں اپنی محبت پیدا کر دی آپ کا ارشاد ہے:

هذا جبل يحبنا ونحبه.

یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹)

زرہ بنانے میں مناسب مقدار کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب اندازے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور تم نیک عمل کرتے رہو بے شک میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O (سبا: ۱۱)

سابغات کا معنی ہے: مکمل اور تمام و کمال کو پہنچی ہوئی زرہیں۔

سَرْد کا معنی ہے: کسی کام کا لگاتار ہونا اور سَرْد کا معنی زرہ کی کڑیاں جوڑنا۔

اس آیت میں فرمایا ہے مناسب انداز سے اس کی کڑیاں جوڑیں' آیت کے اس حصہ کے حسب ذیل محامل ہیں۔

(۱) قتادہ نے کہا اس سے پہلے زرہ صرف پتروں کی شکل میں ہوتی تھی اور وزنی اور بوجھل ہو جاتی تھی اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ مناسب مقدار میں زرہ بنائیں جو بوجھل ہو اور نہ بہت ہلکی ہو۔

(۲) ابن زید نے کہا آپ زرہ کے حلقے مناسب مقدار میں بنائیں' وہ حلقے نہ بہت تنگ ہوں کہ زرہ سے دفاع نہ ہو سکے اور نہ بہت کھلے کھلے ہوں کہ پہننے والے کو مشکل ہو۔

(۳) حضرت ابن عباس نے فرمایا مناسب مقدار کا تعلق کیلوں کے ساتھ ہے یعنی وہ کیلیں نہ بہت پتلی ہوں کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ بہت موٹی ہوں کہ ان سے حلقہ ٹوٹ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا' اور ہم نے بعض جنات ان کے تابع کر دیئے تھے' وہ اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے (اور ہم نے فرما دیا تھا کہ) اور جو ان میں سے ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا' ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے' قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں' اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو' اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O پس جب ہم نے ان کے اوپر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے دیمک نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنات پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے O (سبا: ۱۴-۱۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خصوصی فضائل

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دی ہوئی فضیلتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اب جو آیات آ رہی ہیں ان میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی ہوئی فضیلتوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس کا ربط پہلی آیتوں سے اس طرح ہے کہ بیٹے کے فضائل بھی در اصل اس کے باپ کے فضائل ہی ہوتے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر بیٹھتے تھے تو ان کے ارد گرد چار سو کرسیاں ہوتی تھیں' جن پر آگے معزز انسان بیٹھتے تھے اور ان کے پیچھے عام انسان بیٹھتے تھے' اور ان کے بعد

جنات میں سے سردار بیٹھتے تھے' پھر ان کے بعد عام جن بیٹھتے تھے اور ہر کرسی کے اوپر ایک پرندہ ہوتا تھا جنات کے سپرد کوئی ڈیوٹی ہوتی تھی' پھر ہوا اس تخت کو اٹھا لیتی تھی اور پرندے ان پر سایا کرتے تھے' صبح کو وہ بیت المقدس سے اصطخر (شیراز سے بارہ فرخ دور ایک اہم شہر) کی طرف جاتے تھے' ابن زید نے کہا وہ شام سے عراق کی طرف جاتے تھے' اور بھی روایات ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۴۲' دارالفکر' ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے تابع کر دیا تھا وہ ایک ماہ کی مسافت صبح کی سیر میں اور ایک ماہ کی مسافت شام کی سیر میں طے کر لیتی تھی' وہ دمشق سے حضرت سلیمان کے تخت کو مع ساز و سامان اڑاتی اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیتی' اسی طرح شام کو دمشق سے کابل پہنچا دیتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تانبے کو پانی بنا کر اس کے چشمے رواں کر دیئے تھے کہ اس سے وہ جو چیز بنانا چاہیں آسانی سے بنالیں' جنات کو حضرت سلیمان کا ماتحت کر دیا تھا وہ ان سے جس طرح چاہتے تھے کام لیتے تھے اور جو جن ان کے کام سے جی چراتا فوراً آگ میں جھلسا دیا جاتا۔ امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ان جنات کی ہے جن کے پر ہوتے ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں' دوسری قسم وہ ہے جس میں سانپ اور کتے ہوتے ہیں' جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور سفر کرتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب حدیث ہے (مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ روایت نہیں ہے) ابن انعم نے تیسری قسم میں ان جنات کا ذکر کیا ہے جن کو ثواب اور عذاب ہوتا ہے' بکر نے بیان کیا ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوگی' دوسری قسم جانوروں سے زیادہ گم راہ ہے تیسری قسم ہے وہ ہے جو انسانوں کی شکلوں میں ہیں اور ان کے دل شیاطین کی طرح ہیں' حسن بصری نے کہا جنات ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں ان دونوں قسموں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی اور عذاب اور ثواب میں شریک ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے تھے ہوا ان کو وہاں لے جاتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو دیکھنا چاہتے تھے وہ چیز خود آپ کے سامنے آجاتی تھی جیسا کہ جب مشرکین نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے متعلق سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے بیت المقدس رکھ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳)

محراب کے داخل مسجد ہونے کی تحقیق

اس آیت میں ذکر ہے کہ وہ محاریب اور تماثیل بناتے تھے' محاریب سے مراد ہے بلند اور حسین عمارت' قتادہ نے کہا اس سے مراد محلات اور مساجد ہیں ابن زید نے کہا اس سے مراد گھر ہیں۔

مسجد کی محراب کے متعلق یہ بحث کی جاتی ہے کہ یہ مسجد میں داخل ہے یا مسجد سے خارج ہے اس میں تحقیق یہ ہے کہ مسجد بنانے والا مسجد بناتے وقت جس جگہ کو مسجد میں داخل رکھے گا وہ مسجد میں داخل ہوگی اور جس جگہ کو مسجد سے خارج رکھے گا وہ مسجد سے خارج ہوگی' اور جب مسجد بنائی جاتی ہے تو تعمیر کرنے والے یہ قصد نہیں کرتے کہ محراب کو مسجد سے خارج رکھا جائے گا' بلکہ مسجد کی محراب اسلامی طرز تعمیر کا شعار اور اس کی خصوصیت ہے۔ البتہ امام کو نماز میں پیر محراب سے خارج رکھنے چاہئیں تاکہ عبادت میں امام کی مخصوص جگہ کا وہم نہ ہو اور نصاریٰ کے ساتھ تشبہ نہ ہو' محراب اس لیے بنائی جاتی ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو سکے پس حقیقی محراب مسجد کا وسط ہے اور یہ مخصوص ساخت عرفی محراب ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام اور مقتدی میں مکان (جگہ) کا اختلاف نماز کے جواز سے مانع ہے اور اگر جگہ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ کراہت کا موجب ہے اس لیے اگر امام محراب میں کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے ہر چند کہ عادت مستمرہ (دائمہ) یہ ہے کہ محراب مسجد میں داخل ہے لیکن اس کی مخصوص ہیئت اور صورت جگہ میں اختلاف کے شبہ کی موجب ہے اس لیے اگر امام کے پیر محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے اور اگر پیر محراب سے باہر ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی دائمی عادت یہ ہے کہ محراب مسجد میں داخل ہوتی ہے تاہم اگر امام کے پیر محراب میں داخل ہوں تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام کی الگ اور ممتاز جگہ ہے اور یہ اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے اس لیے امام کے پیر محراب سے باہر ہونے چاہئیں اور اگر اس کے پیر محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ابن الانباری کہتے ہیں کہ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں امام اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت) علامہ ابن منظور افریقی نے لکھا کہ محاریب سے مراد جائے صدور ہے اسی سے محراب مسجد ہے اسی سے یمن میں غمدان کے محراب اور محراب قبلہ ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۳۰۵ دار صادر بیروت)

خلاصۃ الوفاء کے باب چہارم کی آٹھویں فصل میں فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو مسجد میں کنگرے اور محراب نہ تھے سب سے پہلے محراب اور کنگرے بنانے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اسی کی دوسری فصل میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین کے دور میں محراب نہ تھا امارت ولید بن عبد الملک میں عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت) حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے ایک کنارے کھڑے ہوتے تھے اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۱ مصر)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلو میں قیام فرماتے تھے کیونکہ اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۸۹ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

(فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۷ ص ۳۳۷-۳۳۵ ملخصاً رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۵ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

مسجد کا محراب بھی اس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے یہ امام ابوحنیفہ سے ہے ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ محراب مجالس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح مساجد کے محراب ہیں۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۳۰۵ ملخصاً)

محراب طاق وغیرہ کی صورت کا نام نہیں بلکہ ۸۸ھ سے پہلے مساجد قدیمہ میں اس کا وجود نہ ہوتا تھا سب سے افضل مسجد حرام اس سے اب تک خالی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات خلفاء راشدین امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کے دور میں مسجد نبوی میں صورت محراب نہ تھی بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی نے اپنے دور امارت میں محراب بنایا اور یہ تسلیم ہے کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پر علامت کے طور پر محراب کا ہونا بہتر ہے خصوصاً بڑی مساجد میں تاکہ ہر دفعہ غور وفکر نہ کرنا پڑے اور رات کو بغیر روشنی کے امام کو پایا جا سکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی وجہ سے مقتدیوں کو وسعت بھی مل

جاتی ہے تو جب محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کا رواج ہو گیا اور تمام بلاد اسلامیہ میں یہ معروف ہوا۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۳۴۵۔۳۴۴ ملخصاً' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۵ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
علامہ شامی لکھتے ہیں: محراب کا مقصد یہ ہے کہ وہ قیام امام کی علامت ہو' تا کہ اس کا قیام صف کے درمیان ہو' یہ مقصد نہیں کہ امام محراب کے اندر کھڑا ہو محراب اگرچہ مسجد کا حصہ ہے لیکن ایک دوسرے مقام کے مشابہ ہے لہٰذا اس کے اندر کھڑے ہونے سے کراہت ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۳۵۰' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۵ھ)
مفتی وقارالدین متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: محراب مسجد میں داخل ہے۔
(وقار الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵۶' بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۱۹ھ)

محراب کے بدعت ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس جگہ لکھا ہے: اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں' ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۶۸) میں کہتا ہوں کہ اس قاعدہ کا اطلاق ان تمام امور پر کرنا چاہیے جن میں مکتب فکر بریلی اور مکتب فکر دیوبند کا اختلاف ہے' مثلاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس پر انگوٹھے چومنا' اذان سے قبل یا بعد فصل کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا' محفل میلاد منعقد کرنا' وغیرھا' علماء اہل سنت ان امور کو جائز اور مستحب ہی کہتے ہیں' سنت مقصودہ یا سنت لازمہ نہیں کہتے' لہٰذا اس مذکورہ قاعدہ کے مطابق علماء دیوبند کو ان امور کے ارتکاب پر بدعت کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

تصویروں کا شرعی حکم

تماثیل کا معنی ہے' صورتیں اور مجسمے' مجاہد نے کہا یہ پیتل کے مجسمے تھے' ضحاک نے کہا یہ مٹی اور شیشے کے مجسمے تھے' اسلام میں مجسموں کا بنانا اور ان کو رکھنا جائز نہیں ہے' صرف چھوٹی بچیوں کے لیے گڑیاں کھیلنے کا جواز ہے' اور تصاویر کا بنانا بھی جائز نہیں ہے خواہ وہ تصاویر ہاتھ سے پینٹنگ کے ذریعہ بنائی جائیں یا کیمرے کا فوٹو گراف ہو یا وڈیو کیمرے کی تصاویر ہوں یا سینما کی تصویر ہوں۔
بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیمرے کی تصاویر بھی آئینہ کے عکس کی طرح ہیں اس لیے ان کو بھی جائز ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ آئینہ میں عکس ناپائیدار ہوتا ہے جب کہ کیمرے کے ذریعہ اس تصویر کو اپنے اختیار سے قائم اور پائیدار کر لیا جاتا ہے لہٰذا کیمرے کے فوٹو گراف کو آئینہ کے عکس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم نے تبیان القرآن کی آٹھویں جلد میں النمل: ۶۰ کی تفسیر میں ذکر کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جفان' الجواب' قدور اور راسیات کے معانی

اس کے بعد اس آیت میں جفان' الجواب' قدور اور راسیات کے الفاظ ہیں:
جفان: جفنۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ناند' لگن یا ٹب ہے' یہ ٹب اس لیے بنوائے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج تھی اس کو کھانا کھلانے کے لیے اس میں کھانا ڈال کر ان کو پیش کیا جائے۔
الجواب جابیۃ کی جمع ہے اس کا معنی بہت بڑا حوض یا تالاب ہے' یہاں مراد یہ ہے کہ وہ ٹب بہت بڑے حوض کی مانند

تھے۔

قدور: قدر کی جمع ہے اس کا معنی ہے ہانڈی یا دیگ۔

راسیات: یہ راسیۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ چیز جو کسی چیز پر قائم ہو اور اس پر رکھی ہوئی ہو یہاں مراد یہ ہے کہ وہ دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کے بعد فرمایا: اے آل داؤد تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

آل داؤد کو شکر کرنے کا حکم

شکر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور چالیس احادیث ہم تفصیل سے ابراہیم: ۷ میں بیان کر چکے ہیں۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے' آپ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا: جس شخص کو تین نعمتیں دی گئیں اس کو آل داؤد کی مثل نعمتیں دی گئیں' ہم نے پوچھا وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا رضا اور غضب کی حالت میں عدل کرنا' اور فقر اور غنا میں درمیانہ روی قائم رکھنا' اور تنہائی اور مجلس میں اللہ سے ڈرنا۔ (نوادر الاصول ج ۲ ص ۷' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ)

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میں تیری نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی طاقت کس طرح رکھ سکتا ہوں! کیونکہ شکر ادا کرنے کا باعث دل میں ڈالنا اور تیرے شکر ادا کرنے کی قدرت بھی تیری دی ہوئی نعمت ہے' فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا۔

نعمت کا اعتراف کرنا اور اس نعمت کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا شکر کی حقیقت ہے اور نعمت کا انکار کرنا اور اس نعمت کو اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا کفران نعمت اور شکر کی ضد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے' حضرت عائشہ نے آپ سے کہا آپ اس قدر مشقت اٹھا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دیئے ہیں' آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۲۰)

ظاہر قرآن اور سنت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نیک عمل اور عبادت کر کے شکر ادا کرے اور صرف زبان سے نعمت کا شکر ادا نہ کرے' تاہم زبان سے نعمت کا اعتراف کرنا زبان کا عمل ہے لیکن صرف اس پر اقتصار نہ کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا طاری ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جب ہم نے ان کے اوپر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے (دیمک) نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنات پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔ (سبا: ۱۴)

''منساۃ'' کا معنی ہے عصا اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

علامہ ابو اسحاق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو عبد اللہ القرطبی المتوفی ۶۶۸ھ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا بیان ہے اور یہ بھی بتایا کہ جو جنات حضرت سلیمان کے حکم سے کام

کرتے تھے ان پر آپ کی موت ایک سال تک مخفی رہی اس سے ان جنات کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان کو غیب کا علم نہیں ہے اور لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا ورنہ وہ ایک سال تک کام کرنے کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگا ہوا دیکھتے' آپ اس سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے وہ اپنا نام بتاتا' پھر آپ اس سے پوچھتے تم کس مقصد کے لیے ہو اگر تم اگانے کے لیے ہو تو میں تمہیں اگاؤں اور اگر تم دواء کے لیے ہو تو میں لکھ لوں' ایک درخت نے آپ کے سوال پر کہا میں اس گھر کو ویران اور کھنڈر بنانے کے لیے ہوں' حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! جنات کو میری موت سے ناواقف رکھ' حتیٰ کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا' پھر آپ عصا کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اسی حال میں آپ پر موت آ گئی' اور ایک سال تک اسی حال میں بے جان عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اسی طرح کام میں مشغول رہے' ادھر دیمک اس عصا کو کھاتا رہا' اور انسانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک کام کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۲۱۹۷۶)

اہل تاریخ نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ترپن سال تھی اور ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور جس وقت وہ تخت سلطنت پر بیٹھے تو ان کی عمر تیرہ سال تھی' اور اپنی وفات سے چار سال پہلے انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تھی۔ (الکشف والبیان ج۸ص۸۱-۷۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص۲۵۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' تفسیر ابن کثیر ج۳ص۵۸۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بیت المقدس بنالیا تو انہوں نے اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا' انہوں نے اللہ عزوجل سے ایک سوال یہ کیا کہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہو' سو ان کا یہ سوال پورا کر دیا گیا' انہوں نے اللہ عزوجل سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اللہ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو' ان کا یہ سوال بھی پورا کر دیا گیا' اور جب وہ مسجد بنانے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اللہ عزوجل سے تیسرا سوال یہ کیا کہ جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز پڑھنے کے لیے آئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے جس طرح جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۶۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۰۸)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اور وفات کے بعد ان کا قبروں سے نکلنا

حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے اور اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی گئی اور ایک سال تک جن اور انسان یہی گمان کرتے رہے کہ آپ زندہ ہیں' آپ کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور نہ چہرے کی آب و تاب اور رعب و جلال میں کوئی فرق آیا' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور موت سے ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور ان کی حیات اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا' باقی رہا یہ کہ وہ عصا کے سہارے کھڑے تھے اور جب دیمک نے ان کے عصا کو کھالیا تو وہ زمین پر آ رہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجہیز و تکفین کرانی تھی اور ان کی تدفین کرانی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ امور کیسے واقع ہوتے' انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے نکل کر زمین و آسمان کی اطراف میں آتے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزرے تو آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی ثنیہ (گھاٹی) سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ (اللھم لبیک) پڑھ رہے تھے پھر آپ ایک گھاٹی ھرشیٰ پر آئے' آپ نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ھرشیٰ گھاٹی ہے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک طاقت ور سرخ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کعبہ کے پاس گندمی رنگ کا ایک شخص دیکھا جس کے بال سیدھے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ عیسیٰ بن مریم یا مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۱' الرقم المسلسل:۴۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' سبا پاکیزہ شہر ہے اور رب بہت بخشنے والا ہے O پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بدذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے بہت کم درخت تھے O یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں O (سبا:۱۷۔۱۵)

قوم سبا کی خوش حالی اور بدحالی

سبا یمن کا ایک علاقہ ہے' جو صنعاء اور حضرموت کے درمیان ہے' اس کا مرکزی شہر مآرب تھا' اس علاقے کو سبا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی ایک شاخ آباد تھی۔

قوم سبا یمن میں رہتی تھی' قوم تبع بھی ان ہی میں سے تھی' بلقیس بھی یہیں کی رہنے والی تھیں' یہاں کے لوگ بہت نعمتوں اور راحتوں میں تھے' اللہ کے رسول ان کے پاس آئے اور ان کو شکر کرنے کی تلقین کی اور ان کو یہ دعوت دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانیں' اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقے بتائے' جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ اسی طرح رہتے رہے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر بہت تند و تیز سیلاب آیا جس سے تمام باغات' کھیت اور ملک برباد ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سبا کوئی مرد ہے یا کوئی عورت ہے یا کسی ملک کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا سبا ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے' ان میں سے چھ یمن میں چلے گئے تھے اور چار شام میں۔

(مسند احمد ج ۱ص ۳۱۶ طبع قدیم' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۹۰۰' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

امام احمد نے متعدد اسانید کے ساتھ اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔

ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے' اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے' قدیم بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا' دریا کی دونوں جانب باغ اور کھیت اگا دیئے گئے تھے' پانی کی کثرت اور زرخیز زمین ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہت سرسبز رہا

کرتا تھا' قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے سر پر ٹوکرا رکھ کر نکلتی تو کچھ دور جانے کے بعد وہ ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا' درختوں سے اتنا زیادہ پھل گرتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی' مآرب میں ایک دیوار تھی جو صنعاء سے تین منزل پر تھی اور سد مآرب کے نام سے مشہور تھی' وہاں زہریلے جانور اور مکھی اور مچھر بھی نہیں ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ کی یہ تمام نعمتیں اس لیے تھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے پر برقرار رہیں اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کریں یہ اس نشانی کی تفصیل ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا' اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔

روایت ہے کہ ان کے پاس بارہ یا تیرہ رسول آئے تھے' آخر کار ان کے کفر اور ان کی سرکشی کا وبال ان پر آیا' انہوں نے دریا پر جو بند باندھ رکھا تھا وہ ٹوٹ گیا اور دریا چشموں اور بارش کے نالوں کا تمام پانی ان کے باغات اور کھیتوں کو بہا کر لے گیا' اس کے بعد اس زمین میں کوئی پھل دار درخت اگ نہ سکا' پیلو کے جھاڑ' کیکر کے درخت اور اسی طرح کے بے میوہ' بے مزہ اور بد ذائقہ درخت اگتے تھے البتہ کچھ بیری کے درخت اگ آئے تھے جو ان درختوں کی بہ نسبت کار آمد تھے' یہ ان کے کفر' شرک' سرکشی اور تکبر کی سزا تھی اور کافروں کو اسی طرح کی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۴_۵۸۲ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنا دیں' اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقرر کر دیں' تم ان میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو○ پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو داستانیں بنا دیا اور ہم نے ان کے مکمل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں اور نہایت شکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں○ (سبا: ۱۹_۱۸)

اہل سبا کی ناشکری اور اس کا انجام

اس سے پہلے کی آیتوں میں اہل سبا کی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا کہ ان کو سرسبز باغات اور لہلہاتے ہوئے کھیت عطا فرمائے تھے اور اس قوم کے لیے کھانے پینے کی فراوانی تھی' ان آیتوں میں ان کو دی ہوئی ایک اور نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی بستیاں اور آبادیاں قریب قریب تھیں' کسی مسافر کو اپنے سفر کے لیے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی' اس کی ہر منزل پر کوئی نہ کوئی آبادی اور بستی ہوتی تھی وہاں اس کو تازہ پھل اور میٹھا پانی مل جاتا تھا۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ یہ بستیاں یمن اور شام کے درمیان تھیں اور جن بستیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو برکت دی تھی وہ بستیاں شام' اردن اور فلسطین کی بستیاں تھیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں اور ان بستیوں کے درختوں' کھیتوں اور غلے اور پھلوں میں برکت دی گئی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد یہ ہو کہ ان بستیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی' وہ بستیاں نمایاں تھیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بستیاں راستے سے متصل تھیں' وہ صبح کو ایک بستی میں ہوتے تھے اور شام کو دوسری بستی میں ہوتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ ہر میل کے بعد ایک بستی آ جاتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ پر امن راستے تھے' حسن بصری نے کہا ایک عورت اپنے ساتھ سوت کاتنے کا چرخا لے کر جاتی اور اس کے سر پر ٹوکرا ہوتا تھا اور اس کا ٹوکرا مختلف قسموں کے پھلوں سے بھر جاتا تھا شام اور یمن کے درمیان سفر میں اسی طرح ہوتا تھا۔

اور فرمایا: اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں' یعنی جن بستیوں میں ہم نے برکت دی تھی ان میں ہم نے ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف اور ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف منازل سفر کو مقرر کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ دوپہر کے وقت ایک بستی میں آرام کرتے اور شام کے وقت دوسری بستی میں نیند کرتے تھے' اور انسان بغیر آرام اور کھانے پینے کے لمبا سفر اس لیے کرتا ہے کہ اس کو دوران سفر کھانے پینے کی چیزیں میسر نہیں ہوتیں اور سفر پرخطر ہوتا ہے اور جب اس کو کھانے پینے کی چیزیں میسر ہوں اور راستہ پرامن ہو تو وہ مشقت نہیں اٹھاتا اور جہاں چاہتا ہے راستہ میں قیام کر لیتا ہے' اس لیے فرمایا تم ان میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو۔

اس کے بعد فرمایا: پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اترانے اور اکڑنے لگے اور اس امن اور عافیت پر انہوں نے قناعت نہیں کی' تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ ان کی منازل سفر دور دور ہو جائیں اور انہیں سفر کرنے میں مشقت اٹھانے کا مزا بھی آئے' جیسے اللہ نے میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر جنت کے کھانوں میں سے من اور سلویٰ نازل کیا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے زمین میں پیدا ہونے والی سبزیوں کو طلب کیا' اعلیٰ چیزوں کے بدلہ میں ادنیٰ چیزوں کو مانگا تھا اسی طرح ان لوگوں نے آرام اور عافیت کے بدلہ میں تھکاوٹ اور مشقت والے سفر کو طلب کیا اور یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' اور جب انہوں نے ناشکری کر کے اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کے کفر اور ظلم کی وجہ سے ان کو پارینہ داستانیں بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے حتیٰ کے عرب کے لوگ راتوں کو ان کے قصے اور کہانیاں سناتے تھے اور جو لوگ گناہوں سے رک کر اپنی خواہشوں پر صبر کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرتے ہوں ان کے لیے اس واقعہ میں نشانی اور عبرت ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۸۵۔۸۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۶ ملتقطاً وملخصاً' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ابلیس نے ان کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا تو مومنوں کی ایک جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی کی O اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں' اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے O (سبا: ۲۱۔۲۰)

شیطان کے پیروکاروں کا اس کی پیش گوئی کو سچ کر دکھانا

اس آیت میں ولقد صدق کی قرأت میں اختلاف ہے' عاصم' حمزہ اور کسائی نے صدق کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے' ظنہ میں نون کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ وہ صدق کا مفعول ہے' اب معنی ہوگا اور بے شک ابلیس نے اہل سبا کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا اور باقی قراء نے اس کو صدق پڑھا ہے' دال کی تشدید کے بغیر' اور ظنہ میں نون کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اہل سبا کے متعلق ابلیس کا گمان سچا ہو گیا۔

(اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر ص ۴۶۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں قراءات معروف اور متقارب المعنی ہیں' کیونکہ بنو آدم میں سے کفار کے متعلق ابلیس کا گمان سچا تھا اور بنو آدم میں سے کافروں نے بھی اس کے گمان کو سچ کر دکھایا' جب اس نے یہ کہا تھا:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ — پھر میں ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے

اَیۡمَانِہِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ ○ (الاعراف: ۱۷)

سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے ضرور آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔

اور اس نے کہا تھا:

وَلَاُضِلَّنَّہُمۡ وَلَاُمَنِّیَنَّہُمۡ . (النساء: ۱۱۹)

اور میں ان کو ضرور بہ ضرور گمراہ کر دوں گا اور میں ضرور بہ ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈال دوں گا۔

اللہ کے دشمن ابلیس نے کسی علم کی بناء پر یہ پیش گوئی نہیں کی تھی' بلکہ یہ اس کا گمان تھا اور اس کے پیروکاروں نے اس کی پیروی کر کے اس کے گمان کو سچا کر دکھایا' ابلیس نے اہل سبا کے متعلق یہ گمان کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کر کے اس کی پیروی کریں گے' سو انہوں نے ابلیس کی پیروی کر کے اس کے گمان کو سچ کر دکھایا' مومنوں کی ایک جماعت کے سوا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت پر ثابت قدم اور برقرار رہے اور انہوں نے ابلیس لعنہ اللہ کی معصیت کی جیسا کہ شیطان نے خود اس کا اعتراف اور اقرار کیا تھا:

قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ○ (بنی اسرائیل: ۶۲)

ابلیس نے کہا تو دیکھ لے! یہ آدم جس کو تو نے مجھ پر ترجیح اور عزت دی اگر تو نے مجھ کو قیامت تک کی مہلت دی تو میں چند لوگوں کے سوا اس کی تمام اولاد کو اپنا تابع بنا لوں گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ○ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ○ (الحجر: ۴۰-۳۹)

ابلیس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے' مجھے بھی قسم ہے کہ میں ضرور بہ ضرور ان کے لیے زمین میں گناہوں کو مزین کر دوں گا اور میں ان سب کو ضرور بہ ضرور گمراہ کر دوں گا سوا ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا تھا کہ میرے خاص اور مخلص بندوں پر تیرا داؤ نہیں چل سکے گا۔

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ○ (الحجر: ۴۲)

بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہو گا سوا گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔

سبا: ۲۱ میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے ربط اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اشکال کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا۔ یعنی ابلیس نے ان سے زبردستی کفر صادر نہیں کرایا تھا اس کا کام صرف برے کاموں کو خوش نما بنا کر پیش کرنا اور ان کی طرف رغبت دلانا اور ان کی دعوت دینا تھا' سلطان کا معنی تسلط اور قوت ہے' اور اس کا معنی حجت اور دلیل بھی ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ایسی قوت اور دلیل نہیں دی جس کی بناء پر وہ انسان کے اعضاء پر متصرف ہو کر ان کی مرضی کے خلاف ان سے کوئی کام کرا سکے۔ اس آیت سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ انسان پر جن چڑھ جاتا ہے اور جن اس شخص کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے ہاتھوں اور پیروں پر متصرف ہوتا ہے ہاتھ اور پیر انسان کے ہوتے ہیں اور ان سے جن کے تصرفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں۔ (سبا: ۲۱) ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں استثناء منقطع ہے' اور اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: اور ابلیس کو ان پر کوئی غلبہ نہ تھا مگر تا کہ ہم اس شخص کو جان لیں جو آخرت پر ایمان لاتا ہے' اس شخص سے جو آخرت

کے متعلق شک میں ہے'اس آیت پر دو اشکال ہوتے ہیں' ایک یہ کہ اس آیت میں بہ ظاہر مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں ربط نہیں ہے' اس کی توجیہ میں بعض مفسرین نے کہا یہ مستثنیٰ منقطع ہے' دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہ تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون نہیں' ابلیس نے لوگوں کو گم راہ کیا تو اس کو پتا چلا ہم نے اپنے ترجمہ میں ان دونوں اشکالوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے پہلے دیگر تراجم پڑھیں پھر ہمارا ترجمہ پڑھیں۔

شیخ محمود حسن دیو بندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کر لیں ہم اس کو جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف سے دھوکے میں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور شیطان کا ان پر کچھ قابو نہ تھا' مگر اس لیے کہ ہم دکھا دیں کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغوا ہے) بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اس لیے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے۔

اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور شیطان کو ان پر کوئی غلبہ نہ تھا لیکن اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو ممتاز کر دیں جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں ان لوگوں سے جو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں۔

علامہ قرطبی نے اس اشکال کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں:

(۱) تاکہ ہم جان لیں اس سے مراد علم شہادت ہے جس پر ثواب اور عقاب مرتب ہوتا ہے اور رہا علم غیب تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو معلوم ہے۔

(۲) فراء نے کہا اس کا معنی ہے تاکہ تمہارے نزدیک ہمیں معلوم ہو۔

(۳) شیطان کو ان پر کوئی تسلط نہ تھا لیکن ہم نے شیطان کو ان پر اس لیے مسلط کیا تاکہ ابتلاء مکمل ہو۔

(۴) ہمارے علم ازلی میں شیطان کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر یہ اس لیے ہوا تا کہ ہم ظاہر کریں۔

(۵) مگر یہ اس لیے ہوا تا کہ تم کو معلوم ہو جائے۔

(۶) اس میں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے تا کہ اللہ کے رسول کو معلوم ہو جائے یا اللہ کے اولیاء کو معلوم ہو جائے۔

(۷) یہ اس لیے ہوا تا کہ اللہ آخرت پر ایمان لانے والوں کو دوسروں سے ممتاز کر دے۔

نیز فرمایا: اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے اس لیے وہ بندوں کو جزا اور سزا دیتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ

آپ کہیے تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے تھے' وہ نہ آسمانوں

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ

میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی

شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ

حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ شفاعت

اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ

کرنے کی اجازت دے گا' حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو (طالبین شفاعت ان

قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ

سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے O آپ کہیے

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ

کہ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے؟ آپ کہیے کہ اللہ! (اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا

پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں O آپ کہیے اگر (بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا

وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا O آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ

حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے O آپ کہیے تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی

بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

جن کو تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں! بلکہ صرف اللہ ہی ہے، بہت غلبہ، بہت حکمت والا O اور ہم نے آپ کو

كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

(قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ

وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ O آپ کہیے تمہارے لیے

ع ۹ ۳ النصف يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی مؤخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے تھے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو وہ (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند، بہت بڑا ہے O (سبا: ۲۳-۲۲)

اللہ تعالیٰ کا مستحق عبادت ہونا

یعنی اس سے پہلے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اور اہل سبا کا قصہ جو بیان فرمایا ہے اس میں میری قدرت کے بعض آثار کا ذکر ہے سوائے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آپ ان مشرکین سے کہیے کہ جن چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے کیا تمہارے خود ساختہ معبودوں کو ان چیزوں میں سے کسی چیز پر قدرت ہے۔ اس خطاب میں مشرکین کو زجر و توبیخ اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے کہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی چیز نہ دے تو تمہارے یہ معبود تمہیں وہ چیز دے دیں گے اور اگر اللہ تمہیں کوئی عذاب دے گا تو تمہارے یہ معبود تمہیں اس عذاب سے چھڑا لیں گے سو تمہارا یہ عقیدہ فاسد اور باطل ہے کیونکہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی چیز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اعانت کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی منفرد اور یکتا ہے، سو وہی تمام لوگوں کی عبادتوں کا مستحق ہے اور اس کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل اور عبث ہے۔

سبا: ۲۳ میں فرشتوں کے دلوں پر جو ہیبت طاری ہونے کا ذکر ہے....... اس کا تعلق آیا دنیا سے ہے یا آخرت سے؟

اس کے بعد فرمایا: اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو وہ (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابواسحاق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' امام ابوالفرج ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کو دنیا کے احوال پر محمول کیا ہے کہ دنیا میں آسمانوں پر جو فرشتے موجود ہیں ان میں سے جب اوپر کے آسمان والے فرشتوں پر وحی نازل ہوتی ہے تو ان سے نیچے کے آسمان پر جو فرشتے ہیں وہ اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہتے ہیں کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے' اور انہوں نے حسب ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارتے ہیں اور وہ اس کے قول کی آواز اس طرح سنتے ہیں جیسے کسی صاف پتھر پر زنجیر کو مارا جائے' پھر اللہ تعالیٰ اپنا ارشاد فرشتوں تک پہنچا دیتا ہے' پھر جب فرشتوں کے دلوں سے اللہ کے کلام کی ہیبت اور اس کا خوف دور ہو جاتا ہے تو نیچے والے فرشتے اوپر والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ ان سے کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے' پھر اس کو وہ سنتے ہیں جو سنی ہوئی باتوں کو چراتے ہیں اور سنی ہوئی باتوں کو چرانے والے ایک دوسرے کے اوپر تلے ہیں ایک کے اوپر ایک راوی سفیان نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک رکھ کر دکھایا' پھر ان باتوں کو چرانے والے اپنے نیچے والوں کو وہ باتیں بتاتے ہیں پھر وہ ان کے نیچے والوں کو بتاتے ہیں' پھر وہ کسی ساحر یا کاہن کو وہ باتیں بتا دیتے ہیں اور بعض اوقات انہیں بتانے سے پہلے آگ کا شعلہ ان کو پکڑ لیتا ہے' اور بعض اوقات آگ کے شعلے کے پکڑنے سے پہلے وہ ان کو باتیں پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ ساحر یا کاہن ان سنی ہوئی باتوں کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں' پھر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں دن اس نے اس اس طرح نہیں کہا تھا اور اس نے آسمان سے جو بات چرا کر سنی تھی اس کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۰-۴۷۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۵)

ہر چند کہ اکابر مفسرین نے اس آیت کو اس حدیث پر محمول کیا ہے' لیکن اس حدیث میں اس طرح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہے' اس حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ شفاعت کرنے سے انہیں کو فائدہ ہو گا جن کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی' اور اس آیت کا ظاہر محمل یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کے طالبین فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کو طلب کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کا مدعا عرض کریں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان سے ان طالبین شفاعت کے متعلق کلام فرمائے گا تو اس کے کلام کا رعب اور جلال ان کے دلوں پر چھا جائے گا اور وہ گھبرا جائیں گے' اور جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہوگی تو طالبین شفاعت ان سے پوچھیں گے آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے اس نے حق فرمایا ہے اور وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے۔

اور رہی مذکور الصدر حدیث تو اس کا محمل یہ آیت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ لوگ آپ سے شہاب ثاقب

کے متعلق پوچھتے تھے کہ اس کا کیا سبب ہے تو آپ نے اس کا سبب بیان فرمایا اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جو روشن ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم زمانہ جاہلیت میں اس طرح کی چیزیں دیکھتے تھے تو تم ان کو کیا کہتے تھے' صحابہ نے کہا ہم کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ستارہ نہ کسی کی موت کی بناء پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات کی بناء پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اس کی تسبیح کرتے ہیں' پھر عرش کے قریب جو آسمان ہے اس کے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں' پھر وہ تسبیح کرتے ہیں جو اس آسمان کے قریب ہیں حتیٰ کہ وہ تسبیح اس آسمان کے فرشتوں تک پہنچتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین ان سنی ہوئی باتوں کو جھپٹ کر لے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دلوں میں ان باتوں کو ڈال دیتے ہیں' پھر وہ ان سنی ہوئی باتوں کے مطابق جو بات کہتے ہیں وہ سچی نکلتی ہے' لیکن وہ ان سنی ہوئی باتوں میں تحریف اور زیادتی کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۳۸)

کفار کے لیے شفاعت نہ ہونے کی دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار کے معبود اللہ تعالیٰ کے حضور کفار کی شفاعت نہیں کر سکیں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اس دلیل سے بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کو بھی شفاعت سے جب نفع حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دے گا' اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام شفاعت کریں گے اور یہ ظاہر ہے کہ ان کو کفار کے لیے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ (النباء: ۳۸)

جس دن جبریل اور سب فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور صرف وہی شخص کلام کر سکے گا جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے صحیح بات کہی ہوگی۔

اور کفار کے لیے شفاعت کرنا صحت اور صواب سے بہت دور ہے' اور جب انبیاء اور ملائکہ کو کفار کے لیے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بتوں کو ان کے لیے شفاعت کی اجازت دینا تو بہت دور کی بات ہے' پس دلیل سے واضح ہو گیا کہ کفار کے لیے کسی کا بھی شفاعت کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے؟ آپ کہیے کہ اللہ! (اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں! ۝ آپ کہیے اگر (بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا ۝ آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا' وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۝ آپ کہیے تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز نہیں بلکہ صرف اللہ ہی ہے بہت غلبہ بہت حکمت والا ۝ (سبا: ۲۷-۲۴)

موحد اور مشرک میں کون بہتر ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مشرکین کو ساکت کرنے کے لیے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رازقیت کا اقرار

کرانے کے لیے کہیے کہ بتاؤ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے' تا کہ اس سے یہ اقرار بھی کرالیا جائے کہ ان کے خود ساختہ معبود آسمانوں اور زمینوں میں ذرہ برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں' اور چونکہ آپ کے اس سوال کا صرف یہی جواب ہوسکتا تھا کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اس لیے فرمایا آپ کہیے کہ اللہ۔

اس کے بعد فرمایا: (آپ کہیے کہ اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گم راہی میں !O یعنی ہم موحدین کی جماعت ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور تم مشرکین کا فرقہ ہو جو پتھر کے بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا مانتے ہیں اور دونوں کے متضاد عقائد ہیں لہٰذا دونوں تو سچے نہیں ہو سکتے' ضرور ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر ہے' ایک ہدایت پر ہوگا اور دوسرا گمراہ ہوگا' اور یہ ظاہر ہے کہ وہی گمراہ ہے جو بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا کہتا ہے' جن کا آسمان اور زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے' وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کسی چیز کو اگا سکتے ہیں اس لیے موحد ہی حق پر ہیں نہ کہ مشرک۔

سبا:۲۴ کے حکم کا منسوخ ہونا

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے اگر بالفرض ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا' اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا۔ (سبا:۲۴)

یہ جدل اور مناظرہ سے بہت بعید اور انتہائی منصفانہ کلام ہے کیونکہ اس میں موحدین کی جماعت کی طرف جرائم کو منسوب کیا ہے' خواہ وہ ایسے امور ہوں جن میں خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہو' یا صغائر کا ہو یا ان زلات کا ارتکاب ہو جن سے کوئی مومن خالی نہیں ہوتا اور مخالفین اور مشرکین کی طرف مطلق اعمال کو منسوب کیا ہے خواہ وہ کفر ہو یا گناہ کبیرہ ہو۔

یہ آیت اس کی مثل ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ. (الکفرون:۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

اور ان دونوں آیتوں کا حکم جہاد کی آیات سے منسوخ ہو چکا ہے۔

فتاح اور علیم کا معنی

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا' پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ (سبا:۲۵)

یعنی ہمارا رب قیامت کے بعد حشر اور حساب کے لیے ہم کو جمع فرمائے گا' اور جب ہمارا اور تمہارا حال کھل جائے گا اور سب کے اعمال نامے پیش کر دیئے جائیں گے تو پھر وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ہمیں اور دیگر مسلمانوں کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور تمہیں اور دیگر کفار کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا' اس کے بعد فرمایا اور وہ الفتاح العلیم ہے۔

فتاح اس حاکم کو کہتے ہیں جو مغلق' مشکل اور بہ ظاہر سمجھ میں نہ آنے والے مقدمات کا فیصلہ کرے اور علیم سے مراد وہ ہے جو ہر چیز کو جاننے والا ہو اور اس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔

علامہ الزروقی نے کہا دنیاوی اور اخروی معاملات کی تنگی اور سختی میں جو شخص اپنے فضل سے وسعت' کشادگی اور خیر عطا فرمائے وہ الفتاح ہے۔

امام غزالی نے کہا الفتاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر بند معاملہ کھل جائے اور جس کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جائے' وہ کبھی انبیاء علیہم السلام کے لیے دشمن کے قبضہ سے ملکوں کو نکال کر ان کو عطا کرتا ہے اور فرماتا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ . (الفتح: ۲-۱)

ہم نے آپ کو کھلی ہوئی روشن فتح عطا فرمائی' تاکہ اللہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف کر دے۔

اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا دیتا ہے اور ان کے لیے اپنی کبریائی کے جمال اور اپنی صفات کی معرفت کے ابواب کو کھول دیتا ہے' اور فرماتا ہے:

مَّا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (فاطر ۲)

اللہ جس رحمت کو لوگوں کے لیے کھول دے' اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور جس کو وہ روک لے تو اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہی غلبہ والا' حکمت والا ہے۔

اس لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے اور اس کا ذکر کرتا رہے حتیٰ کہ اس کی تمام دینی اور دنیاوی مشکلات حل ہو جائیں۔

اور علیم' عالم کا مبالغہ ہے' عالم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ساتھ علم قائم ہو اور عرف میں عالم اس شخص کو کہتے ہیں' جو قرآن اور سنت کی معرفت رکھتا ہو' اور بہ راہ راست آیات اور احادیث کا ترجمہ کر سکے اور بہ قدر ضرورت احکام شرعیہ کو جانتا ہو اور اس سے دین اور دنیا سے متعلق جس مسئلہ کا شرعی حال معلوم کیا جائے وہ بتا سکے' اور وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو اور وہ شخص لوگوں سے مستغنی رہے اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ (سبا: ۲۷)

یعنی تم مجھے بتاؤ کہ جن بتوں کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے' وہ کس چیز کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں' مجھے وہ چیزیں دکھاؤ جو انہوں نے پیدا کی ہیں' ورنہ تم پھر کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟

ہرگز نہیں واقعہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تمہارا فاسد زعم ہے' بلکہ صرف اللہ ہی ہے بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۝ وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ ۝ آپ کہیے تمہارے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے' جس سے تم ایک گھڑی موخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے ۝ (سبا: ۳۰-۲۸)

کافۃ کا معنی

سبا: ۲۸ میں کافۃ کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الکف انسان کی ہتھیلی کو کہتے ہیں جس کو انسان پھیلاتا ہے اور سکیڑتا ہے' کففتہ کا معنی ہے میں نے اس کو اپنی ہتھیلی سے روکا اور دور کیا' مکفوف اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بینائی روک لی گئی ہو۔ اس آیت (سبا: ۲۸) میں کافۃ کا معنی ہے لوگوں کو گناہوں سے روکنے والا' اور اس میں تا مبالغہ کے لیے ہے جیسے علامہ میں ہے' قرآن مجید میں ہے قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (التوبہ: ۳۶) اس آیت کا معنی ہے تم مشرکین کو روکتے ہوئے اور ان کو منع کرتے ہوئے قتال کرو جیسا کہ وہ تمہیں روکتے ہوئے اور منع کرتے ہوئے قتال کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ تم ان کی پوری جماعت کے ساتھ قتال کرو جیسا

کہ وہ تمہاری پوری جماعت کے ساتھ قتال کرتے ہیں کیونکہ جماعت کو بھی الکافۃ کہتے ہیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۵۵۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:
کافۃ کا معنی ہے عامۃ' یعنی ہم نے آپ کو عام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے' زجاج نے کہا الکافۃ کا معنی ہے الجامع یعنی ہم نے آپ کو ڈرانے اور تبلیغ میں تمام لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بھیجا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے منع کرنے والا' یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ تمام لوگوں کو کفر سے منع کریں اور اسلام کی دعوت دیں۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۷۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تمام مخلوق کے لیے آپ کی رسالت پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا ہے اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا. (الفرقان:۱)
وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر الفرقان کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اور ایک اور آیت میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (الانبیاء:۱۰۷)
اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

ان مقدم الذکر آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رسول ہیں اور اس عموم کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے نبیوں میں کسی کو نہیں دی گئیں (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے (۲) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا گیا ہے' میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) اور پہلے نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں (۵) اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۳۲)

اس حدیث کو امام مسلم نے دوسری جگہ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

وارسلت الی الخلق کافۃ.
اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔
(صحیح مسلم کتاب المساجد:۵' رقم الحدیث بلا تکرار:۵۲۳' الرقم المسلسل:۱۱۴۷)

اس حدیث میں خلق کا لفظ ہے اور مخلوق کا لفظ انسانوں' جنات' فرشتوں' حیوانات' درختوں اور پتھروں سب کو شامل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ فرشتوں کے بھی رسول ہیں' اور شیخ تقی الدین سبکی نے یہ لکھا ہے کہ آپ حضرت آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام نبیوں اور ان کی امتوں کے رسول ہیں' اور علامہ البارزی نے لکھا ہے کہ آپ تمام حیوانات اور جمادات کے رسول ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ فرماتے ہیں کہ تمام موجودات کے لیے آپ کی بعثت کے عموم پر یہ دلیل ہے کہ آپ

مخلوقات میں سب سے افضل ہیں اسی وجہ سے آپ کی پیدائش پر تمام زمین والوں اور آسمانوں والوں نے خوشی منائی اور پتھروں نے آپ کو سلام عرض کیا سو آپ رحمۃ للعلمین ہیں اور تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

(روح البیان ج ۷ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

الفرقان: امیں ہے کہ آپ العلمین کے لیے نذیر ہیں اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک العلمین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے انسان اور جنات ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب کی طرف مبعوث ہونا ضروریات دین سے ہے' اور اس کا منکر کافر ہے' اور علامہ سبکی اور ان کے موافق دیگر محققین کے نزدیک العلمین میں فرشتے بھی داخل ہیں اور انہوں نے اس موقف کے مخالفین کا رد بھی کیا ہے اور بعض محققین نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ عالم اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے ماسوا کو کہتے ہیں لہٰذا العلمین کا لفظ فرشتوں کو بھی شامل ہے' اور علامہ البارزی نے کہا ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جمادات کی طرف بھی مبعوث کیے گئے ہیں اور وہ بھی مدرک ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور آپ نے اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی' باقی رہا یہ کہ فرشتے معصوم ہیں اور جمادات اور نباتات وغیرہ غیر مکلف ہیں تو آپ کو ان کی طرف مبعوث کرنے کا کیا فائدہ ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کسی حکم ترکی یا عمل شرعی کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ان سے صرف یہ مطلوب ہے کہ وہ صرف آپ کی رسالت کی تصدیق کریں' اور آپ کی دعوت اور آپ کے متبعین میں داخل ہوں تا کہ تمام رسولوں پر آپ کا شرف اور امتیاز اور آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہو۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

پتھروں' پہاڑوں درختوں اور جانوروں کا آپ کی رسالت ...... کی تصدیق کرنا اور ہر چیز کا آپ کی رسالت کو پہچاننا

پتھر آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میرے مبعوث ہونے سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل: ا' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۲۷۶' الرقم المسلسل: ۵۸۲۸)

اور پہاڑ اور درخت دونوں کی تصدیق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

اور جانوروں کی تصدیق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک بھیڑیے نے بکری پر حملہ کر کے اس کو پکڑ لیا' اس کے چرواہے نے اس بکری کو بھیڑیے سے چھڑا لیا وہ بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ کر کہنے لگا: اے چرواہے! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو مجھ سے چھین رہے ہو؟ تو اس چرواہے نے کہا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھا ہوا مجھ سے کلام کر رہا ہے' بھیڑیے نے کہا کیا میں تم کو اس سے زیادہ حیرت انگیز بات نہ بتاؤں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب

میں لوگوں کو گزشتہ زمانہ کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔(مسند احمد ج ۳ ص ۸۴ ـ ۸۳ مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۱)
نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس. ہر چیز کو علم ہے کہ میں رسول اللہ ہوں' ماسوا کافر یا فاسق جن اور انس کے۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۲، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴)

اس کے بعد فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہیے تمہارے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی مؤخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے O (سبا: ۳۰)

کفار سے کیے ہوئے معین وقت کے وعدہ کے متعلق اقوال

کفار کہتے تھے کہ آپ نے ہم سے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کب پورا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے تمہارے لیے ایک میعاد مقرر ہے' اس میعاد کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مر کر دوبارہ اٹھنے کا وقت ہے' اور دوسرا قول ہے اس سے مراد موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے' یعنی قیامت سے پہلے تمہارے مرنے کا ایک وقت معین ہے جس میں تم نے لازماً مر جانا ہے' پھر تم کو میرے قول کی حقیقت معلوم ہو جائے گی' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے' کیونکہ اللہ کے حکم میں ان کو دنیا میں یہ عذاب دینے کا وقت مقرر تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ

اور کافروں نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ (ان) کتابوں پر جو اس سے پہلے

يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ

نازل کی گئیں اور کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے (تو آپ ایک

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

عبرت ناک منظر دیکھتے) ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کا رد کر رہا ہو گا' پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے

اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے O اور متکبرین' پس ماندہ

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

لوگوں سے کہیں گے کیا ہدایت کے آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

بلکہ تم خود ہی مجرم تھے O اور پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے

بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ

بلکہ یہ تمہاری دن رات کی سازش تھی جب تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا اور اس کے شریک

اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ

قرار دینے کا حکم دیتے تھے، اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنی ندامت اور پریشانی کا اظہار کریں گے، اور ہم کافروں کی

اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، اور ان کو صرف ان کاموں کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے O

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے امیر لوگوں نے یہی کہا تمہیں جو پیغام دے کر

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ

بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا ہمارے مال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہے،

وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے

ع ۴ ۶ ۱۰ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

اور (جس کے لیے چاہتا ہے) رزق تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ (ان) کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کی گئیں، اور کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے (تو آپ ایک عبرت ناک منظر دیکھتے) ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کا رد کر رہا ہوگا، پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے O اور متکبرین پس ماندہ لوگوں سے کہیں گے کیا ہدایت کے آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم تھے O (سبا: ۳۲-۳۱)

قیامت کے دن متکبر اور پس ماندہ کافروں کا مناظرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مناظرہ کو بیان فرمایا ہے جو متکبر کافروں اور پس ماندہ کافروں کے درمیان ہوگا، کفار قریش کہیں گے، ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یا نہ ان انبیاء پر جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مبعوث کیے گئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ نہ وہ آخرت پر ایمان

لائیں گے۔

ابن جریج نے کہا اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا' ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب نے مشرکین سے کہا ہماری کتاب میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات مذکور ہیں تم ہم سے ان صفات کو پوچھ لو' جب مشرکین نے ان سے سوال کیا تو آپ کی صفات اہل کتاب کی بیان کردہ صفات کے موافق تھیں' تب مشرکین نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کتابوں پر ایمان لائیں گے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یعنی تورات اور انجیل بلکہ ہم سب کا کفر کریں گے' اور اس واقعہ سے پہلے وہ اہل کتاب سے مسائل معلوم کرتے رہتے تھے اور ان کی کتابوں سے استدلال کرتے تھے' اس سے ان کے علم کی کمی' فکر کا تضاد ان کا تعصب اور ان کی ہٹ دھرمی معلوم ہوگئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن میں ان کے حال کو بیان فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ میدان حشر میں اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کو لعنت ملامت کررہے ہوں گے حالانکہ وہ دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور معاون تھے تو اس وقت آپ ایک نہایت عبرت ناک منظر دیکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا مکالمہ اور مناظرہ ذکر فرمایا کہ کمزور' غریب اور پس ماندہ لوگوں نے امراء اور متکبرین سے کہا اگر تم لوگ ہم کو نہ بہکاتے اور نہ گمراہ کرتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔

پھر اس کے بعد امراء اور متکبرین کا جواب ذکر فرمایا: کیا ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا اور کیا ہم نے تم کو اس پر مجبور کیا تھا بلکہ تم خود اپنے شرک اور کفر پر اصرار کررہے تھے اور تم خود ہی مجرم تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے بلکہ یہ تمہاری دن رات کی سازش تھی' جب تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک قرار دینے کا حکم دیتے تھے' اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنی ندامت اور پشیمانی کا اظہار کریں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے اور ان کو صرف ان کاموں کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے O (سبا: ۳۳)

اسروا کا معنی

اس آیت میں اسروا کا لفظ ہے' بعض مترجمین نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اپنی ندامت کو چھپاتے تھے یا دل میں اپنی ندامت کو چھپاتے تھے لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے' کیونکہ ان لوگوں نے تو خود امراء سے یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ ہم کو نہ بہکاتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے' پھر ان کو اپنی ندامت کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے کہا ہے کہ اسرار کا لفظ لغت اضداد سے ہے اس کا معنی چھپانا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۷۲) اسی طرح علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے بھی لکھا ہے کہ اسرار کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۰۲)

علامہ آلوسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علامہ ابن عطیہ اندلسی نے یہ کہا ہے کہ یہ بالکل ثابت نہیں ہے کہ اسرار لغت اضداد سے ہے' بلکہ اسرار باب افعال ہے اور اس کا خاصہ ہے سلب ماخذ اشکیتہ کا معنی ہے میں نے اس کی شکایت زائل کی اسی طرح اسروا الندامۃ کا معنی ہے انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کیا اور اس کا اخفا نہیں کیا۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے امیر لوگوں نے یہی کہا تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا ہمارے مال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہے اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے (اور جس کے

لیے چاہے) رزق تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (سبا: ۳۶-۳۴)

مترفین کا معنی

اس آیت میں مترفوھا کا لفظ ہے' اس کا مصدر اتراف ہے اس کا معنی ہے عیش و آرام دینا اور فراغت کی زندگی دینا' اور مترفین کا معنی ہے عیش پرست لوگ' قتادہ نے کہا یعنی کفار کے سرداروں اور دولت مند لوگوں نے کہا وہ لوگ جو شر کے بانی تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں اموال اور اولاد کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اگر ہمارا رب ہمارے دین اور ہمارے مذہب پر راضی نہ ہوتا تو ہم کو یہ نعمتیں نہ دیتا اور جب وہ ہم سے راضی ہے تو پھر وہ ہم کو عذاب نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا اور اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ کہیے کہ بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) رزق تنگ کر دیتا ہے۔ لہٰذا رزق کی فراوانی اور اولاد کی کثرت آخرت کی سعادت کی دلیل نہیں ہے پس تم رزق کی زیادتی اور اولاد کی کثرت سے یہ گمان نہ کرو کہ تم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں ہاں جو لوگ

زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے دگنا اجر ملے گا

الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ

اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں امن سے رہیں گے O اور جو لوگ

يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ

ہماری آیتوں کے مقابلہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر

مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

کیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَ

کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا اور

هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ

وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے O فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے،

اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ

ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ، بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے

اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے O پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے

نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ

نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے، اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ

الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے O اور جب ان پر ہماری واضح آیات

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

کی تلاوت کی جاتی ہے تو (کفار) کہتے ہیں یہ شخص تو تمہیں صرف اس چیز سے روکنا چاہتا ہے جس کی تمہارے

اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ

باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور انہوں نے کہا یہ (قرآن) صرف من گھڑت بہتان ہے، اور کفار کے پاس

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ

جب حق آیا تو انہوں نے اس کے متعلق کہا یہ محض کھلا ہوا جادو ہے O اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ

ان (کفار قریش) کو (آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں جن کو یہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف

مِنْ نَّذِيْرٍ ۗ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ

کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تھا O اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان

مَآ اٰتَیۡنٰهُمۡ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَكَیۡفَ كَانَ نَكِیۡرِ ﴿۴۵﴾

کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھا!O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں' ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے دگنا اجر ملے گا اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں امن سے رہیں گے O اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر کیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے' تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا' اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O (سبا: ۳۹۔۳۷)

مال اور اولاد کی محض کثرت باعث فخر اور پسندیدہ نہیں

کفار مکہ نے اپنے مال اور اپنی اولاد پر فخر کیا اور یہ سمجھا کہ مال اور اولاد کی کثرت ان کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دے گی' حالانکہ محض مال اور اولاد کی کثرت اللہ تعالیٰ کے تقرب کا سبب نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِیۡنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ (المومنون ۵۵۔۵۶)

کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کے مال اور اولاد کو جو بڑھا رہے ہیں' تو اس سے ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے نہیں ہیں۔

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ O (التوبہ ۵۵)

سو ان کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں' اللہ ہی چاہتا ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور حالت کفر میں ہی ان کی جانیں نکل جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہارے اموال کی طرف لیکن وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۹' مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۹۰۲' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

امام ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ قتادہ نے کہا مال اور اولاد کی زیادتی کو لوگوں کی خیر کا پیمانہ نہ بناؤ' کیونکہ بعض اوقات کافر کو مال دیا جاتا ہے اور مومن کو مال سے محروم رکھا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۷۸۹۸)

طاؤس یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ایمان اور اعمال صالحہ عطا فرما اور مجھے مال اور اولاد سے محفوظ رکھ کیونکہ تو نے فرمایا ہے: اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو مقرب بنا دیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۷۸۹۹)

طاؤس کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مطلقاً مال اور اولاد ناپسندیدہ نہیں ہیں جس مال کو اللہ کی راہ میں اور عبادات میں خرچ کیا جائے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قابل رشک ہے اور جو اولاد نیک ہو وہ ماں باپ کی مغفرت کا ذریعہ ہو جاتی ہے ہاں جس مال کو اللہ کی معصیت میں خرچ کیا جائے وہ مال وبال ہے اور جو اولاد اللہ کی نافرمان ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

نیز فرمایا: اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر کیا جائے گا O اس

سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور رسولوں کی اتباع کرنے سے اور اس کی آیات کی تصدیق کرنے سے منع کرتے ہیں۔

خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے مواضع اور مقامات اور خرچ کرنے کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا: اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O (سبا:۳۹)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! یہ کفار جو اپنے مال و دولت پر غرور کر رہے ہیں ان سے کہیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے وسعت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے‘ سو تم اپنے اموال اور اپنی اولاد پر غرور نہ کرو‘ بلکہ ان کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرو‘ کیونکہ تم جس چیز کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرو گے وہ تم کو اس کا بدل مہیا کر دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۴۲‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۰‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو خرچ کر‘ میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۲‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۳)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان ثواب کی نیت سے اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۱‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۰۲‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۶۰‘ سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا ہو وہ اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو‘ یا رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۳‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۸۲‘ سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۶۹‘ سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۷۷‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۴۰)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ہتھیلی کو بند نہ رکھو ورنہ اللہ بھی اپنے خزانہ کو بند کر لے گا‘ دوسری روایت میں ہے تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۳‘ سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۸‘ مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۴۶۱‘ عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے‘ اور جس چیز کو انسان اپنے آپ پر اور اپنی اہلیہ پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے‘ اور جس چیز کو خرچ کر کے انسان اپنی عزت کو بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے‘ اور انسان جس چیز کو اپنی ضرورت پر خرچ کرتا ہے تو اس کا بدل عطا کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے‘ ماسوا اس کے جو انسان (بلا ضرورت) عمارت پر خرچ کرے یا معصیت پر خرچ کرے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۸ رقم الحدیث:۱۰۱‘ المستدرک ج ۲ ص ۵۰ رقم الحدیث:۲۳۱۱)

انسان جس مال کو معصیت میں خرچ کرتا ہے‘ اس پر اتفاق ہے کہ اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا نہ اس کا بدل ملے گا‘ اور عمارت کا بنانا اگر ضروری ہو مثلاً اس کے پاس رہنے کے لیے محفوظ جگہ نہ ہو تو اس پر خرچ کرنے سے اجر بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ

اس مال کا اس کو بدل بھی عطا کرے گا' کیونکہ ضرورت کی بناء پر مکان بنانے کے جواز کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کے لیے ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے' وہ مکان جس میں وہ رہائش رکھ سکے' اتنا کپڑا جس سے وہ شرم گاہ چھپا سکے' روٹی کا ٹکڑا اور پانی' یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۴۱۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۶۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۷)

نیز فرمایا: اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ رازق رزق دینے والے کو کہتے ہیں' انسان اپنے اہل و عیال کو رزق دیتا ہے اور امیر اپنے لشکر کو رزق دیتا ہے' لیکن مخلوق میں سے جو کسی کو رزق دیتا ہے اس کا مال محدود ہوتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے خزانے لامحدود اور غیر فانی ہیں وہ فنا ہوتے ہیں نہ ختم ہوتے ہیں' اس لیے فرمایا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے' مخلوق اللہ کے پیدا کیے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے مال سے رزق دیتی ہے اور حقیقت میں رازق وہ ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر پیدا کر کے رزق دے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ○ بے شک اللہ ہی سب کو رزق دینے والا اور قوت والا ہے۔

(الذاریات: ۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ○ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے' ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے ○ پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے' اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ○ (سبا: ۴۲۔۴۰)

فرشتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین کا رد

اس سے پہلے فرمایا تھا: کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے [illegible] ہوں گے (سبا: ۳۳) یہ آیت بھی اسی کے ساتھ متصل ہے یعنی اگر اس دن آپ ان سب کو دیکھتے جس دن وہ [illegible] کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے' سو اگر آپ یہ منظر دیکھ لیتے تو بہت دہشت ناک منظر دیکھتے۔ ان آیتوں میں خطاب ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس خطاب میں آپ کی امت بھی شامل ہے یعنی وہ بھی اگر قیامت کے دن یہ منظر دیکھ لیتے تو بہت ہولناک منظر دیکھتے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس دن ہم عابد اور معبود دونوں کو جمع کریں گے' پھر ہم فرشتوں سے کہیں گے کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب فرشتے ان مشرکین کی تکذیب کر دیں گے اور ان کو جھٹلا دیں گے تو اس میں ان کی زیادہ زجر و توبیخ اور زیادہ مذمت ہوگی' فرشتے اپنی برأت کرتے ہوئے کہیں گے تو پاک ہے ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ' یعنی تو ہی ہمارا رب ہے' ہم تجھ سے ہی محبت کرتے ہیں اور اخلاص سے تیری ہی عبادت کرتے ہیں' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے' یعنی ابلیس اور اس کی ذریات کی اطاعت اور عبادت کرتے تھے' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی بنو ملیح یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے' ان کا یہ فاسد زعم تھا کہ ان کو جنات دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان جنات کو فرشتے سمجھتے تھے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ اور ان لوگوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری

الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۵۸) قرار دے رکھی ہے حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ خود اللہ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔

مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتہ ازدواج قائم کیا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ کی بیٹیاں پیدا ہوئیں' اور فرشتے وہی بیٹیاں ہیں' حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات میں سے کافروں کو دوزخ میں کیوں ڈالتا!

پھر اللہ تعالیٰ ان کا مزید رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے' اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ○ (سبا: ۴۲)

یعنی تم میں سے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا نہ کسی کو نجات دلا سکے گا اور نہ کوئی کسی کو عذاب میں مبتلا کر سکے گا' یعنی فرشتے اپنی عبادت کرنے والوں سے ضرر اور عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو (کفار) کہتے ہیں یہ شخص تو تمہیں صرف اس چیز سے روکنا چاہتا ہے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور انہوں نے کہا یہ قرآن صرف من گھڑت بہتان ہے' اور کفار کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے اس کے متعلق کہا یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ○ اور ہم نے ان (کفار قریش) کو (آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں جن کو یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تھا ○ اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے' سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھا! ○ (سبا: ۴۵-۴۳)

انکار وحی کی وجہ سے سابقہ امتوں پر عذاب آنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس کفر اور شرک کو بیان فرما رہا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے' کیونکہ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی واضح آیات تلاوت فرماتے تھے تو وہ ان آیات کو ماننے اور قبول کرنے کے بجائے ان کا انکار کرتے تھے اور استہزاء کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے اور سچے دین سے روک رہا ہے' اور تم کو اپنے باطل نظریات کے ماننے کی دعوت دے رہا ہے' یہ قرآن تو اس کا خود کا بنایا ہوا کلام ہے' یہ اپنی طرف سے کلام بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے' اس کا کلام محض جادو ہے اور اس کا جادو ہونا کوئی مخفی بات نہیں ہے بالکل ظاہر اور بدیہی ہے۔

عرب کے لوگوں پر پہلے آسمانی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا تھا اور یہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی کتاب نازل ہوتی یا ہم میں کوئی اللہ کا رسول آتا تو ہم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اطاعت شعار ہوتے' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو یہ اس کتاب اور اس رسول کا انکار کرنے لگے اور ان کی تکذیب کرنے لگے۔

فرمایا: ان سے پہلی امتوں کا انجام ان کے سامنے ہے ان پر جو عذاب نازل ہوا تھا' پچھلی امتیں قوت اور طاقت اور مال و متاع اور دنیاوی اسباب ان سے زیادہ رکھتے تھے یہ تو ابھی ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے' انہوں نے بھی میرے رسولوں کی تکذیب کی لیکن جب ان لوگوں پر میرا عذاب نازل ہوا تو ان سے میرے عذاب کو ان کا مال و متاع دور کر سکا نہ ان کی اولاد اور ان کی رشتہ داریاں کسی کام آ سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ إِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا اور ہم نے ان (قوم عاد) کو جن چیزوں پر قدرت دی تھیں ان

وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (الاحقاف: ۲۶)

چیزوں پر قدرت نہیں دی ہے اور ہم نے ان کے کان آنکھیں اور دل بنائے تھے لیکن ان کے کانوں آنکھوں اور دلوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے تھے اور جس عذاب کا وہ انکار کرتے تھے اسی عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ (الروم: ۹)

کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا (حالانکہ) وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے اور انہوں نے زمین میں کاشت کاری کی تھی اور اس کو ان سے بہت زیادہ آباد کیا تھا اور ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى

آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے تم دو' دو مل کر یا تنہا تنہا

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ

کھڑے ہو کر غور کرو' تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے وہ تو صرف تم کو سخت عذاب

بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ

کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ○ آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے

فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

تو وہ تم ہی رکھو' میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور وہ ہر چیز پر

شَهِیْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝۴۸

نگہبان ہے ○ آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے ○

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ

آپ کہیے حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے ○ آپ کہیے اگر میں (بالفرض)

ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ

گمراہ ہوں، تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف

اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ

وحی فرماتا ہے، بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے O اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں

اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ

گے اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O اور وہ (اس وقت) کہیں گے ہم اس (قرآن)

التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَیَقْذِفُوْنَ

پر ایمان لے آئے اور اتنی دور کی جگہ سے کیسے حصول ہو سکتا ہے O وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے

بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ

اٹکل پچو سے باتیں کرتے تھے O اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے

كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴿۵۴﴾ ع ۶ ۹ ۱۲

جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ کے لیے تم دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر غور کرو، تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے، وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں O آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے تو وہ تم ہی رکھو، میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے O آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے O (سبا: ۴۸۔۴۶)

جماعت کو غور و فکر کی دعوت کیوں نہیں دی

سبا: ۴۶ میں نصیحت کرنے کے لیے اعظ کا لفظ ہے یہ وعظ سے ماخوذ ہے، وعظ کا معنی ہے کسی کو ڈرا دھمکا کر منع کرنا، خلیل نے کہا کسی کو خیر کی چیز اس طرح یاد دلانا کہ اس کا دل نرم ہو جائے، اور اس آیت میں جو کھڑے ہونے کا ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کھڑے ہونے سے وہ معنی مراد ہیں جو بیٹھنے کی ضد ہے۔ یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کھڑے ہو کر اپنی اپنی مجلسوں میں چلے جاؤ، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اب اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور اس کام کا انتظام انصرام اور اہتمام کرو۔

تنہا تنہا غور کرو یا دو دو مل کر بحث کرو اور اس بات پر غور و فکر کرو کہ تمہارے پیغمبر کو جنون نہیں ہے، کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان والوں سے زیادہ فہم و فراست کے مالک ہیں اور آپ سب سے زیادہ صادق القول ہیں

سب سے زیادہ پاک دامن اور پاکیزہ ہیں' سب سے زیادہ عالم ہیں' سب سے زیادہ نیک عمل کرنے والے ہیں' سب سے زیادہ بشری کمالات سے متصف ہیں' پھر آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کا مستحق صرف ایک ہے' اور آپ میں جس قدر علمی اور عملی کمالات ہیں سب اس کے دیئے ہوئے ہیں' آپ کی کوئی چیز ذاتی نہیں ہے' ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ اپنی تعظیم اور اپنی کبریائی کے طالب نہیں ہیں' آپ کا یہی کہنا ہے اس ایک اللہ کی عبادت کرو میں بھی اس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اس کی عبادت کرو' پھر اس دعویٰ کی تائید میں آپ نے بہت دلائل اور معجزات بھی پیش کیے تو ایسا شخص مجنون کب ہو سکتا ہے' مجنون کی کوئی بات عقل کے مطابق نہیں ہوتی اور آپ کی کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے۔

اس آیت میں اس بات پر تنہا تنہا غور کرنے کے لیے فرمایا یا پھر دو دو آدمی مل کر تبادلۂ خیال کریں' یہ نہیں فرمایا کہ ایک جماعت اور مجلس میں اس پر غور و فکر کیا جائے یا بحث کی جائے' کیونکہ جب ایک مجلس میں کسی بات پر بحث ہوتی ہے تو انصاف پر پہنچنے کی توقع کم ہوتی ہے اس میں اختلاف زیادہ ہوتا ہے جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی باتیں ہوتی ہیں لوگ جوش اور غضب میں آ جاتے ہیں اور ٹھنڈے دل سے کسی بات پر غور نہیں کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

اور اس آیت میں فرمایا: وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل کی گئی **وانذر عشیرتک الاقربین** (الشعراء: ۲۱۴) ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے'' تو آپ نے قریش کے ہر عام اور خاص کو بلایا' پس آپ نے فرمایا اے بنو کعب بن لوی! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی عبد شمس! اپنے نفسوں کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنو عبد المطلب! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' کیونکہ میں تمہیں نفع پہنچانے کے لیے اللہ کی کسی چیز کا (ازخود) مالک نہیں ہوں' ہاں تمہارے رحم کا رشتہ ہے اور میں عنقریب اس کی تری سے تر کروں گا (یعنی میں اپنے رشتہ کا فیض تم کو پہنچاؤں گا)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۶۴۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۳۷۷)

توحید' رسالت اور آخرت کی نصیحت کا باہمی ربط

اس آیت میں تین اصولوں اور عقیدوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے اس کا بیان ان الفاظ میں ہے ''میں تم کو صرف ایک چیز کی نصیحت کرتا ہوں'' دوسرا اصول اور عقیدہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے' اس کا بیان ان الفاظ سے ہے ''تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے'' اور تیسرا اصول اور عقیدہ قیامت ہے اور اس کا بیان ان الفاظ سے ہے'' وہ تو تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں''۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں فرمایا میں تم کو صرف ایک چیز یعنی صرف توحید کی نصیحت کرتا ہوں اور ایمان صرف توحید سے مکمل نہیں ہوتا اس کے ساتھ رسالت اور آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں میں اہم مقصود اللہ تعالیٰ کی توحید ہے جو شخص توحید کو اس طرح مان لے جس طرح اس کو ماننے کا حق ہے' اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور آخرت میں اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس چیز کا حکم دیا جو ان کے لیے عبادت کے دروازے کھول دے اور اخروی سعادت کے اسباب مہیا کر دے۔

اور فرمایا تم دو' دو اور ایک ایک اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ' اس سے مقصود یہ ہے کہ تم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو' کیونکہ انسان دو حالوں سے خالی نہیں وہ تنہا ہو گا یا کسی کے ساتھ ہو گا سو تم ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو' تنہائی میں اس کی صفات اور اس کے احکام پر غور کرو اور جب کسی کے ساتھ ہو تو اس کا ذکر کرو۔

اور فرمایا تمہارا یہ پیغمبر جن کے زیر اثر نہیں ہے' یعنی وہ اللہ کا رسول ہے' اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ہر وہ شخص جو کسی جن کے زیر اثر نہ ہو وہ اللہ کا رسول تو نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی کام کرتے تھے اور جو شخص غیر معمولی کام کرتا ہے تو جن اس کے مددگار ہوتے ہیں یا فرشتے' اور جب یہ فرمادیا کہ جن ان کے مددگار نہیں ہیں تو لامحالہ فرشتے ان کے مددگار ہیں اور فرشتے اللہ کے رسول کی مدد کرتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

نیز فرمایا وہ تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر سخت عذاب آئے گا' جس سے تم کو دنیا میں بھی ہلاکت کا سامنا ہو گا اور آخرت میں بھی۔

تبلیغ رسالت کا اجر نہ طلب کرنے سے آپ کے رسول ہونے پر استدلال

سبا:۴۶ میں فرمایا تھا **ما بصاحبکم من جنة** 'اس کا ایک معنی ہم نے یہ بیان کیا کہ وہ کسی جن کے زیر اثر نہیں ہیں اور یہ آپ کے رسول ہونے کو مستلزم ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کو جنون نہیں ہے' اور یہ بھی آپ کے رسول ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ مجنون شخص ایسے کام کرتا ہے جس کا دنیا میں کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ آخرت میں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس سے آپ کو دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ آپ نے کسی دنیاوی فائدہ کو طلب کیا تو اگر اس دعویٰ سے آخرت میں بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو آپ العیاذ باللہ مجنون ہوتے لیکن جب آپ کے اقوال اور افعال سے یہ ثابت ہے کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' لہٰذا سبا:۴۷ میں جو فرمایا ہے کہ ''آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے تو وہ تم ہی رکھو' میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے'' اس آیت سے بھی آپ کی رسالت کو ثابت کیا ہے کہ آپ اللہ کے پیغام پہنچانے کا دنیا میں کسی سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہے بلکہ معاوضہ لینے سے آپ منع فرما رہے ہیں تو اگر آخرت میں بھی آپ کو اس پیغام پہنچانے کا کوئی فائدہ اور کوئی اجر و ثواب نہ ہوتا تو آپ العیاذ باللہ مجنون ہوتے اور آپ کے اقوال اور افعال سے واضح ہے کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو پھر آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

نیز فرمایا ''وہ ہر چیز کا نگہبان ہے'' یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے' غیب اور شہادت اور ظاہر اور باطن ہر چیز پر مطلع ہے' وہ میرے صدق اور خلوص نیت کو جانتا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دے اس کی یہ دعوت خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے اور اس میں دنیا کی کسی چیز کی طمع نہیں ہونی چاہیے۔

نبوت عطا کرنے میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی توجیہ

آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے' وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے۔ (سبا:۴۸۔۴۶)

اس آیت میں **یقذف** کا لفظ ہے جو قذف سے بنا ہے' قذف کا معنی ہے کسی چیز کو دور سے پھینکنا' جیسے پتھر اور تیر کو دور سے پھینکا جائے' اور اس کا مجازی معنی القاء کرنا اور ڈالنا ہے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو نبوت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے ان کے دلوں پر وحی نازل فرماتا ہے' اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیز بھی غائب ہو اللہ اس کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' اور اس کی مخلوق میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں وہ ان تمام تغیرات کو بھی جاننے والا ہے۔

مشرکین اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ ان میں سے کسی شخص کو رسول بنالیا جائے وہ کہتے تھے:

ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ (ص:۸) کیا ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر اللہ کا کلام نازل کیا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ان کے استبعاد کو دور کرنے کے لیے فرماتا ہے: آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے' یعنی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے وہ عطا کرتا ہے سو اس نے جس کو چاہا اس کو نبوت سے سرفراز کیا اور اس کے دل پر وحی نازل فرمائی۔

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نبی بنا دیتا ہے' خواہ اس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہو یا نہ ہو' اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا وہ علام الغیوب ہے اس کو علم ہے کس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہے' اور جس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہو اسی کو منصب نبوت پر فائز فرماتا ہے' بلکہ اس نے جس کو نبی بنانا ہوتا ہے اس کو نبوت کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کرتا ہے اور اس کے اندر کمالات نبوت رکھ دیتا ہے' لہٰذا یہ مشرکین کا لغو اعتراض ہے کہ ہم میں سے اس شخص کے اندر کیا خصوصیت تھی جو اس کو نبوت دی گئی ہے اور کسی اور کو نبوت کیوں نہیں دی گئی۔

حق اور باطل کا فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے O آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے O اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں گے' اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O (سبا: ۵۱۔۴۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق آ گیا ہے اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد توحید اور حشر پر دلائل ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صادر ہوا وہ حق ہے۔

حق اس چیز کو کہتے ہیں جو موجود اور ثابت ہو اور جن چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے وہ موجود اور ثابت ہیں مثلاً توحید' رسالت' قرآن مجید اور حشر وغیرہ اس لیے یہ تمام چیزیں حق ہیں' اور شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود ثابت نہیں ہے اس لیے یہ چیزیں باطل ہیں اور باطل کسی چیز کا فائدہ نہیں پہنچاتا' دنیا میں نہ آخرت میں' اس لیے فرمایا: آپ کہیے حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے O حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ اس کو ان میں چبھو کر فرماتے: جاء الحق وزهق الباطل (الاسراء: ۸۱) حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۸۷' صحیح مسلم: ۱۷۸۱' سنن ترمذی: ۳۱۳۸)

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے O

سبا: ۵۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گمراہی کی نسبت کا ذکر

کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ نے اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا ہے سو آپ گمراہ ہو گئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں گم راہ ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہے' جیسا کہ قرآن مجید

میں ایک اور جگہ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۔ جو شخص نیک کام کرے گا تو وہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہے اور جو برا کام کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۴۶)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی طرف نسبت کر کے کہیں کہ اگر میں گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہوگا' تا کہ یہ معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے عظیم مرتبہ کے ہیں اور اللہ کے بہت مقرب ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کہلوایا ہے کہ (بالفرض) اگر میں گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا تو عام لوگ تو اس قاعدہ کے تحت بہ طریق اولیٰ داخل ہوں گے۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ میرا گم راہ ہونا تمہارے گم راہ ہونے کی مثل ہے کیونکہ یہ میرے نفس سے صادر ہوگا اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا لیکن میرا ہدایت پر ہونا تمہارے ہدایت پر ہونے کی مثل نہیں ہے کیونکہ تم دلائل میں غور و فکر کر کے ہدایت کو قبول کرتے ہو اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے ○ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۳۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سمعی اور نقلی دلیل' عقلی اور فکری دلیل سے زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ عام لوگوں کی ہدایت عقلی دلیل سے ہوتی ہے اور آپ کی ہدایت سمعی دلیل اور وحی سے ہوتی ہے۔

سبا: ۵۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گم راہی کی نسبت کے بعض دیگر تراجم اور مصنف کا ترجمہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تم فرماؤ اگر میں بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا۔

سید محمد محدث کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوتا تو بہکتا اپنے برے کو۔

سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

فرما دیجئے اگر میں بہک جاؤں تو اپنے ہی ضرر کو بہکوں گا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

فرمایئے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گم راہی کی نسبت کی تحقیق

ہم نے اپنے ترجمہ میں قوسین کے اندر بالفرض کو اس لیے لکھا ہے کہ نبی کا گمراہ ہونا عادۃً ممکن نہیں ہے کیونکہ نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ صرف پیدائشی مومن بلکہ پیدائشی نبی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے حسب ذیل عبارت لکھی اور اس کا ترجمہ شیخ فیض احمد اویسی نے کیا ہے:

اس میں اشارہ ہے کہ ضلالت کا منشا خود اپنا نفس ہے' جب نفس کو اس کی طبیعت کی طرف سپرد کیا جائے تو اس سے صرف ضلالت وگم راہی حاصل ہوتی ہے اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے اور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عطیات سے کوئی عطیہ نصیب نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ووجدک ضالا فھدی** ۔ (فیوض الرحمٰن جز ۲۲ ص ۴۲۳' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

صاحب روح البیان اور روح البیان کے مترجم دونوں نے اس آیت (**ووجدک ضالا فھدی**) کا یہاں ذکر کر دیا جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کو اپنی طبیعت کی طرف متوجہ کیا اس وجہ سے آپ میں گم راہی اور ضلالت حاصل ہوگئی' ہم ایسی نکتہ آفرینی سے ہزار بار اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

کفار کے گھبرانے اور ان کی جائے فرار نہ ہونے کی متعدد تفاسیر

اس کے بعد فرمایا: اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں گے' اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گاO (سبا: ۵۱)

جس وقت یہ کفار گھبرا رہے ہوں گے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ موت کے وقت گھبرا رہے ہوں گے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن گھبرا رہے ہوں گے' اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب معرکہ بدر میں شکست کھانے کے بعد یہ گھبرا رہے ہوں گے تو اگر آپ اس وقت ان کو دیکھ لیتے تو آپ بہت ہولناک اور دہشت ناک امر دیکھتے۔

فرمایا: ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی' یعنی وہ کسی طرح اللہ کے عذاب سے نکل نہیں سکیں گے' اور نہ کسی جگہ بھاگ کر جانے سے ان کو نجات مل سکے گی اور جس چیز سے یہ بھاگ رہے ہوں گے وہی چیز ان کو آ کر پکڑ لے گی۔

فرمایا: اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا' اس کا مطلب ہے ان کو زمین کے اوپر سے پکڑ کر زمین کے اندر ڈال دیا جائے گا' یا ان کو میدان حشر سے گرفتار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا یا ان کے مردہ اجسام کو بدر کے صحرا سے اٹھا کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا جائے گا' یا ان کو قدموں سے پکڑ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا' بہر حال یہ جس جگہ بھی ہوں اللہ کے اعتبار سے قریب ہیں اور اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ (اس وقت) کہیں گے ہم اس (قرآن) پر ایمان لے آئے اور اتنی دور کی جگہ سے کیسے حصول ہوسکتا ہے O وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے اٹکل پچو کی باتیں کرتے تھے O اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے' جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا' بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے O (سبا: ۵۴۔۵۲)

تناوش کا معنی

اس آیت میں التناوش کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کو سہولت اور آسانی سے حاصل کرنا' حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا اس سے مراد ہے دنیا میں واپس لوٹنا' یعنی کفار جب حشر کے دن آخرت کا عذاب دیکھیں گے تو پھر دنیا میں واپس لوٹائے جانے کو طلب کریں گے کہ اس بار وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے اور یہ بہت بعید ہے۔

سدی نے کہا وہ آخرت کا عذاب دیکھ کر اپنے کفر وشرک سے توبہ کریں گے اور اس توبہ کا قبول ہونا بہت بعید ہوگا' کیونکہ

توبہ تو صرف دنیا میں قبول ہوتی ہے۔
علامہ قرطبی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ اب ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے اور قیامت کے بعد حشر کے دن کسی کا ایمان کیسے قبول ہوسکتا ہے' کیونکہ ایمان وہ معتبر ہوتا ہے کہ کسی چیز پر بن دیکھے ایمان لایا جائے جو ایمان بالغیب ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۸۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

روز حشر کفار کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجوہ

اس کے بعد فرمایا: وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے اٹکل پچو کی باتیں کرتے تھے O (سبا: ۵۳)
یعنی وہ اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کفر کر چکے تھے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کر چکے تھے یا اس قرآن کا کفر کر چکے تھے' جس وقت ان کو ایمان لانے کا مکلف کیا گیا تھا اس وقت وہ ایمان نہیں لائے اور اب جب ایمان لانے اور اس کو قبول کرنے کے دروازے بند کیے جا چکے ہیں تو اب وہ ایمان لائے ہیں' اب جب تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں تو ان کو سوائے خسارے' ندامت اور دردناک عذاب کے اور کیا حاصل ہوگا۔

اور وہ بہت دور سے اٹکل پچو کی باتیں کرتے تھے' ان کی باتوں کی مثال اس شخص سے دی گئی ہے جو بہت دور سے کسی چیز پر نشانہ لگا رہا ہو اور دور ہونے کی وجہ سے اس کا نشانہ نہ لگ رہا ہو' سو وہ بھی اپنے گمان کے مطابق یہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہوگا نہ قیامت آئے گی' نہ میدان حشر قائم ہوگا' نہ حساب کتاب اور جنت اور دوزخ ہوگی۔

قتادہ نے کہا وہ قرآن مجید کے متعلق یہ اتہام لگاتے تھے کہ یہ جادو ہے اور شعر ہے' یہ اگلے اور پچھلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اٹکل پچو سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف تہمتیں لگاتے تھے' کبھی کہتے وہ ساحر ہیں کبھی شاعر کہتے اور کبھی مجنون کہتے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کو ان کے دل سے بہت دور کر دیا تھا۔

روز حشر کفار کی خواہشیں اور ان کا قبول نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے' جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا' بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے O (سبا: ۵۴)

روز حشر کفار کی یہ خواہش ہوگی کہ ان کو عذاب سے نجات مل جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں ان کی اپنے اموال اور اپنے اہل وعیال کے متعلق جو خواہشیں تھیں وہ پوری نہیں ہوں گی۔

قتادہ نے کہا جب حشر کے دن وہ عذاب دیکھیں گے تو وہ خواہش کریں گے کہ ان کی یہ بات قبول کر لی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آئندہ اطاعت کریں گے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز رہیں گے' لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی' کیونکہ اس اطاعت کی جگہ دنیا تھی اور اب وہ دنیا چھوڑ آئے ہیں۔ اور ان سے پہلے زمانوں میں جو کفار گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا تھا۔

اس سے پہلے وہ رسولوں' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' اور جنت اور دوزخ کے متعلق سخت شک میں مبتلا تھے۔

اختتام سورت

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب شکر ہے اور اس کے حبیب اکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عنایت ہے کہ آج ۲۴

شوال ۱۴۲۳ھ/ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۲ء بہ روز اتوار قبل از نماز فجر سورۃ سبا کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۸ شوال کو اس کی تفسیر شروع کی تھی اور آج ۲۴ شوال کو اس کی تفسیر ختم ہوگئی۔ الٰہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر لکھوا دی ہے' سو آئندہ بھی آپ کرم فرمائیں اور تفسیر کو مکمل کرادیں۔ مجھے تا حیات ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم اور برے اعمال سے مجتنب رکھیں اور صحت و سلامتی کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک اپنے دین کی ترویج' تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے کام میں لگائے رکھیں' میرے والدین' میرے اساتذہ' تلامذہ اور محبین اور معاونین کی مغفرت فرمائیں جو فوت ہو چکے ہیں ان کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں اور جو حیات ہیں ان کو دنیا اور آخرت کے تمام مصائب اور بلاؤں سے محفوظ رکھیں' اور ہم سب کو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں' نعمتیں اور راحتیں عطا فرمائیں' اس کتاب تبیان القرآن کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں موافقین کے لیے اس کو موجب طمانیت اور مخالفین کے لیے سبب ہدایت بنا دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنامحمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته وامته اجمعين.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورة فاطر

سورت کا نام

اس سورت کا نام سورۃ فاطر اور سورۃ ملائکہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں فاطر اور ملائکہ کے الفاظ ہیں اور صرف اس سورت کی پہلی آیت میں فاطر اور ملائکہ کے الفاظ ہیں اور اس آیت میں ملائکہ کی صفات کا بھی ذکر ہے۔

احادیث میں اس سورت کا نام فاطر بھی ہے اور ملائکہ بھی ہے' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن الضریس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ سورۃ فاطر مکہ میں نازل کی گئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور امام ابن المنذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الملائکہ مکی ہے۔

امام محمد بن سعد نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک رکعت میں سورۃ الملائکہ پڑھ لیتا تھا۔

(الدر المنثور ج ۷ص ۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہر چند کہ اس سورت کے دونوں نام ہیں فاطر اور ملائکہ لیکن برصغیر پاک و ہند یہ سورت صرف فاطر کے نام سے معروف ہے' البتہ مصر' بیروت اور حرمین طیبین کے قرآن مجید کے نسخوں میں اس کا نام فاطر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے اور ملائکہ بھی۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۳ ہے' یہ سورت فرقان کے بعد اور مریم سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۵ ہے۔

سورۃ فاطر کے مشمولات

اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے کی گئی ہے اور اس کی ابتداء میں ہی ملائکہ کا مخلوق ہونا بتایا گیا ہے' سورۃ سبا میں جنات کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا تھا اور اس سورت میں ملائکہ کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے سردار آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ اس پر افسوس اور رنج نہ کریں' آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے گئے ہیں ان سب کی ان کی قوموں نے تکذیب کی تھی پھر جو ان کا انجام ہوا یہ بھی اس انجام کے خطرے میں ہیں۔ حشر اور نشر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مشرکین جن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے ان کی مذمت کی گئی ہے' اور مختلف اطوار سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کیے گئے ہیں' نیک کاموں کی جزاء اور برے

کاموں کی سزا بیان کی گئی ہے اور تقریباً وہی مضامین بیان کیے گئے ہیں جو عموماً مکی سورتوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔

اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ فاطر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں اے اللہ! مجھ کو اس تفسیر میں صحت اور صواب کی طرف رہنمائی کرنا اور خطا اور ناصواب سے محفوظ رکھنا (آمین!)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

۳۰ دسمبر ۲۰۰۲ء / ۲۵ شوال ۱۴۲۳ھ

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سُورَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ٣٥ ٤٣ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٤٥ رُكُوْعَاتُهَا ٥

سورۃ فاطر مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O — اس میں پینتالیس آیات' پانچ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو رسول

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ

بنانے والا ہے جو دو' دو' اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' بے شک

اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے اس کو

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ

کوئی بند کرنے والا نہیں ہے' اور جس کو بند کر دے تو اس کے بند کرنے کے بعد اس کو کوئی کھولنے والا نہیں ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ

اور وہی غالب' حکمت والا ہے O اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کیا کرو' کیا

مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اللہ کے سوا کوئی عبادت

هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ

کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے

قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤

برحق ہے' سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے O

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو' وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ

مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيرِ ۝٦ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَ

دوزخ والے ہو جائیں O جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝٧ ع ۱/۷ ۱۳

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے جو دو' دو اور تین' تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O (فاطر ۱)

حمد اور فاطر کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی کس طرح حمد کریں' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں' کیونکہ تعریف کسی کمال اور خوبی پر کی جاتی ہے' اور تمام کمالات اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں' ہر چیز میں بہ ظاہر جو کمال نظر آتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کا کمال ہے۔

فاطر کا لفظ' فطر سے بنا ہے' فطر کا معنی ابتداء اور اختراع ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے فاطر السموات والارض کے معنی کا اس وقت تک پتا نہیں چلا حتیٰ کہ میرے پاس دو اعرابیوں نے اپنے جھگڑے میں مجھے اپنا حاکم بنایا وہ ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ انا فطر تہا میں نے اس کنویں کو ابتداءً کھودا ہے۔
(نہایہ ج ۳ ص ۳۹)

جن فرشتوں کو رسول بنایا ہے وہ حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

ملائکہ کی تعریف

وہ فرشتے دو' دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' اس کا معنی ہے ان فرشتوں کے پر ہوتے ہیں اور اس آیت میں چار سے زائد پر والے فرشتوں کی نفی نہیں ہے' کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۷)

جو فرشتے رسول ہیں ان کی دو جہتیں ہوتی ہیں ایک جہت سے وہ اللہ تعالیٰ سے نعمتیں وصول کرتے ہیں اور دوسری جہت سے وہ مخلوق تک ان نعمتوں کو پہنچاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ اس قرآن کو الروح الامین (حضرت جبریل) نے آپ کے

الْمُنْذِرِيْنَ ○ (الشعراء: ۱۹۳-۱۹۴) قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو) عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

فالمدبرات امرا ○ کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم!

بعض علماء نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ اجسام لطیفہ نوریہ ہیں اور مختلف صورتوں میں متشکل ہونے پر اور سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے قادر ہیں۔

خوب صورت چہرے' خوب صورت آواز اور خوب صورت لکھائی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بناوٹ میں اور ان کے پروں میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی جسمانی بناوٹ میں یا اس کی خوش آوازی میں یا اس کی خوب صورت لکھائی میں یا اس کی آنکھوں' یا ناک یا چہرے کی ملاحت میں یا اس کے بالوں کے گھونگر میں یا اس کی عقل کی تیزی یا اس کے علم اور ادراک میں یا اس کے پیشے میں یا اس کے نفس کی پاکیزگی میں یا اس کی گفتگو کی شیرینی میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' اور ان چیزوں کا بہ طور تمثیل ذکر کیا گیا ہے ان چیزوں میں منحصر کرنا مراد نہیں ہے' اور یہ آیت ان تمام چیزوں کو شامل ہے' بلکہ جن چیزوں کو ظاہری طور پر حسین کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کو ظاہری طور پر قبیح کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا اضافہ کرنا ان سب کو شامل ہے' اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی بنایا ہے وہ حسین ہے خواہ ہم کو اس کے حسن کی وجہ معلوم ہو یا نہ ہو۔

آواز کے حسن کا اس حدیث میں ذکر ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کے حسن کے ساتھ قرآن مجید کی زینت کو ظاہر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بہت بلند اور برتر ہے کہ مخلوق کی آوازوں سے وہ مزین ہو' اور قرآن مجید کو خوش الحانی اور طرز کے ساتھ پڑھنا اس وقت تک مستحسن ہے جب تک کہ حروف کی ادائیگی میں کمی یا زیادتی سے قرآن مجید کا معنی متغیر نہ ہو۔

اور خوش خط لکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب صورت کتابت اور تحریر حق کو زیادہ واضح کرتی ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۸۱۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۱۳۴' حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف فرمایا ہے)

خوب صورت لکھائی ان چیزوں میں سے ہے' جس کی طرف تمام شہروں کے لوگ رغبت کرتے ہیں اور اس فن میں کمال حاصل کرنا کمالات بشریہ میں سے ہے' ہر چند کہ اس فن میں زیادہ ترقی کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے' اور کتنے درویش اپنے قلم کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے' خوب صورت لکھائی سے پڑھنے والا محظوظ اور خوش ہوتا ہے' سبز پتوں میں پکے ہوئے پھل سفید کاغذوں میں خوب صورت لکھائی سے زیادہ خوش نما نہیں معلوم ہوتے' اور خوب صورت لکھائی سے لکھا ہوا مسودہ نوخیز حسیناؤں کے گلابی رخساروں سے زیادہ بھلا لگتا ہے' اور علمائے نے کہا ہے کہ خوب صورت لکھائی بھی ایک قسم کی فصاحت ہے۔

چھینک اور ڈکار کا نعمت اور بیماری ہونا

اس آیت کے شروع میں الحمدللہ کا ذکر ہے اور جس شخص کو چھینک آئے اس کو الحمدللہ کہنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے اور جب وہ یرحمک اللہ کہے تو چھینک والے کو یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہیے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۴ ' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۱ ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۰ ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹)

چھینک کا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' کیونکہ جسم کے اندر سے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جس سے سر کے مسامات بند ہو جاتے ہیں' جس کی وجہ سے بعض اوقات سر میں درد ہو جاتا ہے' چھینک آنے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور بخارات نکل جاتے ہیں اور دماغ کو راحت ملتی ہے سو بندہ کو چاہیے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔

اسی طرح ڈکار آنے پر بھی الحمدللہ کہنے کی ہدایت ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی شخص کو ڈکار آئے یا چھینک آئے تو وہ ان کے ساتھ آواز بلند نہ کرے کیونکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کے ساتھ آواز بلند کی جائے۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۵۵۳۲)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو چھینک آئے یا ڈکار آئے اور وہ کہے الحمد علی کل حال من الاحوال تو اس سے ستر بیماریوں کو دور کر دیا جاتا ہے ان میں سب سے کم درجہ کی بیماری جذام ہے۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۵۵۴۲)

جب معدہ طعام سے بھر جاتا ہے تو وہ جگہ بنانے کے لیے طعام کو نیچے کرتا ہے' گویا ڈکار کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ معدہ طعام سے بھر گیا سو اس نعمت پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے' تاہم زیادہ کھانا کھا کر ڈکاریں لینا ناپسندیدہ امر ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو آپ نے فرمایا تم اپنی ڈکار کو ہمارے سامنے سے بند کرو کیونکہ قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ بھوکا شخص وہ ہوگا جو تم میں سے بہ کثرت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۸ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

انسان کبھی کبھار پیٹ بھر کر کھائے اور اس کو ڈکار آئے تو یہ نعمت ہے اور اس پر شکر ادا کرے' اور زیادہ ڈکاریں آنا بیماری ہے' جب معدہ میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے تو انسان کو زیادہ ڈکاریں آتی ہیں' اسی طرح ایک آدھ بار چھینک کا آنا تو نعمت ہے لیکن زیادہ چھینکوں کا آنا زکام کی بیماری ہے' حدیث میں ہے:

ایاس بن سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کو چھینک آئی تو آپ نے (اس کے الحمدللہ کہنے کے جواب میں) فرمایا یرحمک اللہ' پھر جب اس شخص کو تیسری بار چھینک آئی تو آپ نے فرمایا اس شخص کو زکام ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۳ ' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۷ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۱۴ ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۸۵ ' مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۶ ' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں ہے اور جس کو بند کر دے تو اس کے بند کرنے کے بعد اس کو' کوئی کھولنے والا نہیں ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے O اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو

یاد کیا کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O (فاطر: ۴۔۲)

رحمت اور فتح کی متعدد تفاسیر

اس آیت میں رحمت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسولوں کو لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے' اور اللہ کے سوا ان کے بھیجنے پر اور کوئی قادر نہیں ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد بارش اور رزق ہے اور اللہ کے سوا کوئی بارش نازل کرنے یا رزق پہنچانے پر قادر نہیں ہے' اگر اللہ رسولوں کو بھیجے تو کوئی ان کو روکنے والا نہیں ہے اسی طرح جب وہ بارش نازل کرے یا رزق پہنچائے تو کوئی بارش یا رزق کو روکنے والا نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رحمت سے مراد توبہ ہے' ضحاک نے کہا رحمت سے مراد دعا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد توفیق اور ہدایت ہے' اس آیت میں رحمت کا لفظ نکرہ ہے اور عام ہے تو رحمت کا لفظ ان تمام معانی کو شامل ہے۔

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

عارفین کے دلوں میں تحقیق کے جو انوار داخل ہوتے ہیں ان انوار کو کوئی بادل چھپا نہیں سکتا' اور اولیاء کے دلوں میں جو یقین ہے' اس کو کوئی زائل نہیں کر سکتا اور اللہ اپنے کامل بندوں کو جو آسانیاں مہیا فرماتا ہے تو کوئی ان آسانیوں کو مشکلات سے تبدیل نہیں کر سکتا۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۶۰' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

اس آیت میں رحمت کے کھولنے کا ذکر ہے اس سے مراد دنیاوی رحمت کا کھولنا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الاعراف: ۹۶)

اور اگر ان بستیوں میں رہنے والے ایمان لے آتے اور گناہوں سے بچتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کو کھول دیتے۔

اور اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دل پر علوم اور ہدایات کو کھول دے اور اس کے اور اس کے بندے کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دے' اور درج ذیل آیت کی ایک یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. (الفتح: ۱)

ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمادی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً نمازوں کے بعد جو ذکر فرماتے تھے اس میں بھی اس آیت کے موافق یہ معنی تھا کہ اللہ جو چیز عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کو' کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ ذکر فرماتے تھے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد.

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اس کو' کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش کام نہیں آسکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸)

اللہ کی نعمت کو یاد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا

اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کیا کرو۔

اس کے معنی ہے اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہو' تاکہ وہ نعمت تمہارے پاس ہمیشہ رہے' اور نعمت میں اضافہ ہوتا رہے کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے' اور شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے جب بھی اس نعمت کا ذکر کرو تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو ہمارے کسی استحقاق کے بغیر یہ نعمت عطا کی ہے' اور اس نعمت کی رعایت اور حفاظت کرو' اللہ تعالیٰ نے جس کام میں اور جس محل میں صرف کرنے کے لیے وہ نعمت عطا کی ہے اس نعمت کو اسی کام میں اور اسی محل میں خرچ کرو' اس نعمت کو اس کے محل اور صحیح مصرف کے علاوہ خرچ نہ کرو' اور نہ کسی گناہ اور ناجائز کام میں خرچ کرو۔

نیز فرمایا: کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے!

آسمانوں سے رزق دینے سے مراد ہے بارش نازل فرمانا اور زمین سے رزق دینے سے مراد ہے زمین سے اناج' غلہ اور پھل وغیرہ پیدا کرنا۔

اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان کو یہ کامل یقین ہو جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی رازق نہیں ہے' تو کسی بھی چیز کو طلب کرنے کے لیے اس کا دل اللہ کے غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوگا' نہ وہ کسی کے سامنے جھکے گا اور عاجزی کرے گا اور حق بات کہنے میں وہ کسی سے نہیں ڈرے گا اور اپنی طبیعت اور مزاج اور خلاف شرع کام کرنے میں وہ کسی کی اطاعت اور موافقت نہیں کرے گا۔

پھر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو!

یعنی تم توحید کو چھوڑ کر شرک کی وادی میں کیوں بھٹک رہے ہو اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کے کیوں درپے ہو!

اس کے بعد فرمایا: اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (فاطر: ۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار کا طعن و تشنیع کرنا اور دل آزار باتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے' آپ اس پر رنج اور افسوس نہ کریں' اور جس طرح پہلے انبیاء نے کفار کی باتوں پر صبر کیا تھا آپ بھی صبر کریں۔

عقائد اسلامیہ کے تین اصول ہیں' توحید' رسالت اور آخرت' اس سے پہلی آیت میں توحید کا ذکر تھا اور اس آیت کے پہلے حصے میں رسالت کا ذکر ہے اور اس کے آخری حصہ میں آخرت کا ذکر ہے' کیونکہ فرمایا اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے' اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے O بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو' وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں O جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے O (فاطر: ۷۔۵)

شیطان کے دھوکے کا بیان

آخرت اور عذاب اور ثواب کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے اس آیت میں ان کو نصیحت کی گئی ہے۔

دنیا کی زندگی کے دھوکے میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں' اس کی لذتیں' اس کی زیب و زینت اور اس کی رنگینیاں' انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل کر دیں' حتیٰ کہ حشر کے دن وہ کف افسوس ملتا رہ جائے' اور نہ شیطان تمہیں اللہ عزوجل کے متعلق دھوکے میں رکھے' اور وہ دھوکہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو بھولا رہے' مسلسل گناہ کرتا رہے اور امید یہ رکھے کہ اللہ اس کی مغفرت کر دے گا' اس کا یہ بھی معنی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تم اپنے گناہوں پر پریشان یا پشیمان نہ ہو' اللہ غفور رحیم ہے وہ مومنوں پر بہت کرم اور فضل فرماتا ہے وہ تم کو معاف کر دے گا! اور اس طرح وہ انسان کو توبہ کرنے سے باز رکھے۔

ہمارے زمانے میں لوگ فرض نمازیں نہیں پڑھتے' رشوت خوری' چور بازاری' ملاوٹ اور فراڈ بازی سے پرہیز نہیں کرتے' پڑوسیوں کے حقوق ادا نہیں کرتے' اکثر لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھتے اور میلاد شریف اور گیارھویں شریف کو قضا نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت غوث اعظم کی شفاعت سے ہماری مغفرت ہو جائے گی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں' حالانکہ یہ ان کی بھول ہے اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مبنی از خود کوئی عمل کرے اور آپ کے حکم پر عمل نہ کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوتے ہیں' اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو (غزوہ موتہ میں) ایک لشکر میں روانہ کیا اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا' حضرت عبداللہ بن رواحہ کے اصحاب علی الصباح روانہ ہو گئے' حضرت ابن رواحہ نے سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ لوں پھر جا کر اپنے اصحاب سے مل جاؤں گا' جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لی تو آپ نے ان کو دیکھ لیا' آپ نے پوچھا تم کو علی الصباح اپنے اصحاب کے ساتھ جانے سے کس چیز نے روک لیا؟ انہوں نے کہا میں نے یہ ارادہ کیا میں آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ لوں' پھر ان سے مل جاؤں گا' آپ نے فرمایا اگر تم تمام روئے زمین کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو ان کے علی الصباح روانہ ہونے کی فضیلت کو نہیں پا سکو گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۲۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۶۔۲۲۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۸۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۷)

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کا معنی بھی صحیح ہے کیونکہ جہاد کرنا جمعہ کی نماز اور دیگر باجماعت نماز سے افضل ہے' اور جہاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا باجماعت نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۶۸۔۵۶۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا مطلقاً تمام عبادات سے افضل ہے' جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے لیکن جب آپ نے جمعہ کے دن علی الصباح جہاد کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا تو اب جمعہ کی نماز پڑھنا فرض نہیں تھا علی الصباح روانہ ہونا فرض تھا۔ حضرت ابن رواحہ نے آپ کے حکم پر عمل کرنے کو ترک نہیں کیا تھا صرف آپ کی محبت کی وجہ سے موخر کیا تھا' اور اس پر آپ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تو اگر ہم آپ کے احکام پر عمل کو ترک کر دیں اور آپ کے منع کیے ہوئے

کاموں کو کریں اور آپ کی محبت میں میلاد شریف منانے اور نعت خوانی کی محفلوں کے سجانے کو کافی سمجھیں تو کیا ہمارے اس وتیرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے! یہ صرف شیطان کا دھوکا ہے جو ہمارے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم بس محفل میلاد اور بزرگوں کی نیاز دیتے رہو' فرائض کی مشقت برداشت کرنے کی اور محرمات سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے! یاد رکھیے میلاد شریف کی محفلیں' نعت خوانی کی مجلسیں اور بزرگوں کی نیاز ضرور باعث ثواب اور مستحب ہیں لیکن فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اور محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا مقدم ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے نام پر فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اور محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کر کے شیطان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ فرماتے ہیں: واحسرتاہ!

اہل سنت بہر قوالی وعرس — دیو بندی بہر تصنیفات و درس

خرچ سنی بر قبور و خانقاہ — خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

(دیوان سالک ص ۴۷' مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔ ۲)

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

تو کیا جس شخص کے لیے اس کے برے عمل کو خوش نما بنا دیا گیا سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے)

يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ

سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے' لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو'

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ

بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے ○ اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو

سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں' اسی قیاس

كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ

پر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے ○ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' پاکیزہ کلمات

يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ

اسی کی طرف چڑھتے ہیں' اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازش

السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

کرتے رہتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ○ اور اللہ نے تم کو

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

(ابتداءً) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ

تو وہ اس کے علم میں ہے، اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے،

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ ق

وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے، بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے O اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں،

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ

یہ بہت میٹھا ہے، اس کو پینا خوش گوار ہے اور یہ دوسرا سخت کھاری ہے، اور تم ہر ایک سے

تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں

الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو O

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ

وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر

الْقَمَرَ ۖ ز كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ

دیا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے، یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اسی کا ملک ہے، اور جن کی

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ ؕ اِنْ

تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں O (اے مشرکو!) اگر تم ان کو پکارو

تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ

تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکیں گے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو وہ تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں گے بلکہ (تمہارے خود ساختہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ؀

معبود) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تم کو اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہ دے سکے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا جس شخص کے لیے اس کے برے عمل کو خوش نما بنا دیا گیا سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے!) سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے' لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو' بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھا لاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں' سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں' اسی قیاس پر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے O (فاطر: ۹۔۸)

برائی کو اچھائی سمجھنے والے اور ان کا شرعی حکم

فاطر: ۸ کے شروع میں جملہ استفہامیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور اس کی دو تقریریں ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے جس شخص کے لیے کفر' معصیت اور بت پرستی وغیرہ کو خوش نما بنا دیا ہے' سو وہ شخص ان ناجائز کاموں کو مستحسن سمجھتا ہے' اور شیطان کے خوش نما بنا دینے کی وجہ سے ان برے کاموں کو اچھا جانتا ہے' تو کیا ایسا شخص ہدایت یافتہ شخص کی مثل ہو سکتا ہے! اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس شخص کے لیے اس کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ برے کاموں کو اچھا سمجھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے آپ کا دل غم زدہ نہ ہو' کیونکہ اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ لکھتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا وہ ہم میں سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کام حرام ہے اس کے باوجود وہ اس کام کو کرتے تھے' ان کو معلوم تھا کہ زنا حرام ہے' اور بے قصور شخص کو قتل کرنا حرام ہے پھر بھی وہ ان کاموں کو کرتے تھے' یہ لوگ یہود' نصاریٰ اور مجوس ہیں اور میرا گمان ہے کہ خوارج بھی ان ہی میں سے ہیں' کیونکہ خارجیوں نے تمام اہل بصرہ کے خلاف اپنی تلوار سے خروج کیا اور وہ مسلمانوں کے قتل کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور اگر ان کے دین میں یہ مطلوب نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۹۳۱)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں اس آیت کے شان نزول میں چار قول ہیں:

(۱) ابو قلابہ نے کہا اس سے مراد یہود' نصاریٰ اور مجوس ہیں' اور برے اعمال سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد رکھنا ہے۔

(۲) عمر بن القاسم نے کہا اس سے مراد خوارج ہیں اور برے عمل سے مراد باطل تاویل اور تحریف ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا اس سے مراد شیطان ہے اور برے اعمال سے مراد اس کا بہکانا اور گم راہ کرنا ہے۔

(۴) کلبی نے کہا اس سے مراد کفار قریش ہیں اور برے عمل سے مراد ان کا شرک کرنا ہے' اس نے کہا یہ آیت العاص بن وائل السہمی اور الاسود بن المطلب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور دوسروں نے کہا یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں کیونکہ اس مضمون کی زیادہ تر آیات کفار قریش کے متعلق نازل ہوئی ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (البقرہ: ۲۷۲)

ان کو ہدایت یافتہ بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (آل عمران: ۱۷۶)

کفر میں جلدی کرنے والے لوگ آپ کو غمگین نہ کریں' یہ اللہ کو بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے لیے اجر آخرت میں سے کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف: ۶)

اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

اور اسی مضمون کی آیت یہاں ہے: لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو۔

یعنی ان کے کفر پر ڈٹے رہنے اور شرک پر جمے رہنے سے جو آپ کو غم ہو رہا ہے' اس غم سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا' کیونکہ جب انہوں نے کفر کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا' اگر یہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے تو آپ اس پر افسوس نہ کریں کیونکہ ہدایت کا پیدا کرنا اللہ کا کام ہے آپ کا فریضہ نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

حرام کام کو حرام سمجھتے ہوئے کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حرام کام کو جائز اور مستحسن سمجھ کر کرنا کفر ہے' بعض ممنوع کاموں کی حرمت ظنی ہوتی ہے اور بعض ممنوع کاموں کی حرمت قطعی ہوتی ہے مثلاً ڈاڑھی منڈانے اور سیاہ خضاب لگانے کی حرمت ظنی ہے اور زنا اور قتل کی حرمت قطعی ہے اور حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور حرام ظنی کو جائز اور اچھا سمجھنا ہرچند کہ کفر نہیں ہے' لیکن اس کے ضلالت اور گم راہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے' عورتوں کا بے حجاب بازاروں میں پھرنا' دفتروں میں کام کرنا' اجنبی مردوں سے باتیں کرنا' مردوں کا ڈاڑھی منڈانا' اور مردوں اور عورتوں کا موسیقی سننا اور بجانا' فحش گانے گانا' تصویر کھینچنا اور کھینچوانا' گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا' ناجائز کام کے لیے رشوت دینا اور لینا' چور بازاری' ذخیرہ اندوزی' دواؤں اور کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنا' غیبت اور چغلی کرنا' یہ تمام کام حرام ظنی ہیں اور ان میں اول الذکر تمام وہ کام ہیں جن کو اچھا سمجھ کر کیا جاتا ہے' یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہم نے برائی کو اچھا سمجھ کر کرنا شروع کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً گم راہ فرمایا ہے جو برے کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں' خواہ ان کے وہ کام کفر کی حد تک پہنچے ہوں یا نہ ہوں۔

اس آیت میں حسرات کا لفظ ہے' یہ حسرت کی جمع ہے' جو نیکی اور اچھائی فوت ہو جائے اس پر غم کو حسرت کہتے ہیں' پشیمانی اور پچھتانے اور نادم ہونے کو بھی حسرت کہتے ہیں' الحسر کا معنی تھکنا ہے گویا فرط غم سے وہ نڈھال ہو گیا اور تھک گیا اور اس کی قوتیں کمزور ہو گئیں' مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ کے برے عقائد اور برے اعمال دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پے در پے غم ہوتا تھا' اس لیے فرمایا آپ کے دل میں ان کے لیے حسرتیں نہ آئیں' یعنی آپ کو یہ حسرت تھی کہ وہ شرک نہ کرتے اور یہ حسرت تھی کہ وہ زمانہ جاہلیت والے فحش کام نہ کرتے اور آپ کو یہ حسرت تھی کاش وہ ایمان لے آتے اور صالح عمل کرتے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ یہ حسرتیں نہ کریں' ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا ہے' اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

بنجر زمین کی زرخیزی سے حشر ونشر پر استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں۔ (فاطر: ۹)

قرآن مجید میں حشر ونشر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر اس سے بہت استدلال فرمایا ہے کہ زمین مردہ اور بنجر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر اس مردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور سرسبز بنا دیتا ہے۔ فرمایا:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيجٍ ○ (الحج: ۵)

تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک ہوتی ہے' پھر جب ہم اس پر بارش نازل فرماتے ہیں تو وہ پھلتی پھولتی ہے اور ہر قسم کا خوش نما سبزہ اگاتی ہے۔

یعنی زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے اور بارش کے بعد کس طرح زرخیز اور شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے غلے اور سبزیاں اگانے لگتی ہے' باغات میں ہر قسم کے پھل اور میوے پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کے پھول کھلتے ہیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی وہ مردہ انسانوں کو زندہ کر دے گا۔

ابو رزین اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا' آپ نے فرمایا: کیا کبھی تم ایسی وادی کے پاس سے نہیں گزرے جو پہلے بنجر اور خشک ہو اور دوبارہ اس کے پاس سے گزرے تو وہ سرسبز اور لہلہارہی ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۱ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث ۱۶۱۳۷' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجب الذنب کے سوا انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے اسی سے اس کا جسم (دوبارہ) بنایا جائے گا (پورے جسم کے بوسیدہ ہونے سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے اجسام حرام کر دیئے ہیں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۸۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی ایک ہڈی ایسی ہے جس کو زمین کبھی نہیں کھاتی قیامت کے دن انسان اسی میں بنایا جائے گا' صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عجب الذنب ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۹۵۵' الرقم المسلسل ۷۲۸۰)

عَجْبُ الذَّنَب کی تحقیق

عجب الذنب میں عجب کی عین پر زبر اور ج پر جزم ہے اور ذنب میں ذ اور ن پر زبر ہے' عجب کے معنی ہے ہر چیز کا پچھلا حصہ' دم کی جڑ' ذنب کا معنی بھی دم ہے۔ (المنجد)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

کمر کے نچلے حصے میں جو باریک ہڈی ہوتی ہے اس کو العصعص اور عجب الذنب کہتے ہیں' انسان میں سب سے پہلے اسی ہڈی کو پیدا کیا جاتا ہے' اور اسی ہڈی کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اسی سے انسان کا دوبارہ جسم بنایا جائے۔

(شرح نواوی مع صحیح مسلم ج ۱۱ ص ۷۲۲۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عجب الذنب وہ لطیف ہڈی جو دم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتی ہے' امام ابن ابی الدنیا نے کتاب البعث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ عجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے

دانہ کی مثل ہے' آدمی کے جس جز کی سب سے پہلے تخلیق کی جاتی ہے وہ یہی جز ہے' اور اسی جز کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اسی سے انسان کا دوبارہ جسم بنایا جائے' اس جز کو باقی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ فرشتے پہچان سکیں کہ اس جز میں فلاں انسان کی روح داخل کرنی ہے' جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا گیا تھا' اگر فرشتوں کے لیے اس جز کو باقی نہ رکھا جاتا تو پھر بعینہٖ اسی جسم میں روح داخل نہ ہوتی بلکہ اس کی مثل میں داخل ہوتی۔ اسی جز کو باقی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی جز کی تخلیق ہوئی تھی' اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم کے سر کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کی خصوصیت ہے ان کی اولاد کے اسی جز کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۲۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں' اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے رہتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے O اور اللہ نے تم کو ابتداءً مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے' پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا' اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے' اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے' وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے' بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے O (فاطر: ۱۱۔۱۰)

تمام عزتیں اللہ کے لیے ہونے کے متعدد محامل

فاطر: ۱۰ میں فرمایا جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کو ایسی عزت کا علم ہو جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں ہے تو وہ سن لے کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' کیونکہ جو عزت کسی ذلت تک پہنچائے وہ درحقیقت ذلت ہی ہے' اور جس عزت کے ساتھ کوئی ذلت نہیں ہے وہ صرف اللہ عزوجل کے لیے ہے۔

(۲) جو شخص اللہ سبحانہ کی عبادت کرنے سے عزت کے حصول کا ارادہ کرے' اور عزت اللہ سبحانہ ہی کے لیے ہے تو وہ اس کو دنیا میں بھی عزت دے گا اور آخرت میں بھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ صاحب اقتدار' صاحب حیثیت اور صاحب منصب لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو شخص عزت کا طلب گار ہو اور اس کی طلب میں صادق ہو' اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور ذلت اور خضوع اور خشوع کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائے گا' کیونکہ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور کسی بندہ کے معافی مانگنے سے اللہ اس کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو سربلند کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۲۴)

(۴) جو شخص اللہ کے غیر سے عزت کو طلب کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس غیر کے سپرد کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے عزت طلب کی' فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا. (النساء: ۱۳۹)

جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا وہ ان (کافروں) سے عزت کو طلب کرتے ہیں' وہ یاد رکھیں کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے پاس ہیں وہ جس کو چاہے عزت دے دے اور جس کو چاہے ذلت دے دے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۔ (آل عمران: ۲۶)

آپ کہیے: اے اللہ' ملک کے مالک! تو جس کو چاہے ملک عطا کر دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے' اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے' تمام اچھائیاں تیرے ہی دست قدرت میں ہیں۔

سو جو شخص کسی عظیم کامیابی کے حصول کے لیے عزت چاہتا ہو اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہو' اس کے چاہیے کہ وہ عزت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کا قصد کرے اور اس سے عزت کو طلب کرے' کیونکہ اگر وہ کسی مخلوق سے عزت کو طلب کرے گا تو اللہ عزوجل اس کو ذلت میں مبتلا کر دے گا اور جو اللہ سے عزت کو طلب کرے گا تو اللہ اس کو عزت عطا فرمائے گا۔

الکلم الطیب کی تفسیر میں متعدد اقوال

الکلم الطیب (پاکیزہ کلمات) اس کی طرف چڑھتے ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

الکلم الطیب کی تفسیر میں دو قول ہیں' یحییٰ بن سلام نے کہا اس سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ' اور نقاش نے کہا اس سے مراد نیک مومنوں کی' کی ہوئی اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے جس کو لے کر ملائکہ مقربین چڑھتے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۴۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مخارق بن سلیم نے کہا' ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم تم سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کی تصدیق میں تمہارے سامنے کتاب اللہ کو پیش کرتے ہیں' جب مسلمان بندہ یہ کہتا ہے: سبحان اللہ وبحمدہ' الحمد للہ لا الہ الا اللہ' واللہ اکبر' تبارک اللہ تو فرشتہ ان کلمات کو لے کر اپنے پروں کے نیچے رکھ لیتا ہے' پھر ان کلمات کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتا ہے' وہ ان کلمات کو لے کر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ فرشتے ان کلمات کے پڑھنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں' حتیٰ کہ اللہ کے سامنے ان کلمات کو پیش کرتے ہیں' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کو پڑھا:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ. (فاطر: ۱۰) پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۱۲۳)

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الکلم الطیب سے مراد ہے لا الہ الا اللہ۔

(الکشاف ج ۳ ص ۶۱۱)

لا الہ الا اللہ کو طیب فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ عقل سلیم اس کلمہ کو پاکیزہ قرار دیتی ہے اور اس سے محظوظ ہوتی ہے' کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتا ہے اور توحید کے ماننے پر ہی نجات کا مدار ہے' اور توحید پر ایمان لانا ہی جنت کی دائمی نعمتوں کے لیے وسیلہ ہے' یا اس کلمہ کو طیب فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ شریعت میں یہ پسندیدہ کلمہ ہے اور ملائکہ علیہم السلام اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد قرآن مجید ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد نیک مسلمانوں کی تعریف اور تحسین ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسی دعا ہے جس میں شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو' اور مختار قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو یا ہر وہ کلام ہے جس میں اللہ کے لیے وعظ اور نصیحت ہو۔

کلمات طیبہ کے چڑھنے کی توجیہات

صعود اور چڑھنے کا معنی ہے اوپر کی طرف حرکت کرنا اور اس کو عروج بھی کہتے ہیں اور کلمات اور کلام کا اوپر چڑھنا متصور نہیں ہے' کیونکہ کلمات اور کلام عرض ہیں جو متکلم کے ساتھ قائم ہیں' اپنے محل سے قطع نظر ان کا کوئی وجود نہیں ہے تو پھر فرشتوں کا ان کلمات کو لے کر چڑھنا موجب اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چڑھنے سے مراد ان کلمات کا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا ہے' کیونکہ ثواب کی جگہ اوپر ہے اور عذاب کی جگہ نیچے ہے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کلمات کے اوپر چڑھنے سے مراد یہ ہے کہ فرشتے ان صحائف اعمال کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں جن صحائف میں انہوں نے کلمات طیبہ لکھے ہوئے ہیں' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کو مجسم کر دے اور فرشتے ان کو اٹھا کر لے جائیں۔

نیک عمل کے محامل

اس کے بعد فرمایا: اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے۔

عمل صالح سے مراد فرائض کا ادا کرنا ہے' یا اس سے مراد تمام عبادات اور نیک اعمال ہیں اور والعمل الصالح یرفعه کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حسن بصری اور یحییٰ بن سلام نے کہا اس کا معنی ہے الکلم الطیب یعنی پاکیزہ کلمات عمل صالح کو بلند کرتے ہیں۔

(۲) ضحاک اور سعید بن جبیر نے کہا عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلند کرتے ہیں۔

(۳) قتادہ اور سدی نے کہا اللہ تعالیٰ عمل صالح کو بلند کرتا ہے' یعنی عمل صالح کرنے والے کے درجات بلند کرتا ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۴۶۲' دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الکلم الطیب سے مراد اللہ کا ذکر ہے اور العمل الصالح سے مراد اس کے فرائض کا ادا کرنا ہے' سو جس شخص نے فرائض کی ادائیگی میں اللہ کا ذکر کیا تو اس کے ذکر کو فرشتے اوپر لے کر چڑھتے ہیں' اور جس شخص نے اللہ کا ذکر کیا اور فرائض کو ادا نہیں کیا تو اس کے کلام کو اس کے عمل کی طرف لوٹا دیا جائے گا پس عمل صالح اس کے کلام سے اولیٰ ہے۔

مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں کہا کہ عمل صالح کلام طیب کو بلند کرتا ہے۔

حسن اور قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ کسی کلام کو عمل کے بغیر قبول نہیں کرتا' جس نے کلمات طیبہ کہے اور نیک عمل کیے تو اس کے کلمات طیبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے (ان آثار کی سند ضعیف ہے)۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۴۴' رقم الحدیث: ۲۲۱۲۸' ۲۲۱۲۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن نماز میں پڑھا جائے وہ اس قرآن پڑھنے سے بہتر ہے جو غیر نماز میں پڑھا جائے' اور قرآن کو غیر نماز میں پڑھنا ذکر کی دیگر اقسام سے بہتر ہے اور صدقہ کرنا نماز سے بہتر ہے' اور روزہ دوزخ سے مضبوط ڈھال ہے اور کوئی قول عمل کے بغیر مقبول نہیں ہوتا اور کوئی عمل نیت کے بغیر

مقبول نہیں ہوتا اور کوئی قول اور عمل اور نیت اتباع سنت کے بغیر مقبول نہیں ہے (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۲۸۰ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۲۴۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۱۶۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۱۱۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۳' الکشاف ج ۳ ص ۶۱۲-۶۱۱)

کلام طیب کی وجہ سے نیک عمل کے اوپر چڑھنے کی تحقیق

ان احادیث اور آثار کی بناء پر قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی اندلسی المتوفی ۵۴۳ ھ کا مختار یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر کلمات طیبہ مقبول نہیں ہوتے وہ لکھتے ہیں:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا جو کلام' اللہ کے ذکر کے ساتھ مقترن نہ ہو وہ نفع نہیں دیتا' کیونکہ جس شخص کا قول اس کے فعل کے خلاف ہو وہ اس پر وبال ہوتا ہے۔

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب عمل صالح قول کے لیے شرط ہو یا اس کے ساتھ مربوط ہو' تو وہ قول اس عمل کے بغیر مقبول نہیں ہوتا' اور اگر عمل صالح قول کے لیے شرط نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ مربوط ہو تو اس کے کلمات طیبہ اس کے نفع کے لیے لکھے جاتے ہیں اور اس کے برے اعمال اس کے ضرر کے لیے لکھے جاتے ہیں' پھر اس کی نیک باتوں اور برے کاموں کا وزن کیا جائے گا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ فرمائے گا۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے جو کچھ لکھا ہے وہی تحقیق ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ کلام طیب کے قبول ہونے کے لیے عمل صالح شرط ہے' اور آثار میں ہے کہ جب بندہ صادق نیت کے ساتھ لا الہٰ الا اللہ کہتا ہے تو فرشتے اس کے عمل کی طرف دیکھتے ہیں' اگر اس کا عمل اس کے قول کے موافق ہو تو فرشتے اس کے کلام اور عمل دونوں کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور اگر اس کا عمل اس کے قول' کے مخالف ہو تو فرشتے توقف کرتے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس برے عمل سے توبہ کرے' اس تحقیق کی بناء پر عمل صالح ہی کلام طیب کو اوپر لے جاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی اور علامہ قرطبی دونوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ لا الہٰ الا اللہ کہنا نیک اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے' نیک اعمال لا الہٰ الا اللہ کے قبول ہونے کی شرط نہیں ہیں' ان دونوں بزرگوں کی یہ تحقیق قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل: ۹۷)

جس نے بھی نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

قرآن مجید نے لا الہٰ الا اللہ پر ایمان لانے اور اس کی شہادت دینے کو اصل اور نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط فرمایا اور قاضی ابن العربی اور علامہ قرطبی نے اعمال صالحہ کو اصل اور لا الہٰ الا اللہ کے مقبول ہونے کی شرط قرار دیا ہے' اور جس حدیث اور جن آثار کی بناء پر انہوں نے اصول اہل سنت اور ظاہر قرآن کے خلاف یہ لکھا ہے' ہم بتا چکے ہیں کہ ان کی اسانید ضعیف ہیں۔

نیز قاضی ابن العربی اور علامہ قرطبی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر کلام طیب کے ساتھ نیک عمل نہ ہوں تو وہ کلام طیب مردود ہوگا' اور اوپر نہیں چڑھے گا اور وہ کلام طیب اس کے لیے باعث ضرر اور وبال ہوگا' بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا کلام طیب مقبول ہوگا اور اوپر چڑھے گا اور اس کے لیے باعث اجر ہوگا البتہ نیک عمل نہ کرنے کی وجہ سے یا برے عمل کرنے کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوگا قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷) جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیکی کی وہ اس کا اجر پائے گا' اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا۔

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء کا قول حضرت ابن عباس کی اس روایت کے موافق ہے کہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرے اور کلام طیب کہے اور اس کے ساتھ فرائض بھی ادا کرے تو اس کے عمل کے ساتھ اس کا قول اوپر چڑھتا ہے ورنہ اس کا قول رد کر دیا جاتا ہے۔

یہ قول اہل حق اہل سنت کے اعتقاد کو رد کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس کی سند صحیح نہیں ہے' اور حق یہ ہے کہ وہ فاسق جو فرائض کا تارک ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اور کلام طیب کہے گا تو اس کا یہ عمل لکھا جائے گا اور اس کی طرف سے قبول کیا جائے گا اس کی نیکیوں کا اس کو اجر وثواب ملے گا اور اس کی برائیوں پر اس کو استحقاق عذاب ہوگا' اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے کلام طیب کو قبول فرماتا ہے جو شرک سے بچتا ہے' اور جن صحابہ اور تابعین نے یہ کہا ہے کہ نیک عمل کی وجہ سے کلام طیب مقبول ہوتا ہے ان کے اس قول کی تاویل یہ ہے کہ جب کلام طیب' عمل صالح کے ساتھ مقرون ہو تو وہ زیادہ بلندی کی طرف چڑھتے ہیں اور نہایت حسین مقام پر پہنچتے ہیں جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو' جب وہ اس کے ساتھ ساتھ کلمات طیبہ بھی کہے گا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرے گا تو اس کے اعمال زیادہ فضیلت والے ہوں گے۔

(المحرر الوجیز ج ۱۳ص ۱۵۹' مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو حدیث منسوب ہے میرا ظن غالب ہے کہ ان کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے' اور برتقدیر تسلیم اس کی یہ تاویل ہے کہ عمل صالح کی وجہ سے کلام طیب کو مزید شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ زیادہ بلندی کی طرف چڑھتا ہے' اور میرے ذہن میں اس آیت کا متبادر معنی یہ ہے کہ کلام طیب کے ساتھ عمل صالح کے اوپر چڑھنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ بعض اوقات عمل صالح میں سخت کلفت اور مشقت ہوتی ہے' اسی وجہ سے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے' اور امام رازی کے کلام میں یہ تصریح ہے کہ کلام طیب' عمل صالح سے زیادہ فضیلت والا ہے' کیونکہ کلام طیب (مثلاً لا الٰہ الا اللہ) خود اوپر چڑھتا ہے اور اعمال صالح کو فرشتے اوپر لے کر چڑھتے ہیں' اور کلام طیب کے عمل صالح سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمل کا تعلق حرکت اور سکون کے ساتھ ہے' جس میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں اور کلام طیب کا تعلق نطق کے ساتھ ہے اور نطق ہی کی وجہ سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہے' نیز اگر کوئی کافر لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے اور کوئی نیک عمل نہ کرے تو دنیا میں اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی اور آخرت میں وہ دائمی عذاب سے محفوظ رہے گا اور اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ نہ کہے اور عمل صالح کرتا رہے تو اس پر یہ ثمرہ مرتب نہیں ہوگا' فلہٰذا کلام طیب ہی عمل صالح سے افضل ہے اور کلام طیب ہی کی وجہ سے عمل صالح اوپر چڑھتے ہیں نہ کہ عمل صالح' کلام طیب کو اوپر چڑھاتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۲۶' داراحیاء التراث العربی بیروت) (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۶۰۔۲۵۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

کفار کے مکر کا بیان

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے رہے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ۝

اس آیت میں مکر کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے سازش کیا ہے' کیونکہ مکر کا معنی ہے کسی کے خلاف خفیہ تدبیر کرنا' یا کسی کے خلاف دھوکا اور فریب کرنا یا کوئی خفیہ تدبیر کر کے کسی شخص کو اس کے مقصد سے ہٹا دینا' اس آیت میں ان کے مکر اور ان کی سازش پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے' اس مکر اور سازش کے متعلق امام ابوالعالیہ نے لکھا ہے کہ اس مکر سے مراد وہ سازش ہے جو انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ (الانفال: ۳۰)

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں یا آپ کو جلاوطن کر دیں' وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا' اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

اور اس آیت میں یبور کا لفظ ہے اس کا مصدر بور ہے' اس کا معنی ہلاک کرنا ہے' یہاں اس سے مراد ان کی سازش کا ناکام ہونا ہے۔

مٹی اور نطفہ سے انسان کی پیدائش

اور اللہ نے تم کو ابتداءً مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔

قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم کو پیدا کرنے سے مراد ہے تمہاری اصل کو مٹی سے پیدا کیا' حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۲۷۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۲۷۸۱)

پھر حضرت آدم کے بعد انسان کو نطفے سے پیدا کیا' نطفہ اس پانی کو کہتے ہیں جو مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ○ (الطارق: ۸۔۶)

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے دو قسم کے پانی نکلتے ہیں لیکن رحم میں پہنچ کر وہ دونوں پانی ایک ہو جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان کی اولاد کو توالد اور تناسل کے ذریعہ نطفہ سے پیدا فرمایا۔

پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا' یعنی مرد اور عورت کو ملا کر ایک جوڑا بنایا۔

عمر میں اضافہ کر کے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کو مٹانا

اس کے بعد فرمایا: اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے' اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے' بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے ○

عمر بڑھائے جانے کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے یا اس کی عمر زیادہ کی جائے اس کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۲۹)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔(الترغیب للمنذری ج ۳ص ۵۹۶' الکامل لابن عدی ج ۳ص ۴۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۲۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

تقدیر کی دو قسمیں ہیں تقدیر مبرم اور تقدیر معلق' تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کا علم ہے اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا' اور اس میں تغیر ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر ہونا اس کے علم کے حدوث کو بلکہ جہل کو مستلزم ہے' اور تقدیر کی دوسری قسم تقدیر معلق ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی صفت نہیں ہے' کسی کی دعا یا کسی نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے مثلاً پہلے لوح محفوظ میں ایک شخص کی عمر ساٹھ سال لکھ دی اس نے کوئی نیکی کی تو ساٹھ سال کو مٹا کر ستر سال لکھ دی اگر نیکی نہ کی تو اسی ساٹھ سال کو برقرار رکھا یہ قضاء معلق میں تبدیلی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ نیکی کرے گا یا نہیں اور وہی قضاء مبرم ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَمۡحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُۖ وَعِندَهُۥٓ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ ۔ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے برقرار اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ (الرعد: ۳۹)

ام الکتاب سے مراد تقدیر مبرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں یہ بہت میٹھا ہے' اس کو پینا خوش گوار ہے' اور یہ دوسرا سخت کھاری ہے' اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو O اور وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے' اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے' ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے' یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے' اسی کا ملک ہے' اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں O (فاطر: ۱۳۔۱۲)

دو سمندر ہیں ایک میٹھا اور ایک کھاری اس کی تفسیر الفرقان: ۵۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تازہ گوشت اور زیور وغیرہ کی تفسیر النحل: ۱۴ میں مطالعہ فرمائیں۔

رات کو دن میں داخل کرنے کی تفسیر آل عمران: ۲۷ میں اور سورج اور چاند کو مسخر کرنے کی تفسیر لقمان: ۲۹ میں پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مشرکو! اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکیں گے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو وہ تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں گے (تمہارے خود ساختہ معبود) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تم کو اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہ دے سکے گا O (فاطر: ۱۴)

مشرکین کے معبودوں کی حاجت روائی نہ کرنے کے محامل

اگر تم اپنی مصیبتوں اور حاجتوں میں ان بتوں کے سامنے فریاد کرو' تو یہ تمہاری فریاد کو نہیں سن سکیں گے' کیونکہ یہ جمادات ہیں' نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں' اور اگر بالفرض یہ تمہاری فریاد سن لیں تو اس کا جواب نہیں دے سکتے' کیونکہ ہر سننے والا جواب دینے پر قادر نہیں ہوتا' اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ سن لیں تب بھی تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے' اور اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اگر ہم ان کو عقل اور حیات عطا کر دیں اور وہ تمہاری فریاد سن لیں تب بھی تمہاری حاجت روائی نہیں کریں گے' کیونکہ وہ اللہ پر ایمان لانے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے ہوں گے' اور تم کفر پر مصر ہو گے۔

اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے' یعنی وہ اس کا انکار کر دیں گے کہ تم نے ان کی عبادت کی ہے اور تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے' اللہ تعالیٰ ان بتوں کو زندہ کر دے گا اور وہ یہ خبر دیں گے کہ وہ اس کے اہل نہ تھے کہ ان کی عبادت کی جاتی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد ان کے وہ معبود ہوں جو ذوی العقول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ اور وہ قیامت کے دن مشرکین کی عبادت سے برأت کا اظہار کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ (المائدہ: ١١٦)

اور اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کے مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو' عیسیٰ کہیں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو حق نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮ اِنْ

اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے' ستائش اور حمد کیا ہوا ○ اگر وہ

يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑯ ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑰

چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ اللہ پر بالکل دشوار نہیں ہے ○

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی دوسرے

لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ

کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی ہو' آپ صرف ان

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ

لوگوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

اور جو پاکیزہ ہو گا تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاکیزہ ہو گا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲ ۙ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳ ۙ

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے ○ اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے ○

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ

اور نہ سایا اور دھوپ برابر ہے O اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں'

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

بے شک اللہ جس کو چاہے سنا دیتا ہے' اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو

الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

قبروں میں ہیں O آپ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ہر جماعت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے O

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ

اور اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

ان کے رسول واضح دلائل' صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر

اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع ۳ / ۱۲ / ۱۵

میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے ستائش اور حمد کیا ہوا O اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے O اور یہ اللہ پر بالکل دشوار نہیں ہے O (فاطر: ۱۷۔۱۵)

اپنے وجود اور بقا میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے اور جو جس قدر زیادہ کمزور ہے وہ اس قدر زیادہ اللہ کی طرف محتاج ہے' انسان کے متعلق فرمایا:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (النساء: ۲۸) اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ. (الروم: ۵۴) اللہ ہی ہے جس نے تم کو کمزوری کی حالت سے پیدا کیا۔

اور اللہ ہی بے نیاز ہے اور وہ جواد مطلق ہے جو اس کے محتاج ہیں وہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے اور ان کو اپنے انعام اور اکرام سے نوازتا ہے' اس لیے وہ لائق حمد اور ستائش ہے اور مخلوق اختیار سے یا اضطرار سے اس کی حمد کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ والا' اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے

کسی دوسرے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی ہو' آپ صرف ان لوگوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں' اور جو پاکیزہ ہوگا تو وہ اپنے ہی نفس کے لیے پاکیزہ ہوگا' اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے O اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے O اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے O اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے O اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں' اور بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے' اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں O (فاطر: ۲۲۔۱۸)

فاطر: ۱۸ کی تفسیر الانعام: ۱۶۴ میں گزر چکی ہے۔

فاطر: ۱۹ میں فرمایا: اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے' اس سے مراد ہے کافر اور مومن یا عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔

فاطر: ۲۰ میں فرمایا: اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہیں' یعنی نہ باطل اور حق برابر ہے۔

فاطر: ۲۱ میں فرمایا: اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے' یعنی ثواب اور عذاب برابر نہیں ہے یا جنت اور دوزخ برابر نہیں ہے۔

فاطر: ۲۲ میں فرمایا: اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں۔

یہ مومنوں اور کافروں کی دوسری مثال ہے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ علماء اور جہلاء کی مثال ہے۔

قبر والوں کے سننے کا مسئلہ

اس کے بعد فرمایا: اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے' یعنی جس کو چاہتا ہے سننے والا بنا دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو سننے والے بنایا ہے' اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایسا سننے والا بنا دیتا ہے جو اس کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور حق بات کو قبول کر لیتا ہے' اس آیت میں کفار کو مردوں اور قبر والوں سے تشبیہ دی ہے' یعنی جس طرح قبر میں مردے غور و فکر کے ساتھ نہیں سنتے اور حق بات کو قبول نہیں کرتے' کیونکہ اب وہ مکلف نہیں رہے' اسی طرح دنیا میں یہ کفار آپ کے وعظ و نصیحت کو نہیں سنتے کیونکہ یہ اپنے آباء واجداد کی تقلید پر اصرار کرنے کی وجہ سے کفر میں راسخ ہو چکے ہیں۔

دراصل اس آیت میں سنانے کی نفی فرمائی ہے اور سنانے سے مراد سماعت کو پیدا کرنا ہے' حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ سماعت کو پیدا کرتا ہے اور یہ کفار جو اثر قبول نہ کرنے میں قبر والوں کی طرح ہیں' آپ ان کو نہیں سناتے یعنی آپ ان میں سماعت کو پیدا نہیں کرتے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: آپ ان کافروں کو سنانے والے نہیں ہیں جو اپنے دلوں کو مردہ کر چکے ہیں' یعنی جس طرح آپ ان کو نہیں سناتے جن کے اجسام مردہ ہیں' اسی طرح ان کو نہیں سناتے جن کے دل مردہ ہیں' اور اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کافروں کے ایمان کی بالکل توقع نہ رکھیں' کیونکہ جس طرح قبر والے کسی بات کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اس کو قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح یہ کفار بھی آپ کے ارشادات سے نفع نہیں اٹھائیں گے اور اس کو قبول نہیں کریں گے۔

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ (القصص: ۵۶)

آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت نہیں دیتے' لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔

اس آیت میں بھی یہ بتایا ہے کہ ہدایت کو پیدا کرنا آپ کا کام نہیں ہے' ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' آپ کا

منصب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہدایت کو نافذ کرنا ہے' اسی طرح اپنے ہر چاہے ہوئے کو کر لینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ تمام کفار مکہ مسلمان ہو جائیں لیکن آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ایسا نہیں ہوا' اس قسم کی آیات سے اللہ تعالیٰ نے مقام الوہیت کو مقام نبوت سے ممیز کر دیا ہے' تا کہ آپ کی امت کو الوہیت اور نبوت میں اشتباہ نہ ہو' اور وہ اللہ کے راستہ سے گم راہ نہ ہو جائیں' جیسے گزشتہ بعض امتیں گم راہ ہو گئیں' بعض نے کہا عزیر ابن اللہ ہیں اور بعض نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت پر کمال رحمت ہے۔

قبر والوں کے غور وفکر نہ کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تقریر میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی ہے جو کسی بات کو سن کر اس میں غور وفکر نہیں کر سکتے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں سے ایسا کلام فرمایا جس میں ان کو غور وفکر کرنے کے لیے فرمایا تھا اور آپ نے ان کے سننے کی بھی تصریح فرمائی جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو تین دن تک پڑے رہنے دیا پھر آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور ان کو پکار کر فرمایا: اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے کیے ہوئے وعدہ کو سچا پالیا' بے شک میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچا پایا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے' حالانکہ یہ مردہ اجسام ہیں' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ کے حکم سے ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔

(صحیح مسلم صفۃ الجنۃ: ۷۷' رقم الحدیث: ۲۸۷۴' الرقم المسلسل: ۷۰۹۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر مردوں کا یہی قاعدہ ہے کہ وہ کسی بات کو سن کر غور وفکر نہیں کرتے اور نہ کسی پیغام کو قبول کرتے ہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ بدر کے ان مردہ کافروں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما دیا ہو تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو سنیں اور اس پر غور وفکر کریں اور انہوں نے کفر اور شرک پر جو اصرار کیا تھا اس پر نادم ہوں' بہر حال اس آیت سے مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کسی بات کو سن کر اس پر غور وفکر کرنے اور کسی پیغام کو قبول کرنے کی نفی ہوتی ہے' اور ہم نے سماع موتیٰ پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۷۶-۵۸۹ میں کی ہے وہاں اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ہر جماعت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے O اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل' صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! O (فاطر: ۲۶-۲۳)

یعنی ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے تا کہ آپ نیک لوگوں کو ثواب کی بشارت دیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سے ڈرائیں' فاطر: ۲۴ میں ہے کہ ہر امت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گذر چکا ہے' اس سے مراد ہے کہ گزرے ہوئے زمانوں میں سے ہر زمانہ میں جو بھی کوئی بڑی جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے خواہ وہ نبی ہو یا عالم ہو' اس آیت میں بشیر کا ذکر نہیں ہے صرف نذیر کا ذکر ہے کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہو سکتا ہے

مخصوص اجر و ثواب کی بشارت بغیر وحی کے متصور نہیں ہے' اس لیے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے' اور نذیر چونکہ نبی کے علاوہ عالم بھی ہو سکتا ہے اس لیے یہاں صرف نذیر کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد آپ کو تسلی دی کہ ان کی تکذیب سے آپ رنجیدہ نہ ہوں اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس ان کے رسول آئے تھے جنہوں نے اپنی نبوت کے صدق پر کثیر معجزات پیش کیے تھے اور بعض رسولوں نے صحائف پیش کیے تھے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بعض رسولوں نے روشن کتاب پیش کی جیسے حضرت موسیٰ نے تورات' حضرت داؤد نے زبور اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے انجیل کو پیش کیا اور (ہمارے رسول سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو پیش کیا۔

اس کے بعد پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! یعنی جب کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوگئی اور وہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل

مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ

پیدا کیے اور پہاڑوں کے حصے ہیں سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں

أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ

اور بہت گہرے سیاہ ○ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی

وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ

اسی طرح مختلف رنگ ہیں' اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء

مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اللہ سے ڈرتے ہیں' بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا ○ بے شک جو لوگ

يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا

اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان چیزوں میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے

رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾

ہیں جو ہم نے ان کو دی ہیں' وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہو گا ○

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ

تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا کرے' بے شک وہ بہت بخشنے والا

شَكُورٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

بہت قدر دان ہے○ اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے وہی حق ہے' پہلی کتابوں کی تصدیق

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا

کرنے والی ہے' بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے○ پھر ہم نے ان لوگوں کو

الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ

اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کرلیا تھا' پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے

وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ

ہیں اور بعض متوسط ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں'

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ

یہی بڑا فضل ہے○ یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے ان کو وہاں سونے کے کنگن

فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۳﴾

اور موتی پہنائے جائیں گے اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا○

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب

لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا

بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے○ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا' جہاں

يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہو گی○ اور جن لوگوں نے کفر کیا

لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے ان کے عذاب

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ

میں کوئی کمی کی جائے گی' اور ہم ہر بڑے ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O اور وہ لوگ

يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ

دوزخ میں چلائیں گے' اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے' ہم نیک کام کریں گے جو پہلے

الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

کاموں کے خلاف ہوں گے' کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا

ع ۴ ۱۱ ۱۶ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو' اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا' لو اب مزا چکھو' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کیے' اور پہاڑوں کے حصے ہیں' سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ O اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں' اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا O (فاطر ۲۸۔۲۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں جدد کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں راستے گھاٹیاں' یہ لفظ جدہ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے کھلا ہوا راستہ۔ ابن بحر نے کہا ہے جدد کا معنی ہے ٹکڑے' جب کوئی شخص کسی چیز کو کاٹ کر ٹکڑے کر دے تو کہتا ہے جددتہ' الجوہری نے کہا زیبرے میں جو سفید اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں اس کو جدہ کہتے ہیں' دھاری دار چادر کو کساء مجدد کہتے ہیں' اس آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے متعدد راستے پیدا کیے۔

نیز اس آیت میں غرابیب کا لفظ ہے' یہ غربیب کی جمع ہے' اس کا معنی ہے گہرے سیاہ' اس سے مراد کالے پہاڑ ہیں' غربیب اس بوڑھے آدمی کو بھی کہتے ہیں جو ہمیشہ اپنے بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگتا ہو۔

سود کے معنی بھی سیاہ ہیں اور یہ غرابیب کی تاکیدی صفت ہے۔ جو چیز بہت سیاہ ہو عرب کہتے ہیں اس کا رنگ غراب (کوے) کی طرح ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شیخ غربیب سے بغض فرماتا ہے' یعنی اس بوڑھے شخص سے جو بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگتا ہو۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۱۶' دار الفکر' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث ۶۰' جمع الجوامع رقم الحدیث ۵۳۰۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث

۱۸۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۳۵' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں کفار سے خطاب فرمایا تھا اور اس آیت میں دو احتمال ہیں' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں بھی کفار سے خطاب فرمایا ہو اور ان پر اپنی توحید کی دلیل پیش کی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہو اور آپ کے سامنے اپنی توحید کی دلیل پیش کی تا کہ آپ یہ دلیل لوگوں کو سمجھائیں۔

اس آیت سے توحید پر اس طرح استدلال ہے کہ پانی کی طبیعت واحدہ ہے اور واحد چیز کا اثر بھی واحد ہوتا ہے پس اگر پھولوں کی پیدائش میں یہ پانی مؤثر ہوتا تو تمام پھول ایک ہی رنگت کے ہوتے' لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ پھول مختلف رنگ کے ہیں تو معلوم ہوا کہ پانی ان پھولوں کی پیدائش میں مؤثر نہیں ہے' پھر اگر کسی کو یہ تردد ہو کہ زمین اور پہاڑی علاقے پھولوں کی پیدائش میں مؤثر ہیں تو اس کا ازالہ فرمایا کہ پہاڑ سفید' سرخ اور گہرے سیاہ ہیں تو پھر زرد پھول اور نیلے پھول کس سے پیدا ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں ان مختلف رنگوں کو کون پیدا کرنے والا ہے' پھولوں کی پیدائش میں تم جس پانی اور زمین کو مؤثر سمجھ رہے ہو اس پانی اور زمین کا خالق کون ہے۔

دوسری آیت کے شروع میں بھی رنگوں کے اختلاف سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا کہ انسانوں' جانوروں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں بتاؤ ان مختلف رنگوں کا خالق کون ہے' حضرت عیسیٰ اور عزیر ان کے خالق نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی ان کے مختلف رنگ تھے' سورج' چاند اور ستارے ان کے خالق نہیں ہوسکتے کیونکہ جب یہ غروب ہو جائیں یا ان کو گہن لگ جائے' تب بھی یہ رنگ اسی طرح وجود میں آتے رہتے ہیں نیز سورج اور چاند تو خود ایک نظام کے تابع ہو کر گردش کر رہے ہیں' سیاروں کی گردش اور ستاروں کا طلوع اور غروب بھی ایک نظام کے تابع ہے' اور جو خود کسی کے تابع ہو وہ کسی دوسرے کے لیے مؤثر کب ہوسکتا ہے' اور رہی پتھر کی وہ مورتیاں جن کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی پرستش کرتے ہو تو ان کا کسی چیز کے لیے مؤثر ہونا تو بداہۃً باطل ہے جو اپنے وجود میں تمہارے بنانے کے محتاج ہیں وہ تمہارے خالق کب ہوسکتے ہیں!

عالم کی تعریف' اس کا اللہ سے ڈرنا اور دائمی عبادت کرنا

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

اس آیت میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو محض تاریخ' فلسفہ اور دنیاوی اور مروجہ علوم کے عالم ہوں' بلکہ اس سے مراد علماء دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں' قرآن' حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہوں ان کو قدر ضروری احکام شرعیہ مستحضر ہوں اور ان کو اتنی مہارت ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو اس کی متعلقہ کتابوں سے نکال سکتے ہوں' اور ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ ہو جس کی بناء پر وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں اور جو شخص بے عمل ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

مالک بن مغول روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے شعبی سے پوچھا مجھے بتائیے کہ عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا عالم وہ ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳' دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ فقیہ (عالم) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے' آخرت میں رغبت کرے' اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۹۹)

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے کہا جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا

ہو۔(سنن داری رقم الحدیث:۳۰۰)

مجاہد نے کہا فقیہ وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔(سنن داری رقم الحدیث:۳۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء پھر فرمایا عالم وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

خوف خدا کی دو قسمیں

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ عزیز اور غفور ہے یعنی بہت غالب اور بہت بخشنے والا ہے' جو شخص اللہ کی معصیت پر اصرار کرتا ہو اس کو سزا دینے پر بہت غالب ہے' اور جو شخص اپنے گناہوں پر تائب ہو اس کے لیے بہت بخشنے والا ہے اور جس ذات کی یہ شان ہو اس سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے' خشیت اور ڈر کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ اس کی تقصیرات اور خطاؤں پر قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور اس خطرہ کے پیش نظر وہ گناہوں سے مجتنب رہے' اور اگر شامت نفس اور اغواء شیطان سے اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے اور کسی بھی خطا کو معمولی نہ سمجھے اور جب اس کو اپنے گناہ یاد آئیں ان پر توبہ کرتا رہے اور اشک ندامت بہاتا رہے اور جو گناہ ہو گئے ہیں ان کی تلافی میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتا رہے کیونکہ نیکیاں بھی گناہوں کو مٹا دیتی ہیں یہی خوف خدا اور خشیت الٰہی کی وہ قسم ہے جو علماء سے مطلوب ہے' اور یہ جو فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں ڈر کا یہی معنی مراد ہے۔

خوف خدا اور خشیت الٰہی کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد نہ ہوا ہو پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے ڈرتا رہے کہ وہ بے نیاز ذات ہے' نہ جانے کون سی بات پر ناراض ہو جائے اور کس بات پر گرفت کر لے' قیامت کے دن جو انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی کہیں گے وہ خوف اور خشیت کی یہی قسم ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ علم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا. بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰)

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے قرآن مجید کی بشارتیں

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں متعدد بشارتیں ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ. (یونس:۶۳-۶۱)

سنو اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ جو ایمان لائے اور ہمیشہ متقی رہے ۝ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

یاد رکھیے اللہ کا ولی وہی ہوتا ہے جس کو مکمل شریعت کا علم ہو اور وہ اللہ سے ڈرتا ہو اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو۔ اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے یہ نوید ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝ (النزعٰت:۴۱-۴۰)

رہا وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس (امارہ) کو خواہش (پوری کرنے) سے روکا ۝ تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے احادیث کی بشارتیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل ذکرہ قیامت کے دن فرمائے گا ان کو دوزخ سے نکال لو جو میرا ذکر کرتے تھے یا جو کسی بھی دن کسی بھی جگہ پر مجھ سے ڈرے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۴ 'کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۲۱۶۴ 'المستدرک ج ۱ ص ۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ (المومنون: ۶۰) اور وہ جو کچھ (راہ خدا میں) دیتے ہیں وہ اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل (خوف خدا سے) کپکپا رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

کیا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی! لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں' نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل قبول نہ کیا جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کام کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳)

علماء دین کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو آدمی علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلا' اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا اور طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پر رکھتے ہیں' اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں عالم کے لیے استغفار کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی' اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم اور دینار کے وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں پس جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک ان میں سے عابد تھا اور دوسرا عالم تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے بل میں اور حتیٰ کہ مچھلی بھی' یہ سب نیکی کی تعلیم دینے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۱۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۵)

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں امام ابوحنیفہ کی قرأت

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء میں لفظ اللہ پر زبر ہے اور العلموء پر پیش ہے اور اس کا معنی ہے اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لفظ اللہ پر پیش اور العلماء پر زبر بھی پڑھا ہے' اس صورت میں یخشی کا معنی ڈرنا نہیں ہوگا بلکہ مجاز بالاستعارہ کے طور پر اس کا معنی ہوگا عظمت والا بنا دینا' یعنی اللہ اپنے بندوں میں سے صرف علماء کو عظمت والا بناتا ہے' اور وجہ استعارہ یہ ہے کہ جس شخص کی لوگوں پر ہیبت ہوتی ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں وہ لوگوں کے درمیان عظمت والا ہوتا ہے تو گویا اللہ نے علماء کو ہیبت والا بنا دیا جن سے لوگ ڈریں' اور جس کی لوگوں کے نزدیک ہیبت ہوتی ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں وہ ان کے نزدیک معظم اور جلیل القدر ہوتا ہے تو اس تقدیر پر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف علماء کو معظم اور جلیل القدر بناتا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۶۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۰۸' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۵۸۶' البحر المحیط ج ۹ ص ۳۱' روح البیان ج ۷ ص ۴۰۴' روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۸۴)

دراصل ان دونوں قرأتوں کا مآل واحد ہے' کیونکہ اگر اس آیت میں یخشی اللہ میں لفظ اللہ پر زبر پڑھی جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' اور اللہ سے ڈرنے والے متقی ہیں اور جو اللہ سے ڈرنے والے اور متقی ہیں وہی اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔ (الحجرات: ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔

پس اس قرأت کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معظم اور مکرم ہیں' اور اگر اس آیت میں لفظ اللہ پر پیش اور العلماء پر زبر پڑھی جائے تب بھی اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف علماء کو معظم اور جلیل القدر بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان چیزوں میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' جو ہم نے ان کو دی ہیں' وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا O تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا کرے' بے شک وہ بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے O اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے' وہی حق ہے' پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے O (فاطر: ۳۱-۲۹)

تلاوت قرآن' اقامت صلوٰۃ اور اداء صدقات کے آداب

جو لوگ قرآن مجید کی دائماً تلاوت کرتے ہیں اور اس میں مذکور احکام پر عمل کرتے ہیں' کیونکہ بغیر عمل کے تلاوت کا کماحقہٗ فائدہ نہیں ہوتا' اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اس سے عام ہے کہ انسان روزانہ ایک مقررہ مقدار تک قرآن مجید کی تلاوت کرے یا استاذ سے قرآن پڑھے اور یا شاگردوں کو قرآن مجید کی تعلیم دے' لیکن عام طور پر عرف میں قرآن مجید کی تلاوت سے یہ مراد ہوتا ہے کہ وہ بہ طور وظیفہ روزانہ قرآن مجید کی منزل پڑھے جب صالحین کا ذکر پڑھے تو ان میں شمول کی دعا

کرے اور جب کفار اور فاسقین کا ذکر پڑھے تو ان سے پناہ طلب کرے۔

نماز پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط' ارکان اور آداب کے ساتھ پڑھے' اس میں فرائض' سنن اور آداب داخل ہیں' اور اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر مال کو خرچ کرے' جس مال کو خرچ کرنا فرض یا واجب ہے جیسے زکوٰۃ' قربانی' فطرہ اور نذر معین ان کو ظاہراً خرچ کرے اور نفلی صدقات کو پوشیدہ طور پر خرچ کرے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں مال کو خرچ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حلال اور طیب مال کو خرچ کرے' حلال کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اپنی جنس اور مادے کے اعتبار سے حلال ہو حرام نہ ہو مثلاً مردار' شراب اور خنزیر نہ ہو' اور طیب کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو مثلاً رشوت یا سود یا چوری یا ڈاکے' کے ذریعہ حاصل نہ ہوئی ہو۔ جب ظاہراً صدقہ دے تو اس میں کسی کو دکھانے یا سنانے کا قصد نہ ہو' نہ اپنی تعریف اور تحسین چاہنے کی نیت ہو بلکہ لوگوں کو ترغیب دینے کی نیت ہو' اور یہ نیت ہو کہ لوگ اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کریں کہ یہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا یا قربانی نہیں کرتا' اور نفلی صدقات اس طرح چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے کیونکہ اس پر قیامت کے دن اللہ کے سائے کے حصول کی بشارت ہے' مفصل حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے (۴) وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملتے ہیں اور اللہ کی محبت میں جدا ہوتے ہیں (۵) وہ شخص جس کو کسی خوب صورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ شخص جو اس طرح صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱)

اللہ تعالیٰ کے زیادہ اجر عطا فرمانے کی تحقیق

فرمایا: وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا۔

تلاوت قرآن کرنے' نماز قائم کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تجارت اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' اور بندہ اس نیت سے ان کاموں کو کرے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور ان کاموں پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا تو اللہ کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوگا' سو یہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی گھاٹا نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا: تا کہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور ان کو اپنے فضل سے مزید عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ کا پورا ثواب عطا فرمانا بندہ کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جو حساب اور شمار سے باہر ہیں وہ اپنی زندگی کے ہر سانس کو بھی عبادت میں صرف کرے پھر بھی اس کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا' پھر عبادت کرنے کے لیے اس کے جسم کو صحیح سالم بنایا' صحت اور توانائی عطا کی' تلاوت قرآن کی ہے تو اس کو بولنے والا بنایا ہے' نماز پڑھی ہے تو اس کے جسم میں یہ صلاحیت رکھی ہے' اس کا پورا جسم مفلوج ہوتا تو کیسے نماز پڑھتا' ظاہر اور پوشیدہ خرچ کیا ہے تو خرچ کرنے کے لیے مال دیا ہے اس کے پاس مال نہ ہوتا تو کہاں سے خرچ کرتا' پھر اس کا جسم بھی صحیح و سالم ہوتا اس کے پاس مال بھی ہوتا لیکن اس کے دل میں عبادت کرنے کی تحریک نہ ہوتی' کو

داعی اور باعث نہ ہوتا' کوئی جذبہ نہ ہوتا تو وہ کیسے قرآن مجید کی تلاوت کرتا' کیسے نماز پڑھتا کیسے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا تو سب کچھ تو اس نے کیا ہے' بندہ نے کیا کیا ہے' اس کا کس وجہ سے استحقاق ہے! یہ اس کریم' جواد اور فیاض کا بے حد کرم اور فضل ہے کہ اس نے ان کاموں پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمالیا پھر کرم بالائے کرم یہ ہے کہ جتنا ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا وہ اپنی رحمت کے خزانوں سے جس کو چاہے اس سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہے اور یہ زیادہ ثواب عطا فرمانا کبھی محض اس کے فضل سے ہوتا ہے اور کبھی انبیاء کرام اور صالحین کی شفاعت سے ہوتا ہے' اور یہ زیادہ ثواب کبھی نیکیوں کو دگنا چوگنا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے نتیجہ میں اللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

اور فرمایا وہ بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے:

مومنین سے جو تقصیرات اور خطائیں ہو جاتی ہیں ان کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے' اور ان کی عبادات کو قبول کرنے والا اور ان کو پوری پوری بلکہ اس سے بھی زیادہ جزا دینے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے' وہی حق ہے' پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے O (فاطر: ۳۱)

نبیوں کی ایک دوسرے پر فضیلت

اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف جس کتاب کی وحی فرمائی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے' وہ اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' کہ وہ کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں اور ان کتابوں کی ان آیات میں تصدیق کرتی ہے جن میں اہل کتاب نے تحریف نہیں کی' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے کہ کون اس لائق ہے کہ اس کو دوسروں پر فضیلت دی جائے' یہی وجہ ہے کہ اس نے نبیوں اور رسولوں کو تمام فرشتوں اور انسانوں پر فضیلت دی اور بعض نبیوں کو بعض دوسرے نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں پر بلکہ تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا' جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا' پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض معتدل ہیں' اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یہی بڑا فضل ہے O (فاطر: ۳۲)

امت مسلمہ کا قرآن مجید کی وارث ہونا

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اس کتاب کا وارث بنایا ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' اور اس آیت میں جن منتخب بندوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو امت وسط (افضل امت) بنایا ہے تاکہ وہ دیگر امتوں کے متعلق گواہی دیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں میں افضل اور اکرم تھے ان کی طرف اس امت کو منسوب فرمایا ہے' اس آیت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل کرنے کا ذکر فرمایا تھا جو ہر خیر کا منبع اور سرچشمہ ہے' اور اس آیت میں فرمایا پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا' کیونکہ آپ پر وحی نازل کرنے کا زمانہ ہی اس امت کو وارث بنانے کا زمانہ ہے' اور یہاں پھر کا لفظ تاخیر زمانہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تاخیر مرتبہ کے لیے ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ منتخب بندوں سے مراد صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین ہیں' اور ان کو قرآن کا وارث بنانے کا معنی یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کا سمجھنے والا بنا دیا' اور اس کے حقائق اور دقائق کا واقف کر دیا اور اس کے اسرار کا امین بنا دیا۔

اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے متعلق شیخ طبرسی اور علامہ آلوسی کا نظریہ

مشہور شیعہ عالم ابوالفضل بن الحسن الطبرسی من علماء القرن السادس لکھتے ہیں:

اس آیت میں ہے: جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا۔ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رسالت اور اپنی کتاب کے لیے چن لیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کتاب کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے علم کا وارث بناتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر آسمانی کتاب کا وارث بنایا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ہیں کیونکہ حدیث میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں' اور امام باقر اور امام صادق سے مروی ہے کہ یہ آیت خاص ہمارے لیے ہے اور اس آیت سے ہم ہی کو مراد لیا گیا ہے' اور یہ قول تمام اقوال میں حق کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ائمہ اہل بیت ہی اصطفاء اور اجتباء (منتخب کرنے اور چننے) کے زیادہ قریب ہیں اور علم انبیاء کے وہی وارث ہیں وہی قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس کے حقائق کو بیان کرنے والے ہیں اور اس کے معارف اور دقائق کے جاننے والے ہیں۔

(مجمع البیان ج ۸ ص ۶۳۸' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہیں:

اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت (اہل بیت) ہے وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ دونوں حوض پر وارد ہوں گے۔ اور جمہور علماء کا اس آیت کو علماء امت پر محمول کرنا بالخصوص اہل بیت پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے' اور علماء امت میں علماء اہل بیت سب سے پہلے داخل ہیں کیونکہ ان ہی کے گھر میں کتاب نازل ہوئی ہے اور وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ یوم حساب کو وہ دونوں حوض پر وارد ہوں گے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۰ ـ ۲۸۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ طبرسی اور علامہ آلوسی کے نظریہ پر مصنف کا تبصرہ

علامہ آلوسی نے اہل بیت کی فضیلت میں جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ابوسعید خدری سے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے: از حمدان بن ابراہیم العامری از یحییٰ بن الحسن بن فرات القزاز از عبد الرحمن المسعودی از کثیر النواء از عطیہ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۶۶' مکتبۃ المعارف ریاض) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

عبد الرحمن المسعودی کی روایات مختلط ہیں اور کثیر النواء اور عطیہ العوفی دونوں ضعیف راوی ہیں۔

اور شیخ طبرسی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت سے خصوصاً ائمہ اہل بیت مراد ہیں اور یہ آیت خصوصاً ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہی مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہیں اور وہی علم انبیاء کے وارث ہیں اور وہی اس کے معارف' حقائق اور دقائق کو جاننے والے اور بیان کرنے والے ہیں۔

اور نہ علامہ آلوسی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ علماء اہل بیت اس آیت میں سب سے پہلے داخل ہیں' کیونکہ ہر منصف مزاج شخص کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کو سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر نے جمع کیا اور آپ نے حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابی بن کعب وغیرہم پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس نے لغت قریش کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا اور اس کو حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر رکھوا دیا' اس وقت قرآن مجید کو مختلف لغات کے

مطابق پڑھا جاتا تھا پھر جب اختلاف لغات کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہوا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے صرف اس نسخہ کی اشاعت کی گئی جو لغت قریش میں تھا' اور آج تک امت مسلمہ کے پاس وہی قرآن مجید ہے' اور شیعہ علماء کو بھی یہ بات تسلیم ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہزار اختلاف کے باوجود ان کے پاس بھی یہی قرآن مجید ہے اس لیے حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہی قرآن مجید کے جامع اور محافظ ہیں اور وہی قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ الکریم قرآن مجید کے اسرار ورموز کے سب سے زیادہ عالم اور عارف ہیں پھر ان کے بعد دیگر صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور فقہاء مجتہدین ہیں۔

علامہ آلوسی نے اہل بیت کی فضیلت میں سے ایک ضعیف السند حدیث ذکر کی تھی ہم اس حدیث کو سند صحیح کے ساتھ مع تشریح کے پیش کر رہے ہیں تاکہ کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اہل بیت کے فضائل کا ذکر نہیں کرتے یا اس میں کمی کرتے ہیں کیونکہ ہم اہل بیت کی محبت کو اپنے ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں اور اپنی نجات کو ان کی شفاعت سے وابستہ سمجھتے ہیں' جس حدیث صحیح کا ہم نے وعدہ کیا ہے وہ یہ ہے:

اہل بیت کرام کے فضائل

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے' آپ نے اللہ کی حمد اور ثناء کے بعد وعظ اور نصیحت کی' اس کے بعد آپ نے فرمایا: سنو اے لوگو! عنقریب میرے پاس اللہ کی طرف لے جانے والا آئے گا اور میں چلا جاؤں گا' اور میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' ان میں سے پہلی عظیم چیز اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے' سو تم اللہ کی کتاب کو لازم رکھو اور اس سے وابستہ رہو' پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی ترغیب دی' پھر فرمایا اور دوسری عظیم چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷-۱۴)

آپ نے قرآن مجید اور اہل بیت دونوں کو ثقلین فرمایا کیونکہ ان دونوں کے ساتھ وابستہ رہنا اور ان کے احکام پر عمل کرنا ثقیل ہے' اور ہر وہ چیز جو نفیس اور عظیم ہو اس کو عرب ثقیل کہتے ہیں' آپ نے ان دونوں کو ثقلین فرمایا کیونکہ یہ دونوں بہت عظیم القدر اور رفیع المرتبہ ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۱۹' دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

آپ نے تین بار فرمایا میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ حکم ہو:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۔ آپ کہیے کہ میں تم سے اس تبلیغ دین پر اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔ (الشوریٰ: ۲۳)

اس کی مفصل بحث الشوریٰ: ۲۳ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو تین بار یہ وصیت فرمائی ہے اس میں بہت عظیم تاکید ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے اہل بیت کا احترام اور ان کی تعظیم واجب ہے اور یہ ان فرائض میں سے ہے جن کا ترک کرنا کسی شخص کے لیے کسی حال میں جائز نہیں ہے' اور اس کا سبب ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت ہے' اور اس وجہ سے کہ وہ آپ کا جز ہیں کیونکہ ان کے بھی وہی اصول ہیں جن سے آپ کی نشو و نما ہوئی اور وہ آپ کے ایسے فروع ہیں جن کی نشو و نما آپ سے ہوئی

ہے‘ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاطمہ میرا جز ہے جو چیز اس کو اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے (صحیح البخاری ۵۲۷۸‘ صحیح مسلم: ۲۴۴۹‘ سنن ابوداؤد: ۲۰۷۱‘ سنن الترمذی: ۳۸۶۷) اس کے باوجود بنوامیہ (یزید اور مروانیوں) نے ان کے عظیم حقوق کو پامال کیا اور آپ کے حکم کی نافرمانی کی انہوں نے اہل بیت کا خون بہایا ان کی خواتین کو قید کیا ان کے بچوں کو گرفتار کیا‘ ان کے گھروں کو ویران کیا اور ان کے شرف اور ان کی فضیلت کا انکار کیا‘ ان پر لعن طعن کرنے کو مباح قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کی مخالفت کی اور اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کے الٹ اور آپ کے حکم اور آپ کی خواہش کے برعکس کام کیے‘ پس جب وہ بہ روز قیامت آپ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو آپ کو کیا منہ دکھائیں گے اور اس وقت ان کی کیسی ذلت اور رسوائی ہو گی! (المفہم ج ۶ ص ۳۰۴‘ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

ظالم‘ مقتصد (متوسط) اور سابق کے مصداق کے متعلق احادیث اور آثار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں‘ یہی بڑا فضل ہے O (فاطر: ۳۲)

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق ہے‘ اب اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس امت میں تین قسم کے لوگ ہوں گے‘ بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے‘ بعض متوسط اور میانہ روی والے ہوں گے اور بعض نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہوں گے‘ ان کے متعلق حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: ۳۲) آپ نے فرمایا یہ سب ایک قسم کے حکم میں ہیں اور یہ سب جنت میں ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۵‘ مسند احمد ج ۳ ص ۷۸‘ جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۸۶‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۹۸۷‘ الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳‘ روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۲‘ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ثم اورثنا الکتب. الأیة (فاطر: ۳۲) پھر اس کی تفسیر میں فرمایا: رہے وہ لوگ جو نیکیوں میں سابق ہیں سو وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور رہے وہ لوگ جو مقتصد (متوسط) ہیں تو ان سے بہت آسان حساب لیا جائے گا‘ اور رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے سو ان لوگوں کو میدان محشر میں قید رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے ملاقات کرے گی اور پھر وہ کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدردان ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۸‘ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے‘ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۶۲۴‘ دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ منهم ظالم لنفسه سے مراد وہ شخص ہے جس سے اس مقام پر رنج اور غم طاری کر کے اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی‘ اور منهم مقتصد سے مراد وہ ہے جس سے آسان حساب لیا جائے گا اور منهم سابق بالخیرات سے مراد وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۴‘ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے‘ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۷۸‘ دار الحدیث قاہرہ‘ جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۸۵‘ الدر المنثور ج ۷ ص ۲۲‘ روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۲‘ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح

ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۶)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی تین تہائیاں ہیں' ایک تہائی وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے' دوسری تہائی وہ ہیں جن سے بہت آسان حساب لیا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے' اور تیسری تہائی وہ ہیں جن سے خوب تفتیش کی جائے گی اور ان کو خوب کھنگالا جائے گا' پھر فرشتے آ کر کہیں گے کہ ہم نے ان کو اس حال میں پایا کہ یہ کہہ رہے تھے لا الٰہ الا اللہ وحدہ (صرف ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) اللہ فرمائے گا انہوں نے سچ کہا میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان کے قول لا الٰہ الا اللہ وحدہ کی وجہ سے ان کو جنت میں داخل کر دو' اور ان کے گناہ مکذبین پر ڈال دو اور یہ اس آیت کے مطابق ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ . (العنکبوت: ۱۳) اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

اور فرشتوں کے ذکر کی تصدیق فاطر: ۱۳ میں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (میری امت کی) کل تین قسمیں بیان کی ہیں' فرمایا ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اس سے مراد وہ ہیں جن سے خوب تفتیش کی جائے گی اور ان کو کھنگالا جائے گا اور ان میں سے بعض مقتصد ہیں' اس سے مراد وہ ہیں جن سے آسان حساب لیا جائے گا اور ان میں سے بعض نیکیوں میں اللہ کے اذن سے سبقت کرنے والے ہیں' یہ وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے اور (میری امت کے) سب لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۸۰' رقم الحدیث: ۱۴۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۹۸۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۶)

امام ابن النجار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم میں سے سابق ہے وہ سابق ہے اور جو ہم میں سے مقتصد ہے وہ نجات یافتہ ہے اور جو ہم میں سے ظالم ہے وہ بخش دیا جائے گا۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جو نیکیوں میں سابق ہوگا وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل کیا جائے گا' اور جو مقتصد ہے وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا' اور جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور اصحاب اعراف وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: رہے سابق تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گزر گئے اور آپ نے ان کے لیے جنت کی شہادت دی' اور رہے مقتصد تو یہ وہ ہے جس نے ان صحابہ کے آثار کی اتباع کی اور ان کی طرح عمل کیے حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ مل گیا' اور رہا ظالم تو وہ میری اور تمہاری مثل ہے اور جس نے ہماری اتباع کی' اور حضرت عائشہ نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں (حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ وہ میری اور تمہاری مثل ہے یہ ان کی تواضع اور انکسار پر محمول ہے جیسے حضرت آدم نے کہا "ربنا ظلمنا انفسنا")۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۵۶' رقم الحدیث: ۶۰۹۰' مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ ھ)

ان احادیث اور آثار میں بار بار یہ صراحت کی گئی ہے کہ آپ کی امت میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں اور جو نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں وہ سب جنت میں داخل ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یہ لوگ دائمی باغوں میں داخل ہوں گے' ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم ہو

گا○ (فاطر: ۳۳)

ظالم' مقتصد اور سابق کی تعیین اور اس کے مصداق میں ہم نے احادیث اور آثار کو پیش کیا ہے' مفسرین نے بھی اس مسئلہ میں بہ کثرت اقوال کا ذکر کیا ہے' احادیث اور آثار کے ذکر کے بعد ان اقوال کے ذکر کی ضرورت تو نہیں ہے' لیکن ہم اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان اقوال کو بھی پیش کر رہے ہیں' یہ اقوال چالیس سے زیادہ ہیں' ہم ان میں سے پچیس اقوال کا ذکر کر رہے ہیں ان میں سے بعض اقوال ناپسندیدہ اور مردود ہیں آخر میں ہم ان بعض اقوال کے مردود ہونے کی وجہ بیان کریں گے۔

اور اس بحث میں ہمارا مختار وہی ہے جس کی ان احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ ظالم سے مراد وہ ہے جس سے سخت حساب لیا جائے گا اور مقتصد سے مراد وہ ہے جس سے آسان حساب لیا جائے گا اور سابق سے مراد وہ ہے جس کو بلا حساب جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہ سب جنتی ہیں۔

ظالم' مقتصد (متوسط) اور سابق کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

(۱) سہل بن عبداللہ تستری نے کہا سابق (نیکیوں میں آگے بڑھنے والا) سے مراد عالم ہے اور مقتصد (درمیانی درجہ کا نیک) سے مراد متعلم ہے اور ظالم (گنہ کرنے والا) سے مراد جاہل ہے۔

(۲) ذوالنون مصری نے کہا ظالم وہ ہے جو فقط زبان سے ذکر کرے' اور مقتصد وہ ہے جو دل سے ذکر کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو کبھی نہ بھولے۔

(۳) انطا کی نے کہا ظالم صاحب قول ہے' مقتصد صاحب عمل ہے اور سابق صاحب حال ہے۔

(۴) ابن عطا نے کہا ظالم وہ ہے جو دنیا کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے' مقتصد وہ ہے جو آخرت کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے۔

(۵) ظالم وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو کیونکہ وہ دنیا سے اپنے حصے کو ترک کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے' مقتصد وہ ہے جو اللہ کی صفات کا عارف ہو اور سابق وہ ہے جو اللہ کی ذات کا محبّ ہے۔

(۶) ظالم وہ ہے جو مصیبت کے وقت آہ و زاری کرے' مقتصد وہ ہے جو مصیبت پر صبر کرے اور سابق وہ ہے جس کو مصیبت میں لذت آئے۔

(۷) ظالم وہ ہے جو غفلت سے اور عادۃً اللہ کی عبادت کرے' مقتصد وہ ہے جو شوق اور خوف سے اللہ کی عبادت کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرے۔

(۸) ظالم وہ ہے جس کو نعمت مل جائے تو وہ دوسروں کو دینے سے منع کرے' مقتصد وہ ہے جو نعمت مل جانے کے بعد اس کو خرچ کرے اور سابق وہ ہے جو نعمت نہ ملے پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور مل جائے تو دوسروں کو دے دے۔

(۹) ظالم وہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس پر عمل نہ کرے' مقتصد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور سابق وہ ہے جو قرآن کا قاری ہو' اس کے معانی کا عالم ہو اور اس کے احکام پر عامل ہو۔

(۱۰) سابق وہ ہے جو مؤذن کی اذان سے پہلے مسجد میں داخل ہو' مقتصد وہ ہے جو اذان کے دوران مسجد میں داخل ہو اور ظالم وہ ہے جو جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہو (یہاں ظالم سے مراد خلاف اولیٰ کا مرتکب ہے)' کیونکہ اس نے اپنے نفس کو زیادہ اجر سے محروم رکھا' زیادہ صحیح اس کے بعد کا قول ہے:

(۱۱) سابق وہ ہے جو نماز کو اس کے وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھے' کیونکہ اس نے دونوں فضیلتوں کو حاصل کر لیا' مقتصد وہ ہے کہ ہرچند کہ اس سے جماعت فوت ہو گئی لیکن اس نے وقت میں نماز پڑھ لی' اور ظالم وہ ہے جو نماز سے غافل ہو حتیٰ کہ نماز کا وقت اور جماعت دونوں گزر جائیں۔

(۱۲) ظالم وہ ہے جو اپنے نفس سے محبت کرے' مقتصد وہ ہے جو اپنے دین سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرے۔

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سابق وہ ہے جو ہجرت سے پہلے اسلام لایا' مقتصد وہ ہے جو ہجرت کے بعد اسلام لایا' اور ظالم وہ ہے جو تلوار سے ڈر کر اسلام لایا اور ان سب کی مغفرت ہو جائے گی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۲۔۳۱۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ نے یہ مثالیں بھی دی ہیں:

(۱۴) ظالم وہ ہے جو اپنے مال کے سبب سے مستغنی ہو' مقتصد وہ ہے جو اپنے دین کی وجہ سے مستغنی ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کی وجہ سے مستغنی ہو۔

(۱۵) ظالم وہ ہے جو اپنے نفس سے محبت کرے' مقتصد وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جس سے اس کا رب محبت کرے۔

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سابق مومن مخلص ہے' مقتصد ریا کار ہے اور ظالم وہ ہے جو اللہ کا منکر نہ ہو مگر اس کی نعمت کا شکر ادا نہ کرے۔

(۱۷) بکر بن سہل دمیاطی نے کہا ظالم وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اس پر توبہ نہ کرے' مقتصد وہ ہے جو کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے' اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر توبہ کرے' کیونکہ جس نے کسی گناہ سے توبہ کر لی تو گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور سابق وہ ہے جو اللہ کی کوئی معصیت نہ کرے۔

(۱۸) حسن بصری نے کہا سابق وہ ہے جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور مقتصد وہ ہے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور ظالم وہ ہے جس کی برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں۔

(۱۹) ظالم مسلم ہے' مقتصد مومن ہے اور سابق محسن ہے۔

(۲۰) ظالم وہ شخص ہے جو دوزخ کے خوف کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرے' مقتصد وہ ہے جو جنت کی طمع سے اللہ کی عبادت کرے اور سابق وہ ہے جو بغیر کسی غرض یا سبب کے اللہ کی عبادت کرے۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۱۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

(۲۱) جن شخص پر اس کا نفس امارہ غالب ہو وہ اس کو معصیت کا حکم دے اور وہ اس کو مان لے تو وہ ظالم ہے' اور جو شخص اپنے نفس سے جہاد کرے کبھی نفس امارہ پر غالب ہو کر معصیت کو ترک کر دے اور کبھی نفس امارہ سے مغلوب ہو کر معصیت کا ارتکاب کر لے تو وہ مقتصد ہے اور جو نفس امارہ پر ہمیشہ قاہر اور غالب رہے وہ سابق ہے۔

(۲۲) جو شخص معصیت کو حرام سمجھتے ہوئے معصیت کرے اور صرف فرائض اور واجبات پڑھے اور نوافل نہ پڑھے وہ ظالم ہے' اور جو شخص معصیت سے اجتناب کرے اور فرائض اور واجبات کے علاوہ مستحبات پر بھی عمل کرے وہ مقتصد ہے اور جو ان امور کے علاوہ استغفار' اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف بھی بہ کثرت پڑھے وہ سابق ہے۔

(۲۳) جو صرف حرام کو ترک کرے وہ ظالم ہے جو صرف مکروہات کو ترک کرے وہ مقتصد ہے اور جو شبہات کو بھی ترک کرے وہ

سابق ہے۔

(۲۴) جو شخص حلال یا حرام کی پرواہ کیے بغیر کھائے وہ ظالم ہے اور جو شخص صرف حلال کھائے لیکن نفس کے مرغوبات اور لذائذ سے اجتناب نہ کرے وہ مقتصد ہے اور جو حساب کے ڈر سے ان سے بھی احتراز کرے وہ سابق ہے۔

(۲۵) جو شخص اپنی عمر شہوت اور معصیت میں ضائع کردے وہ ظالم ہے اور جوان سے جنگ کرتے ہوئے عمر گزارے وہ مقتصد ہے اور جو اپنے آپ کو لغزشوں سے بھی بچائے رکھے وہ سابق ہے کیونکہ صدیقین زلالت سے جنگ کرتے ہیں اور زاہدین شہوات سے جنگ کرتے ہیں اور تائبین کبائر سے جنگ کرتے ہیں۔

مفسرین کے ذکر کردہ مردود اقوال

علامہ ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ جو دوزخ کے ڈر سے عبادت کرے وہ ظالم ہے اور جو جنت کی طمع سے اللہ کی عبادت کرے وہ مقتصد ہے اور جو کسی غرض اور سبب کے بغیر اللہ کی عبادت کرے وہ سابق ہے۔
(الکشف والبیان ج ۸ص ۱۱۰ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۱۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں دوزخ کے ڈر اور جنت کی طمع دلا کر عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے سو یہ قول ان آیات کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (الصف: ۱۲-۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو درد ناک عذاب سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور تمہیں ان پاکیزہ مکانوں میں داخل کردے گا جو دائمی جنتوں میں ہیں یہی عظیم کامیابی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب کا خوف اور جنت کا شوق دلا کر عبادت کی ترغیب دی ہے اور ایسی قرآن مجید میں بہت آیات ہیں، سو دوزخ کے خوف سے عبادت کرنے کو ظلم کہنا بجائے خود ظلم ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ بہت دقیق النظر مفسر ہیں مگر حیرت ہے کہ اس بحث میں ایک جگہ انہوں نے طالب النجاۃ کو ظالم کہا اور اس کے چند سطر بعد انہوں نے دوزخ کے خوف سے فرائض ادا کرنے والے کو ظالم کہا۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۹۱)
اسی طرح علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے عادۃً عبادت کرنے والے کو بھی ظالم کہا ہے (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۱۱) اسی طرح علامہ اسماعیل حقی نے بھی عادۃً عبادت کرنے والے کو ظالم کہا ہے (روح البیان ج ۷ص ۴۱۰) اور یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص عادۃً نیک کام کرے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اگر وہ عادۃً گناہ کرے تو عذاب کا مستحق ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تمہارے عمل زوجیت میں بھی صدقہ ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے یہ عمل کرے کیا اس کو پھر بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام محل میں اپنی شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ حلال محل میں اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم الزکوۃ: ۵۳ رقم الحدیث بلاتکرار: ۱۰۰۶ الرقم المسلسل: ۲۲۹۲)

امام رازی نے لکھا ہے:

جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ ظالم ہے اور جو گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو وہ مقتصد ہے اور جو معصوم ہو وہ سابق ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق ہے اور امت کا کوئی فرد معصوم نہیں ہے اس لیے یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح سے علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے روح البیان میں اور شیخ فیض احمد اویسی نے اس کے ترجمہ فیوض الرحمان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہنا ہر چند کہ خلاف ادب ہے لیکن جائز ہے۔

شیخ فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

جملہ اقوال میں عام مومنین ہی مراد ہیں یہی وجہ ہے کہ جس نے ظالم لنفسہ سے آدم علیہ السلام اور مقتصد سے ابراہیم علیہ السلام اور سابق سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے اس نے درست نہیں کیا۔ پہلے عام مومنین مراد لے کر بعد میں یہ حضرات مراد لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور وہ حضرات پیغمبر ہیں۔ ہاں ضمائر مومن کی طرف راجع ہوں تو پھر ضمناً یہ حضرات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام ظالم لنفسہ تھے؟

جواب: چونکہ انہوں نے اپنے لیے ربنا ظلمنا الخ کہہ کر خود اعتراف فرمایا تو پھر انہیں ظالم لنفسہ فرمایا ہے۔

با ادب باش: اگرچہ بتاویل اس کا اطلاق جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الظلم بمعنے حق سے متجاوز ہونا جو کہ دائرہ کے لیے بمنزلہ نقطہ کے ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر اسی لیے اس کا اطلاق گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی اپنے تجاوز کے متعلق اپنے آپ کو ظالم کہا تو شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ (فیوض الرحمان ج ۲۲ ص ۵۲۵ مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

ہمارے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہنا صرف خلاف ادب نہیں ہے بلکہ تصریحات علماء کے مطابق یہ کفر ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

وقد قال علماؤنا رحمة الله عليهم ان من قال عن نبي من الانبياء في غير التلاوة و الحديث انه عصى او خالف فقد كفر نعوذ بالله من ذالك.

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت یا حدیث کی قرأت کے بغیر کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے اللہ کی معصیت کی یا اس کی مخالفت کی تو اس نے کفر کیا ہم اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج علامہ ابوبکر بن العربی کے حوالے سے لکھتے ہیں: اب ہمارے لیے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اپنی طرف سے کچھ کہنا جائز نہیں ہے ماسوا اس کے کہ ہم ان کے متعلق کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ کریں اور جب ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنے قریبی آباء کے متعلق کوئی بات کہیں تو جو ہمارے سب سے پہلے باپ ہیں اور تمام نبیوں پر مقدم ہیں ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا کس طرح جائز ہو گا۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۹) (المدخل ج ۲ ص ۱۵ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب فرمایا ہے اور ان پر عتاب فرمایا ہے اور خود انبیاء علیہم السلام

نے ان کاموں پر استغفار فرمایا ہے' ان کاموں سے ان کے مراتب اور مناصب میں کوئی کمی نہیں ہوتی' ان سے یہ کام تاویل اور اجتہادی خطا سے یا نسیان سے صادر ہوئے' دوسروں کے اعتبار سے یہ کام حسنات ہیں اور ان کے بلند مرتبے کے اعتبار سے سیئات ہیں کیونکہ جس کام پر بادشاہ کو چوان کو انعام دیتا ہے وزیر سے اسی کام پر گرفت کرتا ہے' اسی وجہ سے عرصہ محشر میں انبیاء علیہم السلام خوف زدہ ہوں گے' حالانکہ ان کو اپنی سلامتی اور امن کا یقین ہوگا' اسی وجہ سے جنید نے کہا نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہوتے ہیں۔ (دراصل یہ ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخراز البغدادی المتوفی ۲۸۶ھ کا قول ہے انہوں نے کہا تھا ذنوب المقربین حسنات الابرار' تاریخ دمشق ج ۵ ص ۲۰۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پس انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے ان کاموں کی تلافی کی اور اللہ نے ان کو چن لیا' ان کی مدح فرمائی اور ان کا تذکرہ کیا اور ان کو پسند فرمالیا اور ان کو بزرگی دی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۷۔۱۶۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان کو ظالم کہنا ادب کے خلاف ہے' لیکن جائز ہے' انہوں نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا اور بے توجہی میں لکھ دیا' اگر وہ اس پر غور اور توجہ کرتے تو ایسا نہ لکھتے' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے' لیکن شیخ فیض احمد اویسی پر لازم تھا کہ وہ اس عبارت کا ترجمہ کرنے کے بعد اس پر حاشیہ لکھتے اور بتاتے یہ محض خلاف ادب نہیں ہے' بلکہ بہت سنگین بات ہے کیونکہ اصل روح البیان تو عربی میں ہے اور اس کا جب اردو ترجمہ لوگ پڑھیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ حضرت آدم کو ظالم کہنا جائز ہے' اور ظاہر ہے کہ تمام اردو دان عالم نہیں ہوتے تو اس ترجمہ اور حاشیہ میں وضاحت نہ کرنے کی وجہ سے عام اردو دان لوگوں کے کفر اور گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تفسیر میں ایسی سنگین تقصیرات سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

ظالم کو مقتصد اور سابق پر مقدم کرنے کی توجیہات

اس آیت میں تین شخصوں کا ذکر ہے (۱) اپنی جان پر ظلم کرنے والا (۲) مقتصد یعنی نیکی اور برائی میں متوسط (۳) اور نیکیوں میں سبقت کرنے والا' اور ان میں سب سے پہلے ظالم کا ذکر فرمایا ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عموماً اس کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے جس کا شرف اور مرتبہ زیادہ ہو پھر ظالم کے ذکر کو متوسط اور سابق سے پہلے بیان کرنے کی کیا توجیہ ہے' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کسی چیز کا پہلے ذکر کرنا اس کی فضیلت کو مستلزم نہیں ہے قرآن مجید کی بعض آیتوں میں دوزخیوں کا جنتیوں سے پہلے ذکر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے: **لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة** (الحشر: ۲۰)۔

(۲) ظالموں اور فاسقوں کی تعداد متوسط نیکی کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے اور متوسطین کی تعداد نیکی میں سبقت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے سو جن کی تعداد زیادہ ہے ان کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ظالم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی توقع سب سے زیادہ ہوتی ہے' کیونکہ اس کو اپنی نجات کے لیے اس کی رحمت کے سوا اور کسی چیز پر بھروسا نہیں ہوتا' جب کہ متوسط اللہ تعالیٰ کے ساتھ مغفرت کا حسن ظن رکھتا ہے اور اپنی نیکیوں کی وجہ سے ثواب کا امیدوار ہوتا ہے۔

(۴) ظالم کا اس لیے پہلے ذکر کیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور سابق کا ذکر اس لیے مؤخر کیا تاکہ وہ تکبر اور خود پسندی کا شکار نہ ہو۔

(۵) امام جعفر بن محمد بن علی الصادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ظالم کا اس لیے پہلے ذکر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اللہ کی رحمت اور ا

کے کرم کے سوا نجات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور چونکہ ان تینوں قسموں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں میں کیا ہے جن کو اس نے چن لیا ہے اور منتخب فرمالیا ہے اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ کسی شخص کا اپنی جان پر ظلم کرنا' اس کے اللہ کے نزدیک منتخب اور پسندیدہ ہونے کے منافی نہیں ہے' اس کے بعد متوسطین کا ذکر فرمایا تا کہ وہ خوف اور امید کے درمیان رہیں اور آخر میں سابقین کا ذکر فرمایا تا کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو' اگرچہ ان میں سے ہر وہ شخص جنت میں ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہوگا۔

(۶) ظالم کو اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ کتاب کا وارث ہونے سے پہلے بندہ کامل نہیں ہوتا بلکہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں سے چن لیتا ہے تو ان میں سے بعض اس کے فیض کو کم قبول کرتے ہیں وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط درجہ کا فیض قبول کرتے ہیں وہ مقتصد ہیں اور بعض سب سے زیادہ فیض کو قبول کرتے ہیں وہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کو چن لیتا ہے اور ان کو اصطفاء اور اجتباء سے نوازتا ہے تو اس کا کم درجہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے کے لیے ہے' پھر اس سے زیادہ درجہ مقتصدین کے لیے ہے اور کامل درجہ سابقین کے لیے ہوگا' گویا یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

(۸) ابتداء میں ظالم کا ذکر فرمایا اور آخر میں سابق کا ذکر فرمایا تا کہ مقتصد کا ذکر وسط میں ہو اور جس طرح وہ معنیً متوسط ہے لفظاً بھی متوسط رہے۔

(۹) ابوبکر بن وراق نے کہا اس ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ بندہ کے احوال تین قسم کے ہیں' غفلت' معصیت' پھر توبہ اور قرب' وہ غفلت کی وجہ سے پہلے معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہو جاتا ہے' پھر جب اس معصیت سے توبہ کرتا ہے تو مقتصدین میں داخل ہو جاتا ہے اور توبہ کے بعد جب وہ بہ کثرت عبادت اور ریاضت کرتا ہے تو سابقین میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے اور ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا O اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے O جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا' جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہو گی O (فاطر: ۳۵-۳۳)

تینوں قسم کے مومنوں کا جنت میں داخل ہونا

اس آیت میں ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا وارث بنایا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمالیا تھا' پھر ان کی تین قسمیں بیان فرمائیں: بعض ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے تھے' بعض متوسط تھے اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے' اب فرمارہا ہے کہ یہ سب لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے' یہ کئی جنتیں ہوں گی' ایک جنت ان کو ان کے عمل کی وجہ سے ملے گی اور ایک جنت ان کو بہ طور میراث ملے گی' جو جنت کافروں کے لیے بنائی تھی وہ ان کو مل جائے گی اور جو چیز وراثت میں ملے اس میں نیک اور بد کا لحاظ نہیں ہوتا' اگر کسی کے دو بیٹے ہوں ایک نیک خصلت ہو اور دوسرا بد خصلت ہو تو وراثت میں دونوں کو برابر کا حصہ ملے گی' اسی طرح مومنوں کو جو جنت بہ طور وراثت ملے گی اس میں مطیع اور عاصی کا فرق نہیں ہوگا۔

سونے کے کنگن اور موتی اور ریشم پہنانے کی تفسیر الحج: ۲۳ میں گزر چکی ہے۔

جو بندہ نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہوگا اس کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو بندہ متوسط ہوگا اس

سے آسان حساب لیا جائے گا اور جو بندہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا اس کو کچھ دیر محشر میں روکا جائے گا' پھر کچھ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ لوگ جنت میں داخل ہوتے ہوئے یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔ الآیۃ۔

آخرت میں مومنوں سے غم دور کرنا' ان کی مغفرت کرنا اور ان کو ریشم اور زیورات سے مزین کرنا

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور وہ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے وہ اپنے ہاتھ کو بغلوں تک دھو رہے تھے' میں نے ان سے کہا: اے ابو ہریرہ! یہ کیسا وضو ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا اے چوزے کے بچے! تم یہاں کھڑے ہوئے ہو! اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم یہاں موجود ہو تو میں اس طرح وضو نہ کرتا' میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن کا جہاں تک وضو پہنچتا ہے وہاں تک اس کا زیور پہنچے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم کو پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۸)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے یہ ان کا دنیا میں لباس ہے اور تمہارا یہ لباس آخرت میں ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۱۰' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے زیورات کا ذکر فرمایا: اور فرمایا ان کو سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے جن میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے اور ان پر بادشاہوں کی طرح تاج ہوں گے' ان کے چہرے بے ریش ہوں گے اور ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی۔

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' اور جس عذاب کا ہمیں خوف تھا اس کو ہم سے دور رکھا' ہمیں دنیا کا غم اور آخرت کا خوف تھا۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں پر نہ ان کی قبروں میں وحشت ہوگی اور نہ محشر میں' اور گویا کہ میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کے ساتھ ہوں' وہ اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے اٹھ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کو نہ موت کے وقت گھبراہٹ ہوگی' نہ قبروں میں نہ محشر میں' گویا کہ میں ان کو صور پھونکے جاتے وقت دیکھ رہا ہوں' وہ اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے **الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن**۔ (المعجم الاوسط ج ۱۰ ص ۲۱۶' رقم الحدیث: ۹۴۷۴' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ)

اور وہ کہیں گے بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیونکہ ان کا رب ان کے بہت سارے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی تھوڑی سی نیکیوں کو قبول فرمالے گا اور ان کی قدر کرے گا۔

اللہ کے فضل سے مغفرت اور جنت کا حاصل ہونا

اور وہ کہیں گے جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا۔

یعنی ہمارے اعمال اس قابل نہ تھے کہ ہم کو یہ مقام عطا کیا جاتا' نہ ہم جنت کے مستحق تھے' یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ محض اس کا فضل ہے' حدیث میں ہے:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹' مسند احمد ۲۰۹۴۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ٹھیک اور درست عمل کرو اور یقین رکھو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو دائمی ہو خواہ کم ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۵۴)

اور وہ کہیں گے جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی۔

اس آیت میں نصب اور لغوب کے الفاظ ہیں اور ان دونوں لفظوں کا معنی ہے تھکاوٹ۔ یعنی ان کو جسمانی تھکاوٹ ہو گی نہ روحانی' وہ دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کر کے اپنے جسموں کو تھکاتے تھے اور نفسانی خواہشوں کو ترک کر کے اپنے نفسوں کو رنج میں مبتلا کرتے تھے' اس کی جزا میں قیامت کے دن ان کو جسمانی تھکاوٹ ہوگی نہ نفسانی قلق ہوگا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ (الحاقہ: ۲۴) خوشی سے کھاؤ اور پیو کیونکہ تم نے گزشتہ زمانے میں نیک کام کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی' اور ہم بڑے ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ۝ وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے ہم نیک کام کریں گے جو پہلے کاموں کے خلاف ہوں گے' کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس سے وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو' اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا' لو اب مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝ (فاطر: ۳۷-۳۶)

آخرت میں کفار کے عذاب کی کیفیت

اس سے پہلی آیتوں میں مومنوں کے اقوال' افعال' احوال اور ان کے اخروی مقامات کا بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں کفار کے افعال' اقوال' احوال اور ان کے اخروی ٹھکانوں کو بیان فرما رہا ہے۔ اس آیت میں ان کے متعلق فرمایا ہے: ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں۔ اس آیت میں جہنم کی آگ کی کیفیت بیان فرمائی ہے' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والے تو وہ دوزخ ہی کے اہل ہیں وہ دوزخ میں مریں گے نہ جئیں گے' لیکن کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے آگ چھوئے گی پھر اللہ تعالیٰ ان پر موت (بے ہوشی) طاری کردے گا حتیٰ کہ جب وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کا اذن دیا جائے گا' پھر ان کو اٹھا کر لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈالا جائے گا' پھر اہل جنت سے کہا جائے گا ان پر پانی ڈالو' جس کے سبب سے وہ اس

طرح تروتازہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے پانی کے ساتھ آنے والی مٹی میں دانہ سرسبز و شاداب ہو کر نکل آتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۹)

اور قرآن مجید میں ہے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ. (الزخرف: ۷۷)
اور دوزخی پکار کر کہیں گے اے مالک! تمہارے رب کو چاہیے کہ وہ ہم پر موت ڈال دے وہ کہے گا تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔

مالک دوزخ کے فرشتہ کا نام ہے۔

سو دوزخی ایسے حال میں ہوں گے کہ ان کو موت میں راحت نظر آئے گی' لیکن ان کو موت بھی میسر نہیں ہوگی۔

پھر وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں نکال دے ہم نیک کام کریں گے جو پہلے کاموں کے خلاف ہوں گے۔

وہ دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کا سوال کریں گے' اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجا گیا تو پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا اور وہ جھوٹ بول رہے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے سوال کا جواب نہیں دے گا' اور فرمائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔

انسان کو اپنی اصلاح کے لیے کتنی عمر کی ضرورت ہے

انسان کی ہدایت اور نیکی کو اختیار کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کے لیے کتنی عمر کافی ہے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں'

ایک قول یہ ہے کہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ساٹھ سال کی عمر کافی ہے' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی موت کو مؤخر کر کے اس کی عمر ساٹھ سال کر دی گئی تو اللہ نے اس پر سب سے زیادہ حجت پوری کر دی (اور اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۰۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۰۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اللہ تعالیٰ نے عمر ساٹھ سال کر دی' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا' کیونکہ ساٹھ سال انتہائی عرصہ ہے' اس عمر میں اللہ سے ملاقات کی امید ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چالیس سال کی بھی روایت ہے۔

مجاہد کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جتنی عمر میں ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے وہ چالیس سال ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی عقل ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال تھی اور آپ سے زیادہ کسی کی عقل کامل نہیں تھی بلکہ آپ کی عقل سب سے کامل تھی' کتنے صحابہ' فقہاء تابعین' ائمہ مجتہدین اور علماء دین ساٹھ' ستر اور اسی سال کی عمر پا کر مرحوم ہوئے اور آخر وقت تک ان کی عقل کامل رہی۔ راقم الحروف کی عمر ۱۰ رمضان ۱۴۲۳ھ کو سرسٹھ سال کی ہو چکی ہے اور الحمد للہ ابھی تک عقل

میں کوئی کمی نہیں آئی جس پر میری تازہ بہ تازہ تصنیفات شاہد عادل ہیں' امام مالک نے کہا ہمارے شہروں میں لوگ دنیاداری میں مصروف رہتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دنیاداری اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنی آخرت سنوارنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم اس سے متجاوز ہوں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۸۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۹۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۰)

نذیر کے محامل

نیز فرمایا: اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے' زید بن علی اور ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول ہے' حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ نے کہا اس سے مراد بڑھاپا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل اور اقارب کی موت ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کمال عقل ہے۔

جب انسان پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب کھیل کود کی عمر گزر گئی ہے' اور جب اس کے اصحاب اور اقارب گزر جاتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ اب اس کی کوچ کا وقت بھی آ پہنچا ہے اور جب اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو وہ حقائق امور میں غور وفکر کرتا ہے اور نیک کاموں اور برے کاموں میں فرق کرنے لگتا ہے پس عقل والا آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کے پاس جو اجر ہے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اخروی عذاب سے بچنے کی فکر کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

بے شک اللہ' آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا عالم ہے' بے شک وہ سینوں کی باتوں

الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ

کا جاننے والا ہے ○ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر کیا

فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ

تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں کا کفر ان سے ان کے رب کو زیادہ ناراض ہی کرتا ہے'

وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ

اور کافروں کا کفر صرف ان کے نقصان کو زیادہ کرتا ہے ○ آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم

الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ

اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے کس حصہ کو بنایا ہے

الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ج أَمْ آتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ

یا آسمانوں کو پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے یا ہم نے ان کو کوئی (آسمانی) کتاب دی ہے جس کی

عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ج بَلْ إِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا

دلیل پر وہ قائم ہیں، بلکہ ظالم ایک دوسرے سے صرف فریب

غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ج

کی باتیں کرتے ہیں O بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا،

وَلَئِنْ زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ط إِنَّهٗ كَانَ

اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا، بے شک

حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ

وہ بہت حلم والا بہت بخشنے والا ہے O اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس

نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ أَهْدٰى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ج فَلَمَّا جَآءَهُمْ

کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو وہ کسی نہ کسی امت کی بہ نسبت ضرور زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، پھر جب ان

نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ لا اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ

کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو اس کی آمد نے صرف ان کی نفرت ہی کو زیادہ کیا O زمین میں ان کے تکبر کو اور

السَّيِّئِ ط وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ ط فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

ان کی بُری سازشوں کو (زیادہ ہی کیا) اور بُری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے، وہ صرف پہلے

إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِيْنَ ج فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ج وَلَنْ

لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں، سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ

تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ أَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ

آپ اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا پائیں گے O اور کیا انہوں نے کبھی زمین میں سفر نہیں کیا

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

پس وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا،

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ

حالانکہ وہ ان سے زیادہ سخت اور طاقت ور تھے، اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ

مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اس کو عاجز کر دے، بے شک وہ بہت

عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا

علم والا بڑی قدرت والا ہے ○ اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ

فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت مقرر تک انہیں ڈھیل

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

دے رہا ہے، پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں

بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

ع ۵ / ۱۷

کو خوب دیکھ لے گا!○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا عالم ہے بے شک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے○ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں کا کفران سے ان کے رب کو زیادہ ناراض ہی کرتا ہے اور کافروں کا کفر صرف ان کے نقصان کو زیادہ کرتا ہے○ آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے کسی حصہ کو بنایا ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے' یا ہم نے ان کو کوئی (آسمانی) کتاب دی ہے جس کی دلیل پر وہ قائم ہیں' بلکہ ظالم ایک دوسرے سے صرف فریب کی باتیں کرتے ہیں○ (فاطر: ۴۰-۳۸)

اس اشکال کا جواب کہ کافروں نے متناہی زمانہ میں کفر کیا تھا اس کی دائمی سزا کیوں دی جائے گی

اس سے پہلی کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا' اور قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار کو دائمی عذاب ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار نے جو کفر کیا وہ تو متناہی زمانہ میں

کیا ہے اب اس کو غیر متناہی زمانہ تک سزا دینا عدل و انصاف سے بعید ہے نیز اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اتنی ہی سزا ہے۔

اور زمانہ متناہی میں کیے گئے کفر کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دینا اسی کی مثل یا اتنی ہی سزا تو نہیں ہے' اس آیت (فاطر: ۳۸) میں اس اعتراض کا جواب ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیب کو جاننے والا ہے اور سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اس کو علم ہے کہ اگر ان کافروں کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا تو یہ پھر دوبارہ کفر کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ (الانعام: ۲۸) اگر ان (کافروں) کو دنیا میں لوٹایا گیا تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن کاموں سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یہ ضرور جھوٹے ہیں۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ہر چند کہ کافروں نے محدود زمانہ میں کفر کیا تھا لیکن ان کی نیت دائماً کفر کرنے کی تھی اگر بالفرض لامحدود اور غیر متناہی زمانہ پاتے تو وہ غیر متناہی زمانہ تک کفر پر ہی قائم رہتے اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور دلوں کے حالات کو جاننے والا ہے وہ کافروں کی نیت دوام کو جانتا تھا اس لیے ان کو دائمی عذاب دے گا۔

اس آیت سے قطع نظر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی عقلی کلیہ یا ملازمہ نہیں ہے کہ جتنے وقت میں کوئی شخص جرم کرتا ہے اس کو سزا بھی اتنے ہی وقت کی دی جائے' بعض صورتوں میں قاتل کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے' حالانکہ قتل کرنے میں پانچ دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا' علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے!

کفار کے نقصان اٹھانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا۔

اس آیت میں خلائف کا لفظ ہے' خلائف' خلیفہ کی جمع ہے' خلافت کا معنی ہے دوسرے شخص کی نیابت کرنا' خلافت چار وجوہ سے ہوتی ہے: (۱) اصل شخص کہیں چلا جائے تو وہ کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ بنا دیتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ پہاڑ طور پر گئے تو حضرت ھارون کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے (۲) اصل شخص کسی وجہ سے کوئی کام نہ کر سکے تو وہ دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بنا دے' جیسے جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا اور آپ کے لیے نماز پڑھانا مشکل ہو گیا تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کر دیا (۳) اصل شخص فوت ہو جائے تو کسی دوسرے کو اس کا خلیفہ اور قائم مقام بنا دیا جائے' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی کو شرف اور فضیلت عطا کرنے کے لیے اس کو خلیفہ بنا دیا جائے' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اس آیت میں یہ مراد ہے کہ ایک قوم اور ایک امت کے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری قوم اور دوسری امت کو اس کا خلیفہ بنا دیا۔ اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ ہم نے کافروں کو اتنی مدت کی زندگی دی تھی جتنی مدت میں کوئی شخص دوسرے سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور ان کے پاس آخرت کے عذاب سے ڈرانے والے رسول بھی بھیجے تھے' اور ان کو عقل بھی عطا کی تھی اور ان کو اس پر متنبہ کر دیا تھا کہ جو لوگ رسولوں کی تکذیب کریں گے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا جائے گا' اور کفار مکہ زمین پر سفر کے دوران پہلے گزری ہوئی قوموں پر عذاب کے آثار دیکھ چکے ہیں' اس کے باوجود وہ اپنے کفر پر جمے

ہوئے ہیں تو وہ اپنے اوپر اپنے رب کے غضب اور اس کی ناراضگی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں اور کفر سے ان کو صرف نقصان ہو رہا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو زندگی عطا کی ہے وہ بہ منزلہ اصل مال ہے' جیسے انسان اگر اپنے مال سے فائدہ کی چیز خرید لے تو اس کو نفع ہوتا ہے ورنہ نقصان ہوتا ہے' اسی طرح یہ کفار اگر اپنی زندگی کو خرچ کر کے ایمان کو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو خرید لیتے تو ان کو فائدہ ہوتا اور جب کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی خرچ کر کے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو خریدا تو ان کے ہاتھ صرف نقصان آیا۔

بتوں کی عبادت پر عقلی اور نقلی دلائل کا نہ ہونا

فاطر: ۴۰ میں فرمایا: آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو۔ الآیۃ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بتاؤ کہ تمہیں ان بتوں کے متعلق کیا معلوم ہے' کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ بت واقع میں عاجز ہیں تو پھر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو یا تم کو یہ وہم ہے کہ ان میں قدرت ہے' اگر یہی بات ہے تو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ آیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے؟ جیسا کہ بعض کفار یہ کہتے تھے اللہ آسمانوں میں عبادت کا مستحق ہے اور یہ بت زمین میں عبادت کے مستحق ہیں' وہ کہتے تھے کہ آسمانوں کو فرشتوں کی استعانت سے پیدا کیا ہے' اور آسمانوں کی تخلیق میں فرشتے اللہ تعالیٰ کے شرکاء ہیں' اور یہ بت ان فرشتوں کی صورتیں ہیں۔ یا یہ بت تمہاری شفاعت پر قادر ہیں' جیسا کہ بعض کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہیں' سو ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل کے پاس ہماری شفاعت کریں' اللہ تعالیٰ ان کا رد کرنے کے لیے فرماتا ہے کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب آئی ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کفار جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ عقلاً اور نقلاً ہر طرح باطل ہے' عقلاً اس لیے باطل ہے کہ جس چیز کو کفار نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا اور جو بت اپنے وجود میں خود ان کے محتاج ہیں وہ ان کے خالق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور نقلاً اس لیے باطل ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے کے جواز پر ان کے پاس کوئی دستاویزی شہادت نہیں ہے' نہ کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر ان بتوں کی عبادت کی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس عبادت کرنے والوں کی شفاعت کریں گے' سو بتوں کی عبادت کرنے کی صحت اور جواز پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے یہ محض ان کو شیطان کا دیا ہوا دھوکا ہے اور شیطان نے ان کے لیے بتوں کی عبادت کو مزین بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا' اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا' بے شک وہ بہت علم والا بہت بخشنے والا ہے O اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو وہ کسی نہ کسی امت کی بہ نسبت ضرور زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے' پھر جب ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' تو اس کی آمد نے صرف ان کی نفرت ہی کو زیادہ کیا O زمین میں ان کے تکبر کو اور ان کی بری سازشوں کو (زیادہ ہی کیا) اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے' وہ صرف پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں' سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا پائیں گے O (فاطر: ۴۳-۴۱)

آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت فرمانا

فاطر: ۴۱ میں فرمایا ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار کے باطل معبود آسمانوں اور زمینوں کی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اب یہ بتایا ہے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اور پیدا کرنے کے بعد ان کو اپنے مرکز پر برقرار اور ثابت رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے یعنی یہ صرف اللہ کی قدرت ہے جو اتنے عظیم کرات کو اپنے مقام' نظام اور محور پر برقرار رکھے ہوئے ہے اگر بالفرض یہ ہمارے سیارے اپنے اپنے محور سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی اور ان کو اپنے محور پر قائم نہیں کر سکتا' اس سے معلوم ہوا کہ زمین بھی ایک کرہ ہے جو اپنے محور پر گردش کر رہا ہے جس طرح سورج' چاند اور دیگر سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ کفار کے کفر و شرک کا یہ تقاضا ہے کہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

قریب ہے کہ ان کے اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ۝ کہ انہوں نے رحمان کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا۔ (مریم: ۹۱-۹۰)

یعنی انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا اس کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کے اوپر آسمان گر جاتا اور وہ زمین اور آسمان کے درمیان پس کر رہ جاتے' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور غفور ہے اس لیے اس نے آسمان کے گرانے کے عمل کو قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔

پھر یہ بتایا کہ اگر بالفرض آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا' اور اللہ تعالیٰ چونکہ حلیم اور غفور ہے اس لیے ان کے اس بھاری اور سنگین قول کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہیں فرما رہا بلکہ ان کو مہلت دے رہا ہے۔

زمین کی حرکت پر دلائل

اس آیت سے بعض قدیم الخیال علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ زمین ساکن ہے لیکن ان کا یہ استدلال مشاہدہ اور دلائل کے خلاف ہے:

زمین' چاند اور سورج کی حرکت کے حساب سے سائنس دان یہ متعین کرتے ہیں کہ چاند گرہن کب ہوگا اور سورج کو گرہن کب لگے گا' اور ان کا حساب اس قدر صحیح ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج یا چاند گرہن ہوگا اور اتنی دیر تک گرہن لگا رہے گا' اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور ان کا یہ حساب اتنا حتمی اور درست ہوتا ہے کہ آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑا۔ سورج گرہن کا معنی ہے زمین اور سورج کے درمیان چاند کے حائل ہو جانے سے سورج کا جزوی یا کلی طور پر تاریک نظر آنا' عربی میں اس کو کسوف شمس کہتے ہیں۔ (اردو لغت ج ۱۲ ص ۱۵۵)

تین سال پہلے سورج کو گرہن لگا' اور مغرب سے کچھ دیر پہلے سورج تاریک ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ سورج مکمل تاریک ہو گیا اور تقریباً پانچ منٹ تک تاریک رہا۔ ہم نے کراچی میں اس کا مشاہدہ کیا اور سائنس دانوں نے کئی ماہ پہلے بتا دیا تھا کہ کراچی میں فلاں تاریخ کو اتنی دیر کے لیے اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج مکمل تاریک ہو جائے گا' سائنس دان نہ جادوگر ہیں نہ غیب دان ہیں' ان کی یہ پیش گوئی ان کے حساب پر مبنی ہے' وہ زمین' چاند اور سورج کی حرکات کا مکمل حساب رکھتے ہیں اور

ان کی رفتار کا بھی صحیح حساب رکھتے ہیں' اس لیے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ چاند کس تاریخ کو اور کس وقت زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو گا اور کتنی دیر حائل رہے گا اور انہیں تمام دنیا کے نظام الاوقات کا بھی علم ہوتا ہے اس لیے وہ بہت پہلے اپنے حساب سے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سورج کو گرہن لگے گا اور اتنی دیر رہے گا' اسی طرح چاند گرہن کا معنی ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے جس کی وجہ سے چاند جزوی یا کلی طور پر تاریک ہو جائے' ابھی چند سال پہلے چاند کو گرہن لگا اور پاکستان میں رات کو دس بجے چاند مکمل طور پر تاریک ہو گیا تھا اور سائنس دانوں نے کافی پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے چاند گرہن لگے گا اور فلاں فلاں ملک میں اتنے اتنے بجے نظر آئے گا اور اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو زمین کی حرکت اور اس کی رفتار کا علم ہوتا ہے اور وہ اس حساب سے جان لیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اتنی دیر تک حائل رہے گی اور تدریجاً حائل ہو گی اور کس وقت مکمل حائل ہو جائے گی۔ قدیم خیال کے علماء جو زمین کو ساکن مانتے ہیں اور اس کی حرکت کے قائل نہیں ہیں اور وہ یہ نہیں مانتے کہ زمین اور چاند کی حرکت اور اس کی رفتار کا سائنس دان حساب رکھتے ہیں وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ سائنس دان سالوں' مہینوں اور ہفتوں پہلے سورج اور چاند کے گرہن ہونے اور ان کے نظام الاوقات کی بالکل ٹھیک پیش گوئی کرتے ہیں اور آج تک ان کی پیش گوئی غلط نہیں ہوئی' کیا وہ سائنس دانوں کو جادوگر یا غیب دان گردانتے ہیں!

اس دور میں سائنس کی جتنی ایجادات ہیں ہمارے علماء ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ گھڑیوں کے اوقات سے نماز پڑھاتے ہیں' مسجدوں اور گھروں میں بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لگواتے ہیں' ٹیلی فون پر بات کرتے ہیں' لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور نمازیں پڑھاتے ہیں' کاروں' ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں' اس کے باوجود وہ سائنسی علوم کی مذمت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ سائنس کا علم کسی فکر اور نظریہ سے مستفاد نہیں ہوتا۔ سائنس کا علم مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے' یہ تمام ایجادات مشاہدہ اور تجربہ سے وجود میں آئی ہیں' اسی طرح زمین اور چاند کی حرکت اور ان کی رفتار کا تعین بھی انہوں نے رصد گاہوں میں مشاہدات اور آلات کے ذریعہ کیا ہے' قدیم فلسفہ کی طرح یہ صرف فکر اور نظریہ کا معاملہ نہیں ہے' قرآن مجید رشد و ہدایت کی کتاب ہے' فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے' قرآن کریم نے اس سے بحث نہیں کی کہ زمین ساکن ہے یا متحرک ہے کیونکہ دنیا میں صالح حیات اور اخروی فلاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے یا حرکت نہیں کرتی' اس لیے علماء کو چاہیے کہ زمین کی حرکت اور سکون کو دین اور اعتقاد کا مسئلہ نہ بنائیں۔ بعض قدیم الخیال علماء یہ کہنے سے باز نہیں آتے کہ قرآن اور حدیث میں ہے کہ زمین ساکن ہے' اور تعلیم یافتہ لوگوں اور ترقی یافتہ اقوام پر اس سے اسلام کے متعلق منفی اثر پڑتا ہے' ایسا کہنا کوئی اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ نہیں ہے بلکہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری اقوام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا ہے' اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

الانبیاء: ۳۳ اور لقمان: ۱۰ میں بھی ہم نے زمین اور دیگر سیاروں کی حرکت پر مفصل دلائل قائم کیے ہیں' مکمل شرح صدر اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے ان ابحاث کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بری سازش' فریب اور خیانت کی ممانعت

فاطر: ۴۲ میں فرمایا: اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا۔ الآیۃ

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کفار مکہ نے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ اگر ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا رسول آ گیا تو ہم یہود' نصاریٰ اور صائبین سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے اور جب ان کے پاس ڈرانے والے رسول یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو آپ کے آنے کے بعد وہ ہدایت سے اور دور ہو گئے' انہوں نے اللہ کے سامنے سرکشی کی اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

مکر السیئ کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے شرک کیا اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی' ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش یہ تھی کہ آپ کو العیاذ باللہ قتل کر دیا جائے یا قید کر دیا جائے یا مکہ سے نکال دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ان کے اوپر الٹ دیا' یہ لوگ جنگ بدر میں قتل کیے گئے اور قید کیے گئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کعب احبار نے ان سے کہا کہ تورات میں یہ آیت ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گر جاتا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا قرآن میں بھی یہ آیت ہے' انہوں نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ. (فاطر: ۴۳) اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔

زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تم نہ کسی کے خلاف سازش کرو اور نہ سازش کرنے والے کی مدد کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے اور نہ تم بغاوت کرو اور نہ بغاوت کرنے والے کی مدد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ. (الفتح: ۱۰) پس جو عہد شکنی کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ. (یونس: ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تم کو ہی پہنچے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ سازش' فریب اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہے' اس میں اخلاق مذمومہ سے بچنے کی بہت بلیغ نصیحت کی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا وہ صرف پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں' یعنی جو عذاب پہلے کافروں پر نازل ہوا تھا' یہ بھی اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں' یعنی ان کے بھی وہی کرتوت ہیں جو پہلے کافروں کے تھے جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا تھا' سو آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا پائیں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کافروں پر عذاب نازل کرتا رہا ہے' اور کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے' پس جو ان کی مثل عذاب کا مستحق ہو گا اس پر بھی وہ عذاب نازل فرمائے گا۔

ہم نے جو آیتیں اور حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں بری سازش' فریب' اور خیانت سے مطلقاً منع فرمایا ہے اور یہ کام مومن کا شیوہ نہیں ہے' فریب' خیانت اور دھوکا دہی کسی سے نہیں کرنی چاہیے' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' بلکہ کافروں کے ساتھ زیادہ امانت اور دیانت کا سلوک کرنا چاہیے تا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ اصولوں اور مومن کے عمدہ اخلاق سے متاثر ہوں اور کفر کو چھوڑ کر اسلام کو

اختیار کرلیں' یورپ میں رہنے والے بعض علماء غیر مسلموں سے سود لینے اور فراڈ کے ذریعہ ان کا مال ہڑپ کرنے کو جائز کہتے ہیں یہ نہ صرف باطل ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا انہوں نے کبھی زمین میں سفر نہیں کیا پس وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' حالانکہ وہ ان سے زیادہ سخت اور طاقت ور تھے' اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اس کو عاجز کر دے بے شک وہ بہت علم والا بڑی قدرت والا ہے ○ اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت مقرر تک انہیں ڈھیل دے رہا ہے' پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا ○ (فاطر: ۴۵-۴۴)

دوران سفر آثار عذاب دیکھ کر عبرت حاصل کرنا

فاطر: ۴۴ میں اہل مکہ کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ صرف مکہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے نہ رہیں بلکہ مکہ سے باہر نکل کر شام' یمن اور عراق کی طرف سفر کریں تو اثناء سفر میں ان کو پچھلے زمانہ کی امتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے آثار نظر آئیں گے' عاد' ثمود اور سبا ان سے پہلی امتیں تھیں وہ لوگ جسمانی طور پر بہت مضبوط اور طاقت ور تھے' ان کی عمریں بھی بہت لمبی لمبی ہوتی تھیں لیکن جب ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر عذاب آیا تو نہ ان کی طویل عمریں اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ڈھال بن سکیں اور نہ ان کی جسمانی قوت کسی کام آ سکی۔ اور آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والی نہیں ہے وہ بہت علم والا اور بڑی قدرت والا ہے' اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اس لیے ہر شخص کا عمل خواہ نیک ہو یا بد اس سے مخفی نہیں ہے اور چونکہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اس لیے وہ نیکو کاروں کو اچھی جزا دینے پر اور بدکاروں کو سخت سزا دینے پر قادر ہے اور کوئی نیکی کرنے والا اس کے فضل سے محروم نہیں ہوتا اور کوئی بدکار اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے' اس کے فضل اور انعام کا مدار اس کی توحید اور اس کے رسولوں کو ماننے پر ہے' اور اس کے عذاب کا باعث شرک اور اس کے رسولوں کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بہ تدریج گرفت فرمانا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور ان پر اچانک گرفت نہیں فرماتا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ معاف کرنا اور احسان فرمانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرفت کرنے اور انتقام لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے تاکہ لوگ اس کی شفقت اور اس کے فضل و کرم کا اندازہ کریں' اور یہ کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے' پھر جب لوگ اس کے قہر کا اس کے لطف کی وجہ سے اور اس کے جلال کا اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے غضب کا اس کی رحمت کی وجہ سے ادراک نہیں کرتے تو وہ دنیا میں لوگوں پر مصائب' آفات اور بلائیں نازل فرماتا ہے جو مومن کے حق میں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور کافر کے حق میں محض سزا اور عذاب ہوتی ہیں' مصائب کسی شخص کے لیے اس وقت تطہیر کا سبب ہوتے ہیں جب اس کے جرائم اور گناہوں میں کفر اور شرک نہ ہو' اللہ تعالیٰ ہم سب کو کفر اور شرک اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب اور عقاب سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

بنو آدم کے گناہوں سے جانوروں کو ہلاک کرنا

فاطر: ۴۵ میں یہ فرمایا ہے: اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ الآیۃ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کا اثر جنگلوں میں جانوروں پر اور فضا میں پرندوں پر بھی پڑتا ہے یہ وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو ہلاک کر دیا تھا ماسوا ان جانوروں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے' بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جانوروں کو ہلاک کر دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بنو آدم کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بنو آدم کے کفر اور شرک کی وجہ سے گرفت فرما کر تمام بنو آدم کو ہلاک کر دے گا تو ان کے نفع کے لیے جو جانور پیدا کیے تھے ان کو باقی رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا سو بنو آدم کو ہلاک کرنے کے بعد وہ تمام جانوروں' پرندوں اور حشرات الارض کو بھی ہلاک فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے کی حکمتیں

اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی ایسی خطا یا تقصیر ضرور صادر ہوتی ہے جو گرفت کا تقاضا کرتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' پھر جو نادم ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے اس کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اکڑتا ہے اور سرکشی کرتا ہے اس سے مواخذہ فرماتا ہے اور اس پر گرفت فرماتا ہے' اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے حلم اور اس کے درگزر کرنے کا بھی پتا چلتا ہے اور اس میں بندوں کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ بھی اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف باتوں اور کاموں سے مشتعل نہ ہوں' غضب میں نہ آئیں اور ان کو ٹھنڈے دل سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

اس کے بعد فرمایا پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو جو ڈھیل دے رہا ہے اس کا کوئی یہ مطلب نہ لے کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل ہے' بلکہ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر پوری بصیرت رکھتا ہے اور ان کو وقت مقرر پر پوری پوری جزا دے گا' نیک عمل کرنے والوں کو اجر و ثواب سے نوازے گا کفار اور مشرکین کو دائمی سزا دے گا' اور فساق مومنین اس کی مشیت پر موقوف ہیں' اگر وہ چاہے گا تو اپنے عفو و درگزر اور فضل و کرم سے کام لے کر ان کو معاف فرما دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عارضی عذاب میں مبتلا کر کے ان کو بخش دے گا' اور اس عارضی عذاب کی کئی صورتیں ہیں' دنیا میں مصائب کا نزول' قبر کا عذاب' حشر میں حساب کو مؤخر کر کے اس کو دیر تک محشر میں محبوس رکھنا' اور آخری صورت یہ ہے کہ اسے کچھ وقت کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے اور پھر اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا' مومنوں کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا اس میں بھی اس کے کرم سے یہ توقع ہے کہ وہ صورۃً عذاب ہوگا حقیقۃً عذاب نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ادراک اور شعور کو ماؤف اور معطل کر دے گا جس کی وجہ سے اس کو اس عذاب کا درد اور اس کی اذیت نہیں ہوگی' جیسے کسی شخص کو کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش کر دیتے ہیں پھر اس کے جسم کی سرجری کی جاتی ہے اس کا جسم اور اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کو کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ درد محسوس ہوتا ہے۔

اختتام سورت

الحمد للہ رب العلمین علی احسانہ و کرمہ آج بہ روز جمعرات مورخہ ۱۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۳ھ/ ۱۶ جنوری ۲۰۰۳ء کو سورت فاطر کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تقریباً ایک ماہ میں اس سورت کی تفسیر اختتام پذیر ہوگئی' انواع و اقسام کے امراض لاحق ہونے کی وجہ سے اور ان کے پرہیز کے نتیجے میں میں صرف بھی کی

ڈبل روٹی کے تین سلائس اور ابلی ہوئی سبزی ہی کو ایک وقت میں کھا پاتا ہوں' دماغی کام کے لیے گلوکوز اور فاسفورس اشد ضروری ہیں لیکن جن چیزوں میں گلوکوز اور فاسفورس ہوتا ہے ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے میں انہیں کھا نہیں سکتا' کمر کی طاقت کے لیے گوشت بہت ضروری ہے مگر کلسٹرول سے پرہیز کی وجہ سے وہ بھی نہیں لے سکتا' کئی مقوی چیزیں ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے نہیں کھا سکتا' بس اللہ کا فضل اور قارئین کی دعائیں ہیں جو اس تفسیر کا کام ہو رہا ہے' ورنہ جسمانی توانائی اور قوت کار کے جو ظاہری اسباب ہیں وہ بالکل حاصل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دیں اور اس کو تا قیامت فیض آفریں رکھیں اور محض اپنے فضل اور اپنے حبیب کریم کی شفاعت سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب اور تلامذہ کی اور میری کتابوں کے قارئین کی اور ناشر اور مصحح کی مغفرت فرما دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد
خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ
وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وسائر المسلمین۔

سُورَةُ یٰسٓ

(۳۶)

سُورَةُ الصّٰٓفّٰتِ

(۳۷)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورۃ یٰسٓ

سورت کا نام

اس سورت کا نام یٰسٓ ہے' یہ لفظ دو حرفوں سے مرکب ہے جو اس سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے' اور ان دو حرفوں کے اس کے اول میں مذکور ہونے کی وجہ سے یہ سورت باقی سورتوں سے ممتاز اور ممیز ہے ان دو حرفوں سے مرکب یہ لفظ اس سورت کا علم (نام) ہوگیا۔

اس سورت کو قلب قرآن' قرآن مجید کا دل بھی کہا جاتا ہے' اس سلسلہ میں ایک حدیث ہے جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

یٰسٓ کے فضائل میں احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یٰسٓ ہے اور جس نے یٰسٓ کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو یٰسٓ کے پڑھنے کی وجہ سے دس بار قرآن پڑھنے کا اجر عطا فرمائے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی رات میں یٰسٓ کو اللہ عزوجل کی رضا کے لیے پڑھا' اس کی اس رات میں مغفرت کردی جائے گی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دن کے ابتدائی حصہ میں یٰسٓ کو پڑھا اس کی حاجات پوری کردی جائیں گی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے صبح کے وقت یٰسٓ کو پڑھا اس کے لیے شام تک آسانی کردی جائے گی اور جس نے رات کی ابتداء میں یٰسٓ کو پڑھا اس کے لیے اس رات میں صبح تک آسانی کردی جائے گی۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۲۰)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسٓ قرآن کا قلب ہے' جو شخص بھی اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے اس کو پڑھے گا اللہ اس کے پچھلے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا' تم یٰسٓ کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ (السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۰۹۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۔۲۷)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۷ ' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵ ' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸۳)

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات یٰسٓ پڑھنے پر دوام کرے وہ مرجائے گا تو شہادت کی موت مرے گا۔

امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میری امت میں سے ہر شخص کے دل میں یٰسٓ ہو۔

امام ابن مردویہ اور امام دیلمی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میت کے پاس بھی یٰسٓ کو پڑھا جائے گا اللہ اس پر آسانی فرمادے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابوقلابہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یٰسٓ کو پڑھا اس کو بخش دیا جائے گا اور جس شخص کو کھانے کی کمی کا خوف ہو وہ سورۃ یٰسٓ پڑھے تو وہ کھانا اسے کافی ہو جائے گا' اور جس نے میت کے پاس یٰسٓ کو پڑھا اس پر آسانی ہو جائے گی اور جس عورت کے ہاں مشکل سے ولادت ہو رہی ہو اس کے پاس یٰسٓ کو پڑھا جائے تو اس کے ہاں ولادت آسانی سے ہو جائے گی' اور جس نے یٰسٓ کو پڑھا تو گویا اس نے گیارہ مرتبہ قرآن پڑھا اور ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یٰسٓ ہے۔

امام حاکم اور بیہقی نے ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں سختی ہو وہ ایک پیالہ میں زعفران سے یٰسٓ والقرآن الحکیم لکھ کر اس کو پی لے۔

امام ابن النجار نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی ہر جمعہ زیارت کی اور ان کی قبر کے پاس یٰسٓ پڑھی تو اللہ اس کے ہر حرف کے بدلہ میں ان کی مغفرت فرمادے گا۔ (الدرالمنثور ملتقطاً ج ۷ ص ۳۷۔۳۵ ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

یٰسٓ کے بعض اسماء کی توضیح اور تشریح

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام طبرانی وغیرھم نے روایت کیا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسٓ قرآن کا قلب ہے اور اس کو یٰسٓ کے اسماء سے شمار کیا ہے اور حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس کے قلب قرآن ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایمان کا مدار حشر و نشر کو ماننے اور اس کے اعتراف کرنے پر ہے' اور سورۃ یٰسٓ میں حشر و نشر کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اور اس وجہ سے یٰسٓ کو قلب کے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ انسان کے بدن کا استحکام اور قوام قلب کے ذریعہ ہوتا ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جس شخص کا حشر پر ایمان صحیح ہوگا وہ دوزخ سے ڈرے گا اور جنت میں رغبت کرے گا اور پھر وہ گناہوں کو ترک کردے گا' اور گناہ ایمان کی بیماری ہیں جن سے ایمان کمزور ہوتا ہے' اور وہ عبادات میں رغبت کرے گا اور وہ ایمان کی صحت کی علامت ہے' پس حشر و نشر کا اعتقاد قلب کے مشابہ ہے کیونکہ قلب کی صحت سے پورے بدن کی صحت ہوتی ہے اور قلب کے فساد سے پورا بدن فاسد ہوتا ہے اور حشر و نشر کا اعتقاد یٰسٓ سے حاصل ہوتا ہے پس یٰسٓ کو قلب قرآن قرار دینا صحیح ہے۔

یٰسٓ کو قلب کے مشابہ قرار دینے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ قلب حقائق امور اور خفیہ باتوں کے انکشاف کا محل ہے اسی طرح حشر کے دن بھی امور غیبیہ منکشف ہو جائیں گے' اور یٰسٓ میں حشر کے قیام پر بہت دلائل دیئے گئے ہیں۔ اور ایک اور

مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قلب جسم کی اصل ہے اور باقی اعضاء اس کے مقدمات اور متممات ہیں اسی طرح یٰسٓ میں رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نازل کرنے کے اہم مباحث بیان کر دیئے گئے ہیں جو کہ اصل ہیں اور قرآن مجید کی باقی سورتوں میں اس کے مقدمات اور متممات بیان کیے گئے ہیں' اور جو شخص قریب المرگ ہو اس کے سامنے یٰسٓ کی تلاوت کی بھی یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کو میدان محشر میں جانے کا مرحلہ پیش ہوگا تو وہ حشر کی کیفیت کو یاد کرے تا کہ زندگی کے آخری مرحلہ میں کلمہ پڑھ کر ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو اور اس سورت میں جو اسلام کے اصول بیان کیے گئے ہیں ان کو ذہن میں تازہ کرے تا کہ زندگی کے آخری وقت میں اس کے عقائد صحیح ہوں۔

امام ابونصر السجزی نے الابانۃ میں سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کا نام اللہ کے نزدیک عظیمہ ہے' اور اس کا پڑھنے والا اللہ کے نزدیک شریف ہے' وہ سورت اپنے پڑھنے والوں کی قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے زیادہ افراد کی شفاعت کرے گی' اور اس سورت کا نام معممہ' مدافعہ اور قاضیہ بھی ہے۔

امام سعید بن منصور اور امام بیہقی نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ یٰسٓ کا نام تورات میں معممہ ہے اس کی خیر اپنے پڑھنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کو عام ہے اور اس کا نام المدافعہ اور القاضیہ بھی ہے کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے کے ہر عیب کو دور کرتی ہے' اور یہ اپنے پڑھنے والے کی ہر نیک حاجت کو پورا کرتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۱۲۔۳۱۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سورۃ یٰسٓ کے مشمولات

جس طرح اکثر مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی قدرت اور اس کی عظمت پر دلائل ہوتے ہیں' اور قرآن مجید کی حقانیت پر براہین کا ذکر ہوتا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر آیات ہوتی ہیں اسی طرح یٰسٓ میں بھی ان امور پر دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کی طرف سے برحق رسول بھیجے گئے ہیں اور پھر آپ کی رسالت کے متعلق دو گروہ ہو گئے' ایک معاند گروہ ہے جس کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہیں ہے' دوسرا وہ گروہ ہے جس سے خیر اور ہدایت کے حصول کی توقع ہے اور دونوں گروہوں کے اعمال محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی قدیم میں دونوں کے آثار موجود ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کے لوگوں کی مثال دی ہے جو یکے بعد دیگرے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے تھے اور جو ان کو نصیحت کرنے آیا اس کی انہوں نے تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا' سو وہ نصیحت کرنے والا جنت میں داخل ہو گیا اور اس کے قاتل دوزخ میں داخل ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور حشر و نشر کے برحق ہونے اور مرنے کے بعد انسانوں کو زندہ کرنے پر مردہ زمین کو زندہ کرنے سے استدلال فرمایا اور دن کے بعد رات کے لانے اور سورج' چاند اور دیگر سیاروں کو مسخر کرنے اور سمندر میں کشتیوں کو رواں کرنے سے استدلال فرمایا۔

جن کافروں نے ان حقائق کا انکار کیا ان کو دنیا میں آسمانی عذاب اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور یہ بتایا

کہ رہے مومنین تو وہ جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں گے اور ان پر ان کے رب کی طرف سے امن اور سلامتی نازل ہوگی۔

مشرکین مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا اور بتایا کہ آپ کافروں کو قرآن مجید کے ذریعہ آخرت کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور یہ بتانے والے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اور مشرکین کی بت پرستی کا رد فرمایا کہ جن کی یہ پرستش کرتے ہیں وہ بالکل عاجز ہیں اور آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آ سکیں گے۔

سورت کے آخر میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکرین پر پھر رد فرمایا کہ وہ اس پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابتداءً پیدا فرمایا اور بہ تدریج ان کی نشوونما فرمائی ہے سو جو ان کو ابتداءً پیدا کر سکتا ہے' ہرے بھرے درخت کو سوکھا بنا کر پھر سرسبز بنا دیتا ہے وہ ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔

یٰسٓ مکی سورت ہے' مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۱ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۶ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم سورۃ یٰسٓ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ الٰہ العٰلمین اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے راہِ حق پر گامزن رکھنا' جو باتیں غلط ہوں ان کی غلطی کو مجھ پر منکشف فرمانا اور مجھے ان غلطیوں سے محفوظ رکھنا اور جو باتیں حق اور صواب ہوں ان پر مجھ کو مطلع فرمانا اور مجھے ان کو پیش کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' کراچی۔ ۳۸

۱۴ ذوالقعدۃ ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ جنوری ۲۰۰۳ء

فون: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

(۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵

سورۃ یٰسٓ مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں تراسی آیتیں، پانچ رکوع ہیں

يٰسٓ ۝١ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣ عَلٰى

یاسین O قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٥ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

راستے پر قائم ہیں O (یہ قرآن) بہت غالب بڑے مہربان کا نازل کیا ہوا ہے O تاکہ آپ اس قوم

مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى

کو عذاب سے ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں O ان میں سے اکثر کے متعلق ہماری

اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا

خبر ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں

فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ

جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں O ہم نے ایک دیوار

اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا

ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی، سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس

يُبْصِرُوْنَ ۝٩ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ

یہ ایمان نہیں لائیں گے O آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے

بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ

ڈرے تو آپ اس کو مغفرت کی اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے O بے شک ہم ہی مُردوں

الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ

کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے

فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

چھوڑ دیئے' اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاسین O قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے راستے پر قائم ہیں O (یٰسٓ: ۴-۱)

بعض سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات ذکر کرنے کی حکمت

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے جس طرح قرآن مجید کی دیگر بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے اسی طرح اس سورت کو بھی حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ان سورتوں کے اوائل میں حروف تہجی کو ذکر فرمایا ہے اور ان کے اوائل میں حروف تہجی کو ذکر فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ حکیم جب کسی ایسے شخص سے مخاطب ہو جو غافل ہو سکتا ہو یا اس کا دل کسی اور بات میں مشغول ہو تو وہ اپنے کلام کی ابتداء میں کسی ایسے لفظ کا ذکر کرتا ہے جس کا معنی بادی النظر میں سمجھ میں نہ آئے تا کہ اس کا مخاطب چوکنا ہو اور اس کا ذہن بیدار ہو اور وہ پوری طرح اس کلام کی طرف متوجہ ہو جائے' پھر اس کے بعد وہ حکیم اپنے کلام کے مقصود کو شروع کرتا ہے۔

اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جن سورتوں کی ابتداء میں حروف تہجی کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے بعض سورتوں کے اوائل میں کتاب یا تنزیل یا قرآن کا ذکر ہے' جیسے الٓمّٓ O ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (البقرہ: ۲-۱) الٓمّٓ O اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ O نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (آل عمران: ۳-۱) الٓمّٓصٓ O كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (الاعراف: ۲-۱) یٰسٓ O وَالْقُرْاٰنِ (یٰسٓ: ۲-۱) صٓ وَالْقُرْاٰنِ (ص: ۱) قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ (ق: ۱) الٓمّٓ O تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ (السجدۃ: ۲-۱) حٰمٓ O تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ (الجاثیہ: ۲-۱) البتہ تین سورتوں میں حروف تہجی کے بعد قرآن یا کتاب کا ذکر نہیں ہے اور وہ یہ ہیں: كٓهٰیٰعٓصٓ (مریم: ۱) الٓمّٓ O اَحَسِبَ النَّاسُ (العنکبوت: ۲-۱) الٓمّٓ O غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم: ۲-۱)۔

جن سورتوں کے شروع میں قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر ہے ان میں قرآن کے ذکر سے پہلے ان حروف تہجی کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ قرآن مجید بہت عظیم کتاب ہے اور اس کے نازل کرنے میں ثقل اور گرانی ہے اس لیے اس کو شروع کرنے سے پہلے ان حروف تہجی کا ذکر کیا تا کہ مخاطب اس عالی قدر کتاب کے ثقل کو ذہن میں بٹھانے سے پہلے متنبہ اور چوکنا ہو جائے کہ اب ایسا لفظ سننے میں آیا ہے جس کا معنی ظاہر اور واضح نہیں ہے تو دیکھیے آگے کیا ارشاد ہوتا ہے' اس لیے ارشاد فرمایا:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ (المزمل: ۵) بے شک ہم آپ پر عنقریب ثقیل کلام نازل فرمائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر سورت قرآن ہے اور اس کا سننا قرآن کا سننا ہے' خواہ اس میں لفظاً قرآن کا ذکر ہو یا نہ ہو' تو اس قاعدہ کے موافق ہر سورت سے پہلے بہ طور تنبیہ حروف تہجی کو مذکور ہونا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر سورت قرآن ہے لیکن جس سورت کی ابتداء میں قرآن کا لفظاً ذکر ہے اس کا قرآن ہونا زیادہ مؤکد ہے اس لیے اس کی طرف مخاطب کے ذہن کو حاضر اور متوجہ کرنے کے لیے زیادہ اہتمام فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۴۴۔۲۴۳ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حروف مقطعات کے معنی اور مفہوم کے نامعلوم ہونے کی توجیہ

بعض سورتوں میں ان حروف تہجی میں سے صرف ایک حرف ذکر کیا گیا ہے' بعض سورتوں میں دو حرفوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض سورتوں میں تین یا تین سے زائد حروف کا ذکر کیا گیا ہے' پھر ان حروف کا چناؤ بھی مختلف ہے' اس تخصیص کی مکمل حکمت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا اس کی حکمت وہ شخص جانتا ہے جس کو اللہ نے بہ طور خاص اس حکمت پر مطلع فرمایا ہے' ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بعض احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہم ان احکام کے فائدہ اور حکمت کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں اور بعض احکام پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ ہماری عقل میں نہیں آتا اس کے باوجود ہم دونوں قسم کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اسی طرح ہمیں پورے قرآن پر ایمان لانے اور اس کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں حروف مقطعات بھی ہیں جن کا معنی اور مفہوم ہم نہیں جانتے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے' لیکن ہم ان کے قرآن ہونے پر ایمان لائیں گے اور ان کی تلاوت کریں گے خواہ ہمیں ان کا معنی اور مطلب معلوم نہ ہو اور ہمیں ان کے نازل کرنے کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ہم نے جو کہا ہے کہ بعض احکام کی حکمت کو ہم اپنی عقل سے جان لیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے واحد' عالم اور قادر ہونے کا عقیدہ ہے' اور اس طرح جنت اور نار کے برحق ہونے کا عقیدہ ہے تو ہم عقل سے جان لیتے ہیں کہ جزاء اور سزا کے لیے کوئی ذریعہ ہونا چاہیے لیکن جنت اور نار کی کیفیات اور تفصیلات کو ہم عقل سے نہیں جان سکتے' اسی طرح ہم عقل سے یہ جان سکتے ہیں کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی رسول ہونا چاہیے لیکن عقل سے یہ نہیں جان سکتے کہ کتنے رسول ہونے چاہئیں' ہم یہ جان سکتے ہیں کہ حساب و کتاب کی کوئی جگہ ہونی چاہیے لیکن میزان اور پل صراط کی کیفیت کو عقل سے نہیں جان سکتے' ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کی صورت میں اس کی عبادت ہونی چاہیے لیکن نمازوں کے اوقات' ان کی رکعات کی تعداد' زکوٰۃ کی مقدار اور روزے میں وقت کی تعیین کو عقل سے نہیں جان سکتے تھے' اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ہم اس کی آیات کے معانی کو عقل سے جان سکتے ہیں لیکن حٰمٓ' یٰسٓ' الٓمّٓ اور طٰسٓ کے معانی کو ہم عقل سے نہیں جان سکتے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۵۱۔۲۵۰ ملخصاً وموضحاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یٰسٓ کے اسرار و رموز

ہر چند کہ یقینی اور حتمی طور پر حروف مقطعات کا معنی اور مفہوم معلوم نہیں ہے تاہم ظنی طور پر بعض مفسرین نے ان کے معانی بیان کیے ہیں اور یہ کہا ہے کہ ان حروف سے اشارۃً یہ معانی معلوم ہوتے ہیں' سو ہم یٰسٓ کے متعلق بعض مفسرین کے ذکر کردہ معانی پیش کر رہے ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو صالح نے حضرت معاویہ' حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یٰسٓ اللہ کے اسماء میں سے ہے اور اس اسم سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یٰسٓ کا معنی حبشی زبان میں اے انسان ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۳)

قتادہ نے کہا قرآن مجید میں جتنے حروف مقطعات ہیں وہ سب اللہ کے اسماء ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۴)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

اشہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک بن انس سے پوچھا: آیا کسی شخص کے لیے یٰسٓ نام رکھنا جائز ہے؟ امام مالک نے فرمایا میری رائے میں اس کو یہ نام نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ یٰسٓ والقران الحکیم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرا نام ہے میں نے اپنے نام کے ساتھ اس سورت کا نام رکھا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۵)

حسن نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ چاہے قسم کھائے' پھر اس سے اعراض کر کے سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) کے متعلق کہا اللہ نے اپنے رسول پر سلام بھیجا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۶)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

یٰسٓ کا معنی یا سید ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یا سے یوم میثاق کی طرف اشارہ ہے' اور سین سے اس کے احباب کے سر (راز) کی طرف اشارہ ہے گویا یوم میثاق کے حق کی قسم اور احباب کے ساتھ راز کی قسم اور قرآن حکیم کی قسم۔

(لطائف الاشارات ج ۳ ص ۲۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے روایت ہے کہ یٰسٓ کا معنی ہے یا انسان اور سلام علی الیاسین کا معنی ہے آل محمد پر سلام ہو اور سعید بن جبیر نے کہا یٰسٓ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: انک لمن المرسلین ''بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں'' امام مالک نے جو یٰسین نام رکھنے سے منع کیا ہے اس کی توجیہ میں علامہ ابن العربی نے کہا بندہ اپنے رب کا نام اس وقت رکھ سکتا ہے جب اس نام کا کوئی معنی ہو جیسے عالم' قادر' مرید اور متکلم' امام مالک نے یٰسٓ نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے ان اسماء میں سے ہے جن کا معنی معلوم نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ اس اسم کے ساتھ منفرد ہو' پس بندہ کو اس نام کے رکھنے پر جرأت نہیں کرنی چاہیے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سلام علی الیاسین' اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا کلام اس اسم میں ہے جو حروف تہجی پر مشتمل ہے اور یاسین ان حروف سے مرکب ہے' امام مالک نے یٰسٓ نام رکھنے سے منع کیا ہے یاسین نام رکھنے سے منع نہیں کیا' پس کوئی اشکال نہ رہا۔

یٰسٓ کو حدیث میں قرآن کا قلب فرمایا ہے اور قلب پورے جسم کا امیر ہوتا ہے اسی طرح یٰسٓ بھی تمام سورتوں کی امیر ہے اور ابومحمد مکی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کے نزدیک میرے دس اسماء ہیں اور ان اسماء میں طٰہٰ اور یٰسٓ بھی آپ کے اسم ہیں۔

علامہ الماوردی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں میرے سات اسماء رکھے ہیں (۱) محمد (۲) احمد (۳) طٰہٰ (۴) یٰسٓ (۵) المزمل (۶) المدثر (۷) عبداللہ' نیز علامہ الماوردی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یٰسٓ کا معنی ہے یا محمد اور اس قول کو محمد بن الحنفیہ سے روایت کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵' دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام جعفر الصادق سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یٰسٓ سے یا سید کا ارادہ فرمایا ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے یا انسان اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ فرمایا ہے' الزجاج نے کہا اس کا معنی یا محمد ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۷۔۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قسم کھانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O (یٰسٓ: ۳۔۲)
کعب سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا: اے محمد! بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں' قرآن حکیم کی قسم!

اگر یہ فرض کیا جائے کہ یٰسٓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم ہے' نیز دوسرے جملہ میں جو فرمایا ہے قرآن حکیم کی قسم اس کا عطف بھی پہلے جملہ پر ہے اور اس عطف سے یہ قسم اور مؤکد ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کی اور آپ کی کتاب کی قسم کھائی اور یہ فرمایا کہ آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں اور آپ پر وحی نازل فرما کر آپ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے' اور آپ ایسے سیدھے راستے پر ہیں جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ حق سے انحراف ہے۔

نقاش نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اپنے انبیاء میں سے کسی نبی کے نام کی اپنی کتاب میں قسم کھائی نہ اس کی کتاب کی' اور اس میں آپ کی بہت زیادہ تعظیم اور تکریم ہے' یٰسٓ کا معنی یا سید جو کیا گیا ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے خود اپنے آپ کو سید فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سید (سردار) ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۷۱۲-۳۳۴۰)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور اس پر فخر نہیں ہے۔ الحدیث (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۱۵)

قشیری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کفار قریش نے کہا آپ رسول نہیں ہیں اور اللہ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر نہیں بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرنے کے لیے قرآن حکیم کی قسم کھا کر فرمایا محمد رسولوں میں سے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۸۔۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: سیدھے راستہ پر قائم ہیں O (یٰسٓ: ۴)
یہ آیت پہلی آیت سے مربوط ہے: یعنی آپ بے شک ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے راستہ پر قائم ہیں O
تمام رسول صراط مستقیم پر ہوتے ہیں اور آپ بھی چونکہ رسولوں میں سے ہیں اس لیے آپ بھی صراط مستقیم پر ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۔ اور بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔
(الشوریٰ: ۵۲)

صراط مستقیم سے مراد اصول اور فروع ہیں یعنی عقائد اور احکام شرعیہ' تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد واحد تھے اور ان کی شریعتیں مختلف تھیں' اور یہ تمام شریعتیں اپنے اپنے زمانہ میں کامل تھیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لیے کامل اور متکفل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ قرآن) بہت غالب بڑے مہربان کا نازل کیا ہوا ہے O تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں O (یٰسٓ: ۶۔۵)

العزیز اور الرحیم کے ذکر کی حکمت

یٰسٓ: ۵ میں العزیز (غالب) اور الرحیم کا ذکر فرمایا ہے' یعنی جن لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا ہے اگر انہوں نے اس رسول کی تعظیم اور تکریم نہیں کی اور اس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو وہ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے کیونکہ وہ بہت غالب ہے' اور جن لوگوں نے اس کے رسول کی تعظیم اور تکریم کی اور اس کے پیغام کو قبول کیا تو وہ ان کی خطاؤں کو بخش دے گا اور ان کو بہت اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ وہ بہت رحیم ہے۔

اس آیت کے الفاظ کے زیادہ قریب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور اس میں عقائد اور احکام کو بیان فرمایا سو جو شخص ان عقائد پر ایمان نہیں لایا اور اس نے ان احکام پر عمل نہیں کیا وہ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے کیونکہ وہ بہت غالب ہے' اور جو شخص ان عقائد پر ایمان لے آیا اور اس نے ان احکام پر عمل کیا تو وہ اس کو بخش دے گا اور اس کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ وہ بہت مہربان ہے۔

اس کی توجیہ کہ اہل مکہ کے پاس آپ کے سوا کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا

یٰسٓ: ۶ میں فرمایا تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں۔

اس مضمون کی یہ آیت بھی ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (القصص: ۴۶) — تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا۔

اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی میں رہا اور ان کی بعثت بنی اسرائیل ہی کی طرف ہوتی رہی' بنو اسماعیل یعنی عربوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ البتہ حضرت شعیب علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

یٰسٓ: ۶ میں جو فرمایا ہے جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا اس سے مراد اہل مکہ کے قریبی آباؤ اجداد ہیں ورنہ ان کے سلسلہ نسب میں جو زیادہ اوپر کے اور بعید آباء ہیں ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پہنچائی تھی' اور ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے مکمل طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کی تھی' پھر اس پر کافی زمانہ گزر گیا اور بے عملی اور جاہلیت ان میں نفوذ کرتی رہی حتیٰ کہ جس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا صرف نام رہ گیا تھا۔

علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ نے لکھا ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے یا تو ان کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے یا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کسی نہ کسی عالم کے ذریعہ ان کو تبلیغ کی جاتی رہی' اور جن آیات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل مکہ کے آباء کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا اس سے مراد ان کے سلسلہ نسب میں قریب کے آباء ہیں' اور مطلقاً عذاب سے ڈرانا کسی زمانہ میں بھی منقطع نہیں ہوا اور نہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوگی' اور جب ڈرانے والوں کی تبلیغ کے آثار مٹ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور وہ جو متکلمین نے زمانہ فترت کا ذکر کیا ہے' جس زمانہ میں کوئی نبی نہیں ہوتا اور اس زمانہ کے لوگ مکلف نہیں ہوتے وہ محض ایک فرضی اصطلاح ہے' اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ کے پاس عذاب سے ڈرانے والا کوئی رسول نہیں آیا اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے پاس مطلقاً کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کو کسی عالم نے اللہ کے عذاب

سے ڈرایا ہو جو نبی نہ ہو' جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ وغیرہ' اس تقریر کے اعتبار سے یٰس: ۶ ۳۶ کا حسب ذیل آیت سے کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. (فاطر: ۲۴) اور ہر امت (گروہ یا جماعت) میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

اس سے مراد ہے کہ گزرے ہوئے زمانوں میں سے ہر زمانہ میں جو بھی لوگوں کا کوئی بڑا گروہ یا جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے' خواہ وہ نبی ہو یا عالم ہو' اس آیت میں بشیر کا ذکر نہیں ہے صرف نذیر کا ذکر ہے کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہو سکتا ہے' لیکن مخصوص اجر و ثواب کی بشارت بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی' اس لیے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے اور نذیر چونکہ نبی کے علاوہ عالم بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس آیت میں صرف نذیر کا ذکر فرمایا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں فترۃ (انقطاع نبوت کے زمانہ) کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ. (المائدہ: ۱۹) اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول فترت (انقطاع نبوت) کے زمانہ میں آ گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو یہ مراد نہیں ہے کہ اس زمانہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کوئی عالم بھی نہ آیا ہو۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہونا

اس آیت پر ایک اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ اہل مکہ کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا سو اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ یہود کو ڈرانے کا آپ کو حکم نہ دیا گیا ہو' کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کو تو ڈرایا گیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں رسول کو بھیجتا ہے تو جب تک اس قوم میں ایسے علماء رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں تو عام طور پر اللہ تعالیٰ اس قوم میں کسی اور رسول کو نہیں بھیجتا' اور جب ان میں ایسے علماء باقی نہ رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں اور سب لوگ گمراہ ہو جائیں اور نبی کے جانے کے بعد کافی زمانہ گزر جائے اور کفر پھیل جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی اور رسول کو بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے کے رسول کی شریعت کو ثابت کرتا ہے یا کسی نئی شریعت کو مقرر کرتا ہے' اب اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو قوم پہلے رسول کے طریقہ کو ترک کر کے گم راہ ہو چکی ہو اور اس کے بعد اس کو عذاب سے نہ ڈرایا گیا ہو' تو آپ ایسی قوم کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں اور یہود اور نصاریٰ ایسی قوم میں داخل ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ میں جو یہود اور نصاریٰ کے قریبی باپ دادا تھے ان کے گم راہ ہونے کے بعد ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا تھا اور زمانہ فترت میں ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے قریب کے زمانہ میں کوئی نبی نہیں آیا تھا' جس طرح مکہ کے مشرکین کے قریبی باپ دادا کو ڈرانے کے لیے کوئی نبی نہیں آیا تھا' سو جس طرح آپ مکہ کے مشرکین کو عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے اسی طرح آپ یہود و نصاریٰ کو ڈرانے کے لیے بھی بھیجے گئے تھے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اس سے پہلے یہ آیت گزر چکی ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ کیا یہ منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ○ (السجدہ:۳)

لیا ہے' بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے' تا کہ آپ اس قوم کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی (عذاب سے) ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت قبول کر لیں۔

جن نکات پر ہم نے یہاں گفتگو کی ہے ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ ہم مذکور الصدر آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

غفلت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: سو وہ غافل ہیں۔

جو شخص علم کے باوجود کسی چیز سے اعراض کرے اس کو غافل کہا جاتا ہے' اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے پاس کسی رسول کو اسی وقت بھیجتا ہے جب وہ قوم اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے۔

کسی چیز کی طرف ذہن متوجہ نہ رہے تو اس کو غفلت کہتے ہیں اور کسی چیز کی صورت انسان کے ذہن میں ہو اور پھر وہ صورت اس کے ذہن سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں' اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انسان تین چیزوں میں غفلت کرتا ہے وہ اللہ کے ذکر میں غفلت کرتا ہے' اور وہ طلوع شمس تک صبح کی نماز کو مؤخر کرتا ہے اور وہ قرض ادا کرنے میں غفلت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ قرض اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۵۷۱' مسند الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۲۲۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے اکثر کے متعلق ہماری خبر ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں ○ (یٰس: ۸۔۷)

کفار کی گردنوں میں طوق ڈالنے کا محمل

یعنی اکثر اہل مکہ پر عذاب واجب ہو چکا ہے سو آپ کی تبلیغ سے وہ ایمان نہیں لائیں گے' کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق یہ علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے تا حیات ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر ہی مریں گے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار کرنے کا سبب بیان کیا اور فرمایا: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں ○

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل نے قسم کھائی کہ اگر اس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پتھر سے آپ کا سر پھاڑ دے گا' جب اس نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پتھر اٹھا کر آپ کی طرف بڑھا جب اس نے پتھر اٹھا کر آپ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ اس کے گلے کی طرف لوٹ آیا' اور پتھر اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا' اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ وغیرہ نے بیان کیا ہے' اور اس مثال میں ابوجہل اس شخص کی مثل ہے جس کا ہاتھ اس کی گردن تک باندھا ہوا ہو پھر ابوجہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے' تو اس کے دو ساتھیوں میں سے ولید بن مغیرہ نے کہا میں اس کا سر پھاڑ کر آتا ہوں' وہ آپ کے پاس پہنچا آپ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے اس نے پتھر مارنے کے لیے اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا' وہ آپ کی آواز تو سن رہا تھا لیکن وہ آپ کا سر نہیں دیکھ رہا تھا' وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور اس نے کہا اللہ کی قسم! میں ان کو نہیں دیکھ سکا میں ان کی آواز تو سن رہا تھا لیکن مجھے ان کا سر نظر

نہیں آ رہا تھا' تب ابوجہل کے تیسرے ساتھی نے کہا میں جا کر ان کا سر پھاڑ کر آ ؤں گا' وہ پتھر اٹھا کر چل پڑا پھر الٹے پیر پلٹ آیا' اور پیٹھ کے بل بے ہوش ہو کر گر پڑا' اس سے اس کے ساتھیوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ اس نے کہا جب میں ان کے قریب ہوا تو میں نے دیکھا ایک بہت بڑا سانڈ (بیل) ہے جو اپنی دم ہلا رہا ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا سانڈ نہیں دیکھا تھا' وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا' لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں' جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ص ۹' زاد المسیر ج ۷ص ۹' معالم التنزیل ج ۴ص ۶' روح المعانی جز ۲۲ص ۳۲۳)

ابوجہل کا واقعہ بعض کتب حدیث میں اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا اگر میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو پیروں سے روندوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اس کو ظاہراً پکڑ لیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۳۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ص ۲۹۸' مسند احمد ج ۱ص ۲۴۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۶۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۲۶۰۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ص ۲۰۶' رقم الحدیث ۱۵۷)

مقمحون کا معنی

مقمحون کا مادہ قمح ہے' اس کا معنی ہے گردن پھنسنے کی وجہ سے سر کا اوپر اٹھا ہوا ہونا' اقماح کا معنی ہے سر اٹھا کر آنکھیں بند کر لینا' مقمح اس شخص کو کہتے ہیں جو سر اٹھالے اور آنکھیں بند کر لے' **بعیر قامح** اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پانی پینے کے بعد آنکھیں بند کر کے سر اٹھائے کھڑا ہوتا ہے۔

ازہری نے کہا دوزخیوں کی گردنوں میں طوق پھنسے ہوئے ہوں گے جس کی وجہ سے ٹھوڑیاں اوپر کو اٹھ جائیں گی' پھر لامحالہ سر بھی اوپر کو اٹھ جائیں گے' علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اس آیت میں تمثیل اور تشبیہ ہے' حقیقت مراد نہیں ہے' کفار سرکشی کرتے تھے' حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے' راہ خدا میں خرچ کرتے وقت گردن اکڑاتے تھے' اس لیے ان کی شکل اس شخص کی طرح ہو گئی جس کی ٹھوڑی اوپر کو اٹھی ہوئی ہو۔ خلیل نے کہا اگر گندم پکنے کے بعد سے لے کر گودام میں رکھنے کے وقت تک اس گندم کو خوشوں میں ہی رکھا جائے تو اس گندم کو قمح اور اس سے بنائے ہوئے ستو کو قمیح کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ص ۵۳۳-۵۳۲' لسان العرب ج ۲ص ۵۶۷-۵۶۵ ملخصاً وموضحاً)

کفار کی گردنوں میں طوق ڈالنا ان کے ایمان نہ لانے کو کس طرح مستلزم ہے

اس کا معنی ہے ان کی گردنوں اور ان کے ہاتھوں میں ہم نے طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں کیونکہ جب گردن سے ٹھوڑی تک طوق ہو گا تو اس نے ہاتھوں کو بھی جکڑا ہوا ہو گا' ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے سروں کو جھکا نہیں سکیں گے کیونکہ جس کے ہاتھ ٹھوڑی تک باندھ دیئے گئے ہوں اس کا سر اوپر اٹھ جاتا ہے' عبد اللہ بن یحییٰ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے اپنے دونوں ہاتھ ڈاڑھی کے نیچے رکھ کر ان کو ملایا اور سر کو اوپر اٹھا کر دکھایا کہ اس طرح اقماح ہوتا ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ ۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ۔

(الاسراء: ۲۹)

ایک قول یہ ہے کہ یہ کفار حق کو قبول کرنے سے اس طرح تکبر کرتے ہیں اور اپنی گردن اکڑاتے ہیں جس طرح کسی شخص کے ہاتھوں میں طوق ڈال کر اس کی گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہو جس کے باعث اس کا سر اس طرح اوپر اٹھا ہوا ہو کہ وہ اس کو نیچے جھکا نہ سکے اور اس کی آنکھیں اس طرح بند ہوں کہ وہ ان کو کھول نہ سکے' اور ازہری نے کہا جب ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ طوق میں جکڑ دیا گیا تو طوق نے ان کی ٹھوڑی اور ان کے سر کو اس طرح اوپر اٹھا دیا جس طرح اونٹ اپنا سر اوپر اٹھاتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے اختیار کی وجہ سے ان کے دلوں میں کفر پیدا کر دیا گیا ہے' اور اس کا یہ بھی معنی ہے کہ ان کی ضد اور ان کے عناد کی وجہ سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ ان سے ایمان لانے کی توفیق کو سلب کر لیا گیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ آخرت میں ان کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا اور ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر ان کو جکڑ دیا جائے گا' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۚ (المومن: ۷۲-۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی' ان کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا۔

مجاہد نے مقمحون کی تفسیر میں کہا ہے ان سے ہر خیر کو روک دیا جائے گا۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھنے کی وجہ سے اس کا سر اوپر کو اٹھا ہوا ہو' اس سے یہ معنی کس طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ وہ ہدایت کو قبول نہیں کرے گا اور وہ ایمان نہیں لائے گا! اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کا سر اوپر اٹھا ہوا ہو اور وہ نیچے نہ دیکھ سکتا ہو اور اس کی آنکھیں بند ہوں جن کو وہ کھول نہ سکتا ہو تو اس کو ظاہری اور حسی راستہ نظر نہیں آئے گا' اس کو اپنے قدموں کے نیچے کی جگہ نظر نہیں آئے گی اگر وہ کسی راستہ پر چلے گا تو وہ کسی گڑھے میں یا کسی کنویں میں گر سکتا ہے اور کسی وقت بھی ہلاک ہو سکتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے ضدی' متکبر اور معاند کافر کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح اس شخص کو حسی راستہ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح جس شخص کی تکبر سے گردن اکڑی ہوئی ہو اس کو دین کا معنوی راستہ نظر نہیں آتا' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ جو ان کو اللہ کے عذاب ڈراتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں اس کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ضرور ہدایت کو قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اکثر کفار اپنی ضد' عناد اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں سے اکثر کفار ایمان نہیں لائیں گے اور اس کے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھتے ○ اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے ○ آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمان سے ڈرے تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے ○ (یٰسٓ: ۱۱-۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورۃ یٰسٓ پڑھتے ہوئے کفار کے نرغے سے نکل جانا

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یٰسٓ: ۹ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہم نے کفار قریش کی آنکھوں پر ایک پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایذاء پہنچانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ پاتے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو مخزوم کے کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' جن میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ

بھی تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور وہ آپ کی قرأت سن رہے تھے' انہوں نے آپ کو قتل کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ کو بھیجا وہ اس جگہ جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے' وہ آپ کی قرأت سن رہا تھا لیکن اس کو آپ نظر نہیں آئے' اس نے واپس جا کر ان کو بتایا' وہ سب اس جگہ پہنچے جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اپنے سامنے دیکھا اور اپنے پیچھے دیکھا لیکن آپ ان کو سامنے نظر آئے نہ پیچھے نظر آئے اور یہ اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی' سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے O

امام ابن اسحاق' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر قریش جمع ہو گئے اور ان میں ابوجہل بھی تھا' انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو تم عرب اور عجم کے سردار بن جاؤ گے' اور یہ کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے' پھر تم کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاک کی ایک مٹھی لے کر نکلے' آپ نے فرمایا ہاں میں کہتا ہوں اور تم بھی ان دوزخیوں میں سے ایک ہو' اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سو وہ آپ کو دیکھ نہ سکے' پھر آپ نے وہ خاک کی مٹھی لے کر ان کے سروں پر ڈال دی اور اس وقت آپ نے **یٰسٓ و القرآن الحکیم** سے لے کر **فاغشینٰھم فھم لا یبصرون** تک نو آیتیں پڑھیں' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے پڑھنے سے فارغ ہو گئے' اور ہر شخص کے سر میں وہ مٹی پہنچ گئی' ان میں سے جو شخص بھی اپنے سر پر ہاتھ رکھتا اس کے سر میں وہ مٹی ہوتی' بالآخر انہوں نے کہا وہ ہم سے سچ کہتے تھے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر قریش جمع ہو گئے وہ اس انتظار میں تھے کہ آپ گھر سے باہر نکلیں تو وہ آپ کو ایذاء پہنچائیں' آپ پر یہ امر گراں گزرا تو حضرت جبریل سورۃ یٰسٓ لے کر آپ کے پاس آئے' اور آپ سے کہا کہ آپ ان کے سامنے سے نکل جائیں' آپ نے ایک ہاتھ میں خاک کی مٹھی لی اور سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے نکلے اور ان کے سروں کے اوپر خاک ڈالتے ہوئے گزرے' آپ ان کے سامنے سے گزر گئے اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے' ان میں سے جو شخص بھی اپنے سر پر ہاتھ لگاتا تو اس کے سر میں مٹی ہوتی' پھر ان کے پاس باہر سے کوئی شخص آیا اور ان سے پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کر رہے ہیں' اس نے کہا میں نے تو ان کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے' پھر انہوں نے کہا چلو اٹھو وہ تم پر جادو کر کے نکل گئے۔

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ قریش نے جمع ہو کر عتبہ بن ربیعہ کو بلایا اور کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہاری قوم کہتی ہے کہ بے شک آپ بہت عظیم دین لے کر آئے ہیں' جس دین پر ہمارے باپ دادا نہیں تھے' اور ہمارے دانشور لوگ اس دین میں آپ کی اتباع نہیں کر رہے' اور آپ نے ضرور کسی ضرورت کی بناء پر اس دین کی پیروی کی دعوت دی ہے' پس اگر آپ کو مال چاہیے تو آپ کی قوم مال جمع کر کے آپ کو پیش کر دیتی ہے' سو آپ اس دین کو چھوڑ دیں اور اسی دین پر عمل کریں جس دین پر آپ کے باپ دادا عمل کرتے تھے' پھر عتبہ آپ کے پاس پہنچا اور جس طرح انہوں نے بتایا تھا' اسی طرح اس نے آپ سے کہا' جب وہ اپنا پیغام پہنچا کر خاموش ہو گیا تو آپ نے حٰمٓ السجدۃ کی تیرہ آیتیں پڑھیں وہ آیتیں یہ ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

حٰمٓ ۚ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ — حامیم' نہایت رحم فرمانے والے مہربان کی طرف سے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ
حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ
اسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ
لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ
مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ
اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَ
هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ
قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ
اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ
ثَمُوْدَ ۝ (حٰمٓ السجدة: ١٣ـ١)

نازل کی ہوئی O کتاب جس کی آیتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے' قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لیے ہے جو جانتی ہے O یہ (قرآن) نیک لوگوں کو بشارت دینے والا ہے اور بدکاروں کو عذاب سے ڈرانے والا ہے' اکثر لوگوں نے اعراض کیا وہ غور سے نہیں سنتے O انہوں نے کہا تم جس دین کی طرف ہمیں دعوت دے رہے ہو' ہمارے دلوں پر اس سے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے' اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کریں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں O آپ کہیے کہ میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف ایک ہی معبود ہے' سو اسی (کی عبادت) پر جمے رہو اور اس سے مغفرت طلب کرو اور مشرکین کے لیے عذاب ہے O جو اپنے مال میں سے ضرورت مندوں پر خرچ نہیں کرتے اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے دائمی اجر ہے O آپ ان سے پوچھیے کیا تم اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شریک قرار دے رہے ہو' وہی رب العلمین ہے O اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ رکھ دیئے' اور اس میں برکت رکھی اور چار دنوں میں اس کی تمام پیداوار کا نظام بنایا' سو سوال کرنے والوں کے لیے یہ مکمل جواب ہے O پھر آسمان کی طرف قصد کیا وہ اس وقت دھواں سا تھا' پس اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آنے والے ہیں O سو اس نے دو دنوں میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کو نافذ کیا' اور آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور (شیطان سے) محفوظ کر دیا' یہ بہت غالب اور بے حد جاننے والے کا نظام ہے O پس اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تم کو ایک ایسے کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

ان آیات کو سن کر عتبہ اپنے کفار ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا انہوں نے میرے ساتھ ایسے کلام کے ساتھ خطاب کیا ہے

جو نہ شعر ہے نہ سحر ہے' وہ بہت عجیب کلام ہے' وہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے' اس کے ساتھی اس پر غضب ناک ہوئے اور کہا ان کے پاس ہم سب مل کر جاتے ہیں' جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے پاس تشریف لے آئے' آپ نے ان کا قصد کیا اور ان کے سروں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے' اور آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر یٰسٓ کی ابتدائی نو آیتیں پڑھیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں پر باندھ دیا اور ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر دی' آپ نے ایک خاک کی مٹھی اٹھا کر ان کے سروں پر ڈالی اور ان کے پاس سے چلے گئے اور وہ نہ جان سکے کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا' ان کو بعد میں بہت تعجب ہوا اور کہا ہم نے ان سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہیں دیکھا' بھلا دیکھو تو سہی وہ ہمارے ساتھ کیا کر گئے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۴۱۔۴۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث میں مسلمانوں کے لیے یہ رہ نمائی ہے کہ جب کبھی ان کے گرد کفار کا گھیرا تنگ ہو جائے اور انہیں بہ ظاہر نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو پھر ان کے نرغے سے نکلنے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ قرآن کا دامن تھام لیں' آج کل مسلمان ممالک ہر طرف سے کفار کے دباؤ میں ہیں چیچنیا کے مسلمانوں کو روس نے اپنے مظالم کا شکار بنا رکھا ہے' افغانستان اور عراق امریکا کے استبداد کا نشانہ ہیں فلسطین کے مسلمان اسرائیل کے تشدد تلے پس رہے ہیں' کشمیر کے مسلمان بھارت کے نرغے میں ہیں' بوسنیا کے مسلمان' سربوں کے ہاتھوں تنگ ہیں' غرض ہر جگہ مسلمان کافروں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں' اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام سے رشتہ توڑ کر کفر سے ناطہ جوڑ لیا ہے' ہم فسق وفجور کی دلدل میں غرق ہو رہے ہیں' فرائض اور واجبات کے تارک ہیں' قرآن کی تعلیم اور اس کا نظام ہمیں قصہ پارینہ اور فرسودہ دکھائی دیتا ہے' مغربی تہذیب اور نت نئے فیشنوں کو اپنانے کے شوق میں ہم اسلامی اقدار سے بہت دور نکل آئے' اب ہمیں اسلامی حدود وتعزیرات' وحشیانہ سزائیں معلوم ہوتی ہیں اور عبادات کو ہم بوجھ سمجھنے لگے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم مثالی مسلمان تو کیا بنتے قابل ذکر انسان بھی نہ بن سکے۔

سامنے اور پیچھے دیوار کھڑی کرنے کے محامل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھتے O (یٰسٓ: ۹)

اس میں یہ بتایا ہے کہ کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال کر ان کے ہاتھوں کو ان کی ٹھوڑی کے ساتھ باندھا ہوا ہے جس سے ان کا سر اوپر اٹھا ہوا ہے اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا' پھر ان کے سامنے بھی دیواریں ہیں اور پیچھے بھی دیواریں ہیں تو وہ راستہ نہیں دیکھ سکتے' اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی عقل سے کام لے کر مظاہر فطرت میں غور کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے' وہ اس کائنات میں پھیلے ہوئے توحید کے دلائل میں غور کر کے ہدایت حاصل کرتے یا خود ان کے نفس میں جو نشانیاں ہیں ان میں غور کرتے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

ہم ان کو اپنی نشانیاں عنقریب آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے اندر بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سو انہوں نے باہر کی دنیا سے ہدایت حاصل کی نہ اپنے اندر سے' ان کے آگے بھی عناد اور جہالت کی دیوار ہے اور ان کے پیچھے بھی تکبر اور سرکشی کی دیوار ہے سو ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی سزا نے ان کو ڈھانپ لیا ہے۔

اس جگہ ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کے سامنے بھی دیوار ہے اور ان کے پیچھے بھی

دیوار ہے' سو وہ کچھ نہیں دیکھتے' جو انسان کسی راستہ پر جا رہا ہو تو اس کے سامنے جو دیوار ہو وہ تو اس کو راستہ پر چلنے سے مزاحم اور رکاوٹ ہوتی ہے' لیکن جو دیوار اور اس کے پیچھے ہو وہ تو اس کے چلنے کے لیے کسی طرح رکاوٹ نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لیے ایک ہدایت فطریہ ہے اور ایک ہدایت نظریہ ہے' ہدایت نظریہ سے مراد ہے کائنات میں غور و فکر کر کے ہدایت حاصل کرنا اور ہدایت فطریہ سے مراد ہے جبلی اور پیدائشی ہدایت' جیسے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس فطری ہدایت کو کافر اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں ضائع کر چکا ہے اور کائنات میں غور و فکر کر کے اس نے ہدایت نظریہ کو حاصل نہیں کیا' سامنے کی دیوار سے مراد ہدایت نظریہ کو حاصل نہ کرنا ہے اور پیچھے کی دیوار سے مراد ہدایت فطریہ کو ضائع کرنا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دنیا انسان کے سامنے ہے اور آخرت پیچھے ہے انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی صلاح کے لیے بھی اللہ کو یاد رکھے اور آخرت کی فلاح کے لیے بھی اللہ کو یاد رکھے' اور کافر دنیا کی صلاح کی فکر کرتا ہے نہ آخرت کی فلاح کی تیاری کرتا ہے اس لیے فرمایا اس کے سامنے بھی اس کے ضد اور عناد کی دیوار ہے اور اس کے پیچھے بھی اس کی غفلت اور جہالت اور انکار اور کفر کی دیوار ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جو انسان کسی راستہ پر جا رہا ہو اور اسے آگے جانے کے لیے راستہ نہ ملے تو وہ پھر پیچھے لوٹ آتا ہے اور اگر پیچھے بھی راستہ نہ ملے تو پھر وہ اسی جگہ کھڑا رہ جاتا ہے' منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے نہ اپنے مقر اور ٹھکانے تک لوٹ سکتا ہے اور یوں وہ ناکام و نامراد رہ جاتا ہے' سو یہ جو فرمایا ہے کہ اس کے آگے بھی دیوار ہے اور اس کے پیچھے بھی دیوار ہے یہ دراصل اس کی ناکامی اور نامرادی کی طرف اشارہ ہے۔

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ وہ مقمحون ہیں یعنی ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں' گویا وہ نیچے نہیں دیکھ سکتے اور ان کے اپنے نفسوں میں جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نشانیاں رکھی ہیں ان پر غور کر کے ان سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے' اب فرمایا ان کے آگے اور پیچھے دیوار ہے اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے گویا اب وہ آفاق اور اس خارجی کائنات سے بھی ہدایت حاصل نہیں کر سکتے' سو آفاق اور انفس سے ہدایت کی یہ دونوں راہیں ان پر بند کر دی گئیں ہیں اور ان کے مقدر میں سوا کفر اور گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان پر ہدایت کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں تو پھر ان کی مذمت کیوں کی جا رہی ہے اور پھر کس جرم کی بناء پر آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی' کیونکہ جب اللہ کے رسول نے ان کو دنیا کی صلاح اور آخرت کی فلاح کے لیے ایمان لانے اور اعمال صالح کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا' آپ کو ایذائیں پہنچائیں اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' آگے اور پیچھے ان کی ہدایت کے دروازے بند کر دیئے کہ بالفرض اب یہ ایمان لانا بھی چاہیں تو ان کو ایمان لانے نہیں دیا جائے گا یہ ان پر جبر نہیں ہے بلکہ یہ سزا ہے ان کے کفر اور عناد کی اور ان کے تکبر اور ان کی سرکشی کی جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار بیان کر چکے ہیں۔

کفار کو ڈرانا یا نہ ڈرانا صرف ان کے حق میں برابر ہے

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے O (یٰسٓ: ۱۰)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کافروں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے تو پھر ان کو کس لیے آپ ڈراتے تھے' اور آپ کو تبلیغ کرنے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کا کیوں حکم دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب سے ڈرانا اور نہ ڈرانا کفار کے

حق میں برابر ہے آپ کے حق میں برابر نہیں ہے' آپ کفار کو عذاب سے جتنا زیادہ ڈرائیں گے آپ کو اتنا زیادہ ثواب ملے گا' اور تبلیغ کی راہ میں آپ جس قدر زیادہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں گے' اللہ کے نزدیک آپ کا قرب اور درجہ اتنا زیادہ ہوگا' اور ان کے حق میں آپ کا عذاب سے ڈرانا اور نہ ڈرانا اس لیے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ آپ کی بسیار کوشش اور انتھک جدوجہد کے باوجود یہ اپنی ضد اور تکبر پر قائم رہیں گے اور اپنے قصد اور اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اور آخر وقت تک کفر پر جمے رہیں گے۔

اس آیت کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے البقرہ: ۶' تبیان القرآن ج ۱ص ۲۹۷-۲۹۲ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت سے جبریہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اللہ جس کو چاہے مومن بنادے اور جس کو چاہے کافر بنا دے انسان کا کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں ہے' یہ غلط نظریہ ہے' اللہ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کو انسان اختیار کرتا ہے' اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اس نے ان کے حق میں عدم ایمان کو مقدر کر دیا۔

ان کا بیان جن کو عذاب سے ڈرانا مفید ہے

اس کے بعد فرمایا: آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے O (یٰس ۱۱)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے آپ صرف ان کو ڈرائیں جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔

(۱) آپ کا ڈرانا صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو قرآن مجید کی آیات پر عمل کریں اور آپ کی اتباع کریں۔

(۲) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بر طریقہ عموم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں' لیکن کفار اور مشرکین آپ کے وعظ اور نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے' آپ اسی طرح عموم کے ساتھ ہدایت دیتے رہیں تاہم آپ کی نصیحت سے صرف ان ہی لوگوں کو فائدہ ہوگا جو آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔

(۳) جب آپ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو بعض لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور بعض آپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہیں تو اول الذکر لوگوں سے اعراض کیجئے' اور ثانی الذکر لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے۔

(۴) آپ عمومی طور پر اصول اور عقائد کا ذکر کریں اور جو آپ کی نصیحت پر عمل کرنے والے ہیں ان کے سامنے نماز اور روزے پر مشتمل فرعی احکام بیان کریں تاکہ وہ ان پر عمل کر کے اخروی ثواب حاصل کریں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے ہے جو ذکر کی اتباع کرے۔

ذکر سے مراد قرآن مجید ہے یا اس سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں' یا اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو قرآن مجید کے برحق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے نیاز اور نکتہ نواز ہونا

اور رحمٰن سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ جو شخص رحمٰن کی گرفت یا اس کے عذاب سے ڈر کر برے عقائد اور برے کاموں کو ترک کر دے اور اچھے عقائد اور اچھے کاموں کو اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے دو اسم مختص ہیں ایک لفظ اللہ ہے اور دوسرا لفظ رحمٰن ہے' جیسا کہ فرمایا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ. آپ کہیے کہ تم اللہ کو یاد کرو یا رحمٰن کو یاد کرو۔

(بنو اسرائیل:۱۱۰)

اور علماء نے ان دونوں اسموں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ لفظ اللہ جلال اور ہیبت پر دلالت کرتا ہے اور لفظ رحمٰن اس کی رحمت کی زیادت پر دلالت کرتا ہے' اس کے باوجود کسی جگہ لفظ اللہ رحمت کے لیے آتا ہے جیسے فرمایا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا. (الزمر:۵۳) تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اور کبھی رحمٰن کا لفظ غضب کے لیے آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وخشی الرحمن بالغیب اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے یعنی اس کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرے' یعنی اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ جلال اور ہیبت والا ہے تم اس سے اپنی امیدیں منقطع نہ کرو' اور اس کے باوجود کہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے تم اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو' یعنی بندہ کو چاہیے کہ وہ اس کی رحمت سے دھوکا نہ کھائے' کیونکہ وہ دردناک عذاب میں بھی تو مبتلا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝ (الحجر:۵۰۔۴۹) آپ میرے بندوں کو بتایئے کہ میں بے حد معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہوں ۝ اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

وہ نکتہ نواز اور بے نیاز ہے وہ جلال میں ہو تو ایک بلی کو باندھ کر بھوکا رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور رحم فرمائے تو ایک کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے ڈرنے کا معنی

اس آیت میں جو فرمایا ہے وہ بن دیکھے رحمان سے ڈرے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے یا حشر کے احوال کو دیکھنے سے پہلے یا دوزخ کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس پر ایمان لے آئے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات انسان لوگوں کے سامنے کوئی ناجائز اور حرام کام نہیں کرتا ان سے حیا کرتا ہے اور اپنی مذمت سے ڈرتا ہے اور جب وہ تنہا ہوتا ہے اور کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا' اس وقت وہ کوئی ناجائز اور حرام کام کر لیتا ہے اور اللہ سے نہیں ڈرتا' سو بندہ کو چاہیے کہ جس طرح وہ لوگوں کے سامنے برے اور غلط کام نہیں کرتا' اسی طرح تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے بھی حیا کرتے ہوئے اور صرف اس سے ڈرتے ہوئے برے کام نہ کرے' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے مراد قلب ہے' یعنی انسان دل سے اللہ سے ڈرے یہ نہ ہو کہ انسان ظاہری طور پر اپنے اوپر خشیت کو طاری کرے اور دل میں اللہ کا ڈر نہ ہو۔

اور فرمایا: تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے۔

یعنی جس کو آپ نے عذاب سے ڈرایا اور وہ ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے لگا اور اس نے برے کاموں کو ترک کر دیا تو آپ اس کو ثواب کی بشارت دیجئے' اور اس ثواب سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا خیال آیا ہے اور ان سب میں بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کا راضی ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے

دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے O (یٰسٓ:۱۲)

انسان کے اچھے یا برے اعمال کا لکھا ہوا محفوظ ہونا

اس آیت میں مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے اور اس میں ان کافروں کا رد ہے جو اس کے قائل نہیں تھے کہ انسان کو مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا' اور اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ انسان جو کچھ عمل کرتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق انسان کو آخرت میں جزا یا سزا دی جائے گی۔ انسان سب سے پہلے اللہ کو واحد ماننے کا مکلف ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مکلف ہے' اور پھر آخرت پر ایمان لانے کا مکلف ہے' اس سے پہلی آیتوں میں توحید اور رسالت کا ذکر فرمایا تھا اور اب اس آیت میں آخرت کا ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم ان کے وہ عمل بھی لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے۔

درج ذیل آیتوں میں بھی انسان کے پہلے اور بعد کے بھیجے ہوئے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ. (الانفطار:۵) (قیامت کے دن) ہر شخص اپنے پہلے بھیجے ہوئے اور بعد میں بھیجے ہوئے اعمال کو جان لے گا۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ. (القیامۃ:۱۳) اس دن انسان کو اس کے پہلے بھیجے ہوئے اور بعد میں بھیجے ہوئے اعمال کی خبر دی جائے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. (الحشر:۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا عمل بھیج رہا ہے۔

آثار سے مراد انسان کے وہ عمل ہیں جو اس کے مرنے کے بعد بعد باقی رہ جاتے ہیں اور دنیا میں انسان کے اعمال کا اچھائی یا برائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے' اور آخرت میں اعمال کی جزا یا سزا دی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو دین کا علم پڑھاتا ہے اور پھر اس کے شاگرد اس علم کی اشاعت کرتے رہتے ہیں یا وہ کسی دینی موضوع پر کتاب تصنیف کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد وہ کتاب شائع ہوتی رہتی ہے' وہ کوئی مسجد بنا دیتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں نماز پڑھی جاتی ہے یا وہ کوئی دینی مدرسہ بنا دیتا ہے یا لائبریری بنا دیتا ہے' کوئی کنواں کھدوا دیتا ہے' غریبوں کے علاج کے لیے کوئی ہسپتال قائم کر دیتا ہے علیٰ ہذا القیاس وہ کوئی بھی ایسا نیک کام کر جاتا ہے جس کا فیض اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے' یہ نیک کاموں کی مثالیں ہیں۔

اور برے کاموں کی مثالیں یہ ہیں: جیسے کوئی انسان شراب خانہ یا قحبہ خانہ بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد وہ بدکاری کے اڈے قائم رہتے ہیں اور ان میں بدکاری ہوتی رہتی ہے' یا کوئی انسان مندر بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس میں بتوں کی پوجا ہوتی رہتی ہے یا کوئی انسان ریس کورس یا جوئے خانہ بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی وہاں جوئے کا کھیل اور گھوڑ دوڑ پر بازیاں لگائی جاتی رہتی ہیں' اسی طرح کوئی شخص فلم سٹوڈیو یا سینما یا وڈیو شاپ یا میوزک ہاؤس بنا جاتا ہے یا کوئی بھی ایسا برا کام کر کے چلا جاتا ہے جہاں اس کے مرنے کے بعد بھی برائی ہوتی رہتی ہے' نیکی اور برائی کے عمل بعد میں جاری رہنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

نیکی اور برائی کے عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی نیک عمل ایجاد کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہو گی' اور جو شخص اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کرے گا تو اس کو اس برے طریقہ کا گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس برے طریقہ پر عمل کریں گے اسے ان کا بھی گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی (قیامت تک) قتل کیا جائے گا تو پہلے ابن آدم کو اس کے قتل کی سزا سے حصہ ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۲' ۱۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین عملوں کے سوا اس کے باقی اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے' صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعائے خیر کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۸' شرح السنہ ج ۱ ص ۲۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۶۵۵)

سعید بن جبیر نے کہا لوگ جس کام کی بنیاد رکھتے ہیں اور ان کے بعد اس پر عمل کیا جاتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے۔

مجاہد نے کہا انہوں نے جو برا کام ایجاد کیا ہو اس کو بھی لکھ لیا جاتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۱۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

زیادہ دور سے آ کر مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوسلمہ نے یہ شکایت کی کہ ان کے گھر مسجد سے دور ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی **ونکتب ما قدموا واثارھم** 'ایک قوم نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جتنے قدم مسجد میں چل کر جاتے ہیں ان کو لکھ لیا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوسلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے خالی کیے جانے کو ناپسند فرمایا' اور یہ ارشاد فرمایا: اے بنوسلمہ! تم اپنے قدموں کے نشانات میں ثواب کی نیت کیوں نہیں کرتے! سو وہ اپنے گھروں میں برقرار رہے۔ (شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۷۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۴۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھنے کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے' پھر اس کے بعد اس کو زیادہ اجر ملتا ہے جو اس کے بعد زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے' اور جو نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے' اس کو اس شخص سے زیادہ نماز پڑھنے کا اجر ملتا ہے جو اپنی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۶۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۲۹۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۶۴)

جو شخص زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے اس کو زیادہ اجر اس لیے ملتا ہے کہ وہ زیادہ قدم چل کر مسجد میں آتا ہے اور زیادہ قدم چلنے کا اجر و ثواب لکھ لیا جاتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص تھا جس کا گھر سب سے زیادہ مسجد سے دور تھا وہ تمام نمازیں مسجد میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا تھا' میں نے اس سے کہا کاش تم ایک دراز گوش خرید لو اور سخت گرمی میں اور اندھیری راتوں میں اس پر سوار ہو کر آیا کرو' اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے متصل ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا یا نبی اللہ! تاکہ میرے گھر سے مسجد آنے اور مسجد سے واپس گھر جانے کا اجر و ثواب لکھا جائے' آپ نے فرمایا: تم نے جو نیت کی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا ثواب عطا فرما دیا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳' مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۲۷۴' دار الکتب العلمیہ' رقم الحدیث:۲۰۷۱۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر سے دوسرے کے گھر تک (کسی نیک مقصد کے لیے) چل کر جاتا ہے تو ہر قدم پر اللہ ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۴۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام مبین کے متعدد معانی اور محامل

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے۔ (یٰسٓ:۱۲)

یٰسٓ:۱۲ کے اس حصہ کے حسب ذیل معانی ہیں:

اس میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے انسانوں کے جو اعمال لکھے ہیں اس سے پہلے بھی ان کے اعمال لکھے ہوئے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ انسانوں کو اختیار عطا کرے گا تو وہ اپنے اختیار سے کیا کیا عمل کریں گے اور پھر اس نے بندوں کے ان اعمال کو لوح محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر دیا جیسا کہ یٰسٓ کی اس آیت میں ہے' اور ایک اور آیت میں بھی ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر:۵۳-۵۲)

اور ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہر چیز کی تقدیر مقرر کر دی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۱۳۸' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۷۵-۳۷۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھو' اس نے کہا میں کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو جو کچھ ہو چکا ہے اور ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۷۰۰)

سو ازل میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے' پھر جب بندے عمل کرتے ہیں تو کراماً کاتبین ان کے اعمال کو دوبارہ لکھتے ہیں' اور اسی لکھے ہوئے کو حشر کے دن ان پر پیش کیا جائے گا' ان کے لکھنے کا ذکر یٰسٓ:۱۲ میں بھی ہے کہ ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو

انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور حسب ذیل آیت میں بھی ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الانفطار: ۱۲۔۱۰)

بے شک تم پر نگران ہیں ○ معزز لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

لوح محفوظ میں منضبط کرنے کا یہ معنی بھی ہے کہ جس چیز کو لکھا جاتا ہے بعض اوقات وہ منتشر ہو جاتی ہے اور وقت پر نہیں ملتی' اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ کر دیا اور بتایا کہ ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ لوح محفوظ میں منضبط ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى. (طٰہٰ: ۵۲)

موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

اور لوح محفوظ میں منضبط کرنے کا تیسرا معنی یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا کہ ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے' اس کے بعد یہ واضح فرمایا کہ ہم صرف بندوں کے اعمال ہی نہیں لکھتے بلکہ ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے اس کو لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے۔

لوح محفوظ کو امام اس لیے فرمایا ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جس کی اتباع اور اقتداء کی جاتی ہے اور فرشتے احکام کو نافذ کرنے میں لوح محفوظ کی اتباع کرتے ہیں' لوح محفوظ میں جس شخص کی جتنی عمر لکھی ہوتی ہے' اور جتنا رزق لکھا ہوتا ہے اس کی اتباع کر کے اس کو اتنا رزق دیتے ہیں اور اتنے عرصہ کے بعد اس کی روح قبض کرتے ہیں' اس کی جتنی اولاد لکھی ہوئی ہوتی ہے اور جتنے اس کے حوادث اور نوازل لکھے ہوئے ہوتے ہیں ان تمام امور میں وہ لوح محفوظ کی اتباع کرتے ہیں۔

ما کان و ما یکون غیر متناہی ہیں لوح محفوظ ان کا محل کس طرح بن سکتی ہے

اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں' مُردہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی جسم سے اس کی روح نکال لی جائے' اور زندہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز میں حس اور حرکت ارادیہ کو نافذ کر دیا جائے' یہ ظاہری زندگی اور موت کا معنی ہے' اور ایک باطنی موت ہے' اور وہ ہے دل کا مردہ ہو جانا' انسان گناہ پر گناہ کرتا رہے اور توبہ نہ کرے تو اس سے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے' اسی طرح زیادہ ہنسنے سے بھی دل مردہ ہو جاتا ہے' اور گناہوں پر نادم ہونے اور رونے سے اور نیکی کی باتوں کو کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حوادث کونیہ غیر متناہی ہیں' جنت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے ہر چیز کا لوح محفوظ میں احاطہ کر دیا ہے تو غیر متناہی امور کا کس طرح احاطہ کیا جا سکتا ہے' علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تمام حوادث کا لوح محفوظ میں دفعۃً واحدۃً اور یک بارگی ذکر نہیں ہے' بلکہ متعدد دفعات میں ان کا ذکر کیا گیا ہے' مثلاً پہلے اس میں ایک ہزار سال کے حوادث کا ذکر کیا گیا' پھر جب وہ حوادث گزر گئے تو ان کو مٹا کر اگلے ایک ہزار سال کے حوادث ذکر کر دیئے پھر ان کو مٹا کر اور ایک ہزار سال کے حوادث کا ذکر کر دیا' اور یہ تاویل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ متناہی چیز غیر متناہی امور کے لیے محل نہیں بن سکتی' یا پھر یہ جواب دیا جائے کہ لوح محفوظ میں صرف اس دنیا کے حوادث اور بندوں کے افعال کا ذکر لکھا ہوا ہے اور اس دنیا کے احوال اور بندوں کے افعال متناہی ہیں۔ اور غیر متناہی آخرت کے احوال اور جنت کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی معلومات ہیں اور ان کا لوح محفوظ میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ لوح محفوظ میں قیامت تک کے احوال لکھے ہوئے ہیں اور متناہی ہیں' اور لوح محفوظ بہرحال متناہی ہے۔

وقف لازم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ۚ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا

کئی رسول آئے ○ جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان

بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا

کی تائید کی' سو ان تینوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں ○ ان لوگوں نے کہا تم تو صرف

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ

ہماری مثل بشر ہو' اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا تم

اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ

محض جھوٹ بولتے ہو ○ ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری

لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا

طرف بھیجے گئے ہیں ○ اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ○ انہوں نے کہا

اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ

ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں' اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ

تم کو ضرور درد ناک عذاب پہنچے گا ○ رسولوں نے کہا تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے' کیا تم

ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا

نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو ○ اور شہر کے آخری کنارے سے

الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ ۙ

ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو ○

اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس کئی رسول آئے O جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان کی تائید کی' سو تینوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں O (یٰسٓ: ۱۴۔۱۳)

انطاکیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو بھیجنے کے ثبوت میں نقول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں انطاکیہ (مغربی شام کا ایک ساحلی شہر) میں انطیحس بن انطیحس نام کا ایک بادشاہ تھا جو مشرک اور بت پرست تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف پیغام دے کر تین رسول بھیجے۔ صادق' مصدوق اور سلوم' پہلے ان کی طرف ان میں سے دو رسول بھیجے تھے' جب انہوں نے ان کو جھٹلایا' پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی' جب ان رسولوں نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی اور اس بادشاہ کی بت پرستی کی مذمت کی تو اس نے کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

ان رسولوں نے ان بستی والوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ نے ہمیں تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرو' اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان سے بیزاری کا اظہار کرو۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۸۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

شعیب جبائی نے کہا ہے کہ پہلے جن دو رسولوں کو بھیجا تھا ان کا نام شمعون اور یوحنا تھا اور بعد میں جس تیسرے رسول کو بھیجا اس کا نام بولس تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۸۰۵۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں سے دو رسول انطاکیہ کی طرف بھیجے' جب وہ اس شہر کے قریب پہنچے تو وہاں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا' اس نے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں حضرت عیسیٰ نے بھیجا ہے انہوں نے تم کو یہ دعوت دی ہے کہ تم بتوں کی عبادت ترک کر کے رحمٰن کی عبادت کرو' اس شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں! ہم اللہ کے حکم سے بیماروں کو تندرست کر دیتے ہیں' مادرزاد اندھوں کو بینا کرتے ہیں' برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کر دیتے ہیں' اس بوڑھے شخص نے جس کا نام حبیب تھا کہا: میرا ایک بیٹا بیمار ہے وہ کئی سالوں سے بستر پر پڑا ہوا ہے' انہوں نے کہا ہمیں اس کے پاس لے چلو ہم اس کا حال دیکھتے ہیں' وہ ان کو اپنے گھر لے گیا' انہوں نے اس کے بیٹے کے جسم پر ہاتھ پھیرا' وہ اللہ کے حکم سے اسی وقت تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا' یہ خبر اس شہر میں پھیل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے بہت مریضوں کو شفا دی اس شہر کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام سلاحین تھا' اور وہب بن منبہ نے کہا اس کا نام انطیحس تھا' اور یہ روم (شام) کے بادشاہوں میں سے تھا اور بتوں کی پرستش کرتا تھا' یہ خبر اس تک بھی پہنچ گئی' اس نے ان سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم حضرت عیسیٰ کے

رسول ہیں؟ اس نے پوچھا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے کہا ہم مادر زاد اندھوں‘ برص میں مبتلا لوگوں اور بیماروں کو اللہ کے حکم سے تندرست کرتے ہیں‘ اس نے پوچھا تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم ان کی عبادت ترک کر دو جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں‘ اور اس کی عبادت کرو جو سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے‘ بادشاہ نے پوچھا کیا ہمارے خداؤں کے علاوہ اور بھی کوئی خدا ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں! خدا صرف وہی ہے جس نے تم کو اور تمہارے خداؤں کو پیدا کیا ہے! اس نے کہا تم دونوں یہاں سے اٹھو‘ حتیٰ کہ میں تمہارے متعلق غور کر کے فیصلہ کروں‘ پھر شہر کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کو پکڑ کر بازار میں مارا پیٹا۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان دو رسولوں کو انطاکیہ بھیجا اور کچھ مدت کے بعد ان دونوں کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی‘ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی‘ اس پر وہ بادشاہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قید کیا جائے‘ اور اس نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے‘ پھر جب ان دونوں رسولوں کی تکذیب کی گئی اور ان کو مارا پیٹا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے سردار حضرت شمعون کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لیے بھیجا۔

پھر حضرت شمعون بھیس بدل کر اس شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے کارندوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے‘ حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ مانوس ہو گئے‘ پھر ان کے آنے کی خبر بادشاہ تک بھی پہنچ گئی‘ وہ بھی ان کے طور طریقہ سے مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کرنے لگا‘ ایک دن انہوں نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے‘ اور جب انہوں نے آپ کو اپنے دین کی دعوت دی تو آپ نے ان کو زدوکوب کیا‘ کیا آپ نے ان سے گفتگو کی تھی اور ان کا پیغام سنا تھا‘ بادشاہ نے کہا میرے اور ان کے درمیان غضب حائل ہو گیا تھا‘ حضرت شمعون نے کہا اگر بادشاہ کی رائے موافق ہو تو ان کو بلایا جائے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ کیا پیغام دے رہے ہیں! پھر بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا‘ حضرت شمعون نے ان سے پوچھا تم کو کس نے یہاں بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے‘ حضرت شمعون نے کہا اختصار کے ساتھ اللہ کی صفات بیان کرو‘ انہوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے‘ حضرت شمعون نے کہا تمہاری کیا نشانی ہے؟ انہوں نے کہا آپ جو خواہش کریں‘ پھر بادشاہ نے حکم دیا تو ایک ایسے لڑکے کو لایا گیا جس کی آنکھوں کی جگہ پیشانی کی طرح بالکل سپاٹ تھی‘ پھر وہ دونوں اپنے رب سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اس کے چہرے پر آنکھوں کی جگہ نکل آئی اور دو گڑھے بن گئے‘ پھر انہوں نے مٹی سے آنکھوں کے دو ڈھیلے بنائے اور ان کو ان گڑھوں میں رکھ دیا اور وہ لڑکا ان آنکھوں سے دیکھنے لگا‘ بادشاہ کو اس سے بہت تعجب ہوا‘ حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا یہ بتایئے کہ اگر اب اپنے معبود سے اس طرح دعا کریں اور وہ بھی اس کی مثل کوئی کام کر دے تو اس سے آپ کو بھی عزت حاصل ہو گی اور آپ کے معبود کو بھی! بادشاہ نے حضرت شمعون سے کہا میرے نزدیک یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ ہمارا وہ معبود جس کی ہم عبادت کرتے ہیں‘ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے‘ وہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے‘ پھر بادشاہ نے ان رسولوں سے کہا تم جس معبود کی عبادت کرتے ہو اگر وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے تو ہم تم پر بھی ایمان لے آئیں گے اور تمہارے معبود پر بھی‘ ان رسولوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز پر قادر ہے‘ بادشاہ نے کہا سات دن پہلے ایک دہقان کا بیٹا مر گیا تھا میں نے اس کی تدفین مؤخر کر دی تھی‘ کیونکہ اس کا باپ کہیں گیا ہوا تھا‘ بادشاہ نے اس مردہ لڑکے کو منگوایا اس کا جسم متغیر ہو گیا تھا اور اس سے بدبو اٹھ رہی تھی‘ وہ دونوں سب کے سامنے اپنے رب سے دعا کرتے رہے اور حضرت شمعون دل ہی دل میں آمین کہتے رہے‘ وہ مردہ لڑکا زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں سات دن سے مرا ہوا تھا‘ میں چونکہ شرک پر مرا تھا اس لیے مجھے دوزخ کی وادی میں

ڈال دیا گیا اور میں تم کو شرک سے ڈراتا ہوں سو تم سب اللہ پر ایمان لے آؤ' پھر اس لڑکے نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور ایک خوب صورت شخص ان تینوں کی سفارش کر رہا ہے' اس نے حضرت شمعون اور ان دونوں رسولوں کی طرف اشارہ کیا' بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور جب حضرت شمعون نے جان لیا کہ اس لڑکے کی باتیں بادشاہ کے دل میں اثر کر چکی ہیں تو انہوں نے اس کو اصل بات بتائی اور بادشاہ کو ایمان کی دعوت دی' تو بادشاہ اور چند لوگ ایمان لے آئے اور باقی لوگ کفر پر برقرار رہے۔

امام ابن اسحاق نے کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ بلکہ بادشاہ اپنے کفر پر قائم رہا اور بادشاہ اور اس کی قوم نے اس پر اتفاق کیا کہ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے' جس وقت حبیب کو یہ خبر پہنچی تو وہ شہر کے پرلے کنارے پر کھڑا ہوا تھا' وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا اور ان کو رسولوں کی اطاعت کرنے کی دعوت دی۔

ان دو رسولوں کے ناموں میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کا نام تاروص اور ماروص تھا' اور وہب نے کہا ان کا نام یحییٰ اور یونس تھا اور مقاتل نے کہا ان کا نام تومان اور مانوص تھا۔

مقاتل نے کہا اس تیسرے رسول کا نام شمعان تھا' کعب نے کہا ان دو رسولوں کا نام صادق اور صدوق تھا' اور تیسرے رسول کا نام شلوم تھا ان رسولوں کو بھیجنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس لیے نسبت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ عزوجل کے حکم سے بھیجا تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان رسولوں کو اہل انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۲۵-۱۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ نے مذکور الصدر تفصیل اسی طرح بیان کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا ہے:
ایک قول یہ ہے کہ بادشاہ کی بیٹی مر چکی تھی اور مدفون ہو چکی تھی' حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا آپ ان دونوں سے یہ کہیے کہ یہ آپ کی بیٹی کو زندہ کر دیں' بادشاہ نے ان سے یہ مطالبہ کیا وہ دونوں کھڑے ہوئے انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور حضرت شمعون بھی دل ہی دل میں آمین کہتے رہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی لڑکی کو زندہ کر دیا' اس کی قبر پھٹ گئی اور وہ باہر نکل آئی اور اس نے کہا آپ سب اسلام قبول کر لیں یہ دونوں سچے ہیں اور اس نے کہا مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ تم لوگ اسلام لے آؤ گے' پھر اس نے ان رسولوں سے کہا کہ وہ اس کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں' وہ اپنی قبر میں چلی گئی اور اسی طرح مدفون ہو گئی۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۰-۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مورخین میں سے علامہ محمد بن محمد شیبانی ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۳۰ھ نے بھی اسی طرح تفصیل سے بیان کیا ہے۔
(الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۱' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

مفسرین میں سے علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۷-۱۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اجمالاً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے کہ ان رسولوں کو انطاکیہ میں بھیجا گیا تھا' البتہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے اور حقیقۃً اللہ کے رسول نہ تھے اور ان پر مرسلون کا اطلاق مجازاً ہے' درحقیقت یہ اولیاء اللہ تھے اور ان کا اندھوں کو بینا کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ان کی کرامت تھی' اور حضرت ابن عباس اور کعب سے یہ مروی ہے کہ یہ اللہ کے رسول تھے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا جیسا کہ حضرت ھارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے

بھیجا گیا تھا۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۵۳ 'روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۲۹)

دیگر قدیم مفسرین نے بھی اس واقعہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے' البتہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول نہیں تھے بلکہ مستقل رسول تھے اور نہ ہی یہ واقعہ اہل انطا کیہ کا ہے۔

انطاکیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو نہ بھیجنے کے دلائل

حافظ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ کثرت متقدمین اور متاخرین میں یہ مشہور ہے کہ جس بستی کا قرآن مجید میں ذکر ہے یہ انطا کیہ ہے' اور یہ قول بہت ضعیف ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطا کیہ کی طرف اپنے تین حواری بھیجے تھے تو وہ اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے' اور انطا کیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جہاں کے رہنے والے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے' وہ چار شہر یہ ہیں: انطا کیہ' القدس' اسکندریہ اور رومیہ اور اس کے بعد قسطنطنیہ کے لوگ ہیں' اور ان بستیوں کے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا گیا تھا اور جس بستی کے لوگوں کا قرآن مجید میں ذکر ہے ان کو ہلاک کر دیا گیا تھا' ہاں اگر عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انطا کیہ میں تین رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور ان لوگوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی' اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ہلاک کر دیا اور پھر اس کے بعد وہ بستی پھر آباد ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں اپنے حواری بھیجے اور وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے تو اس صورت میں اس بستی کا مصداق انطا کیہ ہو سکتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان کے اصحاب کا ہے سو یہ بہت ضعیف ہے کیونکہ قرآن مجید کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مستقل رسول تھے' کیونکہ جب ان رسولوں نے یہ کہا کہ ہم کو پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے تو ان بستی والوں نے یہ کہا کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو' انہوں نے بشر ہونے کو رسالت کے منافی سمجھا جیسا کہ ہر دور میں کفار بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے رہے ہیں اور انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۸-۳۱۷ 'ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس موقف پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

(۱) اس قصہ میں مذکور ہے کہ ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہمیں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے' اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ یہ کہتے کہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے تمہاری طرف بھیجا ہے' پھر اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فرستادہ ہوتے تو بستی والے ان سے یہ نہ کہتے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو۔

(۲) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطا کیہ کی طرف' اپنے حواریوں کو بھیجا تھا تو وہ پہلے مرحلہ میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے اور انطا کیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن کے باشندے حضرت مسیح پر ایمان لے آئے تھے' متعدد کتب تاریخ میں اسی طرح مذکور ہے' اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انطا کیہ کے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے تو پھر انطا کیہ اس بستی کا مصداق نہیں ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے' کیونکہ اس بستی کے لوگوں نے تو رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ایک زبردست چیخ نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔

(۳) اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد متقدمین نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات کے نازل ہونے کے بعد کسی امت کو ہلاک نہیں کیا حتیٰ کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا' قرآن

مجید میں ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى. (القصص: ۴۳)

اور بے شک ہم نے پہلے زمانہ والوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے تورات کو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو آسمان سے عذاب نازل کر کے ہلاک کیا ہے اور نہ زمین سے' ماسوا ان لوگوں کے جن کو مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۹۸' رقم الحدیث: ۲۰۹۱۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت اور اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے جس بستی کو ہلاک کرنے کا ذکر ہے وہ انطاکیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بہ کثرت متقدمین نے اس کی تصریح کی ہے اور اگر بستی کا نام انطاکیہ ہی ہے تو یہ وہ بستی نہیں ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا' بلکہ وہ اس سے بہت پہلے بلکہ نزول تورات سے بھی پہلے اس نام کی کوئی اور بستی تھی جس کے باشندوں کو اس زمانہ میں ہلاک کر دیا گیا تھا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس بستی میں اپنے حواریوں کو بھیجا تھا اس بستی کے لوگ تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے' ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ سورۃ یٰسٓ میں جس بستی کی مثال کا ذکر ہے یہ وہ بستی نہیں ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۴۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں نے کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا تم محض جھوٹ بولتے ہو O ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف ضرور بھیجے گئے ہیں O اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے O (یٰسٓ: ۱۷۔۱۵)

بشریت کا رسالت کے منافی نہ ہونا

جس بستی کی طرف پہلے دو رسولوں کو بھیجا گیا تھا اس بستی کے لوگوں نے ان رسولوں پر یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر وحی کیسے نازل کی حالانکہ تم ہماری ہی طرح بشر ہو' اگر کسی کے بشر ہونے کے باوجود اس پر وحی نازل ہو سکتی ہے تو پھر ہم پر وحی کیوں نہیں نازل ہوئی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول کیوں نہیں بنایا' ہر دور میں مشرکین نے رسولوں پر یہی اعتراض کیا تھا' ان کا خیال یہ تھا کہ رسول کسی فرشتے کو ہونا چاہیے' حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے کافروں نے ان کے دعویٰ نبوت اور رسالت پر یہی اعتراض کیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا فَكَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ O (التغابن: ۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا کیا بشر ہم کو ہدایت دیں گے' انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا' اور اللہ نے استغناء فرمایا اور اللہ بہت مستغنی ہے بے حد حمد کیا ہوا۔

کفار اس کو بہت بعید قرار دیتے تھے کہ کسی بشر پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور اس کو رسول بنایا جا سکتا ہے اس لیے وہ ہر زمانہ میں رسولوں کا انکار کر دیتے تھے وہ کہتے تھے:

قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ O

انہوں نے کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی ہمارے

(ابراہیم: ۱۰) آباؤ اجداد عبادت کرتے رہے تھے پس تم ہمارے سامنے کوئی واضح دلیل پیش کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا. (بنی اسرائیل: ۹۴)

جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ انہوں یہ اعتراض کیا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنایا ہے۔

سو پچھلی قوموں کے کافروں نے اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو یعنی فرشتے نہیں ہو تو اللہ تمہیں رسول کس طرح بنا سکتا ہے' سو اسی طرح قدیم زمانہ کی اس بستی میں جب رسول بھیجے گئے تو اس بستی کے لوگوں نے بھی ان پر اسی طرح اعتراض کیا اور کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا' تم محض جھوٹ بولتے ہو' ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف ضرور بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

تم ہمارے متعلق کہہ رہے ہو کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں' اگر ہم نے دعویٰ رسالت میں اللہ پر جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہم سے زبردست انتقام لیتا' لیکن وہ عنقریب ہم کو تم پر غلبہ عطا فرمائے گا اور تمہارے خلاف ہماری مدد کرے گا' اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھی جزا اور نیک انجام کا کون مستحق ہوتا ہے اور ہم پر تو صرف یہ فرض کیا گیا ہے کہ ہمیں جو پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا ہے' ہم تم تک وہ پیغام پہنچا دیں' اگر تم نے ہماری اطاعت کی تو تم کو دنیا میں سرخ روئی اور آخرت میں دائمی فلاح حاصل ہو گی اور اگر تم نے ہماری مخالفت کی اور ہماری اطاعت نہ کی تو آخرت میں تم کو سخت عذاب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا○ رسولوں نے کہا تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے' کیا تم نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو! بلکہ تم حد سے گزرنے والے ہو○ (یٰسٓ: ۱۹۔ ۱۸)

کفار کا انبیاء علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس کہنا

بستی والوں نے رسولوں کے وعظ اور تقریر کے جواب میں کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمارے نزدیک منحوس اور بے برکت ہو ہمیں تمہارے چہروں سے سعادت اور نیک بختی کے آثار نظر نہیں آئے' قتادہ نے کہا ان کے قول کا معنی یہ تھا کہ اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہاری وجہ سے آئے گی' مجاہد نے کہا ان کے قول کا مطلب یہ تھا کہ جب بھی تم جیسا کوئی شخص کسی بستی میں گیا تو اس کی وجہ سے اس بستی والوں پر عذاب آیا' اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سخت سزا دیں گے۔

رسولوں نے بستی والوں کے اس جواب کے بعد ان سے فرمایا: تم جس چیز کو ہماری نحوست کہہ رہے ہو اس کو عنقریب تم پر لوٹا دیا جائے گا' جس طرح اس بستی والوں نے رسولوں کو منحوس اور بے برکت کہا تھا کفار اسی طرح نبیوں اور رسولوں کے متعلق تبصرے کیا کرتے تھے' چنانچہ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی طرح تبصرہ کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

اور جب ان پر کوئی خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے

عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ (الاعراف:۱۳۱)

اصحاب کی نحوست کہتے' سنو اللہ کے نزدیک صرف ان کی نحوست ہے' لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ○ (النمل:۴۷)

انہوں نے کہا ہم تم کو اور تمہارے اصحاب کو بدفال قرار دیتے ہیں' صالح نے کہا تمہاری بدفالی اللہ کے نزدیک ہے' بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا ہو۔

اسی طرح منافقین نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی اسی طرح کہا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ○ (النساء:۷۸)

اور اگر ان منافقوں کو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے' اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے' آپ کہیے کہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہیں' ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔

رسولوں نے کہا بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو' یعنی ہم نے تم کو نصیحت کی اور تم کو یہ حکم دیا کہ تم اللہ کو واحد مانو اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو تو تم نے ایسے سخت جواب دیئے اور ہم کو ڈرایا اور دھمکایا' اور ہمارے متعلق یہ کہا کہ تم بدفال اور منحوس ہو بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شہر کے آخری کنارے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو ○ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں ○ (یٰسٓ: ۲۱۔۲۰)

صاحب یٰسٓ (حبیب النجار) کا تذکرہ

امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک اس بستی کے لوگوں نے ان رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسولوں کی مدد کرنے کے لیے اس شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا' مفسرین نے کہا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا وہ ریشم کا کام کرتا تھا اور اس کو جذام کی بیماری تھی' وہ شخص بہت نیک خصلت تھا اور بہت صدقہ اور خیرات کرتا تھا وہ اپنی کمائی میں سے نصف اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا تھا' امام ابن اسحاق نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب تھا اور اس کو جذام کی بیماری تھی' ثوری نے ابو مجلز سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب بن مری تھا' اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب نجار تھا اس کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تھا' السدی نے کہا وہ دھوبی تھے' عمر بن الحکم نے کہا وہ موچی تھے' قتادہ نے کہا وہ ایک غار میں عبادت کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی قوم کو ان رسولوں کی اتباع کرنے پر برانگیختہ کیا اور کہا جو تم کو محض اخلاص سے اللہ کی عبادت کی ترغیب دے رہے ہیں اور اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہے ان کی اتباع کرو۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۲۔۶۲۱' ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ابو مجلز' کعب احبار' مجاہد اور مقاتل سے مروی ہے اس شخص کا نام حبیب بن اسرائیل ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام حبیب بن مری تھا' مشہور یہ ہے کہ یہ نجار (بڑھئی) تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ کسان تھا' ایک قول

ہے کہ یہ دھوبی تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ موچی تھا ایک قول یہ ہے کہ یہ بت تراش تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تمام پیشوں اور تمام صفات کا جامع ہو' بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک غار میں رہتا تھا اور مومن تھا اور وہاں اللہ عزوجل کی عبادت کرتا تھا' جب اس نے یہ سنا کہ اس کی قوم رسولوں کی تکذیب کر رہی ہے تو یہ اپنی قوم کو نصیحت کرنے کی حرص میں دوڑتا ہوا آیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے سنا کہ اس کی قوم رسولوں کو قتل کرنے کا عزم کر چکی ہے تو یہ ان رسولوں کو بچانے کے لیے دوڑتا ہوا آیا' اور اس کا کسی غار میں رہنا شہر کے آخری کنارے سے آنے کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ غار بھی شہر کے آخری کونے میں ہو' البتہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص مومن تھا اور یہ اس قول کے منافی ہے کہ وہ بت تراشتا تھا اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ بت اور مجسمے تراش کر بناتا تھا' اور اس لیے نہیں بناتا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے' اور یہ ان کی شریعت میں جائز اور مباح تھا' اور اس کے مومن ہونے کا قول ابن ابی لیلیٰ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

البحر المحیط میں مذکور ہے کہ تمام امتوں میں سے تین شخص ایسے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے ایک لحظہ کے لیے بھی کفر نہیں کیا (۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲) صاحب یٰسٓ (۳) آل فرعون کا مومن' اور زمخشری نے ابن ابی لیلیٰ کے اس قول کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی ہے۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۵۵)

میں کہتا ہوں علامہ زمخشری نے اس حدیث کو الکشاف ج ۴ ص ۱۲ پر ذکر کیا ہے' یہ حدیث المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۵۲ میں ہے اور العقیلی کی کتاب الضعفاء ج ۱ ص ۲۴۹ میں ہے' یہ حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور اس کی سند کا مدار حسین بن حسن الاشقر اور الحسین بن ابی اسری پر ہے' اور یہ سند بہت ضعیف ہے' الحسین بن حسن الاشقر کو امام بخاری اور امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے' امام ابوزرعہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے' امام ابن عدی نے اس کی منکر روایات کا ذکر کیا ہے' ابو معمر الہذلی نے اس کو کذاب کہا ہے' ابن کثیر نے کہا یہ شیعی متروک ہے۔ (تخریج الکشاف)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے' سب سے پہلے جو مطلقاً ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں' ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ہاں بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

بہر حال اب ہم پھر علامہ آلوسی کی عبارت نقل کر رہے ہیں وہ لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ صاحب یٰسٓ کو جذام کی بیماری تھی ان کے گھر شہر کے آخری دروازے میں تھا' انہوں نے ستر سال بتوں کی عبادت کی اور ان سے جذام کی بیماری سے نجات کے لیے دعا کرتے رہے اور ان کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکی' جب ان کو رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی تو انہوں نے پوچھا کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اپنے رب سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہاری اس بیماری کو تم سے دور کر دے' انہوں نے کہا یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی میں ستر سال سے ان بتوں کے سامنے دعا کر رہا ہوں اور یہ بت مجھ سے اس بیماری کو دور نہیں کر سکے' تو تمہارا رب صرف ایک دن دعا کرنے سے اس بیماری کو کیسے دور کر دے گا' ان رسولوں نے کہا ہمارا رب جو چاہے اس کو کرنے پر قادر ہے اور یہ بت کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' یہ سن کر صاحب یٰسٓ ایمان لے آئے اور رسولوں نے اپنے رب سبحانہ سے اس کے لیے صحت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جذام اور کوڑھ کی بیماری کو اس طرح دور کر دیا کہ گویا اس کو کبھی کوڑھ تھا ہی نہیں' پھر وہ محنت مزدوری کرنے لگا' اور محنت مزدوری کر کے جتنا کماتا تھا اس میں سے آدھا شام کے وقت ضرورت مندوں کو دے دیتا تھا اور بقیہ نصف اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ لیتا تھا' جب اس کی قوم نے رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا

آیا۔ اور اس روایت کی بناء پر اس کے مجسمے اور مورتیاں بنانے پر کوئی اشکال نہیں ہے' اور اس کے بعد اس سے پہلے بعید جواب کی ضرورت بھی نہیں رہے گی' ہاں اس روایت میں اور اس حدیث میں منافات ہوگی جس میں یہ مذکور ہے کہ صاحب یٰسٓ ان تین میں سے ایک ہے جو اپنے نبی پر سب سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے ایک لحظہ بھی کفر نہیں کیا' البتہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو ان رسولوں پر ایمان لائے تھے' ہاں البتہ اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جائے گا کہ جب ان کو ایمان لانے کی رسولوں نے دعوت دی تو پھر انہوں نے بالکل تاخیر نہیں کی اور اس کے بعد ایک لحظہ بھی کفر پر قائم نہیں رہے' اور میری نظر میں راجح یہ ہے کہ وہ قوم کے پاس آنے اور ان کو نصیحت کرنے سے پہلے ہی رسولوں پر ایمان لایا ہوا تھا' اور رسولوں کے مبعوث ہونے سے پہلے وہ مومن تھا یا نہیں تھا اس پر مجھے جزم نہیں ہے اور اس مسئلہ میں روایات متعارض ہیں۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

اس شخص یعنی صاحب یٰسٓ نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو' تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

ان کو دنیا اور آخرت کی ہدایت حاصل ہے' روایت ہے کہ جب اس شخص کو رسولوں کی دعوت پہنچی تو وہ دوڑتا ہوا آیا اس نے ان کا کلام سنا اور سمجھا پھر ان سے پوچھا کہ آپ جو دعوت دے رہے ہیں آیا آپ اس کا کوئی معاوضہ بھی لیتے ہیں' رسولوں نے کہا نہیں' پھر اس نے اپنی قوم سے کہا تم ان رسولوں پر ایمان لاؤ' یہ اپنی اس دعوت کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

(روح المعانی جز ۲۲ص ۳۳۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے صاحب یٰسٓ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپ پر ایمان لے آیا تھا جیسا کہ تبع الاکبر اور ورقہ بن نوفل وغیرہما آپ پر پہلے ایمان لے آئے تھے' اور آپ کے علاوہ دوسرے نبیوں پر لوگ اسی وقت ایمان لائے جب ان کی نبوت کا ظہور ہوا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۱۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کے لیے دور دور سے آنا قدیم زمانہ کا دستور ہے

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ جب اہل انطاکیہ نے اسے شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا (الیٰ قولہ) انطاکیہ کے بازار میں ایک مسجد ہے اس مسجد کو مسجد حبیب کہا جاتا ہے اس کے صحن میں ان کا مزار پر انوار ہے لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں۔ (آثار البلاد واخبار العباد للقزوینی ص ۱۵۱' مطبوعہ بیروت)

(ضیاء القرآن ج ۴ص ۱۷۶' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ھ)

علامہ یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے دور و نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

(معجم البلدان ج ۱ص ۲۶۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۹۹ھ)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یاقوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار کی قبر انطاکیہ میں معروف ہے' دور دور سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۷ص ۳۷۲' مطبوعہ ادارہ معارف القرآن کراچی' ۱۳۹۷ھ)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ صالحین اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے دور دور سے جانا' زمانہ قدیم سے معمول

چلا آ رہا ہے اور یہ اس زمانہ کی بدعت نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں میں اس کا ہمیشہ سے چلن اور رواج رہا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۵۲ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ھود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ھود کے نام سے ہی مشہور ہے' ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۶۱۵' لاہور' ۱۹۸۳ء)

کیا اب بھی یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا عرس منانا بریلویوں کی بدعت ہے!

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور (اس نے کہا کہ) مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے O

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ

کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے

شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْٓ

کسی کام نہ آ سکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی ہوئی گم راہی میں ہوں گا O بے شک

اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ

میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا' سو تم میری بات سنو! O اس سے کہا گیا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا کاش

قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾

میری قوم جان لیتی O کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا O

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم

مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

نازل کرنے والے تھے O وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے O

وقف غفران

یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ

(کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ

یہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جواب

اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲ ۴۰ ۱

ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی O اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اس نے کہا کہ) مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور ان کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے O کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام نہ آ سکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا O بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو O (یٰس: ۲۵۔۲۲)

اپنے لیے فطرنی اور قوم کے لیے والیہ ترجعون فرمانے کی پہلی وجہ

قتادہ نے کہا کہ حبیب نجار کی قوم نے اس سے پوچھا کیا تم ان رسولوں کے دین پر ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تم کو پیدا کیا ہے' کیونکہ حبیب نجار خود تو رسولوں کی تلقین سے اللہ عزوجل پر ایمان لا چکے تھے' اور ان کی قوم بت پرستی میں گرفتار تھی اور رسولوں کی مخالفت کر رہی تھی' لیکن اگر وہ ابتداءً اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتے کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی قوم کو فکری غلطی اور اعتقادی خطاء پر قرار دے رہے ہیں' اور جب کوئی شخص کسی کو گم راہ اور خطا کار قرار دے تو وہ شخص اس کہنے والے کا مخالف ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کا مخالف ہو تو وہ اس کی باتوں کو توجہ اور غور سے نہیں سنتا' اس لیے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تم کو پیدا کیا ہے' بلکہ یہ کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' یعنی اگر میں اللہ عزوجل کو واحد نہ مانوں اور اس کی عبادت نہ کروں تو یہ میری تقصیر اور میری خطاء ہے' اور میری ناشکری اور احسان ناشناسی ہے' اس لیے ہدایت اور رشد اور استقامت کا طریقہ یہ ہے کہ میں اللہ کو واحد مستحق عبادت مانوں اور صرف اس کی عبادت کروں' گویا انہوں نے بہ راہ راست اپنے نفس کو نصیحت کی اور اس کو ہدایت دی تاکہ ان کی قوم اس پر غور کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو واحد مستحق عبادت ماننا غلط طریقہ ہوتا تو یہ شخص اس کو اپنے لیے اختیار نہ کرتا کیونکہ انسان اپنے لیے ہمیشہ صحیح چیز کو اختیار کرتا ہے تو ضرور اللہ کو واحد ماننا ہی صحیح دین ہے' اس طرح انہوں نے پہلے اپنے آپ کو سرزنش اور نصیحت کی کہ مجھے صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہیے' پھر نہایت لطیف طریقہ سے قوم کو اس کی گم راہی اور غلط روش پر متنبہ کیا اور کہا اور اس کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے' یعنی جب تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیوں کرتے تھے اور اس کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کیوں کرتے تھے' پھر اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے حبیب نجار نے دوبارہ اپنے آپ کو وعظ کرنے کے لیے کہا: کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمان مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام نہ آ سکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا O

اپنے لیے فطرنی اور قوم کے لیے والیہ ترجعون فرمانے کی دوسری وجہ

ہر چند کہ مومن اور کافر دونوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا لیکن حبیب نجار نے صرف کافر کے حشر کا ذکر کیا تاکہ ان کی قوم کے خلاف بات زیادہ پر اثر ہو اور کہا اگر میں دنیا میں کسی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں تو یہ بت تو مجھے اس بیماری سے نجات نہیں دلا سکتے اور نہ مجھے کسی آفت اور مصیبت سے بچا سکتے ہیں اور اگر پھر بھی میں نے شرک اور بت پرستی کو نہ چھوڑا تو میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا۔

حبیب نجار نے کہا: میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی علت یہ ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے' اور یہ جو کہا کہ مجھے کیا ہوا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے مجھے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے اور فعل اس وقت وجود میں آتا ہے جب اس فعل سے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اس فعل کے کرنے کی علت موجود ہو' اور یہاں علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور بندے اس کے مملوک ہیں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی تکریم اور اس کی تعظیم کرے' نیز اللہ تعالیٰ نے بندوں کے وجود اور ان کی بقاء کے لیے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں اور منعم کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا واجب ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو اللہ کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان کا مالک ہے اور وہ اس کے مملوک ہیں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی اطاعت کرے خواہ وہ اس کو انعام دے یا نہ دے' اور دوسری قسم وہ ہے جو اس کی اس لیے اطاعت کریں کہ اس نے ان کو نعمتیں دی ہیں' اور تیسری قسم وہ ہے جو سزا اور عذاب کے ڈر سے اس کی اطاعت کرے' حبیب نجار نے اپنے آپ کو عبادت گزاروں کی پہلی قسم میں شامل کیا کہ میں اس کی اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کا بندہ اور مملوک ہوں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی اطاعت کرے' اور اپنی قوم سے کہا والیہ ترجعون اور اسی کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے' اور جب بندے اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو نیکوکاروں کو وہ انعام اور اچھی جزاء دے گا اور بدکاروں کو وہ سزا اور عذاب دے گا' مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور مشرکوں کو وہ دوزخ میں داخل کرے گا' سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو' جنت کے شوق سے یا دوزخ کے خوف سے' سو انہوں نے یہ بتایا کہ میں اللہ کی اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ مجھ کو اس نے پیدا کیا ہے میں اس کا مملوک ہوں اور وہ میرا مالک ہے اور تم اس لیے اللہ کی عبادت کرو تاکہ وہ تم کو دوزخ سے نجات دے یا جنت عطا فرمائے اس لیے اپنے متعلق فطرنی اور ان کے متعلق والیہ ترجعون فرمایا۔

اس کے بعد حبیب نجار نے فرمایا: بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو!

حبیب نجار کے اس قول کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ اس نے یہ بات انبیاء علیہم السلام سے کہی کہ بے شک میں آپ کے رب پر ایمان لایا ہوں سو آپ میرے ایمان لانے کے اقرار کو غور سے سن کر اس پر گواہ ہو جائیں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی قوم سے کہی کہ بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات غور سے سنو اور اس میں یہ بتایا کہ جس ذات پر میں ایمان لایا ہوں وہ صرف میرا اور ان نبیوں کا رب نہیں ہے بلکہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور ساری کائنات کا رب ہے' سو میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں تم میرا یہ اقرار غور سے سن لو اور تم بھی ایمان لے آؤ اور اگر تم میرے ایمان لانے کی وجہ سے مجھے کوئی نقصان پہنچاؤ تو میں اللہ کی راہ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔

قوم کا حبیب نجار کو قتل کر دینا اور اس کا اپنی قوم کی بہتری چاہنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے کہا گیا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا کاش میری قوم جان لیتی O کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا O (یٰسٓ: ۲۷۔۲۶)

امام ابواسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

جب اس نے اپنی قوم سے کہا میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا' حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اس کی قوم نے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ سدی نے کہا وہ اس کو سنگسار کر رہے تھے اور وہ اس حال میں بھی ان کے لیے دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے' تب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا اور فرمایا: اس سے کہا گیا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' پھر وہ جنت میں داخل کر دیا گیا اور اس نے وہاں اپنی عزت اور کرامت دیکھی تو بے ساختہ کہا کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس کو قتل کر کے رس نامی (پرانے کنویں) میں ڈال دیا اور ان لوگوں کو اصحاب الرس بھی کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تینوں رسولوں کو بھی قتل کر دیا تھا' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس کو گڑھے میں ڈال دیا اور اس کے اوپر گڑھے کا ملبہ ڈال دیا حتیٰ کہ وہ ملبے تلے دب کر مر گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس کو آری سے چیر ڈالا اور اس کی روح اس کے جسم سے نکلتے ہی جنت میں داخل ہو گئی۔

اس نے جنت میں داخل ہونے کے بعد کہا کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا۔

اس نے جو یہ تمنا کی تھی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا انعام اور اکرام کیا ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ تمنا اس لیے کی کہ اس کی قوم بھی اس کی طرح ایمان لے آئے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح انعام اور اکرام سے نوازے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس نے زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی' امام قشیری نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس نے اپنی زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔

دشمنوں اور مخالفوں سے بدلہ لینے کے بجائے ان کو معاف کر دینے.... اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا افضل ہونا

اس آیت میں اس پر عظیم تنبیہ ہے کہ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی اور خیر خواہی کرنی چاہیے اور حتی الامکان غصہ اور غیظ وغضب کو قابو میں رکھنا چاہیے اور جاہلوں کی باتوں کو برداشت کرنا چاہیے' اور اگر کوئی نیک اور صالح شخص مخالفوں' باغیوں اور ظالموں میں پھنس جائے تو اس کو چھڑانے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے' اور ظالموں سے انتقام لینے اور ان کے خلاف بد دعا کرنے کے بجائے ان کے حق میں بھی دعائے خیر کرنی چاہیے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ حبیب نجار نے کس طرح اپنے قاتلوں کے لیے جنت کی تمنا کی اور یہ چاہا کہ کسی طرح وہ بھی ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے انعام واکرام کے مستحق ہو جائیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اور ان کا اسوہ ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی مسکین کے دین کو ضرر پہنچایا جائے اور اللہ کی راہ میں اس پر سختی کی جائے تو اس کو اپنے دشمنوں کے خلاف بددعا نہیں کرنی چاہیے اور یوں نہیں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! اس کو ہلاک کردے' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ اس کی اصلاح فرما' اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما' اے اللہ! اس پر رحم فرما' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے' اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے' کیونکہ یہ (مجھ کو) نہیں جانتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کا نچلا دانت شہید کر دیا تھا اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا (حضرت سہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ (مجھے) نہیں جانتے۔ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۵۔۲۱۴) حضرت ابراہیم بن ادھم کا کسی نے سر پھاڑ دیا تو انہوں نے اس کی مغفرت کی دعا کی ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس کی مغفرت کی کیوں دعا کر رہے ہیں' انہوں نے کہا کہ مجھے علم ہے کہ مجھے اس کے لیے دعا کرنے سے اجر ملے گا اور اس کی وجہ سے مجھے آخرت میں اچھی جزا ملے گی' تو میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ میری وجہ سے اس کو سزا ملے۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۵۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نبی کا واقعہ بیان فرمایا کہ قوم نے اپنے نبی کو زدوکوب کیا اور ان کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے' اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ (مجھے) نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۷۷' ۶۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' سنن دارمی رقم الحدیث ۲۴۷۱' مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۱۱' عالم الکتب)

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (المائدہ: ۲)

جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا ان کی دشمنی تم کو حد سے تجاوز کرنے پر نہ ابھارے' نیکی اور خدا خوفی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور حد سے تجاوز کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۗ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس کے خلاف بے انصافی پر نہ ابھارے' انصاف کیا کرو وہ خدا خوفی کے زیادہ قریب ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے (تو) بے شک یہ ضرور ہمت والے کاموں میں سے ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صل من قطعک واحسن الی من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک.

جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' اور جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۴۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹' اتحاف ج ۹ ص ۲۵)

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً فحش کلام کرتے تھے نہ تکلفاً' نہ بازاروں میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے' لیکن معاف کرتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیا ہو' جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا جائے' اور اگر اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے اور جب بھی آپ کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ اس کو اختیار فرماتے تھے جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' ۶۱۰۶' ۶۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے ○ وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے ○ (کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب ان کے پاس کوئی رسول آیا یہ اس کا مذاق اڑانے والے تھے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی ○ اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے ○ (یٰسٓ: ۳۲-۲۸)

سابقہ امتوں کے کافروں کا خلاف فرشتوں کو نازل نہ کرنے اور ہماری امت کے کافروں کے خلاف فرشتوں کو نازل کرنے کی توجیہ

قتادہ نے یٰسٓ: ۲۸ کی تفسیر میں کہا جب انہوں نے اس بستی کے رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کر دیا تو پھر ہم نے اس بستی میں کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا' اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا کرے اور وہ قوم اس نعمت کی قدر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے نعمت واپس لے لیتا ہے اور پھر اس قوم کو وہ نعمت عطا نہیں کرتا' اندلس کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت کی نعمت عطا کی انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی اور رقص و موسیقی کی محفلوں اور آپس کی لڑائیوں اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت واپس لے لی اور آٹھ سو سال اندلس پر حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں سے یہ نعمت لے لی گئی اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو قتل کر دیا' یا جلاوطن کر دیا' یا جبراً عیسائی بنا دیا اور اب وہاں بہت کم تعداد میں برائے نام مسلمان ہیں' اسی طرح ایک دور تھا جب تین براعظموں میں یعنی یورپ' ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک میں مسلمانوں کی مستحکم حکومتیں تھیں لیکن جب مسلمانوں کی اکثریت نے اسلام کے احکام پر نہ صرف یہ کہ عمل کرنا چھوڑ دیا بلکہ وہ اسلام کے احکام پر عمل کرنے کو باعث عار سمجھنے لگے تو پھر ان کی حکومتیں غیر مستحکم ہو گئیں اور آج یہ حال ہے کہ مسلم ممالک ہر جگہ امریکا اور برطانیہ سے مرعوب ہیں اور ان کے زیر تسلط ہیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہیں۔

اور حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا پھر ہم نے اس بستی میں وہ فرشتے نازل نہیں کیے جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہم نے اس کے بعد ان پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہ کیا' اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان بستی والوں کو ہلاک کرنے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی' بلکہ ایک گرج دار چیخ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کوئی لشکر نازل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر اس نے غزوہ بدر میں فرشتے کیوں نازل کیے تھے' غزوہ بدر کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○ (الانفال: ۱۰-۹)

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اللہ نے تمہاری دعا قبول کی (اور فرمایا) میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا○ اور اللہ کا ان فرشتوں کو بھیجنا صرف اس لیے ہے کہ یہ بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں' اور امداد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ○ بَلٰٓی ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ○ (آل عمران ۱۲۶-۱۲۴)

اور آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ مسلمانوں سے یہ فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے ہرگز یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہارے لیے تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد فرمائے○ کیوں نہیں بلکہ اگر تم صبر کرو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو تو یہ فرشتے تمہارے پاس اسی وقت آ جائیں گے' تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا○ اور اللہ کا ان فرشتوں کو بھیجنا صرف اس لیے ہے کہ یہ بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور امداد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں فرشتوں کا یہ لشکر کفار سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا ورنہ کفار کو ہلاک کرنے کے لیے ایک فرشتہ کو نازل کرنا ہی کافی ہوتا' بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو بشارت اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے بھیجا تھا' اس سلسلہ میں سورۃ الاحزاب کی حسب ذیل آیت سے بھی اعتراض ہو سکتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا○ (الاحزاب: ۹)

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان کیا ہے اسے یاد کرو' جب تمہارے مقابلہ میں فوجیں آئیں' پھر ہم نے ان کے خلاف تند و تیز آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ اس پر بصیرت رکھنے والا ہے۔

اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ یہاں یٰسٓ: ۲۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا' اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے' حالانکہ غزوہ احزاب میں فرمایا ہے اور ہم نے ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے' صرف ایک فرشتہ ہی پورے شہر اور پوری بستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے' حضرت لوط علیہ السلام کی پوری بستیوں کو حضرت جبریل نے اپنے پر سے اٹھا کر پلٹ ڈالا تھا' اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اور ثمود کے شہر ان کی ایک چیخ سے ملیامیٹ ہو گئے اور صفحہ ہستی سے مٹ گئے تھے' اور حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے تو قیامت آ جائے گی اور کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی' اس کے باوجود غزوہ بدر میں ایک ہزار سے پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کے اطمینان کے لیے نازل کیے گئے اور غزوہ احزاب میں فرشتوں کے لشکروں نے کفار کی فوجوں کے خیموں کی رسیاں کاٹ کر اور میخیں اکھاڑ کر ان کے دلوں میں رعب اور

خوف طاری کیا' تو یہ صرف ہمارے نبی سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اکرام کو اور آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ پچھلی امتوں کے کفار کو ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ کو نازل کیا جاتا تھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے زمانہ کے کافروں کے دلوں پر صرف رعب طاری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک فرشتہ کو نہیں بلکہ فرشتوں کے پورے لشکر کو بھیجا۔

حبیب نجار کی طرف قوم کی نسبت کرنے اور بعد کی تخصیص کی توجیہ

اس آیت میں دوڑ کر آنے والے شخص (حبیب نجار) کی طرف اس قوم کی نسبت کی گئی ہے جس پر عذاب نازل کیا گیا تھا' اور نبیوں کی طرف نسبت نہیں کی گئی حالانکہ بہ ظاہر رسولوں کی طرف اس قوم کی نسبت کی جانی چاہیے تھی کیونکہ ایک شخص کی قوم اس کی آل اور اس کے اصحاب ہوتے ہیں اور رسول کی قوم پوری جماعت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس پوری آبادی کا رسول ہوتا ہے جس کی طرف اس کو بھیجا جاتا ہے اور وہ پوری آبادی اس کی قوم ہوتی ہے' اس صورت میں حبیب نجار کی طرف قوم کی نسبت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ ان کے نسب سے تھا اور رسول باہر سے بھیجے گئے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر عذاب آیا وہ حبیب نجار کے رشتہ دار تھے اس لیے فرمایا: اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب اور حبیب نجار کو قتل کرنے سے پہلے بھی کسی پر آسمان سے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا تھا پھر یہاں پر یہ تخصیص کیوں فرمائی کہ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ ان نبیوں اور رسولوں کی تکذیب اور قتل کیے جانے اور حبیب نجار کے قتل کیے جانے کے بعد عذاب کے مستحق ہوئے تھے اس وجہ سے بیان واقعہ کے طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا۔

بستی والوں کو ایک زبردست چیخ سے ہلاک کر دینا

اس کے بعد فرمایا: وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے O

مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف بھیجا' انہوں نے ان کی بستی کے دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر بہت زور سے چیخ ماری جس سے ان کے جسموں میں زندگی کی کوئی حرارت باقی نہ رہی اور چشم زدن میں وہ تمام لوگ بجھ کر رہ گئے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۴)

ان سے حواس اور حرکات کے آثار کا ظہور ختم ہو گیا' ان کے مردہ اجسام کو بجھی ہوئی آگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص زندہ ہے وہ اپنے حواس کے آثار اور حرکات ارادیہ کے ظہور کی وجہ سے بھڑکتی ہوئی روشن آگ کی مانند ہے اور جو شخص مردہ ہے وہ راکھ کی مثل ہے۔

بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کرنے کے تین دن بعد حضرت جبریل نے ان کی بستی میں آ کر چیخ ماری تھی' اور بعض میں یہ مذکور ہے کہ وہ رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کرنے کے بعد خوشی خوشی اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک ایک چیخ کی آواز آئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی اس لیے کی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو ایذاء پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا

ہے: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی' میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں' جس چیز سے بھی میرا بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ محبوب مجھے وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے' اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں' اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے' اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے' میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے' اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے' اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں' اور میں جس کام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کام میں اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (جتنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں' وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷' مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۷۰۸۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۔۴' کتاب الاسماء والصفات ص ۴۹۱' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۲۶۶' کنز العمال رقم الحدیث ۲۱۳۲۷)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

(مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۰' ج ۳ ص ۲۵۶' ج ۱۰ ص ۳۸۳' ج ۱۱ ص ۱۸۲' ۱۷۳' ۵۔۱۷۵' ج ۷ ص ۶۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ عبد الواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث من عادلی ولیا کی سند پر حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی کے اعتراضات کے جوابات

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث بہت غریب ہے اور اگر صحیح بخاری کی ہیبت نہ ہوتی تو اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکر روایات میں سے شمار کیا جاتا' کیونکہ اس حدیث کے الفاظ بہت غیر مانوس ہیں' اور اس لیے کہ اس کی روایت میں شریک منفرد ہے اور وہ حافظ نہیں ہے' اور یہ متن صرف اس سند کے ساتھ مروی ہے' اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی امام نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ذہبی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا کیونکہ ہم اس حدیث کی تخریج میں بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند احمد میں' امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں' امام ابو یعلیٰ نے مسند ابو یعلیٰ میں' امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں' امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں' امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں اور امام ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں روایت کیا ہے' علاوہ ازیں شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث سے مجموع الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے' پھر اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ مجھے اس پر جزم اور یقین ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ عسقلانی کا بھی یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث یقیناً مسند احمد میں نہیں ہے' بلکہ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے اور

اس کے حسب ذیل حوالہ جات ہیں: (مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۲۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۷۲۳' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مسند احمد کے مخرج الشیخ الشعیب الارنوط نے مسند احمد کے حاشیہ میں اس حدیث کی تخریج میں لکھا ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو الاولیاء: (۴۵) میں' امام بیہقی نے الزہد (۶۹۸) میں' امام البزار نے (۳۶۴۷) اور (۳۶۴۷) میں' امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵ میں' امام القضاعی نے مسند الشہاب (۱۴۵۷) میں' امام طبرانی نے الاوسط (۹۳۴۸) میں' حافظ الہیثمی نے المجمع ۱۰ ص ۲۶۹ میں روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں خالد بن مخلد کی سند سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے' حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث خالد کی منکرات میں سے ہے اگر امام بخاری کی صحیح کی ہیبت نہ ہوتی تو اس کو خالد کی منکرات میں سے شمار کیا جاتا' حافظ عسقلانی نے فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۱ میں اس کا جواب دیا یہ کہنا کہ یہ حدیث صرف خالد کی سند سے مروی ہے مردود ہے' کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے اور انہوں نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۶۳-۲۶۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کا معجزات اور کرامات کی اصل ہونا

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب میرا محبوب بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو ضرور بہ ضرور عطا کرتا ہوں' اور یہ حدیث معجزہ اور کرامت کی اصل ہے' کیونکہ معجزہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعا قبول فرما کر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر فرماتا ہے اور کرامت میں اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا قبول فرما کر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر فرماتا ہے۔

اسی طرح معجزہ کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی مجاب (مستجاب الدعوات) ہے۔ الحدیث' یعنی ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۴۹' تحفۃ الاخیار (شرح معانی الآثار) رقم الحدیث: ۴۶۱۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۸۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۸۸' السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۳۳۷-۴۴' المستدرک ج ۱ ص ۳۶' ج ۲ ص ۵۲۵' ج ۴ ص ۹۰ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۰۲' ۳۹۴۰' ۷۰۱۱ طبع جدید' مصابیح السنہ رقم الحدیث: ۸۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۰۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۶' ج ۷ ص ۲۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۸۸۵' الجامع الصحیح رقم الحدیث: ۴۶۶۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب اور قدرت کے ثبوت کے سلسلہ میں شیخ ابن تیمیہ کی تصریح

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیۃ الحرانی التوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

لغت میں ہر خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں معجزہ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت ولی کے ساتھ مخصوص ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ صفات کمال کا رجوع تین چیزوں کی طرف ہوتا ہے' علم' قدرت اور غنیٰ' اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ فعل پر قدرت کو تاثیر کہتے ہیں اور ترک پر قدرت کو غنیٰ کہتے ہیں اور یہ تینوں صفات علیٰ وجہ الکمال صرف اللہ عزوجل کے ساتھ

مخصوص ہیں کیونکہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی تمام جہانوں سے غنی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں کا دعویٰ کرنے سے برأت کا اظہار کریں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۚ (الانعام: ۵۰)

آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (از خود) غیب کو نہیں جانتے اور نہ آپ (از خود) اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور نہ آپ فرشتے ہیں کہ کھانے پینے اور مال سے مستغنی ہوں' آپ تو صرف اس چیز کی اتباع کرتے ہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے' اور آپ کی طرف دین کی' اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی اطاعت کی وحی کی جاتی ہے اور ان تین چیزوں (علم غیب' اللہ کے خزانے اور مال) میں سے آپ کو صرف اتنی چیزیں حاصل ہیں جتنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں' آپ کو اسی غیب کا علم ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے' اور آپ کو ان ہی چیزوں پر قدرت حاصل ہے جن چیزوں پر اللہ نے آپ کو قدرت عطا کی ہے' اور جن خوارق (معجزات اور کرامات) سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مستغنی کر دیا ہے آپ اس سے مستغنی ہیں۔

اور علم کے باب میں سے یہ خوارق ہیں کہ بعض اوقات انسان ان چیزوں کو سن لیتا ہے جن کو دوسرا سن نہیں سکتا اور بعض اوقات انسان ان چیزوں کو نیند اور بیداری میں دیکھ لیتا ہے جن کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا' اور بعض اوقات اس کو وحی اور الہام سے یا علم بدیہی کے نازل ہونے سے یا فراست صادقہ سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہے جن کا دوسروں کو علم نہیں ہوتا اور اس کو اصطلاح میں کشف' مشاہدات' مکاشفات اور مخاطبات کہتے ہیں' پس سننے کو مخاطبات' دیکھنے کو مشاہدات اور علم کو مکاشفہ کہتے ہیں' اور جو چیز باب قدرت سے ہو اس کو تاثیر کہتے ہیں اور کبھی یہ تاثیر بندہ کی ہمت سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اس کی مقبول دعا سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی یہ محض اللہ کے فعل سے ظاہر ہوتی ہے جس میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا مثلاً اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو ہلاک کر دیتا ہے' جیسے فرمایا میں اس شخص سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں جو میرے ولی سے عداوت رکھے' یا اللہ تعالیٰ ان کی محبت میں لوگوں کے دلوں کو جھکا دیتا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱۱ص ۳۱۳۔۱۷۲' مطبوعہ دار الجلیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزات اور خوارق کی تمام انواع کو جمع کر دیا گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو علم غیب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے انبیاء متقدمین کی اور ان کی امتوں کی خبریں دی ہیں اور ان کے احوال بیان کیے ہیں اور ان کے علاوہ اولیاء سابقین کے بھی احوال بیان کیے ہیں' ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی خبریں دی ہیں' ملائکہ کے متعلق بیان کیا ہے اور جنت اور دوزخ کے احوال بیان کیے ہیں اور آپ نے ماضی' حال اور مستقبل کی غیب کی خبریں بیان کی ہیں۔

اور جہاں تک آپ کی قدرت اور تاثیر کا تعلق ہے تو آپ نے چاند کو شق کیا اور جب حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا دیا' اس طرح آسمانوں میں آپ کا شب معراج جانا بھی اس پر دلیل ہے' اور زمین میں آپ کا تصرف یہ ہے کہ آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے' اسی طرح جب آپ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ لرزنے لگا' آپ کی

انگلیوں سے پانی جاری ہوا' کئی مرتبہ پانی زیادہ ہوا اور کئی مرتبہ طعام زیادہ ہوا اور یہ بہت وسیع باب ہے ہمارا مقصد تمام معجزات کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ چند مثالیں دینی ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱۱ ص ۱۷۵-۱۷۴ ملخصاً مطبوعہ دار الجلیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

حسرت کا معنی اور اس بستی کے کافروں کی حسرت کے اسباب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا یہ اس کا مذاق اڑانے والے تھے O (یٰسٓ: ۳۰)

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: یحسرۃ علی العباد' کسی چیز کے فوت ہونے یا اس کے جاتے رہنے سے جو غم اور افسوس ہوتا ہے اس کو حسرت کہتے ہیں' اسی طرح کسی غلط کام کرنے پر جو ندامت ہوتی ہے اس کو بھی حسرت کہتے ہیں' حسر کا معنی منکشف ہونا اور تھکنا بھی ہے گویا اس پر منکشف ہو گیا کہ کس جہالت نے اس کو اس غلطی پر ابھارا تھا' یا اس غلطی پر غم اور افسوس کی وجہ سے اس کا اعضاء مضمحل ہو گئے' اور اس کا جسم نڈھال ہو گیا' یا اس کا تدارک کرنے سے وہ عاجز ہو گیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۵۵-۱۵۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

طبری نے کہا ہے کہ ان کافروں کو خود اپنے اوپر افسوس ہوا کہ انہوں نے ان رسولوں کا کیوں مذاق اڑایا اور ان کو کیوں قتل کیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ اس محل میں تھے کہ ان کے ظالمانہ افعال پر افسوس کیا جاتا' ابو العالیہ نے کہا العباد سے مراد رسول ہیں' کیونکہ جب کفار نے عذاب کو دیکھا تو افسوس کیا اور ان کو قتل کرنے پر اور اپنے ایمان نہ لانے پر نادم ہوئے' اور انہوں نے اس وقت ایمان لانے کی تمنا کی جب ان کو ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا' ضحاک نے کہا یہ فرشتوں کی کفار پر حسرت ہے کہ وہ رسولوں پر ایمان کیوں نہیں لائے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب اس بستی کے کافر حبیب نجار کو قتل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تو اس نے کہا ہائے ان بندوں پر افسوس ہے! کیونکہ اب ان لوگوں پر عذاب کا آنا یقینی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رسولوں کا قول ہے اور اس طرح کے اور بھی مختلف اقوال ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی O (یٰسٓ: ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار پر حسرت کا سبب بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نمائندے اور رسول بھیجے اور انہوں نے ان رسولوں کی قدر نہیں کی اور ان کے پیغام کا مثبت جواب نہیں دیا اور یہی ان کی پہلے ندامت اور بعد میں ان کی حسرت کا سبب بن گیا' اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس بادشاہ آئے اور بتائے کہ وہ بادشاہ ہے اور اس سے کوئی آسان چیز طلب کرے اور وہ شخص اس کو جھٹلائے اور اس کی طلب کردہ چیز اس کو نہ دے' پھر بعد میں وہی شخص بادشاہ کے پاس جائے جب کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہو اور وہ شخص اس بادشاہ کو پہچان لے کہ یہی شخص میرے پاس آیا تھا اور میں نے اس کی مطلوبہ چیز اس کو نہیں دی تھی تو اس وقت وہ کس قدر نادم اور شرمندہ ہو گا اور کس قدر غم' افسوس اور حسرت ہو گی کہ کاش میں نے اس کو وہ چیز دے دی ہوتی!

اسی طرح اللہ کے رسول بہ منزلہ بادشاہ ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عزت دی ہے اور ان کو اپنا نائب اور قائم مقام قرار دیا ہے اس اعتبار سے وہ بادشاہ سے بھی بڑھ کر ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ — آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو

(آل عمران: ۳۱) اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مرتبہ بتایا ہے کہ جو شخص آپ کی اطاعت اور آپ کی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب کا اللہ کے نزدیک کیا مرتبہ اور کیا مقام ہے۔ جب دنیا میں رسول آئے اور انہوں نے لوگوں سے اپنا تعارف کرایا اس وقت انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی عظمت کا نشان ظاہر نہیں کیا اس لیے لوگوں نے ان کی قدر نہیں کی' لیکن جب قیامت کے دن رسول' اللہ تعالیٰ کے حضور گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دے گا اس وقت لوگوں کے سامنے رسولوں کی عزت اور وجاہت ظاہر ہو گی' اور دنیا میں رسولوں نے لوگوں کو جس چیز پر عمل کرنے کی دعوت دی تھی وہ کوئی مشکل کام نہیں تھا جب کہ وہ اس پیغام پہنچانے کا کوئی اجر اور صلہ بھی نہیں مانگ رہے تھے اور جب وہ ان چیزوں پر غور کریں گے تو ان کو اور شدید ندامت ہو گی خصوصاً اس لیے کہ انہوں نے صرف رسولوں کے پیغام سے اعراض کرنے اور اس پیغام کو مسترد کرنے پر اکتفاء نہیں کی' بلکہ ان کا مذاق اڑایا' ان کو حقیر قرار دیا اور ان کی توہین کی' اور اس پر بھی بس نہیں کی حتیٰ کہ ان کو زدوکوب کیا اور ان کو قتل کر دیا' سو یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے کفار اپنے ایمان نہ لانے اور رسولوں کے ساتھ زیادتی کرنے پر جس قدر بھی افسوس کریں وہ کم ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی والوں سے ان کے پیش رو کافروں کا حال بیان فرمایا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی' یعنی ان سے پہلے بھی کتنے رسولوں کے مکذبین مخالفین اور ان کا مذاق اڑانے والے اور ان پر زیادتی کرنے والے تھے ہم ان سب کو ہلاک کر چکے ہیں وہ اب دنیا میں لوٹ کر آئیں گے نہ اس بستی میں لوٹ کر آئیں گے' ان کی نسل منقطع ہو چکی ہے اور اب ان کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں ہے' کیا یہ کفار ان کے انجام سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

مکہ کے کافروں کے لیے مقام عبرت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O (یٰسٓ: ۳۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جن کافروں نے رسولوں کے پیغام کو مسترد کر دیا اور ان کی توہین کی' ان کی سزا صرف یہی نہیں ہے کہ ان پر ایک عذاب آیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد اب کچھ نہیں ہو گا' اگر ایسا ہوتا تو ان کی موت ان کے لیے ان کی عافیت اور ان کے آرام کا سبب ہوتی لیکن ایسا نہیں ہو گا' مرنے کے بعد ان سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا' پھر ان کی پچھلی زندگی کا حساب لیا جائے گا اور ان کے برے عقائد اور برے اعمال پر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ سو مکہ کے کافروں کو ان بستی والوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور آپ کی نافرمانی کا راستہ ترک کر کے آپ کی موافقت اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا

يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا

کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے' اور ان میں ہم نے کچھ

فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ

چشمے جاری کر دیئے ○ تاکہ لوگ اس کے پھلوں سے کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے اس کی پیدائش میں کوئی عمل نہیں کیا

أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ

تو وہ کیوں شکر ادا نہیں کرتے ○ پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے' جن کو زمین

الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ

اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے ○ اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے'

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو یکایک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج

لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ

اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے ○ اور ہم نے چاند کی

مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي

منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے ○ نہ سورج چاند کو پکڑ

لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ

سکتا ہے' اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے' اور ہر ایک (سیارہ)

يَسْبَحُونَ ﴿٤٠﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾

اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○ اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا ○

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا

اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ○ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق

صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ

کر دیں' پھر ان کا کوئی فریاد رس نہیں ہوگا اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا ○ سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحم

حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ

ہواور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو O اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس پر غور نہیں کرتے) O اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو

اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ

خرچ کرو جو اللہ نے تمھیں دی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس کو کھلائیں جس کو اگر اللہ کھلانا چاہتا

اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

تو کھلا دیتا' تم تو صرف کھلی ہوئی گم راہی میں ہو O اور وہ کہتے ہیں

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً

یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ اگر تم سچے ہو تو بتا دو O وہ صرف ایک ہولناک چیخ کا

وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً

انتظار کر رہے ہیں جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے O پس وہ اس وقت نہ وصیت

۳ ع ۱۸ ۲ وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

کرسکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ان میں ہم نے کچھ چشمے جاری کر دیے O تاکہ لوگ اس کے پھلوں سے کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے اس کی پیدائش میں کوئی عمل نہیں کیا تو وہ کیوں شکر ادا نہیں کرتے O پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے' جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے O (یٰس: ۳۶-۳۳)

آیات سابقہ سے ارتباط

ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے ربط اس طرح ہے کہ یٰسٓ: ۳۲ میں حشر کی طرف اشارہ فرمایا تھا کیونکہ اس میں ارشاد فرمایا تھا: اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O اور حشر کے دن سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا' اور زیر تفسیر آیت میں حشر کی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔

مردہ زمین سے مراد ہے خشک اور بنجر زمین' یہاں فرمایا ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا' زندہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو حیات عطا کر دی اور حیات' حس اور حرکت ارادیہ کا تقاضا کرتی ہے' اور یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے اس میں نشو و نما کی قوتیں پیدا کر دیں' اور اس میں دریاؤں اور چشموں کے پانی سے تروتازہ سبزہ اور غلہ اور دانے پیدا کر دیئے' سو جس طرح ہم خشک اور بنجر زمین کو پانی سے سرسبز بنا دیتے ہیں اسی طرح ہم مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دیں گے' اور فرمایا: ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں' غلہ اور دانے' گندم' جَو' باجرہ' مکئی' چنا اور دالوں کی دیگر اجناس کو شامل ہے' جس سے لوگ روٹی پکا کر کھاتے ہیں' اللہ کا یہ بھی کرم اور اس کا فضل ہے کہ اس نے متعدد اجناس کا غلہ پیدا کیا ہے' اگر صرف ایک ہی قسم کا غلہ ہوتا اور لوگ کسی مرض کی وجہ سے اس کو نہ کھا سکتے تو بھوک سے مر جاتے' مثلاً ذیابیطس کے مریضوں کے لیے گندم نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ نشاستہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے چنا بھی پیدا کر دیا' چنے میں گندم کی بہ نسبت آدھا نشاستہ ہوتا ہے' سو جن کی شوگر بہت زیادہ ہو وہ چنے کی روٹی کھا لیتے ہیں۔

روٹی کی تعظیم اور تکریم کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے روٹی کی شکل میں ہم کو عظیم نعمت عطا فرمائی ہے' اور غلہ اور دانے کی تفسیر میں چونکہ روٹی کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ روٹی کی تعظیم اور تکریم اور روٹی کھانے کے آداب کے متعلق چند احادیث اور ان کی تشریح پیش کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روٹی کی تعظیم کرو۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۲۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۸۶۹' حاکم نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت ابوسکینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے جس شخص نے روٹی کی تعظیم کی اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۸۴۰' مجمع الزوائد ص ۳۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۴' حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی برکتوں سے نازل فرمایا ہے اور اس کو زمین کی برکتوں سے نکالا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

حضرت عبد اللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روٹی کو آسمان کی برکتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور اس کے لیے زمین کی برکتیں مسخر کر دی ہیں اور جس نے دسترخوان پر گرنے والا روٹی کا ٹکڑا تلاش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۸۷۷' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۶' حافظ الہیثمی اور حافظ السیوطی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ وضو کرنے کی جگہ میں گئے وہاں انہوں نے نالی میں ایک لقمہ پایا

روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا' انہوں نے اس سے گندگی صاف کر کے اس کو اچھی طرح دھویا' پھر اپنے غلام کو وہ روٹی کا ٹکڑا دے دیا' اور فرمایا جب میں وضو کروں تو مجھے یہ لقمہ یاد دلانا' جب آپ نے وضو کیا تو اس غلام سے فرمایا لاؤ مجھے وہ روٹی کا ٹکڑا دے دو' اس غلام نے کہا اے میرے آقا! میں نے تو اس ٹکڑے کو کھا لیا ہے' آپ نے فرمایا جاؤ تم اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہو' اس غلام نے پوچھا اے میرے آقا! آپ نے کس سبب سے مجھے آزاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیونکہ میں نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی خراب جگہ سے کوئی لقمہ یا روٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور اس سے گندگی کو دور کیا اور اس کو اچھی طرح صاف کر لیا پھر اس کو کھا لیا تو اس کے پیٹ میں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا' پھر حضرت حسن نے کہا اور میں کسی جنتی شخص سے خدمت لینا نہیں چاہتا۔ اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۵۰' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۴)

علامہ شمس الدین محمد عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے' اس کی سند میں ایک راوی غیاث بن ابراہیم ہے اور وہ وضاع ہے' عبد الملک بن عبد الرحمان شافعی نے اس کی متابعت کی ہے اور وہ کذاب ہے' علامہ مناوی نے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے کہا کہ یہ حدیث شدید ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔

(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۳۰۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث لفظاً شدید ضعیف ہو لیکن یہ حدیث معنیً ثابت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی تائید موجود ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے اور اس کا لقمہ گر جائے تو لقمہ پر جس چیز کے لگنے کی وجہ سے اس کو شک ہے اس کو گرا دے پھر اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۵۳' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو تین مرتبہ چاٹ لے' اور آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو وہ اس سے گندگی کو صاف کر دے اور اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور آپ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم برتن کو صاف کر لیا کریں اور آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کون سے طعام میں برکت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۹۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۱۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۷۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳)

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اوپر کوئی نامناسب چیز نہ رکھی جائے' سفیان ثوری اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ روٹی پیالہ کے نیچے رکھی جائے۔ (سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۲۶' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء)

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ آٹا چھانے بغیر روٹی پکائی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے' جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے آپ نے چھلنی نہیں دیکھی اور نہ کبھی آپ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۱ رقم الحدیث: ۲۴۴۷۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

احادیث مذکورہ کی تشریح

علامہ محمد عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

روٹی کی تکریم کا محمل یہ ہے کہ روٹی کی تمام انواع اور اقسام کی قدر کی جائے' کیونکہ انسان کو جس غلہ کی روٹی بھی جب میسر ہو وہ اس کو کھالے اور کسی اور جنس کی روٹی کی طلب اور جستجو نہ کرے' تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر راضی ہے' اور لذت اور ذائقہ کے حصول کی کوشش نہیں کرتا' غالب القطان نے یہ کہا ہے کہ روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ روٹی ملنے کے بعد سالن کا انتظار نہ کرے' تاہم اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر روٹی سالن کے ساتھ کھائی تو وہ صحت کے لیے زیادہ مفید ہے' بعض متقدمین نے روٹی کے اوپر گوشت یا بوٹی رکھنے سے بھی منع کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پھل کو روٹی پر رکھا اور یہ فرمایا یہ اس کا سالن ہے۔

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو کسی گندی' ناپاک یا بے وقعت جگہ پر نہ ڈالا جائے یا روٹی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے' امام غزالی نے ذکر کیا ہے کہ ایک عابد کے دوست کے پاس چند روٹیاں لائی گئیں' وہ ان کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا کہ ان میں جو سب سے اچھی روٹی ہو اس کو نکال کر کھائے' عابد نے اس سے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ جس روٹی سے تم نے اعراض کیا ہے اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور اس روٹی کو وجود میں لانے میں کتنی چیزوں کے عمل کا دخل ہے' اس روٹی کے حصول کے لیے اللہ نے بادلوں سے پانی اتارا' زمین کو سیراب کیا' زمین میں بیج ڈالا گیا' پھر اس سے غلہ پیدا ہوا' اور زمین میں معدنیات رکھے گئے' ان سے لوہا نکالا گیا' پھر اس لوہے سے مشینیں بنائی گئیں' ان مشینوں میں اس غلہ کو پیسا گیا' اور درختوں' کوئلوں' تیل اور قدرتی گیس سے ایندھن تیار کیا گیا' پھر اس آٹے کی روٹی پکائی گئی تو سوچو کہ اس ایک روٹی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتنی چیزیں پیدا کیں' یہ زمین' آسمان' ہوائیں' سورج کی حرارت' چاند کی کرنیں' دریاؤں کا پانی سب اس روٹی کو تم تک پہنچانے کے لیے اپنا اپنا رول ادا کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

(النحل: ۱۸)

امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے دستر خوان پر گرے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو کھا لیا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۱۶)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ یا شفاعت یا اللہ کے فضل محض سے معاف ہوتے ہیں۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۲۹۹' مع التوضیح' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

گندم کی روٹی کا عظیم نعمت ہونا

یوں تو ہر قسم کے اناج کی روٹی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن گندم کی روٹی میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کی آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا کھانے کو دل چاہتا ہے؟ اس نے کہا گندم کی روٹی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس گندم کی روٹی

ہو وہ اپنے بھائی کے پاس بھیج دے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا بیمار کسی چیز کو کھانے کی خواہش کرے تو اس کو وہ چیز کھلا دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٤٤١۔١٤٣٠' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ مریض کے لیے وہ چیز نقصان دہ نہ ہو' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ام المنذر بن قیس الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت علی بیماری سے کمزور تھے اور ہماری ادھ پکی اور ترش کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کھجوروں سے کھا رہے تھے' حضرت علی نے بھی ان کھجوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے علی! ٹھہرو' تم کمزور ہو' حضرت ام المنذر کہتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چقندر اور جَو کا کھانا تیار کیا تھا' آپ نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی! تم اس سے کھاؤ یہ تمہارے لیے نفع بخش ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٤٤٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٨٥٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٣٧' المستدرک ج ٤ ص ٤٠٧' مسند احمد ج ٦ ص ٣٦٤۔٣٦٣)

امام مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یہ فرماتے تھے: اے بنی اسرائیل تم تازہ پانی اور خشکی کی سبزیاں اور جَو کی روٹی کھایا کرو اور تم گندم کی روٹی سے اجتناب کرو کیونکہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔
(موطا امام مالک رقم الحدیث ١٧٧٩)

گندم بہترین اناج ہے' نصف دنیا کی بنیادی غذا ہے' اس کا مزاج گرم درجہ اول اور مائل بہ اعتدال ہے' گندم خون اور گوشت پیدا کرتا ہے' ہڈیاں بناتا ہے' قبض کو دور کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے' اس میں ٩٠۔٦٠ فی صد نشاستہ ہوتا ہے (اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مضر ہے) اس کے غذائی اور کیمیاوی اجزاء کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سو گرام آٹا جس سے میدہ اور سوجی وغیرہ نہ نکالی گئی ہو' اس میں ٣١٨ حرارے' ٢. ١٣ گرام پروٹین' ٢ گرام چکنائی' ٩.٦ گرام ریشہ' ٣٥ ملی گرام کیلشیم' ٤ ملی گرام فولاد' ٣ ملی گرام جست' ٣٤٠ ملی گرام فاسفورس' ٤٦. وٹامن ب' ٨. ملی گرام وٹامن ب ٢' ٥٠. ملی گرام ب ٦' ١ ملی گرام وٹامن ای ہوتا ہے۔

دماغ کی طاقت کے لیے فاسفورس اور گلوکوز بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور سب سے زیادہ فاسفورس اور گلوکوز گندم سے حاصل ہوتا ہے اس لیے دماغ کی توانائی کے لیے گندم سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ سب چیزوں سے زیادہ ارزاں اور سہل الحصول ہے' سو گندم کی روٹی کھانا سب سے عظیم نعمت ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہو' اور گندم کے یہ فوائد اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب اس سے بھوسی نہ نکالی جائے' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھانے آٹے کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ یٰسٓ: ٣٥' ٣٤ میں کھجور اور انگور کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے پیدا کرنے سے وجود باری پر استدلال فرمایا ہے' ہم الانعام: ٩٩ میں کھجور اور انگور کے خواص ان کے غذائی اور کیمیائی فوائد کے متعلق تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں اور یہ بھی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں وجود باری پر کس طرح کے دلائل ہیں' اس کے لیے تبیان القرآن ج ٣ ص ٦١١۔٦٠٥ کا مطالعہ فرمائیں۔

لفظ سبحان اور تسبیح کا معنی

اس کے بعد فرمایا سبحان (پاک) ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے' جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے O (یٰسٓ: ٣٦)

لفظ سبحان اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کے لیے علم ہے' اور تسبیح کا معنی ہے اپنے اعتقاد اور قول کے ذریعہ کسی چیز کو عیب سے دور کرنا' اور اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں اور اس کی قدرت کے عجیب و غریب آثار دیکھ کر اس کی عظمت و کبریائی پر حیران ہونا' اور اس کی جلالت کا اعتراف کرنا اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا' عبادت کو صرف اسی کے ساتھ مخصوص قرار دینا اور اس پر تعجب کرنا کہ کفار دن رات اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اس کے باوجود اس کی الوہیت اور توحید کا انکار کرتے ہیں یا اس کی عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں' اور اس آیت میں تسبیح کا معنی یہ ہے کہ میں اس ذات کی شرک کے عیب سے برأت بیان کرتا ہوں جس نے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کیے' میں دل میں بھی اس بات کو مانتا ہوں کہ وہ واحد ہے اور شریک کا محتاج ہونے کے عیب سے پاک ہے اور زبان سے بھی اس کی برأت کو بیان کرتا ہوں' وہ ہر اس چیز سے بری اور منزّہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' اور کفار اور مشرکین جن چیزوں سے اس کا موصوف ہونا بیان کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بری ہے' یہ تسبیح اعتقاد سے بھی ہے زبان سے بھی ہے اور عمل سے بھی' بایں طور کہ انسان اپنا سر صرف اللہ تعالیٰ کے آگے خم کرے اور صرف اسی کی اطاعت کرے۔

زمین کی روئیدگی سے وجود باری اور اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے' یعنی اس نے زمین سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کیے اور ان کے نفسوں سے مرد اور عورت پیدا کیے اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ ان جوڑوں کی خصوصیات کو نہیں جانتے' ان کو نہیں معلوم کہ ان میں کیا دینی اور دنیاوی مصلحتیں ہیں' ان کے کیا خواص ہیں' ان کے کیا فوائد اور نقصانات ہیں' اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ انسان ان کی تفصیلات کو نہیں جانتے اور فرشتے ان کی تفصیلات کو جانتے ہیں' اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کی تفصیلات کو نہیں جانتا۔

اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جو ثواب عطا فرمائے گا اس کی کنہ اور حقیقت کو کوئی نہیں جانتا اسی طرح اہل دوزخ کو جس عذاب میں مبتلا کرے گا اس کی کیفیت کا بھی کسی کو ادراک نہیں ہے' اور اس سے روح کا بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت کو بھی کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' جن چیزوں کو زمین اگاتی ہے اور جو چیزیں ان کے نفسوں میں ہیں اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے' جن چیزوں کو زمین اگاتی ہے اس میں تمام نباتات اور معدنیات داخل ہیں اور حیوانات بھی داخل ہیں کیونکہ حیوانات کا وجود بھی زمین اور اس کے اجزاء سے حاصل ہوتا ہے' اور جو چیزیں ان کے نفسوں میں ہیں اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو انسان کے مشاعر اور ان کے نفسوں میں ہیں' اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے اس سے مراد اللہ کی وہ مخلوق ہے جو انسان کے علم اور اس کے ادراک سے باہر ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ تین قسم کی مخلوقات ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا خالق ہر قسم کے نقص اور عیب سے بری ہے' اور اس میں یہ بھی اشارہ بھی ہے کہ بعض مخلوقات کو تم جانتے ہو اور بعض کو تم نہیں جانتے سو تم اللہ کا شریک نہ ان کو قرار دو جن کو تم جانتے ہو اور نہ اللہ کا شریک ان کو قرار دو جن کو تم نہیں جانتے' کیونکہ مخلوق بہر حال مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہوسکتی۔

اس آیت میں زمین کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ زمین میں روئیدگی کا نظام ودیعت فرمایا ہے اس نے زمین میں ایسے مادے رکھے جو نباتات کی نشوونما کی صلاحیت رکھتے تھے اور اس کی تہہ کو اس قابل بنایا کہ کونپلوں اور پودوں کی جڑیں اس میں نفوذ کرسکیں اور اپنی نباتاتی غذا کو اس سے جذب کرسکیں' اور بارشوں' دریاؤں اور نہروں کے پانی سے

اس کی آب یاری کا نظام بنایا تاکہ نباتات کو ان کی غذا فراہم ہو سکے‘ زمین کے اوپر فضا میں ہوا کو پیدا کیا جس سے پودوں کو آکسیجن حاصل ہوتی ہے‘ سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچائیں جن کی حرارت سے غلہ اور پھل پکتے ہیں اور چاند کی کرنیں مہیا کریں جن سے غلہ اور پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے‘ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی روئیدگی کا جو یہ نظام بنایا ہے جب انسان اس پر غور کرے گا تو اس کو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے‘ اگر محض بخت و اتفاق سے کھیت لہلہا رہے ہوتے اور باغوں میں پھل لگ رہے ہوتے اور پھول مہک رہے ہوتے تو ان میں یہ ضبط اور تسلسل نہ ہوتا‘ کیونکہ جو چیز اتفاق سے ہو وہ کبھی کبھی ہوتی ہے اس میں دوام اور تسلسل نہیں ہوتا‘ نیز اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ زمین کی پیداوار کا نظام خود بہ خود نہیں بن گیا ہے کیونکہ اس نظام میں اس قدر باریکیاں‘ مصلحتیں اور حکمتیں ہیں کہ بغیر کسی عظیم مدبر کے اس کے وجود کو فرض نہیں کیا جا سکتا‘ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ چند ہستیاں اس نظام کی خالق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث اور فانی ہے اور جس چیز کو خود کسی بنانے والے کی احتیاج ہو وہ کسی دوسرے کو وجود میں لانے کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے‘ ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو یکا یک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے‘ یہ بہت غالب‘ بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے O نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے O (یٰسٓ: ۴۰۔۳۷)

سلخ کا بیان

اس آیت میں نسلخ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے ہم کھینچ لیتے ہیں یا اتار لیتے ہیں‘ سلخ کا معنی ہے حیوان کی کھال اتارنا‘ بہ طور استعارہ زرہ اتارنے کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے‘ اس کا معنی گذر جانا بھی ہے‘ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ . (التوبہ: ۵) جب حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ . (یٰسٓ: ۳۷) ہم رات سے دن کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔

سانپ کے کینچلی سے باہر آنے کو بھی انسلاخ کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۱۴‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۸ھ)

ظلمت کا اصل اور نور کا عارض ہونا

آیت کا معنی علامت‘ نشانی اور دلیل ہے‘ اللہ تعالیٰ کی توحید‘ اس کی قدرت اور اس کی الوہیت کے وجوب پر رات میں دلیل ہے‘ فرمایا ہم دن کی روشنی کو رات سے کھینچ لیتے ہیں ہوا اور فضا میں جو سورج کی شعاعیں ہوتی ہیں جب ان کو کھینچ لیا جاتا ہے تو پھر رات کی سیاہی اور اس کا اندھیرا باقی رہ جاتا ہے جس طرح حیوان کے جسم سے کھال اتار لی جائے تو پھر اس کا اندرونی جسم باقی رہ جاتا ہے‘ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اصل ظلمت ہے اور نور عارض ہے‘ جو سورج کی شعاعوں کی صورت میں ہوا میں متداخل ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نور کے ان باریک ذرات کو فضاء سے کھینچ کر نکال لیتا ہے تو پھر رات باقی رہ جاتی ہے۔ اور ظلمت کے اصل ہونے اور نور کے عارض ہونے پر یہ حدیث دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس دن ان پر اپنا نور ڈالا‘ پھر جس نے اس نور کو پالیا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جو اس نور کو نہ پا سکا وہ گمراہی پر برقرار رہا‘ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے موافق لکھ کر خشک ہو چکا ہے

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۶، رقم الحدیث: ۶۶۵۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ، المستدرک ج ۱ ص ۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۱۲، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۸۲، ۱۴۱۳)

زمان اور مکان کے دلائل کی باہمی مناسبت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین کے احوال سے اپنے وجود اپنی قدرت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں رات کے وجود سے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے، اور ان دلیلوں میں مناسبت یہ ہے کہ زمین مکان ہے اور رات زمان ہے، اور زمان اور مکان باہم متناسب ہیں، ہر مخلوق زمان اور مکان میں ہے اور جوہر ہو یا عرض کوئی چیز زمان اور مکان کی قید سے باہر نہیں ہے، اور انسان کا زیادہ تعلق مکان سے ہوتا ہے اور وہ اسی سے زیادہ متعارف اور واقف ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود قدرت اور توحید پر پہلے زمین کے احوال سے استدلال فرمایا اور پھر اس نے رات کے احوال سے اپنے وجود اور قدرت پر استدلال فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب مقصود زمان سے استدلال کرنا ہے تو زمانہ تو دن اور رات دونوں کو شامل ہے تو پھر رات کو دن پر کیوں اختیار فرمایا اور فرمایا ''اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے'' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عموماً رات میں شور و شغب نہیں ہوتا اور رات میں لوگ پرسکون ہوتے ہیں اور سو جاتے ہیں اور نیند موت کی مثل ہے، اور رات کے بعد سورج طلوع ہوتا ہے اور لوگ بیدار ہو کر پھر زندگی کی دوڑ دھوپ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سورج کا طلوع ہونا ایسا ہے جیسے قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور چونکہ یہاں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کرنا مقصود تھا اس لیے رات سے استدلال فرمایا تاکہ رات سے نیند کی طرف اور نیند سے موت کی طرف ذہن منتقل ہو اور رات کے بعد پھر دن آتا ہے اور نیند کے بعد بیداری آتی ہے تو اس سے موت کے بعد پھر حیات کی طرف ذہن منتقل ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اصل استدلال رات سے ہی ہے تو پھر دن کا ذکر کیوں فرمایا اور یہ کہا: اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور ہر چیز کے منافع اور محاسن اس کی ضد سے ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رات سے استدلال کرتے ہوئے دن کا بھی ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں بھی رات اور دن سے استدلال فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ (حٰمٓ السجدہ: ۳۷) اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔

دن اور رات کے توارد میں وجود باری، اس کی توحید اور حشر اجساد پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں زمین کی روئیدگی اور اس کی پیداوار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی قدرت، اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا کیونکہ زمین کے احوال ہر شخص کو معلوم ہیں اور اس کی پیداوار کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے سو یہ بتایا کہ یہ غلہ اور پھل، یہ سبزہ اور یہ تناور درخت یونہی خود بہ خود نہیں کھڑے ہو گئے ان کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اور زمین کا بار بار مردہ اور بے آب و گیاہ ہونا اور پھر سبزہ اور پھلوں سے لد کر زندہ ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت کے بعد مردہ انسانوں کو بھی زندہ فرما دے گا۔

پھر انسان جس طرح زمین کی روئیدگی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اسی طرح انسان دن اور رات کے توارد کا بھی مطالعہ کرتا رہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ رات کے بعد دن آ جاتا ہے اور دن کے بعد رات آ جاتی ہے اور یہ گردش لیل و نہار، سورج کے طلوع

اور غروب پر موقوف ہے' جو ایک مقرر اور لگے بندھے معمول اور نظام کے مطابق طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے' یہ سب کچھ اتفاق سے تو نہیں ہو رہا ورنہ اس میں باقاعدگی اور تسلسل نہ ہوتا' اور نہ یہ خود بہ خود ہو رہا ہے' کیونکہ جو چیزیں ظاہری اسباب کے بغیر خود بہ خود ہو جاتی ہے وہ خود بہ خود ختم بھی ہو جاتی ہیں جیسے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں' جنگلوں میں قدرتی گھاس اور پودے خود بہ خود پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں' پھر یہ نظام اس قدر عظیم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے کہ انسان کی عقل مبہوت ہو جاتی ہے' سورج اور زمین کے درمیان حکیمانہ فاصلہ رکھا گیا ہے' سورج اگر اس فاصلہ سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا تو انسان سردی سے منجمد ہو جاتے اور اگر اس سے کم فاصلہ پر ہوتا تو شدت حرارت اور تمازت سے انسان جھلس جاتے اور مر جاتے' سو یہ فاصلہ وہی مقرر کر سکتا ہے جس کو یہ علم ہو کہ انسان کتنی سردی اور گرمی برداشت کر سکتا ہے' اسی طرح اگر سورج زمین سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا تو زمین پر غلہ اور پھل پک نہیں سکتا تھا' اور اگر کم فاصلہ پر ہوتا تو تمام کھیت اور باغات جل کر راکھ ہو جاتے' غرض سورج کو اس مخصوص فاصلہ پر وہی رکھ سکتا ہے جو نہ صرف انسانوں اور دیگر جانداروں کی موسمی قوت برداشت کا علم رکھتا ہو بلکہ وہ تمام نباتات کی موسمی برداشت کا جاننے والا ہو' اور تمام انسانوں' حیوانوں اور درختوں اور سبزہ زاروں کے مزاجوں کو جاننے والا وہی ہو سکتا ہے جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہو' اور جب انسان سورج کے طلوع اور غروب اور رات اور دن کے توارد میں غور کرے گا تو وہ یہ بھی جان لے گا بلکہ یقین کر لے گا کہ اس نظام کا ناظم بھی واحد ہے' کیونکہ اگر نظام بنانے والے متعدد ہوتے تو نظم بھی متعدد ہوتے اور جب نظم واحد ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے' نیز ہم نے اس سے پہلے یہ بتایا ہے کہ رات موت کے مشابہ ہے اور دن حیات کے مشابہ ہے اور رات کے بعد دن کو وجود میں لانا اس پر دلیل ہے کہ جس طرح وہ رات کے بعد دن لے آتا ہے اسی طرح وہ موت کے بعد حیات لانے پر بھی قادر ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم!

سورج کے مستقر (منازل) کے متعدد محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے یہ بہت غالب بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O (یٰسٓ: ٣٨)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ سورج اپنے مستقر (مقرر شدہ منزل) تک چلتا رہتا ہے' اس آیت میں مستقر کی حسب ذیل تفسیریں کی گئیں ہیں:

(١) اس مستقر سے مراد ظرف زمان ہے اور وہ قیامت تک کا وقت ہے' یعنی قیامت آنے تک سورج مسلسل چلتا رہے گا' اور قیامت آنے کے بعد سورج کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

(٢) کسی ایک خطہ زمین میں رات آنے تک سورج چلتا رہتا ہے اور جب رات آ جاتی ہے تو وہ اس خطہ زمین میں غروب ہو چکا ہوتا ہے اور کسی خطہ زمین میں اس کی حرکت شروع ہو جاتی ہے اور یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں سورج کی حرکت قیامت تک منقطع نہیں ہو گی۔

(٣) سورج ایک سال تک اپنے مستقر پر سفر کرتا رہتا ہے' اور دوسرے سال اس کا پھر نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

(٤) اس مستقر سے مراد ظرف زمان نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد ظرف مکان ہے اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(١) گرمیوں میں سورج انتہائی بلندی پر ہوتا ہے اور سردیوں میں اس کی بہ نسبت پستی پر ہوتا ہے' پس سورج گرمیوں کے موسم میں موسم گرما کے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے اور سردیوں کے موسم میں موسم سرما کے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے۔

(ب) سورج کے طلوع کی جگہ ہر روز الگ ہوتی ہے اور وہ سال کے چھ ماہ تک ہر روز درجہ بہ درجہ نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور چھ ماہ بعد پھر ہر روز پرانے مطالع کی طرف درجہ بہ درجہ سفر شروع کر دیتا ہے۔

(ج) سورج اپنے محور میں گردش کر رہا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے انتہائی حکمت اور بندوں کی مصلحت کے ساتھ اس کی گردش کا دورانیہ مقرر کیا ہے۔

(د) سال کے پہلے چھ ماہ تک سورج ہر روز کسی چیز کی سمت سے گزرتا ہے' اور اگر وہ ہر روز ایک ہی چیز کی سمت سے گزرتا تو ایک ہی جگہ مسلسل حرارت اور تمازت جذب کرنے کی وجہ سے جل جاتی اور اس زمین کے باطن میں جو رطوبتیں ہیں وہ خشک ہو جاتیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ کے لیے سورج کے الگ الگ طلوع کی جگہ مقرر کی تاکہ زمین کے باطن میں رطوبتیں جمع ہوتی رہیں اور سبزہ اور درخت برقرار رہیں پھر بہ تدریج سورج کی سمت کو ہر روز زمین کے قریب کرتا رہا تاکہ کھیتوں میں غلہ اور باغوں میں پھل پک سکیں' پھر سورج کو اس سمت سے بہ تدریج دور کرتا رہا تاکہ زمین کی پیداوار اور نباتات جل نہ جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے حد غالب اور بہت علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔

(ہ) اللہ تعالیٰ نے ہر روز سورج کے لیے ایک طلوع اور ایک غروب رکھا تاکہ دن بھی ہو اور رات بھی ہو' کیونکہ اگر مسلسل دن ہوتا اور لوگ ہمیشہ بیدار رہتے تو ان کے اعصاب تھک جاتے اور وہ مضمحل ہو جاتے' اور اگر مسلسل رات رہتی اور مستقل اندھیرا رہتا تو کاروبارِ حیات معطل ہو جاتا اور سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا یہ تورادبہت غالب اور بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۷۔ ۲۷۶ ملخصاً و موضحاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غروب کے وقت سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنا پھر اللہ سے اجازت لے کر طلوع ہونا

سورج اپنے مستقر (اپنی مقرر شدہ منزل) تک چلتا رہتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے' آپ نے فرمایا کہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے' پھر اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' پس وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے' اور پھر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے' پھر اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' سو وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے یہ معمول یونہی جاری رہے گا اور لوگ اس میں کچھ فرق نہیں محسوس کریں گے' یہاں تک کہ ایک دن جب سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا تو اس سے کہا جائے گا بلند ہو اور اپنے مغرب سے طلوع ہو' پھر صبح کو سورج مغرب سے طلوع ہوگا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جس دن کسی ایسے شخص کا ایمان قبول نہیں ہوگا جو اس سے پہلے مسلمان نہ ہو چکا ہو یا جس نے اس سے پہلے ایمان لا کر کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

حدیث مذکور کی تشریح شارحین حدیث سے

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے اور وہ عرش کے نیچے سجدہ میں گر جائے گا' اس کی تفسیر

میں مفسرین کا اختلاف ہے‘ ایک جماعت کا قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے۔

الواحدی نے کہا اس قول کی بناء پر سورج ہر روز عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور مشرق سے طلوع ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔

قتادہ اور مقاتل نے کہا وہ اپنے مقرر وقت اور میعاد مقرر تک چلتا رہے گا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا۔

زجاج نے کہا اس کے چلنے کی انتہا اس وقت ہوگی جب دنیا ختم ہو جائے گی۔

الکلبی نے کہا سورج اپنی منازل میں چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ اپنے مستقر کے آخر تک پہنچ جاتا ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا‘ اور پھر اپنی اول منازل کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اور رہا سورج کا سجدہ کرنا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمیز اور ادراک کو پیدا کر دیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۹۰۹۔۹۰۸‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں لیکن کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے یہ عقدہ حل ہو سکے کہ سورج تو کبھی غروب نہیں ہوتا اور ایک افق سے غائب ہونا اس کا بعینہٖ دوسرے افق پر طلوع ہونا ہے اور سورج مسلسل حرکت کر رہا ہے اور اس کی حرکت کبھی منقطع نہیں ہوتی اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی حرکت منقطع ہو جاتی ہے‘ اور وہ عرش کے نیچے سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو دوبارہ طلوع کا حکم دیا جاتا ہے‘ حافظ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کی شرح میں اس اشکال اور اس کے حل کا ذکر نہیں کیا البتہ ان دونوں بزرگوں نے اس اشکال کا ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ. (الکہف: ۸۶) اور اس نے سورج کو دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ سورج دلدل کے چشمہ میں غروب ہو رہا تھا اور اس حدیث میں سورج کے غروب ہونے کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر وہیں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو دوبارہ پھر پہلی جگہ سے طلوع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے‘ اور ان دونوں شارحین نے اس تعارض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں جو سورج کے غروب ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقۃً غروب ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آنکھوں سے اوجھل ہونا ہے اور منتہائے بصر مراد ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۲‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۲۰ھ‘ عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱‘ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور پر یہ اشکال کہ یہ ہمارے مشاہدے اور قرآن و حدیث ...... کی دیگر نصوص کے خلاف ہے

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ‘ علامہ الحسین بن مسعود بغوی ۵۱۶ھ‘ علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ‘ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ‘ علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ‘ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ‘ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ‘ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ‘ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ‘ سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ‘ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ‘ شیخ امین احسن اصلاحی اور دیگر متعدد مفسرین نے یٰسٓ: ۳۸‘ کی تفسیر میں صحیح مسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ سورج ہر روز غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا‘ سو وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے‘ یہ معمول یونہی جاری رہے گا حتیٰ کہ ایک دن اس سے کہا جائے گا کہ بلند ہو اور

اپنے مغرب سے طلوع ہو' الحدیث' اور تقریباً سب مفسرین نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے' اور اس حدیث پر
اشکال وارد ہوتا ہے' اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی' اور اس حدیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مشاہدہ یہ ہے کہ سورج مسلسل
حرکت کرتا رہتا ہے اور اس کا دورانیہ ۳۶۰ مشرق اور مغرب ہیں' وہ ہر روز ایک مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مغرب میں
غروب ہوتا ہے اور اس کا ایک افق میں غروب ہونا بعینہ دوسرے افق میں طلوع ہونا ہے' اور اسی سے تمام دنیا میں دن اور رات کا
تواتر اور تسلسل قائم ہے' اگر سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور تا حکم ثانی اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے تو پھر گردش لیل ونہار
میں تعطل ہو جائے گا اور یہ چیز نہ صرف مشاہدہ کے خلاف ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی دیگر تصریحات کے بھی خلاف
ہے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے تسلسل کے ساتھ دن اور رات ایک دوسرے کے بعد پیہم اور لگاتار آ
رہے ہیں' میرے مطالعہ کے مطابق صرف علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش
کی ہے' دیگر مفسرین نے اس اشکال کا ذکر کیا اور نہ اس کے حل کی کوئی کوشش کی' پہلے ہم علامہ آلوسی کے جواب کا ذکر کریں گے
پھر اس جواب پر اپنا تبصرہ کریں گے' پھر اس کے بعد ہم ان جوابات کا ذکر کریں گے' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر القاء کیا ہے'

فنقول وبالله التوفیق وبه الاستعانة یلیق۔

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے اور وہیں پڑے رہنے .... پر اشکال کا جواب علامہ آلوسی کی طرف سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے' البتہ سورج کے ہر رات سجدہ کرنے اور بغیر طلوع کے عرش کے نیچے پڑے رہنے میں اشکال ہے' کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورج ایک قوم کے پاس غروب ہوتا ہے اور دوسری قوم کے پاس طلوع ہوتا ہے' اور ایک قوم کے ہاں رات طویل ہوتی ہے اور دوسری قوم کے ہاں رات قصیر ہوتی ہے اور دن اور رات میں طول اور قصر کا اختلاف خط استواء کے پاس ظاہر ہوتا ہے' اور بلغار کے شہروں میں شفق کے غائب ہوتے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے' اور اس پر دلائل قائم ہیں کہ غروب کے وقت سورج ساکن نہیں ہوتا' ورنہ وہ طلوع کے وقت بھی ساکن ہوگا' کیونکہ اس کا ایک افق میں غروب بعینہ دوسرے افق میں طلوع ہونا ہے' نیز سورج اپنے محوز پر قائم رہتا ہے اور اس سے بالکل جدا نہیں ہوتا' پس کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک آسمان سے گزر کر دوسرے آسمان تک پہنچ جائے حتیٰ کہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علماء سے یہ سوال کیا کہ یہ احادیث صحیحہ مشاہدہ اور بداہت عقل کے خلاف ہیں' لیکن ان میں سے کوئی بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکا' پھر علامہ آلوسی نے خود اس اشکال کا جواب دیا ہے اس کی تقریر یہ ہے:

جس طرح انسان کے لیے نفس ناطقہ ہے' اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی نفوس ناطقہ ہیں' اور جب نفوس ناطقہ قوت قدسیہ کے حامل ہوں تو بعض اوقات وہ اپنے ابدان معروفہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے ابدان کی صورتوں میں متمثل ہو جاتے ہیں جیسے حضرت جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہو جاتے تھے یا اعرابی کی صورت میں متمثل ہو جاتے تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے' اس کے باوجود ان کا اپنے اصل ابدان کے ساتھ تعلق بھی برقرار رہتا ہے اور ان سے افعال بھی صادر ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ بعض اولیاء کرام سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ قوت قدسیہ کے حامل تھے ایک جگہ وہ اپنے اصلی بدن میں دکھائی دیتے تھے اور دوسری جگہ

مثالی بدن میں دکھائی دیتے تھے۔

اور یہ چیز صوفیاء کرام کے نزدیک ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا عناد اور ہٹ دھرمی ہے' جو صرف جاہل اور معاند ہی کر سکتا ہے' حیرت ہے کہ علامہ تفتازانی نے بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص اس کا اعتقاد رکھے کہ لوگوں نے ابراہیم بن ادھم کو آٹھ ذی الحجہ کو بصرہ میں دیکھا اور اسی دن ان کو مکہ میں دیکھا وہ کافر ہے (علامہ زین الدین ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اس قول کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔ البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴ طبع مصر) اس تکفیر کی یہ وجہ ہے کہ ان فقہاء کا یہ گمان ہے کہ ایک شخص کا ایک وقت میں متعدد جگہ ہونا ان بڑے معجزات کی جنس سے ہے جو ولی کے لیے بہ طور کرامت ثابت نہیں ہیں اور تم کو معلوم ہو گا کہ ہمارے نزدیک جو چیز نبی کے لیے بہ طور معجزہ ثابت ہو وہ مطلقاً ولی کے لیے بہ طریق کرامت ثابت ہے۔

اور متعدد علماء نے ثابت کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد کئی مرتبہ اجسام مثالیہ سے ظاہر ہوئے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت ہوئی حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے اور اس پر مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے (دیکھئے الاحزاب: ۴۰' روح المعانی ج ۱۲ ص ۵۲) اور یہ صحیح ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے ان کو اسی وقت چھٹے آسمان پر بھی دیکھا اور نمازوں کی تخفیف کے متعلق آپ کی ان سے طویل گفتگو ہوئی' اور یہ کسی نے نہیں کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس جسم کے ساتھ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اسی جسم کے ساتھ چھٹے آسمان پر تھے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کے علاوہ اور بھی متعدد انبیاء علیہم السلام کو شب معراج دیکھا' حالانکہ وہ اس وقت اپنی قبروں میں بھی موجود تھے۔

پس اس قیاس پر کہا جا سکتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی طرح سورج کا بھی نفس ہے اور سورج کا وہ نفس اپنے اس معروف جسم کو اپنے حال پر چھوڑ کر عرش کی طرف چڑھتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کر کے وہاں پڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے اور سورج کے اس نفس کا اس کے معروف جسم کے ساتھ اس حال میں بھی تعلق قائم رہتا ہے' اور سورج کے نفس کا عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرنا اس کے خلاف نہیں ہے کہ وہ اسی وقت بغیر کسی وقفہ اور انقطاع کے دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہے' کیونکہ طلوع اور غروب سورج کا جسم کر رہا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ اس کا نفس کر رہا ہے' اور اسی قیاس پر یہ کہا جائے گا کہ کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جاتا ہے اس کا بھی یہ معنی ہے کہ کعبہ کا جسم تو مسجد حرام میں برقرار رہتا ہے اور کعبہ کی حقیقت اور اس کا نفس اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے چلا جاتا ہے اور میں نے سورج کے سجدہ کرنے کے لیے عرش کے نیچے جانے اور مشاہدہ کے اس کے برخلاف ہونے میں کسی کی توجیہ اور تطبیق نہیں دیکھی۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۲۔ ۱۹ ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کے جواب پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک وقت میں متعدد جگہوں پر جلوہ گر ہونا احادیث سے ثابت ہے لیکن اس بناء پر یہ کہنا کہ سورج کا بھی ایک نفس ہے اور ایک جسم ہے اور اس کا نفس عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس کا جسم مسلسل طلوع اور غروب کرتا رہتا ہے محض ایک مفروضہ اور تک بندی ہے' اس کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ہے' خواہ وہ سند ضعیف سے ثابت ہو۔

نیز اس حدیث پر صرف یہ اشکال نہیں ہے کہ غروب کے وقت سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لیے جانا اور وہاں پڑے رہنا سورج کی حرکت کے تسلسل کے خلاف ہے بلکہ اشکال یہ ہے کہ سورج تو ہر وقت کسی نہ کسی جگہ دائماً غروب ہو رہا ہے تو پھر سورج کو تو مستقلاً عرش کے نیچے ہی رہنا چاہیے خواہ سورج کا جسم عرش کے نیچے رہے یا سورج کا نفس عرش کے نیچے رہے۔

ہم نے بھی شرح صحیح مسلم میں اس اشکال کا حل پیش کیا ہے اب ہم اس کو پیش کر رہے ہیں۔

سورج کے سجدہ کرنے اور سجدہ میں پڑے رہنے کی مصنف کی طرف سے توجیہ

سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں' ان سب میں یہ مذکور ہے کہ غروب کے وقت سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر اسی حالت میں پڑا رہتا ہے' حتیٰ کہ اجازت لینے کے بعد پھر واپس لوٹتا ہے اور بلند ہو کر صبح کے وقت طلوع ہوتا ہے' جب کہ مشاہدہ اور عقل صریح اس کے سراسر خلاف ہے کیونکہ سورج نہ کسی جگہ ٹھہرتا ہے نہ الٹے پاؤں واپس لوٹتا ہے بلکہ ہر آن اور ہر ساعت اس کا طلوع اور غروب دونوں عمل میں آ رہے ہیں۔ اور اس کا ایک افق میں غروب بعینہٖ دوسرے افق پر طلوع ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ اس کا حقیقی علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے' ان احادیث سے ہم جو کچھ سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے غروبِ آفتاب کو آفتاب کے سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے' لہٰذا سورج جب نصف النہار کے وقت حالت استواء پر ہوتا ہے تو اس کا یہ استواء قیام سے' زوال کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس کا ڈھلنا رکوع سے اور جب افق پر غروب ہوتا ہے تو یہ سجدہ سے مشابہ ہے اور جس افق پر سورج غروب ہوتا ہے وہ چونکہ عرش کے نیچے واقع ہے اس لیے اس کو عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے سجدہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا **فلا تزال کذالک** اس کا یہ مطلب نہیں کہ رات بھر سورج سجدہ میں پڑا رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت سجدہ (یعنی غروب) ہی میں اس سے کہا جائے گا **ارجعی من حیث جئت**' جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ' اور لوٹنے کا مطلب الٹے پاؤں واپس جانا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نظام طبعی کے تحت لوٹنا ہے' یعنی معروف طریقہ کے مطابق جس افق سے غروب ہوا ہے اس کے مقابل دوسرے افق پر طلوع ہو پھر اپنی منازل طے کرتا ہوا اس افق پر غروب ہو کر سابق افق پر طلوع ہو جائے' اس طرح اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد سورج اس افق سے پھر طلوع ہوتا ہے جس سے غروب ہوا تھا' قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو سورج جس افق سے غروب ہوا تھا اس افق پر جانب غروب سے ہی طلوع ہو جائے گا **للہ الحمد علی ما الھمنی من حل اشکال ھذا الحدیث**۔ (شرح صحیح مسلم ج ا ص ۶۴۹۔ ۶۴۸' فرید بک اسٹال لاہور)

اشکال مذکور کا مصنف کی طرف سے دوسرا جواب

اس اشکال کا ایک اور جواب میں اب پیش کر رہا ہوں اس کی تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں وجود باری تعالیٰ اور توحید باری پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور زمین کی روئیدگی اور اس کی پیداوار اور دن اور رات کے توارد سے یہ بتایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے اور اس کے احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے' اور اب اسی سلسلہ میں یہ دلیل قائم فرمائی ہے کہ اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ وضاحت فرمائی کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے' اس ارشاد میں آپ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو سورج کی پرستش کرتے ہیں' اس کو خدا مانتے ہیں اور اس کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہیں' آپ نے یہ بتایا کہ خدا تو وہ ہے جس کے احکام کی اطاعت کی جائے سورج کہاں سے حاکم ہو گیا وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہا ہے' اور وہ عبادت کا مستحق کیسے ہو گیا وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بہ سجود ہے' اور سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنا سر عرش کے نیچے رکھ کر ہماری طرح سجدہ کرتا ہے کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حسب حال ہوتی ہے' درختوں کی ساخت

حالت قیام کے مشابہ ہے وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے حالت قیام میں عبادت کر رہے ہیں چوپایوں اور مویشیوں کی جسمانی بناوٹ حالت رکوع کے مماثل ہے وہ اس طرح حالت رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' اور پہاڑوں کی ساخت قعود کے مشابہ ہے تو وہ اس طرح حالت قعود میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' اور حشرات الارض کی جسمانی بناوٹ حالت سجدہ کے مماثل ہے سو وہ اس طرح سجدہ کے کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' غرض جو چیز جس حال میں ہے وہ اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہے' جو چیزیں متحرک ہیں وہ حالت حرکت میں اس کی عبادت کر رہی ہیں اور جو چیزیں ساکن ہیں وہ حالت سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہیں' جو حقائق ناطق ہیں وہ حالت نطق میں اور جو حقائق ساکت ہیں وہ حالت سکوت میں اس کی عبادت کر رہے ہیں اور ہر چیز نے اپنی عبادت کے طریقہ کو پہچان لیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ (النور ۴۱)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق اور صف باندھے ہوئے اڑنے والے پرندے' سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز کو اس کی نماز اور اس کی تسبیح کا علم ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر چیز ہماری طرح نماز پڑھتی ہے اور ہماری طرح تسبیح کرتی ہے' بلکہ ہر چیز اپنے حسب حال نماز پڑھ رہی ہے اور تسبیح کر رہی ہے' اسی طرح سورج جو ہر روز عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور سجدہ میں پڑا رہتا ہے تاوقتیکہ اس کو دوبارہ اپنے طلوع کی جگہ سے طلوع ہونے کا حکم دیا جائے اور قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مغرب سے طلوع ہو' اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورج حقیقۃً عرش کے نیچے پڑا رہتا ہے اور نظام شب و روز معطل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ چیز مشاہدہ کے خلاف ہے اور سورج کا مسلسل ہر افق سے طلوع اور غروب اس کے تعطل کے منافی ہے' بلکہ اس حدیث کا معنی یہی ہے کہ سورج اپنے معمول کے مطابق طلوع اور غروب کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے' وہ اسی کی اطاعت میں سربسجود ہے' وہ اس طلوع اور غروب میں خود مختار نہیں ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق کر رہا ہے' اور سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورج خود یا اس کا نفس چل کر عرش کے نیچے جاتا ہے بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ عرش الٰہی تمام کائنات کو محیط ہے اور تمام افلاک' کواکب اور عناصر عرش کے نیچے ہیں' سو سورج بھی عرش کے نیچے ہے خواہ سورج کا طلوع ہو یا غروب ہو' اور حدیث میں غروب کے وقت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ غروب کا وقت ہیئت سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے' اور یہ بھی درست ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں سورج غروب ہو رہا ہے' لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سورج کے تین سو ساٹھ (۳۶۰) مطالع ہیں اور ہر روز سورج کا ایک نیا مطلع ہوتا ہے کسی بھی افق پر غروب کے بعد اس کو طلوع کا حکم دیا جاتا ہے' سو کسی مخصوص افق (مثلاً کراچی کے افق) پر اس کو ہر روز طلوع کا حکم دیا جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر روز سورج کا اس افق پر نئے مطلع سے طلوع ہونا یہی سورج کی عبادت ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز اپنے جس حال میں ہے خواہ وہ حالت حرکت میں ہے یا حالت سکون میں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہے' سو سورج حالت حرکت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے' اور سورج کا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام پر عمل کرنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہی اس کی عبادت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبادت کو سجدہ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا زیادہ اظہار سجدہ میں ہوتا ہے' کیونکہ عبادت معبود کے سامنے اظہار تذلل کو کہتے ہیں اور اقصیٰ غایت تذلل سجدہ میں ہوتا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ ہمیں اپنی آنکھوں سے اس کائنات میں جو

سب سے عظیم اور قوی چیز دکھائی دیتی ہے وہ سورج ہے اور یہ عظیم ترین چیز بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سجدہ ریز ہے تو عام انسانوں کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے انہیں اس کی کس قدر اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔ والحمد للہ رب العٰلمین!

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت (یٰسٓ: ۳۸) اور حدیث مذکور پر میں نے بہت مطالعہ کیا' بے حد غور و فکر کیا اور میں نے ان کا مطلب اسی طرح سمجھا ہے جس طرح ذکر کیا ہے' اور اشکال مذکور کو دور کرنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے اگر یہ حق و صواب ہے تو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے اور اگر اس میں نقص اور قصور ہے تو دراصل یہ میری عقل کا نقص اور میری فہم کا قصور ہے' اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں!!

چاند کی منازل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے O (یٰسٓ: ۳۹)

چاند کی ۲۸ (اٹھائیس) منزلیں ہیں' یہ روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے' پھر ایک یا دو راتوں تک اس کا ظہور نہیں ہوتا اور ۲۹ یا تیس دن کے بعد اس کا ظہور ہو جاتا ہے' چاند جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو وہ بالکل باریک اور چھوٹا دکھائی دیتا ہے' جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے' چاند کی اس گردش کی وجہ سے زمین پر رہنے والے اپنے دنوں' مہینوں اور سالوں کا حساب کرتے ہیں اور اپنی مخصوص عبادات کا تعین کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۔ (البقرہ: ۱۸۹)

لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے' بڑھنے) متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے یہ لوگوں (کی عبادات) کے اوقات اور حج کے (تعین) کے لیے ہے۔

اس آیت میں العرجون کا لفظ ہے' عرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں خوشے لگتے ہیں یہ ٹہنیاں خشک ہونے کے بعد ٹیڑھی ہو کر بالکل ایسی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو ابتدائی اور آخری تاریخوں میں چاند کی شکل ہوتی ہے' اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو چاند کی پرستش کرتے ہیں کہ تم چاند کو مستحق عبادت قرار دیتے ہو اور تم اس چاند کو سارے جہان کا موجد اور مربی سمجھتے ہو اور اس کا آمر اور مطاع کہتے ہو حالانکہ یہ آمر نہیں مامور ہے' مطاع نہیں مطیع ہے' اس کو جس طرح منزل بہ منزل سفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس حکم کی تعمیل میں محو سفر ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے لکھا ہے:

اس آیت میں منازل کا لفظ ہے یہ منزل کی جمع ہے اور منزل کا معنی ہے نزول کی جگہ' اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند دونوں کی رفتار کی خاص حدود مقرر فرمائی ہیں' سورج کی تین سو ساٹھ یا تین سو پینسٹھ منزلیں ہیں وہ ایک سال میں ان منازل کو طے کرتا ہے اور پھر شروع سے اپنا دور شروع کر دیتا ہے' سورج بھی اپنے محور میں گردش کرتا ہوا اپنی منازل کو طے کرتا ہے' چاند اپنا دورہ ہر ماہ میں مکمل کر لیتا ہے' لیکن چاند ہر ماہ میں ایک یا دو دن نظر نہیں آتا اس لیے چاند کی اٹھائیس منزلیں کہی جاتی ہیں' زمانہ جاہلیت میں عربوں نے ستاروں کے نام پر ان اٹھائیس منزلوں کے نام رکھ دیئے تھے اور ان کو بارہ برجوں پر تقسیم کر دیا تھا' چاند کی اٹھائیس منزلوں کے عربوں نے حسب ذیل نام رکھے تھے:

(۱) سرطان (۲) بطین (۳) ثریا (۴) دبران (۵) ھقعہ (۶) ھنعہ (۷) ذراع (۸) نثرہ (۹) طرف (۱۰) جبہہ (۱۱) خراتان (۱۲) صرفہ (۱۳) عواء (۱۴) سماک (۱۵) غفر (۱۶) زبنیان (۱۷) اکلیل (۱۸) قلب (۱۹) شولہ (۲۰) نعائم (۲۱)

بلدہ (۲۲) سعد الذابح (۲۳) سعد بلع (۲۴) سعد السعود (۲۵) سعود الاخبیہ (۲۶) الفرغ المقدم (۲۷) الفرغ المؤخر (۲۸) بطن الحوت۔

چاند ان منازل کو اٹھائیس راتوں میں طے کرتا ہے اور آخری منزل میں پہنچنے کے بعد وہ ایک یا دو دن نظر نہیں آتا پھر باریک سا ہلال کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور حسب سابق پہلی منزل سے سفر شروع کر دیتا ہے' یہ اٹھائیس منزلیں بارہ برجوں پر تقسیم کر دی گئیں ہیں اور ہر برج کے لیے دو اور ایک تہائی منزل ہے' مثلاً برج حمل کے لیے سرطان' بطین اور ثریا کا ایک تہائی ہے اور برج ثور کے لیے دو تہائی ثریا' دبران اور دو تہائی ہقعہ ہے' علیٰ ہذا القیاس۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۲۹' دارالفکر بیروت' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۴۔۲۳' دارالفکر بیروت)

بروج کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی دیگر تفصیلات ہم نے الحجر: ۱۶ میں لکھ دی ہیں۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۶ ص ۲۵۳۔۲۵۲۔

سورج اور چاند میں سے کسی کا دوسرے پر سبقت نہ کرنا

اس کے بعد فرمایا: نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ (یٰسۤ: ۴۰)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حکمت کے موافق پیدا کیا ہے لہٰذا سورج اتنی تیز حرکت نہیں کر سکتا کہ چاند کو پکڑ لے ورنہ ایک ماہ میں گرمی اور سردی کے دو موسم اکٹھے ہو جائیں اور پھل پک کر تیار نہ ہو سکیں اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے' یعنی نہ رات دن کے وقت میں داخل ہو سکتی ہے۔

سورج کے غروب ہونے کے وقت چاند طلوع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب کے وقت چاند غروب ہو چکا ہوتا ہے' سورج کی حرکت ہر دن میں ایک درجہ ہوتی ہے' سال اور مہینہ کی حرکت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ہر سیارہ میں ایک حرکت پیدا کی ہے' اور یہ اس کے ہر دن کا ایک دورہ ہے اور اس دورہ میں ہر سیارہ دوسرے سیارہ پر بالکل سبقت نہیں کرتا' کیونکہ ہر سیارہ جب طلوع ہوتا ہے تو اس کا مقابل سیارہ غروب ہو جاتا ہے' اس وجہ سے چاند سورج پر سبقت نہیں لے سکتا اور جب چاند سورج پر سبقت نہیں کر سکتا تو رات دن سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورج میں یہ قوت نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے' یا سورج چاند کے مدار میں داخل ہو کر اس سے ٹکرا جائے' اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ سورج رات کے وقت میں طلوع ہو جائے اور دن کے وقت میں چاند طلوع ہو جائے' نہ کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت مقرر سے پہلے رات آ جائے یا رات کے وقت مقرر سے پہلے دن آ جائے

قدیم فلاسفہ کے مطابق ہر سیارہ کا اپنے مدار میں گردش کرنا

اس کے بعد فرمایا: اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے' یٰسۤ: ۴۰' الانبیاء: ۳۳ میں ہم نے اس کی بہت زیادہ تفسیر کی ہے' تاہم اس کا کچھ حصہ ہم یہاں بھی نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس آیت کی تفسیر پڑھنے والوں کو بھی کچھ معلومات میسر ہوں۔

اصل میں فلک ہر دائرہ اور گول چیز کو کہتے ہیں' اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے اس کو فلکۃ المغزل کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان کو بھی فلک کہہ دیا جاتا ہے' یہاں فلک سے مراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جن پر وہ گردش کرتے ہیں' قرآن اور حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا خلا میں ہیں' قدیم فلاسفہ یہ کہتے تھے کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں وہ کہتے تھے کہ پہلے آسمان میں قمر کی مدار ہے اور دوسرے میں عطارد کی مدار ہے' تیسرے آسمان میں

زہرہ کی مدار ہے' اور چوتھے آسمان میں سورج کی مدار ہے' پانچویں آسمان میں مریخ کی مدار ہے' اور چھٹے آسمان میں مشتری کی مدار ہے اور ساتویں آسمان میں زحل کی مدار ہے' یہ سات کواکب سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) ہیں' ان کے بعد آٹھواں آسمان ہے جس کو فلک اطلس اور فلک البروج کہتے ہیں' فلک اطلس میں وہ ستارے ہیں جو ثوابت ہیں اور گردش نہیں کرتے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو ہم کو یہاں پر زمین سے نظر آتے ہیں' ان ستاروں کی ہیئت اجتماعیہ سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں جن کے نام پر بارہ برج فرض کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت' اس وجہ سے اس آسمان کو فلک البروج بھی کہتے ہیں اور نواں آسمان فلک اعظم ہے' علماء شرع کے نزدیک سات آسمان ہیں' وہ فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق کے لیے آٹھویں آسمان کو کرسی اور نویں آسمان کو عرش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تفصیل قدیم فلسفہ کے مطابق ہے' اب حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں' چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور کوئی سیارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں ہے اور زمین سمیت تمام سیارے خلاء کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور جب خلا نورد چاند پر پہنچے تو ان کو زمین بھی چاند کی طرح ایک روشن گولے کی طرح نظر آئی۔

ہر سیارہ کی اپنی گردش کے متعلق سائنس کی تحقیق

ہماری زمین کے گرد چاند گردش کر رہا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ یہ دراصل بڑے سیارے یا ستارے کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاند کی گردش کا مرکز زمین ہے اور زمین کی گردش کا مرکز سورج ہے اسی طرح سورج کسی اور بڑے مرکز کے گرد مصروف گردش ہے۔ جب ہم زمین پر کوئی چیز پھینکتے ہیں تو وہ تھوڑی دور جا کر گر جاتی ہے اور اگر زور سے پھینکی جائے تو وہ اور دور جا کر گرے گی۔ اس کی مثال پانی کے فوارہ کی ہے کہ اگر ٹیوب کے ذریعہ اسے زمین کے متوازی چھوڑا جائے تو وہ ایک گولائی کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر پانی کو اور زیادہ دباؤ سے چھوڑا جائے تو گولائی لمبائی میں زیادہ نظر آنے لگے گی۔

پانی کی یہ خود بخود گولائی کا بن جانا دراصل زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے کیونکہ زمین اپنی کشش ثقل کی وجہ سے ہر چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ زمین چونکہ گول ہے اس لیے اگر کسی پتھر یا چیز کو زمین کے متوازی (Horizontly) اس رفتار سے پھینکا جائے کہ اس پتھر کے گرنے کا عمل زمین کی گولائی کے مطابق بن جائے تو وہ پتھر زمین پر نہیں گرے گا بلکہ زمین کے ارد گرد گردش کرنے لگے گا۔ دراصل پتھر ہر لحہ زمین پر گرے گا مگر زمین گول ہونے کی وجہ سے اور پتھر بھی خاص رفتار کی طرف سے زمین کی گولائی کے متوازی ہر لحہ جھکے گا۔ آج کل کے سائنسدانوں نے زمین کے گرد جو سیارے (Satellites) بلندی پر چھوڑے ہیں وہ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر چھوڑے ہیں تا کہ زمین کے اوپر بلندی پر ہوا ان کی رفتار پر اثر انداز نہ ہو بلکہ ایک ہی رفتار (Orbital Velocity) برقرار رہے جس رفتار سے ان کو راکٹ کے ذریعے چھوڑ گیا ہے۔

چاند بھی زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہر لحہ اس کے مرکز کی طرف گرتا ہے مگر چاند کی خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے زمین کی بلندی پر اس کی خاص کشش ثقل کی وجہ سے زمین کے گرد اس کا مدار (Orbit) بن جاتا ہے۔ جو کہ تقریباً گول ہے اور اس گولائی پر ہر دوسرا نقطہ پہلے نقطہ سے نیچا ہوتا ہے۔ دائرے پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کا یہ فرق یا جھکاؤ (Fall of Curve) زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے

ہوتا ہے۔ کشش ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار (Orbital Velocity) بھی سطح زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے۔

کسی چیز کو سورج کے کسی سیارہ (Planet) کے گرد چلانے (Orbiting) کے لیے خاص بلندی (Particular Height) پر خاص رفتار (Particular Orbital Velocity) اور خاص سمت (Particular Direction) اس بلندی پر بڑے سیارہ کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کے پیش نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی اصول سے سورج کے گرد سیارے گردش کر رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سیارے سورج کے مرکز کی طرف ہر لحہ گرتے ہیں یا جھکتے ہیں مگر خاص بلندی پر خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے اور اس بلندی پر اثر انداز سورج کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کی وجہ سے اپنے دائرے (Orbit) میں جھکتے چلے جاتے ہیں اور دائرہ برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سیاروں کو جو سورج کے گرد متحرک ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلا میں خاص حساب سے بنایا ہے یہ بغیر حساب کے نہیں بن گئے یا خود بخود نہیں بن گئے۔ اگر ان کی رفتار مقررہ حساب سے بہت زیادہ ہوتی تو یہ سورج کی کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے یعنی Escape Velocity اختیار کر لیتے اور کسی دیگر ستارے سے منسلک ہو جاتے۔ لہٰذا یہ سیارے خلا میں مختلف بلندیوں پر بڑے حساب سے بنائے گئے ہیں اور یہ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے نازل کردہ قرآن مجید کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۔ (الزمر ۵)

اس نے آسمان اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے' سنو وہی غالب' بہت بخشنے والا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۔ (الرحمٰن ۵)

سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔

فلکیاتی سائنس کی اصطلاح میں ان کو گرتے ہوئے اجسام یعنی (Falling Bodies) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں جو اور سیارے یا ستارے متحرک ہیں وہ ایک مرکز کے گرد مصروف گردش ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ اپنے مرکز کی طرف جھکتے ہیں' یہ ستارے یا تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش (مرکز) کے گرد متحرک ہیں جس کا قطر یا وسعت تقریباً ۳۲ ارب میل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔ (فاطر ۴۱)

بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے رکھتا ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں (اپنے محور سے ہٹ نہ جائیں) اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو تھام سکے' بے شک وہ بہت بردبار اور بہت بخشنے والا ہے۔

زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) نے چاند کو پکڑے رکھا ہے کہ چاند زمین کی طرف گرتا ہے مگر اس کی خاص رفتار کی وجہ سے اس کا ہر لحہ جھکاؤ زمین سے چاند کی اونچائی پر دائرے کے مطابق ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا بلکہ اس کے گرد گردش میں مصروف ہے۔ اسی طرح زمین یا دیگر سیارے سورج کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے اس کے گرد مصروف گردش ہیں۔ سورج ایک اور مرکز کے گرد اس مرکز کی کشش ثقل کی وجہ سے چکر لگا رہا ہے اور ایک ستارہ

کسی اور دوسرے طاقتور ستارے کے گرد حتیٰ کہ آخری ستارہ یا ستارے اللہ تعالیٰ کے زبردست طاقت والے عرش یا مرکز نور کے گرد مصروف گردش ہیں۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ مرکز نور یا اللہ تعالیٰ کا عرش کس قدر طاقت سے بھرپور ہے کہ وہ تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. (یٰسٓ: ۳۸) اور سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے' یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو بہت غالب بہت علم والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ. (الانبیاء: ۳۳) اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ سورج کی طرح دوسرے ستارے بھی ایک مرکز کے گرد متحرک ہیں۔ جو ستارے مرکز سے دور ہیں ان کی رفتار مشاہدہ میں بہت زیادہ ہوگی اور جوں جوں ستارے مرکز (عرش) کے نزدیک آتے جائیں گے ان کی رفتار کم نظر آئے گی۔ یہ زاویہ نما رفتار (Angular Velocity) کی وجہ سے ہوگی۔ اس کی مثال سائیکل کے پہیے کی سی ہے کہ اس کے ایکسل (Axle) کی رفتار کم ہوگی جب کہ ایکسل (مرکز) سے باہر کی طرف رم (Rim) کی رفتار بہت زیادہ ہوگی۔ ماہرین فلکیات کے مشاہدہ کے مطابق جو کہکشائیں بہت دور ہیں وہ بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہیں اور جو نزدیک ہیں ان کی رفتار کم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش یعنی مرکز نور کے گرد متحرک ہے۔

(قرآن اور کائنات ص ۱۲۳۔۱۱۶ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا O اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں O اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر ان کا کوئی فریاد رس نہیں ہوگا' اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا O سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحمت ہو اور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو O (یٰسٓ: ۴۴۔۴۱)

بنیادی ضروریات اور سہولت اور تعیش کی نعمتیں

ان آیتوں کی سابقہ آیتوں سے مناسبت حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یٰسٓ: ۳۳ میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا تھا: اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر صرف یہ احسان نہیں ہے کہ اس نے زمین میں اور خشکی پر ان کے زندہ رہنے کے لیے غلہ اور پھل پیدا کیے ہیں' بلکہ اس کا ان پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کے ذرائع اور وسائل پیدا کیے تاکہ انسان اپنے رشتہ داروں اور احباب سے ملنے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکے اور تجارت اور ملازمت کے لیے سفر کر سکے' اب تو ہوائی سفر کی سہولت ہے' لیکن ایک زمانہ تھا کہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقے تک جانے کے لیے کشتی کے علاوہ کوئی اور سفر کا ذریعہ نہ تھا' کیونکہ اگرچہ زمین پر غلہ اور پھل ہوں لیکن ان کے حصول کے لیے انسان کے پاس رقم نہ ہو تو وہ اپنی حیات کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے غلہ اور پھل حاصل نہیں کر سکتا اور رقم کا حصول یا

تجارت سے ہوتا ہے یا ملازمت سے یا صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ سے' اور بعض اوقات اس کے لیے سفر ناگزیر ہوتا ہے اور اگر دریا پار جانا ہو یا سمندر پار جانا ہو تو پھر انسان کشتی کے ذریعہ ہی سفر کرسکتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسان کے سفر کرنے کے لیے کشتیوں کو پیدا کرنا بھی اس کا بہت بڑا احسان ہے' کیونکہ جس طرح بعض اوقات زندہ رہنے کے لیے کھانا ضروری ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات کھانے کے اسباب کے حصول کے لیے سفر بھی ضروری ہوتا ہے اور دریائی اور سمندری سفر کے لیے صرف کشتی ہی سہل الحصول ذریعہ ہے' خصوصاً جزائر میں تو آج کل بھی کشتی کے بغیر سفر ناممکن ہے' سو کشتیوں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا بہت بڑا احسان ہے۔

(۲) یٰسٓ: ۴۰ میں یہ فرمایا تھا کہ ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کشتیاں سمندروں میں تیر رہی ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان میں سے بعض ایسی ہیں جو بہت ضروری ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے جن پر زندگی بسر کرنا اور زندہ رہنا موقوف ہے' اور بعض نعمتیں ایسی ہیں جو آسانی اور سہولت کے لیے ہیں اور زیب وزینت کے لیے ہیں' مثلاً آج کل کے اعتبار سے کسی کی ماہانہ آمدنی اتنی ہو کہ وہ خود اور اپنے اہل وعیال کو صبح کا ناشتہ اور دو وقت کا کھانا کھلا سکے' تین چار جوڑے کپڑے ہوں' علاج معالجہ کے لیے' گیس اور بجلی کا بل ادا کرنے کے لیے پیسے ہوں' ماہانہ کرایہ ادا کرنے کے لیے رقم ہو' سودا سلف لانے کے لیے سائیکل ہو' بچوں کی تعلیم کی فیس ادا کرنے کے لیے پیسے ہوں' دھوبی کی دھلائی حجامت اور صابن تیل وغیرہ کے اخراجات ادا کرنے کے لیے رقم ہو' تو یہ وہ ضروریات زندگی ہیں جن کے بغیر اس دور میں کوئی چارہ کار نہیں ہے اور ہر شخص ان معمولات میں اپنے طبقہ اور اپنی آمدنی کے اعتبار سے کمی بیشی کر کے گزارہ کرسکتا ہے' سو جس شخص کی اتنی آمدنی ہو جس سے وہ اپنی زندگی کی ان بنیادی ضروریات کو پورا کرسکے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے بہ قدر ضرورت نعمتیں عطا فرمادی ہیں' اور جس شخص کی آمدنی اس سے زیادہ ہو جس سے وہ ذاتی مکان خرید سکے' گھر میں بجلی کے پنکھے اور ائیر کنڈیشن چلا سکے' ٹیلی فون' کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت رکھ سکے' بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکے' بیماری میں ہر مرض کے اسپیشلسٹ سے علاج کرا سکے' اس کا اپنا ذاتی کاروبار ہو یا اٹھارہ' انیس گریڈ کی ملازمت ہو تو یہ نچلے طبقہ کے اعتبار سے سہولت کی اور پر تعیش زندگی ہے' اور درمیانی طبقہ کے اعتبار سے یہ بنیادی ضروریات کی حامل زندگی ہے' اسی طرح بہ تدریج سہولت اور تعیش کا معیار بڑھتا جاتا ہے اور بہرحال یہ نعمتیں قدر ضرورت سے زائد ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بہ قدر ضرورت نعمتیں عطا کیں اور بعض انسانوں کو اس سے زائد نعمتیں عطا کی ہیں جن سے وہ سہولت اور تعیش کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں نازل فرمائیں ان کا تعلق انسان کی بنیادی ضروریات زندگی اور حوائج اصلیہ سے ہے مثلاً یہ آیتیں ہیں:

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ. (یٰسٓ: ۳۳)

اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں۔

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ نہ کرتا اور اس کو بارش کے ذریعہ زرخیز نہ بناتا تو انسان کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا' اسی طرح درج ذیل آیت میں بھی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے' فرمایا:

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے' ہم اس سے دن کھینچ

مُّظۡلِمُوۡنَ ۝ وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ (یٰسٓ: ۳۸۔۳۷) لیتے ہیں تو یکا یک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔

کیونکہ انسان اپنے وجود میں ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کا محتاج ہے' اگر اس کے رہنے کے لیے کوئی جگہ نہ ہوتی تو وہ کس طرح رہ سکتا تھا اور اگر زمانہ نہ ہوتا تو وہ اپنے کھانے پینے' سونے جاگنے' چلنے پھرنے اور دوسرے معمولات کا تعین کیسے کرتا وایة لهم الارض میں مکان اور جگہ کی نعمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا' وایة لهم الیل میں وقت اور زمانہ کی نعمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا اور حسب ذیل آیت میں اس نعمت کا ذکر ہے جس کا تعلق سہولت' تعیش اور زیب وزینت کے ساتھ ہے' فرمایا:

وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ وَّفَجَّرۡنَا فِیۡهَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ۔ (یٰسٓ: ۳۴) اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ان میں ہم نے کچھ چشمے جاری کر دیئے۔

روٹی اور چاول وغیرہ کھانا بھوک دور کرنے اور رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے ہوتا ہے' یہ نعمتیں حوائج اصلیہ اور بنیادی ضروریات سے ہیں اور میوے اور پھل وغیرہ کھانا تلذذ اور توانائی کے حصول کے لیے ہوتا ہے اور یہ نعمتیں تعیش اور سہولت کے قبیل سے ہیں۔ اور جن زیر تفسیر آیتوں کی ہم آیات سابقہ سے مناسبت بیان کر رہے ہیں ان میں بھی اسی نوع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے:

وَاٰیَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَهُمۡ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۝ وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا یَرۡكَبُوۡنَ ۝ (یٰسٓ: ۴۲۔۴۱) اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا ○ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

کیونکہ سفر کے لیے کشتیوں کی اور دیگر سواریوں کی نعمتیں سہولت اور زیب وزینت کی قسم سے ہیں' اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَی الۡفُلۡكَ فِیۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝ (فاطر: ۱۲) اور یہ سمندر ایک جیسے نہیں یہ سمندر میٹھا ہے' پیاس بجھاتا ہے اس کا پینا خوش گوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے' تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور ان سے پہننے کے لیے زیورات نکالتے ہو اور آپ سمندر میں پانی کو چیرنے والی بڑی کشتیاں دیکھتے ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

وَّالۡخَیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِیۡنَةً ؕ وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (النحل: ۸) اس نے گھوڑوں کو' خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں' اور وہ تمہارے لیے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ یٰسٓ کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی دو قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق حوائج اصلیہ اور بنیادی ضروریات سے ہے اور دوسری وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق سہولت اور وسعت اور عیش وعشرت سے ہے۔

انسانوں کو کشتی کے ذریعہ سفر کی سہولت عطا کرنے کی خصوصی نعمت

اس آیت میں ہے حملنا ذریتھم' ہم نے ان کی ذریت کو سوار کر دیا' علامہ راغب اصفہانی ذریت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الذرء کا معنی ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کو ظاہر کرنا' اور ذریت کا معنی ہے کم سن اولاد' اور عرف میں اس کا اطلاق تمام چھوٹی اور بڑی اولاد پر ہوتا ہے اور واحد اور جمع اس کا استعمال سب کے لیے ہوتا ہے' اور اصل جمع ہے' قرآن مجید میں ہے:

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ. (آل عمران: ٣٤) یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں۔

(المفردات ج ١ص ٢٣٧۔ ٢٣٦' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٨ھ)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ٥٣٨ھ لکھتے ہیں:

حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے' آپ نے قتل کی ہوئی ایک عورت کو دیکھا تو فرمایا افسوس ہے یہ کسی کو قتل کرنے والی تو نہ تھی' خالد سے مل کر اس سے کہو کہ وہ نہ کسی ذریت کو قتل کرے اور نہ کسی مزدور کو' اس حدیث میں ذریت کا اطلاق عورت پر کیا گیا ہے۔

(الفائق ج ١ص ٣٩٦۔ ٣٩٥' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ٧٥٤ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ ذریت سے مراد بیٹے اور ان کی نسل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ذریت کا اطلاق ابناء اور آباء دونوں پر ہوتا ہے' یہ ابوعثمان کا قول ہے اور ابن عطیہ اندلسی نے کہا یہ دو معنوں کو خلط ملط کرنا ہے' اور یہ معنی لغت میں معروف نہیں ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے آباء و اجداد کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کرایا تھا' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کا قول ہے۔ (البحر المحیط ج ٩ص ٦٩' دار الفکر بیروت' ١٤١٢ھ)

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نہ ہو بلکہ جنس کشتی ہو اور اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ عزوجل نے اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہو کہ جن بچوں اور کمزور انسانوں کا سفر کرنا مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی میں سوار کرا دیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول پہلی تفسیر کی بناء پر اہل مکہ کے آباء پر ذریت کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی آباء سے یہ ذریت وجود میں آئی ہے' اور علامہ ماوردی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ ذریت سے مراد نطفے ہیں اور بھری ہوئی کشتی سے مراد عورتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے پیٹوں میں ان کے نطفوں کو ڈال دیا' اور وہ ان سے حاملہ ہو گئیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٥ص ٣٣' دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

عیش و آرام کے حال میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں۔ (یٰس: ٤٢)

مفسرین نے کہا ہے کہ کشتی کی مثل سے مراد اونٹ ہیں کیونکہ اونٹ بھی صحرائی جہاز ہیں' اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ پر قیامت اور حشر و نشر کی صحت پر دلیل قائم کی جائے' اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد حیات پر پہلے

مردہ زمین کو زندہ کرنے سے استدلال فرمایا کیونکہ زمین کی پیداوار ان کی مادی حیات کا سبب ہے، پھر یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہواؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا اور ان میں کشتیوں اور بحری جہازوں کو رواں دواں کر دیا جن میں بیٹھ کر وہ تجارتی سفر کرتے ہیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ٧٠)

اور بے شک ہم نے بنی آدم کو بہت عزت دی ہے اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سفر کی سواریاں دی ہیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا ہے اور ان کو ہم نے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

قدیم زمانہ میں انسان اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، گدھوں اور بیل گاڑیوں پر سفر کرتے تھے اور اب ٹرینوں، بسوں، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں اور دخانی کشتیوں کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔

اگر یہ شبہ ہو کہ کشتیوں، بحری جہازوں اور ایٹمی آب دوزوں کو تو انسان نے بنایا ہے تو اس کا ازالہ اس طرح ہوگا کہ خود انسان کو کس نے بنایا ہے اور اس کو عقل اور فہم و فراست کس نے عطا کی ہے وہ اللہ ہی تو ہے جس نے نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دیا اور اس کو ایسی عقل اور فہم عطا فرمائی جس سے کام لے کر وہ ایسی عجیب و غریب اشیاء بنا رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پھر ان کا کوئی فریادرس نہیں ہوگا اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا ○ سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحمت ہو اور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو ○ (یٰسٓ: ٤٤-٤٣)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت اور بقاء کے مادی سہاروں پر غرور نہ کرے، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے آن کی آن میں انسان کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے، کسی شہر کو مضبوط ترین بنیادوں پر اٹھایا جاتا ہے اچانک زلزلہ آتا ہے اور سارا شہر ملیا میٹ ہو جاتا ہے، یا سمندری طوفان آتا ہے اور تمام مکان تہس نہس ہو جاتے ہیں، اس آیت میں دہریوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کشتیاں سمندروں میں اپنی طبعی تقاضوں سے چلتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کشتیوں کو غرق کر دے، ان کشتیوں اور جہازوں کا سمندروں میں غرق نہ ہونا ان کے مادے اور ان کی طبیعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے۔

ان آیتوں میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب انسان عیش و آرام میں ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب سے بے خوف اور غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ گزشتہ امتوں کے کافروں کا طریقہ تھا وہ دنیاوی عیش و آرام میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل رہتے تھے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے اور اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہتے تھے پھر اچانک وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتے تھے، اسی طرح جو لوگ دخانی کشتیوں اور بحری جہازوں میں امن اور اطمینان سے سفر کر رہے ہوں وہ اچانک کسی سمندری طوفان کی لپیٹ میں آ جائیں یا جو کسی ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہوں، وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں، انسان کسی نعمت کی قدر اسی وقت کرتا ہے جب وہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے، اور صحت اور عافیت کی نعمت کی اہمیت اسی وقت اس کو معلوم ہوتی ہے جب وہ بیماری اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عارفین نے یہ کہا ہے کہ بھری ہوئی کشتی میں انسان کو سوار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیاوی عیش و آرام اور لذتوں کے سمندر میں سوار کر دیا ہے اور مسلمانوں کو احکام شریعت کی کشتی میں سوار کر دیا ہے اور اپنے اولیاء کو اسرار حقیقت کی معرفت کے سمندر میں سوار کر دیا ہے، نفسانی خواہشوں کی موجیں ان کی خواہشوں سے ٹکراتی ہیں سو جو احکام شریعت پر عمل

کرنے کی کشتی میں سوار نہیں ہوتے یا جن کی کشتی ان کی خواہشوں کی موجوں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی ہے وہ ڈوب جاتے ہیں' ان کا کوئی فریاد رس نہیں ہوتا اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس پر غور نہیں کرتے) O اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس کو کھلائیں جس کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو O

(یٰسٓ: ۴۵۔۴۷)

سامنے اور بعد کے عذاب کے متعدد محامل

یٰسٓ: ۴۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' جبیر اور مجاہد نے کہا تم اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں پر اللہ کے عذاب سے ڈرو اور آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچو اور نیکی کے کام کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اور قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے تم اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلی قوموں پر ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے آیا تھا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو اور ایمان لے آؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اور جب ان کو یہ نصیحت کی جاتی تو وہ اس نصیحت سے اعراض کرتے' اس جملہ کو ذکر نہیں کیا گیا اور اس پر دلیل آیت: ۴۶ ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O

اس آیت میں نشانیوں کے لیے آیات کا لفظ ہے' اس آیت میں آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور آیات سے مراد وہ معجزات اور دلائل بھی ہو سکتے ہیں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اپنی نبوت پر بہ طور دلیل پیش کرتے تھے' یعنی وہ عقلی دلائل سے نصیحت حاصل کرتے تھے اور نہ حواس سے کوئی بات سمجھتے تھے۔

اللہ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کی تفصیل

یٰسٓ: ۴۵ میں مشرکین سے یہ کہا گیا تم اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد ہے' یعنی موت کے وقت جس عذاب کا خطرہ ہے اس سے ڈرو اور موت کے بعد آخرت میں جس عذاب کا خطرہ ہے اس سے ڈرو' اور اس عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر اور اس کی ذات اور صفات پر ایمان لاؤ اور شرک اور کفر کو اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو ترک کر دو تا کہ تمہارے سامنے اور تمہارے آگے جس عذاب کا خطرہ ہے تم اس عذاب سے محفوظ ہو جاؤ' سو اس آیت میں ان کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجا لانے کا حکم دیا گیا اور یٰسٓ: ۴۶ میں ان سے یہ کہا گیا کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں' سو اس آیت میں ان کو مخلوق پر شفقت کرنے کا حکم دیا گیا اور تمام احکام شرعیہ کا رجوع ان ہی دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے' خالق کی تعظیم کرنا اور مخلوق پر شفقت کرنا' یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرنا' اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور دن رات اس کی عبادت کر کے اس کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں اور اس کی مخلوق پر اس کے حکم کے مطابق شفقت اور مہربانی کرتے ہیں' زکوٰۃ' صدقات واجبہ اور نفلی صدقات ادا کرتے ہیں' اور بعض بندگان راہِ خدا تو اپنی ضرورت سے زائد ہر چیز دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں' اور ان کفار اور مشرکین نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی عبادت کے لیے کفر اور شرک کو ترک کیا اور تقویٰ کو اختیار کر کے اپنی موت کے وقت اور آخرت کے عذاب کو ٹالنے کی کوشش کی' اور نہ غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر خرچ کر کے ان پر شفقت کے اظہار کے لیے کوئی

اقدام کیا حالانکہ اگر یہ خالق کی تعظیم کرتے یا مخلوق پر شفقت کرتے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ ان ہی کا فائدہ تھا کہ وہ اس عمل سے موت کے وقت اور آخرت کے عذاب سے بچ جاتے' اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم کرنے سے مستغنی ہے اس کی تعظیم کرنے کے لیے ملائکہ' انبیاء اور اولیاء بہت ہیں' اسی طرح اگر وہ مخلوق پر شفقت نہ کریں اور مسکینوں اور ناداروں کی ضروریات پوری نہ کریں تو اس سے ان کو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا' ان کے رزق اور ان کی ضروریات کا اللہ تعالیٰ کفیل اور ضامن ہے' پتھر کے نیچے جو کیڑا ہے وہ اس کو بھی روزی فراہم کرتا ہے' اگر تونگر اور خوش حال کسی مفلس اور بدحال کی امداد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کے دل میں اس کی امداد کی تحریک پیدا کر دیتا ہے اور کوئی اور شخص اس کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔

خرچ کرنے کی ترغیب میں عقلی وجوہات

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں' اس حکم میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غریبوں پر اپنی سب چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے' پھر تمہارے لیے اس حکم پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے' مشکل تو تب ہوتی جب تمہیں اپنا سارا مال ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا اگر تم چالیس چیزوں میں سے ایک چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو تم کو کیا فرق پڑے گا۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ تمہیں اللہ کی دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے' تمہاری اپنی چیزوں میں سے کوئی چیز خرچ کرنے کا تمہیں حکم نہیں دیا' جو شخص اپنی چیز میں سے خرچ نہ کرے وہ بخیل ہوتا ہے تو جو شخص دوسرے کی دی ہوئی چیز میں سے خرچ کرنے سے بھی بخل کرتا ہو اس کے بخل کا کون اندازہ کر سکتا ہے! پھر یہ بھی تو سوچو کہ تمہاری کوئی اپنی چیز ہے بھی! جب تم دنیا میں آئے تو کیا لے کر آئے تھے' تمہارے بدن پر تو کپڑے کا ایک تار بھی نہ تھا' اب جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے اور وہ اپنے دیئے میں سے سب نہیں صرف بعض مانگ رہا ہے تو اس بعض کو دینے میں کیوں تنگ ہوتے ہو اور کیوں بخل کر رہے ہو!

اور اس میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ تم یہ نہ سوچو کہ اگر تم اپنے مال میں سے ضرورت مندوں کو دو گے تو تمہارا مال کم ہو جائے گا' نہیں جب تم اللہ کی راہ میں دوسرے ضرورت مندوں کو دو گے تو اللہ تمہاری ضروریات کو پورا کر دے گا' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

خرچ کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں' ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو خرچ شدہ چیز کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ بخیل نے جو مال بچا کر رکھا ہے اس کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن کے بدن پر سینہ سے ہنسلی تک لوہے کا جبہ ہو' خرچ کرنے والا جب بھی خرچ کرتا ہے تو وہ جبہ کھل کر پھیل جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے قدموں کے نشانوں کو مٹا دیتا ہے اور بخیل جب کسی چیز کو خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس جبہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے بخیل اس کو کھولنا اور کشادہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کشادہ

نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۴۵، عالم الکتب)

اس حدیث میں خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال لوہے کے جبہ یعنی زرہ کی کشادگی اور تنگی، اور خرچ کرنے والے کی زرہ کی لمبائی اور چوڑائی اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ڈھانپنے اور قدموں کے نشانات کو مٹانے سے دی گئی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی آدمی خرچ کرتا ہے تو اس خرچ کے لیے اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور عطا کرنے کے لیے اس کے ہاتھ کھل جاتے ہیں، اور بخیل کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ بندھ جاتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ دینے اور عطا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سخی کے عیوب پر دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے، جس طرح یہ زرہ پہننے والے کے جسم کو چھپاتی ہے اور جس طرح بخیل کی زرہ اس کے پستانوں تک رہتی ہے اور اس کے باقی جسم کو نہیں چھپاتی اسی طرح وہ دنیا اور آخرت میں بے آبرو ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا جب سخی صدقہ کرتا ہے تو وہ صدقہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور ان کو مٹا دیتا ہے اور بخیل کے گناہ اسی طرح باقی رہتے ہیں، علامہ مہلب نے کہا سخی دنیا اور آخرت میں خوش رہتا ہے اور بخیل دنیا اور آخرت میں غمگین رہتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ سخی کا مال خرچ کرنے کے باوجود بڑھتا رہتا ہے اور بخیل کا مال روکنے کے باوجود کم ہوتا رہتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تم سے اپنے خزانے کا منہ بند رکھے گا۔ ایک روایت میں ہے تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳، سنن النسائی رقم الحدیث ۲۵۴۸، مسند احمد رقم الحدیث ۲۷۴۶۱، عالم الکتب بیروت)

مشیت اور رضا میں فرق کرنا چاہیے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔ الآیہ (یٰسٓ ۴۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مومنین نے کفار مکہ سے کہا کہ تم نے اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے جو حصہ اللہ کے لیے رکھا ہے اس کو مسکینوں اور ناداروں پر خرچ کرو تو انہوں نے جواب میں کہا کیا ہم ان کو کھلائیں جن کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا، پھر کہتے جن کو اللہ محروم رکھنا چاہتا ہے ان کو ہم کھلانا نہیں چاہتے، اور یہ بخیل لوگوں کا حیلہ ہے، اور ان کا یہ حیلہ باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض لوگوں کو وسعت، فراغت اور خوش حالی میں رکھا ہے اور بعض لوگوں کو فقر اور فاقہ میں مبتلا کیا ہے تاکہ خوش حال اور فراخ دست لوگ بدحالوں اور تنگ دستوں پر خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور فقراء اور غرباء اپنے فقر اور فاقہ پر صبر کریں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں حکمت اور مشیت ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کسی کو اس کے کسی فعل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس کی نظیر مشرکین کا یہ قول ہے:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا

عنقریب مشرکین یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (الانعام ۱۴۸)

اسی طرح آج کل کے دہریہ اور بے دین لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نیک کام نہیں کر رہے ہیں اور گناہ کر رہے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے، اگر اللہ چاہتا تو ہم نیک کام کرتے اور برے کاموں کو ترک کر دیتے کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ

چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا' ان لوگوں کی گم راہی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا میں فرق نہیں کیا' اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی پتا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے' اور اسی کے مطابق جزا اور سزا دیتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک کام کرنے سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے اور نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں نیک کام کرنے کی توفیق اور ہمت دے اور برائیوں سے مجتنب رکھے' دراصل یہ سوچ اور فکر شیطان کی ہے جس نے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ . (الحجر: ۳۹) ابلیس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔

اور نبی کی سوچ اور فکر یہ ہے کہ اگر بھولے سے بھی اجتہادی خطا ہو جائے تو کہتے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۳) دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مرض کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ (اللہ) مجھے شفاء عطا فرماتا ہے۔

پس حسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنی طرف کی جائے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ (النساء: ۷۹) (اے مخاطب!) جو تجھ کو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

دہریوں کا رد اور ابطال

یٰسٓ: ۴۷ کے آخر میں ہے: تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو ○

ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی کفار کا قول ہے جو انہوں نے مومنوں سے کہا تھا' جب مومنوں نے کفار سے کہا تھا کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو انہوں نے کہا ہم ان کو کیسے کھلائیں جن کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا' تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو' اور تمہارا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرنا بھی صریح گم راہی ہے' اور مقاتل وغیرہ نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا قول ہے جو انہوں نے کفار سے کہا تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس نے کفار کے جواب کو رد کرنے کے لیے فرمایا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے' تو ابوجہل نے ان کے پاس جا کر کہا اے ابوبکر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! ابوجہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے ان کو کیوں نہیں کھلا رہا؟ حضرت ابوبکر نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو تنگ دستی میں مبتلا کیا ہے اور ایک قوم کو خوش حالی میں مبتلا کیا ہے' اور فقراء کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور امراء کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کو عطا کریں' تب ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اے ابوبکر تم صرف صریح گم راہی میں ہو' تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ انہیں کھلانے پر قادر ہے اور وہ ان کو نہیں کھلا رہا' پھر تم ان کو کھلا رہے ہو! تب یہ آیت نازل ہوئی اور مزید یہ آیات نازل فرمائیں

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ (الیل: ۵-۷) پس جس نے (فقراء کو) دیا اور اللہ سے ڈرا○ اور نیکی کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے سہولت کو آسان کر دیں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دہریوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ مشرکین میں دہریے بھی تھے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اور مسلمانوں کی اس بات کا مذاق اڑاتے تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۲۔۲۱' زاد المسیر ج ۷ ص ۲۵۔۲۴' ملخصاً)

اس آیت میں دہریوں کا رد اور ابطال اس وجہ سے ہے کہ کسی شخص کا فقیر یا غنی ہونا اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمتوں کی وجہ سے جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتا دو O اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے O پس وہ اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے O

کفار قیامت کی خبر کو وعد کیوں کہتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین نے اہل مکہ سے فرمایا تھا کہ قیامت قائم کی جائے گی اور اس کے بعد نیکوں اور بروں اور مومنوں اور کافروں کا حساب لیا جائے گا' اور نیک لوگوں کو جزاء اور برے لوگوں کو سزا دی جائے گی' تو مکہ کے کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے' یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتا دو!

اس آیت میں وعد کا لفظ ہے' وعد کا لفظ خیر اور شر اور نفع اور نقصان دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور وعید کا لفظ صرف شر اور نقصان کی خبر سنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور اس آیت میں وعد کا لفظ ثواب اور عذاب دونوں خبروں کے لیے ہے' کیونکہ قیامت کے بعد نیک لوگوں کو ثواب عطا کیا جائے گا اور برے لوگوں کو عذاب دیا جائے گا' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے دن کفار کو صرف عذاب کی خبر دی گئی تھی اس کے باوجود انہوں نے یہ سوال کیا کہ ان سے کیا ہوا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا زعم یہ تھا کہ انہوں نے نیک کام کیے ہیں اگر واقعی قیامت قائم ہوگی تو پھر ان کو ان نیک کاموں کی جزا ملے گی۔

اس کے بعد فرمایا: وہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں۔

کفار تو قیامت کے منکر تھے' وہ کس طرح قیامت کا انتظار کر رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دنیا میں قیامت تک کی مہلت دی گئی تھی اور وہ کھلے ہوئے معجزات اور واضح دلائل پیش کیے جانے کے باوجود ایمان نہیں لا رہے تھے' تو ان کے انکار کی اس حالت کو اور ان کو دی جانے والی مہلت کو قیامت کے انتظار سے تعبیر فرمایا۔

اور ایک چیخ سے مراد پہلی بار پھونکے جانے والی آواز ہے کیونکہ وہ بہت عظیم چیخ ہوگی' جس کی دہشت اور ہول سے سب لوگ اچانک مر جائیں گے۔

قیامت کا اچانک آ جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی معمولات میں مشغول اور منہمک ہوں گے اور قیامت اچانک ان پر آ جائے گی O

قرآن مجید کی دیگر آیات میں ہے:

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً O (الاعراف: ۱۸۷) — تم پر قیامت اچانک ہی آئے گی۔

أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللهِ — کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس

اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف:۱۰۷)

اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عذاب آ جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو شعور نہ ہو۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً. (الحج:۵۵)

کافر اس وحی میں ہمیشہ شک کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کے اوپر قیامت اچانک آ جائے گی۔

لوگ اپنی تجارات' اپنے معاملات اور اپنی خرید وفروخت میں ایک دوسرے سے الجھ رہے ہوں گے' بحث کر رہے ہوں گے' اور جھگڑ رہے ہوں گے دنیاوی امور میں مشغول ہوں گے اور اچانک ان کے سروں پر قیامت آ جائے گی اور وہ اس سے بالکل غفلت میں ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے' جب لوگ اس علامت کو دیکھیں گے تو سب لوگ قیامت پر ایمان لے آئیں گے اور یہ وہ وقت ہوگا:

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا. (الانعام:۱۵۸)

اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچائے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

قیامت ضرور آئے گی اس وقت دو آدمی (خرید وفروخت کے لیے) کپڑے پھیلائے ہوئے ہوں گے' ابھی انہوں نے خرید و فروخت مکمل کر کے کپڑے لپیٹے نہ ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ کر جا رہا ہوگا اور ابھی اس نے وہ دودھ پیا بھی نہ ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' اور ایک شخص اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا ابھی اس نے اپنے حوض سے پانی پیا بھی نہ ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' اور ایک شخص اپنا لقمہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھے گا اور اس کو کھانے سے پہلے اس پر قیامت آ جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۵۴' مسند احمد رقم الحدیث:۵۴۰۷' عالم الکتب)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس وہ اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ سکیں گے ○ (یٰسٓ:۵۰)

وصیت زبانی بھی کر دی جاتی ہے لیکن قیامت کا آنا اس قدر اچانک ہوگا کہ ان کو زبان سے وصیت کرنے کی مہلت نہ مل سکے گی اور وہ اچانک مر جائیں گے اور دنیا کی طرف ان کا لوٹنا نہ ہوگا' لوگ جس حال میں ہوں گے اسی حال میں مر جائیں گے لوگ بازاروں میں مر جائیں گے' گھروں کو جانے والے اپنے گھروں میں پہنچ نہ سکیں گے اور مر جائیں گے' کسی کو اپنا منصوبہ اور پروگرام پورا کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اور درمیان میں ہی سب مر جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ

اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف

يَنْسِلُوْنَ ۞۵۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا

تیزی سے چلنے لگیں گے ○ وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ

وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۲ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً

ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا ○ اور وہ صرف ایک ہولناک

وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۵۳ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

چیخ ہو گی، پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے ○ سو آج کے دن کسی

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴ اِنَّ اَصْحٰبَ

شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ بے شک اہل جنت

الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝۵۵ ج هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ

آج دل چسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے ○ وہ اور ان کی بیویاں

ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝۵۶ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

گھنے سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے ○ ان کے لیے اس جنت میں میوے ہوں گے اور ہر وہ چیز جس کی وہ

يَدَّعُوْنَ ۝۵۷ ج صلے سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ

خواہش کریں گے ○ رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہو گا ○ اے مجرمو! آج

اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۹ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا

الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا

وقف غفران

الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰ لا وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ

بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا

مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ط اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲

راستہ ہے ○ اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے! ○

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ

یہ ہے وہ جہنم جس کی تم کو وعید سنائی گئی تھی ○ اس میں داخل ہو جاؤ

تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ

کیونکہ تم کفر کرتے تھےO ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور

تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى

ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھےO اور اگر ہم چاہتے تو ان کی

اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

بصارت زائل کر دیتے' پھر وہ راستے کی طرف دوڑتے تو وہ کہاں دیکھ سکتے تھےO اور اگر ہم چاہتے

لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع ۴

تو ان کی جگہ پر ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے تو پھر وہ نہ جا سکتے تھے نہ لوٹ سکتے تھےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گےO وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا' اور رسولوں نے سچ کہا تھاO اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ ہوگی' پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گےO (یٰسٓ: ۵۳۔۵۱)

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں صور کا لفظ ہے' صور کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:' یہ سینگ کی ہیئت اور شکل کی کوئی چیز ہے جس میں پھونک ماری جاتی ہے' حضرت اسرافیل کی پھونک کو اللہ تعالیٰ صورتوں اور روحوں کو ان کے اجسام میں منتقل ہونے کا سبب بنا دے گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۷۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں دوسرا مشکل لفظ اجداث ہے' اجداث' جدث کی جمع ہے' اس کا معنی قبر ہے۔
(مختار الصحاح ص ۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت میں تیسرا مشکل لفظ '' ینسلون '' ہے' اس کا مادہ نسل ہے' نسل کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے منفصل اور جدا ہونا ہے' جب اونٹ کے بال جھڑ جاتے ہیں تو کہتے ہیں نسل الوبر عن البعير ' بیٹے کو بھی نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ سے منفصل ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ . (البقرہ: ۲۰۵) وہ کھیت اور (لوگوں کی) اولاد کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

تیزی سے چلنے اور دوڑنے بھاگنے کو بھی نسل کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ O (الانبیاء: ۹۶) حتیٰ کہ یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے بھاگتے ہوئے آئیں گے۔

اس آیت میں بھی ینسلون کا یہی معنی مراد ہے یعنی جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ سب اپنی قبروں سے نکل کر بھاگتے ہوئے اپنے رب کی طرف جائیں گے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

صور پھونکنے کی تعداد

اس حدیث میں جو صور پھونکنے کا ذکر ہے اس سے مراد دوسری بار صور پھونکنا ہے' پہلی بار صور پھونکنے کا ذکر یٰسٓ: ۴۹ میں گزر چکا ہے کہ وہ صرف ایک ہولناک آواز کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو (اچانک) پکڑ لے گی' اس سے مراد یہ ہے کہ اس صور کو پھونکنے سے قیامت واقع ہو جائے گی' اور اس کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے' دوسری بار صور پھونکنے کا ذکر اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا' لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ یا چالیس ماہ! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس سال! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۸۱۴' ۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۴۵۹)

صور پھونکنے کی تعداد میں اختلاف ہے' جمہور علماء اور محققین کے نزدیک صور صرف دو بار پھونکا جائے گا' اور علامہ ابو بکر بن العربی کے نزدیک صور تین بار پھونکا جائے گا پہلی بار صور پھونکنے سے لوگ گھبرا جائیں گے اس کو نفخۃ الفزع کہتے ہیں اور دوسری بار صور پھونکنے سے سب لوگ مر جائیں گے اس کو نفخۃ الصعق کہتے ہیں' جمہور کے نزدیک یہ دونوں صور ایک ہیں' اور شیخ ابن حزم کے نزدیک صور چار بار پھونکا جائے گا' علامہ قرطبی' حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ جلال الدین سیوطی وغیرھم نے اس قول کو رد کر دیا ان تمام ابحاث کو ہم نے النمل: ۸۷ کی تفسیر میں لکھا ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس کی تحقیق کہ صور پھونکنے کے بعد بے ہوش ہونے سے کون' کون افراد مستثنیٰ ہوں گے

ان آیات میں بھی دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر فرمایا ہے پہلے صور کا ذکر صیحۃ واحدۃ (ایک ہولناک چیخ) کے عنوان سے فرمایا جس کے بعد کسی کو وصیت کرنے کی بھی مہلت نہ مل سکے گی' اور دوسرے صور کا صراحۃً ذکر فرمایا جس کے بعد سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے' اور درج ذیل آیت میں دونوں مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا' پس آسمانوں اور زمینوں کے سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے گا' پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ زندہ ہو کر اور ہوش میں آ کر کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس بے ہوشی سے مراد یہ ہے کہ جن عام لوگوں اور عام فرشتوں پر پہلے موت نہیں آئی تھی وہ اس بے ہوشی کے اثر سے مر جائیں گے' اور انبیاء علیہم السلام اور شہداء جن پر موت آ چکی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات عطا فرمادی تھی وہ صرف بے ہوش ہوں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ پھر ہوش میں آ جائیں گے' باقی رہا یہ کہ اس آیت میں جن لوگوں کا بے ہوش ہونے سے استثناء فرمایا اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے صحیح البخاری: ۶۵۱۷ میں

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حسب ذیل دس اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) علامہ ابوالعباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ کا میلان اس طرف ہے کہ اس سے مراد تمام مردے ہیں کیونکہ ان کو احساس اور شعور نہیں ہوتا اور بے ہوش وہ ہوگا جس کا شعور ہو اور اس کے شعور کو سلب کیا جائے (المفہم) یہ قول موجب اشکال ہے' اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس استثناء کی تعیین میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے' اور ان کے تلمیذ علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے التذکرہ میں اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس استثناء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے' اور امام ہناد نے کتاب الزھد میں سعید بن جبیر سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ اس سے مراد شہداء ہیں' اور اس حدیث کی سند سعید بن جبیر تک صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں اس کے بعد ذکر کروں گا۔

(۲) اس استثناء سے مراد شہداء ہیں' جیسا کہ سعید بن جبیر کی مذکور الصدر روایت سے ثابت ہے۔

(۳) اس استثناء سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں' امام بیہقی نے اسی طرف میلان کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں' انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' پس جب صور میں پہلی مرتبہ پھونکا جائے گا تو تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء بے ہوش ہو جائیں گے اور یہ ان کے حق میں مکمل موت نہیں ہوگی صرف ان کے حواس معطل ہو جائیں گے اور ان کا شعور ماؤف ہو جائے گا' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہو' اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہے تو پھر ان کے حواس اور شعور برقرار رہیں گے' اور طور پر تجلی کے وقت جو وہ بے ہوش ہو گئے تھے اسی بے ہوشی کو اس بے ہوشی کے قائم مقام کر دیا ہو' پھر امام بیہقی نے شہداء کے متعلق سعید بن جبیر کا اثر ذکر کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق یہ سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش کرنا نہیں چاہا تو حضرت جبریل نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کے شہداء ہیں' اس حدیث کی سند کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور امام ابن جریر طبری نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔

(۴) یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو لوگ آخر میں بچ جائیں گے وہ حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت ہیں' پھر اول الذکر تین حضرات فوت ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت سے فرمائیں گے تم (بھی) فوت ہو جاؤ سو وہ بھی فوت ہو جائیں گے' میں کہتا ہوں کہ اس کی مثل حدیث کو امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن مردویہ نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل' میکائیل اور ملک الموت تین کا استثناء کیا ہے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' اور امام ابن جریر اور امام ابن مردویہ نے اس کو ایک اور سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یحییٰ بن سلام کی مثل روایت کیا ہے اور امام ابن جریر نے اس کو سعید بن مسیب سے بھی روایت کیا ہے کہ ان مستثنیٰ افراد میں حاملین عرش نہیں ہیں کیونکہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں اور اس آیت میں زمینوں اور آسمانوں کے لوگوں کا استثناء ہے۔

(۵) آسمانوں اور زمینوں کے لوگ بے ہوش ہوں گے اور حاملین عرش ان میں داخل نہیں ہیں' جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

(۶) رسل ملائکہ اربعہ مذکورہ اور حاملین عرش بے ہوش نہیں ہوں گے' حضرت ابوہریرہ کی طویل حدیث میں اس کا ذکر ہے جو

معروف اور مشہور ہے' اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف اور مضطرب ہے' کعب الاحبار سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور انہوں نے کہا وہ بارہ افراد ہیں' اس کو امام بیہقی اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے مقطوعاً روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۷) امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں اور امام ثعلبی نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۸) بے ہوش ہونے سے جنت کے غلمان اور بڑی آنکھوں والی حوریں مستثنیٰ ہیں۔

(۹) جنت کے حور و غلمان اور جنت اور دوزخ کے خازن اور دوزخ کے سانپ اور بچھو اس سے مستثنیٰ ہیں' اس قول کو امام ثعلبی نے الضحاک بن مزاحم سے روایت کیا ہے۔

(۱۰) محمد بن حزم نے الملل والنحل میں جزم کے ساتھ کہا ہے کہ تمام ملائکہ بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ ہوں گے انہوں نے کہا کہ ملائکہ خود ارواح ہیں ان میں اور روحیں داخل نہیں ہیں لہٰذا ان پر بالکل موت نہیں آئے گی۔

امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ قتادہ سے روایت کیا ہے کہ بے ہوش ہونے سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہے ورنہ ہر شخص کو اللہ نے موت کا ذائقہ چکھانا ہے' اور اس کو ایک مستقل قول بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اہل نظر نے ان اقوال میں سے اکثر کو ضعیف قرار دیا ہے' کیونکہ اس آیت میں بے ہوش ہونے سے ان لوگوں کا استثناء فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے ہیں' کیونکہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے سو حاملین عرش ان میں رہنے والے نہیں ہیں' اور حضرت جبریل اور حضرت میکائیل عرش کے گرد صف باندھنے والوں میں سے ہیں' اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت اور دوزخ منفرد عالم ہیں جن کو بقاء اور دوام کے لیے تخلیق کیا گیا ہے' اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں جن کا استثناء کیا گیا ہے وہ فرشتوں کے غیر ہیں' کیونکہ امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: تم زمین میں ٹھہرو گے جب تک ٹھہرو گے' پھر ایک ہولناک چیخ بھیجی جائے گی سو تمہارے معبود کی قسم! وہ چیخ زمین کے ہر شخص پر موت طاری کر دے گی حتیٰ کہ وہ فرشتے بھی مر جائیں گے جو تمہارے رب کے ساتھ ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۳ص ۱۸۰۔۱۷۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی صحیح البخاری: ۶۵۱۷ کی تشریح میں ان دس اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' لیکن ان پر تبصرہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ص ۱۵۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صور سے متعلق سورۂ یٰسٓ اور سورۂ زمر کی آیتوں کے تعارض کا جواب

ابھی ہم نے صور کے متعلق الزمر: ۶۸ کا ذکر کیا ہے' اس میں فرمایا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے' اور زیر تفسیر آیت یٰسٓ: ۶۸ میں ہے اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے ٥ اور بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ ایک آیت میں کھڑے ہوئے دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں تیزی سے چلنے اور بھاگنے کا ذکر ہے' اس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ کھڑا ہونا تیز چلنے اور بھاگنے کے منافی نہیں ہے کیونکہ تیز چلنے والا بھی کھڑے ہو کر چلتا ہے اور دیکھنا بھی اس کے خلاف نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کے تیزی سے چلنے میں کئی امور جمع ہوں گے گویا کہ وہ سب ایک آن میں ہو

رہے ہیں کیونکہ جو امور تیزی سے ایک دوسرے کے بعد ہو رہے ہوں اور ان کے درمیان زمانہ کا وقفہ نہ ہو گویا وہ سب اسی وقت میں ہو رہے ہیں اسی لیے فرمایا سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔

جب صور کی آواز جانداروں کی ہلاکت کا سبب ہے تو پھر دوسرے صور ...... کی آواز سے لوگ زندہ کیوں کر ہوں گے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دونوں دفعہ جو صور پھونکا جائے گا اس کی حقیقت ایک ہولناک چیخ ہوگی پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک چیخ کی آواز سن کر سب لوگ مر جائیں گے اور دوسری چیخ کی آواز سن کر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ موت اور حیات میں اصل موثر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے وہ جس چیز میں جو چاہتا ہے تاثیر پیدا فرما دیتا ہے وہ چاہے تو آگ میں جلانے اور ہلاکت کی تاثیر پیدا فرما دے اور وہ چاہے تو آگ میں ٹھنڈک اور سلامتی کی تاثیر پیدا فرما دے ہم دیکھتے ہیں کہ درخت ایک ہی قسم کی لکڑی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس کا تنا اوپر کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی تاثیر کچھ بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس حصہ کو چاہتا ہے اوپر کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے نیچے کر دیتا ہے بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ صور کی ہولناک آواز سے اجسام میں تزلزل اضطراب اور انتقال پیدا ہوتا ہے پس زندہ اجسام اس ہولناک چیخ سے متزلزل ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ متفرق اجزاء پھر متزلزل اور متحرک ہو جائیں گے اور یوں وہ سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ سب اپنی قبروں سے نکل کر بھاگ رہے ہوں گے اس وقت قبریں کہاں ہوں گی کیونکہ قیامت آنے کے بعد تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے تو قبریں کہاں باقی رہیں گی! اس کا جواب یہ ہے کہ قبروں سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مردوں کو دفن کیا جائے گا ان کے اجسام تو گل سڑ چکے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اجزاء اصلیہ کو باقی رکھے گا اور قبروں سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں ان کے اجزاء اصلیہ ہوں گے اور یہ اجسام زندہ ہو کر بھاگتے ہوئے ارض محشر کی طرف جائیں گے اور اس جگہ لوگوں کا حساب ہوگا۔

کفار اپنی قبروں کو خواب گاہوں سے کیوں تعبیر کریں گے؟

اس کے بعد فرمایا: وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھاO (یٰسٓ: ۵۲)

جب کفار کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان پر رنج اور غم کی شدید کیفیت طاری ہوگی اس وقت وہ اپنی مصیبت اور ہلاکت کو پکار کر کہیں گے یاویلنا' یعنی اے ہماری مصیبت اور ہماری ہلاکت یہی تمہارے نزول اور آنے کا وقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کلام میں منادی محذوف ہو یعنی اے لوگو! یہ ہماری مصیبت اور ہلاکت کا وقت ہے۔

اس کے بعد کفار کہیں گے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار قبروں میں سوئے ہوئے تھے اور اس سے بہ ظاہر عذاب قبر کی نفی ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور اور دوسرے صور کے درمیان جو چالیس سال کا وقفہ ہوگا اس میں ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی اور اس تخفیف کی وجہ سے اس عرصہ میں ان پر نیند طاری ہو جائے گی اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے ابو صالح سے روایت کیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۰۹' رقم الحدیث: ۳۵۳۵۹) پس جب چالیس سال بعد ان کو اٹھایا جائے گا اور وہ اچانک قیامت کے آثار اور احوال دیکھیں گے تو گھبرا کر کہیں گے کہ ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' دوسرا جواب یہ ہے

کہ قیامت کے ہولناک امور کو دیکھ کر ان کا ذہن اس قدر ماؤف ہو جائے گا کہ وہ عذاب قبر کو بھول جائیں گے اور اپنی موت کو نیند سے تعبیر کریں گے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جب وہ دوزخ کے عذاب اور اس کی شدت کو دیکھیں گے تو اس کے مقابلہ میں ان کو عذاب قبر بہت کم اور آسان معلوم ہو گا اور وہ قبروں کو خواب گاہیں کہیں گے۔

کفار نے اللہ تعالیٰ کا ذکر رحمٰن کے نام سے کیوں کیا تھا؟

اس کے بعد اس آیت میں مذکور ہے یہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول ہے کہ یہ فرشتوں کا یا مومنوں کا قول ہے' کیونکہ جب کفار اپنی قبروں سے اٹھ کر یہ کہیں گے کہ ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا تو' مومنین یا فرشتے ان کا رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم خواب گاہوں میں سوئے ہوئے نہیں تھے جیسا کہ تمہارا وہم ہے بلکہ تم کو دنیا میں رسولوں نے یہ بتایا تھا کہ قیامت آئے گی اور تم کو فنا کر دیا جائے گا پھر دوسرا صور پھونکنے کے بعد تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا' سو یہ وہی موت کے بعد کی دوسری زندگی ہے اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات کفار کہیں گے کہ یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔

کفار کو جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا گیا انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا یہ وہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر وصف رحمٰن سے کیا ہے' اس میں ان کی محرومی کی طرف اشارہ ہے کہ بعث کا وعدہ اجر و ثواب عطا فرمانے اور انعام و اکرام دینے جانے کے لیے ہوتا ہے اور آثار رحمت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے دنیا میں اللہ اور رسول کی خبروں کی تصدیق نہیں کی اور ایسے کام نہیں کیے جن کی بناء پر وہ بھی رحمت کے مستحق ہوتے' اس لیے وہ حسرت سے کہیں گے کہ مرنے کے بعد زندہ کیا جانا وہ امر ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا یعنی اس دن اس کی رحمت کا ظہور ہو گا اور ایمان لانے والوں اور نیکی کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کا صلہ دیا جائے گا اور رسولوں نے جو اس کی خبر دی تھی وہ سچی تھی' لیکن کفار چونکہ اس سے محروم تھے اس لیے انہوں نے حسرت اور تاسف کے اظہار کے لیے اس طرح کہا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے اس بات کو کہا ہو اور اللہ تعالیٰ کو رحمٰن کے نام سے اس امید اور طمع کی وجہ سے یاد کیا ہو کہ شاید اس دن اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم فرمائے' اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے یعنی دنیا میں مومنوں اور کافروں دونوں پر رحم فرماتا ہے اور آخرت میں رحیم ہے یعنی صرف مومنوں پر رحیم ہے تو علامہ آلوسی نے یہ کہا ہے کہ احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ یا رحمن الدنیا و الاخرة اور یا رحیم الدنیا و الاخرة اور اگر یہ مومنوں کا قول ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا رحمٰن کے نام سے اس لیے ذکر کیا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف ان کے حصہ میں آئے گی۔

دوسرے صور کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ ہو گی پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے O (یٰسٓ: ۵۳)

جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو صرف ایک زبردست چیخ سے وہ تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور تمام لوگ عرصۂ محشر میں زندہ ہو کر پیش ہو جائیں گے' اس چیخ کے متعلق علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ قول ہو گا: اے گلی ہوئی ہڈیو اور اے گوشت پوست کے ذرات اور اے خراب شدہ بالوں کی باقیات! اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمانے کے لیے

تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم مجتمع ہو جاؤ! (روح المعانی جز ۲۳ ص ۴۹) حسب ذیل آیات بھی دوسرے صور کے متعلق ہیں:

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۲۱۔۱۹)

وہ صرف ایک زور دار جھڑکنا ہے' سو وہ اچانک دیکھنے لگیں گے ○ اور کہیں گے ہائے ہماری مصیبت یہی جزا اور سزا کا دن ہے یہی وہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے رہے تھے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۵۲)

جس دن وہ تم کو بلائے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے حاضر ہو گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم بہت کم دیر ٹھہرے تھے۔

تاء کی آٹھ قسمیں

صیحۃ میں تا مبالغہ کے لیے ہے' اور حشر کے جس قدر اسماء ذکر کیے گئے ہیں سب کے آخر میں تا مبالغہ کے لیے ہے' جیسے القیامۃ' بہت ثابت شدہ چیز' القارعۃ' بہت دل دہلانے والی' الحاقۃ' بہت زیادہ برحق اور بہت زیادہ واقع ہونے والی' الطامۃ' سب سے بڑی آفت یا مصیبت' الصاخۃ' کانوں کو بہت بہرا کرنے والی' وغیرھا۔

عربی میں تاء صرف تانیث کے لیے نہیں آتی بلکہ متعدد امور کے لیے آتی ہے (۱) تانیث کے لیے جیسے قائمۃ (۲) تذکیر کے لیے جیسے اربعۃ (۳) مبالغہ کے لیے جیسے علامۃ (۴) وحدت کے لیے جیسے درۃ' تمرۃ (۵) عوض کے لیے جیسے عدۃ' زنۃ (۶) اسمیت کے لیے جیسے کافیۃ' شافیۃ (۷) مصدریت کے لیے جیسے ضاربیۃ' مضروبیۃ (۸) زائدہ جیسے ملائکۃ' حجارۃ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آج کے دن کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ بے شک اہل جنت آج دل چسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے ○ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے ○ ان کے لیے اس جنت میں میوے ہوں گے اور ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے ○ رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہو گا ○ (یٰسٓ: ۵۸۔۵۴)

مسلمان کسی مرض کی وجہ سے مقررہ نفلی عبادت نہ کر سکیں …… تو اللہ اپنے فضل سے ان کو اجر عطا فرماتا رہتا ہے

یٰسٓ: ۵۴ میں فرمایا: آج کے دن کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' آیت کے اس حصہ میں عموم مراد ہے' کسی مومن پر ظلم کیا جائے گا نہ کسی کافر پر' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو اجر و ثواب عطا فرمائے گا وہ اس کا فضل ہے' اور کفار کو جو عذاب دے گا وہ اس کا عدل ہے' سو وہ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا' مومن پر نہ کافر پر' اور آیت کے دوسرے حصہ میں جو فرمایا ہے اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں صلہ سے مراد جزا ہے اور آیت کے اس حصہ میں صرف کفار سے خطاب ہے' کیونکہ کفار کو صرف ان ہی کاموں کی جزا دی جائے گی جو انہوں نے کیے ہیں اور یہ عدل ہے' جب کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کاموں کی بھی جزا دے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۹۳)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ کفار کو آخرت میں کسی نیکی کی جزا نہیں دی جائے گی کیونکہ ہر نیکی کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے' بغیر ایمان کے کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہو گا' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

جس نے بھی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو' شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور بہ ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے' اور اس کے نیک اعمال کا اس کو ضرور بہ ضرور اچھا

اجر عطا فرمائیں گے۔

البتہ کفار کو ان کے نیک کاموں کا دنیا میں اجر عطا فرما دیا جائے گا' البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے فضل سے بعض ان کاموں کا بھی اجر عطا فرمائے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔ اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن بھی کوئی عمل ہو اس دن کا اختتام اسی عمل پر کیا جاتا ہے' پس جب مومن بیمار ہو تو فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے اپنے فلاں بندے کو بیماری میں قید کر لیا ہے' تو رب عزوجل فرماتا ہے اس بندے کا (صحیفۂ اعمال) اسی عمل پر مکمل کرو' حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے یا فوت ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۲۸' امام احمد اور امام طبرانی کی سند میں ابن لہیعہ ہے' وہ ضعیف راوی ہے اور امام بغوی کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے جسم میں بھی کوئی مرض پیدا ہوتا ہے' تو اللہ عزوجل اس کے صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرا بندہ جب تک میرے مسلط کیے ہوئے مرض کی قید میں ہے اس کے نیک عمل کو ہر روز لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' اسی طرح حافظ الہیثمی نے کہا' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۲' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب کوئی بندہ اچھے طریقہ سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مقرر کیا جاتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ بندہ اپنی صحت کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کے اس عمل کو (بہ دستور) لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۹۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ' اس حدیث کی سند حسن ہے)

ابو الاشعث الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد دمشق کی طرف جا رہے تھے راستہ میں ان کی ملاقات حضرت شداد بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ اور الصنابحی سے ہوئی' میں نے ان سے پوچھا آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہمارا ایک بھائی مصر سے یہاں آیا ہوا ہے ہم اس کی عیادت کے لیے جا رہے ہیں' میں بھی ان کے ساتھ گیا حتیٰ کہ ہم اس شخص کے پاس گئے' ان دونوں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا مجھ پر صبح سے اللہ کا انعام ہے' حضرت شداد نے کہا تمہیں اپنے گناہوں کے کفارہ کی بشارت ہو' اور اپنے گناہوں کے ساقط ہونے کی' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مومن بندے کو کسی مرض میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ میری آزمائش پر میری حمد کرتا ہے تو میں فرشتوں سے کہتا ہوں کہ تم اس کی صحت کے ایام میں اس کا جو اجر لکھتے تھے اس کا وہی اجر لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۳۶' السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۶۱۱' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی مسلمان بندے کو کسی مرض میں مبتلا فرماتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کے اسی نیک عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا' اگر وہ اس بندے کو اس مرض سے شفاء دے تو اس کو گناہوں سے دھو کر پاک کر دیتا ہے' اور اگر اس کی روح قبض کر لے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ص ۲۵۸ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث ۱۳۶۴۷' دارالحدیث القاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندہ کو بھی کسی مرض میں مبتلا فرماتا ہے تو اس کے صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اس شخص نے جو برا عمل کیا ہے اس کو مت لکھو اور اس شخص نے جو نیک عمل کیا ہے تو وہ نیک عمل دس گنا لکھ دو' اور صحت کے ایام میں یہ شخص جو نیک عمل کرتا تھا اس کو حسب دستور لکھتے رہو' خواہ وہ یہ عمل نہ کرے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۱ رقم الحدیث: ۶۶۳۸' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۴' اس کی سند ضعیف ہے)

بعض مفسرین نے جو یہ کہا ہے کہ کفار کو صرف ان کے کیے ہوئے کاموں کی جزا دی جائے گی اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کاموں کی بھی جزا دیتا ہے جو انہوں نے نہیں کیے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو رہا ہے ان کی یہ نکتہ آفرینی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اللہ آخرت میں کافروں کو ان کی کسی نیکی کا اجر نہیں دے گا کیونکہ نیکی کے قبول ہونے کی شرط ایمان ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کے اس دوسرے حصہ کا کیا محمل ہے جس میں یہ فرمایا ہے تم کو صرف انہی کاموں کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جزاء کا لفظ سزا کے معنی میں بھی آیا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۙ اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا ۙ جَزَآءً وِّفَاقًا ○ (النباء: ۲۶۔۲۴)

وہ دوزخ میں کسی قسم کی ٹھنڈک پائیں گے اور نہ کوئی مشروب○ ماسوا کھولتے ہوئے پانی اور دوزخیوں کی پیپ کے○ (یہ ان کی) پوری پوری سزا ہوگی۔

جس طرح اس آیت میں جزا کا لفظ سزا کے معنی میں آیا ہے اسی طرح زیر تفسیر آیت **ولا تجزون الا ما کنتم تعملون** میں بھی جزا کا لفظ سزا کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کفار سے فرما رہا ہے: پس آج کے دن تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں صرف انہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ جو کام تم نے نہ کیے ہوں ان کی بھی تمہیں سزا دی جائے۔ جس طرح اس کے مقابلہ میں مؤمنوں کو ان کاموں کا بھی اجر و ثواب دیا جائے گا جو انہوں نے نہیں کیے تھے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث کے حوالہ سے ہم واضح کر چکے ہیں۔

بعض مفسرین نے جو آیت کے اس دوسرے حصہ میں جزا کو اجر و ثواب کے معنی میں لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آیت کے اس حصہ میں کفار سے خطاب کر کے یہ بتایا ہے کہ کافروں کو صرف انہی کاموں کی جزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مؤمنوں کو ان کاموں کی بھی جزا دے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مؤمنوں نے جو کام کیے ہیں ان پر بھی جو اجر و ثواب ملے گا وہ اللہ کے فضل ہی سے ملے گا' پھر اللہ کے فضل کو ان کاموں کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے جو انہوں نے نہیں کیے؟ البتہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جو کام انہوں نے کیے ہیں اس کے اجر کا صورۃً سبب ان کے کام ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر اجر و ثواب کا سبب صورۃً بھی اللہ کا فضل ہے اور حقیقۃً بھی اللہ کا فضل ہے۔

شغل اور فاکھون کے معانی اور ان کی تفسیریں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اہل جنت آج دلچسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے (یٰسٓ: ۵۸۔۵۵)

اس سے پہلے یٰسٓ: ۵۲ میں کفار کی حسرت اور افسوس کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں مسلمانوں کے جنت میں خوش و خرم ہونے کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ مسلمانوں کا جنت میں ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا کفار کے لیے مزید رنج و

غم اور حسرت اور افسوس کا باعث ہے' کیونکہ جب کسی شخص کو اپنے دشمنوں کی ان راحتوں اور مسرتوں کا علم ہو جن سے وہ خود محروم ہو تو یہ چیز اس کے لیے زیادہ افسوس اور مایوسی کا موجب ہوتی ہے۔

اس آیت میں شغل کا لفظ ہے' شغل کی تعریف یہ ہے کہ کوئی ایسا اہم کام جس میں غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے آدمی دوسری چیزوں سے غافل ہو جائے' خواہ وہ اہم کام پر مسرت ہو یا رنج اور غم والا ہو یا از قبیل عبادت ہو' مثلاً کسی شخص کے ماں باپ مر جائیں تو وہ ان کی تجہیز و تکفین اور ان کے رنج اور غم میں اس قدر منہمک ہوتا ہے کہ دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے' یا کسی شخص کی شادی ہو رہی ہو تو وہ شادی کی تیاری میں اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ باقی کاموں کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی' یا جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق اور منہمک ہوتے یا اس کی عبادت میں اور یاد میں مشغول ہوتے تو کسی چیز کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی تھی جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل. میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا خاص وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔

(الاسرار المرفوعۃ رقم الحدیث ۷۶۴' کشف الخفاء رقم الحدیث ۲۱۵۹)

نیز اس آیت میں **فاکھون** کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ **فاکھون** کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہر قسم کے میوے اور پھل کو **فاکھۃ** کہتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ انگور اور انار کے ماسوا کو **فاکھۃ** کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ. (الواقعہ: ۲۰) اور (جنت میں) ایسے میوے ہوں گے جن کو وہ پسند کریں

ہنس ہنس کر اور اترا اترا کر باتیں کرنے کے لیے بھی اس مادے کا استعمال ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ. (الواقعہ: ۶۵) اگر ہم چاہیں تو اس (کھیت) کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں پھر تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔

عیش و آرام اور نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے والے کو بھی فاکہ کہا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ. (الطور: ۱۸) وہ ان نعمتوں اور اس عیش و آرام پر خوش ہیں جو ان کو ان کے رب نے عطا فرمایا ہے۔

زیر تفسیر آیت میں بھی **فاکھون** اسی معنی میں ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے شغل کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) حسن' سعید بن جبیر' حضرت ابن مسعود اور قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے پاکیزہ حوروں سے لذت مباشرت حاصل کرنا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسافع بن ابی شریح نے کہا اس سے مراد ہے آلات موسیقی بجانا۔

(۳) مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے وہ نعمتوں سے محظوظ ہو رہے ہوں گے۔

(۴) اسماعیل بن ابی خالد اور ابان بن تغلب نے کہا وہ کفار کو دوزخ میں ڈالنے سے خوش ہو رہے ہوں گے۔

علامہ الماوردی نے کہا کہ **فاکھون** کی تفسیر میں بھی چار قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے وہ خوش ہوں گے (۲) قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے وہ نعمتوں میں ہوں

گے (۲) مجاہد نے کہا وہ متعجب ہوں گے (۴) ایک قول یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کی لذتوں میں ہوں گے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۵۔۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جنت کی نعمتوں سے اہل جنت کے محظوظ ہونے کے متعلق احادیث

اہل جنت کی نعمتوں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت میں سے ایک مرد کو کھانے' پینے' جماع اور شہوت میں سو مردوں کی قوت دی جائے گی' ایک یہودی نے کہا جو شخص کھائے گا اور پیے گا اس کو رفع حاجت کی ضرورت بھی ہوگی' آپ نے فرمایا اس کی کھال سے پسینہ بہے گا جس سے اس کا پیٹ سکڑ جائے گا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۷۔۳۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۰۹۔۱۰۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۴۷۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۳۔۳۵۲۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۱۶' کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۳۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت جوان' بے ریش اور سرگیں آنکھوں والے ہوں گے' ان کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ ان کی جوانی فنا ہوگی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۳' ۲۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۱۴' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۲۰' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۴۲ قدیم' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۶۴' رقم الحدیث: ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت نہ پیشاب کریں گے نہ ان کی ناک سے رینٹ نکلے گی' نہ وہ پاخانہ کریں گے' ان کو صرف ایک ڈکار آئے گی' اور جس طرح ان میں سانس ڈالا جاتا ہے اس طرح ان کو تسبیح اور حمد کا الہام کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴۔۳۴۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۰۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۷۵' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۳۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ (السجدۃ: ۱۷) سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جو ان کے نیک اعمال کی جزاء ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ایک (جنتی) شخص ستر (۷۰) کنواری حوروں سے ایک دن میں لذت مباشرت حاصل کرے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ کنواری حوریں بنا دے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۹' کنز العمال ج ۱۴ ص ۴۸۳' رقم الحدیث: ۳۹۳۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جس طرح ہم اپنی ازواج کے ساتھ دنیا میں مباشرت کرتے ہیں آیا ہم جنت میں بھی اپنی ازواج کے ساتھ اس طرح مباشرت کریں گے؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ایک شخص ایک دن میں سو کنواری حوروں کے ساتھ جماع کرے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۴۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا گیا آیا اہل جنت مباشرت کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ بغیر شہوت میں کمی یا ڈھیلے پن کے یہ عمل کریں گے' اور ایک روایت میں ہے اور بغیر انزال کے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۷۴٬۷۶۷۲٬۷۴۷۹)

جنت میں حوروں اور نیک خواتین کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت سعید بن عامر بن حدیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اگر جنت کی حوروں میں سے کوئی حور زمین والوں کی طرف جھانک کر دیکھے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۱۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۸' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے وَحُوْرٌ عِيْنٌ (الواقعہ: ۲۲) اور ''بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں'' آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی فربہ حوریں ہیں جن کی پلکیں کرگس کے پروں کی طرح ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (رحمٰن: ۵۸) ''وہ حوریں یاقوت اور مونگے کی طرح ہوں گی'' آپ نے فرمایا جس طرح اس سیپ میں صاف اور اور چمک دار موتی ہوتا ہے جس کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو وہ اسی طرح صاف اور شفاف ہوں گی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے: فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ (رحمٰن: ۷۰) ''ان جنتوں میں نیک' حسین حوریں ہیں'' آپ نے فرمایا ان کے عمدہ اخلاق اور حسین چہرے ہوں گے'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (الصّٰفّٰت ۴۹) ''وہ حوریں ایسی ہیں جیسے چھپائے ہوئے انڈے'' آپ نے فرمایا وہ اس طرح نرم اور رقیق ہوں گی جس طرح انڈے کی اندرونی جھلی رقیق اور باریک ہوتی ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے عُرُبًا اَتْرَابًا (الواقعہ: ۳۷) ''وہ حوریں محبت کرنے والی ہم عمر ہیں'' آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس حال میں دنیا سے اٹھائے گا کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہوں گی' ان کی آنکھیں چیپڑ زدہ ہوں گی اور ان کے بال کھچڑی ہو چکے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو کنواری بنا دے گا عرباً کے معنی ہے محبت کرنے والیاں اور اترابا کے معنی ہیں ہم عمر' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھوں والی حوریں' آپ نے فرمایا دنیا کی عورتیں بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح جسم کا ظاہر جسم کے باطن سے افضل ہوتا ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لیے نمازیں پڑھیں اور اللہ کے لیے روزے رکھے' اللہ عزوجل ان کے چہروں پر نور پہنا دے گا' اور ان کے اجسام ریشم کی طرح ہوں گے' ان کا رنگ گورا ہو گا ان کے کپڑے سبز رنگ کے ہوں گے' ان کے زیورات سونے کے ہوں گے' ان کی خوشبو کی انگیٹھیاں موتیوں کی ہوں گی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی' وہ کہیں گی سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں اور ہم کبھی نہیں مریں گی' سنو! ہم ہمیشہ نعمتوں سے مالا مال رہیں گی اور ہم کبھی غم زدہ یا خوف زدہ نہیں ہوں گی' سنو! ہم ہمیشہ یہاں پر قیام کریں گی اور کبھی یہاں سے سفر نہیں کریں گی' سنو! ہم ہمیشہ راضی رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کو خوشی اور مبارک ہو جس کے حصہ میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے لیے ہو گا! (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۵۵)

جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کے متعلق احادیث

جنت اور اس کی تمام نعمتیں بہت عظیم ہیں حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک چابک کی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸)

تاہم جنت میں سب سے بڑی نعمت جو حاصل ہوگی وہ اللہ عزوجل کا دیدار اور اس کی رضا کا حصول ہوگا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کے لیے نیک انجام اور زیادہ انعام ہے۔

آپ نے فرمایا جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا بے شک اللہ کے پاس تمہارے لیے ایک وعدہ ہے' وہ کہیں گے کیا ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا گیا! اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی گئی! اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا گیا! وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر (ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) حجاب کو کھول دیا جائے گا' آپ نے فرمایا: پس اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے زیادہ محبوب ان کو کوئی چیز عطا نہیں فرمائی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲ ج ۶ ص ۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۹۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۱۵۔ ۷۳۱۴' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۴۶' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ اس شخص کا ہے جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنے باغات کی طرف دیکھ رہا ہوگا اور اپنی ازواج کی طرف اور اپنی نعمت کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی مسہریوں کی طرف' اور اہل جنت میں سے جو اللہ کے نزدیک مکرم ہوگا وہ ہر صبح اور شام کو اللہ عزوجل کے چہرے کی طرف دیکھے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (القیامۃ: ۲۳۔۲۲) اس دن بہت سے چہرے ترو تازہ ہوں گے ○ وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۔۶۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۱۲' ۵۷۲۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۳۳۔۴۳۲' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۹۶۔۴۳۹۵)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے بدر (ماہ تمام' چودھویں رات کا چاند) کی طرف دیکھا' پھر آپ نے فرمایا بے شک تم اپنے رب کو عنقریب اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو' تم کو اس کو دیکھنے میں کوئی تنگی نہیں ہوگی' پس اگر تم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے کی طاقت رکھو تو ضرور ان نمازوں کو پڑھو' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ. (ق: ۳۹) طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۲

الکبیر رقم الحدیث: ۶۲۲۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۷۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے ہم تیرے پاس حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہوگی تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہوگی! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیتا ہوں' اس کے بعد میں تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۰' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث ۴۴۵' شرح السنہ رقم الحدیث ۴۳۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک شفاف آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ نشان تھا' میں نے پوچھا اے جبریل یہ کیسا آئینہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ جمعہ ہے جس کو آپ کا رب آپ پر پیش فرمائے گا تاکہ یہ دن آپ کے لیے عید ہو جائے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے' اور آپ (اس دن کے ملنے میں) اول ہیں اور یہود اور نصاریٰ کے لیے اس کے بعد کا دن ہے' آپ نے پوچھا ہمارے لیے اس دن میں کیا ہے؟ حضرت جبریل نے کہا آپ کے لیے اس دن میں خیر ہے' اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب سے کسی خیر کی دعا کرے جو اس کا مقسوم ہو تو اس کا رب اس کو وہ عطا فرما دے گا' اور اگر وہ چیز اس کے مقسوم میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عظیم چیز کو اس کے لیے مقدر فرما دے گا' اور اگر اس نے کسی چیز سے پناہ طلب کی اور وہ اس کے مقدر میں ہو تو اللہ اس کو اس چیز سے پناہ میں رکھے گا اور اگر اس سے پناہ اس کے مقدر میں نہ ہو تو اس سے زیادہ مضر چیز سے اس کو پناہ میں رکھے گا' میں نے ان سے پوچھا اس آئینہ میں یہ سیاہ نشان کیسا ہے؟ انہوں نے کہا یہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوگی' اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے' اور ہم آخرت میں اس کو یوم المزید کہتے ہیں (اس سے مراد ہے زیادہ انعام کا دن اور وہ زیادہ انعام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے) میں نے پوچھا آپ اس کو یوم المزید کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کیونکہ آپ کے رب نے جنت میں ایک سفید وادی بنائی ہے جو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے' پس جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہوگا حتیٰ کہ نور کے منبر کرسی کا احاطہ کر لیں گے اور انبیاء آ کر ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے' پھر سونے کی کرسیاں ان منبروں کا احاطہ کر لیں گی' پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے پھر اہل جنت آ کر ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے' پھر ان کے سامنے ان کا رب تبارک و تعالیٰ جلوہ فرما ہوگا' حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے اور وہ فرمائے گا: میں وہ ہوں جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا' اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا' اور یہ میری کرامت کی جگہ ہے' سو تم مجھ سے سوال کرو' تو وہ اس سے اس کی رضا کا سوال کریں گے' پس اللہ عزوجل فرمائے گا' میں نے تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیا' اور میری کرامت تمہارے ہی لیے ہے سو تم مجھ سے سوال کرو' پھر وہ اس سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی' پھر ان کے لیے ایسی نعمتیں کھول دی جائیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا' یہ مجلس اتنی دیر رہے گی جتنی دیر میں لوگ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہیں' پھر رب تبارک و تعالیٰ اپنی کرسی پر چڑھ جائے گا اور اس کے ساتھ شہداء اور صدیقین بھی چڑھ جائیں گے' اور بالا

خانے والے بالا خانوں میں چلے جائیں گے' (جنت میں) ایک سفید موتی ہے جس میں کوئی شگاف نہیں ہوگا' یا سرخ یاقوت ہے یا سبز زمرد ہے' اس میں بالا خانے اور ان کے دروازے ہوں گے' اس میں دریا ہوں گے' اس میں پھل لٹکے ہوئے ہوں گے' اور اس میں ان کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے' تاہم جمعہ کے دن سے زیادہ ان کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوگی' تا کہ اس دن ان کو زیادہ کرامت حاصل ہو' اور اس دن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف زیادہ نظر بھر کر دیکھیں اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم المزید ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث:۳۵۵۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۷۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۴۲۲۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۴۶۷۹ حافظ الہیثمی نے کہا امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی کی سند صحیح ہے' اور امام بزار کی سند میں اختلاف ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جنت والے' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ عزوجل فرمائے گا: اے میرے بندو! کیا تم مجھ سے کسی چیز کا سوال کرو گے تا کہ میں تم کو وہ چیز زیادہ دوں' وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہم کو جو چیزیں عطا فرمائی ہیں' ان میں سے کس چیز میں زیادہ خیر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا بہت بڑی چیز ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۱۰ ص ۹۰۲۱' دار المعارف ریاض' اس کی سند میں ایک راوی متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث:۱۸۷۷۳)

اہل جنت پر اللہ کا سلام اور اس کی عظمت اور انفرادیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہوگا ○ (یٰسٓ: ۵۸)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ان کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے (یٰسٓ: ۵۷) اور اس آیت میں ان کی اس خواہش کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ جنتیوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا خواہش ہوگی کہ ان کا رب ان سے فرمائے تم پر سلام ہو' قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بھی اہل جنت پر سلام پیش فرمانے کا ذکر ہے:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۔ (الاحزاب: ۴۴)

جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کو سلام کا تحفہ پیش کیا جائے گا۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۳۲)

جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں وہ فرشتے (ان سے) کہتے ہیں تم پر سلام ہو تم ان نیک کاموں کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد: ۲۴۔۲۳)

دائمی جنتوں میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا' اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو نیک ہوں گے اور جنت کے ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے آئیں گے ○ (اور کہیں گے) تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا' پس کیا خوب اچھی آخرت کی جزا ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○ (الزمر: ۷۳)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جنت کے محافظ ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوشی کے ساتھ

کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ازخود اہل جنت کو سلام کرے گا اور فرشتوں کی زبان سے اہل جنت کو سلام کہلوائے گا' جس طرح اس نے انبیاء علیہ السلام کو ازخود بھی سلام فرمایا ہے اور فرشتوں کی زبان سے بھی سلام کہلوایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۷۹) تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۰۹) ابراہیم پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۲۰) موسیٰ و ہارون پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) الیاس پر سلام ہو۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۸۱) اور تمام رسولوں پر سلام ہو۔

اور یہ اہل جنت کے لیے بہت فضیلت اور کرامت کا مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عزت اور تحیت رسولوں کو عطا فرمائی اور جو سلام ان کو پیش فرمایا وہی عزت اور تحیت اور وہی سلام اہل جنت کو پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے ○ (یٰسٓ ۶۱۔۵۹)

مجرمین کے دوسروں سے الگ اور جدا ہونے کی متعدد تفسیریں

اس آیت میں وامتازوا کا لفظ ہے' اس کا مصدر امتیاز ہے' امتیاز اور تمیز کا معنی ہے مشابہ اور ملی جلی چیزوں کے درمیان فصل اور تفریق کرنا اور ان کو جدا جدا کرنا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجرموں کو جو الگ الگ اور متفرق ہونے کا حکم دے گا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ محشر میں مومن اور کافر' موحد اور مشرک' مخلص اور منافق' اور فاسق اور صالح ملے جلے کھڑے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک فریق کو دوسرے فریق سے الگ اور جدا کر دے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ○ اور جس دن قیامت قائم ہو گی (تو) سب جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی۔ (الروم: ۱۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مومنوں سے الگ ہو جائیں کیونکہ کفار دیکھیں گے کہ مومنوں کے چہرے سفید ہیں اور ان کے چہرے سیاہ ہیں' مومنوں کے صحائف اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہیں' مومنوں کے چہرے تر و تازہ' ہنستے مسکراتے ہوئے اور بشاش ہیں اور ان کے چہرے پژمردہ اور تاریک ہیں' مومنوں کا نور ان کے سامنے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہے اور ان کی پیشانی ان کی پشت کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے' مومن کی میزان کے پلڑے بھاری ہوں گے اور ان کی میزان کے پلڑے ہلکے ہوں گے' مومن پل صراط پر ثابت قدم رہیں گے اور کافر پل صراط سے پھسل جائیں گے' اس لیے کافروں سے کہا جائے گا تم دنیا میں مومنوں سے مل جل کر رہتے تھے آج ان سے الگ ہو جاؤ' ان مومنوں کو اجر و ثواب اور انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور کافروں کو ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مومنین صالحین سے فاسقین کو نکال کر الگ کھڑا کر دیا جائے گا تو پھر اس آیت سے مسلمانوں کو بہت زیادہ ڈرنا چاہیے' کیونکہ دنیا میں تو استاذ اور شاگرد' باپ اور بیٹے' پیر اور مرید سب مل جل کر رہتے ہیں' حالانکہ کئی شاگرد استاذ سے اور کئی بیٹے' باپ سے اور کئی مرید پیر سے زیادہ نیک ہوتے ہیں' دنیا میں شاگرد' استاذ کو اور بیٹا باپ کو اور

مرید پیر کو زیادہ قابل احترام اور زیادہ متقی اور نیک سمجھتا ہے اور جب قیامت کے دن بدکار استاذ' فاسق باپ اور گنہ گار پیر کو حکم دیا جائے گا کہ اے مجرمو! آج نیکوں سے الگ کھڑے ہو جاؤ تو ان کی کس قدر ذلت اور رسوائی ہو گی' جب شاگرد' بیٹا اور مرید نیکوں کی صف میں کھڑے اپنے استاذ' باپ اور پیر کو مجرموں کی صف میں کھڑے ہوئے حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے! اور یہ سب سے بڑا عذاب ہے کیونکہ کسی شخص کو تنہائی میں عذاب دیا جائے اس سے اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا عقیدت مندوں کے سامنے رسوائی سے دکھ اور غم ہوتا ہے' اے اللہ تو نے ہمیں دنیا میں عزت دی ہے تو آخرت میں ہمیں ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھنا!

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مجرموں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا جائے گا' یہودیوں کو عیسائیوں سے الگ کر دیا جائے گا' اور مجوسیوں کو صابئین سے الگ کر دیا جائے گا' ہندوؤں کو سکھوں سے اور دہریوں کو بھکشوں سے الگ کر دیا جائے گا' ضحاک سے یہ بھی روایت ہے کہ کفار کے ہر فرقہ کے لیے دوزخ میں الگ الگ طبقہ ہے اور ہر فرقہ کو دوزخ کے الگ الگ طبقہ میں رکھا جائے گا۔

اس آیت کا چوتھا معنی یہ ہے کہ مومن تو اپنے بھائیوں' اپنی بیویوں' اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ واصل ہوں گے اور کفار اپنے بھائیوں' رشتہ داروں اور دوستوں سے الگ الگ اور جدا ہوں گے' سو کافروں کو آگ کا دردناک عذاب بھی ہو گا اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے جدا اور الگ ہونے کا قلق بھی ہو گا' اور دوستوں سے علیحدگی اور جدائی کا قلق آگ میں جلنے سے زیادہ ہو گا کیونکہ آگ میں جلنے کا عذاب جسمانی ہے اور دوستوں اور محبوبوں سے جدائی کا عذاب قلبی اور عقلی ہے۔

اس آیت کا پانچواں معنی یہ ہے کہ آج تم اپنے خود ساختہ معبودوں سے الگ ہو جاؤ اور جن کو تم اپنا شفیع اور مددگار قرار دیتے تھے ان سے الگ اور جدا ہو جاؤ۔

اس آیت کا چھٹا معنی یہ ہے کہ تم اپنی توقعات اور آرزوؤں سے الگ ہو جاؤ' بلکہ ہر خیر سے الگ ہو جاؤ' اور دوزخ میں بھی الگ الگ اور جدا جدا رہو' کیونکہ ہر کافر کی دوزخ میں الگ الگ کوٹھڑی ہو گی۔

تمام کافروں کی اقسام کا مجرمین کے عموم میں داخل ہونا

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے التاویلات الماتریدیہ میں ذکر کیا ہے کہ بعض اکابرین نے فرمایا جو لوگ دوام اور خلود کے ساتھ دوزخ میں رہیں گے' ان کے چار گروہ ہیں' متکبرین' دہریے (منکر خدا)' منافقین اور مشرکین' اور مجرمین کا لفظ ان چاروں گروہوں کو شامل ہے' اور جب فرمایا اے مجرمو! تم دوسروں سے الگ ہو جاؤ' تو اس میں ان سے خطاب فرمایا ہے جو دائماً دوزخ میں رہنے کے مستحق ہیں' اور یہ چار گروہ اس وجہ سے ہیں کہ شیطان وسوسہ اندازی کے لیے چار اطراف سے حملہ آور ہوتا ہے سامنے سے' پیچھے سے' دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے' جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَ قْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ○ (الاعراف: ۱۷-۱۶)

شیطان نے کہا چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے' اس لیے میں ضرور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا○ پھر میں ان پر ان کے سامنے سے حملہ کروں گا اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔

لہٰذا جو بھی دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل ہو گا وہ شیطان ہی کے واسطے سے داخل ہو گا' وہ مشرکین پر وسوسہ

ڈالنے کے لیے ان کے سامنے سے حملہ آور ہوگا' اور متکبرین پر ان کی دائیں جانب سے حملہ آور ہوگا' اور منافقین پر حملہ کے لیے ان کی بائیں جانب سے حملہ آور ہوگا اور دہریوں پر حملہ کرنے کے لیے ان کے پیچھے سے حملہ آور ہوگا' مشرکین پر سامنے سے اس لیے وسوسہ ڈالے گا کیونکہ اس کے سامنے کی جانب غائب ہوتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کا انکار نہیں کر سکتا' تو ابلیس اس کو سامنے سے کوئی ایسی چیز دکھاتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہی تمہارا خدا ہے سو وہ اس کی پرستش کرنے لگتا ہے' اور متکبرین کی طرف ان کی دائیں جانب سے اس لیے آتا ہے کہ دائیں جانب بائیں جانب سے قوی ہوتی ہے سو وہ اس کے دل و دماغ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ قوی ہے' پھر وہ تکبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو سب سے بڑا گمان کرتا ہے' اور منافقین کے دل و دماغ میں بائیں جانب سے وسوسہ ڈالتا ہے' کیونکہ بائیں جانب' دائیں سے کمزور ہوتی ہے اور منافق تمام گروہوں میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اس میں اپنے کفر کے اظہار کی قدرت نہیں ہوتی وہ اپنے کفر کو دل میں چھپاتا ہے اور اپنے اعتقاد کے خلاف ایمان کو اور مسلمانوں کی موافقت کو ظاہر کرتا ہے' اور خدا کے منکرین اور دہریوں کے دل و دماغ پر ان کے پیچھے سے حملہ آور ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنے پس پشت کچھ دکھائی نہیں دیتا' اسی طرح دہریوں کو اور منکرینِ خدا کو اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل اور نشانیاں نظر نہیں آتیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات خود بہ خود وجود میں آ گئی ہے' اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے' پس کفار اور مجرمین کے یہ چار گروہ ہیں' یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' دوزخ کے سات دروازے ہیں اور جب سات کو چار سے ضرب دیں تو حاصل ضرب اٹھائیس ہے اور چاند کی منزلیں بھی اٹھائیس ہیں اور جس طرح چاند اپنی اصل اور اپنی ذات میں بے نور ہے اسی طرح کفار بھی اپنی اصل اور ذات میں بے نور ہیں دنیا میں ان کے اندر جو عیش و عشرت کی روشنی نظر آتی ہے وہ چاند کی روشنی کی طرح مستعار اور عارضی ہے پس چاند کی منازل کی طرح ان کے عذاب کے بھی اٹھائیس مخصوص حصص بنا دیئے گئے ہیں۔

عہد کا معنی اور اس کی اقسام

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O (یٰسٓ: ۶۰)

عہد کا معنی ہے کسی ایسے کام کی پیشگی وصیت کرنا جس میں خیر اور منفعت ہو اور اس کام کا وعدہ لینا' یعنی کسی ایسے کام کا پختہ قول و اقرار لینا جس کی رعایت کرنا اور اس کو پورا کرنا لازم ہو' اللہ نے جو ہم سے عہد لیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہماری عقلوں میں یہ بات جاگزیں اور مرکوز کر دی ہے کہ ہم اس کو واحد مستحق عبادت مانیں گے' اور یا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ ہمیں جو احکام دے گا ہم ان کی اطاعت کریں گے' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم شیطان کی عبادت نہیں کریں گے' اور شیطان کی عبادت سے مراد ہے شیطان کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے قدم بہ قدم چلنا' اور ان آیات میں ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۗ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (الانعام: ۱۴۲) — اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ . (الاعراف: ۲۷) — اے اولادِ آدم! شیطان تم کو آزمائش میں نہ ڈال دے' جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے نکلنے کا سبب بن گیا تھا۔

شیطان کی عبادت تو کوئی نہیں کرتا تو اس کی ممانعت کا محمل

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا عہد لیا گیا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شیطان کی عبادت تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا' پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت سے کس لیے منع فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے وسوسوں کو قبول کرنا' اس کی موافقت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے برخلاف اس کے احکام کی تصدیق کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہی اس کی عبادت کرنا ہے' اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ . (الجاثیہ: ۲۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کے برخلاف اپنے نفس کی خواہشات اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ دراصل اپنے نفس کی عبادت کرتا ہے' سو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا دراصل اس کی عبادت کرنا ہے' پس اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں شیطان کے احکام کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا' اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنا ہے' کیونکہ اللہ کا رسول اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشا اور اس کی مرضی ہوتی ہے' اسی لیے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ . (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

حکام کی اطاعت کا محمل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ اولی الامر (علماء اور حکام) کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ . (النساء: ۵۹) اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیں علماء اور حکام کے احکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے پس اگر اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں علماء اور حکام کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً دوسروں کے احکام کی اطاعت کرنا ان کی عبادت نہیں ہے' بلکہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے برعکس دوسروں کی اطاعت کی جائے یا اللہ اور رسول کے احکام کی نافرمانی میں دوسروں کی اطاعت کی جائے تو یہ ان کی عبادت کرنا ہے' جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر لازم ہے کہ وہ حکام کے احکام سنیں اور ان کی اطاعت کریں خواہ وہ احکام ان کی خواہش کے موافق ہوں یا خلاف' ماسوا اس صورت کے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور ان پر ایک انصاری کو

بنا دیا' اور مسلمانوں سے فرمایا تم اس کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا' وہ لوگوں کی کسی بات سے غضب ناک ہو گیا' اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ لکڑیاں جمع کریں' سو لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں' پھر حکم دیا کہ آگ جلاؤ سو لوگوں نے آگ جلائی' پھر کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم میرا حکم سننا اور میری اطاعت کرنا' مسلمانوں نے کہا کیوں نہیں! اس نے کہا سو اب تم سب اس آگ میں داخل ہو جاؤ! پھر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا ہم آگ سے بھاگ کر ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں آئے ہیں' وہ اسی طرح کھڑے رہے حتیٰ کہ اس کا غضب ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بجھ گئی' جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر نکل نہیں سکتے تھے' اطاعت صرف نیکی میں کی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۷۲۱)

صرف اعضاء ظاہرہ سے شیطان کی اطاعت اور دل سے شیطان کی اطاعت کرنے کا فرق

ان احادیث سے ہمیں یہ معیار معلوم ہو گیا کہ جو حکم قرآن اور حدیث کے موافق ہو وہ اللہ کا حکم ہے اور اس پر عمل کرنا اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے اور جو حکم قرآن اور حدیث کے مخالف اور منافی ہو وہ شیطان کا حکم اور اس پر عمل کرنا شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے خواہ ہمارا نفس ہمیں ایسا حکم دے یا کوئی اور شخص ہمیں ایسا حکم دے' مثلاً ہمارا جی چاہے کہ ہم نماز نہ پڑھیں اور اس وقت میں کاروبار کریں' یا ہمارا کوئی دوست ہم کو شراب پینے' جوا کھیلنے یا کسی اور برے کام کی دعوت دے اور اس پر اصرار کرے تو یہ شیطان کا حکم ہے جو کبھی ہماری خواہش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ہمارے کسی دوست اور تعلق والے کے مشورے اور اس کی ترغیب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے' اور ایسے احکام پر عمل کرنا درحقیقت شیطان کی اطاعت ہے اور اس کی عبادت ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت اور عبادت سے منع فرمایا ہے۔

پھر شیطان کی اطاعت کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک قسم وہ ہے کہ انسان برے کام کو دل سے برا جانتا ہے لیکن شامت نفس سے' غلبہ شہوت سے یا غلبہ غضب سے وہ برا کام کر بیٹھتا ہے' مثلاً رقم کی وقتی ضرورت سے چوری کر لیتا ہے' لیکن دل سے اس کو برا سمجھتا ہے یا کوئی شخص دوستوں کے کہنے میں آ کر شراب پی لیتا ہے' یا جوا کھیلتا ہے یا خواہش نفس کے غلبہ سے بدکاری کر لیتا ہے' لیکن دل سے ان سب کاموں کو برا جانتا ہے اس قسم کی برائیوں میں صرف اس کے اعضاء ظاہرہ ملوث ہوتے ہیں اور اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا رہتا ہے' اور اس کا دل ان گناہوں سے پاک' صاف اور بے غبار ہوتا ہے تو اس قسم کے گناہوں میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس پر جو مصائب آتے ہیں اور بیماریاں طاری ہوتی ہے ان سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا' اور اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ اس کے پیر میں کانٹا چبھے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۴۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ ہو یا کمزوری ہو' یا بیماری ہو یا فکر ہو یا پریشانی ہو یا تکلیف ہو یا غم ہو حتیٰ کہ اس کو کوئی کانٹا بھی چبھا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ

فرماتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو شدید درد میں نہیں دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیماری میں گیا' اس وقت آپ کو بہت تیز بخار تھا میں نے کہا آپ کو تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے اور بے شک آپ کو اس سے دوہرا اجر ملے گا' آپ نے فرمایا: ہاں مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۳)

سو ان احادیث کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اعضاء ظاہرہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں اور اس کا دل اور ضمیر اس کو اس گناہ پر ملامت کرتا ہو تو اس کا نفس لوامہ ہے اور یہ توقع کی جانی چاہیے کہ اس پر جو مصائب اور آلام آئیں گے اور جو بیماریاں آئیں گی ان سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا' اور جس شخص کا دل کسی برے کام یا گناہ کرنے کے بعد خوش ہو اور وہ اس پر اظہار مسرت اور فخر کرے اس کا نفس امارہ ہے' اس کے گناہوں کی معافی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو اور توبہ کرے اور اپنے رب سے رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگے' اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دے' اور ہماری آئندہ کی زندگی کو گناہوں سے محفوظ اور مامون رکھے (آمین) اور ہمارے نفس کو نفس مطمئنہ بنا دے۔

ان احادیث کا ذکر جن سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ بھی اللہ کا مطلوب ہیں

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں شیطان کی عبادت اور اس کی اطاعت سے منع فرمایا ہے اور بندہ جس قدر بھی گناہ کرتا ہے وہ تمام گناہ شیطان کی اطاعت اور اتباع کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں' اس سے واضح ہوا کہ گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب سے روکیں اور ڈرائیں' اس پر یہ خلجان ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے گناہوں کا کرنا بھی مطلوب ہوتا ہے وہ احادیث یہ ہیں:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پر جب موت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا میں نے تم سے ایک ایسی حدیث چھپائی تھی جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسی مخلوق کو پیدا کرے گا جو گناہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۷۴۸' الرقم المسلسل: ۶۸۳۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۹' مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۹۹۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰ ۳۶' جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۱۰۶۴۷' ۱۰۶۰۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگوں کے گناہ نہ ہوں جن کو اللہ تمہارے لیے بخش دے' تو اللہ ایسی قوم کو پیدا کرے گا جن کے گناہ ہوں گے اور اللہ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۷۴۸' الرقم المسلسل: ۶۸۳۱' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۹' الترغیب والترہیب ج ۵ ص ۲۲۹' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۰۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۲۲۳' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۱۷' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۶۶۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۱۴-۱۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی پھر اللہ

سے استغفار کرے گی تو اللہ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۹، الرقم المسلسل: ۶۸۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۹، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۹۹)

شارحین حدیث کی طرف سے احادیث مذکورہ کی توجیہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کے بے حد کرم کا تقاضا ہے، حضرت ابوایوب نے اپنی زندگی میں اس حدیث کو اس لیے بیان نہیں کیا کہ ان کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ اس کے ظاہر پر اعتقاد کرلیں گے اور ان پر بخشش کی امیدیں غالب ہو جائیں گی اور وہ نیک عمل کرنے کو ترک کر دیں گے اور گناہوں پر دلیر ہو جائیں گے، پھر موت سے پہلے وہ علم کو چھپانے کی وعیدوں سے ڈرے اور مرنے سے پہلے انہوں نے اس حدیث کو بیان کر دیا تا کہ ان پر علم کو چھپانے کی گرفت نہ ہو، علاوہ ازیں یہ کہ اب چونکہ ان کی اپنی موت کا وقت آ گیا تھا، اس لیے ان کے دل میں بھی اپنی مغفرت کی شدید خواہش اور آرزو تھی اس لیے اس موقع پر مغفرت کے حصول کی طمع میں انہوں نے یہ حدیث بیان کی۔

اسی طرح مقررین، خطباء اور واعظین پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ مغفرت کی نوید اور بخشش کی بشارت سے متعلق زیادہ احادیث نہ بیان کیا کریں تا کہ عام لوگ ان احادیث پر تکیہ کر کے نیک اعمال کو ترک نہ کر دیں اور گناہوں میں ڈوب نہ جائیں اور ان کو چاہیے کہ وہ خطبات اور مواعظ میں گناہوں پر گرفت اور عذاب کی وعیدوں پر مشتمل آیات اور احادیث کو زیادہ بیان کیا کریں، لیکن اس قدر زیادہ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے نا امید اور مایوس ہو جائیں اور جو شخص کسی قریب المرگ شخص کے پاس جائے تو اس کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کی آیات اور احادیث سنانا مستحب ہے، اسی طرح جس شخص پر مرض کا غلبہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے انعام و اکرام کی آیات اور احادیث سنانا مستحب ہے، تا کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے کی خوشی محسوس کرے اور اس کو یہ حسن ظن ہو کہ اس کی آخرت اچھی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۲۴۸-۲۴۷، دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی التوفی ۸۲۸ ھ قاضی عیاض کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوسلیمان الدارانی پر جب موت کا وقت آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عفو و کرم کی احادیث سنائیں اور ان سے کہا گیا کہ اب تم بخشنے والے مہربان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے آگے بڑھو تو انہوں نے کہا تم یوں نہیں کہتے کہ اس کے پاس جانے کی تیاری کرو، جو سخت سزا دینے والا ہے، اور گناہ کبیرہ پر عذاب دیتا ہے اور گناہ صغیرہ پر گرفت فرماتا ہے، یہ ان کا حال ہے جن پر خوف خدا کا غلبہ ہو۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی التوفی ۷۴۳ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو لوگ گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کو ان کے حال پر برقرار رکھا گیا ہے اور ان کی تحسین کی گئی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہوں سے روکیں، بلکہ اس حدیث کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جب بندے اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں تو وہ ان کو معاف فرما دیتا ہے، نیز اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کو پسند فرماتا ہے اسی طرح وہ بدکاروں سے درگزر کرنے کو بھی پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ غفار، حلیم، تواب اور عفو کرنے والا ہے اور اس نے ایسا نہیں کیا کہ تمام بندوں کو فرشتوں کی طرح گناہوں سے معصوم بنا دیتا، بلکہ اس نے اپنے بندوں میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے جو اپنی طبیعت سے گناہوں کی طرف مائل ہونے والے

ہیں اور فتنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں' پھر اس نے ان کو گناہوں سے اجتناب کرنے کا مکلف کیا اور ان کو گناہوں کی سزا سے ڈرایا اور ان کو یہ بتایا کہ اگر ان سے گناہ ہو جائے تو وہ اس پر توبہ کر لیں' اگر وہ گناہوں سے بچے تو وہ ان کو اجر عطا فرمائے گا' اور اگر ان سے کوئی لغزش ہوگئی تو پھر ان کے سامنے توبہ کا راستہ ہے' اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اگر تم فرشتوں کی جبلت اور ان کی فطرت پر ہوتے اور تم سے گناہوں کا صدور ممتنع ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دیتا جن سے گناہوں کا صدور ہو سکتا کیونکہ وہ غفار ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی مغفرت کی جائے جیسے اس کے رازق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو رزق دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ . اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (البقرہ:۲۲۲)

اور اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ظہور اس وقت ہوگا جب توبہ کرنے والے ہوں۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج۹ص۹۸' ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

حسب ذیل احادیث میں بھی علامہ طیبی کی تقریر کی تائید ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۷۰)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کے گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۵۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۱۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ کرنے سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے' جتنی تم میں سے کسی ایک کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب جنگل کی زمین میں تمہاری اونٹنی بھاگ جائے جس پر تمہارے کھانے پینے کا سامان لدا ہوا ہو' وہ اس کے ملنے سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں سر رکھ کر سو جائے' وہ اسی مایوسی کی حالت میں ہو کہ اچانک وہ اونٹنی اس کے سامنے کھڑی ہوئی ہو وہ اس کی مہار پکڑ کر خوشی کی شدت سے کہے: اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں' خوشی کی شدت کی وجہ سے اس کے منہ سے الٹ بات نکل جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۲۵۹)

حدیث مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہ

میرے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے حساب اور بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور اگر انسان تسلسل کے ساتھ ساری عمر اس کا شکر ادا کرتا رہے اور بغیر انقطاع کے اس کی عبادت کرتا رہے' تب بھی اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا اور شکر ادا نہ کرنا بھی گناہ ہے' سو بندوں پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے نادم اور شرم سار رہیں کہ وہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکے اور اپنے آپ کو خطا کار اور گنہ گار سمجھتے رہیں' اور حدیث میں جو ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو ایسے بندوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور توبہ کریں گے اس کا معنی ہے اگر خود کو گنہ گار نہ سمجھو تو وہ ایسے بندوں کو پیدا کرے گا جو خود کو گنہ گار سمجھیں گے اور توبہ کریں گے اور وہ ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کر دے گا! اور اس توجیہ کی

سے اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

شیطان اللہ کے نیک بندوں سے گناہ کرا کر بھی نا کام اور نامراد رہتا ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ شیطان جب اللہ کے کسی بندہ کے دل میں کسی گناہ کی ترغیب پیدا کر کے اس کو کسی گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے کہ میں نے اس بندہ کو اللہ کے قرب کے راستہ سے دور کر دیا لیکن درحقیقت اس بندہ کی لغزش اس کے درجات کی بلندی اور اللہ کے مزید قرب کا سبب بن جاتی ہے' کیونکہ اس گناہ کی وجہ سے وہ بندہ غمگین ہوتا ہے اور اگر اس سے پہلے وہ اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر خوش تھا اور اپنی اطاعت اور ریاضت پر نازاں تھا تو اپنی نیکیوں پر ناز اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور ندامت اور پچھتاوے سے اس کا خوشی سے اٹھا ہوا سر جھک جاتا ہے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے وہ اشک ندامت بہاتا ہے اور بے اختیار صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو خطا کار اور مجرم قرار دیتا ہے' سو جب وہ گناہ کرنے کے بعد نادم ہوتا ہے اور اپنے گناہ پر توبہ کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ. (البقرہ: ۲۲۲) بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اور یوں اللہ کے نیک بندوں سے شیطان گناہ کرانے کے بعد بھی نا کام اور ذلیل و خوار ہوتا ہے کیونکہ گناہ سرزد ہونے کے بعد وہ اس گناہ پر بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنی اس لغزش کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب ہوتا ہے' حدیث میں ہے' مالک بن دینار روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

یا رب این ابغیک قال ابغنی عند المنکسرۃ قلوبھم. اے رب! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا مجھے ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس تلاش کرو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۱۳' رقم الحدیث: ۲۷۷۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۸۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور شاید کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور یوں اللہ کے نیک بندوں سے شیطان جب کسی گناہ کو صادر کرا لیتا ہے تو یہ سوچ کر ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے کہ لوگ ان کو کس قدر نیک گمان کرتے ہیں اور وہ یہ گناہ کر بیٹھے ہیں اور ان کی جلوت اور خلوت میں کس قدر تضاد ہے اور وہ بے اختیار یہ شعر پڑھتے ہیں:

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر مے کنند ۔۔۔ چوں بہ خلوت مے رسند آں کار دیگر مے کنند

اور جن آیات اور احادیث میں گناہوں پر وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کر کے خوف خدا سے روتے ہیں اور اپنے معتقدین کے سامنے سر اٹھا کے چلنے سے گریز کرتے ہیں' سو ان کے دلوں کا ٹوٹنا اور ارتکاب معصیت پر ان کا رنج اور افسوس کرنا ان کے درجات میں اور زیادہ بلندی کا باعث ہوتا ہے اور شیطان ان سے گناہ کا صدور کرا کر بھی خائب و خاسر اور نا کام اور نامراد رہتا ہے' اور ایسے لوگ ان آیات کے مصداق ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ. (الانفال: ۲) ایمان والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○ (الانفال: ۴) یہی سچے ایمان والے ہیں' ان کے رب کے پاس ان کے بلند درجات ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اور غالباً اسی مرتبہ کو عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے بہ طریق نسیان یا بہ طریق اجتہادی خطاء کوئی ظاہری خطا صادر کرا دیتا ہے' تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اشک ندامت بہائیں' توبہ اور استغفار کریں اور تواضع وانکسار کے کلمات کہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے بھولے سے شجر ممنوعہ سے کھالیا تو کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۳)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ مر گیا تو کہا:

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (القصص: ۱۶)

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی' سو تو مجھے معاف فرما دے تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا' بے شک وہی بہت معاف فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے بغیر اذن مخصوص کے اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے تو کہا:

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانبیاء: ۸۷-۸۸)

انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے' پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے ○ تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ○ سو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت پر اپنی تحسین اور خود ستائی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اللہ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا بلکہ یہی کہا:

لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (المائدہ: ۱۰۹)

ہمیں کسی چیز کا علم نہیں' بے شک تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔

اس کے برخلاف فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرہ: ۳۰)

کیا تو زمین میں اس کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

نیز فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تقویٰ اور طہارت کا ذکر کیا اور خود ستائی کی:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ (البقرہ: ۳۰)

اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا نہ اپنی عبادت اور ریاضت کا ذکر کیا اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا نسیان اور اجتہاد سے ظاہری خطائیں کرنا اس لیے تھا کہ وہ استغفار کریں' تواضع اور انکسار کریں اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت کو حاصل کریں اور اپنی امتوں کو توبہ اور استغفار کی تعلیم دیں اور ان کی امتوں کو استغفار کرنے میں اسوہ اور نمونہ فراہم ہو

اور ان کی اقتداء کا شرف حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب اور عجز کے باب میں انبیاء علیہم السلام کا مقام فرشتوں سے بہت اونچا ہے۔

شیطان کی انسانوں سے دشمنی کے اثرات اور ان سے محفوظ رہنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو شیطان کی عبادت اور اس کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا' اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی کہ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

شیطان نے انسان سے جو دشمنی رکھی اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرے' اور حضرت آدم کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا ان کو مسجود ملائک بنایا اور اپنا نائب اور خلیفہ بنایا' اور عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب باپ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے کو یا جب استاذ اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شاگرد کو زیادہ اہمیت اور خصوصیت عطا کرے تو باقی بیٹے اور شاگرد اس بیٹے اور شاگرد سے دشمنی رکھتے ہیں اور ایسے لوگ درحقیقت شیطان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔

شیطان نے انسان کے ساتھ اپنی کھلی ہوئی دشمنی کا اظہار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (الاعراف ۷: ۱۶-۱۷)

چونکہ تو نے مجھے گم راہ کر دیا ہے اس لیے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا○ پھر میں ضرور ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب اور بائیں جانب سے ان پر حملہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۶۲)

شیطان نے کہا اچھا دیکھ لیجیو! یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو نے مجھ کو قیامت تک کی مہلت دے دی تو میں اس کی اولاد میں سے چند لوگوں کے سوا سب کو (رشد و ہدایت کی) جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو خصوصاً مسلمانوں کو یہ بتا دیا کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے تو چاہیے تھا کہ انسان ایسے کام نہ کرتا جن سے شیطان راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ناجائز قتل کرتے ہیں' زنا کرتے ہیں' شراب پیتے ہیں' سود کھاتے ہیں اور بہ کثرت کاموں میں شیطان کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوت غضبیہ رکھی ہے تاکہ اس قوت سے کفار کے خلاف جہاد کیا جائے' اور قوت شہوانیہ رکھی ہے تاکہ انسان نکاح کرے اور اولاد صالحہ کے حصول کی کوشش کرے' اور شیطان انسان کے دل و دماغ میں وسوسے ڈال کر انسان کو اس پر اکساتا ہے کہ وہ قوت غضبیہ سے کام لے کر اپنے دنیاوی مخالفوں سے انتقام لے' اور خوب صورت عورتوں اور بے ریش حسین لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر کے انسان کو اس پر اکساتا ہے کہ وہ قوت شہوانیہ سے کام لے کر ان کے ساتھ اپنی ناجائز خواہش کو پورا کرے' اسی طرح انسان میں قوت ذائقہ رکھی ہے کہ وہ حلال اور جائز چیزیں کھا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور شیطان اس کو شراب اور دیگر حرام چیزوں کی لذت کی طرف راغب کرتا ہے' اور انسان میں مال کی طرف میلان پیدا کیا ہے تاکہ وہ جائز ذرائع سے مال کما کر اپنی ضروریات کو پورا کرے اور شیطان

اس کو اس پر اکساتا ہے کہ نا جائز ذرائع سے مال کمانے میں زیادہ سہولت اور آسانی ہے اور زیادہ مقدار میں مال حاصل
اس لیے انسان سود کے ذریعہ اور نقلی اور جعلی اشیاء کی فروخت کے ذریعہ زیادہ مال حاصل کرتا ہے۔ سو جس انسان میں اللہ اور
رسول کی محبت کا غلبہ نہ ہو یا اللہ اور رسول کا خوف نہ ہو وہ شیطان کی ترغیبات اور اس کے بہکانے کے دام میں بہت جلد پھنس
جاتا ہے اور جس کا ایمان قوی ہو اس پر شیطان کے بہکانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص زکام' کھانسی اور
نمونیہ میں مبتلا ہو اس کو ڈاکٹر ٹھنڈی اور کھٹی چیزوں کے کھانے سے منع کرتا ہے اس کے سامنے ٹھنڈی اور کھٹی چیزیں کھائی جائیں
تو اس کے نادان دوست اس کو ان چیزوں کے کھانے اور بد پرہیزی کرنے پر اکسائیں تو اگر اس کو ڈاکٹر پر کامل اعتماد ہو اور بد
پرہیزی کے عواقب اور نتائج پر پوری بصیرت ہو تو وہ ان نادان دوستوں کے کہنے میں نہیں آئے گا' اور اگر اس کو ڈاکٹر پر اعتماد نہ
ہو اور زبان کے چٹخارے اور لذت کا حصول اس پر غالب آ جائے تو وہ بد پرہیزی کرے گا اور اپنی صحت کو تباہ کر لے گا' اسی
طرح شوگر کے مریض کو میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں سے پرہیز کی تاکید کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اگر آپ نے بد پرہیزی
کی تو آپ کی بینائی متاثر ہو جائے گی' آپ کے گردے فیل ہو جائیں گے آپ کو انجائنا ہو جائے گا جسم کے اندر ناسور ہو جائے
گا' اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض سے کہا جاتا ہے اگر آپ نے باقاعدگی سے دوا نہ لی اور نمکیات سے پرہیز نہ کیا تو آپ کو فالج
ہو جائے گا یا آپ کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی لیکن جس کو ڈاکٹر کی نصیحت پر اعتماد نہ ہو یا اس کو منع کی ہوئی چیزوں کے
کھانے کا غالب شوق ہو وہ باقاعدگی سے دوا نہیں لیتا اور بد پرہیزی کرتا ہے' انجام کار اس کے گردے فیل ہو جاتے ہیں اس کی
بینائی چلی جاتی ہے اس کے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں یا اس کو فالج ہو جاتا ہے یا اس کے دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے' اسی
اسی طرح انسان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرے اور شیطان کی ترغیبات پر عمل نہ کرے لیکن جس
کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اس پر نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے وہ اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا اور شیطان کی ترغیبات پر
عمل کرتا ہے اور اخروی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے اور جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور وہ نفسانی خواہشوں پر ضبط کر سکتا ہے تو وہ
اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرتا ہے اور شیطان کی موافقت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور سیدھے راستہ کے معانی اور مطالب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا' یہی سیدھا راستہ ہے (یٰسٓ: ۶۱)
اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا
ہے اور جب کوئی ماہر ڈاکٹر کسی مریض کو پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر پرہیز کے ساتھ اس کو باقاعدگی سے دوا استعمال کرنے کا
حکم دیتا ہے' سو اسی طرح پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان کی عبادت کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا اور پھر اس کے
ساتھ اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور پہلے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا اور پھر اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' کیونکہ پہلے رذائل
سے خالی ہونا چاہیے پھر فضائل سے آراستہ ہونا چاہیے' پھر شیطان کی عبادت سے متنفر کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ وہ تمہارا دشمن
ہے تو بہ ظاہر رحمٰن کی اطاعت پر راغب کرنے کے لیے کہنا چاہیے تھا کہ وہ تمہارا دوست ہے یا تمہارا محب ہے' لیکن اس طرح
نہیں فرمایا کیونکہ عام طور پر انسان اپنے دوستوں اور محبین کی اطاعت یا عبادت نہیں کرتا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ یہی سیدھا راستہ ہے
یعنی اگر اس راستہ پر چلو گے تو ہدایت پا لو گے اور اگر اس راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلو گے تو گم راہ ہو جاؤ گے اور گم راہی
کے راستہ پر چلنا حرام ہے تو سیدھے راستے پر چلنا واجب قرار پایا۔
سیدھا راستہ فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مسافر ہے' اس نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا' یہ دنیا منزل

یہ راستہ ہے یہاں سے گزر کر آخرت کی طرف جانا ہے' سو اس دنیا کے ساتھ دل نہ لگایا جائے اور یہاں رہتے ہوئے ایسے انتظامات نہ کیے جائیں جیسے یہی منزل مقصود ہو' اور منزل تک پہنچنے کے لیے اس راستہ کو اختیار کرنا چاہیے جو راستہ سیدھا ہو' پرخطر اور ٹیڑھا نہ ہو اور وہ راستہ یہی ہے کہ اللہ عزوجل کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور عبادت کا معنی ہے کسی کے سامنے غایت تذلل کرنا اور اس کے سامنے تکبر نہ کرنا اور بڑا نہ بننا' پس شیطان کی عبادت سے منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان شیطان کے سامنے تذلل نہ کرے بلکہ اس کے سامنے تکبر کرے' اور اللہ کی عبادت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سامنے ذلت اور انکسار کے ساتھ رہے اور اللہ کے ماسوا سے تکبر کرے' اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے ماسوا سے بہتر جانے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا میں سے کسی کی اطاعت نہ کرے اور چونکہ اس کا نفس بھی اللہ کے ماسوا میں داخل ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کا بھی حکم نہ مانے اور اس کی خواہش کے آگے بھی سر نہ جھکائے' اسی طرح امراء' حکام اور دیگر لوگوں کے احکام جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوں تو ان کی اطاعت بھی نہ کرے تب ہی یہ معنی صادق ہوگا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف اور کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اس سے جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرے اور اس کی حدود کی حفاظت کرے' جب اللہ کسی آزمائش میں ڈالے تو اس کی شکایت نہ کرے' عبادت کرنے سے غافل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا فرمائے اس کی ناشکری نہ کرے اور کسی حال میں بھی اس کی معصیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے لیکن وہ اللہ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل نہیں کرتے بلکہ شیطان کے وسوسوں کو قبول کرتے ہیں اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے ○ یہ ہے وہ جہنم جس کی تمہیں وعید سنائی گئی تھی ○ اس میں داخل ہو جاؤ' کیونکہ تم کفر کرتے تھے ○ ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے' اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

(یٰسٓ ۶۵۔۶۲)

جبل اور عقل کے معانی

اس آیت میں ایک لفظ ہے جبلاً' اس کا معنی ہے خلق' بڑی جماعت' جبل کا معنی ہے پہاڑ' اور چونکہ پہاڑ میں بڑائی اور عظمت کا معنی ہے اس لیے بڑی جماعت کو جبل کہنے لگے' یعنی ایسی بڑی جماعت جو اپنے بڑے ہونے میں پہاڑ کی مثل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ○ (یٰسٓ: ۶۲) اور بے شک شیطان نے تمہاری بہت بڑی جماعت کو گمراہ کر دیا۔

نیز فرمایا:

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ. (الشعراء: ۱۸۴) اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے بڑے بڑے گروہوں کو پیدا کیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا: افلم تکونوا تعقلون' اور تعقلون کا لفظ عقل سے بنا ہے' عقل کی تعریف یہ ہے کہ: وہ قوت جو علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اور انسان جس علم کو اس قوت سے حاصل کرے اس کو بھی عقل کہا جاتا ہے' اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عقل کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ عقل ہے جو دماغ میں مرکوز ہے اور ایک وہ عقل ہے جو سن کر حاصل ہوتی ہے' اور جب تک دماغ میں عقل مرکوز نہ ہو اس وقت تک سنی ہوئی باتوں سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا' جس طرح جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو' سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا' عقل کے پہلے معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے افضل کسی چیز کو پیدا نہیں کیا' اور عقل کے دوسرے معنی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے: انسان نے اس عقل سے افضل کسی چیز کو حاصل نہیں کیا جو اس کو کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے یا کسی برائی سے روک دے' قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (العنکبوت: ۴۳) علماء کے سوا قرآن مجید کی مثالوں کو کوئی نہیں سمجھتا۔

اس آیت میں عقل کا یہی دوسرا معنی مراد ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی کفار کے پاس عقل نہ ہونے کی مذمت کی ہے اس سے بھی عقل کا یہی دوسرا معنی مراد ہے نہ پہلا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. (البقرہ: ۱۷۱) وہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' پس وہ نہیں سمجھتے۔

اور ہر وہ مقام جہاں عقل نہ ہونے کی وجہ سے بندوں کو مکلف نہیں کیا گیا وہاں عقل سے پہلے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے' اور عقل کا لغوی معنی ہے روکنا اور منع کرنا' عقل کو عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے' رسی کو بھی عقل کہتے ہیں اور رسی سے باندھنے کو بھی عقل کہتے ہیں' مقتول کی دیت ادا کرنے والوں کو عاقلہ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۴۵-۴۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

عقل کی تعریفات اور اس کی اقسام

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ نے عقل کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:

(۱) عقل ایسا جوہر ہے جو اپنی ذات میں مادہ سے مجرد ہے اور اپنے فعل میں مادہ سے مقارن ہے (۲) عقل وہ نفس ناطقہ ہے جس کو ہر شخص "میں" سے تعبیر کرتا ہے (۳) عقل ایک جوہر روحانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بدن سے متعلق کر کے پیدا کیا ہے (۴) عقل دل میں ایک نور ہے جو حق اور باطل کی معرفت رکھتا ہے (۵) عقل ایسا جوہر ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور بدن کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتا ہے (۶) عقل نفس ناطقہ کی قوت ہے' اور اس میں تصریح ہے کہ قوت عاقلہ نفس ناطقہ کی مغائر ہے اور تحقیق یہ ہے کہ فاعل نفس ہے اور عقل اس کا آلہ ہے' جیسے کاٹنے والے کے ہاتھ میں چھری آلہ ہوتی ہے (۷) عقل' نفس' ذہن تینوں ایک چیز کے مختلف نام ہیں' جس حیثیت سے وہ ادراک کرتی ہے اس کو عقل کہتے ہیں' اور جس حیثیت سے وہ تصرف کرتی ہے اس کو نفس کہتے ہیں اور جس حیثیت سے وہ ادراک کی صلاحیت رکھتی ہے اس کو ذہن کہتے ہیں۔ جس چیز سے حقائق اشیاء کا ادراک کیا جائے اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل دل ہے۔

عقل کی چار قسمیں ہیں (۱) عقل مستفاد: جس کے سامنے تمام معلومات نظریہ حاضر ہوں اور کوئی چیز غائب نہ ہو (یہ انبیاء علیہم السلام کی عقل ہے) (۲) عقل بالفعل: قوت عاقلہ میں تمام نظریات مخزون ہوں اور اس میں ان کے حصول کا ملکہ اور مہارت ہو۔

(۳) عقل بالملکہ: اس کو بدیہیات حاصل ہوں اور اس میں نظریات کو حاصل کرنے کی صلاحیت ہو۔

(۴) عقل ہیولانی: اس میں معقولات کو حاصل کرنے کی صرف استعداد اور صلاحیت ہو اور یہ محض ایک قوت ہے جو فعل سے خالی ہو جیسے بچوں کی عقل ہوتی ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۹۔۱۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

انبیاء علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ اور شیطان کا کام صرف تزئین ہے' پیدا ہر چیز کو صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا قصور صرف یہی ہے کہ وہ شیطان کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کا قصور صرف یہی نہیں ہے' بلکہ پچھلی امتوں کے احوال سے عبرت نہ پکڑنا اور ان پر عذاب کے آثار دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہ کرنا یہ بھی ان کا قصور ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تم میں سے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' کسی شخص کو گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو اس کے مقصد سے منحرف کر دیا جائے' اور انسان کا مقصد یہ ہے کہ وہ نیک کام کرے اور برے کام نہ کرے اور جب شیطان انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ عبادت نہ کرے اور ناجائز اور حرام کام کرے اور انسان اس کے حکم پر عمل کر لیتا ہے تو وہ گم راہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں گمراہ کرنے کا اسناد شیطان کی طرف فرمایا ہے' اسی طرح بعض آیات میں ہدایت دینے کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے' لیکن درحقیقت انبیاء علیہم السلام صرف اللہ کا راستہ دکھاتے ہیں اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں ہدایت کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اسی طرح شیطان صرف برے کام کا وسوسہ ڈالتا ہے اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے اور گم راہی کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف (نیکی کی) دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور کسی بھی ہدایت کو پیدا کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے' اور شیطان کو صرف (برائی کو) مزین کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور کسی بھی گم راہی کو پیدا کرنا اس کی طرف مفوض نہیں ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۰۹۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۹' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۷۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۵۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۶' حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کی سند کے ضعف کی طرف رمز کی ہے)

نیز حافظ سیوطی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عقیلی متوفی ۳۲۲ھ نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں خالد ہے وہ نقل میں غیر معروف ہے' اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور اس کی اصل معروف نہیں ہے' اور امام ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے کہا یہ خالد خراسانی ہے اور یہ حدیث اس کی سماک سے مرسل روایت ہے' (الکامل ج ۳ ص ۷۲) حافظ سیوطی فرماتے ہیں خالد خراسانی سے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے احادیث روایت کی ہیں اور امام ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' اور امام ابوحاتم نے کہا ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور اب اس حدیث کی سند پر اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں ہے کہ یہ سند مرسل ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۲۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حدیث مرسل امام حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے' سو اس حدیث کا مرسل ہونا بھی ہمارے نزدیک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

عقل کے اجزاء اور حصص

اس کے بعد فرمایا: کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے! عقل سے مراد ایسا نور ہے جس سے معنوی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جب تم مکہ سے باہر سفر کرتے ہو تو کیا تم پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کے آثار کا مشاہدہ نہیں

کرتے تاکہ تم اپنے کفر اور اپنی سرکشی سے باز آ جاؤ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے عقل کو تقسیم کر کے اس کے تین حصے کیے ہیں' پس جس شخص میں یہ تینوں حصے ہوں اس کی عقل کامل ہے اور جس شخص میں ان میں سے کوئی حصہ نہ ہو اس میں بالکل عقل نہیں ہے' ایک حصہ یہ ہے کہ اس کو اللہ عزوجل کی اچھی معرفت ہو اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی اچھی طرح اطاعت کرے' اور تیسرا حصہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے احکام بجالانے میں اس کو جو مشقت اٹھانی پڑی اس پر صبر کرے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۲۱' دار الکتب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' اتحاف ج ا ص ۴۷۳' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں اس کی سند میں سلیمان بن عیسیٰ بن نجیح السجزی ہے' امام ابو حاتم نے کہا یہ کذاب ہے' امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث وضع کرتا تھا' حاکم نے کہا اس کی اکثر احادیث منکر اور موضوع ہیں' حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' امام عقیلی نے کہا اس کا کوئی متابع نہیں ہے' امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (اللئالی المصنوعۃ ج ا ص ۱۱۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

پس جو شخص عقل سے کام نہ لے وہ مطلقاً گم راہ ہو جاتا ہے' اس کی لگام شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جدھر چاہتا ہے اسے کھینچتا پھرتا ہے' اور اگر وہ اپنی عقل سے کام لے اور یہ جان لے کہ اس کی عبادت کا مستحق صرف اللہ عزوجل ہے اور وہی اس کا اور ساری کائنات کا مالک اور خالق ہے تو اللہ اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔

دوزخ کے عذاب کی شدت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے وہ جہنم جس کی تمہیں وعید سنائی گئی تھی (یٰسٓ: ۶۳)

یعنی اے مجرمو! تمہیں دنیا میں رسولوں کی زبان سے دوزخ سے ڈرایا گیا تھا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. (ص: ۸۵) میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا۔

اس کے بعد کفار کو مخاطب کر کے فرمایا: اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم کفر کرتے تھے ○ (یٰسٓ: ۶۴)

اس آیت میں اصلوها فرمایا ہے' اس کا مادہ صلی ہے' صلی اللحم صليا کا معنی ہے' گوشت کو آگ میں ڈال کر جلا اور بھون ڈالا' اور ان کو دوزخ میں ڈالنے کا جو حکم دیا ہے' یہ حکم بہ طور توہین ہے جیسے اس آیت میں ہے:

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ○ (الدخان: ۴۹) لے عذاب (کا مزہ) چکھ تو (اپنے نزدیک) بڑا معزز اور مکرم تھا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مجرمو! تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تپش اور اس کے انواع و اقسام کے عذاب کا مزا چکھو' تم دنیا میں جو تسلسل کے ساتھ کفر اور سرکشی کرتے رہے تھے آج اس کفر اور شرک کی سزا پانے کا دن ہے' دوزخ کے عذاب کی شدت کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا کی آگ' دوزخ

آگ کی بہ نسبت ستر میں سے ایک حصہ ہے' آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ تحقیق دوزخ کی آگ دنیا کی آگ جتنی ہوتی پھر بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ رکھا گیا اور اس کا ہر درجہ دنیا کی آگ کی مثل ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ میں آگ جلائی گئی حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی اس کو پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی پس دوزخ سیاہ اور اندھیری ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۲۰' المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۳۵۵)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چٹان کو جہنم کے کنارے لڑھکایا جائے گا وہ ستر سال تک نیچے گرتی رہے گی لیکن جہنم کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گی' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دوزخ کو یاد کیا کرو' کیونکہ اس کی گرمی بہت سخت ہے' اور اس کی تہہ بہت بعید ہے اور اس کے گرز لوہے کے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۷۵' المسند الجامع رقم الحدیث:۹۶۲۵)

قیامت کے دن نیک لوگوں کے اعضاء ان کی نیکیاں بیان کریں گے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے' اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے O (یٰسٓ:۶۵)

اس آیت میں نختم کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہم مہر لگا دیں گے' پھر اس لفظ کو منع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور افواہ' فم کی جمع ہے اس کی اصل فوہ ہے' اور اس کا معنی منہ ہے۔

پھر فرمایا ہے ان کے ہاتھ اور پیر ہم سے کلام کریں گے' اس آیت میں صرف ہاتھوں اور پیروں کے کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور مراد یہ ہے کہ مجرموں کے تمام اعضاء کلام کریں گے اور ان اعضاء سے جس قدر برے کام کیے جاتے تھے ان کا ذکر کریں گے' بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جس طرح مجرموں کے اعضاء ان کی برائیوں کو بیان کریں گے اسی طرح نیک مسلمانوں کے اعضاء ان کی نیکیوں کو بیان کریں گے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تسبیح اور تہلیل اور تقدیس پڑھنے کو لازم کر لو' اور پوروں (انگلیوں کے سروں) سے ان کا شمار کیا کرو' کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا اور ان سے کلام طلب کیا جائے گا' اور تم (ان کو پڑھنے سے) غافل نہ ہو اور اللہ کی رحمت کو بھول نہ جانا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۹' مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۵۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۵ رقم الحدیث:۱۸۱' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کے سروں سے تسبیحات کو شمار کرنے کا حکم دیا تاکہ انہوں نے ان سے جو گناہ کیے ہیں وہ ساقط ہو جائیں' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خواتین گنتی اور شمار کو جانتی تھیں۔ تسبیح کا معنی ہے سبحان اللہ پڑھنا' اور تہلیل کا معنی ہے لا الہ الا اللہ پڑھنا' اور تقدیس کا معنی ہے سبحان الملک القدوس یا سبوح قدوس رب الملائکۃ و الروح پڑھنا۔ آپ نے فرمایا: ان سے سوال کیا جائے گا' یعنی قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے ان انگلیوں سے کیا کام لیا تھا' اور آپ نے فرمایا ان سے کلام طلب کیا جائے گا' یعنی یہ انگلیاں قیامت کے دن اپنے صاحب کے موافق یا مخالف گواہی دیں گی' قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ۲۴) جب ان کے متعلق ان کی زبانیں' ان کے ہاتھ اور ان کے پیر گواہی دیں گے وہ دنیا میں کیا عمل کرتے رہے تھے۔

اس آیت میں اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ ان اعضاء کو ان کاموں میں استعمال کیا جائے جن کاموں سے ان کا رب تعالیٰ راضی ہو' اور اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنے اعضاء کو بے حیائی اور برائی کے اور گناہوں کے کاموں سے محفوظ رکھا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غافل نہ ہونا یعنی ان اذکار' اوراد اور وظائف کے پڑھنے کو ترک نہ کرنا' اور تم رحمت کو بھول نہ جانا یعنی ان کلمات کے پڑھنے سے جو اجر و ثواب ملتا ہے اس کو فراموش نہ کر دینا۔

مجرمین کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کرنے کی توجیہ

قیامت کے دن مجرمین کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کی جائے گی' کیونکہ قیامت کے دن نیک لوگوں کو مجرمین اپنا دشمن کہیں گے اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں کی جاتی خواہ وہ دشمن صالح اور نیک ہو' اور خود مجرمین فساق ہیں اور فساق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف گواہی کے لیے ان کے اپنے اعضاء میں کلام پیدا فرما دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان اعضاء سے گناہ صادر ہوئے تھے سو یہ اعضاء فاسق قرار پائے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی گواہی کو رد کرنے سے بھی مدعا ثابت ہو گا' کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ مجرمین نے گناہ کیے تھے' اگر ان کے اعضاء کی اس گواہی کو قبول کر لیا جائے کہ انہوں نے گناہ کیے تھے' تب بھی مدعا ثابت ہے اور اگر ان کی گواہی کو اس وجہ سے مسترد کر دیا جائے کہ ان اعضاء نے گناہ کیے ہیں یہ فاسق ہیں' تب بھی یہ بات مان لی گئی کہ مجرمین نے گناہ کیے ہیں۔

مجرموں کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کرنے کے متعلق احادیث

مجرموں کے اعضاء جو مجرموں کے خلاف گواہی دیں گے اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ہنس پڑے' آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا مجھے بندہ کی اپنے رب سے اس بات پر ہنسی آئی ہے کہ بندہ کہے گا: اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی! اللہ فرمائے گا کیوں نہیں! بندہ کہے گا آج میں اپنے خلاف' اپنے سوا کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تمہارے خلاف تمہاری اپنی گواہی کافی ہو گی' یا کراماً کاتبین کی گواہی کافی ہو گی؟ آپ نے فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا تم بتاؤ' پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے' پھر اس کے اور اس کے کلام کے درمیان تخلیہ کیا جائے گا' پھر وہ اپنے اعضاء سے کہے گا' دور ہو' دفع ہو! میں تمہاری طرف سے ہی تو جھگڑ رہا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو کیا سورج کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تم کو اپنے رب کو دیکھنے سے صرف اتنی تکلیف ہو گی جتنی تم کو سورج یا چاند کے دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی تھی! کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی تھی! اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے! اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور خوشحال زندگی میں نہیں چھوڑا ہوا تھا' اللہ تعالیٰ

فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا! پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں دی تھی! کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی تھی! کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے! اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور خوش حال زندگی میں نہیں چھوڑا تھا' وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تیرا یہ گمان تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اسی طرح فرمائے گا' وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر' تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا' میں نے نماز پڑھی' روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ابھی پتا چل جائے گا' پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں! وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا! پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' اور اس کی ران' اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا تم بتاؤ! پھر اس کی ران' اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کو بیان کریں گے اور یہ معاملہ اس وجہ سے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات سے اس کے خلاف حجت قائم ہو' اور جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ منافق ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۳۰' سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۴۲۸)

مجرموں کے مونہوں پر مہر لگانے کی توجیہات

قیامت کے دن مجرموں کے مونہوں پر جو مہر لگا دی جائے گی اس کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا:

(۱) چونکہ قیامت کے دن مشرکین یہ کہیں گے کہ:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ . (الانعام: ۲۳) اور ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہ تھے!

تو چونکہ مشرکین اپنے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور جھوٹ بولیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا حتیٰ کہ ان کے اعضاء کلام کریں گے اور وہ بتائیں گے کہ وہ شرک کرتے تھے۔ دنیا میں کفار کی سرکشی اور گستاخی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دلوں پر مہر لگا دی تھی اور آخرت میں ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا۔

(۲) ابن زیاد نے کہا جب ان کے اعضاء بتائیں گے کہ وہ شرک کرتے تھے تو تمام اہل محشر کو ان کے مشرک ہونے کا علم ہو جائے گا۔

(۳) جب غیر ناطق نطق کرے گا تو ناطق کی بہ نسبت اس کا انکار ان کے خلاف زیادہ مؤثر حجت ہوگا کیونکہ جب وہ کلام کرے گا جو عادۃً کلام نہیں کرتا تو یہ معجزہ کے قائم مقام ہوگا ہر چند کہ اس دن کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۴) جب مجرمین کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے خلاف ان کے جرائم کی شہادت دیں گے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان جرائم کے صدور میں یہ اعضاء ان کے مددگار تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مجرموں کے ہاتھوں کی طرف کلام کرنے کی نسبت کی ہے اور پاؤں کی طرف

گواہی دینے کی نسبت کی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھوں کے ذریعہ مجرمین گناہ کا عمل کرتے تھے' اور پیر گناہ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور دوسروں کے سامنے حاضر کا قول شہادت ہوتا ہے اور فاعل کا اپنے نفس کے متعلق کلام کرنا اقرار ہوتا ہے' اس لیے ہاتھوں نے جو کچھ کہا اس کو کلام سے تعبیر فرمایا اور پیروں نے جو کچھ کہا اس کو شہادت سے تعبیر فرمایا۔

حکیم بن معاویہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن اس حال میں آؤ گے کہ تمہارے مونہوں پر پٹی باندھی ہوئی ہو گی اور کسی آدمی کا جو عضو سب سے پہلے کلام کرے گا وہ اس کی بائیں ران اور اس کی ہتھیلی ہو گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳ قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۹۰۹' دار الحدیث قاہرہ)

انسان جب شہوانی گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے تو جو عضو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ لذت حاصل کرتا ہے وہ اس کی ران ہوتی ہے اور بائیں عضو کی اس لیے تخصیص کی گئی ہے کیونکہ بائیں ران کی شہوت دائیں ران کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۸۔ ۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو ان کی بصارت کو زائل کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑتے تو کہاں دیکھ سکتے تھے ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے تو پھر وہ نہ جا سکتے تھے نہ لوٹ سکتے تھے ○ (یٰسٓ: ۶۷۔ ۶۶)

طمس اور مسخ کا معنی

اس آیت میں لطمسنا کا لفظ ہے' اس کا مادہ طمس ہے' طمس کا معنی ہے کسی چیز کو مٹا کر اس کا اثر زائل کر دینا' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ۔ (المرسلات: ۸) اور جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ (یٰسٓ: ۶۶) اس کا معنی ہے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کی صورت کو مٹا دیتے اور ان کی روشنی کو زائل کر دیتے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۰۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم مشرکین مکہ کو دنیا میں سزا دینا چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کی جگہ کو سپاٹ اور ہموار بنا دیتے اور اس میں آنکھوں کے ڈھیلوں کے رکھنے کی جگہ ختم کر دیتے' یا ان کی بصارت کو بالکل سلب کر لیتے پھر وہ کسی جگہ جانے کے لیے اِدھر اُدھر جاتے' دوڑتے اور بھاگتے اور انہیں کچھ نظر نہ آتا' اور جس طرح ان کے دل بے نور اور بے بصیرت ہیں اسی طرح ہم ان کی آنکھوں کو بھی بے نور اور بے بصارت بنا دیتے۔

نیز فرمایا اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ان کی صورت کو مسخ کر دیتے۔

مسخ کا معنی ہے صورت بگاڑ دینا' اور ایک صورت کو دوسری صورت سے تبدیل کر دینا' خواہ ایک جاندار کی صورت کسی دوسرے جاندار سے تبدیل کر دی جائے یا جاندار کی صورت کو کسی بے جان سے تبدیل کر دیا جائے' مسخ جس طرح صورتوں میں ہوتا ہے اسی طرح صفات میں ہوتا ہے' صورت کی مثال یہ ہے جیسے بنی اسرائیل کے بعض افراد کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا اور صفات کو مسخ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کسی انسان کے اوصاف کسی حیوان کے مذموم اوصاف کے ساتھ تبدیل کر دیئے جائیں' مثلاً کسی انسان میں کتے کی طرح شدت حرص پیدا کر دی جائے یا کسی انسان میں خنزیر کی طرح بے غیرتی پیدا کر دی جائے یا کسی انسان میں گدھے کی طرح بے وقوفی پیدا کر دی جائے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۰۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو مشرکین اہل مکہ کی صورتوں کو مسخ کر کے کسی قبیح جانور کی صورت سے تبدیل کر دیں جیسے بعض بنی اسرائیل کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر اور بعض کی صورتوں کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل سے تبدیل کر دیا تھا اور ان کو درجہ انسانیت سے گرا کر حیوانیت کے درجہ میں لا کھڑا کریں' اور یا ان کو پتھر کی شکل سے تبدیل کر دیں اور ان کو درجہ حیوانیت سے بھی گرا دیں' پھر وہ کسی جگہ جانا چاہیں تو جا نہ سکیں اور لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہ سکیں۔ کیونکہ بصارت سے محروم ہونے کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا' یہ تو ہمارا رحم اور حلم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا اور اگر ہم انہیں پتھر بنا دیتے تو وہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے اور ان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن نہ ہوتا۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ

اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں' پس کیا وہ نہیں سمجھتے ہیں O

الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ

اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O تاکہ

مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے O کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست

خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾

قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی بنائے جن کے یہ مالک ہیں O اور ہم نے ان

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں

وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں' کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے O اور انہوں نے اللہ کے سوا اور چیزوں کو معبود قرار دیا

يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا

تاکہ ان کی مدد کی جائے O حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ (مشرکین) خود (ان کی مدافعت کے لیے) کمربستہ لشکر ہیں O

وقف لازم

يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں O کیا انسان

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ

نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا کیا تھا پھر یکا یک وہ کھلا ہوا جھگڑالو بن گیا O وہ ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے

نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ

لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ O آپ کہیے کہ ان کو وہی

اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا' اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O جس نے سرسبز درخت سے

الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ

تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O اور کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا وہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ

اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کردے! کیوں نہیں! وہ عظیم الشان پیدا کرنے والا سب سے زیادہ جاننے والا

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

ہے O جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "بن جا" سو وہ بن جاتی ہے O

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وقف غفران ع ۵ ۱۶ ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں' پس کیا وہ سمجھتے نہیں ہیں O اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O تا کہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے O (یٰسٓ: ۷۰۔۶۸)

انسان کی عمروں کے مختلف ادوار

کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم دنیا میں بہت کم عرصہ رہے تھے اگر ہم دنیا میں زیادہ عرصہ رہتے تو اے ہمارے رب! ہمارے ایمان وعمل میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ ہوتی' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عذر کا رد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تم دنیا میں اپنی عمر کے اس حصہ تک پہنچے تھے جب تمہارے قویٰ کمزور ہو چکے تھے' اور ہم نے تم کو اتنی لمبی زندگی دی تھی جس میں تم اگر چاہتے تو غور و فکر کر کے ایمان لا سکتے تھے' اور نیک اعمال کر سکتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ　　کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں جو شخص

النَّذِیْرُ ۔ (فاطر: ۳۷) قبول کرنا چاہتا وہ نصیحت قبول کر لیتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آ چکا تھا۔

اسی طرح اس آیت میں فرمایا اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) لوٹا دیتے ہیں۔

انسان کی زندگی مختلف ادوار میں گزرتی ہے اور اس کے جسم پر متعدد اور مختلف کیفیات کا ترتب ہوتا ہے' اس کی ابتداء تراب (مٹی) سے ہوتی ہے پھر یہ مٹی نبات (سبزہ) کی شکل میں ڈھل جاتی ہے' اور سبزہ اس کی غذا بنتا ہے' اور غذا خون بناتی ہے' پھر نطفہ بناتی ہے پھر نطفہ رحم میں جا کر علقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے' پھر مضغہ (گوشت کی بوٹی) بن جاتا ہے' پھر اس کو ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے' اور جب ماں کے پیٹ میں بچہ کی شکل مکمل ہو جائے تو اس کو جنین کہتے ہیں' جب وضع حمل ہو جائے تو اس کو ولید کہتے ہیں' ماں کا دودھ پینے لگے تو اس کو رضیع کہتے ہیں' ٹھوس غذا کھانے لگے تو اس کو فطیم کہتے ہیں' کھیلنے کودنے کی عمر کو پہنچے تو اس کو صبی کہتے ہیں' آنکھوں کو بھانے لگے تو اس کو غلام کہتے ہیں' چہرے پر سبزہ پھوٹنے لگے تو اس کو مراہق کہتے ہیں' بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کو بالغ کہتے ہیں' جوان ہو جائے تو شاب کہتے ہیں' پختہ عمر ہو جائے تو رجل کہتے ہیں' جب تیس سال کی عمر ہو جائے تو کہول کہتے ہیں اور چالیس سال کی عمر ہو تو شیخ کہتے ہیں' ساٹھ سال کی عمر ہو تو شیخ فانی اور عمر ڈھلتے ڈھلتے جب موت کی دہلیز تک پہنچ جائے' ہڈیاں کمزور ہو جائیں' جسم لاغر ہو جائے' حافظہ خراب ہو جائے تو اس کو ارذل عمر کہتے ہیں' اور پھر اس کے بعد وہ میت ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد پھر تراب (مٹی) ہو جاتا ہے' مٹی سے اس کی ابتدا ہوئی تھی اور پھر بالآخر مٹی بن جاتا ہے۔

سو انسان کی عمر کا کار آمد حصہ وہ ہوتا ہے جب وہ جوان ہوتا ہے لہٰذا عمر کے اس حصہ کی قدر کرنی چاہیے اور اس عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں' حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو' اپنی زندگی کو موت آنے سے پہلے اور اپنی فراغت کو اپنے مشغول ہونے سے پہلے اور اپنی خوش حالی کو اپنی تنگ دستی سے پہلے اور اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۹۹' رقم الحدیث: ۳۴۳۰۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۴۸' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۵۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۴۹۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے اپنے قدم ہٹا نہیں سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے' اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی' اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا' اس نے کہاں سے مال حاصل کیا اور کن مصارف میں خرچ کیا' اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۷۷۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۰)

انسان کی مختلف عمروں کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں چالیس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس سے کئی قسم کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے' جذام کو' برص کو اور شیطان کے غضب ناک کرنے کو' اور

اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس پر حساب کو آسان کر دیتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۸۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس سے تخفیف کے ساتھ حساب لیتا ہے اور اس کو اللہ کی طرف ایسی توبہ اور رجوع عطا فرماتا ہے جو اس کو پسند ہے' اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں ستر سال تک پہنچا دے' اس سے تمام آسمان والے اور زمین والے محبت کرتے ہیں' اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں اسّی (۸۰) سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں نوے سال تک پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا قیدی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۸۸' حافظ الہیثمی نے کہا یہ حدیث امام بزار نے دو سندوں سے روایت کی ہے' اور ان میں سے ایک سند کے رجال ثقات ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۶۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۴۹ - ۴۲۴۸ - ۴۲۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۶۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ستر (۷۰) سال تک پہنچا دی تو عمر میں اس پر اپنی حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر نہیں رہا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۲۸' حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۸۶۷)

ارذل عمر کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۔ (النحل: ۷۰)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا' اور تم میں سے بعض کو ارذل (ناکارہ) عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے' تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد ان چیزوں سے پناہ طلب کرتے تھے' اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے اور میں دنیا کی آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۴۵)

ارذل العمر کی تشریح میں علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی انسان اس قدر بوڑھا ہو کہ کمزور ہو کر اپنے بچپن کی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے' اس کی سماعت اور بصارت کمزور ہو جائے' اس کی عقل کام نہ کرے اور سمجھ میں کوئی بات نہ آئے وہ فرائض کو ادا نہ کر سکے' اور اپنے ذاتی کام نہ کر سکے' اپنی پاکیزگی اور صفائی کا خیال نہ رکھ سکے' اور اپنے گھر والوں پر بوجھ ہو جائے اور وہ اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں' اور اگر اس شخص کا گھر بار نہ ہو اور وہ بالکل تنہا ہو تو اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہوگی!

(عمدۃ القاری ج ۱۴ص ۱۶۸۔۱۶۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابن قتیبہ نے کہا ارذل عمر کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے۔

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں گے۔ (زادالمسیر ج ۴ص ۴۶۸۔۴۶۷' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علماء عاملین اور اولیاء اللہ کا ڈھلتی ہوئی عمر میں ارذل عمر کے اثرات سے محفوظ رہنا

یہ عام لوگوں کا حال ہے کہ چالیس سال کے بعد ان کا دور انحطاط شروع ہو جاتا ہے' ان کی ساعت اور بصارت معمول پر نہیں رہتی اور ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کا بدن لاغر ہو جاتا ہے' ان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کام نہیں کرتی وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کی ذہانت اور فطانت ختم ہو جاتی ہے' اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے جیسے علماء اور اولیاء اللہ ہیں وہ ساٹھ سال کے بعد بھی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں' ان کے حواس قائم رہتے ہیں اور ان کا بدن متحرک اور فعال ہوتا ہے' ان کے اعصاب قوی اور ان کی عقل وقاد' روشن اور نکات آفریں ہوتی ہے' الحمد للہ علی احسانہ خود راقم الحروف کی عمر سرسٹھ (۶۷) سال سے متجاوز ہے اس کے باوجود اس کے اعصاب اور حواس قائم' متحرک اور فعال ہیں' سترہ اٹھارہ سال پہلے جب میں کراچی آیا تھا تو میری دائیں آنکھ کا نمبر ۵۔ ۳ اور بائیں آنکھ کا نمبر ۵۔ ۴ تھا اب دائیں آنکھ کا نمبر ۵۔ ۲ اور بائیں آنکھ کا نمبر ۵۔ ۳ ہے اور قریب کا لکھنے' پڑھنے کا کام میں چشمہ کے بغیر کر لیتا ہوں' ۱۹۸۵ء سے شوگر' ہائی بلڈ پریشر اور کولسٹرول کی زیادتی کا عارضہ ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حافظہ صحیح ہے' ان عوارض کی وجہ سے کوئی توانائی بخش غذا نہیں کھا سکتا' بران بریڈ کے دو یا تین سلائس اور بغیر گوشت کے ابلی ہوئی سبزی پر گزارہ ہے اس کے باوجود ۱۹۸۶ء میں شرح صحیح مسلم کا کام شروع کیا اور ۱۹۹۳ء میں آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل اس عظیم شرح کو مکمل کر دیا' اور ۱۹۹۴ء میں تبیان القرآن کو شروع کیا اور اب ۲۰۰۳ء میں اس کی نویں جلد قریب الاختتام ہے' ظاہر ہے کہ عام مادی اسباب سے تو یہ ممکن نظر نہیں آتا' یہ صرف اللہ کے خصوصی فضل و احسان اور اس کی اعانت سے ہی ممکن ہے' یہ تو مجھ ایسے بے عمل اور ناکارہ طالب علم اور دین کے ادنیٰ خادم کا حال ہے کہ ڈھلتی ہوئی عمر اس کے اعصاب' حواس اور عقل پر اثر انداز نہیں ہوئی تو سوچئے جو صالح اور باکردار علماء ہیں اور اولیاء اللہ ہیں ان کی عمر کی زیادتی اور ان کا بڑھاپا انہیں کب کمزور اور بے فیض کر سکتا ہے بلکہ ان کے اعصاب' حواس اور ان کی عقل ہر آن میں پہلے سے زیادہ متحرک اور فعال ہوتے ہیں۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (النحل: ۷۰) مسلمانوں کے لیے نہیں ہے مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے' اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

(زادالمسیر ج ۴ص ۴۶۸' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

میرا گمان یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی جو بے عمل اور بدکردار ہوتے ہیں' حاسد اور متکبر ہوتے ہیں' متکش اور بداخلاق ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو بہ طور عقوبت اور سزا دنیا میں ارذل (ناکارہ) عمر کی طرف لوٹا دیتا ہے' اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سزا کو ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا' اور آخرت میں ان کو بخش دے گا' اے اللہ! مجھے ارذل عمر سے محفوظ رکھنا' مجھے کسی پر بوجھ اور بار نہ بنانا' صرف اپنا محتاج رکھنا اور کسی

کا محتاج نہ کرنا اور اس دنیا میں چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ اٹھالینا اور یہی دعا میں اپنی والدہ محترمہ اور ان تمام احباب کے لیے کرتا ہوں جنھوں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں میرے ساتھ تعاون کیا اور اسی طرح اپنے قارئین اور محبین کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

میں نے یہ لکھا ہے کہ صالح علماء اور اولیاء اللہ کی عمر جوں جوں بڑھتی جاتی ہے' ان کے حواس' اعصاب اور ان کی عقلوں میں زیادتی ہوتی جاتی ہے' سو انبیاء علیہم السلام کی عمر میں زیادتی تو اس سے کہیں زیادہ ان کی قوتوں میں اضافہ کی موجب ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اخیر عمر میں ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ نکل گئی۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل کتاب وغیرھم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۲۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

تورات میں مذکور ہے:

پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی O اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں O اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی O

(کتاب مقدس ص ۲۰۲' استثناء باب: ۳۴ آیت: ۷۔۵' بائبل سوسائٹی' انار کلی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور ملک الموت کو تھپڑ مار کر ان کی آنکھ نکالنے کا واقعہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کے پاس بھیجا گیا' جب وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ نے ان کو تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکال دی' ملک الموت اپنے رب کے پاس واپس گئے اور کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا ان کے پاس جا کر کہو کہ اپنے ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں اور جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال ان کی عمر بڑھا دی جائے گی' حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! پھر کیا ہے؟ فرمایا پھر موت ہے! حضرت موسیٰ نے کہا پھر ابھی سہی! اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدسہ (بیت المقدس کی سرزمین) کے اتنے قریب کر دے جتنا پتھر پھینکے جانے کا فاصلہ ہوتا ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تم کو سرخ ریت کے ٹیلے کے نیچے راستہ کی ایک جانب ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: 8192' دار الکتب العلمیہ رقم الحدیث: ۸۰۵۳' دار احیاء التراث العربی' رقم الحدیث: 8157' دار الحدیث قاہرہ' رقم الحدیث: ۷۶۴۹' دار الفکر بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۲۳)

امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں تھپڑ مارنے کا ذکر ہے' آنکھ نکالنے کا ذکر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹۔۳۴۰۷)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے کہا ہے کہ ان کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے ورنہ حضرت موسیٰ کے

غضب کے تھپڑ سے ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۷۶، مصر ۱۳۵۷ھ)
اللہ اللہ! یہ بازوئے کلیم کی طاقت تھی سوچئے پھر بازوئے حبیب کی قوت کا کیا عالم ہوگا!

خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس اور عقل کا...... ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ مؤثر اور فعال ہونا

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ قوی تھے' شوال پانچ ہجری میں آپ کی عمر مبارک اٹھاون سال تھی اس وقت غزوہ خندق واقع ہوا' صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے کھدائی کے وقت ایک چٹان نکل آئی وہ کسی سے نہیں ٹوٹ رہی تھی لیکن آپ کی ایک ضرب سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا' حضرت البراء بن عازب نے کہا کہ خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی' جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی' مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی عوف نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فالتو کپڑے رکھ کر چٹان کی طرف اتر گئے' آپ نے کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں' آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے ملک شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کے دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' اور اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں! آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں' اور آپ نے فرمایا میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۰۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۵' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۳۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۳۹ ـ ۲۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا کہ آپ کے چہرے میں آفتاب تیرتا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرعت کے ساتھ کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا' گویا کہ زمین آپ کے سامنے لپٹتی جاتی تھی' ہم آپ کے ساتھ چلتے ہوئے تھک جاتے تھے اور آپ کو پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۰۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے گویا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ کی عمر شریف ساٹھ سال تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج مطہرات کو عمل زوجیت سے مشرف کرآتے تھے اور اس وقت آپ کے عقد میں گیارہ ازواج مطہرات تھیں' قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کی طاقت رکھتے تھے' حضرت انس نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۹' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۲۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۳۵ ـ ۱۸۶۸۵)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں پچھاڑ دیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۴ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۸ 'مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۴۱۲)

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی التوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ابن خربوز وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رکانہ کسی سفر سے آئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر دی گئی' پھر مکہ کی بعض پہاڑیوں میں ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: اے بھتیجے! مجھے تمہارے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی' اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان لوں گا کہ تم اپنے دعویٰ سے سچے ہو' پھر انہوں نے آپ سے کشتی لڑی' آپ نے ان کو پچھاڑ دیا' حضرت رکانہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ کشتی میں پچھڑنے کے بعد اسلام لے آئے تھے۔

(الاصابہ ج ۲ ص ۴۱۳ 'رقم الحدیث: ۲۶۹۵ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

شعر کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O (یٰس: ۶۹)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

شعر کا معنی بال ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا. (النحل: ۸۰) اور بھیڑوں کے اون سے اور اونٹوں کے پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے۔

اور شعرت کا معنی ہے میں نے بالوں کو حاصل کر لیا یعنی گھنے بال کر لیے' اور اسی سے استعارہ کیا گیا ہے: شعرت کذا' یعنی میں نے ایسا علم حاصل کیا جو بال کی طرح باریک ہے' اور شاعر کو اس کی باریک بینی ژرف نگاہی اور دقت نظر کی وجہ سے شاعر کہتے ہیں۔ پس شعر اصل میں دقیق اور باریک علم کا نام ہے' عربی میں کہتے ہیں لیت شعری' کاش مجھے اس کی گہرائی اور گیرائی کا علم ہوتا۔

یہ شعر کا لغوی معنی ہے' اور اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو موزون اور مقفّٰی ہو یعنی جس کلام میں ردیف اور قافیہ کی رعایت کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۵)

قرآن مجید کی بعض آیتوں پر شعر ہونے کا شبہ اور اس کا جواب

شعر کے آخری حروف جو وزن میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں ان کو قافیہ کہتے ہیں اور آخری سے پہلے حروف جو ایک دوسرے کے وزن میں مطابق ہوں ان کو ردیف کہتے ہیں' اس کی مثال اس شعر میں ہے:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں — نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

اس شعر میں نیاز اور ایاز ردیف ہے اور میں قافیہ ہے۔

اور جو شخص ردیف اور قافیہ کی رعایت سے کلام موزون پیش کرنے پر قادر ہو اس کو شاعر کہتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے کہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے:

بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ. (الانبیاء: ۵) بلکہ انہوں نے (اس قرآن کو) جھوٹ گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ شاعر ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصّٰفّٰت: ۳۶) اور وہ کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطور: ۳۰) یا وہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان پر زمانہ کے حوادث اور مصائب کا انتظار کر رہے ہیں۔

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات بہ ظاہر موزون ہیں اور ان سے کفار کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ کلام مقفٰی ہے جیسے:

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَؕ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْؕ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (الکوثر: ۳۔۱) یا جیسے: تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّؕ ○ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَؕ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ (تبت: ۴۔۱) اس وجہ سے قرآن مجید کو شعر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' یہ شبہ اس لیے درست نہیں ہے کہ شعر میں قصداً دو جملوں کے آخری الفاظ ایک وزن پر ہوتے ہیں اور قرآن مجید اس طرح نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کی تمام آیات اسی طرح نازل ہوتیں۔

بعض مفسرین نے کہا عرب کے لوگ شعر کی یہ تعریف کرتے تھے: وہ کلام جو خیالی اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہو اور ان کا زعم یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا ہے کہ قیامت آئے گی اور سب کچھ تباہ ہو جائے گا اور تمام زندہ انسان مر جائیں گے پھر تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان سے حساب کتاب لیا جائے گا' ان کے اعمال کو وزن کیا جائے گا' پھر کافروں کو دوزخ میں اور مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا' جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ محض جھوٹ ہے' ایسا کچھ نہیں ہو گا' اور یہ جو انہوں نے کہا کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ تیز ہے' اور اس میں زقوم (تھوہر) کا درخت ہے' اور دوزخ بہت گہری ہے' اور اس میں دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کا لہو اور پیپ پینے کے لیے دیا جائے گا' اور جب ان کا جسم جل جائے گا تو اس کو دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا' اور جنت کے بارے میں جو بتایا ہے کہ اس میں باغات ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں' اور ان میں محلات ہیں' حوریں ہیں اور غلمان ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور وہاں پاکیزہ مشروبات ہیں جن کو پی کر کبھی پیاس نہیں لگے گی' وغیرھا یہ سب خیالی باتیں ہیں' واقع میں ایسا کچھ نہیں ہے سو وہ اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کو شعر و شاعری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' اور یہ شبہ بداہتہً باطل ہے کیونکہ قرآن مجید میں قیامت اور جنت اور دوزخ کی جو خبریں دی گئی ہیں وہ سب سچی اور واقعی ہیں جھوٹی اور خیالی نہیں ہیں اور ان کے صدق پر خود قرآن مجید میں بہ کثرت عقلی دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

گمراہ کن اشعار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۲۵۔۲۲۴) گمراہ لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں' کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں سر کراتے پھرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شاعر لوگ گمراہ کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کے اشعار گمراہ کن ہوتے ہیں' ہمارے زمانہ کے بعض شعراء کا کلام بھی اسی طرح ہے' غالب کا مشہور شعر ہے:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ڈاکٹر اقبال کے بعض اشعار بھی ایسے ہی ہیں:
اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا
اللہ کو خطاوار کہنا صریح کفر ہے۔
اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا
اللہ تعالیٰ کے لیے نقصان پانے کا لفظ خواہ استفہاماً کہا جائے بہر حال کفر ہے۔ (کلیات اقبال ص ۱۷۹ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

ترے شیشہ میں مے باقی نہیں ہے بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(کلیات اقبال ص ۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا اللہ تعالیٰ کی سخت توہین ہے اور صریح کفر ہے۔
فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک
(کلیات اقبال ص ۱۹۲)

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند
(کلیات اقبال ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کی گستاخی کر کے اس پر فخر کرنا یہ بھی کفر و ضلال اور سرکشی ہے۔
مجھے فریفتہ ساقیٔ جمیل نہ کر بیانِ حور نہ کر ذکر سلسبیل نہ کر
مقام امن ہے جنت' مجھے کلام نہیں شباب کے لیے موزوں ترا پیام نہیں
شباب' آہ کہاں تک امیدوار رہے وہ عیش' عیش نہیں' جس کا انتظار رہے
(کلیات اقبال ص ۸۸)

جنت کو ناموزوں کہنا اور اس کی تنقیص اور تحقیر کرنا بھی بدترین گمراہی ہے۔
تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ اپنے لیے لامکاں' میرے لیے چار سو
(کلیات اقبال ص ۳۱۴)

اس شعر کی گمراہی اور اس کا کفر محتاج بیان نہیں۔
مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں میں
(کلیات اقبال ص ۸۶)

ہندوؤں کے دیوتا' رام چندر کی منقبت میں درج ذیل اشعار کہے ہیں:
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی روشن تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا
(کلیات اقبال ص ۱۱۸)

اسی قسم کے اشعار کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۹، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۷۔۱۷۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۱۷۔۸۱۶۔۷۹۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے ہوئے کلام موزون کے شعر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

امر واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کے ترجمان تھے۔ آپ شاعر تھے نہ قرآن شعر و شاعری ہے، کیونکہ شعر و شاعری میں الفاظ مقصود ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور نبی کا مقصود معانی ہوتے ہیں اور الفاظ ان کے تابع ہوتے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے آخری الفاظ ایک وزن پر ہیں جن سے کفار کو ان آیات پر اشعار ہونے کا شبہ ہوتا تھا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کلام موزون کہا ہے جیسے بعض احادیث میں ہے: حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودتے وقت فرما رہے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اهتدينا	ولا تصدقنا ولا صلينا
اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
فانزلن سكينة علينا	وثبت الاقدام ان لاقينا
سو تو ہم پر طمانیت نازل فرما	اور اگر کافروں سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھنا
ان الاولى قد بغوا علينا	اذا ارادوا فتنة ابينا
ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے	جب یہ ہمارے خلاف فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم اس کا انکار کریں گے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۵۵، سنن داری رقم الحدیث: ۲۴۵۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۰۷)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رجز پڑھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رجز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا:

اللهم لا خير الا خير الاخرة	فاغفر للانصار والمهاجرة
اے اللہ آخرت کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے	سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۲)

رجز کا معنی ہے: جنگ میں دشمن کے سامنے بہادری کے اظہار کے لیے کلام موزون پیش کرنا۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کلام موزون کی یہ تمام مثالیں رجز ہیں، اور اس میں اختلاف ہے کہ رجز شعر ہے یا نہیں، اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رجز شعر نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر جو رجز یہ کلام فرمایا وہ شعر نہیں ہے اور نص قرآن سے آپ پر شعر کہنا حرام ہے، اور علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رجز شعر ہے۔ اور نبی نے جو نادر اً دو چار شعر کہے ہیں اس سے

آپ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ دو چار شعر کہنے سے کوئی شخص شاعر نہیں ہو جاتا اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ شاعر تھے' یا آپ کو شعر گوئی کا علم تھا (یعنی مہارت تھی)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۶۳)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ رجز پر شعر کا اطلاق نہیں کیا جاتا' کیونکہ رجز یہ کلام کہنے والے کو راجز کہا جاتا ہے' شاعر نہیں کہا جاتا' اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شعر کہنا جائز ہے یا نہیں اور اگر آپ کے لیے شعر کہنا جائز نہیں ہے تو آیا آپ کسی کا شعر نقل کر سکتے ہیں یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ آپ اگر کسی کا شعر نقل بھی کریں گے تو اس میں تغیر کر دیں گے کیونکہ آپ نے ایک شعر اس طرح پڑھا:

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویاتیک من لم تزود بالاخبار

عنقریب زمانہ تم پر وہ چیزیں ظاہر کرے گا جن سے تم غافل تھے اور تمہارے پاس ایسی خبریں لائے گا جو تم نے سنی نہ تھیں

تو حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! یہ شعر اس طرح نہیں ہے' بلکہ اس طرح ہے: ویاتیک بالاخبار من لم تزود' آپ نے فرمایا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے' حضرت ابوبکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ مہارت کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں' اور جب آپ نے تغیر کے ساتھ شعر پڑھا تو پھر آپ شاعر نہیں رہے اور قرآن مجید میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (یٰسٓ: ۶۹) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر کا فن اور اس کی صنعت نہیں سکھائی' اور رہا یہ کہ آپ کو لوگوں کے اشعار یاد ہوں تو یہ آپ کے حق میں ممنوع نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۶۴۔۲۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام موزون صادر ہوا ہے' اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس پر اتفاق ہے کہ جب تک شعر کہنے کا قصد اور ارادہ نہ ہو اس وقت تک وہ شعر نہیں ہوتا' اور جب کلام موزون بغیر قصد اور ارادہ کے کہا جائے تو وہ شعر نہیں ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام موزون صادر ہوا ہے اس کا یہی محمل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر کہنا حرام ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۶۷۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے (یٰسٓ: ۶۹) اس آیت میں کفار کا رد ہے جو آپ کو شاعر کہتے تھے اور قرآن کو شعر کہتے تھے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شعر نہیں کہتے تھے اور نہ آپ کا کلام فنی طور پر وزن کے موافق ہوتا تھا' اور جب کبھی آپ پرانے شعر کو پڑھنے کا قصد فرماتے تو اس کا وزن ٹوٹ جاتا تھا' آپ کی توجہ صرف معانی کی طرف ہوتی تھی۔

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مصرعہ اس طرح پڑھا:

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا اسلام اور بڑھاپا انسان کو برے کاموں سے روکنے کے لیے کافی ہے۔

تو حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! شاعر نے اس طرح کہا ہے: کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا۔ پھر حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے مناسب ہے۔ اور خلیل بن احمد نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام میں شعر کہنا بہت پسند تھا لیکن آپ کو شعر کہنے کی مہارت نہیں تھی۔

کبھی کسی کلام کا وزن کے موافق ہو جانا اس چیز کو واجب نہیں کرتا کہ وہ کلام شعر ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین

کے دن فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت — **وفي سبيل الله ما لقيت**

تو صرف ایک خون آلودہ انگلی ہے — جو کچھ تجھے ملا ہے اللہ کی راہ میں ملا ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۵)

انا النبي لا كذب انا ابن عبد المطلب. میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۱۴، عالم الکتب)

ابوالحسن الاخفش نے کہا ہے کہ **انا النبي لا كذب** شعر نہیں ہے اور خلیل بن احمد فراہیدی نے کتاب العین میں کہا ہے کہ جن فقروں میں دو جزو وزن کے موافق ہوں وہ شعر نہیں ہوتا، اور معتمد علیہ قول یہ ہے کہ کلام موزون کی ان مثالوں کو اگر شعر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعر کے عالم ہوں یا شاعر ہوں جیسا کہ اگر کوئی شخص ایک دو کپڑے سی لے تو اس سے اس کا درزی ہونا لازم نہیں آتا۔

ابواسحاق الزجاج نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وما علمناه الشعر** اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا، اور اس میں آپ کے چند شعر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، النحاس نے کہا یہ اس مسئلہ میں بہترین قول ہے، اور اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص شعر کہنے کے قصد کے بغیر کوئی کلام موزون کہے وہ شعر نہیں ہوتا وہ کلام صرف شعر کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ کلام بالکل واضح ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے علم، اس کی اصناف، اس کی اعاریض، اس کے قوافی وغیرہ دیگر امور کی نفی کی ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ آپ ان علوم کے ساتھ متصف نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حج کے ایام میں عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ مکہ میں آئے اور بعض اہل مکہ نے کہا کہ آپ شاعر ہیں تو ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا اللہ کی قسم، عرب تمہاری تکذیب کریں گے، کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو جانتے ہیں اور آپ کا کلام اس کے بالکل مشابہ نہیں ہے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوذر کے بھائی انیس نے کہا میں نے آپ کے قول کو ماہر شعراء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا یہ شعر نہیں ہے (مجھے یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ملی سعیدی غفرلہ) اور حضرت انیس عرب کے ماہر شعراء میں سے تھے، اور اسی طرح عتبہ بن ابی ربیعہ نے جب آپ سے کلام سنا تو کہا اللہ کی قسم! ان کا کلام شعر ہے نہ کہانت ہے نہ سحر ہے، اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ حٰم السجدۃ: ۴۱ میں آئے گی۔

اسی طرح زبان عرب کے فصحاء اور دیگر ماہرین کلام نے کہا کہ کلام موزون کو شعر نہیں کہا جاتا، شعر صرف اس کلام موزون کو کہا جاتا ہے جو شعر کہنے کے قصد سے کہا جائے اسی طرح امام کسائی نے بھی کہا کہ مطلقاً کلام موزون کو شعر نہیں کہا جاتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۔ ۴۹ ملخصاً دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اختصار کے ساتھ اسی تحقیق کا خلاصہ لکھا ہے، اور علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ، حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اسی تحقیق کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۰۔ ۳۹، البحر المحیط ج ۹ ص ۸۱۔ ۸۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۳۵۔ ۶۳۳، عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۰۔

۳۹' روح المعانی جز ۲۳ ص ۶۷۔۶۹' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کہنے کی صنعت اور اس فن کا علم تھا یا نہیں

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم تھا اور نہ شعر کہنے پر قدرت تھی' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو فرمایا ہے اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نبی اور صادق القول ہونے کی حیثیت سے شعر نہیں کہتے' کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے معلم ہو وہ حق کے سوا اور کوئی بات نہیں کہتا' اور یہ چیز اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ کو فی نفسہٖ نظم اور نثر پر قدرت ہو' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ کو اچھے اور برے شعر اور موزون اور غیر موزون کلام کی تمیز حاصل تھی' اور جس شخص کو اس پر تمیز حاصل ہو اس کو الہیات اور احکام شرعیہ کو نظم اور نثر سے ادا کرنے پر قدرت کیوں نہیں ہوگی! ہاں قدرت فعل کو مستلزم نہیں ہوتی اور آپ نے اعتقادات اور احکام شرعیہ کو نظم اور کلام موزون کے ساتھ اس لیے ادا نہیں کیا کہ آپ کے کلام پر شعر کا اور آپ کی ذات پر شاعر کا اطلاق نہ کر دیا جائے' کیونکہ شعر کا لفظ یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کلام میں خیالی باتیں ہیں یا جھوٹی باتیں ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ عربوں کو آپ کی فصاحت اور بلاغت اور آپ کے کلام کی سلاست اور شیرینی کا خوب علم تھا' خلاصہ یہ ہے کہ ہر کمال آپ ہی کی ذات سے حاصل ہوتا ہے اور جو اشعار اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء' نیک اعمال کی ترغیب' محاسن اخلاق' اسلام کی عظمت اور نصرت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر مشتمل ہوں وہ آپ کو بہت پسند تھے' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کفار کی ہجو کرتے تھے تو آپ ان کے لیے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۵۰۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اچھے اور پسندیدہ اشعار کا بیان

حضرت حسان بن ثابت انصاری' حضرت ابو ہریرہ کو قسم دے کر پوچھتے تھے کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

اے حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو؟ اے اللہ! اس کی روح القدس سے تائید فرما!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھ دیتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر ان مشرکین کی ہجو کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہیں روح القدس ان کی تائید کرتے رہتے ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند احمد ج ۶ ص ۷۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۹۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۸۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے' حضرت کعب بن مالک آپ کے آگے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ — الیوم نضربکم علی تنزیلہ

اے کافروں کی اولاد آپ کا راستہ چھوڑ دو — آج ہم قرآن مجید کے حکم سے تم کو ضرب لگائیں گے

ضربا یزیل الهام عن مقیله	ویذهل الخلیل عن خلیله
ایسی ضرب جو کھوپڑی کو اس کی جگہ سے الگ کر دے گی	اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی

حضرت عمر نے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑو' یہ اشعار ان پر تیروں کے زیادہ تیزی کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۱۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۴' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۳۲۳-۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے شعر سے استدلال کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے: **ویاتیک بالاخبار من لم تزود** (اس کا معنی گزر چکا ہے)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۸' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۶۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۲)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس شعر کو ابن طرفہ کی طرف منسوب کیا ہے (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۰۸) یہ نسبت اس حدیث کے خلاف ہے۔

عقل کا زندگی کا سبب ہونا اور زندہ وہ ہے جو اللہ کے لیے زندہ ہو

اس کے بعد فرمایا: یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O تاکہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے O (یٰسٓ: ۷۰)

یعنی یہ قرآن تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہے' جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ O قرآن مجید تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

(یوسف: ۱۰۴' ص: ۸۷' التکویر: ۲۷)

اور یہ قرآن مبین ہے' یعنی آسمانی کتاب ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ متعدد بار چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ قرآن کسی بشر کا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ' لیکن کوئی شخص بھی اس کی مثل کلام بنا کر نہ لا سکا اور بالآخر تھک ہار کر یہ کہہ دیا کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

پھر فرمایا تاکہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں' یعنی یہ قرآن زندہ لوگوں کو ڈرائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ لوگوں کو ڈرائیں' زندہ لوگوں سے مراد عقل والے ہیں۔ حافظ سیوطی نے امام ابن جریر اور امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے کہ زندہ لوگوں سے مراد عقل والے ہیں اور علامہ آلوسی نے بھی ان ہی سے نقل کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۶۲' داراحیاء التراث العربی' روح المعانی جز ۲۳ ص ۷۳' دار الفکر)

اس آیت میں عقل کو حیات سے تشبیہ دی ہے اور عقل سے مراد عقل صحیح ہے بیمار عقل مراد نہیں ہے کیونکہ عقل صحیح ہی حیات ابدیہ کا سبب ہے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار حقیقت میں مردہ ہیں کیونکہ زندہ وہ ہے جو اپنے دل و دماغ میں اپنے خالق کی معرفت رکھتا ہو اور اس معرفت کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو۔ عاقل وہ شخص ہے جو صلاح اور فساد اور صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز رکھتا ہو اور اپنے اعضاء کو صلاح' صحیح اور حق کے تقاضوں پر چلائے اور فساد' غلط اور باطل سے باز رکھے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس قلب میں اللہ کی معرفت کا نور ہو وہی قلب زندہ ہوتا ہے اور اسی کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا مفید ہوتا ہے وہی اس ڈرانے کا اثر قبول کرتا ہے اور دنیا سے اعراض کر کے آخرت اور اپنے مولیٰ اور پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا زندہ لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان لانے والے ہوں کیونکہ دائمی حیات تو صرف ایمان سے حاصل ہوتی ہے' اور درحقیقت زندہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت کے ساتھ زندہ رہے اور اس کی عبادت کے ساتھ زندہ رہے وہ ظاہری حیات میں بھی زندہ ہوتا ہے اور اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہوتا ہے' اور جو اپنی نفسانی خواہشوں کے ساتھ زندہ ہو وہ درحقیقت مردہ ہے۔ اور اس آیت میں زندہ لوگوں کو ڈرانے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہی ڈرانے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور کفار کے دل حقیقت میں مردہ ہیں وہ ڈرانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے' ان پر صرف حجت قائم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس اپنے نبی اور رسول بھیجے تھے ان کو ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کی دعوت دی تھی تا کہ وہ بھی جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہو جائیں' اور ان کو اس لیے دعوت دی کہ کل قیامت کے دن وہ یہ شکوہ نہ کریں کہ ہم کو کسی نے ایمان لانے کی دعوت نہیں دی ورنہ ہم بھی ایمان لے آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی بنائے' جن کے یہ مالک ہیں O اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں' کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے O (یٰسٓ: ۷۳۔۷۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور ان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنے اس انعام کو یاد دلایا ہے کہ اس نے مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا ہے' قوی ہیکل بیلوں سے انسان ہل چلواتا ہے' کنویں پر رہٹ چلواتا ہے' لمبے چوڑے اونٹوں کی ناکوں میں نکیل ڈال دیتا ہے' مضبوط اور توانا گھوڑوں کے منہ میں لگام ڈال دیتا ہے' گایوں' بھینسوں اور بکریوں سے دودھ نکالتا ہے ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے ان کے جسموں پر جو اون ہوتا ہے ان سے اپنے لیے گرم کپڑے تیار کر لیتا ہے' نوزائدہ بھیڑ کے بچوں کی کھالوں سے قراقلی ٹوپیاں بناتا ہے' بکرے اور گائے کی کھالوں سے جوتیاں' مشک اور ڈول بنا لیتا ہے اور ان سے دیگر اور بہت فائدے حاصل کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے! یعنی دن رات وہ ان نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں' پھر بھی ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتے' بایں طور کہ وہ اس کو واحد لاشریک مانیں اور ان نعمتوں کے عطا کرنے میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں' صرف اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کریں' ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے کسی اور کے آگے سجدہ ریز نہ ہوں' اپنی حاجات میں صرف اللہ عزوجل کو پکاریں اور اسی سے مدد طلب کریں' اس کے آگے ہاتھ پھیلائیں اسی سے منتیں اور مرادیں مانگیں کہ سب اسی کے محتاج ہیں' سب اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں:

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۔ (الرحمٰن: ۲۹)

آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہیں سب اسی سے سوال کرتے ہیں وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔

سو تم بھی اسی سے مانگو اسی سے سوال کرو اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ!

ہر چند کہ کسی نعمت کے ملنے کے بعد زبان سے الحمد لله رب العلمين کہہ دینا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ادائیگی شکر کے لیے انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس مصرف میں خرچ کرنے کے لیے دی ہے اس نعمت کو اس مصرف میں خرچ کرے اور اگر وہ اس نعمت کو اس مصرف میں خرچ نہیں کرے گا تو یہ ناشکری ہے' اور اگر اس مصرف

کے خلاف اس نعمت کو خرچ کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے' گناہ کبیرہ ہے اور بغاوت ہے اور نہایت سنگین بات ہے' مثلاً آنکھیں دی ہیں تا کہ ان سے ماں باپ کو' علماء کو' روضہ انور کو اور کعبۃ اللہ کو دیکھے' اگر ان کو دیکھے گا تو آنکھوں کا شکر ادا ہو گا' نہیں دیکھے گا تو ناشکری ہو گی' اور اگر ان آنکھوں سے پرائی بہو بیٹیوں کو' ننگی فلموں کو اور دیگر فحش چیزوں کو دیکھے گا تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے سوا اور چیزوں کو معبود قرار دیا تا کہ ان کی مدد کی جائے O حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ (مشرکین) خود ان (کی مدافعت) کے لیے کمربستہ لشکر ہیں O سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں O (یٰسٓ ۷۶-۷۴)

توحید کی ترغیب اور شرک کی مذمت

ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کو فراموش کر دیا اور اس کی قدر ناشناسی کی' اور اللہ تعالیٰ کو واحد معبود ماننے کے بجائے ایسے بتوں کی پرستش شروع کر دی جو اپنے وجود میں خود ان کے محتاج تھے انہوں نے پتھروں کی تراش خراش کر کے مورتیاں بنائیں اور کہا یہ پچھلے زمانہ کے نیک بندوں کی صورتیں ہیں' انہوں نے لات' منات عزیٰ اور ہبل کے نام سے بت بنا ڈالے اور کہا یہ اللہ کے مقبول بندوں کے مجسمے ہیں ان کی پرستش کرنے سے وہ راضی ہو گا پھر ان کی پوجا کرنی شروع کر دی' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے نیک بندوں کی مورتیاں بناؤ اور ان کی عبادت کرو اور نہ نیک بندوں نے اپنی زندگی میں کبھی لوگوں سے یہ کہا تھا کہ جب ہم اس دنیا سے گزر جائیں تو پھر تم ہماری عبادت شروع کر دینا' اس کے عوض ہم قیامت کے دن خدا کے سامنے تمہاری شفاعت کریں گے یہ مشرکین اپنے شرک کرنے اور مشرکانہ عقائد پر زور دینے کے لیے ایسا ضرور کہتے ہیں لیکن ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ محض نام ہیں' جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی گھڑ لیے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ (یوسف ۴۰)

یہ تمہارے خود ساختہ معبود تمہاری مدد کرنے کی سرمو طاقت نہیں رکھتے بلکہ یہ اپنے وجود میں تمہارے محتاج ہیں تم نے ان کو بنایا' پھر ان کے معبود ہونے کا پروپیگنڈا کیا' تم نے ان کے سامنے چڑھاوے پیش کیے منتیں اور مرادیں مانیں' ان کے سامنے نذریں گزاریں ان کے آستانوں پر ان کے چرنوں میں جانوروں کا خون بہایا اور بھینٹ چڑھائی یہ تمہاری مدد کیا کریں گے تم تو خود ان کی مدد کرنے پر ہمہ وقت کمربستہ رہتے ہو۔

ہندوستان میں رام چندر' سیتا اور کرشن کے بت بنائے جاتے ہیں اور ان کی پرستش کی جاتی ہے' ان کے نام کی دہائی دی جاتی ہے' عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم کے بت بنا کر ان کی عبادت کرتے ہیں' حالانکہ ان میں سے کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان بتوں کی خدائی ان مشرکین کے پروپیگنڈے کی مرہون منت ہے' اور اصل میں خدا وہ ہے جس کی خدائی کا ثبوت کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے' کوئی مانے یا نہ مانے' کوئی اس کو پکارے یا نہ پکارے' کوئی اس کی عبادت کرے یا نہ کرے وہ بہر حال رب العلمین ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

کفار آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے آپ کو کبھی شاعر کہتے' کبھی کاہن کہتے اور کبھی مجنون کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' جب ان کا اپنے خالق اور مالک اور اپنے محسن' منعم اور پروردگار کے ساتھ یہ حال ہے کہ وہ

اس کی الوہیت میں بے جان مورتیوں کو درختوں کو اور عناصر کائنات کو شریک کرتے ہیں اور اللہ کا حق کم تر چیزوں کو دے رہے ہیں تو آپ تو پھر بہر حال اس کے بندے ہیں اور نبی ہیں اس کا پیغام لانے والے اور داعی ہیں یہ اگر آپ کو نہیں پہچان رہے تو کیا گلہ ہے یہ تو اپنے رب کو بھی نہیں پہچان رہے!

فرمایا بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' یعنی ہم ان کو اس کی پوری پوری سزا دیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کے چھپانے کا پہلے ذکر فرمایا' کیونکہ اللہ کا علم غیب اس کے علم شہادت پر مقدم ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جواب غیب ہے وہ بعد میں ظاہر ہو جائے گا' اور اس میں یہ ارشاد ہے کہ اے میرے بندو! باطن کی اصلاح کو ظاہر کی اصلاح پر مقدم رکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا کیا تھا پھر یکا یک وہ کھلا ہوا جھگڑالو بن گیا O وہ ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ O آپ کہیے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O (یٰسۤ: ۸۰۔۷۷)

انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کا اعتراض

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہڈی لے کر آیا پس کہنے لگا: اے محمد! کیا اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد پھر اٹھائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو اٹھائے گا' تجھ کو موت دے گا' پھر تجھ کو زندہ کرے گا' پھر تجھ کو جہنم کی آگ میں داخل کر دے گا' حضرت ابن عباس نے کہا پھر یٰسۤ: ۸۰۔۷۷ آیات نازل ہوئیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۲۹' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۰۶ جدید' حاکم نے کہا امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا' ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو امام ابن مردویہ' امام سعید بن منصور' امام ابن المنذر' امام بیہقی' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام عبد الرزاق وغیرھم کے حوالوں سے متعدد اسانید اور متعدد الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے' امام ابن مردویہ کی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرانی اور بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہمیں اس سے ڈراتے ہیں کہ جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جائیں گی تو خدا ہم کو نئی زندگی دے کر دوبارہ پیدا کرے گا! پھر اس نے اس ہڈی کو چورا چورا کر کے اس کا برادہ ہوا میں اڑا دیا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو کون زندہ کرے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ تجھ کو موت دے گا پھر تجھ کو زندہ کرے گا اور تجھ کو جہنم میں ڈال دے گا' اس موقع پر یٰسۤ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۳۹۔۳۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۰۳۔۳۲۰۲' الدر المنثور ج ۷ ص ۶۷۔۶۶)

مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل

ان آیات میں اور ان سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر متنبہ کیا ہے اور حیات بعد الموت پر دلائل قائم کیے ہیں' اس سے پہلے فرمایا تھا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے

بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی بنائے جن کے یہ مالک ہیں O کیا یہ مویشیوں کی خلقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کو کیسی حکمت اور مصلحت سے پیدا کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ان اشیاء کو پیدا کرنا اس کے اختیار اور اس کی قدرت پر دلالت کرتا ہے اور جب وہ ان مختلف الحقائق مویشیوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو قیامت کے بعد تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار اور قدرت کو ایک اور طریقہ سے واضح فرمایا ہے' اس نے فرمایا: ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور نطفہ انسان کی منی کی ایک بوند ہے جس کے اگر اجزاء فرض کیے جائیں تو وہ سب مساوی اور متشابہ ہیں' پھر اس سے انسان کو بنایا جس میں خون بھی ہے' گوشت بھی ہے بال بھی ہیں اور رگیں اور پٹھے بھی ہیں اور ہڈیاں بھی ہیں' اگر نطفہ میں مختلف اجزاء ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ فلاں جز سے خون بن گیا اور فلاں جز سے گوشت بن گیا اور فلاں جز سے رگیں اور پٹھے بن گئے اور فلاں جز سے بال بن گئے اور فلاں جز سے ہڈیاں بن گئیں' لیکن یہاں پر تو اس پانی کی بوند کے اجزاء ایک جیسے ہیں ان سے یہ مختلف چیزیں کیسے وجود میں آ گئیں' پھر زبان بھی گوشت کا ٹکڑا ہے اور ناک بھی گوشت کا ٹکڑا ہے' زبان میں لمس اور ذائقہ کی حس ہے اور ناک میں سونگھنے کی حس ہے' نیز زبان میں بولنے کی قوت ہے کان میں سننے کی قوت ہے اور یہ سب اعضاء گوشت کے ہیں' پھر ایک ہی گوشت کے ٹکڑے میں ایک جگہ ایک اثر ہے اور دوسری جگہ اس سے مختلف اثر ہے' آنکھ میں بھی چربی ہے اور انسان کے جسم میں اور بھی چربی ہے' ایک چربی سے دکھائی دیتا ہے تو دوسری چربی سے کیوں دکھائی نہیں دیتا' تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس قادر و قیوم کی قدرت اور اس کی حکمت ہے وہ گوشت کے جس ٹکڑے سے چاہے سنوا دے' جس سے چاہے گویائی کرا دے' جس سے چاہے سونگھنے کے اثرات پیدا کر دے' جب انسان اپنے اعضاء میں غور کرے تو ہر عضو کے خواص اور اس کے اثرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں تو دوبارہ ایسے ہی انسان کو پیدا کرنے کو تم کیوں اس کی قدرت سے بعید سمجھتے ہو کیا اس نے تم کو پانی کی ایک بے جان بوند سے نہیں بنایا' پھر جب تم بے جان ہو جاؤ گے تو وہ تم کو کیوں نہیں بنا سکے گا' کیا اس نے تم کو مٹی سے نہیں بنایا تو جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے تو وہ تم کو کیوں نہیں بنا سکے گا۔

منکرین حشر کے شبہات اور ان کے جوابات

منکرین حشر کے دو گروہ تھے' ایک وہ تھے جو بغیر کسی دلیل کے محض انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بعید سمجھتے تھے' اور دوسرے وہ تھے جو یہ شبہ پیش کرتے تھے کہ جب انسان مر جائے گا اور اس کا گوشت گل سڑ جائے گا اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور انسان کا جسم مٹی کے ذرات سے تبدیل ہو جائے گا اور جب بہت سے اجسام مٹی کے ذرات بن کر بکھر جائیں گے اور ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے تو ان مختلف اور مختلط اجزاء کو کیسے الگ الگ کیا جائے گا' پھر ان کو کس طرح جوڑ کر وہی پہلے والا جسم بنایا جائے گا۔

منکرین حشر کا پہلا گروہ جو مرنے کے بعد انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو بغیر کسی دلیل کے بعید جانتا تھا ان کا ذکر حسب ذیل آیات میں ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۔ (السجدہ: ۱۰)

اور کفار نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم ضرور ازسرنو پیدا کیے جائیں گے؟

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ O (الصّٰفّٰت: ۵۳)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ضرور ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور منکرین حشر کا دوسرا گروہ جس کو وقوع حشر میں شبہات تھے ان کا ذکر سورۃ یٰسٓ کی: ۸۰-۷۷ آیات میں کیا گیا ہے'

اللہ تعالیٰ ان کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: آپ کہیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا! اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O رہا ان کا یہ شبہ کہ جب یہ ذرات ایک دوسرے سے مخلط ہو جائیں گے تو ان کو کون باہم ممتاز کرے گا تو یہ اشکال اس پر ہو سکتا ہے جس کا علم ناقص ہو' اور جو علیم ہو اور اس کا علم کامل ہو جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہو اس کے لیے ان مخلوط ذرات کی الگ الگ پہچان اور شناخت کیا مشکل ہے' اور رہا یہ کہ ان ذرات کو کس طرح جمع کیا جائے گا تو یہ اشکال بھی اس پر ہو سکتا ہے جس کی قدرت ناقص ہو اور جس نے اس عظیم الشان کائنات کو ایک لفظ کن سے بنا دیا اس کے لیے اس جیسی کائنات کو دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہے!

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر متنبہ کرنے کے لیے فرمایا: جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O (یٰسٓ: ۸۰)

پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آگ کی حرارت پانی کو بخارات بنا کر اڑا دیتی ہے' سرسبز درخت میں پانی کی نمی ہوتی ہے اور آگ اس کو جلا دیتی ہے' انسان کے جسم میں حیات اسی طرح جاری ہے جس طرح سرسبز درخت میں پانی کی نمی جاری ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کی ضد آگ کو قبول کرنے کی تاثیر رکھی ہے اور یہ بھی اس کی قدرت کا ثمرہ ہے تو ایسے قادر و قیوم اور خلاق علیم سے تم اس کائنات کا دوبارہ بنانا کیوں مستبعد قرار دیتے ہو۔

ہڈیوں کے پاک ہونے پر دلائل

یٰسٓ: ۷۸ میں بوسیدہ ہڈیوں کا ذکر ہے اور ایک کافر کے اس قول کا ذکر فرمایا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا' گویا اس آیت میں یہ مقرر رکھا ہے کہ ہڈیوں میں موت نفوذ کر جاتی ہے' اور اس میں بہ ظاہر امام شافعی کے قول کی تائید ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح جسم کے گوشت اور پوست میں موت حلول کر جاتی ہے اسی طرح ہڈیوں میں بھی موت حلول کر جاتی ہے اور جس طرح مردہ نجس ہوتا ہے اس طرح اس کی ہڈیاں بھی نجس ہوتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ اور فقہاء جو کہتے ہیں کہ ہڈیاں پاک ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہڈیوں میں موت نفوذ نہیں کرتی' کیونکہ موت کا نفوذ کرنا اس پر موقوف ہے کہ پہلے ہڈیوں میں حیات ہو' اور حیات احساس کو مستلزم ہے اور ہڈیوں میں کوئی احساس نہیں ہوتا' کیونکہ ہڈی کو کاٹنے سے کوئی درد نہیں ہوتا جیسا کہ جانوروں کے سینگھ اور ان کے کھروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے' اور انسان کی ہڈی کو کاٹنے سے جو درد ہوتا ہے وہ درد ہڈی میں نہیں ہوتا بلکہ ہڈی سے متصل جو گوشت ہے در اصل اس میں درد ہوتا ہے' اور اس آیت میں کافر کا جو قول مذکور ہے کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان کو کون زندہ کرے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہڈیوں سے مراد ہڈیوں والا انسان ہے۔

ہڈیوں کے پاک ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ مردہ اپنی ذات میں نجس نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لیے نجس ہوتا ہے کہ اس میں بہنے والا خون ہوتا ہے اور وہ نجس ہے اور اس میں دیگر رطوبتیں ہوتی ہیں جو نجس ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ اتصال کی وجہ سے مردہ بھی نجس ہو جاتا ہے جب کہ ہڈیوں میں نہ خون ہوتا ہے اور نہ دیگر رطوبتیں ہوتی ہیں' اس لیے ہڈیاں پاک ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۸۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے اس موقف پر کہ ہڈیاں پاک ہیں حسب ذیل آثار میں صراحت ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

زہری نے مردار کی ہڈیوں مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے متعلق کہا میں نے بہ کثرت متقدم علماء کو دیکھا وہ ہاتھی دانت کی

بنی ہوئی کنگھیوں سے کنگھی کرتے تھے اور ہڈیوں کے بنے ہوئے برتنوں میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری ص ۶۷' دارارقم بیروت)

انسان کے جسم سے الگ ہونے کے بعد بال کے پاک ہونے کے متعلق احادیث

اسی طرح امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال الگ ہو جاتا ہے وہ بھی نجس اور ناپاک ہے اگر وہ بال پانی میں گر جائے گا تو وہ پانی بھی ناپاک ہو جائے گا اور اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے' امام بخاری نے اس قول کے رد میں اس حدیث کو روایت کیا ہے:

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مبارک بال ہے جو ہم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے گھر والوں کی جانب سے ملا تھا' عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس آپ کا کوئی بال ہوتا تو وہ مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۷۰' دارارقم بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپ کا بال حاصل کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۹۸۲۔۱۹۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث ۹۱۲' السنن الکبریٰ رقم الحدیث ۴۱۱۶)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام شافعی کے اس قول کے رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ انسان کا بال جب جسم سے الگ ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور جب وہ بال پانی میں گر جائے تو وہ پانی بھی نجس ہو جائے گا' اور عطا کے قول کا ذکر کیا ہے کہ انسان کے بال سے دھاگے اور رسیاں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر انسان کا بال نجس ہوتا تو اس سے دھاگے اور رسیاں بنانا جائز نہ ہوتا۔ اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال رکھنا اور اس سے تبرک حاصل کرنا جائز ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بال طاہر ہے' اور عطا کے قول کے موافق جمہور علماء کا مذہب ہے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال یا ناخن الگ ہو جائے وہ نجس نہیں ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک رکھا ہوا تھا جنگ یمامہ میں ان کی ٹوپی گر گئی' ان کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے اس ٹوپی کو عین حالت جنگ میں اٹھا لیا' ان کے اصحاب نے اس وجہ سے ان کو کافی ملامت کی کیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں کے قاتلوں سے جنگ کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے اس کو اٹھانے میں جلدی نہیں کی لیکن میں نے اس کو ناپسند کیا کہ یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھوں میں جائے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال ہو۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۲۶۵' مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

بال' ہڈی اور دیگر سخت اور ٹھوس اجزاء کی طہارت میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان کا بال پاک ہے' اسی طرح تمام مردہ جانوروں کے بال پاک ہیں' ان کے وہ سخت اور ٹھوس اجزاء بھی پاک ہیں جن میں خون نہیں ہوتا' مثلاً سینگھ' ہڈی' دانت' کھر' اون' پشم' بال اور پر وغیرہ' بدائع الصنائع' تحفۃ الفقہاء اور فتاویٰ قاضی خاں میں بھی اسی طرح مذکور ہے' امام مالک' امام احمد' اسحاق' مزنی' عمر بن عبدالعزیز' حسن'

حماد اور داؤد نے بھی ہڈیوں کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے شرح المہذب میں حسن' عطا' اوزاعی اور لیث سے یہ نقل کیا ہے کہ ہڈی موت سے نجس ہو جاتی ہے لیکن دھونے سے پاک ہو جاتی ہے اور قاضی ابو الطیب سے نقل کیا ہے کہ بال' پشم' اون' ہڈی' سینگ اور کھر میں حیات کا حلول ہوتا ہے' اور یہ چیزیں موت سے نجس ہو جاتی ہیں اور یہی مذہب ہے' مزنی' بویطی' ربیع اور حرملہ نے اسی مذہب کو امام شافعی سے روایت کیا ہے' اور مزنی نے امام شافعی سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا ہے کہ آدمی کا بال نجس ہوتا ہے' ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ آدمی کا بال اس کی کھال کے تابع ہے اگر کھال پاک ہے تو اس کے بال پاک ہیں اور اگر کھال نجس ہے تو اس کے بال نجس ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے متعلق قطعی اور صحیح مذہب یہ ہے کہ آپ کے بال پاک ہیں' جو شخص اس کے خلاف کوئی بات کہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا' آپ کے مبارک بالوں کا مرتبہ تو الگ رہا آپ کے تو فضلات کریمہ بھی طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۲۔۵۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا' تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مکرم ہے اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا' علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں' کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا' اور حق یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے' ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون' منی' بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے' اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کر دیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فُضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے' پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی' آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۷ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۹۵۰ طبع جدید' المکتبہ العصریہ ۱۴۲۰ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۵۳' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳۵ طبع جدید' ۱۴۱۸' علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے' نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱ طبع جدید' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے اس کو نگل لے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۴۳' جمع الجوامع رقم الحدیث ۸۰۳۶' کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں[۱] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا' آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے' ایک رات میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے اس کو میں نے پی لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں' پھر آپ نے فرمایا: سنو اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۴۔۶۳ قدیم' المستدرک رقم الحدیث ۶۹۱۲ جدید' المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۸۹' رقم الحدیث ۲۳۰' کنز العمال رقم الحدیث ۳۴۲۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۵۴۹' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۰۔۱۹' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۱ الطبع الجدید ۱۴۱۹ھ)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے' آپ نے اس میں پیشاب کیا پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی' ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھیں' آپ نے ان سے پوچھا وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا' انہوں نے کہا میں نے اس کو پی لیا' آپ نے فرمایا تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۹' رقم الحدیث ۴۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۰۶۔۲۰۵' رقم الحدیث: ۵۲۷' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۳۱' رقم الحدیث ۵۲۰۰' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲۔۳۲۱ الطبع الجدید ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اس کو غائب کر دیا' آپ نے فرمایا شاید تم نے پی لیا! میں نے کہا میں نے اس کو پی لیا۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۶' حافظ الہیثمی نے کہا بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی آپ نے فرمایا یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں' پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو' میں نے اس کو

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا' ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا تم صحت مند رہوگی سو وہ تاحیات بیمار نہیں ہوئیں۔ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴

چھپ کر پی لیا پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنسے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۴۳۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۸۰، رقم ۵۴۱۸۔ ۲۵۲۴، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمٰن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا' ان سے کہا گیا کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۹۸، دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴) (حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا' ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو' انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کو دیکھ لے' پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳' رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ اس خون کو ایسی جگہ گرا دو جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے' حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا! دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو! آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۶ طبع جدید' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۸۷۱ طبع جدید' المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۳۴۳ طبع جدید' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۰ ص ۱۲۵' ۱۲۴' رقم الحدیث: ۶۲۲۵۔ ۶۲۲۴۔ ۶۲۲۳۔ ۶۲۲۲' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۲' رقم الحدیث: ۱۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۳۴۔ ۳۳۵۹۱' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹۔ ۹۸' الطبع الجدید ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا' اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے' حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی' بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا' یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا' پھر عبدالملک

بن مروان نے اپنے دور حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا بالآخر سترہ جمادی الاولی ۷۲ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے یہ جو فرمایا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ۝ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ (مریم: ۷۲-۷۱)

اور بے شک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا' یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی' اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دہرا عذاب ہو' ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا' حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزیا مومن فقد اطفاء نورک لھبی.

اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۸۴۴۶)

حضرت ابو سمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں ورود کا معنی دخول ہے' پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوگئی تھی' پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲-۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کریمہ کی طہارت کی احادیث پر ملا علی قاری نے چند فنی اعتراضات کیے ہیں ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۷۸۹-۷۸۳ میں ان اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں قارئین کی علمی ضیافت کے لیے ہم ان اعتراضات اور جوابات کو یہاں بھی ذکر کر رہے ہیں۔

فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کے اعتراضات کے جوابات

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو یہ روایت ذکر کی ہے زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز نگل لیتی اور اس جگہ خوشبو پھیل جاتی' اس کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ موضوع ہے (اس کا جواب جمع الوسائل کے حوالے سے خود ملا علی قاری کی عبارت میں آ رہا ہے) قاضی عیاض نے دوسری روایت جو امام محمد بن سعد کے حوالے سے ذکر کی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے الحدیث' ابن دحیہ نے کہا کہ اس کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں قوی ترین حدیث ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث فضلات کی طہارت پر نہیں بلکہ اس کی ضد پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ زمین کے نگلنے سے معلوم ہوتا ہے' البتہ پاکیزہ خوشبو ان کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔ امام بغوی نے فضلات کی طہارت پر یہ دلیل قائم کی آپ کے پیشاب اور خون سے شفاء حاصل کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ جس چیز سے شفاء حاصل کی جائے اس کا طاہر ہونا لازم نہیں ہے' کیونکہ اونٹوں کے پیشاب سے بھی شفاء حاصل کی گئی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اونٹوں کا پیشاب نجس ہے۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۶۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے امام بیہقی کے حوالے سے حضرت عائشہ کی روایت کو جو موضوع کہا ہے' ہم نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا' ہم نے امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ کی الطبقات الکبریٰ (ج ۱ ص ۱۳۵) کی روایت کو ذکر کر کے اس سے استدلال کیا ہے اور وہ اس بات میں قوی ترین حدیث ہے' اور انہوں نے اونٹوں کے پیشاب سے جو معارضہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے! کہاں حضور کا بول مبارک اور کہاں اونٹوں کا پیشاب! اونٹوں کا پیشاب سخت بدبودار ہوتا ہے اور جہاں آپ کا بول و براز گرتا تھا اس جگہ خوشبو پھیل جاتی تھی' اس حدیث کی قوت خود علی قاری کو بھی تسلیم ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول مبارک پر اونٹوں کے پیشاب سے معارضہ کرنا' سخت حیرت کا باعث ہے۔

نیز ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی چیز ناپسندیدہ اور ناپاک نہیں تھی' ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھوتی تھیں' آپ پتھر اور ڈھیلوں سے استنجاء کرتے تھے نیز اگر آپ سے خارج ہونے والی چیزیں پاک ہوتیں تو وہ چیزیں حدث ناقض (وضو اور غسل کا سبب) نہ ہوتیں' جیسے پسینہ' تھوک اور رینٹ وغیرہ ہیں' اور اس پر اجماع ہے کہ وضو ٹوٹنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مثل ہیں سوا اس چیز کے جس کا استثناء ہے مثلاً نیند' کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے' آپ کے فضلات کریمہ کے طاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے لیے طاہر ہیں' باقی آپ کے حق میں ان کا خروج موجب حدث ہے' اسی وجہ سے آپ استنجاء' وضو اور غسل فرماتے تھے امت کے لیے ان کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ کئی صحابہ اور صحابیات نے آپ کا پیشاب اور خون پیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت مالک بن سنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوس کر پی لیا۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مثل کو حاکم' بزار' بیہقی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے لیکن قاضی عیاض نے اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی طہارت پر جو استدلال کیا ہے اس پر ملا علی قاری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۷۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوسنے کی کون سی طبعی یا شرعی ضرورت تھی' جس کی وجہ سے ان کے لیے خون چوسنا مباح ہو گیا تھا! حقیقت یہ ہے کہ حضرت مالک بن

سنان رضی اللہ عنہ نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ غلبہ محبت کی بناء پر آپ کے زخم سے خون چوسا تھا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون یا پیشاب پیا' آپ نے ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا کہ اپنا منہ دھوؤ' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا خون اور پیشاب پاک ہے' ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے' نہ عدم حکم پر دلالت ہے' علاوہ ازیں پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا' تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو۔ یا آپ کا اعتماد ہو کہ وہ منہ دھولیں گے' ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت کیا اور اس کو برقرار رکھا تب طہارت ثابت ہو جائے گی۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۷۱' بیروت ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدم حکم پر دلالت ہے' یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ فضلات نجس ہوتے تو آپ پر لازم تھا کہ آپ انہیں دھونے کا حکم دیتے اور جب دھونے کا حکم نہیں دیا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ فضلات طاہر ہیں جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا' سوال یہ ہے کہ کس کے پیشاب لگنے سے؟ عام آدمی کے؟ تو بے شک یہ انہیں معلوم تھا کہ عام آدمی کے پیشاب لگنے سے اس جگہ کو دھونا لازم ہے' لیکن یہ عام آدمی کا پیشاب تو نہیں تھا! اگر ان کے نزدیک اس پیشاب کا حکم بھی عام آدمی کے پیشاب کی طرح ہوتا تو وہ اس کو کیوں پیتے؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے پیشاب کو طاہر سمجھتے تھے جبھی تو انہوں نے اس کو پیا تھا' اب اگر بالفرض یہ پیشاب ان کے گمان کے برخلاف ناپاک ہوتا تو آپ پر لازم تھا کہ آپ بتاتے کہ اپنا منہ دھولو۔

ملا علی قاری نے کہا اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ خود دھولیں گے۔

اگر مان لیا جائے کا کیا مطلب ہے؟ فی الواقع آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تھا' اور یہ صرف طہارت کا احتمال نہیں ہے بلکہ طہارت پر قوی دلیل ہے کیونکہ نبوت کے منصب کا یہ تقاضا ہے کہ جب بھی کوئی شخص غلط کام کرے تو نبی اس کی اصلاح کرے' اس وجہ سے نبی کا کسی چیز پر خاموش رہنا اس کے جواز کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ نبی کسی غلط کام پر خاموش نہیں رہ سکتا' اور یہ جو کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو سو یہ بھی غلط ہے' کیونکہ امور تبلیغیہ میں ذہول نہیں ہوتا' پھر یہ ایک دفعہ کا واقعہ تو نہیں ہے متعدد مرتبہ آپ کے سامنے خون پیا گیا اور آپ نے کسی مرتبہ منہ دھونے کا حکم نہیں دیا کیا ہر بار ذہول ہو گیا تھا؟ اور یہ جو کہا ہے کہ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ وہ خود دھولیں گے' یہ بھی غلط ہے آپ کو یہ اعتماد تو تب ہوتا جب آپ یہ جانتے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فضلات نجس ہیں' وہ تو آپ کے فضلات کو پاک سمجھتے تھے اور ان کو پیتے تھے تو پھر آپ کو ان کے دھونے پر اعتماد کیسے ہوتا! ملا علی قاری نے لکھا ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور اس کو مقرر رکھا تو پھر طہارت ثابت ہوگی۔

یعنی اگر کوئی شخص مثلاً صبح سے ظہر تک' یا ظہر سے عصر تک اپنے منہ پر کوئی ناپاک چیز لگائے رکھے تو ملا علی قاری کے نزدیک حضور اس کو اس لیے منع نہیں کریں گے کہ یہ ابھی نماز نہیں پڑھ رہا' کیا نماز کے علاوہ باقی اوقات میں منہ پر ناپاک چیز لگائے رکھنا جائز ہے؟ اور نماز کے علاوہ کوئی شخص اپنے منہ پر خون یا پیشاب مل لے تو کوئی حرج نہیں ہے؟ اس لیے فضلات

کریمہ کی طہارت پر ملاعلی قاری کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو پیشاب یا خون دوبارہ پینے سے منع نہیں فرمایا اور یہ ان کی طہارت کی دلیل ہے' ملاعلی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب کسی شخص نے عمداً اور بلاضرورت یہ کام کیا ہوتا' اور عنقریب روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت برکہ نے لاعلمی میں پیشاب پیا تھا (یعنی ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ پیشاب ہے) اور ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے؟ اور ایک روایت میں ہے دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔ (شرح الشفاء ج اص ۱۷۱' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ:

صحابہ میں سے جس نے بھی آپ کا خون یا پیشاب پیا تھا وہ کسی ضرورت سے نہیں پیا تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کی وجہ سے پیا تھا اور عمداً پیا تھا' خون اور پیشاب پینے کے متعدد واقعات ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حاکم اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک جانب رکھے ہوئے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا' میں رات کو اٹھی میں پیاسی تھی میں نے اس کو پی لیا درآں حالیکہ مجھے پتا نہیں تھا' جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! اس برتن میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا' آپ ہنسے اور فرمایا بخدا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا' اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب کرتے تھے جس کو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا' ایک دن آپ نے وہ پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہیں تھا' ایک عورت جس کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھی اور ان کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی آپ نے اس سے پوچھا اس پیالہ میں جو پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کو میں نے پی لیا' آپ نے فرمایا اے ام یوسف! تم صحت مند رہو گی' ابن دحیہ نے کہا یہ دو مختلف عورتوں کے دو مختلف واقعے ہیں پہلی عورت برکہ ام ایمن ہیں اور دوسری عورت برکہ ام یوسف ہیں۔ (نسیم الریاض ج ۲ص ۳۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملاعلی قاری نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ (شرح الشفاء ج اص ۱۷۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ دو واقعے ہیں' اور یہ قول کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا حضرت برکہ ام ایمن کا ہے' اور حضرت برکہ ام یوسف کے واقعہ میں یہ قول نہیں ہے کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا۔ اس لیے ملاعلی قاری کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ پینے والوں نے عمداً اور بلاضرورت نہیں پیا۔

اسی طرح حضور کا خون پینے کے بھی متعدد واقعات ہیں' علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا' ان میں ابوطیبہ نام کے فصد لگانے والے ہیں اور قریش کا ایک لڑکا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی تھی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا' یہ روایات بزار' طبرانی' حاکم بیہقی اور ابونعیم کی حلیہ میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ص ۵۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث میں سے کسی میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں خون پیا' صرف حضرت ام ایمن کی روایت

" لا اشعر " کا لفظ دیکھ کر مطلقاً یہ کہنا کہ " حضور دوبارہ پینے سے اس وقت منع کرتے جب پینے والوں نے بلاضرورت اور عمداً پیا ہوتا" سخت مغالطہ آفرینی ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ: سالم بن الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔

ہر خون کا حرام ہونا اور اسی طرح آپ کے خون کا بھی حرام ہونا طہارت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ حرمت کرامت کی بناء پر ہے نجاست کی بناء پر نہیں ہے' دراصل اس عبارت سے ملا علی قاری' قاضی عیاض پر یہ رد کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی عیاض نے یہ استدلال کیا تھا کہ اگر آپ کے فضلات نجس ہوتے تو آپ کسی کو دوبارہ پینے سے منع کرتے' سو ملا علی قاری نے ابن عبد البر کے حوالے سے یہ لکھا کہ ایک روایت میں ہے: **لا تعد فان الدم کله حرام** ۔" دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابن عبد البر کی کتاب کو دیکھا اس میں سالم کے تذکرہ میں فصد کا یہ واقعہ مذکور ہے لیکن " **لا تعد فان الدم کله حرام** " کا ذکر نہیں اور ملا علی قاری کے استدلال کا مرکزی نقطہ یہی ہے' ابن عبد البر کی اصل عبارت یہ ہے:

(سالم) رجل من الصحابة حجم النبی صلی الله علیه وسلم و شرب دم المحجم فقام له رسول الله صلی الله علیه وسلم اما علمت ان الدم کله حرام.	سالم ایک صحابی ہیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی اور فصد کا خون پی لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۱۳۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن عبد البر نے **فی روایة لا تعد** نہیں لکھا' اور اگر ملا علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور نے لکھا ہے یا کسی اور روایت میں ہے تو ملا علی قاری نے اس کا حوالہ نہیں دیا اور جو چیز مذاہب اربعہ کے جمہور علماء کا مختار ہو اور مستند احادیث سے ثابت ہو اس کو ایک بے سند اور مجہول روایت کی بنیاد پر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ملا علی پر رحم فرمائے' ہو سکتا ہے کہ اس تمام بحث سے ان کا مقصود یہ ہو کہ فضلات کریمہ کی طہارت ایک ظنی مسئلہ ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے' کیونکہ جن وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے ان پر اعتراضات ہو سکتے ہیں' ملا علی قاری کی طرف سے اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے اپنی دوسری تصانیف میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔

فضلات کریمہ سے متعلق بعض احادیث کی فنی حیثیت اور اس مسئلہ میں جمہور علماء کا موقف

ملا علی قاری حنفی شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے متعلق امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو بیت الخلاء میں جاتے ہوئے دیکھتی ہوں' پھر جو شخص آپ کے بعد بیت الخلا میں جاتا ہے وہ آپ سے خارج ہونے والی کسی چیز کا کوئی اثر نہیں دیکھتا' آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ انبیاء سے جو کچھ خارج ہو وہ اس کو نگل لے' اس حدیث کو امام ابن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے' علامہ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث حسن ابن علوان کی موضوعات میں سے ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے' کیونکہ احادیث صحیحہ مشہورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر معجزات کا ذکر ہے جو حسن بن علوان کے کذب سے مستغنی کر دیتے ہیں (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔ امام بیہقی کی یہ عبارت بالخصوص ابن علوان کے روایت کردہ متن پر محمول ہے اور وہ یہ

ہے: ”کیا تم نہیں جانتیں کہ ہمارے اجسام ارواح اہلِ جنت کے مطابق پیدا ہوئے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اس کو زمین نگل لیتی ہے“۔ یا اس حدیث پر موضوع کا حکم لگانا صرف ابن علوان کی سند کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری جن سندوں سے یہ حدیث مروی ہے ان پر موضوع کا حکم نہیں ہے' یا امام بیہقی ان اسانید پر مطلع نہیں ہوئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی امام طبرانی' امام ابن سعد' اور امام حاکم کی ذکر کردہ اسانید) اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔

امام بیہقی کا یہ تبصرہ براز کے متعلق تھا' اور پیشاب کا تو بہت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے' آپ کی خادمہ برکہ ام ایمن نے آپ کا پیشاب پیا' اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ بَرَکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا' آپ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا' آپ اس میں پیشاب کرتے تھے' اور دوسری بَرَکہ نے اس کو پی لیا' تو آپ نے ان سے فرمایا: اے ام یوسف تم تندرست ہو گئیں' اور وہ مرض موت کے سوا پھر کبھی بیمار نہیں ہوئیں' اور پہلی بَرَکہ سے یہ روایت ہے کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب رکھے ہوئے ٹھیکرے میں پیشاب کیا' وہ کہتی ہیں میں رات کو پیاس سے اٹھی اور جو کچھ اس ٹھیکرے میں موجود تھا میں نے اس کو پی لیا اور مجھ کو پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن جو کچھ ٹھیکرے میں ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا بہ خدا! جو کچھ اس میں تھا میں نے پی لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' پھر آپ نے فرمایا: سنو خدا کی قسم تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا' علامہ ابن حجر نے کہا ہمارے ائمہ متقدمین اور دوسرے ائمہ کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور طہارت فضلات پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ص ۲۶۶' بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر اور آپ کے باطن کو دھونا ہے۔

(جمع الوسائل ج ۲ص ۳۔۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے! کیوں نہیں! وہ عظیم الشان پیدا کرنے والا' سب سے زیادہ جاننے والا ہے O جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ”بن جا“ سو وہ بن جاتی ہے O پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکمت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (یٰس: ۸۳۔۸۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبالغہ کا معنی

یٰس: ۸۱ کا معنی یہ ہے کہ جس ذات نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا اور جس نے سرسبز درخت کو آگ بنا دیا اور جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا جس نے اس قدر عظیم الشان' وسیع و عریض اور قوی ہیکل چیزوں کو ابتداءً پیدا کیا' کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دوبارہ انسانوں کو پیدا کر دے' جب کہ آسمانوں' زمینوں اور اس پر نصب پہاڑوں کے مقابلہ میں جسمانی طور پر انسان بہت چھوٹی مخلوق ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O

آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا ضرور انسانوں کو (دوبارہ) پیدا کرنے سے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(المومن: ۵۷)

پھر خود ہی فرمایا کیوں نہیں! وہ ضرور انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے' وہ ہر چیز کی جسامت اور مقدار اور اس کی صفات

کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' اور وہ ہر چیز کو بار بار پیدا کرنے والا ہے تو وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خلاق کا صیغہ استعمال فرمایا' اللہ تعالیٰ کی جو صفات مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ ہوں وہ سب مجاز ہیں' کیونکہ مبالغہ کا معنی ہے نفس صفت پر زیادتی' مثلاً جب کسی شخص کو علامہ کہا جائے تو اس کا معنی ہے جتنا اس کا علم ہے اس سے زیادہ اس کا علم بیان کیا جارہا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں ان پر زیادتی ممکن ہی نہیں ہے' نیز اس شخص کی صفات میں مبالغہ ممکن ہے جس کی صفت میں زیادتی اور کمی ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں زیادتی اور کمی ممکن ہی نہیں ہے' اس لیے جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر مبالغہ کے صیغہ کا اطلاق کیا جائے گا تو وہ مجاز ہوگا۔

علامہ زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مبالغہ کے صیغہ کا معنی ہے کہ اس کا فعل زیادہ ہو' یا اس کا معنی ہے جن پر اس کا فعل واقع ہو رہا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً خلاق کا معنی ہے وہ بہت زیادہ تخلیق فرماتا ہے' یا اس کا معنی ہے اس کی مخلوق کی تعداد بہت زیادہ ہے' اسی طرز پر علامہ زمخشری نے الکشاف میں لکھا ہے کہ تواب کا معنی ہے جن کی وہ توبہ قبول فرماتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' یا اس کا معنی ہے وہ بندہ کی اس قدر زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے کہ اس پر گناہ کا بالکل اثر نہیں رہتا اور وہ بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

کن فیکون پر خطاب بالمعدوم اور تحصیل حاصل کے اعتراض کا جواب

اس کے بعد فرمایا جب وہ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ''بن جا'' سو وہ بن جاتی ہے۔

اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز سے یہ فرماتا ہے کہ ''بن جا'' اس وقت وہ چیز موجود ہے یا نہیں ہے اگر وہ چیز موجود ہے تو پھر اس کو بننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے اور اگر وہ چیز موجود نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا معدوم سے کلام اور خطاب کرنا لازم آئے گا' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف یہ تمثیل بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ کسی چیز کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتی ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو اس کا بنانا کسی چیز پر موقوف نہیں ہوتا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم ہے اور ہر چیز اس کے علم میں ہے' اللہ تعالیٰ اس چیز کے علم کی طرف توجہ فرماتا ہے لہٰذا معدوم سے خطاب لازم نہیں آتا اور اس چیز کو معلوم کے درجہ میں لاتا ہے لہٰذا تحصیل حاصل لازم نہیں آتی' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے وہ چیز بالقوۃ موجود ہوتی ہے اس لیے معدوم سے خطاب لازم نہیں آتا اور پھر بالفعل موجود ہوتی ہے اس لیے تحصیل حاصل لازم نہیں آتی۔

ملکوت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: پس سبحان ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکوت ہے۔ (یٰسٓ: ۸۳)

ملکوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی مِلک کے ساتھ مخصوص ہے' یہ مصدر ہے اور اس میں تا کو داخل کر دیا گیا ہے' جیسے رحموت اور رھبوت میں ہے' اور ملکوت کا معنی اللہ تعالیٰ کی مملکت اور اس کی سلطنت ہے یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۱۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ اور اس کے تصرف میں ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا' اس میں صالحین کے لیے اجر وثواب کا وعدہ اور بشارت ہے اور مجرموں کے لیے سزا اور عذاب کی وعید ہے۔

سورۃ یٰسٓ کا اختتام

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰسٓ کی قرأت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۔۲۶، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۵۱۰، المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸۳)

مردوں کے پاس سورۃ یٰسٓ پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت انسان کے قُوٰی کمزور ہوتے ہیں اور اعضاء بھی نحیف ہوتے ہیں لیکن اس کا دل اللہ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے سورۃ یٰسٓ پڑھی جاتی ہے تو اس کے قلب کی قوت بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اس کی تصدیق مزید قوی ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں ان کا نور اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

جب انسان پر عالم نزع طاری ہوتا ہے اس وقت اس کی روح عالم ناسوت سے عالم لاہوت کی طرف مائل بہ پرواز ہوتی ہے اور جب اس کو یہ سنایا جاتا ہے پس سبحان ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اشتیاق اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

آج ۲۲ محرم ۱۴۲۴ھ/ ۲۶ مارچ ۲۰۰۳ء بہ روز بدھ قبیل العصر سورۃ یٰسٓ کی تفسیر ختم ہو گئی، **فالحمد للہ علی ذالک حمدا کثیرا وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ صلوۃ جزیلا** ۔ ۱۵ جنوری ۲۰۰۳ء کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اس طرح دو ماہ اور بارہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوئی، اس دوران میں کافی بیمار رہا، کئی بار بخار آیا، کولیسٹرول کے عوارض بھی رہے، بلڈ پریشر بھی بڑھتا رہا اور کافی پریشانیوں کا سامنا رہا۔ میرے ایک ہمدرد اور مہربان ہیں شفیق بھائی انہوں نے مجھے پرہیزی غذائیں مہیا کیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جس طرح انہوں نے دنیا میں میری مشکل حل کی ہے، اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کی تمام مشکلات حل فرمائے۔

الٰہ العٰلمین! آپ کا اس ناکارہ اور گنہ گار پر بے حد احسان ہے اور بہت فضل و کرم ہے کہ عمر کے اس آخری حصہ میں آپ نے مجھے وہ تمام سہولتیں عطا فرمائیں جن سے میں اس تفسیر کو لکھنے کے قابل ہو سکا اور مجھے ایسی ہمت دی کہ میں اس تفسیر کو لکھ سکا، اے میرے مالک اور معبود! جس طرح آپ نے سورۃ یٰسٓ کی یہ تفسیر مکمل کرا دی ہے، قرآن مجید کی باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دینا، اس تفسیر کو تا قیام ساعت قائم باقی، مقبول اور اثر آفرین رکھنا، موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دینا، مجھے، میرے والدین کو، میرے اساتذہ کو، اس تفسیر کے ناشر، مصحح اور کمپوزر کو اور اس کے معاونین، محبین اور قارئین کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دینا، دنیا اور آخرت کی تمام پریشانیوں اور مصائب و آلام سے محفوظ اور مامون رکھنا اور دارین کی نعمتوں اور سعادتوں کو ہمارا مقدر بنا دینا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سیدنا محمد افضل خلقہ و نور عرشہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الصّٰفّٰت

سورة الصّٰفّٰت کی وجہ تسمیہ اور اس کا زمانہ نزو

اس سورت کا مشہور اور متفق علیہ نام الصّٰفّٰت ہے' کتب احادیث' کتب تفاسیر اور تمام مصاحف میں اس کا یہی نام ہے' اس سورت کے نام کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے' اس سورت کا نام الصّٰفّٰت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا. (الصّٰفّٰت: ۱) صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو صف باندھتی ہیں۔

سورۃ الملک میں بھی صٰفّٰت کا لفظ آیا ہے:

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ. (الملک: ۱۹) اور کیا انہوں نے اپنے اوپر صفیں باندھے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پر پھیلاتے ہیں اور (کبھی) پر سمیٹ لیتے ہیں۔

لیکن ہم اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' تعداد نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۷ ہے۔ یہ سورۃ الانعام کے بعد اور سورۃ لقمان سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جمہور کے نزدیک اس میں ایک سو بیاسی آیات ہیں اور بصریوں کے نزدیک اس میں ایک سو اکیاسی آیات ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تخفیف کے ساتھ امامت کرنے کا حکم دیتے تھے اور جب ہم کو نماز پڑھاتے تھے تو سورۃ الصّٰفّٰت کی قرأت کرتے تھے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۲۵' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

سورۃ الصّٰفّٰت میں پانچ رکوع ہیں اور یہ ربع پارہ سے کچھ زائد ہے' اب اگر یہ اشکال ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے میں کم قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود زیادہ قرأت کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کہاں نمازوں میں ہمارا قرآن پڑھنا اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پڑھنا' جب ہم نماز میں زیادہ قرأت کرتے ہیں تو لوگ اکتا جاتے ہیں مقتدیوں میں سے کوئی بیمار ہوتا ہے' کوئی بوڑھا اور ضعیف ہوتا ہے' کسی نے کہیں کام جانا ہوتا ہے' سو لوگ اس کے

منتظر ہوتے ہیں کہ کسی طرح امام قرأت ختم کرے تو ہم کو آرام حاصل ہو یا ہم اپنے کام پر جا سکیں' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن مجید پڑھتے تو سننے والوں کو اس طرح کیف اور سرور حاصل ہوتا تھا کہ ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ کاش ساری عمر آپ یونہی قرآن مجید پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں' اور اگر ہمیں قیامت تک کی بھی عمر ملے تو وہ یونہی آپ کی اقتداء میں قرآن مجید سنتے ہوئے بسر ہو جائے' اور نماز میں جب' بیمار' کمزور اور کسی کام پر جانے والے ہوتے تھے تو جب وہ آپ سے قرآن سنتے تھے تو بیماروں کو اپنی بیماری بھول جاتی تھی' ضعیفوں کو ضعف بھول جاتا تھا اور کام پر جانے والوں کو کام بھول جاتا تھا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بعید نہ ہوگا کہ جب بیمار آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ان کی بیماری جاتی رہتی تھی ضعیفوں کا ضعف جاتا رہتا تھا اور جو کسی کام کے لیے جانے والے ہوتے تھے ان کا کام بن جاتا تھا۔

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضر موت کے سرداروں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' ان میں بنو ولیعہ جمد' مخوس' مشرح' ابضعہ اور ان کی بہن العمردۃ بھی شامل تھی اور ان میں الاشعث بن قیس بھی تھا اور وہ ان میں سب سے کم عمر تھا' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بادشاہ نہیں ہوں' میں تو صرف محمد بن عبداللہ ہوں! انہوں نے کہا ہم آپ کو آپ کے نام کے ساتھ نہیں پکاریں گے' آپ نے فرمایا لیکن میرا نام اللہ نے رکھا ہے' اور میں ابوالقاسم ہوں' انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہم نے آپ کو آزمانے کے لیے ایک عبارت چھپائی ہے' بتایئے وہ عبارت کیا ہے؟ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کے لیے یہ عبارت چھپائی تھی: عین جرادة فی حمیت سمن ۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کام تو کاہن لوگ کرتے ہیں اور وہ دوزخ میں ہوں گے' انہوں نے کہا پھر ہم کو کیسے علم ہوگا کہ آپ رسول اللہ ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں! تب آپ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کے سامنے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے اور وہ میزان میں بہت بڑے پہاڑ سے بھی بھاری ہے' اور اندھیری رات میں ستاروں کے نور کی مانند ہے' انہوں نے کہا آپ ہمیں اس کتاب سے کچھ سنایئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سے لے کر وَرَبُّ الْمَشَارِقِ تک تلاوت فرمائی (الصّٰفّٰت: ۵-۱) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون ہو گئے اور آپ کی ڈاڑھی مبارک پر آنسو بہہ رہے تھے' انہوں نے کہا ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں کیا آپ اس ذات سے خوف زدہ ہیں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اسی سے خوف زدہ ہوں' اس نے مجھے اس صراط مستقیم پر بھیجا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح ہے اگر میں اس سے سرمو بھٹک جاؤں تو ہلاک ہو جاؤں گا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۸۷-۸۶)

اور اگر بالفرض ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے' پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمایتی نہ مل سکے ○ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے' بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۷' رقم الحدیث: ۱۹۰' مطبوعہ دار النفائس)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' امام ابن داؤد کی فضائل القرآن اور امام ابن النجار کی تاریخ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن

یٰسٓ اور الصّٰفّٰت کو پڑھا پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ سوال پورا کر دے گا۔
(الدر المنثور ج ۸ ص ۶۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الصّٰفّٰت کے مشمولات

اس سورت کے شروع میں یہ بتایا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں وہ اس کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' جنات اور شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے ہیں تا کہ وہ کاہنوں کو غیب کی باتوں پر مطلع کریں' اور فرشتے ان پر آگ کے گولے برساتے ہیں جو شہاب ثاقب کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

جو کفار قیامت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو بعید سمجھتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے ان کی مذمت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ وہ دن جلد آنے والا ہے جب ان کافر سرداروں سے ان کے پیروکار برأت کا اظہار کریں گے' اور آپ کے ان اصحاب کو اچھی جزا دی جائے گی جو اس کڑے وقت میں آپ کا ساتھ دے رہے تھے۔

پچھلی امتوں کے احوال کا ذکر جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی پیروی کی تھی۔

بعض انبیاء سابقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں' جن میں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت موسیٰ' حضرت ھارون' حضرت الیاس' حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام ہیں' تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے' جس میں ان کی بت شکنی اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر زیادہ نمایاں ہے' اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی بھی تفصیل کی گئی ہے۔

اس سورت کے اختتام میں بھی سورت کی ابتداء کی طرح فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ وہ فرشتے خود کہتے ہیں کہ ہم صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے بار الٰہ! مجھ پر اس سورت کے اسرار کو منکشف کر دینا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط ہوں ان سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور ان کے بطلان کو مجھ سے واضح کر دینا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم' علیہ توکلت والیہ انیب

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ کراچی
۲۴ محرم ۱۴۲۴ھ/ ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء
فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

(۳۷) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۵۶) آیاتہا ۱۸۲	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	رکوعاتہا ۵

سورۃ الصّٰٓفّٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O اس میں ایک سو بیاسی آیات' پانچ رکوع ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ﴿۳﴾

صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو صف باندھتی ہیں! O پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو ڈانٹتی ہیں O پھر قرآن کی

اِنَّ اِلٰـہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا وَرَبُّ

تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے O آسمانوں اور زمینوں کا اور ان

الۡمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِ ۨالۡکَوَاکِبِ ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا

تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں' وہی تمام مشرقوں کا رب ہے O بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا O اور (اس کو)

مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَ

ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا O وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور

یُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوۡرًا وَّلَہُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا

ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے O ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O مگر جو

مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَۃَ فَاَتۡبَعَہٗ شِہَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسۡتَفۡتِہِمۡ اَہُمۡ

شیطان کوئی بات اُچک لے تو فوراً چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے O سو آپ ان (کافروں)

اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلۡ

سے پوچھیے آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جن کو ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O بلکہ

عَجِبۡتَ وَیَسۡخَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُکِّرُوۡا لَا یَذۡکُرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوۡا اٰیَۃً

آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں O اور جب انہیں نصیحت کی جائے تو وہ قبول نہیں کرتے O اور جب کوئی معجزہ

یَّسۡتَسۡخِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ

دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں O اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے O کیا جب ہم

كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ

مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور اٹھایا جائے گا؟O اور کیا ہمارے آباء و اجداد کو بھی؟O

نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

آپ کہیے ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے O وہ صرف ایک زور دار جھڑک ہو گی پھر وہ یکایک دیکھنے لگیں گے O

وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ

وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہی سزا کا دن ہے O یہی اس فیصلہ کا دن ہے جس

ع ۱ ۲۱ ۵

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

کی تم تکذیب کرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو صف باندھتی ہیں!O پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو ڈانٹتی ہیں O پھر قرآن کی تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے O آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں' وہی تمام مشرقوں کا رب ہے O (الصّٰفّٰت: ۵۔۱)

نماز میں صف بستہ کھڑے ہونے کی فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

والصّٰفّٰت صفًا کی تین تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود' عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں (۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آسمان میں عبادت کرنے والے ہیں (۳) نقاش نے کہا اس سے مراد مومنوں کی جماعت ہے جب وہ صف باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے خلاف جہاد کرنے والے صف بستہ مجاہدین ہوں' اور یہ زیادہ واضح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ O (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو آسمانوں میں صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' فرشتوں کے صف باندھنے پر دلیل یہ حدیثیں ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا تم اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف باندھتے ہیں! ہم نے پوچھا یا رسول

اللہ! فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں' آپ نے فرمایا وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں پھر اس سے متصل صفوں کو پورا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں لوگوں پر تین وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کی مٹی کو ہمارے لیے تیمم کا آلہ بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں فرشتوں کی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے' اور اس آیت میں نماز میں صف باندھنے کی فضیلت ہے اور نماز میں صفیں باندھنے کی فضیلت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں درست کرتے تھے گویا تیروں کو سیدھا کر کے رکھا جاتا ہے' حتیٰ کہ آپ کے خیال میں ہم نے اس کو سمجھ لیا' پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور تکبیر پڑھنے والے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا' آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو تم اپنی صفوں کو ہموار رکھا کرو ورنہ اللہ تمہارے چہروں کو الٹا کر دے گا (یا مسخ کر دے گا)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت کہی گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لائے اور فرمایا تم اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ' پس بے شک میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے نماز میں صف کو قائم کرو کیونکہ صف کو قائم کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۔۷۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۸)

زجر کا معنی اور فرشتوں کے زجر کرنے کی تفصیل

دوسری آیت میں فرمایا: پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعت کی قسم! جو ڈانٹتی ہیں O

اس آیت میں الزاجرات کا لفظ ہے' زجر کا معنی ہے کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر کسی برے کام سے باز رکھنا' پھر اس کو مطلقاً ڈانٹ ڈپٹ کی آواز یا کسی کو بھگانے اور دور کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے' علامہ ماوردی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود' مسروق' قتادہ' عکرمہ' سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا ہے کہ یہ زجر کرنے والے فرشتے ہیں اور وہ بادلوں کو زجر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' اور بندوں کو گناہوں سے زجر اور ملامت کرتے ہیں' امام رازی نے کہا ہے کہ فرشتوں کی بنو آدم کے دلوں میں تاثیر ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں الہامات کے ذریعہ تاثیر کر کے ان کو گناہوں سے روکتے ہیں اور ان پر ملامت کرتے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شیاطین کو زجر اور ملامت کرتے ہوں کہ تم کیوں انسانوں کو برے کاموں پر اکساتے ہو۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷' تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۱۴)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے علماء صالحین کی جماعتیں مراد ہوں جو وعظ اور نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو برے کاموں سے روکتے ہیں' اور اس سے مجاہدین کی جماعتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو میدان جہاد میں دشمنان اسلام کی سرکوبی کرتے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے صف بستہ فرشتوں کی قسم کیوں کھائی؟

تیسری آیت میں فرمایا: پھر قرآن کی تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O

اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جو نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اس سے وہ مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں جو خارج از نماز قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوں' اور اس سے وہ علماء مبلغین بھی مراد ہو سکتے ہیں جو عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کے مواعظ اور خطبات میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں' اور اس سے حمد اور تسبیح کرنے والوں کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صف باندھنے والے اور زجر کرنے والے فرشتوں اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی قسم کھائی ہے' پھر اس حدیث کا کیا محمل ہوگا جس میں غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے؟ وہ حدیث حسب ذیل ہے:

سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سنا ایک شخص کہہ رہا تھا: کعبہ کی قسم! تو حضرت ابن عمر نے کہا غیر اللہ کی قسم نہ کھائی جائے' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۵۹۲۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۵۸' المستدرک ج ا ص ۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں سے پہلے رب کا لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے صف بستہ فرشتوں کی جماعتوں کے رب کی قسم' پھر زجر کرنے والے فرشتوں کی جماعتوں کے رب کی قسم' قرآن کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کے رب کی قسم۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قسم کا معنی ہے شہادت یعنی اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اپنی توحید پر شاہد بنا رہا ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھانے کا شرعی حکم ہمارے لیے ہے' ہم احکام شرعیہ کے مکلف ہیں' اللہ تعالیٰ کسی حکم شرعی کا مکلف نہیں ہے' وہ مالک مطلق ہے' جس طرح چاہے کلام فرمائے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں' وہی تمام مشرقوں کا رب ہے ○ (الصّٰفّٰت: ۵۔۴)

بعض کفار فرشتوں کی عبادت کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قسم کھا کر فرمایا بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے' یعنی جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو وہ تو خود اس کے شاہد ہیں کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف ایک ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

پھر فرمایا وہی آسمانوں اور زمینوں کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے نظام کا ایک نہج اور ایک طریقہ پر جاری اور باقی رہنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اس نظام کا وضع کرنے والا بھی واحد ہے' اسی لیے فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ (الانبیاء: ۲۲)

اس کے بعد فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں۔ گویا کہ جب لوگ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کے نظام اور ان کی معمول کی کارکردگی اور طریقہ واحدہ پر ان کے چلن پر غور کریں گے تو ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ یہ کہیں کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ایک ہے جو اس سارے جہان کا

خالق اور مدبر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہی تمام مشرقوں کا رب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مشارق متعدد ہیں' مشرق کا معنی ہے سورج کے چمکنے اور روشن ہونے کی جگہ' اور سورج ایک خاص جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور دوسرے دن اس سے اگلے درجہ سے طلوع ہوتا ہے۔ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں سورج کے طلوع اور غروب کے اتنے درجات ہوتے ہیں اس لیے کہا گیا ہے کہ سورج کے تین سو ساٹھ درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا اور (اس کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا○ وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے○ ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○ مگر جو شیطان کوئی بات اچک لے تو فوراً چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے○ (الصّٰفّٰت: ۱۰۔۶)

آسمان دنیا کا ستاروں سے مزین ہونا

الصّٰفّٰت: ۶ میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو جو ستاروں سے مزین کیا ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک زینت اور آرائش اور دوسری وجہ ہے آسمان کو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے سرکش شیطانوں سے محفوظ کرنا۔ آسمان دنیا کو جو ستاروں سے مزین فرمایا ہے اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم الملک: ۵ میں بیان کریں گے۔

آسمان دنیا کی ستاروں سے مزین ہونے کی کیفیت کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) نور اور روشنی آنکھوں کو بھاتی ہے اور جب آسمان کی سطح پر یہ روشنیوں کا جال نظر آتا ہے تو بہت حسین و جمیل لگتا ہے۔

(۲) مختلف ستاروں کے اجتماع سے عجیب و غریب اشکال بن جاتی ہیں کہیں پر شیر کی شکل بن جاتی ہے' کہیں بکری کی کہیں میزان کی اور کہیں ڈول کی علیٰ ہٰذا القیاس ان ہی شکلوں کے اعتبار سے بارہ برجوں کے نام رکھے گئے ہیں۔

(۳) جب اندھیری رات میں انسان آسمان کی نیلی سطح پر ان چمکتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتا ہے تو یہ اس کو بہت حسین لگتی ہیں۔

آسمان پر ستاروں کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے:

یہ کائنات ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے' مٹھی بھر ریت میں بھی دس ہزار ذرات ہوتے ہیں اور یہ تعداد برہنہ آنکھ سے نظر آنے والے ستاروں سے زیادہ ہے' لیکن جو بھی ستارے ہم دیکھ سکتے ہیں وہ دراصل ستاروں کی تعداد سے انتہائی کم ہیں۔ رات کو ہم جو کچھ آسمان پر ملاحظہ کرتے ہیں' وہ قریبی ستاروں کا افق ہے' جب کہ کون و مکاں کا دامن لا محدود ستاروں سے لبریز ہے۔ کائنات میں موجود کل ستارے زمین پر موجود تمام ساحلوں کے تمام ریت کے ذرات سے بھی زیادہ تعداد میں ہیں۔

ماہرین فلکیات کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ ہماری اور دوسری کہکشاؤں میں ایسے سورج موجود ہو سکتے ہیں جنہوں نے اپنے سیاروں پر مشتمل اپنے نظام شمسی بھی تشکیل دیئے ہوں' جن میں شاید زمین جیسے سیارے ہوں اور ان میں حیات اور نشو و نما کے لیے سازگار ماحول بھی موجود ہو۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے میں امریکی ماہر فلکیات فرینک ڈریگ نے ہماری دودھیا کہکشاں میں ایسے سیاروں کی تعداد کے تعین کے لیے کہ جہاں حامل فہم و ادراک مخلوق پائی جا سکتی ہے ایک کلیہ وضع کیا۔ اس بنیاد پر بہت سے ایسے ماہرین نے جو دوسرے سیاروں میں غیر ارضی تہذیب کی موجودگی کے بارے میں خاصے پُرامید ہیں' صرف ملکی وے میں جس کے ایک کنارے پر ہمارے نظام شمسی کا وجود ہے' ایک لاکھ پچیس ہزار سیاروں کا اندازہ لگایا ہے جہاں

زندگی پائی جاسکتی ہے۔ ہماری کہکشاں میں تقریباً چار سو بلین سورجوں کی موجودگی اوران کے درمیان نامیاتی سالمات کا پایا جانا اسی خیال کو مزید تقویت عطا کرتا ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق نظام شمسی کی پیدائش چار ارب سال قبل ہوئی تھی۔ اس عرصے کے دوران مادر ارض پر "ہومیو اپیین" یعنی زیرک انسان وجود میں آیا۔ اس طرح دوسرے سیاروں پر بھی اس طرح کی زندگی پروان چڑھ سکتی ہے۔ (جنگ سنڈے میگزین ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء)

الصّٰفّٰت: ۱۰۔۷ میں شیطانوں پر شہاب ثاقب سے ضرب لگانے کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نے بیان کیا کہ ایک رات کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی پھیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں تم اس حادثہ کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بہت بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا کہ کوئی مرتا ہے یا پیدا ہوتا ہے لیکن ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں پھر جو ان کے قریب آسمان کے فرشتے ہیں سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کی ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتی ہے پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے پھر آسمان کے بعض فرشتے بھی دوسروں کو بتاتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے) حتیٰ کہ آسمان دنیا تک خبر پہنچتی ہے پھر جن اس سنی ہوئی بات کو لے اڑتے ہیں اور اسے (کاہنوں کے کانوں میں) پھونک دیتے ہیں پس اگر وہ اسی طرح خبر دیں تو وہ سچ ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اپنی مرضی سے کچھ اور ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۹ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۲۲۴ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۲۷۲)

کاہنوں کی اقسام

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عرب میں کہانت کی تین قسمیں تھیں:

(۱) کسی انسان کا جن دوست ہوتا تھا وہ آسمان سے خبریں سن کر آتا اور اس شخص کو بتا دیتا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد یہ قسم باطل ہو گئی۔

(۲) جن زمین کے گردونواح اور اطراف میں پھر کر اس کی خبریں اپنے دوستوں کو بیان کرتا اس قسم کا وجود بعید نہیں ہے معتزلہ اور بعض متکلمین نے ان دونوں قسموں کا انکار کیا ہے لیکن اس قسم کے وجود میں کوئی استحالہ اور بعد نہیں ہے اور ان کی خبر کبھی سچ ہوتی ہے اور کبھی جھوٹ اور شرعاً ان کی خبر سننا اور اس کی تصدیق کرنا ممنوع ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں ایک قوت پیدا کی ہے (جس سے وہ مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں) لیکن ان کی خبروں میں زیادہ تر جھوٹ ہوتا ہے اس فن کے ماہر کو عراف کہتے ہیں عراف وہ شخص ہے جو بعض اسباب اور مقدمات سے بعض چیزوں کی معرفت حاصل کرتا ہے ان تمام اقسام کو کہانت کہا جاتا ہے اور شریعت نے ان سب کی تکذیب کی ہے اور ایسے لوگوں کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ص ۲۳۳۔۲۳۲ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

کاہن کی تعریف اور کاہن کے پاس جانے کا شرعی حکم

علامہ نووی شافعی نے قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ کی پوری شرح نقل نہیں کی ہم قاضی عیاض کی شرح سے وہ

حصہ پیش کر رہے ہیں جس کو علامہ نووی نے نقل نہیں کیا۔

قاضی عیاض نے پہلے کہانت کی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین کا یہ زعم تھا کہ ان کے دلوں میں جو امور ڈالے جاتے ہیں ان سے ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے' اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے شریعت نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے' اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے کاہنوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں' جن میں سے تین کا علامہ نووی نے ذکر کیا ہے اور جو قسم انہوں نے نہیں ذکر کی وہ یہ ہے:

کاہن قیاس سے کسی ہونے والے کام کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس قیاس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک قوت پیدا کی ہے' لیکن اس باب میں ان کے اندازے اکثر جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا اس کی چالیس دنوں کی نمازیں نہیں قبول کی جاتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰) اس کی شرح میں قاضی عیاض لکھتے ہیں:

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں اور کفر اور ارتداد کے سوا اور کسی چیز سے عمل ضائع نہیں ہوتے' سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کی چالیس دن کی نمازوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اور ان کے اجر کو زیادہ نہیں کرتا' البتہ ان دنوں کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں اور اس سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی مثل یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خمر (انگور کی شراب) کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں' اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' اور اگر وہ دوبارہ شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر پھر سہ بارہ شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' پھر اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا اور اس کو (آخرت میں) الخبال کے دریا سے پلائے گا' ان سے کہا گیا اے ابو عبد الرحمٰن! الخبال کا دریا کیا ہے' انہوں نے کہا وہ دوزخیوں کی پیپ کا دریا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۷۵۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۴۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۰۱۶)

ان دونوں حدیثوں میں خصوصیت کے ساتھ چالیس دنوں کا ذکر ہے' سو یہ حکمت شرعیہ کے اسرار سے ہے کیونکہ چالیس کے بعد رحم میں نطفہ بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد وہ نطفہ جما ہوا خون بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس پر گوشت پہنایا جاتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶) اسی طرح انسان کے طبعی اوصاف چالیس دن میں متغیر ہوتے ہیں اور چالیس دن بعد ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۴۔۱۵۳' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شہاب ثاقب سے مراد آگ کے گولے ہیں یا آسمان دنیا کے ستارے

الصّٰفّٰت: ۶ میں مذکور ہے: بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا۔ اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ فرشتے شیطانوں کو جو شہاب ثاقب مارتے ہیں آیا وہ شہاب ثاقب ان ستاروں سے ہیں یا نہیں؟ اگر فرشتے ان

ہی ستاروں سے شیطانوں پر ضرب لگاتے ہیں تو پھر ستاروں کی تعداد بہ تدریج کم ہونی چاہیے نیز اس سے آسمان کی زینت میں بھی بہ تدریج کمی آنی چاہیے' اور اگر وہ شہاب ثاقب ان ستاروں سے نہیں ہیں بلکہ فرشتے کوئی اور آگ کے گولے اٹھا کر ان فرشتوں پر مارتے ہیں تو یہ سورۃ الملک کی اس آیت کے خلاف ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ. (الملک:۵) — اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرمایا ہے اور ان کو شیطان کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے شیطانوں کو جس شہاب ثاقب سے مارا جاتا ہے وہ یہ ستارے نہیں ہیں جن سے آسمان دنیا کو مزین فرمایا ہے بلکہ کسی اور قسم کے آگ کے گولے ہیں' اور سورۃ الملک میں جو فرمایا ہے ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرمایا ہے اور ان کو شیطان کو مارنے کا ذریعہ بنایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو فضا کی بلندیوں میں روشن اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے وہ زمین والوں کو روشن چراغوں اور ستاروں کی طرح نظر آتی ہیں' سو الملک: ۵ میں شہاب ثاقب کو چراغ اور آسمان دنیا کی زینت لوگوں کو دکھائی دینے کے اعتبار سے فرمایا ہے۔

شہاب ثاقب گرانے پر چند دیگر شبہات کے جوابات

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب شیطانوں کو یہ پتا ہے کہ جیسے ہی وہ آسمان دنیا کے قریب پہنچیں گے تو ان پر شہاب ثاقب پھینکا جائے گا اور ان کو ان کا مقصود حاصل نہیں ہو سکے گا تو پھر وہ آسمانوں کے قریب کیوں جاتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ آسمان دنیا سے ان پر شہاب ثاقب مارنے کی ایک معین جگہ نہ ہو اور وہ ہر بار اس امید سے جگہ بدل کر جاتے ہوں کہ یہاں سے ان پر شہاب ثاقب نہیں گرایا جائے گا' یا اس کی وجہ یہ ہو کہ ان پر شہاب ثاقب گرائے جانے کے واقعات شاذ و نادر ہوں اور جنات اور شیاطین کے درمیان وہ اس قدر مشہور نہ ہوں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جنات اور شیاطین آگ سے بنائے گئے ہیں تو ان پر آگ کے گولے مارنا یا ان کو دوزخ کی آگ سے آخرت میں عذاب دینا ان کے لیے موجب عذاب کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنایا گیا ہے اس کے باوجود جب اس کو اینٹیں اور پتھر مارے جائیں تو اس سے انسان کو بہرحال درد اور تکلیف ہوتی ہے سو اسی قیاس پر جنات اور شیاطین کو بھی سمجھنا چاہیے۔

مارد' الملأ الاعلیٰ اور شہاب ثاقب وغیرہ کے معانی اور ان کی وضاحت

اس آیت میں شیطان کے ساتھ اس کی صفت مارد کا ذکر ہے' مارد کا معنی ہے جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے خالی ہو' جس درخت پر پتے نہ ہوں اس کو شجر امرد کہتے ہیں' ریت کے جس ٹکڑے پر کوئی سبزہ یا روئیدگی نہ ہو اس کو رملۃ مرداء کہتے ہیں' اور جس لڑکے کے چہرے پر ڈاڑھی نہ آئی ہو اس کو امرد کہتے ہیں اور اس آیت میں مارد کا معنی ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خالی ہو۔

الصّٰفّٰت: ۸ میں مذکور ہے: **لا یسمعون**' اس کا معنی ہے وہ سننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سن نہیں سکتے۔

نیز اس آیت میں الملأ الاعلیٰ کا ذکر ہے' الملاء اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی رائے پر متفق ہو جائے اور اس کا اطلاق مطلق جماعت اور مطلق اشراف پر بھی کیا جاتا ہے اور الملأ الاعلیٰ' الملأ الاسفل کے مقابلہ میں ہے: آسمان کے نیچے رہنے والوں کی جماعت جو انسانوں اور جنات پر مشتمل ہے وہ الملأ الاسفل ہے اور آسمان کے اوپر رہنے والوں کی جماعت جو فرشتوں پر مشتمل ہے وہ الملأ الاعلیٰ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اشراف ملائکہ ہیں' اور ایک تفسیر یہ

ہے کہ اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں۔

الصّٰفّٰت: ۹ میں دحور اور واصب کے الفاظ ہیں' دحور کا معنی ہے دھتکارنا اور اگر دحور کی دال پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے دھتکارا ہوا' دفع کیا ہوا جیسے مردود کا معنی ہے اور واصب کا معنی ہے' دائم۔

الصّٰفّٰت: ۱۰ میں الخطفۃ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو اچک لینا' کسی شخص کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس سے کوئی چیز اچک لی جائے' یہاں اس سے مراد ہے وہ جلدی سے فرشتوں کی باتوں کو اچک لیتے تھے۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۱۔۵۷' روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۵۔۱۰۲' بیروت)

نیز اس آیت میں شہاب ثاقب کا لفظ ہے' علامہ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

شہاب کا معنی ہے آگ کا شعلہ' اور دوسرا قول ہے اس کا معنی ہے ستارہ' اور ثاقب کے معنی میں چھ قول ہیں:

زید رقاشی نے کہا جو کسی چیز میں سوراخ کر دے وہ ثاقب ہے' ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے روشن' ابن عیسیٰ نے کہا اس کا معنی ہے گزرنے والا' الفراء نے کہا اس کا معنی ہے بلند' السدی نے کہا اس کا معنی ہے جلانے والا' زید بن اسلم اور اخفش نے کہا اس کا معنی ہے روشن ہونے والا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹' دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ شہاب ثاقب اصل میں آگ کے روشن شعلہ کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو فضاء میں اس طرح دکھائی دیتی ہے جیسے آسمان سے کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا ہو۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۶۔۱۰۵)

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب شیطان پر شہاب ثاقب مارا جاتا ہے تو وہ اس سے خطا نہیں کرتا۔ (رقم الحدیث: ۱۸۱۳۷)

یزید رقاشی نے کہا شہاب شیطان میں سوراخ کر کے دوسری جانب سے نکل جاتا ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۸۱۳۸)

آیا جنات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے .... بھی آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ جب شیطان کو آ کر شہاب ثاقب لگتا ہے تو آیا وہ اس سے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو اس سے صرف ایذاء پہنچتی ہے' حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب شیطان کو شہاب ثاقب آ کر لگتا ہے تو نہ وہ اس سے قتل ہوتا ہے نہ ہلاک ہوتا ہے' لیکن وہ اس سے جل جاتا ہے اور اس کے بعض اعضاء ضائع ہو جاتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شیاطین پر شہاب ثاقب مارے جاتے تھے یا نہیں۔

شعبی سے روایت ہے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں ہوئی شیاطین پر ستارے نہیں مارے جاتے تھے حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہو گئی تو شیاطین پر ستارے مارے گئے' اور لوگوں نے اپنے بندھے ہوئے مویشی کھول دیئے اور اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا' وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ قیامت آ گئی' پھر لوگ عبد یالیل کاہن کے پاس گئے وہ نابینا ہو چکا تھا' انہوں نے اس کو ستاروں کے ٹوٹنے کی خبر دی' اس نے کہا یہ غور کرو کہ جو ستارے ٹوٹ کر گرے ہیں اگر معروف سیارے اور ثوابت ہیں تو یہ قیامت ہے ورنہ پھر یہ کوئی نئی چیز حادث ہوئی ہے۔ لوگوں نے غور کیا تو ٹوٹنے والے

ستارے معروف سیارے اور ثوابت نہیں تھے' پھر کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر آ گئی۔

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی المنتظم میں یہی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بیس دن بعد ستارے ٹوٹنے کا واقعہ رونما ہوا' لیکن صحیح یہ ہے کہ ستارے ٹوٹنے کے واقعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے بھی ہوتے تھے' اور زمانہ جاہلیت کے اکثر اشعار میں اس کا ذکر ہے' لیکن ان سے شیاطین کو بھگایا نہیں جاتا تھا' یا ان سے شیاطین کو بھگایا تو جاتا تھا' لیکن اس سے شیاطین کے آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چوری چھپے جانے کا مکمل خاتمہ نہیں ہوا تھا۔

اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شیاطین چوری چھپے آسمانوں پر جاتے تھے اور کبھی کبھی وہ کامیاب بھی ہو جاتے تھے اور فرشتوں کی باتیں اچک لیتے تھے لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی تو ان پر بہت سختی کی گئی اور ان کو آسمانوں پر جانے سے بالکلیہ روک دیا گیا' بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ابلیس آسمانوں پر چلا جاتا تھا اور ان کی ولادت کے بعد اس کو تین آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے تو ابلیس کو تمام آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اور شیاطین پر ستارے مارے گئے' تب قریش نے کہا کہ قیامت آ گئی۔

بعض علماء نے کہا کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ستارے پہلے بھی گرائے جاتے تھے لیکن ظہور اسلام کے بعد آسمانوں کو سختی سے محفوظ کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے جنات کے اس قول کا ذکر فرمایا ہے:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ (الجن: ۹۔۸)

اور بے شک ہم نے آسمانوں کو چھوا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت پہرے داروں سے اور شہابوں سے بھرا ہوا ہے○ اور ہم (اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے چند جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے' سو اب جو کوئی شخص کان لگاتا ہے تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ (شہاب) تیار پاتا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۹۔۱۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس بات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اس زمانے میں جو شہاب ٹوٹ کر گرتے ہیں آیا ان سے شیاطین کو مارنے کا قصد کیا جاتا ہے یا نہیں' اور قطعی طور پر اس طرح کہنا غیب پر حکم لگانے کے مترادف ہے۔

جنات کے فرشتوں کی باتیں سننے پر علامہ آلوسی کے اشکالات

شیاطین آسمانوں پر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں اس پر یہ اشکال ہے کہ آسمانوں میں فرشتے مختلف قسم کی عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے' اس میں چار انگل بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ ریز نہ ہو' الحدیث۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۰' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶)

سو آسمان میں ہر قدم پر کوئی فرشتہ قیام میں ہے' کوئی رکوع میں یا سجدہ میں ہے' تو شیاطین ان کی کون سی باتوں کو چوری چھپے سن رہے ہیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض فرشتے مستقبل میں ہونے والے واقعات کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور شیطان

آسمان کے نچلے کنارے سے ان کی باتوں کو سن لیتے ہیں' تو اس پر یہ اشکال ہے کہ آسمان کے نچلے کنارے کی موٹائی اور اس کے اوپر کے کنارے کی سطح کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' جیسا کہ بعض احادیث میں ہے تو اتنے دور کی مسافت سے شیاطین ان کی باتوں کو کس طرح سن لیتے ہیں' خصوصاً اس لیے کہ جب فرشتے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو اتنے زور سے تو نہیں بولتے کہ شیاطین سن لیں اور نہ ان کے زور سے بولنے کی کوئی وجہ ہے' اور اگر بالفرض وہ زور سے بھی بولتے ہوں تب بھی پانچ سو سال کی مسافت سے تو ان کی آواز سنائی نہیں دے گی! پھر علامہ آلوسی نے کہا کہ اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب فرشتے آسمان سے نیچے اترتے ہیں اس وقت وہ ایک دوسرے سے مستقبل میں پیش آنے والے امور کے متعلق باتیں کرتے ہیں اور جنات اور شیاطین اس وقت فرشتوں کی باتیں سن لیتے ہیں' پھر اس جواب کو مسترد کر دیا کہ امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جنات فرشتوں کی باتوں کو آسمانوں میں چراتے ہیں' پھر ان کا اشکال بدستور قائم رہا۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۱۰' ملخصاً دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ آلوسی کے اشکالات کے جوابات

قرآن مجید کی صریح آیات اور صریح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شیاطین اور جنات آسمانوں پر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں' اور میں چونکہ قرآن مجید اور احادیث کا ادنیٰ خادم اور وکیل ہوں اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ علامہ آلوسی کی طرف سے قرآن اور حدیث پر وارد کیے گئے ان اعتراضات اور اشکالات کا جواب لکھوں!

علامہ آلوسی کا پہلا اشکال یہ ہے آسمان کے ہر قدم پر فرشتے رکوع اور سجدہ میں مشغول ہیں تو جنات اور شیاطین فرشتوں کی کون سے باتوں یا کون سی چیزوں کو چرا کر لے جا رہے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمانوں پر ہر جگہ سجدہ میں پڑا ہونا' سنن ترمذی' سنن ابن ماجہ اور اسی طبقہ کی دیگر کتابوں سے ثابت ہے' اور جنات کا فرشتوں کی باتیں سننا اس سے کہیں زیادہ قوی دلائل سے ثابت ہے' اس کا ثبوت قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ہے' اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی روایات میں اتنی قوت کہاں ہے کہ وہ قرآن کی صریح آیات اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کے معارض اور مزاحم ہو سکیں' اب ہم ان آیات اور احادیث کو پیش کر رہے ہیں فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ شیاطین پہلے آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے تھے پھر ان پر شہاب ثاقب سے مار لگائی جانے لگی' تاہم اب بھی وہ کوئی ایک آدھ بات اچک لیتے ہیں تو پھر شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جنات نے کہا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کو سخت پہرہ داروں اور آگ کے انگاروں سے بھر دیا گیا ہے ○ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان کی کچھ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے' پس اب جو کان لگا کر سنتا ہے' تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۲)

بے شک شیاطین (فرشتوں کی گفتگو) سننے سے دور کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ. (الملک:۵)

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا اور ان ستاروں کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ (بھی) بنایا۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ○ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ○ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ○ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ○ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○ (الصّٰفّٰت:۱۰۔۶)

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا○ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنادیا○ وہ شیاطین اوپر کے فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور ان کو ہر طرف سے مار لگائی جاتی ہے○ دور کرنے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○ سوا اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو شہاب ثاقب (چمکتا ہوا انگارہ) اس کا پیچھا کرتا ہے○

اسی طرح حسب ذیل احادیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ جنات فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جایا کرتے تھے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے' پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں' انہوں نے کہا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۷۷۔۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے' جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں' تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے' پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں' بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آ کر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب

والے کو بتا دیتا ہے' پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے' حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں' وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے' پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی! اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۳۔۴۷۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جب تم زمانہ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی حیات پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ پھر جو ان کے قریب ہیں' وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے' پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے' حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں' پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں' پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۸ ص ۱۳۸)

رہا یہ سوال کہ پھر سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی اس حدیث کا کیا محمل ہو گا جس میں یہ مذکور ہے کہ آسمان پر ہر جگہ کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا ہوا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے' حالانکہ کچھ فرشتے قیام میں ہوتے ہیں اور کچھ فرشتے تسبیح کر رہے ہوتے ہیں' اور کچھ فرشتے مومنین کے لیے استغفار کر رہے ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. (المومن: ۷)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اور بعض فرشتے زمین و آسمان کے درمیان تیرتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے میں سبقت کرتے ہیں' اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نظام عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو بندوں کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ (النّٰزعٰت: ۳۔۵)

اور ان فرشتوں کی قسم! جو (زمین و آسمان کے درمیان) تیزی سے تیرتے ہیں ○ پھر ان کی قسم! جو (اللہ کے احکام سننے کے لیے) سبقت کرتے ہیں ○ پھر ان کی قسم! جو نظام عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔

لہٰذا سنن ترمذی کی حدیث عام مخصوص البعض ہے' فرشتے انواع و اقسام کی عبادات کرتے ہیں اور بے شمار احکام بجا لاتے ہیں' اس حدیث میں ان کی صرف ایک عبادت کا ذکر ہے کہ وہ آسمان پر ہر جگہ سجدے کرتے ہیں اور یہ ان کی دیگر عبادات اور ان کے دوسرے افعال کے منافی نہیں ہے' سو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ان کا آپس میں باتیں کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ آلوسی کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ فرشتے اس قدر زور سے تو نہیں بولتے کہ جنات اور شیاطین ان کی باتوں کو سن لیں' نیز جنات آسمان کے نچلے کنارے کے نیچے ہوتے ہیں اور آسمان کے نچلے کنارے اور اس کے اوپر والے کنارے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ اتنی دور سے فرشتوں کی باتیں کیسے سن لیتے ہیں!

شاید علامہ آلوسی نے شیطان کی قوتوں کو انسانی قوت پر قیاس کر لیا ہے شیطان کے دیکھنے کی قوت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۔ شیطان اور اس کا لشکر تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے۔ (الاعراف: ۲۷)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو غیر معمولی دیکھنے کی قوت دی ہے کوئی بعید نہیں ہے کہ اسی طرح اس کو سننے کی قوت بھی دی ہو۔

نیز الاعراف: ۱۸۔۱۴ میں اللہ تعالیٰ کا شیطان سے مکالمہ مذکور ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔الآیات۔

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ شیطان سے براہ راست کلام کرے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطے سے کلام کیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام فرشتوں کو القاء کیا اور فرشتوں نے اس کلام کو شیطان تک پہنچایا اور شیطان نے فرشتوں کی زبانی اس کلام کو سنا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الاعراف: ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو فرشتوں نے شیطان تک پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ابلیس سے کلام نہیں کیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کسی سے بھی بلاواسطہ کلام نہیں فرماتا' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے بہ طور اکرام بلاواسطہ کلام فرماتا ہے اور ابلیس سے بہ طور اہانت بلاواسطہ کلام فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۱۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خود علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (روح المعانی جز ۸ ص ۱۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی نے الاعراف: ۱۷ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اپنے اکثر بندوں کو شکر ادا کرنے والا نہیں پائے گا۔

علامہ آلوسی نے لکھا شیطان نے قطعی طور پر یہ اس لیے کہا تھا کہ اس نے فرشتوں سے سن لیا تھا کہ اکثر بنو آدم شکر ادا نہیں کریں گے' یا پھر اس نے لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔

(روح المعانی جز ۸ ص ۱۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور یہ واضح ہے کہ شیطان نے فرشتوں کا جو بھی کلام سنا اور جب بھی سنا تو آسمان کے نیچے سے ہی سنا کیونکہ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف:۴۰) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ شیطان آسمان کے نیچے سے فرشتوں کا کلام سن لیتا ہے تو پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ آسمانوں میں فرشتے جو باتیں کرتے ہیں ان کو جنات اور شیاطین چوری چھپے سن لیں! اور اس طرح علامہ آلوسی کے قائم کردہ تمام اشکالات اٹھ گئے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ ان (کافروں) سے پوچھیے آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جن کو ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں O اور جب انہیں نصیحت کی جائے تو وہ قبول نہیں کرتے O اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں O اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۵۔۱۱)

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے پر دلیل

الصّٰفّٰت: ۱۱' میں فاستفتھم کا لفظ ہے' اس کا مادہ فتویٰ ہے' یہ فتیٰ سے ماخوذ ہے' فتی قوی جوان کو کہتے ہیں' مفتی کسی سوال کا جو جواب لکھتا ہے اس کو بھی فتویٰ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس جواب کو دلائل سے مضبوط اور قوی کر کے لکھتا ہے۔ اور استفتاء کا معنی ہے سوال کرنا۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ مشرکین مکہ سے سوال کیجئے' اور ان سے سوال کسی حکم کے معلوم کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو اور پہاڑوں اور سمندروں کو سیاروں اور ستاروں کو پیدا کیا' فرشتوں' جنات اور شیاطین کو پیدا کیا ہے' اب بتاؤ ان کو پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا مشکل ہے' تو بتاؤ تم انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کو کیوں مشکل اور بعید سمجھتے ہو!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو گیلی اور لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے' اسی کو عربی میں طین لازب کہتے ہیں اور کسی چیز کا پیدا کرنا اس لیے مشکل ہوتا ہے کہ یا تو مادہ میں استعداد اور صلاحیت نہ ہو اور یا فاعل میں قدرت نہ ہو' لیس دار مٹی میں تمہارے خمیر بنائے جانے کی صلاحیت ہے سو تم جب مٹی ہو جاؤ گے تب بھی اس مٹی میں بنائے جانے کی صلاحیت رہے گی' اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے اس کی قدرت میں کیا کلام ہو سکتا ہے وہ تم سے بہت بڑی بڑی چیزیں بنا چکا ہے پھر تم اپنے دوبارہ پیدا کیے جانے کو کیوں مشکل اور مستبعد سمجھتے ہو!

تعجب کا معنی

قتادہ نے کہا جب یہ قرآن نازل ہو گیا اور کافروں کے لیے ہدایت کے تمام امور بتا دیئے گئے اور پھر بھی کفار اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان یہ تھا کہ جو شخص بھی قرآن مجید کو سنے گا وہ ہدایت کو پا لے گا' اور کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں' (الصّٰفّٰت: ۱۲) کسی غیر معروف اور غیر مانوس چیز کے ادراک کرنے سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں' علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

کسی چیز کے سبب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہیں آپ اس پر تعجب کرتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک یہ امر محقق اور ثابت ہے اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے آپ کا مذاق اڑاتے ہیں' اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کی نبوت کا اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں اور آپ کو ان کے انکار پر تعجب ہے کیونکہ بہ کثرت دلائل اور معجزات سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید ثابت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۹۔ ۴۱۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

بعض احادیث میں اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق کیا گیا ہے مگر وہ اطلاق مجازی ہے' ان احادیث میں تعجب کا معنی راضی ہونا اور خوش ہونا ہے۔

مثلاً اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو اس قوم پر تعجب ہوتا ہے جو زنجیروں میں جکڑی ہوئی جنت میں داخل ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۰۱۰' مسند احمد رقم الحدیث ۸۰۰۰' عالم الکتب)

اس حدیث کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) وہ قوم زنجیروں میں جکڑی ہوئی اسلام میں داخل ہوگی' اور جنت کا اطلاق اسلام پر ہے' کیونکہ اسلام جنت کا سبب ہے۔

(۲) مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو کفار نے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر رکھا ہوگا اور وہ اسی حال میں مر جائیں گے اور وہ حشر میں اس حال میں داخل ہوں گے یا ان کو اسی حال میں قتل کر دیا جائے گا اور ان کا اسی حال میں حشر ہوگا اور اس جنت کا اطلاق حشر پر ہے' کیونکہ وہ حشر سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔

(۳) وہ دنیا میں کافروں کی قید میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور آخرت میں جنت میں ہوں گے۔

(۴) زنجیروں سے مراد ہے ان کو کھینچنا' وہ دنیا میں گمراہی میں مبتلا تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی سے کھینچ کر ہدایت کے راستہ پر لے آیا جو دراصل جنت کا راستہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مشرکین کا قیامت کے انکار پر اصرار کرنا

اس کے بعد فرمایا: اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ قبول نہیں کرتے ○ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں ○ اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے ○ (الصّٰفّٰت ۱۵۔۱۳)

کفار مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اور حشر کو بہت بعید گردانتے تھے' جب ان کو نصیحت کی جاتی اور کہا جاتا کہ بتاؤ آسمان اور زمین زیادہ سخت ہیں یا تم کو دوبارہ پیدا کرنا! اور یہ بتاؤ کہ جو سخت اور دشوار چیزوں کے بنانے پر قادر ہو وہ آسان چیزوں کے بنانے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے یا نہیں! یہ دلیل بہت واضح اور قوی ہے' لیکن منکرین اپنے جہل اور عناد کی وجہ سے اس سے فائدہ نہیں حاصل کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات پیش کیے اور فرمایا کہ جب معجزات سے میرا صادق ہونا واضح ہو گیا تو میں تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت اور حشر ونشر اور حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کی خبر دیتا ہوں میری اس خبر کو برحق مان لو تو وہ آپ کے معجزات کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافر کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور اٹھایا

جائے گا؟O اور کیا ہمارے آباء واجداد کو بھی؟O آپ کہیے ہاں! اور تم ذلیل وخوار ہو گے O وہ صرف ایک زوردار جھڑک ہو گی' پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گے O وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہی سزا کا دن ہے O یہی اس فیصلہ کا دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے O (الصّٰفّٰت: ۲۱۔۱۶)

انکار حشر کا شبہ اور اس کا ازالہ

الصّٰفّٰت: ۱۸۔۱۶ میں کفار اور مشرکین کے اس شبہ کو بیان فرمایا ہے جس کی وجہ سے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا' پھر ان کے ذرات خاک میں مل کر آندھیوں سے اڑ جائیں گے اور اسی طرح دوسرے مردوں کے ذرات سے خلط ملط ہو جائیں گے پھر ان مختلط ذرات کو کیسے الگ الگ اور متمیز کیا جائے گا' اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ ان مختلط ذرات کو متمیز کرنا اور ان کو پھر سے جوڑ دینا امر ممکن ہے اور تمام ممکنات پر اللہ تعالیٰ قادر ہے' سو وہ ان مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینے پر بھی قادر ہے' سو وہ ان کفار کو بھی زندہ کر دے گا اور ان کے آباؤ اجداد کو بھی۔ اور اس وقت تم ذلیل وخوار ہو گے۔

زجرۃٌ کا معنی

الصّٰفّٰت: ۱۹ میں زجرۃ کا لفظ ہے' اس کا معنی جھڑکنا ہے' جیسے بکریوں اور اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے زور سے ڈانٹتے ہیں' پھر یہ لفظ چیخ کے معنی میں استعمال ہونے لگا' اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ایک زوردار چیخ کی آواز آئے گی جس سے مردے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے' اور اس صور کی آواز کو زجرۃ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ آواز جھڑکنے کی آواز کی طرح ہو گی جو مردوں کو قبروں سے اٹھا دے گی اور ان کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس چیخ یا جھڑک کا کیا فائدہ ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ڈرانے کے لیے ہو گی' اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اس جھڑک کی مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی تاثیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور کی آواز سے سب زندہ لوگ مر جائیں گے اور دوسرے صور کی آواز سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے' نہ پہلے صور کی موت میں کوئی تاثیر ہے نہ دوسرے صور کی حیات میں کوئی تاثیر ہے۔ بلکہ موت اور حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ (الملک: ۲) وہ ذات جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ چیخ فرشتوں کی آواز ہو گی یا اس آواز کو اللہ تعالیٰ ابتداءً پیدا فرمائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ندا کریں گے کہ اے بوسیدہ اجسام! اور اے گلی سڑی ہڈیو اور اے منتشر اجزاء! اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجتمع ہو جاؤ۔

الصّٰفّٰت: ۲۰ میں ہے' مردہ کافر زندہ ہونے کے بعد کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! اس آیت میں وَیْل کا لفظ ہے' زجاج نے کہا کسی مصیبت یا ہلاکت کے وقت یہ لفظ کہا جاتا ہے' انہیں افسوس ہو گا کہ دنیا میں وہ جو شرک' کفر اور ظلم کرتے رہے تھے اب اس کی باز پرس اور سزا کا دن آ گیا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۲۱ میں ہے یہ اس فیصلہ کا دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہو جو اس نے فرشتوں سے کہلوایا ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام براہ راست فرشتوں نے کیا ہو' کہ انبیاء علیہم السلام جب تم کو اس دن کی خبر سناتے تھے تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اپنے کانوں سے سن لو وہ دن آ گیا ہے اور اس دن میں تمہارے ایک ایک دن کا حساب لیا جائے گا۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے (ان سب کو) جمع کرو ○

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ الربع وَقِفُوْهُمْ

پھر ان سب کو دوزخ کے راستہ پر لے جاؤ ○ اور ان کو ٹھہراؤ

اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ

بیشک ان (سب) سے سوال کیا جائے گا ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! ○ بلکہ وہ سب آج

مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

گردن جھکائے کھڑے ہیں ○ وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے ○

قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

(پیروکار) کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے ○ (پیشوا) کہیں گے بلکہ تم خود

مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا

ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' بلکہ تم خود سرکش

طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ

لوگ تھے ○ سو ہمارے رب کا قول ہم پر ثابت ہو گیا' بے شک ہم ضرور عذاب کو چکھنے والے ہیں ○ ہم نے تم کو

اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا

گمراہ کیا تھا بے شک ہم خود بھی گم راہ تھے ○ پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے ○ بے شک

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ

ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ بے شک وہ ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے ○ اور وہ کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے

مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا

معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں!O نہیں! بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے اور انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھی O بے شک

الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ

تم ضرور درد ناک عذاب کو چکھنے والے ہو O اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گی O ماسوا اللہ کے

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ

برگزیدہ بندوں کے O ان کے لیے مقررہ روزی ہے O عمدہ میوے ہیں اور وہ عزت

مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ

دار ہوں گے O نعمت والی جنتوں میں O وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشیں ہوں گے O ان پر

عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا

چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہو گا O وہ (شراب) سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گی O نہ اس سے

غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

درد سر ہو گا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے O اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں

عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ہوں گی O گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں O پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ يَّقُوْلُ

کر سوال کریں گے O ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا O جو کہتا تھا

ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تو ضرور (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے O کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ

تو کیا اس وقت ضرور ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟O وہ کہے گا کیا تم اس کو جھانک کر دیکھنے والے ہو؟O سو وہ اس کو جھانک کر دیکھے

فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا

گا تو اس کو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا ○ سو وہ (اس سے) کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا ○ اور اگر

نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾

مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا ○ (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ ○

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟ ○ (پھر تو) بے شک یہ بہت بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا

کامیابی ہے ○ ایسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے ○ آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ

ہے یا تھوہر کا درخت؟ ○ بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا دیا ہے ○ بے شک وہ ایسا درخت

تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے ○ اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں ○

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

(دوزخی) ضرور اسی درخت سے کھائیں گے سو اسی سے پیٹ بھریں گے ○ پھر بے شک ان کے لیے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ

(پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہو گا ○ پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا ○ بے شک

اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ

انہوں نے اپنے آباء واجداد کو گم راہ پایا ○ سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے ○ اور ان

ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں ○ اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے ○

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع ۲ ۵۳

سو آپ دیکھئے کہ جن کو ڈرایا گیا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے (ان سب کو) جمع کرو O پھر ان سب کو دوزخ کے راستہ پر لے جاؤ O اور ان کو ٹھہراؤ' بے شک ان (سب) سے سوال کیا جائے گا O تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ! O بلکہ وہ سب آج گردن جھکائے کھڑے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۲۶-۲۲))

ظالموں کے ازواج کی تفسیر کے متعدد محامل

الصّٰفّٰت: ۲۲ میں احشروا کا لفظ ہے' حشر کا معنی ہے لوگوں کی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکال کر میدان جنگ میں لے جانا' امام ابن جارود نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے النساء لا یحشرن عورتوں کو میدان جنگ میں نہیں لے جایا جائے گا' اور قیامت کے دن کو بھی یوم حشر کہا جاتا ہے جیسے مردوں کے زندہ کرنے کے دن کو یوم نشر کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ص ۱۵۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں الذین ظلموا کا لفظ ہے' ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا' یا کسی چیز کو اس کے اصل محل اور مقام کے خلاف دوسری جگہ رکھنا' اور یہاں ظلم سے مراد کفر اور شرک ہے' یعنی وہ لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ O (لقمان: ۱۳) — شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (البقرہ: ۲۵۴) — اور کافر ہی ظالم ہیں۔

اور زیادہ تر قرآن مجید میں ظالموں کے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں اس سے مراد کفار ہی ہوتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ظالموں کو اور ان کے ازواج کو جمع کرو' ازواج کی تفسیر میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کے امثال اور نظائر ہیں' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ازواج سے مراد ان کے نظائر ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد ان کے امثال ہیں' قیامت کے دن ہر شخص اپنی مثل کے ساتھ آئے گا' سود خور' سود خوروں کے ساتھ آئے گا اور زنا کرنے والا زنا کرنے والوں کے ساتھ آئے گا اور شراب خور' شراب خوروں کے ساتھ آئے گا' کچھ جوڑے جنت میں ہوں گے اور کچھ جوڑے دوزخ میں ہوں گے۔

(البعث والنشور رقم الحدیث: ۹۸-۹۷' المستدرک ج ۲ص ۴۳۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۰۹' الدر المنثور ج ۷ص ۸۴-۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ظالموں کے پیروکار ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ ازواج سے مراد کفار کی وہ بیویاں ہیں جو کفر میں ان کی موافقت کرتی تھیں۔ (النکت والعیون ج ۵ص ۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز اس کے بعد فرمایا اور ان کو بھی جمع کرو جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے۔

اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جو ان کو ان کے معبودوں کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے' اور اس طرح وہ شیاطین بھی

حکماً ان کے معبود ہو گئے ۔ پھر فرشتوں سے فرمایا ان سب کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جاؤ۔

پل صراط پر کفار اور مومنین اور فساق اور صالحین کے احوال کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو ٹھہراؤ' بے شک ان (سب) سے سوال کیا جائے گا O

یعنی ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ دنیا میں کیا عقیدہ رکھتے تھے اور کیا عمل کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تک ابن آدم سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے وہ اپنے رب کے سامنے سے قدم اٹھا نہیں سکے گا' اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی اور اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری اور اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کن مصارف میں خرچ کیا اور اس نے اپنے علم کے تقاضوں پر کتنا عمل کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۹۷۷۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۰' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۳' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی شخص کو کسی چیز کی دعوت دے گا وہ چیز اس کے ساتھ لازم رہے گی اور اس سے جدا نہیں ہو گی پھر آپ نے الصّفّٰت کی یہ آیتیں پڑھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۲۲۸' سنن دارمی رقم الحدیث ۵۲۲' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

فرشتوں سے کہا جائے گا ان کو پل صراط پر روک لو حتیٰ کہ ان سے ان کے ان اقوال اور اعمال کے متعلق سوال کیا جائے جو ان سے دنیا میں صادر ہوئے ہیں۔

پھر ان سے کہا جائے گا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! O بلکہ وہ سب آج گردن جھکائے کھڑے ہیں O (الصّفّٰت: ۲۶۔۲۵)

یعنی جس طرح تم دنیا میں اپنے معبودوں کے متعلق یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ آخرت میں ہم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لیں گے تو آج تم ان سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ تم کو عذاب سے چھڑا لیں۔ اس سوال کو موخر کیا جائے گا اور جب ان کو مدد کی سخت ضرورت ہو گی اس وقت ان سے یہ سوال کیا جائے گا۔

آخرت میں سوال کا مرحلہ بہت سخت ہو گا' بعض لوگوں کے ایسے عمل ہوں گے جو لوگوں کے دکھانے کے لائق نہیں ہوں گے' اور بعض لوگوں کے ایسے عمل ہوں گے جو لوگوں کے سامنے پیش کیے جانے کی صلاحیت رکھیں گے' مومنوں سے جو لغزشیں ہوئی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان پر پردہ رکھے گا اور ان کو اپنی رحمت سے شرمندہ ہونے نہیں دے گا' اور کفار کے برے اعمال کو دکھا کر رسوا کر دے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومن اپنے رب کے قریب ہو گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پر رکھ دے گا' پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا: تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے' وہ دو مرتبہ کہے گا میں پہچانتا ہوں' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ پر ستر کیا تھا اور آج تجھ کو بخش دیتا ہوں' اور اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور کفار کو لوگوں کے سامنے پکار کر کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندہ کا دنیا میں پردہ

رکھتا ہے اس کو آخرت میں رسوا نہیں کرے گا۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن کوئی دوست اپنے دوست کو یاد کرے گا؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ! تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (۱) میزان پر حتیٰ کہ وہ بھاری ہو جائے یا ہلکی ہو جائے (۲) اور جب اعمال نامے دیئے جائیں گے' جس وقت اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (۳) اور جب دوزخ سے ایک گردن نکل کر چنگھاڑ رہی ہوگی اور وہ گردن کہے گی میں تین قسم کے آدمیوں کے حوالے کی گئی ہوں (پھر دوسری بار کہے گی) میں تین قسم کے آدمیوں کے حوالے کی گئی ہوں' میں اس شخص کے حوالے کی گئی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شخص کو عبادت کا مستحق قرار دیتا تھا' اور میں اس شخص کے حوالے کی گئی ہوں جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا تھا اور میں ہر متکبر اور معاند کے حوالے کی گئی ہوں' وہ گردن ایسے لوگوں کو اٹھا کر دوزخ کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دے گی۔ اور دوزخ کا ایک پل ہے جو بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار سے زیادہ تیز ہے' اس پر آنکڑے (ہک) اور کانٹے لگے ہوئے ہیں' وہ جس کو چاہیں گے پکڑ لیں گے' بعض لوگ اس پل پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض لوگ بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض لوگ تیز رفتار گھوڑوں کی طرح گزر جائیں گے اور بعض اونٹوں کی طرح' اور فرشتے دعا کر رہے ہوں گے رب سلم رب سلم (اے رب سلامت رکھنا' اے رب سلامت رکھنا) کوئی اس پل پر سے سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے گا' کوئی زخمی ہو کر گزر جائے گا اور کوئی منہ کے بل دوزخ میں گر جائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۶۴۷' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پل صراط پر عالم اور عابد جمع ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور اپنی عبادت کی وجہ سے نعمتیں پاؤ اور عالم سے کہا جائے گا یہاں ٹھہرو اور جن سے تم محبت کرتے تھے ان کی شفاعت کرو' کیونکہ تم جس کی بھی شفاعت کرو گے اس کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی اور اس وقت وہ انبیاء کا قائم مقام ہوگا۔ (مسند الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۱۳۰۰' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۸۸)

اس حدیث میں عالم سے مراد احکام شرعیہ کا عالم ہے جو اپنے علم کے تقاضوں پر عمل بھی کرتا ہو' اور اپنے نفیس اوقات کو دین کی تبلیغ میں خرچ کرتا ہو' وہ چونکہ دنیا میں لوگوں کو گمراہی سے نکالنے کی کوشش کرتا تھا اور فسق و فجور سے باز رکھنے کی سعی کرتا تھا اور اللہ کے دین کی سربلندی میں لگا رہتا تھا اس لیے اس کو آخرت میں منصب شفاعت عطا کر کے انبیاء کا نائب بنایا جائے گا' حدیث میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶) اور یہ کہ علماء کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حشر کیا جائے گا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے O (پیروکار) کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O (پیشوا) کہیں گے بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے O اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے O سو ہمارے رب کا قول ہم پر ثابت ہو گیا بے شک ہم ضرور عذاب کو چکھنے والے ہیں O ہم نے تم کو گم راہ کیا تھا' بے شک ہم خود بھی گم راہ تھے O پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے O بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O بے شک وہ ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے O اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں! O

نہیں! بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے اور انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھی O بے شک تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو O اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گی O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O (الصّٰفّٰت ۴۰۔۲۷)

نیک کاموں کو دائیں جانب سے شروع کرنے کے متعلق احادیث

الصّٰفّٰت: ۲۷ میں فرمایا وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے O پھر الصّٰفّٰت: ۲۸ میں' سوال اور جواب کی کیفیت بتائی: کہ پیروکار کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O

اس آیت میں بتایا ہے کہ پیروکار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے' دائیں جانب کی تخصیص کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر شرف اور فضیلت حاصل ہے تمام نیک' مستحسن اور مبارک کام دائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں اور گھٹیا اور نامبارک کام بائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں' اس سلسلے میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا پسند تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث ۶۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۹۳۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۹۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۴۸۵۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۹۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۶' شرح السنہ رقم الحدیث ۱۱۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب کا پیالہ لایا گیا' آپ کی دائیں جانب لوگوں میں سب سے کم عمر ایک لڑکا تھا اور بڑی عمر کے لوگ آپ کی بائیں جانب تھے' آپ نے فرمایا اے لڑکے کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں (اپنا تبرک) بڑی عمر کے لوگوں کو دے دوں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے بچے ہوئے تبرک لینے کو میں اپنے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا' پھر آپ نے (وہ تبرک) اس لڑکے کو عطا فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۰۳۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۶۸۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہ کر لایا گیا' وہ بکری حضرت انس بن مالک کے گھر میں تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالہ میں دودھ پیش کیا گیا' آپ نے اس میں سے کچھ دودھ پیا حتیٰ کہ آپ نے منہ سے پیالہ ہٹا لیا' اس وقت آپ کی بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی (دیہاتی) تھا' حضرت عمر کو یہ خدشہ ہوا کہ آپ اپنا تبرک اس اعرابی کو دے دیں گے انہوں نے جلدی سے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر آپ کے پاس بیٹھے ہیں ان کو عطا فرما دیں! آپ نے اپنا تبرک اس اعرابی کو عطا فرما دیا جو آپ کی دائیں جانب تھا پھر آپ نے فرمایا دائیں جانب سے ابتدا کرو' اس کے بعد پھر دائیں جانب سے ابتدا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۶' سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۸۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جوتی پہنے تو دائیں جانب سے ابتداء کرے اور جب جوتی اتارے تو بائیں جانب سے ابتداء کرے تاکہ جوتی پہننے کی ابتداء بھی دائیں

جانب سے ہو اور انتہاء بھی دائیں جانب سے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۴۳' عالم الکتب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرتے تھے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنت سے یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو دائیں پیر سے ابتداء کرو اور جب تم مسجد سے نکلو تو بائیں پیر سے ابتداء کرو۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۱۸' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۱' طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پیر پہلے داخل کرتے اور جب باہر نکلتے تو بایاں پیر پہلے نکالتے۔ (صحیح البخاری باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ رقم: ۴۲۷)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نوخیز لڑکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھا ہوا تھا اور میں پلیٹ میں ہر طرف سے لے کر کھا رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے بسم اللہ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ' پھر میں ہمیشہ اسی طرح سے کھاتا رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۲' سنن کبریٰ رقم الحدیث: ۶۷۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لباس پہنو یا وضو کرو تو دائیں جانب سے ابتدا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲)

دائیں ہاتھ کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے کوئی گھٹیا اور بے توقیر کام دائیں ہاتھ سے نہ کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلا میں جائے تو اپنی شرم گاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳' صحیح مسلم الحدیث: ۲۶۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴-۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۴۱)

دائیں جانب کی شرف اور فضیلت کی وجہ سے انسان کے نیک اعمال کو وہ فرشتہ لکھتا ہے جو اس کی دائیں جانب ہوتا ہے اور اس کے برے اعمال کو وہ فرشتہ لکھتا ہے جو اس کی بائیں جانب ہوتا ہے۔

کافر پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا آخرت میں مکالمہ

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوی ہوتا ہے' اس لیے کافر سرداروں کے پیروکار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم افضل اور قوی جانب سے ہمیں حکم دیتے تھے اس لیے ہم تمہارے احکام کی پیروی کرتے تھے اور تم نے ہم کو کفر اور شرک پر مجبور کر دیا' پھر کافر پیشوا اپنے پیروکاروں کو جواب دیں گے' نہیں بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے' ہمارے پاس ایسی کوئی قدرت اور طاقت نہ تھی کہ ہم تمہاری مرضی کے خلاف تمہارے دل و دماغ پر تصرف کر کے تم کو کافر اور مشرک بنا دیتے' بلکہ تم خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ہم کو عذاب دینے کی خبر دی ہے اور اس کی دی ہوئی خبر صادق اور برحق ہے سو ہم کو یہ عذاب ضرور ہوگا' ان کے اس قول میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ (ص: ۸۵-۸۴)

فرمایا تو یہ حق ہے اور میں حق ہی فرماتا ہوں O میں ضرور تجھ سے اور ان سب لوگوں سے دوزخ کو بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔

پھر ان کے پیشواؤں نے اعتراف کیا کہ بے شک ہم نے تم کو گم راہ کیا تھا' بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے' اگر یہ اعتراض ہو کہ اس سے پہلے تو انہوں نے پیروکاروں کے الزام کے جواب میں کہا تھا بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے' ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' اور اب یہ کہا کہ ہم نے تم کو گمراہ کیا تھا' اور ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے زبردستی اور جبراً تم کو مشرک نہیں بنایا تھا۔ اور اس آیت میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے تم کو صرف گمراہی کی دعوت دی تھی اور ہم تمہاری گم راہی کا سبب تھے اور اس میں انہوں نے زبردستی کرنے اور جبر کرنے کا اعتراف نہیں کیا۔

کافروں کے متعلق اللہ کی وعیدات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے' یعنی پیشوا اور پیروکار اور تابع اور متبوع دونوں عذاب میں شریک ہوں گے' جس طرح دنیا میں دونوں کفر اور شرک میں مشترک تھے' آخرت میں عذاب میں مشترک ہوں گے' نیز فرمایا بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں یعنی کفر اور شرک پر جو ان کو عذاب دیا جائے گا' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' نہ یہ سزا ان کے ساتھ خاص ہے ہمارا ہمیشہ سے یہی دستور ہے' پھر ان کا جرم بیان فرمایا کہ جب بھی ان سے کہا جاتا کہ یہ مان لو اور اس کا اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے اور اس کو نہیں مانتے تھے' اسی طرح انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننے سے بھی انکار کیا اور کہا کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا نہیں بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے یعنی وہ دیوانے شاعر کیسے ہو سکتے ہیں' انہوں نے تو گزشتہ رسولوں کی تصدیق کی ہے' جس طرح گزشتہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی تھی انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی ہے اور اس کے شریک کی نفی کی ہے' ان کی نبوت کا انکار کرکے اور ان کو دیوانہ شاعر کہنے کی وجہ سے تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو' اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے وہ کسی کو بلا وجہ عذاب نہیں دیتا اور بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گی' اللہ تعالیٰ نے نیک اور اچھے کاموں کا حکم دیا ہے' اور قبیح اور برے کاموں سے روکا ہے اور نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے اور برے کاموں پر عذاب سے ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور پسندیدہ بندے آخرت میں نجات پائیں گے اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے مقررہ روزی ہے O عمدہ میوے ہیں اور وہ عزت دار ہوں گے O نعمت والی جنتوں میں O وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے O ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہو گا O وہ (شراب) سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گی O نہ اس سے دردِ سر ہو گا اور نہ وہ بہکیں گے O اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی O گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۴۹-۴۱)

مومنوں کے متعلق اللہ کی بشارتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ آخرت میں کافروں اور متکبروں کے کیا احوال ہوں گے' اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ آخرت میں مومنین اور صالحین کے کیسے احوال ہوں گے۔

الصّٰفّٰت: ۴۱ میں بتایا کہ ان کی روزی معلوم ہے' اس میں مختلف اقوال ہیں کہ ان کی روزی کی کون سی صفت معلوم ہے؟

بعض نے کہا کہ روزی ملنے کا وقت معلوم ہے' ہر چند کہ صبح اور شام کا تحقق نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں ہے کہ ان کو صبح اور شام روزی ملے گی۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۔ (مریم:۶۲) اور ان کے لیے جنت میں صبح اور شام ان کی روزی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ جنت کا رزق خوش ذائقہ اور خوش بودار ہوگا' اور دیکھنے میں بہت حسین معلوم ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنتیوں کو معلوم ہوگا کہ ان کا رزق دائمی ہے ان کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ دنیا کے رزق کی طرح وہ فانی اور زائل ہونے والا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۲ میں فرمایا: ان کے لیے میوے اور پھل ہوں گے' میووں اور پھلوں کو لوگ حصول لذت کے لیے کھاتے ہیں پیٹ بھرنے کے لیے نہیں کھاتے' اور فرمایا کہ ان کو وہ رزق عزت کے ساتھ دیا جائے گا اس طرح نہیں ہوگا جس طرح جانوروں کے آگے چارہ ڈال دیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۴۔۴۳ میں فرمایا: جنت میں مومنوں کو کوئی کلفت اور پریشانی نہیں ہوگی وہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے اور ان کے ساتھ باتیں کر رہے ہوں گے۔

الصّٰفّٰت : ۴۵ میں فرمایا: ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہوگا۔ اس آیت میں کاس کا لفظ ہے کاس شیشے کے پیالے کو کہتے ہیں اگر پیالے میں مشروب نہ ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے بلکہ کوب یا ابریق کہتے ہیں اور جب وہ پیالہ مشروب سے بھرا ہوا ہو تو اس کو کاس کہتے ہیں لیکن توسعاً ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۶ میں فرمایا: وہ شراب سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی' جنت کی شراب کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگا اور یہ صرف جنت کی شراب کی خصوصیت ہے دنیا کی شرابیں مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں' اسی طرح جنت کی شراب لذیذ ہوگی اس کے برخلاف دنیا کی شرابیں بدذائقہ اور کڑوی ہوتی ہیں۔

غول بیابان کی تحقیق

الصّٰفّٰت : ۴۷ میں فرمایا: نہ اس سے دردسر ہوگا اور نہ وہ بہکیں گے ○ اس آیت میں غول کا لفظ ہے' غول کا معنی ہے دردسر' مستی' نشہ' یعنی جنت کی شراب سے دردسر اور بدمستی نہیں ہوگی' اس شراب کو پینے سے سر میں چکر نہیں آئیں گے' ناگہانی ہلاک کر دینے والی چیز کو بھی غول کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۷۸۔۴۷۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خمر میں چار اوصاف ہوتے ہیں (۱) نشہ آور ہونا (۲) سر درد پیدا کرنا (۳) قے آور ہونا (۴) اور پیشاب آور ہونا اور جنت کی شراب ان چاروں اوصاف سے پاک ہوگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرض (خود بہ خود) متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ غول کی کوئی تاثیر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب السلام رقم حدیث الباب: ۱۰۷' رقم بلاتکرار: ۲۲۲۲' رقم المسلسل: ۵۶۸۷)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ جنگلات میں غول رہتے ہیں اور غول جنات اور شیاطین کی جنس سے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو مختلف رنگ کی صورتوں میں نظر آتے ہیں اور مسافروں کو راستے سے بہکا کر ہلاک کر دیتے ہیں' نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان کے اس گمان کو باطل کیا ہے۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ غول کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عربوں کا یہ گمان باطل ہے کہ غول رنگ برنگی صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور لوگوں کو راستے سے بہکا دیتے ہیں' لیکن جنات میں جادوگر ہوتے ہیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں اپنے خیالات ڈال دیتے ہیں اور ان کو شبہات اور تلبیس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم زرخیز اور سرسبز علاقوں میں سفر کرو تو اپنی سواریوں کو چرنے دو' اور اپنی منزل کھوٹی نہ کرو' اور جب تم خشک اور بنجر علاقوں سے گزرو تو جلدی گزر جاؤ اور اندھیرا پھیلنے سے بچو کیونکہ رات کو زمین لپیٹ دی جاتی ہے' اور جب غیلان (جنات) تم کو پریشان کریں تو جلدی سے اذان دو (تاکہ ان کا شر دور ہو) اور تم راستہ کے وسط میں سواری سے اترنے اور نماز پڑھنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہاں سانپ اور درندے ہوتے ہیں اور وہاں قضاء حاجت سے بھی اجتناب کرو کیونکہ لوگ ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۸۶۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ غول بیاباں کا بہر حال وجود ہے۔

(شرح مسلم للنووی ج ۹ ص ۵۹۶۳۔۵۹۶۲' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے دراصل یہ تقریر کی ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۳۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' مسلم: ۲۲۲۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ کسی کی کوئی صفت متغیر کر سکتا ہے' اسی طرح حضرت عمر نے فرمایا کوئی شخص کسی کی کوئی صفت متغیر نہیں کر سکتا لیکن جنات میں جادوگر ہوتے ہیں جب وہ تم کو پریشان کریں تو نماز کی اذان دو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۴۶۔۱۴۵' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی' المتوفی ۸۹۵ھ نے بھی علامہ ابن الاثیر اور علامہ نووی کی تقریر نقل کی ہے اور اس کے بعد مزید یہ لکھا ہے:

یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے غول بیاباں ہوتے تھے اور اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ان کو اپنے بندوں سے رفع کر دیا اور یہ آپ کی بعثت کے خصائص میں سے ہے' جس طرح آپ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں سے فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن لیا کرتے تھے اور آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۴۴۴' مکمل الاکمال مع الاکمال ج ۷ ص ۴۴۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز اس آیت میں **ینزفون** کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کا ختم ہو جانا **نزف الماء** کہتے ہیں جب کنویں کا تمام پانی نکال لیا جائے اور اس میں بالکل پانی نہ رہے' **نزف فی الخصومۃ** اس وقت کہتے ہیں جب کسی شخص کے اپنے موقف پر تمام دلائل مسترد کر دیئے جائیں اور اب اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہے' اور اس آیت میں **لا ینزفون** سے مراد یہ ہے کہ جنت کی شراب پینے سے مومنوں کی عقل کام کرتی رہے گی ختم نہیں ہو گی اور وہ بہکی بہکی باتیں نہیں کریں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۱' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حوروں کو پوشیدہ انڈوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

الصّٰفّٰت: ٤٨-٤٩ میں فرمایا: اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی O گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں O

اس آیت میں قاصرات الطرف کا لفظ ہے قصر کا معنی ہے روکنا اور بند کرنا' اور طرف کا معنی ہے دیکھنا اور نظر کرنا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نظروں کو روک کر بند رکھیں گی اور اپنے خاوندوں کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھیں گی' اور اس میں عین کا لفظ ہے زجاج نے کہا اس کا معنی ہے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین وجمیل عورتیں۔

اور اس میں بیض کا لفظ ہے یہ بیضۃ کی جمع ہے اور مکنون کا معنی ہے چھپی ہوئی اور پوشیدہ چیز' انڈے میں سفیدی اور زردی اس کے چھلکے کے خول میں پوشیدہ ہوتی ہے اور جب تک وہ چھپی رہے وہ گرد وغبار اور بیرونی تغیرات سے محفوظ رہتی ہے' مراد یہ ہے کہ جس طرح انڈے کی سفیدی اور زردی بیرونی تغیرات سے محفوظ اور مامون ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی بیرونی تغیرات سے محفوظ اور مامون ہیں' اور جس طرح انڈے کی اندرونی سطح سفید' پردے میں بند ہوتی ہے اسی طرح حوریں سفید' پردے میں بند اور ان چھوئی ہوں گی۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ. ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے چھوا ہے نہ جن نے۔

(الرحمٰن: ٧٤-٥٦)

جسمانی اور روحانی لذتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی اور روحانی لذتوں کا ذکر فرمایا ہے' میووں' پھلوں اور شراب طہور کے کھانے اور پینے سے انسان کو جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور حسین وجمیل عورتوں کے قرب سے بھی اس کو جسمانی لذت حاصل ہوتی ہے' اور ان آیات میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں مومنوں کی تکریم کی جائے گی اور اس کی اپنے دوستوں سے ملاقات ہوگی وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے اور ان چیزوں سے روحانی لذت حاصل ہوتی ہے' اسی طرح حسین چہروں کو دیکھنے سے بھی انسان خوش ہوتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں آنکھ کو روشن کرتی ہیں (ایک روایت میں آنکھ کی قوت میں اضافہ کرتی ہیں) سبزہ کی طرف دیکھنا' جاری پانی کی طرف دیکھنا اور حسین چہرے کی طرف دیکھنا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ٢٤٨٥' جمع الجوامع رقم الحدیث: ١٠٨١٠' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٣٤٨٦' کنز العمال رقم الحدیث: ٢٨٣١٣' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

انڈوں کا پاک اور حلال ہونا

مرغی کے انڈوں کو کھانے کا مسلمانوں میں بہت رواج ہے اور تمام حلال پرندوں کے انڈے حلال ہیں' بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ انڈا درحقیقت نر پرندے کا مادہ منویہ ہوتا ہے اور منی ناپاک اور نجس ہے اس لیے انڈا حلال نہیں ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ انڈے کے پاک ہونے کی یہ دلیل ہے کہ احادیث میں انڈے کو صدقہ کرنے کا ذکر ہے اور نجس اور ناپاک چیز کا صدقہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا پھر وہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلا گیا' گویا اس نے ایک اونٹ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا

گائے کوصدقہ کیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے گویا سینگھوں والے مینڈھے کوصدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے گویا مرغی کوصدقہ کیا اور جو پانچویں ساعت میں گیا اس نے گویا انڈے کوصدقہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۹۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸۸ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۶)

اس حدیث میں انڈے کوصدقہ کرنے کا ذکر ہے اور صدقہ پاک چیزوں کا کیا جاتا ہے اور انڈے کے حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

عبداللہ بن الحارث بن نوفل الہاشمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شتر مرغ کے انڈے لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ محرم ہیں تم یہ انڈے غیر محرم لوگوں کو کھلاؤ اور بارہ مسلمانوں نے اس واقعہ کی شہادت دی۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۰ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۵ دار احیاء التراث العربی بیروت' احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۴ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انبیاء سابقین میں سے کسی نبی نے اللہ تعالیٰ سے کمزوری کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انڈے کھانے کا حکم دیا۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۱۰۲' رقم الحدیث ۵۰۹۵' اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۹۸' کنز العمال ج ۱۰ ص ۳۳' رقم الحدیث: ۲۸۲۲۷)

حافظ ابن قیم حنبلی متوفی ۷۵۱ھ نے لکھا ہے کہ تازہ انڈوں کو باسی انڈوں پر ترجیح دی جائے اور مرغی کے انڈوں کو دیگر پرندوں کے انڈوں پر ترجیح دی جائے' حافظ ابن قیم اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۳۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

انڈے کے غذائی اجزاء اور بد پرہیزی کے نقصانات

سو گرام انڈے میں ۱۴۷ حرارے' ۱۲ اعشاریہ تین گرام پروٹین' ۱۰ اعشاریہ ۹ کلو گرام چکنائی' ۱۴۰ ملی گرام سوڈیم' ۱۴۰ ملی گرام پوٹاشیم' ۵۲ ملی گرام کیلشیم' ۲ ملی گرام فولاد' ایک اعشاریہ ۵ ملی گرام جست' صفر نو ملی گرام وٹامن ب' اعشاریہ ۴۷ ملی گرام ب ۲' ایک اعشاریہ ۶ ملی گرام وٹامن ای' ۱۴۰ مائکرو گرام وٹامن الف' ایک اعشاریہ ۷۵ مائکرو گرام وٹامن ڈی' ایک اعشاریہ ۷ مائکرو گرام ب ۱۲ ہوتے ہیں۔

انڈے میں کولیسٹرول زیادہ مقدار میں ہوتا ہے' جو لوگ ہائی بلڈ پریشر یا قلب کی دیگر بیماریوں میں مبتلا ہوں ان کو انڈے نہیں کھانے چاہئیں' انڈوں میں کولیسٹرول کی زیادتی کا انداز اس سے کریں کہ ۱۰۰ گرام انڈوں کی زردیوں میں ۱۵۰۰ ملی گرام کولیسٹرول ہوتا ہے' اور جب خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو تو خون بہت گاڑھا ہو جاتا ہے اور جسم کی شریانوں میں خون کی روانی بہت مشکل سے ہوتی ہے' جوڑوں میں اور خصوصاً کمر میں درد اسی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ گوشت میں بھی کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہوتی ہے' ۱۰۰ گرام بکری کے گوشت میں ۹۹ ملی گرام' ۱۰۰ گرام گائے کے گوشت میں ۸۹ ملی گرام اور ۱۰۰ گرام مرغی کے گوشت میں ۸۷ ملی گرام کولیسٹرول ہوتا ہے' مغز' پائے اور کلیجی میں سوفی صد کولیسٹرول ہوتا ہے' یہ جسم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' سو ہم کو مضر صحت اشیاء کھا کر اس جسم کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے اگر ہم نے مضر صحت چیزیں کھائیں تو دنیا میں تو ہم کو تکالیف کا سامنا ہوگا ہی ہم آخرت میں بھی گرفت کے مستحق ہوں گے' بعض لوگ بد پرہیزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ ہم مرجائیں گے' یہ زیادہ سے زیادہ نہیں کم سے کم ہے' فرض کیجئے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں بد پرہیزی سے انسان کو فالج ہو جائے اور اس کے بعد وہ شخص پچاس سال بھی زندہ رہا تو یہ زندگی کس کام کی! کیا یہ زندگی

جیتے جی عذاب نہیں ہے! تھوڑی دیر کے زبان کے چٹخارے کے لیے ساری زندگی کا عذاب مول لینا کون سی دانش مندی ہے!

میں بہت پرہیز کرتا ہوں مجھے ۱۹ سال سے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر ہے' میں ایک وقت میں زیادہ تر دو اور کبھی بران بریڈ کے تین سلائس اور ابلی ہوئی سبزی یا ابلی ہوئی دال اور بہت کم مقدار میں کبھی کبھی گوشت لیتا ہوں' نمک بھی بہت کم استعمال کرتا ہوں' جو شخص خود عمل کرتا ہو اس کی زبان اور قلم میں اثر ہوتا ہے اس لیے میں اپنے قارئین کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو صحت مند ہیں وہ اپنی صحت کی قدر کریں اور سادہ غذا کھائیں اور جو اس قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ میری طرح پرہیز کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر سوال کریں گے O ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا O جو کہتا تھا کیا تو ضرور (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے O کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ضرور ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ O وہ کہے گا کیا تم اس کو جھانک کر دیکھنے والے ہو؟ O سو وہ اس کو جھانک کر دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا O سو وہ (اس سے) کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا O اور اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا O (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟ O پھر تو بے شک بہت بڑی کامیابی ہے O اسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O (الصّٰفّٰت: ۶۱-۵۰)

مومن کا اپنے واقف کافر کو دوزخ میں دیکھنا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا ذکر فرمایا تھا جو تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے اور انکار نبوت پر اصرار کرتے تھے' پھر ان مومنین کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو واحد مانتے تھے اور اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں عطا فرمائے گا' اور جنت کی صفات اور اس کے خواص کا ذکر فرمایا اور اب اس کے بعد جنت میں اہل جنت کی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کا ذکر فرما رہا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۵۰ میں ہے: پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر سوال کریں گے O اس کا عطف ان آیتوں پر ہے: وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے O ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہو گا O ان وقت وہ شراب طہور پیتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کریں گے' اور پھر الصّٰفّٰت: ۵۷-۵۱ میں ان کی ایک دوسرے سے باتوں کا ذکر ہے' ایک جنتی دوسرے سے کہے گا دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر میرے ایمان لانے کی مذمت کرتا تھا اور حیرت اور تعجب سے کہتا تھا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہم کو ضرور بدلہ دیا جائے گا؟ یعنی ہم نے زندگی میں جو اچھے یا برے کام کیے ہیں ان کا حساب لیا جائے گا اور اچھے کاموں کے عوض ثواب دیا جائے گا اور برے کاموں کے بدلہ میں عذاب دیا جائے گا! پھر وہ جنتی شخص اس دوسرے جنتی شخص سے کہے گا: کیا تم اس قیامت کے منکر کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو' بعض مفسرین نے کہا وہ جنت کے ایک کنارے میں جا کر وہاں سے دوزخ میں جھانک کر دیکھے گا تو وہ منکر قیامت دوزخ کے درمیان پڑا ہو گا' پھر وہ جنتی شخص اس منکر قیامت کو زجر و توبیخ اور ملامت کرتے ہوئے کہے گا اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا اور اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا!

اس مومن اور کافر کا ماجرا' امام ابن جریر کی روایت سے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند سے فرات بن ثعلبہ البھرانی سے ان آیات کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں:

دو آدمی ایک دوسرے کے شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار دینار جمع ہو گئے' انہوں نے آپس میں ان کو تقسیم کر لیا پھر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے' پھر ان میں سے ایک نے ایک ہزار دینار کا ایک محل خرید لیا اور دوسرے کو بلا کر اپنا محل دکھایا' دوسرے نے کہا واقعی یہ بہت خوبصورت محل ہے' پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میرے اس صاحب نے ایک ہزار دینار کا یہ محل خرید لیا ہے اور میں اپنے حصہ کے ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں ایک محل خریدتا ہوں' پھر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد پہلے شخص نے ایک ہزار دینار کے عوض ایک عورت سے شادی کر لی اور اس دوسرے شخص کو اپنی بیوی دکھائی اس نے کہا واقعی یہ بہت خوب صورت عورت ہے! وہ وہاں سے چلا گیا پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میرے اس صاحب نے ایک ہزار دینار میں ایک حسین عورت سے شادی کی ہے' میں تجھ سے اپنے ایک ہزار کے بدلہ میں جنت کی بڑی آنکھوں والی حور کا سوال کرتا ہوں اور اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے' پھر کچھ دنوں بعد اس پہلے شخص نے دو ہزار میں دو باغ خرید لیے اور اس دوسرے شخص کو اپنے دونوں باغ دکھا کر کہا میں نے دو ہزار دینار میں یہ دو باغ خریدے ہیں' اس نے کہا یہ واقعی بہت خوب صورت باغ ہیں' اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ میں تجھ سے جنت میں دو باغوں کا سوال کرتا ہوں' پھر اس نے بقیہ دو ہزار دینار صدقہ کر دیئے' پھر موت کے فرشتہ نے ان دونوں کی روح کو قبض کر لیا' اور اس دوسرے شخص کو جنت کے محل میں لے جا کر ایک محل دکھایا پھر ایک حسین وجمیل حور دکھائی اور اس کو جنت میں دو باغ دکھائے اور اس کو بتایا یہ محل' یہ حور اور یہ دونوں باغ تمہارے ہیں' پھر اس کو یاد آیا کہ دنیا میں اس کا ایک ساتھی اور شریک تھا جس نے اپنے حصہ کے چار ہزار دینار دنیا میں ہی خرچ کر لیے تھے اور آخرت کے لیے کوئی نیکی نہیں کی تھی اور وہ آخرت اور آخرت میں اعمال کی جزا اور سزا کا انکار کرتا تھا' وہ فرشتہ سے اس کے متعلق پوچھے گا تو فرشتہ اس کو دکھائے گا وہ دوزخ میں جل رہا ہو گا پھر وہ جنتی اس دوزخی کو ملامت کرے گا اور کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا' اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو آج میں بھی دوزخ میں ہوتا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۵۲۲' جز ۲۳ص ۷۱-۷۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبدالرحمان بن محمد الثعالبی المالکی المتوفی ۸۷۵ھ اور حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

(الجواہر الحسان ج ۵ص ۳۰' بیروت ۱۴۱۸ھ' الدرالمنثور ج ۷ص ۸۱' بیروت ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۲۳ص ۱۳۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس مومن اور کافر کا ماجرا امام ابن ابی حاتم کی روایت سے

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ اسماعیل السدی سے روایت کرتے ہیں:

بنو اسرائیل میں دو شخص ایک دوسرے کے شریک تھے' ان میں سے ایک مومن تھا اور دوسرا کافر تھا' ان دونوں کو چھ ہزار دینار مل گئے' ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے تین ہزار دینار لے کر الگ ہو گیا' کچھ عرصہ کے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے اس کے احوال پوچھے' کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار میں زمین' باغات اور نہر کو خریدا' مومن نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور ایک ہزار دینار سامنے رکھ کر دعا کی: اے اللہ! میں تجھ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین' باغات اور نہر خریدتا ہوں' پھر اس نے صبح کو اٹھ کر وہ ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیئے' کچھ عرصہ بعد ان کی

دوبارہ ملاقات ہوئی کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار کے غلام (نوکر چاکر) خرید لیے جو اس کے کاروبار کی دیکھ بھال کرتے ہیں' مومن نے اس رات کو نماز کے بعد ایک ہزار دینار سامنے رکھ کر دعا کی کہ اے اللہ! میں ایک ہزار دینار کے جنت میں غلام خریدتا ہوں اور اس نے صبح کو ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیئے' کچھ عرصہ بعد پھر ان کی ملاقات ہوئی کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی' مومن نے اس رات نماز کے بعد ایک ہزار دینار اپنے سامنے رکھے اور دعا کی کہ اے اللہ! میں ان ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں بڑی آنکھوں والی حور سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور پھر صبح اٹھ کر اس نے وہ ایک ہزار دینار مسکینوں میں تقسیم کر دیئے۔

دوسری صبح کو مومن اٹھا تو اس کے پاس کچھ نہ تھا اس نے ایک شخص کے مویشیوں کو چارا ڈالنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر ملازمت کر لی' ایک دن اس کے مالک نے ایک جانور کو پہلے سے دبلا پایا تو اس پر الزام لگایا کہ تم اس کا چارا بیچ کر کھا جاتے ہو اور اس کو ملازمت سے نکال دیا' اس نے سوچا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاتا ہوں اور اس سے ملازمت کی درخواست کرتا ہوں' اس نے اس سے ملنا چاہا مگر اس کے ملازموں نے اس سے ملاقات نہیں کرائی اور اس کے اصرار پر کہا تم یہاں راستہ پر بیٹھ جاؤ وہ اس راستہ پر سواری سے گزرے گا تم ملاقات کر لینا' وہ کافر شریک اپنی سواری پر نکلا تو اس مومن کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا کیا تمہارے پاس میری طرح مال نہیں تھا پھر تمہارا اس قدر گیا گزرا حال کیوں ہے؟ مومن نے کہا اس کے متعلق سوال نہ کرو' کافر نے پوچھا اب تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تم مجھے دو وقت کی روٹی اور دو کپڑوں کے عوض محنت مزدوری پر ملازم رکھ لو' کافر نے کہا میں تمہاری اس وقت تک مدد نہیں کروں گا جب تک کہ مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے ان تین ہزار دینار کا کیا کیا؟ مومن نے کہا میں نے وہ کسی کو قرض دے دیئے' کافر نے پوچھا کس کو؟ مومن نے کہا ایک وعدہ وفا کرنے والے غنی کو' کافر نے پوچھا وہ کون ہے؟ مومن نے کہا اللہ! اس وقت مصافحہ کی صورت میں مومن کا ہاتھ کافر کے ہاتھ میں تھا اس نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا کیا تم قیامت اور آخرت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جس وقت ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم کو ہمارے کاموں کی جزا دی جائے گی؟ پھر کافر اس کو چھوڑ کر اپنی سواری پر بیٹھ کر چلا گیا' وہ مومن بڑے عرصہ تک تنگی اور ترشی کے ساتھ وقت گزارتا رہا اور کافر عیش و طرب میں اپنی زندگی گزارتا رہا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو جنت میں داخل کر دیا اور اس کو زمین باغات' پھل اور نہریں دکھائیں' اس نے پوچھا یہ کس کی ہیں؟ فرمایا تمہاری ہیں۔ اس نے کہا سبحان اللہ! میرے تھوڑے سے عمل کی کیا اتنی عظیم جزا ہے! پھر اس کو بے شمار غلام دکھائے اس نے پوچھا یہ کس کے ہیں؟ فرمایا تمہارے ہیں' اس نے کہا سبحان اللہ! میرے معمولی عمل کا اتنا بڑا ثواب ہے! پھر اس کو بڑی آنکھوں والی حور دکھائی گئی اس نے پوچھا یہ کس کی ہے؟ فرمایا تمہاری ہے' اس نے کہا سبحان اللہ! میرے اس حقیر عمل کا ثواب یہاں تک پہنچا ہے! پھر اس کو اپنا کافر شریک یاد آیا اس نے کہا دنیا میں میرا ایک صاحب تھا جو کہتا تھا کیا تم آخرت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے اس وقت ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا! پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کا' کافر شریک دکھائے گا جو دوزخ کے درمیان میں پڑا ہوگا' مومن اس کو دیکھ کر کہے گا: اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۹۱' ج ۱۰ ص ۳۲۱۵۔۳۲۱۳ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کا حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۔۱۰' دار الفکر ۱۴۱۹ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۸۳۔۸۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قتادہ نے بیان کیا کہ جنت میں ایک کھڑکی ہے جب کوئی جنتی شخص دوزخ میں اپنے کسی واقف کو دیکھنا چاہے گا تو اس کو دیکھ لے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۹۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

عذاب قبر پر ایک اشکال کا جواب

الصّٰفّٰت: ۶۱-۵۸ میں ہے: (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟O پھر تو بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے!O اسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیےO

ان آیات میں جنتیوں کی آپس کی گفتگو کا پھر ذکر فرمایا ہے ان کو جب فرشتوں سے معلوم ہوگا کہ وہ اب جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو موت نہیں آئے گی تو وہ اس نعمت سے بہت زیادہ خوش ہوں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے اسی نعمت کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے' کیونکہ اگر انسان کو عیش و آرام اور اس کی دل پسند چیزیں مہیا کی جائیں اور اس کو یہ بتا دیا جائے کہ چند دن بعد اس سے یہ نعمتیں لے لی جائیں گی تو وہ عین حالت نعمت میں بھی فکرمند اور غم زدہ رہے گا اور صحیح معنی میں وہ اسی وقت خوش ہوگا جب اس کو معلوم ہو کہ یہ نعمتیں اس کے پاس دائماً رہیں گی' سو جنتیوں کو جب یہ بتا دیا جائے گا کہ اب ان پر موت نہیں آئے گی تب وہ حقیقت میں خوش ہوں گے۔

اہل جنت کو دنیا میں جو موت آئی تھی اس پہلی موت کے سوا ان کو اور کوئی موت نہیں آئے گی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھر قبر میں ان کو زندہ نہیں کیا جائے گا ورنہ پھر دو موتیں ہو جائیں گی اور جب ان کو قبر میں زندہ نہیں کیا جائے گا تو پھر عذاب قبر کی بھی نفی ہو جائے گی کیونکہ عذاب تو درد کے ادراک کو کہتے ہیں اور ادراک زندہ آدمی کرتا ہے' مردہ ادراک نہیں کرتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے ان کو اس پہلی موت کے سوا اور موت نہیں آئے گی اس سے مراد دنیا کی موت ہے خواہ وہ قبر میں جانے سے پہلے آئی ہو یا قبر میں جانے کے بعد آئی ہو' اسی طرح اس آیت میں بھی یہی مراد ہے:

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى. جنت میں وہ پہلی موت کے سوا اور کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔ (الدخان: ۵۶)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک فرشتوں کے سوالات کے جوابات کے لیے مردہ کو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات تام اور مکمل نہیں ہوتی اور اس کا زمانہ بہت کم ہوتا ہے' اہل جنت کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت میں موت نہیں آئے گی کیونکہ انبیاء علیہم السلام ان کو دنیا میں ہی بتا دیتے ہیں کہ جنت میں دائمی حیات ہوگی یا جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے ان سے کہتے ہیں: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَO (زمر: ۷۳) تم پر سلام ہو' تم نے اچھی زندگی گزاری' اب جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' ایک قول یہ ہے کہ اہل جنت کو ابتداءً یہ علم نہیں ہوگا کہ ان کو موت نہیں آئے گی' حتیٰ کہ موت کو ایک سرمئی مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا' پھر ندا کی جائے گی اے اہل جنت! اب بغیر موت کے ہمیشہ رہنا ہے اور اے اہل دوزخ اب بغیر موت کے ہمیشہ رہنا ہے' تب انہیں علم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے خوشی سے کہیں گے: کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O پھر تو بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے O (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۳۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قبر میں میت کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے' پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں' اور مومن کے لیے جنت سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور کافر کے لیے دوزخ سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷ طبع قدیم)

لیکن قبر کی یہ حیات برزخی ہوتی ہے' اس سے صرف ثواب کی لذتوں کا یا عذاب کی کلفتوں کا ادراک کیا جاتا ہے' یہ دنیاوی حیات کی طرح تام اور مکمل نہیں ہوتی اور اس میں حواس اور حرکت ارادیہ کے آثار مرتب نہیں ہوتے' اور دنیاوی حیات کے مقابلہ میں یہ کالعدم ہوتی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا اس لیے قرآن مجید میں یہ ارشاد ہے کہ اہل جنت' جنت میں سوا اس پہلی موت کے اور کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اس پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جو دنیا میں روح کو قبض کرنے سے واقع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت؟ O بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا دیا ہے O بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں O دوزخی ضرور اسی درخت سے کھائیں گے۔ سو اسی سے پیٹ بھریں گے O پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہو گا O پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا O بے شک انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گم راہ پایا O سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے O اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں O اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے O سو آپ دیکھئے کہ جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O (الصّٰفّٰت: ۷۴۔۶۲)

شجرۃ الزقوم کی تحقیق

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے جنت میں احوال اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیات میں اہل دوزخ کے احوال اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ اہل مکہ کو ان کے اخروی انجام سے ڈرائیں تاکہ وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آئیں۔

الصّٰفّٰت: ۶۲ میں فرمایا: آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت؟

اس آیت میں نزل کا لفظ ہے' نزل کا معنی ہے کسی چیز کا بلندی سے نیچے گرنا' گھر آنے والے یعنی مہمان کو نازل کہا جاتا ہے اور مہمان کی ضیافت کے لیے جو کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان کو نزل کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۹۸) یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (السجدہ: ۱۹) رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی رہائش کے لیے باغات ہیں یہ ان کے نیک کاموں کی جزاء کی مہمانی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اور اس آیت میں شجرۃ الزقوم کا لفظ ہے اس کا معنی ہے تھوہر کا درخت' یہ دوزخ میں سخت بدذائقہ درخت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر درخت زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا والوں پر گرا دیا جائے تو ان کی زندگی فاسد ہو جائے گی تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا طعام ہی زقوم ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۷۰' المعجم الکبیر رقم

الحدیث: ۱۱۰۶۸' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۴' البعث والنشور رقم الحدیث: ۵۴۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۴۰۸)

اس میں اختلاف ہے کہ شجرۃ الزقوم دنیا کے درختوں سے ہے یا نہیں اور اہل عرب اس کو پہچانتے تھے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کا معروف درخت ہے یہ سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے۔ اس کو توڑنے سے اس میں سے زہریلا دودھ نکلتا ہے جو اگر جسم پر لگ جائے تو وہاں پر ورم آ جاتا ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دنیا میں معروف درخت نہیں ہے' جب شجرۃ الزقوم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش نے کہا ہم اس درخت کو نہیں پہچانتے' ابن الزبعری نے کہا زقوم بربر والوں کی زبان میں مکھن اور کھجور کو کہتے ہیں' ابوجہل لعنہ اللہ نے اپنی باندی سے کہا: میرے لیے مکھن اور کھجور لاؤ' پھر اپنے اصحاب سے کہا لو اس کو کھاؤ' (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ یہ درخت دوزخ میں اگتا ہے حالانکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے اس نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا جس چیز سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈرا رہے ہیں وہ تو دراصل مکھن اور کھجور ہے۔

الصّٰفّٰت: ۶۳ میں ہے: بے شک ہم نے اس کو فتنہ (عذاب) بنا دیا ہےO

اس آیت میں فتنہ کا لفظ ہے اور ان پر اس درخت کی وجہ سے شدید عذاب ہونا یہی ان کے لیے فتنہ ہے۔

الصّٰفّٰت: ۶۴ میں ہے: بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O

کفار وغیرہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہیں پھر دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو پیدا ہی دوزخ کی جڑ میں کیا ہے چونکہ اس درخت کی اصل آگ ہے اس لیے یہ آگ میں ہی پھلا پھولا ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ مچھلی پانی میں زندہ رہتی ہے اور پانی میں غرق نہیں ہوتی جب کہ دوسرے جاندار پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہے وہ چاہے تو پانی میں زندہ مخلوق پیدا کر دے اور وہ چاہے تو آگ میں زندہ مخلوق پیدا کر دے۔

الصّٰفّٰت: ۶۵ میں ہے: اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار نے شیطانوں کے سروں کو تو نہیں دیکھا تھا پھر شجرۃ الزقوم کے شگوفوں کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہے! اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) شیطانوں کے سروں کی بدہیئتی اور بدصورتی ان کے دلوں اور دماغوں میں جاگزین تھی ہر چند کہ انہوں نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا تھا پھر بھی ان کے خیالوں میں وہ بہت بھیانک اور ڈراؤنے تھے جیسے لوگ ان دیکھے غول بیابان سے ڈرتے ہیں اور بچے بھوتوں' چڑیلوں اور ڈائنوں سے ڈرتے ہیں' اور جس طرح لوگوں کے دماغوں میں یہ مرکوز ہے کہ پری بہت حسین ہوتی ہے اس لیے وہ کسی حسین لڑکی کو پری کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے پری کو نہیں دیکھا یا جس طرح وہ کسی نیک آدمی کو فرشتہ کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے فرشتہ کو نہیں دیکھا۔

(۲) اس سے مراد سانپ کے سر ہیں اور عرب کے لوگ سانپ کے سر کو بہت دہشت ناک خیال کرتے تھے۔

(۳) مقاتل نے کہا کہ مکہ اور یمن کے راستہ میں ڈراؤنے درخت ہیں جن کو عرب کے لوگ شیطان کے سر کہتے تھے۔

الصّٰفّٰت: ۶۶ میں ہے: دوزخی ضرور اس درخت سے کھائیں گے سو اسی سے پیٹ بھریں گےO

دوزخی پیٹ بھر کر زقوم کے درخت سے کھائیں گے اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ بہت کڑوا اور بہت بدذائقہ ہوگا لیکن ان کو اس قدر شدید بھوک لگی ہوگی کہ وہ اپنی بھوک دور کرنے کے لیے اس درخت کے کڑوے کسیلے' بدذائقہ پھلوں

کو بھی کھا جائیں گے جیسے کوئی شخص شدید بھوک کے عالم میں مردار بھی کھا لیتا ہے اور ایسی کئی گندی اور گھناؤنی چیزیں کھا لیتا ہے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتے ان کو جبراً اس درخت کے پھل کھلائیں گے تا کہ ان کو زیادہ عذاب ہو۔

الصّٰفّٰت: ٦٧ میں ہے: پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہوگا O

جب شجرۃ الزقوم کے پھل کھا کر ان کا پیٹ بھر جائے گا تو پھر ان کو پیاس لگے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیاس دور کرنے کے لیے پیپ ملا ہوا گرم پانی مہیا کیا' اس آیت میں شوبا من حمیم فرمایا ہے' شوبا کے معنی ہیں کسی چیز سے ملا ہوا' عام ازیں کہ وہ خون سے ملا ہوا ہو' یا پیپ سے ملا ہوا ہو' یا شجرۃ الزقوم سے ملا ہوا ہو' وہ پانی اس قدر سخت گرم ہوگا کہ ان کے پیٹوں کو جلا دے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا' یہ پانی ان کو کافی تاخیر سے پلایا جائے گا تا کہ ان کو مزید عذاب ہو' پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کا عذاب ہونا بتایا اور اس آیت میں ان کے مشروب کا عذاب ہونا بتایا۔

الصّٰفّٰت: ٦٨ میں ہے: پھر بے شک ان کا ضرور جحیم کی طرف لوٹنا ہوگا O

مقاتل نے کہا شجرۃ الزقوم سے ملے ہوئے گرم پانی کو پینے کے بعد پھر ان کا جحیم کی طرف لوٹنا ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ گرم پانی پیتے وقت جحیم میں نہیں ہوں گے' اس سے پتا چلا کہ گرم پانی کسی ایسی جگہ پر ہے جو عام دوزخ سے خارج ہے اور وہ دوزخ کا کوئی خاص مقام ہے' جس طرح اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے کسی خاص مقام پر لے جاتے ہیں اسی طرح ان کو دوزخ میں پانی پلانے کے لیے دوزخ ہی کی کسی خاص جگہ پر لے جایا جائے گا۔

الصّٰفّٰت: ٦٩ میں ہے: بے شک انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گم راہ پایا O

کفار کو جو شجرۃ الزقوم اور پیپ ملا ہوا گرم پانی کا عذاب دیا گیا اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے گم راہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے اور دلائل اور معجزات سے ان پر جو حق پیش کیا جاتا تھا اس کا انکار کرتے تھے۔

الصّٰفّٰت: ٧٠ میں فرمایا: سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے O

اس آیت میں یھرعون کا لفظ ہے جو اھراع سے بنا ہے' الاھراع بہت تیز بھاگنے کو کہتے ہیں' یعنی وہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں سرپٹ بھاگ رہے ہیں اور ان کے خلاف کسی دلیل پر غور و فکر کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

الصّٰفّٰت: ٧١ میں فرمایا: اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں O

یعنی آپ کی قوم قریش سے پہلے جو سابقہ امتیں گزری ہیں ان کو بھی ابلیس نے گم راہ کر دیا تھا' اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کر رہی تو اس میں کوئی رنج اور تشویش کی بات نہیں ہے' آپ سے پہلے جو اقوام گزری ہیں انہوں نے بھی انبیاء سابقین کی ہدایت کو قبول نہیں کیا تھا۔

الصّٰفّٰت: ٧٢ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے O

اس سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا جاتا رہا تھا اور ان کی قومیں ان کی تکذیب کرتی رہی تھیں' سو جس طرح گزشتہ رسول اپنی قوموں کی ہٹ دھرمی اور حق سے انحراف اور اندھی تقلید پر صبر کرتے تھے سو آپ بھی اسی طرح صبر کریں' اور جس طرح ان رسولوں نے اپنی قوم کے انکار اور عناد کے باوجود اللہ کی طرف دعوت دینے اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے کو ترک نہیں کیا تھا' سو آپ بھی اسی طریقہ سے اپنے مشن کو جاری رکھیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم رکھیں۔

الصّٰفّٰت: ٧٣ میں فرمایا: سو آپ دیکھئے کہ جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O

ہر چند کہ اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن اس سے مقصود کفار کو خطاب کرنا ہے' کیونکہ

ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تو ان پر کیسا عذاب آیا اور انہوں نے مکہ سے مختلف مقامات پر سفر کے دوران ان کے عذاب کے آثار کا مشاہدہ بھی کر لیا ہے تو وہ اس سے نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔

الصّٰفّٰت: ۷۴ میں فرمایا: ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

اس آیت میں کس آیت سے استثناء فرمایا ہے؟ بعض علماء نے کہا اس میں الصّٰفّٰت: ۷۱ سے استثناء ہے اور پورا معنی اس طرح ہے: اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے، اور بعض علماء نے کہا اس کا استثناء الصّٰفّٰت: ۷۳ سے ہے، اور مکمل معنی اس طرح ہے: سو آپ دیکھیے کہ جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ

اور ہم کو نوح نے پکارا (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت

الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾

بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ

سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O بے شک

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O اور بے شک ابراہیم

شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

وقف لازم

بھی ان کے گروہ سے ہیں O کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O جب انہوں نے اپنے (عرفی)

وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾

باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ

تو رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ O پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا میں بے شک بیمار

سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا

ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا

تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿۹۳﴾

تم کیوں نہیں کھاتے؟ O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿۹۴﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾ وَاللَّهُ

پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو! O حالانکہ

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۹۷﴾

تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ

انہوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O اور ابراہیم نے کہا میں

إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنَاهُ

اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے ان کو

بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي

ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے! میں

الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا

نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا اے ابا جان! آپ وہی

تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا

کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے

وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ

سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک

الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا

نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش

الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ابراہیم پر سلام ہو O ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا

بندوں میں سے ہیں O اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں O اور ہم نے

عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے (بھی) ہیں اور اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم

مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

کرنے والے بھی ہیں O

ع ۳ ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم کو نوح نے پکارا (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O (الصّٰفّٰت: ۸۲۔۷۵)

بعض انبیاء سابقین کے قصص

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے الصّٰفّٰت: ۷۱ میں فرمایا تھا: اور بے شک ان (مشرکین مکہ) سے پہلے' اکثر پہلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں' نیز الصّٰفّٰت: ۷۳ میں فرمایا تھا' سو آپ دیکھئے جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا' ان کا کیسا انجام ہوا' تو اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ مشرکین مکہ سے پہلے وہ کون لوگ تھے جو گم راہ ہو چکے تھے اور ان پہلوں کو جو عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ ڈرنے والے کون کون تھے' سو سب سے پہلے عذاب سے ڈرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا' پھر حضرت موسیٰ' حضرت ھارون اور حضرت الیاس علیہم السلام کو بھیجا اور حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کو بھیجا' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے' سورۃ ھود اور سورۃ انبیاء میں ان کا تفصیل سے ذکر گزر چکا ہے' ہم ان آیات کی تفسیر میں ان انبیاء علیہم السلام کے ان مذکورہ واقعات کا

اختصار اور اجمال کے ساتھ ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق.

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

الصّٰفّٰت: ۷۵ میں ہے: اور ہم کو نوح نے پکارا (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O

اس کا معنی ہے حضرت نوح علیہ السلام نے ہم سے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا' یہ دعا اس وقت کی تھی جب وہ سالہا سال تبلیغ کرنے کے بعد اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تھے وہ دعا یہ تھی:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○ (نوح: ۲۷۔۲۶)

اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور یہ صرف بدکار کافروں کو ہی جنم دیں گے۔

دعاؤں کے قبول ہونے کی شرائط

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا دو وجہوں سے کی تھی' ایک وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو ناپاک بندوں سے پاک کر دے' دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بعد میں آنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور ان کو نصیحت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم ان کی پکار کا اچھی طرح جواب دینے والے ہیں' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ ہم نے حضرت نوح کی دعا بہت اچھی طرح قبول کی' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم ہر دعا کرنے والے کی دعا کو اچھی طرح قبول کرنے والے ہیں' دعا کے قبول ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ حضور قلب سے دعا کی جائے' غفلت اور بے پرواہی سے دعا نہ کی جائے' دوسری شرط یہ ہے کہ اگر فوراً دعا قبول نہ ہو تو دعا کرنے کو ترک نہ کیا جائے' تیسری شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا صرف مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے بلکہ راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہو' چوتھی شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا خود بھی اللہ تعالیٰ کی بات مانتا ہو یعنی اس کا اطاعت گزار ہو اور اس کے احکام پر عمل کرنے والا ہو' پانچویں شرط یہ ہے کہ دعا کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھے' چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے اور ساتویں شرط یہ ہے کہ اس کی دعا تقدیر سے متصادم نہ ہو۔

الصّٰفّٰت: ۷۶ میں فرمایا: اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O

قتادہ نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کے گھر والوں میں سے آٹھ افراد ایمان لائے تھے' حضرت نوح علیہ السلام' ان کے تین بیٹے اور ان کی ازواج چار مرد اور چار عورتیں' اور ان کی قوم میں سے کل اسی (۸۰) افراد اسلام لائے تھے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۳)

جو شخص اللہ کے دین کی تبلیغ کرتا ہے اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام میں تعداد کی زیادتی مطلوب نہیں ہے بلکہ لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کی اعلیٰ صفات مطلوب ہیں' حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو سے زیادہ سال تک تبلیغ کی اور صرف اسی آدمی اپنے پیروکار بنائے' اس لیے علماء مبلغین اور صالحین کو چاہیے کہ وہ اس کے درپے نہ ہوں کہ ان کے پیروکاروں کی تعداد زیادہ ہو بلکہ اس کی کوشش کریں گے ان کے پیروکار ایمان اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو بڑی مصیبت سے نجات دی' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ان کو طوفان میں غرق ہونے سے محفوظ رکھا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی قوم کے کافر سردار جوان کو تنگ کرتے رہتے تھے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کا مصداق اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعض فضائل

الصّٰفّٰت: ۷۷ میں فرمایا: اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، ان کے تین بیٹے تھے، سام، حام اور یافث، تمام عرب اور عجم سام کی اولاد ہیں اور روم، ترک اور صقالبہ یافث کی اولاد ہیں اور سوڈانی حام کی اولاد ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴)

الصّٰفّٰت: ۷۸ میں فرمایا: اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O

قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر خیر کو جاری رکھا، مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے انبیاء ان کی تعریف اور تحسین فرماتے رہے۔

الصّٰفّٰت: ۷۹ میں ہے: سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O

الفراء نے کہا اس سے وہ ذکر خیر مراد ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا ہے، اور اس کا معنی ہے ہماری طرف سے نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو، اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ قیامت تک لوگ ان پر صلوٰۃ پڑھتے رہیں گے ان کا ذکر برائی سے نہیں کیا جائے گا، اور بعد میں آنے والے ہر نبی کو وہی وصیت کی گئی جو حضرت نوح کو کی گئی تھی۔ (الشوریٰ ۱۳)

الصّٰفّٰت: ۸۰ میں فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O

مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو نیک کام کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں ان کے ذکر خیر کو دنیا میں شائع کر دیا۔

الصّٰفّٰت: ۸۱ میں فرمایا: بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہیں O

اس آیت میں پہلی آیت کا بیان ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی نیکی ان کا اعلیٰ درجہ کا کامل ایمان تھا۔

الصّٰفّٰت: ۸۲ میں فرمایا: پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O

اس سے مراد کافر ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے لفظ ثم اس آیت میں تراخی کے لیے نہیں، بلکہ حضرت نوح علیہ السلام پر متعدد نعمتیں گنوانے کے لیے ہے، یعنی پھر میں تم کو ان لوگوں کی خبر دیتا ہوں جو حضرت نوح علیہ السلام کی پیہم تبلیغ اور ان کی بسیار سعی کے باوجود ایمان نہیں لائے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ابراہیم بھی ان کے گروہ سے تھے O کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو! O تو اب رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ O پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟ O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو! O حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O انہوں نے ابراہیم کے خلاف

سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O (الصّٰفّٰت: ۹۸۔۸۳)

شیعہ کا لغوی معنی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شیعہ نوح سے ہونے کی وضاحت

الصّٰفّٰت: ۸۳ میں ہے: اور بے شک ابراہیم بھی ان کے شیعہ (گروہ) سے ہیں O

شیعۃ کا مادہ 'شیع' ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا پھیلنا اور قوی ہونا' اگر کوئی خبر پھیل جائے اور قوی ہو جائے تو کہا جاتا ہے شاع الخبر' اور جب کوئی قوم پھیل جائے اور اس کی تعداد کثیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے شاع القوم' انسان جن لوگوں سے قوت حاصل کرے اور جو لوگ اس سے محبت کرنے والے اور اس کے ہم خیال ہوں ان کو اس کا شیعہ کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن حبیب الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

شیعہ کا معنی ہے تبعین' یہ ابن بحر کا قول ہے' اور الاصمعی نے کہا ہے کہ شیعہ کا معنی ہے اعوان اور مددگار' یہ لفظ شیاع سے ماخوذ ہے' شیاع ان چھوٹی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے جن کو بڑی لکڑیوں کے ساتھ ملا کر جلایا جاتا ہے اور وہ چھوٹی لکڑیاں جلانے میں مددگار ہوتی ہیں' اور اس آیت کا معنی ہے حضرت ابراہیم' حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تھے اور ان کے منہاج اور ان کے طریقہ پر تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۴)

علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے جو عقائد مشہور تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ہی عقائد پر تھے' اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں' یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کے دین پر متصلب اور متشدد ہونا بہت شائع ہو چکا تھا یعنی پھیل چکا تھا اور مکذبین کی سختیوں پر ان کا صبر کرنا بھی بہت مشہور ہو چکا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے اکثر احکام شرعیہ میں اتفاق ہو' حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دو نبی تھے' حضرت ھود اور حضرت صالح علیہما السلام' اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا عرصہ تھا (قرآن مجید میں ان دو نبیوں کا ذکر ہے' اتنے لمبے عرصہ میں اور نبی بھی آئے ہوں گے)۔ (الکشاف ج ۴ ص ۵۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قلب سلیم کا معنی

الصّٰفّٰت: ۸۴ میں ہے: کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O

مقاتل وغیرہ نے کہا قلب سلیم کا معنی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا' اور اصولیین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جتنا عرصہ زندہ رہے ان کا دل گناہوں کے میل کچیل سے بالکل پاک اور صاف تھا' ان کے دل میں شرک تھا' نہ توحید کے متعلق کوئی شک تھا نہ کسی کے خلاف کینہ اور حسد تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ لوگوں کے لیے اسی چیز کو پسند کرتے تھے جس کو اپنے لیے پسند کرتے تھے' اور تمام لوگ ان کے ضرر اور زیادتیوں سے سلامت اور محفوظ تھے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں اپنے رب کے لیے اخلاص تھا اور مخلوق اور دنیا کی چیزوں کی طرف سے ان کا دل فارغ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی کواکب پرستی

الصّٰفّٰت: ۸۷۔۸۵ میں فرمایا: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟O

حضرت ابراہیم کا اس قول سے ان کے طریقہ عبادت کی مذمت کرنا مقصود تھا' پھر فرمایا: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ

معبودوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O اس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ اپنی قوم کو اس پر متنبہ کیا جائے کہ انہوں نے پتھر کے جن بتوں کو اپنا معبود قرار دے لیا ہے وہ محض غلط ہے واقع کے خلاف ہے اور باطل ہے' پھر فرمایا: تو اب رب العٰلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ یعنی اب تمہارے گمان میں عبادت کا مستحق کون ہے؟ اور اب تم کس کو رب العٰلمین قرار دیتے ہو؟ کیا تمہیں اللہ سبحانہ کے رب العٰلمین ہونے کے متعلق کوئی شک ہے؟ حتیٰ کہ تم نے صرف ایک خدا کی عبادت کو ترک کر دیا ہے' یا تم کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ذات عبادت کی مستحق ہے اس لیے تم نے اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت شروع کر دی ہے' اور تم نے جو اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان تراشے ہیں کہ اس کے کئی شرکاء ہیں اور وہ سب عبادت کے مستحق ہیں اور اس لیے تم ان کی عبادت کر رہے ہو تو آخر اس کے جاننے کا کیا ذریعہ ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم چند معین سیاروں کی تعظیم اور ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس جہان میں خیر اور شر اور سعادت اور نحوست کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سب ان سیاروں ہی کی تاثیرات ہیں' اور انہوں نے ان میں سے ہر سیارے کی ایک شکل بنالی تھی اور اس کی صورت کے موافق ایک بت بنا لیا تھا پھر وہ ان بتوں کی تعظیم' اور عبادت کو سیاروں کی تعظیم اور عبادت کا ذریعہ قرار دیتے تھے وہ سات سیارے ہیں: قمر' عطارد' زحل' شمس' مریخ' مشتری اور زہرہ' جو حرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے رہتے ہیں اور ہر سیارے کی گردش ایک مخصوص وضع اور ہیئت سے ہوتی ہے' ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس جہان میں جس قدر حوادث رونما ہوتے ہیں وہ ان ہی سیاروں کی گردش کی مخصوص وضع کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں' ان ہی سے موسمی تغیرات ہوتے ہیں' بارشوں کا آنا' سمندروں میں طوفانوں کا اٹھنا' زمین میں زلزلوں کا آنا' لوگوں کا پیدا ہونا اور مرنا' صحت مند اور بیمار ہونا' فصلوں کا سرسبز ہونا یا ویران ہونا' اسی طرح معین اشخاص پر جو راحت اور مصائب کے' تنگی اور فراخ دستی کے اور خوشی اور ناخوشی کے ایام آتے ہیں وہ بھی ان سیارگان (متحرک ستاروں) کی تاثیرات ہیں اس لیے انہوں نے ان مخصوص سیاروں کی شکل کے بت بنا لیے تھے اور ان کی تعظیم اور عبادت کرتے تھے تاکہ ان پر راحت' سعادت' خوشی اور خوشحالی کے ایام سایہ فگن رہیں اور وہ مصیبت' نحوست' رنج و غم اور تنگ دستی کے اثرات سے محفوظ رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف دیکھنے کا محمل

الصّٰفّٰت: ۸۸ میں فرمایا: پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہ ظاہر ستاروں (کواکب سیارہ) کی طرف دیکھ کر تامل اور غور و فکر کیا' جس سے ان کی قوم نے یہ سمجھا کہ حضرت ابراہیم ستاروں کی چال اور ان کی مخصوص گردش کی وضع اور ہیئت سے مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ یا سانحہ کو اخذ کر رہے ہیں' اور در اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام' آسمانوں اور زمینوں کی خلقت اور بناوٹ پر غور و فکر کر رہے تھے اور کاملین کے طریقہ کے مطابق آثار سے موثر اور مخلوق سے خالق پر استدلال فرما رہے تھے۔ اور یہی چیز حضرت ابراہیم کی شان کے لائق ہے لیکن آپ نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ وہم ڈالا کہ آپ سیاروں کی گردش کی وضع میں غور کر کے' مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خود کو بیمار کہنے کا پس منظر

الصّٰفّٰت: ۸۹ میں فرمایا: پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار نہیں تھے لیکن انہوں نے فرمایا میں بیمار ہوں بہ ظاہر یہ کلام جھوٹ ہے' لیکن حقیقت میں یہ تعریض اور توریہ ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ کہنے کی وجہ مفسرین نے اس طرح بیان کی ہے:

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ ھ لکھتے ہیں:
سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے: مجھے طاعون ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۲۱۷)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے' تم اس میں حاضر ہونا (یعنی میلے میں شریک ہونا) حضرت ابراہیم نے ستارے کی طرف دیکھ کر کہا: یہ ستارہ جب بھی طلوع ہوتا ہے تو میں بیمار ہو جاتا ہوں' تو بادشاہ کے کارندے چلے گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۲۱۹)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان کی قوم ستارہ شناس اور ستارہ پرست تھی' اس لیے آپ نے ان کے ساتھ ان کے طریقہ کے مطابق معاملہ کیا اور اس طور سے حیلہ کیا جو ان کی رسم و رواج کے مطابق تھا' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے بتوں کو توڑنے کے لیے حیلہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی بت پرستی کو باطل کیا جا سکے' دوسرے ان کی عید اور میلہ تھا' اور وہ لوگ میلہ میں جانے سے پہلے بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ اس سے بتوں کا تقرب اور تبرک حاصل ہو اور وہ میلہ سے واپس آنے کے بعد ان چیزوں کو کھائیں' انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا آپ ہماری عید اور ہمارے میلے میں ہمارے ساتھ چلیں' حضرت ابراہیم نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں' حضرت ابن عباس نے فرمایا سقیم سے مراد طاعون زدہ ہونا ہے' اور وہ لوگ طاعون سے بہت گھبراتے تھے اور اس سے بہت دور بھاگتے تھے' حسن بصری نے کہا سقیم سے مراد مریض ہے اور مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے مجھے درد ہے اور ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے: میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں' پھر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔
(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین بہ ظاہر جھوٹ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (بہ ظاہر) جھوٹ بولے' ان میں سے دو جھوٹ اللہ کی خاطر تھے' انہوں نے کہا ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ (الصّٰفّٰت: ۸۹) میں بیمار ہوں' اور انہوں نے کہا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ﴾ (الانبیاء: ۶۳) بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے' (بہ ظاہر آپ نے چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی اور درحقیقت آپ نے خود ان بتوں کو توڑا تھا' کیونکہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا' آپ اس کی خدائی کو باطل کرنا چاہتے تھے اور اس کے عجز کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور سبب کی طرف بھی فعل کی نسبت کی جاتی ہے جیسا کہا جاتا ہے جارج بش نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اور بڑی تعداد میں قتل و غارت کی جب کہ جارج بش نے صرف حکم دیا تھا حملہ اس کی فوجوں نے کیا تھا' سو جس طرح یہاں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اسی طرح اس آیت میں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے) اور ایک دن حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ سفر کر رہے تھے' ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا' اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص آ رہا ہے اور اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے' اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میری بہن ہے' اور کہا اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن (جوڑا) نہیں ہے' اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو (یعنی دینی بہن ہو' یہ کلام بھی بہ ظاہر جھوٹ ہے اور حقیقت میں تعریض اور توریہ ہے) سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰‘ تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۸۷‘ رقم الحدیث: ۱۶۳۷‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

’’میں بیمار ہوں‘‘ کہنے کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر جو فرمایا تھا میں بیمار ہوں اس کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ بیمار ہو جاتے تھے‘ ہر چند کہ اس وقت آپ بیمار نہ تھے لیکن بیماری کا وقت آ رہا تھا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں۔

(۳) تمہارے کفر اور شرک اور بے راہ روی سے میرا دل پژمردہ اور بیمار ہے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہ طور توریہ اور تعریض کہا کہ میں بیمار ہوں منشاء یہ تھا کہ میری قوم بیمار ہے۔

(۵) سقیم سے مراد موت ہے جیسے قرآن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے: انک میت (الزمر: ۳۰) بے شک آپ فوت شدہ ہیں یعنی آپ کی روح قبض کی جانے والی ہے اسی طرح اس کا معنی ہے کہ میری روح قبض کی جانے والی ہے۔

(۶) میں بیمار ہوں یعنی عنقریب جب میرا وقت پورا ہو جائے گا تو میں مرض الموت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

تعریض اور توریہ کی تعریفات اور ان کے ثبوت میں احادیث

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹‘ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۵۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ فوت ہو گیا‘ حضرت ابوطلحہ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے‘ ان کی بیوی حضرت ام سلیم نے جب دیکھا کہ بچہ فوت ہو گیا تو انہوں نے اس کو گھر کی ایک جانب لٹا دیا‘ اور جب حضرت ابوطلحہ گھر آئے اور بچہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اس کو آرام ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ راحت میں ہے اور حضرت ابوطلحہ نے ان کو سچی گمان کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۱‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴۴)

حضرت ام سلیم نے اپنے بچہ کی موت کو دائمی سکون سے تعبیر کیا‘ اس حدیث میں موت کا توریہ سکون سے کیا ہے‘ توریہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں قریب اور بعید‘ متکلم بعید معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں قریب معنی کو القاء کرے‘ جیسے آرام اور راحت کا بعید معنی موت ہے جس کا حضرت ام سلیم نے ارادہ کیا تھا اور اس کا قریب معنی بیماری سے شفایاب ہونا اور آرام پانا تھا جس کا القاء حضرت ام سلیم نے حضرت ابوطلحہ کے ذہن میں کیا تھا‘ اسی طرح سقیم کا بعید معنی قوم کا بیمار ہونا ہے اس کا حضرت ابراہیم نے ارادہ کیا تھا اور اس کا قریب معنی خود بیمار ہونا ہے جو ان کی قوم نے سمجھا تھا۔

اسی طرح تعریض کا معنی ہے صراحۃً فعل کا اسناد جس کی طرف ہو وہ مراد نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کسی اور کا ارادہ کیا جائے جیسے کوئی عورت اپنی بیٹی سے کہے کہ تم سالن خراب پکاتی ہو اور مراد اس کی بہو ہو‘ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صراحۃً بت توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی لیکن مراد خود ان کی اپنی ذات تھی۔

ضرورت اور مصلحت کے وقت جھوٹ بولنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اس سے مراد تعریض ہے کیونکہ بعینہٖ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ (الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۹ ص ۵۳۵‘ داراحیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جھوٹ بولنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے' احیاء علوم الدین میں اس کا یہ ضابطہ مذکور ہے کہ ہر وہ نیک مقصود جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہو ان کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا حرام ہے' اور اگر اس نیک مقصود کو صرف جھوٹ بول کر حاصل کیا جا سکتا ہو تو اس کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے' اور اگر اس نیک مقصود کا حصول واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' مثلاً کوئی شخص ایک بے قصور شخص کو دیکھے جو ایسے ظالم سے چھپا ہوا ہے جو اس کو قتل کرنا یا اس کو ایذاء پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی امانت چھیننا چاہے تو اس کو چھپانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا واجب ہے' اور اگر جنگ کا یا دو شخصوں میں صلح کرانے کا مقصود یا کسی تکلیف زدہ شخص کو آرام پہنچانے کا مقصود بھی جھوٹ کے سوا حاصل نہ ہو تو اس کے حصول کے لیے بھی جھوٹ بولنا مباح ہے' اور اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا ہو یا شراب پی ہو اور حاکم اس سے تفتیش کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا' اس لیے کہ کسی بے حیائی کا اظہار بھی بے حیائی ہے' اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کے راز کو فاش کرنے سے انکار کر دے اور اس کو چاہیے کہ وہ مقابلہ کرے کہ جھوٹ بولنے کی خرابی زیادہ ہے یا سچ بولنے کی خرابیاں زیادہ ہیں' اگر سچ بولنے کی خرابیاں زیادہ ہوں تو اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یا اس کو شک ہو تو پھر جھوٹ بولنا حرام ہے' اور اگر معاملہ اس کے اپنے نفس کے ساتھ ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے۔

(احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۲۴۔۱۲۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

احتیاط اس میں ہے کہ جن مقامات پر جھوٹ بولنا مباح ہے وہاں پر جھوٹ بولنے کو ترک کر دیا جائے' عادۃً جو مبالغہ کیا جاتا ہے وہ جھوٹ نہیں ہے' جیسے کوئی شخص کہے میں تمہارے پاس ایک ہزار مرتبہ آیا ہوں' کیونکہ اس کلام سے مبالغہ کو بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ عدد کو' اور مبالغہ کے جواز پر یہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتے ہی نہیں (یعنی بہت مارتے ہیں)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰)

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ اشعار میں جو جھوٹ ہوتا ہے جب اس کو مبالغہ پر محمول کیا جا سکے تو اس کو بھی حرام قرار دینے سے مستثنیٰ کرنا چاہیے' جیسے ایک شعر میں ہے میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں اور میں کسی مجلس کو تمہارے شکر سے خالی نہیں رکھتا' کیونکہ جھوٹے شخص کا قصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جھوٹی بات کو سچا بنا کر پیش کرے اور شاعر کا قصد شعر میں سچ کا اظہار نہیں ہوتا' بلکہ شعر میں جھوٹ بولنا تو ایک فن ہے۔ علامہ رافعی اور علامہ نووی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

صاحب المجتبیٰ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات کے سوا ہر جگہ لامحالہ جھوٹ لکھا جاتا ہے' مرد اپنی بیوی یا اپنے بچے سے جو بات کرتا ہے اور مرد دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جو بات کرتا ہے اور جنگ میں' کیونکہ جنگ ایک دھوکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۲۔۳۰۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۵۔۱۷۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۸)

امام طحاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ جن صورتوں میں کذب مباح ہے یہ صورتیں تعریض پر محمول ہیں' (علامہ شامی فرماتے ہیں:) یہ قول برحق ہے' میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جو حضرت علی اور حضرت عمران بن حصین وغیرہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹)

اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ جانا نہ چاہتا ہو تو کہہ دے: میں کھانا کھا چکا ہوں' اور یہ ارادہ کرے کہ میں کل کھانا کھا چکا ہوں' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کلام جو بہ ظاہر جھوٹ ہے دراصل اسی طرح تعریض اور توریہ پر مشتمل ہے' لہٰذا جس حدیث میں تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اس طرح صورۃً جھوٹ بولنے پر محمول ہے جو درحقیقت تعریض یا توریہ ہو اور حقیقۃً جھوٹ بولنا حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ پر درد ناک عذاب کی وعید فرمائی ہے اور جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (البقرہ:۱۰) اور فرمایا: أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (النور:۷) اور حدیث میں بھی اس پر وعید ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدق نیکی کی ہدایت دیتا ہے' اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے' اور ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور کذب فجور (برے کاموں) کی طرف لے جاتا ہے اور برے کام دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۷۱' مسند احمد رقم الحدیث:۴۳۸-۳۶۳۸' عالم الکتب' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۱۳۸)

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں فرمایا ہے غرض حقیقی کے لیے تعریض کے ساتھ کلام کرنا جائز ہے' جیسے مذاق میں دوسرے کا دل خوش کرنے کے لیے کوئی بات کہنا' حدیث میں ہے:

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک بڑھیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے' آپ نے فرمایا اے ام فلاں! بے شک جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی' وہ عورت پیٹھ پھیر کر روتے ہوئے جانے لگی تو آپ نے فرمایا اس کو بتاؤ کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی' بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ (الواقعہ:۳۷-۳۵)

بے شک ہم نے ان عورتوں کو خاص طرز سے پیدا کیا ہے ۝ سو ہم نے ان کو کنواری بنایا ۝ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور آپس میں ہم عمر۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث:۲۴۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۶۸۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۴۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۲۷۶)

حضرت انس اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے کسی سواری پر سوار کر دیجئے آپ نے فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے' اس نے کہا میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اونٹ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۹۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷' شرح السنہ رقم الحدیث:۳۶۰۵)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کا نام ام ایمن تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کا خاوند آپ کو بلا رہا ہے' آپ نے فرمایا کیا وہ وہی شخص ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے' آپ کی مراد وہ سفیدی تھی جو آنکھ کی پتلی میں ہوتی ہے! (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۱۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: العراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو الزبیر بن بکار نے کتاب الفکاھۃ والمزاح میں روایت کیا ہے اور امام ابن ابی الدنیا نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں: ایسی تمام صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ شارح ابن الشحنہ نے کہا ہے کہ بزازیہ میں یہ منقول ہے کہ اس کذب سے مراد تعریض اور توریہ ہے نہ کہ کذب خالص۔

(ردالمحتار ج ۹ ص ۵۲۶۔۵۲۵ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

تحقیق یہ ہے کہ مواضع ضرورت میں بھی صراحۃً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! آپ ہم سے (بعض اوقات) خوش طبعی بھی کرتے ہیں! آپ نے فرمایا: میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے کے لیے بیوی کو راضی کرنے کے لیے اور صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان مواقع پر بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے کیونکہ جھوٹ بولنا فی نفسہٖ قبیح ہے اور جو چیز فی نفسہٖ قبیح ہو وہ اختلاف احوال سے حسن نہیں ہو جاتی ان مواقع پر بھی تاویل توریہ تعریض کے طور پر جھوٹ بولنا جائز ہے صراحۃً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے محبت نہ کرتا ہو تو وہ اس کو راضی کرنے کے لیے یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں حالانکہ وہ اس سے بغض رکھتا ہو تو یہ خالص جھوٹ ہوگا اور اس کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقے میں جہاد کے لیے جاتے اور لوگوں کو اس علاقہ پر مطلع کرنا نہ چاہتے تو صراحۃً کسی اور علاقے کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ کسی اور علاقہ کا ذکر تاویل اور توریہ سے کرتے تھے حدیث میں ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ غزوہ کے لیے جائیں اور اس جگہ کا نام بتا دیں آپ بہ طور توریہ کسی اور جگہ کا ذکر فرماتے تھے سوائے غزوہ تبوک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی میں غزوہ تبوک کے لیے گئے اور دور دراز کا سفر اختیار کیا اور بڑی تعداد میں دشمنوں کا سامنا کیا اور مسلمانوں کو ان کا حال بتا دیا تا کہ وہ اچھی طرح دشمن سے مقابلہ کی تیاری کر لیں اور آپ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ آپ کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۴۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۸۸۲ عالم الکتب بیروت)

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کی بیماری کو طاعون سمجھا تھا؟

الصّٰفّٰت: ۹۰ میں ہے: سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے۔

سو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں تو وہ پیٹھ موڑ کر آپ کے پاس سے چلے گئے ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری متعدی ہو کر ان کو نہ لگ جائے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس بیماری سے مراد طاعون کی بیماری تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں طاعون پھیلا ہوا تھا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ طاعون ایک سے دوسرے کو لگ جاتا ہے لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے طاعون کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی تھی ان پر طاعون عذاب کی صورت میں نازل کیا گیا تھا حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا ہے؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے اوپر بھیجا گیا تھا یا تم سے پہلے لوگوں پر پس جب تم یہ سنو کہ کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو تم وہاں نہ جاؤ' اور جب تم کسی علاقے میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو تم وہاں سے نکل کر نہ بھاگو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں بہ طور شک روایت ہے کہ طاعون بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا' یا ہم سے پہلے لوگوں پر' لیکن صحیح ابن خزیمہ میں جزم کے ساتھ روایت ہے کہ طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی جماعت پر بھیجا گیا تھا۔

(فتح الباری ج ۱۱ص ۳۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بنی اسرائیل کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے بہت بعد ہے' اور جب طاعون کی ابتداء بنی اسرائیل پر عذاب سے کی گئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر طاعون کا پھیلنا بہت بعید از قیاس ہے' اغلب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہیں تو انہوں نے عید کے میلہ میں آپ کے نہ جانے کو ایک عذر خیال کیا اور وہ آپ کے پاس سے چلے گئے۔

یمین اور یزفون کا معنی

الصّٰفّٰت: ۹۴۔۹۰ میں فرمایا: سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O

اس آیت میں راغ کا لفظ ہے اس کا مصدر روغ ہے' روغ کا معنی ہے چپکے سے کسی کی طرف جانا اور خفیہ داؤ گھات لگانا' جب لومڑی مکر اور فریب سے کوئی چال چلتی ہے تو کہتے ہیں راغ الثعلب' کوئی شخص مکر و فریب سے کسی شخص سے کام نکالے تو اس کو بھی راغ کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ص ۲۷۴' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان کے بت خانہ میں گئے اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا: تم کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ ان کی قوم کے کافر لوگ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں لے جا کر رکھتے تھے تاکہ ان کو ان بتوں کا تقرب حاصل ہو اور وہ طعام ان کے پاس رکھے جانے سے متبرک ہو جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بتوں کے پاس طعام رکھ کر گئے تھے کہ وہ میلہ سے واپس آ کر اس طعام کو کھالیں گے اور ان بتوں کے پاس وہ طعام اس لیے چھوڑا تھا کہ وہ طعام متبرک ہو جائے' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بت خانے کے خادموں کے لیے وہ طعام چھوڑا تھا اور ایک قول یہ ہے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس وہ کھانے پینے کی چیزیں رکھیں اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟

اس آیت میں یمین کا لفظ ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے کلہاڑا اٹھا کر ان بتوں پر ضربات لگائیں' دائیں ہاتھ کا اس لیے ذکر فرمایا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوی ہوتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یمین سے مراد دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ یمین سے مراد قسم ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے قسم کھا کر فرمایا تھا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ O اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ تمہارے معبودوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا○ پھر انہوں نے ان تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ماسوا (ان کے) بڑے بت کے تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ (الانبیاء: ۵۸۔۵۷)

ان کی قوم یا عید یا جشن منانے گئی تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ موقع غنیمت جان کر ان تمام بتوں کو توڑ دیا صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا' بعض نے کہا کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں چھوڑ دی تاکہ جب وہ عید کے میلہ یا جشن سے فارغ ہو کر آئیں تو اس کارروائی کے متعلق اس بڑے بت سے ہی پوچھیں۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے جیسا کہ اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ اور اگر اس نبی نے ہم پر کوئی بات گھڑی ہوتی○ تو ہم نے ضرور ان کو عدل کے ساتھ پکڑ لیا ہوتا۔ (الحاقۃ: ۴۴)

عدل کے لیے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے اور ظلم کے لیے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے' اسی طرح معاصی کے لیے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے اور اطاعت کے لیے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے' پس مسلمان کے لیے یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے' اس لیے قیامت کے دن مسلمان کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ سے جو بیعت کی تھی اس کو پورا کر دیا اور عدل کیا اور کافر کے بائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا کیونکہ اس نے بیعت کو توڑ دیا اور ظلم کیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کی قوم کے لوگ ان کی طرف بھاگتے ہوئے آئے۔

اس آیت میں یـزفـون کا لفظ ہے: زف الابل کا معنی ہے اونٹ تیز تیز چلے' اصل میں زفیف کا معنی ہے تیز ہوا چلنا' شتر مرغ جو پرندوں سے ملنے کے لیے بھاگتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں' دلہن کو جو دولہا کے پاس بھیجا جاتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں (المفردات ج۱ص ۲۸۱)۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تیز رفتاری اور آہستہ آہستہ چلنے کے مابین درمیانی رفتار سے چلنا' ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے وہ بھاگ رہے تھے' یحییٰ بن سلام نے کہا وہ غیظ وغضب سے بھاگتے ہوئے آ رہے تھے' مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے وہ تکبر سے چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

اس پر عقلی اور نقلی دلائل کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے

الصّٰفّٰت: ۹۶۔۹۵ میں ہے: ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو○ حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے○

ان کی قوم نے جب اپنے خود ساختہ خداؤں کے ٹکڑوں کو ٹوٹنے کے بعد بکھرے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے یعنی تم جن بتوں کی پرستش کر رہے ہو ان کو جن لکڑیوں' پتھروں اور مٹی سے تم نے بنایا ہے ان چیزوں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے تو یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوئے۔

اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ بندہ اپنے افعال کا' کاسب ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اور قدریہ کا مذہب یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے' اس کے افعال میں اس کا کوئی کسب اور اختیار نہیں

ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہر صانع اور اس کی صفت کا خالق ہے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے موافق ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۱۳۱ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۸۵ جدید' الاحسان ج ۲ ص ۵۰' کنز العمال ج ۱ ص ۲۶۳)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے' خواہ بندہ کا فعل کفر ہو یا ایمان' اطاعت ہو یا معصیت' اس کے برعکس معتزلہ کا یہ فاسد گمان ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے' ان میں سے متقدمین تو بندہ کو خالق کہنے سے اجتناب کرتے تھے اور بندہ کو موجد اور مخترع کہتے تھے' لیکن جبائی اور اس کے متبعین نے یہ دیکھا کہ ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا تو انہوں نے دلیری سے بندہ پر خالق کا اطلاق کر دیا' اور اہل حق جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہو تو وہ اپنے افعال کی تفاصیل کا ضرور عالم ہوگا' کیونکہ جب تک کسی چیز کی تفاصیل کا علم نہ ہو انسان اس کو وجود میں نہیں لا سکتا' اور انسان کو اپنے افعال کی تفاصیل کا علم نہیں ہوتا' کیونکہ جب انسان ایک جگہ سے چل کر دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے چلنے میں معین تعداد میں قدم اٹھتے ہیں کبھی تیز اور کبھی آہستہ اور اس کو بالکل شعور نہیں ہوتا کہ اس کے چلنے میں کتنے قدم اٹھے اور اس میں کتنا وقت صرف ہوا' کتنے قدم تیز تھے اور کتنے آہستہ' اور اس سے اس کے متعلق اگر سوال بھی کیا جائے تو وہ جواب نہیں دے سکتا یہ تو ان افعال کا حال ہے جو بالکل ظاہر ہیں' اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ کسی چیز کو پکڑنے اور چھوڑنے میں اس کے کتنے اعضاء نے حرکت کی اس کے اعصاب سکڑنے اور پھیلنے کا عمل کتنی بار ہوا تو اس کی بے شعوری اور لاعلمی اور بھی زیادہ ہو گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ . (الصّٰفّٰت: ۹۶) اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ . (المومن: ۶۲) یہی ہے اللہ! جو تمہارا رب ہے' جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

اور ہر چیز میں بندے کے اعمال بھی داخل ہیں' سو وہ ان کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ . (النحل: ۱۷) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مثل ہے جو کچھ پیدا نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کو اپنی مدح میں اور اپنی عبادت کے استحقاق میں بیان فرمایا ہے یعنی عبادت کا مستحق وہی ہے جو خالق ہو۔

معتزلہ نے یہ کہا کہ ہم خود سے چلنے والے اور رعشہ والے کی حرکت میں فرق کو دیکھتے ہیں' خود سے چلنے والا اپنے اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ والا بغیر اختیار کے حرکت کرتا ہے' نیز اگر بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو نیک افعال پر مدح اور برے افعال پر مذمت' اور نیک افعال پر ثواب اور برے افعال پر عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہو گی کیونکہ نیک اور برے افعال سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جبریہ پر وارد ہوتا ہے جو کسب اور اختیار کی

بالکل نفی کرتے ہیں' رہے ہم تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ جس فعل کا کسب کرتا ہے اور اس کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۶۲-۶۰ ملخصا مطبوعہ کراچی)

حضرت ابراہیم پر آگ کے ٹھنڈی ہونے کی تفصیل

الصّٰفّٰت: ۹۸-۹۷ میں ہے: انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O انہوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے بتوں کی الوہیت کے باطل ہونے پر قوی دلیل پیش کی اور وہ اس دلیل کا جواب دینے پر قادر نہ ہوئے تو انہوں نے آپ کو ضرر پہنچانے کا طریقہ اختیار کیا اور کہا ان کے لیے ایک عمارت بناؤ' قرآن مجید میں اس عمارت کی ساخت اور اس کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے البتہ امام ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی التوفی ۴۲۷ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ نے اس سلسلہ میں یہ روایت ذکر کی ہے:

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ان کے لیے ایک پتھر کی عمارت بناؤ جس کا طول تیس ہاتھ ہو اور اس کا عرض بیس ہاتھ ہو اور اس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اس میں آگ لگا دو' پھر ابراہیم کو اس آگ میں پھینک دو۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۴۹' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۵)

اس آگ کے لیے قرآن مجید میں جحیم کا لفظ ہے اور جحیم اس آگ کو کہتے ہیں جو بہت عظیم آگ ہو' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق فرمایا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحث کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بحث اور مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غالب اور ان کو مغلوب کر دیا اور جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آگ کا ضرر دور کر دیا اور ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ امام ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں اور اس حدیث کو حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر التوفی ۵۷۱ھ نے بھی روایت کیا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے لیے لکڑیوں کو جمع کیا' حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کروں گی' پھر انہوں نے اتنی زیادہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی کہ اگر اس کی سمت سے پرندے گزرتے تو آگ کی تپش سے جل جاتے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو' آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور فرشتوں نے فریاد کی کہ اے خدا! تیرے نام کی سربلندی کی پاداش میں ابراہیم کو جلایا جا رہا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اس کا علم ہے اگر وہ تم کو پکارے تو تم اس کی فریاد رسی کرنا' اور حضرت ابراہیم نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے خدا! تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں' اور میرے سوا زمین پر کوئی اور بندہ نہیں ہے جو تیری عبادت کرے' مجھے اللہ کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے' تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ. اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی بن جا۔

(الانبیاء: ۶۹)

(الدر المنثور ج ۷ ص ۹۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۵-۱۹۴' رقم الحدیث: ۱۶۵۰-۱۶۴۹)

فاکہ بن مغیرہ کی باندی بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو میں نے ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا' میں نے پوچھا اے ام المومنین! آپ اس نیزہ سے کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس سے چھپکلیوں کو مارتی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو چھپکلی کے سوا زمین کا ہر جانوران کی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور چھپکلی پھونک مار کر اس آگ کو بھڑکا رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے قتل کا حکم دیا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۳۱' مسند احمد ج ۶ ص ۸۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۳۔۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۶۴۶۔۱۶۴۵۔۱۶۴۳۔۱۶۴۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چھپکلی کو مار دیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ جلائی گئی تو اس نے آگ جلانے میں مدد کی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۶۴۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی آزمائش میں مبتلا کرنے کی حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا گیا' اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ابتداءً آپ کے مخالف کفار کو اس پر قدرت نہ دیتا کہ وہ آپ کو آگ میں ڈالتے' یا آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کوئی ایسی تدبیر فرما دیتا کہ آپ اس شہر سے نکل جاتے اور آپ کے مخالف بت پرستوں کو آپ پر غلبہ حاصل نہ ہوتا اور وہ آپ کو گرفتار کر کے اس مکان میں بند نہ کر پاتے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور بت پرستوں کے لیے یہ موقع مہیا کیا کہ وہ آپ کو اس بہت بڑی آگ میں ڈال دیں' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوگوں کے سامنے یہ مثال اور یہ نمونہ مہیا کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مقرب بندے اللہ کی راہ میں جان دینے سے نہیں گھبراتے اور توحید کی سربلندی کے لیے ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔

(۲) ان کی قوم سورج' چاند' ستاروں کی پرستش کرتی تھی اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا کہ آگ اپنی ذات میں کوئی طاقت نہیں رکھتی نہ اس میں فی نفسہ کوئی تاثیر ہے اس کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے' وہ چاہے تو اس میں جلانے کی تاثیر ہو گی اور وہ نہ چاہے تو اس میں یہ تاثیر نہیں ہو گی' وہ اپنی ذات میں ٹھنڈی ہے نہ گرم ہے' وہ جب چاہے اس میں گرمی پیدا کر دے اور جب چاہے اس میں ٹھنڈک پیدا کر دے۔

(۳) جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے اور جب آپ ان کی پشت میں موجود تھے تو آگ ان کو کیسے جلا سکتی تھی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں چند اشعار پڑھے ان میں یہ شعر بھی تھا:

وردت نار الخلیل مستترا فی صلبه انت کیف یحترق

حضرت خلیل اللہ کی آگ میں آپ بھی پوشیدہ طور پر وارد تھے اور جس کی پشت میں آپ موجود ہوں اس کو آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے ان اشعار کو المستدرک اور دلائل النبوت کے حوالے سے ذکر کیا ہے' المستدرک ج ۳ ص ۳۲۷' اور دلائل النبوت ج ۵ ص ۲۶۸ میں ان اشعار کا ذکر ہے' لیکن ان میں مذکور الصدر شعر ذکر نہیں ہے' یقیناً حافظ

سیوطی کے سامنے ان کتابوں کا جو نسخہ ہوگا ان میں یہ شعر بھی مذکور ہوگا اور ان کتابوں کے ناشر کو جو مخطوطہ ملا ہوگا ان میں یہ شعر مذکور نہیں ہوگا یا کسی وجہ سے طباعت سے رہ گیا ہوگا بہر حال حافظ سیوطی کے درج ذیل اشعار میں اس شعر کا بھی ذکر ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۷ 'دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ آگ بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اور جب آپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے تو آگ آپ کو کیسے جلا سکتی تھی' ہر چیز آپ کو پہچانتی ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة او فسقة الجن والانس.

ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا فاسق جنات اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲ رقم الحدیث: ۶۷۲)

(۵) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں ڈالنے اور آگ کے آپ کو ضرر نہ پہنچانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے اور کائنات کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا' حضرت ابراہیم کا اس پر ایمان تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ان کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور موت اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آ سکتی اس لیے جب ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ان کو آگ میں ڈال دو' تو حضرت ابراہیم ذرا نہیں گھبرائے' اور کسی قسم کے خوف اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا' اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر زہر کھا لیا تھا اور آپ کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۸۸ 'داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۶) اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ نبی اپنے وطن سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت اس وقت کرتا ہے جب اس کے وطن میں اس کے مخالف کفار اس کی جان کے دشمن ہو جائیں اور اس کو سلامتی کے ساتھ اپنے وطن میں نہ رہنے دیں' جیسے جب مصر میں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں تو وہ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے' اور اسی طرح جب زمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ان کو قتل کرنے لگے تو انہوں نے آسمانوں کی طرف ہجرت کی' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قتل کرنے کی سازشیں کی جانے لگیں تو آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی' اسی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفار سے دشمنی جب ان کو جلانے کی سازش کی صورت میں ظاہر ہوئی تو آپ کو عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا' سو آپ کو آگ میں ڈالے جانے کا یہ واقعہ آپ کی ہجرت کا سبب بنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی زیادہ تفصیل الانبیاء: ۶۸' تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۱۲۔۶۰۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں اب تم غور کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ

مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O (الصّٰفّٰت: ۱۰۸۔۹۹)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اولین مہاجر ہونا

الصّٰفّٰت: ۹۹ میں ہے: اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس جگہ اسلام دشمن لوگ زیادہ ہوں اور ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے انسان کی جان' اس کی عزت اور اس کا مال خطرہ میں ہو' اس پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کے لوگوں سے شدید عداوت اور خطرہ محسوس کیا تو آپ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد فرما لیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہجرت اور ایام فتنہ کی عزلت نشینی کی اصل ہے' اور جس شخص نے اس پر سب سے پہلے عمل کیا وہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ سے نجات دی تو آپ نے کہا "میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں" یعنی اپنی قوم اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس جگہ جانے والا ہوں جہاں میں آسانی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں' عنقریب میرا رب میری اس چیز کی طرف رہ نمائی کرے گا جس کا میں نے نیک نیتی سے قصد کیا ہے' مقاتل نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی مخلوق میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے ارض مقدسہ یعنی شام اور فلسطین کی طرف ہجرت کا قصد کیا' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے حران کی طرف ہجرت کی تھی اور ایک مدت تک وہاں رہے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۸۹)

عزلت نشینی کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے اچھا شخص کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو اپنی جان اور مال سے جہاد کرے اور وہ شخص جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چلا جائے' وہاں اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کے شر کی وجہ سے ان کو چھوڑ دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۶۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۶' المستدرک ج ۲ ص ۷۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان شخص کا سب سے بہترین مال ایک بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش نازل ہونے کی جگہوں پر جائے گا' اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنوں کے شر سے بھاگے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶)

حضرت ام مالک البھزیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو بہت قریب بتایا' میں نے پوچھا یا رسول اللہ ایام فتنہ میں سب سے بہتر شخص کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کے دشمنوں کا پیچھا کرے وہ ان کو بھگائے اور وہ اس کو بھگائیں (یعنی ان سے مقابلہ کرے) اور وہ شخص جو جنگل میں

عزلت نشینی کرے اور اس پر جو حق ہے وہ ادا کرے)۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ص ۳۶۷ طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۳۶' المستدرک ج ۴ص ۴۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۷' مسند احمد ج ۶ص ۴۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے لوگو! تم کو فتنے اس طرح ڈھانپ لیں گے جس طرح اندھیری رات میں اوپر تلے اندھیرے آتے ہیں اس زمانہ میں سب سے زیادہ نجات یافتہ شخص وہ ہوگا جو (جنگل میں) اپنی بکریوں کے دودھ پر گزارہ کرے یا وہ شخص دروازہ سے باہر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر جائے اور اپنی تلوار سے کھائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ص ۳۶۸ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۲۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اسلام (کے درجات) کی کوئی انتہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں عرب یا عجم کے جس گھر والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے ان کے اوپر اسلام کو داخل فرما دیتا ہے' پھر اس طرح فتنے برپا ہوں گے گویا کہ وہ سائبان ہیں اور فرمایا کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تم ان فتنوں میں لوٹ جاؤ گے گویا کہ سانپ ڈسنے کے لیے پھن اٹھائے کھڑا ہو! تم میں سے بعض' بعض کی گردنوں پر وار کریں گے' اور ایک روایت میں ہے تم میں سے سب سے افضل وہ مومن ہوگا جو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں عزلت نشین ہوگا وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہوگا اور لوگوں کو ان کے شر کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔ (مسند احمد ج ۳ص ۴۷۷' المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۱۹۹۔۱۹۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۳۵۵۔۳۳۵۴۔۳۳۵۳)

عزلت نشینی کی فضیلت اور استحباب کے متعلق فقہاء اسلام کے مختلف اقوال

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی فضیلت ہے' اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ آپ کے بعد فتنے رونما ہوں گے تو اس وقت لوگوں سے میل جول رکھنے کی بہ نسبت ان سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی میں فضیلت ہے' خصوصاً جو لوگ جہاد کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں' یا وہ زمانہ جہاد کا نہ ہو' یا مسلمانوں کو ان کے علوم سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو' ان احادیث میں پہاڑوں کی گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے اور خصوصاً ان جگہوں پر جانا مراد نہیں ہے ان کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ عام طور پر عزلت نشینی کے لیے لوگ ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کیونکہ عموماً ایسے مقامات پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہوتا' ایک اور حدیث میں گھر میں گوشہ نشین رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ص ۳۱۰' دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کس طرح حاصل ہوگی؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنی خطاؤں پر رؤو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۴۸' الکامل لابن عدی ج ۴ص ۱۶۳۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں ان علماء کی دلیل ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر عزلت نشینی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے' امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر فتنہ سے سلامتی کی توقع ہو تو گوشہ نشین رہنے کی بہ نسبت لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے' اور بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ عزلت نشینی افضل ہے' اور جمہور علماء نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں عزلت نشینی افضل ہے' اور ان احادیث کا یہی محمل ہے' یا یہ احادیث ان لوگوں کے لیے

ہیں جو لوگوں کے ضرر سے محفوظ نہ رہ سکیں' یا جو لوگ فتنہ بازوں کے ضرر پر صبر نہ کر سکیں' انبیاء علیہم السلام' جمہور صحابہ' تابعین' علماء اور زھاد و غیرھم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' اور اجتماعی منافع کو حاصل کرتے تھے' پانچوں نمازیں با جماعت پڑھتے تھے اور جمعہ' نماز جنازہ اور عیدین پڑھتے تھے' مریضوں کی عیادت کرتے تھے' وعظ و نصیحت کرتے اور ذکر کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۵۲۳۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اگر عزلت نشینی کا صرف یہی فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے انسان غیبت کرنے سے محفوظ رہتا ہے اور اس برائی کے دیکھنے سے بچا رہتا ہے جس کے ازالہ پر وہ قادر نہیں ہے تو یہ بھی عزلت نشینی کی فضیلت کے لیے بہت کافی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فتنوں کے ایام میں گوشہ نشین ہونا افضل ہے' سوا اس صورت کے کہ انسان ان فتنوں کو زائل کرنے پر قادر ہو اس وقت اس پر واجب ہے کہ وہ ان فتنوں کے ازالہ کے لیے سعی اور جدوجہد کرے' اور یہ ازالہ اس کے حال اور اس کی قدرت کے اعتبار سے فرض عین ہو گا یا فرض کفایہ ہو گا' اور جب فتنوں کے ایام نہ ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اب عزلت نشینی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے' علامہ نووی نے کہا کہ امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس میں بہت سے فوائد کا حصول ہے' اور شعائر اسلام میں حاضر ہونے کا موقع ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں کثرت کا اظہار ہے اور ان کو خیر پہنچانے کا فائدہ ہے' بیماروں کی عیادت' جنازوں کا پڑھنا' ایک دوسرے کو سلام کرنا' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا' نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تعاون کرنا' ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور اس طرح کے اور بہت سے ایسے کام ہیں جن پر ہر مسلمان قادر ہوتا ہے' اور اگر وہ شخص عالم دین اور صاحب طریقت ہو تو اجتماعی معاشرہ میں رہنے کی فضیلت اور بھی موکد ہو جاتی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا ہے کہ ان ایام میں بھی عزلت نشینی افضل ہے بشرطیکہ اس کو ان عبادات کرنے کے طریقوں کا علم ہو جو اس پر لازم ہیں اور جن کو ادا کرنے کا وہ مکلف ہے' اور مختار یہ ہے کہ اجتماعی معاشرہ میں رہنا افضل ہے جب کہ اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا نہیں ہو گا۔

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ انسان گوشہ تنہائی میں رہے کیونکہ بہت کم مجلسیں گناہوں سے خالی ہوتی ہیں (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں بھی اس قول کے موافق ہوں' کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا صرف برائیوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے' ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنوں سے احتراز کرنا چاہیے' اور متقدمین کی ایک جماعت فتنوں کے خوف سے اپنے وطن سے نکل گئی' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں مدینہ سے نکل کر ربذہ میں چلے گئے تھے' اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی کہ آخر زمانہ میں لوگوں میں فتنہ اور فساد ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۴-۲۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

غور فرمائیے علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ اور علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کے

ساتھ مل جل کر رہنے میں فسق و فجور اور انواع و اقسام کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے اب گوشہ نشینی میں عافیت ہے اور خلوت گزینی افضل ہے' تو سوچئے کہ اب ۱۴۲۴ھ میں حالات کس قدر دگرگوں ہو چکے ہیں اور اب عزلت نشینی کس قدر اہم اور ضروری ہوگئی ہے' اس لیے اس ناکارہ نے بھی اب گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا ہے' دارالعلوم کے گوشہ عافیت میں بیٹھ کر درس بخاری اور تصنیف و تالیف کو لازم کر لیا ہے اور اجتماعی مجالس اور محافل میں جانے کو بالکل ترک کر دیا ہے۔

میری زندگی اب فاضل بریلوی کی اس رباعی کے مصداق ہے:

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن	نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
نہ مجھے کسی کی تعریف و تحسین سے خوشی ہوتی ہے نہ کسی کے طعنوں سے رنج ہوتا ہے	نہ میں کسی کی تعریف سنتا ہوں نہ مجھے کسی کی مذمت کرنے کا ہوش ہے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروے	جز من و چند کتابے و دوات و قلمے
میں ایک گوشہ گمنامی میں ہوں کہ اس میں	چند کتابوں اور قلم دوات کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے

بعض محبین جو مجھے اپنی محافل اور مجالس میں بہ اصرار بلاتے ہیں ان سے گذارش ہے کہ مجھے اپنے حال میں رہنے دیں۔

الصّٰفّٰت: ۹۹ کے بعد الصّٰفّٰت: ۱۱۱-۱۰۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کی قربانی کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں ہم ان شاء اللہ دلائل سے واضح کریں گے کہ آپ کے یہ بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے' اور اس کے بعد قربانی سے متعلق تمام امور کو احادیث اور مذاہب اربعہ کی کتب سے بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صالح بیٹے کو طلب کرنا اور اس کی توجیہ

الصّٰفّٰت: ۱۰۰ میں ہے: اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرماO

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ اے رب مجھے نیک بیٹا عطا فرما جو ان لوگوں میں سے ہو جو تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری نافرمانی نہیں کرتے اور زمین میں اصلاح کرتے ہیں اور فساد نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ایک صالح کو ہبہ کرنے کا سوال ہے' ہر چند کہ قرآن مجید میں بھائی کے لیے بھی ہبہ کا لفظ آیا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا. (مریم:۵۳)

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون نبی ہبہ فرمائے۔

لیکن قرآن مجید میں زیادہ تر بیٹے کے لیے ہبہ کا لفظ ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۗ وَيَعْقُوْبَ. (الانبیاء:۷۲) اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب ہبہ فرمائے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى. (الانبیاء:۹۰) اور ہم نے زکریا کو یحییٰ ہبہ فرمائے۔

سو اسی اسلوب سے اس آیت میں بھی ہبہ کا لفظ بیٹے کے لیے ہے اور اس آیت کا معنی ہے اے میرے رب! مجھے ایسا بیٹا ہبہ فرما جو صالحین میں سے ہو' اور اپنے بیٹے کے لیے صالح ہونے کی اس لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے خود اپنے لیے بھی صالحیت کی دعا کی تھی:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ. اے میرے رب مجھے قوت فیصلہ عطا فرمادے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔ (الشعراء: ۸۳)

حلیم کا معنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلیم ہونا

الصّٰفّٰت: ۱۰۱ میں ہے: سوہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O

اس آیت میں غلام کا لفظ ہے' جب بچہ پالنے میں ہوتو اس کو طفل کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سال سے کم ہوتو اس کو صبی کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سال سے متجاوز ہو اور وہ بلوغت کے قریب ہوتو اس کو غلام کہتے ہیں اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کو شاب (نوجوان) کہتے ہیں اور بیس سال سے تیس سال تک کی عمر والے کو رجل (مرد) کہتے ہیں اور تیس سال سے چالیس سال تک کی عمر والے کو کہول (ادھیڑ عمر والا) کہتے ہیں اور چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر والے کو شیخ کہتے ہیں اور ساٹھ سال سے ستر اسّی سال والے کو شیخ فانی کہتے ہیں' مصنف اب ۶۸ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے دیکھئے اب کب بلاوا آتا ہے' اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی کے ساتھ اور چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ اپنے جوار رحمت میں بلائے۔ (آمین)

اور اس آیت میں اس لڑکے کی صفت حلیم (بردبار) ذکر فرمائی ہے' حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کام سکون اور اطمینان سے کرے' جلدی نہ کرے۔ اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرے اور اگر کوئی کام اس کے مزاج اور مرضی کے خلاف ہو جائے تو غصہ اور غضب میں نہ آئے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تین بشارتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا یعنی مذکر ہوگا' دوسری یہ کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچہ کو حلم اور بردباری سے متصف نہیں کیا جاتا اور تیسری بشارت یہ ہے کہ وہ حلیم اور بردبار ہوگا۔

اور اس بیٹے میں اس سے بڑھ کر اور کون سا حلم ہوگا کہ جب انہوں نے اس بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اور انہوں نے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم اور بردبار بیٹے کی اس لیے بشارت دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی حلیم تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ O (التوبہ: ۱۱۴) بے شک ابراہیم بہت سوز و گداز والے حلیم تھے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ O (ھود: ۷۵) بے شک ابراہیم ضرور حلیم تھے' بہت سوز و گداز والے' اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۱-۱۰۲ میں ہے: پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! عنقریب مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O ابراہیم پر سلام ہو O ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں

میں سے ہیں O

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا پس منظر اور پیش منظر

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجر سے ملاقات کے لیے جاتے تو صبح کے وقت براق پر سوار ہو کر شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ پہنچ کر آرام کرتے اور شام کے وقت مکہ سے روانہ ہوتے اور رات کے وقت شام میں اپنی بیوی (حضرت سارہ) کے پاس پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کے بیٹے (حضرت اسماعیل) جب کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی عبادت کریں گے اور اس کے حرم کی تعظیم کریں گے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

نیز امام محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا یہ رسی اور چھری لو اور ہمارے ساتھ اس گھاٹی میں چلو تاکہ ہم گھر والوں کے لیے لکڑیاں چن کر لائیں' انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کس لیے اس گھاٹی میں جا رہے ہیں' تب اللہ کا دشمن ابلیس ایک آدمی کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر ملا' تاکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رکھے اور آ کر کہا اے بزرگ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے ایک کام سے اس گھاٹی میں جا رہا ہوں! شیطان نے کہا میرا گمان ہے کہ آپ کے پاس خواب میں شیطان آیا ہے اور اس نے آپ کو اس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور فرمایا: اے اللہ کے دشمن میرے پاس سے دفع ہو جا! پس اللہ کی قسم! میں اللہ کے حکم پر ضرور عمل کروں گا! جب اللہ کا دشمن ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا تو پھر وہ ان کے بیٹے کے پاس پہنچا وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' ان سے اس نے کہا اے بیٹے! کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس گھاٹی سے لکڑیاں چننے جا رہے ہیں! شیطان نے کہا اللہ کی قسم! وہ تم کو صرف ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں! انہوں نے پوچھا کیوں؟ شیطان نے کہا ان کا گمان ہے کہ ان کے رب نے انہیں یہ حکم دیا ہے' انہوں نے کہا پھر ان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کریں۔

پھر وہ ایک آدمی کے بھیس میں اس بیٹے کی ماں کے پاس گیا اور ان سے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم تمہارے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں' انہوں نے کہا وہ اس گھاٹی میں لکڑیاں چننے گئے ہیں' شیطان نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! وہ صرف اس کو ذبح کرنے کے لیے ساتھ لے کر گئے ہیں' ان کی والدہ نے کہا نہیں وہ اپنے بیٹے پر بہت شفقت کرتے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں' شیطان نے کہا ان کا یہ گمان ہے کہ ان کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں' ان کی والدہ نے کہا اگر ان کے رب نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے بہت اچھا کیا کہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا! اور اللہ کا دشمن ابلیس ناکام اور نامراد ہو کر غیظ و غضب میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس لعین نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کو بہکانے کا جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ خائب و خاسر رہا۔

جب حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گھاٹی میں پہنچے اور وہ ثبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی تھی' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ ان کے بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ مجھے صبر

کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

امام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابا جان! اگر آپ نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں تا کہ میرے خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑیں' اور میرا اجر کم نہ ہو' کیونکہ موت بہت سخت ہوتی ہے اور میں ذبح کے وقت اپنے تڑپنے اور پھڑ کنے سے مامون نہیں ہوں اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کرلیں تا کہ وہ مجھ پر آسانی سے گزر جائے اور جب آپ مجھے ذبح کرنے کے لیے لٹائیں تو مجھے منہ کے بل لٹائیں اور مجھے پہلو کے بل نہ لٹائیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ کی نظر میرے چہرے پر پڑے گی تو آپ کے دل میں رقت پیدا ہوگی اور وہ رقت آپ کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے مانع ہوگی' اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری قمیص میری ماں کو لے جا کر دے دیں' اس سے ان کو تسلی ہوگی اور ان کو مجھ پر صبر آ جائے گا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے تم اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے کیسے عمدہ مددگار ثابت ہو رہے ہو! پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا ان کو اچھی طرح باندھ دیا' پھر اپنی چھری کو تیز کیا اور پھر ان کو پیشانی کے بل گرا دیا' اور ان کے چہرے کی طرف سے اپنی نظر ہٹالی' پھر ان کے حلقوم پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اس چھری کو پلٹ دیا' حضرت ابراہیم نے اس چھری کو پھر اپنی طرف کھینچا تا کہ اس عمل سے فارغ ہوں' تو ایک ندا کی گئی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا' یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے' اپنے بیٹے کے بدلہ میں اس کو ذبح کر دو' اللہ عزوجل نے فرمایا جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا' حالانکہ ذبیحہ کو چہرے پر گرایا جاتا ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت اسماعیل نے اپنے والد کو مشورہ دیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ حدیث صادق ہے اور قرآن مجید کے مطابق ہے۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۱۹۵' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۶۳' تفسیر ثعلبی ج ۸ ص ۱۵۴' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۶' خازن ج ۴ ص ۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۲۵۵' الکشاف ج ۴ ص ۵۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے مینڈھے کا مصداق

الصّٰفّٰت: ۱۰۷ میں ہے: اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت سے ایک مینڈھا باہر لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چر رہا تھا' حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر جمرہ اولیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر جمرہ وسطیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر جمرہ کبریٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر منٰی میں قربانی کی جگہ گئے اور وہاں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' بے شک اوائل میں اس مینڈھے کا سر اس کے دو سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر سوکھ کر خشک ہو چکا تھا۔

نیز امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم کو حج کے افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان آپ کے پاس آیا' پھر حضرت جبریل آپ کو جمرۃ العقبہ پر لے گئے آپ کے پاس پھر شیطان آیا آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا' پھر آپ چلے گئے تو جمرہ وسطیٰ کے پاس شیطان آیا آپ نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں' تو وہ چلا گیا' پھر آپ نے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا' اور حضرت اسماعیل پر سفید قمیص تھی' انہوں نے کہا اے ابا جان میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں' آپ اس کو اتار کر رکھ لیں اور اسی میں مجھ کو کفن دیں' پھر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑی آنکھوں والا اور

سفید سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہوا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا' حضرت ابن عباس نے کہا ہم اسی وجہ سے اسی طرح کا مینڈھا قربانی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس مینڈھے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قربانی کی تھی اور ان کی قربانی قبول کر لی گئی تھی اور وہ مینڈھا سرمگیں تھا اور اس کا اون سرخ رنگ کا تھا۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۱۹۵۔۱۹۲ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام عبد الرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اور امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے بھی حضرت اسماعیل کو ذبح کیے جانے کے واقعہ کو اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(المنتظم ج ۱ ص ۱۶۸۔۱۶۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۶۴۔۶۳' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

مفسرین میں سے امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' اور علامہ علاؤ الدین علی بن الخازن المتوفی ۷۲۵ھ' نے بھی اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے' اور امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۵۵۔۱۵۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۷۔۳۶' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ' لباب التاویل ج ۴ ص ۲۴۔۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ' المستدرک ج ۲ ص ۵۵۶۔۵۵۵ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۰۴۰۔۴۰۳۹' الکشاف ج ۴ ص ۵۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جس مینڈھے کو ذبح کیا گیا ہے اس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے سینگ کعبہ میں میزاب کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا' میں نے حضرت عثمان بن طلحہ سے پوچھا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلوایا تھا' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں پر ایک مینڈھے کے دو سینگ دیکھے' میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانپ دو' سو اب تم ان کو ڈھانپ دو' کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کرا لے' سفیان نے کہا وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں رکھے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ میں آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۶۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۲۰۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۶۳۷' دار الفکر بیروت' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۳۵' دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے ذبیح تھے...... حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام!

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' (۱) حضرت عباس بن عبد المطلب (ایک روایت کے مطابق) (۲) حضرت عبد اللہ بن عباس (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود (۴) حضرت جابر بن عبد اللہ (۵) حضرت علی بن ابی طالب (۶) حضرت عبد

اللہ بن عمر اور (۷) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم' ان سات صحابہ کا یہ نظریہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' اور تابعین وغیرھم میں سے علقمہ' سعید بن جبیر' کعب الاحبار' عکرمہ' القاسم بن ابی بزہ' عطاء' مقاتل' عبدالرحمان بن سابط' زہری' سدی' عبداللہ بن الہذیل' مالک بن انس وغیرھم نے کہا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں' اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا بھی اس پر اتفاق ہے' النحاس اور طبری وغیرہما کا بھی یہی مختار ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب اور تابعین سے قوت کے ساتھ یہی منقول ہے۔

دوسرے علماء کا یہ مختار ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابوالطفیل' حضرت عامر بن واثلہ (اور دوسری روایت کے مطابق) حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار قول ہے' اور تابعین میں سے سعید بن المسیب' الشعبی' یوسف بن مہران' مجاہد' الربیع بن انس' محمد بن کعب القرظی' الکلبی اور علقمہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔

ابو سعید الضریر سے ذبیح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

ان الذبیح هدیت اسمعیل — نطق الکتاب بذاک و التنزیل

تم کو ہدایت دی جائے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں — کتاب اسی پر ناطق ہے اور یہی قرآن میں نازل ہوا ہے

شرف به خص الاله نبینا — واتی به التفسیر و التاویل

یہ ان کا شرف ہے اور اللہ نے ہمارے نبی کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے — اور قرآن کی یہی تفسیر اور تاویل ہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر دلائل

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح کون ہے تو انہوں نے کہا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی! حضرت اسحاق مکہ میں کب آئے تھے؟ مکہ میں تو صرف حضرت اسماعیل تھے' انہوں نے ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی اور قربان گاہ بھی مکہ میں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صابرین میں سے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی: فرمایا:

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۞ (الانبیاء: ۸۵) — اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صابر (نبی) تھے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ذبح کیے جانے پر صبر کیا تھا' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ صادق الوعد تھے' فرمایا:

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۞ (مریم: ۵۴) — اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں' وہ وعدہ کے بہت سچے تھے اور وہ رسول اور نبی تھے۔

حضرت اسماعیل کو صادق الوعد اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے وقت صبر کریں گے سو انہوں نے اپنے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ — اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں

سے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۱۲)

پس اللہ تعالیٰ حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کے حکم کیوں کر دیتا جب کہ وہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو نبی بنانے کی بشارت دے چکا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ. سو ہم نے (ابراہیم کی زوجہ سارہ کو) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ (ھود: ۷۱)

تو حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ اسحاق کی پشت اور ان کی نسل سے یعقوب پیدا ہوں گے' ظاہر ہے کہ اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

نیز احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو اس مینڈھے کے سینگ بیت المقدس میں رکھے ہوئے ہوتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۹۲۔۹۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر مزید دلائل

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

الصّٰفّٰت: ۱۰۱ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے وہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں' کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں' اور تمام مسلمانوں کا اور تمام اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں' بلکہ اہل کتاب کی کتابوں میں (مثلاً تورات میں) یہ تصریح ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی (۸۶) سال تھی' اور جس وقت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے (۹۹) سال تھی' اور ان کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں' اس کے باوجود انہوں نے کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحاق کو ذبیح کہا' اور ان کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ خود تورات کی تصریحات کے خلاف ہے' اور انہوں نے حضرت اسحاق کو اس لیے ذبیح کہا کہ وہ اسرائیلیوں کے والد ہیں اور حضرت اسماعیل عربوں کے والد تھے' اس لیے انہوں نے عربوں سے حسد رکھنے کی بناء پر یہ تحریف کی' اور انہوں نے اکلوتے بیٹے کا یہ معنی کیا کہ اس وقت وہ بیٹا باپ کے پاس نہ ہو' کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل مکہ مکرمہ میں اپنی ماں ہاجر کے پاس تھے' حالانکہ اکلوتے کا معنی یہ ہے کہ اس وقت باپ کا صرف ایک بیٹا ہو اور جب حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس وقت آپ کے صرف ایک ہی بیٹے تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نیز پہلوٹھی کا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بہ نسبت زیادہ پیارا اور عزیز ہوتا ہے اس لیے اگر بیٹے کو ذبح کرانے سے باپ کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تو آزمائش کے زیادہ قریب یہ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے اور چونکہ پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل ہیں اس لیے ذبیح بھی وہی ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں حتیٰ کہ یہ قول بعض صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے نہ سنت میں' اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ قول اسرائیلیات سے منقول ہے۔ اور بعض مسلم علماء نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو اختیار کر لیا' اور یہ اللہ کی کتاب اس طرف رہ نمائی کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ

اس میں حضرت ابراہیم کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے اور پھر ان کے ذبح ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے' اور اس کے بعد حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو کہا ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

القرظی بیان کرتے ہیں کہ علماء یہود میں سے ایک عالم مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام میں بہت نیک کام کیے' اس سے عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا حضرت ابراہیم کے دو بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اس نے کہا حضرت اسماعیل کو' پھر اس نے کہا اے امیر المومنین! یہود کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لیکن وہ آپ عرب لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ کے باپ کو ذبح کا حکم دیا گیا ہو اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ذبیح اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جس مینڈھے کو بہ طور فدیہ ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں رہے تھے اور حضرت ابن الزبیر اور حجاج کی جنگ میں وہ سینگ جل گئے۔

شعبی نے کہا میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے اس مینڈھے کے سر کو سینگوں سمیت کعبہ کے پرنالہ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا ہے وہ سر خشک ہو چکا تھا۔

اصمعی کہتے ہیں میں نے ابوعمرو بن العلاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے حضرت اسحاق یا حضرت اسماعیل علیہما السلام؟ تو انہوں نے کہا اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحاق مکہ میں کب آئے تھے! مکہ میں تو حضرت اسماعیل آئے تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل کی توضیح

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کی مزید وضاحت حسب ذیل امور سے ہوتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۔ پس ہم نے (ابراہیم کی بیوی سارہ کو) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ (ھود: ۷۱)

پس اگر ذبیح حضرت اسحاق ہیں تو ان کو ذبح کرنے کا حکم حضرت یعقوب کے پیدا ہونے سے پہلے دیا جائے گا یا ان کے ذبح ہونے کے بعد دیا جائے گا' پہلی صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو حضرت اسحٰق کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ہی یہ بشارت دی کہ حضرت اسحاق سے ان کے بیٹے حضرت یعقوب پیدا ہوں گے تو حضرت یعقوب کے پیدا ہونے سے پہلے حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم دینا صحیح نہیں ہے ورنہ حضرت اسحاق کے بعد ان سے حضرت یعقوب کے پیدا ہونے کی خبر صحیح نہیں رہے گی' اور اگر حضرت یعقوب کے پیدا ہونے کے بعد حضرت ابراہیم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے اسحاق کو ذبح کر دیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کے بالغ ہونے سے پہلے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ اس کے ایک بچہ کے باپ ہونے کے بعد اس کو یہ حکم دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ. (الصّٰفّٰت:۱۰۲)

پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی فرمائے گا O (الصّٰفّٰت:۹۹)

پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس مسافرت میں ان کو ایک نیک بیٹا عطا فرمائے جس سے وہ مانوس ہوں (الصّٰفّٰت:۱۰۰) اور یہ سوال اسی وقت صحیح ہوگا جب ان کا اس سے پہلے بیٹا نہ ہو ورنہ یہ تحصیل حاصل ہوگی' اور مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق سے پہلے پیدا ہوئے تھے' پس ثابت ہو گیا کہ اس دعا سے مطلوب حضرت اسماعیل کی پیدائش ہے پھر اس دعا کے بعد الصّٰفّٰت: ۱۰۷-۱۰۲ میں اللہ تعالیٰ نے ذبح کا قصہ بیان فرمایا ہے پس ثابت ہو گیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا تورات سے ثبوت

(۳) ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ تورات کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' اب ہم ان آیات کو پیش کر رہے ہیں: درج ذیل آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے اور پہلوٹھی کے بیٹے تھے۔

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی O اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا O اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا' شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ اور ابرام نے ساری کی بات مانی O اور ابرام کو ملکِ کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے O اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی O (پیدائش باب:۱۶' آیت:۴-۱' تورات ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا' اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش' باب:۱۶' آیت:۱۱' تورات ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا O اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا O (پیدائش' باب:۱۶' آیت:۱۶-۱۵' ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اب جو آیات ہم ذکر کر رہے ہیں ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل کے پیدا ہونے کے بعد حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے:

اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا' اس کا نام سارہ ہوگا O اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا' یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے O تب ابراہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ O اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے O تب خدا نے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو ان کا نام اضحاق رکھنا اور

میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا O

(پیدائش۔باب: ۱۷' آیت: ۱۹۔۱۵' تورات ص ۱۷۔۱۶' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور۔۱۹۹۲ء)

حسب ذیل آپ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا:

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابراہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں O تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا O

(پیدائش' باب ۲۲' آیت: ۲۔' تورات ص ۲۱' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اب آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا' اور حضرت اسحاق ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی موجود تھے جو ان سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہی اکلوتے تھے' یہودیوں نے تورات کی اس آیت میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق کا نام ڈال دیا لیکن اس آیت میں اکلوتے کا لفظ ان کی تحریف کی چغلی کھا رہا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلقوم کٹنے سے محفوظ رہنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا

الصّٰفّٰت: ۱۰۵ میں ہے: بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خواب تو سچا تب ہوتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیتے' واقع میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے تھے پھر ان کا خواب کس طرح سچا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب میں انہوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ انہوں نے حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیا ہے انہوں نے خواب میں صرف اتنا دیکھا تھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں سو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیری' اب اگر چھری نے گلا نہیں کاٹا اور خون نہیں بہا تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل ذبح میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اسی طرح تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھیلے کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اب حضرت اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہو چکا تھا' اور جس میں آپ کا نور ہو اس کو چھری کیسے کاٹ سکتی ہے' آپ نے خود فرمایا ہے کہ ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں (المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۶۲) نیز ابھی آپ کا نور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے دوسرے نفوس قدسیہ میں منتقل ہونا تھا اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام بلوغت سے پہلے ہی ذبح کر دیئے جاتے تو تقدیر الٰہی اور منشاء الٰہی کیسے پورا ہوتا اس لیے ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ رکھنا تھا تا کہ ان کی نسل سے ہمارے نبی خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس عالم آب وگل میں رونق افروز ہوں جیسا کہ آپ کا خود ارشاد ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کر لیا' اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۲۷۶' الرقم المسلسل: ۵۸۲۸)

امام ترمذی کی روایت اس طرح ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے

حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا۔ اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲، المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۱۶۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۶۶ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

سو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تھا تو بلوغت سے پہلے حضرت اسماعیل کس طرح ذبح ہو سکتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی جان کا محفوظ رہنا یہ بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصدق تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں

امام ابو القاسم الحسن بن علی ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا ابن الذبیحین "میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں"۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۲۰۵ رقم الحدیث: ۱۶۶۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن سعید الصنابحی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ بن ابو سفیان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، بعض لوگوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگوں نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے جس کو اس کی خبر ہے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا میرے پیچھے شہر خشک ہو چکے ہیں ان کا پانی سوکھ گیا ہے اور بچے ضائع اور ہلاک ہو چکے ہیں تو یا ابن الذبیحین (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ کو جو اللہ نے مال عطا کیا اس میں سے ہم کو کچھ عنایت فرمائیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، پھر ہم نے کہا اے امیر المومنین دو ذبیح کون ہیں؟ حضرت معاویہ نے کہا جب حضرت عبد المطلب نے زمزم کو کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمزم کی کھدائی کو آسان کر دیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو ذبح کر دیں گے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی تو حضرت عبد اللہ کا نام نکل آیا، انہوں نے حضرت عبد اللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنو مخزوم میں جو ان کے ماموں تھے انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا آپ کے رب کی زمین بہت وسیع ہے آپ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیجئے تو حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کر دیئے تو حضرت معاویہ نے کہا دو ذبیحوں میں سے ایک ذبیح حضرت عبد اللہ ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۵۴ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۴۰۳۶)

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے انا ابن الذبیحین "میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں" حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں، اسی طرح حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۵۸، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰، الدر المنثور ج ۷ ص ۹۳)

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ ھ، علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ ھ اور حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے حضرت عبد المطلب کی نذر ماننے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ جب زمزم کی کھدائی کے وقت حضرت عبدالمطلب کی قریش سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا کیے اور وہ سب جوان اور صحت مند ہو کر ان کی مہمات میں ان کے معاون ہوئے تو وہ ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے' سب سے چھوٹے اور محبوب بیٹے حضرت عبداللہ تھے' جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا' ان سب نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہم سے جس کو بھی حکم دیں گے وہ اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دے گا' سب مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے اور فال نکالنے والے کو بلایا گیا' ہر بیٹے کا نام ایک تیر پر لکھ دیا گیا' جب فال نکالی گئی تو حضرت عبداللہ کے نام والا تیر نکل آیا' حضرت عبدالمطلب ان کو ذبح کرنے کے لیے اور حضرت عبداللہ ذبح ہونے کے لیے تیار تھے مگر قریش کے سرداروں نے مزاحمت کی اور کہا اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی یہ رسم چل پڑی تو پھر کسی شخص کا بیٹا سلامت نہیں رہے گا' غرض حجاز کی ایک کاہنہ سے فیصلہ کرایا گیا اس نے کہا دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے نام میں قرعہ اندازی کرو' اگر دس اونٹ نکل آئیں تو ان کو ذبح کر دینا اور اگر پھر بھی حضرت عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دینا اور پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرنا' اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہنا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ کے بجائے سواونٹوں کے نام قرعہ فال نکل آئے' غرض جب سواونٹوں اور حضرت عبداللہ کے نام کا قرعہ نکالا گیا تو سواونٹ نکل آئے اور حضرت عبداللہ کی جگہ سواونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ص ۱۹۲۔۱۸۸ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' الروض الانف ج ۱ص ۲۷۲۔۲۷۱' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' البدایہ والنہایہ ج ۲ص ۲۰۰ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی ۴۵۰ھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ کے فدیہ میں سواونٹ ذبح کر دیئے گئے تو عرب میں یہ رسم مقرر ہوگی کہ انسان کی دیت سواونٹ ہوگی' سواونٹ ذبح کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے اور اس وقت سے حضرت عبداللہ ذبیح کے نام سے مشہور ہو گئے' اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا ابن الذبیحین ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں'' ایک ذبیح حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل اور انعام ہے۔

(اعلام النبوۃ ص ۲۳۳۔۲۳۲' ملخصاً دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ)

صرف حضرت اسمٰعیل نہیں بلکہ ہر مسلمان آپ کی وجہ سے ذبح ہونے سے محفوظ رہا

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اس وقت قبول ہوئی جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توبہ کی' بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا: میں تجھ سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کیا ہے! اور کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا تیرا نام برکت والا ہے تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا شخص کون ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں آخر النبیین ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں آخری امت ہے'

اور اے آدم اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳' مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۹۸' ریاض' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۱' ج ۲ ص ۳۲۲' دارالفکر' مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶' دارالجیل' ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہونے سے محفوظ رہے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان کی پشت میں جلوہ گر تھے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ بھی اس آگ میں جلنے سے اس لیے محفوظ رہے کہ اب آپ ان کی پشت میں موجود تھے' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر بھی چھری اس لیے نہیں چلی کہ اب آپ ان کے اندر موجود تھے اور آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو ذبح ہونے سے بچ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اب آپ کا نور ان میں منتقل ہو چکا تھا' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر جناب عبداللہ تک اپنے تمام آباء کے وجود سے مشرف ہونے میں آپ وسیلہ ہیں' ہوتا یہ ہے کہ باپ کی وجہ سے بیٹے کا وجود ہوتا ہے اور بیٹے کے وجود پر اس کے باپ کا احسان ہوتا ہے مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منفرد بیٹے ہیں کہ آپ کا اپنے تمام آباء پر احسان ہے اور حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک آپ کے سلسلہ نسب میں جس قدر آباء ہیں ان میں سے جو بھی وجود سے مشرف ہوا وہ آپ کے وسیلہ سے اور آپ کی وجہ سے موجود ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا. (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے الگ حق کی طرف مائل تھے۔

اس آیت میں ہمیں بھی حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کا حکم ہے' اور حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸' المطبرانی رقم الحدیث: ۵۰۷۵)

اس کا معنی یہ ہوا کہ اگر حضرت ابراہیم کے ہاتھوں حضرت اسماعیل ذبح ہو جاتے تو پھر حضرت ابراہیم کی سنت یہ ہوتی کہ ہر باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور ہمیں ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو ہم پر بھی لازم ہوتا کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں' سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت میں جلوہ گر ہونے کی وجہ سے صرف ان کی جان نہیں بچی بلکہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے بیٹوں کی گردنیں بچ گئیں اور ہر شخص کی بقا میں اس کی گردن پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے' یہ صرف حضرت آدم کی تخلیق اور حضرت اسماعیل کی بقا کی بات نہیں ہے کائنات کے ہر شخص کی تخلیق اور اس کی بقا آپ کی وجہ سے ہوئی بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کے زیر احسان ہے۔

حضرت ابراہیم کے خواب کا سچا ہونا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا سچا ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور بیداری میں یہ حکم نہیں دیا گیا' اس کی حکمت یہ تھی کہ اس حکم پر عمل کرنے میں ذبح کرنے والے اور ذبح کیے جانے والے دونوں کے لیے بے حد مشقت تھی' اس لیے پہلے انہیں خواب میں یہ دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں پھر اس کی تاکید کے لیے خواب میں ان کو یہ حکم دیا گیا تاکہ اس پُر مشقت حکم کا ان کو بہ تدریج مکلف کیا جائے اور اس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی حق اور وحی ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (الفتح: ۲۷) بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔

اور واقع میں ایسا ہی ہوا سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لیے مسجد حرام میں اپنے اصحاب کے ساتھ داخل ہو گئے' اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح مذکور ہے:

اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ. (یوسف: ۴) میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے دیکھا کہ وہ میرے لیے سجدہ ریز ہیں۔

پھر اس خواب کا صدق اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں اور ان کے ماں باپ نے آپ کو سجدۂ تعظیم کیا' اور یہ خواب معنوی طور پر صادق ہو گیا کہ گیارہ ستاروں کی جگہ ان کے گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا اور سورج اور چاند کی جگہ ان کے والدین نے ان کو سجدہ کیا' اور ان کا یہ خواب معنوی طور پر صادق ہوا۔

اور حضرت ابراہیم کا خواب اس طرح مذکور ہے:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ. (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس خواب کا صدق اس طرح ظاہر ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا رہے تھے کہ ان کی چھری کے نیچے مینڈھا لا کر رکھ دیا گیا اور حضرت اسماعیل کی جگہ مینڈھا ذبح کر دیا گیا اور یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب بھی معنوی طور پر صادق ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف دونوں کے خواب صادق تھے لیکن معنوی طور پر اور تاویل سے صادق ہوئے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے واقع میں بھی ایسا ہی ہوا اور آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ سو دیگر انبیاء علیہم السلام کے خواب معناً اور تاویلاً صادق ہیں اور آپ کے خواب ظاہراً اور حساً صادق ہیں' اسی طرح آپ نے خواب میں اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳) پھر آپ نے شب معراج واقع میں اپنے رب کو دیکھ لیا اور آپ کا یہ خواب بھی ظاہراً اور حساً صادق ہے' سو خوابوں کے اعتبار سے جیسے آپ صادق ہیں کائنات میں ایسا کوئی صادق نہیں ہے' سب نبیوں اور ولیوں نے سن کر کہا اللہ ایک ہے اور آپ نے دیکھ کر کہا اللہ ایک ہے' سب نے سن کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی اور آپ نے دیکھ کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی' سو واضح ہو گیا کہ کائنات میں نہ آپ ایسا کوئی صادق ہے نہ آپ ایسا کوئی شاہد ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے اسرار اور نکات بیان کرنے کے بعد اب ہم قربانی کے فضائل اور احکام سے متعلق احادیث بیان کر رہے ہیں:

قربانی کے فضائل کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے جانور کا

خون بہانے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی عمل محبوب نہیں ہے' اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے سو تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا قربانی کرنے والے کو قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور آپ ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے جانور کی نگہبانی کرو اور اس کے پاس موجود رہو کیونکہ اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ اجر صرف ہم اہل بیت کے لیے خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے' آپ نے فرمایا بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۵۹۴۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ بن قیس ہے اس پر کافی جرح کی گئی ہے' لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس موجود رہو کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ تمہارے ہر کیے ہوئے گناہ کی مغفرت کر دی جائے گی' اور تم یہ دعا کرو: ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین حضرت عمران نے پوچھا یا رسول اللہ! آیا یہ فضیلت آپ اور آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ نے فرمایا تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ابوحمزہ الثمالی' ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ روپیہ ہے جو قربانی کرنے کے لیے خرچ کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۸۹۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ابراہیم بن یزید الخوزی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا: اس دن اللہ کے نزدیک کوئی عمل اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کہ قربانی کے جانور کا خون بہایا جائے ماسوا اس کے کہ کوئی شخص کٹے ہوئے رشتہ کو جوڑے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں الحسن بن یحییٰ الخشنی ضعیف ہے لیکن ایک جماعت نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں! مسلمانوں نے پوچھا ان میں ہمارے لیے کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی قربانیوں کے لیے عمدہ جانور تلاش کرو

کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۶۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۱۷۷' حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۴۸۴)

قربانی کے فضائل میں ہم نے جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر کی اسانید ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ان کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

قربانی کے شرعی حکم سے متعلق احادیث

حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان عرفات میں وقوف کر رہے تھے' میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال میں اضحیہ (قربانی) اور عتیرہ ہے' کیا تم جانتے ہو عتیرہ کیا چیز ہے؟ یہ وہی ہے جس کو تم رجبیہ کہتے ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۱۵۹)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عتیرہ تو ابتدائے اسلام میں مشروع تھا بعد میں منسوخ ہو گیا تھا' اور اس حدیث میں عتیرہ کے وجوب کا حجۃ الوداع کے موقع پر ذکر کیا گیا اور وہ عہد رسالت کا اخیر زمانہ ہے۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

عرب نذر مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو وہ رجب میں ایک قربانی کریں گے اس کو وہ عتیرہ اور رجبیہ کہتے تھے' عتیرہ ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا' علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں عتیرہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو بکری رجب میں ذبح کی جاتی تھی اس کو عتیرہ اور رجبیہ کہتے تھے' یہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا اور جو عتیرہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا یہ وہ ذبیحہ تھا جو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا اور اس کا خون بتوں کے سروں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۳ ص ۲۴۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا اضحیہ (قربانی) واجب ہے' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے' اس نے اپنا سوال دہرایا تو حضرت ابن عمر نے کہا کیا تم کو عقل ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور آپ قربانی کیا کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸' مسند احمد ج ۲ ص رقم الحدیث: ۴۹۵۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس امت کے لیے (یوم الاضحیٰ کو) عید کا دن قرار دوں' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر مجھ کو منیحہ (عاریۃً لی ہوئی بکری) کے سوا اور کوئی بکری نہ ملے تو کیا میں اسی کو ذبح کر دوں! آپ نے فرمایا نہیں! لیکن تم اپنے بالوں کو اور ناخنوں کو کاٹ لینا اور مونچھوں کو تراش لینا اور زیر ناف بال مونڈ لینا تو اللہ کے نزدیک یہ تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۷۷)

ایک جانور کی قربانی میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہم نے گائے کی قربانی کی اور اس میں سات آدمی شریک ہوئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۷ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۰۵ مسند احمد ج [illegible])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا سو ہم گائے میں سات افراد شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۱ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۴ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۵)

اسحٰق بن راھویہ نے اس ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور وہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کو جائز کہتے ہیں' اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ اونٹ میں بھی صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کی قربانی بھی سات افراد کی طرف سے ہو سکتی ہے اور اونٹ کی قربانی بھی سات افراد کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نفلی) قربانی کی اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۹)

حجیہ بن عدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے' میں نے پوچھا اگر وہ بچہ دے دے؟ فرمایا کہ اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ ذبح کر دو' میں نے کہا اگر وہ لنگڑی ہو؟ فرمایا جب وہ قربانی کی جگہ تک چل کر جا سکے (تو جائز ہے) میں نے پوچھا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ فرمایا کوئی حرج نہیں' ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم اس کی آنکھوں کو اور اس کے کانوں کو اچھی طرح دیکھ لیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۷ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۴ مسند احمد ج ۱ ص ۹۵)

جو جانور لنگڑا ہو اور اس کا لنگ ظاہر ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح آئے گی۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قربانی کے جانور ثنی یا اس سے زیادہ عمر کے ہونے چاہئیں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۷۰ کتاب الحج باب العمل فی الھدی حین یساق)

ثنی سے مراد ہے دو دانت والا' اور اس کا مصداق ایک سال کا بکرا ہے اور دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ۔

(جامع الاصول ج ۳ ص ۳۵۰)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں صرف ایک بکری ذبح کرتے تھے' ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کیا کرتا تھا' پھر اس کے بعد لوگوں نے اس پر فخر کرنا شروع کر دیا اور قربانی فخر اور امارت کے اظہار کا ذریعہ ہو گئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۶۹ باب الشرکۃ عن الضحایا)

امام احمد کا مسلک اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے کہ ایک بکری میں بھی کئی افراد شریک ہو سکتے ہیں' غیر مقلدین کا بھی یہی مسلک ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے' اور فقہاء احناف اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایک بکری میں متعدد افراد شریک نہیں ہو سکتے صرف گائے اور اونٹ میں سات افراد تک شریک ہو سکتے ہیں (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۷۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ) جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ گھر کے متعدد افراد جن پر قربانی واجب نہ ہو ان سب کی طرف سے ایک بکری کی قربانی جائز ہے' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے

لیکن جن پر قربانی واجب ہے تو ایک شخص ایک بکری کی قربانی کرے گا یا گائے اور اونٹ میں ایک حصہ ڈالے گا اور جن متعدد افراد پر قربانی واجب ہے وہ ایک بکری میں شریک نہیں ہو سکتے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ قربانی کو فخر کے اظہار کا ذریعہ بنالیں گے' جیسا کہ ہمارے زمانہ میں لوگ پچاس ساٹھ ہزار کا بہت قد آور اور بہت فربہ بکرا خریدتے ہیں یا کئی کئی لاکھ کا بہت اونچا اور بہت جسیم بیل خریدتے ہیں اس کو قالین پر بٹھاتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر اس کی نمود اور نمائش کرتے ہیں اور صاحب حیثیت لوگ ایسے کئی کئی جانور خریدتے ہیں اور ان کی وڈیو بنواتے ہیں لیکن یہی لوگ جب صدقہ فطر ادا کرتے ہیں تو دو کلو گندم فی نفر کے حساب سے دیتے ہیں چار کلو کھجوریں یا کشمش کے حساب سے نہیں دیتے کیونکہ خاموشی سے تنگ دست اور غریب کے ہاتھ پر پیسے رکھ دینے سے ان کے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں حضرت عائشہ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۸)

حنش بن المعتمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے دو مینڈھے ذبح کیے اور کہا یہ ایک مینڈھا میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا یا کہا اس کی وصیت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷' رقم الحدیث: ۸۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

قربانی کے جانور کی کم از کم کتنی عمر ضروری ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم صرف ایک سال کا بکرا ذبح کرو اگر وہ تم پر دشوار ہو تو چھ ماہ کا دنبہ (مینڈھا) ذبح کر دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۰)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں بکریاں تقسیم کیں میرے حصہ میں صرف چھ ماہ کی بکری آئی آپ نے فرمایا اس کی صرف تم قربانی کر سکتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۰۰۔۲۳۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹)

عاصم بن کلیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت مجاشع بن سلیم کے ساتھ تھے کہ ایک منادی نے ندا کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں چھ ماہ کا دنبہ ثنی کے بدلہ میں کافی ہوتا ہے (ثنی کا معنی ہے دو دانت والا' یہ ایک سال کا بکرا اور دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۰)

وہ عیوب جن کی وجہ سے کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے

عبید بن فیروز بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کون سے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو' ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو' ایسا لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہو' جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو' میں نے کہا جس کی عمر کم ہو وہ مجھے ناپسند ہے انہوں نے کہا جو تم کو ناپسند ہو اس کی قربانی نہ کرو اس کو کسی اور کے لیے حرام نہ کرو۔ سنن ترمذی کی ایک روایت میں ہے نہ اتنی کمزور اور لاغر ہو جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:

۱۴۹۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں اور اس کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو' اور نہ اس کی قربانی کریں جس کا کان چرا ہوا ہو' اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے کان میں سوراخ ہو اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے سینگ کا نصف حصہ یا اس سے زائد ٹوٹا ہوا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۶_۲۸۰۵_۲۸۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۸۷_۴۳۸۶_۴۳۸۵)

یزید ذومصر بیان کرتے ہیں کہ میں عتبہ بن عبد السلمی کے پاس گیا اور میں نے کہا اے ابو الولید! میں قربانی کے جانور ڈھونڈنے کے لیے گیا مجھے صرف ایک جانور پسند آیا جس کے دانت گر چکے تھے' سو میں نے اس کو ناپسند کیا تو آپ کیا کہتے ہیں' انہوں نے کہا تم اس کو لے آؤ' میں نے کہا سبحان اللہ! وہ قربانی آپ کے لیے جائز ہوگی جو میرے لیے جائز نہیں ہے! انہوں نے کہا ہاں! کیونکہ تم شک کر رہے ہو اور میں شک نہیں کر رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کی قربانی سے منع کیا ہے جس کا کان جڑ سے کٹا ہو اور صرف اس کا سوراخ ہو اور اس سے منع فرمایا ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو' اور اس سے منع فرمایا ہے جس کی آنکھ پھوٹی ہوئی ہو اور اس سے منع فرمایا ہے جو اس قدر دبلی ہو کہ بکریوں کے ساتھ چل کر نہ جا سکے اور جس کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵)

نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس کے بدلہ میں دوسری قربانی کرو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس تو اب چھ ماہ کا بکرا ہے' جو ایک سال کے بکرے سے زیادہ فربہ ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسی کی قربانی کر دو' لیکن تمہارے بعد یہ قربانی کسی اور کے لیے کافی نہیں ہوگی' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد واپس آ کر قربانی کرتے ہیں' جس نے اس طرح کیا تو اس نے ہمارے طریقہ کو پا لیا اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا تو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے گوشت مہیا کیا ہے اور یہ قربانی بالکل نہیں ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری (فرض کردہ) نماز پڑھی اور ہماری (واجب کردہ) قربانی کی وہ نماز پڑھنے سے پہلے قربانی نہ کرے' تو میرے ماموں نے کہا میرے بیٹے نے تو قربانی کر دی ہے' آپ نے فرمایا یہ وہ چیز ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی مہیا کی ہے' انہوں نے کہا میرے پاس ایک بکری ہے جو دو بکریوں سے بہتر ہے' آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر دو وہ تمہاری بہترین قربانی ہے۔ یہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات ہیں اور امام ترمذی کی روایت ہے: انہوں نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک قربانی نہ کرے حتیٰ کہ نماز عید پڑھ لے' میرے ماموں نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اس دن میں یہ گوشت پسندیدہ ہے اور میں نے اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لیے (نماز عید سے پہلے) جلدی سے قربانی کر لی' آپ نے فرمایا: تم دوسری قربانی کرو' میرے ماموں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دودھ پیتا بکری کا بچہ ہے اس میں دو بکریوں سے بہتر گوشت ہے کیا میں اس کو ذبح کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ تمہاری سب سے بہترین قربانی ہے اور تمہارے بعد وہ اور کسی سے کفایت نہیں کرے گی۔ اور امام ابو داؤد اور امام نسائی کی روایت اس طرح

ہے: انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی اس نے ہماری قربانی کو پالیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی وہ اس کی بکری کا گوشت ہے' پس حضرت ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے نماز عید کی طرف جانے سے پہلے قربانی کرلی اور مجھے معلوم تھا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے تو میں نے جلدی سے قربانی کر کے کھالی اور میں نے خود کھایا اور اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلایا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے' انہوں نے کہا میرے پاس چھ ماہ کا ایک بکری کا بچہ ہے اور اس میں دو بکریوں سے بہتر گوشت ہے کیا یہ مجھ سے کفایت کرے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں' اور تمہارے بعد اور کسی سے کفایت نہیں کرے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۳_۵۵۶۳_۵۵۶۰_۵۵۵۷_۵۵۵۶_۹۸۳_۹۷۶_۹۶۸_۹۶۵_۹۵۵_۹۵۴_۹۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۸۸_۱۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۲)

حضرت جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا' نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے نماز عید سے پہلے قربانیاں کردی ہیں' آپ نے فرمایا: جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نماز عید پڑھائی' کچھ لوگوں نے پہلے نحر کرلیا تھا (اونٹ کو کھڑا کرکے اور اس کا ایک پیر باندھ کر اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مار کر قربانی کی جاتی ہے اس کو نحر کہتے ہیں) ان کا یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کرچکے ہیں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جس شخص نے آپ سے پہلے نحر کیا ہے وہ دوبارہ نحر کرے' اور جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر نہ کرلیں وہ نحر نہ کریں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۸' ج ۳ ص ۲۹۴' ج ۳ ص ۳۲۴)

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کی کیفیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جس کے پیر سیاہ ہوں' آنکھیں سیاہ ہوں اور باقی جسمانی اعضاء سیاہ ہوں' وہ آپ کے پاس قربانی کرنے کے لیے لایا گیا' آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ' پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کرو' پھر چھری لے کر مینڈھے کو پکڑ کر گرایا' پھر اس کو ذبح کرنے لگے اور پڑھا بسم اللہ! اے اللہ اس کو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما' پھر اس کو قربان کردیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن دو سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کو قبلہ کی طرف متوجہ کیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهيم حنيفا وما انا من المشركين ان صلوتی ونسكی ومحيای ومماتی لله رب العلمين ' لا شريک له وبذالک امرت

میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے یہ حضرت ابراہیم کی ملت پر ہے جو ادیانِ باطلہ سے اعراض کرنے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری

وانا من المسلمین اللهم منک ولک اللهم عن محمد وامته بسم الله والله اکبر.

موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اسی (کی عبادت) کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں' اے اللہ یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے اے اللہ (اس کو قبول فرما) (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور ان کی امت کی طرف سے' اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر آپ نے اس کو ذبح کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵)

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس گئے وہ اس وقت اپنے اونٹ کو بٹھا کر اس کو نحر کر رہا تھا' حضرت ابن عمر نے فرمایا اس کو کھڑا کر و اس حال میں کہ اس کا ایک پیر بندھا ہوا ہو' یہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۲۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹنی کو نحر کرتے تھے اس کا الٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑی ہوتی تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۷)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن قربانی کا دن ہے پھر اس کے بعد دوسرا دن' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں وہ سب آپ کے قریب ہو رہی تھیں کہ آپ کس سے قربانی کی ابتداء کرتے ہیں' جب وہ سب پہلو کے بل گر گئیں تو آپ نے آہستہ سے کوئی بات کہی جس کو میں نہیں سمجھ سکا' میں نے پوچھا آپ نے کیا فرمایا ہے؟ فرمایا جو چاہے ان کا گوشت کاٹ کر لے جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰)

ہم لوگ رسیوں سے قربانی کے جانور کو باندھ کر زبردستی اپنے قریب کرتے ہیں پھر اس کو ذبح کرتے ہیں' اور اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی تھیں اس لیے از خود آگے بڑھ بڑھ کر اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کر رہی تھیں کہ کون سب سے پہلے آپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کا شرف حاصل کرتی ہے۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف   بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

جنگل کی تمام ہرنیاں اپنے سروں کو اپنی ہتھیلیوں پر لیے پھر رہی ہیں   اس امید پر کہ کسی روز وہ محبوب شکار کرنے کے لیے آئے گا (تو اس کو ہمارا سر کاٹنے کی زحمت نہ ہو ہم خود ہی اپنے سروں کو اپنی ہتھیلیوں پر لیے پھر رہی ہیں)۔

قربانی کی کوئی چیز قصائی کو اجرت میں نہ دی جائے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا میں نے قربانی کی اونٹنیوں کی نگہبانی کی اور ان کے گوشت کو تقسیم کیا' پھر مجھے حکم دیا کہ ان کی جھول (قربانی کے جانور کے اوپر ڈالا ہوا کپڑا) اور ان کی کھال کو بھی تقسیم کر دوں' اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں قربانی کی اونٹنیوں کی حفاظت کروں اور اس میں سے کوئی چیز قصائی کی اجرت میں نہ دوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہمیں اس کے گوشت' کھال اور جھول کو صدقہ

کرنے کا حکم دیا اور اس میں سے قصاب کو اجرت دینے سے منع فرمایا اور ہم اپنے پاس سے اس کو اجرت دیتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۹۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۳۷۴)

قربانی کے فضائل اور احکام سے متعلق احادیث بیان کرنے کے بعد اب قربانی کے حکم میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں اور اس کے بعد ان شاء اللہ قربانی کے ایام کی تعداد کی تحقیق کریں گے۔

قربانی کے حکم میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنا سنت ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے، حضرت انس نے کہا میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۲۔۱۴۔۱۷ اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سرمئی مینڈھوں کی قربانی کی اور ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر کہا اور ان کے سینوں پر اپنا پیر رکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۶۵) اور قربانی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس لیے قربانی نہیں کرتے تھے کہ قربانی کو واجب نہ سمجھ لیا جائے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۶۵۔۲۶۴، معرفۃ السنن والآثار ج ۷ ص ۱۹۷)

(المہذب ج ۱ ص ۲۳۷، دار الفکر بیروت)

اس اثر کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے اس کو سند منقطع سے روایت کیا ہے اس لیے یہ حجت نہیں ہے ثانیاً اس کی توجیہ یہ ہے کہ جن سالوں میں حضرت ابوبکر اور عمر نے قربانی نہیں کی ان سالوں میں ان پر قربانی واجب نہیں تھی کیونکہ ان سالوں میں وہ صاحب نصاب نہیں تھے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے اور یہ شعار ظاہر ہے اور جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو اس کو قربانی کی حفاظت کرنی چاہیے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

علامہ شیرازی نے قربانی کے سنت ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو استدلال کیا ہے اس سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ فرض اور واجب کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا ہے مثلاً حج کیا ہے، فرض نمازیں پڑھی ہیں تو اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ حج اور پانچوں وقت کی نمازیں سنت ہیں، اسی طرح آپ نے جو قربانی کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صرف سنت ہو اور واجب نہ ہو، رہا یہ کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر قربانی نہیں کرتے تھے تو یہ روایت بلاغات سے ہے اور منقطع ہے اور منقطع اثر حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سالوں میں ان پر قربانی واجب نہیں تھی جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں۔

قربانی کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے (پہلی دلیل وہی ہے جس کا علامہ شیرازی شافعی نے ذکر کیا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذوالحجہ کے دس دن داخل ہوں اور تم میں

سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے نہ ناخن کاٹے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۹، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۶۶، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۹) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف مفوض کیا ہے اگر قربانی واجب ہوتی تو آپ اس طرح نہ فرماتے۔

(الکافی ج ۱ ص ۵۴۳-۵۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ جس شخص نے اس قربانی کو ادا کرنے کا ارادہ کیا جو واجب ہے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، جس طرح کہا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ دینے کا ارادہ کرے تو ان فقراء سے ابتدا کرے جو اس کے رشتہ دار ہوں یا جو شخص نماز فجر پڑھنے کا ارادہ کرے تو رات کو جلدی سو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زکوٰۃ اور نماز فجر فرض نہ ہوں۔

قربانی کے حکم میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابو البرکات احمد الدردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ لکھتے ہیں:

آزاد شخص خواہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، اپنے وطن میں ہو یا سفر میں، اس پر قربانی کرنا بعینہ سنت ہے، بہ شرطیکہ وہ حج کرنے والا نہ ہو۔ (الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الفکر بیروت)

اور علامہ محمد عرفۃ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

مشہور قول یہی ہے کہ قربانی کرنا سنت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

(حاشیۃ الدسوقی علی شرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الفکر بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے نہ ناخن، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ واجبات ارادہ پر موقوف نہیں ہوتے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ائمہ ثلاثہ جو قربانی کے وجوب کی نفی کرتے ہیں ان سب کی دلیل یہی حدیث ہے، اور ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کرنا واجب ہے اب ہم فقہاء احناف کا مذہب اور ان کے دلائل پیش کریں گے۔

قربانی کے حکم میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قربانی غنی (صاحب نصاب) پر واجب ہے نہ کہ فقیر پر، بغیر نذر کے اور بغیر قربانی کا جانور خریدنے کے، بلکہ یہ زندگی کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے واجب ہے، اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی میراث کو زندہ کرنے کے لیے، جب ان کو اللہ عزوجل نے مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کے فرزند ارجمند کا فدیہ ہو جائے اور مسلمانوں کے لیے پل صراط پر سواری ہو جائے، اور ان کے گناہوں کی بخشش اور ان کی خطاؤں کا کفارہ ہو جائے، اس معنی پر احادیث کثیرہ ناطق ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

امام ابو یوسف کی دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض کی گئی ہیں اور تم پر فرض نہیں کی گئیں، وتر، چاشت کی نماز

اور قربانی۔ (مسند احمد ج ۱ص ۲۳۱ سنن دارقطنی ج ۲ص ۲۱ المستدرک ج ۱ص ۳۰۰ السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۶۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام احمد' امام بیہقی' امام ابن الصلاح' امام ابن الجوزی اور علامہ نووی وغیرھم نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (تلخیص الحبیر ج ۲ص ۵۰۳)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کی سند ضعیف ہے ثانیاً اس میں قربانی کی فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نفی نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. (الکوثر: ۲) آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وانحر کا معنی جس طرح ہے: قربانی کیجئے اسی طرح اس کا معنی یہ بھی ہے کہ نماز میں اپنے ہاتھ سینہ پر رکھیے یا نماز میں اپنا سینہ قبلہ کی طرف رکھیے' اس کا جواب یہ ہے کہ موخر الذکر دونوں معنی تو فصل سے حاصل ہو گئے اب اگر وانحر کا بھی یہی معنی ہو تو تکرار ہوگی اور جب وانحر کا معنی کیا جائے گا قربانی کیجئے تو اس سے فائدہ جدیدہ حاصل ہوگا سو وانحر کو قربانی پر محمول کرنا واجب ہے۔

اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ضحوا وطیبوا بھا انفسکم. خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴۔ ۸۱۶۷ قدیم' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امر اصل میں وجوب کے لیے آتا ہے' خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو۔ نیز آپ نے فرمایا:

علی اھل کل بیت فی کل عام اضحیۃ وعتیرۃ. ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۵)

اور علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے' اور عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا' نیز آپ کا ارشاد ہے:

من لم یضح فلا یقربن مصلانا. جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۳' مسند احمد ج ۲ص ۳۲۱' المستدرک ج ۲ص ۳۸۹' ج ۴ص ۲۳۱' سنن کبریٰ ج ۹ص ۲۶۰)

اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر وعید ہے اور وعید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے' نیز آپ کا ارشاد ہے:

من ذبح قبل الصلاۃ فلیعد اضحیتہ. جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' مسند احمد ج ۴ص ۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ص ۲۸۰۔ ۲۷۵' ملخصاً دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قربانی کے حکم میں مذاہب فقہاء بیان کرنے کے بعد اب ہم قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید بیان کر رہے ہیں' ائمہ ثلاثہ

(امام ابوحنیفہ' امام احمد اور امام مالک) کے نزدیک قربانی صرف تین دن (۱۲'۱۱'۱۰ تاریخوں) میں کرنا جائز ہے اور امام شافعی اور غیر مقلدین کے نزدیک چوتھے دن قربانی کرنا بھی جائز ہے' اب ہم اس مسئلہ کی تفصیل اور تحقیق کر رہے ہیں:

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنے کے ایام قربانی کا دن (دس ذوالحجہ) اور تین ایام تشریق ہیں' یہ ہمارا مذہب ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' حضرت جبیر بن مطعم' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عطاء' حسن بصری' عمر بن عبدالعزیز' مکحول اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کرنے کا جواز قربانی کے دن اور اس کے بعد دو دن تک ہے' حضرت عمر بن الخطاب' دوسری روایت کے مطابق حضرت علی' حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے' امام مالک اور ان کے موافقین کی یہ دلیل ہے کہ دنوں کی تعیین اور تحدید نص سے ثابت ہوتی ہے یا اتفاق سے' اور اتفاق صرف تین دنوں کی تحدید پر ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل ایام التشریق ایام ذبح. — تمام ایام تشریق ایام ذبح ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۸۲' رقم الحدیث: ۱۶۷۵۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۰۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

حضرت جبیر کی حدیث کو امام بیہقی نے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے' سلیمان بن موسیٰ نے اس حدیث کو حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے اور اس نے ان کا زمانہ نہیں پایا' امام بیہقی نے اس حدیث کو اسانید متصلہ سے بھی بیان کیا ہے لیکن وہ تمام اسانید ضعیف ہیں (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۹۶) کیونکہ ان اسانید کا مدار معاویہ بن یحییٰ الصدفی پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا قربانی صرف ایک دن یعنی یوم نحر (دس ذوالحجہ) کو کرنا جائز ہے۔

(شرح المہذب ج ۹ ص ۴۱۹۔۴۱۴ ملخصاً دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ صرف تین دن تک قربانی کرنا جائز ہے' دس ذوالحجہ اور دو دن بعد' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۞ (الحج: ۲۸)

اور ان معروف اور معین دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کے نام کا ذکر کریں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں پھر تم خود بھی ان جانوروں کے گوشت سے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

اس آیت میں ان لوگوں (محمد بن سیرین اور ان کے متبعین) کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف دس ذوالحجہ کے دن جائز ہے کیونکہ اس آیت میں ایام کا لفظ ہے اور یہ جمع کا صیغہ ہے اور اس کو یوم واحد سے تعبیر نہیں کیا جاتا اور اکثر اہل اصول کے نزدیک جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر کیا جاتا ہے پس تین دن تک قربانی کرنا یقینی ہے' لہٰذا اس آیت کو یقینی مقدار پر محمول کیا جائے گا اور تین دن سے زیادہ ایام مراد لینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور وہ ہے نہیں سو قربانی کرنے کا جواز

صرف تین دن میں منحصر رہے گا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۴۰۲ 'دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

صرف تین دن قربانی کرنا جائز ہے' دس ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بکثرت صحابہ سے یہ منقول ہے کہ قربانی تین دن ہے' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آخر ایام تشریق کی بھی ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام منی کلها منحر ''تمام ایام منیٰ قربانی کے دن ہیں'' نیز ان تمام دنوں میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور روزہ نہیں رکھا جاتا۔ پس یہ تمام ایام قربانی کا محل ہیں' ابن سیرین نے کہا قربانی کرنا صرف یوم نحر میں جائز ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا ہے' اور جس دن گوشت کو ذخیرہ کرنا جائز نہیں اس دن قربانی کرنا بھی جائز نہیں ہوگا' نیز چوتھے دن رمی کرنا بھی واجب نہیں ہے' لہٰذا اس دن قربانی کرنا بھی جائز نہیں ہے' اور انہوں نے جو حدیث روایت کی ہے ''منی کلها منحر'' اس میں ایام کا ذکر نہیں' اور تکبیر قربانی سے عام ہے اسی طرح روزہ نہ رکھنا بھی قربانی سے عام ہے کیونکہ ایام تشریق کا پہلا دن جو یوم عرفہ ہے وہ بھی تکبیرات اور روزہ رکھنے کا دن ہے حالانکہ اس دن قربانی جائز نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۵۹ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء احناف کا مذہب

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

قربانی کا ادا کرنا صرف ایام نحر میں جائز ہے اور ہمارے نزدیک ایام نحر صرف تین دن ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایام نحر تین دن ہیں ان میں پہلا دن افضل ہے' اور جب تیسرے دن سورج غروب ہو جائے تو پھر اس کے بعد قربانی جائز نہیں ہے' اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چوتھے دن بھی قربانی جائز ہے' اور یہ ضعیف ہے' کیونکہ یہ قربانی ایام نحر کے ساتھ خاص ہے نہ کہ ایام تشریق کے ساتھ' کیا تم نہیں دیکھتے کہ پہلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اور وہ یوم نحر ہے۔

(المبسوط ج ۱۲ ص ۱۲ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قربانی کے جواز کے لیے صرف تین دنوں کی تخصیص اور تحدید کے متعلق احادیث

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا قربانی صرف قربانی کے دن اور اس کے دو دن بعد تک ہے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۷۷' دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۰ھ' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۶۶۹)

تین دن تک قربانی کی تخصیص پر حسب ذیل احادیث میں ثبوت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے ہم اپنی قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد نہیں کھاتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے بعد بھی گوشت کھانے اور لے جانے کی اجازت دے دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن تک قربانی کا گوشت

کھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۰' مسند احمد ج ۲ ص ۹)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی قربانی کرے تو تین دن کے بعد اس کے پاس گوشت میں سے کوئی چیز بچی نہ رہے' جب دوسرا سال آیا تو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی پچھلے سال کی طرح کریں؟ آپ نے فرمایا تم خود کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو' اس سال لوگ تنگی میں تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ تم تنگی میں ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم قربانی کے گوشت میں نمک لگا کر رکھتے تھے' اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ میں پیش کرتے تھے' آپ نے فرمایا تم اس کو صرف تین دن کھایا کرو' اور آپ نے سختی سے منع نہیں فرمایا' لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اس گوشت میں سے تنگ دستوں کو کھلایا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۴۷۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی میں سے تین دن تک کھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۰)

اس طرح کی اور بہت احادیث ہیں' اور ان تمام احادیث میں تین دن کی تخصیص میں اس پر دلیل ہے کہ قربانی کرنے کا جواز تین دنوں میں منحصر ہے' نیز ہم کہتے ہیں کہ چوتھے دن قربانی کرنا بہرحال مشکوک ضرور ہے' سو غیر مقلدین حضرات کو چاہیے کہ اس دن قربانی کریں جس دن یقینی طور پر قربانی ہو جائے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات دانستہ چوتھے دن قربانی کرتے ہیں۔

قربانی کے منکرین کے شبہات کا ازالہ

قربانی کے منکرین کہتے ہیں کہ قربانی صرف حجاج کے لیے مشروع ہے' اور ہر سال اور ہر شہر میں قربانی کرنا' سنت ابراہیمی ہے نہ سنت محمدی ہے۔

اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قربانی ادا کرنے کا امر عموم اور اطلاق سے فرمایا ہے۔ حج کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا **فصل لربک وانحر** (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر) (الکوثر: ۲) اور احادیث رسول میں اس عموم کی تائید موجود ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک بار حج کیا اور مدینہ میں قیام کی پوری مدت میں ہر سال قربانی ادا فرماتے رہے (ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں دوبارہ قربانی کرنی ہوگی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰) حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵) پس ظاہر ہو گیا کہ قربانی کا حکم حجاج اور مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے ہر شہر میں ہے۔ ثانیاً چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا اور دوسرے فوائد کے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے اس لیے اس نعمت کے شکر کے طور پر جانوروں کی قربانی کا حکم دیا اور یہ نعمت چونکہ حجاج اور غیر حجاج دونوں پر ہے' اس لیے قربانی کا حکم بھی دونوں کے لیے ہے۔ ثالثاً قربانی سنت ابراہیم ہے لقولہ علیہ السلام **سنة ابیکم ابراھیم** (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷) اور سنت ابراہیم کی پیروی حجاج و غیر حجاج دونوں کے لیے لازم ہے **ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا** (النحل: ۱۲۳)

ملت ابراہیم کی پیروی کرو' پس قربانی بھی حجاج وغیر حجاج دونوں پر لازم ہے۔

رہا مال کو ضائع کرنے کا شبہ' تو اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں جو مال خرچ ہوتا ہے وہ اسی شخص کے نزدیک ضائع کہلایا جا سکتا ہے جو خدا اور آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو' ثانیاً قربانی کا گوشت خود کھایا جاتا ہے' احباب کو کھلایا جاتا ہے اور غرباء کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اب اس میں ضائع کیا چیز ہوئی' اپنے کھانے کو تو ضائع نہیں کہہ سکتے اور احباب کے ہدیہ اور غرباء پر صدقہ کو ضائع وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں نہ اپنے رشتہ داروں کی محبت ہو اور نہ غرباء کے لیے ہمدردی۔

فقہاء احناف کے نزدیک قربانی کے جانور کا معیار

عالم گیری میں ہے:

☆ قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ سے سلامت ہونا چاہیے۔ (بدائع الصنائع)

☆ جس جانور کا خلقۃً سینگ نہ ہو یا اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (کافی)

☆ اگر سینگ کی ٹوٹ ہڈی کے جوڑ تک پہنچ گئی تو پھر قربانی جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ اگر جانور اندھا' کانا یا لنگڑا ہو اور اس کے عیوب بالکل ظاہر ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں' اسی طرح اگر اس کی بیماری ظاہر ہو' جس کے دونوں کان کٹے ہوئے ہوں یا جس کی چکتی یا دم بالکل کٹی ہوئی ہو یا جس کا پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں' جس کا کان چھوٹا ہو اس کی قربانی جائز ہے' جس کا ایک کان پورا کٹا ہوا ہو یا جس کا پیدائشی صرف ایک کان ہو اس کی قربانی جائز نہیں' اگر کان' چکتی' دم اور آنکھ کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور کم ضائع ہوا ہو تو پھر جائز ہے' تہائی یا اس سے کم حصہ اگر ضائع ہوا تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ حصہ ضائع ہو گیا تو ناجائز ہے۔ (جامع صغیر و کافی)

☆ جس جانور کے دانت نہ ہوں تو اگر وہ چارا کھالیتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (محیط سرخسی)

☆ جس جانور کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اگر اتنے دانت باقی ہیں جن سے وہ چارا کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری ج ۳ ص ۲۵۳)

☆ جو جانور مجنون ہو گیا ہو تو اگر وہ چارا کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں' خارش زدہ جانور اگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ جس جانور کا کان طول کی جانب سے چیرا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے اسی طرح جس کے کان کا اگلا حصہ یا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا جس کا کان پھٹا ہوا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ حدیث میں جو ایسے جانوروں کی قربانی کی ممانعت ہے وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (ظہیریہ)

☆ جو جانور بھینگا ہو یا جس کا اُون کاٹ لیا گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (قاضی خاں)

☆ جس کے تھن کاٹ لیے گئے ہوں' یا جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں یا جو اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ (محیط سرخسی)

☆ اگر بکری کی زبان کٹی ہوئی ہو اور وہ چارہ کھا سکتی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تاتارخانیہ)

☆ اگر بکری کی زبان نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر گائے کی زبان نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ (خلاصہ)

☆ (جلالہ) جو جانور لید اور گوبر وغیرہ کھاتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں' اگر جلالہ اونٹ ہو تو اس کو چالیس دن بند رکھنا ضروری ہے' گائے کو بیس دن' بکری کو دس دن اور مرغی کو تین دن۔ (قاضی خاں)

☆ جس جانور کی چار ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (خزانہ وتتارخانیہ)

☆ مشائخ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت کا بالکل زائل کر دے یا جمال کو بالکل ضائع کر دے اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کم درجہ کا ہو اس کی وجہ سے قربانی ممنوع نہیں ہے۔

☆ صاحب نصاب نے اس قسم کے عیب والے جانور کو خریدا یا خریدنے کے بعد اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی ممنوع ہے تو ہر صورت میں صاحب نصاب کا اس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں اور جو صاحب نصاب نہ ہو وہ ہر صورت میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔ (محیط) (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۲۹۹۔ ۲۹۷ ملخصاً' مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک افضل قربانی کا بیان اور قربانی کے گوشت کے احکام

☆ خصی جانور کی قربانی نر کی بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (محیط)

☆ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ اونٹ کا ساتواں حصہ افضل ہے یا بکری؟ تحقیق یہ ہے کہ جس کی قیمت زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (ظہیریہ)

☆ اگر قیمت برابر ہو تو گائے کے ساتویں حصہ سے بکری افضل ہے کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (خلاصہ)

☆ زیادہ فربہ' زیادہ حسین اور زیادہ عظیم جانور کی قربانی مستحب ہے' اور بکریوں کی جنس میں سرمئی رنگ کا سینگوں والا خصی مینڈھا افضل ہے' نیز یہ مستحب ہے کہ چھری تیز ہو اور گلے پر چھری پھیرنے کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اس کے تمام اعضاء ٹھنڈے ہو جائیں اور اس کے تمام جسم سے جان نکل جائے اور اس کے جسم کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ قربانی کے جانور سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ تیسرا حصہ صدقہ کرے اور تیسرے حصہ سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی ضیافت کرے اور باقی تیسرے حصہ کو ذخیرہ کرے اور غنی اور فقیر سب کو کھلائے۔
(بدائع الصنائع)

☆ قربانی کے گوشت کو جسے چاہے ہبہ کرے' غنی کو' فقیر کو' مسلم کو اور ذمی کو۔ (غیاثیہ)

☆ اگر قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا یا سارا گوشت اپنے لیے رکھ لیا تو جائز ہے' اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ بھی گوشت کو ذخیرہ کر کے رکھے لیکن اس کو کھلانا اور صدقہ کرنا افضل ہے' البتہ اگر کوئی شخص کثیر العیال ہو تو اس کے لیے افضل اپنے اہل وعیال کو کھلانا ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ اگر قربانی کے جانور کی نذر مانی تھی تو پھر اس کے گوشت کو خود کھانا جائز ہے اور نہ اس میں سے اغنیاء کو کھلانا جائز ہے عام ازیں کہ نذر ماننے والا امیر ہو یا فقیر ہو' کیونکہ اس کا طریقہ اس کو صدقہ کرنا اور صدقہ کرنے والے کے لیے اپنے صدقہ کو خود کھانا جائز ہے نہ اغنیاء کو کھلانا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۰۰۔ ۲۹۹ ملخصاً' مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

قربانی کے دیگر مسائل

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

(۱) قربانی کرنے سے چند ایام پہلے قربانی کے جانور کو باندھنا اس کے گلے میں ہار ڈالنا اور اس پر جل ڈالنا مستحب ہے' اس کو

آہستہ آہستہ قربان گاہ کی طرف لے جایا جائے اس کو سختی سے یا گھسیٹ کر قربان گاہ کی طرف نہ لے جایا جائے۔

(بدائع الصنائع)

(۲) قربانی کے بعد اس کے ہار اور اس کی جُل کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ)

(۳) جب کوئی بکری (یا گائے) قربانی کے لیے خریدے تو اس کا دودھ دوھ کر یا اس کے بال کاٹ کر نفع حاصل کرنا مکروہ ہے' بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو صاحب نصاب نہ ہو اور صاحب نصاب کے لیے قربانی کے جانور کے دودھ یا اُون سے نفع حاصل کرنا جائز ہے (بدائع) اور صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صاحب نصاب اور غیر نصاب دونوں برابر ہیں۔ (غیاثیہ)

(۴) قربانی کی کھال کو صدقہ کر دے یا اس کی مشک یا جراب بنا لے (یا مصلّے اور موزے بنا لے) اور قربانی کی کھال کو فروخت کر کے کسی ایسی چیز کو خریدنا استحساناً جائز ہے جس کو بعینہٖ کام میں لایا جا سکے (مثلاً کتاب یا پنکھا خرید لے) اور اس سے ایسی چیز خریدنا جائز نہیں ہے جس کو بعینہٖ کام میں نہ لایا جا سکے بلکہ اس کو خرچ کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے جیسے طعام اور گوشت وغیرہ' اور اگر کھال کو پیسوں کے عوض فروخت کر دیا تاکہ صدقہ کیا جا سکے تو یہ جائز ہے' کیونکہ یہ بھی کھال کی طرح صدقہ کرنا ہے۔ (تبیین الحقائق)

(۵) قربانی کے گوشت کے بدلہ میں جراب (چمڑے کا ظرف) خریدنا جائز نہیں ہے' البتہ قربانی کے گوشت کے بدلہ میں غلہ یا گوشت خریدنا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

(۶) قربانی کرنے کے بعد اس کی چربی' اس کی سری پائے اس کا اُون' اس کے بال اور دودھ وغیرہ کو ایسی چیز کے عوض فروخت نہ کرے جس سے بعینہٖ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے روپے پیسے اور کھانے پینے کی چیزیں' اسی طرح ان چیزوں کو قصاب کی اجرت میں بھی نہ دے' اور اگر اس نے ان چیزوں کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرے۔ (بدائع الصنائع)

(۷) اگر قربانی کے جانور کے بچہ ہو جائے تو اس بچہ کو بھی اس جانور کے ساتھ ذبح کر دیا جائے اور اگر اس کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے' اور اگر ایام نحر گذر گئے تو اس بچہ کو زندہ صدقہ کر دیا جائے اور اگر بچہ کو ماں کے ساتھ ذبح کیا تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔ (خلاصہ)

(۸) صاحب نصاب قربانی کے جانور کو فروخت کر کے اس کے بدلہ میں دوسرا جانور خرید سکتا ہے اور اگر کچھ پیسے بچ جائیں تو ان کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ) (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۰۲۔۳۰۰ ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

قربانی کے اسرار ورموز

اسوۂ اسماعیل کو تازہ کیا جاتا ہے۔

(۱) اسلامی سال کا آغاز محرم اور اختتام ذوالحج پر ہوتا ہے اور دس محرم کو حضرت حسین کی اور دس ذوالحج کو حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ پتہ چلا اسلام ابتداء سے انتہا تک قربانیوں کا نام ہے۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

(۲) اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں اپنی مرضی سے تصرف کے لیے دی ہیں' وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کا کچھ حصہ اس کی مرضی سے بھی خرچ کیا جائے سال بھر ہم اپنی خواہش سے جانور ذبح کرتے ہیں' اللہ نے چاہا سال میں ایک مرتبہ ہم یہ جانور محض اس کی مرضی سے ذبح کر دیں۔

(۳) اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خاک و خون سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے جہاد کی استعداد حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو شخص ایک جانور کو بھی ذبح نہ کر سکے اس سے کفار کو ہلاک کرنے کی توقع کب کی جا سکتی ہے۔

(۴) قربانی کے ذریعہ ہمیں یہ عادت ڈالی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے ہم نے آج اس جانور کی جان پیش کی ہے' وقت آنے پر اپنی جان کو بھی اللہ کے حضور پیش کر دیں۔

(۵) جس طرح بدن کا شکر نماز سے' مال کا زکوٰۃ سے اور قوت کا شکر جہاد سے ہوتا ہے اسی طرح جانوروں کا شکر قربانی سے ہوتا ہے۔

(۶) کفار اپنی قربانیاں بتوں کے لیے کرتے ہیں ہم قربانی اللہ کے لیے کر کے ان کے لیے صحیح راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔

(۷) قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی وجہ سے غیر حجاج کو بھی حجاج سے مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

(۸) قربانی سے وحدتِ ملی کو تقویت ملتی ہے اس دن تمام مسلمان ایک عمل اور ایک کھانے میں متحد ہوتے ہیں۔

(۹) قربانی اقارب اور احباب سے ملاقات' ضیافت اور صلۂ رحمی کا سبب بنتی ہے۔

(۱۰) احباب کو قربانی کا تحفہ دینے سے یگانگت بڑھتی ہے اور صدقہ دینے سے غرباء کا پیٹ پلتا ہے اور ان کی دعائیں ملتی ہیں۔

(۱۱) انسان کی جسمانی نشوونما کے لیے گوشت ایک ضروری عنصر ہے' بہت سے لوگ ناداری کی وجہ سے گوشت سیر ہو کر نہیں کھا سکتے' قربانی کے ایام میں ان کی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

(۱۲) قربانی کے ذریعہ ان کفار کے عقیدہ پر ضرب لگتی ہے جو جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔

(۱۳) قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس خارجی حیوان کو آہنی چھری سے ذبح کیا ہے۔ اسی طرح شریعت کی قربان گاہ پر اپنے داخلی حیوان کو بھی مخالفتِ نفس کی چھری سے ذبح کر ڈالو تا کہ باطن ظاہر کے موافق ہو جائے' اور آیاتِ آفاق کی معرفت کا مقتضیٰ حیوان ظاہر کی قربانی سے اور آیاتِ انفس کی معرفت کا مدعیٰ حیوان باطن کی قربانی سے پورا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں ○ اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے (بھی) ہیں اور اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے (بھی) ہیں ○ (الصّٰفّٰت: ۱۱۳۔۱۱۲)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر یہ برکتیں نازل فرمائیں کہ قیامت تک دنیا میں ان کی ثناء جمیل اور تعریف اور تحسین ہوتی رہے گی' اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پشت سے تمام انبیاء بنی اسرائیل پیدا فرمائے اور یہ بھی ان دونوں برگزیدہ نبیوں پر برکتوں کا نزول ہے' اور فرمایا کہ ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں' اور یہ انبیاء علیہم السلام اور مومنین اہل کتاب ہیں' اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی اولاد میں سے اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے بھی ہیں' اور اس ارشاد میں یہ تنبیہ ہے کہ باپ کے فضائل سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹے میں بھی وہ فضائل ہوں تا کہ یہ چیز یہود کے لیے فخر و مباہات کا سبب نہ ہو جائے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا ○ اور ہم نے ان دونوں کو

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان کی مدد فرمائی سو وہ غالب رہے O

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی O اور ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا O

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا

اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر چھوڑا O موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O ہم نیکی

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں O

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیں O جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو! O

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ

کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو! O اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ

رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ

دادا کا رب ہے O تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O ماسوا اللہ

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى

کے برگزیدہ بندوں کے O اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا O آل یاسین

اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

پر سلام ہو O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

بندوں میں سے ہیں O اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیں O جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام

اَجۡمَعِيۡنَ ۝۱۳۴ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ۝۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۝۱۳۶

گھر والوں کو نجات دی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O

وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝۱۳۷ وَبِالَّيۡلِ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝۱۳۸ ع

اور (اے مکہ والو!) تم ضرور صبح کے وقت ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو O اور رات کو بھی تو کیا تم نہیں سمجھتے! O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا O اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان کی مدد فرمائی سو وہی غالب رہے O اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی O اور ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا O اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر چھوڑا O موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں O

(الصّٰفّٰت: ۱۲۲۔۱۱۴)

حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام پر کیا کیا انعامات فرمائے' ان دونوں کو نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا' ان کو اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی اس نے ان کو غلام بنا رکھا تھا' ان کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کو فرعون اور اس کی قوم پر غلبہ عطا فرمایا' اور انہوں نے فرعون کی زمین اور اس کے اموال پر قبضہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک آسمانی کتاب نازل فرمائی جس میں وضاحت کے ساتھ احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے' احسان سے مراد ہے نفع پہنچانا' اور نفع کی دو قسمیں ہیں دنیاوی نفع اور دینی نفع' دنیاوی منافع میں حیات' عقل' حواس اور مشاعر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پرورش فرمانا ہے' اور صحت اور عافیت کے ساتھ قابل ذکر عمر عطا فرمانا ہے' اور دینی نفع میں علم اور عمل صالح ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ نبوت اور رسالت ہے جس کی تائید معجزات اور دلائل سے ہو۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۵ میں ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات عطا فرمانے کا ذکر ہے' اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سلامتی سے سمندر کے پار گزار دیا۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۶ میں ان کی مدد فرمانے اور ان کو غلبہ عطا فرمانے کا ذکر ہے یعنی وہ دلائل اور معجزات کے اعتبار سے ہر دور اور ہر حال میں فرعون اور اس کی قوم پر غالب رہے اور آخر کار ان کو سلطنت اور حکومت بھی عطا فرمائی۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۷ میں ان کو روشن کتاب عطا فرمانے کا ذکر ہے' اس سے مراد تورات ہے جو ان کی ضرورت کے تمام علوم اور احکام پر مشتمل ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۸ میں ان کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کا ذکر ہے' ان کو عقلی اور سمعی دلائل سے دین حق پر مضبوطی سے قائم رکھا اور ان کو باطل سے مجتنب رہنے اور حق سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۹ میں بتایا کہ ہم نے بعد والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا بعد والوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

ہے اور ذکر خیر سے مراد ان کی تعریف و تحسین اور ثناء جمیل ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۰ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون پر سلام بھیجنے کا ذکر ہے اس میں ان کی تعظیم اور توقیر کا بیان ہے' اور ہمیں یہ ہدایت دی ہے کہ ہم بھی جب ان کا نام لیں تو ان پر سلام بھیجیں اور کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۱ میں فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دیتے ہیں' عذاب سے نجات' جنت میں دخول اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۲ میں فرمایا: وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں' اس سے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑا شرف ایمان کامل سے حاصل ہوتا ہے' ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرنا ہے' اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو! ○ کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو' اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو! ○ اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے ○ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے ○ ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ○ اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا ○ ال یاسین پر سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے کامل بندوں سے ہیں ○ (الصّٰفّٰت: ۱۳۲۔۱۲۳)

حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ اور ان کی مفصل سوانح

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الیاس علیہ السلام کا نام و نسب اس طرح ہے: الیاس بن یاسین بن فنحاس بن العیزار بن ھارون' اور ایک قول اس طرح ہے: الیاس بن العازر بن العیزار بن ھارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو دمشق میں اہل بعلبک کی طرف بھیجا' ایک قول یہ ہے کہ آپ دمشق کے ایک پہاڑ قاسیون میں دس سال کفار سے چھپے رہے۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام دمشق میں اپنی قوم کے ایک بادشاہ سے دس سال چھپے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو ہلاک کر دیا' اور دوسرا شخص اس کا جانشین ہوا' پھر حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس پر اسلام پیش کیا' سو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم میں سے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے' ماسوا دس ہزار آدمیوں کے پھر بادشاہ کے حکم سے ان سب کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔

محمد بن السائب الکلبی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو نبی مبعوث کیے گئے وہ حضرت ادریس ہیں' پھر حضرت نوح' پھر حضرت ھود' پھر حضرت صالح' پھر حضرت ابراہیم' پھر حضرت لوط' پھر حضرت اسماعیل' پھر حضرت اسحاق' پھر حضرت یعقوب' پھر حضرت یوسف' پھر حضرت شعیب' پھر حضرت موسیٰ' پھر حضرت ھارون' پھر حضرت الیاس بن نسیس بن العازر بن ھارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۴' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۴۳' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱' جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۰۹' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۲' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۰۳)

کعب بیان کرتے ہیں کہ آج بھی چار نبی (دنیاوی حیات کے ساتھ) زندہ ہیں دو زمین پر ہیں اور دو آسمان میں' جو دو زمین پر ہیں وہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہیں اور جو دو آسمان پر ہیں وہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں علیہم السلام۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۵' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت الیاس علیہ السلام کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی روایات

امام ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم ایک جگہ ٹھہرے تو وہاں وادی میں ایک شخص یہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے جو مرحومہ اور مغفورہ ہے اور ثواب پانے والی ہے' پس میں نے وادی میں جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی کھڑا تھا جس کا قد تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) تھا' اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں انس بن مالک ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں' اس نے پوچھا وہ کہاں ہیں' میں نے کہا وہ یہیں ہیں اور تمہاری باتیں سن رہے ہیں' اس نے کہا تم ان کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کا بھائی آپ کو سلام کہہ رہا ہے' پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ آئے اور آپ نے ان سے ملاقات کی اور ان سے معانقہ کیا اور سلام کیا پھر دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں سال میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور آج میرے کھانے کا دن ہے' پس آپ اور میں دونوں کھاتے ہیں' پھر آسمان سے ایک دسترخوان نازل ہوا اس میں روٹی' مچھلی اور اجوائن تھی' ان دونوں نے وہ کھانا کھایا اور مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز پڑھی' پھر آپ نے ان کو الوداع کیا وہ بادل میں بیٹھ کر آسمان کی طرف چلے گئے' امام عساکر کہتے ہیں کہ حافظ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۲۱ طبع جدید)

اس روایت پر حافظ بیہقی کے تبصرہ کی اصل عبارت یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے ممکن ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا فرمائے ہیں یہ ان کے مشابہ ہے لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور آپ کے جو معجزات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ کافی ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں یہ قصہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم غزوہ تبوک میں ایک جگہ پہنچے جس کا نام الحوزۃ تھا' تہائی رات کے بعد ہمیں ایک غم ناک آواز سنائی دی: اے اللہ! مجھے امت محمد سے بنا دے جو مرحوم اور مغفور ہے اور جس کی دعا قبول ہوتی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حذیفہ! اور اے انس! تم اس گھاٹی میں جاؤ اور دیکھو یہ کیسی آواز ہے' اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کے قصہ کو حافظ ابن عساکر نے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے' اور اس کے آخر میں لکھا ہے یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۶۰-۱۵۹' رقم الحدیث: ۲۲۷۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان روایات کو صحیح قرار دینے پر حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر کے تبصرے

حاکم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد جو لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے (المستدرک ج ۲ ص ۱۱۶) اس پر تبصرہ

الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے تلخیص المستدرک میں یہ تبصرہ کیا ہے:

بلکہ یہ حدیث موضوع ہے' اللہ تعالیٰ اس کو خراب کرے جس نے اس حدیث کو وضع کیا ہے' مجھے یہ گمان نہ تھا کہ حاکم کا جہل اس حد تک پہنچے گا کہ وہ ایسی حدیث کو صحیح الاسناد کہیں گے۔

(تلخیص المستدرک مع المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷' دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

اور میزان الاعتدال میں یہ تبصرہ کیا ہے:

پس حاکم کو اس سے حیاء نہیں آئی کہ اس نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۲۶۴' دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۶ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ نے اس روایت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

حاکم نیشاپوری پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں درج کیا ہے' حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے اور احادیث صحیحہ کے حسب ذیل وجوہ سے مخالف ہے:

(۱) حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا آسمان میں ان کے جسم کا طول ساٹھ ذراع (نوے فٹ) تھا' (الیٰ قولہ) پھر مخلوق کا قد کم ہوتے ہوتے اتنا رہ گیا جتنا اب ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۲' الاسماء والصفات ص ۲۹۰۔۲۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۹۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' المستدرک ج ۱ ص ۶۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۳۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵' رقم الحدیث: ۸۱۷۱' دارالفکر' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۰) اور اس روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت الیاس کا قد تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) تھا۔

(۲) اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت الیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے حتیٰ کہ آپ خود ان کے پاس گئے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ ان پر یہ حق تھا کہ وہ خود خاتم الانبیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

(۳) اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت الیاس سال میں صرف ایک مرتبہ کھاتے تھے' اور وہب بن منبہ سے یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کھانے اور پینے کی لذت سلب کر لی تھی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ سال میں صرف ایک بار زمزم کا پانی پیتے تھے اور یہ تمام اشیاء متعارض اور باطل ہیں ان میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔

(۴) حافظ ابن عساکر نے اس حدیث کو واثلہ بن الاسقع سے بھی روایت کیا ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت انس بن مالک اور حضرت حذیفہ بن یمان کو بھیجا تھا اور اس میں یہ ذکر ہے کہ ان کا قد ان سے دو یا تین ذراع زیادہ تھا' اور اس میں یہ ذکر ہے کہ جب وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تو انہوں نے جنت کا کھانا کھایا' اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت الیاس نے کہا میں ہر چالیس دن کے بعد کھانا کھاتا ہوں' اور اس میں یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے دسترخوان میں روٹی' انار' انگور' بادام' تازہ کھجوریں اور سبزیاں تھیں' اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خضر کے متعلق سوال کیا تو حضرت الیاس نے کہا میں سال کی ابتداء میں ان سے ملاقات کروں گا اور آپ نے فرمایا کہ جب آپ کی ان سے ملاقات ہو تو آپ ان سے میرا سلام کہیں' اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس موجود ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ نو ہجری تک حضرت خضر اور حضرت الیاس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور یہ وہ چیز ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور یہ بھی موضوع ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۴۵۔۳۴۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ ھ)

حضرت الیاس علیہ السلام سمیت چار نبیوں کے ابھی تک زندہ .... ہونے پر حافظ ابن کثیر کا تبصرہ اور مصنف کی توجیہ

کعب نے روایت کیا ہے کہ آج بھی چار نبی زندہ ہیں دو زمین پر ہیں اور دو آسمان میں ہیں' جو دو زمین پر ہیں وہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہیں اور جو دو آسمان پر ہیں وہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۵)

اس روایت کے متعلق حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بعض لوگوں کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہر سال ماہ رمضان میں بیت المقدس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور وہ ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے پانی پیتے ہیں جو ان کو اگلے سال تک کے لیے کافی ہوتا ہے' اور ہم وہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ وہ دونوں ہر سال میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے' اور جو چیز دلیل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور اسی طرح حضرت الیاس بھی' اور وہب بن منبہ نے جو یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور ان کو ایذاء پہنچائی تو حضرت الیاس نے اپنے رب سے دعا کی' پھر آگ کے رنگ کا ایک جانور آیا' حضرت الیاس اس پر سوار ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کو نور کا لباس پہنا دیا اور ان سے کھانے اور پینے کی لذت کو منقطع کر دیا اور وہ فرشتہ اور بشر کی صورت میں زمین اور آسمان پر گئے' اور انہوں نے الیسع بن اخوطب کو وصیت کی' سو اس روایت پر اعتراضات ہیں اور یہ اسرائیلیات میں سے ہے جس کی تصدیق واجب ہے نہ تکذیب' بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت بہت بعید ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۴۴۔۳۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ ھ)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام پر ابھی تک طبعی موت نہیں آئی' لیکن بہر حال قیامت سے پہلے ان پر موت آئے گی اور واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کے بعد پھر حیات عطا کر دی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام پر صرف ایک آن کے لیے موت آتی ہے' اسی طرح حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک موت نہیں آئی لیکن قیامت سے پہلے ان پر بہر حال موت آئے گی۔

حضرت الیاس کے لوگوں سے ملاقات کرنے کی روایت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عساکر نے کئی سندوں سے یہ روایت ذکر کی ہیں کہ حضرت الیاس کی اللہ کے بندوں سے ملاقات ہوئی' یہ تمام روایات ضعیف یا مجہول ہیں اور بہترین حدیث وہ ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

ثابت بیان کرتے ہیں کہ ہم مصعب بن الزبیر کے ساتھ کوفہ کے مضافات میں تھے' میں ایک باغ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی سو میں نے سورۃ المومن کی یہ تین آیتیں تلاوت کیں حٰم O تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم O غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول اس وقت میرے پیچھے ایک شخص سرخ خچر پر سوار کھڑا تھا اور اس نے یمن کا لباس پہنا ہوا تھا' اس نے کہا جب تم غافر الذنب پڑھو تو یہ دعا کرو یا غافر الذنب اغفرلی ذنبی (اے گناہ بخشنے والے میرے گناہ بخش دے) اور جب تم پڑھو قابل التوب تو یہ دعا کرو یا قابل التوب تقبل توبتی (اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما) اور جب تم پڑھو شدید العقاب تو یہ دعا کرو یا شدید العقاب لا تعاقبنی (اے سخت سزا

دینے والے مجھے سزا نہ دینا) اور جب تم پڑھو ذی الطول تو یہ دعا کرنا یا ذا الطول تطول علی برحمتی (اے قدرت والے! اپنی قدرت سے مجھ پر رحمت نازل فرما) میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا' میں باغ سے باہر نکل آیا اور لوگوں سے پوچھا کیا تم نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو سرخ خچر پر سوار تھا اور اس نے یمنی لباس پہنا ہوا تھا' لوگوں نے کہا یہاں پر ایسا کوئی شخص نہیں تھا' اور ان کا یہ گمان تھا کہ وہ شخص حضرت الیاس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۴۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حسن کے بجائے احسن لکھا ہے اور اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت الیاس ابھی تک زندہ ہیں۔

بعل کا معنی اور اس کی پرستش کا پس منظر اور پیش منظر

الصّٰفّٰت: ۱۲۵ میں ہے: (حضرت الیاس نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو!

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما الصّٰفّٰت: ۱۲۶۔۱۲۳' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں' اس شہر کا نام بعل بک اس لیے رکھا گیا کہ یہاں کے لوگ بعل کی عبادت کرتے تھے اور اس جگہ کا نام بک تھا پھر اس کا نام بعل بک پڑ گیا۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت الیاس کو بعل بک کے لوگوں کی طرف بھیجا یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اور بنی اسرائیل کے بادشاہ عام لوگوں سے الگ رہتے تھے' جس بادشاہ کے ساتھ حضرت الیاس رہتے تھے' وہ حضرت الیاس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور ان کی ہدایت کی پیروی کرتا تھا' ایک دن اس کے پاس اس کی قوم کے بت پرست لوگ آئے اور کہا یہ شخص تمہیں گم راہی اور جھوٹ کی دعوت دے رہا ہے تم ان بتوں کی عبادت کرو جن کی اور بادشاہ عبادت کرتے ہیں اور اس دین کو چھوڑ دو' پھر بادشاہ ان کے کہنے میں آ گیا اور حضرت الیاس سے کہا: اے الیاس! تم میری جھوٹے دین کی طرف رہنمائی کر رہے ہو اور میرا خیال ہے کہ بنو اسرائیل کے تمام بادشاہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ دنیا کی نعمتوں سے مزے اٹھا رہے ہیں اور ان کی نعمتوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور ہمیں ان پر کوئی فضیلت نہیں ہے' پھر وہ لوگوں کے دین کی طرف لوٹ گیا اور حضرت الیاس اس سے الگ ہو گئے۔

بعل کی ناکامی اور اس کی پرستش کو چھوڑ کر لوگوں کا حضرت الیاس کی طرف متوجہ ہونا

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اور امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی اپنی سندوں سے روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے الحسن سے روایت کیا ہے کہ اس بادشاہ کو بعل کی پرستش پر اس کی بیوی نے آمادہ کیا تھا' وہ بہت دراز قد اور حسین وجسیم عورت تھی اس کا پہلا خاوند فوت ہو گیا تھا تو اس نے بعل کی صورت پر سونے کا بت بنا لیا' وہ اس کو سجدہ کرتی تھی پھر اس نے اس بادشاہ سے شادی کر لی جس کے ساتھ حضرت الیاس تھے' وہ بہت بدکار عورت تھی' اس نے ایک بت خانہ بنایا اور اس میں بعل کو رکھ دیا اور اس نے اپنے ستر موافقین کو جمع کر لیا جو اپنے آپ کو انبیاء کہتے تھے' حضرت الیاس نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا' تب حضرت الیاس نے دعا کی: اے اللہ بنی اسرائیل نے کفر پر اصرار کیا اور تیرے غیر کی عبادت کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہیں ہوئے' تو ان کو دی ہوئی نعمتیں واپس لے لے' حسن نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کی طرف وحی کی کہ میں نے ان کا رزق آپ کے اختیار میں دے دیا ہے' جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے ان کو رزق نہیں ملے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش نازل نہیں کی اور حضرت الیاس نے اپنے شاگرد الیسع بن حطوب کو اس بادشاہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر تو اللہ کی عبادت پر بعل کی عبادت کو ترجیح دیتا رہا اور تیری قوم کے سرکش

لوگ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی پیروی کرتے رہے اور اس بدکار عورت کا کہا مانتے رہے جس نے تیری حیا کی ہے تو پھر تو عذاب اور مصائب کے لیے تیار ہو جا۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور انسان' حیوان اور حشرات الارض بھوک سے مرنے لگے' حضرت الیسع اس بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا' وہ واپس آ کر حضرت الیاس کے پاس پہنچ گئے' حصرت الیاس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے' اللہ تعالیٰ ان کو وہیں رزق دیتا تھا اور ان کے لیے اس پہاڑ پر پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا' اور جب قحط کی شدت کی وجہ سے لوگ مردار اور کتوں کے کھانے پر مجبور ہو گئے تو بادشاہ نے اُن ستر جھوٹے نبیوں سے کہا کہ تم اب بعل سے فریاد کرو کہ وہ قحط کی اس مصیبت کو ہم سے دور کر دے' وہ اپنے بتوں کے پاس معتکف ہو کر بیٹھے اور جانوروں کو بھینٹ چڑھایا اور کافی دیر تک ان سے فریاد کرتے رہے' تب بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا کہ الیاس کا معبود تو ان لوگوں کے معبود سے بہت جلد دعا قبول کر لیتا ہے' حضرت الیاس نے ان سے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا رب تم سے ناراض ہو چکا ہے' اس لیے اس نے بارش کو تم سے روک لیا ہے' اور تم کو قحط میں مبتلا کر دیا ہے' تم اپنے ان بتوں کو نکالو جن کی تم عبادت کرتے تھے پھر ان سے بارش طلب کرو دیکھیں وہ بت تمہاری فریاد کو پہنچتے ہیں یا نہیں! ورنہ میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں جو تم سے یہ مصیبت دور کر دے گا' انہوں نے کہا ہم ایسا کرتے ہیں' پھر انہوں نے اپنے بتوں کو نکالا اور ان کے سامنے زار و قطار روتے رہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعا کرتے رہے' تو ان کی دعا قبول نہیں ہوئی' پھر انہوں نے حضرت الیاس سے کہا: اے الیاس اب تم اپنے رب سے دعا کرو' حضرت الیاس نے دعا کی تو اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہو گئے اور بارش شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے جل تھل ایک ہو گیا' الحسن نے کہا پھر ان تمام نے رجوع کر لیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۷۔۱۵۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۶۹۱)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا اہل یمن کی لغت میں بعل کا معنی رب ہے اور **اتدعون بعلا** کا معنی ہے کیا تم رب کو پکارتے ہو یعنی کیا تم اللہ کے سوا کسی اور رب کو پکارتے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو۔ اور ابن زید نے کہا بعل نام کا ایک بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے' اسی بت کے نام پر ایک شہر کا نام رکھا گیا جس کو بعلبک کہتے تھے اور یہ شہر دمشق کے پار تھا۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۱۱۔۱۱۰)

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کی روح قبض کر لی تو بنی اسرائیل میں بہت بڑے مصائب آئے اور بنی اسرائیل اللہ سے کیے ہوئے عہد کو بھول گئے' انہوں نے بت نصب کر دیئے اور ان کی عبادت کرنی شروع کر دی' تب اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاس بن العیز ار بن حارون کو نبی بنا کر بھیجا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے احکام کی تجدید کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے تاکہ تورات کے جن احکام پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ان پر عمل شروع کرایا جائے اور حضرت الیاس بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے' جس کا نام احاب تھا اور اس کی بیوی کا نام اربل تھا' وہ بادشاہ حضرت الیاس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور باقی بنی اسرائیل ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام بعل تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۶۹۰)

آل یٰسین سے مراد آل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے

الصّٰفّٰت: ۱۲۸۔۱۲۵ میں ہے: کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو! اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○ اللہ کو جو تمہارا

اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے O تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

آیت: ۱۲۷ میں عذاب کا ذکر نہیں ہے' کیونکہ قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو عذاب پر پیش کیا جائے گا' نیز کسی کو پیش کیا جانا عموماً سزا کے موقع پر بولا جاتا ہے' اور قرآن مجید میں اس کا استعمال عذاب دینے کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۳۰ میں فرمایا: ال یاسین پر سلام ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

یاسین حضرت الیاس کے باپ کا نام تھا اور ال یاسین سے مراد حضرت الیاس ہیں اور حضرت الیاس کو کنایہ سے تعبیر کرنے میں ان کی تعظیم ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آل ابراہیم سے تعبیر کرنے میں آپ کی تعظیم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یاسین سے مراد خود حضرت الیاس ہوں اور ال کا لفظ زائد ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یاسین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے اور آل یاسین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے **سلام علی الیاسین** کی تفسیر میں کہا ہم آل محمد آل یاسین ہیں اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب یاسین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام طبرانی کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے اس کو انہوں نے الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۵ سے نقل کیا ہے۔

تفسیر امام ابن مردویہ ہمارے پاس نہیں ہے لیکن تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۲۵ پر یہ روایت مذکور ہے رقم الحدیث: ۱۸۲۵۴۔

اسی طرح امام طبرانی کی المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۵۶ پر بھی یہ روایت مذکور ہے رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴۔

بعض مفسرین نے کہا کہ الیاسین' الیاس ہی کا ایک تلفظ ہے جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں' حضرت الیاس کو ایلیا بھی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک لوط ضرور رسولوں سے ہیں O جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O اور اے مکہ والو! تم ضرور صبح کے وقت ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو O اور رات کو بھی تو کیا تم نہیں سمجھتے O (الصّٰفّٰت: ۱۳۸-۱۳۳)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے مقدس بندے حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو انہوں نے ان کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی' ماسوا ان کی بیوی کے' کیونکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہوگئی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو انواع واقسام کی سزائیں دے کر ہلاک کیا۔ اور زمین کے جس خطہ پر وہ آباد تھے وہ انتہائی بدبودار اور قبیح المنظر ہوگیا تھا اس جگہ کے سمندر کا پانی سخت کڑوا اور بد ذائقہ ہوگیا تھا' اور وہ جگہ ایک عام شاہراہ پر تھی وہاں سے دن رات مسافر گزرتے رہتے تھے اس لیے فرمایا تم اس جگہ کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح ہلاک کر دیا سوائے مکہ والو! تم بھی اگر کفر پر اصرار کرتے رہے تو

تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

الاعراف: ۸۴-۸۰ اور ھود: ۸۳-۷۳ میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے ○

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو وہ مغلوبوں میں سے ہوگئے ○ پس ان کو مچھلی نے نگل لیا اس وقت وہ خود کو ملامت کرنے والے تھے ○

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور روز حشر تک مچھلی

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ

النصف

کے پیٹ میں رہتے ○ سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے ○ اور ہم نے ان پر

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا ○ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ○

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ

سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ان کو ایک معین مدت تک فائدہ پہنچایا ○ پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے

لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

رب کے لیے بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں! ○ کیا ہم نے جب فرشتوں کو مونث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے ○

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

سنو وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ ○ اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا

کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! ○ تم کو کیا ہو گیا تم کیسی خبر دے رہے ہو! ○ کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

سمجھتے نہیں ہو! O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ

اگر تم سچے ہو O اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت داری بنا دی حالانکہ جنات کو علم ہے کہ

الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ

وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O اللہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے رہتے ہیں O ماسوا اللہ

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ

کے مخلص بندوں کے (ان کو عذاب نہیں ہوگا) O سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو O تم کسی کو گمراہ

بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ

نہیں کر سکتے O سوا اس کے جو دوزخی ہے O (فرشتوں نے کہا) اور ہم میں سے

مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ

ہر ایک کا مقام مقرر ہے O اور بے شک ہم صف بستہ ہیں O اور بلاشبہ ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں O اور

اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

بے شک وہ لوگ (مشرکین) کہا کرتے تھے O اور اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی O

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

تو ہم ضرور اخلاص سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے O پس انہوں نے اللہ کا کفر کیا سو وہ عنقریب جان لیں گے O

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں O کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی O

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّ

اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہوگا O سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے O اور

وَاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا

ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے O کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں! O پس

نَزَلَ بِسَاحَتِہِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنۡہُمۡ حَتّٰی

وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی کیسی بُری صبح ہوگی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا O اور آپ ایک معین مدت

حِیۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا

تک ان سے اعراض کرتے رہیے O اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے O آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب

یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾ ع ۵ ۹

سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O اور رسولوں پر سلام ہو O اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں O جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے O پھر قرعہ اندازی ہوئی تو وہ مغلوبوں میں سے ہوگئے O پس ان کو مچھلی نے نگل لیا اس وقت وہ خود کو ملامت کرنے والے تھے O پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے O تو وہ ضرور روزِ حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے O سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے O اور ہم نے ان پر بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا O اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ایک معین مدت تک ان کو فائدہ پہنچایا O (الصّٰفّٰت: ۱۴۸-۱۳۹)

حضرت یونس علیہ السلام کا حسب ونسب اور ابتدائی حالات

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس بن متی' لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد سے ہیں' یہ شام کے رہنے والے تھے اور بعلبک کے عمال سے تھے' ایک قول یہ ہے کہ کم سنی میں فوت ہوگئے تھے' پھر ان کی ماں نے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو زندہ کر دیا' چالیس سال کی عمر میں حضرت یونس علیہ السلام کو نبوت دی گئی' وہ بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے تھے' وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے شام سے چلے گئے اور دجلہ کے کنارے اتر گئے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل نینویٰ کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا (نینویٰ کوفہ کے مضافات میں کربلا وغیرہ پر مشتمل موصل کے مشرق میں ایک علاقہ ہے)۔

اسحاق بن بشیر نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت یونس ایک نیک اور عبادت گزار بندے تھے' انبیاء علیہم السلام میں ان سے زیادہ اور کوئی عبادت کرنے والا نہیں تھا' وہ ہر روز کھانے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے' اور ہر رات سونے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت کم زمین پر بستر بچھاتے تھے' جب اہل نینویٰ میں گناہ بہت

زیادہ ہونے لگے تو انہیں وہاں رسول بنا کر بھیج دیا گیا۔
حسن بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے عجائب میں سے یہ تھا کہ جب بھی ان میں کوئی نبی فوت ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے نبی کو بھیج دیتا تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۷۔۲۴۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کا اہل نینویٰ کی طرف مبعوث کیا جانا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کسی نبی کے ساتھ تھے' اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف یہ وحی کی کہ حضرت یونس کو اہل نینوی کی طرف بھیج دیں تا کہ وہ ان کو میرے عذاب سے ڈرائیں' اور انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی طرف تورات کے احکام نافذ کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا' حضرت یونس علیہ السلام کو بہت جلد غصہ آ جاتا تھا' وہ اہل نینویٰ کے پاس گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا' ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی نصیحت کو مسترد کر دیا' اور پتھر مار مار کر ان کو اپنے علاقہ سے نکال دیا' حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے چلے گئے' بنی اسرائیل کے نبی نے کہا آپ دوبارہ ان کے پاس جائیں' آپ دوبارہ گئے انہوں نے آپ کے ساتھ پھر پہلے جیسا سلوک کیا پھر آپ تیسری بار گئے اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا' انہوں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۹۔۲۴۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی قوم کے خلاف اپنے رب سے دعا کی اور اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ تین دن بعد ان پر عذاب آ جائے گا' اور اپنی اہلیہ اور اپنے دو چھوٹے بیٹوں کو لے کر اس علاقے سے نکل گئے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر اہل نینویٰ کی طرف دیکھنے لگے اور عذاب کا انتظار کرنے لگے' اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جو حضرت یونس علیہ السلام نے ان پر عذاب آنے کے لیے معین کیا تھا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب عذاب آنے والا ہے تو انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے صدق کا یقین ہو گیا۔ پھر انہوں نے بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرف اپنے نمائندوں کو بھیجا اور ان سے پوچھا کہ اس آزمائش کے موقع پر وہ کیا کریں' انہوں نے کہا تم حضرت یونس علیہ السلام کو ڈھونڈھو وہ تمہارے لیے دعا کریں گے کہ تم سے یہ عذاب ٹل جائے' کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف عذاب کی دعا کی تھی' قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن وہ ان کو نہ مل سکے' پھر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے کہا آؤ اب ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں' سو ان کے مرد' عورتیں اور بچے سب باہر نکلے انہوں نے اپنے سروں پر راکھ ڈالی' اور پیروں کے نیچے کانٹے رکھے' ٹاٹ اور اُون کے موٹے کپڑے پہنے اور بہ آواز بلند روئے اور گڑگڑائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی اور اللہ تعالیٰ کو ان کے صدق کا علم تھا سو اس نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۗ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (یونس: ۹۸)

سو کسی بستی کے لوگ کیوں نہ ایمان لائے تا کہ ان کو ایمان لانا مفید ہوتا' ماسوا یونس کی قوم کے' جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو ان سے دور کر دیا اور ان کو ایک معین وقت تک فائدہ پہنچایا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا غضب ناک ہو کر چلے جانا اور مچھلی کا آپ کو نگل لینا

ان کی قوم نے یکم ذوالحج کو عذاب کے آثار کا معائنہ کیا تھا اور دس محرم کو ان سے عذاب دور کر دیا گیا' جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو اللہ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اے یونس! جب تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ تم پر تہمت لگائیں گے اور تمہاری تکذیب کریں گے وہ کہیں گے کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ عذاب آئے گا' دیکھو عذاب نہیں آیا' حضرت یونس اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر چلے گئے اور ان کا گمان تھا کہ اللہ سے اجازت لیے بغیر جانے پر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس نہیں کرے گا' وہ دجلہ کے کنارے پہنچ گئے ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور ان کے بیٹے بھی تھے' وہاں ایک کشتی آئی' حضرت یونس نے کہا ہم کو سوار کر لو' کشتی والوں نے کہا ہمارے پاس گنجائش کم ہے آپ اگر چاہیں تو ہم آپ میں سے بعض کو سوار کریں اور باقی لوگ دوسری کشتی سے آ جائیں' آپ نے اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیا' اور حضرت یونس اور ان کے بیٹے رہ گئے' حضرت یونس اس کشتی کی طرف بڑھے' ان کے ایک بیٹے نے کشتی میں پیر رکھا اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دریا میں گر کر ڈوب گیا' اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور ان کے دوسرے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا' اس سے حضرت یونس کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر چلے آنے کی ان کو سزا ملی ہے' پھر وہ کشتی میں سوار ہوئے تا کہ اپنی اہلیہ سے جا ملیں' جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو وہ دائیں بائیں گردش کرنے لگی' لوگوں نے کشتی والوں سے پوچھا تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا پتا نہیں! حضرت یونس علیہ السلام نے کہا مجھے معلوم ہے کیا ہوا ہے' کشتی والوں نے پوچھا: کیا ہوا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ایک غلام اپنے مالک سے بھاگ کر آ گیا ہے' یہ کشتی اس وقت تک نہیں روانہ ہو گی جب تک تم اس غلام کو دریا میں پھینک نہیں دو گے! انہوں نے پوچھا وہ غلام کون ہے؟ حضرت یونس نے کہا وہ غلام میں ہوں! انہوں نے کہا ہم آپ کو دریا میں نہیں پھینکیں گے' اللہ کی قسم! ہم کو صرف آپ کے وسیلہ سے نجات کی توقع ہے' حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اچھا قرعہ اندازی کر لو' جس کے نام کا قرعہ نکلے اس کو دریا میں پھینک دینا' انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس کے نام کا قرعہ نکل آیا' انہوں نے آپ کو پانی میں پھینکنے سے انکار کیا اور کہا قرعہ کبھی غلط ہوتا ہے اور کبھی صحیح' پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی تو پھر حضرت یونس کا نام نکلا' حضرت یونس نے فرمایا اب مجھے دریا میں پھینک دو' اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں ڈالا ابھی میرے ایک بندے کو دریا میں ڈالا جائے گا تو اس کو نگل لینا' تم اس کے گوشت میں کوئی خراش ڈالنا نہ اس کی ہڈی کو توڑنا' وہ میرا نبی اور پسندیدہ بندہ ہے' مچھلی نے کہا اے میرے رب! میں اپنے پیٹ کو اس کا مسکن بنا دوں گی اور اس کی اس طرح حفاظت کروں گی جس طرح ماں اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے' حضرت یونس کو دریا میں پھینکنے کے لیے کشتی کے ایک کنارے پر لے جایا گیا' مچھلی بھی اسی سمت آ گئی' لوگوں نے کہا اس طرف بہت بڑی مچھلی ہے ان کو کشتی کے دوسرے کنارے پر لے چلو' وہ دوسرے کنارے لے کر گئے تو مچھلی اس طرف بھی پہنچ گئی' الغرض وہ حضرت یونس کو کشتی کی جس جانب لے جاتے مچھلی بھی اس جانب پہنچ جاتی' حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اب مجھے پھینک دو' سو انہوں نے آپ کو دریا میں پھینک دیا' مچھلی نے آپ کو پکڑ کر نگل لیا اور دریا کی گہرائی میں اپنے مسکن کی طرف لے گئی' وہ حضرت یونس کو اپنے پیٹ میں رکھ کر چالیس دن تک گھومتی رہی' حضرت یونس اس کے پیٹ میں جنات اور مچھلیوں کی تسبیح پڑھنے کی آوازیں سنتے تھے' پھر حضرت یونس بھی تسبیح اور تہلیل پڑھنے لگے اور جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غم سے نجات دی اور یہ اتنی ہی مدت تھی جتنی مدت آپ کی قوم آثار عذاب میں مبتلا رہی تھی'

قرآن مجید میں ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ — اور مچھلی والے (حضرت یونس) کو یاد کیجئے' جب وہ (اپنی

عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُــْۨجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۸۔۸۷)

قوم پر) غضب ناک ہو کر چلا گیا' اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے' سو اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو (ہر نقص سے) پاک ہے' بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ۝ پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور اس کو غم سے نجات دے دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو مچھلی کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ حضرت یونس کو وہیں اگل دے جہاں سے اس نے ان کو نگلا تھا' حضرت جبریل مچھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا اے یونس! السلام علیک! آپ کو رب العزت سلام کہتا ہے' حضرت یونس نے کہا مرحبا! یہ وہ آواز ہے کہ مجھ کو خوف تھا کہ اس آواز کو میں پھر کبھی نہیں سن سکوں گا۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۹۔۲۴۸)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا

حضرت یونس جو مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اس کی مدت میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے' اور ایک روایت میں سات دن کا ذکر ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۷۔۱۴۳)

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ۝ تو وہ ضرور روز حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ۝ سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے ۝ اور ہم نے ان پر بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا ۝ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ۝

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبریل' حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے منہ سے نکال کر چٹیل میدان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک پہاڑی بکری بھیجی جو اپنا تھن حضرت یونس علیہ السلام کے منہ سے لگا دیتی تھی اور حضرت یونس اس کو چوس کر دودھ پیتے تھے اس وقت ان کا جسم نحیف اور لاغر ہو کر بالکل چوزے کی طرح ہو گیا تھا اور رفتہ رفتہ ان کی طاقت اور توانائی بحال ہوتی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور ظہر کی نماز کے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور عصر کی نماز کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور مغرب کی نماز کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دی تھی' اور عشاء کی نماز کے وقت حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا تھا' اس وقت شفق غائب ہو چکی تھی اور آسمان پرستاروں کا جال بن چکا تھا' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے چار رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کو میرے اور میری امت کے لیے خالص کر دیا تا کہ یہ نمازیں میری امت کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوں۔

شہر بن حوشب نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت سے ہوئی تھی جب مچھلی نے ان کو اگل دیا تھا اور مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئے تھے۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۲۔۲۴۹)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد رسول بنایا گیا تھا یا اس سے پہلے رسول بنایا گیا تھا' شہر بن حوشب کی روایت ہے کہ اس کے بعد رسول بنایا گیا تھا اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ مچھلی کے واقعہ سے پہلے آپ کو رسول بنایا گیا تھا اور حسب ذیل روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واپس اپنی قوم کی طرف جانا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

الحسن بیان کرتے ہیں کہ صحت مند ہونے کے بعد حضرت یونس کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا' آپ نے اس سے پوچھا یونس کا کیا حال ہے' اس نے کہا مجھے ان کا حال معلوم نہیں البتہ وہ سب سے نیک اور سب سے زیادہ سچے آدمی تھے' انہوں نے ہمیں عذاب آنے کی خبر دی تھی' پھر ان کے کہنے کا مطابق عذاب کے آثار نمودار ہو گئے' پھر ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور اب ہم یونس کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ کہاں ہیں' ہم نے ان کی کوئی خبر نہیں سنی' حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے پوچھا تمہارے پاس دودھ ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت یونس کو عزت دی ہے' جب سے حضرت یونس ہمارے پاس سے گئے ہیں بارش ہوئی ہے نہ سبزہ اگا ہے' حضرت یونس نے فرمایا تم میرے پاس کوئی دنبی لاؤ' پھر حضرت یونس نے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اب اللہ کا نام لے کر اس کا دودھ دوہو' اس نے دودھ دوہا اور حضرت یونس نے وہ دودھ پیا' اس چرواہے نے کہا اگر حضرت یونس زندہ ہیں تو پھر آپ ہی حضرت یونس ہیں' آپ نے فرمایا میں ہی یونس ہوں تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو میرا اسلام کہو' چرواہے نے کہا بادشاہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص میرے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ اس نے یونس کو دیکھا ہے اور اس پر دلیل پیش کی تو میں اس کو اپنا ملک دے دوں گا' اور میں بغیر کسی دلیل کے یہ بات نہیں کہہ سکتا' حضرت یونس نے کہا تم یہ بکری لے جاؤ یہ شہادت دے گی کہ میں نے اس کا دودھ پیا ہے' وہ چرواہا اس بکری کو لے کر گیا اور اس بکری نے شہادت دی' پھر وہ چرواہا قوم کو لے کر اس چٹان پر پہنچا جہاں اس نے حضرت یونس کو دیکھا تھا' ان لوگوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو آپ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے' وہ لوگ مارے خوشی کے رو پڑے اور بڑی عزت اور بہت اہتمام سے حضرت یونس کو اپنے شہر میں لے کر آئے' ان لوگوں نے اس چرواہے سے کہا تم ہمارے سردار ہو تم سے بڑے مرتبہ کا ہم میں سے کوئی نہیں ہے' ہم کبھی تمہاری حکم عدولی نہیں کریں گے اور وہ چرواہا چالیس سال تک ان پر حکومت کرتا رہا۔

فضیل بن عیاض نے کہا جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! ہمارے گناہ بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں اور تو سب سے عظیم اور سب سے بلند ہے تو وہ کر جس کا تو اہل ہے اور وہ نہ کر جس کے ہم اہل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا۔

کعب نے بیان کیا اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے اور شعیا حضرت یونس علیہ السلام کے شاگرد تھے وہ اللہ کے نیک بندے تھے اللہ نے ان کو چن لیا اور پاکیزہ بنا دیا اور حضرت یونس علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد ان کو بنی اسرائیل کی دینی رہنمائی کرنے کا حکم دیا گیا' اور بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک نبی کو مبعوث کرتا تھا جو اس کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور وہ اس کے اور اللہ کے درمیان سفیر ہوتا تھا' اور حضرت شعیا علیہ السلام ہی وہ نبی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی تھی اور بنی اسرائیل کو بتایا تھا کہ ایک مقدس کنواری سے بغیر مرد کے ایک نبی پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ سے بہت عجائب کا ظہور ہوگا اور وہ اس رسول کی بشارت دیں گے جو ان کے بعد آئے گا اور

اس کا نام احمد ہوگا' وہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے ان کی میلاد کی جگہ مکہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے' ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہوگی آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور سلطنت سے سرفراز کرے گا اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے گا خواہ مشرکین کو یہ بات ناگوار خاطر ہو۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۴۔۲۵۲ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' اور حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح میں ان امور کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۳۶۲۔۳۵۷ ملخصاً موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱۴۰۹ھ' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۵۔۳۲۰ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل میں احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن متیٰ سے افضل ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸' دار الفکر' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۵۳' جامع المسانید والسنن ج ۲۰ ص ۱۳۶۔۱۳۵' رقم الحدیث ۲۵۴۔۲۵۳۔۲۵۲۔۲۵۱۔۲۵۰' دار الفکر ۱۴۲۰ھ' تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۱۴۶۸۶)

عباد بن کثیر اور الحسن دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور میرے بھائی نبیوں کے درمیان فضیلت مت دو اور کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ یونس بن متیٰ سے کسی کو افضل کہے۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۸۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق پر گئے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں حضرت موسیٰ وادی سے اترتے ہوئے بہ آواز بلند **اللھم لبیک اللھم لبیک** کہہ رہے ہیں پھر آپ ثنیہ پر آئے اور آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں ان پر دو سفید عبائیں ہیں وہ بلند آواز سے **اللھم لبیک اللھم لبیک** کہہ رہے ہیں اور پہاڑ بھی ان کے جواب میں تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جواب میں فرما رہا ہے لبیک اے یونس! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳)

عثمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فم الروحاء کے مقام سے ستر نبی سرخ اونٹوں پر سوار گزرے انہوں نے عبائیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ پڑھ رہے تھے لبیک لبیک' ان میں حضرت یونس بن متیٰ بھی تھے اور وہ بھی تلبیہ پڑھ رہے تھے اے مصائب کے نجات دینے والے اور مشکلات کو حل کرنے والے لبیک لبیک۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۹۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں! O کیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے؟ O سنو! وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ O اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! O تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسی خبر دے رہے ہو! O کیا تم سمجھتے نہیں ہو O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو O (الصّٰفّٰت: ۱۵۷۔۱۴۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں اور رسولوں کے قصص اور واقعات کا ذکر فرمایا تاکہ مشرکین کو معلوم ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچایا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے' اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتے رہے ہیں اور تم جو میری رسالت کی تکذیب کر رہے ہو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے' ہمیشہ سے مشرکین رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں' اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پھر مشرکین مکہ کے باطل نظریات اور غلط اقوال کا رد فرمایا وہ اللہ سبحانہ کے لیے اولاد کو ثابت کرتے تھے اور اولاد بھی مؤنث ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

جہینہ' خزاعہ' بنو ملیح' بنو سلمہ' عبد الدار وغیرہا دیگر کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں ○ (الصّٰفّٰت: ۱۴۹)

یہ کس قدر قابل افسوس اور قابل مذمت بات ہے کہ کفار اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے' بلکہ بیٹیوں کو باعث عار سمجھتے تھے اور بعض شقی القلب تو بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں سے ان کی نفرت کا حال بیان فرمایا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (النحل: ۵۹۔۵۷)

اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا منہ سیاہ اور غصہ سے بھرا رہتا ہے ○ وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت اٹھا کر اس بیٹی کو رکھ لے یا اس کو مٹی میں دبا دے' سنو وہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔

پھر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بیٹی کا وجود ان کے لیے اس قدر برا اور باعث عار اور نفرت انگیز ہے' اس کے باوجود وہ بیٹیوں کے وجود کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ (النجم: ۲۲۔۲۱)

کیا تمہارے لیے بیٹا ہونا چاہیے اور اللہ کے لیے بیٹی! ○ پھر تو یہ بہت ظالمانہ تقسیم ہے۔

کفار نے جو یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں ان کی اس خبر کے صادق ہونے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) انہوں نے فرشتوں کی تخلیق کے عمل کا مشاہدہ کیا تھا (۲) ان کو کسی مخبر صادق نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (۳) ان کے پاس اس پر کوئی نقلی دلیل اور شہادت تھی۔ اور یہ تینوں وجوہ ثابت نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ کفار کا یہ قول غلط اور باطل ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ انہوں نے فرشتوں کی تخلیق کے عمل کا مشاہدہ نہیں کیا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے! ○ (الصّٰفّٰت: ۱۵۰) اسی طرح فرمایا:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ○ (الزخرف: ۱۹)

فرشتے جو رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں ان کو انہوں نے عورتیں قرار دے دیا کیا انہوں نے ان کے عمل تخلیق کا مشاہدہ کیا تھا' عنقریب ان کی یہ شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کی باز

پرس کی جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو کسی مخبر صادق نے یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور وہ بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: سنو وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ O اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! O اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا O (بنی اسرائیل: ۴۰)

کیا تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے تم کو منتخب کر لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا' بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسی خبر دے رہے ہو! (الصّٰفّٰت: ۱۵۴۔۱۵۱)

تیسری صورت یہ تھی کہ ان کے پاس کوئی واضح دلیل ہوتی کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ ہے نہیں' سو معلوم ہو گیا کہ ان کا یہ قول بالکل غلط اور امر باطل ہے اس کے متعلق فرمایا: کیا تم سمجھتے نہیں ہو O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو O (الصّٰفّٰت ۱۵۷۔۱۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت قرار دی' حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O اللہ (ان تمام عیوب سے) پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں O ماسوا اللہ کے مخلص بندوں کے (ان کو عذاب نہیں ہوگا) O (الصّٰفّٰت: ۱۶۰۔۱۵۸)

اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت کے مدعیان کے محامل

کفار نے کہا تھا کہ اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت ہے' وہ نسبی قرابت کیا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین نے یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ قائم کر دیا' اور فرشتے بھی جنات ہیں کیونکہ جن کا معنی ہے مستور اور مخفی ہونا اور اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ کہنا دراصل اللہ اور جنات کے درمیان نسبی رشتہ کہنا ہے (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۶) لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کا پہلے قول پر عطف کیا ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بعض مشرکین یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بعض مشرکین اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت کی تہمت لگاتے تھے۔

(۲) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا کہ کفار قریش نے یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا پھر فرشتوں کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا بڑی بڑی جنات یعنی سردارنیاں ان کی مائیں ہیں' گویا ان مونث جنات کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیویاں قرار دیا (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۰۴) لیکن اس پر بھی یہ اشکال ہے کہ بیویوں کو نسب نہیں کہا جاتا۔

(۳) قتادہ نے کہا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنات سے نکاح کیا اور ان جنات سے فرشتے پیدا ہوئے (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۵) اس پر بھی یہی اعتراض ہے کہ بیویوں کو نسب نہیں کہا جاتا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کے دشمن یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں نسباً بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ خیر کریم ہے وہ صرف خیر کے کام کرتا ہے اور ابلیس شر خسیس ہے وہ صرف برے کام کرتا ہے جیسے مجوسی یزداں اور اہرمن

کہتے ہیں (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۰۲) اور اس قول پر کوئی اشکال نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسب کے قول کا یہی صحیح محمل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے' اس میں کفار کے قول کا رد ہے کیونکہ اگر جنات اللہ تعالیٰ کے قرابت دار اور اس کے نسبی رشتہ دار ہوتے تو ان کو عذاب پر کیوں پیش کیا جاتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ اس سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۵۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی رشتہ بیان کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ماسوا اللہ کے مخلص بندوں کے' اس میں ان سے استثناء ہے جو آگ پر پیش کیے جائیں گے' یعنی جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان کو آگ پر پیش نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو O تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے O سوا اس کے جو دوزخی ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۶۳۔۱۶۱)

کسی کو گم راہ کرنے کی قدرت شیطان میں ہے نہ کفار میں' اس مسئلہ میں .... اہل سنت کے موقف پر دلائل اور تقدیر کا ثبوت

اس آیت میں اہل سنت کے اس موقف کی دلیل ہے کہ شیطان کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا' اور ہدایت اور گمراہی دونوں فعلوں کا خالق اللہ عزوجل ہے' اللہ تعالیٰ کو ازل میں جس شخص کے متعلق یہ علم تھا کہ وہ ایمان اور تقویٰ کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایمان اور تقویٰ کو پیدا کر دیا' اور جس کے متعلق اس کو علم تھا کہ وہ کفر اور گمراہی کو اختیار کرے گا اس کے لیے اس نے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیا' خلاصہ یہ ہے جس کے متعلق ازل میں دوزخی لکھ دیا گیا وہی گمراہ ہوتا ہے شیطان کسی شر اور گمراہی کو پیدا نہیں کر سکتا' ہر شخص کا سعید اور شقی ہونا ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

حسب ذیل احادیث میں اس پر دلالت ہے کہ انسان کا شقی یا سعید ہونا یا جنتی اور دوزخی ہونا ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں' تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اس کے ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے' اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' وہ اس کا رزق' اس کی مدت حیات' اس کے اعمال اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے' پس اس ذات کی قسم! جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع (ڈیڑھ فٹ) کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر کتاب (تقدیر) غالب آجاتی ہے پس وہ اہل نار کا عمل کرتا ہے اور نار میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے کوئی شخص اہل نار کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور نار کے درمیان ایک ذراع رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) غالب آجاتی ہے پس وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ کے سلسلہ میں بقیع الغرقد میں بیٹھے ہوئے تھے' ہمارے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے' آپ کے پاس ایک تنکا تھا آپ نے سر جھکا لیا اور آپ

اس تنکے سے زمین کریدنے لگے' پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی سانس لینے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت یا دوزخ میں ایک مقام لکھ دیا ہے اور اس کا شقی ہونا یا سعید ہونا بھی لکھ دیا گیا ہے' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس لکھے ہوئے پر ٹھہر نہ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا جو شخص اہل سعادت میں سے ہے وہ اہل سعادت کے عمل کرتا رہے گا اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے وہ اہل شقاوت کے عمل کرتا رہے گا' آپ نے فرمایا تم عمل کرتے رہو تم میں سے ہر شخص کے لیے عمل کرنا آسان کر دیا گیا ہے' جو اہل سعادت ہیں ان کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں اور جو اہل شقاوت ہیں ان کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ (اللیل: ۱۰-۵)

رہا وہ شخص جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور وہ (اللہ سے) ڈرا ○ اور اس نے نیک باتوں کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے آسان راستے کو سہل بنادیں گے ○ اور رہا وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پرواہی کی ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ تو ہم اس کے لیے تنگی اور مشکل کے راستے مہیا کر دیں گے ○

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۶۷۸)

تقدیر پر وارد ہونے والے اشکالات کو دور کرنے کے لیے علامہ عینی اور دیگر علماء کی تقاریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ازل میں انسان کا سعید یا شقی ہونا مقدر ہو چکا ہے اور انسان اس لکھی ہوئی تقدیر کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو پھر دنیا میں نیک عمل کی تحسین اور آخرت میں اس پر اجر و ثواب کیوں ہوتا ہے' اسی طرح دنیا میں برے کاموں کی مذمت اور آخرت میں اس پر عذاب کیوں ہوتا ہے' اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اچھے اور برے کاموں پر انسان کی تحسین یا مذمت اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ وہ ان کاموں کا فاعل ہے بلکہ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ ان کاموں کا محل ہے' اور اشاعرہ جو بندے کے کسب کے قائل ہیں ان کی بھی اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ان کاموں کا محل ہے جیسے حسین آدمی کی تعریف کی جاتی ہے کیونکہ وہ حسن کا محل ہے اور بدشکل آدمی کی مذمت کی جاتی ہے کیونکہ وہ بدصورتی کا محل ہے' اور رہا ثواب اور عذاب تو وہ باقی امور عادیہ کی طرح ہے' جس طرح ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے مس کرنے کے بعد جلانا کیوں پیدا کیا ہے اسی طرح ہمارے نزدیک یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برے کاموں پر عذاب کو کیوں مترتب فرمایا ہے۔

علامہ طیبی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حکمت سے صحابہ کے سوال کا جواب دیا ہے کہ تم تقدیر پر تکیہ کر کے عمل کو ترک نہ کرو' اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ عبودیت کے تقاضے سے ان پر جو کام واجب ہیں ان کو لازم رکھیں' اور اس الجھن میں نہ پڑیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا' اور عبادت کے کرنے اور عبادت کے ترک کرنے کو جنت اور دوزخ میں دخول کا مستقل سبب اور علت نہ قرار دیں بلکہ یہ قرار دیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنا جنت میں دخول کی علامت ہے اور اس کی نافرمانی کرنا اور اس کی عبادت کو ترک کرنا دوزخ میں دخول کی علامت ہے۔

علامہ خطابی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ بتایا کہ اللہ کا لکھا ہوا بندے کے

عمل اور اس کی سعادت پر سبقت کرتا ہے تو صحابہ نے یہ قصد کیا کہ اس چیز کو عمل ترک کرنے کی دلیل بنالیں تو آپ نے ان کو یہ بتایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اور ایک چیز سے دوسری چیز باطل نہیں ہوتی' ایک چیز باطن ہے اور ایک چیز ظاہر ہے' باطن وہ چیز ہے جو حکم الٰہی میں علت موجبہ ہے' یعنی تقدیر اور دوسری چیز ظاہر ہے اور وہ حق عبودیت کا تتمہ لازمہ ہے اور یہ مطلق انجام کی علامت ہے اور یہ حقیقت کے لیے غیر مفید ہے' اور یہ بتایا کہ انسان کو جس عمل کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس عمل کا کرنا انسان کے لیے آسان کر دیا گیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل آخرت میں اس کے انجام کی علامت ہے' اسی لیے آپ نے سورۃ اللیل کی پانچ آیتوں کی تلاوت فرمائی' اور اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کے لیے رزق کو مقدر کر دیا گیا اس کے باوجود اس کو رزق کے حصول کے لیے کسب کرنے کا حکم دیا ہے' اور انسان کی مدت حیات معین اور مقدر فرمادی ہے اس کے باوجود اس کو بیمار ہونے کی صورت میں طب سے علاج کرنے کا حکم دیا ہے' تم ان دونوں چیزوں میں سے باطن کو صورت واقعیہ حقیقیہ پر پاؤ گے اور ظاہر کو سبب مخیل کی صورت پر پاؤ گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا یہ حدیث اہل سنت کے اس عقیدہ کی دلیل ہے کہ سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے' اس کے برخلاف قدریہ یہ کہتے ہیں کہ شر (برے کام) اللہ کی مخلوق نہیں ہے' اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں تقدیر کا ثبوت ہے اور یہ کہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے واقع ہوتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب تک لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے ان پر تقدیر کا راز منکشف نہیں ہوگا' اور اس حدیث میں اہل جبر کا رد ہے' کیونکہ جو شخص مجبور ہوتا ہے وہ اس کام کو جبر اور ناگواری اور اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے' اور اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر انسان کے لیے اس کے کاموں کو سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک اللہ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف فرما دیا جن پر ان کو مجبور کیا گیا (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۰۸۱) اور کسی کام کو آسان کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کو کرے جو اس کو پسند ہو اور جس کے کرنے کو اس کا دل چاہتا ہو۔

اس میں اختلاف ہے کیا انسان کے شقی یا سعید ہونے کا دنیا میں علم ہو سکتا ہے' بعض علماء نے کہا ہاں! ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے جو شخص بغیر کسی دشواری کے آسانی سے نیک کام کرے گویا نیک کام کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا اس کی سرشت اور اس کا مزاج ہو یہ اس کے سعید ہونے کی علامت ہے' اور جس شخص پر نیک عمل کرنا تنگ اور دشوار ہو اور گناہ کرنا اس پر آسان ہو اور اس کی طبیعت کا تقاضا ہو' یہ اس کے شقی ہونے کی علامت ہے' اور ہر عمل اس کی جزاء کی علامت ہے' اور بعض علماء نے کہا دنیا میں اس کا پتا نہیں چل سکتا' اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا علم درجہ ظن میں ہو سکتا ہے درجہ جزم اور یقین میں نہیں ہو سکتا' اور شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس امت کے جن صالحین کے متعلق لوگوں کی زبانوں پر ذکر خیر جاری ہے آیا ان کو قطعی طور پر جنتی کہا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں (میں کہتا ہوں کہ ان کو بھی ظنی طور پر جنتی کہا جائے گا قطعی طور پر ان کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے)۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب سعادت اور شقاوت ازل میں واجب ہو چکی ہے اور یہ تقدیر الٰہی ہے پھر بندوں کو مکلف کرنے کا کیا فائدہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے' پس ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے حکم پر عمل کریں اور تقدیر کو ہم سے مخفی رکھا ہے اور اعمال کو انسان کے انجام کی علامت قرار دیا ہے پس ہم کو اس میں توقف کرنا چاہیے۔ جس شخص نے اس طریقہ سے انحراف کیا وہ گم راہ ہو گیا' کیونکہ تقدیر اللہ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے' اللہ کے سوا اس راز پر کوئی مطلع نہیں ہے' اور جب لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو ان پر یہ راز کھل جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۷۴-۲۷۲ ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

تقدیر پر وارد ہونے والے اشکال کو دور کرنے کے متعلق مصنف کی تقریر

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے تقدیر پر بہت وضاحت اور تفصیل سے لکھا ہے اور تقدیر پر جو اشکال ہوتے تھے ان کے بہت شافی جوابات دیئے ہیں لیکن انہوں نے خلق اور کسب کے متعلق صحیح نہیں لکھا' انہوں نے لکھا ہے کہ نیک کاموں کی اس لیے تحسین کی جاتی ہے کہ بندہ ان کاموں کا محل ہے جیسے کسی انسان کے خوب صورت ہونے کی تعریف کی جاتی ہے کہ وہ حسن کا محل ہے اسی طرح بدصورت ہونے کی مذمت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ بدصورتی کا محل ہے' اور یہی اشاعرہ کے نزدیک کسب کا معنی ہے۔ لیکن علامہ عینی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے' کسی انسان کا حسن یا اس کی بدصورتی اس کا اختیاری فعل نہیں ہے جب کہ نیک یا برے کام اس کے اختیاری افعال ہیں' اس لیے ان کا ان پر قیاس صحیح نہیں ہے' درحقیقت کسب کا معنیٰ ہے بندہ کا ارادہ کرنا اور خلق کا معنیٰ ہے اس کام کو پیدا کرنا اور وجود عطا کرنا' بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو پیدا فرما دیتا ہے' کسی کام کو اختیار بندہ کرتا ہے اور اس کو پیدا اللہ کرتا ہے' بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کو جزاء اور سزا اس کے اختیار کی وجہ سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ بندہ کو کسب اور اختیار عطا فرمائے گا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان اور نیک اعمال کا ارادہ کرے گا یا اپنے اختیار سے کفر اور برے کاموں کو اختیار کرے گا' اور اس کے ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس میں ایمان اور اعمال صالحہ پیدا کرے گا یا کفر اور اعمال خبیثہ پیدا کرے گا اور وہ ان اعمال کے اعتبار سے سعید اور جنتی ہوگا یا شقی اور دوزخی ہوگا' مثلاً اس کو ازل میں علم تھا کہ حضرت ابوبکر ایمان کو اختیار کریں گے اور ابوجہل کفر کا اختیار کرے گا سو اس کو ازل میں حضرت ابوبکر کے مومن ہونے اور ابوجہل کے کافر ہونے کا علم تھا اور اسی طرح اس کو ازل میں ہر شخص کے مومن یا کافر ہونے اور جنتی یا دوزخی ہونے کا علم تھا اور اسی علم کا نام تقدیر ہے' اور اس کا یہ علم مخلوق کے اختیار کردہ اعمال کے مطابق ہے' مخلوق کے اعمال اس کے علم کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے' معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا سو یہی تقدیر ہے قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ (القمر: ۵۲) ہر وہ کام جس کو لوگوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

یعنی جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ لوگوں نے نہیں کیا بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' سو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ان کے عمل کے تابع ہے ان کا عمل لکھے ہوئے کے تابع نہیں ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا' اور اس تفصیل کو جان لینے کے بعد یہ اشکال نہیں ہوگا کہ جب اللہ نے پہلے ہی ہمارا جنتی یا دوزخی ہونا لکھ دیا ہے تو ہم نیک عمل کیوں کریں' یا پھر ہمیں اعمال کا مکلف کیوں کیا ہے' یا جب پہلے ہی کسی کے متعلق لکھ دیا ہے کہ وہ کفر کرے گا تو پھر کفر کرنے میں اس کا کیا قصور ہے' اس لیے اللہ نے ازل سے وہی لکھا ہے جس کو ہم نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا اس کا علم ہمارے کاموں کے تابع ہے ہمارے کام اس کے علم کے تابع نہیں ہیں' ہمیں کیا معلوم کہ اس کا علم کیا ہے اور کیا نہیں ہے' اور اب امید ہے تقدیر پر اشکال بالکلیہ دور ہو جائے گا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا مباحثہ

اس مسئلہ کی مزید وضاحت اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت موسیٰ میں ان کے رب کے سامنے مباحثہ ہوا' پس حضرت آدم' حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے' حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں کہ آپ

کو آپ کے رب نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' اور آپ کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ نے اپنی خطا کے سبب لوگوں کو جنت سے زمین کی طرف اتارا' پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی اور آپ کو تورات کی وہ تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور آپ کو قریب کر کے سرگوشی کی' آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے تورات کو لکھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے' حضرت آدم نے کہا کیا آپ نے اس میں یہ آیت پڑھی ہے:

وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی. (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰ نے کہا ہاں! حضرت آدم نے کہا کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح مسلم القدر: ۱۵' رقم الحدیث: ۲۶۵۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۵_۶۶۱۴_۴۷۳۸_۴۷۳۶_۳۴۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸)

آیا تقدیر میں لکھا ہوا ہونا ارتکاب معصیت پر ملامت کے سقوط کا سبب ہے یا نہیں!

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کو اٹھانے اور ان کے اعتراض کا مسکت جواب دینے میں ان پر غالب آ گئے' کیونکہ آدمیوں میں سے کسی کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق نہیں ہے' اور جس کام میں ان کا مباحثہ ہوا تھا اس میں وہ دونوں برابر ہیں' کیونکہ تقدیر کو ساقط کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہے' اور نہ اس کے سبب کو باطل کرنے پر قادر ہے ورنہ وہ میانہ روی سے نکل کر قدریہ یا جبریہ کے مذہب میں چلا جائے گا' حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی کمی کو ظاہر فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام سے سرفراز فرمایا تو آپ کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ آپ مجھے تقدیر کے لکھے ہوئے پر ملامت کریں جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا' اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کے اعتراض کو ان پر ہی لوٹا دیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی حضرت آدم پر اعتراض کر کے بحث کی ابتداء کی تھی۔

علامہ نووی نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرا شجر ممنوع سے کھانا مقدر ہو چکا تھا' سو آپ مجھ کو اس پر ملامت نہ کریں' کیونکہ یہ ملامت شرعی ہے عقلی نہیں ہے' اور جب کوئی شخص اپنی خطاء پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے' اور جب اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے تو پھر کسی کو اس پر ملامت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے' اور جو ملامت کرے گا تو شرعاً اس کی ملامت جائز نہیں ہوگی' پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص معصیت کر کے یہ کہے کہ اس کا یہ معصیت کرنا اللہ کی تقدیر میں تھا تو اس شخص سے تو ملامت ساقط نہیں ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابھی دارالتکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہیں' اور اس کو ملامت کرنا صحیح ہے کیونکہ اس ملامت سے مقصود اس کو اور دوسروں کو معصیت کے کاموں سے باز رکھنا ہے' اور حضرت آدم علیہ السلام دارالتکلیف سے جا چکے تھے اور

اب ان کو ملامت کرنے سے سوا ان کو شرمندہ کرنے کے اور کوئی حاصل نہیں تھا۔

علامہ تورپشتی نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطا کو میرے لیے مقدر کر دیا تھا' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو میرے لیے لازم اور واجب کر دیا تھا اور میرے لیے اس درخت سے کھانے یا نہ کھانے کا اختیار باقی نہیں رہا تھا' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں میرے اس فعل کو لکھ دیا تھا اور ثابت کر دیا تھا' اور چونکہ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت تھا کہ میں نے یہ کام کرنا ہے اور اپنے اختیار اور کسب سے اس کام کو کرنا ہے تو اللہ کے علم کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا' آپ اللہ کے علم ازلی کی طرف توجہ نہیں کر رہے اور صرف میرے کسب اور قصد کو دیکھ رہے ہیں اور اصل تقدیر کو فراموش کر رہے ہیں حالانکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے اور اپنے خاص بندوں میں منتخب فرما لیا ہے جو پردے کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ کے اسرار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ص ۴۲۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (فرشتوں نے کہا) اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے O اور بے شک ہم صف بستہ ہیں O اور بے شک ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۶۶۔۱۶۴)

فرشتوں کا صفیں باندھ کر عبادت کرنا

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے' انہوں نے کہا ہم صف بستہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' وہ قیام کرتے ہیں' رکوع اور سجود کرتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کرتے ہیں' اور اس سے ان مشرکین کا رد کرنا مقصود ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتے تو وہ بھی خدا ہوتے کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتے حالانکہ وہ صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' فرشتوں کی عبادت کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہا ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ چرچرائے' آسمان میں ہر چار انگشت کی جگہ پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں جھکائے ہوئے ہیں' اللہ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور تم زیادہ روؤ' اور تم بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذت حاصل نہ کرو اور تم جنگلوں میں اللہ کی طرف فریاد کرتے ہوئے نکل جاؤ' حضرت ابوذر نے کہا کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ص ۵۱۰' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۲۳۶)

نیز اس آیت میں فرشتوں کے صف بستہ کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے صف بنانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں' نماز سکون سے پڑھا کرو' پھر آپ تشریف لائے تو آپ نے ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو متفرق طور پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں' پھر آپ تشریف لائے تو فرمایا: تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے صفیں باندھتے ہیں' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ پہلی صف باندھتے ہیں اس کے بعد اس سے متصل دوسری صف باندھتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے' جیسے ہم نے بتایا جمہور کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کا ہے' جو انہوں نے مشرکین سے کہا تھا یعنی ہم میں سے ہر ایک کا اور تمہارا آخرت میں مقام معلوم ہے اور وہ مقام حساب ہے' اور بعض نے کہا ہم میں سے بعض کا مقام خوف ہے اور بعض کا مقام رجاء ہے اور ہم میں سے بعض کا مقام اخلاص ہے اور بعض کا مقام شکر ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے ایمان کے درجات اور اس کے اعمال صالحہ کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ لوگ (مشرکین) کہا کرتے تھے ○ اور اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی ○ تو ہم ضرور اخلاص سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ○ پس انہوں نے اللہ کا کفر کیا سو وہ عنقریب جان لیں گے ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۰-۱۶۷)

کفار مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی احکام شرعیہ دے کر بھیجا جاتا تو ہم اس کی پیروی کرتے' یعنی جس طرح پہلی قوموں کے پاس رسول آئے تھے اگر ہمارے پاس بھی اس طرح رسول آتے تو ہم ان کی اخلاص کے ساتھ اتباع کرتے' پھر جب ان کے پاس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت اور احکام شرعیہ لے کر آئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا' اور ان کو عنقریب پتا چل جائے گا کہ ان کو ان کے کفر اور انکار کی کیسی سزا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں ○ کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہو گا ○ سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں ○ پس وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہو گا تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہو گی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ○ اور آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۹-۱۷۱)

رسولوں کے غلبہ سے مراد ان کا دلائل کے اعتبار سے غلبہ ہے

الصّٰفّٰت: ۱۷۱ میں ہے: اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں' یعنی ہم ان کو یہ بتا چکے ہیں کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب ہو گا' قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ (المجادلہ: ۲۱)

اللہ لکھ چکا ہے' بے شک میں اور میرے سب رسول ضرور غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے۔

اور اس آیت میں غلبہ سے مراد عام ہے خواہ وہ مادی غلبہ ہو یا معنوی غلبہ ہو' مادی غلبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عروج اور اقتدار ہو جیسا کہ ایک زمانہ میں تین براعظموں افریقہ' ایشیا اور یورپ کے علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت تھی' اور معنوی غلبہ یہ ہے کہ دلائل اور براہین کے اعتبار سے مسلمانوں کا غلبہ ہو خواہ وقتی طور پر مسلمان اسلحہ کی کمی اور مادی قوت کے نہ ہونے کی وجہ سے شکست کھا جائیں لیکن ان کے دین اور ان کے معتقدات اپنے دلائل کی قوت سے تمام ادیان پر غالب ہیں' اس لیے اب اس آیت پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ بعض انبیاء کو شہید کر دیا گیا اور بعض مواقع پر مسلمانوں کو شکست ہوئی تو پھر رسولوں کو اور مسلمانوں کو غلبہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دلائل کے اعتبار سے اس وقت اللہ کے رسول اور مسلمان ہی غالب تھے۔

الصّٰفّٰت: ۱۷۵-۱۷۴ میں ہے: سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ

بھی عنقریب دیکھ لیں گے O

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ایک وقت معین تک ان سے درگزر کرتے رہیے اور ان سے قتال نہ کیجئے اور ہماری مدد کے وعدہ پر بھروسا رکھیے' جب ان کو اپنی زیادتیوں اور اپنے کفر وشرک پر ندامت ہوگی اور آپ پر ایمان لانے کی حسرت ہوگی' وہ وقت معین بعض مفسرین کے مطابق یوم بدر ہے اور بعض کے مطابق فتح مکہ ہے اور بعض نے کہا اس سے یوم قیامت مراد ہے۔

اور آپ دیکھتے رہیے کہ ان کافروں کو بعض غزوات میں قتل کیا جائے گا اور ان کو قید کیا جائے گا اور میدان جنگ میں ان کا چھوڑا ہوا متاع اور اسلحہ بہ طور مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوگا' اور وہ یہ بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ آپ کی کیسی عظیم نصرت کرتا ہے اور آپ کی تائید فرماتا ہے اور آخرت میں بھی وہ آپ کی عزت' سرخ روئی اور اللہ کے نزدیک آپ کی وجاہت کا مشاہدہ کریں گے۔

الصّٰفّٰت: ۱۷۷۔۱۷۶ میں ہے: کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں! O پس وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوگی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کو اپنے سامنے کوئی عذاب آتا دکھائی نہیں دیتا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ اب تک آیا کیوں نہیں؟ اور ان کا یہ مذاق اڑانا ان کی جہالت کی وجہ سے تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے وہ کام اس وقت سے پہلے ہو سکتا ہے اور نہ اس وقت سے موخر ہو سکتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس عذاب کو وہ جلد طلب کر رہے ہیں جب وہ عذاب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو وہ ان کی نہایت بری صبح ہوگی' اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور دنیا میں کفار کی مادی شکست اور ان کی ذلت اور رسوائی کا عذاب بھی ہو سکتا ہے' اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر پہنچے اور جب آپ کسی قوم کے پاس رات کو پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے اس پر حملہ نہیں کرتے تھے' جب صبح ہوئی تو یہود اپنے کدال اور اپنی ٹوکریاں لے کر نکلے' جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا محمد' اللہ کی قسم محمد (آ گئے ہیں) اور وہ لشکر کے ساتھ ہیں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر تباہ اور برباد ہو گیا' ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو اس قوم کی صبح کیسی خراب ہوتی ہے جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۶۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۷۱' عالم الکتب بیروت' جامع المسانید والسنن ج ۲۳ ص ۱۶۰' رقم الحدیث: ۲۵۴۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الصّٰفّٰت: ۱۷۹۔۱۷۸ میں ہے: اور آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے O

ان دونوں آیتوں کو کفار کو ڈرانے میں مبالغہ کرنے کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرایا ہو اور اس آیت میں ان کو اخروی عذاب سے ڈرایا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O اور رسولوں پر سلام ہو O اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۸۲۔۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے اور رسولوں پر سلام بھیجنے میں مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّٰفّٰت کو ان تین آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو تمام اہم مطالب کی جامع ہیں' کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ جو معرفت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور نقائص سے بری اور پاک ہے اس پر لفظ سبحان ربک دلالت کرتا ہے اور یہ کہ تمام محاسن اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس پر رب العزت دلالت کرتا ہے۔

تمام مخلوق ناقص ہے اور ناقص کو کسی مکمل کی احتیاج ہوتی ہے جو اس کو حصول کمال کی طرف رہ نمائی کرے اور اس کو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی ہدایت دے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام اور رسل عظام ہیں اس لیے جو ناقص ہیں ان پر کامل کی اتباع واجب ہوتی ہے اس لیے مخلوق پر واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کریں اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں اور ان کی اتباع کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں' سو اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیس اور اپنی حمد وثنا کے بعد اپنے رسولوں پر سلام بھیجا اور اس میں ہم کو بھی یہ ہدایت دی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد رسولوں کو سلام بھیجا کریں' اور آخر میں الحمد للہ رب العلمین فرمایا' کیونکہ حمد کا استحقاق کسی عظیم انعام کی وجہ سے ہوتا ہے' سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ منعم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ تمام العلمین سے غنی ہے' کیونکہ انعام وہی کرتا ہے جو غنی ہو اور غنی کی شان یہ ہے کہ وہ ناداروں اور مسکینوں پر فضل اور احسان کرتا ہے' ضرورت مندوں پر اور اپنے قصور پر معافی چاہنے والوں پر رحم اور کرم فرماتا ہے ان کو معاف کر دیتا ہے' بخشتا ہے اور نوازتا ہے' سو اس میں تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگو! اس سے اپنی خطاؤں پر معافی چاہو اپنی حاجات کو اس سے طلب کرو' اور اس سورت کے آخر میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق طلب کرو کہ تمہارا آخر اور تمہارا خاتمہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد پر ہو۔

ان تین آیات کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام رسولوں پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی تمام رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے سے پہلے یہ تین آیتیں پڑھا کرتے تھے: سبحان ربک رب العزة عما یصفون O وسلام علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا وزن بڑے آلہ پیمائش میں کیا جائے اسے چاہیے کہ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں یہ تین آیتیں پڑھا کرے: سبحان ربک رب العزة عما یصفون O وسلام علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۷۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۳۴' جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۳۹۔۱۳۸' النکت والعیون ج ۵ ص ۷۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۲۸۔۱۲۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸۔۲۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۲۳۔۱۲۲' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۳۳)

اختتامی کلمات

الحمد للہ رب العلمین آج ۶ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ/ ۹ مئی ۲۰۰۳ء بعد نماز جمعہ سورۃ الصّٰفّٰت کی تفسیر ختم ہو گئی' اس سورت کی تفسیر ۲۴ محرم ۱۴۲۴ھ/ ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو شروع کی تھی۔ اس طرح ایک ماہ اور تیرہ دنوں میں سورۃ الصّٰفّٰت کی تفسیر مکمل

ہوگئی۔

اس کے ساتھ ہی تبیان القرآن کی نویں جلد بھی مکمل ہوگئی' ۲۳ جون ۲۰۰۲ء کو اس جلد کی ابتداء کی تھی اور آج ۹ مئی ۲۰۰۳ء کو یہ جلد مکمل ہوگئی اس طرح تقریباً دس ماہ ۱۷ دن میں نویں جلد کی تکمیل ہوگئی' فالحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً۔

میں دس رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ/۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوا تھا' قمری تقویم کے اعتبار سے میری عمر ۶۸ سال ہو چکی ہے اور شمسی تقویم کے اعتبار سے میری عمر ۶۶ سال ہو چکی ہے' اور یہ سن انحطاط ہے' اس سال دوران تصنیف میں کافی بیمار رہا ہوں' شوگر' بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کے مسلسل پرہیز کی وجہ سے وزن کافی کم ہو گیا ہے' کچھ عمر کا تقاضا اور کچھ پرہیز کی بناء پر غذا کے کم استعمال کی وجہ سے بہت زیادہ ضعف رہتا ہے' میں شہر کی دینی اور سماجی تقریبات میں شرکت نہیں کرتا پچھلے پانچ' چھ سال سے میں نے جمعہ کا خطاب بھی چھوڑ دیا ہے' کمر میں شدید درد رہتا ہے' اور جسمانی تھکاوٹ بہت جلد ہو جاتی ہے اور اب پہلی رفتار سے لکھنے کا کام نہیں ہو پاتا' بہر حال جب تک جسمانی اعضاء ساتھ دیتے رہیں گے' میں ان شاء اللہ اس کام کو کرتا رہوں گا' ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام تک دسویں جلد اس معروف وقفہ کی بہ نسبت تاخیر سے پہنچے۔ بہر حال قارئین کرام سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے رب کریم جس طرح آپ نے الصّٰفّٰت تک تفسیر مکمل کرادی ہے باقی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب طمانیت اور استقامت اور مخالفین کے لیے سبب رشد و ہدایت بنادیں' اور محض اپنے فضل کو مصنف کے لیے ذریعہ نجات بنادیں' اے مولائے رحیم! مجھے' میرے اساتذہ کو' میرے والدین کو' میرے اقرباء' احباب' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشر' مصحح' کمپوزر' جلد ساز' جملہ معاونین' اس کتاب کے قارئین اور تمام مسلمین کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور آلام سے اور آخرت کے عذاب اور عتاب سے محفوظ اور مامون رکھ' اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت کو مقدر فرمادے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد قائد المرسلین امام المتقین شفیع المذنبین وعلی اصحابہ الراشدین والہ الطاہرین وازواجہ المطہرات امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر امتہ اجمعین.

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار 'مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد 'مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد 'مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۳ھ' مسند طیالسی 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی 'مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند 'مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ 'مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان داری متوفی [illegible] سنن داری [illegible] ۱۴۲۰ھ

۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دارالکتب [illegible]

۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ [illegible] ۱۴[illegible]ھ

۲۴- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دارالجیل بیروت' ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ کرمہ' ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۳۸۵ھ' سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دارالرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت

۳۴- امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنی التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ' صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز

۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ کرمہ

۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض' ۱۴۲۰ھ

۴۶- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ

۴۷- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۴۹- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

٥٠- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ٣٦٠ھ، الشریعۃ، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض، ١٤١٣ھ
٥١- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ٣٦٠ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ١٣٨٨ھ، مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٥ھ
٥٢- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ٣٦٠ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ١٤٠٥ھ دارالفکر بیروت، ١٤٢٠ھ
٥٣- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ٣٦٠ھ، معجم کبیر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
٥٤- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ٣٦٠ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ١٤٠٩ھ
٥٥- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ٣٦٠ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٣ھ
٥٦- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ٣٦٤ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ١٤٠٨ھ
٥٧- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، التوفی ٣٦٥ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٢ھ
٥٨- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ٣٨٥ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٢ھ
٥٩- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ٣٩٦ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
٦٠- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ٤٠٥ھ، المستدرک، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ١٤١٨ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ١٤٢٠ھ
٦١- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ٤٣٠ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ
٦٢- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ٤٣٠ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالنفائس، بیروت
٦٣- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
٦٤- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
٦٥- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
٦٦- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢٣ھ
٦٧- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤٠٦ھ
٦٨- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ١٤١٠ھ
٦٩- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤٠١ھ
٧٠- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ٤٥٨ھ، الجامع شعب الایمان، مطبوعہ مکتبۃ الرشد ریاض، ١٤٢٣ھ
٧١- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ١٤١٤ھ
٧٢- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی، متوفی ٤٦٣ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
٧٣- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، التوفی ٥٠٩ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت،

۱۴۰۶ھ
۷۴- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۷۵- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۷۶- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
۷۷- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۷۸- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۹- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' التوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۸۰- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ
۸۱- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دار خضر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۸۲- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دار ارقم بیروت
۸۳- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۸۴- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۸۵- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ
۸۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۸۸- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۹- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۹۰- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
۹۱- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۹۲- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۹۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۵- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' التوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدرر المنتثرہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۰۴- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۵- علامہ احمد عبدالرحمن البناء، متوفی ۱۳۷۸ھ، الفتح الربانی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۶- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۷- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۰۸- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ داراحیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ
۱۰۹- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۱۱۰- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۱۱- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دارالکتاب ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۱۲- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ دارالفکر بیروت
۱۱۳- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۱۴- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۱۵- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ
۱۱۶- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۱۷- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۸- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی، متوفی ۴۲۷ھ، تفسیر الثعلبی داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۱۹- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۴۱۲ھ
۱۲۰- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۲۱- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ، تفسیر القشیری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۲۲- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۳- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۲۴- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دارالوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ

۱۲۵- علامہ عمادالدین طبری الکیاالہراسی' متوفی ۵۰۴ھ' احکام القرآن' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ

۱۲۶- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' التوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۲۷- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۲۸- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۲۹- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۳۰- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ

۱۳۱- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زادالمسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۳۲- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۳۳- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۳۴- شیخ ابومحمد روزبہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنو

۱۳۵- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء

۱۳۶- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۳۷- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۸- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۳۹- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۴۰- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۱- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۱۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دارابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۴۳- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۴۴- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدرالمصون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۴۵- حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ

۱۴۶- علامہ عمادالدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۷- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۴۸- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۴۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' داراحیاء التراث العربی بیروت'

۱۴۲۱ھ

۱۵۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۵۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۵۲- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیو بند' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۵۳- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۵۴- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۵۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۵۶- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی

۱۵۷- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۵۸- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر ۱۳۰۳ھ

۱۵۹- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' مصر' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۶۰- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۶۱- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۶۲- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۶۳- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۶۴- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۶۵- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ

۱۶۶- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۶۷- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۶۸- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۶۹- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۷۰- شیخ محمود الحسن دیو بندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۷۱- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس

۱۷۲- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ

۱۷۳- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

۱۷۴- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ

۱۷۵- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۱۷۶- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۷۷- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۷۸- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۷۹- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ

۱۸۰- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

۱۸۱- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور

۱۸۲- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران۔

۱۸۳- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت

۱۸۴- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۸۵- سعید حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۸۶- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ البرہان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۱۸۷- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

۱۸۸- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۹- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ

۱۹۰- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی' متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

۱۹۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۹۲- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی' متوفی ۴۷۴ھ المنتقیٰ' مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ

۱۹۳- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۹۴- قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ' القبس فی شرح موطا ابن انس' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۹۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بفوائد مسلم' مطبوعہ دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۹۶- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۹۷- علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ الحسن التورپشتی، متوفی ۶۶۱ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۴۲۲ھ

۱۹۸- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۹۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۰۰- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۲۰۱- علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی ۷۹۵ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی ریاض، ۱۴۱۷ھ

۲۰۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۰۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۰۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار، دار ابن کثیر، بیروت

۲۰۵- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

۲۰۶- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ

۲۰۷- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۰۸- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۲۰۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۱۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۲ھ

۲۱۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تنویر الحوالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۱۲- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ

۲۱۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۱۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۱۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۱۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، مکتبہ حقانیہ پشاور

۲۱۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ

۲۱۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الاسرار المرفوعۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۱۹- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو

۲۲۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ

۲۲۱- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی [illegible]

۲۲۲- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر [illegible]

۲۲۳- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی

۲۲۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

۲۲۵- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور' ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' التاریخ الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ

۲۲۷- امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۲۸- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ

۲۲۹- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۳۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۲۳۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۳- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' المقاصد الحسنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۳۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۳۶- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

۲۳۷- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۳۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

۲۳۹- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق

۲۴۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض

۲۴۱- علامہ عبدالرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۴۲- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ

۲۴۳- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ

۲۴۴- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۲۴۵- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۴۶- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد الغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۴۸- علامہ یحیٰی بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۹- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ' قم' ایران
۲۵۰- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۵۱- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۵۲- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
۲۵۳- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعہ الغاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۵۴- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۵۵- ابونعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۵۶- قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۵۷- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۵۸- امام عبد الملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۹- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۶۰- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۶۱- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۶۲- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۶۴- علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۶۵- علامہ عبد الرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۶۶- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۷- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۸- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۶۹- علامہ علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۵۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۷۰- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۷۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷۲- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۷۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۷۴- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ

۲۷۵- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۲۷۶- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الہدیٰ والرشاد 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۷۷- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۲۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۷۹- شیخ عبد الحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۸۰- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۱- علامہ محمد عبد الباقی زُرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ

۲۸۲- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۳- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۸۴- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۸۵- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ

۲۸۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۷- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ

۲۸۸- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ

۲۸۹- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع 'مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۹۰- علامہ حسین بن منصور اوز جندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین وآخرین 'مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۹۲- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق 'مطبوعہ ایچ - ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ

۲۹۳- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۹۴- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ

۲۹۵- علامہ ابو بکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۹۶- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ 'مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۷- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۹۸- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۲۹۹- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۰۰- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۰۱- علامہ معین الدین الھروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۰۲- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۳۰۳- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ
۳۰۴- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۰۵- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
۳۰۶- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاوی حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ
۳۰۷- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ، النھر الفائق، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۰۸- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ
۳۰۹- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد، متوفی ۱۰۷۸ھ، مجمع الانھر مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۱۰- علامہ خیرالدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاوی خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۳۱۱- علامہ علاءالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدرالمختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۲- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۳۱۳- ملا نظام الدین متوفی، ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۳۱۴- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۱۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۱۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ
۳۱۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۹ھ
۳۱۹- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، جدالممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۲۰- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاوی رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۲۱- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاوی افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۲۲- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۲۳- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ، اعلاء السنن، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۲۴- علامہ نوراللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاوی نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۲۵- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، الام، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

۳۲۶- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۲۷- علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ

۳۲۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۲۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

۳۳۰- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاوی، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۳۲- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبر املسی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۳۳- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۳۴- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۳۵- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۳۶- علامہ ابوعبداللہ محمد بن الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا

۳۳۷- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۳۸- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۴۰- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۴۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۴۲- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۴۳- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۳۴۴- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۴۵- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۴۶- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۴۷- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۸- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۹- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۵۰- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۵۱- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام-قم ۱۴۲۲ھ
۳۵۲- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۵۳- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۵۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۵۵- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' المنقذ من الضلال' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ
۳۵۶- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری' المتوفی ۵۷۷ھ' الداعی الی الاسلام' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۳۵۷- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' العقیدۃ الواسطیہ' مطبوعہ دار السلام ریاض' ۱۴۱۴ھ
۳۵۸- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۳۵۹- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۶۰- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۶۱- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسایرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۶۲- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' المتوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۶۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ
۳۶۴- علامہ محمد بن احمد السفارینی' المتوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البھیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۶۵- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۶۶- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۳۶۷- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری' المتوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ
۳۶۸- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح و تلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۶۹- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریر مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض
۳۷۰- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

٣٧١- علامہ احمد جونپوری' متوفی ١١٣٠ھ' نورالانوار' مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی کراچی
٣٧٢- علامہ عبدالحق خیر آبادی' متوفی ١٣١٨ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

٣٧٣- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ٣٨٦ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ١٣٠٦ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٧ھ
٣٧٤- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ٥٠٥ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دارالخیر بیروت' ١٤١٣ھ
٣٧٥- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی' متوفی ٥٩٧ھ' ذم الھویٰ' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ١٤٢٣ھ
٣٧٦- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ٦٦٨ھ' التذکرہ' مطبوعہ دارالبخاریہ مدینہ منورہ' ١٤١٧ھ
٣٧٧- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ٧٢٨ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ١٣٧٣ھ
٣٧٨- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ٧٤٨ھ' الکبائر' مطبوعہ دارالغد العربی قاہرہ' مصر
٣٧٩- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ٧٥١ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ١٤١٧ھ
٣٨٠- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ٧٥١ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ
٣٨١- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ٧٥١ھ' زادالمعاد' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٩ھ
٣٨٢- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی' متوفی ٧٦٨ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ١٣٧٤ھ
٣٨٣- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ٨١٦ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ١٣٠٦ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ
٣٨٤- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ٩١١ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤٠٤ھ
٣٨٥- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ
٣٨٦- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٨ھ
٣٨٧- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ
٣٨٨- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٨ھ
٣٨٩- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤٠٨ھ
٣٩٠- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ
٣٩١- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ
٣٩٢- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ٩٧٤ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ
٣٩٣- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ٩٧٤ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٩ھ
٣٩٤- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ٩٧٤ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ١٣٨٥ھ
٣٩٥- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ٩٧٤ھ' الزواجر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٤ھ
٣٩٦- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ١٠٣٤ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ١٣٧٠ھ

۳۹۷- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۹۸- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۹۹- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۴۰۰- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۴۰۱- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۳۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۴۰۲- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۰۳- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۰۴- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۰۵- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
احمد صلی اللہ علیہ وسلم

حامد صلی اللہ علیہ وسلم
محمود صلی اللہ علیہ وسلم
قاسم صلی اللہ علیہ وسلم
عاقب صلی اللہ علیہ وسلم

فاتح صلی اللہ علیہ وسلم
شاہد صلی اللہ علیہ وسلم
حاشر صلی اللہ علیہ وسلم
رشید صلی اللہ علیہ وسلم
مشہود صلی اللہ علیہ وسلم

بشیر صلی اللہ علیہ وسلم
نذیر صلی اللہ علیہ وسلم
داع صلی اللہ علیہ وسلم
شاف صلی اللہ علیہ وسلم

ہاد صلی اللہ علیہ وسلم
ماح صلی اللہ علیہ وسلم
منج صلی اللہ علیہ وسلم
تہامی صلی اللہ علیہ وسلم

ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم
امی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ناہ صلی اللہ علیہ وسلم

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم

عزیز صلی اللہ علیہ وسلم
حریص علیکم صلی اللہ علیہ وسلم
رؤف صلی اللہ علیہ وسلم
رحیم صلی اللہ علیہ وسلم

طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
طٰس صلی اللہ علیہ وسلم
مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حٰم صلی اللہ علیہ وسلم
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
یٰس صلی اللہ علیہ وسلم
اولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مزمل صلی اللہ علیہ وسلم

ولی صلی اللہ علیہ وسلم
مدثر صلی اللہ علیہ وسلم
متین صلی اللہ علیہ وسلم
مصدق صلی اللہ علیہ وسلم

طیب صلی اللہ علیہ وسلم
ناصر صلی اللہ علیہ وسلم
منصور صلی اللہ علیہ وسلم
مصباح صلی اللہ علیہ وسلم
آمر صلی اللہ علیہ وسلم

حجازی ﷺ — نزاری ﷺ — صادق ﷺ — امین ﷺ — عبداللہ ﷺ

کلیم اللہ ﷺ — حبیب اللہ ﷺ — نجی اللہ ﷺ — صفی اللہ ﷺ

خاتم الانبیاء ﷺ — حسیب ﷺ — مجیب ﷺ — شکور ﷺ — مقتصد ﷺ

رسول الرحمۃ ﷺ — قوی ﷺ — حفی ﷺ — مامون ﷺ

معلوم ﷺ — حق ﷺ — مبین ﷺ — مطیع ﷺ — رسول الراحۃ ﷺ

اول ﷺ — آخر ﷺ — ظاہر ﷺ — باطن ﷺ

نبی الرحمۃ ﷺ — یتیم ﷺ — کریم ﷺ — حکیم ﷺ — خاتم الرسل ﷺ

سید ﷺ — سراج ﷺ — مبشر ﷺ — محرم ﷺ

مکرم ﷺ — منیر ﷺ — مذکر ﷺ — مطہر ﷺ — قریب ﷺ

خلیل ﷺ — مدعو ﷺ — جواد ﷺ — خاتم ﷺ

عادل ﷺ — شہیر ﷺ — شہید ﷺ — رسول الملاحم ﷺ — شفیع ﷺ

مومن ﷺ — مضری ﷺ — نبی التوبۃ ﷺ — حافظ ﷺ

کامل ﷺ — لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — قرشی ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اُردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

هو الله جل جلاله | الذی لا اله جل جلاله

الا هو جل جلاله | الرحمن جل جلاله | الرحیم جل جلاله | الملک جل جلاله

القدوس جل جلاله | السلام جل جلاله | المؤمن جل جلاله | المهیمن جل جلاله | العزیز جل جلاله

الجبار جل جلاله | المتکبر جل جلاله | الخالق جل جلاله | الباری جل جلاله

المصور جل جلاله | الغفار جل جلاله | القهار جل جلاله | الوهاب جل جلاله | الرزاق جل جلاله

الفتاح جل جلاله | العلیم جل جلاله | القابض جل جلاله | الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله | الرافع جل جلاله | المعز جل جلاله | الحکم جل جلاله | البصیر جل جلاله

السمیع جل جلاله | المذل جل جلاله | العدل جل جلاله | اللطیف جل جلاله

الخبیر جل جلاله | الحلیم جل جلاله | العظیم جل جلاله | الغفور جل جلاله | الشکور جل جلاله

العلی جل جلاله | الکبیر جل جلاله | الحفیظ جل جلاله | المقیت جل جلاله

الحسیب جل جلاله | الجلیل جل جلاله | الکریم جل جلاله | الرقیب جل جلاله | المجیب جل جلاله

الواسع جل جلاله | الحکیم جل جلاله | الودود جل جلاله | المجید جل جلاله

الباعث جل جلاله | الشهید جل جلاله | الحق جل جلاله | الوکیل جل جلاله | القوی جل جلاله

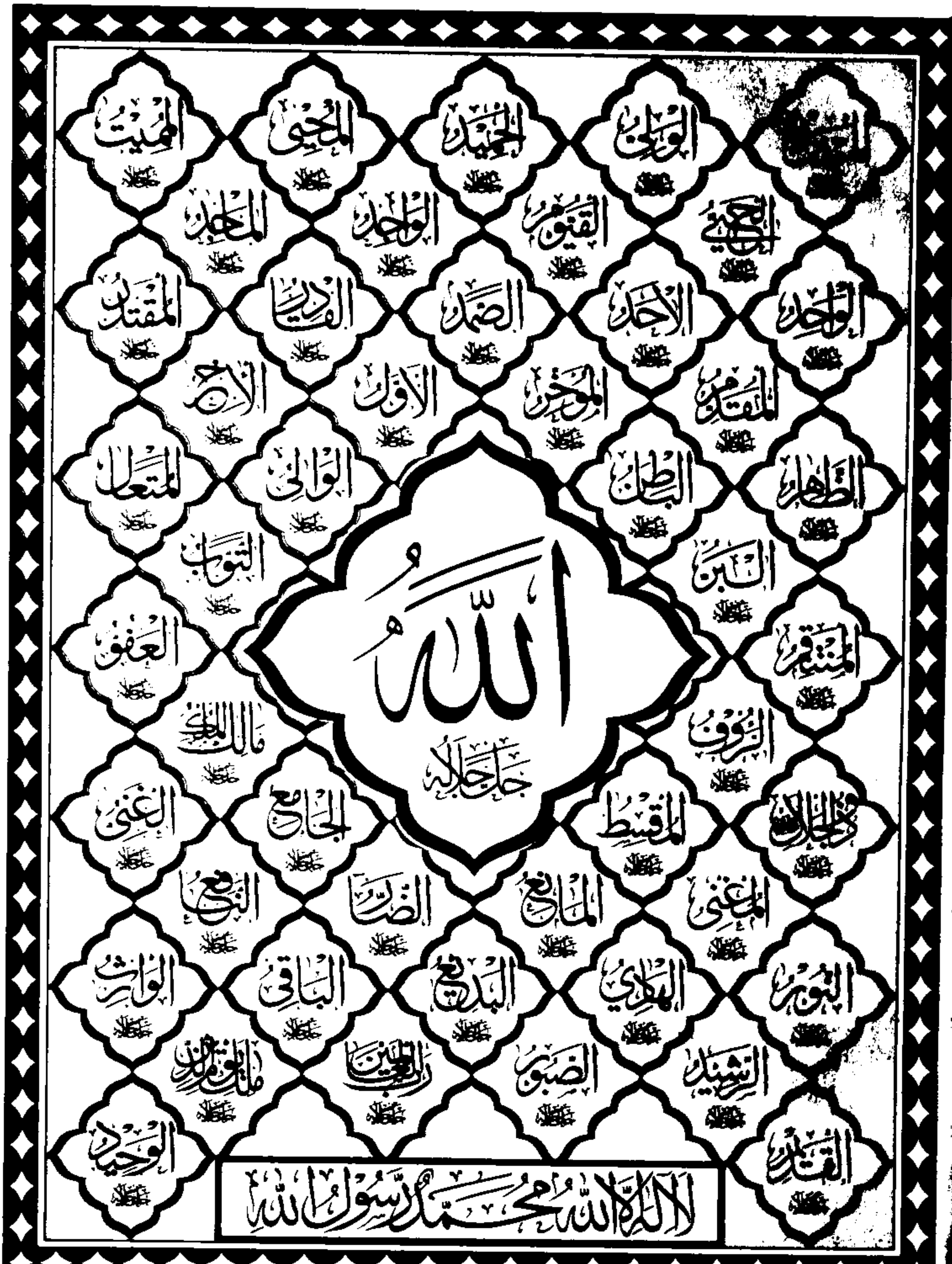

الولي
الحميد
المحيي
المميت
القيوم
الواجد
الماجد
الواحد
الأحد
الصمد
القادر
المقتدر
المقدم
المؤخر
الأول
الآخر
الظاهر
الباطن
الوالي
المتعالي
البر
التواب
الله
جل جلاله
المنتقم
العفو
الرؤوف
ذو الجلال والإكرام
المقسط
الجامع
الغني
المغني
المانع
الضار
النافع
النور
الهادي
البديع
الباقي
الوارث
الرشيد
الصبور
لا اله الا الله محمد رسول الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : محمد فیاض احمد رضوی
کمپوزنگ : NRehanN ALi
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : رجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیء عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازوجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطاء والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت امین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور مقبول محبوب اور اثر آفرین بنا دے اس کو میری مغفرت کا ذریعہ میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

سُوْرَةُ صٓ

(۳۸)

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

(۳۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۂ ص

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

تمام مروجہ مصاحف' احادیث' آثار اور کتب تفسیر میں اس سورت کا نام ''ص'' معروف اور مشہور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کا پہلا کلمہ ص ہے' اور جس طرح قرآن مجید کی کئی سورتوں کا نام ان کے شروع میں مذکور حرف تہجی پر رکھا گیا ہے جیسے طٰہٰ' یٰس اور ق' اسی طرح اس سورت کے اول میں جو ''ص'' مذکور ہے اسی پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ ''ص'' مکی سورت ہے' البتہ الجعبری کا قول ہے کہ یہ مدنی سورت ہے مگر یہ قول شاذ ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ' بیروت)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے بھی اس سورت کا نمبر ۳۸ ہی ہے' یہ سورت الاعراف سے پہلے اور ''اقتربت الساعۃ'' کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اس کی ۸۸ آیتیں ہیں اور ہمارے مصاحف میں بھی تعداد معروف ہے اور اہل حجاز' شام اور بصرہ کے نزدیک اس کی ۸۶ آیتیں ہیں اور ایوب بن المتوکل بصری کے نزدیک اس کی ۸۵ آیتیں ہیں۔

ص کا زمانۂ نزول

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو طالب بیمار ہو گئے تو قریش ان کے پاس ملنے کے لیے آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت تشریف لے آئے' ابو طالب کی مجلس میں ایک آدمی تھا' ابو جہل اس کو منع کرنے کے لیے کھڑا ہوا' حضرت ابن عباس نے کہا: لوگوں نے ابو طالب سے آپ کی شکایت کی' ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ صرف ایک کلمہ پڑھ لیں' پھر پورا عرب ان کے زیر تسلط ہو جائے گا اور عجم کے لوگ ان کو خراج ادا کریں گے' ابو طالب نے پوچھا: صرف ایک کلمہ؟! آپ نے فرمایا: صرف ایک کلمہ' آپ نے فرمایا: اے میرے چچا! یہ کہیں: ''لا الٰہ الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان لوگوں نے کہا: صرف ایک خدا! ہم نے کسی اور دین میں ایسی بات نہیں سنی' یہ محض جھوٹ ہے' تب ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ ... مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ (ص: ۱۔۷)

صاد' اس نصیحت والے قرآن کی قسم! ۝ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ۝ (کافروں نے کہا:) ہم نے کسی اور دین میں یہ بات نہیں سنی' یہ محض (ان کی) من

گھڑت بات ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۹۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۸۶، المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۸۸، جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۸۴۰)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

زہری کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے یہ دیکھا کہ اسلام غلبہ پا رہا ہے اور مسلمان کعبہ کے گرد بیٹھنے لگے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، وہ اکٹھے ہو کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سے افضل ہیں اور آپ نے دیکھا ہے کہ ان بے وقوف نوجوانوں نے آپ کے بھتیجے کے کہنے میں آ کر ہمارے معبودوں کی عبادت چھوڑ دی ہے اور ہم پر طعن و تشنیع شروع کر دی ہے، وہ اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو لے کر آئے تھے انہوں نے کہا: ہم آپ کے پاس قریش کا سب سے حسین و جمیل اور سب سے عمدہ نسب کا لڑکا لے کر آئے ہیں، ہم اس کو آپ کے حوالے کرتے ہیں، یہ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کا وارث ہو گا، اس کے بدلہ آپ اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دیں، پھر ہم اس کو قتل کر دیں گے، اس فیصلہ سے تمام قبائل مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم! تم نے انصاف نہیں کیا، تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو تا کہ میں کھلا پلا کر اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلہ میں تم کو اپنا بھتیجا دے دوں تا کہ تم اس کو قتل کر دو، یہ کوئی انصاف تو نہیں ہے، انہوں نے کہا: تم اپنے بھتیجے کو بلاؤ، ہم اس سے انصاف کی بات کہتے ہیں، ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو ابو طالب نے آپ سے کہا: اے بھتیجے! یہ لوگ آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ لوگ ہیں اور یہ آپ سے کوئی انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کہو میں سن رہا ہوں، انہوں نے کہا: آپ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہیں، ہم آپ کے خدا کو برا نہیں کہیں گے۔ ابو طالب نے کہا: آپ کی قوم نے بہت انصاف کی بات کہی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں، اگر تم اس کلمے کو پڑھ لیتے ہو تو تمام عرب تمہارے زیر تسلط ہو جائے گا اور عجم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائے گا، ابو جہل نے کہا: یہ کلمہ تو بہت نفع آور ہے، ہاں! آپ کے باپ کی قسم! ہم اس کلمے کو ضرور پڑھیں گے بلکہ دس بار پڑھیں گے، آپ نے فرمایا: تم پڑھو: ''لا الہ الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ سب بپھر گئے، غصہ اور غضب سے تلملانے لگے اور وحشیوں کی طرح وہاں سے بھاگنے لگے، عقبہ بن ابی معیط نے کہا: اپنے خداؤں پر صبر کرو اور ہم دوبارہ ان کے پاس نہیں آئیں گے، اس کے بعد ان کافروں نے آپ کے خلاف سازش کی اور دھوکے سے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام اور نامراد کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۸۔ ۱۵۹ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ ھ، طبع جدید)

ان احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ سورۂ صٓ ابو طالب کی حیات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی ہے، جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا تھے، لہٰذا یہ سورت ہجرت سے تین سال پہلے نازل ہوئی ہے۔

صٓ کے اغراض و مقاصد

(۱) مشرکین مکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت اور زجر و توبیخ کی ہے۔

لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيدنا محمد و على آله و اصحابه اجمعين.

اس تعارف کے آخر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض اکابر اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ امام رازی کی تفسیر کو علامہ قمولی نے مکمل کیا ہے' ہر چند کہ ان اکابر علماء کے نام بہت بڑے بڑے ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں ذرہ ناچیز سے بھی کم ہوں' تاہم تحقیق یہ ہے کہ مکمل تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ امام رازی نے ہی تفسیر کبیر کو مکمل کیا ہے

علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۴۹)' حاجی خلیفہ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۵۶)' حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (تاریخ الاسلام ج ۴۱ ص ۲۱۳)' علامہ تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۰۴) نے لکھا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مکمل نہیں فرمائی' بلکہ اس کو علامہ نجم الدین قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا ہے۔

میں سورۃ الانبیاء کے بعد بھی مسلسل تفسیر کبیر کا مطالعہ کرتا رہا ہوں اور اس دوران مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ تفسیر کبیر امام رازی نے ہی مکمل فرمائی ہے' کیونکہ سورۃ الانبیاء کے بعد کی سورتوں میں بھی امام رازی کا وہی انداز ہے اور جن چیزوں کی وہ پہلے تفسیر اور تحقیق کر چکے ہیں جب بعد کی آیتوں میں ان کا ذکر آئے تو فرماتے ہیں: ہم اس سے پہلے فلاں سورت میں اس کی تحقیق کر چکے ہیں' مثلاً وہ یٰس: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم پھلوں کی لذت اور نفع اندوزی کے متعلق سورۃ الانعام میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

الصّٰفّٰت: ۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "مارد" کی تفسیر التوبہ: ۱۰۱ میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

الصّٰفّٰت: ۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "داخرون" کی تفسیر النمل: ۴۸ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر علامہ قمولی نے الانبیاء کے بعد تفسیر کبیر لکھی ہوتی تو وہ اس طرح نہ لکھتے بلکہ لکھتے کہ امام اس کی تفسیر فلاں سورت میں لکھ چکے ہیں۔ ہم نے تین آیتوں کی مثالیں دی ہیں' ایسی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

دوسری بہت واضح دلیل یہ ہے کہ امام رازی نے بعض سورتوں کے آخر میں وہ تاریخ بھی لکھی ہے جس تاریخ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی ہے' ہم امام رازی کی لکھی ہوئی تمام اختتامی تاریخوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔

سورۂ آل عمران کے آخر میں لکھتے ہیں: اللہ کے فضل اور احسان سے یکم ربیع الثانی ۵۹۵ھ بہ روز جمعرات اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۷۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

سورۃ النساء کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۲ جمادی الثانیہ ۵۹۵ھ بہ روز منگل میں اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۷۵)

سورۃ الانفال کے آخر میں لکھتے ہیں: للہ الحمد و الشکر یکم رمضان بہ روز اتوار ۶۰۱ھ میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۰)

سورۃ التوبہ کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۴ رمضان ۶۰۱ھ بہ روز جمعہ میں اس کی تفسیر سے فارغ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۸۰)

سورۂ یونس کے آخر میں لکھتے ہیں: میں اس سورت کی تفسیر سے رجب ۶۰۱ھ بہ روز ہفتہ فارغ ہو گیا تھا اور میں ان دنوں

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کی تکذیب اور مخالفت سے نہ گھبرائیں' آپ سے پہلے حضرت داؤد' حضرت ایوب اور دیگر رسولوں کی بھی تکذیب اور مخالفت ہوتی رہی ہے۔

(۳) لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دینے کے لیے قیامت اور دار آخرت کا برپا کرنا ضروری ہے۔

(۴) سب سے پہلی گمراہی وہ تھی جو شیطان کے انکار سجود کی وجہ سے وجود میں آئی۔

صٓ کے مضامین اور مشمولات

(۱) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ کفار مکہ صرف تکبر کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر رہے ہیں' ان کو صرف یہ بات ناگوار گزری ہے کہ ان ہی میں سے اور ان کی ہی نوع سے ایک شخص کو منصب رسالت پر سرفراز کر دیا گیا اور جن بتوں کی وہ اور ان کے آباء واجداد ایک بڑے عرصہ سے عبادت کر رہے تھے اس نے ان سب بتوں کی خدائی کو باطل قرار دے دیا' سو وہ آپ کو ساحر اور کذاب کہتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ منصب رسالت ہو یا کوئی اور بڑی نعمت ہو اس نعمت کے مستحق وہ ہیں اور وہ اس خبط میں مبتلا تھے کہ اگر اللہ نے اپنی کوئی کتاب نازل فرمانی ہوتی تو ان جیسے کسی امیر و کبیر اور سردار پر اپنی کتاب نازل کرتا نہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی کوئی ظاہری شان وشوکت' ٹھاٹھ باٹھ اور طمطراق نہ تھا۔

(۲) گزشتہ بعض سرکش اور متکبر امتوں کا ذکر فرمایا' جنہوں نے آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح کا تکبر کیا اور بالآخر وہ امتیں ملیامیٹ ہو گئیں۔

(۳) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ یہ دنیا محض عبث اور فضول نہیں ہے' اس دنیا میں انسان نیک یا بد جو بھی کام کرتا ہے اس کو آخرت میں اس کی سزا یا جزاء ملتی ہے اور اسی لیے قیامت کا آنا ضروری ہے۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا کا ذکر فرمایا اور اس پر ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرما کر جو ان کو معاف فرمایا اس کا ذکر فرمایا تاکہ لوگ گناہ کرنے کے بعد اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور اس سے استغفار کرتے رہیں۔

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی وسعت اور ان کی دولت اور حشمت کا ذکر فرمایا اور ان نعمتوں پر ان کی شکر گزاری کو بیان فرمایا تاکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فراہم کی کہ اگر مشرکین مکہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ فکر اور غم نہ کریں کہ ہمیشہ اولوالعزم انبیاء کی مخالفت کی جاتی رہی ہے اور وہ اس پر صبر کرتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہمیشہ ناکام اور نامراد کیا اور اپنے نبیوں کو دارین میں سرخ روئی عطا فرمائی۔

(۷) آخر میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور جو لوگ آپ کے پیغام توحید کی تکذیب کر رہے ہیں اور تکبر کی بناء پر آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں وہ ابلیس کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا وہی انجام ہوگا جو ابلیس اور اس کے پیروکاروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

صٓ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت سے صٓ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں' الٰہ العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق وصواب پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باتیں غلط ہوں ان کی غلطیوں اور ناصواب ہونے پر مطلع فرمانا اور ان کا رد کرنے کی ہمت اور توفیق دینا۔ واخر دعوانا ان الحمد

گویا المؤمن سے الفتح تک تمام سورتوں کی تفسیر امام رازی نے ذوالحجہ ۶۰۳ھ میں لکھی ہے۔ اور یہ تفسیر کبیر کے کل ۱۳۷ صفحات ہیں اور عربی میں ایک ماہ میں ۱۳۷ صفحات لکھ لینا بعید نہیں ہے' اردو میں مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے اور ۱۲۰ صفحات کے لگ بھگ تو میں نے بھی ایک ماہ میں لکھے ہیں۔ سورۃ الفتح کے بعد امام رازی نے کسی سورت کے خاتمہ کی تاریخ نہیں لکھی۔ الفتح کا نمبر ۴۸ ہے اور اس کے بعد ساڑھے چار پاروں کی تفسیر باقی ہے۔ اور امام رازی کی وفات ۶۰۶ھ میں ہے اور اس کے بعد وہ مزید تین سال زندہ رہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ پوری تفسیر ان ہی کی لکھی ہوئی نہ ہو' لہٰذا صحیح یہی ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے اور ابن خلکان' حاجی خلیفہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

عمر رضا کحالہ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی کی تصنیف ہے۔

(معجم المؤلفین ج ۱۱ ص ۷۹' دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر تفسیر کبیر علامہ قمولی نے مکمل کی ہوتی تو وہ اپنے تکملہ کے دوران کہیں تو امام رازی کا نام لیتے اور بتاتے کہ یہ امام رازی کا اسلوب ہے اور یہ میرا طریقہ ہے۔

نیز سورت مجادلہ کا نمبر ۵۸ ہے اور یہ قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے' اس کی آیت: ۱۱ ''وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ'' (المجادلہ: ۱۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: جان لو کہ ہم نے ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (البقرہ: ۳۱) کی تفسیر میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر سورۃ الانبیاء کے بعد علامہ قمولی نے تفسیر کبیر کو مکمل کیا ہوتا تو یہ عبارت اس طرح ہوتی کہ امام رازی نے ''عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' کی تفسیر میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور جب کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ ہم نے البقرہ: ۳۱ میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے تو آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

اور امام رازی ''فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ'' (الحشر: ۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقہ'' میں اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قیاس حجت ہے' ہم اس تقریر کا یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس عبارت سے مزید واضح ہو گیا کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵/۷ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵-۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

اپنے نیک بیٹے محمد کی وفات سے بہت غم زدہ ہوں اور قارئین سے اس کی مغفرت کی درخواست ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱۱)

سورۂ یوسف کے آخر میں لکھتے ہیں: میں سات شعبان ۶۰۱ھ بہ روز بدھ اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہو گیا آج کل میں اپنے نیک بیٹے محمد کی وفات سے بہت غم گین ہوں' اس کی مغفرت کی دعا کریں اور میرے لیے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا کریں اور جو میرے لیے یہ دعا کرے گا میں بھی اس کے لیے بہت دعا کروں گا اور پھر حمد وصلوٰۃ پڑھی۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۲۳)

سورۂ رعد کے آخر میں لکھتے ہیں: آج ۱۸ شعبان ۶۰۱ھ بہ روز اتوار کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی' بیٹے کی وفات کا غم تازہ ہے' اس کی دعا کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۵)

سورۂ ابراہیم کے آخر میں فرماتے ہیں: اواخر شعبان ۶۰۱ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۱۵)

سورۃ الکہف کے آخر میں فرماتے ہیں: ستر و صفر ۶۰۲ھ بہ روز منگل شبر غزنین میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۰۴)

سورۃ الصّٰفّٰت کے آخر میں لکھتے ہیں: ستر و ذوالقعدہ ۶۰۳ھ میں بہ روز جمعہ بہ وقت چاشت اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۴)

امام رازی نے الزمر کی تفسیر میں ایک سوال کے متعدد جواب ذکر کیے ہیں۔ ان کے تیسرے جواب میں لکھا ہے کہ یہ جواب میرے والد شیخ ضیاء الدین عمر نے دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۶) یہ عبارت اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ سورۂ انبیاء سے آگے بھی تفسیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ نیز سورۂ زمر کے آخر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ اس کی تفسیر ذوالقعدہ ۶۰۳ھ میں مکمل ہوئی۔

''وفیات الاعیان'' اور ''کشف الظنون'' وغیرہما میں لکھا ہوا ہے کہ امام رازی نے سورۃ الانبیاء تک تفسیر لکھی ہے۔ الانبیاء کا نمبر ۲۱ ہے اور الزمر کا نمبر ۳۹ ہے' گویا کہ الانبیاء کے بعد ۱۸ سورتوں کی تفسیر بھی امام رازی نے لکھی ہے اور یہ سورت ۶۰۳ھ میں لکھی گئی ہے اور ۶۰۶ھ میں امام رازی کی وفات ہوئی ہے گویا اس کے تین سال بعد تک امام رازی تفسیر کبیر لکھتے رہے اور آخری سورتوں کی تفسیر امام رازی نے بہت سرعت کے ساتھ لکھی ہے' جیسا کہ بعد کی تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے۔

سورۂ ص کے آخر میں فرماتے ہیں: ۲ ذوالقعدہ ۶۰۳ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۷)

سورۃ الزمر کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالقعدہ ۶۰۳ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۱)

سورۃ المؤمن کے آخر میں فرماتے ہیں: ۲ ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز ہفتہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۳۶)

سورۂ حٰم السجدۃ کے آخر میں فرماتے ہیں: ۴ ذوالحجہ ۶۰۳ھ کو ظہر کے وقت اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۴)

سورۃ الشوریٰ کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۱۵)

سورۃ الزخرف کے آخر میں فرماتے ہیں: ۱۱ ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز اتوار اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵۰)

غالباً ان دونوں سورتوں کی تفسیریں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور سورۃ الدخان اور الجاثیہ کی تفسیر بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

سورۃ الدخان کے آخر میں لکھتے ہیں: بارہ ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۷)

سورۃ الجاثیہ کے آخر میں لکھتے ہیں: پندرہ ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۸۳)

سورۃ الاحقاف کے آخر میں لکھتے ہیں: ۲۰ ذوالحجہ ۶۰۳ھ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۱)

سورۃ الفتح کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۷ ذوالحجہ ۶۰۳ھ بہ روز جمعرات کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۹۰)

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ

تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں O یہ اسی جگہ کفار کا شکست خوردہ

مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ

حقیر لشکر ہے O ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم

ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ

تکذیب کر چکی ہے O اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے

الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ ع ۱۴

گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صٓ ‘اس نصیحت والے قرآن کی قسم! O بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں O ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں‘ انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نجات کا نہ تھا O (صٓ: ۳-۱)

صٓ کے معانی اور محامل

اس سورت کو بھی حرف تہجی صٓ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے‘ جیسا کہ قرآن مجید کی اور بھی کئی سورتوں کو حرف تہجی کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور اس میں اس چیز پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور وحی الٰہی ہے‘ کسی انسان کا کلام نہیں ہے‘ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو جن حروف تہجی سے یہ کلام مرکب ہے تم ان ہی حروف سے کلام بناتے ہو‘ سو تم بھی ان حروف سے ایسا کلام بنا لاؤ اور اگر تم ایسا معجز کلام نہ بنا سکو اور اس سے عاجز ہو جاؤ تو پھر مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حرف صاد کو ابتداءً لانے میں حسب ذیل امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

(۱) صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہیں جو حرف صاد سے شروع ہوتے ہیں جیسے صادق الوعد‘ صانع المخلوقات اور صمد۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر خبر پہنچانے میں صادق ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: صٓ سے مراد وہ بحر ہے جس سے اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیانی وقفہ میں مردوں کو زندہ فرمائے گا‘ ضحاک نے کہا: صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے‘ قتادہ سے مروی ہے کہ یہ قرآن کا اسم ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۳۰‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا؟

ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت والے قرآن کی قسم کھائی ہے‘ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواب قسم یہاں پر مذکور نہیں ہے لیکن مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کلام معجز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صٓ ‘اس نصیحت والے قرآن کی قسم! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن معجز ہے اور ان کا یہ دعویٰ برحق ہے یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تبلیغ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچانے میں صادق ہیں

(۳۸) سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۸) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُهَا ۸۸ رُکُوْعَاتُهَا ۵

سورۂ صٓ مکی ہے۔ اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝ اس کی اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ

صٓ، اس نصیحت والے قرآن کی قسم! ۝ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے

شِقَاقٍ ۝۲ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ

ہوئے ہیں ۝ ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں انہوں نے بہت فریاد کی اور وہ وقت

مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ

نجات کا نہ تھا ۝ اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور کافروں

هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ

نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے ۝ کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے، بے شک یہ بہت عجیب

عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ

بات ہے ۝ کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ

بے شک اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے ۝ ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی، یہ صرف

هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ

ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے ۝ کیا ہم میں سے صرف ان پر ہی نصیحت نازل کی گئی ہے، بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی

شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ

وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں، بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے ۝ یا ان کے پاس آپ کے

رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں ۝ یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے

نہیں ہو سکتی تھی۔

اس آیت کی نظیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ○ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ○ (المؤمن: ۸۵-۸۴)

پس جب بھی کافر ہمارا عذاب دیکھتے تو کہتے کہ ہم اللہ کے واحد ہونے پر ایمان لے آئے اور جن جن کو ہم نے اس کا شریک بنایا تھا ہم ان کا اب کفر اور انکار کرتے ہیں○ جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو پھر ان کا ایمان ان کو نفع دینے والا نہ تھا' یہ اللہ کا طریقہ مستمرہ ہے جو اس نے پہلی قوموں میں جاری کیا ہوا ہے اور کفار ایسے وقت میں (ہمیشہ) خراب وخوار ہوئے○

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ○ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ○ (المؤمنون: ۶۵-۶۴)

حتیٰ کہ جب ہم نے کافروں کے عیش پرست لوگوں کو عذاب میں گرفتار کر لیا تو لگے وہ فریاد کرنے اور بلبلانے○ آج تم فریاد نہ کرو' آج ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی○

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ (یونس: ۹۱-۹۰)

فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں○ (فرمایا:) اب (ایمان لایا ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا○

سو اس وقت فرعون کی توبہ قبول نہیں کی گئی اور اس کو غرق کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے○ کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے○ کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کرلو' بے شک اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے○ ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے○ (صٓ: ۷-۴)

کفار کا تکبر اور ان کی مخالفت کس سبب سے تھی؟

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بے شک کفار تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں' ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ وہ کس وجہ سے تکبر اور مخالفت کرتے تھے' ان کے تکبر اور ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا دیا گیا اور وہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے آ گیا۔

کفار یہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہری صورت اور باطنی قوتوں میں ہماری مثل ہیں' ان کی شکل و صورت ہماری طرح ہے' ان کی پیدائش بھی ہماری طرح ہوئی ہے' پھر یہ کس طرح معقول ہوگا کہ ہم میں سے صرف ان کو منصب رسالت پر فائز کر دیا جائے اور ان کو اتنے عظیم الشان مرتبہ کے لیے چن لیا جائے اور یہ کفار کی جہالت تھی' کیونکہ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو ان کو یہ دعوت دے رہا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور فرشتوں کی تعظیم کریں' ان کو مؤنث نہ کہیں' دنیا کی فانی لذتوں سے کنارہ کش ہوں اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے وابستہ ہوں۔ جھوٹے اور

اور کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا' آپ کی رسالت کا اور قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور کفر کر رہے ہیں تو ان کا یہ انکار محض تکبر اور عناد کی وجہ سے ہے' ان کا گمان یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بناتا تو اس شخص کو بناتا جو بہت امیر و کبیر ہوتا۔ جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی' اس کے بہت نوکر چاکر ہوتے اور اس کا بہت بڑا جتھا ہوتا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ ظاہری جاہ وحشم اور بہت سرمایہ نہیں تھا جب کہ وہ سرمایہ دار اور سردار تھے' اس لیے وہ اپنے زعم فاسد میں آپ کو کمتر اور حقیر سمجھتے تھے اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کا کلمہ پڑھنا اور آپ کی اطاعت کرنا اپنی بڑائی اور اپنی امارت و ریاست کے خلاف سمجھتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

"ولات حين مناص" کی تفسیر

اس کے بعد فرمایا: "ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نجات کا نہ تھا O"۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ کافر قوموں پر دنیا میں عذاب نازل فرمایا تو وہ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے چیخے چلائے اور انہوں نے بلند آواز کے ساتھ نداء کی' انہوں نے نداء میں کیا کہا یہ اس آیت میں نہیں بیان فرمایا' مفسرین نے اس کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں' انہوں نے نداء کرتے ہوئے کہا:

(۱) انہوں نے فریاد کی کہ ان سے یہ عذاب دور کر دیا جائے۔

(۲) جب انہوں نے عذاب دیکھا تو انہوں نے بہ آواز بلند اپنے شرک اور تکبر سے توبہ کی اور ایمان لے آئے۔

(۳) وہ اپنے غم اور اندوہ کو ظاہر کرنے کے لیے اور درد اور بے چینی کی وجہ سے محض چیخ و پکار کر رہے تھے جیسا کہ درد اور بے چینی میں مبتلا شخص اس طرح کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ولات حين مناص" یعنی یہ وقت عذاب سے فرار اور نجات کا نہ تھا۔

خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس آیت میں لات' لا المشبهة بليس ہے اور اس میں تا زائدہ ہے اور اس تا کو زیادہ کرنے کی وجہ سے اس میں دو خصوصی حکم آ گئے' ایک یہ کہ لات صرف ان اسماء پر داخل ہو گا جن میں احیان اور اوقات کا معنی ہو جیسے مناص کا معنی مدد کا وقت ہے یا نجات کا وقت ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ویسے تو لا المشبهة بليس دو جزءوں یعنی اسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے لیکن لات صرف ایک جز پر داخل ہو گا' صرف اسم پر یا صرف خبر پر جیسا کہ آیت میں ہے۔

الاخفش نے کہا: لات میں لا نفی جنس کا ہے اور اس پر تا کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ نفی احیان اور اوقات کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس آیت کا معنی ہے "اور یہ ان کی نجات کا وقت نہ تھا" اور مناص کا معنی ہے نجات اور مدد کی جگہ۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۷-۳۶۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ نداء کی اور یہ وقت توبہ کے قبول ہونے کا نہ تھا کیونکہ عذاب آنے کے بعد عمل نفع نہیں دیتا۔

القشیری نے کہا: جس چیز کی وہ نداء کر رہے تھے' وہ وقت اس کی نداء کا نہ تھا' ہر چند کہ انسان اسی وقت چیخ و پکار اور فریاد کرتا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے لیکن یہ وقت اس مصیبت سے نجات کا نہ تھا۔

الجرجانی اور الفراء نے کہا: انہوں نے ایسے وقت میں عذاب سے فرار اور نجات کو طلب کیا جب عذاب سے ان کی نجات

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۳۶)

امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے مقاتل سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے سدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے کہا: اگر تم میرے ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دو پھر بھی میں تم سے یہی مطالبہ کروں گا کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کرلو' اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے''۔ (ص: ۶)

کفار کا اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرنے کا محمل

عقبہ بن ابی معیط نے کہا تھا: چلو! یعنی تم اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہو اور اس مجلس سے نکل چلو' کیونکہ یہاں اب ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور اس نے کہا: اب اپنے خداؤں پر صبر کرلو' یعنی اب تم اپنے بتوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور ان کی عبادت کو جو یہ برا اور گناہ کہتے ہیں اس کو برداشت کرتے رہو۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا: جب کفار اپنے بتوں کی عبادت کرنے پر صبر سے راضی ہو گئے حالانکہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے تو مسلمان اس کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ صبر کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کرتے رہیں اور اس راہ میں کسی ملامت یا کسی طعن تشنیع یا کسی بھی مصیبت کی پرواہ نہ کریں۔

انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کو واحد مانو اور ہمارے بتوں کی خدائی کی نفی کر رہے ہیں' وہ ضرور اس حکم کو نافذ کرنے والے ہیں' یہ محض ان کی زبانی بات نہیں ہے' وہ کسی کی سفارش کرنے سے اور کسی کے سمجھانے سے اپنے اس عزم سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لیے تم یہ طمع نہ رکھو کہ ابو طالب کے کہنے سننے سے اور ان کے سفارش کرنے سے وہ اپنے موقف کو ترک کر دیں گے۔ پس تمہارے لیے یہ غنیمت ہے کہ تم اپنے بتوں کی عبادت کر رہے ہو اور اس پر کوئی بندش عائد نہیں ہے' سو تم ان کی باتیں برداشت کرتے ہوئے صبر و سکون سے اپنے بتوں کی عبادت کرتے رہو اور اپنے طریقہ پر سختی سے قائم رہو۔

اس کے بعد فرمایا: ''(اور کافروں نے کہا:) ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے''۔ (ص: ۷)

خَلق' خُلق اور اختلاق کے معانی

اس بات سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے' اور انہوں نے کہا: ''اور ہم نے اس سے پہلے دین میں توحید کی دعوت کو نہیں سنا'' یعنی ہمارے آباؤ اجداد جس دین کے پیروکار تھے اس میں توحید کا عقیدہ نہ تھا' اس آیت میں دین کے لیے ملت کا لفظ ہے' احکام شرعیہ جب اس لحاظ سے ہوں کہ ان کی اطاعت کی جائے تو ان احکام شرعیہ کو دین کہا جاتا ہے اور جب احکام شرعیہ اس لحاظ سے ہوں کہ ان کو لکھ کر محفوظ کیا جائے اور وہ منضبط اور مدون ہوں تو ان کو ملت کہا جاتا ہے اور توسعاً دین اور ملت کا ایک

بے حیائی کے کام نہ کریں' رشتہ داروں سے نیک سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ شخص ان کا نسبی قرابت دار ہے' ان کو معلوم ہے کہ وہ شخص جھوٹ اور جھوٹ کی تہمت سے بہت دور ہے' یہ تمام صفات ایسی ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کی تصدیق کو واجب کرتی ہیں' لیکن یہ کفار اپنی حماقت کی وجہ سے اس شخص کے دعویٰ رسالت پر تعجب کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان کی قوم اور ان کے قبیلہ کے ایک فرد ہیں۔ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے ان کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ ان کی اطاعت میں داخل ہونے اور ان کا امتی کہلانے میں اپنی سبکی محسوس کرتے تھے اور اس پر تعجب کرتے تھے کہ کسی دنیاوی فضیلت اور بڑائی کے بغیر ان کو کیسے پیغام الٰہی پہنچانے کے لیے چن لیا گیا اور ان کا یہ تعجب کرنا محض ان کے حسد کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کافروں نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ کہنے والے کافر تھے' کیونکہ جو اللہ کے رسول کو جھوٹا کہے اور جادوگر کہے وہ کافر ہے' ان کا یہ کہنا خود بداہۃً جھوٹ تھا' کیونکہ جادوگر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت سے منع کرتے تھے' اسی طرح ان کا آپ کو جھوٹا کہنا بھی بجائے خود جھوٹ تھا' کیونکہ جھوٹا شخص وہ ہوتا ہے جو واقع کے خلاف خبر دے اور آپ نے یہ خبر دی کہ یہ جہاں یونہی خود بہ خود وجود میں نہیں آ گیا' اس کا کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے' کیونکہ اس تمام جہان کا نظام طرز واحد اور نظم واحد پر چل رہا ہے اور اس کا نظم واحد پر چلنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس قول کو نقل فرمایا: ''کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے''۔ (ص ٓ: ۵)

کفار کی ابو طالب سے شکایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش پر یہ واقعہ بہت دشوار گزرا اور مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے' ولید بن مغیرہ نے قریش کی ایک جماعت سے کہا' جن میں ان کے صنادید اور اشراف موجود تھے: ابو طالب کے پاس چلو' پھر انہوں نے ابو طالب سے کہا: آپ ہمارے شیخ اور بزرگ ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ان نادان لڑکوں نے کیا کیا ہے' ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان کوئی معتدل راہ نکال دیں' ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ کے آنے کے بعد آپ سے کہا: اے بھتیجے! یہ تمہاری قوم ہے' یہ چاہتی ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی قابل عمل فیصلہ ہو جائے اور تم اپنی قوم سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہ کرو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کفار قریش نے کہا: آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کے ذکر کو چھوڑ دیں' ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک کلمہ پڑھ کر مان لو' تمام عرب تمہارے زیر نگیں ہو جائے گا اور عجم بھی تمہارے ماتحت ہو جائے گا۔ ابو جہل نے کہا: اللہ تمہارا بھلا کرے' ایسا کلمہ تو ہم دس بار پڑھنے پر بھی تیار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پڑھو لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) یہ بات سن کر وہ متوحش ہوئے اور اس مجلس سے اٹھ گئے اور کہنے لگے: یہ تمام معبودوں کو ملا کر ایک معبود قرار دے رہے ہیں' تمام لوگ یہ بات کیسے مان لیں گے کہ ان کا معبود صرف ایک معبود ہے' تب اللہ تعالیٰ نے سورت ص ٓ کی یہ آیات نازل فرمائیں۔

(اسباب النزول ص ۳۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اور کفار مکہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (الزخرف: ۳۱) اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟

ان کے اس اعتراض کی مکمل تقریر اس طرح ہے کہ نبوت اور رسالت سب سے عظیم مرتبہ ہے' اس لیے یہ مرتبہ سب سے عظیم اور مشرف انسان کو ملنا چاہیے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے عظیم اور مشرف انسان نہیں ہیں' کیونکہ ان کے پاس مال و دولت کی کثرت ہے نہ جاہ و حشم ہے' نہ ان کے ماتحت کوئی جتھا ہے' نہ یہ کسی قبیلہ کے سردار ہیں' اس لیے نبوت اور رسالت کا منصب ان کو نہیں ملنا چاہیے اور نہ یہ اس کے لائق ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تو صحیح تھا کہ نبوت بلند تر اور بالاتر مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ اس شخص کو ملنا چاہیے جو مرتبہ میں سب سے بلند اور بالا ہو' لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند اور بالا نہیں ہیں۔ کیونکہ سعادت' شرافت اور سیادت کی تین قسمیں ہیں' اعلیٰ درجہ کی سیادت' سعادت نفسانیہ ہے یعنی اس شخص کا نفس اور قلب سب سے پاکیزہ ہو اور نفس کی طہارت اور پاکیزگی اللہ پر ایمان اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے' آپ ایمان باللہ پر پیدا ہوئے اور کفار آپ کی چالیس سالہ گزاری ہوئی حیات میں دیکھ چکے تھے' آپ سب سے زیادہ عفت مآب' عبادت گزار' عمدہ اخلاق کے مالک اور تمام لوگوں میں صادق اور امین مشہور تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس: ۱۶) میں اس سے پہلے عمر کا ایک بہت بڑا حصہ تم میں گزار چکا ہوں' کیا پس تم عقل نہیں رکھتے ○

سیادت اور سعادت کا دوسرا مرتبہ جسمانی اور بدنی ہے اور آپ قبائل عرب میں سب سے افضل قبیلہ قریش اور اس کی سب سے افضل شاخ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے اور آپ کے دادا حضرت عبد المطلب تمام اہل مکہ میں بزرگ اور برتر مانے جاتے تھے اور آپ کا جسمانی حسن و جمال اور آپ کی وجاہت سب پر فائق تھی' سو نفسانی اور جسمانی شرف کے لحاظ سے آپ ہی سب سے افضل اور برتر تھے' اور رہا سیادت کا تیسرا مرتبہ وہ خارجی اور اضافی وجوہ سے ہے یعنی مال و دولت اور دنیاوی شان و شوکت کے اعتبار سے کسی کا زائد ہونا اور یہ اضافی فضیلت ہے' حقیقی فضیلت نہیں ہے' ایک وقت تھا کہ آپ کے پاس زیادہ مال و دولت نہیں تھا' پھر اسلامی فتوحات کی کثرت ہوئی اور بہ کثرت مال غنیمت اور مال فے آپ کے پاس آ گیا' حتیٰ کہ آپ ازواج مطہرات کو ایک سال کا غلہ فراہم کر دیا کرتے تھے۔ سو مشرکین مکہ کا آپ پر یہ اعتراض بالکل بے جا' غلط اور جھوٹا تھا کہ آپ عرب کے افضل اور برتر انسان نہیں ہیں تو آپ کو نبوت اور رسالت کے لیے چن لینا کس طرح صحیح ہوگا۔

مشرکین مکہ نے جو یہ کہا تھا کہ آپ شکل و صورت میں ہماری طرح ہیں اور انہوں نے آپ کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا' تو ان کا یہ قیاس بالکل فاسد تھا' کہاں آپ اور کہاں وہ' آپ اول خلائق' اصل موجودات اور روح الارواح ہیں' ہر کمال کی آپ اصل ہیں بلکہ حسن اور کمال وہی ہے جس کو آپ کے ساتھ نسبت ہو اور جس چیز کی آپ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں وہ کمال سے محروم ہے اور رہا یہ کہ آپ کی اور ان کی صورت ایک نوع اور ایک طرح کی ہے تو یہ نوع میں مماثلت حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہے' ورنہ آپ کے شخص کریم اور ان کے اشخاص میں کوئی مماثلت نہیں ہے' اگر کوئی کہے کہ ان کی بھی دو آنکھیں اور آپ کی بھی دو آنکھیں تھیں تو ہم کہیں گے کہ تمہیں ان آنکھوں سے کیا نظر آتا ہے؟ آپ تو اپنی آنکھوں سے سامنے' پس پشت' دائیں' بائیں' اوپر' نیچے یکساں دیکھتے تھے۔ زمین پر کھڑے ہوتے تو زمین کے نیچے قبر والوں کو اور ان کے احوال کو دیکھتے تھے' آسمانوں کے پار جنت کو دیکھتے تھے' شاہد اور غائب کو دیکھتے تھے' جنات اور فرشتوں کو دیکھتے تھے حتیٰ کہ آپ

دوسرے پر اطلاق کر دیا جاتا ہے اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ان کافروں کے دل و دماغ پر اندھی تقلید غالب تھی انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر عمل کرنے کو صحیح جانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں توحید کی دعوت دی تھی اس کو غلط جانا۔

انہوں نے کہا: "یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے" اس آیت میں اس کے لیے اختلاق کا لفظ ہے۔ انسان اپنے پاس سے بنا کر جو جھوٹی بات کہتا ہے اس کو خلق اور اختلاق کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے پیغام کو سن کر کہا:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۳۸۔۱۳۷)

یہ صرف پہلے لوگوں کی بنائی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں ۝ ہم ہرگز عذاب نہیں ہوگا ۝

اور اس آیت میں فرمایا:

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ (ص: ۷)

ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے ۝

خلق' مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور خلق (خ پر زبر) اور خلق (خ پر پیش) کی اصل واحد ہے۔ لیکن خلق کا لفظ ان ہیئات' اشکال اور صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا بصر سے ادراک کیا جاتا ہے اور خلق کا لفظ ان قوتوں اور خصلتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا بصیرت سے ادراک کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم: ۴)

بے شک آپ بہت بلند اخلاق پر فائز ہیں ۝

(المفردات ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافروں نے کہا) کیا ہم میں سے صرف ان پر ہی نصیحت نازل کی گئی ہے بلکہ یہ لوگ میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں ۝ بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے ۝ یا ان کے پاس آپ کے غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں ۝ یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں ۝ (ص: ۱۰۔۸)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ محمد تو ذات اور صفات میں ہماری مثل ہیں پھر ان کو وحی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اوپر یہ کفار کا تیسرا شبہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ محمد ذات اور صفات اور جسمانی بناوٹ میں دوسرے لوگوں کے برابر ہیں' اسی طرح آپ کی باطنی قوتیں بھی دوسروں کے برابر ہیں پھر یہ کیسے معقول ہو سکتا ہے کہ آپ کو نبوت اور رسالت کا وہ درجہ عالیہ اور عظیم مرتبہ دیا جائے جو آپ جیسی ذات اور صفات رکھنے والے دوسرے لوگوں کو نہیں دیا گیا۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ:

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (القمر: ۲۵۔۲۴)

اور (کافروں نے) کہا: کیا ہم اپنوں میں سے ہی ایک شخص کی پیروی کریں' بے شک پھر تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے ۝ کیا ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر وحی نازل کی گئی ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ بہت جھوٹا اور شیخی بگھارنے والا ہے ۝

صرف نظر کرتے ہیں جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حق ہونے تک پہنچاتے ہیں اور خود ان کو اس پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوانے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر جو دلائل قائم کیے اگر یہ کشادہ آنکھوں اور کھلے ذہنوں کے ساتھ ان دلائل کو دیکھ لیتے تو آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آتے اور آپ کی رسالت کے متعلق ان کے جتنے شبہات تھے وہ سب زائل ہو جاتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے''۔

یعنی کفار مکہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان پر میرا عذاب آ جائے اور اگر انہوں نے وہ عذاب چکھ لیا تو پھر ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس میں یہ تہدید اور وعید ہے کہ عنقریب آخرت میں ان پر میرا عذاب آئے گا اور پھر وہ مجبور ہو کر مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ میرا عذاب چکھ لیتے اور اس کے درد کا ادراک کر لیتے تو میری وحی کے انکار کی جرأت نہ کرتے۔

علامہ العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: تمام لوگ خواب میں ہیں' جب وہ مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۵' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی' دمشق)

اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جس قدر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے وہ اسی قدر اپنے کفر اور تکبر پر اصرار کرتے تھے' پھر وہ اپنے کفر پر مسلسل اصرار کرتے رہے اور ان پر عذاب نہیں آیا اور یہ چیز آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے میں ان کے زیادہ شک کا باعث بن گئی اور انہوں نے کہا:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب ان کافروں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے' تو (ہمارے انکار کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے○

اور ان کے شبہ کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید یہ فرمایا:

''یا ان کے پاس آپ کے غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں○'' (ص: ۹)

اس جواب کی تقریر یہ ہے کہ نبوت کا منصب بہت عظیم منصب ہے اور بہت بلند درجہ ہے اور اس منصب کو عطا کرنے پر وہی قادر ہوگا جو بہت غالب ہو اور بہت فیاض اور جواد ہو اور وہ جب کسی کو عطا فرماتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو وہ عطا کر رہا ہے وہ غنی ہے یا فقیر ہے اور نہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کو عطا کرنا اس کے دشمنوں کو پسند ہوگا یا ناپسند ہوگا۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کافروں کے پاس ہیں؟ وہ جس طرح چاہیں اس کے خزانوں میں تصرف کرتے ہیں' جس کو وہ چاہتے ہیں اس کو دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو نہیں دیتے اور اپنی رائے کے مطابق اس کے خزانوں میں حکم نافذ کرتے ہیں اور اپنے صنادید اور سرداروں کو نبوت عطا کرتے ہیں' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ نبوت تو محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا انعام ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے یہ انعام کرتا ہے' اس کو دینے اور نوازنے سے کوئی روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں ہے۔

نے اپنی کھلی آنکھوں سے بیداری میں اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ دکھائی دینے والے نے بھی داد دی اور کہا: **مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی** O (النجم:۱۷) نہ (آپ کی) نگاہ بھٹکی نہ حد سے بڑھی۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک جلوہ صفات — تو عین ذات مے نگری در تبسمی

اسی طرح تمہارے بھی کان ہیں اور آپ کے بھی کان ہیں' لیکن تم دور کی بات نہیں سن سکتے' آپ دور و نزدیک کی باتیں یکساں سنتے تھے۔ تم بہ مشکل انسانوں کی باتیں سنتے ہو' آپ انسانوں کی' حیوانوں کی' شجر و حجر کی' جنات کی' فرشتوں کی حتیٰ کہ رب کائنات کی باتیں سنتے تھے۔ تمہاری بھی زبان ہے مگر تم صرف انسانوں سے بات کر سکتے ہو' آپ انسانوں سے' حیوانوں سے' شجر و حجر سے' جنات سے' فرشتوں سے حتیٰ کہ خدائے لم یزل سے کلام فرماتے تھے۔ ہاتھ تمہارے بھی ہیں لیکن تمہارے ہاتھوں کی پہنچ کہاں تک ہے؟ تم کہاں تک تصرف کر سکتے ہو؟ آپ کے تصرفات کی زد میں پوری کائنات تھی' چاند کو دو نیم کیا' سورج کو لوٹایا' درختوں کو بلایا' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے' بتاؤ کس چیز میں ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل ہیں' تم کیا چیز ہو؟ تمہاری ہستی کیا ہے؟ تم کس شمار و قطار میں ہو؟ ان کی مثال تو نبیوں اور رسولوں میں بھی نہیں ہے' حضرت جبریل نے کہا:

قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد. — میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کھنگال ڈالے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی شخص نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۲۸۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷' الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

جبریل سے کہنے لگے ایک روز یہ شاہ امم — تم نے تو دیکھے ہیں جہاں بتاؤ تو کیسے ہیں ہم

روح الامین کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم — آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

پس دریں صورت کفار کے اس قول کی کیا حیثیت ہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذات اور صفات میں ہماری ہی مثل ہیں تو پھر ان کو وحی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔

اس آیت میں ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کے حال کی طرف اشارہ ہے' جب وہ کسی عالم کے قول کے دلائل سے آنکھیں چرا لیتے ہیں یا اس کے کلام کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے تو اس کے قول اور اس کے دلائل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ کوئی ہم سے بڑا عالم تو نہیں ہے کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے اور ہماری نظروں سے یہ بات اوجھل رہی' اس ناکارہ کے ساتھ اس کے معاصرین اور معترضین کا یہی معاملہ ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین وہ اس فقیر کی کسی دلیل کا آج تک جواب نہیں دے سکے' غیظ و غضب میں آ کر غراتے تو بہت ہیں لیکن فقیر کے دلائل کی ہڈی ان کے گلے میں اسی طرح پھنسی ہوئی ہے کہ ان کی لاکھ کوشش کے باوجود نکلتی نہیں ہے۔ اچھلتے ہیں' تلملاتے ہیں' لیکن اپنے حلقوم سے اس ہڈی کو نکال نہیں پاتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے متعلق کفار کے شکوک و شبہات کا ازالہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے O''۔ (ص:۸)

اس آیت میں ''ذکری'' یعنی میرا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے یا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور ان دلائل سے

سابقہ امتوں پر ان کی تکذیب کی وجہ سے عذاب کا نازل ہونا

اس کے بعد فرمایا: "ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم تکذیب کر چکی ہے O" (ص: ۱۲)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور وفکر سے کام نہیں لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر جو معجزات تھے ان کو کھلی آنکھوں اور کھلے دل و دماغ سے نہیں پرکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام انبیاء سابقین کی قوموں کا یہی حال رہا ہے وہ اپنے نبیوں کی نبوت کا کفر اور انکار کرتے رہے اور ان کے پیغام کا انکار کرتے رہے تا آنکہ ان پر عذاب نازل ہو گیا اور اس سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو ڈرانا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے پیغام کا مسلسل انکار کر رہے تھے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ کافر قوموں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کیا تھا' ان میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا' جب انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیغام کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان کو غرق کر دیا اور دوسری حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تھی' جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آندھیوں کا عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا اور تیسری فرعون کی قوم تھی' جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور چوتھی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود تھی' جب اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دہشت ناک چیخ بھیج کر اس قوم کو ہلاک کر دیا اور پانچویں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی' جب اس نے حضرت لوط کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے اوپر اس کی زمین کو پلٹ دیا اور چھٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جس کو اصحاب ایکہ فرمایا ہے۔ ایکہ کا معنیٰ ہے گھنا جنگل' یہ قوم گھنے جنگل میں رہتی تھی' جب اس نے تکذیب کی تو اس پر وہیں بادلوں سے عذاب نازل کر دیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی گئی' اس کے بعد بادلوں کا سایہ آیا اور وہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس کے سائے تلے جمع ہو گئے لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنا شروع ہو گئے' زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا' یہ عذاب ان پر اس دن آیا تھا جب ان پر بادل سایہ فگن تھا' اس لیے اس کو "یوم الظلة" کا عذاب فرمایا ہے' یعنی سائبان والے دن کا عذاب۔

فرعون کو میخوں والے کہنے کی وجہ تسمیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ میخوں والا تھا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

(۱) جب کسی چیز میں کیلیں ٹھونک دی جاتی ہیں تو وہ چیز پختہ اور مضبوط ہو جاتی ہے' فرعون نے بھی اپنی سلطنت کو مضبوط اسلحہ اور بہت بڑے لشکر سے بہت مضبوط اور مستحکم بنایا ہوا تھا' اس لیے اس کو میخوں والا فرمایا۔

(۲) اس نے فضا میں چار لکڑیاں نصب کر دیں تھیں' اس نے جب کسی مجرم کو سزا دینی ہوتی تو اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو کیلوں سے ان چار لکڑیوں میں ٹھونک کر اس مجرم کو فضا میں معلق کر دیتا' پھر اس کو یوں ہی چھوڑ دیتا حتیٰ کہ وہ مر جاتا۔

(۳) جس کو اس نے سزا دینی ہوتی اس کو زمین میں لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں کیلیں ٹھونک دیتا' پھر اس کے اوپر سانپ' بچھو اور حشرات الارض چھوڑ دیتا۔

اس کے بعد فرمایا: "یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں O" (ص: ۱۰)

پہلی آیت میں مطلقاً خزانوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں بالخصوص زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا ذکر فرمایا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی خزانہ نہیں ہے عام نہ خاص تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہر خزانے کی تقسیم سے عاجز ہیں اور اس کے کسی خزانے پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے' پھر ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور اس کے عطا فرمانے پر اعتراض کریں' وہ مالک اور مختار ہے' وہ جس کو چاہے اپنی نبوت اور رسالت عطا فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا: اگر بالفرض آسمان اور زمین کی چیزیں ان کی ملکیت ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر پھر عرش پر پہنچ جائیں اور عرش پر پہنچ کر نظام عالم کی تدبیر کریں اور اللہ کی سلطنت میں تصرف کریں' پھر جس کو وہ چاہیں اس پر وحی نازل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اسی جگہ کفار کا شکست خوردہ حقیر لشکر ہے O ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم تکذیب کر چکی ہے O اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O (ص ۱۴۔۱۱)

ص :۱۱ میں "جند" کا لفظ ہے' جند اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی سے جنگ کے لیے تیار ہوتی ہے' اس کے بعد "ما" کا لفظ ہے' یہ تحقیر اور تقلیل کے لیے ہے' یعنی یہ بہت چھوٹی اور حقیر جماعت تھی' اس کے بعد "ھنالک" کا لفظ ہے' اس سے اس جنگ کرنے والی حقیر جماعت کی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد "مھزوم" کا لفظ ہے' ہزم کا معنی ہے کسی چیز کو توڑنا' هزم العدو کا معنی ہے دشمن کو شکست دینا اور مھزوم کا معنی ہے شکست خوردہ اور حزب کا معنی ہے بڑی بھاری جماعت۔

اس آیت کا معنی ہے کہ جس جگہ کفار کی یہ جماعتیں مل کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زبان طعن دراز کر رہی تھیں اسی جگہ ان کی لڑنے والی ایک قلیل اور حقیر جماعت شکست کھائے گی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اگر بالفرض یہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے مالک ہیں تو پھر یہ رسیاں باندھ کر آسمانوں پر چڑھ جائیں اور عرش پر قبضہ کر کے دنیا کے نظم و نسق کو چلائیں' پھر جس کو چاہیں اپنی مرضی سے نبی بنائیں اور اس پر وحی نازل کریں' اب اس آیت میں حقیقت حال بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کے کیا مالک ہوں گے یہ تو ایک کم تعداد کی حقیر جماعت ہے جو عنقریب اسی جگہ شکست کھا جائے گی' جس جگہ یہ ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر اعتراض کر رہی ہے اور یہ لوگ مکہ میں آپ کی نبوت پر اعتراض کر رہے تھے تو فتح مکہ کے دن معمولی سی جنگ کے بعد کفار کی تمام جماعتیں شکست کھا گئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعت سابقہ رسولوں کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعتوں کی طرح ہے سو آپ ان کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں اور ان کے طعن اور ملامت سے افسردہ اور غمگین نہ ہوں' سابقہ زمانوں میں کافروں کی وہ جماعتیں بھی شکست کھا چکی تھیں' سو کافروں کی یہ جماعت بھی ایک دن اسی جگہ آپ سے مقابلہ میں شکست کھا جائے گی اور فتح مکہ کے دن اسی طرح ہوا' اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ کفار بھی عاجز ہیں اور ان کے خود ساختہ معبود بھی عاجز ہیں۔ ان کے پاس اپنے معبودوں کے حق ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ان کے معبود ان سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کسی نفع کو پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ

ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جلد دے دے O آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور

عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٧﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ

بندے داؤد کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ

شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں O اور جمع شدہ پرندے بھی سب ان کی طرف رجوع کرنے

اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

والے تھے O اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور قولِ فیصل عطا فرمایا O

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ اِذْ دَخَلُوْا وقف لازم

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے O جب وہ داؤد کے پاس

عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا

پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے' انہوں نے کہا: آپ نہ گھبرائیں' ہم دو لڑنے والے فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے

عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَاۗءِ

دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں

الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ

سیدھی راہ بتائیں O بے شک یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی

وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ

ہے' اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے O داؤد نے کہا: اس نے تجھ

ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ

سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا تاکہ اس کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور

(۴) اس کے لشکر کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس کی فوجیں بڑی تعداد میں خیمے نصب کرتی تھیں جن کو کیلوں سے ٹھونکا جاتا تھا۔
(۵) اس کے کارندے اس کے احکام پر اس قدر پختگی اور مضبوطی سے عمل کرتے تھے جس طرح کسی چیز کو کیلوں سے ٹھونک کر مضبوط کیا جاتا ہے۔

سابقہ امتوں کے عذاب کو بیان کر کے اہل مکہ کو نزول عذاب سے ڈرانا

اس کے بعد فرمایا: ''اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O'' (ص: ۱۴۔۱۳)

ثمود' قوم لوط اور اصحاب ایکہ کے عذاب کی تفصیل اس سے پہلے عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہے' ص: ۱۳ کے آخر میں فرمایا ہے: ''اولئک الاحزاب'' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے خلاف محاذ بنا لیا تھا' ہم ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کر چکے ہیں' سو اسی طرح اہل مکہ آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ اس خطرے میں ہیں کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے اور چونکہ آپ کے رحمۃ للعلمین ہونے کی وجہ سے ان پر اب آسمانی عذاب نہیں آئے گا تا ہم کسی جنگ میں ان پر شکست مسلط کر کے ان کو ضرور عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' جیسے جنگ بدر میں' جنگ خندق میں اور بالآخر فتح مکہ کے موقع پر ان کی کمر بالکل توڑ دی گئی۔

(۲) ''اولئک الاحزاب'' کا معنی ہے: یہ بہت بڑی اور بہت کثیر جماعتیں ہیں اور جب سابقہ زمانہ میں اتنی بڑی بڑی اور اتنی کثیر جماعتیں عذاب سے ہلاک کر دی گئیں تو اہل مکہ تو ان کے مقابلے میں بہت کمزور اور مسکین ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے کب ٹھہر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں مثلاً حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں کو عذاب سے ہلاک کرنے کی خبر دی ہے' اگر کفار مکہ اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں تو یہ ان کو نصیحت اور زجر و توبیخ کرنے کے لیے کافی ہے اور اگر وہ اس خبر کی تصدیق نہیں کرتے پھر بھی اس خبر کے ساتھ ان کو ڈرانا اور نصیحت کرنا صحیح ہے' کیونکہ ان قوموں پر نزول عذاب کے آثار اب بھی موجود ہیں اور جب کفار مکہ' مکہ سے شام کی طرف سفر کرتے ہیں تو ان وادیوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا' تبوک کے اردگرد پہاڑوں میں ان کے بنائے ہوئے گھروں کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنے ہوئے ہیں۔

اس لیے فرمایا: ''ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O'' (ص: ۱۴)

انبیاء علیہم السلام جب انہیں عذاب سے ڈراتے تھے یا ثواب کی ترغیب دیتے تھے تو یہ ان کی تکذیب کرتے تھے تو پھر ضروری ہو گیا کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے' ہر چند کہ ان کو کافی ڈھیل دی گئی اور ان کو ایمان لانے کے لیے کافی وقت دیا گیا لیکن جب بالآخر یہ ایمان نہیں لائے تو پھر ان پر عذاب نازل کر دیا گیا اور اس سے مقصود سننے والوں کو ڈرانا اور دھمکانا ہے کہ اگر انہوں نے بھی سابقہ امتوں کی روش قائم رکھی تو ان پر بھی عذاب کا نزول ناگزیر ہو جائے گا۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا

اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہو گی O اور انہوں نے کہا: اے

دھکیل دیا جائے گا' ہر چند کہ کفار واقع میں صور پھونکے جانے کا انتظار نہیں کر رہے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت ظاہرہ کے اعتبار سے استہزاء فرمایا اور یہ بتایا کہ جب وہ صور پھونک دیا جائے گا تو پھر ان کے اور نزول عذاب کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ اس آیت میں ''فواق'' کا لفظ ہے' فواق اسم فعل واحد ہے' اس کی جمع افوقہ اور افقہ ہے' اس کا معنی ہے درمیانی وقفہ' دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو فواق کہتے ہیں' دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہ چکتا ہے پھر بچے کے پینے کے لیے دوہنا چھوڑ دیتا ہے' بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے' دودھ دوہنے والا بچہ کو ہٹا کر خود دوبارہ دودھ دوہ لیتا ہے' اس درمیانی وقفہ کا نام اصل لغت میں فواق ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

لفظ فواق کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے گزرا جن میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا' اس پانی کی لذت کی وجہ سے اس کو وہ چشمہ اچھا لگا' اس نے دل میں کہا: کاش! میں لوگوں کے درمیان سے نکل جاؤں اور اسی گھاٹی میں رہوں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کیے بغیر ہرگز ایسا نہیں کروں گا' پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو' کیونکہ تم میں سے کسی ایک شخص کا اللہ کی راہ میں ٹھہرنا' اپنے گھر میں ستر سال نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے' اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جس شخص نے اونٹنی کے فواق (دودھ دوہنے کے وقت) کے برابر بھی اللہ کی راہ میں قتال کیا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۷۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۱۳۵' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۵۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۸' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۰' اس حدیث کی سند حسن ہے)

چیخ اور چنگھاڑ کے تین محمل

اس آیت میں جس چیخ اور چنگھاڑ کا ذکر ہے اس کے تین محمل ہیں' ایک یہ ہے کہ اس چیخ اور چنگھاڑ کی صورت میں ان پر فوراً عذاب آ جائے گا اور عذاب آنے سے پہلے ان کو اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی جتنا دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔

اس چیخ اور چنگھاڑ سے مراد پہلی بار صور پھونکنے کی آواز ہے' اس صور کے پھونکتے ہی قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا اور صور پھونکنے کے بعد ان کو اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا وقفہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس چیخ اور چنگھاڑ سے دوسری بار صور پھونکا جانا مراد ہے' اس کے فوراً بعد کافروں کو دوزخ کی طرف دھکیل دیا جائے گا اور صور کی اس آواز اور چنگھاڑ کے بعد ان کو اتنے وقفہ کی بھی مہلت نہیں ملے گی جتنی دودھ دوہنے کے درمیان مہلت ہوتی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو تسلی دینا مراد ہے' تاکہ کفار کی تکذیب سے آپ کا دل تنگ نہ ہو اور ان کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ سابقہ امتوں نے اپنے رسولوں کی اس طرح تکذیب کی تھی جس طرح اہل مکہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کافروں کی بھی بھاری اکثریت تھی اور اس کے مقابلہ میں ان رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ کفار اپنے کفر اور تکذیب کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے اور ان کی جمعیت اور ان کی کثرت اور ان کی جسمانی قوت اور مال و اسباب کی کثرت ان کے کسی کام نہ آ سکی' سو یہی حال کفار مکہ کا بھی ہوگا اور ان کا اخروی عذاب کا انتظار کرنا' اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کی دوزخ کے عذاب کے آثار سے ہے۔

لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

زیادتی کرتے ہیں' سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ گمان

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ

کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے' سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی

السجدة رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

طرف رجوع کیا O تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ

تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے' سو آپ لوگوں کے درمیان

بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ

حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا

اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ

دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے

ع ۲ ۱۲ ۱۱ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی O اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جلد دے دے O (صٓ: ۱۶۔۱۵)

لفظ ''فواق'' کا معنیٰ' اس کا محمل اور اس کے متعلق حدیث

اس آیت میں کفار مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تکذیب کر رہے ہیں اور عذاب کے لیے صرف قیامت کے منتظر ہیں' وہ اس کے مستحق تھے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر دنیا میں ہی فوراً عذاب آ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ — اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے جس وقت آپ ان میں موجود ہوں۔ (الانفال: ۳۳)

اس لیے اب ان پر عذاب اسی وقت ہوگا جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سب کافروں کو زندہ کر کے دوزخ کی طرف

تمنا نہ کرے اگر وہ نیک شخص ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہوسکتا ہے وہ توبہ کرلے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۳۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

اللہ سے ملاقات اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کا جواز

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق اور حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے ملاقات کرنے کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا: بے شک ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن جب مومن کے پاس موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی رضا اور اس کی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے پھر مومن کو موت کے بعد ملنے والے انعامات سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی' سو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور کافر کے پاس جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے اور اس کو موت کے بعد پیش آنے والے امور سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند اور ناگوار نہیں ہوتی' وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۴۔۲۶۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۷۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۵۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مؤمنوں کو یہ پسند نہیں ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں اور یہ بات نہ ہوتی کہ میں ان کے لیے سواریاں مہیا نہیں کرسکتا تو میں کسی ایسے لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' مجھے یہ محبوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۱۷۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں میری موت مقدر کردے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۹۰)

نفوس خبیثہ سفلیہ ادنیٰ اور ارزل چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں' دنیا میں ان کا مطمح نظر شہوات حیوانیہ اور مرغوبات نفسانیہ ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہے اور بلند ہمت اور اولوالعزم لوگ اعلیٰ اور اطیب چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں' دنیا میں ان کا مطمح نظر عبادات کی لذتیں اور اطاعات کی حلاوتیں ہوتی ہیں اور آخرت میں ان کے لیے اعلیٰ علیین کے درجات اور جنات کے مقامات ہوتے ہیں اور ارواح قدسیہ اللہ عزوجل کے جلال اور جمال کی تجلیات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ میں مشغول اور منہمک رہتی ہیں اور ان میں سے ہر فریق اپنے مطلوب کی طرف اس طرح بے اختیار ملصوق اور مجذوب رہتا ہے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف بے اختیار کھنچا ہوا اور چپکا ہوا رہتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت رجوع

"قطّ" کا معنی

اس کے بعد فرمایا: "اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے۔" (ص: ۱۶)

اس قول کے قائل النضر بن الحارث بن علقمہ بن کندہ الخزاعی اور اس کے موافقین تھے انہی لوگوں نے یہ بھی کہا تھا:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے ○

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو واحد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے والا نہیں مانتے تھے اس کے باوجود انہوں نے اس دعا کے شروع میں کہا: اے ہمارے رب! اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ صدق دل اور حضور قلب اور انتہائی دل سوزی سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے۔

اس آیت میں "قطنا" کا لفظ ہے القط کا معنی ہے کسی چیز کو کاٹنے کے بعد اس کا حاصل شدہ ٹکڑا اور اس سے مراد ان کا حصہ اور مقسوم ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہم کو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس عذاب میں سے جو حصہ ہمارے لیے مقدر ہے وہ حصہ ہمیں دنیا میں دلوا دیں اور اس کو روز حساب تک مؤخر نہ کریں۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارے صحائف اعمال ہمارے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے تو ہمارے اعمال نامہ کا جو حصہ اور کاغذ کا ٹکڑا ہے وہ ہم کو روز حساب سے پہلے دنیا میں ہی دے دیں تاکہ ہم دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: موت کی تمنا صرف تین شخص کرتے ہیں: ایک وہ شخص جو موت کے بعد پیش آنے والے عواقب سے جاہل ہو دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے متنفر ہو اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو اور اس سے ملاقات کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرے اسی طرح جو شخص مرتبہ شہادت کے حصول کی تمنا کرنے والا ہو وہ بھی شہادت کی صورت میں موت کی تمنا کرتا ہے۔

موت کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۱ سنن نسائی ۱۸۱۹ ۱۸۲۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۵ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۶۸ جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن کی صرف نیکیوں کو زندہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے تھے' وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی' وہ نصف شب تک سوتے' پھر تہائی شب قیام کرتے' پھر رات کے (بقیہ) چھٹے حصہ میں سوتے (فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی رات ہے تو وہ پہلے تین گھنٹے سوتے' پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے اور آخری ایک گھنٹہ میں پھر سو جاتے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۶۵۳)

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس آیت میں ''انه اواب'' فرمایا' یعنی وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے' وہ اپنی تمام حاجات میں' تمام مہمات میں اور تمام کاموں میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

(۵) نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح کریں' پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں حیات' عقل' قدرت اور نطق کو پیدا کر دیا تھا اور اس وقت وہ پہاڑ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جس طرح زندہ اور عقل والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ پہاڑ میں حیات کی دلیل اس آیت میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَيۡكَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِيۡ وَلٰكِنِ انْظُرۡ اِلَى الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِيۡ‌ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھایئے' میں اس کو ایک نظر دیکھوں' فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے' لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو' اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لو گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی ہوئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا تھا' یہ اور بات ہے کہ وہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور دیکھتے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (البقرہ: ۷۴)

اور بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

سو پہاڑوں میں دیکھنے کی صفت اور صلاحیت بھی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی' ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت کا اثر بھی رکھا ہے اور نطق اور تسبیح کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے' پہاڑوں میں محبت کی کیفیت رکھی ہے' اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احد جبل یحبنا نحبه.

احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے' ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

کرنے والے تھے O ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں O اور جمع شدہ پرندے بھی سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے O اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا O (صٓ: ۲۰۔۱۷)

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی دس وجوہ

کفار مکہ کے انکار اور ان کی معاندانہ باتوں کے سننے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا تھا اس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا اور گویا کہ یوں فرمایا: اگر یہ کفار آپ کا انکار کر رہے ہیں تو آپ کو کیا کمی ہے' اکابر انبیاء علیہم السلام آپ کی موافقت کرتے ہیں' نیز آپ اس پر غور کریں کہ مخالفین آپ کو یتیم اور فقیر کہتے ہیں تو مال و دولت کی کثرت کسی کو غم سے نجات نہیں دیتی' حضرت داؤد علیہ السلام عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے اس کے باوجود وہ رنج اور غم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی حسب ذیل وجوہ ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور قائد المرسلین ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے مکارم اخلاق کو یاد کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا'' ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے' یوں تو تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن قابل ذکر اور لائق تعریف وہ بندہ ہے جس کو مالک خود فرمادے یہ ہمارا بندہ ہے' سو حضرت داؤد کے متعلق فرمایا: ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے اور یہ حضرت داؤد کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ فرمایا ہے:

اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (البقرہ: ۲۳) اگر تمہیں اس کلام کے وحی ہونے میں شک ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاO (الفرقان: ۱) برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فرقان کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو O

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ جو رات کو ہی اپنے بندہ کو لے گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ ہمارے بندے ہیں' اور خود کو فرماتا ہے: میں ان کا رب ہوں۔

فَلَا وَرَبِّكَ (النساء: ۶۵) آپ کے رب کی قسم!

اللہ تعالیٰ رب العلمین' رب عرش عظیم ہے' رب کعبہ ہے' مگر اس کو نہ العلمین کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ عرش عظیم کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ کعبہ کے رب ہونے پر ناز ہے' اگر اس کو ناز ہے تو اے محمد مصطفیٰ! تمہارے رب ہونے پر ناز ہے۔

سو وہ آپ کے متعلق فرماتا ہے: میرا بندہ اور اپنے متعلق فرماتا ہے: تمہارا رب' اور یہ آپ کی وہ فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ''ذا الاید'' طاقت ور فرمایا یعنی وہ عبادت کو انجام دینے سے اور گناہوں سے باز رہنے میں بہت طاقت ور تھے۔ قتادہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قوت اور دین کی فقہ عطا کی گئی تھی' ان کی عبادت کے متعلق حدیث میں ہے:

الحدیث: ۱۰۹۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی دو رکعت نماز کی حفاظت کی اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۲' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۲۳ طبع قدیم' المسند الجامع ج ۱۶ ص ۸۰۹' رقم الحدیث: ۱۳۳۹۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے' حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو ترک نہیں کریں گے اور آپ اس نماز کو ترک کر دیتے تھے' حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو نہیں پڑھیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۰۰۲' جامع المسانید والسنن ج ۳۳ ص ۳۴۳' رقم الحدیث: ۷۲۷۔ ۷۲۶' المسند الجامع ج ۶ ص ۲۴۷' رقم الحدیث: ۴۲۹۲)

القاسم الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ چاشت کی نماز کو اس وقت کے غیر میں پڑھنا افضل ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اوابین (رجوع کرنے والوں) کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے جسم کی کھال اور ان کے پیر گرم ریت کی شدت کی وجہ سے جلنے لگتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۸' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۳۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۴۹' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۲۷' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۷۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۵' معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۵۵۸۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۸۳۲)

اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) اس وقت پڑھنی چاہیے جب ریت خوب گرم ہو کر تپنے لگتی ہے اور اونٹ کے پاؤں ریت کی گرمی کی شدت سے جلنے لگتے ہیں' اونٹ کے بچوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان کے جسم اور ان کے پاؤں کی کھال نازک ہوتی ہے اور گرمی تھوڑی سی بھی زیادہ ہو تو ان کے پاؤں جلنے لگتے ہیں' ہمارے اعتبار سے یہ وقت دن کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان ہوتا ہے' سو اس وقت چاشت کی نماز پڑھنی چاہیے۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جس وقت گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس وقت لوگوں کا دل آرام اور استراحت کو چاہتا ہے اور جو لوگ اوابین یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس وقت آرام اور استراحت کے بجائے چاشت کی نماز پڑھتے ہیں اور ان کو صرف اس چیز میں اطمینان اور سکون ملتا ہے کہ وہ ہر مطلوب اور مرغوب چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

اشراق کی نماز کا وقت

اشراق کا معنیٰ ہے سورج کا طلوع ہونا اور اس کا چمکنا اور نماز اشراق کا اوّل وقت وہ ہے جب سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بیس منٹ گزر جاتے ہیں اور نماز اشراق کا آخر وقت وہ ہوتا ہے جب چاشت کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے' اس لیے چاشت کی نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب سورج خوب گرم اور سفید ہو جاتا ہے اور اس کا نور خوب روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت ام ہانیء بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے' آپ نے وضو کیا اور پھر صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) پڑھی' پھر فرمایا: اے ام ہانیء! یہ اشراق کی نماز ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۹۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹)

اور پہاڑ کے تسبیح کرنے کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا' ہم مکہ کے کسی راستہ میں جا رہے تھے' آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ آتا یا درخت آتا وہ یہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶ سنن دارمی رقم الحدیث ۲۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴۔۱۵۳ شرح السنۃ رقم الحدیث ۳۷۰۱ جامع المسانید والسنن مسند علی بن ابی طالب رقم الحدیث ۳۹۹)

امام فخر الدین رازی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا' جہاں حضرت داؤد علیہ السلام جاتے تھے' پہاڑ بھی ان کے ساتھ جاتے تھے اور پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا ان کی تسبیح قرار دیا گیا کیونکہ پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی چھٹی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ العشی یعنی شام کے وقت اور الاشراق یعنی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

چاشت اور اشراق پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی' پھر وہ طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا' پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو حج اور عمرہ کا پورا پورا اجر ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۸۶ جامع المسانید والسنن ج ۲۳ ص ۴۹۴ رقم الحدیث ۳۳۰۸ ابن کثیر دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ المسند الجامع ج ۱ ص ۳۰۲ رقم الحدیث: ۴۱۷ جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث ۳۳۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی نماز کی بارہ رکعات پڑھیں' اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۸۰ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۶۷ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۶ شرح السنۃ رقم الحدیث ۱۰۰۶ جامع المسانید والسنن لابن کثیر ج ۲۱ ص ۲۹۰ رقم الحدیث: ۶۰۹ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ المسند الجامع ج ۱ ص ۳۸۸ رقم الحدیث ۵۲۰)

حضرت ام ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئیں' اس وقت آپ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو پردہ سے چھپایا ہوا تھا۔ حضرت ام ہانی نے کہا: میں نے آپ کو سلام کیا' آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں' ام ہانی ء بنت ابی طالب' آپ نے فرمایا: ام ہانی ء کو خوش آمدید ہو' غسل سے فارغ ہو کر آپ نے آٹھ رکعات نماز پڑھیں۔ امام مسلم کی روایت میں ہے: یہ چاشت کی نماز تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۶۵ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۲۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرے لیے دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھو' میں دن کے آخر میں تمہارے لیے کافی ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۵ مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۰ جامع المسانید والسنن ج ۱۳ ص ۵۹۴ رقم الحدیث: ۱۱۰۷۳ المسند الجامع ج ۱۴ ص ۳۳۲ رقم

نیز علامہ ابراہیم حلبی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:
صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے اور اس کا مستحب وقت وہ ہے جب دن کا چوتھائی حصہ گزر جائے' کیونکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب گرم ریت کی شدت سے اونٹ کے بچے کے پاؤں جلنے لگیں۔
(غنیۃ المستملی ص ۳۹۰۔۳۸۹' سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ)
مثلاً آج ۳۰ مئی ۲۰۰۳ء کو طلوع آفتاب ۵:۴۱ پر ہے اور غروب ۷:۱۹ پر ہے' اس طرح دن تیرہ گھنٹے کا ہے اور اس کا چوتھائی حصہ سوا تین گھنٹے ہے اور زوال کا وقت ۱۱:۴۶ ہے' پس نماز چاشت کا وقت آج صبح چھ بجے سے گیارہ بج کر ۴۶ منٹ تک ہے اور اس کو پڑھنے کا مستحب وقت سوا نو بجے ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کا حضرت داؤد کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرنا

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ یعنی پہاڑ اور پرندے سب حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے' حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس سے پہلے جو فرمایا تھا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں اور جمع شدہ پرندے بھی' پہلے جملے میں اور اس جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے سے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں' لیکن اس جملے سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح پڑھتے ہیں اور جب جملہ اسمیہ کے ساتھ فرمایا: ''کل لہ اواب'' سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو معلوم ہوا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ ہمیشہ تسبیح کرتے تھے۔
مذکور الصدر تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ ''کل لہ'' میں ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو اور اگر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہوگا: حضرت داؤد علیہ السلام' پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف لوٹنے والے اور اس کی تسبیح کرنے والے تھے۔
امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ حسین آواز دی گئی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۲۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)
پس جب حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز پہاڑوں تک پہنچتی تو وہ ان کی آواز کی لذت سے جھومنے لگتے اور جب پرندے ان کی آواز سنتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سُر سے سُر ملانے لگتے۔
بعض عارفین نے کہا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ اس لیے تسبیح کرتے تھے تا کہ ان کی تسبیحات کا اجر و ثواب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو مل جائے' حضرت داؤد علیہ السلام جب حمد اور تسبیح کے معنیٰ میں بہت غور کرتے تھے تو وہ حمد اور تسبیح آپ کے اعضاء میں سرایت کر جاتی تھی' کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے' پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی' اس وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے' اس وجہ سے ان کی تسبیح کا فائدہ بھی آپ کی طرف لوٹتا تھا' شام کے وقت اور دن چڑھنے کے وقت اس تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار اور اس کی برکت کے آثار بہت عظیم ہوتے ہیں کیونکہ جو مقربین اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق اور مخمور ہوتے ہیں وہ اس وقت اپنے استغراق اور خمار سے باہر آ جاتے ہیں اور شام

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۴۰۵، المعجم الاوسط رقم الحدیث ۴۲۵۸)

اس حدیث میں آپ نے چاشت کی نماز پر اشراق کا اطلاق فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اشراق کا آخر وقت ہے اور اوّل وقت کے اعتبار سے یہ چاشت کی نماز ہے۔

نماز چاشت کی رکعات کی تعداد اور اس کا وقت

علامہ ابراہیم الحلبی الحلمی المتوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

چاشت کی نماز کی فضیلت میں بہت احادیث ہیں اور اس کی رکعات دو سے لے کر بارہ تک ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اس کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے پس ہر تسبیح کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر لا الٰہ الا اللہ کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر اللہ اکبر کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے اور چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے سے یہ صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۲۸۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۹۰۲۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور اللہ جتنی چاہتا آپ اتنی رکعات زیادہ کر دیتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۱۹، مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۵، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم ۳۶۹۲)

چاشت کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق حضرت ام ہانی کی حدیث گزر چکی ہے۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴ وغیرہا۔

چاشت کی بارہ رکعات کے متعلق حضرت انس بن مالک کی حدیث گزر چکی ہے۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۶۷ وغیرہا۔

امام اسحٰق بن راہویہ نے کتاب "عدد رکعات السنة" میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن چاشت کی نماز دو رکعت پڑھی اور ایک دن چار رکعات پڑھیں اور ایک دن چھ رکعات پڑھیں اور ایک دن آٹھ رکعات پڑھیں تاکہ امت پر وسعت اور آسانی ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: جب تم دو رکعت چاشت کی نماز پڑھو گے تو تم غافلین میں نہیں لکھے جاؤ گے اور جب تم چار رکعات پڑھو گے تو تم عابدین میں لکھے جاؤ گے اور جب تم چھ رکعات پڑھو گے تو اس دن کوئی گناہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا اور جب تم آٹھ رکعات پڑھو گے تو تمہیں خاشعین میں لکھا جائے گا اور جب تم دس رکعات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا جنت میں گھر بنا دے گا۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۴۹۔ ۴۸)

امام ترمذی نے سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۶۰۹)

ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف السند ہے مگر فضائل میں حدیث ضعیف السند پر عمل کرنا جائز ہے۔

(علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعات آٹھ ہیں اور جو بارہ رکعات کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف السند حدیث پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۵، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ . (المائدہ: ٦٧) اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ''اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا''۔ (المائدہ: ٦٧) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ' بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۷ المستدرک ج ۲ ص ۳۱۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا'' (المائدہ: ٦٧) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے انتظام کو ترک فرما دیا۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

اللہ تعالیٰ کی حفاظت فرمانے کی ایک مثال یہ ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خار دار درخت بہت زیادہ تھے اس میں دوپہر کے وقت انہوں نے قیام کیا۔ مسلمان منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکا دی' حضرت جابر نے کہا: ہم لوگ سو گئے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا' ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا' اس شخص نے میری تلوار نکال لی' میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی' وہ مجھ سے کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! لو وہ یہ بیٹھا ہوا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۳۷۸' عالم الکتب جامع المسانید والسنن مسند جابر عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۱۹۲)

(۹) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واتیناہ الحکمۃ'' ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔

حکمت کی تعریفات

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

حکمت کا معنیٰ ہے: علم اور عقل کے ذریعہ حق بات تک رسائی حاصل کرنا' اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے: اشیاء کی معرفت اور ان کو نہایت مضبوطی کے ساتھ پیدا کرنا اور انسان کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے: موجودات کی معرفت اور نیک اور اچھے کاموں کا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بعض اشعار میں ضرور حکمت ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵) یعنی ان اشعار کا مضمون صحیح اور صادق ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ۔ ۱۴۱۸ ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:

فلسفیوں نے حکمت کی تعریف اس طرح کی ہے: موجودات خارجیہ کے احوال کا واقع کے مطابق طاقت بشریہ کے اعتبار سے علم' اس کو حکمت کہتے ہیں' یہ علم نظری ہے اور یہ علم کسی دوسرے علم کا آلہ نہیں ہے۔

حکمت کی دوسری تعریف یہ ہے: یہ وہ قوت عقلیہ عملیہ ہے جو غریزہ اور بلادت کے درمیان متوسط ہوتی ہے' غریزہ اس

کے وقت میں نماز پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ہیبت

(۸) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**وشددنا ملکه**" اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا" ان کی سلطنت کو مضبوط کرنے کا ایک محمل یہ ہے کہ چار ہزار آدمیوں کا لشکر دن رات ان کی سلطنت کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جن مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ان کی وجہ سے تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ان کے ایک بڑے آدمی پر کوئی زیادتی کی' پھر وہ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے' جس نے زیادتی کی تھی اس نے اپنے فریق مخالف کے متعلق کہا: اس شخص نے میری ایک گائے غصب کر لی ہے' حضرت داؤد نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا انکار کیا' پھر آپ نے مدعی سے کہا: تم گواہ پیش کرو' اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا' پھر حضرت داؤد نے ان دونوں سے کہا: ابھی تم چلے جاؤ' میں تمہارے معاملہ میں غور کروں گا' وہ دونوں چلے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ وحی کی کہ جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔ حضرت داؤد نے سوچا: یہ تو خواب ہے' میں اس معاملہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو خواب میں وحی کی کہ اس شخص کو قتل کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری بار ان کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں' ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوگا' پھر حضرت داؤد نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں۔ اس شخص نے کہا: آپ مجھے بغیر گواہ کے اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کر دیں گے' حضرت داؤد نے فرمایا: ہاں! میں تم میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا' جب اس شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد اس کو قتل کر دیں گے تب اس شخص نے کہا: آپ عجلت نہ کریں حتیٰ کہ میں آپ کو اصل واقعہ کی خبر دے دوں' بے شک اللہ کی قسم! میں نے اس معاملہ میں کوئی جرم نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے میں گرفت میں آیا ہوں' بلکہ میں نے اس شخص کے والد کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا' سو اس وجہ سے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے: **وشددنا ملکه**۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۸۹۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور یہ قید نہیں لگائی کہ ان کی سلطنت کو لشکر سے مضبوط کیا ہے اور نہ یہ قید لگائی ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کی ہیبت طاری کر کے ان کے لشکر کو مضبوط کیا ہے' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۶۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت داؤد کا محافظ ان کا لشکر تھا اور ہمارے نبی کا محافظ اللہ تعالیٰ تھا

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جامع البیان کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حفاظت چار ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کیا کرتا تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت کے لیے کسی لشکر کی ضرورت نہ تھی آپ کی حفاظت خود خدائے لم یزل کرتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

اسی طرح جو مسلمان مرتکب کبیرہ ہے اور اپنے گناہوں پر توبہ نہیں کرتا' ان کو دوزخ میں ڈالنا آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح پہلی حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا رحم ماں اپنے بچوں پر کرتی ہے تو وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا' کافر اور مشرک اپنے آپ کو بتوں کا بندہ کہلواتے ہیں یا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا بندہ کہلواتے ہیں' یا سورج کا یا آگ کا یا کسی درخت کا یا کسی دیوی یا دیوتا کا بندہ کہلواتے ہیں اور فساق اور فجار اپنی خواہشات کی بندگی کرتے ہیں سو جو اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دیتا ہو اور اس کے علاوہ اور کسی کی بندگی نہ کرتا ہو' اللہ تعالیٰ اس پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے اور وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا' لیکن افسوس اس پر ہے کہ لوگ اپنے آپ کو صرف اس کا بندہ نہیں کہلاتے اور اگر اس کا بندہ کہلائیں بھی سہی تو اس کی بندگی نہیں کرتے' اپنے نفس کی بندگی کرتے ہیں۔

فصل خطاب کی تفسیر میں متعدد اقوال

(۱۰) حضرت داؤد علیہ السلام کی دسویں فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فصل خطاب عطا فرمایا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں: فصل الخطاب کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری نے کہا کہ فصل خطاب سے مراد ہے عدل اور انصاف سے فیصلے کرنا۔

(۲) قاضی شریح اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے مدعی کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کرنا اور مدعیٰ علیہ پر قسم لازم کرنا۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا: اس سے مراد ہے خطبہ کے بعد اما بعد کہنا اور سب سے پہلے اما بعد کے کلمات حضرت داؤد نے کہے تھے۔

(۴) اس سے مراد ہے ہر غرض مقصود میں کافی بیان پیش کرنا۔

(۵) کلام سابق اور کلام لاحق کے درمیان فصل کرنا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۸۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

حکمت سے مراد ہے نبوت اور کمال علم اور پختہ عمل' ایک قول ہے: اس سے مراد زبور ہے اور علم الشرائع اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حکمت کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

اور فصل خطاب سے مراد ہے دو فریقوں کے درمیان حق کو باطل سے متمیز اور ممتاز کر دینا' یا اس سے مراد وہ کلام ہے جو صحیح اور فاسد کے درمیان فارق اور فیصلہ کن ہو اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو وہ مقدمات کے فیصلوں اور سلطنت کی تدبیروں اور مشوروں کے متعلق کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا کلام ہو جو متوسط ہو' نہ اس قدر مختصر ہو کہ اس سے اصل مراد واضح نہ ہو اور نہ اس قدر طویل ہو جس سے مخاطب اکتا جائے اور ملول خاطر ہو۔

امام ابن ابی حاتم اور دیلمی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اما بعد کے کلمات ہیں اور سب سے پہلے حضرت داؤد نے یہ کلمات کہے تھے' اما بعد کے کلمات حمد اور صلوٰۃ یا اللہ عزوجل کے ذکر کے بعد کہے جاتے ہیں اور ان کا معنی یہ ہوتا ہے کہ حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے یا حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور اما بعد سے مراد یہ مخصوص کلمات نہیں ہیں' کیونکہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام خود عرب تھے نہ عربوں کے نبی تھے اور نہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے تھے۔

بلکہ اس سے مراد ان کی زبان کے وہ کلمات ہیں جو ''اما بعد'' کا مفہوم ادا کرتے ہوں اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ

قوت کا افراط ہے اور بلادت اس قوت کی تفریط ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کی حکمت ہے: حلال اور حرام کو جاننا۔
ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علوم شریعت اور طریقت کو حکمت کہتے ہیں۔
نیز حکمت کی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) لغت میں حکمت کا معنی ہے: علم کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے۔
(۲) انسان اپنی طاقت کے مطابق اس چیز کو حاصل کرے جو نفس الامر اور واقع میں برحق ہو۔
(۳) ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔
(۴) ہر وہ کلام جو معقول ہو اور فضولیات سے خالی ہو وہ حکمت ہے۔
(۵) ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔
(۶) جس چیز کا انجام قابل تعریف ہو وہ حکمت ہے۔
(۷) **الحکمة الالھیة**: جس علم میں ان موجودات خارجیہ کے احوال سے بحث کی جائے جو مادہ سے مجرد ہوں اور ہماری قدرت اور اختیار میں نہ ہوں۔
(۸) حقائق اشیاء جس طرح ہیں ان کا اسی طرح علم ہو اور علم کے مطابق عمل ہو۔
(۹) جس حکمت سے سکوت کیا گیا ہے: یہ حقیقت کے وہ اسرار ہیں جن پر ربانی علماء اور عوام کما حقہ مطلع نہیں ہوتے تاکہ وہ ان کو ضرر پہنچائیں یا ان کو ہلاک کر دیں' جیسا کہ روایت ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیدی باندیوں کے پاس گئے تو ایک قیدی عورت اپنا پستان نچوڑ کر ایک بچے کو دودھ پلا رہی تھی' پھر اس نے اپنے بچے کو قیدیوں میں دیکھا تو اس کو اٹھالیا اور اپنے پیٹ کے ساتھ چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے' کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں' بہ شرطیکہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے پر قدرت ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنی یہ اپنے بچوں پر رحم کرنے والی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۵۴' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن خطاب رقم ۱۷' کتاب التعریفات ص ۶۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مقارب المعنیٰ یہ حدیث بھی ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ گزر رہے تھے' ان کے راستہ میں ایک بچہ پڑا ہوا تھا' جب اس کی ماں نے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کو یہ خطرہ ہوا کہ اس کا بچہ لوگوں کے پاؤں تلے روندا جائے گا' وہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہہ رہی تھی: میرا بیٹا' میرا بیٹا اور اس نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو اٹھالیا' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ اپنے بیٹے کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چپ کراتے ہوئے فرمایا: اور اللہ کی قسم! اللہ اپنے حبیب (دوست) کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۱۸' مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۳۷۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۵۸' ج ۴ ص ۱۷۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو دوزخ میں نہیں ڈالے'' اور کافر اللہ تعالیٰ کا حبیب نہیں ہے'

الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ' امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۷ھ' علامہ عبدالرحمان بن علی ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ' علامہ علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۲۵ھ' علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' قاضی ابوسعود محمد بن محمد المتوفی ۹۸۲ھ' علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ تصریح کی ہے کہ یہ فرشتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۶۸' الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۸۸' النکت والعیون ج ۵ ص ۸۶' الوسیط ج ۳ ص ۵۴۷' معالم التنزیل ج ۴ ص ۶۰' الکشاف ج ۴ ص ۸۴' زادالمسیر ج ۷ ص ۱۱۸' انوار التنزیل مع الخفاجی ج ۸ ص ۱۳۹' لباب التاویل ج ۴ ص ۳۴' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۳۹' تفسیر ابوسعود ج ۵ ص ۳۵۵' حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۱۳۹)

آنے والوں کے فرشتے ہونے پر علامہ ابوبکر بن العربی کے دلائل

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس رات کو دیوار پھاند کر آنے والے فرشتے تھے' انسان نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

نقاش نے کہا: یہ دونوں شخص انسان تھا اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ آنے والے فرشتے تھے اور انہوں نے یہ بھی معین کر دیا ہے کہ وہ دونوں حضرت جبریل اور میکائیل تھے اور اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب (بالا خانہ) بہت بلند تھی اور کسی آدمی کی قدرت میں یہ نہیں تھا کہ وہ اسباب اور وسائل کے بغیر اس بلند محراب تک پہنچ سکے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ دروازہ سے محراب تک پہنچ گئے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے یہ نہ فرماتا: "جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے" اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے سیڑھی لگائی اور اس کے ذریعہ چڑھ کر محراب میں داخل ہو گئے تو یہ مجاز ہوگا اور اگر یہ کہا جائے گا کہ وہ کھڑکی یا روشن دان کے ذریعہ محراب میں داخل ہو گئے تو پھر لازماً اور قطعاً یہ ماننا ہوگا کہ وہ آنے والے فرشتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

آنے والوں کے انسان ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کا یہ نظریہ ہے کہ جو دیوار پھاند کر آئے وہ انسان تھے' فرشتے نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو آسمان سے نازل ہوئے تھے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر تنبیہ کریں کہ جب ان کے عقد میں پہلے ہی ننانوے بیویاں موجود ہیں تو پھر ان کا اوریا سے یہ کہنا نامناسب ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس سے عقد کرلوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دونوں انسان تھے اور وہ دونوں بُری نیت سے حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں گئے تھے اور ان کا ارادہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کرنے کا تھا' ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام تنہا ہوں گے اور وہ آسانی سے حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کرسکیں گے' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لوگوں کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے تو انہوں نے جان لیا کہ اب وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے' پس انہوں نے جان چھڑانے کے لیے فی الفور یہ بات گھڑ لی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے فریق مخالف ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں اور یہ کہا کہ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور دوسرے کے پاس صرف ایک دنبی ہے' اس کے باوجود ننانوے دنبیوں والا دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ تمہارے پاس جو ایک دنبی ہے وہ بھی مجھے دے دو۔

جو مفسرین اس کے قائل ہیں کہ وہ آنے والے فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں فرشتے تھے

فصل خطاب سے مراد ایسا خطاب ہے جو کسی مقدمہ کے فریقین کے درمیان حق کو باطل سے اور صواب کو خطاء سے اور صحیح کو غلط سے متمیز اور ممتاز کر دے اور یہ بہت زیادہ علم اور فہم اور افہام اور تفہیم کی خداداد صلاحیت پر موقوف ہے۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۹۱۔ ۲۹۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے O جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے' انہوں نے کہا: آپ نہ گھبرائیں' ہم دو لڑنے والے فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ بتائیں O بے شک یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے' اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے O داؤد نے کہا: اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے تاکہ اس کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا O تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O (صٓ: ۲۵۔۲۱)

مشکل الفاظ کے معانی

صٓ: ۲۱ میں "نبوء" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے خبر' اس کے بعد "الخصم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے جھگڑنے والا' اس کا استعمال واحد' تثنیہ' جمع' مذکر' مؤنث سب کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے بعد "تسوروا" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے انہوں نے دیوار کو پھاندا' تسور کا معنی ہے دیوار پر چڑھنا اور بلندی سے کودنا' اس کے بعد "محراب" کا لفظ ہے' محراب کا معنی ہے گھر یا مجلس کا صدر مقام' سب سے بلند اور مقدم جگہ۔ حرب کا معنی ہے جنگ کرنا سو محراب کا معنی ہے جنگ کرنے کی جگہ' مسجد اور عبادت کی جگہ کو محراب کہتے ہیں کیونکہ وہاں انسان اپنے نفس اور شیطان سے جنگ کرتا ہے یا اس لیے کہ وہاں انسان دنیا کے مشاغل اور افکار پریشان سے منقطع ہو کر یکسوئی کے ساتھ یاد الٰہی میں بیٹھ جاتا ہے' بالا خانہ اور چوبارہ کو بھی محراب کہتے ہیں۔ محراب کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے سبا: ۱۳' تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۱۰ میں کی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حجرہ کی دیوار پھاند کر آنے والے آیا انسان تھے یا فرشتے؟

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس حجرے میں عبادت کرتے تھے' اس کے عام اور معروف راستہ کے بجائے دیوار کو پھاند کر آنے والے کون تھے؟ بعض مفسرین نے کہا: وہ دو انسان تھے جو ایک معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو ایک فرضی مناقشہ بیان کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس اجتہادی خطا یا لغزش پر متنبہ کرنا چاہتے تھے کہ جب ان کے عقد میں پہلے سے ننانوے بیویاں موجود تھیں تو پھر انہوں نے اوریا سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس سے نکاح کر لوں' پھر ان کے عقد میں سو بیویاں ہو جائیں گی اور جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی اجتہادی خطا یا لغزش پر متنبہ ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور ان کو اپنا قرب خاص اور بلند درجہ عطا فرمائے گا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو الحسن علی بن محمد

صحیح معنیٰ ہوسکتا ہے تو پھر مجاز پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مذکور توجیہ کا مصنف کی طرف سے جواب

مصنف کے نزدیک علامہ زمخشری اور ان کے موافقین کی تاویل اس لیے درست نہیں ہے کہ ان آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ''ہم دو لڑنے والے فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور بے انصافی نہ کریں''۔ اس کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کر رہے ہیں یا کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں بلکہ وہ خود اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرا رہے ہیں اور اس کو یہ مطلب پہنانا کہ وہ کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں ان آیات میں زبردستی خود ساختہ معنیٰ کو ٹھونسنا ہے۔

آنے والوں کے انسان ہونے پر ابو الحیان اندلسی کے دلائل

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ کا بھی یہ مختار ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنے مقدمہ کا تصفیہ کرانے کے لیے آنے والے فرشتے نہیں تھے' دو انسان تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ظاہر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں غیر معروف طریقہ سے داخل ہونے والے دو انسان تھے اور یہ ان کی محراب میں اس وقت داخل ہوئے جو ان کے فیصلہ کرنے کے اوقات نہیں تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر اس لیے گھبرا گئے کہ وہ عام معروف راستہ سے نہیں آئے تھے اور اس وقت آپ عبادت میں مصروف تھے' انہیں دیکھ کر آپ کو یہ خیال آیا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے آئے ہیں' کیونکہ آپ اس وقت بالکل اکیلے تھے اور عبادت میں مصروف تھے اور جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کے ارادہ سے نہیں آئے' بلکہ آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر افسوس ہوا اور ندامت ہوئی کہ انہوں نے ان دو انسانوں کے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ کسی شر اور بدی کے ارادہ سے آئے ہیں' لہٰذا انہوں نے اپنے اس گمان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گمان پر معافی چاہی سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔

(البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف ایک فریق کے بیان پر کیوں فیصلہ کیا؟

ص ۲۴ میں فرمایا: ''داؤد نے کہا: اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے تا کہ اس کو اپنی دنبیوں سے ملائے''۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محض ایک فریق کا بیان اور الزام سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ کس طرح جائز ہو گیا کہ انہوں نے دوسرے فریق کو قصوروار اور ظالم قرار دیا' اس کے حسب ذیل جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) امام محمد بن اسحاق نے کہا: جب فریق اوّل اپنے دعویٰ اور الزام سے فارغ ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فریق ثانی کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے اور جب وہ بالکل خاموش رہا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے جان لیا کہ فریق اوّل کا دعویٰ اور الزام برحق ہے اور فریق ثانی واقعی ظالم ہے۔

(۲) علامہ ابن الانباری نے کہا: جب فریق اوّل نے فریق ثانی کے خلاف دعویٰ کیا تو فریق ثانی نے اعتراف کر لیا کہ واقعی اس نے ظلم کیا ہے اور اس کے اعتراف کی بناء پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو ظالم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے اعتراف کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ کلام کے سیاق و سباق سے اس کا اعتراف بالکل ظاہر ہے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ اگر واقعی فریق ثانی نے فریق اوّل سے اس کی دنبی کا مطالبہ کیا ہے تو

تو ان کا یہ قول جھوٹا ہوگا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خصم ہیں کیونکہ فرشتوں کی آپس میں مخاصمت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان دونوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی جھوٹا تھا' کیونکہ فرشتے کسی پر زیادتی نہیں کرتے نہ کسی کے خلاف بغاوت کرتے ہیں' اسی طرح انہوں نے کہا: "بے شک یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے' اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے○" اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی جھوٹا ہے کیونکہ کسی فرشتے کے پاس دنبیاں نہیں تھیں اور نہ ننانوے دنبیوں والا ایک دنبی والے سے اس کی دنبی مانگ رہا تھا' سو اگر حضرت داؤد کی محراب پھاند کر آنے والے فرشتے تھے تو لازم آئے گا کہ انہوں نے تین جھوٹی باتیں کہیں اور فرشتے جھوٹ نہیں بول سکتے کیونکہ جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کرتے' قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ○ (التحریم ۶)

دوزخ پر مضبوط دل فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی معصیت (نافرمانی) نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے○

نیز فرمایا:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ○ (النحل ۵۰)

وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے○

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ○ (الانبیاء ۲۷)

وہ کسی بات میں اللہ سے تجاوز نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں○

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۳'۳۹۲ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت)

آنے والوں کے فرشتے ہونے کی توجیہ

علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے ملائکہ کے قائلین کی طرف سے یہ جواب لکھا ہے:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ملائکہ علیہم السلام نے ایسی بات کیوں کہی جو واقعہ کے خلاف تھی اور جو کام انہوں نے نہیں کیے تھے اس کی کیوں خبر دی اور یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کے وقوع کو فرض کر لیا اور انہوں نے اپنے اوپر اس صورت کی تصویرکشی کی اور وہ حضرت داؤد کے پاس انسانوں کی صورت میں آئے تھے جیسے تم کسی مسئلہ کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہو کہ زید کی چالیس بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی چالیس بکریاں ہیں اور ان دونوں نے اپنی بکریوں کو خلط ملط کر دیا اور ان کے اوپر ایک سال گزر چکا ہے' اب ان پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ یا تم اس طرح صورت بنا کر سوال کرو کہ میری چالیس بکریاں ہیں اور تمہاری بھی چالیس بکریاں ہیں اور ہم نے ان بکریوں کو ملا دیا ہے' ان پر سال گزر چکا ہے اب ہم پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ (الکشاف ج ۴ ص ۸۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مذکور توجیہ کا امام رازی کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس جواب کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن مجید کی ان آیات کو اس معنیٰ پر محمول کرنا کہ فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک فرضی صورت پیش کر کے صورت مسئلہ کا جواب جاننا چاہا تھا' یہ ان آیات کو مجاز پر محمول کرنا ہے اور جب ان آیات کو حقیقت پر محمول کر کے ان کا

علامہ ابوالحیان اندلسی نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دو انسانوں کے متعلق جو شر کا گمان کیا تھا انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

سورۂ صٓ کے سجدہ کے وجوب میں اختلاف فقہاء

صٓ :۲۴ میں ہے: ''اور (داؤد) سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا''۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ''اور داؤد گر گئے رکوع کرتے ہوئے اور انہوں نے رجوع کیا''۔ مفسرین اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں رکوع بہ معنی سجدہ ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ دسواں سجدہ تلاوت ہے۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ ھ لکھتے ہیں:

سورۂ صٓ کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدۂ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ سجدۂ شکر ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ صٓ پڑھی اور سجدۂ تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدۂ تلاوت کیا' صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سجدہ ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا' اگر یہ سجدہ واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورۂ صٓ لکھ رہا ہوں' جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں' پھر آپ نے اس مسجد میں سورۂ صٓ کو پڑھنے کا حکم دیا' پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر سجدہ کیا' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں دوات اور قلم کی جگہ درخت کا ذکر ہے اور اس میں درخت کی اس دعا کا ذکر ہے: اے اللہ! مجھ سے اس سجدہ کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس سجدہ کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۱۹)

علامہ محمود بن احمد بن عبدالعزیز البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ ھ لکھتے ہیں:

سورۂ صٓ کا سجدہ' سجدۂ تلاوت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ سجدہ شکر ہے' کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۂ صٓ کی تلاوت کی تو لوگ سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیوں سجدہ کے لیے تیار ہو گئے' یہ تو ایک نبی کی توبہ ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۸' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۱)

اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ صٓ کے متعلق فرمایا: حضرت داؤد صلوٰت اللہ علیہ نے توبہ کرنے کے لیے یہ سجدہ کیا اور زمین پر گر گئے اور ہم شکر کرنے کے لیے یہ سجدہ کرتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۴۴۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۷)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں سورۂ صٓ کو لکھ رہا ہوں' جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں' حتیٰ کہ آپ کی مجلس میں اس کی تلاوت کی گئی اور آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ اس پر سجدہ کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۳) اور وہ جو اس سے پہلے المستدرک اور سنن دار قطنی کی روایت سے گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۂ صٓ کی تلاوت کی اور اس پر سجدہ نہیں کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ سجدۂ تلاوت کرنا فوراً واجب نہیں ہوتا اور اس کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے' کیونکہ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ سورۂ صٓ کی خطبہ میں تلاوت کی اور اس پر سجدہ کیا (یہ روایت عنقریب آ رہی ہے) اور یہ سجدہ تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے' کیونکہ آپ نے خطبہ کو منقطع کر کے سجدہ کیا۔ (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۲ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

پھر وہ یقیناً ظالم ہے۔
اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: "اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں"۔
اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ زیادتی کرنے میں شرکاء کی کیا تخصیص ہے' غیر شرکاء بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت کے معاملہ میں زیادتی اور عدوان کا داعیہ بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ایک انسان اپنے شریک کے پاس عمدہ اور نفیس چیزیں دیکھتا ہے اور شریک ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے شریک کے مال میں تصرف کرنے کے بھی مواقع حاصل ہوتے ہیں' اس وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ شرکاء کے متعلق فرمایا: "اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں"۔ پھر مومنین صالحین کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ فرمایا اور کہا: "سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں" یہ اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ○ (سبا: ۱۳) اور شکر ادا کرنے والے میرے بندے بہت کم ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور داؤد نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے' سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا○ تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے○ (ص: ۲۵۔۲۴)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو استغفار کیا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) دو انسان دیوار پھاند کر آپ کے حجرے میں آپ کو قتل کرنے کے قصد سے داخل ہوئے' آپ بہت قوی بادشاہ تھے اور ان دونوں کو سزا دینے پر پوری طرح قادر تھے' اس کے باوجود آپ نے درگزر فرمایا تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے دل میں اپنی اس نیکی پر عُجب اور فخر کا احساس پیدا ہو جاتا' تو آپ نے اس کیفیت سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یہ اعتراف کیا کہ ان کو یہ نیکی محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کے دل میں جو خیال آیا تھا اس سے درگزر فرمایا۔

(۲) ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان آنے والے انسانوں کو سخت سزا دیں' پھر خیال آیا کہ ان کے سامنے کوئی ایسی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یا کسی اور شر کے ارادہ سے آئے تھے تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو بلا دلیل جو سزا دینے کا خیال آیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دو انسانوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ درخواست کی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی مغفرت کے لیے شفاعت کریں' پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کیا اور گڑ گڑا کر دعا کی' پس اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شفاعت کی وجہ سے ان کو معاف فرما دیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: یہ تمام وجوہ یہاں مراد ہوسکتی ہیں اور قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور جب ان آیات کو صحیح معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے اور ان اسرائیلی روایات کے حق میں کوئی دلیل قائم نہیں ہے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی کے ساتھ آپ کے زنا کی نسبت کی گئی ہے تو بلا دلیل ایسی فحش اور منکر روایات کی اللہ کے برگزیدہ نبی کی طرف نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے ان فحش کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تھا کب جائز اور درست ہوسکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دونوں کا سجدۂ تلاوت رکوع کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا سجدہ شکر تھا اور کلام سجدۂ تلاوت میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل سے استدلال نہیں کر رہے بلکہ ہم اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے اس رکوع کو سجدہ سے کفایت کرنے والا قرار دیا ہے۔

اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ سجدۂ تلاوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف یہ ہے کہ آپ سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے تھے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے سجدہ کے بجائے رکوع کر لیا ہو' خواہ ایک مرتبہ ہی کیا ہو' اسی طرح آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے رکوع نہیں کیا اور استدلال میں جو قیاس ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا قوی نہیں ہے' اس لیے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ سجدۂ تلاوت کو سجدہ سے ہی ادا کیا جائے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ایسا فعل صادر ہو گیا تھا جو خلاف اولیٰ تھا اور ان کی شان کے لائق نہ تھا' انہوں نے اس پر توبہ کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ہم اس قبول توبہ کے شکر میں سجدہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۷۰۔۲۶۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ اور علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین' شامی' حنفی' متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سجدۂ تلاوت نماز کے رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں: سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے میں اصل سجدہ کرنا ہے اور وہی افضل ہے' اگر اس نے آیت سجدہ پڑھنے کے بعد علی الفور رکوع کر لیا تو رکوع میں سجدہ ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں اور اگر اس نے علی الفور رکوع نہیں کیا تو پھر خصوصیت کے ساتھ سجدہ ادا کرنا ہوگا) اسی طرح اگر اس نے نماز کے باہر آیت سجدہ تلاوت کی ہے' تب بھی رکوع کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ (بزازیہ) (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے' یہ قیاساً صحیح ہے نہ استحساناً)۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۵۱۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

نماز کا سجدۂ تلاوت سجدہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور رکوع سے بھی' مگر رکوع سے جب ادا ہوگا کہ فوراً کرے' فوراً نہ کیا تو سجدہ کرنا ضروری ہے اور جس رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا کیا خواہ وہ رکوع' رکوعِ نماز ہو یا اس کے علاوہ' اگر رکوعِ نماز ہے تو اس میں اداء سجدہ کی نیت کرے اور اگر خاص سجدہ ہی کے لیے یہ رکوع کیا تو اس رکوع سے اٹھنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ دو تین آیتیں یا زیادہ پڑھ کر رکوع نماز کرے فوراً نہ کرے اور اگر آیت سجدہ پر سورت ختم ہے اور سجدہ کے لیے رکوع کیا تو دوسری سورت کی آیتیں پڑھ کر رکوع کرے۔ (غنیۂ' عالم گیری' ردالمحتار' درمختار) (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۴۰' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' ۱۴۱۶ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے جس فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی تھی اس کے متعلق تورات کا بیان

صٓ: ۲۵۔۲۴ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار اور توبہ کرنے کا ذکر ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا تھا جس پر انہیں توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئی' ان کے اس فعل کا بیان تورات میں بھی

فائدہ: المحیط البرہانی ۱۴۲۴ھ میں دنیا میں پہلی بار طبع ہوئی ہے' اس سے پہلے ہم نے متعدد کتب فقہ میں اس کے حوالہ جات پڑھے تھے جو اس کے مخطوطات سے فراہم کیے گئے تھے' ۳۱ مئی ۲۰۰۳ء کو مکتبہ عثمانیہ سے میرے پاس فون آیا کہ گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب آ گئی ہے اور اس کی قیمت ۹ ہزار روپے ہے' میں نے اسی وقت رقم بھیج کر یہ کتاب منگوا لی اور آج ۴ جون ۲۰۰۳ء کو اس کا حوالہ بھی درج کر دیا' فالحمد للہ علی ذالک۔

سورۂ صٓ کے سجدۂ تلاوت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ صٓ کا سجدہ کیا تھا۔
(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۱۴۹۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا' آپ نے سورۂ صٓ کی تلاوت کی' جب آپ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ نے منبر پر سے اتر کر سجدہ کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا' پھر آپ نے ایک مرتبہ اور اس کی تلاوت کی' جب آپ آیت سجدہ پر پہنچے تو ہم سجدہ کرنے کے لیے تیار ہوئے' جب آپ نے ہم کو دیکھا تو فرمایا: یہ ایک نبی کی توبہ ہے' لیکن میں نے دیکھا کہ تم سجدہ کے لیے تیار ہوئے' پھر آپ منبر سے اترے پس آپ نے سجدہ کیا اور ہم نے بھی سجدہ کیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۱۴۱۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۹۹ المستدرک ج ۱ ص ۲۸۴ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۵۵ سنن دارقطنی رقم الحدیث ۱۵۰۳ جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم ۱۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورۂ صٓ کی تلاوت کی' پھر انہوں نے منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے۔
(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۱۵۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورۂ صٓ کی تلاوت کی' پھر منبر سے نیچے اتر کر سجدۂ تلاوت ادا کیا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۷ رقم الحدیث ۱۵۰۳)

ان احادیث اور آثار میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے خطبہ منقطع کر کے سورۂ صٓ کا سجدہ کیا اور یہ اس سجدۂ تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے۔

نماز اور خارج از نماز رکوع سے سجدہ تلاوت کا ادا ہونا

صٓ: ۲۴ میں ہے: ''اور داؤد رکوع کرتے ہوئے گر گئے''۔ اس آیت میں سجدہ کو رکوع سے تعبیر فرمایا ہے' اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رکوع کرنے سے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رکوع کرنا سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ نیت کی جائے''۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مجازاً سجدہ پر رکوع کا اطلاق کیا گیا' کیونکہ رکوع کا معنی ہے جھکنا اور جھکنا سجدہ کا سبب ہے' یا یہ مجاز بالاستعارہ ہے کیونکہ سجدہ میں خضوع اور خشوع ہوتا ہے اور جھکنا بھی خضوع اور خشوع کے مشابہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت میں رکوع سجدہ کے قائم مقام ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس میں نماز اور غیر نماز میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی نماز میں آیت سجدہ پڑھی ہو یا غیر نماز میں'

قاصد سے کہا کہ تو یوآب سے یوں کہنا کہ تجھے اس بات سے ناخوشی نہ ہو اس لیے کہ تلوار جیسا ایک کو اڑاتی ہے ویسا ہی دوسرے کو۔ سوتو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اسے ڈھادے اور تو اسے دم دلاسا دیناO

جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لیے ماتم کرنے لگیO اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا' پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہواO

باب ۱۲: اور خداوند نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا: کسی شہر میں دو شخص تھے۔ ایک امیر دوسرا غریبO اس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلے تھےO پر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ اسی کے نوالہ میں سے کھاتی اور اس کے پیالہ سے پیتی اور اس کی گود میں سوتی تھی اور اس کے لیے بطور بیٹی کے تھیO اور اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا۔ سو اس نے اس مسافر کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکانے کو اپنے ریوڑ اور گلہ میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اور اس شخص کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکائیO تب داؤد کا غضب اس شخص پر بشدت بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب القتل ہےO سو اس شخص کو اس بھیڑ کا چوگنا بھرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیاO

تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے۔ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور میں نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایاO اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا اور اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو اور اور چیزیں بھی دیتاO سو تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے حتی اوریاہ کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایاO سو اب تیرے گھر سے تلوار کبھی الگ نہ ہو گی کیونکہ تو نے مجھے حقیر جانا اور حتی اوریاہ کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی ہوO سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گاO کیونکہ تو نے تو چھپ کر یہ کیا' پر میں سارے اسرائیل کے رُوبرو دن دہاڑے یہ کروں گاO تب داؤد نے ناتن سے کہا: میں نے خداوند کا گناہ کیا۔ ناتن نے داؤد سے کہا کہ خداوند نے بھی تیرا گناہ بخشا' تو مرے گا نہیںO تو بھی چونکہ تو نے اس کام سے خداوند کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے اس لیے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہو گا مر جائے گاO پھر ناتن اپنے گھر چلا گیا اور خداوند نے اس لڑکے کو جو اوریاہ کی بیوی کے داؤد سے پیدا ہوا تھا مارا اور وہ بہت بیمار ہو گیاO اس لیے داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین پر پڑا رہاO اور اس کے گھرانے کے بزرگ اٹھ کر اس کے پاس آئے کہ اسے زمین پر سے اٹھائیں پر وہ نہ اٹھا اور نہ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایاO اور ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا اور داؤد کے ملازم اسے ڈر کے مارے یہ نہ بتا سکے کہ لڑکا مر گیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب وہ لڑکا ہنوز زندہ تھا اور ہم نے اس سے گفتگو کی تو اس نے ہماری بات نہ مانی' پس اگر ہم اسے بتائیں کہ لڑکا مر گیا تو وہ بہت ہی کڑھے گاO پر جب داؤد نے اپنے ملازموں کو آپس میں پھسپھساتے دیکھا تو داؤد سمجھ گیا کہ لڑکا مر گیا۔ سو داؤد نے اپنے ملازموں سے پوچھا: کیا لڑکا مر گیا؟ انہوں نے جواب دیا: مر گیاO تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل کر کے اس نے تیل لگایا اور پوشاک

ہے اور بعض قدیم مفسرین کی عبارات میں بھی ہے اور بعض محتاط مفسرین کی عبارات میں بھی اور بعض محققین کی عبارات میں بھی ہے ہم ترتیب وار ان سب کی عبارات پیش کریں گے' پہلے ہم تورات کی عبارت پیش کر رہے ہیں:

"باب ۱۱: اور ایسا ہوا کہ دوسرے سال جس وقت بادشاہ جنگ کے لیے نکلتے ہیں داؤد نے یوآب اور اس کے ساتھ اپنے خادموں اور سب اسرائیلیوں کو بھیجا اور انہوں نے بنی عمون کو قتل کیا اور ربہ کو جا گھیرا پر داؤد یروشلیم ہی میں رہا O

اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی O تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا: کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ O اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی O اور وہ عورت حاملہ ہوئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں O اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اوریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا O اور جب اوریاہ آیا تو داؤد نے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے اور جنگ کیسی ہو رہی ہے؟ O پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو اور اوریاہ بادشاہ کے محل سے نکلا اور بادشاہ کی طرف سے اس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا O پر اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے مالک کے اور سب خادموں کے ساتھ سویا اور اپنے گھر نہ گیا O اور جب انہوں نے داؤد کو یہ بتایا کہ اوریاہ اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اوریاہ سے کہا: کیا تو سفر سے نہیں آیا؟ پس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا؟ O اوریاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور میرا مالک یوآب اور میرے مالک کے خادم کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تو کیا میں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم! مجھ سے یہ بات نہ ہوگی O پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ آج بھی تو یہیں رہ جا۔ کل میں تجھے روانہ کر دوں گا۔ سو اوریاہ اس دن اور دوسرے دن بھی یروشلیم میں رہا O اور جب داؤد نے اسے بلایا تو اس نے اس کے حضور کھایا پیا اور اس نے اسے پلا کر متوالا کیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے مالک کے اور خادموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا پر اپنے گھر کو نہ گیا O صبح کو داؤد نے یوآب کے لیے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا O اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو O اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں O اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا O تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا O اور اس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ جب تو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کر چکے O تب اگر ایسا ہو کہ بادشاہ کو غصہ آ جائے اور وہ تجھ سے کہنے لگے کہ تم لڑنے کو شہر کے ایسے نزدیک کیوں چلے گئے؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوار پر سے تیر ماریں گے؟ O یربست کے بیٹے ابملک کو کس نے مارا؟ کیا ایک عورت نے چکی کا پاٹ دیوار پر سے اس کے اوپر ایسا نہیں پھینکا کہ وہ تبیض میں مر گیا؟ سو تم شہر کی دیوار کے نزدیک کیوں گئے؟ تو پھر تو کہنا کہ تیرا خادم حتی اوریاہ بھی مر گیا ہے O سو وہ قاصد چلا اور آ کر جس کام کے لیے یوآب نے اسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا O اور اس قاصد نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالب ہوئے اور نکل کر میدان میں ہمارے پاس آ گئے' پھر ہم ان کو رگیدتے ہوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے O تب تیر اندازوں نے دیوار پر سے تیرے خادموں پر تیر چھوڑے۔ سو بادشاہ کے تھوڑے سے خادم بھی مرے اور تیرا خادم حتی اوریاہ بھی مر گیا O تب داؤد نے

جن محتاط مفسرین نے اس اسرائیلی روایت کو مسترد کر دیا

اکثر محتاط مفسرین نے اس روایت کو رد کر دیا اور کہا: یہ روایت انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منافی ہے اور انہوں نے سورۂ ص کی ان آیات کا یہ محمل بیان کیا کہ انہوں نے حتی اوریاہ سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس سے نکاح کر لیں اور یہ چیز ان کی شریعت میں معروف اور مروج تھی۔ امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے لیے چھوڑ دے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ ان کی شریعت میں مباح تھا' لیکن اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے راضی نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی عورتیں ان کے نکاح میں دی تھیں اس کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(معالم التنزیل ج ۴ص ۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس اسرائیلی روایت کو رد کر کے سورۂ ص کی ان آیات کا یہی محمل لکھا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ' علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی متوفی ۶۶۸ھ' قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف متوفی ۷۵۴ھ' علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ' علامہ محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ' علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی المتوفی ۸۶۰ھ' علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ' علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' شیخ صدیق بن حسن بن علی البخاری المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

ان تمام مفسرین نے ص: ۲۵۔۲۴ کی تفسیر میں اس بات کو ذکر کیا ہے' مفصل حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ص ۳۷۹' کشاف ج ۴ص ۸۳' احکام القرآن لابن العربی ج ۴ص ۵۴۔۵۳' زاد المسیر ج ۷ص ۱۱۶۔۱۱۵' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ص ۱۴۳۔۱۴۲' البحر المحیط ج ۹ص ۱۵۱' شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ص ۱۹۴۔۱۹۳' الکازرونی علی البیضاوی ج ۵ص ۴۳۔۴۲' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۴ص ۳۴' لباب التاویل للخازن ج ۴ص ۳۷۔۳۴' غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ص ۵۹۰' نظم الدرر ج ۶ص ۳۷۶۔۳۷۵' تفسیر ابو السعود ج ۵ص ۳۵۸۔۳۵۷' روح البیان ج ۸ص ۲۹۔۲۸' فتح القدیر ج ۴ص ۵۶۲' روح المعانی جز ۲۳ص ۲۷۲' فتح البیان ج ۶ص ۱۹)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی' البتہ انہوں نے اس اسرائیلی روایت کا بہت سختی کے ساتھ رد کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مفسرین کرام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی جو توجیہات اور محامل بیان کیے ہیں اب ہم ان کو اختصار اور تلخیص کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات اور محامل

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

بدلی اور خداوند کے گھر میں جا کر سجدہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھر آیا اور اس کے حکم دینے پر انہوں نے اس کے آگے روٹی رکھی اور اس نے کھائی O" (سموئیل باب:۱۱ آیت:۲۷-۲ باب:۱۲ آیت:۲۱-۱ کتاب مقدس پرانا عہد نامہ ص۳۰۵-۳۰۳ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۹۲ء)

ص ا:سموئیل باب:۱۲ آیت ایک سے آیت میں تک یہ کچھ تحریف اور رنگ آمیزی کے ساتھ وہی قصہ ہے جس کو قرآن مجید نے ص:۲۵-۲۱ میں بیان فرمایا ہے تورات کی اس عبارت میں بھی ناتن سے مراد کوئی انسان ہے فرشتہ نہیں ہے۔

تورات کی ان آیات میں تحریف کر کے حضرت داؤد علیہ السلام پر حتی اور یاہ کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے زنا کرنے کا بہتان تراشا گیا ہے۔ العیاذ باللہ' حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اور ان کا دامن اس فحش کام اور گناہ کبیرہ سے پاک ہے' حضرت داؤد علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبی معصوم ہیں' ان سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوتا' صغیرہ نہ کبیرہ' سہواً نہ عمداً' صورتاً نہ حقیقتاً' البتہ اجتہادی خطاء سے ان سے بعض خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کام صادر ہو جاتے ہیں اور خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی عصمت کے خلاف ہیں نہ گناہ ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام سے ان کا صدور اس لیے ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کاموں کا کرنا فی نفسہ جائز ہے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ شریعت کا بیان کرنا فرض ہے اس لیے ان کو ان کاموں پر فرض کا اجر و ثواب ملتا ہے اور یہ کام بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں' حقیقت میں درجہ فرض میں ہوتے ہیں' اسی لیے کہا جاتا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

بعض قدیم مفسرین کا تورات کی محرف روایت کو نقل کر کے اس سے استدلال کرنا

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے تورات کی اس روایت میں کچھ تخفیف کر کے اس طرح لکھا ہے:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت داؤد بیٹھے ہوئے زبور پڑھ رہے تھے کہ روشن دان سے ایک کبوتر اتر آیا' حضرت داؤد اس کو دیکھنے لگے' وہ اڑ کر چلا گیا۔ حضرت داؤد یہ دیکھنے لگے کہ وہ کبوتر کہاں جاتا ہے' پھر ایک نظر ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی' وہ بے حد حسین اور جمیل عورت تھی' جب اس نے دیکھا کہ حضرت داؤد اس کی طرف دیکھ رہے ہیں تو اس نے اپنے سر کے بالوں سے اپنا جسم چھپالیا' حضرت داؤد کے دل میں مسلسل اس عورت کا خیال آتا رہا اور وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے' انہوں نے اس کے شوہر کو ایک جنگ میں بھیج دیا اور سپہ سالار کو حکم دیا کہ اس کو ایسی جگہ بھیج دینا جہاں یہ مارا جائے' حتیٰ کہ وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۳۹)

علامہ ابن جریر نے دوسری روایت حسن بصری سے ذکر کی ہے' اس میں مذکور ہے: جب حتی اور یاہ جنگ سے واپس نہیں آیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا اور اس سے نکاح کر لیا اور قتادہ نے کہا: جب وہ مارا گیا تو آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور وہی عورت حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں تھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۳۸)

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۸۳۴۴-۱۸۳۴۳' ج ۱۰ ص ۳۲۳۹-۳۲۳۸)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ اور علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے اس اسرائیلی روایت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۸۶-۱۸۵' النکت والعیون ج ۵ ص ۸۶-۸۵' تفسیر القشیری ج ۳ ص ۱۰۲-۱۰۱' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۳۹-۱۳۸)

بھی ہیں تو انہوں نے یہ بہانا کیا کہ وہ آپ کے پاس فیصلہ کرانے آئے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کی اصل غرض کیا تھی' آپ نے ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا' پھر انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کہ آیا وہ اپنے نفس کی وجہ سے غضب میں آتے ہیں یا نہیں' تب انہوں نے اپنے رب سے استغفار کیا کہ انہوں نے اپنے نفس کے لیے انتقام لینے کا ارادہ کیا تھا' جب کہ ان کے لائق عفو و درگزر تھا جس سے انہوں نے عدول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو دو آدمی آپ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آئے تھے آپ نے ان کے لیے اپنے رب سے استغفار کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے یہی شایانِ شان ہے۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۷۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

موجودہ محرف تورات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار کو بہت بدنما بنا کر پیش کیا گیا ہے' مجھے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ میں اس موضوع کی چھان پھٹک کروں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت کے خلاف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بطلان کو واضح کروں' فالحمد للہ رب العلمین' اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری کی اور مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے دامن عصمت سے مخالفین کی گرد جھاڑنے کی توفیق' ہمت اور سعادت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے' سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول جاتے ہیں O

خلیفہ کا معنیٰ اور اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر استدلال

خلیفہ کا لغوی معنیٰ ہے جانشین' نائب' قائم مقام۔ علامہ راغب اصفہانی اس کا عرفی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافت کا معنیٰ ہے دوسرے شخص کی نیابت کرنا' یا اس وجہ سے کہ اصل شخص کہیں چلا گیا تو یہ غیر موجودگی میں اس کا نائب ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص فوت ہو گیا ہے اور اب یہ اس کے قائم مقام ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے تو یہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہے اور یا اس وجہ سے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو ان لوگوں پر عزت' فضیلت اور شرف عطا کرتا ہے جن پر اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے' اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس کی یہی چوتھی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غائب ہونے سے' فوت ہونے سے اور عاجز ہونے سے پاک ہے' سو اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے لوگوں پر عزت اور شرف عطا فرمانے کے لیے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ. وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ (فاطر: ۳۹)

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ. اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے۔ (ص: ۲۶)

(المفردات ج ۱ ص ۲۰۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں بھی یہودیوں کی وضع کی ہوئی اس روایت کا رد ہے اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جنہوں نے ص: ۲۵۔۲۱ سے یہ سمجھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی سے نکاح کرنے کی خاطر اس کو جنگ میں بھیج کر قتل کروا دیا' اگر ان آیات کا یہ مطلب ہوتا تو اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کو عزت اور وجاہت عطا فرمانے کا

اس اسرائیلی روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اوریاہ کو قتل کرایا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے متعلق بھی سخت عیب' باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے۔

سعید بن مسیب اور حارث اعور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے حضرت داؤد کے متعلق اس روایت کو بیان کیا میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا اور انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے والے کی یہی سزا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے ایک شخص نے کہا: یہ جھوٹی روایت ہے۔ قرآن مجید میں اس قصہ کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا: اس شخص کی بات سننا میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۸۴۔۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اسرائیلی روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے جائز نہیں ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام ایسے فعل سے منزہ ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر جس وجہ سے عتاب کیا گیا تھا اس کے چار محمل ہیں:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ سے کہا: تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور اس کو میرے سپرد کر دو۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھ کر یہ تمنا کی تھی: کاش! وہ میری بیوی ہوتی' پھر اتفاق سے اس کا خاوند جہاد میں گیا اور ہلاک ہو گیا' اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی کارروائی کا دخل نہیں تھا۔ جب آپ کو اس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ کو اس کی موت پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا دوسرے سپاہیوں کی موت پر افسوس ہوتا تھا' پھر آپ نے اس کی بیوی سے عقد کر لیا۔

(۳) اس کی بیوی پر آپ کی نظر اتفاقاً پڑی' پھر آپ نے نظر نہیں ہٹائی اور اس کو دیکھتے رہے۔

(۴) اوریاہ نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا' اس کے علم کے باوجود حضرت داؤد نے اس کو نکاح کا پیغام دیا' اس سے اوریاہ کو رنج ہوا۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۱۶۔۱۱۵' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اسرائیلی روایت کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کے چار محمل ذکر کیے ہیں' تین محمل وہ ہیں جن کو علامہ ابن جوزی نے نمبر ا' نمبر ۳ اور نمبر چار میں بیان کیا ہے اور چوتھا محمل یہ بیان کیا ہے کہ اوریاہ کی بیوی کی وجہ سے آپ پر عتاب نہیں ہوا' بلکہ اس وجہ سے آپ پر عتاب ہوا کہ آپ نے ایک فریق کی بات سنے بغیر دوسرے فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۱۔۳۸۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ آنے والے دو آدمیوں کے متعلق آپ نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے آئے ہیں' لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو آپ نے ان کے متعلق غلط گمان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

(البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

جو دو آدمی آئے تھے وہ آپ کو قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے آئے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کے پاس اور لوگ

انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً خلیفۃ اللہ ہونا

اب یہ سوال ہے کہ یہ قانون کس کا بنایا ہوا ہو؟ اگر انسان اس قانون کو بنائے گا تو اوّل تو وہ ناقص ہوگا' کامل اور جامع نہیں ہوگا اور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط اور حاوی نہیں ہوگا' ثانیاً جو انسان بھی اس قانون کو بنائے گا وہ اس قانون میں اپنی رعایت اور اپنے تحفظ کا دروازہ رکھے گا' اس میں تمام انسانوں کے لیے مساوات اور یکسانیت کے اصول نہیں ہوں گے' اس لیے ضروری ہے کہ اس قانون کی خالق کوئی انسانوں سے ماوراء ذات ہو' جس کے پیش نظر اپنا کوئی ذاتی مفاد نہ ہو اور اس کی نظر انسانیت کے تمام شعبوں پر ہو اور قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات اس کے علم میں ہوں اور ایسے کامل علم والی اور بے غرض ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات ہے' جو انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تمام ضروریات کو' انسانیت کے تمام شعبوں کو اور قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات کو جاننے والا ہے' اسی کا بنایا ہوا قانون تمام انسانوں کے لیے یکساں قابل عمل ہے اور قیامت تک کے تمام ادوار کی ضرورتوں اور تقاضوں کا متکفل ہے اور اس قانون کو اللہ تعالیٰ ہر دور میں وحی کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرماتا رہا ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو نبی اور رسول بھیجے جاتے تھے وہ ایک مخصوص علاقے' مخصوص زمانے اور مخصوص قوم کے رسول ہوتے تھے تو ان پر ان کی عبادات اور معاملات کے لیے جو احکام نازل کیے جاتے تھے وہ احکام بھی ایک مخصوص وقت تک کے لیے ہوتے تھے' ان کی تہذیب وتمدن اور ان کی ثقافت اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے وہ احکام نازل کیے جاتے تھے اور وہ احکام وقتی اور عارضی ہوتے تھے اور جب کوئی دوسرا نبی آتا اور حالات بدل جاتے تو وہ سابقہ احکام منسوخ کر کے نئے احکام نازل کر دیئے جاتے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تا آنکہ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے اور آپ کو رنگ ونسل' علاقہ اور زمانہ کی تمیز اور تخصیص کیے بغیر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (سباء: ۲۸)

ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ‏ ○ (الفرقان: ۱)

وہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو○

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے○

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک قائم اور نافذ رہنے والے احکام دے کر بھیجا اور جو احکام تمام انسانوں کے لیے قیامت تک نافذ العمل ہیں ان کا نام اس نے اسلام رکھا اور فرمایا:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے لیے اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا۔

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو

کیوں ذکر فرماتا۔

امام رازی فرماتے ہیں: خلیفہ کا معنی ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اگر اس سے متصل پہلی آیتوں کا معنی یہ ہوتا کہ حضرت داؤد نے اوریاہ کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لیے اس کو مروا دیا تو اس کے متصل بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا کیوں ذکر فرماتا' کیونکہ خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے فتنہ فساد اور خونریزی کو دور کرے نہ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی کو ناحق قتل کرائے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

انسانی معاشرہ میں خلیفہ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت اور طبیعت کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ مل جل کر زندگی گزارتا ہے کیونکہ ایک انسان تنہا اپنی تمام ضروریات کا متکفل نہیں ہو سکتا' اس کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے اور غذا گوشت اور زمین کی پیداوار پر مشتمل ہوتی ہے' زمین کی پیداوار میں گندم' جو' چنا اور چاول ہیں اور زمینوں اور درختوں میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی سبزیاں ہیں اسی طرح متعدد اقسام کے پھل ہیں جو سال کے مختلف موسموں اور ایام میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح حلال گوشت مختلف جانوروں سے حاصل ہوتا ہے' انسان کو اپنی نشو و نما اور بقا میں مختلف اجناس کی روٹی' چاول' سبزیاں اور پھلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک انسان تنہا ان تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا' پھر انسان کو اپنا ستر ڈھانپنے کے لیے لباس کی ضرورت ہوتی ہے' لباس روئی کو کات کر کپڑا بُننے سے حاصل ہوتا ہے اور اب کپڑا نائیلون سے بھی بنتا ہے جو پٹرولیم سے حاصل ہوتا ہے اور ان کی بھی ان گنت اقسام ہیں اور کھانا پکانے اور روئی اور پٹرولیم سے کپڑا بنانے کے لیے مشینوں کی ضرورت ہوتی ہے جو لوہے اور مختلف دھاتوں سے حاصل ہوتی ہے' اور یہ انواع و اقسام کی مشینیں اور ان کے کارخانے ہیں' پھر انسان کو سردی' گرمی اور برسات سے محفوظ رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور اب مکان سیمنٹ' بجری' پتھر' مٹی' ریت' لوہے اور لکڑی سے بنتے ہیں' ان کو بنانے کے لیے ایک الگ نوع کے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان کو اپنی نوع کے تحفظ اور اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان بیمار بھی پڑ جاتا ہے تو اس کے لیے علاج اور معالجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے علم طب کی ضرورت ہوتی ہے اور جن اجناس سے دوائیں بنتی ہیں' ان اجناس کو تلاش کرنا' ان سے دوائیں بنانا اور سرجری کے آلات بنانا ان کے لیے کارخانے بنانے اور چلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم کے حصول اور تحصیل کے لیے کتابیں لکھنے اور چھاپنے کی ضرورت ہے' درس گاہیں بنانے کی ضرورت ہے' پھر جب انسان مر جائے تو اس کو غسل دینے' کفن پہنانے' اس کی نماز جنازہ پڑھنے' اس کی قبر کھودنے اور اس کو دفن کرنے کے لیے ایک الگ نوع کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے' غرض یہ کہ ایک انسان تنہا اپنی تمام ضروریات کا متکفل نہیں ہو سکتا' اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا' اس کو پیدا ہونے' جینے اور مرنے میں دوسرے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے لامحالہ انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنی ہے۔

پھر ایک انسان اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کرتا ہے' اگر ان چیزوں کے حصول کے لیے کوئی اصول اور قانون نہ ہو تو ہر زور آور قہر اور جبر کے ذریعہ اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کر لے گا۔ لہٰذا ظلم کا دور دورہ ہو گا' پھر مظلوم کا ہے کو ظالم کے لیے اس کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرتا رہے گا اور یوں ظلم اور بربریت کے باوجود ظالم چین سے زندگی بسر کر سکے گا نہ مظلوم' اور ظلم اور جبر کی وجہ سے انسانوں کا معاشرہ عملاً جانوروں کا جتھا بن جائے گا' جس طرح جنگل میں بھیڑیوں کا ریوڑ' بھیڑوں کے گلے پر حملے کر کے زندگی گزارتا ہے۔

میں خواہش کی اتباع کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے تو تم اس وعید کے زیادہ مستحق ہو' اللہ کا نبی تو پہلے ہی خواہش کی اتباع سے بہت دور ہوتا ہے اور اس کے دل میں بے پناہ اللہ کا ڈر اور خوف ہوتا ہے' سو اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے اور مراد ان کی امت اور بعد کے لوگوں کو تعریض کرنا ہے۔

خلافت علی منہاج النبوت کی تحقیق

عن جابر بن سمرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال الاسلام عزيزا الى اثنى عشر خليفة (الى قوله) كلهم من قريش.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بارہ خلیفہ پورے ہونے تک اسلام کو غلبہ رہے گا اور فرمایا: وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں' ایک حیثیت سے آپ مہبط وحی الٰہی تھے' اس حیثیت سے آپ احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے اور فرائض رسالت بجا لاتے اور دوسری حیثیت سے آپ مسلمانوں کے امیر' قائد اور رہنما تھے' اس حیثیت سے آپ اسلامی ریاست کے خارجی اور داخلی اُمور کی تدبیر فرماتے' تبلیغ اسلام کے لیے جہاد فرماتے' مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواتے اور اندرونِ ملک احکام الٰہیہ کو عملی طور پر نافذ فرماتے' آپ کے وصال کے بعد آپ کی پہلی حیثیت کا سلسلہ بطور نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن آپ کی دوسری حیثیت خلفاء کے روپ میں قائم و دائم رہی اور آپ کی اسی حیثیت کی جانشینی کا نام خلافت ہے۔

آیت استخلاف کی تحقیق

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو ضرور امن اور چین سے بدل دے گا۔

خلافت کے موضوع پر اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم خلافت کی تحقیق میں اس آیت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مسلمان سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے یا بعض مسلمانوں سے؟ ہر ہر مسلمان سے اس وعدہ کا ہونا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ واقع میں ہر ہر مسلمان کو روئے زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ مثلاً جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا یا جس طرح فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو زمین پر غلبہ دیا گیا اس طرح ہر مسلمان کو زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا بایں طور کہ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد زمین پر خلیفہ اور صاحبِ اقتدار ہو' ثانیاً یہ عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ جب ہر شخص خلیفہ' صاحبِ اقتدار اور حاکم ہو تو پھر محکوم کون ہوگا؟ بلکہ اس سے ہر شخص کا حاکم اور محکوم ہونا لازم آئے گا اور یہ بداہۃً باطل ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خلافت سے اقتدار مُراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے تصرف کرنا مراد ہے تو اس معنیٰ میں مسلمانوں اور نیکوکاروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ

(آل عمران:۸۵) اس سے ہرگز اس دین کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے اب قیامت تک صرف اسلام کے احکام ہی قابل عمل ہیں اور وہی صحیح حاکم ہوگا جو اسلام کے احکام نافذ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھی زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور نیک مسلمانوں کو بھی زمین میں خلیفہ بنایا ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرہ:۳۰)

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص ۲۶)

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

اور نیک مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنانے کے متعلق فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (الانعام ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ (النور ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور اس طرح زمین میں خلیفہ بنا دے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔

اصالۃً تو خلیفۃ اللہ انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں اور نیک مسلمانوں کو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے خلیفۃ اللہ قرار دیا جاتا ہے۔

خلیفہ کا خواہش کی اتباع کرنا کیوں عذاب شدید کا موجب ہے؟

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے درمیان اختلافات اور تنازعات بھی پیدا ہوتے ہیں اس وقت کسی ایسے صاحب اقتدار انسان کا ہونا ضروری ہے جو ان کے تنازعات کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ ضروری ہے کہ وہ انسان اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو دو فریق اس کے پاس مقدمہ لے کر آئے ہوں ان میں سے ایک اس حاکم کا عزیز یا رشتہ دار ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے' کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں O'' (ص:۲۶)

خواہش کی اتباع کرنا انسان کو لذات جسمانیہ میں منہمک رکھتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے سے غافل ہو جاتا ہے اور وہ نفس کے مرغوبات کو حاصل کرنے میں معصیت کی دلدل میں ڈوبنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ یوم حساب کو بھول جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک امر آخرت کے عذاب شدید کا موجب ہے۔ اس آیت میں ہر چند کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کیا گیا اور ان کو خواہش کی اتباع کرنے پر آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے' لیکن اس خطاب میں ان کی امت اور بعد کے مسلمانوں کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی مقدمات کے فیصلے

هی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام والقیام بالجهاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفیء والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیابة عن النبی صلی الله علیه وسلم.

علوم دینیہ کی ترویج اور اشاعت سے دین کو قائم کرنے' ارکان اسلام کو قائم کرنے' جہاد اور اس کے متعلق امور یعنی لشکروں کو ترتیب دینے' مجاہدین کے حصے مقرر کرنے اور مال غنیمت سے ان کو حصے دینے' قاضیوں کے تقرر کرنے' ظالموں کو سزا دینے اور حدود قائم کرنے' نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی امارت عامہ کو خلافت کہتے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ص ۲' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

پھر ریاست عامہ کی تفصیل کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور وعظ و نصیحت کرتے تھے' جمعہ' عید اور پانچوں نمازوں کی جماعت کراتے تھے' ہر محلہ میں نماز کا امام مقرر کرتے تھے' مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرتے تھے' ہلال رمضان اور ہلال عید کی شہادت قبول کرتے اور اس کے مطابق رمضان اور عید کا اعلان فرماتے تھے' حج کو قائم کرتے' نو ہجری میں حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور مسلمانوں کے حج کا انتظام فرمایا' جہاد کا اہتمام فرماتے اور لشکر تیار کرتے' اس کا امیر مقرر فرماتے۔ لوگوں کے مقدمات میں فیصلہ فرماتے' اسلامی شہروں میں قاضی مقرر کر کے بھیجتے' حدود قائم فرماتے' نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے۔ اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے تب بھی دین کو اسی تفصیل کے ساتھ قائم کرنا واجب ہے اور دین کو اس تفصیل کے ساتھ قائم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ان احکام کو نافذ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے نائبین کو دیگر شہروں میں بھیجے اور ان کی کارگزاری سے باخبر رہے اور وہ نائبین اس کے احکام سے تجاوز نہ کریں اور اس کی ہدایات کے مطابق کام کریں اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور آپ کا نائب مطلق ہو گا اور ہم نے جو خلافت کی تعریف میں کہا ہے کہ خلیفہ کو اقامت دین کے لیے ریاست عامہ حاصل ہو اس سے ہماری یہی مراد ہے۔ نیز ہم نے خلافت کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کر ریاست عامہ کا حامل ہو اس قید سے ہم نے نبوت سے احتراز کیا ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام استقلالاً ریاست عامہ کے حامل ہوتے ہیں نیابۃً نہیں ہوتے۔ ہر چند کہ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فرمایا ہے لیکن اس سے خلافتِ الٰہیہ مراد ہے کیونکہ اللہ کا خلیفہ نبی ہوتا ہے اور ہماری بحث خلافت نبوت میں ہے' اسی لیے حضرت ابوبکر فرماتے تھے: مجھے اللہ کا خلیفہ نہ کہو' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ص ۳۔۲' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو خلافت کی تعریف کی ہے وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ ہے جس میں امام اور خلیفہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور تمام ممالک اسلامیہ کا امیر ہوتا ہے اور تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہوتی ہے' خیال رہے کہ ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوتا اور نہ وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کریں گے۔

خلافت کی شرائط

علامہ ابوالحسن علی ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس معنی میں تمام اولاد آدم اللہ کی خلیفہ ہے۔ ثالثاً اس آیت میں "مـن" "تبعیضیہ" ہے کیونکہ "مـن" ابتدائیہ بیانیہ یا زائدہ یہاں متصور نہیں ہے اور یہ اس بات کی واضح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بعض صالح مومنوں سے فرمایا ہے نہ کہ سب مسلمانوں سے اور اس آیت کے بلا واسطہ مخاطب حضرات صحابہ کرام تھے اور جس وقت سورۂ نور نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی' کیونکہ اس وقت تک سرزمین حجاز میں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں' اس کے کچھ عرصہ بعد یہ وعدہ پورا ہوا جب نہ صرف یہ کہ اسلام سرزمین حجاز میں پھیلا بلکہ خطۂ عرب سے لے کر براعظم افریقہ' براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں اندلس تک اذانیں گونجنے لگیں اور اسلام کا یہ عظیم الشان غلبہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حاصل ہوا۔ اس لیے آیت استخلاف کے اولین مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں کیونکہ انہیں کے دور میں اسلام کو فتوحات حاصل ہوئیں' حضرت علی کا دور خلافت مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال میں گزرا اور ان کے دور میں اسلام کو فتوحات کے ذریعہ غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔

اگر "مـن" "تبعیضیہ" سے صرف نظر کر لی جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اقتدار اعلیٰ کا حامل نہیں ہو سکتا' اس لیے اب یہ معنی مراد ہوگا کہ ہر مومن اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی' مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی اور نوکر اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی' سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۷۰۵) اس معنی کے لحاظ سے اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی حکومت میں تمام مسلمان اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر صرف انتظامی سربراہ ہوتا ہے' ریاست کا یا مسلمانوں کا مالک نہیں ہوتا اور یہ کہ ریاست کا ہر باشندہ خلافت اور حکومت میں برابر کا شریک ہوتا ہے' ریاست میں نسلی یا طبقاتی امتیازات کا کوئی تصور نہیں ہوتا' اس لیے ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے اور جس شخص میں ترقی کی جس قدر صلاحیت اور قابلیت ہوگی وہ اس قدر آگے بڑھ سکے گا۔

خلافت کی تعریف

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

قال قوم من اصحابنا الامامة رياسة عامة في امور الدين والدنيا ونقض هذا التعريف بالنبوة والاولى ان يقال هي خلافة الرسول في اقامة الدين وحفظ حوزة الملة بحيث اتباعه على كافة الامة.

(شرح مواقف ص ۶۷۹ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

ہمارے بعض علماء نے امامت کی یہ تعریف کی ہے کہ دین اور دنیا کی ریاست کو امامت کہتے ہیں' لیکن یہ تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہے' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ دین کے قائم کرنے اور ملت بیضاء کی حفاظت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کو امامت کہتے ہیں' اس حیثیت سے کہ تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی خلافت عامہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

کر کے اس کی بیعت کر لیں جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اس کے لیے ان لوگوں کا بیعت کرنا ضروری ہے جو اس وقت میسر ہوں اور تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب حل وعقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ یہ عادۃً محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کرنا کافی نہیں ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس طریقہ سے بیعت کی گئی تھی۔

(۲) خلیفۂ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دے جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور لوگوں کو جمع کر کے اس کو خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کر دے اور قوم پر اس شخص کو خلیفہ بنانا لازم ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ شوریٰ کا ہے یعنی خلیفہ چند اہل لوگوں کی ایک جماعت کو منتخب کرے اور یہ کہے کہ اس جماعت میں سے جس فرد کو بھی منتخب کر لیا جائے وہ خلیفہ ہوگا۔ یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد لوگ مشورہ کریں اور کسی ایک کو خلافت کے لیے معین کریں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لیے چھ افراد کا اعلان کر دیا تھا اور ان چھ افراد نے یہ معاملہ حضرت عبد الرحمان بن عوف کے سپرد کر دیا تھا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

(۴) چوتھا طریقہ غلبہ کا ہے یعنی ایک شخص بغیر بیعت کے اور بغیر کسی کے خلیفہ بنانے کے از خود خلافت پر قابض ہو جائے اور تمام لوگوں کو تالیفِ قلوب یا جبر اور طاقت کے ذریعے اپنا تابع کر لے' اس طرح بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور لوگوں پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہوتی ہے' بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں اور اس کی (یعنی متغلب کی) پھر دو قسمیں ہیں:

(ا) متغلب ایسا شخص ہو جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور وہ صلح اور حسن تدبیر سے اپنے مخالفین کو تابع کرے اور اس کے لیے کسی امر حرام کا ارتکاب نہ کرے' خلافت کی یہ قسم جائز ہے اور اس میں رخصت ہے۔ حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

(ب) متغلب شرائط خلافت کے مطابق نہ ہو اور محرمات کا ارتکاب کر کے اور بزور جنگ لوگوں کو تابع کرے۔ خلافت کی یہ قسم جائز نہیں ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے' لیکن اگر اس کے احکام شریعت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر مال دار لوگ اس کے کارندوں کو زکوٰۃ دیں تو ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے نافذ ہوں گے اور اس کی معیت میں جہاد کرنا جائز ہوگا' اس خلافت کو منعقد قرار دینا ضرورت کی بناء پر ہے' کیونکہ اس کے معزول کرنے کو اگر ضروری قرار دیا جائے تو اس سے قتل و غارت اور خونریزی ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ بسیار قتل و غارت کے بعد اگر اس کو معزول کر بھی دیا جائے تو دوسرا متغلب شرائط خلافت کا اہل ہوگا' بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرا متغلب پہلے متغلب سے زیادہ بُرا ہو' اس لیے اس کو معزول کرنے میں فتنہ اور فساد یقینی ہے اور خیر اور اصلاح کا حصول موہوم ہے' عبد الملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ میں سے اوائل کی خلافت اسی قسم کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا چند اشخاص کی جماعت اپنے زمانہ میں خلافت کی شرائط کے حامل ہوں یا ایک شخص سب سے افضل ہو تب بھی اس کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک اس کی بیعت نہ کر لی جائے یا وہ غلبہ سے حکومت حاصل نہ کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور فقط ان کے افضل ہونے پر اکتفاء نہیں کی۔ اہل علم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حضرت علی کی

امامت کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں:

(۱) عدالت اپنی جامع شرائط کے ساتھ موجود ہو (یعنی وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر دائماً عمل کرتا ہو' سنن اور مستحبات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے دائماً اجتناب کرتا ہو اور مکروہات تنزیہیہ سے بکثرت بچتا ہو۔ سعیدی غفرلہ)۔

(۲) اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کر سکتا ہو۔

(۳) اس کے حواس سلامت ہوں یعنی سماعت' بصارت اور گویائی پوری طرح کام کرتی ہو۔

(۴) اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ بخوبی کام کر سکے۔

(۵) وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے۔

(۶) وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضاء کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں دلیری سے حصہ لے سکے۔

(۷) وہ شخص نسباً قریشی ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

([illegible] مطبوعہ [illegible] ۱۲۹۳ھ)

علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے ان شرطوں کے علاوہ چند مزید شرطیں بھی بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) وہ شخص آزاد ہو کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے۔

(۲) وہ شخص مرد ہو کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات عقل اور ناقصات دین ہیں۔

(۳) وہ شخص عاقل اور بالغ ہو کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور عوام کی مصلحتوں کو سمجھنے اور ان میں تصرف کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ خلفاء راشدین معصوم نہیں تھے۔

(۵) خلیفہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو کیونکہ حضرت عمر نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض بعض سے افضل تھے۔

علامہ تفتازانی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ فسق و فجور کے ارتکاب سے معزول ہونے کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمہ (خلفاء) اور حکام سے ظلم اور فسق ظاہر ہوا اور سلف اور اخیر تابعین ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کی اجازت سے جمعہ اور عید کی نمازوں کو قائم کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج (بغاوت) کرنے کو ناجائز کہتے تھے۔

(شرح عقائد ص ۱۱۰۔۱۰۹ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)

واضح رہے کہ یہ امام اور خلیفہ کی شرائط ہیں جو تمام ممالک اسلامیہ اور تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے' کسی ایک ملک کے سربراہ کے تقرر کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں' ہمارے زمانے میں بعض ثقہ علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت کبریٰ کی شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا' حالانکہ قریشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے' کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

خلافت منعقد کرنے کے طریقے

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

خلافت کا انعقاد چار طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ علماء' قضاۃ' امراء اور دیگر قابل ذکر لوگوں میں جو لوگ حل و عقد کے اہل ہوں وہ کسی ایسے شخص کو منتخب

کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہو گی جس طرح متغلب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا' یہ تو کافروں کا گمان ہے' پس

كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے O کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں'

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل بنا دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی مثل بنا دیں

كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ

گے O یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ (لوگ) اس کی آیتوں میں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾

غور وفکر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں O اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا' وہ کیسا اچھا

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ

بندہ ہے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے O جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے O

اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ وقفة

تو اس نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل

رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

ہوگئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O اور ہم

سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ

نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے (ہماری طرف) رجوع کیا O انہوں نے دعا کی:

خلافت ان طریقوں میں سے کس طریقہ سے منعقد ہوئی ہے؟ اکثر علماء کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو مہاجرین اور انصار موجود تھے انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حضرت علی شوریٰ کے فیصلہ کے نتیجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے کیونکہ شوریٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ یا عثمان ہوں گے یا علی اور جب حضرت عثمان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی خلافت کے لیے متعین ہو گئے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۶۔۵ لاہور)

خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط

علامہ ابوالحسن ماوردی نے خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے بھی تین شرطیں مقرر کی ہیں:

(۱) انتخاب کرنے والے عادل ہوں (یعنی فرائض وغیرہ پر دائمی عمل کرنے والے اور محرمات سے دائماً بچنے والے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) ان کو اس قدر علم ہو کہ استحقاق خلافت کی کیا شرائط ہیں اور کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔

(۳) وہ صحیح رائے اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تا کہ وہ صحیح تر اور موزوں تر شخص کو منتخب کر سکیں۔

(الاحکام السلطانیہ ص ۶، مصر ۱۳۹۳ھ)

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں:

(۱) مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے' جب کہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے' سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے۔

(۲) مغربی جمہورت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار ''اکثریت'' ہے اور اسلام میں معیار ''حق'' ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب' سنت' اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔

(۳) مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جا سکتا ہے' اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔

(۴) جمہوری طریقۂ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لیے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل وعقد کو حاصل ہے۔

(۵) جمہوری طریقۂ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد' پڑھا لکھا ہو یا جاہل' نیک ہو یا بدمعاش' پیسے اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا ممبر بن جاتا ہے' اسی طرح وزارت عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر ممبر وزارت عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے' دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا' اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(۶) مغربی جمہوریت کے طریقۂ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنویسنگ کرتا ہے جب کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے' اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقۂ انتخاب متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے' لیکن اگر اس طریقہ سے

ہے نہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ دوسری صورت باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے اور یہ چیز اس کی رحمت کے منافی ہے اور تیسری صورت بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا نہ نقصان پہنچانے کے لیے' کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نقصان پہنچایا تھا نہ نفع' اگر پیدا کرنے کے بعد بھی مخلوق اسی صفت پر ہو تو مخلوق کا پیدا کرنا اور نہ کرنا دونوں حال برابر ہوں گے اور پھر مخلوق کو پیدا کرنا عبث ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا' اس لیے اب تیسری صورت متعین ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو یہ نفع اس دنیا میں پہنچائے گا یا آخرت میں' اس دنیا میں نفع پہنچانا تو مراد ہو نہیں سکتا' کیونکہ اس دنیا میں منافع کم ہیں اور ضرر رساں چیزیں بہت ہیں اور تھوڑے نفع کے لیے زیادہ نقصان برداشت کرنا حکمت کے خلاف ہے' پس متعین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ نفع آخرت میں پہنچائے گا' اس لیے قیامت کا آنا اور حشر ونشر کا ہونا اور جنت اور دوزخ کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مخلوق میں تو کفار بھی ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے کون سا نفع پہنچایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دائمی نفع پہنچانے کے لیے بنایا تھا لیکن انہوں نے دائمی نفع کے اوپر دائمی نقصان کو اختیار کر لیا۔

ص ٓ: ۲۸ میں یہ بتایا ہے کہ مومن اور کافر اور صالح اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے' اس آیت میں بھی حشر اور نشر کے ثبوت پر دلیل ہے' کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ فقر اور فاقہ میں مبتلا رہتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور آلام میں گرفتار رہتے ہیں اور کفار اور فساق بہت عیش اور آرام میں رہتے ہیں اور قابل رشک زندگی گزارتے ہیں' اس طرح نیک آدمی کی زندگی بد آدمی کے مقابلہ میں بہت تکلیف سے گزرتی ہے' پس اگر قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب نہ ہو تو بُرے لوگوں کو نیک لوگوں پر ترجیح دینا لازم آئے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے رحم کے خلاف ہے اور وہ حکیم اور رحیم ہے' اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس سے واضح ہو گیا کہ قیامت اور حشر ونشر ثابت ہے۔

تدبر اور تذکر کا معنیٰ

ص ٓ: ۲۹ میں قرآن مجید میں غور و فکر کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

اس آیت میں تدبر اور تذکر کے الفاظ ہیں' تدبر کا معنیٰ ہے قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کیا جائے اور اگر ان آیات کے ظاہری معنیٰ پر کوئی اشکال ہو تو اس کی مناسب تاویل تلاش کی جائے اور اس آیت سے عقائد اور احکام شرعیہ کی جو ہدایت حاصل ہو اس پر عمل کیا جائے۔ تدبر کا معنیٰ ہے: کسی چیز کے نتیجہ اور انجام پر نظر رکھنا اور تفکر کا معنیٰ ہے: الفاظ کے مطلوبہ معانی کی تلاش میں ذہن کو متوجہ کرنا۔

تذکر کا معنیٰ ہے: نصیحت حاصل کرنا' اس کو صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص کیا ہے' کیونکہ تذکر کا تعلق عقل کے ساتھ ہے اور کسی چیز سے نصیحت اس وقت حاصل کی جاتی ہے جب دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اور یہ چیز صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اکابر علماء کے ساتھ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب دل پر معصیت کے حجابات ہوں اس وقت تفکر کی ضرورت ہوتی ہے اور جب یہ حجابات اٹھ جائیں اس وقت تذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے معانی پر غور وفکر نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا' اللہ تعالیٰ کے کلام کی ناقدری کرنا ہے

آج کل لوگ قرآن مجید کی تلاوت بہت کرتے ہیں لیکن اس کے معانی میں غور و فکر نہیں کرتے اور جب معانی میں غور و فکر نہیں کریں گے تو اس سے نصیحت کیسے حاصل کریں گے' ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر عربی زبان میں کسی کمپنی سے کوئی خط آ

اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ ۚ اِنَّكَ

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت دینے والا

اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ

ہے O سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی

اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ

تھی O اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا' ہر معمار اور غوطہ خور کو O اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے

فِى الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

تھے O یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بطور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا O

ع ۱۴/۱۲ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا' یہ تو کافروں کا گمان ہے' پس کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے O کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل بنا دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی مثل بنا دیں گے O یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ (یہ لوگ) اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں O (صٓ: ۲۹۔۲۷)

حشر و نشر کے ثبوت پر دلائل

صٓ: ۲۷ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ لغو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا فرمایا' اس نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے اس میں بے شمار حکمتیں ہیں خواہ وہ حکمتیں ہمیں سمجھ آئیں یا نہ آئیں' اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیات میں بھی بیان فرمایا ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (آل عمران: ۱۹۱)

اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو بے فائدہ نہیں بنایا' تو سبحان ہے سو تو ہم کو دوزخ کی آگ سے بچالے O

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ. (الحجر: ۸۵)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ان آیتوں میں حشر و نشر اور قیامت کے ثبوت پر بھی دلیل ہے اور اس دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جو پیدا کیا ہے تو یا اس کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے یا نقصان پہنچنے کے لیے پیدا کیا ہے یا نہ نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا

کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے موافق ہو اور عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو علم کو حاصل کریں گے اور علم ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' ان کی خلوت ان کی جلوت کے خلاف ہوگی اور ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا' وہ مختلف حلقوں میں بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے' حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی پر اس لیے غضب ناک ہوگا کہ وہ دوسرے شخص کے پاس کیوں بیٹھا ہے' یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال ان کی مجالس سے اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچیں گے۔

(کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۲' رقم الحدیث: ۲۹۴۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا ایک گروہ دوزخ میں جھانک کر دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھ کر کہے گا: تم دوزخ میں کیسے داخل ہوگئے' ہم تو تمہاری تعلیم کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۲' رقم الحدیث: ۲۹۴۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ وہ قرآن مجید کے صحیح محمل کے خلاف تاویل کریں گے۔ (کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۰' رقم الحدیث: ۲۹۴۱۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا' وہ کیسا اچھا بندہ ہے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے O جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے O تو اس نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہوگئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O (ص: ۳۳۔۳۰)

مشکل الفاظ کے معانی

ص: ۳۰ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ''اوّاب'' ہیں' اس سے پہلے ص: ۱۷ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ ''اوّاب'' ہیں' نیک بیٹا اپنے نیک باپ کے مشابہ ہوتا ہے' ''اوّاب'' کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اور بہت تسبیح کرنے والا۔

ص: ۳۱ میں ''العشی'' کا لفظ ہے۔ زوال آفتاب کے بعد سے لے کر دن کے آخر وقت تک کو العشی کہتے ہیں۔

اس آیت میں ''الصافنات'' کا لفظ ہے' یہ صافنۃ کی جمع ہے اور اس کا مادہ صفون ہے اور اس کا معنیٰ ہے: قیام کرنا اور کھڑا ہونا اور اس کا دوسرا معنیٰ ہے: گھوڑے کا اگلا ایک پیر اٹھا کر پچھلے تین پیروں پر کھڑا ہونا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ سدھے ہوئے گھوڑے تھے' چپ چاپ کھڑے رہتے تھے۔ بلاوجہ اچھل کود نہیں کرتے تھے اور جیاد کا معنیٰ ہے تیز رو اور تیز رفتار گھوڑے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال

مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے تھے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے' اس کا جواب یہ ہے کہ وراثت سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہزار گھوڑوں کے انتظام کے متولی تھے۔

حسن بصری' ضحاک' ابن زید اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے ایک سو گھوڑے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۱۷۴)

جائے تو ہم صرف اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ کسی عربی زبان جاننے والے کو تلاش کرتے ہیں اور جب تک ہمیں اس کا معنی نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک ہم چین سے نہیں بیٹھتے' تو ہم قرآن مجید کے صرف الفاظ کی تلاوت کر کے اس کا معنی اور مطلب سمجھے بغیر کیوں مطمئن ہو جاتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے پیغام کی اتنی بھی قدر و منزلت نہیں ہے جتنی قدر و منزلت کسی کمپنی سے آئے ہوئے مکتوب کی ہوتی ہے یا کسی عزیز کے بھیجے ہوئے ٹیلی گرام کی ہوتی ہے؟

اسی طرح جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں اور کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور وہ ہمیں چند دوائیں لکھ کر دیتا ہے مثلاً Vibramycin 1+1 اور Panadol 1+1+1 تو کیا ہم صرف اس نسخہ کی تلاوت کرتے ہیں یا ڈاکٹر کی لکھی ہوئی دواؤں کو خرید کر کھاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق پرہیز کرتے اور دن میں جتنی بار دوا کھانے کی ہدایت لکھی ہوتی ہے اس ہدایت کے مطابق دوا کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم صرف اس نسخہ کی تلاوت کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے' بلکہ اس نسخہ کا مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں' سو جس طرح جسمانی بیماری کے لیے ہم دنیاوی ڈاکٹر کے نسخہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں تو ہم تندرست ہو جاتے ہیں' اسی طرح خالق کائنات اور حکیم مطلق نے ہماری روحانی بیماریوں اور دائمی فوز و فلاح کے لیے ہمیں قرآن مجید کی صورت میں ایک نسخہ لکھ کر بھیجا ہے تو ہم اس کے معانی اور مطالب میں غور کر کے اس نسخہ پر عمل کیوں نہیں کرتے اور صرف اس کی تلاوت پر قناعت کیوں کر لیتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اس حکیم مطلق اور شافی حقیقی کی اتنی قدر بھی نہیں ہے جتنی ہمارے دلوں میں M.B.B.S ڈاکٹر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یونہی تو نہیں فرمایا تھا:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (الانعام ۹۱) انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا۔

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: قرآن پر عمل کرو' اس کے حلال کو حلال کرو اور اس کے حرام کو حرام کرو اور اس کی اقتداء کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو اور اس کی جو چیز تم پر مشابہ ہو اس کو اللہ کی طرف لوٹا دو' یا میرے بعد جو صاحبان علم ہیں ان کی طرف لوٹا دو' وہ جس طرح تم کو اس کی خبر دیتے ہوں اور تورات' انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ اور انبیاء کو جو کچھ ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ تاکہ قرآن تم کو شفاء دے اور اس کا بیان تم کو شفاء دے کیونکہ قرآن شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی ہوئی ہے اور وہ تصدیق کرنے والا وکیل ہے اور اس کی ہر آیت قیامت تک کا نور ہے۔ الحدیث

(المستدرک ج ۱ ص ۵۶۸' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور رات میں اور دن کی نمازوں کے قیام میں قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال کہا اور اس کے حرام کو حرام کہا تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور خون کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا اور کراماً کاتبین کو اس کا رفیق بنا دے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن قرآن اس کے حق میں حجت ہو جائے گا۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۳۰' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۰)

علماء کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ان کو جس قدر علم ہے جب وہ اس پر عمل نہیں کرتے تو پھر مزید علم کس لیے حاصل کرتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حاملینِ قرآن! قرآن پر عمل کرو' کیونکہ عالم وہ ہے جو علم کے تقاضوں پر عمل

پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان کے اکرام کے لیے تھے۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۱۷۵ ٗدار الفکر ٗبیروت ٗ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ص ۳۹۰)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت

زیادہ تر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کی نماز قضاء ہو گئی ٗ پھر اس کے غم اور غصہ میں آپ نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹ ڈالا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے اور وہ ان کے معائنہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی اور ان کی لوگوں پر اس قدر ہیبت تھی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان کو عصر کی نماز یاد دلاتا ٗ پس حضرت سلیمان علیہ السلام بھول گئے اور جب سورج غروب ہو گیا تو ان کو یاد آیا کہ انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی اور اس وقت انہوں نے یہ کہا: بے شک میں نے نیک مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی ٗ حتیٰ کہ جب سورج ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ ان کے سامنے لاؤ ٗ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ مارنے لگے۔

مذکور الصدر تفسیر سعید بن جبیر ٗ ضحاک ٗ قتادہ ٗ زجاج اور سدی سے مروی ہے ٗ مفسرین نے کہا ہے کہ اپنے رب کے ذکر سے ان کی مراد عصر کی نماز ہے ٗ حضرت علی ٗ حضرت ابن مسعود اور قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے ٗ زجاج نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ عصر کی نماز ان پر فرض تھی یا نہیں ٗ مگر یہ کہ جس وقت ان پر گھوڑے پیش کیے گئے تھے اس وقت وہ اپنے رب کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے "حتی توارت بالحجاب" اس سے مراد ہے کہ سورج ان کی نظروں سے چھپ گیا ٗ ہر چند کہ اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں حتیٰ کہ اس کی طرف "توارت" کی ضمیر مستتر لوٹائی جائے ٗ مگر سورج کے ذکر پر اس آیت میں قرینہ ہے کیونکہ صٓ: ۳۱ میں ہے:

اِذۡ عُرِضَ عَلَيۡهِ بِالۡعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الۡجِيَادُ ۝ جب اس کے سامنے دن ڈھلے سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے ۝ (صٓ: ۳۱)

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کو العشی کہا جاتا ہے ٗ اس کا معنیٰ ہے: غروب آفتاب تک ان کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے ٗ اس کے بعد جس کے متعلق فرمایا ہے: "وہ چھپ گیا" تو ظاہر ہے وہ سورج ہی ہو سکتا ہے ٗ پس سورج کا ذکر اس سے پہلے العشی کے ضمن میں موجود ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا: "ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ"۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی نماز قضاء ہو گئی اور انہوں نے وقت گزارنے کے بعد نماز پڑھی ٗ اس پر غم اور غصہ کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ ٗ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ مارنے لگے اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

پروں والے گھوڑوں کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر سے واپس آئے اور ان کے طاق (الماری) پر پردہ پڑا ہوا تھا' ہوا کے جھونکے سے طاق پر پڑے ہوئے پردہ کی ایک جانب کھل گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی الماری میں رکھی ہوئی گڑیاں نظر آئیں' آپ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اور آپ نے گڑیوں کے درمیان کپڑے کی دھجیوں سے بنائے ہوئے گھوڑے کو دیکھا جس کے دو پر بھی بنے ہوئے تھے' آپ نے پوچھا: میں ان گڑیوں کے وسط میں کیا چیز دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ گھوڑا ہے' آپ نے پوچھا: اس کے اوپر یہ چیز بنی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ اس کے دو پر ہیں' آپ نے پوچھا: گھوڑے کے پر ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے' حضرت عائشہ نے کہا: یہ سن کر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۹۳۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی توجیہ

ص: ۳۲ میں ہے: (حضرت سلیمان نے کہا:) ''بے شک میں نے خیر (نیک مال) کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے''۔ اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے' اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۶۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۵۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۷۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۴۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۵۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۷۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور گھوڑوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوتا ہے اس لیے میں گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔

ص: ۳۳۔۳۲ میں ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O''

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں وہ گھوڑوں کا مقابلہ کرایا کرتے تھے' حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے دور نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ سورج غائب ہو گیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' کیونکہ اس آیت میں پہلے سورج کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے' البتہ گھوڑوں کا ذکر ہے' اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے غائب اور اوجھل ہو گئے اور نحاس نے یہ ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس مال غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تاکہ وہ ان کا معائنہ کریں' حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطبلوں میں پہنچا دیا جائے' حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ'

حسب ذیل وجوہ سے رد کر دیا ہے:

(۱) یہ تفسیر اس پر مبنی ہے کہ "تـوارت بـالـحـجـاب" کی ضمیر مستتر سورج کی طرف لوٹائی جائے اور اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں ہے بلکہ سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑوں کا ذکر ہے اور اگر کوئی بعید تاویل کر کے سورج کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ بغیر تاویل کے گھوڑوں کی طرف ضمیر لوٹائی جائے' یعنی جب وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو انہوں نے ان کو دوبارہ بلوایا۔

(۲) اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں نے اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے خیر (گھوڑوں) سے محبت کی ہے کیونکہ یہ گھوڑے جہاد میں استعمال ہوتے ہیں تو جب ان کی گھوڑوں سے محبت اللہ کے ذکر کی وجہ سے تھی تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ وہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو بھول گئے یا اللہ کے ذکر کو بھول گئے کیونکہ گھوڑوں کا معائنہ کرنا بھی تو اللہ کے ذکر سے محبت کی وجہ سے تھا' تو وہ معائنہ کے وقت بھی اللہ کے ذکر میں مشغول تھے' لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(۳) اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب کہا: "ردوھا" تو اس کا معنیٰ تھا کہ آپ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سورج کو لوٹا دیں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام سے نماز عصر قضا ہو گئی تھی تو ان پر لازم تھا کہ وہ توبہ اور استغفار کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں روتے اور گڑگڑاتے اور اظہار ندامت کرتے' جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ اگر ان سے بھولے سے بھی کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں نہ کہ وہ اپنی شان دکھانے کے لیے فرشتوں پر حکم چلاتے اور ان سے کہتے کہ سورج کو دوبارہ لوٹاؤ تاکہ میں عصر کی قضا نماز پڑھ لوں۔

(۴) قرآن مجید میں ہے: "فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ○". اس روایت میں اس کا معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان نے تلوار سے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں' جب کہ مسح کا معنیٰ ہاتھ پھیرنا ہے نہ کہ تلوار سے کاٹنا' ورنہ لازم آئے گا کہ "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ" (المائدہ:۶) کا معنیٰ ہو گا کہ تلوار سے اپنے سروں اور اپنے پیروں کو کاٹ دو اور کوئی عاقل بھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

(۵) جو لوگ اس معنیٰ اور اس روایت کے قائل ہیں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف متعدد افعال مذمومہ کی نسبت کی ہے (۱) نماز کو ترک کرنا (۲) ان پر دنیاوی مال کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اس کی محبت میں وہ نماز پڑھنا بھول گئے' حالانکہ حدیث میں ہے' حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حب الدنیا راس کل خطیئة. دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۱۰۵۰۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۵۲۱۳' کنز العمال رقم الحدیث:۶۱۱۴' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷)

(۳) اس خطا کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام توبہ اور استغفار میں مشغول نہیں ہوئے (۴) اس فعل کے بعد حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے' حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے سوا جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۶) جب کفار نے یہ کہا تھا کہ:

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○ (ص:۱۶)

اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے ○

گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے وار کیے اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۹۹۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۹)

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے:
الحسن البصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے پروں والے گھوڑے نکالے گئے، وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ان کا معائنہ کرنے لگے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی، ان کی ہیبت اور ان کے رعب کی وجہ سے کسی نے ان کو عصر کی نماز پر متنبہ نہیں کیا، جب نماز قضاء ہو گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو منگوایا اور اللہ عزوجل کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا کیونکہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز رہ گئی تھی اور گھوڑوں کو کاٹنا ان کے لیے مباح تھا اگرچہ ہم پر حرام ہے۔ جیسا کہ ہمارے لیے جانوروں کو ذبح کرنا مباح ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۶۷، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ، علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ، علامہ ابوبکر بن العربی التوفی ۵۴۳ھ، علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ عبدالرحمن بن محمد الثعالبی المالکی التوفی ۸۷۵ھ، علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

(۲) اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔ یہ علی بن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، امام ابن جریر اور ابویعلیٰ کا قول ہے۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوہے کو گرم کر کے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگایا، اس قول کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔
مفسرین نے اول قول پر اعتماد کیا ہے، انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا ہونے اور بعد میں ان ہی گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے میں کیا مناسبت ہے؟
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہلا قول اس لیے فاسد ہے کہ جانوروں کا کیا قصور ہے، پھر ان کو قتل کر کے سزا دینے اور اپنا غم اور غصہ دور کرنے کی کیا توجیہ ہے اور یہ فعل تو جابر بادشاہوں کے حال کے مناسب ہے، انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے مناسب نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فعل اس وجہ سے کیا تھا کہ اس کا کرنا ان کے لیے مباح تھا اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک فعل ان کی شریعت میں جائز ہو اور وہ فعل ہماری شریعت میں جائز نہ ہو، علاوہ ازیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ان گھوڑوں کا گوشت کھانے کے لیے ان کو ذبح کیا ہو اور گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے، پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہے، وہب بن منبہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر وار کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو مشکور فرمایا اور گھوڑوں کے بدلہ میں ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا اور ہوا گھوڑوں کی بہ نسبت زیادہ تیز رفتار تھی اور اس کے ذریعہ سفر کرنا زیادہ باعث تعجب تھا۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۲-۱۲۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت پر امام رازی کا رد

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ جمہور مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، لیکن امام رازی نے اس تفسیر کو

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جمہور علماء اور مفسرین نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر بہ کثرت دلائل قائم ہیں اور ان حکایات کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر خبر واحد صحیح بھی ہو تو وہ دلائل قطعیہ سے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو اس ضعیف روایت میں کب اتنا دم ہے کہ وہ عصمت انبیاء کے دلائل قطعیہ کے مزاحم ہو سکے۔ (تفسیر کبیر ج۹ص ۳۹۲۔۳۹۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے ہماری طرف رجوع کیاO (ص:۳۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا آزمائش میں مبتلا ہونا

اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا' اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور وہ کیا آزمائش تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس طرح اس آزمائش سے نجات ملی' قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ان کے استغفار کرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ص: ۳۵ میں عنقریب آئے گا۔ اسی طرح احادیث میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ ذکر نہیں ہے کہ فلاں تقصیر کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور نہ یہ بیان ہے کہ وہ کیا آزمائش تھی۔ البتہ بعض احادیث صحیحہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہوگا لیکن وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تو صرف ایک ناتمام اور ادھورا بچہ پیدا ہوا' لیکن ظاہر ہے کہ اس واقعہ کا کسی بڑی آزمائش اور ابتلاء سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اس آیت کی تفسیر بن سکے۔

پس جب اللہ اور اس کے رسول نے اس آزمائش کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا تو ہمیں بھی اس کی تفتیش کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ وہب بن منبہ اور کعب احبار نے اس سلسلہ میں اسرائیلی روایات بیان کی ہیں جن کو امام محمد بن اسحاق' سدی' مجاہد اور قتادہ وغیرہم نے ان سے روایت کیا ہے اور ہمارے مفسرین نے ان روایات کو اپنی تفسیروں میں درج کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تفسیریں محض جھوٹ اور باطل ہیں' تاہم میں ان بعض روایات کو یہاں نقل کر رہا ہوں' تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسرائیلی روایات میں انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف کیا کچھ لکھا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق اسرائیلی روایات

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

جس فتنہ کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج کے ساتھ حالت حیض میں قربت کی تھی۔
حسن بصری کی یہ روایت بہت مستبعد ہے' اللہ کا نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور نبوت سے سرفراز کیا ہو وہ ایسا قبیح فعل نہیں کرتا جس کی جرأت عام مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جرادہ نام کی ایک بیوی تھی۔ جرادہ اور ایک قوم کے درمیان کوئی خصومت تھی' انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا' حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا' لیکن ان کی خواہش یہ تھی کی ان کی بیوی جرادہ کے حق میں یہ فیصلہ ہو

جب کافروں نے ایسی جہالت کی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کی جہالت پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور پھر اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور گویا کہ یوں فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کافروں کی جاہلانہ باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کیجئے اور یہ کلام اس وقت مناسب ہوگا جب اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ ذکر فرمائے ہوں اور یہ ذکر فرمایا ہو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور دنیاوی لذتوں سے اعراض کیا اور اگر اس قصہ سے مقصود یہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی محبت میں مشغول ہو کر نماز کو ترک کر دیا اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج کو لوٹائیں اور اپنا غصہ گھوڑوں پر نکالا اور ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ ڈالیں تو پھر یہ قصہ اس جگہ ذکر کرنے کے لائق نہیں ہے' کیونکہ اس قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیرت میں مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے یا عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کا کوئی پہلو نہیں ہے' حتیٰ کہ اس قصہ سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے پر ترغیب دی جائے کہ آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح حضرت سلیمان نے صبر کیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی صحیح توجیہ

اس لیے اس قصہ کی توجیہ صرف اس طرح صحیح ہے کہ گھوڑوں کو پالنا اور ان کو اصطبل میں رکھنا ان کے دین میں اس طرح پسندیدہ تھا جس طرح ہمارے دین میں گھوڑوں کو جہاد کے لیے رکھنا پسندیدہ ہے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد کے لیے جانے لگے تو وہ ایک مجلس میں بیٹھے اور گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور گھوڑوں کی مشق کرانے کے لیے ان کو دوڑانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ میں دنیا کی وجہ سے ان گھوڑوں سے محبت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کے ذکر کی اشاعت اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں' کیونکہ جہاد میں ان پر سواری کی جاتی ہے' پھر آپ نے جب گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا اور وہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے ان کو حکم دیا جو گھوڑوں کو مشق کرا رہے تھے کہ وہ گھوڑوں کو واپس لائیں اور جب وہ گھوڑے واپس آ گئے تو آپ شفقت سے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے حسب ذیل امور مطلوب تھے:

(۱) گھوڑوں کی تکریم کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو واضح کرنا کیونکہ دشمنان اسلام سے جنگ کرنے میں گھوڑوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ملک کا نظم ونسق چلانے میں وہ بعض کاموں کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے ہیں۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے احوال' ان کی بیماریوں اور ان کے عیوب کو دوسروں کی بہ نسبت خود سب سے زیادہ جانتے تھے' اس لیے وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیر کر یہ جانچ رہے تھے کہ ان میں کوئی عیب یا مرض تو نہیں ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کی یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے' یہ قرآن مجید کے الفاظ کے بالکل مطابق اور موافق ہے اور اس تفسیر پر ان اعتراضات میں سے کوئی اعتراض لازم نہیں آتا جو اکثر مفسرین کی تفسیر پر لازم آتے ہیں اور مجھے اس پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان مفسرین نے ان کمزور وجوہ اور اس روایت کو کیسے قبول کر لیا جب کہ اس روایت کی تائید میں ان کے پاس کوئی شبہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی دلیل ہو۔

جس سے وہ بے بس ہو گیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بھی اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی' آپ نے صخر کو اس طرح بیت المقدس کی تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کی تعمیر شروع کر دی' حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء یا حمام میں جاتے تھے تو انگوٹھی اتار کر جاتے تھے' ایک دن آپ حمام میں جا رہے تھے اور یہ صخر نامی شیطان بھی آپ کے ساتھ تھا' اس وقت آپ فرض غسل کرنے جا رہے تھے' آپ نے انگوٹھی اس کو دی اور خود غسل کرنے چلے گئے' اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور اس شیطان پر حضرت سلیمان کی شکل وصورت ڈال دی گئی اور آپ سے تاج وتخت چھن گیا اور ان سب چیزوں پر اس شیطان نے قبضہ کر لیا۔ ماسوا آپ کی ازواج کے' ادھر اس شیطان سے بہت سی ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات کے خلاف تھیں' اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں ایک شخص ایسے صاحب فراست اور صاحب الہام تھے جیسے ہماری امت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سوچا: یہ شخص حضرت سلیمان معلوم نہیں ہوتا' انہوں نے اس سے سوال کیا: اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور سردی کی وجہ سے طلوع آفتاب تک غسل نہ کر سکے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ صخر چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا' پھر حضرت سلیمان کو مچھلی کے پیٹ سے وہ انگوٹھی مل گئی' اس انگوٹھی کو پہنتے ہی آپ پھر تمام چیزوں پر قابض اور متصرف ہو گئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸' ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اپنی بیوی جرادہ کو دے دی' وہ آپ کو اپنی تمام ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ شیطان حضرت سلیمان کی صورت میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا لاؤ میری انگوٹھی دے دو' انہوں نے اس کو انگوٹھی دے دی' جب اس نے وہ انگوٹھی پہن لی تو تمام جن' انسان اور شیاطین اس کے تابع ہو گئے' ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء سے آئے تو آپ نے جرادہ سے کہا: لاؤ میری انگوٹھی دو۔ اس نے کہا: میں وہ انگوٹھی سلیمان کو دے چکی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سلیمان ہوں' جرادہ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو' تم سلیمان نہیں ہو۔ حضرت سلیمان جس کے پاس بھی جا کر کہتے کہ میں سلیمان ہوں وہ آپ کو جھٹلاتا' حتیٰ کہ بچے آپ کو پتھر مارتے' جب آپ نے یہ حال دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے' ادھر شیطان حکومت کرتا رہا' جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت سلیمان کو ان کی سلطنت لوٹا دے تو اس نے لوگوں کے دلوں میں اس شیطان کی نفرت ڈال دی' سو لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے یہ معلوم کرایا کہ آپ نے سلیمان کے افعال میں کوئی نیا فعل بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! وہ حیض کے ایام میں بھی ہم سے مقاربت کرتے ہیں اور وہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے اور جب شیطان نے یہ دیکھا کہ اس کی پول کھل گئی ہے تو اس نے جان لیا کہ اس کے دن پورے ہو گئے' پھر شیاطین نے کتابوں میں جادو کرنے کے طریقے لکھے اور ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا' پھر لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان کی کرسی کے نیچے سے وہ کتابیں نکال کر پڑھوائیں اور کہا: اس کی بناء پر سلیمان لوگوں پر غالب تھے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔ پھر لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کیا اور لوگ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کرتے رہے۔ ادھر ایک آدمی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا اور کہا: یہ مچھلیاں اٹھا کر میرے لیے لے چلو گے؟ پھر وہ اس کے گھر گئے اور اس آدمی نے وہ مچھلی اٹھا کر ان کو اجرت میں دے دی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مچھلی کو کاٹا تو اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکل آئی' حضرت سلیمان

جاتا، تب ان سے یہ کہا گیا کہ عنقریب آپ پر ایک مصیبت آئے گی حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ آسمان کی طرف سے یہ مصیبت آئے گی یا زمین کی طرف سے۔

ہر چند کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس حدیث کی سند قوی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس قصہ کو یہودی علماء سے سنا ہے اور یہودیوں میں ایک ایسا فرقہ بھی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معتقد نہیں تھا' اس لیے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جھوٹ باندھتے تھے اور ان کا سب سے بڑا جھوٹ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر ایک جن مسلط تھا اور تمام ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کو اس جن کے تسلط سے محفوظ رکھا اور یہ آپ کی ازواج کی تکریم کے لیے تھا۔

(۳) سعید بن مسیب نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن لوگوں سے محتجب رہتے تھے اور ان کے کسی مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ انصاف کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلواتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ میں نے آپ کو اس لیے خلیفہ نہیں بنایا کہ آپ میرے بندوں سے چھپے رہیں' بلکہ میں نے آپ کو اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اور مظلوم کا حق ظالم سے لے کر دیں۔

یہ اثر سعید بن مسیب تک سند ضعیف سے ثابت ہے اور دلائل قطعیہ کے معارض نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ اثر ضعیف ہے۔

(۴) شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندر کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں بادشاہ غزان کی بیٹی کو گرفتار کیا تھا' جس کا نام صیدون تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس کی محبت ڈال دی گئی تھی اور وہ آپ سے اعراض کرتی تھی' بہت کم آپ کی طرف دیکھتی تھی اور بہت کم آپ سے بات کرتی تھی' پھر ایک دن اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ اس کے باپ کی صورت کا ایک مجسمہ بنا دیں' حضرت سلیمان نے اس کی خواہش کے مطابق اس کے باپ کی صورت کا مجسمہ بنا دیا' وہ اس مجسمہ کی بہت تعظیم کرتی تھی اور اس کو سجدہ کرتی تھی اور اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتی تھیں' اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں ایک بت کی پرستش کی جاتی تھی اور وہ اس سے لاعلم تھے' حتیٰ کہ چالیس دن گزر گئے اور یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اس کی خبر ہو گئی' آپ نے اس بت کو توڑ کر اس کو جلا ڈالا اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔

شہر بن حوشب کی یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور عقائد قطعیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۵) مجاہد نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف نامی شیطان سے پوچھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے کہا: آپ مجھے اپنی انگوٹھی دیں' پھر میں آپ کو اس کا جواب دوں گا' حضرت سلیمان نے اس کو اپنی انگوٹھی دے دی' اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی حتیٰ کہ آپ کا ملک چلا گیا۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۹۵۔۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے قتادہ سے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ بیت المقدس کی تعمیر اس طرح کریں کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنائی دے' آپ نے اس طرح بنانے کی کئی تدبیریں کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی' پھر آپ کو معلوم ہوا کہ سمندر میں صخر نام کا ایک شیطان ہے' وہ کسی ترکیب سے بیت المقدس کی اس طرح تعمیر کر سکتا ہے' اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی دی گئی یا اس کے کندھوں کے درمیان اس انگوٹھی کی مہر لگا دی گئی

ہے:

یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ ۔ قلعے اور مجسمے جو کچھ سلیمان چاہتے تھے جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ (سبا:۱۳)

(الکشاف ج ۴ ص ۹۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اسرائیلی روایات کا رد امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے حسب ذیل وجوہ سے ان روایات کو رد کر دیا ہے:

(۱) اگر شیطان انبیاء علیہم السلام کی صورت کی مثل بنانے پر قادر ہو تو پھر شریعت پر کوئی اعتماد نہیں رہے گا' کیونکہ لوگوں نے سیدنا محمد' حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا ہے' ہو سکتا ہے کہ یہ وہ انبیاء نہ ہوں بلکہ شیطان نے ان کی صورت بنالی ہو اور اس طرح پھر دین بالکلیہ باطل ہو جائے گا۔

(۲) اگر شیطان اس قسم کے کام اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بن کر' کر سکتا ہے تو پھر وہ علماء اور زاہدوں کے ساتھ بھی ایسی کارروائی کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ ان علماء کو قتل کر دے' ان کی تصانیف کو پھاڑ دے اور ان کے گھروں کو منہدم کر دے اور جب علماء کے ساتھ اس کی یہ کارروائی باطل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کی یہ کارروائی بہ طریقہ اولیٰ باطل ہے۔

(۳) یہ کس طرح ممکن ہے کہ شیطان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کے ساتھ بدکاری پر قدرت حاصل ہو گئی ہو۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیوی جرادہ نے حضرت سلیمان کی اجازت سے بت کی پرستش کی تھی تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر ہو گا اور اگر کہا جائے کہ اس نے آپ کی اجازت کے بغیر بت کی پرستش کی تھی تو یہ اس کا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے حضرت سلیمان کو اس فتنہ میں مبتلا کیا گیا' وہ فتنہ یہ ہے کہ شیاطین نے یہ کہا کہ اگر یہ حضرت سلیمان کا بیٹا زندہ رہا تو اپنے باپ کی طرح یہ ہم پر مسلط ہو جائے گا تو اب نجات کی یہی صورت ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں اور جب حضرت سلیمان کو شیاطین کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو پرورش کے لیے بادلوں میں رکھ دیا' پھر جب حضرت سلیمان کسی کام سے واپس آئے تو تخت پر ان کا بیٹا مردہ پڑا ہوا تھا اور ان کو بتایا گیا کہ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کیا تھا اس لیے ایسا ہوا' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور استغفار کیا۔

(۵) نیز حدیث صحیح میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: آج رات میں سو یا ننانوے عورتوں سے مقاربت کروں گا اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا پیدا ہو گا' ان کے صاحب نے کہا: ان شاء اللہ! حضرت سلیمان نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو ان ازواج میں سے صرف ایک زوجہ حاملہ ہوئی اور اس سے ایک ناتمام (کچا اور ادھورا) بچہ پیدا ہوا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان سب سے ایسے بچے پیدا ہوتے جو سب اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۴۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۷۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۴۴)

پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس آزمائش میں مبتلا کیا گیا وہ یہ آزمائش تھی نہ کہ وہ چیز جس کا اسرائیلی روایات میں

علیہ السلام نے وہ انگوٹھی پہن لی انگوٹھی پہنتے ہی تمام جن انسان اور شیاطین سب آپ کے تابع ہو گئے اور آپ اپنے حال کی طرف لوٹ آئے اور وہ شیطان بھاگ کر سمندر کے کسی جزیرہ میں چلا گیا' حضرت سلیمان نے اس کو تلاش کرایا' ایک دن وہ سویا ہوا تھا تو آپ کے کارندوں نے اس کو زنجیروں میں جکڑ لیا' آپ نے اس کو لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے سمندر میں پھنکوا دیا اور وہ قیامت تک وہیں رہے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۸۳۵۵ ج ۱۰ ص ۳۲۴۴-۳۲۴۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۱۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس واقعہ کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے' اس میں اس طرح مذکور ہے کہ اس شیطان نے چالیس دن لوگوں پر حکومت کی' جب لوگوں کو اس پر شبہ ہو گیا اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے اس کی تفتیش کرائی تو وہ ڈر کر سمندر کی طرف بھاگ گیا اور اسی اثناء میں وہ انگوٹھی اس سے سمندر میں گر گئی جس کو ایک مچھلی نے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ ادھر حضرت سلیمان سمندر کے کنارے محنت مزدوری کرتے تھے ایک دن ان کو اجرت میں وہ مچھلی ملی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی' اس انگوٹھی کی وجہ سے ان کی حکومت ان کو واپس مل گئی اور انہوں نے اس شیطان کو گرفتار کرا کر لوہے کے ایک صندوق میں بند کروا کر سمندر میں پھنکوا دیا' وہ قیامت تک وہیں رہے گا' اس شیطان کا نام حبقیق تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۹۲' ج ۲۳ ص ۱۹۵-۱۹۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے' اس میں ہے کہ جب لوگوں نے اس شیطان کے غیر مانوس اور غیر شرعی احکام سنے تو آصف اس کی تحقیق کے لیے حضرت سلیمان کی بیویوں کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: آیا تم نے سلیمان بن داؤد میں کوئی غیر مانوس فعل دیکھا ہے' انہوں نے کہا: ہاں! وہ ایام حیض میں ہم سے مجامعت کرتے ہیں اور غسل جنابت نہیں کرتے۔ آصف نے کہا: انا لله و انا الیه راجعون - یہ ضرور کوئی آزمائش ہے' اس کے بعد حسب سابق قصہ ہے۔ امام ثعلبی نے لکھا ہے کہ اس شیطان کا نام صخر تھا۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۰۴-۲۰۲' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم مفسرین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۷۰' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۶-۱۳۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۰-۳۹)

یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں' ان میں سے کوئی بھی صحیح اور قابل قبول نہیں ہے' ہم نے ان روایات کو ان تفاسیر کے حوالوں سے اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ابن جریر' ابن ابی حاتم' الماوردی' الثعلبی اور ابن کثیر کے حوالوں سے ان روایات کو بیان کرے تو آپ ان تفسیروں کے حوالے سن کر مرعوب نہ ہوں اور یہ یقین رکھیں کہ یہ روایات باطل ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے یہ روایات اس کے خلاف اور متصادم ہیں اور قابل احترام مفسرین نے ان روایات کو رد کر دیا ہے۔

اسرائیلی روایات کا رد علامہ زمخشری سے

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

محققین علماء نے ان روایات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ یہودیوں کی باطل روایات میں سے ہیں اور شیاطین اس قسم کے کام کرنے پر قادر نہیں ہیں جن کا ان روایات میں ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بندوں پر اس طرح مسلط نہیں کرتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو متغیر کر سکیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ وہ ان سے بدکاری کریں' رہا مجسموں کا بنانا تو وہ بعض شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ قرآن مجید میں

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں اور ہماری عقلوں کو ان روایات کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔

(البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۶ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ اسماعیل حقی سے

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قصہ میں ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا تھا تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے تا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پورے ہوں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد دلایا تھا وہ اس وقت کسی کام میں مشغول تھے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کر سکے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۴۸) بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی اور اس بات پر استغفار کیا کہ وہ کسی اور کام میں کیوں اس قدر زیادہ مشغول ہوئے کہ ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہیں رہا اور یہ ترک اولیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام ترک اولیٰ کو بھی اپنی لغزش قرار دیتے ہیں کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائیوں کے حکم میں ہوتی ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق' اصحاب کہف کے متعلق اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں کل اس کے متعلق خبر دوں گا' اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کیا' تو کئی روز تک آپ سے وحی روک لی گئی' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ ۔ (الکہف: ۲۴۔۲۳)

اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں ○ مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں اور اپنے رب کو یاد کریں جب آپ بھول جائیں۔

نیز علامہ اسماعیل حقی اس بحث میں لکھتے ہیں:

ص :۳۴ میں ہے: ''اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا'' ان اسرائیلی روایات میں اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ صخر نامی شیطان چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا' یہ تاویل حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) قرآن مجید میں القاء کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے ایک جسم کو تخت پر ڈال دیا' اس کا معنیٰ یہ کرنا کہ ایک شیطان کرسی پر بیٹھ گیا بغیر ایک بعید تاویل اور تکلف کے درست نہیں ہو سکتا اور اس تاویل اور تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اس اسرائیلی روایت میں ہے کہ شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنا کر ان کی بیوی جرادہ کے پاس گیا اور ان سے انگوٹھی لے لی' یہ بات اس لیے غلط اور باطل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ شیطان ان کی صورت اختیار کر سکے خواہ نیند میں' خواہ بیداری میں' تا کہ حق باطل کے ساتھ مشتبہ نہ ہو' کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کے مظہر ہیں اور شیطان اللہ تعالیٰ کے اسم مضل (گمراہ کرنے والا) کا مظہر ہے اور ہدایت اور ضلالت دونوں ضدیں ہیں اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں' اس لیے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ عزوجل کی عظمت ہر عظمت والے سے بڑھ کر ہے اور جب شیطان انبیاء علیہم السلام کی

ذکر ہے۔

(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس مرض کی شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تخت پر ڈال دیا تھا اور جس شخص کا جسم کسی بیماری کی وجہ سے بہت نحیف اور لاغر ہو جائے اس کو عرب کہتے ہیں: یہ گوشت کا لوتھڑا ہے یا یہ بے جان جسم ہے' پس اس آیت میں جس آزمائش اور ابتلاء کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ان پر اس بیماری کا مسلط ہونا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے: ''انہوں نے رجوع کیا'' تو اس سے مراد بیماری کے حال سے صحت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

(۷) اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کا خوف مسلط کر دیا تھا یا ان کو خطرہ تھا کہ کسی طرف سے ان پر کوئی مصیبت آنے والی ہے اور اس خوف کی شدت سے وہ بہت کمزور ہو گئے اور ان کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ایک بے جان جسم تخت پر پڑا ہوا ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس خوف کو دور کر دیا اور ان کی قوت اور ان کے دل کا اطمینان کو دوبارہ ان پر لوٹا دیا' قرآن مجید کی اس آیت کا معنی مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں صادق آ سکتا ہے اور ان صورتوں پر اس آیت کو محمول کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کو ان اسرائیلی روایات پر محمول کیا جائے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی صریح توہین کو مستلزم ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۴-۳۹۳' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ ابوالحیان اندلسی سے

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس فتنہ میں مبتلا کیا گیا تھا اور ان کے تخت پر جس جسم کو ڈالا گیا تھا' اس کی تفسیر میں مفسرین نے ایسے اقوال نقل کر دیئے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی تنزیہ اور برأت واجب ہے اور یہ ایسے اقوال ہیں جن کو نقل کرنا جائز نہیں ہے اور ان اقوال کو یہودیوں اور زندیقوں نے گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ آزمائش کیا تھی اور نہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر جو اس نے جسم ڈال دیا تھا اس کا مصداق کون ہے (اور نہ احادیث صحیحہ میں ان چیزوں کا بیان ہے) اس کی تفسیر کے زیادہ قریب وہ حدیث ہے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کا ذکر ہے کہ میں آج رات ایک سو بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہو گا' انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا اور اس کی پاداش میں ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا' سو یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ وہ ان شاء اللہ کہتے ہیں یا نہیں' اس تقصیر کے سبب سے وہ ادھورا بچہ تخت پر ڈال دیا گیا اور جب انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ سخت بیمار پڑ گئے اور وہ تخت پر بے جان جسم کی طرح پڑے ہوئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی صحت اور قوت کو دوبارہ لوٹا دیا' اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ کفار قریش وغیرہ کی باتوں پر صبر کریں' پھر آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت داؤد' حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کے قصوں کو یاد کریں' تاکہ ان کی سیرت پر عمل کریں اور یاد کریں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کس قدر قرب عطا کیا تھا اور ظاہر ہے کہ ان مفسرین نے ان انبیاء علیہم السلام کی طرف جن افعال کو ان روایات کی بناء پر منسوب کر دیا ہے وہ ایسے افعال نہیں ہیں جو سیرت کا بہترین نمونہ ہوں۔ نہ وہ افعال لائق فخر اور قابل تقلید ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض افعال عقلاً اور شرعاً محال ہیں۔ مثلاً شیطان کا نبی کی صورت میں آنا حتیٰ کہ لوگ شیطان کو نبی سمجھ لیں اور اگر یہ چیز ممکن ہو تو پھر کسی نبی کا آنا لائق اعتماد اور قابل بھروسا نہیں ہو گا' ان روایات کو زندیقوں نے گھڑ لیا ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

متوجہ رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O (ص: ۳۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ کا محمل

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تھا وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے اور مغفرت اس وقت طلب کی جاتی ہے جب کوئی گناہ ہو چکا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا تھا جس پر انہوں نے استغفار کیا تھا' امام رازی اس کے جواب میں فرماتے ہیں: انسان اس حال سے خالی نہیں ہے کہ اس سے کوئی افضل اور اولیٰ کام ترک ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ مغفرت طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے' کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائیوں کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر حجاب اور آپ کی توبہ اور استغفار کا محمل

اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غین کا معنیٰ ہے حجاب یعنی میرے دل پر اس طرح حجاب چھا جاتا ہے جس طرح آسمان پر ابر چھا جاتا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ جو اپنے معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' بعض اوقات کسی شغل یا تکلیف یا امت کے معاملات میں غور و فکر یا دنیاوی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ ذکر رہ جاتا تھا تو اس وجہ سے آپ کے دل کے انوار پر حجاب چھا جاتا تھا سو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ آپ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ اپنے وصال کے بعد امت کے احوال پر مطلع ہوتے تو ان کی خطاؤں سے آپ کے دل پر ایک ابر چھا جاتا اور آپ اپنی امت کے لیے استغفار کرتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرتے اور امت کی آپس کی لڑائیوں پر مطلع ہوتے تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' ہر چند کہ امت کی مصلحت کی کوشش کرنا بھی بہت عظیم عبادت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنا اور اس کی صفات کا مطالعہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے منقطع ہو کر صرف اس کی ذات میں مستغرق ہونا ہے۔ اس لیے آپ اپنے اس بلند مقام کے اعتبار سے اس کو کم درجہ خیال فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے آپ اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیے اور تواضع اور اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار کا اظہار کرنے کے لیے اور اللہ کی بارگاہ میں دائماً عجز کرنے کے لیے اور اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور محفوظ ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور اس کے جلال سے خوف زدہ رہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی ڈر اور خوف کی حالت میں ان کے دلوں پر ابر چھا جاتا ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اس کی عظمت کے خیال سے استغفار کرتے ہوں

صورت میں نہیں آ سکتا تو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت میں بہ طریق اولیٰ نہ آ سکے حالانکہ بہ کثرت لوگوں کے خواب میں وہ لعین اللہ تعالیٰ کی صورت میں آیا اور اس نے ان کو یہ بتایا کہ وہ حق تعالیٰ ہے تاکہ وہ ان کو گمراہ کر سکے اور ان لوگوں نے اس کا کلام سن کر یہ گمان کیا کہ ان سے اللہ عزوجل ہم کلام ہو رہا ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ہر صاحب عقل کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صورت معینہ معلومہ نہیں ہے کہ اگر کوئی اس صورت میں آ جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا اشتباہ ہو اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں آیا دیکھنا جائز ہے خواہ وہ کسی صورت میں نظر آئے کیونکہ خواب میں جو صورت نظر آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کی غیر ہے اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی معین اور معلوم صورتیں ہیں جو اشتباہ اور التباس کی موجب ہیں۔

(۳) یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو نبی کی کرسی پر بٹھا دے اور وہ اس کرسی پر بیٹھ کر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور ان پر اپنے احکام جاری کرتا رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۝ اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غلبہ کی کوئی صورت ہرگز نہیں بنائے گا۝ (النساء: ۱۴۱)

(۴) وہ انگوٹھی نورانی تھی پس کیسے ممکن ہے کہ وہ شیطان کے ظلماتی ہاتھوں میں رہے جب کہ یہ ثابت ہے کہ نور شیطان کو جلا دیتا ہے جیسا کہ شہاب ثاقب مارنے سے شیطان جل جاتا ہے۔

(۵) اس اسرائیلی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی تو پھر وہ شیطان اس انگوٹھی کے بغیر چالیس دن تک کیسے حکومت کرتا رہا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۱-۳۹۲، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحیان اندلسی نے کہا ہے کہ اس مقالہ کو بے دین یہودیوں نے گھڑ لیا ہے اور کسی صاحب عقل کے لیے اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان نبی کی صورت میں آ جائے حتیٰ کہ لوگ اس کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ نبی ہے اور اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو کسی نبی پر اعتماد نہ ہوتا اور سب سے قبیح بات یہ ہے کہ ان روایات میں مذکور ہے کہ شیطان نے نبی کی ازواج سے حالت حیض میں مباشرت کی اللہ اکبر! یہ بہتان عظیم ہے اور اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے نیز خواص اور عوام میں یہ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا کیا تھا اس کی عطا ایک انگوٹھی کے ساتھ مربوط تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس انگوٹھی کے ساتھ مربوط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا قرآن مجید میں ضرور ذکر فرماتا۔ اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور وہ جس حال میں اس تخت پر پڑے ہوئے تھے اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ایک بے روح جسم تخت پر پڑا ہوا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ صحت اور توانائی عطا فرما دی۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۹۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں نے اس آیت کی تفسیر میں زیادہ دلائل اور حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن عصمت اچھی طرح بے غبار ہو جائے اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیوضات کو میری طرف

پھٹ گئے‘ حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت فرما دی ہے‘ آپ نے فرمایا: کیا میں اس سے محبت نہیں کرتا کہ میں اللہ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۰‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۵۴‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۸‘ مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۵‘ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہونے کے باوجود ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتے تھے تاکہ آپ کے امتی بھی آپ کی اتباع کریں‘ کیونکہ جن کی مغفرت متحقق ہے جب وہ اس قدر توبہ کر رہے ہیں تو جن کو اپنی مغفرت میں شک ہے ان کو کس قدر زیادہ توبہ کرنی چاہیے۔

توبہ کرنے کی کئی اقسام ہیں‘ عوام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص اپنی غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص الخواص اس سے توبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی نیک کام یا جائز فعل میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ سے اعراض کرتے ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دن میں سو بار توبہ کرتے تھے وہ اسی قسم کی توبہ تھی۔

(المفہم ج ۷ ص ۲۸۔۲۶‘ دار ابن کثیر بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ‘ علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ‘ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی عبارات کو نقل کیا ہے۔

(شرح مسلم للنواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ‘ اکمال المعلم وکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۰۴۔۱۰۳‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

دعا میں اخروی مطالب کو دنیاوی مطالب پر مقدم رکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر یہ دعا کی: ”اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو“۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں یہ دلیل ہے کہ دنیاوی مقاصد اور مطالب پر اخروی مطالب اور مقاصد کو مقدم رکھنا چاہیے‘ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر اپنے لیے سلطنت کی دعا کی‘ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی طریقہ ہے‘ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی امت کو یہ تلقین کی:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح: ۱۲۔۱۰)

اپنے رب سے مغفرت طلب کرو‘ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۝ وہ تمہارے اوپر موسلا دھار بارش بھیجے گا ۝ اور تمہارے اموال اور اولاد میں خوب اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنا دے گا اور تمہارے لیے دریا نکال دے گا ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ دعا کرنا کہ ان کو ایسی سلطنت دی جائے جو دوسروں کو نہ ملے‘ آیا یہ قول حسد کو مستلزم ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: ”اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو“ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ چاہنا کہ جو نعمت ان کو ملے وہ اور کسی کو نہ ملے‘ حسد کی خبر دے رہا ہے اور حسد کرنا تو مذموم صفت ہے‘ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ کا استغفار اس ابر کی وجہ سے تھا بلکہ ابر اور وجہ سے ہے اور استغفار اور وجہ سے ہے اور یہ استغفار اس ابر کے ساتھ مربوط نہیں ہے' جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو' کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں اور ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت کر دی گئی ہے' اس کے باوجود آپ کا استغفار کرنا اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے ہے اور اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ میں معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود اس سے استغفار کرتا ہوں اور بعض علماء نے کہا: اس ابر سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات پاک اور صاف دلوں میں بھی غفلت اور بعض دنیاوی مباح چیزوں کی طرف رغبت کی وجہ سے انوار الہیہ پر حجاب چھا جاتے ہیں سو آپ اس حجاب کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۹۸۔ ۱۹۹' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرنے کی توجیہ اور توبہ کی اقسام

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غین کا لفظ ہے اور غین کا معنی ہے ڈھانپنا' بادل کو بھی غین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانپ لیتا ہے اور کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ گناہوں کے اثر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر زنگ چڑھ گیا تھا جس نے آپ کے قلب کے انوار کو ڈھانپ لیا تھا' کیونکہ جن کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا صدور جائز ہے وہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ صغائر کے صدور سے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ایسے حجاب آ جاتے ہیں جیسے عام گنہ گاروں کے قلوب پر حجاب آ جاتے ہیں' بلکہ وہ مغفور اور مکرم ہیں اور ان سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں ہوگا' پس اس سے معلوم ہوا کہ غین (ابر یا حجاب) گناہ کے سبب سے نہیں ہے' پھر اس غین کے سبب میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) آپ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات کسی مشغولیت یا کسی اور سبب سے وہ ذکر نہیں کر سکتے تھے تو اس وجہ سے آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۲) آپ امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد امت جن حالات سے گزرے گی اس پر آپ استغفار کرتے تھے۔

(۳) آپ امت کی اصلاح کے لیے جن کاموں میں مشغول ہوتے تھے' یا جہاد میں مصروف ہوتے تھے' اگرچہ یہ امور بھی عظیم عبادات ہیں تاہم آپ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے' اس سے ایک درجہ کم ہیں' اس لیے آپ کے قلب پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) آپ اپنے احوال میں دائماً ترقی کرتے رہتے تھے' جب آپ ایک مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچتے تو پہلے مقام کو نئے اور بلند مقام کی بہ نسبت ناقص قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر مغفرت کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرتے تھے' اس میں توبہ کے دوام پر دلیل ہے اور انسان جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو نئی توبہ کرے' کیونکہ اس نے گناہ تو یقینی طور پر کیا ہے اور گناہ کی سزا سے نکلنا مشکوک ہے' اس لیے اس کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے' حتیٰ کہ اس کے گناہ کا معاف ہونا یقینی ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھیں اور اپنے افعال پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہ عزم رکھیں کہ ہم دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کا تدارک اور اس کی تلافی کریں اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہمارا وہ گناہ معاف ہو چکا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ پھر بھی اس کا شکر ادا کرتے رہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے دونوں پیر

کی عبادت میں کیوں مشغول اور منہمک رہتے' پس دنیا کچھ نہیں ہے' اصل چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرسل ہونا

اس جگہ ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: "اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو" آیا اس عموم میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں یا نہیں' اگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عموم میں شامل ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت عطا فرمائی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمائی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کے خلاف ہے' آپ کے افضل الرسل ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں ہے اور اس دن آدم اور ان کے ماسوا جتنے نبی ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے میں زمین سے نکلوں گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵-۳۱۴۸' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے انبیاء علیہم السلام کے فضائل بیان کر رہے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہارے تعجب کو سنا' بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور موسیٰ نجی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور فخر نہیں ہے' قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ میرے لیے کھولے گا تو میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے اور میں اکرم الاولین والآخرین ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰)

ہواؤں اور جنات پر تصرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت دی گئی تھی اور جس سلطنت کے متعلق انہوں نے دعا کی تھی کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہ ہو وہ ان کی ہوا اور جنات پر حکومت تھی' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ (ص: ۳۷-۳۶)

سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی تھی ۝ اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا' ہر معمار اور غوطہ خور کو ۝

ہوا اور جنات دونوں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

(۱) اس آیت میں ملک سے مراد ہے قدرت اور اس آیت کا معنی ہے: مجھے ان چیزوں پر قدرت عطا فرما جن پر اور کوئی قادر نہ ہو تا کہ ان چیزوں پر قدرت میرا معجزہ ہو جائے اور وہ میری نبوت اور رسالت کی صحت پر دلیل ہو جائے' کیونکہ معجزہ کی یہی تعریف ہے کہ نبی ایسا کام کر کے دکھائے جس پر اس زمانہ میں کوئی دوسرا قادر نہ ہو اور وہ چیلنج کرے یہ کہے کہ میرے نبی ہونے کی یہ دلیل ہے' اگر تم مجھے نبی نہیں مانتے تو تم بھی ایسا کام کر کے دکھاؤ' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو اژدھا بنا کر پیش کیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا تھا اور اس معنی پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ○ سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی تھی ○ (ص: ۳۶)

پس ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلنا ان کی زبردست قدرت تھی اور ان کی عظیم سلطنت تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ان کا معجزہ تھا اور ان کی نبوت پر نہایت مضبوط اور مستحکم دلیل تھی' پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا: "اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو" اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ایسی چیز پر قدرت عطا فرما جس کے معارضہ کرنے پر کوئی اور قادر نہ ہو اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیمار ہوئے پھر اس کے بعد صحت مند ہو گئے تو انہوں نے جان لیا کہ دنیا کی نعمتیں دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں' خواہ وراثت سے خواہ کسی اور سبب سے' اس لیے انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایسی نعمت عطا فرما جو مجھ سے منتقل نہ ہو سکے' سو اس دعا کا یہ منشا نہیں ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے کو نہ ملے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ نعمت ان سے زائل نہ ہو۔

(۳) دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت کے باوجود ان سے آخرت کی طرف منتقل ہونا' یا دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت نہ ہو اور پھر ان کو چھوڑ کر آخرت کی طرف منتقل ہونا اور ظاہر ہے ان میں افضل پہلی قسم ہے' پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو تمام انسانوں کی سلطنت سے فزوں تر ہو اور کسی کے پاس ایسی سلطنت نہ ہو حتیٰ کہ میں اس پر قدرت کے باوجود اس سے احتراز کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں تا کہ میرا ثواب زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہو۔

(۴) عبادت کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی نعمت میسر نہ ہو اور دنیا کی طرف راغب کرنے والی کوئی چیز اس کو حاصل نہ ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو انتہائی مرغوب اور لذیذ چیزیں حاصل ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ دوسرا مرتبہ زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہے' اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے بڑی اور عظیم سلطنت عطا فرمائے اور پھر وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تا کہ ان کی عبادت زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہو۔

(۵) جو آدمی دنیا پر قادر نہیں ہوتا اس کا دل دنیا کی نعمتوں کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اصل نعمت تو دنیا ہی ہے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! مجھے دنیا کی عظیم سلطنت عطا فرما' ایسی عظیم سلطنت جو اور کسی کے پاس نہ ہو' پھر جب میں اتنی عظیم سلطنت کے باوجود تیری اطاعت اور عبادت کروں گا۔ تب ارباب عقل پر یہ منکشف ہوگا کہ دنیا مقصود نہیں ہے' ورنہ اتنی عظیم سلطنت رکھنے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس

سے چلتی تھی O اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا' ہر معمار اور غوطہ خور کو O اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے تھے O یہ ہمارا عطیہ ہے' آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں' آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا O اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O (ص: ۴۰۔۳۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہوائیں مسخر کی گئی تھیں وہ نرم اور ملائم تھیں یا تند و تیز؟

ص: ۳۶ میں ''رخــــاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے نرمی اور ملائمت' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو جب کسی جگہ جانے کا حکم دیتے تھے تو وہ بہت نرمی اور آسانی سے چلتی ہوئی ان کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا تھا۔ وہ آیت یہ ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا. (الانبیاء: ۸۱)

ہم نے سلیمان کے لیے تیز اور تند ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔

اور اس طرح ان دونوں آیتوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جس ہوا کو نرمی اور ملائمت سے مسخر کیا ہوا تھا وہ قوت اور طاقت میں تند اور تیز ہوا کے برابر تھی' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی منشاء کے مطابق کبھی وہ ہوا نرمی اور ملائمت سے چلتی تھی اور کبھی تیزی اور تندی سے چلتی تھی۔

جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کیے گئے تھے ان کے مختلف النوع فرائض

ص: ۳۷ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قوی جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا' ان میں سے بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور بعض ان کے حکم کے مطابق سمندر میں غوطے لگاتے تھے۔

قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بنانے کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ. (سباء: ۱۳)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے' قلعے' مجسمے' حوضوں کے برابر ناند (ٹب) اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔

اور غوطہ لگانے والے جنات کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ O (الانبیاء: ۸۲)

اور بعض شیاطین سلیمان کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت کام کرتے تھے اور ہم ہی ان کے محافظ تھے O

وہ جنات سمندر میں غوطہ لگا کر موتی' جواہر اور دوسری ایسی چیزیں نکال کر لاتے تھے جو زیورات میں کام آتی ہیں' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کے لیے ایسے جنات بھی مسخر کر دیئے تھے جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور دوسری قسم کے ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یعنی وہ بہت سرکش جن تھے' جن کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ کے رکھا ہوا تھا تا کہ ان کو شر اور فساد سے روکا جا سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیموں کو حلال کر دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلۂ تیمم اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۵۵۳' سنن ابن ماجہ ۵٦٧' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں اور تمام مخلوق میں ہوا اور جنات بھی شامل ہیں۔ پس ہوا اور جنات بھی آپ کی امت ہیں اور رسول اپنی امت پر غالب اور متصرف ہوتا ہے' سو اس سے لازم آیا کہ جنات اور ہوائیں بھی آپ کے زیر تصرف ہیں اور جنات پر آپ کے تصرف کی واضح دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ شب ایک بہت بڑا جن مجھ پر حملہ آور ہوا' تاکہ وہ میری نماز کو فاسد کر دے' پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قادر کر دیا' سو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں' حتیٰ کہ تم صبح کو اٹھو تو تم سب اس کی طرف دیکھ رہے ہو' پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: ''اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' پھر آپ نے اس کو دھتکارا ہوا چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴٦١' صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۴۱)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبیث جن پر غلبہ اور تصرف حاصل تھا' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان کی دعا کی رعایت کرتے ہوئے اپنے اس غلبہ اور تصرف کو ظاہر نہیں فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں جو یہ کہا ہے کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' اس کے عموم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل ہیں اور تمام مخلوق کے رسول ہیں' خود حضرت سلیمان علیہ السلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہ منزلہ امتی اور مقتدی ہیں اور ایک امتی کے لیے کب زیبا ہے کہ وہ اپنے نبی سے فائق ہونے کی دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ضرور قبول فرمائی اور آپ کو ہواؤں اور جنات پر تصرف عطا فرمایا' لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو ایک نعمت عطا فرماتا اور اپنے محبوب کو اس نعمت سے محروم رکھتا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی یہ نعمت عطا فرمائی جبھی تو آپ نے اس حملہ آور جن کو ناکام اور نامراد لوٹا دیا اور اگر آپ چاہتے تو اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیتے۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات شیطان کو دیکھا اور چونکہ شیطان ایک جسم ہے' اس لیے آپ کو اس پر قدرت دی گئی' کیونکہ تمام جسموں پر قدرت ممکن ہے۔ لیکن آپ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو چیز دی گئی ہے اس کو ان کے ساتھ مخصوص رکھا جائے' اس لیے ہر چند کہ آپ اس کو گرفتار کرنے پر قادر تھے آپ نے اس کو گرفتار نہیں کیا' کیونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس نعمت کے ساتھ انفراد قائم رہے اور آپ اس پر حریص تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا برقرار رہے۔ (شرح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۱۰۹' مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی علامہ ابن بطال کی اس عبارت کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ

اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے، جب انہوں نے اپنے رب سے ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت

بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝٤١ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ

اور درد پہنچایا ہے O (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے

وَّشَرَابٌ ۝٤٢ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ

اور پینے کا O اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ، ہماری طرف سے

ذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝٤٣ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا

رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیے O اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ

تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝٤٤ وَاذْكُرْ

توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے ہیں، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O اور ہمارے

عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۝٤٥

(دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں O

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۚ ۝٤٦ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ

ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا O بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے

الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۗ ۝٤٧ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۗ

اور نیک ترین ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۗ ۝٤٨ هٰذَا ذِكْرٌ ۗ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ

اور یہ سب نیک ترین ہیں O یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا

مَاٰبٍ ۝٤٩ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۚ ۝٥٠ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا

ہے O (وہ) دائمی جنتیں ہیں، جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں O وہ ان میں تکیے لگائے

جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا گیا ان کی جسامت پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان دو آیتوں میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت سخت کام کر لیتے تھے' اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے' سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور بعض کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا' ان جنات کے جسم کثیف تھے یا لطیف تھے۔ اگر ان کے اجسام کثیف تھے تو ہم کو نظر آنے چاہیے تھے۔ کیونکہ جسم کثیف کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کثافت کے باوجود نظر نہیں آتے تھے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات ہوں اور ہمیں نظر نہ آ رہے ہوں تو جس طرح یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ہمارے سامنے جنات جسم کثیف میں موجود ہوں اور ہمیں نظر نہ آ رہے ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ ان جنات کا جسم لطیف ہے اور لطافت سختی کے منافی ہے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ جنات قوت شدیدہ کے حامل ہیں اور وہ ان کاموں کو کر گزرتے ہیں جن پر عام بشر اور انسان قادر نہیں ہوتے' کیونکہ جسم لطیف کا قوام بہت ضعیف ہوتا ہے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں' لہٰذا وہ ثقیل اشیاء کو اٹھانے اور سخت کاموں کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا' نیز جب ان جنات کا جسم لطیف ہوگا تو پھر ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان جنات کے اجسام لطیف ہیں لیکن لطافت' صلابت اور سختی کے منافی نہیں ہے' پس چونکہ وہ اجسام لطیف ہیں اس لیے وہ دکھائی نہیں دیتے اور چونکہ ان میں صلابت اور سختی ہے اس لیے ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا ممکن ہے' اسی طرح ان کا بھاری چیزوں کو اٹھانا اور سخت اور دشوار کاموں کو کرنا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ سخت اور تیز آندھی بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور مضبوط بجلی کے کھمبوں کو گرا دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جنات کے اجسام کثیف ہوں اور وہ سخت اور دشوار کاموں پر قادر ہوں اور ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگوں کو دکھائی دیتے ہوں اور ہمارے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے ان کا دکھائی دینا ممتنع کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دنیاوی واخروی قرب

صٓ: ۳۹ میں فرمایا: ''یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں' یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگاO''

یعنی ہم نے آپ کے لیے ہواؤں کو اور جنات کو مسخر کر دیا ہے اور آپ کو ملک عظیم عطا کیا ہے' یہ خاص ہمارا عطیہ ہے کوئی اور اس کے دینے پر قادر نہیں ہے' آپ ان میں سے جو چیز جس کو چاہیں عطا کر دیں اور جس سے چاہیں روک لیں' آپ کے لیے دونوں امر مباح ہیں اور آپ سے آپ کے تصرفات کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا کہ آپ نے فلاں کو کیوں عطا کیا اور فلاں کو کیوں عطا نہیں کیا۔

صٓ: ۴۰ میں فرمایا: ''اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہےO''

یعنی اس کے باوجود کہ ان کو دنیا میں عظیم ملک عطا کیا گیا وہ آخرت میں ضرور ہمارے مقرب ہوں گے اور دنیا میں ان کو جو عظیم ملک عطا کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے قرب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور ان کا بہترین ٹھکانا ہوگا یعنی جنت۔

الثار (۴۴)

ضرور برحق ہےO

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنے رب سے ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہےO (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر ماریں یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کاO اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ' ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیےO اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا خوب بندے ہیں' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیںO (ص: ۴۴۔۴۱)

حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جانا

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب بہت مال دار شخص تھے' ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا' مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی' پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح و شام اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا' حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے اُکتا گئے' ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا' ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا' ان کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اُجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب کی ضروریات کو پورا کرتی۔

وہب بن منبہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چیچک ہوئی تھی' ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں' وہب بن منبہ نے کہا: وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے' ان کو بنی اسرائیل کے گھورے (کچرا ڈالنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دُور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔ حمید نے کہا: وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے' ان کے سارے جسم سے گوشت گل کر گر گیا تھا اور جسم پر صرف ہڈیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا' ایک دن ان کی بیوی نے کہا: اے ایوب! آپ کی بیماری بہت طول پکڑ گئی ہے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں' حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۰۹۔۳۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ایوب کی بیماری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے' ان کا دل اللہ کی مدد سے غنی تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھا لیا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئیں تھیں' پھر کیڑوں کے

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ

ہوئے ہوں گے وہ ان میں بکثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس نیچی

الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ

نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گیO یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روز حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھاO بے شک

هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ

یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا O یہ (مؤمنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور

لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ

بُرا ٹھکانہ ہےO (یعنی) جہنم، جس میں وہ داخل ہوں گے، کیا ہی بُرا بچھونا ہےO یہ ہے، پس وہ کھولتے ہوئے پانی

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور پیپ کو چکھیںO اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہےO (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے) یہ ایک اور گروہ ہے

مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًاۢ

جوتمہارے ساتھ داخل ہورہا ہے، ان کو خوش آمدید نہ ہو، بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیںO (آنے والے کہیں گے:)

بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ

بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے، تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے، سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہےO وہ

لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى

کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دےO

رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ ؕ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ

دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھےO کیا ہم نے ان کا

زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ

ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا

کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل ہو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۵۔ ۳۷۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۱۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۸۲۔ ۵۸۱' حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

بعض مفسرین کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کو شیطان کی تاثیر قرار دینا

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔ ان کا جو مال و متاع ضائع ہو گیا تھا اس سے ان کو رنج پہنچا تھا اور ان کے جسم میں جو بیماری پیدا ہو گئی تھی اس سے ان کو درد ہو گیا تھا۔ ص: ۴۱ میں اس رنج اور درد پہنچانے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ شیطان کی طرف یہ نسبت حقیقتاً ہے یا مجازاً ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: شیطان کی طرف یہ نسبت حقیقتاً ہے اور وہ اس سلسلہ میں یہ روایت بیان کرتے ہیں:

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ایک دن ابلیس نے اپنے رب سے یہ کہا کہ کیا تیرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ ہے کہ اگر تو مجھ کو اس پر مسلط کر دے تو وہ پھر بھی میرے فریب میں نہیں آئے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! میرا بندہ ایوب ہے' ابلیس آ کر حضرت ایوب کو وسوسے ڈالنے لگا' حضرت ایوب اس کو دیکھ رہے تھے' لیکن آپ نے اس کی طرف بالکل التفات نہیں کیا' تب ابلیس نے کہا: اے رب! وہ میری طرف بالکل التفات نہیں کر رہے' تو اب مجھے ان کے مال پر مسلط کر دے' پھر ابلیس آ کر حضرت ایوب سے کہتا کہ تمہارا فلاں فلاں مال ہلاک ہو گیا' حضرت ایوب علیہ السلام اس کے جواب میں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی وہ مال دیا تھا' اسی نے ہی وہ مال لے لیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے' پھر ابلیس نے کہا: اے رب! ایوب کو اپنے مال کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے اس کی اولاد پر مسلط کر دے' پھر وہ آیا اور اس نے ان کے گھر کو منہدم کر دیا اور ان کی تمام اولاد ہلاک ہو گئی' ابلیس نے آ کر حضرت ایوب کو ان کی اولاد کے ہلاک ہونے کی خبر دی تو حضرت ایوب نے اس خبر پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا' تب ابلیس نے کہا: اے میرے رب! ایوب کو اپنے مال کی پرواہ ہے نہ اپنی اولاد کی' سو تو مجھے ان کے جسم پر مسلط کر دے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دے دی' اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی کھال میں پھونک ماری تو ان کے جسم میں بہت سخت بیماریاں پیدا ہو گئیں اور بہت سخت درد ہو گیا اور وہ کئی سال ان بیماریوں میں مبتلا رہے' حتیٰ کہ ان کے شہر کے لوگ ان سے نفرت کرنے لگے اور وہ جنگل میں چلے گئے' ان کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا' پس ایک دن شیطان ان کی بیوی کے پاس گیا اور کہا: اگر آپ کا خاوند مجھ سے مدد طلب کرے تو میں اس کو اس تکلیف سے نجات دے دوں گا' ان کی بیوی نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے ان کو شفا دے دی تو وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے پیر کے نیچے سے ایک ٹھنڈا اور پاکیزہ چشمہ پیدا کر دیا' انہوں نے اس میں غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام ظاہری اور باطنی تکلیفوں کو دور فرما دیا اور ان کے اموال اور ان کی اولاد کو بھی ان پر واپس کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۶۰ ملخصاً)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور علامہ علی بن محمد خازن المتوفی ۷۲۵ھ نے بھی اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۰۳' تفسیر الخازن ج ۴ ص ۲۳۴)

کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا' پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے' دو کیڑے باقی رہ گئے تھے' انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیڑا دوسرے کو کھا گیا' پھر ایک کیڑا ان کے دل کی طرف بڑھا تا کہ اس میں سوراخ کرے' تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی: بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ○ یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں ○

(ص: ۴۷)

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے' صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مر جانے اور ان کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے' ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے' میں اپنے گھر گیا تا کہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں' کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○ (زمین پر) اپنی ایڑی ماریے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ○

(ص: ۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جَو کا کھلیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا

اس بیماری کے پیدا کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کر دی' حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے' تمام افعال خواہ نیک ہوں یا بد' ایمان ہو یا کفر' اطاعت ہو یا معصیت' ان سب افعال کا خالق اللہ عز وجل ہے اور ان افعال کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' لیکن ذکر اور کلام میں اس کی طرف شر کی نسبت نہیں کی جاتی' اگرچہ شر کو بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو دعائے قنوت کی تعلیم دی اس میں یہ جملہ ہے:

والخیر فی یدیک والشر لیس الیک. اور ہر خیر تیرے قبضہ میں ہے اور کوئی شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۴)

اسی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ شفا دیتا ہے ۝

بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ کی طرف کی اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ. (الکہف: ۶۳) مجھے (مچھلی کا واقعہ بتانے کو) صرف شیطان نے بھلایا تھا۔

اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام نے بہ طور ادب ایک بار بیماری کی نسبت اپنی طرف کر کے کہا:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادٰى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ. (الانبیاء: ۸۳) اور ایوب کی اس حالت کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا' بے شک مجھے بیماری پہنچ گئی ہے۔

اور دوسری بار بیماری لگنے کی نسبت شیطان کی طرف کی:

أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ (ص: ۴۱) بے شک شیطان نے مجھے اذیت اور درد کے ساتھ مس کیا ہے (یعنی یہ تکلیف پہنچائی ہے) ۝

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیماری کے متعلق کوئی حرف ثابت نہیں ہے' اس سلسلہ میں صرف یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گر پڑی' حضرت ایوب اس کو کپڑے سے پکڑنے لگے تو ان کو ان کے رب نے ندا کی: اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے غنی نہیں کر دیا' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۴' عالم الکتب)

قرآن اور سنت میں اس کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اور کوئی ذکر نہیں ہے' پھر ان لوگوں کے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے بدن میں پھونک مار کر ان کو بیمار کر دیا تھا' جس سے ان کے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور وہ زخم خراب ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑ گئے تھے اور کس کی زبان سے انہوں نے یہ روایات سنی ہیں' سو یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کو علماء نے چھوڑا ہوا ہے' تم اپنے کانوں کو ان کے سننے سے بند کر لو' ان سے تمہارے دل و دماغ میں سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۸۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

محققین کے نزدیک شیطان کو کسی انسان کے جسم پر تسلط اور تصرف حاصل نہیں ہے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

شیطان کو کسی انسان کے جسم میں مرض اور درد پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں ہے اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر شیطان کو انسان کے جسم میں صحت اور بیماری پیدا کرنے پر قدرت ہو تو پھر اس کو انسان کی موت اور حیات پر بھی قدرت ہوگی' تو پھر ہمارے لیے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا کہ تمام نعمتوں اور سعادتوں اور تمام خیرات اور سعادات کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) اگر شیطان کو اس پر قدرت ہوتو اس نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان کی اولاد کو ہلاک کرنے اور ان کے گھروں کو تباہ کرنے کا اقدام کیوں نہیں کیا؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان قیامت کے دن لوگوں سے یہ کہے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ. (ابراہیم:۲۲)

اور مجھے تم پر اس کے سوا اور کوئی تصرف حاصل نہ تھا کہ میں نے تم کو (گناہ کی طرف) بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

شیطان نے اپنے اس قول میں یہ تصریح کر دی ہے کہ اس کو انسان پر صرف بُرائی کی طرف راغب کرنے کی اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے اور ان لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ شیطان نے اپنی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام میں بیماری پیدا کر دی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ص ۳۹۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ایوب نے بیماری کو شیطان کی طرف جو منسوب کیا تھا اس کی توجیہات

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان کی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں بیماری اور درد پیدا ہو گیا تھا' بلکہ بیماری اور درد تو ان کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا' لیکن اس بیماری اور درد میں شیطان ان کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے خلاف شکایت کرنے پر ابھارتا رہتا تھا جس سے ان کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا' اس لیے انہوں نے مجازاً اس بیماری اور درد کی نسبت شیطان کی طرف کر دی' جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا' لوگ ان سے متنفر ہو گئے اور وہ ایک جنگل میں چلے گئے تو اس وقت شیطان ان سے آ کر کہتا تھا: دیکھو تمہارے پاس کس قدر مال و دولت تھی' تم کس قدر عیش و عشرت سے رہتے تھے' تمہاری بہ کثرت اولاد تھی' تم صحت مند اور توانا تھے اور اب نہ وہ مال و دولت ہے' نہ اولاد ہے' نہ وہ صحت ہے' اگر تمہارا دین صحیح ہوتا اور تمہارا معبود واحد اور برحق ہوتا تو تمہاری کثرت عبادت کی وجہ سے تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ ہوتا نہ یہ کہ تمہاری پہلی نعمتیں بھی واپس چلی جاتیں' شیطان کی اس قسم کی باتیں سن کر حضرت ایوب علیہ السلام کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا' اس لیے انہوں نے کہا: بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس مسئلہ پر لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری مسلط کی تھی ان کو یہ جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں کہا کہ مجھے اذیت اور عذاب کے ساتھ شیطان نے مس کیا ہے (یعنی اس نے یہ تکلیف پہنچائی ہے) انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے مس شیطان کی شکایت کی تو اس بناء پر انہوں نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو تندرست کرنے کے بعد ان کا حسن وشباب بھی لوٹا دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھبیس بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے۔ تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۲۔۳۱۱ ملخصاً 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس میں بھی مختلف روایات ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بھاری ابتلاء میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں' پھر صالحین' پھر جو ان کے قریب ہو اور جو ان کے قریب ہو۔ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات

حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں فرمایا: میری بیماری کو زائل فرما اور مجھ پر رحم فرما' بلکہ رحمت کی ضرورت اور اس کا سبب بیان کیا اور کہا: اے رب! مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور اپنے مطلوب کو کنایتاً بیان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بہر حال اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور یہ صبر کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے مصائب کی لوگوں سے شکایت کرنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً لوگوں سے کہا جائے کہ دیکھو اللہ نے مجھ پر کتنی مصیبتیں نازل کی ہیں اور مجھے کیسی سخت بیماریوں میں مبتلا کیا ہے اور اس پر بے چینی اور بے قراری اور آہ وفغاں کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہنا اور اپنے مصائب کا ذکر کرنا اور اسی سے شکایت اور فریاد کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے' ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا O بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں O (ص: ۴۸۔۴۵)

مشکل حالات میں انبیاء علیہم السلام کی استقامت یاد دلا کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمانا

ص: ۴ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' کذاب (جادوگر' جھوٹا) کہتے ہیں' ص: ۷ میں فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں: ایسا پیغام ہم نے پچھلے دینوں میں نہیں سنا' یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے' ص: ۸ میں فرمایا: کیا ہم میں سے صرف ان کو اس پیغام کے پہنچانے کے لیے خاص کر لیا گیا ہے۔ ص: ۱۷ میں فرمایا: آپ ان کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے' پھر ص: ۲۹ تک حضرت داؤد علیہ السلام کا مفصل قصہ بیان فرمایا کہ ان کو کس قدر سنگین حالات پیش آئے اور انہوں نے

حضرت ایوب کے نقصانات کی تلافی کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (ص: ۴۳)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اور یہ عقل والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بہ طور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا اور اللہ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دُگنا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کر دو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے' اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اُجر نہیں طلب کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا' انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے' یہ تو شیطان ہے اور اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ (ص: ۴۴)

اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے ۝

سو حضرت ایوب نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر دمشق ج ۵ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی یا کوئی دوسرا شخص بھی سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں کی جھاڑو مار کر قسم توڑنے سے بچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا' جس کی خلقت ناقص تھی۔ وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نوکرانی) سے زنا کرتا تھا۔ یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو۔ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے' اگر ہم نے اس کو سو کوڑے مارے تو یہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: پھر اس کے لیے سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور وہ جھاڑو اس کو ایک مرتبہ مار دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۸۱' عالم الکتب' بیروت' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۲۴' علامہ بوصیری نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے)

قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور اور بیمار شخص پر قسم پوری کرنے کے لیے یا حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی جھاڑو ماری جا سکتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۵)

کی عبادت کریں گے' تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور منہمک رہنا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی نے ''التاویلات النجمیہ'' میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو نفس کی صفات کی آمیزش سے مصفّٰی کر لیا اور انانیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے' حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ظلمت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

صٓ: ۴۷ میں فرمایا: ''بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں''۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے' وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرا اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اخیار فرمایا ہے' اخیار خَیِّر کی جمع ہے اور صفت مشبہ ہے یا یہ اسم تفضیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اخیار فرمایا ہے' اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیّر نہیں رہیں گے' اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی' نہ صغیرہ نہ کبیرہ' نہ سہواً نہ عمداً' نہ حقیقتاً نہ صورتاً' ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں' کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے' نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلاف اولیٰ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰-۴۴۹' طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۹۶ء)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷ طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو' علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز و اباحت ہے' جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا' کہ مستحب کیجئے تو بہتر' نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

صبر کیا اور استقامت کے ساتھ دین کی تبلیغ میں مصروف رہے' سو آپ بھی اس طرح کیجئے' پھر ص: ۳۰ سے ص: ۴۰ تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا' ان کو بھی سخت آزمائش سے گزرنا پڑا' سو آپ بھی صبر وسکون کے ساتھ اپنے مشن کو پورا کرتے رہیں' پھر ص: ۴۱ سے ص: ۴۴ تک حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ ان پر بھی سخت آزمائش کا دور آیا اور وہ کامیابی کے ساتھ اس امتحان سے گزر گئے' سو آپ بھی کفار مکہ کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں اور تن دہی اور سرگرمی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں' اسی طرح اب ص: ۴۵ میں حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم کا صبر یاد کیجئے کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا' حضرت اسحاق کا صبر یاد کیجئے اور حضرت یعقوب کا صبر یاد کیجئے جب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تھے اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۰۰) حالانکہ الصّٰفّٰت: ۱۰۷ کی تفسیر میں انہوں نے اس قول کا رد کیا تھا' علامہ قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا بھی یہ مختار ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں' انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہما السلام اور یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الاعلام بمولد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' میں بیان کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۹۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم الصّٰفّٰت: ۱۰۷ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دینا یہودیوں کا قول ہے' اس کی تفصیل اور اس قول کا رد ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ ''اولی الایدی والابصار'' تھے یعنی ہاتھوں اور آنکھوں والے' ہاتھوں اور آنکھوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان اکثر کام ہاتھوں سے انجام دیتا ہے اور آنکھوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ معلومات کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ ہے اور انسان کی دو قوتیں ہیں: قوت عاملہ اور قوت عاقلہ' قوت عاملہ کا سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور قوت عاقلہ کا سب سے افضل عمل ادراک' اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور قوت عاملہ اور قوت عاقلہ کے جو کام ان کے ماسوا ہیں وہ ان کے مقابلہ میں قابل ذکر نہیں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا خالص دار آخرت کے ساتھ مشغول ہونا

ص: ۴۶ میں فرمایا: ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) وہ آخرت کی یاد میں اس قدر زیادہ مشغول اور مستغرق ہیں کہ گویا دنیا کو بھول چکے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ دار آخرت میں ان کے ذکر جمیل کو بلند فرمائے گا اور ان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی۔

(۳) اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کی نیکیوں کا چرچا کرے گا اور آخرت میں ان کو سربلند فرمائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا جب کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطاعت اور عبادت میں مشغول رہنا صرف اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے دیدار کا شوق ہے اور وہ تب ہی حاصل ہوگا جب اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے اسی وقت راضی ہوگا جب وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس

کی عبادت کریں گے' تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور منہمک رہنا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابومنصور ماتریدی نے ''التاویلات النجمیہ'' میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو نفس کی صفات کی آمیزش سے مصفیٰ کر لیا اور انانیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے' حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ظلمت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

ص ٓ: ۴۷ میں فرمایا: ''بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں''۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے' وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرا اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اخیار فرمایا ہے' اخیار خیر کی جمع ہے اور صفت مشبہ ہے یا یہ اسم تفضیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اخیار فرمایا ہے' اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیر نہیں رہیں گے' اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی' نہ صغیرہ نہ کبیرہ' نہ سہواً نہ عمداً' نہ حقیقتاً نہ صورتاً' ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں' کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے' نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلاف اولیٰ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹' طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۹۶ء)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷' طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو' علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز و اباحت ہے' جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا' کہ مستحب کیجئے تو بہتر' نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

مکروہ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر کیجئے تو گناہ نہیں پس مکروہ تنزیہی کو داخل دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ اور اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا جیسا کہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا' پھر سید مشہدی' پھر کردی اس کے تابع ہوئے' سخت لغزش وخطائے فاسد ہے یارب! مکروہ گناہ ہے کون سا جو شرعاً مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعاً گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے اس خطائے شدید کے رد میں ایک مستقل تحریر مسمیٰ بہ ''جمل مجليه ان المكروه تنزيها ليس بمعصية'' تحریر کی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ص ۴۴طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ''جمل مجليه ان المكروه تنزيها ليس بمعصية'' رکھا ہے' اس کے ص ۳۷ سے ص ۴۴ تک اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے' یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے' ہم نے اس کا عکس حاصل کیا' اس کی ابتدائی چند سطور کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

جس چیز پر ہمیں کامل یقین اور اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی بالکل گناہ نہیں ہے' نہ کبیرہ نہ صغیرہ اور اس کے ارتکاب سے بندہ کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہوتا' نہ ہلکی نہ بھاری اور یہی خالص حق ہے' جس سے انحراف کی کوئی صورت نہیں' بہ کثرت علماء نے اس کی تصریح کی ہے' ردالمحتار کے حظر واباحت کی بحث میں علامہ شامی نے تلویح کے حوالے سے لکھا ہے: رہا مکروہ تنزیہی تو وہ اتفاقاً جواز کے زیادہ قریب ہے' اس معنیٰ میں کہ مکروہ تنزیہی کے مرتکب کو اصلاً سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اس کے ترک کرنے والے کو کچھ ثواب ملے گا اور علامہ ابوسعود کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ (علامہ شامی نے یہ ابن حاجب کے حوالے سے لکھا ہے نہ کہ ابوسعود کے حوالے سے' ردالمحتار ج ۱ص ۲۱۸' سعیدی غفرلہ)

(جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہی لیس بمعصیۃ (غیر مطبوعہ) ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت نے تلویح کا جو حوالہ دیا ہے اس کی تخریج یہ ہے: تلویح مع التوضیح ج ۱ص ۲۳' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی اور اعلیٰ حضرت نے علامہ شامی کے جو حوالے ذکر کیے ہیں' ان کی تفصیل اس طرح ہے' علامہ شامی فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی مباح کو بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ مکروہ تحریمی لازماً ممنوع ہوتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ص ۲۱۸' ملخصاً' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ (ردالمحتار ج ۱ص ۲۲۱) پھر آگے چل کر لکھا ہے:
مستحب کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ص ۲۲۳) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فعل پر ملامت نہیں کی جاتی۔

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی جواز کے زیادہ قریب ہے' یعنی اس کے فاعل کو بالکل سزا نہیں دی جائے گی اور اس کے تارک کو کچھ ثواب ملے گا' تلویح۔ (ردالمحتار ج ۹ص ۴۰۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عصمت کی تعریف اور معصوم اور محفوظ کا فرق

عصمت پر بحث کے دوران مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمت کی تعریف بھی کر دی جائے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص ۱۰۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ' وحاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶' لکھنؤ)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسل الاحمد نگری لکھتے ہیں:

عصمت کی تعریف یہ ہے: گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملکہ اور اس کی دوسری تعریف یہ ہے: اللہ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود اسے گناہوں اور مکروہات کے فعل سے روکتی ہے' گناہوں سے اجتناب کے ملکہ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ بندہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیکی پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور برائی سے روکتی ہے' اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ اس میں امتحان اور ابتلاء کا معنیٰ متحقق ہو' اسی وجہ سے شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی۔ اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف فاسد اور باطل ہے۔ انہوں نے یہ تعریف کی ہے: کسی شخص کے نفس ناطقہ میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہو گا' علامہ تفتازانی نے شرح العقائد (ص ۱۰۹' کراچی) میں اسی طرح لکھا ہے اور جنہوں نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کو پیدا نہ کرنا' اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو' اس تعریف کا مآل بھی وہی ہے' کیونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملکہ ہے۔

انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء دونوں میں گناہوں پر قدرت اور اختیار ہوتا ہے' لیکن انبیاء جب گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا کر دیتا' لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں ہیں۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد النبی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے' اوّلاً اس لیے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء اس سے معصوم ہیں' لہٰذا وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے' نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ انبیاء گناہ کبیرہ کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اللہ ان میں گناہ کبیرہ پیدا نہیں کرتا' کیونکہ بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کا ارادہ کریں اور اللہ ان میں گناہ پیدا نہ کرے تو پھر وہ دنیا میں گناہوں کے ترک پر تحسین اور آخرت میں اس پر اجر کے مستحق نہیں ہوں گے اور علامہ عبد النبی نے محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ اگر اولیاء گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ ان میں گناہ کو پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو اولیاء اللہ انبیاء سے بڑھ گئے' کیونکہ علامہ عبد النبی کے نزدیک انبیاء تو گناہ کا ارادہ کرتے ہیں اور جب اولیاء گناہ کا ارادہ نہیں کرتے تو وہ انبیاء سے بڑھ گئے۔

اس لیے انبیاء کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں صحیح فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی بھی کسی حال میں کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوتا' صغیرہ نہ کبیرہ' سہواً نہ عمداً' صورتاً نہ حقیقتاً اور اولیاء کرام سے بعض اوقات گناہ صادر ہو جاتا ہے' لیکن وہ اس سے جلد توبہ کر لیتے ہیں یا ان پر حد جاری ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں' جیسے حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی' پھر ان پر حد جاری ہوئی اور وہ پاک ہو گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۴۷) بنومخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۸۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۰' سنن

النسائی رقم الحدیث:۴۹۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۴۷) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۸۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۹) جہینہ کی ایک خاتون زنا سے حاملہ ہوگئیں تو ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح رقم الحدیث:۱۶۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۳۵' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۹۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۵۵) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے' ان کا لقب حمار تھا وہ بار بار شراب پیتے تھے اور بار بار ان پر حد لگائی جاتی تھی' ایک شخص نے ان کے متعلق کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' اس کو کتنی بار سزا دی گئی ہے (اور یہ باز نہیں آتا!) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو' مجھ کو صرف یہ علم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۷۸۰)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں' ان سے معصیت کا صدور ہوا اور پھر وہ اس معصیت سے تائب ہوئے' ان پر حد جاری ہوئی اور وہ اس معصیت سے پاک ہو گئے اور صحابہ کرام تمام بعد کے اولیاء کرام سے زیادہ افضل اور مکرم اولیاء اللہ ہیں۔

اس لیے گناہوں سے محفوظ ہونے کی صحیح تعریف یہی ہے کہ ان نفوس قدسیہ سے کبھی کبھی کسی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جلد ہی توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتے ہیں اور عام لوگ ان کی بہ نسبت زیادہ گناہوں میں اور نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں مبتلا ہوتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور توبہ کرنے کے بعد بھی بار بار گناہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام کا گناہوں سے محفوظ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہ کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے اور توبہ میں سستی کرنے سے محفوظ ہوتے ہیں اور توبہ کو توڑنے سے محفوظ ہوتے ہیں ان کی توبہ توبۃ النصوح ہوتی ہے اور وہ ان آیات کے مصداق ہوتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○

(آل عمران:۱۳۶۔۱۳۵)

اور جب یہ (محسنین) کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا کوئی اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا' اور انہوں نے جو (گناہ) کیا ہے اس پر دانستہ اصرار نہیں کرتے ○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف:۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں کسی شیطانی کام کا خیال آتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' پھر اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء:۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا ہے جو (عذاب سے) جہالت کی بناء پر گناہ کے کام کرتے ہیں' پھر جلد ہی اس کام سے توبہ کر لیتے ہیں تو ان لوگوں کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے' اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○

اور جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ کو مؤخر کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی موت آ جاتی ہے وہ اس آیت کا مصداق بننے کے خطرہ میں ہیں:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ (النساء:۱۸)

اور اللہ پر ان لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا نہیں ہے جو مسلسل بُرے کام کرتے رہے ہیں' حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی۔

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو گناہ پر قدرت ہی نہیں اور گناہ کرنا ان کے لیے ممکن ہی نہیں' اس کے برخلاف اولیاء کرام کو گناہوں پر قدرت تو ہوتی ہے لیکن وہ کبھی بھی گناہ کا فعل نہیں کرتے۔

یہ دونوں تعریفیں باطل ہیں' اوّل اس لیے کہ اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کے فعل پر قادر نہ ہوں تو ان کو گناہ کے ترک کرنے کا مکلّف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ گناہ کے ترک کرنے پر وہ دنیا میں تحسین اور آخرت میں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے اور ثانی اس لیے کہ اگر محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ ہو کہ وہ گناہ پر قادر تو ہوں لیکن کبھی اس کا فعل نہ کریں تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اولیاء نہ ہوں کیونکہ انہوں نے گناہ کا فعل کیا اور بعد میں اس پر توبہ کی اور صحابہ کرام سے بڑھ کر تو کوئی اللہ کا ولی ہو نہیں سکتا۔

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ گناہ کے فعل پر قادر ہوتے ہیں لیکن ان پر خوفِ خدا کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی قصداً گناہ کا فعل نہیں کرتے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہرچند کہ بشری تقاضے سے وہ کبھی گناہ کا فعل کر بیٹھتے ہیں لیکن فوراً خدا کو یاد کر کے سنبھل جاتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں اور بالعموم وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرتے اور وہ بہت کم گناہ کا فعل کرتے ہیں' اس کے برخلاف عام لوگ بہ کثرت گناہ کرتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور بالعموم وہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ کا اعادہ کرتے ہیں۔

بہت عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کو تفصیل سے لکھوں اور اب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ مضامین القاء کیے اور میں نے اس فرق کو دلائل کے ساتھ تفصیل سے لکھا۔ فالحمد للہ رب العٰلمین

میرا دل اور دماغ ان پاکیزہ نکات کے لائق تو نہیں لیکن وہ رب کریم ناپاک کھاد سے پاکیزہ رزق اور حسین و جمیل پھل اور پھول پیدا کر دیتا ہے' قطرۂ نیساں کو گہر آب دار بنا دیتا ہے' اندھیرے سے روشنی نکال لاتا ہے سو وہ مجھ ایسے سیہ کار اور گنہ گار کے دل و دماغ میں ایسے پاکیزہ اور لطیف نکات پیدا کر دیتا ہے۔ فسبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

عصمت انبیاء علیہم السلام پر مفصل بحث اور عصمت پر اعتراضات کے جوابات شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۲۴۶۔۲۸۵ میں ملاحظہ فرمائیں' شاید اس سے زیادہ تفصیل اور تحقیق آپ کو اور کہیں نہ ملے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد اور بھائی سے منفصل کرنے کی توجیہ

ص ٓ: ۴۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں''۔

اور اسماعیل بن ابراہیم کو یاد کیجئے' اس سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا تھا' حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ان کے والد گرامی اور ان کے بھائی سے منفصل کیا ہے' متصل نہیں کیا۔ اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر میں سب سے بڑھ کر تھے اور یہاں صبر کی صفت کا ہی بیان مقصود ہے اور وہ صبر میں سب سے

اور اس لیے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے پیش کر دیا تھا' یا اس لیے کہ وہ تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ افضل الانبیاء والمرسلین یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد کریم ہیں۔

الیسع بن اخطوب: ان کو حضرت الیاس نے بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا' پھر ان کو نبی بنایا گیا۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے صاحب تھے' یہ دونوں حضرت زکریا سے پہلے گزرے ہیں' ان کی تفصیل تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۷۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذوالکفل: یہ حضرت الیسع کے عم زاد ہیں' ان کو ان کے والد کی وفات کے بعد شام کی طرف مبعوث کیا گیا' ان کی نبوت میں اختلاف ہے' اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعریف و تحسین کے ساتھ ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی ہیں۔ امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ الیسع اور ذوالکفل دونوں بھائی تھے اور ذوالکفل ایک نیک آدمی کے نیک اعمال کے کفیل ہو گئے تھے' جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا' ان کا مفصل حال ہم نے تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۵۵۔۶۵۴ میں لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے O (وہ) دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں O وہ ان میں تکیے لگائے ہوئے ہوں گے' وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس نیچی نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی O یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روزِ حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا O بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (ص: ۵۴۔۴۹)

جنت عدن کے متعلق احادیث اور آثار

ص: ۴۹ میں فرمایا: یہ ذکر ہے۔ یعنی قرآن مجید کہ وہ آیات جن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر ہے' ان آیات میں ان کی تعریف اور تحسین ہے اور ان کا ذکر خیر ان کی وفات کے بعد کیا جاتا رہے گا اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے واقعات سے نصیحت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی اقتداء کی جائے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے۔

ص: ۵۰ میں فرمایا: ''وہ جنات عدن ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' پھر جنت عدن سے فرمایا: تم بات کرو تو اس نے کہا: ''قد افلح المؤمنون'' الایۃ۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۴۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں اس کے پھل لٹکا دیئے اور اس میں اس کے دریا جاری کر دیئے' پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم کلام کرو تو اس نے کہا: ''قد افلح المؤمنون'' (بے شک مومن کامیاب ہو گئے) پھر کہا: مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھ میں کوئی بخیل نہیں رہے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۶۴۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۲۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ زندہ رہے گا اور اس کو موت نہیں آئے گی' اس کو اس میں نعمتیں ملیں گی اور وہ خوف زدہ نہیں ہوگا'

اس کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ اس کا شباب کبھی ختم ہوگا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ فرمایا: اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کی لپائی کا گارا مشک ہے اور اس کی مٹی زعفران ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہیں۔

(حافظ الہیثمی نے کہا: امام طبرانی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۶۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۶۱۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے پوچھا: جنت عدن کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ جنت میں سونے کے محل ہیں' جن میں انبیاء' صدیقین' شہداء اور ائمہ عدل رہیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۰۵۴)

جنت کے دروازے کھلے رکھنے کے اسرار اور نکات

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں'' اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جب متقین جنت عدن کے پاس پہنچیں گے تو ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' ان کو جنتوں کے دروازے کھلوانے کے لیے کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ فرشتوں سے اجازت لینے کا مرحلہ پیش آئے گا' بلکہ فرشتے ان کی پیشوائی کے لیے مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہوئے ان سے ملیں گے۔

(۲) یہ قول اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کی تکریم اور تعظیم کے اظہار کے لیے کہتا ہے: میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

(۳) اس میں متقین کے بلند حوصلہ کی طرف اور نفسانی خواہشوں اور لذتوں سے ان کے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جنت کو نفس کی ایسی ناپسندیدہ چیزوں نے گھیرا ہوا ہے کہ اس میں کسی کے داخل ہونے کی توقع نہیں ہے تو ان لوگوں کی سیرت کی عمدگی اور پاک دامنی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا: جنت کو دیکھو اور ان نعمتوں کو دیکھو جو میں نے جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی ہیں' حضرت جبریل آئے اور جنت کو دیکھا اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ وہ اللہ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنت کی ہر طرف کا ان چیزوں سے احاطہ کر دیا جائے جو نفس کے لیے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ' اب جنت کو دیکھو اور جنت کی ان نعمتوں کو دیکھو جن کو میں نے اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے۔ حضرت جبریل دوبارہ گئے تو جنت کا احاطہ ان چیزوں نے کیا ہوا تھا جو نفس کے لیے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں' حضرت جبریل لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! اب مجھے خدشہ ہے کہ اس جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔ الحدیث (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۲۶' البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۱۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۱۵)

سبحان اللہ! جنت میں داخل ہونے کے لیے اس قدر مشکل اور صبر آزما کام کرنے پڑتے ہیں کہ حضرت جبریل کو بھی یہ خطرہ تھا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا تو ان لوگوں کے تقویٰ اور طہارت' بلند حوصلہ اور کردار کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کے دروازے پہلے سے کھول رکھے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ جنت کے دروازے دو قسم کے ہیں: بعض دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا اور بعض دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا' جن دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں دخول ہوگا اور جن دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا' متقین کے لیے دونوں قسم کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' وہ مخلوق کے دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ان کے لیے جنت میں تیار کر رکھی ہیں ان سے بہرہ اندوز ہوں گے' پھر وہ جنت میں خالق کے دروازہ سے نکل کر اس جگہ پہنچیں گے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۵۵) (متقین جنت میں) قدرت والے بادشاہ کے پاس صدق کی نشست میں بیٹھے ہوں گے ۝

متقین کے لیے جنت کی نعمتیں

صٓ: ۵۱ میں فرمایا: ''وہ ان میں تکیے لگائے ہوں گے' وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے ۝ ''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقین جنتوں میں تکیے لگائے ہوں گے اور دوسری آیات میں تکیہ لگانے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے' جو حسبِ ذیل ہیں:

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ (یٰس: ۵۶) جنتی اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ۝

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ (الرحمٰن: ۷۶) وہ سبز مسندوں پر اور غیر معمولی حسین بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ۝

اور وہ انواع واقسام کے پھلوں اور میووں کو اور طرح طرح کے مشروبات کو طلب کریں گے' ان میں دودھ' شہد اور غیر نشہ آور شراب کے مشروبات ہوں گے۔

صٓ: ۵۲ میں فرمایا: ''اور ان کے پاس نیچی نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی ۝ ''

اس سے پہلی آیت میں جنت میں کھانے پینے کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں جنت میں منکوحات کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حوروں کے لیے ''قاصرات الطرف ''فرمایا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے شوہروں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی اور ان کے دلوں میں صرف اپنے شوہروں کی محبت ہوگی اور کسی کی محبت نہیں ہوگی۔

''اتراب'' کا معنیٰ ہے وہ سب حوریں ہم سن ہوں گی' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حوریں اپنی صفات میں اور حسن و جمال میں اور عمر میں سب ایک جیسی ہوں گی تو ان سب سے برابر محبت ہوگی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے پر غیرت نہ آئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو اتنی اور اتنی جماع کی قوت دی جائے گی' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا مومن کو اتنی طاقت ہوگی؟ فرمایا: اس کو سو کی طاقت دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

صٓ: ۵۴۔۵۳ میں فرمایا: ''یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روزِ حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا ۝ بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا ۝ ''

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جنت میں دائمی ثواب ہوگا اور جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی' جنتی درخت سے ایک پھل توڑ کر کھائیں گے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا' وہ ایک پرندہ کا گوشت کھائیں گے تو فوراً اس جیسا دوسرا پرندہ

پیدا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (مومنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور بُرا ٹھکانا ہے O (یعنی) جہنم، جس میں وہ داخل ہوں گے، کیا ہی بُرا بچھونا ہے O یہ ہے، پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں O اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے O (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے:) یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے، ان کو خوش آمدید نہ کہو، بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O (آنے والے کہیں گے:) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے، تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے، سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے O وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے O دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے O (ص: ۶۴-۵۵)

اس پر دلائل کہ طاغین سے مراد کفار ہیں نہ کہ اصحاب کبائر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے ثواب کا ذکر فرمایا تھا اور اس کے بعد اب ان آیتوں میں سرکش کافروں کا ذکر فرمایا ہے، تاکہ وعدے کے بعد وعید کا اور ترغیب کے بعد ترہیب کا ذکر ہو۔

ص: ۴۹ میں فرمایا تھا: متقین کے لیے حسن مآب (اچھا ٹھکانا) ہے اور ص: ۵۵ میں فرمایا ہے: طاغین (سرکشوں) کے لیے شر مآب (برا ٹھکانا) ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ طاغین (سرکشوں) سے مراد اصحاب کبیرہ یعنی فساق ہیں، خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، ان کے نزدیک جو مومن بغیر توبہ کے مر گیا وہ بھی کافر کی طرح دائماً دوزخ میں رہے گا اور جمہور اہل سنت نے کہا: طاغین سے مراد کفار ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے طاغین کے ٹھکانے کے متعلق فرمایا ہے، وہ شر مآب ہے یعنی سب سے بُرا ٹھکانا اور سب سے بُرا ٹھکانا اس کا ہوگا جس کا جرم سب سے بڑا ہو اور سب سے بڑا جرم کافر کا ہے اور مومن مرتکب کبیرہ کا گناہ بہر حال کافر سے کم ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان طاغین کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں کہیں گے کہ ہم کو یہاں وہ لوگ (مسلمان) نظر نہیں آ رہے جن کا ہم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے اور مومن مرتکب کبیرہ کسی مسلمان کا اس کے اسلام کی وجہ سے مذاق نہیں اڑاتا مسلمانوں کا ان کے اسلام کی وجہ سے کفار ہی مذاق اڑاتے تھے، اس لیے طاغین سے مراد کفار ہی ہیں۔

(۳) طاغین صفت کا صیغہ ہے اور جب صفت کا بغیر کسی قید کے اطلاق کیا جائے تو اس سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور طغیان (سرکشی) میں کامل کافر ہوتا ہے۔ مومن مرتکب کبیرہ کے صرف عمل میں طغیان ہے، عقیدہ میں طغیان نہیں ہے اور کافر کے عقیدہ میں بھی طغیان ہے اور عمل میں بھی طغیان ہے، اس لیے طاغین سے مراد صرف کفار ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے: جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے تجاوز کیا اور سرکشی کی اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی ان کے لیے سب سے بُرا ٹھکانا ہے۔

ص: ۵۶ میں فرمایا: ''جہنم، جس میں وہ داخل ہوں گے، کیا ہی بُرا بچھونا ہے O''

ان کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ نے اس بستر سے تشبیہ دی ہے جس پر سونے والا لیٹتا ہے۔

ص: ۵۷ میں فرمایا: "یہ ہے پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں"۔

"غساق" کی تفسیر میں حدیث اور آثار

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بعض مقدم الفاظ کو مؤخر کر دیا ہے اور بعض مؤخر الفاظ کو مقدم کر دیا ہے' اصل عبارت اس طرح ہے یہ حمیم (کھولتا ہوا پانی) ہے اور غساق (دوزخیوں کی پیپ) ہے۔

حمیم کا معنیٰ ہے سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی اور غساق اس کی ضد ہے' یعنی انتہائی ٹھنڈا پانی جس کی ٹھنڈک کی شدت کی وجہ سے اس پانی کو پیا نہ جا سکے' اسی وجہ سے ص: ۵۷ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے"۔ غساق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں الٹ دیا جائے تو تمام دنیا بدبودار ہو جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۱' المستدرک ج ۴ ص ۶۰۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۲۸۸)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے غساق کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: دوزخیوں کی کھال اور ان کے گوشت کے درمیان سے جو پانی بہتا ہوا نکلے گا وہ غساق ہے۔

(۲) سدی نے کہا: دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہوئے نکلیں گے وہ غساق ہے۔

(۳) ابن زید نے کہا: دوزخیوں کی پیپ کو گرم کر کے ایک حوض میں جمع کر دیا جائے گا اس کو غساق کہتے ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: وہ بہت گاڑھی پیپ ہے' اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مشرق بدبودار ہو جائے گا اور اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مغرب بدبودار ہو جائے گا۔

(۵) مجاہد نے کہا: وہ اتنا زیادہ ٹھنڈا پانی ہے کہ وہ ٹھنڈک کی وجہ سے پیا نہیں جا سکتا۔

(۶) عبداللہ بن بریدہ نے کہا: وہ سخت بدبودار پانی ہے۔

(۷) کعب نے کہا: وہ ہر زہریلے جانور مثلاً سانپ اور بچھو کا پسینہ ہے' یہ زہریلا پسینہ ایک چشمہ میں بہتا ہوا آئے گا۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۱۲-۲۰۹' ملخصاً' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

"من شکله ازواج" کا معنیٰ

ص: ۵۸ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد زمہریر ہے' یعنی سخت ٹھنڈک کا طبقہ۔

اس آیت میں "شکل" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے اس قسم کا اور شکل کا معنیٰ عورت کا بناؤ سنگھار بھی ہوتا ہے اور اس کا میک اَپ۔ ابنِ زید نے کہا: "شکل" کا معنیٰ ہے: شبیہ' یعنی اس کے مشابہ عذاب' جس کا نام اللہ نے ازواج رکھا ہے اور اس کا الگ نام نہیں رکھا۔ حسن بصری نے کہا: "من شکله ازواج" کا معنیٰ ہے رنگا رنگ کے عذاب' مختلف اقسام کے عذاب' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: عذاب کے جوڑے' ابن زید نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: دوزخ میں عذاب کے جوڑے۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۱۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوزخ میں کافروں کے سرداروں اور پیروکاروں کا مناظرہ

ص: ۵۹ میں فرمایا: "(وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے:) یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے' ان کو خوش آمدید نہ کہو' بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے سرکشو! یہ تمہارے عقیدہ کا ایک اور گروہ ہے جو تمہارے بعد دوزخ میں داخل ہو رہا ہے' جو کافر پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے تھے وہ بعد والے کافروں کو دیکھ کر کہیں گے: تم کو مرحبا اور خوش آمدید نہ ہو۔ ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا: فوج سے مراد وہ قوم ہے جو گروہ در گروہ داخل ہوتی ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○

(الاعراف: ۳۸)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم سے پہلے جنات اور انسانوں میں سے جو فرقے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے ہیں ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ' جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہو گا وہ اپنی مثل دوسرے گروہ کو لعنت کرے گا' حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلے والے لوگوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہم کو گم راہ کیا تھا سو تو ان کو دوزخ کا دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سب ہی کا دگنا عذاب ہے لیکن تم کو علم نہیں ہے۔

ص: ۶۰ میں فرمایا: ''(آنے والے کہیں گے:) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے' تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے' سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے○''

ان کے پیروکار کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف جو بددعا کی ہے' دراصل تم خود ہی اس بددعا کے زیادہ مستحق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس کفر اور شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئے ہیں اور عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں اس عذاب کا سبب تم ہی ہو۔

ص: ۶۱ میں فرمایا: ''وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے○''

کافروں کے پیروکار کہیں گے کہ چونکہ یہ سردار ہمارے کفر کا سبب ہیں' ہم نے ان کے کہنے کی وجہ سے کفر اور شرک کیا تھا لہٰذا تو ان کے عذاب کو دگنا کر دے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ (الاحزاب: ۶۸-۶۷)

اور (پیروکار) کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی جنہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا○ اے ہمارے رب! تو انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما○

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان سرداروں پر جو عذاب نازل کیا جائے گا اگر وہ ان کے جرم کے مطابق ہو تو دگنا نہیں ہو گا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہو تو پھر یہ ظلم ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے سرداروں کو ایک عذاب تو ان کے کفر اور شرک کا ہو گا اور اس عذاب میں ان کے پیروکار بھی ان کے شریک ہوں گے اور دوسرا عذاب دوسروں کو گم راہ کرنے کا ہو گا جس میں ان کے پیروکار شریک نہیں ہوں گے۔ اس اعتبار سے ان کے سرداروں کو پیروکاروں کی بہ نسبت دوگنا عذاب ہو گا۔ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی

نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس نیک طریقہ پر عمل کرے گا اس کی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو ایجاد کیا خود اس کو بھی اس بُرے طریقہ کا گناہ ہوگا اور جو بعد میں اس بُرے طریقہ پر عمل کریں گے ان کی بُرائی کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳ جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۴۷۲)

صٓ: ۶۲ میں فرمایا: ''دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے؟''

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا وہ حال بیان کیا تھا جو دنیا میں ان کے احباب کے ساتھ تھا اور اس آیت میں کفار کا وہ حال بیان فرما رہا ہے جو دنیا میں ان کے اعداء اور مخالفین کے ساتھ تھا۔ یعنی کفار جب جہنم کی تمام اطراف اور جوانب میں نظر ڈالیں گے تو ان کو فقراء مسلمین نظر نہیں آئیں گے۔ جن کے ایمان اور اسلام کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے تھے وہ ان کو اشرار اور بُروں میں اس لیے شمار کرتے تھے کہ وہ ان کے دین کے خلاف تھے اور ایسے دین کی پیروی کر رہے تھے جس سے ان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

صٓ: ۶۳ میں فرمایا: ''(کفار کہیں گے:) کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O''

ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑاتے تھے آخرت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ان لوگوں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔

صٓ: ۶۴ میں فرمایا: ''بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے''۔

دوزخیوں میں سے کافروں کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں میں مناظرہ ہوا سرداروں نے پیروکاروں کے متعلق کہا: ان کو خوش آمدید نہ ہو اور پیروکاروں نے سرداروں کے متعلق کہا: بلکہ تم کو خوش آمدید نہ ہو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ

آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو واحد ہے اور سب پر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا

غالب ہے O وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O

عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ

آپ کہیے وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے

الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں O سو جب میں

سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ

اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاناO تو سب

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

کے سب تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O سوا ابلیس کے، اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓإِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

ہو گیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں

بِيَدَيَّ ؕ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ

سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں،

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O فرمایا: تو اس (جنت) سے نکل جا

فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ

بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا:

رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾

اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دےO فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہےO

إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾

اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہےO اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گاO

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ أَقُوْلُ ﴿٨٤﴾

سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیںO فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوںO

لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ

کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گاO آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو

عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ

پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوںO یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں

٥ ع ٢٤ ١٤ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿۸۸﴾ ع

کے لیے نصیحت ہےO اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لوگےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہےO وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہےO (صٓ: ٦٦۔٦٥)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ قیامت برحق ہے تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہا اور کہا: ہم نے اس سے پہلے یہ بات کسی دین میں نہیں سنی' یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے' نیز یہ کہا کہ کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دل آزار باتوں سے رنج پہنچتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو زائل کرنے کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے انبیاء سابقین کے واقعات آپ پر نازل کیے اور اس لیے بھی کہ کفار کو ان واقعات سے یہ اندازہ ہو کہ آپ نے کسی عالم کی شاگردی نہیں کی' کسی مکتب میں نہیں گئے' کسی کتاب کو نہیں پڑھا' پھر آپ نے انبیاء سابقین کے یہ واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے ہیں تو سوائے اللہ کی وحی کے آپ کے پاس علم کا اور کون سا ذریعہ تھا؟ ہوسکتا ہے یہ سوچ کر وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آ جائیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے اخروی ثواب کو اور کفار کے اخروی عذاب کو بیان فرمایا تا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اخروی عذاب سے ڈر کر یا اخروی ثواب کی طمع میں ایمان لے آئیں۔

اس بیان کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی مطالب اور مقاصد کو دہرایا جن کو اوّل سورت میں بیان فرمایا تھا اور توحید' رسالت اور وقوع قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ آپ کہیے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں' یعنی جو شخص اللہ کی توحید' میری رسالت اور وقوع قیامت کا انکار کرے گا میں اس کو بتاؤں گا کہ ایسے منکروں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں کس قسم کا عذاب پہنچائے گا اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے سے اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور وہ غالب اور قاہر ہو تو فرض کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی وقت اس کا شریک یہ چاہتا ہے کہ اس چیز کو پیدا نہ

کیا جائے تو اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ دونوں کا چاہا ہوا پورا ہو جائے' بہ یک وقت وہ چیز ہو اور نہ ہو اس لیے لامحالہ کسی ایک کا چاہا ہوا پورا ہوگا' یا اللہ کا یا اس کے شریک کا اور جس کا چاہا ہوا پورا ہوگا وہی غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب ہوگا' پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہو' جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر غالب ہو' نیز ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ تو سب پر غالب اور قاہر ہے' اب اس کا شریک بھی سب پر غالب اور قاہر ہے یا نہیں' اگر وہ سب پر غالب ہے تو اللہ پر بھی غالب ہے یا نہیں' اگر وہ اللہ پر غالب نہیں ہے تو سب پر غالب نہیں ہے اور اللہ کا مساوی نہیں ہے اور اگر وہ اللہ پر بھی غالب ہے تو اللہ مغلوب ہوگا اور غالب نہیں ہوگا اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور سارے جہان کا خالق نہیں ہو سکتا' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خدا نہ رہے اور سارے جہان کا خالق اور مالک نہ ہو' حالانکہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا خالق اور مالک ہے اور وہ سب پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب پر غالب ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہ ہو' جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر قاہر اور غالب ہو۔

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق احادیث

ص ٓ:۶۶ میں فرمایا: ''وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O''

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ واحد اور قہار ہے اور قہار ایسی صفت ہے جو ترہیب اور تخویف پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قہار ہونے کو یاد کرے گا تو خوف زدہ ہو جائے گا' اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کا ذکر فرمایا جو کہ ترغیب اور امید پر دلالت کرتی ہیں' کیونکہ ایمان اس کیفیت کا نام ہے جو کہ عذاب کے خوف اور مغفرت کی امید کے درمیان ہے۔ سو اس آیت میں پہلے اپنے رب ہونے کا ذکر فرمایا' اس کا رب ہونا اس معنیٰ کی خبر دیتا ہے کہ وہ پرورش کرتا ہے' احسان اور کرم فرماتا ہے اور رحمت فرماتا ہے اور اس کا غفار ہونا اس معنیٰ کی خبر دیتا ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے' پس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس کی مغفرت اور اس کی بخشش کی امید رکھنی چاہیے۔

حسب ذیل احادیث میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گناہ کر لیتا ہے' پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا تو میرا گناہ معاف فرما دے' (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کی مغفرت بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا' پھر وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا تو مجھ کو معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا' پھر جتنا وقت اللہ چاہتا ہے وہ بندہ گزارتا ہے' پھر گناہ کر لیتا ہے' پھر دعا کرتا ہے کہ مجھ سے گناہ ہو گیا تو میرے گناہ کو بخش دے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے' جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو تین بار معاف کر دیا' وہ جو چاہے عمل کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۳۸۴' عالم الکتب)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر بندہ بار بار گناہ کرے' سو بار یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ بار اور ہر بار توبہ کرے تو

اس کی توبہ قبول ہو گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں کی ایک ہی بار توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے: تو جو چاہے عمل کر' میں نے تجھ کو بخش دیا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا رہے گا میں تجھ کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج۱۱ص ۶۸۸۲۔۶۸۸۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ)

بار بار گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا بخش دینا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے (یعنی بغیر توبہ کے بار بار گناہ کرتا ہے) اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' اگر چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے' اس کی نیکی کو غلبہ دیتے ہوئے اور اس بندہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کا رب ہے جو خالق ہے' وہ عذاب بھی دیتا ہے اور بخشتا بھی ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا اس کے اس عقیدہ پر دلالت کرتا ہے' اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ جس گناہ کی وہ مغفرت طلب کر رہا ہے اس گناہ سے وہ توبہ کر چکا ہے' کیونکہ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ گناہ سے رجوع کرے اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرے اور فقط گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس معنیٰ میں توبہ بھی کی ہے اور بعض علماء نے توبہ کی تعریف میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اس کو اپنے فعل پر ندامت ہو اور بعض نے کہا ہے کہ توبہ کے لیے صرف ندامت کافی ہے کیونکہ گناہ کا تدارک اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ندامت سے ہی پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے: ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

(اس عبادت کا مفاد یہ ہے کہ استغفار کرنے اور توبہ کرنے میں فرق ہے اور کسی گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ بھی کر رہا ہو' لیکن اس بحث کے آخر میں حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ لوگوں میں معروف یہ ہے کہ استغفار کرنا توبہ کرنے کو مستلزم ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کی وسیع رحمت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس حدیث میں جس استغفار کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے استغفار کرے' حتیٰ کہ اس سے اصرار کی گرہ کھل جائے اور اس کو ندامت ہو اور ایسا استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت نعمان بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو فتنہ میں پڑنے کے بعد توبہ کریں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۲۰) اور اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ کرے' پس جب اس سے گناہ سرزد ہو گا تو وہ توبہ کرے گا اور اس سے مراد ایسا شخص نہیں ہے جو زبان سے تو استغفار کر رہا ہو اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو اور یہ ایسا استغفار ہے کہ اس استغفار سے بھی استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص اس حال میں استغفار کرے کہ وہ گناہ پر قائم ہو' وہ اس شخص کی مثل ہے جو اپنے رب سے مذاق کر رہا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۷۸)

میں نے جو پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ استغفار توبہ کا غیر ہے اور مغفرت طلب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ کر رہا ہو' یہ محض لفظی اعتبار سے ہے لیکن اکثر لوگوں کی استغفر اللہ سے مراد توبہ کرنا ہوتی ہے' پس جو شخص کسی گناہ پر استغفار کرتا ہے وہ اس گناہ سے لازماً توبہ بھی کرتا ہے۔ (المفہم ج۷ص ۸۵۔۸۴' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(فتح الباری ج۱۵ص ۴۴۱۔۴۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق دیگر یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کا ایک حل اور ہر مصیبت سے ایک نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوتے تو یہ آیت پڑھتے تھے:

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ (ص: ۶۶-۶۵)

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے ۝ وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ۝

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۰۰' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۶۱۵' یہ حدیث صحیح السند ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خطا کرتے رہو' حتیٰ کہ تمہاری خطائیں آسمان تک پہنچ جائیں' پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کرلے اور اس گناہ کو اتار دے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو وہ نکتے زیادہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے پورے دل کو ڈھانپ لیتے ہیں اور یہی وہ "ران" (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۴)

نہیں' بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ۝

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے' (یہ سلسلہ چلتا رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطا کرنے والا ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۴' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۲۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک بندہ کی روح نکلتے وقت اس کے حلقوم تک نہ پہنچ چکی ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم حتیٰ

الوسع اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اگر تم نے کوئی برا کام کیا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو' پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ کرو اور علی الاعلان گناہ کی علی الاعلان توبہ کرو۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہ بھلا دیتا ہے اور اس کے اعضاء اور زمین کی نشانیوں (مثلاً شجر و حجر) سے بھی اس کے گناہ بھلا دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۴۶۰۲' الترغیب والترہیب للاصبہانی رقم الحدیث: ۷۵۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے' پھر اس نے زمین والوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑا راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گزار) کا پتا بتایا گیا' وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی؟ اس نے کہا: نہیں' اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے پورے سو قتل کر دیئے' پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتہ دیا گیا' اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے' جاؤ فلاں فلاں جگہ پر جاؤ' وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بری جگہ ہے' وہ شخص روانہ ہوا' جب وہ آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کو موت نے آ لیا اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا' رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا' پھر ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا' انہوں نے اس کو اپنے درمیان حَکَم بنا لیا' اس نے کہا: دونوں زمینوں کی پیمائش کرو' وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا' جب انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا' پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا' حسن نے بیان کیا ہے کہ جب اس پر موت آئی تو اس نے اپنا سینہ پہلی جگہ سے دور کر لیا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۴۶)

تائب کے لیے بری جگہ اور برے لوگوں کو چھوڑ دینے کا استحباب

اس حدیث میں ہے: عالم نے کہا: تم فلاں فلاں علاقے میں جاؤ' وہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف لوٹ کر نہ جاؤ کیونکہ وہ بری زمین ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ جس زمین میں اس نے گناہ کیے ہوں اس کو چھوڑ دے اور جو لوگ اس کو گناہ کی دعوت دیتے ہوں اور گناہ میں اس کی معاونت کرتے ہوں ان سے مقاطعہ کرے تاوقتیکہ وہ لوگ بھی تائب نہ ہو جائیں اور یہ کہ علماء' صلحاء' عبادت گزاروں اور اہل تقویٰ کی صحبت اور مجلس کو اختیار کرے اور ان کی نصیحت اور مجلس سے فائدہ حاصل کرے۔

اولیاء کرام کی وجاہت

اس حدیث سے اولیاء کرام کی اللہ کے ہاں وجاہت اور قدر و منزلت معلوم ہوئی کہ اگر کوئی گناہ گار ان کے پاس جا کر توبہ کرنے کا صرف ارادہ کرے' ابھی وہاں گیا نہ ہو اور توبہ نہ کی ہو تب بھی بخش دیا جاتا ہے تو جو لوگ ان کے پاس جا کر ان کے

ہاتھ پر بیعت ہوں' توبہ کریں اور ان کے وظائف پر عمل کریں' ان کے مرتبہ اور مقام کا کیا عالم ہوگا اور یہ تو پہلی امتوں کے اولیاء کرام کی وجاہت ہے تو امت محمدیہ کے اولیاء کرام خصوصاً غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اللہ کے ہاں قدر ومنزلت اور وجاہت کا کیا عالم ہوگا اور جو مسلمان ان کے سلسلہ سے وابستہ ہیں ان کے لیے حصول مغفرت اور وسعت رحمت کی کتنی قوی امید ہوگی۔

لیلۃ القدر کا بڑا مرتبہ ہے' ایک رات میں عبادت کر لی جائے تو اس رات کی عبادت کا درجہ ایک ہزار راتوں کی عبادتوں سے زیادہ ہے' لیکن اگر کوئی اس رات کو پا کر عبادت نہ کرے تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا' لیکن اولیاء اللہ کی کیا شان ہے کہ کوئی ان کے پاس جا کر عبادت اور توبہ نہیں کرتا' صرف جانے کی نیت کر لیتا ہے تو بخش دیا جاتا ہے' یہی حال کعبہ کا ہے۔ کوئی شخص کعبہ کی زیارت اور اس میں عبادت کرے گا تو اجر وثواب ملے گا' اگر کعبہ تک نہیں پہنچا تو اجر وثواب نہیں ملے گا' پھر لیلۃ القدر اور کعبہ میں عبادت سے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے' بخشش کی ضمانت نہیں ہے' لیکن جو شخص اللہ والوں کے پاس جا کر توبہ کرنے کی نیت کر لے بخش دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O (ص: ۷۰۔۶۷)

بہت بڑی خبر کے مصداق میں متعدد احتمالات

ص: ۶۸۔۶۷ میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O''

اس آیت میں کس خبر کو فرمایا ہے وہ بہت بڑی خبر ہے' اس میں کئی احتمال ہیں (ا) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے' یہ بہت بڑی خبر ہے (ب) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں' یہ بہت بڑی خبر ہے (ج) قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور یہ معجز کلام ہے' یہ بہت بڑی خبر ہے (د) قیامت برحق ہے' صور پھونکنے کے بعد یہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی' پھر دوسرے صور کے بعد سب لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب اور کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے' پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء اور سزا دی جائے گی' یہ بہت بڑی خبر ہے۔

اس سورت کے شروع میں ان چاروں چیزوں کی خبر دی گئی ہے اور یہ بہت عظیم اور اہم خبر ہے اور کفار مکہ ان خبروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سننے کے باوجود ان خبروں سے اعراض کرتے تھے' بلکہ ان خبروں کا انکار اور ان کی تکذیب کرتے تھے' ان چیزوں کی خبر اس قدر اہم اور اس قدر عظیم ہے کہ اگر ان کا انکار کر دیا جائے تو انسان دنیا میں مذمت اور ملامت کا اور آخرت میں عقاب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ان چیزوں کی تصدیق کرے' ان پر ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو دنیا میں اس کی تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں اللہ اپنے فضل سے اس کو اجر وثواب عطا فرمائے گا اور جنات الفردوس میں اس کو داخل فرمائے گا۔ اس لیے عقل سلیم یہ واجب کرتی ہے کہ ان کے متعلق سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے' ان پر کامل غور وفکر کیا جائے اور محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے ان کا انکار نہ کیا جائے۔

''الملاء الاعلیٰ'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے تخلیق آدم کے متعلق مشورہ لیا گیا

ص: ۷۰۔۶۹ میں فرمایا: ''(آپ کہیے:) جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O''

اس آیت میں ''الملاء الاعلیٰ'' کا لفظ ہے' الملاء کا معنیٰ ہے: وہ جماعت جو کسی ایک نظریہ اور ایک رائے پر متفق ہو

جائے اور وہ جماعت دیکھنے والوں کے نزدیک عظیم ہو جب وہ اس جماعت کو دیکھیں تو سیر ہو کر اور نظر بھر کر دیکھیں۔ (المفردات ج ۲ص ۶۱۲) اور "الملاء الاعلیٰ" کا معنیٰ ہے: بہت بلند اور بہت عظیم جماعت اور اس کا مصداق ہے فرشتوں کی عظیم جماعت اور ملائکہ مقربین۔

یہ ملائکہ مقربین کس چیز میں اور کس سے بحث کر رہے تھے' اس کی دو تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے کہ آدم کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس کو پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے' تیری تسبیح اور تحمید کرنے کے لیے ہم کافی ہیں اور رہا یہ آدم تو اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زمین میں فتنہ و فساد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے جواب کی تقریر اس طرح کی ہے کہ عقلی اعتبار سے مخلوقات کی چار اقسام ہیں:

(۱) وہ مخلوق جس کو عقل اور حکمت حاصل ہو اور اس کا نفس شہوانی نہ ہو اور نہ اس میں قوت غضبیہ ہو' یہ فرشتے ہیں۔

(۲) وہ مخلوق جس میں شہوت اور غضب کی قوت ہو اور اس میں عقل اور حکمت نہ ہو' یہ بہائم اور حیوانات ہیں۔

(۳) وہ مخلوق جس میں نہ عقل اور حکمت ہو اور نہ شہوت اور غضب ہو' یہ جمادات ہیں۔

(۴) وہ مخلوق جس میں عقل اور حکمت بھی ہو اور شہوت اور غضب بھی ہو اور یہ انسان اور بشر ہیں۔

انسان کی تخلیق سے مقصود ایک دوسرے کی اندھی تقلید نہیں ہے' نہ تکبر اور سرکشی ہے۔ کیونکہ یہ حیوانات اور درندوں کی صفات ہیں' بلکہ اس کی تخلیق سے مقصود علم اور حکمت کے تقاضوں کا ظہور ہے اور انسان کی سرشت میں اگرچہ شہوت رکھی گئی ہے جس کے نتیجہ میں فساد کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی سرشت میں غضب کو بھی رکھا جس کی وجہ سے وہ خون ریزی کرتا ہے' لیکن اس کی فطرت میں عقل بھی رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی محبت اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی محرک ہے' گویا اللہ تعالیٰ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے فرشتو! تم نے انسان کی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو دیکھا اور میں نے انسان میں جو عقل اور حکمت رکھی ہے تم نے اس کے تقاضوں کو نہیں دیکھا۔ میری اطاعت اور عبادت اور تسبیح اور تقدیس تم بھی کرتے ہو لیکن تمہارے خمیر میں اس سے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہے' سو تمہاری اطاعت اور عبادت سے اس کی عبادت اور اطاعت زیادہ قابل قدر ہے جس کے خمیر میں اطاعت اور عبادت سے مانع اور مزاحم بھی ہے۔

حسب ذیل مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ "الملاء الاعلیٰ" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تخلیق آدم کے متعلق اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (ص: ۶۹) کی تفسیر میں فرمایا: الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو انہوں نے اس میں بحث کی' ان کی رائے یہ تھی کہ آدم کو پیدا نہ کیا جائے۔ سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

(جامع البیان جز ۲۳ص ۲۱۹' رقم الحدیث: ۲۳۰۹۹۔۲۳۰۹۸۔۲۳۰۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ' علامہ ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ وغیرھم نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

''الملاء الاعلیٰ'' کی دوسری تفسیر کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو گناہوں کے کفارے میں بحث کر رہے تھے

الملاء الاعلیٰ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس چیز میں بحث کر رہے تھے کہ وہ کون سے نیک کام ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات میرے پاس میرا رب تبارک وتعالیٰ بہت حسین صورت میں آیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی خواب میں' پس فرمایا: یا محمد! کیا تم کو معلوم ہے کہ الملاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا' حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی' پھر مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں' فرمایا: یا محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! کفارات میں' اور نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا کفارات ہیں اور زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور تکلیف اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنا کفارات ہیں اور جس نے یہ کام کیے وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا' جس دن وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! جب تم نماز پڑھو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب تو اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو میری روح کو اپنی طرف اس حال میں قبض کرنا کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو اور فرمایا: بلند درجات ان کاموں سے حاصل ہوتے ہیں: سلام کو پھیلانا' کھانا کھلانا اور رات کو اٹھ کر اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴' تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۶۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۲۰' الشریعہ للآجری ص ۴۹۶' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۶۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۵۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرا رب بہت حسین صورت میں آیا' پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: میرے رب! میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں' فرمایا: الملاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میرے رب! مجھے معلوم نہیں' پھر اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی' پھر مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا' پھر فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: میں تیرے سامنے حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں' فرمایا: الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: درجات میں اور کفارات میں اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے چل کر جانے میں اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنے میں اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں اور جو ان کاموں کی حفاظت کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا' جیسے اس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۶۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۷' الشریعہ للآجری ص ۴۹۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۵۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز کے لیے آنے میں کافی تاخیر ہوگئی' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے' پھر آپ جلدی جلدی تشریف لائے' پس نماز کی اقامت کہی گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی' سلام پھیرنے کے بعد آپ نے ہم سے بلند آواز میں فرمایا: جس طرح بیٹھے ہو اسی طرح اپنی صفوں میں بیٹھے رہو' پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس وجہ سے مجھے نماز فجر کے لیے آنے میں تاخیر ہوگئی' میں رات کو اٹھا' میں نے وضو کیا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی میں نے اتنی نماز پڑھی پھر مجھے اونگھ آ گئی تو اچانک میرے سامنے میرا رب تبارک وتعالیٰ نہایت حسین صورت میں تھا۔ پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: الملاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! مجھے معلوم نہیں' یہ مکالمہ تین بار ہوا' پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی' پھر ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو پہچان لیا' پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: لبیک اے میرے رب! فرمایا: الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کفارات میں' فرمایا: وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے چل کر جانا ہے اور نمازوں کے بعد مساجد میں بیٹھنا ہے اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنا ہے۔ فرمایا: پھر کس چیز میں کفارہ ہے؟ میں نے کہا: کھانا کھلانے میں اور نرمی سے بات کرنے میں اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں اس وقت نماز پڑھنے میں' پھر فرمایا: سوال کرو' تو میں نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے نیک کام کرنے کا اور برے کاموں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے بغیر فتنہ میں ڈالے اٹھا لینا اور میں تجھ سے تیری محبت کا اور جو تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت کا اور جو عمل تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات برحق ہیں' تم ان کو یاد کرو' پھر ان کو پڑھاؤ۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۵۳' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۲۱۶' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۶۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۲۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۹۱۹)

مفسرین میں سے الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ' علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ' وغیرہم نے بھی اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۷۷' لباب التاویل للخازن ج ۴ ص ۷۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۴' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۷۶' فتح القدیر ج ۴ ص ۵۸۴' فتح البیان ج ۶ ص ۴۱)

اللہ تعالیٰ کی صورت اور اس کے ہاتھوں کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین کے نظریات

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے رب عز وجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا' اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا کیا معنیٰ ہے؟ اس میں امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ہم صورت میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی صورت سے مراد اس کی وہ صورت ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے' لیکن متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ مخالفین اسلام نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ صورت تو کسی جسم کی ہوتی ہے' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو اور جسم مرکب ہوتا ہے اور اپنے تحقق اور وجود میں اپنے اجزاء کا

محتاج ہوتا ہے تو اللہ کی صورت ماننے سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے گا تو متاخرین نے اس کے دو جواب دیئے: ایک جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اس سے مراد اللہ عزوجل کی صورت نہیں ہے' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صورت ہے' یعنی جب میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو میری بہت حسین صورت تھی' دوسرا جواب یہ ہے کہ صورت کا معنی صفت ہے یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بہت حسین وجمیل صفت میں تھا' یعنی وہ حسن و جمال عطا کرنے والا تھا اور اکرام اور افضال کرنے والا تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور متاخرین کے نزدیک اس میں تاویل ہے اور ہاتھ سے مراد اس کی قوت اور اس کا جود و کرم اور اس کی عطا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا جانا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کلی عطا فرمایا اور تمام حقائق اشیاء پر آپ کو مطلع فرما دیا' کیونکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: پس میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: پس ہر چیز میرے لیے منکشف ہو گئی اور میں نے (ہر چیز کو) جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵)

وجہ استدلال یہ ہے کہ پہلی دو حدیثوں میں لفظ ''ما'' ہے ''فعلمت ما فی السموت وما فی الارض'' اور ''فعلمت ما بین المشرق والمغرب'' اور تیسری حدیث میں لفظ ''کل'' ہے (فتجلی لی کل شیء وعرفت) اور ''ما'' اور ''کل'' کے الفاظ کی وضع عموم کے لیے کی گئی ہے اور ان کی عموم پر دلالت قطعی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم کے عموم پر دلیل ہے:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ . (النساء: ۱۱۳) آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں بھی لفظ ''ما'' ہے اور ''ما'' کی عموم پر قطعی دلالت ہے' مخالفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی حاصل ہوتا تو پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی تو آپ فوراً اس کا رد کر دیتے' حالانکہ جب تک وحی نازل نہیں ہوئی تقریباً ایک ماہ تک آپ اس معاملہ میں پریشان اور غمگین رہے' اسی طرح جب ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو آپ اس کو تلاش نہ کراتے اور فوراً بتا دیتے کہ ہار فلاں جگہ پڑا ہوا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام واقعات اخبار احاد سے ثابت ہیں جو ظنی ہیں اور ہمارا استدلال اس آیت سے ہے جو قطعی ہے اور اس آیت میں اور جن احادیث سے ہم نے استدلال کیا ہے ان میں لفظ ''ما'' ہے اور اس کا عموم قطعی ہے اور قطعی کے خلاف ظنی سے معارضہ کرنا باطل ہے۔

منکرین عموم علم رسالت کا آپ کے علم کلی پر اعتراض

ہم نے جن احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر استدلال کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے منکرین عموم علم رسالت یہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو سب چیزوں کا علم ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھایا تو پھر وہ سب علم زائل ہو گیا۔ جیسے جب اندھیرے میں بجلی چمکے یا ٹارچ جلائی جائے تو ہم کو

چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور جب بجلی غائب ہو جائے یا ٹارچ بجھ جائے تو پھر اندھیرا ہو جاتا ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کے جوابات

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ (الضحیٰ:۴) آپ کی بعد والی ساعت پہلے والی ساعت سے افضل اور بہتر ہے ○

اور جب پہلی ساعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا تو بعد والی ساعت میں اس سے زیادہ علم دیا جائے گا' اس سے کم علم ہونا اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲) علم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کا شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ○ (ابراہیم:۷) اور جب تمہارے رب نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشاکرین ہیں' کائنات میں سب سے زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں' اس لیے یہ تو ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ بعد کی ساعت میں آپ کو اور علم عطا کیا جائے' یہ ممکن نہیں ہے کہ دیا ہوا علم بھی واپس لے لیا جائے جیسا کہ مخالفین کا قول ہے' کیونکہ یہ اس وقت ہوگا جب آپ شکر گزار نہ ہوں اور آپ سید الشاکرین ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم زیادہ کر ○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مطلوب یہ ہے کہ آپ کے علم کو زیادہ کرے اور علم عطا فرما کر اس کو واپس لے لینا اس آیت اور اس مطلوب کے خلاف ہے۔

(۴) یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھا لیا تو آپ کا علم جاتا رہا' ان احادیث کی صراحت کے خلاف ہے' کیونکہ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں اور اللہ کے ہاتھ رکھنے کے بعد آپ کو علم ہو گیا کہ فرشتے ان کاموں کے متعلق بحث کر رہے ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور آپ کا یہ علم برقرار رہا کیونکہ بعد میں آپ نے صحابہ کرام کو وہ کام بتائے جو گناہوں کا کفارہ ہیں۔

(۵) ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا گیا ہے' اب منکرین وہ حدیث بیان کریں جس میں یہ تصریح ہو کہ آپ سے یہ علم واپس لے لیا گیا۔

(۶) منکرین نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو علم ہو گیا اور جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھایا تو آپ کا علم چلا گیا' ان کا یہ قول بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کا حال بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّاۤ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ○ (البقرہ:۱۷) پس جب آگ نے ان کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا' تو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور ان کو ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھ سکتے ○

منکرین عموم علم رسالت نے اپنے اس قول میں' جو آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کیا ہے اور یہ بہت سخت جسارت ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری باب قتل الخوارج ص ۱۴۶۲' دارارقم بیروت' صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴' اصح المطابع' کراچی)

خوارج تو صرف کفار کی آیات کو مؤمنوں پر منطبق کرتے تھے تو ان کا کیا درجہ ہوگا جو منافقین کی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کریں۔

اگر آپ کو علم کلی دے دیا گیا تھا تو پھر بعد میں قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟

ہم نے النساء: ۱۱۳ (**علمک ما لم تکن تعلم**) سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی پر استدلال کیا ہے' اس پر اعتراض کرتے ہوئے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اگر اس آیت کا یہ معنیٰ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ سب آپ کو بتلا دیا اور آپ کو علم کلی حاصل ہو گیا اور تمام احکام شرعیہ آپ کو معلوم ہو گئے' تو چاہیے تھا کہ اس کے بعد مزید قرآن مجید نازل نہ ہوتا' کیونکہ آپ کو تمام احکام شرعیہ معلوم ہو چکے تھے' پھر باقی قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی بہت حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں نماز کی فرضیت سے متعلق ''اقیموا الصلوٰۃ'' بارہ مرتبہ نازل ہوئی ہے' ظاہر ہے کہ ایک آیت کے نازل ہونے سے ہی نماز کی فرضیت کا علم ہو گیا تھا' اب باقی گیارہ مرتبہ یہ آیت' دیگر وجوہ کی بناء پر نازل ہوئی ہے' اس لیے ''**علمک ما لم تکن تعلم**'' کے نزول کے بعد باقی قرآن کا نازل ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس آیت سے علم کلی حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی اور بھی بہت نظائر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر امت کے علم کے عموم سے معارضہ اور اس کا جواب

اس دلیل پر مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق النساء ۱۱۳ میں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے' اسی طرح عام مسلمانوں کے متعلق ہے:

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○ (البقرہ: ۱۵۱) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ان تمام باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے ○

پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ امت کا علم' آپ کے علم کے مساوی ہو جائے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں پر ''ما'' عموم کے لیے نہیں ہے' بلکہ مجازاً خصوص کے لیے ہے' یعنی آپ نے ان کو احکام شرعیہ اور بہ قدر ضرورت غیب کی خبروں کی تعلیم دی اور اگر یہ کہا جائے کہ جب یہاں ''ما'' کو عموم پر محمول نہیں کیا تو النساء: ۱۱۳ میں بھی اس کو اس عموم پر محمول نہ کیا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی قرینہ کی بناء پر کسی لفظ کو حقیقت پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ اس کو مجاز پر محمول کیا جائے' حدیث میں ہے:

لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب. جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷)

لا نفی جنس کے لیے آتا ہے' اس لیے اس حدیث کا معنیٰ یہ ہونا چاہیے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز بالکل نہیں ہوتی' لیکن چونکہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے اس لیے اس حدیث میں لا مجازاً نفی کمال پر محمول ہے' یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اب ہر جگہ لا نفی کمال کے لیے ہو حتیٰ کہ کوئی شخص یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لا نفی کمال کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کامل خدا نہیں ہے اور ناقص خدا موجود ہیں' بلکہ یہاں پر اپنی اصل کے مطابق لا نفی جنس کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون" میں ضمیر خطاب "کم" جمع ہے اور "مالم تکونوا تعلمون" میں ما بھی عموم کے لیے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہو تو احاد کی تقسیم احاد کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں: لبس القوم ثیابھم' قوم نے اپنے کپڑے پہن لیے' اسی طرح اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے تمام امت کو مجموعی احکام شرعیہ سکھا دیئے اور النساء: ۱۱۳ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا آپ کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا' اس سے امت کی آپ کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی۔

اس جواب کی زیادہ تفصیل "مقام ولایت ونبوت" ص ۱۰۵۔۶۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں ○ سو جب میں اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا ○ تو سب کے سب تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا ○ سوا ابلیس کے' اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا ○ فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ ○ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے ○ (صٓ ۷۶۔۷۱)

بشر کا معنیٰ اور اس کی تخلیق کا مادہ

صٓ: ۷۱ میں فرمایا ہے: "میں بشر کو گیلی مٹی سے بنانے والا ہوں" اور ایک اور جگہ فرمایا ہے:

إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ○ (الحجر: ۲۸) — میں کھنکھناتے ہوئے سیاہ سڑے ہوئے گارے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں ○

بشر کی خلقت کا مادہ پہلے گیلی مٹی تھی' پھر وہ مٹی پڑے پڑے سیاہ سڑا ہوا گارا ہو گئی اور خشک ہونے کے بعد وہ کھنکھناتی ہوئی مٹی ہو گئی جیسے ٹھیکرا ہوتا ہے۔

بشر کا معنیٰ ہے: ظاہری جلد اور کھال' انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی جلد صاف اور ظاہر ہوتی ہے' اس کے برخلاف حیوانات کی جلد بالوں سے یا اون سے یا پشم سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے' بعض مفسرین نے کہا: انسان کو بشر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تخلیق کے لیے اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھوں سے مباشر ہوا تھا' یعنی خود اپنے ہاتھوں سے متصف ہوا تھا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ. (آل عمران: ۵۹) — بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جس کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔

گویا انسان کی خلقت کا ابتدائی مادہ مٹی ہے' پھر اس میں پانی ملا کر اس کو گوندھا گیا تو وہ گیلی مٹی بنا' پھر وہ پڑے پڑے سیاہ

بد بودار گارا ہو گیا اور سوکھ کر ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی ہو گیا۔

روح کا معنیٰ' روح پھونکنے کا محمل اور ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیم کا عدم جواز

صٓ :۷۲ میں فرمایا: سو جب میں اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاناO

''سویتہ'' کا لغوی معنی ہے: میں اس کو درست بنالوں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں اس کا پتلا بنالوں اور اس کو انسانی صورت میں ڈھال لوں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب قالب پوری طرح درست اور مکمل ہو جائے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ پہلے رحم میں نطفہ ہوتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳) اور عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح انسان میں حقیقت کی روح اس وقت پھونکی جاتی ہے جب وہ شریعت اور طریقت کے تقاضوں پر عمل کر کے درست اور کامل ہو جاتا ہے۔ روح پھونکنا ایک استعارہ ہے' حقیقت میں کوئی پھونک نہیں ہوتی' بلکہ روح کو جسم میں جاری کر دیا جاتا ہے اور جسم کے تمام اعضاء میں روح کا نفوذ اس طرح ہوتا ہے جس طرح انگارہ میں آگ کا حلول ہوتا ہے یا جس طرح پتے میں پانی کی نمی کا حلول ہوتا ہے یا پھول میں خوشبو کا حلول ہوتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے اور یا اس روح کا مرتبہ بڑھانے اور اس کی تعظیم اور تکریم ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اضافت کی ہے۔

روح کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ یہ ہے: وہ ایک جسم لطیف ہے جس کا بخار کی شکل میں تمام جسم میں حلول ہے' وہ حواس ظاہرہ' حواس باطنہ اور جسم کی تمام قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ بدن کے فانی ہونے سے یہ روح بھی فانی ہو جاتی ہے اور روح کا دوسرا معنیٰ ہے: نفس ناطقہ اور لطیفہ ربانیہ' یہ نفس حیوانی کی قوتوں کی حامل ہوتی ہے' اس روح پر فنا نہیں ہے' یہ بدن کے فانی ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے بنو اسرائیل: ۸۵ میں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۳۔۷۸۶۔

اس کے بعد فرمایا: تو تم سب سجدہ میں گر جانا' سجدہ کا اطلاق حد رکوع تک جھکنے پر بھی ہوتا ہے اور زمین پر چہرہ رکھنے پر بھی سجدہ کا اطلاق ہوتا ہے' چونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: تم سب سجدہ میں گر جانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سجدہ سے مراد حد رکوع تک جھکنا نہیں ہے بلکہ زمین پر چہرہ رکھنا مراد ہے۔

یہ سجدۂ تعظیم تھا' سجدہ عبودیت نہیں تھا' سجدۂ تعظیم سابقہ شریعتوں میں جائز تھا' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا تھا اور سجدہ عبودیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ عبودیت کرنا جائز نہیں ہے اور ہماری شریعت میں مخلوق کے سامنے سجدۂ تعظیم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قیس بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ (کوفہ سے تین میل دور ایک شہر جس کو آج کل نجف کہتے ہیں) میں گیا' میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں' تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اس

کوسجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تو پھر نہ کرو' اگر میں کسی کو دوسرے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کے خاوندوں کا حق رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۴۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۱' ج ۵ ص ۲۲۷' ج ۶ ص ۷۶)

ابلیس کا معنیٰ اور اس کا جنات میں سے ہونا

صٓ: ۷۴۔۷۳ میں فرمایا: ''تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیاO سوا ابلیس کے' اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیاO

پہلے فرمایا: ''فسجد الملائکۃ'' فرشتوں نے سجدہ کیا۔ الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے' لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر لیتے اور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے' پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا' اس لیے اس کے بعد ''کلھم'' فرمایا' تاکہ ظاہر ہو کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے' لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ کرتے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کرتے' تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے' اس لیے اس کے بعد ''اجمعون'' فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے اور بہ یک وقت سجدہ کیا ہے۔

ابلیس اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے جن ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف: ۵۰) وہ جنات میں سے تھا' سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا' اس لیے اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا' اس سے پہلے اس کا نام عزازیل اور الحارث تھا' بعد میں جب وہ راندۂ درگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تو پھر اس کا نام ابلیس ہو گیا ''کان من الکافرین'' کا معنیٰ ہے: وہ کافروں میں سے تھا' یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ کافروں میں سے تھا یا یہ کان' صار کے معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

حضرت آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: فرمایا: ''اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہےO'' (صٓ: ۷۶۔۷۵)

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' اللہ تعالیٰ ہر چیز کو لفظ ''کن'' سے پیدا فرماتا ہے' لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا: میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' ان کی پیدائش کے لیے ماں باپ کو واسطہ نہیں بنایا' نہ کسی ایک کے نطفہ کا ان کی تخلیق میں دخل ہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے' اس کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر آدم کو آگ سے پیدا کیا جاتا تو میں پھر بھی اس کو سجدہ نہ کرتا کیونکہ وہ اس صورت میں میری مثل ہوتا' چہ جائیکہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے اور مجھ سے کم تر ہے۔ کیونکہ آگ مٹی پر غالب ہوتی اور اس کو کھا جاتی ہے اور برتر کا کم تر کو سجدہ کرنا اور اس کی

تعظیم کرنا درست نہیں ہے۔

مٹی کا آگ سے افضل ہونا

ابلیس کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے' حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے۔

(۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(۲) مٹی امین ہے' مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اگا کر بیج کو پھر کئی گنا کر کے لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے' آگ میں جو کچھ ڈالا جائے آگ اس کو بھسم کر دیتی ہے۔

(۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے' مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے' روئی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے' اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا' بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا نہیں ہے' بگڑ جاتا ہے۔

(۶) آگ خود بہ خود قائم نہیں ہو سکتی' اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے' سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں' مثلاً اس سے کھانا پکتا ہے' روشنی حاصل ہوتی ہے' لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے' کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے' سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے' اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے ہیں' زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو فراش' بساط اور قرار بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے' دھمکانے اور عذاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنایا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ کا گھر بنایا گیا' انبیاء علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے' حتیٰ کہ اس کو اسفل السافلین میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۷۸)

حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم انکسار اور تواضع کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷)

ابلیس کے اس زعم کا بطلان کہ وہ حضرت آدم سے افضل ہے

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ ابلیس لعین کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں' اس لیے وہ حضرت آدم سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں ہے کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے' اس لیے اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے' لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہو تو کسی مرکب کے تحقق کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں۔

علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق اللّٰه آدم علی صورته. آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۶' عالم الکتب' بیروت)

اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کن'' سے بنایا اور حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' فرمایا: ''خَلَقْتُ بِيَدَيَّ''. (ص: ۷۵) جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لیے بنایا' فرمایا: ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' (البقرہ: ۳۰)

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے ابلیس سے افضل تھے اور اس کا ''انا خیر منه'' کہنا بے جا غرور اور جھوٹا تکبر تھا۔

تکبر کی مذمت میں احادیث

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تکبر کا ذکر کیا ہے اور اس کے تکبر کی وجہ سے اس کو ملعون اور مردود قرار دیا' حسب ذیل احادیث میں تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے کہ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے' جو ان میں کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۴۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو مدینہ میں جہاں چاہتے لے جاتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۸۲' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۳۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت کرتے تھے' جنازہ کے ساتھ جاتے تھے' نوکر اور خادم کی دعوت قبول کر لیتے تھے' جنگ قریظہ اور نضیر کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے اور جنگ خیبر کے دن دراز گوش پر سوار تھے اور کھجور کی چھال کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور آپ کے نیچے کھجور کی چھال کی گدی تھی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: تو اس جنت سے نکل جا بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے O فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے O اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا O (صٓ: ۸۵۔۷۷)

صٓ: ۷۷ میں فرمایا: ''تو اس سے نکل جا'' اس سے مراد ہے: تو اس جنت سے نکل جا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے: تو آسمانوں سے نکل جا' نیز فرمایا: بے شک تو رجیم ہے' رجیم بہ معنی مرجوم ہے' یعنی تو دھتکارا ہوا ہے' اس سے مراد ہے: تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارا ہوا ہے یا ہر خیر سے دھتکارا ہوا ہے' یا اس کا معنیٰ ہے: جب تو آسمانوں کے قریب آئے گا تو تجھے آگ کے گولوں سے رجم کیا جائے گا۔

صٓ: ۷۸ میں فرمایا: ''بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے'' اس کا معنیٰ ہے: تو قیامت تک میری رحمت سے دور رہے گا اور اس کا یہ معنیٰ بھی ہے: قیامت تک لعنت کرنے والے تجھ پر لعنت کرتے رہیں گے۔

صٓ: ۷۹ میں فرمایا: ''اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے''۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''الی یوم یبعثون'' جس دن جزاء کے لیے لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا' اس کی مراد یہ تھی کہ شیطان کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت مل جائے' نیز اس کی مراد یہ تھی کہ اس کو موت سے نجات مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جھوٹا ہو جائے کہ ہر شخص کو موت آئے گی' کیونکہ حشر کے دن کے بعد موت نہیں ہے۔

صٓ: ۸۱۔۸۰ میں فرمایا: ''بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے''

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ابلیس کو قیامت تک کی مہلت دی گئی ہے' لیکن قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے چیلوں کو بھی قیامت تک کی مہلت ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ شیاطین میں توالد اور تناسل ہوتا ہے اور ان کی اولاد قیامت تک زندہ رہے گی اور جنات میں بھی توالد ہوتا ہے لیکن ان پر موت بھی آتی ہے۔ شیطان نے یہ دعا کی تھی کہ اس کو حشر تک موت نہ آئے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو قیامت تک موت نہیں آئے گی اور اس لعین کا جو یہ مقصد تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول کو جھوٹا کر دے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

صٓ: ۸۳۔۸۲ میں فرمایا: اس نے کہا: ''پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O''

اگر ابلیس چاہتا تو مطلقاً یوں کہہ دیتا: ''میں ضرور ان سب کو گم راہ کردوں گا'' اور اگر وہ ایسا کہتا تو اس کا یہ قول جھوٹ ہو جاتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور مخلص بندوں مثلاً انبیاء علیہم السلام کو وہ گم راہ نہیں کر سکتا تھا' اس لیے اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے یہ استثناء کیا اور کہا: میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گم راہ کردوں گا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جھوٹ ایسی برائی ہے کہ شیطان بھی اس سے بچنا چاہتا ہے' تو پھر انسان کو بلکہ مسلمان کو تو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔

اس آیت میں مخلص بندوں کا ذکر ہے' مخلَص (لام پر زبر کے ساتھ) بندے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر لیا اور ان کو گم راہی سے محفوظ رکھا اور اگر مخلص میں لام پر زیر ہو تو اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنے دلوں کو اور اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور اس میں ریاکاری کا شائبہ بھی نہیں ہونے دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مخلص بندے وہ ہیں جو دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں' ان کے ذکر پر فرشتے بھی مطلع نہیں ہوتے کہ اس کو لکھ سکیں اور نہ شیطان اس پر مطلع ہوتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے' شیطان ان کو گم راہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ اس کے شر سے مطلقاً محفوظ ہوتے ہیں۔

صٓ: ۸۵۔۸۴ میں فرمایا: ''فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا O''

امام رازی کے اس پر دلائل کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا ہے

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: ''تو اس جنت سے نکل جا' بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O'' (صٓ: ۷۸۔۷۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ابلیس ایمان نہیں لائے گا' پس اگر ابلیس ایمان لے آئے تو اللہ کی خبر صادق کاذب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے' پس ابلیس کا ایمان لانا محال ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے (یعنی ابلیس کا ایمان نہ لانا' اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہے)۔

(۲) ابلیس نے کہا: ''پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گم راہ کردوں گا O'' (صٓ: ۸۲) اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابلیس اس کے بندوں کو گم راہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا دعویٰ سنا اور وہ ابلیس کو اس سے منع کرنے اور روکنے پر قادر تھا اور جب کوئی شخص کسی کو کسی کام سے روکنے پر قادر ہو اس کے باوجود اس کو منع نہ کرے تو وہ اس کام سے راضی ہوتا ہے (یعنی اللہ اس سے راضی ہے کہ ابلیس لوگوں کو گم راہ کرے)۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا' پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق کذب سے بدل جائے گا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا اور یہ محال ہے (یعنی لوگوں کا کفر کرنا اللہ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے)۔

(۴) اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو واجب تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ابلیس اور شیطان مر جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

(۵) اگر ان کافروں کو ایمان کا مکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان

نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے مکلف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔یعنی انسان کو اس چیز کا مکلف کرنا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۶ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دلائل کے جوابات اور بحث ونظر

امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ العزیز علم اور حکمت میں ایک بحر ناپیدا کنار ہیں اور میں ان کے علوم وافرہ کے سامنے بہ مشکل ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہوں' اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا اور مجھے ان کے تلامذہ کی صف میں بھی بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تو میں اس کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار گردانتا' میں نے اپنی اس تفسیر میں ان کی تحقیقات' تدقیقات اور نکات آفرینیوں سے بہت استفادہ کیا ہے اور میں ہمیشہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو رہتا ہوں' مجھے ان سے بہت محبت اور بے حد عقیدت ہے' اس کے باوجود بعض مسائل میں' میں نہایت ادب اور احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کرتا ہوں' سو زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا ہے' شیطان کا سجدہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا' اس کا لوگوں کو گم راہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا۔لوگوں کا کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے اور یہی وہ تقریر ہے جو عام طور پر دہریے اور زندیق کرتے ہیں' ہم اس قسم کے عقائد اور نظریات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اگر یہ نظریہ اور عقیدہ درست ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس قدر مذمت کیوں کی' اس کو لعنتی کیوں قرار دیا اور شیطان کو اور اس کے متبعین کو دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید کیوں سنائی۔انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی تبلیغ کرنے کے لیے کیوں بھیجا۔نیکی کرنے والوں کو دائمی اجر وثواب کی بشارت کیوں دی اور بُرائی کرنے والوں کو ابدی عذاب کی وعید کیوں سنائی' جنت اور دوزخ کو کیوں بنایا' آسمانی کتابیں کیوں نازل فرمائیں۔اگر دنیا میں کفر اور معصیت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے عمل پذیر ہو تو ان سوالات کا جواب نہیں دیا جا سکتا' پھر شرعی نظام بالکل فضول اور عبث ہو گا اور رشد و ہدایت کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔

اب آیئے امام رازی کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں:

امام رازی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے' اگر وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو جائے گی اور اس کی خبر کا کاذب ہونا محال ہے' لہٰذا ابلیس کا ایمان لانا محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ابلیس کا ایمان لانا ممکن ہے' یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے اور جب یہ ملحوظ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے' سو اس کا ایمان لانا ممکن بالذات اور محال بالغیر ہے اور ابلیس فی نفسہٖ ایمان لانے کا مکلف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خبر سے قطع نظر کر کے اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال بالغیر ہے اور اس لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے۔

امام رازی کی تقریر پر نقض اجمالی یہ ہے کہ اس طرح ہر شخص کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ایمان لانا محال ہو گا یا واجب

ہوگا' مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضرت ابوبکر ایمان لائیں گے۔ اب اگر وہ ایمان نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور اللہ تعالیٰ کا جہل محال ہے' پس حضرت ابوبکر کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہوا اور ان کا ایمان نہ لانا محال ہو گیا اور واجب یا محال کا انسان کو مکلف نہیں کیا جاتا' بلکہ انسان کو اس کام کا مکلف کیا جاتا ہے جس کو کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔ اسی طرح مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابوجہل ایمان نہیں لائے گا' اب اگر وہ ایمان لے آتا تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور یہ محال ہے' پس اس کا ایمان لانا محال ہوا اور اس کا ایمان نہ لانا ضروری اور واجب ہوا اور مکلف اس کام کا کیا جاتا ہے جو فی نفسہٖ ممکن ہو نہ کہ وہ جس کا ہونا ضروری ہو یا محال ہو' لہٰذا حضرت ابوبکر کو ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح ہوا نہ ابوجہل کو بلکہ کائنات میں کسی شخص کو بھی ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوا' کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے متعلق علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا یا نہیں لائے گا اور اس کے علم کے اعتبار سے اس کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہو گا یا محال ہو گا اور مکلف ممکن کا کیا جاتا ہے اور اس کا حل یعنی نقض تفصیلی یہ ہے کہ ابلیس ہو یا کوئی اور شخص ہو' ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہٖ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ کے علم میں اس کا ایمان لانا ہے یا ایمان نہیں لانا۔ اسی طرح ابلیس ہو یا کوئی اور شخص ہو' ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہٖ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان لانے کی خبر دی ہے یا ایمان نہ لانے کی۔

امام رازی کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا کہ وہ لوگوں کو گم راہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو منع نہیں کیا اور روکا نہیں اور نہ روکنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گم راہ کرنے پر راضی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابلیس نے یہ کہا کہ وہ نفوس قدسیہ کے سوا سب لوگوں کو گم راہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ وعید سنائی کہ میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا اور یہی روکنا اور منع کرنا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ روکنے اور منع کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو وسوسہ ڈالنے اور برائی کی ترغیب دینے کی قدرت سلب کر لیتا تو یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کی حکمت یہ تھی کہ ابلیس انسان کو برائی کی ترغیب دے اور انبیاء اس کو نیکی کی ترغیب دیں اور انسان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو ابلیس کی پیروی کرے اور چاہے تو نبیوں کی پیروی کرے' پھر جو ابلیس کی پیروی کرے گا وہ عذاب کا مستحق ہو گا اور جو نبیوں کی پیروی کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہو گا' اب بتائیے اس میں کیا اشکال ہے۔

امام رازی کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا' پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق' کذب سے بدل جاتا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا' اس لیے لوگوں کا کفر کرنا ضروری اور ایمان لانا محال ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ فی نفسہٖ ایمان لانے کے مکلف ہیں یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ ان کے ایمان کے متعلق اللہ کا کیا علم ہے اور اللہ نے ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا خبر دی ہے۔

امام رازی کا چوتھا استدلال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو پھر ضروری تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ابلیس اور شیطان مر جاتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا چاہتا ہے نہ جبراً کافر بنانا چاہتا ہے' انسان اگر ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور اگر کفر کرنا چاہتا ہے تو وہ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ارادہ کے اعتبار سے ہی اس کو جزاء اور سزا ملتی ہے اور ازل میں اس کو علم تھا کہ کون ایمان کا ارادہ کرے گا اور کون کفر کا ارادہ کرے گا اور جن کے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس نے خبر دی ہے وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دی ہے اور جزاء اور سزا کا ملنا ان کے ارادہ کے

اعتبار سے ہے' اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں چاہتا' اس لیے اس کو ابلیس اور شیطانوں کو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام رازی کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر ان کافروں کو ایمان کا مکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے مکلّف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب بھی حسب سابق یہی ہے کہ کفار جو ایمان لانے کے مکلف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی دی ہوئی خبروں سے قطع نظر کر کے مکلف ہیں اور ہر شخص اسی طرح مکلف ہوتا ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ہمیں کچھ علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمارا ایمان ہے یا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایمان لانے یا ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں' اسی طرح کفار کو بھی ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ان کو یہ علم نہیں ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا علم تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں' اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر کفار ایمان لانے کے مکلف ہوں تو ضروری ہوگا کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے دونوں کے مکلّف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے' نجانے خیال کی کس رو میں اور کس موڈ میں انہوں نے اس مسلک پر دلائل قائم کیے' ورنہ مجھے یقین ہے کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے' وہ توحید کے علم بردار ہیں اور شریعت کے پاسبان ہیں' امام رازی کے بعد کے مفسرین امام رازی کی فکری غلطیوں پر مواخذہ کرتے رہتے ہیں' ان میں علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کے نام قابل ذکر ہیں' لیکن اس مقام سے سب خاموشی سے گزر گئے' ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی یہاں سے خاموشی سے گزر جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین اور شریعت سے وابستگی اس خیال پر غالب آ گئی اور میں نے یہ عزم کیا کہ یہ بتاؤں کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے لیکن وہ ہر چیز اور ہر کام سے راضی نہیں ہوتا' وہ کفر اور معصیت کا حکم دیتا ہے نہ ان سے راضی ہوتا ہے' وہ ایمان لانے اور عبادت اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی سے راضی ہوتا ہے' اس نے تمام انسانوں اور جنات کو پیدا کیا اور ان کو اختیار دیا' وہ جس کام کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور اسی اختیار کے اعتبار سے ان کو جزاء اور سزا دیتا ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لو گے O (ص: ۸۸-۸۶)

تکلف اور متکلفین کا معنیٰ

اس آیت میں متکلفین کا لفظ ہے' یہ تکلف کا اسم فاعل ہے' کسی مشکل کو ناگواری کے ساتھ برداشت کرنے کو تکلف کہتے ہیں جب کہ اس ناگوار کام کو کرتے وقت چہرہ پر بدنمائی کے آثار ظاہر ہوں' پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی مشکل کام کو کرتے وقت چہرے پر بناوٹی دشواری اور ناگواری کے آثار نمایاں کر لینا' تکلف کی یہ قسم مذموم ہے اور اس آیت میں متکلفین کی نفی سے یہی معنیٰ مراد ہے یعنی میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا نہیں ہوں۔

(۲) بلند حوصلہ اور وسعت ظرف کی بناء پر کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے دشواری اٹھانا اور اس کام کی دشواری کی وجہ سے

غیر اختیاری طور پر چہرے سے تکلیف اور مشقت اٹھانے کے آثار ظاہر ہوں تو یہ تکلف محمود ہے۔ بندے جب اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں تو اس کی مشقت کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ چیز قابل تعریف ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۶۵ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشقت اٹھا کر جو پیغام پہنچایا اس کی تفصیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ وہ یہ مانیں کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد لاشریک ہے' اس کی اولاد نہیں ہے' نہ اس کی بیوی ہے' وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے' وہ ازلی ابدی ہے' وہ حیات' کلام' علم' قدرت' سمع' بصر اور ارادہ سے متصف ہے اور اس کی دیگر صفات کمالیہ میں سے رحمت' مغفرت' عطا اور نوال ہے اور آپ اس کی دعوت دیتے تھے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانو اور اس کے احکام پر عمل کرو' بتوں کی عبادت نہ کرو' وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' فرشتوں کی اور نبیوں اور رسولوں کی تعظیم کرو' قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حساب' کتاب' سزا اور جزاء اور جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ' نیک عمل کرو' نماز پڑھو' رمضان کے روزے رکھو' بہ قدر نصاب مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرو' استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو' پاک دامنی برقرار رکھو' جھوٹ' ظلم' شراب نوشی اور دوسروں کا مال کھانے کے قریب نہ جاؤ' دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رغبت کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیغام کو سناتے تھے' اس میں کوئی بناوٹ نہیں تھی' کوئی تصنع نہیں تھا' کوئی دکھاوا نہیں تھا' ہر عقل سلیم اور طبع مستقیم اس بات کی شہادت دے گی کہ یہ پیغام صحیح اور برحق تھا' آپ اس پیغام کے پہنچانے پر لوگوں سے کسی اجر کے طالب نہیں تھے' محض اللہ کا فرض سمجھ کر اس پیغام کو اخلاص کے ساتھ پہنچا رہے تھے اور اس پیغام کے پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی تھیں اور لوگ جو آپ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے' ان سب کو آپ خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے' کبھی آپ کی زبان پر حرف شکایت نہیں آتا تھا' ماتھے پر شکن نہیں آتی تھی اور چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا' بعض اوقات انسان سچائی کی راہ میں اخلاص سے مشکلات برداشت کرتا ہے' زبان سے کچھ نہیں کہتا' لیکن اس کے چہرے سے غیر اختیاری طور پر دکھ اور پریشانی کا اظہار ہو جاتا ہے' لیکن آپ تسلیم و رضا کے ایسے پیکر تھے کہ غیر اختیاری طور پر بھی آپ کے چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کے پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

تکلف اور تصنع کرنے کی مذمت میں احادیث

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہمارے درمیان لیٹے ہوئے تھے' اسی دوران ایک شخص نے آ کر کہا: اے ابو عبد الرحمان! کندہ کے دروازوں پر ایک قصہ گو بیان کر رہا ہے اور اس کا یہ زعم ہے کہ قرآن مجید میں جو دخان (دھوئیں) کی آیت ہے' وہ دھواں آنے والا ہے اور وہ کفار کے سانسوں کو روک لے گا اور مسلمانوں کو اس سے صرف زکام جیسی کیفیت ہو گی' حضرت عبد اللہ بن مسعود غصہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے' انہوں نے کہا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو' تم میں سے جس شخص کو جس چیز کا علم ہو وہ اس کو بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ کہے ''اللہ زیادہ جاننے والا ہے'' کیونکہ علم کی یہی دلیل ہے کہ جس کو کسی چیز کا علم نہ ہو وہ کہے: ''اللہ زیادہ جاننے والا ہے''۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ○ آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ

(ص: ۸۶) طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴)

ارطاہ بن منذر بیان کرتے ہیں کہ تکلف کرنے والے کی تین نشانیاں ہیں: وہ ان چیزوں میں کلام کرتا ہے جن کا اس کو علم نہ ہو' جو اس سے بڑے درجہ کا ہو اس سے جھگڑا کرتا ہے' جن چیزوں کو وہ لے نہیں سکتا ان کو دینے کی کوشش کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۶۴)

شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک شاگرد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' انہوں نے ہم کو روٹی اور نمک پیش کیا اور کہا: اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۲۳ قدیم' المستدرک ج ۷ رقم الحدیث: ۱۴۶۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۰)

دوسری روایت میں ہے' شقیق بیان کرتے ہیں کہ میرے شاگرد نے حضرت سلمان سے کہا: کاش! آپ ہمارے لیے ایسا نمک لاتے جس میں پودینا ہوتا' پھر حضرت سلمان نے بقال (سبزی فروش) کے پاس اپنا لوٹا رہن رکھوا کر پودینا منگوایا اور نمک میں وہ پودینا ڈالا' جب ہم نے کھانا کھا لیا تو میں نے اپنے شاگرد سے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے رزق پر قناعت کرنے والا بنا دیا' تب حضرت سلمان نے فرمایا: اگر تم اللہ کے رزق پر قناعت کرنے والے ہوتے تو میرا لوٹا رہن نہ رکھا ہوا ہوتا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۵۹۸' ج ۷ ص ۹۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص مہمان کے لیے اپنی قدرت سے زیادہ کا تکلف نہ کرے۔ (شعب الایمان: ۹۵۹۹)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مہمان کے لیے اس چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہیں ہے اور جو چیز ہمارے پاس موجود ہو اس کو پیش کر دیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۶۰۱)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ بولنے والے ہیں' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والے ہیں اور تکلف کرنے والے ہیں۔ (الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۶' المستدرک ج ۱ ص ۶۱' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹۷)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن سعد نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی علم حاصل کیا ہے وہ اس علم کی تعلیم دے دے اور وہ بات نہ کہے جس کا اسے علم نہ ہو ورنہ وہ متکلفین میں سے ہو جائے گا اور دین سے نکل جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کا جن اور انس کے لیے نصیحت ہونا

ص: ۸۸-۸۷ میں فرمایا: ''یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لو گے O''

اس آیت میں ''العلمین'' سے مراد جن اور انس ہیں۔ یعنی یہ قرآن تمام مکلفین کے لیے نصیحت ہے' سو جو شخص عذاب سے نجات چاہتا ہو وہ اس کی نصیحت پر عمل کرے اور اے مشرکین قریش! تم کو عنقریب اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی' یعنی قرآن مجید نے جو نیک کاموں پر ثواب کی بشارت سنائی ہے اور بُرے کاموں پر عذاب کی وعید سنائی ہے' عنقریب تم آخرت

میں خود دیکھ لو گے کہ مؤمنوں کو ثواب ہو رہا ہے اور کافروں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور مکذبین کو اس قرآن کے ذریعہ یہ خبر دی ہے کہ عنقریب ان پر قرآن مجید کی وعد اور وعید کا صدق ظاہر ہو جائے گا' کب ہوگا اس کا تعین نہیں فرمایا' بعض مشرکوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ معرکہ بدر میں مارے گئے اور بعض کو اس کا علم اس وقت ہوا جب موت کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے اور بعض کو اس کا علم آخرت میں ہوگا

سورۂ صٓ کا اختتام

الحمد للہ علی احسانہ آج ٦ جمادی الاولیٰ ١٤٢٤ھ/ ٧ جولائی ٢٠٠٣ء کو سورۂ صٓ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے وہ باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے' میری صحت اور توانائی کو برقرار رکھے اور مجھے ناگہانی آفتوں اور مصائب اور ظاہری اور باطنی امراض سے محفوظ رکھے اور محض اپنے فضل سے دارین کی سعادتیں عطا فرمائے' اس تفسیر کو اور میری باقی تصانیف کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنا دے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين' قائد الانبياء والمرسلين شفيع المذنبين وعلى آله الطيبين واصحاب الكاملين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته والمؤمنين والمسلمين اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

الزمر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزمر ہے' زُمَر کا لفظ زُمْرَۃ سے بنا ہے' اس کا لفظی معنیٰ آواز ہے' اس سے مراد جماعت اور گروہ ہے' الزمر کا معنیٰ ہے: کئی جماعتیں اور کئی گروہ' الزمر: ۷۳۔۷۱ میں زمر کا لفظ آیا ہے اور قرآن مجید کی صرف اسی سورت میں زمر کا لفظ آیا ہے' اس مناسبت سے اس کا نام الزمر ہے۔ حسب ذیل آیتوں میں زمر کا لفظ آیا ہے۔

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا. (الزمر: ۷۱) اور کافروں کے گروہوں کو جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَـنَّةِ زُمَرًا. (الزمر: ۷۳) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

الزمر کا زمانۂ نزول

جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله'' الآيات. الزمر: ۵۵۔۵۳ یہ تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ سات آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں' یہ آیات سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے' ''وَاَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ''. (الزمر: ۱۰) اس موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی' یہ مدینہ کی طرف ہجرت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۹ ہے' یہ سورۂ مومن سے پہلے اور سورۂ سبا کے بعد نازل ہوئی ہے۔

الزمر اور ص میں مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص کو قرآن مجید کے اس وصف پر ختم کیا ہے:

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (ص: ۸۷) یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

اور سورۃ الزمر قرآن مجید کے اس وصف سے شروع ہو رہی ہے:

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝ (الزمر: ۱) اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے ۝

نیز سورۂ صٓ میں اللہ تعالیٰ نے آیت: ۷۵۔۷۱ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور الزمر: ۶ میں بھی انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ (الزمر: ۶)

الزمر کے مشمولات

اس سورت کا موضوع اللہ تعالیٰ کی توحید ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحی اور قرآن مجید کا وحی الٰہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کریں اور یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے اور مشرکین کے ان شبہات کا ازالہ فرمایا ہے جن کی بنیاد پر وہ بتوں کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والا قرار دیتے تھے اور ان کو وسیلہ بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا' رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کے آنے کا سلسلہ قائم کیا' سورج اور چاند کو مسخر کیا' انسان کو بہ تدریج مرحلہ وار پیدا کیا' مشرکین کو اس پر ملامت کی کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر خدا کو بھول جاتے ہیں۔

آخرت میں مؤمنوں اور کافروں کا حال بیان کیا کہ مومن جنت میں ہوں گے اور بہت آسودگی میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے اور عذاب کی تکلیف سے بلبلا رہے ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! وہ فدیہ دے کر اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑا لیتے۔

قرآن کریم کی عظمت اور جلالت بیان فرمائی ہے کہ جب مؤمنوں پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو خوف خدا سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے پگھل جاتا ہے' اس کے برعکس جب کفار کے سامنے توحید کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو ان پر انقباض طاری ہو جاتا ہے۔

جو مسلمان ایمان لانے کی پاداش میں کفار کے ظلم اور جور کا ہدف بنے ہوئے تھے ان کو تسلی دی ہے کہ آخرت میں فوز و فلاح ان ہی کو حاصل ہوگی' وہ ہراساں نہ ہوں' اگر یہ زمین ان پر تنگ کر دی گئی ہے تو کیا غم ہے' اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔

آخر میں بتایا کہ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے' پھر حساب و کتاب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء ملے گی۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی اور ہدایت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے سورۃ الزمر کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق و صواب پر مطلع کرنا اور اسے لکھنے کی توفیق دینا اور جو باتیں غلط اور

باطل ہوں ان کو منکشف کر دینا اور ان سے اجتناب کی توفیق دینا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸
۹ ربیع الثانی '۱۴۲۴ھ/۱۰ جون ۲۰۰۳ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۳۵_۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

(۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتها ۷۵ رکوعاتها ۸

سورۂ زمر مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

(اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ

طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O سنو! خالص

الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ

عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف

يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ

کر رہے ہیں، بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو O اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا

اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ

تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، واحد ہے، سب

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ

پر غالب ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے،

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ

ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے، سنو وہی بہت غالب، بے حد بخشنے والا ہے O اس نے تم کو

وقف لازم

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ

ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ

لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے' وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے' ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

تین تاریکیوں میں' یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا

کہاں بھٹک رہے ہو○ اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہو گا' اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے

وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ

کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ

(دنیا میں) کرتے تھے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے

مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ

تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے' پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا

مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ

ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو)

بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ

اس کی راہ سے منحرف کرے' آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو○ بے شک جو

اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ

رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے' آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے

رَبِّہٖ ؕ قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ

(کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں

ع ۱/۹ ۱۵ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ؑ ﴿۹﴾

صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ بے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے' سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں' بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں' بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو ○ اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا' وہ پاک ہے' واحد ہے' سب پر غالب ہے ○ (الزمر: ۴-۱)

انزال اور تنزیل کا فرق

الزمر: ا میں تنزیل کا ذکر ہے' قرآن مجید کو نازل کرنے کے لیے انزال کا لفظ بھی ہے اور تنزیل کا لفظ بھی ہے' انزال کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو یک بارگی نازل کرنا اور تنزیل کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو یک بارگی نازل کیا گیا اور آسمان دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے تا کہ تم اس کی تلاوت کرو' اس کو غور سے سنو اور سمجھو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔

الزمر: ۲ میں فرمایا: ''ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے''۔

اس کا معنیٰ ہے: اس کتاب میں جو ماضی اور مستقبل کی خبریں دی گئیں ہیں وہ سب حق اور صادق ہیں اور کتاب میں جو احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں وہ سب حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ اپنی اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' ہم اس کی تفسیر میں اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ' اخلاص کی حقیقت' اخلاص کے متعلق احادیث اور اقوال علماء بیان کریں گے۔

اخلاص کا لغوی معنیٰ

جس چیز کو کاٹ چھانٹ کر اور تراش خراش کے بعد درست اور مہذب کر لیا جائے یا میل کچیل سے صاف کر لیا جائے یا جو چیز دوسری چیزوں کی آمیزش اور ملاوٹ سے مجرد ہو اس کو خالص کہتے ہیں۔

اخلاص کا اصطلاحی معنیٰ

دل کو ہر اس چیز کی آمیزش سے خالی رکھنا جو اس کو مکدر اور میلا کرتی ہو' اخلاص ہے اور کسی چیز کو ہر اس چیز کی ملاوٹ سے محفوظ رکھنا جس کی اس میں ملاوٹ ہو سکتی ہو' اخلاص ہے۔ ایک قول ہے: نیت' قول اور عمل کو صاف رکھنا اخلاص ہے۔

(التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی ص ۴۲

علامہ جرجانی نے کہا: جب تم اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بناؤ تو یہ اخلاص ہے۔ (التعریفات ص:۱۳)

اخلاص کی حقیقت

اللہ کے ماسوا سے بری ہونا اخلاص ہے' دین میں اخلاص یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے جو الوہیت میں دوسروں کو ملا رکھا ہے اس سے برأت کا اظہار کیا جائے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو الوہیت میں ملا رکھا ہے اور اطاعت اور عبادت میں اخلاص یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے عمل کیا جائے' مخلوق کو دکھانے اور سنانے کے لیے عمل نہ کیا جائے' دنیا کی جن چیزوں کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور دنیا کی جن چیزوں سے نفس کو راحت ملتی ہے' جب انسان کے کسی عمل میں ان چیزوں کی آمیزش ہو جاتی ہے تو اس سے اس عمل کی صفائی مکدر اور میلی ہو جاتی ہے اور اخلاص زائل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی چیزوں کے اشتیاق اور حصول میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کے افعال اس قسم کی اغراض سے بہت کم خالی ہوتے ہیں' اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کی پوری زندگی میں اللہ کے لیے اخلاص کا ایک لمحہ بھی نصیب ہو جائے اس کی نجات ہو جاتی ہے اور دل کو ان چیزوں کی آمیزش سے خالی کرنا بہت مشکل ہے اور اخلاص یہ ہے کہ دل میں اللہ عزوجل کے قرب کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ ہو۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۳۰۔۳۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قول اور عمل کو دکھاوے اور شہرت کی آمیزش سے خالی کرنا اخلاص ہے' چہ جائیکہ اس پر کسی عوض کو طلب کیا جائے۔

اخلاص کی ترغیب اور ترہیب کے متعلق احادیث

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یہ بتایئے' ایک شخص نے اجرت اور شہرت کی طلب میں جہاد کیا ہو اس کو کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کچھ نہیں ملے گا' اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا' آپ نے ہر بار یہی جواب دیا' پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور اس عمل سے صرف اس کی رضا کو طلب کیا جائے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۴۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام مشرکوں کے شرک سے مستغنی ہوں' جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا میں اس کے عمل کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں' وہ عمل اس کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۳۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٦٤)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے' پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف محسوب ہوگی اور جس کی ہجرت اس دنیا کی طرف ہو جس کو وہ حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار کی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٩٠٧' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب:٣٩٣)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے' آپ نے فرمایا: مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جس منزل پر پہنچے اور جس وادی میں بھی گئے وہ تمہارے ساتھ تھے' وہ کسی بیماری کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں جا سکے تھے' ایک روایت میں ہے: وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٨٣٩' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٩١١' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث:١١٩٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے اور پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٩٠١' صحیح مسلم رقم الحدیث:٧٥٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور وہ اس کے عوض دنیا کی کوئی چیز طلب کرتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا' لوگوں پر یہ جواب بہت شاق گزرا' اس شخص نے دوبارہ پوچھا' آپ نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ حاکم اور ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ٢ ص ٧١ قدیم' المستدرک رقم الحدیث:٢٤٠٤)

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ اولین اور آخرین کو قیامت کے اس دن جمع فرمائے گا جس دن کے تحقق میں کوئی شبہ نہیں ہے تو ایک منادی یہ نداء کرے گا: جس نے اللہ کے لیے کوئی عمل کیا اور اس میں کسی کو شریک کیا وہ اس کے ثواب کو اللہ کے غیر سے طلب کرے کیونکہ اللہ تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٣١٥٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٢٠٣' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٤٠٤' المعجم الکبیر ج ٢٢' رقم الحدیث:٧٧٨)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے' آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے' ایک شخص نماز پڑھتا ہے' پھر وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہے تو وہ زیادہ اچھی نماز پڑھنے لگتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٢٠٤' المسند الجامع ج ٦ ص ١٨٠' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث:٤٦٦)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے

زیادہ خطرہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج یا چاند یا بت کی پرستش کریں گے لیکن وہ غیر اللہ کے لیے عمل کریں گے اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۵ مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو دکھائے گا اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو سنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۶ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۲۴ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۶ شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۳۴ جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۷۰۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایسے صحائف اعمال کو لایا جائے گا جن پر مہر لگی ہوگی' پس ان کو اللہ عزوجل کے سامنے رکھ دیا جائے گا' اللہ عزوجل فرشتوں سے فرمائے گا: ان صحائف کو پھینک دو اور ان کو قبول کرلو' فرشتے عرض کریں گے: تیری عزت کی قسم! ہم نے تو سوا خیر کے اور کچھ نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور وہ بہت جاننے والا ہے: یہ اعمال میرے غیر کے لیے کیے گئے تھے اور آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری رضا کی طلب کے لیے کیا گیا ہو۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۵۰ رقم الحدیث: ۱۲۹ کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۱۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۸۳۱۵ اتحافات رقم الحدیث: ۳۰۴)

ضحاک بن قیس فہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں سب سے بہتر شریک ہوں' جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا تو وہ عمل میرے شریک کے لیے ہے' اے لوگو! اللہ عزوجل کے لیے اخلاص سے عمل کرو' کیونکہ اللہ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے اخلاص سے کیا گیا ہو اور یوں نہ کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ رشتہ داروں کے لیے ہے' کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لیے ہوگا' اللہ کے لیے نہیں ہوگا اور نہ یوں کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ تمہارے لیے ہے کیونکہ پھر وہ تمہارے ہی لیے ہوگا اور اللہ کے لیے بالکل نہیں ہوگا۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۵۰ رقم الحدیث: ۱۳۰)

شمر بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو حساب کے لیے لایا جائے گا اور اس کے صحیفہ اعمال میں پہاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گی' رب العزت فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں دن نمازیں پڑھیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ نمازی ہے' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں روزے رکھے تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ روزہ دار ہے' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں دن صدقہ کیا تاکہ یہ کہا جائے کہ فلاں بندہ نے صدقہ کیا' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ پھر وہ اس کے صحیفہ میں سے ایک کے بعد ایک عمل کو مٹاتا رہے گا' حتیٰ کہ اس کے صحیفہ میں کوئی عمل باقی نہیں رہے گا' پھر اس سے فرشتہ کہے گا: اے فلاں شخص! تو اللہ کے غیر کے لیے عمل کرتا تھا۔ (جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۲۷ رقم الحدیث: ۲۳۱۱۶)

اخلاص کے متعلق اقوال علماء

اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا ہے کہ تذلل' عاجزی اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور یہ آیت اعمال کے اخلاص اور ریاکاری سے برأت میں اصل ہے' حتیٰ کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کیا یا وزن کم کرنے کے لیے روزے رکھے اور اس کے ساتھ عبادت کی بھی نیت کی تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے

عبادت میں دنیاوی فوائد کی نیت شامل کر لی ہے اور یہ اللہ کے لیے خالص عمل نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ . (الزمر:۳) سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (البینۃ:۵) اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص سے اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اسی طرح فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب امام رکوع میں ہو اور وہ کسی کے آنے کی آہٹ محسوس کرے تو اس کے جماعت میں شامل ہونے کے لیے اپنی مقررہ تسبیحات میں اضافہ نہ کرے' کیونکہ وہ زائد تسبیحات اللہ کے لیے نہیں ہوں گی' بلکہ اس شخص کو جماعت میں شامل کرنے کے لیے ہوں گی۔

سہل بن عبد اللہ التستری رضی اللہ عنہ نے کہا: ریا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کوئی شخص اصل فعل کو غیر اللہ کے لیے کرے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ یہ فعل اللہ کے لیے کر رہا ہے' یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور اس شخص کا ایمان مشکوک ہے۔

(۲) انسان کوئی نیک کام کرے اور جب لوگوں کو اس کی نیکی کا علم ہو تو وہ خوش ہو' اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ اس عمل کو دہرائے۔

(۳) کسی شخص نے اخلاص کے ساتھ کوئی کام کیا' لوگوں کو اس کام کا علم ہو گیا اور انہوں نے اس کی تعریف اور تحسین کی اور وہ اس تعریف کو سن کر خاموش رہا تو یہ بھی ریا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

مؤخر الذکر ریا کی دونوں قسموں کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناتل نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ! آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو' آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہو گا' اس کو بلایا جائے گا اور اسے ان کی نعمتیں دکھائی جائیں گی' جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے' بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے' سو تجھے بہادر کہا گیا' پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا' حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا' اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی' جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھلایا اور تیرے لیے قرآن مجید پڑھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے' تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے' سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا' پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا' حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا' اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے' تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے' سو تجھ کو سخی کہا گیا' پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے تین بار خوف سے بے

ہوش ہو گئے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۷، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب الحزن سے پناہ مانگا کرو، مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! جب الحزن کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز سو مرتبہ پناہ طلب کرتا ہے؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ قاری جو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۲۷)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

کسی آدمی کے نیک اعمال پر اس کی تعریف اور تحسین کی جائے اور وہ تعریف اور تحسین سن کر اس لیے خوش ہوتا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت بیٹھ جائے اور وہ اس کو نیک اور بزرگ جانیں اور وہ ان سے دنیاوی مال و متاع حاصل کرے تو اس کی یہ نیت مذموم ہے اور جو شخص یہ پسند نہ کرتا ہو کہ لوگ اس کے نیک کاموں پر مطلع ہوں اور اللہ اس کی نیکیوں پر لوگوں کو مطلع کر دے پھر وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ اس پر اللہ کا فضل اور انعام ہے، تو پھر اس کی یہ خوشی مستحسن اور محمود ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (یونس: ۵۸)

آپ کہیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہی لوگوں کو خوش ہونا چاہیے (اس کا فضل) اس سے بہت بہتر ہے، جس کو وہ جمع کر رہے ہیں○

اس مسئلہ کو پوری تفصیل سے محاسبی نے کتاب ''الرعایۃ'' میں لکھا ہے، ایک حدیث میں ہے: میں عمل کو مخفی رکھتا ہوں، پھر لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے، سہل نے اس حدیث کی تشریح میں کہا: خوش اس وجہ سے ہو کہ اللہ نے اپنی نعمت کو اس پر ظاہر کر دیا۔

سہل بیان کرتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ریا یہ ہے کہ تم اپنے عمل کا ثواب دنیا میں طلب کرو اور لوگ اپنا عمل آخرت کے لیے کرتے ہیں، لقمان سے پوچھا گیا کہ ریا کی دوا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کی دوا عمل چھپانا ہے، ان سے پوچھا گیا: عمل کس طرح چھپایا جائے؟ انہوں نے کہا: تمہیں جس عمل کے اظہار کا مکلف کیا گیا ہے اس عمل کو اخلاص کے بغیر نہ کرو اور تم کو جس عمل کے اظہار کا مکلف نہیں کیا گیا اس میں یہ پسند کرو کہ اللہ کے سوا کوئی اس عمل پر مطلع نہ ہو سکے اور تمہارے جس عمل پر لوگ مطلع ہو جائیں اس کو اپنے اعمال میں شمار نہ کرو اور ایوب سختیانی نے کہا: جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے عمل کو جانیں وہ شخص صاحب عقل نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ملخصاً و موضحاً جز ۵ ص ۱۵۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

جاہل صوفیاء کے خود ساختہ احکام کا رد

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں''۔

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کارساز اور حاجت روا بنایا ہوا ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے ان معبودوں سے یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری صرف اس لیے پرستش کرتے ہیں کہ تم ہمیں اللہ کا مقرب بنا دو۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قریش بتوں کے لیے ایسا کہتے تھے اور ان سے پہلے کے کفار فرشتوں کے لیے، حضرت عزیر کے لیے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے لیے ایسا کہتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۱۲۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

حافظ سیوطی نے امام ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ عرب کے تین قبیلے: عامر' کنانہ اور بنو سلمہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو O''

انسان کی فطرت میں اپنے صانع اور خالق کی معرفت رکھی گئی ہے اور اس کائنات کے خالق کی عبادت کرنا بھی اس کی طبیعت کا تقاضا ہے لیکن اس فطری معرفت اور عبادت کا اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس معرفت اور عبادت کا اعتبار ہے جو بندوں تک نبیوں اور رسولوں کے واسطے سے پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ جو احکام بندوں تک پہنچائے ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت اور عبادت مطلوب ہے جو شریعت کے موافق ہو خواہ وہ طبیعت کے مخالف ہو' شیطان کی طبیعت میں اللہ کو سجدہ کرنا راسخ تھا اور حضرت آدم کو سجدہ کرنا اس کی طبیعت کے خلاف تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے تو یہی سجدہ اس کے لیے عبادت تھا' اس نے اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو وہ کافر ہو گیا' اسی طرح جو عقل والے عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت نہیں کرتے' ان کی معرفت اور اطاعت بھی معتبر نہیں ہے' اسی طرح جو اپنی عقل سے حضرت عزیر کی' حضرت عیسیٰ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو بتوں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے کسی کی پرستش اور عبادت معتبر نہیں ہے خواہ وہ اس کے جائز اور معقول ہونے کی کتنی ہی تاویلات کیوں نہ کریں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں''۔

اسی طرح ہمارے دور میں جاہل صوفیاء نے اللہ تعالیٰ سے تقرب کے حصول کے متعدد طریقے اپنی طرف سے بنا لیے ہیں اور احکام شرعیہ میں من مانے اضافے کر لیے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے اپنی پناہ میں رکھے' اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کا صحیح ذریعہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا اور ائمہ اور مجتہدین نے اس سے احکام شرعیہ کو منضبط کیا اور ہر دور میں اہل علم اور ارباب فتویٰ نے عصری تقاضوں اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتلایا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا' وہ پاک ہے' واحد ہے' سب پر غالب ہے O'' (الزمر: ۴)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ اس کی اولاد کا ہونا محال ہے' پہلے یہ فرمایا کہ اگر وہ اولاد بنانا چاہتا تو جس کو چاہتا چن لیتا تو اے مشرکو! پھر تم یہ تخصیص کیوں کرتے ہو کہ عزیر اس کا بیٹا ہے یا عیسیٰ اس کا بیٹا ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد بناتا تو سب سے افضل اور اکمل نوع کی اولاد بناتا اور بیٹیوں کی بہ نسبت بیٹے افضل اور اکمل نوع کے ہیں تو اگر اس نے اولاد بنائی ہوتی تو بیٹوں کو اولاد بناتا تم بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کرتے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے واحد قہار فرما کر اس دلیل کی طرف اشارہ فرمایا' اس کی اولاد کا ہونا محال ہے۔

اس دلیل کی ایک تقریر یہ ہے کہ اگر اس کی اولاد فرض کی جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے ایک جز منفصل ہوا' پھر اس جز سے اس کی مساوی صورت بن گئی اور اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء ہوں اور جس کے اجزاء ہوں وہ اپنے

اجزاء کی طرف محتاج ہوتا ہے اور جس کے اجزاء ہوں وہ واحد حقیقی نہیں ہوتا اور جو محتاج ہو وہ قہار نہیں ہوتا' پس اللہ تعالیٰ کا واحد اور قہار ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی اولاد محال ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے' پس لازم آئے گا کہ اس کی اولاد بھی واجب اور قدیم ہو اور متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جب والد اور اولاد دونوں واجب اور قدیم ہیں تو ان میں کوئی ایسا جز ضرور ہوگا جس سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور کہا جا سکے: یہ والد ہے اور یہ ولد ہے' پھر ان میں سے ہر ایک دو جزؤں سے مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوگا اور یہ اس کے واحد اور قہار ہونے کے منافی ہے' پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب واحد اور قہار ہے تو اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے' اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے' سنو! وہی بہت غالب اور بے حد بخشنے والا ہے O اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے' وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے' ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق' تین تاریکیوں میں' یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹک رہے ہو O اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O (الزمر: ۷۔۵)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ستر فرمانا

الزمر: ۵ میں فرمایا: ''وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے''۔

اس آیت میں تکویر کا لفظ ہے' تکویر کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح گھمانا یا بل دینا جس طرح پیچ کو گھماتے ہیں یا جس طرح عمامہ کو سر کے گرد لپیٹ کر گھماتے ہیں اور بل دیتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ رات دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے اور دن رات کی تاریکی کو چھپا لیتا ہے یا دن رات کی تاریکی کو غائب کر دیتا ہے اور رات دن کی روشنی کو غائب کر دیتی ہے۔

پھر فرمایا: ''اس نے سورج اور چاند کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے' ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے''۔

اس مدت مقرر سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج یا چاند اپنی منتہاء مسافت کو طے کر لیتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند قیامت تک یونہی گردش کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سنو! وہی عزیز اور غفار ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے عزیز ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر کام پر قادر ہے' وہ اس کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں اور کافروں کو سزا دینے پر قادر ہے۔

اور اس کے غفار ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مغفرت کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی اچھائیوں اور نیک کاموں کو ظاہر فرماتا ہے اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو چھپا لیتا ہے اور آخرت میں ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔

غفر کا معنیٰ ستر ہے اور اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر ستر فرماتا ہے' اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

(۱) انسان کے بدن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے' اس کے بدن کے باطن میں خون کی شریانیں ہیں' پھیپھڑا ہے اور کلیجہ ہے' معدہ ہے' آنتیں ہیں' مثانہ ہے جس میں پیشاب جمع ہوتا ہے' بڑی آنت ہے جس میں فضلا ہوتا ہے' اوجھڑی ہے' گردے ہیں اور ہڈیاں ہیں' ان اعضاء کی شکلیں اس قدر بُری اور ہیبت ناک ہوتی ہے کہ دیکھنے سے کراہت آتی ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس بدصورت باطن کو خوب صورت جلد کے ساتھ ڈھانپ دیا' اگر انسان کے سر کے اندرونی حصہ کو یا اس کے پیٹ کے اندرونی حصہ کو دیکھ لیا جائے تو قے آجائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بدصورتی پر خوب صورت جلد کے ساتھ ستر کر دیا' یہ انسان پر ستر کا پہلا مرتبہ ہے۔

(۲) انسان کے ذہن میں بعض اوقات بُرے خیالات آتے ہیں' وہ کوئی شرمناک فعل کرنا چاہتا ہے' کسی کے ساتھ فراڈ کرنا چاہتا ہے' چوری کرنا چاہتا ہے' جوا کھیلنا چاہتا ہے یا کسی کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا ہے' اس کے یہ عزائم اس کے ذہن میں ہوتے ہیں اور اللہ اس کے عزائم اور منصوبوں کو کسی دوسرے پر ظاہر نہیں فرماتا' یوں اللہ تعالیٰ اس کے بُرے ارادہ کو اس کے ذہن میں چھپا کر رکھتا ہے اور یہ اس کے ستر کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) انسان جب اپنے بُرے منصوبوں پر عمل کر کے کوئی گناہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض اوقات وہ اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے اور اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے' ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان:۷۰)

سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا' اللہ بہت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے○

اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور ان پر ستر کرتا ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے عیوب اور قبائح کو چھپائیں اور کسی کی غیبت کر کے اس کے عیب کو ظاہر نہ کریں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس سے قیامت کے مصائب کو دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا ستر رکھتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کا ستر رکھے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۲۹۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۳۹۴)

جو شخص مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے' ان کے عیوب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے اور نیکی کرنے والے کا بدلہ برائی سے دیتا ہے وہ مسلمانوں کے اوصاف سے کس قدر دور ہے' مسلمانوں کے اوصاف سے وہ شخص متصف ہوگا جو خلق خدا کا ذکر نیکی کے سوا نہ کرے۔ لوگوں میں نیک اور بد' اچھے اور بُرے ہر قسم کے اوصاف ہوتے ہیں' ان میں عیوب اور محاسن بھی ہوتے ہیں' اسلام کے اوصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں' صرف ان کے محاسن پر نظر ڈالیں' کسی کی برائی کا چرچا نہ کریں' صرف اس کی اچھائیوں کا تذکرہ کریں۔

اس سے پہلے ہم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ستر کرنے کی تفصیل کی تھی اور آخرت میں اس کے ستر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) مومن اپنے رب کے نزدیک ہوگا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی حفاظت کا بازو رکھ دے گا' پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور اس سے پوچھے گا: تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں' اللہ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر ستر کیا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں' پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور رہے کفار تو تمام لوگوں کے سامنے ان کو نداء کی جائے گی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۶۵۷)

اللہ تعالیٰ غفار ہے' بہت زیادہ مغفرت فرماتا ہے' اس کے سیلاب مغفرت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شخص کا علم ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا' پھر کہا جائے گا: اس شخص پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو اس سے دور رکھو' پھر اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیا تھا اور فلاں دن فلاں فلاں اور فلاں گناہ کیا تھا' وہ کہے گا: ہاں اور وہ ان گناہوں کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے خوف زدہ ہوگا کہ اب اس کے سامنے اس کے بڑے بڑے گناہ بھی پیش کر دیئے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا: تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' پھر وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اور بھی بہت گناہ کیے ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے' میں نے دیکھا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' جامع المسانید والسنن مسند ابوذر رقم الحدیث: ۱۱۴۵۲)

انسان کو پیدا کرنا اور اس کو انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ۔۔۔۔

اللہ کی عبادت کرے

الزمر: ۶ میں فرمایا: ''اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو حضرت آدم سے پیدا کیا' پھر حضرت آدم کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔

پھر فرمایا: ''اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے''۔

اس آیت میں چوپایوں کے لیے ''انعام'' کا لفظ ہے اور عربی میں انعام کا لفظ چار قسم کے جانوروں کے لیے مخصوص ہے (۱) اونٹ (۲) بیل (۳) دنبہ (۴) بکرا اور چار ان کی مادہ ہیں' پس نر اور مادہ مل کر یہ آٹھ جوڑے ہو گئے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس نے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ نازل کیے ہیں۔ حالانکہ یہ جانور اوپر سے نہیں نازل ہوئے بلکہ زمین پر ہی ان کی پیداوار اور افزائش ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس پانی سے ہی زمین سے سبزہ اور چارا اگتا ہے جس کو کھانے کی وجہ سے ان جانوروں کی افزائش ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے' ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق' تین تاریکیوں میں''۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی بہ تدریج تخلیق کی ہے' پہلے انسان کے نطفہ کو جما ہوا خون بناتا ہے' پھر اس کو گوشت کی بوٹی بنا دیتا ہے' پھر اس میں ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں' پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

نیز فرمایا: یہ تخلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے' ایک تاریکی پیٹ کی ہوتی ہے' دوسری تاریکی رحم کی ہوتی ہے اور تیسری تاریکی اس جھلی کی ہوتی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک تاریکی صلب (پیٹھ) کی ہو' دوسری تاریکی پیٹ کی ہو اور تیسری تاریکی رحم کی ہو۔

پھر فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے''۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو حسین و جمیل صورت دی اور تم پر انواع و اقسام کی ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل کیں اور تم کو اپنی توحید کی دعوت دی اور تم کو یہ بشارت دی کہ اگر تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تو میں تم کو جنت عطا کروں گا اور جنت میں تمہیں میری رضا اور میرا دیدار حاصل ہوگا' پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری بشارت پر کان نہیں دھرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو تم کہاں بھٹک رہے ہو''۔

تم کو بتادیا ہے کہ ساری کائنات میں میری ہی سلطنت ہے اور میرا ہی تصرف ہے' میرے سامنے سب عاجز اور مجبور ہیں' قادر اور قہار میں ہی ہوں۔ پھر تم جن بتوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو' جن سے مدد طلب کرتے ہو اور مرادیں مانگتے ہو' وہ سب بے جان اجسام ہیں' تو تم کہاں بھٹک رہے ہو' اللہ ہی خالق اور مالک ہے' اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کس کی پرستش کر رہے ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا' ایک دن جب ہم سواری پر جا رہے تھے میں آپ کے قریب ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے' آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے' یہ کام اس شخص کے لیے آسان ہو گا جس پر اللہ اس کو آسان کر دے گا' تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو' پھر فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر تمام نیکی کے دروازوں کا مدار ہے' روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کو نماز پڑھنا بھی' پھر آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (السجدہ: ۱۶)

جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں ○

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ: ۱۷)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا ہوا ہے' یہ ان کے کاموں کی جزاء ہے ○

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو ان تمام چیزوں کا رئیس ہے اور جو ان کا ستون ہے اور ان کے کوہان کی بلندی ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ان کا رئیس اسلام ہے اور ان کا ستون نماز ہے اور ان کے کوہان کی بلندی جہاد ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ ان تمام چیزوں کا کس پر مدار ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: اپنی زبان کو روک کر رکھو' میں نے عرض کیا: یا نبی

اللہ! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان کی وجہ سے ہمارا مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہیں تمہاری ماں روئے' لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا نتھنوں کے بل صرف ان کی زبانوں کی فصل کی کٹائی کی وجہ سے ہی ڈالا جائے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳' مسند احمد ج ۵ص ۲۳۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶۶)

اللہ تعالیٰ کا تمام جہانوں سے بے پرواہ اور بے نیاز ہونا

الزمر: ۷ میں فرمایا: ''اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم دن رات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہو' ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں تمام لوگوں سے عمومی خطاب ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ابراہیم: ۸)

موسیٰ نے کہا: اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بے شک اللہ بے نیاز' حمد کیا ہوا ہے ۝

غنی اور بے نیاز کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو احکام شرعیہ کا مکلف کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنی ذات سے کسی ضرر کو دور کرنا چاہتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی علی الاطلاق ہے اور جو غنی علی الاطلاق ہو اس کا اپنے نفس کے لیے کسی نفع کو حاصل کرنا یا اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرنا محال ہے' کیونکہ اگر وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت قدیم ہو گی یا حادث ہو گی' اگر اس کی حاجت قدیم ہو تو وہ اس کو ازل میں پیدا کرے گا اور جو چیز پیدا کی جائے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہو سکتی اور اگر اس کی حاجت حادث ہو اور وہ حاجت اس کے ساتھ قائم ہو تو پھر اللہ محل حوادث ہو جائے گا اور یہ بھی محال ہے' اور دوسری دلیل یہ ہے کہ محتاج ہونا نقص ہے' اگر اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج ہو تو پھر وہ ناقص ہو گا اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

نیز ہم کو بداہتہً معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے' اسی طرح سورج' چاند' ستاروں' سیاروں' عرش' کرسی' عناصر اربعہ اور موالیہ ثلاثہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور جو اتنا عظیم قادر اور قاہر ہو اس کے حق میں یہ کہنا کس طرح جائز ہو گا کہ اس کے بندوں کے نماز پڑھنے' روزے رکھنے اور دیگر احکام پر عمل کرنے سے اس کو نفع ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل نہ کرنے سے اس کو نقصان ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا' لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو' اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو' میں تم کو ہدایت دوں گا' اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں' پس تم مجھ سے کھانا طلب کرو' میں تم کو کھلاؤں گا' اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو سوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں' لہٰذا تم مجھ سے لباس مانگو' میں تم کو لباس پہناؤں گا' اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں' تم مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تم کو بخش دوں گا' اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی نفع کے مالک نہیں کہ مجھے نفع پہنچا سکو' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو

ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل و آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے' اے میرے بندو! تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں' پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزاء دوں گا' پس جو شخص خیر کو پائے الله کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

سعید بیان کرتے ہیں کہ ابوادریس خولانی جس وقت یہ حدیث بیان کرتے تھے تو گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴' جامع المسانید والسنن مسند ابوذر رقم الحدیث: ۱۱۳۹۵)

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے: اگر میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے کمی ہوتی ہے۔ یہ مثال لوگوں کو سمجھانے کے لیے دی ہے' کیونکہ ہمارے مشاہدہ میں سب سے بڑی چیز سمندر ہے اور سوئی کو ڈبو کر نکالنے سے اس کی وسعت میں کوئی اثر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنی پہلی مخلوق سے لے کر قیامت تک آخری مخلوق کو جو کچھ دیتا رہا ہے اور دیتا رہے گا اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہو گی' جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم (لوگوں پر) خرچ کرو' میں تم پر خرچ کروں گا اور آپ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے' خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی' رات اور دن کا مسلسل خرچ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ تب سے خرچ کر رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے' جس (کے وزن) کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲۔ ۵۰۰)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمیشہ ایجاد کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی قدرت میں عجز اور قصور جائز نہیں ہے اور ممکنات غیر منحصر اور غیر متناہی ہیں اور کسی ایک ممکن کے وجود میں آنے سے باقی ممکنات کے ایجاد کی قدرت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کو تمام افعال کا خالق ماننے پر معتزلہ کا اعتراض اور امام رازی کے جوابات

اس کے بعد فرمایا: ''اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا''۔

یعنی ہر چند کہ کسی بندہ کے ایمان لانے سے اللہ کو کوئی نفع نہیں ہوتا اور نہ کسی کے کفر اور ناشکری سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تاہم وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

معتزلہ نے اس آیت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا' ان افعال کو بندے خود پیدا کرتے ہیں' کیونکہ اگر کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے راضی ہونا واجب ہے' تو پھر کفر سے بھی راضی ہونا واجب ہوتا' حالانکہ کفر سے راضی ہونا

بجائے خود کفر ہے۔ امام رازی نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) اس آیت میں جو فرمایا ہے: "اللہ اپنے بندوں کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا" اس آیت میں بندوں سے مراد مؤمنین ہیں' کیونکہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عباد سے مراد مؤمنین لیتا ہے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا. (الفرقان: ۶۳) اور رحمان کے بندے جو زمین پر وقار سے چلتے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (الحجر: ۴۲) (اے شیطان!) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی نہیں ہوتا اور کافروں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی ہوتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری سے مطلقاً راضی نہیں ہوتا' خواہ وہ مومن کرے یا کافر۔

امام رازی نے معتزلہ کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا ہے:

(۲) ہم یہ کہتے ہیں کہ کفر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' اس کی رضا سے نہیں ہے' کیونکہ رضا کا معنیٰ ہے: کسی کام کی مدح کرنا اور اس کی تعریف و تحسین کرنا' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح: ۱۸) بے شک اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری کی تعریف و تحسین نہیں کرتا' اس لیے وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے۔

(۳) امام رازی فرماتے ہیں: میرے استاذ اور والد ضیاء الدین عمر رحمہ اللہ اس اعتراض کا یہ جواب دیتے تھے کہ رضا کا معنیٰ ہے: کسی فعل پر ملامت نہ کرنا اور اعتراض نہ کرنا اور رضا کا معنیٰ ارادہ کرنا نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے کافروں میں کفر اور ناشکری کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے' وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے کیونکہ اس نے کفر کرنے اور شکر نہ کرنے پر ملامت کی ہے۔

(۴) چلو ہم مان لیتے ہیں کہ رضا اور ارادہ ایک ہے اور اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے لیے کفر کا ارادہ نہیں کرتا' لیکن اس عموم سے کفار کو خاص کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور کافروں کے مخصوص اور مستثنیٰ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. (الدھر: ۳۰) اور تم کسی چیز کو نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ اس چیز کو چاہے۔

یعنی تمہاری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے' لہٰذا کافر کا کفر بھی اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۶-۴۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معتزلہ کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب اور رضا بالقدر کی تحقیق

امام رازی کے ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ جس بندہ میں کفر اور عدم شکر پیدا کرتا ہے تو اس کے کفر اور عدم شکر کا ارادہ فرماتا ہے اور کفر اور عدم شکر اللہ تعالیٰ کی قضاء اور

کی تقدیر سے ہے اور اس سے معتزلہ کا یہ اعتراض دور نہیں ہوا کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے' لہٰذا کفر اور عدم شکر پر راضی ہونا بھی واجب ہے' لہٰذا مان لو کہ اللہ تمام افعال کا خالق نہیں ہے' بلکہ کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے۔

مصنف کے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کا تعلق دو قسم کی چیزوں سے ہے: ایک تکوین اور دوسری تشریع۔ تکوین سے مراد ہے: وہ امور جن میں انسان کا اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا اور جو خالص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جیسے انسان کا پیدا ہونا' مر جانا' صحت مند' خوب صورت اور قوی ہونا' بیمار' بدصورت اور کمزور ہونا' دولت مند یا مفلس ہونا' انسان کا مرد یا عورت ہونا' اسی طرح قدرتی آفات اور مصائب' بارش کا ہونا یا نہ ہونا' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا' فصل کا زرخیز ہونا یا زرعی پیداوار کا نہ ہونا' اولاد کا ہونا یا نہ ہونا' اس قسم کی اور دوسری چیزیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں ان میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہے' اور ان میں تقدیر کے لکھے ہوئے پر راضی ہونا واجب ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ان کا بیٹا فوت ہو گیا ہے سو آپ تشریف لائیں' آپ نے جواب میں ان کو سلام بھیجا اور فرمایا: اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے' اور اس کے نزدیک ہر چیز کی مدت معین ہے' اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا' بوسہ دیا' سونگھا اور فرمایا: آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق سے غم زدہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر راضی ہو اور ابن آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ (خیر طلب کرنے کو) ترک کر دے اور ابن آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ناخوش اور ناراض ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۸)

اور تقدیر کا دوسرا تعلق تشریع سے ہے' تشریع سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے یا جن کاموں کے کرنے سے روکا ہے' اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام پر عمل کرے یا نہ کرے' ایمان لائے یا کفر کرے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. سو جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ انسان کو اختیار دے گا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کرے گا یا کفر اور اعمال سیئہ کو اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے اسی علم کا نام وہ تقدیر ہے جس کا تعلق تشریع سے ہے اور تقدیر کی اس قسم پر رضا مطلوب نہیں ہے بلکہ کفر اور ناشکری پر غیظ و غضب مطلوب ہے اور جو شخص کافروں اور ظالموں سے محبت اور میل جول رکھے اس پر عذاب کی وعید ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ جلائے گی۔ (ھود:۱۱۳)

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل میں اللہ کی نافرمانی کا ظہور ہوا تو ایک آدمی اپنے بھائی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو اس گناہ سے منع کرتا' پھر دوسرے دن اس کے ساتھ کھانے' پینے اور میل جول سے اس کو کوئی چیز مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ کر دیئے اور ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ:۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○ وہ ایک دوسرے کو اس بُرے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا' وہ کیسا بُرا کام تھا جو وہ کرتے تھے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا' آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' پھر آپ کھڑے ہو گئے' پھر فرمایا: نہیں! حتیٰ کہ تم اس کو حق کی طرف موڑ کر پھیر دو اور اس کو گناہوں سے روک دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۴۸' ۳۰۴۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۳۳۷' ۴۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۰۶' مسند احمد ج۱ص۳۹۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۰۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۰۲۶۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۵۲۳)

کفر' ظلم اور معاصی بھی اللہ کی تقدیر میں ہیں اور لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں' قرآن کریم میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (القمر:۵۳-۵۲)

ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے لوح محفوظ میں ہے ○ ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے ○

لیکن کفر' ظلم اور معاصی پر راضی ہونا بھی کفر ہے' یہ اللہ کی وہ تقدیر ہے جس سے ناراض ہونا اور غضب ناک ہونا مطلوب ہے' یعنی ان مقدرات سے ناراض ہونا مطلوب ہے جو کفر اور ظلم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس تقدیر کا تعلق تکوین سے ہے یعنی ان امور سے جو بندہ کے اختیار میں نہیں ہیں جیسے پیدائش اور موت وغیرہ' اس تقدیر اور مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے اور اس سے ناراض ہونا شقاوت ہے اور جس تقدیر کا تعلق ان مقدرات سے ہے جو کفر اور ظلم ہوں' ان سے ناخوش اور ناراض ہونا مطلوب ہے' لہٰذا اب معتزلہ کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ ''جب تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو کفر اور ظلم کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے' پھر یہ اللہ کی تقدیر میں ہیں اور مقدرات سے ہیں اور اللہ کی تقدیر سے راضی ہونا واجب ہے' لہٰذا کفر اور ظلم سے بھی راضی ہونا واجب ہے' حالانکہ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے اور یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ تم جماعت اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ تمام افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے' سو اس خرابی سے چھٹکارے کے لیے یہ مان لو کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے''۔ اور مصنف کی تقریر سے معتزلہ کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کیونکہ ہر مقدر سے راضی ہونا واجب نہیں ہے' صرف اس مقدر سے راضی ہونا واجب ہے جس کا تعلق تکوین سے ہو اور جس مقدر کا تعلق تشریع سے ہو اور جو مقدر کفر اور شرک ہو اس سے ناراض ہونا واجب ہے' ہاں جس کے مقدر میں ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اس کا بھی اپنے مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے۔

عام طور پر مطلقاً کہا جاتا ہے کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے اور تکوین اور تشریع کا فرق نہیں کیا جاتا اور تشریع میں بھی ایمان اور کفر کے فرق کی وضاحت نہیں کی جاتی' میں نے کسی تفسیر اور حدیث کی شرح میں یہ فرق نہیں دیکھا' یہ خالص وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے دل میں القاء کی ہے اور یہ میری اس تفسیر کے خصائص میں سے ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اللہ تعالیٰ کا کفر اور معصیت کو پسند نہ فرمانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنے بندوں کی ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ خواہ وہ بندے مومن ہوں یا کافر' اسی طرح وہ کفر کو بھی پسند نہیں کرتا' اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر اور معصیت کو پسند نہیں کرتا تو وہ اس کو پیدا نہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر اور معصیت کو پیدا کیا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے اس کو پسند کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور رضا میں فرق ہے' جب کوئی انسان کفر اور معصیت کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے لیکن وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا' وہ راضی صرف ایمان اور اطاعت سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ راضی ان کاموں سے ہوتا ہے جن کاموں کی دنیا میں اس نے تعریف اور تحسین کی ہے اور جن کاموں پر آخرت میں وہ اجر اور ثواب عطا فرمائے گا اور کفر اور معصیت پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ملامت اور مذمت کی ہے اور آخرت میں ان پر سزا اور عذاب دے گا' پس کفر اور معصیت سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا' ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا' جب بندوں نے کفر اور معصیت کو اختیار کیا تو اس نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا' کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔

جزاء کا مدار اعمال پر بھی ہے اور ان کے اسباب پر بھی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے''۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک جتنے قتل ہوتے رہیں گے ان سب کے گناہوں کا بوجھ قابیل کی گردن پر ہوگا' جو پہلا قاتل تھا' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی قتل کیا جائے گا اس کے گناہوں میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۲۴۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس فعل کا خود مرتکب ہو اس کو اس کی جزاء بھی ملتی ہے اور جس فعل کا وہ دوسروں کے لیے سبب بنے اس کو اس کی جزاء بھی دی جاتی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو شروع کیا اس کو اپنے فعل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو شروع کیا اسے اپنے فعل کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور بعد والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم

الحدیث: ۱۴۷۲)

نیک اعمال میں اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما دے گا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ (الطور: ۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے ہر شخص اپنے کیے ہوئے کاموں کے عوض گروی رکھا ہوا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنالیتا ہے تاکہ (دوسروں کو) اس کی راہ سے منحرف کرے آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالو بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو ۝ بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہے (کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں ۝ (الزمر: ۹۔۸)

راحت اور مصیبت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس سے دعا کرنا ضروری ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے اسی نے دن اور رات کے توارد اور تعاقب کا سلسلہ قائم کیا ہے اور اپنی الوہیت اور استحقاق عبادت کے دیگر دلائل بیان فرمائے تھے اور مشرکین کے شرک اور ان کی ناشکری کی مذمت کی تھی اور ان آیتوں میں ان کے عقائد کی مزید مذمت فرما رہا ہے کہ ان کے عقائد میں تضاد ہے ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ جب ان کے جسم یا مال یا ان کی بیوی یا ان کی اولاد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کی نجات کو طلب کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور فرما دیتا ہے تو پھر وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کو ترک کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے فریاد کی ہی نہ تھی اور پھر دوبارہ اپنے بتوں اور خود ساختہ خداؤں کی پرستش میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس تضاد کو بیان کر کے یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ عقل والوں کو مشرکوں کی ان دو حالتوں پر تعجب کرنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی کو پکارنا چاہیے اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک طویل نصیحت فرمائی اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے:

اذا سئلت فاسئل الله و اذا استعنت فاستعن بالله.

جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۸۸ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۴۲۵ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۴)

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور راحت میں اللہ تعالیٰ کو بھول جانا یہ مشرکوں کا طریقہ

لہٰذا اگر انسان یہ چاہتا ہو کہ مصیبت میں اس کی دعا قبول ہو تو وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت یاد کرے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ مصائب کے اوقات میں اس کی دعاؤں کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعائیں کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۸۲ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۶۳۹۶ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰ طبع قدیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ عزوجل اس سے محبت کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۷۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۰۰۸۸ الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث:۶۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰ مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۲۷ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۶۶۵۵ المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱ شرح السنۃ رقم الحدیث:۱۳۸۹)

تہجد کی نماز کے فضائل

الزمر:۹ میں فرمایا: ''بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے''۔

اس آیت میں ''قانت'' کا لفظ ہے قانت کا معنیٰ ہے: جس شخص پر جو اطاعت اور عبادت واجب ہے وہ اس کے لیے قیام کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: القنوت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا' قرآن مجید میں ہے: ''كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ○''. (البقرہ:۱۱۶) نیز اس آیت میں ہے ''اناء اللیل'' اس کا معنیٰ ہے: رات کے اوقات' خواہ وہ رات کا اوّل وقت ہو' اوسط وقت ہو یا آخر وقت ہو۔ حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الصلوة طول القنوت. سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں لمبا قیام ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۲۱ جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث:۲۰۲)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز میں قیام کرنا دن کی نماز میں قیام کرنے سے افضل ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) رات کو عبادت کرنا عام لوگوں کی نماز سے مخفی ہوتا ہے' اس لیے رات کی عبادت ریاکاری سے زیادہ دور ہے۔
(۲) اندھیرا لوگوں کو دیکھنے سے مانع ہے اور لوگوں کا محو خواب ہونا ان کے سننے سے مانع ہے اور جب انسان کا دل باہر کے عوارض سے فارغ ہو تو وہ یک سوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔
(۳) رات کا وقت نیند اور آرام کے لیے ہوتا ہے' انسان طبعی طور پر رات کو سونا چاہتا ہے اور طبعی تقاضوں کو ترک کر کے اللہ کی عبادت کرنا نفس پر زیادہ شاق اور مشکل ہے۔

تہجد کی نماز کے فضائل میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز میں اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے

دونوں پیر سوج گئے تھے تو حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہ کروں کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہو جاؤں پھر جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۸ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے اور ذنب کا معنیٰ ہے گناہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں پھر ذنب کا کیا محمل ہے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسنات الابرار سیئات المقربین'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

نیز ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً اسے کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔ ۴۴۹ طبع جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور اپریل ۱۹۹۶ء)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں وہ نصف رات سوتے تھے پھر تہائی رات نماز میں قیام کرتے تھے پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے (مثلاً اگر چھ گھنٹے کی رات ہو تو تین گھنٹے سوتے تھے پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے پھر ایک گھنٹہ سوتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس) اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۴۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲ جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۶۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے ان رکعات میں وتر اور سنت فجر شامل ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۴)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعات نماز پڑھتے تم ان کے حسن اور طول کو نہ پوچھو پھر چار رکعات نماز پڑھتے تم ان کے حسن اور طول کو نہ پوچھو پھر تین رکعات (نماز وتر) پڑھتے تھے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر یہ پڑھ کر تین گرہیں لگا دیتا ہے: ''تمہاری رات بہت لمبی ہے سو جاؤ'' جب وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی

ہے مگر صبح کو وہ تروتازہ اور خوش گوار حال میں اٹھتا ہے ورنہ سستی کا مارا ہوا نحوست کے ساتھ اٹھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز کے لیے نہیں اٹھتا' آپ نے فرمایا: شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی مثل نہ ہو جانا' وہ پہلے رات کو نماز میں قیام کرتا تھا' پھر اس نے رات کے قیام کو ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۸۴۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جس بندہ کو مل جائے وہ اس گھڑی میں دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی سوال کرے تو اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں آتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۷' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۴۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رات کی نماز کے قیام کو لازم رکھو' کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کے قیام سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور رات کا قیام گناہوں کو روکتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۵۰۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عبسہ نے کہا: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے' اگر تم اس وقت میں اللہ کو یاد کر سکتے ہو تو یاد کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۹' مسند احمد ج ۴ص ۱۱۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو نماز کے لیے اٹھا اور اس نے اپنی بیوی کو جگایا' پھر اس نے نماز پڑھی' اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے' اللہ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو جگائے' پھر وہ بھی نماز پڑھے اور اگر وہ اٹھنے سے منع کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' مسند احمد ج ۲ص ۲۵۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۶۷' المستدرک ج ۱ص ۳۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۵۰۱)

سجدہ کی فضیلت پر دلائل

اس آیت کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے عمل سے کی ہے اور اس کی انتہاء علم پر کی ہے' اس میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی علم قابل شمار ہوتا ہے جو عمل کے ساتھ ہو کیونکہ بے علم شخص بالقوۃ گمراہ ہے' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جہل کی وجہ سے کسی برے عقیدہ کو یا برے عمل کو اختیار کرے اور بے عمل شخص بالفعل گمراہ ہے۔

پھر اس آیت میں "قانت" کا لفظ ذکر فرمایا' جس کا معنی ہے: دوام کے ساتھ اطاعت اور عبادت کرنے والا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ عمل اس وقت مفید ہوتا ہے جب وہ دائمی ہو اور "ساجدا و قائما" کا ذکر فرمایا اور سجدہ کو قیام پر مقدم فرمایا' کیونکہ عبادت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز کا اعتراف کرنا اور ذلت کو اختیار کرنا اور اقصیٰ غایت تذلل سجدہ میں ہوتا ہے' کیونکہ سجدہ میں انسان اپنے سب سے معزز عضو یعنی سر کو مٹی پر رکھ دیتا ہے۔ نیز عبادت سے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور سب سے زیادہ اللہ کا قرب سجدہ میں ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (العلق: ۱۹) سجدہ کر اور اللہ کے قریب ہو جا○

سجدہ کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مجھے وہ عمل بتایئے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ نے فرمایا: تم اللہ کو بہ کثرت سجدے کرو' کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہو تو وہ اس سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۔۳۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا' میں آپ کے پاس آپ کے استنجاء اور وضو کے لیے پانی لے کر آیا' آپ نے مجھ سے فرمایا: کوئی سوال کرو' میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: کسی اور چیز کا بھی' میں نے کہا: مجھے یہ کافی ہے' آپ نے فرمایا: تم بہ کثرت سجدے کر کے (اس سوال کو پورا کرنے میں) میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۴)

نماز میں قیام کی فضیلت پر دلائل

سجدہ کے بعد اس آیت میں قیام کا ذکر ہے اور نماز کے ارکان میں قیام کی بھی بہت فضیلت ہے' ہم قیام کی فضیلت میں یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں: سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں لمبا قیام ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۶)

نماز میں قیام کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان کی ادائیگی میں سب سے زیادہ مشقت قیام میں ہوتی ہے اور جس عبادت کی ادائیگی میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ اجر و ثواب ہوتا ہے۔

امام المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ میں بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا:

ای الاعمال افضل فقال احمزها. کون سے عمل میں سب سے زیادہ فضیلت ہے؟ فرمایا: جس میں سب سے زیادہ مشقت ہو۔

(النہایہ ج ۱ ص ۴۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس روایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! لوگ دو عبادتیں (حج اور عمرہ) کر کے واپس جائیں گے اور میں ایک عبادت (صرف حج) کر کے واپس جاؤں گی، آپ نے فرمایا: تم انتظار کرو، پس جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو تنعیم کی طرف جانا، پھر احرام باندھنا، پھر فلاں مقام پر آ کر ہم سے مل جانا، لیکن تمہارا عمرہ بہ قدر خرچ یا بہ قدر مشقت ہوگا (یعنی جس قدر عمرہ میں تمہارا خرچ ہوگا یا جس قدر اس میں مشقت ہوگی تم کو اس قدر اجر ملے گا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۷، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۳)

ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ان لک من الاجر قدر نصبک ونفقتک. بے شک تم کو بہ قدر مشقت اور بہ قدر خرچ اجر ملے گا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۷۰۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۷۱ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۷۳۳ طبع جدید)

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ لیلۃ القدر میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ القدر اور کعبہ میں جو اجر زیادہ ملتا ہے وہ نفس عبادت کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ لیلۃ القدر اور کعبہ کی خصوصیت کی وجہ سے اجر زیادہ ملتا ہے، لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ ہی ہے کہ جس عبادت میں زیادہ مشقت ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

توضیح میں مذکور ہے کہ ہر نیک کام میں جس قدر زیادہ خرچ ہو یا جس قدر زیادہ مشقت ہو اس میں اس قدر زیادہ اجر ملتا ہے، اسی لیے امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ سوار ہو کر حج کرنا مستحب ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ (التوبہ: ۲۰)

ان کا درجہ دوسرے مؤمنوں سے اس لیے بہت بڑا ہے کہ انہوں نے جہاد کے لیے اپنا مال خرچ کیا اور اپنے نفس پر مشقت برداشت کر کے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا○ (الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کو بھی بے حساب اجر اسی وجہ سے دیا جائے گا کہ باقی عبادات کی بہ نسبت صبر کرنے میں زیادہ مشقت ہے، اسی طرح جو شخص زیادہ دور سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لیے جائے گا یا زیادہ دور سے چل کر نماز پڑھنے جائے گا اس کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مشقت ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۷۵-۱۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ نماز کے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام میں زیادہ مشقت ہے اس لیے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام

میں زیادہ فضیلت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔
اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ صاحب الفردوس نے حضرت عثمان بن عفان سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ افضل عبادت وہ ہے جس میں سب سے زیادہ خفت اور آسانی ہو تو میں کہوں گا: یہ غلط ہے اصل میں اس حدیث میں عبادت کی جگہ عیادت کا لفظ ہے۔ (اتحاف السادة المتقین ج ٦ ص ۲۹۸ کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۵۵)
اور عیادت میں اصل یہ ہے کہ بہت تخفیف کے ساتھ عیادت کی جائے اور مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھا جائے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ اجر اس عیادت میں ہوتا ہے جس میں سب سے زیادہ تخفیف ہو اور تعزیت ایک مرتبہ کی جائے۔ (شعب الایمان ج ٦ ص ۵۴۲ رقم الحدیث: ۹۲۱۹)
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عیادت وہ ہے جس میں عیادت کرنے والا مریض کے پاس سے جلدی اٹھ کر کھڑا ہو۔ (شعب الایمان ج ٦ ص ۵۴۳ رقم الحدیث: ۹۲۲۱)
امام ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ غالب القطان ان کی عیادت کرنے کے لیے آئے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر جانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو ابو العالیہ نے کہا: عرب کس قدر عمدہ عیادت کرتے ہیں کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے کیونکہ کبھی مریض کو کوئی کام ہوتا ہے اور وہ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی وجہ سے حیاء کرتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۲۴)
خلاصہ یہ ہے کہ عیادت اور تعزیت آسان اور خفیف طریقہ سے کرنی چاہیے اور عبادت کرنے میں جتنی مشقت ہو گی اتنا زیادہ اجر ہو گا اور نماز کے قیام میں چونکہ زیادہ مشقت ہوتی ہے اس لیے اس میں زیادہ اجر ہوتا ہے اور سجدہ میں ہر چند کہ مشقت زیادہ نہیں ہوتی لیکن اس میں چونکہ تواضع اور تذلل زیادہ ہے اس لیے اس میں بھی زیادہ اجر ہوتا ہے اس وجہ سے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے: ''بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے'' پس سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصداق کون ہیں؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصادیق

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عمر نے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رات کو بہ کثرت نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۴۸ رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)
علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال بیان کیے ہیں:
(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
(۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔
(۳) حضرت ابن عمر نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔
(۴) الکلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر حضرت صہیب حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مصداق کو متعین نہیں فرمایا' سو جو شخص بھی اپنی راتیں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (النکت والعیون ج۵ ص۱۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حسب ذیل آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقرب بندوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی راتیں سجدے اور قیام میں گزرتی ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ (الفرقان: ۶۳-۶۵)

اور رحمٰن کے (مقرب) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ کلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام! ○ اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں ○ اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھنا' کیونکہ اس کا عذاب چمٹنے والا ہے ○

اسی طرح زمر: ۹ میں بھی فرمایا ہے: " بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے' آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہوسکتا ہے؟)"۔

ان آیتوں میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عذاب کے خوف سے عبادت کرنا یا جنت کی امید سے عبادت کرنا مذموم ہے' اللہ کی عبادت صرف اللہ کے لیے کرنی چاہیے' بے شک اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی جائے' لیکن دوزخ کے ڈر سے اور جنت کی طلب کے لیے بھی عبادت کرنا صحیح ہے' انبیاء علیہم السلام اور صالحین نے دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کے لیے دعائیں کی ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے اور یہ جاہل صوفیاء ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے' حافظ سیوطی نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

طلب ثواب کے لیے عبادت کرنے کا جواز اور طلب رضا کے لیے عبادت کرنے کا افضل ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس اس وقت گئے جب وہ مرض موت میں تھا' آپ نے اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں اللہ سے (بخشش کی) امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ کے دل میں بھی یہ کیفیات جمع ہوں گی اللہ اس کو وہ عطا کردے گا جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو محفوظ رکھے گا جس سے وہ ڈر رہا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۱' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۶۲' حلیۃ الاولیاء ج۶ ص۲۹۲)

ہم گنہ گار لوگوں کے لیے اس حدیث میں بہت اطمینان اور سکون ہے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو عذاب کے خوف اور بخشش کی امید سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں اور وہ امام رازی ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۳۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: یہ امام رازی پر بہتان ہے' امام رازی نے ایسا کہیں نہیں لکھا' اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

جب انسان اللہ تعالیٰ کی دائمی عبادت کرتا ہے تو پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کی صفت قہر منکشف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: "وهو يحذر الاخرة " اور وہ آخرت سے ڈرتا ہے' پھر اس کے بعد اس پر مقام رحمت منکشف ہوتا ہے' جیسا کہ اللہ نے فرمایا: " ويرجو رحمة ربه " اور وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے' پھر اس پر دیگر علوم منکشف ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: "هل يستوى

الذین یعلمون و الذین لا یعلمون". کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

نیز لکھتے ہیں: مقام خوف میں فرمایا: وہ بندہ آخرت سے ڈرتا ہے اور خوف کی اس بندہ کی طرف نسبت کی اور امید کے مقام میں فرمایا: اور وہ بندہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور امید کی نسبت اپنے رب کی طرف کی' اس میں یہ دلیل ہے کہ خوف کی بہ نسبت امید کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب کے زیادہ لائق ہے اور زیادہ کامل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غور فرمائیے! کہاں امام رازی کی تفسیر کے یہ عارفانہ نکات اور کہاں علامہ آلوسی کا بے سروپا بہتان۔

ہاں! اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ صرف جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے اور وہ اللہ کی رضا کا طالب نہ ہو تو اس کا یہ عقیدہ کفریہ ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا۔

امام رازی فرماتے ہیں: اہل تحقیق نے کہا ہے کہ عبادت کے تین درجات ہیں:

(۱) بندہ صرف ثواب کی طمع اور عذاب سے نجات کے لیے عبادت کرے اور یہ درجہ بہت گرا ہوا ہے کیونکہ اب حقیقت میں اس کا معبود طلب ثواب اور طلب نجات ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اس مطلوب کے لیے وسیلہ بنایا ہے اور جو مخلوق کے احوال کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنائے وہ بہت خسیس ہے۔

(۲) بندہ اللہ کی عبادت سے مشرف ہونے کے لیے عبادت کرے' یہ عبادت کا پہلے درجہ سے بلند درجہ ہے' تاہم یہ بھی کامل نہیں ہے' کیونکہ اس کا مقصود اللہ کی طرف نسبت کو حاصل کرنا ہے اور یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی غیر ہے۔ سو اس کا مقصود اللہ تعالیٰ نہیں' اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔

(۳) بندہ اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت کرے کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور خالق اور مالک ہے اور وہ بندہ اس کا عبد اور مملوک ہے اور معبود ہونا ہیبت اور غلبہ کا تقاضا کرتا ہے اور عبد ہونا عجز اور ذلت کا تقاضا کرتا ہے اور جو شخص اس قصد سے اللہ کی عبادت کرے گا اس کی عبادت' عبادت کا سب سے اشرف اور افضل مرتبہ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اپنی اس تفسیر میں کئی جگہ پر لکھ چکے ہیں کہ عبادت کا سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس لیے اللہ کی عبادت کرے کہ اللہ نے اس کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرے اور دوسرا مرتبہ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے دیدار کی طلب کے لیے عبادت کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اپنی جان کو فروخت کر دیا۔

اور عبادت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے' مگر محض جنت و دوزخ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنت کے طلب کرنے اور دوزخ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۳)

اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں' جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اوسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۴۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھرم والمغرم والمأثم اللھم انی اعوذ بک من عذاب النار وفتنۃ النار. الحدیث

اے اللہ! میں سستی اور بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

عبادت کے ان تین مراتب کی جس طرح ہم نے تفصیل اور تحقیق کی ہے شاید کہ قارئین کو اور کسی کتاب میں نہ مل سکے **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم.** (الجمعہ: ۴)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں'' ہم اس آیت کی تفسیر میں علم کی تعریف ذکر کریں گے اور علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کو پیش کریں گے۔

حکماء اور متکلمین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

حکماء کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

حصول صورۃ الشیء فی العقل. کسی شے کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا۔

یہ تعریف وہم' شک' ظن' جہل مرکب' تقلید اور یقین کو شامل ہے۔

متکلمین کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

ھو صفۃ یتجلی بھا المذکور لمن قامت ھی بہ. عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف' علم ہے۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علم انکشاف ذہنی کا نام ہے' یہ انکشاف تام اور غیر مشتبہ ہونا چاہیے' اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے یا مقولہ اضافت سے یا مقولہ انفعال سے' زیادہ صحیح یہ ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے' کیونکہ علم کیفیت نفسانیہ کا نام ہے۔ علم کی یہ دونوں تعریفیں ذوی العقول کے ساتھ خاص ہیں اور حیوانات کے ادراکات پر حقیقتاً علم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علم کا اطلاق علوم مدونہ پر بھی کیا جاتا ہے' مثلاً نحو اور فقہ وغیرہ پر' اسی طرح مسائل مخصوصہ پر بھی علم کا اطلاق کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نحو کا یا فقہ کا علم ہے' یعنی اس شخص کو نحو یا فقہ کے مسائل کا علم ہے اور کبھی علم کا اطلاق ملکہ استحضار پر کیا جاتا ہے یعنی کسی شخص کو مثلاً فقہ کے مسائل کی بہ کثرت تکرار سے ایسی مہارت ہو جائے کہ جب بھی اس سے فقہ کا کوئی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے تو اس کی اس مہارت (ملکہ' پختہ صلاحیت) کو علم سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص فقہ کا عالم ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج۱ ص۶۶-۶۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ھ)

محدثین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علم' مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے' یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال'

افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے' جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے' اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلاواسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔

علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی' الہام اور فراست' وحی کا لغوی معنی ہے: سرعت سے اشارہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام الٰہی جو نبی کے دل میں حاصل ہو جس کلام کے الفاظ اور معانی کا حضرت جبرائیل کے واسطے سے نبی پر نزول ہو' وہ کلامِ الٰہی یعنی قرآن مجید ہے اور جس کلام کے صرف معانی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نزول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمائیں' وہ حدیث نبوی ہے' الہام کا لغوی معنی ابلاغ ہے اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر القاء کرتا ہے اور ان کو امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور فراست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں' الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا' بلاواسطہ کشف ہوتا ہے اور فراست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے اور الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ الہام وحی کے تابع ہے اور وحی الہام کے تابع نہیں (نیز وحی سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے اور الہام سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے' عین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجرد سے واصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۶۴' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علم دین کی تفصیل

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم' اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم' اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔

(۳) کتاب وسنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم' اس میں مراتب نصوص' ناسخ اور منسوخ' اجتہاد' قیاس' صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

(۴) جن علوم سے کتاب وسنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو' اس میں لغت عرب' نحو' صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔

جو شخص علم دین کے حصول کا ارادہ کرے اور وہ اہل عرب سے نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے عربی زبان اور اس کے قواعد کا علم حاصل کرے اور اس میں مہارت پیدا کرے' پھر قرآن مجید کے علم کو حاصل کرے اور بغیر احادیث کی معرفت کے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت ممکن نہیں ہے اور احادیث کا علم' آثار صحابہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور آثار صحابہ کی معرفت کے لیے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی معرفت ضروری ہے' کیونکہ علم دین ہم تک اسی طرح درجہ بہ درجہ پہنچا ہے اور جب قرآن' سنت' آثار صحابہ اور اقاویل تابعین کا علم حاصل ہو جائے تو پھر اجتہاد کرے اور مقدمین کے مختلف اقوال میں غور کرے اور جو قول اس کے نزدیک دلائل سے راجح ہو اس کو اختیار کرے اور جو نئے مسائل پیدا ہوں ان کا قیاس کے ذریعہ عمل تلاش کرے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۵۱)

علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں اور علم والوں نے (یہ گواہی دی) درآں حالیکہ

قائم بالعدل تھے○

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی شہادت کا ذکر کیا' پھر فرشتوں کی شہادت کا اور پھر اہل علم کی شہادت کا اور یہ اہل علم کی بڑی عزت افزائی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ (المجادلہ:۱۱)

تم میں سے جو کامل ایمان والے اور علم والے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنت میں عام مسلمانوں کی بہ نسبت علماء سات سو درجہ بلند ہوں گے۔ (احیاء العلوم وقوت القلوب)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (الزمر:۹)

آپ فرما دیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے' برابر ہیں؟

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ (فاطر:۲۸)

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○ (الرعد:۴۳)

آپ فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ' اللہ ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے○

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت:۴۳)

اور یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں○

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ (النساء:۸۳)

اور اگر وہ اس کو رسول اور صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو اس (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے استنباط کر سکتے ہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔ (العنکبوت:۴۹)

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں روشن آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء:۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور جن چیزوں کا آپ کو (پہلے) علم نہیں تھا ان کا علم دے دیا' اور (یہ) آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے○

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ:۱۱۴)

اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما○

علم کی فضیلت میں احادیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے (یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۸۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۹۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم ڈھونڈنے کے لیے کسی

راستہ پر چلا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستہ کو آسان کر دیتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۳۸۰' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ص ۲۹۰' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث:۱۴۷۴)

حضرت سنجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلا تو اس کا نکلنا اس کے پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۸' سنن الدارمی رقم الحدیث:۵۶۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۶۶۱۶)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا اللہ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر جھکاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہے' حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی' اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے' وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۶۴۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۸۲' مسند احمد ج ۵ص ۱۹۶)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طالب کی رضا کو طلب کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (تاریخ دمشق ج ۷ص ۱۳' رقم الحدیث:۱۷۷۶' جمع الجوامع ج ۵ص ۱۷' رقم الحدیث:۱۳۸۸۳' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۲۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۹۶)

امام ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: فرشتوں کے پر جھکانے یا پر بچھانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ طالب علم کی تعظیم اور توقیر کرتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنا اڑنا موقوف کر کے طالب علم کے ساتھ رہنے کو اختیار کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے پروں پر طالب جہاں جانا چاہے اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اس کی مدد کرتے ہیں۔

(جامع الاصول ج ۸ص ۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں' اس کے ماسوا زائد ہیں (۱) آیت محکمہ (۲) سنت محکمہ (۳) یا فریضہ عادلہ۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۴' جامع الاصول رقم الحدیث:۵۸۳۳' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث:۵۹۷)۔

آیت محکمہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہو جن میں کوئی اشتباہ یا اختلاف نہ ہو اور وہ منسوخ نہ ہوں اور سنت قائمہ سے مراد یہ ہے کہ وہ احادیث صحیحہ جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور فرائض عادلہ سے مراد ہے: اس کو احکام شرعیہ کا علم ہو' خلاصہ یہ ہے کہ عالم وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید' احادیث اور فقہ کا علم ہو اور جب اس سے دین کی کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید' کتب احادیث اور کتب فقہ سے اس کو بتا سکے۔

کثیر بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جس پر عمل کو لوگ ترک کر چکے تھے اس کو بھی اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہ کام والی بدعت کو ایجاد کیا جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو' اس کو اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا گناہ ہوگا اور لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی

...ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ (احکام شرعیہ کا عالم) شیطان پر ایک ہزار عابدوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۹۹' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰۴' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۲۰۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا' ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں اور حتیٰ کہ مچھلیاں بھی پانی میں نیکی کی تعلیم دینے والے پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں (اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور باقی رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۱۱)

حسان بن سنان بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم' جاہلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زندہ مُردوں کے درمیان ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۲۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم' طالبِ رحمت ہے' طالب علم' اسلام کا رکن ہے' اس کو نبیوں کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۳۴-۸۷۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے علم کو طلب کرنے والا' اللہ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۵)

حضرت عمار اور حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے لیے علم کی طلب کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کے لیے صبح اور شام جہاد کرنے والا ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا علم' اس نے کہا: یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا علم' اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ سے عمل کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ مجھے علم کی خبر دے رہے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور زیادہ عمل جہل کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث: ۲۱۴' دار ابن الجوزیہ' ریاض' ۱۴۱۹ھ)

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ

آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو' جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں

هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى

ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے' صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿١١﴾ لا وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾

اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣﴾ قُلِ

آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O آپ کہیے:

اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿١٤﴾ ج لا فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ

میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O پس تم اس کے سوا جس کی عبادت

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

کرتے ہو کرتے رہو' آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل وعیال قیامت کے دن

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١٥﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ

نقصان اٹھائیں گے' سو یہی کھلا ہوا نقصان ہے O ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے

وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ

اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے' یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو!

فَاتَّقُوْنِ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا

سو تم مجھ سے ڈرتے رہو O اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا

اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ لا الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ

ان ہی کے لیے بشارت ہے' سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجیے O جو غور سے بات سنتے ہیں' پھر احسن بات کی

فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ

پیروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ط اَفَاَنْتَ

اور یہی عقل والے ہیں O جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ

تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ

اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟ O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے

فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ لا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط وَعْدَ اللّٰهِ ط لَا يُخْلِفُ

(جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے

اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ

اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے'

يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے' پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے' پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے' بے شک اس میں

ع ۲/۱۲ ۱۶ لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع

عقل والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو' جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے' صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O (الزمر: ۱۲-۱۰)

نیک اعمال کے اجر حسن سے مراد دنیا کا اجر نہیں' آخرت کا اجر ہے

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہیں اور اب مؤمنین کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ

ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو حاصل کریں' تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی فرائض کو ترک نہ کریں اور حرام کا ارتکاب نہ کریں' یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی واجبات کو ترک نہ کریں اور مکروہات تحریمہ کا ارتکاب نہ کریں اور تقویٰ کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب نہ کریں۔

چونکہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ کے حصول کا حکم دیا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور فسق سے ایمان زائل نہیں ہوتا اور معتزلہ اور خوارج کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فسق سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اچھے اجر سے مراد صحت اور عافیت ہے اور خوش حالی اور فارغ البالی ہے' لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ دنیا میں صحت' عافیت اور خوش حالی تو کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے' اکثر مؤمنین اور صالحین تو تنگی اور مفلسی میں زندگی گزارتے ہیں۔

اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۴)

اور بلاؤں اور بیماریوں میں صالحین کے مبتلاء ہونے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء' پھر جوان کے قریب ہو' پھر جوان کے قریب ہو' ہر شخص اپنے دین کی مقدار کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' اگر وہ اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی اس کے اعتبار سے ہوتی ہے' بندہ پر اسی طرح مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴)

ابراہیم بن مہدی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب اللہ کے نزدیک کسی بندہ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد کے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۴۰۱)

اس لیے اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے'' اس اچھے اجر سے مراد دنیا میں اچھا اجر ملنا مراد نہیں ہے کہ نیک کام کرنے والے بہت صحت مند اور خوشحال ہوتے ہیں' جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آخرت میں اچھا اجر ملے گا' اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرمائے گا اور اپنی رضا اور اپنے دیدار سے نوازے گا۔

اور رزق کی وسعت

اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مسلمان کافروں کے ملک میں ہوں اور وہاں ان کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو اور وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے ایمان' ان کی عزت اور ان کی جان کو خطرہ ہو تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے' وہ کافروں کے ملک سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے ملک میں چلے جائیں یا کسی ایسے کافر ملک میں چلے جائیں جہاں انہیں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی ہو اور کوئی خطرہ نہ ہو۔ اس کی زیادہ وضاحت حسب ذیل آیت میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ○

جب فرشتوں نے ان لوگوں کی روحوں کو قبض کیا جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے' فرشتوں نے کہا: تم کس کیفیت میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم زمین میں کم زور تھے' فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے' یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے○ (النساء: ۹۷)

یہ آیت ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور اپنے وطن اور خاندان کی محبت کی وجہ سے ہجرت سے گریز کر رہے تھے' ابتداء میں ہجرت کرنا فرض تھا تا کہ مدینہ میں مسلمانوں کو قوت حاصل ہو اور ان کی مرکزیت قائم ہو' پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو پھر ہجرت فرض نہیں رہی' اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر لیثی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی اور آپ سے ہجرت کے حکم کے متعلق سوال کیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اب ہجرت (فرض) نہیں ہے' مسلمان اپنے دین کو بچانے کے لیے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کی طرف اس خطرہ سے بھاگتے تھے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں' اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور مسلمان جہاں چاہے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے' لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۶' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۴۰۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۷' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۴۷۰)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں مہاجر کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا' آپ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے' لیکن جہاد اور نیت ہے' جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ان کاموں سے ہجرت کر لو (یعنی ان کاموں کو ترک کر دو) جو تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ الحدیث

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۶' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت کرنا فرض تھا اور اب ہجرت کرنا فرض نہیں ہے' ہاں جس جگہ

مسلمانوں کے ایمان' ان کی عزت اور ان کی جان کا خطرہ ہو اور جہاں اسلام کے احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کا معنیٰ یہ ہے کہ جس جگہ بھی انسان اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے جائے وہ جگہ بہت وسیع ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ کی زمین سے مراد ہے: جنت کی زمین' یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے نیک عمل کی وجہ سے اچھا اجر عطا فرمائے گا اور جنت کی عطا سے نوازے گا اور جنت کی زمین بہت وسیع ہے۔ جنت کی زمین پر اس آیت میں دلیل ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (الزمر: ۷۴)

اور انہوں نے کہا: اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم جہاں چاہیں جنت میں قیام کر لیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے ۝

ان دو تفسیروں میں پہلی تفسیر راجح ہے یعنی زمین کی وسعت سے مراد دنیا کی زمین کی وسعت ہے یعنی دنیا کی زمین بہت وسیع ہے' تم جس جگہ جا کر اسلام کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکو وہاں رہو۔ اس کی زیادہ تفسیر ہم نے النساء: ۹۷ میں کی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کا تیسرا محمل یہ ہے کہ زمین کی وسعت سے مراد ہے رزق کی وسعت' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو زمین سے رزق دیتا ہے' سو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کا رزق بہت وسیع ہے اور یہ معنیٰ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اور اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے۔

صبر کے معانی

اس کے بعد فرمایا: ''صرف صبر کرنے والوں کو ہی پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا''۔

صبر کا معنیٰ ہے: نفس کو شریعت اور عقل کے تقاضوں پر جمائے رکھنا' اختلاف مواقع کے اعتبار سے اس کے مختلف معانی ہیں:

(۱) کسی مصیبت اور غم کے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ہے ماتم کرنا' واویلا کرنا' نوحہ کرنا' رونا پیٹنا' بے چینی اور بے قراری کا اظہار کرنا۔

(۲) میدان جنگ میں بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے کو بھی صبر کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں ہے بزدلی۔

ان دونوں معنیٰ میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ. (البقرہ: ۱۷۷)

تنگ دستی' مصیبت اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے۔

(۳) عبادت کی مشقت پر اپنے نفس کو جمائے رکھنا' اس کے مقابلہ میں معصیت اور نافرمانی ہے۔

(۴) غلبہ شہوت کے وقت اپنے آپ کو گناہ سے روکنا' اس کے مقابلہ میں فحشاء اور فسق و فجور ہے۔

(۵) غلبۂ غضب کے وقت اپنے آپ کو زیادتی سے روکنا' اس کے مقابلہ میں عدوان اور سرکشی ہے۔

ان معانی کے استعمال میں قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا. (آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو! عبادت کی مشقت پر ثابت قدم رہو اور جنگ کی شدت میں جمے رہو اور جہاد کے لیے تیار رہو۔

''صابروا'' کا یہ معنی بھی ہے: اپنی ناجائز خواہشات کے خلاف جہاد کرتے رہو۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ .(مریم:۶۵) سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی کی عبادت پر جمے رہیں۔

(۶) صبر کا ایک معنی روزہ بھی ہے یعنی طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے نفس کو کھانے پینے اور عمل زوجیت سے روکے رکھنا' اس کے مقابلہ میں افطار ہے' حدیث میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صوم شهر الصبر وثلاثة ايام من كل شهر يذهبن وحر الصدر. صبر کے مہینہ کے روزے اور ہر ماہ کے تین روزے سینہ کے کینہ اور غصہ کو دور کر دیتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۱۰۵۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۴۴۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں)

صبر کا بے حساب اجر عطا فرمانے کی وجوہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت حساب سے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو حساب سے اجر دے گا' مثلاً اس کی زکوٰۃ ۲۵۵ روپے بنتی ہے تو وہ ۲۵۵ روپے ہی اللہ کی راہ میں دے گا ۲۵۶ روپے نہیں دے گا اور اس کا صدقہ فطر ۳۱ روپے بنتا ہے تو وہ ۳۱ روپے ہی دے گا ۳۲ روپے نہیں گا' اس کے ذمہ ایک جانور کی قربانی ہے تو وہ ایک جانور ہی کی قربانی کرے گا دو جانوروں کی قربانی نہیں کرے گا' وہ پانچ وقت کی فرض نمازیں ہی پڑھے گا' اس سے زائد نمازیں نہیں پڑھے گا' اسی طرح ایک ماہ کے فرض روزے ہی رکھے گا' اس سے زیادہ روزے نہیں رکھے گا' صرف ایک فرض حج ادا کرے گا' اس کے بعد حج نہیں کرے گا۔ سو جو شخص اللہ کی عبادت حساب سے کرے گا وہ اس کو حساب سے اجر دے گا اور جو اللہ کی عبادت بے حساب کرے گا اس کو وہ بے حساب اجر دے گا' وہ زکوٰۃ' نماز' روزہ اور حج میں حساب نہیں رکھے گا' وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے گا اور اس کی عبادت کرتا رہے گا خواہ مقدار فرض سے کسی قدر زیادہ ادا ہو جائے۔

امام رازی نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے استحقاق عبادت کے لحاظ سے اجر دیتا تو یہ حساب سے اجر ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے اجر عطا فرمائے گا اور اس کا فضل بے حساب ہے' اس لیے وہ بے حساب اجر دے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۳۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے بھی عمدہ معنی بیان کیا ہے لیکن اس میں بے حساب اجر کے ساتھ صبر کرنے والوں کی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی اور ہم نے جو معنی بیان کیا ہے اس سے بے حساب اجر کی صبر کرنے والوں کے ساتھ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

صبر کی جزاء کے متعلق احادیث اور آثار

صبر پر اجر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس مسلمان پر بھی کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرہ:۱۵۶) اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها'' ''اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما'' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس فوت شدہ چیز سے بہتر چیز عطا فرمائے گا' سو جب (میرے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے سوچا: مسلمانوں میں ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاتم بن ابی بلتعہ کے ذریعہ مجھے نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے عرض کیا: میری ایک بیٹی بھی ہے اور میں بہت غیرت والی ہوں' آپ نے فرمایا: رہی تمہاری بیٹی تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ اس سے مستغنی کر دے اور رہی تمہاری غیرت تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری غیرت کو دور کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کا بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح کو قبض کر لیا' وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا' وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: پھر بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہیں گے: اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا' اللہ فرمائے گا: میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۶۲۴)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تھے' ہم نے آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے' کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کو پکڑ لیا جاتا تھا' پھر اس کے لیے زمین کھودی جاتی تھی اور اس کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا' پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے اور لوہے کی کنگھی سے اس کے بدن کو چھیل کر اس کے گوشت اور خون سے کاٹ کر گزارا جاتا تھا اور یہ ظلم بھی ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کرتا تھا اور اللہ کی قسم! اللہ ضرور اپنے اس دین کو مکمل فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہو گا اور بھیڑیا بکریوں کی حفاظت کرے گا لیکن تم لوگ عجلت کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

یحییٰ بن وثاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معمر صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہو اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتا ہو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۶۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں' اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا' جو شخص اپنی حفاظت لا الہ الا اللہ سے کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو کہے: انا للہ وانا الیہ راجعون اور جب اسے کوئی چیز دی جائے تو وہ کہے: لا الہ الا اللہ اور جب اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو کہے: استغفر اللہ۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۶۹۲' ج ۷ ص ۱۱۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حسن بصری نے کہا: ایمان صبر اور سخاوت ہے یعنی اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرنا اور اس کے فرائض کو ادا کرنا۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۲۲' رقم الحدیث: ۹۷۰۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے دو نصف ہیں: نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۱۵)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان پر کوئی مصیبت آئے' وہ جب

بھی اس مصیبت کو یاد کر کے کہے: انا لله وانا اليه راجعون تو اللہ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے' اس دن کی طرح جب اس پر پہلی بار مصیبت آئی تھی خواہ کتنا عرصہ گزر چکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہل عافیت مصائب پر صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھال کو قینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۱' سنن بیہقی ج ۳ ص ۵۷۵' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۱۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور اس کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا' پھر ان کو لایا جائے گا جنہوں نے دنیا میں مصائب پر صبر کیا تھا' ان کے لیے میزان کو قائم کیا جائے گا نہ ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا' پھر ان پر ان کا اجر اس قدر انڈیلا جائے گا حتیٰ کہ اہل عافیت حشر کے دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے جسم کو قینچی کے ساتھ کاٹ ڈالا جاتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۱' طبع قدیم' دارالکتاب العربی ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۸' رقم الحدیث: ۳۳۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O'' (الزمر: ۱۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسلام لانے کے حکم کی توجیہ

مقاتل نے کہا: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے پاس جو پیغام لائے ہیں اس پر آپ کو کسی نے برانگیختہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی ملّت کو نہیں دیکھا' آپ اس پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ج ۷ ص ۱۶۹' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس آیت میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی عبادت شرک جلی اور شرک خفی سے خالص ہونی چاہیے اور اس میں کئی فوائد ہیں:

(۱) گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں ان جابر اور متکبر بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے' بلکہ میں تم کو جس چیز کا حکم دیتا ہوں سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں۔

(۲) پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا اور پھر اخلاص کا ذکر کیا' کیونکہ عبادت ظاہری اعضاء اور ارکان سے ہوتی ہے اور اخلاص کا تعلق دل سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O'' (الزمر: ۱۲)

یعنی اس امت میں مجھے سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے' کیونکہ رسول کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہوتی ہے' اس لیے سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت واجب ہوگی۔ ان آیتوں میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جنید نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ خلوت اور جلوت کے تمام کام صرف اللہ کے لیے ہوں اور اس میں کوئی اور شریک نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O پس تم اس

کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو کرتے رہو آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے' سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہےO ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے' یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہوO (الزمر: ۱۶۔۱۳)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کے متعلق احادیث اور آیات میں باہم ظاہری تعارض کا جواب

الزمر: ۱۳ میں فرمایا ہے: ''آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہےO''

اس آیت سے مقصود امت کو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور تمام رسولوں کے قائد اور سب سے افضل ہیں' اس کے باوجود جب آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے تو عام لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کتنا عذاب کا خطرہ ہوگا' نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معصیت کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے' یہ نہیں کہ معصیت کی صورت میں یقینی عذاب ہوگا اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے امر پر عمل نہیں کیا گیا تو اس سے عذاب کا خطرہ ہے۔

الزمر: ۱۴' میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئےO''

الزمر: ۱۱ میں بھی فرمایا تھا: ''آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں اللہ کی عبادت کروں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئےO'' اور الزمر: ۱۴ میں بھی یہی فرمایا ہے اور یہ تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے' کیونکہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور الزمر: ۱۴ میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں۔ تکرار نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں حصر اور تخصیص نہیں ہے اور الزمر: ۱۴ میں فرمایا ہے: ''اللّٰہ اعبد'' مفعول کو فعل پر مقدم کیا ہے اور اس سے حصر اور تخصیص حاصل ہوتی ہے اور اس کا معنیٰ ہے: میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور ان دونوں آیتوں کے معنیٰ میں واضح فرق ہے اور اب بالکل تکرار نہیں ہے۔

الزمر: ۱۵ میں فرمایا: ''پس تم اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو' کرتے رہو''۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے' بلکہ اس سے مراد ان کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت کرنا ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو بار بار سمجھائے اور وہ پھر بھی نہ مانے تو وہ کہتا ہے: اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے: ''بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے' سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہےO''

مشرکین کو اور ان کے اہل و عیال کو جو نقصان ہوگا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن زید نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے اہل کا نقصان یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں ان کے اہل و عیال تھے اس طرح دوزخ میں ان کے اہل و عیال ہوں گے۔

(۲) حسن اور قتادہ نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ جنت سے محروم ہو گئے اور اہل کا نقصان یہ ہے کہ ان کو جنت میں

حوریں ملتیں وہ ان سے محروم ہو گئے۔

(۳) ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں گئے اور اہل کا نقصان یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کے اہل ایمان لے آئے تو وہ جنت میں ہوں گے اور یہ دوزخ میں ہوں گے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۱۹' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۶۹)

آخرت میں کفار کے نقصان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گا حتیٰ کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے' تا کہ وہ زیادہ شکر ادا کرے اور کوئی شخص اس وقت تک دوزخ میں نہیں داخل ہو گا حتیٰ کہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے' اگر وہ (اسلام لا کر) نیک عمل کرتا تو جنت میں داخل ہوتا۔ تا کہ اس کی حسرت زیادہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۰' البعث والنشور رقم الحدیث: ۲۴۴)

امام ابو اسحٰق الثعلبی التوفی ۴۲۷ ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ ھ نے اس حدیث کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں گھر اور اہل بنائے ہیں۔ پس جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہے اس کو وہ گھر اور اہل مل جاتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا کفر اور نافرمانی کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور جنت میں اس کا جو گھر ہوتا ہے وہ مومن کو بہ طور میراث دے دیا جاتا ہے اور یہ اس کا کھلا ہوا نقصان ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۲۷' معالم التنزیل ج ۴ ص ۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کی عقلی وجوہ

کفار کے نقصان کی عقلی وجوہ یہ ہیں کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور عقل عطا کی ہے اور اس کو عقل کے ساتھ اپنے اعضاء پر تصرف کرنے کی قدرت عطا کی ہے تا کہ وہ اس زندگی میں ایمان لائے اور نیک کام کرے اور آخرت میں اس کو اجر و ثواب حاصل ہو' پھر جب اس نے اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کی اور نہ اس نے نیک کام کیے تو اس کو کمائی کرنے کے لیے جو پونجی ملی تھی وہ اس نے ضائع کر دی۔

(۲) بعض اوقات انسان اپنی جمع پونجی سے کوئی نفع تو حاصل نہیں کر پاتا لیکن وہ نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور آفات و بلیات سے بچا رہتا ہے' انسان کا نفع جنت ہے اور اس کا نقصان دوزخ ہے اور یہ کفار نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم رہے بلکہ دوزخ کا ایندھن بنے اور یہ ان کا کھلا ہوا نقصان ہے۔

(۳) انہوں نے اپنی گمراہی پر جمے رہنے کے لیے بہت مشکلات اٹھائیں اور جب سے دنیا بنی ہے انہوں نے اپنے باطل خداؤں کی حمایت میں متعدد جنگیں لڑیں اور ہر جنگ میں یہ قید ہوئے اور مارے گئے اور اب تک یہ اپنے باطل مذہب کی حمایت اور مدافعت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور مر رہے ہیں اور ان کی یہ جسمانی قربانیاں بالکل بے سود اور رائیگاں ہیں اور یہ ان کا کھلا ہوا نقصان ہے۔

(۴) جیسے ہی فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں ان کی اصل پونجی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہتی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

الزمر: ۱۶ میں فرمایا: ''ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے''۔

آگ کے اوپر تلے حصوں کو آگ کے سائبان کہنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو تمام اطراف سے گھیر لے گی۔ جس طرح دنیا میں کافر کا احاطہ اس کے کفر اور اس کے بُرے اعمال نے کیا ہوا تھا' اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ اس کا ہر طرف سے احاطہ کرلے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سائے بان تو اوپر ہوتا ہے' انسان کے نیچے تو سائبان نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ایک ضد کا اطلاق دوسری ضد پر کیا گیا ہے اور سائے بان سے مراد ہے: آگ' یعنی ان کے اوپر بھی آگ ہوگی اور ان کے نیچے بھی آگ ہوگی' جیسا کہ درج ذیل آیت میں حسنہ پر سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ:۴۰) بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے۔

جب کہ بُرائی کا بدلہ تو انصاف اور نیکی ہے لیکن صورتاً مماثل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی بُرائی فرمایا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں پیاز کے چھلکوں کی طرح متعدد طبقات ہیں اور ایک طبقہ والوں کے لیے جو دوزخ کا فرش ہے وہ اس سے نچلے طبقہ والوں کے لیے سائبان ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نچلا سائبان بھی گرمی' جلانے اور اذیت پہنچانے میں اوپر والے سائبان کی مثل ہے' اس مماثلت اور مشابہت کی بناء پر نیچے والے کو بھی سائبان فرمایا' جیسے جرم اور عدل دونوں کو مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے سیئہ فرمایا' جب کسی شخص نے کسی بے قصور کو گھونسا مارا تو یہ جرم ہے اور اس کے بدلہ میں مارنے والے کو جو گھونسا مارا' وہ عدل ہے لیکن صورتاً دونوں مماثل ہیں' اس لیے الشوریٰ: ۴۰ میں دونوں کو سیئہ فرمایا' اسی طرح دوزخ کا اوپر والا حصہ اور نچلا حصہ حرارت' سوزش اور ایذاء میں یکساں ہیں' اس لیے دونوں کو سائے بان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سایہ تو گرمی سے ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور یہ دونوں حصے تو گرم اور سوزاں ہوں گے' پھر ان کو سائبان کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائے بان اس قدر دبیز اور موٹا ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے نیچے کھڑا ہو وہ اس کے پار نہیں دیکھ سکتا' اسی طرح دوزخ کے ہر طبقہ کا اوپری حصہ اس قدر کثیف اور غلیظ ہوگا کہ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے گا' اس مناسبت سے اس کو سائبان فرمایا۔ دوزخ کے اوپر تلے جو حصص ہوں گے ان کو اسی طرح سائبان فرمایا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (العنکبوت:۵۵)

جس دن عذاب ان کو ڈھانپ لے گا ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے اور اللہ فرمائے گا: اب اپنے (بُرے) اعمال کا مزا چکھو ○

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (الاعراف:۴۱)

ان کے لیے دوزخ کی آگ کا بستر ہوگا اور ان کے اوپر (اسی آگ کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○

اے میرے بندو!' آیا اس کے مخاطب مومن ہیں یا کافر؟

اس کے بعد فرمایا: ''یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو'' ○ (الزمر:۱۶)

اس عذاب سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا ہے اور قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مؤمنوں کو فرماتا ہے تو پھر یہاں کس وجہ سے فرمایا ہے: ''یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافروں کو ہی دیا جائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے اپنے مومن بندوں کو ڈرایا ہے کہ تم کافروں کے سے کام نہ کرنا' مبادا تم بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور مقصود یہ ہے کہ کفار کے عذاب کو بیان کر کے مؤمنوں کو ڈرایا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے' سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئےO جو غور سے بات سنتے ہیں' پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے اور یہی عقل والے ہیںO جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتاO

(الزمر: ۲۰۔۱۷)

طاغوت کا معنیٰ اور مصداق

اس آیت میں طاغوت کا لفظ ہے' یہ لفظ طغٰی سے بنا ہے' اس کا مصدر طغیان ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: ''اِنَّهٗ طَغٰیO '' (طٰہٰ: ۲۴) فرعون نے سرکشی کی ہے'' اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰیO '' (العلق: ۶) بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ طغیان کا معنیٰ ہے: نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا' طاغوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے: حد سے تجاوز کرنے والا اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے' ساحر' کاہن' سرکش جن اور نیک راستہ سے روکنے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے' اس وزن پر اور بھی مبالغے کے صیغے ہیں جیسے جبروت اور ملکوت وغیرہ۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس میں ''تا'' زیادہ مبالغہ کے لیے ہے' رحموت کا معنیٰ ہے: رحمت واسعہ اور ملکوت کا معنیٰ ہے: بہت بڑا ملک اور جبروت کا معنیٰ ہے: بہت بڑا جبر۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے کہا ہے کہ طاغوت کی تفسیر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ لات اور عزیٰ طاغوت ہیں' عکرمہ اور زجاج نے کہا ہے کہ کاہن اور ساحر طاغوت ہیں' ابوالعالیہ' شعبی' عطاء اور مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ طاغوت شیطان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ سرکش جن طاغوت ہے۔ جوہری نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا رئیس طاغوت ہے۔ اخفش نے کہا: اصنام (بت) طاغوت ہیں۔ زجاج نے کہا: طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۲۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں طاغوت سے مراد شیطان ہے یا بت ہیں' اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے' وہ تو بتوں کی عبادت کرتے تھے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ

بتوں کی عبادت کی دعوت شیطان نے دی تھی تو بتوں کی عبادت کرنا دراصل شیطان ہی کی عبادت کرنا ہے۔ تواریخ میں مذکور ہے کہ بتوں کی عبادت کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگ مشتبہ تھے' ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اِلٰہ نور عظیم ہے اور فرشتوں میں چھوٹے اور بڑے مختلف انوار ہیں' پھر انہوں نے اپنے خیالات کے مطابق ان انوار کے مختلف صورتوں میں مجسمے بنا لیے' وہ ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے اعتقاد میں اللہ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۳۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کا بیان کہ بشارت کس نعمت کی ہے' کون بشارت دے گا' کب دے گا اور کس کو دے گا؟

الزمر: ۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے" اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور تمام معاملات میں اس کی اطاعت کی اور اسی کی عبادت کی' ان ہی کے لیے بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے یا میدان محشر میں حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک فریق کو جنت میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے اور دوسرے فریق کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے' یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مؤمنوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس بشارت میں مسلمانوں کو دائمی فوز و فلاح اور خوشی اور راحت کی بشارت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں اس بشارت کا تفصیل سے ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۲-۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر ڈٹے رہے' ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں: نہ تم خوف زدہ ہو نہ غمگین ہو' تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا○ ہم دنیا میں بھی تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لیے اس جنت میں وہ سب ہوگا جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے○ یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہمانی ہے○

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور حسب ذیل آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہو گی یا جنت میں:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۳۲)

جن لوگوں کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں: تم پر سلام ہو' تم جو (دنیا میں) نیک اعمال کرتے تھے ان کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ○

اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت میں بھی بشارت دی جائے گی:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو نیکی سے دور

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۴۔۲۲)

کرتے ہیں ان ہی کے لیے آخرت کا گھر ہے O دائمی جنتیں ہیں' جن میں وہ خود داخل ہوں گے اور ان کے آباء اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے یہ کہتے ہوئے آئیں گے O تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا' پھر آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے O

الزمر: ۱۷ میں فرمایا ہے: ''جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے'' اور الرعد: ۲۲ میں فرمایا ہے: ''یہ بشارت ان کو حاصل ہوگی جو اللہ کی رضا کی طلب کے لیے گناہوں سے اجتناب اور عبادت کی مشقت پر صبر کریں گے' ہمیشہ نماز پڑھیں گے' پوشیدہ اور ظاہر صدقہ و خیرات دیں گے اور بُرائی کا بدلہ نیکی سے دیں گے'' اور الزمر میں جو اجمال ہے یہ اس کی تفصیل ہے یعنی الزمر میں جو بتوں سے اجتناب کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: خواہشات نفسانیہ کے بتوں کی اطاعت سے کلیتاً اجتناب کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد ہے: تمام احکام شرعیہ پر عمل کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کے اس حصہ میں جس بشارت کا ذکر کیا گیا ہے وہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور وہ جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت دیں گے اور فرشتے یہ بشارت روح قبض کرتے وقت دیں گے اور یہ بشارت مؤمنین کاملین کو دی جائے گی جو باطل عقائد اور حرام کاموں سے اجتناب کریں گے اور فرائض' واجبات اور سنن پر عمل کریں گے۔

الزمر: ۱۸ میں فرمایا: ''جو غور سے بات سنتے ہیں' پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے اور یہی عقل والے ہیں O''

باب عقائد میں باطل نظریات کو ترک کر کے برحق نظریات کو اپنانا

اس سے مراد وہ بندے ہیں جو بتوں کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بتوں سے مراد عام ہے' خواہ یہ ظاہری بت ہوں یا باطنی بت ہوں' انسان نے باطل اور ناجائز خواہشات اپنے سینہ میں چھپا رکھی ہیں جن کی وہ پرستش کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف جن خواہشوں کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی طاغوت اور بت ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ۝ (الفرقان: ۴۳)

آپ بتائیے کہ جس شخص نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے' کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

سو جو شخص عقائد' معاملات اور عبادات میں خواہشاتِ نفسانیہ سے اجتناب کرے گا اور عقل اور نظر صحیح سے کام لے کر عقائد صحیحہ کو اپنائے گا' وہ عقائد میں صحیح اور درست نظریہ کو اپنائے گا اور غلط اور باطل نظریہ کو ترک کر دے گا' اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ بغیر کسی موجد کے اس جہان کو خود پیدا شدہ ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا کوئی موجد ہے' پھر اس جہان کے متعدد موجد ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا موجد واحد ہے اور اللہ کا کوئی بیٹا یا بیوی ماننا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ بیٹے اور بیوی اور ہر حاجت' ہر عیب اور ہر نقص سے مجرد اور پاک ہے اور اللہ کو مجبور اور معطل ماننا باطل ہے' وہ قادر ہے اور مختار ہے' رسولوں کی بعثت کا انکار کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجنے والا ہے۔ اس طرح قیامت تک رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آپ پر نبوت کو ختم کر دیا۔

معاملات اور عبادات میں صحیح افعال اور احسن افعال

اور احکام شرعیہ میں بعض اعمال صحیح اور حسن ہوتے ہیں اور بعض اعمال اصح اور احسن ہوتے ہیں' سو جو شخص عقل اور نظر صحیح سے کام لے گا وہ صحیح اور حسن کے مقابلہ میں اصح اور احسن پر عمل کرے گا اور اس آیت میں احسن افعال کی اتباع کی تحسین کی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنے مقتول کا قصاص لیا اور قاتل کو قتل کر دیا تو یہ صحیح ہے اور احسن یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کو معاف کر دے' اسی طرح بُرائی کے بدلہ میں اتنی ہی بُرائی کرنا صحیح ہے اور بُرا سلوک کرنے والے کو معاف کر دینا اور اس سے جواب میں نیک سلوک کرنا احسن ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشوریٰ: ۴۰)

بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے' بے شک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ○

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے ○

ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر ولی قصاص میں اپنے مقتول کے قاتل کو قتل کر دے تو یہ فعل صحیح ہے اور اگر اس کو معاف کر دے تو یہ فعل اصح اور احسن ہے اور سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے مقتول کو معاف فرما دیا۔

آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

سنو! جو شخص بھی زیادتی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس پر زیادتی کرتا ہے' کوئی شخص اپنی اولاد پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی اپنے والد پر زیادتی کرے' سنو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں ہے' سوا اس چیز کے جس کو اس نے خود حلال کر دیا ہو' سنو زمانہ جاہلیت کا ہر سود ساقط کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اپنے اصل زر کو لینے کا حق ہے' نہ تم ظلم کرنا اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا' ماسوا عباس بن عبد المطلب کے سود کے' وہ سارے کا سارا ساقط کر دیا گیا ہے اور سنو! زمانہ جاہلیت کے ہر خون کو ساقط کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں جس خون کو معاف کرتا ہوں وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے' وہ بنولیث میں دودھ پیتے تھے' ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۶)

اسی طرح جس شخص سے جتنی رقم قرض لی ہے اس کو اتنی ہی رقم واپس کرنا صحیح اور حسن فعل ہے اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسن فعل ہے۔ بشرطیکہ وہ زیادتی پہلے سے مشروط نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین عمر کا اونٹ قرض دیا تھا' وہ آپ کے پاس اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا' آپ نے صحابہ سے فرمایا: اس کو اونٹ ادا کر دو' صحابہ نے اس اونٹ کی عمر کا اونٹ تلاش کیا تو وہ نہیں ملا' البتہ اس سے افضل اونٹ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو' اس قرض خواہ نے کہا: آپ نے مجھے پورا پورا قرض دیا ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا اجر دے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کیا کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بعد میں اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ صحیح فعل ہے اور اگر بعد میں اس کو

قیمت بھی دے دے اور وہ چیز بھی دے دے تو یہ احسن فعل ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا' میرا اونٹ بہت دیر لگا رہا تھا اور مجھ کو تھکا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے پاس آئے اور فرمایا: جابر! میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: میرا اونٹ بہت سست چل رہا ہے اور مجھے تھکا رہا ہے' سو میں سب سے پیچھے رہ گیا ہوں' آپ نے اتر کو اس کو ایک ڈھال سے مارا اور فرمایا: اب اس پر سوار ہو' میں اس پر سوار ہوا' پھر وہ اس قدر تیز چل رہا تھا کہ میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت سے بہ مشکل روک رہا تھا' آپ نے پوچھا: تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: بیوہ سے' آپ نے فرمایا: تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی' تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے دل لگی کرتی؟ میں نے عرض کیا: میری چند بہنیں ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کی تربیت اور اصلاح کرے' ان کی کنگھی چوٹی کرے' ان کو ادب سکھائے' آپ نے فرمایا: اب تم گھر جا رہے ہو' جب گھر میں داخل ہو تو بہت احتیاط سے کام لینا' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ اونٹ فروخت کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھ سے وہ اونٹ ایک اوقیہ (ڈیڑھ اونس سونا' یا چالیس درہم' آج کل کا تقریباً ایک ہزار روپیہ) میں خرید لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں صبح کو پہنچا' ہم مسجد میں گئے تو آپ مسجد کے دروازے پر تھے' آپ نے فرمایا: تم اب آئے ہو' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اچھا تم اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھو' میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اوقیہ وزن کر کے دو' حضرت بلال نے میزان میں وزن کیا اور پلڑا جھکتا ہوا رکھا۔ میں چلا گیا حتیٰ کہ میں نے پیٹھ پھیر لی' آپ نے فرمایا: جابر کو بلاؤ' میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ مجھے اونٹ واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ یہ بیع فسخ ہو جائے' آپ نے فرمایا: اپنا اونٹ لے جاؤ اور یہ قیمت بھی تمہاری ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۳۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۷۸' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۷۱)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو خریدنا ہے کہ بیچنے والے کو چیز کی قیمت بھی دے دی اور وہ چیز بھی دے دی۔
اسی طرح اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی کی جائے اور اس سے اتنا ہی بدلہ لے لیا جائے تو یہ صحیح فعل ہے اور حسن فعل یہ ہے کہ اس کو معاف کر دیا جائے اور احسن فعل یہ ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے اور قرآن مجید نے ہمیں احسن فعل کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نوع کے احسن افعال کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت مثالیں ہیں۔
عبداللہ بن ابی نے ایک دن آپ سے کہا: اپنی سواری ایک طرف کریں' اس سے بدبو آتی ہے' وہ جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے نکل گیا' اس نے ایک دن کہا: مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے' عزت والوں سے مراد اس کی اپنی ذات تھی اور ذلت والوں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھے' اس نے آپ کے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سخت ناپاک تہمت لگائی' لیکن جب یہ مرنے لگا اور اس نے اپنے کفن کے لیے آپ کی قمیص مانگی اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی اور حضرت عمر کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶)
امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے اس حسن خلق کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے

آئے۔ (جامع البیان ج ۲۰ ص ۳۲ اور ضیاء النبی ج ۴ ص ۳۰۸)

ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے اس کی بیوی ہند نے آپ کے محبوب عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دانتوں سے چبایا فتح مکہ کے بعد جب آپ ان سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر تھے آپ نے ان دونوں کو معاف فرمادیا اور ابوسفیان کو یہ عزت بخشی کہ جو اس کے گھر میں داخل ہوگا اس کو امان ہوگی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۲۷۔ ۱۲۳ اور الکتب المرسیہ معہ)

ہجرت کی شب سراقہ بن مالک نے سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کا تعاقب کیا اس کی گھوڑی کے دونوں اگلے پیر زمین میں دھنس گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کو نجات ملی اس نے معافی چاہی تو آپ نے اس کو معاف کر دیا اور ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اس کو امان لکھ کر دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۹۰۶ ملخصاً)

عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ آیا آپ نے نور نبوت سے جان لیا کہ یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا ہے آپ نے اس کو یہ بتایا تو وہ خوف سے لرزنے لگا' آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کرنا چاہا' آپ نے ان کو منع کیا۔ عمیر آپ کی دی ہوئی غیب کی خبر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا' آپ نے اس کی سفارش سے اس کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۷۲)

قرآن مجید میں ہے: "جو غور سے بات کو سنتے ہیں اور احسن بات کی اتباع کرتے ہیں"۔ (الزمر: ۱۸) سو اگر ہم نے احسن افعال کی اتباع کرنی ہے تو وہ احسن افعال صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہیں' انسان کی حیات کے ہر شعبہ کے لیے آپ کی زندگی میں احسن افعال ہیں ان کو تلاش کیجئے اور ان ہی کی اتباع کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے' پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O (الزمر: ۲۱۔ ۱۹)

گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی شفاعت پر ایک اعتراض کا جواب

الزمر: ۱۹ میں فرمایا ہے: "جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O"

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کی شفاعت جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا ہے: "کیا آپ ان کو عذاب سے چھڑا لیں گے" اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس سے پہلے طاغوت کی عبادت کرنے والوں کا ذکر فرمایا تھا اور طاغوت کی عبادت کرنے والے کفار اور مشرکین ہیں اور کفار اور مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا' فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو بخش دے تو خود اس کے قول کے خلاف ہوگا اور اس سے اس کے کلام میں کذب اور جہل لازم آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں اور محال تحت قدرت نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت ان کے لیے

ہوتی ہے جن کی مغفرت ممکن ہو اور وہ مؤمنین ہیں جن سے کبیرہ گناہ سرزد ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے النساء: ۴۸ میں خود فرمایا ہے کہ وہ شرک سے کم گناہ کو اس کے لیے بخش دے گا جس کے لیے چاہے گا اور گناہ کبیرہ شرک سے کم درجہ کا گناہ ہے' سو اس کی مغفرت ممکن ہے اور تحت قدرت ہے اور جس کی مغفرت ممکن ہو اس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی ممکن ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ الزمر: ۱۹ میں مرتکبین کبائر کا ذکر ہے یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کبیرہ گناہ شرک سے کم ہے اور اللہ تعالیٰ النساء: ۴۸ میں فرما چکا ہے کہ شرک سے کم گناہ کرنے والوں میں سے جن کو وہ چاہے بخش دے گا' خواہ انہوں نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ ان کی شفاعت کی جائے یا نہیں' بلکہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مرتکبین کبیرہ کو شفاعت کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا' اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبیرہ گناہ کرنے والے مؤمنوں کی بخشش کی تین صورتیں ہیں: اللہ تعالیٰ ان گنہ گاروں کو ان کی توبہ سے بخش دے' بغیر توبہ کے ان کو انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخش دے اور یا توبہ اور شفاعت کے بغیر ان کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔

الزمر: ۲۰ میں فرمایا: ''لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے' ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O''

جنت کے بالا خانے

اس آیت میں ان لوگوں پر انعام و اکرام کا بیان ہے جنہوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا' انہوں نے شرک کیا نہ گناہ کبیرہ یا صغیرہ کیا۔ وہ ظاہری بتوں کی عبادت سے بھی مجتنب رہے اور باطنی بت یعنی نفس امارہ کی اطاعت اور عبادت سے بھی مجتنب رہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنے نفس کی خواہشوں پر عمل نہیں کیا ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے جنت میں بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان بالا خانوں کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' اس سے پہلی آیت الزمر: ۱۶ میں فرمایا تھا کہ کفار کے لیے دوزخ میں آگ کے سائبان ہیں اور ان کے اوپر اور آگ کے سائبان ہیں اور یہ اس لیے فرمایا تھا کہ ان کو ان کے اوپر اور نیچے ہر طرف سے زیادہ سے زیادہ آگ کا عذاب پہنچتا رہے اور جنت میں جو بالا خانے اوپر ہوں گے اور جو نیچے ہوں گے وہ اہل جنت کو زیادہ سے زیادہ نعمتیں اور راحتیں پہنچانے کے لیے ہوں گے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بالا خانے تو اوپر بنے ہوئے ہوتے ہیں تو جو عمارت ان کے نیچے بنی ہو گی اس پر بالا خانے کا اطلاق کس طرح درست ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عمارت نچلی منزل کے اہل جنت کے اعتبار سے بالا خانہ ہو گی۔

جنت کے بالا خانوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح مشرق یا مغرب سے آسمان کے اوپر چمکتے ہوئے ستارہ کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت کے درجات اور مراتب میں فرق ہو گا' صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ (بالا خانے) انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں' جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' ان میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۶۴' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۶۰۰)

وعد اور وعید کا فرق

اس کے بعد فرمایا: ''یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور اطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور جو اس کے دیدار کے مشتاق ہیں اور محب صادق ہیں ان سے اپنے قرب' اپنی رضا اور اپنے دیدار کا وعدہ فرمایا ہے۔

وعد اور وعید میں فرق ہے' انعام و اکرام کی خبر دینے کو وعد کہا جاتا ہے اور سزا کی خبر دینے کو وعید کہا جاتا ہے' وعد کے خلاف کرنا بخل ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز نہیں ہے اور وعید کے خلاف کرنا کرم ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز ہے' اشاعرہ کہتے ہیں: جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے سزا کی خبر دی ہے اگر وہ اس کے خلاف کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا کرم ہے اور یہ جائز ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خبر کے خلاف نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ خبر کاذب تھی اور کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے خلف وعید جائز نہیں ہے' اشاعرہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں: کافروں کی سزا کی جو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ حتمی اور لازمی ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے عذاب کی جو خبر دی ہے وہ حتمی نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر میں چاہوں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵-۴) ان نمازیوں کے لیے عذاب ہوگا ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ۝

اس جگہ یہ شرط ملحوظ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا یا اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو ان کو عذاب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا اور اس شرط کے ملحوظ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ نے گنہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر: ۵۳) اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

پس جن آیات میں گنہ گار مسلمانوں کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اگر یہ شرط ملحوظ نہ رکھی جائے تو مغفرت کی آیات کے خلاف ہوگا' اس آیت کی زیادہ تحقیق ہم نے آل عمران: ۹ میں کی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۹ ـ ۶۸۔

الزمر: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے' پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے۔ پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر کمزور ہو جاتی ہے' پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے''۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''ینابیع'' کا لفظ ہے' اس کا واحد ینبوع ہے' اس کا معنی ہے: چشمہ' زمین کے وہ سوتے جن سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے' اس کا معنی چھوٹی اور بھرپور نہر بھی ہے۔ نبع اور نبوع کا معنی ہے: کنویں یا چشمہ سے پانی پھوٹ کر نکلنا۔

اور اس میں ''یھیج'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ھیج ہے' اس کا معنی ہے: سوکھ جانا' خشک ہو جانا۔ یوم ھیج کا معنی ہے: لڑائی' بارش' ابر یا آندھی کا دن' ھائجہ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی گھاس سوکھ گئی ہو' ھیجا' کا معنی ہے: لڑائی' ھیجان کا معنی ہے: برانگیختہ کرنا' غصہ دلانا' اھاجہ کا معنی ہے: ہوا کا گھاس کو خشک کر دینا۔

اور اس آیت میں ''حطاما'' کا لفظ ہے: اس کا معنی ہے ریزہ ریزہ' چورا چورا ہونا' یہ لفظ حطم سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: توڑنا۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حال کو زمین کی پیداوار کے حال پر قیاس کرے

اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ آسمان سے (یعنی بادلوں سے) پانی نازل فرماتا ہے اور اس پانی کو زمین کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتا ہے' یہ پانی زمین کے اندر نفوذ کر جاتا ہے' پھر کسی جگہ زمین کو پھاڑ کر نکل آتا ہے اور چشمہ کی صورت میں بہنے لگتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس پانی کے ذریعے مختلف رنگوں کی فصلیں پیدا فرماتا ہے۔ بعض سبز ہوتی ہیں اور بعض میں سرخ پھول ہوتے ہیں۔ بعض میں زرد اور بعض میں سفید اور ان سے گندم' جو' چنا' چاول' کپاس اور سرسوں وغیرہ پیدا فرماتا ہے' پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ فصلیں پک جاتی ہیں' پھر پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

زمین کی اس پیداوار کا انسان مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ کس طرح بیج سے ایک ننھی سی کونپل نکلتی ہے' پھر وہ سرسبز پودا بن جاتا ہے' پھر اس میں پھول کھلتے ہیں' پھر اس میں غلہ پک جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے' اسی طرح انسان نطفہ سے علقہ اور مضغہ بنتا ہے (یعنی جما ہوا خون اور گوشت کا ٹکڑا) پھر اللہ اس گوشت میں ہڈیاں پہناتا ہے' پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے' پیٹ میں اس بچہ کو جنین کہتے ہیں' پیٹ سے باہر نکل آئے تو ولید کہتے ہیں' دودھ پیتا ہو تو رضیع کہتے ہیں' ٹھوس غذا کھانے لگے تو فطیم کہتے ہیں' کھیلنے کودنے لگے تو صبی کہتے ہیں' آٹھ نو سال کو پہنچ جائے تو غلام کہتے ہیں' قریب بہ بلوغ ہو تو مراہق کہتے ہیں' پھر بالغ کہتے ہیں' نوجوان کو فتیٰ اور شاب کہتے ہیں' جوان کو رجل کہتے ہیں' ادھیڑ عمر کو پہنچے تو کہول کہتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو شیخ کہتے ہیں اور ساٹھ سال کے بعد پھر شیخ فانی کہا جاتا ہے اور جب عمر طبعی پوری کرلے اور مر جائے تو میت کہتے ہیں۔

سو جس طرح زمین کی پیداوار وقفہ وقفہ سے متغیر ہوتی رہتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مردہ ہو جاتی ہے' یہی انسان کا حال ہے' وہ بھی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مر جاتا ہے' سو جس طرح یہ زمین اور اس کی پیداوار فانی ہے اسی طرح انسان بھی فانی ہے' پس انسان کو چاہیے کہ وہ اس فانی دنیا سے دل نہ لگائے' ورنہ وہ بھی فنا کے گھاٹ اتر جائے گا' اس کو چاہیے کہ وہ اس ذات کے ساتھ دل لگائے جو باقی ہے تاکہ وہ بھی باقی رہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ

پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح

لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ

ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گمراہی کی مہر لگا دی ہو؟) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے

نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ○ اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

لیے نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ

مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ

دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ

ہوسکتا ہے جو بے خوفی سے جنت میں داخل ہو؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے O

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ

ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا O پھر اللہ نے ان کو دنیا کی

الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا — وقف لازم

زندگی میں رسوائی کا مزا چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے کاش! وہ جانتے O بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ ۚ قُرْاٰنًا

قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ

کوئی کجی نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں O اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں

شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ

اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ن

ہیں بلکہ ان (مشرکین) میں سے اکثر نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ ع — ع ١٠ / ١٧

پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گم راہی کی مہر لگا دی ہو؟) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں' بار بار دہرائے ہوئے' اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں' یہ اللہ کی ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O (الزمر: ۲۳-۲۲)

انسان کے دل میں اللہ کے نور کا معیار اور اس کی علامتیں

اسلام کے لیے سینہ کھولنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکام قبول کرنے کی اس کے دل میں مکمل استعداد پیدا کر دی ہو اور جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اس میں وہ فطرت صحیح اور سالم موجود ہو اور اس کی غلط روش کی وجہ سے وہ فطرت ضائع نہ ہوئی ہو۔ نیز فرمایا: ''وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر قائم ہو'' اس نور سے مراد یہ ہے کہ اس باہر کی کائنات میں اور انسان کے اپنے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود' اپنی توحید اور اپنی قدرت پر جو نشانیاں رکھی ہیں وہ ان نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کی امنگ اور جذبہ پیدا ہو اور جب اس کا یہ نور قوی ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور اس کی گفتگو سننے والوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا ذوق اور شوق پیدا ہو جاتا ہے' لوگ اگر کسی کا سرخ وسفید چہرہ دیکھیں تو کہتے ہیں کہ فلاں کا بڑا نورانی چہرہ ہے' یہ نور کا معیار نہیں ہے۔ نور کا معیار یہ ہے کہ جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے' جس کی باتیں سن کر دل میں رقت پیدا ہو' جس کی سیرت و کردار دیکھ کر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو تو اس شخص میں اللہ کا نور ہے۔

ایک اور معیار یہ ہے کہ فحش کاموں کے ارتکاب اور گناہوں کی کثرت سے انسان کے چہرے پر پھٹکار برسنے لگتی ہے' اس کا چہرہ خرانٹ ہو جاتا ہے اور جو گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور نیک کام بہ کثرت کرتا ہو اس کے چہرے سے سادگی اور بھولپن ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ بارونق ہوتا ہے اور یہ نور کے آثار میں سے ایک اثر ہے' لیکن اصل نورانیت یہی ہے کہ اس پر عبادت اور خوف خدا کا غلبہ ہو' وہ یادِ الٰہی سے غافل کرنے والے کاموں سے بچتا ہو' ہنستا کم ہو اور روتا زیادہ ہو' اس کی مجلس میں لطیفے اور چٹکلے نہ ہوں' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہوں' ایسے شخص کا نور دوسروں کے دلوں کو بھی یاد خدا سے روشن کرتا ہے' وہ جس قدر عبادت و ریاضت میں قوی ہو گا اس کا نور اس قدر قوی ہو گا' عام مومنوں کے دل کا نور چراغ کی طرح ہے' اولیاء اللہ کا نور ستاروں کی طرح ہے' صحابہ کا نور چاند کی طرح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کی طرح بلکہ سورج سے بھی زیادہ قوی ہے' اس نور کا فیضان نبیوں اور رسولوں پر ہے' ولیوں پر ہے' عام مسلمانوں پر ہے اور ہر صاحب ہدایت کو اسی نور سے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ''. (الزمر: ۲۲) ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! بندہ کا شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب بندہ کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا شرح صدر ہو جاتا ہے' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دار الخلد (آخرت) کی طرف رجوع کرتا ہے اور دار الغرور (دنیا) سے بھاگتا ہے اور موت

آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۳۱۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۵۵۲' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۸۱۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ تین اوصاف ہوں گے اس کا ایمان کامل ہوگا' کیونکہ دارالخلد اور آخرت کی طرف رجوع وہی شخص کرتا ہے جو نیک کام کرتا ہے کیونکہ نیک کاموں کی جزاء دارالخلد اور جنت ہے اور جب دنیا کی حرص کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو وہ دنیا کی صرف اتنی چیزوں پر کفایت اور قناعت کرتا ہے جو اس کی رمق حیات قائم کرنے کے لیے ضروری ہوں' لہٰذا وہ دنیا سے دور بھاگتا ہے اور جب اس کا تقویٰ مکمل اور مستحکم ہو جاتا ہے تو وہ ہر چیز میں احتیاط کرتا ہے اور جن چیزوں میں عدم جواز کا شک بھی ہو ان کے قریب نہیں جاتا اور یہی موت سے پہلے موت کی تیاری ہے اور یہ اس کے شرح صدر کی ظاہری علامت ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کو موت کی فکر ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا دھوکے کا گھر ہے اور یہ سمجھ اس وقت آتی ہے جب اس کے دل میں نور داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں''۔

دل کی سختی کے اسباب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ خطرناک چیز وہ ہے جس کا مجھے اپنی امت پر خطرہ ہے۔ (۱) پیٹ کا بڑا ہونا (۲) ہمیشہ سوتے رہنا (۳) سستی (۴) اور یقین کا کم زور ہونا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۷۳۳۴)

بڑے پیٹ سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں زیادہ منہمک رہتا ہو اور کھانے پینے کا لازمی نتیجہ قضاء حاجت ہے۔ تو جب انسان کا مطمح نظر قضاء حاجت نہیں ہوتا تو جو اس کا لازمی سبب ہے یعنی کھانا پینا وہ بھی اس کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہیے۔ سو جو شخص اپنے تہائی پیٹ سے زیادہ کھاتا ہے اور لذیذ کھانوں کی تلاش میں رہتا ہے اور جو رزق میسر ہو اس پر قناعت نہیں کرتا تو یہ وہی چیز ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر خطرہ تھا اور جو آدمی ہمیشہ سوتا رہتا ہے تو وہ ان حقوق کو ضائع کر دیتا ہے جو شریعت میں اس سے مطلوب ہیں اور وہ اپنے رب کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور اس سے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور سستی اور کاہلی کی وجہ سے انسان اہم امور کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور پر مشقت عبادات اور نیک کاموں کے کرنے سے گھبراتا ہے اور فرائض اور نوافل ادا نہیں کر پاتا' اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کی عقل تاریک ہو جاتی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو دل کو سخت کرتی ہیں: کھانے پینے کی محبت' سونے کی محبت اور راحت کی محبت۔ (دیلمی)

اسی وجہ سے سلف صالحین جاگ کر راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور نیند اور آرام کو ترک کر دیتے تھے' حتیٰ کہ ان کے پیر سوج جاتے تھے اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور یقین کے کمزور ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور عیش و آرام میں منہمک رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں نور داخل نہ ہو سکے اور بندہ کا جس قدر یقین پختہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے' انبیاء علیہم السلام چونکہ ہر وقت آخرت کے امور پر غور کرتے رہتے تھے اس وجہ سے ان کا ایمان بہت پختہ اور

کو نہیں ہوتا تھا۔ (فیض القدیر ج ۱ ص ۴۱۲۔۴۱۱ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الزمر: ۲۳ میں فرمایا: ''اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے''۔

قرآن مجید کے مضامین فصاحت اور بلاغت میں ایک جیسے ہیں اور حسن اسلوب اور حکمت میں ایک جیسے ہیں اور اس کی آیات باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں' ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں کے اس بات میں مشابہ ہے کہ اس میں بھی احکام شرعیہ ہیں' گزشتہ اقوام کے واقعات ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

نیز فرمایا: ''اس کے مضامین بار بار دہرائے ہوئے ہیں'' مثلاً احکام شرعیہ کو بار بار دہرایا گیا ہے' خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کے حکم کو' آسمانوں اور زمینوں کے احوال کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے' اسی طرح جنت اور دوزخ' لوح اور قلم' ملائکہ اور شیاطین' عرش اور کرسی' وعد اور وعید' امید اور خوف کے مضامین کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں''۔

قرآن مجید سن کر جن کے خوف خدا سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے لیے بشارتیں

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ کے نیک بندے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو ان پر خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے' ان کا جسم لرزنے لگتا ہے اور خوف کے غلبہ سے ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خوف خدا سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب خوف خدا سے کسی بندہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے بوسیدہ پتے جھڑتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۲۱۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۰۴۔۸۰۳)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگاہ زور سے ہوا چلی تو اس درخت کے بوسیدہ پتے گر گئے اور سرسبز پتے قائم رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس درخت کی کیا مثال ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ درخت مومن کی مثال ہے' جب خوف خدا سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۰۴)

قرآن مجید سن کر اظہار وجد کرنے والوں کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کی آراء

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ قرآن سن کر اظہار وجد کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے' حضرت اسماء کو بتایا گیا کہ آج کل ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ان میں کوئی شخص بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے' حضرت اسماء نے کہا: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

اور سعید بن عبد الرحمان الجمحی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اہل قرآن میں سے ایک شخص گزرا اور گر گیا' حضرت ابن عمر نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر جاتا ہے' حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن ہم تو نہیں گرتے' پھر آپ نے فرمایا: ان میں سے کسی ایک کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا یہ طریقہ نہیں تھا۔

عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے نزدیک ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے سامنے چھت کے اوپر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھیں' پھر ان کے سامنے اوّل سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے' پھر اگر انہوں نے اپنے آپ کو چھت سے گرا دیا تو ہم مان لیں گے۔

ابو عمران الجونی نے بتایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص پھاڑ لی' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس قمیص والے سے کہیے کہ میں ان ڈرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو مجھے اپنا دل کھول کر دکھاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید سننے سے رقت طاری ہونے کی فضیلت اور مترنم آواز اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر اظہار وجد کرنے کی مذمت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

نیک اور متقی لوگ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو اس میں وعد اور وعید اور تخویف اور تہدید کی آیات پر جب غور کرتے ہیں تو ڈر اور خوف کے غلبہ سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں اور ان کی یہ صفت فجار کی صفات کی حسب ذیل وجوہ سے مخالف ہے:

(۱) یہ ابرار قرآن مجید کی آیات سن کر خوف خدا سے لرزتے ہیں اور یہ فجار خوش گلوئی اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر جھومتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔

(۲) جب متقین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے معانی سمجھ کر ڈرتے ہیں اور خوف خدا سے روتے ہیں اور ادب کے ساتھ سجدہ میں گر جاتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (الانفال: ۴-۲)

(کامل) مؤمنین تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں ۝ وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو چیزیں ان کو دی ہیں ان میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۝ یہی لوگ برحق ہیں' ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس (بلند) درجات ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ۝

اور ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو بے پرواہی سے قرآن مجید کو سنتے ہیں اور اس کی آیات میں غور اور فکر نہیں کرتے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○ (الفرقان: ۷۳)

اور جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○

یعنی جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو لہو و لعب اور دیگر دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر ان سے اعراض نہیں کرتے' بلکہ کان لگا کر غور سے ان آیات کو سنتے ہیں اور ان کے معانی پر غور و فکر کر کے ان کو سمجھتے ہیں' اسی لیے ان آیات کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان آیات کو سن کر سجدہ کرتے ہیں اور جاہلوں کی طرح اندھی تقلید میں ان آیات پر سجدہ نہیں کرتے۔

(۳) یہ نیک اور متقی لوگ باادب ہو کر قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم پڑ جاتے تھے' وہ قرآن سن کر چیختے چلاتے نہیں تھے اور نہ تکلف سے وجد کرتے تھے بلکہ سکون اور ادب اور خوفِ خدا سے ان آیات کو سنتے تھے۔

قتادہ نے الزمر: ۲۳ کی تفسیر میں کہا: اس آیت میں اولیاء اللہ کی منقبت ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح تعریف نہیں کی کہ اللہ کی آیات سن کر ان کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں' یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے اور یہ شیطان کی صفت ہے۔

سدی نے کہا: ان متقین کے دل اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں اور یہی اللہ کی ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کا طریقہ اس کے خلاف ہو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ نے گم راہ کر دیا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۶-۵۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو بے خوفی سے جنت میں داخل ہو؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم ان کاموں کا مزا چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے ○ ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا ○ پھر اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزا چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے' کاش! وہ جانتے ○ (الزمر: ۲۶-۲۴)

عذاب کی چہرے کے ساتھ خصوصیت کی توجیہ

جن لوگوں کے دل سخت ہیں ان کے متعلق اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ ان کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا اور دنیا میں وہ مکمل گم راہ ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے چہرے کو بدترین عذاب دیا جائے گا' ہر چند کہ ان کے پورے جسم کو عذاب دیا جائے گا' لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ چہرہ انسان کا سب سے اشرف عضو ہے' وہ اس کے حسن و جمال اور اس کے رنگ و روپ کا مظہر ہوتا ہے اور اس کے حواس کے آلات بھی چہرے میں ہی مرکوز ہوتے ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان سے ظاہری طور پر چہرے سے ہی ممتاز ہوتا ہے اور سعادت اور شقاوت کے آثار بھی چہرے پر ہی ظاہر ہوتے ہیں' اسی وجہ سے قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ○ (عبس: ۴۲-۳۸)

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ ہنستے ہوئے خوش و خرم ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ ان پر سیاہی طاری ہوگی ○ وہی لوگ کافر بدکار ہیں ○

اسی وجہ سے دنیا میں بھی کسی شخص کے چہرے پر اگر کوئی گھونسے یا طمانچے مارے تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر چہرے کو تکلیف سے بچاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ افضل اور اشرف عضو انسان کا چہرہ ہی ہے' اس لیے عذاب تو کفار کے تمام اجسام کو ہو گا لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا ذکر فرمایا ہے۔

الزمر: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: ''ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا''۔

ان پر یہ عذاب رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے آیا' وہ بہت اطمینان اور امن اور چین سے رہ رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان پر اچانک کوئی افتاد آ سکتی ہے اور پھر اچانک ان پر ایسا عذاب آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور اس عبرت ناک عذاب سے مسلمان خوش ہوئے کیونکہ وہ مسلمانوں کا' ان کے ایمان اور اسلام کی وجہ سے مذاق اڑاتے تھے اور کفار ان کی نگاہوں کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں کوئی کجی نہیں ہے تا کہ وہ اللہ سے ڈریں O اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے: ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے' کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟ O تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان مشرکین میں سے اکثر نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O (الزمر: ۳۱۔۲۷)

قرآن مجید کے تین اوصاف

الزمر: ۲۸۔۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ یہ قرآن ہے یعنی اس کی بہت زیادہ قرأت اور تلاوت کی جاتی ہے' دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اور اس کی عربی ایسی ہے کہ اس نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کو فصاحت اور بلاغت میں عاجز کر دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا O (الاسراء: ۸۸)

آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں کوئی کجی نہیں ہے' کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب انسان کوئی بہت طویل کلام کرتا ہے تو اس میں ضرور کچھ باتیں ایک دوسرے سے متصادم اور ایک دوسرے سے متعارض ہوتی ہیں اور قرآن مجید کی کوئی آیت دوسری آیت سے متعارض نہیں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا O (النساء: ۸۲)

اگر یہ کلام اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف ہوتا۔

قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو سابقہ امتوں اور ان کے نبیوں کی خبریں دی گئی ہیں وہ سب صادق ہیں اور ان کے صدق پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو عقائد اور احکام بیان کیے گئے ہیں وہ سب

عقل اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہیں اور ان میں کوئی چیز خلاف عقل نہیں ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر رسولوں کی بعثت پر قیامت پر اور جزاء اور سزا پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کی قطعیت میں کوئی ضعف اور جھول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر آسان' سادہ اور عام فہم دلیل

الزمر: ۲۹ میں فرمایا: ''اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے' ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے' کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟O''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر ایک سادہ' آسان اور عام فہم دلیل بیان فرمائی ہے کہ یہ مشرکین یہ بتائیں کہ ایک غلام کے کئی مالک ہوں اور ان مالکوں کے درمیان اختلاف اور تنازع ہو اور ہر مالک اس کا مدعی ہو کہ وہ شخص اس کا غلام ہے اور ہر مالک اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو' ایک مالک اس کو ایک وقت میں کوئی حکم دیتا ہے اور دوسرا مالک اسی وقت اس کے خلاف حکم دیتا ہے اور تیسرا مالک اسی وقت اسے دونوں کے خلاف کوئی اور حکم دیتا ہے تو وہ ان سب کی اطاعت کیسے کرے گا اور اطاعت نہ کرنے کی صورت میں اپنے مالکوں کے قہر و غضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا' مثلاً ایک مالک حکم دیتا ہے کہ آج دن کے چار بجے فلاں زمین کو کھود ڈالو' دوسرا مالک حکم دیتا ہے: اس زمین کو اس وقت ہرگز نہ کھودنا اور اس زمین کے ٹکڑے میں فلاں جگہ سے سامان لا کر رکھ دینا اور تیسرا مالک حکم دیتا ہے: فلاں جگہ سے ہرگز سامان نہ لانا بلکہ فلاں فلاں جگہ سے سامان لانا۔ بتائیے وہ ان تینوں مالکوں کی کیسے اطاعت کرے گا اور کیسے ان کو راضی کرے گا اور ان کی حکم عدولی کی صورت میں ان سب کے غضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا' اس کے برخلاف جو شخص صرف ایک مالک کا غلام ہو' اس کے لیے اپنے مالک کی اطاعت کرنا اور اس کو راضی کرنا بہت آسان ہے۔

اسی طرح کا استدلال قرآن مجید کی ان آیتوں میں بھی ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا متعدد عبادت کے مستحق ہوتے تو آسمان اور زمین فاسد ہو جاتے۔

یعنی متعدد خداؤں کے تنازع اور ان کی باہمی کشاکش کی وجہ سے ابتداءً آسمان اور زمین وجود میں نہ آسکتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O (المؤمنون: ۹۱)

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ضرور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا' اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو (مشرکین) اس کے متعلق بیان کرتے ہیں O

الزمر: ۳۰ میں فرمایا: ''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O''

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور کفار کی موت کا فرق

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار دونوں کی موت بیان کی ہے اور دونوں جگہ موت کا ایک جیسا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور دونوں کو میت فرمایا ہے تو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور کفار کو مردہ کیوں کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''انک میت'' میں میت نکرہ ہے اور ''انھم میتون'' میں بھی میت نکرہ ہے اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب نکرہ کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو دوسرا نکرہ پہلے نکرہ کا غیر ہوتا ہے۔ سو کفار پر جو موت آئے

گی وہ اس موت کی غیر ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی تھی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی' پھر آپ کو حیات جاودانی عطا فرمادی گئی اور شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آپ کو غسل دیا گیا' کفن پہنایا گیا' آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ کو آپ کے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا اور قبر میں آپ کو حقیقی اور جسمانی حیات عطا کی گئی اور کفار بالکل مردہ ہوتے ہیں' صرف عذاب قبر پہنچانے کے لیے ان کو ایک نوع کی برزخی حیات عطا کی جاتی ہے۔

ہم پہلے اس آیت کی تفسیر میں متقدمین کی تفاسیر کو نقل کریں گے' پھر انبیاء علیہم السلام کی حیات پر عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر خصوصاً دلائل کو پیش کریں گے۔ **فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے متعلق دیگر مفسرین کی تقاریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

یعنی آپ اور کفار ہر چند کہ اب زندہ ہیں لیکن آپ کا اور ان کا شمار موتی (مردوں) میں ہے' کیونکہ ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ آنے والی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی اور کفار کی موت کی خبر دی ہے اور اس کی پانچ توجیہات ہیں: (۱) اس آیت میں آخرت سے خبردار کیا ہے (۲) اس آیت میں آپ کو عمل پر ابھارا ہے (۳) موت کی تمہید کے لیے اس کو یاد دلایا ہے (۴) آپ کی موت کا اس لیے ذکر فرمایا تاکہ مسلمان آپ کی موت میں اس طرح اختلاف نہ کریں جیسے پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کی موت میں اختلاف کیا تھا' حتیٰ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے آپ کی موت پر استدلال فرمایا (۵) اللہ تعالیٰ نے آپ کی موت کی خبر دے کر یہ بتایا ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن موت میں تمام مخلوق برابر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۷۔۲۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موت صفت وجودیہ ہے جو حیات کی ضد ہے' المفردات میں مذکور ہے: قوت حساسیہ حیوانیہ کے زوال کا نام موت ہے اور جسم کے روح سے الگ ہو جانے کو بھی موت کہتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق قریب آ پہنچا تو ہم سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں جمع ہوئے' آپ نے ہماری طرف دیکھا' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' آپ نے فرمایا: تم کو خوش آمدید ہو' اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور اللہ تم پر رحم فرمائے' میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اب فراق قریب آ گیا ہے اور یہ وقت ہے اللہ کی طرف لوٹنے کا اور سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ کی طرف جانے کا' میرے گھر کے لوگ مجھے غسل دیں گے اور مجھے کفن ان کپڑوں میں پہنائیں گے اگر وہ چاہیں یا حلہ یمانیہ میں' پس جب تم مجھے غسل دے چکو اور کفن پہنا چکو تو مجھے میرے اس تخت پر میرے حجرے میں رکھ دینا میری لحد کے کنارے پر' پھر کچھ دیر کے لیے میرے اس حجرے سے نکل جانا' سب سے پہلے میرے حبیب حضرت جبریل میری نماز جنازہ پڑھیں گے' پھر حضرت میکائیل' پھر حضرت اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ میری نماز جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ در گروہ آ کر میری نماز جنازہ پڑھنا' مسلمانوں نے جب آپ کے فراق کا سنا تو وہ رونے لگے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ ہمارے رب کے

رسول ہیں اور ہماری جماعت کی شمع ہیں اور ہمارے معاملات کی برہان ہیں جب آپ چلے جائیں گے تو ہم اپنے معاملات میں کس کی طرف رجوع کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو صاف اور شفاف راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اپنے ظہور میں دن کی طرح ہے اور اس رہ نمائی کے بعد وہی شخص گم راہ ہو گا جو ہلاک ہونے والا ہو اور میں نے تمہارے لیے دو نصیحت کرنے والے چھوڑے ہیں' ایک ناطق ہے اور دوسرا ساکت ہے' رہا ناطق تو وہ قرآن کریم ہے اور رہا ساکت تو وہ موت ہے' پس جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے تو تم قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرنا اور جب تمہارے دل سخت ہو جائیں تو تم مُردوں کے احوال پر غور کرنا' پھر اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کو دردِ سر کا عارضہ ہوا' آپ اٹھارہ روز تک بیمار رہے اور مسلمان آپ کی عیادت کرتے رہے' پھر پیر کے دن آپ کا وصال ہو گیا اور اسی دن آپ کی بعثت ہوئی تھی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا اور بدھ کی شب جب نصف گزر چکی تھی آپ کو دفن کر دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ منگل کی شب آپ کو دفن کیا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۹۶' دار الکتب العلمیہ' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۷)

حضرت سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آئے تو وہ میری مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۱۸)

(روح البیان ج ۸ ص ۱۴۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کفار تو زندگی میں بھی مرے ہوئے ہیں اور انبیاء کی موت ایک آن کے لیے ہوتی ہے' پھر انہیں حیات عطا فرمائی جاتی ہے' اس پر بہت سی شرعی برہانیں قائم ہیں۔ (حاشیہ کنز الایمان مسمی بہ خزائن العرفان ص ۷۳۷' مطبوعہ تاج کمپنی' لاہور)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حقیقتاً ایک آن کے لیے نہ کہ ہمیشہ کے لیے' ورنہ قرآنِ کریم شہداء کے بارے میں فرماتا ہے: ''بل احیاء ولکن لا تشعرونO''

خیال رہے کہ موت کی دو صورتیں ہیں: روح کا جسم سے الگ ہونا اور روح کا جسم میں تصرف چھوڑ دینا' پرورش ختم کر دینا' انبیاء کی موت پہلے معنیٰ میں ہے یعنی خروج روح عن الجسم اور عوام کی موت پہلے دوسرے دونوں معنیٰ میں ہے' لہٰذا نبی کی روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے جس بناء پر ان کا دفن' کفن وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر ان کی روح ان کے جسم کی پرورش کرتی رہتی ہے' اسی لیے ان کے جسم گلتے نہیں اور زائرین کو پہچانتے ہیں' ان کا سلام سنتے ہیں' ان کی فریاد رسی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔

(حاشیہ کنز الایمان مسمی بہ نور العرفان ص ۷۳۶' مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ' گجرات)

اس پر دلائل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت آنی ہے' یعنی قلیل وقت کے لیے

ہم نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی' اس کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر مومن کی روح اس کے جسم سے ایک قلیل وقت کے لیے نکالی جاتی ہے' پھر اس کی روح کو علیین کی طرف لے جایا جاتا ہے' پھر حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی روح کو پھر اس کے جسم میں داخل کر دو' سو اس کی روح کو اس کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے اور یوں ہر مومن کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہوتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو اقل قلیل وقت کے لیے آپ کے جسم مکرم سے نکالا گیا تھا اور اس بہت کم وقت کو آن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپ کو آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے پھر

جسمانی حیات عطا کر دی گئی تھی اور ہر مومن کی روح کو قلیل وقت کے لیے نکالنے پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے' ہم قبر تک پہنچے' اس کی لحد بنائی جا رہی تھی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے' آپ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' یہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا' اس کے بعد آپ نے فرمایا: جب مسلمان بندہ دنیا سے آخرت کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان کے چہرے آفتاب کی طرح سفید ہوتے ہیں اور ان کے پاس جنت کے کفنوں میں سے ایک کفن ہوتا ہے اور جنت کی خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ منتہائے بصر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتے ہیں' پھر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور رضا کی طرف روانہ ہو' پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس قدر آسانی سے نکلتی ہے جس طرح آسانی سے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے' روح نکلنے کے بعد وہ پلک جھپکنے میں اس روح کو پکڑ کر اس جنتی کفن میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں روئے زمین کی سب سے زیادہ اچھی مشک سے بھی اچھی خوشبو ہوتی ہے' وہ اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ ان کو فرشتوں کی جو جماعت بھی ملتی ہے وہ پوچھتی ہے: یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں جو اس کا سب سے اچھا نام ہو وہ بتاتے ہیں' حتیٰ کہ آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں' ان کے لیے وہ آسمان کھول دیا جاتا ہے' پھر ساتویں آسمان تک ہر آسمان کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں' پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندہ کا صحیفۂ اعمال علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو' کیونکہ میں نے اس کو زمین سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو زمین میں ہی لوٹاؤں گا اور میں اس کو دوبارہ زمین سے ہی نکالوں گا' آپ نے فرمایا: پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے' وہ اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' پھر وہ اس سے کہیں گے: وہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ کہیں گے: تمہیں ان کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' سو میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر ایک ندا کرنے والا آسمان میں ندا کرے گا: میرے بندہ نے سچ کہا: اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو' آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور منتہائے بصر تک اس کی قبر میں وسعت کر دی جائے گی' آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص' خوب صورت لباس میں' عمدہ خوش بو کے ساتھ آئے گا' وہ اس سے کہے گا: تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس سے تم خوش ہو گے۔ یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ بہت حسین ہے جو خیر کے ساتھ آیا ہے' وہ کہے گا: اے میرے رب! تو قیامت کو قائم کر دے حتیٰ کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔ الحدیث۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۱۔ ۴۹۹' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۴' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۹۴' ج ۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۰۔ ۳۷۴۔ ۳۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۳۸۔ ۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۹' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔ ۴۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر مومن کی روح کو بہت قلیل وقت کے لیے اس کے جسم سے نکالا جاتا ہے' پھر اس کو برزخی حیات عطا کر دی جاتی ہے اور شہداء کو جسمانی حیات عطا کی جاتی ہے' اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی جسمانی حیات عطا کی جاتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں' اس لیے آپ کو سب سے افضل جسمانی حیات عطا کی گئی اور نہایت قلیل وقت کے لیے ان کے جسم سے جو روح قبض کی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ ان کے اوپر غسل' کفن' دفن اور نماز جنازہ کے احکام پر عمل کیا جا سکے۔

بانی مدرسہ دیوبند شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے' ہاں فرق ذاتیت و عرضیت متصور نہیں' وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے' یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مؤمنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے' اس لیے وقت موت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی' ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مؤمنین ساری یا آدھی زائل ہو جاوے گی۔ سو در صورت تقابل عدم وملکہ اس استتار حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مثل آفتاب سمجھئے کہ وقت کسوف قمر بے اوٹ میں حسب مزعوم حکماء اس کا نور مستور ہو جاتا ہے' زائل نہیں ہوتا' یا مثل شمع چراغ خیال فرمائیے کہ جب اس کو کسی ہنڈیا یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے' زائل نہیں ہو جاتا اور دوبارہ زوال حیات مؤمنین کو مثل قمر خیال فرمائیے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے یا مثل چراغ سمجھئے کہ گل ہو جانے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا۔ (آب حیات ص ۱۸۵۔۱۸۴' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان' ۱۴۱۳ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت آنے سے آپ کی حیات زائل نہیں ہوئی' لوگوں کی نگاہوں سے چھپ گئی تھی اور عام مسلمانوں پر موت آنے سے ان کی حیات ساری یا آدھی زائل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر احادیث' آثار' اور اقوال علماء سے دلائل پیش کریں گے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت کو تفصیل سے بیان کریں گے' ان شاء اللہ العزیز!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ثبوت میں احادیث

امام ابویعلیٰ نے اپنی ''مسند'' میں اور امام بیہقی نے کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۲۵' حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۳' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۶۲۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۴۵۲' تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۵ ص ۱۵۹' رقم الحدیث: ۳۵۱۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابونعیم نے ''حلیہ'' میں روایت کیا ہے کہ ثابت بنانی نے حمید الطویل سے پوچھا: کیا تمہیں یہ علم ہے کہ انبیاء کے سوا بھی کوئی اپنی قبروں میں نماز پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۵۶۷' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ پڑھا کرو' کیونکہ تمہاری صلوٰۃ (درود شریف) مجھ پر پیش کی جاتی ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہماری صلوٰۃ کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳

ص ۲۴۹ المستدرک ج ۴ ص ۵۶۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۰۱ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ ھ سنن ابن ماجہ اور البدایہ والنہایہ میں اس حدیث کے بعد یہ بھی مذکور ہے: اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۷ البدایہ ج ۳ ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا اس کو میں خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ دور سے خود سن نہیں سکتے کیونکہ یہ بھی حدیث میں ہے کہ کوئی شخص کہیں سے بھی درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ (جلاء الافہام) فرشتہ کا درود پہنچانا آپ کے یا درود کے اعزاز و اکرام کے لیے ہے، جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس اعمال پہنچاتے ہیں)۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۸۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۳۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۵ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۵۶)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے، وہ میری قبر پر کھڑا ہوا ہے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری رقم الحدیث: ۸۹۰۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری کرتا ہے، ستر آخرت کی حاجتیں اور تیس دنیا کی حاجتیں اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں داخل کرتا ہے جیسے تمہارے پاس ہدیے اور تحفے داخل ہوتے ہیں اور میری وفات کے بعد بھی میرا علم اسی طرح ہے جس طرح میری حیات میں تھا۔
(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۴۲ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۵۵ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۴۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو چالیس راتوں کے بعد ان کی قبروں میں نہیں چھوڑا جاتا لیکن وہ اللہ سبحانہ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں حتیٰ کہ صور میں پھونکا جائے۔
(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۹۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں ابو القاسم کی جان ہے، عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے، درآں حالیکہ وہ امام عادل ہوں گے، وہ ضرور صلیب کو توڑ دیں گے اور وہ ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور وہ ضرور لڑنے والوں کے درمیان صلح کرائیں گے اور وہ ضرور کینہ اور بغض کو دور کریں گے اور ضرور ان پر مال پیش کیا جائے گا سو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر پکاریں: یا محمد! تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔
(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۴ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵ المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۴ رقم الحدیث: ۴۵۷۴)

سعید بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن تک اذان نہیں دی گئی اور نہ جماعت کھڑی ہوئی اور سعید بن المسیب مسجد سے نہیں نکلے اور انہیں نماز کے وقت کا صرف اس آواز سے پتا چلتا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آتی تھی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۴ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۵۱)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر دلالت کرتی ہیں اور باقی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بھی، اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کو ان کے رب کے پاس سے روزی

دی جاتی ہے۔

اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام جو ان سے بہت افضل اور اجل ہیں وہ بہ طریق اولیٰ زندہ ہیں اور بہت کم کوئی نبی ایسا ہوگا جس میں وصف شہادت نہ ہو' لہٰذا شہداء کی حیات کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں نو بار یہ قسم کھاؤں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا تو میرے نزدیک اس سے بہتر یہ ہے کہ میں ایک بار یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۰۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۔۴' مسند احمد ج ا ص ۳۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس بیماری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے اس میں آپ فرما رہے تھے: اے عائشہ! میں ہمیشہ اس کھانے کا درد محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا (اس طعام میں زہر ملا ہوا تھا) اور اس زہر کی وجہ سے اب میری رگ حیات کے منقطع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۵۰۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے متعلق مستند علماء کی تصریحات اور مزید احادیث

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: پس قرآن مجید کی صریح عبارت سے یا مفہوم موافق سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ امام بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو قبض کرنے کے بعد ان کی روحوں کو لوٹا دیا جاتا ہے' پس وہ اپنے رب کے سامنے شہداء کی طرح زندہ ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے اپنے شیخ احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ سے نقل کر کے کہا ہے کہ موت عدم محض نہیں ہے' وہ صرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور وہ خوش و خرم ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے اور جب شہداء کو حیات حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام تو ان سے زیادہ حیات کے حق دار ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی اور معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جو شخص بھی آپ کو سلام کرتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں اور ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں' ہر چند کہ وہ زندہ ہیں اور موجود ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے' وہ بھی زندہ اور موجود ہیں اور ہماری نوع انسان میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا ماسوا اولیاء اللہ کے' جن کو اللہ تعالیٰ نے کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (التذکرہ ج ا ص ۲۶۵۔۲۶۴' مطبوعہ دار البخاری' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ کے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ ہیں اور ان کی یہ مذکور الصدر عبارت ''المفہم شرح مسلم'' ج ۶ ص ۲۳۴۔۲۳۳' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ میں موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ سیوطی لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب میں سے متکلمین اور محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور

آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود پڑھتا ہے' آپ اس کو سنتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور زمین اس میں سے کسی چیز کو نہیں کھاتی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پہلے آسمان میں حضرت آدم کو' دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف کو اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس کو اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون کو اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ کو اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۴) ان وجوہ سے ہمارے لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔

اور اصحاب نے جو یہ کہا ہے کہ آپ اپنی امت کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے رنجیدہ ہوتے ہیں' اس کی اصل یہ احادیث ہیں:

بکر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی' مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب بُرا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۴' دار صادر' بیروت' ۱۳۸۸ھ' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳-۲۲' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷' الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۸۲' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مسند احمد رقم الحدیث:۳۶۶۶' دار الفکر' مسند البزار رقم الحدیث:۸۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا: مسند البزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

خراش بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے' حیات اس لیے بہتر ہے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں اور میری وفات اس لیے بہتر ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں' سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۹۴۵' دار الفکر' الوفاء لابن الجوزی ص ۸۱۰' مطبوعہ مصر' ۱۳۶۹ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: حافظ ابو بکر بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام روحوں کے قبض کیے جانے کے بعد اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہوتے ہیں' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا ہے اور ان کی امامت کی ہے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ ہمارا درود اور سلام ان تک پہنچایا جاتا ہے اور آپ کی خبر صادق ہے۔

(انباء الاذکیاء ص ۷)

حافظ بیہقی نے جو کہا ہے کہ ہمارا درود اور سلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ زمین میں سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں تاکہ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچائیں۔ (سنن النسائی رقم الحدیث:۱۲۸۱' مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث:۴۲۱۰' دار الفکر' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۹۲' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث:۹۹)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں مجھ پر فرشتے پیش کیے جاتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو' ہم نے پوچھا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: میری وفات کے بعد بھی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام. جو شخص بھی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۲۵' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۰۰)

سلام کے وقت آپ کی روح کو لوٹانے کی حدیث کے اشکال کے جوابات

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کسی سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے بدن میں روح کو لوٹا دیتا ہے اور پھر روح کو نکال لیا جاتا ہے اور چونکہ آپ کو بار بار سلام کیا جاتا ہے تو گویا بار بار آپ کے جسم سے روح نکالی جاتی ہے اور بار بار داخل کی جاتی ہے اور یہ عمل آپ کے لیے شدید تکلیف کا موجب ہے اور روح کا نکالنا موت کے معنیٰ میں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بار بار موت آتی ہے اور یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستمر ثابت ہے' جن کو ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں' اس اشکال کے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حسب ذیل جوابات منکشف کیے ہیں:

(۱) ''الا رد اللہ علی روحی'' جملہ حالیہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق اس سے پہلے ''قد'' کا لفظ محذوف ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے: ''حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ''. (النساء: ۹۰) اس سے پہلے بھی لفظ ''قد'' محذوف ہے اور اس کا معنیٰ ہے ''یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے لڑنے کے لیے بھی ان کے دل تنگ ہوں'' اسی طرح اس حدیث کا بھی معنیٰ ہے: جو شخص بھی مجھے سلام کرتا ہے وہ اس حال میں سلام کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ روح لوٹا چکا ہوتا ہے۔ اور اب یہاں پر ''رد اللہ'' کا جملہ ماضی کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اشکال اس وقت ہوتا جب ''رد اللہ'' حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہوتا اور اس سے بار بار روح کا لوٹانا لازم آتا' اس سے ایک تو یہ لازم آتا کہ جسم سے بار بار روح کے نکلنے سے آپ کو بار بار درد ہوتا اور یہ آپ کی تکریم کے خلاف ہے' نیز یہ حیات شہداء کے خلاف ہے' کیونکہ شہداء کی حیات مستمر ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ کی حیات مستمر ہو اور تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ معنیٰ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ صرف دو بار موت اور دو بار حیات ہے اور اس صورت میں بہ کثرت موتیں اور حیاتیں لازم آئیں گی اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ معنیٰ ان احادیث صحیحہ متواترہ کے خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستمر ثابت ہے اور جو معنیٰ قرآن مجید اور احادیث متواترہ کے خلاف ہو اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

(۲) اس حدیث میں لفظ ''رد'' ''صیرورۃ'' کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ'' (الاعراف: ۸۹) ''عدنا'' کا لفظ عود سے بنا ہے اور عود کا معنیٰ ہے: لوٹنا' اگر یہاں عود اپنے معنیٰ میں ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کفار سے فرمایا: اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے اور کفار کے دین میں لوٹ جانا اس کو مستلزم ہے کہ حضرت شعیب پہلے بھی ان کے دین میں تھے اور یہ معنیٰ باطل ہے' اس لیے اس آیت میں ''عدنا'' کا لفظ ''صرنا'' کے معنیٰ میں ہے یعنی اگر ہم

تمہارے دین میں ہو جائیں تو پھر ہم اللہ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے' اسی طرح اس حدیث کا معنیٰ ہے: جب کوئی شخص مجھ کو سلام کرتا ہے تو اس وقت میری روح مجھ میں ہوتی ہے۔

(۳) روح کو لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ آپ کی روح کو سلام کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احوال برزخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو آپ کو سلام کرنے والے کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔

(۴) روح کو لوٹانا آپ کی حیات کے دوام اور استمرار سے کنایہ ہے کیونکہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سے کوئی نہ کوئی شخص آپ کو سلام عرض کر رہا ہوتا ہے تو آپ ہر وقت کسی نہ کسی کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو ہر وقت آپ کو حیات حاصل ہوتی ہے۔

(۵) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ سلام کے وقت اللہ تعالیٰ آپ کے نطق کو اس کے جواب کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۶) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو غیر معمولی سماعت عطا فرماتا ہے اور کوئی شخص کہیں سے بھی سلام کرے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

(۷) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ آپ عالم ملکوت کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے جواب کی طرف فارغ کر دیتا ہے۔

(۸) روح سے خوشی اور فرحت مراد ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ''فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ'' (الواقعہ:۸۹) یعنی جو شخص مقرب ہو اس کے لیے راحت اور خوشی ہے' اسی طرح اس حدیث کا معنیٰ ہے: جب کوئی شخص آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی فرحت اور راحت کو تازہ کر دیتا ہے۔

(۹) ردّ روح سے مراد ہے: صلوٰۃ کے ثواب کو آپ کی طرف لوٹانا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور انعامات کو آپ پر لوٹاتا رہتا ہے۔

(۱۰) امام راغب نے ''رد'' کا ایک معنیٰ تفویض بھی لکھا ہے' اس صورت میں حدیث کا معنیٰ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سلام کے جواب کو آپ کی طرف مفوض کر دیا ہے یعنی اس کی طرف رحمت کے لوٹانے کو' جیسا کہ حدیث میں ہے: جو شخص مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر دس صلوات بھیجتا ہے' یعنی اس پر دس رحمتیں بھیجنے کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف مفوض کر دیا ہے اور آپ کی اس پر رحمت یہ ہے کہ آپ اس کی شفاعت فرمائیں۔

(۱۱) روح سے مراد وہ رحمت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آپ کی امت کے لیے ہے' یعنی آپ کو آپ کی اس رحمت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۱۲) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ آپ اعمال برزخ میں مشغول ہوتے ہیں' مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرماتے ہیں' ان کے نیک اعمال پر اللہ کی حمد کرتے ہیں اور ان کے بُرے اعمال پر استغفار فرماتے ہیں' ان سے مصائب دور ہونے کی دعا کرتے ہیں' اطراف زمین میں برکت پہنچانے کے لیے آمد و رفت جاری رکھتے ہیں' اور امت کے جو صالحین فوت ہو جاتے ہیں ان کے جنازوں پر تشریف لے جاتے ہیں' یہ تمام امور اشغال برزخ سے ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں' تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان اشغال برزخ سے ہٹا کر سلام کے جواب دینے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(انباء الاذکیاء ص ۱۳' حافظ سیوطی کی ترتیب سے اس جواب کا نمبر دس ہے ہم نے تلخیص کی سہولت سے جوابات کی ترتیب بدل دی ہے)

(۱۴) روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر انور پر مقرر کر دیا ہے جو امت کا سلام آپ تک پہنچاتا ہے۔
(۱۴) ہو سکتا ہے کہ آپ کو ابتداء میں یہی بتایا گیا ہو کہ جواب کے وقت آپ کی روح جسد میں لوٹائی جائے گی' بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات میں ترقی فرمائی اور آپ پر وحی فرمائی کہ آپ کو حیات ہمیشہ حاصل رہے گی۔

حافظ سیوطی نے پندرہ جوابات ذکر فرمائے ہیں' ان میں سے پہلے جواب کو انہوں نے بہت کمزور قرار دیا تھا' یعنی راویوں کو اس حدیث کی عبارت میں وہم ہوا ہے' ہم نے اس جواب کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے جواب سے ابتداء کی' اس لیے چودہ جواب ذکر کیے ہیں اور جوابات کی ترتیب بھی ہم نے اپنی سہولت سے قائم کی ہے اور یہ جوابات ''انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء'' میں ص ۸۔۱۶ میں درج ہیں۔ واضح رہے کہ یہ حافظ سیوطی کی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے' بلکہ ان کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی حیات کے مظاہر

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین نے آپ کی زیارت کی ہے اور آپ سے بیداری میں فیض حاصل کیا ہے' شیخ سراج الدین بن الملقن نے ''طبقات الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے بیان کیا ہے کہ میں نے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم خطاب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں عجمی شخص ہوں' فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے اس میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور آپ نے فرمایا: لوگوں سے کلام کرو اور انہیں حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے دین کی دعوت دو' پھر میں ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا' میرے پاس بہت مخلوق آئی اور مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا' پھر میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زیارت کی جو میرے سامنے مجلس میں کھڑے ہوئے تھے' آپ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے میرے والد گرامی! مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا' آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا' میں نے کہا: آپ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے' پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے۔

نیز شیخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند اور بیداری میں اکثر افعال حاصل کیے اور ایک بار انہوں نے ایک رات میں آپ کی سترہ مرتبہ زیارت کی' ان باریوں میں سے ایک بار میں آپ نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لیے بے قرار نہ ہوا کرو' کیونکہ بہت سے اولیاء میری زیارت کی حسرت میں فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے ''لطائف المنن'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے کہا: اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے' انہوں نے کہا: میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا اور شیخ مرسی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے کی مقدار بھی میری نظروں سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا' اس قول کی مثل اور بہت سے اولیاء سے منقول ہے۔

بہ کثرت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں زیارت کی اور اس کے بعد بیداری میں زیارت کی اور انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور جن چیزوں کے متعلق وہ متشوش تھے انہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ مسئلہ اس طرح بیان کیا جس سے ان کی تشویش اور پریشانی دور ہو گئی۔

علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے سلسلہ میں تمام احادیث' آثار اور نقول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف ارض میں جب چاہیں' جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں اور تشریف لے جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں آپ اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ وفات سے پہلے تھے' اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ آنکھوں سے اسی طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں' حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز اور اکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے' اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے۔ (علامہ سیوطی کی عبارت ختم ہوئی) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے' انہوں نے کہا: انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی' اپنے اس موقف پر علامہ سیوطی نے بہ کثرت احادیث سے استشہاد کیا ہے۔ بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) امام ابن حبان نے اپنی تاریخ میں' امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے: کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتا۔

(۳) امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے' امام الحرمین نے کہا: یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔

علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے' عالم ملکوت میں ہوتے ہیں' جن احادیث سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے' علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے' نیز احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں' صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں' جہاں چاہیں روئے زمین میں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں' علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو دیکھتے ہیں' یہ ایک حالت برزخی اور امر وجدانی ہے' اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا ہے اور چونکہ یہ رؤیت' رؤیت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے' اس لیے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزیں دیکھتا ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے' یہ رؤیت قلبی ہے جو رؤیت بصری سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی پیکر میں) ظاہر ہوتی ہے اور اس روح کا تعلق آپ کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ کی قبر انور میں موجود ہے' جیسا کہ

رت جبرائیل حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے' اس کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ پر موجود ہوتے تھے۔ یا زیارت کرنے والا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے' جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کے تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے' یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے بہت سے اجسام مثالیہ ہوں (اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی زیارت کریں) اور ان اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ کی روح کریم متعلق ہو' اس کی نظیر یہ ہے جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے' ہماری اس تقریر سے شیخ ابوالعباس طبخی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان' زمین' عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ رہے تھے (یعنی ہر جگہ آپ کا جسم مثالی تھا اور آپ کی روح کا اس سے تعلق تھا) اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا (یعنی انہوں نے آپ کے اجساد مثالیہ دیکھے جن کے ساتھ آپ کی روح متعلق تھی)۔

پھر قبر میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے' مثلاً وہ نماز پڑھتے ہیں' اذان اور اقامت پڑھتے ہیں' جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اور اس حیات کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے نہ اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اگر بالفرض تمام انبیاء علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو تمام لوگ قبروں میں انبیاء علیہم السلام کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی' ورنہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا' کیونکہ احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور مسند ابو یعلیٰ میں حدیث مرفوع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مصر میں منتقل کیا۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۵-۵۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے (اس کو زیارت ہو جاتی ہے) کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی (علامہ عبدالوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر مرتبہ بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ ملاقات کی ہے۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۴' لواقح الانوار القدسیہ ص ۱۷' سعیدی غفرلہٗ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا' (الی قولہ) امام شعرانی رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے صحیح بخاری پڑھی' امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا' ان میں سے ایک حنفی تھا' اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا: بیداری میں آپ کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبع حجازی' مصر' ۱۳۵۷ھ)

(''جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا'' اس حدیث کی مزید شرح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کر دی ہے)۔

اجسام مثالیہ کا تعدد

صوفیاء اور فقہاء جو اجساد مثالیہ کے تعدد کے قائل ہیں' اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی ہوتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ (بھی) آپ سے اتنی محبت کرے جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کو نہیں دیکھا' آپ نے پوچھا: فلاں شخص کے بیٹے کو کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ فوت ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ سے فرمایا: کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی داخل ہو تمہارا بیٹا اس دروازہ پر (پہلے سے) موجود تمہارا انتظار کر رہا ہو ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! آیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: بلکہ سب کے لیے ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۶' مکتبہ اسلامیہ' بیروت)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیہ اشارة الی خرق العادة من تعدد الاجساد المکتسبة حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنة.

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ بطور خرق عادت اجساد متعدد ہوتے ہیں' کیونکہ وہ بچہ (بیک وقت) جنت کے ہر دروازہ پر موجود ہوگا۔

(مرقات ج ۴ ص ۱۰۹' مکتبہ امدادیہ' ملتان)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لهم الارض وحصل لهم ابدان مکتسبة متعددة وجدوها فی اماکن مختلفة فی آن واحد.

جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی ہے تو ان کے لیے ایسے اجساد مثالیہ کا تعدد بعید نہیں ہے جو آن واحد میں مختلف مقامات پر موجود ہوتے ہیں۔

(مرقات ج ۴ ص ۳۱' مکتبہ امدادیہ' ملتان)

انبیاء اور اولیاء کا آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہونا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور روحوں کا مختلف صورتوں میں متمثل ہونا اسی عالم مثال پر مبنی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور حضرت مریم کے پاس بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود ہوں اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔ (جذب القلوب ص ۱۵۳' مکتبہ نعیمیہ' لاہور)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے' آپ کے علم و روحانیت کی نسبت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے' علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۷ مدنی کتب خانہ لاہور)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن الحضرمی مجذوب نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے۔ (جمال الاولیاء ص ۱۸۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

نیز شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ محمد الشربینی کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد عجم میں تھی اور کچھ بلاد ہند میں اور کچھ بلاد تکرود میں تھی' آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل وعیال کے پاس ہو آتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرما دیتے اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۲۰۲)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہوں تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں متمثل ہو کر چلی جاتی ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا چلے جاتے ہیں اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اصلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں' اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے' جو صرف کسی جاہل اور معاند سے ہی متصور ہو سکتا ہے اور علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں' اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ کے اور حضرت موسیٰ کے درمیان فرض نمازوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا' شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کی ایک جماعت کو بھی آسمانوں پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۰۶-۳۰۵ مطبع الحجاز کراچی)

علامہ جلال الدین سیوطی' علامہ سید آلوسی' علامہ ابن حجر ہیتمی مکی' علامہ عبدالوہاب شعرانی' ملا علی قاری' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کی صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور کائنات کا ملاحظہ اور اعمال امت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور احوال برزخ میں ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں' حتیٰ کہ ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے ہماری یہی مراد ہے۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہوں تو اگر ہر جگہ آپ بعینہ ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور وہ محال ہے اور اگر دوسری جگہ پر آپ کی مثال ہے تو مثل شی غیر شی ہوتی ہے' سو اس جگہ آپ نہ ہوئے بلکہ آپ کا غیر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ میں اشارہ حسیہ کے لحاظ سے بہر حال تغایر ہے' اس لیے یہ تکثر ممکن ہے اور چونکہ ان تمام اجساد مثالیہ میں روح واحد متصرف ہے اس لیے یہ اجسام آپ کا غیر نہیں ہیں۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے تمام اصولی مباحث کا میں نے باحوالہ اور باد ذکر کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو میرے لیے توشہ آخرت' موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے سب ہدایت بنا دے۔ ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں' اس کے آخر میں ہے:

صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پس انہوں نے آپ کے صدق کو جان لیا۔ پھر پوچھا: کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنازہ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھے' دعا مانگے درود شریف پڑھے' پھر وہ چلے جائیں' پھر ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھے' درود پڑھے اور دعا مانگے' پھر وہ چلے جائیں۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۲۴۔ ۱۵۴۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۳۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۷۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۵۹)

نماز جنازہ میں اصل اور فرض قیام اور تکبیرات اربعہ ہیں' باقی ثناء' صلوٰۃ اور دعا وغیرہ ثانوی حیثیت اور استحباب کا د رکھتی ہیں۔ اس حدیث صحیح میں تکبیرات کا ذکر موجود ہے اور وہی نماز جنازہ کی اصل ہیں۔ باقی دعا اور صلوٰۃ کا بھی ذکر ہے او واضح رہے کہ دعا سے مراد یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کلمات طیبات کا عرض کرنا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر ولی اور حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار ہے کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی نے جنازہ پڑھ لی تو اب دوبارہ کسی شخص کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر تمام جہان کے مسلمانوں نے جنازہ پڑھنی چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی (زندہ اور تروتازہ) ہیں جیسے اس دن تھے جب آپ کو قبر مبارک میں گیا تھا۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۰' مطبوعہ شرکۃ علمیہ' ملتان)

علامہ عبدالواحد ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر نماز جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء و صلحاء ا حضرات ہیں جو طرح طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو سلف سے خلف تک تمام مسلمانوں کا حضور کی قبر انور پر نماز جنازہ نہ پڑھنا نماز جنازہ کے تکرار کے عدم جواز کی کھلی ہوئی دلیل ہے او کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہدایہ اور فتح القدیر کی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہ نماز جنازہ کے عدم تکرار کی مشروعیت اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ کل کے مسلمان' علماء اور صلحاء آپ کی قبر انور پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور یہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ سے معروف نماز جنازہ ہو اور اگر اس سے مراد محض صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہو تو وہ آج تک قبر انور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت احناف کثرہم اللہ تعالیٰ کا یہ استدلال کس طرح صحیح ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ درج ذیل سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ ۸۴: از شہر چاٹگام موضع چرباکلیہ مکان روشن علی مستری مرسلہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۳ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کتنی مرتبہ پڑھی گئی اور اوّل کس شخص نے پڑھائی تھی؟ **بینوا توجروا**

الجواب: **صلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ والہ وبارک وسلم**۔ سائل کو جوابِ مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یاع یام یاص یاصللم لکھا کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے۔ **القلم احدی اللسانین** (قلم دوزبانوں میں سے ایک ہے۔ت) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہملات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ "**فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم**" (تو ظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی۔ت) میں نہ داخل ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے گا **صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**۔ جنازہ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں۔ ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے، بعض احادیث بھی اس کی مؤید ہیں **کما بیناھا فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز** (جیسا کہ انہیں ہم نے اپنے رسالہ "**النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز**" میں بیان کیا ہے۔ت) اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں، امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی **کما فی شرح الموطا للزرقانی** (جیسا کہ علامہ زرقانی کی شرح موطا میں ہے۔ت) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تسکینِ فتن وانتظامِ امت میں مشغول، جب تک ان کے دستِ حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہولی، ولی شرعی صدیق ہوئے، انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعادۂ نماز جنازہ کا اختیار نہیں۔ ان تمام مطالب کی تفصیلِ قلیل، فقیر کے رسالۂ مذکورہ میں ہے۔

مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے:

ان ابا بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مشغولا بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد علیہ۔ (مبسوط ج۲ ص۶۷، دارالمعرفۃ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے آ کر صلوٰۃ پڑھتے جاتے اور حق ان کا تھا اس لیے کہ وہ خلیفہ تھے، تو جب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھی گئی۔ (ت)

بزار وحاکم وابن منیع وبیہقی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا غسلتمونی وکفنتمونی فضعونی علی سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبریل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملائکۃ باجمعھم ثم ادخلوا علی فوجا بعد فوج فصلوا علی وسلموا تسلیما۔

جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلوٰۃ کریں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔

والله سبحنه وتعالی اعلم.

(المستدرک ج ۳ ص ٦)

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۱۵ '۳۱۴ 'رضا فاؤنڈیشن لاہور '۱۹۹۶ء)

عام مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور اجماع حجت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھی ہیں اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور فرض نمازیں چار رکعات سے زیادہ نہیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں' حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔

پہلی تکبیر کے بعد اللہ عزوجل کی ثناء پڑھے اور وہ یہ ہے: ''سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک '' اور دوسری تکبیر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھے اور وہ معروف درود شریف ہے ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد...انک حمید مجید '' تک اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے استغفار کرے اور ان کے لیے شفاعت کرے کیونکہ نماز جنازہ میت کے لیے دعا ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر اربعا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۷۰)

اور نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنے کی اصل یہ حدیثیں ہیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

وعن فضالۃ بن عبید' قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلی' فقال اللھم اغفر لی وارحمنی. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت ایھا المصلی! اذا صلیت فقعدت' فاحمد اللہ بما ھو اھلہ' وصل علی' ثم ادعہ. قال ثم صلی رجل اخر بعد ذلک' فحمد اللہ' وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم' فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھ کر یہ دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت کر اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تم نے جلدی کی۔ جب تم نماز پڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اللہ کی شان کے لائق حمد کرو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو' پھر اللہ سے دعا کرو' پھر اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے اللہ کی حمد کی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! اب تم دعا کرو' تمہاری دعا قبول

ایها المصلی ادع تجب.

ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۷۰۹ مسند احمد ج۶ ص ۱۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۶۰ المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۷۹۴-۷۹۳-۷۹۲-۷۹۱ المستدرک ج ۱ ص ۲۳۰ سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸-۱۴۷)

وعن عبد الله بن مسعود' قال كنت اصلى والنبي صلى الله عليه وسلم وابو بكر و عمر معه' فلما جلست بدات بالثناء على الله (تعالى)' ثم الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم' ثم دعوت لنفسي. فقال النبي صلى الله عليه وسلم' سل تعطه' سل تعطه.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میرے ساتھ تھے' جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سوال کرو' تمہیں دیا جائے گا' تم سوال کرو تمہیں دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۰۱ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۷۰)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرزاق عن الثوری عن ابی هاشم عن الشعبي قال التكبيرة الاولى على الميت ثناء على الله' والثانية صلوة على النبي صلى الله عليه وسلم' والثالثة دعاء للميت' والرابعة تسليم.

امام شعبی نے کہا: پہلی تکبیر میں میت پر ثناء ہے' دوسری تکبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہے اور تیسری تکبیر میں میت کے لیے دعا ہے اور چوتھی تکبیر میں سلام پھیرنا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۱۶' رقم الحدیث: ۶۴۶۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں فرض دو چیزیں ہیں: پہلی چیز چار تکبیریں ہیں اور دوسری چیز قیام ہے' علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے: اس میں سنت تین چیزیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور میت کے لیے دعا۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۳ ص ۱۰۰-۹۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی حنفی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز جنازہ میں دو رکن ہیں: چار بار اللہ اکبر کہنا' قیام' بغیر عذر بیٹھ کر یا سواری پر نماز جنازہ پڑھی' نہ ہوئی اور اگر ولی یا امام بیمار تھا' اس نے بیٹھ کر پڑھائی اور مقتدیوں نے کھڑے ہو کر پڑھی' ہوگئی۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: نماز جنازہ میں تین چیزیں سنت مؤکدہ ہیں: (۱) اللہ عزوجل کی حمد وثناء (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (۳) میت کے لیے دعا۔ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ کان تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے حسب دستور باندھ لے اور ثناء پڑھے' یعنی: ''**سبحنک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک وجل ثناوک ولا اله غيرک**''. پھر ہاتھ بغیر اٹھائے اللہ اکبر کہے اور درود شریف پڑھے' بہتر وہ درود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور کوئی دوسرا پڑھا جب بھی حرج نہیں' پھر اللہ اکبر کہہ کر اپنے اور میت اور تمام مؤمنین ومؤمنات کے لیے دعا کرے اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو احادیث میں وارد ہے اور ماثور دعائیں اگر اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو جو دعا چاہے' پڑھے مگر وہ دعا ایسی ہو کہ امور آخرت سے متعلق ہو۔ (جوہرہ نیرہ

عالمگیری درمختار وغیرہا) بعض ماثور دعائیں یہ ہیں:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییته منا فاحی(ہ) علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجر(ہ ھا)ولا تفتنا بعد (ہ ھا). اللھم اغفر (له لھا)وارحمه (ھا)وعافه (ھا)واعف عنه (عنھا)واکرم نزله (ھا)ووسع مدخله (ھا)واغسله(ھا)بالماء والثلج والبرد ونقه (ھا)من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدله (ھا)دارا خیرا من دار (ہ ھا). (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۸۱ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا کرنے کا جواز اور استحسان

اہل سنت کا معمول ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد صفیں توڑ لیتے ہیں اور لوگ منتشر ہو جاتے ہیں' اس کے بعد امام ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھتا ہے اور لوگوں سے بھی پڑھنے کے لیے کہتا ہے' پھر اس کا میت کے لیے ایصال ثواب کرتا ہے اور مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں' علماء دیو بند اس عمل سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جا چکی ہے' اب اس دعا کے تکرار کی کیا ضرورت ہے' نیز اس دعا سے نماز جنازہ میں زیادتی کا وہم پیدا ہوتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں مطلقاً دعا کرنے کا حکم ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے' ہم اختصار کے پیش نظر صرف دو آیتیں اور تین حدیثوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المومن: ۱۴)

پس تم اللہ سے دعا کرو اخلاص سے اس کی اطاعت کرتے ہوئے خواہ کافروں کو ناگوار ہو ○

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ. (المومن: ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

دعا کے اس عمومی حکم میں نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی شامل ہے اور قرآن مجید کی کسی آیت میں اور کسی حدیث صحیح میں نماز جنازہ کے بعد دعا پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ پھر بغیر کسی شرعی ممانعت کے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا صحیح نہیں ہے اور اپنی طرف سے شریعت وضع کرنے کے مترادف ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنے اور منع کرنے کی جسارت ہے اور اس کی قرآن اور حدیث میں سخت مذمت ہے۔

دعا کرنے کے عموم اور اطلاق میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۳۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۴' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر مکرم چیز نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۴۴-۳۷۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۱۲' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۳۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۰۰' مسند احمد ج ۲ص ۴۷۷۔۴۴۳۔۴۴۲' الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۵۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵' المستدرک ج ۱ص ۴۹۱)

ان احادیث میں بھی عموم اور اطلاق کے ساتھ دعا کرنے کا حکم ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب صفیں ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو جائیں یا جنازہ کے گرد جمع ہو جائیں اس وقت میت کے لیے دعا کرنا بھی ان اوقات کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے اور کسی حدیث میں اس وقت میت کے لیے دعا کرنے سے ممانعت نہیں ہے' سو بغیر کسی شرعی دلیل کے محض ہوائے نفس سے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا بدعت اور گم راہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے' جب کہ خصوصیت کے ساتھ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث اور آثار بھی وارد ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں خصوصی احادیث اور آثار

عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میت پر نماز (جنازہ) پڑھ لو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۷۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ص ۴۰)

اس حدیث میں "فاخلصوا" پر "فا" ہے اور یہ تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے' اس کا معنیٰ ہے: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے فوراً بعد اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔

مانعین اور مخالفین اس استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ (النحل: ۹۸)

پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

اس آیت میں بھی "فاستعذ" پر "فا" ہے' جو تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے اور اس صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا: جب تم قرآن مجید پڑھو تو اس کے فوراً بعد اعوذ بالله من الشيطن الرجيم پڑھو' حالانکہ اعوذ باللہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس آیت کا ظاہر معنیٰ متعذر ہے' اس لیے اس میں مجاز بالحذف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اذا اردت ان تقرا القران"۔ جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ بالله من الشيطن الرجيم پڑھو' اس کے برخلاف جس حدیث سے ہم نے استدلال کیا ہے اس کے معنیٰ میں کوئی تعذر نہیں ہے اور اس کو کسی مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری صحیح حدیث یہ ہے:

عن عبد الله بن ابی اوفی و كان من اصحاب الشجرة فماتت ابنة له و كان يتبع جنازتها على بغلة خلفها' فجعل النساء يبكين' فقال لا ترثين' فان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المراثی' فتفيض احداكن من

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جو اصحاب شجرہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی' وہ اس کے جنازہ میں خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: تم مرثیہ مت پڑھو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے' تم میں سے کوئی

عبرتها ما شاء ت، ثم کبر علیها اربعا، ثم قام بعد الرابعة قدر ما بین التکبیرتین یدعو، ثم قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصنع فی الجنازة ھکذا.

عورت اپنی آنکھ سے جس قدر چاہے آنسو بہائے، پھر انہوں نے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں، پھر اتنا وقفہ کیا جتنا دو تکبیروں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفہ میں دعا کرتے رہے۔ پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۳۵۶ قدیم، مسند احمد ج ۳۱ص ۴۸۰، رقم الحدیث: ۱۹۱۴۰، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۴۰۴، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۳۰۲، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۶۸، المستدرک ج ۱ص ۳۶۰۔۳۵۹، سنن بیہقی ج ۴ص ۴۳۔۴۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ نے چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی اور نماز جنازہ کے اندر جو دعا کی تھی وہ تیسری تکبیر کے بعد کی جاتی ہے اور حضرت ابن ابی اوفیٰ نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا واضح ثبوت ہے، باقی رہا یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پڑھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ راوی سلام کا ذکر کرنا بھول گیا ہو یا اس نے یہ سوچ کر اس کا ذکر ترک کر دیا کہ یہ تو ویسے ہی معروف اور مشہور ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت میں یہ حدیث بھی اس کی مثل ہے:

یزید بن رکانہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت پر نماز جنازہ پڑھتے تو چار تکبیریں پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرا بندہ اور تیری بندی کا بیٹا تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اس کو عذاب دینے سے غنی ہے، پس اگر یہ نیک ہے تو تو اس کی نیکی میں زیادہ کر اور اگر یہ بُرا ہے تو تو اس کی برائی سے درگزر فرما، پھر جو اللہ چاہتا آپ اس کے لیے وہ دعا کرتے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۲۴۹، رقم الحدیث: ۶۴۷، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی یعقوب بن حمید ہے، اس میں کلام کیا گیا ہے۔ مجمع الزوائد ج ۳ص ۳۴)

اس حدیث میں بھی چار تکبیروں کے بعد دعا کا ذکر ہے، اس لیے اس دعا سے مراد بھی وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے بعد پڑھی جاتی ہے کیونکہ جو دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ تین تکبیروں کے بعد پڑھی جاتی ہے اور اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ دعا چار تکبیروں کے بعد پڑھی گئی ہے اور اگر کوئی مخالف اس پر اصرار کرے کہ چار تکبیروں کے بعد یہ دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی گئی تھی اور اس کے بعد سلام پڑھا گیا تو لازماً سلام سے پہلے بھی ایک تکبیر پڑھی جائے گی اور اس طرح نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں ہو جائیں گی اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔ ہم اس سے پہلے بدائع الصنائع ج ۲ص ۳۴۱ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، رہا یہ کہ ان دونوں حدیثوں میں چار تکبیروں کے بعد سلام کا ذکر نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ راوی نے اس کا ذکر اس لیے نہ کیا ہو کہ چار تکبیروں کے بعد سلام کا پڑھنا مسلمانوں میں بالکل ظاہر اور معروف تھا، اس لیے اس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال چار تکبیروں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دعا کرنا ہمارے مطلوب پر بہت واضح دلیل ہے۔

اور یہ حدیث بھی ہمارے مطلوب پر بہت واضح اور صریح دلیل ہے:

عن جبیر بن نفیر سمعه یقول سمعت عوف بن مالک یقول صلی رسول الله صلی

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کی نماز پڑھی، میں نے

الله عليه وسلم على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار قال حتى تمنيت ان اكون انا ذلک الميت. (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۵، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۹۸۴)

اس جنازے میں آپ کی دعا کے الفاظ یاد رکھے وہ یہ ہیں (ترجمہ:) اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما، اس کو عافیت میں رکھ اور اس کو معاف فرما، اس کی عزت کے ساتھ مہمانی کر، اس کے مدخل کو وسیع کر، اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال، اس کو گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا ہے۔ اس کے (دنیاوی) گھر کے بدلہ میں اس سے بہتر گھر عطا فرما، اس کے (دنیاوی) گھر والوں کے بدلہ میں بہتر گھر والے عطا فرما۔ اس کی (دنیاوی) بیوی کے بدلہ میں اس سے بہتر بیوی عطا فرما، اس کو جنت میں داخل فرما، اس کو عذابِ قبر اور عذابِ نار سے محفوظ رکھ۔ حضرت عوف کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! وہ مرنے والا میں ہوتا (تا کہ یہ دعا مجھے مل جاتی)۔

نماز جنازہ کے اندر جو دعا ہو اس کو سراً (آہستہ) پڑھا جاتا ہے اور اس دعا کو حضرت عوف بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا جہراً پڑھی تھی اور جہراً دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی جاتی ہے، لہٰذا یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محدثین نے اس دعا کو نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعا کے باب میں ذکر کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ حضرت عوف بن مالک کا اس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کرنا اس پر ظاہر اور واضح قرینہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی تھی اور محدثین کا اس دعا کو نماز جنازہ کے اندر پڑھنے پر محمول کرنا محض ان کی رائے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو نہیں فرمایا تھا کہ تم اس حدیث کو اس باب میں درج کرو۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں احادیث کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم آثارِ صحابہ کا ذکر کر رہے ہیں:

امام ابوبکر عبد اللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عمير بن سعيد قال صليت مع علي على يزيد بن المكفف فكبر عليه اربعا ثم مشى حتى اتاه فقال اللهم عبدک ابن عبدک نزل بک اليوم فاغفرله ذنبه ووسع عليه مدخله ثم مشى حتى اتاه وقال اللهم عبدک ابن عبدک نزل بک اليوم فاغفرله ذنبه ووسع عليه مدخله فانا لا نعلم منه الا خيرا وانت اعلم به.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

عمیر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزید بن المکفف کی نماز جنازہ پڑھی، انہوں نے اس پر چار تکبیریں پڑھیں، پھر کچھ چلے حتیٰ کہ جنازہ کے پاس آئے اور یہ دعا کی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے، آج اس پر موت طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے، پھر کچھ چل کر اس کے پاس آئے اور دعا کی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے، آج اس پر موت طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے کیونکہ ہمیں اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ علم نہیں ہے اور اس کا خوب علم تجھ کو ہی ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ بیان کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ اس جنازہ پر آئے تو انہوں نے میت پر صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ ان کے جنازہ پر آئے تو کہا: اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ پر سبقت نہ کرو۔ (المبسوط ج ۲ ص ۱۰۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:
ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی' جب آپ نماز جنازہ پڑھ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ آئے اور یہ ارادہ کیا کہ ان پر نماز جنازہ پڑھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو اور یہ حدیث اس باب میں نص (صریح) ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک جنازہ پر نماز رہ گئی' جب وہ آئے تو انہوں نے میت کے لیے صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ آئے تو انہوں نے کہا: اگر تم نے ان کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمود بن احمد البخاری المتوفی ۶۱۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو۔
(المحیط البرہانی ج ۲ ص ۳۳۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا عہد رسالت اور عہد صحابہ میں معمول اور مشروع تھا۔ اس تفصیل اور تحقیق کے بعد ہم فقہاء کی ان عبارات کی تنقیح کرنا چاہتے ہیں جن سے مخالفین نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا سے ممانعت کے دلائل اور ان کے جوابات

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:
نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۱۷۰' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

ہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے اور ملا علی قاری کی یہ عبارت نہ قرآن کی آیت ہے' نہ حدیث ہے' نہ اثر ہے تو اس میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ یہ احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکے' تاہم اس کی توجیہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو اس لیے منع کیا ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے اور زیادتی کا شبہ اس وقت ہو گا جب سلام پھیرنے کے بعد اسی طرح صفیں قائم رہیں اور لوگ اسی طرح اپنی جگہوں پر ہاتھ باندھے کھڑے رہیں' پھر اسی حال میں میت کے لیے دعا کریں تو یہ شبہ ہو گا کہ یہ دعا بھی نماز جنازہ کا جز ہے۔ لیکن جب سلام پھیرنے کے بعد صفیں ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو کر جنازہ کے گرد جمع ہوں اور ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کے لیے ایصال ثواب کریں اور ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کریں تو پھر کوئی عقل و خرد سے عاری شخص ہی ہو گا جو یہ

کا کہ یہ دعا نماز جنازہ کا جز ہے۔
اسی طرح بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ظاہر الروایہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اور نوادر میں ہے: یہ دعا جائز ہے۔

علامہ محمود بن احمد البخاری متوفی ٦١٦ھ لکھتے ہیں:
نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کے لیے کھڑا نہ ہو کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا ہے اور نوادر کی روایت میں ہے کہ یہ دعا جائز ہے۔ (المحیط البرھانی ج ٢ ص ٣٣٨' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٤ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ٩٧٠ھ لکھتے ہیں:
نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے' اسی طرح خلاصۃ الفتاوی (ج ١ ص ٢٢٥) میں ہے اور امام فضلی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ٢ ص ١٨٣' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ١٠٠٥ھ لکھتے ہیں:
نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد کوئی دعا نہ کرے یہ ظاہر مذہب ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ دعا کرے: ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة '' اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ''اللھم لا تحرمنا اجره ولا تفتن بعده اغفرلنا وله'' اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ''ربنا لا تزغ قلوبنا..... الی اخره''. (النہر الفائق ج ١ ص ٣٩٤' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

علامہ ابراہیم حلبی متوفی ٩٥٦ھ اور علامہ شیخی زادہ داماد آفندی متوفی ١٠٧٨ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔
(غنیۃ المستملی ص ٥٨٦۔٥٨٥' سہیل اکیڈمی' لاہور' مجمع الانہر ج ١ ص ١٧١' مکتبہ غفاریہ' کوئٹہ)

فقہاء کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ اگر نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے متصل بعد وہیں کھڑے کھڑے صفیں توڑے بغیر میت کے لیے دعا کی تو یہ ظاہر الروایہ میں ممنوع ہے لیکن نوادر کی عبارات میں' امام فضلی اور دیگر متاخرین کی عبارات میں مذکور ہے کہ اس کیفیت سے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز ہے اور اگر نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر میت کے لیے دعا کی جائے جیسا کہ مروجہ طریقہ ہے تو پھر یہ کسی کے اعتبار سے بھی ممنوع نہیں ہے اور اس کے جواز اور استحسان میں کوئی کلام نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت میں لکھا ہے:
سوال (٣٠٧): نماز جنازہ کے بعد جماعت کے ساتھ وہیں ٹھہر کر دعا کرنا کیسا ہے؟
جواب: درست نہیں لما فی البزازیه لا یقوم بالدعا بعد صلوة الجنازة لانه دعا مرة لان اکثرها دعا.
(بزازیہ علی ھامش العالمگیریہ ج ٤ ص ٩٠)' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ٢ (امداد المفتین کامل) ص ٤٤٤' دارالاشاعت' کراچی' ١٩٧٧ء)

دراصل بزازیہ کی یہ عبارت عالم گیری ج ٤ ص ٨٠ پر ہے' اس کا ترجمہ یہ ہے: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا پر مشتمل ہے۔
اس ممانعت کا بھی وہی محمل ہے کہ نماز جنازہ کے بعد اسی جگہ صفیں توڑے بغیر دعا نہ کرے' صفیں توڑنے اور لوگوں کے منتشر ہونے کے بعد ممانعت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر فصل کیے بغیر اسی جگہ دعا کرے گا تو اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوگا۔
نماز جنازہ کے متصل بعد اسی حال میں میت کے لیے مزید دعا کی ممانعت کی نظیر وہ احادیث ہیں جن میں فرض نماز کے

متصل بعد بغیر فصل کیے ہوئے نفل نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نافع بن جبیر نے ایک شخص کو سائب کے پاس بھیجا اور ان سے اس چیز کے بارے میں دریافت کیا جس کو حضرت معاویہ نے لاۃ میں دیکھا تھا' سائب نے کہا: ہاں! میں نے ان کے ساتھ المقصورۃ میں جمعہ پڑھا تھا' جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' حضرت معاویہ نے مجھے بلوا کر فرمایا: تم نے جو کیا ہے دوبارہ ایسا نہ کرنا' جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اس وقت تک دوسری نماز نہ پڑھو' حتیٰ کہ تم کسی سے بات کر لو' یا وہاں سے چلے جاؤ' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح کرنے کا حکم دیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملایا جائے' حتیٰ کہ ہم کسی سے بات کر لیں یا اس جگہ سے چلے جائیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

نماز جنازہ میں اصل چیز میت کے لیے دعا ہے' سو نماز جنازہ کی دعا کے بعد بغیر فصل کے دوسری دعا نہ کی جائے' ہاں کسی سے باتیں کر کے یا اس جگہ سے فصل کر کے دوبارہ دعا کی جائے تو پھر جائز ہے جیسے فرض نماز کے بعد فصل کر کے نفل نماز پڑھنا جائز ہے اور متصلاً پڑھنا ممنوع ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہم کو ایک امام نے نماز پڑھائی جس کی کنیت ابو رمثہ تھی' ابو رمثہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نماز کی مثل نماز پڑھی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پہلی صف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب تھے اور ایک شخص نماز میں پہلی تکبیر کے ساتھ موجود تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا' حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی' پھر جس شخص نے پہلی تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی وہ اٹھ کر فوراً دو رکعت نماز پڑھنے لگا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اس کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر جھنجھوڑا' پھر کہا: بیٹھ جاؤ' کیونکہ سابقہ اہل کتاب صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں میں فصل نہیں کرتے تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر حضرت عمر کو دیکھا اور فرمایا: اے ابن الخطاب! اللہ تم کو صواب پر برقرار رکھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۰۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ فرض نماز اور نفل نماز میں کوئی فصل ہونا چاہیے' خواہ کوئی بات کر لی جائے یا جگہ بدل لی جائے اور نماز جنازہ کے متصل بعد اگر اسی جگہ دوبارہ میت کے لیے دعا کی جائے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے' لہٰذا جن فقہاء نے نماز جنازہ کے متصل بعد میت کے لیے دعا کرنے سے منع کیا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوگا اور جب صفیں ٹوٹنے اور نمازیوں کے جگہ بدلنے کے بعد دعا کی جائے گی تو پھر نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بہر حال مستحسن ہوگا

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں:

سوال (۳۱۴۴): بعد نماز جنازہ قبل دفن چند مصلیوں (نمازیوں) کا ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن اس کو رسم کر لینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے اس کو بدعت بنا دے گا کما صرح به الفقهاء فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل مکمل ج ۵ ص ۴۳۵-۴۳۴' دارالاشاعت' کراچی)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد کچھ فصل کر کے دعا کرنا جائز ہے بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ مثل واجبات کے التزام کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن مثل واجبات کے التزام کا معنیٰ یہ ہے کہ نہ کرنے والے کو ملامت ا

مذمت کی جائے اور اس کو کبھی بھی ترک نہ کیا جائے اور کبھی ترک ہو جائے تو اس کی قضاء کی جائے اور اہل سنت اس طرح نہیں کرتے۔

مجھ سے بعض احباب نے فرمائش کی تھی کہ میں نماز جنازہ کے بعد دعا کے مسئلہ پر لکھوں' شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی سابقہ جلدوں میں یہ مسئلہ نہیں لکھ سکا تھا۔ اب ''انک میت'' کی تفسیر میں اس مسئلہ کی ایک گونہ مناسبت تھی سو حسب مقدور لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

الزمر:۳۱ میں فرمایا: ''پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O''

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑنے والوں کے مصادیق

انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں میں جھگڑا ہوگا' انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ ہم نے اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے اور ان کی امتیں اس کا انکار کریں گی اور عام کفار اپنے کافر سرداروں سے جھگڑا کریں گے' عوام کہیں گے کہ ہمیں ان سرداروں نے گم راہ کیا ہے' ہم نے ان کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کیا تھا اور وہ اس کا کفر کریں گے' مسلمانوں کے بعض گروہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے' حتیٰ کہ جانور بھی ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے' قیامت کے دن مختلف فریق اپنے رب کے سامنے جھگڑا کریں گے' اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ○ پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے ○ (الزمر:۳۱)

حضرت زبیر نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم دنیا میں جھگڑے کے بعد قیامت کے دن پھر جھگڑا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پھر تو یہ معاملہ بہت سخت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۳۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۴' مسند البزار رقم الحدیث:۹۶۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۶۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو' آپ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس کو گالی دی' اس پر تہمت لگائی اور اس کا مال کھایا' اس کا خون بہایا اور اس کو مارا' پھر اس کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اس کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص کی عزت یا اس کی کسی بھی چیز پر ظلم کیا ہو وہ آج ہی اس سے معاف کرالے' اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں اس کے پاس درہم ہوگا نہ دینار ہوگا' اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے برابر اس سے وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہوگا تو جس پر اس نے ظلم کیا ہے اس کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۹' مسند احمد رقم الحدیث:۱۰۵۸۰' عالم الکتب)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسی جھگڑا کریں گے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۱ (طبع قدیم)' مسند احمد ج ۲۸ ص ۶۰۱ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۹ھ' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۸۵۲)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ظالم حاکم کو لایا جائے گا اور اس کی رعایا اس سے جھگڑا کرے گی اور وہ اس پر غلبہ حاصل کرے گی' پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن کو بھر دو۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۴۴' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۳۲۱ طبع جدید' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ضرور حق داروں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگھ والی بکری سے بے سینگھ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے حتیٰ کہ روح جسم کے ساتھ جھگڑا کرے گی' پس روح جسم سے کہے گی: تم نے یہ کام کیے تھے اور جسم روح سے کہے گا: تم نے یہ منصوبہ بنایا تھا اور تم نے حکم دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا' وہ کہے گا: تم دونوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک دیکھنے والا اپاہج شخص ہو اور دوسرا اندھا ہو' وہ دونوں ایک باغ میں گئے' اپاہج نے اندھے سے کہا: میں یہاں پر بہت پھل دیکھ رہا ہوں لیکن میں ان تک پہنچ نہیں سکتا' تب اندھے نے کہا: تم مجھ پر سوار ہو جاؤ اور ان پھلوں کو توڑ لو' پس اس اپاہج نے اندھے پر سوار ہو کر پھل توڑ لیے' بتاؤ ان دونوں میں سے کون مجرم ہے؟ روح اور جسم دونوں نے کہا: وہ دونوں مجرم ہیں۔ تب فرشتہ ان دونوں سے کہے گا: تم دونوں نے خود اپنے خلاف فیصلہ کر دیا' یعنی جسم روح کے لیے بہ منزلہ سواری ہے اور روح بہ منزلہ سوار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۹۶' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۷۵' روح البیان ج ۸ ص ۱۴۵۔۱۴۴)

امام محمد بن جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صادق کاذب سے' مظلوم ظالم سے' ہدایت یافتہ گمراہ سے اور کمزور متکبر سے جھگڑا کرے گا۔ ابن زید نے کہا: مسلمان کافر سے جھگڑا کرے گا۔

ابراہیم نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا: ہم کیسے جھگڑا کریں گے' ہم آپس میں بھائی ہیں اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا: اس قتل کے متعلق ہمارا جھگڑا ہو گا۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۴۔۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ (ق: ۲۸) تم میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔

پھر مسلمان کیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت بڑا دن ہو گا' اس کی بعض ساعتوں میں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا نہیں کریں گے اور بعض دوسری ساعات میں جھگڑا کریں گے' اس کی نظیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ (القصص: ۶۶) لوگ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے ۝

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ (الصافات: ۲۷) وہ ایک دوسرے کی طرف پلٹ کر سوال کریں گے ۝

یعنی قیامت کے دن وہ کسی وقت ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسرے وقت میں سوال کریں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کا سوال کیا جائے گا نہ

کسی جن سے O (الرحمٰن:۳۹)

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O (الحجر:۹۲) سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے O

یعنی قیامت کے دن ایک وقت میں کسی سے سوال نہیں کیا جائے گا اور دوسرے وقت میں سب سے سوال کیا جائے گا۔
ہم قیامت کے دن کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِىْ

کو جھٹلائے! کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے O اور جو

جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ

سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں O ان کے لیے

مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ ج صلے

ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزاء ہے O

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ

تاکہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے

بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ

نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے O کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے' یہ لوگ آپ

عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ

اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ ج وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ

مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ

کرنے والا نہیں ہے' کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟ O اور اگر آپ ان

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے' آپ کہیے: بھلا تم یہ

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ

بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو' اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ

اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ

اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ

هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ

اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے' آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ

توکل کرتے ہیں O آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' بے شک میں

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

(بھی) عمل کر رہا ہوں' پس عنقریب تم جان لو گے O کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا O بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ

لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

پر برحق کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ع ۴ ۱۰ ۱

گمراہی اختیار کی تو اس گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے' کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟O اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیںO ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزاء ہےO تاکہ ان (محسنین) سے اللہ ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائےO (الزمر: ۳۵-۳۲)

اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے متعدد مصادیق

ان آیتوں میں اللہ عزوجل ان مشرکین سے خطاب فرما رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیا اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے اللہ کے لیے اولاد کو ثابت کیا اور جب اللہ کے رسل کرام صلوات اللہ علیہم ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے اس پیغام کو جھٹلایا' اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے'' یعنی وہ سب سے زیادہ ظلم کرنے والا ہے' کیونکہ اس نے اللہ کے ساتھ بھی کفر کیا اور رسولوں کے ساتھ بھی کفر کیا اور اللہ کی بھی تکذیب کی اور اس کے رسولوں کی بھی تکذیب کی' انہوں نے باطل کا قول کیا اور حق کا انکار کیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ''کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے''۔

اس وعید میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اور واقع میں وہ نبی اور رسول نہ ہوں اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء والرسل کی بعثت کے بعد جس نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے مریدین اور معتقدین کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ کا ولی ہے یا غوث اور قطب ہے یا اس پر الہام ہوتا ہے وہ اس وعید میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اس آیت سے بعض علماء نے اہل قبلہ میں سے اپنے نظریات اور عقائد کے مخالف کو کافر قرار دینے پر استدلال کیا ہے' کیونکہ جو شخص مسائل قطعیہ کی مخالفت کرے گا وہ مذہب حق کا مخالف ہوگا اور نصوص قطعیہ کا مکذب ہوگا سو وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

الزمر: ۳۳ میں فرمایا: ''اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیںO''

سچے دین کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مصداق میں متعدد اقوال

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے اس آیت کے حسب ذیل مصادیق ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صدق سے مراد لا الہ الا اللہ ہے اور اس کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ سب سے پہلے آپ نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور سچے دین کی تصدیق کی۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچے دین کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے تمام مؤمنین ہیں۔

(۴) مجاہد نے کہا: صدق سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے اہل قرآن ہیں۔
(۵) سدی نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے اس کو لانے والے حضرت جبریل ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۶۔۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان اقوال میں راجح قول کا بیان

جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چھٹی صدی کے مشہور شیعہ مفسر ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں:

قوی قول یہ ہے کہ صدق کو لانے والے اور تصدیق کرنے والے دونوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابو العالیہ اور کلبی سے یہ قول منقول ہے کہ صدق کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مجاہد' ضحاک اور ائمہ اہل بیت سے مروی ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (مجمع البیان جز ۸ ص ۷۷۴' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ہو وہی سب سے افضل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر کو اس آیت سے مراد لینا زیادہ راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت علی کم سن تھے جیسے گھر میں کوئی بچہ ہوتا ہے اور حضرت علی کے اسلام لانے سے اسلام کو' کوئی زیادہ قوت اور شوکت حاصل نہیں ہوئی اور حضرت ابوبکر بڑی عمر کے تھے اور معاشرہ میں ان کی بہت عزت اور وجاہت تھی اور جب انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تو اس سے اسلام کو بہت زیادہ قوت اور شوکت حاصل ہوئی' اس وجہ سے اس آیت میں "وصدق بہ" سے حضرت ابوبکر صدیق کو مراد لینا زیادہ راجح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: "وہی لوگ متقی ہیں" یعنی جن لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کی' وہی متقی ہیں اور وہی کفر اور شرک اور اللہ تعالیٰ کی معصیت کو ترک کرنے والے ہیں۔

الزمر: ۳۴ میں فرمایا: "ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے O"

اہل جنت کے دلوں کا کینہ اور حسد سے پاک ہونا

کیونکہ ان متقین نے اللہ کی معصیت کو ترک کیا تھا اور ہر اس کام کو ترک کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تقاضائے کرم سے ان کو بہترین جزاء عطا فرمائی اور انہوں نے اپنے رب سے جس چیز کو بھی چاہا اس کو ان کے رب نے انہیں عطا فرما دیا۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب جنت میں عام مؤمنین انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام کے بلند درجات اور اعلیٰ

مقامات دیکھیں گے تو لازماً ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہو گی کہ ان کو بھی ایسے ہی درجات اور مقامات حاصل ہوں تو اس آیت کے اعتبار سے ان کو بھی وہ مقامات ملنے چاہئیں تو ان کو رنج پہنچے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں سے کینہ اور حسد اور سفلی خواہشات کو زائل کر دے گا اور جنت والوں کے احوال دنیا والوں کے احوال سے مختلف ہوں گے' نیز ایسی باطل خواہشوں کے وسوسے تو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور اس وقت وہ لعین دوزخ کے کسی طبقہ میں پڑا جل رہا ہو گا' نیز اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنا دیدار عطا فرمائے گا اور جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیں گے تو اس کے دیدار کے بعد ان کے دلوں میں کسی اور نعمت کی خواہش پیدا نہیں ہو گی۔

الزمر: ۳۵ میں فرمایا: ''تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے O''

کفارہ کا معنیٰ اور زیادہ نیک کاموں کی تفسیر

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جن متقین اور محسنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ان سے عذاب من کل الوجوہ ساقط ہو جائے گا' اس مطلوب کی تقریر یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کے کیے ہوئے کبیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

اس آیت میں ''لیکفر اللہ'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر تکفیر ہے اور اس کا حاصل مصدر کفارہ ہے' کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جو گناہ کو چھپا لے' جیسے قسم کا کفارہ' قتل خطاء کا کفارہ' عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اور تکفیر کا معنیٰ ہے: کسی گناہ کو اس طرح چھپا دینا گویا اس شخص نے وہ گناہ کیا ہی نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تکفیر میں باب تفعیل سلب ماخذ کے لیے ہو جیسے تمریض کا معنیٰ ہے: مرض کو زائل کرنا' اسی طرح تکفیر کا معنیٰ ہے: کفران نعمت اور ناشکری کے کاموں کو زائل کرنا اور اس کا معنیٰ پہلی آیت سے متصل ہو کر اس طرح ہو گا کہ یہ ان متقین اور محسنین کی جزاء ہے جنہوں نے زیادہ نیک کام اس لیے کیے کہ اللہ ان کے زیادہ نیک کاموں کی وجہ سے ان کے زیادہ بُرے کاموں کو مٹا دے اور ان کی حسنات کفارہ سیئات ہو جائیں۔ اس آیت میں ''اسوء'' کا لفظ ہے' یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ بُرا کام اور وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس آیت میں ''احسن'' کا لفظ ہے' یہ بھی اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ نیک کام اور وہ فرائض اور واجبات کو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرنا ہے۔

ان محسنین کو جو بہترین جزاء دی جائے گی اور ان کے بُرے کاموں کو مٹایا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے پیغام کی تصدیق کی اور اپنے اقوال' افعال اور اموال سے اس تصدیق کا ثبوت فراہم کیا' جو بات کہی سچی کہی' جو وعدہ یا عہد کیا اس کو پورا کیا اور ہر کام میں ان کی نیت صادق رہی' یعنی انہوں نے ہر نیک کام جذبہ صادقہ اور عبادت کی نیت سے کیا اور تصدیق کے یہ ثمرات ہر چند کہ بندہ کے افعال اختیاریہ ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اجر و ثواب ملتا ہے لیکن حقیقت میں یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور صدق بندوں کے دلوں میں اللہ کا عطیہ ہے اور وہی صفت ہے انسان کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم اپنے دین میں اخلاص رکھنا (اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی اطاعت کرنا) پھر تم کو کم عمل بھی کافی ہوں گے۔

حاکم نیشاپوری نے کہا: اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا' لیکن یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۸۴۴۷ طبع جدید' کنز العمال ج ۳ ص ۲۳' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۱ ص ۲۳' حافظ سیوطی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۹۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۴۴)

علامہ عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

روح جب نفس کی شہوات سے خالی ہو اور انسان محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کرے اور اس کی عبادت میں اس کے دل اور اس کے نفس یا اس کی روح کا کوئی حصہ نہ ہو تو وہ صدق ہے اور اس کا عمل مقبول ہوتا ہے اور عمل مقبول کم ہو اور عمل مردود کثیر ہو تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تورات میں مذکور ہے کہ جو عمل میری رضا کے لیے کیا گیا وہ قلیل عمل بھی کثیر ہے اور جس عمل میں میری رضا کی نیت نہیں کی گئی وہ کثیر عمل بھی قلیل ہے' عارفین نے کہا ہے کہ عبادت میں کثرت کے بجائے اخلاص کی نیت کیا کرو' امام غزالی نے کہا: وہ قلیل عبادت جو ریا کاری اور فخر و غرور سے خالی ہو اور اخلاص کے ساتھ ہو اس کی اللہ کے نزدیک بے شمار قدر و قیمت ہے اور وہ کثیر عبادت جو صدق اور اخلاص سے خالی ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ اللہ اپنے لطف و کرم سے اس کا تدارک کر دے۔ عارفین نے کہا ہے کہ صفاءِ قلب کے ساتھ جو عمل کیا جائے خواہ کم ہو اس میں اور بغیر صفاءِ قلب کے کثیر عمل میں وہ فرق ہے جو ایک جوہر اور بہت سیپیوں میں فرق ہوتا ہے۔

امام رازی نے کہا ہے کہ جب کسی عمل کا باعث اور محرک صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت کا ایک ذرہ بھی نہ ہو' حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی محبت کی وجہ سے ہو اور اپنے جسمانی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو' حتیٰ کہ اس کی یہ نیت ہو کہ اگر اللہ اور اس کے رسول نے کھانے پینے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ ہرگز کھانے پینے کو اختیار نہ کرتا تو اس کے عمل میں صدق اور اخلاص ہے اور وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے دعویٰ میں مخلص اور صادق ہے۔

(فیض القدیر ج ۱ ص ۴۱۵۔ ۴۱۶ ملخصاً وموضحاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

الزمر: ۳۵ میں علامہ قرطبی کی ''اسوء'' کی تفسیر پر بحث ونظر

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت ان متقین اور محسنین سے مرتبط ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور اللہ اور رسول پر ایمان لائے' اللہ تعالیٰ ان کے زیادہ بُرے کاموں کے لیے ان کے زیادہ نیک کاموں کو کفارہ بنا دے گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ کفر میں جو انہوں نے شرک کیا تھا اور دوسرے گناہ کیے تھے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا دے گا اور انہوں نے ایمان لانے کے بعد جو احسن (زیادہ نیک) کام کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور وہ اجر و ثواب جنت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے: ''وصدق به کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان متقین اور محسنین کے زمانۂ کفر کے بُرے کاموں کو مٹا دے گا تو پھر حضرت علی پر یہ تفسیر صادق نہیں آئے گی' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کیا ہی نہیں تھا''۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر پر علامہ آلوسی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے' اولاً اس لیے کہ قرآن مجید میں محسنین اور متقین کے الفاظ ہیں اور ان کے عموم میں حضرت علی بھی داخل ہیں۔ ثانیاً اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے' خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا اور ثالثاً اس لیے کہ قرآن مجید میں ''اسوء'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: زیادہ بُرا کام' خواہ وہ کفر و شرک ہو یا گناہ کبیرہ ہو' اس کو بالخصوص کفر

کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں ہے' تاہم علامہ قرطبی کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے' انہوں نے اپنی تفسیر میں متقین اور محسنین کو ان لوگوں کے ساتھ مقید کر دیا جو کفر وشرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور انہوں نے ''اسوأ'' کو کفر کے ساتھ اور احسن کو ایمان کے ساتھ مقید کر دیا' حالانکہ ''اسوأ'' کا معنیٰ ہے: زیادہ بُرا کام' خواہ وہ کفر وشرک ہو یا کوئی اور گناہ کبیرہ ہو اور ''احسن'' کا معنیٰ ہے: زیادہ نیک کام' خواہ وہ ایمان لانا ہو یا ایمان لانے کے بعد فرائض اور واجبات کو زیادہ حسن وخوبی سے ادا کرنا ہو' کیونکہ اس آیت کا معنیٰ ہے: ''تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے'' اور یہ آیت جس طرح ان محسنین پر صادق آتی ہے جو کفر کو ترک کر کے اسلام لائے ہوں اسی طرح ان محسنین پر بھی صادق آتی ہے جو گناہ کبیرہ کو ترک کر کے توبہ اور استغفار کریں اور بڑھ چڑھ کر نیک کام کریں اور محققین نے اس آیت کو اسی طرح عموم پر رکھا ہے۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

زیادہ بُرے کاموں سے مراد ہے: اہل جاہلیت کا کفر اور اہل اسلام کے معاصی اور ان کا کفارہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے عذاب اکمل وجوہ سے ساقط ہو جائے گا اور زیادہ نیک کاموں کی جزاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو اجر وثواب بھی اکمل وجوہ سے حاصل ہو گا۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۲۰۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ و دیگر محققین نے بھی اس آیت کو عموم پر رکھا ہے' امام ابن جریر کی عبارت یہ ہے:

ان محسنین کو ان کے رب نے ان کے نیک کاموں کی یہ جزاء دی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جو زیادہ بُرے کام کیے تھے جن کا صرف ان کے رب کو علم تھا اور جو انہوں نے ظاہراً بُرے کام کیے اور ان پر توبہ کی اور استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا اور انہوں نے دنیا میں جو زیادہ نیک کام کیے تھے ان پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا فرمائے گا اور ان سے راضی ہو گا۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۸' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۸۳' تفسیر الخازن ج ۴ ص ۵۸)

الزمر: ۳۵ میں علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی کی ''اسوأ'' کی تفسیر پر بحث ونظر

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ نے اس آیت کی تفسیر اپنے نظریہ اعتزال کی بناء پر کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اسوأ (زیادہ بُرے کام) اور احسن (زیادہ نیک کام) کی ان کے کیے ہوئے کاموں کی طرف اضافت کی کیا توجیہ ہے؟ اور ان کاموں کی تفضیل کا کیا معنیٰ ہے؟ تو میں کہوں گا: اس میں تفضیل کا معنیٰ ملحوظ نہیں ہے' جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ الاشج بنو مروان میں اعدل تھا یعنی سب سے زیادہ عدل کرنے والا تھا (الاشج کا لغوی معنیٰ ہے: جس کے سر پر چوٹ لگی ہو اور اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں کیونکہ ان کے سر میں چوٹ لگی تھی اور اس جملہ میں اعدل کا تفضیل والا معنیٰ مراد نہیں ہے' ورنہ یہ معنیٰ ہو گا کہ تمام بنو مروان عدل کرنے والے تھے اور عمر بن عبد العزیز ان میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے تھے' حالانکہ تمام مروانی ظالم اور فاسق تھے' اس لیے اس جملہ میں اعدل' عادل کے معنیٰ میں ہے اور اس میں تفضیل ملحوظ نہیں ہے) اس طرح اسوأ میں بھی تفضیل ملحوظ نہیں ہے اور اس کا معنیٰ زیادہ بُرے کام یعنی گناہ کبیرہ نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے: صرف بُرے کام یعنی گناہ صغیرہ' رہا یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو اسم تفضیل سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان محسنین سے جو صغیرہ گناہ اور لغزشیں صادر ہوتیں تو وہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان کو بھی کبائر میں سے شمار کرتے اور اسوأ یعنی زیادہ بُرے کام قرار

دیتے اور جو حسن (نیک کام) وہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کو احسن قرار دیتا ہے' اس لیے ان کے حسن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے احسن فرمایا' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بُرے کاموں (صغائر) کو زیادہ بُرے (کبائر) ان کے اعتبار سے فرمایا کہ وہ اپنے بُرے کاموں کو زیادہ بُرے قرار دیتے تھے اور ان کے نیک کاموں کو زیادہ نیک اپنے اعتبار سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کے عام نیک کاموں کو بھی زیادہ نیک قرار دیتا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۱۳۱' موضحاً ومفصلاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری کی اس نکات آفریں تفسیر کے حسن اور اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان حسین نکات میں ان کی بدعقیدگی چھپی ہوئی ہے' کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبائر کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائے گا' اس لیے انہوں نے کہا: اس آیت میں اسوأ سے حقیقت میں کبائر مراد نہیں ہیں صغائر مراد ہیں' لیکن وہ محسنین اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان صغائر کو بھی کبائر گردانتے تھے' اس لیے ان کے اعتبار سے ان کے صغائر کو اسوأ فرمایا۔

علامہ آلوسی علامہ زمخشری کی عبارت کی تہ تک نہیں پہنچ سکے' انہوں نے کہا کہ علامہ زمخشری کی مراد یہ ہے کہ وہ متقین اپنے تقویٰ میں اس قدر کامل ہیں کہ ان کے کاموں میں کوئی بُرائی صرف فرضاً ہی داخل ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں کو اسوأ فرمایا ہے اس کا معنیٰ ہے: ان متقین نے بالفرض جو بُرے کام کیے' پس معلوم ہوا کہ زمخشری کی یہ تفسیر ان کے نظریہ اعتزال پر مبنی نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ علامہ زمخشری معتزلی ہیں اور معتزلہ کے نزدیک اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اس کی مغفرت ممکن نہیں ہے) (روح المعانی جز ۲۴ ص ۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری کی تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اسوأ (زیادہ بُرے کام' یعنی گناہ کبیرہ) کو بلاضرورت شرعی مجاز پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ ''یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے مگر اس میں تفضیل کا معنیٰ مراد نہیں ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ الاشج (عمر بن عبد العزیز) بنو مروان میں اعدل ہے' لہٰذا اسوأ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں'' اور جب یہاں اسوء کا حقیقی معنیٰ (گناہ کبیرہ) لینا درست ہے تو پھر اس کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور حقیقی معنیٰ مراد لینا اس لیے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس سے کم گناہ کو معاف فرما دیتا ہے خواہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ اور خواہ ان گناہوں پر توبہ کی ہو یا نہ کی ہو' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)	بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم جو گناہ ہوگا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔
لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۭ (الزمر: ۵۳)	اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اور علامہ زمخشری کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسوأ کو مجاز پر محمول کرنے کے لیے قرآن اور حدیث سے دلائل دینے کے بجائے اس کو لوگوں کے اس قول پر قیاس کیا ہے کہ ''الاشج بنو مروان میں اعدل ہے' اس قول میں اعدل' عادل کے معنیٰ میں ہے اور تفضیل اور عدل کی زیادتی مراد نہیں ہے' لہٰذا اسوأ میں بھی بُرے کام کی نفس الامر اور واقع میں زیادتی کا ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ محسنین کے نزدیک زیادتی مراد ہے'' اور قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر لوگوں کے اقوال سے قرآن مجید کے معنیٰ متعین کرنا باطل ہے' خصوصاً جب کہ وہ معنیٰ قرآن مجید کی صریح آیات کے خلاف ہو۔

علامہ زمخشری کی تائید میں علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ اسوأ سے مراد یہ نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقع میں وہ زیادہ بُرے

کام ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ متقین کے جو کام بالفرض زیادہ بُرے ہوں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دے گا' میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر اور تاویل بھی غلط ہے کیونکہ ان متقین اور محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی اور ظاہر ہے یہ متقین نبی اور رسول تو نہیں ہیں اور ان سے گناہ کبیرہ کا صدور متعذر اور بعید نہیں ہے' پھر اس تاویل کی کیا ضرورت ہے کہ اگر بالفرض ان سے گناہ کبیرہ ہو گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف فرما دے گا' سب سے بڑے متقی اور محسن تو صحابہ کرام ہیں' کیا بعض صحابہ نے زیادہ بُرے کام نہیں کیے' جن پر حد جاری ہوئی' انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا' پھر عام متقین کے لیے زیادہ بُرے کام کرنا کب محال ہے' جو قرآن مجید کے صریح لفظ میں تاویل کی جائے اور اس کو بغیر شرعی دلیل کے مجاز پر محمول کیا جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ علامہ قرطبی' علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی کے ذکر کردہ نکات پر تبصرہ تھا' یہ بحث نامکمل رہے گی اگر امام رازی کے نکات پر تبصرہ نہ کیا جائے' سو اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے امام رازی کے نکات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

الزمر: ۳۵ میں امام رازی کی ''اسوأ'' کی تفسیر پر بحث ونظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب محسنین نے انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے زیادہ بُرے اعمال کو مٹا دیا اور وہ بُرے اعمال ان کے ایمان لانے سے پہلے کا کفر وغیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو سب سے اچھی قسم کا ثواب پہنچائے گا۔

(اس تفسیر پر وہی کلام ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی تفسیر پر کر چکے ہیں)

اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں: مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمائے گا اور ان کے بُرے اعمال کی ان کو سزا نہیں دے گا اور یہ مقاتل مرجئہ کا شیخ ہے اور مرجئہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے بُرے کاموں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا' جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیک کاموں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے انبیاء اور رسل کی تصدیق کی تو اللہ اس سے اس کے کیے ہوئے بُرے کاموں کو مٹا دے گا اور اس آیت میں اسوأ (زیادہ بُرے کام) کو کفر سابق پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ متقین کے اسوأ (زیادہ بُرے کام) اس حال میں مٹائے گئے ہیں جس حال میں وہ تقویٰ سے متصف تھے یعنی شرک سے مجتنب تھے اور اس صورت میں واجب ہے کہ اسوأ سے مراد وہ کبائر ہوں جن کا ان متقین نے ایمان لانے کے بعد ارتکاب کیا ہو' پس یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے کے بعد ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو مٹا دیتا ہے اور وہ زیادہ بُرے کام گناہ کبیرہ ہیں' پس واضح ہو گیا کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے مقاتل کے اس استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا' ان پر لازم تھا کہ وہ مقاتل کی اس دلیل کا رد کرتے تا کہ کوئی یہ وہم نہ کرتا کہ مرجئہ کا مسلک برحق ہے' جب ہی ان کی اس دلیل کا امام رازی ایسے متکلم سے کوئی جواب نہیں ہو سکا۔

اور میں اللہ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو پڑھ کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا یا کوئی قاعدہ وضع کر لینا صحیح نہیں ہے' جب تک کہ اس موضوع پر قرآن مجید کی تمام آیتوں کو نہ پڑھ لیا جائے۔ مثلاً بعض آیات میں کفار کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض آیات میں ان کے ساتھ سختی کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے' مثلاً سورۂ بقرہ میں

ہے:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (البقرہ:۱۰۹)

پس معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنے حکم کو لے آئے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. (التوبہ:۵)

پس تم مشرکین کو قتل کر دو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔

اسی طرح انگوری شراب کے متعلق پہلے فرمایا:

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (البقرہ:۲۱۹)

یہ آپ سے خمر (انگور کی شراب) اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے: ان دونوں میں بہت گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فوائد بھی ہیں۔

اور اس کے بعد فرمایا:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ. (المائدہ:۹۰)

خمر' جوا' بت اور فال کے تیر' سب ناپاک ہیں' شیطان کے کاموں سے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں بُرے کاموں پر سزا دینے کا بھی ذکر ہے اور ان کو معاف کرنے کا بھی ذکر ہے' سزا دینے کی آیات کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ پر لازماً سزا دے گا اور معاف نہیں کرے گا جیسا کہ زمخشری اور دیگر معتزلہ کا عقیدہ ہے اور معاف کرنے کی آیتوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کو لازماً معاف کر دے گا اور سزا نہیں دے گا جیسا کہ مقاتل اور دیگر مرجئہ کا عقیدہ ہے اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض گنہ گار مسلمانوں کو ان کی توبہ سے معاف کر دے گا' بعض کو نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرمائے گا اور بعض کو اپنے فضل محض سے معاف فرمائے گا اور بعض کو سزا دے کر پھر معاف فرما دے گا۔

بعض نماز نہ پڑھنے والے مسلمانوں کو سزا دینے کے متعلق یہ آیات ہیں:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَۙ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَۙ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَۙ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۝ (الماعون:۷-۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل (جہنم کی جگہ) ہے۝ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۝ جو ریا کاری کرتے ہیں۝ اور استعمال کی چیزوں کے دینے سے منع کرتے ہیں۝

زکوۃ نہ دینے والے مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۝ (التوبہ:۳۴)

اے ایمان والو! بے شک بہ کثرت علماء اور پیر لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۝

بعض سود خور مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو

الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (البقرہ:۲۷۹۔۲۷۸)

چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو○ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ آیات مرجئہ کے مذہب کو باطل کرتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد مومنوں کو کسی گناہ سے ضرر نہیں ہوگا خواہ ان کا گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔

اور جن آیات میں مسلمانوں کے گناہ کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کرنے کی بشارت دی گئی ہے ان کو بھی ہم نے علامہ زمخشری کے مذہب کے رد میں ذکر کیا ہے اور اسی سلسلہ کی سورۂ زمر کی زیر تفسیر آیت: ۳۵ ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ. (الرعد:۶)

بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم (گناہ کبیرہ) کے ارتکاب کے حال میں بھی بخشنے والا ہے۔

اور ایسی تمام آیات معتزلہ کے خلاف حجت ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب نے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ پر اس کو عذاب دینا لازم ہے اور اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہوگی۔

اور جو آیت ان دونوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے اور مذہب اہل سنت کے برحق ہونے کی دلیل ہے وہ یہ ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال:۸۔۷)

سو جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیک کام کیا وہ اس کی جزاء پائے گا○ اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرا کام کیا وہ اس کی سزا پائے گا○

اگر ایمان کے بعد گناہ کبیرہ سے ضرر نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام گناہوں سے کیوں منع کرتے اور بعض صحابہ پر زنا' چوری اور تہمت کی حدود کیوں جاری ہوتیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ بعض آیات میں مسلمانوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر سزا کی وعید سنائی ہے' اس لیے گناہ کے ارتکاب کے محرک اور باعث کے وقت ان آیات کو یاد کر کے ارتکاب معصیت سے باز رہنا چاہیے اور خوف خدا سے معصیت کو ترک کر دینا چاہیے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (الملک:۱۲)

بے شک جو لوگ اپنے رب سے تنہائی میں ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے○

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف:۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں شیطان کی طرف سے گناہ کی کوئی تحریک آتی ہے تو اچانک وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں○

اور جب وہ کسی لغزش میں مبتلا ہو کر گناہ کر بیٹھتے ہیں تو پھر وہ نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گزریں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا اور وہ اپنے کیے ہوئے کاموں پر دانستہ اصرار نہیں کرتے○ ان لوگوں کی

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ○ جزاء ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کاموں کا کیا ہی اچھا اجر وثواب ہے ○ (آل عمران: ۱۳۶۔۱۳۵)

اور اگر کسی وجہ سے مسلمان گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کر پائیں تو ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصاً شفاعت ہے اور اگر کسی سبب سے ان کی شفاعت بھی نہ ہو سکے تو ان کے کلمہ پڑھنے کی برکت سے محض اللہ کے فضل سے ان کی مغفرت متوقع ہے اور اگر وہ اس سے بھی محروم رہیں تو پھر وہ اپنے گناہ کی سزا بھگت کر بخش دیئے جائیں گے کیونکہ جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی کی تو وہ اس کی جزاء پائے گا۔

سو یہ ہے اہل سنت کا مذہب' جو قرآن مجید کی ان تمام آیات کے مطابق ہے' نہ معتزلہ کی طرح جنہوں نے صرف سزا کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ گنہ گار کو سزا دے اور نہ مرجئہ کی طرح جنہوں نے صرف گناہوں کے مٹانے کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ مسلمان گناہگاروں کو سزا نہ دے' اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے' جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے' اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

ہماری اس تحقیق کے مطابق الزمر: ۳۵ کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح ہے:

''تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں (گناہ کبیرہ) کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے ○''

اور ان محسنین کے کیے ہوئے گناہ کبیرہ اس سے عام ہیں کہ وہ گناہ انہوں نے اسلام لانے سے پہلے کیے ہوں یا اسلام لانے کے بعد کیے ہوں' امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے ان گناہوں کو قبل از اسلام کے ساتھ مقید کیا' علامہ زمخشری نے کہا: ان گناہوں سے مراد صغائر ہیں اور مقاتل نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا کہ مسلمان مرتکب کبیرہ کو بالکل سزا نہیں ہوگی' ہمارے نزدیک یہ تمام تفاسیر غلط ہیں۔ اسی ضمن میں اب ہم اردو کی بعض مشہور تفاسیر پر بھی تبصرہ کر رہے ہیں تا کہ یہ بحث مکمل ہو جائے۔

الزمر: ۳۵ میں بعض اردو تفاسیر پر تبصرہ

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ متقین ومحسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو بُرا کام ہو گیا معاف کرے گا۔ شاید ''اسوأ'' اور ''احسن'' صیغہ تفضیل اس لیے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (حاشیہ عثمانی ص ۶۱۵' مطبوعہ مملکت سعودی عربیہ)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ صرف بہتر کاموں کی جزاء نہیں دے گا بلکہ تمام نیک کاموں کی جزاء دے گا اور صرف غلطی سے کیے جانے والے بُرے کاموں کو معاف نہیں کرے گا بلکہ دانستہ کیے جانے والے بُرے کاموں کو بھی معاف فرمائے گا' توبہ سے بھی معاف فرمائے گا اور بغیر توبہ کے بھی۔ نیز یہ زمخشری کی تفسیر کا چربہ ہے' جس کا ہم پہلے رد کر چکے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے وہ بدترین اعمال جو جاہلیت میں ان سے سرزد ہوئے تھے ان کے حساب سے محو کر دیئے جائیں گے اور ان کو انعام ان اعمال کے لحاظ سے دیا جائے گا جو ان کے نامۂ اعمال میں سب سے بہتر ہوں گے۔

(تفہیم القرآن ج ۴ص ۳۷۴' ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانۂ جاہلیت کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور زمانۂ اسلام کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام نیک کاموں کی جزاء عطا فرمائے گا' البتہ زیادہ نیک کاموں پر خصوصی انعام واکرام سے نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے' یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ کرنے والا نہیں ہے' کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے: بھلا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو' اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے؟ آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں O (الزمر: ۳۸-۳۶)

کفار کی دھمکیوں سے اللہ کے بندوں کو مرعوب نہیں ہونا چاہیے

زمر: ۳۶ میں فرمایا: ''کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟'' اس آیت میں بندہ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا: کیوں نہیں' اللہ آپ کو کافی ہے' وہ اپنے وعدہ کے مطابق آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کی مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں''۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بسقام (یہ حجاز کی ایک وادی ہے جس میں قریش نے عزیٰ نام کے ایک بت کی حفاظت کے لیے ایک مکان بنا رکھا ہے اور اس مکان کو خانہ کعبہ کا درجہ دیتے تھے) کی گھاٹیوں میں بھیجا تا کہ وہ عزیٰ نام کے بت کو توڑ دیں' اس کے محافظ نے حضرت خالد سے کہا: اے خالد! میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں' عزیٰ بے پناہ قوت کا مالک ہے' کوئی شخص اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکتا' حضرت خالد نے کلہاڑا اٹھا کر اس کی ناک پر مارا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

ابن زید نے کہا: یہ اپنے بتوں سے آپ کو ڈراتے ہیں کہ وہ آپ کو ضرور ضرر پہنچائیں گے۔

(جامع البیان جز ۲۴ص ۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اہل باطل ہمیشہ سے اہل حق کو دھمکاتے رہے ہیں اور ان کو پیغام حق پہنچانے سے روکتے رہے ہیں' فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں ڈال دوں گا O (الشعراء: ۲۹)

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اور تمام ممکنات پر قادر ہے' وہ اپنے بندوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہے' وہ ان سے تمام نقصان دہ چیزوں کے دور کرنے اور تمام راحت کے امور پہنچانے پر غالب قدرت رکھتا ہے' سو وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے' سو اس کے بندہ کو اس کے غیر سے ڈرانا اور دھمکانا محض باطل ہے' ایک قرأت میں ''عبدہ'' کی جگہ ''عبادہ'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ یعنی ضرور کافی ہے' اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین کو غرق

کر دیا اور ان کو مخالفین سے نجات دی' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی بھڑ کائی ہوئی آگ کو گلزار کر دیا' حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا' حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے مظالم سے نجات دی' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنواسرائیل کو فرعون کے جبر اور استبداد سے بچایا تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مخالفین اور دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافی ہے جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کے لیے اللہ تعالیٰ کافی تھا۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ہر نبی کی کافر قوم نے اپنے نبی کی تکذیب کی اور ان کو دھمکیاں دیں اور اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو اس قوم کے ضرر سے محفوظ رکھا جس طرح اس آیت میں ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ○ (المؤمن: ۵)

اس سے پہلے نوح کی (کافر) قوم نے تکذیب کی اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے (تکذیب کی) اور ہر (کافر) قوم نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا اور حق کو مغلوب کرنے کے لیے باطل کے بل بوتے پر کج بحثی کی' سو میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو دیکھو میری سزا کیسی تھی۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے تمام معاملات اور تمام افعال اور احوال میں صرف اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھیں تو ان کی ہر مہم میں اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہوگا' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر بنا دیا اور وہ فکر آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے تفکرات سے کافی ہوگا اور جو شخص دنیا کے احوال کے تفکرات میں منہمک رہا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۹)

زمر: ۳۷ میں فرمایا: ''اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے' اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے' کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟○''

اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بشارتوں کو اور کفار کے لیے عذاب کی خبروں کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور اب اس مضمون کو اس آیت پر ختم فرمایا ہے اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کے غیر سے کسی افتاد کا خطرہ محسوس کرنا یا اس سے کسی فائدہ پہنچنے کی توقع رکھنا اللہ پر توکل کے خلاف ہے اور کسی کو نیک کاموں کے کرنے پر اللہ کے غیر سے خصوصاً باطل خداؤں سے ڈرانا بہت بڑی گم راہی ہے' پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔

الزمر: ۳۸ میں فرمایا: ''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے: بھلا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے؟ آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں○''

متوکلین کے لیے اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے مذہب کو باطل فرمایا ہے کیونکہ تمام مخلوق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کو ہر چیز پر قدرت ہے اور انسان کی فطرت اور اس کی عقل اس پر شہادت دیتی ہے اور جو شخص بھی آسمانوں اور زمینوں کے عجیب وغریب احوال میں اور انسان کے بدن کی اندرونی مشین اور اس کی کارکردگی میں غور کرے گا اس

پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ پتھر کے بے جان بت جن کو انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اڑانے پر قادر نہیں ہیں وہ کب کسی سے ضرر کو دور کر سکتے ہیں یا کسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دور کر سکتے ہیں' سو کسی صاحب عقل کو ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کہ یہ بت اس کا کچھ بگاڑ لیں گے یا اس کے کسی فائدہ کو روک لیں گے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں''۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص کافی سے غیر کافی کی طرف منتقل ہو گا اس کا مقصود پورا نہیں ہو گا' اس لیے ضروری ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے' تمام امور اسی کو سونپ دیئے جائیں اور صرف اسی کی اطاعت کی جائے اور جب بندہ صرف اللہ عزوجل کی اطاعت کرے گا تو کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت کرے گی' حدیث میں ہے:

ابن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے' ایک مرتبہ وہ روم کی سر زمین میں لشکر سے بھٹک گئے یا ارض روم میں قید کر لیے گئے' پس وہ مسلمانوں کے لشکر کو ڈھونڈنے کے لیے بھاگے تو اچانک ان کے سامنے ایک شیر آ گیا' حضرت سفینہ نے اس شیر سے کہا: اے ابو الحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ اس' اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ پس شیر ان کی طرف دم ہلاتا ہوا بڑھا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا' جب وہ کوئی خوف ناک آواز سنتا تو اس کی طرف متوجہ ہوتا' پھر ان کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا' حتیٰ کہ لشکر تک پہنچ گیا' پھر شیر واپس چلا گیا۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۳۲' المصنف رقم الحدیث: ۲۰۵۴۴' المستدرک ج ۳ ص ۶۰۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۴۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۶۶)

اس حدیث میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) حضرت سفینہ نے شیر سے بے خوف وخطر کلام کیا' کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ شیر ان کو ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ ان کا کلام سنے گا' اس کو سمجھے گا اور ان کی مدد کرے گا اور ان کو لشکر اسلام تک پہنچائے گا' یہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(۲) جب کوئی مسلمان اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے تو درندے بھی اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تو جمادات کب ضرر پہنچا سکیں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ہر معاملہ میں اس پر توکل کرنا مصائب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۴) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے شیر کو یہ بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں تو اس نے آپ کو لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مسلمان راستہ بھٹک جائے یا اس کو کوئی اور افتاد پیش آ جائے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اس سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرتا ہے اس کو دنیا میں سیدھا راستہ مل جاتا ہے تو ان شاء اللہ آخرت میں بھی وہ سیدھے راستے کی ہدایت حاصل کرے گا۔

(۵) صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ توحید کے تقاضوں پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو ہر حال میں کافی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' بے شک میں (بھی) عمل کر رہا ہوں' پس

عنقریب تم جان لو گے O کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا O بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے گم راہی اختیار کی تو اس گم راہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O (الزمر: ۴۱-۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام حق سنانے میں کامل جانفشانی کی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو آخرت میں جنت اور دائمی اجر و ثواب کی بشارت سنائی تھی اور اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کے لیے دائمی عذاب کی وعید سنائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کے کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی تھی جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O (الکہف: ۶) — اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرط غم سے جان دے دیں گے O

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (الشعراء: ۳) — ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ اس قدر مغموم ہیں کہ لگتا ہے کہ آپ جان دے دیں گے O

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ. (فاطر: ۸) — ان پر حسرت اور فرط غم کی وجہ سے کہیں آپ کی جان نہ چلی جائے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے قوی اور مستحکم دلائل کے ساتھ کفار کا رد کر دیا اور وہ پھر بھی آپ کی رسالت اور آپ کے پیغام پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' بے شک میں (بھی) عمل کر رہا ہوں' پس عنقریب تم جان لو گے O کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا O بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے گم راہی اختیار کی تو اس گم راہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O'' (الزمر: ۴۱-۳۹)

ان آیتوں میں یہ اشارہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت اور عبادت کے جس حق کو بھول بیٹھے تھے قرآن کریم ان کو وہ حق یاد دلا رہا ہے' پس جس نے قرآن مجید کے یاد دلانے سے اس حق کو پہچان لیا اور اس کی نصیحت پر عمل کر لیا اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزاری تو اس ہدایت کے فوائد اسی کو حاصل ہوں گے' کیونکہ اس ہدایت کے نور سے اس کا دل منور ہو جائے گا۔

اور اس کی حیوانی اور شیطانی صفات کے جو آثار ہیں وہ محو ہو جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دل تاریک ہو سکتا تھا اور ان صفات کی وجہ سے وہ دوزخ میں جا سکتا تھا اور جس شخص نے اپنی گم راہی پر اصرار کیا اور اپنے نفس امارہ کے احکام کی اطاعت کی اور اس پر حیوانی اور شیطانی صفات مذمومہ غالب آ گئیں تو وہ شخص جہنم میں جا گرے گا اور اس کی اس روش سے آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی کیونکہ آپ نے اس کو دوزخ سے گھسیٹ کر نکالنے کی بہت کوشش کی اور اس سلسلہ میں بہت مشقت اٹھائی' اس کے باوجود اگر کوئی شخص کفر پر اصرار کر کے دوزخ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے تو آپ اس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہیں۔

اس مضمون کی حسب ذیل احادیث سے وضاحت ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور لوگوں کی مثال اس شخص

کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی' پھر حشرات الارض اور پروانے اس آگ میں گرنے لگے' سو میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور لوگ اس آگ میں دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے' اس کی مثال اس بادل کی طرح ہے جو زمین پر برسا' زمین کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے اس پانی کو جذب کر لیا اور اس نے چارا اور بہت سبزا اگایا اور زمین کا بعض حصہ سخت تھا' اس نے پانی کو روک لیا' جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا' لوگوں نے وہ پانی خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور ان کو (سبزے سے) چرایا اور زمین کا بعض حصہ چٹیل میدان تھا' جس پر جب بارش ہوئی تو زمین کے اس حصہ نے پانی روکا اور جمع کیا اور نہ اس میں سبزا اور گھاس اگائی' یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کے دین کو سمجھا اور اس کا فیض پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے اس کا علم حاصل کیا اور وہ علم آگے پہنچایا اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اس علم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کی طرف دیکھا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۴۳)

اس مثال میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ زمین کی تین قسمیں ہیں' اسی طرح لوگوں کی بھی تین قسمیں ہیں' زمین کی پہلی قسم یہ ہے کہ زمین پہلے مردہ ہو' پھر بارش ہونے سے اس میں سبزا پیدا ہو جائے' جس سے انسان اور مویشی دونوں فائدہ حاصل کریں' اسی طرح لوگوں کی پہلی قسم یہ ہے کہ ان کے پاس ہدایت اور علم پہنچے اور وہ خود بھی علم پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیں' اس قسم میں فقہاء اور مجتہدین شامل ہیں' زمین کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ بارش کے پانی سے سبزہ تو نہیں اگاتی لیکن وہ پانی کو جمع کر لیتی ہے جس سے ضرورت مند اس پانی کو حاصل کر لیتے ہیں' اسی طرح لوگوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ ان میں احادیث سے مسائل کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تو نہیں ہوتی لیکن وہ احادیث کو محفوظ اور منضبط کر لیتے ہیں جس سے مجتہدین استفادہ کرتے ہیں' اس قسم میں محدثین اور راویان حدیث ہیں اور زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ سبزہ اگاتی ہے اور نہ پانی کو محفوظ رکھتی ہے اور اسی طرح لوگوں کی تیسری قسم وہ ہے جنہوں نے آپ کے لائے ہوئے دین کو بالکل قبول نہیں کیا اور یہ کفار اور منافقین ہیں۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے)

فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى

پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میعاد تک چھوڑ دیتا ہے'

اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ

بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ○ کیا انہوں

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ

نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں، آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں

شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ

اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں O آپ کہیے: تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے، تمام آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا

وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا

جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا

ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں O آپ دعا کیجیے: اے اللہ!

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ

ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی

ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ

تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے

سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہو گا

يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا

جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤٨﴾ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا

وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کرلے گا O پس جب انسان کو' کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے

ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ بَلْ

پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے

هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ

صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے' بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک اس سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ فَأَصَابَهُمْ

لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہ آئی O پس ان کے بُرے کاموں

سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ

کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے

سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے

اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں

ع ۵ ۱۱ ۲ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ ع

ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے) پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کرلیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میعاد تک چھوڑ دیتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں O کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں؟ آپ کہیے: خواہ وہ کسی کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل وخرد رکھتے ہوں O آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (الزمر: ۴۴-۴۲)

نفس کے معنیٰ کی تحقیق

اس آیت میں ''انفس'' کا لفظ ہے' یہ نفس کی جمع ہے' نفس کے معنیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

نفس روح ہے اور کسی چیز اور اس کی حقیقت کو بھی نفس کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا''. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں' ایک نفس عقل ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور دوسرا نفس روح ہے' جس سے جسم کی حیات ہوتی ہے۔ ابن الانباری نے کہا: بعض اہل لغت نے نفس اور روح کو مساوی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں' ان میں صرف لفظی فرق ہے' نفس مؤنث ہے اور روح مذکر ہے اور دوسرے علماء نے کہا: روح وہ ہے جس سے حیات ہوتی ہے اور نفس وہ ہے جس سے عقل ہوتی ہے' پس جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح کو قبض نہیں کرتا اور اس کی روح صرف موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں' ایک وہ نفس ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور یہ وہی نفس ہے جو نیند کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کسی چیز کا تعقل نہیں کر سکتا' اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے دیتا ہے اور دوسرا نفس حیات ہے اور حیات زائل ہوتی ہے تو یہ نفس بھی زائل ہو جاتا ہے اور سونے والا شخص سانس لیتا رہتا ہے اور سونے والے شخص کی حالت نیند میں نفس کی وفات اور زندہ شخص کے نفس کی وفات میں یہی فرق ہے اور حیات کا نفس یہی روح ہے اور انسان کی حرکت اور اس کی نشو و نما ہے اور حق یہ ہے کہ نفس اور روح میں فرق ہے' اگر ان دونوں کا معنیٰ ایک ہوتا تو ہر ایک کو دوسرے کی جگہ رکھنا جائز ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ونفخت فیہ من روحی'' اور ''من نفسی'' نہیں فرمایا اور حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''تعلم ما فی نفسی'' اور ''فی روحی'' نہیں فرمایا' روح اور نفس میں اعتباری فرق ہے' علامہ ابن عبد البر نے ''تمہید'' میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس اور روح کو رکھا' اس کی روح کے آثار سے اس کی پاکیزگی ہے اور اس کی فہم ہے اور اس کا حلم ہے اور اس کی وفا ہے اور اس کے نفس کے آثار سے اس کی شہوت ہے اور اس کا طیش ہے اور اس کے جاہلانہ افعال ہیں اور اس کا غضب ہے' اس لیے بغیر کسی قید کے مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفس روح ہے اور نہ یہ کہا جائے گا کہ روح نفس ہے۔ (تاج العروس ج ۴ ص ۲۶۰-۲۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نفس اور روح کے ایک ہونے پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبض روح کے لیے قبض نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور احادیث اور آثار میں روح اور نفس کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں' پھر فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴)

دوسری حدیث میں آپ نے روح کی جگہ نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی نظر اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہے' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی نظر اس

کے نفس کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۲۱)

اسی طرح درج ذیل حدیث میں روح کے لیے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں جب مرنے والا شخص نیک ہو تو اس سے کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! باہر نکلو جو پاک جسم میں تھی۔ الحدیث

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۹)

دوسری حدیث میں اس موقع کے لیے نفس کے بجائے روح کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس سے دو فرشتے ملاقات کرتے ہیں جو اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۷۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۶۶)

امام مالک نے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ہم کو صبح کی نماز کے وقت جگا دینا، حضرت بلال پر نیند غالب آ گئی، سورج نکلنے کے بعد سب بیدار ہوئے، آپ نے حضرت بلال سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا، اگر وہ چاہتا تو وہ اس وقت کے سوا ہماری روحوں کو لوٹا دیتا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۶)

حافظ یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر قرطبی التوفی ۴۶۳ھ ان دونوں حدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے ان حدیثوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہے اور انہوں نے الزمر:۴۲ (زیر تفسیر آیت) سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے الزمر:۴۲ کی تفسیر میں کہا ہے: جب مردے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے اور جب زندہ سوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے، پھر جس کی موت کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور جس کی موت کا فیصلہ نہیں فرمایا اس کی روح کو ایک وقت معین تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں کیونکہ اس آیت میں ''انفس'' کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کا معنیٰ ارواح کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موطا کی حدیث:۲۶ میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور حضرت بلال نے جو فرمایا تھا: میرے نفس کو اس چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا، آپ نے حضرت بلال کے اس قول کا رد نہیں فرمایا، پس قرآن اور سنت نے ایک چیز کو کبھی نفس سے تعبیر فرمایا ہے اور کبھی اسی چیز کو روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ (تمہید ج ۲ ص ۵۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نفس اور روح کے مغائر ہونے پر دلائل

حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر المالکی القرطبی التوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نفس روح کا غیر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس سے خطاب فرمایا ہے، اس کو برے کاموں سے منع فرمایا ہے اور نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر:۲۸-۲۷) اے مطمئن نفس! ۝ اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو ۝

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ . (ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس یہ کہے: ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ کے حق کو ادا کرنے میں تقصیر کی۔ (الزمر:۵۶)

اور روح کو نہ خطاب کیا گیا ہے اور نہ اس کو قرآن مجید میں کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور نہ کسی کام پر اس کی مذمت کی گئی ہے' آدمیوں کا نفس چوپایوں کے نفس کی طرح ہے' وہ جنسی عمل کی خواہش کرتا ہے اور بُرے کام کی تحریک کرتا ہے اور نفس کا مسکن پیٹ ہے' مگر انسان کو روح کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اس کا مسکن دماغ ہے' اسی کی وجہ سے انسان بُرے کاموں سے حیاء کرتا ہے اور روح اس کو نیک کاموں کی دعوت دیتی ہے اور نیک کاموں کا حکم دیتی ہے۔

عبد الرحمان بن قاسم نے الزمر:۴۲ کی تفسیر میں کہا کہ نفس یک مجسم چیز ہے اور روح اس پانی کی طرح ہے جو جاری ہو' جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح اوپر جا رہی ہے اور نیچے اتر رہی ہے اور نفس ہر وادی میں چر رہا ہوتا ہے اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے' پھر جب اللہ اس کو جسم میں لوٹنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ جسم میں لوٹ جاتا ہے اور اس کے لوٹنے سے جسم کے تمام اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ علماء کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں صحیح کیا چیز ہے اور قوم نے جو کچھ کہا ہے وہ واضح دلائل نہیں ہیں اور نہ ان دلائل کی صحت یقینی ہے اور نہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہے جس سے عذر اٹھ جائیں اور حجت واجب ہو جائے اور نہ قیاس سے اس کو مستنبط کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ عقول اس مسئلہ میں سوچ و بچار کر کے تھک جاتی ہیں اور اس کے علم سے عاجز ہیں۔ (تمہید ج ۲ ص ۸۸۔ ۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نفس اور روح کے اتحاد اور تغایر میں حافظ ابن عبد البر کی تحقیق

حافظ ابن عبد البر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں اور بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس باہم مغائر ہیں' لیکن ان کا مختار یہ ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں' جیسا کہ انہوں نے ''تمہید'' میں اس مبحث کے شروع میں لکھا ہے' اسی طرح انہوں نے موطا امام مالک کی شرح ''الاستذکار'' میں بھی لکھا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو تہجد کی نماز کے لیے جگانے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے نفوس تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۲۷) اور حضرت بلال نے کہا: میرے نفس کو اس نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۵) اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۶) اور حضرت ابو جحیفہ کی حدیث میں ہے: بے شک تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف تمہاری روحوں کو لوٹا دیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۷۹۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۲) اور قرآن مجید میں ہے: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ'' (الزمر:۴۲) ان سب میں یہ واضح دلیل ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں۔ اس مسئلہ میں سلف صالحین کے اقوال ہم نے ''تمہید'' میں ذکر کیے ہیں۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نفس اور روح کے متعلق امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انسان کا نفس ایک جوہر ہے جو منور اور روحانی ہے' جب اس کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن میں حاصل

ہوتی ہے اور اس روشنی کا نام حیات ہے' پس ہم یہ کہتے ہیں کہ موت کے وقت اس بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کا نام موت ہے اور نیند کے وقت اس روشنی کا تعلق صرف ظاہر بدن سے بعض اعتبار سے منقطع ہوتا ہے اور اس کی روشنی بدن کے باطن سے منقطع نہیں ہوتی' پس ثابت ہو گیا کہ موت اور نیند ایک جنس سے ہیں' مگر موت میں اس کی روشنی کا انقطاع تام اور کامل ہوتا ہے اور نیند میں اس کا انقطاع ناقص اور بعض وجوہ سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نفس اور روح کے متعلق مصنف کی تحقیق

قرآن مجید اور احادیث کے عمیق مطالعہ سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ روح اور نفس متحد بالذات ہیں اور ان میں تغایر اعتباری ہے' انسان کے جسم میں ایک قوت مجردہ ہے' وہ قوت اس لحاظ سے کہ وہ انسان کے حواس میں مؤثر ہے یعنی اس کی تاثیر سے انسان دیکھتا ہے' سنتا ہے' سونگھتا ہے' چکھتا ہے اور چھوتا ہے نفس ہے اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے انسان بولتا ہے اور دیگر افعال اختیاریہ کرتا ہے' وہ روح ہے' خلاصہ یہ کہ جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال کرتا ہے وہ قوت روح ہے اور وہ قوت اس لحاظ سے کہ انسان اس قوت سے تعقل اور ادراک کرتا اور کسی بھی کام کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو یہ قوت نفس ہے اور اس کو نفس ناطقہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر اگر نفس بُرے اور ناجائز کام کا منصوبہ بنائے تو یہ نفس امارہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف: ۵۳)

بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

اور بُرے کام کرنے کے بعد نفس اس پر ملامت کرے تو وہ نفس لوامہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ○ (القیامۃ: ۲)

اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں○

اور اگر نفس نیک کام کرنے کا حکم دے تو وہ نفس مطمئنہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ○ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً○ (الفجر: ۲۸۔۲۷)

اے مطمئن نفس!○ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو○

اور جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال اختیاریہ کرتا ہے وہ روح ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ. (الحجر: ۲۹)

پس جب میں آدم کا پتلا پورا بنالوں اور اس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دوں۔

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی روح پھونکنے کے بعد وہ پتلا زندہ ہو جائے اور روح جسم لطیف ہے' جس سے انسان زندہ ہوتا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور درج ذیل حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی حرکات ارادیہ اور اس کے تمام تصرفات کا منشاء روح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم میں روح پھونکی' جب روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی' حضرت آدم نے کہا: **الحمد لله رب العلمین** اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: **یرحمک الله**۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۵۔۶۱۶۴' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۱ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۳۶ جدید' الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۶۳' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۰' مجمع الزوائد رقم

الحدیث: ۱۳۷۴۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۲۸، الدر المنثور ج ۷ ص ۲۰۹ جامع البیان رقم الحدیث: ۵۱۰)

روح اور نفس کی بحث ہم نے تبیان القرآن ج ۶ ص ۹۱۷۔۹۰۷ میں بھی کی ہے اس مقام کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

الزمر: ۴۴۔۴۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں' آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں O آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O''

بتوں کی شفاعت کرنے کا رد اور ابطال

یہ آیت اہل مکہ کے رد میں نازل ہوئی' کیونکہ وہ یہ زعم کرتے تھے کہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مشرکین سے یہ کہیے: کیا تم بتوں کو سفارشی بنا رہے ہو' خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور انہیں کسی چیز کی عقل نہ ہو اور جب وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو اللہ کے پاس تمہاری شفاعت کرنے کے کیسے مالک ہوں گے اور وہ اس بات کو کیسے سمجھیں گے کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو۔

پھر مشرکین کو دلیل سے ساکت کرنے کے بعد فرمایا: ''تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے'' یعنی کوئی شخص کسی کی شفاعت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' جب تک کہ جس کی شفاعت کی جائے وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہ ہو اور شفاعت کرنے والے کو شفاعت کا اذن نہ دیا گیا ہو اور بتوں کی شفاعت کے معاملہ میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے مطلقاً شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کرنے کا اذن نہ دے تو وہ شفاعت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۷۔۴۵۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں O آپ دعا کیجئے: اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہو گا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O (الزمر: ۴۸۔۴۵)

آخرت میں کفار کے عذاب کی تفصیل

الزمر: ۴۵ میں مشرکین کے ایک اور بُرے عمل کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے مثلاً کہے: لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ تو ان کے چہروں سے ان کی نفرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور جب ان کے بتوں کا ذکر کیا جائے تو ان کے چہروں سے خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اس آیت میں ''اشمازت'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر اشمئزاز ہے' اس کا معنیٰ ہے: جب کسی شخص کو کسی بات سے بہت زیادہ غم اور غصہ پہنچے تو اس کا چہرہ تاریک ہو جاتا ہے' اس کے برعکس جب کسی خبر سے وہ بہت زیادہ خوش ہو تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ کفار کو اللہ کا ذکر ناگوار ہوتا ہے اور مسلمان اللہ کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں اور اس کے ذکر کو محبوب رکھتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بہ کثرت ذکر کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۰۴، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سخت گرمی کا دن ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ آج کے دن کس قدر سخت گرمی ہے اے اللہ! مجھے جہنم کی گرمی سے اپنی پناہ میں رکھ تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیری گرمی سے میری پناہ طلب کی ہے تو گواہ رہنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے اور جب سخت سردی کا دن ہو اور ایک بندہ یوں کہے کہ: لا الہ الا اللہ، آج کے دن کس قدر سخت سردی ہے اے اللہ! مجھے جہنم کے زمہریر (سرد طبقہ) سے اپنی پناہ میں رکھنا تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیرے زمہریر سے میری پناہ طلب کی ہے اور تو گواہ رہنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے، مسلمانوں نے پوچھا: جہنم کا زمہریر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں ایک گھر ہے جس میں کافر کو ڈالا جائے گا اس کی سخت ٹھنڈک سے اس کے بعض اعضاء بعض سے الگ ہو جائیں گے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للدینوری رقم الحدیث: ۳۰۶، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

الزمر: ۴۶ میں فرمایا: ''اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O''

یعنی کفار کا اللہ کی توحید کے ذکر سے متوحش اور متنفر ہونا اور بتوں کے ذکر سے اور شرک کی باتوں سے خوش ہونا ایسی چیز ہے جس کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے، اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ موحدین اور مشرکین میں اختلاف ہے، موحدین اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور مشرکین اپنی خواہش اور ہوس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان دنیا میں بھی فیصلہ فرمائے گا اور آخرت میں بھی فیصلہ فرمائے گا، دنیا میں مسلمانوں کو توبہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں مسلمانوں کو بخش دے گا اور ان کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے گا اور کفار اور مشرکین سے آخرت میں انتقام لے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان آخرت میں فیصلہ فرما دے۔ حدیث میں ہے:

ابو سلمہ بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں کیا دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جب آپ رات میں دعا کے لیے اٹھتے تھے تو نماز کے شروع میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے! تیرے بندے جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو ان میں فیصلہ فرمائے گا، اے اللہ! جس چیز میں حق بات سے اختلاف کیا گیا ہے تو اس میں مجھ کو ہدایت دے، بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۸۔۷۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۷)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفات کا ذکر ہے جن صفات کا ذکر الزمر: ۴۶ میں ہے۔

الزمر: ۴۷ میں فرمایا: ''اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن بُرے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہوگا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O''

اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب دینے کی جو وعید سنائی ہے اس میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک یہ کہ اگر وہ بالفرض روئے زمین کی تمام دولت کے بھی مالک ہوتے اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات کے لیے خرچ کر دیتے تو وہ اس عذاب سے

نجات نہیں پا سکتے تھے' دوسری چیز یہ ہے کہ حدیث میں جنت کی صفت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۷)
سو جس طرح مؤمنوں کو جنت میں ایسی نعمتیں ملیں گی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گی اسی طرح کافروں کو دوزخ میں ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔
الزمر: ۴۸ میں فرمایا: ''اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O''
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے جو بُرے کام کیے تھے آخرت میں ان پر عذاب کے آثار مرتب ہوں گے اور وہ عذاب ہر طرف سے ان کا احاطہ کر لے گا۔
اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:
ابو اللیث نے کہا: انہوں نے کچھ ایسے اعمال کیے ہوں گے جن کے متعلق ان کا گمان یہ ہوگا کہ ان کو ان کاموں پر اجر و ثواب ملے گا' لیکن ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ثواب کے بجائے انہیں ان کاموں پر عذاب ہوگا۔
بعض علماء نے کہا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے کام کرتے ہیں' وہ لوگ قیامت کے دن رسوا ہوں گے اور جن اعمال کے متعلق ان کا گمان تھا کہ وہ میزان میں نیکیوں کے پلڑے میں ہوں گے اس دن وہ اعمال برائیوں کے پلڑے میں ہوں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے' بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی O پس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الزمر: ۵۲۔۴۹)

راحت اور مصیبت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھنا

زمر: ۴۹ میں فرمایا: ''پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے''۔
اس آیت میں ''خوّلنہ'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر تخویل ہے' اس کا معنیٰ ہے: ضرورت کی چیز عطا کرنا' بخشنا' بعض چیزوں کو بہ طور جزاء اور صلہ عطاء کیا جاتا ہے اور بعض چیزوں کو محض فضل اور احسان کے طور پر عطا کیا جاتا ہے' تخویل کا اطلاق دوسرے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔
اس آیت میں کفار کے بُرے اعمال میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ان کو تنگ دستی یا بیماری لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں' پھر جب اللہ اپنے فضل سے وہ مصیبت ان سے دور فرما دیتا ہے اور ان کو مال و دولت کی فراوانی یا صحت اور

عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعمت ان کو ان کی اپنی ذہانت اور محنت اور مشقت کی بناء پر حاصل ہوئی ہے یا ان کو صحیح علاج کی وجہ سے صحت حاصل ہوئی ہے۔

کافر یہ کہتا ہے کہ ''یہ نعمت تو مجھے ایک علم کی بناء پر حاصل ہوئی ہے'' اس کی کئی تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں' اس وجہ سے مجھے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے' اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ مجھے کس ذریعہ سے مال حاصل ہوگا یا مجھے یہ علم تھا کہ کون سے علاج سے مجھے شفا حاصل ہوگی یا کس طریقہ سے مجھ سے یہ مصیبت دور ہوگی۔

الزمر: ۵۰ میں فرمایا: ''بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی O''

اس سے مراد پچھلی امتیں ہیں یا اس سے مراد قارون ہے' اس نے بھی اپنے خزانوں کے متعلق یہ کہا تھا کہ:

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ. (القصص: ۷۸) مجھے یہ خزانے صرف میرے علم کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔

الزمر: ۵۱ میں فرمایا: ''پس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں O''

انہوں نے جو یہ باطل قول کہا تھا کہ ان کے علم اور ان کی تدبیر کی وجہ سے ان کی مصیبت دور ہوئی ہے اور ان کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ان کو ان کے اس باطل عقیدہ اور فاسد قول کی سزا آخرت میں ملے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا یا آخرت میں سزا دینے سے روک نہیں سکتے۔

الزمر: ۵۲ میں فرمایا: ''کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے'' ۔یعنی رزق میں تنگی اور کشادگی کا مدار انسان کے علم اور اس کی عقل پر نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علم اور عقل والے تنگ دست اور قلاش ہوتے ہیں اور بہت سے جاہل اور بے وقوف لوگ خوش حال اور مال دار ہوتے ہیں۔ پس مال کی کثرت اور قلت کا مدار اللہ کے فضل اور اس کی حکمت پر ہے' وہ اپنی حکمت کی وجہ سے یا کسی کو آزمائش میں مبتلا کرنے کے لیے اس کو مال کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے اور کسی کو ڈھیل دینے کے لیے یا اس پر فضل فرمانے کے لیے اس کو مال کی کثرت سے نوازتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا اور مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جانا یہ کفار کا طریقہ ہے' سو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ سے رابطہ رکھیں اور ہر حال میں اس کو یاد رکھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ مصائب اور شدائد میں اللہ اس کی دعا کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰)

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾

بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

مدد نہ کی جائے' تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل

مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ

کیے گئے ان میں سے سب سے اچھے احکام پر عمل کرو' اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں

لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ

اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو

اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں' بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھاO یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ

میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا

كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ

تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں' بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئیں سو تو نے

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى

ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا O اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا

الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہو گا' کیا تکبر کرنے والوں کا

مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ O اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے (عذاب سے)

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ز

نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اللہ ہر چیز کا خالق ہے

وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے O اسی کے پاس آسمانوں او زمینوں کی چابیاں ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع

ع ٦ ١١ ٣

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے' تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں' ان میں سب سے اچھے احکام پر عمل کرو' اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں' بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا O یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے: کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں' بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئیں' سو تو نے ان کی تکذیب کی اور تو کافروں میں سے ہو گیا O

(الزمر: ۵۹-۵۳)

الزمر: ۵۳ کے شانِ نزول میں متعدد روایات

الزمر: ۵۳ کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان تینوں اقوال کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' تو اہل مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ناحق قتل کرتے ہیں' اس کی بخشش نہیں ہوگی' تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام لائیں' حالانکہ ہم نے بتوں کی عبادت کی ہے اور جن کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا تھا ہم نے ان کو قتل کیا ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ الحدیث (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۲۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی قبول کی جائے گی' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد: ۳۳)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو ○

پھر ہم نے کہا: ہمارے نیک اعمال کس چیز سے باطل ہوں گے؟ تو ہم نے کہا: ناجائز کام اور بے حیائی کے کام ہمارے نیک کاموں کو باطل کر دیں گے' پھر جب ہم کسی شخص کو کوئی ناجائز کام یا بے حیائی کا کام کرتے دیکھتے تو کہتے: یہ ہلاک ہو گیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۱۱۶۔۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے اس طرح کہنا چھوڑ دیا' پھر اگر ہم کسی شخص کو ناجائز یا بے حیائی کا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو ہمیں اس پر عذاب کا خطرہ ہوتا اور اگر وہ کوئی بُرا کام نہ کرتا تو ہم اس کی مغفرت کی امید رکھتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۲۵۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں' حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا' زنا کیا' اس کو بہت گناہ ہوگا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان: ۷۰)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو اللہ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربان ہے ○

وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرے' ہوسکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہوگی یا نہیں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے' پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ)۔ لوگوں نے کہا: یارسول

اللہ! اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا: یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰ شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۴ رقم الحدیث: ۷۱۴۰ تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۳۱۶ رقم الحدیث: ۱۴۱۴۸ مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۳ رقم الحدیث: ۱۸۴۰۱ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۰ زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۴ النکت والعیون ج ۵ ص ۱۳۱ الدر المنثور ج ۷ ص ۲۰۲ روح البیان ج ۸ ص ۱۷۱ روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۳ اسباب النزول رقم الحدیث: ۶۶۰)

قنوط کا معنیٰ اور عفو اور مغفرت کا فرق

اس آیت میں ''لا تقنطوا'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر قنوط ہے' قنوط کا معنیٰ ہے: سب سے بڑی ناامیدی' قنوط کی تعریف یہ ہے: اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہونا اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب فطرت سلیمہ اور اللہ پر ایمان لانے کی صلاحیت بالکل زائل ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے بندہ کو غرغرہ موت تک توبہ کرنے کی مہلت دی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے' خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں' خواہ ان کی تعداد سمندر کے جھاگ' درختوں کے پتوں' ریت کے ذروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہو اور یہ مغفرت عام ہے۔ خواہ یہ مغفرت کچھ سزا دینے کے بعد ہو یا بغیر سزا کے ہو اور یہ مغفرت بندوں کی توبہ سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور مقربین یا ملائکہ کی شفاعت سے ہو یا بغیر کسی کی شفاعت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو۔

مفسرین نے عفو اور مغفرت میں بھی فرق کیا ہے' عفو کا معنیٰ ہے: گناہوں کو مٹا دینا' جیسے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ. (ھود: ۱۱۴) — بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور مغفرت کا معنیٰ ہے: عذاب کو اٹھا دینا اور رحمت کا معنیٰ ہے: ثواب عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ. (النجم: ۳۲) — جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں' ماسوا کسی چھوٹے گناہ کے' بے شک آپ کا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

النجم: ۳۲ کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

عن ابن عباس قال النبی صلی الله علیه وسلم ان تغفر اللهم تغفر جما وای عبد لک لا الما. (یہ حدیث حسن صحیح ہے' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۴ مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۸۔۳۹۴ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۱۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۰۵۰ المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! جب تو مغفرت کرے تو سب کی مغفرت کر دینا' تیرا وہ کون سا بندہ ہے جس نے کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں کیا۔

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اس حدیث میں حسب ذیل اصولی باتیں ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر چند کہ کلام موزوں ہے تاہم یہ شعر نہیں ہے۔

(۲) آپ نے فرمایا: وہ تیرا کون سا بندہ ہے جس نے کوئی چھوٹا گناہ نہ کیا ہو' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں

کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا' پس آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے اور زبان کا زنا (فحش) کلام ہے اور نفس تمنا کرتا ہے اور بُری خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۲) پس یہ گناہ جو انسان کے لیے مقدر کیے گئے ہیں یہ ان کثیر گناہوں میں داخل ہیں جو معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے' اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں' ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

(۴) شرم گاہ کے علاوہ جو زنا ہے وہ عبادات سے معاف ہو جائے گا اور شرم گاہ کا زنا توبہ سے یا زیادہ عبادت سے یا محض اللہ کے فضل سے یا کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکال کر معاف کر دیا جائے گا' یا محض اللہ کے فضل سے معاف کر دیا جائے گا اور انسان کا چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ عادت بشری اور خلقت جبلی ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ ص ۱۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مایوسی کی ممانعت کے متعلق آیات' احادیث اور آثار

اس آیت کریمہ میں تمام گناہ گاروں کو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف فرما دے گا' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں اور اس آیت کو بغیر توبہ کے مغفرت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ بغیر توبہ کے شرک کی مغفرت نہیں ہوتی اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے تھے اور بہت زنا کیا تھا' وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت خوب ہے' کاش! آپ ہمیں یہ بتاتے کہ ہماری بداعمالیوں کا کوئی کفارہ ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان: ۷۰-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور وہ کسی ایسے شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ان کاموں کو کرے گا اس کو سخت عذاب ہو گا○ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہے گا○ سوا ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے○

اور یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۲)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اس آیت: (الزمر:۵۳) کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا بھی مل جائے تو مجھے پسند نہیں ہے' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! اور جو شخص مشرک ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' پھر آپ نے تین بار فرمایا: ماسوا مشرکین کے (یعنی اس آیت کے عموم میں مشرکین کی مغفرت داخل نہیں ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۴۵ رقم الحدیث: ۲۲۳۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الفرقان: ۷۰۔۶۸ میں توبہ کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ دعوت مؤمنین اور مشرکین دونوں کو عام ہے اور الزمر: ۵۳ میں صرف مغفرت کا ذکر ہے خواہ وہ مغفرت توبہ کے ساتھ ہو یا بغیر توبہ کے اور یہ مغفرت مؤمنوں کے ساتھ مخصوص ہے' مشرکین کو شامل نہیں ہے جیسا کہ مسند احمد کی مذکور الصدر حدیث سے واضح ہوگیا۔ اس سلسلہ میں تیسری حدیث یہ ہے:

(۳) حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بہت بوڑھا شخص آیا جو ایک لاٹھی کے سہارے آیا تھا' اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے بہت عہد شکنیاں کی ہیں اور بہت گناہ کیے ہیں' کیا میری مغفرت ہو جائے گی؟ آپ نے پوچھا: کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا: تمہاری عہد شکنیوں اور گناہوں کی مغفرت کر دی گئی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۲ ص ۱۷۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۰ھ' رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۸۴۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۳۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۲۵' الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۲۷۱۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۴۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۳۵)

اور حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ. (التوبہ: ۱۰۴)

کیا ان لوگوں کو یہ علم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۰)

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربانی کرنے والا پائے گا ○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۗ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(المائدہ: ۷۴۔۷۳)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور ایک معبود کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہیں آئے تو ان میں سے کفر کرنے والوں پر ضرور عذاب عظیم آئے گا ○ یہ لوگ اللہ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اس آیت میں عیسائیوں کو توبہ کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی توبہ اور استغفار کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا

ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے انسانوں کو قتل کر دیا' پھر وہ لوگوں سے سوال کرنے نکلا' اس نے ایک راہب (پیر) سے سوال کیا: آیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں' اس شخص نے اس کو بھی قتل کر دیا' پھر وہ شخص سوال کرنے کے لیے نکلا تو ایک شخص (مسلم کی روایت میں ہے' عالم) نے اس سے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ' تو اس کو موت نے آ لیا' اس نے اپنا سینہ اس بستی کے قریب کر لیا' پھر رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے متعلق بحث ہوئی تو اللہ نے اس زمین کو حکم دیا کہ وہ قریب ہو جائے اور اس زمین کو حکم دیا کہ وہ دور ہو جائے اور فرمایا: ان دونوں زمینوں کی پیائش کر لو' تو وہ زمین ایک بالشت زیادہ قریب تھی سو اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲' مسند احمد ج ۳ ص ۷۲۔ ۲۰ قدیم' مسند احمد ج ۷ ص ۲۴۴' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۱)

اللہ کی رحمت اور مغفرت اس قدر وسیع ہے کہ سو آدمیوں کا قاتل بھی اس سے توبہ کرے تو وہ معاف فرما دیتا ہے' اس لیے انسان سے خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں مؤمنین کی مغفرت کے متعلق متعدد آیات ہیں اور یہ ان میں سے سب سے اہم آیت ہے۔ بعض علماء نے کہا: موحدین کے لیے سب سے زیادہ امید افزاء یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخشش کے متعلق سب سے امید افزاء یہ آیت ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ○ (الضحیٰ: ۵)

عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: آپ کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل کر دی جائے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶۴' رقم الحدیث: ۱۴۴۵)

الخطیب نے ایک اور سند کے ساتھ "تلخیص المتشابہ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر آپ کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں ہو تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۲۹۸' روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۸)

امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائے گا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حرب بن شریح روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین سے کہا: میں آپ پر فدا کیا جاؤں' یہ بتائیے کہ یہ شفاعت جس کا اہل عراق ذکر کرتے ہیں آیا یہ حق ہے یا نہیں؟ امام نے پوچھا: کس کی شفاعت؟ میں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی' امام نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! مجھے میرے چچا محمد بن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا' حتیٰ کہ میرا رب عزوجل ندا فرمائے گا:

اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے' میں کہوں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہو گیا' پھر امام نے مجھ سے کہا: اے اہل عراق کی جماعت! تم یہ کہتے ہو کہ قرآن مجید میں سب سے امید افزاء آیت یہ ہے: "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا" (الزمر:۵۳) اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بھی ہے لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزاء یہ آیت ہے: "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○" (الضحیٰ:۵) اور یہ شفاعت کی آیت ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۷۹ قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۹' رقم الحدیث: ۳۷۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۴۶۶' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۷۵۸' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۶۷' الدر المنثور ج ۸ ص ۴۹۸' روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۸)

اس کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

الزمر:۵۴ میں فرمایا: "اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے' تم اسلام لے آؤ ○"۔

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے اس کی فرماں برداری اور اطاعت کی طرف رجوع کرو اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے اخلاص کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرو' توبہ اور انابت میں یہ فرق ہے کہ تائب اللہ کے عذاب کے خوف سے معصیت کو ترک کر کے اس کی اطاعت کرتا ہے اور منیب اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر حیاء کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے باز رہتا ہے اور ذوق وشوق سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الزمر:۵۳ میں مغفرت کا ذکر فرمایا کہ وہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا' اس کے بعد الزمر:۵۴ میں فرمایا: "اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو' یعنی توبہ کرو' تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو جائے گی۔

(الکشاف ج ۴ ص ۱۳۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ زمخشری کا یہ کلام بہت ضعیف ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک معصیت پر توبہ کرنا واجب ہے اور توبہ کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر طعن کیا جائے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی تو پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر چند کہ گناہوں کو معاف فرمانا اور مغفرت کرنا قطعی ہے مگر یہ عفو اور مغفرت دو طرح حاصل ہوتی ہے' ایک یہ کہ کچھ عرصہ دوزخ میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے دوزخ سے نکال لے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً معاف فرما دے اور بالکل سزا نہ دے اور توبہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل عذاب نہ دے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۶۶-۴۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

احسن نازل شدہ چیز کی متعدد تفسیریں

الزمر:۵۵ میں فرمایا: "اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں' ان میں سب سے اچھے احکام پر عمل کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو ○"

فرمایا: ''تمہارے رب کی طرف سے جو سب سے اچھی چیز نازل کی گئی ہے اس کی اتباع کرو اس کی کئی تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کی اتباع کرو اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ۔ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے سب سے احسن کلام نازل فرمایا جس کی آیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کو لازم رکھو اور اس کی معصیت سے مجتنب رہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے افعال بیان فرمائے ہیں:

(۱) بُرے کام بیان فرمائے تاکہ ان کو ترک کیا جائے (۲) مکروہ کام بیان فرمائے تاکہ ان سے اعراض کیا جائے اور نہایت عمدہ کام بیان فرمائے تاکہ ان پر عمل کیا جائے۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان احکام کا بھی ذکر ہے جو منسوخ ہو چکے ہیں اور ناسخ احکام کا بھی ذکر ہے۔ سو ناسخ پر عمل کیا جائے اور منسوخ پر عمل نہ کیا جائے۔

یہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں جن کو امام رازی نے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۶۶) اسی طرح دیگر مفسرین نے بھی صرف یہی لکھا ہے اور میرے ناقص ذہن میں اس آیت کی ایک اور تفسیر ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو قسم کے احکام ہیں' ایک وہ ہیں جو فی نفسہٖ صحیح اور درست ہیں لیکن زیادہ بہتر اور احسن نہیں ہیں' پس تم احسن اور زیادہ اچھے احکام پر عمل کرو۔

مثلاً رمضان میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دنوں میں روزے نہ رکھے اور بعد میں ان کی قضاء کرے اور اگر وہ ان ایام میں روزے رکھ لے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ (الی قولہ تعالی) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ (البقرہ: ۱۸۴)

تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے ایام میں ان کی جگہ روزے رکھے اور اگر تم روزے رکھ لو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح نفلی صدقات کو دکھا کر دینا جائز ہے لیکن چھپا کر دینے میں زیادہ فضیلت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۔ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم صدقات مسکینوں کو چھپا کر دو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح مقروض کو اتنی مہلت دینا واجب ہے کہ وہ قرض کو آسانی کے ساتھ ادا کر سکے اور قرض خواہ مقروض کو قرض کی رقم معاف کر دے تو یہ زیادہ بہتر ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۲۸۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کی خوش حالی تک اس کو مہلت دینا ہے اور (اگر) تم قرض کی رقم اس پر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے' اگر تم کو علم ہو ○

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○ (الشوریٰ: ۴۰)

زیادتی کا بدلہ اتنی ہی زیادتی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی' اس کا اجر اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے' بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ○

یہ چند مثالیں ہیں جن میں قرآن مجید میں ایک کام کا حکم دیا ہے جو صحیح اور درست ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کام کا بھی حکم دیا ہے جو اس سے زیادہ اچھا اور احسن ہے اور الزمر: ۵۵ میں ہمیں قرآن مجید کے احسن کاموں پر عمل کی ترغیب دی ہے۔

قیامت کے دن فساق کی اپنی بداعمالیوں پر ندامت اور اظہار افسوس

الزمر: ۵۶ میں فرمایا: ''(پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں' بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھاO''

یعنی تم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے' اخلاص سے اس کی اطاعت کرنے اور قرآن مجید کی اتباع کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں تم کو آخرت میں عذاب ہوا تو پھر تم کہو گے کہ ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں۔

اس آیت میں ''جنب'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: پہلو اور کروٹ اور معاندین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے اللہ کے لیے اعضاء کا ثبوت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جنب کا اصل معنیٰ ہے: جانب' کروٹ اور پہلو کو بھی جنب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب میں ہوتے ہیں یعنی ایک جانب بندہ ہے اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں تو بندہ کو اس پر افسوس ہوگا کہ اس نے اللہ کے احکام میں بہت کوتاہیاں کیں نیز اس وقت وہ بندہ کہے گا کہ بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ یعنی اس نے صرف اس پر اکتفاء نہیں کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوتاہیاں کیں بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگے رہتے تھے وہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

الزمر: ۵۷ میں فرمایا: ''یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتاO''

اس سے پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ شخص پہلے اپنی اطاعت میں کمی پر اظہار افسوس کرے گا اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا'' اور:

الزمر: ۵۸ میں فرمایا ہے: ''یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتاO'' پھر اللہ تعالیٰ اس کے ان اعذار کے جواب میں فرمائے گا:

الزمر: ۵۹: ''کیوں نہیں' بے شک تیرے پاس میری ہدایتیں آئیں سو تو نے ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا تو کافروں میں سے ہو گیا۔

اس کا یہ عذر باطل ہے کہ اس کو ہدایت حاصل نہیں ہوئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رسولوں کو بھیجا' انہوں نے اسے اللہ کا پیغام پہنچایا اور اپنی رسالت پر دلائل اور معجزات پیش کیے' لیکن اس نے دانستہ انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہوگا' کیا تکبر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟O اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گےO اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا نگہبان ہےO اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیںO (الزمر: ۶۳-۶۰)

تکبر کی تعریف اور متکبرین کا حشر

الزمر: ۶۰ میں متکبرین کا ذکر ہے' تکبر کی تعریف ہے: حق کا انکار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر جاننا (صحیح مسلم رقم

الحدیث:۹۱) متکبرین کے متعلق اس حدیث میں وعید ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی صورتوں میں کیا جائے گا' ان کو ہر جانب سے ذلت ڈھانپ لے گی' ان کو اس جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے' آگ کے شعلے ان کے اوپر بھڑک رہے ہوں گے اور جہنم کی پیپ سے ان کو پلایا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۹۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۵۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ص۹۰' مسند احمد ج۲ص۱۷۹' الادب المفرد رقم الحدیث:۵۵۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۰۰)

اللہ تعالیٰ کو بندروں اور خنزیروں کا خالق کہنا ممنوع ہے

الزمر:۶۲۔۶۱ میں فرمایا:''اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے' اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا نگہبان ہےO''

اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکین اور مکذبین کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مؤمنین اور مصدقین کے وعد کا ذکر ہے' اس میں ان کے لیے بشارت ہے کہ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہیں گے۔

الزمر:۶۲ میں فرمایا ہے:''اللہ ہر چیز کا خالق ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی حمد میں یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ گندگی' کیڑے مکوڑوں اور بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن اور اچھائی کی تخلیق کی نسبت کرنا صحیح ہے اور بُرائی کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ہماری کتب عقائد میں اسی طرح مذکور ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

یقال انہ خالق الکل ولا یقال خالق القاذورات والقردة والخنازیر.

یہ کہا جائے گا کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ گندگیوں اور بندروں کا اور خنزیروں کا خالق ہے۔

(شرح المقاصد ج۴ص۲۷۵' ایران' ۱۴۰۹ھ)

میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

انما لا یطلق لفظ الشریر علیہ کما لا یطلق لفظ خالق القردة والخنازیر مع کونہ خالقالھما.

اللہ تعالیٰ پر لفظ شریر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ پر یہ اطلاق نہیں کیا جائے گا کہ وہ بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' حالانکہ وہ ان کا خالق ہے۔

(شرح المواقف ج۸ص۶۳' مطبوعہ ایران)

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

ولا یصح ان یقال خالق القاذورات وخالق القردة والخنازیر مع کونھا مخلوقة لہ اتفاقا.

اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ گندگیوں' بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' حالانکہ بالاتفاق یہ تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔

(المسامرہ شرح المسایرہ ص۱۲۷' دائرة المعارف الاسلامیہ' مکران)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ خالق الاجسام ہے لیکن اس کو کیڑے مکوڑوں اور بندروں کا خالق کہنا جائز نہیں ہے' بلکہ اس قسم کے الفاظ سے

اس کی تنزیہ واجب ہے۔ (تفسیر کبیرج ۵ص ۲۱۷' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ کہنا کفر ہے کہ میری آنتیں "قل ھو اللہ" پڑھ رہی ہیں اور دیگر کفریہ محاورے

بعض لوگ شدید بھوک کا اظہار کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں: میری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں یہ کلمہ کفریہ ہے کیونکہ آنتوں میں فضلہ اور براز ہوتا ہے اور یہ نجس چیز ہے اور نجس چیز کی طرف اللہ کے کلام کی نسبت کرنا کفر ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

من قال لاخر طبخ القدر بقل ھو اللہ احد کفر.

جس نے دوسرے شخص سے کہا: "پتیلی نے قل ھو اللہ احد سے کھانا پکایا" اس شخص کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ حسن بن منصور اوز جندی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے مذاق سے یا استہزاء سے یا تخفیف کرتے ہوئے کلمۂ کفر کہا' وہ سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا خواہ اس کا اعتقاد اس کلمہ کفر کے برخلاف ہو۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش الہندیہ ج ۳ص ۵۷۷' البحر الرائق ج ۵ص ۱۲۰' المحیط البرہانی ج ۵ص ۵۶۲)

بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی حمد اور تسبیح کرتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ.

ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنو اسرائیل: ۴۴)

اور ہر چیز کے عموم میں آنتیں بھی داخل ہیں' سوان کا قل ھو اللہ پڑھنا بھی جائز ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے عموم میں تو لید اور پیشاب بھی داخل ہے تو کیا ان کی طرف بھی حمد اور تسبیح کی نسبت کی جائے گی؟ اس لیے اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر جو چیز طاہر اور طیب ہو اور مبتذل نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے' فقہاء نے ہانڈی اور دیگچی کی طرف بھی قل ھو اللہ پڑھنے کی نسبت کو کفر قرار دیا ہے' حالانکہ ہانڈی نجس ہے نہ نجاست کا محل ہے اور آنتیں نجاست کا محل ہیں تو ان کی طرف قل ھو اللہ پڑھنے کی نسبت کرنا بہ طریق اولیٰ کفر ہوگا' اسی طرح یہ محاورات بھی کفریہ ہیں: فلاں نے فلاں کو صلوٰتیں سنائیں۔ اس میں گالم گلوچ اور فحش کلام پر صلوٰت کا اطلاق ہے' اسی طرح یہ محاورہ بھی کفریہ ہے: نمازیں بخشوانے گئے تھے روزے گلے پڑ گئے' اس میں روزوں سے بیزاری کا اظہار ہے۔

الزمر: ۶۳ میں فرمایا: "اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں"۔ الآیۃ

مقالید کا معنیٰ اور اس کی تفسیر میں درج حدیث کی تحقیق

اس آیت میں "مقالید" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: مفاتیح یعنی چابیاں' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) سدی نے کہا: اس سے مراد ہے آسمانوں اور زمینوں کے خزانے (۲) آسمانوں کے خزانوں سے مراد ہے بارش اور زمین کے خزانوں سے مراد ہے زمین کی پیداوار (۳) اس کی تفسیر میں حسب ذیل حدیث بھی روایت کی گئی ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا: تم سے پہلے مجھ سے اس کی تفسیر کے متعلق کسی نے دریافت نہیں کیا' اس کی تفسیر ہے" لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وسبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ' الاول والاخر والظاھر والباطن وبیدہ الخیر ویحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر"۔

جس شخص نے صبح اٹھ کر ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھا اس کو چھ خصال عطا کی جائیں گی۔ پہلی خصلت کی وجہ سے وہ ابلیس

اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا اور دوسری خصلت کی وجہ سے اس کو بے شمار اجر عطا کیا جائے گا اور تیسری خصلت کی وجہ سے اس کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا اور چوتھی خصلت کی وجہ سے بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا عقد کیا جائے گا اور پانچویں خصلت کی وجہ سے اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے آئیں گے اور چھٹی خصلت کی وجہ سے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا جس نے قرآن مجید' تورات' انجیل اور زبور کی تلاوت کی ہو اور ان کے علاوہ اے عثمان! اس کو حج مقبول اور عمرہ کا اجر ملے گا اور اگر اسی دن وہ مر گیا تو اس پر شہداء کی مہر ہو گی۔ (عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۳' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۲۳۱' رقم الحدیث: ۱۸۲۳' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں الاغلب بن تمیم ہے' مفسرین میں سے اس کو امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ' امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ محمود بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے)۔

ان مفسرین کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۴' رقم الحدیث: ۱۸۴۰۵' الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۶۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۱۰' روح البیان ج ۸ ص ۱۷۹' روح المعانی جز ۲۴ ص ۳۵)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اسناد ضعیفہ سے مروی احادیث کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔

روئے زمین کے خزانوں کی چابیوں کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزانوں کا مالک ہونا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے شہداء احد پر وہ نماز پڑھی جو میت پر نماز پڑھی جاتی ہے' پھر آپ منبر پر واپس آئے' سو آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بے شک میں اللہ کی قسم! ضرور اپنے حوض کی طرف اب دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا فرمایا: مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم مال دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۷۷)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے' امام شافعی اس صریح اور صحیح حدیث کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور زندہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہم کہتے ہیں کہ زندہ کو قبر میں دفن بھی نہیں کیا جاتا اور اس کی میراث بھی تقسیم نہیں کی جاتی۔ جب خلاف قیاس یہ امور جائز ہیں تو اس کی نماز جنازہ کیوں جائز نہیں ہے جب کہ وہ سنت سے ثابت ہے۔

اور اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمین کے خزانوں کے مالک ہیں' جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرما دیں اور اس حدیث کی یہ توجیہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

آپ کا یہ ارشاد اپنے ظاہر پر محمول ہے گویا اس حالت میں آپ پر وہ حوض منکشف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ حوض پیدا کیا جا چکا ہے اور اب بھی حقیقت میں موجود ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے دنیا میں اس حوض کو دیکھ لیا جو آپ کو آخرت میں دیا جائے گا اور آپ نے اس کی خبر دی اور اس میں آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ کو تمام روئے زمین کی چابیاں دے دی گئیں اور آپ کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابومنصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۵ھ لکھتے ہیں: آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے لطف کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں اور یہ دلوں کے آسمانوں میں چھپی ہوئی ہیں اور اس کے قہر کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں اور یہ نفوس کی زمینوں میں رکھی ہوئی ہیں' یعنی اس کے لطف اور اس کے قہر کے خزانوں کی چابیوں کا اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ وہ اپنے لطف کے خزانوں کو جس کے دل پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے جس سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اخلاق حسنہ کے جواہر نکلتے ہیں اور وہ اپنے قہر کے خزانوں کو جس کے نفس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے' پھر اس نفس سے افعال مذمومہ صادر ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک. اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لا چکے ہیں' کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمام قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹' ج ۱۱ ص ۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۲۔ ۲۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۱۶۰' رقم الحدیث: ۱۲۱۰۷' مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۸ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۸' الشریعۃ للآجری ص ۳۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۱۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۳۵۵)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص اپنے اختیار سے کیسے کام کرے گا' وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دلوں کو پلٹتا رہتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے مستغنی نہیں ہیں تو ہم لوگوں کو بہ طریق اولیٰ بہ کثرت یہ دعا کرنی چاہیے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ

آپ کہیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا بہ زور حکم دے رہے ہو O بے شک آپ کی طرف

اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

(توحید کی) وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ

عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت

كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر

جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ

کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ

ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور صور میں پھونکا

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ

جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا

نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O اور زمین اپنے رب

بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ

کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور تمام شہداء کو لایا جائے گا

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر نفس کو اس کے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا بہ زور حکم دے رہے ہو؟O بے شک آپ کی طرف (توحید کی) وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O (الزمر: ۶۶-۶۴)

الزمر: ۶۵ کی توجیہ جس میں فرمایا ہے: اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے

الزمر: ۶۴ میں مشرکین مکہ کو جاہل اس لیے فرمایا ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا بلکہ وہ اقرار بھی کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کی مورتیوں کی عبادت کرتے تھے' جو ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے نہ نفع دے سکتے تھے اور جو شخص عالم اور قادر کو چھوڑ کر جاہل اور عاجز کی عبادت کرے وہ محض جاہل ہی ہو سکتا ہے۔

الزمر: ۶۵ میں فرمایا: ''اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے''۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کے تمام رسول اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک نہیں کریں گے اور ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ ''اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور جملہ شرطیہ کے صدق کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے دونوں جز صادق ہوں' دیکھئے یہ جملہ صادق ہے کہ اگر پانچ کا عدد جفت ہو تو وہ بغیر کسر کے برابر تقسیم ہوگا' حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں اور قرآن مجید میں اس کی یہ مثالیں ہیں:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء: ۲۲)

اگر زمین اور آسمان میں متعدد خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام فاسد ہو جاتا۔

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں' آسمان اور زمین میں متعدد خدا ہیں نہ ان کا نظام فاسد ہوا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ○ (الزخرف: ۸۱)

آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کا عبادت گزار ہوتا

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں' رحمٰن کا بیٹا ہے نہ آپ اس کے عبادت گزار ہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں تعریض ہے' ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے' یعنی اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے تو اگر آپ کی امت کے کسی شخص نے شرک کیا تو اس کے اعمال تو بہ طریق اولیٰ ضائع ہو جائیں گے۔

الزمر: ۶۶ میں فرمایا: ''بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں○''

اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ ان کے بتوں کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کے اس باطل قول کی پرواہ نہ کریں اور آپ اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو توحید پر قائم رہنے کی ہدایت دی ہے اور ہدایت کی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں○ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے' پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے○ (الزمر: ۶۸۔۶۷)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں اللہ کے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے

الزمر: ۶۷ میں فرمایا: ''انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا'' کیونکہ انہوں نے اللہ وحدہٗ کی عبادت کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور انہوں نے اپنے سے بھی گھٹیا اور ادنیٰ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا' قیامت اور بعثت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا' سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی اس کی تعظیم کا حق تھا۔

پھر فرمایا: ''اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کے قبضہ وقدرت میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ علماء یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے' حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' آپ کا ہنسنا اس عالم کی تصدیق کے لیے تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں''۔ (الزمر: ۶۷)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۸۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۵۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی انگلیوں پر اٹھایا ہوا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے ہنسے' کیونکہ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: اولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے' علامہ ابن فورک نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلیوں سے مراد بعض مخلوقات کی انگلیاں ہوں اور بعض احادیث میں رحمان کی انگلیوں کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی قدرت کے تحت ہیں اور اس کی ملکیت ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ انگلی یا اسی طرح کے دوسرے اعضاء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق نہ کیا جائے' ماسوا اس کے کہ ان اعضاء کا ذکر قرآن مجید میں ہو یا کسی حدیث قطعی میں ہو اور اگر ان میں کسی عضو کا ذکر نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر ان اعضاء کے اطلاق کرنے سے توقف کرنا واجب ہے اور انگلیوں کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ سنت قطعیہ میں ہے اور جن آیات اور احادیث میں ید (ہاتھ) کا لفظ ہے اس سے مراد انسان کا عضو نہیں ہے' حتیٰ کہ اس کے ثبوت سے انگلیوں کا ثبوت لازم آئے' صحیح البخاری: ۴۸۱۱ کی یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اکثر اصحاب سے مروی ہے اور اس حدیث میں اس

یہودی عالم کے قول کی تصدیق نہیں ہے اور یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب تم کو جو حدیث بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۶۰ قدیم، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۰، شرح السنۃ ج ۵ ص ۱۹۶) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے یہود کے اس قول کی تصدیق یا تکذیب ہو، البتہ اس حدیث میں آپ کے ہنسنے کا ذکر ہے، جس میں اس قول پر آپ کی رضا کا بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور ان کے اس قول پر تعجب اور انکار کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں انگلیوں کے اثبات پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انگلیوں کو مجاز پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام جو بہت مشکل سمجھا جاتا ہو اور کسی آدمی کے نزدیک وہ بہت آسان ہو تو وہ کہتا ہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کر سکتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یہودی عالم کی تحریف کا ذکر ہے اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس پر تعجب اور انکار کی وجہ سے تھا۔

علامہ تیمی نے کہا کہ علامہ خطابی کی یہ تقریر محض تکلف ہے اور اسلاف کے عقائد اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے، صحابہ کرام اپنی روایت کردہ احادیث کو زیادہ بہتر جانتے تھے اور آپ کا ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا اور سنت صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے، حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، اگر وہ چاہے تو وہ اس دل کو سیدھا رکھے اور اگر وہ چاہے تو اس دل کو ٹیڑھا کر دے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۲، السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۴۳، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۳۱۷، المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۹)

علامہ نووی نے بھی کہا ہے کہ ظاہر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس کی تصدیق کے لیے تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے اس حدیث میں انگلیوں کے ذکر کو مجاز پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جیسے کوئی شخص کسی مشکل کام کے متعلق کہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کر سکتا ہوں، اسی طرح فرمایا کہ تمام آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو اللہ تعالیٰ اپنی ایک انگلی سے روک لیتا ہے۔

(الکشاف ج ۱ ص ۱۴۶۔۱۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جو مٹھی اور دائیں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا ذکر ہے اس سے مراد ہماری طرح اعضاء نہیں ہیں، ہمیں ان الفاظ پر ایمان رکھنا چاہیے اور ان الفاظ سے کیا مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور ان کی تاویلات نہیں کرنی چاہیے، یہی سلف صالحین کا مسلک ہے جو تاویلات سے اعراض کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۵۔۴۷۳ ملخصاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''قیامت کے دن تمام زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اپنی ذات کو جسمانی اعضاء سے منزہ کیا کہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے اور برتر ہے جن کو وہ

اس کا شریک قرار دیتے ہیں اور مٹھی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کا احاطہ کیا ہوا ہے اور سب چیزیں اس کی قدرت میں ہیں۔ کیونکہ جب لوگ کسی چیز پر اپنی ملکیت اور قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: فلاں چیز تو میری مٹھی میں ہے اور میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۲۴۸۔۲۴۷ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مٹھی، دائیں ہاتھ اور انگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ملکیت ہے۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۴۲۔۳۹ ملخصاً، دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم الاعراف: ۵۴ اور الرعد: ۲ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ صحابۂ کرام، فقہاء تابعین، ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ آنکھیں، چہرہ، ہاتھ، پنڈلی اور ایسی دوسری صفات کا جو قرآن اور حدیث میں ذکر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں، وہ جسمانی اعضاء سے پاک اور منزہ ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، ان صفات کی نفی کرنا جائز ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کرنا جائز ہے، امام رازی، حافظ عسقلانی اور حافظ عینی نے اس کی تصریح کی ہے، علامہ خطابی اور علامہ قرطبی وغیرھم نے جو ان صفات کی تاویل کی ہے وہ ہر چند کہ غیر مختار ہے لیکن اس تاویل سے ان کا مقصد ملحدین کے اس اعتراض کو دور کرنا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے۔

صور پھونکنے کی تحقیق

الزمر: ۶۸ میں فرمایا: ''اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر جب دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے''۔

ہم النمل: ۸۷ میں ان امور کی تفسیر کر چکے ہیں: صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی، صور پھونکنے کے متعلق احادیث، کتنی بار صور پھونکا جائے گا؟ تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات، دو بار صور پھونکنے کے دلائل، نفخة الصعق سے کون کون افراد مستثنیٰ ہیں؟ کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟ نفخة الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول۔

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ صور میں صرف دو بار پھونکا جائے گا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

اس کی زیادہ تفصیل النمل: ۸۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کے دن جو امور سب سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے

قیامت کے دن حسب ذیل امور سب سے پہلے واقع ہوں گے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸، مسند احمد ج ۱ص ۲۸۱، المستدرک ج ۲ص ۴۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ص ۹۸، کامل ابن عدی ج ۵ص ۱۸۷۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷۹، جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگا جو اپنے تنگ دست مقروض کو کشادگی تک مہلت دے گا یا اپنے قرض کو اس پر صدقہ کر دے گا اور اس سے کہے گا: تم پر جو میری رقم تھی وہ اللہ کی رضا کے لیے صدقہ

ہے۔الحدیث (المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۱۶۷' رقم الحدیث: ۳۷۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جو سب سے پہلے میرے حوض پر آئیں گے یہ وہ شخص ہوں گے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۷۱۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جس کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جس کو آگ کا حلّہ پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۹۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بندوں کے درمیان جس مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا وہ قتل ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ص ۴۲۶' مسند احمد ج ۱ص ۳۸۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۴۴' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۲۲۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ قتل ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۲' المستدرک ج ۱ص ۲۶۳' مجمع الزوائد ج ۱ص ۲۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۴۰۵' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۲۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے سب سے پہلے اس کی نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' اس سے کہا جائے گا: کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا اور تجھے ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۶۴' المستدرک ج ۴ص ۱۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے عورت سے اس کی نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا' پھر اس کے شوہر کے حقوق کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۰۹۴)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے انبیاء شفاعت کریں گے' پھر شہداء شفاعت کریں گے' پھر موذنین شفاعت کریں گے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۱' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا' پھر ان کی جو قریش میں سے قریب ہیں' پھر جو انصار میں سے قریب ہیں' پھر جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لایا اور اس نے میری اتباع کی' پھر باقی عربوں کی' پھر عجمیوں کی اور میں سب سے پہلے اصحاب فضیلت کی شفاعت کروں گا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۸)

نوٹ: ان میں سے بعض احادیث میں اول سے مراد اضافی اول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور تمام شہداء کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے O (الزمر: ۷۰۔۶۹)

رب کے نور سے کیا مراد ہے نور عقلی یا نور حسی؟

الزمر: ۶۹ میں رب کے نور کا ذکر ہے، نور کی دو قسمیں ہیں: نور عقلی اور نور حسی، نور عقلی وہ ہے جس کا بصیرت اور عقل سے ادراک کیا جاتا ہے، جیسے نور عقل اور نور قرآن اور نور حسی وہ ہے جو روشن اجسام مثلاً چاند اور سورج سے حاصل ہوتا ہے، یہ وہ روشنی ہے جس کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں، نور عقلی یا نور معنوی کا اطلاق قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ (المائدہ: ۱۵)
بے شک اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور آ گیا اور کتاب مبین ○

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر: ۲۲)
کیا پس جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔

اور نور حسی یعنی وہ پھیلی ہوئی روشنی جس کی مدد سے آنکھیں دیکھتی ہیں، اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا . (یونس: ۵)
وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا۔

ضیاء اور ضوء اس روشنی کو کہتے ہیں جو اصلی ہو اور نور عام ہے خواہ وہ روشنی اصلی ہو یا کسی اور سے مستفاد ہو، اس لیے سورج کی روشنی کو ضیاء فرمایا اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ . (الحدید: ۲۸)
اور اللہ تمہارے لیے ایک روشنی پیدا کر دے گا جس کے ذریعہ تم چلو گے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا . (الزمر: ۶۹)
اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی۔

(محصلہ مفردات امام راغب ج ۲ ص ۶۵۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

رب کے نور کی تفسیر میں امام رازی سے اختلاف

بعض ملحدین کہتے ہیں کہ نور روشن جسم کو کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، کیونکہ اس کے نور سے زمین چمکے گی، امام رازی نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہاں نور کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ عدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل سے زمین چمکے گی اور اس سے نور حسی اور نور مشاہد مراد نہیں ہے بلکہ نور معنوی اور نور عقلی مراد ہے۔ جیسے عادل بادشاہ کے لیے کہتے ہیں کہ اس کے عدل سے آسمان چمک اٹھے اور دنیا اس کے عدل سے روشن ہو گئی، جیسے کہتے ہیں کہ تمہارے ظلم سے اندھیرا چھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم قیامت کے دن اندھیروں (کی صورت میں) ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰، مسند احمد ج ۱۰ ص ۳۴۲، رقم الحدیث: ۶۲۱۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ) باقی رہا کہ اس پر کیا قرینہ ہے کہ یہاں نور سے مراد عدل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ عدل فرمائے گا اور اسی سے زمین چمکے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ممکن ہے امام رازی کا یہ جواب صحیح ہو لیکن میرے نزدیک اس نور سے مراد حسی نور ہے کیونکہ زمین کے روشن ہونے اور چمکنے کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں، یہ ادراک عقلی نور کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نور سے زمین چمکے گی کہ اس نور کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اس کی تعظیم کی وجہ سے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

ہرنفس کے مکمل حساب کی وضاحت

زمین کے چمکنے کے بعد اس آیت میں کتاب کا ذکر ہے''اور کتاب رکھ دی جائے گی'' کتاب سے مراد ہوسکتا ہے کہ لوح محفوظ ہو' جس میں قیامت تک کے تمام دنیا کے احوال لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے صحائف اعمال مراد ہوں۔قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ (بنواسرائیل:۱۳)

ہم نے ہر انسان کے مقسوم (یا اعمال) کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال نکال لیں گے جس کو وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پائے گا○

اس کے بعد تمام نبیوں اور شہداء کو لایا جائے گا' انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ہم نے تمہیں دنیا میں اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا پھر تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور شہداء سے مراد ہوسکتا ہے کہ آپ کی امت ہو' کیونکہ قیامت کے دن جب پچھلی امت کے کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تو آپ کی امت یہ شہادت دے گی کہ ان نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شہداء سے مراد کراماً کاتبین ہوں جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں' وہ قیامت کے دن انسان کے اعمال پر گواہ ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ○ (ق:۲۱)

ہر شخص کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہ○

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مؤمنین ہوں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

وہ تمام مقدمات جن کا دنیا میں صحیح فیصلہ نہیں ہوسکا' خواہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو یا بندوں کے حقوق سے' قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

الزمر:۷۰ میں فرمایا:''اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے○''۔

اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ہر نفس کو اس کے بُرے اعمال کی ضرور سزا دی جائے گی' کیونکہ اس آیت سے وہ گناہ گار مسلمان مستثنیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور اللہ تعالیٰ کے معاف فرمانے والی آیات اس عموم کی مخصص ہیں' اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے' وہ ہر مومن کو اس کے نیک اعمال کی اچھی جزاء دے گا اور اس کے بُرے اعمال کو وہ چاہے گا تو معاف فرما دے گا اور چاہے تو ان پر مواخذہ فرمائے گا' ہم اس کے مواخذہ سے اسی کی پناہ میں آتے ہیں اور کفار اور مشرکین کو پکڑے گا اور ان کو دوزخ میں دائمی عذاب دے گا' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا

اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے

فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

کھول دیئے جائیں گے اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے

يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ

تھے جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾

وہ کہیں گے: کیوں نہیں' لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا O

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' تم وہاں ہمیشہ رہو گے' سو تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانا

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ

ہے O اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حتیٰ کہ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ

جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم

عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ

الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ

ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا' ہم جہاں چاہیں جنت میں

حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ

رہتے ہیں پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے

حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ

کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان کے

بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے' جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں' لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا O کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' تم وہاں ہمیشہ رہو گے' سو تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانا ہے O (الزمر: ۷۲-۷۱)

قیامت کے دن کفار کے عذاب کی کیفیت

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ''ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا''۔ (الزمر: ۷۰) اور ان آیتوں میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ کفار کو کس طرح جہنم میں ہانک کر زبردستی بھیجا جائے گا اور مؤمنوں کو کس طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں زمر کا لفظ ہے' یہ زمرۃ کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: لوگوں کی جماعت اور گروہ اور زمر کا معنیٰ ہے: لوگوں کی متعدد جماعتیں اور متعدد گروہ۔

قیامت کے دن کفار کے گروہوں کو زبردستی دھکے دے کر جہنم کی طرف ہانکا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا O (الطور: ۱۳) جس دن ان کو دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جہنم کے دروازے پہلے بند ہوں گے' جب کافروں کے گروہ جہنم پر پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے؟''

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ رسول کے آنے سے پہلے انسان کسی حکم کا مکلّف نہیں ہوتا' ورنہ فرشتے ابتداءً یہ کہتے کہ تم نے اپنے رب کو واحد کیوں نہیں مانا اور اس کی عبادت کیوں نہیں کی اور رسول کے آنے کے بعد ہی انسان مواخذہ کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا' ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O (الزمر: ۷۴-۷۳)

قیامت کے دن مؤمنوں کے ثواب کی کیفیت

الزمر: ۷۳ میں فرمایا ہے: ''اور متقین کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا'' یعنی شہداء' علماء' عاملین اور عابدین اور زاہدین اور ہر وہ مومن جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتا ہو۔

کافروں کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور متقین کو عزت و کرامت کے ساتھ سواریوں پر سوار کرا کے جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

کافروں کے متعلق فرمایا: جب وہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو "فتحت ابوابھا" جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور مؤمنوں کے متعلق فرمایا: جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو "وفتحت ابوابھا" اور جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' کافروں کے لیے جو آیت ذکر کی ہے اس سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں ہے اور مؤمنوں کے لیے جو آیت ذکر کی ہے اس سے پہلے واؤ کا ذکر ہے' علامہ ابوعبداللہ قرطبی اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں:

کوفیوں نے کہا: مؤمنوں کی آیت میں جو واؤ مذکور ہے یہ زائد ہے اور بصریوں نے کہا: یہ کہنا خطاء ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ مؤمنوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ مؤمنوں کی عزت اور کرامت ظاہر ہو اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ○ (ص:۵۰) دائمی جنتیں جن کے دروازے متقین کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے ○

اور کافروں کے حصہ میں واؤ کو حذف کر دیا گیا ہے' کیونکہ وہ دوزخ کے باہر کھڑے ہوں گے اور ان کے پہنچنے کے بعد دوزخ کے دروازے کھولے جائیں گے تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی ظاہر کی جائے۔

النحاس نے کہا کہ کافروں کے قصہ میں واؤ کو حذف کرنا اور مؤمنوں کے قصہ میں واؤ کو ذکر کرنا' اس لیے ہے کہ کافروں کے آنے سے پہلے دوزخ کے دروازے بند تھے اور مؤمنوں کے آنے سے پہلے جنت کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور عرب جب سات چیزوں کے بعد کسی آٹھویں چیز کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر کرتے ہیں اور جب صرف سات چیزوں کا ذکر ہو تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کرتے' اس کی مثال قرآن مجید میں بھی ہے:

"اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" (التوبہ:۱۱۲) یہ سات اوصاف ہیں' ان کے درمیان واؤ نہیں لیکن اس کے بعد جب آٹھواں وصف ذکر کیا تو اس کے بعد واؤ ہے: "والناھون عن المنکر"۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے:

"مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ" یہاں تک سات اوصاف بغیر واؤ کے ذکر فرمائے اور جب آٹھواں وصف آیا تو اس کو واؤ کے ساتھ ذکر فرمایا: "وَّاَبْكَارًا ○" (التحریم:۵)

اور اس کی تیسری مثال یہ ہے:

"وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا" یہاں "فُتِحَتْ" سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ جہنم کے سات دروازے ہیں' پھر فرمایا: "وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا" یہاں "فُتِحَتْ" سے پہلے واؤ کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور سات عدد ذکر کرنے کے بعد واؤ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الزمر:۷۳-۷۱)

لیکن اس پر قفال اور قشیری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہو گیا ہے کہ سات کا عدد ان کے نزدیک عدد کی انتہا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

''هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ'' (الحشر:۲۳) اس آیت میں ''المتکبر'' آٹھواں لفظ ہے اور اس کو واؤ کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۹' الجامع لا حکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۳)

سورۂ حشر کی آیت کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے قواعد اکثری ہوتے ہیں' کلی نہیں ہوتے۔

جہنم کے سات دروازوں کا ذکر اس آیت میں ہے: ''لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ'' دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ (الحجر:۴۴)

اور جنت کے آٹھ دروازوں کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی مکمل وضو کرنے کے بعد یہ پڑھے: ''اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا عبده و رسوله'' اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۷۰۔۱۶۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۸' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۴۷۹)

پھر فرمایا: ''جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O'' جنت کے محافظ ان کو سلام کہیں گے' اس میں ان کے لیے ہر قسم کی آفات سے سلامتی کی بشارت ہے' اس کا معنیٰ ہے: تم خطاؤں کی کدورت سے اور گناہوں کی خباثت سے پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' یعنی جنت میں گناہوں سے پاک لوگ ہی داخل ہوں گے اور اگر مومنوں کے گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کو دخول جنت سے پہلے گناہوں سے پاک کر دے گا' مومنوں کی توبہ سے' نبیوں کی خصوصاً سید الانبیاء کی شفاعت سے اور اپنے فضل محض سے یا کچھ سزا دے کر۔

الزمر: ۷۴ میں فرمایا: ''اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O''

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اس نے ہمیں زمین کا وارث بنا دیا'' اس زمین سے مراد جنت کی زمین ہے اور جنت کی زمین عطا کرنے کو حسب ذیل وجوہ سے وارث بنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱) ابتداءً اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا اور آخرت میں ان کی اولاد میں سے متقین ان کے وارث ہو کر جنت میں جائیں گے۔

(۲) جو شخص جس چیز کا وارث ہو وہ اس میں بلا روک ٹوک تصرف کرتا ہے اور متقین بھی جنت میں بلا روک ٹوک تصرف کریں گے' گویا کہ وہ جنت کے وارث ہیں۔

(۳) جنت میں بہت سی جنتیں وہ ہوں گی جو کافروں کے لیے بنائی گئی تھیں' اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کو وہ جنتیں دے دی جاتیں' جب وہ ایمان نہیں لائے تو مسلمانوں کو ان کی چھوڑی ہوئی جنتوں کا وارث بنا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O (الزمر: ۷۵)

اس سے پہلی آیت میں مومنین کے ثواب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں فرشتوں کے درجات کا ذکر فرمایا ہے' جس

طرح مؤمنین کا اعلیٰ مقام جنت ہے اسی طرح فرشتوں کا اعلیٰ مقام عرش ہے اور فرشتے عرش کے گرد اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا'' امام رازی نے کہا: یہ ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے یعنی فرشتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔
(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۱)

اور دیگر مفسرین نے کہا: اہل جنت اور اہل نار کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا یا انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گواہی کے برحق ہونے کی گواہی دیں گے اور مؤمنین کہیں گے: الحمد لله رب العلمین۔

سورۃ الزمر کا اختتام

آج بہ روز بدھ ۱۹ رجب ۱۴۲۴ھ/۱۷ ستمبر ۲۰۰۳ء بعد نماز عصر سورۃ الزمر کا اختتام ہو گیا' فالحمد للہ رب العلمین۔
اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرا دی ہے قرآن مجید کی بقیہ تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔
اس سورت کی تفسیر کے دوران میری والدہ محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ کا انتقال ہو گیا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی' میرے والد کی' میری اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۴) اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱) اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مؤمنین کی جس دن حساب لیا جائے ○

میری والدہ بہت عابدہ اور زاہدہ تھیں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت مقربہ تھیں' میں ان سطور میں پہلے اپنی والدہ کی وفات کا ذکر کروں گا' پھر قرآن اور حدیث سے ماں کا مقام بیان کروں گا اور آخر میں وہ واقعات ذکر کروں گا جن سے ان کے مقربہ ہونے کا علم ہوتا ہے۔

مصنف کی والدہ کی وفات

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ/۷ اگست ۲۰۰۳ء کو میری امی محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ اس دار الفناء سے کوچ کر کے دار البقاء کی طرف روانہ ہو گئیں' انا للہ وانا الیہ راجعون' وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس تھی اور اب میری عمر ۶۶ برس ہے' گویا ۶۶ برس تک میں ان کی شفیق نگاہوں اور مستجاب دعاؤں کے زیر سایہ رہا۔
وہ عابدہ زاہدہ خاتون تھیں' شب بیدار اور تہجد گزار تھیں' وہ اس آیت کا مصداق تھیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ (البقرہ: ۱۶۵) اور ایمان والے اللہ سے سب سے شدید محبت کرتے ہیں۔

وہ ہر نیک کام اور ہر نعمت خواہ کسی سے ملی ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتی تھیں' وہ نفل نماز پڑھ رہی ہوں یا اوراد اور وظائف پڑھ رہی ہوں' اس دوران کوئی ملنے آ جائے تو وہ اس کی طرف بالکل التفات نہیں کرتی تھیں' ایک دفعہ وہ دن میں نوافل پڑھ رہی تھیں کہ میری خالہ (امی کی بڑی بہن) ان سے ملنے آ گئیں' سلام پھیرنے کے بعد جب وہ دوبارہ نیت باندھنے لگیں تو خالہ بیگم نے ان سے کہا: ابھی تو تم نے نماز پڑھی تھی' پھر نماز پڑھنے لگیں' امی نے بہت ناگواری سے کہا: آپ میری نماز کو نہ ٹوکا کریں' ان کا سب سے زیادہ دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگتا تھا' انہوں نے اپنے بچپن سے قرآن مجید پڑھانا شروع

کیا اور وفات سے چند سال پہلے تک قرآن مجید پڑھاتی رہی' ان گنت لڑکوں اور لڑکیوں کو انہوں نے قرآن مجید پڑھایا' میں نے بھی قرآن مجید ان ہی سے پڑھا تھا اور جب تک ان کے پڑھائے ہوئے قرآن مجید پڑھتے رہیں گے ان کو ثواب پہنچتا رہے گا' وہ خود قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کرتی تھیں' ایک دن میں سترہ سترہ پارے تلاوت کر لیا کرتی تھیں' سورۂ یٰسین' سورۂ رحمان' سورۂ واقعہ' سورۂ ملک اور سورۂ مزمل بہت دل گداز اور دل سوز آواز میں پڑھتی تھیں' قاری غلام رسول صاحب کا ترتیل سے پڑھا ہوا قرآن مجید جو ۵۷ کیسٹ میں تھا' وہ میں نے امی کو لا کر دے دیا تھا' وہ قرآن مجید کو ان کیسٹس میں سنتی بھی تھیں' پھر جب ان کی نظر بہت کمزور ہوگئی اور وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے معذور ہوگئیں تو پھر وہ ان کیسٹس سے قرآن مجید سنتی رہتی تھیں' پھر ایک وقت آیا کہ ان کی سماعت اس قدر کمزور ہوگئی کہ وہ کیسٹس سے بھی نہیں سن سکتی تھیں اور ہر وقت ملول اور افسردہ رہتی تھیں کہ اب میں قرآن مجید پڑھ سکتی ہوں نہ سن سکتی ہوں' میں نے ان کو یہ حدیث سنائی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا اس کے صحیفۂ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو' پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

لیکن قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی لذت سے جو وہ محروم ہوگئیں تھیں' اس کی وجہ سے ان کا غم نہیں جاتا تھا' اس کے بعد وہ ہر وقت تسبیح پڑھتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ رات کو اٹھتی تھیں اور جس قدر ہو سکتا تھا اس قدر نمازیں پڑھتی تھیں' ان کو ۱۹۷۵ء سے شوگر ہوگئی تھی' وہ بہت سخت پرہیز کرتی تھیں' شوگر کی وجہ سے ان کو کوئی خطرناک عارضہ نہیں ہوا' آخری سات سالوں میں ان کی شوگر لو رہتی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کی شوگر کنٹرول کرنے والی دوا بند کرا دی تھی' البتہ عمر کے تقاضے سے اور مقوی خوراک نہ کھا سکنے کی وجہ سے بے حد کمزور' نحیف اور لاغر تھیں۔

قرآن وحدیث سے ماں کا مقام

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) میرا اور والدین کا شکر ادا کرو' میری ہی طرف لوٹنا ہے ۝

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے' لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں! اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸)

حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں' آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ چمٹے رہو' کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے' وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے' پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۴ ص ۲۹۹' رقم الحدیث: ۱۵۵۳۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' اس حدیث کی سند حسن ہے' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث: ۹۲۹۰' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۱۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۳۳' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۳۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۰۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۷۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۹۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔
(جمع الجوامع ج ۴ ص ۱۸۵' رقم الحدیث: ۱۱۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی ماں کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو یہ بوسہ اس کے لیے (دوزخ کی) آگ سے حجاب بن جائے گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۱۸۷' رقم الحدیث: ۷۸۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے فوت شدہ جسم کو بوسہ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

الحمد لله رب العلمین! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے' میں امی سے رخصت ہوتے وقت ہمیشہ ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا تھا کہ یہ میری جنت ہیں اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا تھا اور ان کی وفات کے بعد کئی بار میں نے ان کے ماتھے پر اور ان کے پیروں پر بوسہ دیا' اس وقت وہ کفن میں ملفوف تھیں' ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اشک بار آنکھوں سے ان کے لیے دعا کی اور تدفین کے بعد دعا کی' ان کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء اور طلباء شامل تھے اور ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے جن کی تعداد آٹھ سو کے لگ بھگ تھی اور اس میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے۔

جن احادیث سے امی کی مغفرت متوقع ہے

حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ایسے ہوں جو اللہ سے بالکل شرک نہ کرتے ہوں اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۸۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷ طبع جدید' رقم الحدیث: ۲۵۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۵۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۴۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۵۰۵' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۱۱۳)

میری امی جمعہ کی شب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات فوت ہوئیں اور جمعہ کی شب فوت ہونے میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے یا جمعہ کی شب فوت ہوتا ہے' اللہ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۵۵۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۴۷' رقم الحدیث: ۶۵۸۲' مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۲۰ھ' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۳۷۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۱۳۶۷' کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۰۴۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔(المعجم الصغیر رقم الحدیث:۱۷۲' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۵۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو یا جمعہ کی شب فوت ہو اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کی مہر ہو گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۸۱' رقم الحدیث:۳۶۲۹' تقریب البغیۃ ج ۱ ص ۴۳۳' رقم الحدیث:۱۲۱۶)

جن واقعات سے امی کے مقرب ہونے کا پتا چلتا ہے

اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری امی کا بہت بڑا درجہ تھا' اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا تھا اور ان کی خواہشوں کو بھی پورا فرماتا تھا' کوئی دس سال پہلے کی بات ہے' آدھی رات کو میری اچانک آنکھ کھل گئی اور دل میں سخت بے چینی تھی' لگتا تھا کہ کسی کی یاد آ رہی ہے' میں سوچتا رہا کہ مجھے کس کی یاد آ رہی ہے' کئی نام لیے لیکن دل مطمئن نہیں ہوا' آخر میں سوچا کہ امی کی وجہ سے دل بے چین ہے' میں نے فیصلہ کیا کہ کل میں امی کے پاس جاؤں گا' پھر دل مطمئن ہو گیا اور میں سو گیا' دوسرے روز میں امی کے پاس پہنچا تو امی نے کہا: میں نے رات کو تہجد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ کل نجمی (میرا گھریلو نام) کو میرے پاس بھیج دینا۔

امی کی ایک خواہش تھی کہ ان کو چلتے پھرتے موت آئے' کسی کی محتاج نہ ہوں' سو ایسا ہی ہوا' ان کی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے وقت ان کی بڑی بیٹی بھی موجود ہوں' مجھے رات 12 بجے موبائل پر فون کر کے میری چھوٹی بہن نے بتایا کہ امی کا انتقال ہو گیا' میں بڑی بہن کو فون کرتا رہا لیکن ان کا فون خراب تھا' انہوں نے نیا گھر لیا تھا' وہ میرا دیکھا ہوا نہیں تھا' بڑی مشکل سے رات کو اڑھائی بجے میں نے اپنی خالہ زاد بہن کو فون کر کے ان کا پتا معلوم کیا اور میں اپنے ایک کرم فرما محترم محمد شمیم خان کے ساتھ اللہ پر بھروسا کر کے رات' تین بجے ان کا گھر ڈھونڈنے نکلا' ہم اس علاقہ میں گھر ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک شخص جو دس سال پہلے شمیم صاحب کے ساتھ سعودی عرب میں کام کر چکا تھا وہ ان کی آواز سن کر چونکا اور اس نے شمیم صاحب کو پہچان لیا' وہ اس علاقہ میں رہتا تھا' اس کے تعاون سے ہم نے گھر ڈھونڈ لیا اور اس طرح حیرت انگیز طریقہ سے امی کی یہ خواہش پوری ہوئی اور میں نے بڑی بہن کو امی کے پاس پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں دوسری انہونی یہ ہوئی کہ میں رات کو اپنا موبائل آف کر دیتا تھا' امی کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے میری چھوٹی بہن صبیحہ نے مجھے فون کر کے کہا کہ آپ موبائل آف نہ کیا کریں' پھر میں نے موبائل آف نہیں کیا' اگر اس رات میرا موبائل آف ہوتا تو رات بارہ بجے صبیحہ بہن مجھے مدرسے کے فون پر اطلاع دیتیں اور رات بارہ بجے مدرسہ کے فون کو اٹینڈ کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور شاید پھر میرے بہنوئی امی کی تجہیز و تکفین کرتے اور مجھے یہ سعادت نہ ملتی اور امی کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ ان کی تجہیز و تکفین ان کے بیٹے کریں' وہ بار بار کہتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ میرے بیٹے میری تجہیز و تکفین اور تدفین کریں۔

اس سلسلہ میں تیسری انہونی یہ ہوئی کہ میرے چھوٹے بھائی محمد خلیل' ریاض میں تھے' امی کی خواہش یہ تھی کہ ان کی تدفین میں ہم دونوں شریک ہوں' جمعہ کی شب رات بارہ بجے میرے پاس صبیحہ بہن کا فون آیا تھا کہ امی فوت ہو گئی ہیں' اس کے دس منٹ بعد میرے بھائی محمد خلیل کا فون آیا کہ آپ تدفین مؤخر کر دیں' میں ہر صورت ہفتہ کو کراچی پہنچوں گا' اگلے دن جمعہ تھا' جمعہ کو سعودی عرب میں تمام دفاتر بند ہوتے ہیں اور جب تک ان کے پاسپورٹ پر ایگزٹ ری اینٹری ویزا نہ لگ جائے وہ

سعودی عرب سے نکل نہیں سکتے تھے' بھائی کا پاسپورٹ کمپنی کے آفس میں تھا' اس کے لیے ایک فارم بھرنا پڑتا ہے' وہ فارم بھی آفس میں تھا' آفس جمعہ کی وجہ سے بند تھا' اس فارم پر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر کے دستخط ہونا لازمی تھے' وہ ڈائریکٹر اس وقت جرمنی میں تھا' اس کا موبائل نمبر بھائی کے پاس نہیں تھا' اس کے سیکرٹری کے پاس اس کے موبائل کا نمبر تھا' وہ جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے اردن روانہ ہو چکا تھا نیز اس دن ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی' بہ ظاہر یہ ایسے عوارض تھے کہ بھائی کا ہفتہ کے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا اور ہم تدفین میں زیادہ تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے' لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ دور کر دیتا ہے' بھائی کو معلوم ہوا کہ ڈائریکٹر کے سیکرٹری کی فلائٹ کسی وجہ سے ملتوی ہو گئی ہے' وہ بس سے اردن جا رہا تھا' بھائی نے اس کو موبائل پر فون کیا' اس نے ڈائریکٹر کا فون نمبر لیا' پھر ڈائریکٹر سے بات کی' اس نے غیر معمولی تعاون کیا' بھائی نے متعلقہ یمنی شخص کی مدد سے آفس کھلوایا' اپنا پاسپورٹ نکلوایا اور وہ فارم نکلوا کر عربی میں بھروایا' ادھر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر نے اپنے ایک دوست کے ذمہ لگایا تو وہ جمعہ کی نماز کے بعد بھائی کا پاسپورٹ لے کر پاسپورٹ آفس گیا' پاسپورٹ آفس کھلوا کر اس پر ری اینٹری ایگزٹ ویزا لگوایا اور شام چار بجے بھائی کو پاسپورٹ جس پر ایگزٹ ری اینٹری ویزا لگا ہوا تھا دے دیا' ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی' جدہ سے تھی' بھائی نے جدہ اپنے دوست کو فون کیا' انہوں نے بھائی کا ٹکٹ لیا' بھائی ریاض سے جدہ پہنچے اور جدہ ائر پورٹ پر اپنے دوست سے ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہو گئے اور ہفتہ کو صبح ساڑھے چار بجے کراچی پہنچ گئے اور ساڑھے آٹھ بجے میں نے امی کی نماز جنازہ پڑھائی اور دس بجے ہم تدفین سے فارغ ہو گئے۔

امی کی تعزیت کے لیے کراچی کے جو مشاہیر اور قابل ذکر علماء میرے پاس آئے ان کے اسماء یہ ہیں: قائد ملتِ اسلامیہ سینیٹر علامہ شاہ احمد نورانی' مفتی محمد حسن حقانی' شاہ فرید الحق' مفتی منیب الرحمٰن' مہتمم دار العلوم نعیمیہ' مولانا غلام محمد سیالوی' مولانا غلام دستگیر افغانی' مولانا غلام ربانی' مفتی محمد اطہر نعیمی' مولانا جمیل احمد نعیمی' علامہ خالد محمود سیالوی' مفتی محمد اسماعیل نورانی' مولانا سید ناصر علی قادری' مفتی رفیق حسنی' مفتی منظور احمد فیضی' مفتی ابوبکر صدیق' مفتی فیض رسول' مولانا محمد الیاس رضوی اور کراچی کے دینی مدارس کے دیگر علماء اور فضلاء' صاحب زادہ محمد حبیب الرحمٰن نے بریڈ فورڈ برطانیہ سے اور ثمینہ بہن اور مولانا عبد المجید نے برسٹل برطانیہ سے اور سید محسن اعجاز نے لاہور سے ٹیلی فون کے ذریعہ تعزیت کی' مولانا الیاس قادری بانی دعوتِ اسلامی نے دبئی سے مکتوب بھیجا' مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری' ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی' مولانا محب اللہ نوری نے بصیر پور سے' مولانا غلام نصیر الدین نے لاہور سے' مولانا محمد حفیظ نیازی ایڈیٹر ماہنامہ رضاء مصطفیٰ نے گوجرانوالہ سے' مولانا محمد عارف چشتی نے لندن سے اور دیگر احباب نے تعزیتی مکاتب لکھے' میں ان سب علماء اور احباب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری غم گساری کی' میں اپنے قارئین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میری امی کو ثواب پہنچائیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

اور آخر میں مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی' محترم محمد شمیم خان اور مولانا محمد اعظم نورانی صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جو آدھی رات کو اٹھ کر نماز فجر تک امی کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں میرے ساتھ رہے اور سید معراج بھائی کے لیے دعا کرتا ہوں جنہوں نے تدفین کے مراحل میں میری مدد کی اور خصوصاً شفیق بھائی کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری غم گساری کی۔ قاری عامر حسین' سید محمد علی' مولانا عبد المجید ہزاروی' مولانا وکیل حسین' حافظ اکرام اللہ' حافظ محمد ادریس' حافظ محمد جمشید' حافظ محمد فاروق' بابر نفیس' سید امجد اور سید عمیر کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ

(۴۰)

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

(۴۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

المؤمن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو مشہور نام ہیں: المومن اور الغافر' برصغیر کے مطبوعہ قرآن مجید کے نسخوں میں اس کا نام المؤمن ہے اور عرب ممالک کے مطبوعہ نسخوں میں اور عربی تفاسیر میں اس کا نام الغافر ہے۔ المومن کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ ۖ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَكۡتُمُ اِيۡمَانَهٗۤ اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ يَّقُوۡلَ رَبِّىَ اللّٰهُ. (المومن: ۲۸)

آل فرعون میں سے وہ مرد مومن کہنے لگا جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

اور سورت کا نام الغافر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت یہ ہے:

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ذِى الطَّوۡلِ. (المومن: ۳)

گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ کو قبول فرمانے والا' سخت عذاب والا' قدرت والا۔

ہر چند کہ المومن اور الغافر کے الفاظ دیگر سورتوں میں بھی ہیں' لیکن ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔ اس سورت کا نام المومن اور الغافر رکھنے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اس سورت میں یہ الفاظ آ گئے ہیں۔

المؤمن کے بعد چھ سورتیں ہیں' سب کی ابتداء حٰمٓ (حامیم) سے ہوئی ہے' سو سات سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوئی ہے۔ وہ سورتیں یہ ہیں:

(۱) المومن (۲) حٰمٓ السجدہ (۳) الشوریٰ (۴) الزخرف (۵) الدخان (۶) الجاثیہ (۷) الاحقاف

المومن اور دیگر الحوامیم کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات الحوامیم مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تورات کے بدلہ میں مجھے سات چیزیں عطا فرمائیں اور انجیل کے بدلہ میں ۱۴۱ الرا آت سے الطّواسین تک عطا فرمائیں اور زبور کے بدلہ میں الطّواسین سے الحوامیم تک عطا فرمائیں اور مجھے الحوامیم اور المفصل سے فضیلت دی اور مجھ سے پہلے ان کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اہل کے لیے کوئی گھر ڈھونڈنے کے لیے نکلا' وہ ایک سبزہ زار قطعہ کے پاس سے گزرا' وہ اس کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ وہ سرسبز باغات سے گزرا' اس نے کہا: میں تو پہلی جگہ کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا' یہ تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہے' تو اس سے کہا گیا کہ پہلا قطعہ زمین قرآن مجید کی مثل ہے اور یہ باغات قرآن مجید میں الحوامیم کی مثل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۶۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام عبدالرحمان الجوزی التوفی ۵۹۷ھ نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (الموضوعات ج ۱ ص ۲۴۰)

امام ابوعبید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا مغز الحوامیم ہیں۔ (فضائل القرآن ص ۲۵۴' الاتقان ج ۲ ص ۳۵۸' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحوامیم قرآن کا دیباچہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۵۳' کراچی' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۲۸۳' بیروت' فضائل القرآن ص ۲۵۵' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۸۱' رقم الحدیث: ۶۰۳۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۳۷' شعب الایمان ج ۲ ص ۴۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص صبح اٹھ کر آیۃ الکرسی پڑھے اور ''حٰم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم'' سے دو آیتیں پڑھے' اس دن صبح و شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور اگر اس نے شام کو ان آیتوں کو پڑھا تو شام سے صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۴۸۳' رقم الحدیث: ۲۴۷۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر آیۃ الکرسی اور حٰم سے لے کر ''الیہ المصیر'' (المومن: ۳۔۱) تک پڑھا اس کی صبح سے شام تک حفاظت کی جائے گی اور جس نے ان کو شام میں پڑھا اس کی صبح تک حفاظت کی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۸۹' العقیلی ج ۲ ص ۳۲۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۱۹۸)

المومن کی الزمر سے مناسبت

سورۃ الزمر میں بھی زیادہ تر یوم قیامت کے احوال اور حشر کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت اور مومنوں کی جزاء کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سورت کا بھی یہی موضوع ہے۔

سورۃ الزمر کے آخر میں کفار کی سزا اور متقین کی جزاء کا ذکر ہے اور یہ سورت اس آیت سے شروع ہوتی ہے کہ اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے' تاکہ کافر کو ایمان لانے کی ترغیب ہو اور کفر کو ترک کرنے کی تحریص اور تحریک ہو۔

سورۃ المومن کے مشمولات

سورۃ المومن اور باقی الحوامیم مکی سورتیں ہیں اور ان میں دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید پر زور دیا گیا ہے اور توحید کے منکروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ جو کفار فرشتوں کی شفاعت کی امید پر بت پرستی پر جمے ہوئے تھے' ان کا رد فرمایا ہے۔

قیامت کے دن مشرکوں کا کیا حال ہوگا' وہ اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں گے اور مشرکوں کی شفاعت کوئی نہیں کر سکے گا' گزشتہ اقوام کا تذکرہ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی' پھر ان پر آسمانی عذاب آ کر رہا۔ اس میں قریش کو تنبیہ کی ہے کہ اگر تم نے بھی یہی روش برقرار رکھی تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو یہ بتایا ہے کہ اسلام کی دعوت

کے سلسلہ میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کریں' آپ اپنے موقف پر قائم رہیں' بالآخر کامیابی اور سرفرازی آپ کو ہی حاصل ہوگی' اسی کے ضمن میں خاندان فرعون کے ایک مرد مومن کا ذکر فرمایا' جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہا تو اس نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر واشگاف الفاظ میں کہا: کیا تم اس لیے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' اس میں ان لوگوں کو سرزنش ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے باوجود آپ کا کھل کر اس لیے ساتھ نہیں دے رہے تھے کہ ان کو قریش کی طاقت سے خطرہ تھا' ایسے لوگوں کو آل فرعون کے اس مومن کی جرأت سے سبق حاصل کرنا چاہیے' قریش کا یہ جتھ فرعون سے زیادہ طاقت ور نہ تھا' آخر میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ المؤمن کا ترتیب مصحف کے اعتبار سے نمبر ۴۰ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۰ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ المؤمن کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! اے میرے رب! مجھے اس سورت کی تفسیر میں حقائق اور معارف سے آگاہی بخشنا اور ان کو اس کتاب میں درج کرا دینا اور امور باطلہ کا بطلان مجھ پر منکشف کرنا اور ان کو اس کتاب میں درج کرنے سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرما دینا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد الغر المحجلين' شفيع المذنبين وعلى اله الطيبين واصحابه الراشدين وعلى ازواجه امهات المؤمنين وعلى جميع المسلمين الى يوم الدين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۰ رجب ۱۴۲۴ھ/۱۸ ستمبر ۲۰۰۳ء
خادم الحدیث دار العلوم النعیمیہ' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹_۰۳۰۰
۲۱۲۰۶۱۷_۰۳۴۵
۲۰۲۱۷۴۴_۰۳۲۱

سورة المؤمن مكية ۴۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ركوعاتها ۹

سورۃ المومن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

حٰمٓ ۚ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ

حا میم O اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غلبہ والا بے حد علم والا ہے O گناہوں کو بخشنے والا

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ

اور توبہ قبول فرمانے والا، بہت سخت عذاب دینے والا، صاحب فضل ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے،

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے O اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جھگڑا کرتے ہیں، سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آنا O ان سے پہلے نوح کی قوم نے

وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ

کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں، پس میں نے ان کو اپنی

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ

گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب O اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ

کہ وہ دوزخی ہیں O وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد

حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان

وقف لازم
وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ

رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان

لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝٧

لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے O

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ

اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا

مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں' بے شک تو بہت غالب

الْحَكِيْمُ ۝٨ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ

اور بے حد حکمت والا ہے O اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچا لے گا

ع ٩ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩ۧ

تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے' جو بہت غلبہ والا بے حد علم والا ہے O گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا' بہت سخت عذاب دینے والا' صاحب فضل ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے O (المومن: ۳۔۱)

حٰمٓ کا معنیٰ

حٰمٓ کے معنیٰ میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الٓر' حٰمٓ' ن کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔

حضرت ابن عباس کی دوسری روایت ہے: حٰمٓ سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قتادہ نے کہا: یہ حٰمٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۵۱۔۵۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مہلب بن ابی صفرہ اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تم یہ کہو: "حٰمٓ لا ینصرون" (حٰمٓ اللہ کے دشمنوں کی مدد نہ کی جائے)۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۴۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۴' مسند احمد ج ۴ ص ۶۵' المنتقی رقم الحدیث: ۱۰۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۱۰۷)

حٰـمٓ سے اللہ کی حمایت کی طرف اشارہ ہے‘ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں فرمایا تھا: ”حٰـمٓ لا ینصرون“. اللہ کی حمایت کی وجہ سے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی‘ کیونکہ اللہ مؤمنین کا مولیٰ اور مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے‘ اس لیے مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور حمایت حاصل ہوگی۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ ح اور میم رحمٰن کے درمیانی حرف ہیں اور محمد میں بھی ح اور میم درمیانی حرف ہیں۔ سو حٰمٓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے اسماء کے درمیانی حرف ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ راز ہے جس تک کسی مقرب فرشتہ کی رسائی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ (التاویلات النجمیہ)

العزیز اور العلیم کا معنیٰ

المؤمن: ۲ میں العزیز اور العلیم کے الفاظ ہیں۔

العزیز کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ ہے غالب‘ یعنی ایسا قادر کہ کوئی شخص بھی قدرت میں اس کے مساوی نہ ہو اور دوسرا معنیٰ ہے: جس کی کوئی مثل نہ ہو‘ اس کے بعد دوسری صفت العلیم کو ذکر فرمایا ہے اور یہ عالم کا مبالغہ ہے‘ یعنی بہت بڑا عالم‘ جو تمام معلومات کو محیط ہو‘ اللہ تعالیٰ کے علم کی چھ خصوصیات ہیں: (۱) اس کا علم ذاتی ہے یعنی کسی سے حاصل شدہ نہیں ہے (۲) اس کا علم غنی ہے‘ یعنی کسی آلہ کا یا غور و فکر کا محتاج نہیں ہے (۳) اس کا علم ازلی و ابدی ہے‘ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے (۴) اس کا علم واجب ہے‘ یعنی اس کے علم کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے (۵) اس کا علم دائمی ہے‘ اس میں تبدل و تغیر محال ہے (۶) اس کا علم انتہائی کامل ہے یعنی ہر معلوم کی ذات‘ ذاتیات‘ صفات لازمہ‘ مفارقہ اضافیہ سب کا اسے تفصیلی علم ہے‘ مثلاً ایک ذرہ کو کتنے انسانوں نے دیکھا‘ کتنے پرندوں نے دیکھا‘ کتنے چرندوں نے دیکھا‘ اس پر کتنے ہوا کے جھونکے گزرے‘ کتنے بارش کے قطرے برسے‘ وہ کتنی چیزوں کے سامنے رہا‘ کتنی چیزوں کے پیچھے رہا‘ کتنی چیزوں کے اوپر‘ کتنی چیزوں کے نیچے‘ کتنی چیزوں کے دائیں اور کتنی چیزوں کے بائیں رہا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا بھی غیر متناہی در غیر متناہی وجوہ سے علم ہے اور اس کا علم انسان کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا اور ایک ذرہ کے علم میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے علم کا مماثل نہیں ہے۔

المؤمن: ۳ میں غافر الذنب ‘ قابل التوب ‘ شدید العقاب اور ذی الطول کے الفاظ ہیں۔

غافر الذنب‘ قابل التوب اور شدید العقاب کے معانی

غافر کے معنیٰ ہیں: ساتر‘ یعنی چھپانے والا‘ ہر چند کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہے لیکن یہ صفت مشبہ ہے۔ کیونکہ اسم فاعل کے معنیٰ میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ کے معنیٰ میں ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے اس کی ہر صفت دائمی اور باقی ہے‘ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی خطاؤں اور ان کے گناہوں کو چھپانے والا ہے‘ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اور ذنب کے معنیٰ ہیں: اثم اور جرم‘ ہر وہ فعل جو گرفت اور عذاب کا مستحق ہو‘ اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو چھپانے والا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ‘ بندہ کی توبہ کی وجہ سے ان کو چھپا لے یا مقربین کی شفاعت کی وجہ سے یا اپنے فضل محض سے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپا لے گا تو پھر وہ اپنے بندے کو قیامت کے دن شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔

قابل کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو پکڑنے والا جیسے کوئی شخص کنوئیں سے ڈول کو نکال کر پکڑ لیتا ہے اور اس کا معنیٰ ہے: عذر قبول کرنے والا‘ شریعت میں توبہ کا معنیٰ ہے: گناہ کے کام کو اس کے قبح کی وجہ سے ترک کر دینا اور گناہ کرنے پر نادم ہونا اور اس کام کے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا اور اس گناہ کی بہ قدر امکان تلافی کرنا اور جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں گی تو توبہ مکمل ہو جائے گی اور استغفار کا معنیٰ ہے: معصیت کی برائی سمجھنے کے بعد اس کے فعل پر مغفرت طلب کرنا اور معصیت سے اعراض

کرنا' پس استغفار توبہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

شدید العقاب کا معنیٰ ہے بہت سخت عذاب دینے والا' اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے **غافر الذنب** اور **قابل التوب** ہے اور کفار کے لیے **شدید العقاب** ہے' اور ان کے لیے جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

ذی الطول کا معنیٰ ہے: بہت عظیم فضل والا' بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وجہ سے اس کو معاف فرما دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے غافر الذنب ہے' ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ان کو ان کی توبہ میں اخلاص کی توفیق دیتا ہے' کیونکہ اس کے نیک بندے اس کے لطف کے مظاہر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حضور توبہ نہیں کرتے اور گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے شدید العقاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جھگڑا کرتے ہیں' سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آنا O ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں۔ پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب O اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں O

(المومن: ۶۔۴)

جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور جدال کی اقسام

المومن: ۴ میں فرمایا: ''اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جدال کرتے ہیں''۔

جدل کا لغوی معنی ہے: ''رسی بٹنا اور عرف میں' اس کا معنی ہے: کسی شخص کی رائے کو دلائل الزامیہ سے اپنے موقف کی طرف پھیرنے کی کوشش کرنا' جھگڑا کرنے کو جدال کہتے ہیں۔ یعنی جب مباحثہ سنجیدگی کی حدود سے متجاوز ہو کر جھگڑے میں داخل ہو جائے تو یہ جدال ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور قرآن مجید کی آیتوں میں جدال کرنا کفر ہے۔

قرآن مجید کی آیتوں میں جدال یہ ہے کہ جیسا کہ کفار نے کہا: قرآن مجید میں مکھی اور مکڑی کا ذکر ہے اور یہ بہت چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزیں ہیں اور ان کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور انہوں نے کہا: قرآن میں شجرۃ الزقوم کا ذکر ہے کہ وہ دوزخ میں درخت ہے اور درخت لکڑی کا ہوتا ہے تو لکڑی آگ میں کیسے رہ سکتی ہے اور انہوں نے قرآن مجید کو سحر اور شعر کہا اور قرآن مجید میں اس طرح جدال کرنا کفر ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**جدال فی القران کفر**'' قرآن مجید میں جدال کرنا کفر ہے۔ بخاری اور مسلم کی شرائط کے موافق اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۲ ص ۴۷۶' رقم الحدیث: ۷۵۰۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۸۹۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۷۴)

اس طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

لا تماروا فی القران فان مراء فیہ کفر.

قرآن کریم میں بحث اور جھگڑا نہ کرو' کیونکہ قرآن کریم میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۰ القدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۸۵' رقم الحدیث: ۱۷۵۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۸' المعجم الکبیر ج ۵' رقم الحدیث: ۴۹۱۶' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۰)

اور جو جدال جائز بلکہ بعض اوقات مستحب اور بعض اوقات واجب ہے وہ یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اور باطل کا رد کرنے کے لیے کافروں اور بے دینوں سے جدال کیا جائے قرآن مجید میں ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. (النحل: ۱۲۵) اور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آنا''۔

مشرکین مکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے مکہ سے نکل کر دوسرے شہروں کا سفر کرتے ہیں اور بہت آرام اور اطمینان اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں کسی آفت اور مصیبت کا سامنا نہیں ہوا اس سے اے مخاطب! تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ان سے راضی اور خوش ہوں بلکہ میں نے ان کو مہلت دی ہوئی ہے اور اگر یہ اپنی اسی روش پر قائم رہے تو میں وقت آنے پر ان کو اپنی گرفت میں لے لوں گا۔

المومن: ۵ میں فرمایا: '' ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تا کہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب O''

یعنی پچھلی قوموں کے کافروں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام کے خلاف باطل شبہات پیش کر کے حق کی تکذیب کی تھی سو یہ بھی اس طرح کر رہے ہیں پھر میں نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا پس اگر کفار مکہ بھی اپنی اسی روش پر برقرار رہے اور قرآن مجید میں جدال کرنے پر اصرار کرتے رہے تو میں ان پر بھی ایسا ہی عذاب نازل کروں گا۔

المومن: ۶ میں فرمایا: ''اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں''۔

یعنی جس طرح سابقہ امتوں کے مسلسل انکار اور ان کی ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کے متعلق آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا فیصلہ فرما دیا تھا اسی طرح مشرکین مکہ میں سے جو مسلسل ہٹ دھرمی کر رہے ہیں اور آپ کی طرف رجوع نہیں کر رہے آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے O اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے O اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچا لے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O (المومن: ۹۔۷)

رابط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین مومنوں سے بہت زیادہ عداوت اور دشمنی رکھتے ہیں اور ان کی بد خواہی میں لگے رہتے ہیں اور ان آیتوں میں یہ بتایا کہ ملائکہ مقربین اور حاملین عرش جو بہت افضل مخلوق ہیں وہ مومنوں سے بہت الفت اور محبت رکھتے اور ان کی خیر خواہی میں مشغول رہتے ہیں گویا کہ یہ بتایا کہ اگر یہ مشرکین آپ کے متبعین کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں تو آپ پرواہ نہ کریں کیونکہ افضل اور اعلیٰ مخلوق آپ کے پیرو کاروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش

رہتے ہیں۔

حاملین عرش کی صورت اور ان کی تعداد

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حاملین عرش کے پیر سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش سے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نظریں اوپر نہیں اٹھا رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کی عظمت میں تفکر نہ کرو' لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ملائکہ میں تفکر کرو۔ کیونکہ ملائکہ میں سے ایک مخلوق ہے جس کو اسرافیل کہا جاتا ہے' عرش کے کونوں میں سے ایک کونا اس کی گدی پر ہے اور اس کے دونوں قدم سب سے نچلی زمین پر ہیں اور اس کا سر سات آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بہت حقیر اور چھوٹا ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ حاملین عرش کو سلام کیا کریں اور ایک قول یہ ہے کہ عرش کے گرد ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں' انہوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور وہ بہ آواز بلند لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھ رہے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے صف باندھے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایسی تسبیح کر رہا ہے جو دوسرا نہیں کر رہا۔

(الکشاف ج ۴ ص ۱۵۶۔۱۵۵' تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۶۳' کتاب العظمۃ ص ۷۰' الکشف والبیان للثعلبی ج ۸ ص ۲۶۶)

اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' اس کا ایک راوی یحییٰ بن سعید الحمصی ہے' وہ متروک اور متہم ہے اور اس کا ایک راوی احوص بن حکیم ہے' وہ بھی متروک ہے۔ احادیث مرفوعہ میں اس متن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نوع کی متعدد احادیث ہیں اور سب کی اسانید ضعیف ہیں۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۷۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۱ ص ۳۱۱' مکتبۃ الغزالی' دمشق)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے کہ حاملین عرش کی تعداد آٹھ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۗ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ (الحاقۃ: ۱۷)

آسمانوں کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے ○

اور حدیث میں ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بطحاء میں تھا' وہاں ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے' ناگاہ ایک بادل گزرا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر پوچھا: تم اس کو کیا کہتے ہو؟ مسلمانوں نے کہا: سحاب' آپ نے فرمایا: اور مزن بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں: مزن بھی کہتے ہیں۔ فرمایا: اور عنان بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم عنان بھی کہتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے' آپ نے فرمایا: ان کے درمیان اکہتر' بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے' ان کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے' حتیٰ کہ آپ نے سات آسمان گنوائے' پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے' اس کی اوپر کی سطح اور اس کی گہرائی کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے' پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں (حاملین عرش) جن کے کھروں سے ان کے گھٹنوں تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور ان کی پیٹھوں کے اوپر عرش ہے' اس کی اوپر کی سطح اور

نچلی سطح کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے' پھر عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٧٢٣' سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٣٢٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٩٣' صحیح ابن خزیمہ ج١ص ١٠٢۔١٠١' المستدرک ج٢ص ٥٠١' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث:٥٧٧)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں حاملین عرش کی جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ زمخشری اور ثعلبی وغیرہ کی بیان کردہ تعداد پر راجح ہے۔

اس کے بعد فرمایا:''وہ فرشتے مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے' سوتو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے O''(المومن:٧)

امام رازی کی طرف سے نبیوں کے اوپر فرشتوں کی فضیلت کی ایک دلیل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہوتے ہیں' کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے جب اللہ کے ذکر اور اس کی حمد وثناء سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر وہ مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہوتے ہیں' کیونکہ اگر ان کو اپنے لیے بھی مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ سب سے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کرتے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کی' پھر اپنے والدین کے لیے اور سب مومنوں کے لیے' قرآن میں ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ O (ابراہیم:٤١)

اے ہمارے رب! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی جس دن حساب لیا جائے O

پس فرشتے اگر مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہوتے تو سب سے پہلے اپنے لیے استغفار کرتے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے لیے مغفرت طلب کی تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کے محتاج نہیں ہیں اور انبیاء علیہم السلام مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (محمد:١٩)

اور آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں کے لیے مغفرت طلب کیجئے O

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں تو فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔(تفسیر کبیر ج٩ص ٤٨٩ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام رازی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

امام رازی نے اکثر علماء کے حوالے سے جس نظریہ کا ذکر کیا ہے' یہ معتزلہ کا نظریہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ فرشتے مطلقاً بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہیں' اس کے برعکس اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں' حتیٰ کہ رسل ملائکہ یعنی حضرت جبریل' اسرافیل' عزرائیل اور میکائیل علیہم السلام سے بھی افضل ہیں' امام رازی نے نبیوں پر فرشتوں کی افضیلت کی یہ دلیل قائم کی ہے کہ فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' سو فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میرے نزدیک امام رازی کی یہ دلیل کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' ان سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوا' صغیرہ گناہ کا نہ کبیرہ گناہ کا' سہواً نہ عمداً' صورتاً نہ حقیقتاً' قبل از نبوت نہ بعد از نبوت' رہا انبیاء علیہم السلام کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دینا اور ان کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا' سو یہ امر تعبدی ہے' اس میں عقل اور قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کی تعظیم کرنا اور کعبہ کا طواف کرنا' حالانکہ آپ کعبہ سے افضل ہیں اور جیسے موزوں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرنا' حالانکہ گندگی لگنے کا احتمال تو موزوں کے نچلے حصہ پر ہے اور جیسے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا' حالانکہ چہرے اور ہاتھوں پر خاک اور مٹی ملنا صفائی کی ضد ہے لیکن یہ تمام احکام تعبدی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے سو ہم یہ کام کریں گے خواہ ان کی کوئی وجہ اور حکمت ہماری عقل میں نہ آئے' ہماری بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور باوجود معصوم ہونے کے انہوں نے استغفار کیا' سو اس حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو اجر و ثواب ملے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے اور معصومین کا استغفار کرنا ان کے درجات میں بلندی اور اضافہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔

(۳) فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا' مؤمنوں کے لیے استغفار کیا۔ اپنے لیے فرشتوں کے استغفار نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کو اپنے لیے استغفار کرنے کی احتیاج نہیں ہے اور وہ اپنے لیے استغفار کرنے سے مستغنی ہیں جیسا کہ امام رازی نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور مؤمنوں کے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا تھا' فرشتے کوئی کام اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے نہیں کرتے' وہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں' کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے صرف جنات اور انسانوں کو دیا ہے' اسی لیے ان کو جزاء اور سزا ملے گی' فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے' یہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (النحل: ۵۰)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم: ۶)

دوزخ کے اوپر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ حکم دیتا کہ تم اپنے لیے مغفرت طلب کرو تو وہ ضرور اپنے لیے مغفرت طلب کرتے' لہٰذا فرشتوں کا اپنے لیے مغفرت طلب نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا' سو انبیاء کا اپنے لیے استغفار کرنے اور فرشتوں کا اپنے لیے استغفار نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء اپنی مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں اور فرشتے اپنی مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں لہٰذا فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ان کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء فرشتوں سے افضل ہیں' اللہ تعالیٰ امام رازی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس نظریہ کو دلائل سے رد کر دیتے لیکن شاید ان کی اس طرف توجہ نہیں ہو سکی کیونکہ قسام ازل نے یہ سعادت صرف میرے لیے لکھ دی تھی۔ فالحمد للہ رب العٰلمین

آیا فرشتوں کی شفاعت سے صرف ثواب میں اضافہ ہوتا ہے یا بغیر توبہ کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں؟

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتوں کی شفاعت سے مؤمنوں کے ثواب میں تو اضافہ ہوگا لیکن بغیر توبہ کے فرشتوں کی شفاعت سے ان کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوں گے' فرشتوں نے کہا: ''سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے'' اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کیا اور اس پر توبہ نہیں کی وہ ان کی اس شفاعت میں داخل نہیں ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حاملین عرش مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جو مومن گناہ کبیرہ پر توبہ کیے بغیر مر گیا وہ مؤمنین کے عموم میں داخل ہے اور فرشتوں کی شفاعت اس کو شامل ہے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے'' اس سے مراد ہے جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور اسلام کے راستہ کی اتباع کی ہے اور یہ معنیٰ ان مؤمنوں کو بھی شامل ہے جو بغیر توبہ کے مر گئے اور اس توبہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ سے توبہ کی ہو کیونکہ گناہ کبیرہ سے توبہ کے بعد تو معتزلہ کے نزدیک اس کی مغفرت واجب ہے' اس کے لیے شفاعت کی حاجت نہیں ہے' نیز معتزلہ کہتے ہیں کہ المومن: ۸ میں فرمایا ہے: ''فرشتے کہیں گے: تو ان کو ان دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے'' اور جو مومن گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مر گیا' اس سے تو اللہ تعالیٰ نے دائمی جنتوں کا وعدہ نہیں کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی دائمی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

پس جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ اس کی جزاء پائے گا اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرا کام کیا ہے وہ اس کی سزا پائے گا ۝

پس جو مومن گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بغیر توبہ کے مر گیا اس سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی جزاء پائے گا اور ایمان کی جزاء دائمی جنت ہے اور اس نے جو بُرائی کی ہے وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کی بھی بشارت دی ہے' اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا کو معاف کر دے اور وہ بغیر سزا پائے جنت میں چلا جائے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ نے اس کو معاف نہ کیا تو وہ اپنی بُرائی کی سزا پائے گا اور سزا بھگت کر پھر جنت میں چلا جائے گا اور وہ اپنے ایمان کی وجہ سے ضرور جنت میں جائے گا' یہ اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اغلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دے گا اور وہ بغیر سزا پائے جنت میں چلا جائے گا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مطرف بن عبد اللہ نے کہا: اللہ کے بندوں میں سے مؤمنوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اللہ کی مخلوق میں سے مؤمنوں کا سب سے بڑا بد خواہ شیطان ہے اور یحییٰ بن معاذ رازی نے اپنے اصحاب سے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کیا

لوگوں نے اس آیت کا معنیٰ سمجھ لیا ہے' اس آیت سے زیادہ امید افزاء اور کوئی آیت نہیں ہے' بے شک اگر ایک فرشتہ بھی تمام مؤمنوں کی مغفرت کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کس قدر عام ہوگی جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مل کر مؤمنین کے لیے استغفار کریں گے۔ خلف بن ہشام نے کہا: میں نے یہ آیت سلیم بن عیسیٰ کے سامنے پڑھی: ''ویستغفرون للذین امنوا '' تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے' انہوں نے کہا: اللہ اپنے بندوں پر کس قدر کریم ہے' مؤمنین اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۲۶۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کی دعا کی دو وجہوں سے قبولیت زیادہ متوقع ہے' ایک وجہ یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات مانے اللہ بھی اس کی بات مانتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ. (البقرہ:۱۸۶) جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو وہ بھی تو میری بات مانا کریں۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے ہمارے پس پشت ہمارے لیے دعا کرتے ہیں اور جو غائب کے لیے دعا کی جائے اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کی دعا اس قدر جلد قبول نہیں ہوتی جتنی جلدی ایک غائب کی دعا دوسرے غائب کے لیے قبول ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۱۹۸' الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۳)

حاملین عرش کی دعا کے نکات

حاملین عرش نے مؤمنوں کے لیے جو مغفرت کی دعا کی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں یہ کہا: ''اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے' سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما''۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے' نیز فرشتوں نے اپنی دعا میں کہا: ''تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے اور ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے'' اس سے معلوم ہوا کہ جاہل صوفیاء کا یہ کہنا غلط ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور حصول جنت کی دعا کرنا' کم درجہ کے لوگوں کی دعا ہے' حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے مقربین ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ مؤمنین کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔

فرشتوں نے انسان کی تخلیق سے پہلے انسان کے متعلق یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فساد کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے مؤمنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرائی تاکہ تخلیق آدم پر ان کے اعتراض کا مداوا ہو جائے' فرشتوں نے دعا کے موقع پر ''اللھم'' نہیں کہا' بلکہ ''ربنا'' کہا اور انبیاء علیہم السلام نے بھی زیادہ تر دعا کے مواقع پر ''ربنا'' ہی کہا ہے' کیونکہ ''اللھم'' کا معنیٰ ہے: اے اللہ! اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر ہے اور ''ربنا'' کا معنیٰ ہے: اے ہمارے رب! اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہے' اے ہمیں پالنے والے! ہم اللہ تعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں کہ جس طرح تو نے ہمیں وجود عطا کیا' ہماری پرورش کی' ہمیں ضرر سے محفوظ رکھا اور ہمیں فوائد عطا کیے' ہماری اس دعا کو قبول فرمالے اور ہمیں دائمی ضرر سے بچا لے اور دائمی فوائد عطا فرما دے۔

المومن: ۸ میں فرمایا: ''اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور

ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں کو اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں' بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہےO''

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہر مومن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس کو دائمی جنت میں داخل فرمائے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا'' اور آیت میں حاملین عرش کی یہ دعا بھی ہے کہ مؤمنوں کے نیک آباء' ان کی نیک بیویوں اور ان کی نیک اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما کیونکہ جب انسان کے اقرباء بھی اس کے ساتھ ہوں تو اس کی راحت اور خوشی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس دعا کے آخر میں فرشتوں نے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی کہ ''بے شک تو بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے'' کیونکہ اگر غالب نہ ہو تو جزاء کیسے عطا فرمائے گا اور اگر وہ حکمت والا نہ ہو تو جنت میں درجات کس طرح مقرر فرمائے گا۔

المومن: ۹ میں فرمایا: ''اور تو ان کو گناہوں سے بچا' اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہےO''

یعنی جس کو تو دنیا میں گناہوں کے ارتکاب سے بچالے گا اسی پر تیرا آخرت میں رحم ہوگا' اس لیے بندہ کو ہر وقت یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی کہ وہ ہر جمعہ کی شب چار رکعات نماز پڑھیں' پھر تشہد کے بعد اللہ تعالیٰ کی احسن حمد وثناء کریں اور تمام نبیوں اور خصوصاً آپ پر اچھی طرح درود شریف پڑھیں' پھر تمام اگلے اور پچھلے مؤمنین کے لیے استغفار کریں اور اس کے بعد یہ دعا کریں:

اللھم ارحمنی بترک المعاصی ابداما ابقیتنی۔ اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھ پر اس طرح رحم فرما کہ میں ہمیشہ گناہوں کو ترک کروں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مختصراً' دارالجیل' بیروت' ۱۹۹۸ء' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ

بے شک (قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا

تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھےO وہ کہیں گے: اے

اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ

ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی

خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ

صورت ہے؟O اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ

كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾

کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے' پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۚ وَمَا

وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت

يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں O سو تم اللہ کی عبادت کرو' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي

ہوئے' خواہ کافروں کو بُرا لگے O (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا' عرش کا مالک ہے' وہ اپنے بندوں

الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات

التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ

کے دن سے ڈرائے O جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے' ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہو گی'

شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ

آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد' سب پر غالب ہے O آج ہر شخص

تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا' آج کوئی ظلم نہیں ہو گا' بے شک اللہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ

لینے والا ہے O اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرایئے جب وفورِ دہشت سے دل مونہوں کو آجائیں گے'

كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ

لوگ غم کے گھونٹ بھرے ہوئے خاموش ہوں گے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے O خیانت

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ

کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے O اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ

السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۱ ۷

ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے O وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراض کر لیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ O اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے' پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O (المومن: ۱۲۔۱۰)

قیامت کے دن کفار کے اپنے اوپر غصہ کی وجوہ

اس سے پہلی آیتوں میں مؤمنوں کے مرتبہ اور مقام کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاملین عرش ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان آیتوں میں پھر کفار کے اخروی احوال بیان کیے جا رہے ہیں' کیونکہ ایک ضد کے احوال سے دوسری ضد کے احوال نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

المومن: ۱۰ میں فرمایا: ''قیامت کے دن کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے''۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں جھلتے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر سخت غصہ آئے گا' اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ جب دنیا میں تمہیں اللہ کی توحید پر ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اس کا انکار کرتے تھے تو اللہ تم پر اس سے کہیں زیادہ ناراض ہوتا تھا جتنا آج تمہیں اپنے اوپر غصہ آ رہا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا ثمرہ ہے کہ آج تم دوزخ کی آگ میں جھلس رہے ہو۔

'کفار کو جو آخرت میں اپنے اوپر غصہ آئے گا' مفسرین نے اس کی حسب ذیل توجیہات بیان کی ہیں:

(۱) قیامت کے دن جب وہ جنت اور دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر غصہ آئے گا کہ کیوں انہوں نے دنیا میں اپنی تکذیب اور اپنے کفر پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں آج وہ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔

(۲) کافر سرداروں کے پیروکار اپنے سرداروں پر غصہ کریں گے کہ کیوں انہوں نے ان کو شرک اور بت پرستی پر لگایا جس کی وجہ سے آج انہیں دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور ان سرداروں کو اپنے پیروکاروں پر غصہ آئے گا کہ ان پیروکاروں نے ان

کی مخالفت کیوں نہ کی اور بت پرستی کو کیوں نہ ترک کیا' کیونکہ پیروکاروں کی پیروی کرنے کی وجہ سے آج انہیں دہرا عذاب ہو رہا ہے۔

(۳) جب دوزخ میں ابلیس کافروں سے یہ کہے گا: "میں نے تم پر کفر کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں کیا تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو کفر کرنے کی دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا' لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو' تم اپنے آپ کو ملامت کرو"۔ (ابراہیم:۲۲) اس وقت کافروں کو اپنے اوپر شدید غصہ آئے گا کہ انہوں نے ابلیس کی دعوت کیوں قبول کی اور کیوں اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

کفار سے بلند آواز میں یہ خطاب جہنم کے محافظ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب سے ان کو ندا کی جائے' باقی اس آیت میں یہ فرمایا ہے: "اللہ کو ان پر جو غصہ ہو گا وہ ان کے غصہ سے کہیں زیادہ ہے" غصہ کا معنیٰ ہے: خون کا جوش میں آنا اور یہ اللہ کے لیے محال ہے' اس لیے یہاں اس کا لازمی معنی مراد ہے یعنی ان پر انکار کرنا اور ان کو زجر و توبیخ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔

المومن: ۱۰ کے بعض تراجم

المومن: ۱۰ کا ترجمہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور بہت سے مترجمین کا کیا ہوا ترجمہ غیر واضح ہے' ہم قارئین کی علمی ضیافت کے لیے بعض تراجم نقل کر رہے ہیں اور آخر میں ایک بار پھر اپنا ترجمہ ذکر کریں گے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ منکر ہیں ان کو پکار کر کہیں گے: اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے' جس وقت تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو' پھر تم منکر ہوتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ ضرور تم سے اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم آج اپنی جان سے بیزار ہو جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تو تم کفر کرتے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسے تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔

محدث اعظم ہند کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا پکار دیئے جائیں گے کہ یقیناً اللہ کی بیزاری کہیں زیادہ بڑی ہے تمہاری خود اپنی ذات سے بیزاری سے کہ جب بلائے جاتے تم ایمان کی طرف تو انکار کر دیتے۔

علامہ احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

بے شک (قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہا جائے گا کہ ضرور اللہ کی خفگی بہت بڑی ہے تمہاری اپنی خفگی سے تمہاری جانوں پر جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو

تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے:

(قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے۔

الزمر: ۱۱ میں فرمایا: ''وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟O''

دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفسیر میں متقدمین کے اقوال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو موتیں اور دو حیاتیں دی ہیں' اس کی متعدد تفسیریں ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ اور ضحاک' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ لوگ اپنے آباء کی پشتوں میں (نطفہ کی صورت میں) مردہ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ کیا' پھر ان کو دنیا میں موت دی' پھر قیامت کے دن ان کو حساب کتاب کے لیے زندہ کرے گا۔

اور سدی نے بیان کیا: اس کو دنیا میں موت دی گئی' پھر ان کو قبر میں زندہ کیا گیا اور ان سے سوال کیا گیا اور خطاب کیا گیا' پھر اس کے بعد ان کو قبر میں موت دی جائے گی' پھر ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے لوگوں کو نکال کر ان کو موت دی' پھر ان کی ماؤں کے رحموں میں ان کو زندہ کیا پھر دنیا میں ان کو موت دی' پھر آخرت میں ان کو زندہ کرے گا۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۶۱-۶۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی التوفی ۶۶۸ھ اور دیگر مفسرین نے دو موتوں اور دو حیاتوں کے یہی محمل بیان کیے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۴۶' الجامع لاحکام القرآن ص ۲۶۶-۲۶۵)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی بغیر کسی ترجیح اور بحث کے ان تین اقوال کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۰' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۴۰' روح البیان ج ۸ ص ۲۲۰)

ان اقوال میں قبر میں حیات کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم قبر میں حیات کے ثبوت میں ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

قبر میں حیات کے حصول پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه. الحدیث

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۳-۴۹۹' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲-۳۸۰-۳۷۴-۳۱۰' ج ۱۰ ص ۱۹۴' صحیح ابن خزیمہ ص ۱۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۸-۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۹' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۲۲۱' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰-۴۹)

دوموتوں اور دو حیاتوں پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں جو دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ کفار کا قول ہے' اس لیے یہ دو موتوں اور دو حیاتوں پر دلیل نہیں بن سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا یہ قول غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کو وہیں رد فرما دیتا۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک حیات دنیا میں ہے اور دوسری حیات قبر میں ہوگی اور تیسری حیات آخرت میں ہوگی' اس طرح تین حیاتیں ہوگئیں اور یہ اس آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو حیات ہوگی وہ غیر ظاہر اور غیر محسوس ہوگی' اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ۝ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۵۹۔۵۸)

آیا ہم اب مرنے والے نہیں ہیں ۝ سوا ہماری پہلی موت کے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا ۝

پس سورۃ الصّٰفّٰت میں صرف ایک موت کا ذکر ہے اور سورۃ المؤمن میں دو موتوں کا ذکر ہے اور چونکہ الصّٰفّت میں مؤمنین کے قول کا ذکر ہے اور المؤمن میں کفار کے قول کا ذکر ہے' اس لیے مؤمنین کے قول کو ترجیح دینی چاہیے۔ لہٰذا قیامت سے پہلے صرف ایک موت کا ثبوت ہوگا اور دو موتوں کا ثبوت نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں مؤمنین صرف اس موت کا ذکر کریں گے جو ہر شخص پر الگ الگ طاری کی گئی اور وہ ایک ہی موت ہے اور قیامت میں صور پھونکنے کے بعد جو موت آئے گی وہ اجتماعی موت ہوگی اور ہر شخص کی الگ الگ موت نہیں ہوگی۔

ان جوابات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں پر دوبار موت طاری کرے گا اس سے مراد پہلی موت وہ ہے جو دنیا میں انسان کی روح قبض کیے جانے سے متحقق ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قیامت کے دن صور پھونکنے سے عام لوگوں کی موت واقع ہوگی اور یہ تمام انسان کی اجتماعی موت ہے اور دو حیاتوں سے مراد ایک وہ حیات ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی حیات ہے اور دوسری حیات وہ ہے جب قیامت کے بعد سب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور یہ تمام انسانوں کی اجتماعی حیات ہے۔

المؤمن: ۱۱ کی تفسیر میں امام رازی کا سدی کی تفسیر کو اختیار کرنا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے سدّی کے قول کو ترجیح دی ہے' وہ لکھتے ہیں:

کفار نے اپنے لیے دو موتوں کو ثابت کیا ہے' کیونکہ انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا'' ان دو موتوں میں ایک موت وہ ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ کیا گیا' پس ضروری ہوا کہ ان کی دوسری حیات قبر میں ہو' حتیٰ کہ اس حیات کے بعد جو موت آئے وہ ان کی دوسری موت ہو۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہلی موت سے انسان کی اس حالت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جب انسان نطفہ اور علقہ (جما ہوا خون) ہوتا ہے اور دوسری موت سے اس موت کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان دو موتوں سے یہی دو موتیں مراد ہوں (جیسا کہ حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہما کا قول ہے) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ

تم کیوں کر اللہ کا کفر کرو گے حالانکہ تم مردہ تھے' پس تم کو

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ .(البقرہ:۲۸) زندہ کیا پھر تم کو مارے گا۔

''اور تم مردہ تھے'' اس سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جب وہ نطفہ اور علقہ تھا۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس طرح ہے کہ اماتت (مارنے' موت طاری کرنے) کے دو معنیٰ ہیں: (۱) کسی چیز کو مردہ پیدا کرنا (۲) کسی چیز کو پہلے زندگی دینا پھر اس پر موت طاری کرنا' جیسے کوئی شخص کہے: درزی کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ وہ ابتداءً میرے کپڑے کو بڑا سی کر دے یا وہ پہلے اس کو چھوٹا سیئے پھر اس کو بڑا کر کے سیئے' پس اس طرح کیوں جائز نہیں ہے کہ اس آیت میں بھی یہی مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ کی حالت میں ان کو ابتداءً مردہ پیدا کیا اور یہ مراد نہ ہو کہ پہلے ان کو زندہ کیا' پھر بعد میں ان پر موت طاری کی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''امـاتـت'' کا لفظ ہے' جس کا معنیٰ ہے: مارنا اور موت طاری کرنا اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ موت سے پہلے حیات ہو کیونکہ اگر موت پہلے سے حاصل ہو اور پھر اس پر موت طاری کی جائے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور ''کنتم امواتا'' کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پہلے سے مردہ تھے' یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کی ہے اور جس آیت کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اس میں کفار کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر دوبار موت طاری کی اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ موت طاری کرنا اسی وقت صادق ہوگا جب اس سے پہلے حیات ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۹۵۔۴۹۴ ملخصاً وموضحاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دیگر مفسرین کا حضرت ابن عباس کی طرف منسوب تفسیر کو اختیار کرنا

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابوالبرکات نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ لوگ اپنے آباء کی پشتوں میں (نطفہ کی صورت میں) مردہ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ کیا' پھر ان کو دنیا میں موت دی' پھر ان کو قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے زندہ فرمائے گا

اس پر امام رازی کا یہ اعتراض ہے کہ نطفہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر موت کا معنیٰ تو صادق آتا ہے جیسا کہ ''کنتم امواتا'' میں ہے' لیکن اماتت (مارنا' موت طاری کرنا) کا معنیٰ صادق نہیں آتا' کیونکہ موت طاری کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے زندگی ہو' پس ''امتنا اثنتین'' المومن: ۱۱ میں اس کا معنیٰ ہے: ''دنیا کی زندگی کے بعد موت طاری کی''۔ اس کا جواب علامہ نسفی اور علامہ ابوالحیان اندلسی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ ''کـنـتـم امـواتـا'' اور نطفہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر اماتت (موت طاری کرنے) کا معنیٰ مجازاً صادق آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ سبحان ہے وہ ذات جس نے مچھر کا چھوٹا اور ہاتھی کا بڑا جسم بنایا اور جیسے کنواں کھودنے والے سے کہا جاتا ہے کہ کنویں کا منہ تنگ رکھنا اور اس کی تہ کو کشادہ رکھنا' اس کا یہ معنیٰ نہیں ہوتا کہ پہلے اللہ نے مچھر کا بڑا جسم بنایا پھر اس کو چھوٹا کیا یا ہاتھی کا پہلے چھوٹا جسم بنایا پھر اس کو بڑا کیا' بلکہ ابتداءً مچھر کا چھوٹا اور ہاتھی کا بڑا جسم بنایا۔

''امتـنـا اثـنـتـیـن'' میں (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) موت طاری کرنے کا مجازی معنیٰ مراد ہے' یعنی تو نے ہمیں نطفہ کی صورت میں ابتداءً مردہ پیدا کیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب ایک مخلوق کو چھوٹا اور بڑا دونوں صفات کے ساتھ بنانا جائز ہے تو خالق اور صانع کی مرضی ہے کہ وہ اس کو ابتداءً خواہ چھوٹا بنا دے جیسے مچھر کو چھوٹا بنایا' خواہ ابتداءً بڑا بنا دے جیسے ہاتھی کو بڑا بنایا' اسی طرح کنواں کھودنے والا ابتداءً خواہ کنویں کا منہ تنگ کھودے خواہ فراخ کھودے' پس اسی طرح ''امتنا اثنتین'' (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) میں موت طاری کرنے کا مجازی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی تو نے نطفہ کی حالت میں ہمیں ابتداءً مردہ پید

کیا۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۲۴۵۔۲۴۴' مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۴ ص ۶۸۔۶۷' البحر المحیط ج ۹ ص ۲۴۲۔۲۴۱' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۴۷۔۲۴۶' روح المعانی جز ۲۴ ص ۸۱)

مذکورہ مفسرین کے جواب کا صحیح نہ ہونا

مذکورہ مفسرین کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ''امتنا اثنتین'' کا حقیقی معنی مارنا اور موت طاری کرنا ہے' جس کا تقاضا ہے کہ پہلے زندگی دی جائے پھر اس کو زائل کیا جائے' اس کو بلا وجہ ابتداءً مردہ پیدا کرنے کے مجازی معنیٰ پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم اس آیت کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے موافق کرنا چاہتے ہیں تو میں کہوں گا کہ اللہ کے کلام کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس قول کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت بھی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس کا ذکر ہے' اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۲) ''امتنا اثنتین'' کا معنیٰ ہے تو نے ہم کو دو بار مارا اور دوسری موت کا معنیٰ بالاتفاق ''زندگی دے کر مارنا'' اور ''زوال حیات'' ہے' اب اگر پہلی موت کا معنیٰ ابتداءً مردہ پیدا کرنا ہو تو اس آیت میں بہ یک وقت اماتت کے دو معنوں کا مراد لینا لازم آئے گا'' ابتداءً مردہ پیدا کرنا'' یہ مجازی معنیٰ ہے اور'' حیات کو زائل کرنا'' یہ حقیقی معنیٰ ہے اور ایک لفظ سے دو معنوں کا ارادہ کرنا اور حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۳) اگر یہ تکلف کیا جائے کہ ہم یہاں عموم مجاز مراد لیتے ہیں' یعنی مطلقاً موت خواہ ابتداءً ہو جیسے نطفہ کی صورت میں اور خواہ زوال حیات ہو جیسے دنیا کی موت ہے تو میں کہوں گا کہ جب اس تکلف بعید کے بغیر قرآن مجید کی اس آیت کا معنیٰ درست ہے تو اس بعید تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''تو نے ہم پر دو بار موت طاری کی'' ایک بار دنیا میں زندگی دے کر موت طاری کی اور دوسری بار قبر میں زندہ کیا اور پھر صور قیامت سے موت طاری کی اور یہ اماتت کا حقیقی معنیٰ ہے اور دو بار زندہ کیا' ایک بار دنیا میں زندہ کیا اور دوسری بار قیامت کی موت کے بعد زندہ کیا اور اگر یہ کہا جائے کہ تم قبر کی زندگی بھی مانتے ہو اس طرح تین زندگیاں ہو گئیں اور قرآن مجید میں دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قبر کی زندگی غیر ظاہر' غیر محسوس اور غیر مشاہد ہے' اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس کی طرف منسوب' سدی اور ابن زید کی تفسیر کا صحیح نہ ہونا

میرے نزدیک دو بار مارنے اور دو بار زندہ کرنے کی تفسیر میں مذکورہ تینوں قول درست نہیں ہیں' حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اور قتادہ وغیرہ کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: پہلی بار مارنا نطفہ کی حالت میں موت ہے' حالانکہ مارنے کا معنیٰ حیات کو زائل کرنا ہے' ابتداءً مردہ پیدا کرنا نہیں ہے' جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے اور اس قول کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تین موتیں ہو جائیں گی' ایک موت نطفہ کی حالت میں' دوسری موت دنیا کی زندگی کے بعد طبعی موت اور تیسری موت صور اسرافیل سے قیامت کی موت حالانکہ قرآن مجید میں دو بار موت طاری کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں سدی کے قول کو اختیار کیا ہے' سدی نے کہا: ان کو دنیا میں موت دی گئی' پھر ان کو قبر میں زندہ کیا گیا' پھر اس کے بعد ان کو قبر میں موت دی جائے گی اور پھر ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

سدی کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے دنیا میں زندہ کرنے کا شمار نہیں کیا اور قبر کی زندگی کا شمار کیا ہے' حالانکہ دنیا کی زندگی ظاہر اور مشاہد ہے اور قبر کی زندگی غیر ظاہر اور غیر مشاہد ہے اور اگر ان کے قول میں دنیا کی زندگی کا بھی اعتبار کر لیا جائے تو پھر تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔

ابن زید کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: ان کو زندہ کرنے کا معنی ہے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالنا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لینا' پھر اس کے بعد ان کو مارنا' پھر ان کو دنیا میں زندہ کرنا' پھر ان کو مارنا' پھر قیامت میں ان کو زندہ کرنا اور اس تفسیر کے اعتبار سے ان کو تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور اگر قبر کی حیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر چار مرتبہ زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں صرف دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔

المومن: ۱۱ کی تفسیر میں مصنف کا موقف

اس لیے اس آیت کی صحیح تفسیر نہ وہ ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور جس کو قاضی بیضاوی' علامہ ابو الحیان اور علامہ آلوسی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور نہ اس کی وہ تفسیر صحیح ہے جو سدی نے کی ہے اور جس کو امام رازی نے اختیار کیا ہے اور نہ ابن زید کی تفسیر صحیح ہے' (اس کو کسی نے اختیار نہیں کیا) اس کی صحیح تفسیر صرف یہ ہے کہ دو بار مارنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دے کر مارنا اور صور اسرافیل سے مارنا اور دو بار زندہ کرنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دینا اور قیامت کے بعد زندہ کرنا۔ میں نے عمیق غور وفکر کے بعد اس آیت کا یہی معنیٰ سمجھا ہے' اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے' اللہ اور اس کا رسول اس سے بَری ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین

المومن: ۱۲ میں فرمایا: ''اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے' پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O''

خوارج کی تعریف اور ان کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: ''فیصلہ صرف اللہ کا ہے'' خوارج اس آیت کے ظاہر پر اعتقاد رکھتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ فیصلہ صرف اللہ کا ہے اور اگر کوئی اور فیصلہ کرے تو وہ کافر ہے۔

خوارج کوفہ کے زاہدوں کی ایک جماعت تھی' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے اس وقت نکل گئے جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان دو فیصلہ کرنے والوں کو مقرر کیا گیا' اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ طول پکڑ گئی تو دونوں فریق اس پر متفق ہو گئے کہ خلافت کس کا حق ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا جائے اور دونوں فریق ان کے فیصلہ پر راضی ہوں گے' اس وقت خوارج نے کہا: ''حکم صرف اللہ کا ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ برحق ہے لیکن اس سے جس معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے' خوارج کی تعداد بارہ ہزار تھی' انہوں نے حضرت علی کی خلافت کا انکار کیا اور اپنی مخالفت کا جھنڈا نصب کر دیا اور خون ریزی اور ڈاکے مارنا شروع کر دیئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیں۔ مگر یہ لوگ جنگ کرنے کے سوا کسی بات سے راضی نہیں ہوئے۔ پھر حضرت علی نے نہروان کے علاقہ میں ان سے جنگ کی' نہروان بغداد کے قریب ایک شہر ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور ان میں سے بہت کم زندہ بچے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوارج ایک گم راہ فرقہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو یا مستحب کا تارک ہو وہ بھی کافر ہے' بعض احادیث میں ان کی بدعقیدگی اور گمراہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں ان کی گم راہی میں تصریح ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کچھ تقسیم فرما رہے تھے' آپ کے پاس بنو تمیم کا ایک شخص آیا جس کو ذوالخویصرہ کہتے تھے' اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟ اگر میں نے (بالفرض) عدل نہیں کیا تو پھر میں ناکام اور نامراد ہو جاؤں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر جانے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلہ میں حقیر جانے گا' یہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے' اس تیر کے پھل کو دیکھا جائے گا تو اس میں کوئی چیز نہیں ہوگی' پھر اس کے پٹھے کو دیکھا جائے جو چھڑ میں اس کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے' تو وہاں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کی نضی کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ (نضی تیر میں لگائی جانے والی لکڑی کو کہتے ہیں) اسی طرح اگر اس کے پَر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا' حالانکہ گوبر اور خون سے وہ تیر گزر چکا ہے' یہ لوگ مسلمانوں کے افضل طبقہ کے خلاف بغاوت کریں گے اور شر اور فساد پھیلائیں گے۔

خوارج کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان (خوارج) سے جنگ کی تھی۔ اس وقت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی علامت کے طور پر بیان فرمایا تھا' اس کو تلاش کیا گیا' پھر وہ لایا گیا۔ میں نے اس کو دیکھا تو اس کا پورا حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۸' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج کا ذکر کر کے فرمایا: ان میں ایک ایسا شخص ہے جس کا ہاتھ ناقص ہے یا کٹا ہوا ہے اور اگر تم اس خوشی میں نیک اعمال کو ترک نہ کرو تو میں تمہیں وہ حدیث بیان کروں جس میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے' جو خوارج سے قتال کریں گے' میں نے پوچھا: کیا آپ نے خود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس حدیث کو سنا ہے؟ حضرت علی نے تین بار فرمایا: ہاں! رب کعبہ کی قسم!۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۳۰۴-۳۰۳' مسند احمد ج ۱ ص ۸۳)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں یا اس امت میں سے ایک قوم نکلے گی' وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' ان کی علامت سر (یا مونچھیں) منڈانا ہے' جب تم ان کو دیکھو تو تم ان کو قتل کر دو۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۶-۴۷۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷-۲۲۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۰ ص ۳۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۸ھ' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں' سو تم اللہ کی عبادت کرو' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' خواہ کافروں کو بُرا لگےO (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا' عرش کا مالک ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائےO جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے' ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی' آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی' جو واحد سب پر غالب ہےO (المومن: ۱۶۔۱۳)

آفاق اور انفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار پر وعید کی آیات کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ جو ایسے غالب اور قوی کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اسی وعید کے سزاوار ہیں۔

المومن: ۱۳ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اپنے نفسوں میں اور آفاق میں اپنی توحید کے دلائل اور اپنی قدرت کے شواہد دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے جو تمہارے رزق کا سبب ہے' جس سے تمہارے بدن کے لیے غذا اور قوت فراہم ہوتی ہے' سواے مؤمنو! تم صرف خدائے واحد کی عبادت کرو اور اپنی اطاعت اور عبادت میں کسی اور کی رضا اور خوشنودی کو شامل نہ کرو۔ کیونکہ اخلاص ہی طیب ہے اور اللہ تعالیٰ طیب ہے' وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

المومن: ۱۴ میں فرمایا: ''(وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا' عرش کا مالک ہے''۔

اللہ تعالیٰ خود بلند ہے اور مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے

اس آیت میں ''رفیع الدرجات'' کا لفظ ہے' اس کے معنیٰ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ خود بلند شان والا ہے' اگر اس کا معنیٰ یہ ہو کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے' تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام' اولیاء کرام' علماء عظام' عام لوگوں کو اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند درجات عطا فرمانے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ . (البقرہ: ۲۵۳)

یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض نبیوں کو ہم نے بہت درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

اور علماء کے درجات بلند کرنے کے متعلق فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ . (المجادلہ: ۱۱)

اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور علماء کے درجات بلند فرماتا ہے۔

اور اولیاء اللہ کے درجات بلند کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ میری جلال ذات سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے نور کے ایسے منبر ہوں گے جن کی انبیاء اور شہداء تحسین کریں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۳۸۴' رقم الحدیث: ۲۲۰۶۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (الانعام:۱۶۵) اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کا بعض پر درجہ بڑھایا تا کہ تمہاری ان چیزوں میں آزمائش کرے جو تم کو دی ہیں۔

اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ (الضحیٰ:۴) اور آپ کی بعد والی ساعت ضرور پہلی ساعت سے افضل ہے ○

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (الم نشرح:۴) اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ:۲۵۳) اور بعض نبیوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

اور اگر اس آیت کا معنیٰ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ خود بہت شان اور بہت بلند درجہ والا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات' جمال اور جلال کے اعتبار سے تمام موجودات میں ہر لحاظ سے بلند اور برتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن اور حادث ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں' سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے' وہ ازلی' ابدی اور سرمدی ہے' سب محدود ہیں وہ لامحدود ہے' ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء ہے' اس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے' وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے' اس کا علم ذاتی ہے اور باقی سب کا علم اس کی عطا سے ہے' وہ سب سے زیادہ قادر اور قدیر ہے' باقی سب کی قدرت اس کی عطا کردہ ہے' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں ہے' وہ حی اور قیوم ہے' اس پر غفلت طاری ہوتی ہے نہ اس کو نیند آتی ہے' وہ اپنی ہر صفت میں بے مثل اور بے عدیل ہے' صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور وہی واحد حاجت روا ہے۔

اور فرمایا: ''وہ عرش کا مالک ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے' عرش کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عالم اجسام میں عرش کا سب سے عظیم اور بلند جسم ہے' ہمیں جو چیز بلند معلوم ہوتی ہے' ان میں سب سے بلند چیز عرش عظیم ہے اور وہ بھی اللہ کی مملوک ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے''۔

روح کو وحی سے تعبیر کرنے کی وجوہ

اس آیت میں وحی کے لیے روح کا لفظ ذکر فرمایا کیونکہ جس طرح جسم کی حیات روح سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح علوم اور معارف کی حیات وحی سے حاصل ہوتی ہے' وحی کے ذریعہ انسان کو ایسا دستور عطا کیا گیا جس پر عمل کرنے سے انسان باقی مخلوقات میں معزز اور مشرف ہوا۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو ملاقات کا دن فرمایا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) لوگوں کی روحیں ان کے جسموں سے منفصل اور الگ ہو جائیں گی اور جب قیامت کا دن آئے گا تو روحوں کو دوبارہ ان کے جسموں میں ڈالا جائے گا اور اس دن بچھڑی ہوئی روحوں کی اپنے جسموں سے ملاقات ہوگی۔

(۲) اس دن تمام مخلوق ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اور ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوگی۔

(۳) اس دن فرشتوں کو نازل کیا جائے گا اور فرشتوں کی انسانوں سے ملاقات ہوگی۔

(۴) اس دن ہر انسان کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے اور اس کا صحیفۂ اعمال اس کے ہاتھ میں ہوگا اور ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔

(۵) اس دن انسان اپنے رب سے ملاقات کرے گا جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ ۔ (الکہف:۱۱۰) پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۔ (الاحزاب:۴۴) جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ۔ (البقرہ:۴۶) جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

(۶) یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد سے ملاقات کریں گے۔

(۷) یہ وہ دن ہے جس میں ہر انسان اپنے اعمال کی جزاء یا سزا سے ملاقات کرے گا۔

المومن:۱۶ میں فرمایا: ''جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی''۔

قیامت کے دن لوگوں کی مستور چیزوں کا ظاہر ہونا

اس آیت میں ''بارزون'' کا لفظ ہے' بارزون کا معنیٰ ہے: ظاھرون' قیامت کے دن تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی چیز ان کو چھپا نہیں رہی ہوگی' وہ کسی پہاڑ یا ٹیلے کی اوٹ میں ہوں گے نہ ان کے بدن پر لباس ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تم کو جمع کیا جائے گا تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' آپ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا کہ ان کو ایسا خیال آئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۵۹)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ''بارزون'' اس لیے فرمایا ہو کہ اس دن ان کے تمام اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور تمام ڈھکی چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی' یعنی جب وہ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص نے دنیا میں کیا کام کیے' پھر وہ ان کے اعمال کے حساب سے ان کو جزاء دے گا' اگر انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو ان کو نیک جزاء دے گا اور اگر انہوں نے بُرے اعمال کیے ہوں گے تو ان کو سزا دے گا۔ جیسا کہ ان آیات میں ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ (الطارق:۹) جس دن پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال ہوگی○

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ○ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ○ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ○ (العادیات:۹-۱۱) کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ جب ان کو نکال لیا جائے گا جو قبروں میں ہیں○ اور سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی○ بے شک ان کا رب اس دن ان کے تمام احوال سے باخبر ہوگا○

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کی کیا تخصیص ہے' اللہ تعالیٰ تو آج بھی ان کے تمام احوال سے باخبر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کفار کا یہ خیال تھا کہ جب وہ کسی پردے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو پتا نہیں چلتا کہ وہ

کیا کر رہے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کو بھی یقین واثق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ہر ڈھکی چھپی بات کا علم ہے۔

قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی

اس کے بعد فرمایا: ''آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد' سب پر غالب ہے''۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے:

قیامت کے دن جب سب ہلاک ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ اس وقت کوئی جواب نہیں دے تو خود ہی فرمائے گا' اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے۔

اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ میدان محشر میں جب یہ ندا ہوگی: آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو سب پکار کر کہیں گے: اللہ ہی کی ہے جو واحد سب پر غالب ہے' مؤمنین تو بہت خوشی سے اور کیف و سرور سے کہیں گے: اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے اور کفار حسرت اور ندامت سے کہیں گے کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے۔

اس کی تفسیر میں تیسرا قول یہ ہے کہ بعض فرشتے سوال کریں گے کہ آج کس کی بادشاہی ہے اور دوسرے بعض فرشتے جواب دیں گے: آج اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور تمام زمینوں کو اپنی بائیں مٹھی میں پکڑ لے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' جبارین کہاں ہیں؟ متکبرین کہاں ہیں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۲۴۹۴)

محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیانی وقفہ میں فرمائے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ اور کوئی جواب نہیں دے گا کیونکہ سب مر چکے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک منادی کہے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو اہل جنت جواب دیں گے: اللہ واحد' قہار کی اور ایک قول ہے کہ منادی کے جواب میں اہل محشر یہ کہیں گے کہ اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۶۹ ـ ۲۶۸' الکشاف ج ۴ ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا' آج کوئی ظلم نہیں ہوگا' بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرایئے' جب وفور دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے' لوگ غم کے گھونٹ بھرے ہوئے خاموش ہوں گے' ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے O خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے O اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O

(المومن: ۲۰۔۱۷)

ظلم کی اقسام اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے ظلم کی نفی

المومن: ۱۷ میں قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کی جزاء کا ذکر ہے' جس شخص نے جیسے عمل کیے ہوں گے اس کو اسی حساب سے جزاء دی جائے گی اور اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

محققین نے کہا ہے کہ ظلم کی چار قسمیں ہیں: (۱) ایک شخص ثواب کا مستحق ہو اور اس کو ثواب نہ دیا جائے (۲) ایک شخص کو اس کا حق دیا جائے لیکن اس کو اس کا پورا حق نہ دیا جائے (۳) ایک شخص عذاب کا مستحق نہ ہو اور اس کو عذاب دیا جائے (۴) ایک شخص عذاب کا مستحق ہو لیکن اس کو اس کے جرم سے زیادہ عذاب دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ظلم کی ان اقسام میں سے کسی قسم کا ظلم نہیں کرے گا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان میں کفر پیدا کرتا ہے' پھر اس کو کفر پر عذاب دیتا ہے اور یہ عین ظلم ہے' ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی شخص میں کفر کو پیدا کرتا ہے جو شخص کفر کا ارادہ کرتا ہے' انسان جس فعل کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو اس کے اختیار اور ارادہ کے اعتبار سے جزاء اور سزا ملتی ہے۔

''الازفة'' اور ''کاظمین'' کا معنیٰ

المومن: ۱۸ میں فرمایا: ''اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرایئے' جب وفور دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے''۔

اس آیت میں ''آزفة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: قریب پہنچنے والی' جس کے آنے کا بہت کم وقت رہ گیا ہو' اس سے مراد قیامت ہے' جیسا کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے:

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ (النجم: ۵۸۔۵۷) آنے والی گھڑی قریب آ پہنچی ہے ۝ اللہ کے سوا اس کو اپنے وقت پر کوئی منکشف کرنے والا نہیں ہے ۝

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر: ۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا ۝

اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کا وقت قریب آ گیا' اس وقت یوں لگے گا جیسے خوف کی شدت سے ان کے دل سینے سے باہر نکل آئیں گے اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد موت کا وقت ہے۔ کیونکہ جب کفار موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوف ہو گا اور ان کو یوں لگے گا کہ ان کے دل اچھل کر ان کے حلق میں آ گئے ہیں اور شدت خوف کی وجہ سے وہ بالکل گم سم ہوں گے اور دنیا سے جدائی کے غم کو پی کر خاموش ہوں گے اور اس وقت اپنے رنج اور غم کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پائیں گے' دلوں کا اچھل کر حلق میں آ جانا ایک محاورہ ہے اور اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کسی اچانک افتاد پیش آنے سے انسان پر بہت زیادہ خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ فرط غم سے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا' بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے' یعنی شدت خوف سے واقعہ میں ان کے دل ان کے سینوں سے نکل کر حلق تک پہنچ جائیں گے اور ان کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔

اس آیت میں ''کاظمین'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: غصہ روکنے والے' غصہ پی جانے والے' کظوم کا اصل معنیٰ ہے: سانس روکنا' اس سے مراد ہوتا ہے: خاموش ہونا' کظم النھر کا معنیٰ ہے: نہر کا منہ بند کر دیا' کظم الرجل کا معنیٰ ہے: وہ

آدمی خاموش ہو گیا' اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۵۸ 'ملخصاً وملحضاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مرتکب کبیرہ کی شفاعت پر معتزلہ کے اعتراض کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی ایسا شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا جس کی شفاعت قبول کی جائے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے ظالم ہیں' سو اس آیت کے بہ موجب ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

اس استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں فرمایا ہے: "ولا شفیع یطاع" ظالموں کا ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی سفارش کی اطاعت کی جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی اطاعت کرے۔

(۲) اس آیت کا سیاق کفار اور مشرکین کے متعلق ہے' یعنی کفار اور مشرکین کا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

(۳) اس کے لیے سفارش قبول کی جائے گی جس کی مغفرت ممکن ہو اور مشرکین کی مغفرت ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸) بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو گناہ ہوگا اس کو بخش دے گا۔

اور گناہ کبیرہ شرک سے کم گناہ ہے' اس لیے اس کی مغفرت ممکن ہے' اس لیے اس کی شفاعت کی جائے گی اور شرک کی مغفرت ممکن نہیں ہے اس لیے اس کی شفاعت ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان: ۱۳) بے شک شرک ظلم عظیم ہے ۝

لہٰذا اس آیت میں مشرکین کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے نہ کہ ان مسلمانوں کی جنہوں نے گناہ کبیرہ کر لیا ہے اور ان کو توبہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہو اور جب کہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۷' الشریعۃ للآجری ص ۳۳۸' المستدرک ج ۱ ص ۶۹' ج ۲ ص ۳۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۸۳۱)

المومن: ۱۹ میں فرمایا: "خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے ۝"

آنکھوں کی خیانت اور دل کی چھپی ہوئی باتیں

انسان جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے بھی ہوتا ہے اور باطنی اعضاء سے بھی ہوتا ہے' ظاہری اعضاء سے نافرمانی وہ ہے جو نظر آتی ہے اور باطنی اعضاء سے جو نافرمانی ہوتی ہے وہ سینہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس سے بندوں کی کوئی معصیت اور خیانت چھپی ہوئی نہیں ہے' خواہ وہ آنکھوں سے نظر آنے والی خیانت ہو خواہ سینہ میں چھپی ہوئی خیانت ہو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آنکھوں کی خیانت وہ ہے جو انسان اجنبی عورتوں کی طرف شہوت سے دیکھتا ہے' ہاں اگر اتفاقاً کسی طرف نظر پڑ جائے تو وہ انسان کے لیے معاف ہے لیکن اس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! اگر کسی پر اچانک نظر پڑ جائے؟ آپ نے فرمایا: اپنی نظر ہٹا لو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۶' جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۹۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا' کیونکہ پہلی بار تمہیں معاف ہے اور دوسری بار کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷)

جب انسان کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو دراصل وہ اس کی نظر نہیں ہوتی بلکہ شیطان کی طرف سے چھوڑا ہوا ایک تیر ہوتا ہے' جو اس کے دل میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے اور جب انسان کسی خوب صورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھتا ہے تو شیطان اس کو انسان کی نگاہ میں اجنبی عورت سے سو گنا زیادہ حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی اجنبی عورت کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے تو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ایک شرعی جائز طریقہ ہے کہ وہ اس سے نکاح کر لے لیکن اگر وہ کسی بے ریش لڑکے پر فریفتہ ہو جائے تو سوائے گناہ کے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز راستہ نہیں ہے۔

انسان کے دل میں خواہشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے اور سب کا علم ہے خواہ وہ نیک خواہشیں ہوں یا بری خواہشیں ہوں لیکن اللہ انسان پر اسی وقت گرفت فرماتا ہے جب وہ اپنی کسی ناجائز خواہش کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر لے۔

المومن: ۲۰ میں فرمایا: ''اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O''

اس آیت سے بھی اس طرف رہ نمائی فرمائی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے اور بڑے جرم کا حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور جب مجرم اور گناہ گار کے دل میں یہ حقیقت جاگزین ہو گی تو اس کا خوف بہت زیادہ ہو گا۔ کفار کو اپنے باطل معبودوں اور بتوں پر بھروسا تھا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرما دیا کہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں یہ ان کے کسی کام نہیں آ سکیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ ہی بہت سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی کفار جو اپنے بتوں کی تعریف اور ستائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو سن رہا ہے اور وہ جو اپنے بتوں کے آگے سجدے کر رہے ہیں اور ان کی عبادت کر رہے ہیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے اور قیامت کے دن ان کی بت پرستی کی ان کو سخت سزا دے گا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تاکہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور

الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا

تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے' اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں

فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ

کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ

اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

تھا O اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے، پھر بھی انہوں نے کفر کیا

فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

تو اللہ نے ان پر گرفت کی، بے شک وہ بہت قوت والا سخت عذاب والا ہے O

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا O فرعون

فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾

اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے بہت جھوٹا O

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے

الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ

ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش

الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ

محض گمراہی (پر مبنی) ہے O اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو

مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ

اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے، مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا

أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ

یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا O اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب

بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع ۸

پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تا کہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے' اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا O اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' پھر بھی انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان پر گرفت کی' بے شک وہ بہت قوت والا' سخت عذاب والا ہے O (المومن: ۲۲-۲۱)

کفار مکہ کو دنیا کے عذاب سے ڈرانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا ہے' کیونکہ کفار مکہ' مکہ کی سرزمین سے شام اور یمن کی طرف سفر کرتے رہتے تھے اور وہاں پچھلی کافر قوموں کی تباہی اور بربادی کے آثار تھے' عاد' ثمود اور ان جیسی دوسری قوموں کے' اور قریش ان اطراف سے اور ان راستوں سے گزرتے تھے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو یہ بتایا ہے کہ عقل مند وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے کیونکہ سابقہ کفار ان موجودہ کافروں سے جسمانی طور پر بھی بہت طاقت ور تھے اور ان کے علاقوں میں بھی ان کی شوکت اور سطوت کے بہت آثار اور نشانات تھے' انہوں نے بہت مضبوط اور مستحکم قلعے بنائے تھے اور بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں' ان کے عظیم الشان محلات تھے اور ان کے پاس لشکر جرار تھے اور جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا' حتیٰ کہ یہ موجودہ کفار بھی اپنے سفروں کے درمیان ان کی تباہی اور ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ان کے احوال سے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے کفر اور ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح پچھلے زمانہ کے کافروں کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو ان کو اس عذاب میں کوئی بچانے والا نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کر دی تھی اور اپنی توحید کا پیغام دے کر رسولوں کو ان کے پاس بھیجا تھا' پھر جب انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا O فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے بہت جھوٹا O پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش محض گمراہی (پر مبنی) ہے O (المومن: ۲۵-۲۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا قصہ بیان فرمانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلی قوموں کی عمومی تکذیب کا حال سنا کر تسلی دی تھی اور ان آیتوں میں آپ کو بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال سنا کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کو قوم فرعون کی طرف

بھیجا گیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم نے ان کے متعدد واضح معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا'' نشانیوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو کھول دینا' پھر وہ روانی سے بات کرنے لگے (۲) قوم فرعون یعنی قبطیوں پر طوفان کا آنا (۳) ان پر جوؤں کی کثرت (۴) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۵) ان پر خون کی کثرت (۶) ان پر ٹڈیوں کی کثرت (۷) بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چیر دینا (۸) پتھر پر لاٹھی مارنا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (۹) آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا۔ اس کے بعد سلطان مبین کا ذکر فرمایا' اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے' اس کا الگ ذکر فرمایا' کیونکہ یہ بہت عظیم معجزہ تھا' فرعون اور اس کی قوم اس معجزہ سے بہت خائف تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ میں اس کا بہت مؤثر کردار تھا۔

المومن: ۲۴ میں فرعون' ہامان اور قارون کا ذکر فرمایا۔ فرعون' مصر میں قوم عمالقہ کا فرماں روا تھا' اس نے اپنی حکومت اور بادشاہی کے گھمنڈ میں ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا' ہامان فرعون کا وزیر تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا لیکن اس آیت میں صرف فرعون اور ہامان کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتی ہے۔ قارون کا ذکر فرعون اور ہامان کے بعد فرمایا' کیونکہ قارون اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' یہ ابتداء میں مومن تھا اور بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم تھا اور تورات کا حافظ تھا' پھر مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کا حال متغیر ہو گیا اور یہ سامری کی طرح منافق ہو گیا اور کفر کر کے فرعون اور ہامان کے ساتھ مل گیا اور ان ہی کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

المومن: ۲۵ میں فرمایا: ''پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو''۔

اس آیت میں بنو اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کرنے کا جو ذکر ہے اس سے مراد ان کو دوسری بار قتل کرنے کا حکم دینا ہے' کیونکہ پہلی بار ان کو قتل کرنے کا حکم اس وقت دیا تھا جب نجومیوں نے فرعون کو یہ بتایا تھا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کی وجہ سے فرعون کی حکومت جاتی رہے گی اور اس کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا' پھر جب قبطیوں نے شکایت کی کہ اگر بنی اسرائیل کی نسل ختم ہو گئی تو پھر مشکل کام ان کو کرنے پڑیں گے' تو پھر اس نے یہ حکم موقوف کر دیا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم ہوا اور اس کو یہ پتا چلا کہ کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں تو پھر اس نے غیظ و غضب میں آ کر یہ حکم دیا کہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے' کیونکہ اس کو یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ بیٹے زندہ رہے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور کافروں کی سازش محض گم راہی پر مبنی ہے''۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو کم کرنے اور ان کے دین کو نیچا دکھانے کے لیے جو تدبیریں اور سازشیں کر رہا تھا وہ انجام کار ناکام اور نامراد ہوں گی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور کامرانی حاصل ہو گی اور خود فرعون ہلاک ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر رحمت فرمائے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے' مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا O اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روز

حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں O (المومن: ۲۷۔۲۶)

فرعون کی قوم فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے کیوں باز رکھنا چاہتی تھی؟

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کی قوم اس کو اس اقدام سے روکتی تھی' فرعون کی قوم جو فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکتی تھی اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) فرعون کی قوم میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل میں یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں' وہ مختلف حیلوں اور تدبیروں سے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۲) فرعون کے مصاحبوں نے اس سے کہا: تم (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) قتل نہ کرو' وہ معمولی سے جادوگر ہیں' اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو عوام یہ سمجھیں گے کہ (حضرت) موسیٰ حق پر تھے اور تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے' اس لیے تم نے ان کو قتل کرا دیا اور عوام تم سے بدظن ہو جائیں گے۔

(۳) فرعون کے ارکان دولت نے یہ سوچا کہ ابھی فرعون حضرت موسیٰ کے معاملہ میں الجھا ہوا ہے اور اس کی ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور ہم ملک میں اپنی من مانی کر رہے ہیں' اگر یہ حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اس مہم سے فارغ ہو گیا تو پھر اس کی توجہ ہماری طرف ہو گی اور یہ ہمیں اپنی من مانی نہیں کرنے دے گا' اس لیے وہ فرعون سے کہتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ کو قتل نہ کرو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ کو قتل کرنے سے کوئی منع تو نہیں کرتا تھا لیکن وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر اس نے حضرت موسیٰ سے مقابلہ کر کے ان کو قتل کرنے کا اعلان کیا اور پھر دوران مقابلہ حضرت موسیٰ سے ایسے معجزات صادر ہوئے کہ وہ ان پر غالب نہ آ سکا تو وہ بہت ذلیل اور رسوا ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مقابلہ میں مارا جائے سو وہ خود اپنی موت سے ڈرتا تھا لیکن اس نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے اور اپنا جعلی رعب ڈالنے کے لیے یہ کہا کہ ''مجھے (حضرت) موسیٰ کو قتل کرنے دو'' اور یہ ظاہر کیا کہ اس کی قوم اس کو حضرت موسیٰ کے قتل میں ہاتھ رنگنے سے منع کر رہی ہے' حالانکہ اس کو کوئی منع نہیں کر رہا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون کا یہ قول نقل فرمایا: ''مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ برپا کرے گا''۔

فرعون کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتائے کہ وہ حضرت موسیٰ کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے' اس نے بتایا کہ حضرت موسیٰ سے اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ اس کی قوم کے دین کو فاسد کر دیں گے یا ان کی دنیا کو فاسد کر دیں گے' اس کے زعم میں دین کا فساد یہ تھا کہ اس کے نزدیک صحیح دین وہی تھا جس پر وہ اور اس کی قوم تھی اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی الوہیت کا انکار کرتے تھے اور اس کے عقائد اور نظریات کے مخالف تھے' اس لیے اس کو خطرہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اس کا اور اس کی قوم کا دین فاسد ہو جائے گا اور دنیا کے فساد کا خطرہ یہ تھا کہ اگر تم بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرعون کے خلاف بغاوت کر دی تو ملک میں شورش اور ہنگامہ ہو گا اور امن اور چین جاتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کی قوم کو جو اب اقتدار حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے' بہر حال حضرت موسیٰ کے وجود سے خطرہ ہے' ان کے دین کو یا ان کی دنیا کو اور چونکہ ان کے نزدیک دین کا ضرر دنیا کے ضرر سے زیادہ خطرناک تھا اس لیے فرعون نے پہلے ان کو ان کے دین کے ضرر سے ڈرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے اسرار و رموز

المومن: ۲۷ میں فرمایا: ''اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوںO''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں حسب ذیل نکات ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا معنیٰ یہ ہے کہ دشمن کے شر سے صرف اللہ کی پناہ میں آ کر ہی نجات ملتی ہے سو میں اللہ کی پناہ میں آ رہا ہوں اور جو اللہ کے فضل پر اعتماد کرے اللہ اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر آرزو کو پورا کرتا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پڑھنے سے پہلے ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دین اور اس کے اخلاص کی حفاظت فرماتا ہے اسی طرح جب وہ آفات اور مصائب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر رنج اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں'' گویا کہ بندے کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اور تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھا ہے اور ہر خیر تک پہنچایا ہے اور ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک اور مولیٰ نہیں ہے تو بندہ پر لازم ہے کہ جب بھی اسے کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اللہ کے سوا کسی اور سے اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے نہ کہے اور جب بھی اسے کوئی مہم درپیش ہو تو اللہ کے سوا اور کسی سے مدد طلب نہ کرے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں اور اپنی قوم کا ذکر فرمایا' اس قول میں انہوں نے اپنی قوم کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ہر شر اور ہر مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کریں اور جب حضرت موسیٰ اور ان کی قوم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے اور جب تمام نیک اور پاک روحیں مل کر ایک مطلوب کی دعا کریں گی تو اس دعا میں قبولیت کی تاثیر زیادہ قوی ہوگی اور باجماعت نمازیں ادا کرنے کا بھی یہی سبب ہے اور ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' کا بھی یہی نکتہ ہے۔

(۵) ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ فرعون کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت اور اس کے شر میں مبتلا تھے اس کے باوجود انہوں نے یوں نہیں فرمایا: میں فرعون کے شر سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں' بلکہ فرمایا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں' کیونکہ خصوصیت کے ساتھ فرعون کے شر سے نجات کی دعا کی بہ نسبت عمومی دعا زیادہ مفید تھی کہ میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب کے شر سے اللہ کی پناہ میں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی الوہیت کا دعویٰ دار تھا اور اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اس لیے آپ نے اپنی دعا میں اس گستاخ بارگاہ صمدیت کا ذکر کرنا پسند نہیں فرمایا' بلکہ بالعموم فرمایا: میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب سے تیری پناہ میں ہوں۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں دو شخصوں سے پناہ طلب کی ہے' متکبر سے اور منکر حساب سے' اس لیے کہ جو شخص صرف متکبر ہو اور یوم حساب کا منکر نہ ہو' اس کا تکبر اس کو لوگوں کی ایذاء پر ابھارتا ہے لیکن قیامت اور روزِ حساب کا

خوف اس کو بعض اوقات تکبر کے تقاضے پورے کرنے سے باز رکھتا ہے' لیکن جس شخص کا قیامت اور یوم حساب پر ایمان نہ ہو وہ بالکل بے مہار اور بے لگام ہوتا ہے' اس کو اپنے تکبر کے تقاضے پورا کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ متکبر اور منکر حساب سے پناہ میں رہنے کی دعا کی۔

(۷) فرعون نے جب کہا تھا کہ "مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے" تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کے لیے استہزاءً کہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے متبعین کے لیے پناہ کی دعا کر کے یہ ظاہر فرمایا: تو جس چیز کو بہ طریق استہزاء کہہ رہا ہے وہی تو اصل دین ہے اور صریح حق ہے' میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے تیرے شر کو دور کر دے اور عنقریب تو دیکھ لے گا کہ میرا رب کس طرح تجھ پر قہر فرماتا ہے اور کس طرح مجھ کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔

یہ عالی قدر نکات امام رازی نے بیان فرمائے ہیں' ان نکات کو لکھنے کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عقل ان تمام نکات کا احاطہ کر لے گی وہ یہ سمجھ لے گا کہ دشمنوں کی سازشوں سے اور ان کے شر سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ سے حفاظت اور اس کی پناہ طلب کرے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۰۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ یہ دعا فرماتے تھے:

اللهم انا نجعلک فی نحورهم ونعوذ بک من شرورهم.	اے اللہ! ان کے مقابلہ میں ہم تجھ کو لاتے ہیں اور ان کے شر اور فساد سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۲ ص ۴۹۵۔۴۹۴' مؤسسة الرسالة بیروت' ۱۴۲۰ھ' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۶۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۳' اس حدیث کی سند حسن ہے۔)

دشمن کے خطرہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی سنت ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور ہمیں یہ دعا آپ کی سنت کی نیت سے کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں آپ ہی کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمارے لیے اسی میں فوز و فلاح ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ

فرعون کے متبعین میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا' اس نے کہا: کیا تم ایک مرد

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ

کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے

بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ

نشانیاں لا چکا ہے' اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے

يَكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ

اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ

گا' بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا O اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے

فِى الْاَرْضِ ؗ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ

کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟

قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ

فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ

الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِىْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

دکھا رہا ہوں O اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح

مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ

عذاب آ جائے گا O جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ

لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾

نہیں فرماتا O اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا اور

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور بے شک اس سے پہلے

يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا

تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پس تم ان کی لائی ہوئی نشانیوں

جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ

میں شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی

بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

رسول نہیں بھیجے گا، اور اللہ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے متجاوز

مُّرْتَابُ ۚۖ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

ہو، شک میں مبتلا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک

اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

اور مومنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے،

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O اور فرعون نے کہا:

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ

اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں O جو آسمانوں کے

السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ

راستے ہیں، پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

اسی طرح فرعون کے برے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع ۴ ۱۰ ۹

سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھیO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون کے متبعین میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا' اس نے کہا: کیا تم ایک مرد کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے' اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا' بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا O اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے' کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں O (المومن: ۲۹۔۲۸)

قوم فرعون کے مردِ مومن کا تعارف اور اس کی فضیلت اور اس کے ضمن میں حضرت ابوبکر کی فضیلت

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

المومن: ۲۸ میں جس مرد مومن کا ذکر ہے' سدی نے کہا: وہ فرعون کا عم زاد تھا' لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور وہ اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے مخفی رکھتا تھا کیونکہ اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی اور دوسرے مفسرین نے کہا: بلکہ وہ شخص اسرائیلی تھا' وہ اپنے ایمان کو فرعون اور آل فرعون سے مخفی رکھتا تھا۔ امام ابن جریر نے کہا: ان میں راجح قول سدی کا ہے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۴۷۔۳۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء نے کہا: اس مرد مومن کا نام حزبیل تھا' وہب بن منبہ نے کہا: اس کا نام حزیقال تھا' ابن اسحاق نے کہا: اس کا نام خبرل تھا' ابواسحاق نے کہا: اس کا نام حبیب تھا۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۷۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

یہ شخص ابتداء میں فرعون اور اس کے درباریوں سے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا' بعد میں جب ایمان کی حرارت اس کے خون میں چنگاریوں کی طرح گردش کرنے لگی تو اس نے فرعون کے غیظ و غضب کی پرواہ کیے بغیر برملا اپنے ایمان کا اظہار کر دیا اور جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے تو ان کو منع کیا اور وہ شخص اس حدیث کا مصداق تھا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کسی شخص کو جب حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ اور ان کے خوف کی وجہ سے حق بیان کرنے کو ترک نہ کر دے' سنو! ظالم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۸' رقم الحدیث: ۱۱۱۴۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۱' المستدرک ج ۴ ص ۵۰۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۲۸۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۸)

جس طرح قوم فرعون میں سے ایک مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی' بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حمایت زیادہ قوی تھی' حدیث میں ہے:

عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی سخت اذیت پہنچائی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک دن دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آیا اور وہ اپنی چادر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹنے لگا' اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے' انہوں نے اس کو دھکا دیا اور اس کو آپ سے دور کر دیا اور یہ کہا: کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۹۰۸' عالم الکتب' بیروت)

اس شخص نے کہا: ''اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا''۔

مدعی نبوت کو قتل نہ کرنے پر ایک اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب

اس آیت پر بہر حال یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کا یہ کلام نقل فرمایا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال صرف اسی پر ہوگا یعنی اس کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اس آیت کے بہ موجب اگر کوئی جھوٹا نبی اپنے باطل دین کی تبلیغ کر رہا ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے حالانکہ جھوٹے نبی اور زندیق کو قتل کرنا واجب ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ نہیں مانتے کہ اس کے جھوٹ کا ضرر صرف اسی تک محدود رہے گا کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے گا اور لوگ اس کے باطل دین اور فاسد مذہب کو اپنا لیں گے اور اس سے بہت فتنہ اور فساد ہوگا' اس لیے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو زندیق لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے رہا ہو اس کو قتل کرنا واجب ہے' دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح ہر زندیق اور ہر باطل کو اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ کی اجازت مل جائے گی اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو پھر کفار سے جہاد بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر ان کا کفر جھوٹ ہے تو ان کے اس جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی کو ہوگا' پھر امام رازی نے ان تینوں اشکالوں کا یہ جواب لکھا ہے: اس مرد مومن کے کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ جھوٹے ہیں تو تم کو ان کے شر کو دور کرنے کے لیے ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو تبلیغ کرنے سے روک دو' پھر ان کو قتل کرنے سے باز رہو' پس اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی تک محدود رہے گا اور اگر یہ سچے ہیں تو تم ان سے نفع حاصل کرو' خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ جھوٹے ہیں تو تمہیں ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو ان کے دین کے اظہار سے روک دو اور اس تقریر سے یہ تینوں اعتراض دور ہو جائیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۱۰-۵۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اعتراض مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میرے نزدیک اس تقریر سے یہ اعتراض دور نہیں ہوں گے کیونکہ اصل اور قوی اعتراض یہ ہے کہ جھوٹے نبی اور زندیق کو قتل کرنے کے وجوب پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹے نبی کو صرف تبلیغ سے روک دیا جائے اس کو قتل نہ کیا جائے' اسی طرح کفار اگر اپنے کفر کی تبلیغ نہ کریں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو بھی قتل نہ کیا جائے حالانکہ کفار کے خلاف مطلقاً جہاد کرنا فرض ہے خواہ وہ اپنے کفر کی تبلیغ کریں یا نہ کریں۔

میں نے نہیں دیکھا کہ امام رازی سے پہلے کسی کو یہ اشکال سوجھا ہو اور وہ اس کے جواب کے درپے ہوا ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ اس آیت میں اس مرد مومن نے مطلقاً کسی زندیق' جھوٹے نبی یا کفار اور منافقین کے لیے یہ حکم اور یہ قاعدہ بیان نہیں کیا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے' اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان

کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا اور اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کے متعلق اس قدر آیات کیوں نازل ہوتیں' بلکہ اس مرد مومن نے یہ حکم صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے' کیونکہ اس کا یہ ایمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور آپ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں' لیکن فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے تو اس مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان بچانے کے لیے کہا کہ اگر حضرت موسیٰ بالفرض جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا' ان کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ عذاب تو تم پر آئے گا۔ اس مرد مومن کا یہ کلام قضیہ شخصیہ ہے اور صرف حضرت موسیٰ کے متعلق ہے' جن کے بارے میں اس مرد مومن کا یہ ایمان تھا کہ آپ صادق ہیں اور اس کا یہ کلام قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو شخص بھی دعویٰ نبوت کرے اس کو قتل مت کرو' اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو' اگر وہ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی' کی ہوئی عذاب کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔ پھر اپنے کلام کے آخر میں اس مرد مومن نے کہا: بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے اور اپنی حد سے یعنی عام انسان کی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر دلائل اور معجزات پیش کرنے کی ہدایت کیوں دیتا؟ ان کو ید بیضاء اور عصا کیوں عطا فرماتا؟ ان کی مخالفت کرنے والوں پر جوؤں' مینڈکوں اور خون کیوں نازل فرماتا' اس سے واضح ہو گیا کہ اس مرد مومن کا یہ کلام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا' بالعموم ہر مدعی نبوت کے متعلق نہیں تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کو قتل نہ کرو' جیسا کہ امام رازی قدس سرہٗ نے خیال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ کسی زندیق کو قتل کیا جائے نہ کسی کافر کے خلاف جہاد کیا جائے۔ یہ اعتراض اس وقت لازم آتے جب اس مرد مومن نے عمومی طور پر قاعدہ کلیہ بیان کیا ہوتا۔

اور قرآن مجید میں جس طرح قضایا کلیہ ہیں اسی طرح قضایا شخصیہ بھی ہیں' مثلاً قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ (الاحزاب:۵۱)

(ان ازواج میں سے) جس کو چاہیں آپ اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جن ازواج کو آپ اپنے پاس سے الگ کر چکے ہیں ان میں سے کسی کو بھی آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

جن مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھی ہیں ان پر واجب ہے کہ ان میں عدل سے تقسیم کریں' ایک دن ایک بیوی کے پاس رہیں تو دوسرے دن دوسری بیوی کے پاس رہیں' ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کو اپنے پاس رکھ لیں اور دوسری کو نہ رکھیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے ساتھ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں اور یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے' اب اگر اس آیت سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے پاس رکھے اور جس کو چاہے نہ رکھے تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا' جب اس نے ایک سے چار تک متعدد شادیاں کیں ہیں اور متعدد بیویاں رکھی ہیں تو اس کو انہیں باری باری انصاف سے رکھنا ہوگا' اسی طرح اس مرد مومن کا چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان تھا تو اس نے فرعون اور اس کے درباریوں سے کہا: تم ان کو قتل کیوں کرتے ہو؟ اگر بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ان کے

جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہو گا اور اس مردِ مومن نے ہر مدعی نبوت کے لیے عام حکم نہیں بیان کیا تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو قتل مت کرو' اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال خود اسی پر ہو گا' نیز اس مردِ مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صادق اور ہدایت یافتہ ہونے پر یہ دلیل بھی قائم کی تھی کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ (المومن: ۲۸)
بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔

وہ مردِ مومن اس جملہ سے یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں' اگر وہ اپنی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرتے اور دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہ دیتا اور دلائل و معجزات سے ان کی تائید نہ فرماتا اور اب آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اس مردِ مومن کے کلام میں حکم عام نہیں ہے۔

علامہ نظام الدین قمی نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ نے امام رازی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر چند کہ اس مردِ مومن کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ مدعی نبوت اگر جھوٹا ہو تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے جب کہ علماء اسلام کا اجماع ہے کہ زندیق کو قتل کرنا واجب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے احکام اس قدر واضح نہیں تھے جتنے اب واضح ہیں۔ (غرائب القرآن ج ۲۴ ص ۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس جواب کا مآل یہ ہے کہ اس مردِ مومن کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ جھوٹے نبی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اگر ایسا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ اس مردِ مومن کے اس کلام کو رد فرما دیتا کیونکہ اگر جھوٹے نبی کو قتل نہ کیا جائے تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی' جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مومن کے کلام کی تحسین فرمائی ہے اور آلِ فرعون پر اس کے کلام کے متعدد جملوں کو بہ طور حجت اور نصیحت پیش فرمایا ہے۔ لہٰذا امام رازی کا جواب صحیح تھا نہ علامہ نیشا پوری کا جواب صحیح ہے' صحیح جواب وہی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے لکھا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے بعض حصہ کے پورا نہ ہونے پر اعتراض کا جواب

اس مردِ مومن نے کہا: ''اگر یہ سچے ہوئے تو جس عذاب سے یہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا''۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا تو کاہنوں کی پیش گوئیوں میں ہوتا ہے کہ ان کی پیش گوئی میں سے کچھ نہ کچھ پورا ہو جاتا ہے' سچے نبی کی تو یہ شان ہے کہ وہ جو کچھ کہے وہ پورا کا پورا ہو جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دنیا کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا اور آخرت کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا' سو دنیا میں ان کی پیش گوئی کا ایک حصہ پورا ہوا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور ان کی پیش گوئی کا دوسرا حصہ آخرت میں پورا ہو گا جب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' اس لیے دنیا میں تو بہرحال موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا ایک حصہ ہی پورا ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مومن کے قول کا یہ حصہ نقل فرمایا:

''اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے' کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی راستہ دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں ○'' (المومن: ۲۹)

اس مردمومن کی حضرت موسیٰ کو بچانے کی ایک اور کوشش

یعنی اے میری قوم! آج سرزمین مصر میں تمہارا اقتدار ہے اور اس وقت تمہاری ٹکر کی کوئی قوم نہیں ہے لیکن اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری مدد کو کون آئے گا؟ سنو! تم حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اپنے امن اور چین کو برباد نہ کرو اس مردمومن کے خطاب سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اسرائیلی نہیں تھا قبطی تھا اور فرعون کی قوم سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی نبوت پر ایمان لا چکا تھا' اس نے اپنے اس قول میں ملک اور اقتدار کی نسبت اپنی قوم کی طرف کی' تا کہ اس کی قوم خوش ہو اور عذاب کا محل اور مورد بننے کی اپنی طرف نسبت کی تا کہ ان کے دل مطمئن ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ شخص واقعی ہمارا خیر خواہ ہے اور ان کے لیے اسی نفع کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں جو نفع اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

فرعون نے اس مردمومن کی نصیحت سن کر کہا: میں نے جو موسیٰ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا میرے نزدیک وہی بہتر ہے تا کہ اس فتنہ کا مادہ جڑ سے ختم ہو جائے اور میں نے تم سے جو کہا ہے تمہاری کامیابی اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مردمومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا O جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا O اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O (المومن: ۳۳-۳۰)

مردمومن کا قوم فرعون کو بار بار نصیحت کرنا

المومن: ۳۰ میں فرمایا: ''اور اس مردمومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا O''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مردمومن کے کہے ہوئے کئی فقرے ذکر فرمائے ہیں جو اس نے فرعون سے کہے تھے' یعنی اگر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو تم پر بھی ان پچھلی امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔

المومن: ۳۱ میں فرمایا: ''جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا''۔

اس سے پہلی آیت میں سابقہ امتوں کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کی تفصیل فرمائی ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا''، یعنی اللہ کسی بندہ پر ظلم نہیں فرماتا' جن کو عذاب دیتا ہے وہ اس کا عدل ہے اور جن کو ثواب عطا فرماتا ہے وہ اس کا فضل ہے۔

المومن: ۳۲ میں اس مردمومن کا یہ قول ذکر فرمایا: ''اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O''

التنادی نداء کا باب تفاعل ہے اور اس کا معنیٰ ہے: ایک دوسرے کو ندا کرنا' اور قیامت کے دن اہل جنت اور اہل دوزخ ایک دوسرے کو ندا کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ ۔ اور اصحاب جنت نے اصحاب دوزخ کو ندا کی۔

(الاعراف: ۴۴)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۔ اور اصحاب دوزخ نے اصحاب جنت کو ندا کی۔

(الاعراف: ۵۰)

المومن: ۳۳ میں فرمایا: ''جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے''۔

جس دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' اس سے مراد بھی قیامت کا دن ہے' جس دن وہ ایک دوسرے کو پکاریں گے' پھر دوبارہ ان کو اس دن کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ''تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا'' اور ان کی زبردست گم راہی اور پرلے درجہ کی جہالت پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O''

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کیا ہے تو پھر اس گمراہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب ہم اپنی اس تفسیر میں کئی بار لکھ چکے ہیں' ایک جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے گم راہی کو اختیار کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایسی گستاخیاں کیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے اندر گم راہی کو راسخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے' پس تم ان کی لائی ہوئی نشانیوں میں شک ہی کرتے رہے' حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے متجاوز ہو' شک میں مبتلا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک اور مؤمنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے' اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O (المومن: ۳۵۔۳۴)

حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانہ کے کافروں میں مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے خطاب فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے پاس حضرت یوسف علیہ السلام دلائل اور معجزات لے کر آئے تھے' ان کا اہم معجزہ یہ تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے تھے اور ان کے صدق اور ان کی عصمت پر ایک نوزائیدہ بچے نے شہادت دی تھی' مصر کے بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا گیا تھا' اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جو مصر کا بادشاہ تھا یہ وہی فرعون تھا جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا (مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا) یا یہ فرعون اس کی اولاد میں سے تھا' ابن قتیبہ نے ''کتاب المعارف'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان نو سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا عرصہ ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ''اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے''۔

اس زمانہ میں صرف ایک بوڑھی عورت تھی' جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور وہ ان کی قبر کو پہچانتی تھی' اس کے علاوہ اور کوئی شخص اس زمانہ کا نہ تھا' لہٰذا اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے آباء واجداد کے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (البقرہ: ۹۱)	آپ کہیے: اگر تم واقعی گزشتہ (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے؟ O

اور اس آیت میں ان یہودیوں کے آباء واجداد مراد ہیں کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے

انہوں نے نبیوں کو قتل نہیں کیا تھا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اہل مصر قبطیوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے'' حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان قبطیوں کے باپ دادا کے پاس آئے تھے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اب یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعون تھا یہ وہی ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔

تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی یہ سرشت رہی ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی بھیجا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا' ماسوا ان چند لوگوں کے جن کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہدایت دی' اسی وجہ سے مصر کے اکثر لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ اب ان کے بعد کوئی اللہ کا رسول نہیں آئے گا اور جس طرح یہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے اسی طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی گم راہی میں مبتلا رہنے دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں اور اس کے برحق دین میں اور اس کے نبیوں کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی نبوت میں شک کرتے ہوں۔

جبار اور متکبر کا معنیٰ اور ان کے متعلق احادیث

المومن: ۳۵ میں فرمایا: ''جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک اور مؤمنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے۔ اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O''

اس آیت میں جبار متکبر کے الفاظ ہیں' جبر کے معنیٰ ہیں: نقصان کو پورا کرنا' جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اللہ کی طرف سے کوئی درجہ حاصل ہے حالانکہ وہ اس درجہ کا مستحق نہ ہو اس کو جبار کہتے ہیں' اس اعتبار سے یہ لفظ بہ طور مذمت استعمال کیا جاتا ہے' بادشاہ کو جبار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں پر جبر اور قہر کرتے ہیں اور متکبر اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر جانے اور فرعون کی قوم کے لوگ ایسے ہی تھے' وہ بنو اسرائیل پر قہر اور جبر کرتے تھے ان کو حقیر جانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اللہ ہر جابر متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے'' ان کے دلوں پر مہر لگانے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں جو کجی' گمراہی اور کفر ہے وہ ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتا اور باہر سے ان کے دلوں میں ہدایت' اخلاص اور ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ ان اسباب کا دامن تھام لے جو اس کا سینہ کھولنے کے موجب ہوں اور ان اسباب سے مجتنب رہے جو اس کے دل پر مہر لگانے کے موجب ہوں۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ قلب کی اصلاح پانچ چیزوں سے ہوتی ہے: (۱) کم کھانا (۲) کم سونا (۳) قرآن مجید اور احادیث میں غور وفکر کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنا (۴) رات کے آخر پہر میں اٹھ کر اللہ سے توبہ اور استغفار کرنا (۵) اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرنا اور ان کی رفاقت کو طلب کرنا۔ اس آیت میں جبار اور متکبر کی مذمت فرمائی ہے' احادیث میں بھی ان کی مذمت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بعض لوگوں کو چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا اور لوگ انہیں اپنے قدموں سے روندیں گے' پھر کہا جائے گا: یہ چیونٹیوں کی صورت میں کون لوگ ہیں؟ تو بتایا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں تکبر کرتے تھے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۲۹' امام بزار نے کہا: اس سند کے ساتھ حضرت جابر سے یہی حدیث مروی ہے' اس کی سند میں ایک راوی قاسم ہے'

وہ قوی نہیں ہے اور اہل علم نے اس سے حدیث کو روایت کیا ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا: القاسم بن عبد اللہ العمری متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی صورتوں میں کیا جائے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۰ امام بزار نے کہا: ہم نے اس حدیث کا سماع صرف العقیلی از محمد بن راشد سے کیا ہے اور حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں بعض ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا: تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹۔۱۹۹۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۹)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کسی مومن کے دل میں تکبر ہو اور وہ جنت میں داخل نہ ہو تو پھر اس آیت کا کیا جواب ہوگا جس میں فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا''۔ (الزلزال: ۷) اور اس حدیث کا کیا جواب ہوگا جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' الایمان: ۱۴۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایمان لانے سے ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر کیا اور وہ کفر پر مر گیا وہ جنت میں بالکل داخل نہیں ہوگا' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں داخل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں سے تکبر نکال لے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ — اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہوگا ہم اس کو دور کر دیں گے۔ (الاعراف: ۴۳)

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ تکبر کی سزا بھگت کر تکبر سے صاف ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ تکبر کی سزا یہ ہے کہ تکبر کرنے والے کو جنت میں داخل نہ کیا جائے لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے اور تکبر کی سزا نہ دے۔

اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ تکبر کرنے والا ابتداءً متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ان کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں O جو آسمانوں کے راستے ہیں' پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور اسی طرح فرعون کے بُرے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی O (المومن: ۳۷۔۳۶)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے جو بلند عمارت بنوائی تھی اس کی توجیہ

ہامان فرعون کا وزیر تھا اور وہ قبطیوں میں سے تھا نہ بنی اسرائیل سے۔ فرعون نے اس سے کہا کہ میرے لیے ایک بلند محل بنا دو' فرعون نے کہا کہ میں یہ محل اس لیے بنوا رہا ہوں کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے آیا واقعی فرعون نے ایک بلند عمارت کے بنانے کا قصد کیا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان

تک پہنچ جائے یا نہیں، بعض مفسرین نے اس آیت کی ظاہر کے موافق تفسیر کی ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے روایت کیا ہے: جب وہ بلند قلعہ بنالیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا: میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۱۴ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۲۱)

امام رازی نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے، سو ایسی حرکت تو کوئی فاتر العقل اور مجنون ہی کر سکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۰۔ ۵۹۹ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی دو توجیہیں کی ہیں:

(۱) دراصل فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک بلند رصد گاہ بنائے جس میں وہ آلات رصد سے ستاروں کو دیکھ سکے اور ان ستاروں کے احوال سے زمین میں ہونے والے حوادث پر استدلال کر سکے پھر وہ اس پر غور کر سکے کہ آیا ان ستاروں میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے یا نہیں۔

(۲) وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے فساد کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان کی خبریں دیتے تھے اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی خبریں اسی وقت موصول ہوں گی جب کسی عمارت کے ذریعہ وہ آسمان تک پہنچ سکیں وہ ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ آیا کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے یا نہیں اور جب اس نے ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کر لیا کہ آسمان تک نہیں پہنچا جا سکتا تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب وہ اس بلند عمارت کے ذریعہ آسمان تک نہیں پہنچ سکے تو حضرت موسیٰ بغیر کسی عمارت کے آسمان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور جب وہ آسمانوں تک پہنچ نہیں سکتے تو ان کی دی ہوئی آسمانوں کی خبریں کیسے صحیح ہوں گی اور اس سے اس لعین نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی خبریں دی ہیں وہ جھوٹی ہیں۔

اور یہ اس لعین کی حماقت اور جہالت تھی حضرت موسیٰ نے اس لیے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے حواس کے ذریعہ اللہ کو جانا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے عقلی دلائل پیش کیے تھے اور فرمایا تھا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۔ (الشعراء: ۲۸) وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے

اور بہ کثرت معجزات سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر استدلال فرمایا تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۳۸ ج

اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو، میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا O

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ

اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی

دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ

قیام کی جگہ ہے O جس نے بُرا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں

الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ

داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں

اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ

تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت

وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں

الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي

بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو

الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ

تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں

اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O سو اللہ نے اس کو ان کی

مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ

سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا O صبح اور شام ان کو

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین

اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا

عذاب میں ڈال دو O اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے' پس کمزور لوگ

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

متکبرین سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے' کیا تم ہم سے آگ کا کوئی

نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ

حصہ دور کرنے والے ہو؟ O متکبرین کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں' بے شک اللہ

اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ

بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے O اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے

جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا

رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے O محافظ کہیں گے:

اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ

کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں' محافظ کہیں گے:

ع ۵ ۱۳ ۱۰ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی میں ہوتی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو' میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہ نمائی کروں گا O اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہے O جس نے برا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ

لوگ جنت میں داخل ہوں گے' جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گاO اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہوO تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوںO اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں' اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیںO پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہےO (المومن: ۴۴۔۳۸)

آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو توحید اور دنیا سے بے رغبتی کی نصیحتیں

اس سے پہلی آیتوں میں آل فرعون کے اس مرد مومن کے کلام کے ان حصوں کو نقل فرمایا تھا جن میں اس نے فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی ہے اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے سامنے پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کا ذکر کیا تھا اور اس رکوع کی آیتوں میں ان کی مزید خیر خواہی کی ہے اور مزید نصیحتیں کی ہیں۔

المومن: ۳۸ میں ہے: "اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو' میں تم کو نیکی کے راستہ کی ہدایت دوں گا" اس میں یہ تعریض ہے کہ قوم فرعون گم راہی کے طریقہ پر ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور اس کے ولیوں کے پاس ہوتی ہے اور ولی کی اتباع کرنے سے نبی کی اتباع نصیب ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم فرعون کا وہ مرد مومن اللہ کا ولی تھا اور اس کا مقبول بندہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حصول ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

المومن: ۳۹ میں ہے: "(اس مرد مومن نے کہا:) اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہےO"

متاع اور متعہ کا معنی ہے: فائدہ اٹھانا' یعنی دنیا میں بہت کم فائدہ ہے' کیونکہ یہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور لازوال تو صرف آخرت ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے تھے' آپ اٹھے تو اس چٹائی کے نشان آپ کے پہلو پر ثبت ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم آپ کے لیے ایک بستر بنا دیں' آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے' میں دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سائے کو طلب کرے' پھر اس درخت کے سائے کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ص ۳۹۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۱۰۲' المستدرک ج ۴ص ۳۱۰' دلائل النبوۃ ج ۱ص ۳۳۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۰)

کثیر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! قرآن کے پڑھنے سے غافل نہ ہو' کیونکہ قرآن قلب کو زندہ کرتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور بغاوت سے روکتا ہے اور اے میرے بیٹے! موت کو بہ کثرت یاد کیا کرو' کیونکہ جب تم قرآن کو زیادہ یاد کرو گے تو دنیا سے بے رغبتی کرو گے اور آخرت میں رغبت کرو گے' کیونکہ آخرت دار قرار ہے اور دنیا والوں کے لیے دھوکا ہے۔ (کنز العمال ج ۴ص ۲۹۱' رقم الحدیث: ۴۰۳۲)

بہ قدر جرم سزا دینا

المومن: ۴۰ میں ہے: ''جس نے بُرا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے' جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گاO''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کافر نے صرف ایک گھنٹہ کفر کیا تو اس کو دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا اور اگر مومن نے ایک گھنٹہ کوئی بُرا کام کیا مثلاً ایک گھنٹہ سودی کاروبار کیا تو اس کو دائمی عذاب نہیں ہوگا۔ تو پھر ہر شخص کو اس کے جرم کے برابر سزا تو نہیں ملی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کافر ہی رہے گا اس لیے اس کو دوزخ میں دائمی عذاب دیا جاتا ہے اور مومن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے گا اس لیے اس کو جنت میں دائماً اجر و ثواب دیا جاتا ہے اور اگر وہ کبھی کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو اس کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ وہ تاحیات یہ بُرا کام کرتا رہے گا بلکہ اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ عنقریب توبہ کرے گا اور بُرے کام کو ترک کر دے گا اور اگر اس کی یہ نیت بھی ہو کہ وہ ہمیشہ کسی بُرے کام کو کرتا رہے گا پھر بھی چونکہ اس کو اس کے ایمان کی دائمی جزاء دی جاتی ہے اس لیے اس کو کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب اس نے موت سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ نہ کی ہو اور نہ اس کو کسی کی شفاعت ملی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کی ابتداءً مغفرت ہوئی ہو اور اگر ان مراحل میں سے کوئی ایک مرحلہ بھی اس کو حاصل ہو گیا تو وہ ابتداءً بغیر کسی سزا کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اعمال کے ایمان سے خارج ہونے کی دلیل

اس کے بعد اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے''۔

آیت کے اس حصہ میں ایمان کو نیک اعمال کے لیے شرط قرار دیا ہے اور نیک اعمال کو مشروط قرار دیا ہے اور مشروط' شرط سے بالاتفاق خارج ہوتا ہے' جیسے نماز مشروط ہے اور وضو اس کے لیے شرط ہے اور نماز وضو سے خارج ہے' اسی طرح نیک اعمال بھی ایمان سے خارج ہیں اور یہ احناف کثرھم اللہ کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں' اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

جنت کی نعمتیں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس کے بعد فرمایا: ''یہ نیک اعمال کرنے والے مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو بغیر حساب کے جنت میں رزق دیا جائے گا'' جنت میں بے حساب رزق اور جنت کی نعمتوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے' سعید نے کہا: کیا جنت میں بازار بھی ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جنت میں جب جنتی داخل ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کے اعتبار سے فضیلت دی جائے گی' پھر جتنے عرصہ میں دنیا میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر کیا جائے گا اور وہ عرش جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ظاہر کیا جائے گا' پھر ان کے لیے اس میں کچھ نور کے منبر رکھے جائیں گے اور کچھ موتیوں کے منبر ہوں گے اور کچھ یاقوت کے منبر ہوں گے اور کچھ زمرد کے منبر ہوں گے اور کچھ سونے کے منبر ہوں گے اور کچھ چاندی کے منبر ہوں گے' ان میں

سے ادنیٰ درجہ کے جنتی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے حالانکہ ان میں کوئی ادنیٰ درجہ کا نہیں ہوگا اور وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں' حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیا تمہیں سورج کو دیکھنے سے یا چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسی طرح تم کو اپنے رب کے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' اس مجلس کے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بلاحجاب گفتگو فرمائے گا' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے فلاں بن فلاں! کیا تجھ کو فلاں دن یاد ہے جب تو نے فلاں فلاں بات کہی تھی' پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بعض گناہ یاد دلائے گا' وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا تھا؟ اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں' تم میرے بخشنے ہی کی وجہ سے تو اپنے اس درجہ تک پہنچے ہو' لوگ اسی کیفیت میں ہوں گے کہ ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ اس جیسی خوشبو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اس انعام واکرام کی طرف اٹھو جو میں نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے' پھر جس کی تمہیں خواہش ہو وہ لے لو' پھر ہم ایک بازار میں جائیں گے جس کو فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا' اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا' پھر جس چیز کی ہمیں خواہش ہوگی وہ ہمیں دے دی جائے گی' اس بازار میں کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ خریدی جائے گی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور بلند درجہ والا خود آگے بڑھ کر اپنے سے کم درجہ والے سے ملے گا اور درحقیقت وہاں کوئی ادنیٰ نہیں ہوگا' کم درجہ والا بلند درجہ والے کا لباس دیکھ کر غمگین ہوگا' ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھے گا کہ اس کے اوپر اس سے بھی عمدہ لباس ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا' پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے' ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کر کے کہیں گی: مرحبا خوش آمدید! جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے اس وقت کی بہ نسبت آپ کا حسن و جمال اب بہت زیادہ ہے' ہم کہیں گے: آج ہمیں اپنے رب کے دربار میں بیٹھنا نصیب ہوا تھا لہٰذا ہمیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

''لاجرم'' کا معنیٰ

المومن: ۴۳۔۴۱ میں ارشاد ہے: ''اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O''

اس آیت میں قوم فرعون کو ملامت کی ہے کہ دیکھو یہ کیسا حال ہے کہ میں تمہیں خیر کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے شرک کی طرف بلا رہے ہو۔

مرد مومن نے اس سے براءت کا اظہار کیا کہ وہ بغیر علم اور دلیل کے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہیں' اس میں یہ اشارہ ہے کہ بغیر یقینی علم اور بغیر دلیل قطعی کے کسی کے لیے الوہیت کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں ''لا جرم'' کا لفظ ہے' لا سے اس کی نفی مطلوب ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے یعنی ان کا مزعوم کفر اور شرک'

اور جرم فعل ماضی ہے جو "حق" اور "ثبت" کے معنیٰ میں ہے یعنی ان کا مزعوم کفر اور شرک منتفی ہے اور اس کا بطلان حق اور ثابت ہے اور بعض علماء نے کہا: لاجرم "لابد" کے معنیٰ میں ہے۔ قاموس میں مذکور ہے کہ "لاجرم" اصل میں لابد اور لامحالہ کے معنیٰ میں ہے پھر اس کا کثیر استعمال قسم کے معنیٰ میں ہو گیا اس وجہ سے اس کے جواب میں لام آتا ہے جیسے "لاجرم لاتینک" اللہ کی قسم! میں تیرے پاس ضرور آؤں گا۔ (القاموس المحیط ج ۴ص ۱۲۳۔۱۲۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ) اس آیت میں "لاجرم" اصل کے اعتبار سے تحقیق کے معنیٰ میں ہے یعنی تحقیق یہ ہے کہ تم مجھے اس چیز کی عبادت کی دعوت دے رہے ہو جو دنیا میں عبادت کی مستحق ہے نہ آخرت میں۔

تفویض کا معنیٰ

المومن: ۴۴ میں ارشاد ہے: "پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O"

یعنی جب تم آخرت میں دوزخ کے عذاب کو دیکھو گے تو اس وقت تم ایک دوسرے سے میری کہی ہوئی باتوں کا ذکر کرو گے اور اس وقت تم میری نصیحتوں کو یاد کرو گے لیکن اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مرد مومن کے اس قول کا ذکر ہے: "میں نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا"۔ مفوض کا لفظ تفویض سے بنا ہے' اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے اپنے ارادہ کو معطل کر دینا اور کامل تفویض یہ ہے کہ کسی کام کے نفع اور ضرر میں اپنی قدرت کو ملحوظ رکھنا نہ کسی اور مخلوق کی قدرت کا خیال کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا تفویض ہے۔

اور فرمایا: "بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے" یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے اور جو شخص مصائب میں اس کی پناہ طلب کرے اس کی مدد فرماتا ہے۔

تفویض کا جس طرح یہ معنیٰ ہے کہ اپنے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اسی طرح تفویض کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ دوسروں کے معاملات کے انجام اور عاقبت کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص بُرا کام کر رہا ہے تو اس کو حتی الوسع برائی سے روکنے کی کوشش کی جائے' اگر وہ پھر بھی بُرائی سے باز نہیں آتا تو اس سے یہ نہ کہے کہ اللہ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا اور تم کو عذاب دے گا بلکہ اس کی عاقبت اور انجام کو اللہ پر چھوڑ دے' اللہ اس کے ساتھ کیا کرے گا وہ خود ہی جانتا ہے' بندہ اپنی عاقبت کو اور اس کی عاقبت کو اللہ کی طرف مفوض کر دے' اس معنیٰ میں یہ حدیث ہے:

ضمضم بن جوس الیمامی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے یمامی! کسی شخص سے یہ ہرگز نہ کہنا کہ اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشے گا اور نہ یہ کہنا کہ اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا' میں نے کہا: اے ابو ہریرہ! ہمارا ایک ساتھی جب اپنے بھائی پر غضب ناک ہوتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: تم نہ کہنا' کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنو اسرائیل میں دو شخص تھے' ان میں سے ایک عبادت میں بہت کوشش کرتا تھا اور دوسرا اپنے نفس پر بہت زیادتی کرتا تھا' عبادت میں کوشش کرنے والا اپنے بھائی کو ہمیشہ گناہوں پر ملامت کرتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ تم گناہ کم کیا کرو اور وہ کہتا تھا کہ تم مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو' کیا تم میرے نگہبان مقرر کیے گئے ہو؟ ایک دن اس عبادت گزار نے اپنے بھائی کو ایک گناہ کرتے ہوئے دیکھا جو اس کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا' اس نے اپنے بھائی سے کہا: تم پر افسوس ہے' گناہ کم کرو' اس کے بھائی نے کہا: مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو' کیا تم میرے ذمہ دار ہو؟ اس عبادت

گزار نے کہا: اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشے گا' یا کہا: اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا' پھر اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کی روحوں کو قبض کر لیا' وہ دونوں رب العلمین کے سامنے حاضر ہوئے' اللہ تعالیٰ نے اس عابد سے فرمایا: کیا تجھ کو میرے فیصلہ کا علم تھا یا میرے قبضہ اور تصرف میں جو کچھ ہے تو اس پر قادر تھا اور اس گناہ گار سے فرمایا: جا میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور اس دوسرے شخص کے متعلق فرمایا: اس کو دوزخ میں لے جاؤ' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اس عابد نے ایسی بات کہی تھی جس سے اس نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر لی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۴۷۔۴۶' رقم الحدیث: ۸۲۹۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۱۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۸۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے اس کو ان کی سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیاO صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دوO (المومن: ۴۶۔۴۵)

آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھنا

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اس مرد مومن نے بہت جرأت اور حوصلہ کے ساتھ حق کو بیان کیا اور کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلائل بیان فرمائے اور المومن: ۴۵ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو فرعون اور اس کے درباریوں کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے' فرعون نے اس مرد مومن کو جو عذاب پہنچانا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ عذاب دور رکھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرد مومن قبطی تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۳۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے:

آل فرعون کا وہ مرد مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا' فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا' جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مرد مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درندے اور وحشی جانور اس پر پہرہ دے رہے تھے' وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس کے قریب نہ جا سکے' انہوں نے جا کر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی' فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام رازی نے اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے یہ سازش کی تھی کہ اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مرد مومن تاحیات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم رہا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آلِ فرعون کو قبر میں اور آخرت میں عذاب پر پیش کرنا

المومن:۴۶ میں ارشاد فرمایا: ''صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو''۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ الہذیل بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ:

آلِ فرعون کو دوزخ کی آگ پر پیش کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ آلِ فرعون کی روحیں سیاہ رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' وہ ان کے ساتھ صبح اور شام دوزخ میں جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۳۴۲۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: دوزخ کی آگ میں جو ان کا ٹھکانا ہے وہ صبح اور شام ان پر پیش کیا جاتا ہے اور آلِ فرعون کو ڈانٹتے ہوئے کہا جاتا ہے: یہ تمہارے گھر ہیں۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آلِ فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' وہ پرندے صبح اور شام جہنم پر وارد ہوتے ہیں اور ان کو آگ پر پیش کرنے کا یہی معنیٰ ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: ان کو صبح اور شام ان کی قبروں میں آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب خصوصاً آلِ فرعون کے لیے ہے۔ (النکت والعیون ج۵ص۱۵۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام محمد اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو صبح اور شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے' اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت میں سے (اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے) اور اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۰۷۲' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۳۹۳)

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

ہمارے علماء نے اس آیت سے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ آلِ فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ اس عذاب پر عطف کر کے فرمایا: ''اور قیامت کے دن بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا'' اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جا رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا' نیز آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آلِ فرعون کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کرو' اس سے معلوم ہوا کہ نفس شدید عذاب انہیں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہ قبر کا عذاب ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عذاب قبر کے قائلین کے نزدیک عذاب قبر قیامت تک دائمی ہوگا اور اس آیت سے صرف صبح اور شام کے وقت عذاب قبر ثابت ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دن کی دو طرفیں صبح اور شام ہیں' پس ان دو طرفوں کا ذکر فرما دیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو قیامت تک دائمی عذاب ہوتا رہے گا۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق ارشاد ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا. یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیئے گئے' پس
(نوح:۲۵) ان کو فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس آیت میں جس دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جس میں کافروں کو قیامت کے بعد ڈالا جائے گا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: "ان کو غرق ہوتے ہی فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا" اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ فوراً نہیں ہوگا' غرق ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہوگا وہ قبر میں ہی ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عذابِ قبر کی صاف تصریح ہے' اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے۔

عذابِ قبر کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۹۰۹)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ کلمات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ان کلمات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے: (۱) اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۲) اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۳) اے اللہ! میں ارذل عمر (ناکارہ حیات) سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۴) اے اللہ! میں دنیا کے فتنہ یعنی فتنۂ دجال سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۵) اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳۶۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۴۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۶۷' سنن النسائی رقم الحدیث:۳۵۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہود کی بوڑھی عورتوں میں سے دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں' وہ کہنے لگیں کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے' میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تصدیق کرنے کو اچھا نہیں جانا' وہ چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے' میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور ان دو بوڑھی عورتوں کے آنے اور عذابِ قبر کی خبر دینے کا تذکرہ کیا' آپ نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا' قبر والوں کو اتنا عذاب دیا جائے گا کہ اس کو تمام جانور سنیں گے' پھر میں نے دیکھا کہ آپ جب بھی نماز پڑھتے تو عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۴۹' ۶۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۰۶۳' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث:۲۸۷۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے آپ پر یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ مؤمنوں کو بھی عذابِ قبر ہوگا' آپ کو وحی سے صرف یہ علم تھا کہ یہود کو عذابِ قبر ہوتا ہے اور اس موقع پر آپ کے پاس یہ وحی آئی کہ مؤمنوں کو بھی عذابِ قبر ہوگا' تب آپ نے عذابِ قبر سے پناہ طلب کی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عاجزی سے' سستی سے' بزدلی سے اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۶۷-۲۸۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۰۶' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث:۲۷۴۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ جانور بھی ان کی آوازوں کو سنیں گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۵۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ص ۵۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دو تو میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۸' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۲۱۲' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۵۳۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی' آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے اور قبر کو یاد کرتے ہیں تو اس قدر روتے ہیں' آپ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل قبر ہے' اگر انسان کو اس منزل سے نجات مل جائے تو اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس منزل میں نجات نہ ہو تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہوتی ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنا اور وحشت ناک منظر اور کوئی نہیں دیکھا' اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر پر اس کی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں اور بھنبھوڑتے رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو گی' اگر ان میں سے ایک سانپ زمین میں پھونک مارے تو زمین سبزہ نہیں اگائے گی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۳ص ۳۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷اص ۳۳۴' رقم الحدیث: ۱۱۳۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۷۵' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۳۱۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۲۱' الشریعۃ للآجری' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی قبر میں ضرور سرسبز باغ ہوتا ہے' اس کی قبر میں ستر ہاتھ وسعت کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور کر دیا جاتا ہے' کیا تم کو علم ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے؟

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا' اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی اور اسے ہم قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تنگی میں زندگی گزارنے سے کیا مراد ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے' آپ نے فرمایا: اس سے مراد کافر کا عذاب قبر ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اس (کافر) کے اوپر ننانوے تنّین مسلط کیے جائیں گے' تم کو معلوم ہے تنّین کیا چیز ہیں؟ وہ ستر سانپ ہیں' ہر سانپ کے سات سر ہیں' وہ اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈنک مارتے رہیں گے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۲۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ص ۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رو نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے' وہ کہیں گے کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ پس وہ شخص وہی کہے گا: جو وہ زندگی میں کہتا تھا' وہ کہے گا: وہ اللہ کے

بندے اور اس کے رسول ہیں' وہ فرشتے کہیں گے کہ ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر اس کی قبر میں ستر ہاتھ در ستر ہاتھ وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کی قبر منور کر دی جائے گی' پھر اس سے کہا جائے گا: سو جاؤ! وہ کہے گا: میں اپنے گھر جا کر گھر والوں کو اس کی خبر دوں' فرشتے کہیں گے: تم اس دلہن کی طرح سو جاؤ جس کو وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کو گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا اور اگر وہ منافق ہو تو وہ کہے گا: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی اس کی مثل کہہ دیا' مجھے کچھ علم نہیں' فرشتے کہیں گے: ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر زمین سے کہا جائے گا: اس کو دباؤ' زمین اس کو دبائے گی تو اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی' پھر اس کو مسلسل عذاب ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۱' السنۃ لابی عاصم رقم الحدیث: ۸۶۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۷' الشریعۃ للا جری رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں' پھر اس سے کہا جاتا ہے: دیکھو اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو' اللہ نے اس کو تمہارے لیے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا اور رہا کافر یا منافق تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا' میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' اس سے کہا جائے گا: تم نے نہ کچھ جانا نہ کہا' پھر اس کے دو کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے جس سے وہ چیخ مارتا ہے اور جن و انس کے علاوہ سب اس کی چیخ کو سنتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱-۴۷۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۱-۲۰۴۹)

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ'' (ابراہیم: ۲۷) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس سے پوچھا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے' پس وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (ابراہیم: ۲۷)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۱۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴' بیروت' الشریعہ للآ جری رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم قبر تک پہنچے' جب لحد بنائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے' آپ نے اپنا سر (اقدس) اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور فرمایا: جب لوگ پیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرور ان کی جوتیوں کی آواز سنے گا' جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ہناد نے کہا: اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا دیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' پھر وہ کہیں گے: وہ شخص کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب پڑھی' میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ'' (ابراہیم: ۲۷) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی اور اس کی منتہائے بصر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی' پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا: اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ کہیں گے: یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: اس نے جھوٹ بولا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جائے گی' حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی' پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کیا جائے گا' اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوگا جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے' پھر وہ گرز اس پر مارے گا جس سے وہ کافر چیخ مارے گا جس کو جن و انس کے سوا سب سنیں گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ' امام احمد متوفی ۲۴۱ھ' امام آجری متوفی ۳۶۰ھ اور امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۳۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۳۳' الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو آپ اس کی قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا: اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۷۰' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۲۳' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی رقم الحدیث: ۵۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے ڈوبتے ہوئے سورج کی مثل دکھائی جاتی ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: مجھے نماز پڑھنے دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۱۲' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۲۵۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے باغ میں جا رہے تھے' ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ایک جگہ خچر نے ٹھوکر کھائی' قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا' وہاں پر پانچ یا چھ یا چار قبریں تھیں' آپ نے فرمایا: ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں پہچانتا ہوں۔آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے تھے۔آپ نے فرمایا: اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں تم کو عذاب قبر سنواتا جس کو میں سن رہا ہوں' پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس امت کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال اور جواب اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا ہے کہ میت سے سوال کرنا اس امت کا خاصہ ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں کے پاس جب رسول' اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور قوم ان کے پیغام کا انکار کرتی تو رسول ان سے الگ ہو جاتے اور ان پر عذاب بھیج دیا جاتا اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○'' (الانبیاء: ۱۰۷) تو ان سے عذاب روک لیا اور آپ کو جہاد کا حکم دیا' حتیٰ کہ جہاد کی برکت سے لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا' پھر ان کو مہلت دی گئی' یہاں سے نفاق کا ظہور ہوا اور بعض لوگ کفر کو چھپاتے اور ایمان کو ظاہر کرتے اور مسلمانوں کے درمیان ان پر پردہ رہتا اور جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبر میں امتحان لینے والے بھیجے تاکہ سوال کے ذریعہ ان کا پردہ چاک ہو اور خبیث' طیب سے ممتاز ہو جائے' سو جو دنیا میں اسلام پر ثابت قدم تھا اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہی پر برقرار رکھتا ہے۔علامہ قرطبی فرماتے ہیں: امام ابو عبد اللہ ترمذی کی یہ تقریر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ صرف مومن اور منافق سے قبر میں سوال ہو گا' حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ کافر سے بھی سوال ہو گا۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۹' مطبوعہ دار البخاری' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ ھ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات (مسلمانوں کی) سرحد کی حفاظت کرنا' ایک ماہ کے روزوں اور (نمازوں کے) قیام سے افضل ہے اور اگر وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جس عمل کو وہ کیا کرتا تھا' اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۱۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۷' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۷۷' المستدرک ج ۲ ص ۸۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عذاب قبر کے متعلق ایک طویل حدیث ہے جس کو ہم نے سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۷۵۳ کے حوالے سے ذکر کیا ہے‘ مسند احمد میں اس حدیث کی بعض تفاصیل ہیں جو سنن ابو داؤد میں نہیں ہیں‘ اب ہم اس حدیث کے ان اجزاء کا ذکر کر رہے ہیں جو سنن ابو داؤد میں نہیں ہیں:

جب بندہ مومن کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے‘ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے‘ پھر پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے‘ پھر پوچھتے ہیں: وہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں‘ فرشتے پوچھیں گے: تمہیں ان کے رسول ہونے کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب اللہ کو پڑھا‘ اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی‘ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا‘ اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف کھڑکی کھول دو‘ پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور منتہائے بصر تک اس کی قبر کو وسیع کر دیا جائے گا‘ پھر اس کے پاس ایک حسین وجمیل شخص آئے گا جس کا لباس بہت خوب صورت ہوگا اور اس کی خوشبو بہت پاکیزہ ہوگی اور وہ کہے گا: تم جس سے خوش ہو تم کو وہ مبارک ہو‘ یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے‘ وہ مومن کہے گا: تم کون ہو؟ وہ شخص کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں‘ پس وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! قیامت کو قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کافر کی روح کو بھی اس کے جسم میں لوٹایا جائے گا اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا‘ پھر وہ اس سے پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا‘ وہ پھر پوچھیں گے: وہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا‘ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا‘ یہ جھوٹا ہے‘ اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور (اس کی قبر میں) دوزخ کی طرف کھڑکی کھول دو‘ پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور گرم ہوائیں آئیں گی اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی اور اس کے پاس ایک بہت بدصورت شخص آئے گا جس کے کپڑے بہت خراب ہوں گے‘ اس سے سخت بدبو آ رہی ہوگی‘ وہ اس سے کہے گا: تمہیں وہ چیز مبارک ہو جو تم کو غمناک کرے گی‘ یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا‘ وہ کافر پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ آنے والا کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں‘ وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷‘ ملخصاً وملتقطاً طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۳‘ رقم الحدیث:۱۸۵۳۴‘ ملتقطاً‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲۔۳۸۰۔۳۷۴۔۳۱۰‘ ج ۱۰ ص ۱۹۴‘ کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۲۱۹‘ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳‘ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۱۹‘ الشریعۃ للآجری ص ۳۷۰۔۳۶۷‘ المستدرک ج ۱ ص ۳۸۔۳۷‘ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۹‘ الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۲۲۱‘ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔۴۹)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اگر وہ مومن ہو تو اس کے نیک اعمال اس کا احاطہ کر لیتے ہیں‘ نماز اور روزہ وغیرہ‘ پھر فرشتہ نماز کی طرف سے آتا ہے تو نماز اس کو لوٹا دیتی ہے‘ پھر وہ روزہ کی طرف سے آتا ہے تو روزہ اسے لوٹا دیتا ہے‘ پھر فرشتہ اس کو پکار کر کہتا ہے: بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ جاتا ہے‘ پھر وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تم اس شخص یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: کون‘ فرشتہ کہے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں اسی عقیدہ پر زندہ رہا‘ اسی پر مرا اور اسی عقیدہ پر

اٹھایا جاؤں گا اور اگر وہ انسان کافر یا فاجر ہو تو جب فرشتہ اس کے پاس آئے گا تو اس کے پاس کوئی ایسا نیک عمل نہیں ہوگا جو اس کو لوٹا سکے' وہ فرشتہ اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرے گا کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: کس شخص کے بارے میں؟ فرشتہ کہے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں' وہ کافر کہے گا: اللہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا' میں ان کے متعلق وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' پھر فرشتہ کہے گا: تم اسی عقیدہ پر زندہ رہے' اسی پر مرے اور اسی پر اٹھائے جاؤ گے' پھر اس کی قبر پر ایک جانور مسلط کیا جائے گا جس کے پاس ڈول کی طرح ایک آگ کا کوڑا ہوگا جب تک اللہ چاہے گا وہ اس کو اس کوڑے سے مارے گا اور اس کافر کی آواز کو کوئی نہیں سنے گا جس کو اس پر ترس آئے۔

(مسند احمد ج ٦ ص ۲۵۳-۲۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۴ ص ۵۳۶-۵۳۵' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۰۵' رقم الحدیث: ۲۸۱' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے کسی باغ میں گئے' آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بہت دشوار کام کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا' پھر فرمایا: کیوں نہیں' ان میں سے ایک شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا شخص چغلی کھاتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کیے' پھر آپ نے ان قبروں میں سے ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۱۹٦' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۲۲٦)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بنو نجار کے محلہ میں گیا' وہاں اس نے بنو نجار کے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے اور ان کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے باہر آئے اور آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ طلب کریں۔ (اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے' اس حدیث میں ایک شخص کے متعلق ذکر ہے کہ اس نے قبر سے آوازیں سنیں' یہ اس شخص کی کرامت ہے ورنہ عام لوگ یہ آوازیں نہیں سن سکتے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹٦-۲۹۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۵۸' رقم الحدیث: ۱۴۱۵۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ٦۷۴۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر پر (قبر میں) دو سانپ بھیجے جائیں گے' ایک اس کے سر کی جانب اور دوسرا اس کے پیروں کی جانب' وہ اس کو کاٹتے رہیں گے' جب وہ اس کو کاٹ چکیں گے تو پھر دوبارہ کاٹیں گے' قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا۔

(مسند احمد ج ٦ ص ۱۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۲ ص ۱۰٦' رقم الحدیث: ۲۵۱۸۹' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۵)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے باغ میں تھے' وہ باغ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا' آپ قضاء حاجت کے لیے گئے اور حضرت بلال آپ کے پیچھے چل رہے تھے' وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کے پہلو بہ پہلو نہیں چل رہے تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے' آپ کھڑے ہو گئے اور بلال ایک کنارے ہو گئے' آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اے بلال! کیا تم سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ حضرت بلال نے کہا: میں کچھ نہیں سن

رہا' آپ نے فرمایا: اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے' پھر اس قبر والے کے متعلق تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔

(مسند احمد ج ا ص ١٥١ طبع قدیم' مسند احمد ج ٢٠ ص ١١۔١٠' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٨ھ' مجمع الزوائد ج ٣ ص ٥٦)

امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں اس وقت بنو نجار کے باغات میں سے ایک باغ میں تھی' اس میں ان لوگوں کی قبریں تھیں جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے' آپ نے ان پر عذاب دیئے جانے کی آوازیں سنیں تو آپ یہ کہتے ہوئے باہر آئے: عذاب قبر سے پناہ طلب کرو' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ان کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس عذاب کو وحشی جانور سن رہے ہیں۔

(مسند احمد ج ٦ ص ٣٦٢ طبع قدیم' مسند احمد ج ٤٤ ص ٥٩٢' رقم الحدیث: ٢٧٠٤٤' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤٢١ھ' المعجم الکبیر ج ٢٥ ص ١٠٣' رقم الحدیث: ٢٦٨' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ٣٧٤' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ٨٧٥' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٣١٢٥' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ٣ ص ٥٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (بعض) مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے' حتیٰ کہ جانور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٠٤٥٩' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ٣ ص ٥٦)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت گرم دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع الغرقد کے پاس سے گزرے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے' جب آپ نے ان کی جوتیوں کی آہٹ سنی تو آپ ٹھہر گئے' حتیٰ کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ آپ کے دل میں تکبر کا کوئی ذرہ نہ آئے' حضرت ابو امامہ نے کہا: یہاں پر دو آدمیوں کی قبریں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے آج کن لوگوں کو دفن کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: یا نبی اللہ! فلاں فلاں ہیں' آپ نے فرمایا: ان کو اس وقت ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص چغلی کھاتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا' پھر آپ نے ایک شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ان کو ان قبروں پر گاڑ دیا' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے' صحابہ نے پوچھا: یا نبی اللہ! ان کو کب سے عذاب دیا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ غیب ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اگر تمہارے دلوں میں وحشت نہ ہوتی تو میں تمہیں وہ آوازیں سنا دیتا جن کو میں سن رہا ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٨٦٩' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجروح ہے' مجمع الزوائد ج ٣ ص ٥٦)

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کی تواضع فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے متبعین کو بھی اپنے سے آگے چلنے کے لیے فرماتے تھے' اور آپ برزخ کے احوال پر بھی نظر رکھتے تھے' آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ان کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے' اور آپ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی' اور اس کی فقہ یہ ہے کہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے برزخ کے احوال سے غافل نہیں ہیں' اسی طرح جب آپ برزخ میں چلے جائیں گے تو دنیا والوں کے احوال سے غافل نہیں ہوں گے اور جس طرح دنیا میں رہتے ہوئے برزخ والوں کی مدد فرماتے ہیں اسی طرح برزخ میں جا کر دنیا والوں کی مدد فرماتے رہیں گے۔

عذاب قبر کی نفی پر قرآن مجید سے دلائل اور ان کے جوابات

عذابِ قبر کے منکرین نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی. (الدخان: ۵۶) اہل جنت جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے۔

منکرین کہتے ہیں کہ قبر میں حیات ہو تو حیات جنت سے پہلے دو موتیں ہوں گی، پہلی موت قبر میں جانے سے پہلے اور دوسری موت قبر میں جانے کے بعد، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف پہلی موت کے چکھنے کا بیان کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل جنت، جنت میں موت کو نہیں چکھیں گے اور جس طرح دنیا میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع ہو گئی تھیں، جنت میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع نہیں ہوں گی، لہٰذا اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ دخول جنت سے پہلے ان پر کوئی اور موت نہیں آسکتی، اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے تو یہ جنت میں ان پر موت نہ آنے کی بہ طور تعلیق بالمحال تاکید ہے، یعنی اگر پہلی موت کا چکھنا ممکن ہوتا تو وہ جنت میں پہلی موت چکھ لیتے لیکن پہلی موت کا چکھنا تو ممکن نہیں ہے (کیونکہ وہ آچکی) اس لیے اب موت کا چکھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "الموتة الاولی" میں جنس موت مراد ہے اور یہ موت کے تعدد کے منافی نہیں ہے، کیونکہ جنس متعدد کو بھی شامل ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں کئی مُردوں کو زندہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی جنت میں آنے سے پہلے کئی موتیں چکھ چکے تھے اس لیے ماننا پڑے گا کہ "الموتة الاولی" سے جنس موت مراد ہے، لہٰذا قبر میں حیات کے بعد دوبارہ موت آئی ہو اور دخول جنت سے پہلے جنتیوں نے دو موتیں چکھ لی ہوں تو یہ اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

دوسری آیت کریمہ جس سے منکرین استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ (فاطر: ۲۲) آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں ○

قبر والے اس لیے نہیں سن سکتے کہ وہ حیات سے عاری اور مُردہ ہیں اور جب وہ مُردہ ہیں تو عذابِ قبر ثابت نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبور حاسہ سمع یعنی کانوں سے نہیں سنتے کیونکہ جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے، صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں اور کچھ عرصہ بعد ہڈیاں بھی نہیں رہتیں۔ اس لیے اس آیت میں حواس سے سننے کی نفی ہے اور اہلِ قبور حواس سے نہیں روح کی قوت سے سنتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کے سنانے کی نفی ہے، قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے، یعنی جس طرح قبر والوں کے لیے ان کی موت کی وجہ سے آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہے اسی طرح کفار مکہ پر بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہاں مراد کفار ہیں اور اسماع کی نفی سے سماع کے خلق کی نفی مراد ہے، یعنی آپ کفار میں سماع کو پیدا نہیں کرتے، تو اگر کفار آپ کی نصیحت کو نہیں سنتے تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ الغرض اس آیت سے قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے اس لیے یہ آیت عذاب قبر کے خلاف نہیں ہے۔

عذابِ قبر کے خلاف عقلی شبہات کے جوابات

علامہ اُبی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے، اس کے برخلاف خوارج، جمہور معتزلہ، بعض مرجئہ (اور بعض روافض) عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں، اہل حق کے نزدیک بعینہٖ جسم کو عذاب ہوتا ہے یا جسم کے کسی جز میں روح

کو لوٹانے کے بعد عذاب ہوتا ہے' محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اس کے خلاف ہیں' وہ کہتے ہیں کہ میت کو عذاب دینے کے لیے روح کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے' یہ رائے فاسد ہے' کیونکہ درد کا احساس صرف زندہ کے لیے متصور ہے' اگر یہ اعتراض ہو کہ میت کا جسم اسی طرح بغیر کسی تغیر کے پڑا ہوتا ہے اور اس پر عذاب دیئے جانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک آدمی خواب میں دیکھ رہا ہے کہ اس کو مار پڑ رہی ہے اور وہ خواب میں درد اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے' لیکن اس کے پاس بیٹھے ہوئے بیدار شخص کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا ہے' اسی طرح ایک بیدار آدمی کسی خیال کی وجہ سے لذت یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ لذت یا تکلیف کے کس عالم میں ہے اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی' آپ حضرت جبرائیل سے ہم کلام ہوتے تھے اور حاضرین کو اس کا کوئی ادراک نہیں ہوتا تھا۔

علامہ ابی کہتے ہیں کہ منکرین عذاب قبر کی دلیل یہ ہے کہ میت سے سوال کرنا اور اس کو عذاب دیا جانا عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قتل کیا گیا یا سولی پر چڑھایا گیا اور ایک مدت تک اس کی لاش پڑی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں اور ہم اس پر سوال و جواب یا عذاب دیئے جانے کے کوئی آثار نہیں دیکھتے' اسی طرح جس شخص کو درندے یا پرندے (مثلاً گدھ) کھا جاتے ہیں اور اس کے اجزاء ان کے پیٹ یا پوٹوں میں ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو ان کے متعلق سوال اور عذاب کا دعویٰ کرنا عقل کے خلاف ہے۔ ابن الباقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مستبعد نہیں ہے کہ جس شخص کو سولی پر چڑھایا گیا ہو اس میں دوبارہ روح لوٹا دی جائے' اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور حاضرین اس کا مشاہدہ نہیں کر پاتے تھے۔ اسی طرح جو شخص درندے کے پیٹ یا پرندے کے پوٹے میں ہو یا جل گیا ہو اس کے کسی ایک جز میں روح لوٹا دی جائے تو یہ ممکن ہے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خرق عادت ہے اور تمام اُمور اخروی ایسے ہی ہیں۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۳۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اس سے پہلے بہ کثرت احادیث کے حوالوں سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ قبر میں بندہ کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے' فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں اور وہ بندہ جوابات دیتا ہے۔ نہ جانے کیوں علامہ ابی کی ان احادیث کی طرف توجہ نہیں ہوئی' اسی طرح دیگر علماء نے بھی قبر میں روح لوٹائے جانے کے مسئلہ میں تردد کیا ہے۔ حالانکہ مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۱ میں اس کی صاف تصریح ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ نے (قبر میں) روح لوٹانے میں تردد کیا ہے' انہوں نے کہا: حیات کے لیے روح لازم نہیں ہے' یہ صرف امر عادی ہے' بعض احناف میں سے جو معاد جسمانی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جسم میں روح رکھی جاتی ہے' وہ لذت اور الم کا ادراک کرتی ہے اور جن کا قول یہ ہے کہ جب بدن مٹی ہو جاتا ہے تو روح اس مٹی کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے اور روح اور مٹی دونوں کو الم ہوتا ہے اس قول میں یہ احتمال ہے کہ روح ایک جسم (لطیف) ہے اور بدن سے مجرد ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض احناف مثلاً امام ماتریدی اور ان کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ روح (جسم سے) مجرد ہے' لیکن امام ماتریدی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! قبر میں گوشت کو روح کے بغیر کس طرح درد پہنچایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی' اسی طرح موت کے بعد

جب روح جسم کے ساتھ متصل ہوگی تو اس میں درد ہوگا' اگرچہ اس میں روح نہیں ہوگی اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں اور یہ مخفی نہ رہے کہ مٹی سے مراد جسم کے باریک اجزاء ہیں اور ان میں سے بعض اجزاء کے ساتھ بھی روح کا اتصال لذت اور الم کے ادراک کے لیے کافی ہے۔ (المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۴۳-۲۴۲' دار المعارف الاسلامیہ' مکران)

علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ قونوی نے کہا کہ کفار کی روحیں ان کے جسموں کے ساتھ متصل ہوتی ہیں' ان کی روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے جسموں کو الم ہوتا ہے' جیسے سورج آسمان میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہوتی ہے اور مؤمنین کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور ان کا نور جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے' جیسے سورج آسمان پر ہے اور اس کا نور زمین پر ہے۔

(شرح المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۴۳' مکران)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

انسان کے جسم کا جز اصلی وہ جز ہے جو اس کے جسم میں اوّل عمر سے لے کر آخر عمر تک باقی رہتا ہے اور اس کے بدن کی فربہی اور لاغری کے ہر دور میں وہ جز مشترک رہتا ہے' اسی کی حیات سے سارے بدن کی حیات ہوتی ہے اور جب انسان مر جائے تو خواہ اس کو قبر میں دفن کر دیا جائے یا اس کو درندے کھالیں اس کے بدن کا وہ جزء اصلی جس جگہ بھی ہو اس کی روح اس جز کے ساتھ متعلق کر دی جاتی ہے اور اس تعلق کی وجہ سے اس میں حیات آ جاتی ہے تا کہ اس سے سوال کیا جائے' پھر اس کو ثواب یا عذاب دیا جائے اور اس امر میں کوئی استبعاد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جزئیات اور کلیات کا عالم ہے' اس لیے وہ بدن کے تمام اجزاء کو ان کی پوری تفاصیل کے ساتھ جانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون سا جز کس جگہ واقع ہے اور کون سا جز اس کے بدن کا جزء اصلی ہے اور کون سا جز زائد ہے اور وہ جز اصلی اس کے مکمل بدن میں ہو یا کائنات میں کہیں اکیلا ہو' ہر حال میں اللہ تعالیٰ انسان کی روح کو اس جز کے ساتھ متعلق کرنے پر قادر ہے' بلکہ اگر ایک انسان کے بدن کے تمام اجزاء مشارق اور مغارب میں منتشر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس انسان کی روح کو ان تمام اجزاء کے ساتھ متعلق کرنے پر بھی قادر ہے۔

(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۰۳' ملتان)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس میت کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے' خواہ اس کو قبر میں دفنایا جائے یا اس کو سُولی پر لٹکایا جائے یا وہ سمندر میں غرق ہو جائے یا اس کو جانور کھالیں یا وہ جل کر راکھ ہو جائے اور اس کے ذرات ہوا میں منتشر ہو جائیں' جس کو عذاب ہونا ہے ہر حال میں عذاب ہوگا اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب اور ثواب کا محل روح اور بدن دونوں ہیں۔

(شرح الصدور ص ۷۶-۷۵' دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر)

عذابِ قبر کی مزید وضاحت

ایک سوال یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی قبر نہیں بنتی' پھر ان کے حق میں عذاب قبر کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں میت کے اجزاء اصلیہ ہوں' خواہ وہ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی تہ یا جانور کا پیٹ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' دوسرا سوال یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد بدن گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے' پھر بدن پر عذاب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کے اجزاء اصلیہ کو اللہ تعالیٰ بہر حال باقی رکھتا ہے جن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور ان پر عذاب کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ بسا اوقات جنگلی جانور انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور اگر ان پر آگ کا عذاب ہوتا ہے تو اس سے

جانوروں کو تکلیف کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور عالم دنیا میں ہے اور اس کے اندر میت کے اجزاء پر عالم برزخ میں عذاب کی کیفیات گزر رہی ہیں اور ایک عالم کے احوال دوسرے عالم پر منکشف نہیں ہوتے' مثلاً ہمارے پیٹ میں جب کیڑے ہوتے ہیں' ان پر زندگی اور موت اور درد و راحت کے تمام احوال گزرتے ہیں اور ہم کو پتا نہیں چلتا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: میت کو گرز سے مارا جاتا ہے' وہ چیختا چلاتا ہے' اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں' جسم جل جاتا ہے' لیکن جب قبر کھود کر میت کو دیکھا جائے تو جسم اسی طرح پڑا ہوتا ہے۔ کسی چوٹ کا نشان نہ جلنے کا' کوئی اور ٹوٹ پھوٹ نہ مار کی وجہ سے جسم میں حرکت اور اضطراب ہوتا ہے' اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ الگ الگ عالموں کے احوال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور فرشتوں سے باتیں کرتے تھے' اسی مجلس میں صحابہ ہوتے تھے انہیں پتا نہ چلتا' خواب میں کسی آدمی کو مار پڑتی ہے اور اسی عالم میں وہ درد و اذیت محسوس کرتا ہے لیکن اس کے پاس بیٹھے بیدار شخص کو پتا نہیں چلتا' اسی طرح برزخ کے احوال دنیا والوں پر منکشف نہیں ہوتے۔ پانچواں سوال ہے کہ قبر میں انسان زندہ رہ سکتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ کسی زندہ آدمی کو قبر میں دفن کر دیں اور وہ زندہ رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں زندگیوں کی نوعیت میں فرق ہے' اونٹنی کے پیٹ میں بچہ زندہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان یا جانور کو اونٹنی کے پیٹ کا آپریشن کر کے اس میں ڈال دیا جائے تو وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔

عذاب قبر پر ہم نے اس قدر تفصیلی بحث اس لیے کی ہے کہ شیعہ' معتزلہ' منکرین حدیث اور بہت سے آزاد خیال لوگ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں' اس لیے میں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے تاکہ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے' اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس میں اثر آفرینی پیدا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

دوزخ میں کافروں کا مباحثہ

المومن: ۴۷ میں ارشاد ہے: ''اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے' پس کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے' کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ دور کرنے والے ہو؟O''

یعنی اے سردارو! کیا تم اس پر قادر ہو کہ ہم سے اس عذاب کا کچھ حصہ کم کرا دو۔ ان پیروکاروں کو یہ علم تھا کہ ان کے کافر سردار اللہ تعالیٰ کے عذاب میں بالکل تخفیف نہیں کرا سکتے' اس سوال سے ان کا مقصود یہ تھا کہ کافر سرداروں کو زیادہ سے زیادہ شرمندہ کیا جا سکے اور ان کے دلوں کو تکلیف پہنچائی جائے کیونکہ ان کافر سرداروں نے ہی اپنے پیروکاروں کو انواع و اقسام کی گمراہیوں میں مبتلا کیا تھا اور جب پیروکار اپنے سرداروں سے یہ فرمائش کریں گے تو وہ جواب میں کہیں گے:

المومن: ۴۸ میں ارشاد ہے: ''متکبرین کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں' بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے O''

یعنی ہم سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں' اگر تمہارے عذاب میں کمی کرانا ہماری قدرت میں ہوتا تو ہم اپنے عذاب میں نہ کمی کرا لیتے' اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے اور جس کو اجر و ثواب دینا تھا اور جس کو جو سزا اور عذاب دینا تھا وہ دے چکا ہے' پھر جب پیروکار اپنے سرداروں سے مایوس ہو جائیں گے تو جہنم کے محافظوں سے کہیں گے:

المومن: ۴۹ میں فرمایا: ''اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے O''

جہنم کے جس حصہ میں انہیں عذاب دیا جائے گا وہاں پر سخت عذاب ہو رہا ہوگا اور وہ جہنم کا بہت ہولناک حصہ ہوگا' اسی

لیے وہ جہنم کے محافظوں سے فریاد کریں گے۔

المومن: ۵۰ میں فرمایا: ''محافظ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں، محافظ کہیں گے: پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی میں ہوتی ہے O''

محافظوں کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ انسان احکام کا اسی وقت مکلف ہوتا ہے جب اللہ کے رسول احکام شرعیہ لے کر آ جائیں اور رسولوں کے آنے سے پہلے انسان کے لیے ہر فعل مباح ہے اور کوئی کام اس کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے کیونکہ ابھی احکام شرعیہ نازل ہی نہیں ہوئے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

آخرت میں کفار کی دعاؤں کو قبول نہ فرمانا آیا اللہ تعالیٰ کے رحیم وکریم ہونے کے منافی ہے یا نہیں؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس آیت پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب لکھا ہے' امام رازی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچنا تو محال ہے' اس لیے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کفار اور مشرکین کے جرائم سے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچی ہو اور اس ایذاء کا انتقام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر سخت اور دائمی عذاب دے' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان مشرکین کو اس قدر عظیم عذاب دینا محض ان کو ضرر پہنچانا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہے نہ اس کے کسی بندہ کو اور یہ ایسا ضرر ہے جس میں کسی اعتبار سے کوئی نفع نہیں ہے تو اس رحیم وکریم کے یہ کیسے لائق ہے کہ وہ ان مشرکین کو دائماً ابد الآباد تک درد اور ضرر پہنچائے اور ان کی کسی حاجت پر رحم نہ فرمائے اور ان کی کوئی دعا قبول نہ فرمائے اور ان کے گڑگڑانے اور عاجزی کرنے پر کوئی توجہ نہ فرمائے اور اگر انسانوں میں سے کوئی انتہائی سنگ دل اور شقی انسان بھی اپنے کسی غلام کو ایسی سخت سزا دیتا اور اس کا خادم اس سے رو رو کر معافی مانگتا تو وہ ضرور اس پر رحم کر کے اس کو معاف کر دیتا جب کہ اس انسان کو اپنے خادم کی خدمت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اس کو نقصان ہوتا ہے اور اس انسان کو اپنے اس خادم کی احتیاج بھی ہوتی ہے تو وہ اکرم الاکرمین جو اپنے بندوں سے بالکل بے نیاز ہے' جسے ان کی مطلقاً کوئی احتیاج نہیں ہے اس کو کب زیبا ہے کہ وہ ان مشرکین کو ابدالآباد تک سزا دیتا رہے اور ان کو درد پہنچاتا رہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی غرض نہیں ہوتی اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے'' لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ O '' (الانبیاء: ۲۳) اور جب اس نے اپنی اس کتاب میں یہ فیصلہ فرمادیا تو اس کا اقرار کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے' ان کی اس تقریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مشرکین کے اس قدر گڑگڑا کر فریاد کرنے' آہ وزاری سے معافی مانگنے اور رو رو کر توبہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ان کو معاف نہ فرمانا اور ان کو مسلسل ابدالآباد تک درد اور اذیت میں مبتلا رکھنا اس کی شان کریمی کے لائق تو نہیں ہے' وہ بے نیاز ہے' اسے مشرکین کو سزا دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے' اس کے مقابلہ میں کوئی سخت سے سخت دل کا انسان ہوتا تو وہ بھی اپنے غلام کو معاف کر دیتا اور وہ اکرم الاکرمین ہو کر اپنے بندہ کو معاف نہیں کر رہا' سو ایسی بے مہری اس کے لائق تو نہیں ہے لیکن وہ حاکم مطلق ہے' اس پر کوئی اعتراض ہو نہیں سکتا' اس کی جناب میں کسی چون وچرا کی مجال نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اللہ تعالیٰ کی بے رحمی کی تصویر تو بہت تفصیل سے کھینچی ہے کفار اور مشرکین کے جرائم کی سنگینی نہیں بیان کی' اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' ان کی ضرورت اور راحت کی ہر چیز ان کو مہیا کی' مسلمانوں اور اپنے فرماں بردار بندوں سے زیادہ ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ دنیا میں ان کو بے پناہ مادی قوتوں سے نوازا' ہر طرح کے عیش وآرام میں رکھا اور ان

سے صرف اتنا چاہا کہ وہ اس عظیم محسن اور منعم کو مان لیں' صرف اتنا اقرار کر لیں کہ یہ تمام نعمتیں اس نے دی ہیں تو انہیں آخرت میں کوئی سزا نہیں ہوگی اور جنت کی دائمی نعمتیں ملیں گی۔ "مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ" (النساء: ١٤٧) لیکن ان مشرکوں نے یہ اقرار کر کے نہیں دیا کہ ان پر یہ انعام و اکرام کرنے والا وہ واحد لاشریک ہے' بلکہ اس کے برعکس وہ کبھی ان نعمتوں کے دینے کی نسبت اپنے جیسے انسانوں کی طرف کرتے' کبھی ان کی تصویروں اور ان کے مجسموں کی طرف نسبت کرتے' کبھی اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی طرف نسبت کرتے' اللہ تعالیٰ ان سے بار بار فرماتا رہا کہ مجھے مانو' مجھ سے مدد طلب کرو' میرے آگے سر جھکاؤ' مگر یہ اوروں کو داتا اور منعم کہتے رہے' بتوں کے آگے گڑگڑاتے رہے' ان سے فریاد کرتے رہے' اس نے ان کو سمجھانے کے لیے بار بار نبیوں اور رسولوں کو بھیجا' انہوں نے ایک نہ سنی' اس نے ان کو نصیحت کرنے کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے' انہوں نے کوئی اثر قبول نہ کیا' اس نے بار بار کہا: یہاں اس دنیا میں توبہ کرو' یہاں معافی مانگو' مرنے سے پہلے زندگی میں صرف ایک بار شرک سے برأت کا اظہار کر دو اور توحید کا اقرار کر لو' میں تم کو بخش دوں گا' پچھلے سارے گناہ معاف کر دوں گا' تم نے میرے نبیوں اور رسولوں کو ستایا ہو' میرے وفادار اور اطاعت گزار بندوں پر ظلم کیا ہو' ان کو قتل کیا ہو' آسمان کے ستاروں' ریت کے ذروں' درختوں کے پتوں اور سمندر کے قطروں سے زیادہ گناہ کیے ہوں' میں سب سے درگزر کر لوں' سب گناہوں کو معاف کر دوں گا' بس زندگی میں مرنے سے پہلے صرف ایک بار توحید کا اقرار کر لو' دیکھو یہیں اس دنیا میں توبہ کرو' یہیں معافی مانگو' یہی توبہ کی جگہ ہے' آخرت میں توبہ قبول نہیں ہوگی' تم نے دنیا میں توبہ نہیں کی' اب آخرت میں توبہ کر رہے ہو' یہ چاہتے ہو کہ میں آخرت میں تمہاری توبہ قبول کر کے اپنی وعید کے خلاف کروں اور جھوٹا ہو جاؤں' سنو میں جھوٹا نہیں ہوں۔

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن

یَقُوۡمُ الۡاَشۡہَادُ ﴿۵۱﴾ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُہُمۡ

گواہ کھڑے ہوں گے ○ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا'

وَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡہُدٰی

ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے بُرا گھر ہو گا ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب)

وَ اَوۡرَثۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ ﴿۵۳﴾ ہُدًی وَّ ذِکۡرٰی لِاُولِی

ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ○ (وہ) عقل والوں کے لیے

الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ

ہدایت اور نصیحت ہے ○ سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ

خلاف اولیٰ کاموں کے لیے بخشش طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئےO بے شک جو لوگ

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں

اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے‘ جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں‘ سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے‘ بے شک وہ خوب سننے والا‘

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ

بہت دیکھنے والا ہےO آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

سے ضرور بہت بڑا ہے‘ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO اور اندھا اور دیکھنے

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

والا برابر نہیں ہے اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں‘

لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہوO بے شک قیامت ضرور

لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ

آنے والی ہے‘ اس میں کوئی شک نہیں ہے‘ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتےO اور تمہارے رب نے فرمایا:

رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا‘ بے شک جو لوگ میری عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶/۱۰/۱۱

تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے O جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا O (وہ) عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O (المومن: ۵۴۔۵۱)

رسولوں اور مؤمنوں کی نصرت کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد فرمائے گا' اس آیت میں رسولوں سے اور ایمان والوں سے کون مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رسولوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایمان والوں سے مراد آل فرعون کا مرد مومن ہے' یہ دونوں اگرچہ واحد ہیں لیکن ان کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ رسل سے مراد عام رسول ہیں اور ''الذین امنوا'' سے مراد عام مؤمنین ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی جو مدد فرمائے گا اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ رسولوں اور ایمان والوں کی دلائل اور حجت سے مدد فرمائے گا کیونکہ دلائل اور حجت سے جو مدد کی جاتی ہے وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان کی تعریف و تحسین سے مدد فرمائے گا' کیونکہ ظالم اس پر قادر نہیں ہے کہ لوگوں کی زبانوں سے ان کی تعریف و تحسین کو سلب کر لے۔

(۳) بعض اوقات مردان راہِ خدا کو حق کی راہ میں کچھ مشکلات پیش آتی ہیں لیکن وہ بالآخر ان کے لیے ترقی درجات کی موجب ہوتی ہیں۔

(۴) اہل باطل کے مرنے کے بعد ان کے آثار مٹ جاتے ہیں اور حق گو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں' لوگ ان کے نیک اعمال کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

(۵) اس نصرت سے مراد انتصار اور انتقام بھی ہوسکتا ہے یعنی جن لوگوں نے رسولوں کو اور مؤمنوں کو اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا' خواہ ان کے سامنے یا ان کے پس پشت یا ان کی وفات کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ' حضرت زکریا اور حضرت شعیا علیہم السلام کے اعداء اور قاتلوں سے انتقام لیا' اسی طرح نمرود کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا اور جن یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا تھا' ان پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا' جنہوں نے یہودیوں کی اہانت کی اور ان کو ذلیل کر دیا اور قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' وہ عدل و انصاف سے فیصلے کریں گے اور مسیح دجال کو اور یہودیوں کو قتل کریں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اس وقت اسلام کے سوا کوئی مذہب قبول نہیں کیا جائے گا اور زمانۂ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں یہی سنت ہے' اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور جن کو ایذاء دے اس سے انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲) اور

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: میں اپنے اولیاء کے لیے اس طرح حملہ کرتا ہوں جس طرح شیر حملہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اور عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور قوم لوط کو اور اہل مدین کو اور ان جیسے دیگر دشمنان اسلام کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے درمیان جو مؤمنین تھے ان کو نجات دے دی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی نصرت فرمائی اور جن لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے عداوت رکھی ان سب کو مغلوب اور آپ کو ان سب پر غالب کر دیا' آپ کے دین کو تمام ادیان پر سر بلند کر دیا' آپ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا' جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو آپ کا اعوان اور انصار بنا دیا' پھر جنگ بدر کے دن آپ کی مدد فرمائی اور حملہ آور کافروں کو شکست دی' ان میں سے ستر کافر مارے گئے اور ستر قید کیے گئے' پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے مکہ پر آپ کو اور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور اپنے شہر میں پہنچ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کو کفر اور شرک سے پاک کر دیا اور تمام جزیرۂ عرب آپ کے زیر فرمان ہو گیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب خلفاء ہوئے' انہوں نے اللہ عزوجل کے دین کی تبلیغ کی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' حتیٰ کہ زمین کے تمام مشارق اور مغارب میں دین اسلام پھیل گیا اور یوں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا کہ اللہ عزوجل اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۹۱' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

کفار اور مشرکین کے اعذار کا نا قابل قبول ہونا

المومن: ۵۲ میں فرمایا: ''جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا' ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے برا گھر ہو گاO''

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مومنوں کے عظیم ثواب کی خبر دی جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن جب اولین اور آخرین جمع ہوں گے تو مؤمنین جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ذلت میں ہوں گے۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر عذر پیش کریں گے لیکن ان کے عذر سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ O (المرسلات: ۳۶) اور ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گیO

ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے' المومن: ۵۲ کا تقاضا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے اور المرسلات: ۳۶ کا تقاضا ہے کہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں ہو گی' اس کا جواب یہ ہے کہ المومن: ۵۲ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں ہو گا جو انہیں فائدہ پہنچا سکے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے' کسی وقت میں وہ عذر پیش کریں گے اور دوسرے وقت میں وہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی دنیا میں نصرت

المومن: ۵۳ میں فرمایا: ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایاO وہ عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہےO''

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا اور آخرت میں نصرت فرماتا ہے'' سوال

دو آیتوں میں رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا میں نصرت فرمانے کی ایک نوع بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی۔

اس ہدایت سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دنیا میں بہت زیادہ علوم نافعہ عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر بہت دلائل اور معجزات عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب ہدایت عطا فرمائی' جو تورات ہے۔

المومن: ۵۴ میں ایمان والوں کی نصرت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔

اس سے تورات کی وراثت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو بنی اسرائیل نے تورات میں مذکور احکام شرعیہ اور دیگر سورتوں اور آیتوں کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا' پھر نسل در نسل یہ علم ان میں منتقل ہوتا رہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے صرف تورات کی وراثت مراد نہ ہو بلکہ وہ تمام کتابیں مراد ہوں جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئی ہیں یعنی تورات' زبور اور انجیل۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''یہ کتاب عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے'' ہدایت اور نصیحت میں یہ فرق ہے کہ ہدایت کا معنیٰ ہے کہ ایک ایسی چیز بتائی جائے جو کسی دوسری چیز پر دلیل ہے اور اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس سے وہ چیز یاد آ جائے جو پہلے بھول چکی ہو اور ذکری اور نصیحت سے مراد عام ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی سابقہ کتابوں کی وہ آیات جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ پر دلیل ہیں اور وہ آیات جن میں انہیں عقائد اور احکام کو یاد دلایا ہے اور ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی نصیحت فرمائی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں یہ دونوں چیزیں ہیں' عقائد اور احکام پر دلائل بھی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی نصیحتیں بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے O بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں' ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے' جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ خوب سننے والا' بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (المومن: ۵۷۔۵۵)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد فرماتا ہے اور اس کی مثال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا' اب اس کے بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح مدد فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں کی مدد فرمائی تھی اور اللہ آپ سے کیا ہوا وعدہ اسی طرح پورا فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا تھا اور آپ سے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ رہیں جس سے آپ کو دنیا اور آخرت میں نفع ہوگا کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر جامع اطاعت یہ ہے کہ جو کام نہیں کرنے چاہئیں بندہ ان سے توبہ کرے اور جو کام کرنے چاہئیں بندہ ان میں مشغول رہے' اس لیے اوّل الذکر کے متعلق آپ سے فرمایا: ''اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے'' اور ثانی الذکر کے متعلق فرمایا: ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے''۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی مفسرین کے نزدیک توجیہات

منکرین عصمت نبوت' آریہ سماج اور دیگر ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ المومن: ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ''اور آپ اپنے ذنب کی مغفرت طلب کیجئے'' اور ذنب کا معنیٰ ہے: جرم اور اثم' یعنی گناہ اور گناہ کی مغفرت طلب کرنے کا اس کو حکم دیا جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہو' اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ گناہ کیے تھے جبھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں پر مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے' ہمارے متقدمین مفسرین نے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) ہم اس آیت کو ترک اولیٰ اور ترک افضل سے توبہ کرنے کے حکم پر محمول کرتے ہیں (اور افضل اور اولیٰ کو ترک کرنا گناہ نہیں ہے)۔

(۲) یہ حکم تعبدی ہے' یعنی ہر چند کہ آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا اور آپ کو توبہ کرنے کا حکم دینا ماوراء عقل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی حکم عقل میں آئے یا نہ آئے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے۔

(۳) اس آیت میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے' یعنی ''**واستغفر للذنب امتک فی حقک**'' اس کا معنیٰ ہے: آپ کی امت کے آپ کے حق میں جو ذنب ہیں ان پر استغفار کیجئے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ اپنی امت کے گناہوں کے لیے استغفار کیجئے' اس تاویل میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے۔

(۲) آپ اپنے گناہ پر مغفرت طلب کیجئے' اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں' یہ تاویل ان کے لحاظ سے ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لیے صغیرہ گناہوں کے قائل ہیں۔ (ہمارے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے)

(۳) یہ حکم تعبدی ہے جیسا کہ اللہ کے نیک بندوں نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ۔ (آل عمران: ۱۹۴)

اے ہمارے رب! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ اس کو ضرور عطا فرمائے گا خواہ وہ اس کی دعا کرتے یا نہ کرتے لیکن انہوں نے اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے لیے یہ دعا کی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن آپ کو استغفار کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ اپنی بندگی کا اظہار کریں۔

(۴) آپ کو دعا کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ کے بعد طلب مغفرت کی دعا آپ کی سنت ہو جائے۔

(۵) قبل نبوت جو آپ سے گناہ صادر ہوئے آپ ان پر استغفار کیجئے (یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ' صورتاً ہوں یا حقیقتاً)۔

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی ۶۸۵ ھ نے اس آیت کا حسب ذیل محمل بیان کیا ہے:

آپ اپنی عبادت اور احکام کی اطاعت کی طرف متوجہ رہیں اور آپ سے جو تقصیرات ہو گئی ہیں ان کا تدارک کریں مثلاً ترک اولیٰ۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

قاضی بیضاوی کی ذکر کردہ تقصیرات سے مراد یہ ہے کہ جو کام آپ سے بغیر قصد اور عمد کے صادر ہو گئے' آپ ان پر استغفار کر کے ان کی تلافی کریں۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۲۷۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ نے بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم آپ کی طرف گناہ کی نسبت کریں۔ (حاشیہ شیخ زادہ ج ۷ ص ۳۳۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) بعض اوقات جو آپ نے جلدی میں اولیٰ کاموں کو ترک کر دیا تو آپ استغفار کر کے ان کا تدارک کیجئے۔

(۲) اگر بالفرض آپ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو آپ اس پر استغفار کیجئے۔

(۳) یہ حکم تعبدی ہے تاکہ اس پر عمل کر کے آپ کے درجات میں اضافہ ہو اور آپ کے بعد والوں کے لیے وہ عمل سنت ہو۔

(۴) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں۔

(۵) جس ذنب (گناہ) کی آپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس طرح کوئی شخص آپ کے سہو کی حقیقت کو نہیں جانتا' اس لیے کسی امتی کے لیے آپ کی طرف گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۲۶۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس آیت کے تحت وہی جواب ذکر کیا ہے جس کو قاضی بیضاوی نے لکھا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۴ ص ۱۱۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نزدیک توجیہات

آریہ سماج (ہندو پنڈتوں) نے "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ" (المومن: ۵۵) سے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارے نبی نے گناہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے پاس یہ سوال بھیجا گیا تو انہوں نے اس کے پندرہ جواب دیئے' ہم ان میں سے گیارہ جوابات کو پیش کر رہے ہیں' چوتھا جواب یہ ہے:

(۱) (۴) اس کے ترجمے میں بھی آریہ نے تحریف کی۔ عبارت یہ ہے: "**لتقصير الشكر على ما انعم الله عليك وعلى اصحابك**"۔ یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں اون کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اوسکے لیے استغفار فرمائیے' کہاں کمی اور کہاں غفلت۔ نعمائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقۃً غیر متناہی بالفعل ہیں' **كما حققه المفتي ابن السعود في ارشاد العقل السليم قال الله عزوجل "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها"** اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے' جب اوسکی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔ از دست و زباں کہ بر آید کز عہدۂ شکرش بدر آید۔ شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنیٰ معروف نہیں بلکہ لازمۂ بشریت ہے' نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحہ ہر آن ہر حال میں متزائد ہیں خصوصاً خاصوں پر خصوصاً اون پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں' مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں' اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۷۵' مکتبہ رضویہ کراچی)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مجازاً شکر کی ادائیگی میں کمی کو ذنب فرمایا ہے اور وہ گناہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے' یہ مجاز مرسل ہے۔

(۲) (۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقتہً ذنب بمعنیٰ گناہ نہیں "ما تقدم" سے کیا مراد لیا وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو اور فرمان کا ہے سے معلوم ہو گا وحی سے تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنیٰ اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا؟ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۷۵)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح: ۲ میں "ما تقدم" کو گناہ فرمایا ہے حالانکہ نزول وحی سے پہلے آپ نے جو کام کیے وہ گناہ ہو ہی نہیں سکتے' اس لیے ان پر گناہ کا اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۳) (۶) جس طرح "ما تقدم" میں ثابت ہولیا کہ حقیقتہً ذنب نہیں یوں ہیں "ما تاخر" میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائزہ ہوئے کہ بعد کو فرمان اونکے منع پر اوترا اور اونہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ اونکا حقیقتہً گناہ ہونا کوئی معنیٰ ہی نہ رکھتا تھا یو ہیں بعد نزول وحی و ظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو اونکی ممانعت اوتری اوسی طریقے سے ان کو "ما تاخر" فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۷۵)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح: ۲ میں "ما تاخر" کو بھی گناہ فرمایا' حالانکہ جن کاموں کے کرنے کے بعد ان کی ممانعت نازل ہوئی وہ کیسے گناہ ہو سکتے ہیں لہٰذا "ما تاخر" پر بھی گناہ کا اطلاق مجازاً ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

ساتواں ہندوؤں کی وید کی عبارات پر مشتمل الزامی جواب ہے اس کو ہم نے ترک کر دیا' آٹھواں جواب یہ ہے:

(۴) (۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آریہ بیچارہ کیا کھا کر اوس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے ۔

نباشد بہ آئین تحقیق دال — کچوری و پوری و بھجیا و دال

شرط تمامی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدۂ مسلمہ ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" سورۂ مومن و سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مومن میں تو اتنا ہے "واستغفر لذنبک" "اے شخص! اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اوترا نہ صرف اوس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی اسی قرآن عظیم میں ہے "لانذرکم بہ ومن بلغ" کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے بداں اسعدک اللہ تعالیٰ میں کوئی خاص شخص مراد نہیں خود قرآن عظیم میں فرمایا: "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی ارایت ان کان علی الھدی O او امر بالتقوی O" ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اوس پر یہ آیات کریمہ اوتریں کہ کیا تو نے دیکھا اوسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیز گاری کا حکم فرمائے یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف بلکہ فرماتا ہے: "فما یکذبک بعد بالدین O" ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ اون میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آریہ و ہندو سے

یوہیں دونوں سورہ ء کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت (المومن:۵۵) اور (محمد:۱۹) میں بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ ہر سننے والے مسلمان سے خطاب ہے کہ تم اپنے اور سب مسلمانوں کے گناہوں کے لیے استغفار کرو۔ یہ تعریض ہے۔

(۵) (۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں' اس کی ابتداء یوں ہے "فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمومنت" جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ تو یہ خطاب اوس سے ہے جو ابھی لا الہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے سننے والے! جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ' تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرما دیا کہ "واللہ یعلم متقلبکم ومثوکم O" اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانہ ہے اگر "فاعلم" میں تاویل کرے تو "ذنبک" میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر "ذنبک" میں تاویل نہیں کرتا تو "فاعلم" میں تاویل کیسے کر سکتا ہے دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷-۷۶)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (محمد:۱۹) میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ کافر سے خطاب ہے کہ تو اللہ کی توحید پر ایمان لا' پھر اپنے لیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے استغفار کر۔ یہ بھی تعریض ہے۔

(۶) (۱۰) دونوں آیۃ کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشا وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی سے کہنا: "اکرم ضیفک" اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئیگا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ سے گناہ ہو جائے تو آپ اپنے گناہ پر استغفار کریں اور یہ قضیہ واقعیہ نہیں ہے بلکہ غرضیہ انشائیہ ہے۔ یہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ دونوں کا جواب ہے' یہ مجاز مرسل ہے۔

(۷) (۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "وعصیٰ ادم ربہ" آدم نے اپنے رب کی معصیت کی حالانکہ خود فرماتا ہے: "فنسی ولم نجد لہ عزما O" آدم بھول گیا ہم نے اوس کا قصد نہ پایا لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اوس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: "ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا" اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ میں مراد یہ ہے کہ جو گناہ بھولے سے ہو جائے اس پر آپ استغفار کریں اور گناہ کی حقیقت عمداً معصیت اور نافرمانی کرنا ہے سوان دونوں آیتوں میں ذنب کا اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۸) (۱۲) جتنا قرب زائد اوسی قدر احکام کی شدت زیادہ ع جن کے رتبے ہیں سوا اون کو سوا مشکل ہے۔ بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازاریوں

سے معاملہ آسان ہو گا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں اسی طرح'' لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ '' (الفتح:۲) میں خلاف اولیٰ کاموں پر ذنب کا اطلاق فرمایا ہے اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہوتا سو یہ اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۹) (۱۳) آریہ بیچارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سنا اگر نہ جانے تو ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی اردو ہندی سب زبانوں میں رائج ہے' مکان کو جس طرح اوس کے مالک کی طرف نسبت کریں یوہیں کرایہ دار کی طرف۔ یوہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اوس کے پاس ملنے آئیگا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمہارا کھیت کئے جریب ہوا یہاں نہ ملک' نہ اجارہ' نہ عاریت اور اضافت موجود یوہیں بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا تو ''ذنبک'' سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اوس کے بعد ''وللمؤمنین والمؤمنین'' تعیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمایئے' اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے اب آریہ کے اوس جنون کا بھی علاج ہو گیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے تعیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: ''رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمومنین والمومنت'' اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸۔۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ'' (محمد:۱۹) میں اہل بیت کی لغزشیں مراد ہیں ''وللمؤمنین والمومنات'' سے عام مسلمان مردوں اور عورتوں کی لغزشیں مراد ہیں اور یہ تعیم بعد تخصیص ہے' اس میں مجاز بالحذف ہے۔

(۱۰) (۱۴) اسی وجہ پر کریمہ سورۂ فتح میں لام لک تعلیل کا ہے اور ''ما تقدم من ذنبک'' تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا عبد اللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثنائے انبیائے کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ''ما تاخر'' تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت وامت مرحومہ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔ والحمد للہ رب العلمین (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ الفتح:۲ میں ''ما تقدم'' سے آپ کے تمام آباء کرام کے گناہ اور ''ماتاخر'' سے آپ کے تمام اہل بیت کے گناہ مراد ہیں اور اس میں بھی مجاز بالحذف ہے۔

(۱۱) (۱۵) ''ماتقدم وما تاخر'' سے قبل وبعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارت تفسیر میں مصرح تھا آیت میں قطعاً محتمل اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع وللہ الحمد وصلی اللہ تعالیٰ علی شفیع المذنبین وبارک وسلم الی یوم الدین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح الفتح:۲ میں ذنب سے مراد نزول وحی سے پہلے یا نزول وحی کے بعد کے کام مراد

ہیں' اسی طرح المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ میں بھی یہ احتمال ہے کہ ان ہی کاموں پر مجاز اًذنب کا اطلاق ہو اور یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

متقدمین' مفسرین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جوابات کی بناء تعریض پر ہے یعنی ذکر آپ کا ہے اور مراد عام مخاطب ہے یا جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے' یعنی ذنب سے مراد بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں یا مجاز بالحذف پر ہے یعنی بہ ظاہر ذنب کی اضافت آپ کی طرف ہے اور مراد آپ کے اقارب یا آپ کے اگلے پچھلے (آباء اور اقارب) ہیں اور ان کے ذکر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک راجح جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے یعنی گناہ کی اضافت آپ کی طرف ہے اور گناہ سے مراد حقیقتاً گناہ نہیں ہیں' بلکہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور باقی دونوں جواب مرجوح ہیں' فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس اعتراض کے اصل گیارہ جواب ذکر کیے ہیں جن میں سے دو کی بناء تعریض پر ہے دو کی بناء مجاز بالحذف پر ہے اور سات جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی مختار جواب یہی ہے' اتفاق سے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کنز الایمان میں الفتح: ۲' المومن: ۵۵ اور محمد ۱۹ کا ترجمہ مجاز بالحذف کے طریقہ پر کیا گیا ہے' اس وجہ سے عوام میں یہی جواب مشہور ہو گیا' حالانکہ یہ اعلیٰ حضرت کا مختار جواب نہیں ہے۔ اسی لیے فتاویٰ رضویہ میں ان جوابوں کو بالکل آخر میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت کا مختار جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے اور ان آیات میں ذنب سے مراد مجازاً بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ کا مختار بھی یہی جواب ہے' اسی لیے آپ نے الفتح: ۲' المومن: ۵۵' اور محمد: ۱۹ آیات کا ترجمہ اسی اعتبار سے فرمایا ہے اور ہم نے بھی بہ غور تحقیق کرنے کے بعد شرح صحیح مسلم ج ۳' ج ۶ اور ج ۷ میں اس ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے اور اس ترجمہ کی وجہ ترجیح بھی وہیں بیان کر دی ہے اور تبیان القرآن میں بھی اس ترجمہ اور اسی تحقیق کو برقرار رکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جب ذنب کی نسبت آپ کی طرف ہو تو اس سے مراد خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ تنزیہی ہے اور اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد جگہ یہ تصریح کی ہے کہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہے۔

دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۸۰۔۱۷۳' ج ۱۱ ص ۱۴۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۵۶ اور ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹' طبع رضا فاؤنڈیشن' لاہور میں بھی اس کی تصریح ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور احادیث میں ذکر ہے کہ آپ ایک دن میں ستر بار اور بعض میں ہے کہ آپ دن میں سو بار توبہ فرماتے تھے' اس توبہ اور استغفار سے مراد آپ کے درجات میں اضافہ اور ترقی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کتنی بار استغفار کرتے تھے اور آپ کے استغفار کا محمل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

وہ خود کثیر التوبہ ہیں۔ صحیح البخاری میں ہے: میں روز اللہ سبحانہٗ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔ شرح الشفاء والمرقاۃ واللمعات والمجمع بہ رمز (ط) للطیبی والزرقانی ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی خوبیاں مقربین کے گناہ ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ "وللاخرۃ خیر لک من الاولی" (آپ کے لیے ہر پہلی ساعت سے دوسری افضل ہے۔ ت) جب ایک مقام اجل و اعلیٰ پر ترقی فرماتے گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس کے ایک نوع تقصیر تصور فرما کر اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار لاتے تو وہ ہمیشہ ترقی اور ہمیشہ توبہ' بے تقصیر میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم مطالع مع بعض زیادات منی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۶۵۳۔۶۵۲' رضا فاؤنڈیشن' لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں روز سو بار اللہ سبحانہٗ سے استغفار کرتا

ہوں لیکن صحیح بخاری میں سو بار استغفار کرنے کی حدیث نہیں ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۷ مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰۔۳۴۱۔۲۸۲ طبع قدیم مسند احمد ج ۱۳ ص ۲۰۴ رقم الحدیث: ۷۷۹۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۷ھ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۲۵ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۸۶ شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۸ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳۸)

ایک دن میں سو بار استغفار کرنے کی حدیث ان کتابوں میں ہے:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ضرور ایک حجاب آ جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری زبان میں کوئی بیماری تھی جس کو میں کسی اور کے سامنے بیان نہیں کرتا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم استغفار کیوں نہیں کرتے' میں ہر دن اور رات میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۴ طبع قدیم' مسند احمد ۳۸ ص ۳۶۵' رقم الحدیث: ۲۳۳۲۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۹۷۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۳' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۱۸۱۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۷' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۵۰' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۳۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۷۶۔۲۶۷)

صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے: میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اس کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے لیغان اور غین اس چیز کو کہتے ہیں جو دل کو ڈھانپ لے' قاضی عیاض نے کہا: آپ کی شان یہ تھی کہ آپ دائماً اللہ کو یاد کرتے اور اس کا ذکر کرتے لیکن کبھی آپ پر سستی اور غفلت طاری ہو جاتی تو آپ (اپنے بلند مقام کے اعتبار سے) اس کو گناہ شمار کرتے اور اس پر استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امت کی فکر رہتی تھی اور آپ کے بعد جو امت کے احوال تھے جب آپ ان پر مطلع ہوتے تو ان پر استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی اصلاح میں غور و فکر کرتے اور دشمن کے خلاف جہاد میں سوچ و بچار کرتے اور نو مسلموں کی تالیف میں تدبر فرماتے تو ان امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی اور آپ کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات تھیں ان پر حجاب آ جاتا' ہر چند کہ ان امور میں مشغول ہونا بھی عظیم عبادت ہے لیکن آپ اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس مشغولیت کو گناہ قرار دیتے اور اس پر توبہ اور استغفار کرتے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت کے لیے ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا تھا اور اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا تھا' محاسبی نے کہا کہ ہر چند کہ انبیاء علیہم السلام عذاب سے مامون ہیں' لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیک اعمال کا مشکلات سے بچانا اور عذاب سے چھڑانا

اس کے بعد فرمایا: ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے رہتے تھے' دراصل اس آیت میں مسلمانوں کو

تعریض ہے اور ان کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حمد اور تسبیح کا حکم دے رہا ہے جو دائمی حمد اور تسبیح کرنے والے ہیں تو تم کو کتنی زیادہ حمد اور تسبیح کی ضرورت ہے۔

تسبیح کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی عیوب اور نقائص سے برأت بیان کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور ہر عیب سے بری ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے عیوب اور نقائص کم ہو جاتے ہیں اور حمد کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کو بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ موصوف ہے بلکہ وہ ہر کمال کا خالق اور موجد ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی صفات کمالیہ کو پیدا فرما دیتا ہے۔

تسبیح کرنے اور حمد کرنے کا اثر یہ ہوگا کہ ہم بُرے کاموں سے باز رہیں گے اور نیک کاموں کو کریں گے اور نیک کاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں اور ان پر شفقت کریں اور ان نیک اعمال کی برکت سے آخرت میں ہماری مغفرت متوقع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے فرمایا: آج رات میں نے بہت تعجب خیز چیز دیکھی' میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو فرشتوں سے بہت گھبرا رہا تھا' اس کا وضو آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس پر عذاب قبر مسلط کیا گیا' اس کی نماز آ گئی اور اس نے اس کو عذاب قبر سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کو شیاطین متوحش کر رہے تھے' اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے آگے اندھیرا تھا اور اس کے پیچھے اندھیرا تھا اور اس کی دائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کی بائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کے اوپر اندھیرا تھا اور اس کے نیچے اندھیرا تھا' پھر اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو اندھیرے سے نکال لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس کا رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا آیا' اس نے اس فرشتہ سے بات کی اور اس کو اپنے ساتھ لے گیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو آگ کے شعلوں سے اپنے آپ کو بچا رہا تھا' تو اس کے پاس اس کا صدقہ آیا' وہ اس کے سر کے اوپر سایا ہو گیا اور اس کے چہرے کی ڈھال بن گیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے پاس دوزخ کے عذاب کے فرشتے آئے تو اس کے پاس نیکی کے حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا عمل آیا اور اس نے اس کو عذاب سے چھڑا لیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو دوزخ میں گر گیا تھا' تو اس کے پاس اس کے وہ آنسو آئے جو خوفِ خدا سے نکلے تھے' انہوں نے اس کو دوزخ سے نکال لیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں تھا تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا تھا تو اس کا قرض دینے کا عمل آیا اور اس نے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیا' پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت کپکپا رہا تھا' پھر اس کا اللہ کے ساتھ حسن ظن آیا تو وہ پرسکون ہو گیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط پر گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا تو اس کے مجھ پر درود پڑھنے کا عمل آیا اور اس نے اس شخص کو پل صراط سے پار کرا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ جب وہ جنت کے نزدیک پہنچا تو اس کے دروازے بند ہو گئے' پھر اس کا کلمہ شہادت آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند میں سلیمان بن احمد الواسطی ہے اور دوسری سند میں خالد بن عبدالرحمان المخزومی ہے اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۰' حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے' الجامع الصغیر رقم

الحدیث: ۲۶۵۲ نوادر الاصول ج ۲ ص ۳۶۷)
ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف السند احادیث معتبر ہوتی ہیں' اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے' تاکہ مسلمانوں کو نیک اعمال کے بجالانے میں رغبت ہو' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۔ (ھود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں بُرائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

یعنی بُرے کاموں کے نتیجہ میں جس عذاب کا خطرہ ہوتا ہے وہ نیک کاموں سے زائل ہو جاتا اور اس حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں' ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے' جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے O اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O (المومن: ۵۸۔۵۶)

فتنہ باز لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا:

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ اللہ کی آیتوں میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں۔

(المومن: ۴)

اس کے بعد اسی سے مربوط کلام کا ذکر فرمایا اور اب المومن: ۵۶ میں پھر ان کافروں کا ذکر فرمایا جو اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آ چکی ہو' اس کے بعد اس سے متصل یہ وجہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی آیتوں میں کس مقصد کے لیے جھگڑتے ہیں۔ سو فرمایا: ''ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے'' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے آپ کو نبی مان لیا تو انہیں آپ کے احکام کی اطاعت کرنی ہوگی' آپ کو مقتدا اور پیشوا ماننا ہوگا اور پھر آپ کے سامنے ان کی چودھراہٹ کا چراغ نہیں جلے گا اور کل تک جن لوگوں کے سامنے وہ بڑا بنتے چلے آئے تھے اب ان کے سامنے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہوگی تو وہ اس لیے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے کہ اگر آپ کو نبی مان لیا تو ان کو بڑائی نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس بڑائی کی یہ ہوس کر رہے ہیں وہ کبھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گی کیونکہ بالآخر مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا اور آج جو لوگ چودھری اور وڈیرے بنے ہوئے ہیں کل وہ سب آپ کے ماتحت ہوں گے اور ان سب کی گردنیں آپ کی تلوار کے نیچے ہوں گی' سو آپ ان کی سازشوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں' بے شک اللہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور ان کے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے' پس وہ آپ کو ان کی سازشوں کے شر سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور آپ کو ان کے اوپر غالب کر دے گا' اس کا وعدہ ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ O اللہ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے O (المجادلہ: ۲۱)

ہر چند کہ یہ آیت ان کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بڑائی کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے لیکن دراصل یہ آیت ان تمام بدمذہب اور مبتدعین کو شامل ہے جن کے سامنے مذہب حق پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور وہ

ان کوصرف اس لیے نہیں مانتے کہ اگر ان دلائل کوتسلیم کرلیا تو ان دلائل پر مبنی مذہب حق کو بھی ماننا ہوگا اور اس کو ماننے سے ان کی بڑائی میں فرق آئے گا اور ایسے ہٹ دھرم لوگ صرف مکہ کے کفار نہیں تھے بلکہ ہر دور میں ایسے ضدی' معاند اور جھگڑالو لوگ ہوتے رہے ہیں' خود مصنف کو ایسے ہٹ دھرم اور جھگڑالو لوگوں کا سامنا ہے' یہ بہت بڑا فتنہ ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے لوگوں کے فتنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے اور ہم کو بھی ان سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے ایک باغ میں خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے' اچانک وہ خچر لڑکھڑایا' پس قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا' وہاں پر چھ' یا چار پانچ قبریں تھیں' آپ نے پوچھا: ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں پہچانتا ہوں' آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ زمانۂ شرک میں مر گئے تھے' آپ نے فرمایا: ان کی قبروں میں آزمائش ہوتی ہے' پس اگر تم (دہشت کی وجہ سے) مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آوازیں سنوا دیتا جو میں سن رہا ہوں' پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو' مسلمانوں نے کہا: ہم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر آپ نے فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو' مسلمانوں نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو' مسلمانوں نے کہا: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کے ضدی' ہٹ دھرم اور معاند لوگ بہت بڑا فتنہ ہیں اور ان کا فتنہ دجال کے فتنہ سے کم نہیں ہے سو ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

حشر ونشر پر دلیل

المومن: ۵۷ میں فرمایا: ''آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O''

مشرکین مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقوع اور حشر ونشر کے متعلق بھی جھگڑا کرتے رہتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کرنا ممکن نہیں ہے' وہ یہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس جیسی دوسری چیز کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس سے کم درجہ کی چیز کے بنانے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہوتا ہے اور یہ وہ اصول ہیں جو ہر صاحب عقل کے نزدیک مسلم ہیں اور ان اصولوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بڑا ہے اور آسمان اور زمین تم کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت ضرور بہت بڑے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے' تو تم اس مسئلہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو؟

پھر فرمایا: ''اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے'' یعنی جو شخص اس کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر اور قیامت اور حشر ونشر پر استدلال کرتا ہے وہ اس شخص کے برابر نہیں ہے جو اپنے مشرک آباء واجداد کی اندھی تقلید میں ان حقائق کا انکار کرتا ہے۔

المومن: ۵۸ میں فرمایا: ''اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہوO''
المومن: ۵۷ کے آخری حصہ سے مراد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں' المومن: ۵۸ کے ابتدائی حصہ سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والے اور بُرے عمل کرنے والے برابر نہیں ہیں۔
پھر فرمایا: ''تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو'' یعنی ہر چند کہ انہیں معلوم ہے کہ علم اور استدلال' جہل اور اندھی تقلید سے بہتر ہے اور نیک عمل کرنا بُرے عمل کرنے سے بہتر ہے' پھر بھی یہ توحید کے دلائل اور رسالت کے معجزات سے ہدایت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور بغض رکھنے کی وجہ سے اپنے گم راہ کن نظریات پر جمے رہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتےO اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں' وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گےO (المومن: ۶۰۔۵۹)

ایمان کامل کا معیار

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اس آیت (المومن: ۵۹) میں قیامت کے وقوع کی خبر دی ہے' لیکن کفار اس کی تصدیق نہیں کرتے' کیونکہ یہ اپنے مشرک آباء و اجداد کی تقلید میں اس قدر راسخ ہیں کہ محسوسات سے معقولات پر استدلال نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔
اس آیت میں فرمایا ہے: ''لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے'' کافروں میں تو اصلاً ایمان نہیں ہے' لیکن اکثر مسلمانوں میں ایمان کامل نہیں ہے' ہم یہاں پر ان احادیث کا ذکر کر رہے ہیں جن میں کمال ایمان کا معیار مذکور ہے' اس کسوٹی پر پرکھ کر ہمیں جانچنا چاہیے کہ آیا ہمارا ایمان کامل ہے یا نہیں۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں ایمان سے ہیں' جس شخص میں ان میں سے کوئی چیز نہ ہو اس میں ایمان بالکل نہیں ہے: (۱) اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا (۲) اللہ کی قضاء (تقدیر) پر راضی رہنا (۳) اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا (۴) اللہ پر توکل کرنا (۵) جب پہلی بار صدمہ پہنچے تو اس پر صبر کرنا اور وہ شخص ایمان کی حقیقت کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جس سے لوگوں کی جانیں اور ان کے مال مامون اور محفوظ نہ ہوں۔ کسی شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایمان کا کون سا وصف سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور اس کے ہاتھوں سے لوگ سلامت رہیں' جس طرح راستہ پر مینار علامت ہوتا ہے' اسی طرح ایمان کی علامت کے یہ مینار ہیں: (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) کتاب اللہ کے موافق حکم دینا (۵) نبی امی کی اطاعت کرنا (۶) جب بنو آدم سے ملاقات ہو تو ان کو سلام کرنا۔
(حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعید بن سنان راوی ہے جس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۶' دار الکتاب العربی' بیروت)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص اپنے عہد کو پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اس وقت تک کسی بندہ کا دین درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک اس کا دل درست نہ ہو اور اس وقت تک کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے بوائق سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! بوائق کیا ہیں؟ آپ نے

فرمایا: اس کا دھوکا دینا اور اس کا ظلم کرنا اور جس شخص نے حرام مال حاصل کیا اور اس کو خرچ کیا اس میں برکت نہیں ہوگی اور اگر اس سے صدقہ کیا تو وہ قبول نہیں ہوگا اور اس مال میں جو اضافہ کیا وہ دوزخ میں جائے گا اور خبیث چیز سے خبیث کام کا کفارہ نہیں ہوتا۔ لیکن طیب چیز سے کفارہ ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۵۳، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں حصین بن مذعور ہے جو فرس تیمی سے روایت کرتا ہے' میں نے ان کا ذکر نہیں دیکھا۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی گلیوں میں ایک شخص سے ملے جس کا نام حارثہ بن مالک انصاری تھا' آپ نے اس سے پوچھا: اے حارثہ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے کہا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں برحق مومن تھا' آپ نے فرمایا: ہر ایمان کی حقیقت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے' اس نے کہا: میں نے دنیا سے اپنے نفس کا منہ موڑ لیا' میں نے دن میں پیاس کو برداشت کیا اور رات کو جاگتا رہا اور گویا کہ میں نے اپنے رب کے عرش کو بالکل سامنے دیکھا اور گویا کہ میں نے اہل جنت کو جنت کی نعمتوں میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ کے عذاب میں دیکھا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے درست کہا' تم اس پر لازم رہو' مومن کے دل کو اللہ نے منور کر دیا ہے۔

(حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں یوسف بن عطیہ ہے جس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷)

(ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن فضائل اعمال میں ضعاف معتبر ہوتی ہیں' نیز ان احادیث کی اصل احادیث صحیحہ میں موجود ہے)۔

المؤمن: ۶۰ میں دعا کا معروف معنیٰ مراد ہے یا دعا سے عبادت کرنے کا معنیٰ مراد ہے؟

المومن: ۶۰ میں ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد دعا ہے یا اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' (المؤمن: ۶۰) کی تفسیر میں فرمایا: ہر عبادت دعا میں منحصر ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ:) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے دوزخ میں داخل ہوں گے''۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۲۹۸' رقم الحدیث: ۱۸۳۵۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۰۱' کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۴' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۴۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۰)

میں کہتا ہوں کہ اگر دعا سے اس کا معروف معنیٰ مراد لیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی اس کی عبادت کرنا ہے۔

دعا کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: میں

اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۷' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی مصیبت آئے یا نہ آئے' دعا ہر حال میں تمہیں نفع دیتی ہے سو اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم رکھو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ بہت حیاء فرمانے والا' بہت کریم ہے' جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۳' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے' عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۲' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو' کیونکہ اللہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور سب سے افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۲۸۔۱۲۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۰' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا' اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تمہارے رزق کو زیادہ کرے' تم دن رات اللہ سے دعائیں کیا کرو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب عزوجل کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے' پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں' کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۲۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۱۹ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴ سنن داری رقم الحدیث: ۱۴۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۵۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۹۴۸)

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط

اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتنی مرتبہ لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں' جب ان شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے' وہ شرائط اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنے والے کا کھانا' پینا اور لباس رزق حلال سے ہونا چاہیے' اگر اس کا رزق حرام ہو تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ طیب (پاک) ہے' وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں' وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے' اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸ سنن الداری رقم الحدیث: ۲۷۲۰ الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۶۴ سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۶ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۰۲۸)

(۲) دعا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور حاضر کر کے دعا کرے' قلب غافل سے دعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو' یاد رکھو: اللہ اس دل کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل ہو اور اس کا دھیان لہو و لعب میں ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵ الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۸۰ المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۶)

(۳) دعا کرنے والا راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ مشکلات اور مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ آسانی اور راحت کے ایام میں اس سے زیادہ دعا کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲ المستدرک ج ۱ ص ۵۴۴)

(۴) بے نیازی سے دعا نہ کرے بلکہ اصرار سے اور گڑگڑا کر دعا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۵) دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

(۶) کسی گناہ کے حصول یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بھی اللہ سے دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کا سوال عطا کر دیتا ہے یا اس سے کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے' بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

(۷) گڑگڑا کر' عاجزی سے' ڈرتے ہوئے اور مسکین بن کر دعا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دو رکعت نماز پڑھو اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھو' پھر گڑگڑاؤ' عاجزی کرو' مسکین بنو' پھر اپنے دونوں ہاتھ اللہ عزوجل کی طرف اس طرح اٹھا کر دعا کرو کہ ہتھیلیاں تمہاری طرف ہوں اور کہو: اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۱' ج ۴ ص ۱۶۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۹۵' کتاب الدعا رقم الحدیث: ۲۱۰)

(۸) دنیا میں کسی مصیبت کے نزول کی دعا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی' جو چوزے کی طرح بہت کمزور ہو چکا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہے تو تُو مجھے دنیا میں ہی سزا دے دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' پھر آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۹۲' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۱۹۰)

(۹) اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرے تو جو دعا وہ اس مسلمان بھائی کے لیے کرے گا وہ اس کے حق میں بھی

قبول ہو جائے گی۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے پس پشت اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اس کو بھی اس کی مثل عطا فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)

(۱۰) دعا کی ابتداء میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ پانچ کلمات پڑھ کر دعا کی وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اللہ اس کو وہ عطا فرمادے گا' (وہ پانچ کلمات یہ ہیں:) **لا الہ الا اللہ واللہ اکبر' لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ 'لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' لا الہ الا اللہ ' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ (المعجم الکبیر ج۱۹ ص ۳۶۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۳۴' دارالکتب العلمیہ' ۱۴۲۰ھ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۴)

(۱۱) دعا میں سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے' پھر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے' پھر اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء کرے جو اس کے شایان شان ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر دعا کرے تو اس کا قبول ہونا اور کامیاب ہونا زیادہ متوقع ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۴۱ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۵۲ رقم الحدیث: ۱۹۸۱۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۸۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو حضرت ابو عبیدہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۵' میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود سے ان کا سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۲' مصر)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی وہیں تھے۔ جب میں (نماز پڑھ کر) بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا' پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا' سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۰۱' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

(۱۲) دعا کے اوّل اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس کا کوئی لفظ اوپر نہیں چڑھتا حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۰' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا کے اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۴۸' زہر الفردوس ج۴ص۲۳' الکامل لابن عدی ج۳ص۶۰۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵ء
حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج۱۰ص۱۶۰)

(۱۳) روزہ دار' امام عادل اور مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی' روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور امام عادل اور مظلوم کی دعا' اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو بادلوں کے اوپر اٹھا لیتا ہے اور ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا' خواہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۶_۳۵۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۲' مسند احمد ج۲ص۴۴۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۱۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۱۹' مجمع الزوائد ج۱۰ص۱۵۱)

(۱۴) مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا بھی رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۲)

(۱۵) جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے اس کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔

حضرت ابو زہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے' ہم ایک شخص کے پاس آئے جو بہت گڑگڑا کر دعا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز سے مہر لگے گی؟ آپ نے فرمایا: آمین سے' اگر اس نے دعا کو آمین پر ختم کیا تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی' پھر وہ آدمی چلا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا' پھر آپ اس شخص کے پاس آئے جو دعا کر رہا تھا' پس آپ نے فرمایا: اے فلاں! دعا کو آمین پر ختم کرو اور بشارت لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۶) دعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دعا کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا ہو' قرآن مجید میں ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي. (البقرہ: ۱۸۶)
جب کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو بھی تو چاہیے کہ یہ بھی میرا کہا مانا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے مستغنی ہے' وہ پھر بھی ہمارا کہا مان لیتا ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں' سو ہم کو تو بہت زیادہ اس کا کہا ماننا چاہیے' ہونا تو یہ چاہیے تھے کہ ہم اس کا کہا مانتے رہتے خواہ وہ ہمارا کہا مانتا یا نہ مانتا' کیونکہ وہ مالک ہے اور ہم مملوک ہیں۔ لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے کہا: آؤ برابر کا سلوک کر لو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ. (البقرہ: ۱۵۲)
تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرلوں گا۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ. (البقرہ: ۴۰)
تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور تم میرا حکم مانو میں تمہاری دعا قبول کرلوں گا (البقرہ: ۱۸۶) اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں وہ ہماری دعائیں قبول کرتا رہے' گویا ہم اس کے ساتھ برابر کا سلوک کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

وَمَاقَدَرُوااللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ . (الانعام:۹۲) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے متعلق علماء اور فقہاء کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: دعا کی سات شرطیں ہیں (۱) گڑگڑانا (۲) خوف (۳) امید (۴) دوام یعنی ہمیشہ دعا کرنا (۵) خشوع (۶) عموم یعنی عموم کے صیغوں سے دعا کرنا (۷) حلال رزق کھانا۔

ابن عطاء نے کہا: دعا کے ارکان ہیں یا پر ہیں اور اسباب ہیں اور اوقات ہیں' اگر دعا اپنے ارکان کے موافق ہو تو وہ قوی ہوتی ہے اور اگر اپنے پروں کے موافق ہو تو آسمان پر اڑ کر پہنچتی ہے' اگر اپنے وقت کے موافق ہو تو کامیاب ہوتی ہے اور اگر اپنے اسباب کے موافق ہو تو ظفریاب ہوتی ہے' دعا کے ارکان یہ ہیں: حضور قلب' تواضع اور انکسار اور خشوع اور اس کے پر صدق ہیں اور اس کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور اس کا سبب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دعا کی چار شرطیں ہیں: (۱) تنہائی میں دل کی حفاظت کرنا (۲) لوگوں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا (۳) نظر کی محارم سے حفاظت کرنا (۴) پیٹ کی لقمۂ حرام سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی' انہوں نے کہا: کیونکہ تم اللہ کو پہچانتے ہو پھر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو پھر آپ کی اتباع نہیں کرتے اور تم قرآن کریم کو پڑھتے ہو پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور تم اللہ کی نعمتیں حاصل کرتے ہو اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور تمہیں جنت کا علم ہے اور تم اس کو طلب نہیں کرتے اور تمہیں دوزخ کی معرفت ہے اور تم اس سے نہیں بھاگتے اور تم شیطان کو جانتے ہو پھر بھی تم اس سے جنگ کرنے کے بجائے اس کی موافقت کرتے ہو اور تمہیں موت پر یقین ہے پھر بھی تم اس کی تیاری نہیں کرتے اور تم مُردوں کو دفن کرتے ہو پھر بھی تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تم اپنے عیوب کو نظر انداز کرتے ہو اور لوگوں کے عیوب میں مشغول رہتے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوف البکالی سے کہا: اے نوف! اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ آپ بنی اسرائیل سے کہئے: میرے گھر میں صرف پاک دل' خائف نظر اور صاف ہاتھوں کے ساتھ داخل ہوں اور جب تک کوئی شخص میری مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے سے بَری نہ ہو میں اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور نوف! تم شاعر نہ بنو (یعنی جھوٹے' خیالی قصے اور لوگوں کی خوشامد پر مشتمل اشعار کہنے والا' اس سے اللہ اور رسول کی حمد اور نعت اور وعظ ونصیحت کے اشعار مستثنیٰ ہیں) اور نہ گری پڑی چیز کا اعلان کرنے والا اور نہ (ظالم) سپاہی اور نہ (ظالم) ٹیکس وصول کرنے والا اور نہ (ظالم) عشر وصول کرنے والا' کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کی ایک ساعت میں کھڑے ہوئے اور کہا: اس ساعت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے' سوا اس کے جو اعلان کرنے والا ہو یا سپاہی ہو یا ٹیکس وصول کرنے والا ہو یا عشر وصول کرنے والا ہو یا ڈھول بجانے والا ہو یعنی موسیقار۔

موطا امام مالک میں ہے جب تم میں سے کوئی دعا کرے' تو پورے عزم سے دعا کرے یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۸' صحیح مسلم: ۲۶۷۸' موطا امام مالک: ۴۹۴-۴۹۳) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ پورے عزم سے سوال کرے اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کو دعا میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس کو دعا کے قبول ہونے کی امید رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کریم سے دعا کر رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: انسان اپنی کسی جائز خواہش کی دعا کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ بدترین خلائق ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے حشر تک کی مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے اور دعا کے لیے ایسے اوقات اور احوال ہوتے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں: وقت سحر' وقت افطار' اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت' بدھ کے دن ظہر اور عصر کا درمیانی وقت' اضطرار (مجبوری) کا وقت' حالت سفر' حالت مرض' بارش نازل ہونے کا وقت' جہاد کا وقت اور ان تمام اوقات کے متعلق آثار وارد ہیں۔ (ان اوقات میں ساعت جمعہ کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا)

شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے شہر! کبھی خوف خدا سے تمہارے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اس وقت اللہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۹۱-۲۹۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ''تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا'' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ پس ہر وہ شخص جو اللہ سے دعا کرے اور اس کے دل میں اپنے مال' اپنے اقتدار' اپنے رشتہ داروں' اپنے دوستوں اور اپنی جد و جہد پر اگر ذرہ برابر بھی اعتماد ہو تو درحقیقت اس نے صرف زبان سے دعا کی ہے اور دل سے اس کا اعتماد ان چیزوں پر ہے جو اللہ کی غیر ہیں' تو اس شخص نے کسی وقت بھی اللہ سے ایسی دعا نہیں کی جس میں اس کے دل کی توجہ غیر اللہ کی طرف نہ ہو' پس ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دعا اسی وقت قبول ہوگی جب اس کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ منقطع ہو اور انسان کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ اسی وقت منقطع ہوتا ہے جب اس کی موت قریب ہو' کیونکہ اس وقت انسان کو قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں دے گی' لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ کے نزدیک انسان کی دعا صرف اسی وقت قبول ہوگی جب اس کی موت قریب ہوگی اور ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص اور گڑگڑانے سے مقرون ہوگی۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں بہت دفعہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو دوسری چیزوں پر بھی اعتماد ہوتا ہے اور اخلاص کے ساتھ ہماری دعا اس وقت ہوگی جب موت قریب ہوگی اور اس وقت ہماری دعا قبول ہو جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۸-۵۲۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ لازم نہیں ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ اللہ سے صرف اسی وقت دعا کر سکتا ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو' اگر ایسا ہوتا تو قرآن اور حدیث میں ہم کو صرف اسی وقت دعا کرنے کی ہدایت دی جاتی جب ہماری موت کا وقت قریب ہو۔

(۲) یہ قاعدہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زندگی میں متعدد بار ایسی صورت پیش آتی ہے کہ جب انسان کے تمام سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اس کی اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ (الزمر: ۸)

اور انسان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے' پھر جب اس کو اللہ اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا۔

اس آیت میں انسان کے دعا کرنے اور اس دعا کے قبول کیے جانے کا ذکر ہے اور یہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۴) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس: ۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو لیٹے ہوئے بھی پکارتا ہے' بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی' پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کبھی اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اس آیت میں بھی انسان کے دعا کرنے اور اس کی دعا کے قبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی قرب موت کے وقت کی دعا نہیں ہے۔

(۵) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل: ۶۲)

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص مجبور ہو کر اس سے دعا کرے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور وہ قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۶) فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (العنکبوت: ۶۵)

اور جب مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں○

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین بھی اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور کشتی میں سوار ہونے کا وقت قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۷) وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (الروم: ۳۳)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے تو پھر ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے○

اس آیت میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ جو انسان بھی تکلیف کے وقت اللہ سے دعا کرے اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس میں بھی قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۸) وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ○ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو ان میں سے

بعض اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں ○

جب سمندر میں موجوں کے اٹھنے کے وقت مشرکین بھی اللہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے اور یہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا' موت اس وقت ان کے قریب ہوتی جب موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی اور وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ہوتے اور ڈوب رہے ہوتے۔

(۹) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۗ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اللہ کے سوا وہ سب گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے' پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے ○

اس آیت میں بھی یہ بتایا ہے کہ جب مشرک بھی مصیبت کے وقت اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے حالانکہ وہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۱۰) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (الانعام: ۶۳)

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے' تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان اندھیروں سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

اندھیروں سے نجات کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے' حالانکہ وہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۱۱) قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۶۴)

آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان اندھیروں سے نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے تم پھر بھی شرک کرتے ہو ○

یعنی مشرکین جب مصائب سے نجات کی دعا کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے کے موقع پر ان دس آیتوں میں سے کسی آیت میں بھی قرب موت کا وقت بیان نہیں فرمایا' کسی قسم کی تکلیف ہو' مصیبت ہو' بیماری ہو' کشتیوں میں سوار ہونے کا وقت ہو' موجوں کا سامنا ہو' بحر و بر کے اندھیرے ہوں' جس وقت بھی اس سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے وہ دعا قبول فرمالیتا ہے' خواہ دعا کرنے والا مومن ہو یا مشرک اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اخلاص صرف موت کو سامنے دیکھ کر ہو' کسی بھی وقت اخلاص ہو سکتا ہے اور جب بھی اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے گی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمالے گا' صرف وہ دعا قبول نہیں ہوگی جس میں اخلاص نہ ہو۔

ہم نے پہلے دس آیتوں سے امام رازی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ صرف موت کو قریب دیکھ کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے' اب ہم صحیح اور صریح احادیث سے اس قول کا رد کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبه الاستعانة يليق.

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ (۱) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور (۲) امام عادل (۳) اور مظلوم کی دعا۔ الحدیث (سنن الترمذی: ۲۵۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی دعا کے قبول ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ان میں سے کسی کی بھی دعا اس وقت نہیں ہے جب موت قریب ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں

کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۲)
اس حدیث میں بھی یہ قید نہیں ہے کہ جب موت قریب ہو تو ان کی دعا قبول ہوگی بلکہ مطلقاً فرمایا: ان کی دعا قبول ہوگی۔
(۱۴) حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)
اس حدیث میں بھی قرب موت کی قید نہیں ہے۔
(۱۵) حضرت عمر نے فرمایا: جس دعا کے اوّل اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔
(سنن ترمذی: ۴۸۶)
ان احادیث سے بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف وہی دعا قبول ہوتی ہے جو قرب موت کے وقت کی جائے۔
(۱۶) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب موت قریب ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان سے جب گناہ سرزد ہو جائے وہ اسی وقت توبہ کرے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○
(آل عمران: ۱۳۵)

اور جب لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں' پھر فوراً اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا اور اپنے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کیا ہو ○

(۱۷) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء: ۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے' جو ناواقفیت سے کوئی گناہ کر لیں پھر فوراً توبہ کر لیں' پس اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے۔

امام رازی نے جو قرب موت کے وقت دعا کی تلقین کی ہے وہ ان آیات کے خلاف ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۱۸) وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ. (الشوریٰ: ۲۵)

وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(۱۹) وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ. (طٰہٰ: ۸۲)

اور بے شک میں اس کو ضرور بے حد بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے۔

ان آیتوں کا تقاضا ہے کہ بندہ جس وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف فرما دیتا ہے اور حدیث میں ہے:
(۲۰) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے' حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۴۵)
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بندہ دن کے گناہ کی رات آنے سے پہلے توبہ کر لے اور رات کے گناہ کی دن آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اگر اس نے بندہ کی توبہ اور اس کی دعا صرف قرب موت کے وقت قبول کرنی ہوتی

تو وہ بندوں کو جلد توبہ کرنے کی تلقین کیوں فرماتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

اللہ پر ان کی توبہ قبول کرنا نہیں ہے جو گناہ کرتے رہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آ جائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ (النساء: ۱۸)

امام رازی نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اور بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اخلاص سے توبہ صرف قرب موت کے وقت ہوتی ہے اور اسی وقت کی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کی یہ تقریر اور تلقین اور ان کی یہ توقع بہ کثرت آیات اور احادیث کے خلاف ہے اور اللہ ہی صحیح تفسیر کی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے بھی دعا کے موضوع پر لکھا ہے اور اس کے یہ عنوانات ہیں:

اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء' دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب۔

(تبیان القرآن ج ا ص ۷۳۶۔۷۴۴)

مانعین دعا کے دلائل' مانعین دعا کے دلائل کے جوابات' دعا قبول نہ ہونے کے فوائد' دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث' آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات' خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء' خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۳۔۱۶۹)

دعا کے موضوع پر تبیان القرآن میں جس قدر ابحاث آ گئی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ مل سکیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید ہے' والحمد للہ رب العلمین۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنا دیا'

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے' لیکن اکثر

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

لوگ شکر نہیں کرتے O یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا

وقف لازم

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے تھے O اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

چیزوں سے رزق دیا' یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

جہانوں کا رب ہے O وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ

اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O آپ کہیے کہ مجھے اس سے

اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ

منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے

الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

ہو' جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العٰلمین کے سامنے جھک جاؤں O

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تم کو بچہ کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے)

عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

نکالتا ہے' پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو' پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو

شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا

اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی

مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ

مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو O وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' پس

فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع

جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ جاتی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنایا' بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے' لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے O یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے O (المؤمن: ۶۳-۶۱)

رات کو عبادت' غفلت اور معصیت میں گزارنے والے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اپنی ہر ضرورت کا سوال مجھ سے کرو' میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا' اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں اس پر دلائل قائم فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر سوال کو پورا کرنے پر قادر ہے' ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر' اس کی توحید پر اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں۔ پہلی تین آیتوں کا تعلق آسمان سے ہے اور بعد کی آیتوں کا تعلق زمین اور زمین کی مخلوق سے ہے۔

المومن: ۶۱ میں فرمایا: ''اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ'' کیونکہ رات میں ٹھنڈک اور تراوت ہوتی ہے اس وجہ سے انسان کی حرکت کرنے والی قوتیں رات میں ساکن ہو جاتی ہیں اور رات میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لیے انسان کے حواس بھی کام کرنے سے رک جاتے ہیں اور یوں انسان کے اعصاب اور حواس کو آرام کا موقع مل جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور دیکھنے کے لیے دن بنایا'' انسان بالطبع تمدنی زندگی گزارتا ہے' اسے انسانی معاشرہ میں مل جل کر رہنے کی ضرورت ہے اور اپنی معاشی ضروریات کے حصول کے لیے کام کاج کرنے کی حاجت ہے' اس لیے اس کے کام کاج کی آسانی کے لیے دن کو روشن بنایا تاکہ وہ دن کی روشنی میں اپنے لیے رزق فراہم کر سکے۔

اللہ کے نیک بندے رات میں بہ قدر ضرورت آرام کرتے ہیں تاکہ دن کی مشقت سے جو اعصاب کو تھکاوٹ پہنچی ہے وہ زائل ہو جائے اور بہ قدر ضرورت آرام کے بعد وہ رات کے آخری حصہ میں پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جائیں' ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا O (الفرقان: ۶۴) — اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں O

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ O (الذّٰریٰت: ۱۷) — (متقین) رات کو بہت کم سوتے تھے O

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ O (الذّٰریٰت: ۱۸) — اور سحری کے وقت اٹھ کر وہ استغفار کرتے تھے O

اور غافل لوگ ساری رات سو کر یا اپنی ازواج کے ساتھ داد عیش میں گزار دیتے ہیں اور فساق اور فجار ساری رات لہو

لعب اور معصیت میں گزار دیتے ہیں' کراچی اور لاہور ایسے بڑے شہروں میں اوباش نوجوان اپنی راتیں کلبوں میں' جوئے کے اڈوں اور شراب خانوں میں گزار دیتے ہیں اور موسیقی کی دھنوں پر اپنے قماش کی لڑکیوں کے ساتھ ناچتے گاتے اور ناجائز لذت اندوزی میں گزارتے ہیں اور راتوں کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے دن سکون آور گولیاں کھا کر گزارتے ہیں اور یوں وہ رات اور دن کے مقصد تخلیق کو بدل ڈالتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور احسان کرتے ہوئے دن کام کرنے کے لیے اور رات آرام کے لیے بنائی تھی لیکن وہ اس نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے رات لہو ولعب اور معصیت میں اور دن سونے میں گزارتے ہیں' اسی لیے فرمایا: ''بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے''۔

المؤمن: ۶۳۔۶۲ میں فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے O''

یعنی جس طرح مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید میں بت پرستی کر رہے ہیں اسی طرح ان سے پہلی امتوں کے کفار بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کی آیتوں میں غور وفکر نہیں کرتے تھے اور بے جا ضد' عناد اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' سو آپ ان کی تکذیب سے ملول خاطر اور افسردہ نہ ہوں' ایسا تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین کے سامنے جھک جاؤں O (المؤمن: ۶۶۔۶۴)

اللہ تعالیٰ کی انسان پر تین قسم کی نعمتیں

المؤمن: ۶۴ میں فرمایا: ''اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا'' اس آیت میں ٹھہرنے کی جگہ قرار کا لفظ ہے اور اس سے مراد موضع قرار اور منزل ہے جہاں انسان زندگی میں بھی سکونت رکھے اور مرنے کے بعد اس کو وہاں رکھا جائے اور یہ زمین انسانوں کے لیے بالذات موضع قرار ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالتبع موضع قرار ہے' اسی طرح آسمان کو تمہارے لیے بالذات چھت بنایا ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالتبع چھت بنایا ہے' یہ پہلی نعمت کا ذکر ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں'' انسان کی صورت تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہے کیونکہ انسان کی قامت سیدھی ہے' اس کے اعضاء متناسب ہیں' وہ سر اٹھا کے چلتا ہے اور اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے' اپنے منہ کو کھانے تک نہیں پہنچاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ O — بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

(التین: ۴)

انسان کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا ہے' اس کے دو' دو عضو بنائے ہیں اور ان میں مناسب فاصلہ رکھا ہے اور انسان کو حواس خمسہ ظاہرہ کے علاوہ حواس خمسہ باطنہ بھی دیئے ہیں' اس میں عقل' تدبر اور فہم وفراست رکھی ہے' حدیث میں ہے:

ابن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی سے لڑے تو چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ رقم الحدیث: ۱۱۵' الرقم المسلسل: ۶۵۳۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے یہ تشریف' تکریم اور عزت افزائی کے لیے ہے' یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے اور تم کو طیب اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا' یہ انسان کے اوپر تیسری نعمت کا ذکر ہے' طاہر اور طیب میں فرق ہے' طاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں ظاہری نجاست نہ ہو اور طیب اس چیز کو کہتے ہیں: جس میں معنوی اور باطنی نجاست نہ ہو' اللہ تعالیٰ خود طیب ہے' اس نے ہم کو رزق بھی حلال اور طیب عطا فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے''۔

یعنی جس ذات نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہی تمہارا رب ہے' وہ اپنی ذات اور صفات میں شرک سے منزہ ہے۔

المومن: ۶۵ میں فرمایا: ''وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے''۔

یعنی اس کی حیات منفرد ہے' وہ ازل سے ابد تک زندہ ہے' اس کی زندگی ذاتی ہے نہ کہ عطائی' وہ اپنی زندگی میں ہر قسم کے عرض اور نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔

قرآن اور ذکر میں مشغول ہونا زیادہ افضل ہے یا دعا کرنے میں؟

اس کے بعد فرمایا: ''سو تم اس کی اطاعت کرتے ہوا اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو''۔

اس سے پہلے المومن: ۶۰ میں بھی دعا کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں بھی دعا کی ترغیب دی ہے' اس ترغیب پر ایک حدیث سے اعتراض ہوتا ہے' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن اور میرے ذکر کی مشغولیت نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا اس کو میں سوال کرنے سے افضل عطا فرماؤں گا اور اللہ کے کلام کی باقی کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۵۹' کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۷۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۷۰۰)

قرآن مجید کی آیات اور بہت احادیث میں دعا کرنے کی فضیلت ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور ذکر میں مشغول رہنا دعا کرنے سے افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور دعا کرنے پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اور ذکر اور دعا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ذکر دعا ہے اور دعا ذکر ہے' کیونکہ جب جب کریم کی حمد وثناء کی جائے تو وہ دراصل اس سے اس کے کرم کا سوال ہوتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کریم سے سوال کرتا ہے تو وہ اس سے اس کا تعریف وتوصیف کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھا اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

''سبحان اللہ وبحمدہ'' اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اس ذکر سے بندہ کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دعا سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں' سو انسان اگر اللہ کا ذکر کرے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے دعا نہ کر

سکے پھر بھی اس کا مقصود پورا ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی ہے اور اس کا ذکر بھی کیا ہے اور دونوں عظیم مقام ہیں اور ان میں باہم کسی ایک کو افضل کہنا بہت مشکل ہے پس بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کا ذکر بھی کرے اور اللہ سے دعا بھی کرے اور ان شاء اللہ وہ ان دونوں پر کیے ہوئے وعدہ کو پالے گا۔ اس حدیث میں قرآن کی مشغولیت کو ذکر کی مشغولیت پر مقدم رکھا ہے اور قرآن میں مشغول ہونا عام ہے خواہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہو یا قرآن میں تدبر کرنے اور اس کی تفسیر میں مشغول ہو۔ یہ ناکارہ ۱۹۹۴ء سے قرآن مجید کی تفسیر میں مشغول ہے دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتیں عطا فرمائی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید واثق ہے کہ وہ آخرت میں بھی محروم نہیں فرمائے گا' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

المومن: ۶۶ میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العلمین کے سامنے جھک جاؤں''۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات جلال اور جمال بیان فرمائی تھیں اور مخلوق پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جن کا تقاضا تھا کہ مشرکین اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے' کیونکہ ہر عقل والا جانتا ہے کہ پتھر کی جن مورتیوں کو کفار نے خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بنایا تھا وہ ان کا خدا نہیں ہو سکتا' پھر فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العلمین کے سامنے جھک جاؤں' کیونکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسان اپنے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو ہر لحاظ سے افضل اور اکمل ہو اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے خدائے واحد کی عبادت کو پسند کیا اور اسی کو اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ اسی کی عبادت کرنا صحیح ہے' سو مشرکین پر لازم ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تم کو بچے کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے' پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو' پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو ○ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ ہو جاتی ہے ○ (المومن: ۶۸۔۶۷)

تخلیق انسان کے مراحل

المومن: ۶۷ میں فرمایا: ''وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے''۔ الآیۃ

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا نہیں کیا؟ اس کا مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے ضمن میں ہر انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا' کیونکہ ہر انسان حضرت آدم کی اولاد ہے اور ان کی تمام اولاد ان کی پشت میں تھی۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا ہے اور منی اور خون' انسان کے جسم میں غذا میں بنتا ہے اور غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور زمین مٹی ہے' اس سے واضح ہوا کہ ہر انسان کی اصل مٹی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے تین مراحل بیان کیے ہیں: ایک حالت طفولیت ہے' ایک حالت جوانی ہے اور ایک حالت بڑھاپا ہے۔

حالت طفولیت میں انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں وصول کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کسی حکم کا مکلف نہیں کرتا اور بلوغت سے بڑھاپے تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہوتا ہے' جوانی میں وہ بہت آسانی سے عبادت کر سکتا ہے اور بڑھاپے میں

مشکل ہوتی ہے لیکن ہمارے ہاں لوگ جوانی کو غفلت میں گزار دیتے ہیں اور بڑھاپے میں مسجد کا رخ کرتے ہیں جب ان کی بیویوں بہوؤں اور بیٹیوں پر ان کا وجود ناگوار ہونے لگتا ہے بڑھاپے میں انسان ویسے بھی چڑچڑا ہو جاتا ہے اور یہ بوڑھے لوگ مسجدوں میں آ کر بات بات پر امام اور مؤذن پر نکتہ چینی کرتے ہیں بڑھاپے میں انسان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اس کے چہرے سے کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا: مجھے ھود الواقعۃ والمرسلات اور ''عم یتساء لون'' نے اور ''واذا الشمس کورت'' نے بوڑھا کر دیا۔ (امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷ جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۵۷۰)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے تھے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے بال زیادہ سفید ہو گئے تھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے گنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں بیس (۲۰) سے بھی کم بال سفید تھے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۵۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بڑھاپے میں جس طرح خوف خدا کی شدت ہوتی ہے اور آدمی کا چہرہ خوف سے زرد رہتا ہے آپ پر وہ کیفیت بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے ہی طاری ہو گئی ہے آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ھود سورۂ الواقعۃ والمرسلات عرفا عم یتساء لون اور ''واذا الشمس کورت'' نے بوڑھا کر دیا۔ یعنی ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور قیامت کی سنگینیوں اور سختیوں کا ذکر ہے اور ان کے ذکر نے میرے اندر خوف خدا کی ایسی شدت پیدا کی جس نے مجھے کمہلا کر اور دہلا کر رکھ دیا اور وہ دن ایسا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا۟ۨ ○ (المزمل: ۱۷) وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ○

المومن: ۶۸ میں فرمایا: ''وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ ہو جاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ انسان کو پہلے دنیا میں زندہ کرتا ہے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں زندہ کرے گا اور ایک مرتبہ دنیا میں مارے گا اور دوسری بار صور قیامت سے مارے گا۔

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی وہ جب چاہتا ہے جس کو پیدا فرمانا چاہتا ہے اس کو پیدا فرما دیتا ہے تو پھر اس کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے وہ قیامت کے بعد صرف ایک لفظ ''کن'' فرمائے گا اور تم سب جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہو جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں ○

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ

جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا پس

يَعْلَمُوْنَ ۝٧٠ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝٧١

عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گاO جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گاO

فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝٧٢ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ

سخت گرم پانی میں' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گاO پھر ان سے پوچھا جائے گا: اب وہ کہاں ہیں

مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝٧٣ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے؟O جو اللہ کے سوا تھے' وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ

اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے' اسی طرح اللہ کافروں کو

اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧٤ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

گم راہ کرتا ہے O (اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝٧٥ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

اپنی عارضی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا اکڑتے پھرتے تھے O اب جہنم کے دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٧٦

ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' پس تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے O

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

پس آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے آپ کو کچھ

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝٧٧

دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں' سو ان کو تو بہرحال ہماری طرف لوٹایا جائے گا O

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے' ہم نے ان میں سے

عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ وَمَا كَانَ

بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے

لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ

یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے' پھر جب اللہ کا حکم

اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَـقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ؕ ۷۸ ع ۸ ۱۰ ۱۳

ہوگا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں' وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں O جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا' پس عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا O (المومن: ۷۰۔۶۹)

المومن: ۶۹ میں مجادلین سے مراد مشرکین ہیں یا منکرین تقدیر؟

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا آپ نے ان معاندین اور مکذبین کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا رد کرنے کے لیے بے جا حجت بازی کر رہے ہیں' جب کہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کے ثبوت میں بالکل واضح ہیں اور اگر انصاف سے ان آیات کو پڑھا جائے اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا' اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدال اور جھگڑا کرنے والوں کی اس سورت میں بھی کئی جگہ مذمت کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی مذمت کی ہے' دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ یہ آپ کی اور اللہ کے پیغام کی تکذیب کرتے ہیں اور چونکہ وہ آپ کے مکذب تھے' اسی لیے آپ سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جدال اور جھگڑا کرنے والے منکرین تقدیر ہیں جن کو قدریہ کہتے ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری امت میں سے اہل کتاب اور اہل لین ہلاک ہو جائیں گے' حضرت عقبہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اہل کتاب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جدال اور بحث کرتے ہیں' پھر حضرت عقبہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اہل لین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور نمازوں کو ضائع کرتے ہیں' ابوقبیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ تقدیر کے منکرین وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے جدال اور بحث کرتے ہیں اور اہل لین میرے گمان میں وہ لوگ ہیں جن کا کوئی امام جماعت ہوتا ہے اور نہ وہ رمضان کے مہینہ کو پہچانتے ہیں۔

اور ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مسلمانوں سے جدال اور بحث کرنے والے مشرکین تھے۔

(جامع البیان جز ۲۴ص ۱۰۵۔۱۰۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

منکرین تقدیر کے متعلق احادیث اوران سے تعلقات کا شرعی حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ (منکرین تقدیر) اس امت کے مجوس ہیں' اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۶۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ کو مجوس اس لیے فرمایا کیونکہ مجوس دو خدا مانتے ہیں' یزداں اور اہرمن' یزداں نور ہے' وہ خیر کا خالق ہے اور اہرمن ظلمت ہے' وہ شر کا خالق ہے' اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا خالق ہے اور شر کا خالق کوئی اور ہے حالانکہ اللہ سبحانہ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے اور اس نے شر کو کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کیا ہے' نیز قدریہ یہ کہتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خود انسان خالق ہے' ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال کا بھی خالق ہے' البتہ انسان کے افعال کا کسب اور قصد انسان کرتا ہے اور جس چیز کا انسان کسب اور قصد کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے' پس اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کاسب ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں' ان میں سے جو مر جائے تم اس کے جنازہ پر نہ جاؤ اور جو ان میں سے بیمار ہو جائے تم اس کی عیادت نہ کرو' یہ دجال کا گروہ ہے اور اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کو دجال کے ساتھ ملا دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ کا جو حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر یہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو' تمام گمراہ فرقوں کا یہی حکم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمالیا اور میرے لیے میرے اصحاب کو اور میرے سسرالی رشتہ داروں اور دامادوں کو پسند فرمالیا اور عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو ان کو بُرا کہیں گے اور ان کا نقص بیان کریں گے' تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور نہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء الکبیر ج ۱ص ۱۲۶' رقم الحدیث: ۱۵۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' کنز العمال ج ۱۱ص ۵۲۹' جمع الجوامع ج ۲ص ۲۲۸' المستدرک ج ۳ص ۶۳۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۷' السنۃ لابن ابی عاصم ج ۲ص ۴۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا O سخت گرم پانی میں' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا O پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے؟ O جو اللہ کے سوا تھے' وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے' بلکہ ہم اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے' اسی طرح اللہ کافروں کو گم راہ کرتا ہے O (اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں اپنی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا اکڑتے پھرتے تھے O اب جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' پس تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانہ ہے O پس آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے کچھ آپ کو دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں سو ان کو تو بہر حال ہماری طرف لوٹایا جائے گا O (المومن: ۷۷۔۷۱)

مشکل الفاظ کے معانی

المومن: ۷۱ میں ''اغـلال'' کا لفظ ہے' یہ غُل کی جمع ہے' غُل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے وسط میں اعضاء کو باندھا جاتا ہے' جس چیز سے اس کے ہاتھوں اور گردن کو باندھ دیا جائے اس کو غُل کہتے ہیں' اس کا معنیٰ طوق ہے۔ اعناق عنق کی جمع ہے' اس کا معنیٰ گردن ہے۔ السلاسل' سلسلۃ کی جمع ہے' اس کا معنیٰ زنجیر ہے'' یسـحبـون '' سحب سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: سختی کے ساتھ گھسیٹنا' اسی سے سحاب بنا ہے جس کا معنیٰ بادل ہے کیونکہ ہوا بادل کو سختی کے ساتھ گھسیٹتی ہے۔ اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا جائے گا' پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا جائے گا۔

المومن: ۷۲ میں ''الحمیم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کھولتا ہوا گرم پانی'' یسجرون '' کا لفظ سجر سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: تنور میں ایندھن بھر کر اس کو گرم کرنا۔

المومن: ۷۵ میں ''تـفرحون'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: خوشی سے اترانا'' تـمرحون '' مرح سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ خوش ہو کر اکڑنا۔

آخرت میں کفار کا عذاب

المومن: ۷۲۔۷۱ کا معنیٰ ہے: مشرکین کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر طوق میں جکڑ دیا جائے گا' پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا' قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی مشرکین کے عذاب کو بیان فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ○ (القمر: ۴۸۔۴۷)

بے شک مجرمین گم راہی اور عذاب میں ہوں گے ○ جس دن ان کو ان کے مونہوں کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا:) لو دوزخ کی آگ کا مزا چکھو ○

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○ (الکہف: ۲۹)

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کا احاطہ کر لیں گی' اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا' وہ کیسا برا پانی ہے اور وہ کیسی بُری آرام کی جگہ ہے ○

وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ (محمد: ۱۵)

ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ○

المومن: ۷۷۔۷۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ پھر مشرکین سے پوچھا جائے گا: اب وہ کہاں ہیں' جن کو تم دنیا میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے؟ وہ کہیں گے: اب وہ ہم کو دکھائی نہیں دے رہے کہ ہم ان کی سفارش کرائیں اور اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ کوئی چیز نہ تھے اور ہمارے کسی کام نہیں آ سکتے تھے اور اس وقت اس کا انکار کر دیں گے کہ وہ دنیا میں ان کی عبادت کرتے تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو ان سے گم راہ کر دیا تھا یعنی ان کی آنکھوں سے دور کر دیا تھا اسی طرح اللہ ان کو بھی ان کے بتوں سے دور کر دے گا اور گم راہ کر دے گا' حتیٰ کہ اگر وہ ایک دوسرے کو طلب کریں تو اس کو نہیں پا سکیں گے اور ان کو آخرت میں ایک دوسرے سے اس لیے گم راہ کیا جائے گا کہ مشرکین دنیا میں اپنے شرک اور بت پرستی پر اتراتے تھے اور اکڑتے تھے۔

المجر:۴۴ میں ہے:'' دوزخ کے سات دروازے ہیں' سو کافروں سے کہا جائے گا: تم ان سات دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' پس یہ تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے''۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے والوں کا عذاب بیان فرمایا ہے' اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان جھگڑنے والوں کی ایذاء پر صبر کریں' اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی نصرت فرمائے گا اور ان جھگڑنے والوں کو سزا دے گا اس کا یہ وعدہ برحق ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور غزوۂ بدر میں آپ کو فتح اور ان کو شکست سے دوچار کیا اور آخرت کا عذاب دکھانے سے پہلے ہم ان کو وفات دے دیں گے تو بہر حال انہوں نے ہماری طرف لوٹنا ہے اور ہم ان کو وہاں عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے' ہم نے ان میں سے بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے' پھر جب اللہ کا حکم ہوگا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے O

(المومن:۷۸)

مشرکین کے فرمائشی معجزات عطا نہ کرنے کی وجہ

مشرکین میں سے جو آپ کی نبوت میں جدال اور بحث کرتے تھے وہ آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے مثلاً آپ چشمے جاری کر دیں یا انگوروں اور دیگر پھلوں کے باغ کھلا دیں یا آسمانوں پر چڑھ جائیں وغیرہ وغیرہ' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے ہیں خواہ ان کا قصہ آپ سے بیان کیا ہے یا نہیں' سب نبیوں کو اتنے ہی معجزات عطا کیے ہیں جتنے معجزات ان کی نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اور کسی نبی کو اس کی کافر قوم کے فرمائشی معجزات عطا نہیں کیے اور نہ کسی نبی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر از خود کوئی معجزہ پیش کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ما کان وما یکون پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے بہت رسول بھیجے ہیں اور بعض کے قصے آپ سے بیان کیے ہیں اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے' بعض علماء اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت اس باب میں نص قطعی ہے کہ آپ کو کل رسولوں کا علم نہیں تھا' تو آپ کے حق میں علم کلی کا یا علم ما کان وما یکون کا دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے زمانہ ماضی میں آپ کے سامنے بعض رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے' اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کے بعد مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے باقی رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے' جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ . ہم آپ کے سامنے تمام رسولوں کی خبریں بیان فرما رہے ہیں۔ (ھود:۱۲۰)

پس زمانہ ماضی میں آپ کو بعض رسولوں کی خبریں نہیں بیان فرمائیں اور مستقبل میں آپ کو تمام رسولوں کی خبریں بیان فرما دیں' سو المومن:۷۸ آپ کے علم کلی یا علم ما کان وما یکون کے منافی نہیں ہے جب کہ ھود:۱۲۰ میں تمام رسولوں کے علم کا اثبات ہے۔

اور صحابہ کرام کو بھی اس پر اعتماد تھا کہ آپ کو تمام رسولوں کا علم ہے' اس لیے وہ آپ سے پوچھتے تھے کہ نبیوں اور رسولوں

کی تعداد کتنی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

نبیوں' رسولوں' کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے' اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کررہے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں' میں نے کہا: بہت اچھے ہیں' میں نے کہا: یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' پھر ان کو اپنے سامنے بنایا' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم' شیث اور خنوخ' یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ھود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی' اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں' آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں' شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے' خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے' ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات' انجیل' زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن ص ۵۴۔۵۲' مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ' بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے' مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶' ۱۷۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ' طبع قدیم)

(مسند احمد ج ۳۵ ص ۴۳۸۔۴۳۵' رقم الحدیث: ۲۱۵۵۰' مسند احمد ج ۳۶ ص ۶۱۹۔۶۱۸' رقم الحدیث: ۲۲۲۸۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷' المستدرک ج ۲ ص ۲۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۸۱' مشکل الآثار للطحاوی رقم الحدیث: ۴۷۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۹۱۔۴۲۰' ج ۲ ص ۲۹۶' ج ۴ ص ۲۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۲۶۹۔۲۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷۔۳۵۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان' امام اصبہانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۷ ص ۲۰۶۔۲۰۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ' جمع الجوامع ج ۱۵ ص ۵۴۶۔۵۴۴' رقم الحدیث: ۱۵۰۷۶)

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۳۴۔۱۳۳' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے الدر المنثور میں لکھا ہے: امام عبد بن حمید' امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں' امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں' امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا: ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا' اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے: یہ حدیث ضعیف ہے' نہ موضوع ہے نہ صحیح ہے' جیسا کہ میں نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران' الدر المنثور ج ۲ ص ۶۹۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے' اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۱۰۲۳۲' ۱۱۴۰۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۴ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار المامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

امام ابویعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقاشی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

علامہ بدر الدین عینی نے امام ابن حبان کی صحیح اور امام ابن مردویہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابوذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابویعلیٰ اور حافظ ابوبکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۰۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں' اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابویعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے راویوں کی جو تضعیف کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں نے امام ابن حبان کی تصحیح کو بلا تبصرہ نقل کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی بہت معتمد ہیں' اس لیے یہی صحیح ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں۔

(شرح عقائد ص ۹۷' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ پرہاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔

(نبراس ص ۴۴۷' مطبوعہ مکتبہ قادریہ' لاہور' ۱۳۹۷ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی'

حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا ہے' لیکن دو لاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تفتازانی کی نظر بہت کم ہے' بلکہ علامہ تفتازانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث "جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

(شرح عقائد ص ۱۰۶ شرح مقاصد ج ۵ ص ۲۳۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے' جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے' پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں' امام احمد کی یہ سند زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو امام بزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۶۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۴' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اعتماد حضرت ابوذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارتاً نام ہے

بہر حال اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی رسول بھیجے وہ سب صادق اور برحق ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات دے کر بھیجا جو ان کے صدق پر دلالت کرتے تھے' پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء پر اس طرح ایمان ہوگا کہ ان کی شریعت ان کے زمانہ میں نافذ العمل تھی اور اب ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں اور جو شخص آپ کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور آپ کے خاتم الرسل ہونے پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (۲۸) انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں: (۱) حضرت آدم (۲) حضرت نوح (۳) حضرت ادریس (۴) حضرت صالح (۵) حضرت ہود (۶) حضرت ابراہیم (۷) حضرت اسماعیل (۸) حضرت اسحاق (۹) حضرت یعقوب (۱۰) حضرت یوسف (۱۱) حضرت لوط (۱۲) حضرت موسیٰ (۱۳) حضرت ہارون (۱۴) حضرت شعیب (۱۵) حضرت زکریا (۱۶) حضرت یحییٰ (۱۷) حضرت عیسیٰ (۱۸) حضرت داؤد (۱۹) حضرت سلیمان (۲۰) حضرت الیاس (۲۱) حضرت الیسع (۲۲) حضرت ذوالکفل (۲۳) حضرت ایوب (۲۴) حضرت یونس (۲۵) حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام' ان کے علاوہ تین ناموں کا اور ذکر ہے: ذوالقرنین' عزیر اور لقمان لیکن ان کی نبوت میں اختلاف ہے' بعض نبیوں کا قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہے "وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ" (البقرہ: ۲۴۷) اس میں الشمویل کی طرف اشارہ ہے "أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ" (البقرہ: ۲۵۹) اس میں ارمیاہ کی طرف اشارہ ہے "وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ" (الکہف: ۶۰) اس میں حضرت یوشع کی طرف اشارہ ہے۔ "فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا" (الکہف: ۶۵) میں حضرت خضر کی طرف اشارہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾

اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو O

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان کے ذریعے اپنی ان ضروریات کو پورا کرو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ

جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو O اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں

فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

دکھاتا ہے' پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O کیا پس انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا

فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا

کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے

أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ

اور قوت میں بھی بہت سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں' پس ان کے

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کارناموں نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا O پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل

بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا

جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے:

آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ

ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O پس

يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ

ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا

خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۞۸۵ ع ۱۴

اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تا کہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو O اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ تم ان کے ذریعہ اپنی ان ضروریات کو پورا کرو جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو O اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O (المومن: ۸۱-۷۹)

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات اور احسانات

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انعام اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے اور یہ اونٹ' گائے اور بکریاں ہیں' ان میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو' پس اونٹنیوں پر سواری بھی کی جاتی ہے اور ان کا گوشت کھایا بھی جاتا ہے اور ان کا دودھ بھی دوہا جاتا ہے' اسی طرح گایوں اور بکریوں سے بھی یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اونٹوں پر دور دراز کا سفر کیا جاتا ہے اور ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور بیلوں سے زمین میں ہل بھی چلایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون حاصل کیا جاتا ہے' جس سے سردیوں کا گرم لباس بنایا جاتا ہے اور ان کے دودھ سے گھی' مکھن اور پنیر بھی حاصل کیا جاتا ہے' ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے جانوروں کا بھی ذکر فرمایا ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O (النحل: ۸)

اور اللہ نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں' اور وہ ان چیزوں کو پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے O

یعنی ان جانوروں کو پیدا کرنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ تم ان پر سواری کرو تاہم یہ تمہاری زینت کا باعث بھی ہیں' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کا ذکر فرمایا تھا۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ O (النحل: ۵)

اور اس نے تمہارے فائدے کے لیے چوپائے پیدا کیے جن (کے اون) میں تمہارا گرمی کا لباس ہے اور دیگر فوائد ہیں اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے ہو O

النحل: ۸ میں چوپایوں کا عمومی ذکر کرنے کے بعد گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کا الگ ذکر کیا' اس سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر حرام ہے' لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کو نحر کیا (سینہ پر نیزہ مار کر ذبح کرنا) پھر ہم نے ان کو کھایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۸۳۹ جامع المسانید والسنن مسند ابن عبد اللہ رقم الحدیث: ۸۶۲)

ان حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ النحل: ۸ میں جو خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ گھوڑوں کا کھانا حرام ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں گھوڑوں کا غالب استعمال سواری کے لیے کیا جاتا ہے اور وہ اس قدر خوب صورت' مفید اور گراں قیمت جانور ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت نادر ہے اور بھیڑوں اور بکریوں کی طرح اس کو عام طور پر ذبح کر کے کھایا نہیں جاتا۔

توحید اور رسالت پر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

المومن: ۸۱ میں فرمایا: ''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O''

اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانیاں صرف آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے وجود میں بھی یہ نشانیاں سمٹی ہوئی ہیں' اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نشانیاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات قدسیہ میں ہیں اور اس سے بڑھ کر منکر کون ہوگا جو ان چمکتی ہوئی واضح نشانیوں کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے لیے سب سے عظیم معجزہ قرآن مجید ہے' جس نے یہ چیلنج کیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں لا سکتا اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی اس کی مثال نہیں لا سکا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکی' حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ ہو یہ تمام معجزات ان نبیوں کے ساتھ چلے گئے' آج کسی یہودی یا عیسائی کے پاس کوئی معجزہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے دین کی صداقت منوا سکے' مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے' وہ جس طرح کل اسلام کی صداقت کی دلیل تھا' آج بھی اسلام کی حقانیت پر دلیل ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا پس انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں بھی سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں' پس ان کے کارناموں نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا O پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O (المومن: ۸۵۔۸۲)

کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی نصیحت

یعنی جب کفار مکہ سفر کرتے ہیں اور مکہ سے شام یا یمن کی طرف جاتے ہیں تو وہ پچھلی امتوں مثلاً عاد اور ثمود کی بربادی کے آثار اور ان کے کھنڈرات وغیرہ دیکھتے ہیں تو کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے' ان لوگوں کے پاس بہت مال تھا' ان کی اولاد بھی بہت زیادہ تھی' بڑے بڑے لشکر تھے اور بلند و بالا عمارتیں تھیں' لیکن جب ان کے کفر اور شرک اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کے اوپر عذاب آیا تو ان میں سے کوئی چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

المومن: ۸۳ میں فرمایا: ''پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان

کے پاس تھا''۔

یعنی انہوں نے اللہ کے رسولوں کے علم کے مقابلہ میں اپنے علم کو عظیم اور برتر خیال کیا اور رسولوں کے علم کو کم تر اور حقیر جانا' ان کے علم سے مراد ان کے باطل عقائد اور اندھی تقلید ہے جو دراصل جہل ہے اور اس کو استہزاءً علم فرمایا ہے' ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا' نہ قیامت قائم ہوگی یا ان کے علم سے مراد ہے: ان کو اپنے پیشوں اور اپنی صنعتوں کا علم تھا یا ان کو ستارہ شناسی کا علم تھا یا ان کو شعر و شاعری کا علم تھا اور وہ ان علوم کو بہت بڑی چیز سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور اپنے ان علوم کے مقابلہ میں علوم شرعیہ کو کم تر خیال کرتے تھے۔

موت کے فرشتہ یا آثار عذاب کو دیکھ کر توبہ قبول نہ ہونے کی تحقیق

المومن: ۸۴ میں فرمایا: ''پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O''

یعنی جب انہوں نے ہمارے عذاب کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تو عذاب کی شدت دیکھنے کے بعد کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں جو وحدہٗ لاشریک ہے اور جن بتوں کو ہم پہلے اللہ کی عبادت میں شریک کرتے تھے ان کا اب کفر اور انکار کرتے ہیں۔

المومن: ۸۵ میں فرمایا: ''پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O''

یعنی وہ اس وقت میں ایمان نہیں لائے جس وقت میں انہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کا عذاب دیکھ کر اس پر ایمان لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ایمان کو قبول نہیں فرماتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو اور موت کے وقت کافر کو عذاب کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں تو جو کافر عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا' اسی وجہ سے فرعون جو مرتے وقت ایمان لایا تھا اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ O (یونس: ۹۱-۹۰)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا' پس فرعون اور اس کے لشکر نے (ان پر) ظلم اور زیادتی کرنے کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا' حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں O (فرمایا:) اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً توبہ قبول کرنے کی خبر دی ہے' فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کی توبہ کرنا موت سے پہلے پر محمول ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بیان فرما دیا ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے وقت توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النساء:١٨)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں' حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر پر مرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلسل گناہ کرتا رہے اور مرتے وقت توبہ کرے یا جو شخص مسلسل کفر کرتا رہے اور مرتے وقت ایمان لائے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے نہ اس کا ایمان قبول ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ موت نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳' مسند احمد ج ۲ص ۱۳۲۔۱۵۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۰ص ۳۰۰' رقم الحدیث: ۶۱۶۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۸' الکامل لابن عدی ج ۴ص ۱۵۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۵ص ۱۹۰' المستدرک ج ۴ص ۲۵۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۶۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۰۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۸۷)

غرغرہ موت کا معنیٰ ہے: جب آدمی کی روح نکل کر اس کے حلقوم تک پہنچ جائے اور اس کو موت کا یقین ہو جائے' اس وقت آدمی کی توبہ قبول نہیں ہوتی' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جب آدمی ملک الموت کو دیکھ لے لیکن یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں ہے' کیونکہ بعض لوگ ملک الموت کو نہیں دیکھتے اور بعض موت سے پہلے دیکھ لیتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کی روح اس کے حلقوم تک پہنچ جائے یا وہ آثار عذاب کو دیکھ لے اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اس پر اس حدیث سے اعتراض ہوتا ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا' ہم علی الصبح قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے' میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا' اس نے کہا: لا الہ الا اللہ' لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا' پھر مجھے اپنے اس فعل کے متعلق کچھ تردد ہوا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا' جس سے تم کو پتا چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے' حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں اسی وقت اسلام لایا ہوتا (تاکہ اس شخص کا قتل زمانۂ جاہلیت کے افعال میں شمار کیا جاتا اور میرے اسلام لانے سے وہ گناہ معاف ہو جاتا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۹۴' مسند ابوعوانہ رقم الحدیث: ۱۹۲' مسند احمد ج ۵ص ۲۰۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ص ۱۳۳' رقم الحدیث: ۲۱۸۰۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۸۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ص ۱۹۲۔۱۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۱۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۲)

اعتراض یہ ہے کہ اس شخص پر جب حضرت اسامہ نے حملہ کیا اور اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا اور جب موت کو سامنے دیکھ کر ایمان قبول نہیں ہوتا تو چاہیے تھا کہ اس کا ایمان بھی قبول نہ ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے ملک الموت کو دیکھا تھا نہ آثار عذاب دیکھے تھے اور اگر حضرت اسامہ اس کو کلمہ پڑھنے کا موقع دیتے تو اس کا ایمان بالغیب

ہی ہوتا' اس کو اپنی موت کا یقین نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس اس کو یہ یقین تھا کہ اس کے کلمہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت اسامہ اس کو قتل نہیں کریں گے۔

سورت المومن کا خاتمہ

آج ۲۲ شعبان ۱۴۲۴ھ/ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء بہ روز ہفتہ بہ وقت صبح سورۃ المومن کی تفسیر ختم ہوگئی' فالحمدللہ رب العلمین۔ اس سورت کی ابتداء ۱۸ ستمبر کو ہوئی تھی گویا ایک ماہ میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی' رب العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب طمانیت و استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں' میری' میرے والدین کی' اس کتاب کے معاونین' اس کے مصحح' ناشر اور اس کے قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ ۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو میری والدہ کا انتقال ہوگیا' قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين
امام المرسلين شفيع المذنبين وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته
واولياء امته و علماء ملته وامته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حٰمٓ السجدہ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

برصغیر اور دیگر مشرقی ممالک میں اس سورت کا نام حٰمٓ السجدۃ مشہور ہے' حٰمٓ کی وجہ یہ ہے کہ المومن سے الاحقاف تک سات سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوئی ہے اور السجدۃ اس لیے کہ اس سورت میں ایک سجدہ قرآن ہے اور مغربی ممالک اور تونس میں اس سورت کا نام فصلت ہے کیونکہ اس سورت کی تیسری آیت میں ہے:

کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ. (حٰمٓ السجدۃ:۳) یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے۔

تا کہ یہ سورت ان دوسری سورتوں سے ممیز اور ممتاز رہے جن کی ابتداء حٰمٓ سے کی گئی ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۱ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۱ ہے' یہ سورت المومن کے بعد اور الزخرف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

حٰمٓ السجدۃ کا زمانہ نزول

یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ابتدائی دورِ تبلیغ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' امام ابویعلیٰ احمد بن علی متوفی ۳۰۷ھ' امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اور امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ کسی بڑے جادوگر' کاہن اور شاعر کو ڈھونڈ کر لاؤ' وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے دین کی مذمت کی ہے' وہ ان سے بحث کرے اور دیکھے کہ وہ ان کو کیا جواب دیتے ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں تو عتبہ بن ربیعہ کے سوا کوئی شخص نظر نہیں آتا' پھر عتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: اے محمد! آیا تم افضل ہو یا عبد اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' پھر اس نے کہا: تم افضل ہو یا عبد المطلب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے' اس نے کہا: اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ تم سے افضل ہیں تو ان لوگوں نے تو ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم مذمت کرتے ہو اور اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ تم ان سے افضل ہو تو تم اپنی دلیل بیان کرو حتیٰ کہ ہم اس کو سنیں اور اللہ کی قسم! ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنی قوم کے

لیے تم سے زیادہ بے برکت ہو' تم نے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور تم نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہم کو تمام عرب میں رسوا کر دیا' حتیٰ کہ پورے عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں ایک جادوگر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے' اگر تمہیں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ہو تو تم ہمیں بتاؤ کہ تم قریش کی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو' ہم تمہاری اس عورت سے شادی کر دیں گے اور اگر تمہیں مال و دولت کی خواہش ہو تو ہمیں بتاؤ' ہم تمہیں اتنا مال دیں گے کہ تم قریش کے سب سے زیادہ مال دار شخص بن جاؤ گے' آپ نے عتبہ سے پوچھا: کیا تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟ اس نے کہا: ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حٰمٓ السجدۃ کی آیتوں کو پڑھنا شروع کیا اور اس کی ابتدائی تیرہ آیتوں کی تلاوت کی (ان کا ترجمہ یہ ہے:)

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O حٰمٓ یہ الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے' علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے O ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا' پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گے O اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے' ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے' تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا O آپ کہیے: کیا واقعی تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین میں بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت رکھی اور اس نے چار دنوں میں اس کے رہنے والوں کے لیے غذائیں پیدا کیں جو تمام طلب گاروں کے لیے مساوی ہیں O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں O پس اس نے دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اسے محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O (حٰمٓ السجدۃ: ۱۳۔۱)

عتبہ نے ان آیات کو سن کر کہا: بس کریں' بس کریں' کیا آپ کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' پھر عتبہ قریش کے پاس واپس گیا' انہوں نے پوچھا: تم کیا جواب لائے ہو' عتبہ نے کہا: میں نے ان سے ہر وہ بات کہی جو تم خود ان سے اس موضوع پر کہہ سکتے تھے' انہوں نے پوچھا: پھر انہوں نے تم کو کیا جواب دیا؟ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو قائم کیا' میں ان کی کوئی بات نہیں سمجھ سکا سوا اس کے کہ انہوں نے کہا: میں تم کو ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرا رہا ہوں جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا' انہوں نے کہا: افسوس ہے' ایک شخص تم سے عربی زبان میں بات کرتا رہا اور تم نہیں سمجھ سکے کہ اس نے کیا کہا ہے' اس نے پھر کہا: نہیں' خدا کی قسم! میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکا کہ انہوں نے ہولناک کڑک والے عذاب کا ذکر کیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۹۷۔۲۹۴ طبع کراچی' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۲' المستدرک ج ۲ ص

۲۵۴طبع قدیم' مکہ مکرمہ' المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۰۲طبع جدید المکتبۃ العصریہ بیروت' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۲۰۵۔۲۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۰ص ۱۷۸۔۱۷۷۔۱۸۱۔۱۷۹' رقم الحدیث: ۷۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حٰمٓ السجدۃ کے مشمولات

(۱) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تقاضے سے قرآن مجید نازل فرمایا ہے' جو نیک کام کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیتا ہے اور بُرے کام کرنے والوں کو عذاب سے ڈراتا ہے' چاہیے یہ تھا کہ مشرکین بُرے کاموں کو ترک کر کے عذاب سے بچ جاتے' وہ اس کے بجائے آپ سے نزول عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں' آپ کہیے کہ میں بشر ہوں خدا نہیں ہوں' عذاب کو نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(۲) اس کائنات کو بنانا کوئی کھیل اور تماشا نہیں ہے' یہ اس عظیم الشان خالق کی حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے' اس میں کسی دیوی یا دیوتا کا تعاون نہیں ہے' یہ صرف اس خدائے واحد کی تخلیق ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۳) کفار مکہ کو سرزنش کی ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تم پر بھی اسی طرح عذاب آئے گا جیسا عذاب تم سے پہلی تکذیب کرنے والی قوموں پر آتا رہا ہے۔

(۴) مشرکین اس امید پر بتوں کی پرستش کر رہے ہیں کہ وہ بت قیامت کے دن اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے' ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

(۵) اللہ تعالیٰ دوزخ میں کافروں کو جمع کرے گا' ان کافروں میں سردار بھی ہوں گے اور ان کے پیروکار بھی' وہ اپنے عذاب کا الزام ایک دوسرے پر عائد کریں گے اور ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔

(۶) جو لوگ کفار کی زیادتیوں اور ان کے ظلم کے باوجود توحید پر قائم رہیں گے' قیامت کے دن فرشتے ان کو رحمت کی بشارت دیں گے۔

(۷) کفار کی ریشہ دوانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور شیطان کی وسوسہ اندازی پر اللہ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت۔

(۸) توحید' قیامت اور حشر ونشر پر دلائل۔

(۹) قرآن مجید کی عظمت کا بیان اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات۔

(۱۰) قیامت کا مذاق اڑانے والوں کو عذاب کی وعید۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے حٰمٓ السجدۃ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے گریزاں رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ

بلاک-۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/۲۱۲۰۶۱۷-۰۳۴۵/۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

۲۳ شعبان ۱۴۲۴ھ/۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء

سورۃ حٰمٓ السجدۃ مکیۃ ۴۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۵۴ رکوعاتہا ۶

سورۂ حٰمٓ السجدۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہےO اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ
حا میم O یہ الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ
آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے، علم والوں کے لیے عربی قرآن ہےO ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
سے ڈرانے والا، پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گےO اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں
تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ
بلا رہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ
حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الثلثة
ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کیجئے، ہم اپنا کام کرنے والے ہیںO آپ کہیے:
يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ
میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے، تم اسی کی طرف
اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ
مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہےO جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیںO بے شک جو لوگ ایمان لائے
ع ۱ ۸ ۱۵ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ ع
اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیمO یہ الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہےO یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے' علم والوں کے لیے عربی قرآن ہےO ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا' پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گےO اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیںO (حٰمٓ السجدۃ: ۵۔۱)

حٰمٓ کے معانی

وہ سات سورتیں جن کو حٰمٓ سے شروع کیا گیا ان میں حٰمٓ السجدۃ دوسری سورت ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ حٰمٓ اس سورت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حٰمٓ قرآن مجید کا نام ہے اور اس کا قرآن مجید پر اطلاق حقیقتاً ہے' ایک قول یہ ہے کہ ح سے حبیب کی طرف اور م سے محبوب کی طرف اشارہ ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ حبیب سے محبوب کی طرف خطاب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ح سے حکمت کی طرف اور میم سے منت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر منت اور احسان ہے کہ اس نے اپنی حکمت سے معمور کلام کو ان کی طرف نازل فرمایا' اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو محیط اور شامل ہے' اسی وجہ سے اس نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا۔

قرآن مجید کی دس صفات

ہم نے حٰمٓ کے معانی میں ایک یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ حٰمٓ قرآن مجید کا نام ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین آیتوں میں قرآن مجید کی دس صفات بیان فرمائی ہیں:

(۱) قرآن مجید کا نام حٰمٓ ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یہ منزّل ہے یعنی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت و مصلحت نازل کیا گیا ہے۔

(۲) اس کو نازل کرنے والا الرحمٰن اور الرحیم ہے اور جس طرح اس نے اپنی رحمت کے تقاضے سے صحت مند لوگوں کے لیے مقوی غذائیں پیدا فرمائی ہیں اور بیماروں کے لیے دوائیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح قرآن مجید میں اپنی رحمت کے تقاضے سے بندوں کو اس واحد ذات کی طرف ہدایت دی ہے جو ان کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے اور دنیا میں صالح حیات گزارنے کے لیے جامع دستور عطا فرمایا ہے' جس پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں فوز وفلاح حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) (ا) اس کلام کو کتاب فرمایا ہے اور کتاب اس چیز کو کہتے ہیں جو چند مضامین کی جامع ہو اور یہ کلام اوّلین اور آخرین کے اہم اور ضروری قصص اور واقعات کا جامع ہے (ب) یہ کلام ہدایت کی تمام انواع اور اقسام کا جامع ہے (ج) انسان کو اپنی دائمی فوز وفلاح کے حصول میں جن چیزوں سے مجتنب ہونا ضروری ہے اور جن چیزوں سے متصف ہونا ضروری ہے یہ کلام ان تمام چیزوں کا جامع ہے۔

(۴) اس کلام کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے' یعنی اس کی آیات متعدد انواع کی ہیں: (ا) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے وجود کا بیان ہے (ب) بعض آیات میں اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کی گئی ہے جو اس کے لیے موجب نقص ہیں اور اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (ج) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو بیان فرمایا ہے (د) بعض آیات میں اس کے وجود پر دلائل ہیں (ہ) بعض آیات میں اس کی توحید کے دلائل ہیں اور اس کے استحقاق عبادت کے

براہین ہیں(و) بعض آیات میں نبیوں اور رسولوں کی ضرورت اور ان کی صفات کا بیان ہے(ز) بعض آیات میں احکام شرعیہ کا ذکر ہے(ح) بعض آیات میں قیامت اور حشر ونشر کے دلائل ہیں(ط) بعض آیات میں گزشتہ امتوں کے صالحین اور فاسقین کے قصص ہیں(ی) بعض آیات میں اعمال کے حساب' میزان' شفاعت' جنت' دوزخ اور ثواب اور عذاب کی تفصیلات ہیں' سو یہ آیات کی دس انواع ہیں۔

(۵) حٰمٓ سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ قرآن ہے' قرآن لفظ قرء سے بنا ہے یا قرن سے' اگر قرء سے بنا ہو تو قرء کا معنیٰ ہے پڑھنا اور اس کو قرآن اس لیے فرمایا کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے' قرآن مجید کے سوا دنیا میں کسی کتاب کا کوئی حافظ نہیں ہے' ایک بار پنڈت رام چند نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے کہا کہ مجھے تمہارے قرآن کے چودہ پارے حفظ ہیں' تم بتاؤ تمہیں ہمارا وید کتنا حفظ ہے؟ صدر الافاضل نے فرمایا: یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ وہ دشمن کے سینہ میں بھی چلا گیا اور یہ تمہارے وید کا نقص ہے کہ تمہیں خود بھی وید کی عبارت حفظ نہیں ہے' مکمل وید کو حفظ کرنا تو الگ رہا تم مجھے اس کے چند صفحات کی عبارت ہی زبانی سنا دو' یہ سن کر پنڈت رام چند لاجواب ہو گیا اور اگر قرآن کا لفظ قرن سے بنا ہو تو اس کا معنیٰ ہے ملنا اور ملانا' سو اس کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تمام سورتیں اور آیتیں باہم مربوط اور ملی ہوئی ہیں اور یہ قرآن بندوں کو خدا سے ملا دیتا ہے۔

(۶) قرآن عربی زبان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا ہے۔ (ابراہیم:۴)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ''اِسۡتَبۡرَقٍ'' کا لفظ ہے (الکہف:۳۱) اس کا معنیٰ ہے ریشم اور سونے کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''سِجِّيۡلٍ'' کا لفظ ہے (ھود:۸۲) اس کا معنیٰ ہے کنکر اور یہ بھی فارسی کا لفظ ہے' اور قرآن مجید میں ''مِشۡكٰوةٍ'' کا لفظ ہے (النور:۳۵) اس کا معنیٰ ہے طاق اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''الۡقِسۡطَاسِ'' کا لفظ ہے (بنی اسرائیل:۳۵) اس کا معنیٰ ہے ترازو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''الطُّوۡرِ'' کا لفظ ہے (الطور:۱) اس کا معنیٰ ہے پہاڑ اور یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''التنور'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے تندور اور یہ ہندی زبان کا لفظ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ لغات متداخلہ میں سے ہیں' یعنی ان زبانوں میں بھی مستعمل ہیں اور عربی میں بھی مستعمل ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ الفاظ دوسری زبانوں کے تھے لیکن جب عربوں نے ان الفاظ کو قبول کر لیا اور عربوں میں یہ الفاظ بولے جانے لگے تو گویا کہ عربی زبان ہی کے الفاظ ہو گئے' بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ''قرانا عربیاً'' کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ عربی اسلوب پر نازل ہوا ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس کے تمام الفاظ عربی ہیں بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کے اکثر الفاظ عربی ہیں' یہ جواب صحیح تو ہے لیکن عمدہ جواب نہیں ہے۔

(۷) علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے' علم والوں کے لیے اس وجہ سے فرمایا کہ عربی اسلوب اور عربی قواعد کے اعتبار سے جو اس کے نکات ہیں ان کو علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں' مثلاً مبتداء کسی جگہ مقدم ہوتا ہے' کسی جگہ مؤخر ہوتا' کہیں اسم ظاہر کو لایا جاتا ہے کہیں اسم ضمیر کو لایا جاتا ہے' کہیں حصر ہوتا ہے' کہیں فصل اور وصل ہوتا ہے' کہیں اجمال اور کہیں تفصیل ہوتی

ہے' کہیں کسی لفظ سے حقیقت مراد ہوتی ہے کہیں اس سے مجاز مرسل اور کہیں مجاز بالاستعارہ مراد ہوتا ہے' کہیں کسی چیز کو ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں حذف کر دیا جاتا ہے' کہیں مقتضیٰ ظاہر حال کے موافق کلام ہوتا ہے کہیں خلاف مقتضیٰ ظاہر حال کلام ہوتا ہے' علیٰ ہٰذا القیاس اور یہ ایسے امور ہیں کہ ان کو فصاحت و بلاغت اور فنون عربیہ کے جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں اسی لیے فرمایا ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت:۴۳)

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں' ان کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں ○

(۸) یہ قرآن بشارت دینے والا ہے' یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی نعمتوں اور اجر و ثواب کی بشارت دینے والا ہے۔

(۹) یہ قرآن ڈرانے والا ہے' یعنی جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لاتے' شرک اور کفر کرتے ہیں اور فسق و فجور کے کام کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں' ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی عذاب اور دوزخ کی وعید سنانے والا ہے۔

(۱۰) کافروں نے قرآن مجید کے پیغام پر کان نہیں دھرا اور اس سے اعراض کیا' بہ ظاہر وہ قرآن مجید کو سنتے ہیں لیکن وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہ گم راہ ہے' اس سے پہلے قرآن مجید کی جو نو صفات بیان فرمائی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کیا جائے' تدبر اور تفکر کیا جائے کیونکہ اس کو الرحمٰن اور الرحیم نے نازل کیا ہے' اس لیے اس میں لوگوں کی دائمی رحمت کا سامان ہے اور یہ عربی زبان میں ہے' اس لیے اس سے استفادہ کرنا آسان ہے اور اس میں ثواب کی خوشخبری اور عذاب کی وعید ہے' اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ان احکام کو جانے جن پر عمل کرنے سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور ان کاموں کی واقفیت حاصل کرے جن کے نتیجہ میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا' اس کے باوجود انہوں نے قرآن مجید سے اعراض کیا اور اس کی طرف توجہ نہیں کی' اللہ تعالیٰ کو یہ شکوہ کافروں سے ہے' لیکن اب اکثر مسلمانوں نے بھی عملاً قرآن کریم سے اعراض کیا ہوا ہے' وہ قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں' اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں' مخمل کے غلاف میں اس کو لپیٹ کر رکھتے ہیں' لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتے' کوئی عزیز فوت ہو جائے تو بس سورۂ یٰسین کی تلاوت کر لیتے یا کسی دینی مدرسہ سے کچھ طلبہ بلوا کر ختم قرآن کرا لیتے ہیں' اس کے معانی کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے اس کے احکام پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

کفار کے دلوں پر پردوں اور کانوں میں ڈاٹ کا سبب

حٰمٓ السجدۃ: ۵ میں ہے: ''اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ○''

اس آیت میں ''اکنـہ'' کا لفظ ہے' یہ کنان کی جمع ہے' کنان اس پردے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لیتا ہے یعنی اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس تک دوسری چیزوں کے پہنچنے سے مانع ہوتا ہے' مشرکین کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے دلوں پر ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں جو آپ کی دعوت اور پیغام کی فہم اور اس کو سمجھنے سے مانع ہیں اور اس آیت میں ''وقر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی

ہے ڈاٹ اور کارک' بوتل کے اوپر ایک مضبوط کارک لگا ہوا ہوتا ہے جو باہر کی کسی چیز کو بوتل کے اندر جانے نہیں دیتا' انہوں نے کہا: ہمارے کانوں میں بھی اسی طرح ڈاٹ اور کارک ہے جس کی وجہ سے آپ کی آواز ہمارے کانوں میں نہیں پہنچتی' دراصل ان کے دلوں پر دنیا کی گوناگوں رنگینیوں اور اس کی زیب و زینت کی محبت کے قفل لگے ہوئے تھے' اس لیے وہ کوئی ایسی بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کی ناجائز خواہشوں کے پورا ہونے میں کوئی کمی آتی یا غیر شرعی لذت اندوزی میں کوئی فرق پڑتا' قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ. اور انہوں نے کہا: بلکہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں' بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ (البقرہ:۸۸)

اور اس آیت میں فرمایا: ''اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے'' یہ حجاب ان کی اندھی تقلید اور باطل خواہشوں کا ہے اور کفر اور شرک کے ساتھ ان کی شدید وابستگی اور سخت محبت کا ہے۔

اس آیت میں صرف ان کے دلوں اور کانوں کا ذکر فرمایا ہے اور دل سے مراد عقل ہے اور عقل ادراک کا اصل ذریعہ ہے اور کانوں کے ذریعہ کوئی بات عقل تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادراک کے تمام ذرائع جو انہیں حاصل تھے وہ ان کی ناجائز خواہشوں اور اندھی تقلید کی وجہ سے معطل ہو چکے تھے' اس لیے انہوں نے کہا: ''آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں'' یعنی ہم آپ کے پیغام پر عمل نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے' تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (حٰمٓ السجدۃ:۸۔۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ حٰمٓ السجدۃ:۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ یوں فرمائیں کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ میں تم کو جبر اور قہر سے ایمان کے ساتھ متصف کروں کیونکہ میں تمہاری مثل بشر ہوں اور میرے اور تمہارے درمیان صرف یہ امتیاز ہے کہ اللہ عزوجل نے میری طرف وحی نازل فرمائی ہے اور تمہاری طرف وحی نازل نہیں کی' پھر اگر اللہ تم کو توحید پر ایمان لانے کی توفیق دے تو تم ایمان لے آؤ اور اگر وہ تم کو اس توفیق سے محروم رکھے تو تم اس پر ایمان لانے کو رد کر دو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۴۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں فرشتہ نہیں ہوں اولاد آدم سے ہوں۔ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس قول سے آپ کو تواضع کی تعلیم دی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۰۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

میں فرشتہ یا جن نہیں ہوں کہ تمہارے لیے مجھ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہو اور نہ میں تمہیں کسی ایسی چیز کی دعوت دیتا ہوں جس سے عقل اور کان متنفر ہوں' میں تو تم کو صرف توحید کی اور نیک عمل کی دعوت دیتا ہوں' جن کی صحت پر عقل دلالت کرتی ہے اور نقل بھی اس کے درست ہونے پر شاہد ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۲۹۳۔۲۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی نے علامہ بیضاوی کی اس عبارت کو نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۱۴۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

میں دیکھا بھی جاتا ہوں اور میری بات سنی بھی جاتی ہے اور میرے اور تمہارے درمیان بہ ظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے' تو تمہارا یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے' نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو' بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے' نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں' ہمارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے' لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا' تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے' اس لیے کہ میں وہی کہتا جو مجھے وحی ہوتی ہے

فائدہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہ لحاظ ظاہر ''انا بشر مثلکم ''فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں' چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا' ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے' یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے' ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ (خزائن العرفان بر کنز الایمان ص ۷۵۹' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں بہت تفریط کی گئی ہے۔ بعض لوگ اس میں غلو کرتے ہیں اور آپ کو نور محض مانتے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں تفریط کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سا بشر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ بشر ضرور ہیں لیکن افضل البشر ہیں اور آپ کے کسی وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۹' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔

(کتاب العقائد ص ۸' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشر اور انسان ہے اور آپ کا مادہ خلقت چاند اور سورج کی طرح حسی نور نہیں ہے' آپ نور ہدایت ہیں اور نور ہدایت ہی حسی نور سے افضل ہے' ہاں بعض اوقات آپ کے دانتوں کی جھریوں سے حسی نور کی شعائیں نظر آتی تھیں' آپ بشر ہیں اور بے مثل بشر ہیں' قرآن مجید میں جو ہے: ''آپ کہیے: میں تمہاری مثل بشر ہوں''۔ تو یہ مماثلت کسی وجودی وصف میں نہیں ہے' یہ مماثلت صرف عدمی وصف میں ہے یعنی آپ صرف اس چیز میں ہماری مثل ہیں کہ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور پوری کائنات میں وجودی وصف میں کوئی آپ کا

مماثل نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے' ہمارے زمانہ میں بعض واعظین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور تھی اور بشریت آپ کا لباس تھی' جب کہ اس کے برخلاف قرآن مجید کی متعدد نصوص میں تصریح ہے کہ آپ بشر تھے اور نوع انسان سے تھے' اگر آپ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی تو آپ انسانوں کے لیے اسوۂ اور نمونہ نہ ہوتے اور آپ کے اعمال انسانوں پر حجت نہ ہوتے اور انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔

استقامت کا معنیٰ اور اس کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا: ''تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو''۔

اس آیت میں ہے: ''تم اسی کی طرف مستقیم رہو''۔ استقامت کا معنیٰ ہے: متوسط طریقہ پر دائم اور مستمر رہنا' یعنی تم عقیدہ توحید پر اور نیک اعمال پر مستقیم رہو اور اس سے سر مو انحراف نہ کرو' استقامت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور یاد رکھو تمہارا سب سے اچھا عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۶۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۔۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۵۵' المستدرک ج ۱ ص ۱۳۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۸۲' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۷۰' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۶۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۹۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۵)

علامہ شمس الدین محمد عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ استقامت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا: استقامت سے مراد ہے حق کی اتباع کرنا' نیک کام کرنا اور سیدھے راستے کو لازم رکھنا اور یہ بہت مشکل کام ہے' اس کو وہی شخص کر سکتا ہے جس کا قلب کدورات بشریہ اور ظلمات نفسانیہ سے صاف ہو اور تجلیات قدسیہ سے روشن ہو' اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے اس کی تائید کی ہو اور اس کو شیطان کی تحریکات' تحریصات اور ترغیبات سے محفوظ رکھا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ کامل استقامت سے صرف وہی شخص متصف ہو سکتا ہے جس کا بہت ارفع اور بلند مقام ہو اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ استقامت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے' لوگوں سے خندہ پیشانی سے اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرے اور ان کے ساتھ ایسے سلوک کے ساتھ پیش آئے جیسے سلوک کو وہ اپنے ساتھ پسند کرتا ہو' علامہ طیبی نے کہا ہے کہ استقامت کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور دوسری بندوں کے ساتھ استقامت ہے یعنی بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استقامت کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم یہ حق ادا نہیں کر سکو گے' کیونکہ اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم اپنی پوری طاقت خرچ کرنے کے بعد بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتے' پس تم حتی الوسع نیک کام کرتے رہو اور نیکی کرنے کے قریب رہو' کیونکہ تم تمام نیک اعمال کا احاطہ نہیں کر سکتے اور مخلوق سے کوئی نہ کوئی تقصیر اور کوتاہی ضرور ہوتی ہے جس پر اسے بعد میں ملال ہوتا ہے اور اس سے آپ کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ پوری کوشش کرنے کے باوجود تم سے کوئی نہ کوئی تقصیر ضروری ہوگی۔

قاضی نے کہا: آپ نے یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ تم اس سے غافل نہ ہو اور نیکی کے حصول میں حد سے زیادہ مشقت میں

نہ پڑو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم اپنے عجز اور قصور کی بناء پر جو نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔

علامہ طیبی نے کہا: آپ نے جو فرمایا ہے: تم ہرگز نہ کر سکو گے' یہ اس لیے ہے کہ اگر استقامت پر رہنا تمہارے لیے دشوار ہو تو سنو! اللہ تعالیٰ کی جو تم پر شفقت اور رحمت ہے وہ بے حساب ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا تھا:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (آل عمران: ۱۰۲) اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی کماحقہٗ تقویٰ حاصل کرنا اور کماحقہٗ اس سے ڈرنا واجب ہے' پھر اس پر تنبیہ فرمائی کہ عام مسلمانوں کے لیے اس مرتبہ کو حاصل کرنا مشکل اور دشوار ہے' اس لیے ان پر آسانی کرتے ہوئے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (التغابن: ۱۶) سو تم اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو اور تقویٰ حاصل کرو۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور چونکہ ہر چیز میں استقامت پر رہنا امت کے لیے مشکل اور دشوار تھا۔ اس لیے فرمایا: اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے (اور امت کے لیے آسان حکم بیان فرمایا) اور یاد رکھو تمہارے لیے سب سے اچھا عمل نماز ہے' یعنی اگر ہر معاملہ میں تمہارے لیے استقامت پر رہنا دشوار ہو تو تم بعض کاموں میں استقامت کو لازم کر لو اور وہ کام نماز ہے جو عبادت کی تمام انواع کی جامع ہے' اس میں قرآن مجید کی تلاوت ہے' تسبیح تکبیر اور تہلیل ہے اور لوگوں سے بات چیت سے اپنے آپ کو روکنا ہے (نماز کے دوران کھانے پینے اور خواہش نفس سے رکنا ہے اور یہ روزہ کا ذائقہ ہے' پاکیزہ کپڑوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کی جھلک ہے' بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ہے اور یہ حج کا نمونہ ہے' آرام' کاروبار اور دوستوں اور بیوی بچوں کی مجلس چھوڑ کر مسجد میں آنا ہے اور یہ نفس سے جہاد اور جہاد اکبر ہے) اور یہ مؤمنوں کی معراج ہے اور اللہ کی بارگاہِ اقدس کی طرف قریب کرنے والی ہے اور نماز کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جس کا تقویٰ میں قدم راسخ ہو' سو تم نماز کو لازم رکھو اور اس کی حدود کو قائم کرو' خصوصاً نماز کے مقدمہ کو جو کہ وضو ہے اور نصف ایمان ہے اور آپ نے فرمایا: وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے' ظاہری طہارت تو اعضاء وضو کو دھونا ہے اور باطنی طہارت ناجائز خواہشوں سے اپنے دل کو پاک رکھنا ہے اور اغیار کی محبت سے دل کو صاف رکھنا ہے اور استقامت کے حصول میں کوشش کبھی غالب ہوتی ہے اور کبھی مغلوب ہوتی ہے' یعنی اپنے باطن کو گناہوں کے میل کچیل سے صاف رکھنے کی کوشش اور اس میں استقامت کا کماحقہٗ حصول تمہارے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے لیکن تم اپنے باطن کو صاف رکھنے کے لیے بار بار کوشش کرتے رہو جیسے تمہارا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو تم پھر دوبارہ وضو کرتے ہو اسی طرح نیکی اور پاکیزگی کے حصول میں اگر تم سے لغزش ہو جائے تو پھر دوبارہ عزم صمیم سے اٹھ کھڑے ہو' پھر سہ بارہ کوشش کرو اور ہمت نہ ہارو اور شیطان سے شکست کو قبول نہ کرو اور استقامت کے حصول میں تادم مرگ لگے رہو' کیونکہ تم استقامت کے معاملہ میں بشریت کے عجز اور ربوبیت کی اعانت کے درمیان ہو اور غفلت اور تقصیر اور کوشش اور محنت کے مابین ہو جیسا کہ تم ہمیشہ باوضو رہنے کی لگن کے باوجود وضو توڑنے اور وضو کرنے کے درمیان رہتے ہو۔

علامہ ذہبی نے کہا: امام ابن ماجہ کی سند میں منصور اور سالم کے درمیان انقطاع ہے' حافظ عراقی نے کہا: اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں' حافظ مغلطائی نے کہا: اس کی سند میں کوئی خامی نہیں' علامہ دمیری نے کہا: اس کی سند ثابت ہے' اس حدیث کو جوامع الکلم سے شمار کیا گیا ہے۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۹۷۸-۹۷۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

استقامت کو استغفار پر مقدم کرنے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو' پہلے فرمایا: تم اسی کی طرف مستقیم رہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت دائماً کرتے رہو'

پھر فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو یعنی اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو فائدہ یہ ہے کہ انسان پہلے رزائل سے خالی ہوتا ہے پھر فضائل سے متصف ہوتا ہے اس لیے بہ ظاہر پہلے استغفار کا حکم دینا چاہیے تھے پھر مستقیم رہنے کا حکم دینا چاہیے تھے اور یہاں خلاف ظاہر اس لیے ہے کہ بندہ کو استقامت کا حکم دیا لیکن چونکہ استقامت پر رہنا بہت مشکل اور دشوار ہے اس لیے استقامت پر رہنے میں کوئی نہ کوئی خطا اور تقصیر ضرور ہوگی اس لیے یہ ہدایت دی کہ اگر استقامت پر رہنے میں تم سے کوئی کمی یا کوتاہی ہو جائے تو تم اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت استغفار کرتے تھے ہر چند کہ آپ ہر نوع کی تقصیر سے مبرا اور منزہ تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بعض مباح کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے) میرے قلب پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲)

زکوٰۃ نہ دینے پر مشرکین کی مذمت کی توجیہ

حٰمٓ السجدۃ: ۷۔۶ میں فرمایا: ''اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورہ حٰمٓ السجدۃ مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ منورہ میں دو ہجری کو فرض ہوئی تھی پھر اس سورت میں جو مشرکین کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مجاہد اور ربیع نے کہا: اس آیت میں زکوٰۃ کا معروف اور اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تزکیہ نفس ہے یعنی وہ اپنے اعمال کا تزکیہ نہیں کرتے اور ایمان لا کر اپنے اعمال کو پاک اور صاف نہیں کرتے۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتے یعنی اپنے نفسوں کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔

(۳) اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقات ہیں یعنی وہ صدقات اور خیرات نہیں کرتے۔

(۴) ہر چند کہ تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے لیکن اجمالاً زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو گئی تھی جس طرح آغاز اسلام میں نماز فرض ہو گئی تھی اسی طرح اجمالاً زکوٰۃ بھی ابتداء اسلام میں فرض ہو گئی تھی ابتداء میں زکوٰۃ کا لفظ صرف خیرات کا مترادف تھا اس کی مقدار نصاب سال گزرنے کی قید اور شرح زکوٰۃ کی تفصیلات مدینہ میں فرض کی گئیں۔ سورۂ مزمل ابتدائی سورت ہے اس میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. (المزمل: ۲۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

آیا کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

شوافع کا مؤقف یہ ہے کہ کافر اور مشرک جس طرح ایمان لانے کے مکلف ہیں اسی طرح وہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے بھی مکلف ہیں اور احناف کا مشہور مذہب اس کے خلاف ہے اس آیت میں چونکہ مشرکین کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین زکوٰۃ ادا کرنے کے بھی مکلف ہیں اور یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار بھی فروع اسلام کے مکلف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور یہ وعید شدید ان کے شرک کی بناء پر بھی ہے اور ان کے

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۴۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

فقہاء احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

کفار اس چیز کے مخاطب ہیں کہ وہ زکوٰۃ اور نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نماز پڑھنے کے مخاطب ہیں۔

اور بعض فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ وہ اس چیز کے مکلف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جیسے مسلمان نماز پڑھنے کے حکم کے مخاطب ہیں کہ وہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھیں۔

اس آیت میں مشرکین کے تین جرائم کی وجہ سے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے' ایک جرم ان کا شرک ہے' دوسرا جرم یہ ہے کہ وہ خیرات اور صدقات نہیں دیتے تھے اور تیسرا جرم یہ ہے کہ وہ آخرت کا انکار کرتے تھے

مومن کی صحت کے ایام کے نیک اعمال کا سلسلہ مرض اور سفر میں بھی منقطع نہیں ہوتا

حٰمٓ السجدۃ: ۸ میں فرمایا: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا''۔

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں مومنوں کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے' مومن صحت کے ایام میں جو نیک عمل کرتا ہے اگر وہ مرض یا سفر کی وجہ سے وہ نیک عمل نہ کر سکے' اللہ تعالیٰ اس کو مرض اور سفر کے ایام میں بھی ان نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا رہتا ہے اور اس کے اجر کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا' اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا' اس کے صحیفہ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

عون بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اور اس کی بیماری پر بے قراری تعجب خیز ہے' اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کی بیماری میں کتنا اجر ہے تو وہ یہ چاہے گا کہ وہ تا حیات بیمار ہی رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف سر اٹھا کر ہنسنے لگے' آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کس وجہ سے آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دو فرشتوں کو دیکھ کر تعجب ہوا' وہ ایک جائے نماز میں اس کے نمازی کو ڈھونڈ رہے تھے' اس جگہ وہ نمازی نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے' پھر انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم تیرے فلاں بندہ کا نیک عمل دن رات لکھتے تھے' اب ہم کو معلوم ہوا تو نے اس کو اپنی (تقدیر کی) رسی سے باندھ لیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے بندہ کے اسی عمل کو لکھتے رہو جو وہ دن رات کیا کرتا تھا اور اس میں کوئی کمی نہ کرو اور میں نے جتنے ایام اس کو روک لیا ہے ان ایام کا اجر میرے ذمہ ہے اور جو عمل وہ کیا کرتا تھا اس کا اجر اس کو ملتا رہے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند البزار ج ۲ ص ۳۶۵' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا کسی سفر پر جائے تو اس کو اس کے ان نیک اعمال کا اجر ملتا رہے گا جو وہ صحت کے ایام میں حالت اقامت میں کیا کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۶ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۱ 'مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۹۱۵ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۳)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ

آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء

وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۹ وَجَعَلَ فِيْهَا

قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ O اور اس نے زمین

رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا

کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا

فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى

بھی چار دنوں میں مقدر کی' جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا

السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی

اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ

سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بہ خوشی حاضر ہیں O تو اس نے دو دن میں ان کو پورے

فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ

سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو

الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۱۲

چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ

پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے

وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ

ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں

خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ

(متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا: اگر ہمارا

مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا عَادٌ

رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا سو ہمیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O پس رہے

فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ

عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟

مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت

مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے O سو ہم نے (ان کے) منحوس

رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى

دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٦﴾

ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی O

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ ج وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ

ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا O اور ہم نے ان لوگوں کو

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾

(اس عذاب سے) بچالیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم بہ خوشی حاضر ہیں O تو اس نے دو دن میں ان کو پورے سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O (حم السجدۃ: ۱۳۔۹)

مشرکین کے کفر کی تفصیل

اس سے پہلے حم السجدۃ: ۶ میں فرمایا تھا: ''آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف واحد معبود ہے O'' اب اسی کے موافق یہ فرمایا ہے کہ عبادت کے استحقاق میں تمہارا ان بتوں کو اللہ کا شریک قرار دینا جائز نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم الشان آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان سب چیزوں کو بہت قلیل مدت یعنی چھ دنوں میں پیدا فرما دیا ہے' پس جس ذات کی یہ شان ہے اس کی عبادت کے استحقاق میں ان بے جان لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کو اس کا شریک قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

حم السجدۃ: ۹ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے کفر اور شرک دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے' ان کے کفر کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا کفر ہے۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے مکلف ہونے کا انکار کرتے تھے' رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے تھے' خصوصاً انسان اور بشر کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے اور یہ تمام چیزیں کفر ہیں۔

(۳) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی اضافت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ تمام باتیں کفر ہیں۔

اور ان کا شرک واضح تھا' وہ اپنے ہاتھوں سے تراش کر بت بناتے تھے' پھر ان کو اللہ کا شریک کہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان کا رد فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے چھ دنوں میں یہ پوری جیتی جاگتی کائنات کھڑی کر دی' تم ایسے عظیم الشان خالق کو چھوڑ کر لکڑی اور پتھر کے بے جان اور حقیر مجسموں کی پرستش کر رہے ہو۔

زمین' آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی تفصیل

حم السجدۃ: ۱۲۔۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان اور اس میں رہنے والوں کی ضروریات کو پیدا کرنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ وہ اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اپنے مرکز سے ادھر ادھر نہ ہو اور اس میں برکت رکھی' برکت کا معنی ہے: کسی چیز میں خیر کثیر کا حاصل ہونا' یعنی اس نے زمین میں دریا پیدا کیے' درخت پیدا کیے اور درختوں میں پھل پیدا کیے اور مختلف قسم کے حیوانات پیدا کیے اور اس میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی جان داروں کو

زندگی گزارنے کے لیے ضرورت ہو سکتی ہے۔

نیز فرمایا: ''اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جانداروں کو اپنی زندگی میں جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں پیدا کیں' اس نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی' نہروں اور دریاؤں سے پانی مہیا کیا' آسمان سے بارش نازل فرمائی' سورج کی تمازت اور حرارت سے غلہ' اناج اور پھلوں کو پکایا اور چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا کیا اور یوں جانداروں کے لیے غذا فراہم کی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین پیدا کی' چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کی اور دو دنوں میں آسمان پیدا کیے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ دنوں میں پیدا کیا' حالانکہ دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ. (السجدۃ:۴' الفرقان:۵۹' ق:۳۸)

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کرنے کا جو ذکر ہے اس میں وہ دو دن بھی شامل ہیں جن دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی ہے۔

حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں فرمایا ہے: ''پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی' پھر آسمان بنایا گیا' حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ پہلے آسمان بنایا پھر زمین بنائی' ارشاد ہے:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۠ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا O (النّٰزعٰت:۳۰-۲۹-۲۸)

اللہ نے آسمان کو بلند کیا پھر اس کو برابر کیا O اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے روشن دن کو نکالا O اور اس کے بعد زمین کو ہموار کیا اور اس کو پھیلایا O

اس کا جواب یہ ہے کہ حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں جو زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نفس زمین اور اس کے مادے کو آسمان سے پہلے بنایا اور النّٰزعٰت:۳۰ میں جو آسمان کے بعد زمین کے بنانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے زمین کو پھیلانا اور اس کو ہموار کرنا۔

نیز حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں فرمایا ہے: ''پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' انہوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں'' اس سے زمین اور آسمان کا آنا جانا یا معروف طریقہ سے حاضر ہونا مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان سے فرمایا: تم وجود میں آ جاؤ سو وہ وجود میں آ گئے' جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے متعلق فرمایا: ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

زمین' آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور پیر کے دن درختوں کو پیدا فرمایا اور مکروہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور وہ ساعات جمعہ میں آخری ساعت تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اس روایت میں آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر نہیں ہے' امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں پوری تفصیل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو پیدا کیا اور منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان نفع آور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو پیدا کیا' یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے: "آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے ○ اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے ○" (حٰم السجدۃ: ۱۰۔۹) اور اس نے جمعرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں' چاند' سورج اور فرشتوں کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا اور تیسری ساعت میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس کو جنت سے نکال دیا' یہود نے پوچھا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' یہود نے کہا: اگر آپ پوری بات بتا دیتے تو آپ کی بات صحیح تھی' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوئے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ○ سو جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔ (ق: ۳۹۔۳۸)

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۷۸' کتاب العظمۃ ص ۲۹۱' رقم الحدیث: ۸۷۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۴۳ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۹۷' المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۷۱' کنز العمال ج ۶ ص ۱۲۴)

نیز اس آیت میں ہے: "جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے" امام ابن جریر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو بھی رزق کی حاجت ہو اور وہ اپنے رب سے اس کے متعلق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت کے اعتبار سے زمین میں اس کی روزی کو مقدر کر دیا ہے اور اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کو مقرر کر دیا ہے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۱۲۳)

زمین اور آسمان کو جو حاضر ہونے کا حکم دیا اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرمایا: میرے سورج اور چاند کو اور میرے ستاروں کو طلوع کرو اور زمین سے فرمایا: میرے دریاؤں کو جاری کرو اور میرے پھلوں کو نکالو تو انہوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۹۷)

حٰم السجدۃ: ۱۲ میں ہے: "اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا ○"

قتادہ نے کہا: آسمان میں سورج' چاند' سیاروں اور ان کے محوروں کو پیدا کیا اور ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا اور اولوں کو اور برف کو پیدا کیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر آسمان میں ایک بیت ہے جس کے گرد فرشتے طواف کرتے ہیں اور وہ بیت کعبہ کی سمت پر ہے اور آسمان دنیا میں البیت المعمور ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کی آسمان میں وحی فرماتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہر آسمان میں روشن سیارے ہیں اور آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ان شیطانوں سے محفوظ فرما دیا جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے تھے' ان کے اوپر آگ کے گولے مارے جاتے ہیں جو دور سے شہاب ثاقب دکھائی دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۳۰۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانے کی توجیہ

حٰمٓ السجدہ: ۱۳ میں فرمایا: ''پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا○''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار مکہ کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود پر آیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ''صاعقۃ العذاب'' فرمایا' یعنی بجلی کا ایک کڑکا آیا اور اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ آسمانی عذاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کافروں کو آسمانی عذاب سے مامون اور محفوظ کر دیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○ (الانفال: ۳۳-۳۲)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ان کے درمیان ہوں اور وہ ان پر عذاب نازل کر دے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ انہیں اس حال میں عذاب دے جب وہ استغفار کر رہے ہوں○

ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل مکہ پر آسمانی عذاب آنے والا نہیں تھا' پھر ان کو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل سے کیوں ڈرایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ کفار مکہ اپنے کفر اور تکبر کی وجہ سے اسی عذاب کے مستحق ہیں جو عاد اور ثمود پر آیا تھا اور ان کا کفر اور تکبر فی نفسہٖ اس عذاب کا موجب ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے درمیان ہونا اس عذاب سے امان کا باعث ہے' نیز اس عذاب سے مانع یہ چیز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما ہیں تو کفار مکہ کو اس بات سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے درمیان سے کہیں لے جائے اور پھر ان کے اوپر اس طرح کا آسمانی عذاب نازل کر دے' سو اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانا بالکل بجا اور برمحل ہے۔

امام رازی کی توجیہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

امام فخر الدین رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کفار مکہ نے یہ جان لیا کہ اس آسمانی عذاب کے استحقاق میں وہ عاد اور ثمود کی مثل ہیں تو انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ان پر بھی اس عذاب کی جنس سے کوئی چیز آ جائے خواہ وہ عاد اور ثمود کے عذاب سے کم درجہ کا عذاب ہو اور اتنی مقدار ان کو عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کافی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۵۸۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان کو عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈرانے کے لیے اتنی مقدار کافی نہیں ہے۔ کیونکہ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل ہے نہ کہ عاد اور ثمود سے کم درجہ کے عذاب سے ڈرایا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۱۳)

پس اگر یہ آپ (کی دعوت) سے اعراض کریں تو آپ کہیے: میں تم کو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل عذاب سے ڈرا رہا ہوں ○

اس لیے اس اعتراض کا صحیح اور مسکت جواب وہی ہے جس کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے ذکر کیا ہے۔

اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے' مسخ اور روح کا عذاب نہیں اٹھایا گیا

ہم نے جو الانفال: ۳۳۔۳۲ کو نقل کیا ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس امت سے صرف آسمانی عذاب کو اٹھایا گیا ہے اور کسی اور نوع کے عذاب کو اٹھانے کی قرآن اور سنت میں تصریح نہیں کی گئی۔ ہمیں اس پر حیرت ہوتی ہے کہ عوام اور خواص میں یہ مشہور ہے کہ اس امت سے مسخ کے عذاب کو اٹھا لیا گیا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے:

اس امت میں مسخ موجود نہیں ہے اور یہ امت مسخ سے مامون ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۳ ص ۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے:

اس امت میں مسخ جائز نہیں ہے۔ (تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری ج ۵ ص ۴۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۱ھ)

حالانکہ احادیث صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ اس امت کے بعض لوگوں کی شکل مسخ کر دی جائے گی۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور باجوں (آلات موسیقی) کو حلال قرار دیں گے اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ شام کو جب وہ اپنے مویشیوں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: "کل آنا" اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور آلات موسیقی کے حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو لوگ زنا' ریشم' شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال قرار دیں گے ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا' اسی طرح اس امت میں مسخ اور خسف کے ثبوت میں امام ترمذی نے تین حدیثیں روایت کی ہیں' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر عذاب کا آنا جائز ہو جائے گا' آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی ملکیت بنا لیا جائے گا (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا (۳) اور جب زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا (۴) اور جب مرد اپنی بیوی کی پیروی کرے گا (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اور جب اپنے دوسرے کے ساتھ نیکی کرے گا (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا (۸) اور جب مسجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی (۹) اور کمینہ شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی تکریم کی جائے گی (۱۱) اور شرابیں پی جائیں گی (۱۲) اور ریشم پہنا جائے گا (۱۳) اور گانے والیوں کو رکھا

جائے گا (۱۴) اور آلاتِ موسیقی کا رواج ہوگا (۱۵) اور اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو بُرا کہیں گے' ان حالات میں تم سرخ آندھیوں کا انتظار کرو یا خسف (زمین میں دھنسائے جانے) کا اور مسخ (شکل تبدیل کرنے) کا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰' یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' رقم الحدیث: ۲۲۱۱' اور حضرت عمران بن حصین سے بھی مروی ہے' رقم الحدیث: ۲۲۱۲' جامع المسانید والسنن مسند علی بن ابی طالب رقم الحدیث: ۷۸۹)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں دو امانیں تھیں' ایک امان چلی گئی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان سے چلے گئے) اور دوسری امان باقی ہے (یعنی تمہارا اپنے رب سے استغفار کرنا) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال: ۳۳)

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۴۵' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲' الدر المنثور ج ۴ ص ۵۲' امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' رقم الحدیث: ۳۰۸۲' اور امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا: اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ○ پس رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے ○ سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی ○ اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی' سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا ○ اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ○ (حم السجدۃ: ۱۸۔۱۴)

قوم عاد کی طرف متعدد رسول آنے کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنی قدرت پر دلائل قائم فرمائے تھے کہ جو ذات اتنی عظیم الشان قدرت والی ہے اس کو چھوڑ کر تم ان پتھر کی بے جان مورتیوں کی پرستش کر رہے ہو اور اب بھی اگر تم اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی پر قائم رہو گے اور توحید سے اعراض کرو گے تو تم اسی طرح کے عذاب کے مستحق ہو جیسا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

حم السجدۃ: ۱۴ کا معنیٰ علامہ قرطبی نے اسی طرح کیا ہے جس طرح ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے یعنی جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۰۹) اور امام رازی نے کہا: اس کے معنی کے دو محمل ہیں:

(۱) جو رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے وہ ان کے پاس ہر جانب سے آئے اور انہوں نے ان کے ایمان کے لیے تمام جتن کیے لیکن ان رسولوں نے ان سے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ . پھر میں ان پر ضرور حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے۔ (الاعراف: ۱۷)

یعنی میں ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور ان کو گمراہ کرنے کے لیے ہر حیلہ کو بہ روئے کار لاؤں گا۔
(۲) رسول ان کے پاس ان سے پہلے زمانہ میں بھی آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں بھی آئے۔
اگر اس معنیٰ پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو رسول ان سے پہلے زمانہ میں آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں آئے ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ وہ ان کے پاس آئے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس حضرت ھود اور حضرت صالح اسی پیغام کو لے کر آئے تھے جو پیغام ان سے پہلے اور ان کے بعد تمام رسول لے کر آتے رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۵۱)
اس کے بعد فرمایا: ان رسولوں نے یہ پیغام دیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو' ان کو توحید پر ایمان لانے اور شرک کا انکار کرنے کا حکم دیا اور ان کافروں نے ان رسولوں کی تکذیب کی اور یہ کہا کہ ''اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا' سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیںO'' ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے دعویٰ رسالت کی تکذیب کے لیے یہ کافی ہے کہ اگر اللہ نے واقعی کسی کو اپنا پیغام دے کر بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا اور جب تم بشر ہو اور فرشتے نہیں ہو تو پھر تم رسول بھی نہیں ہو' لہٰذا تمہارا کلام ہم پر حجت نہیں ہے اور ہم تمہاری رسالت کا انکار کرنے والے ہیں۔
سو اسی طرح کفار مکہ نے بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تھا اور پھر عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس مذاکرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا جس کی تفصیل ہم متعدد حوالوں کے ساتھ اس سورت کے مقدمہ میں لکھ چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ کے دلائل کے جواب میں حٰمٓ السجدة کی تیرہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان کے آخر میں ہے: ''پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھاO''
اس آیت میں ''صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود'' فرمایا ہے' صاعقة کا معنیٰ ہم حٰمٓ السجدة: ۱۷ میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قوم عاد کا تکبر

حٰمٓ السجدة: ۱۵ میں فرمایا: ''پس رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا' اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟O''
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا اجمالی طریقہ سے کفر بیان فرمایا تھا اور اب ان آیتوں میں تفصیلی طور پر ان کا کفر بیان فرما رہا ہے' پہلے قوم عاد کا کفر بیان فرمایا کہ انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا' ان کا تکبر یہ تھا کہ وہ اپنی بڑائی' طاقت اور شان و شوکت کا اظہار کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور دوسروں پر اپنا تفوق اور اپنی برتری ظاہر کرتے تھے' انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت قد آور اور جسیم تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: ''کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے'' یعنی ہر چند کہ وہ دوسروں سے زیادہ طاقت ور ہیں' لیکن اللہ بزرگ و برتر جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ قوت والا ہے' پس اگر زیادہ طاقت ور ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ اس سے کم طاقت والے زیادہ طاقت والے کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں تو پھر چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ بہر حال ان سے زیادہ طاقت والا ہے بلکہ سب سے زیادہ طاقت والا ہے اور سب کو وہی طاقت دینے والا ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اسم تفضیل میں دو شخصوں کے درمیان تقابل ہوتا ہے' یعنی اللہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے' حالانکہ ان کی طاقت اور تمام مخلوق کی طاقت متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاقت غیر متناہی ہے اور متناہی اور غیر متناہی میں کوئی

تقابل ہی نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا: وہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فہم کے اعتبار سے یہ کلام فرمایا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے کسی وصف میں بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی تقابل نہیں ہے' لیکن بعض اوقات صرف ظاہر کے اعتبار سے بھی کلام کیا جاتا ہے جیسے بہ کثرت احادیث اور آثار میں ہے اللہ اکبر' اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔

نیز فرمایا: ''اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے'' اچھے اخلاق کا مدار دو چیزوں پر ہے (۱) مخلوق پر شفقت کرنا (۲) خالق کی تعظیم کرنا' وہ ناحق تکبر کرتے تھے اس لیے مخلوق پر شفقت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' اس لیے خالق کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔

ریح صرصر کا معنیٰ

حٰمٓ السجدۃ: ۱۶ میں فرمایا: ''سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی''۔

چونکہ قوم عاد نے ناحق تکبر کیا اور اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنی ہٹ دھرمی سے بالکل رجوع نہیں کیا اور یہ ایسے امور تھے جو نزول عذاب کا موجب تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر خوفناک آواز والی آندھی کا عذاب بھیجا۔

اس آیت میں ریح صرصر کے الفاظ ہیں' ریح کا معنیٰ ہے: ہوا یا آندھی اور صرصر کے معنیٰ میں تفصیل ہے: اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ جب بہت تیز آندھی چلتی ہے تو کانوں میں صرصر کی آواز آتی ہے

اس لیے اس کا معنیٰ ہے: خوفناک آواز والی آندھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''صرۃ'' سے ماخوذ ہے اور صرۃ کا معنیٰ ہے: چیخنا' اس لیے اس کا معنیٰ ہے: ایسی آندھی جس سے زبردست چیخ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ صرصر کا لفظ ''صر'' سے ماخوذ ہے اور صر کا معنیٰ ہے: سخت سردی اور ٹھنڈک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ سرد اور ٹھنڈی ہوا بھیجی اور ان یخ بستہ ہواؤں نے ہر چیز کو منجمد کر دیا۔ ہر چیز سے زندگی کی حرارت زائل ہو گئی اور ہر چیز خاکستر ہو گئی' ہواؤں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قوم عاد پر آندھی کا عذاب بھیجنے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۷۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو باد صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو باد دبور کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باد صبا سے مدد کی گئی تھی' جب شوال ۵ ھ میں قریش کی متعدد جماعتوں اور یہودیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا' اس وقت مشرق کی طرف سے بہت زور کی آندھی آئی' جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے' ان کی دیگچیاں اوندھی ہو گئیں اور ریت اور کنکروں کے تھپیڑوں سے ان کے چہرے خراب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کو اپنی ہلاکت نظر آنے لگی' سب سے پہلے ابوسفیان واپسی کے لیے اپنی سواری پر سوار ہوا' پھر پورا لشکر وہاں سے کوچ کر گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کی مدد تھی اور اس آندھی نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا'

قوم عاد پر آندھی کا عذاب اس لیے بھیجا تھا کہ اس قوم کو اپنے لمبے قد و قامت' عظیم جسم اور زیادہ قوت پر بہت غرور تھا اور ان کا یہ گمان تھا کہ جب جسم اتنا مضبوط اور قوی ہو تو وہ اپنی جگہ قائم اور ثابت رہتا ہے اور اس کو کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی' اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سخت آندھی بھیجی اور وہ ہوا کے تند و تیز تھپیڑوں سے تنکوں کی طرح ادھر سے ادھر گر رہے تھے اور آندھی کی تاب نہ لا کر یونہی زمین پر اوندھے پڑے پڑے مر گئے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جانب سے آندھی آتے ہوئے دیکھتے تو آپ خوف زدہ ہو جاتے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تیز آندھی آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو یہ ہوا لائی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جس چیز کو یہ لائی ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب آسمان پر بارش کے آثار ہوتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا' آپ کبھی گھر کے اندر آتے' کبھی گھر سے باہر جاتے اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ کی یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس لیے خوف زدہ ہوتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ جب قوم عاد نے آسمان پر گرد و غبار دیکھا تو کہا تھا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الاحقاف: ۲۴)

جب قوم عاد نے اپنی وادیوں کی طرف بادلوں کو امنڈتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے والا نہیں ہے' بلکہ دراصل یہ وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کر رہے تھے' یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۝

اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ بارش کو دیکھتے تو فرماتے: یہ اللہ کی رحمت ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جس سے آپ کے حلق کا آخری حصہ دکھائی دے' آپ مسکرایا کرتے تھے اور جب آپ بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آتے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ جب آندھی کو دیکھتے ہیں تو اس توقع سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی اور میں دیکھتی ہوں کہ بادلوں کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہوتے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز یہ اطمینان دلا سکتی ہے کہ ان بادلوں میں عذاب نہیں ہے' ایک قوم کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۸)

اطلاقات قرآن میں ریح اور ریاح کا معنوی فرق اور اس پر بحث و نظر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی کبھی ریح (سخت آندھی) آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زانو بیٹھ کر یہ دعا کرتے:

اے اللہ! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا' اے اللہ! اس کو ریاح بنا دے' اس کو ریح نہ بنا' حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی کتاب میں ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا. (القمر: ۱۹)

بے شک ہم نے ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیج دی۔

اور فرمایا:

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً. (الحجر:۲۲)

اور ہم نے برسانے والی بوجھل ہوائیں بھیجیں پس ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیٰحَ مُبَشِّرٰتٍ. (الروم:۴۶)

اللہ کی نشانیوں میں سے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجنا ہے۔

(مسند الشافعی ج۱ ص ۱۷۵ رقم الحدیث: ۵۰۲ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۵۶ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳ اس کی سند میں العلاء بن راشد مجہول ہے اس نے اس حدیث کو ابراہیم ابن ابی یحییٰ اسلمی سے روایت کیا ہے اور وہ متہم ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الصدر السعید الحسن التورپشتی المتوفی ۶۶۱ ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ریاح (ہوائیں) جب کثیر ہوں تو وہ بادلوں کو کھینچ لیتی ہیں اور پھر زیادہ بارش ہوتی ہے اور اس سے غلہ اور پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں اور جب ریاح (ہوائیں) زیادہ نہ ہوں تو ایک ریح (ہوا) ہوتی ہے اور وہ بانجھ ہوتی ہے عرب کہتے ہیں کہ بادل کو صرف ریاح ہی بوجھل کرتی ہیں اور میں نے دیکھا کہ امام طحاوی نے ابو عبید سے روایت کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں ریح اور ریاح کے لفظ کا تتبع کیا تو جب ریح کی جمع ریاح کا لفظ ہو تو وہ رحمت کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور جب یہ لفظ واحد ہو یعنی ریح تو یہ عذاب کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک اس قاعدہ کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اس ہوا کو ریاح بنانا ریح نہ بنانا۔

اس کے بعد امام طحاوی نے کہا کہ ابو عبید نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں اس قاعدہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں ریح کا لفظ رحمت والی ہوا کے معنیٰ میں بھی ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ. (یونس:۲۲)

وہی اللہ ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور ان کشتیوں کو رحمت والی ہوا لے کر چلتی ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریح (ہوا) کو بُرا نہ کہو پس جب تم کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو دعا کرو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس ریح (آندھی) کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس چیز کی خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا تو نے حکم دیا ہے اور ہم اس ریح کے شر سے اور جس چیز کا تو نے حکم دیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۲ مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۳۵ ص ۵۷ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۳۴ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۲۹۹)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تیز ریح (آندھی) آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶)

امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں: ہم نے جو قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے (یونس: ۲۲) اور دیگر احادیث صحیحہ جو بیان کی ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح اور ریاح کا ایسا فرق نہیں ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح کا لفظ رحمت کے ساتھ خاص ہو بلکہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح کا لفظ جس طرح عذاب کے لیے آیا ہے اسی طرح ریح کا لفظ رحمت کے لیے بھی آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث سے ریح اور ریاح میں فرق پر استدلال کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ امام ابوجعفر نے جو یہ فرمایا ہے کہ ریح اور ریاح میں یہ فرق نہیں ہے کہ ریح عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح رحمت کے ساتھ خاص ہو یہ بالکل بجا اور برحق ہے لیکن ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور اس حدیث کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث ساقط الاعتبار نہیں ہے' اس کی تاویل ممکن ہے اور اس کا معنیٰ صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا اور اے اللہ! اس کو ریاح بنا دے اور اس کو ریح نہ بنا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے ہلاکت سے نجات کی دعا کی ہے' کیونکہ اگر یہ ریح ہلاک کرنے والی ہے تو اس کے بعد ادھر اُدھر سے اور ہوائیں نہیں چلیں گی اور اگر یہ ہوا ہلاک کرنے والی نہیں ہے تو اس کے بعد شمال اور جنوب سے اور اِدھر اور اُدھر سے اور ہوائیں آتی رہیں گی تو گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: اے اللہ! ہمیں اس ریح سے ہلاک نہ کر دینا کہ اس کے بعد اور کسی طرف سے ہوا نہ چلے بلکہ ہمیں زندگی میں توبہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی مہلت اور توفیق دینا اور اس ریح کے بعد بھی ہم پر ریاح کثیرہ اور ہر طرف سے ہوائیں چلائے رکھنا۔

(کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ ج ا ص ۳۶۳۔۳۶۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۲ھ)

''ایام نحسات'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی''۔

اس آیت میں ''ایام نحسات'' کے الفاظ ہیں یعنی ان کے منحوس ایام' منحوس کا معنیٰ ہے: بے برکت' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نجومیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں اور بعض ایام مبارک ہوتے ہیں اور متکلمین نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ ''ایام نحسات'' کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گرد و غبار والے ایام تھے اور بہ کثرت خاک اور مٹی اڑنے کی وجہ سے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی' نیز ''ایام نحسات'' کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا تو ان کے حق میں یہ ایام منحوس ثابت ہوئے' نجومیوں نے کہا: منحوس کا معنیٰ لغت میں نامبارک اور بے برکت ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سعد کا لفظ ہے اور سعد کا معنیٰ مبارک ہے اور متکلمین کے دوسرے جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے منحوس دنوں میں ان پر عذاب نازل کیا' یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ ان پر ان دنوں میں عذاب ہوا اس لیے وہ دن منحوس ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایام نحسات (منحوس دنوں میں) کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) مجاہد اور قتادہ نے کہا: یہ ایام منحوس اور بے برکت تھے' ایک بدھ سے لے کر دوسرے بدھ تک ان پر عذاب آتا رہا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ (الحاقۃ: ۷۔۶)

اور رہی قوم عاد تو اس کو سرکش اور بے قابو خوف ناک آواز والی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ جس آندھی کو اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں تک مسلط رکھا' پس آپ اس قوم کو دیکھتے ہیں وہ زمین پر اس طرح گرے ہوئے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں (یعنی بے جان) ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا۔

(۲) نقاش نے کہا: نحسات سے مراد ہے باردات' یعنی وہ موسم سرما کے سخت سرد ایام تھے اور سخت سردی کی وجہ سے وہ منجمد اور خاکستر ہو گئے تھے اور نحسات کا معروف معنی جو بے برکت ہے وہ مراد نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ نے کہا: ایام نحسات سے مراد ہے ''ایام متتابعات ''یعنی ان ایام میں مسلسل ان پر آندھی کا عذاب آتا رہا' جیسا کہ الحاقۃ: ۷ میں فرمایا ہے: ''ثمانیة ایام حسوما ''حسوما کا معنی متواتر ہے اور نحسات کا معروف معنی مراد نہیں ہے' حافظ ابن کثیر نے بھی اس کی یہی تاویل کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۳)

(۴) ایام نحسات سے مراد ہے کہ ان ایام میں بہت زیادہ گرد و غبار اڑ رہا تھا اور دیکھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا تھا اور اس سے نحسات کا معروف معنی مراد نہیں ہے کہ وہ ایام منحوس اور بے برکت تھے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۷۵۔۱۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

بعض ایام کے منحوس ہونے کے ثبوت میں احادیث

ایام کے منحوس اور مبارک ہونے کے سلسلہ میں احادیث اور آثار مختلف ہیں' پہلے ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدھ کے دن میں دائمی نحوست ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۹۹۷' اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' اس کی سند میں ایک راوی ہے ابراہیم بن ابی حیہ الیسع بن الاشعث' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: یہ متروک ہے۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۵۲' میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی' پھر اس نے اپنے جسم میں برص کے داغ دیکھے تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۴۰۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۴۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۶)

حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔ (علامہ سیوطی نے اس حدیث کے ضعف کی رمز کی ہے)

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۷)

کبسہ بنت ابی بکرہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منگل کا دن خون

بہنے کا دن ہے اور اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں خون نہیں رکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہفتہ کا دن مکر اور دھوکے کا دن ہے اور اتوار کاشت کاری اور تعمیرات کا دن ہے اور پیر سفر اور طلب رزق کا دن ہے اور منگل لوہے کے کام کا دن ہے اور بدھ کے دن میں چیزیں جانے کا دن ہے' چیزیں ملنے کا دن نہیں ہے اور جمعرات کا دن سلطان کے پاس جانے اور ضروریات طلب کرنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن العلاء ہے اور وہ متروک الحدیث ہے' سو یہ حدیث ضعیف ہے) (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۹۹۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۴۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے' اس سے عقل تیز ہوتی ہے اور قوت حفظ زیادہ ہوتی ہے' پس جو شخص فصد لگوائے وہ اللہ کا نام لے کر جمعرات کے دن فصد لگوائے اور جمعہ' ہفتہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ اور بدھ کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو' کیونکہ یہی دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مرض میں مبتلا ہوئے تھے اور جذام اور برص کی ابتداء جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سے ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۰' اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور وہ عثمان بن عبد الرحمان الطرائفی ہے' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۹۳۸' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۷۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۸۵' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۳۰۸)

یہ وہ احادیث ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کا موجب نقصان یا موجب مرض ہونا بیان فرمایا ہے اور اب ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کو موجب شفا فرمایا ہے۔

بعض ایام کے مبارک ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے اور اس میں شفاء اور برکت ہے اور یہ عقل اور قوت حفظ کو زیادہ کرتی ہے پس اللہ کی برکت سے جمعرات کے دن فصد لگواؤ اور بدھ' جمعہ' ہفتہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ' کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مرض سے صحت عطا فرمائی اور بدھ کے دن ان کو مرض میں مبتلا فرمایا تھا' کیونکہ جذام اور برص کی ابتداء بدھ کے دن یا بدھ کی رات کو ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۷' المستدرک ج ۴ ص ۴۰۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہفتہ کے دن ناخن کاٹے اس سے بیماری نکل جائے گی اور اس میں شفاء داخل ہوگی اور جس شخص نے اتوار کے دن ناخن کاٹے اس سے فقر و فاقہ نکل جائے گا اور تونگری داخل ہوگی اور جس نے پیر کے دن ناخن کاٹے اس سے جنون نکل جائے گا اور صحت داخل ہوگی اور جس نے منگل کے دن ناخن کاٹے اس سے مرض نکل جائے گا اور شفاء داخل ہوگی اور جس نے بدھ کے دن ناخن کاٹے اس سے وسوسہ اور خوف نکل جائے گا اور امن اور شفا داخل ہوگی اور جس نے جمعرات کے دن ناخن کاٹے اس سے جذام نکل جائے گا اور عافیت داخل ہوگی اور جس نے جمعہ کے دن ناخن کاٹے اس میں رحمت داخل ہوگی اور گناہ نکل جائیں گے۔

(اس حدیث کو امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مہینہ کی سترہ اور انیس اور اکیس تاریخ کو فصد لگوائی اس کو ہر بیماری سے شفا حاصل ہوگی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۱ المستدرک ج ۴ ص ۲۱۰ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۴۰ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۶ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتوار کے دن فصد لگوانا شفا ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۷۷۸ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۷۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۲)

بعض ایام کی نحوست کے ثبوت میں پیش کی گئی احادیث کی تحقیق

علامہ شمس الدین عبد الروف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جس نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی اور اس کے جسم میں برص کے داغ ہو گئے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۹۰۵)

امام دیلمی نے ابوجعفر نیشاپوری سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک دن کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور میں نے بدھ کے دن فصد لگوائی تو مجھ کو برص ہو گیا' مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے آپ سے اس کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: میری حدیث کی اہانت کرنے سے احتراز کیا کرو۔ اس حدیث کی بناء پر امام احمد نے ہفتہ اور بدھ کے دن فصد لگوانے کو مکروہ کہا ہے۔

امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' حافظ ذہبی نے اس حدیث کو تلخیص میں رد کر دیا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے' مہذب میں لکھا ہے کہ سلیمان ضعیف راوی ہے' ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے' امام ابن حبان نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے: جس نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور وہ بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹) علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے ان تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا: ان احادیث میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے حنبل بن اسحاق نے کہا کہ امام احمد کا خون جس دن اور جس وقت بھی جوش میں آتا وہ فصد لگوا لیتے تھے۔ (فیض القدیر ج ۱۱ ص ۵۵۹۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی چیز سے بدفالی نکالی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو ترک کر دیا اور جس کا توکل کم ہو گیا اسی کو اس کے تصرفات میں نحوست ضرر دے گی' علامہ مناوی نے کہا: حاصل یہ ہے کہ جو شخص بدفالی کی وجہ سے بدھ کے دن فصد لگوانے کو ترک کرے گا اور نجومیوں پر اعتقاد رکھے گا تو یہ بہت شدید حرام ہے' کیونکہ تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے نفع اور ضرر نہیں پہنچاتی اور جس کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی چیز کسی چیز میں اثر نہیں کرتی' اس پر کسی بدشگونی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۴-۱۳' مکتبۃ الغزالی' دمشق)

بعض دنوں کے منحوس ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

نجومی اور بعض غیر محقق علماء یہ کہتے ہیں کہ بعض دن نامبارک اور منحوس ہوتے ہیں' ہم اس کی تحقیق کرتے ہوئے پہلے نحس کا معنی بیان کریں گے' پھر قرآن مجید سے یہ بیان کریں گے کہ کسی چیز کو منحوس اور نامبارک اعتقاد کرنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے' پھر اس کے عدم جواز پر احادیث پیش کریں گے اور فقہاء اسلام کی عبارات پیش کریں گے اور حٰم السجدۃ: ۱۵ میں ایام نحسات کے

جس لفظ سے نجومیوں نے بعض ایام کے منحوس ہونے پر استدلال کیا ہے اس کا محمل ہم بیان کر چکے ہیں اور اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان کا جواب بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق

منحوس کا معنیٰ

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے لکھا ہے: نحس خلاف سعد کو کہتے ہیں یعنی بے برکت چیز۔

(کتاب العین ج ۳ص ۱۷۶۵ قم ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری التوفی ۳۹۸ھ نے لکھا ہے: نحس سعد کی ضد ہے یعنی نامبارک۔

(الصحاح ج ۳ص ۹۸۱ دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

نحسات کا معنیٰ ہے: مشئومات یعنی وہ چیزیں جن سے بُرا شگون لیا جائے ایک قول ہے: سخت ٹھنڈی چیزیں نحس کی اصل یہ ہے کہ آسمان کے کنارے سرخ ہو جائیں جیسے بغیر دھوئیں کے آگ کے شعلے ہوں پھر یہ لفظ نحوست اور بدشگونی کے لیے ضرب المثل ہو گیا۔(المفردات ج ۲ص ۶۲۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے: نحس کا معنیٰ ہے سعد کی ضد یعنی نامبارک۔

(مختار الصحاح ص ۳۷۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: نحسات کا معنیٰ ہے: مشئومات یعنی جن چیزوں سے بُرا شگون لیا جائے۔(نشر ادب الحوزۃ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں: نحسات کا معنیٰ ہے: مشئومات یعنی نامبارک اور بُرے شگون والی چیزیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ص ۶۸۹ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

نحوست اور بدشگونی کے رد میں قرآن مجید کی آیات

ہم نے متعدد کتب لغت کے حوالوں سے بیان کیا ہے کہ منحوس کا معنیٰ ہے: مشئوم اور مشئوم اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بدشگونی لی جائے عربی میں اس کو طِیَرۃ، طائر اور تطیر کہتے ہیں اور قرآن مجید نے تطیر کا رد فرمایا ہے:

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ان کی قوم ثمود نے کہا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ (النمل: ۴۷)

ثمود نے کہا: ہم آپ سے اور آپ کے اصحاب سے بدشگونی لے رہے ہیں صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنہ پرور ہو○

ثمود کا مطلب تھا: آپ کی نحوست سے ہم پر قحط آ گیا اور آپ کے آنے کے بعد ہم پر قحط آ گیا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہاری بدشگونی کا سبب اللہ کے پاس ہے یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی مزعومہ نحوست کی وجہ سے تم پر قحط نہیں آیا بلکہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تم پر قحط آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی کم پیداوار میں مبتلا کیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں○ پس جب ان کے پاس خوش حالی اور زرخیزی آتی تو کہتے: یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور جب ان

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱۔۱۳۰)

پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو ان کی نحوست کا سبب اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○

یعنی ان کی بدحالی اور تنگ دستی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ نحوست نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کفر اور فسق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنا ہے۔

قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ‌ ۚ لَـئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○ قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ‌ ؕ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ○ (یٰسین: ۱۹۔۱۸)

اہل انطاکیہ نے رسولوں سے کہا: ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور تمہیں ہم سے دردناک سزا پہنچے گی ○ رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے، کیا تم نصیحت کیے جانے کو نحوست کہتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو ○

ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان سے بارش کو روک دیا تھا جس کو اہل انطاکیہ نے رسولوں کی نحوست کہا، رسولوں نے بتایا کہ تمہاری بدحالی تمہارے کفر کی وجہ سے ہے، جو تمہارے ساتھ ہے۔

ان آیات میں نحوست اور بدشگونی کے لیے تطیر اور طائر کا لفظ آیا ہے، اس کا مادہ طیر ہے جس کا معنیٰ اڑنا ہے، عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ نیک شگون لیتے تھے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ بدشگونی مراد لیتے اور اس کام سے رک جاتے، نیک شگون کو وہ تفاءل کہتے تھے اور بدشگون اور نحوست کو وہ تطیر، طائر اور تشاءم کہتے تھے، اسلام میں کسی چیز سے بدشگونی لینا یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی چیز کو منحوس کہنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے، جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا اور اسلام میں کسی دن کو یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ عنقریب احادیث سے واضح ہوگا۔

نحوست اور بدشگونی کے رد میں احادیث اور ان کی شروح کی عبارات

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی اور نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ اُلو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ صفر کے مہینہ کو آگے پیچھے کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرب یہ سمجھتے تھے کہ ایک شخص بیمار ہو تو خود بہ خود اس سے بیماری دوسرے شخص کو لگ جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا: طیرہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے، عرب جب پرندہ اڑاتے یا ان بھگاتے تو اگر وہ دائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اسکو سوانح کہتے تھے اور اگر بائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو بوارح کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے اور اپنے مقصود کی طرف نہیں جاتے تھے، شریعت اسلام نے اس کی نفی کی، اس کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ کسی نفع کو حاصل کرنے میں یا کسی ضرر کو دور کرنے میں اس مزعوم نحوست کے خلاف کرنے کی کوئی

تاثیر نہیں ہے اور آپ نے فرمایا: اور نہ الو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے' کیونکہ عرب والے الو کو منحوس کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے تھے اور عرب والے صفر کے مہینے کو بھی منحوس سمجھتے تھے اور محرم کو صفر تک مؤخر کر دیتے تھے اور محرم کو صفر قرار دیتے تھے' اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ص ۳۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طیرة ویعجبنی الفال الصالح الکلمة الحسنة. نہ کوئی مرض خود متعدی ہوتا ہے اور نہ بدشگونی کی کوئی تاثیر ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے اور وہ نیک الفاظ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۶۱' جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۲۴۷۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر طیرہ (بدشگونی) میں کوئی خیر نہیں ہے اور نیک فال میں خیر ہوتی ہے' جب کوئی شخص کوئی اچھی بات سن کر اس سے مستقبل میں کوئی بات نکالے تو وہ فال ہے' طیرہ اور فال میں فرق یہ ہے کہ فال ایک خبر ہے جو غیب سے حاصل ہوتی ہے اور طیرہ میں کسی پرندے یا جانور کی حرکت ہوتی ہے اور اس میں کسی چیز کا بیان نہیں ہوتا' ایک اور فرق یہ ہے کہ فال میں اللہ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور طیرہ میں بُرا گمان ہوتا ہے' اس لیے وہ مکروہ (تحریمی) ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ فال عام ہے خیر اور شر دونوں میں مستعمل ہے اور طیرہ کا استعمال صرف بدشگونی میں ہوتا ہے اور شریعت میں فال خوشی کے لیے ہے اور طیرہ رنج اور افسوس کے لیے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نیک اور اچھی بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں جیسا کہ وہ صاف پانی اور خوشگوار منظر کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' سنن ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے جاتے تو آپ یہ سننا پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کہے: **یا نجیح یا راشد** (اے کامیاب! اے ہدایت یافتہ!) اور اس سے آپ کامیابی کی فال نکالتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۶)

اور امام ابو داؤد نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل کو بھیجتے تو اس سے اس کا نام پوچھتے' اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۲۰)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حلیمی سے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: زمانۂ جاہلیت میں عرب جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے' اس وقت کسی پرندے کو دھکیلا جاتا تو وہ اس سے بُرا شگون لیتے' اسی طرح وہ کوے کی آواز سے اور ہرن کے گزرنے سے بھی بُرا شگون لیتے تھے اور ان چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے اور ان سب کو وہ تطیر کہتے تھے اور عجم میں یہ رواج تھا کہ جب وہ کسی کام کے لیے جاتے اور اس وقت کوئی بچہ استاذ کے پاس پڑھنے کے لیے جا رہا ہوتا تو اس کو وہ نحوست سمجھتے اور اگر وہ استاذ کے پاس سے آ رہا ہوتا تو اس کو مبارک سمجھتے' بدشگونی لینا اس وقت منع ہے جب انسان اس بدشگونی کو مؤثر جانے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مدبر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کو تجربہ سے معلوم ہے کہ اس کے کام کے وقت اگر فلاں چیز پیش آ جائے تو کام نہیں ہوتا (مثلاً اگر سفر کے وقت بلی راستہ کاٹ جائے تو سفر ناکام رہتا ہے) پس اگر ایسے مواقع پر وہ اپنے کام کو ترک کر دے (اور سفر پر نہ جائے) تو یہ مکروہ ہے اور اگر ایسے موقع پر وہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے اور شر سے پناہ طلب

کرے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو کر گزرے' پھر خواہ اس کے دل میں یہ خیال آتا رہے کہ اب چونکہ وہ چیز پیش آ گئی ہے لہٰذا کام نہیں ہوگا تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا' (یعنی بلی کے راستہ کاٹنے کی وجہ سے سفر پر نہ جائے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے نحوست اور بدشگونی کو موثر جانا) اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اس کو وہ متوقع ضرر پیش آ جاتا ہے جیسا کہ اکثر جاہلوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور یہ دراصل اس کو نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔ علامہ حلیمی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک فال اس لیے پسند تھی کہ بدفالی اور بدشگونی میں بغیر کسی تحقیقی سبب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے اور نیک فال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے (مثلاً وہ تجارت کرنے جا رہا ہے' کوئی شخص اس سے ملنے آیا' پوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: نافع' تو وہ اس سے یہ فال نکالے کہ اللہ اس کو اس تجارت میں نفع دے گا) اور مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نیک فال کی اجازت دینے اور بدشگونی سے منع کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کوئی چیز دیکھے اور اس سے یہ نیک گمان کرے کہ اس کو دیکھنے کی وجہ سے اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا تو اس کو وہ کام کر لینا چاہیے اور اگر اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال آئے کہ اس کو دیکھنے یا اس کے سامنے آ جانے کی وجہ سے وہ ناکام ہو جائے گا تو اس کو اس بدگمانی کو قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے مقصود کے لیے جانا چاہیے اور اگر اس نے اس چیز کی نحوست کے اعتقاد کو قبول کر لیا اور اپنے مقصود پر جانے سے رک گیا تو یہی وہ بدفالی اور بدشگونی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن للطیبی ج ۸ ص ۳۱۴۔۳۱۳) (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۷۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ شرک ہے (یعنی بدشگونی اور نحوست کا اعتقاد شرک ہے) حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم میں سے ہر شخص بدشگونی کے اعتقاد میں مبتلا ہے' لیکن اللہ اس کی وجہ سے توکل لے جاتا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۶۹۔۳۶۸' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۲۲' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۱۴)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جب بدشگونی کے تقاضے پر عمل کریں گے تو ان کو نفع حاصل ہوگا اور ان سے ضرر دور ہوگا' تو گویا انہوں نے اس کو اللہ کے ساتھ شریک کر لیا اور یہ شرک خفی ہے' شارح نے کہا: یعنی جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز بالذات نفع پہنچاتی ہے یا ضرر پہنچاتی ہے تو اس نے شرک جلی کیا' علامہ طیبی نے کہا: اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو وہ منحوس سمجھتے ہیں وہ نقصان دینے میں سبب موثر ہے اور فی نفسہٖ اسباب کو موثر جاننا شرک خفی ہے تو جب اس کے ساتھ بدعقیدگی اور جہالت بھی شامل ہو جائے تو وہ شرک کیوں نہ ہوگی۔ (شرح الطیبی ج ۹ ص ۳۲۰) (مرقات ج ۸ ص ۳۴۹' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العیافۃ اور الطرق اور الطیرۃ جبت سے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۰۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷ طبع قدیم' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۲۶)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
العیافۃ کا معنی ہے: پرندے کو اڑانے یا بھگانے کی کوشش کرنا تاکہ دیکھا جائے کہ وہ دائیں طرف جاتا ہے یا بائیں طرف اور پھر اس سے نیک یا بد فال نکالی جائے' الطرق کا معنی ہے: رمل' یعنی لکیریں ڈال کر زائچہ کھینچنا اور اس سے غیب کی بات معلوم کرنا اور الطیرۃ کا معنی ہے: نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد رکھنا اور جبت کا معنی ہے: جادو اور کہانت کا عمل کرنا' یا غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ الطیرۃ یعنی بدشگونی کا عمل کرنا غیر اللہ کی عبادت کے قبیل سے ہے' یا شرک ہے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرۃ شرک ہے۔
(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸ ص ۳۱۹۔۳۱۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

علامہ الحسن التورپشتی متوفی ۶۶۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ افعال کاہنوں کے افعال سے ہیں (یعنی حرام ہیں)۔ (کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ ج ۳ ص ۱۰۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۲ھ)

نحوست اور بدشگونی کے رد میں دیگر احادیث یہ ہیں:
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز کو منحوس سمجھنے یا بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا اس نے شرک کیا' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ دعا کرے: اے اللہ! تیری خیر کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے اور تیری تقدیر کے سوا اور کوئی تقدیر نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۶۲۳' رقم الحدیث: ۷۰۴۵' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۴۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۵)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:
عروہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے الطیرۃ (منحوس چیز) کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان میں اچھی چیز نیک فال ہے اور وہ مسلمان کو کسی کام سے لوٹاتی نہیں ہے' پھر جب تم کوئی منحوس چیز دیکھو تو یہ دعا کرو:

اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.	اے اللہ! صرف تو ہی اچھائیوں کو لانے والا ہے اور صرف تو ہی برائیوں کو دور کرنے والا ہے' گناہ سے پھرنا اور نیکی کی طاقت صرف اللہ کی مدد سے حاصل ہوگی۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۹' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳۹' مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۰۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کہانت کا عمل کیا' یا فال کا تیر نکالا یا بدشگونی کی وجہ سے سفر پر نہیں گیا وہ قیامت کے دن جنت کے درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔
(الجامع لشعب الایمان ج ۲ ص ۴۰۲' رقم الحدیث: ۱۱۳۴)

عورت' گھوڑے اور مکان میں نحوست کی روایت کے جوابات

نحوست اور بدشگونی کی بحث میں یہ حدیث بھی قابل غور ہے' امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شوم

(نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے: گھوڑے میں' عورت میں اور مکان میں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۸۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۹۲۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۲۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا صحیح معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الطیرۃ (بدشگونی اور نحوست) کی بالکلیہ نفی فرمادی ہے اور آپ کا جو ارشاد ہے: شوم (نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے اس ارشاد میں آپ نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی حکایت کی ہے کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ نحوست ان تین چیزوں میں ہے اور اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں بھی نحوست ان تین چیزوں میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نحوست کی بالکلیہ نفی کرتی تھیں۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابوحسان سے روایت کیا ہے کہ بنو عامر کے دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور بتایا کہ حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نحوست' عورت میں' گھر میں اور گھوڑے میں ہے' حضرت عائشہ یہ سن کر سخت غصہ ہوئیں' لگتا تھا کہ آپ کا ایک ٹکڑا زمین پر گرے گا اور ایک آسمان پر' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بالکل نہیں فرمائی' حضرت عائشہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا یہ قول نقل فرمایا ہے' آپ نے فرمایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان چیزوں کو منحوس جانتے ہیں' یہ بات آپ نے اپنی طرف سے نہیں فرمائی۔ (شرح مشکل الآثار ج۱ص ۳۳۳' رقم الحدیث:۷۹۵' مسند احمد ج۶ص ۲۴۰' المستدرک ج۲ ص۴۷۹) امام ابن عبدالبر نے بھی اس روایت کا ذکر فرمایا ہے' اس روایت کے آخر میں ہے: پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۞ (الحدید:۲۲)

ہر وہ مصیبت جو دنیا میں آتی ہے یا تمہاری جانوں میں' اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' یہ کام اللہ پر بہت آسان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر جو مصائب آتے ہیں' بیماریاں آتی ہیں اور مقاصد میں ناکامی ہوتی ہے یا سفر میں نامرادی ہوتی ہے ان سب کا تعلق انسان کی تقدیر سے ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان سب چیزوں کا علم تھا' کسی چیز کی نحوست یا بدشگونی کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔

ابوحسان کی اس روایت کی یحییٰ بن معین اور امام ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے بہ شمول امام بخاری' سب نے ابوحسان کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کو حضرت عائشہ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے' یہ آپ نے تغلیظاً فرمایا ہے۔

اس روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے' یہ آپ نے ابتداء اسلام میں زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اعتقاد کی خبر دی تھی۔ پھر جب صریح قرآن اور سنت ثابتہ نے نحوست کا رد کر دیا تو اس حدیث سے جو حکم مستنبط ہوتا تھا وہ منسوخ ہو گیا نیز یہ حدیث خبر واحد ہے اور اخبار احاد باب عقائد میں حجت نہیں ہیں اور نحوست کے صحیح ہونے کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

اس روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر عورت اور ہر گھوڑا اور ہر گھر منحوس ہوتا ہے' اس سے مراد

بعض عورتیں، بعض گھوڑے اور بعض گھر ہیں اور بعض عورتیں بدخلق، حریص، ناشکری یا بانجھ ہوتی ہیں، یہ عورتوں کی نحوست ہے اور بعض گھوڑے سرکش اور اکھڑ ہوتے ہیں، وہ اپنی پشت پر کسی کو سوار نہیں ہونے دیتے، یہ گھوڑوں کی نحوست ہے اور بعض مکان تنگ اور غیر ہوادار ہوتے ہیں یا ان مکانوں کے پڑوسی بداخلاق اور بے دین ہوتے ہیں، یہ گھروں کی نحوست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتوں، بعض گھوڑوں اور بعض مکانوں میں یہ عیوب اور نقائص ہوتے ہیں اور یہی ان کی نحوست ہے۔ اس نحوست سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آ جائے گی۔ نیز امام ترمذی نے حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو بھی روایت کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لا شوم وقد یکون الیمن فی الدار والمرأۃ والفرس. کوئی نحوست نہیں ہے اور کبھی مکان میں، عورت میں اور گھوڑے میں برکت بھی ہوتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۴، ج ۴ ص ۵۱۵، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۸ء)

اس حدیث سے ہمارے اس جواب کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے بعض عورتوں کے متعلق نحوست (بہ معنی نقص اور عیب) کی خبر دی ہے نہ کہ کل عورتوں کے بارے میں۔

اس روایت کا چوتھا جواب درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں (نحوست) ہوتی تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۴)

اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی اور جب ان چیزوں میں نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں نحوست نہیں ہے اور شوم اور طیرہ (نحوست اور بدشگونی) دونوں ایک چیز ہیں اور بدشگونی شرک ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ (بدشگونی) شرک ہے، رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ شوم اور طیرہ واحد ہیں، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں ہے: اگر کسی چیز میں شوم ہو تو گھوڑے، مسکن اور عورت میں ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب السلام رقم الحدیث: ۱۱۹، رقم بلا تکرار: ۲۲۲۶-۲۲۲۵) اور امام طحاوی کی روایت میں ہے کوئی مرض (فی نفسہٖ) متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی طیرہ ہے، اگر کسی چیز میں طیرہ ہو تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوگی۔

ایک حدیث میں ان تین چیزوں کے لیے شوم کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث میں طیرہ کا ثبوت ہے پس ضروری ہوا کہ ان دونوں سے مراد واحد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۱۳-۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نحوست اور بدشگونی کے مبحث میں خلاصہ کلام

نجومیوں کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بعض ایام اپنی ذات میں منحوس ہوتے ہیں اور بعض ایام اپنی ذات میں مبارک ہوتے ہیں کیونکہ زمانہ کے اجزاء اپنی ذات میں مساوی ہیں، بعض ایام بعض لوگوں کے اعتبار سے منحوس ہوتے ہیں اور وہی ایام دوسرے لوگوں کے اعتبار سے مبارک ہوتے ہیں، مثلاً بدھ کے دن کسی شخص کو بار بار کوئی خوشی یا نعمت حاصل ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے یہ مبارک دن ہے، جب بھی بدھ کا دن آتا ہے مجھے کوئی نعمت ملتی ہے اور کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے شخص کو بدھ کے دن بار بار کسی نقصان یا کسی مصیبت کا سامنا ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے بدھ کا دن منحوس ہے، جب بھی یہ دن آتا ہے میرا کو

نقصان ہو جاتا ہے یا میرے ہاں کوئی مرگ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ فی نفسہٖ اس دن میں کچھ نہیں ہے ایک شخص کے لیے اللہ نے اس دن میں خوشیاں مقدر کر دیں اور دوسرے کے لیے اس دن میں غم مقدر کر دیئے، پس بعض ایام میں غم اور خوشی کا حاصل ہونا تقدیر کے اعتبار سے ہے اس میں دنوں کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اور دنوں کو منحوس قرار دینا قرآن مجید کی متعدد آیات کے خلاف ہے، بعض آیات ہم نے پہلے ذکر کی ہیں اور بعض آیات اب ذکر کر رہے ہیں، جو لوگ بعض دنوں کو منحوس کہتے ہیں وہ ان دنوں میں کام کرنے کو باعث ضرر اور ان دنوں میں کام نہ کرنے کو باعث نفع سمجھتے ہیں، حالانکہ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ عزوجل ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. (یونس: ۴۹)

آپ کہیے میں اپنی ذات کے لیے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں مگر جتنا اللہ چاہے۔

نیز جب انسان بعض دنوں کو منحوس قرار دے کر ان دنوں میں کسی کام کو ترک کر دے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں رہے گا، حالانکہ مومن کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے، قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (التوبہ: ۵۱)

اور مومنوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے ○

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن اور راتیں منحوس یا مبارک ہوتی ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا جائے، ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں روایت منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں پس ایسے عقیدے سے احتراز کرنا چاہیے۔ (العقود الدریہ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۷، المکتبۃ الحبیبیہ، کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

جو شخص فال کھولتا ہو، لوگوں کو کہتا ہو: تمہارا کام ہو جائے گا یا نہ ہوگا، یہ کام تمہارے واسطے اچھا ہوگا یا برا ہوگا یا اس میں نفع ہوگا یا نقصان، اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر یہ احکام قطع و یقین کے ساتھ لگاتا ہو جب تو وہ مسلمان ہی نہیں، اس کی تصدیق کرنے والے کو صحیح حدیث میں فرمایا: "**فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم**" اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی اور اگر یقین نہیں کرتا جب بھی عام طور پر جو فال دیکھنا رائج ہے معصیت سے خالی نہیں، ایسے شخص کی امامت ناجائز۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ ۲ ص ۱۱۹، مکتبہ رضویہ، کراچی ۱۴۱۲ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

ابو داؤد نے عروہ بن عامر سے مرسلاً روایت کی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدشگونی کا ذکر ہوا، حضور نے فرمایا: فال اچھی چیز ہے اور برا شگون کسی مسلمان کو واپس نہ کرے یعنی کہیں جا رہا تھا اور برا شگون ہوا تو واپس نہ آئے، چلا جائے، جب کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جو ناپسند ہے یعنی برا شگون پائے تو یہ کہے: **اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت و لا یدفع السیئات الا انت و لا حول و لا قوۃ الا باللہ**. (بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۸۵، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

حٰمٓ السجدۃ:۱۶ میں ''ایام نحسات'' کا لفظ وارد ہے اور اس لفظ سے نجومی یہ استدلال کرتے ہیں کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں اور میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں سے سنا ہے کہ فلاں دن کپڑا نہیں سلوانا چاہیے اور فلاں دن سفر نہیں کرنا چاہیے اور فلاں دن علاج نہیں کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ' اس لیے میری خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں سو اس آیت کی تفسیر میں یہ موقع آیا اور میں نے اس پر بسط سے لکھا: والحمد للہ رب العٰلمین۔

میرے عزیز محترم علامہ صاحبزادہ حبیب الرحمان محبوبی زید حبہم و علمھم نے مجھے بریڈفورڈ سے ایک مکتوب لکھ کر بتایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کوئی دن منحوس نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

سورۂ حٰمٓ السجدۃ:۱۶ میں جو ''ایام نحسات'' کا لفظ وارد ہے یہ گزشتہ امتوں کی بہ نسبت ہے اور فقیر کا عمل بھی یہی ہے' وہ کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا جب تک کہ شارع علیہ السلام سے اس کی ترجیح معلوم نہ ہو جیسا کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ ہیں۔

(مکتوب ۲۵۶' دفتر اوّل حصہ چہارم ص ۶۷' دار المعرفۃ)

حٰمٓ السجدۃ:۱۷ میں فرمایا: ''اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گم راہی کو ہدایت پر ترجیح دی' سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا○''

اس سوال کا جواب کہ قوم ثمود ہدایت پانے کے بعد کیسے گم راہ ہوگئی

ثمود اس قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا' اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے دی تھی تو پھر انہوں نے گم راہی کو ہدایت پر کیسے ترجیح دی' اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ تاحیات ایمان پر قائم رہتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنیٰ ہیں:

(۱) ایسے راستے کو دکھانا جو انسان کو مطلوب تک پہنچا دے خواہ انسان اس راستے پر چل کر مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍۙ○ اور بے شک آپ ضرور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں○

(الشوریٰ:۵۲)

(۲) ایسی رہنمائی کرنا جو انسان کو مطلوب تک پہنچانے والی ہو' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ○ (البقرہ:۲۶۴) اور اللہ کافروں کو مطلوب تک نہیں پہنچاتا' یعنی ان کو صاحب ایمان نہیں بناتا○

اس تمہید کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہدایت کا دوسرا معنیٰ مراد نہیں ہے' بلکہ پہلا معنیٰ مراد ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کر دیئے تھے اور ان کو عقل عطا کی تھی جس سے وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر منزل تک پہنچ سکتے تھے' پھر عقل کی مدد کے لیے رسولوں کو بھیجا اور ان کی معجزات سے تائید فرمائی لیکن انہوں نے اس ہدایت کو قبول کرنے کے بجائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید میں رہنا پسند کر لیا۔ اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہاں ہدایت کا دوسرا معنیٰ بھی مراد لے سکتے ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے سے وہ ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ دیکھنے کے بعد ان کی تصدیق کر دی تھی لیکن بعد میں وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے اور انہوں نے حضرت صالح کی اطاعت پر ان کی نافرمانی کو ترجیح دی اور ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

تبیان القرآن

فرمایا: "تو پھر سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا" اس آیت کے الفاظ ہیں: "صاعقة العذاب الهون" ۔هون کے معنی ہیں: اہانت اور ذلت اور صاعقة کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اجسام علویہ (جیسے بادل اور بجلی وغیرہ) سے جو سخت گڑگڑاہٹ کی آواز آئے اس کو صاعقہ کہتے ہیں' پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صعق بہ معنی موت جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ. (الزمر: ۶۸)

پس وہ سب ہلاک ہو گئے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

(۲) صاعقہ بہ معنی عذاب جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (حٰم السجدۃ: ۱۳)

میں نے تم کو ایسے عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل ہے ۝

(۳) صاعقة بہ معنی آگ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ. (الرعد: ۱۳)

وہی آسمان سے آگ گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

یہ تمام چیزیں صاعقہ یعنی فضا سے آنے والی سخت گڑگڑاہٹ والی ہولناک آواز سے حاصل ہوتی ہیں۔ کبھی بجلی گرتی ہے تو اس سے فقط آگ حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر الرعد: ۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے جس کا ذکر حٰم السجدۃ: ۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے نتیجہ میں موت آتی ہے جس کا ذکر الزمر: ۶۸ میں ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۶۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حٰم السجدۃ: ۱۸ میں فرمایا: "اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ۝"

اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لے آتے تھے' یعنی ہم نے ان کو کفار سے ممتاز اور ممیز کر دیا تھا' سو ان پر وہ عذاب نازل نہیں ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم اسی طرح آپ کے متبعین کے ساتھ اور قوم کفار کے ساتھ معاملہ کریں گے' اگر کفار مکہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور ان پر عذاب آنا ناگزیر ہو گیا تو ہم آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے درمیان سے نکال لیں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰٓى إِذَا

اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا' پھر ان کو جمع کیا جائے گا ۝ حتیٰ کہ جب وہ

مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا

دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا

دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے O اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ

گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے

مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ

تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ

عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ

تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا یہ گمان

لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ

تمہیں ہلاک کر دیا، پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے

مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا

اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O

لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ

اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ

کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۳/۷ ۱۷

جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا پھر ان کو جمع کیا جائے گاO حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھےO اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO (حٰمٓ السجدۃ: ۲۱۔۱۹)

انسان کے اعضاء کے نطق کے ثبوت میں احادیث

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس عذاب کو بیان فرمایا تھا جو دنیا میں ان پر نازل کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس عذاب کو بیان فرما رہا ہے جو آخرت میں ان پر نازل کیا جائے گا۔

حٰمٓ السجدۃ: ۱۹ میں فرمایا ہے: ''فھم یوزعون'' یہ لفظ وزع سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے: باز رکھنا' یعنی تمام کافروں کو اوّل سے آخر تک روک لیا جائے گا اور پہلے آنے والے کافروں کو دوزخ کے پاس روک لیا جائے گا حتیٰ کہ بعد والے کافر بھی وہاں پہنچ جائیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب تمام کافر وہاں پہنچ جائیں تو پھر ان سے باز پرس کی جائے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۱۔۲۰ میں فرمایا ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں کچھ تنگی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: جب چودھویں رات کو بادل نہ ہوں تو تم چاند کو دیکھنے میں کوئی تنگی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' تم اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنے تنگ ہو گے جتنے سورج یا چاند کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو' پھر اللہ اپنے بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: اے فلاں شخص! کیا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی تھی' کیا میں نے تجھ کو سرداری نہیں دی تھی' کیا میں نے تجھ کو بیوی نہیں دی تھی' کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے تابع نہیں کیے تھے اور تجھ کو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ شخص کہے گا: کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھ کو مجھ سے ملاقات کی توقع تھی؟ وہ بندہ کہے گا: نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بھی تجھے اس طرح بھلا دوں گا جس طرح آج تو نے مجھے بھلا دیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ دوسرے شخص سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے سرداری نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے اور کیا میں نے تجھے رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں' اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یہ توقع تھی کہ تو مجھ سے ملاقات کرے گا؟ وہ کہے گا: نہیں' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میں تجھے اسی طرح بھلا دیتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی اسی طرح کلام فرمائے گا' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب پر ایمان لایا اور تیرے رسول پر ایمان لایا اور میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا اور صدقہ کیا اور جتنی اس کی طاقت ہو گی وہ اتنی حمد وثناء کرے گا' پھر اس بندے سے کہا جائے گا: ہم ابھی تیرے خلاف گواہ بھیجتے ہیں' وہ اپنے دل میں غور وفکر کرے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا' پھر اس کے منہ پر مہر لگائی جائے گی اور اس کی ران سے اور اس کے گوشت سے اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرو' پھر اس کی ران' اس کا

گوشت اور اس کی ہڈیاں بتائیں گی کہ اس نے کیا کام کیے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ خود اپنا عذر بیان کرے اور یہ شخص منافق ہوگا اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ہنسنے لگے آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنس رہا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جاننے والا ہے آپ نے فرمایا: میں بندہ کی اس کے رب کے ساتھ بات چیت پر ہنس رہا تھا' بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں' بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف صرف اپنے نفس کی شہادت کی اجازت دیتا ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج صرف تیری ہی تیرے خلاف شہادت ہوگی اور کراماً کاتبین گواہ ہوں گے' آپ نے فرمایا: پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' پھر اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرو' پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے' پھر وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم دور رہو' میں تمہارے لیے ہی تو جھگڑ رہا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۰، جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

انسان کے اعضاء کے نطق کی کیفیت میں اقوال مفسرین

انسان کے اعضاء جو اس کے خلاف شہادت دیں گے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں فہم' قدرت اور نطق پیدا کر دے گا اور وہ اس طرح شہادت دیں گے جس طرح انسان کسی ایسے واقعہ کی شہادت دیتا ہے جس کو وہ پہچانتا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں آوازیں اور حروف پیدا کر دے گا جو معانی پر دلالت کرتے ہیں جس طرح اللہ نے درخت میں کلام پیدا کر دیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ انسان کے اعضاء میں ایسی علامات پیدا کر دے گا جو انسان سے ان افعال کے صدور پر دلالت کریں گی۔

مؤخر الذکر دونوں قول ظاہر قرآن کے خلاف ہیں اور ہمارے نزدیک پہلا قول برحق ہے کیونکہ اعضاء سے جو تصرفات ظاہر ہوتے ہیں ان میں اعضاء کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے' مثلاً زبان جو نطق کرتی ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ زبان میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے نطق صادر ہوتا ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان میں نطق پیدا کر دیا' اگر وہ چاہتا تو آنکھوں میں نطق پیدا کر دیتا' کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ مکہ میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (صحیح مسلم: ۲۲۷۷) اور جب آپ مکہ کے راستہ میں جاتے تھے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (سنن ترمذی: ۳۶۲۶) اور صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۳۳) تو جب اللہ تعالیٰ پتھروں میں' پہاڑوں میں اور درختوں میں کلام پیدا کر سکتا ہے تو انسان کے اعضاء میں کلام کا پیدا کر لینا کب زیادہ تعجب انگیز ہے۔

کان' آنکھ اور کھال کی خصوصیت کی توجیہ

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کان' آنکھ اور کھال کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کلام کریں گی اور باقی اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حواس پانچ ہیں: قوت سامعہ' قوت باصرہ' قوت شامہ' قوت ذائقہ اور قوت لامسہ اور قوت لامسہ کا آلہ کھال ہے کیونکہ جب کھال سے کوئی چیز مس ہوتی ہے تو وہ ادراک کرتی ہے کہ یہ سرد ہے یا گرم' نرم ہے یا سخت وغیرہ۔ لہٰذا کھال میں قوت لامسہ آ گئی اور قوت ذائقہ کا ادراک بھی قوت لامسہ سے حاصل ہو جاتا ہے

ہر چند کہ کامل نہیں ہوتا اور قوت شامہ بہت کم زور حس ہے' اس کے مدرکات پر حلال اور حرام کا زیادہ تعلق نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی تو وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم کو پہلی بار گویائی دی تھی' پھر اس نے تم کو دوبارہ پیدا کیا اور دوبارہ تم کو گویائی دی تو اب اس نے تمہارے اعضاء کو گویائی دے دی ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اس وجہ سے اپنا گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان' تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی' لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا' پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O (حٰم السجدۃ: ۲۵۔۲۲)

اللہ کے ساتھ اس گمان کی مذمت کہ اس کو بندوں کے اعمال کا علم نہیں ہو گا

حٰم السجدۃ: ۲۲ میں فرمایا ہے: ''اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان' تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O''

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کفار کوئی بُرا اور شرم ناک کام کرنے لگتے تو وہ اپنے کام کو چھپاتے تھے لیکن ان کا چھپانا اس لیے نہیں ہوتا تھا کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کی کھال اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے بُرے کاموں کی شہادت دیں گی کیونکہ وہ نہ قیامت کے قائل تھے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے اور نہ حساب اور کتاب کے معترف تھے' بلکہ ان کا چھپ کر گناہ کرنا اس لیے تھا کہ ان کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان اعمال کا پتا نہیں چلتا جو چھپ کر کیے جائیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے' یہ بہت موٹے اور جسیم تھے اور ان کے دلوں میں فقہ بہت کم تھی' پس ان میں سے ایک نے کہا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن رہا ہے' دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے باتیں کریں گے تو وہ سنے گا اور اگر آہستہ باتیں کریں گے تو وہ نہیں سنے گا' دوسرے نے کہا: اگر وہ ہماری زور سے کی ہوئی باتیں سن سکتا ہے تو وہ ہماری آہستہ سے کی ہوئی باتیں بھی سن سکتا ہے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے۔ الخ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۶۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۲۸)

حٰم السجدۃ: ۲۳ میں فرمایا ہے: ''اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا' پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O''

اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے متعلق احادیث

یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ کو اس کے کاموں کا علم نہیں ہو گا وہ ان لوگوں میں سے ہو گا جو ہلاک ہونے والے ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کی دو قسمیں ہیں: ظن حسن اور ظن فاسد' ظن فاسد کی ایک مثال یہی ہے' جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اور ظن حسن کی مثال یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھے کہ وہ اس پر فضل اور رحمت فرمائے گا' اس کے گناہوں پر پردہ رکھے گا' اس کی توبہ قبول فرمائے گا' اس کو بخش دے گا اور اس کو دارین میں اجر و ثواب عطا فرمائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں وہ میرے متعلق جو چاہے گمان کرے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۱' ج ۴ ص ۱۰۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۳۹۸' رقم الحدیث: ۱۶۰۱۶' ج ۲۸ ص ۱۸۷' رقم الحدیث: ۱۶۹۷۹' موسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۹ھ' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۲۱۱)

ایک اور سند سے یہ روایت ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں' اگر وہ خیر گمان کرے تو خیر ہے اور اگر وہ شر گمان کرے تو شر ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۳' ریاض' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۲۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱)

یزید بن اسود بیان کرتے ہیں کہ میں سخت بیمار تھا' حضرت واثلہ میری عیادت کے لیے آئے اور پوچھا: تمہارا اللہ کے ساتھ کیا گمان ہے؟ میں نے کہا: جب میں اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی ہلاکت قریب نظر آتی ہے لیکن میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں' حضرت واثلہ نے کہا: اللہ اکبر اور گھر والوں نے بھی کہا: اللہ اکبر' حضرت واثلہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: اللہ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں' وہ میرے متعلق جو چاہے گمان کرے۔ (جامع شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۵' رسائل ابن ابی الدنیا حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۲' الادب للبیہقی رقم الحدیث: ۱۶۰' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۹۰۹' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۰)

اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن پہلے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے کسی شخص پر ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۳' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۲۸' رقم الحدیث: ۱۴۱۲۵' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۰۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۱۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۵۵' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۳۹۵)

اسی طرح اللہ کے ساتھ ظن رکھنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان کی ہے جو نجات یافتہ ہیں جن کے متعلق فرمایا تھا:

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۝ (البقرہ: ۴۶)

جن لوگوں کا یہ ظن ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۝

اور جو لوگ عذاب یافتہ ہیں ان کا اللہ کے ساتھ وہ ظن ہوتا ہے' جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۴ میں فرمایا: ''اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی''۔

عتاب کا معنیٰ اور دوزخ میں کفار کے عذاب کا لزوم

اس آیت میں ''یستعتبوا'' اور ''معتبین'' کے الفاظ ہیں' ان کا مادہ عتب ہے' عتب کے معنیٰ ہیں: ناراض ہونا' عتبہ دراصل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اترنے والے کو کچھ دکھ اور چبھن ہو' اسی لیے سیڑھی اور چوکھٹ کو عتبہ کہا جاتا ہے اور جب یہ باب افعال سے ہو تو اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہوتا ہے اور اس کا معنیٰ ہوتا ہے: ناراضگی اور عتاب دور کرنا' یعنی منانا اور

معتبین باب افعال کا اسم مفعول ہے اور "فماھم من المعتبین" کا معنیٰ ہے: وہ ان لوگوں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی اور اگر یہ باب استفعال سے ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا: ناراضگی کے ازالہ کو طلب کرنا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اگر یہ دوزخ کے عذاب اور تکلیف کو ضبط کرلیں اور اس پر بے چینی اور اضطراب کا اظہار نہ کریں اور درد کی شدت سے آہ و بکا اور فریاد نہ کریں تب بھی ان کا ٹھکانا وہی دوزخ کی آگ ہے اور اگر یہ اس عذاب کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے شرک اور کفر پر عذر پیش کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ازالہ کی کوشش کریں تو ان کی یہ کوشش رائیگاں جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوگا سو ان سے عذاب دور نہیں کیا جائے گا' پس ان کا صبر کرنا اور بے صبری کا اظہار کرنا برابر ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے' دوزخ میں کفار یہ کہیں گے:

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ ہمارے لیے برابر ہے خواہ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں' ہمارے لیے عذاب سے نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (ابراہیم: ۲۱)

قیض کا معنیٰ

حمٓ السجدۃ: ۲۵ میں فرمایا: "اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ۝"

"قیضنا" کا مادہ قیض ہے' قیض کا معنیٰ ہے: انڈے کے اوپر والا چھلکا' جو انڈے کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے' اس مناسبت سے تقییض کا معنیٰ ہے: کسی کو کسی کے ساتھ لگا دینا' لازم کر دینا' چمٹا دینا' مسلط کر دینا' قیض کا معنیٰ بدل اور عوض بھی ہے۔ اسی مناسبت سے بیع مقایضہ کا معنیٰ ہے: وہ بیع جس میں سامان کا سامان کے عوض تبادلہ ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۳۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کا معنیٰ ہے: ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بعض شیاطین کو ان کافروں کا دوست بنا کر ان پر مسلط کر دیا جو ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو خوش نما بنا کر دکھاتے ہیں' دنیا کی چیزوں میں سے گناہوں کی لذتوں کو اور آخرت کی چیزوں میں سے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے انکار کو پیش کرتے ہیں' جیسے کسی ملحد نے کہا ہے: بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' یعنی اے بابر! عیش و عشرت میں زندگی گزارو کہ یہ جہاں دوبارہ نہیں آئے گا۔ سامنے کے امور سے مراد دنیا ہے اور بعد کے امور سے مراد آخرت ہے۔

جہاد بالنفس اور جہاد اکبر کے متعلق احادیث

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے خیر خواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اس میں اس کی مدد کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے بدخواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی دعوت دیتے ہیں اور فسق و فجور میں اس کی مدد کرتے ہیں اور ان بدخواہ ساتھیوں میں سے لمہ شیطان (ہم زاد) ہے' جو اس کو بُرے کاموں کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے تاکہ انسان بالآخر دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو جائے اور اس سے نجات اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے نفس امارہ اور اس کے احکام اور اس کی خواہشات کی مخالفت

کرے اور اپنے نفس سے جہاد کرے۔

حدیث میں ہے امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے اور اس کی خواہشات سے جہاد کرو۔

علاء بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے کہا: جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے' سائل نے کہا: یہ آپ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴۹ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۲' رقم الحدیث: ۲۲۳۳-۲۲۳۲)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ ایک روایت میں ہے: جو اللہ کے لیے یا اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (مسند احمد) (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۔۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۳۷۵' رقم الحدیث: ۲۳۹۵۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۸۰۳۔۸۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴۔۷۲' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۴۱۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

اور اسی معنیٰ میں یہ حدیث مشہور ہے۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجاہدین کا ایک گروہ آیا تو آپ نے فرمایا:

قدمتم خیر مقدم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر مجاهدة العبد هواه. (الدیلمی)

تم آئے ہو' تمہارا آنا مبارک ہے' تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو اور وہ بندہ کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا ہے' اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۶۱۶' رقم الحدیث: ۱۱۷۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: جو شخص اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس پر غضب ناک ہوا' اللہ اس کو اپنے غضب سے مامون رکھے گا۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۶۱۶' رقم الحدیث: ۱۱۷۷۸)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو قول ثابت ہے اس کا بیان

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا'' اس قول سے مراد یہ آیات ہیں:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (ہود: ۱۱۹)

اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جنات اور انسانوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ○

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (السجدۃ: ۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ضرور ہدایت یافتہ بنا دیتے' لیکن میرا یہ قول برحق ہے کہ میں ضرور بہ ضرور جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے سب سے بھر دوں گا ○

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۸)

فرمایا: (اے ابلیس!) تو یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا' ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور بہ ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا○

اللہ تعالیٰ کے گناہ کا ارادہ کرنے کے متعلق امام رازی اور ابو علی جبائی کی معرکہ آرائی

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا''۔

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ فرماتا ہے' انہوں نے کہا: اس موقف کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ جب وہ کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط فرمائے گا تو وہ ان کے لیے باطل کو خوش نما بنا دیں گے اور ہر وہ شخص جو کوئی ایسا کام کرے جس پر لامحالہ ایک اثر مرتب ہو گا تو ضروری ہے کہ اس فعل کا فاعل اس اثر کا ارادہ کرنے والا ہو' پس ثابت ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط کیا تو اس نے ان کافروں سے کفر کا ارادہ کیا۔ اس کا جبائی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا ارادہ کرے تو پھر کفار گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہوں گے' حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کافروں سے ان کے کفر اور معصیت کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے' جب کہ اس نے خود فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریٰت: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے صرف عبادت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے کفر اور معصیت کا ارادہ نہیں کرتا اور رہی یہ آیت تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر اس لیے مسلط کیا ہے کہ وہ ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو مزین اور خوش نما کریں' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان ساتھیوں کو ان کافروں پر مسلط کر دیا تو انہوں نے ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو مزین کر دیا' بایں طور کہ ہر ایک نے دوسرے کی طرف اپنی جنس سے کوئی چیز نکالی۔ پس شوہر اور بیوی میں سے ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیا اور غنی کو فقیر کے لیے اور فقیر کو غنی کے لیے مسلط کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ان میں سے بعض نے بعض دوسروں کے لیے گناہوں کو مزین کر دیا۔

امام رازی نے جبائی کے رد میں پھر اپنی اس دلیل کو دہرایا ہے کہ جب ایک فاعل کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ کوئی کام کرے گا تو اس سے فلاں اثر برآمد ہو گا اور پھر وہ اس کام کو کرے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اس نے اس اثر کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ جب وہ کافروں پر ان کے ساتھیوں کو مسلط کرے گا تو وہ ساتھی ان کو کفر اور گمراہی میں مبتلا کریں گے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور گمراہی کا ارادہ کیا ہے اور جبائی نے اس کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان سے معاصی کا ارادہ کیا اور انہوں نے وہ معاصی کر لیے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہو گئے' حالانکہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں' جبائی کے اس جواب سے ہماری دلیل کا رد نہیں ہوتا' کیونکہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ارادہ کے موافق کام کرنے سے اس کا اطاعت گزار ہو جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے ارادہ

کے موافق افعال کو پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے حالانکہ یہ بداہتہً باطل ہے' نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام لفظی ہے کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اطاعت سے اگر یہ مراد ہے کہ ارادہ کے موافق فعل کیا جائے تو جس طرح یہ لازم آ رہا ہے کہ کافر اللہ کے اطاعت گزار ہو جائیں اسی طرح یہ بھی لازم آ رہا ہے کہ اللہ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے اور اگر اطاعت سے کوئی اور معنیٰ مراد ہے تو اس کو بیان کیا جائے تاکہ دیکھا جائے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔

(تفسیر کبیرج ۹ص ۵۵۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی اور ابوعلی جبائی کے درمیان مصنف کا محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تعظیم

امام رازی نے جبائی کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہ کرنے کا ارادہ کیسے کرسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خود فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریٰت: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

دوسری بات یہ ہے کہ امام رازی کا بیان کردہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جب کوئی فاعل ایسا فعل کرے جس پر لامحالہ ایک اثر مرتب ہو اور وہ اس چیز کے علم کے باوجود ایسا فعل کرے تو اس کا لازماً معنیٰ یہ ہے کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن حٰم السجدۃ: ۲۵ پر اس قاعدہ کا اطلاق اور انطباق صحیح نہیں ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا''۔ کیونکہ اگر مثلاً شیطان یا اس کے چیلوں نے انسانوں کے لیے دنیا میں گناہوں کو اور آخرت میں حشر ونشر کے انکار کو مزین کر دیا ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ انسان اس کے وسوسوں کو قبول کرلے' تمام انبیاء علیہم السلام اور اکثر صحابہ کرام' اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک اور ثابت قدم بندوں کے لیے بھی شیطان دنیا کو اور اس کی پُر معصیت لذتوں کو خوشنما بنا کر دکھاتا ہے لیکن وہ اس کے دام فریب میں نہیں آتے اور شیطان ناکام رہتا ہے' اور شیطان نے خود اعتراف کیا کہ وہ لوگوں کے سامنے گناہوں کو مزین کرے گا اور انہیں خوش نما بنا کر دکھائے گا لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے نیک بندوں کو راہ استقامت سے نہیں ہٹا سکے گا' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (الحجر: ۴۰-۳۹)

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے تو قسم ہے میں ضرور ان کے لیے زمین میں گناہوں کو مزین کروں گا اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ○ ان میں سے ماسوا تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں ○

اس آیت سے یہ واضح ہوگیا کہ شیطان جب انسانوں کے لیے گناہوں کو مزین کرتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور وہ گناہ کر بیٹھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب کافروں کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے گناہوں کو خوش نما بنا دیا تھا تو یہ لازم اور ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کے بہکانے میں آ کر کفر یا گناہ کر لیتے اور یہ ایسا فعل نہیں ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ لازماً کفر یا گناہ کریں حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ جب اللہ کو علم تھا کہ وہ اس فعل کے بعد کفر کریں گے تو ثابت ہوا کہ اللہ نے ان کے کفر کا ارادہ کر لیا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے صرف کفر اور گمراہی کے داعی نہیں بھیجے' ایمان اور اطاعت کے داعی بھی بھیجے ہیں' اگر دنیا میں شیطان اور

اس کے چیلوں کو مسلط کیا ہے تو ان کے وسوسوں کے ازالہ کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی مقرر کیا ہے اور ہر انسان کے ساتھ نیکی کی ترغیب دینے کی ایک روح پیدا کی اور برائی کی تحریک کے لیے بھی ایک روح پیدا کی ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)
اور ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ۝

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰-۷)
اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ۝ پس اس کو اس کے برے کاموں کی اور برے کاموں سے اجتناب کی فہم عطا کی ۝ جس نے اپنے باطن کو صاف کرلیا وہ کامیاب ہوگیا ۝ اور جس نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں نہ لگایا وہ ناکام ہوگیا ۝

سو اللہ تعالیٰ نے صرف یہ نہیں کیا کہ کافر کے اوپر صرف شیطانی ساتھیوں کو مسلط کر دیا کہ وہ اس کو گمراہ کر ڈالیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کو شیطانی وسوسوں کے ازالہ کے لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہدایت دیں' اگر شیاطین انسان کے سامنے گناہوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس کے سامنے ایمان اور نیکیوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کے نیکیوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور مومن اور صالح ہو جائے اسی طرح شیطانوں کے گناہوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور کافر اور فاسق ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر' ایمان اور کفر' اطاعت اور معصیت کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اس کو عقل اور فہم عطا کر دی' وہ اپنے لیے جس چیز کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور اسی اعتبار سے اس کو جزاء اور سزا ملتی ہے' بہر حال امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے لیے گناہ کا ارادہ ثابت کرنے کے لیے جو بنیاد قائم کی تھی وہ منہدم ہوگئی' امام رازی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر اور ان کے گناہوں کا ارادہ کرتا ہے یہ اس لیے غلط ہے کہ پھر اس نے ہدایت دینے کے لیے انبیاء اور رسل کیوں بھیجے' گناہوں پر ملامت اور مذمت کیوں کی' جزاء اور سزا کا نظام کیوں قائم کیا' اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے' ان کے درجات بلند فرمائے' انہوں نے بہت سنگین بات کہی ہے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔

ہم اس سے پہلے الزمر: ۶۲ میں ''اللہ خالق کل شیء'' کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ ہر چند کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ لیکن قبیح چیزوں کو خلق کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت کا خالق ہے' لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کفر اور معصیت کا خالق ہے' نیز اگر یہ کہا جائے گا کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا تو اس سے منکروں اور ملحدوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ جب کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا اور اس میں کفر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا تو پھر کافر کے کفر کرنے میں اس کا کیا قصور ہے اور پھر اس کو کفر کی سزا دینے میں کیا اس پر ظلم نہیں ہے؟

اس لیے صحیح یہی ہے اور اسی میں سلامتی ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر وہ اپنے افعال میں آزاد اور مختار ہے' وہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں اسی فعل اور اسی کام کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی اعتبار سے وہ انسان جزاء اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب بندوں کو اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے۔

میں نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے امام رازی کی تغلیط یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔ مقصود صرف احقاق

حق اور ابطال باطل ہے' اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تعظیم کو بیان کرنا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم' والحمد للہ رب العلمین

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قرأت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا

غالب آ جاؤ O بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ

اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا ضرور دیں گےO یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی

اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھےO

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ

اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں

وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیںO

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے' ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے)

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

سے وعدہ کیا گیا ہےO ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا

ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O (یہ) بہت

مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿۳۲﴾

بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قرأت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ O بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے O یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تا کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیں O

(حٰمٓ السجدۃ: ۲۹۔۲۶)

کفار کے جرائم اور ان کی سزا

اس آیت میں ''والغوا'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ لغو ہے' اس کا معنیٰ ہے: بے فائدہ کلام جو اس لائق ہو کہ اس کو ساقط کر دیا جائے' لغو کلام وہ ہوتا ہے جو نا قابل شمار ہو' بغیر غور و فکر کے جو کسی سے بات کی جائے اور وہ خرافات اور ہذیان پر مشتمل ہو' یا جھوٹے قصے کہانیاں جیسے کفار نے رستم اور اسفندیار کے قصے گھڑ رکھے تھے' جب مسلمان قرآن پڑھتے تھے تو وہ بلند آواز سے ایسی فضول باتیں سناتے' اشعار پڑھتے اور تالیاں بجاتے تا کہ قرآن پڑھنے والوں کو تشویش ہو' ان کا ذہن مضطرب ہو اور وہ بھول جائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے تھے۔

ان کے لغو باتیں کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ کو یہ معلوم تھا کہ قرآن مجید لفظی اور معنوی اعتبار سے کامل ہے اور جو شخص بھی اس کے الفاظ کی فصاحت اور بلاغت میں غور کرے گا اور اس کے معانی میں تدبر کرے گا تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ یہ برحق کلام ہے اور کسی انسان یا جن کے بس میں ایسا کلام پیش کرنا ممکن نہیں ہے' یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے' پھر جو شخص یہ کلام سنے گا وہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہے گا' بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے گا۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۷ میں فرمایا: ''بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے O''

اس آیت میں بدترین عذاب چکھانے کا ذکر ہے' اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس چیز کو چکھا جاتا ہے وہ بہت کم ہوتی ہے تو جب اللہ کے سخت عذاب کے چکھنے کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہے تو جب ان کو اس سخت عذاب کی پوری مقدار میں مبتلا کیا جائے گا تو پھر اس کی شدت کا کیا عالم ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو ان کے زیادہ برے کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام ان کے نسبتاً کم بُرے ہوں گے ان کی سزا نہیں دی جائے گی' بلکہ ان کو ان کے ہر قسم کے بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام زیادہ بُرے ہوں گے ان میں عذاب کی کیفیت نسبتاً زیادہ شدید ہوگی اور دنیا

میں انہوں نے جو نیکی کے کام کیے ہوں گے' مثلاً غلاموں کو آزاد کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا' مظلوموں کی مدد کرنا وغیرہ وہ تمام کام ضائع کر دیئے جائیں گے اور ان کو آخرت میں ان پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا' کیونکہ توحید و رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۸ میں فرمایا: ''یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O''

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ان کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی' اس آیت میں اس سزا کا بیان ہے کہ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے اور فرمایا: ''اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے'' یعنی دوزخ میں ایک مخصوص طبقہ ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشہ عذاب دیا جائے گا' کیونکہ بعض فساق مؤمنین کو بھی تطہیر کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا' لیکن ان کا دوزخ میں عارضی قیام ہو گا' بعد میں ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا' اس کے برخلاف کفار کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب کا گھر بنایا جائے گا۔

نیز فرمایا: ''یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے'' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی قرأت کے وقت بلند آواز سے لغو باتیں کرتے تھے' اس کو جحود اور انکار سے اس لیے تعبیر فرمایا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور ان کو خطرہ تھا کہ جب لوگ اس کلام کو سن لیں گے تو اس پر ایمان لے آئیں گے' پس وہ جانتے تھے کہ قرآن مجید معجز کلام ہے لیکن وہ حسد' بغض اور عناد سے اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۹ میں فرمایا: ''اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے سے ہو جائیں O''

اس آیت میں ماضی کے صیغے کا ذکر ہے: ''وقال الذین کفروا'' ''اور کفار نے کہا' اور اس سے مراد مستقبل کا زمانہ ہے یعنی کفار دوزخ میں یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا' جنات میں سب سے پہلے جس نے گم راہ کیا تھا وہ ابلیس ہے اور ابن آدم میں سے جس نے سب سے پہلا گناہ کیا اور بعد کے لوگوں کو گمراہ کیا وہ قابیل ہے جس نے ھابیل کو قتل کیا تھا۔

حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں سے ایک حصہ قابیل کو بھی ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵۔۶۸۶۷۔۷۳۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۷۴۴)

عارفین نے کہا ہے کہ جب انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کو معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں تو اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی وہ صفات دکھائے جن میں جبلی طور پر شیطانیت اور حیوانیت کے تقاضے ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ان صفات کو فنا کر دے تاکہ جب وہ اس دنیا سے جائے تو بالکل پاک اور صاف ہو اور اس کے دل میں شیطانیت اور حیوانیت کے تقاضوں میں سے کوئی ذرہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہےO ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کروO (یہ) بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہےO

(حٰم السجدۃ: ۳۲-۳۰)

استقامت کا لغوی اور شرعی معنی

قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ دو ضدوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے کیونکہ ایک ضد کے ذکر سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے اور خوب واضح ہو جاتی ہے اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مسلمانوں سے وعد کا ذکر ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے یعنی اس عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہے جمے رہے اور ڈٹے رہے۔

مستقیم اس راستہ کو کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہو مستقیم عقیدہ وہ ہے کہ نہ تو دہریوں کی طرح خدا کا انکار کیا جائے اور نہ مشرکین کی طرح متعدد خدا مانے جائیں بلکہ کہا جائے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہی ہے نہ قدریہ کی طرح یہ کہا جائے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور نہ جبریہ کی طرح یہ کہا جائے کہ انسان مجبور محض ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے اور انسان کاسب ہے اور نہ برہموں کی طرح نبوت کا انکار کیا جائے اور نہ مرزائیہ کی طرح نبوت کو قیامت تک کے لیے جاری رکھا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ نبی کا آنا ضروری ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ ضرورت ختم ہو گئی اور نہ رافضیہ کی طرح صحابہ کی مذمت کی جائے اور نہ ناصبیہ کی طرح اہل بیت کو برا کہا جائے بلکہ صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تکریم کی جائے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس

اور استقامت کا معنیٰ ہے: انسان کا صراط مستقیم کو لازم رکھنا اور ہر حال میں اس پر جمے اور ڈٹے رہنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استقامت کی تفسیر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا'' (فصلت: ۳۰) پھر آپ نے فرمایا: لوگوں نے یہ کہا: یعنی ہمارا رب اللہ ہے پھر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے پس جو شخص اسی قول پر ڈٹا رہا حتیٰ کہ مر گیا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس قول پر مستقیم رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۰ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۸۸ جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۵۱۱)

حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتایئے کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں آپ نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مستقیم رہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۲ مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۲۴ ص ۱۴۱ مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۹ھ شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۲۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا اس کا معنیٰ ہے کہ تم زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرو اور اپنے باقی اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا: پھر اس پر مستقیم رہو یعنی تادم مرگ توحید پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ نیز آپ کا یہ ارشاد تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے رہو اور ہر اس کام

سے اجتناب کرتے رہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کیا یا کسی ایک بھی ممنوعہ کام سے باز نہیں رہا تو وہ صراط مستقیم سے منحرف ہو گیا' پس جس نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے تو اس کے رب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی رضا جوئی میں لگا رہے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے لیے اسلام اور ایمان کے تمام معانی جمع کر دیئے ہیں' آپ نے سائل کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے' اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت پر مستقیم رہے اور ہر قسم کی نافرمانی اور حکم عدولی سے باز رہے کیونکہ اس وقت تک کسی چیز پر استقامت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی مخالف چیزوں سے رکا نہ جائے اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' (حٰم السجدۃ:۳۰) یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کو واحد مانو پھر تا دم مرگ اس عقیدہ پر اور اس کے احکام کی اطاعت پر جمے رہو جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہو اور لومڑی کی طرح فریب دہی کرتے ہوئے جادہ استقامت سے منحرف نہ ہو' یعنی اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے رہو' اس کی توحید کا اقرار کرتے رہو اور اپنے اعضاء سے دائماً اس کی بندگی کرتے رہو۔

(المفہم ج۱ص۲۲۲۔۲۲۱' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ ہود میں فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ. (ہود:۱۱۲) سو آپ اسی طرح مستقیم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج۱۷ص۲۸۷۔۲۸۶' رقم الحدیث:۷۹۰' دلائل النبوۃ ج۱ص۳۵۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۴۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

تمام قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت اور دشوار آیت اور کوئی نازل نہیں ہوئی' اسی لیے جب آپ کے اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ آپ پر بڑھاپا بہت جلد طاری ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج۲ص۶۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مستقیم رہو اور تم مکمل استقامت ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے اور یاد رکھو تمہارے اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور صرف مومن (کامل) ہی دائماً باوضو رہ سکتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۔۲۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۶' مسند احمد ج۵ص۲۸۲۔۲۷۶' سنن دارمی رقم الحدیث:۶۶۱' المعجم الصغیر ج۲ص۸۸' المستدرک ج۱ص۱۳۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج۱ص۴۵۷' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث:۷۱۹)

صحابۂ کرام اور فقہاء تابعین سے استقامت کی تفسیر

حضرت ابو بکر نے یہ آیت پڑھی: ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا''. (حٰم السجدۃ:۳۰) اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو

اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے۔ ایک اور روایت میں ہے: نہ کوئی اور معصیت کرتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۲۴ص ۱۴۲، رقم الحدیث: ۲۳۵۵۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس آیت کی منبر پر تلاوت کی اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہے اور لومڑی کی طرح فریب دہی سے صراط مستقیم سے اِدھر اُدھر نہیں نکلے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۵۸)

حسن بصری جب اس آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے، ہمیں استقامت عطا فرما۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا تقاضا ہے کہ تم فرائض کی ادائیگی پر مستقیم رہو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۶۰)

ابو العالیہ نے کہا: دین میں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے پر تادم مرگ مستقیم رہو۔

ایک قول ہے: جس طرح تم اپنے اقوال میں مستقیم ہو اسی طرح اپنے اعمال میں بھی مستقیم رہو۔

ایک اور قول ہے: جس طرح تم جلوت میں مستقیم ہو اسی طرح خلوت میں بھی مستقیم رہو۔

فضیل بن عیاض نے کہا: دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رغبت کرو۔

نیز ایک قول یہ ہے کہ اطاعت کے تمام افعال کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں سے بھی مجتنب رہو، کیونکہ انسان ثواب کی رغبت میں اطاعت کرتا ہے اور عذاب کے خوف سے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ ربیع نے کہا: ماسوی اللہ سے اعراض کرو۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۱۸۰۔۱۷۹، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ص ۳۲۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

استقامت کے حصول کا دشوار ہونا

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں، یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوات اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا، جس دین سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنیٰ ہے اور اس کا عام معنیٰ یہ ہے: تمام اخلاق، اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنیٰ یہ ہے:

کفر، فسق، جہل، بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم، عمل، خلق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا پل۔

اس معنیٰ میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھابھی میں پردہ نہیں ہوتا، حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے، سرکاری ملازمتیں رشوت، سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں، یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناگزیر ہے، دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دیئے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے۔ نجی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے، استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے، سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے

بغیر منظور نہیں ہوسکتا' پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کرسکتا' غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے' ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے: اے اللہ! ہمیں سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کردے اور جب عوام اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنیٰ ہے: اے اللہ! ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد فرمایا: ''ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: موت کے وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

ثابت اور مقاتل نے کہا: جب حشر کے میدان میں لے جانے کے لیے ان کو قبروں سے نکالا جائے گا اس وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

''ان سے کہا جائے گا: تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

عکرمہ نے کہا: جو حالات تمہارے آگے پیش آنے ہیں تم ان کا اندیشہ نہ کرو اور جو کچھ تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اس کا غم نہ کرو۔

مجاہد نے کہا: تم موت کے متعلق فکرمند نہ ہو اور اپنی اولاد کا غم نہ کرو۔

''اور جنت کی بشارت سنو' ایک قول یہ ہے کہ جنت کی بشارت تین مواقع پر دی جائے گی: موت کے وقت' قبر میں اور حشر میں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

عباد صالحین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

میرے ایک محترم فاضل دوست علامہ عبدالمجید نقشبندی (برسٹل' برطانیہ) زید علمہ وحبہ نے مجھے چند رجال صالحین کے تراجم لکھ کر ارسال کیے ہیں جن کو موت کے بعد بشارات دی گئیں یا کسی اور نوع کی عزت اور کرامت عطا کی گئی' قارئین کی علمی ضیافت کے لیے میں ان رجال کا یہاں باحوالہ تعارف پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کا تذکرہ حافظ جمال الدین یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے کیا ہے۔

(۱) وکیع بن جراح متوفی ۱۹۶ھ

امام احمد بن حنبل ان کے متعلق کہتے تھے کہ میں نے علم' حفظ اور اسناد میں اور خوف خدا میں وکیع کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا۔

داؤد بن یحییٰ بن یمان نے بیان کیا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ابدال کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جنہوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرب نہیں پہنچائی اور وکیع بھی ابدال

میں سے ہے۔

علی بن عثام بیان کرتے ہیں کہ وکیع بن جراح بیمار ہو گئے' ہم ان کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے' وکیع نے کہا کہ سفیان ثوری میرے پاس خواب میں آئے تھے اور انہوں نے مجھے اپنے جوار میں مدفون ہونے کی بشارت دی سو میں ان کی طرف سبقت کرنے والا ہوں۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۱۹ص ۴۰۴۔۴۰۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۲) ثابت بن اسلم البنانی المتوفی ۱۲۳ھ

حماد بن سلمہ نے کہا کہ ثابت یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو کسی شخص کو قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا کرے تو مجھے قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا فرمانا' کہا جاتا ہے کہ یہ دعا ان کے حق میں قبول ہو گئی اور ان کی موت کے بعد ان کو قبر میں نماز پڑھتا ہوا دیکھا گیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۳ص ۲۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳) وہب بن منبہ بن کامل متوفی ۱۳۶ھ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں جس کا نام وہب ہو گا' اللہ تعالیٰ اس کو حکمت عطا فرمائے گا۔

المثنیٰ بن صباح نے کہا: وہب بن منبہ نے چالیس سال تک کسی کو برا نہیں کہا اور انہوں نے بیس سال تک نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان وضو نہیں کیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۱۹ص ۴۹۰۔۴۸۹ملخصاً)

(۴) یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۲۰ھ

زبیر بن نعیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو خواب میں دیکھا' انہوں نے جو قمیص پہنی ہوئی تھی اس کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ اللہ العزیز الحکیم کی طرف سے مکتوب ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان دوزخ کی آگ سے نجات یافتہ ہے۔

عفان بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کی موت سے بیس سال پہلے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن سعید کو بشارت دو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو امان میں رکھے گا۔

علی بن مدینی بیان کرتے ہیں کہ ایک مدت سے مجھے خواہش تھی کہ میں یحییٰ بن سعید القطان کو خواب میں دیکھوں' وہ کہتے ہیں: ایک دن میں نے عشاء کی نماز پڑھی' پھر وتر پڑھے' پھر میں تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا' پھر خواب میں' میں نے خالد بن الحارث کو دیکھا' میں نے کھڑے ہو کر ان کو سلام کیا اور ان سے معانقہ کیا' پھر میں نے پوچھا: آپ کے ساتھ آپ کے رب نے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے کہا: مجھے میرے رب نے بخش دیا' حالانکہ معاملہ بہت سخت تھا' میں نے کہا: معاذ کہاں ہیں؟ وہ بھی حدیث میں آپ کے ساتھی تھے؟ انہوں نے کہا: وہ محبوس ہیں' میں نے پوچھا: اور یحییٰ بن سعید القطان کا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۲۰ص ۱۰۰)

(۵) امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۱۵۰ھ

مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' میں نے آپ سے امام شافعی کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: جو شخص میری محبت اور میری سنت کا ارادہ رکھتا ہو وہ محمد بن ادریس شافعی کی مجلس کو لازم رکھے کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا' میں نے پوچھا: اے

ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور مجھ پر تر و تازہ موتی بکھیر دیئے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۶ ص ۵۳)

(۶) سلیمان بن طرخان تیمی البصری متوفی ۱۴۳ھ

رقیہ بن مصقلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں رب العزت کی زیارت کی' فرمایا: میں ضرور سلیمان تیمی کا اکرام کروں گا' اس نے میرے لیے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

ابراہیم بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تیمی نے ایک شخص سے عاریۃً پوستین لی اور پہننے کے بعد واپس کردی' اس شخص نے کہا: مجھے اس سے مستقل مشک کی خوشبو آتی رہی۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۸ ص ۷۱۔۷۰)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جو حالات تمہارے سامنے آنے والے ہیں ان کا اندیشہ نہ کرو اور جن چیزوں کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کا غم نہ کرو اور اس جنت کی خوش خبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' زید بن اسلم نے کہا: یہ خوش خبری تین مواقع پر دی جائے گی' موت کے وقت' قبر میں اور حشر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۹۹' رقم الحدیث: ۳۵۲۴۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

منہال بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: ہر نفس پر دنیا سے نکلنا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۲' رقم الحدیث: ۳۵۶۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

فرشتوں کا مؤمنین کے لیے معاون اور مددگار ہونا

حٰمٓ السجدۃ: ۳۲۔۳۱ میں فرمایا: "ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O"

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنوں سے کہیں گے: ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے اولیاء تھے اور آخرت میں بھی تمہارے اولیاء ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ آیت حٰمٓ السجدۃ: ۲۵ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا تھا: ہم نے کفار کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر مسلط کر دیا اور یہ جو فرمایا ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے اولیاء (مددگار) ہوں گے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرشتے مومنوں میں الہامات' مکاشفات یقینیہ اور مقامات حقیقیہ کی تاثیرات کرتے ہیں' جس طرح شیاطین ارواح میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور باطل خیالات کا القاء کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے متعدد جہات سے ارواح طیبہ طاہرہ کی مدد کرتے ہیں جس کا ارباب مکاشفات اور اصحاب مشاہدات کو علم ہوتا ہے' پس فرشتے یہ کہتے ہیں: جس طرح ان کی مدد دنیا میں مؤمنوں کو حاصل تھی اسی طرح ان کی مدد ان کو آخرت میں بھی حاصل رہے گی' بلکہ مؤمنوں کی موت کے بعد ان کی مدد زیادہ قوی ہو جائے گی کیونکہ جوہر نفس ملائکہ کی جنس سے ہے اور نفس اور ملائکہ کے درمیان وہ نسبت ہے جو شعلہ اور آفتاب میں ہے' یا قطرہ اور سمندر میں ہے' نفس انسان اور ملائکہ کے درمیان تعلقات جسمانیہ اور تدبیرات بدنیہ حائل ہوتی ہیں اور انسان کی موت کے بعد یہ حجاب اٹھ جاتا ہے' پھر اثر مؤثر کے ساتھ اور قطرہ سمندر کے ساتھ اور شعلہ آفتاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اس آیت میں فرشتوں کے جس قول کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔

پھر فرشتوں نے مؤمنوں سے کہا: ''اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O''

یعنی تم جس چیز کی بھی تمنا کرو گے وہ اللہ تعالیٰ تم کو عطا فرما دے گا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے پہلے جملہ میں ہے: جس چیز کو تمہارا دل چاہے اور دوسرے جملہ میں ہے: جس چیز کو تم طلب کرو' ان میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد لذات جسمانیہ ہیں جیسے جنت کے پھل اور میوے اور حور و قصور اور دوسرے جملہ سے مراد لذات روحانیہ ہیں جیسے ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O''

اس میں یہ بتایا کہ یہ تمام نعمتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے قائم مقام ہیں اور کریم جب کسی کی مہمانی کرتا ہے تو ضیافت کے بعد نفیس تحائف پیش کرتا ہے سو جنت میں اللہ تعالیٰ پہلے جسمانی اور روحانی لذتیں عطا فرمائے گا' پھر اس کے بعد اپنی ذات کی تجلیات دکھائے گا اور اپنا دیدار عطا فرمائے گا' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو جنت کی ان تمام نعمتوں کا اہل بنا دے اور محض اپنے فضل اور کرم سے ہم کو یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

(تفسیر کبیر ج۹ص ۵۶۲۔ ۵۶۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مؤمنوں کی موت کے وقت فرشتے ان کے پاس آ کر کہیں گے: ہم دنیا میں بھی تمہارے معاون تھے' تم کو صحیح راہ دکھاتے تھے اور اللہ کے حکم سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور اسی طرح ہم تمہارے ساتھ آخرت میں رہیں گے اور قبروں کی وحشت اور گھبراہٹ میں تمہارا دل بہلائیں گے اور جس وقت صور پھونکا جائے گا اس وقت بھی تم کو تسلی دیں گے اور حشر کے دن تم کو مامون رکھیں گے اور تم کو آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزاریں گے اور تم کو جنات النعیم میں پہنچائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا' یعنی جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اور جس چیز سے بھی تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور فرمایا: اس جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے یعنی جس چیز کو بھی تم طلب کرو گے وہ تمہارے سامنے ہوگی اور جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اس چیز کو تم پا لو گے اور فرمایا: یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے' یعنی اس کی طرف سے ضیافت ہے اور عطاء ہے اور انعام ہے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت ہے' وہ تم پر رؤف اور رحیم ہے' اس نے تمہارے گناہوں پر پردہ رکھا' تم کو بخش دیا اور تم پر لطف و کرم فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر ج۴ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

فرشتے موت کے وقت مؤمنین کو جن انعامات کی بشارت دیتے ہیں

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے' میں نے پوچھا: کیا جنت میں بازار ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان کو ان کے اعمال کی فضیلت کی وجہ سے جنت ملے گی' پھر ایام دنیا کے اعتبار سے جتنے عرصہ میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنے عرصہ بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر ہوگا اور جنت کے باغات میں ایک باغ ان کے سامنے ہوگا اور ان کے لیے

نور کے منبر رکھے جائیں گے اور یاقوت کے اور زمرد کے اور سونے کے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں سے ادنیٰ درجہ کے شخص کو مشک اور کافور کے ٹیلے پر بٹھایا جائے گا' حالانکہ اس میں کوئی دناءت نہیں ہوگی اور ان کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ جو لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں ان کی نشست ان سے زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھنے میں اور چودھویں شب کو چاند کے دیکھنے میں کوئی تردد کرتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسی طرح تم اپنے رب کے دیکھنے میں کوئی تردد نہیں کرو گے اور اس مجلس میں ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے بالمشافہ موجود ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص سے فرمائے گا: اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے ایک دن فلاں فلاں بات کہی تھی؟ پھر اس کو اس کی دنیا میں کی ہوئی بعض عہد شکنیاں یاد دلائے گا' وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں' تو میری بخشش کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس مرتبہ کو پہنچا ہے' پھر جس وقت ان میں یہ گفتگو ہو رہی ہوگی' اہل جنت کو اوپر سے ایک بادل ڈھانپ لے گا' پھر ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسی خوشبو نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اٹھو' ان اکرام وانعام کی چیزوں کی طرف جو میں نے تمہارے لیے تیار کی ہیں' پس جو چیز تمہیں پسند آئے وہ لے لو' پھر ہم ایک بازار میں آئیں گے جس کا فرشتوں نے احاطہ کر رکھا ہوگا' اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی کہ آنکھوں نے ایسی چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے کبھی سنا ہوگا اور نہ کبھی دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا' سو جو چیز ہمیں پسند آئے گی وہ ہمیں اٹھا کر دے دی جائے گی اور اس بازار میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے' پھر جو شخص بلند درجہ والا ہوگا وہ کم درجہ والے شخص سے ملے گا حالانکہ اس شخص میں کوئی کمی نہیں ہوگی' وہ کم درجہ والا بلند درجہ والے شخص کے بہترین لباس کو دیکھ کر حیران ہوگا اور ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھے گا اس کے اوپر اس سے بھی زیادہ بہترین لباس ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا' پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے جائیں گے۔ پھر جب ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کریں گی تو کہیں گی: مرحبا! خوش آمدید ہو! تم اس قدر حسن و جمال کے ساتھ آئے ہو کہ جب تم یہاں سے گئے تھے اس وقت اتنے حسین وجمیل نہیں تھے' وہ شخص کہے گا: آج ہم اپنے رب جبار کی مجلس سے ہو کر آئے ہیں اور ہمیں یہی چاہیے تھے کہ ہم ایسی ہی کیفیت سے واپس آئیں جیسی کیفیت سے ہم واپس ہو کر آئے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے' ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ موت کی ناپسندیدگی نہیں ہے' لیکن جب مومن کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ان انعامات کی بشارت دینے والا آتا ہے جن انعامات کی طرف وہ جانے والا ہے' پھر اس مومن کے نزدیک اللہ سے ملاقات کرنے کے مقابلہ میں کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی' سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور فاجر یا کافر کے پاس جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آ کر اس عذاب کی خبر دیتے ہیں جس عذاب کی طرف وہ جانے والا ہوتا ہے سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۱۰۳' رقم الحدیث: ۱۲۰۴۷' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۹۷۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۷۳)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

اور اس سے عمدہ کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک

اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ

میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' سو آپ برائی کو اچھے طریقے سے دور کریں'

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ

پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے

كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ

وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اوز یہ صفت

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ

ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں O اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ

کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا

دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر

فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا

کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں

یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ

اور وہ تھکتے نہیں O اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد

أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ إِنَّ الَّذِيٓ أَحْيَاهَا لَمُحْيِ

دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے' بے شک جس نے اس زمین کو

الْمَوْتٰى ؕ إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُوْنَ

زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہےO بے شک جو لوگ ہماری

فِيٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ أَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ

آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں' آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص

مَّنْ يَّاْتِيٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا' تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو

بَصِيرٌ ﴿۴۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَإِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

خوب دیکھنے والا ہےO بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب

عَزِيزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ لَّا يَاْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ

دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہےO اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے'

تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ

یہ کتاب بہت حکمت والے' حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہےO (اے رسول مکرم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی

لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ إِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ

جارہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف کہی جاتی رہی ہیں' بے شک آپ کا رب (مومنوں کے لیے) ضرور مغفرت

أَلِيمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ

والا ہے اور (کافروں کے لیے) دردناک عذاب والا ہےO اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے

ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِينَ

تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں' کیا کتاب کی زبان

قف حفص بتسہیل الہمزۃ الثانیۃ

لَا يُؤْمِنُونَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ

عجمی ہو اور رسول کی زبان عربی ہو؟ آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع

ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے' ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جا رہی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں O اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے O (حٰمٓ السجدۃ: ۳۶۔۳۳)

سابقہ آیات سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایسے اقوال نقل فرمائے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے سخت اعراض کرتے ہیں' مثلاً انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں اس کے خلاف ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ (حٰمٓ السجدۃ:۵) اور انہوں نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور اس کی قرأت میں لغو باتیں کرو۔ (حٰمٓ السجدۃ:۲۶) اب گویا اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: ہر چند کہ اہل مکہ نے بہت دل آزار اور سنگین باتیں کہی ہیں لیکن آپ ان باتوں سے متاثر نہ ہوں اور ان کو اسی طرح پیہم تبلیغ کرتے رہیں کیونکہ دین حق کی دعوت دینا سب سے بڑی عبادت اور سب سے اہم اطاعت ہے' اس لیے فرمایا: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے۔

سابقہ آیات سے مناسبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی فضیلت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ وہ بُری صفات کو ترک کر کے اور نیک صفات کو اپنا کر خود کامل ہو جائے اور اس سے بھی بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود کامل ہونے کے بعد دوسروں کو کامل بنائے' تو اس سے پہلی آیت میں انسان کے کامل ہونے کا مرتبہ بیان فرمایا تھا کہ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے۔ (حٰمٓ السجدۃ:۳۰) اور اس آیت میں انسان کے کامل گر ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ انسان کی زیادہ بڑی فضیلت ہے۔

واعظ اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے وعظ پر خود بھی عمل کرے

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے'' یعنی اللہ پر ایمان لانے اور اس کے تمام احکام پر عمل کرنے کی دعوت دے' اس کے بعد فرمایا: ''اور نیک کام کرے'' کیونکہ جو شخص خود نیک کام نہ کرے اور لوگوں کو نیک کام کرنے کی دعوت دے' وہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا مستحق ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O — اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے O (الصف:۲)

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی والی ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ○ (الصف: ۳)

اور جب انسان وعظ اور تبلیغ کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے تو اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والا سب سے پہلا شخص وہ خود ہوگا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اللہ کے دین کی دعوت دینے والے کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ وہ نیک کام کرے۔ حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں اس کے پیٹ سے نکل کر بکھر جائیں گی اور وہ ان کے ساتھ اس طرح چکر کاٹ رہا ہوگا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے' تمام دوزخی اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں شخص! کیا بات ہے؟ کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے؟ اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں' میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک عمل نہیں کرتا تھا اور میں بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۸۔۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا: یہ دنیا دار خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے' حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے' کیا پس وہ عقل نہیں رکھتے تھے؟ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۲۴۴' رقم الحدیث: ۱۲۲۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' کتاب الزھد لوکیع رقم الحدیث: ۲۹۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۹۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۵۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۶۵' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۳۴)

''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' یا ''میں بالیقین مومن ہوں'' کہنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس قول کو سب سے عمدہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا داعی اور مبلغ کہے: میں بے شک مسلمانوں میں سے ہوں اور یہ شرط نہیں عائد کی کہ وہ کہے کہ ان شاء میں مسلمانوں میں سے ہوں' اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں بالیقین مسلمانوں میں سے ہوں یا نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ کہے: ان شاء اللہ میں مومن ہوں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین کا یہ مذہب ہے اور امام شافعی بھی ان ہی میں سے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ یہ کہنا چاہیے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں اور اکثر علماء نے منع کیا ہے' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مؤقف ہے' کیونکہ مومن وہ شخص ہے جس کو اللہ عزوجل کے واحد ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق ہو اور یہ تصدیق ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے اور اس کے تحقق میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور جس کو اس تصدیق کے حصول میں تردد ہو وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا اور جب کسی شخص کو اپنے مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو وہ یقین کے ساتھ کہے: بے شک میں مومن ہوں اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ مومن نہیں ہے' کیونکہ ان شاء اللہ اس چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جو اس وقت حاصل نہ ہو اور مستقبل میں اس کا حصول متوقع ہو' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کو ترک کر دیا جائے۔

اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں' کہا جائے' ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) میں مومن ہوں کے ساتھ اللہ کا ذکر تبرک کے لیے کیا جاتا ہے اور ادب کا تقاضا یہی ہے کہ تمام کام اللہ کی مشیت کے حوالے کر دیئے جائیں اور خودستائی سے گریز کیا جائے اور رہا یہ کہ ان شاء اللہ کہنے سے شک اور تردد کا وہم ہوتا ہے تو وہ مستقبل کے اعتبار سے ہے یعنی جس طرح میں اب مومن ہوں ان شاء اللہ مستقبل میں بھی مومن رہوں گا' لیکن یہ دلیل صرف یہ فائدہ دیتی ہے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں کہنا جائز ہے نہ یہ کہ یہ کہنا میں بے شک اور بالیقین مومن ہوں کہنے پر راجح ہے اور ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے سے جو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مومن نہیں ہے' اس دلیل سے یہ وہم بھی دور نہیں ہوتا اور باقی رہا تبرک اور ادب کی وجہ سے ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے کا جواز تو اس میں ایمان کی کیا تخصیص ہے دیگر اعمال اور طاعات کے ساتھ بھی یہ کہنا چاہیے' مثلاً ان شاء اللہ میں نمازی ہوں' ان شاء اللہ میں روزہ دار ہوں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) جس تصدیق پر نجات کا مدار ہے وہ ایک مخفی چیز ہے اور شیطان اس کے زوال کے درپے رہتا ہے' اسی لیے انسان کو ہر چند کہ ایمان کے حصول کا یقین ہے لیکن اس کو یہ اطمینان نہیں ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے گا' ہوسکتا ہے کہ بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو ایمان کے خلاف ہو' اس لیے اسے چاہیے کہ وہ ایمان کو اللہ کے حوالے کر دے اور یوں کہے: میں ان شاء اللہ مومن ہوں' اس دلیل میں یہ سقم ہے کہ اگر بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی کلمہ کفر نکل گیا ہے تو ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے سے اس کا تدارک نہیں ہوگا' اس کا تدارک صرف توبہ سے ہوگا اور کلمہ کفر نکلنے کے بعد ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا تو صحیح ہوگا لیکن وہ فی الواقع مومن نہیں ہوگا۔

(۳) امام الحرمین نے کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وقت مومن ہے لیکن جس ایمان پر نجات اور فوز وفلاح کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ ہو' پس متقدمین کہتے ہیں کہ ایمان پر خاتمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دینا چاہیے خواہ بغیر کسی شک اور تردد کے وہ فی الحال مومن ہے' اور وہ ''ان شاء اللہ میں مومن ہوں'' اسی اعتبار سے کہے' یعنی مرتے وقت کا ایمان اللہ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اس وقت کا ایمان۔ اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب وہ اس وقت ایمان سے متصف ہے تو ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اس وقت وہ زندہ ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان شاء اللہ میں زندہ ہوں' کیونکہ وہ ان شاء اللہ مومن ہوں جو کہہ رہا ہے وہ خاتمہ کے اعتبار سے کہہ رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اس وقت ایمان کے تحقق اور حصول میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس پر یقین نہیں ہے کہ اس کا ایمان آخر عمر تک ثابت اور قائم رہے گا' وہ بُرے خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے' اس لیے جس ایمان پر اس کی عذاب سے نجات اور اخروی فوز وفلاح کا مدار ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے تا کہ اس آیت کے تقاضے پر عمل ہو۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف: ۲۴-۲۳)

اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کو کل کروں گا ۝ مگر اس کام کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۵' منشورات الرضی' قم ایران' ۱۴۰۹ھ' شرح عقائد ص ۹۶' کراچی)

واضح رہے کہ اس دلیل کا مفاد بھی صرف اتنا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کی تاویل سے ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح ہے نہ کہ مطلقاً ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح ہے' کیونکہ جب وہ کہے گا: ''میں انشاء اللہ مومن ہوں'' تو اس سے متبادر یہی ہوگا کہ اس کو اس وقت ایمان کے حصول میں شک ہے اور اس آیت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت

میں مستقبل میں کیے جانے والے کاموں کے متعلق ان شاء اللہ کہنے کی ہدایت دی ہے نہ کہ ان کاموں کے متعلق جن سے وہ اس وقت متصف ہے۔

قرآن اور سنت سے انبیاء اور مرسلین کی دعوت کا ثبوت

اس آیت میں اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے اور اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والا سب سے پہلے (۱) انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہے (۲) اس کے بعد علماء دین اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۳) اور ان کے بعد حکام اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۴) اور ان کے بعد مؤذنین ہیں (۵) اور آخری مرتبہ ہر مومن کا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے' سو یہ کل پانچ اقسام ہیں: ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہر داعی الی الخیر کی تھوڑی تھوڑی تفصیل ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق.

(۱) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف معجزات سے' دلائل سے اور جہاد کے ذریعہ دعوت دیتے ہیں' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۶-۴۵)

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے' گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ۝ اور اللہ کے حکم سے اس کے دین کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر ۝

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ . (النحل: ۱۲۵)

لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان کے سامنے بہترین طریقہ سے دلائل پیش کیجئے۔

اور اس سلسلہ میں بعض احادیث یہ ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور اللہ نے جس دین کو دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کسی قوم کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا: میں نے تمہارے خلاف ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' سو نجات حاصل کرو' نجات حاصل کرو' پس ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور وہ اپنی سہولت سے کسی طرف نکل گئے اور انہوں نے نجات پالی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳۶' عالم الکتب' بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری مثال اور لوگوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور جب اس آگ سے اس کے اردگرد روشنی ہوگئی تو اس پر پروانے اور حشرات الارض ٹوٹ کر گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں آگ میں گرنے سے روکنے لگا' لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے' اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر تمہیں آگ سے نکالتا ہوں اور تم اس آگ میں گر رہے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴)

قرآن اور سنت سے علماء دین کی دعوت کا ثبوت

(۲) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں دوسرا درجہ علماء کا ہے' علماء کی دعوت الی الخیر اور ان کی اطاعت کرنے کے

متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحبان امر ہیں یعنی علماء کی۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ○ (آل عمران:۱۸۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب (کے علماء) سے یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب (کے احکام) کو ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس میں سے کسی حکم کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کتاب کے بدلے میں تھوڑی قیمت لے لی پس بُری ہے وہ چیز جس کو وہ خریدتے تھے○

اور علماء دین کے ذمہ جو دین کی دعوت دینے کے فرائض ہیں اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صرف دو شخصوں پر رشک کرنا مستحسن ہے: ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے اس مال کو حق کے راستے میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا کی ہو اور وہ اس حکمت سے لوگوں کے فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۱۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث:۷۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کے علم کو چھپالیا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (احکام شرعیہ) سنتے ہو اور وہ تم سے بھی سنے جائیں گے اور جو تم سے (احکام شرعیہ) سنتے ہیں ان سے بھی سنے جائیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۵۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۵۴۸)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے کسی حدیث کو سنے' پھر اس کو یاد رکھے حتیٰ کہ اس حدیث کی تبلیغ کرے' پس بعض حامل فقہ اس حدیث کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیں گے اور بعض حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۶۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۳۰)

سنن ابن ماجہ میں ان الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے:

تین مسلمانوں کے دلوں میں کھوٹ نہیں آتا' جو اللہ کے لیے اخلاص سے عمل کرے' جو ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔

علماء دین کی اقسام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) علماء باللہ (۲) علماء بصفات اللہ اور (۳) علماء باحکام اللہ۔

رہے علماء باللہ تو یہ وہ حکماء ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَآءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ: ۲۶۹) وہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

اور رہے علماء بصفات اللہ تو وہ علماء اصول ہیں (اصول سے مراد اصول فقہ' اصول تفسیر اور اصول حدیث ہے اور علم کلام بھی اسی میں داخل ہے)۔

اور رہے علماء باحکام اللہ تو اس سے مراد فقہاء ہیں (یعنی وہ علماء جو احکام شرعیہ کے عالم ہیں اور ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل قرآن اور سنت سے نکال سکتے ہیں اور اپنے امام کے اصول کے موافق اجتہاد کرنے اور مسائل کے استخراج پر قادر ہیں)۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ (۲) عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ (۳) عالم باللہ و بامر اللہ۔

عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کے دل پر معرفت الٰہیہ کا غلبہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہوں اور اس کی صفات کبریاء کے مطالعہ میں منہمک رہتے ہوں اور ان کو احکام شرعیہ کا تفصیلی علم حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور انہوں نے صرف قدر ضروری علم کے حصول پر اکتفاء کر لی ہو (جیسا کہ غوث عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ' یہ امی بزرگ تھے)۔

عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کو حلال اور حرام کی معرفت ہو اور وہ احکام شرعیہ کے اسرار اور دقائق کے جاننے والے ہوں' لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے اسرار کی معرفت نہ ہو اور نہ وہ اس کے جمال کے محرم ہوں' خواہ وہ عارفین کے ماننے والے ہوں یا ان کا انکار کرنے والے ہوں (ان کو ظاہر شریعت کا عالم کہا جاتا ہے جیسا کہ آج کل کے معروف علماء ہیں)۔

عالم باللہ و بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جو پہلی دونوں قسموں کے فضائل کے جامع ہوں' وہ کبھی اللہ کی محبت میں وارفتہ ہوتے ہیں اور کبھی مخلوق پر شفقت اور رحمت کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں' وہ جب اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا کہ مخلوق کو نہیں پہچانتے اور جب مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو لگتا ہے ان ہی میں سے ایک ہیں' گویا کہ انہیں اللہ کی کوئی معرفت نہیں ہے' پس عارف مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے اسرار بیان کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈالتا ہے۔ پھر اس قدر کمال سے متصف ہونے کے باوجود تواضع اور انکسار سے کہتا ہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور یہ مرسلین اور صدیقین کا طریقہ ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۴۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قرآن اور سنت سے امراء اور حکام کی دعوت کا ثبوت

(۳) اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں تیسرا درجہ امراء اور حکام کا ہے' یہ قوت اور اقتدار سے اور ہر دور کے مروج اور مؤثر ہتھیاروں سے کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور اللہ کے دین کو سربلند کرتے ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت کرتے ہیں' اسلام کی سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں اور اپنے ملک میں اسلامی نظام کو قائم کرتے ہیں' اللہ کی حدود کو نافذ کرتے ہیں' نمازوں کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کرتے ہیں' فوج کا محکمہ' عدالتیں اور دینی درسگاہیں قائم کرتے ہیں اور

بیت المال سے ناداروں، یتیموں، بیواؤں اور بے روزگاروں کے وظائف جاری کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرما دیں تو یہ نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کریں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے○

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (النور:۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' اللہ ان سے وعدہ فرما چکا ہے کہ ضرور بہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ضرور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو محکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

حضرت زہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل اور انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے' اللہ کی دائیں جانب ہوں گے اور اس کی دونوں جانب دائیں ہیں' جو لوگ اپنی رعیت میں عدل کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے انبیاء ان کا نظام حکومت چلاتے تھے' جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' عنقریب میرے خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے' پس تم اوّل کی بیعت پوری کرو' پھر اوّل کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرو' وہ اپنے عوام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اس کا اللہ ان سے سوال کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱)

قرآن اور سنت سے مؤذنین کی دعوت کا ثبوت

(۴) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں چوتھا درجہ مؤذنین کا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ اذان دیتے ہیں تو ہر چند کہ یہ بالذات نماز کی دعوت دیتے ہیں' لیکن اذان کے الفاظ اپنے اندر معانی کے وسیع سمندر کو سموئے ہوئے ہیں' اول تو نماز تمام عبادات کی جامع ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے' نماز کے لیے صاف اور پاک کپڑا خریدنا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کے قریب ہے' حالت نماز میں کھانے پینے اور لذات نفسانیہ سے اجتناب ہے اور یہ روزے کے قریب ہے' قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے اور اس میں حج بیت اللہ کی روح ہے' اپنے کاروبار اور آرام کو چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف جانا ہے اور یہ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور یہ جہاد اکبر ہے' اس میں قرآن کی تلاوت ہے' تسبیحات کا پڑھنا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا پڑھنا ہے' مسلمانوں کی اور فرشتوں کی خیر خواہی ہے' ذکر اذکار ہے' توبہ ہے' گناہوں سے استغفار ہے' اعتکاف ہے' اور دعا ہے' غرض اسلام کی تمام اہم عبادات کا خلاصہ نماز میں ہے' پس جب مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے تو وہ اسلام کی تمام عبادات کی طرف بلاتا ہے اور اذان میں مؤذن فلاح کی طرف بلاتا ہے اور دین اور دنیا کی فلاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے' سو مؤذن جب دعوت دیتا ہے تو وہ بھی دین کی ایک اہم دعوت ہے' قرآن اور سنت میں اس کا ذکر ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (الجمعہ:۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان کہی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم کو علم ہے۝

اذان کی فضیلت میں احادیث

اذان اور مؤذنین کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک (خلافت) قریش میں ہے اور قضاء انصار میں ہے اور اذان حبشہ میں ہے اور امانت ازد میں ہے (یعنی یمن میں)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۹۳۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۱۷۲' مسند احمد ج ۲ص ۳۶۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ص ۳۶۸' رقم الحدیث: ۸۷۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤذن سب سے لمبی گردن والے ہوں گے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۱' مسند احمد ج ۳ص ۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۰ص ۱۴۵' رقم الحدیث: ۱۲۷۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۸۰۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۱۱۸)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منتظر ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ ان کی لمبی گردنیں اس لیے ہوں گی کہ جب قیامت کے دن زیادہ پسینہ آئے گا تو وہ پسینہ ان کے کندھوں سے متجاوز ہو کر ان کی گردنوں تک نہ پہنچ سکے' ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ رئیس اور سردار ہوں گے کیونکہ عرب سردار کو کنایۃً لمبی گردن والا کہتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ ان کے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال سب سے زیادہ ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے' اے اللہ! ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنین کی مغفرت فرما (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۲ص ۲۳۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۲ص ۸۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۴۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۴۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔ (مسند احمد ج ۳ص ۱۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ص ۲۳۴' رقم الحدیث: ۱۲۲۰۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۰۹' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۴۸۳' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۳۶۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور ہر تر اور خشک چیز اس کی اذان سن کر اس کی گواہی دیتی ہے اور اس کو پچیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱ص ۴۸۳ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۴ جدید' مسند احمد ج ۲ص ۲۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر جن اور انس اور پتھر اور درخت مؤذن کی اذان کی گواہی دیتا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱ص ۴۸۴ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' مسند احمد ج ۳ص ۶

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زاذان نے کہا: اگر لوگوں کو اذان کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ اذان دینے کے لیے ایک دوسرے سے تلواروں کے ساتھ لڑیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے اذان دینے کی طاقت ہو تو وہ میرے نزدیک حج، عمرہ اور جہاد سے زیادہ محبوب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج کرنے یا جہاد کرنے کی پروا نہ ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴، رقم الحدیث: ۲۳۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ" الخ. (حٰم السجدۃ: ۳۳) میری رائے میں صرف مؤذنین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴، رقم الحدیث: ۲۳۴۸۔۲۳۴۷)

اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی التوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اذان کے کلمات سن کر ان کے جواب میں وہی کلمات کہنا مستحب ہے اور جب رسالت کی شہادت سنے تو پہلی شہادت سن کر کہے: "صلى الله تعالى عليك يا رسول الله" اور دوسری شہادت سن کر کہے: "قرة عينى بك يا رسول الله" پھر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے: "اللهم متعنى بالسمع والبصر" (اے اللہ! میری سماعت اور بصارت سے مجھ کو فائدہ پہنچا)۔ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس عبارت کو اپنی تفسیر میں علامہ قہستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۴۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے مذکور الصدر عبارت کو نقل کرنے کے بعد "کنز العباد" کے حوالے سے لکھا ہے جو انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جنت کی طرف قیادت کریں گے اور لکھا ہے کہ اسی طرح فتاویٰ صوفیہ میں بھی ہے اور کتاب الفردوس میں ہے: جس نے اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" سننے کے بعد اپنے انگوٹھوں کو چوما میں اس کی قیادت کروں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۔۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید احمد بن محمد الطحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے "کنز العباد" اور قہستانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: امام دیلمی نے "کتاب الفردوس" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ جس نے اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" سن کر انگشت شہادت کو چوم کر آنکھوں پر لگایا میں اس کی شفاعت کی شہادت کروں گا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے بھی منقول ہے اور فضائل میں اس قسم کی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۰۶۔۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ قہستانی، علامہ اسماعیل حقی، علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے "کنز العباد" اور امام دیلمی کی "مسند الفردوس" کے حوالے سے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی التوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

امام دیلمی نے "مسند الفردوس" میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے مؤذن سے "اشهد ان محمدا

رسول الله'' سنا تو اپنی دونوں انگشت شہادت کے باطن کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا اور پھر اپنی ان انگلیوں کو آنکھوں پر پھیرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے دوست کے فعل کی مثل فعل کیا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی اس حدیث کی سند صحیح لذاتہ نہیں ہے (یعنی صحیح لغیرہ یا حسن ہے' زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے) اسی طرح ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة'' میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں اور وہ سند منقطع ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: جب مؤذن نے ''اشهد ان محمدا رسول الله'' کہا تو جس شخص نے اس کو سن کر یہ کہا: ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم'' پھر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کو کبھی آشوب چشم نہیں ہوگا' پھر ایک غیر معروف سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ آندھی سے ان کی آنکھ میں مٹی کا کوئی ذرہ پڑ گیا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ میں شدید تکلیف ہوئی اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے' پھر جب انہوں نے مؤذن سے ''اشهد ان محمدا رسول الله'' سنا تو یہی دعا کی تو وہ ریزہ فی الفور نکل گیا' الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے اور الشمس محمد بن صالح نے اپنی تاریخ میں بعض مصری قدماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے اذان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا' پھر آپ پر درود پڑھا اور اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرا تو اس کی آنکھیں کبھی دکھنے نہیں آئیں گی اور ابن صالح نے کہا: میں نے اس کو فقیہ محمد بن زرندی سے سنا ہے' وہ بعض شیوخ عراق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں پر اپنی انگلیاں پھیرتے وقت کہا: ''صلى الله عليك يا سيدي يا رسول الله يا حبيب قلبي ويانور بصري ويا قرة عيني'' اور جب سے انہوں نے یہ عمل شروع کیا ان کی آنکھیں دکھنے نہیں آئیں' ابن صالح نے کہا: اس کو سننے کے بعد میں بھی یہ عمل کرتا ہوں اور میری آنکھیں دکھنے نہ آئیں اور فقیہ زاہد بلالی نے حضرت حسن علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جس نے اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله'' سن کر یہ کہا: ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم'' اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا وہ اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی دکھیں گی اور ابو نصر خواجہ نے کہا کہ جس حدیث میں ہے: جس شخص نے مؤذن سے اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله'' سن کر اپنے انگوٹھوں کو چوما اور ان کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور آنکھوں پر پھیرے وقت یہ دعا کی: اے اللہ! میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی برکت سے ان کو منور فرما' تو وہ اندھا نہیں ہوگا' ان احادیث میں سے کسی حدیث کا بھی سند مرفوع ہونا صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۴-۳۸۳' رقم الحدیث: ۱۰۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سخاوی نے حدیث مرفوع کے صحیح لذاتہ ہونے کی نفی کی ہے' یعنی اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سند صحیح لغیرہ' سند حسن یا سند ضعیف سے ہوسکتا ہے' نیز انہوں نے حدیث مرفوع کی صحت کی نفی کی ہے یعنی حدیث موقوف کی صحت کی نفی نہیں کی' یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل سند صحیح سے ثابت ہے' ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی بھی یہی تحقیق ہے جس کو ان شاء اللہ ہم عنقریب نقل کریں گے۔

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے علامہ سخاوی کی مکمل عبارت من وعن نقل کی ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۰۷-۲۰۶' مکتبۃ الغزالی)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے علامہ سخاوی کی عبارت کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: میں کہتا ہوں کہ جب اذان میں ''اشهد ان محمد ارسول الله'' سن کر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرنے کا عمل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنہ سے ثابت ہے تو یہ عمل کے لیے کافی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۷۶) ایک قول یہ ہے کہ نہ یہ عمل کیا جائے نہ اس سے منع کیا جائے اور اس قول کا غریب ہونا اصحاب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص۲۱۰' رقم الحدیث:۸۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ قہستانی متوفی ۹۶۲ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس عمل کو مستحب کہا ہے اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی سنت ہے اور ہمارے عمل کے لیے کافی ہے' نیز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ کے ادب اور اجلال کا اظہار ہے اور ہر وہ فعل جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال کا اظہار ہوتا ہو اس کا کرنا فقہاء کے نزدیک مستحسن ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگ مدینہ کے قریب سواری سے اتر جاتے ہیں اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے اور ہر وہ فعل جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال میں زیادہ دخل ہو اس کو کرنا مستحسن ہے۔

(فتح القدیر ج۳ ص۱۶۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مدینہ کے قریب سواری سے اتر جانا اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہونا اس فعل کی کسی حدیث میں اصل نہیں ہے' اس کے باوجود فقہاء کے نزدیک یہ فعل مستحسن ہے تو جس فعل کی احادیث میں اصل ہو اور اس فعل کا حضرت ابوبکر کی سنت ہونا ثابت ہو تو اس کا مستحسن ہونا کس قدر زیادہ ہوگا۔

مسجد میں اذان دینے کا شرعی حکم

ہمارے بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے' اس سلسلہ میں پہلے ہم اذان دینے کی جگہ کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے' اس کے بعد عبارات فقہاء کا ذکر کریں گے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ بنونجار کی ایک عورت نے بیان کیا کہ مسجد (نبوی) کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا' پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے اوپر فجر کی اذان دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۹)

السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتے تو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۸۸)

اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت کے متعلق فقہاء کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

اذان مسجد کے مینار یا مسجد سے باہر دینی چاہیے اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۴۹' مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو اور اقامت مسجد میں۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۶' ایچ۔ ایم سعید کمپنی' کراچی' پاکستان' ۱۴۲۱ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذان مئذنۃ (مینار) میں دینی چاہیے اور اگر وہ نہ ہو تو فناء مسجد میں دینی چاہیے' فقہاء نے کہا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی

جائے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں اصل یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے، تاکہ سب لوگوں کو خبر ہو جائے اور یہ سنت ہے جیسا کہ قنیہ میں مذکور ہے اور یہ کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ نظم میں ہے، لیکن جلابی میں مذکور ہے کہ مسجد میں اذان دی جائے گی یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہو اور مسجد سے بعید جگہ میں اذان نہ دی جائے۔

(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۳، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے اور اقامت زمین پر کہی جائے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵، المکتبۃ الماجدیہ، کوئٹہ)

علامہ سید احمد بن محمد الطحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب کی اذان بھی بلند جگہ پر دی جائے جیسا کہ السراج میں مذکور ہے اور مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے، جیسا کہ قہستانی نے النظم سے نقل کیا ہے اور اگر وہاں کوئی بلند جگہ اذان دینے کے لیے نہ ہو تو فناء مسجد میں اذان دی جائے، جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۸۔ ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے، لیکن اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اونچے مکان کی چھت پر چڑھ کر صبح کی اذان دیتے تھے لیکن کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع فرمایا ہو اور فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک مکروہ تنزیہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس چیز سے منع نہ فرمایا ہو۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة اذلا بدلها من دلیل خاص.	مستحب کو ترک کرنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ ثبوت کراہت کے لیے خاص دلیل ضروری ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۳، المکتبۃ الماجدیہ، کوئٹہ)

دوسرا اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان مسجد کے مینار میں دی جائے، حالانکہ عہد رسالت میں مساجد میں مینار نہ تھے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں مینار نہیں تھے، نہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں نہ حضرت عمر کے زمانہ میں، حضرت عثمان کے زمانہ میں مقام زوراء پر اذان دی جاتی تھی، پھر بنو امیہ کے زمانہ میں مینار بنائے گئے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بھی چار مینار بنائے گئے۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۷، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۲۰ھ)

اس پر تیسرا اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بلال ایک بلند مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے وہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن محمد بن ایوب سے روایت کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے کہا: یہ کذاب ہے، ابن الجوزی نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۷۰، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۲۰ھ)

اس پر چوتھا اشکال یہ ہے کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ اذان مسجد میں بھی دی گئی ہے:

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن هشام عن ابيه قال امر النبى صلى الله عليه وسلم بلالا ان يوذن يوم الفتح فوق الكعبة.

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ وہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ سید محمد امین عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حافظ سیوطی نے ''اوائل'' میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجد کے مینار پر چڑھ کر اذان دی وہ شرحبیل بن عامر المرادی تھا اور بنوسلمہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اذان کے لیے مینار بنائے' اس سے پہلے مینار نہیں تھے' امام ابن سعد نے حضرت ام زید بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتی ہیں کہ مسجد کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے تھے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد تعمیر فرما لی' اس کے بعد حضرت بلال مسجد کی چھت کے اوپر اذان دیتے تھے اور چھت کے اوپر کوئی بلند چیز رکھ لیتے تھے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابن سعد کی اس روایت کو علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور ''الفقہ الاسلامی'' کے مخرج نے بھی ذکر کیا ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۵۰-۳۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۲۱ھ' حاشیۃ الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۵۴۶)

امام ابن سعد کی جس روایت کا علامہ شامی وغیرہ نے ذکر کیا ہے' یہ روایت ہم کو ''الطبقات الکبریٰ'' میں نہیں ملی' لیکن امام ابن سعد کی اور بھی تصانیف ہیں مثلاً تاریخ اور الطبقات الصغریٰ' ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ان میں سے کسی کتاب میں ہو

اس پر پانچواں اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے جیسا کہ علامہ قہستانی نے نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں چھٹی اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ فقہاء نے جو بلند جگہ پر اور مینار پر اذان دینے کا طریقہ بتایا ہے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اذان کی آواز تمام جگہوں پر پہنچ جائے اور اب جب کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز زیادہ آسانی سے دور دور تک پہنچ جاتی ہے تو مینار پر چڑھ کر اذان دینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ مینار بھی چالیس ہجری کے بعد بنائے گئے ہیں' آج کل عموماً مسجد کے محراب میں اذان دینے کے لیے ایک جگہ بنالی جاتی ہے اور وہاں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع نہیں فرمایا' یہ ممانعت صرف چھٹی صدی ہجری اور بعد کے بعض فقہاء سے منقول ہے' جب کہ اس کے برخلاف احادیث سے مسجد میں اذان دینا ثابت ہے اور بعض فقہاء نے بھی مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے' نیز اذان میں اللہ کا ذکر ہے اور مسجد میں اللہ کے ذکر سے روکنے پر سخت وعید ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ. (البقرہ: ۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے اسم کے ذکر کرنے سے منع کرے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے' اس لیے مسجد میں آواز بلند نہیں کرنی چاہیے اور اذان بلند آواز سے دی جاتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے سب سے بڑی مسجد یعنی کعبہ کی چھت پر حضرت بلال سے اذان دلوائی'

مساجد میں دینی جلسے کیے جاتے ہیں جن میں بلند آواز سے تلاوت کی جاتی ہے، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت لگائے جاتے ہیں جن سے ساری مسجد گونج اٹھتی ہے، نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کیا جاتا ہے، جلسوں میں اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، مذکور الصدر حدیث اور اہل سنت کے معمولات سے معلوم ہوا کہ مساجد میں اللہ کے نام اور اس کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا ممنوع نہیں ہے البتہ مساجد میں بلند آواز سے جو ذکر ممنوع ہے وہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص یہ سنے کہ کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کا بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے کہ اللہ تیری گم شدہ چیز کو واپس نہ کرے کیونکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۰۶)

اور ہمارے ہاں رواج ہے کہ گم شدہ چیزوں کا مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا جاتا ہے، سو اگر خطرہ ہے تو ان اعلانات کو خطرہ ہے، اللہ کے نام کے ذکر اور اذان کو کیا خطرہ ہے، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ متقدمین مسجد کے مینار میں اذان دینے کے لیے اس وجہ سے کہتے تھے کہ بلند جگہ پر اذان دینے سے آواز سب لوگوں تک پہنچ جاتی ہے اور اب لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ یہ مقصد زیادہ اچھے اور بہتر طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے، اس لیے محراب مسجد میں جو لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے یہ بالکل شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اذان کے مباحث میں سے ایک مبحث اذان کے بعد دعا ہے، اس کی تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۳ ص ۱۷۵۔۱۷۴ میں کر دی ہے۔

ایک اور مبحث ہے: اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اس کی تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵۱۔۵۴۹ میں کر دی ہے، نیز ذکر بالجہر ص ۲۴۵۔۲۳۴ میں بھی ہم نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے پر مفصل بحث کی ہے

(۵) قرآن اور سنت سے عام مومنین کی دعوت کا ثبوت

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور دائماً اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم: ۶)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اور اس سلسلہ میں احادیث یہ ہیں:

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا وہ مروان تھا، اس کی طرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: نماز خطبہ پر مقدم ہے، مروان نے کہا: وہ طریقہ ترک کر دیا گیا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اپنا فرض ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جس شخص نے کسی بُرائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کو بُرا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے اس کو بُرا جانے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۴۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم

میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' سربراہ مملکت اپنے عوام کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے عوام کے متعلق سوال ہوگا اور گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہوگا اور نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے مالک کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کے باپ کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۹۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث:۱۴۹۸)

نیکی اور بدی کے متعلق مفسرین کے اقوال

حٰمٓ السجدۃ:۳۴ میں فرمایا: ''اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں' سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O''

نیکی اور بدی کی تفسیر میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) ابن عیسیٰ نے کہا: نیکی سے مراد نرم بات ہے اور بدی سے مراد سخت اور تلخ بات ہے

(۲) نیکی سے مراد صبر کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نیکی سے مراد ایمان ہے اور بدی سے مراد شرک اور کفر ہے۔

(۴) ابن عمیر نے کہا: نیکی سے مراد معاف کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

(۵) ضحاک نے کہا: نیکی سے مراد حلم اور بردباری ہے اور بدی سے مراد تند خوئی' بدمزاجی اور فحش کلام ہے۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: نیکی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے محبت کرنا ہے اور بدی سے مراد ان سے بغض رکھنا ہے۔ (النکت والعیون ج۵ ص۱۸۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابوعبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ' امام ابوبکر بن العربی نے کہا: نیکی سے مراد مصافحہ کرنا ہے' حدیث میں ہے:

عطاء بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے مصافحہ کرو' یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو تحفے دو اور ایک دوسرے سے محبت رکھو اس سے بغض دور ہوتا ہے۔

(موطاء امام مالک رقم الحدیث:۱۷۳۱' ج ۲ ص ۴۰۷' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر محبت اور خیر خواہی سے مصافحہ کرتا ہے تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۲۷' مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۵۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو بُرا کہے تو تم اس سے کہو: اگر تم صادق ہو تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر تم کاذب ہو تو اللہ تمہیں معاف فرمائے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے بُرا کہا تو انہوں نے اس کو اسی طرح جواب دیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۲۳-۳۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن اخلاق کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا: "سو آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے"۔

اس آیت میں حسن اخلاق کی تلقین کی گئی ہے اور حسن اخلاق کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری وصیت اس وقت کی جب میں گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ رہا تھا' آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶؍۱۷' ج ۲ ص ۴۰۲' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے آسان کام کو اختیار کرتے تھے' بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ اس کام سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا' الا یہ کہ اللہ کی حدود توڑی جائیں' اگر اللہ کی حدود توڑی جاتیں تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۸۸۲)

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد باتوں اور کاموں کو ترک کر دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۶)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ انسان اپنے حسن اخلاق سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کے اجر کو پالیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۱)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: کیا میں تم کو اس کام کی خبر نہ دوں جس میں نماز اور صدقہ سے بہت زیادہ خیر ہے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں' انہوں نے کہا: دو آدمیوں میں صلح کرانا اور تم بغض رکھنے سے اجتناب کرو' یہ نیکیوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۲؍۱۷' ج ۲ ص ۴۰۴' بیروت)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳؍۱۷' ج ۲ ص ۴۰۴)

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے چند ایسی باتیں بتائیں جو زندگی میں میرے کام آئیں اور زیادہ باتیں نہ بتائیں ورنہ میں بھول جاؤں گا' آپ نے فرمایا: تم غصہ نہ کیا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص زور آور نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے' زور آور وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۸۶)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے' وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس سے گزریں' ایک اس

طرف منہ کر لے' دوسرا اس طرف منہ کر لے' ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کے ساتھ ابتداء کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۲)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ فلاں شخص سے گفتگو کرے گا اور اس سے راہ و رسم رکھے گا تو اس سے اس کے دین میں ضرر پہنچے گا' یا اس کے ساتھ میل ملاپ رکھنے سے اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچے گا تو وہ تین دن کے بعد بھی اس سے قطع تعلق رکھ سکتا ہے' نیز قرآن اور سنت میں یہ حکم ہے کہ ظالموں' بدعتیوں اور فساق اور فجار سے قطع تعلق کرنا لازم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ ناپسندیدگی سے ان سے پیٹھ موڑو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۵' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۳۰۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی کرنے سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے متعلق تجسس نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو اور حسد نہ کرو اور بغض نہ کرو اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۳۰)

بدگمانی نہ کرنے کا محمل یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل کے کسی کی دین داری میں بدگمانی نہ کرو اور تجسس نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے عیوب تلاش نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے دوسروں کو حقیر اور کم تر نہ جانو اور حسد نہ کرو کا معنیٰ ہے: کسی کے پاس دنیاوی نعمتیں دیکھ کر اس سے حسد نہ کرو' ہاں کسی کی دینی نعمتوں پر رشک کرنا مستحسن ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور مجھے بھی مل جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال ہر جمعہ کو دوبار پیش کیے جاتے ہیں اور پیر کو اور جمعرات کو' پھر ہر عبد مومن کی مغفرت کر دی جاتی ہے' سوا اس بندے کو جو اپنے بھائی سے (غیر شرعی) بغض رکھتا ہو (فرشتوں سے) کہا جاتا ہے: ان دونوں کو رہنے دو حتیٰ کہ یہ صلح کر لیں۔ (صحیح مسلم البر والصلۃ رقم الحدیث: ۳۲' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۳۳)

لوگوں کی زیادتی پر صبر کرنا اور انہیں جواب نہ دینا اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے

حٰمٓ السجدۃ: ۳۵ میں فرمایا: ''اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوںO''

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی ماتحت اس کی نافرمانی کرے یا اس کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرے تو وہ جوش غضب میں آ کر اس کو سخت سزا دیتا ہے' یا کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو وہ اس سے انتقام لینے پر تل جاتا ہے اور ایسے مواقع پر ضبط کرنا اور اپنے سرکش نفس کو صبر اور ضبط کے ساتھ قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے' قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَO (الشوریٰ: ۴۰)

اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے اور بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتاO

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ: ۴۱) اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے ۝

اور صبر کا یہ عظیم مقام وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بڑے نصیب والے ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے گالی دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے تھے، پہلی ساعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا، پھر ان کا غضب جوش میں آیا اور انہوں نے بھی اس کو برا کہا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ گئے، حضرت ابوبکر آپ کے پیچھے گئے اور کہا: اس شخص نے مجھے گالی دی تھی، پہلے تو میں نے اس کو معاف کر دیا اور درگزر کیا اس وقت آپ بھی تشریف فرما تھے، پھر جب میں اس سے بدلہ لینے لگا تو آپ اٹھ گئے یا نبی اللہ! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا اور جب تم بدلہ لینے لگے تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا۔ پس اے ابوبکر! میں شیطان کے ہوتے ہوئے وہاں پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۷۹، دارالفکر، بیروت)

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص فضائل نفسانیہ اور قوت روحانیہ سے متصف ہو اور وہ صاحب نفس مطمئنہ ہو وہی غضب کے موقع پر صبر کر سکتا ہے کیونکہ وہی شخص انتقام لینے میں مشغول ہو گا جس کا نفس ضعیف ہو بلکہ جو صاحب نفس امارہ ہو کیونکہ جس کا نفس قوی ہوتا ہے اور وہ صاحب نفس مطمئنہ ہو وہ ایسے واقعات سے متاثر نہیں ہوتا جو موجب غضب ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کو صاف کرے حتیٰ کہ اس کے نزدیک تلخ اور شیریں اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور برابر ہو جائیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نفس قوی نہیں تھا اور وہ صاحب نفس مطمئنہ نہیں تھے، پھر انہوں نے بعد میں اس شخص کو جواب دینا کیوں شروع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ فعل بہ ظاہر خلاف اولیٰ تھا لیکن حقیقت میں ہماری نیکیوں سے افضل تھا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ہی اس کا سبب بنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشاہدہ کیا کہ جب انسان کسی کی زیادتی پر صبر کرے اور خود بدلہ نہ لے تو فرشتہ اس کی طرف سے جواب دیتا رہتا ہے۔

بعض لوگوں نے بعض مسائل میں مجھ سے اختلاف کیا ہے اور اس اختلاف کی بناء پر وہ مجھے سب و شتم کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے میرے خلاف مضامین شائع کیے اور مختلف کتابچے بھی لکھے جن میں مجھے جی بھر کر کوسا، میں نے ان میں سے کسی کو جواب نہیں دیا، میں صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے غیظ و غضب میں برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر میں حق پر ہوں تو اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہنا

حٰمٓ السجدۃ: ۳۶ میں فرمایا: ''اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بے شک وہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے ۝''

اس آیت میں ''نزغ'' کا لفظ ہے، علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے اس کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

کسی چیز میں طعن کرنا، کسی کی غیبت کرنا، لوگوں کے درمیان فساد ڈالنا، کسی کو بہکانا اور ورغلانا اور کسی کو وسوسہ ڈالنا۔

(القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۲۶، داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

حٰم السجدۃ: ۳۶ میں اس کا معنی ہے: انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنا اور اس کو گناہ کرنے کے لیے بہکانا۔

(لسان العرب ج ۸ ص ۴۵۴ نشر ادب الحوذۃ ایران ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اے مخاطب! اگر شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور تم کو اس حکم پر عمل کرنے سے روکے کہ تم بدی کا جواب نیکی سے اور بُرائی کا جواب اچھائی سے دو تو تم اس کے وسوسہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

ہم نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس میں عام انسان سے خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے محفوظ ہیں حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے ایک ساتھی مسلط کر دیا جاتا ہے صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر یہ کہ اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵ طبع قدیم مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۹ رقم الحدیث: ۳۶۴۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۶ھ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۲۳ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۴۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۷ دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۰۱ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۸ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۵ جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن مسعود رقم الحدیث: ۸۳۳)

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ اور علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم میں شیطان کے ڈالے ہوئے مرض سے اور اپنے دل میں اس کے وسوسہ سے اور اپنی زبان میں اس کے کلام سے معصوم ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۵۱ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۱ ص ۷۰۰۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت آدم کے اوپر دو خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے (۱) میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی وہ مسلمان ہو گیا اور میری ازواج میری (نیکیوں میں) مددگار رہیں۔ (۲) حضرت آدم کا شیطان کافر تھا اور ان کی بیوی ان کی (ظاہری) معصیت پر ان کی مددگار تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۴۷۹۶ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۸۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۶ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۱)

غصہ نہ کرنے اور معاف کر دینے کی فضیلت میں قرآن اور سنت کی تصریحات

انسان جو کسی پر غضب ناک ہوتا ہے تو دراصل یہ بھی شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے ہوتا ہے انسان کو چاہیے کہ جب اسے کسی بات پر غصہ آئے تو وہ اپنے غصہ کو ضبط کرے اور صبر کرے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو معاف کر دے اور اس کی قرآن اور سنت میں بہت فضیلت ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۴)

غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے اور جب وہ (کسی بات پر) غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں ○

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے

اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' پھر اگر اس کا غصہ ختم ہو جائے تو فبہا ورنہ وہ لیٹ جائے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۵۹' جامع المسانید والسنن مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۴۸۶)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمی ایک دوسرے سے لڑ رہے' ان میں ایک غضب ناک ہوا' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: مجھے ایک ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر وہ یہ جملہ کہہ دے تو اس کا غضب فرو ہو جائے گا' وہ جملہ یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم' ایک شخص جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی وہ اس شخص کے پاس گیا اور اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا: نہیں' اس نے کہا: آپ نے فرمایا تھا: مجھے ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر اس نے وہ جملہ کہہ دیا تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا' وہ جملہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم' اس شخص نے کہا: کیا تم مجھے دیوانہ سمجھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۰)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم عروہ بن محمد کے پاس گئے' ان سے ایک شخص نے ایسی بات کہی جس سے وہ غضب ناک ہو گئے' پھر انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور کہا: میرے والد نے میرے دادا عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک غضب شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھائی جاتی ہے' پس جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کرے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴' مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۶)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود وہ اپنے غصے کو ضبط کر لے تو قیامت کے دن اللہ سبحانہ اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلا کر فرمائے گا: تم بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے جس حور کو چاہو لے لو۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا تھا اس کی ہم کو خبر دے دی' اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا وہ بھول گیا' اس اثناء میں آپ نے فرمایا: بے شک دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور بے شک اللہ تم کو اس دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے' پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم اس دنیا میں کیا کرتے ہو' سنو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو' نیز آپ نے فرمایا: سنو کسی آدمی کا رعب تمہیں حق بات کہنے سے نہ روک دے' جب کہ تم کو اس کا علم ہو' پھر حضرت ابو سعید رونے لگے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جن سے ہم مرعوب ہو گئے' آپ نے مزید فرمایا: سنو! ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا' جس کی مقدار اس کی عہد شکنی کے برابر ہو گی اور سربراہ مملکت سے عہد شکنی سے بڑی اور کوئی عہد شکنی نہیں ہے' اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑ دیا جائے گا اور اس کی احادیث میں ہم کو یاد ہے آپ نے فرمایا: سنو! بنو آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ہے' سنو ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے اور یہ برابر سرابر ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے' سنو ان میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جن کو دیر میں غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور سب سے بدتر وہ ہیں جن کو جلد غصہ آئے اور دیر میں جائے' سنو! بے شک غضب ابن آدم کے دل میں

ایک چنگاری ہے' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غضب ناک شخص کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں' پس جس شخص کی یہ کیفیت ہو اس کو چاہیے کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' مسند احمد ج ۳ ص ۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۹۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۱۷' جامع المسانید والسنن مسند ابو سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۵)

غصہ کرنے کے دینی اور دنیاوی نقصانات

غصہ نہ کرنے اور غیظ و غضب کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معاف کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) غصہ کرنے سے بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور بلڈ پریشر کا مریض غصہ کرے تو اس کو فالج ہونے کا خطرہ ہے یا دماغ کی رگ پھٹ جانے کا' ہمارے علاقے میں ہائی بلڈ پریشر کے ایک مریض ہیں' وہ کسی بات پر غصہ ہوئے اور ان کے پورے جسم پر فالج ہو گیا' اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

(۲) جب آدمی غصہ کو ترک کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا تو وہ صبر کرنے کی اعلیٰ صفت سے متصف ہوتا ہے۔

(۳) غیظ و غضب میں وہی شخص آتا ہے جس میں تفاخر اور تکبر ہو اور یہ جاہلیت کی صفت ہے اور غصہ میں نہ آنا انسان کے منکسر المزاج اور متواضع ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) شیطان انسان کے خون کو جوش میں لاتا ہے تا کہ انسان کو دینی اور دنیاوی نقصان ہو اور مسلمان **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھ کر غصہ کو دور کرتا ہے اور حلم اور صبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔

(۵) غصہ روکنے پر **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** سے مدد حاصل کرنی چاہیے اور وضو کرنے سے' پانی پینے سے اور اپنی حالت بدلنے سے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

(۶) وہ غصہ مذموم ہے جو دنیاوی امور اور اپنے ذاتی معاملات میں ہو اور جو غصہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں اور دشمنوں پر ہو اور اللہ کی حدود کے توڑنے پر ہو اور دین کی سر بلندی اور احیاء سنت کے لیے ہو وہ غصہ محمود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے' اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں O اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے' بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے O (حٰمٓ السجدۃ: ۳۹۔۳۷)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل

حٰمٓ السجدۃ: ۳۳ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ ''اور اس سے عمدہ اور کس کا کلام ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے'' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی الوہیت' اس کی توحید' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل پیش کیے جائیں' رات اور دن اور سورج اور چاند وغیرہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ایک مقرر شدہ نظام کے تحت تسلسل سے وجود میں آ رہا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کسی ناظم کے تابع ہیں اور چونکہ پوری کائنات میں یہ نظام واحد ہے' اس سے واضح ہوا کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور اس پوری دنیا میں سورج سے عظیم اور قوی چیز ہمیں کوئی نظر نہیں آتی' وہ اگر اپنے

مقام سے ذرا نیچے ہوتا تو اس کی تپش سے روئے زمین پر کوئی زندہ نہ رہتا اور اگر اوپر ہوتا تو سب سردی سے منجمد ہو جاتے تو جس ذات نے اس عظیم سیارے کو اپنے نظام کا پابند کیا ہوا ہے وہی خلاق عالم ہے' پھر وہ جب چاہتا ہے تو اس عظیم آفتاب کو گہن لگا کر بے نور کر دیتا ہے اور یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو اتنے عظیم سورج کے نور کو سلب کرنے پر قادر ہے وہ ہماری آنکھوں سے بصارت کے نور کو اور ہمارے دلوں سے بصیرت کے نور کو زائل کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے' اس لیے سورج گہن کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلوٰۃ کسوف پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے' حدیث میں ہے:

سورج گہن کے وقت نماز پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں بہت طویل قیام کیا اور سورۂ بقرہ کے لگ بھگ قرأت کی' پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا' پھر رکوع سے سر اٹھا کر بہت دیر کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا' پھر آپ نے (دوبارہ) رکوع کیا اور بہت طویل رکوع کیا' پھر آپ نے سجدہ کیا' پھر دوسری رکعت میں بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا' پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلی رکعت کے رکوع سے کم تھا' پھر آپ نے رکوع سے کھڑے ہو کر قیام کیا' یہ بھی طویل قیام تھا مگر پہلے قیام سے کم تھا' پھر اس کے بعد دوبارہ رکوع کیا' پھر آپ نے سجدہ کیا' اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور سورج سے گہن دور ہو گیا اور سورج چمکنے لگا' پھر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے' پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرو' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے مقام سے کسی چیز کو پکڑنے لگے تھے' پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا اور میں انگوروں کا ایک خوشا پکڑنے لگا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے رہتے اور مجھے دوزخ دکھائی گئی اور میں نے اس سے زیادہ دہشت ناک منظر آج تک نہیں دیکھا اور میں نے دوزخ میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: ان کی ناشکری کی وجہ سے' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کا انکار کرتی ہیں' اگر تم ان کے ساتھ ساری عمر احسان کرتے رہو' پھر وہ تم سے کوئی معمولی کمی دیکھ لیں تو کہتی ہیں: میں نے تو تم سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۱' مسند احمد ج ۶ ص ۵۳)

سورج گہن کی نماز کے طریقہ میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نماز کسوف (سورج گہن کی نماز) میں رکوع کی تعداد میں مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے مذہب میں نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہیں (جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے) اور امام مالک' امام احمد' اسحاق' ابوثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے اور ابراہیم نخعی' ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ نے کہا کہ نماز کسوف جمعہ کی نماز اور صبح کی نماز کی طرح دو رکعت ہے۔

(المجموع شرح المہذب ج ۶ ص ۱۳۲-۱۲۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف میں رکوع کی تعداد میں اضطراب ہے' مذکور الصدر حدیث میں ہر رکعت میں

رکوع کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں تین رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں چار رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں پانچ رکوع کا ذکر ہے اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہے' اس لیے ہم نے ان مضطرب روایات کو ترک کر دیا اور اس حدیث پر عمل کیا جس حدیث میں اصل کے مطابق ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر ہے۔

ایک رکعت میں تین رکوع کرنے کی حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے کیے۔ (صحیح مسلم :الکسوف:۱۰۔ رقم بلا تکرار:۹۰۴۔الرقم المسلسل :۲۰۶۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۱۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۸۶۳' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث:۵۱۸)

ایک رکعت میں چار رکوع کرنے کی یہ حدیثیں ہیں:

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں آٹھ رکوع اور چار سجدے کیے۔

(صحیح مسلم :کسوف:۱۸' رقم بلا تکرار:۹۰۸' الرقم المسلسل :۲۰۷۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۱۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی' آپ نے قرأت کی' پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی۔ پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی' پھر رکوع کیا' پھر سجدہ کیا اور دوسری رکعت پھر اسی طرح پڑھی۔ (صحیح مسلم :الکسوف:۱۹۔رقم بلا تکرار:۹۰۹۔الرقم المسلسل :۲۰۷۷' سنن للنسائی رقم الحدیث:۱۴۶۷)

ایک رکعت میں پانچ رکوع کرنے کی یہ حدیث ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کسوف پڑھائی' آپ نے لمبی سورتوں میں سے قرأت کی اور ایک رکعت میں پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے' پھر دوسری رکعت بھی آپ نے اسی طرح پڑھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۱۸۲)

فقہاء احناف کے نزدیک سورج گہن کی نماز کا طریقہ

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز کسوف میں باقی نمازوں کی طرح دو رکعت میں سے ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اتنا لمبا قیام کیا کہ لگتا تھا اب رکوع نہیں کریں گے' پھر آپ نے رکوع کیا اور اتنا لمبا رکوع کیا کہ لگتا تھا کہ اب رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور اتنی دیر کھڑے رہے کہ لگتا تھا کہ اب سجدہ نہیں کریں گے' پھر آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ لگتا تھا کہ اب سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے' پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اتنی دیر بیٹھے رہے کہ لگتا تھا اب دوسرا سجدہ نہیں کریں گے' پھر آپ نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا اور اسی طرح دوسری رکعت پڑھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۱۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۸۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۹)

آیت سجدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور نہ تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے O''
اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ہر چند کہ وہ دو عظیم سیارے ہیں لیکن یہ ان کی ذاتی فضیلت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ سجدہ کیے جانے کے مستحق ہوں' ان کا خالق تو اللہ عزوجل ہے' وہ جب چاہے سورج اور چاند کو فنا کر دے یا ان کی روشنی کو زائل کر دے اور تم اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور اپنے نظام قدرت کو مسخر کر دیا ہے' اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فرشتوں کی دائمی تسبیح پر ایک اشکال کا جواب

حٰم السجدۃ: ۳۸ میں فرمایا: ''پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں تو وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں O''

یہ آیت سجدہ ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ قرآن مجید میں گیارہویں آیت سجدہ ہے۔

اس آیت میں فرشتوں کی صفت میں فرمایا ہے کہ وہ رات اور دن اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں تو وہ باقی کام کس وقت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کے اور کاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے' مثلاً:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ ۔ (الشعراء: ۱۹۴۔۱۹۳)	جبریل امین نے قرآن مجید کو آپ کے قلب پر نازل کیا۔
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ (النساء: ۹۷)	بے شک فرشتوں نے جن لوگوں کی روح قبض کی۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۔ (القدر: ۴)	فرشتے اور جبریل اپنے رب کی اجازت سے شب قدر میں نازل ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں وہ فرشتوں کی خاص نوع ہیں' وہ اکابر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ دوسرے فرشتے ان کاموں میں مشغول رہتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ لگا دیئے ہیں۔

بشر اور فرشتوں میں باہمی افضلیت کی تحقیق اور امام رازی کی تفسیر پر بحث و نظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اعلیٰ درجہ والوں سے ادنیٰ درجہ والوں کے حال پر استدلال کیا جاتا ہے' پس یوں کہا جائے گا کہ اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے اکابر ملائکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس نوع میں اعلیٰ درجہ والوں کے حال کے حسن سے ادنیٰ درجہ والوں کے خلاف استدلال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں: اس دلیل سے مطلقاً فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا لازم نہیں آتا' بلکہ فرشتوں کا کفار سے افضل ہونا لازم آ رہا ہے' باقی فرشتوں اور بشر کے درمیان افضلیت کی تحقیق اس طرح ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ فلاسفہ اور اشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسول سے بھی افضل ہیں اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ بشر فرشتوں سے افضل ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے:

رسل بشر' رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر (یعنی مؤمنین نہ کہ کفار) عامۃ الملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے بالا جماع افضل ہیں' بلکہ بالضرورۃ افضل ہیں۔

رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت اور عامۃ البشر کی عامۃ الملائکہ سے افضلیت پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم اور تکریم کے لیے ان کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی تعظیم کا حکم دیا جاتا ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی تو اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ حضرت آدم کی تعظیم اور تکریم کی وجہ استحقاق بیان کی جائے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳)	بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے ۝

اور تمام جہان میں فرشتے بھی شامل ہیں۔

(۴) انسان میں شہوت اور غضب ہے اور اس کو کھانے پینے' رہنے اور لباس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں اس کو علمی اور عملی کمال کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان عوارض اور موانع کے باوجود عبادت کرنا اور علمی اور عملی کمال حاصل کرنا' ان کی عبادت سے بہت افضل ہے جن کو عبادت کرنے سے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے' اس لیے انسان کا عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت کرنے سے بہت افضل ہے۔ (شرح عقائد نسفی ملخصاً' ص ۱۲۶' کراچی)

حشر ونشر کے امکان پر ایک دلیل

حٰمٓ السجدۃ: ۳۹ میں فرمایا: ''اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے' بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ۝''

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور سورج اور چاند سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے کہ جو ذات مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے' وہ ذات مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے' اس لیے مشرکین کا حشر ونشر کا انکار کرنا باطل ہے' نیز جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار انسان کو بلکہ اس پوری کائنات کو پیدا کر دیا تو اس کے لیے دوبارہ اس انسان کو جیتا جاگتا کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں' آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا' تم جو چاہو کرو' بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ۝ بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے ۝ اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا' نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے' یہ کتاب بہت

حکمت والے حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۲۔۴۰)

الحاد کا معنی اور اس کا مصداق

اس سے پہلے حٰمٓ السجدۃ: ۳۳ میں یہ بتایا تھا کہ انسان کا سب سے عمدہ منصب اور مرتبہ اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے' پھر حٰمٓ السجدۃ: ۳۷ میں یہ بتایا کہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات پر دلائل قائم کیے جائیں اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں شبہات ڈالتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں' پھر ان کو ڈراتے ہوئے اور دھمکاتے ہوئے فرمایا: ''تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں کج بحثی کے لیے ''یلحدون'' فرمایا ہے' یلحدون الحاد سے ماخوذ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ الحاد کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحاد کا مادہ لحد ہے' لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے بغلی جانب جھکا ہوا ہوتا ہے' الحاد کا معنی ہے: حق سے انحراف کرنا' الحاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی کو اللہ کا شریک قرار دینا (۲) ان اسباب کو ماننا جو شرک کی طرف پہنچائیں' پہلی قسم ایمان کے منافی ہے اور دوسری قسم ایمان کی گرہ کو کمزور کر دیتی ہے لیکن ایمان کو باطل نہیں کرتی' قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ. (الاعراف: ۱۸۰) جو لوگ اللہ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جو اس کے لیے جائز نہیں ہے' مثلاً یہ کہنا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے' یا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (مثلاً اللہ میاں یا اللہ سائیں کہنا)۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں'' یہاں الحاد سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں (۲) ابو مالک نے کہا: جو لوگ ہماری آیتوں سے انحراف کرتے ہیں (۳) ابن زید نے کہا: جو لوگ ہماری آیتوں کا کفر کرتے ہیں (۴) سدی نے کہا: جو لوگ ہمارے رسولوں سے عناد رکھتے ہیں (۵) مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: جب مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو کفار سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں پیٹتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا''۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے کہا: جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ ابوجہل ہے اور جو شخص قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمار بن یاسر ہیں۔

(۲) ابن زیاد نے کہا: جس کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابوجہل ہے اور جو قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) مقاتل نے کہا: جن کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں اور جو اطمینان کے ساتھ

قیامت کے دن آئیں گے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۴) ابن بحر نے کہا: اس آیت میں عموم مراد ہے' دوزخ میں جھونکا جانے والا کافر ہے اور قیامت کے دن مطمئن ہو کر آنے والے مؤمنین ہیں۔ (النکت والعیون للماوردی ج ۵ ص ۱۸۵-۱۸۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اور یہ جو فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو' یہ دھمکانے کے لیے فرمایا ہے یعنی تمہارے کفر پر اصرار کی وجہ سے تمہارے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہے' اب تم جو چاہو کرو' تمہاری کسی کوشش سے یہ عذاب ٹل نہیں سکتا۔

جعلی پیروں اور بناوٹی صوفیوں کا الحاد

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہے'' اس سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو علم اور معرفت سے خالی ہوتے ہیں اور زہد اور تقویٰ کا اظہار کرتے ہیں' وہ کشف اور الہام کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگوں کو بیعت کرتے ہیں اور اپنی روحانیت اور کرامتوں کا چرچا کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اغنیاء اور حکام ان کے پاس آئیں اور ان کے زہد اور تقویٰ سے متاثر اور مرعوب ہوں' وہ علماء دین کی تحقیر کرتے اور لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں اور بغیر علم کے قرآن اور حدیث کی تفسیر کرتے ہیں اور وعظ اور تقریریں کرتے ہیں' لوگ ان سے مسائل معلوم کرتے ہیں اور وہ بغیر علم کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں' لوگ ان کو بھاری بھاری نذرانے دیتے ہیں اور وہ مال و دولت سے اپنے مریدوں میں اضافہ کرتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں کے سینے سے نہیں نکالے گا لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھا لے گا' حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیر اور پیشوا بنا لیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے' پس وہ خود بھی گم راہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گم راہ کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے بدلہ میں دنیا کو طلب کریں گے' وہ لوگوں کے سامنے درویشی ظاہر کرنے کے لیے بھیڑ کی نرم کھال کا لباس پہنیں گے' ان کی زبانیں چینی سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح ہوں گے' کیا وہ (میری مہلت دینے سے) دھوکا کھا رہے ہیں یا وہ (میری مخالفت پر) جرأت کر رہے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۴۴۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۳۲۳)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ لوگ صوفیاء اور درویشوں کا لباس پہن کر اور ریا کاری سے عبادت کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے اور لوگوں کو اپنا معتقد اور مرید بنانے کے لیے اور دنیا کا مال بٹورنے کے لیے' زہد و تقویٰ کا اظہار کریں گے اور وہ نیک اور خدا ترس علماء سے عداوت رکھیں گے' ان پر حیوانی صفات اور شہوات کا غلبہ ہوگا اور وہ اپنے نام و نمود کے لیے کارروائی کریں گے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۱۸۳-۱۸۲' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے' پس میں اپنی ذات اور

صفات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کے لیے ایسا فتنہ مقرر کر دیا ہے جس میں مبتلا ہو کر بردبار آدمی بھی حیران ہو گا' کیا یہ لوگ مجھ پر دھوکا کھا رہے ہیں یا مجھ پر جرأت کر رہے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۲۷۹' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمر رقم الحدیث: ۷۶۰)

ایلوے کا معنی ہے: گھیکوار کے گودے کا خشک کیا ہوا رس۔ (قائد اللغات ص ۱۳۶' فیروز اللغات ص ۱۵۰)

گھیکوار ایک قسم کا پودا ہے جس کے پتے بہت لمبے ہوتے اور ان سے لیس دار مادہ نکلتا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۰۳۵)

حٰمٓ السجدۃ: ۴۱ میں فرمایا: ''بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بیشک یہ بہت معزز کتاب ہے O''

اس آیت میں قرآن مجید کو عزیز فرمایا ہے' اس کا معنی ہے: اس کتاب کی کوئی مثال نہیں ہے' یا اس کا معنی ہے: یہ کتاب تمام کتابوں پر غالب ہے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۴۲ میں فرمایا: ''اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا' نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے' یہ کتاب بہت حکمت والے حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے O''

قرآن مجید کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہ آنے کے محامل

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اس کتاب کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا'' اس کی متعدد تفسیریں ہیں:

(۱) نہ اس سے پہلی آسمانی کتابوں مثلاً تورات' زبور اور انجیل میں اس کی تکذیب ہے اور نہ اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب آئے گی کہ اس کی تکذیب ہو سکے۔

(۲) قرآن مجید نے جس چیز کے حق ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ باطل نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید نے جس چیز کے باطل ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ حق نہیں ہو سکتی۔

(۳) قرآن مجید محفوظ ہے' نہ اس سے کوئی آیت کم ہو سکتی ہے نہ اس میں کوئی اپنی طرف سے کسی آیت کا اضافہ کر سکتا ہے۔

(۴) پچھلے زمانہ میں کوئی ایسی کتاب تھی جو اس کا معارضہ کرتی اور نہ آئندہ کوئی ایسی کتاب آ سکے گی جو اس کا معارضہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف کہی جاتی رہی ہیں' بے شک آپ کا رب (مؤمنوں کے لیے) ضرور مغفرت والا ہے اور (کافروں کے لیے) دردناک عذاب والا ہے O اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں' کیا (کتاب کی زبان) عجمی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟ آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے' ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جا رہی ہے O

(حٰمٓ السجدۃ: ۴۳۔۴۴)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ملحدین کو ڈرایا اور دھمکایا تھا' پھر قرآن مجید کی آیات کی عظمت اور شرف کو بیان فرمایا اور کتاب اللہ کے درجہ کی بلندی کا ذکر فرمایا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضمون سابق کو دہرایا اور وہ یہ ہے: ''اور کافروں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کریں اور بے شک ہم اپنا کام کرنے

والے ہیں O" (حم السجدۃ:۵) پھر اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہی جاتی رہی ہیں' یعنی جس طرح پہلے رسولوں پر طعن کیا جاتا تھا اور ان کے متعلق دل آزار باتیں کی جاتی تھیں سو ایسی ہی باتیں آپ کے متعلق بھی کی جا رہی ہیں' لہٰذا آپ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیجئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور دعوت میں مشغول رہیے۔

قرآن مجید کو غور سے نہ سننے کی وجہ سے کفار کا قرآن کی ہدایت سے محروم ہونا

حم السجدۃ:۴۴ میں فرمایا: "اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں کیا (کتاب کی زبان) عجمی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟"۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت بیان کر دی اور اس کے احکام شرعیہ کو وضاحت سے بیان فرما دیا' اس کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ان کا کفر محض ضد' عناد' سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے' ان کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۙ○ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء:۱۹۸)

اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے ○ پھر وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے ○

اسی طرح اگر ہم پورا قرآن عجمی زبان میں نازل فرما دیتے تب بھی یہ کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یعنی وہ یہ کہتے کہ پورے قرآن کو لغت عرب میں کیوں نہیں نازل کیا گیا اور وہ اس کا انکار کرتے اور یہ کہتے کہ عربی مخاطب کے اوپر عجمی قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا' حضرت ابن عباس' مجاہد اور عکرمہ وغیرہم نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے دلوں کے لیے یہ قرآن ہدایت ہے اور ان کے سینوں سے شکوک اور شبہات دور کرنے کے لیے یہ قرآن شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے' وہ قرآن مجید کی آیات میں غور کرتے ہیں نہ ان کو سمجھتے ہیں اور یہ ان پر اندھا پن ہے' وہ اس سے ہدایت نہیں حاصل کر سکتے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ (بنو اسرائیل:۸۲)

اور ہم جس قرآن کو نازل کر رہے ہیں وہ مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کے لیے صرف نقصان کو زیادہ کرتا ہے ○

"اور ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جا رہی ہے O" مجاہد نے کہا: یہ ندا ان کے قلوب سے بہت دور ہے' امام ابن جریر نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو ان کو پکار رہا ہے اور ان سے خطاب کر رہا ہے وہ گویا کہ ان سے بہت دور ہے' ضحاک نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو ان کے بہت قبیح ناموں سے پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ

ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے متعلق سخت خلجان اور شک میں ہیں O جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے

صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۴۶﴾

نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے اور جس نے کوئی بُرا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے متعلق سخت خلجان اور شک میں ہیں O جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے اور جس نے کوئی بُرا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O

اہل مکہ کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

یعنی جب ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا' بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور جب ہم نے آپ کے اوپر قرآن کریم کو نازل کیا تو یہی حال آپ کی قوم کا ہے' بعض لوگ اس پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے اس کا کفر کیا' سو اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے کچھ لوگ قرآن مجید پر ایمان نہیں لائے تو آپ اس پر غم نہ کریں' ہر صاحب کتاب نبی کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔

کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں تو ہماری مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا''۔

کفار مکہ پر ایسا عذاب نہیں آیا جس سے پورا مکہ ملیامیٹ کر دیا جاتا اور کفار مکہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جاتا اور شہر مکہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح کھنڈرات اور ویرانوں میں تبدیل ہو جاتا' کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ رحمت ہیں اور مکہ وہ شہر ہے جس کی طرف انبیاء اور مرسلین نے ہجرت کی ہے اور ملائکہ مقربین اس شہر میں نازل ہوتے رہے' اس شہر میں اللہ نے اپنا گھر بنایا اور اس کے خلیل اور ذبیح نے اس شہر کو بسایا' اس کے خلیل نے اس شہر کے لیے دعا کی: اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو اس شہر کی طرف پھیر دے' اس کے کعبہ کے متعلق فرمایا: جو اس میں داخل ہوگا وہ مامون ہو جائے گا' اس لیے اللہ کی رحمت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی عذاب نازل کر کے اس شہر کو تہس نہس کر دے۔

ظلم کی مذمت میں احادیث

حٰمٓ السجدۃ: ۴۶ میں فرمایا: ''جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے ہے اور جس نے کوئی بُرا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا O''

قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہر شخص کو اس کے عمل کا صلہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ظلم نہیں کرے گا' اللہ سے ظلم کی نفی اور ظلم کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کر دیا' سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۷۷' الرقم المسلسل: ۶۴۵۰' جامع المسانید والسنن مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۳۵۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے بچو' کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو' بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے انہیں خونریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۷۸' الرقم المسلسل: ۶۴۵۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو' آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہو اور اس شخص پر تہمت لگائی ہو اور اس شخص کا مال کھایا ہو اور اس شخص کا خون بہایا ہو اور اس شخص کو مارا ہو' پھر وہ اس کو اپنی نیکیاں دے' پھر جو اس پر حقوق ہیں ان کے ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' پھر اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱' الرقم المسلسل: ۶۴۵۷)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ (ھود: ۱۰۲)

اور اسی طرح آپ کے رب کی گرفت ہے' جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے○

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لیے اس کے ساتھ گیا جب کہ اس کو علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۶۱۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۵۹۶)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا' اس نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ (السجدۃ: ۲۲)

بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں○

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۷۱)

الجزء ۲۵

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے

اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ

اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے' ان سب کا اس کو علم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے

يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ ﴿۴۷﴾

شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہے O

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ

اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب

مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ

ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے O انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ

فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے O اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ

ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر میں

رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ

اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہو گی، پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں

كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا

کی خبر دیں گے اور ہم ان کو ضرور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے O اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر

عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

لیتا ہے اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے O

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ

آپ کہیے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون

اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ

گم راہ ہو گا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا جائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ

دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن

اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ ؕ

برحق ہے کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہےO سنو بے شک ان کو اپنے رب سے

ع ۶ ۱۰ ۱

اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾ ع

ملاقات کے متعلق شک ہے سنو وہ ہر چیز پر محیط ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے ان سب کا اس کو علم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہےO اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہےO انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہےO اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہرصورت اس کا حق دار تھاO اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگی پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے اور ہم ضرور ان کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گےO (حٰمٓ السجدۃ: ۵۰۔۴۷)

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قطعی اور ذاتی ہے اور مخلوق کو بالواسطہ غیب کا علم ہو سکتا ہے

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی اس کا بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے اسی طرح اس کائنات میں جو بھی حوادث رونما ہوتے ہیں کسی مادہ کو جب بھی حمل ہوتا ہے یا وضع حمل ہوتا ہے جب بھی باغات میں پھل نکلتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں سب چیزوں کا اللہ کو علم ہوتا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

کیا یہ بات نہیں ہے کہ نجومی اپنے حساب سے سال میں ہونے والے اکثر واقعات کو جان لیتے ہیں اسی طرح رمل سے اور خواب کی تعبیروں سے مستقبل میں ہونے والے اکثر واقعات کا پیشگی علم ہو جاتا ہے اور غیب کی باتوں کا پتا چل جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان علوم کے ماہرین کو یقینی اور قطعی طور پر کسی غیب کی بات کا علم نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ ان کو کمزور درجہ کا ظن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح محکمہ موسمیات والے پیشگی بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہوگی اور کل موسم کا درجہ حرارت کیا ہوگا لیکن یہ پیش گوئیاں ۹۰ فی صد درست ہوتی ہیں اس لیے ان کے معاملہ میں امام رازی کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ پیش گوئیاں قطعی اور یقینی نہیں ہوتیں۔ لیکن سورج گہن لگنے اور چاند گہن لگنے کی جو سالوں پہلے خبر دی جاتی ہے اور پوری دنیا میں ان کا نظام الاوقات بتا دیا جاتا ہے یہ پیش گوئیاں سو فی صد صحیح ہوتی ہیں اور آج تک ان کی کوئی خبر غلط ثابت نہیں ہوئی اسی طرح

الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے پیشگی بتا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ اور یہ پیشگی خبر بھی سوفی صد صحیح ہوتی ہے' اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ علم آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ بغیر کسی آلہ کے ہے' اسی طرح جو فرشتہ ماں کے رحم میں لکھتا ہے کہ یہ بچہ مذکر ہے یا مؤنث' اس کی مدت حیات کتنی ہے' اس کا رزق کتنا ہے اور یہ سعید ہے یا شقی ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم یقینی اور قطعی ہے اور بغیر کسی آلہ اور سبب کے ہے اور بغیر تعلیم کے اور ذاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی وحی اور الہام کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے اور ان کے لیے بالواسطہ غیب کا علم ماننا ہمارے ایمان کا ایک حصہ ہے اور اس کا انکار کرنا عناد اور گم راہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کی ناسپاسی اور ناشکری

حٰمٓ السجدۃ: ۴۹ میں فرمایا: ''انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہےO''

سدی نے کہا: خیر سے اس آیت میں مال' صحت' سلطنت اور عزت مراد ہے اور انسان سے مراد کافر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان سے ولید بن مغیرہ مراد ہے' ایک قول ہے: ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ مراد ہیں اور ایک قول ہے: امیہ بن خلف مراد ہے اور اس آیت میں جو شر کا ذکر کیا گیا اس سے فقر اور مرض مراد ہے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۵۰ میں فرمایا: ''اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھاO''

اس آیت میں ضرر اور تکلیف سے مراد بیماری' سختی اور فقر ہے اور رحمت سے مراد وسعت' کشادگی اور دولت ہے' وہ کہتا ہے کہ میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اس رحمت کا مستحق تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے اعمال سے راضی تھا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان نعمتوں کا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب تھا اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دے کر اس کو امتحان میں مبتلا کیا ہے تاکہ مصائب پر اس کا صبر اور انعامات پر اس کے شکر کا اظہار ہو۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگیO''

اس آیت میں حسنیٰ اور خیر سے مراد جنت ہے' وہ بغیر کسی نیک عمل کے جن کی تمنائیں کرتا ہے۔ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو تمنائیں ہوں گی: دنیا میں اس کی یہ تمنا ہوگی کہ اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو اس کے پاس میری خیر یعنی جنت ہوگی اور آخرت میں اس کی یہ تمنا ہوگی: اے کاش! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۲۷)

پھر فرمایا: ''پس ہم ضرور کافروں کو ان کے اعمال کی خبر دیں گے'' یعنی کافروں کو ان کے اعمال کی سزا دیں گے' اس آیت میں لام قسمیہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر یہ بات فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہےO آپ کہیے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا

جائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی' حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے' کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے' سنو! وہ ہر چیز پر محیط ہے O (حم السجدۃ: ۵۴۔۵۱)

حم السجدۃ: ۵۱ میں فرمایا ہے: ''اور جب ہم انسان (یعنی کافر) پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر ہم سے دور ہو جاتا ہے O''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں' جنہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا اور اس سے دور ہو گئے اور یہ جو فرمایا ہے: ''اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے'' اس کا معنیٰ ہے: وہ حق کی اطاعت اور اتباع کرنے سے خود کو بلند سمجھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سامنے تکبر کرتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے' یعنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور گڑ گڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے اور کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور راحت میں اپنے رب کو نہیں پہچانتا۔

قرآن پر ایمان لانے کی کافروں کو نصیحت

حم السجدۃ: ۵۲۔۵۳ میں فرمایا: ''آپ کہیے! بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو مخالفت حق میں بہت دور چلا جائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے' کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ حجت قائم کی ہے کہ تم لوگ جب بھی قرآن مجید کو سنتے ہو تو اس سے اعراض کر لیتے ہو اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور توحید کو قبول کرنے سے گھبراتے ہو اور دور بھاگتے ہو اور یہ تو واضح بات ہے کہ بداہت عقل یہ نہیں کہتی کہ قرآن مجید منزل من اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ بداہت عقل یہ کہتی ہیں کہ اللہ واحد نہیں ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول نہیں ہیں' پس دلیل سے قطع نظر یہ بات صحیح ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی' پھر جب قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے نزول ہو سکتا ہے تو پھر تم اس کا انکار کیوں کرتے ہو اور اس کے انکار پر اصرار کر کے اللہ تعالیٰ کے عظیم عذاب کے مستحق کیوں ہوتے ہو' پھر تم کو چاہیے کہ اس معاملہ میں غور و فکر کرو' اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم اس کو ترک کر دو اور اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر تم اپنی ضد چھوڑ دو اور اس سے اعراض کرنے کو اور اس کے ترک پر اصرار کرنے کو ترک کر دو۔

انسان کے اپنے نفسوں میں اور اس کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں

اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے''۔

امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ آفاق افق کی جمع ہے اور افق آسمان اور زمین کے کناروں کو کہتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آفاق سے مراد ہے: آسمانوں اور ستاروں کی نشانیاں اور دن اور رات کی نشانیاں اور روشنیوں اور اندھیروں کی نشانیاں عالم عناصر اربعہ اور عالم موالید ثلاثہ کی نشانیاں اور ان میں سے اکثر کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور اپنے نفسوں سے مراد یہ ہے انسان اپنی ماں کے رحم میں کس طرح نطفہ' مضغہ اور ہڈیوں کے تشکل کے مراحل سے گزر کر پیکر انسان میں ڈھلتا ہے' پھر کس

طرح دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے' پھر کم سن لڑکا ہوتا ہے' پھر بالغ مرد' پھر جوان' پھر ادھیڑ عمر کا' پھر بوڑھا اور پھر خاک کا ڈھیر بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں جو عجائب اور اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں وہ غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو ان عجائب پر یوماً فیوماً مطلع فرماتا رہتا ہے اور دن بہ دن انسان کو نئے نئے حقائق معلوم ہوتے رہتے ہیں' ایک زمانہ تھا جب یہ معلوم نہیں تھا کہ شوگر اور بلڈ پریشر کیا مرض ہے' یہ انسان کو کیسے لاحق ہوتا ہے اور اس کا کیا علاج ہے اور کیا پرہیز ہے' پھر رفتہ رفتہ یہ حقائق معلوم ہو گئے' پھر ایک زمانہ تھا جب تپ دق کا علاج معلوم نہ تھا' اب اس کا علاج دریافت ہو گیا ہے۔ پہلے چیچک کا علاج معلوم نہیں تھا' اب پاکستان سے چیچک ختم کر دی گئی ہے' اگر بچہ ماں کے پیٹ میں اڑا ہوتو پہلے وضع حمل کی کسی صورت کا علم نہیں تھا اور ماں اور بچہ دونوں مر جاتے تھے' اب سرجری کے ذریعہ اس کا علاج ہو رہا ہے' اگر دل کی چاروں شریانیں بلاک ہو جائیں تو پہلے اس کا علاج ممکن نہیں تھا' اب معلوم ہوا کہ انسان کی پنڈلیوں میں کچھ شریانیں زائد ہوتی ہیں جنہیں پنڈلیوں سے نکال کر دل کی شریانوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے' اس کو آپریشن بائی پاس کہتے ہیں اور ایسی بہت مثالیں ہیں۔ کینسر اور ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ ہو سکتا ہے آئندہ اس کا علاج دریافت ہو جائے' اسی طرح پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوا کہاں تک ہے اور چاند زمین سے کتنے فاصلہ پر ہے' اب یہ معلوم ہو گیا کہ دو سو میل تک ہوا ہے کہ اس کے بعد ہوا نہیں ہے' اسی وجہ سے خلانورد اپنے ساتھ آکسیجن کی تھیلیاں لے کر جاتے ہیں اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ خلا محال ہے' اب ثابت ہو گیا ہے کہ خلا ایک حقیقت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اشیاء کا وزن زمین کی کشش کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلا میں کسی چیز کا کوئی وزن نہیں ہوتا' زمین کی رفتار اور سورج اور چاند کی رفتار سے پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج یا چاند کو گرہن کس تاریخ کو لگے گا اور کتنی دیر گہن لگا رہے گا اور دنیا کے کس کس حصے میں اور کس کس شہر میں کتنی دیر تک دیکھا جا سکے گا' غرض یہ کہ زمین اور آسمان کے متعلق' سیاروں اور ستاروں کے متعلق جو پہلے ہمیں معلومات نہیں تھیں اب حاصل ہو چکی ہیں' انسان کے جسم کے بارے میں جو معلومات پہلے نہیں تھیں وہ اب حاصل ہو چکیں' سائنسی آلات کے ذریعہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے' یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لنگڑا' لولا یا اپاہج ہو گا یا کسی خطرناک بیماری کا حامل ہو گا۔ انسان کے جسم میں جو سیال خون ہے اس کے ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کون کون سی بیماریاں ہیں' غرض ہمیں اس عالم کبیر (خارجی کائنات) اور عالم صغیر (خود نفس انسان) کے متعلق دن بہ دن نئے نئے حقائق معلوم ہو رہے ہیں۔

قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کا غیر معتبر ہونا

سائنسی علوم کے ذریعہ چاند کی رؤیت اور پہلی تاریخ کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے اور اس سے ہمیں شہادتوں کے پرکھنے کا بھی موقع ملتا ہے کہ یہ شہادت سچی ہے یا جھوٹی ہے' جب سائنسی آلات کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رؤیت ممکن نہیں ہے اور مطلع بالکل صاف ہو اور پورے ملک میں کہیں چاند نظر نہ آیا ہو اور ایسے میں چند آدمی یہ گواہی دے دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی جھوٹی ہو گی اور سائنسی تحقیقات کے خلاف ان کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرائن اور شواہد کے خلاف جو گواہی دی جائے وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔

علامہ ابن قیم جوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ عقلی شواہد اور دلائل کے خلاف گواہوں کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن قیم جوزیہ کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ہمیشہ سے ائمہ اور خلفاء اس صورت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرتے رہے ہیں جب اس شخص سے مال برآمد ہو جائے

جس پر چوری کا الزام ہو اور یہ قرینہ گواہوں اور اقرار سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ گواہوں میں صدق اور کذب کا احتمال ہے اور جب چور کے پاس سے مال برآمد ہو جائے تو یہ نص صریح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

(الطرق الحکمیہ ص ٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٥ھ)

(٢) بہت سے قرائن اور علامتیں انکار قسم سے زیادہ قوی ہوتی ہیں تو ان کو معطل کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ (الطرق الحکمیہ ص ٦)

(٣) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گواہوں کے علاوہ دوسرے دلائل گواہی سے زیادہ قوی ہوتے ہیں' جیسے وہ حال جو صدق مدعی پر دلالت کرتا ہو کیونکہ وہ گواہ کی خبر سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور دیگر ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کی طرف سفر کا ارادہ کیا' جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ میرا خیبر کی طرف جانے کا ارادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے ١٥ وسق کھجوریں لے لینا (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار کلو کا ہوتا ہے) اور جب وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو تم اپنا ہاتھ اپنے گلے پر رکھ دینا۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٦٣٢' سنن بیہقی ج ٦ ص ٨٠' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٢٩٣٥)

اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات اور قرائن کو گواہی کے قائم مقام قرار دیا ہے' پس شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرائن' علامات اور دلائل احوال کو لغو قرار نہیں دیا بلکہ ان پر احکام شرع کو مرتب کیا۔ (الطرق الحکمیہ ص ١٠)

(٤) نیز اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم جوزیہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جس پر یہ الزام تھا کہ اس نے آپ کی ام ولد سے زنا کیا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ خصی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ (الطرق الحکمیہ ص ١٠)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا تہمت سے بری ہونا

علامہ ابن قیم جوزیہ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: جاؤ اس کی گردن اڑا دو' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو وہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ایک کنویں میں غسل کر رہا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: نکلو اور اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو نکالا' دیکھا تو اس کا عضو تناسل کٹا ہوا تھا' پھر حضرت علی اس کو قتل کرنے سے رک گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا اور کہا: یارسول اللہ! اس کا عضو تناسل تو کٹا ہوا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٧١' مسند احمد ج ٣ ص ٢٨١ طبع قدیم' مسند احمد ج ٢١ ص ٤٠٥' رقم الحدیث: ١٣٩٨٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٩ھ' المستدرک ج ٤ ص ٤٠۔٣٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس ام ولد کا ذکر ہے وہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ٨ ص ١٧٢' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ شخص منافق تھا اور کسی وجہ سے قتل کا مستحق تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نفاق یا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر اس کے قتل سے رک گئے کہ آپ نے اس کے زنا کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اس نے زنا نہیں کیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ٢ ص ٣٦٨' اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی اور دیگر شارحین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے اس کے نفاق یا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب سے' کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو دوبارہ اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجتے اور صحیح یہی ہے کہ اس شخص پر یہ تہمت تھی کہ اس نے حضرت ماریہ سے زنا کیا ہے اور آپ کے نزدیک یہ بات گواہوں سے ثابت ہوگئی تھی' اس لیے آپ نے حضرت علی کو اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں نے اس شخص پر حضرت ماریہ قبطیہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا' اس تہمت کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیے اور اس کو قتل کرنے کی بھی کوئی وجہ ہونی چاہیے' تہمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص قبطی تھا اور چونکہ حضرت ماریہ بھی قبطیہ تھیں اس لیے ہم جنس اور ہم زبان ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے تھے' اس وجہ سے لوگوں نے اس پر تہمت لگا دی اور رہی اس کو قتل کرنے کی وجہ تو امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں اس کو ساقط کر دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کے نزدیک گواہوں سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ اس شخص نے حضرت ماریہ کے ساتھ زنا کیا ہے' اس لیے آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن جب حضرت علی نے یہ دیکھا کہ اس کا عضو کٹا ہوا ہے تو انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پورے واقعہ میں حکمت تھی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم اور آپ کی ام ولد اس تہمت سے بری ہیں (جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی حالانکہ حضرت صفوان نے بعد میں بتایا کہ وہ نامرد ہیں اور اس فعل کے اہل ہی نہیں ہیں صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۰) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے حقیقتاً اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے اس کے قتل کا حکم دیا ہو تا کہ اس کا معاملہ منکشف ہو جائے اور آپ کے حرم سے تہمت دور ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل نہیں کریں گے اور حضرت علی پر اس شخص کا نا اہل ہونا منکشف ہو جائے گا' جیسا کہ اس کنویں میں اس کو برہنہ دیکھنے سے حضرت علی پر منکشف ہو گیا اور باوجود علم کے آپ نے حضرت علی کو اس لیے حکم دیا تھا تا کہ حضرت علی بھی اس چیز کو دیکھ لیں اور ان کے نزدیک بھی آپ کی حرم محترم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت ثابت ہو جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۰۴' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ' اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۲۱۷-۲۱۶' معلم اکمال الاکمال علی حاشش شرح الابی ج ۹ ص ۲۱۷-۲۱۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عیاض مالکی کی شرح کی تائید امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ کی اس روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کے بالا خانے میں ایک قبطی آیا کرتا تھا' وہ ان کو پانی اور لکڑیاں لا کر دیتا تھا' لوگ اس کے متعلق چہ مہ گوئیاں کرنے لگے کہ ایک عجمی مرد عجمی عورت کے پاس آتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا' اس وقت وہ قبطی ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا' اس نے جب حضرت علی کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تو وہ گھبرا گیا اور گھبراہٹ میں اس کا تہبند کھل کر گر گیا اور وہ عریاں ہو گیا' حضرت علی نے دیکھا' اس کا آلہ کٹا ہوا تھا' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا: یا رسول اللہ! جب آپ ہم میں سے کسی شخص کو کسی

کام کا حکم دیں' پھر وہ شخص اس کام میں اس کے خلاف کوئی معاملہ دیکھے تو کیا وہ شخص آپ کے پاس (وہ کام کیے بغیر) واپس آ جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت علی نے بتایا کہ انہوں نے دیکھا کہ اس قبطی کا تو آلہ کٹا ہوا تھا' حضرت انس نے کہا: پھر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: السلام علیک اے ابوابراہیم! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے (کہ حضرت ماریہ پاک دامن ہیں اور ان سے آپ ہی کے بیٹے کا تولد ہوا ہے)۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۱۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ قبطی کنویں میں نہا رہا تھا اور امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ وہ کھجور کے درخت پر تھا' لیکن بنیادی چیز میں دونوں روایتیں متحد ہیں کہ اس قبطی کی وجہ سے لوگوں نے حضرت ماریہ کو متہم کیا تھا اور لوگوں نے اس کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت دی جیسا کہ شارحین نے ذکر کیا ہے اور اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر کے آئیں اور اس موقع پر حضرت علی نے اس کو برہنہ دیکھ لیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے اور اس سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی براءت ثابت ہو گئی۔

تاہم ان دونوں حدیثوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرائن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس شہادت کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا' فقہاء اسلام بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اگر گواہوں کی گواہی قرائن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔ فقہاء اسلام کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کے غیر معتبر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی تصریحات

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ موقف ہے کہ اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

(المغنی ج ۹ص ۷۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

المزنی نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر چار آدمیوں نے کسی عورت کے خلاف زنا کی شہادت دی اور چار نیک عورتوں نے یہ بتایا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۷ص ۸۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۷ص ۳۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

فقہاء احناف نے اپنی متعدد کتب میں یہ لکھا ہے کہ کسی عورت کے خلاف چار مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے پھر بعد میں ثابت ہو گیا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مرد کے خلاف چار مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے پھر بعد میں ثابت ہوا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی' یہ تصریحات فقہاء احناف کی درج ذیل کتب میں مذکور ہیں۔ (المبسوط ج ۱۰ص ۷۵' ہدایہ اولین ص ۵۲۲' الفتاویٰ الولوالجیہ ج ۴ص ۲۳۹' المحیط البرہانی ج ۵ص ۱۴۶' فتح القدیر ج ۵ص ۲۷۳' البحر الرائق ج ۵ص ۲۲' تبیین الحقائق ج ۳ص ۵۹۸' فتاویٰ شامی ج ۴ص ۴۲' مجمع الانہر ج ۲ص ۳۵۵' اعلاء السنن ج ۱۱ص ۶۵۴' النہر الفائق ج ۳ص ۱۴۵' البنایہ ج ۶ص ۳۸۷' حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۲ص ۴۰۰' عالم گیری ج ۲ص ۱۵۳)

فقہاء اسلام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا' اسی طرح اگر ماہرین فلکیات اور محکمہ موسمیات والے بتائیں کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رؤیت ممکن نہیں ہے اور چند آدمی یہ گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی مردود ہوگی۔

اسی طرح اس مسئلہ پر عقلی دلیل یہ ہے کہ:

اگر کسی مقتول کے پاس ایک شخص پستول بدست کھڑا ہو اور دو گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے اپنے پستول سے فائر کر کے اس کو ہلاک کیا ہے اور بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ ہو کہ اس مقتول کے جسم سے جو گولی برآمد ہوئی ہے' وہ اس کے پستول سے نہیں چلائی گئی تو ان گواہوں کی گواہی جھوٹی قرار پائے گی اور اس شخص کو رہا کر دیا جائے گا۔

اس ضمنی بحث کے بعد اب ہم پھر اصل تفسیر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

آفاق اور انفس کی نشانیوں کا تجزیہ

اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں اور خود ان کے نفسوں میں''۔ اس آیت سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں اور حسب ذیل فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) مخلوق اس وقت تک اللہ کی نشانیوں کو از خود نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نشانیاں نہ دکھائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آفاق کو پیدا کیا اور انسان کو اپنی آیات کا مظہر بنایا۔

(۳) انسان کا نفس اللہ تعالیٰ کی آیات کی مظہریت کے لیے آئینہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اس کے نفس میں اپنی نشانیاں دکھا دیتا ہے۔

(۴) عوام کے اعتبار سے جب انسان کائنات میں بار بار دن اور رات کے توارد کو دیکھتا ہے' اسی طرح اس کائنات میں واقع اور حادث ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہے اور اپنے اندر تغیرات کو دیکھتا ہے کہ وہ پیدا ہوا' پھر اس پر بچپن آیا' پھر جوانی آئی' پھر بڑھاپا آیا' اس سے اس پر یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی حادث ہے اور یہ سارا جہان بھی حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے اور انسان کی اپنی زندگی کا یکساں نظام اور اس کائنات کے نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے۔

(۵) خواص کے اعتبار سے جب وہ اپنے قلوب پر مشاہدہ حق کی مختلف تجلیات دیکھتے ہیں اور ان پر قبض اور بسط کی مختلف تجلیات وارد ہوتی ہیں' کبھی ان کے قلوب پر حجاب اور ستر ہوتا ہے اور کبھی تجلی اور انکشاف ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ ان پر غیب کے اسرار کھول دیتا ہے اور کبھی ان کو دلائل اور براہین کا مطالعہ کراتا ہے' تو ان کو اس میں شک نہیں رہتا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

(۶) اور اخص الخواص کے اعتبار سے نفس کا بشری حجابات کے اندھیروں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات اور اس کی صفات کے جلال اور جمال کی روشنی کی طرف نکلنا ہے' اسی لیے فرمایا: ''کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر شہید (گواہ) ہے'' یعنی اس نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا کر اپنی ذات اور صفات سے حجابات دور کر دیئے ہیں اور ہر چیز پر اللہ کے گواہ ہونے پر جو غفلت اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان پردوں کو اٹھا دیا ہے اور ان کو اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز کو محیط ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی چیز کے لیے

تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے عاجزی کرتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۲ مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۰۳)

حٰمٓ السجدۃ: ۵۴ میں فرمایا: ''سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے' سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے O''

اس آیت میں شک کے لیے ''مریۃ'' کا لفظ ہے۔ مریۃ اس قوی شک کو کہتے ہیں جس سے تردد پیدا ہو جائے۔ کفار مکہ کو مر کر دوبارہ اٹھنے کے متعلق بہت شکوک اور شبہات تھے' قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان شکوک اور شبہات کو اللہ تعالیٰ نے زائل فرما دیا ہے۔

نیز فرمایا: سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے' یعنی وہ معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہے' پس وہ کفار کے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا' اگر اس نے نیک عمل کیے ہوں گے تو اس کو نیک جزاء ملے گی اور اگر اس کے اعمال برے ہوں گے تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

حٰمٓ السجدہ کا خاتمہ

آج بہ روز جمعہ ۲۵ رمضان ۱۴۲۴ھ/۲۱ نومبر ۲۰۰۳ء بہ وقت سحر سورۂ حٰمٓ السجدہ کی تفسیر ختم ہوگئی' فالحمد للہ رب العٰلمین۔

الٰہ العٰلمین! اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمانا اور قیامت تک اس کو اثر آفرین رکھنا اور موافقین کے لیے اس کو موجب طمانیت و استقامت بنانا اور مخالفین کے لیے اس کو موجب رشد و ہدایت بنانا اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دینا۔

اس سال ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ/۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو میری والدہ رحمہا اللہ رحلت فرما گئیں (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے)۔ قارئین سے التماس ہے کہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

غلام رسول سعیدی غفرلہ
کراچی-۳۸

سُورَةُ الشُّورٰی

(۴۲)

سُورَةُ الزُّخْرُفِ

(۴۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده ونصلى ونسلم على رسوله الكريم

الشوریٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الشوریٰ ہے' شوریٰ کا معنیٰ مشورہ ہے' اس سورت کی ایک آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں' وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (الشوریٰ:۳۸)

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے (ہر) کام کو باہمی مشورے سے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے' اس میں سے خرچ کرتے ہیں○

اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو زندگی کا ہر اہم کام باہمی مشورہ سے کرنا چاہیے کیونکہ ہر شخص نہ عقل کل کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہر شخص کی ہر رائے صائب اور صحیح ہوتی ہے' ایک گھرانے کے سربراہ کو گھر کے دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے' ایک شہر کے سربراہ کو اور اسی طرح ایک ملک کے سربراہ کو دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے اور جو کام اور جو مہم درپیش ہو اس کام میں اس کے ماہرین اور ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنا چاہیے' جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے ان چھ اصحاب کی کمیٹی مقرر فرمادی تھی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے' حدیث میں ہے:

عمرو بن میمون اودی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (زخمی ہونے کے بعد) فرمایا: میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس خلافت اور حکومت کا ان سے زیادہ مستحق ہو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے' پس جس کو وہ لوگ خلیفہ مقرر کر دیں وہی شخص خلیفہ ہوگا' سو تم لوگ اس کے احکام کو غور سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا' پھر حضرت عمر نے ان اصحاب کے نام لیے: حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۹۲)

اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حکومت کی تشکیل اور اجتماعی نظام کی اساس شورائیت پر ہے' خواہ یہ حکومت عام انتخابات کے ذریعہ وجود میں آئی ہو' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عام مسلمانوں نے منتخب کیا تھا یا سابق خلیفہ نے کسی اہل شخص کو نامزد کر دیا ہو جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا' یا ارباب حل وعقد نے کسی اہل شخص کو اپنا امیر اور سربراہ مقرر کر لیا ہو' جیسے ان چھ اصحاب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر اور سربراہ حکومت مان لیا تھا' اسلام میں حکومت کے تقرر کی یہی تین مستحسن صورتیں ہیں' تاہم ملوکیت اور بادشاہت کی بھی اسلام میں گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان شخص اپنی طاقت سے غالب ہو کر اقتدار پر قابض ہو جائے اور مسلمان اس کو اپنا امیر اور سربراہ

حکومت تسلیم کرلیں تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے اور اس کی حکومت بھی صحیح ہے' جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت نبوت تیس سال تک رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا فرمادے گا (اور ملوکیت ہو جائے گی)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۷۔ ۴۶۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶

امام احمد کی روایت میں اس میں یہ اضافہ ہے:

حضرت سفینہ نے کہا: حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال ہے' حضرت عمر کی خلافت دس سال ہے' حضرت عثمان کی خلافت بارہ سال ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت چھ سال ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۲۴۸' رقم الحدیث: ۲۱۹۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' السنۃ لابی عاصم رقم الحدیث: ۱۱۸۱' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۱۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۸۲۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۵' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۴۱)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اہل مدینہ کے ایک شیخ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پہلا بادشاہ ہوں۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۰۸' رقم الحدیث: ۳۰۷۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ

عبد الملک بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس وقت سے خلافت کی خواہش رہی جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق یہ فرمایا: اے معاویہ! اگر تم بادشاہ بن جاؤ تو لوگوں سے اچھا سلوک کرنا۔

(المصنف ج ۶ ص ۲۰۸' رقم الحدیث: ۳۰۷۰۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۱۶

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ سے بڑا سردار کوئی نہیں دیکھا' حضرت معاویہ نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاویہ! جب تم بادشاہ بن جاؤ تو نرمی کرنا' حضرت معاویہ بیس سال تک تمام لوگوں کے بادشاہ رہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۴۲' رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عبد الرحمان بن ابی عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو علم عطا فرما اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادے اور اس کو ہدایت دے اور اس کے سبب سے ہدایت دے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۵۶' رقم الحدیث: ۱۳۲۴۳' بیروت

رویم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! میرے ساتھ کشتی لڑیئے حضرت معاویہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا: اے اعرابی! میں تجھ سے کشتی لڑوں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ ہرگز کبھی بھی مغلوب نہیں ہوگا' پھر حضرت معاویہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا' پھر جب جنگ صفین ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھ سے یہ حدیث ذکر کی جاتی تو میں حضرت معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۶۱' رقم الحدیث: ۱۳۲۶۵' بیروت

حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے کہا: ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا' آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا: اے معاویہ! عنقریب تم کو میری امت پر حکومت کرنے کا موقع ملے گا' پس جب یہ موقع ملے تو

نیکوں کی نیکیوں کو قبول کرنا اور بُروں کی بُرائیوں سے درگزر کرنا' حضرت معاویہ نے کہا: جب سے مجھے یہ توقع تھی کہ مجھے اقتدار ملے گا' حتیٰ کہ میں اس منصب پر فائز ہو گیا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۶۷ رقم الحدیث: ۱۳۵۱۴' بیروت)

ہمارے زمانہ میں شورائیت اور ملوکیت کی بحث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت زبان طعن دراز کی جاتی ہے' اس لیے میں نے مناسب جانا کہ میں اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث کا ذکر کروں۔

اس سورت کے شروع میں حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ کے الفاظ ہیں' اس وجہ سے اختصاراً اس سورت کو ''عسق'' بھی کہا جاتا ہے۔

الشوریٰ کا زمانۂ نزول

جمہور علماء اور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے ''قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی '' (الشوریٰ: ۲۷-۲۳) کو مدنی آیات میں شمار کیا ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ ''ولو بسط الله الرزق لعباده '' (الشوریٰ: ۲۷) مدنی ہے' نیز انہوں نے کہا ہے کہ ''والذین اذا اصابهم البغی.... '' (الشوریٰ: ۴۰-۳۹) بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے' الشوریٰ' سورۃ الکہف کے بعد اور سورۂ ابراہیم سے پہلے نازل ہوئی ہے' نزول قرآن کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۲ ہے۔

مقاتل نے کہا ہے کہ اس سورت کا نزول بعثت نبوی کے آٹھویں سال میں ہوا ہے' جب اہل مکہ سے بارش روک لی گئی تھی اور بعثت نبوی کے نویں سال تک اس کا نزول جاری رہا' اس وقت نقباء انصار مدینہ سے مکہ حاضر ہو کر لیلۃ العقبہ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

الشوریٰ کے مقاصد اور مباحث

اس سورت کے مقاصد اور مباحث حسب ذیل ہیں:

☆ اس سورت کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ قرآن بھی ان ہی الفاظ سے مرکب ہے جن الفاظ سے تم کلام بناتے ہو' اگر تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی ہے جیسا کہ اس سے پہلے رسولوں پر وحی نازل فرماتا رہا ہے تا کہ آپ مکہ اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں۔

☆ بے شک تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی زیر سلطنت ہیں اور اس کی قدرت کا کوئی مزاحم اور مخالف نہیں ہے اور نہ اس کی حکمت میں کوئی شک ہے اور تمام زمین و آسمان اس کے حکم کے تابع فرمان ہیں' پس وہ جس شخص کو چاہے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب فرمالیتا ہے' سو جس طرح اس نے اس سے پہلے زمانوں میں رسولوں کو منتخب فرمایا تھا اسی طرح اس نے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لیے منتخب فرمالیا ہے' اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی رسول بھیجے تھے تو اگر اس نے اہل مکہ کے لیے ایک انسان اور بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی یا انہونی بات ہے۔

☆ مشرکین جو آپ کی دعوت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لا رہے' ان کے پاس سوائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے کہ جب تم سطح سمندر پر کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو تو وہی تمہاری کشتیوں

کورواں دواں رکھتا ہے اور تم کو سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچاتا ہے اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ کفار کی تکذیب سے آپ پریشان نہ ہوں' ان کافروں کی تکذیب کا اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور ان کی مخالفت کی ان کو سزا دے گا۔

☆ جو شخص آخرت کے لیے عمل کرے گا اور بُرے اور بے حیائی کے کاموں سے بچے گا اور انتقام پر قدرت کے باوجود معاف کردے گا اور اپنے رب کے احکام کو مانے گا اور نماز کو قائم کرے گا اور اہل علم سے خیر کے کاموں میں مشورہ کرے گا اور ظالموں اور سرکشوں کو سزا دے گا اور اگر بدلہ لینے کی نوبت آئی تو اس میں تجاوز نہیں کرے گا سو ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

☆ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اور اس کے احکام کو قبول نہیں کرتے وہی دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الشوریٰ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲ شوال ۱۴۲۴ھ/ ۲۷ نومبر ۲۰۰۳ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵_۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الشوریٰ مکیۃ ۴۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۵۳ رکوعاتہا ۵

سورۃ الشوریٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ

حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے‘ وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے ○ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ

بہت بلند اور بہت عظیم ہے ○ عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے

الْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں‘ سنو! بے شک اللہ ہی

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

بہت بخشنے والا‘ بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے‘

اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ښ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦ وَكَذٰلِكَ

اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ○ اور ہم نے اسی طرح

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے‘ تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردونواح والوں کو عذاب

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں‘ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے‘ (اس دن) ایک گروہ

السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ

جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا ○ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا‘ لیکن اللہ جس کو

مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧

چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار O

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ

کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی

الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ ع

مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حٰمٓ O عٓسٓقٓ O اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے' وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے O اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے O (الشوریٰ: ۴۔۱)

حٰمٓ O عٓسٓقٓ کی تاویلات

الشوریٰ: ۲۔۱ میں جو حروف مقطعات ذکر کیے گئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے' ح سے حلیم' حافظ اور حکیم کی طرف اشارہ ہے' میم سے ملک' ماجد' مجید' منان' مومن اور مہیمن کی طرف اشارہ ہے اور حٰمٓ میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف ہیں اور عین سے عالم' علیم' عدل اور عالی کی طرف اشارہ ہے اور سین سے سید' سمیع اور سریع الحساب کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے قادر' قدیر' قاہر' قریب اور قدوس کی طرف اشارہ ہے اور عٓسٓقٓ میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف کی طرف اشارہ ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۱۵۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ) .

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے ان حروف مقطعات کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے:

ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا' اس وقت ان کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے' اس شخص نے حضرت ابن عباس سے ان حروف کی تفسیر پوچھی' حضرت ابن عباس نے کچھ دیر سر جھکایا' پھر منہ پھیر لیا' اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا' حضرت ابن عباس نے پھر اس سے منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو ناگوار جانا' اس شخص نے پھر تیسری بار سوال کیا' انہوں نے اس کو پھر کوئی جواب نہیں دیا' تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا: میں تم کو ان حروف کی تفسیر بتاتا ہوں اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کے سوال کو کیوں بُرا جانا' دراصل یہ حروف مقطعات ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئے ہیں' اس شخص کو عبد الالٰہ یا عبد اللہ کہا جائے گا' وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے پاس اترے گا' وہ وہاں دو شہر بسائے گا' ان دو شہروں کے درمیان دریا بہتا ہوگا' جب اللہ تعالیٰ اس شخص کے ملک اور اس کی حکومت کے زوال کا ارادہ فرمائے گا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک شہر پر رات کے وقت ایک آگ آئے گی جو اس شہر کو جلا کر راکھ کر دے گی' وہاں کے لوگ اس شہر کو دیکھ کر تعجب کریں گے' اسے دیکھ کر یوں لگے گا جیسے یہاں پر کبھی کچھ تھا ہی نہیں' اس شہر میں صبح کے وقت تمام سرکش اور متکبر لوگ جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان متکبرین سمیت

اس شہر کے تمام لوگوں کو جلا کر خاکستر کر دے گا حٰم کا معنی یہ ہے کہ یہ عزیمت ہے اور ایسا ہونا ضروری ہے اور عسٓقٓ میں عین سے مراد عدل ہے سین سے مراد ہے "سیکون" یعنی عنقریب ایسا ہوگا اور قاف سے مراد ہے یہ واقعہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حروف مقطعات میں ان دو شہروں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۱۔۱۰ رقم الحدیث: ۲۳۶۳۵، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۰۲، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۵، الدر المنثور ج ۷ ص ۲۸۹، روح البیان ج ۸ ص ۳۸۱، روح المعانی جز ۲۵ ص ۱۷)

تاہم کسی مستند ماخذ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون سے دو شہر ہیں جن کی ہلاکت کا ان حروف میں اشارہ ہے اور نہ کسی اور معتبر ذریعہ سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تائید مل سکی۔

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا ہے کہ اس دریا سے مراد دریا دجلہ ہے، عراق میں دجلہ کے کنارے دخلہ اور دجیل نام کے دو شہر تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا، اس روایت میں وہی مراد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ان حروف مقطعات کی سات تاویلات ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے اسم ہیں (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے وہ اسم ہیں جن کی اس نے قسم کھائی ہے (۳) مجاہد نے کہا: یہ اس سورت کے افتتاحی الفاظ ہیں (۴) عبد اللہ بن بریدہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو تمام دنیا کو محیط ہے (۵) محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے قطعات: ہیں حا اور میم رحمٰن کا قطعہ ہے، عین علیم کا، سین قدوس کا اور قاف قاہر کا قطعہ ہے (۶) عطاء نے کہا: ان حروف میں مستقبل کے حوادث کی طرف اشارہ ہے، حا سے حرب یعنی لڑائیوں کی طرف اشارہ ہے اور میم سے ملکوں کے منتقل ہونے کی طرف اشارہ ہے، عین سے عدو یعنی دشمنوں کی طرف اشارہ ہے، سین سے سنین یعنی قحطوں کے سال کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے زمین کے بادشاہوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف اشارہ ہے (۷) ان حروف سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حکایت کی طرف اشارہ ہے کہ مشرق میں دریا کے کنارے ایک شہر ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا، حٰمٓ کی تاویل ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے عزیمت ہے یعنی ایسا ضرور ہوگا اور عین کی تاویل ہے کہ وہ اس کا عدل ہے، سین کی تاویل ہے سیکون، یعنی عنقریب ایسا ہوگا اور قاف کی تاویل ہے: یہ خبر واقع ہوگی۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۹۲۔۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دراصل علماء کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر لفظ کے اسرار اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے ہر عالم نے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان حروف مقطعات کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کی ہے اور میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رمز ہیں اور ان کا علم ان ہی کو ہے۔

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

الشوریٰ: ۳ میں فرمایا: "اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے، وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے"۔

یعنی جس طرح اس سورت میں آیات کو بیان کیا گیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام سورتوں میں آیات کو بیان فرمائے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پہلے رسولوں کی طرف بھی اپنی آیات کی وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

اس آیت میں وحی کا لفظ ہے' ہم اس کی تفسیر میں وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور وحی کے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔

وحی کا لغوی معنیٰ ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا' نیز وحی کا معنیٰ ہے اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام دینا' الہام کرنا اور پوشیدہ طریقہ سے کلام کرنا۔

اور اصطلاح شرع میں وحی کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے اپنے انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل فرمایا اور رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر کتاب یا صحیفہ نازل کیا گیا ہو اور نبی اسے شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے خبریں دے خواہ اس کے پاس کتاب نہ ہو' رسول کی مثال ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کی مثال ہے جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

وحی کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی تھی' جب وہ وحی مجھ سے منقطع ہوتی تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا تھا اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا تھا' وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ سخت سردی کے دن بھی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۶۶' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے۔ کئی کئی راتیں غار میں رہتے اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں تو) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آ کر اور چیزیں لے جاتے۔ اسی دوران غار حرا میں اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ فرشتے نے آ کر آپ سے کہا: پڑھیے' آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے بھینچا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' حضور فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے دوبارہ مجھے پکڑ کر دبایا' حتیٰ کہ مجھے تھکا دیا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے تیسری بار مجھے پکڑ کر دبایا حتیٰ کہ مجھے تھکا دیا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: "اقرأ باسم ربک الذی خلق O خلق الانسان من علق O اقرأ و ربک الاکرم O الذی علم بالقلم O علم الانسان مالم یعلم" (اپنے رب کے نام سے پڑھیے جو خالق ہے جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا' پڑھیے' آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھلایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو لے کر حضرت خدیجہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ گھر

والوں نے آپ کو کپڑے اوڑھائے' حتیٰ کہ آپ کا خوف دُور ہو گیا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو تمام ماجرا سنایا اور فرمایا: اب میرے ساتھ کیا ہو گا' مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ہرگز نہیں' آپ کو یہ نوید مبارک ہو' اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ خدا گواہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں' پھر حضرت خدیجہ حضور کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے' بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی جاتی رہی تھی' حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنیے' ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی ملنے کا تمام واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے' اگر زمانہ نے مجھ کو موقع دیا تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا' پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۱۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۳۷۹)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اور وحی کی گئی ہے' سنو! عنقریب ایک شکم سیر آدمی اپنے تخت پر بیٹھا ہوا یہ کہے گا کہ اس قرآن کے احکام کو لازم رکھو' اس میں جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے ان کو حلال قرار دو اور اس میں جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان کو حرام قرار دو۔ حالانکہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ چیزیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہے اور سنو میں تمہارے لیے پالتو گدھوں کو حلال نہیں کرتا اور نہ تمہارے لیے کچلیوں سے کھانے والے درندوں کو حلال کرتا ہوں اور نہ ذمی کی گری پڑی چیز کو حلال کرتا ہوں' ماسوا اس صورت کے کہ اس کا مالک اس سے مستغنی ہو اور جو شخص کسی علاقے کے لوگوں کے پاس جائے اس کی ضیافت کرنا ان لوگوں پر لازم ہے' اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضیافت کی مقدار بہ طور سزا اس سے وصول کر لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱۔۱۳۰)

یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب وہ شخص حالت اضطرار میں ہو اور اس کو رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہ مل سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال کذاب ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث سنائیں گے جو تم نے اس سے پہلے نہیں سنیں ہوں گی' نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے مجتنب رہنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں' تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: المقدمہ ص ۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو لازم رکھا اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۴۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۰' الترغیب للمنذری ج ۱ ص ۸۰)

اللہ تعالیٰ علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے

الشوریٰ: ۴ میں فرمایا: ''اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے''۔ آسمانوں اور زمینوں میں جس قدر مخلوق ہے سب کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور وہی سب کا مالک ہے اور ہر ظاہر اور ہر خفی چیز کا عالم ہے اور وہ بہت بلند ہے یعنی لوگوں کے ادراک اور ان کی عقل اور فہم سے وہ بہت بلند ہے' کیونکہ کسی کی ذات اس کی ذات کی مثل ہے اور نہ کسی کی کوئی صفت اس کی صفات کی مثل ہے اور نہ کسی کا نام اس کے نام کی مثل ہے اور نہ کسی کا کوئی فعل اس کے افعال کی مثل ہے۔

نیز فرمایا کہ وہ عظیم ہے کیونکہ اس کے ذکر کے سامنے ہر چیز کا ذکر صغیر ہے' نبی اپنی امت میں عظیم ہوتا ہے اور شیخ اپنے مریدوں میں عظیم ہوتا ہے اور استاذ اپنے شاگردوں میں عظیم ہوتا ہے اور عظیم مطلق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے' اس کائنات میں ہر چیز کی عظمت اور بلندی اضافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں' سنو بے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنالیا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O (الشوریٰ: ۷۔۵)

فرشتوں کا تسبیح اور حمد کرنا

الشوریٰ: ۵ میں ''یتفطرن'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر تفطر ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا طول کی جانب پھٹنا' اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کے جلال اور اس کی خشیت سے عنقریب آسمان پھٹ پڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر: ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب!) تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے'' یعنی آسمان کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے نیچے کی جانب ہوگی' اوپر کی جانب کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی عظمت اور جلال پر دلالت کرنے والی عظیم نشانیاں اوپر کی جانب ہیں' جیسے عرش' کرسی اور عرش کے گرد تسبیح' تہلیل' تکبیر' تحمید اور تہلیل کرنے والے فرشتے' جن کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اس لیے مناسب یہ تھا کہ آسمانوں کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے ہوتی' بایں طور کہ پہلے سب سے اوپر کا آسمان پھٹ کر نچلے آسمان پر گرتا علیٰ ہذا القیاس ترتیب وار سب آسمان ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گرتے۔

اس کے بعد فرمایا: اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کا شریک اور اس کی اولاد اور دیگر صفات جسمانیہ سے اس کی تنزیہ بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں' تسبیح کو حمد پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ نامناسب چیزوں سے خالی ہونا' مناسب چیزوں کے ساتھ متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے۔

فرشتے صرف مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں یا تمام روئے زمین والوں کے لیے؟

اس کے بعد فرمایا: ''اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں'' زمین والوں میں تو مؤمنین اور کافرین سب داخل ہیں لیکن فرشتے صرف مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن:۷) اور فرشتے مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس لیے اس آیت میں زمین والوں سے مراد مؤمنین ہیں اور مطلق مقید پر محمول ہے' یا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے تو مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مغفرت کے اہل ہو جائیں اور ایمان لے آئیں اور کافروں اور فاسقوں سے عذاب مؤخر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور یوں وہ تمام زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں' فاسقوں کے لیے توبہ کی توفیق کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے حصول ایمان کی دعا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے حسب حال دعا کرتے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے کہ فرشتے کفار پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لیے حصول ایمان کی دعا تو لعنت کے منافی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○ (البقرہ:۱۶۱) ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی○

اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت ان کافروں پر ہے جو کفر پر مر گئے' یہ پوری آیت اس طرح ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○ (البقرہ:۱۶۱) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر ہی مر گئے ان ہی پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی○

خلاصہ یہ ہے کہ مردہ کافروں پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور زندہ کافروں کے لیے حصول ایمان اور طلب توبہ کی دعا کرتے ہیں اور مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس آیت میں فرمایا کہ فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

المومن:۷ میں فرمایا ہے: ''جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد ہیں وہ مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس آیت میں دو قیدیں ہیں اور الشوریٰ کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے: ''فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ترقی ہے' پہلے فرمایا تھا کہ حاملین عرش استغفار کرتے ہیں' اس آیت میں فرمایا: ''تمام فرشتے مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں''۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: ''سنو! بے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے○''

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی مؤمنوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے بایں طور کہ ان کو جنت عطا فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کو قرب اور وصال عطا فرماتا ہے اور فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بنو آدم کے لیے استغفار کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ گناہ کرتے ہیں اور ہر چند کہ کفار شرک کرتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کا رزق منقطع نہیں کرتا اور نہ دنیا میں ان کے عیش اور آسائش کو ختم کرتا ہے اور دنیا میں ان سے عذاب مؤخر کر کے ان کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور آخرت میں ان کو عذاب دے گا۔

اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مستقل مددگار بنا لینا گم راہی ہے

الشوریٰ:۶ میں فرمایا: ''اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا لیا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے

ذمہ دار نہیں ہیں O''

اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہے' وہ ان سے غافل نہیں ہے اور عنقریب ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا' اسی طرح اس آیت میں ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ○ (طٰہٰ: ۵۲)

فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے' نہ بھولتا ہے O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتا اور اس سے کیے ہوئے عہد کو فراموش کر دیتا ہے' وہ شیاطین کو اپنا کارساز اور مددگار بنانے والا ہے اور شیاطین کے احکام پر عمل کرتا ہے اور ان کے طریقہ کی اتباع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور باطن کی نگرانی فرما رہا ہے' اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کو ان کے بُرے اعمال سے جبراً روک دیں' پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے مدد چاہے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب نہ کرے بلکہ خالص اللہ سے دوستی اور محبت رکھے' ہاں اللہ کے مقرب اور نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کے مقبول اور مستجاب ہونے کی دعا کرنی چاہیے' اولیاء اللہ کی تعظیم اور تکریم کرنا بھی ایمان کے تقاضوں سے ہے۔

الشوریٰ: ۷ میں فرمایا: ''اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردونواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے' (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O''

مکہ کو ام القریٰ فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں مکہ کو ام القریٰ فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب ہر چیز کی اصل کو ام کہتے ہیں اور مکہ کو ام القریٰ اس کی عظمت اور جلال کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا ہے کیونکہ مکہ مکرمہ بیت اللہ اور مقام ابراہیم پر مشتمل ہے کیونکہ روایت ہے کہ تمام زمین مکہ کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہے' پس مکہ کے مقابلہ میں تمام شہر اس طرح ہیں جس طرح ماں کے مقابلہ میں اس کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور اس کے گردونواح سے مراد ہے وہ تمام بستیاں اور متعدد قبائل جو مکہ کے گرد مکانات بنا کر رہتے تھے۔

یہ آیت پچھلی آیت سے مربوط ہے اور اس کا معنیٰ ہے: جس طرح ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ ان لوگوں کے وکیل اور حفیظ نہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردونواح والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اہل مکہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہو اور آپ تمام جہان والوں کے لیے رسول نہ ہوں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ جیسے محمد رسول اللہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول نہیں ہیں' اس طرح جب یہ فرمایا کہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردونواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں تو اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ باقی دنیا والوں کو عذاب سے نہ ڈرائیں' خصوصاً جب کہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی بعثت تمام دنیا والوں کے لیے ہے اور آپ کو تمام جہان والوں کے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے' قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

اللہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر

نَذِیۡرًا ۝ (الفرقان:۱)
قرآن کو نازل کیا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں ۝

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۔ (سبا:۲۸)
اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا ۔ (الاعراف:۱۵۸)
آپ کہیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷)
اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی طرف صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ۝

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون.

مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے مختصر اور جامع کلام دیا گیا ہے اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطهن احد قبلی ، کان کل نبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی کل احمر واسود واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی وجعلت لی الارض طیبة وطهورا و مسجدا فایما رجل ادرکته الصلوة صلی حیث کان ، ونصرت بالرعب بین یدی مسیرة شهر واعطیت الشفاعة. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۰، جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۸۶۴)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے، پس جس شخص پر جس وقت اور جس جگہ بھی نماز کا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

نیز قرآن مجید اور دیگر معجزات سے ثابت ہے کہ آپ صادق القول ہیں اور ان احادیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، پس ثابت ہوا کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

ایک فریق کے جنتی اور دوسرے فریق کے دوزخی ہونے کے ثبوت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا: "آپ یوم الجمع کے عذاب سے ڈرائیں" یوم الجمع سے مراد یوم الحشر ہے اور یوم الحشر کو یوم الجمع فرمانے کی کئی وجوہ ہیں: (۱) اس دن تمام مخلوق جمع ہو گی جیسے فرمایا:

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ . (التغابن: ۹) جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔

اس دن اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع فرمائے گا (۲) اس دن اللہ تعالیٰ روحوں اور جسموں کو جمع فرمائے گا (۳) اس دن اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں اور ان کے اعمال کو جمع فرمائے گا (۴) اس دن اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''(اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا'' ایک گروہ کے جنتی اور ایک گروہ کے دوزخی ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس بچہ کے لیے خوشی ہو یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے' اس نے کوئی بُرا کام کیا نہ کسی بُرائی کو پایا' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اس کے سوا اور کوئی بات بھی ہو سکتی ہے' بے شک اللہ نے جنت کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۰۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے' اس وقت آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! ماسوا اس صورت کے کہ آپ ہم کو اس کی خبر دیں' آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی' آپ نے اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' اب ان میں کبھی بھی کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی' پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی' یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل دوزخ کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں اور ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی' پھر آپ کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہر چیز کو لکھ کر فراغت ہوگئی ہے تو پھر عمل کس لیے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تم درست کام کرو اور صحت کے قریب کرو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوگا' خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوگا' خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے' پھر فرمایا: تمہارا رب فارغ ہو چکا ہے' ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۴۴۷)

اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے اسماء اہل جنت کی کتاب میں لکھے ہیں جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل جنت کے کام کریں گے' علیٰ ہذا القیاس ان ہی لوگوں کے اسماء اہل دوزخ کی کتاب میں لکھے جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل دوزخ کے کام کریں گے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے چیونٹیوں کی جسامت میں ان کی سفید اولاد کو نکالا اور ان کے بائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے ان کی سیاہ اولاد کو نکالا گویا کہ وہ کوئلوں کی طرح تھے' پھر دائیں جانب والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ جنت کی طرف ہیں اور بائیں کندھے والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۵۳-۳۴۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۴۳)

حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص تھا جس کا نام ابوعبد اللہ تھا' اس کے اصحاب اس کی عیادت کے لیے گئے تو وہ رو رہا تھا' اس کے اصحاب نے پوچھا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا: تم اپنی مونچھیں کم کرو پھر ان کو برقرار رکھو' حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے قیامت کے دن ملاقات ہو' اس نے کہا: کیوں نہیں' لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک مٹھی بند کی' پھر دوسری مٹھی بند کی اور فرمایا: یہ مٹھی اہل جنت کی ہے اور یہ مٹھی اہل دوزخ کی ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں ان دو مٹھیوں میں سے کون سی مٹھی میں ہوں گا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۷۔۱۷۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۹' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۷۲)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں پہلے فرمایا ہے: اس دن وہ سب جمع ہوں گے' پھر فرمایا: ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا اور یہ ان کے جمع ہونے کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے وہ حساب کے لیے میدان محشر میں جمع ہوں گے' پھر حساب کتاب کے بعد ایک فریق جنت میں چلا جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار O کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O (الشوریٰ: ۹۔۸)

بتوں کو ولی اور کارساز بنانے کی مذمت

اس آیت میں الشوریٰ: ۶ کی تاکید ہے جس میں فرمایا تھا: ''اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ان کو بہ زور اور جبراً مومن اور موحد بنانے والے نہیں ہیں' ہاں! اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو اپنی قدرت سے جبراً مومن اور موحد بنا دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ قادر ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بعض کو مومن بنایا اور بعض کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا' اس لیے فرمایا: ''اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے'' اس قول میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو ایمان اور اطاعت میں داخل کرتا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے: ''اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا نہ کوئی مددگار O'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہے اس کے ولی اور نصیر ہیں' یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے دنیا اور آخرت میں کارساز اور مددگار ہیں جن کے وسیلہ سے ان کو دنیا میں نعمتیں حاصل ہوں گی اور ان کی دعائیں قبول ہوں گی اور آخرت میں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی اور ان کو عذاب سے نجات ملے گی اور جنت ملے گی اور دوسرا گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا وہ آخرت میں بے یار و مددگار رہوگا۔

الشوریٰ: ۹ میں فرمایا: ''کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O''

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا لیا ہے' پھر اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: آپ ان کے محافظ اور نگران نہیں ہیں اور نہ ان کو جبراً مومن بنانے والے ہیں اور آپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ آپ ان کو مومن بنائیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں' کیونکہ اگر ان کا ایمان لانا ضروری ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو مومن بنا دیتا' اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ ان پر قادر ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی اور کارساز بنا لیا ہے اور اگر وہ حقیقی کارساز اور

ولی بنانے کا ارادہ کرتے تو حقیقی ولی اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی حقیقی کارساز اور ولی نہیں ہے کیونکہ وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو ولی بنایا جائے نہ کہ ان کو ولی اور کارساز بنایا جائے جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں' جیسا کہ کفار نے کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو' یہی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے'

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (١٠) فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ

اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے

لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ

تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی

فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (١١) لَهُ مَقَالِيدُ

مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ

کی کنجیوں کا وہی مالک ہے' وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (١٢) شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا

وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ

نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ

وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا' جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے

مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ

ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف

مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے O اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آ

بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

چکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزول عذاب کی)

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ

ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا

کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں O پس اسی قرآن کی طرف آپ دعوت

تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ

دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اللہ ہمارا

اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ

رب ہے اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی

الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ

ذاتی جھگڑا نہیں ہے' اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے O اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے

لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ حجتی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب

شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا

ہے O اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!)

يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا

تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا وہی مطالبہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان

يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا

نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں

الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ

اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجہ کی

بَعِيدٍ ﴿١٨﴾ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ

گم راہی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت

الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۱۰ ۳

قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو' یہی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے' اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O (الشوریٰ: ۱۱۔۱۰)

نزاعی اور اختلافی امور کو اللہ پر چھوڑ دینے کی متعدد تفسیریں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کافروں کو مومن بنا دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی بحث نہیں کرنی چاہیے' ان کافروں کے ساتھ جس چیز میں بھی اختلاف ہو ان کو چاہیے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں' اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اہل حق کو جزاء دے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا' اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) مسلمانوں کا جس سے بھی کوئی اختلاف ہو تو وہ اس معاملہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں' کسی اور سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ" (النساء: ۵۹) اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

(۲) جب تمہارا کسی ایسی چیز میں اختلاف ہو جس کے علم اور اس کی حقیقت تک رسائی کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس چیز کے فیصلہ کو تم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو جیسے روح کی حقیقت کو جاننے کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ . اور یہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ (بنو اسرائیل: ۸۵)

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرمائیں کہ جب تمہارا کسی معاملہ میں کفار سے اختلاف ہو تو ان سے بحث نہ کرو اور اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو۔

(۴) اس آیت میں علماء کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آئے تو اس کا حل قرآن مجید' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع امت میں تلاش کریں۔

(۵) عام مسلمانوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو اور ان کو اس کا شرعی حکم معلوم نہ ہو تو وہ خود اپنی عقل سے اس کا حکم نہ تلاش کریں بلکہ اہل علم اور اہل فتویٰ علماء سے اس کا حل دریافت کریں' قرآن مجید میں ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ اگر تم کو کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم سے اس کو دریافت کرو ○ (الانبیاء: ۷)

کیونکہ عقل کے ساتھ وہم اور خیال کی آمیزش اور آویزش ہے اور شیطان انسان کی عقل میں شبہات ڈالتا رہتا ہے اور توحید میں اگر معمولی سا شبہ بھی پڑ جائے تو انسان کا دین اور ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے' بدمذہب اور گمراہ فرقے اسی طرح وجود میں آئے کہ انہوں نے محض اپنی رائے اور سوچ سے نئے نئے نظریات اپنا لیے اور دین میں طرح طرح کی بدعات نکال لیں' ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیروں نے اپنی وضع اور اپنا تشخص قائم کرنے کے لیے مخصوص وضع کو دین میں لازم اور ضروری قرار دے دیا' خود ساختہ طریقوں کو رواج دیا۔ بعض مباحات اور مستحبات کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا' آج کل ان جہلاء کا غلبہ ہے اور ان کی طاقت کے سامنے اہل حق بہت کم زور دکھائی دیتے ہیں۔

قیاس کی نفی پر امام رازی کے نقل کردہ دلائل

اس آیت سے بعض علماء نے قیاس کی نفی پر استدلال کیا ہے' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو احتمال ہیں یا تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ کے منصوص اور صریح حکم میں موجود ہے اور یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا حل قیاس سے ثابت ہے' دوسرا احتمال تو باطل ہے کیونکہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ہر مسئلہ کا حل قیاس سے ثابت نہیں ہے' پس ضروری ہوا کہ ہر مسئلہ کا حل اور تمام احکام اللہ تعالیٰ کی نص اور صریح حکم سے ثابت ہوں اور اس سے قیاس کی نفی ہو جاتی ہے' اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ ہر مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ کے بیان اور دلیل شرعی سے حاصل ہو خواہ وہ بیان اور دلیل شرعی نص صریح پر مشتمل ہو یا قیاس پر مشتمل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ تم اپنے اختلافات کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو' اس سے مقصود اختلاف کو ختم کرنا ہے اور جب کسی معاملہ کے فیصلہ میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس سے اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ اختلاف اور زیادہ قوی ہوگا' پس واجب ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصوص اور صریح احکام کی طرف رجوع کیا جائے (اور قیاس کی طرف رجوع نہ کیا جائے)۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۸۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نفی قیاس کی امام رازی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ تمام احکام اور مسائل میں اللہ تعالیٰ کی نصوص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور کسی مسئلہ میں قیاس نہیں کرنا چاہیے' بہ ظاہر یہ بہت مشکل ہے کیونکہ تمام مسائل اور معاملات میں اللہ تعالیٰ کے صریح احکام مذکور نہیں ہیں'

بلکہ تمام مسائل اور معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات بھی مذکور نہیں ہیں اور نہ تمام پیش آمدہ مسائل میں اجماع علماء کا ثبوت ہے اور نہ ہر تازہ مسئلہ میں فقہاء متقدمین کی تصریحات مذکور ہیں' زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور سائنس کی ایجادات سے ایسے نئے نئے مسائل سامنے آ گئے ہیں جن کے صریح ذکر سے ہماری فقہ کا ذخیرہ خالی ہے' مثلاً ٹیلی فون پر نکاح کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ' خاندانی منصوبہ بندی کی ناگزیر صورتیں' ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ پیدائش کا حصول' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا جواز یا عدم جواز' پرائز بانڈز اور انشورنس کے احکام' چلتی ٹرین اور اڑتے ہوئے طیارہ میں نماز پڑھنے کا معاملہ' انجکشن سے روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مسئلہ' انتقال خون' پوسٹ مارٹم اور ایسے بہت سے مسائل جن کے حل کا صراحت سے ذکر قرآن مجید میں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں' نہ آثار صحابہ میں' نہ اجماع علماء میں' نہ فقہاء متقدمین کے فتاویٰ میں تو ایسے مسائل اور معاملات میں اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان تمام معاملات میں قیاس سے ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور امت کی رہنمائی کی جائے اور قیاس کی مشروعیت پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قیاس کی مشروعیت پر دلائل

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝ (الحشر: ۲) اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۝

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا' یعنی جو حکم اصل شئے کے لیے ثابت ہوگا' وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے تم وہ کام نہ کرنا' ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ' اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا حق ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم صیام ص ۱۵۴ (۱۱۴۸) ۲۶۵۱' سنن ترمذی ج ۲' رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' سنن ابن ماجہ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۵۹' سنن کبریٰ للنسائی ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۱۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۵۱۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ' اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح البخاری ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۹۹' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۱۵' سنن النسائی ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۳۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۵۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔ (سنن الترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶۔۲۳۰)

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے کہا: یہ حدیث بہت جید (عمدہ) ہے۔ (سنن النسائی ج ۸ رقم الحدیث: ۵۴۱۲۔۵۴۱۳، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں اس آیت میں یہ معنیٰ متعین نہیں ہے کہ اے مسلمانو! تم ہر پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرو بلکہ یہ معنیٰ اس آیت کے متعدد محامل میں سے ایک محمل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے کفار کا ذکر تھا تو اس کا محمل یہ ہے کہ جب تمہارا کفار سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو تم ان سے بحث مت کرو بلکہ اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو اور اگر یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تاویل تم پر مشتبہ ہو جائے تو تم اپنی عقل سے اس کا معنیٰ تلاش نہ کرو بلکہ کتاب اور سنت کی طرف رجوع کرو یا آیات متشابہات کی تاویل نہ کرو اور ان کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دو، یا اگر تمہارا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی اور کو حاکم نہ بناؤ، اس طرح اس آیت کے متعدد صحیح محامل ہیں اور اس آیت کا یہ معنیٰ معین نہیں ہے کہ اپنے ہر پیش آمدہ معاملہ میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرو، حتیٰ کہ پھر نہ احادیث حجت رہیں نہ اجماع نہ قیاس۔

اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحم فرمائے انہوں نے کیسی عجیب بات کہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنے کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ اور ان کی اتباع میں علامہ نظام الدین حسین بن محمود نیشاپوری متوفی ۷۲۸ ھ، علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی المتوفی ۹۵۱ ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ ھ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد جائز نہیں ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۲۱۷، غرائب القرآن جز ۲۵ ص ۶۹، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۴۰۹، روح البیان ج ۸ ص ۳۹۰)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ اجتہاد عقلاً جائز ہے اور بعض علماء نے اس کو محال کہا ہے اور جن علماء

نے آپ کے زمانہ میں اجتہاد کو جائز کہا ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' ابو علی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم اور زمخشری کا یہی مذہب ہے اور بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا کہ اس اجتہاد پر عمل ہوا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہی صحیح ہے اور ایک قول توقف کا ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کی ممانعت پر استدلال کرنا قطعی نہیں ہے ہاں اس آیت میں یہ احتمال ہے۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۲۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عہدِ رسالت میں اجتہاد کے ثبوت پر احادیث

میں کہتا ہوں کہ ان تمام لوگوں کا کلام اندازوں پر مبنی ہے' ان کی احادیث پر نظر نہیں ہے' کیونکہ بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد کرتے تھے' ہم اس سلسلہ میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں جا رہے تھے کہ زادِ راہ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ بعض اونٹ ذبح کر دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش! آپ لوگوں کے بچے کھچے کھانے کو جمع کر کے اس پر برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ پھر جس شخص کے پاس گندم تھی وہ گندم لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا۔ مجاہد نے کہا: اور جس کے پاس گٹھلیاں تھیں' وہ گٹھلیاں لے آیا۔ راوی کہتا ہے: میں نے مجاہد سے پوچھا کہ گٹھلیوں کا وہ لوگ کیا کرتے تھے؟ مجاہد نے کہا: ان کو چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو اکٹھا کر کے دعا فرمائی جس کی برکت سے وہ کھانا اس قدر زیادہ ہو گیا کہ تمام لوگوں نے اپنے برتنوں کو بھر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷' الرقم المسلسل: ۱۳۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۹۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر عمل فرمایا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اکابر کو اپنی رائے کے خلاف اصاغر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہیے اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں لوگوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی' صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اونٹوں کو ذبح کر کے کھالیں اور چربی کا تیل بنالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی' اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی' البتہ آپ لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوا لیجئے اور اس پر برکت کی دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ برکت عطا فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے اور ایک دستر خوان بچھا دیا' پھر لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوایا' کوئی شخص اپنی ہتھیلی میں جوار اور کوئی کھجوریں اور کوئی روٹی کے ٹکڑے لیے چلا آ رہا تھا' یہ سب چیزیں مل کر بہت تھوڑی مقدار میں جمع ہوئیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب اپنے اپنے برتنوں میں کھانا بھر لیں۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے یہاں تک کہ لشکر کے تمام برتن بھر گئے اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور سیر ہو گئے اور کھانا پھر بھی بچ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور

جو شخص بھی اس کلمہ پر یقین کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۱۳۸)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور آپ نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک تشریف نہ لائے تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو' اس خیال سے ہم سب کھڑے ہو گئے' سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ کی تلاش میں نکلا اور انصار بنی نجار کے باغ تک پہنچ گیا' میں باغ کے چاروں طرف گھومتا رہا لیکن مجھے اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہ ملا' اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر کی طرف جا رہا تھا' میں لومڑی کی طرح گھسٹ کر اس نالہ کے راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے' پھر آپ اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے' آپ کی واپسی میں دیر ہو گئی' اس وجہ سے ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو تنہا دیکھ کر پریشان نہ کریں۔ ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں آپ کی تلاش میں نکلا۔ پس میں اس باغ تک پہنچا اور لومڑی کی طرف گھسٹ کر باغ کے اندر آ گیا' باقی صحابہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں لے کر چلے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ**'' اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! یہ کیسی جوتیاں ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں' جو حضور نے مجھے اس لیے دی ہیں کہ جو شخص بھی مجھے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ**'' اس کو میں جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے میرے سینہ پر ایک تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا' پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاؤ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر رونے لگا' ساتھ ہی حضرت عمر بھی پہنچ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی' میں نے ان کو آپ کا پیغام پہنچایا' انہوں نے میرے سینہ پر تھپڑ مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا اور کہا: واپس چلے جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص اسے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ**'' اس کو یہ جنت کی بشارت دے دے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر نے عرض کیا: حضور ایسا نہ کریں' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ پھر کلمہ پر ہی بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے' ان کو عمل کرنے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا پھر انہیں عمل کرنے دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱' الرقم المسلسل: ۱۴۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۹)

اس حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی

مجلس میں اجتہاد کیا۔

صریح حدیث پر عمل کرنے سے حضرت عمر کے منع کرنے کی توجیہات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع فرمالیا' اس کی توضیح اور تشریح میں شارحین حدیث کی متعدد عبارات ہیں جن کو ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارت پہنچانے سے منع کیا تھا اور حضور کو بھی یہی مشورہ دیا تھا' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہیں تھا اور نہ انہوں نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا' حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو عام لوگوں سے چھپانا ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ان کے اعمال کو زیادہ پاکیزہ کرنے والا ہے اور ان کے اجر وثواب کو زیادہ کرنے والا ہے' ورنہ یہ خدشہ ہے کہ لوگ اسی بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک کر دیں گے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی یہ رائے پیش کی تو آپ نے اس رائے کو صحیح اور درست قرار دیا۔ حضرت عمر کی رائے عام لوگوں کے اعتبار سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دینے کا حکم دیا تھا وہ خاص لوگوں کے اعتبار سے تھا اور حضرت عمر کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ بشارت خاص لوگوں سے نکل کر عام لوگوں تک نہ پہنچ جائے۔

اس حدیث سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ وہ امام اور سربراہ مملکت کو مشورہ دیا کریں اور اس کی خیر خواہی کیا کریں' خواہ امام اور سربراہ ان سے مشورہ نہ کریں اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ وہ علماء اور اہل خیر کے مشورہ پر عمل کر کے اپنی سابق رائے اور سابق حکم سے رجوع کرلیا کریں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ا ص ۳۶۵۔۳۶۴' دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض کی اس عبارت کا خلاصہ نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ا ص ۲۰۵' مکمل اکمال الاکمال ج ا ص ۲۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی مالکی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مارا تھا وہ ان کو ایذاء دینے کے لیے نہ تھا بلکہ اس وقت تک ان کو اس بشارت دینے سے روکنے کے لیے تھا جب تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں مشورہ نہ کرلیں اور یہ حضرت عمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہ تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرنا تھا' بلکہ وہ اس حکم کی مصلحت جاننے کی ایک کوشش تھی' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا منشا اپنے اصحاب اور اپنی امت کے دلوں کو خوش کرنا تھا اور حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت سے سکوت کرنا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اسی بشارت پر اعتماد کر کے اپنے نیک اعمال کو کم نہ کرلیں اور اجر وثواب سے محروم نہ ہو جائیں اور ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس بشارت سے سکوت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا ہو جب آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جو شخص بھی صدق دل سے یہ شہادت دے گا کہ ''ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ'' اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام کر دے گا' حضرت معاذ نے پوچھا: میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی بشارت پر اعتماد کرلیں گے' تب حضرت معاذ نے موت سے پہلے یہ حدیث بیان کی تاکہ وہ علم

کو چھپانے کی وعید میں داخل نہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۲) تو گویا حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا کہ آپ تو خود عام لوگوں تک اس بشارت کے پہنچانے سے منع فرما چکے تھے کہ کہیں وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک یا کم نہ کر دیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے عام میں تخصیص کرنا جائز ہے اور یہ کہ امام اور سربراہ کو مشورہ دینا چاہیے خواہ انہوں نے مشورہ طلب نہ کیا ہو۔ (المفہم ج۱ ص۲۰۸۔۲۰۷، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب امام اور سربراہ کوئی حکم مطلق دے اور اس کے متبعین میں سے کسی شخص کی رائے اس کے خلاف ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ امیر اور سربراہ کے سامنے اپنی رائے پیش کرے تاکہ امیر اس پر غور کرے، پس اگر امیر پر یہ منکشف ہو کہ اس متبع کی رائے صحیح ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کر لے ورنہ اس متبع کے شبہ کو زائل کرے اور اس کی تسلی کرے۔ (جیسے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے واپس ہوتے ہوئے حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز یاد دلائی تو آپ نے فرمایا: نماز آگے چل کر پڑھنی ہے یعنی مزدلفہ میں۔ صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۹۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۰۱۹) (صحیح مسلم بشرح النواوی ج۱ ص۵۸۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مخصوص لوگوں کو بشارت دیں جو اہل معرفت ہوں اور جن کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہیں کریں گے اور اس بشارت سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔ (الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج ج۱ ص۱۶۴، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر کا حضرت ابو ہریرہ کو روکنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے پیش کرنا، آپ پر اعتراض نہیں تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرنا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ کو صرف اس لیے بھیجا تھا کہ اس بشارت کے پہنچانے سے آپ کی امت کے دل خوش ہوں اور حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو امت سے چھپانا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہ کر دیں۔

(الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج۱ ص۱۷۶، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ علامہ طیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رحمۃ للعلمین ہیں اور مؤمنین پر رحیم ہیں اور بہ طریق کمال مظہر جمال ہیں اور ہر حال میں اپنی امت کے طبیب ہیں اور آپ ان کے خوف اور شدید اضطراب پر مطلع تھے، تو آپ نے اس بشارت سے ان کے علاج کا ارادہ کیا تاکہ ان کا اضطراب اور خوف زائل ہو جائے، کیونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال کے مظہر تھے اور ان کو یہ علم تھا کہ لوگوں پر سستی اور اعتماد غالب ہے، اس لیے ان کی رائے یہ تھی کہ لوگوں کے لیے زیادہ مفید معجون مرکب ہے، بلکہ لوگوں کے حال کے اعتبار سے خوف اور اضطراب ان کے حق میں زیادہ مفید ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔ (مرقاۃ ج۱ ص۲۰۶، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

یہاں تک ہم نے احادیث اور شارحین احادیث کی عبارات سے یہ واضح کیا ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے اجتہاد کرتے تھے اب ہم عہد رسالت میں صحابہ کرام کے اجتہاد کرنے کے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

عہدِ رسالت میں اجتہاد کرنے کے ثبوت میں مزید احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب سے واپس آئے تو ہم سے فرمایا: تم میں سے ہر شخص بنو قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھے پس مسلمانوں کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' بعض نے کہا: ہم بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے اور دوسروں نے کہا: بلکہ ہم یہیں نماز پڑھیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے ان میں کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

اس حدیث میں صحابہ کرام کے دو گروہوں کے اجتہاد کا ذکر ہے' ایک گروہ نے کہا: حضور نے جو فرمایا ہے: تم بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا' اس سے آپ کا منشاء یہ تھا کہ تم جلدی روانہ ہونا اور آپ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ عصر کی نماز مؤخر کی جائے' لہٰذا انہوں نے راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے کہا: ہم حضور کے الفاظ کے پابند ہیں' ہم بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے' ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے' انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے ○

(النساء: ۲۹)

پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب: ۷)

اس حدیث کی تفصیل یہ ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک رات کو مجھے احتلام ہو گیا' مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا' پس میں نے تیمم کر کے اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی' میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں نماز پڑھا دی' پھر میں نے اپنے اس عذر کا ذکر کیا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور میں نے کہا: میں نے اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے ○

(النساء: ۲۹)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اس کو مقرر رکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک سفر میں گئے' ہم میں سے ایک شخص کے ایک پتھر آ کر لگا اور اس کا سر پھٹ گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا میرے لیے تیمم کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں پاتے' کیونکہ تم پانی کے حصول پر قادر ہو' اس شخص نے غسل کیا جس سے وہ فوت ہو گیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اس کو

کو قتل کر دیا' اللہ ان کو ہلاک کر دے' ان کو جب مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی اور سے سوال کیوں نہیں کیا' کیونکہ لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے' اس کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا یا اپنے زخم پر پٹی باندھ کر باقی جسم کو دھو لیتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۷۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۱۶۷۷)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام نے اجتہاد کیا اور ان کو اجتہاد میں خطا ہوئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجتہد کی خطاء سے کوئی مر جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دیت لازم نہیں کی۔ بہرحال ان متعدد احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد ہوتا تھا۔

اسی طرح اس سلسلہ کی یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سات ہجری میں) ہمیں ایک لشکر میں بھیجا' ہم نے علی الصبح جہینہ کی بستیوں پر حملہ کیا' میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا' اس نے کہا: لا الہ الا اللہ' میں نے اس کو نیزا گھونپ دیا' پھر میرے دل میں اضطراب ہوا' میں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا' پھر تم نے اس کو قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے حملہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا' آپ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تم جان لیتے کہ اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں' آپ بار بار یہی بات فرماتے رہے' حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں اسی دن اسلام لایا ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۶۹-۶۸۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۶۴۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۵۹۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ پر نہ قصاص کو واجب کیا نہ دیت کو نہ کفارہ کو' اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں ساقط ہو گئیں لیکن کفارہ واجب ہے اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہے کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ کافر ہے اور اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا ہے' اس کلمہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوا اور دیت کے واجب ہونے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۵۸۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

بہرحال ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے اور ان کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا تھا اور غلط بھی۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے سامنے اجتہاد جائز نہیں تھا کیونکہ اصولیین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اجتہاد واقع تھا۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۳۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت (الشوریٰ:۱۰) کی تفسیر بہت طویل ہو گئی' کیونکہ ''فحکمہ الی اللہ'' کی تفسیر میں امام رازی نے قیاس سے احکام ثابت کرنے کا انکار فرمایا' سو ہم نے قیاس کے حجت ہونے پر دلائل پیش کیے اور علامہ زمخشری' علامہ نیشا پوری' علامہ قوجوی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے سامنے اجتہاد کا انکار کیا تو ہم نے ان کے رد میں بہت احادیث پیش کیں۔

الشوریٰ:۱۱ میں فرمایا: ''وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے

اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہےO''

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے مماثلت کی نفی

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جنس میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں کی جنس میں سے بھی جوڑے بنائے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''یذرؤکم'' اس کا معنیٰ ہے: وہ تم کو رحم میں پیدا کرتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ تم کو پیٹ میں پیدا کرتا ہے' الزجاج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: وہ تمہاری کثرت کرتا ہے اور تم کو زمین میں پھیلاتا ہے' تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تمہاری نسل اور افزائش میں اضافہ ہو۔

اور فرمایا: ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے'' یعنی اللہ عزوجل اپنی عظمت اور کبریاء میں اور اپنے اسماء کی بلندی میں اور اپنی صفات کی برتری میں بے مثل اور بے نظیر ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں ہے' ہرچند کہ بعض صفات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں بہ ظاہر مشترک ہیں' مثلاً اس آیت میں فرمایا: ''هو السميع البصير'' اور انسان کے متعلق فرمایا: ''فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًاO'' (الدھر: ۹) لیکن انسان کی سماعت اور بصارت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت قدیم ہے' انسان کی سماعت اور بصارت کا زوال ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت کا زوال ممتنع ہے۔ انسان بھی دوسروں پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں' تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۵۰۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۵' جامع المسانید والسنن مسند جریر ابن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۸۷)

لیکن اللہ تعالیٰ بالذات اور بغیر واسطہ کے رحم فرماتا ہے اور لوگ بالعرض اور متعدد وسائط سے رحم کرتے ہیں' وہ بغیر کسی غرض اور بغیر کسی عوض کے رحم فرماتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی عوض سے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہے اور اس کے اسم (اللہ) کی مثل کوئی اسم نہیں ہے اور اس کی صفت کی مثل کوئی صفت نہیں ہے اور اس کے فعل کی مثل کسی کا فعل نہیں ہے۔ سمیع' بصیر' ید' عین' وجہ اور رحم وغیرہ لفظ ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی اور مصداق میں متعدد جہات سے فرق ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ''ليس كمثله شيء'' کا لفظی معنیٰ ہے اس کی مثل کے کوئی شیء مثل نہیں ہے' کیونکہ کاف کا معنیٰ بھی مثل ہے' تو یہ اللہ تعالیٰ سے مماثلت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی مثل سے مماثلت کی نفی ہے۔ اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس آیت میں کاف زائد ہے' بعض نے کہا: یہ کاف تاکید کے لیے ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے محاورہ کے موافق ہے' عرب کہتے ہیں: ''مثلك لا يبخل'' آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا اور مراد ہوتا ہے: آپ بخل نہیں کرتے' سو یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں کی کنجیوں کا وہی مالک ہے' وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےO اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم

نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا' جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں' وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے O (الشوریٰ: ۱۳۔۱۲)

آسمانوں اور زمینوں کی چابیوں کے محامل اور رزق کی اقسام

اس آیت میں کنجیوں کے لیے ''مقالید'' کا لفظ ہے' یہ اقلید کی جمع ہے اور خلاف قیاس ہے اور کنجیاں یا چابیاں خزانوں سے کنایہ ہے اور اس سے مراد ہے: خزانوں پر قدرت اور اس کی حفاظت' اور خزانوں میں وہی تصرف کرتا ہے جس کے پاس خزانوں کی چابیاں ہوتی ہیں' رزق کی چابی اللہ کی ذات پر صحیح توکل ہے اور قلب کی چابی اللہ کی صحیح معرفت ہے اور علم کی چابی تواضع ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں کے دلوں میں جو غیب کے احکام ہیں وہ آسمانوں کی چابیاں ہیں اور اولیاء اللہ کے دلوں میں جو عجائب ودیعت کیے گئے ہیں وہ زمین کی چابیاں ہیں۔

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ دلوں کے آسمانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں اور اس میں اس کے لطف اور رحمت کے خزانے ہیں اور نفوس کی زمینوں کی چابیاں اس کے پاس ہیں اور اس میں اس کے قہر اور غلبہ کے خزانے ہیں' پس ہر قلب میں اس کے الطاف کی ایک نوع کے خزانے ہیں' بعض دلوں میں معرفت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں محبت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں شوق کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں ارادہ کے خزانے ہیں' اسی طرح احوال ہیں مثلاً توحید ہے اور ہیبت ہے اور انس ہے اور رضا ہے' اسی طرح ہر نفس میں اس کے قہر کے اوصاف کی ایک قسم ہے' بعض نفوس میں جہالت کے خزانے ہیں' بعض میں ضد اور کفر کے خزانے ہیں۔ اسی طرح مذموم اخلاق ہیں جیسے شرک اور نفاق ہے اور حرص اور تکبر ہے اور غضب اور شہوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفوس کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے' اسی طرح قلوب کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور مخلوق کی طاقت میں یہ نہیں ہے۔ ظاہری رزق کھانے پینے کے اور عیش و عشرت کے سامان ہیں اور باطنی رزق علوم حقیقیہ اور معارف الٰہیہ ہیں۔

الشوریٰ: ۱۳ میں فرمایا: ''اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا''۔

تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور شریعتوں کا متعدد ہونا

جن انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی ان میں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکابر' مشاہیر اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام ہیں' یہ سب عظیم شریعتوں والے تھے اور ان کے متبعین اور پیروکار بہت زیادہ تھے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت ان سب پر یہ وحی کی گئی تھی کہ وہ سب دین کو قائم رکھیں اور تفرقہ نہ ڈالیں۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح کو دین واحد کی وحی کی ہے۔

(صحیح البخاری' کتاب الایمان باب:۱)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے' اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں ان سب کی

اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝ (الانبیاء:۲۵) طرف یہ وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم سب میری ہی عبادت کرو۝

لہٰذا تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے' البتہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ (المائدہ:۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے۔

اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتى و دينهم واحد. (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۴۳) انبیاء آپس میں باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔

دین اور شریعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

قرآن مجید کی آیات اور مذکور الصدر اثر اور حدیث سے واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعتیں مختلف ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ دین اور شریعت کی تعریف کی جائے۔ دین کا لغوی معنیٰ ہے: اطاعت اور شریعت کا لغوی معنیٰ ہے: راستہ' دین ان اصول اور عقائد کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک رہے ہیں مثلاً اللہ کے وجود' اس کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا' تمام نبیوں' رسولوں' آسمانی کتابوں پر' فرشتوں پر' تقدیر اور قیامت پر اور حشر و نشر پر ایمان لانا' اللہ کے شکر اور اس کی عبادت کا فرض ہونا' شرک' کفر' قتل' زنا اور جھوٹ کا حرام ہونا یہ تمام امور دین ہیں۔

اور شریعت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کی خصوصیات کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے' چند چیزوں کو فرض کیا اور چند چیزوں کو حرام کیا اور چند چیزوں کو مستحب قرار دیا اور چند چیزوں کو مکروہ قرار دیا' مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مال غنیمت حلال نہ تھا' ہماری شریعت میں حلال ہے' ان کی شریعت میں مسجد کے سوا نماز جائز نہ تھی' ہماری شریعت میں تمام روئے زمین پر نماز جائز ہے' ان کی شریعت میں تیمم کی سہولت نہ تھی' ہماری شریعت میں عذر کے وقت تیمم کرنا جائز ہے۔

دین اور شریعت کے علاوہ ملت' مذہب اور مسلک کی بھی اصطلاحات ہیں' ان کی مفصل بحث ہم نے الفاتحہ:۴ میں بیان کر دی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''جس دین کی آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۝''

مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ

مشرکین مکہ کے اوپر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بہت بھاری تھا کیونکہ اوّل تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے اور ان کے لیے یہ بات باعث عار تھی کہ وہ اپنے جیسے انسان پر ایمان لے آئیں اور اس کی اطاعت کریں' ان کے خیال میں نبی کو انسان کی بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھے' دوسرے یہ کہ ان کا تکبر اس بات سے مانع تھا کہ وہ ایسے شخص کی اطاعت کریں جو بہت زیادہ دولت مند ہے نہ کسی قبیلہ کا سردار ہے۔ جب کہ ان میں بہت دولت مند اور چودھری اور وڈیرے قسم کے لوگ تھے' اس لیے وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے منصب رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے اس رسول کی اطاعت اور اتباع

کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے منتخب فرمالیا۔

اجتباء کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: ''الله يجتبى اليه من يشاء '' اس کا مصدر اجتباء ہے اور اس کا مادہ جبی ہے' جبی کا معنیٰ ہے: جمع کرنا' عرب کہتے ہیں: ''حبيبت الماء فى الحوض '' یعنی میں نے حوض میں پانی جمع کرلیا' اسی طرح کہا جاتا ہے: ''حبيبت الخراج '' میں نے ٹیکس جمع کرلیا اور ٹیکس کو جبایہ کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ ۔ (القصص: ۵۷) مکہ کی طرف ہر درخت کے پھل جمع کر کے لائے جاتے ہیں۔

اور الاجتباء کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو چن کر اور منتخب کر کے جمع کرنا اور اپنے ساتھ ملانا' قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ۔ (یوسف: ۶) اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب فرمائے گا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

لہٰذا اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ جس کو چاہے منتخب فرما کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور رحمت اور تکریم کے ساتھ اپنے قریب کر لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے' اللہ اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف چل کر آتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۵۵' رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۰ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۴۶' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۶)

مجذوب اور سالک کی تعریفات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے منتخب فرما کر اپنی بارگاہ میں مشرف فرماتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے منتخب فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ کی کسی سعی اور استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے فیض سے اس کو نعمتیں عطا فرماتا ہے' یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد صدیقین' شہداء اور عباد صالحین کا مرتبہ ہے۔ علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ فرماتے ہیں:

مجذوب اس خاص بندہ کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ازل میں منتخب فرمالیتا ہے اور اس کو اپنے محبوبین کے راستہ پر چلاتا ہے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو دارین (دنیا اور آخرت) سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔

سالک ان عام بندوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے محبین کے راستہ پر چلاتا ہے جن کو ہدایت کی توفیق دی جاتی ہے' وہ اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔ (روح البیان ج ۸ ص ۳۹۸)

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب الاجتباء مجذوب ہے اور صاحب الانابت سالک ہے۔

علامہ عبد النبی بن عبد الرسول الاحمد نگری لکھتے ہیں:

مجذوب مجنون ہے اور صوفیاء کے نزدیک مجذوب وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے پسند اور منتخب فرمالیتا ہے اور اس کو اپنی بارگاہ انس کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو اپنی جناب قدس پر مطلع فرماتا ہے تو اس کو کسب کی مشقت کے بغیر تمام مقامات اور مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ (دستور العلماء ج ۳ ص ۱۵۴۔۱۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالنبی نے یہ تعریف میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ کی کتاب "التعریفات" ص ۱۴۲ سے نقل کی ہے۔البتہ میر سید شریف نے مجذوب کی تعریف میں مجنون کا لفظ نہیں لکھا۔

نیز علامہ عبدالنبی احمد نگری لکھتے ہیں:

سالک وہ شخص ہے جو اپنے حال کے سبب سے مقامات پر گامزن ہو نہ کہ اپنے علم کی وجہ سے' اس کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے اور اس کے علم میں گم راہی میں ڈالنے والے شبہات نہیں ہوتے۔(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۵' بیروت)

علامہ عبدالنبی نے یہ تعریف بھی میر سید شریف کی کتاب "التعریفات" ص ۸۴ سے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے۔

جذب اور سلوک کا معنیٰ سکر اور صحو کے قریب ہے' علامہ عبدالکریم قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے سکر اور صحو کے معنیٰ بیان کیے ہیں' ہم ان کا خلاصہ لکھ رہے ہیں:

جب اللہ کے بندوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اس کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے دل لوگوں سے دور ہو جاتے ہیں اور یہ حالت سکر ہے' نیز لکھتے ہیں: جب ان پر اللہ تعالیٰ کے جمال کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کی روح خوش ہوتی ہے تو یہ حالت سکر ہے اور جب بندہ کے دل پر قوی واردات ہوں تو وہ لوگوں سے منقطع ہو جاتا ہے اور یہ حالت سکر ہے اور جب یہ کیفیت منقطع ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ حالت صحو ہے اور بندہ حالت سکر میں حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور حالت صحو میں علم کا مشاہدہ کرتا ہے۔(الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۷۔۱۰۶ ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی لکھتے ہیں:

جب بندہ پر حال کا غلبہ اور اس کا تسلط ہو تو وہ سکر ہے اور جب وہ اپنے اقوال اور افعال کی ترتیب کی طرف لوٹ آئے تو وہ صحو ہے۔محمد بن خفیف نے کہا: جب محبوب کے ذکر سے دل میں جوش پیدا ہو تو وہ سکر ہے اور الواسطی نے کہا: وجد کے چار مقام ہیں: (۱) ذہول (۲) حیرت (۳) سکر (۴) پھر صحو' جیسے ایک آدمی پہلے سمندر کے متعلق صرف سنتا ہے' پھر اس کے قریب ہوتا ہے' پھر اس میں داخل ہوتا ہے' پھر اس کو موجیں پکڑ لیتی ہیں' پس اس بناء پر جس شخص کے دل میں وجد کا اثر باقی رہے اس پر سکر کا اثر ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مستقر کی طرف لوٹ آئے وہ صاحب صحو ہے۔

(عوارف المعارف ص ۲۴۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام رازی کے نزدیک اصول اور عقائد میں قیاس جائز نہیں اور فروع اور احکام میں قیاس جائز ہے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے نفی قیاس پر ایک اور دلیل ذکر کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

قیاس کا انکار کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الشوریٰ: ۱۳ میں یہ خبر دی ہے کہ تمام اکابر انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ دین کو اس طرح قائم کرنا واجب ہے کہ اس سے اختلاف اور تنازع نہ پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بہ طور احسان یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کی اس دین کی طرف رہ نمائی کی ہے جو تفرق اور مخالفت سے خالی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قیاس بہت زیادہ افتراق اور انتشار کا دروازہ کھولتا ہے' کیونکہ مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کی بنیاد قیاسی دلائل پر رکھی وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور قیامت تک ان کے درمیان اتفاق پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں ہے' پس واجب ہوا کہ قیاس کرنا حرام اور ممنوع ہے۔(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۸۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس تفسیر سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ وہ مطلقاً قیاس کے منکر ہیں' وہ درحقیقت دین کے اصول اور عقائد میں قیاس کو باطل کہتے ہیں اور فروع اور احکام میں قیاس کو جائز کہتے ہیں' الحشر: ۲ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقه'' میں یہ لکھا ہے کہ قیاس حجت ہے' سو ہم ان دلائل کو یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے ''المحصول'' میں قیاس کے حجت ہونے پر جو دلائل پیش کیے ہیں' ہم بہت اختصار کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں امام رازی کا مؤقف واضح ہو جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قاضی ابوبکر اور ہمارے جمہور محققین کے نزدیک قیاس کی مختار تعریف یہ ہے:

ایک معلوم کو دوسرے معلوم پر کسی حکم کے اثبات یا نفی کے لیے محمول کرنا جب کہ ان دونوں میں کوئی امر جامع اور مشترک ہو۔

اس کی دوسری تعریف حسن بصری سے منقول ہے کہ اصل کے حکم کو فرع پر لاگو کرنا کیونکہ مجتہد کے نزدیک دونوں میں حکم کی علت مشترک ہے۔ یہ تعریف زیادہ واضح ہے۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۰۷۹۔۱۰۷۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام رازی نے حسب ذیل آیات سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ○ (الحشر: ۲) اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو○

وجہ استدلال یہ ہے کہ اعتبار اور عبرت کا معنیٰ ہے: عبور کرنا اور تجاوز کرنا' یعنی اصل کے حکم سے فرع کے حکم کی طرف تجاوز کرو' اس کے علاوہ مزید یہ آیات ہیں:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ○ (آل عمران: ۱۳' النور: ۴۴) بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے (یعنی نصیحت ہے)○

اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً. (النحل: ۶۶' النور: ۲۱) بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں ضرور عبرت ہے یعنی نصیحت ہے۔

(المحصول ج ۳ ص ۱۰۹۰۔۱۰۸۹)

امام رازی نے حسب ذیل احادیث سے بھی قیاس کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آیا روزہ دار بوسا لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم پانی سے غرارے کرو' پھر کلی کرو تو کیا تم اس پانی کو پینے والے ہو؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۶۱۔ ۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۱' سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۶۱' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۶۳)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غرارے کو بوسے پر قیاس فرمایا کہ جس طرح پانی کو نگلے بغیر غرارے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح بغیر انزال کے بوسے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۱۰۴۔۱۱۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے تھے' کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۷۷)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندہ کے حق پر قیاس کیا ہے۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۱۰۵)

کیونکہ عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہیں ہے اس لیے یہ حدیث روزے کے فدیہ پر محمول ہے' عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ سکتا ہے اور نہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(موطا امام مالک ج ا ص ۲۷۹' کتاب الصیام رقم الحدیث: ۴۳' الرقم المسلسل: ۶۸۸' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور فدیہ کے وجوب پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کے ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۱۳)

امام رازی فرماتے ہیں:

قیاس سے استدلال کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے' کیونکہ بعض صحابہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا' بعض صحابہ کے قیاس پر عمل کرنے کی دلیل یہ ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: اشباہ اور نظائر کی معرفت حاصل کرو اور اپنی رائے سے دوسرے امور کو ان پر قیاس کرو۔

(المحصول ج ۳ ص ۱۱۰۶)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام رازی احکام شرعیہ فرعیہ میں قیاس سے استدلال کرنے کے قائل ہیں اور الشوریٰ: ۱۳ میں جو انہوں نے قیاس پر انکار کیا ہے اس سے مراد اصول اور عقائد میں قیاس سے استدلال کرنا ہے' البتہ انہوں نے الشوریٰ: ۱۰ میں جو قیاس کا رد کیا ہے اس کی توجیہ مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آ چکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزول عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں O پس اسی قرآن کے متعلق آپ دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے' اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے O

(الشوریٰ: ۱۵-۱۴)

انبیاء علیہم السلام کے بعد دین میں تفرقہ ڈالنے والے کون تھے؟ عرب یا اہل کتاب؟

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس دین پر ایمان لائیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام نبیوں اور رسولوں میں مشترک رہا ہے اور جن لوگوں نے بھی اس متفق علیہ دین کی مخالفت کی وہ جان بوجھ کر کی' حالانکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہی دین برحق ہے اور اس کی مخالفت گمراہی ہے' لیکن انہوں نے محض سرکشی اور اپنی ریاست

قائم کرنے کے لیے اس دین کی مخالفت کی اور انہوں نے محض اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنے خود ساختہ نظریات کا پیروکار بنانے کے لیے اس دین کی مخالفت کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ وہ اس دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو گئے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فوراً عذاب نازل نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عذاب کو نازل کرنے کی ایک میعاد مقرر ہے' نزول عذاب کی وہ میعاد کون سی ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں عذاب نازل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقت مقرر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔

باقی رہا یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اس اتفاقی دین کی مخالفت کی' بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد عرب ہیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات سے واضح ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ۔ (آل عمران:۱۹) اور اہل کتاب نے آپس میں سرکشی کی وجہ سے اس کے بعد ہی اختلاف کیا ہے جب ان کے پاس علم آ چکا تھا۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینۃ:۴) اور اہل کتاب نے اس کے بعد ہی تفرقہ کیا ہے جب ان کے پاس کتاب آ چکی تھی ۝

اس لیے اس آیت (الشوریٰ:۱۴) سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے' وہ اس کتاب کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا تھے۔

الشوریٰ: ۱۵ سے دس مسائل کا استنباط

الشوریٰ: ۱۵ میں فرمایا: ''پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا' اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے' اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے ۝''

یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے اور ہر کلمہ دوسرے سے منفصل ہے اور آیت الکرسی کے علاوہ اس آیت کی اور کوئی نظیر نہیں ہے' اس میں بھی دس فصول ہیں' اب ہم ان دس کلمات کی تفصیل کر رہے ہیں۔

(۱) پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں کیونکہ اہل کتاب نے اپنی ہوائے نفس سے دین میں مختلف فرقے بنا لیے ہیں' اس لیے آپ صرف ملت اسلام کی دعوت دیں' جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور آپ سے پہلے ان رسولوں کی طرف وحی کی ہے جن کی شرائع کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام لوگوں کو اسی دین کی پیروی کی دعوت دیں۔

(۲) اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں۔ یعنی آپ اور آپ کے متبعین صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مستقیم رہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں اور یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے' آپ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح عمل کر سکتے ہیں کہ اس کے حکم سے بالکل ادھر ادھر نہ ہوں' ورنہ آپ نے امت کے لیے فرمایا:

استقیموا ولن تحصوا. مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷ المسند ج ۱۱ ص ۱۳۰ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۲)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح جمے نہیں رہ سکتے جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے پس استقامت کی حقیقت کی طاقت صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا اکابر اولیاء کو۔

(۳) اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ یعنی اہل کتاب کی باطل خواہشوں اور مشرکین کے کذب و افتراء کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ ان کے بتوں کی تعظیم کریں یا کم از کم ان کو بُرا نہ کہیں اور یہود و نصاریٰ کی خواہش تھی کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کریں اور تورات اور انجیل کے احکام کو منسوخ نہ کریں اور سب سے بڑی مصیبت اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ہے' قرآن مجید میں ہے:

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ. (الفرقان: ۴۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ. (القصص: ۵۰) اور اس سے زیادہ گم راہ اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانائی کی آفت شیخی بگھارنا اور ڈینگ مارنا ہے اور بہادری کی آفت بغاوت ہے اور سخاوت کی آفت احسان جتلانا ہے اور جمال کی آفت تکبر ہے اور عبادت کی آفت سستی ہے اور باتوں کی آفت جھوٹ بولنا ہے اور علم کی آفت نسیان ہے اور حلم کی آفت جہالت ہے اور حسب و نسب کی آفت فخر ہے اور سخاوت کی آفت فضول خرچی ہے اور دین کی آفت نفسانی خواہشوں پر عمل کرنا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۲۱' یہ حدیث المعجم الکبیر' شعب الایمان' الجامع الصغیر اور جمع الجوامع میں بھی ہے' لیکن ان میں دین کی آفت کا ذکر نہیں ہے)

(۴) اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں' میں ان سب پر ایمان لایا' ان لوگوں کی طرح نہیں جو بعض کتابوں پر ایمان لائے اور بعض پر نہیں۔

(۵) اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا۔ یعنی احکام شرعیہ کو نافذ کرنے میں معزز لوگوں اور پست طبقہ کے لوگوں کے درمیان فرق نہ کیا جائے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کسی کی رورعایت نہ کی جائے اور امیر اور غریب کا فرق نہ کیا جائے۔

(۶) اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ یعنی ہمارا خالق اور ہمارا مالک اور ہمارے تمام معاملات کا والی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہماری عبادات کا مستحق ہے نہ کہ بت اور نفسانی خواہشیں۔

(۷) ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' یعنی ہم نے جو نیک اعمال کیے ہیں ہم اللہ کے فضل سے ان کی جزاء کے امید وار ہیں اور ہم نے جو بُرے کام کیے ہیں ہم ان کی سزا کے مستحق ہیں' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے اور تم نے جو اعمال کیے ہیں تم ان کے انجام کے مستحق ہو' ہمیں تمہاری نیکیوں سے کسی فیض کی توقع نہیں اور نہ تمہاری برائیوں سے ہمیں کوئی ضرر ہوگا۔

(۸) ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان جو مخالفت ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہے' اگر تم اللہ کی توحید کا اقرار کرلو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ یہ حکم آیت جہاد کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے' اب

ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہے نیز اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب کفار کے سامنے دلائل نہیں پیش کیے جائیں گے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار دلائل سے آپ کا صدق جان چکے ہیں اور محض ہٹ دھرمی کر رہے ہیں' اس لیے اب ان کے سامنے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا۔ یعنی قیامت کے دن اور اس دن ان باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا جن میں تم ہماری مخالفت کرتے ہو۔

(۱۰) اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے' اس دن اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہوگا اور وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ حجتی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب ہے O اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں' وہ پرلے درجہ کی گم راہی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O (الشوریٰ: ۱۹۔۱۶)

اسلام کے خلاف یہود کا اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب

جب عام لوگوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا اس کے باوجود یہودی اسلام پر اعتراض کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر سب کا اتفاق نہیں ہے' اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر اور تورات کے آسمانی کتاب ہونے پر سب متفق ہیں اور مختلف فیہ کے بجائے متفق علیہ شخص کو نبی ماننا چاہیے اور اس کے دین اور اس کی کتاب کو تسلیم کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہود کی حجت باطل ہے' یہود کی حجت باطل ہونے کی ایک وجہ وہ ہے جو امام رازی نے بیان فرمائی ہے اور چند وجوہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ کے ذہن میں القاء فرمائی ہیں' پہلے ہم امام رازی کی بیان کی ہوئی وجہ بیان کر رہے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ بیان فرماتے ہیں:

تمام یہود اس پر متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس لیے ایمان لانا واجب ہے کہ انہوں نے معجزات پیش کیے تھے اور یہود نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا' پس اگر معجزہ کا مشاہدہ نبی کے صدق کی دلیل ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق بھی واجب ہے' کیونکہ آپ نے بھی معجزات پیش کیے ہیں' ورنہ حضرت موسیٰ کی تصدیق بھی ثابت نہیں ہوگی اور جب معجزہ نبی کے صدق کو مستلزم ہے تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوگی تو اسی طرح معجزات کی بناء پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ثابت ہوگی (امام رازی کے جواب سے شریعت محمد کی شریعت موسیٰ پر ترجیح ثابت نہیں ہوتی بلکہ دونوں شریعتوں کا برابر ہونا ثابت ہوتا ہے)۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۹۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہود کے اعتراض کا جواب مصنف کی طرف سے

مصنف کے نزدیک یہود کی دلیل حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

(۱) یہود نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید مختلف فیہ ہے' اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب یعنی تورات متفق علیہ ہے' ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ تورات کا تو

نفس وجود اور ثبوت مختلف فیہ ہے۔ ہر چند سال بعد اس کے ایڈیشن میں ترمیم اور تحریف ہو جاتی ہے' تورات کے ۱۹۲۷ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے: دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (استثناء باب: ۳۳ آیت: ۲ مطبوعہ لاہور) اور ۱۹۹۲ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے: لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ (مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں خود تعارض اور اختلاف ہے' جس زبان میں یہ کتاب نازل ہوئی اب وہ زبان بھی موجود نہیں ہے' غرض یہ کہ یہ کتاب فی نفسہ مختلف فیہ ہے' اس کے برخلاف قرآن مجید متفق علیہ ہے' کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت پہلے اس طرح تھی اب اس طرح نہیں ہے اور تورات کی بہت سی آیات کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ بدل چکی ہیں' پس تورات کا تو اپنا وجود اختلافی ہے اور قرآن کا اپنا وجود اتفاقی ہے' لہٰذا تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ہی ایمان لانا چاہیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانا چاہیے۔

(۲) موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ: نوح نشہ میں اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہوگیا۔ (پیدائش باب: ۱۰' آیت: ۲۰) لوط کی بیٹیوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ (پیدائش' باب: ۱۹' آیت: ۳۸-۳۲) داؤد نے ایک عورت کو برہنہ دیکھا' اس پر عاشق ہوئے' اس کے خاوند کو لڑائی میں مروا دیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ (سموئیل' باب: ۱۱' آیت ۲۷-۲ ملخصاً) سلیمان اجنبی عورتوں سے محبت کرتا تھا۔ (سلاطین' باب: ۱۱' آیت: ۱) موجودہ تورات نے انبیاء علیہم السلام کو عیاش اور بدکردار بتایا ہے' سو تورات کی تعلیم سے لوگ کس طرح نیک بنیں گے' اس کے برخلاف قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتا ہے: ''كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝'' (الانعام: ۸۵) تمام انبیاء صالح اور نیک ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ایمان لایا جائے کہ اسی کی آیات نیکی کی تلقین میں مؤثر ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی' دنیا کے تمام لوگوں کے لیے نہ تھی' یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہودی بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی شخص کو تبلیغ کرتے ہیں نہ اپنے دین میں داخل کرتے ہیں' اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دنیا کے تمام لوگوں اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے' اس لیے تورات کے بجائے قرآن مجید پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سخت احکام ہیں: اگر گناہ ہو جائے تو اس کی توبہ قتل کرنا ہے اور کپڑے پر نجاست لگ جائے تو پاک کرنے کے لیے اس حصہ کا کاٹنا ضروری ہے' مال غنیمت حلال نہیں ہے' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی سہولت نہیں' مسجد کے سوا کہیں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں توبہ کے لیے صرف صدقِ دل سے معافی مانگنا کافی ہے' کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے صرف پانی سے دھو لینا کافی ہے' مال غنیمت حلال ہے' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا کافی ہے اور تمام روئے زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے تو جس شریعت میں احکام آسان ہوں وہ اس شریعت پر راجح ہے جس کے احکام آسان نہ ہوں سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جن معجزات سے ثابت ہوئی مثلاً عصا اور ید بیضاء آج دنیا میں وہ معجزات نہیں ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد علیہ السلام کی نبوت قرآن سے ثابت ہوئی اور وہ جس طرح چودہ سو سال پہلے معجزہ تھا آج بھی معجزہ ہے نہ چودہ سو سال پہلے اس کی کوئی نظیر لا سکا تھا نہ آج لا سکا' نہ چودہ سو سال پہلے اس میں کوئی کمی یا زیادتی ہوئی نہ آج تک

ہو سکی' نہ قیامت تک ہو سکے گی۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی واجب الاتباع ہے۔

(۲) موجودہ تورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا' تم اس کی سننا O (استثناء باب: ۱۸' آیت: ۱۵)

اور حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کسی چیز کا سوال نہ کرو وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گم راہ ہو چکے ہیں' تم (ان کی اتباع میں) یا کسی باطل چیز کی تصدیق کرو گے یا کسی حق کا انکار کرو گے' پس بے شک اگر حضرت موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے کوئی چیز جائز نہ تھی۔ (مسند احمد ج ۳ص ۳۳۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ص ۴۶۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۲۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۳۵' سنن بیہقی ج ۲ص ۱۱۔۱۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۵۸' جامع المسانید والسنن مسند جابر: ۳۱۰' اس کی بعض اسانید میں جابر جعفی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے لیکن امام بزار کی سند میں جابر جعفی نہیں ہے' اس میں بزار ہے لہٰذا اس سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے)

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کرنا واجب ہے اور یہودیوں نے جو اسلام کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کی شریعت کی ترجیح پر حجت قائم کی ہے وہ باطل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ (الشوریٰ: ۱۶) — ان کی حجت زائل ہونے والی ہے۔

"داحضة" کا معنیٰ

اس آیت میں "داحضة" کا لفظ ہے' یہ دحض سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا زائل ہونا اور پھسلنا۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے: "دحض برجله" کا معنیٰ ہے: اس کا پیر پھسل گیا اور "والشمس زالت" کا معنیٰ ہے: دھوپ زائل ہو گئی۔ "والحجة دحوضاً" کا معنیٰ ہے: دلیل باطل ہو گئی۔ (القاموس: ۶۴۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس کے معنیٰ ہے: باطل ہونا' زائل ہونا' قرآن مجید میں ہے:

وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ (الکہف: ۵۶) — کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ اس سے حق کو ڈگمگا دیں۔

(المفردات ج ۱ص ۲۲۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں: دحض کا معنیٰ ہے: پھسلنا' حدیث میں ہے:

ان دون جسر جهنم طريقا ذا دحض. — دوزخ کے پاس پھسلنے والا راستہ ہے۔

(مسند احمد ج ۵ص ۱۵۹)

كرهت ان اخرجكم فتمشون في الطين الدحض. (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۹۰۱) — میں نے تمہیں گھر سے نکالنے کو ناپسند کیا کہ تم کیچڑ اور پھسلن میں چلو گے۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۴۴' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ ابن منظور کی نقل کردہ احادیث دراصل علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ نے پیش کی ہیں۔

(النہایہ ج ۴ ص ۹۹۔۹۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

الشوریٰ: ۱۸۔۱۷ کا خلاصہ

الشوریٰ: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: ''اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں O'' الایۃ

اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کے برحق ہونے پر دلائل قائم فرما دیئے تو اسلام کے مخالفین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جس میں انواع و اقسام کے دلائل اور براہین ہیں' سابقہ امتوں کے نیک لوگوں کے اعمال صالحہ اور بدکاروں اور منکروں کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے میزان کو نازل کیا ہے جس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور قیامت آنے کے بعد کسی شخص کو بُرے کاموں سے بچنے اور ان پر توبہ کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی مہلت نہیں ملے گی' اس لیے ہر صاحب عقل شخص پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی آیات میں غور و فکر کرے' اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور روایت پرستی کے روگ کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے' بُرے کاموں اور رسم و رواج کے جھوٹے بندھنوں کو توڑ دے اور نیک کاموں کو اختیار کرے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کو عموماً قیامت کے اچانک واقع ہونے سے ڈراتے رہتے تھے اور اہل مکہ نے ابھی تک وقوع قیامت کی علامات سے کوئی علامت نہیں دیکھی تھی اس لیے وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کاش قیامت ہو جاتی حتیٰ کہ ہم کو بھی پتا چل جاتا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں۔

میزان کا لغوی اور شرعی معنیٰ

اس آیت میں ''میزان'' کا لفظ ہے' علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی ۸۱۷ ھ لکھتے ہیں: میزان کا معنیٰ ہے: عدل اور مقدار۔ (القاموس المحیط ص ۱۲۳۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

میزان اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن ہم انصاف کی میزانوں کو رکھیں گے۔

(الانبیاء: ۴۷)

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۗ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۗ (القارعۃ: ۹۔۶)

پس رہا وہ جس (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوں گے O تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا O اور رہا وہ جس (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوں گے O تو وہ ھاویہ (دوزخ کی گہرائی' تہ)

میں ہوگا○

زجاج نے کہا: قیامت کے دن جس میزان کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے' ایک تفسیر یہ ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں اور دنیا میں میزان (ترازو) کو اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ عدل کریں اور قیامت کے دن اس میں لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا' بعض علماء نے کہا: میزان اس کتاب کا نام ہے جس میں مخلوق کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا: حدیث میں ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰)

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۰۵' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

میزان کا شرعی معنیٰ یہ ہے: وہ چیز جس میں حقوق واجبہ کا وزن کیا جائے عام ازیں کہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں اور اس کا لغوی معنیٰ ہے: عدل کا آلہ اور وزن کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی مقدار کی معرفت' اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر میزان عقل رکھ دی ہے جس سے خیر اور شر اور حسن اور قبح کا ادراک کیا جاتا ہے' اسی میزان عقل کو عرف میں ضمیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایک میزان شرع ہوتی ہے جس سے وہ احکام شرعیہ کا وزن کرتا ہے اور کسی بھی کام کے ارادے کے وقت وہ میزان اس کو بتاتی ہے کہ وہ کام اس کے لیے شرعاً جائز ہے یا ناجائز' قرآن مجید میں ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ○ (القیامۃ: ۱۵-۱۴)

بلکہ انسان کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہے ○ خواہ وہ کتنی تاویلات کرے ○

عجلت کی مذمت اور اطمینان سے کام کرنے کی فضیلت

الشوریٰ: ۱۸ میں فرمایا: ''اس (قیامت) کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں جلدی کرنا مذموم ہے' حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التانی من اللہ والعجلة من الشیطان.

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۵۶' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۰۴)

اطمینان سے کام کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے ہے۔

عجلت مذموم ہونے کے عموم سے چھ چیزیں مستثنیٰ ہیں: (۱) نماز کا مستحب وقت آنے کے بعد نماز پڑھنے میں جلدی کرنا (۲) جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرنا (۳) جب کنواری لڑکی کا کفو میں رشتہ مل جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کرنا (۴) جب قرض ادا کرنے کی گنجائش ہو تو اس کی ادائیگی میں جلدی کرنا (۵) جب مہمان آئے تو اس کو کھانا کھلانے میں جلدی کرنا (۶) شامت نفس سے اگر گناہ ہو جائے تو اس کے بعد توبہ کرنے میں جلدی کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکمت کی وجہ سے وقوع قیامت کی خبر نہ دینا

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو''۔

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب اس میں ''وما ادراک'' کا لفظ ہو تو اس چیز کا بیان متوقع ہوتا ہے اور جب ''وما یدریک'' کا لفظ ہو تو اس کا بیان متوقع نہیں ہوتا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً. (الاعراف: ۱۸۷)

قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ قیامت کب آئے گی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا اور جب بھی آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا جاتا تھا آپ طرح دے جاتے تھے اور ٹال جاتے تھے' اس سلسلہ

میں یہ احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا' پس کہا: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تم نے قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں' سوا اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا: تم جس کے ساتھ محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابوبکر سے اور حضرت عمر سے اور مجھے امید ہے کہ میں ان ہی کے ساتھ ہوں گا کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں خواہ میں ان جیسے عمل نہ کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۱۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۹۹' عالم الکتب' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۳۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۹' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۸۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! قیامت کب واقع ہوگی؟ اس وقت آپ کے پاس انصار میں سے ایک لڑکا بھی تھا' آپ نے فرمایا: اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو جب تک یہ بوڑھا نہیں ہوگا قیامت نہیں آئے گی (یعنی یہ لڑکا بوڑھا ہونے سے پہلے مرجائے گا)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۹' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۰۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کون سا علم باعثِ فضیلت ہے؟

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ قیامت کے آنے سے ڈرتے ہیں' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گم راہی میں ہیں''۔

آیت کے اس حصہ میں علم یقین کی مدح اور فضیلت ہے اور تردد اور شک کی مذمت ہے' سو مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم یقین کو حاصل کرے اور تردد اور شک سے نکل آئے' تاہم علم اس وقت قابل تعریف ہے جب اس کے ساتھ خوف خدا بھی ہو اور علم کے تقاضے پر عمل بھی ہو' ورنہ ابلیس کو حضرت آدم کی نبوت کا علم تھا' فرعون کو حضرت موسیٰ کی نبوت کا علم تھا' ابوجہل اور یہود کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا' لیکن چونکہ ان کو خوف خدا نہ تھا اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور کتنے ہی خوف خدا سے خالی علماء قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہوں گے' کیونکہ وہ اپنے علم کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔

الشوریٰ: ۱۹ میں فرمایا: ''اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O''

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اللہ اپنے بندوں پر لطیف ہے''۔

علامہ عبدالقادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: جو چیز باریک ہو اس کو لطیف کہتے ہیں اور کسی کام میں نرمی اور ملائمت کرنے کو لطیف عمل کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنیٰ ہے: وہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور گناہوں سے حفاظت فرمانے والا ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر شفیق ہے' عکرمہ نے کہا: وہ بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور بد دونوں کے ساتھ لطیف ہے' کیونکہ وہ بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: وہ جس کو چاہتا

ہے رزق دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر میں سے جس کو چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمانے میں دو اعتبار سے لطیف ہے ایک یہ کہ اس نے تم کو طیبات سے رزق عطا فرمایا ہے دوسرے یہ کہ اس نے تم کو ایک ہی بار سب رزق نہیں عطا فرمایا بلکہ وہ تم کو بہ تدریج رزق عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے یعنی وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو چاہے اور وہ سب سے زیادہ اور سب پر غالب ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۷ص ۱۸۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام غزالی نے فرمایا: لطیف وہ ہے جو اشیاء کی باریک ترین مصلحتوں کو جاننے والا ہو اور ہر مصلحت کو اس کے مستحق تک نرمی اور آسانی سے پہنچانے والا ہو اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار میں سے یہ ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو رحم کے تین تاریک پردوں میں پیدا کیا اور پیٹ میں اس کی حفاظت فرماتا رہا اور ناف کے ذریعہ سے ماں کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچاتا رہا حتیٰ کہ وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا اور اپنے منہ کے ذریعہ غذا کو کھانے پر قادر ہو گیا پھر اس کے اندر یہ بات ڈالی کہ وہ ماں کا دودھ پیتا رہا خواہ دن ہو یا رات ہو اور یہ کام اس بچہ کو کسی نے سکھایا تھا نہ اس نے کسی کو پہلے اس طرح دودھ پیتے ہوئے دیکھا تھا اسی طرح مرغی کے انڈے سے جیسے ہی چوزہ باہر آتا ہے وہ دانہ دنکا چگنے لگتا ہے کہتے ہیں کہ فطرت ہر جاندار کو جینے کے طور طریقے سکھا دیتی ہے لیکن اس فطرت کا خالق کون ہے انسان پر اللہ تعالیٰ کا پہلا کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو جمادات کے عالم سے نباتات کے عالم کی طرف منتقل کیا یعنی انسان اپنی خلقت کے پہلے مرحلہ میں قطرہ آب کی طرح جامد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں نشو و نما رکھ کر اس کو نباتات کے عالم میں منتقل کیا۔ پھر عالم نباتات سے اس کو حیوانات کے عالم میں داخل کیا اور اس کے اندر حس اور حرکت ارادیہ رکھی پھر اس میں نطق رکھ کر اس کو انسان بنایا پھر اس کو قلیل مدت کی فانی اور متناہی زندگی دی اور اس قلیل مدت میں نیک اعمال کرنے کے بعد اس کو غیر متناہی اور لافانی زندگی کا حق دار بنایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر بے حد لطف و کرم ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے

كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں

مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ

کوئی حصہ نہیں ہے O کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے

يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ

جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر (قیامت کا) فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک

الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا

ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے O آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے

كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ

اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہو گی

الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ

جس کی وہ خواہش کریں گے' یہی بہت بڑا فضل ہے O یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت

فِی الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ

طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے' اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے' بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ

اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر کرنے والا ہے O کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے؟

یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ

پس اگر اللہ چاہے گا تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے' بے شک وہ

بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ

دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ

اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O اور ایمان والوں

يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ

کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نعمتوں

فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ

میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے O اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق

لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ إِنَّهٗ

کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے' لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے' بے شک

بِعِبَادِهٖ خَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے O وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے

قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ

اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے' بہت حمد کیا ہوا O اور اس کی نشانیوں میں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى

سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے

جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَآءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ ع

ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیامت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے' یہی بہت بڑا فضل ہے O (الشوریٰ: ۲۲۔۲۰)

حرث کا معنی

الشوریٰ: ۲۰ میں ''حرث'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کھیتی کیا ہے' علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے

ہیں: حرث کا معنیٰ ہے: زمین میں اگانے کا عمل کرنا یعنی زمین میں بیج ڈالنا اور فصل اگانے کی تیاری کرنا اور اس کا اطلاق فصل اور کھیت پر بھی ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ. (البقرہ:۲۰۵)

اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو وہ زمین میں فساد کرنے اور کھیت اور نسل کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

اور حرث کا معنیٰ کسب کرنا بھی ہے یعنی کوئی کام کرنا اور حارث کا معنیٰ کاسب ہے' علامہ ابن منظور نے حرث کے اور بھی کئی معانی ذکر کیے ہیں۔ (لسان العرب ج ۳ص ۷۳ ' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: حدیث میں ہے:

''احرث لدنیاک کانک تعیش ابدا' واعمل لاخرتک کانک تموت غدا''. دنیا میں اس طرح کھیتی باڑی کرو گویا کہ تم دنیا میں ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے تم کل مر جاؤ گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ دنیا کو آباد کیا جائے اور لوگ اس میں باقی رہیں اور جو لوگ تمہارے بعد دنیا میں آئیں وہ تمہاری خدمت سے اس طرح استفادہ کریں جس طرح تم اپنے سے پہلے لوگوں کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہو' کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کی زندگی طویل ہے تو وہ دنیا کی تعمیر میں حریص ہوگا اور آخرت کے معاملہ میں آپ نے اعمال میں اخلاص کی ترغیب دی اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال پر ابھارا' کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے کل مر جانا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی ترغیب دی ہے اور اس حدیث کا بھی یہی معنیٰ ہے کیونکہ جب انسان کو یہ علم ہوگا کہ اس نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے تو اس کو دنیا کی حرص نہیں ہوگی وہ سوچے گا کہ دنیا کی فلاں چیز مجھے اگر آج نہیں ملی تو کل مل جائے گی' میں کون سا ابھی مر رہا ہوں اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے کل مر جانا ہے سو نیک اعمال پر زیادہ سے زیادہ حرص کرو۔

(النہایہ ج ۱ص ۳۴۷-۳۴۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

دنیا کے طالب اور آخرت کے طالب کا فرق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر لطیف ہے اور ان پر بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے' اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بندوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں کی طلب میں بہت کوشش کریں اور بُرے کاموں سے بچنے کی کوشش کریں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے طالب اور دنیا کے طالب میں حسب ذیل وجوہ سے فرق کیا ہے۔

(۱) آخرت کے طالب کو دنیا کے طالب پر مقدم فرمایا۔

(۲) آخرت کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی کھیتی میں سے اس کو کچھ حصہ دیں گے۔

(۳) آخرت کے طالب کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے یا نہیں' ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ حصہ دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۴) دنیا کا حصہ نقد ہے اور آخرت کا حصہ ادھار ہے لیکن آخرت کے حصہ میں زیادتی اور دوام ہے اور دنیا کے حصہ میں نقصان

اور بطلان ہے۔

(۵) کھیتی سے جو حصہ حاصل ہوتا ہے اس میں مشقت کرنی پڑتی ہے' پہلے انسان زمین میں ہل چلاتا ہے' پھر اس میں بیج ڈالتا ہے' پھر پانی لگاتا ہے' پھر فصل پکنے کے بعد دانے کو بھوسے سے الگ کرتا ہے اور جو آخرت کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو بقا حاصل ہوتی ہے اور جو دنیا کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو فنا حاصل ہوتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا۝ اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور نیک توقع کے لحاظ سے بہتر ہیں۝ (الکہف:۴۶)

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے'' اس کے دو معنی ہیں: (۱) ہم اس کو نیک کاموں کی زیادہ توفیق دیں گے (۲) ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ. تاکہ ہم ان کو پورے اجر دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں۔ (فاطر:۳۰)

اس آیت میں دنیا کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مذمت کی ہے اور آخرت کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مدح فرمائی ہے' حسب ذیل احادیث میں بھی اس معنیٰ کی تائید ہے۔

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کے متعلق احادیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص (صرف) دنیا کی فکر میں رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر اور تنگ دستی کر دیتا ہے اور اس کو دنیا سے صرف اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا حصہ اس کے لیے پہلے سے مقدر کر دیا گیا ہے اور جو آخرت کا قصد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو مجتمع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں غناء رکھ دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس خاک آلودہ ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۶۵۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۹۱۔۴۸۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے اپنے تمام افکار کو صرف ایک فکر بنا دیا اور وہ آخرت کی فکر ہے' اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی فکر کے لیے کافی ہے اور جس کے افکار دنیا کے احوال میں مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۶' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرے دل کو غناء سے بھر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دل کو مشغولیات سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۸' المستدرک ج ۲ ص ۴۴۳' ج ۴ ص ۳۲۶)

الشوریٰ: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیامت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے۝''

خود ساختہ شریعتوں کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں دنیا اور آخرت کے لیے کوشش کرنے والوں کے احوال اور ان کے انجام بتائے۔ اس آیت میں گمراہی کی اصل بتائی ہے جس کی وجہ سے انسان آخرت کی بجائے دنیا کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور اس آیت میں کفار کے شرکاء کا ذکر فرمایا ہے' اس کی تفصیل میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) شرکاء سے مراد کافروں کے وہ شیاطین ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک اور کفر کو' قیامت کے انکار کو اور دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو' کھانے پینے اور جنس کی ناجائز لذات کو مزین کیا۔

(۲) شرکاء سے مراد ان کے وہ بت ہیں جن کو کفار استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں' ان کی پرستش کرتے تھے' ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے' ان کے سامنے جانوروں کو قربان کرتے تھے اور مصائب اور شدائد میں ان کے نام کی دہائی دیتے تھے' رہا یہ کہ بت تو بے جان ہیں' ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ انہوں نے ان کافروں کو گمراہ کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بت ان کے گمراہ ہونے کا سبب تھے' اس لیے ان کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ. اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو راستہ سے بھٹکا دیا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)

(۳) اہل مکہ کو قدیم زمانے کے کفار نے گمراہ کیا اور ان کے لیے ایک شریعت بنا دی جس میں بتوں کی پرستش تھی' ان کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی قرار دینا تھا' اللہ کے نام پر ذبح کیے بغیر مردار جانوروں کو کھانا تھا اور بحیرہ' سائبہ' حام اور وصیلہ' بتوں کے لیے نامزد جانوروں کے کھانے اور ان سے کام لینے کو حرام قرار دینا تھا' کعبہ میں برہنہ طواف کرنا تھا' عام لوگوں کے لیے حج میں عرفات کو وقوف کے لیے مقرر کرنا اور قریش کے لیے مزدلفہ کو مقرر کرنا تھا اور حج کرنے کے بعد گھروں کے اصلی دروازوں کے بجائے پچھلے دروازوں سے یا مکان کی پچھلی دیوار کو پھاند کر آنا تھا' یہ وہ کام تھے جن کو ان کے بڑوں نے بہ طور شریعت کے اپنا لیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا' بلکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ان کاموں سے منع فرمایا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔

جب تک انسان بالغ نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اس کو احکام شرعیہ کا مکلف نہیں کرتا' بلوغت سے پہلے انسان مختلف کاموں کا عادی ہو جاتا ہے' بالغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی عادتوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے' اگر انسان اپنی عادتوں اور نفسانی لذتوں میں مشغول رہا اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کیا' بُرے کاموں کو ترک نہ کیا اور نیک کاموں کو اختیار نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرتا رہا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی بعض گمراہ فرقوں نے اپنی طرف سے نئی نئی شریعتیں بنا لی ہیں اور اپنے باطل نظریات کو دین میں داخل کر لیا ہے' بعض لوگوں نے مستحبات کو فرائض اور واجبات کا درجہ دے دیا ہے اور بعض لوگوں نے مباحات اور مستحبات کو حرام قرار دے دیا ہے۔

الشوریٰ: ۲۲ میں فرمایا: ''آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ان کے رب

کے پاس ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے' یہی بہت بڑا فضل ہےO"

اپنی عبادات کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل پر نظر رکھنا

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یا ہر دیکھنے والے کو' کہ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے قیامت کے دن اپنے جرائم اور گناہوں سے خوف زدہ ہوں گے اور یہ جو فرمایا ہے کہ "ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا" کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف دنیا میں اپنی خواہشوں اور اپنی شہوتوں کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے اور باطل لذات میں ڈوبے رہے' اس کا وبال ان پر لازم ہوگا' یا تو دنیا میں بایں طور کہ ان پر مصائب اور شدائد کا نزول ہوگا اور مہلک بیماریاں ان پر حملہ آور ہوں گی یا آخرت میں ان کو اپنے جرائم کی سزا بھگتنی ہوگی' الایہ کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کو معاف فرمادے۔

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لیے قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کافروں کے انجام کے بعد مؤمنوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے' اس آیت کے پہلے حصہ میں کافروں یا بدکردار فاسقوں کا ذکر فرمایا تھا' اس لیے اب اس آیت کے آخری حصہ میں مؤمنوں کے نیک انجام کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ جنت کے باغات میں ہوں گے یعنی وہ جنت کے سب سے خوب صورت حصے میں ہوں گے' باغات میں سبزہ ہوتا ہے اور سبزہ کی طرف دیکھنے سے آنکھوں کو تراوت حاصل ہوتی ہے اور نظر تیز ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: تین چیزیں نظر کو تیز کرتی ہیں (۱) سبزہ کی طرف دیکھنا' بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنا اور خوب صورت چہرے کی طرف دیکھنا' حافظ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۸۶)

نیز فرمایا: "ان کو جنت میں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے" اہل جنت کو جس چیز میں سب سے زیادہ لذت حاصل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے' اس کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح اور تہلیل سے لذت حاصل ہوگی اور کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشوں کی حیثیت ثانوی ہوگی' پھر فرمایا: "یہی بہت بڑا فضل ہے" اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مومن کو اپنی عبادتوں پر جو اجر وثواب ملے گا وہ اس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ملے گا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ملے گا۔

انسان دنیا میں جو بھی نیک کام کرتا ہے اور جو بھی عبادت کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے کرتا ہے' ۱۹۸۵ء سے پہلے میں کمر کے شدید درد میں مبتلا تھا' اس وقت میں لاہور میں تھا اور مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ میں کوئی تحریری کام کر سکوں گا' میں نے اپنی قابل ذکر کتابیں فروخت کردی تھیں۔ پھر چھ جولائی ۱۹۸۵ء کو مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے ٹیلی فون کر کے مجھے کراچی آنے کی دعوت دی تو میرا خیال تھا کہ میں وہاں زندگی کے باقی ماندہ دن پورے کروں گا' لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں مفتی منیب الرحمٰن کی وساطت سے ایسے اسباب اور سہولتیں فراہم کیں کہ مجھے تصنیف وتالیف کے کام کے لیے نشاۃ ثانیہ مل گئی اور آج ۱۹ دسمبر ۲۰۰۳ء تک اٹھارہ سال کے عرصہ میں' میں نے شرح صحیح مسلم کی سات ضخیم جلدیں لکھیں جو تقریباً آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور اب میں تبیان القرآن کی دسویں جلد لکھ رہا ہوں اور اس کے بھی اب تک نو ہزار صفحات لکھے جا چکے ہیں اور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے' میں تو زندگی ہار بیٹھا تھا' یہ اسی کا کام ہے اور اس کی شان ہے جو مُردوں میں جان ڈال دیتا ہے' قطرہ نیساں کو گہر بنا دیتا ہے' ایک نجس قطرہ کو انسان کے حسین وجمیل پیکر میں ڈھال دیتا ہے' تو اگر میں یہ کہوں کہ میرے اس کام کے عوض اللہ مجھے اجر وثواب عطا فرمائے تو یہ بہت غلط اور جھوٹی بات ہوگی' میں کیا ہوں' میرا کام کیا ہے' سب کچھ اسی کی توفیق سے اور اسی کے فضل سے ہوا ہے' میں اسی کے فضل سے صرف بخشش کا طلب گار ہوں' میں اجر وثواب کا اور جنت کا طالب نہیں ہوں' یہ تو بہت بڑی نعمتیں ہیں' میں کب ان کے لائق ہوں' وہ آخرت میں میرے گناہوں پر پردہ رکھ لے اور مجھے معاف فرمادے تو

یہی اس کا بہت بڑا کرم اور بہت عظیم فضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے' جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے' اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت قدر کرنے والا ہے O یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے' پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O (الشوریٰ: ۲۵۔۲۳)

تبلیغ رسالت پر قرابت سے محبت کے اجر کے سوال پر ایک اعتراض

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل کیا اور لوگوں کی ہدایت کے لیے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید کے متعلق آیات نازل کیں' اسی طرح نبوت اور رسالت کے متعلق آیات نازل کیں اور دیگر عقائد کے متعلق آیات نازل کیں' قیامت' حشر ونشر' حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کے متعلق آیات نازل کیں اور احکام شرعیہ کے متعلق آیات نازل کیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام آیات کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا' ان آیات کی تبلیغ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختیاں اور صعوبتیں برداشت کیں' ہوسکتا تھا کہ کوئی بدعقیدہ جاہل یہ گمان کرتا کہ شاید آپ کسی مالی منفعت یا اقتدار کے حصول کے لیے اس قدر مشقت اٹھا رہے ہیں' اس تہمت اور بدگمانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تبلیغ رسالت پر ایک نوع کی اجرت کا ذکر ہے اور وہ قرابت کی محبت ہے' جب کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے مطلقاً اجرت طلب کرنے کی نفی کی ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (الشعراء: ۱۰۹)

میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العٰلمین (کے ذمہ کرم) پر ہے O

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۲۷) اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۴۵) اور حضرت لوط علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۶۴) اور حضرت شعیب علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۸۰)

بلکہ قرآن مجید میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ آپ طلب اجر کی نفی کریں:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ O (ص: ۸۶)

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O

نیز رسالت کی تبلیغ کرنا آپ پر واجب تھا اور جو چیز آپ پر واجب ہو آپ اس سے کیسے اجر لے سکتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۔ (المائدہ: ۶۷)

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی اس کی تبلیغ کیجئے اور اگر آپ نے یہ تبلیغ نہیں کی تو آپ نے اپنے کار رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

نیز پیغام رسالت کو پہنچانے پر اجرت اور معاوضہ کو طلب کرنا آپ کے منصب نبوت میں تہمت کا موجب ہے اور یہ آپ کی شان لائق نہیں ہے' ان وجوہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ رسالت پر اجرت کو طلب کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے اور الشوریٰ:۲۳ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تبلیغ رسالت پر اجرت کا سوال کیا ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد رحم کی قرابت ہے اور اس کی تائید میں مستند احادیث

(۱) اس آیت میں قربیٰ سے مراد رحم کی قرابت ہے کیونکہ مکہ کے تمام قبائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کی قرابت تھی' اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ میں تم سے صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ تم قرابت رحم کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھ پر جو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ برآ ہونے میں میری مدد کرو' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: (الشوریٰ:۲۳) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ تمام قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی' جب قریش نے آپ کی رسالت کی تکذیب کی اور آپ کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! جب تم نے میری اتباع کرنے سے انکار کر دیا ہے تو تمہارے اندر جو میری قرابت ہے اس کی حفاظت کرو (یعنی اس قرابت کی وجہ سے مجھے اذیت نہ دو اور مجھے نقصان نہ پہنچاؤ) اور تمہارے علاوہ دوسرے عرب قبائل میری حفاظت کرنے میں اور میری مدد کرنے میں زیادہ راجح نہیں ہیں۔ (المعجم الکبیر ج۱۲ ص۱۹۷' رقم الحدیث:۱۳۰۲۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

تم میری قرابت کی وجہ سے صلہ رحم کرو' یعنی مجھ سے میل جول رکھو اور میری تکذیب نہ کرو۔

(المعجم الکبیر ج۱۲ ص۲۷' رقم الحدیث:۱۲۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۱۳۰۹)

نیز حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کی قرابت اور رشتہ داری تھی' اس لیے آپ کہیے کہ میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے ضرر کو دور کرو کیونکہ میری تم سے قرابت ہے۔

(المعجم الکبیر ج۱۱ ص۳۴۵' رقم الحدیث:۱۲۲۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۴۹۶)

ایک اور حدیث میں فرمایا: میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ جو میری قرابت ہے اس قرابت کی وجہ سے تم مجھ سے محبت رکھو اور میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی حفاظت کرو۔

(المعجم الکبیر ج۱۱ ص۳۴۴' رقم الحدیث:۱۲۲۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۴۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا' سعید بن جبیر نے کہا: قربیٰ سے مراد آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے جلدی کی ہے' قریش کے ہر رحم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی' آپ نے فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی بناء پر تم میرے ساتھ ملاپ سے رہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۱۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۵۱' مسند احمد رقم الحدیث:۲۵۹۹' عالم الکتب' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۱۱۳۰)

اس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات میں جو تبلیغ رسالت پر اجر لینے کی نفی ہے اس اجر سے مراد معروف اجر ہے' جیسے مال و دولت' سونا چاندی اور دیگر قیمتی چیزیں اور جس اجر کو آپ نے طلب فرمایا ہے وہ آپ کی ذات سے محبت کرنا ہے' اس قرابت کی وجہ سے جو آپ کے اور قبائل عرب کے درمیان تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کی ذات سے محبت کرنا شرعاً

مطلوب ہے' کیونکہ جب قبائل عرب آپ کی ذات سے محبت کریں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے تو اس سے ان کے اسلام قبول کرنے میں آسانی ہوگی اور یہ معروف اجر نہیں ہے اور یہ وہ اجر نہیں ہے جس کو طلب کرنے کی دیگر آیات میں نفی کی گئی ہے۔

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد اہل بیت کی محبت ہے اور فضائل اہل بیت میں احادیث صحیحہ

(۲) اس آیت میں قربیٰ سے مراد آپ کے قرابت دار ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (الشوریٰ: ۲۳) نازل ہوئی تو مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۵۱' رقم الحدیث: ۱۲۲۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۰۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث صحیحہ ہیں:

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا' بے شک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ مجھ سے صرف مومن محبت رکھے گا اور صرف منافق مجھ سے بغض رکھے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس کا محبوب ہوں علی اس کے محبوب ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳' مسند احمد ج ۴ص ۳۶۸' المستدرک ج ۳ص ۱۱۰۔۱۰۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۸۹)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں تمام مؤمنوں کی جانوں کی بہ نسبت ان سے زیادہ قریب ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کی جان پر اس سے زیادہ تصرف کرنے والا ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں جس کا محبوب ہوں سو علی اس کے محبوب ہیں' اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے' اس کے بعد حضرت عمر کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: اے علی! تم کو مبارک ہو' تم اس حال میں صبح اور شام کرتے ہو کہ تم ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے محبوب ہوتے ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۴۲)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے' جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا' ایک روایت میں ہے: جو چیز اس کو اذیت پہنچائے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۹)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے' آپ کے پاس کوئی چیز تھی' نہ جانے وہ کیا تھی' جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا:

یہ کیا چیز ہے؟ تو آپ نے اپنی چادر کھول کر دکھایا تو آپ کی گود میں حضرت حسن اور حضرت حسین تھے' آپ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں' اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور اس سے محبت کر جو ان دونوں سے محبت رکھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹' المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۸۔۹۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۹' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق فرمایا: جو ان سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اور جو ان سے صلح رکھے گا میں اس سے صلح رکھوں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۴۴' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے تو کبھی گم راہ نہیں ہو گے' کتاب اللہ اور میری عترت' میرے اہل بیت۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۸۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۲۴۴۰' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۸۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ اپنی نعمتوں سے تم کو غذا دیتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۹' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰' الحلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے' جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۱۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت کے وجوب میں یہ احادیث صحیحہ ہیں جن کو ہم نے الشوریٰ: ۲۳ میں درج کیا ہے۔

فضائل اہل بیت میں سابقین کی نقل کردہ موضوع احادیث

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۸ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اہل بیت کی محبت کے ثبوت میں حسب ذیل روایت بیان کی ہے جس کی سند موضوع ہے' وہ روایت یہ ہے:

سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ شہید ہے' سنو جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ بخشا ہوا ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ تائب ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ کامل الایمان ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کو ملک الموت نے جنت کی بشارت دی' پھر منکر نکیر نے بشارت دی۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کو جنت میں اس طرح بنا سنوار کر لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو خاوند کے گھر میں بنا سنوار کر لے جایا جاتا ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں جنت کی طرف دو کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر کو اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتوں کا مزار بنا دیتا ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا

وہ السنت والجماعت پر مرا' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ کفر پر مرا' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔

(الکشف والبیان ج ۸ص ۳۱۴' الکشاف ج ۴ص ۲۲۵' تفسیر کبیر ج ۹ص ۵۹۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۲۳' روح البیان ج ۸ص ۳۱۶)

یہ روایت' حدیث کی کسی معروف اور مستند کتاب میں مذکور نہیں ہے' اس روایت کو علامہ ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' وہ سند یہ ہے: ابو محمد عبد اللہ بن حامد اصبہانی از عبد اللہ بن محمد بن علی بن حسین بلخی از یعقوب بن یوسف بن اسحاق از محمد بن اسلم طوسی از یعلیٰ بن عبید از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم از جریر بن عبد اللہ بجلی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو!۔۔۔۔۔ (الکشف والبیان ج ۸ص ۳۱۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس سند کو ذکر کر کے فرمایا ہے: یہ سند موضوع ہے' اس روایت کے من گھڑت ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں' محمد بن اسلم اور اس کے اوپر کے راوی ثابت ہیں اور اس سند میں وجہ آفت ثعلبی اور محمد کے درمیان کے راوی ہیں اور اس میں علت بلخی ہے یا اس کا شیخ ہے اور میں نے ان دونوں کا ذکر اسماء الرجال کی کسی کتاب میں نہیں پایا' سو یہ روایت موضوع ہے۔

(الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۴ص ۲۲۰' وعلیٰ حامش الکشاف ج ۴ص ۲۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور باقی مفسرین نے اس روایت کو کشاف کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور یہ سب لوگ اس روایت کی سند کی تحقیق کے بغیر نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

فضائل اہل بیت میں علامہ زمخشری نے اس مقام پر ایک اور موضوع روایت ذکر کی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم چار میں سے چوتھے ہو' سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے' وہ میں ہوں اور تم ہو اور حسن اور حسین ہیں اور ہماری بیویاں' ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیویوں کے پیچھے ہوگی۔ (الکشاف ج ۴ص ۲۲۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اس روایت کو کدیمی نے ابن عائشہ سے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کیا ہے' یہ سند ساقط الاعتبار ہے' کدیمی کا نام محمد بن یونس ہے۔ ابن عدی نے اس کو وضع سے متہم کیا ہے' ابن حبان نے کہا: اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث وضع کی ہیں' ابو داؤد اور دارقطنی نے اس کو کذب سے متہم کیا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۴ص ۷۵۔۷۴) یہ ان لوگوں میں سے ہے جو حدیث گھڑتے ہیں' اس حدیث میں دوسری علت عبید اللہ بن محمد بن ابی رافع ہے۔ امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے' اسی طرح ابو حاتم نے کہا۔ (میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۷۹۰۴) اور یہ روایت اس سند کے ساتھ باطل ہے' اس روایت کے موضوع ہونے کی علامات بالکل ظاہر ہیں۔

(الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۴ص ۲۲۰' وعلیٰ حامش الکشاف ج ۴ص ۲۲۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ جب فضائل اہل بیت میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر فضائل اہل بیت کو ثابت کرنے کے لیے ان موضوع روایات کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے حتیٰ کہ کسی طعن کرنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ

فضائل اہل بیت تو صرف موضوع اور باطل روایات سے ثابت ہیں۔ ہم نے ان روایات کا موضوع ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مبادا کوئی شخص سابقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر ان روایات کو صحیح گمان کرے اور سابقین پر اعتماد کر کے ان روایات کو آگے بیان کرے اور نادانستہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے جرم اور گناہ میں ملوث ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کے وجوب کے ثبوت میں ہم نے احادیث صحیحہ بیان کی ہیں اور اس تمہید کے بعد جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت (الشوریٰ: ۲۳) میں اس اجر کو طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے جس کی قرآن مجید کی دوسری آیت میں نفی فرمائی ہے' کیونکہ اس اجر سے مراد معروف اجر ہے یعنی مال و دولت وغیرہ اور اس آیت میں جس اجر کے سوال کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنا' ان کی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا' باقی رہا یہ کہ اپنے اقارب کے ساتھ محبت کرنے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین کرنا اقرباء پروری ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے سو یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے' اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنی ہی عبادت کیوں نہ کر لے وہ اس صحابی کا مرتبہ نہیں پا سکتا جس نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو یہ عزت اور خصوصیت دی کہ کوئی خاتون خواہ کتنی عابدہ زاہدہ ہو وہ آپ کی ازواج کے مرتبہ کو نہیں پا سکتی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے اہل بیت کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی ہے کہ ان کی محبت کو امت پر واجب کر دیا' ان پر صدقہ واجبہ کو حرام کر دیا اور ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ بھیجنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کو مقرر کر دیا۔

اس اعتراض کا یہ جواب کہ قربیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے: ''میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم قربیٰ سے محبت رکھو'' اس آیت میں قربیٰ سے مراد اللہ کا قرب ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو تمہارے لیے دلائل اور ہدایت کی تبلیغ کی ہے' میں اس پر تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اللہ سے محبت رکھو اور اس کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۸' مؤسسة الرسالة' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۴۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۴۴۔۴۴۳' حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۲۲۸)

الشوریٰ: ۲۳ کی اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا' نہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دیگر آیات میں تبلیغ رسالت پر اجر طلب کرنے کی نفی ہے اور اس آیت میں اثبات ہے کیونکہ اللہ کے قرب کو امت سے طلب کرنا وہ اجر نہیں ہے جس کے طلب کی نفی کی گئی ہے اور نہ اس پر اقرباء پروری کا اعتراض ہوتا ہے اور اس آیت کی یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں نے جو تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کی مشقت اٹھائی ہے اس پر میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت سے محبت رکھو اور ہمیشہ اس کے احکام پر عمل کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان کے قریب نہ جاؤ اور جو شخص اللہ کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرے اس سے محبت رکھو' انسان

اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے محبوب سے محبت رکھے کیونکہ دونوں کا محبوب واحد ہوتا ہے' سو جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا ہو گا اور اس آیت کے عموم میں داخل ہو گا کہ میں تبلیغ رسالت کی مشقت پر صرف اس اجر کا طالب ہوں کہ تم اللہ کا قرب حاصل کرنے میں محبت رکھو۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کا عقیدہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے' سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حصول قرب میں محبت کرنے والے تھے اور قربیٰ کی یہ تیسری تفسیر جو ہم نے کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہا جائے اور قربیٰ کی جو دوسری تفسیر ہم نے ذکر کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت کے ساتھ رہا جائے' خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں کی تعظیم و تکریم کی جائے' دونوں سے محبت رکھی جائے اور دونوں سے وابستہ رہا جائے اور یہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے کہ وہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں سے عقیدت رکھتے ہیں' اس کے برخلاف شیعہ اور رافضی اہل بیت سے تو محبت رکھتے ہیں لیکن صحابہ پر تبرا کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں اور ناصبی صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور اہل بیت کی مذمت کرتے ہیں اور خارجی صحابہ اور اہل بیت دونوں کی مذمت کرتے ہیں۔

ہمارے ایک کنارے پر دنیا ہے اور دوسرے کنارے پر آخرت ہے اور درمیان میں تاریک سمندر ہے اور اندھیری رات میں جب انسان نے سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پہنچنا ہو تو اس کے پاس صحیح و سالم کشتی بھی ہونی چاہیے اور اس کی نظر ستاروں پر ہونی چاہیے تاکہ اندھیرے میں اس کو ستاروں کی رہ نمائی حاصل ہو' دونوں میں سے ایک چیز بھی حاصل نہ ہو تو وہ سلامتی سے دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکتا' اس وقت ہم احکام شرعیہ کے سمندر میں سفر کر رہے ہیں اور شیطان اور نفس امارہ کی موجیں ہم سے ٹکرا رہی ہیں اور ان کی طوفانی لہروں کے تھپیڑے ہمیں سلامتی کے ساحل سے دور رکھنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں' ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اخروی سفر کی سہولت اور آسانی کے لیے ہمیں اہل بیت سے محبت اور وابستگی کی کشتی فراہم کی اور معصیت کے اندھیروں میں رہ نمائی کے لیے صحابہ کرام کو ستارے قرار دے کر ان کی ہدایت کی روشنی فراہم کی۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کے متعلق احادیث

اہل بیت سے محبت کو کشتی اس حدیث میں قرار دیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۱۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۱' جامع الاحادیث والسنن رقم الحدیث: ۳۲۳۸)

اور صحابہ کرام کو ستارے قرار دینے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہم نے کہا: ہم یہاں بیٹھے ہیں تاکہ آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں' ہم بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے' آپ نے فرمایا: تم جب سے یہیں ہو؟ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہم نے کہا: ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں حتیٰ کہ ہم آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں' آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا'

پھر آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ اکثر آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے' پس آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کی امان ہیں اور جب ستارے نہیں ہوں گے تو پھر آسمان بھی پھٹ جائے گا اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں' جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت فتنوں اور بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن' رقم الحدیث: ۲۰۷' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۵۳۱' الرقم المسلسل: ۶۳۴۸)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ منزلہ ستارے اور امت کے لیے وجہ امان قرار دیا ہے۔ اس کی تائید میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی مثال اس طرح ہے جیسے ستاروں کی مثال ہے' لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور جب وہ غائب ہو جاتے ہیں تو لوگ حیران ہو جاتے ہیں۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۱۹۳' اتحاف السادۃ اطہرۃ رقم الحدیث: ۸۶۲۷' حافظ ابن حجر نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے' مگر ہم کو مضر نہیں کیونکہ ہم نے اس کو تائید کے طور پر ذکر کیا ہے)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ نظام الدین نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے صحابہ کو ستارے قرار دینے کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں' تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تم ہدایت پا جاؤ گے۔

(تفسیر کبیر ج۹ ص۵۹۶' غرائب القرآن ج۶ ص۴۷' روح المعانی جز ۲۵ ص۵۰)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے درج نہیں کیا کہ اس حدیث کی سند پر بہت سخت جرح کی گئی ہے' حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں' اس کی سند میں جعفر بن عبد الواحد ہے اور وہ کذاب ہے' ابوبکر بزار نے کہا: یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں' ابن حزم نے کہا: یہ حدیث جھوٹی موضوع باطل ہے۔

(تلخیص الحبیر ج۴ ص۱۵۶۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے اس حدیث کا ساقط الاعتبار ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مفسرینِ سابقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر مبادا کوئی اس حدیث کو صحیح سمجھ لے اور اور اس حدیث کو بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت قدر کرنے والا ہے O''

اقتراف اور شکر کا معنیٰ

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''ومن یقترف حسنۃ'' یعنی جو شخص نیکی کا کسب کرے گا' اقتراف کا معنیٰ ہے: اکتساب۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: اقتراف کا اصل معنیٰ ہے: درخت کی کھال چھیلنا' زخم کی کھال کو کریدنا' اس کا مجازی معنیٰ ہے: کسب کرنا' خواہ کسب اچھا ہو یا بُرا' لیکن بُرے کسب میں اقتراف زیادہ مشہور ہے' کہا جاتا ہے: ''الاعتراف

یـزیل الاقتراف ''اعتراف جرم ارتکاب جرم کو زائل کر دیتا ہے' قرف کا معنیٰ ہے: تہمت لگانا' کسی بات کو گھڑ کر یوں ظاہر کرنا کہ اصل میں یوں ہی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ○ (الانعام:۱۲۱)

جو لوگ گناہ کماتے ہیں ان کو عنقریب ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی ○

وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○ (الانعام:۱۱۴)

اور تاکہ وہ بُرے کام کریں جن بُرے کاموں کو وہ کرنے والے ہیں ○

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قراف کا معنیٰ جماع کرنا بھی ہے۔ حدیث میں ہے: جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کان منکم لم یقارف اهله اللیلة فلیدخل قبرها.

تم میں سے جس شخص نے آج رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو وہ اس کی قبر میں داخل ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶) (نہایہ ج ۴ ص ۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کے اس حصہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کا پورا پورا اجر دے گا اور اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شکور فرمایا ہے' شکور کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ شکر کرنے والا' اور شکر اس فعل کو کہتے ہیں جس سے منعم کی تعظیم ظاہر ہو اور اس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر شکور کا اطلاق محال ہے' اس لیے یہاں شکور کا معنیٰ مجازی مراد ہے' یعنی شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ قدردان کیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اعتراض کا جواب

الشوریٰ: ۲۴ میں فرمایا: ''یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے' پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو ثابت رکھتا ہے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○''

اس آیت میں افتراء اور کذب کے دو لفظ ہیں' افتراء کا معنیٰ ہے: اپنی طرف سے بات گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کرنا اور کذب کا معنیٰ ہے: خلاف واقع بات کو بیان کرنا خواہ کسی سے سن کر بیان کرے یا اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے۔

کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے' سو آپ کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا: پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ آپ کے دل پر مہر لگا دے گا' یعنی اگر اللہ چاہتا تو آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا کہ آپ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکتے' نہ کسی حرف یا لفظ کا تلفظ کر سکتے حتیٰ کہ آپ کوئی بات نہ کر سکتے' پس اگر آپ بالفرض اللہ پر افتراء کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر ایسی مہر نہیں لگائی تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں باندھا اور کفار کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔

''اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے'' اس کے دو محمل ہیں (۱) اگر بالفرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر افتراء باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا اور حق کو ثابت کر دیتا (۲) یہ کفار جو آپ کی نبوت پر طعن کرتے ہیں کہ آپ پر حقیقت میں وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ پر (العیاذ باللہ) افتراء باندھا ہے ان کا یہ طعن باطل ہے

اور آپ کی نبوت برحق ہے' اللہ تعالیٰ ان کے طعن کو مٹا دے گا اور آپ کی نبوت کو ثابت کر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے'' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳' تمہ جامع المسانید والسنن مسند ابوہریرہ رقم الحدیث: ۵۰۱۰)

الشوریٰ: ۲۵ میں فرمایا: ''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O''

توبہ کا لغوی اور عرفی معنیٰ

اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جس گناہ سے بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا نہیں دیتا اور اس پر مواخذہ نہیں کرتا اور بندے کی توبہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس سے جو گناہ ہو گیا ہے اس پر نادم ہو اور دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرے۔ اگر اس سے فرائض اور واجبات رہ گئے ہیں تو ان کو قضا کرے' اگر کسی کا مال غصب کر لیا تھا یا چوری کر لیا تھا تو اس کا مال اس کو واپس کر دے اور جس طرح پہلے اس نے گناہ میں کوشش کی تھی اسی طرح اب اطاعت اور عبادت میں کوشش کرے اور جس طرح اس کو پہلے گناہ میں لذت حاصل ہوئی تھی اب عبادت میں لذت حاصل کرے اور ہنسا کم کر دے اور روئے زیادہ۔

توبہ کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے اوپر گر پڑے گا اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس مکھی کو اڑا دے گا' پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں تھیں' اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر رکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی' گرمی بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی' وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا' پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما' اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۸' دار الفکر' بیروت' تمہ جامع المسانید والسنن مسند ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۴۸۸۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک و تعالیٰ حیاء دار کریم ہے' جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۸۸ سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۵۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۶۶)

ابی الجون بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی بانجھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو گم شدہ چیز کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے' پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین سے اس کے گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث:۱۹۴ کنز العمال رقم الحدیث:۱۰۲۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والوں کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہےO اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہےO وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہواO اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جان داروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہےO (الشوریٰ:۲۹۔۲۶)

مسلمانوں کی بعض دعائیں قبول نہ فرمانے کی حکمتیں

الشوریٰ:۲۶ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے' حالانکہ بعض اوقات مؤمنین صالحین کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں' اس کے مفصل جواب تو ہم "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (المومن:۶۰) میں بیان کر چکے ہیں اور اس کے بعض جوابات پر مشتمل احادیث کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کی دعا کے بعد تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے یا تو اس کا کوئی گناہ معاف کر دیا جاتا ہے یا اس کے لیے کسی خیر کو ذخیرہ کر لیا جاتا ہے یا اس کو کسی نیک عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۲۹۴۷ کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۶۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے یا اس سے اس دعا کی مثل کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے' بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۸۱ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰ جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث:۱۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ عزوجل کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے اوپر مصائب ڈال دیتا ہے اور جب بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے تو جبریل عرض کرتے ہیں: اے رب! اس کی حاجت پوری کر دے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: رہنے دو مجھے اس کی آواز اچھی لگتی ہے' پھر جب وہ (دوبارہ) دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! لبیک! مجھے میری عزت کی قسم! تو مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا میں تجھ کو وہ عطا کروں گا اور تو مجھ سے جس چیز کی بھی دعا کرے گا میں تیری وہ دعا قبول کروں گا' یا تو تجھ کو جلدی وہ چیز دے دوں گا یا تیرے لیے آخرت میں اس چیز کا ذخیرہ کر لوں گا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۲۷۹۰ کنز العمال رقم الحدیث:۹۱۸)

اللہ تعالیٰ مومن کی دعا کیوں کر قبول نہیں فرمائے گا جب کہ وہ مومن کی دعا کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے اچھا سوال یہ ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ ابن عمر رقم الحدیث: ۷۸۴)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کی دعا قبول فرماتا ہے' اس وجہ سے اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول فرماتا ہے یا نہیں' بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول نہیں فرماتا کیونکہ دعا قبول کرنا دعا کرنے والے کی تعظیم ہے اور کافر تعظیم کے لائق نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ بعض اعتبار سے کافر کی دعا بھی قبول کرنا جائز ہے اور اس آیت میں قبولیت دعا کی مؤمنوں کے ساتھ اس لیے تخصیص فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی دعا قبول فرما کر مؤمنین کو عزت اور شرف عطا فرماتا ہے اور کافروں کی دعا کو بہ طور استدراج قبول فرماتا ہے یعنی ان کو ان کی فریب خوردگی میں بتلا رکھنے کے لیے ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے اور آخرت میں ان کو سخت عذاب ہوگا۔

الشوریٰ: ۲۷ میں فرمایا: ''اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے' لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O''

الشوریٰ: ۲۷ کا شانِ نزول

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں ہر شخص نعمت کے ساتھ صبح کو اٹھتا تھا اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ تھا کہ ایک شخص دریائے فرات سے پانی پیتا تھا اور سائے میں بیٹھتا تھا اور گندم کی روٹی کھاتا تھا اور یہ آیت اہل صفہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ''وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ '' (الشوریٰ: ۲۷) کیونکہ اہل صفہ نے کہا تھا: کاش! ہمارے لیے رزق کشادہ ہوتا اور انہوں نے دنیا کی تمنا کی تھی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۴۵' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۶۳' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۴۸)

فقراء مسلمین نے وسعت اور فراخ دستی کی تمنا کی تھی' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر رزق فراخ اور کشادہ کر دے گا تو یہ سرکشی کریں گے اور ان کے لیے جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے تجاوز کریں گے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی سرکشی یہ ہے کہ یہ ایک گھر ملنے کے بعد دوسرا گھر طلب کریں گے' ایک چوپائے کے بعد دوسرا چوپایا اور ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر ان کو کثیر چیزیں مل جائیں تو یہ اکثر کو طلب کریں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: بہترین رزق وہ ہے جو تمہارے اندر سرکشی پیدا نہ کرے اور نہ تمہیں اللہ کی عبادت سے غافل کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۷۱۶، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آیا ایک سے زائد لباس رکھنا سرکشی اور بغاوت ہے؟

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک گھر کے بعد دوسرا گھر، ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا زمین میں سرکشی اور بغاوت کرنا ہے، اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، خصوصاً یہ کہنا کہ ایک سے زائد لباس رکھنا زمین میں سرکشی اور بغاوت ہے، عقلاً اور شرعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر انسان کے پاس صرف ایک ہی لباس ہو تو اگر وہ ساری عمر اسی لباس کو پہنا رہے تو وہ بہت میلا اور گندا ہو جائے گا اور اس میں جوئیں پڑ جائیں گی اور میلے کپڑوں کو نہ دھونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اگر وہ اس کو دھو کر صاف کرے گا تو جب اس کے پاس صرف وہی ایک لباس ہے تو کیا وہ برہنہ ہو کر اپنے کپڑے دھوئے گا اور کپڑے سوکھنے تک کیا وہ برہنہ بیٹھا رہے گا، حالانکہ برہنہ رہنا شرعاً مذموم ہے، اسی طرح اگر رات کو کپڑا نجس ہو جائے تو اس کو کس طرح پاک کرے گا۔

نیز ایک سے زائد کپڑے رکھنے کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

ایک سے زائد لباس رکھنے کے ثبوت میں احادیث

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور ان کے باقی کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے، انہوں نے اس کپڑے کو اپنی گدی پر باندھا ہوا تھا، ان سے کسی نے کہا: آپ ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اور کپڑے بھی ہیں، حضرت جابر نے کہا: میں نے عمداً ایسا کیا ہے تاکہ تم جیسے احمق کو بھی معلوم ہو جائے کہ ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز ہو جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہمارے پاس کب دو کپڑے ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰_۳۶۱_۳۵۳_۳۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی حلہ فروخت ہو رہا تھا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ یہ حلہ خرید لیتے اور جمعہ کے دن اس کو پہنتے اور جب لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے تو آپ اس کو پہنتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ حلے آئے، تو آپ نے ان میں سے ایک حلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا، حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے یہ حلہ پہننے کو دیا ہے، حالانکہ آپ اس سے پہلے عطارد کے حلوں کے متعلق وہ فرما چکے ہیں جو آپ نے فرمایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو پہننے کے لیے یہ حلہ نہیں دیا، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ حلہ دے دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸۲، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۸۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش ونگار والی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی، پھر آپ نے اس کے بیل بوٹوں کی طرف نظر ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: ابوجہم کی اس چادر کو لے جاؤ اور مجھے ان کی سادہ چادر لا دو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۴، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۹۱۶)

امام بخاری ذکر کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف نہ کرو اور

تکبر نہ کرو اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو اور اسراف اور تکبر سے بچو۔

(صحیح البخاری کتاب اللباس باب:۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ ایک کپڑے کے بعد دوسرے کپڑے کو طلب کرنا اللہ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی ہے یہ ان کی طرف غلط منسوب ہے اور رزق میں جو کشادگی بغاوت اور سرکشی کا سبب ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے پاس مال زیادہ ہو اور وہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے' مثلاً شراب پئے' جوا کھیلے' فلمیں بنائے اور غیر محرم عورتوں سے اور ناجائز ذرائع سے اپنی جنسی تسکین کرے یا اپنی شان وشوکت دکھانے اور نام ونمود کے لیے بے تحاشا خرچ کرے اور اگر کوئی اپنا شوق پورا کرنے کے لیے اور زیب وزینت کے قصد سے چالیس پچاس کپڑوں کے جوڑے بنائے اور سال میں دس بارہ جوڑے غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ اسراف ہے نہ تکبر ہے' سرکشی اور بغاوت تو بہت دور کی بات ہے' وہ محض جمال اور زیبائش کے قصد سے مستحسن کام ہے اور احادیث میں اس کی تائید ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا' ناجائز ہے۔

(ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔

(ج) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا' مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے التذاذ کے لیے خرچ کرنا' اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے' اس کی پھر دو قسمیں ہیں: اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطرہ کو دور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ اسراف ہے اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جب کہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید' قاضی حسین' امام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تبذیر ہے اور ناجائز ہے' محرر میں ہے کہ یہ تبذیر نہیں ہے' علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے اور زیادہ راجح یہ ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی' مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو راہِ خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں صبر کر سکتا ہو' علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے' البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر' اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے' اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ مال کسی ناتجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جواہر نفیسہ پر مال خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعی ہے اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں۔ بہر حال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے اور آرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۹۔۴۰۸ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اسراف اور اقتار کا محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ (الفرقان: ۶۷)

وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے ○

امام رازی نے اس آیت کی تین تفسیریں ذکر کی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے' غلو ہو نہ تقصیر' جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو ○

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنا اقتار ہے' مجاہد نے کہا: اگر پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو اسراف نہیں ہے اور اگر صاع (چار کلو گرام) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔ حسن بصری نے کہا: کبھی واجب کو ادا کرنا نہ تقتیر ہوتا ہے اور کبھی مستحب کو ادا نہ کرنا بھی تقتیر ہوتا ہے' مثلاً اگر مال دار آدمی اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت نہ کرے تو یہ بھی تقتیر ہے۔

(۳) دنیا کے عیش اور آسائش میں حد سے گزرنا اسراف ہے' خواہ یہ عیش مال حلال سے ہو پھر بھی مکروہ ہے' کیونکہ یہ تکبر اور اقتار کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر زیادہ سیر ہو کر کھائے جس کی وجہ سے عبادت نہ کر سکے تو یہ اسراف ہے اور اگر بقدر ضرورت سے کم کھائے تو اقتار ہے اور اعتدال یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفت ہے جو لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور نہ جمال اور زینت کے لیے پہنتے تھے' وہ بس اتنا کھاتے تھے جس سے بھوک دور ہو جاتی اور اس سے ان کو عبادت کرنے کی طاقت حاصل ہوتی اور اتنا لباس پہنتے جو ستر عورت کے لیے کافی ہوتا اور ان کو گرمی اور سردی سے بچا سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۶' دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے

امام رازی نے جو لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور جمال اور زینت کے لیے نہیں پہنتے تھے یہ ان بعض صحابہ کا حال ہے جن پر زُہد کا غلبہ تھا۔ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صاحب حیثیت کے لیے رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا' قیمتی کپڑے پہننا اور دیگر زیبائش اور آرائش کی اشیاء حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر وثواب ہے بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان چیزوں کے حصول میں مال خرچ کرنے سے کوئی مالی عبادت فوت ہو نہ کسی کا حق تلف ہو' اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ. (البقرہ:۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. (المائدہ:۸۷)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. (الاعراف:۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ اور اللہ کے رزق سے پاک اور لذیذ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال لا يدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرة من كبر قال رجل ان الرجل يحب ان يكون ثوبه حسنا ونعله حسنة قال ان الله جميل يحب الجمال الكبر بطر الحق وغمط الناس.

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حُسن کو پسند کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم سأل رجل عمر فقال اذا وسع الله فاوسعوا. (صحیح البخاری ج۱ ص۵۳' مطبوعہ کراچی)

ایک شخص نے حضرت عمر سے (دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق) پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی الاحوص عن ابيه قال اتيت النبی صلى الله عليه وسلم فی ثوب دون فقال الک مال قال نعم قال من ای المال قال قد اتانی الله من الابل والغنم والخيل والرقيق قال فاذا اتاک الله مالا فلير اثر نعمة الله عليک و كرامته.

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۶۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۲۳۹)

ابو الاحوص کے والد (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑوں میں گیا' آپ نے فرمایا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی! فرمایا: کون سا مال ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ' بکریاں' گھوڑے اور غلام دیئے ہیں' آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے

يحب ان يرى اثر نعمته على عبده.

بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنے کو پسند کرتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹ مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد الله قال اتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فراى رجلا شعثا قد تفرق شعره فقال اما كان هذا يجد ما ليسكن به شعره وراى رجلا اخر عليه ثياب وسخة فقال اما كان هذا يجد ما يغسل به ثوبه.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بالوں کو ٹھیک کر سکے ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس کو ایسی چیز دستیاب نہیں جس سے اپنے کپڑے دھو سکے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۲ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۳ جامع المسانید والسنن مسند جابر ابن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۶۵۰)

ہم نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی کپڑے پہننا بھی مستحسن اور مستحب ہے بشرطیکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کیے جائیں۔ باقی امام رازی نے جو یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور زینت کے لیے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ان بعض صحابہ کا حال ہو جن پر زہد کا غلبہ تھا ورنہ عام صحابہ کرام سے یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیات اور صریح احادیث سے صرف نظر کر لیتے؟ اور اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ بھوک مٹانا اور شرم گاہ چھپانا تو ضروری ہے اس لیے بھوک مٹانے کے لیے کھانا اور ستر پوشی کے لیے پہننا تو اجر وثواب کا باعث ہوگا لیکن لذت کے لیے اچھے کھانے کھانا اور زیبائش کے لیے قیمتی کپڑے پہننا کس طرح اجر وثواب کا موجب ہوگا؟ کیونکہ مقصود رمق حیات کو برقرار رکھنا ہے حصول لذت تو مقصود نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال سے کھانے کی لذت حاصل کرنا اور حلال مال سے زیبائش حاصل کرنا اس لیے موجب اجر وثواب ہے کہ اگر اس لذت کو حرام مال سے حاصل کیا جاتا تو اس پر بندہ اخروی سزا کا مستحق ہوتا' سو اگر بندہ اس لذت کو حلال مال سے حاصل کرے گا تو اخروی اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اس کی دلیل اس حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى بضع احدكم صدقة قالوا يا رسول الله اياتى احدنا شهوته ويكون له فيها اجر قال ارء يتم لو وضعها فى حرام اكان عليه وزر فكذلك اذا وضعها فى الحلال كان له اجر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کا جماع کرنا بھی صدقہ ہے' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اگر شہوت پوری کرنے کے لیے جماع کرے تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا تو اس کو گناہ ہوتا؟ سو اگر وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸)

خلاصہ یہ ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا' قیمتی لباس پہننا' خوبصورت مکان بنانا اور دیگر زیب وزینت اور آرام اور آسائش کی چیزیں حاصل کرنا صاحب حیثیت کے لیے نہ صرف جائز ہے بلکہ اجر وثواب کا موجب ہے بشرطیکہ ان لذتوں

کے حصول کی وجہ سے کسی مالی عبادت میں حرج ہو اور نہ کسی حق دار کا حق تلف ہو اور ان نعمتوں پر وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

مال و دولت کی تقسیم میں مساوات کی خرابیاں

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم لوگ رزق اور مال و دولت میں مساوی ہوتے تو نہ کوئی مزدور ہوتا نہ مستری ہوتا' نہ کوئی کاریگر ہوتا نہ انجینیر ہوتا' انسان کے جسم کے تمام اعضاء مساوی نہیں ہیں' ایک آنکھ کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک انگلی کی نہیں ہے' سر کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک ہاتھ یا پیر کی نہیں ہے' خون شریانوں میں ہوتا ہے اور پیشاب مثانہ میں ہوتا ہے' اگر اس کا الٹ ہو جائے اور کسی کا خون مثانہ میں پہنچ جائے اور پیشاب شریانوں میں چلا جائے تو جسم کا نظام فاسد ہو جائے گا تو جس طرح انسان کے اعضاء میں درجات کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح انسانوں کے طبقات میں فرق ہے' جس طرح ایک کار یا ایک جہاز کے تمام پرزے ایک درجہ کے نہیں ہوتے اسی طرح انسانوں کے تمام طبقات بھی ایک درجے کے نہیں ہیں اور سب انسانوں کے پاس برابر کا رزق ہوتا تو معیشت' کارخانے اور کاروبار معطل ہو جاتے۔

اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر ہمیشہ بارش ہوتی رہتی تو لوگ دعا نہ کرتے' اس لیے کبھی بارش نہیں ہوتی تا کہ لوگ دعا کریں اور کبھی بارش ہو جاتی ہے تا کہ لوگ شکر کریں۔

مال کی زیادتی کی خرابیاں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے' ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے متعلق اس بات کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی خوش حالی اور اس کی زیب و زینت کھول دی جائے گی' ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا اچھائی بُرائی کا سبب بن جائے گی؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے' اس لیے اس شخص سے کہا گیا: تم نے ایسی کیا بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بات نہیں کر رہے' پھر ہم کو ایسا لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے' پھر آپ نے پسینہ صاف کیا' پھر آپ نے پوچھا کہ وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اور گویا کہ آپ نے اس سائل کی تعریف کی' پھر آپ نے فرمایا کہ اچھائی بُرائی کا سبب نہیں بنتی' لیکن موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے' البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے جو خوب چرتا ہے' پھر جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہے تو وہ دھوپ میں جا کر لید یا پیشاب کرتا ہے اور پھر چرنا شروع کر دیتا ہے' اسی طرح یہ مال و دولت بھی ایک خوشگوار سبزہ زار ہے اور مسلمان کا وہ مال کس قدر عمدہ ہے جو مسکین' یتیم اور مسافر کو دیا جائے یا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مال کو ناحق طریقہ سے لے گا وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا رہتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۲)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک مثال اس شخص کی ہے جو حد سے زیادہ دنیا جمع کرتا ہے اور اس مال کا حق ادا نہیں کرتا ہے اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جو اعتدال کے ساتھ مال دنیا جمع کرتا ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے یہ اس شخص کی مثال ہے جو ناحق طریقہ سے مال جمع کرتا ہے کیونکہ موسم بہار میں خشک گھاس کی تاثیر گرم ہوتی ہے' مویشی اس کو کثرت سے کھاتے ہیں' حتیٰ کہ ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور جب ان کا کھانا اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو ان کی انتڑیاں پھٹ جاتی ہیں اور وہ مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں'

اسی طرح جو شخص ناحق مال دنیا جمع کرتا ہے اور حق دار کو اس کا حق نہیں دیتا تو وہ آخرت میں ہلاک ہو جاتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے جو خوب چرتا ہے الخ' یہ اعتدال سے دنیا جمع کرنے والے کی مثال ہے کیونکہ سرسبز گھاس فصل بہار کی خشک گھاس کی طرح نہیں ہے' یہ وہ سبزہ ہے جس کو فصل پکنے کے بعد مویشی کھاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اس شخص کی دی ہے جو اعتدال سے دنیا جمع کرتا ہے اور اس کو حرص اس بات پر برانگیختہ نہیں کرتی کہ وہ ناحق مال جمع کرے' اس لیے وہ ناحق مال جمع کرنے والے کے وبال سے نجات یافتہ ہے' جیسے سبزہ کھانے والے مویشی نجات یافتہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۹ ص ۵۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو فقیر بنانے کی مصلحتیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اللہ سبحانہ پر لوگوں کی صلاح اور منفعت کے لیے افعال کرنا واجب نہیں ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ اگر اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی تو اس کے اعمال فاسد ہو جائیں گے۔ اس لیے اس کی مصلحت اس میں ہے کہ اس پر رزق تنگ کر دیا جائے' پس کسی شخص پر رزق تنگ کرنا اس کی توہین نہیں ہے اور کسی پر رزق کشادہ کرنا اس کی فضیلت نہیں ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں پر رزق کشادہ کر دیا' حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس مال کو ناجائز کاموں میں صرف کریں گے اور اگر وہ اس کے خلاف کرتا تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں اور یہ التزام نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیاء کی مدد میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں اور میں ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتا ہوں جس طرح شیر غضب ناک ہوتا ہے اور میں جو کام کرنے والا ہوں اس میں کبھی اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی تاخیر اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں' وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں' حالانکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور بندہ مومن میرا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اور بندہ مومن نوافل سے میرا مزید قرب حاصل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان' آنکھ' زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مؤید ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور بے شک میرے مومن بندوں میں کچھ وہ ہیں جو مجھ سے عبادت کے دروازہ کے کھولنے کا سوال کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اگر میں اس کے لیے عبادت کا وہ دروازہ کھول دوں تو اس میں فخر اور تکبر پیدا ہو گا اور اس کی وہ عبادت بھی ضائع ہو جائے گی اور بے شک میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں جن کی صلاح اور فلاح صرف غناء اور خوش حالی سے ہو سکتی ہے' اگر میں ان کو فقیر بنا دوں تو فقر ان کے حال کو فاسد کر دے گا اور بے شک میرے مومن بندوں میں سے بعض وہ ہیں کہ ان کی صلاح اور فلاں صرف فقر میں ہے' اگر میں ان کو غنی کر دوں تو غناء اور خوش حالی ان کے حال کو فاسد کر دے گی اور میں اپنے بندوں کی تدبیر کرتا رہتا ہوں کیونکہ

مجھے ان کے دلوں کا علم ہے' بے شک میں علیم (و) خبیر ہوں۔ پھر حضرت انس نے کہا: اے اللہ! بے شک میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جن کی صلاح اور فلاح صرف غناء اور خوش حالی میں ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۴' رسالۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱' مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۶۰' جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی ص ۳۳۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۔۴' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵)

کشادگی رزق کی وجہ سے سرکشی کی وجوہات

رزق میں کشادگی حسب ذیل وجوہ سے طغیان اور سرکشی کا سبب ہے۔

(۱) اگر اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو رزق میں مساوی کر دیتا تو بعض لوگ دوسروں کے محتاج نہ ہوتے اور اس سے اس جہان کا کاروبار چل نہیں سکتا تھا اور تجارت' صنعت و حرفت' کارخانے' تعمیرات اور افواج وغیرہ کا نظام جاری نہ رہ سکتا۔

(۲) اگر سب لوگ سرمایہ دار ہوتے تو زکوٰۃ' صدقہ اور فطرہ لینے والا کوئی نہ ہوتا اور لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدارس دینیہ کی طرف رجوع نہ کرتے' کیونکہ زیادہ تر علم دین حاصل کرنے والے فقراء ہوتے ہیں۔

(۳) انسان فی نفسہٖ اپنی طبیعت کے لحاظ سے متکبر ہے' پس جب وہ غناء اور خوشحالی کو پائے گا تو اپنی خلقت اصلیہ کے تقاضے کی طرف لوٹ جائے گا اور فخر اور تکبر کرے گا اور جب وہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گا تو اس میں تواضع اور انکسار پیدا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تواضع کی طرف رجوع کرے گا۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ پھر چاہیے تھا کہ سب لوگ مفلس اور فقیر ہوتے تاکہ سب لوگ متواضع ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی وہ عبادات نہ ہو سکتیں جو مال و دولت پر موقوف ہیں' مثلاً پھر لوگ حج اور عمرہ نہ کر سکتے' قربانی نہ کر سکتے' زکوٰۃ' صدقات' خیرات اور فطرہ وغیرہ نہ ادا کر سکتے اور نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے' تنگ دست لوگ مال نہ ہونے پر صبر کرتے ہیں اور خوش حال لوگ مال ہونے کی وجہ سے شکر کرتے ہیں' پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں میں فقر و فاقہ رکھتا اور کچھ لوگوں میں مال و دولت رکھتا۔

الشوریٰ: ۲۸ میں فرمایا: ''وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہوا O''

غیث اور قنوط کا معنی

اس آیت میں ''غیث'' کا لفظ ہے' غیث کا معنی ہے: بارش' بادل اور گھاس کو بھی غیث کہتے ہیں۔ (مختار الصحاح ص ۲۸۷)
اور اس آیت میں ''قنطوا'' کا لفظ ہے' قنوط کا معنی ہے: مایوس ہونا۔ (مختار الصحاح ص ۳۲۳)

قحط کے زمانہ میں جب لوگ بارش کے نازل ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں پر اچانک بارش نازل فرما دیتا ہے اور مایوسی کے بعد بارش کو نازل کرنا لوگوں کے لیے زیادہ شکر ادا کرنے کا موجب ہے کیونکہ مصیبت کے بعد جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ زیادہ شکر کا موجب ہوتی ہے۔

بارش ہونے اور بارش نہ ہونے کی وجوہ کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور بچے بھوکے ہیں' آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیجئے' آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: ہم اس وقت آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں

دیکھ رہے تھے' پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' ابھی آپ نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے' حتیٰ کہ پہاڑوں کی مانند بادل امنڈ آئے' پھر ابھی آپ منبر سے نیچے نہیں اترے تھے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کے قطرے ٹپک رہے تھے' پس اس دن بارش ہوتی رہی' پھر اگلے دن بارش ہوتی رہی' پھر اس کے اگلے دن بارش ہوتی رہی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا' پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مکانات منہدم ہو گئے' مال مویشی غرق ہو گئے' سو آپ ہمارے لیے دعا کریں' پس آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما' ہم پر بارش نہ نازل فرما' پس آپ جس طرف بھی اشارہ فرماتے تھے اس طرف سے بادل ہٹتے جاتے تھے اور مدینہ خالی زمین کے ٹکڑے کی طرح ہو گیا اور جو شخص بھی کسی طرف سے آتا تھا وہ زمین کی زرخیزی کی خبر دیتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۱۵۔۱۵۱۴۔۱۵۱۳' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۶۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے شہروں کے قحط اور بارش کے دیر سے ہونے کی شکایت کرتے ہو' حالانکہ اللہ عزوجل نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اس سے دعا کرو اور اس نے تم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا' تم یہ دعا کرو:

اللھم انت اللہ لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت علینا قوۃ وبلاغا الی حین.

اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں' ہم پر بارش نازل فرما اور ہم پر جو بارش نازل فرمائے اس کو ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور رزق کا ذریعہ بنا دے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قحط سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قحط سالی یہ ہے کہ تم پر بارش ہو پھر تم پر بارش ہو لیکن زمین کچھ نہ اگائے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۲۰۲' رقم الحدیث: ۸۵۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۹۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا بارش نہیں ہوتی اور کسی بھی قوم پر قحط سالی اللہ کی ناراضگی کے سوا نہیں ہوتی۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۷۰۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف اسی قوم پر قحط مسلط کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتی ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۶۰۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۹۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر غضب ناک ہوتا ہے تو ان پر زمین میں دھنسانے کا عذاب نازل نہیں کرتا اور نہ ان کی شکلیں مسخ کرتا ہے' ان کے غلے کے نرخ مہنگے ہو جاتے ہیں اور ان سے بارشیں روک لی جاتی ہیں اور ان کے بدترین لوگ ان پر حاکم بنا دیئے جاتے ہیں۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۶۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنے گئے تو ایک چیونٹی نے بھی اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا لیے تو اس نبی نے لوگوں سے کہا: واپس چلو' اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۳۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش نازل کروں گا اور دن میں ان کے لیے دھوپ نکالوں گا اور ان کو بادل کی گرج نہیں سناؤں گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۳۵۹' رقم الحدیث: ۸۷۰۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۴' المستدرک ج ۴ ص ۲۵۶)

''ولی حمید'' کا معنیٰ

اور فرمایا: ''اور وہی ولی حمید ہے''۔ ولی کا معنیٰ ہے: وہ مالک ہے اور اپنے بندوں پر احسان اور اکرام کرنے کا والی ہے اور رحمت کو پھیلانے والا ہے اور حمید کا معنیٰ ہے: وہی حمد اور ستائش کا مستحق ہے' اس کے علاوہ اور کوئی تمام کمالات اور تمام نعمتوں پر تعریف کیے جانے کے لائق نہیں ہے اور ولی کا ایک اور معنیٰ یہ ہے کہ وہی بارش کو نازل کرنے کا مالک ہے اور بارش پر تصرف کرنے والا ہے' وہ جب چاہے بارش کو نازل فرماتا ہے اور جب چاہے بارش کو روک دیتا ہے اور وہی اس تکوینی نظام کو جاری رکھنے پر حمد کا مستحق ہے اور لوگ بارش کے نزول میں اس کے محتاج ہیں اور جب محتاج اور پریشان حال بارش کے حصول کے لیے اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے تو وہی اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی امید اور یاس کے حال میں پرورش فرماتا ہے' جب بندوں پر مایوسی غالب ہو اور وہ خوف زدہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان پر انڈیل دیتا ہے اور خشک سالی اور پانی کی فراوانی اور تنگی اور کشادگی انسان پر باری باری آتی رہتی ہے' انسان نہ ہمیشہ خوش حال رہتا ہے نہ ہمیشہ تنگ دست رہتا ہے' اسے چاہیے کہ کشادگی میں اس کا شکر ادا کرے اور تنگی میں صبر کرے اور صرف اسی سے فریاد کرے۔

الشوریٰ: ۲۹ میں فرمایا: ''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور جان داروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے O''

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''دابۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: چوپایا' اور زمینوں میں تو چوپایوں کو پھیلانا متصور ہے' آسمانوں میں چوپایوں کو پھیلانا کس طرح متصور ہوگا' اس لیے مفسرین نے کہا: اس آیت میں دابہ مجاز پر محمول ہے یعنی زندہ اور جان دار اور فرشتے بھی زندہ اور جان دار ہیں' وہ حرکات کرتے ہیں اور آسمانوں میں اڑتے ہیں اور زمین پر بھی چلتے ہیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''وما بث فیھما'' بث کا معنیٰ کسی چیز کو متفرق کرنا اور پھیلانا' جیسے ہوا مٹی کو اڑا کر پھیلا دیتی ہے اور انسان کے نفس میں غم اور خوشی کی کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جو چیز موجود نہ ہو وہ اس کو موجود کر دیتا ہے۔

الشوریٰ: ۲۹ کے اسرار

اس آیت میں سماوات سے ارواح کی طرف اشارہ ہے اور ارض سے اجسام کی طرف اشارہ ہے اور دابۃ (چوپایوں) سے نفوس اور قلوب کی طرف اشارہ ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے' کیونکہ روحوں اور جسموں کے درمیان بہت فرق ہے' جسم اسفل السافلین میں سے ہے اور روح اعلیٰ علیین میں سے ہے اور نفس دنیاوی شہوات کی طرف مائل ہوتا ہے اور قلب اخروی ربانی شواہد کی طرف مائل ہوتا ہے' نفس دنیا اور اس کی زینت کو طلب کرتا ہے اور قلب اخروی درجات کو طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کے حشر پر قادر ہے۔ جسموں کا حشر یہ ہے کہ ان کو قبروں سے نکال کر محشر کی طرف

جمع کیا جائے اور روحوں کا حشر یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں روحوں کو عالم روحانیت کی طرف جمع کیا جائے' بایں طور کہ نفسانی لذتوں اور شہوتوں کے حجابات سے روح کو معرفت کے انوار کی طرف منتقل کیا جائے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف

عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

فرما دیتا ہے ○ اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ

نہ کوئی حامی ہے نہ مددگار ○ اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں

كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى

کی مانند جہاز ہیں○ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں'

ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ

بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں ○ یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو

بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ

ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے○ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں

اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ

جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے○ سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں

وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ

اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے

يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَجَزٰٓؤُا

اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں O اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور بُرائی کا

سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے'

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا O اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا

مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ

تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں

النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے درد ناک

اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ ع

عذاب ہے O اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے O اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حامی ہے نہ مددگار O (الشوریٰ: ۳۱-۳۰)

مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب نہ ہونے پر امام رازی کے پیش کردہ دلائل اور ان کے جوابات

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتے ہیں اور ان کی دلیل یہ آیت ہے (الشوریٰ: ۳۰) اس کے برخلاف امام رازی کی یہ تحقیق ہے کہ مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے ایمان پر استقامت کا امتحان ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک اس آیت کا یہی محمل ہے کیونکہ مصائب تو انبیاء علیہم السلام اور مقربین پر بھی آتے ہیں حالانکہ ان کا پہلے کوئی گناہ نہیں ہوتا' اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین پر مصائب ان کے امتحان کے لیے آتے ہیں' حدیث میں ہے:

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء' پھر جو ان کے قریب ہو' پھر جو ان کے قریب ہو' ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہو تو اس پر مصیبت بھی کم درجہ کی ہوتی ہے' بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱' مستدرک ج ۱ ص ۴۱' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۰۶۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۵۴)

امام رازی کا اس آیت کو امتحان پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے' اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ مصائب تمہارے گناہوں کی سزائیں ہیں نہ یہ کہ یہ ایمان پر تمہاری استقامت کا امتحان ہے

اور امام رازی نے اس حدیث سے جو استدلال کیا ہے وہ دو وجہوں سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ حدیث ان مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے گناہ کیے ہیں اور جنہوں نے گناہ نہیں کیے' جیسے انبیاء علیہم السلام وہ اس حدیث سے خارج ہیں' انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتے ہیں یا ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں یا کسی اور حکمت کی وجہ سے آتے ہیں جو ہم سے مخفی ہے۔ اسی طرح بچوں اور مجنونوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے خارج ہیں کیونکہ یہ حدیث مکلفین کے لیے ہے اور وہ غیر مکلف ہیں یا بچوں پر مصائب کی وجہ سے ان کے والدین کو اجر ملتا ہے بہ شرطیکہ وہ صبر کریں۔

(۲) امام رازی نے بغیر حوالے کے اس حدیث کا صرف ابتدائی حصہ ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے: مصائب کے ساتھ انبیاء مخصوص ہیں' پھر اولیاء' پھر جو ان کے قریب ہو' پھر جو ان کے قریب ہو۔ انہوں نے پوری حدیث ذکر نہیں کی جب کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ عام مؤمنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں' اگر امام رازی پوری حدیث ذکر کر دیتے تو اول مرحلہ میں ہی بات صاف ہو جاتی۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (المومن: ۱۷) آج ہر نفس کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی جزاء دی جائے گی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جزاء اور سزا قیامت کے دن ہو گی' اگر دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دار جزاء ہو

جائے گی "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○" (الفاتحہ:۴) کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جزاء اور سزا قیامت کے دن ہو گی اور دنیا دار تکلیف ہے' اگر دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دارِ جزاء و سزا بن جائے گی اور یہ محال ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمام لوگوں کو ان کے تمام گناہوں کی سزا قیامت کے دن دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے کسی گناہ کی سزا دنیا میں نہیں دی جائے گی تو اگر بعض مسلمانوں کو ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں دے کر ان کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے تو اس میں کون سا استحالہ ہے۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں:

دنیا میں مصائب صدیق پر بھی آتے ہیں اور زندیق پر بھی' اس لیے مصائب کے نزول کو گناہوں کا کفارہ قرار دینا محال ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ کافروں اور زندیقوں پر بھی مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں اور زندیقوں پر مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں ہو گا' جس طرح آخرت میں بعض گناہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عارضی طور پر دوزخ میں ڈالا جائے گا سو دوزخ کا عذاب مومنوں کے لیے گناہوں سے تطہیر کا باعث ہو گا اور کافروں کے لیے یہی عذاب تطہیر کا نہیں بلکہ توہین کا باعث ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مؤمنوں کے لیے دنیا میں مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گا' اس کے ثبوت میں تو بہت احادیث ہیں' کافروں اور زندیقوں کے لیے مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں اس کے ثبوت میں کون سی احادیث ہیں؟

ہر چند کہ امام رازی نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان کا یہ مختار ہے' بلکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ مصائب کفارہ ہوتے ہیں' پھر ان کی طرف سے اس نظریہ پر دلائل قائم کیے اور ان دلائل کا جواب نہیں دیا اور یہ لکھا کہ مصائب کا کفارہ ہونا محال ہے' اس لیے ہم نے ان تمام دلائل کے جوابات ذکر کیے تا کہ امام رازی کے پیش کردہ دلائل سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہی نظریہ برحق ہے' اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے ان احادیث کو پیش کر رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مؤمنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب ہونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے' حتیٰ کہ اس کانٹے سے بھی جو اس کو چبھتا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں بیماری اور غم کا بھی ذکر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۴۸۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۱۳۵)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے' خواہ وہ تھکاوٹ ہو یا مرض ہو یا فکر ہو یا غم ہو یا اذیت ہو یا پریشانی ہو یا اس کو کوئی کانٹا چبھا ہو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱-۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تم کو اس آیت کی خبر نہ دوں جو اللہ کی کتاب میں سب سے افضل ہے' ہمیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے " مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ " الآیۃ (الشوریٰ: ۳۰) کی تفسیر میں یہ بتایا: اے علی! تم پر جو بیماری آتی ہے یا کوئی سزا ملتی ہے' یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ تم کو دوبارہ پھر آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ حلیم ہے کہ وہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ سزا دے۔ (مسند احمد ج۱ص ۸۵ طبع قدیم' مسند احمد ج۲ص ۷۸' رقم الحدیث: ۶۴۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۸۔۴۵۳' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے جسم میں جو بھی ایذاء پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد ج۴ص ۹۸ طبع قدیم' مسند احمد ج۲۸ص ۱۰۷' رقم الحدیث: ۱۶۸۹۹' المعجم الکبیر ج۱۹' رقم الحدیث: ۸۴۱' مجمع الزوائد ج۲ص ۳۰۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے کے گناہ زیادہ ہوں اور اس کے ایسے اعمال نہ ہوں جن سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو اللہ عزوجل اس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ غم اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج۶ص ۱۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج۴۲ص ۱۳۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۳۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد اور البزار کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج۱۰ص ۱۹۲' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہو گئے' انہوں نے کہا: میرا یہی گمان ہے کہ بیماری میرے کسی گناہ کے سبب سے ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ بہت ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت کی: " وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ " (الشوریٰ: ۳۰) (الجامع لشعب الایمان ج۱۲ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۹۳۵۶' ابن ابی الدنیا' المرض والکفارات رقم الحدیث: ۱۴۹' المستدرک ج۲ص ۴۴۶۔۴۴۵' الدر المنثور ج۷ص ۳۵۵)

ربیع بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: کتاب اللہ میں ایک آیت ہے جس نے مجھ کو غم زدہ کر دیا' انہوں نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳) جس شخص نے کوئی بُرا کام کیا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تم کو فقیہ سمجھتا تھا' بے شک مومن پر جو مصیبت بھی آتی ہے خواہ اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو یا اسے کسی لکڑی سے خراش آئے' وہ اس کے کسی نہ کسی گناہ کے سبب سے آتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

قتادہ نے "وما اصابکم من مصیبۃ" الآیہ کی تفسیر میں کہا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ ابن آدم کو جب بھی کسی لکڑی سے خراش آئے یا اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کے کسی گناہ کے سبب سے ہوتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(الجامع لشعب الایمان ج۱۲ص ۲۵۴۔۲۵۳' رقم الحدیث: ۹۳۵۷' ابن ابی الدنیا' المرض والکفارات رقم الحدیث: ۲۲۸' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۹۳' اس حدیث کی سند متصلاً ضعیف اور مرسلاً ثقہ ہے)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک فاحشہ عورت تھی' اس کے پاس سے ایک مرد گزرا' اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا' اس عورت نے کہا کہ چھوڑو' بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو لے گیا اور اسلام کو لے آیا' اس شخص نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور پیٹھ موڑ کر چل دیا اور مڑ کر اس کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس کا چہرہ دیوار سے ٹکرا گیا' پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم وہ بندے ہو جس کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہے اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہ کی سزا جلدی دیتا ہے اور جب وہ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کو قائم رکھتا ہے' حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کو اس کی پوری سزا دیتا ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۲ ص ۲۵۵۔۲۵۴' رقم الحدیث: ۹۳۵۹' صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۲۵۰۔۲۴۹' الاسماء والصفات ص ۱۹۷' اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

پس جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا ۝ اور جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا ۝

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے' وہ رک گئے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اچھا یا بُرا جو کام بھی کیا ہے میں اس کا صلہ ضرور پاؤں گا' آپ نے فرمایا: تم نے رائی کے دانے کے برابر جو بُرائی کی ہے تم نے اس کی سزا پا لی ہے اور تم نے جو بھی نیکی کی ہے تم نے اس کو ذخیرہ کر لیا ہے حتیٰ کہ تم کو وہ قیامت کے دن دی جائے گی' ابوادریس نے کہا: اس کا مصداق اللہ کی کتاب میں یہ آیت ہے: ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝''۔ (الشوریٰ: ۳۰)

خلاصہ بحث

ان کثیر احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ عام بندہ مومن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں' البتہ انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات میں ترقی کے لیے ہوتے ہیں اور صالحین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں اور دیوانوں اور بچوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے والدین کے لیے اجر وثواب کا باعث ہیں بہ شرطیکہ وہ صبر کریں اور کافروں اور زندیقوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی توہین کے لیے ہوتے ہے۔

الشوریٰ: ۳۱ میں فرمایا: ''اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی ہے نہ مددگار ۝''

اس آیت میں جماعت مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم روئے زمین پر کہیں بھی جاؤ مجھے عاجز نہیں کر سکتے' تو تم زمین پر کہیں بھی بھاگ کر جاؤ میری گرفت سے باہر نہیں ہو گے اور جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو یہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں ۝ اور اگر وہ چاہے تو

ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں' بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے O (الشوریٰ: ۳۴۔۳۲)

سمندر میں رواں دواں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی نشانیاں

الشوریٰ: ۳۲ میں ''جــوادی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: بڑے بڑے بحری جہاز' اس آیت سے مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی قدرت' اس کی حکمت اور اس کی توحید پر استدلال کیا جائے' اس نے سمندر میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ بڑے بڑے بھاری اور وزنی جہاز اس کے سینے پر تیرتے رہتے ہیں' لکڑی کا بہت بھاری اور وزنی تنا اس میں نہیں ڈوبتا اور لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈوب جاتا ہے' سمندر زمین سے تین حصہ بڑا ہے اور تمام سمندر میں یہی خاصیت ہے' اگر اس دنیا کو پیدا کرنے والے متعدد ہوتے تو اس میں متعدد خواص ہوتے اور جب تمام سمندر کی یہی ایک خاصیت ہے تو معلوم ہوا اس کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہی ہے۔

الشوریٰ: ۳۳ میں فرمایا: ''اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں' بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O''

اس آیت میں ''رواکــد'' کا لفظ ہے یہ راکدۃ کی جمع ہے' جو چیز اپنے مقام پر ثابت ہو اور ٹھہری ہوئی ہو اس کو راکد کہتے ہیں اور مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان قیام کرتا ہے اور ٹھہرتا ہے۔ اور اس آیت میں ''صبار'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جو مصائب پر صبر کرے اور شکور اس کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ شکر کرنے والا ہو' بہترین بندہ وہ ہے جو مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

الشوریٰ: ۳۴ میں فرمایا: ''یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے O''

اس آیت کا عطف اس سے پہلی آیت پر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ کشتیاں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو چھوڑ دے اور تیز ہواؤں اور آندھیوں کی وجہ سے یہ کشتیاں تباہ ہو جائیں اور ان کشتیوں میں بیٹھنے والے ہلاک ہو جائیں اور وہ کشتی میں بیٹھنے والوں کی بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمالیتا اور کشتی میں بیٹھنے والوں کو غرق ہونے سے بچالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل

ان آیات کے حسب ذیل فوائد ہیں اور ان سے مذکور ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) جس طرح کبھی اللہ تعالیٰ کشتی کو سلامتی کے ساتھ اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اور کبھی اس کشتی کو غرق کر دیتا ہے' اس طرح انسان کو انواع واقسام کے مصائب اور فتنوں میں مبتلا کرتا ہے' پھر کبھی انسان کو ان فتنوں اور مصائب کے بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو ان فتنوں اور مصائب میں ہلاک کر دیتا ہے' سو انسان کو چاہیے کہ جب وہ مصائب میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے اور جب اللہ اس کو ان مصائب سے نجات دے دے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔

(۲) جو ہوائیں کشتیوں کو چلاتی ہیں وہ از خود نہیں چلتیں' ان کے لیے کوئی محرک ضروری ہے' وہ محرک کون ہے؟ اگر وہ محرک اللہ کے سوا کوئی اور ہے تو پھر اس کا محرک کون ہے اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا تو پھر عالم کا قِدم لازم آئے اور یا پھر یہ سلسلہ

اللہ تعالیٰ پر جا کر ختم ہوگا اور جس طرح ان کشتیوں کا چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو واحد' واجب اور قدیم ہے اسی طرح اس ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے' اس کے سوا کوئی اور اس نظام کو چلانے والا نہیں ہے۔

(۳) الشوریٰ: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ غفور اور شکور ہے اور اس آیت میں بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صبار اور شکور ہیں' اللہ تعالیٰ کے شکور ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا ہے اور بندوں کے شکور ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت شکر سے متصف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے O سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O (الشوریٰ: ۳۷۔۳۵)

دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا فرق

الشوریٰ: ۳۵ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح تیز آندھیاں چلیں اور تمہاری کشتی طوفانی موجوں کی زد میں ہو تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں اس طوفان میں غرق ہونے سے بچا سکے' اسی طرح حشر کے دن بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا' اس لیے اس دنیا میں یہ اعتراف کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان پہنچانے والا ہے اور اسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا مان لو۔

الشوریٰ: ۳۶ کا معنیٰ یہ ہے: اے لوگو! تم کو جو دنیا کے اموال اور اسباب دیئے گئے ہیں اور تمہیں اولاد کی نعمت دی گئی ہے' یہ سب چیزیں دنیا کا عارضی نفع ہے اور اگر تم ان نعمتوں میں منہمک اور مستغرق ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل رہے تو آخرت میں تم سزا کے مستحق ہو گے اور اگر تم نے دنیا کی اس متاع میں زیادہ دلچسپی نہ لی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں زیادہ رغبت کی تو تمہیں اس پر جو اجر وثواب ملے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی راحتیں اور لذتیں' بہت جلد زائل ہو جانے والی ہیں اور عین لذت کے حال میں بھی انسان کو ان کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے اور ایمان والے ہر حال میں اللہ پر توکل کرتے ہیں اور نعمت کے حال میں بھی ان کی نظر نعمت پر نہیں منعم پر ہوتی ہے' اس لیے اگر دنیا کی نعمت ان کے ہاتھوں سے نکل بھی جائے تو انہیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا اور جس شخص نے یہ جان لیا کہ دنیا کی نعمتیں عارضی اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور باقی ہیں وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

الشوریٰ: ۳۷ میں فرمایا: ''اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں''۔

اثم' کبیرہ اور فحش کا معنیٰ

اس آیت میں کبیرہ گناہوں کے لیے ''کبائر الاثم'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اثم کا معنیٰ بیان کرتے ہیں: اثم اس فعل کے ارتکاب کو کہتے ہیں جو ثواب کو مؤخر کر دے' قرآن مجید میں ہے:

فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (البقرہ: ۲۱۹) شراب پینے میں اور جوا کھیلنے میں بڑا اثم ہے اور لوگوں کے

لیے عارضی منافع ہیں۔

یعنی شراب پینا اور جوا کھیلنا انسان کی خیرات اور حسنات کو مؤخر کر دیتا ہے' نیز قرآن کریم میں ہے:

اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ. (البقرہ:۲۰۶) یعنی اس کو اس کی دنیاوی عزت گناہ کے کاموں پر ابھارتی ہے۔

اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ. (البقرہ:۲۸۳) اس کا دل اثم والا ہے۔

اثم کا لفظ بر کے مقابلہ میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بر اس کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے کے بعد تمہارا دل مطمئن ہو اور اثم اس کام کو کہتے ہیں جس کو کرنے کے بعد تمہارے دل میں قلق اور اضطراب ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸۔۲۲۷' سنن داری رقم الحدیث:۲۵۳۳) اور قرآن مجید میں ہے:

یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ. (المائدہ:۶۲) وہ اثم اور عدوان میں جلدی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اثم کا اطلاق کفر پر ہے اور عدوان کا اطلاق معصیت کبیرہ پر ہے' اثم عام ہے' اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے اور معصیت کبیرہ پر بھی ہے اور عدوان کا لفظ خاص ہے' اس کا اطلاق صرف معصیت کبیرہ پر ہوتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۲۔۱۱' لسان العرب ج ۱ ص ۵۶' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ کبیرہ کا معنی بیان کرتے ہیں:

احادیث میں متعدد جگہوں میں کبائر کا ذکر ہے' کبیرہ اس قبیح کام کو کہتے ہیں جس سے شرعاً منع کیا گیا ہو اور اس کا کرنا بہت سنگین ہو' جیسے قتل کرنا' زنا کرنا' جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا وغیرہا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: کیا کبائر سات ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کبائر سات سو کے قریب ہیں اور توبہ کرنے کے بعد کوئی فعل کبیرہ نہیں ہے اور جس فعل کے ارتکاب کے بعد توبہ نہ کی جائے وہ صغیرہ نہیں ہے' جس فعل پر وعید ہو وہ کبیرہ اور واجب کے ترک اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب کو کبیرہ کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

نیز علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ فحش کا معنی بیان کرتے ہیں:

جو کام اور بات معیوب اور قبیح ہو اس کو فحش کہتے ہیں' جو شخص عمداً اور تکلف سے لوگوں کو بُرا کہے اور گالیاں دے اس کو متفحش کہتے ہیں' حدیث میں فحش اور فاحشہ کا ذکر بہت ہے' ہر وہ شخص جس کے گناہوں کا قبح بہت زیادہ ہو اس کو فاحش کہتے ہیں' حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فاحش متفحش سے بغض رکھتا ہے' فاحشہ زنا کو بھی کہتے ہیں' جواب میں حد سے بڑھنے کو بھی فحش کہتے ہیں اور ہر وہ خصلت جو معیوب اور قبیح ہو اس کو بھی فاحشہ کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۳۴' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

چند کبائر کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبیر الاثم' شرک ہے' امام رازی نے کہا: یہ بعید ہے' کیونکہ اس سے پہلے ایمان کی شرط کا ذکر ہو چکا ہے' اس لیے یہاں ''کبائر الاثم'' میں شرک داخل نہیں ہوگا' البتہ بدعات سیئہ اور وہ معاصی جن کا تعلق وفور شہوت یا زیادتی غضب سے ہو وہ کبائر الاثم میں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اگر شرک سے مراد شرک خفی لیا جائے یعنی ریاکاری تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر امام رازی کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اور حدیث میں ریاکاری پر بھی شرک کا اطلاق کیا گیا ہے۔

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا

خطرہ ہے' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری' جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دے چکے گا تو فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم دنیا میں عمل کرتے تھے' اب دیکھو' کیا تم کو ان سے کوئی جزاء ملتی ہے۔ (مسند احمد ج۵ ص۴۲۸ طبع قدیم' مسند احمد ج۳۹ ص۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۴۸۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۳۷' سنن بیہقی ج۲ ص۲۹۱۔۲۹۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۳۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ'' (الشوریٰ: ۳۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (۱) سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔ (المائدہ: ۷۲) (۲) اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ کبیرہ ہے' اللہ نے فرمایا ہے: اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷) (۳) اور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو جبارًا شقیا فرمایا ہے (۴) اور قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ناحق قتل کرنے والا دوزخ کی سزا کا مستحق ہے۔ (النساء: ۹۳) (۵) اور یتیم کا مال کھانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (النساء: ۱۰) (۶) اور پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے۔ (النور: ۲۳) (۷) میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیرے گا' ماسوا اس کے جو جنگ میں محاذ بدل رہا ہو یا اپنی جماعت کی طرف آ رہا ہو (وہ مستثنیٰ ہے ان کے سوا جو بھاگے گا) وہ اللہ کے غضب سے لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (الانفال: ۱۶) (۸) اور سود کھانا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵) (۹) اور جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت میں (اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۰۲) (۱۰) اور زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جس نے زنا کیا وہ سخت عذاب سے ملاقات کرے گا ○ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہے گا۔ (الفرقان: ۷۰۔۶۹) (۱۱) اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ نے فرمایا ہے: جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (آل عمران: ۷۷) (۱۲) اور خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر خیانت کرنے والا خیانت کے مال کو قیامت کے دن لے کر حاضر ہو گا۔ (آل عمران: ۱۶۱) (۱۳) اور زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن ان کے مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو تپایا جائے گا۔ (التوبہ: ۳۵) (۱۴) اور گواہی کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳) (۱۵) اور خمر (انگور کی شراب) پینا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شراب اور جوا اور بتوں کے لیے قربانی کی جگہ اور فال نکالنے کے تیر یہ سب نجس' شیطانی کام ہیں سو ان سے باز رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ: ۹۰) (۱۶) اور فرض نماز کو عمداً ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا (۱۷) اور عہد شکنی گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور عہد پورا کرو' بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۴) (۱۸) اور رحم کو قطع کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رحم کے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ (محمد: ۲۲)

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۹۶۔۱۹۵ رقم الحدیث: ۱۳۰۲۳ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکور الصدر حدیث میں اٹھارہ کبائر کا ذکر فرمایا ہے ان کبائر کے علاوہ علماء نے مزید کبائر کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کو ہم اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں:

(۱) شرک اصغر اور وہ ریا کاری ہے (۲) ناجائز غصب کرنا' کینہ رکھنا اور حسد کرنا (۳) تکبر کرنا اور اترانا (۴) ملاوٹ کرنا (۵) نفاق کرنا (۶) حاکم وقت کے خلاف بغاوت کرنا (۷) لوگوں کو حقیر جان کر ان سے اعراض کرنا (۸) غیر متعلق اور لایعنی باتوں میں مشغول رہنا (۹) حرص اور طمع (۱۰) فقر و فاقہ کا خوف رکھنا (۱۱) دولت مند لوگوں کی ان کی دولت کی وجہ سے تعظیم کرنا (۱۲) فقر کی وجہ سے فقراء کا مذاق اڑانا (۱۳) دنیا میں رغبت کرنا اور اس پر فخر کرنا (۱۴) حرام چیزوں سے بناؤ سنگھار کرنا (۱۵) مداہنت کرنا یعنی مال دنیا کی وجہ سے دنیاداروں کو حق نہ سنانا (۱۶) جو کام نہ کیا ہو اس پر تعریف و تحسین سننے کی خواہش رکھنا (۱۷) لوگوں کے عیوب تلاش کرنے میں مشغول رہنا (۱۸) قومیت اور زبان کی وجہ سے تعصب رکھنا (۱۹) شکر نہ کرنا (۲۰) تقدیر پر راضی نہ ہونا (۲۱) بندگان خدا کی تحقیر کرنا اور ان کا مذاق اڑانا (۲۲) خواہش نفس کی پیروی کرنا (۲۳) مکر اور سازش کرنا (۲۴) حق سے عناد رکھنا (۲۵) مسلمان سے بدگمانی رکھنا (۲۶) خواہش نفس کے خلاف حق کو قبول نہ کرنا (۲۷) گناہ پر خوش ہونا (۲۸) گناہ پر اصرار کرنا (۲۹) عبادات پر تحسین کی خواہش کرنا (۳۰) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھول جانا (۳۱) اپنے نفس کے لیے غصہ کرنا اور معصیت پر تعاون کرنا (۳۲) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا اور گناہوں میں مشغول رہنا (۳۳) اللہ سے بدگمانی رکھنا (۳۴) علم کو چھپانا (۳۵) علم پر عمل نہ کرنا (۳۶) علماء کی تخفیف اور توہین کرنا (۳۷) اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھنا (۳۸) ظالموں اور فاسقوں سے محبت رکھنا اور صالحین سے بغض رکھنا (۳۹) زمانہ کو برا کہنا (۴۰) محسن کا شکر نہ ادا کرنا (۴۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ پر درود نہ پڑھنا (۴۲) گناہ پر فخر ہونا (۴۳) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا (۴۴) راستہ میں پاخانہ کرنا (۴۵) ہاتھوں کو گدوانا اور اس کی اجرت (۴۶) چہرے سے بالوں کو اکھڑوانا اور اس کی اجرت (۴۷) کسی عورت کا مسافت قصر سے زیادہ تنہا سفر کرنا (۴۸) بدفالی کی وجہ سے سفر پر نہ جانا یا لوٹ آنا (۴۹) بغیر عذر کے نماز جمعہ یا جماعت کو ترک کرنا (۵۰) مردوں کا عورتوں کی یا عورتوں کا مردوں کی مشابہت کرنا (۵۱) مرد کا سیاہ خضاب لگانا (۵۲) تکبر کی نیت سے ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانا یا قدموں سے گھسٹتا ہوا لباس رکھنا (۵۳) ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھنا (۵۴) منہ پر طمانچے مارنا یا گریبان پھاڑنا (۵۵) میت کی ہڈی توڑنا یا قبر پر بیٹھنا (۵۶) قبر پر سجدہ کرنا یا چراغ جلانا (۵۷) صدقہ کر کے احسان جتانا یا طعنہ دینا (۵۸) بلا عذر روزہ نہ رکھنا (۵۹) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا (۶۰) استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنا (۶۱) ذخیرہ اندوزی کرنا (۶۲) کسی کو پھنسانے کے لیے کسی چیز کی زیادہ قیمت لگانا (۶۳) باوجود وسعت کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا (۶۴) پڑوسی کو ایذاء پہنچانا (۶۵) کسی کا مال ظلماً چھیننا (۶۶) مزدور سے کام لینے کے بعد اس کو اجرت نہ دینا (۶۷) کسی کا نام بگاڑنا (۶۸) کسی مسلمان کا مذاق اڑانا (۶۹) چغلی کرنا (۷۰) دو مونہوں والا ہونا یعنی ایک شخص کے سامنے اس کی موافقت میں اور دوسرے کے سامنے اس کی مخالفت میں باتیں کرنا (۷۱) کسی پر بہتان لگانا (۷۲) کسی شخص کا اپنی بیوی کے راز کی باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرنا (۷۳) مہر ادا نہ کرنا (۷۴) کسی عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا (۷۵) دو بیویوں میں عدل نہ کرنا (۷۶) عورت کا بغیر شرعی عذر کے خاوند کی نافرمانی کرنا (۷۷) کسی مسلمان کو گالی دینا یا اس کو بے عزت کرنا (۷۸) کسی کے نسب میں طعن کرنا (۷۹) کسی عورت کا عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنا (۸۰) خاوند کی موت پر سوگ نہ کرنا (۸۱) خودکشی کرنا (۸۲) کسی نجومی یا کاہن سے غیب کی باتیں معلوم کرنا

(۸۳)فال نکلوانا (۸۴)بغیر شرعی عذر کے بیعت کر کے توڑنا (۸۵) امیر کا اپنی رعیت پر ظلم کرنا (۸۶) کسی کا ناحق مال کھانا (۸۷) رشوت لینا' معصیت پر رشوت دینا (۸۸) جانور سے خواہش پوری کرنا (۸۹) عورت کی پشت میں خواہش پوری کرنا (۹۰) ماہواری کے ایام میں دخول کرنا (۹۱) عورتوں کا عورتوں سے یا مردوں کا مردوں سے جنسی عمل کرنا (۹۲) متعہ کرنا (۹۳) چوری کرنا (۹۴) ڈاکا ڈالنا (۹۵) نشہ آور چیزوں کو کھانا یا پینا (۹۶) کسی کی مرضی کے خلاف اس کی باتیں سننا (۹۷) استطاعت کے باوجود نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کو ترک کرنا (۹۸) سلام کا جواب نہ دینا (۹۹) اپنی عزت کرانے کے لیے یہ چاہنا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں (۱۰۰) طاعون سے بھاگنا (۱۰۱) مسلمان ملک کی حفاظت میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں یا پاسپورٹ اور ویزے کے حامل غیر مسلموں کو قتل کرنا یا ان سے عہد شکنی کرنا یا ان پر ظلم کرنا (۱۰۲) شرط لگا کر گھوڑے یا اونٹ دوڑانا یا کتے اور مرغ لڑانا (۱۰۳) جھوٹی قسم کھانا (۱۰۴) غیر ملت اسلام کی قسم کھانا' مثلاً میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں (۱۰۵) حانث ہونے کے قصد سے غیر اللہ کی قسم کھانا (۱۰۶) نذر مان کر پوری نہ کرنا (۱۰۷) کسی منصب کا اہل نہ ہو اور اس کو طلب کرے (۱۰۸) قاضی کا خلاف عدل فیصلہ کرنا (۱۰۹) قاضی کا تحائف قبول کرنا (۱۱۰) جھوٹی گواہی دینا یا اس کو قبول کرنا (۱۱۱) بلاعذر شہادت کو چھپانا (۱۱۲) کسی کو ضرر پہنچانے کے لیے جھوٹ بولنا (۱۱۳) بے ریش لڑکوں کے ساتھ مشغول رہنا (۱۱۴) مسلمان کی ہجو کرنا (۱۱۵) گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کرنا (۱۱۶) گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا (۱۱۷) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بُرا کہنا یا ان سے بغض رکھنا (۱۱۸) علم کے باوجود کسی مسلمان کے خلاف ناحق دعویٰ کرنا۔

حالت غضب میں معاف کرنے کی فضیلت

نیز فرمایا: ''اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں'' غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد عموماً لوگ معاف کر دیتے ہیں' جرأت اور ہمت کا کام یہ ہے کہ انسان عین حالت غضب میں معاف کر دے۔

اس آیت کے اس حصے کے شان نزول میں علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہیں مکہ میں گالیاں دی گئیں اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے اس پر انہیں ملامت کی اور بُرا کہا تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہو گیا' انہوں نے وہ سب مال نیکی کے راستے میں خرچ کر دیا' مسلمانوں نے ان کو ملامت کی اور کفار نے ان کی خطا نکالی' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

''سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے' اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیںO اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیںO'' (الشوریٰ: ۳۷۔۳۶)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مشرک نے حضرت ابوبکر کو گالی دی تو آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ بہت عمدہ اخلاق ہیں' بلند ہمت والے' اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر بھی شفقت کرتے ہیں اور جو جہالت کے ساتھ ان

کے خلاف کارروائی کرے اس سے درگزر کرتے ہیں اور اپنے اس عمل کا ثواب صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں O اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا O (الشوریٰ: ۴۰۔۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو صمیم قلب کے ساتھ قبول کر لیا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں تو یہ فرمایا ہے کہ ''وہ اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں'' اور اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے' آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے' آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے' اسی طرح آپ کے حکم سے ایمان لانا' اللہ کے حکم سے ایمان لانا ہے۔

نماز نہ پڑھنے پر وعید

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور نماز قائم کرتے ہیں'' اس سے مراد ہے: پانچ نمازیں اور جو شخص بھی دن اور رات میں پانچ نمازوں کے اوقات کو پائے گا اس پر ان پانچ نمازوں کا پڑھنا فرض ہے' نمازوں کی فرضیت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا بندے سے سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے' اگر اس کی نماز صحیح ہو تو وہ کامیاب اور کامران ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز فاسد ہو تو وہ ناکام اور نامراد ہو گا اور اگر اس کے فرض میں کوئی کمی ہو تو رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے تو اس کے فرض میں جو کمی ہو گی اس کو نفل سے مکمل کیا جائے گا' پھر باقی عمل بھی اسی طرح ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۳۔۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۴۶' المستدرک ج ۱ ص ۲۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندے اور اس کے شرک اور کفر کے درمیان فرق نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۸' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۵۷۱)

مکحول حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمداً نماز کو ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

(مسند احمد ج ٦ ص ۴۲۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۵ ص ۳۵۷ رقم الحدیث: ۲۷۳۶۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸٦۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۴' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' کیونکہ مکحول اور ام ایمن کے درمیان انقطاع ہے)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی ہے' آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' خواہ تم کو قتل کیا جائے یا آگ میں جلایا جائے (۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو خواہ وہ تم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال سے نکل جاؤ (۳) اور فرض نماز کو عمداً ترک نہ کرو' کیونکہ جس نے فرض نماز کو عمداً ترک کیا اس سے اللہ کا ذمہ بَری ہو گیا (۴) اور شراب ہرگز نہ پیو کیونکہ شراب نوشی ہر بیماری کی اصل ہے (۵) اور معصیت سے بچو کیونکہ معصیت سے اللہ عزوجل کی ناراضگی حلال ہو جاتی ہے (٦) اور میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگو خواہ لوگ ہلاک ہو جائیں (۷) اور جب لوگوں پر طاعون آئے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو (۸) اور اپنی اولاد پر اپنی کمائی سے خرچ کرو (۹) اور ان کو ادب سکھانے کے لیے لاٹھی سے نہ مارو (۱۰) اور ان کو اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈراؤ۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳٦ ص ۳۹۳۔۳۹۲' رقم الحدیث: ۲۲۰۷۵' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۱۵٦' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۲۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۷۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' ج ۴ ص ۲۴۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۰۲۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' کیونکہ عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر اور حضرت معاذ کے درمیان انقطاع ہے)

شوریٰ کا معنیٰ

نیز الشوریٰ: ۳۸ میں فرمایا ہے: ''اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں' اس آیت میں ''شوریٰ'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی الشوریٰ کے معنیٰ میں لکھتے ہیں:

تشاور' مشاورت اور مشوریٰ کا معنیٰ ہے: کوئی شخص کسی معاملہ میں دوسرے کی طرف رجوع کرے تو وہ اس معاملہ میں غور کر کے اپنی رائے بیان کرے اور جس معاملہ میں غور کیا جائے اس کو شوریٰ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵٦' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

مشورہ کرنے کے متعلق احادیث

مشورہ کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

استشار رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الاسارى يوم بدر. (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۳)

جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ طلب کیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا استشار احدكم اخاه فليشر عليه.

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اس کو مشورہ دے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المستشار موتمن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے کسی بات کا مشورہ طلب کیا گیا ہو تو وہ اس بات کا امین ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۴)

معدن بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھ پر تین مرتبہ

ٹھونگیں ماریں اور میں نے اس کی صرف یہ تعبیر لی ہے کہ میری اجل قریب آ گئی ہے اور بے شک کچھ لوگ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا جانشین مقرر کروں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع کرنے والا نہیں ہے اور نہ اپنی خلافت کو اور نہ اس شریعت کو جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا ہے' اگر میری اجل جلد آ گئی تو خلافت ان چھ اصحاب کے مشورہ سے منعقد ہوگی جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۷' مسند احمد ج ا ص ۴۸۔۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور خوش حال لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے چل رہے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے خوش حال لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کی طرف مفوض ہوں تو زمین کے نیچے کا حصہ تمہارے لیے زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۶)

الشوریٰ: ۳۸ کا شانِ نزول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) نقاش نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے پہلے انصار جب کوئی کام کرتے تھے تو باہم مشورہ کرتے تھے' پھر مشورہ کے بعد اس کام کو کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کام کی تحسین فرمائی۔

(۲) جو چیز مشورہ سے طے ہو جائے وہ اتفاق سے اس پر عمل کرتے تھے اور اس سے اختلاف نہیں کرتے تھے' حسن بصری نے کہا: جو لوگ کسی کام میں مشورہ کرتے ہیں وہ اس کام میں ہدایت پر پہنچ جاتے ہیں۔

(۳) الضحاک نے کہا: جب انصار کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا ہے اور نقباء ان کے پاس آ گئے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس پر متفق ہو گئے کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں جمع ہو کر آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔

(۴) ان کو جو مہم درپیش ہوتی تھی وہ اس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے اور نیک کام میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا باہمی مشاورت سے اہم کاموں کو انجام دینا

اللہ تعالیٰ نے انصار کی اس بات پر مدح فرمائی کہ وہ باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دینی اور دنیاوی امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے' دینی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کے بعد اذان کا طریقہ مقرر فرمایا اور دنیاوی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے جنگ بدر میں قیدیوں کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا' آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے' اور جنگ احد میں مشورہ کیا کہ شہر کے اندر رہ کر کفار سے مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو آپ نے ان کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ البتہ احکام شرعیہ میں آپ کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق آپ جس چیز کو چاہتے فرض یا واجب یا حرام یا مکروہ قرار دیتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام باہمی مشورہ سے کتاب اور سنت سے احکام مستنبط کرتے تھے اور سب سے پہلا کام جو انہوں نے باہمی مشورہ سے کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس شخص کو اپنے دنیاوی معاملات میں امام بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں جس کو ہمارے دینی معاملات میں امام بنانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے تھے۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان لشکر بھیجنے میں انہوں نے مشورہ کیا اور مانعین زکوٰۃ اور مرتدین سے قتال کرنے میں انہوں نے مشورہ کیا اور تمام اصحاب نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکر کی رائے سے اتفاق کر لیا' اسی طرح قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے متعلق انہوں نے مشورہ کیا اور حضرت عمر کی رائے سے حضرت ابوبکر متفق ہو گئے اور خمر (انگور کی شراب) کی حد بھی باہمی مشورہ سے اسّی (۸۰) کوڑے طے کی گئی اور حضرت علی کی رائے سے سب نے اتفاق کر لیا' پہلے قرآن مجید کو سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی اور ناواقف نومسلم ایک دوسرے کی قرأت پر اعتراض کرتے تھے' پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن مجید کو صرف لغت قریش پر باقی رکھا گیا اور باقی تمام لغات کو ختم کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں'' یعنی زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں میں سے صدقہ کرنا صرف مال سے صدقہ کرنے میں منحصر نہیں ہے' بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۰) خلاصہ یہ ہے کہ جس مال کو خرچ کرنے میں یا جس بات کو کہنے میں یا جس کام کو کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم ہو اس کام کو کرنا صدقہ ہے' لہٰذا مقربین کا لوگوں کے دلوں میں معرفت کے انوار کو پہنچانا بھی صدقہ ہے۔

بدلہ لینے اور بدلہ نہ لینے کی آیتوں میں بہ ظاہر تعارض کا جواب

الشوریٰ: ۳۹ میں فرمایا: ''اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O''

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب مسلمان کفار کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے تو ان کو کافروں سے بدلہ لینے کی اجازت نہ تھی اور ہجرت کے بعد مسلمانوں کو کفار سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی' لہٰذا جنگ بدر' جنگ احد اور جنگ خندق میں جب مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور کفار کے دانت کھٹے کر دیئے' ان کو قتل کیا گیا اور ان کو گرفتار کیا گیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں ظلم اور بغاوت کا بدلہ لینے کی تعریف اور تحسین کی گئی ہے' حالانکہ اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا: ''اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں'' (الشوریٰ: ۳۷) اسی طرح اور دیگر آیات میں بھی ظلم اور زیادتی پر معاف کر دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور وہ درج ذیل آیات ہیں:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ O (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو سزا دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرلو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے O

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا O (الفرقان: ۷۲)

اور جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) ابن جریج نے کہا: مشرکین نے جو مسلمانوں پر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کو ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت مل گئی۔

(۲) ابراہیم نخعی نے کہا کہ باغیوں نے جو مسلمان حکومت کے خلاف کارروائی کی اس کی ان کو سزا دینی واجب ہے' ورنہ اگر ان

کو سزا نہ دی اور ان سے بدلہ نہ لیا گیا تو اس سے یہ تاثر قائم ہوگا کہ مسلمان حکومت کمزور ہے اور وہ اپنے خلاف سازشوں اور فتنوں کی سرکوبی پر قادر نہیں ہے اور اس سے دیگر حکومت کے مخالفوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ جرائم پر دلیر ہوں گے۔

(۴) جب مسلمانوں پر کوئی ظلم کرے تو وہ اس سے بدلہ لیں حتیٰ کہ ظالموں کی قوت کمزور اور مضمحل ہو جائے۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے خلاف اجتماعی طور پر کوئی بغاوت کرے یا ظلم کرے تو اس کو کیفر کردار تک پہنچانا واجب ہے اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر انفرادی طور پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے اور بعد میں اس پر نادم ہو اور اپنی زیادتی پر معافی کا خواستگار ہو تو اس کو معاف کر دینا اور اس سے بدلہ نہ لینا افضل ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ (البقرہ: ۲۳۷)

اور تمہارا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۔ (المائدہ: ۴۵)

جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور مخصوص زخموں کا بدلہ ہے، پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب حیثیت اور خوش حال ہیں، انہیں اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہیے، ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے، کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے○

قرض خواہ اپنا حق مقروض کی لاعلمی میں بھی لے سکتا ہے

الشوریٰ: ۴۰ میں فرمایا: "اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے، پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا○"

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: ایک وہ قسم ہے جو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیتی، اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے: اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۷) اور دوسری قسم وہ ہے جو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیتی ہے، لیکن ان پر یہ پابندی ہے کہ وہ صرف اتنا بدلہ لیں جتنا ان پر ظلم کیا گیا ہے، بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کریں، فرمایا: اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے۔ (الشوریٰ: ۴۰) مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ بدلہ لینا اس صورت پر محمول ہے جب کسی شخص پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا جائے یا اس کو بُرا کہا جائے یا گالی دی جائے۔

ان آیات سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کا دوسرے شخص پر حق واجب ہو اور وہ اس کا حق اس کو نہ دے رہا ہو تو اس کے مال سے وہ اپنا حق لے سکتا ہے، مثلاً کوئی مالک اپنے نوکر کو تنخواہ نہ دے رہا ہو یا مزدور کی اجرت نہ دے رہا ہو، یا کسی نے اس کا مال غصب کر لیا ہو یا خیانت کی ہو یا چوری کی ہو یا ڈاکا ڈالا ہو، یا بیوی کو اس کا شوہر خرچ نہ دے رہا ہو یا اس کا مہر نہ دے رہا ہو یا مقروض اس کا قرض واپس نہ کر رہا ہو تو حق دار کے لیے جائز ہے کہ وہ بہ قدر حق اس کے مال سے اتنی مقدار جس

طرح بھی لے سکتا ہو وصول کر لے اور ان کے موقف کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ھند بن عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو' سوا اس صورت کے کہ میں خفیہ طور پر اس کے مال سے لے لوں اور اس کو پتا نہ چلے' آپ نے فرمایا: تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۴۴' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

اس کے بعد فرمایا: ''پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے'' اس آیت کے پہلے جز میں ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کو بیان فرمایا' بہ شرطیکہ بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس آیت کے دوسرے جز میں ظلم کا بدلہ نہ لینے اور معاف کرنے کی ترغیب دی ہے' ہم پہلے ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کے متعلق احادیث بیان کریں گے' پھر ظلم کو معاف کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

بدلہ لینے کے جواز میں احادیث

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس وقت ہمارے پاس حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں' اس وقت آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر رہے تھے' میں نے آپ کو اشارہ سے بتایا کہ اس وقت حضرت زینب بھی موجود ہیں' آپ اس کام سے رک گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت اور ناگوار باتیں کہنے لگیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا لیکن وہ سخت باتیں کہنے سے نہیں رکیں' تب آپ نے مجھ سے فرمایا: تم بھی ان کی سخت باتوں کا جواب دو' پھر میں نے ان کو جواب دیا تو میں ان پر غالب آ گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے' ایک گروہ میں حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج تھیں اور مسلمانوں کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ پس مسلمانوں میں سے جب کوئی آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرنا چاہتا تو انتظار کرتا حتیٰ کہ جب حضرت عائشہ کی باری آتی اور آپ ان کے گھر جاتے تو وہ آپ کو ہدیہ پیش کرتا' پھر حضرت ام سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ آپ لوگوں سے فرمائیں: جس نے مجھے کوئی ہدیہ دینا ہو تو وہ مجھے وہ ہدیہ دے دیا کرے خواہ میں کسی زوجہ کے گھر ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے یہ بات کی تو آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا' جب ان ازواج نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ تو حضرت ام سلمہ نے کہا: آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا' انہوں نے کہا: آپ دوبارہ حضور سے بات کریں' حضرت ام سلمہ نے دوبارہ بات کی' آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے آپ کے جواب کے متعلق پوچھا' حضرت ام سلمہ نے بتایا: آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا' ازواج نے کہا: آپ سہ بارہ بات کریں حتیٰ کہ وہ آپ کو جواب دیں' جب حضرت ام سلمہ نے سہ بارہ بات کی تو آپ نے فرمایا: مجھے عائشہ کے معاملہ میں اذیت نہ دو' کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی زوجہ کے بستر پر میرے پاس وحی نہیں آتی۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: میں آپ کو اذیت دینے کے عمل سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں' پھر ان ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا' پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو بلا کر کہا: آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی کے معاملہ میں عدل کریں' آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ حضرت سیدہ فاطمہ نے کہا: کیوں نہیں' پھر حضرت سیدہ نے ان ازواج کے پاس جا کر بتا دیا' انہوں نے کہا: آپ دوبارہ جائیں' حضرت سیدہ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا' پھر ازواج نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بلایا' وہ آپ کے پاس گئیں اور سخت کلام کیا اور کہا کہ آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کریں' ان کی آواز بلند ہوگئی حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بُرا کہا' اس وقت حضرت عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت زینب ان کو سخت سست کہہ رہی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ آیا وہ کوئی جواب دیتی ہیں' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دینے شروع کیے' حتیٰ کہ حضرت زینب کو لاجواب اور ساکت کر دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۱ ص ۴۵۲۔۴۵۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۸۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۲۴۔۱۲۳' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

بدلہ نہ لینے اور معاف کر دینے کے متعلق احادیث

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں رکھے گا۔

(صحیح مسلم: کتاب الزہد رقم الحدیث: ۷۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۳۰۰۶' الرقم المسلسل: ۷۳۷۷)

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اہل فضل کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف' فرشتے کہیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے: ہاں' فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اہل فضل ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے؟ وہ کہیں گے: جب کوئی ہم سے جاہلانہ بات کرتا تو ہم بردباری سے کام لیتے اور جب کوئی ہم پر ظلم کرتا تو ہم معاف کر دیتے اور جب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا تو ہم معاف کر دیتے ہیں۔ فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک کام کرنے والوں کے لیے کیا خوب اجر ہے' پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ' ان کو راستہ میں فرشتے ملیں گے' ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا' وہ کہیں گے: ہم اہل صبر ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تم نے کس چیز پر صبر کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور ہم صبر کر کے اللہ کی معصیت سے بچے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے' پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے گھر کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ بہت کم ہوں گے' ان سے کہا جائے گا: جنت کی طرف چلو' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے' ان سے اسی طرح مکالمہ ہوگا' فرشتے پوچھیں گے: تم کس سبب سے اللہ کے پڑوسی بنے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لوگوں سے ملتے تھے' ہم اللہ کی رضا کے لیے مجالس میں شریک ہوتے تھے اور ہم اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' پس نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۰۔۱۳۹' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۶۴۔۱۶۳'

الحدیث:۳۵۶۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال کے لیے کافی ہے۔)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر تھا اور اس نے اپنے غصہ کو پی لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے اس کو بلا کر فرمائے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اختیار کر لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱' مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۳۳۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۸' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۸۹۔ ۱۸۸' رقم الحدیث: ۴۱۶۔ ۴۱۵' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۶۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۰)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غصہ ضبط کر کے اس کا گھونٹ پیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ پسند نہیں ہے' یا جو شخص مصیبت کے وقت صبر کا گھونٹ پیتا ہے اور اللہ کے خوف سے جس شخص کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ گرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی قطرہ پسند نہیں ہے یا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۸۹' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۶۷۲' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۵' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۶۷' مسند ابویعلیٰ ج ۸ ص ۲۶۳' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۳' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۴۵' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی لغزش کو معاف کیا قیامت کے دن اللہ اس کی لغزش کو معاف کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۶۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۹۹' المستدرک ج ۲ ص ۴۵' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور جس نے اپنے غصہ کو روکا' قیامت کے دن اللہ اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جس نے اللہ کے سامنے اپنے عذر کو پیش کیا اللہ اس کے عذر کو قبول کر لے گا۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۰۸' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۸' اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) ایک منادی دو بار ندا کرے گا: جس شخص کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے' تو جس شخص نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا ہو گا وہ اٹھ کھڑا ہو گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ (الشوریٰ: ۴۰) (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۴۷۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۹' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۶۰' اس حدیث کی سند ضعیف لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسین زین العابدین کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی تاکہ وہ نماز کی تیاری کریں' ناگاہ پانی کا لوٹا اس کے ہاتھ سے گر کر ان کے چہرے پر گر گیا اور ان کا چہرہ زخمی ہو گیا' انہوں نے نظر اٹھا کر اس باندی کی طرف دیکھا' اس نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "والکاظمین الغیظ" (غصہ کو پینے والے) آپ نے اس سے فرمایا: میں نے غصہ کو پی لیا۔ اس نے کہا: "والعافین عن الناس" (لوگوں کو معاف کر دینے والے) آپ نے فرمایا: اللہ تم کو معاف کرے' اس نے کہا: "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے) (آل عمران: ۱۳۴)' آپ نے

فرمایا: جاؤتم آزاد ہو۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ص ۵۴۵ رقم الحدیث: ۷۹۶۴ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۳ھ)

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ پڑوسی کے حقوق میں سے یہ ہے کہ تم اپنی نیکی میں اس کو یاد رکھو اس سے تکلیف دہ چیز کو دور کرو اور قرابت کے حقوق میں سے یہ ہے کہ جب رشتہ دار تم سے تعلق توڑے تو تم اس سے تعلق جوڑو وہ تم کو محروم رکھے تو تم اس کو عطا کرو اور وہ شخص معاف کرنے کا زیادہ مستحق ہے جو سزا دینے پر زیادہ قادر ہو اور جو شخص اپنے سے کمزور پر ظلم کرے اس کی عقل بہت کم ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ص ۵۴۸ رقم الحدیث: ۷۹۷۰ اس حدیث کی سند جید ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: جو شخص باوجود قدرت کے معاف کر دے۔

(الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ص ۵۵۰ رقم الحدیث: ۷۹۷۴ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا''۔

اس آیت میں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جو بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

(الشوریٰ: ۴۳۔۴۱)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمان جب کافر سے بدلہ لے لے تو اس بدلہ لینے پر اس مسلمان کو ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اس کافر سے بدلہ لینے کی وجہ سے اس مسلمان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی اور اگر مسلمان کسی ظالم مسلمان سے بدلہ لے پھر بھی اس کو ملامت نہیں کی جائے گی، پس کافر سے بدلہ لینا واجب ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور مسلمان کو معاف کر دینا مستحب ہے۔

عام مسلمان اپنے اوپر زیادتی کرنے والے کو خود سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟

اگر حکومت کے بجائے مسلمان خود اپنا بدلہ لے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر مسلمان کے بدن میں کوئی زخم آیا ہو یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوا ہو اور قاضی کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ شخص اپنا قصاص لینے کا مجاز ہے تاہم قاضی اس کو منع کرے گا کہ وہ از خود قصاص نہ لے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ کرے تاکہ کہیں خون ریزی کا دروازہ نہ کھل جائے اور اگر حکام کے نزدیک اس کے قصاص لینے کا حق ثابت نہ ہو اور وہ قصاص لے لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا قصاص لینا جرم نہیں ہوگا اور حکام اور قانون کے نزدیک یہ جرم ہوگا اور اس کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

(۲) اگر کسی کے جرم کی سزا حد ہو جیسے زنا کی حد یا چوری کی حد تو کسی عام آدمی کو یہ سزا دینے کا حق نہیں ہے، اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت نہیں ہوا اور عام آدمی نے اس کو سزا دی تو اس کو پکڑ کر سزا دی جائے گی کیونکہ عام آدمی کو اپنے ہاتھ میں قانون لینے کا حق نہیں ہے اور نہ عام آدمی کو حد جاری کرنے کا حق ہے اور اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت ہو اور کسی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہو تو اب دوبارہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اب اس کا وہ محل قائم نہیں رہا جس

پر حد جاری ہوسکتی ہے اور اگر اس کی حد کوڑے مارنا تھی تو پھر اس کو کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ اس پر حد جاری ہونے کا محل باقی ہے۔

(۳) اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان پر مالی حق ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے بہ زور اپنا حق وصول کرلے مثلاً اس کی طرف تنخواہ نکلتی ہو یا اس کا اس پر قرض ہو یا دَین ہو یہ اس صورت میں ہے کہ مقروض یا مدیون کو اس کے حق کا علم ہو اور اگر اس کو علم نہ ہو تو اگر صرف اس سے مطالبہ کرنے سے اس کا حق مل سکتا ہو تو پھر اس کو پکڑنا یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے اور اگر محض مطالبہ سے اس کو حق نہ مل سکتا ہو کیونکہ مقروض یا مدیون اس کے حق کا انکار کرتا ہو اور اس کے پاس اپنے حق پر گواہ نہ ہوں تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اب بھی اس کو پکڑنا یا اس کو گرفتار کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو گرفتار کرنا جائز نہیں ہے (مقروض سے مراد ہے جس نے اپنی ضرورت کے لیے نجی قرضہ لیا ہو اور مدیون سے مراد ہے جس نے مدت معین کے ادھار پر کوئی چیز خریدی ہو)۔

ظلم اور ناحق سرکشی کرنے والوں کے مصادیق

الشوریٰ: ۴۲ میں فرمایا: ''مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O''

یعنی جو لوگ اسلحہ کے زور پر لوگوں کا مال چھین لیتے ہیں اور جبراً بھتہ لیتے ہیں' حکومت پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے مواخذہ کرے اور ان لوگوں کو ڈاکا ڈالنے اور جبراً بھتہ لینے سے روکے۔

مقاتل نے کہا: ظلم اور بغاوت سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ علانیہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں' کھلے عام شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں اور دیگر گناہ کرتے ہیں' حکومت پر لازم ہے کہ ان کو لگام دے اور ان کی ناک میں نکیل ڈالے۔

مقاتل نے کہا: اس سے مراد مشرکین ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اور ناحق سرکشی کرتے تھے۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت ہر قسم کے ظلم کرنے والوں کے لیے عام ہے۔

انکم ٹیکس اور دیگر ٹیکسوں کی تحقیق

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ یہ آیت: ''مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں'' (الشوریٰ: ۴۲) سورہ توبہ: ۹۱ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ۔ نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کی نفی فرمائی ہے اسی طرح ظلم کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کو ثابت فرمایا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ اگر سربراہ مملکت کسی ملک کے عوام پر ان کی آمدنی پر ٹیکس لگا دے اور کوئی شخص اس پر قادر ہو کہ وہ ٹیکس نہ ادا کرے تو آیا اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے یا نہیں' ہمارے علماء میں سے علامہ سحنون مالکی نے کہا: اگر وہ ٹیکس ادا نہ کرنے پر قادر ہے تو اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز نہیں ہے اور علامہ ابوجعفر احمد بن نصر مالکی نے کہا: اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: حکومت ٹیکس اس لیے لگاتی ہے کہ اس کو اسلحہ خریدنے کے لیے‘ سڑکیں اور پل بنانے کے لیے سرمایہ چاہیے‘ اسی طرح فوج کو تنخواہیں دینے کے لیے‘ سرکاری ہسپتالوں‘ سرکاری اسکولوں‘ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سٹاف اور اساتذہ کو تنخواہیں دینے کے لیے عدالتوں اور ججوں کے اخراجات اور تنخواہوں کے لیے سرمایہ چاہیے۔ اسی طرح اور دیگر ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ چاہیے اور یہ حکومت کی مجبوری اور اس کی جائز ضرورت ہے‘ اس ضرورت کو اموال ظاہرہ (تجارت کی خام اشیاء اور مصنوعات وغیرہ) پر زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی سے پورا کیا جا سکتا ہے‘ لیکن ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی بلکہ اموال باطنہ یعنی بینک اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔

دوسرا المیہ یہ ہے کہ ملکی اور قومی ضروریات کے علاوہ مرکزی اور صوبائی وزراء اور ان کے بے تحاشا شاف کے اخراجات‘ ان کے سرکاری غیر ملکی دوروں اور ان کے تعیش اور اللوں تللوں کے اخراجات بھی ٹیکس کی آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں‘ ان کی تنخواہیں اور ان کی مراعات کے اخراجات لاکھوں سے متجاوز ہیں اور مہنگائی کے اس دور میں جس شخص کی آمدنی چھ ہزار روپے ماہانہ ہو اور اس پر پورے کنبہ کی کفالت کا بوجھ ہو اس کو بھی ان وزیروں اور مشیروں کی شاہ خرچیوں کے لیے ٹیکس دینا پڑتا ہے‘ جب کہ دوائیوں سے لے کر کھانے پینے کی اور دیگر ضروریات کی چیزوں پر اس کے علاوہ دہرا تہرا ٹیکس لگا ہوا ہے اور یوں عوام اپنی رگوں سے خون کو کشید کر کے سرکاری عملہ کی عیاشیوں کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں‘ ایک وقت تھا کہ ۱۹۶۸ـ۱۹۵۸ تک مشرقی اور مغربی پاکستان کے کل ملا کر نو مرکزی وزراء تھے‘ اس وقت مشیر وغیرہ نہیں ہوتے تھے‘ اب مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے اور ہر صوبہ میں ساٹھ سے زیادہ صوبائی وزراء ہیں‘ مشیروں کی تعداد الگ ہے‘ پھر ان کا سٹاف ہے اور پاکستان کے بجٹ کا بہت بڑا حصہ سرکاری عملہ کی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں کی نذر ہو جاتا ہے

ہونا یہ چاہیے کہ ملک کی جائز اور واقعی ضروریات کو اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کر کے پورا کیا جائے‘ پھر بھی اگر ضرورت پڑے تو سرمایہ داروں سے مناسب حد تک ٹیکس لگا کر اس خرچ کو پورا کیا جائے اور تنخواہ دار طبقہ سے انکم ٹیکس بالکل وصول نہ کیا جائے اور اگر ان سے بھی ٹیکس لینا ناگزیر ہو تو ان سے انکم ٹیکس لیا جائے جن کی ماہانہ آمدنی چالیس ہزار روپے سے زائد ہو اور جن ملازمین کی ماہانہ تنخواہ چھ سات ہزار روپے ہو ان سے بالکل ٹیکس نہ لیا جائے۔ اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء‘ دواؤں اور روز مرہ کی ضرورت کی چیزوں پر بالکل ٹیکس نہ لگایا جائے‘ لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے جب وزیروں اور مشیروں کی بے تحاشا بھرتی نہ کی جائے‘ ان کے غیر ضروری اسٹاف اور شاہ خرچیوں کو ختم کیا جائے‘ صدر اور وزیر اعظم کے سرکاری دوروں پر ان کے ساتھ جو بے تحاشا ان کے ٹاؤٹ جاتے ہیں اور ان کو شاپنگ کے لیے جو بے دریغ زر مبادلہ دیا جاتا ہے اس سلسلہ کو ختم کیا جائے۔ ایک غریب ملک جو سود کے قرضوں سے چل رہا ہے‘ جس کے عوام کی فی کس آمدنی چار پانچ ہزار روپے ماہانہ ہے‘ اس کو یہ اللّے تللّے کب زیب دیتے ہیں۔

اپنے مال کے حق اور عزت کے حق کو معاف کرنے کے سلسلہ میں علماء کے نظریات

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کسی مسلمان کا مال کسی دوسرے مسلمان پر نکلتا ہو یا اس کی عزت کسی نے مجروح کی ہو تو آیا وہ اپنے مال یا اپنی عزت کا حق معاف کر سکتا ہے یا نہیں‘ امام مالک کے نزدیک وہ اپنے مال کا حق تو معاف کر سکتا ہے‘ اپنی عزت کا حق معاف نہیں کر سکتا‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ. (الشوریٰ: ۴۲) مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ. (التوبہ:۹۱) نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پس اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر اپنے مالی حق کو معاف کر دیتا تو یہ اس کی نیکی ہے اور اس سے مواخذہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اس کی عزت کو مجروح کرتا ہے تو یہ اس کا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے پر گرفت کرنا لازم ہے تا کہ وہ ظلم پر دلیر نہ ہو۔

سعید بن مسیب نے کہا: نہ وہ اپنا مال چھوڑے اور نہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا ترک کرے کیونکہ کسی مسلمان کے مال کو غصب کرنا اور اس کو بے عزت کرنا حرام ہے اور جب اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرنا لازم آئے گا اور یہ اللہ کے حکم کو تبدیل کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

ابن سیرین نے کہا: وہ اپنے مال کے حق کو بھی معاف کر سکتا ہے اور عزت کے حق کو بھی معاف کر سکتا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے قصاص کے حق کو معاف کر سکتا ہے

امام مالک نے مال کے حق کو معاف کرنے پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد علم کی طلب میں انصار کے قبیلہ میں گئے' ہماری سب سے پہلے حضرت ابوالیسر سے ملاقات ہوئی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور ان کے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس صحائف کا ایک گٹھا تھا' حضرت ابوالیسر اور ان کے غلام دونوں نے ایک قسم کی دھاری دار چادر اور معافری کپڑا پہنا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا: اے چچا! میں آپ کے چہرے پر غم وغصہ کے آثار دیکھ رہا ہوں' انہوں نے کہا: بنوحرام کے فلاں بن فلاں شخص پر میرا مال تھا' میں اس کے گھر گیا' سلام کیا' پھر میں نے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟ گھر والوں نے کہا: وہ یہاں نہیں ہے' پھر اچانک اس کا نوجوان بیٹا گھر سے نکلا' میں نے اس سے پوچھا: تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا: اس نے آپ کی آواز سنی تو وہ میری ماں کے چھپر کھٹ (پردوں والا پلنگ) میں چھپ گیا' میں نے کہا: اب نکل آؤ' مجھے پتا چل گیا ہے تم کہاں ہو؟ وہ باہر نکل آیا' میں نے پوچھا: تم مجھ سے کیوں چھپے تھے؟ اس نے کہا: میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اللہ کی قسم! میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ میں آپ سے بات کروں اور جھوٹ بولوں اور میں آپ سے کوئی وعدہ کروں اور اس کے خلاف کروں حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور اللہ کی قسم! میں ایک غریب آدمی ہوں' میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے کہا: اللہ کی قسم! پھر میں نے اس کے قرض کی دستاویز منگا کر اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور کہا: اگر تم ادا کر سکو تو ادا کر دینا ورنہ تم بری الذمہ ہو' پھر حضرت ابوالیسر نے اپنی دونوں آنکھوں پر انگلیاں رکھ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا اور دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر کہا: میرے اس دل نے یاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں رکھے گا۔ الحدیث

(صحیح مسلم: الزہد رقم الحدیث: ۷۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۳۰۰۶' الرقم المسلسل: ۷۳۷۷)

یہ تو اس مقروض کے ساتھ نیکی ہے جو زندہ تھا اور جو قرض کی حالت میں مر گیا وہ اس نیکی کے زیادہ لائق ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۴۱۔۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک ان اقوال میں صحیح قول ابن سیرین کا ہے کہ انسان اپنے مال کا حق بھی معاف کر سکتا اور جان اور عزت کا حق بھی معاف کر سکتا ہے' مال کے حق کو معاف کرنے کی دلیل یہ آیت ہے: نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے (التوبہ: ۹۱) اور حضرت ابوالیسر کی حدیث مذکور الصدر ہے اور جان اور عزت کے حق کو معاف کرنے کی دلیل یہ

آیت ہے: پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے (الشوریٰ: ۴۰) اور حق قصاص کو معاف کرنے کی آیات ہیں اور یہ کثرت احادیث میں ہے "واعف عمن ظلمک" جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۷۰)

عزم عزیمت اور رخصت کا معنیٰ

الشوریٰ: ۴۳ میں فرمایا: "اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔
یعنی جس نے اذیت اور تکلیف برداشت کرنے پر صبر کیا اور اس کو معاف کر دیا جس نے اس کے اوپر ظلم کیا تھا اور اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تو اس کا یہ صبر کرنا عزائم امور سے ہے اور یہ ایسا کام ہے جس کا بندہ کو عزم کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسا کام ہے جس کی دنیا میں تعریف اور تحسین کی جاتی ہے اور آخرت میں اس پر اجر عظیم ملتا ہے۔
اس آیت میں "عزم" کا لفظ ہے علامہ حسین بن راغب اصفہانی اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
عزم کا معنیٰ ہے: دل میں کسی کام کا پکا اور پختہ ارادہ کر لینا خواہ کوئی اس کام سے کتنا ہی روکے میں یہ کام ضرور کروں گا' اسی لیے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے اصالۃً فرض کیا ہے ان کو عزیمت کہتے ہیں اور کسی پیش آمدہ مشکل یا عارضہ کی بناء پر اس فرض میں جو آسانی کر دی جاتی ہے اس کو رخصت کہتے ہیں جیسے وطن میں ظہر' عصر اور عشاء میں چار رکعات فرض ہیں' یہ عزیمت ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے ان اوقات میں دو رکعات فرض ہیں' اس کو رخصت کہتے ہیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۴۳۴ ملخصاً و موضحاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
عزم کا معنیٰ ہے: وہ فرائض جن کو تمہارے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے عزم کیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ جس کام کے کرنے پر تمہاری رائے پختہ اور مؤکد ہو گئی اور تم نے اس کام کو کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا۔ حدیث میں ہے:
لیعزم المسئلة. اسے چاہیے کہ وہ پوری کوشش اور قطعیت سے سوال کرے۔
(صحیح البخاری: الدعوات: ۲۱' صحیح مسلم الذکر: ۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۳)

حضرت ام سلمہ نے فرمایا: "فعزم الله لی". اللہ نے میرے لیے قوت اور صبر کو پیدا کر دیا۔ (صحیح مسلم' الجنائز: ۵)
ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے اول حصہ میں' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے آخری حصہ میں' آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا: تم نے احتیاط پر عمل کیا اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزیمت پر عمل کیا۔
(سنن ابوداؤد' الوتر: ۷' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۶۔۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابو بکر کو خدشہ تھا کہ کہیں نیند کے غلبہ سے وتر فوت نہ ہو جائیں' اس لیے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور وتر کو پہلے پڑھ لیا اور حضرت عمر کو اعتماد تھا کہ ان کو تہجد کی نماز پڑھنے کی قوت ہے' اس لیے انہوں نے اصل کے مطابق وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھے اور بغیر احتیاط کے عزم میں کوئی خیر نہیں ہے کیونکہ جب تک قوت کے ساتھ احتیاط نہ ہو تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔
ایک اور حدیث میں ہے: "الزکوة عزمة من عزمات الله" یعنی زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور اس کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔ (سنن ابوداؤد' الزکوٰۃ: ۵' سنن النسائی' الزکوٰۃ: ۷۔۴' مسند احمد ج ۵ ص ۴۔۲)

ایک اور حدیث میں ہے: اللہ رخصت پر عمل کرنے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸' النہایہ ج ۳ ص ۲۱۰-۲۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنیٰ ہے: کوشش کرنا اور عزم کا معنیٰ ہے: تم نے اپنے دل میں جس کام کی گرہ باندھ لی اور عزم کا معنیٰ ہے: تم نے کسی کام کو کرنے کی قسم کھالی' "**اولو العزم من الرسل**" کا معنیٰ ہے: وہ رسول جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا عزم کیا' تفسیر میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم رسل ہیں اور عزم کا معنیٰ صبر ہے' حدیث میں ہے: حضرت سعد نے کہا: "**فلما اصابنا البلاء اعتزمنا لذالک**" ہم پر جب مصیبت آئی تو ہم نے اس پر عزم کیا یعنی صبر کیا اور اس مصیبت کو برداشت کیا۔ ابن منظور نے عزم کے اور بھی بہت معانی لکھتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۴۰' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَ

جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے O اور

تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ

آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے

طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

ہوں گے' کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک

خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ

نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا'

عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ

سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ ؕ اِسْتَجِيْبُوْا

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے O تم اپنے رب کا

لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ

حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے اس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ

مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ

ہو گی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہو گی O پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا

نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی

اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے

الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ

عطا فرمائے O یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے

عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا

وہ بے حد علم والا، بہت قدرت والا ہے O اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا

وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ

وحی کے یا پردے کی اوٹ سے، یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے

مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ

وہ وحی کرے، بے شک وہ بہت بلند، بے حد حکمت والا ہے O اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح

أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ

(قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس

نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى

کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے

ع ۵ ۱۰ ۶ فِي الْاَرْضِ ۗ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

سنو! اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہے O اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا' سنو بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے O (الشوریٰ: ۴۶۔۴۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دینے کی نسبت کرنی چاہیے اور گمراہ کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کرنی چاہیے

الشوریٰ: ۴۴ کا معنیٰ ہے: اور جس کے لیے اللہ گم راہی کو پیدا کر دے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے گم راہ کرنے کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے ماسوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ گم راہ کرنے کے بعد از خود ہدایت دے دے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ گم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ اسی چیز کو پیدا فرماتا ہے جس کو بندہ اختیار کرتا ہے ورنہ جزاء اور سزا بے معنیٰ ہوں گے اور بندہ جب کفر اور شرک کو اختیار کرتا ہے یا فحش اور بُرے کاموں کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ویسے افعال پیدا کر دیتا ہے' تاہم ہمارے نزدیک یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ گم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف اچھائی کی نسبت کرنی چاہیے اور بُرائی کی نسبت بندہ کو اپنے نفس کی طرف کرنی چاہیے' ہر چند کہ ہدایت اور گم راہی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں لیکن کہنا یوں چاہیے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور گم راہی انسان کے اپنے اختیار اور اس کے نفس کے شر کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی

کوئی صورت ہے؟''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کفار آخرت میں عذاب کی شدت کو دیکھیں گے تو اس وقت وہ دوبارہ دنیا میں واپس جانے کو طلب کریں گے اور اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں لیکن ان کو دنیا میں واپس نہیں بھیجا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر وہی کام کریں گے جو وہ اس سے پہلے کرتے رہے تھے۔

الشوریٰ: ۴۵ میں فرمایا: ''اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے' کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے''۔

اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں قیامت کے دن کفار کے بینا ہونے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں نابینا ہونے کا ذکر ہے

یعنی وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر نہیں دیکھ رہے ہوں گے جس طرح کوئی شخص اس چیز کو دیکھتا ہے جو اس کو بہت پسند اور مرغوب ہو اور جس چیز سے انسان بہت خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو اس کو تھوڑی سی پلکیں اٹھا کر دیکھتا ہے' خصوصاً اس چیز کو جس کا منظر بہت خوفناک اور بہت دہشت ناک ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ پر ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا. (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور اللہ قیامت کے دن ان کو مونہوں کے بل اٹھائے گا' اس وقت یہ اندھے' بہرے اور گونگے ہوں گے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کفار قیامت کے دن جب اٹھیں گے تو وہ اندھے ہوں گے اور الشوریٰ: ۴۵ سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ بینا ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ابتداء میں وہ بینا ہوں اور بعد میں ان کی بینائی سلب کر کے ان کو اندھا کر دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار کا ایک گروہ بینا ہو اور دوسرا گروہ اندھا ہو۔

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ''سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں''۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں: جس طرح کفار ظالم ہیں اسی طرح فساق بھی ظالم ہیں' پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مرگیا اس کو دائمی عذاب ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب ظالم کا لفظ مطلقاً آئے تو اس سے کافر مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرہ: ۲۵۴)

ظلم کرنے والے کافر ہی ہیں ○

کیونکہ جب مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہوں اور ان کے درمیان ضمیر فصل ہو تو پھر مسند کا مسند الیہ میں حصر ہوتا ہے۔ اور اس کی تاکید اس کے بعد والی آیت سے ہوتی ہے:

الشوریٰ: ۴۶ میں فرمایا: ''اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کرسکیں اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے ○''

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار جن بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے وہ قیامت کے دن ان کی شفاعت نہیں کرسکیں گے اور ان کا مقصد ناکام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے' اس

دن نہ تمہارے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی O پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا' آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے O یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے' وہ بے حد علم والا' بہت قدرت والا ہے O (الشوریٰ: ۴۷۔۵۰)

وعد اور وعید سنانے کے بعد انسان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ اور آخرت میں اجر و ثواب کی بشارت دی تھی اور ایمان نہ لانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی پر قیامت کے دن عذاب کی وعید سنائی تھی اور ان خبروں سے مقصود یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے' اس لیے یہاں فرمایا ہے کہ تم اس دن کے آنے سے پہلے ایمان لے آؤ جو ٹلنے والا نہیں ہے' اس دن سے مراد موت کا دن ہے' یا قیامت کا دن ہے اور یہ دونوں دن ٹلنے والے نہیں ہیں اور موت کے وقت انسان عذاب کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اور قیامت کے دن بھی غیب کی خبروں کے وقوع کا مشاہدہ کر لیتا ہے' اس لیے موت کے وقت ایمان لانا مفید ہوگا اور نہ قیامت کے دن اور اس دن اللہ کے عذاب سے انسان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ قیامت کے دن کوئی جائے پناہ ہوگی اور اگر انسان اس دن' دنیا میں کیے ہوئے بُرے کاموں کا انکار کرے تو اس کا یہ انکار کرنا بھی اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہوگا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے' ہم نے آپ کو ان کے اوپر نگران اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا' آپ کے ذمہ تو صرف دین اسلام کو پہنچا دینا تھا سو وہ آپ نے پہنچا دیا۔

انسان کے کفر کا سبب

اس کے بعد فرمایا: ''اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O''

آیت کے اس حصہ میں یہ بتایا ہے کہ کفار کی اپنے مذاہب باطلہ پر اصرار کرنے کی وجہ کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دنیا میں وافر مقدار میں نعمتیں حاصل ہوئیں' خوش حالی اور آسودگی ملی اور بہت سے لوگوں پر ان کو ریاست حاصل ہوئی' جس کی وجہ سے ان میں تکبر اور غرور پیدا ہو گیا اور حق کی پیروی کرنے میں ان کو عار محسوس ہونے لگا' اس لیے فرمایا: ''اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے'' چکھانے کا لفظ اس لیے فرمایا کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ بہت معمولی نعمت ہے' جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہو' پھر فرمایا: اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے' مثلاً کوئی بیماری یا تنگ دستی تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے' یعنی جب ہم اس کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتے ہیں تو یہ ہمارا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ ان نعمتوں کو اپنی عقل اور فہم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور جب ہم اس پر کوئی مصیبت نازل کرتے ہیں تو یہ اس مصیبت میں توبہ اور استغفار کر کے ہماری طرف رجوع نہیں کرتا۔

الشوریٰ: ۵۰۔۴۹ میں فرمایا: ''تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر

دے وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے O"

مذکر اور مؤنث کی پیدائش کی علامات

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور ہر چیز اس کے زیر قدرت اور زیر تصرف ہے اور اس کی قدرت کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے محروم رکھتا ہے اگر شوہر اور بیوی دونوں بانجھ ہوں اور وہ یہ چاہیں کہ ان کے اپنے نطفہ اور نسوانی انڈے سے اولاد ہو تو کسی طریقہ سے بھی ان کی اولاد نہیں ہو سکتی' ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ نہ کلوننگ کے ذریعہ' اس لیے اولاد کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ان آیتوں میں انسان کے ہاں اولاد کے مذکر یا مؤنث ہونے کا ذکر ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا: مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے' جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے مؤنث پیدا ہوتی ہے' پھر وہ یہودی آپ کی تصدیق کر کے چلا گیا۔ (صحیح مسلم' کتاب الحیض رقم الحدیث: ۳۱۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: جب عورت کو احتلام ہو جائے اور وہ پانی کو دیکھ لے تو کیا وہ بھی غسل کرے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رہنے دو' بچہ جو کسی کے مشابہ ہوتا ہے تو اسی وجہ سے ہوتا ہے' جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۰' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۶۲)

انبیاء علیہم السلام کو اولاد عطا فرمانے کی تفصیل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں کہ نقاش نے کہا ہے کہ:

ہر چند کہ اس آیت کا حکم عام ہے لیکن یہ آیت بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف بیٹیاں دیں' ان کو بیٹے نہیں دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے' ان کو بیٹیاں نہیں دیں اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں دیں' اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹے اور بیٹیاں دیں' آپ کو تین بیٹے دیئے: حضرت قاسم' حضرت عبد اللہ ان کو الطیب اور الطاہر بھی کہا جاتا ہے' یہ دونوں صاحبزادے حضرت خدیجہ سے ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم یہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے اور چار بیٹیاں دیں: حضرت زینب' حضرت ام کلثوم' حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن' یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور بعض انبیاء علیہم السلام سے اولاد نہیں ہوئی' جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔

خلاصہ یہ ہے کہ اولاد ہونے یا نہ ہونے یا مذکر یا مؤنث ہونے میں ہر شخص کے لیے کسی نہ کسی نبی کی زندگی میں نمونہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

بیٹی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ

الشوریٰ: ۴۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے" اس آیت میں

بیٹیاں دینے کو بیٹے دینے پر مقدم فرمایا ہے' امام رازی نے اس تقدیم کی حسب ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) بیٹے کا پیدا ہونا خوشی کا باعث ہے اور بیٹی کا پیدا ہونا غم کا باعث ہے' اگر پہلے بیٹے کا ذکر فرماتا اور پھر بیٹی کا تو انسان کا ذہن خوشی سے غم کی طرف منتقل ہوتا اور جب پہلے بیٹی دینے کا ذکر فرمایا اور پھر بیٹا دینے کا تو انسان کا ذہن غم سے خوشی کی طرف منتقل ہوگا اور یہ کریم کی عطا کے زیادہ لائق ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ پہلے بیٹی دے گا تو بندہ اس پر صبر اور شکر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا تو بندہ جان لے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے' پھر اس کا شکر اور اس کی اطاعت زیادہ کرے گا۔

(۳) عورت کم زور اور ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہے' اس لیے عورت کے ذکر کے بعد مرد کے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جب عجز اور حاجت زیادہ ہو تو اللہ کی عنایت اور اس کا فضل زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) عموماً ماں باپ کے نزدیک بیٹی کا وجود حقیر اور ناگوار ہوتا ہے' زمانہ جاہلیت میں عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے ذکر کو بیٹوں کے ذکر پر مقدم کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک بیٹی حقیر اور ناگوار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹی مرغوب اور پسندیدہ ہے' اس لیے اس نے بیٹی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردہ کی اوٹ سے' یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے' بے شک وہ بہت بلند' بے حد حکمت والا ہے O اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے' اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے' سنو! اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O (الشوریٰ: ۵۳۔۵۱)

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

نقاش نے بیان کیا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہود نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ اللہ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اللہ کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا اور اس کی طرف دیکھا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے'' یہاں وحی کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس کے قلب میں کسی معنیٰ کو ڈال دیا جاتا ہے' پس وہ الہام ہے۔

(۲) زہیر بن محمد نے کہا: اس کو خواب میں کوئی چیز دکھائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''یا پردہ کی اوٹ سے''۔ زہیر نے کہا: جیسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔

پھر فرمایا: ''یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے'' زہیر نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل ہیں اور اس وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا ہے' انبیاء علیہم السلام بالمشافہہ فرشتے کو دیکھتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں اور اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام ہر نبی پر نازل ہوئے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور حضرت زکریا صلوات اللہ علیہم اجمعین کے سوا ان کو کسی نے نہیں دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے نبیوں پر وحی الہام کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۲ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت)

یہ اس آیت (الشوریٰ: ۵۱) کی مختصر تفسیر ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ وحی فرمائے' پردہ کی اوٹ سے کلام فرمائے' یا فرشتہ کے ذریعہ کوئی پیغام بھیجے' اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے وحی پر مفصل بحث کی ہے' ہرچند کہ ہم تبیان القرآن کی جلد اول میں اس پر بحث کر چکے ہیں لیکن آیت کی مناسبت سے یہاں بھی کچھ ضروری امور بیان کرنا چاہتے ہیں' اس بحث میں ہم وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے' ضرورت وحی اور ثبوت وحی کو بیان کریں گے اور وحی کی اقسام بیان کریں گے۔ **فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق**

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے' لکھنے' اشارہ کرنے' کسی کو بھیجنے' الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۴ ص ۱۶۳ 'مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ' لکھنا' مکتوب' رسالۃ' الہام' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرواسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔

(قاموس ج ۴ ص ۵۷۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے' لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنیٰ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا. (الانعام: ۱۱۲)

اور اس طرح ہم نے سرکش انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔

اور ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنیٰ ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا' اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں' ازہری نے کہا ہے: اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں' اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ (مریم: ۱۱)

سو زکریا اپنی قوم کے سامنے (عبادت کے) حجرہ سے باہر نکلے پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو ۝

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ. (الشوریٰ: ۵۱)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے' یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے' یا الہام کے ذریعہ' یا خواب کے ذریعہ' یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی' یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں' اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروس' ج ۱۰ ص ۳۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنیٰ سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے' یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے' کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے' جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے' یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے' جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دیئے بغیر کلام سنا جاتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے: جبریل نے میرے دل میں بات ڈال دی' اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ (القصص: ۷) — اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ (النحل: ۶۸) — اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور ان چھپریوں میں گھر بنا جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں ۝

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: نبوت منقطع ہوگئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(المفردات ص ۵۱۶۔۵۱۵' ملخصاً' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱۔۳۷۹' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ' قم ایران)

علامہ بدرالدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنیٰ یہ لکھا ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے:

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنیٰ کو ڈالنا' یہ الہام ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک' کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کرلے گا۔ اس لیے عدل اور انصاف کو قائم

کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا' اس لیے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے' عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے' قیامت کے قائم ہونے' حشر و نشر اور جزاء و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بُری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہوگا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ بُرے کاموں اور بُری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں' وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء' کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے' لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری (خالص) حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ' آواز اور ذائقہ کو اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں' لیکن کچھ ایسی چیزیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے' مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے' کتنے ایام کے روزے فرض ہیں' زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے۔ غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے' اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی۔

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے' مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے' مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے' اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے' اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا' مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا اور کہتا: مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل

کر دو۔ ایک شخص بہ زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو' اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہٰذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہوا کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الٰہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن' فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں' جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متلو' اور وحی غیر متلو' اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے' یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے' وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت، جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ انصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور **صلصلۃ الجرس** (گھنٹی کی آواز) سے یہی پہلی قسم مراد ہے' اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے' جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا' اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں

چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا اور وہ عظیم اور کبیر ہے اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے' پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے اور یہ آپ کے لیے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لیے آسان تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لیے کوئی معنیٰ اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں' اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدر الدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر آثار صحیحہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطہ سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے الروض الانف (ج ۱ ص ۱۵۴۔۱۵۳' مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنیٰ القاء کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئیں' حضرت دحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے' حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے' مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئیں' اس صورت میں ان کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا' یا نیند میں ہم کلام ہو' جیسے

جامع ترمذی میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

(۷) اسرافیل علیہ السلام کی وحی' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرافیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے' پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا اور مسند احمد میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرافیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے' اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے' پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا' دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق شارحین حدیث کی تحقیق

مفسرین نے اس چیز میں بحث کی ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا' آیا اس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے یا نہیں؟ صاحب کشاف اور بعض دیگر مفسرین نے کہا: آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا' لیکن حجاب کی اوٹ سے کلام فرمایا' کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: ''اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردہ کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے''۔ الآیۃ (الشوریٰ:۵۱)

قرآن مجید کی اسی آیت کی بناء پر حضرت عائشہ نے اس بات کا انکار کیا کہ شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۶۸)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے آیا اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں' اکثر مبتدعین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں ممکن ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں' اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے' حضرت عائشہ' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے اور متقدمین کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے' انہوں نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے ساتھ مخصوص ہیں' حضرت ابراہیم خلیل ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے ساتھ مخصوص ہیں' حضرت ابو ذر' حضرت کعب اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی موقف ہے' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ کا بھی ایک قول اسی طرح ہے' امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی قول منقول ہے اور مشائخ کی ایک جماعت نے اس میں توقف کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کے ثبوت میں کوئی دلیل قطعی ہے نہ اس کی نفی میں کوئی دلیل قطعی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے' جیسا کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے' دلائل عقلیہ علم کلام میں مذکور ہیں اور دلائل نقلیہ میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے دیدار کا سوال کرنا ہے۔ ''رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ'' (الاعراف:۱۴۳) اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف

دیکھوں گا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کرنا جائز ہے' اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے تو وہ اس کو دیکھنے کا سوال نہ کرتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ۝ (القیامۃ: ۲۳۔۲۲) کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۝

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کی طرف دیکھیں گے اور جب بندوں کا آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے تو دنیا میں بھی دیکھنا ممکن ہے' کیونکہ احکام عقلیہ کے لحاظ سے دونوں وقتوں میں کوئی فرق نہیں ہے' اسی طرح احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جب آخرت میں دیکھنا ثابت ہے تو پھر دنیا میں بھی دیکھنا ثابت ہوگا۔

پھر اس میں بحث ہے کہ شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں' اس میں بھی کسی جانب دلیل قطعی نہیں ہے' نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' جعفر بن محمد اور ابوالحسن اشعری کا مؤقف ہے کہ آپ نے اپنے رب سے بلاواسطہ کلام کیا ہے اور متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور اس میں بھی اسی طرح طرفین کے دلائل ہیں جس طرح دیدار کے مسئلہ میں دلائل ہیں۔

بلکہ بعض مشائخ نے الشوریٰ: ۵۱ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس سے بلاواسطہ کلام کیا ہے' انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی تین قسمیں ہیں: (۱) حجاب کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا (۲) فرشتوں کو بھیج کر جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے کلام کیا (۳) اس کے بعد صرف ایک قسم رہ گئی اور وہ ہے کہ مع المشاہدہ کلام ہو' تاہم اس استدلال پر نظر ہے۔

(المفہم ج ۱ ص ۴۰۵۔۴۰۱ ملخصاً' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور اس حدیث کی شرح میں علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ میں استفسار کیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا" حضرت عائشہ نے اپنے طور سے قرآن مجید سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا اور جب صحابی کوئی مسئلہ بیان کرے اور دوسرا صحابی اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب صحیح روایات کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو ان روایات کو قبول کرنا واجب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو عقل سے مستنبط کیا جا سکے یا ان کو ظن سے بیان کیا جائے' یہ صرف اسی صورت پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن عباس نے اپنے ظن اور قیاس سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے' علامہ معمر بن راشد نے کہا: اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت

ابن عباس کا اختلاف ہے اور حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس سے زیادہ عالم نہیں ہیں' حضرت ابن عباس کی روایات رویت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہ وغیرھا کی روایات رؤیت کی نفی کرتی ہیں اور جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی حدیث کی بناء پر رؤیت کا انکار نہیں کیا' اگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کا قرآن مجید کی آیات سے استنباط کیا ہے' اس کے جواب کو ہم واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۔ (الانعام:۱۰۴) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کیونکہ ادراک سے مراد احاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بغیر احاطہ کے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا (الشوریٰ:۵۱) اور کسی بشر کے لائق نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں رؤیت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ نے اللہ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا ہو۔

(۲) یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس کا مخصص وہ دلائل ہیں جن سے رؤیت ثابت ہے' خلاصہ یہ ہے کہ عام قاعدہ یہی ہے' لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) مشاہدہ کے وقت جس وحی کی نفی کی گئی ہے وہ بلا واسطہ وحی ہے اور ہوسکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ پر کسی واسطہ سے وحی کی گئی ہو۔

جمہور مفسرین کا یہ مختار ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کیا' پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیدار کیا یا سر کی آنکھوں سے' امام ابوالحسن الواحدی نے بیان کیا: مفسرین نے کہا: ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا' حضرت ابن عباس' حضرت ابوذر اور حضرت ابراہیم تیمی نے یہ کہا کہ آپ نے دل سے دیدار کیا' امام ابوالحسن نے کہا: اس رائے کے مطابق آپ نے صحیح طریقہ سے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی' یا آپ کے دل میں ایک آنکھ پیدا کر دی حتیٰ کہ آپ نے اس طرح رؤیت صحیحہ کے ساتھ اپنے رب کو دیکھا جس طرح سر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے' امام ابوالحسن نے کہا اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا' یہ حضرت انس' عکرمہ' حسن اور ربیع کا قول ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۹۸۵۔۹۸۴ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس رؤیت کی نفی کی گئی ہے وہ رؤیت علی وجہ الاحاطہ ہے' نیز علامہ قرطبی نے فہم شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ الابصار جمع معرف باللام ہے اور یہ تخصیص کو قبول کرتی ہے' اس لیے اس (لا تدرکہ الابصار الانعام: ۱۰۳) کا معنی یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس تخصیص پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں کافروں کے متعلق ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ○ (المطففین: ۱۵)

حق یہ ہے کہ بے شک وہ (کفار) اس دن وہی اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے ○

اور قرآن مجید میں مؤمنوں کے متعلق ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (القیامۃ: ۲۳-۲۲)

کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے ○ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے ○

اور جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیوں کہ دونوں وقتوں میں بہ حیثیت امکان کوئی فرق نہیں' علامہ قرطبی کا یہ استدلال بہت عمدہ ہے' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عقلاً دیکھنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے' امام مالک نے کہا: مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا میں مومن فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا اور آخرت میں مؤمنین کو بقا عطا کی جائے گی تو پھر وہ باقی آنکھوں سے بقاء کا جلوہ دیکھ لیں گے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے: جب تک تم پر موت نہ آئے تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو اگرچہ عقلاً دنیا میں رؤیت جائز ہے لیکن شرعاً ممتنع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رؤیت کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا (یا یہ قاعدہ عام مخصوص عنہ البعض ہے)۔

متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رؤیت کا انکار کرتے ہیں' حضور ابو ذر سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کے نزدیک رؤیت ثابت ہے' امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری قسم کھا کر کہتے ہیں تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے' کعب احبار' زہری' معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا؟ اس میں امام احمد کے دو قول ہیں' بعض احادیث میں حضرت ابن عباس نے مطلقاً کہا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض روایات میں ہے: آپ نے اپنے دل سے دیکھا اور مطلق روایت کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے' امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو' کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رؤیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو' اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کسی شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور یہ پوچھا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا: ہاں! اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ''آپ نے اپنے رب کو دو بار اپنے دل سے دیکھا'' اور امام ابن مردویہ نے صراحت کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھا' اپنے دل سے دیکھا ہے اور اب حضرت عائشہ کی نفی اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے' بایں طور کہ حضرت عائشہ کی نفی کو رؤیت بصری پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو رؤیت قلبی پر محمول کیا جائے

اور رؤیت قلبی سے فقط حصول علم مراد نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دائماً علم تھا' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے قلب کو اس طرح رؤیت حاصل ہوئی جس طرح دوسروں کو آنکھ سے رؤیت حاصل ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۰۹ ـ ۶۰۷' ملخصاً' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' جیسا کہ حضرت ابن عباس وغیرہ کی حدیث میں ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے' حضرت عائشہ نے جو کہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی' ان کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس ادراک کی نفی ہے وہ ادراک **علی وجہ الاحاطہ** ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ رؤیت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بلا احاطہ رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ (الدیباج ج ۱ ص ۲۴۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رؤیت کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت باری کا اثبات کرتے ہیں' ان میں کیسے موافقت ہو گی' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رؤیت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رؤیت قلبی کا اثبات کرتے ہیں' امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں بہت تفصیل سے شب معراج میں رؤیت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۹' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے شب اسراء اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' یہ حدیث حضرت ابن عباس سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ آپ کی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی ○ آپ کی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی ○ (النجم: ۱۷ ـ ۱۱)

امام حاکم' امام نسائی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (بلا واسطہ) کلام کے ساتھ حضرت موسیٰ کو خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کے ساتھ خاص کر لیا' اس سے مراد رؤیت بصری ہے نہ کہ رؤیت قلبی' کیونکہ رؤیت قلبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ہر نبی کو حاصل ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خلیل ہونا اور ہم کلام ہونا بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں' پھر ہم کلام ہونا حضرت موسیٰ کی اور خلیل ہونا حضرت ابراہیم کی خصوصیت کیسے رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے اور آپ خلیل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں' لیکن حضرت موسیٰ کا کلیم ہونا اور حضرت ابراہیم کا خلیل ہونا ایک وصف مشہور تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زمین پر ہم کلام ہوا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ عرش پر ہم کلام ہوا۔ (نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۸۸۔۲۸۷ دارالفکر بیروت)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۸۸۔۲۸۷ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق مفسرین کی تحقیق

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ الشوریٰ: ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ بغیر وحی کے کسی شخص کا اللہ سے ہم کلام ہونا ممکن نہیں ہے یعنی وحی کے ذریعہ ہم کلام ہونا ممکن ہے اور یہ وحی اس سے عام ہے کہ اللہ تعالیٰ بالمشافہہ اور بالمشاہدہ بندہ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی حدیث میں ہے یا اس صورت میں ہم کلام ہو کہ اس کا کلام تو سنائی دے اور اس کی ذات دکھائی نہ دے جیسا کہ وادی طویٰ اور پہاڑ طور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

(تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۳۶۷۔۳۶۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

بالمشافہہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بلا واسطہ مخاطب ہوا ہو جیسا کہ حدیث معراج میں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲) اللہ تعالیٰ نے آپ پر تجلی فرمائی اور آپ سے کلام فرمایا اور آپ پر نمازیں فرض کیں اور آپ سے یہ وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے بالمشافہہ کلام فرمائے گا۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۳۶۷ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی سے بالمشافہہ کلام نہیں فرمائے گا اس کی تفصیل سورۂ والنجم میں آئے گی۔

(تفسیر الخازن ج ۴ ص ۱۰۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اور سورۂ والنجم میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ بات وہ اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے سو یہ حدیث آپ سے سماع پر محمول ہے (اور معراج کا واقعہ امور آخرت سے ہے اس لیے الشوریٰ: ۵۱ میں جو بالمشافہہ کلام کی نفی ہے وہ دنیا میں ہے اور وہ شب معراج بالمشافہہ کلام کرنے کے منافی نہیں ہے)۔

(تفسیر الخازن ج ۴ ص ۲۰۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سبحانہ کو شب معراج دیکھا ہے کیونکہ اکثر روایات میں دیکھنے کی تصریح ہے ہاں ان روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن دیکھنے سے ظاہر یہی ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے امام اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی سے اس رات بلا واسطہ کلام فرمایا اور جعفر بن محمد الباقر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں پھر کم کرتے کرتے آخر میں پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۸۶ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

نزولِ قرآن سے پہلے آپ کو اجمالی طور پر قرآن عطا کیا جانا

الشوریٰ: ۵۳۔۵۲ میں فرمایا: ''اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ ازخود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ بے شک ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے' سنو اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O''

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی کی ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے کیونکہ جس طرح روح بدن کی حیات کا سبب ہے' اسی طرح قرآن مجید قلب کی حیات کا سبب ہے۔

اور اس وحی سے مراد عام ہے' خواہ آپ کے قلب میں کسی معنیٰ کا القاء کیا جائے' یا حضرت جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیغام لائیں یا اللہ تعالیٰ آپ سے بالمشافہ اور بالمشاہدہ کلام فرمائے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے ''الکبریت الاحمر'' میں ''الفتوحات المکیہ'' کے باب ثانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل کے آپ پر قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کریم عطا کیا گیا تھا اور اس میں آیتوں اور سورتوں کی تفصیل نہیں تھی۔ (الکبریت الاحمر ص ۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(روح المعانی جز ۲۵ ص ۸۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس اشکال کے جوابات کہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ کو کتاب کا پتا تھا نہ ایمان کا

اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' حالانکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰)

حضرت عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے پتلے میں تھے۔ الحدیث (شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۲۶)

اس لیے اس آیت کا محمل تلاش کرنا ضروری ہے جس میں فرمایا ہے: آپ نزولِ قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے حسب ذیل محامل تلاش کیے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اور ایمان کے علم کی نفی کی دیگر مفسرین کی طرف سے توجیہات

(۱) اس آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی خبروں کی تصدیق' اقرار اور تمام احکام شرعیہ پر عمل اور ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنا متحقق نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) اس آیت میں ایمان سے مراد ہے: دعوت ایمان اور لوگوں کو کس طرح ایمان کی دعوت دی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے اس کا علم آپ کو نزول کتاب کے بعد ہوا۔

(۳) ایمان سے مراد ہے: اہل ایمان اور نزول کتاب کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ آپ پر ایمان لانے والے کون ہیں اور کون ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اشکال مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہات

اس اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں لیکن ان میں اکثر جواب کمزور ہیں' مصنف کے ذہن میں اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ما کنت تدری" اور "ما کنت تعلم" نہیں فرمایا' یعنی علم کی نفی نہیں کی' درایت کی نفی کی ہے اور درایت کا معنیٰ ہے: اپنی عقل سے کسی چیز کو جاننا' اسی لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: آپ ازخود نہیں جانتے یعنی نزول قرآن سے پہلے آپ ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' ہاں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ نزول قرآن سے پہلے بھی اپنی رسالت کو جانتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

ہم نے کہا ہے کہ درایۃ کے معنیٰ ہیں: محض اپنی عقل اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا' سو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

الدرایۃ المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الختل.

حیلہ کی ایک قسم سے جو معرفت حاصل کی گئی ہو اس کو درایت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۴' القاموس ص ۱۲۸۲ (قاموس میں ختل کی جگہ حیل کا لفظ ہے)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا. (لقمان: ۳۴)

کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرے گا۔

اس آیت میں اللہ کی طرف علم کی نسبت کی ہے اور بندہ کی طرف درایت کی نسبت کی ہے' کیونکہ درایت میں حیلہ کا معنیٰ ہے یعنی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا اور دونوں علموں میں فرق ہے' جب کوئی شخص حیلہ سے کوئی عمل کرے اور اس میں پوری کوشش صرف کرے تب بھی اس کو اپنے کسب کے حق ہونے کا علم ہوگا نہ اس کے انجام کا علم ہوگا' پس اس کے بغیر اسے اپنے کسب کا کیسے علم ہوگا جب اس پر کوئی شرعی یا عقلی دلیل قائم نہ ہو' اس لیے فرمایا: کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرے گا۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۴۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

درایت اس جملہ سے ماخوذ ہے "دری رمی الدریۃ" یہ وہ چھلہ ہے جس کو پھینکنے کا تیر انداز قصد کرتے ہیں اور وہ چیز جس کے پیچھے شکاری شکار سے چھپ کر کھڑا ہوتا ہے اور اس حیلہ سے اس کو تیر مار کر شکار کرتا ہے اور ان میں سے ہر چیز حیلہ ہے' اس وجہ سے درایت علم سے خاص ہے' کیونکہ درایت حیلہ اور تکلف سے کسی چیز کا علم ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو درایت نہیں کہتے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۴۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اعتبار سے "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" کا معنیٰ ہوگا: آپ حیلہ اور تکلف سے یعنی ازخود نہیں

جانتے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' ہاں! اللہ کی وحی اور اس کی تعلیم سے جانتے ہیں کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؟ اسی طرح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام العلاء الانصاریہ سے فرمایا:

واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی. اور اللہ کی قسم! میں (ازخود) نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳)

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: میں نہیں جانتا' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

(شرح البخاری ج ۳ ص ۲۴۲' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۴' دار الکتب العلمیہ)

علامہ ابن بطال اور علامہ عینی کی اس شرح سے بھی یہ معلوم ہوا کہ درایت کا معنیٰ ہے: وحی کے بغیر کسی چیز کو اپنی عقل اور قیاس سے ازخود جاننا۔ اور اب الشوریٰ: ۵۱ کا معنیٰ اس طرح ہوا کہ آپ بغیر وحی کے ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہے' یعنی آپ کو اس وقت تفصیلی علم نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۷۴' مکتبۃ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بھی یہی جواب لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۵۲' دار الفکر' ۱۴۲۰ھ)

اور اس صورت میں الشوریٰ: ۵۱ کا معنیٰ اس طرح ہے کہ آپ نزول کتاب سے پہلے کتاب اور ایمان کے تفصیلی علم کو نہیں جانتے تھے گو کہ اس کا اجمالی علم آپ کو حاصل تھا۔

سورۃ الشوریٰ کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین آج ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ/ ۱۷ جنوری ۲۰۰۴ء' بہ روز ہفتہ بعد از نماز ظہر سورۃ الشوریٰ کی تفصیل مکمل ہوگئی۔ ۲۷ نومبر کو یہ تفسیر شروع کی گئی تھی' اس طرح ایک ماہ اور بیس دن میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' یہ تفسیر اس سے پہلے بھی ختم ہو جاتی لیکن دسمبر اور جنوری میں کراچی میں سردی پڑتی ہے اور میرا مزاج بہت سرد ہے اور مجھے عام لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سردی لگتی ہے' میں اپنے معمول کے مطابق جب نماز فجر سے پہلے اپنی کلاس میں تفسیر لکھنے کے لیے آتا تو مجھے بے تحاشا چھینکیں آتیں' ناک بہنے لگتی اور زکام کی شدت سے مجھے بخار چڑھ جاتا' میں ہر وقت دو سوئیٹر پہنے رہتا تھا۔

بہر حال ان عوارض کی وجہ سے سردی کے ایام میں میرے لکھنے کی رفتار ہر سال کم ہو جاتی ہے اور جوں جوں عمر زیادہ ہو رہی ہے' ضعف بڑھتا جا رہا ہے' جسم کی قوت مدافعت کمزور ہو رہی ہے اور بیماری اور زیادہ شدت سے اپنے پنجے گاڑ رہی ہے' اس دوران ۱۶ شوال ۱۴۲۴ھ/ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء کو یہ سانحہ ہوا کہ حضرت العلامہ الحافظ الشاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان' صدر متحدہ مجلس عمل' قائد ملت اسلامیہ' صدر ورلڈ اسلامک مشن' سینیٹر و قائد حزب اختلاف سینٹ آف پاکستان جمعرات کو دوپہر کے وقت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن پاک فضائیہ کے خصوصی طیارہ C-30 کے ذریعہ آپ کی میت اسلام آباد سے کراچی لائی گئی اور اگلے روز نشتر پارک میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی' آپ کی نماز جنازہ میں کراچی کی تاریخ کا سب سے بڑا اجتماع تھا' آپ کی ۷۸ سالہ حیات ملّی اور دینی خدمات سے

بھرپور ہے لیکن آپ کی نمایاں خدمات میں سے یہ ہے کہ آپ نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں متفقہ طور پر مسلمان کی تعریف شامل کی اور اس میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو اور آپ ہی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے متعلق قرارداد پیش کی اور اس سلسلہ میں پورے ملک میں دورے کیے اور بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے بالاتفاق قادیانیوں (بہ شمول قادیانی و لاہوری گروپ) کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ آپ بہت سادہ تھے' بڑے وضع دار تھے' احسان کر کے نہ جتاتے تھے اور نہ ہی بتاتے تھے' انہوں نے مجھے اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنوایا اور بڑے عرصے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہی کی سفارش سے مجھے یہ منصب ملا تھا' مجھے تاریخ دمشق کی ضرورت تھی' اس وقت اس کی قیمت ۴۵ ہزار روپے تھی اور میرے پاس اتنی گنجائش نہ تھی' آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے مجھے ۴۵ ہزار روپے کا ڈرافٹ بھجوا دیا اور اس کے ساتھ اپنے نوازش نامہ میں لکھا: آپ کو اور بھی جس کتاب کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں' جو مخالفین شرح صحیح مسلم پر اپنے بغض و عناد سے بے سروپا اعتراضات کرتے تھے وہ ہمیشہ ان کے سامنے میری وکالت کرتے تھے اور میری طرف سے انہیں مسکت جوابات دیا کرتے تھے' وہ میرے مشن کے بہت بڑے حامی اور ناصر تھے' اللہ تعالیٰ ان کا آخرت میں حامی و ناصر ہو' جب ہندوستان میں شرح صحیح مسلم چھپی تو آپ نے بے ساختہ فرمایا: الفضل ما شهدت به الاعداء ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی قبر انور کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دے اور ایسے ولی کامل کی محبت کے توسل سے تبیان القرآن کو مکمل کرا دے۔ آمین بجاه سيد المرسلين سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله واصحابه وازوجه وعترته وامته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث' دارالعلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

الزخرف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزخرف ہے' کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں زخرف کا لفظ آیا ہے اور یہ کُل کا نام جز کے نام پر رکھنے کے قبیل سے ہے' درج ذیل آیتوں میں زخرف کا لفظ ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ○ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ○ وَزُخْرُفًا. (الزخرف: ۳۵-۳۳)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی نظریہ کے حامل ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور ان کے بالاخانوں کی ان سیڑھیوں کو جن سے وہ چڑھتے ہیں چاندی کی بنا دیتے○ اور ان کے گھروں کے دروازوں اور ان تختوں کو جن پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے○ (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے۔

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

زخرف کا معنیٰ ہے: سونا' کسی چیز کے کمال حسن کو بھی زخرف کہتے ہیں اور کسی چیز پر سونے کی ملمع کاری کی جائے تو اس کو زخرف کہتے ہیں' زمین پر رنگ بہ رنگ کا سبزہ اور پھول کھلے ہوں تو اس کو بھی مزخرف کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۸۱۵' مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالسعادت المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

زخرف کا اصل میں معنیٰ ہے: سونا اور کسی چیز کے حسن کا کمال' حدیث میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى. (صحیح البخاری: باب الصلوٰۃ: ۶۲' سنن ابوداؤد: ۱۲)

تم ضرور مساجد میں سونے کے نقش و نگار بناؤ گے جیسے یہود و نصاریٰ نے مساجد میں سونے کے نقش و نگار بنائے تھے۔

مسجد میں سونے کے بیل بوٹے بنانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ پھر نمازیوں کی توجہ اس طرف ہوگی اور اس سے ان کے خضوع اور خشوع میں کمی ہوگی۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۷۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

سورت الزخرف مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۳ ہے۔

سورت کے مقاصد

☆ اس سورت کے اہم مقاصد میں سے مشرکین کو بت پرستی سے روکنا ہے اور ان لوگوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے جو

یہ اعتراف کرتے تھے کہ ان کا خالق اور مالک اور ان کا اور تمام مخلوقات کا منعم اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ بتوں کو اللہ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

☆ مشرکین کی اس پر مذمت کہ وہ بیٹیوں کو بیٹوں سے کم درجہ کا قرار دیتے تھے' اس کے باوجود وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

☆ سابقہ امتوں کو ان کے رسولوں کے ساتھ احوال اور اہل مکہ کو سابقہ امتوں کے انجام سے ڈرانا اور ان کو یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ جو ان کو ڈھیل دے رہا ہے اس سے وہ دھوکا نہ کھائیں۔

☆ رسولوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا' حضرت ابراہیم علیہم السلام کا اس لیے کہ انہوں نے اپنی نسل میں عقیدہ توحید کو باقی رکھا اور ان کو قیامت کے بعد آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور کفار مکہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کیا کرتے تھے اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا اس لیے ذکر فرمایا کہ اہل کتاب ان کی طرف منسوب ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔

☆ ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے' بارش کو نازل فرمانے' مختلف چیزوں کے جوڑے بنانے اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔

☆ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے سے ڈرایا اور لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں کی طرف رغبت دلائی اور ان پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے اسی طرح اہل مکہ کا بھی شرف ہے اور ان کی بھی فضیلت ہے۔

☆ سورت کے آخر میں جنت کی فضیلت بیان کی ہے اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ جس طرح جنت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دوزخ اہل کفر کے ساتھ خاص ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الزخرف کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے اللہ! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان سے مجھے محفوظ رکھنا۔

آمین یا رب العلمین بجاه سید المرسلین علیه الصلوة والسلام وعلی آله واصحابه وازواجه وعترته وامته اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ/۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء
خادم الحدیث دارالعلوم النعیمیہ'
بلاک نمبر ۱۵- فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۵_۲۱۲۰۶۱۷/۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

آیاتہا ۸۹ رکوعاتہا ۷ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | سورۃ الزخرف مکیۃ

سورۃ الزخرف مکی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

حا میم O اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ

تا کہ تم سمجھ سکو O بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ، بہت حکمت والی ہے O تو کیا ہم اس

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو O اور ہم (تم سے) پہلے

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ

اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کی مثال گزر چکی ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے

لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے O جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام

الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾

کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو O

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ

اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح

معً ۱۱ عند المتقدمین ۱۲

كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ

تم (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے O اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے

مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

جن پر تم سوار ہوتے ہو O تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ

جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع

اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا' بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حا میم O اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیا تا کہ تم سمجھ سکو O بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ' بہت حکمت والی ہے O تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو O اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے O (الزخرف: ۸۔۱)

"حٰمٓ والکتٰب المبین" کی تفسیریں

"حٰمٓ O والکتٰب المبین" کے مفسرین نے حسب ذیل معانی کیے ہیں:

(۱) حا' اللہ تعالیٰ کی حیات پر دلالت کرتی ہے اور میم اللہ تعالیٰ کے مجد اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے اور یہ قسم ہے اور اس کا معنیٰ ہے: میری حیات اور میرے مجد کی قسم! یہ قرآن جس میں میں نے اپنے مومن بندوں پر رحمت کی خبر دی ہے' حق اور صدق ہے اور ہم نے اس کو عربی قرآن اس لیے بنایا ہے کہ تمہارے لیے اس کا معنیٰ آسان ہو جائے۔

(لطائف الاشارات للقشیری ج ۳ ص ۲۶۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حا اور میم سے اللہ تعالیٰ کے دو اسموں کی طرف اشارہ ہے: حنان اور منان۔ علامہ فیروز آبادی نے کہا: الحنان' اللہ تعالیٰ کا اسم ہے' اس کا معنیٰ ہے: رحیم' یا وہ جو ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے۔ (القاموس: ۱۱۹۱) اور المنان بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے' منان کا معنیٰ ہے: جو ابتداءً عطا کرنے والا ہو۔ (القاموس: ۱۲۳۵)

حٰمٓ قسم ہے اور "والکتٰب المبین" کا عطف حٰمٓ پر ہے یعنی حٰمٓ کی قسم اور کتاب مبین کی قسم' کتاب سے مراد قرآن

مجید ہے اور اس کو مبین فرمانے کی تین تفسیریں ہیں: (۱) ابومعاذ نے کہا: قرآن مجید کے حروف واضح ہیں (۲) قتادہ نے کہا: اس کی ہدایت' رشد اور برکت بالکل واضح ہے (۳) مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے احکام یعنی حلال اور حرام وضاحت سے بیان فرمادیئے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

کتاب کو قرآن عربی فرمانے کی وجوہ

الزخرف: ۳ میں فرمایا: ''بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنادیا تاکہ تم سمجھ سکو''۔

یہ قسم کا جواب ہے اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) سدی نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے (۲) مجاہد نے کہا: ہم نے عربی میں کہا ہے (۳) سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں بیان کیا ہے' یہ تینوں تفسیریں متقارب ہیں۔

عربی کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: اس کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا کہ آسمان والوں کی زبان عربی ہے (۲) سفیان ثوری نے کہا: ہر نبی پر اس زبان میں کتاب نازل کی گئی جو اس کی قوم کی زبان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''تاکہ تم سمجھ سکو' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) ابن عیسیٰ نے کہا: اگر یہ آیت خصوصیت سے اہل عرب کے متعلق ہے تو اس کا معنیٰ ہے: تاکہ تم سمجھ سکو۔

(۲) ابن زید نے کہا: اگر یہ عرب اور عجم دونوں سے خطاب ہے تو اس کا معنیٰ ہے: تاکہ تم غور و فکر کر سکو۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ان آیتوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''حٰمٓ والکتب المبین'' قسم ہے اور ''انا جعلنه قرآنا عربیا'' مقسم بہ ہے اور قسم اور مقسم بہ میں تغایر ہوتا ہے اور یہاں دونوں سے مراد ایک ہے کیونکہ قسم میں کتاب کا ذکر ہے اور وہ قرآن ہے اور مقسم بہ میں ''قرآنا عربیا'' کا ذکر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قسم میں قرآن مجید کی ذات مراد ہے اور مقسم بہ میں اس کا وصف عربی ہونا مراد ہے' لہٰذا دونوں متغائر ہو گئے۔

لوح محفوظ میں قرآن مجید اور مخلوق کے اعمال کا ثابت ہونا

الزخرف: ۴ میں فرمایا: ''بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ' بہت حکمت والی ہے O''

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال لوح محفوظ میں ہیں۔ اگر یہ مراد ہو کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے تو اس کے بلند مرتبہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے: یہ بہت محکم اور منضبط ہے' اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے اور حکیم کا معنیٰ ہے: اس میں حکمت آمیز کلام ہے۔ اور اس کے لوح محفوظ میں ہونے کی تائید میں یہ آیتیں ہیں:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ

بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے O یہ محفوظ کتاب میں درج ہے O (الواقعہ: ۷۸-۷۷)

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

بلکہ یہ عظمت والا قرآن ہے O لوح محفوظ میں مندرج ہے O (البروج: ۲۲-۲۱)

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے تمام اعمال خواہ وہ ایمان اور کفر ہوں یا اطاعت اور معصیت ہوں' وہ سب لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور اب بلند مرتبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اعمال ایسی جگہ لکھے ہوئے ہیں جو اس سے بلند ہے کہ کوئی شخص اس

میں ردو بدل کر سکے اور حکیم کا معنیٰ ہے: وہ محکم ہے اس میں کوئی کمی اور اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لوح محفوظ میں مخلوق کے اعمال لکھے جانے کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا تو میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی' میں نے ان سے کہا: اے ابو محمد! اہل بصرہ تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہیں' انہوں نے پوچھا: اے بیٹے! تم قرآن مجید پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: سورۃ الزخرف پڑھو' جب میں نے یہ آیت پڑھی: " وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝ ". (الزخرف: ۴) تو انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ام الکتب کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' انہوں نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہل دوزخ سے ہے اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ " تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ "۔ عطاء کہتے ہیں کہ پھر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بیٹے ولید سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرو اور تم اس وقت تک اللہ سے نہیں ڈر سکو گے حتیٰ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور ہر خیر اور شر کے اللہ سے وابستہ ہونے پر ایمان لاؤ' اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھو' اس نے کہا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے اس کو لکھو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لوح محفوظ تو ایک قسم کی یادداشت اور نوٹ بک ہے' جس میں آدمی ضروری چیزیں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی بات بھول جائے تو پھر اس میں دیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اور اس کے لیے کسی چیز کو بھولنا محال ہے' پھر اس نے لوح محفوظ میں تمام چیزوں کو کیوں لکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو پتا چل جاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے' پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق حوادث واقع ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے متعلق ان کا ایمان اور تازہ ہو جاتا ہے' نیز انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے' انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ معجزہ ہے اور اولیاء اللہ کے حق میں یہ کرامت ہے۔

اور چونکہ اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ یہ قرآن کریم ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید بھی لوح محفوظ میں ثابت ہے پھر اس کو آسمان دنیا کی طرف نقل کیا گیا' پھر اس کو حسب ضرورت اور مصلحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا گیا۔

کفار مکہ کی شقاوت اور ایذاء رسانی

الزخرف: ۵ میں فرمایا: " تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے ہو ۝ "

اس آیت میں " افنضرب " ہے' اس کا معنیٰ ہے: کیا ہم تم کو چھوڑ دیں اور اس میں " ذکر " کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: وعظ اور نصیحت اور قرآن اور اس میں " مسرفین " کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: حد سے تجاوز کرنے والے۔

اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا ہم تمہارے سامنے نیکی کا حکم نہ دیں اور بُرائی سے منع نہ کریں' یا تمہارے کفر پر آخرت کے عذاب کا ذکر نہ کریں یا تمہارے سامنے قرآن مجید کی آیات کو نازل نہ کریں۔ محض اس لیے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو یعنی تمہارے حد سے گزرنے کی وجہ سے ہم قرآن مجید کے نزول کو اور تمہیں نصیحت کرنے کے سلسلے کو موقوف نہیں کریں گے۔

قتادہ نے کہا: اس امت کے پہلے لوگوں کے کہنے کی وجہ سے اگر اس قرآن کو اٹھا لیا جاتا تو یہ امت ہلاک ہو جاتی' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قرآن مجید کو بار بار نازل فرماتا رہا اور لگاتار تئیس سال تک انہیں اسلام کی طرف بلاتا رہا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کرنے میں مبالغہ کیا ہے' یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے نصیحت سے بیزار ہونے کی وجہ سے ہم تمہیں نصیحت کرنا بند کر دیں گے' ہرگز نہیں' بلکہ ہم تمہیں دین کی طرف بلاتے رہیں گے اور تم پر اعمال صالحہ کو لازم کرتے رہیں گے اور تم کو یہ بتاتے رہیں گے کہ اگر تم نے نیک کام نہیں کیے یا بُرے کاموں کا ارتکاب کیا تو تمہیں آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا۔

الزخرف: ۸۔۶ میں فرمایا: ''اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو بھی نبی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے O''

یعنی پچھلی امتوں کا اپنے نبیوں کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دین حق کی دعوت دیتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ تم اللہ کی توحید پر اور ہماری نبوت پر ایمان لاؤ اور ان کی امتیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتی تھیں اور انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑاتی تھیں اور اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ اگر کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوں' یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے' کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ دوسروں پر بھی آتی رہی ہے تو پھر اس کو وہ مصیبت اتنی شدید نہیں معلوم ہوتی۔

الزخرف: ۸ میں ''بطشا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو شدت سے پکڑنا' یا کسی پر حملہ کر کے اس کو پکڑنا۔

نیز اس میں فرمایا ہے: اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے' یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ کئی مرتبہ گزر چکا ہے اور وہ قوم نوح' عاد' ثمود اور بنو اسرائیل وغیرہ ہیں۔

انسان کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا کرم

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ انسان بہت ظالم اور جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ بہت حلیم اور کریم ہے اور یہ اس کی ربوبیت کا فضل ہے کہ کفار اپنے مذموم اوصاف اور اپنے قبیح اخلاق کا بہت زیادہ اظہار کرتے ہیں اور انبیاء اور مرسلین کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو بہت ایذاء پہنچاتے ہیں' ان کا استہزاء کرتے ہیں' ان کو جسمانی اذیتیں پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے' اسی طرح وہ اولیاء کرام کو بھی اذیتیں دیتے ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رحم اور فضل کو منقطع نہیں کیا' ان کی طرف اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا رہا اور ان پر اپنی آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرماتا رہا اور ان کو اپنی طرف بلاتا رہا اور اپنی مغفرت اور اپنے عفو سے ان کو نوازتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے O جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تا کہ تم ہدایت پا سکو O اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے O (الزخرف: ۱۱۔۹)

انسان کی فطرت میں اللہ کی معرفت کا ہونا

یعنی اے رسول مکرم! اگر آپ کفار مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور تمام اجرام علویہ اور سفلیہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور اعتراف کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ان سب کو اس نے پیدا کیا ہے جو اپنے ملک میں اپنے حکم کو نافذ کرنے پر قادر ہے اور جو اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ ''خلقهن العزيز العليم''. ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے۔ آیا کفار نے بعینہ یہ کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کو اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے' اس میں مفسرین کی دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ کفار ایسا فصیح و بلیغ کلام کہنے پر قادر نہیں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کے قول کو تعبیر کیا ہے اور یہی رائے برحق ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ انہوں نے اسی طرح کہا تھا جس طرح اللہ نے اس کو نقل فرمایا ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت مرکوز ہے' یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا: کیوں نہیں! اس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید مرکوز ہے' لیکن اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو اپنی ذات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جنہوں نے اس معرفت کو سلامت رکھا ہے اور اس معرفت کو جہالت' اندھی تقلید اور عناد سے ضائع نہیں کیا۔

الزخرف: ۱۰ میں فرمایا: ''جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تا کہ تم ہدایت پا سکو O''

زمین کے پیدا کرنے میں بندوں کے لیے نعمتیں

اس کا معنیٰ ہے کہ زمین کو تمہارے لیے پھیلا دیا تا کہ تم اس پر استقرار کر سکو اور زمین کو تمہارے لیے مسکن بنا دیا تا کہ تم اس پر بیٹھ سکو اور سو سکو اور تم اس پر اس طرح کروٹیں بدل سکو جس طرح تم اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے ہو اور اس زمین میں تمہارے لیے متعدد راستے بنا دیئے' تا کہ جب تم کسی جگہ سفر پر روانہ ہو تو سہولت سے اپنی منزل تلاش کر سکو اور اپنے مقاصد کو حاصل کر سکو۔

الزخرف: ۱۱ میں فرمایا: ''اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے O''

بارش نازل کرنے سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر استدلال

اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ نے اتنی مقدار میں آسمان سے بارش نازل فرمائی ہے جس سے اس کے بندوں اور شہروں کو فائدہ پہنچے اور ان کو نقصان نہ ہو' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آسمان سے بہت سخت بارش نازل ہوئی تھی' جس سے بہت مہیب طوفان آیا اور اس میں تمام کافر غرق ہو گئے اور عام اور غالب اوقات میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں بارش نازل فرماتا ہے جس سے عام بندگان خدا اور مویشی فائدہ اٹھا سکیں اور کبھی بہت زیادہ بارش ہوتی ہے جس سے دریاؤں میں سیلاب آ جاتے ہیں اور اس سے فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے اور کئی شہر زیر آب آ جاتے ہیں' بارش کا زیادہ ہونا' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا اور اسی طرح کی اور قدرتی آفات دراصل بندوں کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ فطرت

کے تازیانے ہیں جو ان کی اجتماعی کوتاہیوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسلسل روگردانی اور بغاوت کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں۔

اس آیت میں ''انشرنا'' کا لفظ ہے' علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

النشر کا معنیٰ ہے: پاکیزہ ہوا' عورت کے منہ کی ہوا اور نیند کے بعد سانس چھوڑنا اور میت کو زندہ کرنا اور نشور اور انشار کا معنیٰ حیات ہے' خشک گھاس پر گرمیوں میں جب بارش ہو اور وہ گھاس سرسبز ہو جائے تو اس کو بھی نشر کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۴۸۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۴ھ) یعنی بارش کے پانی سے ہم نے زمین کو زندہ کر دیا اور جس طرح بارش کے پانی سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبروں سے مُردوں کو نکال کر ان کو زندہ فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے آسمان سے ہدایت کا پانی نازل کیا اور اس سے مردہ دل کے شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے اور جب تک ہدایت کے پانی سے اس کے مردہ دل کو زندہ نہ کر دیا جائے اس وقت تک وہ اپنے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتا اور جس طرح جب تک زمین کے اندر دبے ہوئے بیج تک بارش کا پانی نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں روئیدگی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اسی طرح جب تک ہدایت اور رشد سے بندہ کا دل زندہ نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے نور کا فیضان نہیں ہوتا۔

حسن بصری کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی باندی تھیں' ایک دفعہ وہ کسی کام سے گئی ہوئی تھیں۔ حسن بصری رو رہے تھے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بہلانے کے لیے اپنا پستان مبارک ان کے منہ میں دے دیا' وہ اس کو چوسنے لگے' اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور حکمت سے نوازا۔

(تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۹۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ' نبراس ص ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو O تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا' بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے O (الزخرف: ۱۵۔۱۲)

ازواج کی تخلیق سے توحید پر استدلال

الزخرف: ۱۲ میں فرمایا: ''اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے'' اس آیت کی تین تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: ازواج سے مراد اقسام ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی چیزوں کو پیدا فرمایا ہے۔

(۲) ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد ہے: حیوانات میں سے مذکر اور مؤنث پر مشتمل جوڑے پیدا فرمائے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: ہر چیز کا اپنے مقابل سے مل کر ایک جوڑا ہے' جیسے سردی اور گرمی' رات اور دن' آسمان اور زمین' سورج اور چاند' جنت اور دوزخ وغیرہ۔

ایک چوتھی صورت بھی ہو سکتی ہے اور اس سے مراد انسانوں کے وہ احوال اور صفات ہیں جن میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہیں' مثلاً خیر اور شر اور ایمان اور کفر' خوش حالی اور تنگ دستی اور صحت اور بیماری وغیرہ۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۷' بیروت)

بعض محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز زوج ہے' کیونکہ کسی چیز کا زوج (جوڑا) ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فی نفسہ ممکن ہے اور اس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہے اور اللہ سبحانہ فرد ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا مساوی یا اس کا مقابل ہو اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ فرد ہے اور زوجیت سے منزہ ہے' علماء نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ فرد (طاق) زوج (جوڑے) سے افضل ہے۔

(۱) کم سے کم زوج (جوڑا) دو ہے اور دو کا عدد دو وحدتوں سے حاصل ہوتا ہے' پس زوج اپنے تحقق میں فرد کا محتاج ہوتا ہے اور فرد اپنے تحقق میں زوج سے مستغنی ہوتا ہے اور مستغنی محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۲) زوج دو مساوی قسموں میں بلا کسر منقسم ہو جاتا ہے اور فرد بلا کسر منقسم نہیں ہوتا اور تقسیم کو قبول کرنا انفعال اور تاثر ہے اور تقسیم کو قبول نہ کرنا قوت' شدت اور مقاومت ہے۔ پس فرد زوج سے افضل ہے۔

(۳) زوج کی دو قسمیں ذات' صفت اور مقدار میں مساوی ہوں گی اور ایک قسم میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ دوسری قسم میں بھی ہوگی اور فرد چونکہ دو قسموں پر منقسم نہیں ہوگا اس لیے اس میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ بے نظیر اور بے مثال ہوگی اور جو کمال بے نظیر اور بے مثال ہو وہ اس کمال سے افضل ہے جس کی نظیر اور مثال بھی ہو لہٰذا فرد زوج سے افضل ہے۔

چوپایوں اور کشتیوں کی تخلیق سے توحید پر استدلال

اس کے بعد فرمایا: ''اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو O''

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ توحید پر دلائل قائم فرما رہا ہے اور بندوں کو نعمتیں عطا فرمانا بھی توحید کی دلیل ہے' کیونکہ انسان اپنی تمدنی اور معاشی ضروریات کی وجہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف سفر کرتا ہے اور یہ سفر خشکی میں ہوتا ہے یا سمندر میں اور خشکی میں سفر کے لیے اس نے چوپائے مثلاً گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پیدا کیے اور سمندری سفر کے لیے اس نے کشتیاں اور بحری جہاز پیدا کیے اور چونکہ تمام دنیا میں سفر کا یہی واحد نظام رائج ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خالق بھی واحد ہے' کیونکہ نظام کی وحدت ناظم کے واحد ہونے کی دلیل ہے' ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب سفر کے اور ذرائع اور وسائل بھی حاصل ہو گئے ہیں' جیسے ٹرین اور طیارے لیکن بنیادی طور پر سفر کے اب بھی یہی ذرائع اور وسائل ہیں خصوصاً سمندری سفر کا عام اور ہمہ گیر ذریعہ اب بھی بحری جہاز ہی ہیں۔

الزخرف: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: ''تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم ازخود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O''

سفر پر روانہ ہونے کے وقت سواری پر بیٹھنے کے بعد کی دعا

اس آیت میں فرمایا ہے: پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو' نعمت کو یاد کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نعمت کا اپنے دل میں ذکر کرو اور اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لیے سمندر کو پیدا کیا اور ہواؤں کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم کشتیاں اور جہاز بناتے ہو اور تمہارے دماغ میں ایسی سوچ اور فکر رکھی جس سے وہ جہاز بنا سکے اور ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ہر ایک کے دل میں بے اختیار یہ داعیہ اور باعثہ پیدا ہو کہ ایسے عظیم محسن کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اور سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

کردیا اور ہم ازخود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے۔

عن علی ازدی ان ابن عمر علمهم رضی الله تعالی عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا استوی علی بعیره خارجا الی سفر کبر ثلاثا ثم قال سبحان الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللهم نسئلک فی سفرنا هذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللهم هون علینا سفرنا هذا واطوعنا بعده اللهم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاهل اللهم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکابة المنظر وسوء المنقلب فی المال والاهل واذا رجع قالهن وزاد فیهن ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۷)

علی ازدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اونٹ پر سوار ہوجاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: (ترجمہ:) سبحان ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کردیا' ہم اس کو مسخر کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان کاموں کا سوال کرتے ہیں جن سے تو راضی ہو۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس سفر کو آسان کردے اور اس کی مسافت تہہ کردے' اے اللہ! اس سفر میں تو ہی ہمارا رفیق ہے اور ہمارے گھر میں نگہبان ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی تکلیفوں سے' رنج و غم سے اور اپنے اہل اور مال سے برے انجام سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب آپ سفر سے لوٹ کر آتے تب بھی یہ دعا پڑھتے اور ان میں ان کلمات کا اضافہ کرتے: ہم واپس آنے والے ہیں' اللہ سے توبہ کرنے والے ہیں' اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

اس دعا کے بعد قرآن مجید میں مذکور اس دعا کو بھی پڑھے:

رَبِّ اَنۡزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ○ (المؤمنون: ۲۹)

اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتارنا اور تو بہترین اتارنے والا ہے○

سفر سے واپسی کی دعا

عن عبد الله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قفل من الجیوش او السرایا او الحج او العمرة اذا اوفی علی ثنیة او فد فد کبر ثلثا ثم قال لا اله الا الله وحده لا شریک له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر. ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده. (جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر' جہاد' حج یا عمرہ سے واپس آتے اور کسی ٹیلے یا ہموار میدان پر پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد فرماتے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم لوٹ کر آنے والے ہیں' توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا' اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔

جمال کا معنیٰ اور مویشیوں کا جمال

ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب طیاروں' ٹرینوں' بسوں اور کاروں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے اور پہلے زمانہ کی طرح اب اونٹوں' گھوڑوں اور خچروں پر سفر کرنا متروک ہو گیا ہے لیکن اب بھی دیہاتوں میں' دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں اور ریگستانوں میں ان مویشیوں پر سفر کیا جاتا ہے' اس لیے ہم مویشیوں کے بعض احکام بیان کر رہے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے النحل: ۹ میں فرمایا: ''ان مویشیوں میں تمہارے لیے جمال ہے'' حدیث میں ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ بہت زیادہ حسن کو جمال کہتے ہیں اور جمال کی دو قسمیں ہیں: ایک جمال وہ ہے جو اس کے نفس یا اس کے بدن یا اس کے افعال میں ہو اور جمال کی دوسری قسم وہ حسن ہے جس کو وہ دوسروں تک پہنچائے' حدیث میں جو ارشاد ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے' اس میں بھی اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں تک خیر اور خوبی کو پہنچاتا ہے اور ان ہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسرے لوگوں تک نیکیوں اور اچھائیوں کو پہنچائیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۷' طبع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جس چیز سے حسن اور زیبائش حاصل ہو وہ جمال ہے اور جمال حسن کو کہتے ہیں' ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جمال جسمانی بناوٹ اور صورت میں بھی ہوتا ہے اور اخلاق باطنہ اور افعال میں بھی ہوتا ہے' شکل و صورت کا جمال وہ ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں وہ صورت نقش ہو جاتی ہے اور اخلاق باطنہ کا جمال یہ ہے کہ انسان کی صفات خوب صورت ہوں' اس میں علم اور حکمت ہو' عدل اور عفت (پاک دامنی) ہو' وہ غصہ ضبط کرتا ہو اور ہر شخص کے ساتھ اچھائی کرتا ہو اور افعال کا جمال یہ ہے کہ اس کے افعال سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ لوگوں کی مصلحتیں تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہو اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے درپے رہتا ہو۔

مویشیوں کا جمال یہ ہے کہ ان کی جسمانی بناوٹ اور ان کی شکل و صورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو اور مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی ان کے جمال میں داخل ہے کہ لوگ دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ فلاں کے مویشی ہیں' کیونکہ جب مویشی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چلتے ہیں تو اچھے لگتے ہیں' اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو''۔

بکریوں' گایوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف خلقت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے''۔

اللہ سبحانہ نے مویشی پیدا کرنے کا بالعموم احسان فرمایا اور ان میں سے اونٹوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا' کیونکہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت بار برداری اور بوجھ اٹھانے کے زیادہ کام آتے ہیں' بکریوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اور ان کو ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑے سے بہت کار آمد اور مفید چیزیں بنائی جاتی ہیں اور گائے اور بیلوں سے ان فوائد کے علاوہ ہل بھی چلایا جاتا ہے اور اونٹنیوں سے ان کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر جا رہا تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا' گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا: میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی' لیکن میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا: کیا گائے نے کلام کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابو بکر

اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۴۱۴)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گائے کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس کے اوپر سواری کی جائے یا اس پر سامان لادا جائے وہ صرف ہل چلانے، نسل بڑھانے، اس کا دودھ پینے اور اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مویشیوں پر سواری کر کے سفر کرنا اور ان پر سامان لادنا جائز ہے، لیکن ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر سامان نہ لادا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور ملائمت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور ان کے چارہ اور دانہ کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۱۴)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ میتب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا: اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا، میں آپ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا، آپ ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے، اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی، میں نے اس سے زیادہ جنون کسی میں نہیں دیکھا۔ اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں، آپ نے اس کے لیے دعا کی، پھر وہاں سے چلے گئے، آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا، وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ سے بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو لاؤ، وہ آیا تو آپ نے فرمایا: یہ اونٹ کہہ رہا ہے: میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے رہے، حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، پھر آپ چلے گئے، آپ نے دو الگ الگ درخت دیکھے۔ آپ نے مجھ سے کہا: جاؤ ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں، وہ درخت مل گئے، آپ نے قضاء حاجت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا: ان درختوں سے کہو کہ پھر الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ چلے گئے، جب واپس اس بچہ کے پاس سے لوٹے تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کیے تھے جس میں سے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے اور کہنے لگی کہ اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة الجن والانس.

کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

الزخرف: ۱۵ میں فرمایا: "اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا، بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا

ہے0"

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کا جز یعنی اس کی اولاد قرار دے دیا۔ جیسے یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عرب میں اولاد کے اوپر جز کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا: بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں' میں (اس کی) اجازت نہیں دیتا' میں پھر اجازت نہیں دیتا' میں پھر اجازت نہیں دیتا' سوا اس کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں' کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا جز ہے' جو چیز اس کو اذیت دے وہ مجھ کو اذیت دیتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۷۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود مان لیے تو انہوں نے تمام بندوں کو اللہ کے لیے نہیں مانا بلکہ انہوں نے کہا کہ بعض بندے ان کے خود ساختہ معبودوں کے ہیں اور بعض بندے اللہ کے ہیں' گویا اللہ کے بندوں کا ایک جز یا ایک حصہ تو اللہ کے لیے ہے اور باقی جز ان کے خود ساختہ خداؤں کا ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنائیں اور تمہارے لیے بیٹے مختص کر دیئے O حالانکہ ان میں سے کسی کو

اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا

كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾

رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) O

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ

اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جو رحمٰن کے بندے ہیں' کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے' ان کی

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا

یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور عنقریب اس کے متعلق باز پرس ہوگی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت

عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ ۭ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض انکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے

كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O اور اسی طرح ہم نے

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

آپ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں O (اس نبی نے) کہا: خواہ

بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر

ع ۲ / ۱ النصف كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع النصف

تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنائیں اور تمہارے لیے بیٹے مختص کر دیئے O حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا مؤقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) O (الزخرف: ۱۸۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان مشرکین کا رد فرمایا ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور اس رد کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا مطلقاً محال ہے کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو وہ بھی واجب اور قدیم ہو گی اور اولاد والد سے مؤخر ہوتی ہے اور واجب اور قدیم کسی چیز سے مؤخر نہیں ہو سکتا' جو مؤخر ہو وہ حادث اور ممکن ہوتا ہے' نیز اس صورت میں تعدد وجباء لازم آئیں گے اور یہ بھی محال ہے' نیز ولد والد کا جز ہوتا ہے اور اس سے منفصل ہوتا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ذو اجزاء ہو اور پہلے اس سے کوئی جز متصل ہو اور پھر منفصل ہو جائے اور جس چیز کے اجزاء ہوں اور وہ اتصال اور انفصال کا محل ہو وہ مرکب ہوتا ہے' پس اللہ تعالیٰ کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانی جائے تو

اس کا حادث اور ممکن ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے پس اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا بھی محال ہے۔

اور اس دلیل کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا ممکن ہو تب بھی اس کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے' کیونکہ بیٹا بیٹیوں سے افضل ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیاں بنائی ہوں اور مخلوق کے لیے بیٹے بنائے ہوں تو لازم آئے گا کہ مخلوق خالق سے افضل ہو اور یہ بداہت عقل کے نزدیک محال ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ○ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ○ (النجم: ۲۲۔۲۱) کیا تمہارے لیے لڑکے ہوں اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہوں ○ یہ تو بہت ظالمانہ تقسیم ہے ○

عورتوں کے ناقص ہونے کی وجوہ

الزخرف: ۱۷ میں فرمایا: ''حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا رہتا ہے ○''

اس آیت میں بھی بیٹیوں کی کمی اور ان کا نقص بیان فرمایا ہے کہ جیسے ہی کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے' بعض اوقات وہ اپنا گھر چھوڑ کر نکل جاتا ہے اور بعض اوقات وہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا ہے' وہ اس میں عار محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور کسی کو اپنا داماد بنائے' وہ سمجھتا ہے کہ بیٹی کی وجہ سے اس کا سر ہمیشہ جھکا ہوا رہے گا' پھر بیٹی کے ناقص ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے:

الزخرف: ۱۸ میں فرمایا: ''اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) ○''

عورت کے ناقص الخلقت ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر پڑھانے کے لیے عید گاہ میں گئے' آپ کا عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو' کیونکہ مجھے تمہاری بڑی تعداد دوزخ میں دکھائی گئی ہے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم سے زیادہ کوئی ناقص عقل اور ناقص دین ایسی نہیں دیکھی جو کسی ہوشیار مرد حاذق کی عقل کو سلب کرنے والی ہو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی مثل ہے' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورت کی عقل کا نقصان اور اس کی کمی ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کی ماہواری کے ایام ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان اور اس کی کمی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۔۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۹۔۱۵۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۳۔۱۲۸۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۷۳۹)

الزخرف: ۱۸ میں فرمایا ہے کہ عورت اپنے موقف کو وضاحت سے نہیں بیان کر سکتی' حالانکہ بعض عورتیں بہت ذہین ہوتی ہیں اور بہت فصاحت اور بلاغت سے اپنا موقف بیان کرتی ہیں اور بحث مباحثہ میں غالب رہتی ہیں' احنف نے کہا: میں نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے خطبات سنے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو بلیغ نہیں پایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گفتگو کے جس دروازہ کو حضرت عائشہ نے بند کر دیا ہو اس دروازہ کو ان کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکتا اور جب ایک مجلس میں حضرت عائشہ نے حضرت زینب کو لاجواب

کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۴۲)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بہت ذہین ہیں اور ان کی فصاحت و بلاغت بہت قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے تمام عورتوں کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنا موقف وضاحت سے نہیں بیان کر سکتیں' بلکہ یہ حکم اکثر عورتوں کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا جو رحمٰن کے بندے ہیں' کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے' ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور عنقریب اس کے متعلق باز پرس ہوگی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O (الزخرف:۲۲۔۱۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں

اس آیت میں فرشتوں کے متعلق فرمایا ہے: جو رحمٰن کے بندے ہیں' اس میں کفار کا رد ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ رحمٰن کے بندے ہیں اور جو بیٹا یا بیٹی ہو اس کو غلام یا باندی نہیں بنایا جا سکتا' اگر کوئی شخص ناواقفی میں کسی غلام یا باندی کو خرید لے اور بعد میں پتا چلے کہ وہ اس کا بیٹا یا بیٹی ہے تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا' اس لیے کفار کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا غلط ہے کیونکہ درحقیقت وہ اللہ کے بندے ہیں۔

دوسرا رد یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے پاس ہیں نہ کہ کفار کے پاس' پھر ان کو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے سنی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس قول میں جھوٹے نہیں ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے اس شہادت کے متعلق آخرت میں سوال کیا جائے گا۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۶۸۔۶۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے

الزخرف:۲۰ میں فرمایا: ''اور انہوں نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O''

مشرکین نے اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات کہی' اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا نہیں چاہتا' اگر وہ جبراً ہدایت یافتہ بنانا چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام:۳۵)	اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔
وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (المائدہ:۴۸)	اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا' لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔
وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (الانعام:۱۰۸)	اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے اوپر نگران نہیں بنایا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا (یونس:۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے لوگوں میں سے سب کے سب ایمان لے آتے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ اگر وہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو سب کو ہدایت یافتہ بنا دیتا' یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں ہے' اس کی حکمت کا منشاء یہ تھا کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں' اس نے تمام انسانوں کو اختیار دیا ہے اور جو انسان جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے' وہ ایمان کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ کفر کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کفر کو پیدا کر دیتا ہے' تو یہ کفار بھی اگر ایمان کو اختیار کرتے اور ایمان لانے کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا' اس لیے آخرت میں ان کا یہ قول غلط اور باطل ہے کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے' کیونکہ رحمان کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں چاہتا۔

معتزلہ کا جبریہ پر اعتراض اور امام رازی کا جبریہ کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ آیت جبریہ کے قول کے فساد پر دلالت کرتی ہے' جبریہ یہ کہتے ہیں کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ کفار نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے' وہ صرف اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں' اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ گویا کفار نے کہا: ہم نے اللہ کے چاہنے اور اس کے ارادہ کی وجہ سے بتوں کی عبادت کی اور یہی جبریہ کا مذہب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو صراحتاً رد کر دیا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے' وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کر رہے ہیں' لہٰذا جبریہ کا مسلک باطل ہو گیا۔ اس آیت کی نظیر سورۃ الانعام کی یہ آیت ہے:

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَاؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَاؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ○ (الانعام:۱۴۹)

عنقریب مشرکین یہ کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح ان سے پہلوں نے تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا' آپ کہیے: کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے لاؤ' تم لوگ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہو اور تم محض اٹکل پچو سے باتیں کر رہے ہو○

امام رازی فرماتے ہیں: معتزلہ کے اس اعتراض کا برحق جواب وہ ہے جس کو ہم نے سورۃ الانعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ کیا اور جب اس نے ان سے کفر کا ارادہ کیا تو اب اس کا ان کو ایمان لانے کا امر کرنا اور ایمان لانے کا حکم دینا جائز نہیں اور کفار کا اعتقاد یہ تھا کہ امر اور ارادہ کو مطابق ہونا چاہیے اور ہمارے نزدیک کفار کا یہ استدلال باطل ہے' پس کفار صرف اس وجہ سے مذمت کے مستحق نہیں ہوئے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے' بلکہ وہ اس وجہ سے مذمت کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ کر لیا تو اب ان کو ایمان لانے کا حکم دینا اس کے لیے قبیح ہے اور جائز نہیں ہے اور جب ہم نے کفار کی مذمت کرنے کو اس طرف راجع کیا تو اب معتزلہ کا جبریہ پر جو اعتراض تھا وہ ساقط ہو گیا اور اس کی پوری تقریر سورۃ الانعام میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۲۷۔۶۲۶ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جبریہ کی حمایت میں سورۃ الانعام کی تقریر

سورۃ الانعام میں امام رازی نے جو تقریر کی ہے وہ اس طرح ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ حکایت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ان کا استدلال باطل اور فاسد ہے' کفار کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں تو پھر انسانوں کو احکام شرعیہ سے مکلف کرنا عبث ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنا بھی بے فائدہ ہوگا' کیونکہ جب سب کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کے ارادہ سے ہو رہے ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام تبلیغ کریں یا نہ کریں لوگ وہی عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ نبوت کرنا باطل ہوگا۔ بلکہ ان کی نبوت اور رسالت بھی باطل ہوگی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ باطل فرمایا کہ کفار کا اس طریقہ سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرنا بجائے خود باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معبود ہے' وہ جو چاہے کرے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ حکم دے' اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے' اس کے باوجود وہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے اور کافر کو ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور ارادہ کے خلاف حکم دینا ممتنع نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کر کے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ان کا استدلال باطل اور فاسد ہے کیونکہ تمام کاموں کا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہونا' انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو باطل نہیں کرتا' پس معتزلہ کا جبریہ کے خلاف استدلال ساقط ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جبریہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل

اس کے بعد امام رازی اسی بحث میں یہ فرماتے ہیں:

پس ثابت ہو گیا کہ ظاہر قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ نہیں کرتا اور عقلی دلیل بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کو جبراً مومن بنا دیتا تو یہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ ہدایت دینا چاہتا تو تم کو ہدایت دے دیتا اور تم یہ کہتے ہو کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم کو ہدایت دے دیتا' سو تم اس آیت کا معنیٰ کرنے کے لیے اس میں جبراً کا لفظ محذوف مانتے ہو' لہٰذا تمہارا کیا ہوا معنیٰ مرجوح ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان اختیاری کا ارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہوگا وہ ایمان غیر اختیاری ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے اور اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہیں ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیاری ہے اور وہ اس کو حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ کے عجز کا قول کرنا لازم ہوگا۔

(۳) اس بحث کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ ایمان بالاختیار اور ایمان بالجبر کے درمیان فرق کیا جائے اور متکلمین نے ان کے درمیان جو فرق کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان بالاختیار کے لیے بندہ کے دل میں ایمان کے داعی اور محرک کا ہونا ضروری ہے

اور یہ داعی اور محرک یا تو اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے بعد ایمان کا حصول واجب اور ضروری ہوگا یا اس داعیہ کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہوگا' اگر اس داعی کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہے تو اس داعی اور محرک کے بعد کبھی ایمان حاصل ہوگا اور کبھی ایمان حاصل نہیں ہوگا' پھر ایمان کے حصول کے لیے ایک اور داعی اور محرک کے وجود کو فرض کرنا پڑے گا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور اگر اس داعی اور محرک کے بعد ایمان کا حصول واجب ہو تو پھر وہ داعی اور محرک اختیاری نہیں رہے گا بلکہ واجب اور ضروری ہو جائے گا اور متکلمین نے جو داعی ضروری اور داعی اختیاری میں فرق کیا ہے وہ فرق باطل ہو جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۶۷۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انسانوں کے لیے اختیار کے ثبوت میں مصنف کی تقریر

اس مقام پر تین چیزیں ہیں: ایک مشیت ہے' دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور تیسری چیز اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اس کے امر اور اس کے حکم پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا ارادہ اس کی رضا اور اس کے حکم سے عام ہے۔

اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز سے راضی نہیں ہوتا اور نہ ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

جہاں تک انسانوں کے افعال کا تعلق ہے' انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے اسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس فعل کو انسان خود اختیار کرتا ہے' اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزاء اور سزا دی جاتی ہے' اگر انسان کو اختیار نہ دیا گیا ہوتا تو پھر رسولوں کو بھیجنا' حساب اور کتاب لینا' میزان قائم کرنا' جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور عبث اور بے کار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اس پر دلیل ہے کہ انسان کو اچھے اور برے کاموں اور ایمان اور کفر کا اختیار دیا گیا ہے اور اس کے نیک کاموں پر اس کو جزاء ملے گی اور برے کاموں پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰۔۷)

قسم ہے نفس کی اور اس کو صحیح بنانے کی ○ پھر اللہ نے اس نفس میں اس کی برائی اور بھلائی کا ادراک پیدا کر دیا ○ جس نے نفس کو (گناہوں سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا ○ اور جس نے نفس کو ضائع کر دیا وہ ناکام ہو گیا ○

اگر انسان کے نیک کام کرنے یا برے کام کرنے میں اس کا کوئی دخل اور اختیار نہ ہو تو یہ آیات عبث قرار پائیں گی۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰۔۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ○ اور کیا ہم نے اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں راستے نہیں دکھائے ○

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی ○

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرہ: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتا ہے۔

اور کسی بھی شخص کو مکلف کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا مکلف کیا ہے' وہ اس کے احکام پر عمل کریں گے تو ان کو اجر و ثواب ملے گا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو اس کی سزا ملے گی' اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور درختوں کو اختیار نہیں دیا تو ان کو اپنے احکام کا مکلف بھی نہیں فرمایا اور انسانوں کو اختیار دیا ہے تو ان کو مکلف بھی فرمایا ہے۔

انسان کے با اختیار ہونے کی واضح مثال یہ ہے کہ جو انسان رعشہ میں مبتلا ہوتا ہے وہ چاہے نہ چاہے اس کے ہاتھ حرکت کرتے رہتے ہیں اور لرزتے اور کپکپاتے رہتے ہیں اور تندرست انسان اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے' اسی طرح جس انسان کے ہاتھوں پر فالج ہو اس کے ہاتھ ساکت رہتے ہیں' وہ اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتا اور تندرست انسان کا معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات اور عقلی دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نیک اور بد افعال کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے اور وہ جس فعل کو اختیار کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسانوں کو جمادات کی طرح بے اختیار اور مجبور پیدا نہیں فرمایا اور اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ جبریہ کی حمایت میں امام رازی کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور اس کے چاہنے سے کافر کفر کرتا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کافر کفر کو اختیار کرتا ہے اور کفر کا ارادہ اور کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اختیار اور ارادہ کے مطابق کفر کو پیدا کرتا ہے' پس کفر کا' کاسِب کافر ہے اور کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام اعمال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کے خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اور کفر اور فسق کے خلق کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ اگرچہ دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی خلق کرتا ہے۔

جبریہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے جوابات

اب ہم امام رازی کے عقلی دلائل کا جائزہ لیتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ○ (الانعام: ۱۴۹) پس اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا○

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' امام رازی فرماتے ہیں: تم اس میں جبراً کا لفظ محذوف مانتے ہو اور ہم اس میں جبراً کا لفظ محذوف نہیں مانتے اور جو معنیٰ بغیر حذف مانے کیا جائے وہ بہتر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے اور جب تک اس لفظ کو محذوف نہ مانا جائے تو معنیٰ صحیح نہیں بنتا' جیسے فرمایا ہے: ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف: ۸۲) آپ اس بستی سے سوال کیجئے یعنی بستی والوں سے۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہاں مراد ہے: اهل قرية (بستی والوں) سے سوال کیجئے اور یہاں اختصار کی بناء پر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مجاز کی یہ قسم لغت عرب میں مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سو اسی طرح الانعام: ۱۴۹ میں جبراً کا لفظ محذوف ہے' ورنہ ان تمام آیات کا خلاف لازم آئے گا جن میں انسان کے لیے اختیار ثابت فرمایا ہے۔

امام رازی کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان اختیاری کا ارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہو گا

وہ غیر اختیاری ہوگا' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہ ہو اور عاجز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیاری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایمان بالاختیار اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر: ۷) اللہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد حاصل نہ ہو البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی رضا حاصل نہ ہو۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ایمان اختیاری داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ پر موقوف ہے الخ' ہم کہتے ہیں کہ اس داعی اور محرک سے کیا مراد ہے' اللہ کے لیے داعی اور محرک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال کے لیے کسی داعی اور محرک کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مخلوق کا داعی اور اس کا ارادہ جازمہ مراد ہے تو مخلوق اپنے افعال کی خالق نہیں ہے' وہ صرف اپنے افعال کی کاسب ہے اور کسب کا معنیٰ ہے: ارادہ کرنا' مخلوق جس فعل کا ارادہ کرتی ہے اللہ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے' اس کے لیے ایسے داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ کی ضرورت نہیں ہے جس کے بعد فعل کا حصول واجب ہو کیونکہ یہ علت تامہ کی شان ہے اور مخلوق اپنے افعال کے لیے علت تامہ نہیں ہے' وہ صرف کاسب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ○'' کا یہی معنیٰ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' لیکن اللہ انسانوں کو جبراً ہدایت دینا نہیں چاہتا کیونکہ اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے اور اس کی رضا اس میں ہے کہ انسان اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں' اس آیت کی تفسیر میں گفتگو طویل ہوگئی لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ جبریہ کی تائید میں جو کچھ بھی کہا جاسکتا ہے' اس کا مکمل جواب آ جائے۔

''مستمسکون'' کا معنیٰ

الزخرف: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے' جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں○''

یعنی نزول قرآن سے پہلے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو ایمان کی دعوت دینے سے پہلے کیا ہم نے ان کو ایسی کوئی کتاب دی تھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بتوں کی عبادت کرنا برحق ہے یا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ اس کتاب سے استدلال کر کے یا اس پر اعتماد کر کے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں یا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں ''مستمسکون'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر استمساک ہے اور اس کا مادہ مسک ہے' مستمسکون کا معنیٰ ہے: چنگل سے پکڑنے والے اور اس سے مراد ہے: استدلال کرنے والے اور کسی چیز سے سند لانے والے' مسک میں رکنے یا روکنے کا معنیٰ ہوتا ہے' مسکۃ کا معنیٰ ہے: پانی رکنے کی جگہ' ممسک کا معنیٰ ہے: کنجوس یعنی مال کو روکنے والا' امساک کا معنیٰ ہے: رکنا' بند رکھنا' تمسک کا معنیٰ ہے: پنجہ میں پکڑنا اور استمساک کا معنیٰ ہے: مضبوطی سے پکڑنا' سند لانا' استدلال کرنا۔

(القاموس المحیط ص ۹۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۴ھ)

امت کے معانی

الزخرف: ۲۲ میں فرمایا: ''نہیں' بلکہ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں○''

اس آیت میں امت کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے دین کیا ہے۔

امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

امت ہر اس گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں جو کسی چیز میں مجتمع ہو اور اس کا کوئی جامع ہو' خواہ اس کا جامع دین واحد ہو یا زمان واحد ہو یا مکان واحد ہو' خواہ کسی چیز نے ان کو تسخیراً اور جبراً جمع کیا ہو یا اختیاراً جمع کیا ہو۔ تسخیراً جمع کرنے کی مثال یہ آیت ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ . (الانعام: ۳۸) زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل ایک امت (گروہ) ہے۔

یعنی ان میں سے ہر گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص طبیعت میں مسخر کیا ہوا ہے' جیسے مکڑیوں کا گروہ بالطبع جالا بنانے والا ہے' یا بالطبع خوراک کا ذخیرہ بنانے والا ہے جیسے چیونٹیاں' یا گھونسلا بنانے والا ہے جیسے چڑیا اور اس طرح کے اور پرندے یا پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر ایک چھتے میں جمع کرنے والا ہے جیسے شہد کی مکھیاں۔

اور یا وہ گروہ اپنے اختیار سے ایک نظریہ پر قائم ہونے والا ہو' اس کی مثال یہ آیت ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً . (البقرہ: ۲۱۳) یعنی سب لوگوں کا ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ اور نظریہ تھا' وہ سب کفر اور گم راہی میں متفق اور مجتمع تھے' اسی طرح یہ آیت ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً . (ھود: ۱۱۸) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔

یعنی سب لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے میں مجتمع اور متحد کر دیتا۔

اور زمانے اور مدت کی مثال یہ آیت ہے:

وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ . (یوسف: ۴۵) رہا ہونے والے قیدی کو ایک مدت کے بعد یاد آیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں O (اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O (الزخرف: ۲۵۔۲۳)

دنیاوی مال و متاع کا مذموم ہونا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار اپنے آباء واجداد کی گم راہی اور کفر میں اندھی تقلید کر رہے ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے' نیز یہ فرمایا کہ اس بستی کے خوش حال اور آسودہ حال لوگوں نے اپنے کفر پر اپنے آباء واجداد کی تقلید کو دلیل بنایا' یعنی ان کی خوش حالی اور مال و دولت کی کثرت نے ان کو دنیا کی لذتوں اور شہوتوں میں اس قدر بدمست کر دیا کہ وہ آخرت سے بالکل بے بہرہ ہو گئے اور احادیث میں بھی اس کا بیان ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور عیش و نشاط سے انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو دولت مندوں کی تکریم کرتے ہیں اور عبادت گزاروں کی تخفیف کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ان آیات پر عمل کرتے ہیں جو ان

کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جو آیات ان کی خواہشوں کے خلاف ہوں ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی صورت میں وہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں جو ان کو بغیر محنت کے حاصل ہو جائے' وہ ان کی تقدیر ہو یا رزق مقسوم ہو اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتے جس میں محنت کرنی پڑتی ہے جو کہ آخرت میں ان کی وافر جزاء ہے اور ان کا وہ شکر ہے جس پر اجر ملتا ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں گھاٹا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۳۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عمر بن یزید الرفاء ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۷۰۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص پر بھی دنیا کھول دی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت ڈال دیتا ہے' حضرت عمر نے کہا: میں اس سے ڈرتا ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۰۹' امام بزار کی سند میں ابن لہیعہ نام کا ضعیف راوی ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر فقر کا خطرہ نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر مال کی کثرت کا خوف ہے اور مجھے تم پر خطاء کا خطرہ نہیں ہے لیکن مجھے تم پر عمد کا خطرہ ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۷۴۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو صرف دینار اور درہم نے ہلاک کر دیا اور یہ تم کو بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۲' امام بزار کی سند جید ہے۔ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۵۵۸)

الزخرف: ۲۵۔۲۴ میں فرمایا: ''(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O''

''اھدی'' کے معنیٰ میں مترجمین کی آراء

اس آیت میں ''اھدی'' کا لفظ ہے اور یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ ہدایت دینے والا' اسی لیے مترجمین نے اس کا معنیٰ اسم تفضیل کے اعتبار سے کیا ہے۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وہ بولا اور جو میں لادوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادوں کو۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آباء ہی کا اتباع کیے جاؤ گے) اگر چہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے اور اسم تفضیل کو مجازاً صفت مشبہ پر محمول کیا ہے:

''(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے''۔

تھانوی صاحب اور شیخ محمود حسن کے ترجموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کے آباء واجداد کا دین بھی ہدایت دینے والا تھا لیکن پیغمبروں کا دین زیادہ ہدایت دینے والا ہے' جب کہ ہمارے ترجمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والا وہی دین

ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے اور کافروں کے دین میں ہدایت نہیں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے: ''ہم نے ان سے انتقام لیا''۔ یعنی ان پر قحط مسلط کیا اور ان پر عبرت ناک عذاب نازل کیا جس سے ان کافروں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا: ''سو دیکھئے! تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا''۔

تکذیب سے مراد ہے: رسولوں کی تکذیب' یعنی جن کافروں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے لائے ہوئے دین کا مذاق اڑایا تھا اور اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا' ان پر کیسا عبرت ناک عذاب آیا۔

تقلید کی تحقیق

ان آیات میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے' تقلید کی تعریف ہے: کسی دوسرے شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا' یہ تقلید احکام فرعیہ اور عملیات میں جائز ہے اور اصول دین اور اعتقادات میں جائز نہیں ہے بلکہ اصول دین اور اعتقادات میں غور و فکر کرنا اور دلائل سے کام لینا ضروری ہے' البتہ فقہاء احناف اور غیر مقلدین دونوں کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے' مثلاً مقلد کا ایمان ہے کہ یہ جہان ممکن اور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود' قدیم اور واحد ہے اور تمام رسول صادق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو پیغام لے کر آئے وہ پیغام برحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتیوں کا' بچوں کا' عورتوں کا اور غلاموں اور باندیوں کا ایمان قبول فرمایا اور ان کو دلیل کی تعلیم نہیں دی اور نہ ان سے اللہ کے واحد ہونے کی یا اپنے رسول ہونے کی دلیل پوچھی' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک باندی میری بکریاں چراتی تھی' میں اس کے پاس گیا تو میری بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی' میں نے اس سے اس کے متعلق سوال کیا' اس نے کہا: اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا' مجھے اس کا افسوس ہوا اور میں بھی بنو آدم سے ہوں' میں نے اس کو ایک تھپڑ مارا' مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں' آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۴' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی لے کر آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا لازم ہے' آپ دیکھیں' اگر یہ باندی مومن ہے تو میں اس کو آزاد کر دوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے کہا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہے' اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۵' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ان دونوں حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کا ایمان قبول فرمایا اور اس سے اللہ اور اس کے رسول کے ماننے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے ایمان پر کسی دلیل کو طلب نہیں فرمایا۔

البتہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر مقلد اپنے عقائد پر غور و فکر کر کے ان پر دلیل قائم نہ کر سکے تو وہ گنہ گار ہوگا' کیونکہ اس پر غور و فکر کرنا واجب ہے' اسے چاہیے کہ وہ اثر سے موثر پر اور مصنوع سے صانع پر استدلال کرے اور جو شخص مسلمانوں کے شہر

میں پیدا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عجیب وغریب چیزوں کو دیکھ کر سبحان اللہ کہا' وہ تقلید کی حد سے نکل گیا اور وہ دلیل اور حجت سے اللہ پر ایمان لانے والا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ

سوا اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا O اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید)

عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے O بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آ گیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول O اور جب ان کے پاس حق پہنچ

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ

گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ

مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ

اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O کیا یہ (کفار) آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی

قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ

دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

جس کو یہ جمع کر رہے ہیں O اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ

رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان

مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا

کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک

يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے O (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس (صرف) متقین کے لیے ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجیے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O سوا اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا O اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے O (الزخرف: ۲۸۔۲۶)

کفار مکہ کی بت پرستی کے خلاف اسوۂ ابراہیم سے استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین کی بت پرستی اور ان کے شرک کا سبب ان کے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اصول اور عقائد میں تقلید کرنا باطل ہے اور عقائد کو دلائل سے ماننا چاہیے اور اب اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ ایک اور طریقہ سے بیان فرما رہا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد امجد مانتے تھے اور ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ یعنی ان کے چچا آزر شرک کرتے تھے اگر عقائد میں تقلید کرنا برحق ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی اور اپنی قوم کے آباء و اجداد کی تقلید کرتے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقائد میں تقلید نہیں کی اور ان کے شرک اور ان کی بت پرستی سے اعراض کیا اور بیزاری کا اظہار کیا تو واضح ہو گیا کہ عقائد میں باپ دادا کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دلیل اور حجت کے ساتھ عقائد کو اپنانا چاہیے۔

الزخرف: ۲۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خالق کا استثناء فرمایا اور کہا: جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے میں بیزار ہوں سوا اللہ عزوجل کے اور یہ استثناء منقطع ہے نیز فرمایا: اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا' حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مراتب غیر متناہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کی طرف ہدایت دے گا۔

الزخرف: ۲۸ میں فرمایا: ''اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی اولاد اس عقیدہ کی طرف رجوع کرے''۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک ضرور ایسے لوگ رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے اور جو ان میں سے مشرک ہو گیا اس کے متعلق بھی توقع ہے کہ وہ عقیدہ توحید کی طرف رجوع کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق یہ دعا کی تھی کہ:

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ○ (ابراہیم: ۳۵) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں○

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم تادم مرگ اسلام پر قائم رہنا' قرآن مجید میں ہے:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ (البقرہ: ۱۳۲) ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے' پس تم تادم مرگ اسلام پر ہی قائم رہنا○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی برکت سے قیامت تک ان کی نسل میں ایسے لوگ آتے رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص محض اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دعویٰ کرے اور انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آ گیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول○ اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں○ اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا○ کیا یہ کفار اپنے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں' ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں○ (الزخرف: ۳۲-۲۹)

اہل مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کا کفر اور استہزاء

الزخرف: ۲۹ میں کلام سابق سے اضراب ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی کہ ان کی تمام اولاد عقیدہ توحید اور اسلام پر قائم رہے' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل مکہ تھے وہ نسل ابراہیم سے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں دیں' وہ ان نعمتوں اور ان کی لذتوں میں ڈوب کر عقیدۂ توحید اور اسلام کے احکام سے غافل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا برحق کلام یعنی قرآن مجید آ گیا اور قرآن مجید کے احکام کو صاف صاف بیان کرنے والا رسول آ گیا جس کی رسالت اس کے پیش کردہ معجزات کی وجہ سے بالکل ظاہر تھی اور جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو دلائل سے بیان کرنے والا تھا تو۔۔۔۔۔

الزخرف: ۳۰ میں فرمایا: ''اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں○'' یہ لوگ عقیدۂ توحید سے غافل ہو چکے تھے اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رہ نمائی کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے پیغام کا اور قرآن مجید کا انکار کیا اور کہا: ''یہ جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا اہل دوزخ کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قہر کے آثار سے

ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ اہل جنت کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار سے ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہو گا' سوا اس کے جو انکار کرے گا' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! انکار کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو میری نافرمانی کرے گا وہ میرا انکار کرے گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۵ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۲' المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱)

صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے' اس وقت آپ سو رہے تھے' بعض نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: اپنے اس صاحب کی کوئی مثال بیان کرو' پھر بعض نے کہا: یہ سوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: ان کی مثال اسی طرح ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دستر خوان بچھا دیا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیجا' پس جس شخص نے اس داعی کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا اور اس نے دستر خوان سے کھایا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اس نے دستر خوان سے نہیں کھایا۔ پھر فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تا کہ یہ اس کو سمجھیں۔ پس بعض فرشتوں نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' تب انہوں نے کہا: دار سے مراد جنت ہے اور داعی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پس جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۱' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۰۶)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہیے تھا

الزخرف: ۳۱ میں فرمایا: "اور انہوں نے کہا: یہ قرآن دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O"

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ ان دو شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں اور مکہ کے بڑے آدمی کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔

اور طائف کے بڑے آدمی کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حبیب بن عمر ثقفی ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد عمیر بن عبد یالیل ثقفی ہے۔

(۳) قتادہ نے کہا: اس سے مراد عروہ بن مسعود ہے۔

(۴) السدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ عبد بن عمرو ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الزخرف: ۳۲ میں فرمایا: "کیا یہ کفار اپنے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجہ فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں O"

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے اس کا انکار کیا' ان میں سے بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا رسول (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثل بشر ہو' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ . (یونس:۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک شخص پر وحی کی کہ آپ تمام لوگوں کو ڈرایئے۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O (النحل:۴۳)

ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے' پس اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے دریافت کرلو O

یعنی اہل کتاب سے دریافت کرلو کہ آیا تمہارے پاس بشر رسول بن کر آئے تھے یا فرشتے' پس اگر تمہارے پاس فرشتے آئے تھے خواہ وہ بشر ہوں تو تم کیوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہو اور نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى . (یوسف:۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں والوں میں جس قدر رسول بھیجے وہ صرف مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

یعنی وہ سب رسول بستیوں والوں میں سے تھے' ان میں سے کوئی رسول آسمان والوں میں سے نہ تھا جیسا کہ تمہارا زعم ہے کہ رسول کو فرشتہ ہونا چاہیے' جب ان کے رد میں یہ متواتر آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر رسول کو بشر ہی ہونا ہے تو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ دوسرے لوگ رسالت کے زیادہ مستحق ہیں' انہوں نے کہا:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ O (الزخرف:۳۱)

یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O

ان کی مراد یہ تھی کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ اشرف مکہ کا ولید بن مغیرہ مخزومی ہے اور طائف کا مسعود بن عمرو ثقفی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ کے رب کی رحمت یعنی اس کی رسالت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ بلکہ اپنی رحمت اور کرامت کو ہم ہی تقسیم کرتے ہیں' پس ہم جس کو چاہتے ہیں رسول بنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں صدیق بنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں خلیل بنا دیتے ہیں' جس طرح ہم دنیاوی زندگی میں جس کو چاہتے ہیں جتنی چاہتے ہیں اس کو اتنی روزی عطا فرماتے ہیں اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض سے زیادہ بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دنیاوی زندگی کی معیشت میں بعض فاضل ہیں اور بعض مفضول ہیں' بعض رئیس ہیں بعض مرؤوس ہیں' بعض غنی ہیں اور بعض فقیر ہیں' بعض حکام ہیں اور بعض عوام ہیں۔

نیز فرمایا: ''اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں'' ایک تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد نبوت ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد جنت ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمام فرائض کی ادائیگی بہ کثرت نوافل پڑھنے سے بہتر ہے' چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندوں کو جو اجر عطا فرمائے وہ اس سے بہتر ہے جو بندے اس سے اپنے اعمال کی جزاء کو طلب کریں۔

کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ قرآن کسی عظیم آدمی پر نازل ہونا چاہیے تھا' ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ عظیم آدمی وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس مال اور دولت زیادہ ہو اور جس کے ماتحت زیادہ آدمی ہوں اور جس کے پاس اسلحہ اور ہتھیار بہت ہوں' ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل تھا' ان چیزوں سے کوئی شخص بڑا آدمی نہیں بنتا' بڑا آدمی اور عظیم انسان وہ شخص ہوتا ہے جس کا کردار عظیم ہو' جس کے اخلاق بلند ہوں' جس کو دنیا صادق اور امین کے نام سے پہچانتی ہو' جو یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتا ہو' جو کمزوروں کا سہارا ہو' جو پاک باز اور عفت مآب ہو' جو مہمانوں کی تکریم کرتا ہو' مظلوموں کی دادرسی کرتا ہو' جو جان کے دشمنوں پر بھی قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دیتا ہو' جو حق بات کہتا ہو' جو اس قدر بہادر ہو کہ حق بات کے خلاف بڑی سے بڑی طاقت اس کو جھکا نہ سکتی ہو اور مکہ اور طائف کی دو پہاڑیوں کے درمیان سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ان صفات کا حامل اور کوئی نہیں تھا' ریگ زار عرب کا ذرہ ذرہ ان پر شاہد عادل ہے کہ ایسا عظیم انسان اور اتنا بڑا آدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا تو پھر قرآن مجید آپ پر ہی نازل ہونا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے O (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس صرف متقین کے لیے ہے O (الزخرف: ۳۵۔۳۳)

دنیا کی زیب و زینت کفار کے لیے ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت حقیر ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے لوگ کفر کو اختیار کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور ان کے گھروں کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

ان آیات کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہ ہوتی کہ جب لوگ کافروں کے گھروں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور عیش و عشرت کا سامان دیکھ کر کفر کی طرف رغبت کریں گے اور یہ وہم کریں گے کہ فضیلت کفر میں ہے اور پھر سب لوگ کفر کو اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور کافروں کے گھر اور ان کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

اس آیت میں ''بیوت'' کا لفظ ہے' اس کا واحد بیت ہے' اس کے معنیٰ گھر اور رہنے کی جگہ ہے اور ''باب'' کا لفظ ہے۔ کسی گھر میں داخل ہونے کی جگہ کو باب کہتے ہیں اور ''سرر'' کا لفظ ہے' یہ سریر کی جمع ہے' سریر اس جگہ کو کہتے ہیں جس پر امیر اور عیاش لوگ سرور اور خوشی سے بیٹھتے ہیں۔ میت کے تخت کو بھی سریر کہتے ہیں اور اس میں یہ نیک شگون ہے کہ اس پر میت کو لٹا کر اسے اللہ کے پاس لے جائیں گے تو اس کو اللہ کی جانب سے سرور حاصل ہوگا اور اس میں ''زخرف'' کا لفظ ہے' اس کا اصل میں معنیٰ سونا ہے اور اس کو استعارہ زینت سے بھی کیا جاتا ہے' پھر ہر نقش و نگار والی مزین چیز کو زخرف کہا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا حقیر ہونا

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک

مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۰ المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۲۲)

المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں کی جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرے ہوئے بکری کے بچے پر کھڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو کہ یہ بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک کتنا حقیر تھا جب انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا' ان لوگوں نے کہا: اس کے حقیر ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مرا ہوا بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک حقیر تھا۔ (شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۹۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۹۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا' اس کی نیکی اس کو دنیا میں دی جاتی ہے اور اس پر اس کو آخرت میں اجر دیا جائے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی جس کا اجر اس کو آخرت میں دیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۲۶۶' رقم الحدیث: ۱۲۲۳۷' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کرنے کی وجوہ

اس جگہ پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیتا تو یہ تمام لوگوں کے کفر پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کیوں نہ کھول دیئے تاکہ یہ تمام لوگوں کے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں لوگ دنیا کو طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے اور یہ منافقین کا ایمان ہے' اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے اوپر دنیا تنگ کر دی جائے حتیٰ کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کرے وہ اسلام کی حقانیت کی وجہ سے اسلام کو قبول کرے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اب اس کو عظیم ثواب ملے گا' کیونکہ اب اس کا اسلام اخلاص پر مبنی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کیا غنا کو پسند نہیں کیا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اغنیاء کی زندگی گزارتے تو لوگ مال دنیا کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے اور جب کہ آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے تو لوگ آخرت اور عقبیٰ کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فقر کو اس لیے پسند کیا تاکہ فقراء کو تسلی ہو کہ اگر ہم فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ہوا' دو عالم کے مختار نے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کے نزدیک مال دنیا بہت حقیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دنیا کے حقیر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ مال دنیا مقصود بالذات نہیں ہے' مقصود بالذات تو آخرت ہے اور مال دنیا اجر آخرت کا وسیلہ ہے' یہ دنیا دائمی قیام کی جگہ ہے نہ نیک اعمال کی جزاء ہے' یہ دنیا تو امتحان کی جگہ ہے اور سفر کی جگہ ہے' دنیا میں وہی لوگ دل لگاتے ہیں جو علم اور ایمان سے خالی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ولیوں کو دنیا کی محبت سے محفوظ اور مامون رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہےO

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیںO

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ

حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور

فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى

مغرب کی دوری ہوتی سو وہ کیسا بُرا ساتھی ہے!O اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہو گا

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ

کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم سب عذاب میں شریک ہوO کیا آپ بہروں کو (وعظ) سنائیں گے اور اندھوں کو (سیدھی راہ) دکھائیں

وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ

گے اور ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گم راہی میں ہیںO پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام

مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

لینے والے ہیںO یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیںO

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، بے شک آپ صراط مستقیم پر قائم ہیںO

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ

اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گاO

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ ۟ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا

الِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾

کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں' سو وہی اس کا ساتھی ہے O اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی سو وہ کیسا بُرا ساتھی ہے O اور اے کافرو! تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم سب عذاب میں شریک ہو O (الزخرف: ۳۹۔۳۶)

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کا وبال

الزخرف: ۳۶ میں ''یعشو'' کا لفظ ہے' عشا یعشو کا معنیٰ ہے: آنکھوں کی بیماری' رتوندیا اس کی وجہ سے اندھا پن ہونا' جب اس کا صلہ ''الی'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: قصد کرنا اور جب اس کا صلہ ''عن'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: اعراض کرنا' اور جب اس کا صلہ ''علی'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: ظلم کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۳۶' لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۶۳)

اس آیت سے دنیا کی آفتوں پر تنبیہ کرنا مراد ہے کہ جس شخص کے پاس زیادہ مال و متاع ہوتا ہے اور وہ کسی اونچے منصب پر بھی فائز ہوتا ہے' وہ طاقت اور اقتدار کے نشہ میں کسی بدمست ہاتھی کی طرح کمزوروں اور غریبوں کو روندتا چلا جاتا ہے اور وہ اللہ کی یاد سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ شیطان کے ہم نشینوں کی طرح ہو جاتا ہے' خود بھی گم راہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: شیطان اس کا دنیا میں ساتھی ہو جاتا ہے' اس کو فرائض' واجبات اور سنن کی ادائیگی سے روکتا ہے اور اس کو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منع کرتا ہے اور حرام اور ممنوع کاموں کی اس کو ترغیب دیتا ہے۔

سعید الجریری نے کہا: شیطان آخرت میں اس کا قرین بن جاتا ہے' جب وہ قبر سے اٹھتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور قشیری نے یہ کہا کہ شیطان اس کا دنیا اور آخرت میں قرین ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے' وہ جب بھی کسی نیک چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو بُری معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور وہ جب بھی کسی بُری چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۲۴۵' رقم الحدیث: ۹۴۸)

یہ شیطان اس شیطان کا غیر ہوتا ہے جو ہر انسان کا قرین ہے' جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پر ایک شیطان کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا اور ایک فرشتہ کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مجھ پر بھی' لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی' میرا وہ قرین مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۳۳)

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے شیطان اس کے قریب نہیں جاتا اور جو شخص فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہیں رکھتا اور معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں کرتا' تو اس پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور وہ اس کا قرین اور ساتھی بن جاتا ہے اور اس کو ناجائز خواہشوں کی طلب پر اکساتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی عقل اور اس کے علم پر حاوی اور غالب ہو جاتا ہے اور یہ اس کی سزا ہے جو قرآن اور سنت سے اعراض کرتا ہے۔

معصیت میں شیطان کی اتباع دوزخ میں شیطان کی اتباع کو مستلزم ہے

الزخرف: ۳۷ میں فرمایا: ''اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O''

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں اور ان پر شیاطین مسلط ہو چکے ہیں وہ ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر گام زن ہیں اور جب ان لوگوں سے قیامت کے دن ان شیاطین کی ملاقات ہوگی تو وہ لوگ ان شیاطین سے کہیں گے کہ کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان اتنی دوری ہو جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے۔

الزخرف: ۳۸ میں فرمایا: ''اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم سب عذاب میں شریک ہو''۔

یعنی تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا کیونکہ تم نے شیطان کی اتباع میں کفر کیا تھا اور جس طرح تم دنیا میں شیطان کی اتباع کرتے ہوئے کفر اور معصیت کر رہے تھے اسی طرح آج تم شیطان کی اتباع کرتے ہوئے دوزخ میں جاؤ گے۔

پس عقل والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور شیطان کی اتباع میں ان سے جو گناہ ہو چکے ہیں ان کا تدارک کریں اور شیطان سے بھاگیں اس سے قبل کہ وہ وقت آئے جب شیطان ان سے بھاگ رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ بہروں کو (وعظ) سنائیں گے اور اندھوں کو (سیدھی راہ) دکھائیں گے اور ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام لینے والے ہیں O یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے' سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O

(الزخرف: ۴۲۔۴۰)

کفار مکہ کی ضد اور عناد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

الزخرف: ۳۶ میں یہ فرمایا تھا کہ ان کی آنکھوں میں رتوند ہے یعنی ضعف بصر ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں اور واقع میں اسی طرح ہوتا ہے' جب انسان ابتداء میں دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اس کی بینائی کمزور ہے' پھر جب وہ دنیا کی زیب و زینت میں زیادہ محو ہو جاتا ہے اور نیک اعمال کو ترک کر کے شہوانی لذتوں کے حصول میں زیادہ سرگرم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کو ترک کر دیتا ہے اور جب وہ اسی حال پر مستمر رہتا ہے تو وہ ضعف بصر سے عدم بصر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور مشرکین کو دن رات اسلام کی طرف بلانے کی جدوجہد میں لگے رہتے تھے اور وہ اپنی گم راہی

اور سرکشی میں اور زیادہ پختہ ہو رہے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یعنی ان لوگوں کے کانوں پر کفر اور گم راہی کی ڈاٹ لگ چکی ہے اور فرمایا: کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے۔ یعنی یہ آپ سے اور آپ کے دین سے بہت دور ہو چکے ہیں' جب آپ انہیں قرآن سناتے ہیں تو لگتا ہے یہ بہرے ہیں اور جب آپ انہیں معجزات دکھاتے ہیں تو لگتا ہے یہ اندھے ہیں' پھر اللہ نے بتایا کہ ان کا بہرا ہونا اور اندھا ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں۔

الزخرف: ۴۱ میں فرمایا: ''پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام لینے والے ہیں O''

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو دین کی طرف بلانے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تو فرمایا کہ جب ہم آپ کو دنیا سے لے جائیں گے تو اگر اس وقت ہم نے ان سے انتقام نہیں لیا ہوگا تو ہم آپ کے بعد ان سے انتقام لیں گے یا ہم آپ کی حیات میں ان کی ذلت اور رسوائی دکھائیں گے کہ متعدد جنگوں میں ان کو قید کیا جائے گا یا ان کو قتل کیا جائے گا' سو ایسا ہی ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکہ فتح ہو گیا اور آپ کے وصال کے بعد پورا جزیرۃ العرب مشرکین سے خالی ہو گیا اور بعد ازاں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا حتیٰ کہ دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی' براعظم ایشیا' براعظم افریقہ اور براعظم یورپ' یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور طوائف الملوکی کی وجہ سے بعض علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتے رہے۔

الزخرف: ۴۲ میں فرمایا: ''یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے' سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O''

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے منکروں اور دشمنوں سے انتقام لے گا' آپ کی زندگی میں یا آپ کے وصال کے بعد۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے متعلق احادیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل جب اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے' پھر اس نبی کو اس امت کے سامنے مہربان پیش رو بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کی زندگی میں اس کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے اور وہ نبی اس کو عذاب میں دیکھتا ہے' پھر ان کی ہلاکت سے اس نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے کیونکہ انہوں نے اس نبی کو جھٹلایا تھا اور اس کے احکام کی نافرمانی کی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۸)

بکر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے' تم احادیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے احادیث بیان کی جاتی ہیں اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی' تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے' پس اگر میں نے نیک اعمال دیکھے تو میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اگر میں نے بُرے اعمال دیکھے تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ حافظ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱' الطبقات الکبریٰ: ج ۲ ص ۱۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۰۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں کیونکہ آپ بہر حال فوت ہونے والے ہیں اور آپ جو چاہے عمل کریں کیونکہ آپ کو جزاء دی جائے گی اور آپ جس سے چاہیں محبت کریں' کیونکہ آپ اس سے جدا ہونے والے ہیں اور یاد رکھیے! مومن

کا شرف رات کے قیام میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۵ ص ۱۵۱ مطبوعہ ریاض' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں زافر بن سلیمان ہے' اس کی امام احمد' ابن معین اور امام ابو داؤد نے توثیق کی ہے اور ابن عدی اور ابن حبان نے اس میں کلام کیا ہے لیکن وہ مضر نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۳۔۲۵۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' بے شک آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں O اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا O اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O (الزخرف: ۴۵۔۴۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے لیے قرآن مجید کا شرف عظیم ہونا

الزخرف: ۴۳ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہیے جس کو ہم نے آپ کے اوپر نازل کیا ہے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے' آپ بہر حال سیدھے راستے پر ہیں جس میں کوئی کجی نہیں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے اور دین اسلام کے باقی عقائد اور احکام ہیں۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' آپ اس کو پکڑے رہیے اور قرآن نے جو اخلاق بتائے ہیں آپ ان اخلاق سے متصف رہیں۔

الزخرف: ۴۴ میں فرمایا: ''اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۰۳۰' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۰۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ مجھے اپنی قوم سے کتنی محبت ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قوم میں یہ شرف عطا کیا کہ فرمایا: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ O'' (الزخرف: ۴۴) اس قرآن میں آپ کا ذکر ہے اور آپ کی قوم کا ذکر ہے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا' پس اللہ کی کتاب میں میری قوم کا ذکر اور اس کا شرف ہے' اور فرمایا: ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O'' (الشعراء: ۲۱۴) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے اور فرمایا: ''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O'' (الشعراء: ۲۱۵) جو ایمان والے آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں یعنی میری قوم کے ساتھ' پس تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری قوم سے صدیق بنایا اور میری قوم سے شہید بنایا' اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کے ظاہر اور باطن کو پلٹ دیا' تو عرب میں سے بہتر قریش تھے اور یہی وہ مبارک درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ'' (ابراہیم: ۲۴) پاکیزہ کلمہ کی مثال پاکیزہ درخت ہے' اس سے مراد قریش ہے' اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اسلام کے ساتھ مشرف کیا' ان کو ہدایت دی اور ان کو حضرت ابراہیم کا خاندان بنایا' پھر ان کے متعلق کتاب اللہ میں ایک سورت نازل کی: ''لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ O'' (قریش: ۴۔۱) حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کا ذکر نیکی کے ساتھ کیا جاتا تو آپ خوش ہو جاتے تھے اور آپ اس آیت کی بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ O'' (الزخرف: ۴۴)

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۳۰۔۳۲۹' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن مردویہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔)

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ''اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا'' اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے اور آپ کی امت کے شرف اور عظمت کا ذریعہ ہے تو تم سب سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے اس کا حق ادا کیا اور تم نے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں یا تم اس قرآن کے ذریعہ صرف دنیا کماتے رہے اور مطالب نفسانیہ کی تحصیل کرتے رہے۔

عارفین کا علم کشف اور مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے اور علماء ظاہر کا علم ان کی ذہنی قوت پر مبنی ہوتا ہے' عارفین کی ابتداء تقویٰ اور نیک اعمال سے ہوتی ہے اور علماء ظاہر کی ابتداء کتابوں کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔

الزخرف: ۴۵ میں فرمایا: ''اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O''

گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کی توجیہات

کفار مکہ جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے اس کا سبب قوی یہ تھا کہ وہ اس وجہ سے آپ سے سخت بغض رکھتے تھے کہ آپ ان کو بتوں کی عبادت سے منع کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ بتوں کی عبادت سے منع کرنا صرف (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل بتوں کی عبادت سے منع کرنے پر متفق اور مجتمع تھے' اس لیے فرمایا کہ آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو رسول آپ سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے آپ کے سوال کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی متعدد توجیہات کی ہیں' ایک یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں کی امتوں سے سوال کیا جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: آپ اہل تورات اور اہل انجیل سے سوال کیجئے' آیا ان کے پاس ان کے رسول صرف توحید کا پیغام لے کر آئے تھے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے یا اس کے علاوہ کسی اور خدا کی عبادت کا بھی پیغام لے کر آئے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس توجیہ کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۳۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۸۸' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۳۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۰' روح البیان ج ۸ ص ۵۰۱' روح المعانی جز ۲۵ ص ۱۳۲)

اس سوال کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام نبیوں اور رسولوں کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا اور وہاں جبریل نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے آپ ان سے سوال کیجئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کے متعلق سوال نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید الزخرف: ۴۵ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا' آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اور ان کو نماز پڑھائی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان سے سوال کیجئے اور آپ کا اللہ تعالیٰ پر بہت کامل اور بہت پختہ یقین تھا اور آپ کو اس مسئلہ میں کوئی شک نہیں تھا' اس لیے آپ نے انبیاء علیہم السلام سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ آپ نے ان کی امتوں سے کوئی سوال کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور علامہ زمخشری نے بھی اس جواب کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۶۳۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۸۸۔۸۷' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ص ۲۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۱۴۰' روح البیان ج ۸ص ۵۰۱' روح المعانی جز ۲۵ص ۱۳۲' الکشاف ج ۴ص ۲۵۸)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ نے اس جواب کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب راتوں رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو وہاں آپ کے لیے حضرت آدم اور ان کی اولاد سے تمام رسولوں کو جمع کیا گیا' پھر حضرت جبریل نے اذان دی اور اقامت کہی اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آگے بڑھئے اور ان سب کو نماز پڑھایئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور مرسلین کو نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو آپ سے حضرت جبریل نے کہا: اے محمد! آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔ (الزخرف: ۴۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سوال نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ نہیں ہوں جو شک کروں اور میں وہ نہیں ہوں جو سوال کروں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کے باوجود آپ نے سوال نہیں فرمایا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ پر سوال کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سوال کسی شک اور شبہ کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ بتوں کی عبادت کرنی جائز نہیں ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی کرنی واجب ہے' اس سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت سے صرف یہ مراد ہے کہ مشرکین قریش وغیرہم کو یہ باور کرایا جائے کہ کسی رسول نے یہ کہا ہے نہ کسی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ص ۴۷۱۔۴۷۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبیاء سابقین سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مجازاً انبیاء سابقین کی شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے' آیا کسی سابق نبی کی شریعت میں غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم تھا یا نہیں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

الزخرف: ۴۵ میں انبیاء سابقین سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ ان سے آپ کا سوال کرنا محال ہے بلکہ اس سے مجازاً ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے کہ آیا کسی شریعت سابقہ میں بتوں کی عبادت کرنے کا حکم ہے یا نہیں' اور ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا کافی ہے۔ اور آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی گئی ہے جس کا صادق ہونا معجزہ سے

ثابت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ (الحج: ۷۱) اور یہ آیت فی نفسہا کافی ہے' کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مجازاً ان کی شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے اور کتنی مرتبہ شعراء کہتے ہیں کہ گھروں اور ٹیلوں سے سوال کرو' جیسے کہتے ہیں کہ تمہارے اندر دریاؤں کو کس نے جاری کیا اور نہروں کو کس نے کھودا اور درختوں کو کس نے اگایا اور تمہارے پھلوں کو کس نے پیدا کیا؟ پھر وہ زمین حیرت سے زبان سے کوئی جواب نہیں دے گی' وہ تمہیں اعتبار اور قیاس سے جواب دے گی۔ (الکشاف ج ۴ص ۲۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی نے بھی اس تفسیر کا کشاف کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس سوال کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ سابقہ رسولوں کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرو جس طرح قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ. اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ (النساء: ۵۹)

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی معاملہ میں اگر تمہارا اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے جاؤ' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف رجوع کرو' اسی طرح اس آیت میں بھی گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو سابقین رسول دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں' ان سب کے پاس جا کر ان سے سوال کرو' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے رسول دنیا میں جو اپنی کتابیں اور اپنی تعلیمات چھوڑ گئے ہیں ان سب میں تلاش کر کے دیکھو کہ آیا کسی رسول نے یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی بھی عبادت کا مستحق ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا' پھر انہوں نے کہا: میں اس کا رسول

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے O سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی وقت وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے O

وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا٘ وَاَخَذْنٰهُمْ

اور ہم ان کو جو نشانی بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانیوں سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو (بار بار)

بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا

عذاب سے پکڑا تاکہ وہ باز آ جائیں O اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلے سے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں O پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا

اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ

تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک

لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے O

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

(کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مافی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O

فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس متواتر

مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O

ع ۵ ۱۱ ۱۱ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا O پھر انہوں نے کہا: میں اس کا رسول ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے O سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی وقت وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے O اور ہم ان کو جو نشانی بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانیوں سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو (بار بار) عذاب سے پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں O (الزخرف: ۴۸۔۴۶)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کو یہاں ذکر کرنے کے مقاصد اور فوائد

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ جو ذکر کیا گیا ہے' اس سے اس مضمون کی تاکید کرنا مقصود ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کیونکہ کفار مکہ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کے پاس مال کی کثرت نہیں ہے اور نہ معاشرہ میں آپ کو کوئی بڑا منصب حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ایسے قوی معجزات پیش کیے جن کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہ تھا تو اس وقت فرعون نے بھی حضرت موسیٰ پر

ایسا ہی اعتراض کیا تھا جیسا کہ کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا' اس نے کہا: میں غنی ہوں اور میرے پاس بہت مال ہے اور میرے ماتحت بہت بڑی فوجیں ہیں اور تمام مصر کے ملک پر میری حکومت ہے اور محل کے کنارے دریا بہہ رہے ہیں اور رہے موسیٰ تو وہ فقیر ہیں اور معاشرہ میں کم حیثیت ہیں' ان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت نہیں ہے اور جو شخص فقیر اور کم حیثیت ہو اس کو اتنے بڑے بادشاہ کے دربار میں سفیر بنا کر کیسے بھیجا جا سکتا ہے اور یہ ایسا ہی شبہ ہے جیسا کہ کفار مکہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ (الزخرف: ۳۱) اور ایسا ہی اعتراض فرعون نے حضرت موسیٰ پر کیا تھا' پھر ہم نے فرعون سے انتقام لیا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور اس قصہ کو یہاں ذکر کرنے سے تین چیزوں کی تاکید کرنا ہے:

(۱) کفار اور مشرکین ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے رکیک اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں' لہٰذا ان اعتراضات کی پرواہ نہ کی جائے۔

(۲) فرعون روئے زمین کا بہت بڑا بادشاہ تھا' اس کے باوجود وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں خائب و خاسر اور ناکام اور نامراد ہوا' اسی طرح مکہ میں آپ کے مخالف کفار اور مشرکین ناکام اور نامراد رہیں گے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف فرعون بہت بڑا بادشاہ تھا اور اس کے ماتحت بہت بڑا لشکر تھا اور اس کے درباری اور معاون اس زمانہ کے بہت بڑے جادوگر تھے اور اس کی پوری قوم اس کی خدائی کو مانتی تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخالفین تھے وہ فرعون کی طرح طاقت ور نہ تھے۔ وہ سب مختلف قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کوئی فوج تھی نہ طاقت اور اقتدار تھا تو جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا تو یہ کفار مکہ تو فرعون کی طرح اقتدار والے نہ تھے' ان کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پسپا ہونا بہت یقینی ہے اور یہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔

الزخرف: ۴۷ میں فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات پر ہنسنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا زمین پر ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا' پھر اس کو ہاتھ میں لے کر پکڑتے تو وہ پھر لاٹھی بن جاتا۔ وہ اپنا ہاتھ اپنی بغل کے اندر ڈالتے تو وہ چمکنے لگتا اور دوبارہ جب اس کو بغل میں ڈالتے تو وہ پھر اصلی حالت پر آ جاتا' فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے ان پر ہنستے تھے اور وہ ان کا مذاق اڑا کر اپنے متبعین کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ کے یہ افعال جادو ہیں' انہوں نے لوگوں کے خیالوں پر اثر کیا ہے اور وہ بھی اس کا مقابلہ کرنے پر قادر ہیں۔

الزخرف: ۴۸ میں فرمایا: "حضرت موسیٰ کی دکھائی ہوئی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی"۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہر معجزہ پہلے معجزہ سے بڑا ہوتا تھا' ایک قول یہ ہے کہ بعد کا معجزہ پہلے معجزہ سے مل کر بڑا ہوتا تھا' کیونکہ پہلا معجزہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور بعد کا معجزہ بھی ان کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور کثرت دلائل زیادہ علم اور زیادہ یقین کے حصول کو مستلزم ہوتے ہیں' اس آیت میں فرمایا ہے: ہر بعد کا معجزہ اپنی بہن سے بڑا ہوتا تھا' معجزوں کو ایک دوسرے کی بہن اس لیے فرمایا ہے کہ ہر معجزہ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی مثل تھا۔

نیز فرمایا: "ہم نے ان کو بار بار عذاب سے پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں"۔

عذاب سے پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ اذیت ناک چیزیں ان پر مسلط کر دیں' ان پر طوفان بھیجا' ان پر ٹڈیاں اور جوئیں برسائیں' مینڈکوں اور خون کو ان پر مسلط کیا تا کہ وہ اپنے کفر کو ترک کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں O پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں' کیا تم نہیں دیکھ رہے O (الزخرف: ۵۱۔۴۹)

جب قوم فرعون نے عذاب کا معائنہ کر لیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے جادوگر! اور وہ چونکہ پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے تو اب بھی انہوں نے آپ کو اپنی عادت کے مطابق جادوگر کہا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ علماء کو جادوگر کہتے تھے تو بر سبیل تعظیم کہا: اے جادوگر! حضرت ابن عباس نے فرمایا: اے جادوگر کا معنیٰ ہے: اے عالم! اور ان کے دور میں جادوگر بہت عظیم شخص ہوتا تھا اور وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے نزدیک جادو کرنا مذمت کی صفت نہیں تھی' اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ اے وہ شخص جو ہم پر اپنے جادو کی وجہ سے غالب آ گیا۔

انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے' یعنی آپ ہمیں یہ بتائیے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو یہ عذاب ہم سے دور ہو جائے گا اور اس عہد کی بناء پر آپ اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے' پھر بے شک آئندہ ہدایت پر قائم رہیں گے۔

الزخرف: ۵۰ میں فرمایا: ''پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی سو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا' تو انہوں نے فوراً اپنے عہد کو توڑ دیا اور عذاب دور ہو جانے کے بعد وہ ایمان نہیں لائے۔

الزخرف: ۵۱ میں فرمایا: ''اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں' کیا تم نہیں دیکھ رہے O''

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ ہوا' اب یہ بتا رہا ہے کہ فرعون کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی معرکہ آرائی کو کس طرح اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔

اس نے کہا: کیا دریائے نیل میرے محل کے نیچے نہیں بہہ رہا' یا اس کا مطلب تھا کہ دریائے نیل سے چار نہریں نکال کر میرے محل کے ساتھ ساتھ جاری نہیں کی گئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے مال کی کثرت اور اپنے عیش و عشرت کی فراوانی سے اپنی فضیلت پر استدلال کیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جب میں افضل ہوں تو حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں' میں ہی حق پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مافی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O (اور اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس متواتر فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O (الزخرف: ۵۶۔۵۲)

فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کا اس ملک میں کوئی غلبہ اور اقتدار نہیں ہے جو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا اور نہ اپنا مافی الضمیر آسانی سے اور صاف طرح بیان کر سکتا ہے' فرعون کا مطلب یہ تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی جس کی وجہ سے آپ کو بولنے میں مشکل پیش آتی تھی' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس گرہ کو کھول دیا تھا' فرعون آپ کے پچھلے حال کے اعتبار سے طعنہ دے رہا تھا۔

الزخرف: ۵۳ میں فرمایا: ''(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے' یا اس کے پاس متواتر فرشتے آتے O'' اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو شخص قوم کا رئیس ہوتا تھا اس کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے' فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ اعتراض کیا کہ اگر حضرت موسیٰ اپنے دعویٰ کے مطابق نبی ہیں تو چاہیے تھا کہ ان کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کنگن ہوتے' فرعون کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا کیونکہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہونا نبوت کی دلیل نہیں ہے' امیر اور دولت مند لوگ چاہیں تو جتنے سونے کے زیورات پہن لیں اس سے وہ نبی نہیں بن جائیں گے' سونے کے کنگن پہننا امارت اور دولت کی دلیل ہے' نبوت کی دلیل نہیں ہے' نبوت کی دلیل یہ ہے کہ کوئی ایسا خلاف عادت کام کر کے دکھایا جائے جس کی نظیر کوئی دوسرا پیش نہ کر سکے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو اژدھا بنا کر دکھایا جس سے فرعون اور اس کے تمام درباری خوف زدہ ہو گئے اور ان کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے' پھر آپ نے اس اژدھے پر اپنا ہاتھ ڈالا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا' پھر آپ نے ید بیضاء دکھایا' پھر جب یہ لوگ اپنے کفر پر مصر رہے تو ان پر مینڈکوں کی' جوؤں کی اور ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور ان پر طوفان آیا اور ان تمام آسمانی آفتوں سے نجات کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی۔ کیا یہ امور نبوت کی دلیل ہیں یا ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہننا؟

پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کے خلاف دوسری دلیل یہ دی کہ اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کے پاس بہ کثرت فرشتے کیوں نہیں آئے' اگر ان کے پاس فرشتے آتے اور وہ ان کی نبوت کا اعلان کرتے تو سب کو پتہ چل جاتا کہ یہ واقعہ نبی ہیں۔ فرعون کا یہ اعتراض بھی غلط تھا کیونکہ فرشتوں کو ان کی اصل صورت میں عام انسان دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ انسانی پیکر میں آتے تو وہ لوگ یہ یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتے ہیں۔

الزخرف: ۵۴ میں فرمایا: ''فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے'' فرعون کے متبعین کم عقل اور جاہل لوگ تھے' ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے فرعون نے ان کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور ویسے بھی وہ لوگ فاسق تھے' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

الزخرف: ۵۵ میں فرمایا: ''پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O''

اس آیت میں ''اسفونا'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسف کا معنیٰ ہے: غم وغصہ اور کبھی یہ صرف غم اور صرف غضب کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ ہے: انتقام لینے کے لیے خون کا جوش میں آنا' اگر انسان کو اپنے سے کم مرتبہ اور کم زور شخص پر غصہ آئے تو اس کو غضب کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اگر اپنے سے طاقت ور شخص پر افسوس ہو تو اس کو غم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں' اسف کا حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر اطلاق محال ہے' اس لیے یہاں پر اسف کا معنیٰ ہے: کراہت کا اظہار کرنا اور کسی چیز کو ناپسند کرنا اور اس سے ناراض ہونا' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا یعنی ان کو سزا دی۔ اور اس کی دوسری توجیہ

یہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ کو غضب ناک کیا اور ان کو متاسف کیا اور اللہ کے محبوب بندے کو غضب ناک کرنا
درحقیقت اللہ کو غضب ناک کرنا ہے۔ (المفردات ج۱ص۲۱' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)
الزخرف: ۵۶ میں فرمایا: ''پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا''۔
یعنی فرعون اور ان کے متبعین کو ہم نے بھولا بسرا واقعہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت بنا دیا۔
سَلَف ان متقدم لوگوں کو کہتے ہیں جن کے اعمال نیک ہوں اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سُلُف ان متقدم لوگوں کو کہتے
ہیں جن کے بُرے اعمال ہوں اور اس کی جمع سلوف ہے اور اس آیت میں سَلَف بہ معنی سُلُف ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾
اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (خوشی سے) چلانے لگی O
وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ
اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑنے کے لیے ہے'
قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ
بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں' ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو
اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ
بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے O اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد
يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ
زمین میں رہتے O اور بے شک وہ (ابن مریم) ضرور قیامت کی نشانی ہیں' سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
اور میری پیروی کرتے رہنا' یہی صراط مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ
کھلا ہوا دشمن ہے O اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے (تو انہوں نے) کہا: بے شک میں تمہارے پاس
بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا
حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' پس تم اللہ سے

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا

ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو O بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

اسی کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے O پھر (بنی اسرائیل کے) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا،

لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

پس ظالموں کے لیے درد ناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے O وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ

کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O اس دن گہرے دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ع ۶ ۱۱ ۱۲

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی O اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑنے کے لیے ہے، بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں، ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے O (الزخرف: ۵۹-۵۷)

الزخرف: ۵۷ کے شان نزول میں پہلی روایت

اس آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی اور بہ آواز بلند نعرے لگانے لگی، حضرت عیسیٰ ابن مریم کی کیا مثال بیان کی گئی تھی اور کفار مکہ نے اس سے کیا مطلب نکالا تھا جس پر وہ خوشی سے بغلیں بجانے لگے تھے، مفسرین نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں اور کئی محامل ذکر کیے ہیں، ہم ان کا ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں:

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی اس میں کوئی خیر نہیں ہے، تو کفار مکہ نے یہ کہا: کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے اور اللہ کے بندوں میں سے ایک صالح بندے تھے اور ان کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب بھی ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۴، رقم الحدیث: ۱۸۵۱۴، النکت والعیون ج ۵ ص ۲۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۲)

حضرت ابن عباس کی اس حدیث کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۵ ص ۸۶' رقم الحدیث: ۲۹۱۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۷۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۱۷)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو کفار مکہ نے اس پر یہ معارضہ کیا کہ حضرت عیسیٰ کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر خوشی سے چلانے لگے اور شور مچانے لگے کہ ہم نے آپ کو لاجواب کر دیا اور ہمارے معارضہ کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے' حالانکہ یہ کوئی لاینحل معارضہ نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت میں بھی کوئی خیر نہیں ہے' اس پر عبادت کرنے والوں کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جس کی عبادت کی گئی ہے اس سے بھی مواخذہ ہو گا اور اس کی گرفت ہو گی' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی زد نہیں پڑتی اور کفار قریش کا اس پر شور مچانا اور بغلیں بجانا بالکل فضول اور لایعنی تھا' قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ؟ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے: تو سبحان ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے' اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو اس کا علم ہوتا' تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے' بے شک تو تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے ○ (المائدہ: ۱۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سے زائد کوئی معاملہ نہیں کیا کہ ان سے صرف دریافت فرمایا۔

الزخرف: ۵۷ کے شان نزول میں دوسری روایت

اس آیت کے متعلق جو دوسرا شان نزول ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۹۸)

بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں' تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ○

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن الزبعری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے اوپر یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ: ''بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں''۔ (الانبیاء: ۹۸) ابن الزبعری نے کہا: بے شک سورج اور چاند کی اور فرشتوں کی اور عزیر کی اور عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی گئی ہے تو یہ سب بھی ہمارے بتوں کے ساتھ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور جب ابن مریم کی مثال دی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی ○ اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑے کے لیے ہے' بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ ○ (الزخرف: ۵۸۔۵۷) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزاء پہلے سے مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۱)

حافظ عبداللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الاحادیث المختارۃ'' میں ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۰)

اس حدیث کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ امام ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:
ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولید بن المغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو النضر بن الحارث دیگر کفار قریش کے ساتھ آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (الانبیاء: ۹۸) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور وہاں عبداللہ بن الزبعری آ گیا اور الولید بن المغیرہ نے عبداللہ بن الزبعری سے کہا: عبدالمطلب کے بیٹے یہ کہتے ہیں کہ ہم جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں' عبداللہ بن الزبعری نے کہا: سنو اللہ کی قسم! اگر مجھے وہ مل جاتے تو میں ان سے بحث کرتا' پس (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ سوال کرو کہ کیا ہر وہ شخص جس کی اللہ کو چھوڑ کی عبادت کی گئی ہے وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوگا؟ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ تب ولید بن مغیرہ اور تمام اہل مجلس عبداللہ بن زبعری کے کلام سے حیران ہوئے اور ان کو یہ یقین تھا کہ ابن الزبعری نے لاجواب کلام کیا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابن الزبعری کا اعتراض ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہو گا' یہ لوگ صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور جن کی عبادت کرنے کا شیطان حکم دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزاء پہلے سے مقرر ہو چکی ہے' وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے"۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۷۷۶' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۳۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۴۹' روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۷)

اس آیت کے شان نزول میں جامع البیان' المعجم الکبیر اور السیرۃ النبویہ میں ابن الزبعری کا (قبل از اسلام) جو اعتراض ذکر کیا گیا اس کا جواب قرآن مجید کی آیات میں آ گیا ہے' اس کے اعتراض کے جواب کی مفصل تقریر اس طرح ہے:
شرک کے رد اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لیے جب مشرکین مکہ سے یہ کہا گیا کہ تم خود اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو' دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء: ۹۸) تو ان چیزوں سے مراد پتھر کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے نہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین جو اپنی تمام زندگی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے' مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کو معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۱) کیونکہ ان کی جو پرستش کی گئی تھی اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا' اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ "ما" ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اس آیت کے عموم (لفظ ما) سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے از خود معبود بنا لیا تھا' لیکن مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر سن کر یہ مجادلہ اور کٹ حجتی کرتے تھے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائق مدح ہیں حالانکہ عیسائی ان کی عبادت کرتے ہیں تو پھر ہمارے بت کیوں قابلِ مذمت ہیں آیا وہ بھی بہتر نہیں ہیں' اگر ہمارے معبود دوزخ میں جائیں گے تو پھر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے سورۂ زخرف کی ان آیتوں میں فرمایا: ان کا خوشی سے چلانا محض ان کا جدل' کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی ہے۔
کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "انکم وما تعبدون" "بے شک تم اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو" یہاں پر بالعموم یہ

نہیں فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کی گئی ہے وہ دوزخ کا ایندھن ہیں' بلکہ بالخصوص اہل مکہ کو خطاب ہے اور وہ صرف بتوں کی عبادت کرتے تھے اور عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت میں "ما" کا لفظ ہے جو غیر عقلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ذوی العقول ہیں' لہٰذا وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور عربی زبان جاننے والے کے لیے یہ امور بالکل واضح اور بدیہی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور مخفی ہوں جو افصح العرب ہیں اور اہل عرب بھی زبان دان اور فصیح تھے لہٰذا ان کا یہ اعتراض کرنا اور اس اعتراض کو لاینحل سمجھنا محض ان کا جدل اور ہٹ دھرمی ہے۔

ہم نے اس آیت کے دو شان نزول ذکر کیے ہیں: ایک شان نزول مسند احمد' المعجم الکبیر اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے ذکر کیا ہے' جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے' اس پر کفار نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت عیسیٰ کی بھی تو عبادت کی گئی ہے اور دوسرا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: تم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء: ۹۸) اس پر ابن الزبعری نے یہ اعتراض کیا کہ پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بھی عبادت کی گئی ہے' اس اعتراض کو ہم نے معجم طبرانی' السیرۃ النبویہ' ابن جریر اور ابن کثیر کے حوالوں سے بیان کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کفار کا ایک اعتراض حدیث پر ہے اور ایک اعتراض قرآن مجید کی آیت پر ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ عام کفار نے آپ کی حدیث پر کیا ہو اور ابن الزبعری نے قرآن مجید کی آیت پر کیا ہو اور الزخرف: ۵۸۔۵۷ میں دونوں اعتراضوں کا جواب ہے کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض کرنا محض ان کا جدل اور ہٹ دھرمی ہے اور ہم نے دونوں اعتراضوں کے جوابوں کی الگ الگ تقریر بھی کر دی ہے۔

سید مودودی کا شان نزول میں حدیث وضع کرنا

سید مودودی نے اپنی طرف سے الزخرف: ۵۸۔۵۷ کا شان نزول وضع کیا ہے اور گھڑ لیا ہے' انہوں نے اپنی طرف سے جو صورت واقعہ بنائی ہے اس کا ذکر کسی حدیث کی کتاب میں ہے نہ کسی تفسیر میں' وہ ان کی خالص خود ساختہ پرداختہ ہے۔

سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس سے پہلے آیت ۴۵ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہو گزرے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو' کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟ یہ تقریر جب اہل مکہ کے سامنے ہو رہی تھی تو ایک شخص نے جس کا نام روایات میں عبداللہ بن الزبعری آیا ہے' اعتراض جڑ دیا کہ کیوں صاحب' عیسائی مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر ہمارے معبود کیا بُرے ہیں؟ اس پر کفار کے مجمع سے ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا اور نعرے لگنے شروع ہو گئے کہ وہ مارا' پکڑے گئے۔ اب بولو اس کا کیا جواب ہے۔ لیکن ان کی اس بیہودگی پر سلسلۂ کلام توڑا نہیں گیا' بلکہ جو مضمون چلا آ رہا تھا' پہلے اسے مکمل کیا گیا اور پھر اس سوال کی طرف توجہ کی گئی جو معترض نے اٹھایا تھا (واضح رہے کہ اس واقعہ کو تفسیر کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہے جن میں بہت کچھ اختلاف ہے لیکن آیت کے سیاق وسباق اور ان روایات پر غور کرنے کے بعد ہمارے نزدیک واقعہ کی صحیح صورت وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے)۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۵۴۶' طبع لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

کتب حدیث اور کتب تفاسیر میں مذکور ہے کہ ابن الزبعری نے "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (الانبیاء: ۹۸) پر یہ اعتراض کیا تھا اور سید مودودی نے لکھا ہے کہ اس نے یہ اعتراض الزخرف: ۴۵ پر کیا تھا اور حدیث اور تفسیر کی

کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ابن الزبعری کا یہ اعتراض الزخرف: ۴۵ پر تھا' یہ محض سید مودودی کا مفروضہ اور ایجاد بندہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ کتب حدیث اور کتب تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ ابن الزبعری نے الانبیاء: ۹۸ پر یہ اعتراض کیا کہ کیا ہر وہ شخص جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوگا؟ تو ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں (یعنی اگر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام دوزخ میں جائیں تو ہمارے بتوں کے دوزخ میں جانے سے کیا خرابی ہوگی؟)۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۳۹' السیرۃ النبویہ ج اص ۳۹۷)

اور سید مودودی نے جو اپنی طرف سے حدیث بنا کر لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ابن الزبعری نے الزخرف: ۴۵ پر اعتراض کیا۔ الزخرف: ۴۵ میں مذکور ہے کہ آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا: کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ اس آیت پر ابن الزبعری نے یہ اعتراض کیا: کیوں صاحب! عیسائی مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں' پھر ہمارے معبود کیا بُرے ہیں؟ (تفہیم القرآن ج ۴ص ۵۴۶)

اگر کسی مسئلہ میں مختلف احادیث ہوں تو ایک محقق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دلائل کی بناء پر کسی ایک حدیث کو راجح اور دوسری حدیث کو مرجوح قرار دے یا سند کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے ایک حدیث کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دے لیکن کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق اپنی طرف سے کوئی نئی حدیث وضع کرے' سید مودودی نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنی طرف سے ایک حدیث وضع کر لی بلکہ انہوں نے اپنی من گھڑت حدیث کو مسند احمد' معجم طبرانی اور صحیح ابن حبان کی روایت کردہ احادیث پر ترجیح بھی دی اور ان کی احادیث کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے کے بعد واقعہ کی صحیح صورت وہی ہے جس کو انہوں نے وضع کیا ہے نہ کہ وہ روایات جو کتاب احادیث اور کتب تفسیر میں درج ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سلسلہ میں مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ " اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ " (الانبیاء: ۹۸) کی تفسیر میں سید مودودی نے اسی روایت کو بیان کیا ہے جس کو الزخرف: ۵۷ کی تفسیر میں وہ رد کر چکے ہیں' سید مودودی لکھتے ہیں:

روایات میں آیا ہے کہ اس آیت پر عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا کہ اس طرح تو صرف ہمارے ہی معبود نہیں' مسیح اور عزیر اور ملائکہ بھی جہنم میں جائیں گے کیونکہ دنیا میں ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نعم کل من احب ان یعبد من دون اللہ فھو مع من عبدہ " ہاں ہر وہ شخص جس نے پسند کیا کہ اللہ کے بجائے اس کی بندگی کی جائے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنہوں نے اس کی بندگی کی۔ (تفہیم القرآن ج ۳ص ۱۸۷' مطبوعہ لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے جو یہ روایت ذکر کی ہے یہ وہی روایت ہے جس کو ہم نے جامع البیان' المعجم الکبیر اور السیرۃ النبویہ کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' غالباً الزخرف میں پہنچ کر سید مودودی بھول گئے تھے کہ وہ الانبیاء میں کیا لکھ چکے ہیں۔اس سے پہلے سورۃ الکہف کے دیباچہ میں بھی سید مودودی نے ایک روایت وضع کی ہے۔اس کی تفصیل تبیان القرآن ج ۷ص ۳۵۔۳۴' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مشرکین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی بہ نسبت اپنے بتوں کی عبادت کو افضل قرار دینا

الزخرف: ۵۸ میں فرمایا: "اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ' ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑے کے لیے ہے' بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O"

مشرکین کے اس قول کی متعدد تقریریں ہیں: علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

(۱) ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہوئے کہا: ہر وہ جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی وہ دوزخ میں ہوگا تو ہم اس بات سے راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی' عیسیٰ' ملائکہ اور عزیر کے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: ہمارے معبود بہتر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' قتادہ نے کہا: ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۹۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے ''الھتنا خیر ام ھذا''. ان کی مراد تھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی اس طرح عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کی عبادت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ صرف جدل اور جھگڑا کرنا چاہتے ہیں' امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی ہدایت کے بعد گمراہ ہوئی اس کو وراثت میں جھگڑا دیا گیا۔ (مسند احمد ج ۵ص ۲۵۶) اور حضرت ابوامامہ سے ایک اور روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گمراہ ہوئی اس کی پہلی گم راہی تقدیر کی تکذیب کرنا ہے اور جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گم راہ ہوئی اس کو جدل اور جھگڑا دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۱۴۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

کفار مکہ نے کہا: ہمارے معبود افضل ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد ہم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارے آباء واجداد یہ کہتے ہیں کہ ان بتوں کی عبادت واجب ہے اور جب دو باتوں میں سے ایک بات ہوئی ہے تو ان بتوں کی عبادت افضل ہے کیونکہ ہمارے آباء اور اسلاف کا اسی طریقہ پر اتفاق ہے اور رہے (سیدنا) محمد تو ہمارے معاملہ میں ان کی عبادت پر تہمت ہے' لہٰذا بتوں کی عبادت کرنا زیادہ افضل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۶۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیا کفار نے اپنے بتوں کو بہتر قرار دیا تھا یا حضرت عیسیٰ کو؟

ایک بحث یہ ہے کہ مشرکین نے جو کہا تھا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ' اس سے ان کی مراد اپنے معبودوں کو حضرت عیسیٰ سے افضل قرار دینا تھا' یا حضرت عیسیٰ کو اپنے معبودوں سے افضل قرار دینا تھا' اس کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہے' پس اگر حضرت عیسیٰ دوزخ میں ہوں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی گئی ہے تو اسی طرح ہمارے معبود ہوں گے۔ (الوسیط ج ۴ص ۷۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارے معبود آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں تو جب حضرت عیسیٰ (العیاذ باللہ) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تو ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (الکشاف ج ۴ص ۲۶۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی: ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں' پس حضرت عیسیٰ (العیاذ باللہ) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تو ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۴ص ۱۰۸' مطبوعہ پشاور)

قاضی ابوسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر ہم بھی اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (تفسیر ابوسعود ج ۶ص ۳۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم بھی اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (روح البیان ج ۸ص ۵۱۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بتوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہمارے معبود اور ہم بھی دوزخ میں ہوں۔

(روح البیان جز ۲۵ص ۱۴۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین حنفی مراد آبادی لکھتے ہیں:

مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں تو اگر وہ (معاذ اللہ) جہنم میں ہوئے تو ہمارے معبود یعنی بت بھی ہوا کریں کچھ پرواہ نہیں۔ (خزائن العرفان برکنز الایمان ص ۷۸۵)

الزخرف: ۵۹ میں فرمایا: ''ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں' ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے' خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے نہ تھے' وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے تھے اور بہت مقدس اور مقرب بندے تھے' ہم نے ان کو شرف نبوت سے سرفراز کیا' ان کو کتاب عطا فرمائی اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو برکت والا بنایا' ان کو پالنے اور پنگوڑے میں لوگوں سے کلام کرنے والا بنایا اور ان کو ہم نے اور بہت انعامات عطا کیے اور بنی اسرائیل کے لیے ہم نے ان کو اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا' اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا' پھر ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس سے پہلے اور کسی کو عطا نہیں فرمائے تھے۔ وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن کر فضا میں اڑنے لگتا' وہ مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے تھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے انہوں نے دو قدیم اور دو جدید مُردوں کو زندہ کیا' انہوں نے جس طرح بچپن میں کلام کیا تھا اسی طرح آسمان سے نازل ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں کلام کریں گے' تاہم ان عظیم الشان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی عبادت کرنا درست ہے' البتہ ان معجزات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مکرم اور مقرب بندے اور عظیم الشان رسول تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے O اور بے شک وہ

(ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا' یہی صراط مستقیم ہےO اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہےO (الزخرف: ۶۲۔۶۰)

فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں نہ ہونے کی ایک اور دلیل

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے' بستے اور فرشتوں کے آسمانوں پر رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ ان کی عبادت کی جائے یا یہ کہا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۹۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اے مردو! ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے اور تمہارے بعد زمین پر فرشتے اس طرح رہتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد رہتی ہے اور جس طرح ہم نے عیسیٰ کو عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا تاکہ تم ہماری عظیم قدرت کو پہچانو اور تم یہ جان لو کہ فرشتوں کا بھی اسی طرح پیدا ہونا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۴۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی تحقیق

الزخرف: ۶۳۔۶۲ میں فرمایا: ''اور بے شک وہ (ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں' سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا یہی صراط مستقیم ہےO اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہےO''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' ضحاک اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خروج مراد ہے کیونکہ وہ قیامت کی علامتوں میں سے ہیں' وقوع قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو آسمان سے نازل فرمائے گا' جیسا کہ خروج دجال بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا اور تم چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: ''اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا''۔ (النساء: ۱۵۹)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۸)

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں' اس میں ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تذکرہ میں فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے' جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے

درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہوگا' قد متوسط ہوگا' وہ ہلکے زرد حلے پہنے ہوئے ہوں گے' ان پر تری نہیں ہوگی' لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے' اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کو مٹا دے گا' وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے' چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۴ مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں اور انبیاء باپ شریک بھائی ہیں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۱۵۸۔۱۵۷)

(اور یہود کا کفر) ان کے اس قول کی وجہ سے ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا' حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں' انہیں اس کا بالکل یقین نہیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ۝ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ۝

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا

اس آیت میں یہود کے ایک اور کفریہ قول کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا کفر ہے' کیونکہ اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں بہت کوشش کرتے تھے' ہرچند کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ فخریہ طور پر یہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اس لیے ان کا یہ قول کفریہ قرار پایا۔

یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا نہ انہوں نے ان کو سولی دی لیکن ان کے لیے کسی شخص کو (عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا''۔

امام ابوجعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب یہودیوں

نے ان کو گھیر لیا تھا' جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی' یہودیوں نے ان سے کہا: تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے' تم یہ بتلاؤ کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا: تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا: میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا: میں عیسیٰ ہوں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا' اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا' یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھا لیا تھا۔ (جامع البیان جز ٦ ص ١٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

ابو علی جبائی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو ایک اونچی جگہ پر سولی دے دی اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتیٰ کہ اس کا حلیہ متغیر ہو گیا اور ان یہودیوں نے کہا: ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تا کہ ان کے عوام اس وہم میں رہیں' کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے' اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا' اس نے یہودیوں سے تیس درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا اور اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی' یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان جز ٦ ص ١٨ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ٢ ص ٤٣١۔٤٣٠ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بہت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے) (روح المعانی جز ٦ ص ١٠' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

''بل رفعه الله اليه'' پر مرزائیہ کے اعتراض کے جوابات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا'' مرزائی اس آیت سے استدلال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں رفع سے مراد ہے: روح کا اٹھا لینا' ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل ہے کہ ''بل رفعه الله اليه'' میں کلام سابق سے اضراب ہے' کلام سابق میں جس چیز کی نفی کی ہے ''بل'' سے اضراب کر کے اس چیز کا اثبات کیا ہے' کلام سابق میں مذکور ہے کہ یہود نے کہا تھا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے اور ان کو سولی دی ہے' ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو قتل کیا ہے اور ان کے جسم مع روح کو سولی دی ہے' کیونکہ روح کو قتل کرنا اور اس کو سولی دینا غیر معقول ہے اور نہ یہ یہود کا دعویٰ تھا۔ پس ''بل'' سے پہلے جسم مع روح کو قتل کرنے کا ذکر تھا تو ''بل'' کے بعد جسم مع روح کے رفع اور اس کے اٹھانے کا ذکر ہے اور اس کو صرف روح کے رفع اور اٹھانے پر محمول کرنا سیاق وسباق اور قواعد نحو کے خلاف ہے اور غلط اور باطل ہے۔ لہٰذا اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

اس آیت سے استدلال پر مرزائیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تواضع لله رفعه الله. جس نے اللہ کے لیے تواضع کی اللہ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۷ص ۱۲۹ العلل المتناہیہ ج ۲ص ۳۱۵ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۱۹)

سو جس طرح اس حدیث میں رفع کا معنیٰ رفع درجات ہے اسی طرح ''بل رفعه الله اليه'' کا معنیٰ بھی یہ ہے: اللہ نے حضرت عیسیٰ کے درجات بلند کیے' نہ کہ یہ کہ ان کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اس حدیث کی سند بہت رقیق ہے' اس میں ایک راوی ہے سعید بن سلام' ابن نمیر نے کہا: یہ کذاب ہے' امام بخاری نے کہا: یہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے' امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ کذاب ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۳ص ۲۰۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق وسباق سے یہ متعین ہے کہ ''بل رفعه الله اليه'' کا معنیٰ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا نہ یہ کہ ان کے درجہ کو بلند فرمایا۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ''بل رفعه الله اليه'' کا معنیٰ ان کا درجہ بلند کرنا مجاز ہے اور مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے' نیز ''بل رفعه الله'' کے ساتھ ''اليه'' بھی مذکور ہے' اگر اس کا معنیٰ درجہ بلند کرنا ہوتا تو پھر الیہ کی ضرورت نہ تھی۔

مرزائیہ کا اس استدلال پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ''بل رفعه الله اليه'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا حالانکہ تمہارا مدعیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان والے سے تعبیر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ○ (الملک: ۱۶)

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمان والا تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین اچانک لرزنے لگے ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وحی کے منتظر ہوتے تو آسمان کی طرف دیکھتے تھے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ. (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے چہرہ کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس لیے زیر بحث آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے آسمانوں کا کنایہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور اس کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور قرب قیامت میں وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس پر اجماع امت ہے' مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی براہین احمدیہ میں یہی لکھا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

''انى متوفيک و رافعک الى'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (آل عمران: ۵۵)

(اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں "متوفیک" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "توفی" ہے اور اس کا مادہ وفات ہے۔ وفات کے معنیٰ ہیں: پورا کرنا' موت کو بھی وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وافی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ. (بنواسرائیل: ۳۵) اور جب تم ناپو تو پورا ناپو۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ. (الزمر: ۷۰) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور نیند بھی موت کی بہن ہے' کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں' اس لیے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (المفردات ص ۵۲۹۔ ۵۲۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا. (الزمر: ۴۲) اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے عیسیٰ! میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں بلکہ اپنی طرف اٹھالوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھالے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کرلوں گا اور آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور میں عنقریب آپ کو کانے دجال کے خلاف بھیجوں گا' آپ اس کو قتل کریں گے' پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا: یہ معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے' آپ نے فرمایا: وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جس کے اول میں' میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے' ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی' اس لیے اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابوجعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کرلوں گا' پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے' پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے' پھر وفات پائیں گے' پھر مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابوجعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام انبیاء علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے' وہ زمین پر نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں' ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہو گا' ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے

پانی ٹپک رہا ہے اگر چہ وہ بھیگے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ ڈالیں گے خنزیر کو قتل کریں گے فیاضی سے مال تقسیم کریں گے اسلام کے لیے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کر دے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہوگا' اونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے' بیل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ' اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے' پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کر دیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہوگا اور وہ مقام روحاء پر حج یا عمرہ کرنے کے لیے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۴۔۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

''انی متوفیک ورافعک الی'' پر مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

مرزائی اس آیت سے استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے ''انی متوفیک'' کا ذکر ہے اور پھر ''رافعک الی'' کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے وفات یعنی موت دے گا' پھر آپ کی روح کو اپنی طرف اٹھائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وفات کا معنیٰ ہے: پورا کرنا اور اس کا معنیٰ موت نہیں ہے اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں آپ سے اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو دشمنوں سے بچائے گا اور اگر بالفرض ''انی متوفیک'' کا معنیٰ یہ ہو کہ میں آپ کو وفات دینے والا ہوں' تب اس آیت کا معنیٰ یوں ہوگا کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو وفات دینے والا ہوں' یعنی پہلے آسمان کی طرف آپ کو اٹھاؤں گا اور پھر وفات دوں گا' رفع پہلے ہے اور وفات بعد میں ہے لیکن ذکر میں وفات کو مقدم کیا ہے اور رفع کو مؤخر کیا کیونکہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لیے نہیں آتی' جیسے واقع میں رکوع پہلے ہے اور سجدہ بعد میں ہے لیکن قرآن مجید میں ایک جگہ ہے ''واسجدی وارکعی'' (آل عمران: ۴۳) سجدہ کر اور رکوع کر۔

''ومکروا ومکر اللہ'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۝ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی۝ (آل عمران: ۵۴)

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکر اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو مخفی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسانی کو ملمع کاری سے نفع رسانی بنایا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ڈھیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجاج نے کہا: اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے' جس طرح قرآن مجید میں ہے: ''اللہ یستھزیء بھم'' یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی' ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے اور یہ اس کا معنیٰ ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شبہ کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لیے بھاگ کر ایک گھر میں آئے' حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ ان کے بادشاہ نے ایک خبیث شخص یہوذا سے کہا: جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا' پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے' اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا' پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۹۹' ایران' ۱۳۸۷ھ)

''یکلم الناس فی المهد و کهلا'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران: ۴۶)

وہ (مسیح ابن مریم) لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی' اور نیکوں میں سے ہو گا ۝

''کہل'' کا معنیٰ ہے: جب شباب پختہ اور تام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پنگوڑے میں باتیں کرنا تو قابل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ذکر کیا ہے' اس سوال کے متعدد جوابات ہیں: ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بچپن سے کہولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تغیرات آتے رہیں گے اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تغیر اور تبدل نہ آ سکے کیونکہ تغیر حدوث کو مستلزم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھا لیا گیا' پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کہولت اور پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد چالیس سال کے ہوں گے' سو ان کا پنگوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ لیل و نہار کی گردش اور ہزاروں سال کا گزرنا ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

''وان من اهل الکتب الالیومنن بہ'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ○ (النساء: ۱۵۹)

اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''قبل موتہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

پہلی صورت میں اس آیت کا معنیٰ ہوگا: اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان ج۶ ص ۲۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا' ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا: جو شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جل رہا ہو' یا اس پر اچانک دیوار گر جائے' یا اس کو درندہ کھا جائے' وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔

(جامع البیان ج۶ ص ۲۸۔ ۲۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

یہ تفسیر مرجوح ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مر جاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مر جاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے' امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے' واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں' تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو' بہر نوع اس صورت میں معنیٰ یہ ہے: ''اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا''۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔

ابو مالک نے اس کی تفسیر میں کہا: جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہوگا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔

حسن نے اس کی تفسیر میں کہا: حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے' بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

ابن زید نے کہا: جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان ج۶ ص ۲۶-۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔

(۲) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہوگی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تاکہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(۳) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتیٰ کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہوگا' سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہوگا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے' وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے بعد تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(۵) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی' اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

مذکورہ استدلال پر مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

(آل عمران: ۵۵)

(اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کے پیروکاروں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر فوقیت دینے والا ہوں' پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا' جس میں تم اختلاف کرتے تھے○

اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ قیامت تک کفار رہیں گے' تبھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو قیامت تک کفار پر فوقیت حاصل رہے گی اور دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت تک اہل کتاب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے' حالانکہ آپ نے النساء: ۱۵۹ کے ترجمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ: ''اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے''۔ پس اعتراض یہ ہے کہ جب سب مومن ہو جائیں گے تو حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کا غلبہ کن کافروں پر ہوگا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آل عمران: ۵۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں قیامت تک اختلاف رہے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے

درمیان فیصلہ فرمائے گا۔اور النساء:۵۹ کی جو آپ نے تقریر کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سب مومن ہو جائیں گے پھر ان میں اختلاف نہیں رہے گا اور یہ آل عمران:۵۵ کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ پر سب لوگوں کے ایمان لانے سے پہلے اہل کتاب میں اختلاف بھی ہوگا اور ان میں کفار بھی ہوں گے جن پر اہل ایمان دلائل کے اعتبار سے غالب رہیں گے اور یہ واقعہ قیامت سے کچھ پہلے ہوگا' اس لیے اس کو مجازاً قیامت تک سے تعبیر کر دیا' جیسا کہ آل عمران:۵۵ میں ہے اور بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب ان کے عبد ہونے اور ان کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے۔

''وما محمد الا رسول'' سے مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۴۴)

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں' ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں' تو اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزاء دے گا۔

مرزائی اس آیت کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں' اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ رکھنا اور قرب قیامت میں ان کے نزول کا عقیدہ رکھنا اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں'' یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں اور اگر بالفرض اس کا یہ معنیٰ ہو کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں' تب بھی اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں' حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی فوت ہونا لازم آئے اور اگر بالفرض اس کا یہ معنیٰ ہو کہ: ''اور ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں'' تب بھی اس عمومی قاعدہ سے حضرت علیہ السلام مستثنیٰ ہوں گے اور استثناء کی دلیل قرآن مجید کی وہ متعدد آیات اور احادیث ہیں جن سے حیات مسیح اور نزول مسیح ثابت ہے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندان اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ (الدھر:۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت کے مخلوط پانی سے پیدا کیا ہے' لیکن اس قاعدہ کلیہ سے حضرت عیسیٰ مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر مرد کے پیدا کیا اور حضرت حواء مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم بھی مستثنیٰ ہیں کہ ان کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کیا اور اس استثناء کی قرآن مجید میں اور بھی بہت نظائر ہیں' پس اگر ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'' (آل عمران:۱۴۴) کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام فوت ہو چکے ہیں تب بھی اس عموم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں' کیونکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کا آسمان سے نزول ثابت ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات سے حیات مسیح اور نزول مسیح پر استدلال

مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ھ نے لکھا ہے:

سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص ہی ناقص چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔

(حاشیہ در حاشیہ براھین احمدیہ ص ۳۶۱ ' طبع قدیم ' ص ۴۷۷ طبع جدید نظارت اشاعت ربوہ ۱۲۹۷ھ)

اس عبارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا۔

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے: "هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ" (الفتح: ۲۸) یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ براہین احمدیہ ص ۴۹۹ طبع قدیم ' ص ۵۳۹ طبع جدید نظارت اشاعت ' ربوہ ' ۱۲۹۷ھ)

اس عبارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے زمین کی طرف نزول ہوگا اور اس سے بھی زیادہ صراحت مرزا غلام احمد قادیانی کی ان عبارات میں ہے' مرزا نے لکھا ہے:

عسی ربکم أن یرحم علیکم ' و ان عدتم عدنا ' وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا ○ (یہ مرزا کی خود ساختہ عبارت ہے کیونکہ قرآن مجید میں "ان یرحمکم " ہے۔منہ) خدا تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے' یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ہونے کا اشارہ ہے۔ یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لیے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس و خاشاک سے صاف کر دیں گے اور کج اور ناراست کا نام و نشان نہ رہے گا اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست و نابود کر دے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ براھین احمدیہ ص ۵۰۶۔۵۰۵ طبع قدیم ' ص ۵۴۸۔۵۴۷ طبع جدید نظارت اشاعت ' ربوہ ' ۱۲۹۷ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی نے چالیس سال کی عمر میں "براھین احمدیہ" لکھی تھی' پھر وہ بارہ سال تک حیات مسیح اور نزول مسیح کے عقیدہ پر جما رہا' پھر باون سال کی عمر میں اس نے اپنا پرانا عقیدہ تبدیل کیا جو در اصل تمام دنیا کے مسلمانوں کا عقیدہ تھا چنانچہ اس نے لکھا ہے:

پھر میں قریباً بارہ سال تک جو ایک زمانہ دراز ہے' بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے "براہین احمدیہ" میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا اور جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آ گیا کہ مجھ پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تواتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۷ طبع قدیم ' ص ۹ طبع جدید ' نومبر ۱۹۰۲ء)

اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

میں نے براہین احمدیہ میں یہ اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر واپس آئیں گے' مگر یہ بھی میری غلطی تھی جو اس الہام کے مخالف تھی جو "براہین احمدیہ" میں ہی لکھا گیا تھا' کیونکہ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور مجھے اس قرآنی پیش گوئی کا مصداق ٹھہرایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خاص تھی' وہ آیت یہ ہے: " هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ". (ایام الصلح ص ۴۶' خزائن ۲۷ ص ۱۴)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

اور مجھے یہ کب خواہش تھی کہ میں مسیح موعود بنتا اور اگر مجھے یہ خواہش ہوتی تو "براہین احمدیہ" میں اپنے پہلے اعتقاد کی بنا پر کیوں لکھتا کہ مسیح آسمان سے آئے گا؟ حالانکہ اسی براہین میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا ہے' پس تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے پہلے اعتقاد کو نہیں چھوڑا تھا جب تک خدا نے روشن نشانوں اور کھلے کھلے الہاموں کے ساتھ نہیں چھڑایا۔

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۶۳-۱۶۲' مطبع میگزین قادیان' ۱۹۰۷ء)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوگا اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" کے حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب تھیں وہ سب میری طرف منسوب کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے' مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میں نے وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ بن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا' اس زمانہ اور اس امت کے لیے تو ہی عیسیٰ بن مریم ہے۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵' نظارت اشاعت' ربوہ' دسمبر ۱۹۷۸ء)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ "براھین احمدیہ" کے پہلے چار حصص میں اس نے تمام مسلمانوں کی طرح یہ عقیدہ رکھا اور اس کو شائع کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات نہیں آئی اور وہ آسمانوں پر زندہ ہیں (واضح رہے کہ اس نے چالیس سال کی عمر میں یہ کتاب لکھی) اور پھر لکھا ہے کہ بارہ سال تک وہ اسی عقیدہ پر جمارہا اور بارہ سال بعد اس کو یہ الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ اس کے کلام میں صریح تناقض ہے اور اس کو خود بھی یہ اعتراف ہے کہ اس کے کلام میں تناقض ہے' اس نے لکھا ہے:

میں نے ان متناقض باتوں کو براھین میں جمع کر دیا ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۸ طبع قدیم' ص ۱۰ طبع جدید)

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے عبدالحکیم خان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اس شخص کی حالت ایک مخبط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۱۸۴' مطبع میگزین قادیان' ۱۹۰۷ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام میں تناقض ہے اور اس کے نزدیک جس انسان کے کلام میں تناقض ہو وہ مخبوط الحواس ہے' تو اپنے تحریری اقرار کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی مخبوط الحواس ضرور ہوا۔

اس تناقض سے جان چھڑانے کے لیے مرزائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح قرآن اور حدیث میں ناسخ اور منسوخ آیات

اوراحادیث ہیں اسی طرح مرزا کی عبارات میں بھی ناسخ اور منسوخ ہیں اور براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں کی وہ عبارات جن سے حیات مسیح ثابت ہے بعد کی عبارات سے منسوخ ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ احکام میں مثلاً امر اور نہی میں ہوتا ہے' اخبار اور عقائد میں نسخ نہیں ہوتا' مثلاً پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر دیا یا پہلے کافروں سے نرمی کرنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دے دیا' عقائد میں نسخ نہیں ہوتا کہ پہلے یہ عقیدہ ہو کہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور بعد میں یہ عقیدہ ہو کہ نہیں وہ وفات پا چکے ہیں' خود مرزا غلام احمد نے بھی اس کو نسخ نہیں کہا بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ میری غلطی تھی اور میرے کلام میں تناقض ہے۔

نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے ''براہین احمدیہ'' میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح بن مریم آسمان سے نازل ہوگا' مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی' مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے' اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل نہ کرنا چاہا' بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں' ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے ''براہین احمدیہ'' میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت سے آئے گا (الیٰ ان قال) اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹۔۱۴۸' مطبع میگزین قادیان ۱۵ مئی' ۱۹۰۷ء)

اس کتاب کے آخر میں مرزا قادیانی نے اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء لکھی ہے اور ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کی موت واقع ہوئی' گویا یہ کتاب اس کی آخری تصانیف میں سے ہے اور مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ وہ باون سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ مانتا رہا اور باون سال کے بعد اس کو الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود اور دعویٰ نبوت کا ابطال

اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت کا انکار کفر ہوتا ہے اور مرزا قادیانی ان آیات قطعیۃ الدلالت کے برخلاف باون سال تک عام مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق آسمانوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر جما رہا' لہٰذا یہ خود اپنے قول اور اپنی تصریح کے مطابق باون سال تک کفر پر جما رہا' بعد میں اسے الہام ہوا کہ وہ خود مسیح موعود اور دیگر کتب میں لکھا کہ وہ نبی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کافر کا الہام کب معتبر ہوتا ہے اور کیا کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے اس کو الہام کہنا صحیح ہے؟ کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے وہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے اور شیطان کے وسوسے سے قرآن مجید

کی آیات قطعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف مسیح موعود یا نبوت کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے۔ لہٰذا مرزا قادیانی جو اپنے قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت کے خلاف عقیدہ رکھ کر کافر ہو چکا تھا اس کا بعد میں یہ دعویٰ کرنا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور خود کے لیے مسیح موعود اور نبوت کے الہام اور وحی کا دعویٰ کرنا بالکل باطل ہے کیونکہ کافر کو الہام نہیں ہوتا' اس کو وسوسہ شیطان ہوتا ہے۔

نوٹ: ہمارے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی یا رسول ماننا کفر ہے اور حیات مسیح اور نزول مسیح کا انکار کرنا شدید ترین گمراہی ہے' البتہ غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا کفر ہے بلکہ اس کو مسلمان ماننا بھی کفر ہے۔

میں حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہ وزیدجبہ وعلمہ ولطفہ واسعدہ اللہ تعالیٰ فی الدارین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ کتابیں مہیا کیں جن کی مدد سے میں نے یہ مضمون مکمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو (انہوں نے) کہا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو بیان کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو O بے شک اللہ ہی میرا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے O (الزخرف: ۶۴-۶۳)

حضرت عیسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان معجزات سے مراد ہے: مردوں کو زندہ کرنا' مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا' مٹی کے پرندے بنا کر ان کو فضا میں اڑا دینا اور آسمان سے دستر خوان نازل کرنا اور غیب کی خبریں دینا۔ قتادہ نے کہا: ''بینات'' سے مراد انجیل ہے اور سدی کی روایت ہے: اس سے مراد ہے نیک کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے روکنا۔

نیز اس میں فرمایا: ''اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو''۔

زجاج نے کہا: وہ لوگ اس میں اختلاف کرتے تھے کہ تورات میں تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں۔

بعض نے کہا: وہ تورات کے اور احکام کے متعلق سوال کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ ان کو جواب دیتے تھے۔

بعض نے کہا: وہ اکثر ایسی چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ان ہی چیزوں کا جواب دیتے تھے جن کے جاننے میں ان کا فائدہ تھا۔

الزخرف: ۶۴ میں فرمایا: ''بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو''۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو یعنی میری عبادت نہ کرو' اس آیت سے ان عیسائیوں کا رد کرنا مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر (بنی اسرائیل کے) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا' پس ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے O وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے O (الزخرف: ۶۷-۶۵)

اس آیت میں ''احزاب'' کا لفظ ہے' یہ حزب کی جمع ہے' حزب کا معنی ہے: لوگوں کی جماعت اور گروہ' یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد انہوں نے آپس میں اختلاف کیا' یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور عیسائیوں میں سے بعض نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں اور بعض نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض نے کہا: وہ تین میں کے تیسرے ہیں اور بعض مومن تھے جنہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے' اس آیت میں جو دردناک عذاب کے دن کی وعید ہے وہ پہلے فرقوں کے متعلق ہے یعنی ان یہودیوں کے بارے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کمی کرتے تھے اور ان عیسائیوں کے متعلق ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

الزخرف: ٦٦ میں فرمایا: ''وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O''
جس وقت قیامت آئے گی تو وہ اچانک آئے گی اور اس سے پہلے قیامت کے آنے کا کسی کو علم نہیں ہوگا اور سب لوگ اس سے غافل ہوں گے' اس لیے اس وقت کے آنے سے پہلے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے' قیامت کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) ہر انسان کی موت پر' اس کے حق میں قیامت ہے' یہ قیامت صغریٰ ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے ہر وقت استغفار کرتے رہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۸۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۵۸۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۴۸)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۳۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۶)

(۲) جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص فوت ہو جائے گا' یہ قیامت لوگوں پر اچانک آئے گی' کسی کو اس کے وقوع کا وقت معلوم نہیں ہے' یہ قیامت وسطیٰ ہے' اس کا علم ان علامات سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا' جہل کا غلبہ ہوگا' کھلے عام زنا ہوگا' عورتیں زیادہ ہوں گی' مرد کم ہوں گے' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۲۳۸۸)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا ہم اس وقت قیامت کا ذکر کر رہے تھے' آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول (۶) یاجوج ماجوج (۷) تین دفعہ زمین کا دھنسنا' ایک دفعہ مشرق میں' ایک دفعہ مغرب میں اور ایک دفعہ جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرے' اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں اور قبیلہ کا سردار ان میں سب سے بڑا فاسق ہو اور قوم کا سردار رذیل ترین شخص ہو اور

کسی شخص کے شر کے خطرہ سے اس کی عزت کی جائے اور فاحشہ عورتیں موسیقی کا اظہار کریں اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں تو تم اس وقت سرخ آندھی کا انتظار کرو اور زلزلہ کا اور زمین کے دھنسنے کا اور شکلوں کے مسخ ہونے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور ان بڑی بڑی نشانیوں کا جو پے در پے آئیں گی جیسے وہ نشانیاں ایک ڈوری میں پروئی ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۱۱ المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۲۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۸ جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث:۹۰۱)

(۳) قیامت کبریٰ اس کا اطلاق یوم حشر پر ہے جس دن تمام مردوں کو محشر کی طرف جمع کیا جائے گا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ. (البقرہ:۸۵)

اور قیامت کے دن ان کو زیادہ سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ○ (البقرہ:۱۱۳)

سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے○

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ (البقرہ:۱۷۴)

اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا○

خلیل کے معانی

الزخرف: ٦٧ میں فرمایا: ''اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے''۔

اس آیت میں ''الاخلاء'' کا لفظ ہے یہ خلیل کی جمع ہے خلیل کا معنیٰ ہے: وہ دوست جس کی محبت دل کی گہرائی میں جا گزین ہو یہ خلة سے بنا ہے اور خلة خلال سے مشتق ہے اس کا معنیٰ اندرون اور درمیان ہوتا ہے اور خلة اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس کے اندر پیوست ہو یا یہ لفظ خلل سے مشتق ہے کیونکہ جب دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے خلل کو روکتا ہے یا یہ لفظ ''خـلّ'' سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ریگستانی راستہ ہے کیونکہ جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں وہ راستہ میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں یا یہ لفظ خَـلّة سے بنا ہے جس کا معنیٰ خصلت اور عادت ہے اور جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں ان کی خصلتیں اور عادتیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی محبت پیوست ہو چکی تھی اور خلت کا ایک معنیٰ حاجت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی تھیں اور تمام مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہو چکے تھے اور جب خلیل کے لفظ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہو تو اس کا معنیٰ ہے: احسان کرنے والا یا اکرام اور افضال کرنے والا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۰۵-۲۰۴ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

دنیاوی تعلق کا ناپائیدار ہونا

جن لوگوں کے درمیان دنیاوی رشتوں اور تعلق کی وجہ سے محبت تھی قیامت کے دن وہ رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ (العبس: ۳۷-۳۴)

جس دن ہر مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا ○ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ○ اور اپنی بیوی اور اولاد سے (بھاگے گا) ○ اور اس دن ہر شخص کو صرف ایسی فکر ہوگی جو اس کو عذاب سے دور کر سکے ○

اس کے برعکس جو متقین ہیں ان کی جس کے ساتھ گہری دوستی ہوتی ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے' اس لیے ان کی وہ گہری دوستی آخرت میں بھی قائم رہے گی اور وہ ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے رہیں گے' جو مسلمان اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں ان کے فضائل میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا (۱) امام عادل (۲) اور وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے پروان چڑھا (۳) اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہو (۴) اور وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملتے ہوں اور اللہ کی محبت میں الگ ہوتے ہوں (۵) اور وہ شخص جس کو کسی مقتدر اور حسین عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) اور وہ شخص جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (۷) اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۰۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۸۶' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: وہ مسلمان کہاں ہیں جو محض میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں رکھوں گا جس دن میرے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا: جو مسلمان میری ذات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے' ان کی انبیاء اور شہداء تحسین کریں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۶۸-۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ

اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے ○ وہ بندے جو ہماری

اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے ○ تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

داخل ہو جاؤ ○ ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَأَنْتُمْ فِيهَا

اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں

خَالِدُونَ ۚ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي

اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ

عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۚ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۚ ﴿٧٥﴾

کے عذاب میں مبتلا رہیں گے O ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے پڑے رہیں گے O

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے O اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے

عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ

مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو O بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے

أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۚ ﴿٧٩﴾

تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے' بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ

یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس

يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾

ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھ رہے ہیں O آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ

آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیوب سے پاک ہے' جن کو یہ بیان کرتے ہیں O آپ ان کو ان کے

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ

مشغلوں اور لغویات میں پڑے رہنے دیں حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے O وہی

الَّذِي فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا اور بے حد علم والا ہے O

وَتَبٰرَكَ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ

اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ

اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر

يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے' ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں

يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور انہیں اس کا یقین ہو O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر

يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ

وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ ع

وقف لازم

ع ۲۲ / ۱۴

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O (الزخرف: ۶۸-۷۳)

مسلمانوں کے لیے جنت کی نعمتیں

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ میدان حشر میں ایک منادی یہ ندا کرے گا: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O جب اہل محشر یہ ندا سنیں گے تو سب سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے' پھر جب منادی یہ کہے گا: وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O یہ سن کر مسلمانوں کے سوا تمام مذاہب والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور محاسبی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب منادی قیامت کے دن یہ ندا کرے گا: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے تو تمام لوگ اپنے سر اٹھا کر کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں' وہ پھر دوسری بار ندا کرے گا: وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O تو کفار اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور موحدین اسی طرح سر اٹھائے ہوئے ہوں گے' پھر وہ منادی تیسری بار ندا کرے گا: جو لوگ ایمان لائے اور وہ متقی رہے تو تمام کبیرہ گناہ کرنے والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور اہل تقویٰ اسی طرح اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق ان سے خوف اور حزن کو دور کر دے گا کیونکہ وہ اکرم الاکرمین ہے' وہ اپنے اولیاء کو شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۰۲۔۱۰۱)

الزخرف: ۷۰۔۶۹ میں فرمایا: ''تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے O''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کو عزت والے مقامات پر ٹھہرایا جائے گا' حسن نے کہا: ان کے دل خوش رہیں گے۔ قتادہ نے کہا: ان کو جسمانی لذتیں حاصل ہوں گی' مجاہد نے کہا: وہ خوش ہوں گے اور ان کی آنکھوں سے خوشی ظاہر ہو گی۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کا حرام ہونا

جنت میں ان کو انواع و اقسام کے کھانے اور مشروبات پیش کیے جائیں گے۔ جنت میں سونے اور چاندی کے برتنوں کا ان احادیث میں ذکر ہے:

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ مدائن میں تھے' ان کو پیاس لگی تو ایک دہقان ان کے لیے چاندی کے ایک پیالے میں پانی لے کر آیا' انہوں نے وہ پیالہ اٹھا کر پھینک دیا' پھر انہوں نے کہا کہ میں نے یہ پیالہ اس لیے اٹھا کر پھینکا ہے کہ میں نے اس کو کئی مرتبہ چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع کیا ہے لیکن یہ باز نہیں آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی کے پاس بھی ستر ہزار غلام' ستر ہزار سونے کے گلاس لے کر گھومیں گے اور ہر گلاس میں الگ الگ ذائقہ کا مشروب ہو گا اور اعلیٰ درجہ کے جنتی کے پاس سات لاکھ غلام سات لاکھ سونے کے پیالے لے کر گردش کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں جو پہلا گروہ داخل ہو گا وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا' وہ اس میں تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے اور نہ ہو جنت میں رفع حاجت کریں گے۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کے ہوں گے' ان کی انگیٹھیوں میں عود ہندی (خوشبودار لکڑی) سلگتی ہو گی' ان کا

پسینہ مشک کی طرح (خوشبودار) ہوگا' ان میں ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی' ان کی پنڈلیوں کا مغز حسن کی وجہ سے گوشت کے اندر سے نظر آئے گا' ان میں کوئی اختلاف نہ ہوگا نہ بغض' سب کے دل ایک دل جیسے ہوں گے' وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۱۸)

حضرت ام سلمہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ گڑگڑاتی رہے گی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

برتنوں کے علاوہ سونے اور چاندی کی مصنوعات کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے' صحیح یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے اور چاندی کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۴۳) اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے کی ممانعت ان کے استعمال کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی متاع ہے' اس لیے ان کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے' اس لیے ان کا ہر قسم کا استعمال جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۳)

سونے اور چاندی کے ظروف آرائش اور چار انگل سونے' چاندی اور ریشم کے کام والے کپڑوں کا جواز

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

''مجتبیٰ'' میں مذکور ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنے گھر کو ریشم کے ساتھ مزین کرے اور سونے اور چاندی کے برتنوں سے گھر کو سجائے اور اس میں تفاخر کی نیت نہ ہو اور ''شرح وہبانیہ'' میں منتقی سے منقول ہے: قمیص کا گریبان اور اس کا بٹن ریشم کا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ کپڑے کے تابع ہے اور تاتارخانیہ میں سیر کبیر سے منقول ہے کہ ریشم اور سونے کے بٹن بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی میں مختصر الطحاوی سے منقول ہے: چاندی کے تاروں سے کپڑے پر نقش و نگار بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور سونے کے تاروں سے نقش و نگار بنانا مکروہ ہے' فقہاء نے کہا: اس میں اشکال ہے کیونکہ شریعت میں کف پر کام کرانے کی رخصت ہے اور کف پر کبھی سونے کا کام کیا جاتا ہے۔

(الدر المختار علی ہامش الرد ج۹ ص۴۳۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے پر نقش و نگار بنائے جائیں یا کپڑے کے کف پر ریشم سے کام کیا جائے وہ اس لیے جائز ہے کہ وہ قلیل اور تابع ہے اور غیر مقصود ہے اور سونا' چاندی اور ریشم حرام ہونے میں سب برابر ہیں' پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا ہے جس کے گریبان اور کفوں پر ریشم سے کام کیا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: لباس' رقم الحدیث: ۱۰) تو پھر کفوں پر سونے اور چاندی سے بھی کام کرانا جائز ہے' کیونکہ ان کا حکم برابر ہے اور ان میں فرق نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جو کپڑا چار انگل کی مقدار سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہو وہ جائز ہے۔ (صحیح مسلم: لباس' رقم الحدیث: ۱۵) اسی طرح اتنی مقدار میں سونے اور چاندی کے پانی سے کپڑے اور برتن پر لکھنا بھی جائز ہے۔

سونے اور چاندی کے ظروف کی تفصیل

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور ان کی پیالیوں سے تیل لگانا یا ان کے عطر دان سے عطر لگانا یا ان کی انگیٹھی سے بخور کرنا منع ہے اور یہ ممانعت مرد و عورت دونوں کے لیے ہے' عورتوں کو ان کے زیور پہننے کی اجازت ہے زیور کے سوا دوسری طرح سونے' چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ (درمختار) مسئلہ: سونے چاندی کے چمچے سے کھانا' ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا' ان کے آئینہ میں مونھ دیکھنا' ان کی قلم دوات سے لکھنا' ان کے لوٹے یا طشت سے وضو کرنا' یا ان کی کرسی پر بیٹھنا مرد و عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی آرسی پہننا عورت کے لیے جائز ہے مگر اسی آرسی میں مونھ دیکھنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔ مسئلہ: سونے چاندی کی چیزوں کے استعمال کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ ان کو استعمال کرنا ہی مقصود ہو اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو ممانعت نہیں' مثلاً سونے چاندی کی پلیٹ یا کٹورے میں کھانا رکھا ہوا ہے' اگر یہ کھانا اسی میں چھوڑ دیا جائے تو اضاعت مال ہے' اس کو اس میں سے نکال کر دوسرے برتن میں لے کر کھائے یا اس میں سے پانی چلو میں لے کر پیا یا پیالی میں تیل تھا سر پر پیالی سے تیل نہیں ڈالا' بلکہ کسی برتن میں یا ہاتھ پر تیل اس غرض سے لیا کہ اس سے استعمال ناجائز ہے لہٰذا تیل کو اس میں سے لے لیا جائے اور اب استعمال کیا جائے یہ جائز ہے اور اگر ہاتھ میں تیل کا لینا بغرض استعمال ہو جس طرح پیالی سے تیل لے کر سر یا ڈاڑھی میں لگاتے ہیں اس طرح کرنے سے ناجائز استعمال سے بچنا نہیں ہے کہ یہ بھی استعمال ہی ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: چائے کے برتن سونے چاندی کے استعمال کرنا ناجائز ہے' اسی طرح سونے چاندی کی گھڑی ہاتھ میں باندھنا بلکہ اس میں وقت دیکھنا بھی ناجائز ہے کہ گھڑی کا استعمال یہی ہے کہ اس میں وقت دیکھا جائے۔ (ردالمحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی چیزیں محض مکان کی آرائش و زینت کے لیے ہوں مثلاً قرینہ سے یہ برتن و قلم و دوات لگا دیئے کہ مکان آراستہ ہو جائے اس میں حرج نہیں۔ یونہی سونے چاندی کی کرسیاں یا میز یا تخت وغیرہ سے مکان سجا رکھا ہے' ان پر بیٹھتا نہیں ہے تو حرج نہیں۔ (درمختار ردالمحتار)

مسئلہ: بچوں کو بسم اللہ پڑھانے کے موقع پر چاندی کی دوات قلم تختی لا کر رکھتے ہیں' یہ چیزیں استعمال میں نہیں آتیں بلکہ پڑھانے والے کو دے دیتے ہیں' اس میں حرج نہیں۔ مسئلہ: سونے چاندی کے سوا ہر قسم کے برتن کا استعمال جائز ہے' مثلاً تانبے' پیتل' سیسہ' بلور وغیرہ مگر مٹی کے برتنوں کا استعمال سب سے بہتر ہے کہ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے گھر کے برتن مٹی کے بنوائے فرشتے اس کی زیارت کو آئیں گے' تانبے اور پیتل کے برتنوں پر قلعی ہونی چاہیے' بغیر قلعی ان کے برتن استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: جس برتن میں سونے چاندی کا کام بنا ہوا ہے اس کا استعمال جائز ہے جبکہ موضع استعمال میں سونا چاندی نہ ہو مثلاً کٹورے یا گلاس میں چاندی کا کام ہو تو پانی پینے میں اس جگہ مونھ نہ لگے جہاں سونا یا چاندی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہاں ہاتھ بھی نہ لگے اور قول اول اصح ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: چھڑی کی موٹھ سونے چاندی کی ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ موٹھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے' لہٰذا موضع استعمال میں سونا چاندی ہوئی اور اگر اس کی شام سونے چاندی کی ہو دستہ سونے چاندی کا نہ ہو تو استعمال میں حرج نہیں' کیونکہ ہاتھ رکھنے کی جگہ پر سونا چاندی نہیں ہے' اسی طرح قلم کی نب اگر سونے چاندی کی ہو تو اس سے لکھنا ناجائز ہے کہ وہی موضع استعمال ہے اور اگر قلم کے بالائی حصہ میں ہو تو ناجائز نہیں۔ مسئلہ: چاندی سونے کا کرسی یا تخت میں کام بنا ہوا ہے یا زمین میں کام بنا ہوا ہے تو اس پر بیٹھنا جائز ہے جبکہ سونے چاندی کی جگہ سے بچ کر بیٹھے' محصل یہ ہے کہ جو چیز خالص سونے چاندی کی ہے اس کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے

اور اگر اس میں جگہ جگہ سونا ہے تو اگر موضع استعمال میں ہے تو ناجائز ورنہ جائز' مثلاً چاندی کی انگیٹھی سے بخور کرنا مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ دھونی لیتے وقت اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے' اسی طرح اگر حقہ کی فرشی چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے اگرچہ یہ شخص فرشی پر ہاتھ نہ لگائے' اسی طرح حقہ کی موہنہ نال سونے چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے اور اگر نیچہ پر جگہ جگہ چاندی سونے کا تار ہو تو اس سے حقہ پی سکتا ہے جب کہ استعمال کی جگہ پر تار نہ ہو۔ کرسی میں استعمال کی جگہ بیٹھنے کی جگہ ہے اور اس کا تکیہ ہے جس سے پیٹھ لگاتے ہیں اور اس کے دستے ہیں جن پر ہاتھ رکھتے ہیں' تخت میں موضع استعمال بیٹھنے کی جگہ ہے اسی طرح زین میں اور رکاب بھی سونے چاندی کی ناجائز ہے اور اس میں کام بنا ہوا ہو تو موضع استعمال میں نہ ہو یہی حکم لگام اور دمچی کا ہے۔ (ہدایہ درمختار ردالمحتار) مسئلہ: برتن پر سونے چاندی کا ملمع ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ (ہدایہ) مسئلہ: آئینہ کا حلقہ جو بوقت استعمال پکڑنے میں نہ آتا ہو اس میں سونے چاندی کا کام ہو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ (ہدایہ درمختار)

(بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۴۵۔۴۴' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

چار انگل ریشم کے کام کے جواز کی مزید تفصیل

مسئلہ: عورتوں کو ریشم پہننا جائز ہے اگرچہ خالص ریشم ہو اس میں سوت کی بالکل آمیزش نہ ہو۔ (عامہ کتب) مسئلہ: مردوں کے کپڑوں میں ریشم کی گوٹ چار انگل تک جائز ہے اس سے زیادہ ناجائز یعنی اس کی چوڑائی چار انگل تک ہو' لمبائی کا شمار نہیں' اسی طرح اگر کپڑے کا کنارہ ریشم سے بنا ہو جیسا کہ بعض عمامے یا چادروں یا تہبند کے کنارے اس طرح کے ہوتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر چار انگل تک کا کنارہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ (درمختار ردالمحتار) یعنی جب کہ اس کی کنارہ کی بناوٹ بھی ریشم کی ہو اور اگر سوت کی بناوٹ ہو تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے' عمامہ یا چادر کے پلو ریشم سے بنے ہوں تو چونکہ بانا ریشم کا ہونا ناجائز ہے لہٰذا یہ پلو بھی چار انگل تک کا ہی ہونا چاہیے زیادہ نہ ہو۔ مسئلہ: آستین یا گریبان یا دامن کے کنارہ پر ریشم کا کام ہو تو وہ بھی چار انگل ہی تک ہو صدری یا جبہ کا ساز ریشم کا ہو تو چار انگل تک جائز ہے اور ریشم کی گھنڈیاں بھی جائز ہیں۔ ٹوپی کا طرہ بھی چار انگل کا جائز ہے' پائجامہ کا نیفہ بھی چار انگل تک کا جائز ہے' اچکن یا جبہ میں شانوں اور پیٹھ پر ریشم کے پان یا کیری چار انگل تک کے جائز ہیں۔ (ردالمحتار) یہ حکم اس وقت ہے کہ پان وغیرہ مغرق ہوں کہ کپڑا دکھائی نہ دے اور اگر مغرق نہ ہوں تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے۔ مسئلہ: ریشم کے کپڑے کا پیوند کسی کپڑے میں لگایا' اگر یہ پیوند چار انگل تک کا ہو جائز ہے اور زیادہ ہو تو ناجائز' ریشم کو روئی کی طرح کپڑے میں بھر دیا گیا مگر ابرا اور استر دونوں سوتی ہوں تو اس کا پہننا جائز ہے اور اگر ابرا یا استر دونوں میں سے کوئی بھی ریشم ہو تو ناجائز ہے اسی طرح ٹوپی کا استر بھی ریشم کا ناجائز ہے اور ٹوپی میں ریشم اور کنارہ چار انگل تک جائز ہے۔ (ردالمحتار) مسئلہ: ٹوپی میں لیس لگائی گئی یا عمامہ میں گوٹا لچکا لگایا گیا' اگر یہ چار انگل سے کم چوڑا ہے جائز ہے ورنہ نہیں۔ مسئلہ: متفرق جگہوں پر ریشم کا کام ہے تو اس کو جمع نہیں کیا جائے گا یعنی اگر ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہیں ہے مگر جمع کریں تو زیادہ ہو جائے گا یہ ناجائز نہیں لہٰذا کپڑے کی بناوٹ میں جگہ جگہ ریشم کی دھاریاں ہوں تو جائز ہے جب کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ چوڑی کوئی دھاری نہ ہو۔ یہی حکم نقش و نگار کا ہے کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور اگر پھول یا کام اس طرح بنایا ہے کہ ریشم ہی ریشم نظر آتا ہے جس کو مغرق کہتے ہیں جس میں کپڑا نظر ہی نہیں آتا تو اس کام کو متفرق نہیں کہا جاسکتا' اس قسم کا ریشم یا زری کا کام ٹوپی یا اچکن یا صدری یا کسی کپڑے پر ہو اور چار انگل سے زائد ہو تو ناجائز ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: دھاریوں کے لیے چار انگل سے زیادہ نہ ہونا اس وقت ضروری ہے کہ بانے میں دھاریاں ہوں اور اگر تانے میں ہوں اور بانا سوت ہو تو چار انگل سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے۔ مسئلہ: کپڑا اس طرح بنایا گیا کہ ایک تاگا

سوت اور ایک ریشم مگر دیکھنے میں بالکل ریشم معلوم ہوتا ہے یعنی سوت نظر نہیں آتا یہ ناجائز ہے۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۴۲۔۴۱' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

مرد کے زیور پہننے کی تفصیل

مرد کو زیور پہننا مطلقاً حرام ہے صرف چاندی کی ایک انگوٹھی جائز ہے جو وزن میں ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو اور سونے کی انگوٹھی بھی حرام ہے' تلوار کا حلیہ چاندی کا جائز ہے یعنی اس کے نیام اور قبضہ یا پرتلے میں چاندی لگائی جاسکتی ہے' بشرطیکہ وہ چاندی موضع استعمال میں نہ ہو۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی صرف چاندی ہی کی پہنی جاسکتی ہے دوسری دھات کی انگوٹھی پہننا حرام ہے' مثلاً لوہا' پیتل' تانبا' جست وغیرہا ان دھاتوں کی انگوٹھیاں مرد وعورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں فرق اتنا ہے کہ عورت سونا بھی پہن سکتی ہے اور مرد نہیں پہن سکتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے' فرمایا: کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بُو آتی ہے' انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی' پھر دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے' فرمایا: کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں' انہوں نے اس کو بھی اتار دیا اور عرض کی: یارسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا کہ چاندی کی اور اس کو ایک مثقال پورا نہ کرنا۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: بعض علماء نے یشب اور عقیق کی انگوٹھی جائز بتائی اور بعض نے ہر قسم کے پتھر کی انگوٹھی کی اجازت دی اور بعض ان سب کی ممانعت کرتے ہیں' لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے سوا ہر قسم کی انگوٹھی سے بچا جائے' خصوصاً جب کہ صاحب ہدایہ جیسے جلیل القدر کا میلان ان سب کے عدم جواز کی طرف ہے۔ مسئلہ: انگوٹھی سے مراد حلقہ ہے نگینہ نہیں' نگینہ ہر قسم کے پتھر کا ہوسکتا ہے عقیق' یاقوت' زمرد' فیروزہ وغیرہ سب کا نگینہ جائز ہے۔ (درمختار) مسئلہ: جب ان چیزوں کی انگوٹھیاں مرد وعورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں تو ان کا بنانا اور بیچنا بھی ممنوع ہوا کہ یہ ناجائز کام پر اعانت ہے' ہاں بیع کی ممانعت ویسی نہیں جیسی پہننے کی ممانعت ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: لوہے کی انگوٹھی پر چاندی کا خول چڑھا دیا کہ لوہا بالکل نہ دکھائی دیتا ہو' اس انگوٹھی کے پہننے کی ممانعت نہیں۔ (عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیوروں میں جو بہت لوگ اندر تانبے یا لوہے کی سلاخ رکھتے ہیں اور اوپر سے سونے کا پتر چڑھا دیتے ہیں اس کا پہننا جائز ہے۔ مسئلہ: انگوٹھی کے نگینہ میں سوراخ کر کے اس میں سونے کی کیل ڈال دینا جائز ہے۔ (ہدایہ) مسئلہ: انگوٹھی انہیں کے لیے مسنون ہے جن کو مہر کرنے کی حاجت ہوتی ہے جیسے سلطان وقاضی اور علماء جو فتویٰ پر مہر کرتے ہیں' ان کے سوا دوسروں کے لیے جن کو مہر کرنے کی حاجت نہ ہو مسنون نہیں مگر پہننا جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: مرد کو چاہیے کہ اگر انگوٹھی پہنے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھے اور عورتیں نگینہ ہاتھ کی پشت کی طرف رکھیں کہ ان کا پہننا زینت کے لیے ہے اور زینت اسی صورت میں زیادہ ہے کہ نگینہ باہر کی جانب رہے۔ (ہدایہ) مسئلہ: داہنے یا بائیں جس ہاتھ میں چاہیں انگوٹھی پہن سکتے ہیں اور چھنگلیا میں پہنی جائے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی پر اپنا نام کندہ کراسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بھی کندہ کراسکتا ہے مگر محمد رسول اللہ یعنی یہ عبارت کندہ نہ کرائے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتری پر تین سطروں میں کندہ تھی' پہلی سطر محمد' دوسری رسول' تیسری اسم جلالت اور حضور نے فرمادیا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اپنی انگوٹھی پر یہ نقش کندہ نہ کرائے' نگینہ پر انسان یا کسی جانور کی تصویر کندہ نہ کرائے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی وہی جائز ہے جو مردوں کی انگوٹھی کی طرح ہو یعنی ایک نگینہ کی ہو اور اگر اس میں کئی نگینے ہوں تو اگرچہ وہ چاندی ہی کی ہو مرد کے لیے ناجائز ہے۔ (ردالمحتار) اسی طرح مردوں کے لیے ایک سے زیادہ انگوٹھی پہننا یا چھلے پہننا بھی ناجائز ہے کہ یہ انگوٹھی نہیں' عورتیں چھلے پہن سکتی ہیں۔

مسئلہ: ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے کے تار سے بندھوانا جائز ہے اور اگر کسی کی ناک کٹ گئی ہو تو سونے کی ناک بنوا کر لگا سکتا ہے' ان دونوں صورتوں میں ضرورت کی وجہ سے سونے کو جائز کہا گیا' کیونکہ چاندی کے تار سے دانت باندھے جائیں یا چاندی کی ناک لگائی جائے تو اس میں تعفن پیدا ہو گا۔ (عالمگیری) مسئلہ: دانت گر گیا' اسی دانت کو سونے یا چاندی کے تار سے بندھوا سکتا ہے۔ دوسرے شخص کا دانت اپنے منہ میں نہیں لگا سکتا۔ (عالمگیری) مسئلہ: لڑکوں کو سونے چاندی کے زیور پہنانا حرام ہے اور جس نے پہنایا وہ گنہگار ہو گا' اسی طرح بچوں کے ہاتھ پاؤں میں بلا ضرورت مہندی لگانا ناجائز ہے' عورت خود اپنے ہاتھ پاؤں میں لگا سکتی ہے' مگر لڑکے کو لگائے گی تو گنہگار ہو گی۔ (درالمختار ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۴۹۔ ۴۸' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

جنت کی وراثت کی توجیہ

الزخرف: ۷۳۔ ۷۲ میں فرمایا: ''اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O''

اہل جنت سے جنت میں یہ کہا جائے گا: یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں ذکر کیا جاتا تھا' انسان عموماً اس چیز کا وارث کیا جاتا ہے جو کوئی اس کے لیے چھوڑ جاتا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جو جنتیں بنائی تھیں وہ ان جنتوں کو چھوڑ کر دوزخ میں چلے جائیں گے اور ان کی جنتیں وراثت میں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے جنت اور دوزخ بنائی ہے' پس کافر مسلمان کی دوزخ کا وارث ہو گا اور مسلمان کافر کی جنت کا وارث ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ایک مسکن جنت میں بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں بنایا ہے' پس مومنوں کو اپنے مساکن بھی ملیں گے اور کفار کے مساکن کے وہ وارث ہوں گے اور کفار کو ان کے مساکن دوزخ میں ملیں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۱)

اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو اور ایک اور جگہ فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۞ (النساء: ۷۰۔ ۶۹)

اور جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور رسول کی' وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور صالح ہیں اور یہ بہترین رفیق ہیں O یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے' بہت جاننے والا O

ان آیتوں میں اس طرح موافقت ہے کہ جنت میں دخول کا حقیقی سبب تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا ظاہری سبب بندہ کے نیک اعمال ہیں۔

الزخرف: ۷۳ میں جن پھلوں کا ذکر فرمایا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ہر قسم کے پھل ہیں خواہ وہ تروتازہ پھل ہوں یا خشک پھل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے O ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے پڑے رہیں گے O ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے O اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے' وہ کہے گا: تم اس

میں ہمیشہ رہنے والے ہو O بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O
(الزخرف: ۷۸۔۷۴)

دوزخ کے نگران فرشتے مالک سے اہل دوزخ کا کلام

اس سے پہلی آیتوں میں اہل جنت کے احوال بیان فرمائے تھے اور اب وہ آیتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں اہل دوزخ کے احوال بیان فرمائے ہیں کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ ترغیب اور ترہیب کی آیتیں ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے تا کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو اور بُرے کاموں سے نفرت ہو اور اطاعت گزار کی نافرمان پر فضیلت ظاہر ہو۔

نیز فرمایا: اور ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا' اور وہ عذاب میں کمی سے مایوس ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ کافروں اور بدکاروں کو سزا دے گا' اوّل تو یہ ہے کہ کافر ہوں یا مومن اور بدکار ہوں یا نیکوکار' سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں اور خالق اپنی مخلوق کے ساتھ یا مالک اپنی مملوک کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار عطا فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ کفر اور معصیت سے اجتناب کریں ورنہ ان کو دوزخ میں عذاب ہوگا' اس حکم کے باوجود جنہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور معصیت کا ارتکاب کیا تو یہ خود ان کا اپنے اوپر ظلم ہے' اللہ تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں ہے۔

مالک دوزخ کے نگران فرشتے کا نام ہے' اس سے کفار کہیں گے اور دوزخ کے عذاب کی شکایت کریں گے' محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچائی گئی ہے کہ کفار دوزخ کے نگران سے فریاد کریں گے اور ہر روز اس سے شکایت کریں گے' جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو کہیں گے: اے مالک! اپنے رب سے کہو کہ ہم کو موت ہی دے دے' تو مالک اسّی سال تک ان کو جواب نہیں دے گا اور ایک سال تین سو تریسٹھ دن کا ہوگا اور اور ایک دن ہزار سال کا ہوگا' پھر اس کے بعد ان سے کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱۶ص ۱۰۸)

امام ترمذی نے اعمش کا قول نقل کیا ہے کہ ان کافروں کے سوال اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ لگے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

الزخرف: ۷۸ میں فرمایا ہے: "(مالک یا دوسرے فرشتوں نے) کہا: بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O"

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مالک کا قول ہو اور اس نے کافروں کو یہ جواب دیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے کفار سے خود فرمایا ہو کہ ہم نے تمہارے پاس نشانیاں نازل کی تھیں اور ہم نے تمہاری طرف اپنے رسول بھیجے تھے' لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے' اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام اہل دوزخ ہی حق کو ناپسند کرنے والے تھے لیکن اس آیت میں اکثر کا ذکر فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اکثر اہل دوزخ سے مراد تمام اہل دوزخ کے سردار اور نمائندے ہیں' گویا کہ یہ کل اہل دوزخ سے خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے' بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھ رہے ہیں O آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O آسمانوں اور

زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیوب سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیںO آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں' حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہےO (الزخرف:۸۳۔۷۹)

آپ کے خلاف سازش کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا انتقام لینا

اس آیت میں ''ابــرمــوا'' کا لفظ ہے' ابرام کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو پکا کرنا اور مستحکم اور مضبوط بنا دینا' مقاتل نے کہا: یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے دار الندوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ سازش کی تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد مل کر اچانک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دے' تا کہ تمام قبائل آپ کو قتل کرنے میں مشترک ہوں اور کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے اور آپ کی دیت اور خون بہا کا مطالبہ کمزور ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں' یعنی ان تمام لوگوں کو چن چن کر غزوۂ بدر میں قتل کرنے والے ہیں' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے: ہم نے ان کے پاس پیغام حق بھیجا لیکن انہوں نے اس کو نہیں سنا یا اس کو سن کر اس سے اعراض کیا' کیونکہ انہوں نے اپنے دلوں میں بات پکی کر لی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پکی بات سے ان سے اس عذاب کا خطرہ ٹل جائے گا جو عذاب کفر اور انکار کی صورت میں آخرت میں ان پر پیش آنے والا تھا۔

الزخرف: ۸۰ کا شانِ نزول

الزخرف: ۸۰ میں فرمایا: ''یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سازشوں کو نہیں سنتے اور جو وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں''۔ روایت ہے کہ یہ آیت تین ان آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جو کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے تھے' ان میں سے ایک نے کہا: تمہارا کیا عقیدہ ہے کہ اللہ ہمارا کلام سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: اگر تم زور سے بولو گے تو وہ سن لے گا اور اگر تم آہستہ بولو گے تو وہ نہیں سن سکے گا' تیسرے نے کہا: جب وہ تمہاری یہ آواز بلند باتوں کو سن سکتا ہے تو وہ تمہاری سرگوشیوں کو بھی سن سکتا ہے۔

الزخرف: ۸۱ میں فرمایا: ''آپ کہیے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتاO''

اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی مذمت اور اس پر وعید

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حسن بصری اور سدی نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: رحمٰن کا بیٹا نہیں ہے اور یہاں پر یہ آیت مکمل ہو گئی' پھر فرمایا: میں رحمٰن کا سب سے پہلا عبادت گزار ہوں اور سب سے پہلا موحد ہوں اور اہل مکہ میں سب سے پہلے یہ کہنے والا ہوں کہ رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

(۲) اگر رحمان کا کوئی بیٹا ثابت ہوتا تو سب سے پہلے میں اس بیٹے کی عبادت کرنے والا ہوتا کیونکہ بیٹے کی تعظیم باپ کی تعظیم ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں صرف اس بیٹے کی عبادت کرتا اور جب کہ میں نے اس کی عبادت نہیں کی تو واضح ہوا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

الزخرف: ۸۲ میں فرمایا: ''آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیبوں سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیںO'' یعنی اللہ سبحانہٗ ان چیزوں سے بَرِی' منزہ اور پاک ہے جن کا یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عیسیٰ اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے شریک ہیں۔

الزخرف: ۸۳ میں فرمایا: ''آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں' حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے O''

آپ ان کو ان کی باطل کارروائیوں میں مصروف رہنے دیں اور دنیا کے لہو ولعب میں مشغول رہنے دیں' تاکہ آخرت میں یہ اس کے نتیجہ میں عذاب میں مبتلا ہوں' ایک تفسیر یہ ہے کہ جہاد کی آیتوں سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ حکم اس وقت تھا جب ابتداء میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی کوئی جمعیت نہیں تھی' ان کی ریاست تھی اور نہ کوئی حکومت تھی اور جب مسلمانوں کی ریاست قائم ہوگئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور سرکشوں کے خلاف جہاد کریں اور کلمہ حق بلند کریں۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں اہل مکہ کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر تم یونہی اپنی باطل کارروائیوں میں مشغول رہے تو وہ دن آنے والا ہے کہ تمہیں ان تمام باطل کارروائیوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو O (الزخرف: ۸۶۔۸۴)

اس پر دلائل کہ حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہیں

آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کا ظرف نہیں ہے' اللہ تعالیٰ زمین میں مستقر ہے نہ آسمان میں مستقر ہے' بلکہ زمین میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے اور آسمان میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے' آسمانوں میں فرشتے اس کی عبادت کرتے ہیں اور زمین میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اس کی عبادت کی ہے' حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر سمیت سب مقدس انسان اس کی عبادت کرنے والے تھے' اس سے واضح ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں نہ حضرت عیسیٰ اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے پر ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کسی مرد کے واسطے کے بغیر محض کلمہ کن سے پیدا فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی واسطے کے محض کلمہ کن سے پیدا فرمایا اور جب اس بلا واسطہ تخلیق سے یہ آسمان اور زمینیں اللہ کی اولاد نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں۔

الزخرف: ۸۵ میں فرمایا: ''اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں میں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O''

اس آیت میں بھی اس پر دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں' کیونکہ اس آیت اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا ہے: وہ بہت برکت والا ہے اور یہاں برکت سے مراد دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: ایک معنیٰ ہے ثبوت اور بقاء اور دوسرا معنیٰ ہے: کثرت خیر۔ اگر پہلا معنیٰ مراد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ثابت ہے اور باقی ہے تو اس کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ اولاد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو فانی ہو اور مرنے والا ہو' وہ چاہتا ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے مشن کو جاری رکھے اور جب

وہ ہمیشہ ثابت اور باقی ہے اور لافانی اور لازوال ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے نیز بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے حالانکہ حضرت عیسیٰ ممکن اور حادث ہیں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو موت آ چکی ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق قیامت سے پہلے ان پر موت آئے گی اور اگر برکت کا معنیٰ کثرت خیر ہو تو اس آیت کا معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ بہت خیر کثیر کا مالک ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی بذاتہ خیر کثیر کے مالک ہوتے' حالانکہ وہ اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج تھے۔ اور فرمایا: ''اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے''۔ یعنی جس طرح اس کی قدرت کامل ہے اسی طرح اس کا علم بھی کامل ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کا باطل ہونا

الزخرف: ۸۶ میں فرمایا: ''اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے' ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو O''

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کی نفی فرمائی تھی اور اس آیت میں اللہ سبحانہ اپنے شرکاء کی نفی فرما رہا ہے' اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سن لیں کہ قیامت کے دن وہ ان ہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جو حق کی شہادت دیں گے یعنی جو یقین کے ساتھ اس بات کی شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر کسی کی بھی عبادت کرتے ہیں خواہ وہ عیسیٰ ہوں یا عزیر ہوں' یا فرشتے ہوں' یا دوسرے خود ساختہ معبود ہوں' مثلاً ستارے ہوں یا درخت ہوں یا پتھر کے تراشیدہ بت ہوں' ان میں سے کوئی بھی از خود کسی کی شفاعت کرنے کا مالک نہیں ہے' مگر جو یقین کے ساتھ اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دے اور وہ فرشتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور اولیاء کرام اور علماء عظام ہیں کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت ہے اور سب سے زیادہ کرامت اور وجاہت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور وہی سب سے زیادہ شفاعت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا اسلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O (الزخرف: ۸۹۔۸۷)

مشرکین کو بت پرستی پر ملامت کرنا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف: ۹ کے شروع میں بھی فرمایا تھا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ O (الزخرف: ۹)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو بے حد غالب اور بہت جاننے والے نے پیدا کیا ہے O

اور اب اس سورت کے آخر (الزخرف: ۸۷) میں بھی یہی فرمایا ہے: ''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O''

اور اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کو اور تمام جہانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو وہ

اس اعتقاد کے باوصف کیوں پتھر کے بے جان بتوں کے آگے سر جھکا رہے ہیں اور اپنا ماتھا ٹیک رہے ہیں اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کو کیوں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور آفات اور مصائب میں کیوں ان کو پکار رہے ہیں اور کیوں ان کے نام کی دہائی دے رہے ہیں۔

نیز فرمایا: "وہ کہاں بھٹک رہے ہیں" یعنی وہ کیوں جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

الزخرف: ۸۸ کی نحوی تراکیب

الزخرف: ۸۸ میں فرمایا: "اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O"

اس کے شروع میں یہ الفاظ ہیں "وقیلہ" ہے اور اس پر تین اعراب ہیں: جر نصب اور رفع 'وقیلِہ' وقیلَہ و وقیلُہ۔ پہلی صورت میں اس کا عطف "علم الساعۃ" پر ہے یعنی "وعندہ علم الساعۃ وعلم قیلہ" اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کو اپنے نبی کے قول کا علم ہے اور دوسری صورت میں اس کا عطف "انا لا نسمع سرھم ونجواھم" پر ہے یعنی وقیلَہ ان کافروں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے اور نہ اپنے نبی کی بات کو سنتے ہیں اور تیسری صورت میں یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی "وامانۃ اللہ قیلہ" یا "ویمین اللہ قیلہ"۔ اللہ کی امانت یا اللہ کی قسم اس کے نبی کا قول ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ بہترین صورت اس طریقہ پر جر یا نصب کی ہے یعنی حرف قسم مقدر ہے قسم ہے اللہ کے نبی کے اس قول کی۔ پھر قول کا ذکر ہے: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے ہم نے اسی ترکیب کے موافق اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ

الزخرف: ۸۹ میں فرمایا: "آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O"

اس آیت میں کفار کی زیادتیوں کا بدلہ لینے سے منع فرمایا ہے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے لیکن مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز ہے لیکن صرف سلام کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ سلام علیکم اور مسلمانوں کو سلام کرتے وقت کہا جائے: السلام علیکم یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الزخرف کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین آج ۴ محرم ۱۴۲۵ھ/۲۵ فروری ۲۰۰۴ء بہ روز بدھ بعد نماز ظہر سورۃ الزخرف کی تفسیر مکمل ہو گئی اس تفسیر کی ابتداء ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی اس طرح ۳۸ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی فالحمد للہ حمدا کثیرا والشکر للہ شکرا جزیلا۔

الہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے اپنے لطف اور عنایت سے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کتاب کو فیض آفریں رکھیں مجھے جملہ امراض سے شفا عطا فرمائیں اور مجھے ارزل عمر سے محفوظ رکھیں اور جب میرا وقت پورا ہو تو اسلام اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں مجھے صحت اور عافیت کے ساتھ چلتے پھرتے اپنے پاس بلائیں میری والدہ محترمہ اور میرے والد گرامی کی مغفرت فرمائیں اور ان کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیں میرے اساتذہ مولانا محمد نواز اویسی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مولانا ولی

النبیؐ مولانا مختار احمد' استاذ العلماء مولانا عطاء محمد بندیالوی اور میرے مرشد گرامی علامہ سید احمد سعید کاظمی کی مغفرت فرمائیں' ان سب کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين
قائد الغر المحجلين امام الانبياء والمرسلين وعلى اصحابه الراشدين واله الطيبين
وعلى ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى جميع اولياء امته
وعلماء ملته وسائر المسلمين.

سُوْرَةُ الدُّخَانِ

(۴۴)

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

(۴۵)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

الدخان

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الدخان ہے اور اس کا نام الدخان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں الدخان کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ○ (الدخان:۱۰) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا○

الدخان کا لفظ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورت میں اور دوسرا اس آیت میں:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ (حٰمٓ السجدۃ:۱۱) پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا۔

سورۃ الدخان مکی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چونسٹھ (۶۴) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر چوالیس (۴۴) ہے اس سورت کے مضامین کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت آپ کی مکی زندگی کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الدخان کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی اس کے لیے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۸ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی شب حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۹ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۳۲-۶۲۲۴)

عبد اللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جس شخص نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ جمعہ کی شب حٰمٓ الدخان پڑھی وہ صبح کو بخشا ہوا اٹھے گا ابورافع کی روایت میں ہے: اس کی بڑی آنکھوں والی حور سے شادی کر دی جائے گی۔
(سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۲۲-۳۴۲۱ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۴۵ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سورۃ الدخان کے مقاصد اور مسائل

اس سورت کی ابتداء سورۃ الزخرف کی ابتداء کے مشابہ ہے‘ کیونکہ دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے‘ اس رات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام اہم کام تقسیم کیے جاتے ہیں‘ قرآن مجید کو نازل کرنے کا یہ مقصد ہے کہ جو لوگ غفلت اور لہو ولعب میں زندگی گزار رہے ہیں ان کو جگایا جائے کہ وہ روز حساب کی تیاری کرلیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیے یہ شرط عائد کرتے تھے کہ ان کو عذاب دکھا دیا جائے‘ ان کو یہ بتایا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد جو ایمان لایا جائے وہ ایمان بالغیب نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ کفار مکہ کی عبرت کے لیے فرعون اور اس کی قوم کی مثال دی ہے‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے‘ انجام کار ان سب کو غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل ان کی غلامی سے نجات پا کر دنیا کی ایک عظیم قوم بن گئے۔

قریش کے کفر اور ان کی ہٹ دھرمی کا سبب یہ تھا کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے آخرت کا تفصیل سے بیان فرمایا‘ اس دن کافروں کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائے گا اور مومنوں کو ان کے ایمان اور ان کے اعمال صالحہ کی بہترین جزاء دی جائے گی۔

آخر میں پھر قرآن مجید کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ کفار مکہ اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الدخان کے ترجمہ اور تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے مولائے کریم! آپ کی توفیق اور عنایت سے میں نے اس عظیم کام کو شروع کیا ہے‘ آپ اس میں میری مدد فرمائیں اور اس کام میں مجھے غلطی میں پڑنے سے محفوظ رکھیں اور مجھ سے وہی بات لکھوائیں جو حق اور صواب ہو۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ خادم الحدیث
دار العلوم النعیمیہ ‘ بلاک نمبر ۱۵‘ فیڈرل بی ایریا‘ کراچی
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵-۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴
۶ محرم ۱۴۲۵ھ / ۲۷ فروری ۲۰۰۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الدخان مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

حا میم O اس واضح کتاب کی قسم !O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب

مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا

سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے)

كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ رَبِّ

بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں O آپ کے رب کی رحمت سے' بے شک وہی بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ

جو آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس کے سوا

اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا O بلکہ

فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾

وہ شک میں ہیں' کھیل رہے ہیں O سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O

يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ

جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ ہے دردناک عذاب O (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک

اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

ہم ایمان لانے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے O

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (اگر) ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو

إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو○ جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں○

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ

بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں' ان کے پاس معزز رسول آئے تھے○ کہ اللہ کے بندوں

أَدُّوٓا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى

(بنو اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو' بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں○ اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں

اللَّهِ إِنِّيٓ ءَاتِيكُم بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ

سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں○ اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے رب

أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا

اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں○ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ○ پس انہوں نے اپنے رب

رَبَّهُۥٓ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا

سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں○ (ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' بے شک

إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

تمہارا تعاقب کیا جائے گا○ آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کے چلے جائیں' بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا○

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَ

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے○ اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیں○ اور

نَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَٰهَا قَوْمًا ءَاخَرِينَ ﴿٢٨﴾

وہ نعمتیں جن میں وہ عیش کر رہے تھے○ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیا○

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

سو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس واضح کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے) بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں O (الدخان: ۵۔۱)

حامیم کا معنیٰ

الدخان: ۱ میں فرمایا: حامیم O اس کا معنیٰ ہے: یہ حامیم ہے۔ حامیم کی تفسیر اس سے پہلے المومن' حٰمٓ السجدۃ' الشوریٰ اور الزخرف میں گزر چکی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کا اسم ہے' حٰمٓ اور الکتٰب المبین دونوں قرآن مجید کے عنوان ہیں اور ان کا معنون واحد ہے' ایک قول یہ ہے کہ حا سے مراد ہے وحی اور میم سے مراد ہے محمد یعنی یہ وہ خاص وحی ہے جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل ہوئی ہے جیسے کہ اس آیت میں فرمایا:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی O (النجم: ۱۰) پس اس نے اپنے مکرم بندہ کی طرف وحی کی جو وحی کی O

''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہونے کے ثبوت میں آثار

الدخان: ۳۔۲ میں فرمایا: ''اس واضح کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O''

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے اس کتاب کو''لیلۃ مبارکۃ'' میں نازل فرمایا ہے' لیلہ مبارکہ کا مصداق رمضان کی شب قدر ہے یا شعبان کی پندرھویں شب' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے' زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان کی شب قدر ہے اور بعض کا مختار ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے' ہم ان دونوں تفسیروں کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ) پہلے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس رات سے مراد رمضان کی شب قدر ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور تورات چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور سولہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ نیز قتادہ نے کہا: لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۸)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ رات لیلۃ القدر ہے' اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا' پھر لیلۃ القدر کے علاوہ دوسری راتوں اور دنوں میں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۹)

اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے بھی ان دونوں روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۴۴)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور ابن زید نے کہا: اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے' اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا' پھر بیس سال تک حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کرتے رہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی

تفسیر میں فرمایا: لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے نقل کر کے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کتنا رزق دیا جائے گا' کتنے لوگ مریں گے' کتنے لوگ زندہ رہیں گے' کتنی بارشیں ہوں گی' حتیٰ کہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ص ۳۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۸۵۲۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور ابن زید نے کہا: یہ لیلۃ القدر ہے' اللہ سبحانہ نے لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو نازل فرمایا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر راتوں اور دنوں میں قرآن مجید کو نازل فرماتا رہااور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ص ۳۴۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے' عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں شب ہے' ان کی یہ حدیث مرسل ہے' جب کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ یہ شب' لیلۃ القدر ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک زندگی کی مدتیں منقطع ہو جاتی ہیں' حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہےاور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہےاور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۱۴۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہونے پر دلائل

امام فخر الدین محمد عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے بہ کثرت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ لیلہ مبارکہ رمضان کی لیلۃ القدر ہے' وہ لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ (القدر:۱) بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے ۝

اور یہاں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. (الدخان:۳) بے شک ہم نے قرآن کو لیلہ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔

اسی لیے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر اور لیلہ مبارکہ سے مراد واحد شب ہو تا کہ قرآن مجید میں تضاد اور تناقض لازم نہ آئے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ. (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنا رمضان کے مہینہ میں واقع ہوا ہےاور یہاں فرمایا ہے: ''انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ''. بے شک ہم نے قرآن کو لیلہ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ یہ رات بھی رمضان کے مہینہ میں واقع ہواور اسی طرح جس شخص نے بھی کہا کہ لیلہ مبارکہ رمضان کے مہینہ میں واقع ہے' اس نے یہ کہا کہ یہ لیلہ مبارکہ ہی لیلۃ القدر ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی صفت میں فرمایا:

تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۝ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝ (القدر:۴-۵) اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں ۝ وہ رات سلامتی ہے' طلوع فجر

ہونے تک O

اور سورۃ الدخان کی اس آیت میں فرمایا:

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ O. (الدخان: ۴) — اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اور یہ اس آیت کے مناسب ہے:

تنزل الملائكة والروح. — اس رات میں فرشتے اور جبریل نازل ہوتے ہیں۔

نیز یہاں الدخان: ۵ میں فرمایا:

امرا من عندنا. — ہمارے پاس ایک حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اور سورۃ القدر میں فرمایا:

باذن ربهم من كل امر. — اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔

اور اس سورت کی آیات میں فرمایا:

امرا من عندنا. — ہمارے پاس سے ایک حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اس سورت میں فرمایا ہے:

رحمة من ربك. — آپ کے رب کی رحمت سے۔

اور سورۃ القدر میں فرمایا ہے:

سلم هي حتى مطلع الفجر. — وہ رات طلوع فجر ہونے تک سلامتی ہے۔

(۴) امام محمد بن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صحائف ابراہیم رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے' تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل ہوئی' زبور رمضان کی بارھویں شب میں نازل ہوئی اور انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل ہوئی اور قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل ہوا اور لیلۃ المبارکۃ یہی لیلۃ القدر ہے۔

(۵) لیلۃ القدر کا معنیٰ ہے: قدر والی شب اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف زمانہ کے اس مخصوص جز اور اس مخصوص شب کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے متصل واحد چیز ہے' اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ زمانہ کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے اعتبار سے افضل ہوں۔ پس اگر زمانہ کا کوئی ایک جز دوسرے جز سے افضل ہو تو اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ زمانہ کے اس جز میں کوئی ایسی افضل چیز حاصل ہوتی ہے جو دوسرے جز میں حاصل نہیں ہوتی اور یہ واضح ہے کہ دین کی چیزوں کا مرتبہ دنیا کی چیزوں سے زیادہ شرف اور مرتبہ والا ہے اور دین کی چیزوں میں سب سے زیادہ مرتبہ قرآن کریم کا ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ کا کلام ہے اور اسی سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوئی ہے اور اسی سے حق اور باطل کا فرق معلوم ہوا ہے اور اسی سے منکشف ہوا کہ اصحاب سعادات کے مراتب اصحاب شقاوات سے بہت بلند ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا مرتبہ اور شرف ہر چیز سے بلند اور بالا ہے' سو جس رات میں قرآن مجید نازل ہوا اس رات کا مرتبہ ہر رات سے بلند اور بالا ہوگا اور جب اس پر اتفاق ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے تو ہمیں یقین ہوگیا کہ قرآن مجید بھی اسی شب میں نازل ہوا ہے اور یہی لیلہ مبارکہ ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سورت میں جس لیلہ مبارکہ کا ذکر ہے وہ شعبان کی پندرھویں شب ہے میں نے ان کی

کوئی ایسی دلیل نہیں دیکھی جس پر اعتماد کیا جا سکے ان لوگوں نے بعض اقوال پر قناعت کر لی ہے اگر اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحیح ہے تو پھر لیلہ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں شب کا مراد ہونا متعین ہے اور اگر اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے تو پھر حق یہ ہے کہ اس سورت میں جس لیلہ مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ لیلۃ القدر ہی ہے نہ کہ کوئی اور شب۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵۳-۶۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیلہ مبارکہ سے نصف شعبان کی شب مراد ہونے کے متعلق روایات

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب ہے اس میں ایک سال کے معاملات پختہ کر دیئے جاتے ہیں اور زندوں کا نام مردوں سے لکھ دیا جاتا ہے اور حج کرنے والوں کا نام لکھ دیا جاتا ہے پس اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۰۸ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷ رقم الحدیث: ۱۸۵۳۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ کنز العمال ج ۱۲ ص ۳۱۴ رقم الحدیث: ۳۵۱۷۷ معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۳ الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۹)

عثمان بن محمد بن المغیرہ الاخنس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لوگوں کی) زندگیاں ایک شعبان سے دوسرے شعبان میں منقطع ہوتی ہیں حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے اور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۰۹ الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۹ کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۹۴ رقم الحدیث: ۴۲۷۸۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی لوگوں کے درمیان چل رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ مردوں میں اٹھایا ہوا ہوتا ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی: "اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ○ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ○" (الدخان: ۴-۳) پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس رات میں ایک سال سے دوسرے سال تک دنیا کے معاملات کی تقسیم کی جاتی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۱۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

ابو الضحیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو معاملات کے فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ان فیصلوں کو ان کے اصحاب کے سپرد کر دیتا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے متعلق صحاح کی احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں تھے آپ نے فرمایا: کیا تم کو یہ خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس گئے ہیں آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۹ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۲۷ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۳۴۶)

امام محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی

رات ہوتو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو' کیونکہ اللہ سبحانہٗ اس رات میں غروب شمس سے آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' پس فرماتا ہے: سنو! کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں' سنو! کوئی رزق طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو رزق دوں' سنو! کوئی مصیبت زدہ ہے تو میں اس کو عافیت میں رکھوں' سنو کوئی' سنو کوئی (وہ یونہی فرماتا رہتا ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۴۳۵' جامع المسانید والسنن مسند علی رقم الحدیث: ۴۰۷' اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ سبحانہٗ شعبان کی شب کو متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے' ماسوا مشرک اور کینہ پرور کے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' شعب الایمان ج ۳ ص ۲۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۱' صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۴۷۰' اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے)

نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے متعلق امام بیہقی کی احادیث

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے' مومنوں کو بخش دیتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رکھنے والوں کو ان کے کینہ کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ اپنے کینہ کو ترک کر دیں۔

(شعب الایمان ج ۳ ص ۲۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۴' الترغیب للمنذری ج ۲ ص ۱۱۹)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں' کوئی سائل ہے تو میں اس کو عطا کروں' پس جو شخص بھی سوال کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے ماسوا فاحشہ رنڈی کے یا مشرک کے۔

(شعب الایمان ج ۳ ص ۲۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۱۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نصف شعبان کی شب ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر سے نکل جاتے' پھر حضرت عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے بستر کی چادر ریشمی تھی نہ سوتی تھی۔ ہم نے کہا: سبحان اللہ! پھر وہ کس چیز کی تھی؟ آپ نے فرمایا: وہ اونٹ کے بالوں کی تھی' آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہوا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس چلے گئے ہیں' میں آپ کو گھر میں ڈھونڈ رہی تھی کہ میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا' اس وقت آپ سجدہ ریز تھے' اس وقت جو آپ دعا پڑھ رہے تھے میں نے اس کو یاد رکھا' وہ یہ دعا تھی: میرا جسم اور ذہن تجھے سجدہ کر رہا ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے' میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے بڑے بڑے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں' میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے بخش دے' بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا' میں تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ میں آتا ہوں' میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی حمد و ثناء کرتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور آپ کے مبارک پاؤں سوج گئے تھے۔ میں آپ کے پیر دبا رہی تھی اور میں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' آپ نے اپنے آپ کو بہت تھکا یا ہے' کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہٗ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کو معاف فرما چکا ہے' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں' اے عائشہ! تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ

بنو، کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس رات میں اس سال اولادِ آدم سے ہر پیدا ہونے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس سال اولادِ آدم سے ہر مرنے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس رات میں لوگوں کے اعمال اوپر لے جائے جاتے ہیں اور اس سال ان کا رزق نازل کیا جاتا ہے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص بھی اللہ سبحانہٗ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر تین مرتبہ فرمایا: میں بھی نہیں' الا یہ کہ اللہ سبحانہٗ مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔ (فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۶' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰۔ ۳۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نصف شعبان کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آ کر میرے بستر میں داخل ہو گئے' رات کے کسی وقت جب میں بیدار ہوئی تو میں نے آپ کو بستر میں نہیں پایا' پھر میں اٹھ کر آپ کی ازواج کے حجروں میں ڈھونڈتی پھری' آپ مجھے وہاں نہیں ملے' میں نے سوچا کہ شاید آپ اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس چلے گئے ہیں' میں پھر نکلی اور مسجد میں سے گزری' پھر میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا' اس وقت آپ سجدہ میں یہ دعا کر رہے تھے: میرا جسم اور ذہن تیرے لیے سجدہ ریز ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے اور یہ میرا وہ ہاتھ ہے جس سے میں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے' سوائے عظیم! عظیم گناہ کو تو عظیم رب ہی معاف کر سکتا ہے' پس تو میرے عظیم گناہ کو معاف فرما دے۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ اپنا سر اٹھا کر یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! تو مجھے ایسا دل عطا فرما جو پاکباز ہو' برائی سے بری ہو' نہ کافر ہو نہ شقی ہو' پھر آپ دوبارہ سجدہ میں گئے اور یہ دعا کی: میں تجھ سے اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح میرے بھائی داؤد نے دعا کی تھی: اے میرے مالک! میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہوں اور تمام چہروں کا حق یہی ہے کہ وہ اس کے چہرے کے سامنے خاک آلودہ ہوں' پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے کہا: آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں' آپ کس وادی میں ہیں؟ اور میں کس وادی میں تھی؟ آپ نے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم جانتی ہو کہ یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اور بے شک اس رات میں اللہ کے لیے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگ دوزخ سے آزاد ہونے والے ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کی بکریوں کے بال ان سے زیادہ نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: چھ آدمیوں کی اس رات بھی بخشش نہیں ہوگی عادی شرابی' ماں باپ سے قطع تعلق کرنے والا' زنا پر اصرار کرنے والا' رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا' تصویر بنانے والا اور چغل خور۔ (فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: جن احادیث میں وارد ہے کہ اللہ سبحانہٗ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے' یہ صحیح احادیث ہیں' اسانید صحیحہ سے منقول ہیں اور ان کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (الفجر: ۲۲) اور آپ کا رب (خود) آ جائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آ جائیں گے۔

اور آسمان سے نازل ہونا اور آنا اگر حرکت کے ساتھ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت کے ساتھ ہو تو ایسی صفات اللہ سبحانہٗ سے منتفی ہیں بلکہ یہ اللہ عزوجل کی ایسی صفات ہیں جو مخلوق کی کسی صفت کے ساتھ مماثل اور مشابہ نہیں ہیں اور نہ ان صفات کی کوئی تاویل ہے جیسا کہ معطلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ اس طرح آتا ہے جس طرح آنا اس کے شایانِ شان ہے اور اس طرح نزول فرماتا ہے جو اس کو زیبا ہے۔ (فضائل الاوقات ص ۱۳۴۔ ۱۳۳' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

نصف شعبان کی شب کے فضائل میں حافظ سیوطی کی روایات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں:

امام الدینوری نے ''المجالسۃ'' میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کی رات کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سال جس بندہ کی روح قبض کرنا چاہتا ہے ملک الموت کو اس رات اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام ابن ابی الدنیا عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اس صحیفہ کو پکڑلو ایک بندہ بستر پر لیٹا ہوگا اور ازواج سے نکاح کرے گا اور گھر بنائے گا اور اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو کھولتا ہے بقرعید کی رات' عید الفطر کی رات' نصف شعبان کی رات جس میں لوگوں کی زندگیوں اور رزق کے متعلق لکھا جاتا ہے اور اس میں حج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور عرفات کی شب میں فجر کی اذان تک۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۴۹۔۳۴۸ ملتقطاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کثرت مغفرت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

متعدد احادیث میں یہ بشارت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ مسلمانوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے' ہم اس کی تائید اور توثیق میں قرآن مجید سے مغفرت کے عموم کی آیات اور دیگر احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' بے شک وہ بہت معاف کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۳)

اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ○

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ (الرعد: ۶)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود بھی ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے ○

کثرت مغفرت کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ

سبحانہٗ سے مغفرت طلب کریں گے تو اللہ عزوجل ان کو بخش دے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۹)

اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کے عفو اور مغفرت کا بیان کرنا ہے کیونکہ جب مغفرت کا سبب ہوگا تو مغفرت ہوگی اور اس سے مقصود گناہ کرنے کی ترغیب دینا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور انبیاء کو بھی اسی لیے بھیجا ہے واضح رہے کہ بندہ گناہوں سے بچتا رہے اور نیکیاں کرتا رہے پھر بھی یہ سمجھتا رہے کہ اس نے کماحقہ عبادت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کا پورا شکر ادا نہیں کیا اور اس پر اپنے آپ کو گناہ گار قرار دیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے کامل شکر ادا نہ کرنے پر معافی مانگتا رہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے اور اگر وہ گناہوں سے باز رہ کر اور نیکیاں کر کے اپنے آپ کو اللہ سے استغفار کرنے سے مستغنی سمجھے گا تو ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہوں سے اجتناب کرنے اور نیکیاں کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اور اس سے استغفار کرتے رہیں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اولیاء کاملین کا طریقہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گناہ کرتا ہے‘ پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میں نے گناہ کرلیا تو مجھ کو معاف کردے‘ تو اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا‘ پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے‘ پھر وہ کوئی گناہ کرتا ہے‘ پس وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے گناہ کرلیا تو اس کو معاف کردے‘ اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے‘ میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا‘ پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے‘ پھر کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کرلیا ہے تو مجھے معاف فرمادے۔ پس اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے‘ میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا‘ پس وہ جو چاہے کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸)

یہ جو فرمایا ہے: پس وہ جو چاہے کرے اس میں اس بندہ کو گناہ کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خواہش نفس یا اغواء شیطان سے مغلوب ہو کر جب بھی گناہ کرے گا پھر اس پر نادم ہو کر توبہ کرے گا تو میں اس کو بخشتا رہوں گا۔

توبہ اور استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب بندہ گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے‘ پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گناہ سے توبہ کر لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر بار گناہ کرے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۹‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۴‘ جامع المسانید والسنن مسند ابی بکر رقم الحدیث: ۱۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے توبہ کرنے کو لازم کرلیا‘ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے ایک راستہ نکال دیتا ہے اور ہر غم سے ایک خوشی نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ . (الطلاق: ۲۳) جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں گناہوں پر توبہ کرنے والوں کے لیے تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو متقین کے مرتبہ میں رکھے گا' یا یہ بشارت ہے کہ گناہوں پر توبہ کرنے والے متقین میں شمار ہیں اور جو شخص دائماً توبہ اور استغفار کرے وہ گویا متقین میں سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۱' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۲۱)

اس حدیث میں فرمایا ہے: ہر بنی آدم خطا کار ہے' اس عموم سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے جن کاموں پر قرآن مجید میں ذنب اور خطاء کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مراد بہ ظاہر ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ ہے یا ان کی اجتہادی خطاء ہے' گناہ اس کو کہتے ہیں کہ قصداً معصیت کی جائے' انبیاء علیہم السلام کبھی قصداً اللہ جل مجدہٗ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

والدین اور اعزہ کے لیے استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

برأت کے معنیٰ ہیں: نجات' شب برأت کا معنیٰ ہے: گناہوں سے نجات کی رات اور گناہوں سے نجات توبہ سے ہوتی ہے' سو اس رات میں اللہ سبحانہٗ سے بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر بھی توبہ کریں اور اپنے والدین کے لیے بھی استغفار کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وہ ایک نیک بندہ کا جنت میں درجہ بلند کرے گا' وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا' اللہ سبحانہٗ فرمائے گا: تیرے بیٹے کے تیرے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۳' ج ۲ ص ۵۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰' الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۳۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں مردہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح دریا میں ڈوبنے والا اپنے بچاؤ کے لیے فریاد کر رہا ہو' وہ مردہ قبر میں باپ' ماں' بھائی یا دوست کی دعا کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ کوئی اس کے لیے (مغفرت کی) دعا کرے' پھر جب اسے کسی کی دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کو وہ دعا دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعاؤں سے قبر والوں پر پہاڑوں کی مثل (ہدیے) داخل فرماتا ہے اور مردوں کے لیے زندوں کا ہدیہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۹۵)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو مبارک ہو جس کے نامہ اعمال میں بہ کثرت استغفار ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا

وے جو کوئی نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔(مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۹_۱۲۵_۱۸۸_۲۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۲۶_۳۷۴۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۵۷' جمع الجوامع: ۹۸۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ سبحانہٗ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے دنیا میں کسی چیز کو اللہ کے برابر قرار نہیں دیا تھا' پھر اگر اس پر گناہوں کے پہاڑ بھی ہوں تو اللہ عزوجل ان کو معاف فرمادے گا۔

(کتاب البعث والنشور' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۶۲)

توبہ پر اصرار کرنے اور استغفار کو لازم رکھنے کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۹۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سوال کرے تو پورے عزم اور وثوق سے سوال کرے اور یہ ہرگز نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما کیونکہ کوئی شخص اللہ سبحانہٗ کو مجبور کرنے والا نہیں ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے معاف کر دے' اے اللہ! مجھے معاف کر دے اگر تو چاہے' اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور زور سے سوال کرے' کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ دعا قبول ہونے میں جلدی نہ کرے' وہ کہے: میں نے دعا کی تھی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لیا' پھر تین سو سال تک اس پر روتے رہے اور استغفار کرتے رہے' تب جا کر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغفرت کی نوید سنائی' حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمانے کے لیے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ایک (عظیم) رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا باطن صاف کرے' بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے○

حضرت ابراہیم کی اس دعا کو دو ہزار سے زیادہ برس گزر گئے' اس کے بعد مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی' یہ تو مقبولان بارگاہ کی دعائیں ہیں جو اس قدر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد قبول ہوئیں تو ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے' اس لیے دعا کرنے کے فوراً بعد یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری دعا قبول ہو جائے گی اور اگر دعا جلد قبول نہ ہو تو پھر دعا کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ کی دعا نہ کرے یا قطع رحم کی دعا نہ کرے یا جب تک جلدی نہ کرے' کہا گیا کہ جلدی کا کیا معنیٰ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ کہے کہ میں نے دعا کی اور دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر اس کو افسوس ہو اور وہ دعا کرنا چھوڑ دے۔ اس حدیث میں دعا کے آداب کی تعلیم ہے کہ وہ بار بار طلب کرتا رہے اور مایوس نہ ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱۲ص ۴۲۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

دعا قبول نہ ہونے سے نہ اکتائے نہ مایوس ہو بلکہ مسلسل دعا کرتا رہے

ایک عارف نے کہا: میری دعا قبول ہو جائے پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر میری دعا قبول نہ ہو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں' کسی نے کہا: اگر آپ کی دعا قبول ہو پھر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی وجہ سمجھ آتی ہے اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہو تو پھر کس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں؟ عارف نے کہا: ہر چند کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ کرم کم تو نہیں ہے کہ اس نے مجھے اپنے در کا منگتا بنایا ہوا ہے' کسی اور کے دروازہ پر گدائی کرنے کے لیے نہیں چھوڑا ہوا۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان کے ساتھ حج کرنے کے لیے گیا' بوڑھے نے احرام باندھ کر کہا: لبیک (میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں) غیب سے آواز آئی: لا لبیک (تیری حاضری قبول نہیں)' نوجوان نے بوڑھے سے کہا: کیا تم یہ جواب نہیں سن رہے؟ بوڑھے نے کہا: میں تو ستر سال سے یہ جواب سن رہا ہوں' میں ہر بار کہتا ہوں: لبیک' جواب آتا ہے: لا لبیک' نوجوان نے کہا: پھر تم کیوں آتے ہو اور سفر کی مشقت برداشت کرتے ہو اور تھکتے ہو؟ وہ بوڑھا رو کر کہنے لگا: پھر میں کس کے دروازہ پر جاؤں؟ مجھے رد کیا جائے یا قبول کیا جائے میں نے تو یہیں آنا ہے' اس گھر کے سوا میری اور کہیں پناہ نہیں ہے' پھر غیب سے آواز آئی: جاؤ تمہاری ساری حاضریاں قبول ہو گئیں۔ (روح البیان ج ۸ص ۴۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سو شب برأت کے عبادت گزاروں اور توبہ کرنے والوں کو چاہیے کہ اس رات بار بار اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہیں اور اپنے گناہوں پر معافی چاہتے رہیں' اشک ندامت بہاتے رہیں' یہ وہی رات ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات سجدہ میں گزارتے تھے' اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کے قبرستان جاتے تھے اور مردوں کے لیے مغفرت طلب کرتے تھے اور امت کی بخشش کے لیے دعائیں کرتے تھے' سو اس رات ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ اپنے لیے بھی' اپنے والدین کے لیے بھی' دیگر قرابت داروں کے لیے بھی اور عامۃ المسلمین کے لیے بھی اور اس شب میں قبرستان جا کر اپنے اعزہ کی قبروں کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے لیے بخشش کی دعائیں کرنی چاہئیں۔ اس سے پہلے احادیث میں آ چکا ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے شب برأت میں مسلمانوں کی مغفرت نہیں ہوتی اور ان کی دعائیں قبول ہونے سے محروم رہتی ہیں' وہ گناہ یہ ہیں: شرک' زنا' قتل ناحق' کینہ اور بغض' والدین کی نافرمانی' قطع رحم' عادۃً شراب پینا' چغلی کھانا اور تصویریں بنانا' اب ہم ان میں سے ہر گناہ کی سنگینی کو تفصیل سے بیان کر رہے ہیں۔

شرک' زنا اور قتل ناحق کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان گناہوں سے اجتناب کریں جن کی وجہ سے اس رات بھی بندہ کی مغفرت نہیں ہوتی حالانکہ

اس رات اللہ تعالیٰ کی عطا و نوال بہت عام ہوتی ہے اور غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اس کی رحمت کی برسات ہوتی رہتی ہے۔

ان گناہوں میں شرک ہے' قتل ناحق ہے اور زنا ہے اور ان تینوں گناہوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ. (الفرقان: ۶۸)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کسی کو اللہ کا شریک قرار دو حالانکہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے' انہوں نے سوال کیا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا' انہوں نے کہا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۱۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۹۹)

کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوتا ہے' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے صحابی تھے' انہوں نے اجتہادی خطا سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تو آپ حضرت اسامہ پر بہت ناراض ہوئے اور آپ کو بہت رنج ہوا' حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف جہاد کے لیے روانہ کیا' ہم نے صبح کو ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دے دی' میرا اور ایک انصاری کا ان میں سے ایک شخص سے ٹکراؤ ہوا' جب ہم اس پر چھا گئے تو اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ' یہ سن کر انصاری تو رک گیا' میں نے اس کو نیزہ گھونپ کر قتل کر دیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی' آپ نے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اس کے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی اس کو قتل کر دیا' میں نے عرض کیا: اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا' (مسلم کی روایت میں ہے: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے اخلاص سے کلمہ پڑھا ہے یا جان بچانے کے لیے) آپ بار بار یوں ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو اگر خطاء سے بھی ناحق قتل کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا رنج ہوتا ہے' ہمارے دور میں مسلمان محض زبان اور علاقے کے اختلاف کی وجہ سے یا مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو ناحق قتل کرتے رہتے ہیں اور آئے دن بوری میں بند لاشیں ملتی رہتی ہیں' مساجد اور مدارس میں نمازیوں پر گھات لگا کر فائرنگ کی جاتی ہے' سوچئے! اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا' آپ کی قبر انور میں آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جب آپ کے سامنے یہ قتل ناحق پیش کیے جائیں گے تو آپ کو ان پر کس قدر رنج ہوگا' مکہ کے کافر تو آپ کو زندگی میں رنجیدہ کرتے تھے ہم آپ کو قبر میں بھی دکھ پہنچا رہے ہیں۔

کینہ اور بغض کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جو گناہ شب برأت میں مغفرت سے مانع ہیں ان میں ایک گناہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھنا ہے' یعنی ایک مسلمان محض اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر یا نفسانی عداوت کی بناء پر دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھے۔ اس

سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو' ماسوا اس شخص کے جو اپنے بھائی کے خلاف اپنے دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہو' پس کہا جائے گا: ان دونوں کو ٹھہراؤ حتیٰ کہ یہ ایک دوسرے سے صلح کرلیں' یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹)

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کینہ نہ رکھنا' اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفیق اور مہربان ہے○

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے تین دن یہ فرمایا: اب تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا' پھر ایک شخص آیا' حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو مہمان بنایا' سو وہ تین دن ان کے پاس رہا' حضرت عبد اللہ بن عمرو اس کے عمل کو دیکھتے رہے' انہوں نے اپنے گھر میں اس کا کوئی خاص بڑا عمل نہیں دیکھا' انہوں نے اس شخص سے پوچھا: اس نے کہا: واقعہ اسی طرح ہے' مگر میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف بغض یا کینہ نہیں ہوتا' حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: اسی وجہ سے یہ شخص اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں کون سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جس کا دل مخموم ہو اور اس کی زبان صادق ہو' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! زبان صادق ہو اس کا معنیٰ تو ہم جانتے ہیں اور دل کے مخموم ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دل ہے جو بالکل صاف اور اجلا ہو' اس میں کوئی گناہ نہ ہو' کوئی سرکشی نہ ہو' کینہ نہ ہو اور حسد نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱۶' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۷۷)

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ افضل عمل یہ ہے کہ سینہ کو صاف اور سالم رکھا جائے' نفس میں سخاوت ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کی جائے۔ ان گناہوں سے بچا جائے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے اس رات میں محروم رکھتے ہیں جس رات میں اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور وہ بہ کثرت گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

والدین کی نافرمانی کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

شب برأت میں مسلمان جن گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت سے محروم رہتے ہیں' ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ ہم اس سے پہلے قرآن مجید سے والدین کی اطاعت کی اہمیت میں آیات پیش کریں گے اور اس کے بعد اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل

الْمَصِيْرُ ○ (لقمان: ۱۴) میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' (ہم نے یہ وصیت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو' تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے ○

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا. (الاحقاف: ۱۵) اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جنا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. (البقرہ: ۸۳) اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے' اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۱۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۳۴)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہِ راست ان کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے یا لعنت کرے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا' فرمایا: ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۴۹)

اغراض صحیحہ: جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جب کہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا: تمہارے ماں باپ ہیں' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۲۸۴' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۸۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۴' عالم الکتب' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۴۷۳' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۸۱)

معاویہ بن جاہمہ السلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا:

میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں' آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے' وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے' پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۶۲۳' عالم الکتب' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۲۹۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۴۹۳۵' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۴)

ایک روایت میں ہے: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث:۴۵۴۳۹' بہ حوالہ تاریخ بغداد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے' پھر فرمایا: آمین' آمین' آمین' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے کس چیز پر آمین کہی؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا: یا محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین! پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی مغفرت کے بغیر وہ مہینہ گزر گیا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین' پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴' مسند احمد رقم الحدیث:۷۴۴۴' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۹)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۱۸۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جس وقت فوت ہوتے ہیں وہ اس وقت ان کا نافرمان ہوتا ہے' پھر وہ ان کے لیے مسلسل مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو نیکوکار لکھ دیتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۹۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے' اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا اطاعت گزار ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جو شخص شام کے وقت اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے تو صبح کے وقت اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا نافرمان ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا: خواہ اس کے ماں باپ اس پر ظلم کریں' فرمایا: اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں' اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں' اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۹۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نیک شخص اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے' اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلہ میں حج مبرور عطا فرماتا ہے' صحابہ نے پوچھا: خواہ وہ ہر روز سو مرتبہ رحمت کی نظر کرے؟ آپ نے فرمایا: اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۵۹)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کے سوا اللہ ہر گناہ میں سے جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا انسان کو زندگی میں موت سے پہلے مل جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۰)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے' اس سے کہا گیا کہ **لا الہ الا اللہ** پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا' آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے' آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا: کہو **لا الہ الا اللہ** 'اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' کسی نے کہا: یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ' وہ آئی' آپ نے پوچھا: یہ تمہارا بیٹا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی' آپ نے فرمایا: تب تم اللہ کو گواہ کرو اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو' اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! اب کہو: **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۳۳۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۲)

قطع رحم کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا ہے' قطع رحم پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ. (البقرہ: ۲۷) اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو کاٹ دیتے ہیں۔

قطع رحم کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۸' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے وہ صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے میل جول اور ملاپ رکھے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو چکا تو رحم نے کہا: یہ اس کی جگہ ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ طلب کرے اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے ملاپ رکھوں جو تم سے ملاپ رکھے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تم سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ تمہارے لیے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ (محمد: ۲۲)

پس تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہو جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتوں کو توڑ دو گے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۷)

عادی شرابی کا شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ دائماً شراب نوشی کرنا ہے' دائماً شراب نوشی پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو دنیا میں شراب نوشی کرتے ہوئے مر گیا اور اس نے دائماً شراب نوشی سے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں شراب نہیں پی سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۴۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ لوگ اپنے علاقے میں جوار کی شراب پیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ سبحانہ نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ تعالیٰ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے گا' صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دوزخیوں کا پسینہ ہے یا ان کا نچڑا ہوا عرق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۲' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۴۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ' شراب پر لعنت فرماتا ہے اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کی فروخت کرنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور اس کے نچڑوانے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس وہ اٹھا کر لائی جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۸۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۹۹۱)

چغلی کھانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ چغلی کھانا ہے۔

غیبت اور چغلی میں فرق ہے' کسی مسلمان کو رسوا کرنے کے لیے اس کے پس پشت اس کا عیب بیان کرنا غیبت ہے اور دو مسلمانوں میں فساد ڈالنے یا ان کو لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا چغلی ہے۔ چغلی پر وعید ان آیتوں میں ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ○ (الہمزۃ: ۱) — ہر اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو عیب جو اور چغل خور ہے ○

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ○ (القلم: ۱۱) — کمینہ' عیب جو' چغل خور ○

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب یہ دکھائی دیتے ہیں تو خدا یاد آ جاتا ہے' پھر فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بُرے لوگ کون ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں میں فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ بے قصوروں کے خلاف غم وغصہ پیدا کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۵ ص ۵۷۵' رقم الحدیث: ۲۷۵۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۹' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۴۲۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جنہیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا' آپ نے فرمایا: انہیں کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۲۲۶)

تصویریں بنانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ تصویریں بنانا ہے' تصویریں بنانے کی تحریم کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک تصویروں والا گدا خریدا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہے' میں نے آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کو پہچان لیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں' میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کو اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ان کو زندہ کرو جن کو تم نے پیدا کیا تھا اور فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو تصویر بنانے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۹' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

یہ حدیث ان مصوروں پر محمول ہے جو بت بناتے ہیں تا کہ ان کی عبادت کی جائے اور عام مصورین فاسق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی مثل تخلیق کرتا ہے' وہ ایک جوار پیدا کریں یا ایک دانہ پیدا کریں یا جو پیدا

کریں۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۱۱۱)

شب برأت میں شب بیداری کرنا اور مخصوص عبادات کرنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ ''قوت القلوب'' سے نقل فرماتے ہیں:

پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کر فرمایا:) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے کہ اس میں شب بیدار رہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سو رکعت ہزار مرتبہ **قل ھو اللہ احد** کے ساتھ ادا کرتے' ہر رکعت میں دس دفعہ **قل ھو اللہ احد** پڑھتے' اس نماز کا نام انہوں نے صلوٰۃ الخیر رکھا تھا' اس کی برکت مسلّمہ تھی' اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۱۸' طبع جدید لاہور' قوت القلوب ج ۱ ص ۶۲' دار صادر' بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی' علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کی ''لطائف المعارف'' سے نقل فرماتے ہیں:

یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول ولقمان بن عامر وغیرھم شب برأت کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے' کوئی کہتا ہے: انہیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے' خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہو گئے' ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برأت کے موافق ہوئے' ان میں سے ایک گروہ عابدین اہلِ بصرہ وغیرھم ہیں اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا' ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرھم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے' علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے' ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے' خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرھما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے' بخور کا استعمال کرتے' سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے' امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ' دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۳ طبع جدید لاہور' لطائف المعارف ج ۱ ص ۲۲۷۔۲۲۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح سے نقل فرماتے ہیں:

اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے' ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ وفقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرھم۔ یہ علماء کہتے ہیں: یہ سب نو پیدا ہے' نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے اور علماء شام بیداری شب برأت میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے: ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے' امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے' یہ قول اہل شام کے امام وفقیہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۴' طبع جدید لاہور' حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح' ص ۲۲۰۔۲۱۹' طبع کراچی)

شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح اور دیگر نوافل کو باجماعت پڑھنا

برصغیر میں معمول یہ ہے کہ شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھی جاتی ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے' اعلیٰ حضرت نے باحوالہ لکھا ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں ہے صرف تنزیہی ہے اور اگر دوام کے ساتھ نوافل کی

جماعت نہ کرائی جائے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی "اصل" میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان وتکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اصح کراہت ہے۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۱ طبع جدید' خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۴' مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفۃ التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ت) نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو' ردالمحتار میں ہے:

"حلیہ" میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں' پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہہ ہے اھ کی تائید بدائع کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت' قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفیِ سنیت کراہت کو مستلزم نہیں' پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت ومکروہ ہوگی' خیر رملی نے حاشیۂ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصاراً۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۲۔۴۳۱ لاہور' ردالمحتار ج ۲ ص ۴۳۷۔۴۳۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادائیگی پر مقدم کرنا

ہر چند کہ شب برأت اور دیگر شب ہائے مقدسہ میں نفلی عبادات کرنا بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مستحسن اور مستحب ہیں' تاہم جن لوگوں کی کچھ فرض نمازیں چھوٹی ہوئی ہوں وہ ان مقدس راتوں میں اپنی قضاء نمازوں کو پڑھیں' اسی طرح نفلی روزوں کے بجائے جو فرض روزے چھوٹ گئے ہوں ان روزوں کی قضاء کریں' اصل یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اس کی جتنی نمازیں قضاء ہوں ان کا حساب کر کے تمام کاموں سے مقدم ان نمازوں کی قضاء کرے اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز پڑھے اور اس کی نیت یوں کرے: میں آخری نماز فجر کی نیت کرتا ہوں جس کو میں نے ادا نہیں کیا' پھر اسی طرح آخری ظہر اور آخری عصر کی نیت کرے' ہر روز وتر کی بھی قضاء کرے اور جب بھی اس کو عبادت کرنے کا موقع ملے زیادہ سے زیادہ فرض نمازوں کی قضاء کرے' خصوصاً جب حج یا عمرہ کے لیے جائے' اسی طرح جو روزے چھوٹ گئے ہوں' ان روزوں کو بھی جلد از جلد قضاء کرلے اور بہر حال ترک کیے ہوئے فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادا پر مقدم کرے' کیونکہ اگر وہ نوافل نہیں پڑھے گا تو اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ اسے کسی عذاب کا خطرہ ہوگا اور اگر اس کے ذمہ فرائض رہ جائیں گے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اس کو بہر حال عذاب کا خطرہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کے رب کی رحمت سے' بے شک وہی بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O جو آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا O بلکہ وہ شک میں ہیں' کھیل رہے ہیں O (الدخان: ۹۔۶)

کفار کا اللہ کو خالق ماننا محض ان کا مشغلہ اور دل لگی ہے

نقاش نے کہا: اس آیت میں امر سے مراد قرآن ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے نازل کیا ہے اور ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں اپنے بندوں کے متعلق جو احکام نازل کیے ہیں وہ سب احکام اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہیں اور فراء نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کی رحمت ہیں' زجاج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: آپ کو رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے' زمخشری نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: جو امر (حکم) ہمارے پاس سے حاصل ہوا ہے وہ ہمارے علم اور ہماری تدبیر کے موافق ہے اور وہ امر بہت عظیم ہے۔

الدخان: ۷ میں فرمایا: "جو آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے O"

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ یہ کلام از سر نو کیا گیا ہے' یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہو جو اس کے معترف ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے' یعنی اگر تم اس کا یقین کرنے والے ہو تو جان لو کہ اللہ سبحانہ' اس پر قادر ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل فرمائے۔

الدخان: ۸ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہی تمام جہانوں کا خالق ہے' لہٰذا اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے' جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں پر موت طاری کر دیتا ہے' وہ تمہارا بھی رب اور مالک ہے اور تم سے پہلوں کا بھی رب اور مالک ہے اور تم ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرنے سے ڈرو کہیں تم پر بھی عذاب نازل نہ ہو۔

الدخان: ۹ میں فرمایا: "بلکہ وہ شک میں ہیں' کھیل رہے ہیں O"

یعنی مشرکین مکہ اور کفار جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے' اس پر ان کو یقین نہیں ہے' وہ محض اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں' لہٰذا ان کا یہ قول شک پر مبنی ہے اور اگر ان کو یہ وہم ہو کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر ایمان ہے تو ان کا یہ ایمان محض مشغلہ اور دل لگی کے طور پر ہے' وہ اپنے دین سے کھیل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ ہے دردناک عذاب O (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے' بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے' حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے تھے O پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (الدخان: ۱۴-۱۰)

آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے: قربِ قیامت میں دھویں کا ظاہر ہونا

قتادہ نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ان کافروں کے ساتھ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: آپ کافروں کے اقوال کو یاد رکھئے تاکہ آپ ان کے خلاف اس دن شہادت دے سکیں جس دن آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا اور ارتقاب کا معنیٰ یاد رکھنا بھی آتا ہے' اسی لیے حافظ کو نگرانی کرنے والا اور رقیب بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں دخان (دھواں) کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور زید بن علی، حسن اور ابن ابی ملیکہ وغیرہم فرماتے ہیں: دخان (دھواں) قیامت کی علامتوں میں سے ہے، یہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، یہ قرب قیامت میں چالیس روز تک ظاہر ہوگا اور آسمان اور زمین کی فضاء کو بھر لے گا، مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر و فاجر کی ناکوں میں داخل ہو کر ان کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا، ان کا دم گھٹنے لگے گا او یہ دھواں جہنم کے آثار سے ہے اور حضرت ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دھواں قیامت کے دن لوگوں میں ہیجان پیدا کرے گا۔ مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر کے جسم میں داخل ہو کر اس کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷، رقم الحدیث: ۱۸۵۳۳، النکت والعیون ج ۵ ص ۲۴۷)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے، ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: تم کس چیز میں بحث کر رہے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا: (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا (۶) یاجوج اور ماجوج کا نکلنا (۷) تین بار زمین کا دھنسنا، مشرق میں دھنسنا (۸) مغرب میں (۹) اور جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر میدان محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

دوسری روایت میں ہے: آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے کفار کی بھوک کی کیفیت

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دخان (دھوئیں) سے مراد کفار کی بھوک کی کیفیت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مسلسل سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کی تو ان پر قحط آ گیا، بھوک کی شدت میں جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ان سے وہ کیفیت دور کر دی، اگر اس سے مراد قیامت کا دھواں ہوتا تو وہ ان سے دور نہ ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دھواں اس لیے ظاہر ہوا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل نافرمانی کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا، پھر ان پر قحط آ گیا اور ان پر سخت مصیبت آ گئی، حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھالیں، ان میں کا ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الدخان: ۱۱-۱۰)
سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب ۝

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لوگ لائے گئے اور آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! مضر کے لیے بارش کی دعا کیجئے، یہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں، آپ نے فرمایا: مضر کے لیے؟ تم تو بہت جری ہو، پھر آپ نے بارش کی دعا کی تو بارش نازل ہوگئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ (الدخان: ۱۵)
بے شک تم کفر کی طرف لوٹنے والے ہو ۝

پھر جب یہ (بارش ہونے سے) مطمئن ہو گئے تو پھر کفر کی طرف لوٹ گئے، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ . جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ○ (الدخان:۱۶)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس سے مراد یوم بدر کا انتقام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۵۴)

امام بخاری کی اس سلسلہ میں ایک اور روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ مشرکین آپ کے پیغام توحید سے اعراض کر رہے ہیں تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر قحط کے ایسے سال مسلط کر دے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں پر قحط کے سات سال مسلط کیے تھے' پھر ان پر قحط آ گیا' ان کے تمام کھیت جل گئے' حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں کی کھالوں کو' مردہ جانوروں کو اور مردہ انسانوں کو کھایا' ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے بھوک کی شدت سے آسمان دھوئیں کی طرح دکھائی دیتا تھا' پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ اللہ کی اطاعت کرنے اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے' آپ اللہ سبحانہ سے ان کے حق میں دعا کیجئے' تب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ '' الآیۃ (الدخان:۱۰۔۱۶)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۰۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۸۱)

آسمان کو دھوئیں سے تعبیر کرنے کی توجیہ

اس دھویں سے مراد یہ ہے کہ بھوک کی شدت سے آنکھوں کے آگے جو اندھیرا چھا جاتا ہے اس اندھیرے کو دھویں سے تعبیر فرمایا ہے اور ابن قتیبہ نے دھویں کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ قحط کے ایام میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک ہو جاتی ہیں اور گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے فضا مٹیالی اور مکدر ہو جاتی ہے اور اندھیرا سا لگتا ہے اس کو مجازاً دھویں سے تعبیر فرمایا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ جو شر پھیل جائے اس کو دھویں سے تعبیر کرتے ہیں۔

دونوں روایتوں میں اصح روایت کا بیان

پہلی روایت کے مطابق آسمان کے دھواں لانے کا محمل یہ ہے کہ قرب قیامت میں آسمان پر دھواں ظاہر ہوگا اور یہ قرب قیامت کی علامت ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایام قحط میں کفار کی بھوک کی کیفیت کو مجازاً دھوئیں سے تعبیر فرمایا ہے' اس لیے پہلی روایت راجح ہے کیونکہ وہ حقیقت پر محمول ہے اور دوسری مجاز پر' ثانیاً اس لیے کہ پہلی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور متعدد صحابہ اور فقہاء تابعین کا نظریہ ہے اور دوسری روایت صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کے بعد کی آیتوں میں ہے کہ کفار نے دھوئیں کو دیکھ کر کہا: اے اللہ! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے' ہم ایمان لانے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ہم تم سے اس عذاب کو دور کر دیں تو تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے اور قیامت کے وقت کفار کا یہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے جواب میں اس طرح فرمانا متصور نہیں ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ علامت قیامت کی باقی علامتوں کے قائم مقام ہو اور اس علامت کے ظہور کے وقت بندوں سے تکلیف منقطع نہ ہو' تاہم اگر اس آیت کی تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق کی جائے تو پھر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

الدخان:۱۲ میں فرمایا: ''(اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے' بے شک ہم ایمان

لانے والے ہیں O"

کفار یہ کہیں گے: اگر تو ہم سے یہ عذاب دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے' ایک قول یہ ہے کہ قریش نے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اگر اللہ نے ہم سے اس عذاب کو دور کر دیا تو ہم اسلام لے آئیں گے' پھر انہوں نے ا وعدہ کے خلاف کیا' قتادہ نے کہا: اس عذاب سے مراد دھواں ہے' نقاش نے کہا: اس سے مراد ان کی بھوک ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیوں کہ دھوئیں سے مراد وہ اندھیرا ہے جو بھوک کی وجہ سے ان کے آگے چ گیا تھا اور بھوک اور قحط کو دھوئیں سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

الدخان: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: "اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے' حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت د والے رسول آ چکے ہیں O پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O"

عذاب آ چکنے کے بعد نصیحت کے قبول کرنے کا موقع نہیں ہوتا' کیونکہ ایمان وہ معتبر ہوتا ہے جو بن دیکھے ہو اور جب غیب مشاہد ہو جائے تو پھر ایمان کا اعتبار نہیں ہوتا اور ان کے پاس رسول آ چکے ہیں اور انہوں نے رسول سے اعراض کیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے کہا: وہ کب نصیحت کو قبول کریں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت قبول کرنے سے دور کر دیا' کیونکہ انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی اور جب کل وہ عذاب کا ظہور دیکھ لیں گے یا قیامت کی علامت کو دیکھ لیں گے تو پھر کہیں گے: بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں لیکن عذاب یا قیامت کی علامتوں کو دیکھ لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری اور بدیہی ہو جاتی ہے اور اس میں ان آزمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور ایسا ایمان اللہ سبحانہ کے نزدیک مقبول نہیں ہے اور ان کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ کے متعلق کہا کہ یہ سکھائے ہوئے ہیں اور لوگوں نے ان کو سکھایا اور پڑھایا ہے' تب ہی یہ قرآن مجید کی آیتیں بناتے ہیں یا جنات اور کاہنوں نے سکھایا پڑھایا ہے' پھر یہ دیوانے ہیں اور یہ رسول نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم (پھر کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قو آزما چکے ہیں' ان کے پاس معزز رسول آئے تھے O کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو' بے شک تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل ہوں O اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں O (الدخان: ۲۰۔۱۵)

دھوئیں کی دو تفسیروں کے محامل

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ سبحانہ کو علم ہے کہ انہوں نے جو عذاب دیکھتے وقت وعدہ کیا ہے کہ اگر ان سے عذاب کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے بلکہ عذاب کے ٹلتے ہی پھر کفر کی طرف پلٹ جا گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کفار قریش پر قحط کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ان سے کا عذاب دور کر دیا گیا اور بارش نازل ہوگئی تو وہ ایمان لے آئیں گے' لیکن جیسے ہی ان سے قحط دور ہوا اور بارش ہوگئی تو یہ اپنے سابق کفر کی طرف لوٹ گئے۔

اور جنہوں نے یہ کہا کہ دھوئیں سے مراد قیامت کی نشانی ہے اور قیامت آنے سے پہلے آسمان پر دھواں چھا جا انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اگر بالفرض ہم تم سے عذاب دور کر دیں تو تم پھر کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ ایک قول

ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: بے شک تم مرنے کے بعد ہماری طرف لوٹنے والے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ تم دوزخ کے عذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

سخت گرفت کے ساتھ پکڑنے کی متعدد تفسیریں

الدخان:۱٦ میں فرمایا: ''جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O''

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ اگر تم عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور تم نے اپنے وعدہ کو پورا نہ کیا تو ہم تم سے اس دن انتقام لیں گے جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' اسی وجہ سے اس قصہ کو فرعون کے قصہ کے ساتھ متصل ذکر فرمایا ہے کیونکہ جب قوم فرعون پر انواع واقسام کے عذاب نازل کیے گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے' پھر وہ ایمان نہیں لائے حتیٰ کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ جس دن ہم سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے اس دن ہم تمام کافروں سے انتقام لیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ دھوئیں کا انتظار کیجئے اور سخت گرفت والے دن کا انتظار کیجئے۔

حضرت ابن عباس' حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود نے کہا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد جنگ بدر کا دن ہے اور حسن اور عکرمہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن جہنم کا عذاب ہے۔

الماوردی نے کہا ہے کہ دھواں دنیا میں ہوگا یا بھوک اور قحط قیامت سے پہلے ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد قیامت کا وقوع ہو کیونکہ وہ دنیا میں گرفت کا آخری دن ہے۔

انتقام سے مراد سزا ہے' اسی طرح عقوبت سے مراد بھی سزا ہے۔

الدخان:۱۷ میں فرمایا: ''بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں' ان کے پاس معزز رسول آئے تھے O''

قوم فرعون کو آزمائش میں ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امتحان اور آزمائش تو وہ شخص لیتا ہے جس کو عواقب امور کا پتہ نہ ہو کہ آیا وہ شخص کامیاب ہوگا یا ناکام' اللہ سبحانہٗ تو علام الغیوب ہے' اس کو معلوم تھا کہ جب وہ فرعون اور اس کی قوم کو اپنے احکام کی اطاعت کا حکم دے گا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے یا نہیں کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے انہیں آزمانے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے قوم فرعون کے ساتھ وہ عمل کیا جو کسی قوم کے ساتھ اس کا امتحان لینے والا کرتا ہے' ہم نے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک کر دیا' سو اسی طرح اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ کی قوم آپ پر ایمان نہیں لائی تو ہم اس کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

باقی رہا یہ کہ اللہ سبحانہٗ کو تو پہلے معلوم تھا کہ فرعون کی قوم ایمان نہیں لائے گی' وہ اس قوم کو ویسے ہی ہلاک کر دیتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر اس کا امتحان اس لیے لیا تا کہ قیامت کے دن وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا ہی نہیں' اگر ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا جاتا تو ہم اس پر ایمان لے آتے اور دنیا میں غرق کیے جانے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ماجرا

الدخان:۱۹۔۱۸ میں فرمایا: ''(اس معزز رسول نے کہا:) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو' بے شک

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوںO"

مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اللہ کے ان بندوں کو بھیج دو اور تم نے ان کو غلام بنا کر ان کو جس جسمانی مشقت اور عذاب میں ڈال رکھا ہے اس سے ان کو نجات دے دو' ایک قول یہ ہے کہ تم غور کے ساتھ میری بات سنو حتیٰ کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اور کہا: میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں' یعنی میں اللہ سبحانہٗ کے پیغام اور اس کی وحی پر امین ہوں' سو تم میری نصیحت کو قبول کرو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور اس کی اطاعت کرنے سے اعراض نہ کرو۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: تم اللہ کے خلاف بغاوت نہ کرو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: تم اللہ کے خلاف افتراء نہ کرو اور بغاوت اور افتراء میں یہ فرق ہے کہ بغاوت فعل سے ہوتی ہے اور افتراء قول سے ہوتا ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا نہ قرار دو' یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ کی عبادت کرنے سے تکبر نہ کرو' تعظیم اور تکبر میں یہ فرق ہے کہ تعظیم کا معنیٰ ہے: خود کو بڑا سمجھنا اور تکبر کا معنیٰ ہے: دوسروں کو حقیر جاننا اور اس رسول نے کہا: بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں' یعنی معجزات لایا ہوں۔

الدخان: ۲۰ میں فرمایا: "اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوںO"

قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی تھی کہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے' قتادہ نے کہا: انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا: تم مجھے بُرا کہو گے اور یہ کہو گے کہ یہ جادوگر اور جھوٹا ہے' میں تمہارے اس سب وشتم اور قتل کرنے کی دھمکیوں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس معزز رسول نے کہا:) اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤO پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیںO (ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گاO آپ سمندر کو یونہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں' بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گاO (الدخان: ۲۴-۲۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم فرعون سے کہا: اگر تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور میرے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو مجھ کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ' یعنی مجھ کو برابر سرابر چھوڑ دو' مقاتل نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم مجھ سے الگ رہو اور میں تم سے الگ رہتا ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے' ایک قول یہ ہے کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اذیت پہنچانے سے باز رہو۔

الدخان: ۲۲ میں فرمایا: "پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیںO"

جب قوم فرعون نے کفر کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا تو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعا کی کہ یہ لوگ مجرم اور مشرک ہیں' انہوں نے ایمان لانے سے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔

الدخان: ۲۳ میں فرمایا: "(ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گاO"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' یعنی بنو اسرائیل میں سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں اور راتوں رات کا

مطلب ہے: صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تم رات کو روانہ ہو اور عموماً رات کا سفر کسی خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو وجہوں سے ہوتا ہے: ایک تو دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا اس کے لیے ساتر اور حجاب ہو جاتا ہے یا دن میں گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس سے بچنے کے لیے رات کی ٹھنڈک میں سفر کو اختیار کیا جاتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات رات کے سفر کو اختیار کرتے تھے' بنی اسرائیل اگر دن میں سفر کرتے تو قوم فرعون کو پتا چل جاتا اور وہ بنی اسرائیل سے مزاحمت کرتے بلکہ بنی اسرائیل پر قوم فرعون کی اس قدر دہشت تھی کہ وہ دن میں سفر کرنے پر ہرگز تیار ہی نہ ہوتے۔

الدخان: ۲۴ میں فرمایا: ''آپ سمندر کو یونہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں' بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گاO''
اس آیت میں ''رھو'' کا لفظ ہے' رھو کے معنیٰ میں حسب ذیل اقوال ہیں:
کعب اور حسن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''رھــواً'' کا معنیٰ ہے: راستہ اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: سمت اور ضحاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: سہل اور عکرمہ سے روایت ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: خشک کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا. (طٰہٰ:۷۷) ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجئے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے سمندر میں متفرق راستے بنائیں' مجاہد نے کہا: کشادہ راستے بنائیں اور ان سے ایک روایت ہے: خشک راستے بنائیں اور ان سے ایک روایت ہے: ساکن راستہ بنائیں اور لغت میں ''رھواً'' کا یہی معنی معروف ہے' قتادہ اور ہروی کا بھی یہی قول ہے اور دوسروں نے کہا: کشادہ راستہ بنائیں اور ان کا مآل ایک ہی ہے کیونکہ جب سمندر ساکن ہو تو وہ کشادہ ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر ساکن اور کشادہ ہو گیا تھا اور اہل عرب کے نزدیک الرھو کا معنیٰ الساکن ہے۔
الـرھو کا معنیٰ آہستہ آہستہ اور نرمی سے چلنا بھی ہے نیز الـرھو اور الـرھـوۃ کا معنیٰ بلند جگہ بھی ہے اور جس نشیب میں پانی جمع ہو جائے اس کو بھی الرھو کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یمنع نقع ماء ولا رھو بئر. صاف پانی سے منع کیا جائے اور نہ کنویں کے نشیب سے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۶۵' دار الفکر' بیروت)

لیث نے کہا کہ رھو کا معنیٰ سکون سے چلنا بھی ہے' اس صورت میں معنیٰ ہے: آپ بغیر کسی خوف' دہشت اور گھبراہٹ کے سکون کے ساتھ سفر پر روانہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئےO اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیںO اور وہ نعمتیں جن میں وہ عیش کر رہے تھےO اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیاO سو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئیO (الدخان: ۲۹۔۲۵)

الدخان: ۲۸۔۲۵ کی تفسیر الشعراء: ۵۷ میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی' بلند و بالا عمارتیں اور خوش حالی کے آثار تھے' وہ یہ تمام نعمتیں یہیں دنیا میں چھوڑ کر چلے گئے اور بہ طور نشان عبرت کے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

الدخان: ۲۹ میں فرمایا: "سو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی"۔

نیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین کا رونا

عرب میں دستور ہے کہ جب کسی قبیلہ کا سردار مرجائے تو کہتے ہیں کہ اس کی موت پر آسمان اور زمین رو رہے ہیں یعنی اس کی موت ایسی مصیبت ہے جو تمام چیزوں پر چھا گئی ہے حتیٰ کہ اس مصیبت پر آسمان اور زمین اور ہوا اور فضا سب چیزیں رو رہی ہیں اور گرم اور سرد راتیں بھی اس پر رو رہی ہیں اور یہ مقولہ اس چیز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ اس کی موت پر گریہ وزاری کرنا واجب ہے اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قوم فرعون ہلاک ہوگئی اور کسی نے بھی اس کی موت کو کوئی بڑا حادثہ نہیں سمجھا اور ان کے نہ ہونے سے لوگوں کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا اور اس آیت میں مضاف مقدر ہے جیسے "واسئل القریۃ" (یونس: ۸۲) میں ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے غرقاب ہونے پر اور ان کے مرنے پر نہ آسمان والے فرشتے روئے اور نہ زمین والے انسان روئے' بلکہ ان کی ہلاکت پر خوش ہوئے البتہ مومن کی موت پر آسمان روتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مومن کے لیے آسمان میں دو دروازے ہوتے ہیں' ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا کلام اور اس کا عمل داخل ہوتا ہے پس جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ" (الدخان: ۲۹)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳' ج ۸ ص ۳۲۷' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۱۲)

یعنی قوم فرعون نے زمین میں ایسے نیک اعمال نہیں کیے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد زمین ان نیک اعمال کے فراق پر روتی اور نہ آسمان کی طرف ان کے نیک اعمال لے جائے جاتے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد ان نیک اعمال کے فراق پر آسمان روتا۔

مجاہد نے کہا: مومن کے مرنے پر آسمان اور زمین چالیس روز تک روتے رہتے ہیں' ابو یحییٰ نے کہا: مجھے ان کے اس قول پر تعجب ہوا تو انہوں نے کہا: تم اس پر کیوں تعجب کرتے ہو' زمین اس شخص کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ بندہ مومن زمین پر رکوع اور سجود کر کے اس کو آباد رکھتا ہے اور آسمان اس کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ اس کی تسبیح اور تکبیر کی آوازیں آسمان تک پہنچتی تھیں' حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زمین پر مومن جس جگہ نماز پڑھتا تھا وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے اور آسمان کی جس جگہ پر اس کے نیک اعمال پہنچتے تھے وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۳۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شریح بن عبید الحضرمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور وہ اجنبیت ہی میں لوٹ جائے گا' سنو! مومن پر کوئی اجنبیت نہیں ہے' جو مومن بھی کسی سفر میں مرتا ہے جہاں اس پر کوئی رونے والا نہ ہو تو اس پر آسمان اور زمین روتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ" (الدخان: ۲۹) پھر فرمایا: زمین اور آسمان کافر پر نہیں روتے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۶۲' رقم الحدیث: ۲۴۰۷۸)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۳۰ مِنْ فِرْعَوْنَ

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت والے عذاب سے نجات دی تھی O (وہ عذاب) فرعون کی جانب

إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ
سے تھا' بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا O اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ
عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾
(اس وقت) تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں تھیں جن میں صریح آزمائش تھی O
إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُولٰى وَمَا نَحْنُ
بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے O ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں
بِمُنْشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِاٰبَآئِنَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ
کیا جائے گا O اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ O کیا یہ لوگ بہتر ہیں
أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾
یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا' بے شک وہ مجرمین تھے O
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ
اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا O ہم نے ان کو
إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے
مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا
مقرر کیا ہوا ہے O جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آ سکے گا
ع ٢ هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ
اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے' بے شک وہ بہت غالب بے حد رحم فرمانے والا ہے O بے شک
شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾
تھوہر کا درخت O گنہ گاروں کا کھانا ہے O جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا O

معانقة ١٢ عند المتأخرين ١٧

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ

جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے O (اللہ فرمائے گا:) اس کو پکڑو پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ O پھر

صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ

اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو O لے چکھ تو بہت معزز

الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

مکرم بنتا تھا O بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھے O بے شک متقین مقام

فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ

امن میں ہوں گے O جنتوں اور چشموں میں O وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾

پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے O ایسا ہی ہو گا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گے O

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا

وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گے O وہ جنت میں دنیا کی پہلی موت

الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا

کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا O آپ کے

مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے O ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع ۳ ع ۱۷ ۱۶

وہ نصیحت حاصل کریں O سو آپ انتظار کیجئے' بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت والے عذاب سے نجات دی تھی O (وہ عذاب) فرعون کی جانب سے تھا' بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا O اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ (اس وقت) تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی O (الدخان: ۳۳-۳۰)

بنی اسرائیل کی فضیلت اور ان کی آزمائش

فرعون کے حکم سے قبطی بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور ان سے نہایت مشقت اور ذلت والے کام کراتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبطیوں اور فرعون دونوں سے نجات دے دی اور فرعون بہت ظالم اور سرکش تھا' وہ مشرکین میں سے تھا بلکہ خود خدائی کا دعویٰ دار تھا اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ کو چونکہ علم تھا کہ بنی اسرائیل سے کثیر نبیوں کو اس نے مبعوث کرنا ہے' اس لیے اس نے بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی' ان کے زمانہ کی قید اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے افضل ہے' قرآن مجید میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. تم سب سے بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ (آل عمران: ۱۱۰)

اور بنو اسرائیل کے بعد سب سے افضل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

اور اللہ نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے سرفراز کیا' وہ معجزات یہ ہیں: بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات دینا اور ان کے لیے سمندر کو چیر کر ان کے لیے اس میں بارہ راستے بنا دینا' میدان تیہ میں ان پر بادل کا سایہ کرنا اور ان پر من اور سلویٰ نازل کرنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی اور ید بیضاء عطا کرنا اور اس طرح کے اور بہت معجزت عطا فرمائے جو بنی اسرائیل کے لیے باعث فخر اور فضیلت تھے اور ان میں ان کے لیے صریح آزمائش تھی' کیونکہ ہر نعمت میں آزمائش ہوتی ہے' بندہ اگر نعمتوں کا شکر ادا کرے اور وہ نعمتیں جس لیے دی گئی ہیں ان مصارف میں ان نعمتوں کو خرچ کرے تو اللہ سبحانہ' ان نعمتوں میں اور اضافہ فرماتا ہے اور اگر ان نعمتوں کی ناشکری اور ان کو بے جا محل میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے بلکہ مزید عذاب میں مبتلا کرتا ہے

مسلمانوں نے جب حصول پاکستان کے لیے جدوجہد کی تو یہ نعرہ لگایا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اسلام کے احکام نافذ کرنے کے لیے ایک الگ ریاست چاہیے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک الگ ریاست دے دی' لیکن جب تیئس سال گزرنے کے بعد بھی انہوں نے اسلامی احکام نافذ نہیں کیے تو آدھا پاکستان ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور باقی ماندہ پاکستان کی بقا بھی خطرہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے ○ ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں کیا جائے گا○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ○ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا بے شک وہ مجرمین تھے○ اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا○ ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے○ (الدخان: ۳۹۔۳۴)

یہ کہنے والے کفار قریش تھے جو صرف اسی دنیا کی زندگی کے قائل تھے اور اسی دنیا میں آنے والی موت کے قائل تھے اور حشر اور نشر کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور میدان محشر میں جمع کیے جانے کا انکار کرتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ اگر لوگ واقعی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو آپ ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھائیں۔

کفار کے مطالبہ پر ان کے مرے ہوئے باپ دادا کو کیوں نہیں زندہ کیا گیا' الماوردی اور القرطبی کا جواب

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس قول کا قائل ابوجہل تھا' اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے مرے ہوئے آباء میں سے دو آدمیوں کو زندہ کر کے دکھائیں' ان میں سے ایک قصی بن کلاب ہے وہ سچا آدمی تھا' ہم اس سے پوچھیں گے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ابوجہل کا یہ کہنا بہت ضعیف شبہ تھا' کیونکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا جزاء اور سزا کے لیے ہوتا ہے' مکلف کرنے کے لیے نہیں ہوتا اور اس کے قول کا منشاء یہ تھا کہ اگر آپ مُردوں کو زندہ کرنے کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان کو مکلف کرنے کے لیے زندہ کریں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر ہمارے بعد ہمارے بیٹے دنیا میں آئیں گے تو پھر ہمارے مرے ہوئے باپ دادا ہی واپس کیوں نہیں آ جاتے اس جواب کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۳۴)

اعتراض مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے

اس شبہ کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر کفار کے مطالبہ پر ان کے فرمائشی مُردوں کو زندہ کر دیا جاتا تو پھر ان کا ایمان بالغیب نہ رہتا اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خبروں پر بن دیکھے ایمان لایا جائے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پچھلے آباء واجداد کو زندہ کر دیا جاتا اور وہ آ کر ان کو موت کے بعد کے احوال بتاتے تو پھر اللہ کی خبروں پر ایمان لانے میں ان کی عقل کی کوئی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا اور مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرے' اسی لیے قرآن مجید میں بار بار بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے تو پھر وہ دوبارہ انسانوں کو کیوں نہیں پیدا فرما سکتا اور کسی چیز کا ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا' بلکہ نسبتاً آسان ہوتا ہے تو جب تم یہ مانتے ہو کہ اس کائنات کو ابتداءً اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو یہ کیوں نہیں مانتے کہ وہ دوبارہ بھی اس کائنات کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس شبہ کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ قدیمہ یہ ہے کہ جب وہ کافروں کی فرمائش پر کسی معجزہ کو ظاہر فرماتا ہے اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عام عذاب نازل کر کے اس قوم کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور اس قوم کا نام ونشان تک مٹا دیتا ہے جیسا کہ قوم ثمود کی فرمائش پر ایک چٹان سے اونٹنی نکالی اور جب انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عام اور ہمہ گیر عذاب نازل فرما کر اس قوم کو ہلاک کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرما چکا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان لوگوں پر عام عذاب نازل نہیں فرمائے گا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ . (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس حال میں ان پر عذاب نازل فرمائے کہ آپ ان میں موجود ہوں۔

الدخان: ۳۷ میں فرمایا: ''کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا' بے شک وہ مجرمین تھے○''

یہ استفہام انکار ہے' یعنی وہ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں اور وہ اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قوم تبع اور دیگر ہلاک شدہ اقوام سے بہتر نہیں ہیں اور جب ہم ان قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں تو ان کو ہلاک کر دینا بھی مستبعد

نہیں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ کیا ان کے پاس دنیا کی نعمتیں اور مال و اسباب زیادہ ہیں یا قوم تبع زیادہ نعمتوں والی تھی یا یہ زیادہ طاقت ور اور مستحکم ہیں یا قوم تبع زیادہ طاقت ور اور قوی تھی۔

تبع اور اس کی قوم کا بیان

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں:

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ تبع قبیلہ حمیر کا ایک شخص تھا' وہ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ اس نے یمن کو عبور کر لیا' پھر شہروں کو فتح کرتا ہوا اور تخت و تاراج کرتا ہوا سمرقند تک پہنچا اور اس کو بھی منہدم کر دیا اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب یہ کوئی چیز لکھتا تو اس کے نام سے لکھتا جو بہت بلند ہے اور بحر و بر کا مالک ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تبع کو بُرا نہ کہو' وہ نیک آدمی تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۸۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

تبع کا پورا نام اس طرح ہے: تبع بن حسان بن ملکی کرب بن تبع بن الاقرن۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تبع کو بُرا نہ کہو بے شک وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۸۔۲۶۵۷۔۲۶۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۹)

قتادہ نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تبع نیک آدمی تھا' کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی ہے' اس کی مذمت نہیں کی۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۷۲)

کعب احبار نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: قرآن مجید میں تبع کی قوم کا ذکر ہے اور تبع کا ذکر نہیں ہے' انہوں نے کہا: تبع بادشاہ تھا اور اس کی قوم کاہن تھی اور اس کی قوم میں اہل کتاب بھی تھے اور کاہن اہل کتاب کے خلاف سرکشی کرتے رہتے تھے۔ اہل کتاب نے تبع سے کہا: یہ ہم پر جھوٹ بولتے ہیں' تبع نے کہا: اگر تم سچے ہو تو دونوں فریق قربانی پیش کریں' جو فریق بھی سچا ہوگا آگ اس کی قربانی کو کھا لے گی' پھر اہل کتاب اور کاہنوں دونوں نے قربانی پیش کی' پھر آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور اس نے اہل کتاب کی قربانی کو کھا لیا' پھر تبع اہل کتاب کے تابع ہو کر مسلمان ہو گیا' سو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تبع کی قوم کا ذکر کیا ہے اور تبع کا ذکر نہیں کیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تبع کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلا حتیٰ کہ جب وہ کراع الغمیم پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک زبردست آندھی بھیج دی جس کے زور سے لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے' پھر تبع نے اپنے دو عالموں کو بلا کر پوچھا کہ یہ میرے خلاف کیا چیز مسلط کی گئی ہے' انہوں نے کہا: اگر تم ہمیں جان کی امان دو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں' تبع نے کہا: تم کو امان ہے' انہوں نے کہا: تم اس گھر پر حملہ کرنے آئے ہو جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے رکھا ہے اور جو شخص اس گھر پر حملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرے گا' تبع نے کہا: پھر مجھے اس کے قہر سے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: تم احرام باندھ کر اس کے گھر میں اللھم لبیک کہتے ہوئے داخل ہو اور اس کے گھر کا طواف کرو' جب تم نے اخلاص سے اس پر عمل کیا تو یہ آندھی کا طوفان فرو ہو جائے گا' تبع نے اسی طرح کیا' پھر آندھی کا طوفان وہاں سے گزر گیا۔

(تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۷۳۔۷۲)

تبع نے کہا: میری نیت تھی کہ میں اس گھر کو ویران کر دوں گا' اس شہر کے مردوں کو قتل کروں گا اور عورتوں کو قید کروں گا' اس

کے بعد وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ تمام دنیا کے حکماء سرتوڑ کوشش کے باوجود اس کا علاج نہ کر سکے' پھر اس کے پاس ایک عالم نے آ کر کہا: تمہاری بیماری کی ساری جڑ تمہاری اس نیت کے فساد میں ہے' اس گھر کا مالک بہت قوی ہے' دلوں کی باتیں جانتا ہے' پس ضروری ہے کہ تم اس گھر کو نقصان پہنچانے کا ارادہ اپنے دل سے نکال دو' تبع نے کہا: میں نے ایسی تمام باتیں دل سے نکال دیں اور میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں ہر قسم کی خیر اور نیکی اس گھر کے ساتھ اور یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کروں گا' ابھی وہ نصیحت کرنے والا عالم اس کے پاس سے اٹھ کر نہیں گیا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا اور اللہ عزوجل نے اس کو شفایاب کر دیا' اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا اور صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے گھر پہنچ گیا اور تبع وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کو غلاف پہنایا اور اہل مکہ کو کعبہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۷۵-۷۴)

پھر تبع مدینہ منورہ گیا اور وہاں سے ہندوستان کے کسی شہر میں چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا اور تبع کی وفات کے ٹھیک ایک ہزار سال بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور جن اہل مدینہ نے ہجرت کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی وہ سب ان علماء کی اولاد سے تھے جو مدینہ میں تبع کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہ لوگ آپ کی اونٹنی کے گرد آ کر اکٹھے ہو گئے اور آپ کو اپنے گھر لے جانے پر اصرار کرنے لگے' آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو' یہ اللہ سبحانہٗ کے حکم کی پابند ہے' حتیٰ کہ وہ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ' اس عالم کی اولاد سے تھے جس نے خیر خواہی کے جذبہ سے تبع کو نصیحت کی تھی اور اس کو کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے باز رکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب کے جس گھر میں ٹھہرے تھے یہ تبع ہی کا بنایا ہوا تھا۔ (رقم الحدیث: ۲۶۶۱)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۱ ص ۷۷-۶۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

تبع سے مراد ایک معین شخص نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں اور یمن کے لوگ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔ پس تبع ان کے بادشاہ کا لقب ہے' جیسے مسلمانوں کے بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں اور ایران کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تبع ایک معین شخص کا نام ہے' امام احمد نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تبع کو بُرا نہ کہو وہ مومن تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۴۳' دار الفکر) اس نے پہلے مدینہ منورہ کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا تو یہ واپس ہو گیا۔ زجاج' ابن ابی الدنیا اور زمخشری وغیرہم نے کہا ہے کہ صنعاء میں اس کی قبر ہے' امام ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے وارثوں کے پاس جو کتاب رکھوائی تھی اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا تھا: میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا اور آپ کے دین پر ایمان لایا اور آپ کی سنت پر اور آپ کے رب پر ایمان لایا' جو ہر چیز کا رب ہے اور شرائع اسلام میں سے ہر اس چیز پر ایمان لایا جو آپ کے رب کے پاس سے آئی ہے' اگر میں نے آپ کو پالیا تو فبہا اور اگر میں آپ کو نہ پا سکا تو آپ میری شفاعت کریں اور قیامت کے دن مجھ کو نہ بھولیں کیونکہ میں آپ کی پہلی امت سے ہوں اور آپ کی بعثت سے پہلے میں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور میں آپ کی ملت پر ہوں اور آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں' پھر اس مکتوب کو ختم کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی اور اس مکتوب کے شروع میں بہ طور عنوان لکھا تھا'' (سیدنا) محمد بن عبد اللہ نبی اللہ و رسول اللہ' خاتم النبیین و رسول رب العلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب تبع

الاول کی طرف سے" اہل یمن الدخان: ۳۷ کی وجہ سے فخر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل یمن کو قریش سے بہتر قرار دیا ہے' اس نے لشکر کے ساتھ مشرق کی جانب سفر کیا اور حیرہ کو عبور کر کے سمر قند تک پہنچا اور بہت سے شہروں کو منہدم کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ٹھیک ایک ہزار سال پہلے اس کی وفات ہوئی تھی (یہ احوال تاریخ دمشق میں بھی مذکور ہیں)۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۳۶۔۱۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الدخان: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: "اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا O ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O"

کھیل کود میں انسان دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: ہم نے ان چیزوں کو غفلت کے ساتھ پیدا نہیں کیا۔ اس کی تفسیر ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص: ۲۷) ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (المومنون: ۱۱۵) کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہے O جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے' بے شک وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الدخان: ۴۲۔۴۰)

روزِ قیامت کو فیصلہ کا دن فرمانے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے الدخان: ۳۸ میں فرمایا ہے: "اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے پیدا نہیں کیا" اس آیت میں قیامت کا اور حشر و نشر کا اثبات ہے' اس لیے اس آیت کے بعد فرمایا: بے شک فیصلہ کا دن سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور قیامت کے دن کو فیصلہ کا دن حسب ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

(۲) یہ دن مؤمنوں کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ مؤمنوں اور ان کی ناپسندیدہ چیزوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کفار کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ سبحانہٗ ان کے اور ان کے ارادوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

(۳) اس دن ہر شخص کا حال جیسا ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور کسی شخص کے حال میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہے گا اور ہر شخص کے خیالات اور شبہات اس سے الگ ہو جائیں گے اور حقائق اور دلائل باقی رہ جائیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن اللہ سبحانہٗ لوگوں کے درمیان فصل کر دے گا اور نیک اور بد کو الگ الگ کر دے گا' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ O (یٰسین: ۵۹) اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ O

الدخان: ۴۱ میں فرمایا: "جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O" اس سے مراد یہ ہے کہ دوست خواہ قریب ہو یا بعید وہ اس کے کسی کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی' یعنی ان کا

کوئی مددگار نہیں ہوگا" اس کا معنی یہ ہے کہ جس سے مدد متوقع ہوتی ہے وہ یا دین میں قریب ہوتا ہے یا نسب میں قریب ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مولیٰ اور مددگار کہا جاتا ہے اور جب قیامت کے دن کسی کو ان کی مدد نہیں حاصل ہو سکے گی تو ان کے علاوہ دوسروں کی مدد تو بہ طریق اولیٰ حاصل نہیں ہوگی' یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ○ (البقرہ: ۱۲۳)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی فدیہ (جرمانہ) قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے سکے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی○

الدخان: ۴۲ میں فرمایا: "سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے' بے شک وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے○"

جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا ان کے متعلق انبیاء علیہم السلام کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا' سب سے پہلے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے' پھر دیگر انبیاء علیہم السلام شفاعت فرمائیں گے' پھر اولیاء کرام شفاعت کریں گے اور مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تھوہر کا درخت○ گنہ گاروں کا کھانا ہے○ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا○ جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے○ (اللہ فرمائے گا) اس کو پکڑو پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ○ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو○ لے چکھ تو بہت معزز مکرم بنتا تھا○ بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھے○ (الدخان: ۵۰-۴۳)

آخرت میں کفار کے عذاب کی وعید

شجرۃ الزقوم (تھوہر کا درخت) کا ذکر الصافات: ۶۲ میں آ چکا ہے' جس کو دوزخیوں کا طعام فرمایا ہے' اثیم کا معنی گنہ گار ہے یعنی یہاں گناہ سے مراد کفر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر جہنم کے زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو وہ تمام لوگوں کی زندگی خراب کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: [illegible] سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: [illegible] مسند احمد ج ۱ ص [illegible] [illegible] الترغیب والترہیب ج ۴ ص [illegible])

الدخان: ۴۵ میں فرمایا: "کالمھل" مھل کا معنی ہے: پگھلا ہوا تانبا' آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تیل وغیرہ کے نیچے جو تلچھٹ وغیرہ کی شکل میں رہ جاتی ہے۔

الدخان: ۴۶ میں فرمایا: "جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے" یعنی زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارتی ہوگی۔

ان آیات میں جو تشبیہات دی گئی ہیں وہ محض اس لیے ہیں کہ ہم اپنی فہم و عقل سے ان کا کچھ تصور کر سکیں' ورنہ جہنم کے درخت کا کھانا اور اس کا پگھلنا اور پیٹ میں جوش مارنا ایسی چیزیں ہیں جن کا ہم یہاں اندازہ نہیں کر سکتے' آخرت میں وہ کیفیت واقعتاً بہت ہی خوفناک ہوگی۔

الدخان: ۴۷ میں فرمایا: "(اللہ فرمائے گا) اس کو پکڑو' پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ"۔

یعنی اللہ تعالیٰ جہنم کے فرشتوں سے فرمائے گا: اس گنہ گار کو پکڑو اور اس کی پیشانی اس کے قدموں سے ملا کر اس کو گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ' اس آیت میں "فاعتلوہ" کا لفظ ہے' عتل کا معنی ہے کسی کو زور سے کھینچنا' یعنی اس کو گھسیٹتے ہوئے اور دھکے دیتے ہوئے جہنم کے وسط میں لے جائیں گے جس جگہ

دوزخ کے سب راستے جارہے ہوں گے۔

الدخان: ۴۸ میں فرمایا: ''پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو''۔

کافر جب دوزخ میں داخل ہوگا تو اس کو زقوم کا طعام کھلایا جائے گا' پھر دوزخ کا داروغہ اس کے سر کے اوپر گرز مارے گا جس سے اس کا دماغ اس کے جسم کے اوپر بہنے لگے گا' پھر اس کے سر کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا' جو اس کے پیٹ تک نفوذ کر جائے گا اور اس کی آنتوں اور پیٹ کے دیگر اجزاء کو کاٹتا ہوا اس کے قدموں تک پہنچ جائے گا۔

الدخان: ۴۹ میں فرمایا: ''لے چکھ تو بہت معزز مکرم بنتا تھاO'

اس عذاب کو چکھ جو بہت ذلیل کرنے والا ہے' تو اپنی نظروں میں بہت معزز تھا اور اپنی قوم کے نزدیک بہت مکرم تھا' فرشتے اس سے استہزاءً یہ قول کہیں گے: تو اپنے آپ کو بہت معزز سمجھتا تھا حالانکہ تو بہت ذلیل وخوار ہو رہا ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے یہ کہوں: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىO'' (القیامۃ: ۳۴) تیری موت کے وقت خرابی ہو' پھر قبر میں تیری خرابی ہو' ابوجہل نے کہا: آپ کس وجہ سے مجھے دھمکا رہے ہیں' اللہ کی قسم! آپ اور آپ کا رب دونوں مل کر میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے' بے شک میں اس وادی میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے مکرم ہوں' اللہ سبحانہٗ نے جنگ بدر میں اس کو ہلاک کر دیا اور اس کو ذلیل وخوار کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' اس وجہ سے فرشتے اس سے کہیں گے: لے چکھ یہ کھولتا ہوا پانی تو اپنے گمان میں بہت معزز اور مکرم بنتا تھا' فرشتوں کا اس سے یہ کلام کرنا اس کی توہین اور اس کے استخفاف کے لیے ہوگا اور اس کو جھڑکنے کے لیے اور اس کی تنقیص کرنے کے لیے ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۴۰' جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۷۴)

الدخان: ۵۰ میں فرمایا: ''بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھےO''

یعنی یہ عذاب جو آج تم کو دیا جارہا ہے یہ وہی عذاب ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور اس میں شک کرتے تھے اور اس کے وقوع کے متعلق بحثیں اور جھگڑے کیا کرتے تھے اور اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور اب تم نے یہ عذاب دیکھ لیا ہے سو تم اس عذاب کو چکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین مقام امن میں ہوں گےO جنتوں اور چشموں میںO وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گےO ایسا ہی ہوگا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گےO وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گےO وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گاO آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہےO ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںO سو آپ انتظار کیجئے' بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیںO

(الدخان: ۵۹۔۵۱)

آخرت میں متقین کے اجر وثواب کی بشارت

متقین سے مراد ہے: جو لوگ کفر سے اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور وہ مؤمنین صالحین ہیں اور مقام کا معنیٰ ہے: موضع قیام یعنی جگہ' اس مقام کی صفت ''امین'' فرمائی ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں پر رہنے والا آفات اور بلیات سے' عذاب اور تکلیف دہ چیزوں سے مامون اور محفوظ رہے گا' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو ایسی جگہ رکھے گا جہاں وہ ہر قسم کے ڈر اور خوف سے مامون اور محفوظ ہوگا۔

مقام امین وہ جگہ ہے جہاں انبیاء' اولیاء' صدیقین اور شہداء کی مجلس ہوتی ہے' خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں' دنیا میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں معصیت اور نافرمانی سے امن ہوتا ہے اور جو شخص ان کی مجلس میں آ کر بیٹھ جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم نہیں ہوتا اور آخرت میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں عذاب سے امن ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۖ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۳)

حشر کے دن کی بڑی گھبراہٹ بھی انہیں غمگین نہ کر سکے گی' فرشتے ان سے مل کر کہیں گے: یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○

امام رازی کا فاسق کو جنت کی بشارت میں داخل کرنا اور مصنف کا اس سے اختلاف

امام رازی محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: ہر وہ شخص جو شرک کو ترک کر دے متقی کا مصداق ہے' پس واجب ہے کہ فاسق بھی اس بشارت میں داخل ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے کہ وصف کے اعتبار سے مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور اس آیت میں متقین کا ذکر مطلقاً ہے خواہ وہ شرک سے متقی (مجتنب) ہوں یا گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا گناہ صغیرہ سے متقی ہوں یا خلاف سنت اور خلاف اولیٰ ہر قسم کے ممنوع کام سے متقی اور مجتنب ہوں' لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر متقین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا جنہوں نے موت سے پہلے اپنے تمام کبیرہ گناہوں سے توبہ کر لی ہو اور وہ مسلمان مراد نہیں ہیں جن کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اصرار اور دوام کے ساتھ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ صالحین اور فاسقین دونوں کے لیے یہ بشارت ہو کہ وہ دونوں مقام مامون میں ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ان کی مثل کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یا ہم متقین کو فاسقین کی مثل کر دیں گے○

ہاں یہ درست ہے کہ جن مسلمانوں کا بغیر توبہ کے فسق پر خاتمہ ہوا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کی بھی مغفرت فرما دے گا اور اس کی کئی صورتیں ہیں: ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء اور صالحین کی شفاعت سے ان کی مغفرت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے ان کی مغفرت فرما دے یا میدان محشر میں آخر وقت تک ان کو روکے رکھے اور پھر ان کو جنت میں داخل فرما دے یا کچھ عرصہ دوزخ میں داخل کرنے کے بعد ان کو جنت میں داخل فرما دے۔ بہر حال ابتداءً فاسقین کا جنت میں اور اس بشارت میں داخل ہونا واجب نہیں ہے اور مومنین صالحین کا جنت میں اور اس بشارت میں ابتداءً داخل ہونا قطعی اور ضروری ہے۔

اہل جنت کے درمیان بغض اور کینہ کا نہ ہونا

الدخان: ۵۳ میں فرمایا: "وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے○"

اس آیت میں "سندس" اور "استبرق" کے الفاظ ہیں' سندس باریک ریشم کو کہتے ہیں اور استبرق دبیز ریشم کو کہتے ہیں' ہوسکتا ہے کہ سندس متقین کے اندر کا لباس ہو اور استبرق ان کے اوپر کا لباس ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سندس مقربین کا لباس ہو

اور استبرق عام اہل جنت کا لباس ہو۔

وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے یعنی ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھے ہوں گے کیونکہ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ اور بغض نہیں ہوگا' کیونکہ جنت میں دخول کے وقت اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض نکال لے گا' سو جنت میں ان شاء اللہ حضرت علی اور حضرت معاویہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص سب ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لشکر کے شہداء اور معاویہ کے لشکر کے شہداء دونوں جنت میں ہوں گے اور جب آپ نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی لاشوں کو دیکھا تو روتے ہوئے فرمایا: کاش! میں اس سانحہ سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔

حور کا معنیٰ اور جنت میں حوروں سے عقد کا محمل

الدخان: ۵۴ میں فرمایا: ''ایسا ہی ہوگا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گے O''

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

جس سفید عورت کی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ ہوں اس کو حور کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۲۶۵' دار صادر' بیروت)

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حور کا معنیٰ ہے: حسین وجمیل' روشن چہرے والی عورت' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: حور کی پنڈلی کا مغز ستر حلوں اور گوشت اور ہڈی کے پار سے بھی نظر آتا ہے جیسے سفید شیشے کے جگ میں سرخ مشروب ہو تو وہ دور سے نظر آتا ہے' مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے گورے رنگ' صاف اور شفاف چہرے اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر آنکھیں حیران ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو حور اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آنکھیں بہت سفید ہوتی ہیں اور پتلی بہت سیاہ ہوتی ہے جیسے ہرن اور گائے کی آنکھیں ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۴۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حور کا مہر چند مٹھی کھجوریں ہیں اور روٹی کے ٹکڑے ہیں۔ (الکشف والبیان للثعلبی رقم الحدیث: ۲۱۷' ج ۸ ص ۳۵۶)

(اس حدیث کی سند میں ابان بن محبر ہے' ابوحاتم بن حبان نے کہا: اس کی حدیث باطل ہے اور دارقطنی نے کہا: ابان متروک ہے' ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے' کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۳)

ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد مسجد سے چیچڑیوں کو نکال کر صاف کرنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔

(الکشف والبیان للثعلبی رقم الحدیث: ۲۱۸' ج ۳ ص ۲۵۳)

اس حدیث کی سند میں عبد الواحد بن زید ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری' فلاس اور امام نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے' ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۴۔۲۵۳)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سعدی المفتی نے کہا ہے کہ جنت میں عقد نکاح نہیں ہوگا' کیونکہ اس کا فائدہ ایک عورت کے اعضاء کو حلال کرنا ہے اور جنت دار تکلیف نہیں ہے اور وہاں حلال اور حرام کے احکام نہیں ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت حواء کا مہر یہ مقرر کیا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دس مرتبہ درود پڑھا جائے اور مہر اس وقت رکھا جاتا ہے جب عقد نکاح ہو' لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ عقد نکاح دنیاوی عقود کی طرح نہیں تھا اور اس سے مقصود صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ کا تعارف کرانا تھا اور اس مہر کے عوض حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام پر حلال کرنا نہیں تھا اور اس عقد سے مقصود صرف حضرت آدم اور حضرت حواء کے درمیان انس پیدا کرنا تھا اور ان کے درمیان دنیا کی طرح جماع نہیں تھا۔

(روح البیان ج ٨ ص ٥٧٨' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

دنیاوی عورتیں افضل ہیں یا حوریں؟

اس میں اختلاف ہے کہ دنیا کی مسلمان عورتیں افضل ہیں یا حوریں افضل ہیں؟ امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو عورتیں جنت میں داخل ہوں گی وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے حوروں سے افضل ہوں گی اور حدیث میں ہے:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز جنازہ پڑھائی' میں نے یاد رکھا تھا' آپ نے اس کی دعا میں فرمایا تھا: اے اللہ! اس کی مغفرت کر دے' اس پر رحم فرما' اس کو عافیت میں رکھ' اس کو معاف فرما' اس کو اچھی مہمانی عطا فرما' اس کی قبر کو وسیع فرما' اس کے گناہوں کو (رحمت کے) پانی' برف اور اولوں سے دھو ڈال اور اس کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے اور اس کو دنیا کے گھر سے اچھا گھر عطا فرما اور اس کی دنیاوی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما اور اس کو جنت میں داخل کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھ' عوف کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی: کاش! میں وہ میت ہوتا جس کے لیے یہ دعائیں فرمائی تھیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٩٦٣' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٠٢٥' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٩٨٢' مسند احمد ج ٦ ص ٢٨)

اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: اس کی دنیاوی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی آنکھوں والی حوریں دنیاوی عورتوں سے افضل ہوں گی۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے حوروں کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث بیان کی ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوریں زعفران سے پیدا کی گئیں ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٨٥٥٩)

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن ابی حاتم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک حور کسی کڑوے پانی کے سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب کی مٹھاس سے پورا سمندر میٹھا ہو جائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٨٥٥٨)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بڑی آنکھوں والی حور کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٨٥٦٠)

امام ابن المبارک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی آنکھوں والی حوروں کو مٹی سے پیدا نہیں کیا' ان کو مشک' کافور اور زعفران سے پیدا کیا ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی آنکھوں والی حوروں

کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا ہے۔(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۶۵۔۳۶۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک حدیث میں ہے کہ حوروں کو مشک کافور اور زعفران سے پیدا کیا ہے اور دوسری حدیث میں ہے: ان کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا ہے ان میں تعارض نہیں ہے اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تسبیح کو مشک کافور اور زعفران سے ڈھال دیا ہو اور پھر اس سے حوروں کو پیدا کر دیا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ حوروں سے مراد یہاں دنیا کی بیویاں ہیں اور یہی جنت میں حوریں ہوں گی جو کہ مشک زعفران اور کافور سے بنی ہوں گی بلکہ یہ دنیاوی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی اور انسان کی جو دنیا میں بیویاں ہوں گی وہ اس کو جنت میں مل جائیں گی اور ان کے علاوہ حوریں بھی ملیں گی اور اگر کافر کی بیوی جنت میں گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو جس مسلمان کو چاہے گا عطا فرمادے گا اور حدیث میں ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہ جنت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوگی۔(روح المعانی جز ۲۵ ص ۲۰۷ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مسلمان جنتی عورت بڑی آنکھوں والی حوروں سے ستر درجہ افضل ہوگی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۳ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی اور صحیح مسلم کی جو حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس میں یہ تصریح ہے کہ حور دنیاوی عورت سے افضل ہے۔

اہل جنت کی دائمی نعمتیں

الدخان: ۵۵ میں فرمایا: ''وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گے O''

جس قسم کے پھلوں اور میووں کو کھانے کی اہل جنت کی خواہش ہوگی وہ اس کو طلب کریں گے اور وہ پھل یا میوہ فوراً ان کے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور کوئی پھل کسی وقت یا کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا بلکہ ہر پھل ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب ہوگا دنیا کی طرح نہیں ہوگا کہ ہر پھل کا ایک موسم ہوتا ہے اور وہ مخصوص علاقے میں پیدا ہوتا ہے مثلاً آم گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور سنترے اور مالٹے سردیوں میں پیدا ہوتے ہیں چلغوزے اخروٹ اور بادام وغیر بلوچستان اور کشمیر میں پیدا ہوتے ہیں اور اناناس بنگلہ دیش میں پیدا ہوتے ہیں لیکن جنت میں ایسا نہیں ہوگا وہاں ہر قسم کا پھل ہر جگہ دستیاب ہوگا۔

اور جنتی ہر وقت امن اور چین سے ہوں گے ان کو کسی وقت بھی نہ کوئی بیماری ہوگی نہ پریشانی ہوگی دنیا میں انسان بعض بیماریوں میں بعض پھل نہیں کھاسکتا مثلاً جس کو شوگر کا مرض ہو وہ کیلا آم کھجور اور انگور وغیرہ نہیں کھاسکتا اور جس کو نمونیا یا دمہ ہو یا کالی کھانسی ہو وہ سنترہ موسمی اور فروٹر وغیرہ نہیں کھاسکتا لیکن جنتی بغیر کسی پریشانی اور تشویش کے ہر وقت ہر قسم کے پھل کھاسکے گا۔ ان کو یہ خوف نہیں ہوگا کہ ان کو کوئی بیماری ہوگی یا موت آئے گی یا ان کے پاس سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی جس طرح دنیا میں ان کو یہ خطرہ رہتا تھا۔ وہ کبھی کھانے پینے کی چیزوں سے لذت حاصل کریں گے کبھی حوروں سے التذاذ حاصل کریں گے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں ہوں گے اور سب سے زیادہ ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے سرور حاصل ہوگا اور وہ ذوق وشوق سے اس کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق ہوں گے۔

الدخان: ۵۶ میں فرمایا: ''وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا O''

اس کی تحقیق کہ موت وجودی ہے یا عدمی

اس آیت میں "الموتۃ" کا لفظ ہے' موت اور الموتۃ دونوں مصدر ہیں' الموتۃ میں تا وحدت کی ہے' اس کا معنیٰ ہے: ایک موت اور موت جنس ہے اور ایک موت کے معنیٰ میں زیادہ بلاغت ہے' یعنی جنت میں انہیں ایک مرتبہ بھی موت نہیں آئے گی۔

اس میں اختلاف ہے کہ موت عدمی ہے یعنی زوال حیات ہے یا موت وجودی ہے اور وہ میت کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور میت کو اس کا احساس ہوتا ہے' قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وجودی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ. (الملک: ۲)   جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

خلق کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو وجود عطا کرنا' اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو وجود عطا کیا۔ سو موت وجودی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. (آل عمران: ۱۸۵)   ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اور چکھا وجودی چیز کو جاتا ہے اور زیر تفسیر آیت میں بھی فرمایا ہے: اور وہ جنت میں پہلی موت کے سوا (جو دنیا میں آ چکی تھی) اور کوئی موت نہیں چکھیں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۸۱۶۔ ۹۱۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الدخان: ۵۷ میں فرمایا: "آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے O"

یہ سب سے بڑی کامیابی ہے' اس سے بڑی اور کوئی کامیابی نہیں ہے' کیونکہ جنت میں ہونا تمام ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہونا ہے اور جب کہ موت اس عظیم کامیابی کا وسیلہ اور دروازہ ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موت مومن کا تحفہ ہے' ہر چند کہ موت ایک وجہ سے ہلاکت ہے' تو دوسرے طریقہ سے کامیابی ہے' اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت میں ہر شخص کے لیے خیر ہے' رہا مومن تو اس کے لیے اس وجہ سے خیر ہے کہ وہ دنیا کے قید خانہ سے آزاد ہو کر جنت کی دائمی راحتوں اور نعمتوں میں پہنچ جائے گا' رہا کافر تو اس کے لیے موت میں اس لیے خیر ہے کہ جب تک وہ دنیا میں رہے گا گناہ کرتا رہے گا اور اس وجہ سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ O (آل عمران: ۱۷۸)

کفار یہ نہ گمان کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ان کے حق میں خیر ہے' ہم ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کریں اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O

الدخان: ۵۸ میں فرمایا: "ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O"

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ اہل مکہ اس قرآن کو آسانی سے سمجھ سکیں اور اس کے احکام اور اس کے پیغام پر عمل کریں اور اگر وہ اس کے پیغام پر عمل نہیں کرتے تو ۔۔۔۔

الدخان: ۵۹ میں فرمایا: سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار اور کفار مکہ کے انتظار کے الگ الگ محمل

آپ انتظار کیجئے کہ کفار کے لیے جو سزا مقدر کی گئی ہے وہ ان کو کب ملتی ہے' کیونکہ ان کی سزا سے متقین کو نصیحت حاصل ہوگی اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں کہ آپ کے اوپر آفات اور مصائب نازل ہوں' پس عنقریب آپ کی امید پوری ہوگی اور ان

کو سزا ملے گی اور آپ پر کوئی آفت اور مصیبت نازل نہیں ہوگی اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں وہ ان کو حاصل نہیں ہوگی اور وہ ناکام اور نامراد ہوں گے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی: آپ نے تبلیغ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے پیغام اٹھانے پر جو مشقت اٹھائی ہے آپ اس پر اجر و ثواب کا انتظار کیجئے اور انہوں نے اللہ سبحانہٗ کے پیغام کو مسترد کر کے جس ہٹ دھرمی کا اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید کو جھٹلایا ہے اور بار بار کہا ہے کہ وہ عذاب کب نازل ہوگا سو وہ اس عذاب کا انتظار کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کے آسان ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الدخان: ۵۸ میں فرمایا ہے: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے اور المزمل: ۵ میں فرمایا ہے:

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝ (المزمل: ۵)   بے شک ہم آپ پر بہت بھاری بات نازل کریں گے۔

بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بہت آسان بھی ہے اور بہت ثقیل اور دشوار بھی ہے قرآن مجید پڑھنے میں آسان ہے اور چونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا نفس پر بہت دشوار ہے اس لیے یہ عمل کے لحاظ سے ثقیل ہے۔

امام جعفر صادق نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان نہ کر دیا ہوتا تو مخلوق میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ خالق لم یزل کا کلام اپنی زبان پر لاسکتی۔

سورۃ الدخان کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ ۲۱ محرم ۱۴۲۵ھ/۱۳ مارچ ۲۰۰۴ء بہ روز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۃ الدخان کی تفسیر ختم ہو گئی الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرادی ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں اور محض اپنے فضل و کرم سے میری میرے والدین اور میرے اساتذہ کی مغفرت فرمائیں اس کتاب کو تا روز قیامت فیض آفریں رکھیں۔

واخر دعونا ان الحمد لله رب العلمين و الصلوة و السلام
علی سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله و اصحابه
و ازواجه و عترته اجمعين.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

الجاثیہ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

جثا یجثوا کا معنیٰ ہے: دوزانو اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا' جاثیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: دوزانو یا گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ اس سورت کا نام الجاثیۃ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یہ لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۗ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الجاثیہ: ۲۸)

اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی' ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا○

یعنی قیامت کے دن' اس دن کے خوف کی شدت سے ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہوگی اور اس انتظار میں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کر دے اور جو نیک لوگ ہیں وہ جنت میں چلے جائیں اور جو کفار اور بدکار ہیں وہ دوزخ میں چلے جائیں۔

یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینسٹھ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینتالیس ہے اور یہ سورت الدخان کے بعد اور الاحقاف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

یہ سورت الدخان کے مشابہ ہے' الدخان اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو اہل مکہ کی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ ان پر اس کا پڑھنا آسان ہو جائے اور اس سورت کی ابتداء بھی قرآن مجید کے تعارف سے کی گئی ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (الجاثیہ: ۲)

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے○

دوسری مشابہت یہ ہے کہ سورۃ الدخان میں بھی اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا تھا اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کا رد کیا گیا تھا اور اس سورت میں بھی ان ہی مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الجاثیہ کے مشمولات

جس طرح مکی سورتوں کا موضوع ہوتا ہے' اسی طرح اس سورت کا بھی موضوع ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا اور یہ تسلیم کرنا کہ قرآن مجید اللہ سبحانہٗ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کا اعتراف کرنا کہ قیامت آنے والی ہے اور سب مُردوں کو زندہ کیا جائے گا اور میدان حشر

میں جمع کیا جائے گا' پھران کا حساب لیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء یا سزا دی جائے گی۔

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے اور حیوانوں اور مویشیوں کی تخلیق اور دن کے بعد رات لانے' بارش کو نازل کرنے اور ہواؤں کو فضا میں جاری کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے پر استدلال فرمایا ہے اور ان لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جاہلیت مشرکین کے مقابلہ میں اسلام کی ملت بیضاء اور شریعت معتدلہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے لے کر آئے اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اس شریعت کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جو دستور حیات بھیجا ہے اس پر عمل کریں' جس میں فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں اور حکیمانہ نظام ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو سراپا نور اور ہدایت ہے اور مومنین کے لیے شفاء ہے اور جو شخص عمداً اندھا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ دیکھے اور نہ ان پر غور وفکر کرے اور اپنے اوپر ہدایت کے تمام منافذ اور ذرائع کو بند کر دے اور اپنے کانوں اور دل پر ڈاٹ لگا لے اور زبان سے کلمۂ حق نہ کہے وہ دنیا اور آخرت میں اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔

اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد کیا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے اور حشر ونشر اور حساب و کتاب کا شدت سے انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان قدرت کا مالک ہے' آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے اس نے جب ابتداءً ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے تو اس کے لیے دوبارہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اس سورت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ سب لوگوں کو جمع فرمائے گا اور حق اور عدل کے ساتھ دنیا میں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے گا اور کفر اور شرک کرنے والوں اور بُرے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا' اس دن مومنین اور صالحین جنت میں جائیں گے اور اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر اور انکار کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے' اسی کے لیے عظمت ہے اور اسی کا غلبہ ہے اور وہ بے حد حکمت والا ہے۔

السورۃ الجاثیہ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا فرمائے اور ہدایت پر برقرار رکھے' مجھے حق کی حقانیت پر مطلع فرمائے اور وہی مجھ سے لکھوائے اور باطل کے بطلان سے مجھے آگاہ فرمائے اور مجھے اس سے مجتنب رکھے اور اس کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت دے۔ آمین

والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين امام الانبياء والمرسلين قائد الغر المحجلين وعلى آله الطيبين واصحابه الراشدين وازواجه امهات المومنين واولياء امته وعلماء ملته وسائر امته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم النعیمیہ' ۱۵- فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/ ۲۱۲۰۶۱۷-۰۳۴۵/۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ/۱۴ مارچ ۲۰۰۴ء

(۴۵) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۵) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ركوعاتها ۴ آياتها ۳۷

سورۃ الجاثیہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O بے شک آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ

اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین

دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ

میں پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے، پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں)

بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ

اور ہواؤں کو چلانے میں اصحاب فہم و فراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یہ اللہ کی

اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ

آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں، سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان

وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ

لائیں گے O ہر بہتان تراشنے والے بدکار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی

تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

ہیں، پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں، سو (اے رسول مکرم!) آپ

اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩﴾ مِن وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا

لیتا ہے ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں

شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾

آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنالیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ

یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید

ع ۱ / ۱۱ / ۱۷ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

دردناک عذاب ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے' یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے' پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے چلانے میں' اصحاب فہم وفراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یہ اللہ کی آیتیں ہیں' جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے O (الجاثیہ: ۶۔۱)

حدیث ''کنت کنزا مخفیا'' کی تحقیق

الجاثیہ: ۱ میں فرمایا: حامیم' اس کا معنیٰ ہے: اس سورت کی ابتداء حامیم سے ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حٰم کی حا سے اللہ تعالیٰ کی حیات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی میم سے اس کی مؤدت اور محبت کی طرف اشارہ ہے' گویا کہ فرمایا: مجھے اپنی حیات اور اپنی محبت کی قسم! مجھے اپنے اولیاء اور احباء سے ملاقات کی بہ نسبت اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حا سے حب ازلی کی طرف اشارہ ہے جو مقدم ہے اور میم سے معرفت ابدیہ کی طرف اشارہ ہے جو مؤخر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق. میں ایک مخفی خزانہ تھا' پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت معرفت پر مقدم ہے۔ (روح البیان ج ۸ ص ۵۸۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ ص ۲۲۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بالکل نہیں ہے' اس کی کوئی سند معروف نہیں ہے' صحیح نہ ضعیف' علامہ زرکشی اور علامہ عسقلانی نے بھی اس کی اتباع کی ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○ (الذاریات: ۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔

(الاخبار الموضوعہ ص ۱۷۹' رقم الحدیث: ۶۹۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ' ملا علی قاری کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اکثر صوفیاء کے کلام میں یہ حدیث ہے' انہوں نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے اور اس پر اپنے قواعد کی بنیاد رکھی ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۱۳۲' مکتبۃ الغزالی دمشق)

تنزیل قرآن کے مقاصد

الجاثیہ: ۲ میں فرمایا: ''اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے ○''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ذکر کی ہیں: (۱) بہت غالب (۲) بہت حکمت والا' اللہ تعالیٰ کا بہت غالب ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور اس کا بہت حکمت والا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور جو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا عالم ہو وہ کوئی بے فائدہ اور فضول کام نہیں کرتا اور اس نے جب قرآن مجید کو نازل کیا ہے تو اس سے مقصود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل فراہم کرنا ہے اور قیامت تک کے لوگوں کو توحید کا پیغام سنانا ہے اور ان کی بدعقیدگیوں کا رد کرنا ہے' انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت دینا ہے اور ان کی صالح حیات کے لیے ایک دستور عطا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے استدلال

الجاثیہ: ۳ میں فرمایا: ''بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○''

کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے ایسے احوال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں' آسمان اور زمین دونوں اجسام مخصوصہ ہیں' ان کی جسامت کی مقدار معین ہے' ان کی وضع اور سمت معین ہے' ان کی حرکت معین ہے' اب ضروری ہے کہ اس مخصوص مقدار' مخصوص وضع اور سمت اور مخصوص حرکت کا کوئی مخصص ہو' کیونکہ ترجیح بلا مرجح محال ہے اور ضروری ہے کہ وہ مرجح ممکن نہ ہو واجب ہو' کیونکہ اگر وہ مخصص ممکن ہوا تو اس کے وجود کے لیے پھر کسی مرجح کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب اور قدیم ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واحد ہو ورنہ تعدد وجباء لازم آئے گا اور ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ تعدد وجباء محال ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آسمانوں میں سورج' سیارے (چاند اور مریخ وغیرہ) اور ستارے ہیں اور زمینوں میں پہاڑ' سمندر' درخت اور انواع واقسام کے حیوانات ہیں اور یہ تمام کے تمام ایک نظام کے تحت ہیں' ہزاروں سال سے سورج کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں' کچھ لوگ حضرت عزیر کو خدا کہتے ہیں' کچھ لوگ دیوی اور دیوتاؤں کو خدا کہتے ہیں مگر سورج اور چاند کا طلوع اور غروب تو ان کے وجود اور ظہور سے بہت پہلے تھا تو وہ اس نظام کے خالق نہیں ہو سکتے' پھر

ہم دیکھتے ہیں کہ اس تمام کائنات کا نظام ایک نہج پر چل رہا ہے' سورج اور چاند ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کی مقابل جانب میں غروب ہو جاتے ہیں' گلاب کے پھولوں کے درخت میں گلاب ہی لگتے ہیں کبھی چنبیلی کے پھول نہیں کھلتے' آم کے درخت سے آم ہی پیدا ہوتا ہے کیلا یا اناس پیدا نہیں ہوتا' اس تمام کائنات کا نظام واحد ہے اور یہ نظام کی وحدت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہمارا ناظم اور خالق بھی واحد ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' دراصل یہ نشانیاں تو مومن اور کافر سب کے لیے ہیں لیکن ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش صرف مؤمنین ہی کرتے ہیں اور ان نشانیوں سے فائدہ صرف مؤمنین ہی اٹھاتے ہیں' اس لیے فرمایا: ان میں مؤمنین کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' اس کی نظیر یہ ہے کہ فرمایا: ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ○ '' (البقرہ:۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے حالانکہ قرآن مجید تو سب کے لیے ہدایت ہے جیسے فرمایا ہے: ''هُدًى لِّلنَّاسِ '' (البقرہ:۱۸۵) یعنی قرآن مجید فی نفسہ تو سب کے لیے ہدایت ہے مگر اس کی ہدایت سے فائدہ متقین ہی اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر انسانوں' حیوانوں اور درختوں سے استدلال

الجاثیہ:۴ میں فرمایا: ''اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں○ ''

تخلیق سے مراد ہے: انسانوں کی تخلیق میں' اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے' اس سے مراد تمام حیوانوں کی تخلیق ہے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل ہے' کیونکہ انسان اور حیوان دونوں حیوان ہیں' پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جسم میں مختلف جسامت کے اعضاء ہیں' اسی طرح حیوانوں کے اجسام میں بھی مختلف جسامت کے اعضاء ہیں' پھر ان اعضاء کی قوت کار بھی الگ الگ ہے' اب جب کہ جسم ہونے میں یہ تمام اجسام مساوی ہیں تو پھر ہر جسم میں ان مختلف اعضاء اور ان کی مختلف قوت کار کی تخصیص کا موجب کون ہے؟ پس اسی بیان سابق سے ضروری ہے کہ یہ مخصص واحد ہو اور واجب الوجود اور قدیم ہو۔

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے فرمایا ہے: جب انسان اپنی ظاہری اور باطنی استعداد کے حسن پر غور کرے اور اس پر غور کرے کہ اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے اور اپنی قامت کی استقامت کو دیکھے اور اپنی صورت اور سیرت کے حسن کو دیکھے اور اپنی عقل اور سوجھ بوجھ پر غور کرے اور اپنے اعضاء کی خصوصیات پر غور کرے' پھر اس کے مقابلہ میں حیوانوں کے اعضاء' ان کی ساخت' ان کے اوصاف اور ان کی طبائع پر غور کرے تو اس پر یہ منکشف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اس کو بہت امتیاز اور شرف عطا فرمایا ہے اور جیسی اس کو عقل اور فہم عطا فرمائی ہے کسی اور مخلوق کو عطا نہیں فرمائی' پھر انسان کو فرشتوں پر بھی فضیلت عطا فرمائی ہے' اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور مسجود ملائکہ مقربین بنایا ہے اور انسانوں میں سے جو اہل اصفیاء ہیں ان کو انواع و اقسام کے مکاشفات' مشاہدات اور تجلیات عطا فرمائی ہیں تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام مخلوقات میں مکرم اور مشرف بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر رات اور دن کے اختلاف' بارش سے روئیدگی اور ہواؤں سے استدلال

الجاثیہ:۵ میں فرمایا: ''اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے''۔ الآیۃ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کے اختلاف کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ سبحانہٗ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ کبھی دن رات سے لمبا ہوتا ہے اور کبھی رات دن سے لمبی ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرجح ہو اور وہ

مرجح واجب ہے اور واحد ہے جیسا کہ ہم پہلے اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے' کیونکہ اس بارش سے زمین میں پودے اگتے ہیں اور درخت بن جاتے ہیں اور درخت میں تنا ہوتا ہے' شاخیں ہوتی ہیں اور پتے ہوتے ہیں اور پھول اور پھل ہوتے ہیں' ان سب کی جسامت مختلف ہوتی ہے' رنگ مختلف ہوتا ہے اور خوشبو مختلف ہوتی ہے اور ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں' پس ضروری ہے کہ ان خصوصیات کا کوئی موجد ہو اور ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور واحد ہو جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے چلانے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ ہوائیں کبھی مشرق سے مغرب کی جانب چلتی ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی جانب چلتی ہیں' پس ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرجح ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب اور واحد ہو۔

یومنون' یوقنون اور یعقلون فرمانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے الجاثیہ :۳ میں فرمایا: ''آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے نشانیاں ہیں'' اور الجاثیہ :۴ میں فرمایا: ''تمہاری اور حیوانوں کی تخلیق میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' اور الجاثیہ :۵ میں فرمایا: ''رات اور دن کے اختلاف' بارش اور ہواؤں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' پہلے ایمان والوں کا ذکر فرمایا' پھر یقین کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور پھر عقل والوں کا ذکر فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ان دلائل میں غور کرو اور اگر تم مومن نہیں لیکن حق کے متلاشی اور یقین کے طالب ہو تو ان دلائل کو سمجھ لو اور اگر تم حق کے متلاشی اور یقین کے طالب نہیں ہو تو کم از کم تم عقل تو رکھتے ہو' تو تم اپنی عقل سے ان دلائل میں غور کرو اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر ونشر' حساب و کتاب' مؤمنوں کے لیے شفاعت' کفار کی شفاعت سے محرومی' مؤمنین اور صالحین کے جنت میں دخول' کفار اور فجار کے عذاب اور ان کے دوزخ میں دخول تمام عقائد کا ذکر ہے اور فقہی احکام کے اصول اور کلیات کا بیان ہے' سابقہ امتوں اور ان کے نبیوں کے احوال کا ذکر ہے' فرشتوں اور جنات کا ذکر ہے' غرض اسلام کے تمام عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان ہے' لیکن قرآن مجید تمام دنیا کی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا نہیں ہے' نہ قرآن مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب ہے نہ سائنس کی کتاب ہے اور یہ جو بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم مذکور ہیں بلکہ بعض نے کہا: اس میں ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات مذکور ہیں اور اس میں ہر حادثہ اور ہر واقعہ کا ذکر ہے یہ صحیح نہیں ہے' قرآن مجید صرف ہدایت کی کتاب ہے اور عقائد اور احکام شرعیہ سے متعلق اس میں تمام احکام مذکور ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

عقل کی تعریف' عقل کی اقسام اور عقل کے متعلق احادیث

اس آیت میں عقل کا ذکر ہے کہ عقل والوں کے لیے ان چیزوں میں توحید کی نشانیاں ہیں' اس لیے یہاں ہم عقل کی تعریف کر رہے ہیں: عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس علم کو انسان اس قوت سے حاصل کرتا ہے اس کو بھی عقل کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں: ایک عقل طبعی ہے اور ایک عقل سمعی ہے اور جب تک عقل سمعی نہ ہو عقل طبعی سے فائدہ نہیں ہوتا' عقل طبعی سے مراد وہ قوت ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے جس سے انسان اچھے اور برے اور نیک اور بدکام میں تمیز کرتا ہے اور عقل سمعی سے مراد وہ علوم ہیں جو

انسان کو لوگوں سے سن کر اور کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہوتے ہیں' مثلاً سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہے' محنت سے کما کر روزی حاصل کرنا اچھا ہے اور چوری' ڈکیتی' لوٹ مار اور بھتوں سے روزی حاصل کرنا بُرا ہے' نکاح سے اولاد کا حصول اچھا ہے اور زنا سے اولاد کا حصول بُرا ہے۔

عقل کے پہلے معنیٰ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: کھڑی ہو' وہ کھڑی ہوگئی' پھر اس سے فرمایا: پیٹھ پھیر تو اس نے پیٹھ پھیر لی' پھر اس سے فرمایا: سامنے ہو تو وہ سامنے ہوگئی' پھر فرمایا: بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گئی' پھر اس سے فرمایا: میں نے تجھ سے عمدہ اور تجھ سے افضل اور تجھ سے اچھی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی' میں تیرے سبب سے لیتا ہوں اور تیرے سبب سے عطا کرتا ہوں اور تیرے سبب سے پہچانا جاتا ہوں اور تیرے سبب سے ناراض ہوتا ہوں اور تیرے سبب سے ہی ثواب ہے اور تجھ پر ہی عقاب ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۳۴' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۱۳' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۸' کتاب العقل لابن ابی الدنیا ص ۱۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اس عقل سے مراد عقل طبعی ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے اور عقل سمعی کی طرف اشارہ ان احادیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنی عقل کی مقدار کے مطابق ہی اہل جہاد سے ہوتا ہے اور اہل صلوٰۃ سے اور اہل صیام سے اور اپنی عقل کے مطابق ہی نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی عقل کے مطابق ہی اس کو جزاء دی جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۳۶' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۱۵' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۸۰۔۷۹' کتاب العقل لابن ابی الدنیا ص ۱۲' الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۷۲' اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۱۲۴' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان نے عقل کی مثل کسی چیز کو حاصل نہیں کیا جو اس کو نیکی طرف ہدایت دیتی ہے اور بُرائی سے روکتی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۶۰' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۳۸' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۴۱' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توفیق بہترین قائد ہے' حسن خلق بہترین قرین ہے' عقل سب سے عمدہ صاحب ہے' ادب بہترین میراث ہے' تکبر سے زیادہ کسی چیز میں وحشت نہیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۶۱' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۳۹' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۷۱۔۱۷۰' اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عاقل وہ ہے جو اللہ کے حکم سے کسی بُرے کام سے رک گیا اور جس نے زمانہ کے مصائب پر صبر کیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۸۳' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۵۹' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: زبان کو روکنا اور نرم گفتاری عقل مندی ہے اور بدزبانی اور سخت کلامی بے عقلی ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۸۵' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۶۱' اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں)

ان لوگوں کی مذمت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن سننے کے باوجود ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں کی مدح جو آپ سے قرآن سنے بغیر ایمان لے آئے

الجاثیہ: ۶ میں فرمایا: "یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے O"۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ان آیتوں کی ہم آپ کے سامنے تلاوت کرتے ہیں' اس کا معنیٰ ہے: ہم جبریل کے واسطے سے آپ کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ آپ کے سامنے ان آیتوں کی حضرت جبریل نے تلاوت کی تھی اور یہ آیات حق اور صدق کے ساتھ مقرون ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان دلائل توحید کی طرف اشارہ ہو جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید ہے اور اس کتاب کی عبارت اور اس کے احکام قیامت تک محفوظ اور غیر منسوخ ہیں اور اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہونی ہے نہ کوئی وحی آنی ہے تو جب تم اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے' کیونکہ ہمارے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اور اس کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی اور اس نبی کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا' پس اگر تم اس نبی پر ایمان نہیں لائے اور اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے۔

اس آیت میں حدیث کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کتاب کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں کتاب پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ. (الزمر: ۲۳) اللہ نے سب سے عمدہ حدیث (کتاب) نازل کی ہے۔

اس آیت میں کفار مکہ کی مذمت کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے' اس کا مطلب یہ ہے: وہ لوگ باعث فضیلت اور لائق حمد ہیں جو قرآن مجید کو سن کر ایمان لائے' فرشتے قرآن مجید سن کر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لانا اس قدر قابل تعریف نہیں ہے کیونکہ وہ امور غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قرآن مجید کو سن کر اس پر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لانا بھی اس قدر باعث تحسین اور موجب حیرت نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید کو سنا' آپ کے بے شمار معجزات کا مشاہدہ کیا' کمال تو ان کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بن دیکھے ایمان لائے' جنہوں نے نبوت کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن نہیں سنا اس کے باوجود قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لے آئے' اس معنیٰ پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے۔

ان لوگوں کی مدح میں احادیث جو آپ کو بن دیکھے آپ پر ایمان لے آئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے' ان میں سے ایک شخص یہ چاہے گا کہ کاش! اس کا سارا مال اور اس کے سارے اہل جاتے رہیں اور وہ مجھے ایک نظر دیکھ لے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے' کوئی از خود نہیں جانتا کہ اس کے اول میں خیر ہے یا اس کے آخر میں خیر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) پوچھا: تمہارے نزدیک مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: فرشتے' آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں' صحابہ نے کہا: پھر انبیاء علیہم السلام ہیں' آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے' صحابہ نے کہا: پھر ہم ہیں' آپ نے فرمایا: تم

ایمان کیوں کر نہیں لاؤ گے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے' وہ ان صحیفوں کو پائیں گے جن میں اللہ کی کتاب ہو گی اور وہ اس پوری کتاب پر ایمان لائیں گے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۳۸)

عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی روایت کرتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کرنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا: اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو پہلوں کی طرح اجر ملے گا' وہ نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے منع کریں گے اور فتنہ باز لوگوں سے قتال کریں گے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۱۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کے لیے ایک خوشی ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لیے سات خوشیاں ہوں جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

ابومحیریز بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحابی رسول ابی جمعہ سے کہا: ہمیں ایسی حدیث سنائیں جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو' انہوں نے کہا: ہاں! میں تم کو ایک جید حدیث سناتا ہوں' ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا اور ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح بھی تھے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے افضل بھی کوئی ہے' ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیا' آپ نے فرمایا: ہاں! جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہو گا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر بہتان تراشنے والے بدکار کے لیے ہلاکت ہے ○ وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے' جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں' سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ○ اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے' ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○ ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنا لیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید دردناک عذاب ہے ○ (الجاثیہ: ۱۱-۷)

ویل کا معنیٰ

''ویل'' فارسی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: سخت عذاب۔ امام ابن جریر نے کہا: ویل دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۸۴) ''افاک'' افک سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی پر تہمت لگانا' اس پر بہتان تراشنا ''اثیم'' مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ اثم (گناہ) کرنے والا۔

الجاثیہ: ۸ میں فرمایا: ''وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے' جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں' سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ○''

اصرار کا معنیٰ

الجاثیہ: ۸ میں فرمایا: ''وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے ○'' الآیۃ

اس آیت میں ''یصر'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر اصرار ہے' اس کا معنیٰ ہے: گناہ کو منعقد کرنا اور اس پر ڈٹے رہنا اور اس

گناہ سے توبہ اور اس سے رجوع کرنے سے انکار کرنا' اس کی اصل صَــــرٌّ ہے جس کا معنی ہے: رقم اور دینار و درہم کی تھیلی کو باندھنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ کفار قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں اور اس کے انکار پر اصرار کرتے ہیں' اس کو اللہ کا کلام نہیں مانتے اور اپنے اس قول پر جمے اور ڈٹے رہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۶۴' مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ' بیروت)

النضر بن الحارث عجم کے شہروں میں جاتا اور وہاں سے قصہ کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا' مثلاً رستم اور سہراب کے قصے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید سناتے تو وہ اس کے مقابلہ میں مجمع لگا کر ان قصوں کو سناتا تھا۔

الجاثیہ: ۹ میں فرمایا: ''اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے' ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O'' جب اس شخص کو ہماری نازل کی ہوئی ان آیات میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے جو ہم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہیں تو یہ قرآن مجید کی تمام آیات کا مذاق اڑانے کے درپے ہو جاتا ہے اور صرف اس ایک آیت کے مذاق اڑانے پر اقتصار نہیں کرتا گویا وہ پورے قرآن مجید کا مخالف ہے۔

الجاثیہ: ۱۰ میں فرمایا: ''ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آ سکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنا لیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O''

اس آیت میں ''الوراء'' کا لفظ ہے' وراء اس جانب کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کے سامنے یا پیچھے کی چیزیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ (الکشاف ج ۴ ص ۲۹۰) یعنی جہنم ان کے سامنے ہے کیونکہ یہ اس عذاب کی طرف متوجہ ہوں گے جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے' یا ان کے پیچھے جہنم ہو گا کیونکہ یہ جہنم سے اعراض کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ان کا کوئی عمل ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا' اور یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی یا جن شخصیات کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہو گا۔

الجاثیہ: ۱۱ میں فرمایا: ''یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید دردناک عذاب ہے O''

آیات مذکورہ کے اشارات

یہ قرآن مجید انتہائی ہدایت دینے والی کتاب ہے گویا کہ یہ عین ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا کفر کیا ہے ان کے لیے بہت سخت درد پہنچانے والا عذاب ہے' ان آیات میں حسب ذیل اشارات ہیں:

(۱) بعض لوگوں کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ بہ ظاہر ان آیات کو سن رہے ہوتے ہیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے یا قرآن مجید کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے حقیقت میں قرآن مجید کو نہیں سنتے' ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور ان آیات کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے' اس آیت کی وعید کے خطرہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو حضور قلب کے بغیر بے توجہی اور بے دھیانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یا قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں۔

(۲) جب کوئی عالم ربانی قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی نکتہ بیان کرے تو اس کو قبول کرنا چاہیے اور عناد سے اس کو رد

نہیں کرنا چاہیے اور جب کوئی عالم دین قرآن مجید اور احادیث سے کوئی نظریہ پیش کرے تو اس کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی سے یا اندھی تقلید کی بناء پر رد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب عالم دین قرآن اور حدیث کے حوالے سے کوئی بات کہے تو اس کو رد کرنا درحقیقت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو رد کرنا ہے۔

(۳) قرآن مجید ہدایت ہے لیکن ان کے لیے ہدایت ہے جو قرآن مجید کو مانتے ہیں' نہ کہ ان کے لیے جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں' پس جو شخص قرآن مجید کی عبارات اور اس کے اشارات کا اقرار کرتا ہے وہ دوزخ کے عذاب کی رسوائی سے نجات پائے گا اور جو اس کا انکار کرے گا وہ دوزخ کے رسوا کرنے والے عذاب میں گر جائے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا

اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے' اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ

کو تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر ادا کرو O اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

زمینوں میں ہے' سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے

یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ

لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے

اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ

دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا

نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور بے شک

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا

(اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی O اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے' اس کے

اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا'

يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ

بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O پھر ہم نے

عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا

آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

پیروی نہ کیجئے O بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہیں O یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا

افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جن لوگوں نے (بر سر عام) گناہ کیے ہیں

السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے'

مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۱۰ ۱۸

یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے' اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کر سکو اور تا کہ تم شکر ادا کرو O اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے O بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی تو اس کا وبال اس پر ہو گا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (الجاثیہ: ۱۵-۱۲)

بحری جہازوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کی کن نعمتوں پر موقوف ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس نے سمندر میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے کے لیے سمندر کو تمہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس کام کی تسخیر مزید حسب ذیل کاموں کی تسخیر پر موقوف ہے:

(۱) ہواؤں کو اس سمت پر چلانا جس سمت کشتی جا رہی ہو کیونکہ اگر ہوا مخالف ہو تو کشتی کا سفر دشوار ہو گا۔

(۲) پانی کو اس کیفیت پر برقرار رکھنے کہ کشتی پانی کی سطح پر ٹھہر سکے اور سفر کر سکے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کا معمولی سا ٹکڑا پانی میں ڈوب جاتا اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں ٹن کے بحری جہاز سطح سمندر پر سفر کرتے رہتے ہیں' پس سبحان ہے وہ ذات جو لوہے کے معمولی سے ٹکڑے کو سطح آب پر ٹھہرنے نہیں دیتا اور ہزاروں ٹن وزنی بحری جہازوں کو سمندر میں رواں دواں رکھتا ہے۔

(۳) اللہ نے ہی وہ ایندھن پیدا کیا جس سے دخانی کشتیوں کا انجن اور موٹر چلتا ہے' اس نے زمین میں قدرتی گیس پیدا کی اور تیل پیدا کیا جس سے بحری جہاز کے انجن چلتے ہیں اور اس نے یورینیم پیدا کیا جس سے ایٹمی بحری جہاز چلتے ہیں۔

(۴) اس نے انسان کو ایسی عقل اور فہم عطا کی جس نے بحری جہازوں کے انجن بنائے اور قدرتی گیس' تیل اور یورینیم کو بہ طور ایندھن استعمال کرنے کی استعداد اور صلاحیت عطا کی' ایک دور میں انسان چپوؤں سے کشتی چلاتے تھے' پھر ہوا کی طاقت سے اور اس کے زور سے بادبانی جہاز چلانے لگے' پھر اللہ نے انسانی دماغ کو مزید ترقی کی راہ پر ڈالا' وہ انجن سے جہاز چلانے لگے اور تیل اور گیس کو بہ طور ایندھن استعمال کرنے لگے اور اب یورینیم کی طاقت سے ایٹمی انجن سے بحری جہاز چلائے جاتے ہیں' پس سبحان ہے وہ ذات جس نے زمین میں ان چیزوں کو پیدا کیا اور انسان کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی سمجھ اور صلاحیت عطا کی۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا. (آل عمران:۱۹۱)

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کی نعمت

الجاثیہ:۱۳ میں فرمایا: ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہےO''

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سورج کو اور چاند کو اور ان کی گردش کو ہمارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے' اگر سورج سے دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی تو ہم کاروبار حیات کو کیسے انجام دیتے' پھر اگر سورج اپنے مقام سے زیادہ اونچا ہوتا تو ہم سردی سے منجمد ہو جاتے اور اگر زیادہ نیچے ہوتا تو جل کر بھسم ہو جاتے' اگر سورج کی حرارت نہ ہوتی تو فصلیں کیسے پکتیں اور اب شمسی توانائی کے حصول کا دور ہے اور شمسی توانائی سے مشینیں چلائی جا رہی ہیں۔

چاند کی کرنوں سے غلہ میں اور پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور دور افتادہ دیہاتوں میں جہاں بجلی نہیں پہنچی وہاں چاند کی روشنی سے ہی رات کو گزارا کیا جاتا ہے۔

زمین اللہ تعالیٰ نے مٹی کی بنائی ہے اور اس کو قابل کاشت بنایا ہے' اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس میں بیج ڈال کر کھیت اور باغ تیار کیے جا سکتے ہیں' مٹی کے اجزاء سے مکان بنائے جا سکتے ہیں' فرض کیجئے' اگر اللہ تعالیٰ سونے' چاندی یا لوہے کی زمین بنا دیتا تو اس سے یہ فوائد کیسے حاصل کیے جا سکتے تھے' پس سبحان ہے وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں ایسی استعداد اور صلاحیت رکھی کہ وہ ہمارے کام آ سکیں اور ہم ان سے فائدے اٹھا سکیں۔

پھر فرمایا کہ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں یعنی ان سب چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے اور اپنی حکمت سے پیدا کیا ہے اور ان کو ایسے نظام کا پابند کر دیا ہے جس سے اس کی مخلوق فائدہ اٹھا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات میں غور وفکر کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا: "اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں میں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اور جنت اور دوزخ میں ایک ساعت غور وفکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے اور تمام لوگوں سے افضل وہ ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جو اللہ سبحانہ کی نعمتوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۱۶' اتحاف ج ۱ص ۱۶' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ص ۱۴۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق میں غور وفکر کرو' خالق میں غور وفکر نہ کرو' کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۶' الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۸' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کرو' اللہ میں غور وفکر نہ کرو۔ (کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۷' الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۹' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرو' اللہ میں غور وفکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۳۱۰' الکامل لابن عدی ج ۷ص ۹۵' شعب الایمان ج ۱ص ۱۲۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۸' اس کی سند حسن ہے)

الجاثیہ: ۱۴ کے شان نزول کی تحقیق

الجاثیہ: ۱۴ میں فرمایا: "آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O"

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے غزوہ بنو المصطلق میں ایک کنویں کے پاس قیام کیا جس کا نام المریسیع تھا' عبداللہ بن ابی نے اپنے غلام کو اس کنویں سے پانی لینے کے لیے بھیجا' وہ کافی دیر بعد واپس آیا' عبداللہ بن ابی نے پوچھا: تمہیں دیر کیوں ہوئی؟ اس نے کہا: حضرت عمر کا غلام کنویں کے منہ پر بیٹھا ہوا تھا' اس نے کسی کو کنویں سے پانی لینے نہیں دیا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور ان کے غلام کی مشکیں نہ بھر جائیں' یہ سن کر عبداللہ بن ابی نے کہا: ان کی اور ہماری حالت کے متعلق یہ ضرب المثل ہے: اپنے کتے کو موٹا تازہ کرو تاکہ وہ تمہیں کھا جائے' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو وہ تلوار سونت کر ابن ابی کی طرف جانے لگے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے O (الجاثیہ: ۱۴) (اسباب نزول القرآن ص ۳۹۳' رقم الحدیث: ۷۴۳' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۹۰۸' الکشاف ج ۴ص ۲۹۱' تفسیر کبیر ج ۹ص ۶۷۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۵۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' علاوہ ازیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور غزوہ بنو المصطلق ۵ھ میں مدینہ میں ہوا تھا' نیز اس آیت میں کفار سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ اس سے پہلے دو ہجری میں بدر کا معرکہ ہوا تھا اور کفار

کے خلاف متعدد غزوات ہو چکے تھے۔ علامہ واحدی متوفی ۴۶۸ھ' علامہ بغوی متوفی ۵۱۶ھ' علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس روایت کا ذکر کیا ہے' لیکن ان امور پر غور نہیں کیا' اس آیت کے شان نزول میں دوسری روایت یہ ذکر کی گئی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(البقرہ:۲۴۵)

تو مدینہ میں فنحاص نام کا ایک یہودی تھا' اس نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب محتاج ہو گیا' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ تلوار لے کر اس شخص کو ڈھونڈنے چلے گئے' تب حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ آیت لے کر آئے: ''آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے''۔ (الجاثیہ:۱۴) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور جب وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا: اے عمر! تلوار رکھ دو' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ (اسباب النزول رقم الحدیث:۷۴۳' ص۳۹۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

یہ واقعہ بھی مدینہ کا ہے اور یہ سورت مکی ہے' اس روایت کو بھی مذکور الصدر مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس پر بھی وہی اعتراض ہوتے ہیں جو ہم نے اس سے پہلی روایت پر کیے ہیں۔

علامہ علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ نے اس کے شانِ نزول میں لکھا ہے:

مشرکین میں سے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی' حضرت عمر نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر حضرت عمر اس مشرک سے انتقام لینے سے رک گئے۔ (النکت والعیون ج۵ ص۲۶۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (الجاثیہ:۱۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جب مشرکین نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے تو آپ ان سے اعراض کرتے تھے' وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے' پھر اللہ عزوجل نے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام مشرکین سے قتال کریں' پس گویا یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۴۱۱۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کو حسب ذیل آیتوں نے منسوخ کر دیا:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ○ (الانفال:۵۷) پس جب کبھی آپ جنگ میں ان پر غالب ہوں تو ان پر ایسی ضرب لگائیں کہ ان کے پیچھے والے بھی بھاگ جائیں تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ○

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً. اور تم تمام مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

(التوبہ:۳۶)

مسلمانوں کو اس وقت تک ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ پڑھ لیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۲۴۱۲۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں ایام اللہ کا ذکر ہے' اس سے مراد ہے: دنیا میں لوگوں پر انعام کرنے یا ان کو سزا دینے کے ایام' جیسے وہ دن

جب بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات دی اور یہی وہ دن تھا جب فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا گیا۔

فجور ظاہر اور فجور باطن

الجاثیہ: ۱۵ میں فرمایا: ''جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص کے نیک عمل کا فائدہ اس کو پہنچتا ہے اسی طرح ہر شخص کے بُرے عمل کا ضرر بھی صرف اس شخص کو پہنچتا ہے۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ جو کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مؤمنوں کو ناحق ایذا پہنچاتے ہیں تو اس کا نقصان دنیا اور آخرت میں صرف ان ہی کو ہوگا اور جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عزت اور نصرت کرتے ہیں اس کا نفع بھی صرف ان ہی کو پہنچے گا اور آخرت میں تم سب کو اللہ سبحانہ کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ تم سب کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

اس آیت میں نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی ہے اور بُرے اعمال سے ڈرایا ہے' پس جو مسلمان مجرموں کو معاف کردیں گے اور ان کو بخش دیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے وہ شیطان کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے' سو جو شخص ابرار اور نیکوکاروں میں سے ہوگا تو ابرار دائمی جنتوں میں ہوں گے اور جو شخص فجار اور بدکاروں میں سے ہوگا تو بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

فجور کی دو قسمیں ہیں' ایک فجور صوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنا ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور دوسرا فجور معنوی ہے اور وہ اللہ کے نیک بندوں کا انکار کرنا ہے اور ان کو آزار پہنچانے کے درپے ہونا ہے اور ان کے خلاف ایسی سازشیں کرنا ہے جس سے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہو کہ وہ ان کے خیر خواہ ہیں اور حقیقت میں وہ ان کے ساتھ بدخواہی کریں' پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جو اس کے احکام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے فیصلوں اور اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور جو حرام کاموں' مشتبہ امور اور فضول اور غیر متعلق چیزوں سے احتراز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو (اس زمانے کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی O اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے' اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آچکا تھا' بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O (الجاثیہ: ۱۷-۱۶)

بنو اسرائیل کو دی گئی نعمتیں

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بنو اسرائیل کا طریقہ اپنے پیش رو کفار کے طریقہ کے موافق تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کی کثیر نعمتیں دیں' اس کے باوجود وہ سرکشی اور عناد سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں: دینی نعمتیں اور دنیاوی نعمتیں اور دینی نعمتیں دنیاوی نعمتوں سے افضل ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دینی نعمتوں سے ابتداء کی ہے' بنو اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی نعمتیں عطا کی تھیں وہ یہ ہیں: کتاب' حکومت اور نبوت' کتاب سے مراد ہے تورات اور حکم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) اس سے مراد علم اور حکمت ہے (۲) اس سے مراد مقدمات کے فیصلوں کی صلاحیت ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم' یعنی فقہ کا علم اور نبوت سے مراد ہے: بنو اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا۔

اور دنیاوی نعمتوں کے متعلق فرمایا: ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بہت وسیع چیزیں عطا فرمائی تھیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے اموال کا اور ان کے مکانوں کا وارث بنا دیا' پھر میدان تیہ میں ان پر من اور سلویٰ نازل فرمایا اور دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کرنے کے علاوہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اپنے وقت میں ان کا مرتبہ اور درجہ اس وقت کی تمام اقوام سے افضل اور اعلیٰ تھا۔

بغض و عناد کی بناء پر بنو اسرائیل کا حق سے انکار کرنا

الجاثیہ: ۱۷ میں فرمایا: ''اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو یہ بتا دیا تھا کہ آخر زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی' رسول اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا جائے گا اور وہ مکہ میں پیدا ہوں گے' چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کریں گے اور تیرہ سال بعد مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے اور اہل مدینہ ان کی نصرت اور مدد کریں گے اور ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لیے ان کو بہت بڑے بڑے معجزات عطا کیے جائیں گے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے زیادہ بڑے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے دین اسلام کے حق ہونے پر ان کو ایسے دلائل اور شواہد عطا کر دیئے تھے کہ اگر وہ ان دلائل اور شواہد میں غور و فکر کرتے تو ان پر حق منکشف ہو جاتا لیکن انہوں نے حسد اور بغض کی بناء پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانا اور تورات میں آپ کی نبوت کے صدق کی جو آیتیں تھیں وہ ان کو لوگوں سے چھپاتے رہے اور آپ کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے'' O

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ بنو اسرائیل نے بغض اور حسد کی بناء پر حق سے منہ موڑا تو بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا اور جس کو دنیا میں نعمتیں دی گئی ہوں اسے ان پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آخرت میں اس کو عذاب کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے O بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے O یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جن لوگوں نے (برسرعام) گناہ کیے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے' یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O (الجاثیہ: ۲۱-۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ممتاز اور منفرد ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے دین حق' دین اسلام سے صرف حسد اور بغض کی وجہ سے منہ موڑا تھا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے طریقہ سے احتراز کریں اور دین حق کے ساتھ وابستہ رہیں اور ماسوا اظہار حق کے اور اثبات صدق کے آپ کی کوئی اور غرض نہیں ہونی چاہیے' اس لیے فرمایا: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت پر گامزن کر دیا' یعنی ہم نے آپ کو دین اسلام کے منہاج اور اس کے طریقہ پر

ثابت اور برقرار رکھا ہے' سو آپ صرف اپنی شریعت کی اتباع کیجئے جو دلائل اور بینات سے ثابت ہے' جاہلوں کی ناجائز خواہشیں بلا دلیل ہیں اور ان کے ادیان اور مذاہب ان کی خواہشوں اور جہل پر مبنی ہیں' سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے۔

کلبی نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب سرداران قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف رجوع کیجئے جو آپ سے افضل تھے اور آپ سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہے کہ: بنو اسرائیل کے بعد ہم نے آپ کے لیے دین اسلام کی شریعت بنائی' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے' اس دین کے احکام شرعیہ کو اپنے اوپر بھی نافذ کیجئے اور اپنے پیروکاروں کے اوپر بھی اس دین کے احکام کو جاری کیجئے۔

اور اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ہم نے آپ کو متعدد خصوصیات عطا فرما کر دوسرے نبیوں اور رسولوں سے منفرد اور ممتاز بنایا ہے اور آپ کی شریعت کو بھی سابقہ شرائع سے ممتاز اور منفرد بنایا ہے اور آپ کی شریعت میں وہ خصوصی احکام رکھے ہیں جو دیگر شریعتوں میں نہیں تھے' سو آپ ان خصوصیات کی معرفت رکھیں اور اپنی شریعت پر قائم اور ثابت رہیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور دوسروں کی متابعت کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ اگر آپ کے زمانہ میں حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو آپ کی اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ہم نے جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور منفرد شریعت عطا فرمائی ہے جس میں ایسی خصوصیات ہیں جو ان کی شرائع میں نہیں تھیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاکیزگی کا آلہ (تیمم) بنا دیا گیا' لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا (۴) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) دی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے: مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۶۔۴۳۲)

آپ کی شریعت کے بعد کسی اور شریعت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں

اور ہم نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے آپ کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ان کی کوئی کتاب ملی' وہ اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے پڑھنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم کو اپنے دین میں شک ہے' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' میں تمہارے پاس صاف صاف شریعت لے کر آیا ہوں' تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو' (مبادا) وہ تمہیں کوئی حق بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کر دو یا وہ تمہیں کوئی باطل بات بتائیں اور تم اس کی تصدیق کر دو اور اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۳ ص ۳۴۹' رقم الحدیث: ۱۵۱۶۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۲۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۶' سنن داری رقم الحدیث: ۴۳۵)

آپ کو جاہلوں کی اتباع سے منع کرنے کا محمل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے: ''سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اس شریعت کی اتباع نہ کریں اور جاہل لوگوں کی یا بنو اسرائیل کی خواہشوں کی پیروی کریں' اس لیے اس آیت میں تعریض ہے' یعنی بہ ظاہر اس آیت میں جاہلوں کی پیروی کی ممانعت کا اسناد آپ کی طرف کیا گیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے' گویا آپ کی امت سے یہ فرمایا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس شریعت اسلام کی پیروی کریں اور جاہلوں اور یہودیوں کی شریعت کی پیروی نہ کریں اور ان کی شریعت کی طرف التفات نہ کریں جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی میں تورات کو پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۴۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ فرماتے ہیں:

قرآن مجید پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ باقی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا معاملہ اس طرح ہے جس طرح ہم اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے کلام کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان رکھیں کہ اس کا کلام اس کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ہماری قرأت کے ساتھ اس کے کلام کی قرأت ہوتی ہے اور یہ کلام ہمارے دلوں میں محفوظ ہے اور ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور اس کا ان مصاحف میں حلول نہیں ہے' جس طرح اللہ سبحانہٗ کا ہماری زبانوں سے ذکر ہوتا ہے اور ہمارے دلوں میں اس کا علم ہے اور ہماری مساجد میں اس کی عبادت ہوتی ہے اور اس کا ان میں حلول نہیں ہے اور اللہ کے کلام کا قلیل اور کثیر میں حصر نہیں ہے' اس کو جب عربی میں پڑھا جائے تو اس کو قرآن کہتے ہیں اور اس کو جب سریانی میں پڑھا جائے تو اس کو انجیل کہتے ہیں اور جب اس کو عبرانی میں پڑھا جائے تو اس کو تورات کہتے ہیں اور ہماری اس شریعت میں اس کا نام قرآن ہے نہ کہ وہ جس کا نام تورات اور انجیل ہے' کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل تورات اور انجیل تھے' ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی ہے اور ان کی خیانت کی خبر دی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے تھے اور رد و بدل کرتے تھے اور اپنی طرف سے کتاب میں عبارت بنا کر لکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ سبحانہٗ پر جھوٹ باندھتے تھے' لہٰذا جب مسلمان ان کی کتاب سے کوئی چیز پڑھے گا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ درحقیقت کتاب کی وہ عبارت یہود و نصاریٰ کی گھڑی ہوئی ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیوں سوال کرتے ہو' حالانکہ تمہارے پاس وہ کتاب موجود ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور اس میں تم سب سے تازہ اور نئی خبروں کو پڑھتے ہو جو پرانی نہیں ہوئیں' پھر اللہ عزوجل نے تم کو ان کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے

اوراس کو بدل دیا ہے اور وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' تا کہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لے لیں' سنو اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے متعلق ان سے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان کا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۶۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۵)

بعض مفسرین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ادب سے محروم تفسیر

الجاثیہ: ۱۹ میں فرمایا: ''بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آسکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہےO''

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا یہ معنیٰ ہے کہ اگر آپ ان یہودیوں کے دین کی طرف مائل ہوئے تو آپ عذاب کے مستحق ہو جائیں گے اور اس وقت یہ یہودی آپ سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔ (تفسیر کبیر ج۹ ص ۶۷۵) میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری معنیٰ ہے اور درحقیقت یہاں پر بھی تعریض ہے اور ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے کہ اگر آپ کی امت دین کے کسی معاملہ میں ان کی طرف مائل ہوئی تو وہ عذاب کی مستحق ہو جائے گی اور اس وقت یہ یہودی آپ کی امت کے کسی کام نہیں آسکیں گے اور ان سے عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم انہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین میں کسی قسم کا ردوبدل کرو گے تو اللہ کے مواخذہ سے وہ تمہیں نہ بچا سکیں گے۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۵۸۷' طبع لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے دین میں ردوبدل کرنا کب متصور ہے؟ یہ وہی لکھ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے ادب واحترام سے بالکل خالی ہو۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

دراصل الجاثیہ: ۱۹۔۱۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ان کی باہمی ضد اور نفسانی اختلافات کی وجہ سے بہت فرقے بن گئے تھے' حدیث میں ہے کہ ان میں بہتر فرقے تھے' ہم نے ان کے اس تفرقہ کے زمانہ میں آپ کو دین کی صحیح شاہ راہ (شریعت) پر قائم کر دیا ہے' لہٰذا آپ کو اور آپ کی امت پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کی اسی شریعت پر جمے رہیں اور اس سے سرمو منحرف نہ ہوں' مکہ کے جاہل قریش کی خواہش ہے کہ آپ ان کے ظلم اور ستم سے تنگ آکر ہمت ہار بیٹھیں اور ان کے ہم نوا ہو جائیں یا کم از کم ان کے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور اہل کتاب میں سے یہودی یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے طریقہ کی موافقت کر لیں' سو آپ اپنی امت کو بتا دیں کہ اگر انہوں نے ان کی موافقت کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت کے مستحق ہو جائیں گے اور یہ یہودی اور کفار مکہ آپ کی امت سے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہےO''

دنیا میں کفار اور مشرکین ایک دوسرے کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حامی نہیں ہوگا جو ان کو اجر وثواب پہنچا سکے یا ان سے عذاب کو دور کر سکے' رہے متقین اور ہدایت یافتہ لوگ تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو کامیاب اور

سرفراز فرمائے گا' ان کے حق میں کی گئی شفاعت کو قبول فرمائے گا اور جن کی یہ شفاعت کریں گے اس کو بھی قبول فرمائے گا۔

بصیرت کے معنیٰ کی تحقیق

الجاثیہ: ۲۰ میں فرمایا: "یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O"

اس قرآن میں عقائد اور اصول ہیں اور احکام شرعیہ ہیں' رشد اور ہدایت کے لیے واضح نشانیاں ہیں' نیک کام کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کی بشارتیں ہیں اور بدکاروں کے لیے عذاب کی وعیدیں ہیں اور ان چیزوں سے دلوں میں نور اور بصیرت کا حصول ہوتا ہے اور جس طرح روح حیات کا سبب ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید نور اور بصیرت کے حصول کے سبب ہے اور جو شخص قرآن مجید کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے سے عاری ہوتا ہے وہ نور اور بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ اس مردہ کی طرح ہوتا ہے جس میں نہ کوئی حس ہوتی ہے اور نہ حیات ہوتی ہے' قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی قرآن کریم پر بصائر کا اطلاق فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ (الانعام: ۱۰۵) بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع آ چکے ہیں۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے' جو دراصل دل کی روشنی کا نام ہے' یہاں اس سے مراد وہ دلائل اور براھین ہیں جن کو قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دلائل کو بار بار بیان فرمایا ہے' جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اختیار کرے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو ان دلائل کو دیکھنے کے باوجود ہدایت کا راستہ نہیں اختیار کرے گا اس میں اسی کا نقصان ہے۔

بصر آنکھ سے ادراک کرنے کو کہتے ہیں' جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی O (النجم: ۱۷) نہ آنکھ بہکی نہ حد سے بڑھی O

اور دل میں جو قوت مدرکہ رکھی گئی ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۗ عَلٰى بَصِيْرَةٍ (یوسف: ۱۰۸) میں پوری معرفت اور تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

اور بصر کی جمع ابصار آتی ہے اور بصیرت کی جمع بصائر آتی ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۳-۶۲ ملخصاً مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نور کے ساتھ انسان اجسام اور محسوسات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصر کہتے ہیں اور جس نور کے ساتھ انسان معانی اور معقولات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا

نیز فرمایا: یہ قرآن ہدایت ہے یعنی گم راہی کے اندھیروں سے ہدایت کا نور عطا کرنے والی ہے اور فرمایا: یہ قرآن رحمت ہے' یعنی یہ قرآن ایک عظیم رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کاملہ ہے کیونکہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادات اس قرآن مجید پر عمل کرنے سے یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

یقین کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو نور بصیرت سے مقام یقین تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جب ان کو یہ نور حاصل ہوتا ہے تو ان کے سامنے حق اور باطل منکشف ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں لوگوں کے کئی مراتب اور درجات ہیں'

بعض وہ ہیں جو اشیاء اور حقائق کو عقل کے نور سے جانچتے ہیں اور بعض ان کو فراست کے نور سے پرکھتے ہیں اور بعض ان کو ایمان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض ان کو یقین کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض احسان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض عرفان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض آنکھ کے نور سے دیکھتے ہیں اور جو شخص بصیرت کے جس درجہ پر فائز ہو وہ اشیاء اور حقائق کو اسی درجہ کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔

قرآن مجید کے ہدایت اور رحمت ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ہماری خامیوں اور ان کی اصلاح کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔

قتادہ نے کہا: قرآن تمہاری بیماری اور دواء دونوں کی طرف رہ نمائی کرتا ہے' رہی تمہاری بیماری تو وہ تمہارے گناہ ہیں اور رہی تمہاری دوا تو وہ استغفار ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۷' رقم الحدیث: ۷۱۴۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہاری بیماری اور دواء پر رہ نمائی نہ کروں' تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دواء استغفار ہے۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۸' رقم الحدیث: ۷۱۴۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

توحید کے مراتب

سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور اس کا تدارک اور علاج توحید ہے اور توحید کے کئی مراتب ہیں' توحید الافعال' توحید الصفات اور توحید الذات۔

توحید الافعال کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (ابراہیم: ۱۲) — اور توکل کرنے والے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔

توکل توحید الافعال کا نتیجہ ہے' کیونکہ توکل کا معنیٰ ہے: اپنے تمام معاملات کو اپنے مالک کے سپرد کر دینا اور پھر اسی پر اعتماد کرنا۔

اور توحید الصفات کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ (الفجر: ۲۸-۲۷) — اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو ○

کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت قضاء وقدر پر راضی ہوتا ہے تو اس کے اوپر جو مصائب اور آلام آتے ہیں وہ ان کی شکایت نہیں کرتا اور وہ صرف یہ سوچ کر خوش اور راضی رہتا ہے کہ اس کے مالک اور مولیٰ کی طرف سے اس پر جو حال بھی طاری کیا جائے وہ اس کا کرم ہے اور اس کا لطف ہے اور تقدیر کے نافذ ہونے سے وہ خوش' مطمئن اور راضی ہوتا ہے اور یہ مرتبہ توحید الصفات کا ثمرہ ہے۔

اور توحید الذات کی طرف اشارہ ان آیتوں میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ (القصص: ۸۸) — اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (الرحمان: ۲۷-۲۶) — زمین پر جو بھی ہیں وہ سب فنا ہونے والے ہیں ○ صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور اکرام والی ہے ○

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توحید کے ان تینوں مراتب پر ایمان عطا فرمائے۔

الجاثیہ:۲۱ میں فرمایا: ''جن لوگوں نے (برسر عام) گناہ کیے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے' یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O''

جرح اور اجتراح کا معنیٰ

اس آیت میں ''اجترحوا'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ جرح ہے' جرح کا معنیٰ ہے: زخمی کرنا' کمانا اور کسب کرنا' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجرح کا معنیٰ ہے: کھال میں بیماری کا اثر ظاہر ہونا اور زخم'' جرحہ'' کا معنیٰ ہے: اس کو زخمی کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدہ:۴۵) اور زخموں میں بدلہ ہے۔

شکاری کتوں کو' چیتوں کو اور چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کو جارحۃ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع جوارح ہے' کیونکہ جانور دوسروں کو زخمی کرتے ہیں یا کسب کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ. (المائدہ:۴) اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اس حال میں کہ تم ان کو شکار کرنا سکھانے والے ہو۔

انسان کے کسب کرنے والے اعضاء کو جوارح کہا جاتا ہے اور ان کو ان شکاری جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور الاجتراح کا معنیٰ ہے: گناہ کا کسب کرنا یا گناہ کمانا' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ. (الجاثیہ:۲۱) کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے گمان کیا ہے۔

(المفردات ج۱ ص ۱۱۸۔۱۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

کفار کی زندگی اور موت کا مسلمانوں کے برابر نہ ہونا

سیئات سے مراد کفر اور گناہ کبیرہ ہیں' یعنی کیا کفار اور فساق نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کے برابر کر دیں گے اور ان کو وہی اجر و ثواب اور عزت اور مرتبہ دیں گے جو مؤمنین اور صالحین کو دیں گے اور ان کی زندگی اور موت مؤمنین اور صالحین کی زندگی اور موت کی مثل ہوگی' ہرگز نہیں' یہ دونوں فریق برابر نہیں ہیں' کیونکہ مؤمنین اور صالحین کو زندگی اور موت میں ایمان اور اطاعت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور موت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی رضا میں ہوتے ہیں۔ ان کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے بہت حسین و جمیل صورتوں میں آتے ہیں اور بہت آسانی سے ان کی روح قبض کرتے ہیں جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے اور کافر کی روح قبض کرنے کے لیے بہت ڈراؤنی شکل میں فرشتے آتے ہیں اور بہت سختی کے ساتھ اس کی روح نکالتے ہیں جیسے کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی کانٹوں کی شاخ کو نکالا جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی شخص پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں پس اگر وہ شخص نیک ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح! تو پاکیزہ جسم میں تھی تو تعریف اور تحسین کیے جانے کی حالت میں نکل آ' تجھے خوشی اور راحت کی بشارت ہو اور رب کے ناراض نہ ہونے کی خوشی ہو' اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کی روح نکل آئے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف اوپر لے جایا جائے گا اور اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ فرشتے کہیں گے: یہ فلاں شخص ہے تو کہا جائے گا کہ پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو یہ پاکیزہ جسم

میں تھی تو تعریف وتحسین کے ساتھ داخل ہو اور راحت کی بشارت کو قبول کر اور رب کے ناراض نہ ہونے کو‘ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا‘ حتیٰ کہ وہ اس آسمان میں پہنچ جائے گی جس میں اللہ سبحانہٗ ہے اور جب فرشتے کسی فاجر کی روح قبض کرنے کے لیے جائیں تو اس سے کہتے ہیں: اے خبیث روح! تو خبیث جسم میں تھی‘ تو اس حال میں نکل کہ تیری مذمت کی جارہی ہے‘ تیرے لیے گرم پانی اور پیپ (کے پینے) اور اسی طرح کے اور عذابوں کی بشارت ہے‘ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا‘ حتیٰ کہ وہ روح نکل آئے گی‘ پھر اس کو اوپر آسمان کی طرف لے جایا جائے گا‘ پھر اس کے متعلق پوچھا جائے گا: یہ کون ہے؟ تو بتایا جائے گا کہ یہ فلاں شخص ہے‘ تو کہا جائے گا: یہ خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی اس کو خوش آمدید نہ ہو‘ تو مذموم ہونے کے حال میں واپس جا‘ تیرے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے‘ پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا اور وہ قبر میں چلی جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۲‘ مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے اور انہوں نے اس کی خوشبو کا ذکر کیا‘ تو دو فرشتے اس روح کو اوپر لے جاتے ہیں اور آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح زمین کی جانب سے آئی ہے۔ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اور جس جسم میں تو تھی اس پر بھی اللہ کی رحمت ہو‘ پھر اس روح کو اس کے رب کے پاس لے جایا جائے گا‘ پھر اللہ فرمائے گا: اس روح کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے‘ پھر حضرت ابو ہریرہ نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر کیا اور آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح زمین کی جانب سے آئی ہے‘ پھر کہا جائے گا: اس کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۲)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں اور کافر کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح لوہے کی سلاخ بھیگے ہوئے اون سے نکلتی ہے۔ الحدیث (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳‘ مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: (کامیاب) زندگی وہ ہے جو تمہاری زندگی ہے اور (کامیاب) موت وہ ہے جو تمہاری موت ہے۔

(صحیح مسلم‘ کتاب الجہاد‘ باب فتح مکہ رقم الحدیث: ۸۶‘ الرقم بلا تکرار: ۱۷۸۰)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مومن صالح کی زندگی اور موت میں اور کافر اور فاجر کی زندگی میں بہت بڑا فرق ہے اور ان دونوں کی زندگی اور موت میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ ہرگز ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں۔

کفار قریش یہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ اچھے حال میں ہیں‘ ہمارے پاس مال و دولت ہے‘ ہمارے ماتحت زیادہ اور ہمارے پاس زیادہ شوکت اور طاقت ہے اور جو دنیا میں زیادہ خوش حال اور طاقت ور ہو وہی آخرت میں بھی خوش حال اور طاقت ور ہوگا‘ لہٰذا اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ان کی آخرت اچھی ہوگی تو ہماری آخرت بھی اچھی ہوگی‘ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ جن لوگوں نے (برسرعام) گناہ کیے ہیں‘ کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے‘ یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں ○ اس کے علاوہ اس مضمون کی حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مؤمنوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ (المومن: ۵۲-۵۱)

کھڑے ہوں گے ○ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا ○

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا لَكُمْ ۔ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ (القلم: ۳۶-۳۵)

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے ○ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو ○

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے رہے ہیں یا ہم متقین کو فجار کے برابر کر دیں گے ○

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ
اور اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر
بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ
ظلم نہیں کیا جائے گا ○ پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا
هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ
عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
پر پردہ ڈال دیا' پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے' تو کیا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا
تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○ اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم (اسی
وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ
دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں
اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ
اس کا کچھ علم نہیں وہ محض گمان کر رہے ہیں ○ اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف

إِلَّآ أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلِ ٱللَّهُ

یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ

کو زندہ کرتا ہے' پھر (وہی) تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع)

أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ ع

میں کوئی شک نہیں ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا' پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے' تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O (الجاثیہ: ۲۳۔۲۲)

اللہ سبحانہٗ کا کفار اور فجار کو عذاب دینا اس کا ظلم نہیں عدل ہے

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور عارفین کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی آیات اور تجلیات نظر آتی ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور اس کی صفت رحم کا اظہار ہو' کفار کو جو اللہ سبحانہٗ ان کے گناہوں کی سزا دے گا یہ اس کا عدل ہے اور مومنین کو جو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا یہ اس کا فضل ہے' اس لیے فرمایا: ''اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

بعض بے دین اور دہریے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کو پیدا کیا اور اس کو کمزور اور مظلوم پر مسلط کر دیا' پھر کئی مرتبہ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام نہیں لیتا اور یہ اللہ کا ظلم ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے' یہ اس کا ظلم نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ O اللہ سے اس کے فعل کا سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا O (الانبیاء: ۲۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بہ ظاہر بھی ظلم نہیں ہے' ظلم اس وقت ہوتا جب اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہوتا' اللہ تعالیٰ اس جہان کے بعد ایک اور جہان پیدا فرمائے گا' جہاں ظالم کو اس کے ظلم کرنے پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اس کے ظلم سہنے پر جزاء دی جائے گی اور دنیا میں اللہ تعالیٰ ظالم پر گرفت نہیں فرماتا بلکہ اس کو ڈھیل دیتا رہتا ہے تا کہ اس کو رجوع کرنے کا موقع ملے' لیکن جب وہ اپنے مظالم کا تدارک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر سخت گرفت فرماتا ہے اور مظلوم کو دنیا میں جزاء نہیں دیتا تا کہ وہ اپنی مظلومیت پر مسلسل صبر کرتا رہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی ایک حکمت ہے اور اس کے افعال کی بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں اور ہم ناقص اور ناتمام علم والے اس علیم و حکیم کے علم اور حکمتوں کو مکمل طور سے کب جان سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر عمل کرنا اپنی خواہشوں کی عبادت کرنا ہے

الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: ''پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا''۔ الآیۃ

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل کسی کام کرنے کو چاہتا ہے اور ہم کو علم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اس کام سے منع کیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اس کام کو کرتے ہیں اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کرتے' سو بتائیں کہ ان مواقع پر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی خواہش کی اتباع اور اپنے نفس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں' اگر ہم اپنے دن اور رات کے تمام کاموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے دن اور رات میں کم سر جھکاتے ہیں اور اپنی خواہش کے سامنے زیادہ سر جھکاتے ہیں۔

اسی طرح کوئی شخص اپنی خواہش سے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر کی عبادت کرتا ہے' کوئی رام اور کرشن کی عبادت کرتا ہے' کوئی لات اور منات کی عبادت کرتا ہے' کوئی ستاروں کی عبادت کرتا ہے' کوئی آگ اور پیپل کی عبادت کرتا ہے' یہ سب اپنی خواہش کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں' اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

بعض بندوں کو رسول بنانے اور بعض کو گمراہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا' حالانکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی نہیں ہے اور اس نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے' اس کے باوجود اس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اس نے علم کے باوجود گم راہی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر گم راہی کو پیدا کر دیا اور اس معنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی اور پرہیزگاری کو قبول نہیں کرے گا اور جب اس کو اختیار دیا جائے گا تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں گم راہی کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور جس کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی کو اور تقویٰ اور طہارت کو قبول کرے گا وہ نہ صرف نیک ہوگا بلکہ دوسروں کو نیک بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے راستے میں ہر قسم کی مشقت اور صعوبت کو برداشت کرے گا' اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو مقدر کر دیا' لہٰذا فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام: ۱۲۴) — اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ ارواح بشریہ کے جواہر مختلف ہوتے ہیں' ان میں سے بعض مشرقہ نورانیہ علویہ الٰہیہ ہوتے ہیں جن کا اللہ کی ذات وصفات کی طرف میلان ہوتا ہے اور بعض میلے سفلیہ ہوتے ہیں جن کا جسمانی شہوتوں کی طرف بہت زیادہ میلان ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے جوہر ذات کے اعتبار سے اور اس کی حقیقت اور اس کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کے متعلق ارشاد فرمایا' پس مردودین کے متعلق فرمایا:

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (الجاثیہ: ۲۳) — اور اس کو اللہ نے علم کے باوجود گم راہ کر دیا۔

اور مقبولین کے متعلق فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. (الانعام: ۱۲۴) — اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۷۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کفار کے کان اور دل پر مہر لگانے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ''اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا''۔

اس کے کان پر مہر لگا دی یعنی اس کے کان کو ایسا بنا دیا کہ وہ وعظ اور نصیحت کو قبول نہیں کرتا اور حق بات کو قبول نہیں کرتا اور اس کے دل پر مہر لگانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے دلائل اور نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتا اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں کرتا اور حق کے پیغام کو قبول نہیں کرتا اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، جو دیکھنے اور اعتبار کرنے سے مانع ہے، غشاوۃ سے مراد وہ پردہ ہے جو آنکھوں کو ڈھانپ لے اور اس کے لیے دیکھنے اور اعتبار کرنے سے مانع ہو۔ اور غشاوۃ میں تنکیر تنویع کے لیے ہے، یعنی یہ ایک خاص نوع کا پردہ ہے اور یا تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی یہ بہت عظیم پردہ ہے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:

اللہ سبحانہٗ نے کفار مکہ کے کان پر مہر لگا دی، پس ان کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سننے سے محروم رکھا اور ان کے دل پر مہر لگا دی تو ان کو آپ کے خطاب کے سمجھنے اور اس کے حقائق اور دقائق، اس کے نکات اور اس کے اسرار و رموز سمجھنے سے محروم رکھا اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو ان کو آپ کے حسن و جمال کے دیدار کرنے سے محروم رکھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۱۹۸)

اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف دعوت دیں تو وہ نہیں سنیں گے اور آپ ان کو اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ (بہ ظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور وہ (حقیقت میں آپ کو) بالکل نہیں دیکھ سکتے ○

شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے یہ سوال کیا کہ جمال یوسف کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں کاٹ لی تھیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر کسی نے اپنی انگلیاں نہیں کاٹیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا۔

(انفاس العارفین ص ۱۰۲ ملخصا، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۸ھ، الدر الثمین ص ۷، مطبوعہ دہلی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سننا اور آپ کا ادراک کرنا اور آپ کے جمال جہاں آراء کو دیکھنا ایک نعمت ہے۔ کفار کو ان کے کفر کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رکھا گیا، آپ کے کلام کو سننے کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کان ہونے چاہئیں اور آپ کے چہرۂ انور کو دیکھنے کے لیے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی آنکھیں چاہئیں، کفار کی آنکھیں کب اس لائق تھیں کہ آپ کا دیدار کر سکتیں، کفار یہ کہتے تھے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (حم السجدۃ: ۵)

کفار نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں اس کے متعلق غور کرنے کے لیے ہمارے دلوں میں پردے

ہیں اور اس کو سننے کے متعلق ہمارے کانوں میں ڈاٹ (بہرہ پن) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار نے کہا: ہم آپ کے پیغام کے متعلق سوچتے نہیں' آپ کا کلام سنتے نہیں اور آپ کو دیکھتے نہیں' اللہ تعالیٰ نے الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا اور اس طرح یہ بتایا کہ واقعہ یہ نہیں ہے کہ تم ان کو سنتے نہیں ہو اور ان کو دیکھتے نہیں ہو' بلکہ ہم تمہیں ان کا کلام سناتے نہیں اور ان کا جمال دکھاتے نہیں۔

اس آیت کی ایک اور توجیہ اس طرح ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد اور غرض و غایت سے خالی ہو تو گویا کہ وہ چیز نہیں ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کان اس لیے دیئے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو آپ سے بہ غور سنیں' دل اس لیے دیا تھا کہ آپ کے پیغام کو دل سے قبول کریں اور آنکھیں اس لیے دی تھیں کہ آپ کے حسن و جمال کو محبت سے دیکھیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو بہ غور نہیں سنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''صُمٌّ'' (البقرہ: ۱۸) یہ بہرے ہیں اور جب زبان سے آپ کا کلمہ نہیں پڑھا تو فرمایا: ''بُكْمٌ'' (البقرہ: ۱۸) یہ گونگے ہیں اور جب آپ کو محبت کی آنکھ سے نہیں دیکھا تو فرمایا: ''عُمْیٌ'' (البقرہ: ۱۸) یہ اندھے ہیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو دل سے قبول نہیں کیا تو فرمایا: ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ'' (البقرہ: ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ حاصل یہ ہے کہ آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کو دیکھے' کان اس کے ہیں جو محبت سے آپ کی باتیں سنیں اور زبان اس کی ہے جو محبت سے آپ کا کلمہ پڑھے۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ الجاثیہ دونوں میں کانوں اور دلوں پر مہر لگانے کے الگ الگ محامل

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے کانوں اور دلوں پر مہر اور ان کی آنکھوں پر پردے کا ذکر' سورۃ البقرہ: ۷ میں بھی کیا ہے اور یہاں الجاثیہ: ۲۳ میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے' اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں کیا فرق ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. (البقرہ: ۷)

اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کانوں پر' اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

اور یہاں فرمایا:

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً. (الجاثیہ: ۲۳)

اللہ نے اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے کان کا ذکر فرمایا ہے اور پھر دل کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ البقرہ میں پہلے دل کا ذکر فرمایا ہے اور پھر کان کا' کان اور دل کے مدرکات میں فرق یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان پہلے ایک کلام کو سنتا ہے پھر اس کا دل میں اثر ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں پہلے سے کسی کے خلاف بغض اور حسد ہوتا ہے تو جب وہ اس کا کلام سنتا ہے تو اس بغض کی بناء پر بے توجہی سے سنتا ہے اور پہلی صورت میں اس کے ظاہری اعضاء کا اثر دل پر ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے دل کا اثر اس کے ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے' سورۃ الجاثیہ میں پہلے کان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دل کا یعنی کان سے سننے کا اثر دل پر ہوتا ہے' کفار مکہ لوگوں سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ کاہن اور شاعر ہیں اور انہوں نے ملک اور اقتدار کے حصول کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' پس جب ناواقف لوگ کفار مکہ سے یہ باتیں سنتے تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا تو ان کے دلوں میں آپ کے خلاف غم و غصہ پیدا ہوتا اور وہ آپ سے منتشر ہو جاتے اور یہ کانوں

سے دل کے متاثر ہونے کی صورت ہے اور اس پر سورۃ الجاثیہ محمول ہے اور دل کا اثر کانوں پر ہونے کا سورۃ البقرہ میں ذکر ہے کیونکہ جب دل میں کسی کے خلاف بغض اور حسد ہو تو وہ اس کی بات سنتا ہی نہیں یا بے دلی اور بے توجہی سے سنتا ہے اور اس کی طرف سورۃ البقرہ میں اشارہ ہے' اس لیے وہاں پہلے دلوں کا ذکر فرمایا اور پھر کانوں کا۔

جو اللہ' رسول اور ائمہ کو ہادی نہیں مانے گا وہ شیطان کا متبع ہوگا

اس کے بعد فرمایا: "پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O"

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی' ان کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کو اندھا' بہرا اور گونگا بنا دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کو ہدایت دینے پر کون قادر ہو سکتا ہے' پس تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت دینے پر قادر نہیں ہے تو اب تم کیوں نصیحت کو قبول نہیں کرتے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص صرف عقل کو رہ نما مانتا ہے اور قرآن اور حدیث کو رہ نما نہیں مانتا اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتا اور اپنے زمانہ کے اہل فتویٰ علماء کو حجت تسلیم نہیں کرتا اور قانونِ شریعت کا قلادہ اپنے گلے میں نہیں ڈالتا اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اور دہریوں اور بے دینوں کے افکار کا تابع ہے' ان کے عقلی شبہات کو براہین قاطعہ سمجھتا ہے اور شیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہے' وہ ہر قسم کی گمراہی میں بھٹکا ہوا ہے اور اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض گمان کر رہے ہیں O اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر (وہی) تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الجاثیہ: ۲۶۔۲۴)

کفار کے نقل کردہ قول پر ایک اعتراض کا جواب

ان آیتوں میں اللہ سبحانہ' نے کفار مکہ کے قیامت اور حشر ونشر کے متعلق شبہات کو زائل فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان پر واجب تھا کہ وہ یوں کہتے کہ ہم اسی دنیا میں جیتے اور مرتے ہیں کیونکہ دنیا میں حیات پہلے ہے اور پھر اس کے بعد موت آتی ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے نقل کیے ہوئے قول میں پہلے موت ہے اور اس کے بعد زندگی کا ذکر ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس قول میں جس موت کا پہلے ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ نطفہ ہے جو ان کے آباء کی پشت میں تھا اور وہ نسوانی بیضہ ہے جو ان کی ماؤں کے رحم میں ہوتا ہے' ہر چند کہ نطفہ اور بیضہ میں زندہ جرثومے ہوتے ہیں لیکن ظاہری صورت میں وہ پانی غیر متحرک اور مردہ ہوتا ہے' اس لیے ظاہری طور پر اس کو موت سے تعبیر فرمایا۔

(۲) ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں مرتے ہیں' پھر ہماری اولاد زندہ رہتی ہے۔

(۳) ان کا مطلب یہ تھا کہ بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں۔

(۴) موت سے ان کی مراد یہ تھی جو لوگ مر چکے ہیں اور حیات سے ان کی مراد ان لوگوں کی حیات تھی جو ابھی زندہ ہیں اور ان

پر بعد میں موت آئے گی۔

دہر کا لغوی اور عرفی معنیٰ

انہوں نے کہا: ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے' اس قول میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا اور اس طرح انہوں نے پہلے قول میں قیامت اور حشر ونشر کا انکار کیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا' ان کا کہنا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اشیاء کے طبعی خواص سے ہو رہا ہے یا افلاک کی حرکات سے ہو رہا ہے۔ اس آیت میں چونکہ دہر کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم دہر کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ دہر کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل میں دہر کا معنیٰ ہے: اس جہان کے وجود میں آنے سے لے کر اس کے اختتام تک کی مدت' اسی اعتبار سے قرآن مجید میں ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدھر: ۱)

بے شک انسان پر زمانہ کا ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۝

پھر استعمال میں ہر مدت کثیرہ کو دہر کہا جاتا ہے' اس کے برخلاف زمانہ کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں مدتوں پر ہوتا ہے' کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا دہر' اس سے مراد اس شخص کی حیات ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ نے فلاں شخص پر مصائب نازل کر دیئے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۳۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ دہر کی مذمت کرتے ہیں اور مصائب اور حوادث کی زمانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور طویل زمانہ کو دہر کہتے ہیں اور دنیا کی کل زندگی کو بھی دہر کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو بُرا کہنے اور اس کو سب وشتم کرنے سے منع فرمایا ہے' یعنی ان حوادث اور مصائب کے فاعل کو بُرا نہ کہو کیونکہ جب تم مصائب کے فاعل اور خالق کو برا کہو گے تو تمہارا یہ سب وشتم اللہ پر واقع ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادہ کے موافق ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے نہ کہ دہر' اور تمام حوادث کو لانے والا اللہ سبحانہٗ ہے نہ کہ اس کا کوئی غیر' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس عقیدہ کا رد فرمایا ہے کہ مصائب اور حوادث کو لانے والا دھر ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۱۳۴۔۱۳۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

دہر کے متعلق احادیث

دہر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم دہر کو بُرا کہتا ہے اور میں (خالق) دہر ہوں' میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن کی گردش ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم دہر کو بُرا کہہ کر مجھے اذیت پہنچاتا ہے' میں (خالق) دہر ہوں' رات اور دن کو گردش دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۵۷۵۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب

ابن آدم کہتا ہے: اے دہر کی ناکامی! تو وہ مجھے اذیت پہنچاتا ہے' لہٰذا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے دہر کی ناکامی یا نامرادی' پس بے شک میں (خالق) دہر ہوں' میں ہی رات اور دن کو گردش میں رکھتا ہوں اور میں جب چاہوں گا تو ان کو قبض کر لوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۵۷۵۶)

کلمات حدیث کی تشریح

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اذیت پہنچانا محال ہے' پھر اللہ تعالیٰ کو کون اذیت پہنچا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے یعنی ابن آدم میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو ایک اذیت پہنچانے والا کسی شخص کے ساتھ کرتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ میں دہر ہوں' اس کا معنیٰ ہم نے کیا ہے کہ میں خالق دہر ہوں کیونکہ دہر یعنی زمانہ تو ہر لمحہ اور ہر پل جاتا اور آتا رہتا ہے اور زائل اور متبدل ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ باقی اور لافانی اور لازوال ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ ان احادیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ جب ان پر حوادث' نوازل اور مصائب نازل ہوتے' مثلاً کسی کا مال ضائع ہو جاتا' یا وہ بوڑھا ہو جاتا یا مر جاتا تو وہ کہتے تھے کہ دہر نے ایسا کر دیا۔ اردو شاعری میں بھی مظالم اور مصائب کا اسناد زمانہ' آسمان اور فلک کی طرف کیا جاتا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دہر کو بُرا نہ کہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے' یعنی خالق دہر ہے' پس تم مصائب کے خالق کو بُرا نہ کہو کیونکہ جب تم اس کو بُرا کہو گے تو یہ بُرائی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان مصائب کو نازل کرنے والا ہے۔ رہا دہر تو وہ تو زمانہ ہے' اس کی مصائب کو نازل کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے' بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

کفار اور دہریے بلا دلیل اللہ سبحانہٗ کا انکار کرتے ہیں

اس کے بعد فرمایا: ''(اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض گمان کر رہے ہیں O''

یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کی توحید' قیامت اور حشر ونشر کا انکار کر رہے ہیں اور حوادث اور نوازل کا اسناد دہر اور زمانہ کی طرف کر رہے ہیں' ان کے پاس کوئی دلیل نہیں' یہ محض شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں اور اسی بنیاد پر اپنے عقائد کی تعمیر کر رہے ہیں' اس کے برخلاف مسلمانوں کے عقائد دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ پر مبنی ہیں۔ وہ قیامت' حشر ونشر اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام اور جمیع مؤمنین کے عقائد ہیں اور جس کے یہ عقائد ہوں گے وہ نجات پالے گا اور جس کے عقائد اس کے خلاف ہوں گے وہ ہلاک ہو جائے گا اور ان عقائد کے لوازم سے یہ ہے کہ توحید پر ایمان لایا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جو چیز بھی کائنات میں حادث ہوتی ہے' اس کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ وہی ہر چیز میں مؤثر ہے' اسی لیے دہر کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور تمام تصرفات اسی کی طرف راجع ہیں۔

حشر ونشر کے انکار پر کفار کی حجت کا جواب

الجاثیہ: ۲۵ میں فرمایا: ''اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O''

جو لوگ قیامت اور حشر ونشر کے منکر ہیں جب ان کے سامنے وہ واضح آیات پڑھی جاتی ہیں جن میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً:

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ○ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ○ (یٰسین: ۷۹)	ایک کافر نے کہا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟○ آپ کہیے: ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے○
اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ (حٰم السجدۃ: ۳۹)	بے شک جس ذات نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے○

ان آیات کے جواب میں کفار صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو لے آؤ' اس کو ان کی حجت فرمایا' حالانکہ ان کے اس قول میں یقینی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی یہی حجت تھی یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جو کچھ بھی حجت تھی وہ یہی تھی اور یہ ان کا نہایت ضعیف شبہ ہے کیونکہ جو چیز ابھی تک حاصل نہیں ہوئی ہے اس کے لیے یہ کب لازم ہے کہ وہ آئندہ بھی حاصل نہیں ہوگی تو اگر ابھی تک ان کے مرے ہوئے باپ دادا زندہ نہیں ہوئے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ آخرت میں بھی نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید' قیامت اور حشر و نشر پر دلیل

الجاثیہ: ۲۶ میں فرمایا: "آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر وہی تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا' جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں ہے○"

یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر ہلاک کرتا ہے○ (الجاثیہ: ۲۴) پس اس قول کا قائل دہریہ ہے اور وہ اللہ سبحانہٗ اور قیامت کا منکر ہے' اب اعتراض یہ ہے کہ دہریہ کے اس اعتراض کا جواب اس آیت سے کیسے ہوگا کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر وہی تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا۔ (الجاثیہ: ۲۶) دہریہ تو ان سب چیزوں کو مانتا ہی نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر قرآن مجید کی متعدد آیات میں دلائل دیئے ہیں' اس کائنات کی تخلیق سے' آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں سے' حیوان اور انسان کی پیدائش سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر بار بار استدلال فرمایا ہے کہ انسان کے جسم میں متعدد اعضاء ہیں' ان کی مقدار اور ان کی شکل و صورت ایک دوسرے سے مختلف ہے حالانکہ جسم ہونے اور جسم انسان کے اجزاء ہونے میں سب مساوی ہیں' پس ضروری ہے کہ اس مخصوص شکل اور مقدار کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی مرجح ہو اور وہ مرجح ممکن نہیں ہوگا' ورنہ اس کے لیے پھر کوئی مرجح ضروری ہوگا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل باطل ہے' پس ضروری ہوا کہ انسان کے اعضاء کی مخصوص مقدار اور مخصوص شکل کا مرجح واجب ہو اور تعدد وجباء محال ہے' پس وہ مرجح واجب اور قدیم ہوگا اور واجب ہوگا اور جو مرجح واجب' قدیم اور واحد ہے وہی اللہ ہے تو واضح ہو گیا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جو پہلی بار سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ بھی سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے' پس قیامت اور حشر کا ثبوت فراہم ہو گیا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىٕذٍ

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہو گی اس دن باطل پرست

يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾ وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ

سخت خسارے میں ہوں گے O اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت (اس دن) گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی' ہر جماعت کو

إِلَىٰ كِتَابِهَا ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ

اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے O یہ

عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے O پس جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرما لے گا' یہی واضح

الْمُبِينُ ﴿٣٠﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں'

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے O اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن

برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' ہم محض

نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا

گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے O اور ان کے تمام کاموں کی برائیاں

عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ

ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم

كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن

تمہیں اسی طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

کوئی مددگار نہیں ہے O یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے O اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی' ہر جماعت کو اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے O یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کررہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے O (الجاثیہ: ۲۹۔۲۷)

کفار کا خسارہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جب وہ پہلی بار زندہ کرنے پر قادر ہے تو دوسری بار بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر قائم کرنے پر اس سے بھی عام دلیل کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں پر اس کی حکومت ہے' وہ ان سب چیزوں کو بنانے پر بھی قادر ہے اور فنا کرنے پر بھی قادر ہے اور پھر دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے کیونکہ جب اس کی ان سب چیزوں پر حکومت ہے تو وہ ان پر ہر طرح کا تصرف کرنے پر قادر ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی تجارت میں فائدہ تب ہوتا ہے جب انسان کی اصل پونجی اور اصل زر بھی قائم رہے اور اس کے علاوہ اس کو مزید مال حاصل ہو جائے' انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے حیات' صحت اور قوت بدن اور عقل عطا کی' ان سے کام لے کر وہ جنت اور اخروی نعمتوں کو حاصل کرلیں تو ان کو اس تجارت میں فائدہ ہے اور اگر ان کی صحت اور قوت بدن بھی زائل ہو جائے اور آخرت میں ان کو عذاب دیا جائے تو یہ ان کی تجارت میں خسارہ ہے' کفار نے اپنی حیات' صحت اور قوت کو دنیا میں خرچ کر کے آخرت کا عذاب مول لے لیا تو یہ ان کی تجارت میں صراحتاً خسارہ ہے۔

آیا قیامت کے دن سب گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے یا صرف کفار؟

الجاثیہ: ۲۸ میں فرمایا: ''اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی''۔ الآیۃ

اس آیت میں ''جاثیۃ'' کا لفظ ہے' جثو کا معنی ہے: گھٹنوں کے بل بیٹھنا' جیسے مجرم حاکم کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا

ہے' اس دن ہر امت جس میں مومن بھی ہوں گے اور کافر بھی قیامت کے دن کے ہولناک حالات اور خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور اس بات کی منتظر ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھنا تو صرف کفار کے لائق ہے' کیونکہ مؤمنین کو قیامت کے دن کوئی خوف نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن پہلے مرحلہ میں خوف اور دہشت میں مؤمنین بھی کفار کے ساتھ شامل ہوں گے جب اللہ تعالیٰ پُر جلال آواز میں فرمائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" (المومن:۱۶) آج کس کی حکومت ہے؟ تو کسی کو مارے دہشت کے یارائے جواب نہیں ہوگا تو خود ہی فرمائے گا: "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" (المومن:۱۶) اللہ ہی کے لیے جو واحد قہار ہے۔ ایسے وقت میں سب خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے' پھر دوسرے مرحلہ میں جب شفاعت کبریٰ ہوگی اور مجرموں کو مؤمنوں سے الگ کر دیا جائے گا اس وقت مومن مطمئن ہوں گے اور کافر بدستور خوف اور دہشت میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (العبس:۴۲-۳۸)

اس دن بہت چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے خوش و خرم ہوں گے ○ اور بہت چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ○ وہی لوگ کافر بدکار ہوں گے ○

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کے دن دس سال تک لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پکار کر کہیں گے: اے میرے رب! میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۸۸)

کعب احبار نے حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: قیامت کے روز دوزخ چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس وقت ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھا ہوا ہوگا' حتیٰ کہ خلیل الرحمان علیہ السلام یہ کہیں گے: اے میرے رب! آج میں تجھ سے اپنے نفس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہیں گے کہ آج کے دن میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرتا' میں تجھ سے اپنی ماں مریم کے متعلق بھی سوال نہیں کرتا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۵' روح البیان ج ۸ ص ۶۱۰)

امام سعید بن منصور' امام احمد اور امام بیہقی نے عبداللہ بن باباہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گویا میں دوزخ کے قریب تمہیں ٹیلوں پر دیکھ رہا ہوں' پھر سفیان نے اس آیت کو پڑھا: "وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً" (الجاثیہ: ۲۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۷۱) امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے الجاثیہ: ۲۸ کی تفسیر میں روایت کیا: ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلہ پر آئیں گے اور آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے' پس یہی مقام محمود ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۷۱)

جاثیہ کی تاویلات

امام علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے الجاثیہ کی حسب ذیل تاویلات لکھی ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: مستوفزة (اس طرح بیٹھی ہوئی کہ جلدی اٹھ سکے)' سفیان نے کہا کہ مستوفز اس شخص کو کہتے ہیں جس کے زمین پر صرف گھٹنے اور انگلیوں کی پوریں لگی ہوئی ہوں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: مجتمعہ۔

(۳) مؤرج نے کہا: اس کا معنی ہے: خشوع وخضوع کرنے والی جماعت۔
(۴) حسن نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی۔
پھر یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ صرف کفار کے متعلق ہے' یعنی صرف وہی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے' دوسروں نے کہا کہ یہ تمام مؤمنوں اور کافروں کے متعلق ہے' وہ سب حساب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔
(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۶۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

لوگوں کو ان کے صحائف اعمال کی طرف بلانا

اس کے بعد فرمایا: ''ہر جماعت کو اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا''۔
اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:
(۱) ہر امت کو اس کے حساب کے لیے بلایا جائے گا۔
(۲) کلبی نے کہا: ہر امت کے صحیفۂ اعمال میں اس کے جو اعمال لکھے ہوئے ہیں' خواہ خیر ہوں یا شر ہوں اس امت کو ان کے لکھے ہوئے صحائف کی طرف بلایا جائے گا۔
(۳) جاحظ نے کہا: ہر امت کو اس کتاب کی طرف بلایا جائے گا جو اس کے رسول کے اوپر نازل کی گئی ہے۔
اس کے بعد فرمایا: ''آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔
ان سے کہا جائے گا: جس کا عمل ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی جزاء دے گا اور جس کا عمل کفر اور شرک ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سزا دے گا جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

مؤمنوں اور کافروں کی جزاء کے متعلق احادیث

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ایمان اور شرک اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے' اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا: جاؤ تم اور تمہارے اہل جنت میں چلے جاؤ۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۴۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۴)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا اور ان سے ارشاد فرمائے گا: یہ تمہاری نیکیاں ہیں' ان کو میں نے قبول فرما لیا' سو ان کو لے لو' وہ کہیں گے: اے ہمارے معبود! ہم ان نیکیوں کا کیا کریں گے' تو ہی ان نیکیوں کو لینے کا مستحق ہے' سو تو ہی لے لے' اللہ عزوجل فرمائے گا: میں ان نیکیوں کا کیا کروں گا' میں تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک ہوں' تم ان نیکیوں کو گنہ گاروں میں تقسیم کر دو' پھر وہ شخص اپنے ایک دوست سے ملے گا جس کے گناہ پہاڑوں کی طرح ہوں گے' وہ اپنی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں اس کو دے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۴۶ (لندن)' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۶۸)
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمائے گا' پھر ہر امت کے سامنے اس کے اس معبود کو لایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتا تھا' پھر ان سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا اور موحدین باقی رہ جائیں گے' ان سے کہا جائے گا: تم کس کے انتظار میں ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اپنے رب کے منتظر ہیں جس کی ہم بن دیکھے عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر ہمارا رب چاہے گا تو ہمیں اپنی پہچان کرا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا' تو وہ سب سجدہ میں گر جائیں گے' پھر ان

سے کہا جائے گا: اے اہل توحید! اپنے سروں کو اٹھاؤ' بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے اور تم میں سے ہر شخص کے بدلہ میں ایک یہودی یا نصرانی کو دوزخ میں داخل کر دیا ہے۔

(تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۲۵۱' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۲۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۹۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم میدان محشر میں تمام امتوں سے بلندی پر ہوں گے' پھر باقی امتوں کو علی الترتیب ان کے بتوں کے ساتھ بلایا جائے گا' اس کے بعد ہمارا رب جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا: تم کس کو دیکھ رہے ہو؟ لوگ کہیں گے: ہم اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' لوگ کہیں گے: ہم آپ کو دیکھیں گے' اللہ اپنی شان کے مطابق ہنستا ہوا تجلی فرمائے گا' پھر اللہ ان کو لے جائے گا اور لوگ اس کے پیچھے جائیں گے اور ہر شخص کو ایک نور ملے گا خواہ وہ منافق ہو یا مومن اور لوگ اس نور کے پیچھے چلیں گے اور جہنم کے پل کے اوپر کانٹے دار آنکڑے ہوں گے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ آنکڑے پکڑ لیں گے' پھر منافقین کا نور بجھ جائے گا اور مؤمنین نجات پا جائیں گے۔ نجات پانے والے مسلمانوں میں سے جو پہلا گروہ ہوگا ان کے چہرے چودھویں کی رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے یہ گروہ ستر ہزار افراد پر مشتمل ہوگا اور یہی وہ لوگ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے' پھر وہ لوگ جو ان کے بعد جائیں گے ان کے چہرے سب سے روشن ستارے کی طرح ہوں گے' اس کے بعد شفاعت شروع ہوگی اور صلحاء شفاعت کریں گے حتیٰ کہ جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ہوگا اور ایک جَو کے برابر بھی کوئی نیکی ہوگی ان کو دوزخ سے نکال کر جنت کے سامنے ڈال دیا جائے گا' پھر جنت والے ان پر پانی کے چھینٹے ڈالیں گے جس سے وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے پانی کی مٹی میں سے دانہ ہرا بھرا نکل آتا ہے' ان سے جلن کے آثار جاتے رہیں گے' پھر ان سے ان کی خواہش پوچھی جائے گی اور ان کو دنیا اور اس سے دس گناہ زائد علاقہ جنت میں دے دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱' الرقم المسلسل: ۳۶۱)

اللہ کے لکھنے اور فرشتوں کے لکھنے میں تعارض کا جواب

الجاثیہ: ۲۹ میں فرمایا: ''یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم اس کو لکھتے رہتے تھے ○''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو لکھنے کا اپنی طرف اسناد فرمایا کہ ہم اس کو لکھتے رہتے تھے اور ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اسناد فرشتوں کی طرف فرمایا ہے:

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ○ (الزخرف: ۸۰)
کیوں نہیں' ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں ○

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الانفطار: ۱۲-۱۰)
بے شک تم پر نگہبانی کرنے والے مقرر ہیں ○ معزز لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ○

بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے' لیکن چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لیے ان کا لکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا لکھنا ہے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے: ہمارا لکھا ہوا صحیفۂ اعمال تمہارے خلاف شہادت دے رہا ہے' اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ برحق ہے' اس میں کوئی چیز زیادہ یا کم نہیں ہے' تم دنیا میں جو بھی عمل کرتے تھے خواہ وہ نیک ہوں یا بد' گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ' فرشتے ہمارے حکم سے اس کو لکھ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمالے گا' یہی واضح کامیابی ہےO اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں' پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھےO اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھےO (الجاثیہ: ۳۲۔۲۹)

حقیقی کامیابی کا مصداق

اللہ تعالیٰ مؤمنین اور صالحین کو اپنی رحمت میں داخل کرلے گا' رحمت سے مراد اس کی جنت ہے اور چونکہ جنت رحمت کا محل ہے اس لیے جنت پر رحمت کا اطلاق فرمادیا اور فرمایا: یہی واضح کامیابی ہے کیونکہ جنت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا فرمایا جائے گا اور اس کے دیدار سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت گزاروں کا حال بیان فرمایا ہے اور اس کے منکروں اور مجرموں کا حال اس سے متصل دوسری آیت میں ہے:

الجاثیہ: ۳۰ میں فرمایا: ''اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں' پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھےO''۔

جو لوگ دور دراز کے علاقے میں رہتے ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو' ------------ آیا وہ مکلف ہیں یا نہیں؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کے استحقاق کو اس پر معلق کیا ہے کہ ان پر آیات تلاوت کی جائیں اور وہ ان کو قبول کرنے سے تکبر کریں اور اس سے یہ واضح ہوا کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے کے بعد سزا کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور بغیر ورود شرع کے کوئی چیز فرض یا واجب نہیں ہوتی' اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل سے بھی کوئی چیز فرض یا واجب ہو جاتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دنیا کے دور دراز ملکوں میں جہاں کسی زمانہ میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت نہیں کی گئیں آیا ان کو ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ان سے مواخذہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور یہ لوگ معذور اور مغفور ہیں اور یہ لوگ حکماً اصحاب فترت ہیں' اسی طرح جو شخص مجنون ہو یا اس نے سخت بڑھاپے میں اسلام کو پایا ہو اور وہ سخت لاغری کی بناء پر احکام شرعیہ پر عمل نہ کرسکتا ہو یا جو شخص نابالغی کے زمانہ سے بستر پر ہو اور صرف آکسیجن پر زندہ ہو' اس کو نلکی سے غذا دی جاتی ہو اور فراغت بھی بستر پر ہوتی ہو اور جو شخص بہرا اور گونگا ہو' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًاO (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہم ان کو اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیج دیںO

اور یہاں رسول سے مراد احکام شرعیہ کی تبلیغ ہے تو جب تک کسی شخص کے پاس احکام شرعیہ نہ پہنچ جائیں وہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں ہوگا' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

کے سامنے عذر پیش کریں گے' ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت میں فوت ہو گیا' دوسرا وہ آدمی جس نے سخت بڑھاپے میں اسلام کو پایا' تیسرا وہ آدمی جو بہرا اور گونگا ہو' چوتھا وہ آدمی جو بے عقل ہو' اللہ ان کی طرف ایک رسول کو بھیجے گا اور ان سے فرمائے گا: اس رسول کی اطاعت کرو' پس وہ رسول ان کے پاس آئے گا' پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ' سو جو اس آگ میں داخل ہو جائیں گے ان پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی اور جو اس میں داخل نہیں ہو گا اس پر عذاب ثابت ہو جائے گا۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۲۷۹ رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دار التکلیف نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خواہش کرنے والوں کی خواہشوں کو معاف کر دے گا اور لوگوں کا حساب ان کے اعمال کے اعتبار سے لیا جائے گا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث: ۹۸۰)

زندیق دہریہ کو کہتے ہیں جو نہ آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نہ خالق پر' وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ وہ کسی چیز کے حرام ہونے کو مانتا ہے۔

اصول میں یہ مقرر ہے کہ جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ محض اپنی عقل کی وجہ سے مکلف نہیں ہے' پس جو شخص کسی پہاڑ کے غار میں بالغ ہوا ہو اور اس نے اتنی عمر نہ پائی ہو کہ وہ غور وفکر کر کے اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اور فوراً مر گیا ہو تو وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے اور اس کو معذور قرار دیا جائے گا' کیونکہ کسی شخص کا زندگی کی مہلت پانا اور اتنا زمانہ پالینا کہ وہ غور وفکر کر کے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اس کے حق میں رسول کی تبلیغ کے قائم مقام ہے اور جب اس نے اپنی زندگی میں اتنی مہلت پائی اور غور وفکر نہیں کیا تو پھر وہ معذور نہیں ہے۔

قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ

الجاثیہ: ۳۱ میں فرمایا: "اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے O"

اس آیت میں بتایا ہے کہ ان کافروں کا یہ گمان تھا کہ قیامت آئے گی اور ان کو یقین نہیں تھا' گویا ان کو قیامت کے وقوع میں شک تھا' جب کہ قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے منکر تھے' مثلاً یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا . (الجاثیہ: ۲۴) اور انہوں نے کہا: ہماری زندگی تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے۔

ان آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ تھے' ایک گروہ قیامت کا بالکل منکر تھا اور دوسرے گروہ کو قیامت کے وقوع میں شک تھا۔ اس آیت میں "ظـن" کا لفظ ہے' ظن اس راجح اعتقاد کو کہتے ہیں جس میں اس اعتقاد کی نفی کا بھی احتمال ہو اور وہ عرف میں یقین اور شک دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یقین اس اعتقاد جازم کو کہتے ہیں جس کی نفی کا بالکل احتمال نہ ہو اور یہ اعتقاد دلیل میں غور وفکر کرنے سے حاصل ہوا ہو' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے تمام کاموں کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے O یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو

مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (الجاثیہ: ۲۷۔۳۷)

بُرے کاموں کی آخرت میں بُری اور ڈراؤنی صورتیں

کفار مکہ دنیا میں جن کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے' قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ کام بُرے تھے اور ان کے کیے ہوئے کام بہت ڈراؤنی اور خراب صورتوں میں ظاہر ہوں گے' ان کے کیے ہوئے کاموں سے مراد شرک اور کفر ہے اور وہ گناہ ہیں جن کی طرف ان کی طبیعت اور ان کا نفس مائل ہوتا تھا اور جن کاموں کی ان کو خواہش ہوتی تھی اور ان کاموں میں ان کو لذت محسوس ہوتی تھی' وہ ان کاموں کو بہت اچھا سمجھتے تھے اور قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ بہت بُرے کام تھے' مفسرین نے لکھا ہے کہ حرام کام خنزیر کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور حرص چوہے کی شکل میں ظاہر ہوگی اور شہوت گدھے کی صورت میں اور غضب بھیڑیے کی صورت میں اور تکبر چیتے کی صورت میں' بُخل کتے کی صورت میں اور کینہ اونٹ کی صورت میں' اذیت سانپ اور بچھو کی صورت میں' لواطت ہاتھی کی صورت میں' سازش لومڑی کی صورت میں' نوحہ گیدڑ کی صورت میں' ریاکاری کوّے کی صورت میں اور کھیل کود الّو کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور یہ لوگ جو قیامت میں شک کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے اس کی سزا میں ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کا احاطہ کرلے گا۔

اللہ تعالیٰ کے بھلا دینے کی توجیہ

الجاثیہ: ۳۴ میں فرمایا: ''اور (ان سے) کہا جائے گا: آج تمہیں اس طرح فراموش کردیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے O''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو فراموش کرنے کی نسبت ہے اس کا معنیٰ ہے: ہم تم کو دوزخ کے عذاب میں چھوڑ دیں گے اور تم کو بھولا بسرا بنا دیں گے' جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تم نے اس کی کوئی تیاری نہیں کی تھی' تم اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لائے' انہوں نے دنیا کی کھیتی میں نسیان کا بیج بویا تھا اور آخرت میں اس کا پھل بھی نسیان کی صورت میں پالیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش کردیا' ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈال دیا' پھر ان کی فریاد اور چیخ و پکار کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور جس طرح مؤمنوں کا ٹھکانا جنت بنایا ہے تمہارا ٹھکانہ دوزخ کو بنا دیا۔

آخرت سے ڈرانا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرنا

الجاثیہ: ۳۵ میں فرمایا: ''یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O''

تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور اس دنیا میں تم جو کچھ کرتے رہو گے اس پر تم سے کبھی جواب طلبی نہیں ہوگی اور کبھی تم سے مواخذہ نہیں ہوگا' اسی لیے تم اللہ سبحانہٗ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے' پس اس جرم کی پاداش میں اب تم کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور پھر دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔

الجاثیہ: ۳۷۔۳۶ میں فرمایا: پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O''

اللہ سبحانہٗ ہر چیز کا رب ہے' تمام اجسام کا' تمام ذوات کا اور تمام صفات کا' اس لیے اس کے سوا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے' پس تم سب اللہ کی حمد کرو کیونکہ اس کا تمام چیزوں کا رب ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام چیزیں اس کی حمد کریں۔

اور فرمایا: ''اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے'' یعنی اس کے لیے عظمت اور قدرت ہے اور اسی کا ہر چیز پر غلبہ ہے اور اس کی عظمت کے آثار ہر چیز میں ظاہر ہو رہے ہیں اور اس کا غلبہ اس کائنات کی ہر چیز میں ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی اطاعت کر رہی ہے اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت کام کر رہی ہے' سورج اور چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب' دن اور رات کا لگاتار ایک دوسرے کے بعد آنا' کھیتوں اور باغات میں روئیدگی کا نظام' انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا ایک منضبط اور مقرر اصول یہ سب زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے اور ہر چیز میں اس کے حسن اور کمال کا ظہور ہے' یہ سب چیزیں غیر اختیاری طور سے اللہ سبحانہٗ کی حمد کر رہی ہیں اور اس کی تسبیح پڑھ رہی ہیں اور اس کی اطاعت کر رہی ہیں سو تم اپنے ارادہ اور اختیار سے اس کی حمد کرو' اس کی تسبیح پڑھو اور اس کی اطاعت کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ وسبحان اللہ العظیم' والحمد للہ رب العلمین۔

سورۃ الجاثیہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ یکم صفر ۱۴۲۵ھ/۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء بہ روز منگل سورۃ الجاثیہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ/۱۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح نو دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' اسی طرح آج تبیان القرآن کی دسویں جلد بھی مکمل ہو گئی۔ دسویں جلد کی ابتداء ۱۵ مئی ۲۰۰۳ء کو ہوئی تھی اور اس کا اختتام ۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء کو ہوا ہے' اس طرح الحمد للہ رب العلمین ۱۰ ماہ ۹ دن میں تبیان القرآن کی دسویں جلد مکمل ہو گئی۔

اس سال کے دوران مجھ پر متعدد حوادث اور نوازل آتے رہے' اور سب سے بڑا حادثہ یہ تھا کہ اس سال سات اگست ۲۰۰۳ء/۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کی شب تقریباً رات کے گیارہ بجے میری والدہ محترمہ رحمہا اللہ کی وفات ہو گئی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی قبر کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دے' میری جملہ تصنیفات اور تمام دینی خدمات کا ثواب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے۔ قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا اجر وثواب میری والدہ محترمہ کو پہنچا دیں' ان ہی کی پرورش' تعلیم وتربیت اور دینی اور تبلیغی خدمات کی مسلسل تلقین کی وجہ سے میں ان دینی خدمات کے قابل ہوا۔

اس سال کمر کے درد کی تکلیف بھی مجھے زیادہ رہی' اس وجہ سے اس کام میں تعطل آتا رہا' تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی عنایت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر التفات سے تقریباً گیارہ ماہ میں یہ جلد مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما' اس کو قیامت تک فیض آفرین رکھ' میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' میرے احباء' اس کتاب کے پبلشر سید اعجاز احمد زید حبہ کی مساعی مشکور فرما اور میرے قارئین اور جمیع مسلمین کی مغفرت فرما اور ہم سب کو صحت وعافیت کے ساتھ تا حیات ایمان اور اسلام پر قائم رکھ' فالج اور ایسی دوسری بیماریوں اور ارزل عمر سے اپنی امان میں رکھ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین
قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وذریاتہ وازواجہ واولیاء امتہ
وعلماء ملتہ وجمیع امتہ اجمعین.

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبد اللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دارارقم بیروت

۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۲۴- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دارالجیل بیروت' ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دارقطنی' متوفی ۲۸۵ھ' سنن دارقطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دارالرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت

۳۴- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳' سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز

۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض' ۱۴۲۰ھ

۴۶- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ

۴۷- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۴۹- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۵۰- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعہ' مطبوعہ مکتبہ دار السلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۶- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' التوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبہ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ' الجامع لشعب الایمان' مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض' ۱۴۲۳ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۲- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۳- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' التوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت'

۱۴۰۶ھ

۷۴- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۷۵- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۷۶- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۷۷- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۷۸- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ

۷۹- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۰- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ

۸۱- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دارخضر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۸۲- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دارارقم بیروت

۸۳- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۸۴- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۸۵- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۸۶- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ

۸۷- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۸۸- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۸۹- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۹۰- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۹۱- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۲- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۹۳- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

۹۴- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۶- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ

۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمة الزہراء
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۵- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۶- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۷- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۸- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۰۹- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ داراحیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۱۰- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۱۱- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت
۱۱۲- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دارالکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دارالفکر بیروت
۱۱۴- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۵- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۱۶- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ
۱۱۷- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۸- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۹- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۲۰- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
۱۲۱- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۲۲- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۱۲۳- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۲۴- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' التوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۵- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دار الوطن ریاض' ۱۴۱۸ھ

۱۲۶- علامہ عماد الدین طبری الکیا الہراسی' متوفی ۵۰۴ھ' احکام القرآن' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ

۱۲۷- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' التوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۲۸- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۲۹- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۳۰- علامہ ابوبکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۳۱- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ

۱۳۲- علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زاد المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۳۳- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۳۴- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۳۵- شیخ ابو محمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنو

۱۳۶- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء

۱۳۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۳۸- قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۹- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۴۰- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۴۱ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۴۱- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۲- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۱۴۳- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۴۴- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۴۵- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۴۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ

۱۴۷- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۸- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۴۹- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی' متوفی ۸۸۰ھ' حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ'

بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۵۰- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۵۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۵۴- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۵- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۵۶- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۵۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۸- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۵۹- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۰- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۶۱- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبع البہیۃ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶۲- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ' مصر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۳- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۶۵- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۶- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۷- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۶۸- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۶۹- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۷۰- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۷۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۷۲- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۳- شیخ محمود الحسن دیو بندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۴- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۷۵- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۷۶- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
۱۷۷- مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۷۸- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۹- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۸۰- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۸۱- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۲- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ
۱۸۳- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۴- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۸۵- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۸۶- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۸۷- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۸۸- سعید حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۸۹- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ' البرھان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۰- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۹۱- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۹۲- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ' شرح صحیح البخاری' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۱۹۳- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی' متوفی ۴۶۳ھ' الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۹۴- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' تمہید' مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۵- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی' متوفی ۴۷۴ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ

۱۹۶- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۹۷- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ' القبس فی شرح موطا ابن انس' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' اکمال المعلم بہ فوائد مسلم' مطبوعہ دارالوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۹- علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ' کشف المشکل علی صحیح البخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۲۰۰- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ' مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۲۰۱- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن النورپشتی' متوفی ۶۶۱ھ' کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنۃ' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۲۲ھ
۲۰۲- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' التوفی ۶۵۶ھ' المفہم' مطبوعہ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۰۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ
۲۰۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ
۲۰۵- علامہ ابن رجب حنبلی' متوفی ۷۹۵ھ' فتح الباری' دارابن الجوزی ریاض' ۱۴۱۷ھ
۲۰۶- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۰۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری' مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۰۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دارابن کثیر' بیروت
۲۰۹- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ' دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
۲۱۰- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۲۱۱- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۱۲- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ
۲۱۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۱۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ
۲۱۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' تنویر الحوالک' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۱۶- علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ' تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ
۲۱۷- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۱۸- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۲۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری‘ متوفی ۱۰۱۴ھ‘ شرح مسند ابی حنیفہ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ
۲۲۱- علامہ علی بن سلطان محمد القاری‘ متوفی ۱۰۱۴ھ‘ مرقات ‘مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان‘ ۱۳۹۰ھ‘ مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۲۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری‘ متوفی ۱۰۱۴ھ‘ الحرز الثمین ‘مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ‘ ۱۳۰۴ھ
۲۲۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری‘ متوفی ۱۰۱۴ھ‘ الاسرار المرفوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ
۲۲۴- شیخ عبد الحق محدث دہلوی‘ متوفی ۱۰۵۲ھ‘ اشعۃ اللمعات ‘مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۲۵- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی‘ متوفی ۱۲۵۰ھ‘ تحفۃ الذاکرین ‘مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر‘ ۱۳۵۰ھ
۲۲۶- شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری‘ متوفی ۱۳۲۵ھ‘ تحفۃ الاحوذی ‘مطبوعہ نشر السنہ ملتان‘ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۹ھ
۲۲۷- شیخ انور شاہ کشمیری‘ متوفی ۱۳۵۲ھ‘ فیض الباری ‘مطبوعہ مطبع حجازی مصر‘ ۱۳۵۷ھ
۲۲۸- شیخ شبیر احمد عثمانی‘ متوفی ۱۳۶۹ھ‘ فتح الملہم ‘مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۲۹- شیخ محمد ادریس کاندھلوی‘ متوفی ۱۳۹۴ھ‘ التعلیق الصبیح ‘مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۳۰- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی‘ اوجز المسالک الی مؤطا مالک ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ‘بیروت‘ ۱۴۲۰ھ
۲۳۱- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور‘ ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری‘ متوفی ۲۵۶ھ‘ التاریخ الکبیر ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۲۲ھ
۲۳۳- امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی‘ متوفی ۴۶۳ھ‘ تاریخ بغداد ‘دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۷ھ
۲۳۴- علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ‘ العلل المتناہیہ ‘مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد‘ ۱۴۰۱ھ
۲۳۵- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی‘ متوفی ۷۴۲ھ‘ تہذیب الکمال ‘مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۴ھ
۲۳۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی‘ متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ
۲۳۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی‘ متوفی ۸۵۲ھ‘ تہذیب التہذیب ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی‘ متوفی ۸۵۲ھ‘ تقریب التہذیب ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی‘ متوفی ۹۰۲ھ‘ المقاصد الحسنہ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۰- حافظ جلال الدین سیوطی‘ متوفی ۹۱۱ھ‘ اللآلی المصنوعہ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۷ھ
۲۴۱- حافظ جلال الدین سیوطی‘ متوفی ۹۱۱ھ‘ طبقات الحفاظ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۴ھ
۲۴۲- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ‘ الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۳ھ
۲۴۳- علامہ محمد طاہر پٹنی‘ متوفی ۹۸۶ھ‘ تذکرۃ الموضوعات ‘مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۵ھ
۲۴۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری‘ التوفی ۱۰۱۴ھ‘ موضوعات کبیر ‘مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۴۵- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی‘ متوفی ۱۱۶۴ھ‘ کشف الخفاء ومزیل الالباس ‘مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۴۶- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ‘ الفوائد المجموعہ ‘مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض

۲۴۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ اسنی المطالب 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۴۸- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین 'مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۴۹- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح 'مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۵۰- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۵۱- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۵۲- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۳- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۵۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۵۵- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب 'مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۵۶- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۲۵۷- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار 'مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۵۸- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۵۹- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد 'مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۶۰- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن 'مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۶۱- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات 'مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۶۲- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۶۳- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۶۴- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۶۵- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ 'مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۶۶- امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ' شرف المصطفیٰ 'مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۴ھ
۲۶۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' داراحیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۶۸- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک 'مطبوعہ دارالقلم بیروت
۲۶۹- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء 'مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۷۱- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان

۲۷۲- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۷۶- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۷۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاریخ الاسلام' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۱۹ھ
۲۷۸- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' سیر اعلام النبلاء' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۷۹- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۰- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۸۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۸۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۸۴- علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ
۲۸۵- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۸۶- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الھدیٰ والرشاد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸۷- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۸۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۸۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۰- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۱- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی' متوفی ۱۱۲۴ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۹۲- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۳- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۹۴- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دارالبشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۹۵- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ
۲۹۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۹۷- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ
۲۹۸- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ
۲۹۹- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۰- علامہ حسین بن منصور اوزجندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۱- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین وآخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۳۰۲- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ' المحیط البرہانی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ
۳۰۳- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق' مطبوعہ ایچ-ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ
۳۰۴- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۰۵- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ
۳۰۶- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۳۰۷- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۸- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۰۹- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' شرح العینی' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۱۰- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۱۱- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۱۲- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ' شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۱۳- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ
۳۱۴- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ' جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' ۱۲۹۱ھ
۳۱۵- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۱۶- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ
۳۱۷- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۱۸- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ' النہر الفائق' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۱۹- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' موسسۃ التاریخ العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۳۲۰- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد' متوفی ۱۰۷۸ھ' مجمع الانہر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۲۱- علامہ خیر الدین رملی' متوفی ۱۰۸۱ھ' فتاویٰ خیریہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۲۲- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' الدرالمختار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۳۲۳- علامہ سید احمد بن محمد حموی' متوفی ۱۰۹۸ھ' غمز عیون البصائر' مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
۳۲۴- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۲۵- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۲۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۲۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاوی الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۲۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۲۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۱- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۲- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاوی افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۳- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۴- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۵- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاوی نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۳۶- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۳۷- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۳۸- علامہ ابواسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۳۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۱- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاوی مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۴- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ المدونۃ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۴۵- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بدایۃ المجتہد مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۴۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۶۷ھ مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۴۷- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبہ النجاح لیبیا
۳۴۸- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرشی علی مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۴۹- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت
۳۵۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۵۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۵۳- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاوی' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۵۴- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۵۵- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۳۵۶- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۵۷- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران ومطبوعہ کراچی
۳۵۸- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۵۹- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۰- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۶۱- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۶۲- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام-قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۳- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۶۴- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۶۵- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد وکلام

۳۶۶- امام ابوالقاسم رھبۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ' شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۶۷- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' المنقذ من الضلال' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ
۳۶۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری' المتوفی ۵۷۷ھ' الداعی الی الاسلام' مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۳۶۹- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' العقیدۃ الواسطیہ' مطبوعہ دارالسلام ریاض' ۱۴۱۴ھ
۳۷۰- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۷۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۷۳- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسایرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۷۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' المتوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۷۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ
۳۷۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی' المتوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البہیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۷۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۷۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۳۷۹- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری' المتوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ
۳۸۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۸۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریک مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض
۳۸۲- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۸۳- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نور الانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۸۴- علامہ عبد الحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۸۵- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸۶- شیخ ابومحمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ' المحلی بالآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۳۸۷- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ
۳۸۸- امام ابوالفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی' متوفی ۵۹۷ھ' ذم الھویٰ' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۸۹- علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
۳۹۰- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ
۳۹۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر
۳۹۲- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۹۳- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۹۴- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۹۵- علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۳۹۶- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۹۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۹۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۲- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۴۰۵- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۰۶- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۰۷- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۴۰۸- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۴۰۹- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۰ھ
۴۱۰- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۴۱۱- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۴۱۲- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران، ۱۳۷۸ھ
۴۱۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور
۴۱۴- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۴۱۵- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۴۱۶- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۱۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۱۸- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
احمد صلی اللہ علیہ وسلم
حامد صلی اللہ علیہ وسلم
محمود صلی اللہ علیہ وسلم
قاسم صلی اللہ علیہ وسلم
عاقب صلی اللہ علیہ وسلم
فاتح صلی اللہ علیہ وسلم
شاہد صلی اللہ علیہ وسلم
حاشر صلی اللہ علیہ وسلم
رشید صلی اللہ علیہ وسلم
مشہود صلی اللہ علیہ وسلم
بشیر صلی اللہ علیہ وسلم
نذیر صلی اللہ علیہ وسلم
داعی صلی اللہ علیہ وسلم
شافی صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی صلی اللہ علیہ وسلم
ماحی صلی اللہ علیہ وسلم
منجی صلی اللہ علیہ وسلم
تہامی صلی اللہ علیہ وسلم
ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم
امی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ناہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم
عزیز صلی اللہ علیہ وسلم
حریص علیکم صلی اللہ علیہ وسلم
رؤف صلی اللہ علیہ وسلم
رحیم صلی اللہ علیہ وسلم
طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
طٰس صلی اللہ علیہ وسلم
مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
حٰم صلی اللہ علیہ وسلم
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
یٰس صلی اللہ علیہ وسلم
اولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مزمل صلی اللہ علیہ وسلم
ولی صلی اللہ علیہ وسلم
مدثر صلی اللہ علیہ وسلم
متین صلی اللہ علیہ وسلم
مصدق صلی اللہ علیہ وسلم
طیب صلی اللہ علیہ وسلم
ناصر صلی اللہ علیہ وسلم
منصور صلی اللہ علیہ وسلم
مصباح صلی اللہ علیہ وسلم
آمر صلی اللہ علیہ وسلم

حجازی صلی اللہ علیہ وسلم | نزاری صلی اللہ علیہ وسلم | صادق صلی اللہ علیہ وسلم | امین صلی اللہ علیہ وسلم | عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | نجی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم | سحیب صلی اللہ علیہ وسلم | مجیب صلی اللہ علیہ وسلم | شکور صلی اللہ علیہ وسلم | مقتصد صلی اللہ علیہ وسلم

رسول الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم | قوی صلی اللہ علیہ وسلم | حفی صلی اللہ علیہ وسلم | مامون صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم صلی اللہ علیہ وسلم | حیی صلی اللہ علیہ وسلم | مبین صلی اللہ علیہ وسلم | مطیع صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اول صلی اللہ علیہ وسلم | آخر صلی اللہ علیہ وسلم | ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم | باطن صلی اللہ علیہ وسلم

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم | یتیم صلی اللہ علیہ وسلم | کریم صلی اللہ علیہ وسلم | حکیم صلی اللہ علیہ وسلم | خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

سید صلی اللہ علیہ وسلم | سراج صلی اللہ علیہ وسلم | مبشر صلی اللہ علیہ وسلم | محرم صلی اللہ علیہ وسلم

مکرم صلی اللہ علیہ وسلم | منیر صلی اللہ علیہ وسلم | مذکر صلی اللہ علیہ وسلم | مطہر صلی اللہ علیہ وسلم | قریب صلی اللہ علیہ وسلم

خلیل صلی اللہ علیہ وسلم | مدعو صلی اللہ علیہ وسلم | جواد صلی اللہ علیہ وسلم | خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

عادل صلی اللہ علیہ وسلم | شہیر صلی اللہ علیہ وسلم | شہید صلی اللہ علیہ وسلم | رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم | شفیع صلی اللہ علیہ وسلم

مؤمن صلی اللہ علیہ وسلم | مضری صلی اللہ علیہ وسلم | نبی التوبۃ صلی اللہ علیہ وسلم | حافظ صلی اللہ علیہ وسلم

کامل صلی اللہ علیہ وسلم | لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | قرشی صلی اللہ علیہ وسلم

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

تفسیر

جلد یازدہم

الاحقاف تا التغابن

علامہ غلام رسول سعیدی

ناشر

مکتبہ رضویہ

تقسیم کار

ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ۶

نام کتاب : تبیان القرآن جلد نمبر 11
تصنیف : علامہ غلام رسول
اشاعت : 2007
تعداد : 600
مطبع : ناجد آفسیٹ پرنٹرس دہلی۔٦
قیمت : Rs. 350/-

ناشر

ناشر
مکتبہ رضویہ
تقسیم کار
ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیء عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما انزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القران واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القران ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لایغفر الذنوب الا انت آمین یا رب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔

اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما' قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

انڈیکس تبیان القرآن (جلد یازدہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الاحقاف

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الاحقاف ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس سورت کی ایک آیت میں الاحقاف کا ذکر ہے وہ آیت یہ ہے:

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ (الاحقاف: ۲۱) اور عاد کے بھائی (ھود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا۔

احادیث میں بھی اس سورت کو الاحقاف سے تعبیر فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آل حٰمٓ سے ایک سورت پڑھائی اور وہ ثلاثین میں سے الاحقاف ہے (جس سورت کی تیس سے زیادہ آیتیں ہوں اس کو ثلاثین کہتے ہیں)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا' وہاں ایک شخص اس سورت کو کسی اور طریقہ سے پڑھ رہا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' میں نے ایک اور شخص سے کہا: تم اس سورت کو پڑھو' اس نے ہم دونوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اس سورت کو پڑھا' میں ان دونوں کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا' اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ دونوں اس سورت کی قراءت میں میری مخالفت کر رہے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا' آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں تھیں کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کرتی تھیں۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے' انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ہر شخص اس طرح پڑھے جس طرح اس کو پڑھایا گیا ہے۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۹۷۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابتداء میں قرآن مجید کو آسانی کے لیے سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اس کی لغت اور قراءت کے مطابق پڑھاتے تھے' بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام مصاحف کو صرف ایک لغت قریش پر جمع کر دیا کیونکہ جب اسلام بہت علاقوں میں پھیل گیا اور لوگ مختلف قراءت کے ساتھ قرآن پڑھنے لگے تو ہر ایک اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط کہنے لگا' اس لیے حضرت عثمان نے محسوس کیا کہ سب کو ایک قراءت پر جمع کر دیا جائے تاکہ امت میں فتنہ نہ ہو۔

الاحقاف کا معنی

علامہ ابو الفضل محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف کا واحد ''الحقف'' ہے ''الحقف'' طویل اور بلند ٹیلہ کو کہتے ہیں جو قدرے ٹیڑھا ہو' الاحقاف: ۲۱ میں جو الاحقاف کا ذکر ہے اس سے مراد بلند اور طویل ٹیلے ہیں۔ جوہری نے کہا: اس سے مراد قوم عاد کے گھر ہیں' یہ ٹیلے یمن میں ہیں جہاں قوم عاد رہتی تھی۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۵۷' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

الاحقاف کا محل وقوع

قوم عاد کا مرکزی مقام سرزمین احقاف ہے' یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع خالی ہے جسے صحرائے اعظم الدہنا بھی کہا جاتا ہے' ہر چند کہ ربع خالی آبادی کے لائق نہیں ہے تاہم اس کے اطراف میں کچھ حصہ آبادی کے لائق ہے' خصوصاً وہ حصہ جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے' اگرچہ وہ بھی اس وقت مکمل آباد نہیں ہے اور اس میں ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تاہم قدیم زمانہ میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب نجار نے ''قصص الانبیاء'' میں تصریح کی ہے کہ مجھ سے حضر موت کے باشندے احمد بن عمیر یحییٰ نے بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کے کھوج میں حضر موت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے' بسیار کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی سے سنگ مرمر کے کچھ برتن ملے جن پر کسی نامعلوم زبان میں کوئی تحریر کندہ تھی۔

(لغات القرآن ج ۱ ص ۳۸۔ ۳۷ ملخصاً' دارالاشاعت' کراچی)

سورۃ الاحقاف کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' البتہ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اس کی دو آیتیں مدنی ہیں: ''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''۔ (الاحقاف: ۱۰) اور علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں ان دو کے علاوہ ایک اور آیت کا بھی استثناء کیا ہے وہ ہے: ''وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا''۔ (الاحقاف: ۱۵) البتہ صحیح یہ ہے کہ صرف پہلی دو آیتیں مدنی ہیں۔

سورتوں کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۵ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۶ ہے اور اس سورت کی پینتیس آیتیں ہیں' یہ سورت الذاریات سے پہلے اور الجاثیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت کا وہی زمانہ نزول ہے جو الجاثیہ کا زمانہ نزول ہے۔

سورۃ الاحقاف کے اغراض اور مقاصد

☆ سورۃ الاحقاف کا افتتاح بھی ان ہی آیات سے کیا گیا ہے جن سے سورۃ الجاثیہ کا افتتاح کیا گیا ہے اور ان آیات میں قرآن مجید کے معجز ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر دلیل ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

☆ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔

☆ اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کے بعد جزاء اور سزا کا نظام قائم کیا جائے گا۔

☆ شرک کو باطل فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کفار جن کی پرستش کرتے ہیں وہ الوہیت کی صفات سے خالی اور عاری ہیں۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت فرمایا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی شہادت پیش کی ہے اور بنی اسرائیل کے ایک شخص کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ اس میں قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کی تعریف اور تحسین کی ہے اور ان کے بعض عمدہ اوصاف بیان کیے ہیں اور اس کے مقابلہ میں کفار کے اوصاف مذمومہ بیان کیے ہیں اور ان کے حسد کرنے کو بیان کیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔

☆ اس میں قرآن مجید کا یہ معجزہ ذکر کیا ہے کہ جنات قرآن مجید کی آیات سن کر قرآن مجید پر ایمان لے آئے۔

☆ اس میں والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے اور یہی صالحین کا وصف ہے۔

☆ اور اس میں بتایا ہے کہ جو کفار اپنے زمانہ میں بہت قوی تھے اور وہ مسلسل گمراہی پر اصرار کرتے رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

☆ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا ہے جو اپنی قوت اور طاقت پر بہت گھمنڈ کرتی تھی اور بتوں کی عبادت پر اصرار کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک زبردست آندھی بھیج کر ہلاک کر دیا جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر کفار قریش کو ڈرانے اور ان کو عبرت دلانے کے لیے فرمایا۔

☆ اور اس مضمون پر اس سورت کو ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور یہ بتایا کہ کفار کو دوزخ کا عذاب ضرور دیا جائے گا اور ان کو قیامت کے دہشت ناک امور سے ڈرایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ عذاب صرف ان ہی لوگوں پر آئے گا جو اللہ کی حدود کو توڑتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ ان کی اذیت ناک باتوں پر صبر کریں جیسا کہ دیگر اولی العزم رسول ان کی گستاخیوں پر صبر کرتے رہے تھے۔

سورت الاحقاف کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے رب العزت! مجھے اس سورت کی تفسیر میں راہِ حق دکھانا اور اسی پر مجھے گامزن رکھنا اور اس کی تفسیر میں باطل امور سے مجھے واقف کرنا اور مجھے اس تفسیر میں ان سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سید محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۳ صفر ۱۴۲۵ھ/ ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الاحقاف مکیۃ (٤٦) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتہا ٣٥ رکوعاتہا ٤

سورۃ الاحقاف مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

حا میم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا

مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کیا ہے اور ایک معین مدت تک کے لیے اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے O

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

آپ کہیے تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے ذرا مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ

کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم

اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو O اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہو گا جو ان کو پکارے

يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ

پکار سے بے خبر ہیں O اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن

اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے O اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آ چکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے O

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ

یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس کو گھڑ لیا ہے آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے

اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ

بالکل بچا نہیں سکتے تھے تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ

بَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ

ہے اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ میرے

مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ

ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری

اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ

طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر

بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ

کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو

۱ ع ۱ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ایک معین مدت کے لیے اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے O (الاحقاف: ۱-۳)

"حٰم" اور "تنزیل الکتاب" کے اشارات اور اسرار و رموز

حامیم: اس کے اسرار اور نکات کو ہم الجاثیہ کے شروع میں لکھ چکے ہیں تاہم بعض مزید فوائد کا یہاں پر بھی ذکر کر رہے ہیں:

بعض عارفین نے کہا ہے کہ ''حا'' سے اہل توحید کی حمایت کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے مزید راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ مزید راضی ہوگا ان کو جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائے گا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حا'' سے زندہ دلوں کی حیات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ علوم اور معارف دلوں اور روحوں کی حیات کا سبب ہیں اور اس سے اللہ عزوجل کی ان سات صفات کی طرف بھی اشارہ ہے جن پر اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور وہ سات صفات یہ ہیں: حیات' علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر اور کلام' پس ''حا'' سے حیات کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے کلام کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا اول اور آخر صفات کی طرف صراحۃً اشارہ ہے اور باقی صفات کی طرف ضمناً اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اس لیے نازل فرمایا کہ اس کے اسماء اور صفات کی معرفت حاصل کی جائے۔

الاحقاف: ۲ میں فرمایا: اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی تفسیر بھی الجاثیہ: ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن جو اس سورت پر اور باقی سورتوں پر مشتمل ہے وہ سب حق اور صدق ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ صادق ہے اس نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا O. (النساء: ۱۲۲)　　اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

اور فرمایا ہے: اللہ بہت غالب ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اپنے الفاظ اور معانی کے اعتبار سے تمام کتابوں پر غالب ہے اور وہ بے حد حکمت والا ہے' یعنی اس کتاب میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں وہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہیں' اس کے علاوہ جو عقائد ہیں ان میں بھی بہت حکمتیں ہیں اور جو واقعات اور امثال مذکور ہیں ان میں بھی بے اندازہ حکمتیں ہیں' غرض یہ کتاب چونکہ بہت غالب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس لیے اس کتاب کی عبارت اور اس کی فصاحت اور بلاغت تمام کتابوں کی فصاحت اور بلاغت پر غالب ہے اور چونکہ یہ کتاب بے حد حکمت والے نے نازل کی ہے اس لیے اس کی ہر ہر آیت میں بے حد و حساب حکمتیں ہیں۔

حق کا معنیٰ اور مراد

الاحقاف: ۳ میں فرمایا: ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے O

آسمانوں اور زمینوں کے درمیان کی سب چیزوں سے مراد ہیں: عناصر اربع (آگ' مٹی' پانی اور ہوا) بادل' بارش' جمادات' نباتات' حیوانات' انسان' ملائکہ اور جنات وغیرہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' یعنی غرض صحیح اور حکمت بالغہ کے ساتھ اور اس زمین کو مکلفین کے لیے دار قرار بنا دیا تا کہ قیامت کے دن ان کو جزا دے جنہوں نے نیک عمل کیے اور ان کو سزا دے جنہوں نے برے عمل کیے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو عبث اور بے فائدہ نہیں بنایا' ہر چیز کو کسی حکمت سے بنایا ہے اور ہر چیز کو صرف حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کی ایک حقیقت ہے' جس کے لیے اس کو پیدا فرمایا ہے اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے حارث! تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے کہا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں برحق مومن تھا' آپ نے فرمایا: غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ پس بے شک ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

میں نے کہا: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بے رغبت کر لیا اور اس کے لیے میں نے شب بیداری کی اور دن میں مطمئن رہا اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو صاف صاف دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ اس میں بھوک کی شدت سے چلا رہے ہوں گے' تب آپ نے تین بار فرمایا: اے حارث! تم نے (اللہ تعالیٰ کی) معرفت حاصل کر لی۔

(المعجم الکبیر ج ۳ص ۲۶۷۔۲۶۶ رقم الحدیث: ۳۳۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ص ۴۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۹۸۸)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حارث نے کہا کہ میں صبح کو برحق مومن تھا' پھر انہوں نے حق کی تفسیر کی جس کا خلاصہ اللہ عزوجل کی معرفت ہے' اور زیر تفسیر آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ قیامت کا واقع ہونا اور مرنے کے بعد اٹھنا برحق ہے کیونکہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور مردوں کو زندہ نہ کیا جائے تو جن مظلوموں کا دنیا میں ظالم سے بدلہ نہیں لیا گیا وہ بغیر جزاء کے رہ جائیں گے اور ظالم بغیر سزا کے رہ جائیں گے' اسی طرح کفار بغیر عذاب کے اور مومنین بغیر ثواب کے رہ جائیں گے اور یہ اس حقیقت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ایک معین مدت تک کے لیے۔

آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ یہ ابد الآباد تک باقی رہے بلکہ اس جہان کو مکلفین کے لیے دار العمل بنایا ہے کہ وہ اس دنیا میں نیک عمل کریں اور آخرت میں اس کی اچھی جزا پائیں' پھر ایک وقت مقرر پر اللہ تعالیٰ اس جہان کو فنا کر دے گا اور اس آیت میں معین مدت سے وہی وقت مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے O

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات اور اپنی توحید پر دلائل نصب فرمائے تاکہ لوگ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچ سکیں ان کی آسانی کے لیے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا' ان کی ہدایت کے لیے کتابیں اور صحائف نازل کیے اور رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ ان کو آخرت کے اجر و ثواب کی طرف رغبت دی اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور یہ کفار ان دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اجتناب اور اعراض کرتے رہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلیل سے اعراض کرنا دین اور دنیا میں مذموم ہے۔

اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار' استخفاف اور استحقار کفر ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جرم اور گناہ کے عذاب سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہو اس سے اعراض کرنا یا اس کا انکار کرنا یا اس کا استخفاف کرنا (اس کو معمولی اور ہلکا جاننا) کفر ہے۔

ہمارے فقہاء کرام نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے انکار اور استخفاف (یعنی ان کو ہلکا اور معمولی جاننے) کو کفر قرار دیا ہے۔ اسی طرح فرائض اور سنن کے انکار اور استخفاف کو بھی کفر قرار دیا ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کا مذاق اڑائے یا اس کے احکام میں سے کسی حکم کا مذاق اڑائے یا اس کے وعد اور وعید کا انکار کرے یا اس کا شریک مانے یا اس کا

بیٹا مانے یا اس کی بیوی مانے یا اس کی طرف جہل' عجز یا نقص کی نسبت کرے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور جب وہ کہے کہ اللہ کے فعل میں کوئی حکمت نہیں ہے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کفر سے راضی ہوتا ہے تب بھی اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر' عالم گیری ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ مصر)

جس نے کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کیا یا جو کسی رسول کی کسی سنت سے راضی نہیں ہوا وہ کافر ہو گیا۔

(عالم گیری ج ۲ ص ۲۶۳ مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ محمد بن محمد ابن البزار الکردری المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الحال ایمان لانا واجب ہے اور جو شخص یہ ایمان لایا کہ آپ رسول ہیں اور اس پر ایمان نہیں لایا کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور آپ کا دین قیامت تک منسوخ نہیں ہوگا وہ کافر ہو گیا' ایک شخص نے کہا: جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے تھے تو انگلیاں چاٹتے تھے پھر کہا: یہ بے ادبی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ کہا گیا کہ ناخن کاٹنا سنت ہے اس نے کہا: میں نہیں کاٹوں گا خواہ سنت ہو تو وہ کافر ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا استخفاف کیا یا آپ کی احادیث میں سے کسی حدیث کا استخفاف کیا تو وہ کافر ہو گیا۔

(فتاویٰ بزازیہ علی هامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۲۸ ملتقطاً' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

''خلاصة الفتاویٰ'' میں مذکور ہے کہ جس شخص نے کسی حدیث کو رد کیا' تو بعض مشائخ نے یہ کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اور متاخرین نے کہا: اگر وہ حدیث متواتر ہو تو پھر وہ کافر ہو جائے گا' میں کہتا ہوں کہ یہی قول صحیح ہے' ہاں اگر اس نے کسی خبر واحد کو بہ طریقہ استخفاف واستحقار اور انکار رد کیا تو پھر وہ کافر ہو جائے گا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۶' مطبوعہ مصر)

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

تمام وہ لوگ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا آپ کو عیب لگایا یا آپ کی ذات میں کوئی نقص ملایا' یا آپ کے نسب میں یا آپ کے دین میں یا آپ کے کسی وصف اور کسی خصلت میں نقص ملایا یا نقص کی تعریض کی یا کسی بری چیز کے ساتھ آپ کو تشبیہ دی یا آپ کی توہین کی یا آپ کو چھوٹا اور کم تر کہا یا آپ کو پست کیا اور جھکایا یا آپ کی مذمت کی تو وہ آپ کو سب وشتم کرنے والا ہے اور آپ کو گالی دینے والا ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو آپ کو گالی دینے والے کا حکم ہے' اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے اور اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں ہے خواہ ان چیزوں کی وہ آپ کی طرف صراحۃً نسبت کرے یا کنایۃً کرے۔ اسی طرح جو شخص آپ کو لعنت کرے یا آپ کو بددعا دے یا آپ کے نقصان کی تمنا کرے یا بہ طور مذمت آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کی شان کے لائق نہیں ہے یا آپ کا استہزاء کرے یا آپ کے متعلق ناشائستہ کلام کرے یا آپ کے عوارض بشریہ کی وجہ سے آپ پر طعن کرے تو (ایسا شخص کافر ہے اور) اس کو قتل کرنے پر عہد صحابہ سے لے کر آج تک کے علماء اور ائمہ فتویٰ کا اجماع ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۸۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں:

جس شخص نے قرآن مجید کا یا مصحف میں سے کسی چیز کا استخفاف کیا یا اس کو گالی دی یا اس کا انکار کیا یا اس کے کسی حرف کا انکار کیا یا کسی آیت کا انکار کیا یا اس کی کسی چیز کی تکذیب کی یا قرآن مجید میں مذکور کسی حکم یا کسی خبر کی تکذیب کی یا قرآن نے جس چیز کی نفی کی ہے اس کو ثابت کیا یا قرآن کریم نے جس چیز کو ثابت کیا ہے اس کی نفی کی یا اس کی کسی چیز میں شک کیا تو اہل

علم کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شخص کافر ہو گیا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۵۰ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض معاصی ایسے ہیں جن کو شارع علیہ السلام نے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے اور ان کا اس طرح ہونا دلائل شرعیہ سے معلوم ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا اور مصحف (قرآن مجید) کو گندگی میں پھینک دینا اور کلمات کفریہ بولنا جن کا دلائل سے کفر ہونا ثابت ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۸۳ 'مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ ذرا مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا پہلے علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو O اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی پکار سے بے خبر ہیں O اور جب لوگوں کو (میدان حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے O اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آچکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے O یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس کو گھڑ لیا ہے آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے بالکل بچا نہیں سکتے تھے تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ ہے اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O (الاحقاف: ۸۔۴)

''اثارۃ'' کا معنی

الاحقاف: ۴ میں ''اثارۃ'' کا لفظ ہے جس کا ایک معنی خط اور لکیریں ہے اس کا دوسرا معنی کسی چیز کا بقیہ حصہ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: مخصوص علم۔ مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی ہے: تمہارے پاس کوئی ایسی روایت ہے جو تم سے پہلے لوگوں سے منقول ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: کیا انبیاء سابقین سے اس سلسلہ میں کوئی روایت ہے؟ حسن نے کہا: کیا تم نے کسی چیز سے اس کو مستنبط کیا ہے کہ زمین اور آسمان کے بنانے میں کسی اور کا بھی حصہ ہے؟ زجاج نے کہا: ''اثارۃ'' ''شجاعۃ'' اور ''سماحۃ'' کی طرح مصدر ہے اور اس کا معنی علامت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۷۱ 'جامع البیان جز ۲۶ ص ۴۔۵)

الاحقاف: ۴ کا خلاصہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''او اثارۃ من علم'' کی تفسیر میں فرمایا: عرب میں ایک طریقہ تھا کہ وہ زمین پر لکیریں ڈال کر کسی چیز کو معلوم کرتے تھے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا بھی حصہ ہے تو تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ کیا تمہارے پاس انبیاء سابقین کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے یا تم نے زمین پر لکیریں ڈال کر رمل کے طریقہ سے اس کو معلوم کر لیا ہے یا تم نے اس کو کاہنوں سے معلوم کیا ہے یا تم نے اس کو کسی اور چیز سے مستنبط کیا ہے آخر تمہارا ذریعہ علم کیا ہے؟ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۶ ص ۴۔۵ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زمین پر لکیریں ڈال کر غیب کی باتیں معلوم کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نیا نیا زمانہ جاہلیت سے نکلا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں داخل کیا ہے بے شک

ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں' آپ نے فرمایا: تم ان کے پاس نہ جایا کرو' اور انہوں نے کہا: اور ہم میں سے بعض لوگ برا شگون نکالتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو صرف ان کے سینوں میں ہے' پس وہ اس کے درپے نہ ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچتے ہیں' آپ نے فرمایا: انبیاء سابقین میں سے ایک نبی لکیریں کھینچتے تھے' سو جس کی لکیریں ان کے موافق ہو جائیں وہ ٹھیک ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

کاہن' عراف' بدشگونی اور رمال کی تعریفات اور ان کا شرعی حکم

اس حدیث میں کاہن کا ذکر ہے' کاہن وہ شخص ہے جو مستقبل کی باتیں بتاتا ہے اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرتا ہے اور عراف وہ شخص ہے جو چرائی ہوئی چیز اور گم شدہ چیز کا پتا بتاتا ہے۔ عرب میں کاہن ہوتے تھے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں بہت سی چیزوں کی معرفت ہے اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا جنات سے رابطہ ہے اور وہ آ کر ان کو غیب کی خبریں بتاتے ہیں اور بعض نجومی کو کاہن کہتے ہیں۔ اور حدیث میں کاہن کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی وہ اس چیز سے بری ہو گیا جس کو اللہ عزوجل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔

اور اس حدیث میں بدشگونی کا ذکر ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو لوگ از خود اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں اس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے اور تم جو کام کرنے جا رہے ہو کسی بدشگونی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اس حدیث میں لکیریں کھینچنے کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی لکیریں کھینچتے تھے پس جس کی لکیریں اس کے موافق ہوئیں' اس کا فعل درست ہے۔ اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس کی لکیر اس نبی کی لکیر کے موافق ہوئی وہ مباح ہے اور ہمارے پاس اس موافقت کو جاننے کا کوئی علم یقینی نہیں ہے لہٰذا لکیریں کھینچ کر غیب کی باتیں معلوم کرنا جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: جس کی لکیر اس نبی کی لکیر کے موافق ہوئی وہ درست ہے اور موافقت پر معلق کیے بغیر یہ نہیں فرمایا کہ وہ حرام ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس ممانعت میں اس نبی کا فعل بھی داخل ہے جو لکیریں کھینچتے تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی کے احترام میں صرف ہمارے فعل کا حکم بیان فرمایا' سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس نبی علیہ السلام کا فعل ممنوع نہیں ہے اسی طرح تمہارا فعل بھی ممنوع نہیں ہو گا بہ شرطیکہ تمہیں اس کی موافقت کا علم ہوئے لیکن تمہارے پاس اس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث میں لکیریں کھینچ کر علم حاصل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس نبی کے فعل کی کوئی علامت نہیں ہے تو ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: مختار یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو ہمارے لیے مباح نہیں کیا۔ (شرح مسلم للنووی ج ۳ ص ۱۸۰۶۔۱۸۰۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ذاتی اور عطائی علم غیب کی تحقیق

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے غیب پر دلالت کرنے والے کوئی اسباب باقی نہیں رکھے جن سے غیب پر استدلال کیا جائے' ماسوا سچے خوابوں کے' کیونکہ ان سے غیب پر استدلال کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اور یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے' اس سلسلے میں یہ حدیث ہے اس کی عبارت امام ترمذی کی ہے اور متعدد ائمہ حدیث نے اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے لہٰذا میرے بعد کوئی رسول ہوگا نہ نبی ہوگا' لوگوں پر یہ بات شاق گزری تو آپ نے فرمایا: لیکن مبشرات باقی ہیں' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مسلمان کا خواب ہے جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۵۸۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

اور اسی طرح فال کی بھی حدیث میں اجازت دی گئی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان میں بہترین چیز فال ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اچھی اور نیک بات جس کو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے (جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سہیل بن عمرو آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو سہل کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کا نام سن کر اس لفظ سے سہل کی فال نکالی)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۶۰۷' عالم الکتب' بیروت)

اور رہی بدشگونی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے' جیسا کہ اس حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے اور فال اس کو کہتے ہیں کہ انسان کوئی کام کرنا چاہتا ہو اس موقع پر کوئی کلام سن کر اس سے اس کام کے نیک اور اچھے ہونے پر استدلال کرے اور اگر اس موقع پر کوئی بات سن کر اس سے اس کام کے برے ہونے پر استدلال کرے یا اس کام میں ناکام ہونے پر استدلال کرے تو یہ بدشگونی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہونا چاہیے اور خوشی خوشی اپنی پیش آمدہ مہم کی طرف روانہ ہونا چاہیے اور جب اپنی مہم پر روانہ ہوتے وقت کوئی ایسا کلام سنے جس سے اس مہم میں ناکامی پر استدلال کیا جائے تو اس بدشگونی سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے اپنی مہم کو ترک نہ کرے۔ (احکام القرآن لابن العربی ج ۴ ص ۱۲۵)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ غیب کا علم صرف مومن کے سچے خواب کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یا فال کے ذریعہ اور اولیاء اللہ کے الہامات سے بھی غیب کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ تمام غیوب ظنی ہیں' قطعی علم غیب صرف وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ علم غیب عطائی ہے' جس کو علماء کی اصطلاح میں ما علیہ دلیل یا علم غیب بالواسطہ کہا جاتا ہے' رہا وہ غیب جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے ہو اور جس کے حصول کی کوئی دلیل اور سبیل نہ ہو وہ غیب ذاتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بتوں کے نہ سننے کی قیامت تک کی تخصیص کی وجہ

الاحقاف: ۵ میں فرمایا: اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا' جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی پکار سے بے خبر ہیں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سب سے گم راہ اور جاہل ہیں جو اپنے مصائب میں بتوں کو پکارتے ہیں جو قیامت

تک ان کی پکار اور فریاد کو سن نہیں سکتے' وہ ان کی پکار کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ قیامت تک ان کی پکار کو نہیں سنتے' حالانکہ وہ بت ان کی پکار کو دنیا میں بھی کبھی نہیں سنتے' پھر قیامت کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے مصائب کی بہ نسبت قیامت کے دن کی مصیبت ان کے لیے بہت سخت ہوگی اس دن وہ بت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے' یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (ص: ۷۸) بے شک قیامت کے دن تک میری تجھ پر لعنت ہے۔

ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی ابلیس پر ابدی لعنت ہے لیکن اس کا قیامت کے دن اظہار بہت سخت ہوگا۔

اور اس آیت میں فرمایا: وہ بت ان کی فریاد اور چیخ و پکار سے غافل ہیں' کیونکہ وہ بت جمادات ہیں وہ کس طرح ان کی فریاد کا جواب دے سکتے ہیں؟ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مشرکین تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے اور وہ زندہ ہیں اور ان کی فریاد کو سنتے ہیں ان کو مشرکین کی فریاد سننے سے غافل کہنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مسخر ہیں وہ مختار نہیں ہیں' ان کو جس کام پر لگا دیا ہے وہ اسی کام کو کر رہے ہیں وہ از خود کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جب تک اس چیز کی طرف اللہ سبحانہٗ ان کو متوجہ نہ فرمائے اس لیے وہ بھی مشرکین کی فریاد سننے سے غافل ہیں۔

بتوں کا مشرکین کی عبادت سے قیامت کے دن بے زاری کا اظہار کرنا

الاحقاف: ٦ میں فرمایا: اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا' تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے ۝

اس آیت میں "حشر" کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: "حشر" کا معنی ہے: کسی جماعت کو اس کے ٹھکانے سے نکال کر کسی میدان میں جمع کرنا اور اس کا اطلاق صرف جماعت پر ہوتا ہے اور قیامت کے دن کو یوم نشر اور یوم البعث بھی کہا جاتا ہے' جس طرح اس کو یوم حشر کہا جاتا ہے' اس دن یہ بت جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے ان مشرکوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور وہ بت یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی' انہوں نے درحقیقت اپنی خواہشوں کی پرستش کی ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (یونس: ۲۸) (وہ شرکاء یہ کہیں گے کہ) تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

کفار قرآن مجید کو جادو کیوں کہتے تھے؟

الاحقاف: ۷ میں فرمایا: اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آچکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے ۝

اور جب کفار کے سامنے ہماری ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں الوہیت کی نشانیاں ہیں اور توحید پر دلائل ہیں اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے' قرآن مجید کے معجز اور اللہ سبحانہٗ کے کلام ہونے کا بیان ہے اور حلال اور حرام کے واضح احکام ہیں' قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر و نشر اور جزاء اور سزا کے براہین ہیں تو کفار ان آیات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اور ان کو جادو کہنے سے ان کا منشاء یہ تھا کہ جس طرح جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس طرح ان آیات کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

الاحقاف: ۸ میں فرمایا: یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے' آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے بالکل بچا نہیں سکتے تھے' تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے' میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ ہے اور وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افتراء کی تہمت کا ابطال

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ حق کو دیکھنے سے اندھے ہو گئے اور حق کو سننے سے بہرے بن گئے اور انہوں نے رسولوں کے وارثوں پر جادو کی تہمت لگائی اور ان کے کلام پر افتراء کی تہمت لگائی اور اس کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں رسوا کر دے گا اور ان کو عذاب شدید میں مبتلا کرے گا' اس لیے ضروری ہے کہ ظاہر اور باطن کو بدعقیدگی اور برے اعمال کی نجاست سے پاک اور صاف کیا جائے' اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اور کامل اتباع کی جائے اور جادو اور کرامت میں اسی سے امتیاز ہوتا ہے کیونکہ جادو کا اظہار کافروں' زندیقوں اور فاسقوں سے ہوتا ہے جو احکام شرعیہ اور متابعت سنت نبویہ کا التزام اور اہتمام نہیں کرتے۔ کفار یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود قرآن کو گھڑ لیا ہے اور خود ایک کلام بنا کر اس کی اضافت اللہ سبحانہٗ کی طرف کر دی ہے (العیاذ باللہ)' ان کا یہ قول باطل ہے اور سخت تعجب خیز ہے کیونکہ قرآن مجید کلام معجز ہے اور ایسا کلام بنانا انسان کی قدرت سے خارج ہے' آپ کہیے کہ اگر بہ فرض محال میں نے یہ کلام ازخود بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑانے پر قادر نہ تھے' کیونکہ ایسی صورت میں یقیناً اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیتا اور میں اس عذاب میں مبتلا ہو جاتا جس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر بالفرض میں دل سے بناتا اور اس کو اللہ کا کلام بتاتا تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے افتراء کرنے والے کو جلد عقوبت میں گرفتار کرتا ہے۔ تمہیں تو یہ قدرت نہیں کہ تم مجھے اس کی عقوبت سے بچا سکو یا اس کے عذاب کو دفع کر سکو تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو' اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

(الاحقاف: ۹۔۱۰)

الاحقاف: ۹ میں جس لفظ کا معنی ہم نے انوکھا کیا ہے اس آیت میں اس کے لیے "بدیع" کا لفظ ہے اس کا مادہ "بدع" ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابداع" کا معنی ہے: کسی چیز کو ابتداءً بنانا' بغیر اس کے کہ اس سے پہلے کسی اور نے اس چیز کو بنایا ہو' جو کنواں نیا نیا کھودا گیا ہو عرب اس کو "رکیۃ بدیع" کہتے ہیں اور جب اس لفظ کو اللہ سبحانہٗ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو آلہ' مادہ اور زمان و مکان کے بغیر پیدا کرنا اور یہ کام تو صرف اللہ عزوجل ہی کر سکتا ہے اور بدیع ابداع کرنے والے کو کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے: "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (البقرۃ: ۱۱۷' الانعام: ۱۰۱) اور قرآن مجید میں ہے: "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا

مِّنَ الرُّسُلِ '' (الاحقاف: ۹) اس آیت میں ''بدعا'' کا معنی ہے: ''مبدعا'' یعنی یہ بات نہیں ہے کہ میں سب سے پہلا رسول ہوں اور مجھ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا ہو اور اس وجہ سے تم میری رسالت کو رد کر دو اور ایک قول یہ ہے کہ میں تم سے کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا۔

مذہب میں بدعت کا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا قول پیش کرنا جس کی بنیاد شریعت پر نہ ہو اور شریعت میں اس سے پہلے ایسی مثال نہ ہو۔ حدیث میں ہے: دین میں ہر نیا کام نکالنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۸) (المفردات ج ۱ ص ۳۹ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ھ)

''سنن نسائی'' کی حدیث میں جس بدعت کا ذکر ہے اس سے مراد بدعت سیئہ ہے کیونکہ مطلقاً بدعت مذموم نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس (مسلمان) نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ ایجاد کیا اس کو اس ایجاد کا اجر ملے گا اور ان کا اجر بھی ملے گا جنہوں نے اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا اور ان کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس ایجاد کا گناہ ہوگا اور ان کا گناہ بھی ہوگا جنہوں نے اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی وجہ سے اس حدیث میں تخصیص کی جائے گی جس میں مذکور ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور اس سے مراد وہ نئے کام ہیں جو باطل ہوں اور وہ بدعات مراد ہیں جو مذموم ہوں' اس کی تفصیل ''کتاب الجمعۃ'' میں گزر چکی ہے اور وہاں ہم نے لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں: بدعت واجبہ' مستحبہ' محرمہ' مکروہہ اور مباحہ۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۲۸۰۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی نے ''کتاب الجمعۃ'' میں بدعت کی حسب ذیل شرح کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ عام مخصوص البعض ہے اور اس سے مراد غالب بدعات ہیں۔

علماء نے کہا ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہہ (۵) مباحہ۔

واجبہ: بے دینوں' بدمذہبوں اور اصحاب بدعات سیئہ کے رد پر دلائل قائم کرنا۔

مستحبہ: علوم دینیہ کی کتابوں کو تصنیف کرنا' مدارس اور سرائے وغیرہ کو تعمیر کرنا (اسی طرح ہسپتال اور دارالامان بنانا)۔

مباحہ: نئے نئے قسم کے عمدہ کھانے کھانا اور نئے نئے خوب صورت لباس پہننا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۲۳۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ)

علامہ نووی نے بدعت مکروہہ اور بدعت محرمہ کی تعریفات کا ذکر نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ ان کی تعریفیں ظاہر ہیں لیکن ہم اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ سے ان کی تعریفیں ذکر کر رہے ہیں:

بدعت مکروہہ: جیسے مساجد کو مزین کرنا (یا نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو لازم سمجھنا یا عمامہ باندھنے کو لازم سمجھنا)۔

بدعت محرمہ: وہ اعتقاد یا وہ عمل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اعتقاد یا عمل کے خلاف ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کا شبہ یا

استحسان ہو اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم بنالیا ہو جیسے شیعہ کا پیروں کو دھونے کے بجائے ان پر مسح کرنا یا معتزلہ کا موزوں پر مسح کرنے کا انکار کرنا (یا جیسے علماء دیوبند کا سوئم' چہلم اور عرس کی فاتحہ اور ایصال ثواب کو ناجائز اور حرام کہنا)۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار مکہ کے اعتراضات کا جواب

کفار نے قرآن مجید کے متعلق یہ کہا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو از خود گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان تراش کر یہ کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' پھر انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اور طرح طرح کے شبہات پیش کیے' ایک شبہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے عجیب وغریب اور حیرت انگیز معجزات طلب کرتے تھے' مثلاً یہ کہ آپ ان کے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ خود اپنے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ بنالیں جس کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر کے دکھائیں یا آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرائیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کر دیں یا آپ کے لیے اپنا سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں یا آپ کوئی کتاب نازل کر کے دکھائیں جس کو ہم خود پڑھ سکیں۔ (دیکھئے بنی اسرائیل: ۹۰۔۹۳) اور وہ آپ سے یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ان کو غیب کی خبریں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کا یہ جواب دیا کہ آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' یعنی میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں کہ تم مجھ سے اس طرح کے معجزات طلب کر رہے ہو اس لیے تمہیں میرے دعویٰ رسالت کو رد کرنا نہیں چاہیے اور نہ میرے اس پیغام کو مسترد کرنا چاہیے کہ اللہ سبحانہٗ ہی واحد مستحق عبادت ہے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرنا چاہیے اور مجھ سے پہلے تمام رسول اسی پیغام کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے تھے اور میں اپنی رسالت پر معجزہ پیش کر چکا ہوں جو اللہ کا کلام ہے' جس کی نظیر تم سب مل کر بھی لانے سے عاجز ہو۔

اور تم نے مجھ سے جو حیرت انگیز معجزات اور غیب کی خبروں کا مطالبہ کیا ہے تو سنو! اللہ سبحانہٗ کے اذن اور اس کی اجازت کے بغیر میں کوئی معجزہ پیش کر سکتا ہوں نہ کوئی غیب کی خبر دے سکتا ہوں' از خود میں کسی چیز پر قادر نہیں ہوں اور نہ مجھ سے پہلے کوئی رسول از خود معجزہ پیش کرتا تھا' نہ از خود غیب کی خبر دیتا تھا اور میں بھی ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہوں تو جن چیزوں پر دوسرے رسول قادر نہیں تھے ان پر میں کیسے قادر ہو سکتا ہوں؟

نیز کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ طعن کرتے تھے کہ آپ کھانا کھاتے ہیں' بازاروں میں چلتے ہیں اور آپ کے اکثر متبعین فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' تمام گزشتہ رسولوں کی یہی صفات تھیں جو میری صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کے بغیر وہ کسی چیز پر قادر تھے نہ میں قادر ہوں اور اس کے علم دیئے بغیر نہ وہ غیب کی خبر دینے پر قادر تھے نہ میں قادر ہوں اور رہا کھانا کھانا' بازاروں میں چلنا اور متبعین کا نادار ہونا تو یہ اوصاف پہلے نبیوں میں بھی تھے اور مجھ میں بھی ہیں تو جس طرح یہ اوصاف گزشتہ انبیاء کی نبوت میں موجب طعن نہیں تھے اسی طرح میری نبوت میں بھی موجب طعن نہیں ہیں۔

الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور آپ کہیے) اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں: (۱) بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں از خود یہ

نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (۲) اور اکثر اور جمہور مفسرین کا مختار قول یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں از خود یہ نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (۳) اور بعض کا قول یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں از خود نہیں جانتا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

ہم ان تینوں اقوال کی تفسیر باحوالہ بیان کریں گے اور جمہور کے قول پر دلائل پیش کریں گے اور اس تفسیر پر جو اعتراضات ہیں ان کے مسکت جوابات پیش کریں گے۔ سب سے پہلے ہم ان بعض مفسرین کی تفسیر کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس آیت کو دنیا کے احوال نہ جاننے پر محمول کیا ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق

الاحقاف: ۹ کو دنیا کے احوال نہ جاننے پر محمول کرنے والے مفسرین

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس چیز کا حکم دیا جائے گا اور کس چیز سے منع کیا جائے گا اور حسن بصری نے کہا: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ آپ کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' بے شک آپ کو معلوم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے' لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے از خود نہیں معلوم کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' آیا مجھے اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا' جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کو نکال دیا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کو قتل کر دیا گیا تھا اور میں از خود یہ نہیں جانتا کہ آیا تم کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے اور اسی قول پر امام ابن جریر نے اعتماد کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور قول جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق یہی قول ہے' کیونکہ آخرت کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پختہ یقین تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے اور اسی طرح آپ کے پیروکار بھی' اور رہا دنیا کا حال تو آپ کو علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا' اسی طرح مشرکین قریش کے متعلق بھی آپ کو علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ دنیا میں کیا ہوگا آیا وہ ایمان لے آئیں گے یا اپنے کفر پر برقرار رہیں گے' پھر ان کو عذاب دیا جائے یا ان کے کفر کی وجہ سے ان کو بالکل جڑ سے اکھاڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ رہی وہ حدیث جس کو امام بخاری اور امام احمد نے روایت کیا ہے وہ بھی اس آیت کے مناسب ہے:

خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام العلاء انصار کی ایک خاتون تھیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' وہ بیان کرتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ فال ہمارے نام نکلا' ہم نے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا' پھر وہ اس درد میں مبتلا ہو گئے جس درد میں ان کی وفات ہوئی تھی' وفات کے بعد ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون کی کنیت) میں تمہارے لیے گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں از خود کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! پھر اللہ کس کو عزت دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا وہ تو اللہ کی قسم! اس کے پاس یقین آ چکا ہے اور اللہ کی قسم! میں اس کے لیے اچھے انجام ہی کی امید رکھتا ہوں' اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا' حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اب کبھی بھی کسی کی

(ایسی) تعریف و تحسین نہیں کروں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳۔۷۰۰۳ مسند احمد ج ۶ ص ۴۳۶)

اس حدیث میں اور اس طرح کی دیگر احادیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی شخص معین کے لیے یقین اور قطعیت کے ساتھ جنت کی خبر دینی جائز نہیں ہے' ماسوا اس صورت کے کہ شارع علیہ السلام نے معین طور پر اس کے جنتی ہونے کی خبر دی ہو جیسے عشرہ مبشرہ (وہ دس اصحاب جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے) اور حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت عمیصاء اور حضرت بلال اور حضرت سراقہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام' حضرت جابر کے والد اور وہ ستر (۷۰) قاری جن کو بیر معونہ کے پاس بلا کر دھوکے سے شہید کیا گیا اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور جو ان کی مثل ہیں رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی ان کی موافقت کی ہے:

(۱) بحر العلوم نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ۔ (تفسیر سمرقندی ج ۳ ص ۲۳۰' دار الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

(۲) علامہ علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۳) علامہ منصور بن احمد ابو المظفر السمعانی متوفی ۴۸۹ھ۔ (تفسیر القرآن ج ۵ ص ۱۵۰' دار الوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

(۴) علامہ حسن بن محمود قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۲۶ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۵) علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۴۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

(۶) علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ۔ (نظم الدرر ج ۷ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۷) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ۔ (روح البیان ج ۸ ص ۶۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم کی نفی کی ہے وہ دنیا کے احوال پر محمول ہے یعنی آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کافروں کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ آخرت کے متعلق تو آپ کو قطعی طور پر علم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے اور آپ کے وہ اصحاب بھی جنت میں ہوں گے جن کے جنتی ہونے کی آپ نے بشارت دی ہے۔ البتہ دنیا کے متعلق آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کافروں کے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں علم کی نفی سے مراد دنیا کے علم کی نفی ہے نہ کہ آخرت کے علم کی نفی ہے۔

درایت کا معنیٰ

میں کہتا ہوں: اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے' درایت کی نفی ہے اور درایت کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو انکل پچو سے' حیلہ سے یا قیاس سے جاننا' اسی لیے ہم نے اس کا معنیٰ کیا ہے' میں از خود نہیں جانتا۔ اور کتب لغت سے اس پر حسب ذیل شواہد ہیں:

دری: حیلہ سے جاننا۔ (المنجد اردو ص ۳۲۱)

دری: وہ معرفت جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۲)

دری: کسی قسم کے حیلہ سے جاننا۔ (القاموس ص ۱۲۸۲)

کسی چیز کو قیاس سے اور حیلہ سے جاننا درایت ہے اور کسی چیز کو مطلقاً جاننا علم ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علم کے بجائے درایت کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ درایت میں کسی چیز کو حیلہ سے جاننے کا معنیٰ ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۵، دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن کثیر اور ان کے موافقین کا جواب مصنف کی طرف سے

اب ہمارے جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر از خود نہیں جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ اور آپ کے متبعین کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں آپ سے درایت کی نفی کرائی ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور اس آیت میں آپ سے علم کی نفی نہیں کرائی کیونکہ اللہ کی وحی سے آپ کو علم تھا کہ آپ آخرت میں مقام محمود پر فائز ہوں گے' آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی' سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے ہم جیسے لاتعداد گنہ گار جنت میں داخل ہوں گے اور کفار میدان حشر میں اللہ سبحانہٗ کے دیدار سے محروم ہوں گے' ان کے چہرے سیاہ اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور بالآخر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ حافظ ابن کثیر اور دیگر وہ مفسرین جنہوں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ آپ کہیے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' ان کی یہی دلیل ہے کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا اس کا تو آپ کو قطعی طور پر علم تھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب قطعی طور پر جنت میں ہوں گے اور مشرکین اور کفار دوزخ میں ہوں گے' سو آیت میں اس علم کی نفی کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ لہٰذا لازماً اس سے یہی مراد ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا ہوگا اور کافروں کے ساتھ کیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے حتیٰ کہ اس آیت کی یہ تاویل کی جائے بلکہ اس آیت میں درایت کی نفی ہے یعنی آپ اپنا اور کفار کا آخرت میں انجام از خود نہیں جانتے تھے اگرچہ اللہ کی وحی سے آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے متبعین جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں اور آپ کا جو بھی علم تھا وہ اللہ کی وحی سے تھا از خود نہیں تھا۔ اور یہی جواب حضرت ام العلاء کی حدیث کا بھی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا: اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس حدیث میں بھی آپ نے ''ما ادری'' فرمایا ہے' ''ما اعلم'' نہیں فرمایا اور آپ نے درایت کی نفی کی ہے علم کی نفی نہیں کی۔

اور اگر بالفرض اس آیت میں اور اس حدیث میں درایت سے مراد علم ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ آپ نے آخرت کے علم تفصیلی کی نفی کی ہے علم اجمالی کی نفی نہیں کی' یعنی آپ کو اجمالی طور پر تو معلوم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا لیکن تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آخرت میں جنت میں آپ کے اور آپ کے اصحاب کے کیا مقامات ہوں گے اور کتنے درجات ہوں گے اور کفار آخرت میں دوزخ کے کون کون سے طبقات میں ہوں گے اور بعد میں آپ کو ان چیزوں کا تفصیلی علم دے دیا گیا' جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث شاہد ہیں۔

درایت تفصیلی کی نفی پر کتب لغت' مفسرین اور شارحین حدیث کی عبارات سے استشہاد

کتب لغت' کتب تفسیر اور شروح حدیث میں بھی یہ جواب مذکور ہے کہ اگر درایت سے مراد علم ہو تو حضرت ام العلاء کی حدیث میں اور اس آیت میں درایت کی نفی سے علم تفصیلی کی نفی مراد ہے نہ کہ علم اجمالی۔

علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وما ادری وانا رسول اللہ'' اس میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت ہو چکی ہے اور آپ کے وہ مقامات ہیں جو کسی اور کے نہیں

ہیں (الی قولہ) یا یہ حدیث "لیغفر لک اللہ" سے منسوخ ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۷۴۔۱۷۵ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسن بن محمد قمی نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل نہیں تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل تھی تو آپ نے اس وقت اس درایت کی نفی کی تھی جو آپ کو از خود اپنی عقل سے حاصل ہو اور آپ نے اس درایت کی نفی نہیں کی تھی جو آپ کو وحی سے حاصل ہوئی ہو۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان جز ۲۶ ص ۱۱۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "ما ادری" میں درایت مفصلہ کی نفی کی گئی ہو۔

(الکشاف ج ۴ ص ۳۰۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کو میں اختیار کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس آیت سے اس درایت کی نفی کرنا مراد ہے جو بغیر وحی کے ہو (یعنی میں از خود نہیں جانتا)۔ عام ازیں کہ وہ درایت تفصیلی ہو یا اجمالی ہو اور خواہ اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو یا اخروی امور سے ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے حتیٰ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور تمام شانوں کا علم دے دیا گیا اور جن چیزوں کے علم کو کمال قرار دیا جاتا ہے ان تمام چیزوں کا علم آپ کو دے دیا گیا اور آپ کو اتنا علم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں میں کسی کو اتنا علم نہیں دیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ دنیا کے بعض جزوی حوادث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے علم کا کمال نہیں رہے گا' مثلاً یہ کہ زید آج اپنے گھر میں کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرے گا اور میں کسی قائل کے اس قول کو اچھا نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اس کو اس کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا ہے یا اللہ سبحانہٗ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کہنی چاہیے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۔۱۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ام العلاء کی حدیث کا علامہ آلوسی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "ما ادری ما یفعل بی" فرمانا اس آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔" (الفتح: ۲)

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۹' دار الفکر)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ کا "ما ادری" فرمانا الاحقاف: ۹ کے موافق ہے کیونکہ اس میں بھی "ما ادری ما یفعل بی" ہے اور یہ واقعہ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (الفتح: ۲) سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحقاف مکی ہے اور سورۃ الفتح بالاتفاق مدنی ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا' اس کے علاوہ اور صریح احادیث ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اخروی احوال اور مقامات کا علم تھا سو جن احادیث میں آپ کے اخروی علم کا ثبوت ہے وہ آپ کے علم اجمالی پر محمول ہیں اور جن آیات اور احادیث میں آپ کے علم اخروی کی نفی ہے وہ علم محیط اور علم تفصیلی پر محمول ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عثمان بن مظعون غزوۂ بدر کے بعد فوت ہوئے اور انہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی مغفرت فرما دی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس

حدیث میں جو "ما ادری" فرمایا ہے وہ پہلے کا واقعہ ہے اور اہل بدر کے جنتی ہونے کی خبر آپ کو بعد میں دی گئی' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غزوۂ احد میں آپ نے حضرت جابر کے والد رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا: فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کر رہے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد کا حال آپ کو صرف وحی سے معلوم ہوا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخروی احوال کی جو خبر دی ہے' اس کا علم آپ کو وحی سے ہوا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر وحی کے ازخود تو آپ کو بھی اپنے اخروی حال کا علم نہیں ہے تو حضرت ام العلاء قطعیت کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعون کے نیک انجام کی بشارت کیسے دے سکتی ہیں؟ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۳-۲۴ ملخصا' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ام العلاء کی حدیث میں جو آپ نے "ما ادری" فرمایا ہے وہ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ الاحقاف مکی ہے اور الفتح مدنی ہے اور آپ کو پہلے اپنی مغفرت کلی کا علم نہیں تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم نہیں دیا تھا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطا فرمایا تو آپ نے اس کو جان لیا۔ (الی ان قال)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ دنیا اور آخرت کا پہلے آپ کو تفصیلی علم نہ تھا۔ علامہ برماوی نے کہا ہے کہ بعض تفاصیل آپ سے مخفی تھیں۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۳۲۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ جن علماء نے الاحقاف: ۹ میں درایت کی نفی کو دنیا کے احوال پر محمول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ آپ آخرت میں جنت میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے اس لیے آیت کا یہی معنی ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور آخرت میں کیا کیا جائے گا اور یہ معنی نہیں ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کیونکہ آپ کو اپنے اخروی انجام کے اچھے ہونے اور کفار کے اخروی انجام کے برے ہونے کا قطعی طور پر علم تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو یہ قطعی علم تھا وہ وحی سے تھا اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے خبر دینے کے بغیر ازخود آپ کو اس کا علم نہیں تھا اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ کو اپنی آخرت کا اور کفار کی آخرت کا اجمالی علم تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا تفصیلی علم عطا فرما دیا اور الاحقاف: ۹ میں درایت تفصیلی کی نفی ہے' یعنی آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا مجھے اس کا تفصیلی علم نہیں ہے۔

اور اس آیت کو دنیا کے علم کی نفی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور ان کو آخرت کے اجر و ثواب کی ترغیب دی جاتی تھی دنیا کے عذاب کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ اور یہ اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ ان کو اس حال میں عذاب دے جب آپ ان میں موجود ہوں۔ (الانفال: ۳۳)

اور جنگوں میں کبھی مسلمانوں کو فتح ہوتی تھی اور کبھی کفار کو اور اب تک یہی ہو رہا ہے' سو آسمانی عذاب تو کفار پر آنے کا نہیں اور دنیاوی مصائب اور جنگوں میں شکست یہ کافروں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کی بھی خصوصیت نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بشیر و نذیر تھے وہ آخرت کے اعتبار سے ہی تھے' لہٰذا اس آیت کو دنیاوی احوال کے علم کی نفی پر محمول کرنا صحیح نہیں

اور آیت کا صحیح محمل صرف یہی ہے کہ: (اور آپ کہیے کہ:) اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر مستند علماء اور مفسرین کی تصریحات

(۱) امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق' معمر سے اور وہ قتادہ سے الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں) کی مغفرت کردی گئی ہے۔(تفسیر القرآن العزیز ج ۲ ص ۱۷۵' دارالمعرفت' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ الاحقاف: ۹' الفتح: ۲ سے منسوخ ہوگئی ہے کیونکہ الاحقاف: ۹ میں یہ فرمایا تھا کہ آپ کہیے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (الخ) (یعنی آپ کو اپنی مغفرت از خود معلوم نہیں تھی) اور الفتح: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا کہ آپ کی مغفرت کردی گئی۔ سو اس سے معلوم ہوگیا کہ الفتح: ۲ سے الاحقاف: ۹ منسوخ ہوگئی ہے۔

(۲) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ اور حسن بصری الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: اس آیت کو سورۃ الفتح کی اس آیت نے منسوخ کردیا: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ... '' الآیۃ (الفتح: ۲) جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور مسلمانوں کو یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت فرمادی ہے تو بعض مؤمنوں نے آپ سے کہا: آپ کو مبارک ہو یا نبی اللہ! ہم کو معلوم ہوگیا کہ اللہ سبحانہٗ آپ کے ساتھ کیا کرے گا پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب اللہ عزوجل نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نازل فرمائی:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۷)

اور آپ مؤمنین کو یہ بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۝

اور یہ آیت نازل فرمائی:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۵)

تاکہ اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے گناہوں کو ان سے مٹادے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۝

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۶۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کہ امام ابن جریر نے اسی طرح لکھا لیکن ان کا مختار یہ ہے کہ الاحقاف: ۹ منسوخ نہیں ہے۔

(۳) امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ'' (الاحقاف: ۹) کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: '' لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ '' (الفتح: ۲۔۵) اور اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اللہ آپ کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ کیا کرے گا۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۵۶۵' ج ۱۰ ص ۳۲۹۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مدینہ منورہ)

(۴) امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو الفتح: ۲ سے بتادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور الاحقاف: ۹ منسوخ ہوگئی۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

(۵) علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں چار تاویلیں ہیں دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہوگئی ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۷۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۶) علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف: ۹ الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر القشیری ج ۳ ص ۱۹۵ ملخصاً دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۷) امام ابو الحسن الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (اسباب النزول ص ۳۹۸)

(۸) امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء نے یہ کہا: جب الاحقاف: ۹ نازل ہوئی تو مشرکین خوش ہوئے اور انہوں نے کہا: لات اور عزیٰ کی قسم! ہمارا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ایک جیسا ہے اور ان کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے پھر جب الفتح: ۲ نازل ہوئی تو اس نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۱ ملخصاً)

(۹) علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاحقاف: ۹ الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (الکشاف ج ۴ ص ۳۰۲)

(۱۰) قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس حضرت انس بن مالک الحسن قتادہ اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام) کی مغفرت فرمادی ہے اور مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور وہ جنت ہے اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۱۳ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ)

(۱۱) علامہ عبد الرحمٰن ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ جب الاحقاف: ۹ نازل ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک جیسا معاملہ ہے اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو یہ اس بات کی خبر دیتے کہ ان کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' تب اللہ تعالیٰ نے الفتح: ۲ نازل فرمائی' یہ تفسیر حضرت انس' عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے (علامہ ابن عطیہ اور علامہ ابن جوزی نے دنیا کے علم کی نفی کا قول بھی ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت ابو صالح از ابن عباس کی طرف کی ہے)۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۳۷۳)

(۱۲) امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے حضرت ابن عباس کی دو روایتیں ذکر کی ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی کی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں آخرت کے علم کی نفی ہے اور الفتح: ۲ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا اور اس روایت پر (امام رازی نے) اعتراضات کیے ہیں جن کے جوابات ہم مفسرین کے حوالہ جات کے بعد ذکر کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۹)

(۱۳) علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے دو قول ذکر کیے ہیں' پہلے یہ قول ذکر کیا ہے کہ الاحقاف: ۹ میں آخرت کے علم کی

نفی ہے اور الفتح: ۲ سے منسوخ ہے' پھر حسن بصری اور سدی کے حوالوں سے دوسرا قول ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی ہے اور اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۷۳۔۱۷۶ ملخصاً)

(۱۴) علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دنیا اور آخرت کے تفصیلی علم کی نفی ہے۔
(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ص ۳۶۴)

(۱۵) علامہ علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۲۵ھ نے پہلے تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ الاحقاف: ۹' الفتح: ۲ سے منسوخ ہے اور اخیر میں اختصار سے دنیا کے علم کی نفی کا قول ذکر کیا ہے۔ (لباب التاویل ج ۴ص ۱۲۸)

(۱۶) علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف الثعالبی المتوفی ۸۷۵ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' لیکن راجح یہ ہے کہ یہ الفتح: ۲ سے منسوخ ہے' اور یہ حضرت ابن عباس اور ایک جماعت کا قول ہے۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ص ۲۱۲)

(۱۷) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام ابوداؤد کی "ناسخ" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے اور اس کی تائید میں کئی احادیث ذکر کی ہیں اور اخیر میں حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے کہ اس میں دنیا کے علم کی نفی ہے۔
(الدر المنثور ج ۷ص ۳۷۷۔۳۷۸)

(۱۸) علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ نے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۶ص ۶۹)

(۱۹) علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے: یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ص ۳۶۴)

(۲۰) علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ نے لکھا ہے: یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر الجمل ج ۴ص ۱۲۵)

(۲۱) علامہ احمد بن محمد صاوی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں: اس آیت کو الفتح: ۲ نے منسوخ کر دیا۔
(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ص ۱۹۳۳)

(۲۲) شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں: امام ابوداؤد نے اپنی "ناسخ" میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ص ۲۱)

(۲۳) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے پہلے یہ قول نقل کیا کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی ہے پھر یہ لکھا اور امام ابوداؤد نے اپنی کتاب "ناسخ" میں عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس آیت کو "لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) نے منسوخ کر دیا۔ (روح المعانی جز ۲۶ص ۱۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۲۴) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی امام ابوداؤد کی "ناسخ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (فتح البیان ج ۶ص ۲۹۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(۲۵) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے بھی الاحقاف: ۹ کو الفتح: ۲ سے منسوخ قرار دیا ہے' چنانچہ وہ رشید احمد گنگوہی کے رد میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

"خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں: "واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم" الحدیث۔ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"۔

قطع نظر اس کے کہ حدیث اول خود احاد ہے' سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت و حدیث کے کیا معنی ہیں اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن

عظیما واما نسخ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود ہے کہ جب آیہ کریمہ:

" لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ " تا کہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔(نازل ہوئی)۔

صحابہ نے عرض کی:

"هنيئا لك يا رسول الله لقد بين الله لك ماذا يفعل بك فما ذا يفعل بنا "یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا۔ اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اتری:

"ليدخل المؤمنين (الى قوله تعالى) فوزا عظيما " تا کہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹادے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل وشہیر ایسوں کو کیوں سجھائی دیتیں۔

(انباء المصطفیٰ ص ۸۔۹ نوری کتب خانہ لاہور)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے "انباء الحی" ص ۳۸۸ (مرکز اہل سنت برکات رضا) میں بھی متعدد احادیث کے حوالوں سے اسی طرح لکھا ہے۔

(۲۶) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔

(۲۷) نیز صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ ﷺ" میں لکھتے ہیں: "ملا عبد الرحمٰن بن محمد دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالۂ ناسخ ومنسوخ میں لکھتے ہیں: قوله تعالى ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم الاية نسخ بقوله تعالى انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر الاية. اور اسی صفحہ میں اس سے کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: سورة الفتح وفيها ناسخ وليس فيها منسوخ فالناسخ قوله تعالى ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر والمنسوخ قوله تعالى وما ادرى ما يفعل بى ولا بكم. ان دونوں عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ آیہ کریمہ "ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم "منسوخ اور اس کا ناسخ "انا فتحنا لك فتحا مبينا الاية " ہے۔ جس میں دنیا میں فتح مبین کا اور آخرت میں غفران کا مژدہ دیا گیا اور یہ بتادیا گیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا رب جل وعلا دنیا و آخرت میں کیا کرے گا"۔ (الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ ﷺ ص ۱۴۷ مکتبہ فریدیہ ڈرگ کالونی کراچی ۱۹۷۷ء)

(۲۸) مشہور دیوبندی مفسر شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ الاحقاف: ۹ الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔

(۲۹) مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔

(۳۰) مفتی اویسی صاحب اپنی کتاب "ناسخ و منسوخ" میں لکھتے ہیں: "بعض ناسخ ایسے تھے کہ منسوخ پر عمل سے پہلے ہی نازل ہو جاتے تھے' جیسے آیت نجویٰ اور بعض ایسے بھی تھے کہ جن کے لیے کئی سال گزر جاتے' مثلاً آیت "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" (الاحقاف: ۹) کا نزول ابتدائے اسلام میں ہوا لیکن اس کا نسخ سورۃ الفتح "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) ـ تیرہ سال بعد سال حدیبیہ میں ہوا"۔ (ناسخ و منسوخ ص ۲۸ ـ ۲۹ فیض رضا پبلی کیشنز' کراچی)

ہم نے امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ کی تفاسیر سے لے کر مفتی اویسی صاحب کی "الناسخ والمنسوخ" تک تیس کتابوں کی عبارات سے واضح کر دیا ہے کہ الاحقاف: ۹' الفتح: ۲ سے منسوخ ہو چکی ہے۔

اور ہمارے بعض مخالفین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "نہ سورۂ فتح کی آیت: ۲ کے پہلے جملہ نے سورۂ احقاف کی آیت: ۹ کے دوسرے جملہ کو منسوخ کیا"۔ شاید یہ بات بعد میں لوگوں نے اپنی عقل سے تجویز کی ہے اور وہ دراز ہوتے ہوتے ہمارے دور تک آ گئی۔ قارئین کرام پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے کی بنیاد صحیح حدیث اور مفسرین کرام کی ٹھوس روایات پر ہے۔

الاحقاف: ۹ سے دنیا کے احوال کے علم کی نفی مراد لینے کا بطلان

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی مراد ہے' یعنی اے رسول مکرم! آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں از خود یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اصل اور اہم چیز آخرت کے احوال ہیں اور کفار کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین جنت میں ہوں گے اور کفار اور مشرکین دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے اور یہی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مابہ الامتیاز ہے ورنہ جس طرح کفار اور مشرکین دنیا میں جنگوں میں شکست اور مصائب و آلام میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی جنگوں میں شکست اور مصائب و آلام میں مبتلا رہتے ہیں اور اب تک ہیں' بلکہ کفار اور مشرکین سے زیادہ زبوں حال ہیں۔ اس لیے ان مفسرین کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور یہ محض عقلی توجیہ ہے اور اس کی بنیاد کسی حدیث پر نہیں ہے' اس لیے صحیح یہی ہے کہ الاحقاف: ۹ کا معنی یہ ہے کہ آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' پھر قرآن مجید کی دیگر آیات میں وحی جلی سے اور آپ کو وحی خفی سے یہ بتا دیا گیا کہ آخرت میں آپ اور آپ کے متبعین جنت کے بلند مقامات اور دائمی نعمتوں میں ہوں گے اور کفار اور مشرکین دوزخ کے دائمی عذاب میں ہوں گے۔

الاحقاف: ۹ سے امورِ آخرت کے علم کی نفی مراد لینے پر امام رازی کے اعتراضات کے جوابات

ہم نے پہلے کہا تھا کہ ہماری مختار تفسیر پر امام رازی کے جو اعتراضات ہیں ہم ان کا آخر میں جواب دیں گے۔ امام رازی نے اس آیت کو آخرت کے احوال کے علم کی نفی پر محمول کرنے پر تین اعتراضات کیے ہیں' ہم ان اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو یہ علم ہو کہ آپ نبی ہیں اور جب آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم ہوگا تو آپ کو یہ علم ہوگا کہ آپ سے گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہوگا اور آپ کو علم ہوگا کہ آپ مغفور ہیں اور پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کو اس میں شک ہو کہ آپ کی مغفرت ہوگی یا نہیں۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اولیاء کرام سے بلند ہے اور اولیاء کرام کے متعلق یہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿ (الاحقاف: ۱۳) جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

تو پھر یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو رئیس الاتقیاء ہیں اور انبیاء کے پیشوا ہیں ان کو اس بات میں شک ہو کہ ان کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام: ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل ہے اور جس کی یہ شان ہو اس کے یہ کب مناسب ہے کہ وہ اس چیز میں متردد رہے کہ وہ مغفورین میں سے ہے یا معذبین میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۹-۱۰، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قطعی علم تھا کہ آپ مغفور ہیں اور آپ کو اپنے مغفور ہونے میں کوئی تردد اور شک نہیں تھا لیکن آپ کو یہ قطعی علم وحی سے حاصل ہوا تھا اور بغیر وحی کے آپ کو محض اپنی عقل یا قیاس سے یہ قطعی علم حاصل نہیں تھا اور اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے' درایت کی نفی ہے اور درایت کا معنیٰ ہے: از خود جاننا' لہٰذا اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کو وحی کے بغیر پہلے اپنے مغفور ہونے کا اجمالی علم حاصل تھا اور وحی نازل ہونے کے بعد آپ کو اس کا تفصیلی علم حاصل ہوا اور اس صورت میں اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ کہیے: میں تفصیل سے نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ علامہ قرطبی' حافظ ابن کثیر اور دوسرے جن مفسرین نے اس آیت کو احوالِ دنیا کے علم کی نفی پر محمول کیا ہے اور احوالِ آخرت کے علم کی نفی پر محمول کرنے کا رد کیا ہے ان کے بھی آخرت کے علم کی نفی مراد لینے پر یہی اعتراضات ہیں اور دنیا کے احوال کے علم کی نفی مراد لینے پر ان کے یہی دلائل ہیں اور ہم نے امام رازی کے اعتراضات کے جو جوابات ذکر کیے ہیں ان میں ان تمام مفسرین کے اعتراضات کے جوابات آ گئے ہیں۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

مخالفین اعلیٰ حضرت کا اس صحیح حدیث پر اعتراض جس کی بنیاد پر الاحقاف: ۹ کو منسوخ قرار دیا گیا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جس حدیث سے استدلال کر کے اس حدیث کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے بعض مخالفین نے اس حدیث کو مدرج قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ شعبہ نے اس حدیث کا بعض حصہ از قتادہ از انس سنا اور بعض حصہ عکرمہ سے سنا اور دونوں کو ملا کر ایک حدیث بنا دیا سو یہ حدیث مدرج ہے اور اس بناء پر یہ حدیث ضعیف ہے' لہٰذا یہ حدیث استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی چہ جائیکہ اس حدیث کی بنیاد پر یہ ثابت کیا جائے کہ الفتح: ۲ کی آیت الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ ہے؟ اور اس کے ثبوت میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

از شعبہ از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔ (الفتح: ۲) حضرت انس نے کہا: اس فتح سے مراد حدیبیہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: آپ کو یہ (مژدہ مغفرت) مبارک ہو' پھر ہمارے لیے کیا (بشارت) ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: '' لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ '' ۔ (الفتح: ۵) تاکہ اللہ مومنوں اور مومنات کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ شعبہ نے کہا: جب میں کوفہ گیا تو میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کر دی' پھر جب میں واپس آیا تو میں نے اس کا قتادہ سے ذکر کیا' انہوں نے کہا کہ

اس حدیث کا یہ حصہ جس میں "اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا" (الفتح: ۲) ہے یہ حضرت انس سے مروی ہے اور حدیث کا یہ حصہ جس میں "هنيا مرئيا" ہے یہ عکرمہ سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۷۲-۴۸۳۴)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر گفتگو ان شاء اللہ سورۃ الفتح کی تفسیر میں آئے گی' امام بخاری نے یہاں پر یہ فائدہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا بعض حصہ شعبہ نے از قتادہ از انس روایت کیا ہے اور بعض حصہ عکرمہ سے روایت کیا ہے اور اسماعیلی نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے: از حجاج بن محمد از شعبہ اور حدیث میں حضرت انس اور عکرمہ کی روایت کو جمع کر دیا ہے اور حدیث کے دونوں حصوں کو ملا کر حدیث واحد کے طور پر روایت کیا ہے اور میں نے اس کی وضاحت "کتاب المدرج" میں کی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور سورۃ الفتح کی تفسیر میں حافظ ابن حجر نے صرف اتنا اضافہ کیا ہے:

شعبہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا جو حصہ حضرت انس سے مروی ہے وہ سند متصل کے ساتھ ہے اور اس کا جو حصہ عکرمہ سے مروی ہے وہ سند مرسل کے ساتھ مروی ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

واضح رہے کہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۹۷' طبع جدید)

اسی طرح علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس کی شرح میں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۹ ص ۲۳۳' طبع جدید)

یہاں تک ہم نے مخالفین اعلیٰ حضرت کے اس اعتراض کی تقریر کی ہے جو انہوں نے اس حدیث پر کیا ہے جس سے اعلیٰ حضرت نے استدلال کیا ہے اور اس کو صحیح حدیث قرار دیا تھا کہ اس حدیث کی بنیاد پر الاحقاف: ۹ کو الفتح: ۲ سے منسوخ قرار دیا ہے۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس اعتراض کا جواب بیان کرتے ہیں اور قوی دلائل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنف کی طرف سے متعدد حوالوں کے ساتھ حدیث مذکور کے صحیح ہونے پر دلائل

قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۸ھ کے متعدد شاگردوں نے ان سے اس حدیث کو سنا ہے اور ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ جب کہ قتادہ کے دوسرے شاگرد جو ثقہ اور ثبت ہیں' وہ قتادہ سے اس حدیث کو مکمل روایت کرتے ہیں اور کوئی استثناء نہیں کرتے اور مستند محدثین ان کی روایت کو اپنی صحیح اور معتبر کتب میں درج کرتے ہیں تو ان کی یہ روایت کیوں صحیح نہیں ہوگی اور کیوں غیر مقبول ہوگی؟ جب کہ محققین نے ان روایات کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں معمر بن راشد ازدی متوفی ۱۵۴ھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چودہ سال کی عمر سے قتادہ کی مجلس میں بیٹھ رہا ہوں اور میں نے ان سے جو حدیث بھی سنی وہ میرے سینے میں نقش ہے۔ ابو حاتم' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' العجلی' یعقوب بن شیبہ' نسائی وغیرہم نے ان کو اثبت' اصدق' ثقہ اور صالح لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۱۸ ص ۲٦۸-۲۷۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور معمر بن راشد نے اس مکمل حدیث کو قتادہ سے روایت کیا ہے۔

از معمر از قتادہ از انس یہ حدیث ان کتابوں میں ہے: سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲٦۳' اور امام ترمذی نے لکھا ہے: یہ

حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ابن حبان نے بھی اپنی ''صحیح'' میں از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' امام احمد نے بھی از معمر از قتادہ اس کو روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۶۹' مطبوعہ قاہرہ اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ابویعلیٰ تمیمی نے بھی از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۰۴۵' اس کے مخرج اور محقق حسین سلیم اسد نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۵' امام ابن عبد البر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (التمہید ج ۲ ص ۱۶۵)

''مسند احمد'' ج ۲۰ ص ۳۳۵' رقم الحدیث: ۱۳۰۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اس کے محقق شیخ شعیب الارنؤط اور ان کے ساتھ دیگر محققین نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور یہ حدیث ''تفسیر عبد الرزاق'' ج ۳ ص ۲۲۵ میں بھی مذکور ہے' (ہمارے پاس ''تفسیر عبد الرزاق'' کا جو نسخہ ہے اس کی جلد ۲ ص ۱۸۳ پر یہ حدیث اس سند کے ساتھ مذکور ہے' عبد الرزاق از معمر از قتادہ) اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ''ترمذی'' رقم الحدیث: ۳۲۶۳ اور ''مسند ابویعلیٰ'' رقم الحدیث: ۳۰۴۵ میں مذکور ہے اور اسی سند کے ساتھ اس کو طبری نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند یہ ہے: امام احمد از امام عبد الرزاق از معمر از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ

اور اس حدیث کا متن یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح: ۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی' مسلمانوں نے کہا: آپ کو مبارک ہو یا رسول اللہ! بے شک اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ''۔ (الفتح: ۵)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی المتوفی ۱۶۳ھ' امام احمد بن حنبل' ابن مہدی' یحییٰ بن معین' عثمان بن سعید دارمی' محمد بن سعد وغیرہم نے ہمام کو اثبت' احفظ اور ثقہ لکھا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۹ ص ۳۰۱۔ ۳۰۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو از ہمام از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۲۔ ۲۵۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۶۶۔ ۱۳۵۷۵' طبع قاہرہ) اس کے حاشیہ پر حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ امام واحدی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (اسباب النزول ص ۳۹۸) امام بیہقی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۸) امام بغوی نے بھی اس حدیث کو ہمام از قتادہ روایت کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۰)

''مسند احمد'' ج ۱۹ ص ۲۵۷' رقم الحدیث: ۱۲۲۲۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے محقق اور مخرج شیخ شعیب الارنؤط دیگر محققین کے ساتھ اس حدیث کی تحقیق اور تخریج میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس حدیث کو اس سند کے ساتھ امام واحدی نے ''اسباب النزول'' ص ۲۵۶ میں روایت کیا ہے (ہمارے پاس ''اسباب

النزول" کا جو نسخہ ہے اس کے ص ۳۹۸ پر یہ روایت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ امام مسلم نے رقم الحدیث: ۱۷۸٦ میں اس کو روایت کیا ہے' امام طبری نے اس کو امام ابوداؤد طیالسی اور امام ابوعوانہ سے روایت کیا ہے ان کی سند ہے: عمرو بن عاصم از ہمام۔ امام عبد بن حمید نے اس کو رقم الحدیث: ۱۱۸۸ میں اس کو روایت کیا ہے اور امام ابوعوانہ نے "مسند ابوعوانہ" ج ۴ ص ۲۴۷۔۲۴۸ میں اور امام ابن حبان نے رقم الحدیث: ۳۷۱ میں از حسن بصری از انس' اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ احمد عبد الرحمٰن البنا نے بھی اس سند کے ساتھ اس حدیث کو "الفتح الربانی" ج ۱۸ ص ۲۷٦ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند یہ ہے: امام احمد از یزید بن ہارون از ہمام از قتادہ از انس اور اس کا متن یہ ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا" الآیۃ (الفتح:١) تو مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو جو اللہ نے آپ کو عطا کیا پس ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: "لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ" الآیۃ۔ (الفتح:٥)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں سعید بن ابی عروبہ العدوی المتوفی ۱۵۷ھ۔ امام احمد' یحییٰ بن معین' ابوزرعہ' نسائی' ابوداؤد طیالسی وغیرہم نے ان کو ثقہ اور احفظ کہا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۷ ص ۲٦۳۔ ۲٦۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امام احمد نے از سعید از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۷۹' طبع قاہرہ) اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۳۲۔ ۳۲۰۳ میں بھی ہے۔ اس کے محقق نے بھی لکھا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۳۹۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۲۲)

یہ حدیث مسند احمد ج ۲۰ ص ۲۵۴' رقم الحدیث: ۱۳۲۴٦ میں بھی موجود ہے۔ اس کے محقق اور مخرج شیخ شعیب الارنؤط لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے رقم الحدیث: ۲۹۳۲۔ ۳۲۰۲۔ ۳۲۰۳ میں روایت کیا ہے' امام طبری نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن حبان نے رقم الحدیث: ۳۷۰ میں اور امام بیہقی نے ج ۹ ص ۲۲۲ میں۔

اس حدیث کی سند یہ ہے کہ امام احمد از محمد بن بکر' از سعید و عبد الوہاب از سعید از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور اس حدیث کا متن یہ ہے: جب یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی: "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا" الآیۃ (الفتح:١) تو آپ نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے' مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: "لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ" الآیۃ۔ (الفتح:٥)

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں شیبان بن عبد الرحمٰن تمیمی متوفی ۱٦۴ھ۔ مشہور ائمہ حدیث نے ان کو ثقہ اور صدوق لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۴۱۳۔ ۴۱۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو از شیبان از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں حکم بن عبد الملک القرشی۔ امام بخاری نے "الادب المفرد" میں امام نسائی نے "خصائص نسائی" میں امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی "سنن" میں ان سے احادیث کو روایت کیا ہے' یہ اگرچہ ضعیف راوی ہیں لیکن ان کی جن روایات کی متابعت کی گئی ہے' ان سے استدلال کرنا جائز ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۵ ص ۹۲-۹۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے از حکم بن عبد الملک از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کے شاگردوں میں سے معمر' ہمام' سعید' شیبان اور حکم بن عبد الملک نے اس پوری حدیث کو قتادہ سے سنا ہے اور اس پوری حدیث کو روایت کیا ہے اور صحاح اور سنن کے مصنفین نے ان کی روایات کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کی اسانید کے متعلق محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ ماسوا حکم کی روایت کے لیکن ہم نے اس کو بطور تائید درج کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث قتادہ بن دعامہ کے علاوہ از ربیع بن انس بھی مروی ہے۔ لہٰذا اب اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ از ربیع از انس روایت کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: "وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ" (الاحقاف: ۹) تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: "لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَضۡلًا کَبِیۡرًا ۝" (الاحزاب: ۴۷) آپ نے فرمایا: فضل کبیر جنت ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

نیز امام ابن جریر نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ عکرمہ اور الحسن البصری سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت کے جواب کی تقریر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "انباء المصطفیٰ" میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔ بعض مخالفین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے کیونکہ شعبہ نے اس حدیث کا صرف ایک جملہ قتادہ سے سنا تھا اور باقی حصہ عکرمہ سے اور انہوں نے دونوں کو ملا کر قتادہ کی طرف منسوخ کر دیا۔ لیکن اس وجہ سے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ معمر' ہمام' سعید اور شیبان بھی قتادہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ان سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے قتادہ سے یہ پوری حدیث نہیں سنی اور ان کی اس حدیث کو صحاح اور سنن کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور محققین نے ان کی ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے' لہٰذا امام احمد رضا کا اس حدیث کو صحیح لکھنا برحق ہے۔ حدیث کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حدیث کی صحت پر جو اعتراض کیا جائے اس کو دور کر دوں۔ لہٰذا میں نے یہاں پر اس اعتراض کا جواب لکھ دیا ہے اور اعلیٰ حضرت سے قلت فہم حدیث کی تہمت دور کر دی ہے۔

الاحقاف: ۹ کو منسوخ ماننے پر مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک عقلی اعتراض کا جواب

یہاں تک جو ہم نے گفتگو کی اس میں یہ مباحث پوری تفصیل سے باحوالہ دلائل کے ساتھ آ گئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر "لیغفر لک اللہ" سے استدلال کیا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس آیت

میں مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ ہے" "ترمذی" کی صحیح حدیث سے استدلال کیا۔ اس پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کے ہم نے شافی جوابات ذکر کر دیئے۔ پھر اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس استدلال پر عقلی طور سے یہ اعتراض کیا کہ الاحقاف: ۹ مکی ہے اور سورۂ الفتح مدنی ہے' اس سے لازم آئے گا کہ ایک طویل عرصہ تک تقریباً تیرہ سال تک آپ کو اپنی مغفرت کا علم نہیں ہوا۔ اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے نہیں کہا بلکہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے کہا ہے' جن میں سے اکثر کے حوالے اس بحث کے شروع میں آچکے ہیں۔ ثانیاً: کسی چیز کا علم اور چیز ہے اور اس کا بیان دوسری چیز ہے۔ دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے اور وضو کر کے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وضو کی آیت سورۂ المائدہ میں مدینہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ آپ کو وضو کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بہت بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنی کلی مغفرت کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بعد میں کیا گیا۔

ثالثاً: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ "ما ادری" میں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے یعنی آپ کو از خود اپنی مغفرت کا علم نہیں تھا یہ علم آپ کو اللہ سبحانہٗ کی وحی سے حاصل ہوا تھا۔ رابعاً: اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ درایت کا معنی علم ہے تو اس آیت سے علم تفصیلی کی نفی ہے یعنی اس وقت آپ کو اپنی مغفرت اور دیگر مسلمانوں کی مغفرت اور کفار کے عذاب کا تفصیلی علم نہیں تھا بلکہ ان تمام چیزوں کا اجمالی علم حاصل تھا' پھر بعد میں بہ تدریج ان چیزوں کا تفصیلی علم حاصل ہوا۔

مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک نحوی اعتراض کا جواب

بعض مخالفین لکھتے ہیں: اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ "لیغفرلک اللّٰہ" کے جملہ سے "وما ادری ما یفعل بی ولا بکم" کا جملہ منسوخ ہوا تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ جملہ ثانی جملہ اول (جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ لکھنا چاہیے تھے۔ سعیدی غفرلہٗ) "قل ما کنت بدعا من الرسل" سے ملا ہوا ہے تو کیا عربی قواعد کی رو سے صرف معطوف کو منسوخ کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ضابطہ کے لحاظ سے معطوف' معطوف علیہ دونوں ایک ہی حکم میں آتے ہیں' "جاء نی زید و عمرو" میں مجیئت کا اطلاق دونوں پر ہے' (الیٰ قولہ) اسی طرح منسوخ کا حکم بھی دونوں جملوں پر تو ہونا ہی چاہیے' جب کہ اس طرح ہو نہیں سکتا' جملہ اول کے نسخ کا کوئی بھی قائل نہیں اور وہ خبر ہے ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معترض نے مفرد کے مفرد پر عطف سے معارضہ کیا ہے اور ہماری بحث جملہ کے جملہ پر عطف میں ہے' اور جب جملہ کا جملہ پر عطف ہو تو اصولیین نے یہ تصریح کی ہے کہ ان کی خبر میں مشارکت واجب نہیں ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ "اصول البزدوی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد تدخل الواو علی جملة کاملة بخبرها فلا تجب به المشارکة فی الخبر مثل قول الرجل هذه طالق ثلاثا وهذه طالق ان الثانیة تطلق واحدة.

کبھی واؤ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو اپنی خبر کے ساتھ مکمل ہوتا ہے' پس اس صورت میں خبر میں مشارکت واجب نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص کہے: اس عورت کو تین طلاقیں ہیں اور اس عورت کو طلاق ہے تو دوسری عورت کو صرف ایک طلاق پڑے گی۔

(کشف الاسرار ج ۲ ص ۲۲۳۔۲۲۵' دارالکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ)

حسب ذیل علماء اصول نے بھی اس قاعدہ کی تصریح کی ہے۔

علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ (تلویح ص ۱۸۸)' ملاجیون متوفی ۱۱۳۰ھ (نور الانوار ص ۱۳۲) اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ (شرح شرح المنار ص ۱۱۹)۔

اور جب ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہو اور معطوف اور معطوف علیہ کی خبر میں اختلاف جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ معطوف یعنی جملہ ثانیہ منسوخ ہو اور جملہ اولیٰ یعنی معطوف علیہ منسوخ نہ ہو۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مفرد کا مفرد پر عطف ہو تب بھی ان میں مشارکت واجب نہیں' یہ ہو سکتا ہے کہ معطوف میں مجاز مراد ہو اور معطوف علیہ میں حقیقت مراد ہو اور اس کی قرآن مجید میں دو واضح مثالیں ہیں:

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں موضع نماز (مسجد) کے قریب جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

اس آیت میں معطوف میں ''صلوٰۃ'' سے مراد موضع صلوٰۃ (مسجد) مراد ہے' جو مجاز ہے اور معطوف علیہ میں ''صلوٰۃ'' سے مراد ارکانِ مخصوصہ ہیں جو حقیقت ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں' حضرت ابن عباس نے اس آیت میں ''جنبا'' کی تفسیر میں فرمایا: ''لا تقرب المسجد'' جب تو جنبی ہو تو مسجد کے قریب نہ جا مگر راستہ سے گزرنے کے لیے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۷۵۷۴)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے: اصحاب رائے یعنی فقہاء احناف نے کہا ہے: جو مسافر جنبی ہو وہ مسجد سے گزر سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۵ ص ۱۸۰)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ نے بھی کہا ہے: اس آیت میں معطوف میں ''صلوٰۃ'' سے مراد موضع صلوٰۃ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۹۷' تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۷۸)

(۲) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ ۔ (المائدہ: ۶)

اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھوؤ۔

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مسح کا حقیقی معنی ہے: گیلا ہاتھ پھیرنا اور مجازی معنی ہے: دھونا' عرب کہتے ہیں: ''مسح الارض المطر'' بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو اس آیت میں ''ارجلکم'' سے پہلے ''وامسحوا'' مقدر ہے اور معطوف میں مسح سے مجاز مراد ہے یعنی دھونا اور معطوف علیہ میں مسح سے حقیقت مراد ہے یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور یہ جائز ہے کہ معطوف میں مجاز مراد ہو اور معطوف علیہ میں حقیقت مراد ہو جیسے اس آیت میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں موضع نماز (مسجد) کے قریب جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے' حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

اس آیت میں ''صلوٰۃ'' سے معطوف میں مراد ہے محل صلوٰۃ اور معطوف علیہ میں ''صلوٰۃ'' سے مراد ارکانِ مخصوصہ ہیں اسی طرح آیت وضو میں مسح سے معطوف میں مجازاً دھونا مراد ہے اور معطوف علیہ میں مسح سے حقیقتاً گیلا ہاتھ پھیرنا مراد ہے۔

(روح المعانی جز ۶ ص ۱۱۰۔۱۱۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ الاحقاف: ۹ میں معطوف "ما ادری ما یفعل بی ولا بکم" منسوخ ہو اور معطوف علیہ "ما کنت بدعا من الرسل" منسوخ نہ ہو۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ معترض نے لکھا ہے کہ ضابطہ کے لحاظ سے معطوف' معطوف علیہ دونوں ایک ہی حکم میں آتے ہیں "جاء نی زید و عمرو" میں مجیئت کا اطلاق دونوں پر ہے (الیٰ قولہ) اسی طرح منسوخ کا حکم بھی دونوں جملوں پر تو ہونا ہی چاہیے۔

معترض نے اپنی سادہ لوحی سے نحوی حکم اور اصولی حکم دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے جب کہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے منسوخ ہونا یا نہ ہونا اصولی حکم ہے اس کا تعلق اصول تفسیر اور اصول فقہ سے ہے اور "جاء نی زید و عمرو" میں دونوں پر آنے کا حکم لگایا ہے یہ نحوی حکم ہے اور نحوی حکم کا منشاء یہ ہے کہ معطوف علیہ میں جو عامل مذکور ہے وہی عامل معطوف میں بھی مقدر مانا جائے جیسے "جاء نی زید و عمرو" میں زید سے پہلے عامل "جاء" مذکور ہے تو وہی عامل عمرو سے پہلے بھی مقدر مانا جائے تبھی دونوں پر آنے کا حکم لگے گا اور جب معترض نے الاحقاف: ۹ میں دونوں جملوں کو معطوف اور معطوف علیہ قرار دے دیا تو معطوف علیہ سے پہلے جو عامل "قل" مذکور ہے وہی عامل "قل" معطوف سے پہلے بھی مقدر ماننا ہوگا اور دونوں جملوں پر ایک حکم لگے گا یعنی آپ کہیے اور پوری آیت کا معنیٰ ہوگا: آپ کہیے کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں اور آپ کہیے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور دوسرا جملہ منسوخ کر دیا گیا اور یہ نسخ "قل" پر وارد ہے یعنی اب آپ کو بھی یہ کہنے سے منع کر دیا گیا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کیونکہ اب آپ کو اپنا اور آپ کے متبعین کا تفصیلی علم دے دیا گیا ہے اور دوسرے جملہ کا منسوخ ہونا اور پہلے جملہ کا منسوخ نہ ہونا یہ اصولی حکم ہے اس کا نحوی حکم سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ معترض نے اپنی سادہ لوحی سے سمجھ لیا ہے۔

معترض نے بڑے طمطراق سے لکھا ہے کہ علم تفسیر ہو یا علم حدیث' عربی زبان کے قواعد کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' بہر صورت نسخ کا حکم دونوں جملوں پر ہونا چاہیے۔ (مغفرت ذنب ص ۲۶۳)

اور ہم نے واضح کر دیا کہ عربی زبان کے قواعد اور نحو کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دونوں جملے منسوخ ہوں' عربی زبان کا قاعدہ اور نحو کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو عامل مذکور ہے معطوف سے پہلے بھی اس عامل کو مقدر مانا جائے' علامہ محمود صافی اور علامہ محی الدین درویش نے قرآن مجید کی صرفی نحوی تفسیر لکھی ہے اور اس میں ان دونوں نے تصریح کی ہے کہ "وما ادری ما یفعل بی ولا بکم" کا عطف "وما کنت بدعا من الرسل" پر ہے۔

محمود صافی نے لکھا ہے کہ "ما کنت بدعا" الایہ محل نصب میں ہے اور قول (قل) کا مقولہ ہے اور "ما ادری" الایہ محل نصب میں ہے اور اس کا عطف پہلے جملہ پر ہے جو قول کا مقولہ ہے۔

(اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ جز ۲۶ ص ۱۷۳' انتشارات مدین' اعراب القرآن الکریم وبیانہ ج ۹ ص ۱۷۰' ایران)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ "وما ادری" بھی قول کا مقولہ ہے کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم واحد ہوتا ہے اس لیے اس جملہ سے پہلے بھی "قل" مقدر ہے اور اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ خبر کا نسخ نہیں ہوتا' امر یا نہی کا نسخ ہوتا ہے کیونکہ "قل" امر کا صیغہ ہے اور نسخ اسی پر وارد ہے اور نسخ کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جس کو امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین نے اس آیت کے دوسرے جملہ کے منسوخ ہونے کی تصریح کی ہے اور پہلے جملہ کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے محکم ہونے پر دلائل ہیں تو وہ جملہ کیوں منسوخ ہوگا؟

علامہ خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ نسخ "قل" پر وارد ہے۔
(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۳۶۳' روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۵)

اور نسخ لغوی (تغییر حکم) اور نسخ اصطلاحی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم نے ٹھوس نحوی دلائل سے یہ واضح کر دیا ہے کہ ان دونوں جملوں کے ایک حکم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں جملے "قل" کے مقولے ہیں اور صرف دوسرے جملہ کے منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح حدیث اسی جملہ کے متعلق ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور آپ کہیے:) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

قیاس کے ثبوت پر دلائل

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں جو بات بھی کہتا ہوں اور جو کام بھی کرتا ہوں وہ صرف وحی کے تقاضے سے اور اسی کی پیروی میں کہتا ہوں یا کرتا ہوں' جو علماء قیاس کی نفی کرتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ کی وحی اور اس کی نص پر عمل کرتے ہیں' یعنی از خود قیاس نہیں کرتے سو ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم بھی قیاس نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۵۸) اور تم سب نبی امی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

اور آپ کے حکم کے خلاف کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ. (النور: ۶۳) پس ان لوگوں کو (عذاب سے) ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

منکرین قیاس کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کرنے اور قیاس سے حکم معلوم کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اس لیے آپ کا قیاس کرنا بھی اتباع وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ ○ (الحشر: ۲) سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

یعنی اس میں غور و فکر کرو کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے اس پر کس طرح عذاب نازل ہوتا ہے سو تم اس پر قیاس کرو کہ اگر تم نے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو تم پر بھی اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام کو قیاس سے بھی معلوم کیا ہے' جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی' حضرت فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا' وہ عورت کہنے لگی: یارسول اللہ! بے شک حج بندوں پر اللہ کا فریضہ ہے' میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا' آیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی والدہ نے نذر مانی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں' آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نذر پوری کر دیں۔ پھر بعد میں یہ طریقہ مشروع ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن

ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷ 'سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو تم اس کے قرض کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر اللہ کا قرض ادا کرو' وہ قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٦٩٩ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹ 'سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر دو ماہ کے مسلسل روزے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲٦۸۸_۲٦۸۹ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۰ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱٦ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۸)

ان احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بندوں کے حق پر قیاس کر کے مسئلہ بتایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے علم غیب کی تحقیق

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ سبحانہٗ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو ہدایت یافتہ بنا دیں' لوگوں کو ہدایت یافتہ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہ کہ غیب کا علم بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ وحی کے واسطے سے دی ہیں اور اولیاء کرام نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ الہام کے واسطے سے دی ہیں اور اللہ سبحانہٗ کے علم عطا کرنے سے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قیامت کی علامتیں بتائیں کہ آخر زمانہ میں بدعات کا غلبہ ہوگا' یہ بھی وحی سے بتائی ہیں' اسی طرح آپ نے فرمایا: جو شخص سب سے پہلے اس دروازہ سے داخل ہوگا وہ جنتی ہوگا' پھر حضرت عبداللہ بن سلام داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کے پاس گئے اور ان کو اس بشارت کی خبر دی اور ان سے پوچھا: آپ بتائیں کہ آپ کا وہ کون سا عمل ہے جس پر آپ کو بہت اعتماد ہے؟ انہوں نے کہا: میں بہت کمزور شخص ہوں اور مجھ کو جس عمل پر زیادہ اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ میرا سینہ صاف ہے (میں کسی کے خلاف کینہ نہیں رکھتا) اور میں بے مقصد کاموں میں نہیں پڑتا۔

اور سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے کہا: مجھ سے میرے ماموں السری السقطی نے کہا: لوگوں کو وعظ اور نصیحت کیا کرو اور میں اپنے آپ کو وعظ اور نصیحت کے لائق نہیں سمجھتا تھا' پھر مجھے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور وہ جمعہ کی شب تھی' آپ نے فرمایا: لوگوں کو وعظ کیا کرو' میں بیدار ہوا اور اپنے ماموں کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: تم نے اس وقت تک میری بات کی تصدیق نہیں کی جب تک کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حکم نہیں دیا گیا دوسرے دن میں لوگوں کو نصیحت کرنے بیٹھ گیا' میرے سامنے ایک نصرانی لڑکا آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے بچو' کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ○ بے شک گہری نظر سے دیکھنے والوں کے لیے اس (قوم لوط

(الحجر: ۷۵) کے عذاب) میں ضرور بہت نشانیاں ہیں O

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۷ تاریخ کبیر للبخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۹ الضعفاء العقیلی ج ۴ ص ۱۲۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۸۱۔۲۸۲ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۱۔ ج ۷ ص ۲۴۲)

جنید بغدادی نے پہلے اپنا سر جھکایا پھر سر اوپر اٹھا کر کہا: تم اب اسلام قبول کر لو تمہارے اسلام قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنید کو اس مقام کی معرفت کرادی تھی۔

(روح البیان جز ۸ ص ۶۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب وحی سے عطا فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو غیب الہام سے عطا فرماتا ہے انہوں نے اس سلسلہ میں ایک مثال حدیث سے دی ہے اور ایک مثال جنید کے واقعہ سے دی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

الاحقاف: ۹ میں ان لوگوں کا رد ہے جو بعض اولیاء کے لیے ہر چیز کا علم' کلیات اور جزئیات سے ثابت کرتے ہیں اور مجھ سے ایک شخص نے کہا: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کو ہر چیز کا علم ہے حتیٰ کہ ان کو میرے بالوں کے اگنے کی جگہ کا بھی علم ہے حالانکہ اس قسم کا دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ آپ کے غیر کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے۔ پس بندہ کو اپنے مولیٰ سے ڈرنا چاہیے اور حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق جو حدیث گزر چکی ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت عثمان بن مظعون سے کم درجہ کے لوگوں کے لیے جنت اور کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے متعلق جن کے حق میں مخبر صادق علیہ السلام نے بشارت نہیں دی' ہاں! مسلمان زندہ ہوں یا مردہ ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ہر ایک کے لیے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ پس اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (الاحقاف: ۹۔۱۰)

''شھد شاھد من بنی اسرائیل'' کے مصداق کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں تو انہوں نے کہا: میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا' (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (۲) اہل جنت کا پہلا طعام کون سا ہوگا؟ (۳) بچہ اپنے باپ یا ماں کے کیسے مشابہ ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک جمع کرے گی اور اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کا ٹکڑا ہوگا اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: ''اشھد ان لا الٰه الا اللّٰه و اشھد انک رسول اللّٰه'' یا رسول اللہ! بے شک یہود بہت بہتان تراش قوم

ہے اگر ان کو میرے اسلام کا اس سے پہلے علم ہو گیا کہ آپ ان سے میرے متعلق سوال کریں تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے پھر یہود آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ تم میں عبداللہ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں ان کے والد بھی ہم میں سب سے بہتر ہیں وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائیں؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے پھر حضرت عبداللہ باہر نکلے اور کہا: ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ'' تو یہود نے کہا: وہ ہم میں سب سے بُرے ہیں سب سے بُرے شخص کے بیٹے ہیں اور ان کی برائیاں کیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اسی چیز کا خدشہ تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے:

شعبی مسروق اور ایک جماعت نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کے جس شاہد کا ذکر کیا ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے اور یہ سورت مکی ہے پس مکی آیت کو اس واقعہ پر محمول کرنا کس طرح درست ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے پیش آیا تھا؟ پھر لکھا ہے کہ کلبی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر چند کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی آیت: ۱۰ اس عموم سے مستثنیٰ ہے (جیسا کہ مصنف نے بھی اس سورت کے تعارف میں ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ الاحقاف: ۱۰ اور الاحقاف: ۱۵ مدنی آیتیں ہیں)۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام اس وقت اسلام لائے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے اور قیس بن الربیع از عاصم از شعبی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور قیس ضعیف ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۱۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ حافظ ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''شھد شاھد من بنی اسرائیل'' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۵۴ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۶۵ الاصابہ ج ۴ ص ۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی سوانح اور ان کے فضائل

علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی متوفی ۷۴۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث کو جنت کی بشارت دی گئی تھی یہ بہت بڑے اسرائیلی عالم تھے انصار کے حلیف تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اصحاب میں سے تھے امام محمد بن سعد نے کہا ہے کہ ان کا نام پہلے الحصین تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۱۳ تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۷۴) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ قول شاذ اور مردود ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے حضرت عبداللہ بن سلام اسی وقت اسلام لے آئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۳۸)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا جب میں نے آپ کے چہرے کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے اور میں نے آپ سے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی: اے لوگو! بہ کثرت سلام کیا کرو اور کھانا کھلایا کرو اور رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھا کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صرف حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ جنتی ہیں اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِهٖ."

(الاحقاف: ۱۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس راستہ پر چلنے والا شخص اہل جنت میں سے ہے' تو اسی وقت حضرت ابن سلام آ گئے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۵۸' دار الفکر' المستدرک ج ۳ ص ۴۱۶)

متعدد سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے درمیان میں ایک ستون ہے اور ستون کی بلندی پر ایک دستہ ہے' مجھ سے کہا گیا: اس ستون پر چڑھو' میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا' پھر ایک لڑکا آیا' اس نے میرے کپڑے اوپر کیے پھر میں اس پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو پکڑ لیا' پھر میں بیدار ہو گیا' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا' آپ نے فرمایا: اس باغ سے مراد اسلام ہے اور ستون سے مراد اسلام کا ستون ہے اور اس دستہ سے مراد "العروة الوثقی" (مضبوط دستہ) ہے اور تم تاحیات اسلام کے ساتھ وابستہ رہو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۸۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۳۸)

یزید بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت آیا تو یزید ان کے سر کے پاس بیٹھ کر رو رہے تھے' انہوں نے پوچھا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ یزید نے کہا: مجھ سے جو علم جاتا رہا میں اس پر رو رہا ہوں' حضرت معاذ نے کہا: علم جس طرح تھا اسی طرح ہے وہ کہیں نہیں گیا۔ تم چار آدمیوں کے پاس علم کو تلاش کرو' پھر ان چاروں کے نام لیے اور ان میں حضرت عبداللہ بن سلام بھی تھے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: وہ دس جنتیوں میں سے دسویں ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۸۰۴' المستدرک ج ۳ ص ۴۱۶' تاریخ کبیر للبخاری ج ۵ ص ۳' الاصابہ ج ۶ ص ۱۰۹)

عبداللہ بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار میں لکڑیوں کا ایک گٹھڑا اٹھا کر جا رہے ہیں' ان سے کہا گیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن میں تکبر کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۲ ص ۲۵۲' المستدرک ج ۳ ص ۴۱۶)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ یہود کے معبد میں گئے' آپ نے فرمایا: اے یہود! مجھے بارہ ایسے آدمی دکھاؤ جو یہ گواہی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو تم سے اللہ کا غضب دور ہو جائے گا' وہ خاموش رہے' آپ نے دوبارہ فرمایا' پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں حشر برپا کرنے والا ہوں' میں سب نبیوں کے بعد آنے والا ہوں اور میں مصطفیٰ ہوں' خواہ تم ایمان لاؤ' خواہ تکذیب کرو' جب آپ واپس جانے لگے تو ایک شخص نے کہا: آپ ٹھہریں یا محمد! پھر اس شخص نے یہود سے پوچھا: تمہارے نزدیک میں کیسا شخص ہوں؟ سب نے کہا: ہم میں تم سے بڑا

عالم کوئی نہیں ہے‘ اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے نبی ہیں جن کا ذکر تم ”تورات“ میں پڑھتے ہو‘ پھر انہوں نے کہا: تم نے جھوٹ بولا‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا‘ ہم تینوں باہر نکل آئے اور یہ آیت نازل ہوگئی: ”اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ ...“ (الاحقاف: ۱۰)۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن سلام تینتالیس (۴۳ھ) ہجری میں فوت ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۵-۷۲ ملخصاً‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ

اور کافروں نے مومنوں کے متعلق کہا اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت

اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ

نہ کرتے‘ اور جب انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے: یہ قدیم جھوٹ ہے O حالانکہ اس

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا

سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آچکی ہے‘ اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق

عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ

کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکو کاروں کو بشارت دے O بے شک

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اسی پر جمے رہے‘ سو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ

وہ غمگین ہوں گے O یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے (نیک)

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ

کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے O اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا‘

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ

اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا‘ اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا

شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ

تیس ماہ میں تھا' حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا اے میرے رب!

اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ

مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ

وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚؕ اِنِّيْ تُبْتُ

کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے بے شک میں نے

اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ

تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں O یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ

قبول فرماتے ہیں اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱٦ وَ الَّذِيْ قَالَ

(یہ اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا O اور جس نے اپنے ماں باپ

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ

سے کہا: تم پر اُف ہے' تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا'

الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَ هُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ

حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو! ایمان لے آ'

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۖۗ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۷

بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں O

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' (یہ) جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں

قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۸ وَلِكُلٍّ

جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال

دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَيَوْمَ

کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O اور جس دن

يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا

اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا

كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝۲۰ ع ۲/۱۰/۲

کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے مومنوں کے متعلق کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ کرتے اور جب انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے: یہ قدیم جھوٹ ہے O حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آچکی ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکو کاروں کو بشارت دے O بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے، سوان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے O یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے O (الاحقاف: ۱۱-۱۴)

قرآن مجید پر کفار مکہ کے اعتراض کا جواب

الاحقاف: ۱۱ کے تین محمل ہیں:

(۱) کافروں نے مومنوں کو مخاطب کر کے کہا، پھر خطاب کو ترک کر کے ان کے متعلق یہ کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت نہ کرتے۔

(۲) کفار نے ایمان لانے والوں کے ایمان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ ہم سے پہلے ایمان نہ لاتے۔

(۳) کفار نے جب یہ سنا کہ ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی ہے تو انہوں نے ان مسلمانوں سے کہا: جو ان کے سامنے حاضر تھے اگر یہ دین بہتر ہوتا تو جو لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ ہم پر سبقت نہ کرتے۔

پھر جب یہ کفار قرآن مجید کے معجز ہونے کو نہ پہچان سکے تو پھر یہ اپنے کفر پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب انہوں نے اس قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے کہ یہ قرآن تو بہت پرانا جھوٹ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔

اس کتاب سے مراد "تورات" ہے' امام کا معنی ہے: مقتدیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت میں "تورات" کے احکام کی پیروی کی جائے گی' جس طرح نماز میں امام کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کتاب کو رحمت فرمایا یعنی جو شخص اس پر ایمان لائے گا اور "تورات" میں مذکور احکام پر عمل کرے گا تو وہ اس کے لیے رحمت ہے۔

اس آیت کا پچھلی آیت سے ربط اس طرح ہے کہ اس سے پچھلی آیت میں کفار مکہ کے اس طعن کا ذکر کیا تھا کہ اگر اس قرآن میں کوئی خیر ہوتی تو یہ فقراء اس قرآن پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت نہ کرتے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ قرآن مجید کے برحق ہونے پر دلیل یہ ہے کہ تم کو بھی یہ تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر "تورات" نازل کی تھی اور "تورات" کو امام اور مقتداء بنایا تھا اور "تورات" میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہو کر مبعوث ہونے کی بشارت ہے' پس جب تم نے "تورات" کو امام اور مقتداء مان لیا تو "تورات" کے اس حکم کو بھی مانو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا برحق ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکوکاروں کو بشارت دے ○

یعنی یہ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی اس چیز میں تصدیق کرتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو کفار قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جائے اور مؤمنین جو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کو ان کے نیک اعمال پر آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت دی جائے۔

الاحقاف: ۱۳-۱۴ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کہا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ اسی پر جمے رہے' سو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے ○ یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کا خوف

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت کے دلائل کی تقریر فرمائی اور منکرین کے شبہات کے جوابات دیئے' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ توحید اور رسالت کے ماننے والوں کا حال بیان فرما رہا ہے اور ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے' حشر کے بعد نہ اس کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوگا اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے وہ محفوظ رہے گا اور تحقیق یہ ہے کہ عذاب کا خوف تو ان کو نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ہیبت کا خوف کسی بندہ سے زائل نہیں ہوگا' کیونکہ فرشتے معصوم ہیں' ان کے درجات بلند ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بہت مقرب ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں:

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○ (النحل: ۵۰)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے ○

فساق مؤمنین کی مغفرت پر دلائل

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں حصر ہے کہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے تو وہی لوگ جنتی ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد گناہ کبیرہ کر لیے اور ان پر توبہ نہیں کی وہ جنتی نہیں ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کسی کا کوئی نیک عمل ضائع نہیں فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸)

پس جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی کی تو وہ اس کا صلہ پائے گا اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی برائی کی تو وہ اس کی سزا بھگتے گا ۝

تو اگر ایمان لانے کے بعد کسی نے کبیرہ گناہ کیے اور ان پر توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر بہر حال اپنے ایمان لانے کی جزا پانے کے لیے جنت میں جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی توبہ نہ کرنے کے باوجود محض اپنے فضل سے معاف فرما دے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہوگا' اس کو وہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کی مغفرت ہو جائے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شفاعتی لاھل الکبائر من امتی" میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے کے لیے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شفاعت سے بھی اس کی مغفرت متوقع ہے۔

مغفرت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا سبب اس کے نیک اعمال ہیں اور یہ کہنا غلط ہے کہ اس کو اجر و ثواب اللہ کے فضل کی وجہ سے ملتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب اس کے نیک اعمال ہیں اور یہاں ظاہری سبب کا ذکر ہے' اس سے حقیقی سبب کی نفی نہیں ہوتی' حقیقی سبب کا ذکر ان آیات میں ہے:

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الدخان: ۵۶۔۵۷)

وہ جنت میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوا (دنیا کی) پہلی موت کے اور اللہ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ۝ یہ صرف آپ کے رب کا فضل ہے' یہی بڑی کامیابی ہے ۝

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور رہے نیک اعمال تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا' اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا' اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا' حتیٰ

کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں O یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا O (الاحقاف: ۱۵۔۱۶)

اولاد پر ماں باپ کے حقوق خصوصاً ماں کے حقوق کے متعلق احادیث

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا تھا: ''وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا''۔ (بنی اسرائیل: ۲۳) احسان کا معنی ہے: کسی کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا' اس کی مفصل تفسیر وہاں گزر چکی ہے اور العنکبوت: ۸ میں فرمایا: ''وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا'' اور حسن کا معنی اچھائی اور نیکی ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اچھائی اور نیکی کی جائے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں کے ساتھ زیادہ نیکی کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ اٹھایا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا۔

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں' اس نے مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی' میں نے اس کو وہی ایک کھجور دے دی' اس نے اس کھجور کو اپنی دو بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا' پھر وہ چلی گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۸۷۔ ج ۶ ص ۹۲)

اس آیت میں ماں کا ذکر تین بار ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ماں کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی ہے اور چوتھی بار باپ کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سوال کیا: یا رسول اللہ! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کس کی؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کے بڑھاپے کو پایا اور جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی' آپ نے پوچھا: تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۱' سنن

نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۲۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۷۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۸۵، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۰)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا: یا رسول اللہ! میرا جہاد کرنے کا ارادہ ہے اور میں آپ کے پاس مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کیا۔ پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۶۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ مشرکہ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس میری ماں آئیں اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں کیا میں ان سے حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں سے حسن سلوک کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۱۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کر لیا ہے، کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۴، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو میں اپنے والدین کے فوت ہونے کے بعد ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ان کی نماز جنازہ پڑھو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو ان کے کیے ہوئے عہد کو ان کے بعد پورا کرو اور ان کی وجہ سے ان کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴، مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۷)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے تھے اور میں اس وقت نوجوان تھا اور اونٹ کی ہڈیاں اٹھا رہا تھا، ایک عورت آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئی، آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئی، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ آپ کی وہ ماں ہے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۴، الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۹۵)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کی طرف سے حج کیا تو یہ اس کو کفایت کرے گا اور ان کی روح کو آسمان میں بشارت دی جائے گی اور اللہ کے

نزدیک اس شخص کو نیک لکھا جائے گا خواہ وہ ان کا عاق شدہ ہو' ایک روایت میں ہے کہ جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی کے لیے حج کیا تو ان کے لیے ایک حج لکھا جائے گا اور اس کے لیے سات حج لکھے جائیں گے۔

(جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۱۰' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)

میں نے اس آیت کی تفسیر میں تلاش کر کے ماں کے اولاد پر عظیم حقوق کی احادیث درج کی ہیں' میری والدہ ماجدہ بہت عابدہ زاہدہ تھیں سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے محبت کرتی تھیں۔ ۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو وہ وفات پا گئیں' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ محترمہ کو پہنچا دیں' میں بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔

دودھ پلانے کی انتہائی مدت میں فقہاء احناف کا مذہب

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

دودھ پلانے کی مدت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیس ماہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ آیت ہے اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال بچے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو سال کے بعد دودھ پلانا (شرعاً معتبر) نہیں ہے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۲' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۱۰۳)

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا (یعنی حمل کا اور دودھ چھڑانے کا) اور دونوں کی مدت تیس ماہ بیان کی' پس ان میں سے ہر ایک (حمل اور دودھ چھڑانے) کی مدت مکمل تیس ماہ ہے' جیسے دو قرضوں کی مدت بیان کی جائے' لیکن ان میں سے ایک (یعنی حمل) کی مدت اڑھائی سال سے چھ ماہ کم ہونے پر دلیل قائم ہے (اور وہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے) تو دوسرے (یعنی دودھ چھڑانے) کی کل مدت اپنے ظاہر پر تیس ماہ رہے گی اور اس لیے بھی کہ غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے' تاکہ بچے کے جسم کی نشوونما جو دودھ سے ہو رہی تھی وہ غذا کی طرف منتقل ہو سکے اور اتنی مدت گزر جائے کہ بچہ کا جسم دوسری غذا کا عادی ہو سکے اس لیے اس کی مدت کا اندازہ دو سال کے بعد کم از کم مدت حمل سے کیا گیا' اس لیے کہ وہ مدت تغیر کرنے والی ہے' کیونکہ پیٹ کے بچہ کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا کے مغائر ہے' جس طرح دودھ پیتے بچے کی غذا روٹی کھانے والے بچے کی غذا کے مغائر ہے اور حدیث میں جو ارشاد ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے' اس کا مطلب ہے دو سال کے بعد دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ سو یہ مدت استحقاق ہے مدت جواز نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو ہے: ''وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ'' (البقرہ: ۲۳۳) اور مائیں مکمل دو سال دودھ پلائیں' یہ دو سال کی مدت بھی بچے کے استحقاق کی مدت ہے' دودھ پلانے کے جواز کی مدت نہیں ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ. (البقرہ: ۲۳۳)

پھر اگر ماں باپ اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں' اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔

(ہدایہ اولین ص ۳۵۰ 'موضحاً' مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ محمد بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ مدت فقط دو سال ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (علامہ شامی نے علامہ طحطاوی کے حوالے سے لکھا ہے: ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک پر فتویٰ دیا گیا ہے)۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ آیت ہے: "حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" (الاحقاف: ۱۵) یعنی حمل اور دودھ چھڑانے' ان میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے۔ البتہ حضرت عائشہ کی حدیث کی بناء پر حمل کی مدت سے چھ ماہ کم کیے گئے ہیں' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' حمل کی مدت دو سال سے صرف اتنی زیادہ ہے' جتنی مدت میں چرخے کا سایہ پھرتا ہے یعنی بہت کم۔

ایک روایت میں ہے' جتنی دیر چرخے کی لکڑی کا سایہ پھرتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۱۳-۳۸۱۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر اس مدت کو نہیں بیان کر سکتیں اور امام ابویوسف اور امام محمد نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس آیت میں حمل کی کم از کم مدت کا بیان ہے اور وہ چھ ماہ ہے اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان ہے اور وہ دو سال ہے اور آیت میں دونوں کی مجموعی مدت کا بیان ہے اور وہ تیس ماہ ہے' اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر عمل کرے خواہ اس کی دلیل ظاہر نہ ہو خواہ مفتی امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دے' خواہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے۔

(الدر المختار و رد المختار ج ۴ ص ۲۹۲-۲۹۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

بچہ کو دو برس تک دودھ پلایا جائے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں' دودھ پینے والا لڑکا ہو یا لڑکی اور یہ جو بعض عوام میں مشہور ہے کہ لڑکی کو دو برس تک اور لڑکے کو اڑھائی برس تک دودھ پلا سکتے ہیں یہ صحیح نہیں' یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لیے اڑھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگر چہ دودھ پلانا حرام ہے' مگر اڑھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا تو حرمتِ نکاح نہیں اگر چہ پلانا جائز نہیں۔

(بہار شریعت حصہ ۷ ص ۱۹' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

دودھ پلانے کی انتہائی مدت میں ائمہ ثلاثہ کے مذاہب

قاضی ضیاء الدین ابو عمرو مارانی شافعی المتوفی ۶۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' امام ابویوسف' امام محمد اور ایک روایت میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کی انتہائی مدت دو سال ہے اور صحابہ میں سے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ کے علاوہ دیگر امہات المؤمنین کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی مدت پچیس ماہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی مدت تیس ماہ ہے اور امام زفر کے نزدیک اس کی مدت تین سال یعنی چھتیس ماہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ (البقرہ: ٢٣٣) اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں' یہ (مدت) ان کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنے کا ارادہ کریں۔

اور امام بیہقی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت صرف دو سال ہے۔

(سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٦٢)

اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان: ١٤) دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے:

حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (الاحقاف: ١٥) اور حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

اور بعض صحابہ کا یہ مذہب ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے تو پھر واجب ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہو اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ استنباط کرنا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے' بہت قوی استنباط ہے۔

امام محمد بن اسحٰق نے بعجہ بن عبد اللہ الجہنی سے روایت کیا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے جہینہ کی عورت سے نکاح کیا' نکاح کے پورے چھ ماہ بعد اس نے بچہ کو جنم دیا' اس کے شوہر نے حضرت عثمان کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا' حضرت عثمان نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا' جب حضرت علی کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عثمان سے فرمایا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے کہا: اس نے نکاح کے پورے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے! کہا: کیوں نہیں! حضرت علی نے فرمایا: قرآن میں ہے: ''حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ '' (الاحقاف: ١٥) حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے اور دوسری آیت میں فرمایا: ''وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ '' (لقمان: ١٤) دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' اور جب تیس ماہ میں سے دودھ چھڑانے کے دو سال نکال لیے تو حمل کی مدت کے لیے چھ ماہ بچے تب حضرت عثمان نے فرمایا: میں اس نکتہ کو پہلے نہیں سمجھا تھا۔

(حافظ سیوطی نے اس واقعہ کو امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ٧ ص ٣٨٢) اور امام عبد الرزاق نے اس واقعہ کو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے روایت کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ١٣٥١٦۔ ١٣٥١٧' طبع جدید' ١٤٢١ھ)) اور امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح الاحقاف: ١٥ اور لقمان: ١٤ سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم سے رجوع کر لیا اور اس عورت پر حد جاری نہیں کی۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ١٣٥١٣۔ ١٣٥١٤۔ ج ٧ ص ٢٧٩۔ ٢٨٠' طبع جدید)

اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ الاحقاف: ١٥ میں حمل سے مراد بچے کو پیٹ میں اٹھانا نہیں ہے' کیونکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ٣٨١٣' سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٤٣) بلکہ حمل سے مراد بچہ کو ہاتھ میں یا گود میں اٹھانا ہے یعنی بچہ کو ہاتھ میں اٹھانے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حمل کی یہ تفسیر خلاف ظاہر ہے اور اس کے معارض حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ حمل سے مراد بچہ کو پیٹ میں اٹھانا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے۔

(تکملہ المجموع من شرح المہذب ج ۲۲ ص ۱۴۸ ـ ۱۵۰ ملخصا وموضحا' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جس دودھ پلانے سے تحریم ثابت ہوتی ہے اس کی مدت دو سال ہے' یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی امہات المؤمنین کا بھی یہی مذہب ہے' ائمہ میں سے شعبی' ابن شبرمہ' اوزاعی' شافعی' اسحاق' ابویوسف' محمد اور ابویوسف کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۴۲ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

چالیس سال کی عمر میں انسان کا اپنی قوت کے کمال کو پہنچ جانا

اس کے بعد فرمایا: حتیٰ کہ جب وہ پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اشد (پوری قوت کو پہنچا) کی تفسیر میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اٹھارہ سال ہے اور اکثر مفسرین نے کہا: اس سے مراد تینتیس (۳۳) سال ہے۔ فراء نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اٹھارہ کی بہ نسبت تینتیس سال چالیس سال کے زیادہ قریب ہے۔ زجاج نے کہا: تینتیس سال اس لیے راجح ہے کہ اس عمر میں انسان کے بدن کی قوت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان کی عمر کے تین درجات ہیں: (۱) عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی رطوبت غریزہ' حرارت غریزہ سے زیادہ ہوتی ہے اس وقت وہ اپنی ذات میں طول' عرض اور عمق میں زیادتی کے قابل ہوتا ہے اور یہ اس کی نشو و نما کی عمر ہوتی ہے۔ (۲) یہ متوسط مرتبہ ہے اس عمر میں رطوبت غریزہ' حرارت غریزہ کی حفاظت کے لیے کافی ہوتی ہے اور یہ سن شباب ہے۔ (۳) یہ سن انحطاط ہے اس عمر میں رطوبت غریزہ' حرارت غریزہ کی حفاظت کے لیے ناکافی ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاند کا دوران چار ہفتوں میں مکمل ہوتا ہے' ان چار ہفتوں کو انسان کی عمر پر تقسیم کیا تو عمر کے پہلے ہفتہ یعنی پہلے سات سال مکمل ہونے پر اس کا لڑکپن ہوتا ہے اور عمر کے دوسرے ہفتہ یعنی چودہ سال مکمل ہونے پر وہ بالغ ہوتا ہے اور اس وقت وہ احکام شرعیہ کا مکلف کیا جاتا ہے' اس عمر میں اس کی حرارت غریزہ قوی ہو جاتی ہے اور رطوبات کم ہو جاتی ہیں اور علامات بلوغ ظاہر ہونے لگتی ہیں اور عمر کے تیسرے ہفتہ میں جب وہ اکیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی قوت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور اس کی ڈاڑھی آ جاتی ہے اور عمر کے چوتھے ہفتہ میں اس کی قویٰ اور بڑھ جاتی ہیں اور اپنے کمال کو پہنچتی ہیں اور جب اس کی عمر کا پانچواں ہفتہ مکمل ہوتا ہے اور وہ پینتیس (۳۵) سال ہو جاتا ہے تو اس کا شباب اپنے تمام و کمال کو پہنچ چکا ہوتا ہے اس کی نشو و نما رک جاتی ہے اور اس کی قوتوں میں مزید اضافہ نہیں ہوتا اور بعض مزاجوں کے اختلاف سے کبھی اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور کبھی کمی ہوتی ہے اس لیے قوت میں اضافہ کی غایت چالیس سال مقرر کر دی گئی اور یہی عمر کا وہ حصہ ہے جس میں انسان شرعی اور طبعی طور سے اپنے تمام اور کمال کو پہنچ جاتا ہے اور یہ اس کے شباب کی آخری حد ہے اور چالیس سال کی عمر کے بعد انسان کا جسم گھٹنے لگتا ہے اور اس کی قوتوں کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور ہم نے جو یہ تقریر کی ہے اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے' کیونکہ اس میں فرمایا ہے: "حتیٰ کہ جب وہ پوری قوت کو پہنچا اور چالیس سال ہو گیا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو معمر شخص اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنون' جذام اور برص سے محفوظ کر دیتا ہے اور جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے حساب

آسان کر دیتا ہے' اور جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور جب اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے تو اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور جب اس کی عمر اسی سال کی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو برقرار رکھتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جب اس کی عمر نوے سال کی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کو اس کے گھر والوں کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا دیتا ہے اور آسمان میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ زمین میں اللہ کا قیدی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۱ ص ۱۲۔ رقم الحدیث: ۱۳۲۷۹' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی متعدد اسانید ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۶۹۲' القول المسدد ص ۷۔۸)

چالیس سال کی عمر پوری ہونے کے بعد نبی کا مبعوث ہونا

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا حتیٰ کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۷۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو آپ کو نبی بنایا گیا۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۷)

امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کو پہنچ گئے تو آپ کو نبی بنایا گیا۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے تو اس کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا گیا ہے' میں کہتا ہوں کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی عمر کے اول میں ہی نبی بنا دیا تھا' مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اغلب یہ ہے کہ ان پر وحی آنے کا سلسلہ چالیس سال کے بعد شروع ہوا ہو اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۸۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جس کو بھی نبی بنایا گیا ہے چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۴۰۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت کا اکرام کیا اور آپ کو رسالت کے ساتھ خاص کر لیا۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ ھ لکھتے ہیں:

اسی وجہ سے چالیس سال کی عمر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا وقت ہے۔ (نظم الدرر ج ۷ ص ۱۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ ھ لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوتا ہے کہ ان کو بچپن کی ابتداء ہی میں نبی بنا دیا گیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اغلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی چالیس سال کے بعد کی جاتی ہے' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا تھا۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۵۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ ھ)

قاضی ابو السعود محمد بن محمد الحنفی المتوفی ۹۸۲ ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ابو السعود ج ۶ ص ۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ان کو چالیس سال سے پہلے مبعوث کیا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غالب اور اکثری قاعدہ ہے' کلیہ نہیں ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۶۳۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ تصریح کی ہے کہ اعم اور اغلب یہ ہے کہ نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واقع ہوا۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۳۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ ھ لکھتے ہیں:

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا۔ (خزائن العرفان علی ہامش کنز الایمان ص ۸۰۱ تاج کمپنی لمیٹڈ)

بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کا علم تھا اس پر دلائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹)

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

اللہ سبحانہٗ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی وجوہ سے نبوت کو واجب فرمایا: (۱) آپ کی نبوت اس لیے واجب ہے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ آپ نبی ہیں جیسا کہ ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے اور آپ کی نبوت اس وقت واجب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ' تو اس نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھا' سو اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی صفات کریمہ اور آپ کے حلیہ شریفہ کے ساتھ ذکر تھا اور آپ کے لیے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر زمین پر رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت آپ کی نبوت

کے وجوب کے ذکر میں یہ حکمت ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کی نبوت قول میں تھی' فعل میں نہیں تھی اور جب حضرت آدم کی تخلیق ہوئی تو آپ کی نبوت بالفعل ہوگئی کیونکہ اصل کی تخلیق فرع کی تخلیق ہے' خصوصاً جب حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ سب زندہ موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ربوبیت پر شاہد بنایا (اور ان میں آپ بھی اپنے وصف نبوت کے ساتھ موجود تھے)۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۷ جز ۱۳ ص ۷۰ دار الکتب العلمیہ 'بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت بھی اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰)

عالم ارواح میں آپ کی نبوت کا معنیٰ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم سے پہلے تھی اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ اللہ سبحانہٗ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے وجود عنصری سے پہلے آپ کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے' جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ آپ کا اسم شریف عرش پر' آسمان پر' جنت کے محلات اور بالا خانوں پر' حوران بہشت کے سینوں پر' درختوں کے پتوں پر' جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس وقت آپ کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم عنصری میں آپ کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۷۴۔۴۷۵' مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

بعثت سے پہلے آپ کو اپنی نبوت کا علم ہونے کی تحقیق

اب ایک یہ بحث رہتی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو مبعوث کیا گیا یعنی اعلان نبوت کا حکم دیا گیا تو اس سے پہلے بھی آپ نبی تھے یا نہیں اور آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا یا نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اس سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا۔ امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳)

اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اپنے نبی بنائے جانے کا علم تھا اور آپ نے بعثت سے پہلے ابو طالب کے ساتھ شام کا جو سفر کیا تھا' اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العلمین ہیں' یہ رسول رب العلمین ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۰) عنقریب ہم اس حدیث کو متعدد حوالوں کے ساتھ نقل کریں گے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ میں ایک پتھر تھا جو ان

راتوں میں مجھ پر سلام پیش کیا کرتا تھا جن میں مجھ کو مبعوث کیا گیا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۷۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ص ۴۶۳' مسند احمد ج ۵ص ۸۹۔ ۱۰۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۰۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۳۳' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۷' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۱۵۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

اور جب آپ کی بعثت سے پہلے پتھروں کو آپ کی نبوت کا علم تھا تو آپ کو بعثت سے پہلے اپنی نبوت کا علم کیوں نہیں ہو گا؟

اس پر سید مودودی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر آپ کو پہلے سے یہ علم تھا کہ آپ نبی ہیں تو غار حراء میں جب حضرت جبریل آپ کے پاس پہلی وحی لے کر آئے تو آپ پر اس قدر خوف اور گھبراہٹ کیوں طاری ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ پر اب نبوت کی ذمہ داری بالفعل ڈال دی گئی تھی' اس وجہ سے فطری طور پر آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں فرائض نبوت کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی تقصیر نہ ہو جائے۔ جیسے جب کسی انسان کو ابتداءً کوئی اہم اور بڑی ذمہ داری سپرد کر دی جائے تو اس کو خوف ہوتا ہے اور وہ گھبراتا ہے' سو ایسا ہی خوف اور گھبراہٹ آپ پر طاری تھی۔

الاحقاف: ۱۵ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منفرد فضیلت اور خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے: اور جب وہ (انسان) اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے' بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں O

بہ کثرت مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں انسان کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس آیت میں ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ اس آیت میں اس انسان کی فضیلت بیان فرمائی ہے' جس نے چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اڑتیس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے جو چالیس سال کے قریب ہیں اور اس آیت میں جس انسان کا ذکر فرمایا ہے اس کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے اور عہد رسالت میں صرف ابوبکر واحد انسان تھے جن کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے اور اس آیت میں جس انسان کا ذکر ہے اس نے اپنی اولاد کے لیے نیکی کی دعا کی ہے اور تمام اصحاب میں صرف حضرت ابوبکر ایسے تھے کہ عہد رسالت میں ان کا بیٹا بھی مسلمان تھا اور ان کا پوتا بھی مسلمان تھا' اس لیے یہ اوصاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی میں متحقق نہیں ہیں' حضرت علی بچپن میں اسلام لائے تھے' ان کے والد یعنی ابوطالب اسلام نہیں لائے اور ان کے بیٹے تو صحابی تھے' ان کے پوتے صحابی نہیں تھے' سو یہ آیت صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے اور ان کی ایسی خصوصیت ہے' جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا حمل اور ان کا دودھ چھوٹنا اسی مدت میں تھا اور یہ پوری آیت ان ہی کے متعلق ہے اور اس سے بعینہٖ حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں۔ عطاء نے کہا: اس آیت میں ہے: "حتی اذا بلغ اشدہ" حتیٰ کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا اس سے مراد ان کی عمر کے اٹھارہ سال ہیں اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی جب آپ تجارت کے لیے شام کے علاقے میں گئے اور حضرت

ابوبکر سفر اور حضر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ پس جب حضرت ابوبکر کی عمر چالیس سال کی ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر دی گئی تو حضرت ابوبکر نے اپنے رب سے دعا کی: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے' یعنی تو نے مجھے ہدایت دی اور ایمان لانے کی توفیق دی حتیٰ کہ میں تیرا شرک نہ کروں اور میرے باپ ابوقحافہ عثمان بن عمرو اور میری ماں ام الخیر بنت صخر بن عمر پر بھی یہ انعام کیا کہ وہ بھی ایمان اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہو گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں' ان کے ماں باپ دونوں نے اسلام قبول کیا اور صحابہ میں سے کسی کے ماں باپ دونوں مسلمان نہیں ہوئے اور انہوں نے دعا کی: اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ابوبکر نے ان متعدد غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام لانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جارہا تھا۔

(حافظ علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سات غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا' جن کو اسلام لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا' حضرت بلال' حضرت عامر بن فہیرہ' زنیرہ' ام عبیس' ہندیہ اور ان کی بیٹی اور بنی عمرو بن مؤمل کی باندی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۳ ص ۳۶' بیروت))

نیز امام واحدی لکھتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی اولاد کے متعلق ان کی دعا قبول فرمائی' انہوں نے دعا کی تھی: اور میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے' پس ان کی اولاد' ان کی والدہ اور ان کے والد سب ایمان لے آئے۔ امام واحدی اپنی سند کے ساتھ موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکر خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایمان لائے' ان کے والد حضرت ابوقحافہ بھی آپ کے عہد میں ایمان لائے' ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی آپ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور ان کے پوتے ابوعتیق بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی آپ کے عہد میں اسلام لائے۔ امام بخاری نے کہا: ابوعتیق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور وہ عبدالرحمان بن ابی بکر کے بیٹے ہیں۔

علامہ علی بن محمد الجزری ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں: صحابہ میں صرف چار شخص نسل بعد نسل مسلمان ہوئے اور انہوں نے شرف صحابیت پایا: حضرت ابوقحافہ' ان کے بیٹے حضرت ابوبکر اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن ابوعتیق۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۶۲' رقم الحدیث: ۴۳۳۳) لہٰذا تمام صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خود بھی صحابی ہیں' ان کے والد بھی صحابی ہیں' ان کے بیٹے بھی صحابی ہیں اور ان کے پوتے بھی صحابی ہیں اور ان کی چار نسلوں میں صحابیت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس انسان (یعنی حضرت ابوبکر) نے کہا: بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: میں نے ہر اس کام کی طرف رجوع کیا جس کو تو پسند فرماتا ہے اور میں نے اپنے دل اور زبان سے تیری اطاعت کی۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دیگر مستند مفسرین نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں نازل ہوئی ہے:

(۱) علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے والد ابوقحافہ ان کی والدہ ام الخیر اور ان کی اولاد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کی دعا کے مقبول ہونے کے بیان میں ہے اور مہاجرین اور انصار میں کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو خود بھی اسلام لایا ہو اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں بھی اسلام لائے ہوں ماسوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۳۰۶۔۳۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

(۲) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا صحابہ میں سے کسی کے لیے بھی یہ اتفاق نہیں ہوا کہ اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں اور اس کی تمام اولاد بھی اسلام لائی ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۳) علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ شام کے سفر میں حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور وہاں راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا: یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں اور اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں۔ اس وقت سے حضرت ابوبکر کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی حتیٰ کہ اس واقعہ کے بیس سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا دیا گیا۔ (الی قولہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی ہے ان کے ماں باپ دونوں اسلام لائے اور حضرت ابوبکر کے سوا مہاجرین میں سے کسی کے ماں باپ دونوں اسلام نہیں لائے اس آیت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر نے دعا کی: اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو ان کی یہ دعا قبول ہوئی انہوں نے نو غلام آزاد کیے جن میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے اور ہر نیک کام میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم میں سے آج کون شخص روزہ دار ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں ہوں آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ گیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کس شخص نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں بھی یہ اوصاف جمع ہوں گے وہ جنتی ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو خود بھی ایمان لایا ہو اس کے ماں باپ بھی ایمان لائے ہوں اور اس کے تمام بیٹے اور بیٹیاں بھی ایمان لائی ہوں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۱۸۱۔۱۸۲ ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۴) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کے سوا مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا صحابی نہیں ہے جو خود بھی اسلام لایا ہو اور اس کے ماں باپ بھی اسلام لائے ہوں۔

(تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۵ ص ۱۸۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

(۵) امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

(۶) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

(۷) امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۳۷۵۔۳۷۶ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

(۸) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ۔ (مدارک علی حامش الخازن ج ۴ ص ۱۲۶ دار الکتب العربیہ پشاور)

(۹) علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ۔ (لباب التاویل ج ۴ ص ۱۳۰۔۱۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۰) علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۶ ص ۱۲۱ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

(۱۱) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔ (جلالین ص ۵۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۲) شیخ سلیمان بن عمر الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ۔ (الفتوحات الالٰہیہ ج ۴ ص ۱۲۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱۳) علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ۔ (تفسیر صاوی ج ۵ ص ۱۹۳۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

(۱۴) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مہاجرین اور انصار میں سے حضرت ابوبکر کے سوا کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو خود بھی اسلام لایا ہو اور اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں۔ امام واحدی نے بیان کیا ہے کہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی جب وہ تجارت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شام گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ راہب نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس درخت کے سائے میں آپ کے سوا کوئی نہیں بیٹھا' تب حضرت ابوبکر کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بیٹھ گئی اور وہ کبھی سفر اور حضر میں آپ سے جدا نہیں ہوئے اور جب حضرت ابوبکر کی عمر ۳۸ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۴۰ سال تھی تو آپ کو نبی بنا دیا گیا۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۳۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

شام کے سفر کے متعلق حدیث ترمذی

مفسرین کی عبارات میں شام کے تجارتی سفر کا ذکر آیا ہے' اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب شام کی طرف گئے' ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے شیوخ تھے' جب وہ ایک راہب کے پاس پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنا سامان سفر کھول دیا' ان کے پاس وہ راہب آیا' اس سے پہلے وہ وہاں سے گزرتے تھے تو وہ راہب ان کے پاس نہیں آتا تھا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ ابھی وہ اپنا سامان کھول رہے تھے کہ وہ راہب ان کے درمیان آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العلمین ہے یہ رسول رب العلمین ہے' ان کو اللہ رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمائے گا' قریش کے شیوخ نے راہب سے کہا: تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ راہب نے کہا: جب تم گھاٹی سے اترے تھے تو ہر پتھر اور درخت سجدہ میں گر گیا تھا اور وہ نبی کے علاوہ اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے کندھے کے پٹھے کے نیچے سیب کی طرح ابھری ہوئی ہے' پھر وہ لوٹ گیا اور ان سب کے لیے کھانا بنا کر لایا' پھر جب وہ ان کے پاس پہنچا تو وہ اونٹوں کو چرا رہے تھے' اس نے کہا: ان کو بلاؤ' آپ آئے اور اس وقت بادل آپ کو سایہ کر رہا تھا جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو سب لوگ درخت کے سائے میں پہلے ہی بیٹھ چکے تھے' جب آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف مڑ گیا' جب راہب لوگوں کے پاس کھڑا تھا تو وہ ان سے

کہنے لگا: ان کو روم کی طرف نہ لے جانا' کیونکہ اگر رومیوں نے ان کو دیکھ لیا تو ان کی صفت سے ان کو پہچان کر قتل کر دیں گے' پھر اس نے دیکھا تو سات رومی ان کے سامنے آ گئے' اس نے کہا: تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم کو معلوم ہوا کہ وہ نبی اس مہینہ آنے والا ہے اور ہم نے ہر راستہ میں اس کی تلاش میں لوگوں کو مامور کر دیا ہے اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ اس راستہ میں آنے والا ہے' راہب نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہو' کیا اس کو کوئی شخص رد کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں' پھر انہوں نے آپ کی بیعت کی اور وہاں پر ٹھہر گئے۔ پھر انہوں نے کہا: میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوطالب ہیں' پھر وہ راہب ان سے باتیں کرتا رہا' حتیٰ کہ ابوطالب نے اس کو واپس بھیج دیا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کو بھی بھیج دیا اور روٹی اور زیتون بہ طور زادِ راہ دی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۴)

حدیث ترمذی پر علامہ ذہبی کی تنقید

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث سخت منکر ہے اور اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خریدا تھا اور اس وقت تو حضرت بلال پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور جب بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت کا سایہ آپ کی طرف مڑ گیا ہو کیونکہ بادل کے سایہ کی وجہ سے درخت کا سایہ معدوم ہو جاتا ہے جو اس کے نیچے تھا اور ہم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ابوطالب کو راہب کے قول کا حوالہ دیا ہو اور نہ کبھی قریش نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی قریش کے شیوخ نے اس کا ذکر کیا' حالانکہ راہب کے قول کو نقل کرنے کے لیے ان کے پاس بہت ذرائع تھے' اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ان کے درمیان مشہور ہو جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبوت کا احساس ہو جاتا اور پھر جب آپ کے پاس غار حرا میں پہلی وحی آئی تھی تو وہ آپ کو اس قدر عجیب و غریب نہ معلوم ہوتی اور آپ حضرت خدیجہ کے پاس اس قدر گھبرائے ہوئے نہ آتے اور وحی نہ آنے پر اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ نہ کرتے' نیز اگر ابوطالب کو شام کے رومیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خطرہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت خدیجہ کے تجارتی سفر کے لیے آپ کو شام کی طرف لے جاتے؟ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۸۔۴۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

بحیریٰ راہب کا واقعہ کتب سیرت میں

اس کے بعد علامہ ذہبی نے متعدد کتاب سیرت کے حوالوں سے اس واقعہ کا بیان کیا ہے اور اس واقعہ پر علامہ ذہبی کے مذکور الصدر اعتراضات وارد نہیں ہوتے' علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے "السیرۃ النبویہ" میں کہا ہے کہ ابوطالب شام کی طرف تجارتی سفر میں گئے اور ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے اور اس وقت آپ کم عمر تھے' جب وہ لوگ مقام بصریٰ پر ٹھہرے تو بحیرا راہب اپنے گرجے میں گیا اور وہ نصرانیت کا بڑا عالم تھا' بحیرا نے ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کیا' ان لوگوں پر بادل سایہ کر رہا تھا' ابوطالب ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئے' بحیرا نے ان لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور کہا: آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں' کھانے کے وقت قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کم عمر ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے' بحیرا نے آپ کو بلوایا' بحیرا آپ کو غور سے دیکھتا رہا' اور تنہائی میں اس نے آپ سے کہا: میں تم کو لات اور عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میں تم سے جو بھی سوال کروں تم اس کا جواب دینا' آپ نے اس سے فرمایا: تم مجھے لات اور عزیٰ کی قسم نہ دو' میں سب سے زیادہ ان سے بغض رکھتا ہوں' پھر اس نے آپ سے آپ کے احوال

کے متعلق متعدد اشیاء پوچھیں اور اس کو آپ کی صفات کے متعلق جو علم تھا وہ اس کے موافق تھیں' پھر اس نے آپ کی مہر نبوت دیکھی' پھر اس نے ابوطالب سے پوچھا: ان کا تم سے کیا رشتہ ہے؟ ابوطالب نے کہا: وہ میرے بیٹے ہیں' اس نے کہا: ان کے باپ تو زندہ نہیں ہونے چاہئیں' تب ابوطالب نے کہا: وہ میرے بھتیجے ہیں' اس نے کہا: اب تم واپس چلے جاؤ اور یہودیوں سے ان کی حفاظت کرنا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۱ ص ۹۶۔ ۹۷ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۴۳۔ ۲۴۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ) (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۹۔ ۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

احسن اعمال پر ایک اشکال کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں' اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں' (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں' یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا O

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے احسن کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور احسن اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ اچھے اور زیادہ نیک کام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیادہ اچھے اور زیادہ نیک کام مقبول ہوتے ہیں اور جو کام فی نفسہٖ اچھے اور نیک ہوں وہ قبول نہیں ہوتے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات احسن' حسن کے معنی میں ہوتا ہے یعنی ان کے اچھے اور نیک کام مقبول ہوتے ہیں' جیسا کہ مذکور ذیل آیت میں بھی احسن' حسن کے معنی میں ہے:

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ (الزمر: ۵۵)

اس آیت میں بھی احسن کا لفظ ہے اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے: جو سب سے اچھے احکام تمہاری طرف نازل کیے گئے ہیں' حالانکہ اللہ کی طرف سے جو بھی احکام نازل کیے گئے ہیں وہ سب اچھے ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں احسن کا معنی صحیح ہے۔ امام رازی نے فرمایا: اس آیت میں اسم تفضیل زیادتی کے معنی سے مجرد ہے جیسے ضرب المثل ہے: ''الناقص'' (ٹنڈا یا لنگڑا) اور ''اشج'' (جس کے سر پر چوٹ لگی ہو اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں) بنو مروان میں اعدل ہیں' یعنی بنو مروان میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہیں' حالانکہ بنو مروان میں عادل لوگ نہیں تھے سب ظالم تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل میں زیادتی کا معنی نہیں ہے اور اعدل کا لفظ عادل کے معنی میں ہے۔

الاحقاف: ۱۵ میں حضرت ابوبکر کی فضیلت پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور اس سے اشارہ پہلی آیت میں مذکور ''ووصینا الانسان'' کی طرف ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں انسان سے مراد عام مسلمان ہیں جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر یہ دعا کریں کہ اے اللہ! مجھے اپنی ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق دے جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور میری اولاد کو بھی نیکی عطا فرما اور یہ آیت خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم قوی دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی اور کسی شخص پر یہ آیت صادق نہیں آتی اور اس کے بعد والی زیر تفسیر آیت میں جو جمع کے صیغے ہیں وہ اس کے منافی نہیں ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ بھی حضرت ابوبکر کی سیرت پر عمل کرتے رہا کریں گے ہم ان کے نیک کاموں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی لغزشوں سے درگزر

فرمائیں گے۔

الٰہ العٰلمین! میرے بھی نیک کاموں کو قبول فرما اور میری لغزشوں سے درگزر فرما۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اُف ہے' تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا' حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں' اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو' ایمان لے آ' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O (الاحقاف: ۱۷۔۲۰)

الاحقاف: ۱۷ کے شانِ نزول میں مختلف روایات

اس سے پہلے الاحقاف: ۱۵ میں اس شخص کا ذکر فرمایا تھا جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور اطاعت گزار تھا اور اس آیت: ۱۷ میں اس شخص کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان اور سرکش تھا اور یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت عبد الرحمن بن ابوبکر ہیں' جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم ایمان لے آؤ! تو انہوں نے کہا: کیا آپ مجھے اس بات سے ڈراتے ہیں کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا اور مجھے میدانِ حشر میں لایا جائے گا؟ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۱)

(۲) حسن بصری نے کہا: یہ آیت ایک کافر اور فاجر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور میدانِ محشر میں جمع کیے جانے کا منکر تھا' وہ اپنے مسلمان ماں باپ سے کہتا تھا کہ تم مجھے حشر سے ڈراتے ہو' حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی صدیاں گزر چکی ہیں اور کتنے لوگ مر چکے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں اٹھایا گیا اور اگر مجھ کو بھی موت کے بعد اٹھایا جائے گا' جیسا کہ تم کہتے ہو تو مجھ سے پہلے جو لوگ مر چکے ہیں ان کو بھی اٹھایا جائے گا اور اس کے ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرے لیے ہلاکت اور بربادی ہو تو ایمان لے آ' تو اللہ کی وعید کی تصدیق کر اور یہ مان لے کہ تو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ان کی قبروں سے نکالے گا' ان کو میدانِ محشر میں جمع کرے گا تاکہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے۔ پھر وہ اللہ کا دشمن اپنے ماں باپ کی نصیحت کو رد کرتے ہوئے کہے گا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ مجھے مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا' یہ محض پہلے لوگوں کی کہی ہوئی جھوٹی اور من گھڑت باتیں ہیں' انہوں نے ان باتوں کو لکھ لیا تھا اور تم تک یہ لکھی ہوئی باتیں پہنچ گئیں اور تم نے ان کی تصدیق کر دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۲۔ ج ۲۶ ص ۲۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ حضرت عبد الرحمن بن ابوبکر سچے مسلمان تھے اور یہ آیت کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس کی دلیل بعد والی آیت میں ہے: الاحقاف: ۱۸ میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں

سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O

اس قول کی ترجیح کہ یہ آیت کافر کے متعلق نازل ہوئی

اللہ تعالیٰ نے الاحقاف:۱۵ میں اس بیٹے کا ذکر فرمایا تھا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا تھا اور اس آیت میں اس بیٹے کا ذکر فرمایا ہے جو انتہائی سرکش اور ماں باپ کا اس قدر نافرمان تھا کہ جب اس کے ماں باپ نے اس کو دین حق کی دعوت دی اور قیامت اور حشر ونشر کو تسلیم کرنے کے لیے کہا تو اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور انتہائی رکیک شبہات کو قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے انکار پر پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا: یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ایمان لائے اور انہوں نے اسلام میں بہت نیک کام کیے' لہٰذا یہ آیت جو ایک کافر اور منکرِ حشر کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو ان پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر کی سوانح

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ حضرت عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبد الکعبہ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبد الرحمان رکھ دیا' انہوں نے اسلام لانے کو مؤخر کیا اور صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور اسلام میں بہت نیک کام کیے۔ ابو الفرج نے ''اغانی'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی کیونکہ یہ اس وقت کم عمر تھے اور فتح مکہ سے پہلے قریش کے چند جوانوں کے ساتھ ہجرت کی ان میں حضرت معاویہ بھی تھے اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جنگ بدر میں یہ کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑے تھے' یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔

امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ بہت بہادر تھے اور بہت ماہر تیر انداز تھے' جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور سات بڑے کافروں کو قتل کیا' جنگ جمل میں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور ان کے بھائی محمد بن ابی بکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کے متعلق ان سے مشورہ کیا اور کہا: یہ حضرت ابو بکر اور عمر کی سنت ہے' حضرت عبد الرحمان نے کہا: نہیں یہ ہرقل اور قیصر کی سنت ہے۔ جب ایک قیصر مر جاتا تو دوسرا قیصر اس کی جگہ تخت نشین ہوتا' اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے۔

مروان نے ان کے متعلق کہا تھا: یہ وہی ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ۔'' (الاحقاف:۱۷) تو حضرت عائشہ نے پردے کی اوٹ سے اس کا سخت انکار کیا اور کہا: اگر میں چاہوں میں نام لے کر بتا سکتی ہوں کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ (دینار یا درہم) بھیجے مگر حضرت عبد الرحمٰن نے ان کو واپس کر دیا اور کہا: میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے میں فروخت نہیں کروں گا۔

پھر حضرت عبد الرحمان مکہ چلے گئے اور یزید کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی' مکہ سے دس میل دور ایک مقام پر ان کی وفات ہوگئی' یہ سوئے ہوئے تھے اور نیند میں ہی ان کو موت آگئی' پھر ان کو مکہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا' جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی تو جب وہ حج کرنے کے لیے گئیں تو ان کی قبر پر کھڑے ہو کر روئیں' پھر کہا: اگر میں

تمہاری وفات کے وقت حاضر ہوئی تو میں تم کو وہیں دفن کر دیتی جہاں تم کو موت آئی تھی اور تم پر نہ روتی۔ امام ابن سعد اور متعدد محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عبد الرحمان ۵۳ ھ میں فوت ہوئے تھے۔ یحییٰ بن بکیر نے کہا: ۵۴ ھ میں فوت ہوئے۔ اور بھی کئی اقوال ہیں ابوزرعہ دمشقی نے کہا: جس سال حضرت معاویہ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ میں آئے تھے اس سال فوت ہوئے تھے اور حضرت عائشہ اس کے ایک سال بعد ۵۹ ھ میں فوت ہوئیں تھیں۔ امام ابن حبان نے کہا: حضرت عبد الرحمان ۵۸ ھ میں فوت ہوئے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۶ رقم الحدیث: ۵۱۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۶۲ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

نیکوکار اور بدکار کی پوری پوری جزاء

الاحقاف: ۱۹ میں فرمایا: اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر کیا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے مختلف درجات ہیں' سو جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ جس مرتبہ اور جس درجہ کی نیکی کرے گا اس کو اسی مرتبہ اور اسی درجہ کا آخرت میں اجر و ثواب حاصل ہوگا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے دو آیتوں میں دو شخصوں کا ذکر فرمایا ہے ایک مومن ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے اور ایک کافر ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہے اور دونوں کو آخرت میں اپنے اپنے اعمال کی جزاء ملے گی۔ بعض آثار میں وارد ہے کہ جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اہل دوزخ کے درجات نیچے کی جانب ہیں اور اہل جنت کے درجات اوپر کی جانب ہیں' اللہ تعالیٰ ہر فریق کو اس کے دنیا میں کیے ہوئے کاموں کا پورا پورا صلہ دے گا' نیک کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق عزت اور کرامت عطا فرمائے گا اور برے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی وعید کے مطابق سزا دے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا' برے کام کرنے والے کو اسی کی برائی کے مطابق ہی سزا دے گا اور جو کام اس نے نہیں کیے اس کو ان کی سزا نہیں ملے گی اور نہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے اور نہ نیکی کرنے والے کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۵)

الاحقاف: ۲۰ میں فرمایا: اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے ○

پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کے حصول کی اجازت

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جس دن کفار دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس دن کفار کو دوزخ دکھائی جائے گی تاکہ وہ دوزخ کے ہولناک عذاب کو دیکھیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہاری پسندیدہ اور لذیذ چیزیں جو مقدر کی گئی تھیں تم ان کو دنیا میں لے چکے ہو اور جب تم دنیا میں اپنا حصہ پورا پورا لے چکے ہو تو آخرت میں تمہارے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

امام رازی نے کہا ہے کہ نیک لوگ دنیا میں تقشف اور زہد کو اختیار کرتے ہیں تا کہ ان کا آخرت میں ثواب زیادہ کامل ہو' لیکن اس آیت میں مؤمنوں کے لیے دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت نہیں ہے' کیونکہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات پر کافروں کی مذمت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے اور نہ اس کی طاعت اور عبادت کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے' رہا مؤمن تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے لہٰذا وہ اس زجر و توبیخ اور مذمت میں داخل نہیں ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہیے کہ جس زینت کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے اور پاکیزہ رزق کو اس کو کس نے حرام کیا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زیب و زینت کی چیزوں اور پاکیزہ رزق اور لذیذ چیزوں کو استعمال کرنے اور انہیں کھانے اور پینے کی ترغیب دی ہے' البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آرام اور آسائش اور مرغوبات نفس سے احتراز کرنا افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ انسان جب عیش و عشرت کا عادی ہو جاتا ہے تو اس پر ان چیزوں کا چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے اور اگر اس پر تنگی اور تنگ دستی کے ایام آ جائیں تو وہ ناشکری کے کلمات کہنے کے خطرہ میں ہوتا ہے اور عیش و عشرت میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اس خطرہ میں بھی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جائے۔

آخرت کے ثواب میں اضافہ کی خاطر پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کا ترک کرنا اور زہد کو اختیار کرنا

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشا پوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لذات اور عیش و عشرت کے حصول کی مذمت کی ہے اور اس بات پر کافروں کو ملامت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ اور دیگر صالحین امت دنیا کے عیش و عشرت اور لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور تقشف اور زہد کو اختیار کرتے تھے تا کہ آخرت میں ان کا ثواب زیادہ کامل ہو۔

(الوسیط ج ۴ ص ۱۰۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا زہد

حسب ذیل احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی دنیا کے عیش اور لذتوں سے اجتناب کی دلیل ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے: اس کے رہنے کے لیے گھر ہو' اتنا کپڑا جو اس کی شرم گاہ چھپانے کے لیے کافی ہو' روٹی اور پانی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲)

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: "اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ" (التکاثر: ۱) زیادہ کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال' میرا مال اور تمہارا مال صرف وہی ہے جس کو تم نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا' یا جس کو تم نے کھا کر فنا کر دیا یا جس کو تم نے پہن کر پرانا کر دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۹' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴)

حضرت محصن خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کو اٹھے کہ اس کی جگہ پر امن ہو اور اس کا جسم عافیت سے ہو اور اس کو اس دن کی روزی میسر ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا

اکٹھی کردی گئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی سونے کی بنادے' میں نے کہا: نہیں' اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا' پھر جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو میں تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۴)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے میرے لیے کھانا منگایا اور فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی پھر میں رونا چاہتی ہوں تو روتی ہوں' میں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حال یاد کرتی ہوں جس حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے تھے' اللہ کی قسم! آپ نے کبھی لگاتار دو دن روٹی اور گوشت سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۶' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل نے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۸۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہم صرف درخت کے پتے اور اس کی چھال کھاتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص بکری کی طرح مینگنیاں کرتا تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۲۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان گر پڑتا تھا۔ (الحدیث) یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بھوک کی شدت کی وجہ سے وہ نماز میں گر جاتے تھے' حتیٰ کہ اعرابی لوگ ان کو مجنون کہتے تھے' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تو ان کی طرف مڑ کر فرماتے: اگر تم کو یہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارا کتنا اجر ہے تو تم یہ ضرور چاہو گے کہ تمہارے فقر اور فاقہ میں اور زیادتی کی جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور میں بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے تھا۔ (الحدیث) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر آپ کو پیٹ پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی

روٹی کا ایک ٹکڑا دیا تو آپ نے فرمایا: یہ پہلا طعام ہے جس کو تمہارے باپ نے تین دن کے بعد کھایا ہے (اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات چھلنی نہیں دیکھی نہ کبھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی (اس کی سند میں سلیمان بن رومان غیر معروف ہے' باقی تمام راوی ثقہ ہیں)۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۷۱)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے) کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کے پاس ڈکار لی تو آپ نے فرمایا: اے ابوجحیفہ! قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے تھے (اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۶۹۔ ۳۶۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں دودھ اور شہد آیا' آپ نے فرمایا: تم ایک گھونٹ پی کر ایک پیالہ میں رکھ دو' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے' میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے دنیا کی زائد چیز کے متعلق سوال کرے' میں اللہ کے لیے تواضع کرتا ہوں اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو سرنگوں کرتا ہے اور جو میانہ روی کرے اللہ اس کو مستغنی کر دیتا ہے اور جو موت کو زیادہ یاد کرے اللہ اس سے محبت کرتا ہے (اس حدیث کی سند میں ایک راوی نعیم بن مورع عنبری ہے اس کی توثیق میں اختلاف ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں)۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۲۹۳)

صحابہ کرام کا زہد اختیار کرنا اور ترک زہد کی مذمت کرنا

امام عبد الرزاق' ابن عیینہ سے اور وہ مدینہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا وہ کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھا' حضرت عمر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ گوشت ہے جس کو میں نے ایک درہم کا خریدا ہے' حضرت عمر نے کہا: تم میں سے ایک شخص گوشت کھانے کے شوق میں ایک درہم خرچ کر کے گوشت خریدتا ہے کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو۔ (الاحقاف: ٢٠)

(تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۷۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے ان کے پاس کھانا لایا گیا' انہوں نے کہا: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے' وہ مجھ سے بہتر تھے ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا' اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے' پھر ہمارے لیے دنیا میں وسعت کی گئی جو وسعت کی گئی اور ہم کو دنیا سے وہ کچھ دیا گیا جو دیا گیا اور ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں جلدی سے دنیا میں ہی دے دیا گیا ہے' پھر حضرت عبد الرحمن بن عوف رونے لگے اور کھانے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۱۸' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۹۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۷۹)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب

سے خوب صورت لباس پہنوں' لیکن میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو آخرت کے لیے باقی رکھتا ہوں اور جب حضرت عمر ملک شام میں گئے تو ان کے لیے ایسا لذیذ کھانا تیار کیا گیا کہ اس سے پہلے اتنا لذیذ کھانا دیکھا نہیں گیا تھا' حضرت عمر نے کہا: یہ کھانا ہمارے لیے ہے تو ان فقراء مسلمین کے لیے کیا تھا جو اس حال میں فوت ہو گئے کہ انہوں نے کبھی جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے لیے جنت ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' حضرت عمر کہنے لگے: کاش! ہمارے لیے دنیا کا حصہ چند لکڑیاں ہوتیں' وہ فقراء مسلمین اپنے حصے میں جنت لے گئے اور ہم میں اور ان میں بہت فرق ہے' اور "صحیح مسلم" وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' آپ اس وقت اپنے مچان میں تھے' جب آپ اپنی ازواج سے الگ تھے' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے ایک کچی کھال نظر آئی جس کی بو متغیر ہو چکی تھی' میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور سب سے بہتر ہیں اور یہ قیصر اور کسریٰ ہیں جو ریشم کا لباس پہنتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم کو (اپنے دین میں) شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جس کو ان کی پسند کی چیزیں ان کی دنیا کی زندگی میں دے دی گئیں' میں نے کہا: میرے لیے استغفار کیجئے' آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو معاف کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

حفص بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صبح کو کھانا کھا رہا تھا جس کھانے میں روٹی اور زیتون کا تیل تھا اور روٹی اور سرکہ تھا اور روٹی اور دودھ تھا اور روٹی اور سکھایا ہوا گوشت تھا اور تھوڑا سا تازہ گوشت تھا اور حضرت عمر فرما رہے تھے: آٹے کو چھانا نہ کرو کیونکہ وہ پورے کا پورا طعام ہے' پھر ان کے پاس ان چھانے آٹے کی سخت موٹی روٹی لائی گئی' حضرت عمر اس کو کھا رہے تھے اور فرما رہے تھے: کھاؤ' اور ہم نہیں کھا رہے تھے' فرمایا: تم کیوں نہیں کھاتے؟ ہم نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! ہم یہاں سے واپس جا کر آپ کے کھانے سے زیادہ نرم روٹیاں کھائیں گے' آپ نے فرمایا: اے ابو العاص کے بیٹے! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر میں چاہوں تو ایک فربہ بکرے کو بھنواؤں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر میں چاہوں تو چار کلو یا آٹھ کلو منقی منگواؤں اور ان کو ایک مشک پانی میں ڈال کر نبیذ بنواؤں؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے دن میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو میں خوش گوار زندگی میں تمہارا شریک ہو جاتا لیکن میں نے کچھ لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا" تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو۔ (الاحقاف: ۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں کو گوشت کی خواہش ہوئی تو میں نے ان کے لیے گوشت خریدا' پھر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا' آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اے جابر! تو میں نے ان کو خبر دی' آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے جب بھی کسی کو خواہش ہو تو وہ گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے' کیا تم کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم اس آیت کا مصداق بن جاؤ: "اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ" (الاحقاف: ۲۰)۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: یہ حضرت عمر کا حضرت جابر پر عتاب تھا کہ انہوں نے گوشت خریدنے کی وسعت کو اختیار کیا اور روٹی اور پانی کی سادہ غذا سے خروج کیا' کیونکہ جب انسان رزق حلال سے لذیذ اور پسندیدہ غذاؤں کو کھانے کی عادت بنا لے اور پھر کبھی اس کو حلال رزق کی بجائے مشتبہ رزق ملے گا تو وہ اس سے بھی اپنی خواہش پوری کرے گا اور اگر پھر

اس کو مشتبہ رزق کے بجائے حرام رزق ملے گا تو وہ اس سے بھی اپنی خواہش پوری کرے گا کیونکہ اس پر عادت اور نفس امارہ کا غلبہ ہوگا' اس لیے حضرت عمر نے ابتداء سے ہی اپنے آپ کو لذیذ اور پسندیدہ چیزوں سے دور رکھا۔

اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان کو جو چیز ملے وہ اس کو کھالے خواہ وہ لذیذ ہو یا نہ ہو اور لذیذ چیزوں کے حصول میں تکلف نہ کرے اور ان کو عادت نہ بنائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز مل جاتی تو اس کو سیر ہو کر کھا لیتے اور جب نہیں ملتی تو صبر کرتے اور جب آپ کو قدرت ہوتی تو میٹھی چیز کھاتے اور جب اتفاق سے شہد ملتا تو اس کو پی لیتے اور جب گوشت میسر ہوتا تو اس کو کھا لیتے اور ان کو کھانے کی عادت نہ بناتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت معلوم ہے اور صحابہ کا طریقہ منقول ہے اور آج لوگوں پر حرام خوری کا غلبہ ہے اور اس سے چھٹکارا مشکل ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی لذیذ اور پسندیدہ حلال چیزوں کو حاصل کرنا مذموم نہیں ہے' مذموم یہ ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا جائے اور یہ قول بہت عمدہ ہے' کیونکہ حلال اور طیب چیز کے حصول اور اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور ان کا شکر ادا نہ کرے تو اس کی مذمت فرمائی ہے یا حلال چیزوں کے بجائے حرام چیزوں سے فائدہ اٹھائے تو اس کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۸۷۔۱۸۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ

اور (اے رسول مکرم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی بستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ان

بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ

سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے اور ان کے بعد بھی آنے والے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک مجھے تم پر

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا ۚ

بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O انہوں نے کہا کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیں سو

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ

آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں O ہود نے کہا: اس کا علم تو صرف اللہ

عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾

کے پاس ہے' میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہارے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو O

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے'

مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۴

(نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا' یہ زبردست آندھی ہے' جس میں دردناک عذاب ہے O

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ

یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کردے گی' پھر وہ اس طرح ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا'

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۲۵ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ

ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا

فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْــِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں

وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْــِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ

اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا

ع۳ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۶ ع

انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کرلیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی بستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ان سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے اور ان کے بعد بھی آنے والے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O انہوں نے کہا: کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں' سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں O (الاحقاف: ۲۱-۲۲)

کفار مکہ کو عبرت دلانے کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا حال سنانا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اہل مکہ چونکہ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں میں کھوئے ہوئے تھے' اس لیے وہ ان دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے تھے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O (الاحقاف: ۲۰) اور اسی طرح قوم عاد بھی بہت مال دار اور قوت اور طاقت والی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا قصہ بیان فرمایا تاکہ

اہل مکہ اس سے عبرت حاصل کریں اور دنیا کے مال و دولت اور دنیا کی طاقت پر غرور اور تکبر کرنا چھوڑ دیں اور رشد و ہدایت کو طلب کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

الاحقاف اور افک کا معنی

الاحقاف: ۲۱ میں فرمایا ہے: آپ قوم عاد کے بھائی کو یاد کیجئے' اس سے مراد ہے: قوم عاد کے نسبی بھائی' اس سے دینی بھائی مراد نہیں ہے اور وہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں' ان کا پورا نام ہے ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد۔ اور قوم عاد' عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد ہیں۔

پھر اس آیت میں فرمایا ہے: جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

الاحقاف قوم عاد کی ریگستانی بستیوں کا نام ہے۔ الاحقاف' حقف کی جمع ہے' ریت کا بلند اور تیز حاشیہ جو بلندی میں پہاڑ کی مثل معلوم ہوتا ہو' یہ جگہ عمان اور عدن کے درمیان سمندر کا ساحل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ یمن میں حضر موت کے پاس ایک وادی ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

الاحقاف: ۲۲ میں فرمایا: انہوں نے کہا: کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیں' سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں' اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔

اس آیت میں ایک لفظ ہے: ''لتافکنا'' اس کا مادہ افک ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو کسی چیز سے پھیرنا یا کسی پر تہمت لگانا' کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہم کو ہمارے بتوں کی عبادت سے پھیرنا اور باز رکھنا چاہتے ہیں یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہم پر یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ ہمارا ان بتوں کی عبادت کرنا باطل اور بے فائدہ ہے اور ہم پر کفر اور شرک کی تہمت لگا رہے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا: آپ ہم کو جس عذاب کی وعید سنا رہے ہیں' وہ عذاب لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہود نے کہا: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں' جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہارے متعلق گمان رکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو O پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے' (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے O (الاحقاف: ۲۳۔۲۴)

قوم عاد کی جہالت کی وجوہ

جب حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا: آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں وہ عذاب لے آئیں تو حضرت ہود علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ عذاب کس وقت آئے گا' اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' میں تم کو صرف وہی بات بتاتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی نہیں کی کہ تم پر یہ عذاب کس وقت آئے گا۔

نیز فرمایا: میں یہ گمان رکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو' حضرت ہود علیہ السلام کے اس قول کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) تم اس لیے جاہل ہو کہ تم کو یہ معلوم نہیں کہ رسول' اللہ سبحانہٗ سے صرف اسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس چیز کے سوال کی انہیں اجازت ہوتی ہے' ان کو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(۲) تم اس لیے جاہل ہو کہ تم اپنے کفر اور جہل پر اصرار کر رہے ہو اور میرا ظن غالب یہ ہے کہ تمہاری جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم پر عذاب آنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

(۳) اور یہ بھی تمہاری جہالت ہے کہ تم عذاب کے مطالبہ پر اصرار کر رہے ہو' ہر چند کہ تم پر میری رسالت کا صدق ظاہر نہیں ہوا' لیکن تم پر میرے دعویٰ رسالت کا کذب بھی تو ظاہر نہیں ہے' تو تمہارے نزدیک بھی یہ ممکن تو ہے کہ میں صادق ہوں اور میری پیشین گوئی کا پورا ہونا بھی ممکن ہے اور میری خبر کے مطابق تم پر عذاب کا آنا بھی ممکن ہے تو پھر تم اپنے آپ کو نزول عذاب کے خطرے میں ڈال رہے ہو یہ تمہاری جہالت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

الاحقاف: ۲۴ میں فرمایا: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے' (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے○ (الاحقاف: ۲۳۔۲۴)

قوم عاد پر آندھی کے عذاب کی کیفیت

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بہت دنوں سے قوم عاد پر بارش نہیں ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سیاہ بادل بھیجا' وہ ان کی وادی کی طرف سے آنے لگا وہ اس بادل کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے کے لیے آیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم میں بیٹھے ہوئے تھے' جب ایک گہرا بادل آیا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہم پر برسنے کے لیے آیا ہے' حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا' پھر انہوں نے اس عذاب کی حقیقت بیان کی' یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اس بادل کے عذاب ہونے کا انہیں اس وقت پتا چلا جب زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی اور حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے اور آندھی کی شدت سے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور ان کے اونٹوں کے اوپر سے ان کے پالان گر گئے اور آندھی کے زور سے ان کے خیمے اور پالان ہوا میں ٹڈیوں کی طرح اڑنے لگے اور اڑ اڑ کر ان پر برسنے لگے اور آندھی کی شدت سے وہ خود اور ان کے مویشی زمین اور آسمان کے درمیان پرندوں کے پروں کی طرح اڑنے' پھر گرنے لگے' پھر وہ گھبرا کر اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے' آندھی کے زور نے ان کے دروازوں کو توڑ دیا اور ان کو اوندھا کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ریت سے ان کو ڈھانپ دیا' وہ سات راتیں اور آٹھ دن اسی طرح آندھی کے زور تلے دفن رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹا دیا اور ان کے مردہ اجسام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں ان کے عذاب کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کر دے گی' پھر وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا' ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آ سکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے○ (الاحقاف: ۲۵۔۲۶)

قوم عاد پر عذاب کی تفصیل

یعنی قوم عاد کے ہر فرد کو اور ان کی تمام سواریوں' مویشیوں اور ان کے تمام مال و متاع کو اس آندھی نے تباہ و برباد کر دیا'

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر کسی بادل کو دیکھتے تو آپ گھبرا کر کبھی باہر جاتے اور کبھی اندر آتے اور جب وہ بادل برس جاتا تو آپ سے گھبراہٹ دور ہو جاتی اور فرماتے: مجھے از خود پتا نہیں ہے' شاید کہ یہ بادل وہی ہو جیسا کہ قوم عاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ (الاحقاف: ۲۴) پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری باد صبا (مشرق سے چلنے والی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو باد دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) نے ہلاک کر دیا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۱۷۵)

امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود علیہ السلام اور مؤمنین میں سے جو ان کے اصحاب تھے وہ آندھی کے اس عذاب سے محفوظ رہے اور آندھی اپنے غیظ و غضب سے قوم عاد کو اٹھا اٹھا کر پٹک رہی تھی اور پتھروں سے ان کو کچل رہی تھی اور وہ ریت کے نیچے اس طرح دفن ہو گئے تھے کہ ان کے اجسام نہیں دکھائی دے رہے تھے صرف ان کے گھر دکھائی دے رہے تھے۔

آندھیوں کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے آثار سے ہے' آندھی رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی لاتی ہے' تم آندھی کو برا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آندھی پر لعنت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی پر لعنت نہ کرو' کیونکہ یہ حکم الٰہی کے تابع ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو لعنت اس شخص کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی کو برا نہ کہو' جب تم کوئی ناگوار چیز دیکھو تو کہو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس آندھی کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور جو اس میں خیر ہے اس کا سوال کرتے ہیں اور جس چیز کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم اس آندھی کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی آندھی چلتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے کہ: اے اللہ! اس آندھی کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا' اے اللہ! اس کو ریاح (خوشگوار ہوا) بنا دے اور اس کو ریح (ناگوار آندھی) نہ بنا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن مجید میں آندھی کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ (القمر: ۱۹) بے شک ہم نے ان پر (ان کے حق میں) منحوس دن میں تیز لگاتار چلنے والی آندھی بھیجی۔

بدھ کی شام کو سخت سرد آندھی چلنی شروع ہوئی پھر لگا تار سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی' یہ آندھی گھروں میں بند انسانوں کو ان کے گھر کے دروازے توڑ کر اٹھاتی اور انہیں زمین پر اس طرح پٹختی کہ ان کے سر دھڑ سے الگ ہو جاتے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ (الذاریٰت: ۴۱)

اور قوم عاد میں عبرت ہے' جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی ۝

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ (الحجر: ۲۲)

اور ہم پانی سے بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں' پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں وہ پانی پلاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (الروم: ۴٦)

اور اللہ کی بعض نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت سے چکھائے۔

حضرت ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اکثر طور پر ''ریح'' کا لفظ ضرر پہنچانے والی آندھی کے لیے آیا ہے اور ''ریاح'' کا لفظ نفع پہنچانے والی اور برسانے والی ہواؤں کے لیے آیا ہے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے کہ: اے اللہ! تو اس آندھی کو ریاح بنا دے اور ریح نہ بنا۔

(مسند شافعی ص ۵۔۱۷۵' رقم الحدیث: ۵۰۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۵٦' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہمیں بادل دکھاتے' تو اپنے کام کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اگر وہ بادل چھٹ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اگر وہ بادل برستا تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! اس کو نفع پہنچانے والا پانی بنا دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۰' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۳٦)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے کی آواز سنتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت میں رکھ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۰)

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آندھی آنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر گھبرا جاتے اور خوف زدہ ہو جاتے کہ کہیں آپ کی قوم پر بھی ایسا عذاب نہ آ جائے جیسا عذاب قوم عاد پر آیا تھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ اطمینان دلا چکا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آئے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل فرمائے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے گھبرانے اور دعا کرنے کے واقعات اس آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں۔

الاحقاف: ۲٦ میں ارشاد فرمایا: اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا' جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آ سکے' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اہل مکہ کو یہ بتایا جائے کہ قوم عاد ان سے زیادہ قوت اور اقتدار والی تھی اور ان سے زیادہ مال اور دولت والی تھی' اس کے باوجود ان کی قوت اور طاقت اور مال و دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی تو تم جو ان کے

ہم پلہ نہیں ہو تو تم اللہ کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو؟ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں قوم عاد کا زیادہ مقتدر ہونا بیان فرمایا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا۝ (مریم: ۷۴)

ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور شان و شوکت میں ان سے بہت بڑھ کر تھیں۝

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (المؤمن: ۸۲)

کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے اپنے سے پہلی قوموں کا انجام نہیں دیکھا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں بھی زیادہ تھے اور انہوں نے زمین میں بہت یادگاریں چھوڑی تھیں' سو ان کے کیے ہوئے کام ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۝

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے اور ان کو کان اس لیے دیئے تھے کہ وہ اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کو سنیں اور ان کو آنکھیں اس لیے دی تھیں کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھیں اور ان نشانیوں سے صاحب نشان یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید اور اس کی قدرت پر استدلال کریں اور ان کو دل اس لیے دیا تھا کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طلب پر استدلال کریں' لیکن انہوں نے اپنی ان تمام قوتوں کو دنیا کی رنگینیوں اور اس کی لذتوں اور عیش و عشرت کی طلب میں استعمال کیا اور ان کی یہ تمام قوتیں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں کام نہ آسکیں اور جس عذاب کا وہ یہ کہہ کر مذاق اڑاتے تھے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ جب وہ عذاب آیا تو اس نے ان کا پوری طرح احاطہ کر لیا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیاں ہلاک کر دیں اور ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی

يَرْجِعُوْنَ ۝٢٧ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

طرف رجوع کریں۝ پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا' انہوں نے

قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا

ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا' اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے

يَفْتَرُوْنَ ۝٢٨ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ

تھے۝ اور (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو آپ سے بہ غور قرآن سنتے تھے

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى

پس جب وہ (نبی کے پاس) پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: چپ ہو جاؤ' پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم

قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ

کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے O انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى

جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف

الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ

ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستہ کی طرف O اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام

وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ' اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا O

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ

اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَ

اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O اور کیا

لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر (بھی) قادر ہے کیوں نہیں. وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا

قادر ہے O اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (اللہ) فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا

کفر کرتے تھے O سو (اے رسول!) آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (طلب عذاب کی)

تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا

جلدی نہ کریں' جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے' (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ

سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے' (یہ قرآن کا) پیغام ہے' لہٰذا صرف نافرمان لوگوں کو ہی ہلاک کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیاں ہلاک کر دیں اور ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں O پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا' انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی' بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے تھے O (الاحقاف: ۲۷۔۲۸)

اہل مکہ کے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر کے ان کو عبرت دلانا

اردگرد کی بستیوں سے مراد ہے: یمن اور شام میں عاد اور ثمود کی بستیاں' جب کفار مکہ حجاز سے یمن اور شام کا سفر کرتے تھے تو ان کو ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار نظر آتے تھے' اور عاد اور ثمود کی بستیوں کی ہلاکت کی خبریں ان تک صدیوں سے پہنچ رہیں تھیں اور گویا کہ ان کو تواتر سے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہ لانے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر ہولناک عذاب آیا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں یعنی ان بستیوں میں رہنے والوں کے لیے ان کو ہلاک کرنے سے پہلے ہم نے طرح طرح کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ الاحقاف: ۲۸ میں فرمایا: پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا' انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے تھے O

مشرکین کے لیے بتوں کی شفاعت کا باطل ہونا

اس آیت میں "قربانا" کا لفظ ہے" قربان" کا معنی ہے: ہر وہ مالی اور بدنی عبادت یا کسی جانور کا ذبیحہ جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ مشرکین یہ کہتے تھے:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (یونس: ۱۸) یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

نیز وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ (بت) ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الزمر: ۳)

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان مشرکین کو اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے ان بتوں نے ان مشرکین کی مدد کیوں نہ کی' جن کی یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان

بتوں کے لیے قربانی پیش کیا کرتے تھے بلکہ ان کے وہ خود ساختہ معبود تو ان کے سامنے سے غائب ہو گئے۔
یا اس کا محمل یہ ہے کہ جب عاد اور ثمود پر اللہ کا عذاب آیا اس وقت ان بتوں نے ان کو اللہ کے عذاب سے کیوں نہ چھڑایا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے بلکہ مدد کے وقت وہ ان کے سامنے سے غائب ہو گئے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے بتوں کا ان کی سفارش کرنا محال ہے اور مشرکین کے حق میں بتوں کی سفارش اس لیے نہیں ہو سکی کہ ان مشرکین نے ان بتوں کو اللہ کا شریک بنا کر اور عبادت میں ان کو اللہ کا شریک قرار دے کر جھوٹ بولا تھا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا کہ وہ اس کے شرکاء ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو آپ سے بہ غور قرآن سنتے تھے' پس جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: چپ ہو جاؤ' پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے O انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف O اور ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا O اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے' اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں O (الاحقاف: ۲۹-۳۲)

قرآن سن کر جنات کے ایمان لانے سے اہل مکہ کو ملامت کرنا کہ وہ قرآن سن کر کیوں ایمان نہیں لاتے؟

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا تھا: آپ اپنی قوم کو قوم عاد کا تذکرہ سنائیے تا کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں کہ جب قوم عاد نے نافرمانی اور سرکشی کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا اور اللہ کی توحید پر ایمان نہیں لائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھیوں کا عذاب مسلط کر کے ان کو ہلاک کر دیا اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو وہ قصہ سنائیے جب ہم نے جنات کے ایک نفر (وفد یا جماعت) کو آپ کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سنیں اور وہ اپنے جہل پر متنبہ ہوں اور قرآن کریم سن کر اپنے کفر سے تائب ہوں' وہ پہلے اس چیز سے ناواقف تھے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ سبحانہٗ کے رسول ہیں' اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زبان اور آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے' اس کے برخلاف جنات نہ آپ کے ہم زبان تھے اور نہ آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے تو جب وہ قرآن کریم سن کر آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئے تو اہل مکہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ آپ سے قرآن مجید سن کر اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کا اقرار کریں۔
اس آیت میں ''نفر'' کا لفظ ہے' مشہور یہ ہے کہ اس کا اطلاق تین مردوں سے لے کر دس مردوں تک پر کیا جاتا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا اطلاق دس سے زیادہ افراد پر بھی کیا جاتا ہے اور ''رھط'' اور ''نفر'' کا اطلاق چالیس افراد تک پر کیا جاتا ہے اور ''نفر'' کا لفظ انسانوں اور مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اس کا اطلاق جنات پر کیا گیا ہے۔
نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''فلما حضروہ'' اس کا معنی ہے: وہ قرآن مجید کی تلاوت پر حاضر ہوئے اگرچہ یہ اطلاق مجازی ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے موقع پر حاضر ہوئے۔

اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''خاموش رہو' اس میں یہ تعلیم ہے کہ علم حاصل کرتے وقت خاموشی سے استاذ کی تقریر سننی چاہیے اور استاذ کی تقریر کے درمیان ایک دوسرے سے باتیں نہیں کرنی چاہیے اور آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننے کے بعد وہ مختلف شہروں میں چلے گئے اور راستے میں ان کو جنات میں سے جو بھی ملتا اس کو وہ اللہ عزوجل کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

جنات کا یہ نفر یا وفد کون سے جنات پر مشتمل تھا؟ اس سلسلے میں زیادہ روایات یہ ہیں کہ یہ نصیبین کے جنات تھے اور یہ علاقہ شام کے قریب دیار بکر کا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نینوی کا علاقہ اور یہ بھی دیار بکر ہے لیکن یہ علاقہ موصل کے قریب ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جنات شیصان سے تھے اور جنات کی زیادہ تعداد ان ہی سے ہے اور ابلیس کا عام لشکر بھی یہی ہیں اور جس مقام پر یہ گئے تھے وہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر وادی نخلہ ہے (یعنی وہاں کھجوروں کا باغ ہے)۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۴۶-۴۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اب ہم ان احادیث کا ذکر کر رہے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کی ایک جماعت کے آنے اور آپ سے قرآن مجید سننے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور واپس جا کر دوسرے جنات کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کا ذکر ہے۔

جنات کا نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سننا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کا قصد کر کے گئے' اس اثناء میں شیاطین (جنات) اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے' پھر شیاطین واپس آجاتے تھے' وہ ایک دوسرے سے پوچھتے: اب کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں' انہوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان وہی چیز حائل ہوئی ہے جو تازہ ظہور میں آئی ہے' تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ کون سی نئی چیز ظہور میں آئی ہے' پھر وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا اور وہ اس پر غور کرتے تھے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر وہ جنات تہامہ میں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے درخت کے پاس تھے اس وقت آپ عکاظ کے بازار کا قصد کرنے والے تھے اور آپ اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' جب جنات نے قرآن مجید سنا تو انہوں نے کہا: غور سے سنو یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے پھر وہ وہیں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور انہوں نے کہا: اے ہماری قوم!

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ (الجن: ۱-۲)

ہم نے عجیب قرآن (کلام) سنا ہے ۝ جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے' ہم اس کے ساتھ ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کریں گے ۝

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ. (الجن: ۱)

(اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا اور کہا۔

اور آپ کی طرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳'

مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۲ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۹ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۴۲۲۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت‘ ۱۴۲۰ھ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴۔۱۱۶۲۵‘ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۶۹‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۶‘ المستدرک ج ۲ ص ۵۰۳‘ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۵۔۲۲۶)

لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن مسعود بھی تھے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات سے ملاقات ہوئی اس رات آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے یا نہیں؟

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ میں سے کوئی شخص اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ کی جنات سے ملاقات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا‘ لیکن ایک رات ہم نے آپ کو گم پایا اور ہم کو یہی خیال آتا تھا کہ کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا‘ یا آپ کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آیا‘ ہم نے انتہائی پریشانی میں وہ رات گزاری‘ جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ کو غار حراء کی طرف سے آتے دیکھا‘ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! اور ہم نے آپ سے اپنی پریشانی بیان کی‘ آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک جن دعوت دینے آیا‘ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان کے سامنے قرآن پڑھا‘ پھر آپ ہم کو لے کر گئے اور ان کے نشانات اور آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبی نے بیان کیا کہ انہوں نے آپ سے ناشتہ طلب کیا تھا۔ عامر نے کہا: یہ ایک جزیرہ کے جن تھے آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو جب وہ تمہارے ہاتھوں میں آئے گی تو گوشت سے بھر جائے گی اور اسی طرح گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا‘ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو یہ تمہارے بھائی جنات کی (اور ان کے جانوروں کی) خوراک ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۶ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۷ ص ۲۱۴۔۲۱۵ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۴۱۴۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۰‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸‘ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۳۷‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۲۰‘ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۸۲‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۵‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۵‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸‘ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنات سے ملاقات کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے‘ پس ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: میرے ساتھ ایک مشکیزہ میں پانی ہے‘ آپ نے فرمایا: مجھ پر وہ ڈالو پھر آپ نے وضو کیا سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن مسعود! یہ پاک مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔

شعیب الارنوط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے‘ کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور ضعیف راوی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۸ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۲ طبع جدید‘ موسسۃ الرسالۃ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵‘ سنن دار قطنی ج ۱ ص ۷۸ طبع قدیم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے ملاقات کی رات میں حضرت ابن مسعود کے گرد ایک خط کھینچ دیا‘ اور فرمایا: تم اس جگہ سے کہیں نہ جانا‘ پھر آپ نے جنات کو اللہ عزوجل کی کتاب پڑھائی جب ابن مسعود نے مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ دیکھی تو انہوں نے دل میں کہا: گویا کہ یہی جنات ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا: نہیں‘ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ نبیذ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔

شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں علی بن زید ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ اور صحیح ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷ ص ۳۶۷ ۔ رقم الحدیث: ۴۳۵۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۹ھ' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۷۷ طبع قدیم)

عبد اللہ بن عمرو بن غیلان ثقفی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے یہ بتایا گیا کہ جنات سے ملاقات کی رات آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' انہوں نے کہا: ہاں! ابن غیلان نے پوچھا: اس رات کیا ہوا تھا؟ حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا: اس جگہ سے نہ جانا' اور انہوں نے بتایا کہ سیاہ دھوئیں کی شکل ایک چیز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور حضرت ابن مسعود تین بار خوف زدہ ہوئے' صبح کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے' اور آپ نے پوچھا: کیا تم سو گئے ہو؟ میں نے کہا: نہیں! اور اللہ کی قسم! میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو مدد کے لیے بلاؤں حتیٰ کہ میں نے سنا' آپ اپنی لاٹھی سے ان کو ضرب لگا کر فرما رہے ہیں بیٹھ جاؤ۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اس خط سے باہر نکلتے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو اچک کر لے جاتے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟ میں نے کہا: میں نے سیاہ فام مردوں کو دیکھا جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: وہ نصیبین کے جن تھے' انہوں نے مجھ سے ناشتہ کا سوال کیا تو میں نے ان کو ہر ہڈی' مینگنی اور لید دی' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ان کو اس سے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی ہڈی ان کے ہاتھ میں آئے گی تو اس میں پہلے کی طرح گوشت آ جائے گا' اسی طرح لید پر دانے آ جائیں گے' سو تم میں سے کوئی شخص ہڈی' لید اور گوبر سے استنجاء نہ کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۲۳۰)

لیلۃ الجن کی مختلف روایات میں تطبیق

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ان احادیث کو روایت کیا ہے' بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ وہ اس شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ جنات نے از خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ میں کھجوروں کے جھنڈ کے پاس اپنے بعض اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ قصداً انہیں تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حافظ ابن کثیر ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصداً جنات کی طرف گئے تھے اور آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور ان کے لیے وہ احکام شرعیہ بیان کیے جن کی انہیں ضرورت تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی بار جنات نے آپ سے قرآن مجید سنا ہو اور اس وقت آپ کو یہ علم نہ ہو کہ جنات قرآن سن رہے ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے اور اس کے بعد جنات کا وفد آپ کے پاس آیا ہو جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے خطاب فرما رہے تھے' اس اثناء میں حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور آپ سے دور تھے اور حضرت ابن مسعود کے علاوہ آپ کے اصحاب میں سے اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں گیا تھا اور یہ ''سنن بیہقی'' کی روایت میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے اس بار آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے نہ کوئی اور صحابی تھے جیسا کہ ''مسند احمد'' کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث ''صحیح مسلم'' میں بھی ہے اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ جانے کے واقعات پہلی بار جانے کے بعد پیش آئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۱ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار جنات کے سامنے قرآن مجید پڑھا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس آئے اور ان کے سامنے سورۂ رحمٰن اوّل سے آخر تک پڑھی' صحابہ نے خاموش ہو کر آپ کی تلاوت سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت پڑھی تو وہ تمہاری بہ نسبت اچھی طرح اس کو لوٹا رہے تھے' میں جب بھی "فبای آلاء ربکما تکذبان" (پس اے جن اور انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) تو وہ جواب میں کہتے: "لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد" (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' سو تیرے لیے ہی حمد ہے)۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۷۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

الاحقاف: ۳۰ میں فرمایا: انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف O

جنات کے قول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہ ہونے کی وجوہ

جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کی طرف واپس جاتے ہوئے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عظیم اور جلیل کتاب سے سنا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' انہوں نے یہ نہیں کہا: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) وہ جنات یہودی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے اس لیے انہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔

(۲) تورات یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے' جب کہ یہودی "انجیل" کو نہیں مانتے تھے اور عیسائی "انجیل" کے علاوہ "تورات" کو بھی مانتے تھے۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ "تورات" کے احکام پر عمل کریں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ جنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے متعلق نہیں سنا تھا' اس لیے انہوں نے صرف "تورات" کا ذکر کیا' مگر اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت بہت مشہور تھی اور ان کی رسالت کا جنات سے مخفی ہونا بہت مستبعد ہے۔ اس لیے علامہ ابو حیان اندلسی نے کہا: حضرت ابن عباس سے اس روایت کی نقل صحیح نہیں ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کے متعلق فرمایا ہے: یہ کتاب حق کی طرف ہدایت دیتی ہے' اس سے مراد اصول اور عقائد ہیں اور فرمایا: اور سیدھے راستے کی طرف اس سے مراد فروع اور احکام شرعیہ عملیہ ہیں۔

الاحقاف: ۳۱ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا O

کافر جب ایمان لے آئے تو آیا اس کے تمام گناہوں کی مغفرت ہوگی یا بعض گناہوں کی؟

اللہ کی طرف دعوت دینے والے سے ان کی مراد اللہ کا پیغام ہے یعنی اللہ کا پیغام مان لو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مان لو اور یہ کہ صرف وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے' یا اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: "یغفر لکم من ذنوبکم" اس پر یہ اشکال ہے کہ بہ ظاہر "من" تبعیضیہ ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا' حالانکہ ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں "من" زائدہ ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ فصیح و بلیغ کلام میں کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ ان بعض گناہوں کو بخش دے گا جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کو نہیں بخشے گا' لیکن ابن المنیر نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کافر جب لوگوں کا مال لوٹے یا خون ریزی کرے اور حقوق العباد کو ضائع کرے تو اس کے اسلام لانے سے یہ گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں' حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا قتل ناحق کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا' قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ (الفرقان: ۶۸۔۶۹) اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰) الحدیث (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۳۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۱۷) خلاصہ یہ ہے کہ کافر کے اسلام لانے کے بعد اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو خواہ حقوق العباد سے ہو' تو پھر اصل اعتراض باقی رہا کہ ان جنات نے دوسرے جنات سے یہ کہا کہ تم اسلام لے آؤ تمہارے بعض گناہ بخش دیئے جائیں گے جب کہ کافر کے اسلام لانے سے اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(۳) انہوں نے دوسرے جنات سے یہ کہا کہ ایمان لانے سے تمہارے بعض گناہ بخشے جائیں گے اور یہ نہیں کہا کہ ایمان لانے سے تمہارے کل گناہ بخشے جائیں گے تاکہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ ایمان لانے کے بعد کل گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یعنی ایمان لانے سے پہلے کے گناہ اور ایمان لانے کے بعد کے گناہ بھی' بلکہ یہ کہا کہ ایمان لانے سے پہلے کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اور ایمان لانے کے بعد کے گناہ یا توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا شفاعت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔

آیا اطاعت گزار جنات کو ثواب ہوگا یا نہیں؟

نیز انہوں نے دوسرے جنات سے کہا: اور اللہ دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی مکلف ہیں اور کفر کی وجہ سے وہ بھی دائمی عذاب کے مستحق ہوتے ہیں' اس آیت میں صرف یہ بتایا کہ وہ کفر کی وجہ سے دائمی عذاب کے مستحق ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایمان لانے سے ان کو دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی۔ لیکن آیا ایمان لانے اور اطاعت کرنے کی وجہ سے ان کو ثواب بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ نہیں بتایا لیکن جن آیات میں عمومی طور پر نیک اعمال کی جزا جنت بتائی ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو بھی نیک اعمال کی نیک جزا دی جائے' جیسے یہ آیت ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکہف: ۱۰۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے جنات الفردوس کی مہمانی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو نیک کاموں پر ثواب ہوگا اور بُرے کاموں پر عذاب ہوگا اور اس آیت میں صرف دوزخ کے عذاب سے نجات کا ذکر فرمایا ہے اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ مقام ان کو عذاب سے ڈرانے کا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جنات میں سے اطاعت گزاروں کو صرف دوزخ سے نجات ہوگی اور ان کو ثواب نہیں ہوگا اور ان سے صرف یہ کہا جائے گا: کہ تم مٹی ہو جاؤ سو وہ مٹی ہو جائیں گے اور یہ لیث بن ابی سلیم اور ایک جماعت کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی یہی مذہب منسوب ہے اور علامہ نسفی نے "تیسیر" میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جنات کے ثواب کے متعلق توقف کیا ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے صرف مغفرت کا اور عذاب سے پناہ میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور جنت کی نعمتوں کا عطا فرمانا ایک الگ دلیل پر موقوف ہے۔

عمر بن عبد العزیز نے یہ کہا ہے کہ مؤمنین جن' جنت کے گرد ہوں گے جنت میں نہیں ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو تسبیح اور ذکر کا الہام کیا جائے گا اور وہ اس سے لذت پائیں گے اور علامہ نووی نے "صحیح مسلم" کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے لذت پائیں گے اور کھائیں گے اور پئیں گے اور حسن بصری' مالک بن انس' ضحاک اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۵۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہ تمام مذاہب علامہ قرطبی کی "الجامع لاحکام القرآن" جز ۱۶ ص ۲۰۱ سے نقل کیے ہیں' اس بحث میں ہمارا موقف یہ ہے کہ مؤمنین جن بھی جو اطاعت گزار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور تفصیلی دلائل کے لیے "تبیان القرآن" ج ۳ ص ۶۵۵۔۶۵۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

الاحقاف: ۳۲ میں فرمایا: اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں O

اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی احادیث میں مثالیں

اس آیت کے مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس چند فرشتے آئے' انہوں نے آپس میں کہا: تمہارے اس پیغمبر کی ایک مثال ہے' تم وہ مثال بیان کرو۔ بعض نے کہا: وہ سوئے ہوئے ہیں' بعض دوسرے فرشتوں نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور ان کا دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں عام دعوت کی اور ایک دعوت دینے والے کو بھیج دیا پس جس نے اس دعوت کو قبول کیا وہ اس گھر میں داخل ہوگا اور ان کے ساتھ اس دعوت سے کھائے گا اور جس نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور اس دعوت سے کھانا نہیں کھائے گا' پھر انہوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تا کہ یہ اس کو سمجھیں' بعض فرشتوں نے کہا: وہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور ان کا دل بیدار ہے' پس انہوں نے کہا: گھر سے مراد جنت ہے اور دعوت دینے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پس جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان تفریق کر دی یعنی مسلمان اور کافر کو الگ الگ کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس دین کو دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس گیا اور کہا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں' پس بچو' بچو۔ قوم میں سے ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی پس وہ سکون سے اندھیرے میں آ گئے اور نجات پا گئے اور ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح کے وقت اپنی جگہ پہنچے' پس صبح کے وقت لشکر نے ان پر حملہ کیا اور سب کو ہلاک کر ڈالا' یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور میرے دین کی پیروی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے دین کی تکذیب کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس سے اس کا اردگرد روشن ہو گیا تو پروانے اور حشرات الارض اس آگ پر آ آ کر گرنے لگے اور وہ ان کو روک رہا ہے اور وہ پروانے اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے ہیں' پھر میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے منع کر رہا ہوں اور تم زبردستی آگ میں گر رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲)

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی (فرشتہ) کو لایا گیا' پس آپ سے کہا گیا کہ آپ کی آنکھ کو سو جانا چاہیے اور آپ کے کان کو سننا چاہیے اور آپ کے دل کو غور کرنا چاہیے' آپ نے فرمایا: پھر میری آنکھ سو گئی اور میرے کان سنتے رہے اور میرا دل غور کرتا رہا' پھر مجھ سے کہا گیا: ایک سردار نے گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھایا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیج دیا' پس جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لی' وہ گھر میں داخل ہو جائے گا اور دسترخوان سے کھائے گا اور اس کا سردار راضی ہو جائے گا اور جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہو گا اور دسترخوان سے نہیں کھا سکے گا' آپ نے فرمایا: پس سردار اللہ ہے اور دعوت دینے والے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور گھر اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر (بھی) قادر ہے' کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (اللہ) فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم کفر کرتے تھے O (الاحقاف: ۳۴-۳۳)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل

قرآن مجید کے تین اہم مقاصد ہیں: توحید' رسالت اور حشر یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو زندہ کرنا' اس سے پہلی آیات میں توحید و رسالت کو ثابت فرمایا تھا اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل' دشوار اور عظیم کام ہے اور جو زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار کام پر قادر ہو وہ اس سے کم مشکل اور کم دشوار کام پر بہ طریق اولیٰ قادر ہو گا پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اس جملہ پر ختم کیا: کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے' یعنی ہر ممکن پر قادر ہے اور انسان کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے

سو اللہ تعالیٰ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

الاحقاف: ۳۴ میں فرمایا: اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم کفر کرتے تھے O

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں کفار اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کا جو مذاق اڑاتے تھے اس پر ان کو زجر و توبیخ کی جائے کفار کہتے تھے: "وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ" (الشعراء: ۱۳۸) ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا' سو اب ان سے کہا جائے گا: اب بتاؤ یہ عذاب ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے رسول!) آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (طلب عذاب کی) جلدی نہ کریں' جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے' (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے' یہ (قرآن کا) پیغام ہے' لہٰذا صرف نافرمان لوگوں ہی کو ہلاک کیا جائے گا O (الاحقاف: ۳۵)

اولوا العزم کا معنی

الاحقاف: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے اولی العزم (ہمت والے) رسولوں کا ذکر فرمایا ہے' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اولی العزم رسول کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟ سب سے پہلے ہم اولی العزم کا معنی بیان کریں گے' پھر یہ بیان کریں گے کہ مفسرین نے اولی العزم رسولوں میں کن کن رسولوں کو شمار کیا ہے؟

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عزم اور عزیمت کا معنی ہے: کسی کام کو کر گزرنے کے لیے دل کا پختہ ارادہ کر لینا' اس سے مراد وہ عمل ہے جس کے حسن' خوبی اور نیکی کی وجہ سے ہر شخص کو اسے کر گزرنے کا پختہ ارادہ کر لینا چاہیے یا اس کام کی عظمت کی وجہ سے اس کام کو انجام دینا اللہ کی طرف سے بندوں پر پختہ اور لازم کر دیا گیا ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا O (طٰہٰ: ۱۱۵) اور ہم نے اس سے پہلے ہی آدم کو پختہ حکم دے دیا تھا پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا O

(المفردات ج ۲ ص ۴۳۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ہم نے معصیت کے ارتکاب پر ان کا کوئی عزم نہیں پایا' اور یہ معنی مدح کے قریب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی ہو: ہم نے ترک معصیت پر آپ کا عزم نہیں پایا' یا ہم نے غفلت سے احتراز اور حفاظت پر آپ کا عزم نہیں پایا' یا کیفیت اجتہاد میں احتیاط کرنے پر آپ کا عزم نہیں پایا' یہ تمام محامل اس صورت میں ہیں جب یہ کہیں کہ آپ سے اجتہادی خطاء واقع ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۰۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

کسی کام پر عزم کرنے کا یہ معنی ہے کہ اس کام کو کرنے کا قطعی ارادہ کر لیا یا اس کام میں پوری کوشش اور جدوجہد کی' اولی العزم رسولوں کا معنی ہے: اللہ نے ان سے جس کام کو کرنے کا عہد لیا تھا اس کو کرنے کا انہوں نے عزم کیا اور یہ رسول حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ زمخشری نے کہا: یہ رسول اصحاب جدوجہد' ثابت قدم رہنے والے اور صبر کرنے والے ہیں اور یہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت

ایوب' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۱۴۷۲ 'موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنی ہے: جس کام کو کرنے کا تمہارے دل نے پختہ ارادہ کرلیا اور تم نے اس کام کو کرنے کی اپنے دل میں گرہ باندھ لی۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: تم کس وقت وتر پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے ابتدائی حصہ میں' حضرت عمر سے پوچھا: تم کس وقت وتر پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے آخری حصہ میں' آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم نے حزم (احتیاط) پر عمل کیا ہے اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزم پر عمل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۵۔۳۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے یہ احتیاط کی کہ کہیں ان کی آنکھ نہ کھلے اس لیے انہوں نے وتر پہلے پڑھے اور حضرت عمر کو تہجد پڑھنے کی اپنی قوت پر اعتماد تھا' اس لیے انہوں نے وتر کو موخر کیا اور بغیر احتیاط کے کسی عزم میں خیر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ" (محمد: ۲۱) زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے: جب امر مؤکد ہو جائے اور قتال لازم ہو جائے' حدیث میں ہے: "خیر الامور عوازمھا" (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۲۵' قدیم) یعنی جس چیز پر تمہاری رائے پختہ اور مؤکد ہو جائے اور تم اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اور عزم کا معنی صبر کی طاقت ہے اور اولی العزم رسولوں کا معنی ہے: جن رسولوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور سیدنا حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

(لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۳۹۔۱۴۰' موسسۃ الرسالۃ' العنایۃ ج ۳ ص ۲۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اولوا العزم رسولوں کے مصادیق

اولی العزم رسولوں کا معنی بیان کرنے کے بعد اب ہم یہ بیان کرتے ہیں اولی العزم رسول کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے الاحقاف: ۳۵ کی تفسیر میں کہا: یہ رسول حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں صلوات اللہ علیہم۔ (تفسیر امام عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۷۸' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے اولی العزم رسول یہ ہیں: حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد صلوٰت اللہ علیہم والتسلیمات۔ (رقم الحدیث: ۲۴۲۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اولی العزم رسول وہ ہیں جو بہت احتیاط کرنے والے ہوں' بہت جدوجہد اور صبر کرنے والے ہوں' ان کی رائے درست ہو' ان کی تعداد میں اختلاف ہے' ابن زید نے کہا: تمام رسول اولی العزم ہیں' اللہ تعالیٰ نے صرف اولی العزم ہی کو رسول بنایا ہے' علی بن مہدی الطبری کا بھی یہی مختار ہے اور آیت "اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" (الاحقاف: ۳۵) میں "مِنْ" تجنیس کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں ہے اور بعض مفسرین نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام اولوا العزم ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ؕ (القلم: ۴۸)

سو آپ اپنے رب کے حکم سے صبر کیجئے اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے غم کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا ○

اور ابو منصور جمشاذی نے ابو بکر رازی سے اور انہوں نے ابو القاسم الحکیم سے نقل کیا ہے کہ اولوا العزم رسول اٹھارہ ہیں جن کا ذکر الانعام: ۸۳۔۸۶ میں ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابراہیم (۲) حضرت اسحاق (۳) حضرت یعقوب (۴) حضرت نوح (۵) حضرت داؤد (۶) حضرت سلیمان (۷) حضرت ایوب (۸) حضرت یوسف (۹) حضرت موسیٰ (۱۰) حضرت ہارون (۱۱) حضرت زکریا (۱۲) حضرت یحییٰ (۱۳) حضرت عیسیٰ (۱۴) حضرت الیاس (۱۵) حضرت اسماعیل (۱۶) حضرت الیسع (۱۷) حضرت یونس اور (۱۸) حضرت لوط علیہم السلام ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ (الانعام: ۸۴) — ہم اسی طرح محسنین کو جزا دیتے ہیں ○

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (الانعام: ۸۵) — یہ سب صالح رسول ہیں ○

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام: ۸۶) — ہم نے ان سب رسولوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (الانعام: ۹۰) — ان تمام نبیوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کیجئے (یعنی ان کے تمام انفرادی محاسن اور کمالات کو اپنی سیرت میں جمع کر لیجئے)۔

ابو علی جبش مقری نے کہا: اولوا العزم بارہ نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شام میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا اور ان کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میں تمہیں نافرمان بنی اسرائیل کی طرف بھیج رہا ہوں' ان پر یہ حکم دشوار ہوا تو ان کی طرف اللہ سبحانہٗ نے یہ وحی فرمائی کہ تم جس چیز کو چاہو اختیار کر لو اگر تم چاہو تو میں تم پر عذاب (مصائب) نازل کروں اور بنی اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر تم چاہو تو میں بنی اسرائیل پر اپنا عذاب بھیجوں' انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ان پر مصائب کو نازل کیا جائے اور بنی اسرائیل کو بچالیا جائے سو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بچالیا اور ان پر مصائب نازل کیے ان پر دنیاوی بادشاہ مسلط کر دیئے' سو بعض نے ان کو آرے سے چیر ڈالا اور بعض کے چہرے اور باقی جسم کی کھال اتار لی اور بعض کو سولی پر چڑھا دیا اور بعض کو آگ میں جلا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ اولوا العزم رسول سات ہیں: حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ علیہم السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ذکر "الشعراء" میں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اولی العزم رسول پانچ ہیں جن پر شریعت (جدیدہ) نازل ہوئی: حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

مقاتل نے کہا: اولوا العزم چھ رسول ہیں: حضرت نوح علیہ السلام جن کو ان کی قوم نے اذیت پہنچائی حتیٰ کہ ان کی قوم ان کو اس قدر مارتی کہ وہ بے ہوش ہو جاتے اور انہوں نے اس اذیت رسانی پر صبر کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے آگ میں جلائے جانے پر صبر کیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جنہوں نے ذبح کیے جانے پر صبر کیا (صحیح یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ ہم نے الصّٰفّٰت میں بیان کیا) اور حضرت یعقوب علیہ السلام جنہوں نے اپنے بیٹے کے گم ہونے پر صبر کیا اور بینائی کے جانے پر صبر کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے کنویں میں ڈالے جانے پر صبر کیا اور قید میں ڈالے جانے پر صبر کیا اور حضرت ایوب علیہ السلام جنہوں نے اپنی بیماری پر صبر کیا۔

حسن بصری نے کہا: اولوا العزم چار رسول ہیں: حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام'

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: "اسلم" "اسلام لاؤ" تو انہوں نے کہا: "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (البقرہ:۱۳۱) میں نے رب العلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا' پھر ان کو ان کے مال' ان کی اولاد' ان کے وطن اور ان کی جان کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو وہ ہر آزمائش میں سچے اور پورے اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عزم یہ ہے کہ جب ان سے ان کی قوم نے کہا: "اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۚ" (الشعراء:۶۱) ہم کو پکڑ لیا جائے گا' تو انہوں نے فرمایا: "كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○" (الشعراء:۶۲) ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ عنقریب مجھے ہدایت دے گا' اور رہے حضرت داؤد علیہ السلام تو ان کا عزم یہ ہے کہ ان سے ایک خطا ہو گئی پھر ان کو اس پر تنبیہ کی گئی اور چالیس سال تک وہ اپنی خطا پر نادم رہے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے ایک درخت اُگ گیا اور وہ اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا عزم یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور کہا: یہ دنیا عبرت کی جگہ ہے تم یہاں پر تعمیر نہ کرو' تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔ (الاحقاف:۳۵) یعنی حضرت ابراہیم کی طرح آزمائش میں پورے اتریں اور حضرت موسیٰ کی طرح اللہ کی نصرت پر اعتماد رکھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح کثرت سے استغفار کریں اور حضرت عیسیٰ کی طرح دنیا سے بے رغبت رہیں۔

ابو العالیہ نے کہا: اولو العزم رسول تین ہیں: حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے چوتھے ہیں' آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ بھی ان کی طرح صبر کریں۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۴-۲۶ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اولوا العزم رسولوں پر سب سے زیادہ تفصیل سے ان ہی (علامہ ثعلبی) نے لکھا ہے اور بعد والوں نے ان کی خوشہ چینی کی ہے۔ علامہ ابوعبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے ان کی پوری تفسیر کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۰۳-۲۰۴) اور علامہ سید محمود آلوسی نے ان کی تفسیر کا اکثر حصہ اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۵۳-۵۴) امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ان کی تفسیر میں سے مقاتل' حسن بصری اور ابن زید کے اقوال نقل کیے' لیکن قائلین کی طرف نسبت نہیں کی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۰-۳۱) علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے مقاتل اور ابن زید کا نام لیے بغیر ان کے اقوال کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۳۸۳-۳۸۵)

الاحقاف: ۳۵ منسوخ ہے یا نہیں؟

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قتال اور جہاد کی آیتوں سے یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے' کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے لیے (طلب عذاب کی) جلدی نہ کریں' کیونکہ ان کے آخری عذاب کی مدت قیامت کا دن ہے۔

پھر فرمایا: جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے' جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے۔

یعنی قیامت کے ہولناک امور کو جب وہ دیکھیں گے تو ان کو دنیا میں اپنا قیام صرف ایک گھنٹہ کا معلوم ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا: یہ (قرآن کا) پیغام ہے۔

اور فرمایا: لہٰذا صرف نافرمان لوگوں کو ہی ہلاک کیا جائے گا۔ یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے خود کو اللہ سبحانہٗ کی اطاعت سے

باہر رکھا ہوا ہے۔

سورۃ الاحقاف کا خاتمہ

الحمد للہ رب العٰلمین! آج سات ربیع الاول ۱۴۲۵ھ/ اٹھائیس اپریل ۲۰۰۴ء بہ روز جمعرات کو سورۃ الاحقاف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی گئی تھی اس طرح ایک ماہ اور چار دن میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور ہر خاص و عام کے نزدیک اس کو مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کو فیض آفریں رکھیں اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دیں' میری امی کی' میرے والد گرامی کی اور میری مغفرت فرما دیں' قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دیں' میں بھی ان کے لیے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے قارئین کو' اس کتاب کے ناشر کو اور مجھ کو دنیا اور آخرت کے ناگہانی حوادث' مصائب اور عذاب سے محفوظ رکھے اور محض اپنے فضل سے ہماری مغفرت فرما دے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۳ صفر ۱۴۲۵ھ/ ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۂ محمد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام محمد ہے' یہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ قرآن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے' علاوہ ازیں اس سورت کی دوسری آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذکور ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (محمد: ۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے' اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ○

ہر چند کہ تین اور سورتوں میں بھی نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مذکور ہے اور ان سورتوں کا نام محمد نہیں رکھا گیا کیونکہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔ جن اور تین سورتوں میں نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مذکور ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمد (مستحق عبادت نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب: ۴۰)

اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن (وہ) اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں آخری رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت کا نام سورۃ القتال بھی ہے کیونکہ اس سورت میں کفار کے ساتھ میدانِ جہاد میں قتال کے احکام اور ان کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ؕ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو' حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو' حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے' یہی حکم ہے۔

سورۂ محمد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے سورۂ محمد کے متعلق حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں:

النحاس' ابن مردویہ اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ محمد کی ایک آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک آیت بنوامیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں یہ آیت پڑھتے تھے: ''اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ '' (محمد:۱)۔

(الدرالمنثور ج ۷ ص ۳۹۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابن عطیہ اور حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور علامہ قرطبی نے ثعلبی' ضحاک اور ابن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے' یہ سورت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی ہے' تعداد نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ہے: ۹۶ اور تعداد مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ہے: ۴۷ اور اس کی ۳۸ آیات ہیں۔

سورۂ محمد کی اغراض

☆ اس سورت میں زیادہ تر مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے اور جہاد کا ثواب بیان فرمایا ہے۔

☆ اس سورت کا افتتاح اس سے کیا گیا ہے کہ جن کافروں نے (لوگوں) کو اللہ کے راستہ سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد اور قتال میں مدد کرنے کی بشارت دی ہے۔

☆ اس سورت میں مجاہدوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور مشرکین کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

☆ اس سورت میں منافقین کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

☆ جنت اور اس کی نعمتوں کو اور دوزخ اور اس کے عذاب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

☆ منافقین کو دھمکایا ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں سے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مطلع فرمادے گا اور مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ منافقوں کی سازشوں کا شکار نہ ہو جائیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

اے بار الٰہ! اس تفسیر میں مجھ سے وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا۔

آمین! یا رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۸ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ/ ۲۹ اپریل ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

(۴۷) سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ (۹۵) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۳۸ رُكُوْعَاتُهَا ۴

سورۂ محمد مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اڑتیس آیات چار رکوع ہیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَ

جن کافروں نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ○ جو لوگ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے

وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲

اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اس کی پیروی کی

اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

جو ان کے رب کی طرف سے حق ہے اسی طرح اللہ لوگوں کو ان کے احوال بیان فرماتا ہے ○

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ

(پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے

اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ مع ۱۲

ہتھیار رکھ دے، یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ

ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں اللہ ان کے

أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا

اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا O عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا O اور ان کو جنت میں

لَهُمْ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ

داخل کردے گا جس کی ان کو پہچان کرادی ہے O اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو

أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾

ثابت قدم رکھے گا O اور کافروں کے لیے ہلاکت ہو' اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے O

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ أَفَلَمْ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا O کیا انہوں

يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کردی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں O اس کی وجہ یہ ہے کہ

۱ ع ۱۱ ۵ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿١١﴾ ع

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کافروں نے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا O جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے' اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی O (محمد: ۱-۲)

اللہ کی راہ سے روکنے والے کفار کے مصادیق

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: ان کافروں سے مراد اہل مکہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا اور انہوں نے خود اپنے آپ کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور دوسرے ان لوگوں کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور شدت سے منع کیا جو دین اسلام میں داخل ہونا چاہتے تھے اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو عمرہ کے قصد سے بیت اللہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو حدود حرم میں داخل ہونے نہیں دیا' یہ چھ ہجری کا واقعہ ہے اور بعد میں ایک صلح نامہ کے

ذریعہ یہ طے پایا تھا کہ اس سال تو آپ اور آپ کے اصحاب عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال اس عمرہ کی قضاء کر لیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئیں ہیں:

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے اور آپ کو قتل کرنے کی جو سازشیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں کو ناکام کر دیا اور ان کی سازشوں کو خود ان کے اوپر الٹ دیا' یہ تمام سازشی کفار غزوۂ بدر میں مارے گئے اور قید کیے گئے۔

(۲) کفار اپنی دانست میں جو نیک کام کرتے تھے' بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے' غلام آزاد کرتے تھے' پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتے تھے' مہمان نواز [illegible] سری سماجی خدمت کرتے تھے لیکن چونکہ وہ اللہ سبحانہ' کی توحید پر ایمان نہیں لائے [illegible] ی ان تمام مزعومہ نیکیوں کو باطل کر دیا اور قیامت میں ان کو ان نیکیوں سے کوئی فائدہ نہیں

(۳) حضرت [illegible] ں سے مراد وہ بارہ کفار ہیں جنہوں نے بدر کے لشکر کفار کی خوراک کا ذمہ لیا تھا وہ یہ [illegible] رث بن ہشام' عتبہ' شیبہ' (ربیعہ کے دو بیٹے)' ابی اور امیہ' (خلف کے دو بیٹے)' منبہ' نبیہ' (حجاج کے دو [illegible] ختری بن ہشام' زمعہ بن الاسود' حکیم بن حزام' الحارث بن عامر بن نوفل۔ ان کو اس کھانا کھلانے کا کوئی اجر [illegible] ملے گا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۹۱)

(۴) ان کے کفر پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت اور ایمان لانے کی توفیق کو سلب کر لیا۔

محمد: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

ایمان لانے کے بعد سابقہ گناہوں کے مٹانے اور گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا کرنے کی تحقیق

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے: ان ایمان لانے والوں سے مراد انصار ہیں' جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی غم گساری کی اور ان کی مدد کی' ان کو رہنے کے لیے مکان دیئے اور مال سے ان کی مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عموم ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے انہوں نے جو گناہ کیے تھے اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کو مٹا دیا اور یہ جو فرمایا ہے: اور ان کے حال کی اصلاح کر دی' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے بدلہ میں ان کو نیکیاں عطا فرمائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان: ۶۹۔ ۷۰)

(مشرک' زانی اور قاتل) کو قیامت کے دن دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا' سوا اس شخص کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان لوگوں کی برائیوں کو بھی اللہ نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت

بخشنے والا بے حد مہربان ہے○

ہر چند کہ اس آیت میں مشرک کے متعلق فرمایا ہے کہ جب وہ توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا لیکن بعض مسلمانوں کے گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا' حدیث میں ہے:

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا: اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا' اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے تھے' وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا اور انکار نہیں کرے گا اور وہ دل میں اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہو گا' پھر کہا جائے گا: اس کو اس کے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی دے دو' تب وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے تو اور بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں پر نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا: میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۵' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۶۹۔۱۷۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو! اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی کر لو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اسم محمد کی تشریح اور تحقیق

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور جو اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے۔

ہم نے اس سورت کے تعارف میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں چار جگہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے' آل عمران: ۱۴۴' الاحزاب: ۴۰' محمد: ۲ اور الفتح: ۲۹' سو ہم یہاں پر تفصیل کے ساتھ اسم محمد کی تشریح کرنا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں' اللہ تعالیٰ میرے بعد حشر قائم کرے گا اور میں عاقب ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

اس حدیث کی شرح میں علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

نام محمد کے فضائل اور خصوصیات

علامہ ابی مالکی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اتنے ہی اسماء ہیں اور ساٹھ سے زیادہ اسماء کا انہوں نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

"محمد" حمد سے ماخوذ ہے اور مفعّل کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: بہت زیادہ حمد کیا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اسم کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی حمد کی ہے جو کسی اور کی نہیں کی اور آپ کو وہ محامد عطا کیے ہیں جو کسی اور کو عطاء نہیں کیے اور قیامت کے دن آپ کو وہ چیزیں الہام کرے گا جو کسی اور کو الہام نہیں کرے گا' جس شخص میں خصال محمودہ کامل ہوں اس کو محمد کہا جاتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ باب' تکثیر کے لیے ہے' یعنی جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے وہ محمد ہے' ابن قتیبہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا' جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا تھا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

"محمد" تحمید کا اسم مفعول ہے' اس کو وصفیت سے اسمیت کی طرف مبالغۃً نقل کیا گیا ہے' بہ کثرت خصال محمودہ کی بناء پر آپ کا نام محمد رکھا گیا ہے یا اس لیے کہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت حمد کرے گا' اسی طرح ملائکہ' انبیاء اور اولیاء آپ کی حمد کریں گے' یا نیک فال کے لیے آپ کا نام محمد رکھا گیا' یا اس لیے کہ اوّلین اور آخرین آپ کی حمد کریں گے اور قیامت کے دن تمام اوّلین اور آخرین آپ کی حمد کے جھنڈے تلے ہوں گے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کے دل میں یہ الہام کیا کہ وہ آپ کا نام "محمد" رکھیں۔

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں: احادیث میں آپ کے اسماء کے بیان میں "محمد" کو احمد پر مقدم کیا گیا ہے' کیونکہ "محمد" "احمد" سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے' بلکہ ابونعیم نے روایت کیا کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے آپ کا نام محمد رکھا گیا اور کعب احبار نے روایت کیا ہے کہ عرش کے پائے پر' سات آسمانوں' جنت کے محلات اور بالا خانوں پر' حوروں کے سینوں پر' جنت کے درختوں پر اور درختوں کے پتوں پر' سدرۃ المنتہیٰ اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان "محمد" لکھا ہوا ہے' اس نام کو تمام ناموں پر فضیلت ہے' ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جو شخص تمہارا نام رکھے گا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا اور یہ بھی روایت ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا میں اس کو آگ میں نہیں ڈالوں گا اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس دستر خوان پر محمد یا احمد نام کا شخص ہو گا میں اس گھر کو دن میں دو بار پاک کروں گا۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام "محمد" نہیں رکھا گیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "لم نجعل له من قبل سميا" ان سے پہلے ہم نے یہ نام نہیں رکھا' البتہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ قریب آیا اور اہل کتاب نے آپ کی ولادت کے زمانہ کے قریب آنے کی بشارت دی تو بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کا نام محمد رکھا کہ شاید ان میں سے کوئی وہ نبی ہو' لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کو رسول بنانا ہے' زیادہ مشہور یہ ہے کہ پندرہ بچوں کا نام "محمد" رکھا گیا۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۲۶ ـ ۲۲۷' نور محمد اصح المطابع' کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آپ کا نام محمد ہونا آپ کے کمال مطلق ہونے کی دلیل ہے

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے اور اس کے بعد محمد ہوئے' کیونکہ پہلی کتابوں میں آپ کا نام احمد تھا اور قرآن مجید میں آپ کا نام محمد ہے اور آپ نے لوگوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی' اسی طرح آپ آخرت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور اس کے بعد شفاعت کریں گے اور آپ سے سن کر لوگ اللہ کی حمد کریں

گئے' آپ سورۃ الحمد' لواء حمد (حمد کے جھنڈے) اور مقام محمود کے ساتھ مخصوص ہیں' کھانے' پینے' دعا اور سفر سے واپسی کے بعد آپ کے لیے حمد مشروع کی گئی ہے' آپ کی امت کا نام حمادین رکھا گیا ہے اور آپ کے لیے حمد کے تمام معانی اور اقسام جمع کیے گئے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۵' لاہور)

حمد کسی حسن اور کمال پر کی جاتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علی الاطلاق حسن اور کمال ہیں' اگر آپ میں کسی وجہ یا کسی اعتبار سے کوئی نقص اور عیب ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد نہ ہوتے کیونکہ نقص اور عیب کی مذمت ہوتی ہے' حمد نہیں ہوتی اور آپ کو کسی زید یا بکر نے محمد نہیں کہا' آپ کو اللہ تعالیٰ نے محمد کہا ہے' اگر آپ میں کسی وجہ سے کوئی نقص یا عیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا آپ کو مطلقاً محمد کہنا صحیح نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ کا کلام غلط ہو سکتا ہے' نہ آپ میں کوئی نقص اور عیب ہو سکتا ہے۔ یہ بات مشرکین عرب کو بھی معلوم تھی' وہ آپ میں عیب نکالتے' پھر آپ کو محمد کہتے' انہیں خیال آیا کہ محمد کہہ دینے سے تو آپ سے ہر عیب کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے وہ آپ کو مذمم (مذمت کیا ہوا) کہنے لگے کہ مذمم میں یہ عیب ہے اور مذمم ایسا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: وہ مجھ میں عیب نہیں نکالتے کسی مذمم میں عیب نکالتے ہیں' میں مذمم نہیں' محمد ہوں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم الا تعجبون كيف يصرف الله عنی شتم قريش ولعنهم يشتمون مذمما ويلعنون مذمما وانا محمد.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قریش کے سب و شتم کو کس طرح دور کر دیا؟ وہ مذمم کو بُرا کہتے ہیں اور مذمم کو لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔

ایک دفعہ میں نے تقریر میں آپ کے مطلقاً حسن اور کمال ہونے میں آپ کے محمد ہونے سے استدلال کیا اور کہا کہ آپ کا محمد ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ میں کسی وجہ سے نقص اور عیب نہ ہو' اس پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ بتلاؤ غیر کا محتاج ہونا حسن ہے یا عیب؟ اگر یہ حسن ہو تو تمام محاسن اور کمالات کا جامع اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ کو بھی غیر کا محتاج ہونا چاہیے اور اگر یہ عیب ہو تو آپ میں یہ عیب ثابت ہو گیا کہ آپ اپنے غیر کے محتاج ہیں کیونکہ آپ بہرحال اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں' میں نے کہا: یہ آپ کے لیے کمال ہے اور اللہ کے لیے نقص ہے جیسے عبادت کمال ہے مگر یہ مخلوق کے لیے کمال ہے اللہ کے لیے عبادت کرنا نقص اور عیب ہے' بعض چیزیں حسن لذاتہٖ اور قبیح لغیرہ ہوتی اور بعض چیزیں قبیح لذاتہٖ اور حسن لغیرہ ہوتی ہیں' غیر کا محتاج ہونا قبیح لذاتہٖ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے اور حسن لغیرہ ہے' کیونکہ بندہ کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کا محتاج ہو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مولیٰ کا محتاج ہونا آپ کا حسن اور کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ ازلاً ابداً محمد ہیں' سراہے ہوئے اور تعریف کیے ہوئے ہیں اور تعریف ہمیشہ حسن اور کمال پر ہوتی ہے' اس لیے آپ ہمیشہ سے حسن اور کمال ہیں' بلکہ تمام محاسن اور کمالات کی اصل ہیں' حسن اور کمال وہی ہے جو آپ میں ہے اور جو چیز آپ میں نہیں ہے وہ حسن ہے نہ کمال۔ باقی انبیاء اور رسل اپنی عظمت میں کسی خیر اور نیکی کے حصول کے تابع تھے یہاں معاملہ الٹ ہے' یہاں خیر اور نیکی اپنے خیر اور نیکی ہونے میں آپ کی طرف نسبت کے تابع ہے' جس کو آپ نے کر لیا وہ خوب ہے اور جس سے آپ نے منع کر دیا وہ ناخوب ہے۔

نام محمد وصف اور علمیت کا جامع ہے اور نداء یا محمد

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ اسم محمد کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

ویقال حمد فھو محمد کما یقال علم فھو معلم وھذا علم وصفۃ اجتمع فیہ الامران فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم.

کہا جاتا ہے: اس کی حمد کی گئی تو وہ محمد ہے' جس طرح کہا جاتا ہے: اس نے تعلیم دی تو وہ معلم ہے' لہٰذا یہ (لفظ محمد) علم (نام) بھی ہے اور صفت بھی اور آپ کے حق میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔

(جلاء الافہام ص ۹۳' دار الکتاب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

والوصفیۃ فیھما لاتنا فی العلمیۃ و معناھما مقصود.

محمد اور احمد میں وصفیت علمیت (نام ہونے) کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۹۳' دار الکتاب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

او قصد بہ المعنی الوصفی دون المعنی العلمی. (مرقات ج ۱ ص ۵۱' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

(جب حضرت جبرائیل نے آپ کو یا محمد کہا) تو اس سے لفظ محمد کے وصفی معنی کا ارادہ کیا اور علمی (نام کے) معنی کا ارادہ نہیں کیا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی ملا علی قاری کے حوالے سے اس جواب کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۲)

لفظ محمد سے آپ کا علم اور نام ہی مقصود ہو' لیکن آپ کو بلانا مقصود نہ ہو صرف اظہار محبت اور ذوق وشوق سے محض آپ کے نام کا نعرہ لگانا مقصود ہو تو یا محمد کہنا جائز ہے۔

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطریق ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ.

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو) مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے: یا محمد' یا رسول اللہ' یا محمد' یا رسول اللہ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹' الحدیث المسلسل: ۷۳۸۷)

حافظ ابن کثیر' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

وکان شعارھم یومئذ یا محمداہ.

اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن اثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۶' بیروت' ۱۴۰۰ھ)

لفظ یا محمد کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور آپ کو یاد کرنا مقصود ہو پھر بھی یا محمد کہنا جائز ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد. (الادب المفرد ص ۲۵۰' لائل پور)

عبد الرحمن بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا پیر سُن ہو گیا' ایک شخص نے کہا: اس کو یاد کرو' جو تم کو سب سے زیادہ محبوب ہو' حضرت ابن عمر نے کہا: یا محمد۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عظمتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ فام' نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں' ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے' وہ کہیں گے: تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ آپ کو دنیا میں جو کچھ کہتا تھا وہی کہے گا' وہ کہے گا: یہ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' فرشتے کہیں گے: ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر اس کی قبر میں ستر ضرب ستر (۷۰×۷۰) وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کے لیے اس کی قبر منور کر دی جائے گی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۱' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث:۸۶۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۱۱۷' الشریعۃ للآجری رقم الحدیث:۳۶۵' سنن بیہقی رقم الحدیث:۵۶)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں: تیرا دین کون سا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں: وہ شخص کون تھا جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' (الی قولہ) پھر آسمان سے نداء کی جائے گی میرے بندے نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو' الحدیث بطولہ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۰۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۶۹)

دیکھئے! قبر میں نورانی فرشتے آتے ہیں تو قبر منور نہیں ہوتی' قبر والا اللہ کا نام لیتا ہے' تب بھی قبر منور نہیں ہوتی' نہ قبر میں جنت کی کھڑکی کھلتی ہے' وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے پھر بھی قبر منور نہیں ہوتی' نہ جنت کی کھڑکی کھلتی ہے' وہ جب نام محمد لیتا ہے تو اس کی قبر منور ہو جاتی ہے اور جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے' اگر کوئی ان حدیثوں پر اعتراض کرے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ سے بڑھ جائے' اس کے دو جواب ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص ساری عمر صرف "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھتا رہے اور "محمد رسول اللّٰہ" نہ پڑھے تو وہ جنتی نہیں ہوگا اور اگر مرنے سے پہلے صرف ایک بار "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ساتھ "محمد رسول اللّٰہ" پڑھ لے تو وہ جنتی ہو جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ جنت تو آپ کے نام سے ملتی ہے اور یہ سب کے نزدیک متفق علیہ اور مسلّم ہے۔

(۲) قبر اللہ کے نام سے ہی منور ہوتی ہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا نام لینا اس وقت مقبول ہوتا ہے جب اس کے نام کے ساتھ نام محمد لیا جائے' اسی طرح انسان "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھنے سے ہی جنتی ہوتا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کے نزدیک "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھنا مقبول اس وقت ہوتا ہے جب "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ساتھ محمد رسول اللہ پڑھا جائے۔

سو اسلام کا دروازہ بھی نام محمد سے کھلتا ہے اور اسلام لانے کے بعد اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کا دروازہ بھی آپ کے نام سے کھلتا ہے اور آپ کی قبر انور پر حاضری سے کھلتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء:۶۴)

اور اگر یہ مسلمان اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر بیٹھتے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو ضرور یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا پاتے ○

اور شب معراج جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے دربان سے کہا کہ آسمان کا دروازہ کھول دو تو دروازہ نہیں کھلا اس وقت دروازہ کھلا جب انہوں نے کہا: میرے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کو بلایا گیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳)

اسی طرح قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کا دروازہ اسی وقت کھلے گا جب آپ شفاعت کریں گے، حدیث میں ہے:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دو زانو بیٹھے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے پاس جائے گی، وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے، حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگی، پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، اس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن عرش کے نیچے سجدہ کروں گا، اللہ تعالیٰ اس دن مجھے اپنی حمد و ثناء کے چند کلمات کا الہام کرے گا، وہ کلمات مجھ سے پہلے کسی کو الہام نہیں فرمائے، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ سوال کیجئے، آپ کو عطا کیا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۸٦)

اسی طرح جنت کا دروازہ بھی آپ کے نام سے کھلے گا، حدیث میں ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا تو جنت کا خازن کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہ خازن کہے گا: مجھے آپ ہی کے نام سے جنت کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا ہے، آپ سے پہلے میں کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷، رقم حدیث الباب: ۳۳۳، رقم المسلسل: ۴۸۷، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۰۹)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں دخول اسم محمد سے ہوتا ہے، توبہ اسی نام سے قبول ہوتی ہے، قبر میں اجالا اسی نام سے ہوتا ہے قبر میں جنت کی کھڑکی اسی نام سے کھلتی ہے، آسمان کے دروازے اسی نام سے کھلتے ہیں، شفاعتِ کبریٰ اسی نام سے ہوگی اور جنت کا دروازہ بھی اسی نام سے کھلے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اس کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اسی طرح اللہ لوگوں کو ان کے احوال بیان فرماتا ہےO سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو، حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا، (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گاO (محمد: ۳-۴)

محمد: ۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کو گم راہی پر برقرار رکھنا اور مؤمنوں کو ہدایت سے نوازنا اس لیے ہے کہ کافروں نے باطل کی اتباع کی اور مؤمنوں نے حق کی اتباع کی، باطل سے مراد شرک ہے اور حق سے مراد توحید، یا باطل سے مراد شیاطین اور کفار کے آباء و اجداد ہیں اور حق سے مراد انبیاء اور رسل ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان کی ہے اسی طرح اللہ سبحانہٗ نیکیوں اور برائیوں اور مؤمنوں اور کافروں کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔

محمد: ۴ میں فرمایا: سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو۔

جن کافروں کے متعلق جہاد کا حکم ہے ان کا مصداق

جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور کافروں کو ممیز اور ممتاز کر دیا تو ان کو کفار کے خلاف جہاد لڑنے کا حکم دیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کفار سے مراد وہ مشرک ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ کفار سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کے مخالف ہیں خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب ہوں' بہ شرطیکہ ان کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو' نہ وہ ذمی ہیں' الماوردی اور ابن العربی کا بھی یہی مختار ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۹۳' احکام القرآن ج ۴ ص ۱۲۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی گردنیں مارو' یہ نہیں فرمایا کہ ان کو قتل کرو' کیونکہ گردنیں مارنے میں شدت اور سختی کا مبالغہ ہے۔

پھر فرمایا: حتیٰ کہ جب تم ان کو خون بہا چکو یعنی جب تم ان کو بہ کثرت قتل کر چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو' تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔

اس کے بعد فرمایا: (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دو' یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو' حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے' یہی حکم ہے۔

کفار کا خون بہانے کے بعد ان کو گرفتار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل پانچ اقوال ہیں:

(۱) قتادہ' ضحاک' ابن جریج اور العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت بت پرستوں کے متعلق ہے' ان کو فدیہ لے کر چھوڑنا جائز ہے اور نہ ان پر احسان کر کے انہیں بلا معاوضہ چھوڑنا جائز ہے' ان کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس کی ناسخ حسب ذیل آیتیں ہیں:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ . (التوبہ: ۵) پس مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ . (الانفال: ۵۷) پس اگر آپ کا میدانِ جنگ میں ان سے سامنا ہو تو ان لوگوں کو مار مار کر بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہیں۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً . (التوبہ: ۳۶) اور تمام مشرکین سے قتال اور جہاد کرو۔

بہ کثرت کوفیوں کا یہی قول ہے' عبد الکریم جوزی نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرف لکھا گیا کہ چند مشرکین کو قید کر لیا گیا ہے اور یہ لکھا گیا کہ انہوں نے اتنے اتنے فدیہ کی پیش کش کی ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ان کو قتل کر دو' مشرکین میں سے ایک شخص کو قتل کرنا ان کے نزدیک اتنے اتنے فدیہ سے زیادہ بہتر ہے۔

(تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۸۶۳)

(۲) امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت تمام کفار کے متعلق ہے اور یہ آیت منسوخ ہے' انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کر لیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس پر احسان کر کے یا اس سے فدیہ لے کر اس کو رہا کر دیا جائے اور مشرکین کی طرف اس کو واپس کر دیا جائے' البتہ قیدی عورتوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. پس مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

(التوبہ: ۵)

کیونکہ سورۂ توبہ آخر میں نازل ہوئی ہے' پس ہر مشرک کو قتل کرنا واجب ہے' سوا عورتوں اور بچوں کے کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۱)

اسی طرح جن اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے ان کو بھی قتل نہ کیا جائے' کیونکہ اگر ان مشرکین کو فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا تو یہ خدشہ ہے کہ وہ پھر مسلمانوں سے جنگ کرنا شروع کر دیں گے۔ امام عبدالرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت "فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ" الانفال: ۵۷ اور التوبہ: ۵ سے منسوخ ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۸۷۰)

(۳) ضحاک اور ثوری نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کے لیے ناسخ ہے' ابن المبارک نے از ابن جریج از عطا روایت کیا ہے کہ قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا جائے یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور کسی مشرک قیدی کو قتل نہ کیا جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد: ۴ میں فرمایا ہے۔ اشعث نے کہا کہ حسن بصری قیدی کے قتل کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور انہوں نے کہا کہ سربراہ مملکت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اس کے پاس قیدی آئیں تو وہ ان کو قتل کر دے' لیکن اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز کا اختیار ہے' یا ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا ان کو غلام بنا لے۔

(۴) سعید بن جبیر نے کہا: جب تک مشرکین کو اچھی طرح قتل کر کے ان کا خون نہ بہایا جائے اس وقت تک ان کو قید کرنا جائز نہیں ہے اور جب ان کو قید کر لیا جائے تو پھر سربراہ مملکت جو مناسب سمجھے ان کے متعلق وہ فیصلہ کرے۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حسن' عطاء' امام مالک' امام شافعی' ثوری' اوزاعی' ابوعبید اور بہ کثرت علماء کا یہ مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور سربراہ مملکت کو ہر حال میں اختیار ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے تمام صورتوں پر عمل کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو جنگ بدر میں قتل کر دیا تھا اور بدر کے باقی قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تھا اور ثمامہ بن اثال پر احسان کر کے اس کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا تھا جب کہ وہ آپ کی قید میں تھا اور حضرت سلمہ بن اکوع سے ایک قیدی باندی لے کر اس کے بدلہ میں مشرکین کے قبضہ سے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل مکہ سے کچھ لوگ آئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا اور آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا اور یہ تمام واقعات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں' سوۃ الانفال: ۶۷ کی تفسیر میں ہم نے ان تمام چیزوں کو باحوالہ بیان کیا ہے' النحاس نے کہا ہے کہ ان دونوں آیتوں پر عمل کیا گیا ہے اور یہ محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں اور یہ بہترین قول ہے کیونکہ نسخ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے' پس جب ان دونوں آیتوں (التوبہ: ۵ اور محمد: ۴) پر عمل کرنا ممکن ہے تو پھر ان میں سے کسی ایک کو منسوخ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جب کفار سے مقابلہ ہوگا تو ہم کافروں کو قتل کریں گے اور جب کفار ہماری قید میں ہوں گے تو ہم انہیں قتل بھی کر سکتے ہیں اور فدیہ لے کر یا ان پر احسان کر کے ان کو آزاد بھی کر سکتے ہیں اور جس صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہوگا ہم اس پر عمل کریں گے۔ یہ قول اہل مدینہ' امام شافعی اور ابوعبید سے منقول ہے اور امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے اور مشہور ان کا وہ قول ہے جس کو ہم نے

پہلے نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٦ ص ٢٠٩۔ ٢١١ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

جہاد کا حکم کب ختم ہوگا؟

اس کے بعد فرمایا: حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے۔

مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم کفار کے خلاف اسی طرح جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔ اور حسن بصری نے کہا: حتیٰ کہ ہر یہودی' عیسائی اور ہر دین والا اسلام لے آئے اور بکری بھیڑیے کے شر سے محفوظ ہو جائے۔ الفراء نے کہا: حتیٰ کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور کفر چلا جائے۔ کلبی نے کہا: حتیٰ کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔ ایک قول یہ ہے: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اس وقت تک ان کو قید میں رکھو حتیٰ کہ کفار سے تمہاری جنگ ختم ہو جائے اور تمہارے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں یا ان کو کھلی شکست ہو جائے یا تمہارا ان سے صلح کا معاہدہ ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں' اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ٥

اللہ تعالیٰ ان سے ازخود بدلہ لے لیتا' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر جنگ کے ہلاک کر دیتا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کا ایک لشکر بھیج کر ان کو ہلاک کر دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ تم کو آزمائے اور تم میں سے اطاعت گزاروں کو ظاہر کرے کہ کون جنگ کی مصیبتوں پر صبر کر کے اجر وثواب کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے میدان جہاد میں شرکت کرتا ہے اور کون جنگ کی ہولناکیوں اور مصائب سے گھبرا کر جہاد میں شرکت سے گریز کرتا ہے۔

اسیران جنگ کے بارے میں اسلام کی ہدایات

ہر چند کہ اسیران جنگ کو غلام بنانا جائز ہے لیکن اسلام میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دو صورتیں اور بھی ہیں' قرآن مجید میں ہے: ''فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۬ۚ'' (محمد: ٤) ''جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر یا تو ان پر محض احسان رکھ کر ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دو''۔

ائمہ ثلاثہ' امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس آیت کے مطابق قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور مال کے بدلہ میں یا جنگی قیدیوں سے تبادلہ میں ہر طرح چھوڑ دینا جائز ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آیت: ''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ'' (توبہ: ٥) ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو'' سے منسوخ ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی جنگی قیدیوں کو قیدیوں سے تبادلہ میں یا بلا معاوضہ چھوڑ دینا جائز ہے' اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس طرح یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: اگر جنگی قیدی اسلام قبول نہ کریں تو امیر چاہے تو ان کو قتل کر دے یا ان کو غلام بنا لے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے' یہ حکم مشرکین عرب اور مرتدین کے ماسوا میں ہے اور قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا حرام ہے۔ امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فاما منا بعد واما فداء۔ ''ہم کہتے ہیں کہ یہ

ت "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے منسوخ ہے۔ (شرح مجمع) اسی طرح جنگ کے ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑنا بھی حرام ہے' البتہ جنگ کے اختتام سے پہلے مال کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے' لیکن مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے۔ (درر، صدر الشریعۃ) امام محمد اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ سے بھی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے۔ (قہستانی) (الدر مع الرد ج ۶ ص ۱۷۱ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ "سیر کبیر" میں لکھا ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلے میں چھوڑ دینا جائز ہے اور ان سے منقول دو روایتوں میں یہی زیادہ ظاہر روایت ہے اور "فتح القدیر" میں ہے کہ امام محمد اور امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور "صحیح مسلم" اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک مشرک کو چھوڑ دیا اور مکہ میں قید کیے جانے والے مسلمانوں کے بدلہ میں ایک عورت کو چھوڑ دیا' (علامہ شامی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے' جب کہ مال کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ کے عوض بھی جنگی قیدی چھوڑنا جائز ہے اور مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۱۷۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ: "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کا حکم جنگی قیدیوں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے' اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت "فاما منا بعد واما فداء" کے لیے ناسخ نہیں ہے۔ لہٰذا جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور قیدیوں سے تبادلہ میں رہا کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی مشروعیت کا سبب

غلاموں کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص پر یہ واضح ہو گا کہ اسلام کی نظر میں انسان کو انسان کا غلام بنانا ایک ناپسندیدہ فعل ہے' چونکہ بعثت سے پہلے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا ایک عام دستور تھا اور قیدیوں کے تبادلہ میں یا انہیں احساناً رہا کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے اسلام نے قیدیوں کے غلام بنانے کو اباحت کے درجہ میں جائز رکھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو اور صورتیں بھی بیان کر دیں کہ مال کے بدلہ میں یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کر دیے جائیں یا بطور احسان بلا معاوضہ جنگی قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنایا ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ کافر ملک کے جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیں کیونکہ "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ: ۴۰) "اور برائی کا بدلہ تو اسی کی مثل برائی ہے" اور اگر کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بنایا ہو' بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو قید کر رکھا ہو اور ان کی رہائی کے عوض وہ اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تو تبادلہ میں جنگی قیدی چھوڑ دیے جائیں اور اگر کافروں نے ہمارے قیدیوں کو تبرعاً بلا معاوضہ چھوڑ دیا ہو تو ان کی بہ نسبت مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے ہم زیادہ لائق ہیں۔ اس لیے ایسے موقع پر ہمیں بھی ان کے قیدیوں کو احساناً اور تبرعاً بلا معاوضہ چھوڑ دینا چاہیے' اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کی عام اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ایک خاص ضرورت میں بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق "شرح صحیح مسلم' کتاب الجہاد" (جلد خامس) میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے فوائد اور ثمرات

پہلی چیز تو یہ ہے کہ جب کوئی جنگی قیدی غلام بن کر کسی مسلمان کے پاس رہے گا تو اس کو مسلمانوں کے مکارم اخلاق کو دیکھنے کا موقع ملے گا اور یہ محسوس کرے گا کہ قید خانہ کی ہولناک اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا کہیں بہتر ہے' کیونکہ اسلام نے غلاموں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد غلامی کا صرف نام رہ جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ'' (النساء: ۳۶) ''ماں باپ' قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' رشتہ دار ہمسایوں' اجنبی ہمسایوں' رفقاء مجلس' مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے' پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ چیز کھلائے جس کو وہ خود کھائے اور وہ کپڑے پہنائے جن کو وہ خود پہنے اور ان کو ان کی قوت برداشت سے زیادہ مکلف نہ کرے۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۹' کراچی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے غلاموں کی اپنی اولاد کی طرح عزت اور توقیر کرو اور ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو' وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو' ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ ان کو مکلف نہ کرو اگر ان کو کوئی مشکل کام سونپو تو اس میں ان کی مدد کرو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴' کراچی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۷' کراچی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے جاتے وقت نماز کے بعد اگر کسی کی فکر تھی تو وہ لونڈیوں اور غلاموں کی تھی' رفیق اعلیٰ سے وصال کے وقت جو آخری کلمہ آپ کی زبان پر تھا وہ یہی تھا: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۵' کراچی) ''نماز اور لونڈی' غلام''۔ کسی مسلم معاشرہ میں جب کوئی کافر غلام مسلمانوں کو ان احکام پر عمل کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یقیناً اسلام سے متاثر ہوگا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ لوگوں کا اسلام سے دور رہنا اور اسلام کو قبول نہ کرنا زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور جب کسی کافر شخص کو غلام ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ مسلمانوں کے مثالی معاشرہ کا مطالعہ کرے گا اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سے آگاہ ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم نہ رہ سکے گا' یہی وجہ ہے کہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بہ کثرت کافر غلام مسلمان ہو گئے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور ترغیبات کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی شخص کو ہمیشہ اپنی غلامی میں نہیں رکھتا اور جلد یا بدیر اس کو بالآخر آزاد کر دیتا ہے۔

اس بحث کے تمام عنوانات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلام نے لونڈیوں اور غلاموں کو فروغ نہیں دیا' بلکہ اسلام نے ایسی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے بتدریج غلامی ختم ہو جاتی ہے اور فی الواقع دنیا میں اسی طرح ہوا' رہا جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے جواز کا معاملہ تو وہ اس زمانہ کے حالات کی وجہ سے تھا۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا لازم اور واجب نہیں ہے' بلکہ چار مباح صورتوں (جزیہ لے کر آزاد کرنا' بلا معاوضہ رہا کرنا' معاوضہ لے کر رہا کرنا اور غلام بنانا) میں سے ایک صورت ہے اور اب چونکہ تمام دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور اسلام باقی مذاہب کی بہ نسبت مکارمِ اخلاق اور حقوقِ انسانیت کا زیادہ محافظ ہے' اس لیے اب اسلام میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ جن حالات میں اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی تھی اب مہذب دنیا میں وہ حالات نہیں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گاO اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا' جس کی ان کو پہچان کرادی ہےO اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گاO (محمد: ۵۔۷)

شہداء اور صالحین کے لیے آخرت میں نعمتیں اور دخول جنت میں آسانیاں

محمد: ۴ کے آخر میں فرمایا تھا: اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں' اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا' اور اس آیت میں ان ہی کی فضیلت میں فرما رہا ہے: (اللہ) عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہدایت کی ضرورت تو دنیا میں ہوتی ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو چکا ہے وہ ہدایت یافتہ تھا تب ہی تو اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جنت کے راستہ کی طرف ہدایت دے گا یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اللہ کے راستہ میں کافروں سے جہاد کے لیے نکلے ان میں سے جو قتل کر دیئے گئے ان کو تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا اور جو باقی رہ گئے' ان کو اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا' اس کے دو محمل ہیں: (۱) ان کے مصائب اور ان کی پریشانیوں کو ان سے دور فرمائے گا (۲) ان سے جو گناہ سرزد ہو گئے ان کو معاف کر دے گا۔ اور اگر اس کا تعلق شہداء سے ہو تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو منکر اور نکیر کے جواب میں ہدایت پر رکھے گا اور قبر میں ان کے لیے آسانیاں اور راحتیں مہیا فرما دے گا۔

محمد: ٦ میں فرمایا: اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا جس کی ان کو پہچان کرادی ہے۔

اللہ تعالیٰ میدان حشر میں شہداء کو جنت کے راستہ کی ہدایت دے گا اور ان کو عزت اور کرامت کا لباس پہنائے گا اور فرمایا: جس کی ان کو پہچان کرادی ہے' ان شہداء میں سے ہر ایک جنت میں اپنے مقام کو اس طرح پہچاننے والا ہو گا' جس طرح جمعہ پڑھنے کے بعد نمازی جب زمین میں پھیل جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے ٹھکانے اور اپنے گھر کا پتا ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنین دوزخ سے نجات پا جائیں گے' جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل ہے' اس پر ان کو روک لیا جائے گا' پھر دنیا میں ان میں سے بعض نے بعض پر جو زیادتی کی ہو گی اس کا ان سے بدلہ لیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک اور صاف ہو جائیں گے تو پھر ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی' پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' ان میں سے ایک شخص جنت میں اپنے ٹھکانے کو دنیا میں اپنے ٹھکانے کی بہ نسبت زیادہ پہچاننے والا ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۳۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۵۵ طبع قدیم' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۷۴۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۹۲۰ عالم الکتب' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۸۰۹)

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی اس طرح پہچان کرا دے گا' وہ بغیر غور وفکر اور سوچ بچار کے جنت میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے جنت کے مقام کی ان کو اس طرح پہچان کرادی ہے کہ جب وہ جنت

میں داخل ہوں گے تو ان نشانیوں کی وجہ سے جنت میں اپنے ٹھکانے کو پہچان لیں گے۔
ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے راستوں اور مقامات کی پہچان کرا دے گا۔
محمد: ۷ میں فرمایا: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا O

اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے طریقے اور اللہ کا ان کی مدد فرمانا

اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کے حسب ذیل طریقے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت میں سعی اور جدو جہد کی جائے اور اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی جائے' انسان خود اللہ کے احکام پر عمل کرے اور اس کے خاندان اور اس کی ملازمت اور کاروبار میں جو لوگ اس کے ماتحت ہوں ان سے بھی اللہ کے احکام پر عمل کرائے۔

(۲) اللہ کے نیک بندوں' علماء دین' مبلغین اور اولیاء اللہ کی مدد کرے اور ان کے نیک مقاصد کی تکمیل میں ان کے ساتھ تعاون کرے۔

(۳) شیطان اللہ کا دشمن ہے وہ کفر کو پھیلانے اور فسق و فجور کو عام کرنے میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کو مٹانا چاہتا ہے اور کفار کو ہلاک کرنا چاہتا ہے' سو جو مسلمان اللہ کی مدد کرنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس مطلوب کی تکمیل میں اپنی توانائیاں صرف کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا یعنی جب مومن اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے گا' اس کو اس مہم میں ثابت قدم رکھے گا' اس کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے گا۔ میں بہت بیمار تھا مارچ ۱۹۸۶ء میں میں نے ''شرح صحیح مسلم'' لکھنی شروع کی' میری کمر میں بہت درد رہتا تھا' مجھے شوگر' ہائی بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کی زیادتی کی بیماریاں لاحق تھیں' میں نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین کی خدمت کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ میرے کام میں آسانیاں پیدا فرماتا رہا' اب عمر کا آخری دور ہے' اب شمسی تقویم کے لحاظ سے میری عمر سڑسٹھ سال ہو چکی ہے' بیماریوں کی وجہ سے کوئی توانائی کی چیز کھا نہیں سکتا' کمزوری بہت بڑھ گئی ہے' اب کام کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی توقع پر مشکلات کے باوجود کام میں لگا رہتا ہوں' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس مشن میں ثابت قدم رکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کے لیے ہلاکت ہو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا O کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں O اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے O (محمد: ۸۔۱۱)

''تعساً لھم'' کے معانی

محمد: ۸ میں فرمایا ہے: ''تعساً لھم'' اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج نے کہا: ان کافروں کے لیے دوری ہو (۲) سدی نے کہا: ان کے لیے غم ہو (۳) ابن زید نے کہا: ان کے لیے بدبختی ہو (۴) حسن بصری نے کہا: اللہ کا ان پر غضب ہو (۵) ثعلب نے کہا: ان کے لیے

ہلاکت ہو (۶) ضحاک نے کہا: ان کے لیے ناکامی ہو (۷) نقاش نے کہا: ان کے لیے خرابی ہو (۸) ثعلب کا دوسرا قول ہے: ان کے لیے شر ہو (۹) ضحاک کا دوسرا قول ہے: ان کی ناک خاک آلود ہو (۱۰) ابوالعالیہ نے کہا: ان کی بدنصیبی ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ "التعس" کا معنی ہے: گرنا اور پھسلنا' ابن السکیت نے کہا: "التعس" کا معنی ہے: منہ کے بل گرنا اور "النکس" کا معنی ہے: سر کے بل گرنا اور "التعس" کا معنی ہلاکت بھی ہے اور الجوہری نے کہا: "التعس" کا معنی ہے: اوندھے منہ گرنا۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعس عبد الدینار والدرھم والقطیفة والخمیصة ان اعطی رضی وان لم یعطی لم یرض. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۶)

درہم اور دینار اور مخملی چادر اور منقش چادر کے بندے ہلاک ہو گئے ان کو اگر کچھ مل جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' کیونکہ وہ شیطان کی اطاعت میں عمل کرتے تھے۔

کفار کے اعمال ضائع کرنے کی وجہ

محمد: ۹ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

یعنی کافروں کو ہلاک اور نامراد کرنا اور ان کے اعمال کو ضائع کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور شریعتیں نازل کی تھیں وہ ان کو ناپسند کرتے تھے اور برا جانتے تھے' تو انہوں نے اپنی دانست میں جو بھی نیک کام کیے تھے مثلاً وہ لوگوں کو خیرات دیتے تھے' مہمان نوازی کرتے تھے اور حرم کی تعمیر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تمام کاموں کو ضائع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔

سابقہ امتوں پر عذاب کی کیفیت اور اس زمانہ کے کافروں کے عذاب کی کیفیت

محمد: ۱۰ میں فرمایا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں O

اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی متاع دنیا کو ہلاک کر دیا' ان کے اموال' اولاد' ازواج اور ان کے اجسام تباہ اور برباد ہو گئے۔

اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں' یعنی جس طرح اہل مکہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا کفر کر رہے ہیں اور اسلام کا انکار کر رہے ہیں' اسی طرح سابقہ امتوں میں بھی کفار تھے جن پر انواع و اقسام کے عذاب آئے تھے' بعض پر زلزلے آئے' بعض پر سخت تند و تیز آندھیاں آئیں' بعض پر آگ برسی' بعض پر پتھر برسے اور بعض پر طوفان آیا۔ ان سابقہ امتوں پر آسمانی عذاب آئے تھے اور آپ کے زمانہ میں جو کفار تھے آپ کی رحمت کے سبب سے ان پر آسمانی عذاب نہیں آئے گا' لیکن زمین میں ان پر ذلت اور رسوائی کا عذاب آیا' انہوں نے آپ کے ساتھ جو جنگیں لڑیں ان میں ان کو قتل کیا گیا اور وہ قید کیے گئے۔

محمد: ۱۱ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

قتادہ نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم احد کی کسی گھاٹی میں تھے' اس وقت کفار نے چیخ

کر کہا: یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے' ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے' یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لیے کوئی مدد نہیں آئے گی' حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن (غزوۂ احد میں) ہمارا مشرکین سے مقابلہ ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کا ایک لشکر بٹھا دیا تھا اور ان پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم اس جگہ سے نہ ہلنا' خواہ تم یہ دیکھو کہ ہم ان پر غالب ہو گئے ہیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہلنا اور خواہ تم یہ دیکھو کہ وہ (مشرکین) ہم پر غالب ہو گئے ہیں' تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' اور ہماری مدد کے لیے نہ آنا' جب ہمارا مقابلہ ہوا تو کفار شکست کھا گئے' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں پہاڑوں کی گھاٹیوں میں دوڑ رہی تھیں اور انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے اپنا کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور ان کی پازیب ظاہر ہو رہی تھی' تو جن تیر اندازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا تھا وہ کہنے لگے: مال غنیمت ہے' مال غنیمت ہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے کہا: تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً نصیحت فرمائی تھی کہ تمہیں یہاں سے ہٹنا نہیں' وہ نہیں مانے اور جیسے ہی انہوں نے انکار کیا' ان کے چہرے پھر گئے اور ستر مسلمان قتل کر دیئے گئے اور ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا: کیا قوم میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا' پھر کہا: کیا قوم میں ابن ابوقحافہ (حضرت ابوبکر) ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا' پھر کہا: کیا قوم میں خطاب کا بیٹا (حضرت عمر) ہے؟ پھر کہنے لگا: یہ سب قتل کر دیئے گئے' اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے' پھر حضرت عمر ضبط نہ کر سکے' انہوں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ رکھا ہے جو تجھے غم گین کریں گے' ابوسفیان نے کہا: ہبل بلند ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو' مسلمانوں نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ فرمایا: تم کہو: اللہ بلند اور برتر ہے' ابوسفیان نے کہا: ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو' مسلمانوں نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ فرمایا: تم کہو: اللہ ہمارا مولا (مددگار) ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ (مددگار) نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ ایک ڈول ہے' عنقریب تم ایک مثلہ دیکھو گے نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ مجھے اس سے رنج ہوا ہے (مثلہ کا معنی ہے: جس کو قتل کر کے اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۹۳' عالم الکتب)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جنگوں میں شکست ہونا اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی علامت ہے تو اگر جنگ بدر میں کفار کو شکست ہوئی تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو جو عذاب کفار پر آیا تھا وہ عذاب مسلمانوں پر بھی آیا' اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی' آپ نے فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' وہ مال غنیمت کو حاصل کرنے کے شوق میں وہاں سے ہٹ گئے تو انہوں نے جیتی ہوئی بازی ہار دی اور آج بھی مسلمانوں کی زبوں حالی اور کمزوری کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی اتباع سے منہ موڑ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا مدار آپ کی اتباع پر ہے اور بدر اور احد کی جنگوں میں ان کی واضح دلیل ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بے شک اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَ

فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿١٢﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ

وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے ○ اور کتنی ہی بستیاں آپ

قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ

کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکالا تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا

فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ

تو ان کا کوئی مددگار نہ تھا ○ تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے

لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

جس کے برے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ○ جس جنت کا متقین

الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ

سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسے دودھ کے دریا ہیں

لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ

جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں

مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ

اور اس میں صاف ستھرے شہد کے دریا ہیں اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت

مِنْ رَبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ

ہے کیا یہ (متقین) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا

أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ

جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ○ اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب

عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ

وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں

الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ

پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہےO اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرما دیاO یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے'

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا

سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ چکے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں

جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

میسر ہو گاO پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بے شک اللہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہےO اور کتنی ہی بستیاں آپ کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں جس کے باشندوں نے آپ کو وہاں سے نکالا تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی مددگار نہ تھاO تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے' جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کیO (محمد: ۱۲-۱۴)

دنیا کی نعمتوں سے استفادہ میں مومن اور کافر کی نیت اور عمل کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور کافروں کی دنیا کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں ان کی آخرت کے احوال بیان فرما رہا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مؤمن آخرت میں جنت میں داخل ہو گا اور کافر آخرت میں دوزخ میں داخل ہو گا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ کافر دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے تو مومن بھی تو دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی

طرح کھا رہے ہیں یعنی جس طرح جانوروں کا مطمح نظر کھانے سے صرف کھانے کی لذت حاصل کرنا' پیٹ بھرنا اور اپنی نسل بڑھانا ہوتا ہے' اسی طرح کافروں کا بھی کھانے سے مقصود صرف لذت اندوزی اور افزائش نسل ہے' اس کے برخلاف مومن کا کھانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی توانائی حاصل کر سکے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر سکے۔ نیز جس طرح جانور اپنے طعام کے حصول میں جائز اور ناجائز ذرائع' حلال اور حرام' پاک اور ناپاک چیزوں کا فرق نہیں کرتے' اسی طرح کفار بھی اپنے طعام اور مشروب میں ان امور کا لحاظ نہیں کرتے' اس کے برخلاف مومن حلال اور پاک چیز کھاتا ہے اور ان چیزوں کو کھاتا ہے اور اس طرح کھاتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے اور جن چیزوں کو آپ کھاتے تھے اسی طرح دنیا کی باقی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ ہے' مومن دنیا کی جس چیز سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اس کے پیش نظر اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آخرت ہوتی ہے اور کافر دنیا کی جس چیز سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اس کے سامنے محض اپنے نفس کی اطاعت اور دنیا ہوتی ہے' سو دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کرنے میں مومن اور کافر کی نیت اور عمل میں بہت فرق ہے۔

مشرکین کے ظلم و ستم پر آپ کو تسلی دینا

محمد: ۱۳ میں فرمایا: اور کتنی بستیاں آپ کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں' جس کے باشندوں نے آپ کو وہاں سے نکالا تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

محمد: ۱۰ میں فرمایا تھا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی۔ اسی طرح اس آیت میں بھی آپ کی تسلی کے لیے فرمایا ہے کہ کافروں اور مشرکوں نے اگر آپ کو آپ کے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے تو آپ اس پر صبر کریں' جس طرح سابقہ امتوں کے رسولوں نے کافروں کے مظالم پر صبر کیا تھا' ہم نے ان کی بستیوں سے زیادہ قوت والی بستیوں کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر یہ لوگ بھی آپ پر ایمان نہ لائے تو یہ ہلاکت کے خطرہ میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر غار کی طرف گئے تو آپ نے مکہ کی طرف مڑ کر فرمایا: تو اللہ کے نزدیک سب سے محبوب شہر اور میرے نزدیک بھی تو سب سے محبوب شہر ہے اور اگر تجھ میں رہنے والے مشرکین مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ (الکشف والبیان للثعلبی ج ۹ ص ۳۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

محمد: ۱۴ میں فرمایا: تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے' جس کے برے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی O

جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور دلیل سے مراد اللہ کی وحی ہے جو آپ پر لگاتار نازل ہو رہی تھی۔

جس کے برے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے' اس سے مراد ابوجہل اور دیگر کفار ہیں' اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی' اس سے مراد ان کا بتوں کی عبادت کرنا اور بتوں کو اپنا حاجت روا ماننا ہے اور اس قسم کی اور خرافات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسے دودھ کے دریا ہیں جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا' اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں' اور اس میں صاف ستھرے شہد کے دریا ہیں' اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت ہے' کیا یہ (متقین) ان

لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا O اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے O (محمد: ۱۵۔۱۶)

جنت میں انواع واقسام کے مشروبات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اب اس جنت کی صفت بیان فرما رہا ہے جس کا متقین سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس جنت کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ اس کے پانی کی بُو متغیر نہیں ہوگی جیسے دنیا کا پانی پڑے پڑے بدبودار ہو جاتا ہے' جنت کا پانی اس طرح نہیں ہوگا اور جنت کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جنت میں دودھ کے دریا ہوں گے اور اس کے دودھ کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا جیسے دنیا کے دودھ کا ذائقہ تبدیل ہو کر ترش ہو جاتا ہے اور جنت کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جنت کی شراب لذیذ ہوگی' دنیا کی شراب کی طرح نہیں ہوگی' جس طرح دنیا کی شراب بدذائقہ ہوتی ہے' جنت کی چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ اس میں صاف ستھرے نتھرے ہوئے شہد کے دریا ہوں گے' یعنی اس شہد میں موم کے ذرات ہوں گے نہ موم کے اثرات ہوں گے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک پانی کا دریا ہے' ایک شہد کا دریا ہے' ایک دودھ کا دریا ہے اور ایک شراب کا دریا ہے پھر اس سے اور دریا نکلتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۱' مسند احمد ج ۵ ص ۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیحان اور جیحان' اور فرات اور نیل جنت کے دریاؤں میں سے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۹)

علامہ نووی نے کہا ہے کہ سیحان اور جیحان' یہ ارمن کے شہروں میں ہیں اور یہ بہت بڑے دریا ہیں' اور نیل مصر میں ہے اور فرات عراق میں اور ان دریاؤں کے جنت میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کی اصل جنت میں ہے۔

جنت میں دخول کے بعد مغفرت کے ذکر کی توجیہات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت ہے۔

اس سے پہلے مشروبات یعنی پینے کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اب ماکولات یعنی کھانے کی چیزوں کا ذکر فرمایا اور چونکہ جنت میں کسی کو بھوک اور پیاس نہیں لگے گی سب جنتی محض لذت کے لیے کھائیں گے' اس لیے کھانے کی چیزوں میں روٹی اور سالن کا ذکر نہیں فرمایا' بلکہ پھلوں کا ذکر فرمایا' کیونکہ پھلوں کو بھوک ختم ہونے کے بعد لذت کے لیے کھایا جاتا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں فرمایا ہے: اور ان کے رب کی مغفرت ہے' حالانکہ جنت میں دخول مغفرت کے بعد ہی ہوتا ہے تو جنت میں دخول اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد مغفرت کے ذکر کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: ان کو جنت میں پھل ملیں گے اور جنت میں دخول سے پہلے ان کو مغفرت مل چکی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مغفرت سے مراد رفع تکلیف ہے' یعنی اب وہ مکلف نہیں ہیں اور ان سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا سو وہ جنت کے مشروبات سے پئیں اور جنت کے پھلوں سے بے فکر ہو کر کھائیں ان سے کھانے پینے کا بلکہ جنت کی کسی بھی نعمت کا حساب نہیں ہوگا' اس کے

برخلاف دنیا میں وہ جو کچھ کھاتے اور پیتے تھے اور دوسری نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے اس میں سے ہر چیز کا آخرت میں حساب ہونا تھا اور جنت میں کسی نعمت سے فائدہ اٹھانے کا حساب نہیں ہوگا اور اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا معنی ہے: ستر یعنی جب بندے کی مغفرت ہوتی ہے تو اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے' دنیا میں کھانے پینے کے بعد چند قبیح اور بُری چیزوں کا ظہور ہوتا ہے' مثلاً پیشاب اور پاخانہ آتا ہے' بدبودار ہوا خارج ہوتی ہے' بعض اوقات غذا ناموافق ہوتی ہے اور مختلف بیماریاں ہو جاتی ہیں' جنت میں کھانے پینے کے بعد ایسا کچھ نہیں ہوگا اور کھانے پینے کے یہ تمام قبیح اور بُرے عوارض مستور ہو جائیں گے' گویا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لوازم کی مغفرت کر دی ہے اور دنیا میں کھانے پینے کے لوازم بہرحال پیش آتے ہیں' اس لیے فرمایا: جنت میں کھانے اور پینے کی لذیذ چیزیں اور ان کے لوازم کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی ہے۔

آخرت میں کفار کا عذاب

اس کے بعد فرمایا: کیا یہ (متقین) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار آخرت میں مؤمنین کے ہر حال کے مخالف ہوں گے' مؤمنین جنت کے باغات' محلات اور عیش و آرام میں ہوں گے اور کفار دوزخ کی آگ میں جل رہے ہوں گے' مؤمنین کے پینے کے لیے طرح طرح کے انواع واقسام کے لذیذ مشروبات ہوں گے اور کفار کے لیے ایسا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سننے میں منافقین کی کیفیت

محمد: ۱۶ میں فرمایا: اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے O

محمد: ۱۵ کے اخیر میں یہ بیان فرمایا تھا کہ کفار کا آخرت میں کیا حال ہوگا ان کو پینے کے لیے ایسا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اس آیت: (محمد: ۱۶) میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں منافقین کے کیا کرتوت ہیں جن لوگوں کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزین کر دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض کفار ہیں جو دنیا کی نعمتوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح جانور اور مویشی کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض منافقین ہیں جیسے عبد اللہ بن ابی ابن سلول' رفاعۃ بن التابوت' زید بن الصلت' حارث بن عمرو' مالک بن دخشم وغیرہم یہ لوگ جمعہ کے خطبہ میں حاضر ہوتے تھے اور خطبہ کو غور سے سنتے تھے اور جب آپ خطبہ میں منافقین کا ذکر فرماتے تو پھر خطبہ سننے سے اعراض کرتے اور جب مسجد سے باہر آتے تو لوگوں سے سوال کرتے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا' یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے' مسلمان آپ کے ارشادات کو یاد رکھتے تھے اور کفار یاد نہیں رکھتے تھے اور جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تو اہل علم سے آپ کے ارشادات کے متعلق سوال کرتے تھے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا' عکرمہ نے کہا: اہل علم سے مراد حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں ان اہل علم سے ہوں جن سے سوال کیا جاتا تھا' ایک روایت یہ ہے کہ اہل علم سے مراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں' قاسم سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد عام صحابہ ہیں' اور وہ یہ کہتے تھے کہ ابھی آپ نے کیا فرمایا ہے' یہ استہزاء کہتے تھے یعنی ہم نے آپ کے قول کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ گویا آپ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کی دو قسمیں تھیں' ایک وہ لوگ تھے جو آپ کے ارشادات کو سمجھتے تھے اور آپ کے ارشادات کو سن کر نفع اٹھاتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے' یہ مسلمان تھے اور دوسرے وہ تھے جو آپ کے ارشادات کو غفلت اور بے توجہی سے سنتے تھے اور ان پر عمل کر کے ان سے نفع نہیں اٹھاتے تھے اور یہ منافقین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے' پھر فرمایا: ان لوگوں نے (کفر میں) اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمادیا O یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ چکے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں میسر ہوگا O پس آپ یاد رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہے O (محمد: ۱۷۔۱۹)

ھادی' ہدایت اور تقویٰ کے مصداق کے متعلق متعدد اقاویل

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا' اس میں ہدایت دینے والے کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان میں زیادہ ہدایت کو پیدا کر دیا (۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو ہدایت پیدا کی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت کو جاری اور نافذ کر دیا (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تلاوت کی سماعت نے ان کی ہدایت کو مزید مستحکم کر دیا (۴) منافقین کے اعراض کرنے اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے ان کی ہدایت پر گرفت اور مضبوط ہو گئی (۵) آیات ناسخہ کے نزول سے ان کی ہدایت زیادہ ہو گئی۔

ان کی جو ہدایت زیادہ ہوئی اس کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ان کا علم دین زیادہ ہو گیا (۲) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات توجہ اور غور سے سن کر علم حاصل کرتے اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتے (۳) ان کی دین اسلام پر بصیرت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق زیادہ ہو گئی (۴) ان کا اپنے ایمان پر شرح صدر زیادہ ہو گیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ان کو تقویٰ عطا فرمادیا' یعنی ان کو تقویٰ کا الہام کر دیا' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خوف عطا فرمادیا (۲) ان کے تقویٰ کا آخرت میں ان کو ثواب عطا فرمادیا (۳) ان کو فرائض پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادی (۴) ان کو یہ الہام فرمادیا کہ وہ محرمات اور مکروہات کے ارتکاب سے اور فرائض اور واجبات کے ترک سے اجتناب کریں (۵) منسوخ شدہ احکام پر عمل کرنے کو ترک کر دیں اور احکام ناسخہ پر عمل کرنے کو اپنائیں (۶) جب سہولت ہو تو عزیمت پر عمل کریں اور جب ضرورت ہو یا سختی اور تنگی ہو تو رخصت پر عمل کریں' مثلاً سفر خوشگوار اور آسان ہو تو روزہ رکھیں اور سفر مشکل اور سخت ہو تو روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کر لیں' اسی طرح جب صحت مند ہوں تو روزہ رکھیں اور جب بیمار ہوں تو روزہ ترک کر دیں اور بعد میں اس کی قضاء کر لیں' اور اگر دائمی مرض ہو تو روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

محمد: ۱۸ میں فرمایا: یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی

نشانیاں آ چکی ہیں پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں میسر ہوگا O

قیامت کی نشانیاں

ضحاک اور حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں' پس آپ کو دنیا میں مبعوث فرمانا قیامت کی علامتوں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح (ساتھ ساتھ) بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۰۔۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳' سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۰۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۸۳' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۱۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۴۰۷' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۸۵' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۷۷۰)

قیامت کی نشانیوں میں حسب ذیل امور کو بیان کیا گیا ہے:

(۱) باندیوں سے مالکوں کا پیدا ہونا (۲) ننگے پیر' ننگے بدن' فقراء اور بکریوں کے چرانے والوں کا بڑی بڑی عمارتیں بنانا اور بادشاہ بن جانا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹)

(۳) علم کا اٹھ جانا (۴) جہل کا زیادہ ہونا (۵) زنا بہ کثرت ہونا (۶) شراب کا زیادہ پیا جانا (۷) مردوں کا کم ہونا اور عورتوں کا زیادہ ہونا حتیٰ کہ ایک مرد کا پچاس عورتوں کی کفالت کرنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۶)

(۸) نا اہل کو منصب دیا جانا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۹)

(۹) کثرت مال کی وجہ سے زکوٰۃ کو قبول نہ کرنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۷)

(۱۰) سرزمین حجاز سے آگ کا نکلنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۲)

(۱۱) مال غنیمت کو ذاتی دولت بنالینا (۱۲) امانت کو مال غنیمت بنالینا (۱۳) زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھنا (۱۴) دین کے لیے علم حاصل نہ کرنا (۱۵) مرد کا اپنی بیوی کی اطاعت کرنا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنا (۱۶) دوست کو قریب کرنا اور اپنے باپ کو دور کرنا (۱۷) مساجد میں شور مچانا (۱۸) سب سے بدکار شخص کو قبیلہ کا سردار بنانا (۱۹) کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کرنا (۲۰) گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور (۲۱) اس امت کے آخری لوگوں کا پہلے لوگوں کو بُرا کہنا (۲۲) شرابوں کا پیا جانا (۲۳) سرخ آندھیوں کا' زلزلوں کا' زمین میں دھنسنے کا' شکل مسخ ہونے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا ظہور۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱)

(۲۴) امام مہدی کا ظہور اور ان کا دنیا میں عدل قائم کرنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷)

(۲۵) دھوئیں کا ظہور (۲۶) دجال کا ظہور (۲۷) دابۃ الارض کا نکلنا (۲۸) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲۹) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول (۳۰) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۳۱) تین بار زمین کا دھنسنا' مشرق میں' مغرب میں' جزیرۃ العرب میں (۳۲) آگ کا لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جانا (۳۳) آندھی کا لوگوں کو سمندر میں گرا دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳)

محمد: ۱۹ میں فرمایا: پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی

جگہ کو خوب جانتا ہے○

آپ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے عالم تھے پھر کیوں فرمایا: جان لیجئے؟

اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے: "فاعلم انه لا اله الا الله" یعنی آپ علم یقین کے ساتھ جان لیجئے' اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پھر کیوں فرمایا کہ آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آپ کو جو توحید کا علم حاصل ہوا ہے یہ نظر و استدلال سے حاصل نہیں ہوا' یہ علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست الہام اور القاء فرمایا ہے۔

(۲) یہ نظر و استدلال سے حاصل شدہ ظنی علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم یقینی ہے۔

(۳) یقین کی تین قسمیں ہیں: علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین' جو علم خبر صادق سے حاصل ہو وہ علم الیقین ہے اور جو علم مشاہدہ سے اور دیکھ کر حاصل ہو وہ عین الیقین ہے اور جو علم تجربہ سے حاصل ہو وہ حق الیقین ہے' پہلے آپ کو وحی کے ذریعہ توحید کا علم الیقین حاصل ہوا' پھر جب شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا اور اس کی توحید کا مشاہدہ کر لیا تو پھر آپ کو توحید کا عین الیقین حاصل ہو گیا' سو اس آیت میں علم الیقین سے عین الیقین کی ترقی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر علم الیقین تھا اور اب عین الیقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کو جان لیجئے۔

(۴) اس آیت میں علم سے مراد ذکر ہے یعنی یاد کرنا یا یاد رکھنا' پس آپ کو توحید کا علم تو ہے مگر اس کو ہمیشہ یاد رکھئے۔

(۵) علم سے مراد ہے: ذکر کرنا' یعنی آپ اس کا ذکر کیجئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

علم کی فضیلت اور علم کا عمل پر مقدم ہونا

اس آیت میں علم کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ پہلے علم کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد استغفار کرنے کا ذکر فرمایا ہے یعنی علم' عمل پر مقدم ہے' پہلے یہ جان لیجئے کہ صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے' پھر اس کی عبادت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اسی طرح دیگر آیات میں بھی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ. (الحدید: ۲۰)

جان لو کہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اور زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ. (الحدید: ۲۱)

لو دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی پہنائی (وسعت) آسمان اور زمین کی پہنائی کی مثل ہے۔

اس آیت میں پہلے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کے علم کا ذکر فرمایا' پھر اس علم کے تقاضے پر عمل کا ذکر فرمایا کہ اپنے رب کی مغفرت اور جنت کو طلب کرو۔ نیز فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ. (الانفال: ۴۱)

جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور قرابت داروں کا' اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔

اس آیت میں بھی پہلے علم کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد عمل کا ذکر فرمایا ہے' یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے روانہ کرنے کا۔ نیز فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ اور جان لو کہ اللہ کو تمہارے دل کی باتوں کا بھی علم ہے سو تم اس سے ڈرتے رہا کرو۔ (البقرہ: ۲۳۵)

پہلے یہ حکم دیا کہ یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے' پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو۔

''واستغفر لذنبک'' پر آپ کی عصمت کی بناء پر اشکال

اس آیت میں فرمایا ہے: واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی ایک کتاب میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعاص ص ۲۶' مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز' کھارادر' کراچی)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں آپ کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو خطاء اجتہادی سے بھی معصوم ہیں پھر آپ کی طرف گناہ کی نسبت کرنے کا کیا محمل ہے؟ علماء کرام نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

اشکال مذکور کا جواب علامہ قرطبی مالکی کی طرف سے

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے دو جواب ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر (بالفرض) آپ سے گناہ صادر ہو جائے تو آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

(۲) آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کا حال بیان کیا گیا تھا اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ایمان پر ثابت قدم رہیں یعنی آپ توحید اور استغفار پر جمے رہیں اور ان کاموں سے احتراز کریں جن کے ارتکاب پر استغفار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے اور مراد آپ کی امت ہے اور اس قول کی وجہ سے انسان پر واجب ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین کے کفر سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: یعنی آپ کو جو غم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا' سو آپ اللہ کے سوا اور کسی کے ساتھ اپنے دل کا تعلق نہ رکھیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں تعلیم امت کے لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے تا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے استغفار کیجئے۔

اس کا معنی ہے: ان کے گناہوں کے لیے استغفار کیجئے' اس آیت میں آپ کو شفاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سرجس مخزومی بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے طعام سے کھایا' پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ آپ کی مغفرت کرے' میرے شاگرد نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے استغفار کیا؟ میں نے کہا: ہاں! پھر یہ آیت پڑھی: "واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات" پھر میں واپس مڑا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی' اس پر مسوں کی طرح تل جمع تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴۶) (الجامع لاحکام القرآن جز۱۶ص ۲۲۱۔۲۲۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اشکال مذکور کا جواب امام رازی شافعی کی طرف سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں خطاب آپ کے ساتھ ہے اور مراد مؤمنین ہیں اور یہ جواب بعید ہے کیونکہ مؤمنین اور مؤمنات کا الگ سے ذکر کیا گیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "لذنبک" سے مراد ہے: آپ اپنے اہل بیت کے لیے استغفار کیجئے اور عام مؤمنین اور مؤمنات کے لیے استغفار کیجئے جو آپ کے اہل بیت سے نہیں ہیں۔

(۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی استغفار کا حکم دینا مراد ہے اور ذنب سے مراد ترک افضل (خلاف اولیٰ) ہے جو آپ کے مرتبہ کے بلندی کے اعتبار سے ذنب ہے اور ذنب کی حقیقت سے آپ بری ہیں اور بہت دور ہیں۔

(۳) اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نیک عمل کرنے اور برے عمل سے اجتناب کی توفیق طلب کریں اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ استغفار کا معنی ہے: مغفرت کو طلب کرنا اور مغفرت کا معنی ہے: برے کام پر پردہ ڈالنا اور جو معصوم ہوتا ہے اس کی بری خواہشوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اب مغفرت طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیں شرمندہ نہ کرنا۔ اور یہ مرتبہ کبھی عصمت سے حاصل ہوتا ہے' پس وہ شخص گناہ نہیں کرتا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درجہ حاصل ہے اور کبھی گناہ ہونے کے بعد اس پر مغفرت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے' جس طرح مؤمنین اور مؤمنات کو یہ درجہ حاصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "فاستغفر لذنبک" کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنے لیے عصمت پر ثبات اور دوام کو طلب کیجئے اور "وللمؤمنین والمؤمنات" کا معنی یہ ہے کہ آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اشکال مذکور کا جواب علامہ آلوسی حنفی کی طرف سے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس اشکال کے حسب ذیل جوابات لکھے ہیں:

(۱) اس آیت میں استغفار کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد ہے: تواضع' انکسار اور تقصیر کا اعتراف (یعنی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا کر سکے سو اس تقصیر کا اعتراف مراد ہے) اور یہ معانی استغفار کرنے کو لازم ہے۔

(۲) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقیقت استغفار مراد ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ امام احمد' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن حبان' حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ہر روز سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

اور امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم شمار

کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے: اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۱۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۱۴)

(۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ذنب سے مراد ہے: ترک اولیٰ اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کام ایک شخص کے اعتبار سے نیکی ہو اور دوسرے کے اعتبار سے گناہ ہو' جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر لحظہ پہلے مقام سے زیادہ بلند مقام ہوتا ہے (جیسے اجتہادی خطا پر ہمیں ثواب ملتا ہے اور انبیاء علیہ السلام اس کو ذنب قرار دے کر اس پر استغفار کرتے ہیں' مثلاً حضرت آدم کا شجر ممنوع سے کھانے پر استغفار کرنا اور حضرت موسیٰ کا قبطی کو تادیباً گھونسا مارنے پر اس کو ذنب قرار دے کر استغفار کرنا)۔

(۴) "وللمؤمنین والمؤمنات" میں حرف جر کے اعادہ میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب سے مراد ہے: ترک اولیٰ اور عام مومنوں کے ذنوب سے مراد معاصی صغیرہ اور کبیرہ یعنی دونوں ذنوب میں تغائر ہیں' حرف جر کے اعادہ سے اسی کو ظاہر کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۸۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اشکال مذکور کا جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی جانب سے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

(۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے' آریہ بیچارہ کیا کھا کر اوس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے:

نباشد بہ آئین تحقیق دال — کچوری و پوری و بھجیا و دال

شرط تمامی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلمہ ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" سورۂ مومن و سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ مومن میں تو اتنا ہے "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ" (محمد:۱۹) اے شخص! اپنی خطا کی معافی چاہ' کسی کا خاص نام نہیں' کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں' قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اوترا نہ صرف اوس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی' اسی قرآن عظیم میں ہے: "لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ" (الانعام:۱۹) کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے "ہذا اسعدک اللہ تعالیٰ" میں کوئی خاص شخص مراد نہیں' خود قرآن عظیم میں فرمایا: "اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ○ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ○ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ○" (العلق:۹-۱۲) ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا' اوس پر یہ آیات کریمہ اتریں کہ کیا تو نے دیکھا اوسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے' بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے' یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف' بلکہ فرماتا ہے: "فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○" (التین:۷) ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے' یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ اون میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آریہ و ہنود سے۔ یوں ہی دونوں سورۂ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں' اس کی ابتداء یوں ہے: "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ ''(محمد: ۱۹) جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہو' تو یہ خطاب اوس سے ہے جو ابھی ''لا الٰہ الا اللہ'' نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے سننے والے اجسے ابھی توحید پر یقین نہیں کے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ تتمۂ آیت میں اس عموم کو واضح فرما دیا کہ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ○'' (محمد: ۱۹) اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے' اگر ''فاعلم'' میں تاویل کرے تو ''ذنبک'' میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر ''ذنبک'' میں تاویل نہیں کرتا تو ''فاعلم'' میں تاویل کیسے کر سکتا ہے' دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔ (۱۰) دونوں آیۂ کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی سے کہنا: ''اکرم ضیفک'' اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی' بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔ (۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ''وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ'' (طٰہٰ: ۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی معصیت کی' حالانکہ خود فرماتا ہے: ''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○'' (طٰہٰ: ۱۱۵) آدم بھول گیا' ہم نے اس کا قصد نہ پایا' لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اوس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: ''رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ'' (البقرہ: ۲۸۶) اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ (۱۲) جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اون کو سوا مشکل ہے

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (۱۳) آریہ بیچارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سنا اگر نہ جانے تو ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی' اردو' ہندی سب زبانوں میں رائج ہے' مکان کو جس طرح اوس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یوں ہی کرایہ دار کی طرف۔ یوں ہی جو عاریۃً لے کر بس رہا ہے اوس کے پاس ملنے آئے گا' یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں' ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمہارا کھیت کے جریب ہوا' یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود' یوں ہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی' باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ہاں سے یہ عطا ہوا تھا تو ''ذنبک'' سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اوس کے بعد ''وللمؤمنین والمؤمنات'' تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمائیے اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے' اب آریہ کے اس جنون کا بھی علاج ہو گیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: ''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ'' (نوح: ۲۸) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶۔۷۸' دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی عبارت چونکہ مشکل اور غیر مانوس ہے اس لیے ہم سطور ذیل میں ان کے جوابات کی تسہیل

اور تنقیح کر رہے ہیں:

(۱) اس آیت سے قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ذنب سے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ یہ اعتراض ہو کہ آپ تو معصوم ہیں پھر آپ کو گناہ سے استغفار کا حکم کس لیے دیا ہے؟ یہ خطاب ہر سننے والے کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

(۲) بلکہ اس آیت میں اس پر واضح قرینہ ہے کہ اس خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں کیونکہ اس میں فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اپنے اور اپنے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خطاب اس شخص سے ہے جو ابھی یہ بھی نہیں جانتا کہ ''لا الہ الا اللہ'' کا معنیٰ کیا ہے لہٰذا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہو سکتا۔

(۳) سورۃ المؤمن اور سورۂ محمد دونوں میں امر کا صیغہ ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع کو مستلزم نہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ سے ذنب واقع ہو تو آپ اپنے ذنب پر استغفار کریں اور آپ سے ذنب واقع ہو نہیں سکتا' کیونکہ آپ معصوم ہیں۔

(۴) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ معصیت قصداً اور عمداً ہو' بھولے سے بھی معصیت سرزد ہو جاتی ہے' جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لیا تھا اور اس کو ذنب نہیں کہتے' ذنب قصداً نافرمانی کو کہتے ہیں۔

(۵) جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس پر گرفت بھی سخت ہوتی ہے' نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں' مقربین کے نزدیک ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترک اولیٰ گناہ نہیں ہوتا۔

(۶) ''ذنبک'' سے مراد اہل بیت کی لغزشیں ہیں اور آیت کا معنیٰ اس طرح ہے: اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے شفاعت فرمائیے۔

ہمارے نزدیک ان جوابات میں راجح جواب یہ ہے کہ ذنب سے مراد بہ ظاہر ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ یہ جواب قرآن مجید کی ظاہر آیات اور احادیث کے مطابق ہے' خصوصاً اس حدیث کے جس کا ہم نے الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ

اور ایمان والے کہتے ہیں: (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی' سو جب کوئی واضح سورت نازل کر دی

مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے رسول مکرم!) آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو وہ آپ کی طرف

يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾

اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس کے دل پر موت کی غشی طاری ہو پس ان کی ہلاکت بہت قریب ہے○

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے)' پس جب جہاد کا قطعی حکم آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا

تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا○ تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد

فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو

اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا○ تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ

یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں○ بے شک جو لوگ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد (اسلام سے)

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى

پیٹھ موڑ کر پیچھے لوٹ گئے شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید

لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ

دلائی○ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے نازل کردہ کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض

فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے○ پس اس وقت ان کا کیا حال

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں

مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع

نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے کہتے ہیں کہ (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی' سو جب کوئی واضح سورت نازل کر دی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے رسول مکرم!) آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس کے دل پر موت کی غشی طاری ہو پس ان کی ہلاکت بہت قریب ہے O اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے)' پس جب جہاد کا قطعی حکم آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا O (محمد: ۲۰-۲۱)

قتال اور جہاد کی فرضیت سے مسلمانوں کا خوش ہونا اور منافقوں کا ناخوش ہونا

اس سے پہلی آیات میں مؤمنوں اور کافروں اور منافقوں کے معتقدات اور نظریات کو بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں مؤمنوں اور منافقوں کے اعمال سے متعلق کیفیات کو بیان فرمایا ہے۔

جو مؤمنین اصحاب اخلاص ہیں وہ وحی کے شوق میں اور جہاد اور اس کے ثواب کی حرص میں یہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہیں نازل ہوئی' ان کی خواہش ہوتی تھی کہ کوئی ایسی سورت نازل ہو جس میں کفار کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا جائے اور جب کوئی سورت محکمہ نازل ہوتی جو بالکل واضح ہوتی اور جس کی کوئی آیت منسوخ نہ ہوتی اور اس میں کفار کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا جاتا تو اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' وہ آپ کی طرف اس شخص کی طرح دیکھیں گے جسے موت کا یا پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا گیا ہو اور اس حکم کے صدمہ سے اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے' سو ایسے لوگوں کی ہلاکت بہت قریب ہے یا ایسے لوگوں کے لیے عذاب بہت مناسب ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا آخری حصہ دوسری آیت کے ابتدائی حصہ کے ساتھ مربوط ہے' یعنی ایسے لوگوں کے لیے زیادہ لائق یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لیتے اور اس کی اطاعت کرتے اور نیک اور اچھی بات کہتے۔

اور پہلی تفسیر کے مطابق محمد: ۲۱' محمد: ۲۰ سے منفصل اور الگ ہے یعنی اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک اور اچھی بات کہنا زیادہ بہتر ہے۔

پس جب کفار کے خلاف قتال کو فرض یا واجب کر دیا گیا تو اس وقت اگر یہ لوگ اللہ کے اس حکم اور جہاد کے فرض ہونے کی تصدیق کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے O یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا O تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں O (محمد: ۲۲-۲۴)

جہاد سے روگردانی پر منافقوں کے عذر کا رد کرنا

اس آیت میں منافقین کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے' جب ان کو مشرکین کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے جہاد میں نہ شریک ہونے کے متعلق یہ عذر پیش کیا کہ ہم مشرکین کے خلاف کیسے قتال کریں کیونکہ ایک تو انسانوں کو قتل کرنا زمین میں فساد پھیلانا ہے' دوسرے یہ کہ مشرکین عرب ہمارے رشتہ دار ہیں اور ہمارے قبیلوں کے ہیں سو ان سے قتال کرنا رحم کے رشتوں کو منقطع کرنا ہے اور قطع رحم کرنا اور رشتوں کو منقطع کرنا اچھا کام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو یہ فرما کر رد کر دیا کہ اگر تم کو زمین میں حکمران بنا دیا جائے تو تم اپنی مرضی سے زمین میں فساد پھیلاؤ گے جو شخص تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے گا تو تم فوراً اس کو قتل کر دو گے اور وہ تمہارے رشتہ دار اور تمہارے قبیلہ ہی کے افراد ہوں گے تو تم قتل کر

کے زمین میں فساد ہی کرو گے اور رشتوں کو منقطع کرو گے' اللہ کے حکم سے جہاد کرنے کو تو تم زمین میں فساد پھیلانا کہتے ہو اور اپنی خواہش سے زمین میں فساد پھیلاتے رہو گے اور کیا تم زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور نہیں کرتے رہے تھے' کیا تمہارا یہ فعل زمین میں فساد کرنا اور رشتوں کو منقطع کرنا نہیں تھا۔

محمد: ۲۲ میں ''ان تولیتم'' کی دو تفسیریں

اس آیت میں فرمایا ہے: ''ان تولیتم '' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) یہ لفظ ولایت سے ماخوذ ہے' جس کا معنیٰ ہے: حکومت' یعنی اگر تم ولایت اور حکومت کو حاصل کر لو اور لوگوں پر تمہیں اقتدار حاصل ہو جائے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو منقطع کرو گے۔

(۲) یہ لفظ ''تولی'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنیٰ ہے: اعراض کرنا اور روگردانی کرنا' یعنی تم کفار کے خلاف قتال اور جہاد سے اعراض کر رہے ہو اور یہ کہتے ہو کہ جہاد کی وجہ سے زمین میں فساد ہو گا اور رشتوں کو منقطع کیا جائے گا' کیونکہ کفار ہمارے رشتہ دار ہیں حالانکہ جب تم کو اقتدار مل جائے گا تو تم بھی یہی کچھ کرو گے۔

امریکا اور امریکا نواز حکومتیں بھی جہاد کی اسی وجہ سے مخالف ہیں حتیٰ کہ امریکا نواز مسلم حکومتیں نصاب سے جہاد کے متعلق آیتوں کو نکال رہی ہیں' وہ کہتے ہیں کہ جہاد کی وجہ سے انسانی خون بہایا جاتا ہے' اس لیے پاکستان میں جہادی تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی ہے اور مسلمان فلسطین میں اسرائیلیوں کے تسلط کے خلاف اور مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں کے جبر کے خلاف جو جہادی کارروائی کر رہے ہیں' یہ لوگ اس کو دہشت گردی کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان افغانستان اور عراق میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جو جہادی کارروائی کرتے ہیں اس کو بھی دہشت گردی کہتے ہیں اور کوئی ان سے یہ نہیں کہتا کہ تم نے جو افغانستان کی بے قصور آبادیوں پر ہزاروں ٹن وزنی بم برسائے اور متعدد ملکوں کے اشتراک سے افغانستان پر حملہ کر کے غاصبانہ قبضہ کیا اور ہنوز وہاں پر بے قصور مسلمانوں کا خون بہا رہے ہو' اسی طرح تم نے برطانیہ اور دیگر یورپی ملکوں کے ساتھ مل کر بلا جواز عراق پر حملہ کیا اور غاصبانہ قبضہ کیا اور ہزاروں عراقیوں کا خون بہایا اور وہاں پر مہلک بم برسائے اور گوانتانامو بے میں افغانستان کے جنگی قیدیوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے رکھا اور عراق کے جنگی قیدیوں کو ابوغریب جیل میں عراقی مسلمانوں کو مادر زاد برہنہ کر کے ان پر خون خوار کتے چھوڑے اور ان کی گردن میں پٹہ ڈال کر ان کو زمین پر گھسیٹا اور قیدی خواتین کو برہنہ کر کے ان پر تشدد کیا' جس ظلم اور بربریت پر ساری دنیا کا پریس اور میڈیا چیخ رہا ہے۔ (یکم مئی ۲۰۰۴ء کی رپورٹ) کیا یہ زمین میں فساد پھیلانا نہیں ہے' تم اپنے آپ کو مہذب قوم کہتے ہو' کیا یہی تہذیب اور شائستگی ہے' کیا یہی انسانی خون اور انسانی جان کا احترام ہے؟

اسی طرح ان منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ظالموں نے تم کو اقتدار سونپ دیا اور تم ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو تم ان ظالموں کے ساتھ مل کر زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو قطع کرو گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اصلاح کرنے کا' امن کے ساتھ رہنے کا اور رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں' پھر تم کفار کے خلاف جہاد میں حصہ کیوں نہیں لیتے اور کیوں دور کی گمراہی میں جا رہے ہو؟

اس آیت میں چونکہ صلہ رحم کرنے کا اور قطع رحم کی مذمت کا ذکر آ گیا ہے اس لیے اس مناسبت سے ہم صلہ ارحام کے متعلق احادیث بیان کر رہے ہیں:

صلہ رحم کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو مہمان کی تکریم کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو صلہ رحم (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو اچھی بات کرنی چاہیے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۸ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے' اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے میل جول رکھے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۶ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بُری موت دور کی جائے' پس اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۳ 'المستدرک ج ۴ ص ۱۶۰)

خثعم کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' میں نے سوال کیا: آیا آپ ہی وہ شخص ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا' میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر صلہ رحم ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ ناراضگی کا باعث ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل مبغوض ہے؟ فرمایا: رشتوں کو توڑنا' میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: بُرائی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۱ 'مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۳۹ 'حافظ منذری نے کہا: امام ابویعلیٰ کی سند بہت اچھی ہے۔ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۷۰۰)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! مجھے وہ عمل بتلایئے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور کر دے' آپ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا: اس کو (اچھے) سوال کی توفیق دی گئی ہے' پھر اعرابی سے پوچھا: تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس نے اپنا سوال دہرایا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم عرش کے ساتھ معلق ہے اور کہہ رہا ہے: جو مجھ سے ملاپ رکھے گا' اللہ اس سے ملاپ رکھے گا اور جو مجھ کو قطع کرے گا اللہ اس کو قطع کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۹ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں اللہ ہوں' میں رحمٰن ہوں' میں نے رحم کو پیدا کیا اور میں نے اس (رحم) کا نام اپنے نام (رحمٰن)

سے بنایا جو اس سے وصل (ملاپ) رکھے گا میں اس سے وصل (ملاپ) رکھوں گا اور جو اس سے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۷ مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا اور کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں تجھ سے قطع کرنے سے پناہ مانگی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! کیا تو اس بات سے راضی ہے کہ جو تجھ سے وصل رکھے میں اس سے وصل رکھوں اور جو تجھ سے قطع کرے میں اس سے قطع کروں رحم نے کہا: کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہ تم کو مل گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ○ (محمد: ۲۲-۲۳)

تم سے یہ بعید نہیں کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۴)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا سود یہ ہے کہ مسلمان کی عزت کو ناحق پامال کیا جائے اور یہ رحم رحمٰن کی پیچیدہ شاخوں سے ہے جس نے اس کو قطع کیا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۰ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۷ مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۹۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک کی پیروی کرنے والے نہ بن جاؤ اور یہ کہو کہ اگر لوگوں نے نیک سلوک کیا تو ہم بھی نیک سلوک کریں گے اور اگر لوگوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے لیکن اپنے آپ کو مشقت برداشت کرنے کا عادی بناؤ اگر لوگ نیک سلوک کریں تو تم نیک سلوک کرو اور اگر لوگ ظلم کریں تو ظلم نہ کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص برابر کا سلوک کرے وہ صلہ رحم کرنے والا نہیں ہے صلہ رحم کرنے والا وہ ہے جب اس سے رشتہ قطع کیا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ایسے رشتہ دار ہیں کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں وہ میرے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں اور میں برداشت کرتا ہوں آپ نے فرمایا: اگر فی الواقع ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے تو گویا کہ تم ان پر گرم راکھ مل رہے ہو اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کے خلاف تمہاری مدد کرتا رہے گا جب تک تم اسی طرز سلوک پر قائم رہو گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۸)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو جو تم کو محروم رکھے اس کو عطا کرو اور جو تم کو گالی دے (یا بُرا کہے) اس سے درگزر کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۹ مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۸ المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۸۸)

محمد: ۲۳ میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

اس آیت میں منافقین کے متعلق پچھلے مضمون کی یاد دہانی فرمائی' چونکہ منافقین عمل کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں سنتے تھے' اس لیے ان کو بہرا فرمایا اور جب ان کو جہاد کا حکم دیا جاتا تو وہ یہ کہتے تھے کہ جہاد اور قتال سے زمین میں فساد پھیلے گا اور اس سے رشتے منقطع ہوں گے اس لیے وہ جہاد کے حکم پر عمل نہیں کرتے تھے اور چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو محبت اور عقیدت سے نہیں دیکھتے تھے اور اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو غور سے نہیں دیکھتے تھے اس لیے ان کو اندھا قرار دیا۔

لعنت کی اقسام میں علامہ شامی کی تحقیق

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس سے کوئی شخص اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ وہ صحبت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا (دونوں پر) لعنت فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٠٧٦' سنن ترمذی رقم الحدیث: ١١١٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٩٣٥' سنن بیہقی ج ٧ ص ٢٠٨)

ہر چند کہ یہ نکاح صحیح ہو گا لیکن یہ شرط باطل ہو گی اور دوسرے شوہر کو صحبت کے بعد طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا' ہاں! اگر عورت نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط رکھ لے اور صحبت کے بعد خود پر طلاق نافذ کر دے تو اس شوہر کی عدت گزارنے کے بعد وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ٤٠۔ ٤١' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ اس عبارت کی شرح میں لعنت پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لعنت کی حقیقت اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہے اور یہ صرف کافر پر کی جاتی ہے' اس لیے جس معین شخص کی کفر پر موت کا دلیل سے علم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ مشہور فاسق ہو جیسے یزید ہے' معتمد قول کی بنیاد پر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' اس کے برخلاف ابلیس' ابولہب اور ابوجہل پر لعنت کرنا جائز ہے اور غیر معین شخص پر بہ طور وصف لعنت کرنا جائز ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو اور ظالموں پر لعنت ہو' یعنی یہ کافروں کا وصف ہے اس سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس وصف پر لعنت کی جائے جو گناہ کبیرہ ہو' کیونکہ گناہ کبیرہ کے علاوہ گناہ صغیرہ اور مکروہ تنزیہی پر بھی لعنت کی گئی ہے' جیسے تصویر بنانے والوں پر اور اس شخص پر جو لوگوں کی کراہت کے باوجود ان کی امامت کرے اور جو شخص راستہ میں قضاء حاجت کرے اور جو عورت اپنے ہاتھوں پر مہندی نہ لگائے اور جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے اور مشت زن پر اور قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر' وغیرھا۔ لیکن جو کہتے ہیں کہ معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' ان پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ قرآن مجید میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس اپنے علاوہ اور کوئی گواہ نہ ہو وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے:

أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ○ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

(النور: ٧)

یہ لعنت مشروع کی گئی ہے اور یہ معین شخص پر لعنت ہے' اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس کے جھوٹے ہونے کی صورت

میں اس پر لعنت ہے' لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ بہر حال یہ معین شخص پر لعنت ہے۔
پھر میں نے علامہ قہستانی کی بحث لعان میں دیکھا کہ لعن کا معنی لغت میں دور کرنا ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: کفار کو اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور مؤمنین کے حق میں اس کا معنی ہے: درجہ ابرار سے ان کو ساقط کرنا۔
''البحر الرائق'' کی لعان کی بحث میں مذکور ہے' اگر تم یہ پوچھو کہ آیا کاذب معین پر لعنت کرنا مشروع ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ''غایۃ البیان'' کی عدت کی بحث میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس سے چاہوں مباہلہ کر سکتا ہوں اور مباہلہ کا معنی ہے: ایک دوسرے پر لعنت کرنا اور ان کا جب کسی سے اختلاف ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے: ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو' اور انہوں نے کہا: یہ ہمارے زمانہ میں بھی جائز ہے اور اس بحث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی صورتوں میں لعنت سے مراد ہے: ابرار یعنی نیک لوگوں کے درجہ سے دور کرنا نہ کہ اللہ عزوجل کی رحمت سے دور کرنا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں پر لعنت کی حقیقت مراد نہیں' بلکہ اس سے مقصود حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے کی خساست کو ظاہر کرنا ہے۔
پھر قہستانی نے یہ کہا ہے کہ اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ حلالہ کرنے والے پر لعنت کرنے سے اگر صرف اس کے فعل کی خساست کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو پھر اس کے فعل کو مکروہ تحریمی کہنے کی کیا وجہ تھی؟

(رد المحتار ج ۵ ص ۴۲۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

لعنت کی اقسام میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ علامہ قہستانی' علامہ زین الدین ابن نجیم اور علامہ شامی کی عبارت سے مسلمان شخص معین پر لعنت کی تنقیح نہیں ہو سکی اور لعان میں جو بیوی پر تہمت لگانے والا مسلمان شخص معین یہ کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اس کی توجیہ نہیں ہو سکی' اس لیے میں اللہ کی توفیق اور اس کی تائید سے لعنت کی اقسام اور ان کے احکام بیان کرتا ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کرنے کی دعا کرنا' یہ صرف اس معین شخص پر جائز ہے جس کی کفر پر موت کا دلیل قطعی سے علم ہو اور اس کے سوا کسی معین مسلمان پر اسی درجہ کی لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے ابلیس' ابولہب اور ابوجہل وغیرہم پر لعنت کرنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے دور کرنے کی دعا کرنا جس کا تقاضا ہے کہ کسی معین مسلمان کو بغیر عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے' یہ لعنت صرف ان مسلمانوں پر کرنا جائز ہے جو کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں اور اس پر توبہ نہ کریں جیسا کہ النور: ۷ میں لعان کی آیت ہے' ایک مسلمان شخص یہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی یا جس طرح آپ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے اور اس کی معاونت کرنے والوں پر لعنت کی اور جو شخص اس سے کم درجہ کی برائی میں ملوث ہو' اس پر اس درجہ کی لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے دور کرنے کی دعا کرنا' جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی معین مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا قرب خاص اور اس کی رضا حاصل نہ ہو' خواہ اس کو عذاب سے نجات حاصل ہو جائے' اس درجہ کی لعنت صرف ان مسلمانوں پر کرنا جائز ہے جو حرام اور مکروہ تحریمی سے کم درجہ کی برائی میں ملوث ہوں' جیسا کہ حدیث میں ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے: جو شخص لوگوں کی کراہت کے باوجود امامت کرائے' جو شخص راستہ میں قضاء حاجت کرے' جو عورت اپنے ہاتھوں پر مہندی نہ لگائے اور جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے وغیرھا' اس قسم کے افراد کے علاوہ اس درجہ کی لعنت کرنا جائز

نہیں ہے۔

یہ لعنت کی وہ اقسام ہیں جو شخص معین پر کی جاتی ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جو افراد پر علی العموم کی جاتی ہے:

(۴) جو لوگ کسی ایسی صفت کے حامل ہوں جو شریعت میں مذموم ہے' سو ایسی صفات کے حاملین پر عموم اور اطلاق کے لحاظ سے لعنت کرنا جائز ہے' اس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں بہت ہے جیسے "لعنة اللّٰه علی الکاذبین' لعنة اللّٰه علی الظالمین' لعنة اللّٰه علی الفاسقین "وغیرھا۔ میں نے قرآن مجید کی آیات' احادیث اور عبارات فقہاء میں بہت غور و فکر کے بعد لعنت کی یہ اقسام' ان کی تعریفات اور ان کے احکام بیان کیے ہیں' اگر یہ حق ہیں تو یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ہیں ورنہ اللہ اور اس کا رسول ان سے بری ہیں۔

محمد: ۲۴ میں فرمایا: تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں O

یعنی یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے نہیں اور اس میں برے کاموں پر جو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اس وعید سے ان پر خوف طاری نہیں ہوتا' تاکہ وہ ان کاموں کو نہ کریں جو عذاب اور ہلاکت کا موجب ہیں اور نیک کاموں پر جو ثواب کا وعدہ کیا ہے اور دائمی جنتوں' نعمتوں اور اللہ کے دیدار اور اس کی بشارت دی گئی ہے اس کو پڑھ کر ان کے دلوں میں آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کا شوق پیدا نہیں ہوتا تاکہ ان کے دلوں میں نیک کام کرنے کی تحریک ہو یا ان لوگوں کے دلوں پر ان کی ضد' عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قفل ڈال دیئے گئے اور ان پر اس طرح مہر لگا دی گئی ہے کہ نصیحت اور ہدایت کی کوئی بات ان کے دلوں میں جا ہی نہیں سکتی۔

امام رازی نے اس جگہ یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے تو وہ قرآن میں کس طرح غور کر سکتے ہیں؟ پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس کام کی طاقت نہ ہو اس کا مکلف کرنا جائز نہیں ہے' ہمارے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ان منافقوں کا قرآن مجید میں غور کرنا ممکن ہے' اسی اعتبار سے وہ قرآن مجید میں تدبر کرنے کے مکلف ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل اور ابولہب وغیرہم کے متعلق خبر دے دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے' اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔

یزید پر لعنت کرنے کی بحث اور اس مسئلہ میں علامہ آلوسی کی رائے

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ نے محمد: ۲۲ کی تفسیر میں یزید پر لعنت کرنے کے جواز یا عدم جواز کی بحث کی ہے' ہم پہلے علامہ آلوسی کا کلام نقل کریں گے اور اس کے بعد اس بحث میں دیگر اکابر علماء کی آراء نقل کریں گے اور اس کے آخر میں ہم اپنا موقف بیان کریں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اس آیت سے یزید علیہ ما یستحقہ پر لعنت کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے' علامہ برزنجی نے "الاشاعۃ" میں اور علامہ ہیتمی نے "الصواعق" میں نقل کیا ہے کہ جب امام احمد بن حنبل سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یزید پر لعنت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس پر لعنت کرنا کیوں کر جائز نہیں ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ عبداللہ نے کہا: میں نے تو اللہ عزوجل کی کتاب پڑھی ہے' مجھے تو اس میں یزید پر لعنت کرنے کا ذکر کہیں نہیں ملا' امام احمد نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ○ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۔

تم سے یہ بعید نہیں کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے O یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ (محمد: ۲۲-۲۳)

اور یزید نے جو کچھ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اس سے بڑھ کر فساد اور رشتوں کو توڑنا اور کیا ہو گا؟

امام احمد کا یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ معین فاسق پر لعنت کرنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے' جمہور اس پر متفق ہیں کہ معین فاسق پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی' زندہ ہو یا مردہ' جس کی کفر پر موت دلیل سے معلوم نہ ہو' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اسلام لے آئے' بہ خلاف اس شخص کے جس کی کفر پر موت معلوم ہو جیسے ابوجہل وغیرہ۔

شیخ الاسلام السراج البلقینی کا مذہب یہ ہے کہ فاسق معین پر لعنت کرنا جائز ہے' کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کرے اور اس کا شوہر اس پر غصہ میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹)

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ملائکہ علیہم السلام خصوصیت سے اس عورت پر لعنت نہ کرتے ہوں بلکہ وہ بالعموم لعنت کرتے ہوں کہ جو عورت اپنے شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر کے رات گزارے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

علامہ ابن حجر مکی نے ''الزواجر'' میں لکھا ہے کہ اگر شخص معین پر لعنت کے جواز میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا جائے تو زیادہ واضح ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرہ پر لوہا گرم کر کے داغ لگایا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس پر داغ لگایا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷' الرقم المسلسل: ۵۴۳۸)

بہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس معین شخص پر لعنت کی ہے جس نے اس گدھے پر داغ لگایا تھا' تاہم اس میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ آپ کی مراد وہ معین شخص نہیں تھا بلکہ جانوروں کے منہ پر داغ لگانے والے بالعموم لوگ مراد تھے۔

اور اس قول کی بناء پر کہ فاسق معین پر لعنت کرنی جائز ہے' یزید پر لعنت کرنے کے مسئلہ میں زیادہ توقف نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس میں بہ کثرت اوصاف خبیثہ تھے اور وہ بہت کبائر کا ارتکاب کرتا تھا اور امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

اے اللہ! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور ان کو دھمکائے تو اس کو دھمکا' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اس کا فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل۔ (المعجم الطبرانی رقم الحدیث: ۶۶۳۶۔ ۶۶۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اور یزید نے واقعہ حرہ میں اہل مدینہ پر ظلم کیا اور ان کو دھمکایا' اہل مدینہ کو قتل کیا' ان کے اموال لوٹ لیے' مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے اور تین دن اذان نہ ہو سکی اور سب سے بڑی قیامت یہ ہے کہ اس نے اہل بیت پر ظلم کیا اور حضرت حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہوا اور ان کے گھر والوں کی اہانت کی اور یہ خبر تواتر سے ثابت ہے' اگرچہ اس کی تفاصیل اخبار احاد سے ثابت ہیں' اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چھ شخصوں پر لعنت کرتا ہوں اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے: (۱) جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرے (۲) جو اللہ کی تقدیر کا انکار کرے (۳) جو جبر سے لوگوں پر مسلط ہو جائے تاکہ ان کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل کیا اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت دی (۴) جس کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال کرے (۵) اور میری اولاد پر ان کاموں کو حلال کرے جن کو اللہ نے حرام کیا (۶) اور میری سنت کو (بہ طور اہانت) ترک کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۵۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۶، الجامع الصغیر، السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۴۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۹)

(ان دونوں حدیثوں سے استدلال کرنے پر یہ اعتراض ہے کہ ان کی سند ضعیف ہے۔)

اور یزید کے کفر اور اس پر لعنت کرنے کے جواز کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے' ان میں سے حافظ ابن جوزی ہیں اور ان سے پہلے امام ابویعلیٰ ہیں اور علامہ تفتازانی نے (شرح عقائد) میں لکھا: ہم یزید کے معاملہ میں کوئی توقف نہیں کرتے نہ اس کے ایمان میں توقف کرتے ہیں' اس پر اور اس کے حامیوں اور مددگاروں پر اللہ کی لعنت ہو' علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس پر لعنت کے جواز کی تصریح کی ہے اور ابن الوردی کی ''تاریخ'' میں اور ''کتاب الوافی'' میں بھی یہ تصریح ہے۔

اور جب اہل بیت قید کر کے عراق میں یزید کے پاس لائے گئے تو وہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد اور خواتین سے ملا' اس وقت شہداء کربلا کے مبارک سر نیزوں پر تھے اور وہ اس وقت جیرون کی وادی میں تھے' یزید نے ان کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے:

لما بدت تلک الحمول واشرفت — تلک الرؤوس علی شفا جیرون

جب اونٹوں کا یہ قافلہ ظاہر ہوا — اور جیرون کے کنارے پر ان کے سر نیزوں پر بلند ہوئے

نعب الغراب فقلت قل او لم تقل — فقد اقتضیت من الرسول دیونی

کوا بولنے لگا تو میں نے کہا تو بول یا نہ بول — میں نے تو رسول اللہ سے اپنے قرضے وصول کر لیے

یزید کی مراد یہ تھی کہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نانا عتبہ کو اور اس کے ماموں ولید بن عتبہ کو اور اس کے دوسرے رشتہ داروں کو قتل کر دیا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ اور نواسے کے بیٹوں' بھانجوں اور بھتیجوں کو قتل کر کے بدلہ لے لیا اور پرانے قرضے وصول کر لیے۔ اور یہ کفر صریح ہے' پس جب یہ اشعار اس سے صحت کے ساتھ ثابت ہوں تو اس کا کفر ثابت ہو جائے گا۔

(اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے کہ یہ یزید کے کہے ہوئے اشعار ہیں۔)

امام غزالی نے یہ فتویٰ دیا کہ یزید پر لعنت کرنا حرام ہے اور علامہ سفارینی حنبلی اور ابن جوزی حنبلی نے ان کی مخالفت کی' اور ''کتاب الفروع'' میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے حجاج کو اسلام سے خارج کر دیا' ان پر اعتراض ہوا کہ پھر یزید کو کیا کہا جائے گا اور امام احمد کی تصریح اس کے خلاف ہے اور یہی ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔ شیخ ابن تیمیہ نے کہا: امام احمد کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت کرنا مکروہ ہے۔ (علامہ سفارینی لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ مختار وہ ہے جو علامہ ابن جوزی' ابوحسین قاضی اور ان کے موافقین نے کہا' یعنی یزید پر لعنت کرنی جائز ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''اسر المصون'' میں لکھا ہے کہ عام لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یزید کا موقف صحیح تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف خروج کرنے میں خطا کی اور اگر وہ تاریخ کی کتابوں کو پڑھتے کہ اس کی بیعت کس طرح لی گئی تھی اور کس طرح لوگوں کو مجبور کیا گیا اور اس نے اس دور میں ہر قسم کے قبیح کام کیے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس کی بیعت صحیح تھی تو بعد میں اس نے ایسے کام کیے کہ ان میں سے ہر کام اس کی بیعت کے فسخ کو واجب کرتا ہے اور یزید کی طرف وہی مائل ہوگا جو جاہل ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یزید کے متعلق اختلاف ہے' بعض کا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے اہل بیت کرام کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے وہ گناہ گار ہوا لیکن اس وجہ سے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے کہا: وہ اسی طرح تھا لیکن اس پر لعنت کرنا مکروہ ہے یا بغیر کراہت کے جائز ہے اور بعض نے کہا: وہ کافر ملعون ہے اور بعض نے کہا: اس نے کوئی گناہ نہیں

کیا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور اس قول کا قائل یزید کے حامیوں کے سلسلہ میں منسلک ہے (ہمارے زمانہ میں محمود عباسی اور اس کے حامیوں کا یہی مذہب ہے)۔ (علامہ آلوسی لکھتے ہیں:) اور میں کہتا ہوں کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ وہ خبیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مصدق نہیں تھا اور اللہ کے حرم (کعبہ مکرمہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم (اہل مدینہ) کے ساتھ اس کے افعال کا مجموعہ اور آپ کی عترت طیبہ طاہرہ کے ساتھ جو اس کا سلوک رہا' اس سے اس کا اتنا ایمان بھی ظاہر نہیں ہوتا جتنا اس کا ایمان ہو' جو قرآن مجید کو گندگی میں ڈال دے۔ العیاذ باللہ۔ اور میرا یہ گمان نہیں ہے کہ اس کا حال اکابر مسلمانوں سے مخفی تھا لیکن وہ حضرات مجبور اور مقہور تھے اور صبر کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا اور اگر مان لیا جائے کہ وہ خبیث مسلمان تھا تو وہ اتنے زیادہ گناہ ہائے کبیرہ کے ساتھ مسلمان تھا جن کا شمار بیان میں نہیں آ سکتا اور میرا مذہب یہ ہے کہ اس جیسے شخص پر معین کر کے لعنت کرنا جائز ہے اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ فاسقوں میں اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنے افعال پر توبہ نہیں کی اور اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور ابن زیاد' ابن سعد اور ان کے متبعین بھی اسی کے ساتھ لاحق ہیں' اللہ تعالیٰ کی ان سب پر لعنت ہو اور ان کے انصار و اعوان پر اور ان کی جماعت پر اور قیامت تک جو بھی ان کی طرف مائل ہو ان سب پر اللہ کی لعنت ہو اور جو ان پر شخصی لعنت کرنے سے احتیاط کی وجہ سے گریز کرتا ہو' اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جو شخص قتل حسین سے راضی ہوا اور جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت طاہرہ کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس شخص نے ان کا حق غصب کیا' ان سب پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو اور اب وہ یزید اور اس کے موافقین پر صراحت کے ساتھ لعنت کرنے والا نہیں ہوگا اور ان الفاظ کے ساتھ لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا' سوا علامہ ابوبکر ابن العربی اور ان کے موافقین کے جیسا کہ ان سے منقول ہے وہ اس پر لعنت کرنے کو جائز نہیں کہتے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور یہ ایسی گمراہی ہے جو یزید کی گمراہی سے بھی بڑھ کر ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۰۸۔ ۱۱۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم علامہ آلوسی کی اس آخری عبارت سے سو فی صد متفق ہیں' جیسا کہ عنقریب ہمارے موقف سے واضح ہوگا۔

لعن یزید کے بارے میں علامہ ابن حجر مکی کی رائے

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید اصل میں مسلمان ہے اور ہم اسی اصل کا قول کرتے ہیں جب تک کہ کسی دلیل قطعی سے اس کا اس اصل سے اخراج ثابت نہ ہو' اسی وجہ سے محققین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یزید کے معاملہ میں صحیح بات یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے' کیونکہ وہ پوشیدہ چیزوں اور دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے' اس لیے ہم اس کی تکفیر کے قطعاً درپے نہیں ہیں اور اسی قول میں سلامتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھا لیکن فاسق' شریر اور ظالم تھا۔

نیز علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید کے فسق پر اتفاق کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ ابن جوزی نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" میں لکھا ہے کہ مجھ سے ایک سائل نے سوال کیا: کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے کہا: نیک اور متقی علماء نے یزید پر لعنت کی ہے اور ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں۔ انہوں نے یزید کے بارے میں لکھا ہے: اس پر لعنت ہو۔ پھر علامہ ابن جوزی نے کہا کہ قاضی ابویعلیٰ الفراء نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ صالح بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد امام احمد سے کہا کہ لوگ ہمیں یزید کی محبت کا طعنہ دیتے ہیں تو

میرے والد (امام احمد) نے فرمایا: اے بیٹے! کیا جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو وہ یزید سے محبت کر سکتا ہے؟ اور اس پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس آیت میں: ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ '' (محمد: ۲۲۔۲۳) ''پھر تم سے بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو (اقتدار کے نشہ میں) تم زمین میں فساد کرو گے اور اپنی قرابتوں کو منقطع کرو گے' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا''۔ اور قتل اور خون ریزی سے بڑھ کر کون سا فساد ہو گا؟ قاضی ابویعلیٰ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو لعنت کے مستحق ہیں' اور ان میں یزید کا ذکر کیا ہے پھر یہ حدیث ذکر کی ہے: جس نے ظلماً اہل مدینہ کو دھمکایا (ڈرایا) اس کو اللہ تعالیٰ دھمکائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یزید نے لشکر بھیج کر اہل مدینہ کو ڈرایا دھمکایا۔ قاضی ابویعلیٰ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ ''صحیح مسلم'' میں ہے' اس لشکر نے بہت قتل اور خون ریزی کی اور بہت بڑا فساد کیا' لوگوں کو قید کیا اور مدینہ کو مباح کیا' یہ سب چیزیں مشہور ہیں' حتیٰ کہ تین سو کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی' تقریباً تین سو صحابہ قتل کیے گئے اور سات سو قرآن مجید کے قاری قتل کیے گئے' کئی دن تک مدینہ مباح رہا' مسجد نبوی میں کئی دن تک جماعت معطل رہی۔ کسی شخص کے لیے مسجد نبوی میں جانا ممکن نہیں تھا' حتیٰ کہ مسجد نبوی میں کتے اور بھیڑیئے داخل ہوتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر پیشاب کرتے رہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اس لشکر کا امیر اس وقت تک راضی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ لوگ اس پر بیعت نہ کر لیں کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے تو ان کو بیچ دے اور چاہے تو ان کو آزاد کر دے اور جن مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کی گردن اڑا دی' یہ واقعہ حرہ تھا' پھر یہ لشکر حضرت ابن الزبیر سے جنگ کے لیے گیا اور انہوں نے کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور اس میں آگ لگا دی' ان برائیوں سے بڑھ کر کون سی برائی ہو گی؟

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علماء کا دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یزید پر لعنت جائز نہیں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ چیز ثابت نہیں ہوئی جو لعنت کا تقاضا کرتی ہے۔ امام غزالی کا اسی پر فتویٰ ہے اور یہی چیز ہمارے ائمہ کے بیان کردہ قواعد کے لائق ہے۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ کسی شخص معین پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں ہے' جب تک کہ اس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو جائے کیونکہ لعنت کا مطلب ہے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل دور کر دیا جائے' حتیٰ کہ وہ اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے اور یہ چیز اسی کے لیے جائز ہے جس کی کفر پر موت کا یقین ہو اور جس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو اس پر لعنت جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کافر پر اس کی زندگی میں لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ممکن ہے وہ مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے' نیز انہوں نے تصریح کی ہے کہ کسی معین مسلمان فاسق پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' اور جب تم نے ان کی یہ تصریحات جان لیں تو یہ بھی جان لو کہ ان کے نزدیک یزید پر لعنت جائز نہیں ہے' اگرچہ وہ فاسق خبیث تھا اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ اس نے حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ اس پر خوش ہوا تھا' پھر بھی وہ کافر نہیں ہے' کیونکہ اس نے قتل کو جائز اور حلال نہیں سمجھا تھا اور اگر جائز سمجھا تھا تو تاویل سے سمجھا تھا خواہ وہ تاویل باطل تھی اور یہ کفر نہیں ہے' علاوہ ازیں اس کا حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم دینا اور اس پر خوش ہونا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے' بلکہ روایت صحیحہ سے اس کے خلاف ثابت ہے اور امام احمد نے قرآن مجید کی جس آیت سے یزید پر لعنت کا استدلال کیا ہے اور حدیث مسلم'' وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس

اجمعین'' سے جس نے یزید پر لعنت کا استدلال کیا تو ان دونوں سے یزید پر اس کا نام لے کر بخصوصہ لعنت کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور گفتگو اسی میں ہے۔ البتہ ان دلائل سے ان صفات پر لعنت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یزید کا نام لیے بغیر یہ کہنا جائز ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا یا قتل کو جائز قرار دیا اس پر راضی ہوا اس پر لعنت ہو جس طرح بغیر تعیین کے یہ کہنا جائز ہے کہ مثلاً شراب پینے والے پر لعنت ہو اور یہی چیز آیت اور حدیث میں ہے' کیونکہ آیت میں کسی کا نام لیے بغیر یہ ہے کہ جو قرابت کو منقطع کرے اور زمین میں فساد کرے اس پر لعنت ہو' اسی طرح حدیث میں نام لیے بغیر ہے جو اہل مدینہ کو ڈرائے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' لہٰذا امام احمد وغیرہ کا اس آیت سے شخص معین پر بخصوصہ لعنت کا استدلال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ پس واضح ہو گیا کہ بخصوصہ لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۲۲۱۔۲۲۳ مصر)

لعن یزید کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی رائے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں: یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہل سنت فاسق و فاجر وجری علی الکبائر تھا۔ اسی قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق و اتفاق ہے' صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے ہیں اور بہ تخصیص نام اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: '' فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ○ '' (محمد: ۲۲۔۲۳) کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا' حرمین طیبین وخود کعبہ معظمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں' مسجد کریم میں گھوڑے باندھے' ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے' تین دن مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے اذان و نماز رہی' مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کیے' کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے۔ غلاف شریف پھاڑا اور جلایا' مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر میں حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا' مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود کے پالے ہوئے تن ناز نیں پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخواں مبارک چور ہو گئے' سر انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا' کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا' حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے' اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا۔ ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے' قرآن مجید میں صراحۃً اس پر '' لعنهم الله '' فرمایا' لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں' کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال' نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں۔ لقولہ تعالیٰ: '' فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ '' (مریم: ۵۹۔۶۰) اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط و اسلم ہے' مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت و بدمذہبی صاف ہے بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شمہ ہو'' وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ '' (الشعراء: ۲۲۷)۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۰۷۔۱۰۸' مکتبہ رضویہ کراچی)

یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کے سلسلہ میں مصنف کا مؤقف

یزید کے تین جرم متواتر ہیں'اس نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے جبری بیعت لینے کے لیے عبید اللہ بن زیاد کو روانہ کیا اور اس کو حضرت حسین کے مرتبہ اور مقام کی رعایت کرنے کی کوئی ہدایت نہیں کی۔ اس نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا یا نہیں اور قتل کی خبر سن کر خوش ہوا تھا یا نہیں؟ اس میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے' لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس نے قاتلین کو کوئی سزا نہیں دی جب کہ وہ سزا دینے پر پوری طرح قادر تھا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قتل اس کے ایماء سے ہوا اور وہ اس قتل سے راضی تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر کربلا میں جو ظلم وستم ڈھایا گیا اور پھر ظالموں سے یزید نے بحیثیت حاکم کوئی باز پرس نہیں کی' انہیں مظالم کی وجہ سے بعض علماء (امام احمد' علامہ ابن جوزی اور علامہ تفتازانی وغیرہ) نے یزید پر لعنت کی ہے' ہر چند کہ محققین اور محتاط علماء نے یزید پر شخصی لعنت کرنے سے منع کیا ہے اور اسی میں سلامتی بھی ہے کہ یزید کے معاملے کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

یزید کا دوسرا جرم مدینہ منورہ پر حملہ کا حکم دینا اور تین دن کے لیے مدینہ میں لوٹ مار' قتل وغارت گری اور عصمت دری کی عام اجازت دینا ہے' اس وجہ سے بھی علماء نے یزید پر شخصی لعنت کی ہے اور تیسرا جرم مکہ مکرمہ پر حملہ کا حکم دینا اور کعبہ کو جلانا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے ''العواصم من القواصم'' میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ''کتاب الزہد'' میں یزید کا ذکر اخیار تابعین میں کیا ہے۔ میں نے ''کتاب الزہد'' پوری پڑھی اس میں یزید کا ذکر نہیں ہے۔ اس معاملہ میں یقیناً ابن عربی کو وہم ہوا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابن العربی کا یزید کو برحق اور حضرت حسین کو خاطی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ہم اس نظریہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جس شخص نے آل رسول پر ظلم کیے' حرم مدینہ کی بے حرمتی کی' خانہ کعبہ کو جلایا' ہمارے دل میں اس کے بارے میں نرمی کا کوئی شمہ نہیں ہے' یہ شخص بہت بڑا ظالم اور فاسق وفاجر تھا' اگر ہمیں شرعی حدود وقیود اور قواعد شرعیہ کا پاس نہ ہوتا تو ہم یزید پر کفر کا حکم لگا دیتے اور اس پر شخصی لعنت کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوتا۔

یزید پر لعنت کرنے کی مکمل بحث ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۶۱۴۔ ۶۳۷ میں لکھی ہے جو قارئین اس موضوع پر زیادہ تفصیل جاننا چاہتے ہوں وہ اس بحث کا وہاں مطالعہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد (اسلام سے) پیٹھ موڑ کر پیچھے لوٹ گئے' شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید دلائیO اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے' اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہےO پس اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گےO اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیاO (محمد: ۲۵۔ ۲۸)

نیک اعمال کو آخر عمر تک ملتوی کرنے کی مذمت

اس آیت میں ان اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو ''تورات'' کے مطالعہ سے یہ جان چکے تھے کہ آپ ہی آخری نبی ہیں کیونکہ ''تورات'' میں آپ کی صفات بیان کی گئی تھیں اور آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر تھا' اس کے باوجود انہوں نے تعصب کی وجہ سے یا دنیاوی نذرانوں کے فوت ہو جانے کے خدشہ سے آپ کی نبوت کو ماننے سے انکار کیا اور اسلام لانے سے اعراض کیا' اسی طرح اس آیت سے ہر اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کی حقانیت واضح ہونے کے باوجود اسلام قبول نہ کرے۔

اس آیت (محمد: ۲۵) میں جو فرمایا ہے کہ شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید دلائی' اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ابھی تمہاری زندگی بہت زیادہ ہے' تم جہاں تک ہو سکے اس دنیا کی لذتوں سے فیض یاب ہو' پھر عمر کے آخری حصہ میں اسلام قبول کر لینا' جیسے بعض نوجوان کہتے ہیں: ہم ابھی سے ڈاڑھی کیوں رکھیں' جب بوڑھے ہو جائیں گے تو ڈاڑھی رکھ لیں گے' بعض لوگ کالا خضاب لگا کر ڈاڑھی کالی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تو کالا خضاب ترک کر کے مہندی لگا لیں گے' اسی طرح بعض لوگ نمازوں کے سلسلہ میں یہی کہتے ہیں' اسی طرح بعض امیر لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے اور وہ آخر عمر تک حج کو ٹالتے رہتے ہیں' جب میں ۱۹۹۳ء میں حج کرنے گیا تو میں نے تمام اسلامی ملکوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ پاکستان' ہندوستان اور بنگلہ دیش کے بوڑھے لوگوں کو حج کرتے ہوئے دیکھا اور سب سے زیادہ نوجوانوں کو حج کرتے ہوئے جو دیکھا وہ انڈونیشیا اور ملائشیا کے مسلمان تھے۔

محمد: ۲۶ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے' اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے O

یہودی اور مشرکین کس چیز میں ایک دوسرے کے موافق تھے اور کس چیز میں مخالف تھے؟

اس آیت میں ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مشرکین سے یہ کہا تھا کہ ہم بعض باتوں میں تمہاری موافقت کرتے ہیں یہ کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہیں ہیں اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے' لیکن ہم اس میں تمہاری موافقت نہیں کرتے کہ اللہ کے ساتھ بتوں کی بھی عبادت کرنی چاہیے اور اس میں کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول نہیں بھیجتا اور نہ اس میں کہ موت کے بعد حشر ونشر' حساب و کتاب' جزاء وسزا اور جنت اور دوزخ نہیں ہوگی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین نے یہودیوں سے کہا ہو کہ ہم اس چیز میں تمہاری موافقت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہیں اور قرآن اللہ کا نازل کیا ہوا کلام نہیں ہے لیکن ہم اس بات میں تمہاری موافقت نہیں کرتے کہ بت پرستی باطل ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی اور حساب و کتاب' جزاء وسزا اور جنت اور دوزخ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے کہ یہ ضد اور عناد سے آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں ورنہ ان کو خوب علم ہے کہ آپ اپنی نبوت کے دعویٰ میں صادق ہیں' لیکن یہ تکبر کی وجہ سے اور اپنے آباء واجداد کی تقلید کی وجہ سے مانتے نہیں ہیں۔

محمد: ۲۷ میں فرمایا: پس اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے۔

منافقین قتال اور جہاد سے اس لیے گریز کر رہے ہیں کہ جہاد میں ہو سکتا ہے یہ زخمی ہو جائیں اور دنیا میں ضرب اور الم کا شکار ہوں' اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ دنیا میں ضرب اور الم سے تمہیں چھٹکارہ نہیں ہوگا کیونکہ موت کے وقت فرشتے آ کر تمہارے چہروں اور سرینوں پر ضرب لگائیں گے' جہاد میں شرکت سے انکار کر کے تم عارضی طور پر اپنے آپ کو دنیا کی ضرب سے بچا رہے ہو اور موت کے وقت جب دنیا میں فرشتے تم پر ضرب لگائیں گے اس سے کیسے بچاؤ کرو گے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

محمد: ۲۸ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا ہے اور اللہ کی رضا کو

انہوں نے ناپسند کیا' سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا O

بغیر ایمان کے نیک اعمال کا غیر مفید ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کی یہ سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا۔ یہ آیت اگر یہودیوں کے متعلق ہو تو اس کا معنی ہے کہ انہوں نے "تورات" میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آپ کی نعت کو چھپایا اور اس سے اللہ ناراض ہوا اور اگر یہ آیت منافقین کے متعلق ہو تو اس کا معنی ہے: انہوں نے اپنے دل میں کفر کو چھپایا اور اس سے اللہ ناراض ہوا' اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا' یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کو۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' یعنی جن اعمال کو یہ اپنے زعم میں نیک گمان کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اعمال ان کی مغفرت اور ان کے ثواب کا سبب ہیں' جیسے بھوکوں کو کھانا کھلانا' غلاموں کو آزاد کرنا' مہمانوں کی تکریم کرنا' بیواؤں' یتیموں اور ناداروں کی کفالت کرنا' کیونکہ یہ اعمال اسی وقت مفید ہیں جب ایمان کے ساتھ یہ اعمال کیے جائیں۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر

أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَ

نہیں فرمائے گا O اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں

لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَ

سے پہچان لیتے' اور آپ ضرور ان کو ان کے طرز گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جانتا ہے O اور

لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ

ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں اور تمہاری خبروں

أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَ

کو پرکھ لیں گے O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت واضح ہونے کے

شَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا

بعد رسول کی مخالفت کی' وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ

اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ

ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا O اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ

اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں

اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ

بخشے گا O سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا O دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا

ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور

يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ

تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا O اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے

اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کردے گا O ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو

فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ

الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۴ ۱۰ ۸

کو لے کر آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر نہیں فرمائے گا○ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے' اور آپ ضرور ان کو ان کی طرز گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے○ اور ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں گے اور تمہاری خبروں کو پرکھ لیں گے○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی' وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا○ (محمد: ۲۹-۳۲)

اللہ تعالیٰ کا منافقین کے نفاق کا پردہ چاک فرمانا

اس آیت میں "اضغان" کا لفظ ہے یہ "ضغن" کی جمع ہے' دل میں جو ناپسندیدہ بات چھپائی جائے اس کو "ضغن" کہتے ہیں' سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: دل کا کھوٹ اور زنگ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: ان کا حسد۔ قطرب نے کہا: اس کا معنی ہے: ان کی عداوت۔ جوہری نے کہا: "ضغن" اور "ضغینہ" کا معنی ہے: کینہ۔

اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا منافقین یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر منافقین کے باطن کو منکشف نہیں فرمائے گا' نہیں نہیں بلکہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے باطن کو منکشف فرما دے گا اور تمام اہل فہم پر ان کا حال واضح ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ایسی آیات نازل فرما دیں جن سے ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا' سورۂ توبہ کی وہ آیات یہ ہیں:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (التوبہ: ۸۱-۸۸)

جن کو جنگ میں رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کی راہ میں اپنے بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا: گرمی میں نہ نکلو' آپ کہیے کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھتے○ پس ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے○ سو (اے رسول مکرم!) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے تم پہلی بار بیٹھنے پر راضی ہوئے' سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو○ اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ کبھی بھی ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے○ آپ ان کے اموال اور اولاد پر تعجب نہ کریں اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور حالت کفر میں ان کی جانیں نکلیں○

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں O انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے O لیکن رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور ان ہی کے لیے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں O

سورۂ توبہ کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا پردہ فاش کر دیا اور جہاد سے کترانے اور ان کی بزدلی کو بیان فرمایا ہے اسی وجہ سے سورۂ توبہ کا ایک نام الفاضحہ بھی ہے یعنی رسوا کرنے والی۔

محمد: ۳۰ میں فرمایا: اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور آپ ضرور ان کو ان کی طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا یا نہیں؟

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن زید سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسجد سے نکل جائیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۱۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں رہا، آپ منافقوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۱۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو ان کی بات کے لہجہ سے پہچان لیتے تھے اور کوئی دوسرا انہیں پہچان پاتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو پہچان لیتے اور ان کے باطن کو آپ نے اس وقت تک ظاہر نہیں فرمایا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت نہیں دی اور آپ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع نہیں فرمایا اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا (دیکھئے التوبہ: ۸۴)۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

کلبی نے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب بھی آپ سے کوئی منافق بات کرتا تھا آپ اس کو پہچان لیتے تھے، حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ سے مخفی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ آپ کو وحی سے بتا دیتا تھا یا آپ اس علامت سے منافق کو پہچان لیتے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرمائی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۳۱، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص بھی پوشیدگی میں کوئی کام کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے آثار اور اس کی زبان کی لغزشوں سے اس کام کو ظاہر فرما دیتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی کام کو پوشیدگی سے کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کی چادر پہنا دیتا ہے اگر وہ اچھا کام ہو تو اچھی چادر اور برا کام ہو تو بُری چادر۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۰۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی کذاب ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۶۷۶)

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے "مسند احمد" کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: تم میں منافقین ہیں سو میں جس کا نام لوں وہ کھڑا ہو جائے' پھر فرمایا: اے فلاں! تم کھڑے ہو اے فلاں! تم کھڑے ہو' اے فلاں! تم کھڑے ہو' حتیٰ کہ آپ نے چھتیس آدمیوں کا نام لیا' پھر فرمایا: تم میں منافقین ہیں سو تم اللہ سے ڈرو' پھر حضرت عمر کا ان میں سے ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جن کا آپ نے نام لیا تھا' حضرت عمر اس کو پہچانتے تھے انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے یہ حدیث بیان کی' حضرت عمر نے فرمایا: تمہارے لیے سارا دن دوری ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۳۶' رقم الحدیث: ۲۲۳۳۸ طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۸۶' تاریخ کبیر ج ۷ ص ۲۲-۲۳)(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی منافق مخفی نہیں رہا' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے تھے اور ہم ایک غزوہ میں تھے جس میں نو منافق تھے' لوگ ان کی شکایت کرتے تھے' ایک رات وہ سو گئے' صبح اٹھے تو ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا' یہ منافق ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اپنے تفسیری حاشیہ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سے منافقین کو نام بہ نام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا' ممکن ہے کہ وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل اور تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں "ابن کثیر" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسند احمد" کی حدیث میں عقبہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا' اس میں چھتیس آدمیوں کے نام شمار کیے گئے۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۳' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

محمد: ۳۱ میں فرمایا: اور ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں گے اور تمہاری خبروں کو پرکھ لیں گے O

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنیٰ

یعنی ہر چند کہ ہمیں تمام کاموں کے انجام کا علم ہے اس کے باوجود ہم تم پر حجت قائم کرنے کے لیے اور سب پر ظاہر کرنے کے لیے تم کو احکام شرعیہ کا مکلف کر کے آزمائیں گے' اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو ایک آزمانے والا دوسرے کے ساتھ کرتا ہے اور تم میں سے صبر کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو دوسروں سے الگ کرلیں گے اور اسی بناء پر جزا اور سزا کا معاملہ کریں گے اور تمہاری خبروں کو ظاہر کر دیں گے۔

محمد: ۳۲ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا' اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔

اس آیت میں یہودیوں یا منافقوں کی طرف اشارہ ہے یعنی جن لوگوں پر دلائل اور معجزات سے آپ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا' اس کے باوجود انہوں نے آپ کی مخالفت کی تو وہ اپنے کفر سے اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور انہوں نے اپنے خیال میں جو نیک کام کیے تھے' ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ان تمام نیک کاموں کو ضائع فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا○ سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا○ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا○ (محمد: ۳۳-۳۶)

مسلمانوں کے اعمال ضائع ہونے کی توجیہات

اس سے پہلی آیتوں میں یہودیوں اور منافقوں سے خطاب تھا ان کی بُری روش پر تنبیہ کی گئی تھی اور اصلاح کی کوشش کی گئی تھی' اور اس آیت (محمد: ۳۳) میں اہل ایمان سے خطاب ہے اور ان سے ارشاد فرمایا ہے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرنے کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) تم اپنے ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت پر برقرار رہو اور شرک نہ کرنا ورنہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ۔ (الزمر: ۶۵)	اگر آپ نے (بھی بالفرض) شرک کیا تو آپ کے اعمال باطل ہو جائیں گے۔

(۲) تم رسول کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کی تعظیم کو برقرار رکھنا' اگر کسی موقع پر تم سے تعظیم رسول میں فرق آ گیا تو تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ (الحجرات: ۲)	اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ (ان سے) اونچی آواز میں بات کرو جیسے تم آپس میں اونچی آواز سے بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا○

(۳) تم جب کسی مسلمان بھائی کی مدد کے لیے اس کو صدقہ یا خیرات دو تو بعد میں اس پر احسان نہ جتاؤ' یا اس کو طعنہ دے کر

اذیت نہ پہنچاؤ' مثلاً کہو: تم وہی تو ہو جو کل تک بھوک کے مر رہے تھے اور میں تمہیں کھانا کھلاتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ (البقرہ: ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر باطل نہ کرو۔

(۴) اپنے اسلام لانے کا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہ جتانا' قرآن مجید میں ہے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀ (الحجرات: ۱۷)

(اعراب) اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں' آپ کہیے: تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ' بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی' اگر تم سچے ہو ○

نفل عبادات کا شروع کرنے کے بعد واجب ہونا

اس آیت سے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے اس کو پورا کرنا لازم اور واجب ہے' کیونکہ اگر نفل نماز یا روزہ شروع کر کے اس کو پورا نہ کیا اور توڑ دیا تو وہ عمل باطل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اعمال باطل کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے اگر اس نے نفل نماز شروع کر کے توڑ دی تو اس پر واجب ہے کہ اس کو قضاء کر کے دوبارہ پڑھے' نفل کے شروع کرنے میں تو اس کو اختیار تھا لیکن شروع کرنے کے بعد اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو پورا کرے یا نہ کرے اور اگر کسی وجہ سے اس کو پورا نہیں کیا تو پھر اس کو قضاء کرنا لازم ہے' امام شافعی کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ فرض عبادات کے ثواب کو باطل نہ کرو' اور اگر فرض کو شروع کر کے فاسد کر دیا تو اس فرض کو دوبارہ ادا کرو' اور نفل اس طرح نہیں ہے' کیونکہ وہ اس پر واجب نہیں ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اعمال کا لفظ ہے اور اعمال کا لفظ فرائض اور نوافل دونوں کو شامل ہے اور فقہاء شافعیہ اس آیت کی فرائض کے ساتھ جو تخصیص کرتے ہیں اس تخصیص پر قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

محمد: ۳۴ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا ○

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم گناہ جو ہو گا اس کو بخش دے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ جو ہو گا وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

محمد: ۳۵ میں فرمایا: سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے' اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا ○

جہاد کی ترغیب اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجوہ

چونکہ اس سے پہلی آیات میں یہ بتایا تھا کہ منافقین کفار کے خلاف جہاد کرنے کو زمین میں فساد پھیلانے اور رشتوں کو توڑنے سے تعبیر کرتے تھے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد

کرنے پر ابھارا کہ تم منافقوں کی طرح موت سے ڈر کر جہاد سے نہ کترانا اور ہمت نہ ہارنا اور کفار کو صلح کی دعوت نہ دینا۔

اور اس وقت مسلمان کمزور تھے اور ان کے پاس جنگ کے مادی اسباب اور آلات بہت کم تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حوصلہ اور ہمت کو بڑھانے کے لیے فرمایا: اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور جب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو تم کو ہی غلبہ حاصل ہوگا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ (المجادلہ: ۲۱) ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول غالب ہوں گے۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (الصافات: ۱۷۳) بے شک ہمارے لشکر والے ضرور غالب ہوں گے ○

اس کے بعد فرمایا: اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

یعنی جب کافروں سے جنگ ہوگی اور وہ مارے جائیں گے تو ان کے دنیا میں کیے ہوئے وہ کام جو ان کے نزدیک نیک کام تھے وہ سب ضائع ہو جائیں گے' اس کے برخلاف جو مومنین جہاد میں شہید ہو جائیں گے ان کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس وقت دنیا میں مسلمان بہت کمزور ہیں اور مادی اسلحہ جو اس دور کی جنگی ضروریات کے لیے کفیل ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے تو اب ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی اور ان کو کفار کے خلاف غلبہ کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات صحابہ کرام کے متعلق نازل ہوئی ہیں' اگر آج کے مسلمانوں کا بھی صحابہ کرام ایسا پختہ ایمان ہو اور ان کے اعمال بھی صحابہ کرام ایسے ہوں تو یقیناً ان کو بھی اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور وہ بھی دنیا میں غالب ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے خلاف قوت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے' سو ہم پر لازم ہے کہ ہم ایٹمی ہتھیار بنانے کی قوت حاصل کریں اور وہ آلات حرب تیار کریں جو اس دور کی جنگوں کا تقاضا ہے' اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سائنسی علوم حاصل کریں اور مختلف سائنسی علوم پر تحقیقات کریں اور مقالے لکھیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نوجوان اب علم حاصل کرنے کے بجائے ٹی ٹی کے بل بوتے پر نقل کر کے امتحان پاس کرتے ہیں اور دیگر عیاشیوں میں مبتلا ہیں' بھتہ خوری کرتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں' آج دنیا میں مسلمان دہشت گردی کی علامت بن گئے ہیں' دنیا کے کسی اسلامی ملک میں علمی اور سائنسی تحقیقات نہیں ہوتیں' کسی اسلامی ملک میں صنعت و حرفت اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں ہوتی' تمام اسلامی ممالک اپنی ضرورت کی اشیاء دوسرے ملکوں سے منگواتے ہیں' چین ہمارے بعد آزاد ہوا تھا اور آج وہ دنیا کی پانچویں ایٹمی طاقت ہے' چین اور ہندوستان اپنی ضرورت سے زیادہ گندم پیدا کرتے ہیں اور دیگر ممالک کو فروخت کرتے ہیں' ہم سائنسی ایجادات کیا کریں گے ہم تو اپنی ضرورت کے مطابق گندم بھی پیدا نہیں کر پاتے اور ہر سال جب آٹے کا کال پڑ جاتا ہے تو ہم دوسرے ملکوں سے گندم خرید کر منگواتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان ہی قوموں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرتے ہیں' ہم کو شکوہ ہے کہ اب اللہ کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد نہیں فرما رہا' سوال یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کے لیے کب کھڑے ہوئے' جہاد کے جذبہ سے ہم نے موجودہ فنون حرب کے حصول کی تیاری کب کی؟ ہم نیک جذبہ سے اسلام کی تبلیغ اور دین کی نصرت کے لیے عصر حاضر کے جنگی تقاضوں کے مطابق آلات حرب کا علم حاصل کرنے اور انہیں بنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا' وہ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ (محمد: ۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تم کو (میدان جنگ) میں ثابت قدم رکھے گا ○

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی دلی کیفیات اور رجحانات کو تبدیل نہ کرے۔ (الرعد: ۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت خود بدلنے کا

محمد: ۳۶ میں فرمایا: دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے' اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا○

جہاد میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور لہو ولعب کا فرق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مزید ترغیب دی ہے کہ دنیا کا مال و متاع تمہیں جہاد کرنے سے کس طرح مانع ہو سکتا ہے' کیونکہ جہاد کرنے سے تمہارا مال خرچ نہیں ہوتا' کیونکہ زیادہ تر جہاد میں تم کو فتح حاصل ہوتی ہے اور تم کو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے اور اگر مال خرچ بھی ہو جائے تو تمہارے نیک اعمال اور ان کا اجر و ثواب تو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں' اس لیے اگر بالفرض جہاد کرنے سے تمہارا مال خرچ ہو جائے یا کم ہو جائے تو تم اس کی پروانہ کرو کیونکہ دنیا کا مال اور دنیا کی زندگی بہر حال لہو ولعب ہے۔

لہو اور لعب میں یہ فرق ہے کہ لہو ولعب اس کام کو کہتے ہیں جس سے نہ تمہیں اب کوئی فائدہ ہو نہ مستقبل میں کوئی فائدہ متوقع ہو' پھر اگر اس کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان کے دوسری ضروری کاموں میں یا اس کی عبادات میں غفلت اور حرج نہ ہو تو وہ لعب ہے اور اگر اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کے ضروری کام اور عبادات نہ ہو سکیں تو پھر وہ لہو ہے۔ اس وجہ سے آلات موسیقی کو ملاہی (لہو کے آلات) کہتے ہیں اور شطرنج اور کبوتر بازی کو لعب کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۲)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) جہاد کرنے کے لیے اس میں مال کو خرچ کرنا تو ضروری ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد میں مال کی معین مقدار کو فرض نہیں کیا' جیسے زکوٰۃ میں مال کی معین مقدار کو سال پورا ہونے کے بعد مالک نصاب پر فرض کیا ہے یا جیسے مالک نصاب پر عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے کو فرض کیا ہے یا جیسے صاحب نصاب پر صدقہ فطر کو فرض کیا کہ اگر کسی مسلمان نے ان مدات میں مال کی ایک معین مقدار کو خرچ نہیں کیا تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا' البتہ انسان اپنی مرضی اور خوشی سے جہاد میں جس قدر مال خرچ کرے گا اس کو اجر و ثواب ملے گا۔

(۲) تمہارے ہاتھوں میں جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور وہی اس مال کا مالک ہے' لیکن اس نے تمہیں اس مال کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' اس لیے جب وہ تم سے جہاد میں مال خرچ کرنے کے لیے کہے تو تم اس میں بخل نہ کرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے کل اموال کا سوال نہیں کر رہا' وہ تم سے تمہاری ضروریات میں صرف ہونے کے بعد تمہارے اموال کا بہت قلیل حصہ طلب کرتا ہے جیسے زکوٰۃ میں اڑھائی فی صد اور عشر میں بارانی زمین میں دس فی صد اور نہری پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں پانچ فی صد اور جہاد میں تو معین بھی نہیں فرمایا جتنا تم اپنی خوشی سے خرچ کر سکتے ہو کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا○ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو' پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج

ہو اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے O

(محمد: ۳۷-۳۸)

اس آیت میں ہے: "فیحفکم" اس کا مصدر "احفاء" ہے "احفاء" کا معنی ہے: کسی کام میں زیادتی کرنا' بہت زیادہ پوچھ گچھ اور تفتیش کرنا' "احفی شاربه" کا معنی ہے: اس نے اپنی مونچھیں بہت زیادہ تراشیں' "احفی السوال" کا معنی ہے: اس نے بار بار سوال کیا۔ "حفی یحفی" معنی ہے: ننگے پاؤں ہونا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۶۴-۱۶۵ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم سے شدت کے ساتھ تمہارے اموال کا سوال کرے تو تم بخل کرو گے اور اس کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے' اور اللہ تمہارے دلوں کے زنگ اور میل کو ظاہر کر دے گا۔

محمد: ۳۸ میں فرمایا: ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو' پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے اور مخلوق کے محتاج ہونے کی وضاحت

یعنی تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ تم اپنے دینی دشمنوں کو شکست دینے کے لیے یا اپنے تنگ دست مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے خرچ کرو تو تم بخل کرتے ہو۔ درحقیقت یہ تم اپنے ساتھ بخل کرتے ہو کیونکہ اگر تم اپنے دشمنوں سے جہاد کے لیے مال خرچ نہیں کرو گے اور مجاہدین کی مدد نہیں کرو گے تو مآل کار دشمنان اسلام تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں گے اور تم کو اپنا غلام بنا لیں گے' جیسے برصغیر کے مسلمان ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں کے غلام رہے اور یہ مسلمانوں ہی کا نقصان تھا' اور اگر تم نے اپنے تنگ دست مسلمان بھائیوں کی زکوٰۃ' عشر اور قربانی سے مدد نہیں کی تو ان کی دعائیں تمہارے شامل حال نہیں رہیں گی' جس کی وجہ سے تمہارا مال نقصان سے محفوظ نہیں رہے گا اور ہو سکتا ہے جس مال کو بچانے کے لیے تم زکوٰۃ سے ہاتھ روک رہے ہو وہ سارا مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اموال کا محتاج نہیں ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو' اس لیے تم یہ نہ کہنا کہ ہم کو کفار سے قتال اور جہاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اور نہ یہ کہنا کہ ہم کو فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تم نے کفار کے خلاف قتال نہ کیا تو وہ تم کو قتل کر دیں گے اور اگر تم نے فقراء کی ضروریات پوری نہ کیں تو وہ بھوک سے مجبور ہو کر تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی تعداد زیادہ ہے' سو تم ان کے ہاتھوں مارے جاؤ گے اور پھر کمیونزم اور سوشلزم تمہارے ملک میں در آئے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا استغناء بیان فرمایا ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ O اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے O (ابراہیم: ۱۹)

گویا کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے مستغنی ہے اس کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے' اگر کوئی

اس پر یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت تو بندوں سے ظاہر ہوتی ہے' بندوں کو رزق دینے سے اس کا رازق ہونا ظاہر ہوتا ہے' بندوں کو سزا دینے سے اس کا قاہر ہونا ظاہر ہوتا ہے اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کا غفور ورحیم ہونا ظاہر ہوتا ہے تو اس کو بندوں کی ضرورت تو ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو بندوں کی کسی معین قسم کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی قوم یہ سمجھتی ہے کہ اس کو خاص اس قوم کی ضرورت ہے تو وہ اس قوم کو فنا کر کے دوسری قوم لے آئے گا جو اس کی طرح سرکش نہیں ہو گی اور وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی جگہ کس قوم کو لائے گا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد: ۳۸)

اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا: اللہ تعالیٰ ہماری جگہ کن لوگوں کو لے آئے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اس کی قوم' یہ اور اس کی قوم۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم پھر گئے تو ہماری جگہ ان کو لایا جائے گا پھر وہ ہماری طرح نہیں ہوں گے؟ اور حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اس کے اصحاب ہیں' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ایک ستارہ) پر بھی معلق ہوتا تو فارس کے مردوں میں سے اس کو کوئی شخص حاصل کر لیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۲۳)

حسن بصری نے کہا: اس سے مراد عجم ہیں' عکرمہ نے کہا: اس سے مراد فارس اور روم ہیں' محاسبی نے کہا: عرب کے بعد عجم میں علماء فارس سے بڑھ کر کسی کا اچھا دین نہیں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ یمن میں رہنے والے انصار ہیں' حضرت ابن عباس نے بھی کہا کہ یہ انصار ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ اس سے مراد تابعین ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۂ محمد کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ مئی ۲۰۰۴ء' بہ روز ہفتہ بعد نماز فجر' سورۂ محمد کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۹ اپریل کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی اور ۲۲ مئی کو اس کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ اس طرح تین ہفتوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے جس طرح یہاں تک پہنچا دیا' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں' اپنے رسول معظم کی جناب میں اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول اور مشکور بنا دیں' مخالفین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت اور موافقین کے لیے موجب طمانیت بنا دیں۔

میری' میرے والدین کی' میرے اقرباء کی' میرے اساتذہ' تلامذہ اور احباب کی' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح اور بائنڈر کی اور تمام مسلمانوں کی محض اپنے فضل وکرم اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مغفرت فرمائیں اور ہم

سب کو صحت و عافیت کے ساتھ تاحیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں' ہم کو علوم وافرہ و نافعہ عطا فرمائیں اور گناہوں' دنیا و آخرت کی رسوائی' عذاب' مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین کی سعادتیں اور مسرتیں اور جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین' والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطاھرین وعلی اصحابہ الراشدین وعلی ازواجہ امھات المؤمنین وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹_۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴_۰۳۲۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

سورة الفتح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفتح ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ (الفتح:۱) (اے رسول مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ہے ○

اس سورت کا نام الفتح رکھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا'' (الفتح:۱) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس فتح سے مراد حدیبیہ ہے' آپ کے اصحاب نے کہا: آپ کو مبارک ہو یا رسول اللہ! پس ہمارے لیے کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ.'' (الفتح:۵) شعبہ نے کہا: میں کوفہ گیا اور میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کی اور جب میں واپس ہوا تو میں نے قتادہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ''انا فتحنا لک'' یہ حصہ حضرت انس سے مروی ہے اور ''معنیا موثیا'' یہ حصہ حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۷۲)

اس حدیث کی زیادہ تفصیل ''سنن ترمذی'' میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ.'' (الفتح:۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے زمین سے سب سے زیادہ محبوب ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی' مسلمانوں نے کہا: آپ کو مبارک ہو یا رسول اللہ! بے شک اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا ہے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ.'' (الفتح:۵) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۶۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۴۱۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۰۴۵' تمہید ابن عبد البر ج ۲ ص ۱۶۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۹۶۹' طبع دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' موسسۃ الرسالۃ نے ۵۰ جلدوں میں ''مسند احمد'' شائع کی' اس کے مخرج اور محقق شعیب الارنؤط ہیں اور ان کے ساتھ محققین کی ایک جماعت ہے انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے ''مسند احمد'' ج ۲۰ ص ۳۳۵' رقم الحدیث:۱۳۰۳۶' اس کے علاوہ یہ حدیث تین مزید سندوں کے ساتھ مروی ہے اور ان تمام کے متعلق حمزہ احمد زین اور شعیب الارنؤط نے تصریح کی ہے کہ یہ اسانید صحیحہ ہیں اور ''مسند ابویعلیٰ'' کے مخرج اور محقق حسین

سلیم اسد نے بھی تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے' اس کی زیادہ تفصیل ہم الاحقاف: ۹ میں بیان کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ اس پر مزید گفتگو اس سورت کی تفسیر میں آئے گی۔

سورۃ الفتح کی پہلی دو سورتوں سے مناسبت

(۱) اس سے ایک سورت پہلے الاحقاف ہے' اس میں فرمایا تھا: "وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ" (الاحقاف: ۹) آپ کہیے کہ میں ازخود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس آیت کو اس سورت کی آیت: ۲ نے منسوخ کر دیا' جس میں فرمایا ہے:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔ (الفتح: ۲)

اور اس آیت میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کلی مغفرت فرما دی ہے۔

اور سورۂ محمد میں جس کو سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے اس میں مسلمانوں کو کیفیت قتال کی تعلیم دی تھی' فرمایا:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو۔ (محمد: ۴)

(۲) سورۂ محمد اور سورۃ الفتح دونوں میں مؤمنین' مشرکین اور منافقین کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) سورۂ محمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے اور مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس سورت میں اس دعا کے مقبول ہونے کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور مؤمنین کی اور مؤمنات کی مغفرت فرما دی ہے۔

صلح حدیبیہ کا تذکرہ

"سنن ترمذی" کی حدیث سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تو ہم تھوڑا سا تذکرہ صلح حدیبیہ کا کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں: غزوۂ حدیبیہ چھ ہجری میں ہوا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہجرت کرنے کے بعد چھ سال تک مسلمان مشرکین مکہ کے ساتھ مختلف جنگوں میں مشغول رہے اور مہاجرین اور انصار اس عرصہ میں مشرکین کی دشمنی کے باعث مکہ مکرمہ میں جا کر حج اور عمرہ کی سعادت حاصل نہ کر سکے' ہجرت کے چھٹے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کرنے کا قصد فرمایا' یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۰) اور یہ مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کو اشہر حرم کہا جاتا ہے اور عربوں کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ وہ ذوالقعدہ' ذوالحج' محرم اور رجب میں باہمی لڑائیاں موقوف کر دیتے ہیں' کیونکہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور حج کے بعد واپس جاتے تھے اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کا سفر کرتے تھے' اس لیے یہ امن کا زمانہ تھا اور اس مہینہ میں مشرکین سے بہ ظاہر جنگ کا کوئی خطرہ نہ تھا اس لیے آپ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوئے' آپ کے اکثر اصحاب نے احرام باندھا ہوا تھا اور اپنے اونٹوں کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کا نعل بھی ڈالا ہوا تھا' جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے آپ کو اور آپ کے اصحاب

کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور اس شرط پر آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دی کہ اس سال تو آپ واپس جائیں اور اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے آئیں اور صرف تلوار کو میان میں رکھنے کی اجازت ہے' پھر آپ صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے واپس چلے جائیں اور دس سال کے لیے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان صلح کا معاہدہ کیا اور اس میں یہ شرطیں رکھیں: (۱) اگر اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان آپ کے ساتھ جانا چاہے تو آپ اس کو ساتھ نہیں لے جاسکیں گے (۲) اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو آپ کو اسے مکہ واپس بھیجنا ہوگا (۳) اگر مدینہ سے کوئی شخص مکہ چلا آیا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے (۴) مکہ کے گرد جو قبائل ہیں ان کو اختیار ہوگا خواہ وہ آپ کے حلیف بن جائیں یا ہمارے حلیف بن جائیں' سو بنو خزاعہ آپ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر مشرکین کے حلیف بن گئے' ان تمام شرائط کی تفصیل اور ان کا پس منظر اور پیش منظر عنقریب باحوالہ احادیث آرہا ہے۔

ذوالقعدہ میں عمرہ کے لیے روانہ ہونے اور حدیبیہ کے مقام پر روکے جانے کے متعلق احادیث

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو' بے شک فتح مکہ بھی فتح تھی' لیکن ہم بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں' جو حدیبیہ کے دن ہوئی تھی' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو اصحاب تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے' ہم نے اس سے پانی نکالا تو اس میں ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی' آپ اس کنویں پر آئے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے' پھر آپ نے ایک برتن میں پانی منگایا' آپ نے اس سے وضو کیا' پھر کلی کی اور دعا کی پھر اس پانی کو کنویں میں ڈال دیا' پھر اس کنویں میں اس قدر پانی آ گیا جو ہمیں اور ہماری سواریوں کے لیے کافی تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۰)

مسور بن مخرمہ اور مروان بیان کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی حدیث کی تصدیق کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے' حتیٰ کہ جب وہ ایک مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) قریش کے چند سواروں کے ساتھ مقام غمیم میں ٹھہرے ہوئے ہیں (تاکہ ہماری جاسوسی کریں)' سو تم ذات الیمین کی جانب سے سفر کرو' پس خالد کو مسلمانوں کے حال کا کوئی پتا نہیں چلا' پھر جب انہوں نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو قریش کو خبر پہنچانے گئے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ دستور سفر کرتے رہے' حتیٰ کہ جب آپ ثنیۃ المراء پر پہنچے' جس گھاٹی سے لوگ مکہ میں اترتے ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھانے کے لیے کہا: "حل حل" لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھی' مسلمانوں نے کہا: قصواء اڑ گئی ہے (قصواء آپ کی اونٹنی کا نام تھا)' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے' لیکن اس کو اس ذات نے روک لیا ہے' جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیا تھا' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' قریش جو بھی ایسا مطالبہ رکھیں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہوگی تو میں ان کے مطالبہ کو پورا کردوں گا' پھر آپ نے اونٹنی کو جھڑکا تو وہ کھڑی ہوگئی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے ایک طرف نکل گئے' حتیٰ کہ حدیبیہ کے آخری کنارے پہنچ گئے جہاں ثمد (کم پانی کا چشمہ) تھا' مسلمان اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی استعمال کرنے لگے حتیٰ کہ پانی ختم ہوگیا۔ پس مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی' تو آپ نے اپنے لشکر میں سے ایک تیر نکال کر دیا کہ اس کو پانی میں ڈال دیں' پس اللہ کی قسم! اس چشمہ سے پانی ابلنے لگا اور اس سے لوگ سیراب ہوگئے' وہ لوگ اسی حال میں تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم خزاعہ کے کچھ افراد کے ساتھ آئے' یہ تہامہ کے رہنے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ تھے' انہوں نے بتایا کہ میں اپنے پیچھے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو چھوڑ کر آ رہا ہوں' جنہوں نے حدیبیہ کے پانی کے ذخیرہ پر اپنا پڑاؤ ڈال دیا ہے اور ان کے

ساتھ بہ کثرت دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں اور ان کے ساتھ اور اونٹنیاں اور ان کے بچے بھی ہیں اور وہ آپ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں اور وہ آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنے والے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یہاں کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے' بلکہ ہم یہاں پر عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں اور بے شک جنگ نے قریش کو کمزور کر دیا ہے اور ان کو نقصان پہنچایا ہے اور اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لیے ایک مدت کا تعین کر دیتا ہوں اور اس مدت میں وہ مجھے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیں' پھر اگر وہ چاہیں تو وہ بھی اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں لوگ داخل ہوئے ہیں اور اگر میں اس دین کی تبلیغ میں (بالفرض) کامیاب نہ ہوا تو وہ مجھ سے مامون ہو جائیں گے اور اگر وہ میری اس پیش کش کو قبول نہیں کرتے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تو میں اس دین کی تبلیغ پر ان سے ضرور جنگ کروں گا' حتیٰ کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور نافذ فرمائے گا۔ بدیل نے کہا: میں آپ کا پیغام قریش تک پہنچا دوں گا' پھر وہ قریش کے پاس گئے اور کہا: میں تمہارے پاس اس شخص (کریم) کے پاس سے آیا ہوں' اور ہم نے ان سے ان کا پیغام سنا ہے' اگر تم چاہو تو میں وہ پیغام تم کو سناؤں' قریش کے نادان لوگوں نے کہا: ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ان کے سمجھ دار لوگوں نے کہا: بتاؤ! تم نے ان سے کیا سنا ہے؟ بدیل نے کہا: میں نے ان کو اس طرح' اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے اور اس نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پیغام سنایا' پھر عروہ بن مسعود (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا تم میری اولاد کے حکم میں نہیں ہو؟ قریش نے کہا: کیوں نہیں! پھر کہا: کیا میں تمہارے باپ کے حکم میں نہیں ہوں؟ پھر کہا: کیا تم مجھ پر کوئی تہمت لگا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں' پھر کہا: کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے تمہاری خاطر اہل عکاظ کو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑنے کی دعوت دی تھی اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں نے اپنے تمام گھر والوں کو تمہاری حمایت میں لا کر کھڑا کر دیا تھا؟ قریش نے کہا: کیوں نہیں! تمہاری سب باتیں درست ہیں' تب اس نے کہا: اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے سامنے مناسب پیش کش کی ہے' تم اس کو قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں ان کے پاس جا کر اس سلسلہ میں ان سے بات کروں' قریش نے کہا: تم جاؤ' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اسی طرح بات کی جس طرح بدیل سے بات کی تھی' اس وقت عروہ نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ فرمائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تو کیا آپ نے اس سے پہلے کسی بھی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا ہو اور اگر اس کے برخلاف صورتِ حال ہوئی یعنی آپ کے اور قریش کے درمیان جنگ برپا ہوئی تو میں آپ کے ساتھ جن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں یہ سب بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے' اس موقع پر حضرت ابوبکر نے عروہ کو شتم کرتے ہوئے کہا: تو لات کی فرج کو چوس' کیا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ ابوبکر ہیں' تب اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تمہارا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں ابھی تک جواب نہیں دے سکا تو میں تمہاری اس بات کا جواب ضرور دیتا۔ اور عروہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تھا تو آپ کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑتا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور ان کے پاس تلوار تھی اور ان کے سر پر خود تھا' پس جب بھی عروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور اس کے ہاتھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی طرف بڑھنے سے روکتے' عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں' عروہ نے کہا: اے عہد شکن! کیا میں اب تک تیرے بھرنے بھر نہیں رہا' اور حضرت مغیرہ زمانہ جاہلیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ تھے

جو لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گئے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا اسلام تو قبول کرتا ہوں' رہا تمہارا مال تو میں اس میں سے کوئی چیز قبول نہیں کروں گا' پھر عروہ کن انکھیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھتے رہے' پس اللہ کی قسم! جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم تھوکا تو صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی شخص اس کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتا' پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا' پھر جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو وہ سب اس کام کو کرنے کے لیے جھپٹ پڑتے اور جب آپ وضو کرتے تو وہ سب آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے لیے ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ بات کرتے تو وہ سب آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو سر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ عروہ واپس اپنے اصحاب کے پاس گئے اور کہا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں اور میں نے ہرگز نہیں دیکھا کسی بادشاہ کے اصحاب اس بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں اور اللہ کی قسم! وہ جب بھی بلغم تھوکتے ہیں تو وہ ان کے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور اپنے جسم پر ملتا ہے اور جب وہ انہیں کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ سب اس کام کو کرنے کے لیے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں' گویا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ سب ان کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور بے شک انہوں نے تمہارے سامنے ایک قابل عمل تجویز رکھی ہے' تم کو چاہیے کہ تم اس کو قبول کر لو' پھر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے کہا: مجھے ان کے پاس جانے دو' قریش نے کہا: اچھا تم جاؤ' پس جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتی ہے' سو قربانی کے اونٹ اس کے سامنے لے آؤ (تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں) پھر قربانی کے اونٹ اس کے سامنے لائے گئے اور مسلمان ''اللھم لبیک'' کہنے لگے' اس نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ جانے سے نہیں روکنا چاہیے' پھر قریش میں سے مکرز بن حفص نام کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: مجھے ان کے پاس جانے دو' قریش نے کہا: اچھا تم جاؤ' جب اس نے مسلمانوں کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مکرز ہے اور یہ بہت بُرا آدمی ہے' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگا' پس جس وقت وہ آپ سے بات کر رہا تھا تو سہیل بن عمرو آ گیا۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب سہیل بن عمرو آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو آسان کر دیا۔

زہری کی روایت میں ہے: پھر سہیل بن عمرو آیا اور اس نے کہا: آپ اپنے اور ہمارے درمیان ایک معاہدہ لکھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلوایا اور اس سے فرمایا: لکھو' ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سہیل نے کہا: رہا رحمٰن تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے؟ لیکن آپ لکھیں ''باسمک اللھم'' جیسا کہ آپ پہلے لکھتے تھے' مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے سوا اور کچھ نہیں لکھیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ''باسمک اللھم'' لکھ دو' پھر آپ نے فرمایا: لکھو' یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے' سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے' لیکن آپ لکھیں: محمد بن عبد اللہ' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں' اگرچہ تم نے مجھے جھٹلایا ہے' تم محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دو' زہری نے کہا: آپ کا یہ

ارشاد اس وجہ سے تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قریش مجھ سے جو بھی ایسا مطالبہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہو گی تو میں ان کا مطالبہ پورا کردوں گا' پھر اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شرط پر کہ تم ہمارے لیے بیت اللہ کو خالی کر دو گے اور ہم اس کا طواف کرلیں گے' سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا' ورنہ عرب کہیں گے کہ ہم نے دباؤ میں آ کر صلح کی ہے' لیکن آپ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں گے' سو اس کو لکھ دیا گیا اور اس شرط پر کہ ہمارے پاس سے جو شخص بھی آپ کے پاس آئے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہو' آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہو گا' مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! ایک مسلمان کو کیسے مشرکین کی طرف واپس کیا جائے گا؟ حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے ہمارے پاس آیا ہے' ابھی ان میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو آ گئے' ان کے پیروں میں بیڑیاں تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے' وہ مکہ کے نشیبی علاقوں کی طرف سے بھاگ کر آئے تھے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے گرا دیا' سہیل نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں اس معاہدہ کے مطابق آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اس کو ہماری طرف واپس کر دیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے ابھی تک اس شرط کو معاہدہ میں درج نہیں کیا ہے' سہیل نے کہا: پھر اللہ کی قسم! میں آپ سے کبھی بھی صلح نہیں کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو' سہیل نے کہا: میں اس کو آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑوں گا' آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم ایسا کر لو' اس نے کہا: میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا' مکرز نے کہا: چلو ہم اس کو آپ کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں' حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا' حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں' کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ مجھے کس مصیبت کا سامنا ہے اور ان کو اللہ کا دین قبول کرنے کی پاداش میں سخت عذاب دیا گیا تھا؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا' میں نے کہا: کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم عن قریب بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو بے شک تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور میں نے کہا: اے ابوبکر! کیا یہ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں' میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: کیوں نہیں' میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ تب حضرت ابوبکر نے کہا: اے شخص! وہ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ ان کی مدد فرمائے گا' پس تم ان کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو پس اللہ کی قسم! وہ ضرور حق پر ہیں' میں نے کہا: کیا انہوں نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: کیوں نہیں! لیکن کیا انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس سال بیت اللہ جا کر اس کا طواف کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں' حضرت ابوبکر نے کہا: تو تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا کہ میں نے اپنی اس عجلت کی تلافی کے لیے بہت نیک اعمال کیے اور جب معاہدہ لکھنے سے فراغت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کہا: اٹھو اور اونٹوں کو نحر کرو (یعنی ان کی قربانی

کرو)' پھر اپنے سر مونڈ لو اللہ کی قسم! آپ کے اصحاب میں سے (رنج کی وجہ سے) کوئی شخص نہیں اٹھا حتیٰ کہ آپ نے تین بار یہ ارشاد دہرایا' پس جب ان میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے' پھر آپ نے ان کو صحابہ کے طرزِ عمل کی خبر دی' حضرت ام سلمہ نے کہا: یا نبی اللہ! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ باہر جائیں اور کسی سے کوئی بات نہ کریں حتیٰ کہ اپنے اونٹ کو نحر کر دیں (اس کی قربانی کر دیں)' پھر آپ اپنے حجام کو بلائیں اور وہ آپ کا سر مونڈ دے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر گئے اور کسی سے کوئی بات نہ کی' حتیٰ کہ آپ نے اپنی قربانی کے اونٹ کو نحر (ذبح) کر دیا اور آپ نے اپنے حجام کو بلایا اور اس نے آپ کا سر مونڈ دیا' جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اپنے اپنے اونٹ نحر کر دیئے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے اور ان کا حال دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ مارے رنج و غم کے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے' پھر آپ کے پاس عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں آزما لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ' وہ مؤمن عورتیں کفار کے لیے حلال نہیں' اور نہ وہ کفار ان مؤمن عورتوں کے لیے حلال ہیں' اور کفار نے جو ان پر خرچ کیا ہے وہ تم ان کو ادا کر دو' اور ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بہ شرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر دو' اور اے مسلمانو! تم کافر عورتوں کو اپنی زوجیت میں نہ روکے رکھو' اور تم نے جو ان کے مہر پر خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ اس کو طلب کریں' یہ اللہ کا حکم ہے' جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ○

اسی دن حضرت عمر نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی جو اب تک شرک کی حالت میں تھیں' ان میں سے ایک نے معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ چلے گئے' پھر قریش میں سے ایک شخص مسلمان ہو کر مدینہ آئے وہ حضرت ابوبصیر تھے' قریش نے ان کی تلاش میں دو آدمی بھیجے اور کہا: آپ نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اس کے مطابق ان دونوں کو واپس کر دیجئے' آپ نے معاہدہ کے موافق حضرت ابوبصیر کو ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا' وہ دونوں حضرت ابوبصیر کو لے کر روانہ ہوئے' حتیٰ کہ جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو کھجوریں کھانے کے لیے سواریوں سے اترے' حضرت ابوبصیر نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ ہے' دوسرے آدمی نے وہ تلوار میان سے نکالی اور کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! یہ تلوار بہت عمدہ ہے' میں اس کا بارہا تجربہ کر چکا ہوں' حضرت ابوبصیر نے کہا: ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ' اس شخص نے وہ تلوار ان کے قبضہ میں دے دی' حضرت ابوبصیر نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا حتیٰ کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور دوسرا آدمی فرار ہو گیا' حتیٰ کہ وہ بھاگ کر مدینہ پہنچا اور دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ شخص کچھ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے' اس نے کہا: اللہ کی قسم! میرا ساتھی تو مارا گیا اور لگتا ہے میں بھی مارا جاؤں گا' پھر حضرت ابوبصیر آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے

آپ کو آپ کی ذمہ داری سے بری کر دیا' آپ مجھے ان کے حوالے کر چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دلا دی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہاری ماں تم پر افسوس کرے! اگر اس کے ساتھ اس کا کوئی مددگار ہوتا تو تم نے تو جنگ کی آگ بھڑکا دی تھی' حضرت ابوبصیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پھر مشرکین کی طرف لوٹانے والے ہیں' پھر حضرت ابوبصیر مدینہ سے چلے گئے اور ساحل سمندر کی طرف آ گئے اور حضرت ابوجندل بن سہیل بھی اپنے گھر والوں کی قید سے چھوٹ کر ان کے ساتھ آ ملے' پھر قریش کا جو شخص بھی اسلام قبول کرتا وہ مدینہ جانے کے بجائے ساحل سمندر کی طرف چلا جاتا' اس طرح وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت بن گئی' پس اللہ کی قسم! ان کو مشرکین کے جس قافلہ کے متعلق بھی یہ خبر ملتی کہ وہ (تجارت کے لیے) شام جا رہا ہے' تو وہ راستہ میں اس قافلہ پر حملہ کر کے قافلہ والوں کو قتل کر دیتے اور ان کا مال و متاع بہ طور مال غنیمت کے لے آتے' پھر قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا اور آپ کو اللہ کا نام لے کر دہائی دی اور صلہ رحم کا واسطہ دیا اور (اپنی شرط واپس لے لی) اور کہا: اب جو بھی آپ کے پاس آئے گا وہ مامون ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ○ (الفتح: ۲۴)

وہی اللہ ہے جس نے سرزمین مکہ میں تم کو کافروں کے ہاتھوں سے بچایا اور کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے (ساحل سمندر میں) بچایا' اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

اور یہ آیتیں یہاں تک نازل ہوئیں:

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (الفتح: ۲۶)

جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی اور وہ زمانہ جاہلیت کا تعصب تھا۔

اور ان کا جاہلانہ تعصب یہ تھا کہ انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور انہوں نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا اقرار نہیں کیا اور وہ مسلمانوں اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱-۲۷۳۲)

صلح حدیبیہ کی باقی ماندہ شرائط

"صحیح البخاری" کی اس طویل حدیث میں صرف ان شرائط کا ذکر ہے' (۱) مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور تلواروں کو میان میں رکھ کر آئیں' اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ (۲) جو مسلمان مکہ سے مدینہ چلا جائے' مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اس کو مکہ واپس کر دیں۔

ان کے علاوہ اور شرائط بھی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چھ ذی الحجہ) ذوالقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اس پر صلح کی کہ آپ (اگلے سال) مکہ میں صرف تین دن رہیں' جب یہ شرائط لکھی گئیں تو مسلمانوں نے لکھا کہ یہ وہ شرائط ہیں جن پر (سیدنا) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی ہے' مشرکین نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کرتے' اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (عمرہ کرنے سے) بالکل منع نہ کرتے' لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں' آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں' پھر آپ نے حضرت علی سے فرمایا: "رسول اللہ" کے لفظ کو کاٹ دو' حضرت علی نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں

''رسول اللہ'' کے لفظ کو کبھی نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب کو اٹھایا اور آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے' پھر آپ نے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جس کو محمد بن عبداللہ نے لکھا ہے۔ (۱) مکہ میں کوئی شخص (کھلے) ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوگا' مگر تلوار میان میں ہوگی (۲) اور اہل مکہ میں سے کسی شخص کو نکالا نہیں جائے گا خواہ وہ آپ کی اتباع کرنا چاہتا ہو (۳) اور اگر آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو منع نہیں کیا جائے گا' پھر جب آئندہ سال آپ مکہ میں داخل ہوئے اور تین دن گزر گئے تو مشرکین حضرت علی کے پاس گئے اور کہا: تم اپنے نبی سے کہو کہ وہ اب ہمارے پاس سے چلے جائیں۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵۱)

معاہدہ میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ یہ معاہدہ دس سال کے لیے ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی امور کا ذکر تھا ان سب کا ذکر 'سیرت ابن ہشام' میں ہے' جس سے دیگر کتب سیر نے نقل کیا ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے کہ دس سال تک لوگوں کو جنگ سے دور رکھا جائے اور ان سالوں میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے فتنہ کو روکیں کہ جو شخص قریش میں سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قریش کی اجازت کے بغیر چلا جائے گا اس کو قریش کے پاس واپس بھیجا جائے گا اور جو شخص (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے قریش کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم ایک دوسرے کے خلاف عداوت ظاہر نہیں کریں گے' اور جو قبیلہ چاہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہو جائے اور جو چاہے وہ قریش کا حلیف ہو جائے اور ان کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو جائے' پھر خزاعہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ مع الروض الانف ج ۴ ص ۵۰۔۵۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

بیعت رضوان کے متعلق قرآن مجید کی آیات

معاہدہ کو تحریر کرنے سے پہلے ایک اہم واقعہ رونما ہوا تھا جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے' قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بیعت رضوان کا ذکر ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۸۔۲۰)

بے شک اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے ایک درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اس کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا' سو اس نے ان پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور ان کو عنقریب (حاصل ہونے والی) فتح عطا فرمائی ۝ اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غالب' بہت حکمت والا ہے ۝ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' سو یہ (فتح حدیبیہ) تو تمہیں جلدی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ یہ مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تم کو سیدھے راستے پر چلائے ۝

اور اس آیت میں بھی بیعت رضوان کا ذکر ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الفتح: ۱۰)

بے شک جو لوگ (بہ ظاہر) آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ (در حقیقت) اللہ سے ہی بیعت کر رہے تھے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا' سو جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے ۝

بیعت رضوان کے متعلق احادیث

اور ان حدیثوں میں بھی بیعت رضوان کا ذکر ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم حدیبیہ کو ہم چودہ سو افراد تھے' ہم نے آپ سے بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ لیکر کے درخت کے نیچے پکڑا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا جس دن درخت کے نیچے بیعت ہو رہی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بیعت کر رہے تھے اور میں آپ کے سر سے درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہٹا رہا تھا اور ہم اس دن چودہ سو افراد تھے' انہوں نے کہا: ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی لیکن ہم نے یہ بیعت کی تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۸)

یزید بن ابی عبید' سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلمہ سے پوچھا کہ حدیبیہ کے دن آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: موت پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ آپ نے بعض صحابہ سے اس پر بیعت لی ہو کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں اور بعض صحابہ سے اس پر بیعت لی ہو کہ وہ تادم مرگ آپ کے ساتھ رہیں گے۔

عثمان بن موہب بیان کرتے ہیں کہ اہل مصر سے کچھ لوگوں نے بیت اللہ کا حج کیا' اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا' اس نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کسی نے کہا: یہ قریش ہیں' اس نے پوچھا: ان میں جو بوڑھا آدمی ہے وہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' اس نے کہا: اے ابن عمر! میں آپ سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں' آپ مجھے بتایئے: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان جنگ اُحد میں بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ وہ جنگ بدر میں غائب تھے اور حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان بیعت رضوان سے غائب تھے اور اس موقع پر حاضر نہیں تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اللہ اکبر! حضرت ابن عمر نے فرمایا: سنو! اب میں تمہیں اس کی وجوہ بیان کرتا ہوں' رہا جنگ احد میں بھاگنے کا معاملہ تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کر دی اور رہا جنگ بدر سے غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقد نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی تھیں اور وہ بیمار تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کو اس شخص کا اجر ملے گا جو جنگ بدر میں حاضر ہوا اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ بھی نکالا اور رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب ہونا تو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت کوئی اور شخص سرزمین مکہ میں اہل مکہ کے نزدیک معزز ہوتا تو آپ اس کو سفارت کے لیے بھیج دیتے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو سفارت کے لیے بھیج دیا اور حضرت عثمان کے جانے کے بعد بیعت رضوان منعقد ہوئی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا: یہ عثمان

کا ہاتھ ہے' پھر آپ نے اس کے اوپر دوسرا ہاتھ مارا' پھر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے' پھر حضرت ابن عمر نے اس شخص سے فرمایا: جا! اب ان جوابات کو لے کر چلا جا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۱)

بیعت رضوان کا مفصل واقعہ

بیعت رضوان کا مفصل واقعہ اور اس کا پس منظر اور پیش منظر کتب سیرت میں مرقوم ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ قریش نے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے گرد چکر لگائیں تاکہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کو پکڑ لیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے اوپر پتھر پھینکے اور تیر مارے' ان کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا' آپ نے ان سب کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ ان کو مکہ بھیجیں اور وہ آپ کی طرف سے قریش کے سرداروں کو یہ پیغام پہنچائیں کہ آپ صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے قریش کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں عدی بن کعب کی اولاد میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حفاظت کر سکے اور آپ کو معلوم ہے کہ قریش مجھ سے بہت شدید عداوت رکھتے ہیں' لیکن میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جو میری بہ نسبت ان کے نزدیک بہت معزز اور محترم ہے اور وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کو بلایا اور ان کو ابوسفیان اور قریش کے سرداروں کی طرف بھیجا' تاکہ وہ ان کو بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ آپ صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم کے لیے آئے ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا: پھر حضرت عثمان مکہ گئے جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی ملاقات سعید بن العاص سے ہوئی' اس نے ان کو پناہ دی حتیٰ کہ حضرت عثمان نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا' پھر حضرت عثمان' ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا' انہوں نے حضرت عثمان سے کہا: اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو تم طواف کر لو' حضرت عثمان نے کہا: جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں میں طواف کرنے والا نہیں ہوں' پھر قریش نے حضرت عثمان کو پکڑ کر بند کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس قوم سے جنگ میں مقابلہ نہ کریں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کرنے کے لیے بلایا' پھر ایک درخت کے نیچے یہ بیعت منعقد ہوئی اور مسلمان یہ کہتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مرنے کے لیے بیعت کی ہے یعنی تادم مرگ آپ کے ساتھ لڑتے رہیں گے' حضرت جابر بن عبداللہ یہ کہتے تھے کہ ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی' ہم نے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور بھاگیں گے نہیں۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت کی اور اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا۔

(السیرۃ الحلبیہ علی ہامش الروض الانف ج ۳ ص ۷۔۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

پھر حاضرین میں سے تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد آپ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کی جو خبر آئی تھی وہ باطل تھی۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۲۷۸۔۲۸۰ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(المنتظم ج ۲ ص ۱۹۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن محمد شیبانی ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ اور علامہ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اس کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۳۸ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۰ھ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد المتوفی ۲۰۷ھ نے حضرت عثمان کے سلسلہ میں بہت ایمان افروز واقعہ لکھا ہے:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سفارت کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے تو مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! عثمان تو مکہ پہنچ گئے اب وہ طواف کرلیں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ہم کو یہاں مکہ میں داخل ہونے سے روکا ہوا ہو اور عثمان مکہ میں پہنچ کر ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف کرلیں۔ مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! جب عثمان مکہ میں پہنچ گئے ہوں گے تو ان کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے کیا چیز مانع ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا گمان یہی ہے کہ وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک کہ ہم طواف نہ کرلیں۔ پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچ گئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا: تم نے بیت اللہ کا طواف کر کے اپنی پیاس بجھالی؟ حضرت عثمان نے فرمایا: تم نے میرے متعلق بہت برا گمان کیا ہے' اگر میں وہاں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ کے بغیر کبھی طواف نہ کرتا' مجھے قریش نے بیت اللہ کا طواف کرنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے انکار کر دیا' تب مسلمانوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں اور ہم سب سے اچھا گمان کرنے والے ہیں۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۱۔۶۰۲' عالم الکتب بیروت ۱۴۰۴ھ)

بشارت کی تعیین سے پہلے عمرہ حدیبیہ کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ ۶ھ میں عمرہ کرنے کا جو قصد کیا تھا اور چودہ سو اصحاب کے ساتھ آپ عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے تھے' اس کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ سے پہلے خواب میں یہ دکھایا تھا کہ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ انتہائی امن اور بے خوفی کے ساتھ عمرہ کرنے جا رہے ہیں' نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے' ہر چند کہ اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے کب روانہ ہوں گے' لیکن چھ سال سے آپ نے اور مسلمانوں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا' نہ اس کی زیارت کی تھی تو آپ اور سب مسلمان بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کے لیے بے چین تھے' اس لیے خواب میں جب بیت اللہ کی زیارت اور اس کے طواف کرنے کا مژدہ اور اس کی بشارت ملی تو آپ نے عمرہ کے لیے رخت سفر باندھنے میں ذرا تاخیر نہ کی اور فوراً عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے اور اس کے لیے مسلمانوں میں اعلان عام کرایا گیا اور آپ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے' یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے ایسی شرائط عائد کیں جن سے بہ ظاہر مسلمان مغلوب معلوم ہوتے تھے اور کفار قریش غالب نظر آتے تھے اور سب مسلمان ان شرائط کے ماننے پر ملول اور افسردہ تھے' حتیٰ کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جب ہم حق پر اور

ہمارے دشمن باطل پر ہیں تو ہم ان سے دب کر شرائط کیوں مانیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا' حضرت عمر نے کہا: کیا آپ نے ہم سے یہ بات نہیں بیان فرمائی تھی کہ ہم عنقریب بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟ حضرت عمر نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو بے شک تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ امن کے ساتھ عمرہ کریں گے آپ کو اس وحی پر اعتماد تھا کہ یہ خواب کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی' سو اگلے سال یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے گئے اور جب آپ کا خواب سچا ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور بہ ضرور مسجد حرام (کعبہ) میں بے خوفی سے داخل ہو گے اپنے سروں کے بال منڈواتے ہوئے اور کترواتے ہوئے اور تم کسی سے نہیں ڈرو گے' پس اللہ کو ان چیزوں کا علم ہے جن کو تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی ۝

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے تعیین کے بغیر ایک سال پہلے عمرہ کے لیے روانہ کیوں ہو گئے' کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعیین کر دی جاتی کہ عمرہ کی بشارت فلاں سال میں پوری ہوگی تب آپ عمرہ کے لیے روانہ ہوتے تاکہ مسلمانوں کو دب کر کافروں کی شرائط ماننے کی ذلت نہ اٹھانا پڑتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا' قرآن مجید میں ہے: ''قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ'' (الاعراف: ۲۰۳) آپ کہیے: میں صرف وہی کام کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے' آپ کا چھ ہجری میں عمرہ کے لیے روانہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا اور اس سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اس سفر کے نتیجہ میں بیعت رضوان منعقد ہوئی اور حضرت عثمان کا مقام ظاہر ہوا کہ ان کا قصاص لینے کے لیے تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ظاہر ہوا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ نے اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا۔

(۲) صحابہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اطاعت کا ظہور ہوا کہ کفار سے دب کر شرائط ماننا ان کی آن اور خودداری کے خلاف تھا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے اپنی آن' خودداری اور جذبات کو قربان کر دیا۔

(۳) کفار قریش نے جو یہ شرط رکھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ جائے گا اس کو مسلمان واپس کریں گے ان کو نقصان اٹھا کر یہ شرط واپس لینی پڑی اور حقیقت میں وہ ذلیل ہوئے۔

(۴) صلح حدیبیہ بعد کی فتوحات کے لیے پیش خیمہ بنی' ۶ ھ میں آپ کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے اور دو سال بعد آپ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔

(۵) صلح حدیبیہ سے مکہ کے گرد قبائل کو معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند شخص ہیں اور قریش مکہ ہٹ دھرم اور ظالم ہیں یہ حرم مکہ کے خادم اور متولی تھے لیکن انہوں نے حرم شریف کو اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا' جس کو یہ چاہیں عمرہ کرنے دیں

اور جس کو چاہیں عمرہ نہ کرنے دیں اس سے اسلام کی تبلیغ کی راہ ہموار ہوگئی اور بہ کثرت فتوحات ہوئیں ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر اور غزوۂ موتہ میں فتح ہوئی اور آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا' پھر طائف فتح ہوا' پھر فتوحات حاصل ہوتی گئیں اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

(۶) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کفار کی شرائط پر صلح نہ کرتے تو جنگ چھڑ جاتی' اگرچہ مسلمانوں کی طرف سے یہ مدافعانہ جنگ ہوتی لیکن حرمت والے مہینہ میں احرام باندھے ہوئے حدودِ حرم میں جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے مناسب نہ تھا جب کہ اس جنگ سے بچنے کی صورت موجود تھی کہ مسلمان آئندہ سال امن سے عمرہ کرلیتے ورنہ کفار مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ انہوں نے حرمت والے مہینہ' احرام اور حدودِ حرم کا لحاظ نہیں کیا۔

(۷) اگر یہ جنگ چھڑ جاتی تو اس وقت جو مسلمان مکہ میں اسلام قبول کرچکے تھے ان کے لیے زیادہ مشکل ہوتی اور مسلمان ذہنی طور پر کسی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں چلے تھے وہ احرام باندھ کر صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

(۸) سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس جنگ کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا تھا' اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو مسلمانوں کا صبر اور ضبط' مسلمانوں کی اطاعت رسول اور ان کی امن پسندی دکھانا چاہتا تھا۔

(۹) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا تھا اور اپنے رسول کی زندگی میں یہ نمونہ رکھنا چاہتا تھا کہ مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوں اور دشمن کے خوف یا کسی مرض کی وجہ سے یا کسی بھی ناگہانی افتاد کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکیں تو وہ اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کردیں اور اپنے سر مونڈ لیں اور احرام کھول دیں۔

(۱۰) بعض مدینہ کے قبائل (غفار' مزینہ' جہینہ اور اسلم وغیرہ) یہ سوچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کرنے نہیں گئے کہ مسلمان عمرہ کے لیے مسلح ہو کر تو جا نہیں سکتے' اگر ایسے میں کفار نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کرلیا تو نہتے مسلمان ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں:

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ (الفتح: ۱۱-۱۲)

دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب آپ سے یہ کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور گھر والوں میں مشغول رہے' آپ (ہمارے ساتھ نہ جانے پر) مغفرت طلب کریں' وہ اپنی زبانوں سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے' آپ کہیے کہ تمہیں اللہ کے مقابلہ میں کون بچاسکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے' بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ بلکہ (حقیقت میں) تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین اب اپنے گھروں میں کبھی واپس نہ آسکیں گے اور یہ چیز تمہارے دلوں میں خوش نما بن چکی تھی' تم نے بُرا گمان کیا تھا اور تم لوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے ○

ان آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ہرچند کہ آپ کو خواب میں عمرے کی بشارت کی یہ تعیین نہیں کی تھی کہ آپ کس سال عمرہ کریں گے پھر بھی حصولِ تعیین سے پہلے آپ کا عمرہ کے لیے روانہ ہونا صحیح تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان اعراب کی مذمت فرمائی جو اپنی ہلاکت کے ڈر سے آپ کے ساتھ نہیں گئے اور ان

کو ہلاک ہونے والی قوم قرار دیا۔

اور آپ کا بہ ظاہر دب کر کفار کی شرائطِ صلح کو قبول کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی کی اتباع میں تھا' لوگ سمجھ رہے تھے کہ اس معاہدہ میں کفار کا پلہ بھاری تھا لیکن حقیقت میں آپ کا اور مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور بعد کے واقعات نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا۔

(١١) تعیین بشارت سے پہلے عمرہ کے سفر کو اختیار کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ کامل تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مصدق تھے کیونکہ حضرت ابوبکر کو شرائطِ صلح کے متعلق بال برابر بھی تردد نہیں ہوا۔

(١٢) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کا عکاس اور مظہر تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جو جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے' بعد میں وہی جوابات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی دیئے۔ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا' بعد میں جب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے شخص! وہ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ ان کی مدد فرمائے گا' باقی سوالات کے جوابات میں بھی اسی طرح یکسانیت ہے۔

''صحیح بخاری'' میں اسی طرح ہے لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کے بالکل الٹ لکھا ہے کہ پہلے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے سوالات کیے اور ان کے جوابات سننے کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ لکھتے ہیں: حضرت عمر کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی میرے دل میں شک نے راہ نہ پائی تھی' مگر اس موقع پر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا' وہ بے چین ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا......... پھر ان سے صبر نہ ہوا جا کر یہی سوالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیے اور حضور نے بھی ان کو ویسا ہی جواب دیا جیسا حضرت ابوبکر نے دیا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ٣٩ ترجمان القرآن لاہور اپریل ١٩٨٢ء)

(١٣) نیز اس سے حضرت عثمان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی شدت معلوم ہوئی' کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کے لیے انہیں مکہ جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کوئی عذر پیش نہیں کیا اور بے خوف وخطر دشمن کے علاقہ میں چلے گئے۔

(١٤) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عبادت کا درجہ بعد میں ہے' پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور آپ کی تعظیم کا درجہ ہے' انہیں بیت اللہ کے طواف کی پیش کش کی گئی' لیکن انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کعبہ کا طواف نہیں کروں گا۔

(١٥) اور اس سے حضرت عثمان کی یہ فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ان کی طرف سے خود بیعت کی' اس وقت بیعت رضوان میں سب حضور کے طالب تھے اور حضور حضرت عثمان کے طالب تھے' تمام صحابہ اس وقت بیعت کے طالب اور حضرت عثمان بیعت کے مطلوب تھے اور یہ ان کی اس اطاعت اور جاں نثاری کا صلہ تھا کہ وہ آپ کے حکم پر بغیر کسی عذر کے بے خوف وخطر دشمن کے علاقہ میں چلے گئے تھے۔

سورۃ الفتح کا مقام نزول اور زمانہ نزول

سورۃ الفتح مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں انتیس آیتیں ہیں' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر اڑتالیس ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ایک سو تیرہ (١١٣) ہے' یہ سورۃ الصف کے بعد اور سورۃ التوبہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

واحدی نے بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکہ اور مدینہ میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی' اس وقت مسلمان عمرہ کے لیے جانا چاہتے تھے اور کفار مکہ ان کے درمیان حائل ہو گئے تھے اور ان کو بیت اللہ کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جانے نہیں دے رہے تھے اور اس وقت بہت رنج اور افسوس میں تھے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ'' (الفتح:١) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

سورۃ الفتح کے مسائل اور مقاصد

☆ سورۃ الفتح میں اس چیز کی بشارت ہے کہ حدیبیہ کی صلح مسلمانوں کے لیے فتح مکہ کی تمہید ہے اور اب وہ وقت قریب ہے جب مسلمانوں کو کفار پر مکمل غلبہ حاصل ہو جائے گا' اور اس مہم سے مسلمانوں کو جنت اور فوز عظیم حاصل ہو گی اور ان منافقوں کے لیے یہ اللہ کے غضب کا سبب بنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بدگمانی کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو لے کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

☆ مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اللہ کی طرف سے جو عظیم الشان رسول آیا ہے' مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی تعظیم اور توقیر کریں اور تمام مہمات میں اس کے ساتھ تعاون کریں اور جو لوگ اس رسول کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

☆ جو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کے اس سفر میں نہیں گئے تھے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اب یہ مختلف حیلے بہانے کر کے آپ کے پاس مغفرت کی درخواست لے کر آئیں گے' آپ انہیں بتا دیں کہ ان کا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہے اور ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق اگر انہیں یہ یقین ہو کہ اس میں کوئی لقمہ تر ان کے ہاتھ آنے والا ہے تو ان کی پوری خواہش ہوتی ہے کہ یہ اس غزوہ میں شریک ہوں اور جب ان کو یہ معلوم ہو کہ اس غزوہ میں کسی طاقت ور دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے' تو یہ اس میں شرکت سے پہلو تہی کرتے ہیں اور جان چراتے ہیں۔

☆ اس سورت میں یہ بھی بتایا ہے کہ اگر اس موقع پر کفار مسلمانوں سے جنگ کرتے تو منہ کی کھاتے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق اور اس کی تعبیر میں تاخیر کی حکمت۔

☆ تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ یقینی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تورات میں تصویر اور حق کے تدریجی غلبہ کی ''انجیل'' میں تمثیل۔

سورۃ الفتح کا تعارف کافی طویل ہو گیا اور یہ اب تک کی سورتوں میں بیان کیے گئے تعارف میں سب سے طویل تعارف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں بہت اہم اور معرکۃ آراء مباحث ہیں تو ہم نے چاہا کہ قارئین کو شروع میں ہی ان مباحث سے مکمل آگاہی حاصل ہو جائے۔

اور اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں' اے بار الٰہ! مجھ سے اس سورت کی تفصیل میں وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باطل اور غلط ہو اس کا رد کرنے کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/ ۳ جون ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفتح مدنی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے   اس میں انتیس آیتیں چار رکوع ہیں

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن

(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے

ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا

آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو

مُّسْتَقِيمًا ٢ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ٣ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ

صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے O وہی ہے جس نے مؤمنوں

السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ

کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کا ایمان ان کے پچھلے ایمان سے اور زیادہ ہو

وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ٤

اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے O

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

تاکہ اللہ مؤمنوں اور مؤمنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ

دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے، اور یہ اللہ کے

عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ٥ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ

نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے O اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ

اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے ہیں، ان ہی پر

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ

بُری گردش ہے، اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کیا

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ

اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہےO اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں، اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ۙ

والا ہےO بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہےO

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی

وَّاَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ

تسبیح پڑھوO بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ

اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ

ہے ان کے ہاتھوں پر، سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہو گا،

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ع ۱ ۱۰ ۹

اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائیO تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھےO اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائےO وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کا ایمان ان کے پہلے ایمان سے اور زیادہ ہو، اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں، اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہےO تاکہ اللہ مؤمنوں اور مؤمنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہےO (الفتح: ۱-۵)

(الفتح: ۱) سے آیا فتح مکہ مراد ہے یا فتح حدیبیہ؟

الفتح: ۱ میں جس فتح کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد کون سی فتح ہے؟ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں: (۱) فتح مکہ (۲) فتح روم (۳) صلح حدیبیہ کی فتح (۴) دلائل اور براہین سے اسلام کی فتح (۵) اسلحہ سے اسلام کی فتح (۶) حق اور باطل کے اختلاف

میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حدیبیہ کی فتح ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے الفتح: ۱ کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۴) حضرت جابر نے کہا: ہم فتح مکہ کا شمار نہیں کرتے تھے مگر حدیبیہ کے دن اور فراء نے کہا: حضرت جابر نے فرمایا: تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو' فتح مکہ بھی فتح تھی اور ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو افراد تھے' اور حدیبیہ ایک کنواں ہے' ضحاک نے کہا: یہ فتح بغیر جنگ کے حاصل ہوئی اور یہ صلح بھی فتح تھی' مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ میں اونٹوں کو نحر کرنا اور سروں کو مونڈنا ہے اور کہا: فتح حدیبیہ میں بہت عظیم نشانیاں ہیں' حدیبیہ کا پانی تقریباً ختم ہو گیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلی فرمائی تو اس کا پانی کناروں سے چھلکنے لگا' حتیٰ کہ آپ کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے وہ پانی پی لیا' اور موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت کہا: یہ فتح نہیں ہے' ہم کو بیت اللہ کی زیارت کرنے سے روک دیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یہ سب سے عظیم فتح ہے' مشرکین اس بات سے راضی ہو گئے کہ وہ تم کو اپنے شہروں سے دور رکھیں اور تم سے مقدمہ کا سوال کریں اور امان کے حصول میں تمہاری طرف رغبت کریں اور انہوں نے تم سے وہ چیزیں دیکھیں جو ان کو ناپسند ہیں۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۱۱) شعبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتح میں وہ چیزیں حاصل ہوئیں جو کسی اور غزوہ میں حاصل نہیں ہوئیں' آپ کو اس میں اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر مغفرت حاصل ہوئی' آپ کو بیعت رضوان حاصل ہوئی' اسی غزوہ کے بعد خیبر فتح ہوا اور رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے اور مسلمانوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ اہل کتاب کو مجوسیوں پر غلبہ ہوا اور زہری نے کہا کہ حدیبیہ کی فتح سب سے بڑی فتح تھی' حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے اور اس کے صرف دو سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۸-۲۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کی مغفرت کے حصول کا سبب فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ ہے یا فتح حجاب ہے؟

الفتح: ۲ میں فرمایا: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے O

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فتح مغفرت کا سبب ہے اور فتح مغفرت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں صرف اعلان مغفرت کو فتح کا سبب نہیں فرمایا بلکہ فتح کا سبب اعلان مغفرت' نعمت کو پورا کرنا' ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں امور فتح حدیبیہ سے حاصل ہوئے کیونکہ جب فتح حدیبیہ ہوئی تو آپ پر نعمت مکمل ہوئی اور دوسری فتوحات کا دروازہ کھلا اس کے ایک سال بعد ۷ھ میں خیبر فتح ہوا اور دو سال بعد ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور فتح حدیبیہ کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کی لگاتار نصرت کا ظہور ہوا۔

(۲) اگر اس فتح سے مراد فتح مکہ ہو تو مکہ کا فتح ہونا بیت اللہ کے بتوں سے خالی اور پاک ہونے کا سبب بنا اور بیت اللہ کی تطہیر بندوں کی تطہیر کا سبب بنی' کیونکہ بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۳) فتح حدیبیہ حج کرنے کا سبب اور وسیلہ بنی اور حج کرنا گناہوں سے پاک ہونے اور مغفرت کلی کا سبب ہے' حدیث میں

میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔
جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حدیبیہ کی فتح ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے الفتح: ا کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۴) حضرت جابر نے کہا: ہم فتح مکہ کا شمار نہیں کرتے تھے مگر حدیبیہ کے دن اور فراء نے کہا: حضرت جابر نے فرمایا: تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو' فتح مکہ بھی فتح تھی اور ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو افراد تھے' اور حدیبیہ ایک کنواں ہے' ضحاک نے کہا: یہ فتح بغیر جنگ کے حاصل ہوئی اور یہ صلح بھی فتح تھی' مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ میں اونٹوں کو نحر کرنا اور سروں کو مونڈنا ہے اور کہا: فتح حدیبیہ میں بہت عظیم نشانیاں ہیں' حدیبیہ کا پانی تقریباً ختم ہو گیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلی فرمائی تو اس کا پانی کناروں سے چھلکنے لگا' حتیٰ کہ آپ کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے وہ پانی پی لیا' اور موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت کہا: یہ فتح نہیں ہے' ہم کو بیت اللہ کی زیارت کرنے سے روک دیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یہ سب سے عظیم فتح ہے' مشرکین اس بات سے راضی ہو گئے کہ وہ تم کو اپنے شہروں سے دور رکھیں اور تم سے مقدمہ کا سوال کریں اور امان کے حصول میں تمہاری طرف رغبت کریں اور انہوں نے تم سے وہ چیزیں دیکھیں جو ان کو ناپسند ہیں۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۱۱) شعبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتح میں وہ چیزیں حاصل ہوئیں جو کسی اور غزوہ میں حاصل نہیں ہوئیں' آپ کو اس میں اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر مغفرت حاصل ہوئی' آپ کو بیعتِ رضوان حاصل ہوئی' اسی غزوہ کے بعد خیبر فتح ہوا اور رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے اور مسلمانوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ اہل کتاب کو مجوسیوں پر غلبہ ہوا اور زہری نے کہا کہ حدیبیہ کی فتح سب سے بڑی فتح تھی' حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے اور اس کے صرف دو سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۸۔ ۲۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کی مغفرت کے حصول کا سبب فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ ہے یا فتح حجاب ہے؟

الفتح: ۲ میں فرمایا: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے O

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فتح مغفرت کا سبب ہے اور فتح مغفرت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں صرف اعلان مغفرت کو فتح کا سبب نہیں فرمایا بلکہ فتح کا سبب اعلان مغفرت' نعمت کو پورا کرنا' ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں امور فتح حدیبیہ سے حاصل ہوئے' کیونکہ جب فتح حدیبیہ ہوئی تو آپ پر نعمت مکمل ہوئی اور دوسری فتوحات کا دروازہ کھلا اس کے ایک سال بعد ۷ھ میں خیبر فتح ہوا اور دو سال بعد ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور فتح حدیبیہ کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کی لگاتار نصرت کا ظہور ہوا۔

(۲) اگر اس فتح سے مراد فتح مکہ ہو تو مکہ کا فتح ہونا بیت اللہ کے بتوں سے خالی اور پاک ہونے کا سبب بنا اور بیت اللہ کی تطہیر بندوں کی تطہیر کا سبب بنی' کیونکہ بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۳) فتح حدیبیہ حج کرنے کا سبب اور وسیلہ بنی اور حج کرنا گناہوں سے پاک ہونے اور مغفرت کلی کا سبب ہے' حدیث میں

ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں کی اور نہ گناہ کیا تو وہ حج کر کے اس طرح لوٹے گا جیسے وہ اسی دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٥٢١، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٨١١، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٨٨٩، سنن نسائی رقم الحدیث: ٢٦٢٦)

اور فتح حدیبیہ میں بھی آپ کو مغفرت کلی حاصل ہوگئی اور مؤمنین اور مؤمنات کو جنت کی بشارت حاصل ہوگئی۔

(۴) فتح مبین سے مراد ہے: فتح حجاب۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپ جمال الوہیت کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہیں لیکن بسا اوقات دین کی تبلیغ' امت کی اصلاح کے کاموں اور بشری تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے آپ کے دل پر حجاب چھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل سے یہ حجابات دور کر دیئے تاکہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کر سکیں اور آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں کوئی ایسا عمل نہ آنے پائے جو حجاب کا موجب ہو اور آپ کو اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی مغفرت حاصل رہے اور آپ کے اعتبار سے مغفرت کا معنیٰ ہے: بلند درجات کا حصول اور ہماری طرح مغفرت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے یا بخش دیا جائے۔ اس توجیہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٠٢، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٧٠٢)

حافظ ابو العباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ٦٥٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر جو حجاب چھا جاتا تھا وہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں تھا' علماء نے اس حجاب کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تھی' کبھی اس میں سستی اور غفلت ہو جاتی تھی تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے۔

(۲) آپ امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد آپ کی امت جو کام کرے گی اس پر مطلع ہوتے تو آپ اس پر امت کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(۳) آپ امت کی مصلحتوں اور دشمن سے جنگ کے معاملات پر غور کرتے تھے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور اس کی تجلیات کے مشاہدہ میں کمی آ جاتی تھی تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' ہر چند کہ امت کی مصلحتوں اور دشمن سے جنگ کے معاملات میں غور و فکر کرنا بھی عظیم مقام اور افضل عبادت ہے لیکن آپ اپنے درجات کی بلندی اور رفعت مقام کے اعتبار سے اسے کم تر خیال کرتے' اس لیے اس پر استغفار کرتے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی عظمت سے آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا تو آپ استغفار کرتے تھے۔

(۵) بعض ارباب اشارات نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے اور جب آپ پہلے مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے' تو دوسرے مقام کے اعتبار سے پہلے مقام کو ناقص قرار دیتے' پھر اس سے پہلے مقام پر استغفار کرتے اور اس سے توبہ کرتے' جنید رحمہ اللہ نے اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے: "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کی نیکیاں بھی ابرار کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(المعجم ج ۷ ص ۲۶۔ ۲۷ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی مصلحتوں اور دشمن کے ساتھ لڑائیوں میں غور فرماتے اور اس کی وجہ سے اپنے عظیم مقام کی طرف توجہ نہ کر پاتے تو اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے اس کو بھی گناہ قرار دیتے اور اس پر استغفار کرتے' ہر چند کہ یہ امور بہت عظیم عبادات اور افضل اعمال ہیں لیکن یہ آپ کے عظیم مقام سے نیچے ہیں اور آپ کے عظیم مقام سے یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں اور اس کا مشاہدہ اور مراقبہ کریں اور اللہ کے ماسوا سے فارغ رہیں۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مبین کر دی ہے' اس سے مراد فتح حجاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول مکرم کے درمیان کوئی حجاب نہیں رکھا اور آپ کو دائمی مشاہدہ عطا فرمایا تا کہ آپ کی اگلی زندگی میں یا پچھلی زندگی میں کوئی ایسا عمل نہ آنے پائے جو آپ کے لیے حجاب ہو جائے اور یہ آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مفسرین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی ہے' ذنب کا معنی ہے: اثم (گناہ)۔ (القاموس المحیط ص ۸۵' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ سے کوئی گناہ نہیں ہو سکتا' صغیرہ نہ کبیرہ' اعلان نبوت سے پہلے نہ اعلان نبوت کے بعد' سہواً نہ عمداً' حقیقۃً نہ صورۃً' اس وجہ سے مفسرین نے اس آیت کی تاویلات اور توجیہات کی ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اس آیت سے مراد مؤمنین کے گناہ ہیں۔

یعنی یہ آیت مجاز عقلی پر محمول ہے' یہ توجیہ عطاء خراسانی سے منقول ہے' علامہ سیوطی نے اس توجیہ کو تین وجوہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ساتواں قول عطاء خراسانی کا ہے کہ "ما تقدم" سے مراد آپ کے باپ آدم اور حوا کے گناہ ہیں اور "ما تاخر" سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں' یہ قول تین وجوہ سے ضعیف ہے:

(۱) حضرت آدم نبی معصوم ہیں ان کی طرف کسی گناہ کی اضافت نہیں کی جائے گی' سو یہ تاویل خود ایک تاویل کی محتاج ہے۔

(۲) کسی گناہ کی اضافت دوسرے کی طرف ضمیر خطاب سے نہیں کی جاتی (پھر امت کے گناہوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے کی جائے گی)۔

(۳) تمام امت کے گناہ معاف نہیں کیے گئے' بلکہ ان سے بعض کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بعض کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے (بلکہ ان کو گناہوں کی سزا دی جائے گی)۔ (جواہر البحار ج ۴ ص ۲۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا "کنز الایمان" میں ترجمہ بھی عطاء خراسانی کے ترجمہ

کی فرع ہے' یہ بات درست نہیں ہے صرف اتنی بات میں اعلیٰ حضرت اور عطاء خراسانی میں مماثلت ہے کہ دونوں نے مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی' اعلیٰ حضرت نے مغفرت ذنب کی نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا استثناء کیا ہے اور عطاء خراسانی نے ذنب کی نسبت نبی معصوم حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

عطاء خراسانی نے کہا: "ما تقدم من ذنبک" سے مراد ہے: آپ کے باپ اور ماں' آدم اور حوا کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے اور "ما تأخر" سے مراد ہے' آپ کی دعا سے آپ کی امت کے گناہ بخش دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳)

عطاء خراسانی کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کسی آیت یا حدیث کے ترجمہ کے بغیر حضرت آدم کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے اور امام ابن الحاج مکی نے کہا ہے: ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن اور حدیث کی تلاوت کے بغیر کہا کہ کسی نبی نے گناہ کیا یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وہ کافر ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

(المدخل ج ۲ ص ۱۴)

اور اس پر دوسرا قوی اعتراض یہ ہے کہ آپ کی تمام امت کے گناہ الفتح: ۲ کے نزول کے وقت نہیں بخشے گئے' بلکہ بعض لوگوں کے گناہ آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن بخشے جائیں گے اور بعض لوگوں کے گناہ عذاب قبر بھگتنے کے بعد بخشے جائیں گے اور بعض کے گناہ دوزخ کی سزا کاٹنے کے بعد بخشے جائیں گے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے ہر چند کہ اپنی دوسری تصانیف میں اس آیت کا "کنز الایمان" سے مختلف ترجمہ کیا ہے اور ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قائم رکھی ہے' لیکن آپ نے عطاء خراسانی کی طرح یہ نہیں لکھا کہ آپ کے باپ اور ماں' آدم اور حوا کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے۔ بلکہ آپ نے لکھا ہے کہ تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ اور معاذ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ نہیں لکھا۔ اور اس میں اہل سنت کے عقیدہ کی مخالفت نہیں ہے اور جب یہ کہا جائے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تو یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے' کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور کسی نبی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور قرآن مجید کی تصریح کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے نسیان سے شجر ممنوع سے کھایا تھا "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○" پس آدم بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم (معصیت) نہیں پایا۔ (طٰہٰ: ۱۱۵) اور جو کام نسیان سے کیا جائے وہ گناہ نہیں ہوتا' گناہ وہ ہوتا ہے کہ ممنوع کام قصد و ارادہ سے کیا جائے۔

بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے یہ تصریح کی ہے "تمہارے اگلوں میں" نہ حضرت آدم علیہ السلام داخل ہیں نہ آپ کے آباء کرام میں سے کوئی اور نبی۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

"ما تقدم من ذنبک" "تمہارے اگلوں کے گناہ" یعنی سیدنا عبداللہ و سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم و شیث و نوح و خلیل و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸ ' دار العلوم امجدیہ کراچی)

امام فخر الدین رازی کی دوسری توجیہ یہ ہے:

(۲) ذنب سے مراد ترک افضل ہے (یہ جواب صحیح ہے)۔

(۳) ذنب سے مراد گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام پر سہواً اور عمداً جائز ہیں اور گناہ صغیرہ کا ارتکاب ان کو تفاخر اور تکبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

امام رازی کا یہ تیسرا جواب بھی پہلے جواب کی طرح صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام سے خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صغیرہ واقع ہوں تو وہ مطلقاً معصوم نہیں رہیں گے اور ان کا اپنی امت کو گناہ صغیرہ سے روکنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○　اللہ کے نزدیک یہ بات ناراضگی کا موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ○ (الصف: ۳)

(۴) اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت کے اعلان سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا اظہار ہے (یہ جواب صحیح ہے)۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) طبری نے کہا: آپ نے اعلانِ رسالت سے پہلے اس آیت کے نزول تک جو ذنوب کیے وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے۔

یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ آپ اپنی پوری زندگی میں معصوم ہیں۔

(۲) سفیان ثوری نے کہا: "ما تقدم" سے مراد یہ ہے کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں نزول وحی سے پہلے جو ذنوب کیے' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ واحدی نے کہا: "ما تاخر" سے مراد یہ ہے کہ جن احکام پر آپ نے عمل نہیں کیا ان کو معاف کر دیا ہے۔

یہ توجیہ بھی حسب سابق باطل ہے۔

(۳) عطاء خراسانی نے کہا: "ما تقدم" سے مراد ہے آپ کے والدین آدم اور حوا کے گناہ اور "ما تاخر" سے مراد ہے: آپ کی امت کے گناہ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کے باپ ابراہیم کے گناہ مراد ہیں۔

یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کو گناہ گار قرار دیا ہے' حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

(۴) "ما تاخر" سے مراد ہے: نبیوں کے گناہ اور ایک قول ہے: "ما تقدم" سے مراد ہے: یوم بدر کا گناہ اور "ما تاخر" سے مراد ہے: یومِ حنین کا گناہ' اس کی وجہ یہ ہے کہ یومِ بدر کا گناہ مقدم ہے اور وہ آپ کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۳) آپ بار بار یہ دعا کرتے رہے تو اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی' آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو کبھی بھی میری عبادت نہیں ہوگی؟ سو یہ آپ کا وہ گناہ ہے جو مقدم ہے (علامہ قرطبی کی ذکر کردہ اس وحی کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ صحیح ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور آپ کا جو گناہ مؤخر ہے وہ یہ ہے کہ جب حنین کے دن مسلمانوں کو شکست ہوئی تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور اپنے عم زاد سے کہا: مجھے وادی کی کچھ کنکریاں لا کر دو پھر آپ نے وہ کنکریاں اپنی مٹھی میں لے کر مشرکین کے چہروں پر ماریں اور فرمایا: ان کے منہ بگڑ جائیں: "حٰمٓ لا ینصرون" تو تمام مشرکوں کو شکست ہو گئی اور ہر مشرک کی آنکھوں میں ریت اور کنکریاں بھر گئیں' پھر آپ نے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو بلایا تو وہ آ گئے اور آپ نے کہا: اگر میں ان کو کنکریاں نہ مارتا تو ان کو شکست نہ ہوتی' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب آپ نے پھینکی تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے پھینکی تھیں۔ (الانفال: ۱۷)

سو یہ آپ کا وہ گناہ ہے جو بعد میں ہوا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۰۔۲۳۱ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

چوتھی توجیہ میں علامہ قرطبی نے بدر وحنین کے متعلق جو روایت ذکر کی ہے وہ بالکل بے اصل ہے اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ کا ذکر کیا گیا ہے' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' علامہ قرطبی پر واجب تھا کہ وہ اس آیت کی تفسیر میں ان اقوال کا ذکر نہ کرتے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل توجیہات ذکر کی ہیں:

(۱) آپ سے جو اولیٰ کاموں کا ترک ہوا' ہر چند کہ ترک اولیٰ ذنب نہیں ہے' لیکن آپ کی نظر جلیل میں وہ ذنب تھا اس لیے اس کو ذنب سے تعبیر فرمایا جیسا کہ ابوسعید خراز نے کہا ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(۲) اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں' یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) سفیان ثوری کا قول ذکر کیا ہے کہ اس سے زمانہ جاہلیت کے گناہ مراد ہیں۔

(۴) بدر وحنین کے گناہ ذکر کیے ہیں' جس کی تفصیل علامہ قرطبی کے آخری قول میں گزر چکی ہے

آخری تینوں توجیہات صحیح نہیں ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(روح البیان ج ۹ ص ۱۱۔۱۲' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس سے مراد خلاف اولیٰ کام ہیں اور ان کو آپ کے منصب جلیل کے اعتبار سے ذنب فرمایا ہے یا پھر وہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قبیل سے ہیں' پھر دو باطل توجیہات کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۳۸ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی' علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی تینوں کے نزدیک اس آیت میں ذنب کا اطلاق ترکِ اولیٰ یا خلاف اولیٰ کاموں پر کیا گیا ہے۔

محدثین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کی قسم! میں دن میں ستر سے زائد مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ مغفرت طلب کرتے تھے اور توبہ کا عزم کرتے تھے۔ ابوداؤد (حافظ ابن حجر نے امام نسائی لکھا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے) نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:

استغفر اللّٰه الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه. میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو زندہ ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے

اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۷)

آپ مجلس میں کھڑے ہونے سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے۔

اور نافع نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم گنا کرتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے:

اللھم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور. (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۶) اے اللہ! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

''صحیح بخاری'' میں ہے: میں دن میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا ہوں اور امام نسائی نے روایت کیا ہے: میں ہر روز سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳۸) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو' کیونکہ میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲) اور امام مسلم نے اغر مزنی سے روایت کیا ہے: بے شک میرے دل پر غین (حجاب) چھا جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲) قاضی عیاض نے کہا: غین (حجاب) سے مراد وہ سستی ہے جو دائماً ذکر کرنے سے مانع ہے' اور آپ جب کسی سستی یا کسی اور وجہ سے ذکر نہ کر سکتے تو اس کو گناہ قرار دیتے اور اس پر مغفرت طلب کرتے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حجاب سے مراد دنیاوی کاموں کے منصوبے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ سکون ہے جو آپ کے دل پر چھا جاتا ہے اور آپ اظہار عبودیت کے لیے استغفار کرتے تھے' یا خوف خدا کے غلبہ سے استغفار کرتے تھے۔ محاسبی نے کہا: آپ اللہ کی جلال ذات سے ڈرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے کہا: آپ کے دل پر حجاب کا آنا نقص نہیں ہے' بلکہ کمال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ آپ معصوم ہیں' اور استغفار معصیت کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آپ کے دل پر جو حجاب چھا جاتا تھا آپ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۲) ابن جوزی نے کہا: بشری کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں' انبیاء علیہم السلام اگرچہ گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہیں' تاہم یہ جواب صحیح نہیں ہے' انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) ابن بطال نے کہا: انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور وہ سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں پھر بھی اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبہ ادا کرنے کی وجہ سے اور مباح امور مثلاً کھانے پینے' جماع کرنے' سونے' آرام کرنے' مسلمانوں سے باتیں کرنے' ان کی مصلحتوں میں غور و فکر کرنے' دشمنوں سے جنگ کی تدبیر کرنے اور ایسے دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا اور اس کا مشاہدہ اور مراقبہ نہیں کر پاتے اور آپ اپنے عظیم مقام کی وجہ سے اس کو بھی گناہ خیال فرماتے تھے کیونکہ آپ کا مقامِ عالی تو یہ ہے کہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں۔

(۴) آپ کا استغفار کرنا امت کی تعلیم کے لیے تھا یا امت کے گناہوں پر استغفار اور ان کی شفاعت کے لیے تھا۔

(۵) آپ ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے تھے اور بعد والا حال پہلے حال سے بلند ہوتا تھا'

بعد کے حال کے مقابلہ میں پہلے حال کو گناہ خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے۔

(۶) شیخ شہاب الدین سہروردی نے کہا: آپ کا ہر آن اللہ سے قرب رہتا تھا اور ہر بعد والی آن میں پہلی آن سے زیادہ قرب ہوتا تھا اور آپ پہلی آن کو بعد والی آن کے مقابلہ میں گناہ خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۷۹۔۳۸۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اسی کا خلاصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ استغفار ترک اولیٰ پر تھا یا تواضعاً تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۲ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۳۶۱۔۳۶۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں' حتیٰ کہ آپ صغائر سے بھی معصوم ہیں' اس کا یہ جواب ہے کہ استغفار کرنے سے گناہ کا صدور لازم نہیں آتا' بلکہ استغفار میں اپنے رب کی طرف حاجت کا اظہار ہوتا ہے اور تواضع ہوتی ہے اور امت کے لیے تعلیم ہوتی ہے تاکہ ان کے لیے بھی استغفار کرنا سنت ہو جائے۔

(التوشیح ج ۵ ص ۹۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے' کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا' نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" کا معنی ہے: "لیعصمک اللہ فیما تقدم من عمرک وفیما تاخر منہ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا' اس آیت میں مغفرت' عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اپنی کتاب "نہایۃ السؤل فیما سنح من تفضیل الرسول" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے' پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کو بخش دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی' یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب "نفسی نفسی" کہیں گے اور ہیبتِ الٰہی سے شفاعت نہیں کریں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے: یہ میرا کام ہے' اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کو ثابت کیا' پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا' پھر اپنی

نعمت پوری کرنے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا' جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے' فتح مبین عطا فرمائی جو اجابت کی علامت ہے' مغفرت عطا فرمائی جو محبت کی علامت ہے' اتمام نعمت سے سرفراز کیا جو آپ کے اختصاص کی نشانی ہے اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے' پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ کی تنزیہہ ہے اور اتمامِ نعمت سے مراد آپ کو درجہ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات وصفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (مدارج النبوت ج اص ۲۷۔۳۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ہم نے جو شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ سب نبیوں کے پاس جائیں گے اور سب "نفسی نفسی" کہیں گے' سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے' اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث میں تو صرف حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس جانے کا ذکر ہے اور یہ کل پانچ نبی ہیں' سب نبیوں کے پاس جانے کا تو حدیث میں ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سب نبیوں کے پاس جانے کا بھی حدیث میں ذکر ہے' ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسمعیل بن ابان' حدثنا ابو الاحوص' عن ادم بن علی' قال سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول ان الناس یصیرون یوم القیامۃ جثا' کل امۃ تتبع نبیھا یقولون یا فلان اشفع حتی تنتھی الشفاعۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذلک یوم یبعثہ اللہ المقام المحمود. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸' طرف فی: ۱۴۷۵' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دو زانو بیٹھے ہوں گے' ہر امت اپنے نبی کے پاس جائے گی' وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے' حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہو گی۔ پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۸۶' مطبع کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی تمام انبیاء کا ذکر فرمایا ہے:

اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام "نفسی نفسی" فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "انا لھا انا لھا" ' "میں ہوں' شفاعت کے لیے' میں ہوں شفاعت کے لیے" انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم' سب سربہ گریباں وہ ساجد وقائم' سب محلِ خوف میں آمن و ناعم' سب اپنی فکر میں' انہیں فکرِ عوالم' سب زیرِ حکومت وہ مالک وحاکم بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے' ان کا رب انہیں فرمائے گا: "یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع"۔ (تجلی الیقین ص ۳۵)

شیخ عز الدین' علامہ سیوطی اور شیخ عبد الحق سب کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ تمام نبیوں کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہو گی۔

حافظ ابن کثیر دمشقی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے' آپ کے علاوہ اور کسی

شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے اور اطاعت' نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حضور کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر حضور کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سربلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ مغفور ہیں اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا' بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۳۱' عبد التواب اکیڈمی' ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ تجانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے' جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے' اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو الزام ہے عدم ذنب' یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا' کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور مؤخر دونوں کا ذکر کیا ہے' حالانکہ مؤخر کا وجود ہی نہیں ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ مؤخر سو آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' دار الفکر بیروت)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقسوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے' حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیئہ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' دار الفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

ایک ہندو شخص رام سنگھ نے قرآن مجید کی تین آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کیا' پہلی آیت یہ ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ (محمد: ۱۹)

آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں پر معافی طلب کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔ (المؤمن: ۵۵)

آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں پر معافی طلب کیجئے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲) تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ان تینوں آیات کی توجیہات بیان کی ہیں' پہلی دو آیتوں میں اعلیٰ حضرت کی توجیہ ہم ان آیتوں کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہاں پر ہم الفتح: ۲ میں اعلیٰ حضرت کی توجیہ کا ذکر کر رہے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

قال اللہ عزوجل "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" "اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے' جب اوس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

از دست و زبان کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید

شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمۂ بشریت ہے' نعمائے الٰہیہ ہروقت ہرلمحہ ہرآن ہرحال میں متزائد ہیں' خصوصاً خاصوں پر' خصوصاً اون پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور' اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا۔

بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں "ما تقدم" سے کیا مراد لیا' وحی اترنے سے پیشتر کے' اور گناہ کسے کہتے ہیں؟ مخالفت فرمان کو اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا؟ وحی سے تو جب تک وحی نہ اوتری تھی' فرمان کہاں تھا' جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا۔

جس طرح "ماتقدم" میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں' یوں ہی "ما تاخر" میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائزہ ہوئے کہ بعد کو فرمان اون کے منع پر اترا اور اونہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ اون کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا' یوہیں بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائزہ فرمائے اور بعید کو اون کی ممانعت اوتری' اوسی طریقے سے ان کو "ماتاخر" فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ" (طٰہٰ: ۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی معصیت کی' حالانکہ خود فرماتا ہے: "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝" (طٰہٰ: ۱۱۵) آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا' لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ" (البقرہ: ۲۸۶) اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ' اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اون کو سوا مشکل ہے

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا' ہرگز شہریوں' سے پسند نہ کرے گا' شہریوں میں' بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے' اس لیے وارد ہوا: "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

اسی وجہ پر کریمہ' سورۂ فتح میں لام "لک" تعلیل کا ہے اور "ما تقدم من ذنبک" تمہارے اگلوں کے گناہ یعنی سیدنا

عبد اللہ و سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثناء انبیائے کرام مثل آدم و شیث و نوح و خلیل و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ''ما تاخر'' تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت' امت مرحومہ۔ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

''ما تقدم'' و ''ما تاخر'' سے قبل و بعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارت تفسیر میں مصرح تھا' آیت میں قطعاً محتمل اور ہم ثابت کر چکے کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع' وللہ الحمد وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ شفیع المذنبین وبارک وسلم الی یوم الدین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵۔۸۷' طبع دار العلوم امجدیہ کراچی)

''لیغفر لک اللہ'' کی تاویل میں غیر مقبول اقوال کا بیان

علامہ سیوطی نے اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے: ''القول المحرر علی قولہ تعالیٰ لیغفر اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر'' اس رسالہ میں علامہ سیوطی نے اس آیت کے بارہ وہ جوابات بیان کیے ہیں' جو غیر مقبول ہیں۔ علامہ یوسف نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے ''الجواہر البحار'' جلد رابع میں اس رسالہ کو نقل کیا ہے' ہم اختصار کے ساتھ علامہ سیوطی کے بیان کردہ بارہ غیر مقبول جوابات ذکر کر رہے ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: ذنب سے مراد وہ اُمور ہیں جو آپ سے زمانہ جاہلیت میں سرزد ہوئے' یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ آپ کے لیے کوئی جاہلیت نہیں۔

(۲) ذنب سے مراد وہ اُمور ہیں جو قبل از نبوت صادر ہوئے' یہ جواب اس لیے باطل ہے کہ آپ قبل از نبوت بھی معصوم ہیں۔

(۳) سفیان ثوری نے بھی ذنب سے امورِ جاہلیت مراد لیے' یہ جواب بھی باطل ہے۔

(۴) مجاہد نے کہا: ''ما تقدم'' سے مراد حدیث ماریہ اور ''ما تاخر'' سے مراد زید کی عورت کا قصہ ہے' یہ قول باطل ہے کیونکہ ان واقعات میں کوئی گناہ نہیں۔

(۵) زمخشری نے کہا: اس سے مراد آپ کی تقصیرات ہیں' یہ قول باطل ہے' کیونکہ آپ کی کوئی تقصیر نہیں' اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور تفریط اور تقصیر میں اتباع جائز نہیں۔

(۶) ذنب سے مراد بچپن میں آپ کا لڑکوں کے ساتھ کھیل کے لیے جانا ہے' یہ قول باطل ہے کیونکہ جب آپ کو لڑکوں نے کھیل کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا: میں کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوا۔

(۷) عطاء خراسانی نے کہا: ''ما تقدم'' سے مراد آپ کے باپ آدم اور حواء کے گناہ ہیں اور ''ما تاخر'' سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں' یہ قول تین وجوہ سے ضعیف ہے۔ (ا) حضرت آدم نبی معصوم ہیں ان کی طرف کوئی گناہ منسوب نہیں ہے سو یہ ایسی تاویل ہے جو خود تاویل کی محتاج ہے۔ (ب) جس شخص سے گناہ صادر نہ ہوئے ہوں اس کی طرف خطاب کے صیغہ سے دوسروں کے گناہ منسوب نہیں کیے جاتے۔ (ج) تمام امت کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے بلکہ بعض کے گناہ معاف کیے جائیں گے اور بعض کے معاف نہیں کیے جائیں گے۔

(۸) حضرت ابن عباس نے کہا: ذنب سے مراد وہ امور ہیں جو آئندہ ہوں گے' علامہ سبکی نے کہا: اس میں یہ تاویل ہے کہ اگر بالفرض آپ کے ماضی اور مستقبل میں گناہ ہوں بھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجاہت کی وجہ سے ان کو معاف کر دیا۔

(۹) قاضی عیاض نے ''شفاء'' میں کہا: آپ سے گناہ ہوئے یا نہیں ہوئے' اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔

(١٠) "ما تقدم" سے مراد ہے: نبوت سے پہلے اور "ما تاخر" سے مراد ہے: نبوت کے بعد آپ کو معصوم رکھنا۔

(١١) علامہ طبری اور علامہ قشیری نے کہا: آپ سے جو اُمور سہو غفلت اور تاویل سے سرزد ہوئے' ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔

(١٢) مکی نے کہا: اس آیت میں خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔

یہ بارہ اقوال ہیں اور یہ سب غیر مقبول ہیں' ان میں سے بعض مردود' بعض ضعیف اور بعض میں تاویل ہے۔

(جواہر البحار ج ٤ ص ٢١١۔ ٢١٣' مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ' مصر' ١٣٧٩ھ)

علامہ سیوطی نے عطاء خراسانی کے قول کو ضعیف کہا ہے' لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بالکل صحیح نہیں ہے اور ہم اس کی وجوہات اور روایت حدیث میں عطاء خراسانی کی حیثیت کو آئندہ صفحات میں بیان کر رہے ہیں' فنقول وباللہ التوفیق۔

عطاء بن ابی مسلم خراسانی

ہمارے ہاں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے "کنز الایمان" میں الفتح: ٢ کا ترجمہ عطاء خراسانی کی اتباع میں کیا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ عطاء خراسانی کی تاویل اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں صرف یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں نے ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف برقرار نہیں رکھی جیسا کہ ظاہر قرآن میں آپ کی طرف نسبت ہے۔ ورنہ عطاء خراسانی کی تاویل یہ ہے کہ آپ کے باپ آدم اور آپ کی ماں حواء کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے اور عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے یہ نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا استثناء کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ٩ ص ٨١' طبع قدیم' کراچی)

اس کو ہم اس سے پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں یہاں پر ہم اس قدر بتانا چاہتے ہیں کہ عطاء خراسانی کی روایت حدیث میں کیا حیثیت ہے اور ان کا تعارف کیا ہے؟

ان کا پورا نام عطاء بن عبد اللہ ہے' یہ پچاس ہجری میں پیدا ہوئے اور ١٣٣ھ یا ١٣٥ھ میں فوت ہو گئے' یہ شام میں سکونت پذیر رہے۔ (میزان الاعتدال ج ٥ ص ٩٣' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

یہ محدث اور واعظ تھے' دمشق اور قدس میں رہے اور در اصل یہ بلخ کے رہنے والے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ٦ ص ٢٥٩' دار الفکر' بیروت)

روایت حدیث کے اعتبار سے ان کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہے' چند اقوال ان کی تعدیل اور تعریف میں بھی ہیں' لیکن زیادہ تر اقوال ان کی جرح اور مذمت میں ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ لکھتے ہیں:

قاسم بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے کہا کہ عطاء خراسانی آپ سے یہ حدیث روایت کرتا ہے کہ جس شخص نے رمضان میں جماع کیا تھا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ سعید بن المسیب نے کہا: اس نے جھوٹ بولا' میں نے اس کو یہ حدیث بیان نہیں کی۔ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا (عطاء خراسانی نے حضور کی طرف جھوٹ منسوب کیا)۔

(التاریخ الکبیر ج ٦ ص ٢٥٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٢ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ لکھتے ہیں:

علی بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے ابن جریج از عطاء خراسانی کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا: وہ ضعیف راوی ہے میں نے کہا: وہ کہتا ہے کہ ابن جریج نے مجھے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: وہ ''لاشئی'' ہے (کوئی چیز نہیں) ابن جریج نے اس کو صرف اپنی کتاب دی تھی۔ (کتاب العلل ص ۲۳۶۔ ۲۳۷ مع الجامع الکبیر ج ۶ دار الجیل بیروت ۱۹۹۸ء)

حافظ محمد بن عمرو عقیلی مکی متوفی ۳۲۲ھ نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

سعید بن المسیب نے کہا: عطاء خراسانی نے جھوٹ بولا میں نے اس کو یہ حدیث نہیں بیان کی کہ رمضان میں جماع کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارۂ ظہار ادا کرنے کا حکم دیا تھا مجھے صرف یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا (یعنی عطاء خراسانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا)۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۴۰۵۔ ۴۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی متوفی ۳۶۵ھ نے بھی عطاء خراسانی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور انہوں نے بھی مذکور بالا قول تفصیل سے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا کہ عطاء خراسانی نے جھوٹ بولا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۶۸ دار الکتب العلمیہ بیروت طبع جدید ۱۴۱۸ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے عطاء خراسانی کی تعدیل بھی کی ہے لیکن زیادہ تر جرح کے اقوال لکھے ہیں:

☆ امام نسائی نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں احمد یحییٰ اور عجلی وغیرہ نے کہا: وہ ثقہ ہے۔

☆ امام عقیلی نے ذکر کیا ہے کہ اس نے سعید بن المسیب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑنے والے کو کفارۂ ظہار ادا کرنے کا حکم دیا سعید نے کہا: اس نے جھوٹ بولا میں نے اس سے یہ حدیث نہیں بیان کی مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

☆ امام بخاری نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ عطاء خراسانی نے سعید بن المسیب سے جھوٹی حدیث روایت کی۔

☆ امام ابن حبان نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ نیک شخص تھا مگر اس کا حافظہ ردی تھا وہ بہت وہمی تھا اور روایت میں خطا کرتا تھا۔

☆ امام ابن ابی حاتم نے کہا: وہ ثقہ تھا۔ شعبہ نے کہا: عطاء خراسانی بھلکڑ تھا۔

☆ امام ترمذی نے ''کتاب العلل'' میں کہا: امام بخاری نے بتایا کہ میں امام مالک کی روایات میں عطاء خراسانی کے علاوہ اور کسی ایسے راوی کو نہیں جانتا جس کی حدیث ترک کیے جانے کی مستحق ہو۔ امام ترمذی نے امام بخاری سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: اس کی احادیث الٹ پلٹ ہوتی ہیں پھر امام ترمذی نے کہا: عطاء ثقہ ہے (میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی تحقیق کے مقابلہ میں امام ترمذی کا کیا اعتبار ہے ہاں! ہوسکتا ہے کہ امام ترمذی کی عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہو)۔ (میزان الاعتدال ج ۵ ص ۹۳۔ ۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تقریباً یہی تمام اقوال بیان کیے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۵۔ ۱۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو گناہ کی نسبت کی ہے اس کی تاویل کا باطل ہونا

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو گناہ کی نسبت کی ہے وہ بہ طور مثال ہے لیکن یہ تاویل مردود ہے' کیونکہ تاویل اس وقت کی جاتی ہے جب قرآن اور حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت ہو' اور قرآن اور حدیث کے ترجمہ کے بغیر جو شخص انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرے اس کو بعض علماء نے کفر لکھا ہے اور بعض علماء نے اس کو حرام لکھا ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: جس نے قرآن اور حدیث کی تلاوت کے بغیر کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نبی نے معصیت کی یا اللہ کی مخالفت کی تو وہ نعوذ باللہ کافر ہو گیا۔ (المدخل ج ۲ ص ۱۴ دارالفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

تنبیہ مہم: یہ کہ ہم نے سلسلۂ کلام میں اوپر ذکر کیا کہ غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی و گناہ کی نسبت حرام ہے۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اُسے کفر بتایا۔ مولیٰ کو شایاں ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے فرمائے۔ دوسرا کہے تو اس کی زبان گدی کے پیچھے سے کھینچی جائے "للّٰہ المثل الاعلیٰ" بلاتشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے' ادب دینے' حزم و عزم و احتیاط اتم سکھانے کے لیے مثلاً بیہودہ' نالائق' احمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا' باپ کو اس کا اختیار تھا' اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے؟ حاشا اگر کہے گا تو سخت گستاخ و مردود و ناسزاو مستحق عذاب و تعزیر و سزا ہوگا' جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کر کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسے الفاظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید و مدید عذاب جہنم و غضب الٰہی کا مستحق نہ ہوگا؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ امام ابو عبداللہ قرطبی تفسیر میں زیر قولہ تعالیٰ "وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ" (الاعراف: ۲۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال القاضی ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ تعالٰی لا یجوز لاحد منا الیوم ان یخبر بذلک عن ادم علیہ الصلوٰۃ والسلام الا اذ ذکرناہ فی اثناء قولہ تعالٰی عنہ او قول نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاما ان نبتدی ذلک من قبل انفسنا فلیس بجائز لنا فی ابائنا الادنین الینا المماثلین لنا فکیف بابینا الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین. (المدخل ج ۲ ص ۱۴ بیروت)

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کی بابت اس کی خبر دے' ہاں! اللہ تعالیٰ کے قول کے ضمن میں ہو تو حرج نہیں یا کسی حدیث میں ہو تو حرج نہیں' اپنی طرف سے تو اس قسم کے امور کو کوئی شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے بھی منسوب کرنا پسند نہ کرے گا' تو حضرت جو ہمارے جدّ اعلیٰ اکبر و اعظم اور اللہ کے تمام انبیاء و مرسلین سے پہلے نبی ہیں' ان کی بابت یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر' اور تمام انبیاء اور مرسلین پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عبدری ابن الحاج "مدخل" میں فرماتے ہیں:

قد قال علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی ان من قال عن نبی من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش کا ذکر بغیر تلاوت یا حدیث کے کیا یا ان کی

فی غیر التلاوة والحدیث انه عصی او خالف فقد کفر نعوذ باللّٰہ من ذلک۔ (المدخل ج ۲ ص ۱۴)

نافرمانی کا ذکر کیا تو اس نے کفر کیا' ہم اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پناہ مانگتے ہیں۔

ایسے اُمور میں سخت احتیاط فرض ہے' اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کا حسن ادب عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم.

(فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۸۲۳۔ ۸۲۲' طبع لاہور' فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۳۳۳۔ ۳۳۲' دار العلوم امجدیہ' کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن و روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے' اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے' جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے' وہ اس کے پیارے بندے ہیں' اپنے رب کے لیے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں' دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہوگا' پھر ان کے یہ افعال جن کو لغزش وزلت سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم و مصالح پر مبنی' ہزار ہا فوائد و برکات کے مثمر ہوتے ہیں' ایک لغزش ابینا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے اگر وہ نہ ہوتی' جنت سے نہ اترتے' دنیا آباد نہ ہوتی' نہ کتابیں اترتیں' نہ رسول آتے' نہ جہاد ہوتے' لاکھوں کروڑوں مثوبات کے دروازے بند رہتے ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم کا نتیجہ مبارکہ و ثمرہ طیبہ ہے' بالجملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش من و تو کس شمار میں ہیں' صدیقین کی حسنات سے افضل و اعلیٰ ہے (حسنات الابرار سیئات المقربین)۔ (بہار شریعت حصہ اول ص ۱۳ ضیاء الدین پبلی کیشنز' لاہور)

ان تصریحات سے معلوم ہوگیا کہ عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گناہ کی نسبت کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا سخت ترین حرام کا ارتکاب کیا ہے اور اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی' سو ایسا شخص کسی تعظیم کے لائق نہیں ہے' لیکن ہمارے زمانہ میں بعض لوگ اپنے ناقص مطالعہ کی بناء پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الفتح: ۲ کے ''کنز الایمان'' والے ترجمہ میں عطاء خراسانی کی اتباع کی ہے جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہایت افسوس اس بات پر ہے کہ بعض مؤلفین نے اپنے مقالہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ اس روایت (انباء المصطفیٰ میں ''بخاری و مسلم'' کے حوالہ سے ذکر کردہ حدیث یا ''انباء الحی'' میں ذکر کردہ روایت ابن عباس) کے بل بوتے پر حضرت خراسانی کے موقف (حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرنے) کو ''مردود اور غیر صحیح'' قرار دینا بازار علم میں اپنی اہمیت کم کرنا ہے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

بعض لوگوں نے عطاء خراسانی سے عقیدت کے غلو میں یہ لکھا ہے کہ عطاء خراسانی نے سعید بن المسیب کے حوالہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے اور صدقہ کرنے کی بجائے کفارۂ ظہار ادا کرنے کو روایت کیا ہے' یہ نہ جھوٹ ہے نہ کوئی بڑی غلطی ہے' آخر روایت بالمعنیٰ بھی تو کوئی چیز ہے۔ سو انہوں نے روایت بالمعنیٰ کر کے صدقہ کی جگہ کفارۂ ظہار کہہ دیا کیونکہ کفارۂ ظہار بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ باقی رہا ائمہ حدیث کا ان کو ضعفاء میں شمار کرنا اور ان کے حافظہ کو ردی قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ روایت میں بھلکو تھے' وہمی تھے اور خطا کرتے تھے یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ آخر امام بخاری سے بھی لوگوں کو شکایت ہے کہ وہ روایت کو قبول کرنے میں بہت سخت تھے۔ تو اگر عطاء خراسانی سے بھی لوگوں کو شکایت ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن ان غالی معتقدین نے اس پر غور نہیں کیا کہ امام بخاری روایت کے قبول میں کڑی شرطیں لگاتے تھے تاکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب راستہ نہ پاسکے۔ اور عطاء خراسانی روایت کے بیان کرنے میں بہت کمزور تھے اور بہت بھلکو

اور وہمی تھے اور اس قدر غیر محتاط تھے کہ روایت کرنے میں جھوٹ بھی بول دیتے تھے۔ اور اس کی یہ تاویل کرنا کہ وہ روایت بالمعنیٰ ہے تو سعید بن المسیب' امام بخاری' امام عقیلی' امام عدی' جُرجانی' امام احمد بن حنبل اور علامہ ذہبی وغیرہ کو بھی روایت بالمعنیٰ کا علم تھا اس کے باوجود ان سب نے عطاء خراسانی کو اس روایت میں جھوٹا ہی کہا اور روایت بالمعنیٰ کا سہارا نہیں لیا اور یہ ائمہ حدیث یقیناً علم اور تحقیق میں ان غالی معتقدین سے بہت آگے تھے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی عبارت میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی گئی ہے اس میں گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے۔ یہ تاویل اس لیے باطل ہے کہ اگر قرآن اور حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت ہو تو اس کی تاویل خلاف اولیٰ سے کرنا درست ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص از خود انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرتا ہے تو اس کے کلام کی تاویل نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے کلام کو کفر یا سخت حرام پر محمول کیا جائے گا اور اس کو مردود بارگاہ قرار دیا جائے گا' جیسا کہ علامہ ابن الحاج اور صدر الشریعہ علامہ امجد علی قدس سرہما نے تصریح فرمائی ہے۔

مصنف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی توجیہات

ہم نے الفتح: ۲ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام۔ اس ترجمہ میں ہم نے ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف برقرار رکھی ہے اور اس کا معنیٰ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کا صدور خود احادیث سے ثابت ہے۔ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا خان قادر قدس سرہٗ العزیز کی بہ کثرت تصریحات ہیں' جن میں سے بعض تصریحات کو میں پیش کر رہا ہوں۔ فاقول وباللہ التوفیق

بہ ظاہر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ حقیقت میں آپ کا کوئی کام خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی نہیں ہے۔ بعض اوقات آپ نے کسی کام سے منع فرمایا پھر خود اس کام کو کیا تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا اس کام سے منع کرنا تحریم کے لیے نہیں تھا بلکہ تنزیہہ کے لیے تھا۔

مثلاً آپ نے فصد لگانے (رگ کاٹ کر خون چوس کر نکالنا) کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور حضرت ابوطیبہ نے آپ کو فصد لگائی تو آپ نے ان کو دو صاع (آٹھ کلو گرام) طعام دینے کا حکم دیا۔

(جامع ترمذی ص ۲۰۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر آپ ابوطیبہ کو فصد لگانے کی اجازت نہ دیتے تو ہم کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ اجرت دینا جائز ہے اور ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ فصد کی اجرت دینا ہمارے لیے مکروہ تنزیہی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں ہے اور اس میں آپ کا اجر و ثواب فرض کا اجر و ثواب ہے۔ اس نکتہ کے پیش نظر اس کو بہ ظاہر خلاف اولیٰ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات آپ نے کسی کام کا افضل اور اولیٰ طریقہ بتایا اور پھر اس کے خلاف کیا' یہ بھی اسی طرح بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہے' حقیقت میں خلاف اولیٰ نہیں ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا: سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھنے سے زیادہ اجر ہوتا ہے اور آپ نے خود منہ اندھیرے بھی فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر آپ کسی کام سے منع فرما کر یہ بتلا دیتے کہ اس کا خلاف بھی جائز ہے اور خود اس کام کو نہ کرتے' تب بھی مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اس کام میں آپ کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا' بہرحال قرآن مجید اور احادیث میں جہاں آپ کی طرف مغفرت ذنوب کی نسبت کی گئی ہے' وہاں ذنوب سے مراد بہ ظاہر خلاف اولیٰ یا بہ ظاہر مکروہ تنزیہی کام ہیں اور مغفرت سے مراد

آپ کے درجات کی بلندی اور قرب خاص سے نوازنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے پس جو شخص بھول جائے وہ قے کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم سے پانی پلایا تو آپ نے کھڑے ہو کر پیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۳۷ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۲ 'سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۲۹۵۷ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۲)

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور آپ کا کھڑے ہو کر پانی پینا بیان جواز کے لیے ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۹ ص ۵۵۳۵ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو العباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جواز کو بیان کرتا ہے اور نہی تنزیہہ کا تقاضا کرتی ہے پس اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں اس کو ترک کیا جائے۔ (المفہم ج ۵ ص ۲۸۵ 'دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے: یہ نہی تنزیہہ کے لیے ہے اور حدیث صحیح میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے اور یہ بیان جواز کے لیے ہے۔ (الدیباج ج ۲ ص ۸۰۳ 'ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اور ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۴۰۰ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۱ھ 'مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۹۲ 'مکتبہ حقانیہ' پشاور)

اسی طرح وضو میں افضل 'اعضاء وضو کو تین تین بار دھونا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار اور دو دو بار بھی دھویا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الوضوء باب: ۲۲ تعلیقاً)

اور ظاہر ہے کہ اعضاء وضو کو ایک ایک بار یا دو دو بار دھونا خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہے' اسی طرح افضل اور اولیٰ چل کر طواف کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بھی طواف کیا ہے اور یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بھی طواف کیا اور جب آپ رکن تک پہنچتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۰۷ـ ۱۶۱۲ـ ۱۶۱۳ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۶۵ 'مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۴ 'سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۵۳ 'صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۳۱ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۸۲۵ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۵۵ 'سنن بیہقی ج ۵ ص ۸۴ 'شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۰۹)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے لکھا ہے: امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کسی نے رش کی وجہ سے سواری پر طواف کیا تو مکروہ ہے اور عذر کی وجہ سے کیا تو مکروہ نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ رش کی وجہ سے سواری پر طواف کیا تھا یا مرض کی وجہ سے اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ چل کر طواف کرے' سواری پر طواف نہ کرے' الا یہ کہ اس کا کوئی عذر نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۹۳ 'ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصد لی تو حضور نے اس کے لیے ایک صاع کھجوروں کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷۷ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۷۸)

مفتی احمد یار خاں متوفی ۱۳۹۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد کی اجرت جائز ہے' جہاں ممانعت آئی ہے' وہاں تنزیہی کراہت مراد ہے' وہ فرمان عالی کراہت کے بیان کے لیے ہے اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے' لہٰذا احادیث متعارض نہیں۔

(مرآۃ المناجیح ج ۳ ص ۲۳۱-۲۳۳، نعیمی کتب خانہ گجرات)

ان تمام احادیث اور عبارات علماء سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کاموں کا صدور ہوا اور یہ بیان جواز کے لیے تھا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے، کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلاف اولیٰ ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی؟

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۴۹-۲۵۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۴ء)

اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا صدور ہوا۔ نیز اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: (ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے) ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سن رہی تھی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صبح کو جب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ایسا کرتا ہوں' اس نے عرض کی: حضور کی ہماری کیا برابری؟ حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پوری معافی عطا فرمادی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۱۵-۶۱۶، مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۴۱۰ھ)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین مولانا شاہ نقی علی خان متوفی ۱۲۹۷ھ نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر لکھی ہے جس کو "انوار جمال مصطفیٰ" کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس کے متعلق اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: ازاں جملہ الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح کہ مجلد کبیر ہے علوم کثیرہ پر مشتمل۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۸، شبیر برادرز لاہور)

اس کتاب میں الفتح: ۲ کے ترجمہ میں مولانا شاہ نقی علی خان تحریر فرماتے ہیں: تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۱۷، شبیر برادرز لاہور)

نیز مولانا شاہ نقی علی خان ایک حدیث کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مغیرہ ابن شعبہ کہتے ہیں: آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے' لوگوں نے کہا: آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کی اگلی اور پچھلی خطا معاف کی؟ فرمایا: "افلا اکون عبدا شکورا"

(سرور القلوب بذکر المحبوب ص ۲۴۴، شبیر برادرز لاہور)

ہمارے اس ترجمہ کی اصل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام نے مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نسبت کو برقرار رکھا۔

اس حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے! اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

خود قرآن عظیم و احادیث صحیحہ بخاری و صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود ہے' جب آیت کریمہ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) اتری یعنی تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ' صحابہ نے عرض کی: "هنيئا لك يا رسول الله لقد بين الله لك ماذا يفعل بك فماذا يفعل بنا" آپ کو مبارک ہو' خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف صاف فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا' اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ اس پر یہ آیت

اتری: "لیدخل المؤمنین (الٰی قولہ تعالٰی) فوزا عظیما" تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹا دے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے ہاں بڑی مراد پانا ہے۔ یہ آیت اور ان کی امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل شہیر ایسوں کو کیوں بجھائی دیتیں۔

(انباء المصطفٰی ص ۸۔۹' نوری کتب خانہ لاہور)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک یہ حدیث اس درجہ قوی ہے کہ آپ اسے الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ نے "نور العرفان" میں الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

ایک طرف تو اعلیٰ حضرت سے لے کر مفتی احمد یار خان تک ہمارے سب علماء نے اس کو انتہائی درجہ کی صحیح حدیث فرمایا ہے دوسری طرف بعض علماء نے اس حدیث کی سند کو ناقابل اعتبار' ناقابل استدلال اور ضعیف کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ روایت انتہائی نحیف و نزار ہے۔ ہم نے "تبیان القرآن" ج ۶ ص ۳۳۷۔۳۴۳ میں ان کے اعتراض کے متعدد جواب لکھ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا اس حدیث کو صحیح اور الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ فرمانا درست ہے اور حدیث کو رد کرنے سے ہمارے ترجمہ کے برحق ہونے پر جو گرد پڑی تھی' الحمد للہ! وہ گرد دور ہوگئی اور الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں بھی اس حدیث کی صحت پر بہت دلائل لکھے ہیں۔

ہمارے اس ترجمہ کی اصل وہ احادیث بھی ہیں جن سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے "انباء الحی" میں استدلال فرمایا ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

واخرج ابوداود فی کتاب الناسخ عن عکرمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی قولہ تعالٰی (وما ادری ما یفعل بی ولا بکم)' قال نسختھا اٰیۃ الفتح' فقال رجل من المؤمنین ھنیئا لک یا نبی اللہ قد علمنا الاٰن ما یفعل بک فما ذا یفعل بنا' فانزل اللہ تعالٰی فی سورۃ الاحزاب (وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا)' وقال (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات)... الاٰیۃ' فبین اللہ ما یفعل بہ وبھم۔ (انباء الحی ص ۳۸۸)

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب الناسخ میں (وما ادری ما یفعل بی ولا بکم) کی تفسیر میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کو الفتح: ۲ نے منسوخ کر دیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! آپ کو مبارک ہو ہم نے اب جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا' سو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالٰی نے سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل فرمائی: (وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا) اور یہ آیت نازل فرمائی: (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات) پس اللہ تعالٰی نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

"انباء المصطفٰی" اور "انباء الحی" ان دونوں کتابوں میں اعلیٰ حضرت کی عبارات سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوگئی کہ الاحقاف: ۹' الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔

بعض لوگوں نے اعلیٰ حضرت کی مستدل یہ حدیث کو اس لیے ضعیف کہا تھا کہ عکرمہ کی روایت مرسل ہے' انہوں نے اپنا ذریعہ علم نہیں بیان کیا' اس اعتراض کا اوّلاً جواب یہ ہے کہ حدیث مرسل احناف اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور

ثانیاً جواب یہ ہے کہ عکرمہ کی یہ حدیث مرسل نہیں' متصل ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متصلاً مروی ہے اور ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا ہے۔

نیز اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے انباء الحیٔ میں ان احادیث کو بھی ذکر فرمایا ہے:

اخرج الشیخان وجماعة عن انس رضی اللہ تعالی عنه قال انزلت علی النبی صلی اللہ علیه وسلم (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر) مرجعه من الحدیبیة فقال لقد انزلت علی اية هی احب الی مما علی الارض' ثم قرء علیهم' فقالوا هنیئا مریئا یا رسول اللہ! قد بین اللہ لک ماذا یفعل بک؟ فماذا یفعل بنا؟ فنزلت علیه (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهار) حتی بلغ (فوزا عظیما).

امام بخاری اور امام مسلم اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت یہ آیت نازل کی گئی (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر) جب آپ حدیبیہ سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: بے شک مجھ پر ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو مجھے روئے زمین پر موجود تمام چیزوں سے محبوب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت صحابہ کے سامنے تلاوت فرمائی' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے بیان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا' تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهار) یہاں تک کہ (فوزا عظیما) تک پہنچے۔

واخرج ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردویة عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما وما ادری ما یفعل بی ولا بکم فانزل اللہ تعالی بعد هذا (لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر)' وقوله تعالی (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات).... الاية' فاعلم اللہ سبحانه نبیه صلی اللہ علیه وسلم ما یفعل به وبالمؤمنین جمیعا. (انباء الحیٔ ص ۳۸۸)

امام ابن جریر' امام ابن منذر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے: وما ادری ما یفعل بی ولا بکم. تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد نازل کیا: لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر. اور لیدخل المؤمنین والمؤمنات. الاية. تو اللہ سبحانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمام مؤمنین کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام ابوداؤد کی ''کتاب الناسخ'' سے عکرمہ از ابن عباس والی روایت کو تحریر فرمانے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''اخرج ابن جریر عن عکرمة وعن الحسن مثله وعن قتادة نحوه.'' (انباء الحیٔ ص ۳۸۸)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے حوالہ کے مطابق امام ابن جریر کی سند درج ذیل ہے:

''حدثنا ابن بشار وابن المثنی قالا ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبة عن قتادة عن عکرمة.''

(جامع البیان لابن جریر جز ۲۶ ص ۹۲۔ رقم الحدیث: ۲۴۳۴۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان تمام احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت ہے اور یہ احادیث ہمارے ترجمہ کی اصل ہیں۔

اور امام ابن جریر کی ثقاہت کے متعلق مخالفین اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے:

امام ابوجعفر طبری کی تفسیر بعد کی تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ جلیل و عظیم ترین تفسیر ہے۔ نیز اس تفسیر کو تفسیر ابن ابی حاتم' تفسیر ابن ماجہ' تفسیر حاکم' تفسیر ابن مردویہ' تفسیر ابوالشیخ ابن حبان اور تفسیر ابن منذر پر فوقیت حاصل ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۵۰)

ہمارے لیے اس حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ امر کافی تھا کہ اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت نے ''انباء الحی'' ص ۳۸۸ میں از عکرمہ از ابن عباس والی روایت کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے' دو مرتبہ امام ابن جریر کے حوالے سے اور ایک مرتبہ امام ابوداؤد کی ''کتاب الناسخ'' کے حوالے سے۔ سو واضح ہو گیا کہ گفتگو از عکرمہ از ابن عباس کی حدیث میں ہو رہی ہے' جس کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت نے الاحقاف: ۹ کو منسوخ قرار دیا ہے۔

نسخ کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ نے الاحقاف: ۹ کو ان احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے اس پر بعض مخالفین اعلیٰ حضرت نے یہ کہا ہے کہ اس نسخ سے مراد نسخ لغوی ہے' نسخ اصطلاحی نہیں ہے' سو ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نسخ لغوی اور نسخ اصطلاحی میں کوئی تخالف نہیں ہے' اس لیے ہم نسخ لغوی کا معنی اور نسخ اصطلاحی کی تعریف ذکر کر رہے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ ان دونوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

نسخ کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین محمد یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نسخه ازالة و غيره و ابطله واقام شيئا مقامه۔ (القاموس المحیط ص ۲۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

کسی چیز کو منسوخ کر دیا یعنی اس کو زائل کر دیا اور تبدیل کر دیا اور اس کو باطل کر دیا اور دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

امام محمد بن ابی بکر حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

نسخت الشمس الظل ازالته۔

دھوپ نے سائے کو منسوخ کر دیا یعنی زائل کر دیا۔

(مختار الصحاح ص ۳۷۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

النسخ ابطال الشيء واقامة آخر مقامه۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

ایک چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کرنا' نسخ ہے۔

نسخ کی اصطلاحی تعریفات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: ناسخ وہ دلیل شرعی ہے' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناسخ سے پہلے جو حکم کسی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ ناسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۳)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے خلاف کو واجب کرے۔ (توضیح تلویح ج ۲ ص ۳۱)

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں: صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا نسخ ہے' اس حکم کی ابتداء

اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے' مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور ناسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغییر سے عبارت ہے۔ (التعریفات ص ۱۰۶)

الاحقاف: ۹ کے الفتح: ۲ سے منسوخ ہونے پر اعتراض اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا جواب

اماما نقل من اعتراضه علی ترجمان القرآن سیدنا عبد الله بن عباس رضی الله تعالی عنهما فی قوله بانتساخ الکریمة بآیات الفتح والاحزاب' بان النسخ علی تقدیر صحة تاخیر الناسخ انما یکون فی الاحکام لا فی الاخبار' انتهی' فاقول غفلة عن اصطلاح السلف فربما یطلقون النسخ علی تغیر نسبة الفعلیة وذالک لانه بیان مدة الحکم وبه یتبین انتهاء مدة تلک النسبة. وقد قال هذا الناقل نفسه فی هذه الرسالة ص ۴۵ ان الله تعالی وصف النبی صلی الله علیه وسلم بالامی توصیفا لم ینسخه قط. انتهی.

ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ الاحقاف: ۹ سورۂ فتح اور احزاب سے منسوخ ہے' اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے' اگر یہ بات مان لی جائے کہ الاحقاف: ۹ الفتح اور الاحزاب سے مؤخر ہیں اور اس کے لیے ناسخ ہیں تو نسخ تو احکام میں ہوتا ہے' اخبار میں نہیں ہوتا؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ متقدمین کی اصطلاح سے غفلت ہے' کیونکہ وہ بسا اوقات نسبت فعلیہ کی تغییر پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیتے ہیں اور یہ اس لیے کہ نسخ مدت حکم کا بیان ہے اور اسی سے اس نسبت کی مدت کی انتہاء معلوم ہو جاتی ہے۔ اور خود یہی ناقل اس رسالہ کے ص ۴۵ میں کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا "امی" ایسا وصف بیان فرمایا ہے کہ جس کو کبھی بھی اس نے منسوخ نہیں کیا۔

وما اضمر فی قوله "علی تقدیر صحة التاخیر" فمعول عن ان الاحقاف مکیة بلا خلاف ولم تستثن منها الکریمة' ومدنیة الفتح والاحزاب من البدیهیات' علی ان علم التقدیم والتاخیر انما یرجع فیه الی بیان الصحابة رضی الله تعالی عنهم' لو علم ان ابن عباس رضی الله عنهما صرح بالتاخیر' لم یرض باتهامه وبالله العصمة.

(اس کے بعد فرماتے ہیں:) معترض نے اپنے اعتراض کے جواب میں یہ جو اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ الفتح اور الاحزاب' الاحقاف: ۹ سے مؤخر ہیں' (گویا کہ یہاں ناسخ کا مؤخر ہونا واضح نہیں ہے) تو معترض اس بات کو بھول گیا کہ الاحقاف کا مکی ہونا اتفاقی ہے اور اس سے آیت: ۹ مستثنیٰ نہیں ہے اور سورۂ فتح اور سورۂ احزاب کا مدنی ہونا بدیہیات سے ہے۔ علاوہ ازیں آیات کے تقدم اور تاخر کا علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیان سے ہوتا ہے۔ اگر معترض کو یہ معلوم ہوتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (الفتح اور احزاب کے) مؤخر ہونے کی تصریح کر چکے ہیں تو وہ ان پر اعتراض کرنے کو پسند نہ کرتا۔

(ترجمہ ملتقطا انباء الحی ص ۲۸۹)

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نسخ لغوی اور نسخ اصطلاحی میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ اعلیٰ حضرت نے نسخ کی تعریف میں وہی عبارت ذکر کی ہے جو نسخ اصطلاحی کی تعریف میں ہے اور علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے جو لکھا ہے کہ نسخ سے مراد مطلق تغییر ہے یعنی نسخ کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ منسوخ کے حکم کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس پر عمل نہیں ہو گا' بلکہ اب ناسخ کے حکم پر عمل ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علامہ خفاجی' علامہ آلوسی اور اعلیٰ حضرت کی مراد یہ ہو کہ نسخ اصطلاحی احکام میں جاری

ہوتا ہے اور نسخ لغوی جو مطلق تغییر ہے وہ اس سے عام ہے۔ نیز اس آیت میں نسخ کو نسخ اصطلاحی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس آیت کے آغاز میں "قل" کا لفظ ہے اور نسخ "قل" کی طرف راجع ہے۔

اعلیٰ حضرت کی عبارت پر خلاف تحقیق ہونے کا الزام اور اس کا جواب

مخالفین اعلیٰ حضرت نے کہا ہے:

یہ بھی واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ "انباء المصطفیٰ" میں گنگوہی کے اعتراض کا جواب مناظرانہ انداز میں دیا ہے: "کما ھو داب الامام وقد قال: من لم یتامل قولی علی سنن المناظرۃ فلیدندن بما شاء کذا فی الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" اور جمع اقوال کرتے ہوئے نسخ کا قول ذکر فرمایا ہے۔ یہ ان کا مختار نہیں ہے اور یہ بات خود مولانا سعیدی کو بھی تسلیم ہے' وہ لکھتے ہیں: کیونکہ مفسرین کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں تمام اقوال جمع کر دیتے ہیں' خواہ صحیح ہوں یا غلط۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۳۱)

گویا مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مناظرانہ انداز میں مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے ایک سطحی اور خلافِ تحقیق بات کہی ہے اور یہی ان کی عادت ہے۔ پھر اس مفہوم کو "شرح صحیح مسلم" کی یہ عبارت نقل کر کے مزید مؤکد کیا ہے کہ "مفسرین کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں تمام اقوال جمع کر دیتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا غلط"۔ گویا اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا نسخ کا جواب دینا غلط ہے۔

الاحقاف: ۹ کے نسخ پر مولانا اویسی کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۔ (الاحقاف: ۹)

آپ کہیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

مولانا فیض احمد اویسی اس آیت پر پیدا ہونے والے اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول پر کفار بہت خوش ہوئے یا آج وہابی' دیوبندی خوش ہیں' چنانچہ "تفسیر خازن" میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزیٰ کی قسم! ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے' اُن کو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں' اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو اُن کو بھیجنے والا خدا اُنہیں بتا دیتا کہ اُن سے کیا معاملہ کرے گا' تو رب نے نئی آیت اتاری: "لیغفر لک اللہ ما تقدم" پس صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا' ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اُتری" کہ داخل فرمائے گا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں" اور یہ آیت اُتری کہ "خوشخبری دیجئے کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے"۔ یہ حضرت انس اور قتادہ وعکرمہ کا قول ہے' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے' جب کہ حضور علیہ السلام کو اُن کی مغفرت کی خبر دی گئی۔ مغفرت کی خبر آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

فائدہ: دیکھئے کفار حضور علیہ السلام کی لاعلمی از خاتمہ پر کتنا خوش ہوئے' ایسے ہی یہ لوگ آیت دلیل کے طور پر پیش کر کے ضمناً خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اس سے سمجھ لیجئے کہ یہ کون ہوئے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ آیت "وَمَا أَدْرِيْ" خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہو سکتی جیسے قواعد نسخ میں تم نے خود لکھا ہے؟
جواب: بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں جیسے "وَاِنْ تُبْدُوْا الایۃ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا" سے منسوخ۔ ایسے ہی "لَا أَدْرِيْ" کو ابن عباس وانس مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ" سے منسوخ مانا۔ مزید تفصیل و تحقیق فقیر نے کتاب "ناسخ منسوخ" میں لکھی ہے۔

یہاں گویا فرمایا گیا: "قُلْ وَمَا أَدْرِيْ" اور "قُلْ" امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔

بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں امر ہیں جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ". (البقرہ:۱۸۳) یا "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ" (آل عمران:۹۷) وغیرہ۔ (غایۃ المأمول فی علم الرسول ص ۳۳۰۔۳۳۲ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

مولانا فیض احمد اویسی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ الاحقاف:۹' الفتح:۲ سے اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس کی روایت سے منسوخ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الفتح:۲ میں مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور ان ہی دو چیزوں میں مخالفین ہم سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ تمام مخالفین مولانا اویسی کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کے اعلان کا آپ کی عظیم خصوصیت ہونا

سورۂ فتح کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی کلی مغفرت کا قطعی اعلان کر دیا ہے' قرآن مجید میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی' رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کے سوا تمام انبیاء اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور پہلے مرحلہ میں بجز آپ کے تمام نبی اور رسول شفاعت سے گریز کریں گے اور صرف آپ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم نعمت ہے اور آپ کی منفرد خصوصیت ہے' لیکن آپ کی یہ خصوصیت صرف اسی وقت ہوگی جب مغفرت ذنوب کا تعلق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا اس کو برقرار رکھا جائے اور اس کو تسلیم کیا جائے اور اگر بغیر کسی عقلی اور شرعی استحالہ کے اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے تعلق کو بدل کر اگلوں اور پچھلوں کے ساتھ مغفرت ذنوب کا تعلق کیا تو پھر اس مغفرت کلی کا قطعی اعلان اگلوں اور پچھلوں کے لیے ہوگا' حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہوگا' اور مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی خصوصیت نہیں رہے گا اور یہ حدیث کے خلاف ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلی مغفرت کے اعلان کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج ابن ابی حاتم و عثمان بن سعید الدارمی فی (کتاب الرد علی الجهمية) عن عبادة بن الصامت ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج فقال ان جبرائیل اتانی فقال اخرج فحدث بنعمة الله التی انعم بها علیک فبشرنی بعشر لم یؤتها نبی قبل ان الله بعثنی الی الناس جمیعا وامرنی ان انذر الجن ولقانی کلامه وانا امی فقد اوتی داود الزبور وموسی الالواح وعیسی الانجیل

امام ابن ابی حاتم اور امام عثمان بن سعید دارمی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا: باہر آیئے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو بیان فرمایئے' پھر مجھے دس ایسی نعمتوں کی بشارت دی جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں (۱) اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا (۲) مجھے جنوں کے لیے نذیر بنایا (۳) حضرت داؤد کو زبور' حضرت موسیٰ کو

وغفرلی ما تقدم من ذنبی وما تاخر. (الحدیث)

(تورات کی) الواح اور حضرت عیسیٰ کو انجیل دی گئی اور حالانکہ میں امی ہوں پھر بھی اللہ نے مجھے اپنے کلام سے نوازا (۴) اور میرے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸ ' مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

تمام مسالک کے مستند علماء نے اس مغفرت کلی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کے حق میں عظیم نعمت قرار دیا ہے' حافظ ابن کثیر حنبلی لکھتے ہیں:

قوله تعالى (ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر) هذا من خصائصه صلى الله عليه وسلم التي لا يشاركه فيها غيره ' وليس ف ، حديث صحيح في ثواب الاعمال لغيره غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر ' وهذا فيه تشريف عظيم لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

اللہ تعالیٰ کا یہ قول "لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" آپ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور شخص کے کسی عمل کے ثواب کے متعلق کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں آیا کہ اس کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب کی مغفرت کر دی گئی اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عزت اور فضیلت ہے۔

علامہ یوسف نبہانی' علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کے رسالہ "القول المحرر" سے علامہ عز الدین ابن عبد السلام کا کلام نقل کرتے ہیں:

ان الله تعالى اخبر انه غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر ولم ينقل انه تعالى اخبر احدا من الانبياء عليهم الصلوة والسلام بمثل ذلک بل الظاهر انه سبحانه وتعالى لم يخبرهم لان كل واحد منهم اذا طلبت منه الشفاعة في الموقف ذكر خطيئته التي اصاب وقال نفسي نفسي ولو علم كل واحد منهم بغفران خطيئته لم ينكل منها في ذلک المقام واذا استشفعت الخلائق بالنبي صلى الله عليه وسلم في ذلک الموقف قال انا لها. (جواہر البحار ج ۳ ص ۲۱۳۔ ۲۱۴ ' مصر)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دے دی ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے' اور یہ منقول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے اور کسی کو بھی یہ خبر دی ہو' بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اور کسی نبی کو یہ خبر نہیں دی کیونکہ جب حشر کے دن انبیاء سے شفاعت طلب کی جائے گی تو ہر نبی کو اپنی (ظاہری) خطاء یاد آئے گی اور وہ "نفسی نفسی" کہیں گے اگر ان میں سے کسی کو بھی اپنی (ظاہری) خطاء کی مغفرت کا علم ہوتا تو وہ اس مقام پر شفاعت کا انکار نہ کرتا اور جب تمام لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے: میں اس شفاعت کے لیے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کے بیان میں لکھتے ہیں:

وازاں جملہ آنست کہ آمر زیدہ شد آں حضرت علیہ السلام را ما تقدم من ذنبہ وما تاخر' شیخ عز الدین بن عبد السلام گفتہ رحمہ اللہ تعالیٰ از خصائص آں حضرت ست کہ خبر دادہ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ کے تمام مقدم اور مؤخر ذنوب کو بخش دیا گیا ہے' شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کو دنیا میں مغفرت کی خبر دے دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کو

شد اورا در دنیا بمغفرت ونقل کرده نشد که وے تعالی خبرداد ہیچ یکے را از انبیاء بمانند ایں تا آنکه گویند روز قیامت نفسی نفسی انتہی یعنی اگرچه ہمه انبیاء مغفور اند وتعذیب انبیاء جائز نیست ولیکن به تصریح خبرداده نشد ہیچ یکے را بایں فضیلت و اخبار کرده نشد بداں و تصریح آں مخصوص بحضرت محمد است صلی الله علیه وسلم که از غم واندیشه خود فارغ شده بخاطر جمع بحال امت مے پرداز دو بشفاعت در مغفرت ذنوب ورفع درجات ایشاں میکوشد.

یہ خبر نہیں دی ہے' اسی وجہ سے وہ قیامت کے دن ''نفسی نفسی'' کہیں گے۔ (علامہ عزالدین کی عبارت ختم ہوئی' اس کے بعد شیخ محقق لکھتے ہیں:) یعنی اگرچہ تمام انبیاء مغفور ہیں اور انبیاء کو عذاب ہونا ممکن نہیں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحۃً خبر نہیں دی اور کسی نبی کو بھی اس فضیلت کی خبر نہیں دی اور مغفرت کی تصریح صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے' تاکہ آپ اپنے متعلق تشویش سے فارغ ہو کر تسلی کے ساتھ امت کے گناہوں کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کی شفاعت میں کوشش کریں۔

(مدارج النبوت ج ا ص ۱۲۴۔۱۲۵' سکھر)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

پس گفته شد مرآں حضرت را برائے چه میکنی ایں ہمه ریاضت و میکشی ایں ہمه تعب و عناء حالانکه آمرزیده شده است برائے تو ہمه گناہاں تو آنچه پیش رفته و آنچه پس آمده گفت اگر گناہاں ہمه بخشیده باشد آیا پس نباشم من بنده شکر گوینده برنعمت ہائے حق خصوصاً ایں نعمت عظیم که مغفرت ذنوب است.

پس آں حضرت سے عرض کیا گیا کہ آپ عبادت و ریاضت میں اس قدر کوشش و تھکاوٹ کو کیوں اختیار کرتے ہیں حالانکہ آپ کے تمام گناہ (یعنی ترکِ افضل یا خلافِ اولیٰ) بخش دیئے گئے ہیں خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد کے؟ آپ نے فرمایا: اگر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو کیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والا نہ ہوں خصوصاً مغفرت ذنوب کی اس عظیم نعمت پر؟

(اشعۃ اللمعات ج ا ص ۵۲۰' لکھنؤ)

یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے اور ''مشکوٰۃ'' ص ۱۰۸۔۱۰۹' مطبوعہ دہلی اور ''صحیح بخاری'' ج ۲ ص ۷۱۶' مطبوعہ کراچی میں مذکور ہے۔

عشرہ مبشرہ اور اصحابِ بدر کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ کا جواب

مستند فقہاء اسلام کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں تمام ذنوب کی کلی مغفرت کا قطعی اعلان' یہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر اللہ کی عظیم نعمت اور آپ کی منفرد خصوصیت ہے' کسی عام امتی اور ماوشما کی بات چھوڑیں اولوالعزم انبیاء اور رُسل میں سے بھی کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوئی' "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث میں بھی میں نے اس دلیل کا اختصاراً ذکر کیا ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ معارضہ کیا کہ کیا عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس دنیا ہی میں مغفرت کی نوید نہیں سنا دی گئی؟

الجواب: عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مغفرت کی نہیں جنت کی نوید دی گئی ہے' اور وہ بھی خبر واحد ہے' لیکن جنت کی بشارت اور شے ہے اور مغفرت کی نوید اور چیز ہے اور یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو مغفرت کی نوید سنائی ہے' لیکن یہ نوید بہرحال خبر واحد سے ثابت ہے اور ظنی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ذنوب کی کلی مغفرت کا اعلان قرآن مجید میں ہے اور قطعی ہے اور اس خصوصیت میں آپ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے۔

واضح رہے کہ دخول جنت کی نوید مغفرت کلی کو "مستلزم نہیں' کیونکہ ہر مومن جنت میں جائے گا' البتہ دخول جنت کی شخصی بشارت ایمان پر خاتمہ کو مستلزم ہے اور نفس مغفرت کی نوید بھی ابتداءً جنت میں دخول کو مستلزم نہیں ہے' البتہ مغفرت کلی کی بشارت ابتداءً دخول جنت کو مستلزم ہے اور اس کی شخصی بشارت پوری کائنات میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ آپ کی منفرد فضیلت اور عظیم خصوصیت ہے۔

صاحب یٰسین کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ۔۔۔ کا جواب

صاحب یٰسین کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝ (یٰسین: ۲۵۔۲۷)

میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں تم میری بات سن لو ۝ حکم ہوا: جنت میں داخل ہو جا' تو اس نے کہا کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہوتا ۝ کہ میرے رب نے میری مغفرت کر دی اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا ۝

مخالفین کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ صاحب یٰسین کو اس کی زندگی میں فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا' بہرحال صاحب یٰسین کو بھی اس کی زندگی میں جنت اور مغفرت کی بشارت دے دی گئی تھی' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کی زندگی میں الفتح: ۲ کے ذریعہ مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ آپ کی خصوصی نہ رہی' کیونکہ یہ بشارت تو صاحب یٰسین کو بھی حاصل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی یا کسی رسول یا کسی بھی شخص کی زندگی میں اس کی مغفرت کلی کا اعلان قطعیت سے ثابت نہیں ہے' اس کا ان تفسیری روایات سے معارضہ کرنا باطل ہے کیونکہ اول تو یہ روایات زیادہ سے زیادہ اخبار احاد ہیں' اس لیے قطعیت الثبوت نہیں ہیں' ثانیاً: یہ دو قسم کی روایات ہیں' زیادہ تر یہ ہیں کہ صاحب یٰسین سے ان کی وفات کے بعد کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور یہی اقرب الی القیاس ہیں اور یہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں ہیں اور بعض مجہول السند روایات میں ہے کہ ان کی زندگی میں ان سے کہا گیا۔ امام ابن اسحاق اپنے بعض اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صاحب یٰسین سے فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا' پس وہ زندہ جنت میں داخل ہو گئے' ان کو جنت میں رزق دیا جاتا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۹۳) امام رازی نے دونوں روایتیں ذکر کی ہیں' پہلے وہ روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان سے فرمایا: تو جنت میں داخل ہو

جا اور دوسری روایت وہ ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ان سے زندگی میں فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۷۲۶ ایضاً تفسیر قرطبی جز ۱۵ ص ۲۰) اور جب یہ دو روایتیں ہیں تو ان کی زندگی میں ان کی مغفرت کا اعلان قطعیت الدلالۃ نہ رہا اور نہ ہی یہ روایات قطعی الثبوت ہیں اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی مغفرت کا اعلان آپ کے متعلق الفتح: ۲ میں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی ہے تو صاحب یٰسین کی مغفرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی مغفرت کی قطعیت سے کیسے معارضہ کیا جا سکتا ہے اور صاحب یٰسین کی مغفرت سے آپ کی کلی مغفرت کی تنقیص کیسے کی جا سکتی ہے؟

اصحابِ حدیبیہ کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۵﴾ (الفتح: ۵)

تاکہ اللہ مومنوں اور مومنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے○

اس آیت کی بنیاد پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان احادیث کے مطابق جب الفتح: ۲ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا اعلان کر دیا گیا تو اصحاب حدیبیہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے کیا ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے الفتح: ۵ کی تلاوت فرمائی' یعنی مومنین اور مومنات کو اللہ تعالیٰ دائمی جنات عطا فرمائے گا اور اصحابِ حدیبیہ بھی مومنین اور مومنات میں سے ہیں' لہٰذا وہ بھی اس بشارت میں داخل ہیں' سو ان کی بھی مغفرت کلی اور قطعی ثابت ہو گئی' پس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی خصوصیت نہیں رہا۔ مخالفین کہتے ہیں: اور اگر اس کا ثبوت اس طرح نہ ہو تو حضرات صحابہ کرام کو اس کا حق تھا کہ وہ کہتے: ہم نے مغفرت کلی و قطعی کا مطالبہ کیا تھا' نہ ہماری مغفرت ہوئی' نہ اس میں کلیت آئی' نہ اس میں قطعیت آئی' تو گویا ان کا مطالبہ پورا ہی نہ ہوا؟

الجواب: صحابہ کرام نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا' یہ صرف معترض کا مفروضہ اور صحابہ کرام پر بے جا الزام ہے' صحابہ کرام کا تو بہت بلند مقام ہے' کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہ کہے کہ جو انعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے بعینہٖ وہی انعام اس کو بھی دیا جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جو مرتبہ دیا گیا اس کو بھی جنت میں وہی مرتبہ دیا جائے' یہ بہت کم راہانہ سوچ ہے' صحابہ کرام اس تہمت سے بری ہیں۔

حدیث میں صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی میں یہ آیت نازل ہوئی:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: ۲)

تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام۔

تو صحابہ نے عرض کی: آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف فرما دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا' اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ اس پر الفتح: ۵ نازل ہوئی۔

صحابہ کرام نے صرف یہ جاننا چاہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا کرے گا' یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ ان کو بھی وہی انعام عطا کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا اور ان کی بھی خصوصیت اور شخصی تعیین کے ساتھ ان کی زندگی میں ان کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان کر دیا جائے اور ایسا کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صریح بہتان ہے۔

نیز بعض لوگوں نے کہا ہے کہ الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اعلان آپ کی خصوصیت نہیں ہے' کیونکہ الفتح: ۵ میں اصحاب حدیبیہ کی مغفرت کا اعلان بھی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ان دونوں آیتوں کی حیثیتوں میں دو وجہ سے فرق ہے:

(۱) الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شخصی طور پر خطاب ہے اور الفتح: ۵ میں اصحاب حدیبیہ سے شخصی طور پر خطاب نہیں ہے' بلکہ عمومی طور پر مؤمنین اور مؤمنات کو جنت اور مغفرت کی نوید سنائی ہے' اور اس نوید میں قیامت تک کے مؤمنین اور مؤمنات داخل ہیں' اگر چہ اصحاب حدیبیہ اس نوید میں اولاً داخل ہیں مگر یہ نوید ان کے ساتھ خاص نہیں ہے' اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت ان ہی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(۲) الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی مغفرت کا ذکر ہے اور یہی مغفرت کلی ہے اس کے برخلاف الفتح: ۵ میں مطلق مغفرت کا ذکر ہے اور مطلق مغفرت' مغفرت کلی کو مستلزم نہیں ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں جنت کی بشارت بھی ہے اور جنت کی بشارت مغفرت کلی کو مستلزم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنت مغفرت کو تو مستلزم ہے مغفرت کلی کو مستلزم نہیں ہے' کیونکہ کئی مسلمان حساب کی سختی' محشر میں طول قیام وغیرہ کے مرحلہ سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔

بہر حال مغفرت کلی کا دنیا میں اعلان قطعی صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور یہ آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور وہ تمام علماء جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت ہے انہوں نے آپ کی اس فضیلت کا بہ صراحت ذکر کیا ہے' جن کے حوالے ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت' ان کے والد گرامی اور دیگر علماء اہل سنت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کو برقرار رکھنا

الفتح: ۲ میں بغیر تاویل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ''کنزالایمان'' کے علاوہ اپنی دوسری تصانیف میں' اور آپ کے والد گرامی نے اپنی تصانیف میں جن کی اعلیٰ حضرت نے توثیق کی ہے اور دیگر علماء اہل سنت نے اپنی تصانیف میں اس آیت میں اور اس طرح کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کو برقرار رکھا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے) ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اور میں سن رہی تھی کہ یا رسول اللہ! میں صبح کو جب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ایسا کرتا ہوں' اس نے عرض کی: حضور کی اور ہماری کیا برابری' حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پوری معافی عطا فرمادی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۶۱۵-۶۱۶' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

نعمائے الٰہیہ ہر وقت' ہر لحظہ' ہر آن' ہر حال میں متزاید ہیں۔ خصوصاً خاصوں پر خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں' اس کمی کو تقصیر اور تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵' مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے والد قدس سرہ کی کتاب "احسن الوعاء وآداب الدعاء" کی شرح "ذیل الوعا احسن الدعا" میں لکھتے ہیں: قال الرضا یہ بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے: "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (محمد: ۱۹) مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعا ص ۲۶ مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارادر کراچی)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین مولانا شاہ نقی علی خان متوفی ۱۲۹۷ھ نے سورۂ الم نشرح کی تفسیر لکھی ہے جس کو "انوار جمال مصطفیٰ" کے نام سے شائع کیا گیا اس کے متعلق اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: از ان جملہ الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح کہ مجلد کبیر ہے علوم کثیرہ پر مشتمل۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۸ شبیر برادرز لاہور)

اس کتاب میں الفتح: ۲ کے ترجمہ میں مولانا شاہ نقی علی خان تحریر فرماتے ہیں: تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۷۱ شبیر برادرز لاہور)

نیز مولانا شاہ نقی علی خان ایک حدیث کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں: آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے لوگوں نے کہا: آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اگلی پچھلی خطا معاف کی؟ فرمایا: "افلا اکون عبداً شکوراً"۔

(سرور القلوب بذکر المحبوب ص ۲۳۶ شبیر برادرز لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس مے آیند عیسیٰ راپس مے گوید عیسیٰ من نیستم اہل ایں کار و لیکن بیاید محمد را صلی اللہ علیہ وسلم کہ بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدا مرا ورا ہرچہ پیش گذشتہ از گناہان وے وہرچہ پس آمدہ۔

پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے حضرت عیسیٰ فرمائیں گے: میں اس کام کا اہل نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہ (یعنی ترک افضل) بخش دیئے ہیں خواہ پہلے کے ہوں یا بعد کے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۸۶ لکھنؤ)

اور علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس بیایند بر عیسیٰ علیہ السلام پس بگوید برائے شفاعت نیستم لیکن برشما لازم است کہ بروید بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدائے تعالیٰ مرا ورا از گناہان پیش و پسین او۔ (تحقیق الفتویٰ ص ۳۲۰۔۳۲۱ لاہور)

علامہ عبدالحکیم شرف قادری ثم نقشبندی اس عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے: میں شفاعت (کبریٰ) کے لیے نہیں ہوں تم پر لازم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ ایسے عبد مکرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ (ترجمہ تحقیق الفتویٰ ص ۱۲۵ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

مولانا غلام رسول رضوی لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے: میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔
(تفہیم البخاری ج ۱۰ ص ۴۸ البجدہ پرنٹرز)

میرے شیخ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ العزیز متوفی ۱۴۰۶ھ الفتح: ۲ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورۃً ذنب ہیں' حقیقۃً حسنات الابرار سے افضل ہیں)۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ متوفی ۱۹۹۸ء نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:

تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔

مولانا فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

"عفا اللہ عنک" کی تقدیم میں لطیف اشارہ ہے' وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" کی خوش خبری سے نوازا' تو "عفا اللہ عنک" میں اس کی تصدیق و توثیق فرمائی' اب مطلب واضح ہو گیا کہ اے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے منافقین کو اجازت بخشی کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب فرمایا ہے جسے عوام (وہابی وغیرہ) عتاب یا غلطی سے تعبیر کرتے ہیں تو کیا ہوا' آپ تسلی فرمایئے کہ جب میں نے آپ سے پہلے وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کے گزشتہ اور آئندہ امور اگرچہ خلاف اولیٰ ہوں تمام بخش دیئے ہیں۔ (علم الرسول ص ۸۰' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی: تو میری ساری خطائیں بخش دے' تیرے سوا کوئی خطائیں نہیں بخش سکتا۔
(مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۸۱۳)

مفتی احمد یار خاں متوفی ۱۳۹۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خیال رہے اس قسم کی ساری دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے محفوظ ہیں اور آپ کی خطاؤں کی مغفرت ہو چکی ہے' جس کا اعلان قرآن شریف میں بھی ہوا جو اس قسم کی دعائیں دیکھ کر حضور کو گناہ گار مانے' وہ بے دین ہے۔ (مراۃ المناجیح ج ۲ ص ۳۳-۳۴' نعیمی کتب خانہ' گجرات)

ہم نے اس سے پہلے "انباء المصطفیٰ" اور "انباء الحیّ" کے حوالوں سے ان احادیث کو بیان کیا تھا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی گئی ہے' اب ہم اس سلسلہ میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کے ثبوت میں مزید احادیث

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال فضلت علی الانبياء بست لم يعطهن احد كان قبلی' غفرلی ما تقدم من ذنبی وما تاخر وا حلت لی الغنائم ولم تحل لاحد كان قبلی' وجعلت امتی خير الامم' وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا واعطيت الكوثر'

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے' جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' میرے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے' میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا' میری امت کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا

ونصرت بالرعب، والذی نفسی بیدہ ان صاحبکم لصاحب لواء الحمد یوم القیامة تحته ادم فمن دونه. (کشف الاستار ج ۳ ص ۱۴۷، بیروت)

گیا ہے، میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور مطہر بنا دیا گیا ہے، مجھے کوثر دیا گیا ہے اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تمہارا پیغمبر قیامت کے دن حمد کے جھنڈے کا حامل ہوگا اور آدم اور ان کے ماسوا تمام انبیاء اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

حافظ الہیثمی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

رواہ البزار واسنادہ جید.

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹، بیروت)

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عکرمة قال سمعت ابن عباس یقول ان الله عزوجل فضل محمدا صلی الله علیه وسلم علی اهل السماء وعلی الانبیاء قالوا یا ابن عباس ما فضله علی اهل السماء قال لان الله عزوجل قال لاهل السماء (ومن یقل منهم انی اله من دونه فذلک نجزیه جهنم کذلک نجزی الظلمین) وقال الله تعالی لمحمد صلی الله علیه وسلم انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر قالوا یا ابن عباس ما فضله علی الانبیاء؟ قال لان الله تعالی یقول وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه وقال الله لمحمد صلی الله علیه وسلم وما ارسلناک الا کافة للناس فارسله الله عزوجل الی الانس والجن. (دلائل النبوت ج ۶ ص ۲۸۶ ۔ ۲۸۷، بیروت)

عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمان والوں اور تمام نبیوں پر فضیلت دی ہے، لوگوں نے کہا: اے ابن عباس! آسمان والوں پر آپ کی فضیلت کی کیا دلیل ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کے متعلق فرمایا: اور فرشتوں میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے، اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا: "بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب یعنی (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام معاف کردے"۔ لوگوں نے کہا: اے ابن عباس! حضور کی انبیاء پر کیا فضیلت ہے؟ انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے متعلق فرماتا ہے: "ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: "ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے" سو آپ کو اللہ عزوجل نے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۱۵۳)

حافظ نورالدین الہیثمی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی ورجاله رجال الصحیح غیر الحکم بن ابان وهو ثقة ورواہ ابو یعلی باختصار

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، ماسوا حکم بن ابان کے اور وہ بھی ثقہ

کثیر۔ (مجمع الزوائد ج۸ص ۲۵۴-۲۵۵)

ہے امام ابو یعلیٰ نے بھی اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو شیخ ولی الدین عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۵ المطالب العالیہ ج ۴ ص ۴۹)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن مجاهد فی قوله عزوجل نافلة لک قال لم تکن النافلة لاحد الا للنبی صلی الله علیه وسلم خاصة من اجل انه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فما عمل من عمل مع المکتوب فهو نافلة سوی المکتوب من اجل انه لا یعمل ذلک فی کفارة الذنوب والناس یعملون ما سوی المکتوبة فی کفارة ذنوبهم فلیس للناس نوافل انما هی للنبی صلی الله علیه وسلم خاصة۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۷)

''نفل آپ کی خصوصیت ہے'' اس کی تفسیر میں مجاہد نے بیان کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے نفلی عبادت زائد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے' اس لیے آپ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ نفل یعنی زائد از ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ باقی لوگ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے' لہٰذا لوگوں کی کوئی عبادت نفل یعنی زائد نہیں ہے' عبادت کا نفل (زائد) ہونا صرف آپ کی خصوصیت ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

وذکر وهب بن منبه فی قصة داود النبی صلی الله علیه وسلم وما اوحی الیه فی الزبور یا داود انه سیاتی من بعدک نبی یسمی احمد ومحمد صادقا سیدا لا اغضب علیه ابدا ولا یغضبنی ابدا وقد غفرت له قبل ان یعصنی ما تقدم من ذنبه وما تاخر وامة مرحومة الحدیث۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۸۰)

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ میں ذکر کیا کہ ''زبور'' میں ان کی طرف یہ وحی کی گئی تھی کہ اے داؤد! آپ کے بعد ایک نبی مبعوث ہوں گے جن کا نام احمد اور محمد ہوگا' وہ صادق اور سید ہوں گے' میں ان پر کبھی ناراض ہوں گا نہ وہ کبھی مجھ سے ناراض ہوں گے' میں نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کو ارتکاب سے پہلے ہی معاف کر دیا ہے اور ان کی امت پر رحمت کی گئی ہے۔

ان تمام احادیث میں تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے' سو یہ کہنا کہ یہ مغفرت آپ کو حاصل نہیں ہوئی بلکہ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کو حاصل ہوئی ہے' ان تمام احادیث کے خلاف ہے۔

آثار صحابہ کی روشنی میں آپ کے ساتھ مغفرت ذنوب کے تعلق کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک یقول جاء ثلثة رهط الی بیوت ازواج النبی صلی الله علیه وسلم یسئلون عن عبادة النبی صلی الله علیه وسلم فلما اخبروا کانهم تقالوها فقالوا واین نحن من النبی صلی الله علیه وسلم قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فقال احدهم اما انا فانی اصلی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں میں تین صحابی آئے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب ان کو خبر دی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے' ایک نے کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز

الليل ابدا وقال اخر انا اصوم الدهر ولا افطر وقال اخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انتم الذين قلتم كذا وكذا اما والله انا لاخشاكم لله و اتقاكم له لكنى اصوم وافطر واصلى وارقدو واتزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس منى:
(صحیح بخاری ج ۲ص ۷۵۷ ' طبع کراچی)

پڑھوں گا' دوسرے نے کہا: میں تمام عمر روزے رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا' تیسرے نے کہا: ہمیں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں نے ایسے ایسے کہا ہے؟ سنو! بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں' لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور کھانا بھی کھاتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور ازواج سے نکاح بھی کرتا ہوں' سو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔

امام عبد الرزاق نے بیان کیا ہے کہ یہ تین صحابی' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ص ۱۶۷ قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس آیت میں مغفرت ذنوب کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ آپ روزے میں اپنی ازواج کا بوسہ لیتے ہیں تو حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

فقال يا رسول الله قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اما والله انى لاتقاكم واخشاكم له. (صحیح مسلم ج ۱ص ۳۵۲ ' کراچی)

انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کردی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا کوئی شخص حالتِ جنابت میں روزہ کی نیت کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں بھی (بعض اوقات تاخیر کی وجہ سے) ایسا کرتا ہوں' اس پر اس صحابی نے کہا:

فقال لست مثلنا يا رسول الله قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فقال والله انى لارجو ان اكون اخشاكم لله واعلمكم بما اتقى. (صحیح مسلم ج ۱ص ۳۵۲ ' کراچی)

اس صحابی نے کہا: یارسول اللہ! آپ تو ہماری مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کردی ہے' آپ نے فرمایا: بہ خدا مجھے یہ امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے ان کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

• امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقوم من الليل حتى تفطر قدماه فقالت عائشة لم تصنع هذا يا رسول الله وقد غفر الله

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (بہت) قیام کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر سوج جاتے' حضرت عائشہ نے عرض کیا: یارسول اللہ!

لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا. (صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۱۶ کراچی)

آپ اتنا قیام کیوں کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں یہ پسند نہ کروں کہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے دونوں ترجموں میں محاکمہ

قرآن مجید کی ظاہر آیات المومن: ۵۵' محمد: ۱۹ اور الفتح: ۲' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استغفار اور مغفرت کی نسبت کی گئی ہے' اسی طرح بہ کثرت احادیث اور آثار میں بھی آپ کی طرف مغفرت کی نسبت ہے جن کو ہم نے ''انباء المصطفیٰ'' اور ''انباء الحی'' کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور مزید احادیث ''مسند بزار' دلائل النبوت' طبرانی' ابویعلیٰ'' وغیرہا کے حوالوں سے ذکر کی ہیں اور آثار صحابہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے حوالوں سے ذکر کیے ہیں اور اعلیٰ حضرت نے اپنی دیگر تصانیف میں جو ان آیات اور احادیث کا ترجمہ کیا ہے' وہ ظاہر قرآن اور احادیث کے مطابق ہے' اس لیے ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمہ راجح ہے اور ''کنز الایمان'' کے ترجمہ میں جو مغفرت ذنب کی نسبت اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی گئی ہے وہ چونکہ ظاہر قرآن اور حدیث کے مطابق نہیں ہے' اس لیے وہ مرجوح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے: چونکہ الفتح: ۲ میں آپ کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت ہے اور بہ ظاہر مغفرت ذنب کی آپ کی طرف نسبت آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے اس لیے اس آیت میں تاویل کی جائے گی اور یہ تاویل اعلیٰ حضرت نے دو طرح کی ہے' ''کنز الایمان'' میں آپ نے اس آیت میں مغفرت کی نسبت کو مجاز عقلی پر محمول کیا' یعنی بہ ظاہر مغفرت کی نسبت آپ کی طرف ہے اور حقیقت میں یہ نسبت اگلوں اور پچھلوں کی طرف ہے اور اعلیٰ حضرت نے دوسرے تراجم میں اور آپ کے والد گرامی اور دوسرے علماء اہل سنت نے اس آیت کو مجاز مرسل پر محمول کیا اور ذنب کے معنی میں تاویل کی اور کہا: اس سے ذنب کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے بہ ظاہر خلاف اولیٰ مراد ہے۔

بہرحال مجاز عقلی ہو یا مجاز مرسل' مغفرت کی نسبت کو مجاز پر محمول کیا جائے یا ذنب کے معنی میں تاویل کی جائے اور اس کو خلاف اولیٰ پر محمول کیا جائے یہ دونوں طریقے عربی قواعد کے مطابق اور دونوں کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتراض کو دور کرنا اور آپ کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے اور دونوں کی نیت محمود اور مستحسن ہے اور ان میں سے کسی طریقہ کو طعن اور ملامت کا ہدف نہیں بنانا چاہیے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک طریقہ افضل اور راجح ہے اور دوسرا طریقہ مفضول اور مرجوح ہے اور ہمارے نزدیک افضل اور راجح طریقہ وہی ہے جس میں ظاہر قرآن اور حدیث کی موافقت ہے۔

''القرآن ذو وجوہ'' کا جواب

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ''القرآن ذو وجوہ'' یعنی قرآن مجید کی ایک آیت کے کئی محمل ہوتے ہیں اور وہ سب درست ہوتے ہیں' لہٰذا اعلیٰ حضرت نے الفتح: ۲ کا جو ترجمہ ''کنز الایمان'' میں کیا ہے وہ بھی صحیح ہے اور جو ترجمہ آپ نے دوسری تصانیف میں کیا ہے وہ بھی درست ہے' میں کہتا ہوں: یہ اصول ٹھیک ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت کے کئی محمل ہوتے ہیں اور وہ سب درست بھی ہوتے ہیں لیکن ان میں راجح اور مرجوح اور قوی اور ضعیف تو ہوتے ہیں' مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں تین قروء عدت گزاریں۔

''قروء'' کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت میں ''قروء'' کا معنی حیض ہے اور ان

کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس آیت میں "قروء" کا معنی طہر ہے اور ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین طہر ہے' لغت کے اعتبار سے یہ دونوں محمل درست ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے یہاں "قروء" بہ معنی حیض راجح ہے' تین کا عدد صرف حیض کی صورت میں متحقق ہے کیونکہ جس طہر میں طلاق دی گئی اگر اس کو عدت میں شمار کریں تو اڑھائی طہر بنتے ہیں اور اگر اس طہر کو عدت میں شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر بنتے ہیں' تین کا عدد پورا صرف اسی صورت میں متحقق ہوگا جب "قروء" بہ معنی حیض ہو' سو "قروء" کے دو محمل ہیں اور دونوں صحیح ہیں' لیکن راجح "قروء" بہ معنی حیض ہے' اسی طرح الفتح: ۲ کی دو تاویلیں ہیں' ایک یہ ہے کہ اس آیت میں ذنب بہ معنی خلاف اولیٰ ہو اور یہ مجاز مرسل ہو اور دوسری یہ کہ مغفرت ذنب کی نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف ہو اور یہ مجاز عقلی ہو اور یہ دونوں تاویلیں درست ہیں لیکن پہلی تاویل راجح ہے کیونکہ وہ ظاہر قرآن اور حدیث کے مطابق ہے اور دوسری تاویل مرجوح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے ہیں' ان ہی پر بُری گردش ہے' اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کیا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں' اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی تسبیح پڑھو O بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر' سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا O

(الفتح: ۶۔۱۰)

منافقوں اور مشرکوں کی ضرر رسانی اور ان کے عذاب کی نوعیت کا فرق

الفتح: ۶ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے منافقوں کا ذکر فرمایا ہے' اس کے بعد مشرکوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین کے حق میں منافقین کا ضرر مشرکین سے زیادہ ہے' کیونکہ مشرک تو اپنے کفر اور شرک کا اظہار کر کے مسلمانوں کا کھلا ہوا دشمن ہے اور مسلمان اس کے ضرر سے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے ہیں' اس کے برخلاف منافق مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور مسلمانوں پر اپنے مؤمن ہونے کا اظہار کرتا ہے اور مسلمان اپنے راز کی باتیں اسے بتا دیتا ہے اور وہ ان باتوں کو مشرکین تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب دے گا' منافقوں کا عذاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح اور سربلندی عطا فرمائی' جس سے منافقوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اس فکر اور تشویش میں مبتلا ہو گئے کہ اب مسلمان غالب ہو گئے اور ہم نے جو ان کی ناکامی کا خواب دیکھا تھا وہ سچا نہ ہوا اور مشرکوں کا عذاب یہ تھا کہ بعد کے غزوات میں وہ قتل کیے گئے' ان کو قید کیا گیا اور ان کو غلام بنا لیا گیا۔

اور اس آیت میں فرمایا: "جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے تھے" منافقوں کا بُرا گمان یہ تھا کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس نہیں جا سکیں گے اور نہ آپ کے ان اصحاب میں سے کوئی واپس آ سکے گا جو حدیبیہ کی طرف گئے تھے اور مشرکین اب مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے' انہوں نے اللہ کے رسول اور ان کے اصحاب کے ساتھ بُرا گمان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا وہ بُرا گمان خود ان پر الٹ دیا کہ مشرکین دنیا میں قتل کیے گئے اور قید کیے گئے اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور

منافقوں کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

اللہ کے لشکر کا مصداق

الفتح: ۷ میں فرمایا: اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ بہت غالب ہے بے حد حکمت والا ہے○

اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ ہوگئی' اس وقت عبداللہ بن ابی نے کہا: کیا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ گمان کرلیا ہے کہ جب وہ اہل مکہ سے صلح کرلیں گے یا ان کو فتح کرلیں گے تو ان کا کوئی دشمن باقی نہیں رہے گا' پس فارس اور روم کدھر گئے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر فارس اور روم کے لشکروں سے بہت زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: آسمانوں کے لشکروں سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکروں سے مراد مؤمنین ہیں' ان دونوں آیتوں سے مراد منافقوں اور مشرکوں کو خوف زدہ کرنا اور دھمکانا ہے' ورنہ اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' لیکن اللہ عزوجل نے ان کو عذاب دینے کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اس وقت تک کے لیے ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے اور ''وتعزروہ وتوقروہ'' کا معنی

الفتح: ۸ میں فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: آپ اس کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اپنی امت کو تبلیغ کردی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے تمام اعمال پر شاہد ہیں' خواہ وہ اعمال اطاعت ہوں یا معصیت ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے افعال کا اب مشاہدہ فرما رہے ہیں اور قیامت کے دن ان کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

جو آپ کی اطاعت کرتا ہے آپ اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے آپ اس کو دوزخ کی آگ سے ڈراتے ہیں۔

الفتح: ۹ میں فرمایا: تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی تسبیح پڑھو○

اس آیت میں تعزیر کا لفظ ہے' تعزیر کا معنی تعظیم اور تکریم کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: آپ کی نصرت اور مدد کرنا' اور آپ کی مدافعت کرنا اور آپ پر ہونے والے حملوں کو روکنا' حد سے کم سزا کو تعزیر بھی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جرم کے ارتکاب سے مانع ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: آپ کے ساتھ مل کر تلوار سے قتال کرو۔

اور توقیر کا معنی ہے: آپ کی تعظیم اور تکریم کرو' اور ''تعزروہ'' اور ''توقروہ'' دونوں میں ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ''تسبحوہ'' سے الگ جملہ شروع ہے' یعنی صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ تمام ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہیں' اس تقدیر پر ''تعزروہ وتوقروہ'' کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقہ سے رب مانو اور یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوسکتی ہے نہ اس کا کوئی شریک ہوسکتا ہے' یہ قول قشیری کا ہے اور پہلا قول ضحاک کا تھا۔

''تسبحوہ'' کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ ہر عیب اور نقص سے اللہ تعالیٰ کے بری ہونے کو بیان کرو اور دوسرا یہ کہ نماز پڑھو' جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے۔

''ید اللہ'' کی توجیہات اور ''بما عاھد علیہ اللہ'' میں ضمہ کے اشکال کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر' سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔ (الفتح: ۱۰)

اس سے مراد وہ بیعت ہے جو حدیبیہ میں حضرت عثمان کا قصاص لینے پر کی گئی تھی' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا' درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

متقدمین کے نزدیک اللہ کے ہاتھ کے معنی میں کوئی تاویل نہیں ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے لیکن مخلوق میں اس کے ہاتھ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' ائمہ اربعہ کا یہی مختار ہے' اس کی زیادہ تفصیل ہم نے الاعراف: ۵۴' ''تبیان القرآن'' ج ۴ ص ۱۵۸ میں کی ہے اور متاخرین نے اس کی تاویلات کی ہیں۔ امام رازی نے اس کی حسب ذیل تاویلات کی ہیں:

(۱) اللہ کی نعمت ان کی نیکیوں کے اوپر ہے' یعنی ان کی نیکیوں سے بہت زائد ہے۔

(۲) اللہ کی نصرت اور مدد ان کی نصرت اور مدد سے بہت زیادہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کی بیعت کی حفاظت فرمائے گا۔

علامہ قرطبی نے اس کی یہ تاویلات کی ہیں:

(۱) اللہ کا ہاتھ جو ثواب عطا فرمانے میں ہے' وہ ان کی بیعت پوری کرنے سے بہت زیادہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے کر جو ان پر احسان کا ہاتھ رکھا ہے وہ ان کی اطاعت سے بہت زیادہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی قوت اور نصرت ان کی قوت اور نصرت سے بہت زیادہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۰) اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ۝

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں ''علیہ'' کی ھائے ضمیر پر ضمہ (پیش) ہے جب کہ قواعد کے مطابق یہاں ھاء ضمیر پر کسرہ (زیر) ہونا چاہیے' کیونکہ اس کا ماقبل یاء مجزوم ہے اور یاء کی مناسبت سے اس پر کسرہ ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے فرمایا: ''فمن نکث'' یعنی جس نے عہد کو توڑا' تو اگر ہاء ضمیر پر کسرہ ہوتی تو یہ معروف قاعدہ کے مطابق ہوتا اور عہد کا پورا کرنا ہوتا' جب کہ آیت میں عہد توڑنے کا ذکر ہے' اس لیے جب ''علیہ اللہ'' میں ہاء پر ضمہ پڑھی گئی تو یہ نحوی قاعدہ کا توڑنا ہوا اور ''فمن نکث'' کے موافق ہو گیا۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۳۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ أَمْوَالُنَا وَ

جو اعرابی (سفر حدیبیہ میں) آپ سے پیچھے کر دیئے گئے تھے وہ عنقریب یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم اپنے اموال اور

أَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ

گھروں کی دیکھ بھال میں مشغول تھے' سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں

قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ

میں نہیں ہیں' آپ کہیے کہ اللہ کے مقابلہ میں کس کو کسی چیز کا اختیار ہے؟ اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا تم

بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنتُمْ

کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے' بلکہ اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ بلکہ تم نے یہ گمان

أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَ

کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ بات

زُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنتُمْ قَوْمًا

خوش نما بنا دی گئی تھی' تم نے بہت برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے

بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

لوگ تھے ○ اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ

تیار کر رکھی ہے ○ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے معاف

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُولُ

کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جب تم اموال غنیمت

الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ

لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ

ساتھ چلنے دو‘ وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں‘ آپ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے‘ اللہ نے اسی طرح

اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا 16

پہلے فرما دیا ہے‘ پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو‘ (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ

يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ

بہت کم سمجھتے ہیں○ آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم

اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ

(مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے قتال کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے‘ پس اگر

تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو تم کو عمدہ اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے روگردانی کرتے

قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى

رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا○ اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی

الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

گناہ ہے‘ اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی‘ اللہ اس کو ان جنتوں میں

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی اللہ اس کو

ع ۷/۲ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع

دردناک عذاب دے گا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اعرابی (سفر حدیبیہ میں) آپ سے پیچھے کر دیئے گئے تھے وہ عنقریب یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم اپنے اموال اور گھروں کی دیکھ بھال میں مشغول تھے‘ سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے‘ وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں‘ آپ کہیے کہ اللہ کے مقابلہ میں کس کو کسی چیز کا اختیار ہے؟ اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ

کرے یا تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے بلکہ اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے' اور تمہارے دلوں میں یہ بات خوش نما بنا دی گئی تھی' تم نے بہت بُرا گمان کیا تھا' اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے O اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O (الفتح: ۱۱۔۱۳)

منافقوں کا عذر اور اس کا نامقبول ہونا

''المخلفون'' کا معنی ہے: جن کو پیچھے کر دیا گیا' یعنی اللہ نے ان کو اپنے نبی کے ساتھ جانے اور ان کی ہم راہی سے پیچھے کر دیا تھا' یہ منافق لوگ تھے جو مدینہ کے قریب دیہاتوں میں رہتے تھے' ان کے قبائل یہ تھے: غفار' مزینہ' اسلم' اشجع اور دیل' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری کو مکہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ان کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے بلایا تو یہ قریش کے ڈر سے آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں ہوئے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے احرام باندھا ہوا تھا' انہوں نے ساتھ نہ جانے کے لیے یہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اموال اور گھروں کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے' آپ کے حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد یہ آپ کے پاس عذر پیش کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ آپ ہماری اس فروگزاشت کے اوپر اللہ سے استغفار کیجئے' اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان کو رسوا کر دیا کہ یہ اپنی زبانوں سے جس شرمندگی اور افسوس اور معذرت کا اظہار کر رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے' بلکہ یہ محض ان کا نفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: تم نے اپنے اموال اور گھروں کو ضرر سے بچانے کی فکر کی اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نظر انداز کر دیا' اور تم اپنے اموال اور گھروں کی حفاظت کی خاطر گھروں میں بیٹھے رہے' اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرر پہنچانا چاہے تو تمہارا گھروں میں بیٹھنا تم کو اللہ کے ضرر سے بچا نہیں سکتا' یا تم اس لیے گھروں میں بیٹھے رہے کہ تمہیں مسلمانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنا پڑے اور تمہارا یہ خیال تھا کہ تمہارے گھر تم کو دشمن سے بچا لیں گے' اگر بالفرض تم نے دنیا میں اپنے آپ کو خطرہ سے بچا بھی لیا تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بناء پر تم کو آخرت میں جو عذاب ہوگا اس سے تم کیسے بچ سکو گے؟

منافقوں کا بُرا گمان

الفتح: ۱۲ میں فرمایا: بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے۔

منافق یہ کہہ رہے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب موت کے منہ میں چلے گئے ہیں' وہ اب کبھی واپس نہ آسکیں گے اور یہ نفاق تمہارے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا اور تمہارا یہ گمان بہت بُرا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

اس آیت میں ''بورا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہلاک ہونے والے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: فاسد لوگ جن سے کسی خیر کی توقع نہ ہو' یہ ''بائر'' کی جمع ہے جیسے ''حول حائل'' کی جمع ہے۔

الفتح: ۱۳ میں فرمایا: اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

اس وعید کا تعلق ان کے بُرے گمان کے ساتھ ہے' کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا نہیں کرے گا یا ان کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جو عمرہ کرنے کی بشارت دی تھی وہ جھوٹی ہے' اور وہ اعراب یعنی مدینہ کے نزدیک دیہاتوں میں رہنے والے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اس بدگمانی

کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے اور کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے O اور جب تم اموال غنیمت لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو' وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' آپ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے' اللہ نے اسی طرح پہلے فرما دیا ہے' پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں O (الفتح: ۱۴-۱۵)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جن مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کے لیے اجر عظیم ہے' اور جن منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بُرا گمان کیا ہے ان کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے' اب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو مسلمانوں کو بخش دے گا اور وہ چاہے تو منافقوں کو عذاب دے گا' پھر اس کو اپنی چاہت کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کو بخشنا اور منافقوں کو عذاب دینا' اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' اس پر کسی کا جبر نہیں ہے' اور فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اور ان پر حکومت اللہ ہی کے پاس ہے اور جس کی اتنی عظیم الشان حکومت ہو اس کا دیا ہوا انعام بھی بہت بڑا ہو گا اور اس کی دی ہوئی سزا بھی بہت بڑی ہو گی۔

منافقین کا غزوۂ خیبر میں شرکت کے لیے اصرار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اور اس کی حکمتیں

الفتح: ۱۵ میں فرمایا: اور جب تم اموال غنیمت لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ الایۃ

اس آیت میں اموال غنیمت سے مراد خیبر کے اموال غنیمت ہیں' ۷ھ میں مسلمانوں نے خیبر فتح کیا اور اس کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور اللہ نے صرف ان ہی لوگوں کو خیبر کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے کی اجازت دی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے پہلے عمرہ کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے' جب منافقوں نے یہ دیکھا کہ خیبر کی طرف جانے سے مال و متاع ہاتھ آئے گا تو انہوں نے کہا: ہمیں بھی ساتھ لے چلو' اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا تو تم نے کہا تھا کہ ہمیں اپنے اموال اور گھر بار کی حفاظت کرنی ہے' اب جب خیبر کی طرف جانے کا موقع ہے تو اب تم اپنے اموال اور گھر بار کی حفاظت کیوں نہیں کرتے' اب کیوں مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے اصرار کر رہے ہو؟

اس آیت میں اور الفتح: ۱۱' میں ان منافقوں کو اس وصف سے تعبیر فرمایا ہے کہ "ان کو پیچھے کر دیا گیا تھا" اور ان کو یوں نہیں فرمایا کہ "یہ پیچھے رہ گئے تھے" اور اس میں یہ حکمت ہے کہ منافق یوں نہ کہیں کہ ہم خود پیچھے رہ گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کی مصاحبت کے لائق نہیں سمجھا' اس لیے تم پیچھے کر دیئے گئے' اس کے بعد فرمایا:

وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' اللہ کے کلام کو بدلنے کے دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول پر وحی خفی کی تھی کہ خیبر کا مال غنیمت ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ گئے تھے' اب منافق یہ چاہتے تھے کہ خیبر کا مال غنیمت حاصل کر کے اللہ کے کلام کو بدل دیں اور اس وحی خفی کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

(۲) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ۭ (التوبہ: ۸۳) آپ کہیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ روانہ نہیں ہو گے اور تم کبھی بھی میرے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد نہیں کرو گے ○

اور وہ خیبر میں آپ کے ساتھ جا کر اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بدلنا چاہتے تھے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور غزوۂ تبوک' فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہوا ہے۔

اور مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے بدلہ میں ان سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا اور اب منافقین غنائم خیبر میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بدلنا چاہتے ہیں اور اسی طرف اس آیت کے اس حصہ میں اشارہ ہے:

آپ کہیے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے' اللہ نے اسی طرح پہلے فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی طرح جو پہلے فرما دیا ہے کہ "تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے اور خیبر کی غنیمتیں صرف ان مسلمانوں کے لیے ہیں جو میرے ساتھ حدیبیہ گئے تھے" اس کا ذکر صریح قرآن اور وحی جلی میں نہیں ہے' اس کا ثبوت صرف وحی خفی میں ہے اور یہ آیت وحی خفی کے ثبوت پر دلیل ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔

منافقین نے کہا کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف حدیبیہ میں ساتھ جانے والوں کو خیبر میں جانے کی اجازت ہو گی بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو' اس لیے ہم کو غزوۂ خیبر میں نہیں لے جا رہے۔ منافقین کا مطلب یہ تھا کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کے ساتھ نہ جانے کے متعلق ہماری رائے صحیح تھی کیونکہ مسلمان حدیبیہ سے بے نیل مرام واپس آئے اور ہم یہاں بے فائدہ سفر کی مشقتیں جھیلنے کے بجائے آرام سے رہے اور اب اگر ہم غزوۂ خیبر میں ان کے ساتھ جائیں تو یہ کہیں گے کہ یہ ہمارے ساتھ حدیبیہ گئے نہیں اور خیبر کی غنیمتوں میں حصہ دار بن گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو بہت کم سمجھتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور اللہ تعالیٰ پہلے بھی اسی طرح فرما چکا ہے' کیونکہ مسلمان جو حدیبیہ سے خالی ہاتھ واپس آئے تھے' اس کی تلافی اور تدارک کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا' تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جن لوگوں نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے سفر کی مشقتوں کو برداشت کیا اور کفار کے ظاہری دباؤ کو برداشت کیا' ان کو آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا وہ تو الگ ہے' اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی محروم نہیں رکھے گا اور ان کو اس سفر کے بدلہ میں خیبر کی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے قتال کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے' پس اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو تم کو عمدہ اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے روگردانی کرتے رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا ○ اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے' اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے' اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی' اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا ○ (الفتح: ۱۶۔۱۷)

سخت جنگجو قوم کے متعلق متعدد اقوال

الفتح: ۱۶ میں فرمایا ہے: آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم کی طرف بلایا جائے گا۔ اس جنگ جو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے: اس کے متعلق پانچ قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہل فارس (ایران) ہیں۔

(۲) حسن اور عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ نے کہا: اس سے مراد اہل روم ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اہل ہوازن اور غطفان ہیں جن سے حنین میں جنگ ہوئی تھی۔

(۴) زہری نے کہا: اس سے مراد مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جنگ جو قوم ابھی تک نہیں آئی (یہ قول ظاہر آیت کے خلاف ہے)۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۱۶ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت کو پہلے پڑھتے تھے اور ہم کو معلوم نہیں تھا کہ اس جنگ جو قوم سے کون سی قوم مراد ہے' حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ کے خلاف جنگ کی دعوت دی' تب ہمیں منکشف ہوا کہ اس جنگ جو قوم سے مراد بنو حنیفہ ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۴۸)

حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور امامت پر دلیل

اس آیت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت اور خلافت کی صحت کی دلیل ہے' کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو بنو حنیفہ سے لڑنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو فارس اور روم کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی اور اس جنگ جو قوم کے خلاف لڑنے کی دعوت دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے کیونکہ منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ (التوبہ: ۸۳) آپ کہیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ روانہ نہیں ہو گے' اور تم کبھی میرے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد نہیں کرو گے۔

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ بنو حنیفہ کے خلاف ان اعراب کو قتال کی دعوت دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے' ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ اس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو اپنے زمانہ خلافت میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا' ان کی زیادہ تر جنگیں اپنوں سے ہوئیں' پہلے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے جنگ جمل ہوئی' پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین ہوئی' اگرچہ ان جنگوں میں حق پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور اخیر میں آپ کی جنگ خارجیوں کے ساتھ ہوئی' بہر حال اگر یہ جنگ جو قوم بنو حنیفہ تھی تو اس کے داعی حضرت ابو بکر تھے اور ان کے حکم کی اطاعت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی:

فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ (الفتح: ۱۶) اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کی تو تم کو اللہ تعالیٰ اجر حسن عطا فرمائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ اس جنگ جو قوم کے خلاف قتال کی دعوت دینے والا امام برحق ہے اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنہ ہیں' سو ان کی امامت اور خلافت کا برحق ہونا ثابت ہو گیا ہے اور حضرت عمر کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت کی فرع ہے' سو وہ بھی برحق ہے اور اگر اس جنگ جو قوم سے مراد اہل فارس اور روم ہیں تو ان کے خلاف جنگ کے داعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں تو ان کی خلافت برحق ہوئی اور ان کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت کی فرع ہے' لہٰذا حضرت ابوبکر کی خلافت بھی برحق ہوئی' سو یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافت اور امامت پر دلیل ہے۔

مرتد کو قتل کرنے کا وجوب اور اس کو تین دن کی مہلت دینے پر دلائل

ہمارے فقہاء کے نزدیک مرتد کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل بھی اس آیت میں ہے' کیونکہ اصحاب مسیلمہ کذاب مرتد تھے' یہ پہلے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے' پھر مرتد ہو کر مسیلمہ پر ایمان لے آئے اور ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ" (الفتح:۱۶) تم ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں' اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا' اگر وہ اسلام لے آیا تو فبہا ورنہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا' ہاں اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو مہلت دی جائے گی' مرتدین کو قتل کرنے کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ" (الفتح:۱۶) تم ان سے قتال کرتے رہو' حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من بدل دينه فاقتلوه. جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۳۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۰۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۹)

حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت معاذ رضی اللہ عنہم اور دیگر اصحاب رسول کا یہی قول ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

نیز مرتدین مشرکین عرب کے قائم مقام ہیں' بلکہ ان کا جرم ان سے بھی زیادہ ہے' کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے اور قرآن مجید ان کی لغت پر نازل ہوا تھا اور جب انہوں نے شرک کیا تو انہوں نے اس کی کوئی رعایت نہیں کی' اور یہ مرتد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین رکھنے والا تھا اور شریعت اسلام کے محاسن کو پہچانتا تھا اور جب یہ مرتد ہوا تو اس نے اس دین کی کوئی رعایت نہیں کی' لہٰذا جس طرح مشرکین عرب کے لیے صرف تلوار ہے یا اسلام ہے' اور کوئی تیسری چیز ان سے قبول نہیں کی جاتی' اسی طرح مرتدین سے تلوار یا اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی' ہاں جب وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کو کوئی نہ کوئی شبہ لاحق ہوا ہے' جبھی وہ دین اسلام سے پھر گیا' سو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے شبہ کو زائل کریں یا وہ خود تین دن تک غور و فکر کرے' اور ہو سکتا ہے کہ تین دن میں اس پر منکشف ہو جائے کہ اسلام ہی برحق دین ہے اور اس کو تین دن سے زیادہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

تین دن مہلت دینے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: مغرب میں ایک شخص اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا' حضرت عمر نے پوچھا: پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا: ہم نے اس کو فوراً قتل کر دیا' حضرت عمر نے فرمایا:

تم نے اس کو تین دن کی مہلت کیوں نہ دی؟ تم اس کو قید کر لیتے اور ہر روز ایک روٹی دیتے رہتے' شاید وہ توبہ کر لیتا اور حق کی طرف رجوع کر لیتا' پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میں اس فعل سے راضی نہیں ہوں اور میں اس موقع پر موجود نہ تھا' یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے' اس میں حضرت عمر نے فرمایا: اگر میرے سامنے یہ معاملہ پیش آتا تو میں اس شخص کو تین دن کی مہلت دیتا' اگر وہ توبہ کر لیتا تو فبہا ورنہ میں اس کو قتل کر دیتا' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرتد کو تین دن تک کی مہلت دی جائے' اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۱۰۷-۱۰۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حسب ذیل آثار میں یہ دلیل ہے کہ مرتد کے سامنے تین بار اسلام کو پیش کیا جائے' اگر وہ انکار کرے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر یقول یستتاب المرتد ثلاثا فان تاب ترک وان ابی قتل.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرتد سے توبہ کے لیے تین بار کہا جائے اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

عن ابن شهاب قال يدعى الى الاسلام ثلاث مرات فان ابى ضربت عنقه.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ (مرتد کو) تین بار اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دی جائے۔

عن ابن جريج قال قال عطاء في الانسان يكفر بعد اسلامه يدعى الى الاسلام فان ابى قتل. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹)

ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ جو انسان اسلام کے بعد کفر کرے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادئ فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادئ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور مسلمانوں کے اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہار چھوڑ دیا جائے گا اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادئ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انقلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے' پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادئ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادئ رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادئ رائے کے خلاف ہوسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادئ رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا' ورنہ کسی کی جان' مال' عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی

جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا یا وحی الٰہی سے' اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی' خطاء' ظلم اور جور کا امکان ہے۔ اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الٰہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے' جیسا کہ ہم قرآن مجید' احادیث صریحہ اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرہ: ۲۵۶) دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے' یعنی جو ابتداءً کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے' کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ (البقرہ: ۲۵۶)

دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے' ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

اور کافر اصلی کے مقابلہ میں شریعت نے مرتد کے متعلق زیادہ سخت احکام دیے ہیں' جن کی تفصیل ہم "مرتد کو علی الفور قتل کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل" کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

الفتح: ۱۷ میں فرمایا: اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے' اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی' اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی' اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا O

کم زور اور معذور لوگوں کے لیے جہاد میں عدم شرکت کی رخصت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا O (الفتح: ۱۶)

اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے تم روگردانی کرتے رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O

تو جو اپاہج لوگ تھے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ تب الفتح: ۱۷ نازل ہوئی۔

یعنی جو لوگ نابینا ہیں یا اپاہج ہیں یا کمزور ہیں تو وہ اگر دشمنان اسلام سے لڑنے کے لیے جہاد پر نہ جا سکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: جو اپاہج لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سفر پر نہ جا سکے تھے' یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے' یعنی ان میں سے جو شخص خیبر کی غنیمتوں کی طرف جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا

سو اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت نازل فرمائی اور ان کو عنقریب آنے والی

قَرِيبًا ﴿١٨﴾ لا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا

فتح کا انعام دیا ○ اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غلبہ والا

حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ

بہت حکمت والا ہے ○ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے، پس یہ نعمت

هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ ج وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ

تو تم کو جلدی عطا فرمادی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تاکہ یہ (نعمت) مؤمنوں کے لیے

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ لا وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ

نشانی ہو جائے اور اللہ تمہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے ○ اور دوسری وہ نعمتیں جن پر تم قادر نہ تھے بے شک

أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ

اللہ نے ان کا (بھی) احاطہ فرما لیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اگر کافر (اس وقت)

الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾

تم سے قتال کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر وہ (اپنا) نہ کوئی حامی پاتے نہ مددگار ○

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ صلے وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ

یہ اللہ کا دستور ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی

تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم

نہ پائیں گے ○ وہی ہے جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ ط وَكَانَ اللَّهُ بِمَا

ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو

تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

خوب دیکھنے والا ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے

الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا' اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں

وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی

مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا

ضرر پہنچے گا' (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ

چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○ جب کافروں نے

كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا' تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی

عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

اور مؤمنین پر' اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۹ ۳ ۱۱

اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے سو اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت نازل فرمائی' اور ان کو عنقریب آنے والی فتح کا انعام دیا ○ اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے' اور اللہ بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ہے ○ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' پس یہ نعمت تو تم کو جلدی عطا فرما دی' اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تاکہ یہ (نعمت) مؤمنوں کے لیے نشانی ہو جائے' اور اللہ تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے ○ اور دوسری وہ نعمتیں جن پر تم قادر نہ تھے بے شک اللہ نے ان کا (بھی) احاطہ فرمالیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

(الفتح: ۱۸-۲۱)

اصحابِ بیعت رضوان کی فضیلت

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب آپ ۶ھ ذوالقعدہ کے ماہ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ

ہوئے تھے اور کفار قریش نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا' کفار سے صلح ہونے سے پہلے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار سے معاملہ طے کرنے کے لیے اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا' اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا' آپ نے حضرت عثمان کا قصاص لینے کے لیے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔ سفر حدیبیہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی افواہ اور صحابہ کی بیعت اور کفار سے صلح کی شرائط' ان تمام امور پر ہم سورۃ الفتح کے مقدمہ اور تعارف میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس سے پہلے الفتح: ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں' پھر اس کے بعد سفر حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے منافقین کا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور اب دوبارہ ان مسلمانوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر قصاص عثمان کے لیے بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' یعنی جس طرح وہ منافقوں کے دلوں کا حال جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' اسی طرح وہ مؤمنوں کے دلوں کے حال کو جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص ہے' اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ہے' تب ہی آپ کے اصحاب نے یہ کہہ کر بیعت کی تھی کہ وہ تادم مرگ آپ کی قیادت میں لڑتے رہیں گے یا آپ کو چھوڑ کر فرار نہیں ہوں گے۔

نیز فرمایا: اور ان کو عن قریب آنے والی فتح کا انعام دیا۔ بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ وہ بہت سی فتوحات کا پیش خیمہ تھی اور بعض نے کہا: اس سے مراد فتح خیبر ہے' کیونکہ اس کے اگلے سال ۷ھ میں مسلمانوں نے خیبر فتح کر لیا تھا۔

اس بات کی تحقیق کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی آیا اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا تھا یا نہیں؟

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان منعقد ہوئی تھی وہ اپنی طبعی عمر تک باقی رہا تھا' لیکن صحابہ کرام اور فقہاء تابعین یہ بھول گئے تھے کہ وہ کون سا درخت ہے' یا اس درخت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا تھا کیونکہ لوگ اس درخت کی تعظیم اور اس درخت سے حصول برکت کے قصد سے اس کے پاس نمازیں پڑھنے لگے تھے' ہم پہلے اس سلسلہ میں احادیث اور شارحین حدیث کی عبارات ذکر کریں گے اور اس سلسلہ میں اپنے مؤقف کو دلائل کے ساتھ بیان کریں گے اور پھر اس مسئلہ میں مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے۔ سو اب ہم اس مسئلہ میں احادیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

بیعت رضوان والے درخت کے بھلا دیئے جانے کے ثبوت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ان کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا پھر میں ایک سال بعد وہاں گیا تو اس درخت کو نہیں پہچان سکا' محمود کی روایت میں ہے: پھر مجھے وہ درخت بھلا دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹)

طارق بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں حج کرنے گیا تو میں نے چند لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' میں نے پوچھا: یہ کیسی مسجد ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ درخت ہے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی' پھر میں سعید بن مسیب کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی' سعید نے کہا: مجھے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ بھی ان

اصحاب میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' انہوں نے کہا: جب ہم اگلے سال گئے تو ہم اس درخت کو بھول گئے اور اس کی شناخت پر قادر نہ ہوئے۔ سعید بن مسیب نے طنزاً کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تو اس درخت کو نہیں جانتے اور تم لوگوں نے اس درخت کو شناخت کر لیا' پھر تم ان سے بڑے عالم ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۷)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ان اصحاب میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی' پھر جب ہم اگلے سال وہاں گئے تو ہم اس درخت کو شناخت نہ کر سکے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۸)

طارق بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب کے سامنے اس درخت کا ذکر کیا گیا تو وہ ہنسے اور کہا: میرے والد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ اس درخت کے پاس حاضر تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: آج تم روئے زمین پر سب سے بہتر لوگ ہو' حضرت جابر نے کہا: اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھاتا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۴۷۲۹)

بیعت رضوان والے درخت کے کٹوانے کے ثبوت میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے دلائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' صحیح البخاری: ۴۱۶۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

سعید بن مسیب کا یہ کہنا کہ ان کے والد اگلے سال اس درخت کو نہیں پہچان سکے' اس پر دلالت نہیں کرتا کہ کسی کو بھی اس درخت کی شناخت نہیں تھی کیونکہ مصنف (امام بخاری) نے اس سے پہلے حضرت جابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ'' اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھا دیتا'' (حضرت جابر کا یہ قول ''صحیح بخاری'' میں نہیں'' ''صحیح مسلم'': ۴۷۲۹ میں ہے' میرا گمان ہے: حافظ ابن حجر نے مسلم لکھا تھا اور کاتب نے اس کو مصنف لکھ دیا اور نواب قنوجی نے اس کو ''مصنف ابن ابی شیبہ'' سمجھ لیا' حالانکہ یہ حدیث صرف ''صحیح مسلم'' میں ہے) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس درخت کی شناخت تھی اور ان کو معلوم تھا کہ وہ درخت کس جگہ پر ہے اور طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کو اس درخت کی صحیح جگہ یاد تھی اور منضبط تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ اس جگہ کو پہچانتے تھے' کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ کہا کہ'' اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو وہ جگہ دکھا دیتا'' اس وقت وہ درخت سوکھ کر جھڑ چکا تھا یا کسی اور وجہ سے اس کے آثار مٹ چکے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی اس درخت کی خاص جگہ کو اسی طرح پہچانتے تھے' پھر میں نے دیکھا کہ امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ از نافع یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عمر کو یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں اور وہاں نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو سزا دینے سے ڈرایا' پھر اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا' سو اس درخت کو کاٹ دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ''بخاری'' کی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کے ذہنوں میں اس درخت کی تعیین کو محو کرنے کی اور اس کی جگہ کی شناخت کو بھلا دینے کی حکمت یہ تھی کہ اس جگہ پر خیر اور اللہ کی رضا کا نزول ہوا تھا' اگر اس درخت کی جگہ کی شناخت اسی طرح لوگوں پر ظاہر اور معلوم ہوتی تو یہ اندیشہ تھا کہ جاہل لوگ اس درخت کی عبادت کرنے لگیں گے تو اس درخت یا اس کی جگہ کی شناخت کو مخفی کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

تھی۔۔۔اس کے بعد لکھتے ہیں: امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ از نافع یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جا کر نمازیں پڑھتے ہیں تو پہلے تو حضرت عمر نے ان کو سزا کی دھمکی دی' پھر اس درخت کو کٹوا دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۹۳۔۲۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ نے ان احادیث کی شرح میں "فتح الباری" کی مکمل عبارت نقل کی ہے۔

(ارشاد الساری ج ۹ ص ۲۳۰۔۲۳۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

درخت مذکور کے کٹوانے کے ثبوت میں پیش کردہ روایت کے رجال پر بحث ونظر

جس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے امام ابن سعد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' اس کی سند یہ ہے: امام محمد بن سعد فرماتے ہیں: ہم کو عبد الوہاب بن عطاء نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہم کو عبد اللہ بن عون نے نافع سے روایت کیا کہ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کو شجرۃ الرضوان کہا جاتا ہے اور وہاں نماز پڑھتے ہیں' حضرت عمر بن الخطاب کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے لوگوں کو سزا کی دھمکی دی اور اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا' سو اس درخت کو کٹوا دیا گیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبع جدید)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کا اس حدیث کو صحیح کہنا ان کا تسامح ہے' اس کی سند میں امام ابن سعد کے شیخ' عبد الوہاب بن عطا حدیث صحیح کے راوی نہیں ہیں' ان پر کافی تنقید اور جرح کی گئی ہے۔

حافظ ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

☆ ابوبکر مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا: آیا عبد الوہاب ثقہ ہے؟ انہوں نے کہا: تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ثقہ صرف یحییٰ القطان ہیں۔

☆ یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں' ان کا دوسرا قول ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

☆ زکریا بن یحییٰ الساجی نے کہا: وہ بہت سچا ہے لیکن محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

☆ امام بخاری نے کہا: وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں' امام نسائی نے بھی کہا: وہ قوی نہیں ہے۔

☆ عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا: اس کی وہ حدیث لکھی جائے گی جو سچی ہو اور وہ خود قوی نہیں ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۱۵۰۔۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ ملتقطا)

اس کے متعلق ثقاہت کے دو قول ہیں' زیادہ تر اقوال یہ ہیں کہ وہ قوی نہیں' یعنی ضعیف راوی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن معین اور امام نسائی سے اس کی ثقاہت کا قول نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ امام ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ روایت میں خطا کرتا تھا اور شدید وہمی تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۸۸۔۳۸۹' ملتقطا' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

سعید بن ابی عروبہ نے کہا: یہ صدوق ہے۔ ابن معین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد نے کہا: یہ ضعیف الحدیث مضطرب ہے۔ دار قطنی نے کہا: ثقہ ہے۔ ابن الجوزی نے کہا: یہ غلطی کرتا تھا۔ رازی نے کہا: یہ جھوٹ بولتا تھا' نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نیز علامہ ذہبی نے اس کی عبادت اور گریہ وزاری کے متعلق اقوال نقل کیے ہیں اور امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ

قوی نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۹۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

ظاہر ہے: جس راوی کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ وہ قوی نہیں' روایت میں خطا کرتا تھا' شدید وہمی تھا' ضعیف الحدیث اور مضطرب تھا' جھوٹ بولتا تھا اور متروک الحدیث تھا' اس کی روایت صحیح کس طرح ہو سکتی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کی روایت کو بے توجہی سے صحیح کہا اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے تحقیق کے بغیر ان کے کلام کو نقل کر دیا۔

مذکورہ روایت کے مردود ہونے پر دیگر شواہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شجرۂ بیعتِ رضوان کے پاس نماز پڑھنے کی وجہ سے اس درخت کو کاٹنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں جب کہ خود انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ ہم مقامِ ابراہیم (جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیر کا نشان ہے) کو نماز پڑھنے کی جگہ نہ بنالیں؟ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین چیزوں میں' میں نے اپنے رب کی موافقت کی' ایک یہ کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں (پھر یہ آیت نازل ہوئی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ" (البقرہ: ۱۲۵))۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۳)

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت عمر نے وہ درخت اس وجہ سے کٹوا دیا تھا کہ کہیں جاہل لوگ اس درخت کی عبادت نہ شروع کر دیں' ان کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر حضرت عمر کا ایسا مزاج ہوتا تو وہ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کی بھی درخواست نہ کرتے کیونکہ اس میں بھی یہ اندیشہ تھا کہ جاہل لوگ اس پتھر کی عبادت نہ شروع کر دیں' بلکہ یہ اندیشہ زیادہ قوی تھا کیونکہ قومِ عرب پتھروں کی عبادت کرتی رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ درخت کاٹنے کے متعلق یہ روایت بالکل بے اصل ہے' خصوصاً اس لیے کہ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد ہی عام لوگ اس درخت کی جگہ کو بھول گئے تھے اور حضرت جابر کو اس جگہ کا یاد رہنا ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کے اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کی نقل کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی احادیث کے خلاف "ابن سعد" کی حدیث کب معتبر ہو سکتی ہے؟ یہ حافظ ابن حجر کی عجب تحقیق ہے۔

حضرت عمر کے صاحب زادے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ کے سفر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے' جن جگہوں کے متعلق ان کو علم ہوتا کہ ان جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ راستہ میں ان جگہوں کو تلاش کرتے تھے جن جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی' پھر ان ہی جگہوں پر نماز پڑھتے تھے اور وہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ان جگہوں پر نماز پڑھتے تھے' جن جگہوں پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳)

حضرت عتبان بن مالک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں' میری نظر بہت کمزور ہے' بارش کے ایام میں مَیں ان کو نماز پڑھانے نہیں جا سکتا' میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر آ کر کسی جگہ نماز پڑھا دیں تو میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۸۸)

بعض مفسرین نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں یہ لکھا کہ بیعتِ رضوان کے بعد حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا

تھا اور زیادہ تر مفسرین نے احادیث اور آثار کی اتباع میں یہ لکھا کہ بیعت رضوان کے ایک سال بعد اس درخت کی جگہ کی شناخت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی تھی اس لیے یہ روایت بے اصل ہے کہ اس درخت کے پاس لوگوں نے اس درخت کی تعظیم کے لیے وہاں نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اس لیے حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

مذکورہ درخت کٹوانے کے واقعہ کا اثبات کرنے والے مفسرین

اول الذکر مفسرین کے نام یہ ہیں: (۱) علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ البحر المحیط ج ۹ ص ۴۹۲ (۲) شیخ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۴ ص ۱۶۵ (۳) علامہ احمد بن محمد صاوی متوفی ۱۲۲۳ھ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۹۷۴ (۴) نواب صدیق بن حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ فتح البیان ج ۶ ص ۳۵۵ انہوں نے ہی ''فتح الباری'' کی عبارت میں مصنف کو یوں لکھا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث کو ''مصنف ابن ابی شیبہ'' نے سند سے ذکر کیا ہے' حالانکہ حافظ ابن حجر نے صرف مصنف لکھا ہے اور اس سے بہ ظاہر امام بخاری مراد ہیں لیکن یہ ناسخین کا تسامح ہے' غالباً حافظ ابن حجر نے ''مسلم'' لکھا تھا اور یہ حدیث ''مسلم'' ہی میں ہے'' بخاری'' یا ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہرگز نہیں ہے' دراصل نقل کے لیے بھی عقل چاہیے۔

مذکورہ درخت کٹوانے کے واقعہ کا انکار کرنے والے مفسرین

ثانی الذکر مفسرین کے اسماء یہ ہیں: (۱) امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۱۲ (۲) امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ الکشف والبیان ج ۹ ص ۴۷ (۳) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲۷ (۴) علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لباب التاویل ج ۴ ص ۱۵۹ (۵) حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۸ (۶) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان ج ۹ ص ۴۲۔۴۳ (۷) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۳ (۸) سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵ (۱۰) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

معروف مفسرین میں سے علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا' علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس مسئلہ کے متعلق دونوں قول ذکر کیے ہیں۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۵۲۸) علامہ بیضاوی نے لکھا ہے: یہ درخت کیکر کا تھا یا بیر کا' علامہ ابوسعود متوفی ۹۸۲ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۶ ص ۱۰۳)

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت اور ان سے حصول فیض کا جواز

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

بعض فریب خوردہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب لوگ کسی ولی سے اعتقاد رکھیں گے' اُن کی قبر کی تعظیم کریں گے اور اُس سے برکت و مدد حاصل کریں گے تو ہمیں خطرہ ہے کہ لوگ کہیں یہ اعتقاد نہ کر بیٹھیں کہ اللہ کے ساتھ اولیاء بھی مؤثر فی الوجود ہیں' نتیجۃً لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ پس ہم انہیں اس سے روکیں گے' اولیاء کی قبور کو گرائیں گے' ان پر بنی ہوئی عمارت ہٹائیں گے' اُن سے غلاف اور پردے اتاریں گے اور ''بہ ظاہر'' اولیاء کی توہین کے مرتکب ہوں گے تاکہ جاہل عوام کو پتا چل جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ یہ اولیاء بھی مؤثر فی الوجود ہوتے تو اس توہین کو روک دیتے۔ سو جان لیجئے کہ یہ فعل

(توہین قبور وغیرہ) صریح کفر[1] ہے اور یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے فرعون نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ (اپنی مدد کے لیے) اپنے رب کو بلالیں' بے شک مجھے تو ڈر ہے اس بات کا کہ کہیں وہ تمہارے دین کو تبدیل نہ کر دیں اور ملک میں فساد نہ پھیلا دیں۔ (الغافر: ۲۶) اور یہ فعل (توہین قبور وغیرہ) محض ایک امر موہوم کی بناء پر کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ اس میں عوام الناس کے متعلق گمراہی کی بدگمانی بھی ہے؟ (روح البیان ج ۹ ص ۴۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ نے "وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" (المائدہ: ۳۵) کی تفسیر میں لکھا ہے:

وسیلہ تلاش کرنے سے مراد وہ چیز تلاش کرنا ہے جو بندے کو مطلقاً اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے' مثلاً انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی محبت' صدقات' اللہ تعالیٰ کے محبوبین کی زیارت' دعا کی کثرت' صلہ رحمی اور کثرت ذکر وغیرہ۔ پس مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے اس سے چمٹ جاؤ اور جو رب سے دور کر دے اس کو چھوڑ دو۔ جب تم نے یہ جان لیا تو (اب یہ سمجھ لو کہ) کھلی گمراہی اور کھلا خسارہ ہے ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں کو زیارتِ اولیاء کی بنیاد پر محض یہ گمان کر کے کافر قرار دیتے ہیں کہ "زیارتِ اولیاء غیر اللہ کو پوجنے کے قبیل سے ہے"۔ ہرگز ایسا نہیں! بلکہ یہ تو "محبة فی اللہ" (اللہ کی خاطر محبت) کا مظاہرہ ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! اس شخص کا ایمان نہیں جس کے اندر محبت نہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۴۹۷' دار الفکر' بیروت)

حدیبیہ کے بعد کے غزوات میں اللہ تعالیٰ کی پیہم نعمتیں

الفتح: ۱۹ میں فرمایا: اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غلبہ والا' بہت حکمت والا ہے ○

اس سے مراد خیبر کے اموال ہیں' اور خیبر میں بہ کثرت زمینیں تھیں اور بہت اموال تھے اور خیبر حدیبیہ اور مکہ کے درمیان تھا اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔

الفتح: ۲۰ میں فرمایا: اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' پس یہ نعمت تو تم کو جلدی عطا فرمادی۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا: اس سے مراد وہ غنیمتیں ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو جہاد کے ذریعہ حاصل ہوتی رہیں گے۔ اور جس نعمت کے متعلق فرمایا ہے: یہ تو تم کو جلدی عطا فرمادی' مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیبر کی فتح ہے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

نیز فرمایا: اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا۔ یعنی صلح حدیبیہ کے ذریعہ اہل مکہ کے حملہ سے تم کو بچالیا' اور قتادہ نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم مدینہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور پھر خیبر کی طرف روانہ ہوئے تھے تو تمہارے پس پشت یہودیوں کے حملوں سے تم کو محفوظ رکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عیینہ بن حصن الفزاری اور عوف بن مالک النضری اور ان کے اصحاب جب اہل خیبر کی مدد کے لیے خیبر پہنچے تو اللہ عزوجل نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روک دیا۔

نیز فرمایا: اور تاکہ یہ (نعمت) تمہارے لیے نشانی ہو جائے' یعنی کافروں کی شکست اور مسلمانوں کا کافروں کے حملوں سے

[1] علامہ اسماعیل حقی کا قبروں کے منہدم کرنے کو صریح کفر کہنا تحقیق کے خلاف ہے' البتہ اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں! اگر حرام کو حلال قرار دے کر وہ فعل کیا جائے تو پھر وہ کفر ہو جاتا ہے' لیکن یہ اُس حرام کا حکم ہے جو حرام قطعی ہو اور قبروں کو منہدم کرنا حرام ظنی ہے۔ منہ ۱۲

محفوظ رہنا' مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے نشانی ہو جائے' تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ ان کے حاضر اور غائب اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور تمہاری ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔

الفتح: ۲۱ میں فرمایا: اور دوسری وہ نعمتیں ہیں جن پر تم قادر نہ تھے' بے شک اللہ نے ان کا بھی احاطہ فرمالیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمتیں بھی جلد عطا فرمائیں' اور ان کے علاوہ دوسری نعمتیں بھی جلد عطا فرمائیں' جن پر تم قادر 17
نہ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ فتوحات ہیں جو بعد میں مسلمانوں کو عطا فرمائی گئیں' جیسے فارس اور روم کی سرزمین' اسی طرح اور باقی فتوحات' حسن اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد فتح مکہ ہے اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حنین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کافر (اس وقت) تم سے قتال کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے' پھر وہ (اپنا) نہ کوئی حامی پاتے نہ مددگار O یہ اللہ کا دستور ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے O وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O (الفتح: ۲۴-۲۲)

قتادہ نے کہا: یعنی کفار قریش اگر حدیبیہ میں مسلمانوں پر حملہ کرتے تو وہ ضرور پسپا ہو جاتے اور ایک قول یہ ہے کہ غطفان اور اسد جو اہل خیبر کی مدد کے ارادہ سے آئے تھے' اگر وہ یہودیوں کی مدد کرتے تو یہ جنگ ان پر الٹ پڑتی اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی حمایت اور مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے اور آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا حدیبیہ میں کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روکنا

الفتح: ۲۴ میں فرمایا: وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں سے تم کو روک دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے اسی (۸۰) مسلح افراد جبل تنعیم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر اترے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر حملہ کرنا چاہتے تھے' ہم نے ان کو پکڑ لیا' پھر صلح کر کے ان کو چھوڑ دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۸)

حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درخت کی جڑ میں تھے جس کا قرآن میں ذکر ہے' ہم اسی حال میں تھے کہ تیس مسلح جوان ہم پر حملہ آور ہوئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعاءِ ضرر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آیا تم کسی معاہدہ کی بناء پر آئے ہو یا تم کو کسی نے یہاں پر امان دی تھی؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے دیا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وہی ہے جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں سے روک دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۸)

ابن ہشام نے وکیع سے روایت کیا ہے کہ ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) کے لگ بھگ قریش مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آئے' مسلمانوں کو پتا چل گیا تو مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور اس دوران قریش کی طرف سے لوگ صلح پر گفتگو کرنے کے لیے آ اور جا رہے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان ہی لوگوں کا نام "العتقاء" یا "الطلقاء" رکھا گیا تھا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں سے تھے۔

اور مجاہد نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے آئے تو آپ کے اصحاب نے حرم میں کچھ لوگوں کو غافل پا کر پکڑ لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد بطن مکہ میں ان کے ہاتھوں سے تم کو روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا'' اس سے یہی واقعہ مراد ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں امام ترمذی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے روکا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے' تم ان کی پامالی کا ذریعہ ہو گے' پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے' اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے O جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی اور مومنین پر اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الفتح: ۲۵-۲۶)

یعنی قریش نے تم مسلمانوں کو ۶ ھ میں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کر دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ جو قربانی کے اونٹ تھے ان کو اپنی جگہ (قربان گاہ' منیٰ) میں پہنچنے سے روک دیا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کی جگہ حرم ہے اور جس شخص کو حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہو اس کی قربانی کی جگہ بھی حرم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستر (۷۰) اونٹ تھے' جن کو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نحر کیا تھا۔

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے' وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی (اونٹ' گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھیج دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے' اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں رک جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابو عمیس سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حرم میں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن حیان اندلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی' وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا

نام الرکی ہے اور یہ اصل مکہ میں ہے اور وہ حرم ہے' زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو حرم میں نحر کیا تھا۔ واقدی نے کہا: حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے۔
(البحر المحیط ج ۹ ص ۴۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے' محل کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد حرم ہے' حضرت ابن مسعود' حسن بصری' عطاء' طاؤس' مجاہد' ابن سیرین' ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ محرم کو رکاوٹ پیش آئی' وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵) اور علامہ ابن العربی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۹)

قوت دلائل کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ کا مسلک راجح ہے اور یسر اور سہولت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل اور دشوار ہوگا اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جب کہ اس طریقہ کو محصر کی آسانی ہی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں اپنے ساتھ اونٹ کیوں لے گئے تھے جب کہ عمرہ میں قربانی نہیں ہے؟

الفتح: ۲۵ میں فرمایا ہے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا۔ الخ

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چھ) ہجری کو اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تھے' آپ کے اصحاب کی تعداد پندرہ سو تھی اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لیے لے گئے تھے۔ پندرہ سو اصحاب کی تعداد کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سالم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یوم حدیبیہ کو آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم پندرہ سو افراد تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۲-۴۱۵۳-۳۵۷۶)

اور ستر اونٹوں کی تعداد کے بارے میں یہ حدیث ہے: امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یوم حدیبیہ کو (۷۰) اونٹ نحر کیے تھے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۵)

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ عمرہ میں قربانی نہیں ہے' قربانی صرف حج تمتع یا حج قران میں ہوتی ہے' عمرہ میں احرام باندھ کر صرف بیت اللہ کے گرد سات مرتبہ طواف کیا جاتا ہے اور صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کی جاتی ہے اور اس میں قربانی نہیں ہے۔ "ہدایہ" میں لکھا ہوا ہے: "انما العمرة الطواف والسعی" عمرے میں صرف طواف اور سعی کرنا ہے۔
(ہدایہ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۲۰۵' دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ عمرہ کرنے والا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو' پھر طواف کرے اور سعی

کرے اور سر منڈوائے تو اس کا عمرہ پورا ہو گیا اور اس پر قربانی نہیں ہے۔ (مناسک الحج والعمرہ ص ۳۱۳' مکتبہ امدادیہ' ملتان)

اب اشکال کی تقریر یہ ہے کہ جب عمرہ میں قربانی نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ کیوں لے گئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عمرہ میں قربانی کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن ممنوع بھی نہیں ہے اور آپ اور آپ کے اصحاب نفلی قربانی کرنے کے لیے اپنے ساتھ اونٹ لے گئے تھے' چونکہ حرم میں قربانی کرنا بہت پسندیدہ اور مستحب عمل ہے۔ اب ہم اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسرین کی تفسیروں کو پیش کر رہے ہیں:

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

گویا کہ مشرکین نے قربانی کے اونٹوں کو اپنے محل میں پہنچنے سے روک دیا تھا اور وہ محل منیٰ ہے یا مکہ' کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے گئے تھے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ حج تمتع کرنے کے لیے گئے تھے۔

(تاویلات اہل سنت ج ۴ ص ۵۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ ھ)

امام ابو منصور ماتریدی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حج تمتع کے لیے تشریف لے گئے تھے کیونکہ آپ حج تمتع کے لیے بالاتفاق دس ہجری کو تشریف لے گئے تھے اور آپ نے ہجرت کے بعد صرف یہی ایک حج کیا تھا اور اگر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے تو پھر وہی اشکال ہے کہ عمرہ میں تو قربانی نہیں ہے' پھر آپ اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ اونٹوں کو کیوں لے گئے تھے۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے گئے تھے اور آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا اور آپ کے ساتھ سات سو لوگ تھے' ہر دس افراد کے لیے ایک قربانی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

یہ روایت درایۃً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہم نے ''صحیح بخاری'' سے باحوالہ بیان کیا ہے کہ آپ کے ساتھ جانے والے اصحاب کی تعداد پندرہ سو تھی۔ نیز صحیح یہ ہے کہ ایک اونٹ میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں نہ کہ دس اور اس سے پھر بھی یہ اشکال دور نہیں ہوتا کہ عمرے میں تو قربانی ہے نہیں' پھر آپ اور آپ کے اصحاب قربانی کے اونٹوں کو کیوں لے گئے؟

اس اشکال سے چھٹکارا صرف ہماری تقریر سے ہو سکتا ہے کہ یہ قربانی کے اونٹ نفلی قربانی کے لیے صحابہ کرام لے گئے تھے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ہدی (قربانی) کی تین قسمیں ہیں: نفلی' تمتع اور قران۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ اس احتیاط کی وجہ سے لے گئے ہوں کہ اگر خدانخواستہ آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا تو آپ اور آپ کے اصحاب قربانی کر کے احرام کھول دیں گے۔

اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ صرف قرآن مجید سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے' ورنہ قرآن مجید کی اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب عمرہ کرنے گئے تو اپنے ساتھ قربانی کے اونٹوں کو بھی لے گئے تو اس سے لازم آئے گا کہ عمرہ میں بھی قربانی کی جائے۔ اب یہ صرف حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد عمرے کیے اور کسی عمرے میں قربانی نہیں کی اور آج تک تواتر سے مسلمانوں کا یہی معمول ثابت ہے کہ عمرے میں قربانی نہیں ہے۔

میں نے اس آیت کی تفسیر میں بہت تفسیروں کو دیکھا' لیکن کوئی مفسر اس اشکال کی طرف متوجہ ہوا نہ اس کے حل کی طرف'

اس کا حل اللہ تعالیٰ نے صرف اس فقیر پر القاء فرمایا۔ وللہ الحمد

حضرت مولانا عبد المجید صاحب (برسٹل انگلینڈ) نے مجھے بذریعہ ٹیلی فون اس پر متوجہ کیا کہ میں اس اشکال کا جواب لکھوں۔

حدیبیہ میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہ دینے کی توجیہات

اس کے بعد فرمایا: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے' تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی' لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں جا سکتے تھے اور مکہ کے وسط میں رہتے تھے۔ جیسے سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ' ابوجندل بن سہیل اور ان کے امثال' اور مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ ایمان لا چکے ہیں' اس لیے فرمایا: جن کو تم نہیں جانتے' اور فرمایا: تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' کیونکہ اگر حدیبیہ میں قتال ہوتا اور مسلمان مکہ میں داخل ہو کر کفار کو قتل کرتے تو وہ کمزور مسلمان بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کو پہچانتے نہیں تھے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ کئی مشرکین کی پشتوں میں ان کی ایسی اولاد تھی جو اسلام لانے والی تھی' اگر آپ کے اصحاب کو کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی تو وہ مسلمان بھی مارے جاتے' لیکن یہ وجہ ضعیف ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا۔

اس آیت میں "معرّۃ" کا لفظ ہے' جس کا ترجمہ ہم نے ضرر کیا ہے۔ "معرۃ" کا معنی ہے: عیب' یعنی اگر لاعلمی میں تمہارے ہاتھوں مسلمان قتل ہو جاتے تو کفار تم پر یہ عیب لگاتے کہ ان مسلمانوں نے اپنے دینی بھائیوں اور ہم مذہب لوگوں کو قتل کر ڈالا اور پھر تم پر قتل خطاء کا کفارہ لازم آتا' کیونکہ اگر مسلمان دار الحرب میں رہنے والے کسی کمزور مسلمان کو قتل کر دیں جو اپنے ضعف کی وجہ سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کر سکا ہو تو اس پر قتل خطاء کی دیت لازم نہیں آتی' صرف کفارہ لازم آتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۔ (النساء: ۹۲)

پس اگر وہ مقتول تمہارے دشمنوں کی قوم میں رہنے والا ہو اور وہ مقتول مومن ہو تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔

اللہ کی رحمت میں داخل کرنے کے دو محمل

نیز فرمایا: تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں تم کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ مکہ کے وسط میں رہنے والے کمزور مسلمان اللہ کی رحمت میں داخل رہیں اور بے خبری میں تمہارے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں مشرکین سے قتال کرنے کی تمہیں اجازت اس لیے نہیں دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بہت سے مشرکین بعد میں اسلام لے آئیں گے چنانچہ ان میں سے بہت سے مشرکین بعد میں مسلمان ہو گئے اور

انہوں نے اسلام میں بہت نیک کام کیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی جنت میں داخل ہو گئے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کفار کے خلاف جہاد کرنے سے مسلمانوں کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو۔۔۔ پھر ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جائے گا

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

اس آیت میں "تزیلوا" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: "تمیزوا، تفرقوا" یعنی اگر وہ مسلمان (جو مکہ میں رہائش پذیر تھے) کافروں سے متمیز اور متفرق ہوتے یعنی کسی اور جگہ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کافروں کو اذیت پہنچانا مسلمانوں کو اذیت پہنچانے پر موقوف ہو تو کافروں کو اذیت نہیں پہنچائی جائے گی اور مومن کو ضرر سے بچانے کے لیے کافر کو بھی ضرر سے بچایا جائے گا۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اگر کفار جہاز میں سوار ہوں اور ان کے جہاز میں کچھ قیدی مسلمان بھی ہوں تو کیا کافروں کے جہاز کو نقصان پہنچایا جائے گا اس کو آگ لگائی جائے گی یا اس پر حملہ کیا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: میرے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○ (الفتح: ۲۵)

اور حدیبیہ میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت اسی لیے نہیں دی گئی کہ اگر مسلمان مکہ میں جا کر قتال کرتے تو اس کی زد میں وہاں پر رہنے والے مسلمان بھی آ جاتے۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک ایسی صورت میں اگر جہاد کرنا ناگزیر ہو تو جہاد کیا جائے گا ورنہ نہیں

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کفار مسلمانوں کو ڈھال بنالیں اور ان کی طرف تیر مارنے (یا گولی چلانے) کی ضرورت نہ ہو کیونکہ ابھی جنگ منعقد نہیں ہوئی ہے یا مسلمانوں کو نشانہ بنائے بغیر کفار پر حملہ کرنا ممکن ہو یا کفار کے شر سے بچنا ممکن ہو تو پھر کفار پر گولی چلانا جائز نہیں اور اگر کسی نے گولی چلائی اور وہ مسلمان کو لگ گئی تو وہ ضامن ہوگا اور اگر کفار کی طرف سے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ ہو تو ایسی صورت میں کافروں پر گولی چلائی جائے گی کیونکہ اب ضرورت ہے اور گولی چلانے والے کافروں کا قصد کر کے گولی چلائیں نہ کہ مسلمانوں کا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۳۱ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک صورت مذکورہ میں دو قول ہیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جب کافر مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تو پھر کفار پر گولی چلانے میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان پر گولی چلانا جائز ہے جس طرح قلعہ پر منجنیق (توپ) نصب کرنا جائز ہے خواہ اس کے گولے مسلمانوں کو لگ جائیں اور تاکہ لوگ اس کو جہاد کے معطل کرنے کا ذریعہ نہ بنالیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں کفار پر گولی چلانا یا گولہ باری کرنا جائز نہیں ہے قفال کے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے اور بعض علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۴۴۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک صورت مذکورہ میں کفار پر گولی چلانا اور گولہ باری کرنا جائز ہے

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

کفار پر گولی چلانا جائز ہے خواہ ان کو یہ علم ہو کہ ان میں مسلمان قیدی اور تاجر بھی ہیں' کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ کیونکہ کفار کے قلعے بہت کم مسلمان قیدیوں اور تاجروں سے خالی ہوتے ہیں' سو ان کا اعتبار کر کے کافروں پر حملہ کرنا جہاد کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہے' لیکن ان پر حملہ کافروں کے قصد سے کریں نہ کہ مسلمانوں کے قصد سے کیونکہ مسلمان کا قتل ناحق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کفار مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیں تب بھی کفار پر گولی چلانے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ جہاد کو قائم کرنا فرض ہے' لیکن مسلمان کفار کے قصد سے گولی چلائیں اور اگر وہ کفار پر گولی چلائیں اور اس سے مسلمان ہلاک ہو جائے تو ان پر اس کی دیت ہے نہ کفارہ۔ (بدائع الصنائع ج ۹ ص ۳۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

باقی رہا یہ اشکال کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ (الفتح: ۲۶) اگر مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صورت میں جہاد کرنا حرام ہے یا ناجائز ہے' اس آیت سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو بچانے کے لیے اگر کافروں پر حملہ نہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ مسلمان ضرور ہیں حتیٰ کہ اسرائیل میں بھی ہیں۔ اس لیے اس آیت کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو امام مالک نے لیا ہے تو قرآن مجید کی ان تمام آیات پر عمل کرنا ممکن نہیں رہے گا جن میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آٹھ ہجری کو مکہ پر حملہ کیا تھا' اس وقت بھی وہاں کچھ مسلمان تھے۔

حمیت اور حمیت جاہلانہ کا معنی

الفتح: ۲۶ میں فرمایا: جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی اور مومنین پر اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

جب کسی شخص کو کسی سے غیرت اور عار آئے تو اس کو حمیت کہتے ہیں۔ زہری نے کہا: ان کا تعصب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنے سے انہیں عار محسوس ہوتا تھا اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے ابتداء کرنے اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے دینا ان کی اکڑفوں اور مکہ پر ان کی اجارہ داری کے خلاف تھا۔ ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت' ان کا اپنے بتوں کے لیے تعصب تھا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور صرف اللہ کی عبادت کرنے سے ان کی ناک نیچی ہوتی تھی اور ان کا جاہلانہ تعصب یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کر دیا' پھر بھی ہم ان کو مکہ میں آنے دیں تو یہ ہماری غیرت کے خلاف ہے' حالانکہ حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کو روکا نہیں جاتا تھا اور ان مہینوں میں قبائلی لڑائیاں بھی موقوف کر دی جاتی تھیں۔

"کلمة التقوىٰ" کے متعلق متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ نے انہیں (مسلمانوں کو) کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

حضرت ابی بن کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کلمہ تقویٰ سے مراد "لا الہ الا اللہ" پڑھنا ہے اور حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عمرو بن میمون' مجاہد' قتادہ' عکرمہ' ضحاک وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔

اور بعض نے کہا: اس سے مراد "لا الله الا الله محمد رسول الله" ہے۔

اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر سے یہ بھی روایت ہے کہ اس سے مراد "لا اله الا الله و الله اکبر" ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح اور مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے مراد "لا الـه الا الـلـه وحده لا شريک له ' له الملک وله الحمد وهو علی کل شئی قدير" ہے۔

اور زہری نے کہا: اس سے مراد "بسم الـلـه الرحمن الرحيم" ہے' کیونکہ مشرکین نے اس کلمہ کو قبول نہیں کیا تھا' لہٰذا مؤمنین کو اس کلمہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور "كلمة التقوىٰ" یعنی کلمہ اخلاص کے حق دار مسلمان ہی ہیں نہ کہ کفار' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دین کے لیے اور اپنے نبی کی رفاقت کے لیے مختص فرمالیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں

الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ

امن' اور عافیت کے ساتھ داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے'

لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

تمہیں کسی کا خوف نہیں ہو گا' اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے' سو اس نے اس سے پہلے ایک

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ

اور فتح مقدر کر دی O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ ۭ مُحَمَّدٌ

بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O محمد اللہ کے

رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

رسول ہیں' جو ان کے اصحاب ہیں کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں نرم دل ہیں'

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ

(اے مخاطب!) تو ان کو رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں'

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے' ان کی یہ صفات تورات

التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ

میں ہیں اور انجیل میں ان کی صفت یہ ہے جیسے ایک کھیتی ہو' جس نے اپنی باریک کونپل نکالی'

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ

پھر اس نے طاقت پکڑی' پھر وہ موٹی ہو گئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کاشت کاروں کو بھلی لگی'

الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ

تا کہ (ان کی یہ صفت) کافروں کے دل جلائے' اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے

مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۟ ؑ ۲۹

ع ۴ ۱۲

مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے' تمہیں کسی کا خوف نہیں ہوگا' اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے' سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O (الفتح: ۲۷۔۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ''ان شاء اللہ'' فرمانے کی توجیہات

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ امن اور عافیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے ہیں' پھر جب آپ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کر لی تو منافقین شک میں پڑ گئے کہ انہوں نے تو کہا تھا کہ ہم عمرہ کرنے جا رہے ہیں اور یہ عمرہ کیے بغیر قریش سے صلح کر کے واپس آ گئے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو یہ بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اس سال کے بعد اگلے سال مسجد حرام میں امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہوں گے اور یہ سال اگلے سال امن اور عافیت کے ساتھ عمرہ کرنے کا مقدمہ اور پیش خیمہ تھا اور آپ نے جو خواب دیکھا تھا وہ سچا تھا اور اس سال آپ کا عمرہ کے لیے سفر کرنا بھی برحق تھا۔

اس آیت میں جو ''ان شاء اللہ'' فرمایا ہے وہ تعلیم اور تادیب کے لیے ہے اور آپ کی امت کو یہ بتانے کے لیے ہے کہ تم نے مستقبل میں جو کام کرنا ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض کر دیا کرو' جیسا کہ درج ذیل آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۟ اِلَّآ اَنْ آپ کسی کام کے لیے یہ نہ کہیں کہ میں اس کو کل کرنے والا

یَّشَآءَ اللّٰہُ ۔ (الکہف: ۲۳-۲۴) ہوں○ ہاں! اگر اللہ چاہے (یعنی اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں)۔

ثعلب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے "ان شاء اللہ" اس لیے فرمایا کہ مخلوق کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا جن کا اللہ تعالیٰ کو علم تھا۔

الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جو اصحاب حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھے ان میں سے بعض اگلے سال سے پہلے فوت ہو جائیں گے اور اس آیت کے تمام مخاطبین مسجد حرام میں نہیں جا سکیں گے یعنی ان چودہ سو اصحاب میں سے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ "ان شاء اللہ" کا معنی ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے کا حکم دیا یا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کو آسان کر دیا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔

یہ دخول مستقبل میں ہونا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان سے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور اس کو اپنی مشیت پر موقوف کر دیا اور یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس خواب کی خبر دی کہ ان شاء اللہ وہ عمرہ کریں گے' وہ خوش ہو گئے اور حدیبیہ کے سفر پر روانہ ہو گئے' بعد میں معلوم ہوا کہ اس سے مراد اگلے سال عمرہ کرنا تھا اس سے ان کو بہت رنج ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی اور واپس آ گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی کہ تم مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے اور جس طرح آپ سے خواب میں فرمایا تھا اسی طرح یہ آیت نازل فرما دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر منڈانے اور بال کترِوانے کے محمل

اس آیت میں سر منڈانے اور بال کتروانے دونوں کا ذکر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقع پر بال کتروائے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال قینچی سے کاٹے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۳۷)

اور حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بال منڈائے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں سر کے بال منڈوائے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۸۰)

سر کے بال کتروانے اور منڈوانے میں منڈوانا افضل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما' مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! اور بال کتروانے والوں پر؟ آپ نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما' مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور سر کے بال کتروانے والوں پر؟ تو آپ نے فرمایا: اور سر کے بال کتروانے والوں پر۔ نافع نے کہا: آپ نے چوتھی بار سر کے بال کتروانے والوں کے لیے رحم کی دعا کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۴۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سر کے بال منڈوانے والوں کے لیے رحم کی دعا کی اور ایک بار سر کے بال کتروانے والوں کے لیے دعا کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۴۳)

حدیبیہ میں وہ کون سی باتیں تھیں جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک سال کی تاخیر سے عمرہ کرنے میں مسلمانوں کے لیے خیر اور صلاح ہے اور تم اس چیز کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد خیبر کی طرف گئے اور اس کو فتح کر لیا اور خیبر سے مسلمان بہت زیادہ اموال غنیمت لے کر آئے اور حدیبیہ کے بعد اگلے سال مسلمانوں کی تعداد اور ان کی قوت میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پھر جب مکہ فتح کرنے گئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمان تھے اور قریش مکہ چند گھنٹوں کی لڑائی میں دس بارہ ہزار آدمی قتل کرا بیٹھے اور پھر انہوں نے اجتماعی طور پر شکست قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور مکہ میں نصب تمام بت توڑ ڈالے اور "جاء الحق وزهق الباطل" کا نعرہ بلند فرمایا اور حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مسلمانوں نے کس سال عمرہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونا ہے اور مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ مکہ میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں اور حدیبیہ پر حملہ کی صورت میں وہ روندے جائیں گے اور مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا۔

حدیبیہ کے بعد کون سی فتح حاصل ہوئی؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی۔

ابن زید اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تعبیر پوری ہونے سے پہلے فتح خیبر کو مقدر کر دیا۔ بعض مفسرین نے کہا: اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے۔

زہری نے کہا: صلح حدیبیہ کے بعد اسلام میں بہت فتوحات ہوئیں' کیونکہ اس صلح کے بعد قریش کے ساتھ جنگ ختم ہو گئی' لوگ امن اور عافیت میں آ گئے اور دین اسلام کے برحق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کے متعلق گفتگو اور بحث شروع ہو گئی' پھر جو شخص بھی اسلام کے متعلق غور کرتا وہ اسلام میں داخل ہو جاتا اور اس کے بعد دو سالوں میں اس قدر لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے داخل نہ ہوئے تھے' چھ ہجری میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی اور اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے سال مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی اور یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی۔

دین اسلام کے غلبہ کے محامل

الفتح: ۲۸ میں فرمایا: وہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O

یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ آپ کو تمام ادیان کے اوپر دلائل کے ساتھ غلبہ عطا فرمائے یا جہاد کے ذریعہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے یا اس طرح غلبہ عطا فرمائے کہ آپ کی شریعت تمام پچھلی شریعتوں کے لیے ناسخ ہو جائے۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے آپ کو معجزات عطا فرمائے۔ یہ آیت ان کافروں کے رد میں نازل

فرمائی جنہوں نے صلح حدیبیہ کے سرنامہ پر "محمد رسول اللہ" لکھنے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر جھگڑا کیا رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگر یہ آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اللہ آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہے اور آپ کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد اللہ کے رسول ہیں' جو ان کے اصحاب ہیں' کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں نرم دل ہیں' (اے مخاطب!) تو ان کو رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں' سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے' ان کی یہ صفات تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کی صفت یہ ہے جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی باریک کونپل نکالی' پھر اس نے طاقت پکڑی' پھر وہ موٹی ہو گئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کاشت کاروں کو بھلی لگی تاکہ (ان کی یہ صفت) کافروں کے دل جلائے' اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O (الفتح: ۲۹)

خلفاءِ راشدین کے فضائل

اس آیت میں فرمایا ہے: "محمد رسول اللہ" آیت کا یہ حصہ آپ کی تسلی کے لیے نازل فرمایا کہ کفار قریش نے حدیبیہ کے صلح نامہ پر "محمد رسول اللہ" لکھنے نہیں دیا اور کہا کہ ہم محمد کو رسول اللہ نہیں مانتے' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں' اللہ تو کہتا ہے: "محمد رسول اللہ"۔

پھر آپ کے اصحاب کی صفت بیان فرمائی: وہ کفار پر بہت سخت ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اہل حدیبیہ کفار پر بہت سخت تھے جیسے شیر جنگل کے جانوروں پر سخت ہوتا ہے اور آپس میں نرم دل ہیں' یعنی جس حال میں وہ کفار پر سخت ہوتے ہیں اس حال میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اے مخاطب! تو ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' یعنی وہ بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور بہ کثرت نمازیں پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ "والذین معہ" سے مراد حضرت ابوبکر ہیں کیونکہ ایمان لانے کے بعد اسلام کی تبلیغ کرنے میں حضرت ابوبکر آپ کے مع (ساتھ) تھے' حضرت ابوبکر کی تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان اسلام لائے' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اسلام لائے' اسلام کی مدافعت میں وہ آپ کے مع تھے' سفرِ ہجرت میں آپ کے مع تھے' غارِ ثور میں آپ کے مع تھے' قبر میں آپ کے مع ہیں' قبر سے اٹھنے میں آپ کے مع ہوں گے اور دخولِ جنت میں بھی آپ کے مع ہوں گے اور جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو معیت حاصل تھی کسی کو حاصل نہ تھی اور "اشداء علی الکفار" سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں' آپ کا کفار پر سخت ہونا بہت مشہور ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننے میں تامل کیا تو حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا' یہ ان کے مزاج میں کفار پر سختی کا تقاضا تھا کہ انہوں نے قریش مکہ سے صلح کرنے کے معاملہ میں بہت تردد کیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے نکلے تو اس موقع پر بھی انہوں نے آپ سے بحث کی اور "رحماء بینھم" سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ آپ بہت نرم دل تھے' جب مسجد نبوی میں مسلمانوں کے لیے جگہ کم تھی تو آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کی' مسلمانوں کے لیے میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا تو رومانام کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا' غزوۂ تبوک کے لشکر کے لیے تین سو اونٹ مع ساز و سامان مہیا کیے' خود جان پر کھیل گئے لیکن اپنی حفاظت کے لیے مسلمان فوجوں کو بلانے کی اجازت نہیں دی اور "تراھم رکعا سجدا" سے مراد حضرت علی ہیں جن

کی اکثر راتیں رکوع اور سجدوں میں گزرتی تھیں۔

سجدوں کے اثر سے پیشانی پر نشان

اس کے بعد فرمایا: سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔

اس آیت میں "سیما" کا لفظ ہے "سیما" کے معنی علامت ہیں یعنی ان کے چہروں سے شب بیداری اور تہجد گزاری جھلکتی ہے حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رات کو بہت نمازیں پڑھتا ہے تو صبح کو اس کا چہرہ بہت حسین لگتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

حسن بصری نے کہا: یہ سفیدی ہے جو قیامت کے دن اس کے چہرے پر نظر آئے گی نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ اپنی رحمت سے بندوں کو دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتا تھا اس کو دوزخ سے نکال لیں اور ان پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا جو "لا الہ الا اللہ" پڑھتے تھے فرشتے ان کو دوزخ میں سجدوں کے نشانات سے پہچان لیں گے آگ ابن آدم کے سجدوں کے نشان کے سوا اس کے تمام جسم کو کھالے گی اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدوں کے نشان کو کھائے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۱۶ ص ۵۲۷ رقم الحدیث: ۱۰۹۰۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

شہر بن حوشب نے کہا کہ سجدہ کا نشان ان کے چہروں پر اس طرح چمک رہا ہو گا جس طرح چودھویں رات کو چاند چمکتا ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: دنیا میں ان کی علامت اچھے اخلاق ہیں اور مجاہد سے ہی روایت ہے کہ اس سے مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے اس آیت کے متعلق پوچھا: کیا یہ وہ نشان ہے جو آدمی کی دو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! بعض اوقات انسان کی دو آنکھوں کے درمیان ایک گٹا سا ہوتا ہے حالانکہ اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے لیکن وہ خضوع اور خشوع کی کثرت سے ان کے چہرے پر ایک نور ہوتا ہے۔

ابن جریج نے کہا: وہ ان کے چہروں پر وقار اور تروتازگی ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: وہ رات کے قیام کی وجہ سے ان کے چہروں کی زردی ہے۔ حسن نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو یہ گمان کرو کہ وہ بیمار ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۶۶۔۲۶۷)

"تورات" اور "انجیل" میں صحابہ کی صفات

اس کے بعد فرمایا: ان کی یہ صفات تورات میں ہیں اس کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: ان کی یہ صفات تورات اور انجیل میں ہیں اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ تورات پر وقف کیا جائے اور انجیل میں ان کی یہ صفات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ دو مثالیں ہیں: ایک "تورات" میں ہے اور دوسری "انجیل" میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ پہلے تھوڑے تھے پھر بہ تدریج زیادہ ہوتے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابتداءً لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا تو پہلے ایک ایک کر کے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے رہے حتیٰ کہ آپ کا دین بہت قوی ہو گیا جیسا کہ کھیت ابتداء میں ایک بیج ہوتا ہے پھر ایک باریک اور کمزور سی کونپل نکلتی ہے پھر

وہ کھیت دن بہ دن قوی ہوتا جاتا ہے' حتیٰ کہ وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتا ہے' پس کھیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی کونپلیں آپ کے اصحاب ہیں جو پہلے کم تعداد میں تھے پھر بہ تدریج زیادہ ہوتے گئے اور اس کھیت کو بڑھانا اور پروان چڑھانا' یہ کام اللہ سبحانہٗ نے آپ کے اور آپ کے اصحاب کے لیے کیا تاکہ اس سے کفار اپنے غیظ وغضب میں جل بھن کر راکھ ہو جائیں۔

صحابہ کرام کے فضائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں کے لیے مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ ان مؤمنوں کے ساتھ وعدہ ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں' ان سے ایسے ثواب کا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور وہ جنت ہے۔

ایک شخص نے امام مالک کے سامنے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مذمت کی تو امام مالک نے اس کے سامنے الفتح: ۲۹ کی پوری آیت پڑھی اور کہا: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو عزت دی ہے' جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ اپنے غیظ میں جل کر راکھ ہو جائے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح: ۱۸) اللہ ان مؤمنوں سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

حدیبیہ میں اکثر صحابہ کرام نہتے تھے' ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے' وہ احرام باندھے ہوئے تھے' ان کا پڑاؤ وہاں سے اڑھائی سو میل کی مسافت پر تھا اور وہ دشمن کی سرحد پر کھڑے' ایسے میں ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرنا اور تادمِ حیات لڑنے کی بیعت کرنا بہ ظاہر عقل وخرد کے خلاف تھا لیکن وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت میں ایسے سرشار تھے کہ وہ موت وحیات سے بے گانہ ہو گئے تھے اور تب ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا' اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے مرتد ہو جانا تھا تو اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے وہ ان سے کبھی راضی نہ ہوتا' اسی طرح التوبہ: ۱۰۰ میں مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین کے متعلق فرمایا: ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' اور یہ آیات رافضیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں کہ یہ صحابہ نفاق کی وجہ سے حضور کے ساتھ تھے اور آپ کے وصال کے بعد چھ صحابہ کے سوا باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔

لہٰذا تمام صحابہ کرام عدول ہیں' اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں اور نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور درج ذیل احادیث میں اس کی تائید ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ جتنا سونا خیرات کر دے' پھر بھی وہ ان کے دیئے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو کے برابر نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۱)

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ستارے آسمان کی امان ہیں اور جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے آسمان کو ڈرایا گیا ہے'

اور میں اپنے اصحاب کی امان ہوں' جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کی امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو ان کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے اس کو ڈرایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۲۵۳۱)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو' میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو' ان کو میرے بعد طنز کا نشانہ نہ بناؤ' جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی' اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے بے شک مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے بے شک اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی' عنقریب اللہ اس کو پکڑ لے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۲' مسند احمد ج ۴ ص ۸۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو بُرا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ تمہارے شر پر لعنت کرے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۳۳۰)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب میں سے جو شخص کسی علاقہ میں فوت ہو جائے تو قیامت کے دن وہ شخص اس علاقہ والوں کے لیے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۶۳)

سورۃ الفتح کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء بہ روز پیر سورۃ الفتح کی تفسیر مکمل ہو گئی' اس سورت کی ایک آیت الفتح: ۲ کے ترجمہ پر تقریباً ۱۵ برس سے حاسدین اور معاندین اعتراض کر رہے تھے' میں "شرح صحیح مسلم" کی مختلف جلدوں اور پھر "تبیان القرآن" کی مختلف جلدوں میں ان اعتراضات کے جوابات لکھتا رہا ہوں اور اس سورت میں الفتح: ۲ کی تفسیر میں تمام ابحاث کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا ہے' انسانی بساط میں کسی مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے جتنے دلائل کی ضرورت ہو سکتی ہے' وہ میں نے فراہم کر دیئے ہیں۔ باقی حق کو دلوں میں جاگزین کر دینا میرے بس میں نہیں' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی طاقت ہے اور رہے نہ ماننے والے تو وہ عہد رسالت سے لے کر آج تک پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے' باقی قرآن مجید کی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دے' ایمان پر میرا خاتمہ فرمائے اور میری اور میرے والدین کی مغفرت فرمائے' ان کی قبروں کو منور فرمائے اور کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وامتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحجرات

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الحجرات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں الحجرات کا ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ○ (الحجرات:۴) (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○

اس آیت کی تفسیر اپنے موقع پر آ رہی ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۸ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۹ ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا زمانہ نزول ۹ ھ ہے۔

سورت الحجرات کے مسائل اور مقاصد

☆ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور احترام تمام فرائض سے بڑھ کر فرض ہے' بلکہ جزو ایمان ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو عام لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ آپ کے سامنے بلند آواز سے بات نہیں کی جائے گی اور نہ آپ کو حجروں سے باہر ندا کی جائے گی۔

☆ بغیر تحقیق کے کوئی خبر قبول نہ کی جائے' نہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کی جائے' نہ کسی مسلمان کی غیبت کی جائے' نہ کسی کا نام بگاڑا جائے' نہ کسی کا مذاق اڑایا جائے' اسی طرح کے اور معاشرتی آداب بتائے۔

☆ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ رہے ہوں تو ان میں صلح کرائی جائے اور اگر وہ صلح نہ کریں تو ان میں سے جو گروہ باطل پر ہو اس سے جنگ کی جائے' حتیٰ کہ وہ راہ راست پر آ جائے۔

سورۃ الحجرات کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے میں سورۃ الحجرات کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! اس کی تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باطل اور ناصواب ہو اس کا رد کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ الحجرات مدنیۃ ۴۹ | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ | آیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

سورۃ الحجرات مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ 18

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے

اتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا

ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر

أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے ایک دوسرے

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ

سے بلند آواز سے بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O بے شک

الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے

امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ إِنَّ

دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O (اے رسول مکرم!) بے شک

الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں O

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ

اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا

رَحِيمٌ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا

بے حد رحم فرمانے والا ہے O اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو

أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾

کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو' پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو O

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں' اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے

لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ

تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿٧﴾

خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیںO

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾ وَإِن طَائِفَتَانِ

یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ بے حد جاننے والا حکمت والا ہےO اور اگر مومنوں کے دو گروہ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا

باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو' پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر

عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن

زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرلے پس اگر وہ

فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

رجوع کرلے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو' بے شک اللہ انصاف سے

الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾ ع

صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو' اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو' ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے' ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O (الحجرات: ۱۔۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل پر اپنے قول اور فعل کو مقدم کرنے کی ممانعت

اس سے پہلی سورت میں حدیبیہ کی صلح کا ذکر ہے اور "صحیح بخاری" میں یہ گزر چکا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی شرائط پر صلح کرنے کا ارادہ کیا تو بعض صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے دل برداشتہ ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس فیصلہ پر کافی بحث کی تو اس سے متصل سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس آیت کے متعلق پانچ قول ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ کاش! میرے متعلق یہ نازل ہوتا' کاش! میرے متعلق وہ نازل ہوتا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کرنے سے منع فرمایا۔

(۳) مجاہد نے کہا: اللہ اور رسول کے متعلق کوئی بات نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے بتائے۔

(۴) حسن بصری نے کہا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ قربانی کریں۔

(۵) زجاج نے کہا: جن عبادات کے اوقات مقرر ہیں ان کے وقت آنے سے پہلے ان عبادات کو ادا نہ کرو۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۲۵۔۳۲۶ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز کے ساتھ بولنے کی ممانعت

الحجرات: ۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو' ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کو ان کی قوم پر عامل بنا دیجئے' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! ان کو عامل نہ بنائیں' پھر ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کی' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' حضرت عمر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی' حتیٰ کہ ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے کیا کہا؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۰۲٬۴۸۴۵٬۴۳۶۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶ مسند احمد ج ۴ ص ۴)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو تو پست آواز سے بات کرو اور تمہاری آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ ہو ورنہ تمہارے نیک اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔

بلند آواز سے بولنے کو دو مرتبہ منع کرنے کے الگ الگ محمل

اس آیت میں دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: اپنی آوازوں کو (اپنے نبی) کی آواز پر بلند نہ کرو اور دوسری مرتبہ فرمایا: اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ مفسرین نے کہا: دونوں مرتبہ بلند آواز کے ساتھ بات کرنے کی ممانعت کے الگ الگ محمل ہیں پہلے جو فرمایا ہے کہ اپنی آوازوں کو (اپنے نبی) کی آواز پر بلند نہ کرو اس کا محمل یہ ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے ہو تو اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھو اور اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی نہ ہونے دو اور دوسری بار جو فرمایا ہے کہ ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو اس کا محمل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوں اور تم ان کو کوئی خبر سنا رہے ہو تو اونچی آواز سے نہ بولو یا اس کا محمل یہ ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو عامیانہ انداز میں بات نہ کرو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو اور جب آپ کو مخاطب کرو تو آپ کے نام اور کنیت سے آپ کو مخاطب نہ کرو مثلاً یوں مخاطب نہ کرو: "یا محمد' یا ابا القاسم" بلکہ "یا رسول اللہ" "یا نبی اللہ" یا "یا حبیب اللہ" کہو واضح رہے کہ اس میں ندائے یا محمد کی نفی نہیں ہے کیونکہ نداء اور چیز ہے اور خطاب اور چیز ہے (نداء میں "یا محمد" کہہ کر آپ کو اپنے حال کی طرف متوجہ کرنا ہے اور خطاب میں یا محمد کہہ کر آپ سے کلام کرنا ہے)۔

مفسرین نے اس آیت سے اس پر بھی استدلال کیا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے اسی طرح آپ کی قبر انور پر جب حاضری ہو تو وہاں بھی بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے۔ علامہ قرطبی' علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اسی طرح عالم کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے' خصوصاً جب عالم قرآن اور حدیث کا درس دے رہا ہو۔

نیز مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو بلند آواز سے بولنا منع ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اتنے زور سے نہ بولو جو آپ کے استخفاف اور آپ کی اہانت کا مظہر ہو' کیونکہ اس طرح بلند آواز سے بولنا کفر ہے اور اس آیت میں مؤمنین سے خطاب ہے' بلکہ مراد یہ ہے کہ تعظیم اور تکریم کے ساتھ معتدل آواز کی بہ نسبت پست آواز میں آپ کے سامنے بولو یا آپ سے باتیں کرو۔

اپنی ضرورت اور آپ کی نعت کے کلمات کو آپ کے سامنے بلند آواز سے پڑھنے کا جواز

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جن مواقع پر بلند آواز سے بولنا مطلوب ہوتا ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے' مثلاً میدانِ جہاد میں دشمن کو للکارتے ہوئے' یا کسی معاند اور مخالف کو جواب دیتے ہوئے یا دشمن کو ڈراتے ہوئے' ان تمام صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز ہے' کیونکہ ان صورتوں میں یہ متصور نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کے خلاف ہے' کیونکہ حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جب جنگِ حنین میں مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے' حضرت عباس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے

روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اصحاب سمرہ (کیکر کے درخت والوں) کو آواز دو' حضرت عباس بلند آواز شخص تھے' وہ کہتے ہیں: میں نے بہ آواز بلند پکارا: اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بہ خدا وہ یہ آواز سنتے ہی اس طرح پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے' وہ "یا لبیک یا لبیک" کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

اسی طرح حدیث میں حضرت عثمان بن عمر کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم راستوں میں بکھر گئے اور وہ زور زور سے پکار رہے تھے: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۴)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی مدافعت میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے گفتگو کرتے وقت آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے اور جب کوئی شخص آپ کو بات سنائے اور آپ خاموشی سے سن رہے ہوں تو آواز بلند نہ کی جائے یا آپ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کی جائے' جیسے لوگ ایک دوسرے سے عامیانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ تقریباً یہ تمام اُمور حسب ذیل مفسرین نے اپنی اپنی تصانیف میں بیان فرمائے ہیں۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ (الکشاف ج ۴ ص ۳۵۳۔۳۵۵)' علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۷۶۔۲۷۹)' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۰۴۔۲۰۶)۔

بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر بھی کہتے ہو اور مجالسِ میلاد میں بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام بھی پڑھتے ہو' جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں' یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں اور کائنات آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں' اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں' جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال کی ضعف کے باوجود توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷' بیروت)

باقی رہا آپ کے سامنے بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا' سو ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے سامنے مطلقاً بلند آواز سے بولنا منع نہیں ہے' آپ کی تعظیم اور توقیر کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے' جیسا کہ ہجرت کے موقع پر انصار کے مرد' عورتیں اور بچے آپ کا استقبال کرتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے: "یا محمد! یا رسول

اللہ! ''یا محمد! یا رسول اللہ! اور آپ کے سامنے بلند آواز کے ساتھ اذان دی جاتی تھی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ آپ کی مدح میں بلند آواز کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے۔

الحجرات: ۳ میں فرمایا: بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے' ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز پست رکھنے والے صحابہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا' تو ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کو اس کی خبر لا کر دوں گا' پس وہ شخص ان کے پاس گیا تو وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے تھے' اس شخص نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ حضرت ثابت بن قیس نے کہا: بہت بُرا ہو گیا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولتا تھا تو اس کے اعمال تو ضائع ہو گئے اور وہ تو اہل دوزخ میں سے ہے' پھر اس شخص نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ حضرت ثابت بن قیس اس طرح کہہ رہے تھے' پھر وہ شخص دوبارہ حضرت ثابت بن قیس کے پاس عظیم بشارت لے کر گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت سے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۳_۴۸۴۶)

''صحیح مسلم'' میں یہ روایت اس طرح ہے:

حضرت سعد' حضرت ثابت کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ انہوں نے کہا: یہ آیت (الحجرات: ۳) نازل ہو چکی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ میری آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تم سب سے بلند ہے' سو میں تو اہل دوزخ سے ہوا۔ حضرت سعد نے جا کر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ وہ اہل جنت سے ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹)

حضرت ثابت بن قیس انصاری تھے ان کا تعلق خزرج سے تھا' اس حدیث میں ان کے لیے عظیم بشارت ہے کہ وہ جنتی ہیں اور وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے' نیز اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ مطلقاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنے پر وعید نہیں ہے اگر کوئی شخص قدرتی طور پر بلند آواز سے بولتا ہو اور اس کی آواز غیر اختیاری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تقویٰ کو پرکھنے کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے۔

تقویٰ کے معنیٰ ہیں: خوفِ خدا۔ پس جس شخص نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا اور آپ کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کے سامنے اپنی آواز پست رکھی کہ کہیں زور سے بولنے کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کس قدر زیادہ ہوگی اور اس کے دل میں اللہ کا خوف کتنا زیادہ ہوگا کہ اگر اس کے رسول کی تعظیم میں اس نے کمی کی تو وہ دوزخ کا مستحق ہو جائے گا' پس اللہ کے رسول کی تعظیم کرنا' دراصل اس کے دل میں چھپے ہوئے خوفِ خدا اور تقویٰ کی وجہ سے ہے اور ایسے لوگوں کے دلوں کے تقویٰ کو اللہ نے پرکھ لیا ہے یعنی ان کے تقویٰ کو ظاہر فرما دیا ہے اور اس کی مثال یہ ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ ان کے دلوں میں خوفِ خدا کی وجہ سے ہے○ (الحج: ۳۲)

شعائر اللہ سے مراد ہیں: دین کے امتیازی احکام اور مناسک حج کو بجالانا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا' کعبہ کا طواف کرنا' حجر اسود کو بوسہ دینا' قربانی کے لیے فربہ جانور لانا اور ان کی تعظیم کرنا' صفا اور مروہ دو پہاڑیاں اور کعبہ پتھر کی ایک عمارت ہے' حجر اسود ایک پتھر ہے اور قربانی کے اونٹ جانور ہیں اور فی نفسہٖ ان کی تعظیم کی کوئی وجہ نہیں ہے' حج کرنے والا جو ان کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے کرتا ہے' پس جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے ان پتھروں اور جانوروں کی تعظیم کرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کس قدر ہو گی اور اللہ کا خوف اور تقویٰ کتنا زیادہ ہو گا کہ وہ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے ان پتھروں اور جانوروں کی بھی تعظیم کر رہا ہے' جب کہ انسان بلکہ مسلمان پتھروں اور جانوروں سے بہت افضل اور اعلیٰ ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول کی تعظیم کرنا اور ان کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنا دراصل اللہ کی تعظیم اور اس کے خوف کی وجہ سے ہے کہ اگر اس نے اللہ کے رسول اور اس کے نمائندہ کی تعظیم میں کمی کی تو اللہ اس کے نیک اعمال کو ضائع کر دے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دے گا' سو جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں چھپے ہوئے خوف خدا کو ظاہر کر دیا۔

اور فرمایا: ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔ مغفرت کا معنی ہے: انسان کے بُرے کاموں کو چھپانا اور ان پر سزا نہ دینا اور اجر کا معنی ہے: اس کے نیک کاموں پر ثواب عطا فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو ○ (الحجرات: ۴۔۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے نداء کرنے والوں کے مصادیق

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ الحجرات: ۴ کے شان نزول میں روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! بے شک میری تعریف کرنا نیک عمل ہے اور میری مذمت کرنا بُرا عمل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس کے شان نزول میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حجرہ کے باہر سے آپ کو نداء کی: یا محمد! میری تعریف کرنا نیک عمل ہے اور میری مذمت کرنا بُرا عمل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر آئے اور فرمایا: تم پر افسوس ہے یہ تو صرف اللہ سبحانہٗ کی شان ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۳۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۸)

(۲) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے' انہوں نے کہا تھا کہ اس شخص کے پاس چلو' اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کی اتباع کر کے ہم لوگوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہوں گے اور اگر وہ فرشتے ہیں تو ہم ان کے پروں کے سائے میں زندہ رہیں گے' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو نداء کی: یا محمد! اس وقت آپ اپنے حجرہ میں تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۳۱)

(۳) ایک قول یہ ہے کہ وہ بنو تمیم کا وفد تھا' مقاتل نے کہا: وہ نو افراد تھے۔

ان کے متعلق فرمایا: ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے ان میں عقل تو تھی پھران کو بے عقل کیوں فرمایا؟

ابن الجوزی نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ بے علم ہیں اور علم کو عقل سے تعبیر کیا کیونکہ علم عقل کا ثمرہ ہے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ فعل عقل والوں کے فعل کے خلاف تھا۔

الحجرات: ۵ میں فرمایا: اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

یعنی ان کا حجرہ سے باہر آپ کا انتظار کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لحاظ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کے لحاظ سے زیادہ مناسب تھا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو العنبر کے کچھ لوگوں کو قید کر لیا تھا اور وہ لوگ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینے آئے تھے' پس اگر وہ آپ کے حجرہ سے باہر نکلنے کا انتظار کر لیتے تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ ہو سکتا تھا کہ آپ فدیہ لیے بغیر ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیتے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۲۷۔ ۳۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس آیت میں بھی سابقہ آیات کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تلقین کی گئی ہے اور سورۂ الحجرات کی پہلی پانچوں آیتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

ولید بن عقبہ کا جھوٹی خبر دینا

الحجرات: ۶ میں فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو' پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو O

حضرت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ آیت ولید بن عقبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ولید کے درمیان اور بنو المصطلق کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی' جب بنو المصطلق نے اس کی آمد کے متعلق سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس کی تعظیم کی' شیطان نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ لوگ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں وہ خوف زدہ ہو کر راستہ سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ گیا اور آپ سے کہا کہ بنو مصطلق نے اس کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ گئے اور ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا' ادھر بنو مصطلق کو یہ خبر پہنچی کہ ولید بن عقبہ واپس چلے گئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے نمائندہ کی آمد کے متعلق سنا تو ہم اس سے ملاقات کرنے اور اس کی تکریم کرنے کے لیے نکلے اور تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مال دیا ہے ہم اس مال میں سے اللہ کا حق ادا کریں' تب ہم کو معلوم ہوا کہ وہ نمائندہ واپس چلا گیا' ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں آپ کی طرف سے اس کو کہیں یہ حکم تو نہیں پہنچا کہ تم واپس آ جاؤ اور آپ کسی وجہ سے ہم پر ناراض ہو گئے ہوں' اور ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یقین نہیں کیا اور خفیہ طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ چپکے سے وہاں پہنچیں اور وہاں تفتیش کریں' اگر وہاں ایسے آثار ہوں جو ان کے ایمان پر دلالت کرتے ہوں تو ان سے ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کر لیں اور اگر وہاں ان کے ایمان کے آثار نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے' حضرت خالد وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے وہاں پر

مغرب اور عشاء کی اذانوں کو سنا' انہوں نے ان سے صدقات وصول کیے اور سوائے اطاعت اور نیکی کے ان کے پاس اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ کو تمام حالات بتائے اور تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق (یعنی ولید بن عقبہ) کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو O (ولید بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا)۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۵۷۔۲۵۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۹۵' اسباب النزول للواحدی ص ۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۳۵۲' حافظ ابن کثیر نے کہا: اس قصہ کے متعلق امام احمد کی روایت سب سے عمدہ ہے' امام طبرانی نے اس قصہ کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۸۰۰۹' امام ابن جریر نے اس واقعہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن عباس' قتادہ اور ابن اسحاق وغیرہم سے روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۳۸۔۲۴۵۳۹۔۲۴۵۴۱۔۲۴۵۴۳)

فاسق کی شہادت اور روایت کا شرعی حکم

علامہ سید محمود آلوسی متعدد حوالہ جات سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فاسق شہادت دینے کا اہل ہے کیونکہ اگر اس کی شہادت ادائیگی کے لائق نہ ہوتی تو پھر اس کی خبر کی تحقیق کرنے کے حکم دینے کا کوئی معنیٰ نہ تھا اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنا جائز ہے۔

فقہاء احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا عادل اور نیک ہونا معلوم نہ ہو اس کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اس کے نیک ہونے کی تفتیش کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ یہ تفتیش اس وقت واجب ہوگی جب اس کا فسق ثابت ہو اور جس شخص کا نیک ہونا ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا فاسق ہونا معلوم ہے تو ہم ظاہر حال کے اعتبار سے اس کو نیک قرار دیں گے اور اس کی تفتیش کرنا ہم پر واجب نہیں ہے' واضح رہے کہ فاسق وہ شخص ہے جس نے کوئی علی الاعلان گناہ کبیرہ کیا ہو۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: فاسق کی دو قسمیں ہیں: ایک فاسق غیر متاول ہے (جو بغیر تاویل کے کوئی گناہ کبیرہ کرے) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اور دوسری قسم فاسق متاول ہے (جو تاویل سے کوئی گناہ کبیرہ کرے) جیسے جبری اور قدری اور اس کو بدعت واضحہ کا مرتکب کہا جاتا ہے۔ بعض اصولیین اس کی شہادت اور روایت کو مسترد کرتے ہیں' جیسے امام شافعی وغیرہ اور بعض اس کی شہادت کو قبول کرتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کو کذب کی تہمت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے اور اس شخص کے عقائد میں فسق ہے اور کذب تمام مذاہب میں حرام ہے' ماسوا خطابیہ کے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور اس کی روایت کو قبول کرنا اس لیے جائز ہے کہ جو شخص غیر رسول پر کذب کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب کو بہ طریق اولیٰ جائز نہیں سمجھے گا اور ہمارے اصحاب احناف اس کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے خصوصاً جب وہ اپنے عقیدہ کے پرچار کے لیے حدیث روایت کرے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۲۰۔۲۲۱ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں' اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ بے حد جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O (الحجرات: ۷۔۸)

یعنی تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی رہتی ہے' اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی خبر سناؤ گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو وحی کے ذریعہ تمہارے جھوٹ پر مطلع کر دے گا' پھر تم شرمندہ ہو گے' لہٰذا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی خبر نہ سناؤ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کی دی ہوئی جھوٹی خبر کی تحقیق نہ کرتے اور اس خبر پر یقین کر کے بنو مصطلق پر حملہ کر دیتے تو تم سب مشقت میں پڑ جاتے اور کتنے ہی بے قصور مسلمان مارے جاتے اور ولید بن عقبہ نے بنو مصطلق کی عداوت میں ان پر جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس کی وجہ سے تم کو شرمندگی اٹھانی پڑتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی اطاعت کرنے کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جو خبر پہنچائی جائے اور آپ سے جو کہا جائے تو آپ بلا تحقیق اس پر عمل کر لیں۔ اور ''لعنتم'' کا معنی ہے: تم گناہ میں مبتلا ہو جاتے۔ ''عنت'' کا معنی ہے: گناہ' اور بے حیائی کے کام' اور زنا کرنے کو بھی ''عنت'' کہتے ہیں اور مشقت میں پڑنے کو بھی ''عنت'' کہتے ہیں۔

پھر مخلص مؤمنوں کو خطاب کر کے فرمایا: لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یعنی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ نہیں بولتے اور آپ تک جھوٹی خبر نہیں پہنچاتے اور یہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو' پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے' پس اگر وہ رجوع کر لے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو' اور انصاف سے کام لو' بے شک اللہ انصاف سے کام لینے والوں کو پسند فرماتا ہے O بے شک سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O

(الحجرات: ۹۔۱۰)

مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے متعلق احادیث اور آثار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان متحارب فریقوں میں سے ایک حق پر تھا اور دوسرا باطل پر تھا اس کے باوجود ان دونوں فریقوں کو مسلمان ہی قرار دیا گیا اور ان کے درمیان صلح کرائی گئی یا صلح کرانے کی کوشش کی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا (جب آپ ابتداءً مدینہ منورہ آئے تھے): اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں (تو اچھا ہو)' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے' مسلمان بھی آپ کے ہم راہ گئے' وہ بنجر زمین تھی' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہٹو' تمہاری سواری کی بدبو مجھے ایذاء پہنچا رہی ہے' آپ کے ساتھ جو انصاری مسلمان تھے' ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی بو تم سے بہت اچھی ہے' عبداللہ بن ابی کی قوم کا ایک شخص یہ سن کر غصہ میں آ گیا اور اس انصاری کو گالی دی' پھر دونوں طرف سے فریق غضب میں آ گئے اور وہ ایک دوسرے کو ڈنڈوں' ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے لگے' پھر ہم کو یہ خبر پہنچی کہ ان ہی دو جماعتوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل قباء آپس میں لڑ پڑے حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: چلو ہم ان کے درمیان صلح کرا دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۴۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۸۳)

جب اہل شام اور اہل عراق میں جنگ تیار تھی' ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی افواج تھیں' دوسری طرف حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی افواج تھیں' اس وقت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس صلح کی پیش گوئی کر دی تھی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں) پہاڑوں کی مانند لشکر لے کر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کو پسپا کیے بغیر واپس نہیں جائے گا' حضرت معاویہ نے کہا: (اور وہ ان دونوں میں زیادہ بہتر تھے) کہ اگر اس لشکر نے اس لشکر کا صفایا کر دیا تو میری کس پر حکومت ہوگی' عورتوں کی کفالت کون کرے گا' لوگوں کی زمینوں اور ان کے بچوں کی حفاظت کون کرے گا؟ پھر حضرت معاویہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس دو سفیر بھیجے جن کا تعلق قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے ساتھ تھا۔ عبد الرحمان بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر' حضرت معاویہ نے ان دونوں سے کہا کہ تم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح کی پیش کش کرو اور ان سے اس معاملہ میں گفتگو کرو' سو وہ دونوں گئے اور آپ سے گفتگو کی' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو عبد المطلب سے ہیں اور ہم نے (اپنے دور خلافت میں) اس مال کو حاصل کیا ہے اور یہ قوم اپنے خون میں لتھڑی ہوئی ہے' ان دونوں نے کہا: حضرت معاویہ آپ کی خدمت میں اتنا اتنا مال پیش کرتے ہیں اور صلح کا مطالبہ اور اس کا سوال کرتے ہیں' حضرت حسن نے فرمایا: اس مال کی ادائیگی کا کون ضامن ہے؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم ضامن ہیں' حضرت حسن نے ان سے جس چیز کا بھی سوال کیا' ان دونوں نے کہا: ہم اس کے ضامن ہیں' پھر حضرت حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی' حضرت حسن نے کہا: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے' آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسن کی طرف اور آپ فرماتے: میرا یہ بیٹا سید ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۲-۴۷۷۳)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف (المعروف بابن بطال) مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں تاویل کے ساتھ ایک دوسرے سے جنگ کریں تو وہ دونوں جماعتیں مسلمان ہی ہیں کیونکہ حضرت معاویہ اور حضرت علی کی جماعتیں جو ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں' آپ نے دونوں جماعتوں کو مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں فرمایا' اور جس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں جنگ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱) اس سے مراد ہے: جو بغیر تاویل اور اجتہاد کے آپس میں جنگ کر رہے ہوں اور دونوں کا موقف باطل ہو (جیسے لسانی عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کرنا)۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اہل کوفہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور اہل شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی' پھر سرزمین کوفہ پر دونوں کے لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوئے' پھر حضرت حسن نے اپنے لشکر کی کثرت کو دیکھا' پھر نداء کی: اے معاویہ! میں نے اللہ کے پاس جو اجر ہے

اس کو اختیار کر لیا' اگر یہ حکومت تمہارے لیے ہے تو میرے لیے اس میں مزاحمت کرنا مناسب نہیں ہے اور اگر یہ میرے لیے ہے تب بھی میں نے اس کو تمہارے لیے چھوڑ دیا' حضرت معاویہ کے اصحاب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا' پس اللہ آپ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے نیک جزا دے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے معاویہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا' دنیا کی طلب کی وجہ سے ان کو فنا نہ کر دینا' پھر حضرت حسن نے حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی اور اس پر ان کی بیعت کر لی کہ جب تک تم اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہو گے ہم تمہارے احکام سنیں گے اور تمہاری اطاعت کریں گے' پھر حضرت حسن اور حضرت معاویہ دونوں کوفہ چلے گئے اور حضرت معاویہ نے اہل عراق سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام جماعت کا سال رکھا گیا' کیونکہ اس سال تمام لوگ مجتمع ہو گئے تھے اور جنگ سے منقطع ہو گئے تھے اور وہ تمام لوگ جنہوں نے اب تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی ان سب نے بیعت کر لی' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہم نے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی اور لوگ اس سے بہت خوش ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو تین لاکھ درہم' ایک لاکھ پوشاکیں' تیس غلام اور سو اونٹ پیش کیے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما مدینہ چلے گئے اور حضرت معاویہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور عبد اللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا اور خود دمشق چلے گئے اور اس کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال ج ۸ ص ۹۶۔ ۹۷' مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حضرت معاویہ اور ان کے لشکر کا حضرت علی سے جنگ صفین کے باوجود اسلام سے خارج نہ ہونا

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں جنگ کر رہی ہوں اور ان میں سے ایک حق پر ہو اور دوسری باطل پر ہو تو جو جماعت باطل پر ہو' اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ حق کی طرف رجوع نہ کرلے' اس بناء پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا کیا حکم ہے؟ ان میں سے کون سا فریق حق پر تھا اور کون سا فریق باطل پر تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی فریق صریح باطل پر نہیں تھا' دونوں فریقوں کا موقف تاویل اور اجتہاد پر مبنی تھا' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاویل صحیح تھی اور حضرت معاویہ کی تاویل مبنی بر خطا تھی اور اس کا فیصلہ اس حدیث سے ہو گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: افسوس ہے! عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا' عمار ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ گروہ اس کو دوزخ کی طرف بلائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷) اور حضرت عمار بن یاسر کو حضرت امیر معاویہ کے لشکر نے قتل کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح اور حق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل مبنی بر خطا تھی' اور ان کا موقف باطل محض نہیں تھا' ورنہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان سے صلح نہ کرتے اور اگر وہ باغی ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے جنگ موقوف نہ کرتے اور جنگ موقوف کر کے تحکیم کو اختیار نہ کرتے اور تادم مرگ جنگ جاری رکھتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ — جو جماعت باغی ہے اس سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ (الحجرات: ۹)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ کی جماعت صراحۃً باغی ہوتی تو وہ ان سے کبھی جنگ موقوف نہ کرتے اور کبھی تحکیم کو قبول نہ کرتے۔

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

سفیان بن اللیل بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ سے مدینہ آئے تو میں نے ان سے کہا: اے مؤمنین کو ذلیل کرنے والے! حضرت حسن نے فرمایا: اس طرح مت کہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دن اور رات کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا حتیٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران بن جائیں گے' پس میں نے جان لیا کہ اللہ کا حکم نافذ ہونے والا ہے۔ پس میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میرے اور ان کے درمیان مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۷۱۔ رقم الحدیث: ۱۳۵۰۲' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۸)

حارث اعور بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین سے لوٹ کر فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے سر تمہارے کندھوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کے پھل درخت سے گرتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۱۲) (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۳۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن کثیر امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

صفوان بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ اہل شام کا لشکر ساٹھ ہزار تھا ان میں سے بیس ہزار قتل کیے گئے اور اہل عراق کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار تھا ان میں سے چالیس ہزار شہید کیے گئے اور امام بیہقی نے اس واقعہ کو "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی اس حدیث پر منطبق کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دو عظیم جماعتیں باہم عظیم جنگ نہیں کریں گی' حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا دین واحد ہو گا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ وہ جماعتیں اسلام کا دعویٰ کریں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی جنگ صفین پر منطبق ہوتی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۱۸۔ ۴۱۹' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۷۶۔ ۳۷۷)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ہوں گے' ایک گروہ ان دونوں سے خارج ہو جائے گا (یعنی خوارج) اور دونوں گروہوں میں سے جو گروہ حق کے زیادہ قریب ہو گا وہ ان خوارج کو قتل کرے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۹۷' سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث: ۲۹۷۲)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے' کیونکہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اسی طرح واقع ہوا' اور اس حدیث میں آپ نے اہل شام اور اہل عراق کے دونوں گروہوں کے اوپر اسلام کا حکم لگایا ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح رافضی فرقہ کا زعم باطل ہے اور وہ اہل شام کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب حق کے زیادہ قریب تھے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ مجتہد تھے اور ان کو اجتہاد میں خطا لاحق ہوئی اور ان کو بھی ان شاء اللہ اجر ملے گا اور حضرت علی امام برحق ہیں اور ان کو دو اجر ملیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور اس کی رائے درست ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اس کے اجتہاد میں خطاء ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۴) (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۸۱۔۳۸۲، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ نہ کہو کہ اہل شام نے کفر کیا بلکہ یہ کہو انہوں نے فسق اور ظلم کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ رقم الحدیث: ۳۷۸۳۱، بیروت)

حضرت علی کے حضرت معاویہ کے متعلق دعائیہ کلمات اور اس سلسلے میں دیگر احادیث

حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو آپ نے ایسی باتیں فرمائیں جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! حضرت معاویہ کی امارت کو ناپسند مت کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تمہارے کندھوں سے تمہارے سر حنظل کی طرح گرنے لگیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۳، تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۱۰۵۔۱۰۶)

عبداللہ بن عروہ نے کہا: مجھے اس شخص نے خبر دی جو جنگ صفین میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی رات باہر نکلے، آپ نے اہل شام کی طرف دیکھ کر یہ دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور ان کی مغفرت فرما، پھر حضرت عمار لائے گئے تو آپ نے ان کے لیے بھی یہی دعا کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۵۳)

یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہمارے مقتول اور ان کے مقتول جنت میں ہیں اور یہ معاملہ میرے اور معاویہ کی طرف سونپ دیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۶۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۰، تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۸۷، بیروت)

نعیم بن ابی ہند اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، میں صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو نماز کا وقت آ گیا تو ہم نے بھی اذان دی اور اہل شام نے بھی اذان دی، ہم نے بھی اقامت کہی اور انہوں نے بھی اقامت کہی، پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا تو ہمارے درمیان بھی مقتولین تھے اور ان کے درمیان بھی مقتولین تھے۔ جب حضرت علی نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا: آپ ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو ہم میں سے اور ان میں سے اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے لڑتا ہوا قتل کیا گیا وہ جنت میں ہے۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۴۴۔۳۴۵، رقم الحدیث: ۲۹۶۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۷)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے: اے اللہ! معاویہ کے بدن کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے، اے اللہ! دوزخ کی آگ کو معاویہ پر حرام کر دے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۶۵۔۶۶، رقم الحدیث: ۱۳۳۸۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تمہارے سامنے اہل جنت سے ایک شخص آئے گا، پھر حضرت معاویہ آئے۔ (تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۷۰، رقم الحدیث: ۱۳۳۹۹)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور برادر نسبتی ہیں اور وحی کے کاتب اور اس پر امین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے لیے میرے اصحاب اور میرے سسرال والوں کو چھوڑ دو (ان کو بُرا نہ کہو) پس جس نے ان کو بُرا کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۴۳ رقم الحدیث: ۱۳۵۳۷)

حضرت رویم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ سے کشتی لڑیے' حضرت معاویہ نے کھڑے ہو کر کہا: میں تم سے کشتی لڑوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ ہرگز کبھی مغلوب نہیں ہوگا' پھر حضرت معاویہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا' جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھ سے اس حدیث کا پہلے ذکر کیا جاتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۶۱۔ رقم الحدیث: ۱۳۳۶۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت معاویہ کے لیے جو دعا فرمائی اُسی کا اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسد اللہ الغالب ہونے کے باوجود حضرت معاویہ کو مغلوب نہ کر سکے۔

حضرت علی کے قصاص عثمان نہ لینے کی وجہ

حضرت معاویہ کا حضرت علی سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور حضرت علی اخیر وقت تک قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لے سکے' اس کی وجہ سے یہ ہے کہ قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کا شرعی ثبوت ہو اور شرعی ثبوت یہ ہے کہ کوئی شخص حضرت عثمان کے قتل کا اعتراف کرتا یا اس پر دو گواہ قائم ہوتے کہ فلاں شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے' لیکن حضرت علی کی شہادت تک یہ ثبوت مہیا نہیں ہو سکا' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے قصاص لیتے؟ اوّل تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل مجہول اور نامعلوم تھے' ثانیاً: حضرت علی فرماتے تھے: مجھے سانس تو لینے دو' فتنے ختم ہو جائیں اور امن وامان قائم ہو جائے پھر میں تفتیش اور تحقیق کروں کہ قاتل فی الواقع کون ہے کیونکہ اندھا قصاص تو نہیں لیا جا سکتا اور فی الفور قصاص لینا واجب نہیں ہے اور قصاص لینے میں تاخیر جائز ہے' لیکن ان پر پے در پے ایسی جنگیں مسلط کر دی گئیں کہ ان کو امن اور سکون کے ساتھ تفتیش اور تحقیق کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جنگ جمل وقوع پذیر ہونے کی وجہ

حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو جنگ جمل برپا ہوئی وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا' جو طرفین میں غلط فہمی کی بناء پر وقوع پذیر ہوا' اس کو پوری تفصیل کے ساتھ ہم الاحزاب: ۳۳ میں لکھ چکے ہیں اس کو آپ "تبیان القرآن" ج ۹ ص ۴۲۷۔ ۴۳۶ ملاحظہ فرمائیں۔

بصرہ میں حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان صلح ہو چکی تھی اور فریقین اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو تلاش کر کے ان سے قصاص لیا جائے گا' قاتلین عثمان اور ان کے حامیوں میں سے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ان کو پریشانی ہوئی کہ اگر یہ دونوں فریق متحد ہو گئے تو پھر ان کی خیر نہیں ہے' سو انہوں نے سازش کی اور جس دن صلح ہوئی تھی اس کے بعد رات کے اندھیرے میں جا کر حضرت عائشہ کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا اور چلا کر کہا کہ علی نے عہد شکنی کی اور دوسروں نے جا کر حضرت علی کے لشکر میں حملہ کر دیا اور چلا کر کہا کہ طلحہ اور زبیر نے عہد شکنی کی اور ان کی سازش کامیاب ہو گئی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔

حضرت علی کے دل میں حضرت عائشہ' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے احترام کے متعلق احادیث اور آثار

اب ہم متعدد احادیث اور آثار کے ذریعہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جنگ جمل کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کی بہت عزت اور بہت احترام تھا۔

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے متعلق سوال کیا گیا: کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: نہیں' وہ شرک سے بھاگ چکے ہیں۔ کہا گیا: کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں' کہا گیا: پھر وہ کیا ہیں؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٣٥۔رقم الحدیث: ٣٧٧٥٢' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن حضرت علی اور ان کے اصحاب حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم پر رو رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٣٦' رقم الحدیث: ٣٧٧٦٣' تاریخ دمشق ج ٢٧ص ٨١)

طلحہ بن مصرف بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ کے چہرے سے مٹی صاف کی' پھر حضرت حسن کی طرف مڑ کر کہا: کاش! میں آج سے پہلے مر چکا ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٣٩۔رقم الحدیث: ٣٧٧٨٥' تاریخ دمشق ج ٢٧ص ٨١)

حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن فرمایا: اے اللہ! میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا' اے اللہ! میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٤١' رقم الحدیث: ٣٧٧٩٠)

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کاش! میں درخت کی ایک تر شاخ ہوتی اور میں نے یہ سفر نہ کیا ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٤٣۔ رقم الحدیث: ٣٧٨٠٧)

ربعی بن حراش بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر اس آیت کے مصداق ہوں گے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (الحجر: ٤٧)

ان کے دلوں میں جو (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش تھی' ہم اس کو نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ۝

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٤٤۔رقم الحدیث: ٣٧٨١٠' تاریخ دمشق ج ٢٠ص ٣٠٩)

ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے دن کہا: کاش! میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر چکا ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ص ٥٤٤۔ رقم الحدیث: ٣٧٨١٣)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ٥٧١ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسلم بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی نے اہل بصرہ سے جنگ کی تو ابن جرموز آپ سے اجازت لے کر آیا اور کہا: میں نے زبیر کو قتل کر دیا' حضرت علی نے فرمایا: تو نے صفیہ کے بیٹے کو قتل کر دیا' تجھے دوزخ کی بشارت ہے' ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری زبیر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۰ ص ۳۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

عبیداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے طلحہ کو قتل کیا ہے' حضرت علی نے سن کر فرمایا: تمہیں دوزخ کی بشارت ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۷ ص ۸۱ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

19 اس جنگ میں دونوں طرف سے دس ہزار مسلمان قتل کیے گئے' ۵ ہزار ایک طرف سے اور ۵ ہزار دوسری طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسلمانوں نے حصار میں لیا ہوا تھا' آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور حودج میں بیٹھی ہوئی تھیں' جب یہ خطرہ ہوا کہ آپ تیروں کی زد میں آ رہی ہیں تو حضرت علی کے حکم سے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دی گئیں' پھر جنگ رک گئی۔ حضرت علی نے حکم دیا: کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے' نہ کسی گرے ہوئے یا زخمی پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ حضرت علی نے مقتولین کے درمیان سے حضرت عائشہ کا ہودج (پالان) اٹھانے کا حکم دیا اور محمد بن ابی بکر اور عمار کو حکم دیا کہ وہ ام المؤمنین کے لیے خیمہ لگا دیں' محمد بن ابی بکر نے آ کر پوچھا: آپ کو کوئی زخم تو نہیں آیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' پہلے عمار نے آ کر آپ کو سلام کیا اور کہا کہ اے اماں جان! آپ کو سلام ہو' پھر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر آپ کو سلام کیا اور آپ کی خیریت دریافت کی' اور کہا: اللہ آپ کی مغفرت فرمائے' پھر لگاتار مسلمان آ کر آپ کو سلام کرتے رہے' رات کو آپ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ عبداللہ بن خلف الخزاعی کے گھر تشریف لے گئیں' آپ تین دن بصرہ میں ٹھہری تھیں' اس کے بعد محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حضرت علی بھی بصرہ کے باہر تین دن تک ٹھہرے پھر آپ نے فریقین کے تمام مقتولین کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ اعلان کر دیا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے اصحاب میں سے کسی کا سامان لوٹا نہیں جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۰۔۳۴۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ' تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۰۲ دار النفائس ریاض)

حضرت عائشہ ام المؤمنین حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں وہاں آپ کو خبر ملی تھی کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے آپ کو بتایا کہ انہیں اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو بھی اپنی جانوں کا خطرہ ہے اور ان سے یہ توقع نہیں ہے کہ یہ آپ کی عزت اور احترام کا لحاظ رکھیں گے' آپ ہمارے ساتھ بصرہ چلیں وہاں ہمارے حامی بہت مسلمان ہیں' آپ ان کے اصرار سے بصرہ چلی گئیں' ادھر باغیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر آپ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے بصرہ میں جمع ہو رہے ہیں' آپ اپنے حامیوں کے ساتھ بصرہ چلیں اور ان کا قلع قمع کر دیں' بصرہ میں فریقین کے درمیان تین دن تک مذاکرات ہوتے رہے اور اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے گا' باغیوں کو خطرہ ہوا کہ اب ان کی خیر نہیں ہے اور قصاصِ عثمان میں ان سب کو قتل کر دیا جائے گا' انہوں نے سازش کر کے ایک رات دونوں فریقوں پر حملہ کر دیا' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے حامیوں میں یہ نعرہ لگایا کہ علی نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور حضرت علی کے حامیوں میں یہ نداء کی کہ طلحہ اور زبیر نے دھوکا دیا اور یوں غلط فہمی میں جنگ چھڑ گئی اور طرفین سے دس ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین کے متعلق حرفِ آخر

میں جنگ جمل اور جنگ صفین کی یہ دل خراش داستان نہ لکھتا لیکن میں نے دیکھا کہ ان جنگوں کے حوالے سے مسلمانوں میں بہت بے چینی ہے اور عام لوگوں سے یہ سنا کہ صحابہ کرام بھی حصولِ اقتدار کے لیے آپس میں لڑتے رہے تھے تو میں نے سوچا کہ میں اختصار کے ساتھ حقیقتِ حال کو واضح کروں کہ جنگِ جمل قاتلین عثمان کی سازش سے غلط فہمی کی بناء پر ظہور میں آئی

اور جنگ صفین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کے نتیجہ میں ظہور میں آئی' وہ سمجھتے تھے کہ میں حضرت عثمان کا ولی ہوں اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے کے لیے لڑنے کا حق ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا . جس کو ظلماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو قصاص لینے پر غلبہ دے دیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب قصاص کے شرعی ثبوت کے بعد حاکم وقت قصاص لینے کا شرعی فیصلہ کر دے تو اس کا ولی قاتل سے قصاص لے سکتا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ قاتل قتل کا اعتراف کرے نہ اس کے قتل کرنے پر گواہ ہوں اور ولی مقتول اندھا قصاص لینے کے لیے حاکم پر دباؤ ڈال کر اس سے جنگ کرنا شروع کر دے۔ بہر حال یہ دونوں مجتہد تھے' حضرت علی کا اجتہاد صحیح اور برحق تھا اور حضرت معاویہ کو اجتہاد میں خطاء ہوئی' اور جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہونے والے تمام مسلمان شہید ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاء اجتہادی پر ایک اجر ملے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجتہاد صائب پر دو اجر ملیں گے اور جہاں تک دیگر فضائل اور اسلامی خدمات کا تعلق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں وہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ سے بہت آگے ہیں بلکہ دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین پر محمود عباسی نے ''خلافتِ معاویہ ویزید' تحقیق مزید' اور ''حقیقت خلافت وملوکیت'' لکھیں اور ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی بہت تنقیص بلکہ توہین کی' پھر سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ''خلافت وملوکیت'' کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت تنقیص بلکہ توہین کی' علاوہ ازیں یہ بہت ضخیم کتابیں ہیں' میں چاہتا تھا کہ میں اس موضوع پر دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ اختصار سے ایک مقالہ لکھوں' جس میں فریقین کا صحیح مؤقف بھی سامنے آئے اور جمہور علماء اہل سنت کا نظریہ بھی اور اس میں احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا احترام اور وقار بیان کیا جائے۔ الحمد للہ رب العلمین ! الحجرات: ۹ کی تفسیر میں میری دیرینہ خواہش پوری ہوئی' اگر میری اس تحریر کو پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی حضرت علی یا حضرت معاویہ میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرنے سے باز آ گیا تو میں سمجھوں گا میری محنت ٹھکانے لگی۔ **وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم' والحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد سید المرسلین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین.**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشہور قاتلین

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

عبد الرحمان نے بیان کیا کہ محمد بن ابی بکر دیوار پھاند کر حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہوئے' ان کے ساتھ کنانہ بن بشر' سودان بن حمران اور حضرت عمرو بن الحمق بھی تھے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن شریف سے سورۃ البقرہ پڑھ رہے تھے' محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا: اے بڈھے احمق! تجھے اللہ نے رسوا کر دیا' حضرت عثمان نے کہا: میں بڈھا احمق نہیں ہوں' امیر المؤمنین ہوں' محمد بن ابی بکر نے کہا: تجھے معاویہ اور فلاں فلاں نہیں بچا سکے' حضرت عثمان نے کہا: تم میری ڈاڑھی چھوڑ دو' اگر تمہارے باپ ہوتے تو وہ اس ڈاڑھی کو نہ پکڑتے' محمد بن ابو بکر نے کہا: اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تمہارے افعال سے متنفر ہو جاتا' محمد بن ابی بکر کے ہاتھ میں ایک چوڑے پھل کا تیر تھا وہ انہوں نے حضرت عثمان کی پیشانی میں گھونپ دیا' کنانہ بن بشر کے ہاتھ میں ایسے کئی تیر تھے وہ اس نے آپ کے کان کی جڑ میں گھونپ دیئے' اور وہ تیر آپ کے حلق

کے آر پار ہو گئے' پھر اس نے اپنی تلوار سے آپ کو قتل کر دیا۔ ابو عون نے بیان کیا کہ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی اور سر پر لوہے کا ڈنڈا مارا اور سودان بن حمران نے آپ کی پیشانی پر وار کر کے آپ کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمان بن الحارث نے بیان کیا کہ کنانہ بن بشر کے حملہ کے بعد ابھی آپ میں رمق حیات تھی' پھر حضرت عمرو بن الحمق آپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اور آپ کے سینہ پر نو وار کیے بالآخر آپ کو شہید کر دیا۔ حملہ کے دوران آپ کا خون قرآن مجید کے اوراق پر گرا۔ اٹھارہ ذوالحجہ چھتیس ہجری کو جمعہ کے دن آپ شہید ہوئے (حضرت ابوبکر نے وفات سے چند سال پہلے اسماء بنت عمیس سے شادی کی تھی' ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے' حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد ان سے حضرت علی نے شادی کر لی تھی اور محمد بن ابوبکر' حضرت علی کے پروردہ تھے۔ الاستیعاب ج ۳ ص ۴۲۲)۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴' موسسۃ الاعلمی للمطبوعات' بیروت)

ان مؤرخین نے بھی اسی طرح لکھا ہے: امام ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۴۔ ۵۵)' امام ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۹۰)' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳)۔

حضرت عثمان کے قاتلین کا دنیا میں انجام

سودان بن حمران کو اسی وقت حضرت عثمان کے غلاموں نے پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۹۰)

کنانہ بن بشر کو ۳۶ھ میں حضرت معاویہ کے اس لشکر نے قتل کر دیا تھا جس کو انہوں نے مصر کے لیے تیار کیا تھا۔

(تاریخ دمشق ج ۵۳ ص ۱۹۸)

مالک بن الحارث الاشتر (یہ بھی قاتلین میں سے تھا) کو حضرت علی نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا' ۳۸ھ میں کسی نے اس کو زہر کھلا دیا اور یہ مر گیا۔ اس کے بعد حضرت علی نے محمد بن ابوبکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا' پھر ۳۸ھ میں یہ بھی حضرت عمرو بن العاص کے لشکر سے شکست کھا کر قتل کر دیا گیا' پھر اس کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۴۲۳' تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۹۱' تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۶۳۲' دارالنفائس' ریاض' ۱۴۱۹ھ)

سید مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی نے مالک بن الحارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیئے درآں حالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے' حضرت علی کے پورے نظام خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک ایسا کام نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۶)

علامہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور ہجرت کی' بعد میں انہوں نے کوفہ کو مسکن بنا لیا' انہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا' زیاد کے زمانہ میں یہ موصل چلے گئے اور غار میں جا کر چھپ گئے' وہاں ان کو سانپ نے ڈس لیا' زیاد کے عامل نے ان کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھیج دیا' اس نے وہ سر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا' اللہ ان کی مغفرت فرمائے' یہ پچاس ہجری کا واقعہ ہے۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۲۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے لکھا ہے: اصل قاتل کنانہ بن بشر تھا اور حضرت عمرو بن الحمق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزوں کے متعدد وار کیے تھے۔ (تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۹۰)

مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں

الحجرات: ۱۰ میں ارشاد فرمایا: بے شک سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے

رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے دیوار کی طرح ہے اس کے اجزاء ایک دوسرے سے مضبوط ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مؤمنوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ دوستی نبھانے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم درد اور بخار سے کراہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۱۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۶ مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸)

نیز حضرت نعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مؤمنین ایک شخص کی طرح ہیں جب اس کی آنکھ میں تکلیف ہو گی تو سارے جسم میں تکلیف ہو گی اور اگر اس کے سر میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہو گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۶ مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۶)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا

اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان (مذاق

خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا

اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور تم

تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ

ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا بُرا نام ہے

بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يَاَيُّهَا

اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں ۝ اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ

اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ

ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا،

اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قوموں اور

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو،

اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ

بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا بے حد خبر رکھنے والا ہے ○ دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے، آپ کہیے کہ

لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

تم ایمان نہیں لائے ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا،

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے (نیک) اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (حقیقی) ایمان لانے والے تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ

لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا،

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي

وہی سچے ہیں O (اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے: کیا تم اللہ کو اپنا دین جتلا رہے ہو؟ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو بے حد جاننے والا ہے O (اے رسولِ مکرم!) یہ آپ پر

عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ

اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں آپ کہیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان

اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ

فرماتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی اگر تم سچے ہو O بے شک اللہ تمام آسمانوں اور تمام

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ع ۸ ۱۴

زمینوں کے کل غیب جانتا ہے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ ایمان کے بعد فاسق کہلانا بُرا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں O اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الحجرات: ۱۱-۱۲)

مذاق اڑانے کی ممانعت

اس آیت میں "لا یسخر" کا لفظ ہے اس کا مصدر ہے: "سخریہ" اس کا معنیٰ ہے: مذاق اڑانا اور کسی شخص کی تحقیر کرنا اور اس کا استخفاف کرنا اور اس کو درجہ اعتبار سے ساقط قرار دینا' قوم کا معنیٰ ہے: مردوں کی جماعت اور ان کا گروہ اور بعض اوقات اس سے مطلقاً گروہ مراد ہوتا ہے' خواہ اس میں مرد ہوں یا عورتیں۔

ضحاک نے بیان کیا کہ یہ آیت بنو تمیم کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ کا مذاق اڑاتے تھے' جب وہ حضرت عمار' حضرت خباب' حضرت بلال' حضرت صہیب اور حضرت سلمان پر افلاس کے آثار دیکھتے تو ان کا مذاق اڑاتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے' تو وہ انصار کی جس مجلس سے بھی

گزرتے تو لوگ کہتے کہ یہ ابوجہل کا بیٹا ہے' تب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۳ ص ۱۸۵ ـ رقم الحدیث: ۸۸۳۸)

علامہ قرطبی نے اس حدیث کا بھی اس آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کسی آدمی میں فقر کے آثار دیکھ کر اس کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنے ہی لوگوں کے بال بکھرے ہوئے' غبار آلود ہوتے ہیں ان کے پاس دو چادریں ہوتی ہیں اور ان کو کوئی پناہ نہیں دیتا' وہ اگر قسم کھالیں کہ اللہ فلاں کام کرے گا تو اللہ وہ کام کر کے ان کو قسم میں سچا کر دیتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۵)

عورتوں کا خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عورتوں میں دوسری عورتوں کا مذاق اڑانے کی خصلت بہت زیادہ ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے قد ہونے کی وجہ سے ان کو شرمندہ کیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ حضرت ام سلمہ کا قد چھوٹا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: ازواج مجھے شرمندہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں: اے یہودیہ! دو یہودیوں کی بیٹی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: آپ نے ان سے یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے عم زاد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے خاوند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۸۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے' آخرت میں ان کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا: آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا' پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا اور یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آؤ! اور وہ مایوس ہو کر نہیں جائے گا۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۳)

ایک دوسرے کو طعنہ دینے اور عیب سے متصف کرنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "ولا تلمزوا انفسكم" یعنی تم اپنے آپ کو عیب نہ لگایا کرو' اس پر یہ اشکال ہے کہ اپنے آپ کو تو کوئی عیب نہیں لگاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان کسی دوسرے پر عیب لگائے گا اور اس کو طعنہ دے گا تو وہ بھی اس پر عیب لگائے گا' سو کسی پر عیب لگانا خود پر عیب لگانے کا سبب ہے' اس لیے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ' جیسے کسی کے ماں باپ کو گالی دینا اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے

کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا' یہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۴)

فاسق معلن کا فسق بیان کرنے کا جواز

کسی شخص کو عیب سے متصف کرنا اس وقت جائز نہیں ہے جب اس کو عیب لگانے سے اس کی تحقیر کرنا اور لوگوں کی نظروں میں اس کو ذلیل اور رسوا کرنا مقصود ہو اور جب فاسق کے ضرر سے لوگوں کو بچانا مقصود ہو تو پھر اس کے فسق کو بیان کرنا جائز ہے' مثلاً ایک شخص خائن ہو اور لوگ اس کو امانت دار سمجھ کر اس کے پاس بڑی رقم امانت رکھوانا چاہتے ہوں اور ان کو اس کے خائن ہونے کا علم نہ ہو تو پھر اس کی خیانت کو بیان کرنا جائز ہے' تاکہ لوگ اس کے ضرر سے بچیں یا کوئی متقی اور پرہیزگار شخص کسی شخص کو نیک اور نمازی سمجھ کر اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دینا چاہتا ہو اور وہ شخص شرابی اور زانی ہو تو رشتہ دینے والے شخص کو اس کا فسق بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ وہ اور اس کی بیٹی اس کے ضرر سے بچ سکیں' حدیث میں ہے:

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم فاسق (کے فسق) کو بیان کرنے سے ڈرتے ہو؟ اس کے فسق کو بیان کرو تاکہ لوگ اس کو پہچان لیں' نیز اسی سند سے مروی ہے' فاسق کے فسق کا ذکر کرنا غیبت نہیں ہے (اس سے مراد فاسق معلن ہے)۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹۔ رقم الحدیث: ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۴۳۰' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۸۲' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۰)

امام غزالی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

کیا تم فاسق کے ذکر سے اعراض کرتے ہو' پھر لوگ اس کو کیسے پہچانیں گے؟ اس میں جو فسق ہے اس کو بیان کرو تاکہ لوگ اس کو پہچان کر اس (کے ضرر) سے بچیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن محمد سید محمد بن محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی فاسق کا پردہ چاک کرو اور اس کے مذموم اوصاف کو کھول کر بیان کرو تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور فاسق معلن کے مذموم اوصاف کو بیان کیے بغیر اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے صرف لوگوں کی خیر خواہی مقصود ہو' ہاں! جس شخص نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اور اپنے نفس کا انتقام لینے کے لیے فاسق معلن کی مذموم صفات کو بیان کیا وہ گناہ گار ہوگا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۵۵۔ ۵۵۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنے کی ممانعت

نیز فرمایا: اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ۔

اس آیت میں ''تنابزوا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی شخص کو کوئی لقب دینا عام ازیں کہ وہ لقب اچھا ہو یا برا' لیکن عرف میں یہ لفظ برے لقب دینے کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

عکرمہ نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کہے یا فاسق' یا کہے یا کافر' تو یہ ممنوع ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی برے کام کو چھوڑ کر اس سے توبہ کر چکا ہو اور حق کی طرف رجوع کر چکا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے پچھلے کاموں پر عار دلانے سے منع فرمایا۔

(جامع البیان جز ۲٦ ص ۱۶۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو اس کے کسی گناہ پر شرمندہ کیا (امام احمد نے کہا: اس سے مراد ایسا گناہ ہے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو) تو وہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۵)

الحجرات: ۱۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

مسلمان کے متعلق بدگمانی کے حرام ہونے پر دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گمان کرنے سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور تجسس نہ کرو اور (کسی کے حالات جاننے کے لیے) تفتیش نہ کرو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ کسی سے بغض رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے: اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۴۔ ۶۰۶۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۸ مسند احمد رقم الحدیث: ۴۸۴۵ عالم الکتب)

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں اور مذکور الصدر حدیث میں گمان کی ممانعت سے مراد بدگمانی سے منع کرنا ہے اور کسی پر تہمت لگانے سے منع کرنا ہے مثلاً کوئی شخص بغیر کسی قوی دلیل کے اور بغیر کسی سبب موجب کے یہ گمان کرے کہ وہ شراب پیتا ہے یا زنا کرتا ہے یا اور کوئی بے حیائی کا کام کرتا ہے۔ یعنی ایسے ہی کسی کے دل میں خیال آ جائے کہ فلاں شخص فلاں بُرا کام کرتا ہے تو یہ بدگمانی ہے۔

بعض گمان صحیح ہوتے ہیں اور بعض گمان فاسد ہوتے ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ جس گمان کی کوئی صحیح علامت نہ ہو اور اس کا کوئی ظاہر سبب نہ ہو وہ بدگمانی ہے اور حرام ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جس شخص کے متعلق معروف اور مشہور یہ ہو کہ وہ نیک آدمی ہے یا اس کا حال مستور ہے اور کوئی شخص محض کسی شبہ کی وجہ سے اس کے متعلق بدگمانی کرے جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق منافقوں اور بعض مسلمانوں نے محض اس شبہ کی وجہ سے بدگمانی کی کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گئی تھیں اور بعد میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدگمانی کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ (النور: ۱۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جیسے ہی تم نے اس بات (حضرت عائشہ پر بے حیائی کی تہمت) کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا اور یہ کہا ہوتا کہ یہ صریح بہتان ہے ○

اسی طرح جب چھ ہجری کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے مکہ روانہ ہوئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا تو منافق آپ کے ساتھ اس شبہ کی وجہ سے نہیں گئے تھے کہ یہ بغیر ہتھیار لیے مشرکین کی طرف جا رہے ہیں اور مسلمانوں کے متعلق یہ بدگمانی کی کہ وہ مارے جائیں گے اور اب واپس مدینہ نہیں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدگمانی کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ○ (الفتح: ۱۲)

بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے اور یہی گمان تمہارے دلوں میں خوش نما بن گیا تھا' اور تم نے بہت بُرا گمان کیا تھا اور (دراصل) تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو○

اور حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

بے شک اللہ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت اور اس کی جان کو حرام کر دیا ہے اور فرمایا: مسلمانوں کے متعلق خیر کے سوا اور کوئی گمان نہ کیا جائے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کے متعلق (بد) گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرو' اور حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات سن کر اس کے متعلق بدگمانی کرے جب کہ اس کی بات کا کوئی نیک محمل نکل سکتا ہو' اور سفیان نے کہا: ظن کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ظن ہے جس میں گناہ ہے' اور ایک وہ ظن ہے جس میں گناہ نہیں ہے' جس ظن میں گناہ ہے یہ وہ ظن ہے جس کے موافق کلام کیا جائے اور جس ظن میں گناہ نہیں ہے یہ وہ ظن ہے جس کے موافق کلام نہ کیا جائے۔

(التمہید ج ۷ ص ۲۱۰۔۲۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۳' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۷۵)

ظن اور گمان کے جواز اور عدم جواز کے محمل

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

شیطان آدمی کے دل میں بدگمانی ڈالتا ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ شیطان کی تصدیق نہ کرے اور اس کو خوش نہ کرے حتیٰ کہ اگر کسی کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو تو پھر بھی اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے شراب کا ایک گھونٹ پی کر کلی کر دی ہو یا کسی نے اس کو جبراً شراب پلا دی ہو اور اس کا احتمال ہے' تو وہ دل سے بدگمانی کی تصدیق کر کے شیطان کو خوش نہ کرے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کے خون کو' اس کے مال کو اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے' اس لیے جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے یا اس پر دو نیک گواہ قائم نہ ہو جائیں اس وقت تک مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح نہ ہو اور شیطان تمہارے دل میں کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کا وسوسہ ڈالے تو تم اس وسوسہ کو دور کرو اور اس پر جمے رہو کہ اس کا حال تم سے مستور ہے اور اس شخص کے حق میں نیکی پر قائم رہنے اور گناہ سے باز رہنے کی دعا کرو اور شیطان کو ناکام اور نامراد کر کے اس کو غضب میں لاؤ۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص نیکی میں مشہور ہو تو اس کے متعلق بدگمانی جائز نہیں اور جو علانیہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور فسق میں مشہور ہو اس کے متعلق بدگمانی کرنا جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۳۰۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام غزالی کا قول صائب اور صحیح ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جو گمان ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نیک مسلمانوں کے متعلق بُرا گمان کیا جائے اور جس گمان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس حکم کے حصول کی دلیل قطعی میسر نہ ہو اور کسی معاملہ میں اس پر حکم نافذ کرنا مقصود ہو تو اس معاملہ میں ظن غالب پر عمل کر کے حکم نافذ کرنا واجب ہے جس طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم نیک مسلمانوں کی شہادت قبول کریں (اور ان کا نیک ہونا ظن غالب سے معلوم ہو گا) اور جنگل میں غور و فکر کر کے ظن غالب سے سمت قبلہ معلوم کرنا' اسی طرح اگر محرم نے کسی جانور کا شکار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور شریعت میں اس جانور کی مقدار اور قیمت متعین نہیں ہے تو اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے ظن غالب سے اس کی قیمت کا تعین کرنا۔ اس قسم کی مثالوں میں ہمیں ظن غالب کے تقاضے پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور جو ظن مباح ہے وہ یہ ہے کہ جب امام کو رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو وہ غور و فکر کرے اور جتنی تعداد پر ظن غالب ہو اس پر عمل کرے' اگرچہ دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے اور جو ظن مستحب ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے متعلق نیک گمان کرے' خواہ لوگ اس کو بلا دلیل بُرا کہہ رہے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے کی ممانعت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تجسس نہ کرو یعنی کسی مسلمان کے عیوب اور اس کی کوتاہیوں کو تلاش نہ کرو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کے ظاہر حال پر عمل کرو اور اس کے عیوب کو تلاش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے جس مسلمان کے عیوب پر پردہ رکھا ہوا ہے اس کے پردہ کو چاک نہ کرو۔ حدیث میں ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو تم ان کو خراب کر دو گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۸)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی تھی' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم کو تجسس کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گی تو ہم اس کے تقاضے پر عمل کریں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم اپنے ساتھی کے عیوب کا ذکر کرو تو اپنے عیوب کو یاد کرو۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۸' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی شخص کے گمراہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ لوگوں میں وہ چیزیں دیکھے جو اس کو اپنے اندر نظر نہیں آتیں اور جو کام وہ خود کرتا ہے ان کاموں پر دوسروں کی مذمت کرے' اور لایعنی باتوں سے اپنے ہم نشین کو ایذاء پہنچائے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کو بھول جاتا ہے۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۶۱' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۹۹)

عام لوگوں کے لیے لوگوں کے احوال کو تلاش کرنا ممنوع ہے لیکن حکومت داخلی اور خارجی معاملات کی حفاظت کے لیے جاسوسی کا محکمہ قائم کرے تو یہ جائز ہے۔

ملک کے داخلی اور خارجی استحکام کے لیے محکمہ جاسوسی قائم کرنے کا جواز

ملک کے داخلی معاملات کی اصلاح کے لیے جاسوس مقرر کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد کو بھیجا' اور فرمایا: تم روانہ ہو حتیٰ کہ روضۃ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک باغ) میں پہنچ جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ہوگی' اور اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے کر قبضہ میں کرلو' ہم گھوڑے دوڑاتے ہوئے گئے حتیٰ کہ ہم اس باغ میں پہنچ گئے' ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو' اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے کہا: تم خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے' پھر اس نے اپنے بالوں کے جوڑے کے اندر سے خط نکالا' ہم اس خط کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' اس خط میں لکھا تھا: یہ مکتوب حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکہ کی جانب ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض کارروائیوں کی خبر دی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے خلاف کارروائی میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قبیلہ سے نہیں ہوں' لیکن میں وہیں رہتا تھا اور مہاجرین کی مکہ میں رشتہ داریاں ہیں جن کی وجہ سے ان کے اہل اور مال محفوظ رہیں گے اور میری ان کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی تو میں نے چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کردوں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کی وہاں حفاظت کریں' میں نے یہ کام کسی کفر یا ارتداد کی وجہ سے یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا ہے' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑادوں' آپ نے فرمایا: یہ شخص غزوۂ بدر میں شریک تھا' اور تمہیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٠٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٦٥٠' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٣٠٥' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٥٨٥)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اگر مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اگر اس کا عذر صحیح ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر کافر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ١٤ ص ٣٥٦' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

اور دشمن ملک کی طرف جاسوس روانہ کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس روانہ کیے اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری کو ان کا امیر بنا دیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٩٨٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٧٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٦٦٠)

غیبت کی تعریف اور غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینا

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرو گے۔

اس آیت میں اللہ عزوجل نے غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے' غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے اس کی پیٹھ پیچھے اس کا وہ عیب بیان کیا جائے جو اس میں ہو اور اگر کسی غرض صحیح سے اس کا عیب بیان کیا جائے

تو وہ غیبت نہیں ہے اور اگر اس کے متعلق ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے' کہا گیا: یہ بتائیں اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر تم جو عیب بیان کر رہے ہو وہ عیب اس میں ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۴)

بہتان اور تہمت ایک ہی چیز ہیں اس کی مثال وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی' غیبت کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے' اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ (جن کو زنا کا اعتراف کرنے کے بعد رجم کر دیا گیا تھا) کے اصحاب میں سے دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شخص نے کہا: دیکھو! اس شخص (حضرت ماعز) پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تھا' اور اس شخص نے خود اپنی جان نہیں چھوڑی حتیٰ کہ اسے کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا: وہ فلاں' فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم یہاں ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: آؤ اور اس مردہ گدھے کو کھاؤ' انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! اس کو کون کھائے گا؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو ابھی اپنے بھائی کی عزت پامال کی ہے وہ اس مردہ کو کھانے سے زیادہ سخت تھی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! وہ تو اب جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۲۸)

غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کی مثال مردار کھانے سے دی ہے' کیونکہ جس طرح جس مردار کا گوشت کھایا جائے اس کو علم نہیں ہوتا کہ اس کا گوشت کھایا جا رہا ہے' اسی طرح جس شخص کا پس پشت عیب بیان کیا جائے اس کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کا پس پشت عیب بیان کیا جا رہا ہے' نیز جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے نیز کسی مسلمان کی جب غیبت کی جائے تو وہ اپنے واقف لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور رسوا ہو جاتا ہے اور کسی مسلمان کو بے عزت کرنا اس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر جس طرح ایک دوسرے کی جان اور مال کو حرام کیا ہے' اسی طرح اس کی عزت کو بھی حرام کیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں کو اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے جیسے آج کے دن' اس مہینہ میں تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۱۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

نیز اس آیت کا یہ معنی بھی ہے: جس طرح تم میں سے کوئی شخص مردار کھانے سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح اس کو غیبت کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

غیبت کرنے پر عذاب کی وعیدیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے' میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۷۸)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان شخص کا گوشت کھایا' اللہ تعالیٰ اس کو اتنی ہی دوزخ کی آگ کھلائے گا' اور جس شخص نے کسی مسلمان شخص کا (حرام) کپڑا پہنا' اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی دوزخ کا کپڑا پہنائے گا' اور جس نے کسی شخص کو دکھاوے اور ستانے کے لیے کھڑا کیا' اللہ سبحانہٗ اس کو قیامت کے دن دکھاوے اور ستانے کے لیے کھڑا کرے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۸۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مؤمن یا مؤمنہ پر بہتان باندھا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن خبال (دوزخ کے ایک طبقہ کی کیچڑ) میں بند رکھے گا حتیٰ کہ وہ اپنے بہتان سے نکل آئے اور وہ اس سے نہیں نکل سکے گا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۳۴۳۵' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۰۱' مسند الشامیین رقم الحدیث:۲۳۹۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا اس کے پاس اس کے بھائی کا گوشت لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: تم جس طرح دنیا میں اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھاتے تھے اب مردہ کا گوشت کھاؤ' وہ اس کو چیخ مارتا ہوا اور منہ بگاڑتا ہوا کھائے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۱۶۷۷' اس حدیث کی روایت میں مجہول راوی بھی ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث:۱۳۱۲۹)

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! غیبت کرنا زنا سے زیادہ سخت گناہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ایک آدمی زنا کرتا ہے' پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اس کو معاف نہ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۰۶' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۱۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۴۸۷۴)

یحییٰ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کا عیب بیان کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی عیب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث:۶۳۵۴)

مالک بن دینار کہتے تھے کہ کسی شخص کے بُرے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ خود نیک نہ ہو اور نیک لوگوں کی برائی کرتا ہو۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث:۶۳۵۹)

غیبت کا کفارہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے لیے استغفار کرو جس کی غیبت کی ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث:۶۳۶۸' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۳۰۳)

عبد اللہ بن مبارک نے کہا: جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کو نہ بتائے لیکن اللہ سے استغفار کرے۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث:۶۳۶۶)

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرو۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۷)

جن صورتوں میں پس پشت عیب بیان کرنا جائز ہے

شعبہ نے کہا: شکایت کرنے کے لیے اور لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۳)

ابن عیینہ نے کہا: تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے: (۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس سبب صحیح اور غرض شرعی کو کسی کا پس پشت عیب بیان کیے بغیر پورا نہ کیا جا سکے اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے سلطان' قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ بُرا کام کرتا ہے اس کو اس بُرائی سے روکو اور اس سے مقصود صرف بُرائی کا ازالہ ہو' اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے استفسار' کوئی شخص مفتی سے پوچھے: فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ بُرائی کی ہے کیا یہ جائز ہے؟ میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟ یا اپنا حق کس طرح حاصل کروں؟ اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعیین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟ تاہم تعیین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی متعدد صورتیں ہیں (ا) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا' یہ اجماع مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے (ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے' یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کر دے (ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کر رہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں اس کے ضرر کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیر خواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فسق پر اسے متنبہ کرے۔ (د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو' اس کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں' تاکہ اہل اور کارآمد شخص کو حاکم بنایا جا سکے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو' مثلاً شراب نوشی' جوا کھیلنا' لوگوں کے اموال لوٹنا وغیرہ تو ایسے شخص کے ان عیوب کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے' جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو' ان کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور چھٹا سبب ہے تعریف اور تعیین مثلاً کوئی شخص اعرج (لنگڑے)' اصم (بہرے)' اعمٰی (اندھے)' احول (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعیین کے لیے اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعیین کسی اور طریقہ سے ہو سکے پھر بھی اس عیب کا ذکر جائز نہیں ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۵۷۹۔۵۸۱' کراچی)

غیبت کے موضوع پر اس سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ میں نے "شرح صحیح مسلم" ج ۷ص ۱۶۷تا۱۹۶ میں لکھا ہے۔ شاید قارئین کو اس سے زیادہ بحث کہیں نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو' بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو' بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا بے حد خبر رکھنے والا ہے O دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے' ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا' اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے (نیک) اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

(الحجرات: ۱۳۔۱۴)

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے اپنی "مراسیل" میں امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی عورت کا ابو ہند سے نکاح کر دیں' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنی بیٹیوں کا اپنے آزاد شدہ غلاموں سے نکاح کر دیں؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا' الآیۃ۔

زہری نے کہا: یہ آیت بالخصوص ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگاتا تھا (الی قولہ) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نسب پر فخر نہیں کرنا چاہیے' احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے۔

علامہ آلوسی اس بحث میں مزید لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی وجہ سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر کو دور کر دیا ہے' تم سب آدم اور حوا کی اولاد ہو جس طرح دو صاع برابر برابر ہوتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو پس تمہارے پاس جو بھی ایسا شخص آئے جس کے دین اور امانت پر تم راضی ہو اس سے (اپنی لڑکیوں کا) نکاح کر دو۔ اس حدیث کو امام احمد اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے' لیکن امام احمد کی روایت میں "تمہارے پاس جو بھی آئے" یہ الفاظ نہیں ہیں۔

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۹' طبع بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو بیاضہ! ابو ہند سے نکاح کر دو' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنی لڑکیوں کا اپنے (آزاد شدہ) غلاموں سے نکاح کر دیں؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى" (الحجرات: ۱۳)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۳۔۱۶۴' مصر)

علامہ قرطبی مالکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ (یہ بدری صحابی تھے) نے سالم کو اپنا بیٹا بنایا اور ان کے ساتھ اپنے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی (ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ قرشیہ) کا نکاح کر دیا' حالانکہ سالم انصار کی ایک عورت کے آزاد شدہ غلام تھے اور حضرت ضباعہ بنت الزبیر (یہ ہاشمی خاتون تھیں) حضرت

مقداد بن اسود کے نکاح میں تھیں (یہ غیر قریشی تھے)۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۲ ۷ طبع کراچی' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۸ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف (قریشی) کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں اور حضرت زینب بنت جحش' حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں' ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ آزاد شدہ غلاموں سے عرب عورتوں کا نکاح جائز ہے۔ اور کفاءۃ کا اعتبار صرف دین میں ہے۔ (الیٰ قولہ) حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابوبکر سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے منظور کر لیا' اور حضرت سلمان فارسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا تو ان پر یہ امر دشوار ہوا' پھر حضرت عمر نے خود حضرت سلمان سے نکاح کی درخواست کی' لیکن حضرت سلمان نے نکاح نہیں کیا' حضرت بلال نے بکیر کی بیٹی کا رشتہ مانگا' اس کے بھائیوں نے انکار کیا' حضرت بلال نے کہا: یارسول اللہ! مجھے بنو بکیر سے کیا سانحہ پیش آیا؟ میں نے ان کی بہن کا رشتہ مانگا' انہوں نے مجھے انکار کر دیا اور مجھ کو اذیت دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی وجہ سے غضب ناک ہوئے' یہ خبر ان لوگوں کو پہنچی تو وہ اپنی بہن کے پاس گئے اور کہا: تمہاری وجہ سے ہمیں کیسی پریشانی ہوئی ہے؟ ان کی بہن نے کہا: میرا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے' پھر انہوں نے اس کا نکاح کر دیا' اور جب ابوہند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی تو آپ نے اس کے متعلق فرمایا: ابوہند سے نکاح کرو اور اس کی طرف رشتہ کرو' حالانکہ ابوہند بنو بیاضہ کا آزاد شدہ غلام تھا۔ اور امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابوہند بنو بیاضہ کا آزاد شدہ غلام تھا جو فصد لگاتا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنے سے خوش ہو جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تصویر بنائی ہو وہ ابوہند کو دیکھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنو بیاضہ سے) فرمایا: اس کے ساتھ نکاح کر دو۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی اس آیت کا یہی شان نزول بیان کیا ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۲۶ اسی طرح علامہ سیوطی شافعی نے "الدر المنثور" ج ۷ ص ۵۰۳۔۵۰۸ میں اور انہوں نے ذات پات کا امتیاز نہ کرنے پر وہ تمام احادیث بیان کی ہیں جن کو ہم ذکر کر رہے ہیں۔)

استدلال مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

بعض اہل علم لکھتے ہیں:

مذکورہ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے پر طعن کریں' نام بگاڑیں' ایک دوسرے کے نسب پر چوٹیں کریں اور ایک دوسرے کو برے القاب و اوصاف سے ایذاء پہنچائیں یا تمسخر اڑائیں' ان سب خرابیوں کے ازالہ کے لیے آیت میں ارشاد ہوا کہ خدا کے نزدیک تمہارے کام آنے والی اصل چیز تقویٰ اور ایمان ہیں جن کا ظہور مکمل طور پر دار آخرت میں ہوگا۔

اس کلام کی متانت سے ہمیں انکار نہیں' لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اس آیت کا نزول ابوہند کے بارے میں ہوا' جب بنو بیاضہ نے اس کے غلام ہونے کی وجہ سے اس کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں حالانکہ وہ ایک فصد لگانے والا غلام تھا اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' جیسا کہ علامہ آلوسی حنفی' علامہ عینی حنفی' علامہ قرطبی مالکی' علامہ سیوطی شافعی اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے شان نزول سے بھی یہ ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔

عہد رسالت میں غیر کفو میں نکاح کے بہ کثرت واقعات ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نکاح کے موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ صرف تمہارے لیے یہ نکاح جائز ہے اور کسی کے لیے یہ نکاح جائز نہیں ہے' اگر نکاح کے یہ واقعات استثنائی

ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر تو اس استثناء کو بیان فرماتے۔

غیر کفو میں کیے گئے رشتوں کو استثناء پر محمول کرنا اس وقت صحیح ہوتا جب قرآن مجید کی کسی صریح آیت یا خبر متواتر یا کسی حدیث صحیح سے غیر کفو میں نکاح کرنے کی ممانعت ہوتی اور جب اس سلسلہ میں کوئی سند صحیح سے خبر واحد بھی مروی نہیں ہے تو اس استثناء کا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ولم يثبت في اعتبار الكفاءة بالنسب حديث. (فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۲ لاہور)

کفو میں نسب کا اعتبار کرنے کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

بلکہ اس کے برعکس بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہے کہ کفو کی برتری پر گھمنڈ نہ کیا جائے اور کسی مسلمان کو کفو کی وجہ سے حقیر نہ گردانا جائے اور کسی مسلمان کے رشتہ کے پیغام کو کفو کی وجہ سے مسترد نہ کیا جائے اب ہم اعلاء کلمۃ الحق کے لیے ان احادیث کا بیان کرتے ہیں: فنقول وباللہ التوفيق وبه الاستعانة يليق.

اسلام میں ذات پات کا امتیاز نہ کرنے پر احادیث سے دلائل

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ذر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له انظر فانک ليس بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بالتقوى.

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸ طبع قدیم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو تم کسی گورے یا کالے سے افضل نہیں ہو، البتہ تم اس پر تقویٰ سے فضیلت حاصل کرو گے۔

عن ابی نضرة حدثنی من سمع خطبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وسط ایام التشریق فقال یا ایها الناس الا ان ربکم واحد الا لافضل لعربی علی اعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی ابلغت قالوا بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث. (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، سنو! کسی عربی کی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے، فضیلت صرف تقویٰ کی ہے، کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کر دی ہے۔

ابوبکر احمد بن حسن بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وسط ایام التشریق خطبة الوداع فقال یا ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایام تشریق کے وسط میں خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو کسی عربی کی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ سے، بے شک اللہ

عند الله اتقاكم الاهل بلغت قالوا بلى يا رسول الله قال فليبلغ الشاهد الغائب.

(شعب الایمان ج ۴ص ۲۸۹' الدرالمنثور ج ۷ص ۵۰۴)

کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر غائب کو تبلیغ کر دے۔

اس حدیث کو امام بزار کی مکمل سند کے ساتھ بھی حافظ الہیثمی نے بیان کیا ہے۔ (کشف الاستار ج ۴ص ۴۳۵)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الله قد اذهب عنكم عيبة الجاهلية وفخرها بالاباء الناس بنو ادم وادم من تراب مومن تقی وفاجر شقی لينتهين اقوام يفخرون برجال انما هم فحم من فحم جهنم او ليكونن اهون علی الله من الجعلان التی ترقع.

(شعب الایمان ج ۴ص ۲۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی خصلت) کو دور کر دیا ہے' سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے' مومن متقی ہے اور فاجر درشت خو ہے' لوگ (اپنے) آدمیوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں' یہ لوگ جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلہ ہیں' ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑوں مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور امام بزار نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کشف الاستار ج ۴ص ۴۳۵)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال خطب رسول الله صلی الله عليه وسلم يوم فتح مكة فقال اما بعد ايها الناس فان الله عزوجل قد اذهب عنكم عيبة الجاهلية وتعاظمها باباتها فالناس رجلان مؤمن تقی كريم وفاجر شقی مهين والناس كلهم بنو ادم وخلق الله ادم من تراب.

(شعب الایمان ج ۴ص ۲۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے' لوگوں کی دو قسمیں ہیں' مومن' متقی کریم اور فاجر درشت خو ذلیل' سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الله عزوجل يقول يوم القيمة امرتكم فضيعتم ما عهدت اليكم فيه ورفعتم انسابكم فاليوم ارفع نسبی واضع انسابكم اين المتقون اين المتقون ان اكرمكم عند الله اتقاكم. (شعب الایمان ج ۴ص ۲۸۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا: میں نے تم کو حکم دیا تھا تم نے مجھ سے کیا ہوا عہد ضائع کر دیا' تم نے اپنے اپنے نسب بلند کیے آج میں اپنا (پسندیدہ) نسب بلند کروں گا' اور تمہارے نسبوں کو ضائع کر دوں گا' متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی مالک الاشعری ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان فی امتی اربعا من امر الجاهلیة لیسوا بتارکین الفخر فی الانساب والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحة علی المیت الحدیث.

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں زمانہ جاہلیت کی چار خصلتیں ایسی ہیں جن کو وہ ترک نہیں کرے گی (اپنے) نسب پر فخر کرنا' (دوسروں کے) نسب پر طعن کرنا' ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔

(شعب الایمان ج۴ص۲۹)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام بیہقی لکھتے ہیں:

اگر اس حدیث کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معارضہ کیا جائے جس میں آپ نے بنو ہاشم کی فضیلت بیان کی تو اس کے جواب میں علامہ حلیمی نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم کی فضیلت سے فخر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ آپ نے صرف ان کے مرتبہ اور مقام کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا جیسے کوئی شخص کہے: میرا باپ فقیہ ہے اور اس سے اس کی غرض صرف اس کا تعارف کرانا ہو نہ کہ اس کی فقاہت پر فخر کرنا' نیز اس حدیث سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آباء واجداد پر جو انعامات کیے آپ نے بہ طور شکر ان کا بیان فرمایا ہو۔ (شعب الایمان ج۴ص۲۸۹)

اسلام اور اچھے اخلاق کی بناء پر رشتہ دینے کا حکم' عام ازیں کہ کفو ہو یا غیر کفو

یہاں تک کہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اسلام میں ذات پات کا امتیاز نہیں ہے اور عہد رسالت میں غیر کفو میں نکاح کرنے کا عام معمول تھا' ہر چند کہ زمانہ جاہلیت کے اثرات کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو نسبی اعتبار سے برتر اور دوسروں کو نسبی اعتبار سے فروتر گردانتے تھے' لیکن جیسے جیسے اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی اور ایمان کی اقدار دلوں میں راسخ ہو رہی تھیں' نسب پر فخر کرنے کے جذبات مٹتے جا رہے تھے اور اس کے بجائے زہد و تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیا جانے لگا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی کہ نام ونسب پر فخر کرنے کے بجائے اسلام اور تقویٰ کو اہمیت دی جائے اور جب بھی کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو حسب ونسب کا لحاظ کیے بغیر اس سے نکاح کر دیا جائے

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض وفی الباب عن ابی حاتم المزنی وعائشة. (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۶۷' سنن ترمذی ص۱۷۵' طبع کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین اور خلق تم کو پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ اس باب میں حضرت ابوحاتم مزنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث مروی ہیں۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی حاتم المزنی قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا جاء من ترضون دینه

حضرت ابوحاتم مزنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا

وخلقه فانكحوه الا تفعلوا تكن فتنة فی الارض وفساد الا تفعلوا تكن فتنة فی الارض وفساد قالوا یا رسول الله وان کان فیه قال اذا جاء کم من ترضون دینه وخلقه فانکحوه ثلاث مرات هذا حدیث حسن غریب.

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۵)

دین اور خلق تم کو پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا' صحابہ نے کہا: ہر چند کہ وہ شخص (غریب یا غیر کفو) ہو؟ آپ نے تین بار فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق پر تم راضی ہو تو اس سے نکاح کر دو' یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کے لیے''شرح صحیح مسلم'' ج ۶ ص ۱۰۲۳۔۱۱۰۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

الحجرات: ۱۴ کا شانِ نزول اور ایمان اور اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

الحجرات: ۱۴ میں فرمایا: دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے' ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ الآیۃ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شانِ نزول میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سدی نے کہا: ان دیہاتیوں سے مراد وہ دیہاتی ہیں جن کا ذکر سورۃ الفتح میں آچکا ہے' یہ مدینہ کے گرد رہنے والے قبائل تھے: مزینہ' جہینہ' اسلم' غفار' الدیل اور اشجع' انہوں نے اس لیے ایمان کا اظہار کیا تھا تاکہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر سکیں اور انہوں نے دل سے تصدیق نہیں کی تھی' لیکن اس آیت سے مراد بعض اعراب ہیں' تمام اعراب مراد نہیں ہیں کیونکہ بعض اعراب ایمان لے آئے تھے۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت ان اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ ان کو مہاجر کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کا لقب اعراب ہے اور ان کا لقب مہاجرین نہیں ہے

(۳) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو اسد بن خزیمہ کے اعراب ہیں' انہوں نے مدینہ کے راستوں میں گندگی پھیلائی اور غلہ کے دام بڑھا دیئے' یہ قحط کے سال مدینہ آئے اور کہا: آپ ہمارے اہل و عیال کے لیے صدقات میں سے دیجئے' کیونکہ دوسرے لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے تو آپ کو ان سے جنگ کرنا پڑی اور ہم بغیر کسی جنگ کے ازخود آپ پر ایمان لائے ہیں' اس لیے ہم مالی امداد اور صدقات کے زیادہ مستحق ہیں' یہ اپنے ایمان لانے کا آپ پر احسان جتاتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۳۱۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

نفس ایمان دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو پیغام اور جو دین لے کر آئے وہ برحق ہے' اس کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور ایمان کامل' اس کی تصدیق اور کلمۂ شہادت کا اقرار اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے اور ایمان اور اسلام دونوں مترادف ہیں اور اس آیت سے بہ ظاہر دونوں میں تغایر معلوم ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی ظاہراً اطاعت کرنا' یعنی تم نے اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لیے ظاہراً اطاعت کی ہے اور تم درحقیقت مومن نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حقیقی) ایمان لانے والے تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں O (اے رسول مکرم!)

آپ کہیے: کیا تم اللہ کو اپنا دین بتلا رہے ہو' حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اور اللہ ہر چیز کو بے حد جاننے والا ہے O (الحجرت: ۱۵۔۱۶)

جن اعراب کا الفتح: ۱۴ میں ذکر فرمایا ہے' جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ وہ ظاہر اور باطن میں سچے اور مخلص مومن ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور ان کی تکذیب میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر وہ مخلص مومن ہوتے تو دین اسلام کی راہ میں مشقت برداشت کرتے اور جہاد کرتے اور دیگر نیک اعمال کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) یہ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں' آپ کہیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی' اگر تم سچے ہو O بے شک اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کے کل غیب جانتا ہے' اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کررہے ہو O

(الحجرات: ۱۷۔۱۸)

اس آیت میں اعراب کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ہم بغیر جنگ کے از خود اسلام لائے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ آپ کہیے کہ تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ' یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دی' اور تم نے دل سے اللہ اور رسول کی تصدیق نہیں کی' کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اللہ کو دھوکا دے سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں میں چھپی ہوئی تمام چیزیں جانتا ہے وہ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے نفاق کو نہیں جانتا۔

سورۃ الحجرات کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء بہ روز اتوار بعد نماز ظہر سورۃ الحجرات کی تفسیر مکمل ہو گئی' اس سورت کی ۱۸ آیات ہیں' ان میں ابتدائی ۱۴ آیات میں بہت مفصل مضامین ہیں' اس لیے پہلی تین سورتوں کی طرح اس سورت کی تفسیر بھی بے حد طویل ہو گئی۔ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اور ۱۱ جولائی کو اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف تیرہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے لطف اور اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' میری' میرے والدین کی اور میرے احباب کی مغفرت فرمائیں' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر اور مصحح کی مغفرت فرمائیں' ہم سب کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر راحت اور جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۂ قٓ

سورت کا نام

اس سورت کی پہلی آیت میں قٓ کا لفظ ہے' اور جس طرح بعض دیگر سورتوں کو حروف الهجاء سے شروع کیا گیا ہے' اس سورت کو بھی حرف الهجاء سے شروع کیا گیا ہے' اس کی نظائر میں صٓ' نٓ' الٓمٓ' حٰمٓ اور طٰسٓ ہیں۔

سورت الحجرات سے اس سورت کی مناسبت

اس سے پہلے سورۃ الحجرات میں ان اعراب کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے زبان سے کہا تھا: ہم ایمان لائے اور درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے' اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نبوت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور اس سورت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکین نبوت کا اور مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔

سورۂ قٓ کے متعلق احادیث

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں ''ق والقرآن المجید'' پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۱۶)

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں ''ق'' اور ''اقتربت الساعة'' پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۲)

حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ''ق والقرآن المجید'' کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا ہے' آپ ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۱۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۱۰)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۴ اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۰ ہے۔

اس سورت میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو دلائل سے ثابت کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی دلائل ہیں۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کرتا ہوں' اے بار الٰہ! مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو غلط اور باطل ہو اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ / ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ قٓ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۴۵ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ ق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پینتالیس آیات تین رکوع ہیں

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قاف' قرآن مجید کی قسم ۝ (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ

والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ۝ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے!)

ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے ۝ بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ

ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہے ۝ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا

اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

سو وہ الجھن میں ہیں ۝ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا' ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو مزین کیا

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے ۝ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ

نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے ۝ جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے

مُّنِيْبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ

والے بندے کے لیے ۝ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں

الْحَصِيْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ

میں کاٹی جانے والی فصل اگائی ۝ اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں ۝ اپنے بندوں کی روزی

أَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہے ○ اس سے پہلے نوح کی قوم

نُوْحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ⑫ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ

نے اور اندھے کنویں والوں نے اور ثمود نے جھٹلایا تھا ○ اور عاد اور فرعون اور لوط

لُوْطٍ ⑬ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

کے علاقے والوں نے ○ اور ایکہ (جنگل) والوں نے اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو عذاب

وَعِيْدِ ⑭ أَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ

کی وعید برحق ہے ○ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے از سرنو پیدا

ع ۱ ۱۵ ۱۵ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮

ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قاف' قرآن مجید کی قسم ○ (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے!) بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے ○ بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہے ○ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا سو وہ الجھن میں ہیں ○ (ق: ۱۔۵)

قٓ کے معانی

قٓ حروف مقطعات میں سے ہے' جس طرح نٓ اور صٓ حروف مقطعات میں سے ہیں' ان حروف کے معانی قطعی طور پر معلوم نہیں ہیں' ان پر اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے' جس طرح ہمیں بعض احکامِ شرعیہ کی عقلی توجیہ معلوم نہیں ہوتی' لیکن ہم ان پر عمل کرتے ہیں مثلاً جب پانی نہ ملے تو تیمم کرنے کا حکم ہے' حالانکہ وضو کرنے سے اعضاء وضو پانی سے دھل کر صاف ہو جاتے ہیں اور تیمم کرنے سے چہرہ اور ہاتھ صاف ہونے کے بجائے خاک آلودہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں اور ان پر مسح کرنا ہو تو موزوں کے اوپر والی سطح پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ گندگی لگنے کا احتمال تو موزوں کی نچلی سطح پر ہوتا ہے' اسی طرح دوزخ میں درخت زقوم کا ذکر ہے' پل صراط کا ذکر ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے' اعمال کے وزن کرنے کا ذکر ہے اور ان امور کی عقلی توجیہ مشکل ہے اور ہمارا ان سب چیزوں پر ایمان ہے' سو اسی طرح ہمیں ان حروف مقطعات کے معانی قطعی طور پر معلوم نہیں ہیں تب بھی ہمارا اس پر ایمان ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے' تاہم صحابہ کرام' فقہاء تابعین اور قدیم

مفسرین نے ظنی طور پر ان حروف کے معانی بیان کیے ہیں:
امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قٓ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کی قسم کھائی ہے۔
قتادہ نے کہا: قٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔
قرظی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا افتتاح اپنے اسم سے کیا ہے' اور قٓ سے مراد قدیر' قادر' قاہر' قاضی اور قابض ہے۔
عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہ سبز زمرد کا پہاڑ ہے اور لوگوں کو جو زمرد ملتا ہے' وہ اسی پہاڑ سے جھڑنے والے زمرد کے ٹکڑے ہیں۔
فراء نے کہا: قٓ سے مراد ہے: "قضی ما ھو کائن" یعنی جو کچھ پیدا ہونے والا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
ابوبکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے: "قف عند امرنا ونھینا ولا تعدھما" یعنی ہم جو حکم دیں اور جس کام سے منع کریں اس پر توقف کرو اور اس پر عمل کرو اور اس سے تجاوز نہ کرو۔
ابن عطاء نے کہا: اللہ نے اپنے حبیب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی قوت کی قسم کھائی جس قلب نے قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو برداشت کیا' حالانکہ جب اس کے ثقل کو بڑے بڑے پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے اور اللہ نے قرآن مجید کی قسم کھائی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۹۲۔ ۹۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کفار کیوں بعید سمجھتے تھے

اس قسم کا جواب محذوف ہے اور وہ ہے "لتبعثن" یعنی اللہ کی قدرت اور قہر اور قرآن مجید کی قسم! تم ضرور بہ ضرور مرنے کے بعد زندہ کیے جاؤ گے اور قیامت کے دن تم سب کو جمع کیا جائے گا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ کفار نے کہا تھا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے! بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے۔
نیز اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہےO کہ ہم ہی میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر ہم کو آخرت کے حساب و کتاب سے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔
قٓ: ۳ میں یہ ذکر ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جائے گا' اس کی تائید اس حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے جسم میں ایک ہڈی ہے جس کو مٹی کبھی نہیں کھا سکے گی' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ "عجب الذنب" (دُم کی ہڈی کا سرا) ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)
انسان کی پشت کے نیچے ایک ہڈی ہے جس کو "عجب الذنب" کہتے ہیں' انسان کے جسم میں سب سے پہلے اسی کو بنایا جاتا ہے' پھر اس پر باقی جسم کو بنایا جاتا ہے' اس ہڈی کے سوا انسان کے پورے جسم کو مٹی کھا جاتی ہے' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے' اور اس کی دلیل اس حدیث میں بھی ہے:
حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے

افضل جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے' پس اس دن تم مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' صحابہ نے عرض کیا: ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا' حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء' اولیاء اور شہداء کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کے اشکال کا جواب

کفار نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو عقل سے بعید اس لیے کہا تھا کہ مرنے کے کچھ عرصہ کے بعد انسان کا جسم گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے' پھر یہ مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور گردشِ ایام سے اور مردوں کی مٹی اس مٹی میں مل جاتی ہے اور یہ ذرات مخلوط ہو جاتے ہیں' پھر کیسے پتا چلے گا کہ یہ ذرہ کس جسم کا ہے اور وہ ذرہ کس جسم کا ہے؟ اور ان مخلوط ذرات کو متمیز کرنا پھر ان کو الگ الگ جمع کرنا' پھر ان جمع شدہ ممیز اور ممتاز ذرات کو اسی دنیاوی صورت کے مطابق جیتا جاگتا انسان بنا کر لا کھڑا کرنا عقل سے بعید ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد آنے والی آیات میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اگر کسی انسان نے یہ کام کرنا ہو تو پھر یقیناً یہ عقل سے بعید ہے' لیکن یہ کام اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے جو تمام جہانوں کا خالق ہے' اس کا علم کامل ہے اور ہر چیز کو محیط ہے اس کو علم ہے کہ کون سا ذرہ کس جسم کا ہے اور کون سا ذرہ کس جسم کا ہے اور یہ ذرات کہاں کہاں ہیں اور اس کی قدرت بھی کامل ہے وہ ان ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنانے پر قادر ہے اور وہ ایسا ضرور کرے گا' لہٰذا اس نے فرمایا۔

مردوں کے ذرات مختلطہ کے باہم ممیز ہونے پر دلیل

ق: ۴ میں فرمایا: بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہے O

اس آیت میں زمین کے کم کرنے سے مراد انسانوں کی موت ہے' اللہ کو علم ہے کہ زمین پر رہنے والوں میں سے کتنے لوگ مر جائیں گے اور کتنے باقی رہ جائیں گے' اس کا علم کامل ہے لہٰذا مرنے کے بعد جب انسان مٹی ہو جائے گا اور اس کے ذرات ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہو کر زمین میں بکھر جائیں گے اور منتشر ہو جائیں گے تو اس کو ان کی الگ الگ شناخت کا علم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ق: ۳۶ سے شروع ہو رہے ہیں۔

اور فرمایا: ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہے O یعنی اس صحیفہ میں تمام انسانوں کی تعداد اور ان کے اسماء' ان کی مدت اور حیات اور ان کا جنتی یا دوزخی ہونا مذکور ہے' اللہ تعالیٰ نے "کتاب حفیظ" فرمایا ہے اور "حفیظ" بہ معنی محفوظ ہے اور اس سے مراد لوح محفوظ ہے' اس کو محفوظ اس لیے فرمایا کہ یہ شیطان سے محفوظ ہے یا رد و بدل سے اور کاٹ چھانٹ سے محفوظ ہے اور اس سے مراد تقدیر مبرم ہے کیونکہ تقدیر معلق میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔

ق: ۵ میں ارشاد فرمایا: بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا سو وہ الجھن میں ہیں O

''امر مریج'' کا معنیٰ

الجھن کے لیے اس آیت میں ''امر مریج'' کا لفظ ہے' علامہ مجد الدین محمد یعقوب الفیروز آبادی التوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''مَرَج'' کا معنیٰ ہے: فساد' قلق' اختلاط' اضطراب اور ''امر مریج'' کا معنیٰ ہے: مختلط۔

(القاموس المحیط ص ۲۰۵' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''امر مریج'' کا معنیٰ ہے: نہایت بُرا کام جو خلاف شرع ہو' حدیث میں یہ لفظ اضطراب اور فساد کے معنیٰ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عبداللہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم ایسے لوگوں میں ہو گے جن کے عہود اور ان کی امانتیں فاسد اور مضطرب ہو چکی ہوں گی اور وہ اس طرح ہو چکی ہوں گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۴۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا' ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو مزین کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے O اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے O جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے O اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل اگائی O اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں O اپنے بندوں کی روزی کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہے O (قٓ: ۶۔۱۱)

مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل

قٓ: ۶ میں آسمان کی طرف دیکھنے کی دعوت دی ہے' آسمان کی طرف تو مشرکین دن اور رات میں کئی بار دیکھتے تھے' یہاں مراد یہ ہے کہ وہ غور و فکر اور تدبر سے آسمان کی طرف دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ جب اس عظیم آسمان کو بنانے پر قادر ہے بلکہ اس ساری کائنات کو بنانے پر قادر ہے تو انسان کے مرنے کے بعد اس کو کیوں دوبارہ نہیں بنا سکتا۔

قٓ: ۷ میں فرمایا: اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے O

یعنی ہر قسم کے پودے اگائے' ''بهيج'' کے معنیٰ ہیں: جو دیکھنے میں خوب صورت لگتے ہیں۔

قٓ: ۸ میں فرمایا: جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے O

یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے میں اور جن چیزوں سے آسمانوں کو مزین کیا ہے اور جن چیزوں سے زمین کو مفید اور خوش منظر بنایا ہے' ان کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت اور فہم و فراست اور عبرت اور نصیحت کا باعث ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

قٓ: ۹ میں فرمایا: اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل اگائی O

قرآن مجید میں ''حب الحصید'' کا لفظ ہے' جس کا لفظی معنی کٹنے والا غلہ ہے' ہم نے اس کا ترجمہ کاٹی جانے والی فصل کیا ہے اور فصل کا لفظ تمام قسم کے کھیتوں کو شامل ہے' جس میں غلہ اور اناج بھی داخل ہے' جیسے گندم' مکئی' جو' جوار' باجرہ اور چاول وغیرہ اور مختلف اقسام کی سبزیاں بھی داخل ہیں جیسے شلجم' چقندر' مٹر' گوبھی' پالک اور لوکی وغیرہ' گویا ہم نے لفظ خاص سے عموم مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باغات اور کھیتوں دونوں کا ذکر فرمایا ہے' باغات کے پھل اتار لیے جانے کے بعد بھی ان کے درخت قائم رہتے ہیں اور کھیتوں سے فصل کٹنے کے بعد ان کے پودے ختم ہو جاتے ہیں' نیز باغات کے پھل لذت کے لیے کھائے جاتے ہیں اور کھیتوں سے جو غلہ اور سبزیاں حاصل ہوتی ہیں ان سے روٹی اور سالن پکایا جاتا ہے' جن کو پیٹ بھرنے کے لیے کھایا جاتا ہے۔

قٓ: ۱۰ میں فرمایا: اور کھجور کے لیے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ''بٰسقٰت'' کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: طویل اور بلند و بالا اور ''طلع'' کا لفظ ہے' ''طلع'' کھجور کے اس گدرے گدرے پھل کو کہتے ہیں جو پہلے پہلے نکلتا ہے' ''نضید'' کے معنی ہیں: تہ بہ تہ' اس سے پہلے ''جنّٰت'' کا لفظ تھا' جس کا معنی ہے: پھلوں کے باغات اور پھلوں میں کھجور بھی شامل ہے لیکن اس کو خصوصیت سے الگ ذکر فرمایا کیونکہ عرب میں کھجور کی ایک خاص اہمیت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے گرتے نہیں ہیں اور وہ مسلمان کی مثل ہے مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابہ کے خیالات جنگل کے درختوں میں چلے گئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' پس مجھے حیاء آئی' پھر صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! بتائیے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۹۹' عالم الکتب' بیروت)

آپ نے فرمایا: کھجور کا درخت مسلمان کی مثل ہے' اس کی توجیہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت کی ہر چیز کام میں آجاتی ہے' اس کا تنا گاڈر کی طرح چھت بنانے میں کام آتا ہے' اس کے پتوں کی چٹائیاں اور ہاتھ کے پنکھے بنائے جاتے ہیں' اس کا پھل گدرا بھی کھایا جاتا ہے' تروتازہ بھی' خوب پکنے کے بعد اور جب سوکھ جائے تو چھوہارا بن جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان ثواب کی نیت سے جو کام بھی کرے اس پر اجر ملتا ہے حتیٰ کہ اس کے سونے' جاگنے اور کھانے پینے پر بھی اجر ملتا ہے۔

قٓ: ۱۱ میں فرمایا: اپنے بندوں کی روزی کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہے○

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پانی سے زندہ کر سکتا ہے تو مردہ انسان کو زندہ کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے پہلے نوح کی قوم نے اور اندھے کنویں والوں نے اور ثمود نے جھٹلایا تھا○ اور عاد اور فرعون اور لوط کے علاقہ والوں نے○ اور ایکہ (جنگل) والوں نے اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو عذاب کی وعید برحق ہے○ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے ازسرنو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں○ (قٓ: ۱۲۔۱۵)

''اصحاب الرس'' کے مصادیق

یعنی جس طرح کفار مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی تکذیب کر رہے ہیں اسی طرح اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح کی تکذیب کر چکی ہے' اور اصحاب الرس بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

''الرس'' کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: (۱) زمین میں جو بھی گڑھا ہو خواہ وہ قبر کا گڑھا ہو یا کنویں کا گڑھا ہو اس کو ''الرس'' کہتے ہیں (۲) وہ کنواں' جس کو کسی چیز سے ڈھکا نہ گیا ہو اور نہ اس کے گرد منڈیر بنائی گئی اور اس میں لوگوں کے گرنے کا خطرہ ہو' اس کو اندھا کنواں بھی کہتے ہیں۔

''اصحاب الرس'' کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) ضحاک نے کہا: یہ وہ کنواں ہے' جس میں صاحب یٰسین کو قتل کر کے ڈال دیا گیا تھا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آذربائی جان کے لوگوں کا کنواں ہے۔

(۳) قتادہ اور زہیر نے کہا: اس سے مراد اہل یمامہ ہیں' انہوں نے بہت کنویں بنائے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے مراد ''اصحاب الاخدود'' ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۴۴)

نیز اس آیت میں ثمود کا ذکر ہے' حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو ثمود کہتے ہیں' یہ عرب کے قدیم لوگ تھے۔

عاد کا معنیٰ اور مصداق

قٓ: ۱۳ میں عاد کا ذکر ہے' عاد ایک شخص کا نام ہے جو عمالیق سے تھا' اس کی اولاد بہت زیادہ تھی اور ان کے کئی قبائل بن گئے' یہ لوگ یمن کے احقاف (ٹیلوں' ریگستان) میں رہتے تھے اور یہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی۔

اور اس آیت میں فرعون کا ذکر ہے' اس کی اصل میں اختلاف ہے' مجاہد کا قول ہے کہ یہ فارس کا رہنے والا تھا۔ ابن لہیعہ نے کہا: یہ اہل مصر سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے' یہ تین سو سال زندہ رہا' حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اسّی (۸۰) سال تک دعوت دیتے رہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چار سو سال زندہ رہا۔

اور اس آیت میں اخوانِ لوط کا ذکر ہے' یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کے علاقے کے لوگ جن کی طرف ان کو مبعوث کیا گیا تھا۔

ایکہ والوں کا مصداق

قٓ: ۱۴ میں فرمایا: اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے۔

ایکہ اس جگہ کو کہتے ہیں: جہاں بہت زیادہ اور بہت گھنے درخت ہوں' درختوں کا جھنڈ' جنگل۔ بعض لوگوں نے کہا: کسی خاص شہر یا ملک کا نام ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب ایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور دونوں قوموں پر عذاب نازل کیا گیا' اہل مدین ایک ہولناک چیخ سن کر ہلاک ہو گئے اور اصحاب الایکہ' جس جنگل میں تھے ان پر بادل کا عذاب آیا تھا۔ اور اس آیتِ میں قوم تبع کا ذکر ہے' تبع عرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا' اس کو تبع اس لیے کہتے تھے کہ اس کے متبعین بہت زیادہ تھے۔ وہب بن منبہ نے کہا: تبع خود مسلمان تھا اور اس کی قوم کافر تھی' اس لیے اس آیت میں اس کی قوم کا ذکر ہے۔

تبع کا معنیٰ اور مصداق

قتادہ نے کہا: تبع کی قوم سے مراد قوم سبا ہے' سبا میں حمیر قبیلہ تھا' یہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے' جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض تبع کو بہت شہرت حاصل ہوئی' بعض مؤرخین نے کہا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتا ہوا سمرقند تک پہنچ گیا' قوم سبا اپنے وقت کی بہت عظیم قوم تھی جو قوت اور خوش حالی میں نمایاں تھی لیکن جب اس قوم نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تو اس کو بھی ملیا میٹ کر کے رکھ دیا گیا۔

حافظ ابن کثیر نے دو تبع کا ذکر کیا ہے' اوّل تبع وہ تھا جو پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا اور علماء یہود کے ہاتھ پر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے' اس نے جرہم کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج کیا تھا اور جس تبع کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے' یہ اس تبع سے بہت متاخر تھا' اس کی قوم اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی' پھر جب یہ فوت ہو گیا تو پھر اس کی قوم آگ اور بتوں کی پرستش کرنے لگی' اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی' اس کا نام اسعد ابو کریب یمانی تھا' اس نے اپنی قوم پر تین سو چھپن (٣٢٦) سال حکومت کی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو سال پہلے فوت ہو گیا تھا اور امام ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ زمانہ اسلام میں صنعاء میں ایک قبر کو کھودا گیا تو اس میں سے دو لڑکیوں کی لاشیں ملیں' ان کی لوح پر لکھا ہوا تھا کہ یہ تبع کی بیٹیاں ہیں' یہ موت کے وقت ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دیتی تھیں' انہوں نے شرک نہیں کیا اس سے پہلے صالحین بھی اسی عقیدے پر فوت ہوئے تھے۔ کعب احبار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کی مذمت کی ہے' تبع کی مذمت نہیں کی۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تبع کو بُرا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۰) امام عبد الرزاق' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۶۔۱۵۷ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

پھر فرمایا: ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا' سو عذاب کی وعید برحق ہے O یعنی ان میں سے ہر قوم نے ان رسولوں کی تکذیب کی جن کی طرف ان کو مبعوث کیا گیا تھا پھر ان تمام قوموں پر اللہ تعالیٰ کی وعید کے موافق عذاب نازل ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ڈرایا ہے کہ اگر تم اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے تو تم پر بھی اس عذاب کا خطرہ ہے جو ان قوموں پر آ چکا ہے۔

پہلی بار پیدا کرنے کے بعد تھکنے کا باطل ہونا

قٓ: ۱۵ میں فرمایا: تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے از سر نو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں O

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) کیا ہم پہلی کافر امتوں کو ہلاک کر کے تھک گئے ہیں حتیٰ کہ تم کو یہ شک پڑ گیا ہے کہ شاید تم کو ہلاک نہ کیا جائے' حالانکہ تم پہلی امتوں کے مقابلہ میں بہت کمزور ہو' سو یہ آیت بھی کفار مکہ کے لیے وعید ہے۔

(۲) کیا ہم اس دنیا کے لوگوں کو پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں جو تم کو یہ شک پڑ گیا ہے کہ شاید تم کو مرنے کے بعد دوبارہ نہ پیدا کیا جائے اور یہ آیت حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلیل ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ ۖ وَنَحْنُ

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کا نفس (امارہ) (اس کے دل میں) ڈالتا رہتا ہے

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ

اور ہم (اس کی) شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں O جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) دو فرشتے حاصل کر لیتے ہیں جو

الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ

اس کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں O وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر

عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾

ہوتا ہے O اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا O

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صور پھونک دیا جائے گا یہی ہے عذاب کی وعید کا دن O اور ہر شخص اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کو

سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا

چلانے والا ایک فرشتہ ہو گا اور ایک گواہ ہو گا O بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیری

عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُۥ هَٰذَا

آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال

مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ

نامہ ہے جو میرے پاس تیار ہے O ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O جو نیکی سے منع کرنے والا

مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي

حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا تم اس کو سخت

الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُۥ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُۥ وَلَٰكِن

عذاب میں ڈال دو O اس کا (برا) ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا

كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ

لیکن یہ خود پرلے درجہ کی گم راہی میں تھا ○ اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی)

اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ 21

وعید سنا چکا ہوں ○ میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم

ع ۲ ۱۴ ۱۶ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾

کرنے والا ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کا نفس امارہ اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ○ جب اس کے (ہر قول اور فعل کو) دو فرشتے حاصل کر لیتے ہیں جو اس کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں ○ وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے ○ اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا ○ (قٓ: ۱۶۔۱۹)

اللہ تعالیٰ کے شہ رگ سے قریب ہونے کا معنیٰ

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم کو علم ہے کہ کیا کیا چیزیں اس کے دل میں کھٹکتی ہیں اور اس میں انسان کو ان گناہوں سے منع کیا ہے جو وہ چھپ کر تنہائی میں کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان کے ورغلانے سے ان کے دل میں شجر ممنوع کی خواہش پیدا ہوئی' تاہم انہوں نے معصیت کے قصد سے شجر ممنوع سے نہیں کھایا' بلکہ اجتہادی خطاء سے کھایا' انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی' پھر ان کی اولاد کے دل میں ممنوع کاموں کا شوق اور تحریک پیدا ہوئی' اس کو حدیث نفس اور کلام خفی بھی کہتے ہیں۔

اور فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں" "ورید" اس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے' یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہماری ہر ظاہر اور باطن چیز کا علم ہے' حتیٰ کہ اس کو ہمارے دل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہے۔ حسن بصری نے کہا: شہ رگ سے مراد رگ جان ہے جو دل کے ساتھ معلق ہے اور اس قرب سے مراد قرب مسافت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے زیادہ اس کے قریب ہے یعنی دل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اسے اس خیال کا علم ہوتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس قرب سے مراد علم اور قدرت ہے' انسان کے بعض اعضاء اس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی' ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے خون میں کیا کیا کیمیاوی اجزاء ہیں' کیا کیا بیماریاں ہیں' ہمارے معدہ اور جگر میں قوت اور ضعف اور صحت اور سقم کی کیا کیفیات ہیں' ہمارے جسم میں کتنے مسامات اور کتنے بال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسم کے ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے۔

کراماً کاتبین کا صحیفہ اعمال میں لکھنا

ق: ١٧ میں فرمایا: جب (اس کے ہر قول اور ہر فعل کو) دو فرشتے حاصل کر لیتے ہیں۔ الایۃ

یعنی ہم اس وقت بھی اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں' جب وہ دو فرشتے جو اس پر مسلط کیے گئے ہیں' وہ اس کے ہر قول اور ہر فعل کو لکھ لیتے ہیں' یہ دو فرشتے اس کے اقوال اور افعال پر شاہد بنائے گئے ہیں' ایک فرشتہ انسان کی دائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی برائیاں لکھتا ہے حتیٰ کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے صحیفہ اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کی دائیں جانب ہوتا ہے اور برائیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا فرشتہ برائیاں لکھنے والے فرشتے پر امین ہوتا ہے پس جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ اس کو دس گنا کر کے لکھ لیتا ہے اور جب انسان کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے سے کہتا ہے: اس کو دس گھنٹے تک مہلت دو شاید یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے یا توبہ کرلے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ١٢٤' الوسیط ج ٣ ص ١٦٥' شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٠٥١' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٧٦٥)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک متروک راوی ہے وہ سعید بن سنان ہے۔ (مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٠٧-٢٠٨)

لیکن اسی کے قریب حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا: جب میرا بندہ گناہ کرنا چاہے تو (اس کو) فوراً نہ لکھو' پھر اگر وہ گناہ کرلے تو اس کا ایک گناہ لکھو' اور جب وہ نیکی کرنا چاہے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ نیکی کا عمل کرلے تو دس نیکیاں لکھ دو' ایک اور روایت میں دس سے سات سو نیکیاں لکھنے کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٢٨' الرقم المسلسل: ٣٢٧-٣٢٨' سنن ترمذی رقم الحدیث ٣٠٧٣)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: فرشتے دو حالتوں میں انسان سے اجتناب کرتے ہیں جب وہ قضاء حاجت کر رہا ہو اور جب وہ اپنی بیوی سے جماع کر رہا ہو۔ عکرمہ نے کہا: وہ اس کے اسی کام کو لکھتے ہیں جس پر ثواب ہو یا عذاب ہو۔

(معالم التنزیل ج ٤ ص ٢٧٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٠ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی یہی لکھا ہے کہ فرشتے قضاء حاجت اور جماع کے وقت انسان سے مجتنب رہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ٢٦ ص ٢٧٣)

مرض اور سفر کی وجہ سے بندہ جو نیکیاں نہ کر سکے وہ بھی لکھی جاتی ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جو شخص بھی اپنے جسم کے کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کے اعمال کے) محافظ فرشتوں کو حکم دیتا ہے' میرا یہ بندہ اپنی صحت کی حالت میں جو (نیک) عمل کرتا تھا اس کے اس عمل کو اس وقت تک لکھتے رہو جب تک وہ میری زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ١٠٨٠٣)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرماتا ہے: میرے بندے کے اس (نیک) عمل کو لکھتے رہو جو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا حتیٰ کہ میں اس کو اٹھا لوں یا تندرست کر

دوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۱۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیمار ہو گیا یا جس نے سفر کیا وہ صحت اور اقامت کے ایام میں جو نیک عمل کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس کے ان نیک اعمال کو لکھتا رہتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۰۵)

صحیفہ اعمال میں لکھی ہوئی نیکیوں کی برکات

ق: ۱۸ میں فرمایا: وہ جو بات بھی کہتا ہے: (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے O

اس آیت میں "رقیب" اور "عتید" کے الفاظ ہیں" "رقیب" کا معنی ہے: حکم پر عمل کرنے والا' محافظ اور مشاہدہ کرنے والا اور "عتید" کا معنی ہے: وہ شخص جو ہمیشہ حاضر رہے اور کبھی غائب نہ ہو اور وہ شخص جو گواہی دینے کی حفاظت کر رہا ہو۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو محافظ اللہ سبحانہٗ کی طرف اپنا لکھا ہوا لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صحیفہ کی ابتداء اور آخر میں نیکی لکھی ہوئی دیکھتا ہے تو فرشتوں سے فرماتا ہے: تم گواہ ہو جاؤ کہ اس صحیفہ کے درمیان میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کو میں نے معاف کر دیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی رقم الحدیث: ۶۱۷۰' الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۸۴۳ طبع جدید' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے عمل لکھتے رہتے ہیں' جب وہ بندہ مر جاتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک فلاں بندہ مر گیا اب تو ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چلے جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے آسمان تو فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں' پھر وہ فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! پھر ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین تو میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کرتی ہے' پھر وہ فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا؟ تم میرے اسی بندے کی قبر پر رہو' تم "اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ" اور "سبحان اللہ" پڑھو اور اس کو میرے بندے کے صحیفہ اعمال میں قیامت تک لکھتے رہو۔

(حافظ سیوطی نے اس حدیث کو "کتاب العظمۃ" اور "شعب الایمان" کے حوالے سے درج کیا ہے۔ الدر المنثور ج ۷ ص ۵۲۱)

موت کی سختیاں

ق: ۱۹ میں فرمایا: اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی' یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا O

"سکرۃ الموت" کا معنی ہے: موت کی شدت اور سختی حق کے ساتھ آ پہنچی' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے زبان رسالت سے جو وعدے کیے تھے اور قیامت' حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کی جو خبریں دی تھیں ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس میں "تحید" کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: تو جس چیز سے اعراض اور انحراف کرتا تھا اور بھاگتا تھا اور بدکتا تھا۔ موت کی سختیوں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن تھا جس میں پانی تھا' آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرتے' پھر فرماتے: "لا الہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)' بے شک موت کے لیے شدتیں اور سختیاں ہیں' پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا: "فی الرفیق الاعلیٰ" (مجھے رفیق اعلیٰ یعنی انبیاء اور مرسلین کی معیت میں رکھنا)' پھر آپ کا ہاتھ گر گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن جب مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۶۱)

اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ موت کے وقت اس کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے اس پر یہ سختی اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے گناہ مٹ جائیں اور اس کے درجات بلند ہو جائیں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مؤمن پر موت کے وقت زیادہ سختی نہیں ہوتی' صرف اتنی سختی ہوتی ہے کہ اس کے ماتھے پر پسینہ آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صور پھونک دیا جائے گا یہی ہے عذاب کی وعید کا دن O اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کو چلانے والا ایک فرشتہ ہوگا اور گواہ ہوگا O بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O (قٓ: ۲۰۔۲۲)

اس آیت میں "صور" سے مراد دوسرا صور ہے' جو مردوں اور بے ہوشوں کو اٹھانے اور میدانِ محشر میں لے جانے کے لیے ہوگا اور یہ وہ دن ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کفار کو وعید سنائی تھی کہ اس دن میں ان کو عذاب دیا جائے گا۔ صور کی پوری تفصیل اور تحقیق یٰسٓ: ۵۱ اور الزمر: ۶۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آخرت میں چلانے والے اور گواہی دینے والے کا مصداق

قٓ: ۲۱ میں فرمایا: اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کو چلانے والا اور گواہ ایک فرشتہ ہوگا O

چلانے والے کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ اور ابن زید نے کہا: وہ ایک فرشتہ ہے جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا۔

(۲) ضحاک نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا۔

اور گواہ کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حسن بصری نے کہا: وہ ایک فرشتہ ہے جو اس کے اعمال پر گواہی دے گا۔

(۲) ابوصالح نے کہا: اس سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اعمال پر گواہی دے گا۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: گواہ سے مراد انسان کے ہاتھ اور پیر ہیں جو اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

جمہور کے نزدیک یہ آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے متعلق ہے اور ضحاک کے نزدیک یہ آیت صرف کفار کے متعلق ہے۔

انسان کی دنیا میں غفلت اور آخرت میں اس کی نگاہ کا تیز ہونا

قٓ: ۲۲ میں فرمایا: بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا' سو ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں کافر سے خطاب ہے کیونکہ وہ کفر کے نتائج سے غفلت میں تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر انسان کسی نہ کسی وقت اپنے اعمال کے نتائج سے غافل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب انسان قبر سے نکلے گا تو اس کی نگاہ بہت تیز ہوگی۔ مجاہد نے کہا: میدانِ محشر میں اس کی نگاہ بہت تیز ہوگی اور اس آیت میں "بصر" کا لفظ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بصیرت ہے کیونکہ وہ

اپنی بصیرت سے اپنے افکار کے شواہد اور اپنے اعتبار کے نتائج کو دیکھے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سر کی آنکھ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ اس آنکھ سے آخرت کے احوال کا معائنہ کرے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اپنی آنکھ سے جنت یا دوزخ کو دیکھے گا۔ ابن زید نے کہا: وہ اپنی نیکیوں اور گناہوں کو دیکھے گا۔ حسن بصری نے کہا: وہ اپنے دنیا میں کیے ہوئے کاموں کو دیکھے گا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۴۹۔۳۵۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال نامہ ہے جو میرے پاس تیار ہے O ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O جو نیکی سے منع کرنے والا حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O اس کا بُرا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گم راہ نہیں کیا لیکن یہ خود پرلے درجہ کی گم راہی میں مبتلا تھا O اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی) وعید سنا چکا ہوں O میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں O (قٓ: ۲۳۔۲۹)

قیامت کے دن کافروں اور شیطان سے فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کا کلام

حسن بصری قتادہ اور ضحاک نے کہا: زندگی کے ساتھی سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس پر مسلط کیا گیا تھا اور ''ھذا ما لدی عتید'' کا معنی یہ ہے کہ:

یہ میرے پاس اس کا صحیفہ اعمال ہے جو تیار اور محفوظ ہے اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: یہ ہے وہ شخص جس کو تو نے میرے سپرد کیا تھا تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:

قٓ: ۲۴ میں فرمایا: ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O

اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے حالانکہ خطاب واحد فرشتے سے ہے اس کا معنی ہے: ڈال دو ڈال دو تاکید کے لیے مکرر فرمایا۔

''عنید'' کا معنی ہے: جو شخص جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کا انکار کرے۔

قٓ: ۲۵ میں فرمایا: جو نیکی سے منع کرنے والا حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O

خیر اور نیکی سے مراد ہے: زکوٰۃ مفروضہ اور ہر وہ حق جو واجب ہو نیکی سے منع کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنے کلام اپنی سیرت اور اپنے حکم میں حد سے بڑھنے والا ہے اور توحید میں شک کرنے والا ہے

اس سے مراد عام مشرک ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے وہ اپنے بھائی کے بیٹوں کو اسلام لانے سے منع کرتا تھا۔

قٓ: ۲۶ میں فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O

اس آیت میں بھی تثنیہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی بھی یہی ہے: ڈال دو ڈال دو اور یہ تکرار تاکید کے لیے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو فرشتوں کو حکم فرمایا ہو اس لیے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا ان دونوں آیتوں میں کافر سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتا ہو اور اس کی نعمتوں کا کفر کرتا ہو اور اس کا شکر ادا نہ کرتا ہو اور وہ شخص خود بھی کفر کرتا ہو اور دوسروں کو بھی گم راہ کر کے کافر بناتا ہو وہ حق کا انکار کرتا ہو اور اللہ سبحانہٗ کی اطاعت سے انحراف کرتا ہو اپنے دنیاوی مال پر اتراتا ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انکار کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں شک کرتا ہو۔

ق: ۲۷ میں فرمایا: اس کا بُرا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گم راہ نہیں کیا' لیکن یہ خود پرلے درجہ کی گم راہی میں مبتلا تھاO

اس بُرے ساتھی سے مراد وہ شیطان ہے جو اس معاند کافر پر مسلط کیا گیا تھا وہ شیطان اس کافر سے قیامت کے دن بری ہو جائے گا اور اس کی تکذیب کرے گا' وہ کہے گا: اس شخص نے خود اپنے اختیار سے کفر کیا اور پرلے درجہ کی گم راہی میں جا پڑا' میں نے تو اس کو صرف گم راہی کی دعوت دی تھی' اس نے میری دعوت قبول کر لی' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

ق: ۲۸ میں فرمایا: اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی) وعید سنا چکا ہوںO

یعنی اے کافرو اور اس کے بُرے ساتھیو! میرے سامنے جھگڑا نہ کرو' میں اس سے پہلے تمہارے پاس رسولوں کو بھیج چکا ہوں اور ان کی زبانوں سے تم کو عذاب کی خبر سنا چکا ہوں۔

ق: ۲۹ میں فرمایا: میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوںO

اللہ تعالیٰ جو وعید سنا چکا ہے وہ یہ ہے:

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ O (الاعراف: ۱۸)

فرمایا: (اے شیطان!) تو اس جنت سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا' میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گاO

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے' یعنی وہ کسی بے قصور کو سزا نہیں دے گا یا کسی مؤمن صالح کو ثواب سے محروم نہیں کرے گا۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

(آپ یاد کیجئے!) جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟O

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہو گیO یہ وہ (انعام) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' ہر اس

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ

شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا' (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہوO جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور

مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا

(اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایاO اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤO متقین کے لیے

يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہےO اور ہم نے ان (اہل مکہ) سے

هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿۳۶﴾ إِنَّ

پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دی تھیں جو گرفت کی قوت میں ان سے زیادہ تھیں انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں

فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ

چھٹکارے کی جگہ ہو○ بے شک اس (قرآن) میں اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا جو ذہن حاضر کر کے

شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ

کان لگائے ○ اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں

أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ

میں پیدا کیا، اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ○ سو آپ ان کی (دل آزار) باتوں پر صبر

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ

کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ○ اور رات کے

اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ

کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) ○ اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ

مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾

سے پکارے گا ○ جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے، یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے ○

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ

بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ جس دن زمین ان سے پھٹ جائے

سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَ

گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے، یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر بہت آسان ہے ○ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (کفار) کہہ

مَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾ ع ۳ ۱۶ ۱۷

رہے ہیں، اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ یاد کیجئے) جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟O اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہو گیO یہ وہ (انعام) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' ہر اس شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا' (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہوO جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا' اور (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایاO اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤO متقین کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہےO (ق: ۳۰۔۳۵)

دوزخ میں اللہ کے قدم رکھنے کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَO میں تمام (کافر) جنات اور انسانوں سے ضرور جہنم کو پُر کر دوں گاO

(ھود: ۱۱۹' السجدۃ: ۱۳)

اس لیے اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا: کیا تو پُر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ جہنم میں نطق پیدا کر دے گا جس طرح وہ انسان کے اعضاء میں نطق پیدا فرمائے گا' اس لیے وہ جواب دے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں کفار کو ڈالا جا تا رہے گا' حتیٰ کہ وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟ یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' پھر دوزخ کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے' اور وہ کہے گی: بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم! اور جنت میں گنجائش رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ جنت کی فاضل جگہ کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور ان کو اس جگہ میں رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ پُر نہیں ہو گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پیر رکھ دے گا اور وہ کہے گی: بس بس! اس وقت وہ پُر ہو جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے پس اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۰)

دوزخ میں اللہ کے قدم رکھنے کے محامل

قرآن مجید کی اس آیت میں اور مذکور الصدر احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' متقدمین کے نزدیک قدم میں کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور کسی چیز پر اپنا قدم رکھنا اس چیز کی اہانت کو مستلزم ہوتا ہے سو جب دوزخ مزید بھراؤ کا مطالبہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بہ ظاہر یہ آیت اور یہ احادیث اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے اعضاء کو مستلزم ہیں تو انہوں نے قدم کی مختلف تاویلیں کیں' چنانچہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۱) قدم سے مقدم اعمال مراد ہیں۔ یعنی اہل دوزخ جو بُرے اعمال پہلے کر چکے ہیں ان اعمال کو مجسم کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲) اس سے مراد بعض مخلوق کے قدم ہیں۔

(۳) ایک مخلوق کا نام قدم ہے اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۴) قدم انسان کے اعضاء کے آخر میں ہوتا ہے پس جو آخری مخلوق دوزخ کی اہل ہوگی اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۵) جن موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا ان کے بدلہ میں یہود اور نصاریٰ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور چونکہ وہ موحدین پر مقدم ہیں اس لیے ان کو قدم سے تعبیر فرمایا۔
(۶) ابلیس کفر میں سب پر مقدم ہے اس لیے قدم سے مراد ابلیس ہے۔
(۷) بعض روایات میں قدم کی جگہ "رِجل" کا لفظ ہے یعنی پیر اس کی بھی یہی تاویل ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یا کسی مخلوق کا نام "رِجل" ہے اس سے وہ مراد ہے۔
(۸) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کر کے اس سے جنت کو بھر دے گا' اور دوزخ کے ذکر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا یعنی کوئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بے قصور دوزخ میں داخل نہیں کرے گا' جب کہ بغیر کسی استحقاق کے ایک مخلوق کو جنت میں داخل کر دے گا' اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کسی عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت عطا فرما دے گا جنہوں نے کوئی عمل نہیں کیا جیسے کم سن بچے اور عذاب دینا کفر اور بُرے اعمال پر موقوف ہے سو وہ کسی بے قصور کو عذاب نہیں دے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳-۵۷۴-۵۷۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ احادیث مشاہیر احادیث الصفات ہیں اور علماء کے اس میں دو مذہب ہیں: ایک مذہب یہ ہے کہ قدم اور پیر سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے اور قدم اور پیر سے وہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور اس کا ظاہر معنیٰ مراد نہیں ہے۔ جمہور متقدمین اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور دوسرا مذہب ان علماء اور متکلمین کا ہے جو اس آیت اور ان احادیث میں تاویل کرتے ہیں۔

پھر علامہ عینی نے وہ تاویلات ذکر کی ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۹-۲۷۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ قدم سے یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت جلال مراد ہے جیسا کہ بعض چیزوں سے صفت جمال مراد ہوتی ہے' ایک قول یہ ہے کہ دوزخ میں قدم رکھنے سے مراد دوزخ کا جوش ٹھنڈا کرنا ہے اور اس سے مراد دوزخ کی اہانت کرنا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں چیز تو میرے قدم یا پیر کے نیچے ہے' نیز جس چیز کی توہین کرنا مقصود ہو اس کو پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

دوزخ کو بھرنے کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کر کے بغیر کسی جرم کے اس کو دوزخ میں ڈال دینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے سامنے مباحثہ کیا' جنت نے کہا: اے میرے رب! کیا سبب ہے کہ جنت میں صرف کمزور اور ناتواں لوگ داخل ہوں گے؟ اور دوزخ نے کہا کہ مجھے متکبرین کے ساتھ ترجیح دی گئی ہے' اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: تم میری رحمت ہو اور دوزخ سے فرمائے گا: تم میرا عذاب ہو' میں جس کو چاہوں گا تم سے عذاب دوں گا اور تم میں سے ہر ایک میں بہت بھرنے کی گنجائش ہے' رہی جنت تو بے شک اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی کے اوپر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لیے جن کو چاہے گا پیدا فرما دے گا اور ان کو دوزخ

میں ڈال دے گا' پھر بھی دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور بھی زیادہ لوگ ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' پھر دوزخ بھر جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور دوزخ (تین بار) کہے گی: بس! بس! بس!۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۴۴۹)

امام بخاری نے قٓ: ۳۰ کی تفسیر میں بھی اس کی مثل حدیث کو روایت کیا ہے (رقم الحدیث:۴۸۵۰) اور اس کے آخر میں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

اور یہاں حدیث رقم الحدیث:۷۴۴۹ میں اس کے برعکس دوزخ کے متعلق فرمایا ہے کہ دوزخ کے لیے جن کو چاہے گا پیدا فرمادے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور یہ حدیث صرف ''صحیح بخاری'' میں ہے' اس کے برخلاف پہلی حدیث ''صحیح بخاری'' کے علاوہ اور بہت کتب حدیث میں ہے۔ (مثلاً صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۴۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۸۹۳ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۱۰۵۷ طبع جدید' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۴)

اس حدیث پر اعتراض کا وارد ہونا

اور اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو پیدا کر کے اس کو جہنم میں ڈال دے گا تو لازم آئے گا کہ اللہ سبحانہٗ اس نئی مخلوق کو بغیر کسی معصیت اور جرم کے دوزخ میں ڈال دے اور یہ ظلم ہے' حالانکہ اسی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا اور قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اسی طرح فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ (النساء:۴۰) اللہ تعالیٰ کسی پر رائی کے دانے کے ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

اس بناء پر بعض محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں راوی نے الٹ روایت کر دی ہے' اصل حدیث میں جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرنے کا ذکر تھا اور راوی نے دوزخ کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرنا روایت کر دیا اور بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویلات اور توجیہات ذکر کی ہیں۔

اس حدیث کی شرح علامہ ابن بطال سے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ مہلب نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اللہ کے علم ازلی میں جس مخلوق کا کفر اور اس کی معصیت ثابت تھی' ان کو اللہ سبحانہٗ پیدا کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اللہ ایسی مخلوق کو پیدا کرے گا جو دنیا میں نہیں تھی اور اس کو دوزخ میں ڈال دے گا اور اس میں اہل سنت کی یہ دلیل ہے کہ اللہ اس بات کا مالک ہے کہ جس کو اس نے دنیا میں بھیج کر اپنی عبادت کا مکلف نہیں کیا اس کو بھی بغیر کسی جرم کے دوزخ میں ڈال دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَیَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ۝'' (ابراہیم:۲۷) اللہ جو چاہے وہ کرتا ہے' اس کے برخلاف بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر غیر مکلف کو عذاب دیا تو یہ اس کا ظلم ہوگا اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱۰ ص ۴۷۲-۴۷۳' مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی سے

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' اور میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے بھی کوئی مخلوق پیدا کرے گا' یہ حدیث سورۃ ق: ۳۰ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں بیان کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوزخ میں قدم رکھنے کی کیا تاویلات اور توجیہات ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنت کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور دوزخ میں صرف اپنا قدم رکھ دے گا' اس سے معلوم ہوا کہ نئی مخلوق کو پیدا کرنا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھنا دو الگ الگ اور متغائر چیزیں ہیں۔ (اس کے بعد علامہ ابن حجر نے علامہ مہلب کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم علامہ ابن بطال کے حوالے سے نقل کرچکے ہیں' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:) اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے سزا دے' اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا' لیکن یہ صرف جواز کی حد تک ہے' اہل سنت اس کے وقوع کے قائل نہیں ہے اور اس حدیث میں علماء اہل سنت کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں تاویل ہوسکتی ہے' ائمہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث میں برعکس اور الٹ روایت ہے' اصل حدیث میں جنت کے لیے مخلوق پیدا کرنے کا ذکر ہے اور اس روایت میں اس کے برعکس دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرنے کا ذکر ہے' اس لیے یہ حدیث مقلوب ہے اور ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جہنم ابلیس اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (اے ابلیس!) میں تجھ سے اور تیرے تمام متبعین سے جہنم کو بھر دوں گا ۝ (ص: ۸۵)

تو جب جہنم ابلیس اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی تو وہ کب اتنی خالی ہوگی کہ اس کو بھرنے کے لیے ایک نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی ضرورت ہو؟

اسی طرح ہمارے شیخ علامہ البلقینی نے بھی اس روایت کو رد کردیا ہے اور ان کے استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (الکہف: ۴۹) اور آپ کا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرے گا ۝

اور انہوں نے کہا ہے کہ اس روایت کو ان پتھروں پر محمول کرنا زیادہ لائق ہے جن کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' بہ نسبت اس ذی روح مخلوق کے جس کو بغیر گناہ کے عذاب دیا جائے' علامہ بلقینی کا کلام ختم ہوا۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: اور یہ التزام کرنا بھی ممکن ہے کہ وہ مخلوق ذی روح ہو اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور اس کو عذاب نہ دیا جائے' جیسا کہ دوزخ کے محافظین دوزخ میں ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نئی مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کو دوزخ میں ڈالنے سے کفار کو ابتداء ً دوزخ میں ڈالنا مراد ہو' اور انتہاء اور اخیر سے مراد ابتداء اور شروع ہو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جب کفار کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ بھی ہیں؟ اور اس کو تین بار کہے گی' پھر اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ کہے گی: بس! بس! بس! (انتہاء اور اخیر سے ابتداء اور شروع کو مراد لینا بہت دور کی تاویل ہے)۔

علامہ عسقلانی نے اس حدیث کی تائید میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا' اس کا محمل یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا اجر نہ دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کو اجر عطا فرمانے کے بارے میں اجر ضائع نہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور اجر ضائع نہ کرنے سے ظلم نہ کرنا مراد ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ (الکہف: ۳۰)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' بے شک ہم ان کے نیک اعمال کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے ○

(فتح الباری ج ۱۵ص ۳۰۰۔۳۰۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بلا جرم دوزخ میں ڈالنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نئی مخلوق پیدا کر کے دوزخ میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا لازم آتا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الکہف: ۳۰ سے جو تاویل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب نازل کرنے کے سیاق میں بھی اپنی ذات سے ظلم کی نفی فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ○ (الانعام: ۱۶۰)

اور جس شخص نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اس کو اسی جرم کی سزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○

فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُہُمۡ قُضِیَ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ○ (یونس: ۴۷)

اور جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کا عدل سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جاتا ○

ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ یَاۡتِیَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ وَمَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ○ (النحل: ۳۳)

کیا یہ (کفار) اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا ان کے پاس ان کے رب کا حکم (عذاب یا قیامت) آ جائے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے کیا تھا' اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

اس طرح کی اور بہت آیتیں ہیں اور ان سب آیتوں میں ظلم کا معنیٰ ہے: بغیر جرم کے سزا دینا' لہٰذا ''صحیح بخاری'' کی حدیث: ۴۴۹ے' کی حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس قدر تاویلات اور توجیہات کی ہیں وہ سب نہایت ضعیف اور رکیک ہیں اور زیادہ قوی بات یہی ہے کہ اس حدیث کا متن غلط ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ علامہ بلقینی نے کہا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ مہلب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے یہ اس کا ظلم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے وہ اس کا ظلم نہیں ہوتا' اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں کو بہ شمول نیکو کاروں کے دوزخ میں ڈال دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور عقلاً یہ چیز جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں یہ خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا' وہ کسی نیکوکار کو اس کی نیکی کے اجر سے محروم نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے الکہف: ۳۰ میں فرمایا ہے اور نہ وہ کسی فاسق یا کافر کو بغیر جرم کے سزا دے گا جیسا کہ اس نے الانعام: ۱۶۰' یونس: ۴۷ اور النحل: ۳۳ میں فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے' اس کے خلاف کرنا محال ہے اسی طرح اس نے ظلم نہ کرنے اور بغیر جرم کے سزا نہ دینے کی جو خبر دی ہے اس کے خلاف کرنا بھی محال ہے' کیونکہ اپنی دی ہوئی خبر کے خلاف کرنا اس خبر کے کذب کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی خبر کا کاذب ہونا محال ہے' اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو پیدا کرے اور اس کو

بغیر کسی جرم کے دوزخ میں ڈال دے۔ باقی رہا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور اس کو عذاب نہ ہو جیسا کہ دوزخ کے محافظ فرشتے دوزخ میں ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ایک احتمال ہے اور اس کے وقوع پر کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ یہ احتمال قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (اے ابلیس!) میں تجھ سے اور تیرے تمام متبعین سے جہنم کو بھر دوں گا ○ (صٓ: ۸۵)

قرآن مجید کی اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ ابلیس اور اس کے متبعین سے جہنم بھر جائے گی اور اس میں کوئی خالی جگہ اور گنجائش نہیں ہوگی جس کے لیے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنا پڑے۔

اس لیے صحیح بات وہی ہے جس کو حافظ ابن حجر نے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے' اصل حدیث اس طرح ہے جیسا کہ ق: ۳۰ کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ "صحیح البخاری" رقم الحدیث: ۷۴۴۹ میں راوی نے اس حدیث کو الٹ کر دیا اور جنت کے بجائے دوزخ کے لیے نئی مخلوق کے پیدا کرنے کو روایت کر دیا اور یا پھر علامہ ابن قیم اور حافظ بلقینی کی تصریح کے مطابق اس حدیث کا متن غلط ہے۔

میرے ایک فاضل دوست اور برطانیہ کے مشہور مسلم اسکالر حافظ عبد المجید نقشبندی (برسٹل) نے مجھے فون کر کے کہا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی امام بخاری کے بہت مداح ہیں اور وہ بخاری کی جن احادیث پر اعتراضات ہوں ان کا زبردست دفاع کرتے ہیں لیکن "کتاب التوحید" کی اس حدیث کا حافظ عسقلانی بھی مکمل دفاع نہیں کر سکے' اگرچہ انہوں نے اس حدیث کی بعض دور از کار تاویلات کی ہیں لیکن ان کو بہرحال یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس حدیث کا متن مقلوب ہے یا پھر غلط ہے۔ آپ ق: ۳۰ کی تفسیر میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو نقل کریں' سو میں نے حافظ عسقلانی کی شرح کو بھی نقل کیا ہے اور اس حدیث کے متعلق اپنی تحقیق بھی ذکر کر دی ہے اور اب میں اس حدیث کے متعلق دوسرے شارحین کی آراء کو بھی ذکر کر رہا ہوں۔

زیر بحث حدیث کے متعلق دیگر شارحین کی آراء

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القابسی نے کہا ہے: اس جگہ میں معروف یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور رہی دوزخ تو اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' اور علامہ القابسی نے کہا: میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور پھر دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا اور انہوں نے کہا کہ بخاری کی اس حدیث کے علاوہ دوزخ کے لیے مخلوق پیدا کرنے کی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: سورۂ ق: ۳۰ کی تفسیر میں اس کے برعکس حدیث گزر چکی ہے اور وہاں حدیث میں ہے کہ رہی دوزخ تو وہ بھر جائے گی اور اللہ کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور اسی طرح "صحیح مسلم" میں بھی ہے اور کہا گیا ہے کہ "بخاری" کی اس روایت میں (رقم الحدیث: ۷۴۴۹) راوی کو وہم ہوا ہے کیونکہ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی شانِ کرم کے لائق نہیں ہے' اس کے برخلاف جو اطاعت گزار نہ ہو اس کو انعام دینا اس کا کرم ہے' اس کے بعد علامہ کرمانی نے یہ کہا کہ جس کا گناہ نہ ہو اس کو عذاب دینے میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے' کیونکہ یہ خرابی اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ حسن اور قبح عقلی ہیں اور یہ قاعدہ باطل ہے' اس لیے اگر اللہ تعالیٰ غیر عاصی کو بھی عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے' بنا بریں دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کر کے اس کو بلا معصیت عذاب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' اللہ جو چاہے کرتا ہے لہٰذا اس حدیث کو راوی کے وہم پر محمول کرنے کی کوئی

حاجت نہیں ہے۔

علامہ کرمانی کی یہ تقریر ان کی شرح کے جز ۲۵ ص ۱۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ میں موجود ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۲۵ ص ۲۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حسن و قبح کا عقلی ہونا ماتریدیہ کے نزدیک ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور یہی مذہب حق ہے اور حسن و قبح کا شرعی ہونا اشاعرہ کے نزدیک ہے اور یہی شوافع کا مذہب ہے اور یہ مذہب باطل ہے۔ اس کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر حسن و قبح عقلی نہ ہوتا تو پھر یہ جائز تھا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجے بغیر کفار پر عذاب نازل فرما دیتا۔ لیکن ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف تھا اور یہ کفار پر ظلم ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر پہلے کفار پر حجت قائم فرمائی اور جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو پھر ان پر عذاب نازل فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝ جب تک ہم رسولوں کو نہ بھیج دیں ہم (کفار پر) عذاب بھیجنے والے نہیں ہیں۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اگر حسن و قبح عقلی باطل ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجے بغیر عذاب نازل فرما دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ حسن و قبح شرعی نہیں، عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اُس نے متعدد آیات میں اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔ سو اس حدیث کو راوی کے وہم پر محمول کیے بغیر اور اس کو مقلوب قرار دیئے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث سورۃ ق: ۳۰ میں گزر چکی ہے، اس میں مذکور تھا کہ رہی جنت تو اللہ اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا اور اس حدیث میں اس کے برعکس ہے کہ رہی دوزخ تو اللہ اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا، اسی وجہ سے ائمہ کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث مقلوب ہے اور ابن قیم نے جزماً کہا: یہ حدیث غلط ہے، اور حافظ بلقینی نے بھی اس کا انکار کیا اور ان کا استدلال الکہف: ۴۹ سے ہے کہ آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ابو الحسن القابسی نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا اور میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا سوا اس حدیث کے۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی وہ رکیک تاویلات ذکر کی ہیں جن کو ہم حافظ عسقلانی سے نقل کر کے ان کا رد کر چکے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۲۹۲ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القابسی نے کہا کہ راوی نے اس حدیث کو مقلوب (الٹ) کر دیا ہے اور معروف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا۔ علامہ ابن قیم، علامہ بلقینی اور دوسرے علماء نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

شیخ محمد انور کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں بلاشک و شبہ راوی کی غلطی ہے اور ارحم الراحمین کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ وہ دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرے اور بغیر جرم کے ان کو دوزخ میں ڈال دے البتہ معاملہ اس کے برعکس ہے، اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے

گا اور اپنے فضل سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور وہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا کہ بغیر کسی گناہ کے مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۵۳۱ مجلس علمی ہند ۱۳۵۷ھ)

ہم نے اپنے فاضل دوست مولانا عبد المجید (برٹل) کی فرمائش پر اس حدیث کی کافی تحقیق کی ہے اور اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ حدیث کے متن کی چھان پھٹک میں بعض اوقات امام بخاری سے بھی سہو ہو جاتا ہے اور وہ مقلوب متن کی بھی روایت کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض بخاری پرستوں کو یہ ناگوار گزرے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کی بہ نسبت یہ آسان سمجھتے ہیں کہ امام بخاری کی طرف مقلوب متن کی روایت کی نسبت کر دی جائے واللہ! ہمارے دل میں تمام ائمہ حدیث سے زیادہ امام بخاری کی محبت ہے اور ان کی عظمت ہمارے دل میں جاگزین ہے لیکن سب سے زیادہ ہمارے دل میں اللہ سبحانہٗ کی محبت اور عظمت ہے اللہ تعالیٰ ہمارے قارئین کو بھی اس محبت سے حظ وافر عطا فرمائے۔ (آمین)

ق: ۳۱ میں فرمایا: اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہو گی O

جب ان سے کہا گیا کہ نیک عمل کرو اور گناہوں سے اجتناب کرو تو جنت ان کے دلوں کے قریب کر دی گئی ایک قول یہ ہے کہ جب متقین جنت میں داخل ہو جائیں گے تو جنت کے مقامات ان کے قریب کر دیئے جائیں گے۔

ق: ۳۲ میں فرمایا: یہ وہ (انعام) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا O ہر اس شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہو O

''اوّاب'' کا معنیٰ

متقین سے کہا جائے گا: یہ وہ جزاء ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبان کے ذریعہ وعدہ کیا گیا تھا اس آیت میں ''اوّاب'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: جو گناہوں کو ترک کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور اگر شامت نفس سے پھر گناہ کر بیٹھے تو پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کو کھیل نہ بنائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا کہ ''اوّاب'' کا معنیٰ ہے: تسبیح کرنے والا۔ الحکم بن عتیبہ نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور عبید بن عمر نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو ہر مجلس میں بیٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور ان ہی کا قول ہے کہ ''الاوّاب الحفیظ'' وہ شخص ہے کہ جب وہ کسی مجلس سے اٹھے تو کہے: ''سبحان اللہ وبحمدہ'' اے اللہ! مجھ سے اس مجلس میں جو گناہ ہو گیا میں تجھ سے اس پر مغفرت طلب کرتا ہوں۔ حضرت ابو برزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مجلس سے اٹھ کر کہا: ''سبحانک اللھم وبحمدک لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک''۔ تو اس مجلس میں جو اس سے گناہ ہوا ہو اللہ اس کو بخش دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۹ المستدرک ج ۱ ص ۵۳۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۲۳۰)

''حفیظ'' کا معنیٰ

قاسم نے کہا: جو اللہ عزوجل کے ذکر کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہ ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھتا ہو حتیٰ کہ ان سے توبہ کر لے۔ قتادہ نے کہا: جو شخص اللہ سبحانہٗ کی دی ہوئی نعمتوں اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرتا ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ مجاہد نے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق اور اس کی نعمت کا اعتراف کر کے اس کا شکر بجالائے وہ ''حفیظ''

ہے۔ ضحاک نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو قبول کرے وہ ''حفیظ'' ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے اوّل وقت میں چار رکعات کی حفاظت کرے وہ حفیظ ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۵۳-۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ق: ۳۳ میں فرمایا: جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایاO

''قلب منیب'' کا معنی ہے: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو، ایک قول ہے کہ وہ مخلص ہو۔ ابوبکر وراق نے کہا: ''منیب'' وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشوں کو ترک کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتا ہو اور اس کی کبریائی کا عارف ہو۔

ق: ۳۴ میں فرمایا: اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤO

یعنی جو مذکور الصدر صفات کے حامل ہوں گے، جو متقین ہوں، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوں، دین کی حفاظت کرنے والے اور بن دیکھے اللہ سے ڈرنے والے ہوں، ان سے کہا جائے گا: تم اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ سلامتی کا معنی ہے: عذاب سے سلامتی کے ساتھ یا نعمتوں کے زوال کی سلامتی کے ساتھ یا اللہ اور فرشتوں کے سلام کے ساتھ۔

اہل جنت کے لیے غیر مترقبہ نعمتیں

ق: ۳۵ میں فرمایا: متقین کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہےO

جو نعمتیں ان کو اچھی اور لذیذ لگیں گی اور وہ نعمتیں جن کا کبھی ان کے دل میں خیال بھی نہیں آیا ہو گا وہ نعمتیں ان کو جنت میں ملیں گی، احادیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کو جنت میں اولاد کی خواہش ہو گی تو اس کا حمل اور وضع حمل اور اس کا سن ایک ساعت میں ہو جائے گا جس طرح اس کی خواہش ہو گی (اس حدیث کی سند حسن ہے)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۰۴، البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۴۴۰، مسند احمد ج ۳ ص ۹، طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۷ ص ۱۱۶-۱۱۷، رقم الحدیث: ۱۱۰۶۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

متقین کے لیے غیر مترقبہ نعمتوں کے علاوہ خصوصی مزید انعام

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''ولدینا مزید'' یعنی متقین جنت میں جو چاہیں گے وہ ان کو مل جائے گا اور ہمارے پاس مزید انعام بھی ہے، وہ مزید انعام کیا ہے، اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: ''لبیک ربنا وسعدیک'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے، حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے بھی افضل چیز عطا کروں گا، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے افضل اور کون سی نعمت ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کر دوں گا اور تم پر کبھی ناراض نہیں ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹، مسند احمد ج ۳ ص ۸۸)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَةٌ ؕ" (یونس: ۲۶) نیک کام کرنے والوں کے لیے اچھا اجر ہے اور ایک زائد انعام ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا وہ زائد انعام کیا ہے؟ فرمایا جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی نداء کرے گا: بے شک تمہارے لیے اللہ کا ایک وعدہ ہے' اہل جنت کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے' کیا اللہ نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ' پھر اللہ! اپنے چہرے سے حجاب کھول دے گا' آپ نے فرمایا: پس اللہ کی قسم! اللہ نے ان کو اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی کہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں۔ 22

(صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۴۴۸-۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے' ان کے پاس ایک سفید آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ نکتہ تھا' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ جمعہ ہے جو آپ کے اوپر آپ کا رب پیش فرمائے گا' تاکہ وہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید ہو جائے اور آپ اوّل رہیں اور یہود اور نصاریٰ آپ کے بعد رہیں (کیونکہ یہود نے اپنے لیے ہفتہ کا دن رکھا اور نصاریٰ نے اتوار کا)' آپ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: آپ کے لیے اس میں خیر ہے' اس میں آپ کے لیے ایک ایسی ساعت ہے کہ جو شخص بھی اس میں خیر کی دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دے گا یا اس سے زیادہ عظیم چیز کو اس کے لیے ذخیرہ کر دے گا' یا وہ کسی شر سے پناہ طلب کرے گا تو اس سے بڑے شر سے اس کو پناہ میں رکھے گا۔ میں نے پوچھا: اس میں یہ سیاہ نکتہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ ساعت ہے جس میں جمعہ قائم ہوتا ہے' ہمارے نزدیک جمعہ سید الایام ہے اور ہم آخرت میں اس کو یوم المزید کہیں گے' میں نے کہا: تم اس کو یوم المزید کیوں کہو گے؟ انہوں نے کہا: بے شک آپ کے رب عزوجل نے جنت میں ایک وادی بنائی ہے جو مشک سے زیادہ خوشبودار اور سفید ہے' جب جمعہ کا دن ہو گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر جلوہ فرما ہو گا' اسی کرسی کے گرد نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء آ کر ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے' پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں ہوں گے' پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے' پھر اہل جنت آئیں گے اور وہ ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے' پھر ان کے اوپر ان کا رب تبارک وتعالیٰ تجلی فرمائے گا' حتیٰ کہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے اور وہ فرمائے گا: میں وہ ہوں جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا' یہ میری عزت کی جگہ ہے' تم مجھ سے سوال کرو' پس اہل جنت اس سے رضا کا سوال کریں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی' پھر ان کے لیے وہ نعمتیں کھولی جائیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کسی کان نے سنا ہو گا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا ہو گا' یہ مجلس اتنی دیر رہے گی جتنی دیر میں لوگ جمعہ سے فارغ ہوتے ہیں' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کرسی پر چڑھے گا اور اس کے ساتھ ہی صدیقین اور شہداء بھی (اپنی اپنی) کرسیوں پر چڑھیں گے اور بالا خانے والے اپنے بالا خانوں کی طرف لوٹ جائیں گے' وہ بالا خانے سفید موتی کے ہوں گے جن میں کوئی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ نہیں ہو گی یا سرخ یاقوت کے ہوں گے یا سبز زمرد کے ہوں گے' ان کے دروازے ایک جیسے ہوں گے' ان میں ان کے دریا ہوں گے' ان میں پھل لٹکے ہوئے ہوں گے' ان میں ان کی بیویاں اور ان کے خدام ہوں گے' پھر ان کو جمعہ کے دن کے سوا اور کسی دن کی احتیاج نہیں ہو گی تاکہ اس دن ان کو زیادہ کرامت حاصل ہو اور اس دن ان کو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی زیادہ سعادت ملے اور اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم المزید ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۴۲۲۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۱۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۱۹' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام ابو یعلیٰ

کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' امام طبرانی کی حدیث دو سندوں سے مروی ہے' ایک سند کے تمام راوی صحیح ہیں اور دوسری سند کے ایک راوی عبد الرحمان بن ثابت بن ثوبان کی توثیق میں اختلاف ہے اور امام بزار کی سند میں خلاف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۷۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (اہل مکہ) سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دی تھیں جو گرفت کی قوت میں ان سے زیادہ تھیں' انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں چھٹکارے کی جگہ ہو O بے شک یہ (قرآن) اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا جو ذہن حاضر کر کے کان لگائے O اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O (ق: ۳۶۔۳۸)

''نقبوا'' اور ''لغوب'' کا معنیٰ اور عقل کا محل

اس آیت: (ق: ۳۶) میں یہ بتایا ہے کہ اے نبی مکرم! آپ سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو اہل مکہ سے زیادہ طاقت ور تھیں' انہوں نے ہمارے ہلاک آفریں عذاب سے بچنے کے لیے بہت شہروں میں پناہ ڈھونڈنا چاہی لیکن ان کو کسی جگہ ہمارے عذاب سے پناہ نہیں مل سکی O

اس آیت میں ''نقبوا'' کا لفظ ہے ''نقب'' کا لغوی معنیٰ ہے: سوراخ کرنا' لیکن یہاں اس کا معنیٰ ہے: شہروں میں گھومنا پھرنا' اس کے بعد ہے: ''ھل من محیص '' ۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: کیا موت سے نجات کی کوئی جگہ ہے؟ قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ سعید نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: کیا اللہ کے عذاب سے روکنے کی کوئی جگہ ہے؟

ق: ۳۷ میں فرمایا: بے شک یہ (قرآن) اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا ذہن حاضر کر کے کان لگائے O

اس آیت میں قلب سے مراد عقل ہے اور عقل کو قلب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ عرف اور محاورہ میں عقل کا محل دل ہے ورنہ حقیقت میں عقل کا محل دماغ ہے۔ مجاہد نے کہا: قلب سے مراد ہے: زندہ انسان کا نفس جو اشیاء میں تمیز کرتا ہو اور نفس کو قلب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ عرف میں قلب ہی نفس اور حیات کا وطن اور معدن ہے۔

یحییٰ بن معاذ نے کہا: انسان میں دو قلب ہیں' ایک وہ قلب ہے جو دنیا کے اشغال میں منہمک رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے سامنے آخرت کا کوئی معاملہ آئے تو اس کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کرے اور دوسرا قلب وہ ہے جو آخرت کے افکار میں مستغرق رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے سامنے دنیا کے متعلق کوئی معاملہ پیش کیا جائے تو وہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جز ۱۷ ص ۲۲)

میں کہتا ہوں کہ انسان میں دو دلوں کا ہونا تو مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے' البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ ہیں جن کا دل دنیا داری میں لگا رہتا ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا دل دین داری میں لگا رہتا ہے۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی عقل کو استعمال کر کے بہ غور قرآن مجید میں مذکور نصیحتوں کو سنے گا تو اس کو ضرور ہدایت حاصل ہو گی اور جو بے توجہی اور بے پرواہی سے قرآن کریم کو سنے گا اس کو اس کی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

ق: ۳۸ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O

''لغوب'' کے معنیٰ تھکاوٹ ہیں' یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی ہے' انہوں نے یہ زعم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں

اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کے بعد تھک گیا ہے' پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن تھکاوٹ اتارنے کے لیے آرام کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے سے اس کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ ان کی (دل آزار) باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے O اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) O اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ سے پکارے گا O جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے' یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے O (قٓ: ۳۹-۴۲)

قٓ: ۳۹ کا سبب نزول

اس آیت قٓ: ۳۹ میں آپ کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اب منسوخ ہو چکی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے اس کا حکم ثابت ہے' یعنی اگر آپ کی اور آپ کی امت کی ذات کے خلاف کوئی دل آزار بات کہی جائے تو اس پر صبر کریں' اور اگر دین اسلام کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اس پر ان کے خلاف جہاد کریں اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے جو کہا ہے کہ چھ دن آرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن تھکاوٹ اتارنے کے لیے آرام کیا تو آپ ان کے اس قول پر صبر کریں۔

فجر اور عصر کی نماز پڑھنے کی خاص اہمیت

اور یہ جو فرمایا ہے: اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور تمہیں اس کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے میں کسی سے مغلوب نہ ہو تو ایسا کرلو' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ'' (قٓ: ۳۹) یعنی یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہونے پائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۶۰)

بالخصوص فجر اور عصر کی نمازوں کی جو تاکید فرمائی ہے اس کی وجہ درج ذیل حدیث میں مذکور ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے اعمال لکھنے والے اور دن کے اعمال لکھنے فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور یہ دونوں فرشتے فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں' پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر چڑھتے ہیں' پھر ان کا رب جو کہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے ان سے سوال کرتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۹)

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز سنت پڑھنے کی تحقیق

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ "قبل طلوع الشمس" سے مراد نماز فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہیں اور "قبل الغروب" سے مراد مغرب کی نماز سے پہلے کی دو سنتیں ہیں۔ نماز مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

ثمامہ بن عبداللہ بن انس بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اصحاب فہم مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ جلدی سے مسجد کے ستونوں کے پیچھے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے اور اس قدر لوگ یہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے کہ کوئی مسافر مسجد میں آتا تو یہ سمجھتا تھا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۷)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے پہلے دو رکعات نماز پڑھنا سنت ہے اور اب حرمین شریفین میں ائمہ ثلاثہ کے مقتدی یہ نماز پڑھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نماز جائز ہے' سنت نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کے غروب ہونے کے بعد نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ راوی نے حضرت انس سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: آپ ہمیں یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے' پس آپ ہمیں اس نماز کا حکم دیتے تھے اور نہ اس نماز سے منع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۶)

صحابہ کرام جو مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دو اذانوں (ہر اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے' یہ آپ نے تین بار فرمایا اور تیسری بار فرمایا جو چاہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷۱۔۶۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶۲)

ہر چند کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا جائز ہے لیکن ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مغرب کی اذان کے فوراً بعد نماز پڑھ لی جائے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کی نماز جلدی پڑھتی رہے گی' جب تک وہ مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر نہ کرے کہ ستاروں کا جال بن جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۹۱)

علامہ علاء الدین کاسانی متوفی ۵۸۷ھ اور علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: "لا یزال امتی بخیر ما عجلوا المغرب واخروا العشاء"۔ علامہ عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے لکھا ہے: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے' غریب ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۱۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ) اصل میں اس حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو ہم نے "سنن ابوداؤد" اور "مستدرک" کے حوالوں سے نقل کیے ہیں "ہدایہ" کے بعض مقامات پر ایسی اور بھی مثالیں ہیں' علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے لیکن اس کے یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (بنایہ ج ۲ ص ۳۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ) علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اس حدیث کی وہی عبارت ذکر کی ہے جو

''سنن ابوداؤد'' میں ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ (الدرایہ ج ا ص ۱۰٦)
اس تحقیق کو ذکر کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ''بدائع الصنائع'' اور ''ہدایہ'' میں حدیث کے الفاظ پڑھ کر کوئی عالم ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کی روایت نہ کرے' تاوقتیکہ اس حدیث کی اصل کتب سے تحقیق نہ کر لے۔

رات کو اٹھ کر تسبیح پڑھنے کے محامل

ق: ۴۰ میں فرمایا: اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی)O
اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:
(۱) ابوالاحوص نے کہا: اس سے مراد ہے: رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا (۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: تمام رات نماز پڑھنا (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ہے: فجر کی دو رکعت سنت پڑھنا (۴) ابن زید نے کہا: اس سے مراد ہے: عشاء کی نماز پڑھنا۔
ابن العربی نے کہا: اس سے مراد وہ تسبیحات ہیں جو رات کو بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں:
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو بیدار ہو کر یہ کلمات پڑھے:
''لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ' لہُ الملکُ ولہُ الحمدُ' وھو علی کلِّ شیءٍ قدیرٌ' الحمدُ للہ وسبحان اللہ ولا اِلٰہ اِلّا اللہ واللہُ اکبر' وَلا حولَ وَلا قوۃ اِلّا باللّٰہِ'' پھر کہا: ''اللّٰھمَّ اغفِرلی'' یا کوئی اور دعا کی تو اس کی دعا قبول ہو جائے گی' پھر اگر اس نے وضو کیا تو اس کی نماز مقبول ہو گی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰٦۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۸)
بعض علماء نے کہا: ان تسبیحات سے وہ تسبیحات مراد ہیں جو نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں' حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگے کہ مال دار لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور کیونکہ ان کو مال کی فضیلت حاصل ہے تو وہ اس مال کے سبب سے حج کرتے ہیں اور عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو تم اپنے اوپر سبقت کرنے والوں کی عبادتوں کا اجر پا لو گے اور تمہارے بعد کوئی اور ان عبادتوں کے اجر کو نہیں پا سکے گا' اور تم اپنے دور کے لوگوں میں سب سے افضل ہو گے' ماسوا اس کے جو اس جیسا عمل کرے (جو میں تم کو بتا رہا ہوں)؟ تم ہر نماز کے بعد تینتیس' تینتیس بار ''سبحان اللہ' الحمد للہ'' اور ''اللہ اکبر'' کہو' پھر ہم میں اختلاف ہوا' بعض نے کہا: ہم تینتیس' تینتیس بار ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' پڑھیں گے اور چونتیس بار ''اللہ اکبر'' کہیں گے' پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم ''سبحان اللہ' الحمد للہ'' اور ''اللہ اکبر'' میں سے ہر کلمہ کو تینتیس بار پڑھو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۰۔۳۴۱۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۹)

تسبیح پڑھنے کا اجر و ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہا یا سو مرتبہ ''لا اللہ الا اللہ'' کہا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''. وہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور اس کی ایک سو نیکیاں لکھی جائیں گے اور اس کے ایک سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور یہ کلمات اس کے لیے اس دن شام تک شیطان سے پناہ کا باعث رہیں گے اور کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے سے زیادہ افضل ذکر نہیں کر سکے گا' ہاں! وہ شخص جس نے ان کلمات کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

آیا سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے کا اجر و ثواب زیادہ ہے یا سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے کا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

مؤخر الذکر دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھنا ''لا الٰہ الا اللہ'' الخ پڑھنے سے زیادہ افضل ہے' کیونکہ اول الذکر کے پڑھنے سے سمندر کے جھاگ برابر گناہ معاف ہوتے ہیں اور ثانی الذکر کے پڑھنے سے سو گناہ معاف ہوتے ہیں' حالانکہ سب سے افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے اور افضل الدعاء ''الحمد للہ'' ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۰)

اور ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث میں بھی ہے کہ ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' الخ پڑھنے سے افضل اور کوئی ذکر نہیں ہے ہاں! جو شخص ان کلمات کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا اس سے زیادہ افضل ہے کہ اس سے سو گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور سو نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس میں سو غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر و ثواب بھی ہے جب کہ تسبیح پڑھنے کے اجر سے سمندر کے جھاگ کے برابر صرف گناہ معاف ہوتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کا جو اجر و ثواب ہے وہ تسبیح پڑھنے کے اجر سے اور گناہوں کو مٹانے کے اجر سے بہت زائد ہے' کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے اعضاء کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۱) اور چونکہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے سے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اس سے معلوم ہوا جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ'' الخ پڑھتا ہے اس کا اجر و ثواب دس بار دوزخ سے آزاد ہونے کو مستلزم ہے' اور یہ تسبیح کے اجر و ثواب سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ایک دن میں سو بار ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھنے سے سمندر کے جھاگ کے برابر گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن یہ جہنم سے آزاد ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ نیز ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور یہ ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر'' میں زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے' کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی ہے اور اس کے لیے وحدانیت اور ملکیت اور صفات

کمالیہ اور ہر چیز پر قدرت کا ثبوت ہے' نیز "سبحان اللہ" پڑھنے سے کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہوتا اور "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے سے اسلام میں داخل ہوتا ہے' یہ کلمہ توحید ہے' کلمہ اخلاص ہے اور ایک قول ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے وہ کلمات بتا جن سے میں تیرا ذکر کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ "لا الٰہ الا اللہ" اور اسی میں ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور "لا الٰہ الا اللہ" کو دوسرے پلڑے میں رکھا تو "لا الٰہ الا اللہ" والا پلڑا بھاری ہوگا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ابن بطال کے نزدیک اذکار ماثورہ کے اجر وثواب کی بشارت صرف نیکوکاروں کے لیے ہے بدکاروں کے لیے نہیں ہے

نیز علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ ان اذکار کی فضیلت ان نیک لوگوں کے لیے ہے جو دین دار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں (مثلاً سود کھانا' قتل کرنا' زنا کرنا' شراب پینا اور لواطت کرنا وغیرھا) سے پاک ہوتے ہیں اور ان اذکار کا اجر وثواب ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو اپنی شہوت کے تقاضوں پر اصرار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حدود اور اس کی حرمتوں کو ناحق پامال کرتے ہیں۔ (شرح البخاری لابن بطال ج ۱۰ ص ۱۳۴) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: اس قول کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جو لوگ برے کام کرتے ہیں انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے وہ لوگ یہ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں ۝

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۰۵۔۵۰۶ ملخصاً وموضحاً وتخریجاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابن حجر اور علامہ ابن بطال کی رائے پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ جو لوگ سخت کبیرہ گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور ان میں منہمک اور مستغرق رہتے ہیں اور توبہ کیے بغیر ان گناہوں کو کرتے ہوئے مر جاتے ہیں' ان کو تو شاید دن میں سو بار "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" الخ پڑھنے سے یہ اجر وثواب اور دس بار دوزخ سے آزاد ہونے کا مرتبہ نہیں ملے گا' لیکن جو مسلمان ان بڑے گناہوں سے توبہ کر لے اور اخلاص کے ساتھ دن میں سو بار ان اذکار کو پڑھے اس کو یقیناً ان اذکار کا اجر وثواب ملے گا' نیز ان اذکار کو پڑھنے کی توفیق اسی شخص کو ہو گی جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہوگا اور اس کے دل و دماغ میں نیک کاموں سے متصف ہونے کا جذبہ ہوگا' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اذکار کو پڑھنے پر جس اجر وثواب کی بشارت دی ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ فلاں شخص یہ اذکار پڑھے گا تو اس کو اجر وثواب ملے گا اور فلاں شخص پڑھے گا تو اس کو اجر وثواب نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع اور عام ہے اس کو کون مقید کر سکتا ہے' جب کہ مغفرت اور رحمت کی زیادہ ضرورت گناہ گاروں کو ہے' نیکوکار تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ویسے ہی مالا مال ہیں۔ اور الجاثیہ: ۲۱ سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ نیکوکار یہ اذکار پڑھیں گے تو ان کو اجر ملے گا اور بدکار پڑھیں گے تو ان کو اجر نہیں ملے گا' اس آیت کا تو صرف اتنا تقاضا ہے کہ نیکوکاروں اور بدکاروں کا مرتبہ اور مقام اور دنیا اور جنت میں ان کے درجات برابر نہیں ہوں گے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی نیک عمل کے جس ثواب کا اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ نیکوکاروں کے حق میں تو پورا ہوگا اور بدکاروں کے حق میں پورا نہیں ہوگا' کیا فرض نماز کے پڑھنے سے نیک لوگوں سے تو فرضیت ساقط ہوگی اور بدکار لوگ نماز پڑھیں گے تو ان سے فرضیت ساقط نہیں ہو گی! علیٰ ھٰذا القیاس دیگر فرائض ہیں' اسی طرح اذکار کا معاملہ ہے جو شخص بھی جو ذکر کرے گا اس پر اللہ اور رسول نے جس اجر کا وعدہ فرمایا اس کو وہ اجر ضرور ملے گا خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار۔

"لا الٰہ الا اللّٰہ" اور "سبحان اللّٰہ" پڑھنے کے اجر و ثواب میں ایک اور فرق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

تسبیح کی فضیلت میں یہ حدیث ہے: جس شخص نے ایک دن میں سو بار "سبحان اللہ وبحمدہ" پڑھا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں' ان گناہوں سے مراد ہے' جن گناہوں کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہو' کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے' جب تک صاحب حق معاف نہ کر دے اور سمندر کی جھاگ جو فرمایا ہے اس سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے' یعنی اس کے بہت گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ص ۳۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی تقریر سے ایک اور وجہ سے یہ ظاہر ہوگیا کہ تسبیح پڑھنے کا اجر و ثواب "لا الٰہ الا اللہ" الخ پڑھنے سے زائد نہیں ہے کیونکہ ہر چند کہ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے سے سو گناہ معاف ہوتے ہیں' تاہم تسبیح سے بھی اکثر گناہ معاف ہوتے ہیں نہ کہ وہ جو حقیقۃً سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

"ادبار السجود" کے محامل

اس کے بعد فرمایا: اور نمازوں کے بعد (بھی) O

حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابوہریرہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری' نخعی' شعبی' اوزاعی اور زہری نے کہا: اور نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے سے مراد ہے: مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور "ادبار النجوم" (ستاروں کے ڈوبنے کے بعد) سے مراد ہے: نماز فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا "ادبار السجود" ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ص ۱۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تھا' آپ نے نماز فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ نماز فجر پڑھنے مسجد چلے گئے' پھر آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! نماز فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا "ادبار النجوم" ہے اور مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا "ادبار السجود" ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۱' المستدرک ج ۱ص ۳۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مغرب کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اس کی وہ نماز علیین میں لکھی جاتی ہے' حضرت انس نے کہا: آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھی۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۸۳۳' مکتب اسلامی' بیروت)

علامہ ثعلبی نے لکھا ہے کہ ابن زید نے کہا کہ "وادبار السجود" سے مراد فرائض کے بعد نوافل ہیں۔

(الکشف والبیان ج ۹ص ۱۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ثمامہ بن عبد اللہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فراست دو رکعت نماز مغرب سے پہلے پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

ایک قول یہ ہے کہ "وادبار السجود" سے مراد وہ ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے:

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' اللّٰھمّ لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۰۔ ۶۶۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ سے پکارے گا O جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے O بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے' یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر بہت آسان ہے O ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (کفار) کہہ رہے ہیں' اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو O (ق: ۴۱۔ ۴۵)

دوسرے صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کے زندہ ہونے کی کیفیت

یعنی اے مخاطب! قیامت کی چیخ کو غور سے سن اور منادی کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منادی حضرت جبریل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منادی حضرت اسرافیل ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت اسرافیل صور میں پھونکیں گے اور حضرت جبریل نداء کریں گے اور یہ دوسری بار صور میں پھونکنا ہوگا' حضرت جبریل کہیں گے: چلو حساب کی طرف چلو' اس قول کی بناء پر یہ نداء میدان محشر میں ہوگی۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مخاطب! کفار کی چیخ و پکار سن' جو قریب کی جگہ سے ہائے عذاب' ہائے موت پکار رہے ہوں گے اور اس چیخ و پکار کو تمام اہل محشر سن رہے ہوں گے اور کوئی شخص اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔

عکرمہ نے کہا: رحمٰن کا منادی نداء کرے گا گویا کہ وہ لوگوں کے کانوں میں نداء کرے گا' مکان قریب کے متعلق اور بھی کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کا پتھر ہے' حضرت جبریل یا اسرافیل اس پتھر پر کھڑے ہو کر نداء کریں گے: اے پرانی ہڈیو! اے کٹے ہوئے جوڑو! اور اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے فانی کفنو! اور اے گرے ہوئے دلو! اور اے خراب بدنو! اور اے آنسو بہانے والی آنکھو! رب العٰلمین کے سامنے پیش ہونے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ قتادہ نے کہا: یہ نداء کرنے والے حضرت اسرافیل ہیں جو صور پھونکنے والے ہیں۔

قبروں سے باہر نکلنے کی کیفیت

ق: ۴۲ میں فرمایا: جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے O

یعنی یہ حساب کے لیے جمع ہونے کا دن ہے اور یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے' مردے اس چیخ کی آواز سن کر زندہ ہو جائیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کر میدان محشر کی طرف دوڑیں گے۔

ق: ۴۳-۴۴ میں فرمایا: بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے یہ حشر بپا کرنا ہم پر بہت آسان ہے ○

یعنی ہم زندوں پر موت طاری کرتے ہیں اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں

جس دن زمین پھٹ جائے گی اور مردے زندہ ہو کر حضرت اسرافیل کی طرف دوڑیں گے جو صور پھونکنے والے ہیں اور سب بیت المقدس کی طرف دوڑیں گے جہاں حشر برپا ہوگا اور یہ ہم پر بہت آسان ہے' یہ حشر شام کی سرزمین پر برپا ہوگا۔

گناہ گاروں کے حشر کی کیفیت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روحیں مختلف صورتوں میں ہیں پس جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر اندھیرے میں کیا جائے گا' آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور ایک منادی نداء کرے گا اور اس دن لوگ اس منادی کی آواز کے پیچھے ہو جائیں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ (طٰہٰ: ۱۰۸) جس دن لوگ منادی کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہیں ہوگی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ○ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ○ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ○ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ○ (الانفطار: ۱-۴) جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے ○ اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی ○

یعنی زمین سے تمام مردے باہر نکال دیئے جائیں گے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ○ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۙ○ (الانشقاق: ۱-۴) جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور اپنے رب کا حکم مانے گا اور یہ اس پر واجب ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو اس کے اندر ہے وہ اس سب کو باہر ڈال کر خالی ہو جائے گی ○

یعنی زمین سے تمام مردوں کو باہر نکال دیا جائے گا۔

امام مسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کا حشر میدے کی طرح سفید روٹی پر کیا جائے گا۔

ابو بکر احمد بن علی الخطیب نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو بھوکا پیاسا جمع کیا جائے گا' اس سے زیادہ وہ کبھی بھوکے پیاسے نہیں ہوں گے اور ان کا بے لباس حشر کیا جائے گا اور وہ بہت زیادہ تھکے ماندے ہوں گے' پس جس کو اللہ کھلائے گا' وہ کھالے گا اور جس کو اللہ پلائے گا' وہ پی لے گا اور جس کو اللہ پہنائے گا' وہ پہن لے گا اور جس کی اللہ مدد فرمائے گا وہ راحت پائے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس آیت کے متعلق بتایئے:

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ○ جس دن (دوسری بار) صور میں پھونکا جائے گا پھر تم فوج در

فوج چلے آؤ گے○ (النباء: ١٨)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! تم نے بہت عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' پھر آپ نے فرمایا: میری امت میں سے دس مختلف قسم کے گروہوں کا حشر کیا جائے گا جن کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت سے ممتاز اور ممیز کرے گا اور ان کی صورتوں کو تبدیل کر دے گا (١) ان میں سے بعض بندر کی صورتوں میں ہوں گے (٢) اور ان میں سے بعض خنزیروں کی صورت میں ہوں گے (٣) اور ان میں سے بعض اوندھے ہوں گے ان کی ٹانگیں اوپر ہوں گی اور وہ سر کے بل گھسٹ رہے ہوں گے (٤) اور ان میں سے بعض اندھے ہوں گے اور ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے (٥) اور ان میں سے بعض بہرے اور گونگے ہوں گے' وہ کچھ سمجھ نہیں رہے ہوں گے (٦) اور ان میں سے بعض لوگوں کی زبانیں منہ سے باہر ان کے سینوں تک لٹکی ہوئی ہوں گی اور ان کے مونہوں سے پیپ بہہ رہی ہوگی جس سے تمام اہل محشر کو گھن آئے گی (٧) اور ان میں سے بعض کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے (٨) اور ان میں سے بعض کو آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی دی ہوئی ہوگی (٩) اور ان میں سے بعض مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے (١٠) اور ان میں سے بعض تارکول کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (ان لوگوں کے مصادیق حسب ذیل ہیں:)

(١) جن لوگوں کا حشر بندروں کی شکلوں میں ہوگا وہ لوگوں کی چغلی کھانے والے ہوں گے۔

(٢) اور جن لوگوں کا حشر خنزیر کی شکلوں میں ہوگا وہ رشوت' ناجائز ٹیکس اور حرام کی کمائی کھانے والے ہوں گے۔

(٣) اور جو لوگ سر کے بل گھسٹ رہے ہوں گے اور اوندھے کھڑے ہوں گے وہ سود کھانے والے ہوں گے۔

(٤) اور جن لوگوں کو اندھا بنا کر حشر میں لایا جائے گا وہ مقدمات کا ظالمانہ فیصلہ کرنے والے ہوں گے۔

(٥) اور جن لوگوں کو بہرا گونگا اٹھایا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے کاموں پر فخر کرتے تھے۔

(٦) اور جن لوگوں کی زبانیں منہ سے باہر سینے تک لٹکی ہوئی ہوں گی یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو اپنے قول کے خلاف کام کرتے تھے۔

(٧) اور جن لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچاتے تھے۔

(٨) اور جن لوگوں کو آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی دی ہوگی یہ وہ لوگ ہیں جو حاکموں کے پاس عوام کی شکایات پہنچاتے تھے۔

(٩) اور جو لوگ مردار سے زیادہ بدبو ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شہوتوں اور لذتوں میں ڈوبے رہتے تھے اور اپنے مالوں سے اللہ کے حق کی ادائیگی کو منع کرتے تھے۔

(١٠) اور جو لوگ تارکول کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے یہ وہ ہیں جو فخر اور تکبر کیا کرتے تھے۔

بندہ کا جن گناہوں پر خاتمہ ہو' ان ہی گناہوں پر قیامت کے دن اس کو اٹھایا جانا

علامہ ابو حامد نے ''کشف علوم الآخرۃ'' نام کی کتاب میں لکھا ہے: لوگوں کو دنیا میں کیے ہوئے گناہوں میں مبتلاء اور ملوث کر کے حشر میں لایا جائے گا اور اس کی تفصیل یہ ہے:

(١) جو لوگ ساری عمر موسیقی سننے میں مبتلا رہے' جب وہ قبر سے اٹھیں گے تو ان کا اپنا ہاتھ ان کو پکڑ کر پھینک دے گا اور کہے گا: تیرے لیے دوری ہو تو نے مجھے اللہ کی یاد سے منحرف رکھا پھر وہ ہاتھ اس کی طرف واپس آئے گا اور کہے گا کہ میں تیرا صاحب ہوں' حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

(٢) اور جو شخص ہر وقت نشے میں رہتا تھا اور جو شخص بانسری بجاتا تھا ان میں سے ہر شخص اسی حال میں اٹھے گا جس حال میں وہ اللہ سے منحرف ہوا تھا۔

(٣) اسی کی مثل وہ صحیح حدیث ہے کہ شراب پینے والا اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ شراب کی صراحی اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہوگی اور شراب کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس سے ایسی بدبو آ رہی ہوگی جیسے مردار زمین پر پڑا ہو اور مخلوق میں سے ہر گزرنے والا شخص اس پر لعنت کرے گا۔

نیز ابو حامد نے ذکر کیا کہ جب ہر شخص اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہوگا' ان میں سے بعض برہنہ ہوں گے اور بعض کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے' سیاہ اور سفید ان میں سے بعض کا نور مدہم چراغ کی طرح ہوگا اور ان میں سے بعض کا نور آفتاب کی طرح ہوگا' ان میں سے ہر ایک سر جھکائے ایک سال تک بیٹھا رہے گا' حتیٰ کہ مغربی جانب سے ایک آگ کا ظہور ہوگا' اس آگ کو دیکھ کر تمام مخلوق دہشت زدہ ہو جائے گی' خواہ وہ انسان ہوں یا جن' پرندے ہوں یا وحوش' پھر ہر شخص کے پاس اس کا عمل آئے گا اور اس سے کہے گا: اٹھو اور محشر کی طرف چلو اور جس کے عمل نیک ہوں گے اس کے لیے خچر کی سواری لائی جائے گی اور کسی کے لیے گدھے کی سواری لائی جائے گی اور کسی کے لیے مینڈھا لایا جائے گا جو اس کو کبھی سوار کرے گا اور کبھی گرا دے گا اور ان میں سے ہر ایک کے لیے نور کی شعاع ہوگی جو اس کے سامنے ہوگی اور اس کے دائیں جانب اور اندھیرے میں وہ نور اس کے سامنے رہے گا' قرآن مجید میں ہے:

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ. ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ (الحدید:١٢)

ان کی بائیں جانب نور نہیں ہوگا بلکہ سخت سیاہ اندھیرا ہوگا' نظر اس سے نفوذ نہیں کر سکے گی' کفار اس میں حیران ہوں گے اور ادھر اُدھر پھر رہے ہوں گے اور مؤمن سخت سیاہ اندھیرے کے باوجود اس کے پار دیکھ سکے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ انعام یافتہ مؤمن کے لیے عذاب یافتہ کافروں کے احوال منکشف کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے کیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ○ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ○ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ○ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ٥٤۔٥٧)

جنتی (اپنے اصحاب سے) کہے گا: کیا تم (دوزخیوں کو) جھانک کر دیکھو گے؟ پس جب وہ جھانکے گا تو اس کو دوزخ کے بیچ میں (جلتا ہوا) دیکھے گا ○ وہ (اس سے) کہے گا: اللہ کی قسم! تو مجھے بھی ہلاک کرنے کے قریب تھا ○ اگر مجھ پر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا ○

اسی طرح یہ آیات ہیں:

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (الاعراف: ٤٧۔٤٨)

اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف متوجہ ہوں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر ○ اور اصحاب اعراف بہت سے لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر کہیں گے: تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کچھ کام نہ آیا ○

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور زندگی کی قدر صرف مردے ہی جان سکتے ہیں اور تونگری اور خوش حالی کی قدر صرف فقراء ہی سمجھ سکتے ہیں اور جوانی کی قدر صرف بوڑھوں ہی کو معلوم ہوتی ہے اور کسی بھی نعمت کا ادراک صرف اس نعمت سے محروم شخص ہی کر سکتا ہے' قیامت کے دن بعض لوگ اپنے قدموں پر اور پنجوں کے بل کھڑے ہوں گے اور ان کا نور کبھی مدہم ہوگا او کبھی خوب چمکے گا اور دنیا میں ان کا ایمان جس درجہ کا ہوگا آخرت میں ان کا حال اسی کے اعتبار سے ہوگا۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی واحوال الآخرۃ ج ۱ ص ۳۱۳ ۔ ۳۱۶ ملخصاً' دار البخاری' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی نے امام ابو حامد کے حوالے سے قیامت کے دن لوگوں کے اٹھائے جانے کے جو احوال بیان کیے ہیں ان کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

بندوں کا جن اعمال پر خاتمہ ہو' ان ہی اعمال پر ان کو اٹھائے جانے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں سب پر عذاب نازل فرماتا ہے' پھر لوگوں کو ان کی نیات کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۹' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۰۲' المستدرک ج ۴ ص ۴۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۰' ۱۳۶' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' جو شخص بھی اللہ کے راستہ میں زخمی ہوتا ہے (اور اللہ ہی کو علم ہے کہ کون اس کے راستہ میں زخمی ہوتا ہے) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا' اس کا رنگ خون کا ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲' سنن بیہقی ج ۹ ص ۸۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جہاد اور غزوہ کے متعلق خبر دیجئے! آپ نے فرمایا: اے عبد اللہ! اگر تم اس حال میں قتل کیے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو تو قیامت کے دن تم صابر اور طالب ثواب کے طور پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم ریاکاری اور دکھاوے کے حال میں قتل کیے جاؤ تو تم ریاکار کے طور پر اٹھائے جاؤ گے' تم جس حال میں بھی قتال کرتے ہوئے قتل کیے جاؤ گے اسی حال میں اٹھائے جاؤ گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۳' المستدرک ج ۲ ص ۸۵ ۔ ۱۱۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نشہ کی حالت میں مرا وہ ملک الموت کو بھی نشہ میں دیکھے گا اور منکر نکیر کو بھی نشہ میں دیکھے گا اور قیامت کے دن اس کو نشہ میں اٹھایا جائے گا وہ جہنم کی ایک خندق کے وسط میں ہوگا' اس کا نام سکران (نشہ والے) ہوگا' اس میں خون کا دریا بہہ رہا ہوگا' اس کا کھانا اور پانی اسی دریا سے ہوگا۔ (الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی رقم الحدیث: ۵۵۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھا اس کو اونٹنی نے گرا دیا وہ جاں بحق ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بیری کے پتوں کے پانی سے غسل دو اور اس کو اس کے ان ہی کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو کیونکہ یہ قیامت کے دن تلبیہ (اللھم لبیک اللھم لبیک) پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۵۱' سنن نسائی رقم الحدیث:

۲۷۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۸۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۹۰-۳۹۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۳۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے والوں پر موت کے وقت وحشت نہیں ہوگی' نہ ان کی قبروں میں اور نہ حشر میں گویا کہ میں "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے والوں کے ساتھ ہوں وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہوں اور وہ کہہ رہے ہوں گے: اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۶۶۔ ج ۵ ص ۳۰۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۲۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر بندہ کو (قیامت کے دن) اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں وہ مرا ہے' مؤمن کو اس کے ایمان پر اور منافق کو اس کے نفاق پر۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۷۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان مراتب میں سے جس مرتبہ پر بھی مرے گا قیامت کے دن اسی مرتبہ پر اٹھایا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹-۲۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۳' المستدرک ج ۱ ص ۳۴-۳۵' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۷۸۳-۷۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔)

آیاتِ حشر میں بہ ظاہر تعارض

قرآن مجید میں حشر کے متعلق جو آیات ہیں ان میں بہ ظاہر تعارض ہے' جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر) میں جمع فرمائے گا (تو ان کو یوں محسوس ہوگا) جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک ساعت رہے ہوں گے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کو پہچاننا تب ہی متصور ہوگا جب وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں' حالانکہ ایک اور آیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کو اندھا' گونگا اور بہرا اٹھایا جائے گا' وہ آیت یہ ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

اور جب وہ اندھے اٹھائے جائیں گے تو کیسے ایک دوسرے کو پہچانیں گے؟ نیز اس آیت میں ان کو گونگے ہونے کے حال میں اٹھانے کا ذکر ہے حالانکہ ایک اور آیت میں ان کے کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۫ (یٰس: ۵۲)

ہائے افسوس! ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا۔

اور درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنتے بھی تھے اور جواب بھی دیتے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا:

فَلَنَسْـَٔــلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔــلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف: ۶)

پس ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے ۝

اور ان سے سوال کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ سوال کو سن سکیں اور اس کا جواب بھی دے سکیں اور یہ ان کے بہرے اور گونگے ہونے کے منافی ہے' نیز بنی اسرائیل: ۹۷ میں فرمایا تھا: "ان کو منہ کے بل اٹھایا جائے گا" اور دوسری آیتوں میں حشر کے دن ان کے دوڑنے کا ذکر بھی ہے اور یہ ان کو منہ کے بل اٹھائے جانے کے منافی ہے' جن آیتوں میں ان کے تیز تیز چلنے

اور دوڑنے کا ذکر ہے' وہ یہ ہیں:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ (یٰس: ۵۱)

اور صور میں پھونکا جائے گا پس وہ اسی وقت اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے ۝

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ (المعارج: ۴۳)

جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی مطلوب کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں ۝

آیاتِ حشر میں تعارض کا جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت ان سب کی ایک حالت نہیں ہوگی اور نہ ان سب کے قیام کی جگہ واحد ہوگی' ان کے قیام کی جگہیں بھی مختلف ہوں گی اور ان کے احوال بھی مختلف ہوں گے' ان کے احوال کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) جس وقت ان کو قبروں سے نکالا جائے گا (۲) جب ان کو حساب کی جگہ کی طرف روانہ کیا جائے گا (۳) جس وقت ان سے حساب لیا جائے گا (۴) جس وقت ان کو دارالجزاء کی طرف روانہ کیا جائے گا (۵) جب ان کو ان کے دارالجزاء میں ٹھہرایا جائے گا۔ ان احوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) جس وقت ان کو ان کی قبروں سے نکالا جائے گا' اس وقت کفار کے اعضاء اور حواس کامل ہوں گے' جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۔ (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ ان کافروں کو اپنے سامنے جمع فرمائے گا تو (ان کو یوں معلوم ہوگا) گویا وہ دنیا میں دن کی صرف ایک ساعت رہے تھے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۲۔۱۰۳)

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم (خوف سے) نیلی آنکھوں کے ساتھ اٹھائیں گے ۝ وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے: تم تو دنیا میں صرف دس دن ہی رہے تھے ۝

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب کفار کو ان کی قبروں سے نکالا جائے گا اس دن وہ سلیم الاعضاء ہوں گے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے ہوں گے۔

(۲) دوسرا حال وہ ہے جب ان کو حساب کی جگہ لے جایا جائے گا' اس وقت بھی ان کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے' جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ إِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۲۲۔۲۴)

ان ظالموں کو اور ان کے موافقین کو اور جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے' (ان سب کو) جمع کرو ۝ سو ان سب کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ ۝ اور ان کو ٹھہراؤ' کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا ۝

ان آیات میں فرمایا ہے: ان کو راستہ دکھاؤ' اس سے معلوم ہوا کہ وہ مشرکین اس وقت بینا ہوں گے کیونکہ نابینا کو راستہ نہیں دکھایا جاتا' اور وہ چلنے والے ہوں گے۔ نیز فرمایا ہے: ان سے سوال کیا جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ وہ بہرے نہیں ہوں گے سوال کو سنیں گے اور گونگے بھی نہیں ہوں گے' وہ سوال کا جواب دیں گے کیونکہ سوال اسی لیے کیا جائے گا۔

(۳) اور تیسرا حال وہ ہے جب ان سے حساب لیا جائے گا اس وقت بھی ان کے اعضاء سلامت ہوں گے' کیونکہ وہ کہیں گے:

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ. (الکہف: ۴۹)

ہائے افسوس! یہ کیسا صحیفہ اعمال ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ چھوڑا' مگر سب کا احاطہ کر لیا۔

اور ظاہر ہے کہ وہ یہ بات تب ہی کہہ سکیں گے جب وہ اپنے صحیفہ اعمال کو پڑھیں گے اور افسوس کا اظہار کریں گے' اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت وہ نہ اندھے ہوں گے' نہ گونگے ہوں گے اور اس وقت وہ اپنے گناہ دیکھ کر افسوس کر رہے ہوں گے۔

(۴) اور چوتھا حال وہ ہے جب مجرموں کو جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا' اس وقت ان کی بصارت' سماعت اور گویائی سلب کر لی جائے گی اور ان کو اندھا' بہرا اور گونگا بنا کر جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۗ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ. (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

(۵) اور پانچواں حال وہ ہے جب وہ دوزخ کی آگ میں مقیم ہوں گے اور اس حالت کی دو قسمیں ہیں' ایک ابتداء کی اور ایک اس کے بعد قیام کی' وہ حساب کی جگہ سے دوزخ کے کنارے تک کی مسافت اندھے' گونگے اور بہرے ہونے کے حال میں طے کریں گے' تاکہ ان کی ذلت دکھائی جائے اور ان کو دوسروں سے ممیز اور ممتاز کیا جائے' پھر ان کے حواس لوٹا دیئے جائیں گے تاکہ وہ دوزخ کی آگ کو دیکھ سکیں اور ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کو محسوس کر سکیں اور عذاب کے فرشتوں کا معائنہ کر سکیں اور ہر اس چیز کا مشاہدہ کر سکیں جس کی وہ دنیا میں تکذیب کرتے تھے' پھر وہ اس حال میں دوزخ میں رہیں گے کہ وہ بولیں گے اور سنیں گے اور دیکھیں گے اور حسب ذیل آیتوں میں اس پر دلیل ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۷)

اور کاش! آپ اس وقت دیکھتے جب ان کو دوزخ میں کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس' کاش! ہمیں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے ۝

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ (الملک: ۸۔۹)

جب بھی کفار کا کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے محافظ اس سے سوال کریں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' سو ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: تم تو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو ۝

اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دوزخی اہل جنت کو پکار کر کہیں گے:

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۗ. (الاعراف: ۵۰)

ہمارے اوپر کچھ پانی ڈالو یا ان چیزوں میں سے کچھ ڈالو جو تمہیں اللہ نے دی ہیں۔

اور اہل جنت دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے:

اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ. (الاعراف: ۴۴)

بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے برحق پالیا' پس تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا آیا تم

نے بھی اس کو برحق پالیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں کفار کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے اور خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار اپنی قبروں سے نکلیں گے اور جب ان کو محشر کی طرف ہانکا جائے گا اور جب وہ حساب کے لیے پیش ہوں گے اور جب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے' ان چاروں حالتوں میں ان کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے صرف اس وقت ان کے اعضاء اور حواس سلامت نہیں ہوں گے جب ان کو حساب کی جگہ سے دوزخ کے کناروں کی طرف دھکیلا جائے گا۔ 23

(التذکرہ ج ۱ ص ۳۱۶۔ ۳۱۸ ملخصاً' دار البخاری' المدینہ المنورہ' ۱۴۱۷ھ)

جبر کا معنی

ق: ۴۵ میں فرمایا: ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (یہ کفار) کہہ رہے ہیں' اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو O

یعنی جو کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو برا کہتے ہیں ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور آپ ان کو جبراً مؤمن اور مسلمان بنانے والے نہیں ہیں' اس آیت کا حکم آیتِ جہاد نازل کرنے سے منسوخ ہو گیا ہے۔

اس آیت کی وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَمَآ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ O (المؤمن: ۲۹) میں تو تمہیں صرف نیکی کا راستہ دکھا رہا ہوں O

اور رہا واقع میں تم کو نیک بنا دینا' اس پر میرا اختیار نہیں یہ صرف اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے اور وہ بھی کسی کو جبراً مؤمن یا نیک نہیں بناتا' انسان نیکی یا بدی میں سے جس چیز کو بھی اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی چیز پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ O (الغاشیہ: ۲۲) آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں O

جبر کا معنی یہ ہے کہ انسان کی مرضی کے خلاف اپنے زور اور اپنی طاقت سے اس سے کوئی ایسا فعل صادر کرانا جس فعل کو وہ ناپسند کرتا ہو اور اس کو اپنے اختیار سے کرنا نہ چاہتا ہو۔

بعض صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کاش' آپ ہم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں تو یہ آیت نازل ہوئی: پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔ وعید عذاب کی خبر کو کہتے ہیں اور وعد ثواب کی خبر کو کہتے ہیں: قتادہ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہم کو ان لوگوں سے کر دے جو تیری وعید سے ڈرتے ہوں اور تیرے وعد کی توقع رکھتے ہوں۔

سورۃ ق کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۷ جولائی ۲۰۰۴ء بہ روز منگل بعد نماز ظہر سورت ق کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس سورت کی تفسیر کی ابتداء ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے صرف سولہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا' والحمد للہ' اگرچہ اس کی تفسیر کے دوران کچھ ضعف اور مرض کی شدت کی وجہ سے کام میں تعطل بھی رہا۔

۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ کو میری امی کا انتقال ہوا تھا' قارئین سے التماس ہے کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری امی کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میری امی کی قبر کو "روضۃ من ریاض الجنۃ" (جنت کے باغوں میں سے ایک باغ) بنا دے۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے اپنے فضل و کرم سے باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں۔ وما ذالک

على الله بعزيز ماشاء الله ولا قوة الا باللّٰه العلى العظيم۔

والحمد للّٰه رب العٰلمين والصلٰوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلٰى آله الطاهرين واصحابه الراشدين وعلٰى اولياء امته وعلٰى علماء ملته وامته اجمعين۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الذّٰریٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

"الــذّٰریٰت" "ذاریۃ" کی جمع ہے اور اس کا مصدر ہے "ذرو" اس کا معنی ہے: ہوا کا خاک اڑانا اور گرد وغبار بکھیرنا' "الذاریات" اس سورت کا نام ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے:

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا (الذّٰریٰت:۱) گرد وغبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ۝

ان ہواؤں کی قسم کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظمت والی ہیں۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۱ ہے۔

سورت قٓ اور سورت الذّٰریٰت کی باہمی مناسبت

سورت قٓ کا اختتام حشر ونشر کی آیات پر ہوا تھا اور اس سورت کی ابتداء ہواؤں اور بادلوں کے ذکر سے ہوئی ہے اور اس میں حشر ونشر پر دلیل ہے کہ جس طرح ہوائیں سمندر کے قطرات کو اٹھاتی ہیں پھر بارش کے ذریعہ اس پانی کو دوبارہ زمین پر پہنچا دیتی ہیں' اسی طرح انسان مرکر خاک اور مٹی ہو جائے گا اور اس کے ذرات زمین میں بکھر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ ان ذرات کو مجتمع کر کے انسانی پیکر بنا دے گا۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ سورت قٓ میں اجمالی طور پر رسولوں کی تکذیب کرنے والی امتوں کا ذکر فرمایا تھا' مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی قوم' عاد اور ثمود اور حضرت لوط' حضرت شعیب اور تبع کی قوم کا ذکر فرمایا تھا اور الذّٰریٰت میں ان قوموں کا حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت موسیٰ' حضرت ہود' حضرت صالح اور حضرت نوح علیہم السلام کے قصص میں تفصیل سے ذکر ہے۔

سورت الذّٰریٰت کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اصول اور عقائد پر زور دیا ہے' اور توحید' رسالت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل دیئے ہیں۔

☆ کفار مکہ اور دیگر اقوام کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کی تکذیب کی اور آخرت کا انکار کیا اور بالآخر وہ دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے' اسی طرح مؤمنین اور متقین کا ذکر فرمایا جن کے لیے آخرت میں جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کو تیار کیا گیا ہے۔

☆ گزری ہوئی ان قوموں کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور یہ حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت

موسیٰ علیہم السلام کی قومیں تھیں اور عاد اور ثمود کی قومیں تھیں' ان قوموں کے واقعات سے کفار مکہ کو عبرت دلانا مقصود تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دینا تھی کہ اگر آپ کی قوم آپ کی تکذیب کر رہی ہے اور آپ کو ایذاء پہنچا رہی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' ہمیشہ سے عظیم رسولوں کی تکذیب کی جاتی رہی ہے اور ان کو ایذاء پہنچائی جاتی رہی ہے۔

☆ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی تخلیق' اپنی قدرت اور اپنی وحدت کے دلائل کو دہرایا ہے اور اللہ کا شریک قرار دینے' اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے اور ان کی اطاعت سے انحراف کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین سے اعراض کرنے اور متقین کو نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے' جن کو آپ کی نصیحت سے فائدہ ہوگا۔

☆ سورت کے اخیر میں بیان فرمایا ہے کہ جنات اور انسانوں کو پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کے رزق کا کفیل ہے اور کفار اور مشرکین جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے عذاب شدید سے ڈرایا گیا ہے اور ان سے پہلے جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی تھی ان پر دنیا میں جو عذاب بھیجا گیا تھا اس عذاب سے موجودہ کفار اور مکذبین کو ڈرایا ہے۔

سورت الذّٰریٰت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور جو باتیں غلط اور ناصواب ہوں ان سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور مجھے ان کا رد کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمانا۔ آمین یا رب العٰلمین

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ الطاھرین
واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المؤمنین وعلی ذریاتہ الطیبین
وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۳

سورۃ الذّٰریٰت مکیۃ ۵۱	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	آیاتہا ۶۰ رکوعاتہا ۳

سورۃ الذّٰریٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں ساٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝١ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝٢ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝٣ فَالْمُقَسِّمٰتِ

گرد و غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر بادلوں کی صورت میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی

اَمْرًا ۝٤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝٥ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝٦ وَالسَّمَآءِ

قسم ○ پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم ○ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا ہے ○ اور بے شک جزاء ضرور حاصل

ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩

ہوگی ○ اور راستوں والے آسمان کی قسم ○ بے شک تم ضرور مختلف قول کے قائل ہو ○ اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے جس کو (ازل میں)

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝١١ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ

پھیر دیا گیا تھا ○ اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیے جائیں ○ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں ○ وہ پوچھتے ہیں:

يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٢ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝١٣ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا

قیامت کب آئے گی ○ (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ○ اب اپنے اس عذاب کو چکھو یہی وہ عذاب

الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٤ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝١٥ اٰخِذِيْنَ

ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے ○ بے شک متقین جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ وہ ان کو لینے والے ہوں

مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝١٦ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ

گے جو ان کا رب ان کو عطا فرمائے گا بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے ○ وہ رات کو کم

الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝١٧ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝١٨ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

سوتے تھے ○ اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے ○ اور ان کے مالوں میں سائلوں

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝١٩ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ

اور محروموں کا حق ثابت تھا ○ اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں ○ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی

أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

(نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے O اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O پس آسمان

وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع ۲۳/۱ ۱۸

اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے جیسا کہ تمہارا کلام کرنا (برحق ہے) O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گرد و غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم O پھر بادلوں کی صورت میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم O پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم O پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم O بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا ہے O اور بے شک جزاء ضرور حاصل ہوگی O (الذّٰرِیٰت: ۱-۶)

مشکل الفاظ کے معانی

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

"وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا O" اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو خاک اڑاتی ہیں' کہا جاتا ہے: "ذرت الريح التراب" ہوا نے خاک اڑائی۔

"فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا O" یعنی وہ ہوائیں جو بادل کی صورت میں پانی کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

"فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا O" وہ کشتیاں جو پانی میں سہولت سے چلتی ہیں۔

"فَالْمُقَسِّمٰتِ أَمْرًا O" وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق چیزوں کو مخلوق کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اس لیے کھائی کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس قسم کا جواب ان آیات میں ہے:

"إِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ O" یعنی تم سے جو ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور گناہ گاروں کو جو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ وعدہ اور وعید سچا ہے۔

"وَإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ O" یعنی قیامت کے دن میدانِ حشر میں ضرور حساب و کتاب ہوگا۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۸۰-۲۸۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر چڑھ کر فرمایا: تم مجھ سے اللہ کی کتاب کی جس آیت کے متعلق یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سنت کے متعلق سوال کرو گے میں تم کو اس کی خبر دوں گا' تب ابن الکواء نے کھڑے ہو کر کہا: اے امیر المؤمنین! اس آیت کا کیا معنی ہے "وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا O"؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: آندھی' اس نے کہا: "فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا O" کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: بادل' اس نے کہا: "فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا O" کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: کشتیاں۔ اس نے کہا: "فَالْمُقَسِّمٰتِ أَمْرًا O" اس کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: فرشتے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان آیات کی یہ تفسیر حدیث مرفوع سے بھی ثابت ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

امام بزار اپنی سند کے ساتھ صبیغ تمیمی سے روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ صبیغ تمیمی حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور کہا: یہ بتایئے ''الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًاۙ'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آندھیاں ہیں اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا بتایئے ''فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًاۙ'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بادل ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا یہ بتایئے کہ ''فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًاۙ'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کشتیاں ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا ''فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًاۙ'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد فرشتے ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' (پھر حضرت عمر نے اپنی فراست سے جان لیا کہ اس شخص میں خبث باطن ہے اور یہ عناداً سوال کر رہا ہے اس لیے) آپ نے حکم دیا کہ اس کو سو درے مارے جائیں اور اس کو ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے' پھر جب اس کے مار کے زخم ٹھیک ہو گئے تو پھر اس کو سو درے مارنے کا حکم دیا اور اس کو اونٹ کے کجاوے پر سوار کرا کر نکال دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف لکھا کہ لوگوں کو اس سے بات کرنے سے منع کر دیں' پھر ایک عرصہ تک یونہی رہا' حتیٰ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے لکھا کہ اب اس نے بہت پکی قسمیں کھا کر کہا ہے کہ اب اس کے دل میں کوئی بغض اور عناد نہیں ہے' تب حضرت عمر نے ان کی طرف لکھا کہ میرا گمان ہے کہ اب اس کے دل میں کوئی عناد نہیں رہا' اب لوگوں کو اس سے بات کرنے کی اجازت دے دو۔

امام بزار نے کہا: اس سند کے علاوہ ہمیں اور کسی طریقہ سے اس حدیث کا علم نہیں ہے اور اس سند میں ایک راوی ابو بکرہ بن ابی سبرہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا ایک راوی سعید بن سلام العطار ہے' وہ اصحاب الحدیث میں سے نہیں ہے اور ہم پہلے اس کی علت بیان کر چکے ہیں اور اس سند کے علاوہ اور کسی سند سے ہمیں اس حدیث کا علم نہیں ہے۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۳ ص ۷۰- رقم الحدیث: ۲۲۵۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام بزار کے حوالہ سے اس حدیث اور اس کے ضعف کو حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ (تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۲۷۹) اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۴) نے بھی بیان کیا ہے۔

اور تم کو خیر و شر اور ثواب و عذاب کی جو خبریں دی گئیں ہیں وہ ضرور صادق ہیں اور قیامت کے دن حساب و کتاب ضرور ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور راستوں والے آسمان کی قسم○ بے شک تم ضرور مختلف اقوال کے قائل ہو○ اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے' جس کو (ازل میں) پھیر دیا گیا تھا○ اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں○ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں○ وہ پوچھتے ہیں: قیامت کب آئے گی○ (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا○ اب اپنے اس عذاب کو چکھو' یہی وہ عذاب ہے' جس کو تم جلد طلب کرتے تھے○ (الذّٰریٰت: ۷-۱۴)

''ذات الحبک'' کے معانی

الذّٰریٰت: ۷ میں ہے: ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِۙ'' اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ''السماء'' سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد وہ بادل ہیں جو زمین پر سایہ کرتے ہیں' حضرت ابن عمر نے کہا: اس سے مراد بلند آسمان ہیں' علامہ ثعلبی اور علامہ الماوردی نے کہا: اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔

اور ''الحبک'' کی تفسیر میں سات قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس چیز کی ظاہری بناوٹ حسین وجمیل اور ہموار ہو۔
(۲) عکرمہ نے کہا: جب کوئی کپڑا بننے والا عمدہ کپڑا بنے تو کہتے ہیں: حبک الثوب ای اجادہ' سو"ذات الحبک" کا معنی ہے: عمدگی والا۔
(۳) ابن الاعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تم مضبوط اور خوب صورت بناؤ اس کے متعلق کہا جاتا ہے: احتبکتہ. یعنی حسن اور مضبوطی والا۔
(۴) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے: مزین' ان کا دوسرا قول ہے: اس سے مراد ہے ستاروں والا آسمان۔
(۵) ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے: مختلف راستوں والا' جب ہوا چلنے سے ریگستان میں مختلف راستے بن جائیں تو کہتے ہیں: ذات الحبک.
(۶) لوہے کی زرہ اور گھنگریالے بالوں کو بھی "حبک" کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: ہر توڑنے والی چیز کو "حبک" کہتے ہیں۔
(۷) جو چیز شدید الخلق ہو اس کو "حبک" کہتے ہیں" "ذات الحبک" کا معنی ہوا جس کی بناوٹ شدید ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ (النبا: ۱۲) اور ہم نے تمہارے اوپر سات شدید آسمان بنائے ۝

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے متعلق کفار مکہ کے مختلف اقوال

الذّٰریٰت: ۸ میں فرمایا: بے شک تم ضرور مختلف اقوال کے قائل ہو ۝

یعنی اے اہل مکہ! تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن مجید کے متعلق مختلف باتیں کرتے ہو' تم میں سے بعض آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور بعض تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں ان میں سے بعض آپ کو ساحر کہتے ہیں' بعض شاعر کہتے ہیں' بعض مفتری کہتے ہیں' بعض مجنون کہتے ہیں' بعض کاہن کہتے ہیں' اسی طرح بعض قرآن مجید کو شعر و شاعری کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں کہ اس میں من گھڑت باتیں ہیں' اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں پہلوں کے قصے ہیں' اسی طرح ان میں سے بعض حشر ونشر کی بالکل نفی کرتے ہیں اور بعض کو اس کے وقوع میں شک ہے' اور یہ قائلین وہ ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔

ازل میں کفار کو ایمان سے پھیر دینے کی توجیہ

الذّٰریٰت: ۹ میں فرمایا: اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے جس کو (ازل) میں پھیر دیا گیا تھا ۝

یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے سے ان ہی کو روگرداں کیا جاتا ہے جن کو ازل میں روگرداں کیا گیا تھا یا جنہوں نے قرآن مجید کو سحر یا کہانت کہا یا پچھلے لوگوں کے افسانے کہا' ان کو اس جرم کی پاداش میں ایمان لانے سے پھیر دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کو ازل میں ایمان لانے سے پھیر دیا گیا تھا یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بسیار کوشش اور بھرپور تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔

"الخراصون" کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے دعائیہ کلام کی توجیہ

الذّٰریٰت: ۱۰ میں فرمایا: اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں ۝

اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کو جنات میں سے کوئی شخص فرشتوں سے کوئی ایک غیب کی بات سن لیتا' پھر وہ ان لوگوں کو وہ بات بتاتا اور وہ اس ایک بات کے ساتھ کئی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو بتاتے' ان کو کاہن کہا جاتا تھا' یہ تنگ

بندی اور اندازے سے مستقبل کے متعلق پیشین گوئیاں کرتے تھے' یہ جھوٹے لوگ تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو ہلاک کر دیا جائے' یہ زجر و توبیخ اور ملامت کا کلمہ ہے' یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو قتل کر دیا جائے' یعنی ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کر دیا جائے اور بعض مفسرین نے کہا: ان پر لعنت کر دی جائے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہیں' اور "الخراصون" کا معنی ہے: جو بغیر علم کے محض اندازے اور اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون' کذاب' ساحر اور شاعر وغیرہ کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: ان کو قتل کر دیا جائے یہ دعائیہ کلمہ ہے' اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف قتل اور ہلاکت کی دعا کر رہا ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرنی چاہیے یا اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کہیں: "قتل الخراصون" یعنی اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں یا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک کر دیئے گئے ہیں یا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کر دی گئی ہے۔ یہ تمام توجیہات اس لیے کی گئی ہیں کہ یہ اعتراض نہ ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف دعا کی ہے کہ ان کو ہلاک کر دیا جائے' حالانکہ دعا وہ شخص کرتا ہے جو خود عاجز ہو اور اللہ تعالیٰ تو قادر اور قدیر ہے۔

الذٰریٰت: ۱۱ میں فرمایا: جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں O

"الغمرة" کا معنی ہے: جو چیز کسی چیز کو چھپالے اور ڈھانپ لے "غمرات الموت" کا معنی ہے: موت کی وہ سختیاں جو انسان کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ "ساھون" "ساھی" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: سہو کرنے والا' یعنی کسی چیز کو بھولنے والا' اس سے مراد وہ کفار اور مشرکین ہیں جو دنیا کی رنگینیوں اور کھیل کود میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول بیٹھے تھے۔

کفار اور مشرکین کے استہزاء کی سزا

الذٰریٰت: ۱۲۔۱۳ میں فرمایا: وہ پوچھتے ہیں: قیامت کب آئے گی؟ O (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا O

کفار اور مشرکین سوال کرتے تھے: آپ ہمیں جس عذاب کے دن سے ڈراتے ہیں وہ دن کب آئے گا؟ ان کو قیامت کے وقوع میں شک تھا اس لیے وہ یہ سوال کرتے تھے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے بہ طور استہزاء یہ سوال کرتے تھے' آپ سے فرمایا: آپ ان سے کہیں کہ جس دن ان کو دوزخ کے فتنہ میں مبتلا کیا جائے گا' کسی کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا معنی ہے: اس کو آزمائش میں ڈالنا اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔

الذٰریٰت: ۱۴ میں فرمایا: اب اپنے اس عذاب کو چکھو' یہی وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے O

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: تم جس عذاب کو طلب کرتے تھے اس کو چکھو یا تم جس عذاب کے مستحق تھے اب اس عذاب کو چکھو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے: تم اپنی سزا کو چکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین جنتوں اور چشموں میں ہوں گے O وہ ان کو لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا O بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے O وہ رات کو کم سوتے تھے O اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے O اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ثابت تھا O (الذٰریٰت: ۱۵۔۱۹)

متقین کے آخرت میں احوال

اس سے پہلی آیات میں کفار کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا اور اب ان آیات میں مسلمانوں کے اخروی انجام کا ذکر فرما

رہا ہے۔

الذّٰریٰت: ۱۵ میں متقین' جنتوں اور چشموں کا ذکر ہے۔

متقی کی چار قسمیں ہیں: (۱) وہ مومن جو شرک اور کفر سے مجتنب ہو (۲) وہ مومن جو شرک' کفر اور گناہ کبیرہ سے مجتنب ہو (۳) وہ مومن جو شرک' کفر گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ سے مجتنب ہو (۴) وہ مومن جو شرک' کفر' گناہ کبیرہ' گناہ صغیرہ اور خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی مجتنب ہو' جو مومن ہر قسم کی معصیت سے مجتنب ہو' اس کے متعلق ظن غالب ہے کہ وہ ابتداءً بلا حساب و کتاب جنت میں چلا جائے گا' اور جو مومن گناہ ہائے کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر جائے اس کے متعلق توقع ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں چلا جائے گا یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے جنت میں چلا جائے گا یا اپنی سزا کو بھگت کر جنت میں چلا جائے گا۔

جنت کے معنی باغ ہیں' اس کو جنت اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں انواع واقسام کے پھل دار درخت ہوں گے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے اور فرمایا ہے کہ جنتی چشموں میں ہوں گے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ کسی انسان کا پانی میں ہونا تو اس کے لیے کوئی لذت اندوز چیز نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ متقی ایسی پر فضا جگہ میں ہوں گے جس کے اردگرد چشمے اور درخت ہوں گے اور وہ بہت خوش نما منظر ہوگا۔

الذّٰریٰت: ۱۶ میں فرمایا: وہ ان کو لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا○

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ ان احکام اور فرائض کو قبول کرنے والے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ جنت میں ان نعمتوں کو وصول کرنے والے اور ان پر قبضہ کرنے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے○

یعنی جنت میں داخل ہونے سے پہلے وہ دنیا میں نیک کام کرنے والے ہوں گے' فرائض کو اچھی طرح سے ادا کرنے والے ہوں گے یعنی فرائض کو ان کے اوقات مستحبہ میں ان کی شروط' ارکان' واجبات' سنن اور مستحبات کے ساتھ ادا کرنے والے ہوں گے یا فرائض کے ساتھ سنن اور نوافل کو بھی ادا کرنے والے ہوں گے۔

رات کو کم سونے اور زیادہ عبادت کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۷ میں فرمایا: وہ رات کو کم سوتے تھے○

اس آیت میں ''یھجعون'' کا لفظ ہے' ''الھجوع'' کا معنی ہے: رات کو سونا' اور ''التھاجع'' کا معنی ہے: تھوڑی سی نیند کرنا۔

یعنی وہ رات کو کم وقت سوتے ہیں اور زیادہ وقت نمازیں پڑھتے ہیں۔

عطاء نے کہا: یہ اس وقت کی بات ہے جب ان پر رات کا قیام فرض تھا' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًاۙ○ اے چادر اوڑھنے والے○ رات کو نماز میں کم قیام کیا کرو○ (المزمل: ۱۔۲)

اس کا معنی ہے: وہ رات کو بہت کم وقت سوتے تھے اور زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔

مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے تھے اس کے بعد

قباء میں اپنے گھروں کی طرف جاتے تھے۔

رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا سب سے عمدہ طریقہ

رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق بہترین طریقہ یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے وہ ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں' وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے' وہ نصف رات تک سوتے تھے تہائی رات میں قیام کرتے تھے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۷۰' سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۲)

اس حدیث کی وضاحت اس طرح ہے کہ فرض کیجئے کہ رات چھ گھنٹے کی ہے تو اس کا نصف تین گھنٹے ہیں تو آپ تین گھنٹے سو کر پھر اٹھ جائیں اور تہائی رات نماز پڑھیں اور چھ گھنٹوں کے تہائی دو گھنٹے ہیں' پس آپ دو گھنٹے نماز پڑھیں اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں پھر سو جائیں اور چھ گھنٹے کا چھٹا حصہ ایک گھنٹہ ہے' پس آپ ایک گھنٹہ سو کر پھر نماز فجر کے لیے اٹھ جائیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے الذّٰریٰت: ۱۷۔۱۸ کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' حتیٰ کہ جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو وہ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کردوں اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ رات کے اوّل حصے میں سوتے تھے اور آخری حصہ میں نماز میں قیام کرتے تھے' آپ نماز پڑھتے رہتے' پھر آپ اپنے بستر کی طرف لوٹ جاتے' پھر جب مؤذن (نماز فجر کی) اذان کہتا تو آپ جلدی سے اٹھ جاتے' پھر اگر آپ کو غسل کی حاجت ہوتی تو آپ غسل کرتے ورنہ وضو کر کے حجرہ سے باہر چلے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۰)

بہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات کے نصف اول میں سوتے تھے پھر رات کے تہائی حصے میں نماز میں قیام کرتے تھے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق یہی آپ کے رب کے نزدیک رات کی نماز پڑھنے کا سب سے عمدہ اور پسندیدہ طریقہ ہے۔

سحر کے وقت مغفرت طلب کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۸ میں فرمایا: اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے O

اس آیت میں متقین کی ایک اور صفت مدح بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا: رات کے پچھلے پہر سحر کے وقت دعا کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں اس لیے ان کی نماز کو استغفار کہا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں پھر اس نماز کو دراز کر کے سحر کے وقت تک پڑھتے رہتے ہیں۔

ابن وہب نے کہا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ صبح کے وقت قباء سے روانہ ہوتے ہیں اور مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی میں صبح کی نماز پڑھتے ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد رات کا آخری چھٹا حصہ ہے' جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز کے بیان میں گزر چکا ہے۔

احنف بن قیس نے کہا: میں نے اپنے اعمال کا اہل جنت کے اعمال سے تقابل کیا تو میں نے دیکھا' ہمارے اعمال اور ان کے اعمال میں بہت فرق ہے اور ہم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے اور میں نے اپنے اعمال کا دوزخیوں کے اعمال سے تقابل کیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے اعمال میں کوئی خیر نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کی کتاب اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تکذیب اور انکار کرتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ ہم میں سب سے اچھا مرتبہ اس مسلمان کا ہے جس کے کچھ اعمال نیک ہوں اور کچھ اعمال برے ہوں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۱۲' النکت والعیون ج ۵ ص ۳۶۵۔۳۶۶)

اس سے پہلے ہم رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث کو بیان کر چکے ہیں' اب ہم چند احادیث بیان کر رہے ہیں' جن میں رات کو نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق وعید ہے۔

صبح تک سونے والے کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک شخص کے رات کو سوتے وقت اس کے سر کے پیچھے گدی پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ رات بہت لمبی ہے تم سوتے رہو' پھر اگر وہ بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو اس کی دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پھر وہ صبح کو تر و تازہ اور خوش و خرم ہوتا ہے ورنہ وہ صبح کو خبیث النفس' سستی اور نحوست کا مارا ہوا ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب اور اس کی تعبیر کے بیان میں فرمایا: رہا وہ شخص جس کے سر کو پتھر سے توڑا جا رہا تھا' یہ وہ شخص تھا جو قرآن کا علم حاصل کرتا تھا اور اس پر عمل کرنے کو ترک کرتا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۔۲۶۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح تک سویا رہتا ہے اور نماز پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتا' آپ نے فرمایا: شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

رات بھر سونے والے کے کان میں شیطان کے پیشاب کرنے کی توجیہات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رات بھر سونے والے کے کان میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے' اس میں اختلاف ہے کہ

اس پیشاب سے حقیقت مراد ہے یا مجاز' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس جگہ حقیقت مراد لینے سے کوئی مانع نہیں ہے اور یہ محال نہیں ہے' کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی ہے اور جماع بھی کرتا ہے تو اس کے پیشاب کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کا پیشاب کرنا سونے والے کو نماز سے روکنے سے کنایہ ہے اور اس کے کان میں ایسی ڈاٹ لگاتا ہے تاکہ وہ اللہ کا ذکر نہ سن سکے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس کے کان میں باطل چیزوں کی لذت بھر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ لذت اذان کے سننے سے مانع ہوتی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان کا اس کے کان میں پیشاب کرنا اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس کی توہین کرتا ہے اور اس کو بہت حقیر جانتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس پر غالب ہوتا ہے اور اس کا استخفاف کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے کان کو اپنا بیت الخلاء بنا لیتا ہے' کیونکہ کسی چیز کے استخفاف کی علامت یہ ہے کہ اس پر پیشاب کر دیا جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص نماز کے لیے اٹھنے سے غافل ہے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کے کان میں پیشاب کر دیا گیا ہو گویا اس کے کان کی حس ساعت فاسد ہو گئی ہے اور عرب کسی چیز کے فساد کو اس پر پیشاب کیے جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کسی شخص کے ناکام اور اس کے بُرے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ صبح تک سوتا رہے اور شیطان اس کے کان میں پیشاب کر چکا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا کہ کان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے' حالانکہ سونے کا تعلق آنکھوں سے ہے' کیونکہ انسان کسی چیز کی آواز سن کر بیدار ہوتا ہے اور کان میں پیشاب کرنے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہ کان میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے اور اس کے اثر سے تمام اعضاء میں سستی پیدا ہوتی ہے۔

طلب مغفرت کے لیے وقت سحر کی خصوصیت

سحر کے وقت استغفار کرنے کی فضیلت میں یہ آیت بھی ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ (آل عمران: ۱۷)

صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور (اللہ کی) اطاعت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحر کے وقت استغفار کرنے والے ○

طلوع فجر سے پہلے جو وقت ہوتا ہے اس کو سحر کہتے ہیں' روزہ رکھنے سے پہلے اسی وقت کھانا کھایا جاتا ہے اس کو سحری کہتے ہیں اور اس وقت استغفار کرنے کی فضیلت کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) رات کی ظلمت کے بعد اس وقت صبح کا نور طلوع ہوتا ہے' اسی طرح سویا ہوا انسان بہ منزلہ مردہ ہوتا ہے اور اس وقت اس میں نئی زندگی آتی ہے اور جس طرح اس وقت اس جہان میں نور کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح اس وقت انسان کے دل میں معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔

(۲) سحر کے وقت انسان کو بہت میٹھی نیند آتی ہے اور جب انسان نیند کی لذت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ

ہوتا ہے تو اس کی عبادت بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔

(۳) اس وقت بالکل سناٹا اور تنہائی ہوتی ہے اور ایسے میں بندہ جو عبادت اور استغفار کرتا ہے اس میں کامل اخلاص ہوتا ہے اور ریا کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

سحر کے وقت استغفار کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سحر کے وقت استغفار کرنے کے متعلق حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں:

ابراہیم بن حاطب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سحر کے وقت مسجد کے ایک کونے میں کسی شخص کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے تیری اطاعت کی اور یہ سحر کا وقت ہے' سو تو میری مغفرت فرما' پھر میں نے دیکھا تو وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رات کو عبادت کرتے تھے اور نماز پڑھتے رہتے تھے' پھر پوچھتے: اے نافع! کیا سحر ہو گئی ہے؟ میں کہتا: نہیں! تو پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے' اور جب میں کہتا: ہاں! تو پھر وہ بیٹھ کر استغفار کرتے اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سحر کے وقت ستر مرتبہ استغفار کریں۔

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات کو نماز پڑھی پھر رات کے آخری حصہ میں ستر مرتبہ استغفار کیا' اس کا نام سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔

زید بن اسلم نے کہا: سحر کے وقت استغفار کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۲۶ص ۲۸۳۔۲۸۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سعید جریری بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے جبریل! رات کا کون سا وقت افضل ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا' لیکن مجھے یہ علم ہے کہ سحر کے وقت عرش ہلنے لگتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ص ۹۱' رقم الحدیث: ۳۴۲۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رات کے اوّل حصے میں ایک منادی ندا کرتا ہے کہ نماز میں قیام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ نماز میں قیام کریں' پھر وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے رہتے ہیں' پھر سحر کے وقت ایک منادی ندا کرتا ہے کہ استغفار کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر وہ لوگ استغفار کرتے ہیں' پھر اور لوگ کھڑے ہوتے ہیں وہ نماز پڑھ کر ان کے ساتھ مل جاتے ہیں' پھر جب فجر طلوع ہوتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے: سنو! غافل لوگوں کو قیام کرنا چاہیے' پھر وہ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جس طرح مردے اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں روئے زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں' پھر اچانک میں اپنے گھروں کو آباد کرنے والوں کو دیکھتا ہوں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو نماز تہجد پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو سحر کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں تو میں زمین والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

مکحول نے کہا: جب کسی امت میں سے پندرہ آدمی ہر روز اللہ تعالیٰ سے پچیس مرتبہ استغفار کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس

امت کو عام عذاب سے ہلاک نہیں کرتا۔
یہ تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ استحضار قلب کے ساتھ زبان سے استغفار کرنا چاہیے اور ابن زید کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سحر کے وقت استغفار کرنے سے وہ لوگ مراد ہیں جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔
لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ایسا نہ ہو کہ مرغ تم سے افضل ہو جائے وہ صبح کے وقت اذان دے اور تم سوئے ہوئے ہو۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۳۷۔۳۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

استغفار کے کلمات اور استغفار کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم یہ دعا کرو:
اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِی وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِی فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔
اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر قائم ہوں میں اپنے کیے ہوئے کاموں سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں اپنے اوپر تیری کی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں سو تو مجھے بخش دے بے شک تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

جو شخص یقین کے ساتھ دن میں ایک بار ان کلمات کے ساتھ دعا کرے اور اس دن شام ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہوگا اور جس شخص نے رات کو یقین کے ساتھ ان کلمات سے دعا کی اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے آپ نے اس درخت پر لاٹھی ماری تو اس کے پتے نیچے گرنے لگے تو آپ نے فرمایا: بے شک "الحمد للہ" اور "سبحان اللہ" اور "لا الٰہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" سے بندے کے گناہ اس طرح گرتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۹۹)

حضرت بلال بن یسار بن زید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کہا: "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ" اس کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب وہ بُرا کام کرتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۰)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کو مبارک ہو جس کے صحیفہ اعمال میں بہ کثرت طلب مغفرت کی دعا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ (گناہ کا) اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

تہائی رات کے مستجاب وقت میں دعا قبول نہ ہونے کی وجوہ

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ نصف رات کا اول حصہ گزر جاتا ہے تو پھر ایک منادی یہ دعا کرتا ہے کہ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے کہ اس کو عطا کیا جائے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸)

اسی طرح یہ حدیث بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رات کے تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس وقت میں دعا قبول ہوتی ہے حالانکہ بعض دعا کرنے والوں کی دعا اس وقت قبول نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ دعا قبول ہونے کی شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے اور شرائط دعا میں سے یہ ہے کہ ذہن کو حاضر کر کے دعا کرے بے پروائی اور بے توجہی سے دعا نہ کرے اور یہ کہ اس کا کھانا' پینا اور لباس پاک ہو اور حلال ذرائع سے حاصل ہوا ہو' ناپاک اور حرام خوراک اور حرام لباس کے ساتھ کی ہوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ کہ وہ کسی گناہ کی یا رشتہ قطع کرنے کی دعا نہ کرے اور دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو مانگ رہا ہے وہ اللہ کے علم میں اس کے لیے اچھی نہیں ہے بلکہ بری ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اس چیز کے بدلہ میں اسے کوئی اور خیر عطا فرمادیتا ہے یا اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے اور دعا کے قبول ہونے میں بندہ کو جلدی اور بے صبری نہیں کرنی چاہیے' حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ لگ بھگ تین سو سال بعد قبول ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں بعثت کی جو دعا کی تھی وہ تقریباً اڑھائی ہزار برس بعد قبول ہوئی' ہم عاجز اور ناتواں بندے ہیں' انبیاء علیہم السلام جتنا حوصلہ اور قوت برداشت ہم میں کہاں ہے؟ سوائے یا اللہ! ہمیں امتحان میں نہ ڈال اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کو برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں' ہماری غلطیوں' کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف فرما' ہم کو تاحیات اپنی رحمت سے گناہوں سے محفوظ رکھ اور جو گناہ سرزد ہو گئے ان کو معاف فرما! آمین

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۹ میں فرمایا: اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ثابت تھا○

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے ان آیات کا ذکر فرماتا ہے جن میں اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا ذکر ہوتا ہے' پھر ان آیات کا ذکر فرماتا ہے جن میں مخلوق پر رحم کرنے اور ان پر شفقت کا ذکر ہوتا ہے' سو اس سے پہلی آیات میں سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذکر تھا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تمہارے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں رزق اور مال کی اپنی طرف نسبت فرمائی ہے' جیسے فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ (الشوریٰ: ۳۸)
اور جو ہم نے ان کو رزق عطا کیا ہے' اس میں سے بعض کو وہ خرچ کرتے ہیں○

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ (یٰسٓ: ۴۷)
تم کو اللہ نے جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے بعض کو خرچ کرو۔

اور زیر تفسیر آیت میں مال کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے اس میں لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے کہ اے لوگو! اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور تنگی اور کمی کا خوف نہ کرو' کیونکہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے' اگر یہ مال ختم ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تم کو اور عطا فرمائے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی مشک کے منہ کو بند نہ کرنا ورنہ اللہ سبحانہٗ بھی تمہارے اوپر اپنی عطاء کو بند کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۳) 24

نیز فرمایا: تم گن گن کر نہ دینا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۸' مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۴۶۱' عالم الکتب)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے خزانہ کا منہ تم پر بند کر دے گا' تم جس قدر خرچ کر سکتی ہو خرچ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۳' مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۵۳۱)

زکوٰۃ اور صدقات کی تعریفات

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ تمہاری زکوٰۃ اور تمہارے صدقات میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے اور زکوٰۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ جو شخص صاحب نصاب ہو اور اس کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بہ قدر نصاب یا اس سے زائد مال ہو اور اس مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اس مال کا چالیسواں حصہ کسی ایسے شخص کو دے جو خود صاحب نصاب نہ ہو اور ہاشمی بھی نہ ہو۔ اسی طرح جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں وہ ایک سو انیس بکریوں تک ایک بکری زکوٰۃ میں دے گا اور جس کے پاس ۳۰ سے ۳۹ گائے ہوں وہ ایک سالہ بچھڑی زکوٰۃ میں دے گا' اسی طرح جانوروں کا بھی نصاب ہے' تاہم یہ نصاب ۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں مقرر کیا گیا ہے اور تفصیل سے زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی ہے' لیکن اجمالی طور پر زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں بھی فرض تھی کیونکہ سورۂ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور وہ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ (المزمل:۲۰)

اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے ہو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

اور زیر تفسیر سورت الذّٰریٰت بھی مکی سورت ہے' اس لیے الذّٰریٰت:۱۹ میں بھی ان کے مالوں میں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کی وہ تفصیلات نہیں ہیں جو ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں ہیں بلکہ اس سے مراد مطلقاً صدقات اور خیرات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔

سائل اور محروم کی تعبیرات

اس آیت میں سائل اور محروم کا ذکر فرمایا ہے' سائل اور محروم کی حسب ذیل تعبیریں بیان کی گئیں ہیں:

(۱) سائل سے مراد ہے: سوال کرنے والا اور بولنے والا' یعنی ناطق اور انسان اور محروم سے مراد ہے: غیر ناطق جان دار' کیونکہ انسان اپنے مال سے جانوروں پر خرچ کرے تو اس پر بھی اس کو اجر ملتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص ایک راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت زور کی پیاس لگی' اس نے ایک کنواں دیکھا تو وہ اس میں اتر گیا' اس نے اس کنویں سے پانی پیا اور پھر کنویں سے

باہر آ گیا' پھر اس نے ایک کتے کو ہانپتے ہوئے دیکھا وہ پیاس کی وجہ سے کیچڑ کھا رہا تھا' اس شخص نے دل میں سوچا: اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہوئی ہے جس طرح مجھے پیاس لگی ہوئی تھی' وہ پھر کنویں میں اترا اور اس نے اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر لیا پھر کتے کو پانی پلایا' اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ نیکی قبول فرمائی اور اس کو بخش دیا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم کو ان جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر والے کے ساتھ نیکی کرنے کا اجر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۴' سنن ابوداؤد: ۲۵۵۰)

اور جب جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ملتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ متقین کے مالوں میں سوال کرنے والے انسانوں کا بھی حق ہے اور جو ضرورت مند جانور سوال نہیں کر سکتے' ان کا بھی ان متقین کے مالوں میں حق ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں بھی جانوروں پر اپنا مال خرچ کرنے کی دلیل ہے:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ. (طٰہٰ: ۵۴) تم خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔

(۲) دوسری تعبیر یہ ہے کہ سائل سے مراد ہے: وہ ضرورت مند جو اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے اور محروم سے مراد ہے: وہ ضرورت مند جو اپنی ضرورت کا سوال نہیں کرتا اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے اس کے حال سے ناواقف لوگ اس کو غنی اور خوشحال سمجھتے ہیں اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○ (البقرہ: ۲۷۳)

صدقات کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں' وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' ان کے حال سے ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں' تم ان کے چہرے کو دیکھ کر (قیاس سے) ان کے فقر کو پہچان سکتے ہو' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے' تم جس قدر مال خرچ کرو گے تو اللہ اس کو جاننے والا ہے ○

سو محروم سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی عزت نفس اور خودداری کو قائم رکھنے کے لیے سوال نہیں کرتے۔ اسی طرح اس آیت میں فرمایا ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ. (الحج: ۳۶) (قربانی کے گوشت سے) تم خود بھی کھاؤ اور اس مسکین کو بھی کھلاؤ جو سوال نہیں کرتا اور اس مسکین کو بھی کھلاؤ جو سوال کرتا ہے۔

یعنی محروم اور سائل دونوں کو کھلاؤ۔

(۳) زیر تفسیر آیت میں یہ اشارہ ہے کہ متقین بہت زیادہ عطا کرتے ہیں' جو سوال کرتے ہیں ان کو بھی عطا کرتے ہیں اور جو سوال نہیں کرتے ان کو بھی عطا کرتے ہیں۔

اور اس آیت میں سائل کو محروم پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ سائل کی ضرورت کا تو اس کے سوال سے پتا چل جاتا ہے اور جو سوال نہیں کرتا اس کی ضرورت کا قیاس اور قیافہ سے پتا چلتا ہے یا کسی کے بتانے سے' اس لیے اس کی ضرورت مخفی ہے' اور سائل کی ضرورت ظاہر ہے اور ظاہر مخفی پر مقدم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سائل سے مراد ایس کو زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور محروم سے مراد اس کو صدقات ادا کرنے ہوں اور زکوٰۃ صدقات پر مقدم ہے اس لیے پہلے سائل کا ذکر فرمایا اور پھر محروم کا ذکر فرمایا۔

نیز اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص سائل اور محروم کو عطا کرتا ہے تو وہ ان پر کوئی احسان نہیں کرتا' بلکہ اس کے مال میں ان کا حق تھا جو ان حق داروں کو ادا کر رہا ہے' اور اگر ان کا حق ان کو ادا نہیں کرے گا تو وہ ظالم اور گناہ گار ہو گا' اللہ تعالیٰ جس کو اس کی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز دیتا ہے تو وہ زیادتی دوسروں کے حقوق کی وجہ سے ہوتی ہے' گائے' بکری اور اونٹنی کا دودھ لوگ پیتے ہیں اس لیے ان میں ان کی ضرورت سے زیادہ دودھ رکھا ہے اور حرام جانوروں کا دودھ کوئی انسان نہیں پیتا' اس لیے ان میں اتنا ہی دودھ رکھا ہے جو ان کے بچوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو۔

اسلام میں سوال کرنے کی شرعی حیثیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سائل کے حق کا ذکر فرمایا ہے' اس کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی سائلین کا ذکر فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج: ۲۴۔۲۵)

اور جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے ○ سوال کرنے والوں کے لیے اور سوال سے رکنے والوں کے لیے ○

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ: ۱۰)

اور رہا سائل تو آپ اس کو مت جھڑکیں ○

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ. (البقرہ: ۱۷۷)

اور جو شخص مال سے محبت کے باوجود' قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال عطا کرے۔

لیکن ان تمام آیات میں مال عطا کرنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ سوال کرنے والوں کو مال عطا کریں یا مال عطا کرنے والوں کو یہ ترغیب دی ہے اور مال عطا کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے اور ضرورت مندوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے لوگوں سے سوال کریں بلکہ ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جو ضرورت کے باوجود لوگوں سے سوال نہیں کرتے بلکہ سوال کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں حتیٰ کہ جو شخص ان کے احوال سے ناواقف ہو وہ ان کے متعلق یہ گمان کرتا ہے وہ غنی اور خوش حال ہیں جیسا کہ البقرہ: ۲۷۳ میں گزر چکا ہے اور اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سے رکنے کی ہدایت دی ہے۔

سوال نہ کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا مال زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے' خواہ سوال کم کرے یا زیادہ کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گڑگڑا کر سوال نہ کرو' اگر تم نے مجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جس کو میں دینا ناپسند کرتا ہوں' پھر میں تم کو وہ چیز دے دوں تو اس میں برکت نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۹۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۴۴' مسند احمد ج ۴ ص ۹۸)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی

لے پھر لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے اور ان لکڑیوں کو فروخت کرے اور اس سے اللہ اس کے چہرے کو سوال سے محفوظ رکھے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۶)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھ کو عطا فرمایا' میں نے آپ سے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا' پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے' جو اس مال کو سخاوت نفس (استغناء) سے لے گا تو اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص اپنے آپ کو گرا کر اس مال کو لے گا تو اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے' حضرت حکیم بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اب میں آپ کے بعد کسی کے مال کو کم نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا سے چلا جاؤں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۱' ۱۴۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر صدقہ کا ذکر فرما رہے تھے اور سوال سے رکنے کا' آپ نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے' اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۶۷)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما رہے تھے اور میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس کو عطا کیجئے' آپ نے فرمایا: اس کو لے لو اور اس سے مال دار بنو اور اس کو صدقہ کر دو' تمہارے پاس جب مال اس حال میں آئے کہ تم اس کو طلب کرنے والے ہو نہ اس کے لیے اپنے آپ کو گرانے والے ہو تو اس مال کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔

سوال کرنے کے جواز اور عدم جواز کا معیار

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کسی شخص کے ذمہ رقم کا کفیل بن گیا تھا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ سے اس سلسلہ میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے پھر ہم تمہیں اس میں سے دینے کا حکم دیں گے' پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے کسی ایک شخص کے لیے جائز ہے (۱) وہ شخص جو کسی شخص کی طرف سے (جائز ادائیگی) کا کفیل ہو' اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ کفالت کی رقم کو حاصل کرلے (۲) جس شخص پر کوئی ناگہانی آفت آجائے' جس کی وجہ سے اس کے سارے مال کا نقصان ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے تاکہ اس کی گزر اوقات کا سبب مہیا ہو جائے (۳) وہ شخص جو فاقے سے ہو اور اس کی قوم کے تین معتبر شخص اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دیں' اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ سوال کر کے کھائے گا تو وہ حرام کھائے گا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۸' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے یا اس کے گھر میں اتنا اثاثہ نہ ہو جس کو فروخت کر کے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے اور اس پر ایک دن فاقہ کا گزر جائے' اس کے لیے

اتنی رقم کا سوال کرنا جائز ہے جس سے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے یا اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا نہ ہو تو وہ اپنی ستر پوشی کے لیے رقم کا سوال کر سکتا ہے' باقی اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ اس کی قوم کے تین معتبر آدمی اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دیں' یہ شرط بہ طور استحباب ہے ضروری نہیں ہے یا یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جس کا جھوٹا اور بہانہ ساز ہونا لوگوں کے درمیان معروف ہو۔

فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے صرف ایک دن کی خوراک ہو اور وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے کمانے پر قادر ہو' اس کے لیے زکوٰۃ لینا اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے' لیکن اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو اور وہ کمانے پر قادر نہ ہو اس کے لیے ایک دن کی خوراک کی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں:

اس شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو یا وہ ایک دن کی خوراک کمانے پر قادر ہو' مثلاً وہ صحت مند اور توانا ہو اور کسی قسم کا کام کر سکتا ہو اور اگر اس کے سوال پر دینے والے کو اس کا علم ہو تو وہ بھی گناہ گار ہو گا کیونکہ وہ ایک حرام کام پر اس کی مدد کر رہا ہے اور اگر اس کو کپڑے کی ضرورت ہو تو اس کا سوال کرنا جائز ہے یا وہ شخص جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہو یا علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے وہ کمانے پر قادر نہ ہو پھر بھی اس کا سوال کرنا جائز ہے۔

علامہ شامی نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور اس کی تائید میں دیگر فقہاء کی عبارات پیش کی ہیں۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ٣ ص ٢٧٩-٢٧٦' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٩ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں O اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ O اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے (جیسا کہ) تمہارا کلام کرنا (برحق ہے) O (الذّٰریٰت: ٢٠-٢٣)

موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی زمین میں نشانیاں

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے احوالِ آخرت بیان فرمائے' اس کے بعد کی آیتوں میں مؤمنوں کے احوالِ آخرت بیان فرمائے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عقائد کا ذکر فرمایا اور ان عقائد میں اہم عقیدہ' انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے' اور اللہ تعالیٰ بار بار مختلف پیراؤں سے اس پر دلائل قائم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو زندہ کر دے اور ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو حیات بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔

وہ علامات حسب ذیل ہیں:

(١) ہم دیکھتے ہیں کہ موسم خزاں میں درختوں کے تمام پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ بالکل سوکھ جاتے ہیں پھر جیسے ہی موسم بہار آتا ہے تو وہ درخت پھر ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اور اس کی شاخیں پتوں سے لد جاتی ہیں اور ہر سال اسی طرح ہوتا ہے اور ہر سال درختوں کی موت اور اس کے بعد حیات کا عمل جاری رہتا ہے۔

(٢) ہم دیکھتے ہیں کہ برسات کے موسم میں پانی اور کیچڑ میں مینڈک اور دیگر حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں اور برسات کا موسم گزرنے کے بعد وہ سب مر کر مٹی ہو جاتے ہیں اور اگلے سال برسات کے موسم میں اسی مٹی سے پھر پیدا ہو جاتے

ہیں اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔
(۳) خشک سالی کی وجہ سے زمین مردہ ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس مردہ زمین پر بارش نازل فرما کر اس کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں رہتا ہے
سو جو خدا مردہ درختوں کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے' بارش کے موسم میں مینڈکوں اور حشرات الارض کو مارتا ہے اور زندہ کرتا رہتا ہے' بنجر اور مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا رہتا ہے وہ مردہ انسانوں کو کیوں زندہ نہیں کر سکتا' کیا زمین میں ان نشانیوں کو دیکھ کر حیات بعد الموت پر یقین نہیں آتا؟
(۴) کفار مکہ اپنے تجارتی سفروں میں جن علاقوں سے گزرتے ہیں ان میں پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کے آثار انہیں نہیں دکھائی دیتے' کیا ان آثار عذاب سے یہ پتا نہیں چلتا کہ جو کفار موت کے بعد دوسری زندگی کے منکر تھے ان کو کیسے عذاب نے آلیا؟
اس آیت میں فرمایا ہے: اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں O اس آیت میں یقین رکھنے والوں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت اور حیات بعد الموت پر یقین رکھنے والے ہی ان نشانیوں میں غور و فکر کر کے اپنے یقین کو پختہ کرتے ہیں اور ان کو اپنے ایمان پر مزید بصیرت حاصل ہوتی ہے' رہے کفار اور منکرین تو وہ تو صاف صاف دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں

الذّٰرِیٰت: ۲۱ میں فرمایا: اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟O
اس آیت کا معنیٰ ہے: زمین میں اور خود تمہارے نفسوں میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:
(۱) قتادہ نے کہا: جو شخص زمین میں سفر کرے وہ زمین میں غور و فکر کرنے والی چیزیں اور عبرت انگیز مناظر دیکھتا ہے' اور جو شخص اپنے آپ میں غور و فکر کرے' وہ جان لیتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔
(۲) السائب بن یزید نے کہا: انسان ایک سوراخ سے کھاتا اور پیتا ہے اور اس کا فضلہ دو مختلف سوراخوں سے نکلتا ہے' اور انسان اگر صرف دودھ پیے تو اس دودھ کا رقیق فضلہ ایک جگہ سے خارج ہوتا ہے اور اس کا ٹھوس فضلہ دوسری جگہ سے خارج ہوتا ہے اور اس کے جوہر مصفّٰی سے اس کے پورے جسم اور بدن کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت اور حکمت کی بہترین نشانی ہے۔
(۳) ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر تم کو سماعت اور بصارت اور دھڑکتا ہوا دل دے کر جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔
(۴) حسن بصری نے کہا: تمہاری جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے اور قوت کے بعد ضعف طاری ہوتا ہے اور سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آ جاتے ہیں (اور تمہارے یہ تغیرات تمہارے حادث ہونے پر دلالت کرتے اور ہر حادث کا کوئی محدث اور خالق ہوتا ہے تو ضرور تمہارا بھی کوئی خالق ہے اور ضرور وہ خالق قدیم اور واجب ہے' تمہاری طرح حادث اور ممکن نہیں ہے اور ضرور وہ خالق واحد ہے کیونکہ قدیم اور واجب متعدد نہیں ہو سکتے)۔
(۵) اسی طرح تمہاری تخلیق کے مراحل کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے پہلے تم کو نطفہ بنایا' پھر جما ہوا خون بنایا' پھر گوشت کا ٹکڑا

بنایا' پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں' پھر اس پتلے میں روح پھونک دی' پھر تخلیق کے بعد تمہارے مختلف رنگ بنائے' مختلف شکلیں اور صورتیں بنائیں اور تمہیں زبانیں اور بولیاں سکھائیں' تمہیں دل اور دماغ دیئے' تمہیں عقلیں عطا کیں اور ان عقلوں میں مختلف صلاحیتیں رکھیں اور تمہیں حسین وجمیل صورتیں عطا کیں اور تمہیں تمام مخلوق سے فزوں تر اور اشرف اور افضل بنایا اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی خلاقی اور اس کی وحدانیت کے بہت دلائل اور بہت نشانیاں ہیں۔

عالم کبیر کی نشانیوں کے مقابلہ میں عالم صغیر کی نشانیاں

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ. عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی۔ (حم السجدۃ: ۵۳)

انسان عالم صغیر ہے اور یہ جہان عالم کبیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر عالم صغیر میں بھی نشانیاں رکھی ہیں اور عالم کبیر میں بھی نشانیاں رکھی ہیں اور عالم کبیر میں جو نشانیاں ہیں وہی نشانیاں عالم صغیر میں ہیں.

(۱) سورج اور چاند میں نور رکھا ہے' جس سے وہ بالذات دکھائی دیتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کی آنکھوں میں نور رکھا ہے' جس سے وہ دیکھتی ہیں۔

(۲) زمین میں خاک اور مٹی ہے اور انسان کا جسم بھی موت کے بعد بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جاتا ہے۔

(۳) عالم کبیر میں پانی ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم میں رطوبات ہوتی ہیں۔

(۴) عالم کبیر میں ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں نفس کا سانس لینا ہے۔

(۵) عالم کبیر میں حرارت والی آگ ہے اور اس کے مقابلہ میں انسان کا پتا ہے' جس میں صفرا ہے' جس میں حرارت ہوتی ہے۔

(۶) اور زمین میں پانی کی نہریں جاری ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کی شریانیں اور رگیں ہیں جن میں خون جاری ہوتا ہے۔

(۷) عالم کبیر میں سمندر ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کا مثانہ ہے' جس میں پیشاب جمع رہتا ہے۔

(۸) عالم کبیر میں پہاڑ ہیں جو زمین کی میخیں ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کی ہڈیاں ہیں۔

(۹) عالم کبیر میں درخت ہیں جن کی شاخیں اور پتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے اعضاء ہیں جو شاخوں اور پتوں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔

(۱۰) عالم کبیر میں گھاس ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے بال ہیں۔

عالم کبیر اور عالم صغیر دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی دونوں کا خالق واحد ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین.

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۹۱)

آسمان میں مخلوق کے رزق کی تفسیریں

الذّٰریٰت: ۲۲ میں فرمایا: آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O

سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: رزق سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہیں' مثلاً بارش اور برف وغیرہ' بارش کے پانی سے کھیتیاں اگتی ہیں اور بارش کا پانی پی کر مخلوق زندہ رہتی ہے اور برف سے چشمے قائم رہتے ہیں۔

حسن بصری جب بادل کو دیکھتے تو کہتے تھے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارا رزق ہے' لیکن تم اپنے گناہوں کی وجہ سے اس

رزق سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

ابن کیسان نے کہا: یعنی آسمان کے رب کے ذمہ تمہارا رزق ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. روئے زمین کے ہر چوپائے (جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ (ھود: ٦)

سفیان ثوری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اللہ کے نزدیک آسمان میں تمہارا رزق ہے' ایک قول یہ ہے کہ آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور جو بھی تمہارا رزق مقدر ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔

نیز فرمایا: اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' عام ازیں کہ تم سے ثواب اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہو یا تم کو قیامت اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہو۔

الذّٰریٰت: ٢٣ میں فرمایا: پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے (جیسا کہ) تمہارا کلام کرنا (برحق ہے)O

اللہ تعالیٰ کی خبر کے برحق ہونے کو انسان کے کلام کے برحق ہونے سے تشبیہ کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس بات کو مؤکد فرمایا کہ اس نے جو حیات بعد الموت اور آسمان میں مخلوق کے رزق ہونے کی خبر دی ہے وہ ضرور سچی اور برحق ہے' پھر اس کی مثال دی جس طرح تمہارا کلام اور گفتگو کرنا برحق ہے۔

اور باقی حواس کی بجائے بولنے کی مثال دی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی حواس کے مدرکات میں اشتباہ ہو جاتا ہے' مثلاً جب انسان دوڑتی ہوئی ٹرین یا بس میں بیٹھا ہوا ہو تو اس کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ ساکن ہوتے ہیں' اسی طرح قوت ذائقہ کے مدرکات میں اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً پیلیا کے مریض کو میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے' اسی طرح خوشبو اور بدبو کے فرق کا پتا نہیں چلتا' بعض لوگوں کو کم سنائی دیتا ہے' صرف قوت گویائی ایسی طاقت ہے جس میں خلل نہیں ہوتا' رہے گونگے انسان تو ان میں یہ قوت ہی نہیں ہوتی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

بعض حکماء نے کہا ہے کہ جس طرح انسان صرف اپنی زبان سے کلام کر سکتا ہے اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی زبان سے کلام کرے' اسی طرح ہر انسان صرف اپنا رزق کھاتا ہے اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کا رزق کھا سکے۔

حسن بصری نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کر دے جن کے لیے خود اللہ عزوجل نے قسم کھا کر ایک بات فرمائی اور انہوں نے اس کی تصدیق نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٢٣٩١٩' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو اس کا رزق اس کا پیچھا کرے گا جیسا کہ موت اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ٧ ص ١٢٨۔١٢٩' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ٥٠٩٣' حلیۃ الاولیاء ج ٧ ص ٩٠۔ ج ٨ ص ٢٣٦)

خالد کے دو بیٹے حبہ اور سواء رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت آپ کوئی کام کر رہے تھے' ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی' آپ نے فرمایا: جب تک تمہارے سر ہل رہے ہیں تم رزق سے

مایوس نہ ہو' کیونکہ جب انسان اپنی ماں سے پیدا ہوتا ہے تو اس کے اوپر کوئی کپڑا نہیں ہوتا' پھر اللہ اس کو رزق دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٦٥)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ

(اے رسول مکرم!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟O جب وہ ان کے پاس آئے

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ

تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے (بھی) جواب میں کہا: سلام (اور دل میں سوچا:) یہ اجنبی لوگ ہیں O پھر چپکے سے اپنے گھر

بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿٢٦﴾ ۙ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ۫ فَاَوْجَسَ

گئے پس بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے آئے O سو بچھڑا ان کے سامنے رکھ کر کہا: کیا تم نہیں کھاتے؟O پھر ابراہیم کو ان سے خوف

مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿٢٨﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

محسوس ہوا' انہوں نے کہا: آپ ڈریئے مت! اور ان کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی O پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی

فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ

آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا: (میں تو) بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O انہوں نے کہا: آپ کے رب نے اسی

قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿٣٠﴾

طرح فرمایا ہے بے شک وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟O جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے (بھی) جواب میں کہا: سلام (اور دل میں سوچا:) یہ اجنبی لوگ ہیں O پھر چپکے سے اپنے گھر گئے پس بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے آئے O سو بچھڑا ان کے سامنے رکھ کر کہا: کیا تم نہیں کھاتے؟O پھر ابراہیم کو ان سے خوف محسوس ہوا' انہوں نے کہا: آپ ڈریئے مت اور ان کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی O پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا: میں تو بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O انہوں نے کہا: آپ کے رب نے اسی طرح فرمایا ہے' بے شک وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O (الذّٰریٰت: ٢٤۔٣٠)

حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں کا مہمان ہونا

ان آیتوں میں یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بدکار قوم پر عذاب دینے کے لیے بھیجے تھے' وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی سدوم میں جانے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے' کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے' وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اجنبی شکل وصورت میں

وقف لازم

گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی ضیافت کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے' جب انہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خوف زدہ ہوئے کہ یہ میرا نمک کیوں نہیں کھا رہے؟ کہیں یہ مجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتے' تب انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے ہیں اور انہوں نے آپ کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دی' اور بعد میں بتایا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب پہنچانے کے لیے آئے ہیں' اس کی تفصیل بعد والی آیتوں میں آئے گی۔

ان آیات کی مفصل تفسیر ہم ھود: ۶۹۔۷۳ "تبیان القرآن" ج ۵ ص ۵۸۴۔۵۹۳ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں' اس تفسیر کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال (۳) فرشتوں کے سلام کے الفاظ (۴) سلام کے متعلق احادیث (۵) جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں یا مکروہ ہے (۶) سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل (۷) اسلام میں مہمان نوازی کی حیثیت (۸) مہمان نوازی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح (۹) مہمان نوازی کے متعلق مذاہب فقہاء (۱۰) مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث (۱۱) مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات (۱۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ (۱۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں (۱۴) پچھلی امتوں میں بھی کھانے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا مشروع تھا (۱۵) حضرت سارہ کے ہنسنے کی وجوہ (۱۶) "یا ویلتی" کا معنی اور ترجمہ (۱۷) اہل بیت کے مصداق کی تحقیق۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے عذاب سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسلی دینے کی طرف اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں بھی کفار انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے' تب ہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتے بھیجے گئے' اس لیے اگر آپ کی قوم کے کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں' اور ان فرشتوں کو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی ہو اور ان کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہو۔

ان فرشتوں کے متعلق فرمایا: یہ ابراہیم کے معزز مہمان ہیں حالانکہ واقع میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان نہ تھے' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ ان کو اپنا مہمان گمان کیا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب نہیں کی اور ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان ہی قرار دیا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ صادق وہ ہوتا ہے جس کا کلام واقع کے مطابق ہو اور صدیق وہ ہوتا ہے کہ واقع اس کے کلام کے مطابق ہو جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیق تھے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا○ (مریم: ۴۱) بے شک ابراہیم صدیق (بہت سچے) نبی تھے○

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے سفر میں ایک شخص کے متعلق فرمایا: "کن ابا خیثمة" تو ابا خیثمہ ہو جا تو وہ ابا خیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹)

ان فرشتوں نے کہا: ہم کو مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے' وہ مجرم قوم حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں تھی' پھر ان فرشتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیوں بھیجا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکریم کے لیے تھا' تاکہ ان کو پہلے سے معلوم ہو جائے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں عذاب آنے والا ہے اور وہ ناگزیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت بدکار قوم تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتی تھی اور ان

آیتوں میں ذکر ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی' اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ. (الصّٰفّٰت:١١٢) اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت دی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ

ابراہیم نے کہا: تو اے رسولو! تمہارا کیا مقصد ہے؟ ○ فرشتوں نے کہا: بے شک

اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾

ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں ○

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں ○ سو ہم نے اس بستی میں سے ان سب کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَ

نکال لیا جو ایمان والے تھے ○ تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا ○ اور

تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ

ہم نے اس بستی میں دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی ○ اور موسیٰ (کے واقعہ)

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى

میں (ہماری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا ○ تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر

بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

منہ موڑا اور کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ پس ہم نے اس کو اور اس کے پورے لشکر کو پکڑ لیا پھر ہم نے ان سب کو سمندر میں

فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾

پھینک دیا اس وقت وہ خود کو ملامت کر رہا تھا ○ اور قوم عاد میں (بھی حیرت انگیز نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر رحمت سے خالی آندھی بھیجی ○

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾ وَفِيْ

جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی ○ اور قوم ثمود میں

ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ

(بھی عبرت انگیز نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم ایک عارضی مدت تک فائدہ اٹھالو O تو انہوں نے اپنے رب کے حکم

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ

سے سرکشی کی تو ان کو ایک ہولناک کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے O پس وہ نہ کھڑے ہو سکتے

قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ

تھے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے O اور اس سے پہلے قوم نوح میں (بھی عبرت کی

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲ ۲۳ ۱

نشانی ہے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم نے کہا: تو اے رسولو! تمہارا کیا مقصد ہے؟ O فرشتوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں O جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O سو ہم نے اس بستی میں سے ان سب کو نکال لیا جو ایمان والے تھے O تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O اور ہم نے اس بستی میں دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی O

(الذّٰریٰت: ۳۱۔۳۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مکالمہ

ابتداء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں کو اجنبی شکل وصورت میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے' پھر جب ان سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے آپ کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے کہا کہ آپ کو ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور حضرت ابراہیم کو خوش کرنے کے لیے ان کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ ھود میں جو اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو بیان فرمایا ہے اس میں یہ ارشاد ہے کہ فرشتوں نے بتایا:

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (ھود: ۷۰) ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے O

اور یہاں پر اس آیت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ قصہ پوری بسط اور تفصیل کے ساتھ سورۂ ھود میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

الذّٰریٰت: ۳۲ میں فرمایا: فرشتوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O

ھود: ۷۰ میں فرمایا تھا: ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں' یہاں اسلوب بدل کر فرمایا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں' اور جس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام ہدایت دینے کے لیے گئے وہ مجرموں اور بدکاروں کی بستی تھی اور اس کو سورۂ ھود میں قوم لوط جو فرمایا ہے وہ محض اس مناسبت سے ہے کہ آپ وہاں تبلیغ کرنے اور ہدایت دینے کے لیے گئے تھے۔

الذّٰریٰت: ۳۳۔۳۴ میں فرمایا: تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں O جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O

ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر سیاہ اور سفید دھاری دار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سیاہ اور سرخ دھاری دار تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر عذاب نازل کرنے کے لیے معروف تھے' ایک قول یہ ہے کہ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس شخص کو جا کر وہ پتھر لگتا تھا' وہ بہ ظاہر دیکھنے میں پتھر تھے لیکن درحقیقت وہ مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

ایمان اور اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الذّٰریٰت: ۳۵۔۳۶ میں فرمایا: سو ہم نے اس بستی سے ان سب کو نکال کیا جو ایمان والے تھے O تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O

یعنی جب ہم نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے اس بستی سے ان کی قوم میں سے ایمان والوں کو باہر نکال لیا' تاکہ مؤمنین ہلاک نہ ہوں تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O اور اس گھر میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں تھیں اور اس کے علاوہ وہاں مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہیں تھا' پہلی آیت میں فرمایا ہے: ہم نے اس بستی سے ایمان والوں کو نکال لیا تھا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: ان کے علاوہ وہاں مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہ تھا' ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان واحد ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام متغایر ہیں' وہ آیت یہ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا . اعراب نے کہا: ہم ایمان لے آئے' آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ (الحجرات: ۱۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تغایر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ایمان کا اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو خبریں اور جو احکام لے کر آئے اور جو اللہ کا کلام لے کر آئے اس کی تصدیق کرنا اور اس کو ماننا اور قبول کرنا اور یہی اسلام کا بھی اصطلاحی معنی ہے' لیکن الحجرات: ۱۴ میں اسلام کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے اور وہ اطاعت ظاہرہ ہے' یعنی اے منافقو! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں کی بلکہ تم نے ان کی ظاہراً اطاعت کی ہے اور زیر تفسیر آیت الذّٰریٰت: ۳۵۔۳۶ میں ایمان اور اسلام کا اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

الذّٰریٰت: ۳۷ میں فرمایا: اور ہم نے اس بستی میں دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی O

اس نشانی سے مراد وہ آثار عذاب ہیں جو دشتِ لوط میں بکھرے ہوئے ہیں' جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصہ تک باقی رہے اور یہ نشانی بھی ان ہی مسلمانوں کے لیے ہے جو اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ وہی وعظ اور نصیحت کا اثر قبول کرتے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ (کے واقعہ) میں (ہماری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا O تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O پس ہم نے اس کو اور اس کے پورے لشکر کو پکڑ لیا پھر ہم نے ان سب کو سمندر میں پھینک دیا اس وقت وہ خود کو ملامت کر رہا تھا O (الذّٰریٰت: ۳۷۔۴۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اس سے مراد ان کا عصا اور ید بیضاء ہے اور ان کے دیگر معجزات ہیں' "رکن" کا معنی لشکر اور قبیلہ ہے یا وہ قوت جس کی وجہ سے انسان اپنے مقابل سے مزاحمت کر سکے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر فرشتوں کی طلب میں ان کی قوم کے بدکاروں نے دھاوا بولا تو انہوں نے کہا تھا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ لوط نے کہا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست حمایتی کی پناہ میں آتا O (ھود:۸۰)

اس آیت میں بھی "رکن" کے معنی قوت والا حمایتی ہے۔

جب فرعون دلائل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب نہ دے سکا تو اس نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے جو اتنے زبردست بادشاہ کے خلاف محاذ آرائی کر رہا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں پھینک دیا' اور مرتے وقت اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا لیکن جب انسان عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا' فرعون سمندر میں غرق ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو آج تک سلامت رکھا ہوا ہے اور اس میں قیامت تک کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ (یونس:۹۲) پس آج ہم تیری لاش کو محفوظ رکھیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے عبرت کی نشانی ہو۔

اس کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے' مصر پر غیر مسلموں کا بھی اقتدار رہا لیکن اس کی لاش کو کوئی خراب نہ کر سکا اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر انمٹ دلیل ہے۔

قوم عاد کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد میں (بھی عبرت انگیز نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر رحمت سے خالی آندھی بھیجی O جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ (الذّٰریٰت: ۴۱۔۴۲)

غور و فکر کرنے والوں کے لیے قوم عاد میں بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' یہ بہت دراز قد اور بہت مضبوط اور قوی ہیکل لوگ تھے' ان کو اپنی جسامت' طاقت اور قامت پر بہت گھمنڈ تھا' انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بنائے ہوئے تھے' حضرت ھود علیہ السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن یہ اپنی طاقت کے زعم میں یہ سمجھتے تھے کہ ان کو کچھ نہیں ہوگا' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت تند و تیز آندھی بھیجی' وہ آندھی بادلوں کو اڑا رہی تھی' درختوں کو گرا رہی تھی' یہ آندھی مسلسل آٹھ دن رات تک چلتی رہی اور اس نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا' اس آندھی کا نام دبور ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو دبور کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۱)

اس آیت میں "رمیم" کا لفظ ہے' جب گھاس سوکھ کر چور چور ہو جائے تو اس کو "رمیم" اور "ھشیم" کہتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چیز بوسیدہ ہو کر ہلاک ہو جائے اس کو "رمیم" کہتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: جن پتھروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اس سے مراد ان کا عصا اور ید بیضاء ہے اور ان کے دیگر معجزات ہیں' "رکن" کا معنی لشکر اور قبیلہ ہے یا وہ قوت جس کی وجہ سے انسان اپنے مقابل سے مزاحمت کر سکے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر فرشتوں کی طلب میں ان کی قوم کے بدکاروں نے دھاوا بولا تو انہوں نے کہا تھا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۝ لوط نے کہا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست حمایتی کی پناہ میں آتا۝ (ھود: ۸۰)

اس آیت میں بھی "رکن" کے معنی قوت والا حمایتی ہے۔

جب فرعون دلائل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب نہ دے سکا تو اس نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے جو اتنے زبردست بادشاہ کے خلاف محاذ آرائی کر رہا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں پھینک دیا' اور مرتے وقت اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا لیکن جب انسان عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا' فرعون سمندر میں غرق ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو آج تک سلامت رکھا ہوا ہے اور اس میں قیامت تک کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ (یونس: ۹۲) پس آج ہم تیری لاش کو محفوظ رکھیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے عبرت کی نشانی ہو۔

اس کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے' مصر پر غیر مسلموں کا بھی اقتدار رہا لیکن اس کی لاش کو کوئی خراب نہ کر سکا اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر انمٹ دلیل ہے۔

قوم عاد کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد میں (بھی عبرت انگیز نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر رحمت سے خالی آندھی بھیجی۝ جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ (الذریٰت: ۴۱۔۴۲)

غور و فکر کرنے والوں کے لیے قوم عاد میں بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' یہ بہت دراز قد اور بہت مضبوط اور قوی ہیکل لوگ تھے ان کو اپنی جسامت' طاقت اور قامت پر بہت گھمنڈ تھا' انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بنائے ہوئے تھے' حضرت ھود علیہ السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن یہ اپنی طاقت کے زعم میں یہ سمجھتے تھے کہ ان کو کچھ نہیں ہوگا' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت تند و تیز آندھی بھیجی' وہ آندھی بادلوں کو اڑا رہی تھی' درختوں کو گرا رہی تھی' یہ آندھی مسلسل آٹھ دن رات تک چلتی رہی اور اس نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا' اس آندھی کا نام دبور ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو دبور کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۱)

اس آیت میں "رمیم" کا لفظ ہے جب گھاس سوکھ کر چور چور ہو جائے تو اس کو "رمیم" اور "ھشیم" کہتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چیز بوسیدہ ہو کر ہلاک ہو جائے اس کو "رمیم" کہتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: جن پتھروں کو

کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے ان کو "رمیم" کہتے ہیں۔ قطرب نے کہا: "رمیم" کا معنی راکھ ہے جو ہڈی بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے اس کو بھی "رمیم" کہتے ہیں اور اس آیت کا معنی ہے: اس تند و تیز آندھی نے قوم عاد کے اجسام کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

قوم ثمود کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم ثمود میں (بھی عبرت انگیز نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم ایک عارضی مدت تک فائدہ اٹھا لو O تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو ان کو ایک ہولناک کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے O پس وہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے O (الذّٰریٰت: ۴۳۔۴۵)

اور قوم ثمود میں بھی عبرت کی نشانیاں ہیں' ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت اور توحید کا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا' اور ان کے مطالبہ پر ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکال کر حضرت صالح کی نبوت پر دلیل قائم کی گئی' ان سے کہا گیا تھا کہ اس اونٹنی کا احترام کریں مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر اس کو گرا دیا اور پھر اس کو قتل کر دیا' حضرت صالح نے ان کو عذاب کی وعید سنائی کہ تم تین دن اپنے گھروں میں گزار لو پھر تم کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا' تین دن کے بعد ان کو ایک کڑک نے آ لیا اور وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔ قرآن مجید میں "صاعقة" کا لفظ ہے' اس کی متعدد تفسیریں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی موت ہے' اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: مہلک عذاب۔ حسین بن واقد نے کہا: قرآن مجید میں جہاں بھی "صاعقة" کا لفظ آیا ہے اس کا معنی عذاب ہے اور اس کا معنی کڑک بھی ہے' جس وقت ان پر عذاب آیا وہ اس کو دیکھ رہے تھے اور وہ اس کے سامنے اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے' نہ اس کو برداشت کرنے کی اور نہ اس کو اپنے سے دور کرنے کی طاقت رکھتے اور جس وقت وہ عذاب سے ہلاک ہو رہے تھے اس وقت وہ کسی سے مدد بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے یعنی ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے پہلے قوم نوح میں (بھی عبرت کی نشانی ہے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O

(الذّٰریٰت: ۴۶)

یعنی قوم عاد کو کڑک کے عذاب نے پکڑ لیا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کئی صدیوں تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور صرف اسی (۸۰) آدمی ان پر ایمان لائے' حضرت نوح علیہ السلام نے ایک وسیع و عریض کشتی بنائی اور ایمان والوں کو اپنے ساتھ اس کشتی میں بٹھا کر لے گئے۔

انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی نشان دہی

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں کے ساتھ مباحثہ کا ذکر ہے' اس کی تفصیل ھود: ۷۴ میں ہے' دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۵ ص ۵۹۲۔ اور اس رکوع میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے اس کی تفصیل الاعراف: ۸۰۔۸۴ میں ہے' دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۲۱۴۔۲۲۰۔

اور اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیل الاعراف: ۱۰۳۔۱۴۷ میں ہے' دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۲۲۸۔۳۳۴۔

اور اس رکوع میں قوم عاد کے واقعہ کا ذکر ہے' اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر الاعراف: ۶۵۔۷۲ میں ہے' دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۱۹۹۔۲۰۷۔

اور اس رکوع میں قوم ثمود کے واقعہ کا ذکر ہے' اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر الاعراف: ۷۳۔۷۹ میں ہے' دیکھئے "تبیان

القرآن" ج ۴ ص ۲۰۹ ـ ۲۱۳ ـ
اور اس رکوع کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اس کی تفصیل الاعراف: ۵۹ ـ ۶۹ میں ہے دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۱۹۰ ـ ۱۹۸ ـ

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا

اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا اور بے شک ہم ضرور وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں ○ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں ○ اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۵۰﴾

حاصل کرو ○ پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں ○

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۵۱﴾

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں ○

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا:

سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾

یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے ○

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ قٖ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ

پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی ○ اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

مومنین کے لیے مفید ہے ○ اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں ○ بے شک اللہ ہی

هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا

سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہےO پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا

مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ 25

ایسا) حصہ ہے جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے سو وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریںO پس کفار کے

ع ۳ ۱۴ ۲ كَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا اور بے شک ہم ضرور وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیںO اور زمین کو ہم نے فرش بنایا پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیںO اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کروO (الذّٰریٰت: ۴۷۔۴۹)

''اید'' کا معنی

اس آیت میں ''اید'' کا لفظ ہے اس کا معنی قوت اور قدرت ہے یعنی ہم نے آسمان کو اپنی قوت اور قدرت سے بنایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اید'' ''ید'' کی جمع ہو اور اس کا معنی ہو: ہم نے آسمان کو (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کے ثبوت میں دو مذہب ہیں' ایک مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں اور وہ مخلوق کے ہاتھوں کی مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کیا کیفیت ہے' یہ ائمہ اربعہ اور متقدمین کا مذہب ہے' اور متاخرین نے جب دیکھا کہ ان الفاظ کی وجہ سے مخالفین اسلام' اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جسمانی اعضاء ہیں اور جسمانی اعضاء کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو انہوں نے ان الفاظ کی تاویل کی اور کہا: ہاتھوں سے مراد اس کی قدرت' اس کی قوت اور اس کا اقتدار ہے۔

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے بہت وسیع بنایا ہے اور بے شک ہم آسمان کو اس سے بھی زیادہ وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بے شک ہم اپنی مخلوق کے لیے رزق میں وسعت کرنے والے ہیں یا ہم آسمان سے بارش نازل کرکے رزق میں وسعت کرنے والے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو آیات ذکر فرمائیں تھیں ان سے مقصود حیات بعد الموت اور حشر پر ثبوت فراہم کرنا تھا اور اس آیت میں بھی حشر کے ثبوت پر دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار آسمان کو بنایا ہے تو وہ دوسری بار آسمان کو کیوں نہیں بنا سکتا؟ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۔ (یٰسٓ: ۸۱)

جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے کیا وہ دوبارہ ان کی مثل بنانے پر قادر نہیں ہے۔

آسمانوں کی بناء کو متعدد بار ذکر کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے بنانے کا متعدد بار ذکر فرمایا ہے' مثلاً فرمایا: ''وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا'' (الشمس: ۵) ''اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا''

(الذّٰریٰت: ۴۷) "جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً" (الغافر: ۶۴) "بناء" کا معنی ہے: عمارت یا کسی چیز کو تعمیر کرنا۔

امام رازی فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان کی بناء (عمارت) قیامت تک قائم رہے گی' اس کی کوئی چیز ساقط ہوگی نہ اس کا کوئی جز معدوم ہوگا' اس کے برخلاف زمین میں تغیر اور تبدل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ فرش (بستر) کو کبھی لپیٹ دیا جاتا ہے اور کبھی پھیلا دیا جاتا ہے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے اور آسمان اس چھت کی طرح ہے جو محکم اور ثابت رہتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے:

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ (النباء: ۱۲) اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے ۝

اور رہی زمین تو اس کا بعض حصہ سمندر بن جاتا ہے اور بعد میں وہ پھر خشکی کا ٹکڑا بن جاتا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ آسمان انسانوں کے سروں کے اوپر مضبوط گنبد کی طرح بنا ہوا ہے' اور زمین وسیع سطح کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور "بناء" کا لفظ آسمان کے لائق ہے' جس کو بلندی پر بنایا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ (النّٰزعٰت: ۲۸) اللہ نے آسمان کی بلندی اونچی کی پھر اس کو ہموار بنایا ۝

بعض حکماء نے کہا ہے کہ آسمان روحوں کا مسکن ہے اور زمین اعمال کی جگہ ہے اور مسکن اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی کوئی بناء ہو۔

الذّٰریٰت: ۴۸ میں فرمایا: اور زمین کو ہم نے فرش بنایا پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں ۝

ہم نے پانی کے اوپر زمین کا فرش بچھا دیا اور اس کو پھیلا دیا اور ہم کیا خوب فرش بچھانے والے ہیں۔

الذّٰریٰت: ۴۹ میں فرمایا: اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا اور اس کا کوئی جوڑا نہیں

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم نے ہر چیز کی دو مختلف صنفیں بنائیں جیسے انسان کی دو صنفیں ہیں: مذکر اور مؤنث اور پھلوں کی دو صنفیں ہیں: میٹھے اور کھٹے۔

مجاہد نے کہا: دو صنفیں جیسے مذکر اور مؤنث' سورج اور چاند' رات اور دن' نور اور ظلمت' میدان اور پہاڑ' جنات اور انسان' خیر اور شر' صبح اور شام اسی طرح مختلف ذائقوں کے پھل' مختلف رنگوں کے پھول اور مختلف خوشبوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی دو مختلف صنفیں بنائیں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ چیزوں کا خالق زوج نہیں ہے فرد ہے اور اس کی صفات دو مختلف صنفوں پر مشتمل نہیں ہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو یا روشنی اور اندھیرا ہو یا اٹھنا اور بیٹھنا ہو یا ابتداء اور انتہاء ہو' سو اس کی صفات میں تضاد نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم بھی ہے اور قہار اور جبار بھی ہے اور ان صفات میں تضاد ہے' اسی طرح وہ مارتا بھی ہے اور زندہ بھی کرتا ہے اور ان صفات میں بھی تضاد ہے' وہ رزق تنگ بھی کرتا ہے اور کشادہ بھی کرتا ہے اور ان صفات میں بھی تضاد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تضاد ان دو صفات میں ہوتا ہے جو بیک وقت ایک محل میں جمع نہ ہو سکیں' جیسے سفید اور سیاہ ایک کپڑا بیک وقت سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ بیک وقت رحیم اور قہار ہے اور بیک وقت مارتا ہے اور جلاتا ہے' بیمار کرتا ہے اور شفا دیتا ہے' رزق تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے۔

پھر فرمایا: تا کہ تم نصیحت حاصل کرو' یعنی تم غور اور فکر کر کے یہ جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تو اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا بھی کوئی جوڑا ہوتا اور ہر جوڑا مخلوق ہے تو وہ بھی مخلوق ہوتا خالق نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ' میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں!) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے O پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی O اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا مؤمنین کے لیے مفید ہے O (الذّٰریٰت: ۵۰-۵۵)

اللہ کی طرف بھاگنے کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ پچھلی امتوں کے کفار انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اور ان کے پیغام کو مسترد کرتے تھے' تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر عذاب نازل کرتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیک وسلم! آپ اپنی قوم سے یہ کہیے کہ پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) اپنے گناہوں اور ترک عبادت سے اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف بھاگو۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اپنے گناہوں سے اس کی طرف توبہ کے لیے بھاگو یا بُرے کام چھوڑ کر نیک کاموں کی طرف بھاگو۔

(۳) الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ سے غافل کرنے والی ہر چیز سے احتراز کر کے اللہ کی طرف آؤ۔

(۴) ابوبکر الوراق نے کہا: شیطان کی اطاعت سے بھاگ کر رحمٰن کی اطاعت کی طرف آؤ۔

(۵) جنید بغدادی نے کہا: شیطان گناہ اور گم راہی کی طرف دعوت دیتا ہے تم اس کی دعوت کو مسترد کر کے اللہ کے احکام کی اطاعت کی طرف بھاگو وہ تم کو شیطان کے بہکانے سے محفوظ رکھے گا۔

(۶) ذوالنون مصری نے کہا: جہل سے علم کی طرف بھاگو اور کفر سے شکر کی طرف بھاگو۔

(۷) عمرو بن عثمان نے کہا: اپنے نفسوں کی خواہشات سے اللہ سبحانہٗ کے احکام کی طرف بھاگو اور اپنی تدبیر پر اعتماد نہ کرو' اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف بھاگو۔

(۸) سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: اللہ کے ماسوا سے اللہ کی طرف بھاگو' یعنی ہر اس چیز سے بھاگو جو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے غافل اور منحرف کرتی ہے اور ہر اس چیز کے ساتھ رہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب اور متوجہ کرتی ہے۔

اور فرمایا: میں تمہارے لیے اس چیز کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اس کے بھی دو محمل ہیں: ایک یہ ہے کہ اگر تم کفر اور شرک سے باز نہ آئے تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تلوار سے ڈرا رہا ہے کہ اگر تم نے کفر اور شرک کو نہ چھوڑا تو پھر ہمارے نبی تلوار اٹھا کر تمہارے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

الذّٰریٰت: ۵۲ میں فرمایا: اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جس طرح قریش مکہ نے آپ کی تکذیب کی ہے اور آپ کو جادوگر یا دیوانہ کہا ہے اسی طرح پہلی امت کے کافروں نے بھی اپنے رسولوں کو جادوگر یا دیوانہ کہا ہے' سو آپ ان کے سب وشتم سے ملول نہ ہوں۔

الذٰریٰت: ۵۳ میں فرمایا: کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں!) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے O

کیا پہلی امتوں نے بعد میں آنے والی امتوں کو وصیت کی تھی کہ تم بھی اپنے زمانہ کے رسولوں کو جادوگر یا دیوانہ کہنا' یہ تعجب آفریں جملہ ہے' اس کے بعد اس جملہ کی نفی کی' نہیں! ایسا نہیں ہوا' انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت نہیں کی' بلکہ یہ تمام کفار ایک ہی سرشت کے لوگ تھے' اور یہ سب کفر وشرک میں حد سے گزر گئے تھے۔

کفار کو تبلیغ کرنے سے منع کرنے کی توجیہ

الذٰریٰت: ۵۴ میں فرمایا: پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور نوع کی تسلی دی گئی ہے' کیونکہ آپ کی لگاتار تبلیغ اور نصیحت کے باوجود کفار ایمان نہیں لا رہے تھے تو ممکن تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خیال فرماتے کہ شاید میری تبلیغ میں کوئی خامی اور کمی ہے' اس وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے' پھر آپ اور زیادہ کوشش کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور کفر وشرک کی خرابیوں پر زیادہ آگاہ اور متنبہ کرتے اور اپنے آرام کے وقت بھی اس کوشش میں صرف کر دیتے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ایمان کی تبلیغ میں جس قدر کوشش کرنی چاہیے تھی وہ آپ کر چکے ہیں' اور اب آپ ان سے اعراض کر لیں تو آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی' ان کا کفر اور شرک پر جمے رہنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ آپ نے ان کو پوری تبلیغ نہیں کی' بلکہ اس کی وجہ ان کا عناد اور ان کی ہٹ دھرمی ہے' سو ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی' بلکہ ان کو ہی ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے حق بات سننے سے اپنے کانوں کو بہرا کر لیا اور اپنے دل ودماغ کے دروازے بند کر لیے۔

مؤمنین کے لیے آپ کی بار بار نصیحت کا مفید ہونا

الذٰریٰت: ۵۵ میں فرمایا: اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا مؤمنین کے لیے مفید ہے O

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: آپ ان سے اعراض کیجئے' یعنی ان کفار اور مشرکین سے اعراض کیجئے جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں اور اس آیت میں بتایا ہے کہ مؤمنین کے لیے آپ کا نصیحت کرنا مفید ہے' ہرچند کہ مؤمنین ایمان لا چکے ہیں لیکن ان کو نصیحت کرنے سے ان کا ایمان اور زیادہ قوی اور مستحکم ہوگا اور ان کو اپنے اسلام لانے پر اور زیادہ بصیرت اور شرح صدر حاصل ہوگا جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ (الفتح: ۴)

وہی ہے جس نے مؤمنین کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تاکہ ان کو اپنے ایمان کے ساتھ مزید ایمان حاصل ہو۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ O (التوبہ: ۱۲۴)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے؟ رہے وہ لوگ جو مؤمن ہیں تو اس سورت نے (بہرحال) ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ (اس سورت کے نازل ہونے سے) خوش ہو رہے ہوتے ہیں O

وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ○ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیتا ہے اور ان کو (مزید) تقویٰ عطا فرماتا ہے○ (محمد: ۱۷)

جب آپ بار بار مؤمنوں کو ہدایت دیں گے اور نصیحت کریں گے تو یہ ہدایت اور نصیحت مؤمنوں کے لیے ان کے ایمان میں ثابت قدم رہنے اور تاحیات ایمان پر برقرار رہنے کی موجب ہوگی اور یہ قرآن بعد میں آنے والے مؤمنوں کی نسلوں میں تواتر کے ساتھ منقول ہوتا رہے گا تو بعد کے مؤمنوں کے لیے بھی آپ کی ہدایت اور نصیحت ان کے ایمان میں تقویت کا باعث ہوگی اور ان کے ایمان کے دوام کا موجب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں○ میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں○ بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے○ (الذریٰت: ۵۶-۵۸)

''الا لیعبدون'' کے معانی اور محامل

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ میں نے تمام جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں' بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن جنات اور انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اس کی عبادت کریں گے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں' اس آیت میں ہر چند کہ جنات اور انسانوں کا ذکر بہ طریق عموم فرمایا ہے لیکن اس سے مراد خصوص ہے اور اس کا معنی ہے: جنات اور انسانوں میں سے جو اہل سعادت ہیں ان کو میں نے صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ کو واحد مستحق عبادت مانیں اور میں ان کے ظہور کے زمانوں میں اپنے رسولوں کو بھیج کر ان کی زبانوں سے اپنی عبادت کے جو طریقے بتاؤں ان کے مطابق میری عبادت کریں اور میرے رسولوں کی اطاعت کریں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جو بچے اور دیوانے ہیں وہ عبادت کے مکلف نہیں ہیں' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کو بھی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ ۖ اور بے شک ہم نے بہت زیادہ جنات اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ (الاعراف: ۱۷۹)

اس آیت کا بھی اسی طرح یہ معنی ہے کہ جن جنات اور انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اس کا کفر کریں گے اور اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی عبادت کا مستحق مانیں گے اور ان کو تخلیق میں اور عبادت میں اس کا شریک قرار دیں گے' ان کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں صرف جنات اور انسانوں کو اختیار دیا ہے اور عمل کی آزادی دی ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ کون کون اپنے اختیار سے اس کی عبادت کرے گا اور کون کون اپنے اختیار سے شرک اور کفر کرے گا اور باقی مخلوق تکوینی اور غیر اختیاری طور پر اس کی عبادت کرتی ہے' پس الذریٰت: ۵۵ میں ان اہل سعادت جنات اور انسانوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے ان کے حسن اختیار کی وجہ سے عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور الاعراف: ۱۷۹ میں ان اہل شقاوت جنات اور انسانوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے ان کے سوء اختیار کی وجہ سے جہنم کے لیے پیدا فرمایا۔

(۲) اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ: ۳۱)

ان (یہودیوں اور عیسائیوں) کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ واحد معبود کی پرستش کریں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف واحد معبود کی پرستش کریں تو پھر یہودی اور عیسائیوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اس حکم کی مخالفت کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ حکم جبراً نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان کو اس حکم پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ (الکشف والبیان ج ۶ ص ۱۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

(۳) علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ خوشی یا ناخوشی سے صرف میری عبادت کریں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۴) مجاہد نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں۔

علامہ ثعلبی نے کہا: یہ قول اس لیے حسن ہے کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں اس کی تائید ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: ۸۷)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان کو پیدا کیا ہے)۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (الزخرف: ۹)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب ہے اور بہت علم والا ہے ۝

رہا مومن تو وہ اللہ تعالیٰ کو مصائب میں اور خوش حالی میں یاد کرتا ہے اور رہا کافر تو وہ اللہ کو صرف مصائب میں یاد کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں ۝

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حدیث ''کنت کنزاً مخفیا'' کی تحقیق

(۵) اسی قول کے موافق علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

اس آیت میں جو فرمایا ہے: تاکہ وہ میری عبادت کریں' اس کا معنی ہے: تاکہ وہ مجھے پہچان لیں اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اس کی عبادت کرنے کا سبب ہے' سو آیت میں مسبب کا ذکر ہے اور اس سے سبب کا ارادہ فرمایا ہے اور یہ مجاز مرسل ہے' اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی وہ معرفت معتبر ہے جو اس کی عبادت سے حاصل ہو نہ کہ وہ معرفت جو بغیر عبادت کے حاصل ہو جیسا کہ فلاسفہ عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرتے ہیں اور یہ عمدہ قول ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو پیدا نہ کرتا تو اس کی معرفت حاصل نہ ہوتی' اس کے وجود کی معرفت حاصل ہوتی نہ اس کی توحید کی' اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۳۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کا متن حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

میں ایک غیر معروف خزانہ تھا' میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں' سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا میں نے انہیں اپنی پہچان کرائی' پس انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ حافظ سیوطی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔
(الدرر المنتثرہ رقم الحدیث: ۳۵۵ ص ۲۲۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن عبدالرحمان سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور اس کی کوئی سند معروف نہیں ہے' صحیح نہ ضعیف۔ علامہ زرکشی اور ہمارے شیخ نے بھی اسی طرح تحقیق کی ہے۔ (المقاصد الحسنہ رقم الحدیث: ۸۳۸ ص ۳۳۲)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ علامہ سخاوی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لیکن اس حدیث کا معنی صحیح ہے اور یہ اس آیت سے مستفاد ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○'' (الذّٰریٰت: ۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ (الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۶۹۸ ص ۱۷۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔
(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۱۳۲ مکتبۃ الغزالی دمشق)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس حدیث کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ سید نور الدین سمہودی نے ''الانوار السنیۃ'' میں اس حدیث کا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت هذا الخلق لیعرفونی فبی عرفونی.

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا' پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے اس مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ مجھے پہچانے سو میری وجہ سے اس نے مجھ کو پہچان لیا۔

اور ''المقاصد الحسنۃ'' میں ''کنت کنزاً لا اعرف'' کے الفاظ ہیں' اور اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خفاء میں کسی کی طرف نسبت کا معنی ہے' پس ضروری ہے کہ اس میں ایک ذات مخفی ہو اور ایک وہ ذات ہو جس سے وہ مخفی ہے اور جب کوئی مخلوق نہیں تھی تو وہ ذات نہیں تھی جس سے وہ مخفی ہو لہٰذا خفاء متحقق نہیں ہوگا۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ خفاء موجودات خارجیہ سے ہے' کیونکہ اشیاء کا وجود خارجی سے پہلے وجود ذہنی نہیں ہوتا' پس گویا کہ اللہ سبحانہٗ موجودات خارجیہ سے مخفی اور غیر معروف تھا' پھر اس نے چاہا کہ کسی موجود خارجی میں اس کی معرفت حاصل ہو تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا کیونکہ اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول خود اس مخلوق کے وجود کی فرع ہے' پھر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے واسطے سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ تجلیات ان میں ان کی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خفاء سے مراد اس کا لازمی معنی ہے کہ اللہ عزوجل کی معرفت کسی کو بھی حاصل نہیں تھی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ سخاوی نے ''مخفیا'' کی جگہ ''لا اعرف'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ''مخفیا'' کو باب افعال سے پڑھا جائے اور اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی اللہ بہت زیادہ ظاہر تھا اور جب کوئی چیز شدت ظہور میں ہو تو جہالت کو واجب کرتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کے لیے حجاب ہو جائے اور پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کے شدید

ظہور کی وجہ سے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے؟ ہاں! جب اس پر بادلوں کا حجاب آ جائے تو اس کو دیکھ لیتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۷ص ۳۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر "کنز" کے اطلاق کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام دیلمی نے اپنی "مسند" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے: "کنز المؤمن ربہ" مؤمن کا خزانہ اس کا رب ہے (اسی طرح ایک حدیث میں ہے):

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک سفر میں فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس! کیا میں تمہاری رہ نمائی اس چیز پر نہ کروں جو "کنز من کنوز الجنة" ہے؟ (جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے!) میں نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: کہو: "لاحول ولا قوة الا باللہ"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۴)

ہم "الا لیعبدون" کے معانی اور محامل بیان کر رہے تھے اس کے ضمن میں حدیث "کنت کنزاً مخفیاً" کی تحقیق آ گئی اب ہم پھر اصل بحث کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

"الا لیعبدون" کے بقیہ معانی اور محامل

(۶) عکرمہ نے کہا کہ "الا لیعبدون" اپنے معنی پر محمول ہے یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت اور میری اطاعت کریں تاکہ میں عبادت گزاروں کو ثواب عطا کروں اور منکروں کو سزا دوں۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۳۷۵)

عبودیت کا اصل معنی عاجزی کرنا اور تذلل اختیار کرنا ہے۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے کہ انسان ان تمام اقوال اور افعال کو اختیار کرے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو اور ان سے راضی ہو اور ان تمام اقوال اور افعال کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان طریقوں سے عاجزی اور تذلل کو اختیار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور محض اپنی عقل سے کسی طریقہ کو اختیار نہ کرے۔

(۷) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

میں ان کو رزق دیتا ہوں اور میں ان کو کھانا کھلاتا ہوں اور میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ص ۲۳۸۔ رقم الحدیث: ۳۵۶۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت کرنے کے لیے فارغ ہو میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو مشغول رکھوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۷ مسند احمد ج ۲ص ۳۵۸)

امام طبرانی نے "مسند الشامیین" اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اور جن اور انس (قیامت کی) عظیم خبر ہیں' پیدا میں کرتا ہوں اور یہ عبادت میرے غیر کی کرتے ہیں' رزق میں دیتا ہوں اور یہ شکر میرے غیر کا ادا کرتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ۷ص ۵۴۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

جب جنات اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو ان میں سے اکثر کے عبادت نہ کرنے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں تو پھر چاہیے تھا کہ سب اس کی عبادت کرتے' حالانکہ بعض اس کی عبادت کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر اختیار کے جبراً عبادت کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ ان کو عمل کرنے یا نہ کرنے کی آزادی دی ہے' اور ان سب کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' سو جو عبادت کریں گے' وہ اجر اور ثواب پائیں گے اور جو اس کے خلاف کریں گے وہ سزا کے مستحق ہوں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمل کرو ہر انسان کے لیے اسی چیز کو آسان کیا جائے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۸۲) اور یہ صرف جنات اور انسانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کو عمل کرنے کی آزادی عطا کی ہے ورنہ تمام کائنات غیر اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔

جنات اور انسانوں کی وجہ تخلیق بیان کی گئی ہے' باقی کائنات کی وجہ تخلیق کیوں نہیں بیان کی گئی؟

دوسرا سوال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف جنات اور انسان کا خالق تو نہیں ہے' وہ تو تمام کائنات کا خالق ہے' پھر صرف جنات اور انسانوں کو ذکر کیوں فرمایا کہ اس نے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں سے صرف جنات اور انسانوں کو یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اس کی عبادت اور اطاعت کریں' ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ تکوینی اور جبری طور پر اس کی اطاعت کر رہا ہے' بادل اسی کے حکم سے بارش برساتے ہیں' سورج اور چاند' ستاروں کا طلوع اور غروب اسی کے حکم سے ہوتا ہے' کیا پہاڑ' کیا دریا اور کیا سمندر سب اسی کی اطاعت میں سرنگوں ہیں' حتیٰ کہ ہر انسان خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر اس کا پیدا ہونا' مرنا' جینا' بیمار اور صحت مند ہونا' فقیر یا تونگر ہونا اسی کے حکم سے ہے' جو انسان اپنے اختیار سے اس کی اطاعت نہیں کرتے ان کے جسم کے تمام اعضاء اسی کے حکم سے کام کر رہے ہیں' ان کا معدہ کھانا ہضم کرتا ہے' جگر خون بناتا ہے' ان کا مثانہ اور بڑی آنت فضلہ خارج کرتے ہیں' ان کاموں میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے' ہر انسان کے اندرونی اعضاء یہ تمام کام صرف اللہ عزوجل کے حکم سے کر رہے ہیں' اسی لیے فرمایا ہے:

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم: ۹۳)

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز رحمٰن کی عبادت گزار اور اطاعت شعار ہے ۝

رہا یہ سوال کہ اس آیت میں جنات کو پہلے ذکر فرمایا ہے اور انسان کو بعد میں اس کا کیا سبب ہے؟ تو اس کا سبب ظاہر ہے جنات کو واقع میں انسانوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اس لیے ان کا ذکر بھی انسان سے پہلے کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے میں فقہاء اسلام کے مذاہب

اس آیت میں جو فرمایا ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات اور انسانوں کو پیدا کرنے کی علت اور ان کی تخلیق کا سبب اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور یہی ان کو پیدا کرنے کی غرض ہے' اس وجہ سے متکلمین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی غرض ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ۱۱۸۸ھ اس مسئلہ کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض مالکیہ اور شافعیہ اور ظاہریہ اور اشعریہ اور جہمیہ کا یہ مختار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے اور شیخ ابن تیمیہ' ابن القیم اور شیعہ اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت اور حکمت ہوتی ہے' اسی طرح اللہ سبحانہٗ جو حکم دیتا ہے اس کی بھی علت اور غرض ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے کے ثبوت میں شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ اکثر اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی علت اور حکمت کی بناء پر ہوتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت اور حکمت بیان کی گئی' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدہ: ۳۲)

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی شخص کو بغیر کسی شخص کے قتل کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ (الحشر: ۷)

کفار سے جنگ کے بغیر ان کا جو مال (فیئ) ان کی بستیوں سے تمہارے ہاتھ آ جائے' سو وہ مال اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا' اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے' تاکہ یہ مال (صرف) تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

اور پہلے آپ جس قبلہ پر تھے ہم نے اس کو صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ ان لوگوں میں سے کون رسول کا (سچا) پیروکار ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔

اور ان آیات کی اور بہت نظائر ہیں اور اللہ تعالیٰ حکیم ہے' اس نے احکام کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے مشروع فرمایا ہے' اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوں اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے مطابق کام کرے اور معتزلہ کے اپنے مؤقف پر حسب ذیل دلائل ہیں:

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے کے ثبوت میں معتزلہ کے دلائل

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے یہ بہت بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں ۝

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاسقین اور صالحین کی موت اور حیات ایک جیسی کر دینا بہت قبیح اور برا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے قبیح ہونے کی وجہ سے یہ کام نہیں کرتا' اس سے معلوم ہوا کہ جو کام قبیح ہو اور حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو' اس سے اجتناب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اسی طرح کا استدلال اس آیت سے بھی کیا گیا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ (القیامۃ: ۳۶) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا ○

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر انکار کیا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ انسان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا' اللہ اس کو کسی چیز کا حکم دے گا نہ کسی چیز سے منع کرے گا' اس کو ثواب دے گا نہ اس کو سزا دے گا' ایسا گمان کرنا باطل ہے' اور اللہ اس بات سے بلند ہے کہ وہ ایسا کام کرے کیونکہ یہ کام اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اور یہ کام اس قدر قبیح ہے کہ اس کی نسبت اس حکیم مطلق کی طرف کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح اس آیت میں ارشاد ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (المومنون: ۱۱۵) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس گمان سے بلند و برتر قرار دیا ہے کہ وہ انسان کو بے مقصد اور بے کار پیدا کرے اور چونکہ ایسا کرنا بہت قبیح ہے اور اس کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ایسے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اور جس طرح ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت اور مصلحت کے خلاف کوئی کام کرے اسی طرح عقل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ (لوامع الانوار البہیہ ج ۱ ص ۲۸۵۔ ۲۸۶ ملخصاً' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

شیخ ابن تیمیہ اور معتزلہ کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ۱۱۹۸ھ نے شیخ ابن تیمیہ حنبلی اور معتزلہ کی طرف سے جو دلائل فراہم کیے ہیں ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس حکمت اور مصلحت کے مطابق فعل کا کرنا واجب ہے' بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۳) اللہ جو کچھ کرتا ہے' اس سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا ○

اگر اللہ پر کسی کام کا کرنا واجب ہوتا تو اس کام کے ترک کرنے یا اس کے خلاف کرنے پر اس سے سوال کرنا جائز ہوتا' حالانکہ اللہ سبحانہٗ کے کسی فعل پر اس سے سوال کرنا جائز نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ فعال مطلق ہے اس کے افعال کسی حکمت اور مصلحت کے پابند نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ (الحج: ۱۸) بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ○

نیز شیخ ابن تیمیہ اور معتزلہ نے جو دلائل قائم کیے ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے' یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان افعال کی کوئی غرض بھی ہوتی ہے' حکمت اور مصلحت اور غرض میں یہ فرق ہے کہ حکمت اور مصلحت فعل پر مترتب ہوتی ہے' مقدم نہیں ہوتی اور غرض فعل پر مقدم ہوتی ہے اور فاعل کو اس فعل پر ابھارتی ہے اور اس غرض سے فاعل کو اس فعل سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور کوئی کمال حاصل ہوتا ہے اور اس فائدہ اور اس کمال کا حصول ہی اس کی غرض ہوتی ہے' ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے اور تمام کمالات اس کو بالفعل حاصل ہیں اور اسے کسی کمال کے حصول کے لیے کوئی فعل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں اور اس کے افعال کی کوئی غرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہ ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فعل کسی غرض کے لیے نہیں ہوتا ورنہ لازم آئے گا کہ وہ اس غرض سے کمال حاصل کرے حالانکہ وہ فی نفسہ کامل ہے' پس یہ بات کس طرح صحیح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی غرض اور کسی علت کی وجہ سے ہے؟ اور معتزلہ نے اس کے انکار میں بہت مبالغہ کیا ہے' ان کا استدلال اس سے ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بعض افعال کے بعد "لام" کا ذکر ہے اور "لام" تعلیل اور علت کے لیے آتا ہے' جیسے الذّٰریٰت: ۵۶ میں ہے: "الا لیعبدون" یعنی جنات اور انسانوں کو عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض آیات میں لام کا علت کے لیے ہونا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ۔ آفتاب کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے۔
(بنی اسرائیل: ۷۸)

اور آفتاب ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک کا وقت نماز پڑھنے کی علت اور غرض نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ۔ اے نبی! (مسلمانوں سے کہیے:) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت (کے شروع) میں طلاق دو۔ (الطلاق: ۱)

اور عدت کی ابتداء کا وقت طلاق دینے کی علت اور غرض نہیں ہے اور یہ بالکل واضح ہے۔ یہاں پر لام مقارنت کے لیے ہے' یعنی اس وقت میں نماز پڑھو جو آفتاب ڈھلنے کے مقارن ہو اور اس وقت میں طلاق دو جو عدت کے ابتدائی وقت کے مقارن ہو۔

اسی طرح الذّٰریٰت: ۵۶ کا معنی ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو اس وقت میں پیدا کیا ہے جو ان پر عبادت کو فرض کرنے کے مقارن تھا اور جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں پر تعلیل حقیقی مراد نہیں ہے اور غرض کا معنی معتبر نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافع سے مستغنی ہے اس لیے اس کا کوئی فعل ایسا نہیں ہو سکتا جس کی منفعت اس کی طرف راجع ہو یا اس کے غیر کی طرف راجع ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ بغیر کسی واسطے کے غیر تک منفعت پہنچا دے پھر اس کو کسی فعل کے واسطے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جو آیات اس پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی غرض پر مبنی نہیں ہوتے وہ بہت زیادہ ہیں' بعض ازاں یہ ہیں:

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (الرعد: ۲۷) اللہ جس میں چاہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ (الرعد: ۱۶) اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔
وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷) اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۝
يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (المائدہ: ۱) اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے ۝

اور اس بحث پر سیر حاصل گفتگو کرنا متکلمین کا مذہب ہے نہ کہ مفسرین کا۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۹۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہ ہونے پر علامہ تفتازانی کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ کسی غرض کے لیے کوئی فعل کرے تو وہ اپنی ذات میں ناقص ہوگا اور اس غرض سے کمال حاصل کرے گا۔

(۲) اگر ممکنات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی غرض ہو تو وہ غرض ابتداءً حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس فعل کے پیدا کرنے کے بعد اس کے واسطے سے حاصل ہوگی اور یہ باطل ہے' کیونکہ ہر چیز ابتداءً اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اگر ہر فعل کی کوئی غرض ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی نفع ہو تو کفار کو جو اللہ تعالیٰ دائمی عذاب دے گا تو اللہ تعالیٰ کے اس فعل میں بھی کسی کا نفع ہونا چاہیے حالانکہ اس میں کسی کا کوئی نفع نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی اس کے بعد لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ بعض افعال کی غرض ہوتی ہے جیسے احکام شرعیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جیسے حدود اور کفارات کا واجب ہونا اور نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دینا اور اس طرح کے اور محرمات کی وجوہات اور بعض قرآن مجید کی نصوص سے بھی بعض افعال کی اغراض ثابت ہیں' مثلاً یہ آیات ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت: ۵۶) — اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں ○

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. (المائدہ: ۳۲) — اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ. (الاحزاب: ۳۷) — پس جب زید نے اس عورت سے غرض پوری کر لی تو ہم نے اس عورت کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر (اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں) تنگی نہ رہے۔

اور اسی وجہ سے قیاس بھی حجت شرعیہ ہے کیونکہ اس میں دو حکموں کے درمیان علت مشترک ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی نے جس قاعدہ کو حق لکھا ہے وہ حق نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی کوئی غرض نہیں ہوتی' علامہ تفتازانی نے جو مثالیں دی ہیں وہ حکمت اور مصلحت کی مثالیں ہیں اور غرض اور حکمت میں فرق کو ہم معتزلہ کے رد میں ذکر کر چکے ہیں۔

اس کے بعد علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان کو مکلف کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کے لیے ثواب پیش کیا جائے کیونکہ جب تک انسان پُر مشقت احکام پر عمل کر کے ثواب کا استحقاق ثابت نہ کرلے اس کو ثواب عطا کرنا حسن نہیں ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (النساء: ۱۳) — جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو اللہ ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

(۲) اس پر سب کا اجماع ہے کہ مکلف کرنے کی اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں ہے۔

(۳) بغیر کسی منفعت کے استحقاق کے پُر مشقت احکام کا مکلف کرنا اضرار اور ظلم ہے' اس لیے اس کی جزاء میں منفعت پیش کرنا

ہی وجہ حسن ہے اور یہ دلائل مردود ہیں' اوّل: اس لیے کہ اعمال کی جزاء اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' ورنہ عقلاً یہ بات کیسے درست ہوگی کہ ایک کلمہ پڑھنے کی وجہ سے انسان دائمی جنت کا مستحق ہو جائے؟ اور ثانی: اس لیے کہ اجماع کا دعویٰ غلط ہے اور یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ مکلف کرنے کی غرض صرف ثواب عطا کرنا ہو؟ مکلف کرنے کی غرض آزمائش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غرض بھی ہو سکتی ہے کہ بندہ اپنے رب کا شکر ادا کرے اور بھی کوئی غرض ہو سکتی ہے جو ہماری عقل میں نہ آئے' اور یہ سب گفتگو اس صورت میں ہے جب اللہ تعالیٰ کے افعال کی غرض تسلیم کر لی جائے حالانکہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہیں ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۴ ص ۳۰۱-۳۰۳ ملخصاً' منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہونے کے متعلق شارحین حدیث کا نظریہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس آیت (الذّٰریٰت: ۵۶) میں قدریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ اس آیت سے اس پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا واجب ہے' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی ایک فعل کا کسی غرض پر مبنی ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل کسی غرض پر مبنی ہو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا اغراض پر مبنی ہونا' جائز ہے واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا جائز ہے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا اغراض پر مبنی ہونا اصلاً جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فی نفسہٖ کمال نہ ہو بلکہ اس غرض کی بناء پر فعل کر کے اُس میں کمال آئے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ اور الذّٰریٰت: ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسان کی تخلیق کی غرض نہیں بیان فرمائی بلکہ حکمت بیان فرمائی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۵۸۸ھ اور علامہ احمد قسطلانی نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۵' بیروت' ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۰۳' بیروت)

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے مستغنی ہے اور سب اس کے محتاج ہیں

الذّٰریٰت: ۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا دیں O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ جنات اور انسان اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھانا دیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۳)

مگر یہ معنی ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ " وما ارید ان یطعمون " میں " ن " کے نیچے زیر ہے' اس کا معنی ہے: اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اس لیے اس آیت کا معنی ہے: میں ان سے کسی رزق کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ یہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اس وہم کا ازالہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تو شاید اس سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی نفع حاصل ہو گا اس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کسی رزق کا ارادہ کرتا ہے اور نہ کھانے کا ارادہ کرتا ہے' رزق سے مراد عام ضروریات کی چیزیں ہیں خواہ وہ طعام ہوں یا کوئی اور چیز اور طعام سے مراد خاص رزق ہے جس سے انسان پیٹ بھرتا ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ میرا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مالک کا معاملہ اپنے غلاموں اور

نوکروں کے ساتھ ہوتا ہے' کیونکہ مالک غلام اور نوکر کو اس لیے رکھتا ہے کہ وہ ان نوکروں سے اپنے کاروبار میں اور ضروریات زندگی کے حصول میں تعاون حاصل کرے' پس مالک یا تو اپنے تجارتی امور اپنے کارندوں کے حوالے کرتا ہے تا کہ وہ ان کو نفع کما کر لا کر دیں یا اس کی زمین میں غلہ اور اناج کاشت کر کے اس کو فراہم کریں یا اس کے کارخانے' مل یا فیکٹری کو چلائیں اور اس کو نفع لا کر دیں یا وہ ایندھن لانے والے کو رکھتا ہے یا باورچی کو رکھتا ہے جو اس کو کھانا پکا کر دیں اور اس طرح کے اور اسباب معیشت اور کاروبار اور روزگار کے حصول کے لیے ملازمین کو رکھتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا مالک ہے اس کو اپنے بندوں سے کسی قسم کے بھی کام یا فائدے کے حصول کی ضرورت نہیں ہے' اس لیے اس کا منشاء یہ ہے کہ اے میرے بندو! تم ان کاموں کو اختیار کرو اور ان اُمور میں مشغول رہو جو تمہاری دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے مفید ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میرے لیے یا اپنے لیے رزق کی فراہمی میں کوشش کرو' میں تم سے اور تمہاری کاوشوں سے مستغنی ہوں اور میں محض اپنے فضل سے تم کو رزق دیتا ہوں اور تمہیں ان کاموں کی ہدایت دیتا ہوں جو تمہاری دنیا اور آخرت کی اصلاح کریں۔

(الکشاف ج ۴ ص ۴۰۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو' اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو' سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو' میں تم کو ہدایت دوں گا' اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو' سوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں' اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو' سوا اس کے جس کو میں کپڑے پہناؤں' اے میرے بندو! تم رات اور دن گناہ کرتے ہو اور میں تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہوں' تم مجھ سے مغفرت طلب کرو' میں تمہاری مغفرت کروں گا' اے میرے بندو! تم مجھے ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے کہ تم مجھے ضرر پہنچا سکو اور نہ تم مجھے نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہو کہ تم مجھے نفع پہنچا سکو' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات اگر تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات اگر تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کوئی کمی نہیں ہوگی' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور تمہارے جنات کسی ایک میدان میں کھڑے ہو کر سب مل کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو میرے پاس جو خزانہ ہے اس میں صرف ایسی کمی ہوگی جیسے کوئی شخص سوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکال لے' اے میرے بندو! یہ صرف تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں' پھر میں تمہیں ان اعمال کی پوری پوری جزاء دوں گا' پس جو شخص کسی خیر کو پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو شخص اس کے سوا کوئی چیز پائے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

الذّٰریٰت: ۵۸ میں فرمایا: بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے O

اس آیت میں "رزق" "قوت" اور "متین" کے الفاظ قابل تشریح ہیں:

"رزق" کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"رزق" کا اطلاق اس عطا پر ہوتا ہے جو مسلسل ہو خواہ وہ عطا دنیاوی ہو یا اخروی اور کبھی اس کا اطلاق نصیب اور حصہ پر بھی ہوتا ہے اور کبھی رزق کا اطلاق اس غذا پر بھی ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے' کہا جاتا ہے: سلطان نے لشکر کو رزق عطا کیا اور علم عطا کرنے پر بھی رزق کا اطلاق کیا جاتا ہے' عطاء دنیوی پر رزق کا اطلاق ان آیات میں ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. (المنافقون: ١٠) ہم نے تم کو جو کچھ عطا کیا اس میں سے خرچ کرو' اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک پر موت آئے۔

یعنی ہم نے تم کو مال' عزت' مرتبہ اور علم عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعہ: ٨٢) تم نے ہماری نعمتوں سے یہ حصہ لیا ہے کہ تم ہمیں جھٹلاتے ہو ○

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ. (الذّٰریٰت: ٢٢) اور آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

اس سے مراد بارش ہے جس سے جان داروں کی حیات حاصل ہوتی ہے' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ انسان کو رزق اس کے مقسوم اور اس کے حصہ کے اعتبار سے ملتا ہے۔

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ. (الکہف: ١٩) سو وہ اس سکہ کے عوض تمہارے پاس رزق لے آئے۔

اس آیت میں رزق سے مراد وہ کھانا ہے جو غذا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ. (قٓ: ١٠-١١) کھجوروں کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ○ بندوں کی روزی کے لیے۔

اس آیت میں رزق سے مراد غذائیں ہیں اور اس کو عموم پر محمول کرنا بھی جائز ہے اور اس سے مراد طعام ہو اور لباس اور استعمال کی دوسری چیزیں ہوں اور یہ تمام چیزیں زمینوں سے حاصل ہوتی ہیں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور عطاء اخروی پر رزق کا اطلاق ان آیات میں ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (آل عمران: ١٦٩) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے ○

اس آیت میں رزق سے مراد وہ اخروی نعمتیں ہیں جو ان کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ (مریم: ٦٢) ان کے لیے جنت میں صبح اور شام رزق ہوگا ○

دنیا اور آخرت کی نعمتوں پر بہ طور عموم رزق کا اطلاق ان آیتوں میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (الذّٰریٰت: ٥٨) بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے ○

اس آیت میں رزق کا عام معنی مراد ہے' رازق اس کو کہتے ہیں: جو رزق کا خالق اور رزق کا عطا کرنے والا ہو' رزق کا مسبب اللہ تعالیٰ ہے' انسان اللہ کے رزق کو پہنچانے کا ذریعہ اور ظاہری سبب ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر رازق کا اطلاق نہیں کیا جاتا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ (الحجر: ٢٠) اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں روزی کے ذرائع بنا دیے ہیں اور ان کے لیے (بھی) جن کے تم رازق نہیں ہو ○

یعنی ان کے لیے جن کے لیے تم رزق کا سبب نہیں ہو اور نہ تمہارا ان کے رزق میں کوئی دخل ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ (النحل: ۷۳)

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں سے انہیں بالکل رزق نہیں دے سکتے اور نہ اس کی کوئی طاقت رکھتے ہیں۔

26

یعنی ان کے بناوٹی معبود کسی وجہ سے بھی رزق کا سبب نہیں ہیں' ظاہری سبب ہیں نہ باطنی۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۵۷-۲۵۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

رازق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ وہ تمام مخلوق کو رزق عطا فرماتا ہے' وہی رزق کو پیدا کرتا ہے اور تمام مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے اور اُن تک پہنچاتا ہے' رزق کی دو قسمیں ہیں: ظاہری رزق اور باطنی رزق' ظاہری رزق وہ خوراک ہے جس سے بدن کی نشوونما ہوتی ہے اور باطنی رزق قلب اور نفس کی غذا ہے جیسے معارف اور علوم' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا.

زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

(ھود: ۶)

حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے' وہ کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے' اے میرے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے میرے رب! یہ گوشت کا ٹکڑا ہے' پھر جب اللہ اس کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: اس کو مذکر بناؤں یا مؤنث؟ بد بخت بناؤں یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر اس کی ماں کے پیٹ میں یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶)

(لسان العرب ج ۶ ص ۱۴۶' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

قوت کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قوت کبھی قدرت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ. (البقرہ: ۶۳)

ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو قوت سے پکڑ لو۔

اور کبھی کسی چیز میں جس چیز کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو قوت کہتے ہیں' جیسے کہتے ہیں: کھجور کی گٹھلی بالقوہ کھجور کا درخت ہے' اور قوت کا استعمال کبھی بدن میں ہوتا ہے اور کبھی قلب میں ہوتا ہے اور کبھی معاون میں ہوتا ہے اور کبھی قدرت الٰہیہ میں ہوتا ہے' بدن میں قوت کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ. (حٰم السجدۃ: ۱۵)

قوم عاد نے کہا: ہم سے زیادہ بدنی قوت والا کون ہے؟

قلب میں قوت کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ. (مریم: ۱۲)

اے یحییٰ! اس کتاب کو (دل کی) قوت سے پکڑ لیں۔

خارجی معاون میں اس کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً. (ھود: ۸۰)

(لوط نے کہا:) کاش! میرے پاس تم سے مقابلہ کے لیے

کوئی خارجی معاون ہوتا۔

یعنی میرے پاس کوئی لشکر ہوتا یا میری حمایت میں کوئی مضبوط قبیلہ ہوتا۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے ۝ (الذّٰریٰت: ۵۸)

یعنی اللہ کی قوت تمام مخلوق کی قوتوں سے زیادہ ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۱ ' مکتبہ نزار مصطفیٰ ' مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۸ ھ)

''متین'' کا معنی

علامہ راغب حسین متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''متین'' صفت مشبہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے۔ مضبوط اور محکم' ریڑھ کی ہڈی کے دائیں اور بائیں حصہ کو'' متین'' کہا جاتا ہے' اس سے ''متن'' فعل بنالیا گیا ہے' یعنی اس کی پشت مضبوط اور قوی ہوگئی۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۹۶)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ ھ لکھتے ہیں:

''متن'' کا معنی ہے: سخت ہونا' ریڑھ کی ہڈی کی دونوں جانبوں کو بھی ''متن'' کہتے ہیں۔

(القاموس ص ۱۲۳۳ ' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا ایسا) حصہ ہے جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے سو وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریں ۝ پس کفار کے لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۝

(الذّٰریٰت: ۵۹۔۶۰)

''ذنوب'' کا معنی

اس آیت کا معنی ہے: کفار مکہ کے لیے بھی عذاب کا ایسا حصہ ہے جیسے پچھلی امتوں کے کافروں کے لیے عذاب کا حصہ تھا۔

اس آیت میں ''ذنوب'' کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے اس کا معنی لکھا ہے:

''ذنب الدابة'' اس کا معنی ہے: سواری کی دم' اور اس کو متاخر اور رذیل چیز سے تعبیر کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے: ''هم اذناب القوم'' وہ قوم کے رذیل لوگ ہیں اور ''ذنوب'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں: جس کی دم لمبی ہو' جس ڈول کی دم ہو اس کو بھی ''ذنوب'' کہتے ہیں اور ''ذنوب'' سے حصہ کا بھی استعارہ کیا جاتا ہے جیسے اس لفظ سے ڈول کا استعارہ کیا جاتا ہے' جیسے الذّٰریٰت: ۵۹ میں ہے (ذنوب کا معنی حصہ ہے) اصل میں ''ذنب'' کا معنی ہے: کسی چیز کی دم کو پکڑنا اور اس کا استعمال ہر اس فعل میں کیا جاتا ہے جس کا انجام نقصان دہ ہو' اسی وجہ سے بُرے انجام کو ''ذنب'' کہتے ہیں اور چونکہ گناہ کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے اس لیے گناہ کو بھی ذنب کہتے ہیں اور ''ذنب'' کی جمع ''ذنوب'' ہے۔

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ. (آل عمران: ۱۱) پس اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۳۰ ' مکتبہ نزار مصطفیٰ ' مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۸ ھ)

''ذَنْب'' اور ''ذَنَب'' کا لفظی اور معنوی فرق

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

''ذنب'' کا معنی ہے: اثم' جرم اور معصیت اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: ''

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ'' (الشعراء: ۱۴) اس سے مراد آل فرعون کے اس شخص کا قتل ہے، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مارا تھا۔
اور ''ذَنَب'' معروف ہے (یعنی دم) اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے''ذَنَب الفرس'' گھوڑے کی دم کی شکل کا ایک ستارہ ہے''ذَنَب الثعلب'' لومڑی کی شکل کی ایک جڑی بوٹی ہے۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۴۵ دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)
خلاصہ یہ ہے کہ ''ذَنْب'' (ن پر جزم) اور ''ذَنَب'' (ن پر زبر) میں فرق ہے''ذَنْب'' کا معنی گناہ ہے اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے اور ''ذَنَب'' کا معنی دم یا پچھلا حصہ ہے اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔
علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:
''ذَنَب'' دم والے پرندے کو کہتے ہیں اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔ (صحاح ج ۱ ص ۱۲۸ دار العلم للملایین بیروت ۱۴۰۴ھ)
''ذَنْب'' کا معنی ہے: جرم۔ (صحاح ج ۱ ص ۱۲۹)
علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:
''ذَنْب'' کا معنی ہے: اثم اور اس کی جمع ''ذنوب'' اور جمع الجمع ''ذنوبات'' ہے اور ''ذَنَب'' میں اگر نون پر حرکت ہو تو اس کا معنی پچھلا حصہ اور نچلے درجے کے لوگ ہیں اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔ (القاموس ص ۸۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۵ھ)
علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ ''قاموس'' کی شرح میں لکھتے ہیں:
''ذَنْب'' کا معنی ہے: جرم اور اثم اور جب ''ذَنَب'' نون کی زبر سے ہو تو اس کا معنی معروف ہے یعنی دم یا کسی چیز کا پچھلا حصہ اور شہاب الدین خفاجی نے ''عنایۃ القاضی'' میں لکھا ہے کہ ''ذنب'' (نون کی جزم) ذَنَب (نون کی زبر) سے ماخوذ ہے، جس کا معنی نچلا حصہ ہے اور ''شفاء'' میں مذکور ہے کہ یہ گھٹیا خسیس اور رذیل چیز کے معنی سے ماخوذ ہے۔ علامہ خفاجی نے کہا ہے کہ کسی لفظ کا ماخوذ ہونا اشتقاق سے زیادہ وسیع دائرہ رکھتا ہے۔
(تاج العروس ج ۱ ص ۲۵۴ دار احیاء التراث العربی بیروت مطبعہ خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)
معلوف لوئیس متوفی ۱۸۶۷ء لکھتے ہیں:
''ذَنَب'' کا معنی حیوان کا پچھلا حصہ ہے جو معروف ہے اس کی جمع ''اذناب'' ہے اور ''ذَنْب'' کا معنی جرم ہے اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے۔ (المنجد ص ۲۳۹ کتب خانہ ملی ایران ۱۳۷۹ھ)
امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:
''الذَّنَب'' کی جمع ''اذناب'' ہے اور ''الذَّنْب'' کا معنی ہے: اثم اور معصیت اور اس کی جمع ''ذُنوب'' ہے اور ''ذَنوب'' کا معنی ہے: پانی کا بھرا ہوا ڈول اور ہر چیز کا ایک حصہ۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۶۲۹ مطبوعہ باقری ایران ۱۴۱۴ھ)
خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ لغت کے نزدیک ''ذَنْب'' (نون کی جزم) اور ''ذَنَب'' (نون پر زبر) دو الگ الگ لفظ ہیں اور یہ کہنا کہ ''ذَنْب''، ''ذَنَب'' سے ماخوذ ہے محض بعض متاخرین کی نکتہ آفرینی ہے۔
اس کے بعد فرمایا: پس وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریں۔
کیونکہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے:

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ — اے محمد! آپ ہمارے پاس وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں ○ (الاعراف: ۷۰)

پھر غزوۂ بدر کے دن ان پر وہ دنیاوی عذاب آ گیا، جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ان کے لشکر کے ستر افراد قتل کیے گئے اور

ستر افراد قید کیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ان سے انتقام لے لیا اور ان میں سے جو کفر پر مر گئے ان کو دوزخ میں دائمی عذاب دیا جائے گا اور ان کے لیے ذلت اور رسوائی ہوگی۔

معصیت کا سبب دنیا سے محبت اور آخرت سے غفلت ہے

الذّٰریٰت: ۶۰ میں فرمایا: پس کفار کے لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O

ان کو جس دن کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ یوم بدر کا عذاب تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن کا عذاب تھا' کیونکہ قیامت آنے والی ہے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی ہے۔

پس عقل والوں پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرنے میں اور اللہ سبحانہٗ کی طرف رجوع کرنے میں جلدی کریں' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ وہ معصیت سے آلودہ ہوں' کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں ہے کہ وہ کب آ جائے۔

جو لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں وہ غور کریں تو ان پر منکشف ہوگا کہ ان کے گناہوں کا سبب دنیا کی زیب و زینت سے ٹوٹ کر محبت کرنا ہے اور آخرت سے غافل ہونا ہے' پس ضروری ہے کہ وہ اپنے دلوں سے دنیا کی محبت کا زنگ اتار دیں۔

سورت الذّٰریٰت کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۳ رجب ۱۴۲۵ھ/ ۲۰ اگست ۲۰۰۴ء بہ روز جمعہ سورۃ الذّٰریٰت کی تفسیر مکمل ہوگئی' اس کی ابتداء ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء کو کی تھی اور اس طرح تئیس (۲۳) دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

بیماریوں کا میرے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس کی تفسیر مکمل کرا دی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں' خصوصاً اس تفسیر کے ناشر' کمپوزر' بائنڈر اور دیگر معاونین کی مغفرت فرمائیں' ہم سب کو صحت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر قائم اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں اور دنیا اور آخرت کے مصائب' عذاب اور رسوائی سے محفوظ اور مامون رکھیں اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے شاد کام فرمائیں اور آپ کے وسیلہ سے جنت الفردوس کی نعمتیں اور اپنا دیدار عطا فرمائیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین شفیع المذنبین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلماء ملتہ واولیاء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الطّور

سورت کا نام

اس سورت کا نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

وَالطُّوۡرِ ۙ○ (الطور:۱) (پہاڑ) طور کی قسم ○

سورۃ الذّٰریٰت اور سورۃ الطور دونوں کی سورتیں ہیں' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۲ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۵ ہے' یہ سورۂ نوح کے بعد اور سورۃ المؤمنین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الطور اور سورۃ الذّٰریٰت میں مناسبت

ان دونوں سورتوں میں توحید' حشر ونشر' احوال آخرت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کے ابطال کے متعلق آیات ہیں اور ان دونوں کی ابتدائی اور انتہائی آیات میں بھی مماثلت ہے۔

سورۃ الذّٰریٰت کی ابتدائی آیات میں سے ہے:

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ۙ○ (الذّٰریٰت:۱۵) بے شک متقین جنتوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○

اور سورۃ الطور کی ابتدائی آیات میں سے ہے:

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِیۡمٍ ۙ○ (الطور:۱۷) بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ○

سورۃ الذّٰریٰت کی آخری آیت ہے:

فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ یَّوۡمِهِمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ○ (الذّٰریٰت:۶۰) پس کافروں کو اس دن سے عذاب دیا جائے گا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ○

اور الطور کی آخری آیات سے یہ آیت ہے:

اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ؕ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا هُمُ الۡمَکِیۡدُوۡنَ ○ (الطور:۴۲) کیا یہ کوئی سازش کرنا چاہتے ہیں' پس کفار ہی (اپنی) سازش کا شکار ہوں گے ○

سورۃ الطور کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں' آپ نے فرمایا: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کر لو پس میں نے جب طواف کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی جانب کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ (نماز میں) پڑھ رہے تھے: ''وَالطُّوۡرِ ۙ○ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ○''

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۸۸۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۹۲۶)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے ہوئے سنا جس وقت آپ ان آیتوں کو پڑھ رہے تھے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ ۝ (الطور: ۳۵۔۳۷)

آیا وہ بغیر کسی چیز کا از خود پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟○ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے○ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہ ان خزانوں کے محافظ ہیں○

حضرت جبیر نے کہا: (ان آیات کو سن کر مجھے یوں لگتا تھا کہ) میرا دل سینے سے نکل کر اڑ جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۱۱، سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۲)

سورۃ الطور کے مشمولات

☆ مشرکین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور حشر ونشر کا انکار کرتے تھے ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو قیامت کے دن ان کو دیا جائے گا۔

☆ ان کی وعید کے مقابلہ میں مؤمنین صالحین کو اس اجر وثواب کی نوید سنائی گئی ہے جو ان کو آخرت میں عطا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمتیں عطا کیں ہیں ان کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

☆ مشرکین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی مثل نہیں لا سکتے۔

☆ مشرکین کہتے تھے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی ان خرافات کا رد کیا گیا ہے۔

☆ متعدد خداؤں کا رد کیا گیا ہے اور مشرکین جو عذاب کی وعید کا مذاق اڑاتے تھے اس کا ابطال کیا گیا ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار کو چھوڑ دیں اور ان کی دل آزار باتوں پر غمگین نہ ہوں' یہ عذاب ان پر دنیا میں بھی آئے گا اور آخرت میں بھی اور آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ سے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ آپ کی تائید فرمائے گا اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں۔

اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے سورۃ الطور کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! تو اس عظیم کام میں میرا حامی و ناصر رہنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۵ رجب ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ اگست ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

آیاتها ۴۹ رکوعاتها ۲	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	سورۃ الطور مکیۃ ۵۲

سورۃ الطور مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انچاس آیتیں دو رکوع ہیں

وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ الۡبَیۡتِ

اور (پہاڑ) طور کی قسم ۝ اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ۝ جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ۝ اور بیت المعمور

الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾ وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ

کی قسم ۝ اور بلند چھت کی قسم ۝ اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم ۝ بے شک آپ کے رب

رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ

کا عذاب ضرور واقع ہو گا ۝ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے ۝ جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہو گا ۝ اور

تَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿ؕ۱۰﴾ فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾ الَّذِیۡنَ

پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے ۝ اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہو گا ۝ جو بے ہودہ

ہُمۡ فِیۡ خَوۡضٍ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا ﴿ؕ۱۳﴾ وقف لازم

مشغلہ میں کھیل رہے ہیں ۝ جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا ۝

ہٰذِہِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِہَا تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحۡرٌ ہٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا

یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے ۝ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم نہیں

تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ۚ۱۵﴾ اِصۡلَوۡہَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا

دیکھ رہے ۝ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو، یہ تمہارے لیے برابر ہے، تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی

کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیۡمٍ ﴿ۙ۱۷﴾ فٰکِہِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمۡ

جا رہی ہے جو تم کرتے تھے ۝ بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ۝ اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہو

رَبُّہُمۡ ۚ وَ وَقٰہُمۡ رَبُّہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۸﴾ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓئًۢا بِمَا کُنۡتُمۡ

رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا ۝ (ان سے کہا جائے گا:) خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ

نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے ○ وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے' ہم ان کا نکاح کشادہ چشم

عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ

گوری عورتوں سے کر دیں گے ○ اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ

ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال

رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ

کے عوض گروی ہے ○ اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گے ○ وہ جنت میں شراب

فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ گناہ ○ اور ان کے خدام ان کے گرد پھر

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں ○ اور وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے احوال دریافت کریں گے ○

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا

وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے ○ پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں دوزخ کے عذاب

عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع ۱ ۲۸ ۳

سے بچا لیا ○ بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے' بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (پہاڑ) طور کی قسم ○ اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے ○ جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ○ اور بیت المعمور کی قسم ○ اور بلند چھت کی قسم ○ اور جوش مارتے ہوئے سمندر کی قسم ○ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو گا ○ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے ○ (الطور: ۱۔۸)

''الطور'' کا معنی اور مصداق

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ طور کے معنی میں لکھتے ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: سریانی زبان میں طور پہاڑ کا نام ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ طور زبیر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ پیدا ہوا اور جس پر سبزہ پیدا نہ ہو اس پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔

پھر جس پہاڑ طور کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی' اس کے مصداق میں تین قول ہیں:

(۱) سدی نے کہا: یہ طور سیناء ہے (۲) ابن قتیبہ نے کہا: یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا (۳) کلبی نے کہا: یہ ایک غیر معروف پہاڑ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ پہاڑوں میں جو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں رکھی ہیں ان کو یاد دلایا جائے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۶-۳۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی ۴۲۷ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر پہاڑ طور ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کی مراد یہاں پہاڑ طور سے وہ پہاڑ طور ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا' یہ پہاڑ مدین میں ہے اور اس کا نام زبیر ہے اور مقاتل بن حیان نے کہا: یہ دو پہاڑ ہیں' ایک کو طور تینا کہا جاتا ہے اور دوسرے کو طور زیتونا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک پہاڑ تین (انجیر) اگاتا ہے اور دوسرا پہاڑ زیتون اگاتا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جمہور عرب کے نزدیک ہر پہاڑ کو الطور کہتے ہیں' اس سے مراد طور سینین ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا' اس کو طور سیناء بھی کہتے ہیں' اس نام سے جو پہاڑ مشہور ہے وہ مصر میں میدان تیہ کے قریب ہے۔

ابو حیان اندلسی نے سورۃ التین کی تفسیر میں کہا ہے کہ طور سینا شام میں ایک پہاڑ ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ امام راغب نے نقل کیا ہے کہ یہ پہاڑ تمام روئے زمین کو محیط ہے اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ جنت کا ایک پہاڑ ہے اور میرے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے' ابو حیان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ غیر معروف پہاڑ ہے اور میرا اعتماد اس پر ہے کہ یہ پہاڑ مصر میں ہے' اور اسی پہاڑ پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۱-۴۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے مطلقاً یہ نہیں لکھا کہ طور وہ پہاڑ ہے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے' جیسا کہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے' بلکہ انہوں نے طور کے متعلق تین قول نقل کیے ہیں' پہلا قول یہ ہے کہ طور ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے' پھر لکھا ہے: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ہر پہاڑ کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پہاڑ تمام روئے زمین کو محیط ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۰۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

”کتاب مسطور“ کے معانی اور مصادیق

الطور: ۲ میں فرمایا: اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے O

اس سے مراد قرآن مجید ہے جس کو مؤمنین مصاحف میں سے پڑھتے ہیں اور فرشتے اس کو لوح محفوظ سے پڑھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے O جو معزز کتاب میں درج ہے O (الواقعہ: ۷۷-۷۸)

بعض مفسرین نے کہا: ”کتاب مسطور“ سے مراد تمام وہ کتابیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں اور ہر

کتاب باریک کھال یا جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں تھی' جس سے حاملین کتب اس کو پڑھتے تھے۔

کلبی نے کہا: اس کتاب سے مراد ''تورات'' ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی آواز سن رہے تھے۔

فراء نے کہا: اس سے مراد لوگوں کے صحائف اعمال ہیں' بعض وہ ہیں جو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے صحیفہ اعمال پکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنے بائیں ہاتھ سے اپنا صحیفہ اعمال پکڑے ہوئے ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۳۔۱۴)

اور ہم قیامت کے دن ہر انسان کے سامنے اس کا صحیفہ اعمال نکالیں گے جس کو وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا ○ لے آج خود ہی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے اپنا محاسبہ کرنے کے لیے آج تو خود ہی کافی ہے ○

نیز فرمایا:

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ (التکویر: ۱۰)

اور جب صحائف اعمال کھول دیئے جائیں گے ○

موت کے وقت صحائفِ اعمال لپیٹ دیئے جاتے ہیں' پھر قیامت کے دن حساب کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں' جنہیں ہر شخص دیکھ لے گا اور از خود پڑھ کر اپنا محاسبہ کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کتاب ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں فرشتوں کے لیے لکھ دیا ہے' وہ اس کتاب میں پڑھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل مومنین اور اولیاء اللہ کے دلوں میں لکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (المجادلہ: ۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

کیونکہ قرآن مجید کی زیرِ تفسیر آیت میں ہے: ہر کتاب باریک کھال یا جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں تھی' یعنی ورق میں لکھنے کا ذکر ہے' مذکور الصدر آیت میں دل میں لکھنے کا ذکر ہے تو اس آیت میں قلب کو مجاز اور ورق پر محمول کرنا پڑے گا۔

جو مرتب حروف لکھے ہوئے ہوں ان کو سطر کہا جاتا ہے' یعنی وہ کتاب جو باریک جھلی یا کھال میں لکھی ہوئی ہے۔

یہ تمام اقوال مرجوح اور غیر معتبر ہیں' صحیح بات یہی ہے کہ ''کتاب مسطور'' سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب دلائل سے واضح کریں گے۔

الطور: ۳ میں فرمایا: جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔

''رق'' کے معانی اور مصادیق میں اربابِ لغت کی تصریحات

اس آیت میں ''رق'' کا لفظ ہے' اس کے معانی کتب لغت میں حسب ذیل ہیں:

خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

''رق'' کا معنی ہے: صحیفہ بیضاء' یعنی سفید ورق' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ○'' (الطور: ۳)۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''رقیق'' کے معنی ہیں: باریک' کہا جاتا ہے: ''ثوب رقیق'' یعنی باریک کپڑا ''رقیق القلب'' جس کا دل نرم ہو اور ''رق'' کاغذ کے مشابہ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ'' (الطور: ۳)۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۶۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

''الرق'' کا معنی ہے: صحیفۃ بیضاء' وہ باریک جھلی یا کھال جس پر لکھا جا سکے' اسی معنی کے موافق قرآن مجید میں ہے: ''فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ'' (الطور: ۳) یعنی صحیفوں میں۔ فراء نے کہا ہے کہ اس سے مراد تمام اولادِ آدم کے اعمال نامے ہیں۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۲۰۵' دار صادر' بیروت)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''الرق'' اس باریک کھال یا جھلی کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے اور صحیفہ بیضاء (سفید کاغذ) کو بھی کہتے ہیں۔

(القاموس ص ۸۸۷' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

''رق'' کے معانی اور مصادیق میں مفسرین کی تصریحات

مفسرین اس کے حسب ذیل معانی لکھتے ہیں:

امام محمد بن جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے نقل کیا ہے' اس کا معنی ''کتاب'' ہے' اور مجاہد سے نقل کیا ہے اس کا معنی ''صحیفہ'' ہے۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

''رق'' اس چیز کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے اور یہ وہ باریک کھال ہے جس پر مصحف کو لکھا گیا اور ''منشور'' کا معنی ہے: ''مبسوط'' یعنی کھلا ہوا' اس کے مصداق میں کئی اقوال ہیں: (۱) تورات (۲) لوح محفوظ (۳) مخلوق کے اعمال نامے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۸۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

''رق'' وہ باریک کھال ہے جس پر لکھا جا سکے اور اس سے کتاب کا استعارہ کیا گیا ہے اور اس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے' یعنی یہ بہت عظیم کھال ہے اور اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگوں کے درمیان معروف کتابوں میں سے نہیں ہے۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۵۔۶۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' ہر چند کہ ''کتاب مسطور'' لفظ عام ہے لیکن یہاں پر عام کا ذکر کر کے اس سے خاص کا ارادہ کیا گیا ہے الخ اور جب اس سے مراد قرآن کریم ہو تو اس کا غیر متعارف ہونا اس لحاظ سے ہے کہ نقوش اور کتابت سے قطع نظر یہ کلام انسانوں کے کلام کی جنس سے نہیں ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۵۔۶۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں جن کتابوں اور تحریروں کو عرصۂ دراز تک محفوظ رکھنا مقصود ہوتا تھا ان کو ہرن کی باریک کھال پر لکھا جاتا تھا' کیونکہ اس زمانہ میں کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا' یہ کھال خاص طور پر باریک جھلی کی شکل میں تیار کی جاتی تھی اور اس کو عرف عام میں ''رق'' کہا جاتا تھا' اہل کتاب عام طور پر تورات' زبور' انجیل اور دیگر صحف انبیاء کو اسی ''رق'' پر لکھا کرتے

تھے تا کہ یہ کتابیں عرصہ دراز تک محفوظ رہ سکیں' اس آیت میں ''رق منشور'' سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے ''کتاب مسطور'' کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مراد ''تورات'' ہے یا آسمانی کتاب یا مخلوق کے صحائف اعمال ہیں اور چوتھا قول یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور ''رق منشور'' کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ کتاب بالکل کھلی ہوئی ہے' اس میں کوئی خفا نہیں ہے اور ہر شخص اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۱۹۸۔۱۹۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے ''رق منشور'' کی جو تفسیر کی ہے کہ یہ کتاب بالکل کھلی ہوئی ہے اور اس کا ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے' اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ ''کتاب مسطور فی رق منشور'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ ''کتاب مسطور'' اور ''رق منشور'' میں تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی وہ بہت عظیم کتاب ہے اور اس کا معظم کتاب ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن یا تورات سے کوئی ایک کتاب مراد ہو۔ (روح المعانی جز ۲۷ص ۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ ''کتاب مسطور فی رق منشور'' سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ جو کتاب آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظیم ہے اور جس کتاب کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے وہ قرآن مجید ہی ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم حامل قرآن تھے' حامل تورات نہ تھے اور جس کتاب کو آپ مشرکین کے سامنے پیش کر رہے تھے اور جس کتاب کی آپ تعلیم دے رہے تھے وہ تورات یا انجیل نہیں' قرآن کریم ہے' نیز تورات' انجیل اور زبور تو آپ کے زمانہ میں محرف اور مبدل ہو چکی تھیں' ان کی عظمت کی قسم کھانے کا کیا موقع تھا' اس لیے ہمارے نزدیک سید ابو الاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے:

یہاں کھلی کتاب سے مراد یہی مجموعہ کتب مقدسہ ہے جو اہل کتاب کے ہاں موجود تھا۔

(تفہیم القرآن ج ۵ص ۱۶۳' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید حضور کی زندگی میں جمع اور مرتب نہیں ہوا تھا اس لیے ۔۔۔۔۔ اس کا وجود مشکوک ہے

میرے فاضل دوست مولانا قاری عبد المجید شرق پوری (حال برسٹل) نے مجھ سے فون پر کہا کہ یہاں پر عیسائی سکالر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جمع اور مرتب نہیں کیا گیا تھا' یہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جمع کیا گیا' اس وقت بھی یہ مختلف لغات پر پڑھا جاتا تھا' بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے صرف اس نسخہ کو باقی رکھا گیا جو لغت قریش پر تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کے پاس محفوظ تھا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے پاس یہی قرآن مجید موجود ہے' اور اس قرآن مجید کے متعلق یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا کیونکہ اس کی جمع اور ترتیب آپ کے وصال کے بعد ہوئی اور اس کی ترویج اور اشاعت تو آپ کی وفات کے بہت بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ہے۔

قاری عبد المجید صاحب نے کہا: آپ عنقریب ''فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ'' (الطور: ۳) کی تفسیر میں پہنچنے والے ہیں' آپ اس اعتراض کا مکمل قلع قمع کریں اور اس آیت کی تفسیر میں سیر حاصل بحث کر کے یہ واضح کریں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اس مسئلہ میں جس قدر شبہات ہیں ان کا ازالہ کریں۔

عیسائیوں کی موجودہ ''انجیل'' کا وجود خود مشکوک ہے

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا' اس کا ثبوت ہم بعد میں ذکر کریں گے' پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عیسائی حضرات کے نزدیک چار انجیلیں مستند' معروف اور مسلّم ہیں جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ کلام مانتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا' حالانکہ ان انجیلوں کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا' بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں نے حضرت علیہ السلام کی سوانح' ان کی سیرت اور ان کی داستان حیات لکھی ہے' جس میں کہیں کہیں الہامی جملے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے یہ فرمایا اور یہ فرمایا' ان میں سے بعض آیات کا قرآن مجید مصدق ہے اور اکثر کا مکذب ہے اور وہ جعلی اور وضعی آیات ہیں اور ان چاروں انجیلوں میں سے کوئی ایک انجیل بھی وہ نہیں ہے جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور ان میں سے کوئی انجیل بھی وہ انجیل نہیں ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' بہ جز چند آیات کے۔

مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی متوفی ۱۳۰۸ھ نے عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے ''اظہار الحق'' جس میں عیسائیت کا رد بلیغ کیا ہے' اس کتاب کا عیسائی علماء اب تک جواب نہیں دے سکے' یہ کتاب اردو ترجمہ اور حواشی کے ساتھ شائع ہو چکی ہے' ہم اس کتاب سے وہ اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ انجیلوں میں کوئی انجیل بھی وہ نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' مولانا کیرانوی لکھتے ہیں:

اناجیلِ اربعہ کی اصلیت

انجیل متی' لوقا' مرقس

آپ کو عنقریب مقصد ۳' شاہد ۱۵ میں معلوم ہوگا کہ قدماء مسیحیین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی' مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہو گئی' موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے' مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس موجود نہیں' یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا' صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے' جو مخالف کے لیے حجت نہیں ہو سکتا اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جا سکتی' مقدمہ کے نمبر ۷ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ''میزان الحق'' کا مصنف بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا' بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ ''غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا'' مگر بغیر دلیل اس کا ظن و قیاس مردود ہے' اس لیے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے' بلکہ قابل رد ہے۔

انسائیکلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے درمیان تھی لکھی گئی' لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ موجود ہے' وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے۔

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:

جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۲ کی بعض آیات میں شک تھا اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے

تھے یہ دونوں ابواب فرقۂ مارسیونی[1] کے نسخہ میں موجود نہیں ہیں۔

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:

اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے' جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک پائی جاتی ہے' اور گریسباخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت پر شک وتردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا' حالانکہ اس کی شرح میں اس کے الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے' بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خارج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

اور گریسباخ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے' اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک اس پایہ کا شخص نہیں ہے' مگر گریسباخ کا قول تو اُن پر یقیناً حجت ہے۔

انجیلِ یوحنا مستند نہیں' اُس کے دلائل

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے' وہ اسی کی تصنیف ہے بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اُس کی تردید کرتی ہیں۔

پہلی دلیل

گزشتہ دَور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور اُن کے بعد تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں باب ۴ کے اندر معلوم ہو چکا ہے اور مزید باب مقصد ۳ شاہد ۱۸ میں معلوم ہوگا۔ اس انجیل سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں اور جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی' تاوقتیکہ اُس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو۔

دوسری دلیل

اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:

یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ: یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے' اور ''اس کی شہادت'' (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں ''نعلم'' (ہم جانتے ہیں) کے الفاظ (صیغۂ متکلم کے ساتھ) کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں' جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف واضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

---

1. عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا قائل ہے' ایک خالقِ خیر اور ایک خالقِ شر' اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہے' عہد جدید کے جن ابواب میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اُسے یا تو رد کر دیتا تھا یا اس میں تحریف کرتا تھا اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا اس کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں۔ (ملخص از ازالۃ الشکوک ص ۱۹۲۔۱۹۳ بحوالہ لارڈنر وغیرہ) عربی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے۔

تیسری دلیل

دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے' اس زمانہ میں آرینوس[۱] جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ[۲] کا شاگرد ہے' موجود تھا' اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سُنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے' اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا' اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ ارینوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سُنا ہو مگر بھول گیا ہو' کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا' یوسی بیوس اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ ص ۲۱۹ میں آرینوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے:

میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سُنے اور اپنے سینہ میں لکھے' نہ صرف کاغذوں پر اور عرصہ دراز سے میری پُرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں۔

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا' اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا' اور ان کے مقابلہ میں حقد مین اس کو ثابت نہیں کر سکے تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلوس جو بت پرست مشرک علماء میں سے تھا' اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے۔

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیز کان[۳] کا عالم ہے' چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے:

یہ بات محقق ہے کہ اس عہدِ جدید کو نہ تو مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے' بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا۔

تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں' جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں۔

چوتھی دلیل

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ج ۷ ص ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے:

---

۱ ارینوس (Irenacus) لیون کا مشہور بشپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً ۱۸۴ء میں وفات پائی' بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں' جن کا لاطینی ترجمہ تا حال پایا جاتا ہے۔ (برٹانیکا) ۱۲

۲ پولیکارپ (Polycarp) سمرنہ کا مشہور بشپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے' تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۵ء میں وفات پائی' بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں۔ ۱۲ ت

۳ عیسائیوں کا ایک فرقہ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت دی اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا' معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے۔ یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے' مگر ان میں الحاق و تحریف کا قائل ہے اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے' باقی کو چھوڑ دیتا ہے' مانی کیز اس فرقہ کا بانی ہے۔ (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک ص ۱۹۳ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈنر) ۱۲ تقی

استاولن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلاشک وشبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔

ملاحظہ کیجئے استاولن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے اور کس طرح برملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب کا کارنامہ ہے۔

پانچویں دلیل

محقق برطشیندر کہتا ہے کہ:

یہ ساری انجیل' اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے' اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں' بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔

چھٹی دلیل

مشہور محقق کروٹیس کہتا ہے کہ:

اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے' افساس کے گرجے نے اکیسواں باب' یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے۔

ساتویں دلیل

دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وجین اس انجیل کے منکر تھے' اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے۔

آٹھویں دلیل

باب ۲ مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب ۸ کی ابتدائی ۱۱ آیات کا انکار' جمہور علماء نے کیا ہے اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں' اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو اُن کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انہوں نے کہی ہے' لہٰذا یچی بات وہی ہے جو فاضل استاولن اور برطشیندر کہتے ہیں۔

نویں دلیل

اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلاسند روایات کا رواج تھا' اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء ج ۴ قسم ۲ کے باب ۲ میں کہتا ہے کہ:

ہم کو مؤرخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معیّن ہیں' جن سے کسی معیّن چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی' اور ان کو قلمبند کر ڈالا' بعد کے آنے والے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا اور یہ سچی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں' مدت مدید گزر جانے کی وجہ سے اب اُن کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا۔

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:

پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ یا ۴۳ یا ۴۸ء یا ۶۱ یا ۶۲ یا ۶۳ یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی۔ دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۶۰ء یا ۶۳ء میں تالیف ہوئی' تیسری انجیل ۵۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی' چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں تالیف ہوئی۔

27

خطوط ومشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ یعقوب علیہ السلام کا رسالہ یہودا کا رسالہ مشاہدات یوحنا اور یوحنا کا رسالہ نمبرا (کے بعض جملوں) کی نسبت حواریین کی جانب بلادلیل ہے اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے اور بعض مذکورہ جملے مردود اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہو جائے گا یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ عنقریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء ج ۲ ص ۲۰۶/۲۰۷ میں کہتا ہے:

سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ و یہودا کا رسالہ یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ اور مشاہدات یوساء انجیل یوحنا کے باب ۸ آیت ۲ لغایۃ ۱۱ اور یوحنا کے رسالہ نمبرا باب ۵ آیت ۷ بھی موجود نہیں ہیں۔

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس سے حذف کیا کہ وہ اس کے نزدیک ثابت اور معتبر نہ تھیں چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے ص ۳۷ میں کہتا ہے کہ:

فرقہ پروٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجرس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو جھوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا:

رسالہ عبرانیہ یعقوب کا رسالہ یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ یہودا کا رسالہ مشاہدات یوحنا۔

ڈاکٹر بلس فرقہ پروٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ:

تمام کتابیں یوسی بیوس کے عہد تک واجب التسلیم نہیں ہیں۔

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ:

یعقوب کا رسالہ پطرس کا دوسرا رسالہ یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲ یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہودا کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی مگر ہم تسلیم کرتے ہیں۔

لارڈنر اپنی تفسیر کی ج ۴ ص ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ:

سرل اور اسی طرح اورشلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اس نے لکھی تھی۔

پھر ص ۳۲۳ میں کہتا ہے:

مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی نہ اس پر بار ہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی ایبڈ جسو نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ او یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالہ یہودا اور مشاہدات یوحنا کو چھوڑ دیا ہے یہی رائے دوسرے سریانیوں کی بھی ہے۔

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ج ۷ ص ۲۰۶ میں ہے کہ:

روز نے اپنی کتاب کے ص ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ محققین' کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانتے اور پروبرا یواللہ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہوسکتیں۔

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۷ باب ۲۵ میں کہتا ہے:

ڈیونیسیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کردیا ہے اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے' اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے' اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہوسکتا ہے' نہ کوئی نیک شخص اور نہ کوئی عیسائی' اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھسن نے کی ہے' مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں' جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے بس یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے' مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا' اور زبدی کا بیٹا' یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا' بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہوسکتا' نہ اس کا مصنف' وہ یوحنا ہوسکتا ہے' جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے' کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے' بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے' شہر آفسوس میں دو قبریں موجود ہیں' جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا ہے' عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے' کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے' اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے' اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے' اس میں نامانوس اسلوب استعمال کیے گئے ہیں' نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا' نہ انجیل میں اور نہ رسالۂ عامہ میں' بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے اور مقصود کو بغیر کسی تمہید کے شروع کرتا ہے' اس کے برعکس اس شخص نے باب ا میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ[1] لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لیے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب ہونا ضروری ہے' ظاہر کرے اور اس نے اپنے فرشتے کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور چوتھی آیت میں ہے کہ: یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام۔ آیت نمبر ۹ میں ہے: میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں۔

باب: ۲۲ آیت: ۸ میں لکھتا ہے کہ: میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا۔ ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔[2]

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار اپنی عادت کے خلاف اس لیے کیا ہے تاکہ اپنا تعارف کرائیں' کیونکہ اگر تعارف مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو مشخص اور متعین کرتی' مثلاً یہ کہتا کہ یوحنا بن زبدی یا یعقوب کا بھائی یا یوحنا اپنے رب کا محبوب مرید وغیرہ وغیرہ' بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت تمہارا بھائی یا تمہارا شریکِ غم اور شریکِ صبر' ذکر کرتا ہے' ہم یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہے

[1] یہ کتاب مکاشفہ باب اوّل آیت اکی عبارت ہے۔ ۱۲ تقی

[2] یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے۔ ۱۲ تقی

ہیں' بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب ۳' باب ۳ میں تصریح کی ہے:

پطرس کا رسالہ نمبرا سچا ہے' البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتب مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا' مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں اور کچھ لوگوں نے رسالہ عبرانیہ کو خارج کر دیا ہے۔

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:

اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب' رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ انجیل والوں کے لکھے ہوئے ہیں یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں سے موسوم تھے اور یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ اعمال پولس اور باشتر اور مشاہدات پطرس اور رسالہ برنبا اور وہ کتاب جس کا نام انسٹی ٹیوشن حواریین ہے یہ سب جعلی اور فرضی کتابیں ہیں اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہدات یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار کرنا چاہیے۔

نیز اپنی تاریخ کی کتاب ۶' باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے:

وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ[1] نے لکھا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے۔

ارنیس پشپ لیس جو ۱۷۸ء میں گزرا ہے' اور ہپ پولیس جو ۲۲۰ء میں گزرا ہے اور روم کا بڑا پادری نوتیس جو ۲۵۱ء میں گزرا' انہوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے' ٹرٹولین[2]' کارتھیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنبا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۲۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا' سائی پرن' کارتھیج کا لاٹھ پادری متوفی ۲۴۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا اور سریانی گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے' اسکالیجر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا' اس نے اپنا وقت ضائع کیا۔

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے:

خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے' مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہی خیال ہمارا یہودا کے رسالہ کی نسبت بھی ہے' مگر بہت سے گرجوں میں اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے۔

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ:

کروٹیس کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہودا کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اورشلیم کا پندرھواں پادری تھا۔

اور یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶' باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ:

آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی ج ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا' اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں۔

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں' بلکہ جعلی

---

[1] CLEMENT OF ROME ۱۵۰ء-۲۲۰ء-۱۲۔

[2] Tertullian' یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے موسوم کیا اور اسے عہد عتیق کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا۔ (بائبل ہینڈ بک)

اور فرضی ہیں' جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے' اور شاید دو چار سطروں کی مقدار ان رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی' ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ:

اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

بالکل سچا اور درست ہے' جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے' ادھر آپ کو فصل اوّل میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے اور جن کو نائس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا' پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دے دی' مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی' جو کارتھیج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لی گئی' ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کرنا حجت نہیں ہو سکتا' اوّل تو اس لیے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو' اور باب ۱۰ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا اور کارتھیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب باروخ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب القابین کو تسلیم کیا تھا اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا۔

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا' اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا' پھر تعجب ہے کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ٦ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے اور دوسری کتابوں کے متعلق اُن کے فیصلہ کو رَد کر دیتا ہے' خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت' جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا۔

کتاب آستیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اصل معدوم ہو گئی تھی' کیونکہ جیروم کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے' اس لیے ان کے لیے لازم ہے کہ ان کتابوں کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے' اسی طرح اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں' کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی۔

دوسرے اس لیے کہ ہورن کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی اور وہ بے اصل اور واہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے بعد میں آنے والے ان کی پیروی کرتے جاتے' تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہنچی ہوں گی اور انہوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا۔

تیسرے اس لیے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین و انتظامات ملکی کی طرح ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے

(۱) یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آ رہا تھا اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے' اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے اور جو محرف تھا وہ صحیح اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دے دیا جاتا ہے' جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی

پڑتی ہے۔

(۲) کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آریجن نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن[1] کا ترجمہ قبول کر لیا۔

(۳) ارس تمیں کا رسالہ سولہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا' جس پر سترہویں صدی میں اعتراضات کیے گئے اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔

(۴) لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے۔

(۵) پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی' پھر وہی سولہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دے دی گئی۔

(۶) عزراء کی کتاب ۳ کو گریک گرجا آج تک تسلیم کیے جا رہا ہے' اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بتا رکھا ہے' سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے' اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی' بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس[2] میں موجود ہے' مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے' ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کر لیں گے۔

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی اور جب کبھی اس سلسلہ میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی' اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آپ کو باب ۲ کے مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں معلوم ہو جائے گی۔ (اظہار الحق مترجم ج ۱ ص ۳۵۶-۳۷۴' مکتبہ دارالعلوم کراچی' ۱۴۲۳ھ)

قرآن مجید کی جمع اور ترتیب پر عیسائیوں کے اعتراض کا جواب

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں میں متفرق طور پر موجود تھا اور بعض مسلمان اس کو لکھ لیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں لکھو اور یہ آیت فلاں سورت میں لکھو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں قرآن مجید نازل ہوتا رہا' مختلف سوالات کے جوابات میں مختلف آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' اسی طرح مختلف غزوات میں اور مختلف حالات میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت کی ہے اور یہ آیت فلاں سورت کی ہے' اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن مسلمانوں کے سینوں میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور جو صحابہ کاتبین وحی تھے وہ پورا قرآن مرتب کر کے لکھ چکے تھے اور انہوں نے اس کو مختلف اشیاء پر لکھا ہوا تھا' ہرن یا کسی اور جانور کی جھلی نما باریک کھال پر لکھا ہوا تھا یا اس زمانہ میں جس نوعیت کا' کاغذ دستیاب تھا اس کاغذ پر لکھا ہوا تھا' لیکن پورا قرآن کسی ایک جلد میں یا مصحف میں اس طرح موجود نہیں تھا جس طرح آج کل ایک جلد میں قرآن کریم موجود ہے' اس طرح پہلی بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور

---

[1] تھیوڈوشن (Theodotion) ایک عبرانی عالم تھا جس نے دوسری صدی عیسوی میں مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا' یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے۔ ۱۲ت

[2] کوڈکس (CODEX) انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں' اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریہ کہلاتا ہے اور برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۴-۳۵)

خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے ایک جلد میں اور ایک مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا' اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اس سے عیسائیوں کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع اور مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے باہمی مشورہ سے جمع اور مرتب کیا تھا' ہم پہلے اس پر دلائل پیش کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا' پھر اس کی وضاحت کریں گے کہ حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو مختلف اجزاء سے اکٹھا کر کے ایک جلد میں اسی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا جو ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی اور پھر اس کی وضاحت کریں گے کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو صرف لغتِ قریش پر باقی رکھا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے پہلے مکمل اور مترتب قرآن مجید حفظ ہو چکا تھا

اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں قرآن جمع اور مرتب ہو چکا تھا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ جواد تھے اور آپ رمضان کے مہینہ میں زیادہ جواد ہوتے تھے' جب آپ سے حضرت جبریل ملاقات کرتے تھے اور حضرت جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور آپ سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ جواد ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶' ۱۹۰۲' ۳۲۲۰' ۳۵۵۴' ۴۹۹۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا آپ اس کا رمضان کی ہر رات میں حضرت جبریل علیہ السلام سے دور کیا کرتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ اس سال نازل ہونے والا تمام قرآن آپ کے سینہ مبارکہ میں جمع اور مرتب ہوتا تھا اور جس سال آپ کا وصال ہوا' اس سال تمام قرآن آپ کے سینہ میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا: بے شک جبریل ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ پورے قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ پورے قرآن کا دور کیا ہے اور اس سے میں یہی گمان کرتا ہوں کہ اب میری وفات ہونے والی ہے۔

(صحیح بخاری' تعلیقاً' کتاب فضائل القرآن' باب: ۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا انہوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا اور آپ ہر سال دس دن کا اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۸)

حضرت جبریل کے ساتھ قرآن مجید کے دَور کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل پورا نازل شدہ قرآن مجید پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور دوسری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نازل شدہ پورا قرآن مجید پڑھتے اور حضرت جبریل اس کو سنتے' اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال رمضان میں مکمل قرآن نازل ہو چکا تھا' سوا ایک آیت کے وہ یوم عرفہ کو نازل ہوئی: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا'' (المائدہ: ۳) اور ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند (تین' سات یا نو) دن پہلے یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ: ۲۸۱)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۳۰)

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو آخری رمضان آیا اس میں آپ کے سینہ میں مکمل قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا' سوا ایک یا دو آیتوں کے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے' وہ یہ ہے:

حضرت اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے اس وفد میں حاضر تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا' آپ نے ہمیں اپنے ایک خیمہ میں ٹھہرایا اور آپ اپنے گھروں سے مسجد میں آتے جاتے وقت ہم سے ملاقات کرتے تھے (الی قولہ) ایک رات آپ کافی دیر تک ہمارے پاس نہیں آئے' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو ہم سے ملنے میں کیوں دیر ہو گئی؟ آپ نے فرمایا: مجھے قرآن مجید کی حزب (قرآن مجید کی تلاوت کا مقرر کیا ہوا حصہ) کو مکمل کرنے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی' سو میں نے ارادہ کیا جب تک میں اس حزب کو مکمل نہ کر لوں گھر سے نہ نکلوں' حضرت اوس بن حذیفہ نے کہا: پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے صبح تک باتیں کرتے رہے' ہم نے پوچھا: آپ لوگ قرآن مجید کی حزب کس طرح مقرر کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم تین سورتوں کو حزب قرار دیتے ہیں اور پانچ سورتوں کو اور سات سورتوں کو اور نو سورتوں کو اور گیارہ سورتوں کو اور تیرہ سورتوں کو اور مفصل کی حزب سورۃ قٓ سے لے کر ختم قرآن تک ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۹ طبع قدیم۔ ج ۲۶ ص ۸۸۔۸۹۔ رقم الحدیث: ۱۶۱۶۶ طبع جدید' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۰۱۔۵۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۵' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۵۲۳' مشکل الآثار رقم الحدیث: ۱۳۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں سورتوں کی وہی ترتیب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اور حضرت اوس کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مفصل سورہ قٓ سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے آخری رمضان میں دو بار قرآن مجید کا دور کرنے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۸) کی شرح میں لکھتے ہیں:

آخری رمضان میں مکمل قرآن نازل ہو چکا تھا ماسوا ان آیتوں کے جو اس رمضان کے بعد نازل ہوئیں اور ان میں سورۂ مائدہ کی وہ آیت ہے جو یوم عرفہ کے دن نازل ہوئی: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' (المائدہ: ۳) اور یہ آیات بہت کم ہیں اس لیے ان کا دور نہیں کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحابہ کرام کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل اور مرتب قرآن مجید حفظ ہو چکا تھا

ان حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل قرآن جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اسی کے موافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت اصحاب کے سینوں اور ان کے مختلف صحیفوں میں قرآن مجید جمع اور مرتب تھا' اگرچہ کسی کے پاس یہ مجموعہ ایک جلد میں یک جا نہیں تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل کرو (۱) عبد اللہ بن مسعود (۲) سالم (۳) معاذ (۴) ابی بن کعب۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۹۹۶)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے کتاب اللہ کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے کسی کے متعلق یہ علم ہوتا کہ وہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے تو میں ضرور اس تک پہنچتا خواہ مجھے اونٹ پر سوار ہو کر اس تک پہنچنا پڑتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کتنے لوگوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا؟ حضرت انس نے بتایا: چار آدمیوں نے اور ان سب کا تعلق انصار سے تھا (۱) حضرت ابی بن کعب (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) اور حضرت ابو زید۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۹۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۰۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار صحابہ کا جو ذکر کیا ہے یہ ان کے علم کے اعتبار سے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید جمع کرنے والے صحابہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا وہ چار یہ ہیں: (۱) حضرت ابو الدرداء (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) اور حضرت ابو زید' حضرت انس نے کہا: ہم ان ہی کے علوم کے وارث ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۹۴)

حضرت انس نے پہلی روایت میں حضرت ابو الدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے۔

حضرت انس نے عہد رسالت میں صرف چار صحابہ کے حافظ قرآن ہونے کا ذکر کیا ہے' اس کا جواب

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ازراہ فخر کہا کہ انصار کے قبیلہ اوس کے چار افراد نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اور بہت صحابہ نے قرآن مجید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع کیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف قبیلہ اوس کے چار صحابہ کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ قبیلہ اوس میں سے صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا' ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کل صحابہ بہ شمول مہاجرین و انصار میں سے صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے قبیلہ اوس پر فخر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ قاضی ابو بکر الباقلانی اور دیگر علماء نے حضرت انس کی اس حدیث کے اور جوابات بھی ذکر کیے ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انس نے جو کہا ہے کہ چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کے قول میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ صحابہ میں سے اور کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۲) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ اور کسی نے جمیع وجوہ سے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا حتیٰ کہ اس میں آیات کی تمام قرأت کا بھی ذکر کیا ہو۔

(۳) ان چار کے علاوہ اور کسی نے اتنی جامعیت سے جمع نہیں کیا کہ ان آیات کا بھی ذکر کیا ہو جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور ان آیات کا بھی ذکر کیا ہو جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی' اور یہ جواب پہلے جواب کے قریب ہے۔

(۴) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار نے بغیر کسی واسطے کے بہ راہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سن کر قرآن مجید جمع کیا' اس کے برخلاف قرآن مجید کو جمع کرنے والے دوسرے صحابہ نے بعض آیات کو آپ سے بلاواسطہ سنا اور بعض آیات کو بالواسطہ سنا۔ (میں کہتا ہوں کہ قبیلہ اوس سے وابستہ صحابہ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ سے بلاواسطہ قرآن سنا ہو گا لیکن ہجرت سے پہلے مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان کو تو انہوں نے آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۵) یہ چار صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ سے حصول تعلیم کے درپے تھے اس لیے یہ مشہور ہو گئے اور دوسرے وہ صحابہ جنہوں نے آپ کی زندگی میں قرآن مجید جمع کیا تھا ان کا حال دوسرے سے مخفی رہا' حالانکہ واقع میں انہوں نے بھی آپ کی حیات میں قرآن مجید جمع کیا تھا' اس لیے حضرت انس نے صرف ان چار صحابہ کا ذکر کیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے صحابہ نے ریاکاری کے خطرہ اور شدتِ اخلاص کے جذبہ سے خود اپنی کاوشوں کو مخفی رکھا اور اس لیے حضرت انس ان کے کام پر مطلع نہ ہو سکے اور جب وہ ریاکاری کے خطرہ سے مامون ہو گئے تو پھر انہوں نے اپنی کاوشوں سے لوگوں کو مطلع کر دیا۔

(۶) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار صحابہ نے لکھ کر قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور دوسرے صحابہ نے مکمل قرآن مجید کو حفظ کر کے اپنے سینوں میں جمع کر لیا تھا اور ان چار صحابہ نے مکمل قرآن مجید کو حفظ بھی کیا اور اس کو لکھ بھی لیا (لیکن اس کو ایک جلد اور ایک مصحف میں نہیں جمع کیا' یہ منتشر اوراق' باریک کھالوں' کھجور کے درخت کی چھالوں اور سنگ مرمر کے پتلے تختوں میں محفوظ تھا' اس کو ایک مصحف اور ایک جلد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں محفوظ کیا گیا)۔

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ان چار صحابہ کے سوا اور کسی صحابی نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل قرآن مجید کو جمع کر لیا ہے کیونکہ یہ کام اسی وقت مکمل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی جب آخری آیت نازل ہو گئی اور ہو سکتا ہے کہ جب آخری آیت یا اس کے قریب آیت نازل ہو اس وقت قرآن مجید جمع کرنے والے صحابہ میں سے یہی چار صحابہ موجود رہے ہوں اگرچہ دوسرے مواقع پر دوسرے جمع کرنے والے صحابہ حاضر رہے ہوں۔

تحقیق یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد انصار کے دوسرے قبیلہ خزرج کے سامنے اظہار فخر کرنا تھا کہ ہمارے قبیلہ اوس کے چار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا ہے اور دیگر مہاجرین اور انصار سے اس وصف کی نفی کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۲۔ ۶۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ عسقلانی کے تتبع سے ان صحابہ کی تعداد کا بیان جن کو عہد رسالت میں مکمل اور مترتب قرآن مجید حفظ تھا

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

بہ کثرت احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی قرآن مجید حفظ تھا کیونکہ ہجرت سے پہلے انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی ہوئی تھی اور اس مسجد میں نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے اور یہ اس پر

محمول ہے کہ قرآن مجید کی جس قدر سورتیں اور آیات نازل ہوتی تھیں ان کو حضرت ابوبکر اس مسجد میں بلند آواز سے پڑھتے تھے' کیونکہ حضرت ابوبکر اس پر شدید حریص تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید حاصل کر کے اس کو یاد کریں جب کہ وہ آپ کے ساتھ مکہ میں مقیم تھے اور پھر اکثر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان کے پاس آتے رہتے تھے اور ''صحیح مسلم'' میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص قوم میں سب سے زیادہ قرآن کو یاد رکھنے والا ہو وہ قوم کی امامت کرائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۷۳)

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی جگہ حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے کیونکہ ان کو سب سے زیادہ قرآن مجید حفظ تھا اور حدیث میں ہے:

امام ابن ابی داؤد نے ''المصاحف'' میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے: مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر کا ہے' ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵)

نیز حضرت علی نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے ترتیب نزول کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا اور امام نسائی نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' میں نے قرآن مجید کو جمع کیا اور میں نے ساری رات میں قرآن مجید ختم کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ایک مہینہ میں قرآن مجید کو ختم کرو۔

(سنن نسائی رقم الحدیث:۲۳۹۶)

اور حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور سالم مولیٰ ابوحذیفہ بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے اور یہ سب مہاجرین میں سے تھے۔

ابوعبید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرّاء کو جمع کیا ہے اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کو شمار کیا ہے' ان میں ان صحابہ کا شمار کیا ہے:

مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت عبد اللہ بن السائب' حضرت عبد اللہ بن عباس' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ نے قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع کیا' لیکن ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو مکمل کیا اور اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کیے ہوئے حصر پر اعتراض نہیں ہوتا اور امام ابن ابی داؤد نے ''کتاب الشریعۃ'' میں مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر کو بھی شمار کیا ہے اور انصار میں سے حضرت عبادۃ بن الصامت اور حضرت معاذ جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی اور حضرت مجمع بن حارثہ اور حضرت فضالۃ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد وغیرہم کو شمار کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کو جمع کیا ہے اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی ہیں' ان کا ذکر ابوعمرو دانی نے کیا ہے اور بعض متاخرین نے ان قرّاء میں حضرت عمرو بن العاص' حضرت سعد بن عباد اور حضرت ام ورقہ کا بھی شمار کیا ہے۔

حضرت انس کی حدیث کے مزید جوابات اور عہد رسالت میں مزید حفاظ قرآن کا ذکر

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۵۰۰۴ میں مذکور ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا: حضرت ابوالدرداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید۔

یہ حدیث ''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۵۰۰۳ کے دو وجوں سے مخالف ہے' اول اس کے کہ اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صیغہ حصر کے ساتھ چار کا ذکر کیا ہے اور ثانی اس وجہ سے کہ اس میں حضرت ابی بن کعب کے بجائے حضرت ابو الدرداء کا ذکر کیا ہے' حصر کا جواب تو ہم پہلے کئی وجوہ سے ذکر کر چکے ہیں اور ائمہ نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ امام مازری نے کہا: حضرت انس نے اپنے علم کے اعتبار سے ان چار صحابہ میں حصر کیا ہے ورنہ واقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی' ورنہ صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے' حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سب کا احاطہ کیسے کر سکتے تھے؟ یہ حصر تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے الگ الگ تمام صحابہ سے ملاقات کی ہو اور ہر صحابی نے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ چیز عادۃً انتہائی بعید ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہ کثرت صحابہ نے قرآن مجید کو جمع اور حفظ کیا تھا' اس پر دلیل یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر قراء صحابہ شہید کر دیئے گئے اور یہ سب قرآن مجید کے حافظ اور جامع تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بیر معونہ میں ستر قاریوں کو کفار نے قرآن مجید سیکھنے کے لیے بلایا تھا اور پھر ان سب کو شہید کر دیا تھا اور حضرت انس نے خصوصیت کے ساتھ قبیلہ اوس کے ان چار صحابہ کا ذکر کیا ہے' کیونکہ ان کا ان کے ساتھ ایسا شدید تعلق تھا جو دوسروں کے ساتھ نہیں تھا یا ان کے ذہن میں ان ہی چار کا نام تھا دوسروں کا نہیں تھا۔

''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۵۰۰۴ کی رقم الحدیث: ۵۰۰۳ سے دوسری مخالفت یہ ہے کہ اس میں حضرت انس نے حضرت ابی بن کعب کے بجائے حضرت ابوالدرداء کا ذکر کیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں ہو سکتیں' ان میں سے کوئی ایک حدیث ہی صحیح ہوگی اور امام بیہقی نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ صحیح وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور حدیث: ۵۰۰۴ جس میں ان کے بجائے حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں ہے اور امام داؤدی نے کہا: حضرت ابوالدرداء کا ذکر محفوظ نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے یہ حدیث دو مختلف اوقات میں بیان کی ہو ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء کا ذکر کیا اور امام ابن ابی داؤد نے محمد بن کعب قرظی کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا: (۱) حضرت معاذ بن جبل (۲) حضرت عبادہ بن الصامت (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت ابوالدرداء (۵) اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم' اس حدیث کی سند حسن ہے' اس پر شاہد یہ حدیث ہے: شعبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا' ان میں حضرت ابوالدرداء' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت بھی تھے۔ اور ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۵۰۰۴ کی بہر حال اصل ہے' ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کا یہ گمان ہو کہ بہ شمول حضرت ابوالدرداء ان چار نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تو حضرت انس نے اس کے رد میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا کہ ان چار کے سوا عہد

رسالت میں اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور حضرت انس کا یہ حصر ادعائی ہے ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۳-۶۲ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے "فتح الباری" کی مذکور الصدر بحث کا خلاصہ لکھا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بہ کثرت صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جن کو منضبط کرنا اور منحصر کرنا بہت مشکل ہے اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ بیر معونہ میں ستر قراء اور حفاظ صحابہ کو شہید کر دیا گیا اور جنگ یمامہ میں بھی ستر صحابہ کو شہید کر دیا گیا؟ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۲۱-۳۲۲ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس کی حدیث کے حافظ عینی کی طرف سے جوابات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ان چار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۳)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس نے ان چار صحابہ میں حصر کیا ہے حالانکہ ان کے علاوہ بھی اور بہت صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید جمع کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ چار کا لفظ عدد ہے اور عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس حدیث کے اور متعدد جوابات ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید کو اس کی جمیع وجوہ کے ساتھ یعنی اس کی لغات اس کے حروف اس کی قراءت اور اس کے اسباب نزول کے ساتھ ان چار کے علاوہ اور کسی نے جمع نہیں کیا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بلا واسطہ سن کر ان چار کے سوا اور کسی نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۳) ان چاروں نے اس کا اظہار کیا اور قرآن مجید کی تعلیم اور تلقین کے درپے ہو گئے۔

(۴) ان چاروں نے آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کر کے لکھ لیا تھا خواہ ایک مصحف میں یا متعدد صحائف میں۔

(۵) ابو بکر بن العربی نے کہا: حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ انہوں نے منسوخ شدہ آیات کو جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) الماوردی نے کہا: حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن جمع کرنے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

(۷) اور ان چار کے علاوہ جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا انہوں نے ریاکاری کے خطرہ سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا اور ان چار کے نفوس اپنے اخلاص پر مطمئن تھے اس لیے انہوں نے اس کا اعلان کر دیا تھا۔

(۸) ان چاروں نے قرآن مجید حفظ کر کے اپنے سینوں میں جمع کیا اور صحیفوں میں لکھ بھی لیا اور باقی صحابی نے کسی ایک چیز پر اکتفاء کیا تھا۔

(۹) زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان چار کے سوا باقی قرآن جمع کرنے والے صحابہ کا علم نہیں تھا۔

حافظ عینی کے تتبع سے عہد رسالت میں حفاظ قرآن کی تعداد

ان چار صحابہ کے علاوہ جنہوں نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کیا وہ خلفاء راشدین ہیں ابو عمرو نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے بھی قرآن مجید جمع کیا تھا اور محمد بن کعب قرظی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبادہ بن الصامت حضرت ابو ایوب خالد بن زید نے قرآن مجید جمع کیا تھا اس کو ابن

عساکر نے ذکر کیا ہے اور الدانی سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور مجمع بن جاریہ نے بھی آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کیا اور ابو عبید بن سلام نے ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ قیس بن صعصعہ عمرو بن زید انصاری بدری نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا' ان میں حضرت سعد بن عبید النعمان الاوسی ہیں اور امام ابن الاثیر نے کہا: جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت قیس بن السکن' حضرت ام ورقہ بنت نوفل اور ایک قول ہے بنت عبد اللہ بن الحارث بھی ہیں اور ابو عبیدہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قراء کا ذکر کیا ان میں مہاجرین میں سے چار خلفاء کو شمار کیا اور حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبد اللہ بن السائب کو اور چار عبادلہ کو (حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص) اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ اور امام ابن ابی داؤد نے ذکر کیا ہے کہ مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت معاذ جن کی کنیت ابو حلیمہ ہے اور حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو میں قرآن مجید جمع کر چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال تھی اور اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا وہ اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی عدد اور کوئی شمار ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۔۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وفات سے پہلے حفظ قرآن پر مزید احادیث اور صحابہ کے لیے بھی

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑوں کے ٹکڑوں یا کاغذوں پر قرآن مجید کو لکھ کر جمع کر رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام کے لیے خوشی ہو' ہم نے پوچھا: کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ رحمان کے فرشتے ان کے اوپر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۲۹۔۲۳۰ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۲۹۰۱ طبع جدید' ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۰' الترغیب ج ۴ ص ۶۳' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۵۱۶)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس حدیث میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ قرآن مجید کو صرف ایک مرتبہ جمع نہیں کیا' بلکہ پہلی بار قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمع کیا گیا' پھر دوسری بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کیا گیا اور تیسری بار حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان کے دور خلافت میں جمع کیا گیا۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے (پہلی بار قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کو مختلف لغات پر منتشر اوراق میں جمع کیا گیا' ایک جلد اور ایک مصحف میں جمع نہیں کیا گیا' دوسری بار قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع کیا گیا لیکن اس کو مختلف لغات پر پڑھا جاتا تھا اور تیسری بار اس کو صرف لغتِ قریش پر جمع کیا گیا اور اسی پر قائم رکھا گیا اور باقی لغات کی قرأت کو محو کر دیا گیا)۔ (وضاحت از مصنف)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے پوچھا: تم کون سی قرأت کے متعلق یہ گمان کرتے ہو کہ وہ آخری قرأت ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ حضرت زید بن ثابت کی قرأت ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کو دو بار قرآن سنایا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی آخری قرأت تھی۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۲۹۰۳ طبع جدید المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع اور حفظ کر لیا تھا۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ قرآن سنایا گیا پس صحابہ کہتے تھے کہ ہماری قرأت ہی وہ آخری قرأت ہے جو رسول اللہ کو سنائی گئی تھی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰۔ رقم الحدیث: ۲۹۰۴)

امام حاکم نیشاپوری نے کہا: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے موافق صحیح ہے اور اس کا بعض امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے، لیکن ان دونوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے پورے قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ترتیب کے ساتھ جمع اور حفظ کر لیا تھا۔

وفات سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکمل قرآن مجید کا لکھا ہوا ہونا

امام ابن ابی عاصم متوفی ۲۸۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے مجھ سے کہا: تم ہمارے سامان اور سواریوں کی حفاظت کرو، میں نے کہا: اس شرط پر کہ تم فارغ ہونے کے بعد میرا انتظار کرنا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اپنی ضروریات کے متعلق سوال کیا، پھر وہ باہر آ گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ سے مصحف (قرآن مجید کا مترتب لکھا ہوا نسخہ یا کتاب) کا سوال کیا جو آپ کے پاس موجود تھا تو آپ نے مجھے وہ عطا فرما دیا، تاہم یہ مصحف ایک جلد میں نہیں تھا، اس کے متعدد اجزاء تھے۔

امام ابوبکر بن ابی عاصم نے کہا: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مصاحف میں جمع ہو چکا تھا۔

(الاحاد والمثانی ج ۳ ص ۱۹۱۔ رقم الحدیث: ۱۵۲۸، المعجم الکبیر ج ۹ ص ۵۳۔ رقم الحدیث: ۸۳۹۳۔ ج ۹ ص ۴۰۔ رقم الحدیث: ۸۳۵۶، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں ماسوا عباد کے اس کی بھی توثیق کی گئی ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۱)

امام ابو عاصم نے کہا: درج ذیل حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید مصاحف میں جمع ہو چکا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصاحف کو لے کر دشمن کی زمین کی طرف سفر نہ کرو۔

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید مصاحف میں لکھ کر جمع کیا جا چکا تھا۔ (الاحاد والمثانی ج ۳ ص ۱۹۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۹)

مذکور الصدر احادیث کی وضاحت

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل قرآن مجموع اور مترتب محفوظ تھا جس کا آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں حضرت جبریل علیہ السلام سے دوبار دور کیا اور آپ کے پاس یہ مجموع اور مترتب متعدد صحائف میں لکھا ہوا محفوظ بھی تھا' لیکن یہ ایک جلد میں محفوظ نہیں تھا اور یہ لکھے ہوئے اجزاء بھی آپ کی وفات سے کچھ پہلے معرض وجود میں آئے اور شروع سے قرآن مجید کو ایک مصحف یا ایک جلد میں اس لیے محفوظ نہیں کیا گیا کیونکہ قرآن مجید کا بہ تدریج نزول ہوا ہے اور تیئیس سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا' نیز اس کی بعض آیات کی تلاوت منسوخ بھی ہوتی رہتی تھی ان وجوہات کی بناء پر قرآن مجید کا ابتداء نبوت میں مجموعہ محفوظ کرنا ممکن نہ تھا' صحابہ کرام قرآن مجید کو حفظ کرتے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں جب قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا تو ان گنت صحابہ مکمل قرآن مجید کو حفظ کر چکے تھے اور مکمل قرآن مجید متعدد مصاحف اور منتشر اوراق میں لکھا بھی جا چکا تھا جیسا کہ ''الاحاد والمثانی'' کی احادیث سے ظاہر ہو چکا ہے اور ''صحیح البخاری' صحیح مسلم'' کی احادیث اور ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کے تتبع اور ان کی تصریحات سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بے شمار صحابہ مکمل قرآن مجید کے حافظ تھے اور جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے ستر قرآن مجید کے حفاظ صحابہ شہید ہو گئے تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ مکمل قرآن مجید کو لکھ کر ایک مصحف یا ایک جلد میں محفوظ کر لیا جائے تاکہ بہ وقت ضرورت اس کی نقول فراہم کی جا سکیں' لیکن اس کو بنیاد بنا کر عیسائیوں کا یہ اعتراض غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید مجموع اور مرتب نہ تھا اس کو بعد میں صحابہ نے جمع کیا اور ترتیب دی۔

صحابہ کرام نے جو حضرت ابوبکر کے عہد میں قرآن مجید جمع کیا اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو ایک مصحف اور ایک جلد میں جمع کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبید بن السباق بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب اہل یمامہ کو قتل کیا گیا (یمامہ مدینہ کے مشرق کے وسط میں ہے اور مکہ سے سولہ مرحلہ پر ہے' اسی جگہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا' حضرت ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ اور اس کے متبعین کو قتل کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا' اس جنگ میں ستر قرآن کے حافظ صحابہ اور بارہ سو عام مسلمان شہید ہوئے بالآخر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا) تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ کے دن بہت قرآن مجید کے حفاظ شہید ہو گئے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سارا حصہ جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے حضرت عمر سے کہا: ہم اس کام کو کیسے کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے۔ پھر حضرت عمر مجھ سے مسلسل اس کام کے لیے کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو کرنے کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی' حضرت زید بن ثابت نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: آپ جوان اور عقل مند آدمی ہیں' ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے' آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتے رہتے تھے' آپ قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر لیجئے' حضرت زید بن ثابت نے کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ

پر اس قدر دشوار نہ ہوتا جتنا مجھ پر یہ حکم دشوار تھا کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں' میں نے کہا: آپ لوگ اس کام کو کیسے کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ اچھا کام ہے' پھر حضرت ابوبکر مجھ سے مسلسل یہ بات کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا' میں قرآن مجید کو کھجور کے درخت کی چھال' سنگ مرمر کے پتلے اور چپٹے تختوں (اور کپڑوں کے ٹکڑوں اور کاغذوں اور باریک کھالوں اور اونٹ کی چوڑی ہڈیوں سے) اور مسلمانوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کرتا رہا حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی (جن کی تنہا شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا تھا) وہ آیت یہ ہے: "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" الی آخر الایۃ (التوبہ: ۱۲۸۔۱۲۹) پھر یہ مجموعی صحیفہ حضرت ابوبکر کے پاس رہا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی' پھر حضرت عمر کی حیات میں ان کے پاس رہا' پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۹۱)

اس حدیث کے راوی عبید بن السباق کی توثیق

یہ حدیث عبید بن السباق سے مروی ہے' ان کے متعلق بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں' لیکن ایسا نہیں ہے ہم ان کی توثیق کے متعلق ماہرین اسماء رجال کی توثیق پیش کر رہے ہیں:

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

عبید بن السباق الثقفی المدنی کا امام ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۳۰۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حضرت زید بن ثابت' حضرت جویریہ ام المومنین' حضرت اسامہ بن زید' حضرت سہل بن حنیف اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے اور علماء اہل مدینہ سے ہیں۔ (تاریخ اسلام ج ۶ ص ۱۴۸' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے' العجلی نے کہا: یہ مدنی تابعی ثقہ ہیں' امام مسلم نے ان کا تابعین اہل مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۵۹۔ رقم الحدیث: ۴۵۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ تابعی ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۵۰۴' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے لکھا ہے: عبید بن السباق ثقہ ہیں۔ (کتاب الثقات ج ۵ ص ۱۳۳)

التوبہ: ۱۲۸ کا صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملنا' کیا تواتر کی شرط کے خلاف نہیں ہے؟

اس حدیث میں دوسری بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ التوبہ: ۱۲۸۔۱۲۹' صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا' اس پر اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات تو تواتر سے ثابت ہوتی ہیں تو صرف حضرت خزیمہ کی شہادت سے ان دو آیتوں کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو قرآن مجید کی تمام آیات معلوم اور حفظ تھیں لیکن جو صحابہ کرام قرآن مجید کو مصحف میں جمع کر رہے تھے انہوں نے مصحف میں قرآن مجید کی آیات کو درج کرنے کا یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ جس

آیت کے متعلق کم از کم دو صحابہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا وہ اس آیت کو مصحف میں درج کرتے تھے' الاحزاب: ۲۳ کو لکھوانے کے متعلق حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کوئی گواہی نہیں ملی اور چونکہ حضرت خزیمہ کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے صحابہ نے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کر لیا' واضح رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت تواتر سے ثابت ہے یعنی اس کے قرآن ہونے کے متعلق ہر دور میں اتنے لوگوں نے خبر دی ہے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے' لیکن یہاں پر یہ مسئلہ نہیں تھا کہ یہ آیت قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ اس کا قرآن مجید میں ہونا تو انہیں تواتر سے معلوم تھا' مسئلہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ہے اور سورۃ الاحزاب میں درج کرایا ہے یا نہیں؟ سو اس پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ گواہ تھے' الاحزاب: ۲۳ کی طرح سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے مصحف میں درج کی گئیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورۂ توبہ کے آخر میں پہنچا تو " لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ " (التوبہ: ۱۲۸۔۱۲۹) مجھے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو جو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' اس کی وجہ دو واقعات ہیں جن کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام کرنے کا سبب

محمد بن عمارہ' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی کہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی قیمت لینے کے لیے سرعت کے ساتھ گئے' اس اعرابی کے نزدیک تاخیر ہوگئی' دوسرے لوگ اس اعرابی کے سامنے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے' ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں تو فبہا ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں فروخت کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اس اعرابی نے کہا: اچھا پھر آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے پوچھا: تم کس بنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی (ہر بات کی) تصدیق کرتا ہوں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۶۲۴۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۵۵۶۶ طبع جدید' مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۳۶۶ طبع قدیم' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۷۳۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰' المستدرک ج ۲ ص ۱۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۷۰۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۰۴۸' الاصابہ رقم الحدیث: ۲۲۵۶' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۱۴۳۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو قرض ادا کر چکا ہوں' یہودی نے کہا: آپ گواہ لائیں' اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری آ گئے' انہوں نے کہا: میں

گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو قرض ادا کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کو کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا: میں اس سے بہت بڑی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' میں آسمان کی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتیں قرار دیا۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۵۵۶۳' ۱۵۵۸۵' طبع جدید' مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۳۶۶' ج ۱۱ ص ۲۳۵ طبع قدیم)

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں صرف لغت قریش پر قرآن مجید کو باقی رکھنا اور باقی نسخوں کو جلا دینا

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا کہ پہلے متعدد لغات پر قرآن مجید کو پڑھنے کی اجازت تھی لیکن ہر وہ شخص جو کسی ایک لغت پر قرآن مجید پڑھتا تھا جب وہ دوسرے شخص سے کسی اور لغت کے تلفظ پر قرآن کو سنتا تو وہ اس کی تغلیط کرتا اور وہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کے تلفظ کی تغلیط کرتا اور یوں مسلمان ایک دوسرے کی قرأت کی تکذیب کرتے' اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قرأت پر قرآن کو باقی رکھا جو لغت قریش پر تھا اور حضرت حفصہ کے گھر محفوظ تھا اور باقی لغات کے نسخوں کو محو کر دیا گیا' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' وہ اس وقت اہل شام سے آرمینیہ اور آذربائی جان کی فتح کے سلسلہ میں اہل عراق سے جہاد میں مشغول تھے' اس وقت حضرت حذیفہ مسلمانوں کے قرآن پڑھنے میں اختلاف سے گھبرا گئے' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں مختلف ہو جائے آپ اس کا تدارک کر لیجئے' پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ قرآن مجید کا وہ نسخہ ہماری طرف بھیجیں' ہم اس کو دوسرے مصاحف میں نقل کریں گے پھر آپ کو یہ نسخہ واپس بھیج دیں گے' حضرت حفصہ نے وہ نسخہ حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا' حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن الزبیر' حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبد الرحمان بن الحارث بن ہشام سے کہا کہ وہ اس نسخہ کو مصاحف میں نقل کریں اور حضرت عثمان نے تین قریشین کی جماعت سے کہا: جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف ہو جائے تو اس کو لغت قریش کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن مجید لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے' سو انہوں نے ایسا ہی کیا' حتیٰ کہ جب انہوں نے اس نسخہ کو مصاحف میں نقل کر لیا تو حضرت عثمان نے وہ مستعار لیا ہوا نسخہ یا مصحف حضرت حفصہ کو واپس کر دیا اور تمام صوبوں اور بڑے شہروں میں اس مصحف کی نقلیں بھیج دیں اور حکم دیا کہ اس نسخہ کے مطابق مصاحف لکھیں اور ان کے ماسوا جو قرآن مجید کے سابقہ نسخے ہیں ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۷)

بقیہ مصاحف کو جلانے کی توجیہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سابقہ مصاحف کو جلانے کا جو حکم دیا تھا اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام بڑے شہروں میں حضرت حفصہ کے مصحف کی نقول بھجوا دیں تو کہا: میں نے اس اس طرح کیا اور اپنے سابقہ مصحف کو مٹا دیا' سو تم بھی اپنے اپنے سابقہ مصاحف کو محو کر دو اور محو اس سے عام ہے کہ ان سابقہ کاغذات کو دھویا جائے یا جلا دیا جائے' اکثر روایات میں جلانے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے ان کاغذات کو دھویا گیا ہو پھر جلا دیا گیا ہو تا کہ سابقہ اوراق کا بالکل نام و نشان نہ رہے' قاضی عیاض نے حتمی طور پر کہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان کاغذات کو دھویا پھر جلا دیا تا کہ سابقہ قرأت کا کوئی نام و نشان نہ رہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ص ۲۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ جب مصحف کے اوراق بہت پرانے ہو جائیں اور استفادہ کے قابل نہ رہیں تو ان کو کسی پاک جگہ پر دفن کر دیا جائے۔

جمع قرآن کے متعلق حرف آخر

ملا علی سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اسی وقت قرآن مجید کو جمع کیا جب ان کے نزدیک دلیل قطعی سے قرآن مجید کے الفاظ ثابت ہو گئے اور دلیل قطعی سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان الفاظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔

الحارث المحاسبی نے "فہم السنن" میں کہا ہے کہ قرآن مجید کو لکھنا حادث (نیا کام) نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو لکھنے کا حکم دیتے تھے' لیکن وہ لکھا ہوا یک جا نہیں تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو یک جا کیا' گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مکمل قرآن مجید کے منتشر اور متفرق اوراق مل گئے' پھر کسی جمع کرنے والے نے ان اوراق کو جمع کر کے ایک دھاگے کے ساتھ باندھ دیا تاکہ ان میں سے کوئی ورق ضائع نہ ہو جائے اور ان کاغذوں' کپڑوں اور باریک کھالوں پر جو لکھا ہوا تھا وہی صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا کیونکہ وہ ابتداء سے نازل ہونے والے قرآن کو حفظ کر رہے تھے اور انہوں نے تئیس سال سے لگاتار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا مشاہدہ کیا تھا' اس لیے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ اس میں کوئی غلط چیز شامل ہو گی' ہاں اس کا خطرہ تھا کہ اس میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے اس لیے انہوں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ قرآن مجید کو جمع کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۴۸-۴۹ ملخصاً' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

الطور: ۴ میں فرمایا: اور بیت المعمور کی قسم ○

"البیت المعمور" کا معنی اور اس کی تاریخ

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور ان کے شارح علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ اسماعیل بن محمد قونوی متوفی ۱۱۹۵ھ "بیت المعمور" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"البیت المعمور" کا لفظی معنی ہے: آباد شدہ گھر' اس سے مراد کعبہ ہے' کیونکہ لوگ اس کا قصد کرتے ہیں اور حج کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے سورۂ توبہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے: زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں' اور اس کو آباد کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کو قندیلوں اور فرش سے مزین کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "البیت المعمور" ساتویں آسمان میں ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہوتا ہے وہ دوبارہ قیامت تک نہیں داخل ہوتا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸)

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ ہر آسمان میں زمین کے کعبہ کے مقابل ایک بیت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: "البیت المعمور" آسمان میں ہے اس کو "الضراح" (دور اور بلند) کہتے ہیں' یہ "بیت الحرام" کی مثل اور اس کی سیدھ میں ہے' اگر وہ اوپر سے گرے تو کعبہ کے اوپر گرے گا اس میں ہر روز ایسے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اس کو نہیں دیکھا اور اس کی آسمان میں ایسی حرمت ہے جیسی مکہ کی حرمت ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے اسحاق بن بشر ابوحذیفہ وہ متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ص ۱۱۴' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

قاضی بیضاوی نے آل عمران کی تفسیر میں کہا ہے کہ "البیت المعمور" کعبہ کی جگہ پر تھا اس کا نام "الضراح" تھا' فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا حج (قصد) کریں اور اس کا طواف کریں اور جب طوفانِ نوح آیا تو اس کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہاں فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ "البیت المعمور" ساتویں آسمان میں ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے' کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر آسمان میں کعبہ کے مقابل ایک بیت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جو کعبہ کی جگہ "البیت المعمور" تھا اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور وہ چوتھے آسمان میں ہے' اسی طرح امام ازرقی نے "تاریخ مکہ" میں لکھا ہے' لیکن یہ عبارت قاضی بیضاوی کی اس تحریر کے خلاف ہے کہ "البیت المعمور" کو طوفانِ نوح کے وقت چوتھے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا' اور ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور روایت ہو' نیز "البیت المعمور" بھی متعدد ہیں۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ص ۹۰۶' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ص ۲۳۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

"البیت المعمور" کے مصداق اور اس کے مقام کے متعلق احادیث' آثار اور مفسرین کے اقوال

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ "البیت المعمور" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الماوردی نے بیان کیا ہے کہ "البیت المعمور" چوتھے آسمان میں ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چوتھے آسمان میں لے جایا گیا سو ہمارے لیے "البیت المعمور" کو بلند کیا گیا پس وہ کعبہ کی سیدھ میں تھا اگر وہ گرے تو کعبہ پر گرے گا' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جب وہ اس سے نکل آئیں تو پھر دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔ (النکت والعیون ج ۵ص ۳۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

القشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "البیت المعمور" آسمانِ دنیا میں ہے۔

ابوبکر الانباری نے کہا: ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ "البیت المعمور" کیا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ایک بیت (گھر) ہے' اس کو "الضراح" کہا جاتا ہے' "الضراح" آسمان میں ایک گھر ہے اور وہی "البیت المعمور" ہے' اس کے معمور (آباد) ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو فرشتوں نے بھر رکھا ہے۔

المہدوی نے کہا: "البیت المعمور" عرش کے موازی اور محاذی ہے اور "صحیح مسلم" میں حضرت مالک بن صعصہ سے معراج کی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے لیے "البیت المعمور" بلند کیا گیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے "البیت المعمور" کی طرف اپنی پشت سے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے پندرہ بیت ہیں' سات آسمانوں میں ہیں اور سات زمینوں میں ہیں اور کعبہ ہے اور یہ تمام بیت کعبہ کے بالمقابل ہیں۔

حسن بصری نے کہا: "البیت المعمور" کعبہ ہے اور یہ "البیت الحرام" ہے جو لوگوں سے آباد ہے' اللہ تعالیٰ اس میں ہر سال چھ لاکھ آدمی بھر دیتا ہے اور اگر لوگ کم ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کمی کو فرشتوں سے پوری کر دیتا ہے اور یہ وہ پہلا بیت (گھر) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے زمین پر رکھا۔

الربیع بن انس نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں "البیت المعمور" کعبہ کی جگہ پر تھا' پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس کا حج کرنے کا حکم دیا' سو لوگوں نے اس کا انکار کیا اور نافرمانی کی پھر جب طوفانی لہریں بلند ہوئیں تو "البیت المعمور" کو زمین سے اٹھا کر آسمانِ دنیا پر اسی کی مقابل جگہ پر رکھ دیا گیا' پھر ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کو آباد کرتے ہیں پھر وہ اس میں دوبارہ نہیں آئیں گے حتیٰ کہ صور پھونک دیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "البیت المعمور" کی جگہ کعبہ کو گھر بنا دیا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَالْقَآىٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ○ (الحج:۲۶)

اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے البیت (عبادت کا گھر) بنانے کی جگہ مقرر کر دی کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں کے لیے اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا○

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح کی ویرانی کے بعد سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ سب سے پہلی مسجد جو زمین پر بنائی گئی وہ مسجد حرام ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۰)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

الطور: ۵ میں فرمایا: اور بلند چھت کی قسم○

اس بلند چھت سے مراد آسمان ہے' آسمان کو چھت اس لیے فرمایا کہ وہ زمین کے لیے ایسا ہے جیسے گھر کے لیے چھت ہوتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ (الانبیاء:۳۲) ہم نے ہی آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا ہے۔

الطور: ۶ میں فرمایا: اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم○

"البحر المسجور" کے معنیٰ اور مصداق میں اقوالِ مفسرین

اس آیت میں "مسجور" کا لفظ ہے یہ "سجر" سے بنا ہے "سجر" کا معنیٰ ہے: تنور کو ایندھن سے گرم کرنا "سجر النهر" کا معنیٰ ہے: پانی کا دریا کو بھرنا "سجر البحر" کا معنیٰ ہے: سمندر کا جوش مارنا "سجر الماء" کا معنیٰ ہے: پانی جاری کرنا "سجر التنور" کا معنیٰ ہے: تنور کو ایندھن سے بھر کر گرم کرنا۔ (المنجد اردو ص ۴۵۷)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"سجرت التنور" کا معنیٰ ہے: تنور کو آگ سے بھڑکایا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ۙ (التکویر:۶) اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے○

ایک قول یہ ہے کہ سمندر کا پانی زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور اس میں آگ بھڑکا دی جائے گی۔

ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ○ۚ (المؤمن:۷۲) اور پھر کفار دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گے○

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: "المسجور" کا معنی ہے: "الموقد" (جلایا گیا) حدیث میں ہے: سمندر قیامت کے دن آگ بن جائے گا۔

قتادہ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: "المملوء" (بھرا ہوا) یعنی قیامت کے دن سمندر آگ سے بھرا ہوا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا: جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا: سمندر میں حضرت علی نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ وہ صادق ہے اور یہ آیات تلاوت فرمائیں: "وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ" (الطور: ۶) "وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ" (التکویر: ۶)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سمندر کے پانی سے اس لیے وضو نہیں کیا جاتا کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "المسجور" اس حوض کو کہتے ہیں جس کا پانی خشک ہو گیا ہو ایک عورت حوض سے پانی بھرنے کے لیے گئی تو کہنے لگے: "الحوض مسجور" حوض کا پانی خشک ہو چکا ہے۔

ابومکین کہتے ہیں: میں نے عکرمہ سے "البحر المسجور" کا معنی پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ عرش کے نیچے سمندر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے نیچے بہت گاڑھا پانی ہے اس کو "بحر الحیوان" کہتے ہیں پہلے صور کے چالیس سال بعد اس سے بارش ہوگی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سمندر کا سفر صرف وہی شخص کرے جو حج کرنے والا ہو یا عمرہ کرنے والا ہو یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ سمندر تہ در تہ ہے اور سمندر کی آفتوں کا اس میں سفر کرنے والوں تک پہنچنے کا خطرہ ہے اور جو شخص آگ کے قریب ہو اس کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ سمندر کی آفات ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آرہی ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی کسی فانی غرض کے لیے سمندر کے سفر کو اختیار کرنا بے وقوفی اور جہالت ہے کیونکہ اس میں جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور جان کو خطرہ میں ڈالنا صرف اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے محمود ہے۔

(حاشیۃ ابن التمجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ فی الحال سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن ان میں آگ بھڑک اٹھے گی اور حضرت علی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اس جگہ ہوگی جیسا کہ "صحیح بخاری" اور "جامع ترمذی" کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

عذاب کی وعید پورا کرنے پر دلائل

الطور: ۷۔۸ میں فرمایا: بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا ○ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے ○

یہ آیت قسم کا جواب ہے یعنی پہاڑ طور اور لکھے ہوئے قرآن "البیت المعمور" بلند چھت اور بھڑ کائے ہوئے سمندر کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کو عذاب کی جو وعید سنائی ہے وہ ضرور پوری ہوگی اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ پہنچا تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات کروں میں آپ کے پاس گیا اس وقت آپ اپنے اصحاب کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور آپ کی آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی اس وقت آپ پڑھ رہے تھے: "**والطور الی قولہ ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع**" گویا ان آیتوں نے میرا دل چیر ڈالا اور اس وقت سب سے پہلے میرے دل میں اسلام داخل ہوا اور میں عذاب نازل ہونے کے خوف سے اسی وقت اسلام لے آیا اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ (اگر میں اسلام نہ لایا تو) میں عذاب نازل ہونے سے پہلے یہاں سے اٹھ سکوں گا۔

ہشام بن حسان بیان کرتے ہیں کہ میں اور مالک بن دینار حسن بصری کے پاس گئے وہاں اس وقت ایک شخص یہ آیات پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا: "**ان عذاب ربک لواقع**" تو حسن بصری اور ان کے اصحاب رونے لگے اور مالک بن دینار غش کھا کر گر پڑے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۳۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

پہاڑ طور لکھی ہوئی کتاب (قرآن مجید) "البیت المعمور" وغیرہ عذاب کے وقوع پر اس لیے دلالت کرتے ہیں کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اس کی حکمت اس کی خبروں کے صدق اور بندوں کے اعمال کے علم اور ضبط پر دلالت کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے نیک بندوں کو جزاء دے اور بدکار بندوں کو سزا دے سکے۔

علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بلند آسمان اور پہاڑ اور سمندر اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کرتے ہیں اور یہ امور اس کی حکمت کے کمال پر بھی دلالت کرتے ہیں کیونکہ ان مصنوعات میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب حکمتیں ہیں اور حجاج بیان کرتے چلے آئے ہیں کہ کعبہ اور بیت اللہ حج کرنے والوں عمرہ کرنے والوں نمازیوں اور اعتکاف کرنے والوں سے بھرا ہوا رہتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے صادق ہونے کی دلیل ہے اور صحائف اعمال میں اور لوح محفوظ میں تمام انسانوں کے اعمال محفوظ اور منضبط ہیں جن کی بناء پر جزاء اور سزا دی جائے گی اور آپ کے رب کا وہ عذاب واقع ہوگا جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہوگا ○ اور پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے ○ اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہوگا ○ جو بے ہودہ مشغلہ میں کھیل رہے ہیں ○ جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا ○ یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے ○ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھ نہیں رہے ○ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو ○ یہ تمہارے لیے برابر ہے تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے ○

(الطور: ۹-۱۶)

قیامت کی کیفیات

الطور: ۹ میں "تمور" کا لفظ ہے اس کا مصدر "مور" ہے اس کا معنی ہے: لرزنا کانپنا گھومنا چکر لگانا اور حرکت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آسمان قیامت کے دن اپنی چیزوں سمیت کانپ رہا ہوگا اور لرز رہا ہوگا۔

الطور: ۱۰ میں فرمایا: اور پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے ○

مقاتل نے کہا: پہاڑ جس جگہ پر نصب ہیں وہاں سے اکھڑ کر چلیں گے حتیٰ کہ زمین کے ہموار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ (النمل: ۸۸)

(اے مخاطب!) تو پہاڑوں کو دیکھ کر یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی ریزہ ریزہ کر کے روئی کے گالوں کی طرح اڑا دینے پر قادر ہے۔

کفار کے عذاب کے احوال

الطور: ۱۱۔۱۲ میں فرمایا: اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہوگا O جو بے ہودہ مشغلہ میں کھیل رہے ہیں O

اس آیت کے شروع میں ''ویل'' کا لفظ ہے' جو شخص عذاب میں ہلاک ہونے والا ہو' اس کے لیے ''ویل'' کا لفظ کہا جاتا ہے۔

نیز فرمایا: وہ کھیل رہے ہیں' یعنی وہ باطل کام میں تردد کر رہے ہیں اور ان کا تردد اور تفکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب میں غور و فکر کرنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی رنگینیوں اور اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل کرنے والی چیزوں میں مشغول ہیں اور وہ قیامت کے دن کی پرسش اعمال اور حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کو یاد نہیں کرتے۔

الطور: ۱۳۔۱۴ میں فرمایا: جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا O یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے O

یعنی ان کو بہ زور جہنم کی طرف دھکا دیا جائے گا۔ جہنم کے محافظین ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق میں اپنے ہاتھ ڈال کر ان کو کھینچیں گے اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ باندھ دیں گے پھر ان کو گھسیٹ کر منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیں گے' پھر ان سے محافظین کہیں گے: یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

الطور: ۱۵ میں فرمایا: کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھ نہیں رہے O

یہ سوال ان کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے کیا گیا ہے' یعنی جس دوزخ کو اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو' یہ وہی ہے جس کو تم دنیا میں دیکھ نہیں سکتے تھے اور نہ اس کے متعلق سوچ سکتے تھے۔

الطور: ۱۶ میں فرمایا: اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ' پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو' یہ تمہارے لیے برابر ہے' تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے O

دوزخ کے محافظین ان سے یہ بات کہیں گے کہ اب تم دوزخ میں داخل ہو کر اس کی گرمی کو چکھو' خواہ تم اس عذاب کو برداشت کر سکو یا نہ کر سکو' خواہ تم اس عذاب پر آہ و فغاں کا اظہار کرو اور بے چینی اور بے قراری کا اظہار کرو یا صبر و سکون کے ساتھ اس عذاب کو برداشت کرو' تمہیں کوئی چیز نفع نہیں دے گی اور تم کو تمہاری بداعمالیوں کی سزا مل کر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے O اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہو رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا O (ان سے کہا جائے گا:) خوشی سے کھاؤ اور پیو' یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے O وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ہم ان کا نکاح کشادہ چشم گوری

عورتوں سے کردیں گے O (الطور: ۱۷۔۲۰)

متقین کے درجات

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں مؤمنین اور متقین کی آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور عتاب کے بعد ثواب کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ترہیب کے بعد ترغیب اور خوف کے بعد رجاء کا امر مکمل ہو جائے' متقین کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ کفر اور شرک کو ترک کرنے والے ہوں' دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ گناہ ہائے کبیرہ کو ترک کرنے والے ہوں' تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ گناہ ہائے صغیرہ کو ترک کرنے والے ہوں' چوتھا درجہ یہ ہے کہ وہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کاموں کو ترک کرنے والے ہوں اور پانچواں درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس طرح منہمک اور مستغرق ہوں کہ اس کے ماسوا کو ترک کردیں اور تمام نیک کاموں کو اس کی اور اس کے رسول معظم کی محبت میں ڈوب کر کریں اور جنت ہر چند کہ عیش اور سرور کی جگہ ہے لیکن باغ میں رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باغ کی نعمتوں اور لذتوں سے فیض یاب بھی ہو کیونکہ باغ کا محافظ بھی باغ میں ہوتا ہے لیکن وہ باغ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہوتا' اس لیے فرمایا کہ متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے یعنی جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کررہے ہوں گے۔

الطور: ۱۸ میں فرمایا: اپنے رب کی نعمتوں سے خوش ہو رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا O

اس آیت میں "فاکھین" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ خوش ہو رہے ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہو رہے ہوں گے' "فاکھۃ" پھلوں اور میووں کو کہتے ہیں' اس کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کو بہ کثرت پھل اور میوے حاصل ہوں گے اور ان کے خوش ہونے کی دو وجہیں ہیں: ایک وجہ تو ان کو جنت اور نعمتوں کا ملنا ہے اور دوسری وجہ ان کا دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنا ہے۔

الطور: ۱۹۔۲۰ میں فرمایا: ان سے کہا جائے گا: خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے O وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے' ہم ان کا نکاح کشادہ چشم گوری عورتوں سے کردیں گے O

اللہ تعالیٰ آخرت میں متقین کو جو نعمتیں عطا فرمائے گا ان آیتوں میں ان نعمتوں کے اسباب کا ترتیب وار ذکر فرمایا ہے' سب سے پہلے انسان کو رہنے کی جگہ اور مسکن کی ضرورت ہوتی ہے اور آخرت میں متقین کا مسکن جنت ہے' اس لیے پہلے متقین کے لیے جنتوں کا ذکر فرمایا' پھر پیٹ بھرنے کے لیے کھانے پینے کی اور لیٹنے کے لیے بستر اور بچھونے کی ضرورت ہوتی ہے پھر لذت اندوزی کے لیے بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان چاروں چیزوں کا ترتیب وار ذکر فرمایا' مسکن کے لیے جنتوں کا ذکر فرمایا اور کھانے پینے کے لیے "فاکھین" پھلوں اور میووں کا ذکر فرمایا اور بستر کے لیے "سرر" تختوں کا ذکر فرمایا اور بیویوں کے لیے "حور عین" حوروں کا ذکر فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ وہ خوشی کے ساتھ کھائیں گے اور پئیں گے' اس میں یہ بتایا کہ ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں دنیاوی خرابیاں نہیں ہوں گی' ان کے کھانے پینے کی چیزیں دیر تک رکھنے سے باسی اور بدبودار نہیں ہوں گی' وہ چیزیں کبھی ختم نہیں ہوں گی' ان کو زیادہ مقدار میں کھانے سے بدہضمی نہیں ہوگی' نہ ان کے کھانے سے کوئی بیماری ہوگی' کھانے کے حصول میں کوئی مشقت اور تھکاوٹ ہوگی نہ کوئی گناہ ہوگا' گوشت اور سبزیوں کو پکانا اور گلانا نہیں پڑے گا' کھانے اور پینے کے بعد بول و براز اور بدبودار ریح کا عارضہ نہیں ہوگا۔

نیز فرمایا: یہ تمہارے ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے' یہ نیک کام درحقیقت جنت میں دخول کا سبب

نہیں ہیں' جنت میں تو اللہ سبحانہ اپنے فضل سے داخل فرمائے گا اور یہ نیک اعمال جنت میں داخل ہونے کا ظاہری اور صوری سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسان ہے کہ اس نے ان کو ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی' قرآن مجید میں ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ وہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحجرات: ۱۷)

کافروں کی جزاء اور مومنوں کی جزاء میں امام رازی کی نکتہ آفرینی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (التحریم: ۷) تم کو صرف اُس عمل کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○

اور مومنین کے متعلق فرمایا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الطور: ۱۹) خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں دونوں کی جزاء کا ذکر فرمایا ہے' کیا ان جزاؤں میں کوئی فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ فرق ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کفار کی جزاء کے ساتھ "انما" کا ذکر فرمایا ہے جو حصر کا کلمہ ہے یعنی ان کو صرف یہی جزاء دی جائے گی' اس کے برخلاف مومنوں کی جزاء کے ساتھ "انما" نہیں فرمایا کیونکہ مومن کو اللہ تعالیٰ صرف اس کے عمل کی جزاء نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل سے اس کو اس کے عمل کے استحقاق سے بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو احسان فرمائے گا وہ صرف جنت میں کھلانے پلانے کا احسان نہیں ہوگا۔

(۲) مومنوں کے متعلق فرمایا ہے: "بما کنتم" یعنی تمہارے نیک اعمال کے سبب سے اور کافروں کے متعلق فرمایا ہے: "ما کنتم" یعنی تم کو بعینہٖ تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی' اور مومنوں کے متعلق جو فرمایا ہے اس کا معنی ہے: تم کو تمہارے اعمال کے سبب سے دائماً جزاء ملتی رہے گی۔

(۳) کفار کے متعلق جزاء کا ذکر ہے اور مومنوں کے متعلق فرمایا: "بما کنتم تعملون" کفار کے ساتھ جزاء کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ کفار کو جو کچھ جزاء دینی تھی وہ دے دی جائے گی اور بس' کیونکہ جزاء کا مطلب یہی ہوتا ہے اس کا جو کچھ معاوضہ تھا یہی ہے اور مومنوں کے ساتھ جزاء کا ذکر نہیں فرمایا یعنی ان کو ان کے نیک اعمال پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ مومنوں کو ثواب عطا کرنے کے ذکر میں بھی جزاء کا ذکر فرمایا ہے' جیسا کہ یہ آیت ہے:

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاحقاف: ۱۴) یہ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے یہ ان کے ان نیک اعمال کی جزاء ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے ○

اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں کے لیے جہاں بھی جزاء کے لفظ کا ذکر کیا ہے وہ غائب کے صیغہ سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان کا اجر دائمی ہوگا اور منقطع نہیں ہوگا اور مومنوں کے لیے خطاب کے صیغہ کے ساتھ جزاء کا ذکر نہیں ہے جب کہ کافروں کے لیے خطاب کے صیغے کے ساتھ جزاء کا ذکر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۰۶۔۲۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی نکتہ آفرینی پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے مومن اور کافر کی جزاء میں تین وجوہ سے فرق کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر اور مومن دونوں کی جزاء کو اجر و ثواب پر محمول کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے پہلے فرق کی وجہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ کافر کو صرف اس کے عمل کی جزاء دی جائے گی اور مومن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے عمل سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور دوسرے فرق کی وجہ میں ذکر کیا کہ کافر سے فرمایا: تم کو بسبب تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی اور مومن کے متعلق "بما کنتم" فرمایا ہے یعنی تم کو تمہارے اعمال کے سبب سے دائماً جزاء ملتی رہے گی اور تیسرے فرق کی وجہ میں یہ ذکر کیا کہ کافر کو جو جزاء دینی تھی وہ دے دی جائے گی اور بس! اور مومن کو اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے کیونکہ کافر کے لیے جب جزاء کا لفظ قرآن میں آتا ہے تو وہ اجر و ثواب کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ سزا اور عذاب کے معنی میں ہوتا ہے اس کے برخلاف مومن کے لیے جزاء کا لفظ قرآن مجید میں اجر و ثواب کے معنی میں ہوتا ہے' کافر کے لیے جزاء کا لفظ سزا اور عذاب کے معنی میں ہوتا ہے' اس کی مثال حسب ذیل آیتوں میں ہے:

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (الطور: ۱۶)
اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو' یہ تمہارے لیے برابر ہے' تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (التحریم: ۷)
آج تم عذر پیش نہ کرو' تم کو صرف ان ہی کاموں پر سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے○

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ○ (یونس: ۱۳)
ہم اسی طرح مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں○

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○ (الانعام: ۱۳۸)
عنقریب اللہ ان مشرکوں کو ان کے افتراء کی سزا دے گا○

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ○ (یونس: ۵۲)
پھر ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم دائمی عذاب چکھو تم کو صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے○

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الاحقاف: ۲۰)
آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم تکبر کرتے تھے۔

نیز امام رازی نے دوسرے فرق کے بیان میں کہا ہے کہ مومنوں کے لیے فرمایا ہے: "بما کنتم" اور کافروں کے لیے فرمایا ہے: "ما کنتم" یہ بھی صحیح نہیں ہے' الانعام: ۱۳۸ میں کافروں کے لیے بھی فرمایا ہے: "سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○" اور الاحقاف: ۲۰ میں فرمایا ہے: "فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ"

امام رازی نے تیسرے فرق کے بیان میں یہ کہا ہے کہ مومنین کے لیے جزاء کا ذکر خطاب کے صیغہ کے ساتھ نہیں ہے یہ درست ہے لیکن یہ تینوں فرق اس بنیاد پر ہیں کہ کفار کو بھی آخرت میں ان کے (نیک) اعمال پر اجر دیا جائے گا جب کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے' کفار کو آخرت میں ان کے کسی عمل پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا○ (الفرقان: ۲۳)
اور کافروں نے اپنے زعم میں جو بھی (نیک) کام کیا ہم اس کا قصد کر کے اس کو فضا میں بکھرے ہوئے غبار کے باریک ذرے

بتادیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے O اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گے O وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہ O ان کے خدام ان کے گرد پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں O (الطور: ۲۱-۲۴)

مؤمنوں کے ایمان کی وجہ سے ان کی نابالغ اولاد کو جنت میں داخل کرنے کے متعلق احادیث' آثار اور اقوال تابعین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الطور: ۲۱ کے معنی میں چار روایات ہیں:

(۱) النحاس نے "الناسخ والمنسوخ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے ساتھ جنت کے درجہ میں بلند کرے گا' خواہ مؤمن کی اولاد کا عمل اس سے کم ہو تا کہ اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھ کر مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو مؤمن کے ساتھ اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا خواہ اس کی اولاد کا عمل اس کے برابر نہ ہو تا کہ اولاد کی وجہ سے مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸' ۱۲۲۴۲)

ابوجعفر نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع روایت ہے اور اسی طرح واجب ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس اس کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کر سکتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں اللہ عزوجل کے فضل کی خبر دی ہے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے انواع و اقسام کی خوشیاں جمع کر دے گا' مؤمنین خود کامیاب ہو کر جنت میں پہنچیں گے' پھر ان کا کشادہ چشم حوروں سے نکاح کر دیا جائے گا اور جنت میں وہ اپنے دیگر مؤمن بھائیوں سے مانوس ہوں گے اور ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ جنت کے اسی درجہ میں ہوگی۔

المہدوی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے ساتھ اس کی نابالغ اولاد کو ملا دے گا۔

ذریت کا اطلاق چھوٹی اور بڑی اولاد دونوں پر ہوتا ہے' اگر ذریت سے مراد یہاں نابالغ اولاد ہو تو "بایمان" دونوں مفعولوں سے حال ہوگا اور اس کا وہی معنی ہوگا جو ہم پہلے کر چکے ہیں اور اگر ذریت سے مراد بڑی اولاد ہو تو "بایمان" دونوں فاعلوں سے حال ہوگا اور اس کا معنی ہوگا کہ مؤمنوں کی جو اولاد ایمان لانے میں ان کی پیروی کرے گی وہ ان کے ساتھ جنت میں ہوگی۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور ذریت سے مراد تابعین ہیں' اور ان سے ایک اور روایت یہ ہے کہ اگر آباء کا درجہ بلند ہو تو اللہ تعالیٰ ابناء کو آباء کے درجہ میں رکھ دے گا اور اگر ابناء کا درجہ زیادہ بلند ہو تو اللہ تعالیٰ آباء کو ابناء کے درجہ میں رکھ دے گا' پھر آباء ذریت کے لفظ میں داخل ہو جائیں گے جیسا کہ اس آیت میں آباء ذریت میں داخل ہیں:

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ (یٰس: ۴۱)

اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء کو (یعنی نسل انسانی کے آباء کو) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ۝

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ماں باپ' اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے متعلق سوال کرے گا' تو اس سے کہا جائے گا: انہوں نے وہ درجہ نہیں پایا جو تمہیں حاصل ہے' پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے بھی عمل کیا ہے اور ان کے لیے بھی عمل کیا ہے' پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ ان کو اس کے درجے کے ساتھ ملا دیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۴۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمان بن غزوان ضعیف راوی ہے۔)

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان والدین کے متعلق سوال کیا جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے آپ نے فرمایا: وہ دونوں دوزخ میں ہیں' جب آپ نے میرے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو فرمایا: اگر تم ان کی جگہ دیکھ لو تو تم ان سے بغض رکھو گی' انہوں نے سوال کیا: میری جو اولاد آپ سے ہوئی ہے؟ فرمایا: وہ جنت میں ہے' پھر فرمایا: بے شک مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (الطور: ۲۱)

اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۶ ص ۲۳' علامہ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۱۳)

یعنی ہم اولاد کی عمر کم ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے اور نہ اولاد کو آباء کے ساتھ ملانے کی وجہ سے آباء کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی کریں گے اور "ھم" کی ضمیر ایمان والوں یعنی آباء کی طرف راجع ہے۔

ابن زید نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ہم ایمان والوں کے ساتھ ان کی نابالغ اولاد کو ملا دیں گے جو ابھی عمل کرنے کی عمر کو نہیں پہنچے اور "ھم" کی ضمیر ذریت کی طرف راجع ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل دوزخ کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کو دکھایا کہ اہل جہنم اپنے اعمال کے ساتھ ہیں اور اہل جنت اپنی نعمتوں کے ساتھ ہیں' اس لیے فرمایا: ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶۲-۶۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مؤمنوں کی بالغ اور کافر اولاد ان کے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو گی

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

باپ کی شفقت اپنی اولاد پر جس طرح دنیا میں بہت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح آخرت میں بھی اس کی شفقت اولاد پر بہت زیادہ ہو گی' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا دل اس طرح خوش کیا کہ وہ آباء کو جنت میں اولاد سے الگ نہیں کرے گا بلکہ ان کو جنت میں جمع کر دے گا' اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر بیٹا بڑا ہو کر کافر ہو جائے تو پھر باپ کی شفقت کا تقاضا کیوں پورا نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کا رشتہ ایمان کی وجہ سے قائم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (الحجرات: ۱۰)۔
مؤمنین آپس میں بھائی ہیں' سو جب بیٹا کفر کو اختیار کرے تو اس کا مسلمان شخص سے ولدیت اور شفقت کا رشتہ منقطع ہو گیا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب اسلام نہیں لایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۔ (ھود: ۴۶)

فرمایا: اے نوح! وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' اس کے اعمال نیک نہیں ہیں۔

اولاد پر شفقت کرنے کی ترغیب

اس آیت میں آباء کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنی اولاد پر شفقت کو ترک نہ کرے اور یہ بہت بُری بات ہے کہ انسان اپنے دوستوں کے ساتھ عیش و عشرت میں وقت گزارے اور اپنے احباب کو خوب کھلائے اور پلائے اور اس کی اولاد فاقے کر رہی ہو اور جب کہ انسان جنت میں حوروں کے ساتھ داد عیش دے رہا ہو پھر بھی وہ اپنی اولاد کو اپنی نعمتوں میں شریک کرتا ہے تو اس کو دنیا میں بھی اپنی اولاد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے تو اس فاسق شخص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہو گا جو اپنے مال کو حرام کاموں اور ناجائز عیاشیوں میں صرف کرے اور اس کی اولاد بھیک مانگ رہی ہو؟ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کو حلال مال کا وارث بنائے تو اس کے اس عمل کو صدقہ میں شمار کیا جاتا ہے' اسی وجہ سے بیمار آدمی کو صرف اس کے تہائی مال میں صدقہ اور خیرات کی اجازت دی گئی ہے اور باقی دو تہائی مال کو وارثوں کے لیے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا کا دار الاسباب اور آخرت کا دار المسببات ہونا

نیز اس آیت میں فرمایا: ان کی جس اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی۔
خواہ مؤمنوں کی اولاد نے ان کی مثل نیک کام نہ کیے ہوں' ہم پھر بھی ان کی اولاد کو جنت میں ان کے درجہ میں داخل کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنوں کی اولاد کو بغیر نیک اعمال کے اور بغیر کسی سبب ظاہر کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا جب کہ دنیا میں اعم اور اغلب طور پر بغیر سبب کے کوئی کام نہیں ہوتا' یہی وجہ ہے کہ ہم کو بغیر سبب کے رزق نہیں ملتا' طعام کے حصول کے لیے ہم کو زمین میں ہل چلانا' بیج ڈالنا' کھیت میں پانی ڈالنا اور دیگر اسباب فراہم کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر ہم روٹی پکا سکتے ہیں' آسمان سے روٹیاں نہیں برستیں اور جنت میں ہم کو کوئی کام کیے بغیر نہ صرف روٹی' سالن بلکہ اور بھی بہت انواع و اقسام کی کھانے پینے کی نعمتیں ملیں گی' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اور آخرت میں ان اسباب کے مسببات مرتب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ایمان میں اپنے آباء کے تابع کیا ہے اور آباء کو اولاد کے کفر میں ان کے تابع نہیں کیا' اسی وجہ سے اگر کوئی کافر اسلام لے آئے تو اس کی نابالغ اولاد کو بھی مسلمان قرار دیا جاتا ہے اور اگر معاذ اللہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی نابالغ اولاد کو مرتد نہیں قرار دیا جاتا۔

نیز فرمایا ہے: ہم ان مؤمنوں کے عمل میں کوئی کمی نہیں کریں گے' یعنی مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کم عملوں پر اپنے فضل سے جو زیادہ اجر عطا فرمایا تھا وہ اسی طرح اپنے حال پر باقی رہے گا اور آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں ان کے درجہ میں داخل کرنے سے ان کے عمل اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

نابالغ اولاد کا بھی اپنے مسلمان ماں باپ کو جنت میں لے جانا اور کسی شخص کو اس کے غیر کے عمل سے فائدہ پہنچنا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور احادیث میں یہ بھی ہے کہ نابالغ اولاد کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس مسلمان کو جنت میں داخل کر دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ان بچوں پر رحمت اور اس کا فضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں وعظ کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے' سو آپ نے ان کو وعظ کیا اور فرمایا: جس عورت کے بھی تین (نابالغ) بچے فوت ہو گئے' وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے' ایک عورت نے کہا: اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: وہ بچے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے بھی تین (نابالغ) بچے فوت ہوں گے وہ دوزخ میں صرف اللہ کی قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہو گا' امام بخاری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے: "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" (مریم: ۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیک بندے کا جنت میں مرتبہ بلند فرماتا ہے' وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مجھے یہ مرتبہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہاری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۶' دار الفکر' بیروت) شیخ قنوجی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۴۳۵)

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۶ ص ۳۵۶۔ رقم الحدیث: ۱۰۶۱۰' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۶۔ ج ۳ ص ۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸۔ ۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲)

قرآن مجید کی اس آیت (الطور: ۲۱) اور مذکور الصدر احادیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ انسان کو اس کے غیر کا عمل بھی فائدہ پہنچاتا ہے اسی وجہ سے مسلمان اپنے رشتہ داروں کو اپنے نیک اعمال کا ثواب پہنچاتے ہیں' اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل ہم انشاء

النجم: ۳۹ میں بیان کریں گے۔

جنت کے پھلوں اور گوشت کی صفات

الطّور: ۲۲ میں فرمایا: اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گےO

اس آیت میں "امددنھم" مذکور ہے' اس کا مادہ "مدد" ہے "مد" کا معنی ہے: کھینچنا' "امداد" کا استعمال اکثر پسندیدہ چیزوں میں ہوتا ہے اور "مد" کا استعمال ناپسندیدہ چیزوں میں ہوتا ہے۔

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

"امداد" کا معنی ہے: موت کو مؤخر کرنا' کسی دوسری جماعت سے تمہاری مدد کرنا' عطا کرنا' فریاد رسی کرنا۔

(القاموس المحیط ص ۳۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد اس آیت میں "فاکھۃ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہر قسم کے پھل اور میوے "ولحم" اس کا معنی ہے: گوشت۔

یعنی خواہ وہ صراحۃً طلب نہ کریں جن کھانے پینے کی چیزوں کی ان کو خواہش ہوگی وہ ہم ان کو عطا کرتے رہیں گے اور ہم ان کو وقتاً فوقتاً ہر قسم کی نعمتیں عطا کرتے رہیں گے' اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ہم ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کریں گے' اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید ان کو بہ قدر استحقاق اجر ملتا رہے گا اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ہم ان کو بہت زیادہ اجر دیتے رہیں گے جو ان کے اعمال سے کہیں زیادہ ہوگا ان کو بہ کثرت پھل عطا کریں گے' وہ ایک پھل کھا چکیں گے تو اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا اور ہر پھل کا ذائقہ الگ الگ ہوگا۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: جب تم جنت میں کسی پرندے کو کھانے کی خواہش کرو گے تو وہ بھنا ہوا پرندہ تمہارے سامنے آ جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ وہ پرندہ اس کے سامنے گر جائے گا وہ اس کا بھنا ہوا گوشت کھائے گا' پھر وہ پرندہ اڑتا ہوا دریا میں چلا جائے گا۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۳۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اہل جنت کے مخمور ہونے کی کیفیات

الطّور: ۲۳ میں فرمایا: وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہO

اس آیت میں "کاس" کا لفظ ہے "کاس" شراب کے برتن کو کہتے ہیں اور ہر وہ برتن جو کسی مشروب سے بھرا ہوا ہو اس کو "کاس" کہتے ہیں' اس میں فرمایا ہے: وہ اس پر جھپٹ رہے ہوں گے' یعنی مؤمنین' ان کی بیویاں اور ان کے خدام ان مشروبات کو لا رہے ہوں گے۔

اس شراب کے متعلق فرمایا: اس میں کوئی بے ہودگی نہیں ہوگی یعنی اس شراب کے پینے کے بعد ان پر نشہ طاری نہیں ہوگا' ان کی عقل ماؤف نہیں ہوگی اور وہ ہوش و خرد سے بے گانے نہیں ہوں گے کہ اس شراب کو پی کر وہ اول فول باتیں کریں اور نہ وہ کوئی گناہ کا کام کریں گے اور نہ اس کے نشہ میں جھوٹ بولیں گے۔

اہل جنت شراب پی کر ایسے کام نہیں کریں گے جن کی وجہ سے ان کو گناہ کی طرف منسوب کیا جائے' جیسا کہ عام لوگ دنیا میں شراب پی کر جھوٹ بولتے ہیں' گالیاں دیتے ہیں' فحش کام کرتے ہیں اور اہل جنت' جنت کی شراب پی کر حکمت کی باتیں کریں گے اور عمدہ کلام کریں گے کیونکہ ان کی عقلیں اور ہوش و حواس قائم ہوں گے جس طرح دنیا میں اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی

29

محبت اور معرفت کے نشہ میں مخمور ہوتے ہیں اور وہ معارف اور حقائق کی باتیں کرتے ہیں۔ علامہ بقلی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جس شراب کے پیالوں کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا: وہ اس شراب کے پیالوں پر جھپٹ رہے ہوں گے' اس کا معنیٰ ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے مزید قرب کے شوق میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہوں گے اور وہ شراب ایسی ہے جیسی دنیا میں اہل اللہ معرفت کی شراب پیتے ہیں اور جو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے والے ہوتے ہیں ان کا حال عام دنیا داروں کی طرح نہیں ہوتا اور کبھی اہل معرفت خواب میں کھاتے پیتے ہیں اور اس کھانے پینے کی طاقت اور توانائی وہ بیداری میں بھی اپنے جسم میں محسوس کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصال کے روزے رکھنے شروع کر دیئے اور وہ ان پر دشوار ہو گئے تو آپ نے ان کو وصال کے روزے (جن میں نہ افطار ہے نہ سحر) رکھنے سے منع فرمایا' انہوں نے کہا: آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں' مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۶۰)

اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے کا جو ثمرہ ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ثمرہ یہ ہے کہ آپ کو بھوک اور پیاس نہ لگے اور کھانے اور پینے سے جو قوت اور توانائی حاصل ہوتی ہے وہ آپ کو حاصل ہو جائے۔ اسی طرح بعض اہل اللہ بھی خواب میں کھاتے پیتے ہیں اور بیداری میں اس کھانے پینے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کو بھوک پیاس نہیں لگتی' جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن (کامل) کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۸۔۵۰۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ نبی ہو گا' لوگوں پر یہ بات دشوار ہوئی تو آپ نے فرمایا: مسلمان کا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

غلمان کی صفات اور ان کے مصادیق

الطور: ۲۴ میں فرمایا: ان کے خدام ان کے گرد پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں O

یعنی وہ خدام پھلوں' میووں' کھانے پینے کی چیزوں اور دیگر تحائف لے کر اہل جنت کے گرد پھر رہے ہوں گے اور اس کی دلیل ان آیات میں ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ (الزخرف: ۷۱) ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا۔

يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ (الصّٰفّٰت: ۴۵) ان کے گرد شراب کا جام گردش میں لایا جائے گا O

بہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں غلمان سے مراد اہل جنت کے خدام ہیں' ایک قول یہ ہے کہ غلمان سے مراد ان کے وہ بچے ہیں جو ان سے پہلے جنت میں پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بچوں سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسروں کے بچوں کو اللہ تعالیٰ اہل جنت کا خادم بنا دے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ غلمان سے مراد وہ بچے ہیں جو جنت

میں پیدا کیے گئے اور ان کی جسامت اور نشو ونما میں اضافہ نہیں ہوگا' وہ اسی طرح رہیں گے اور بڑے نہیں ہوں گے۔
اور وہ غلمان اپنی خوب صورتی اور چمک دمک میں ایسے ہوں گے جیسے صدف (سیپی) میں موتی ہوتا ہے اور "مکنون" کا معنی ہے: وہ ہر قسم کے شر سے محفوظ ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ (الواقعہ: ۱۷) ان کے گرد ایسے لڑکے گردش کریں گے جو ہمیشہ لڑکپن میں رہیں گے ۝
ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے اور وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے' جنت میں کسی کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوگی اور نہ خدمت کی ضرورت ہوگی' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اہل جنت بہت شان وشوکت سے رہیں گے اور ان کے لیے خدام کا ہونا ان کی عزت افزائی کے لیے ہوگا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ کا وہ شخص ہوگا جو اپنے خدام میں سے کسی خادم کو آواز دے گا تو اس کے ایک ہزار خادم "لبیک لبیک" کہیں گے۔
(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۳۱' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۳۹)
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ہر شخص کی خدمت میں ایک ہزار غلام ہوں گے اور ہر غلام اپنے مالک کے حکم پر عمل کرنے کے لیے کمر بستہ ہوگا۔
حسن بصری نے اس آیت کی تلاوت کر کے کہا: صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! جب اہل جنت کے خدام موتیوں کی طرح چمک دار ہوں گے تو مخدوم کے حسن کا کیا عالم ہوگا۔
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! یہ خادم کا حال ہے تو مخدوم کی کیا شان ہوگی۔
(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۹۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے احوال دریافت کریں گے ۝ وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے ۝ پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا ۝ بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے' بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝
(الطور: ۲۵۔۲۸)

اہل جنت کا باہمی مکالمہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا: الطور: ۲۵ میں جو ایک دوسرے سے حال پوچھنے کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو ایک دوسرے سے اس کا حال دریافت کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے حال معلوم کریں گے اور کہیں گے کہ وہ دنیا میں اپنی عاقبت کے متعلق بہت فکرمند اور پریشان رہتے تھے اور انہوں نے دنیا میں بہت محنت' مشقت اور تھکاوٹ میں وقت گزارا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو ان سے دور کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے یہ دریافت کریں گے کہ انہوں نے آخرت کے اس عظیم الشان مرتبہ کو کیسے پالیا؟
الطور: ۲۶ میں فرمایا: وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے ۝
یعنی دنیا میں ہمیں اللہ کے عذاب کا خوف رہتا تھا' ہم اپنے گناہوں سے ڈرتے تھے' نہ جانے کس خطا پر گرفت کی جائے' کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دوزخ میں ڈال دیا جائے' خدا جانے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی یا نہیں اور ہماری

مغفرت ہو سکے گی یا نہیں؟

الطور: ۲۷ میں فرمایا: (وہ کہیں گے:) پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا○

یعنی اللہ سبحانہٗ نے ہماری مغفرت کر دی اور ہم کو جنت عطا کر دی اور دنیا میں ہمیں گناہوں سے توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کی توفیق دی۔ اس آیت میں "سموم" کا لفظ ہے "سموم" دوزخ کا ایک نام ہے اور دوزخ کا طبقہ ہے اور "سموم" گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں۔

الطور: ۲۸ میں فرمایا: (وہ کہیں گے:) بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے' بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے○

یعنی ہم دنیا میں یہی کہتے تھے کہ بے شک وہ ہماری خطاؤں اور تقصیرات کو معاف فرما دے گا' اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُونٍ ۝٢٩ أَمْ يَقُولُونَ

سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون○ یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝٣٠ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَإِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

یہ شاعر ہیں ہم ان پر مصائب زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں○ آپ کہیے: تم انتظار کرتے رہو' میں بھی تمہارے

الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝٣١ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝٣٢

ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں○ آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں○

أَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝٣٣ فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ

یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہے○ اگر وہ سچے ہیں تو اس قرآن سے

إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝٣٤ أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝٣٥

ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیں○ کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں○

أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝٣٦ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے' بلکہ وہ یقین نہیں کرتے○ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے

رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝٣٧ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَأْتِ

ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں○ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں تو ان سننے والوں کو

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ

چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں! O کیا آپ ان

اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ

یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O کیا اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا

اور ان کی عبادت کا مستحق ہے؟ اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور اگر وہ آسمان کا کوئی

مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى

ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے کہ یہ تو اوپر تلے بادل ہیں O سو آپ ان کو (ان کے حال پر)

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ

چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گا O جس دن ان کی سازش ان کے

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا

کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت)

دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ

کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب

رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ

کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں O اور

مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع

رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون O یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں' ہم ان پر مصائب زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں O آپ کہیے کہ تم انتظار کرتے رہو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں O یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہے O اگر وہ سچے ہیں تو وہ اس قرآن ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیں O (الطور: ۲۹-۳۴)

آپ کو کاہن اور مجنون کہنے کا رد

یہ بات معلوم ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر نزولِ عذاب سے ڈرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ O (ق: ۴۵) آپ ان کو قرآن سے ڈرایئے جو میری وعید سے ڈرتے ہیں O

اس لیے فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے' کیونکہ آپ کی نصیحت ٹھوس حقائق اور سچی خبروں پر مبنی ہے' آپ کی نصیحت میں اٹکل پچو پر مشتمل اور جھوٹی باتیں نہیں ہیں' جیسی باتیں کاہن اور مجنون کرتے ہیں' کاہن وہ ہوتے ہیں جو بغیر وحی کے غیب کی اور مستقبل کی باتیں محض اندازے اور اٹکل پچو سے بیان کرتے ہیں اور مجنون وہ ہوتے ہیں جو بے تکی اور اول فول باتیں کرتے ہیں اور آپ پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وحی نازل ہوتی ہے اور آپ کاہن یا مجنون نہیں ہیں۔

اس آیت میں عقبہ بن ابی معیط اور ولید بن مغیرہ کا رد ہے' انہوں نے آپ کو مجنون کہا تھا اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ کو ساحر کہا تھا۔

"ریب المنون" کا معنیٰ اور آپ کو شاعر کہنے کی توجیہ

الطور: ۳۰ میں فرمایا: یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں' ہم ان پر مصائب زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں O

"ریب المنون" کا معنیٰ ہے: حوادثِ روزگار یا موت۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سورۃ الطور کی اس آیت کے سوا قرآن میں ہر جگہ "ریب" کا معنیٰ شک ہے اور اس آیت میں "ریب المنون" کا معنیٰ موت ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ "ریب المنون" کا معنیٰ حوادثِ روزگار ہے۔ اصمعی نے کہا: "المنون" کا معنیٰ ہے: رات اور دن' کیونکہ رات اور دن یعنی وقت کا گزرنا عمر کو کم کرتا ہے اور اجل کو قریب لاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: دہر کو منون کہتے ہیں' کیونکہ دہر ضعف لانے والا ہے اور "منون" کا معنیٰ ضعف ہے' کمزور رسی کو "حبل منین" کہتے ہیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آپ کو کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں' وہ آپ کو شاعر اس لیے کہتے تھے کہ عرب شعر کی ایذاء سے پرہیز کرتے تھے اور اپنی زبانوں کو اشعار کہنے سے بچاتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک شعر دائماً باقی رہتے تھے' وہ کہتے تھے کہ ہم ان سے معارضہ نہیں کرتے' کہیں وہ شعر کی قوت سے ہم پر غالب نہ آ جائیں' ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم صبر کرتے ہیں اور ان کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا دین برحق ہے اور میں جس شریعت کو لے کر آیا ہوں وہ قیامت تک باقی رہے گی' کفار نے کہا: اس طرح نہیں ہے یہ تو صرف شاعر ہیں اور ہمارے بتوں کی مذمت میں یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض اشعار ہیں اور ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے اور ہمارے بتوں کو بُرا کہنے کی وجہ سے عنقریب ان پر مصائب

ٹوٹ پڑیں گے سو ہم ان پر آنے والے مصائب کا انتظار کر رہے ہیں۔

الطور: ۳۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ تم انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O

کافروں کو آپ کی موت کا انتظار کرنے کا حکم دینے کی توجیہ

آپ کی موت کا انتظار کرنا یا آپ پر مصائب آنے کا انتظار کرنا حرام ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی موت یا آپ پر مصائب کے انتظار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا یہ حکم اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کریں بلکہ یہ حکم زجر و توبیخ اور تہدید کے لیے ہے' جیسے مالک اپنے ملازم سے غضب ناک ہو کر کہے: تو جو دل چاہے کر' میں تجھ سے غافل نہیں ہوں اور یہ امر توہین کرنے کے لیے ہے جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں فلاں شخص سے تمہاری شکایت کر دوں گا' تو وہ جواب میں کہے: جا! جا کر کر دے شکایت۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کو شکایت کرنے کا حکم دے رہا ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس فلاں شخص کو کیا سمجھتا ہوں' وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے اور اس کلام سے اس کا مقصد اس فلاں شخص کی تحقیر اور توہین کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں' اس کا معنی یہ ہے کہ میں بھی تمہارے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہا ہوں اور کفار اور مشرکین جنگِ بدر اور دیگر غزوات میں ہلاک کر دیئے گئے۔ اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میری موت کا انتظار کرتے رہو اور میں تم پر عذاب آنے کا انتظار کر رہا ہوں اور اگر "ریب المنون" کا معنی حوادث زمانہ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ پر حوادث کے آنے کا انتظار کرتے رہو اور میں تمہاری توقع پوری نہ ہونے کا انتظار کر رہا ہوں کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ دھر اور زمانہ کے حوادث میں کوئی تاثیر نہیں ہے اور مؤثر صرف اللہ عزوجل ہے اور اس کے سوا کوئی مؤثر نہیں ہے۔

"احلام" کا لغوی اور عرفی معنی

الطور: ۳۲ میں فرمایا: آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں O

اس آیت میں "احلام" کا لفظ ہے' یہ "حلم" کی جمع ہے۔ امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب انسان کا نفس غضب کے وقت جوش میں آئے اس وقت غصہ کو ضبط کرنے اور نفس کو کنٹرول میں رکھنے کو "حلم" کہتے ہیں اور اس کی جمع "احلام" ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ. (الطور: ۳۲) یا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں۔

کہا گیا ہے کہ "احلام" کا معنی عقول ہے لیکن اس کی توجیہ یہ ہے کہ حلم کا سبب عقل ہے اور عقل والے غصہ کے وقت عقل سے کام لیتے ہیں سو اس آیت میں ذکر مسبب کا ہے اور اس سے ارادہ سبب کا کیا ہے یعنی عقل کا' اس اعتبار سے "احلام" کا معنی عقول ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۷۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ "احلام" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احلام" "حلم" کی جمع ہے اور اس کا معنی عقل ہے اور عقل ہی انسان کو ضبط اور کنٹرول میں رکھتی ہے' لہٰذا عاقل اس بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور حلم بھی عقل کے آثار سے ہے اور حلم انسان کے وقار اور اس کے ثبات کے آثار سے ہے' نیز عقل کا معنی منع کرنا ہے' اسی وجہ سے دیات کو عقول کہا جاتا ہے کیونکہ دیت انسان کو کسی جارحیت

کے ارتکاب سے روکتی ہے اور منع کرتی ہے، جس کے ارتکاب کے بعد انسان کو بعد میں تاوان ادا کرنا پڑے اور اس میں ایک لطیف معنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ حلم اصل لغت میں اس خواب کو کہتے ہیں جو سونے والا دیکھتا ہے پھر اس کو انزال ہو جاتا ہے اور اس پر غسل لازم آتا ہے اور یہ بلوغ کا سبب ہے اور اسی وقت انسان مکلف ہوتا ہے اور گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنی لطیف حکمت سے اس کی شہوت کو عقل کے ساتھ مقرون کر دیتا ہے اور جب اس کی شہوت کا ظہور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عقل کو کامل کر دیتا ہے سو عقل کی طرف حلم سے اشارہ کیا' تاکہ معلوم ہو جائے کہ عقل کامل انسان کو بُرے کاموں سے ڈرانے والی ہے اور عقل ہی کی وجہ سے انسان مکلف ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۱۳۔۲۱۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی یہ تحقیق کہ کفار کی عقلیں نہیں ہیں اور اس پر مصنف کا تبصرہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ''احلامھم'' سے مراد ان کے اذہان ہیں کیونکہ کافر کو عقل نہیں دی جاتی' اس لیے کہ اگر اس کی عقل ہوتی تو وہ ایمان لے آتا' کافر کو صرف ذہن دیا جاتا ہے اور وہ اس پر حجت ہے اور ذہن فی الجملہ علم کو قبول کرتا ہے اور عقل علم کی تمیز کرتی ہے' اور عقل دین کا اندازہ کرتی ہے اور امر اور نہی کی حدود کا ادراک کرتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: فلاں نصرانی شخص کتنا عقل مند ہے' آپ نے فرمایا: چپ کرو! کافر میں کوئی عقل نہیں ہوتی' کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی:

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (الملک: ۱۰) کفار نے کہا: اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۝

حکیم ابو عبد اللہ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ڈانٹا' پھر فرمایا: چھوڑو! عاقل وہ شخص ہے جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ عمل کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کی عقل نہیں ہوتی اور الطور: ۳۲ میں کفار کی عقل کا ثبوت ہے' پھر ان کی عقل کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اگر کفار کی عقل نہ ہوتی تو ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا' اگر ان کی عقل نہ ہوتی تو وہ کس چیز سے تدبر اور تفکر کرتے اور کس چیز سے مکر اور سازشیں کرتے؟ اور الملک: ۱۰ میں کفار کی عقل کی نفی نہیں ہے' بلکہ عقل کے تقاضے پر عمل کرنے کی نفی ہے' گویا کافروں نے کہا: اگر ہم غور سے سنتے اور عقل کے تقاضے پر عمل کرتے تو دوزخی نہ ہوتے۔ اور حکیم ترمذی کی روایات بعض اوقات بے اصل یا موضوع ہوتی ہیں اور بر تقدیر تسلیم ان میں مطلق عقل کی نفی نہیں ہے بلکہ عقل سلیم کی نفی ہے۔

نیز قرآن مجید میں کفار کے متعلق ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (الاعراف: ۱۷۹) ان کے قلوب (عقول) ہیں لیکن وہ ان سے سمجھتے نہیں ہیں۔

اور منافقین کے متعلق ہے:

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الفتح: ۱۵) بلکہ وہ (منافقین) بہت کم سمجھتے ہیں ۝

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار اور منافقین کی عقلیں ہیں لیکن وہ ان سے بالکل کام نہیں لیتے یا بہت کم کام لیتے ہیں' اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل نہ دی ہوتی تو ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام نہ ہوتی' قیامت کے دن کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر اس لیے ایمان نہیں لائے کہ ہمارے پاس عقل تھی ہی نہیں' اس لیے علامہ قرطبی کا یہ نقل کرنا صحیح نہیں ہے کہ

کفار کی عقل نہیں ہوتی۔

کفار کے ہذیان کا محرک ان کی عقل ہے یا ان کی سرکشی

اس آیت میں فرمایا ہے: آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں۔ اس حکم سے مراد کیا ہے اور اس میں کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کافروں کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ آیا ان کی عقلیں انہیں بت پرستی کا حکم دیتی ہیں یا وہ لوگ سرکش ہیں' یعنی اپنی سرکشی سے بت پرستی کرتے ہیں۔

(۲) انہوں نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ آپ کاہن اور شاعر ہیں یا مجنون ہیں تو اس قول کا حکم ان کی عقلوں نے دیا تھا یا اپنی سرکشی سے ایسا کہتے ہیں۔

(۳) کفار نے کہا تھا کہ ہم آپ کی موت کا یا آپ پر مصائب روزگار کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں تو اس قول کا حکم ان کی عقلوں نے دیا یا انہوں نے اپنی سرکشی سے ایسا کہا۔

''تقوّل'' کا معنی

الطور: ۳۳ میں فرمایا: یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہے O

یعنی کفار نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور شاعر کہا تھا اس سے ان کا یہی مطلب تھا کہ آپ نے قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے' اس آیت میں ان کے اسی قول کا رد ہے۔

اس آیت میں ''تقوّلہ'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تقوّل'' ہے' اس کا معنی ہے: تکلف سے کوئی بات کہنا اور اس کا زیادہ استعمال جھوٹی بات کہنے میں ہوتا ہے'' فلان تقول علیہ '' فلاں شخص نے اس پر جھوٹ باندھا۔

کفار اپنے کفر اور عناد کی وجہ سے آپ پر جھوٹ باندھنے کی تہمت لگا رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے ثبوت میں فرمایا تھا کہ اگر یہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی انسان ہو تم اس کی نظیر بنا کر لے آؤ' اور تمام دنیائے عرب اس کی نظیر لانے سے عاجز رہی بلکہ پوری دنیا آج تک اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ معجزات ہیں

الطور: ۳۴ میں فرمایا: اگر وہ سچے ہیں تو وہ اس قرآن ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیں O

یعنی اگر تمہارے زعم کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں تو تمہارے اندر بھی بڑے بڑے شعراء اور بلغاء اور بہت زیرک کاہن موجود ہیں' جو فی البدیہہ بڑے بڑے خطبے دیتے ہیں اور قصائد کہتے ہیں سو تم بھی اس قرآن مجید کی مثل کوئی بات یا کوئی آیت لے کر آ جاؤ' یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ بہ کثرت معجزات پیش کرتے تھے جن کا کفار اور مشرکین خود مشاہدہ کرتے تو چاہیے یہ تھا کہ وہ بعد میں آنے والوں لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور صداقت کو بیان کرتے' اس کے برعکس انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور حق کو ماننے کے بجائے اس کا انکار کیا۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: تم اس قرآن کی مثل کوئی بات یا آیت لے آؤ' تو یہ امر تعجیز کے لیے ہے' یعنی اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان کو یہ حکم دیا ہے کہ تم ضرور قرآن مجید کی مثل کوئی بات لے آؤ' کیونکہ وہ اس کی مثل کوئی چیز لا ہی نہیں سکتے' اس لیے اس آیت کا مقصد ان کے عجز کو ظاہر کرنا ہے۔ امام رازی نے اس سے اختلاف کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ

حکم ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کی تکذیب کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً یہ نہیں فرمایا کہ اس کی مثل کوئی آیت لاؤ' بلکہ فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اس کی مثل کوئی بات لے کر آؤ' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود ان کے کذب کو ظاہر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ وہ قرآن مجید کو شعر و شاعری قرار دینے کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور قرآن مجید میں جو حکم کفار کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدائی کے مدعی نمرود کی خدائی کو باطل کرنے کے لیے فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ (البقرہ: ۲۵۸)

بے شک اللہ سورج کو مشرق کی جانب سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب کی جہت سے نکال کر دکھا تو اس کافر کے ہوش اُڑ گئے۔

ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید معجز ہے' اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک بات کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا' اسلام کے مخالفین دنیا میں بہت زیادہ ہیں اور علوم و فنون میں بھی دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے' اس کے باوجود کوئی بڑے سے بڑا مخالف آج تک قرآن مجید کی کسی سورت بلکہ کسی آیت کی بھی مثل نہیں لا سکا' اسلام کو جھٹلانے کے لیے اگر وہ ایسا کر سکتے تو ضرور کر لیتے اور جب اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ قرآن اپنے بے نظیر ہونے کے دعویٰ میں سچا ہے اور یہ جھوٹے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۝

یعنی ہم قرآن مجید کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ اس میں سے کوئی چیز کم نہیں ہو گی اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں' قرآن مجید سے آج تک کوئی آیت کم نہیں ہوئی اور یہ قرآن مجید کا دوسرا معجزہ ہے:

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حم السجدۃ: ۴۲)

قرآن مجید میں باطل (غیر قرآن) نہ سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ (قرآن) بے حد حکمت والے اور بہت کمالات والے کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ۝

یعنی قرآن مجید میں کسی غیر قرآن الفاظ کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں آج تک قرآن مجید میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں ہو سکا اور یہ قرآن مجید کا تیسرا معجزہ ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیات ہیں اور ہر آیت میں تین معجزے ہیں' نہ کسی آیت کی مثل کوئی بنا سکتا ہے' نہ کسی آیت سے کوئی کمی کی جا سکتی ہے' نہ کسی آیت میں کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ معجزات ہیں' دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ جاتے رہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت اور آپ کی شریعت کا چونکہ قیامت تک ماننا ضروری ہے اس لیے آپ کے معجزات بھی قیامت تک قائم اور ثابت ہیں' نیز اگر کسی یہودی یا عیسائی کو حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت اور "تورات" اور "انجیل" میں شک ہو جائے تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے اور ان کی اصل زبان میں بھی ان کی کتابیں موجود نہیں کیونکہ یہ کتابیں عبرانی زبان میں نازل ہوئیں تھیں اور عبرانی زبان اب دنیا میں موجود نہیں رہی اور جب ان کتابوں کا خود اپنا وجود ثابت نہیں ہے تو ان کتابوں سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دنیا میں مبعوث ہونے اور ان کی نبوت اور رسالت کب ثابت ہو سکتی ہے؟ اور اگر خدانخواستہ کسی مسلمان کو سیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بعثت میں شک ہو جائے تو اس کے ازالہ کے لیے قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل اور معجزات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں O کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے O کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں O کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں تو ان سننے والوں کو چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں! O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تا ان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O کیا اللہ کے سوا کوئی اور ان کی عبادت کا مستحق ہے؟ اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

(الطور: ۳۵۔۴۳)

اللہ کی اطاعت اور عبادت نہ کرنے پر مشرکین کو ملامت

حضرت ابن عباس نے فرمایا: (الطور: ۳۵) کا معنی ہے: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے ان کو پیدا کیا ہے؟ ابن عطاء نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے ہیں اور وہ جمادات کی طرح ہیں' ان میں عقل نہیں ہے اور اللہ کی ان پر کوئی حجت نہیں ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

ابن کیسان نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا وہ بغیر کسی مقصد کے عبث پیدا کیے گئے ہیں اور ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟

یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہے' اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانتے ہیں اور نہ ان پر عمل کرتے ہیں اور جب وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O (الزخرف: ۸۷)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O

پس جب وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے تو پھر وہ یہ اقرار کیوں نہیں کرتے کہ ان کی عبادت کا مستحق صرف وہی واحد لاشریک ہے اور وہ یہ اقرار کیوں نہیں کرتے کہ وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور ان سے دنیا کے اعمال کا حساب لے گا۔

الطور: ۳۶ میں فرمایا: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین نہیں کرتے O

واقع میں ایسا نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا' بلکہ وہ حق کا یقین نہیں کرتے' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک لہ ہونے کا یقین نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے محامل

الطور: ۳۷ میں فرمایا: کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں O

یعنی کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مستغنی ہیں اور اس کے احکام سے اعراض کرتے ہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کے رب کے خزانوں سے مراد ہے: بارش اور رزق کے خزانے۔ ایک

قول یہ ہے کہ آپ کے رب کی رحمت کے خزانے۔ عکرمہ نے کہا: نبوت کے خزانے یعنی کیا آپ کے رب کا پیغام پہنچانے اور اس کی رسالت کے خزانے ان کے پاس ہیں کہ یہ جس کو چاہیں رسول بنائیں اور جس کو چاہیں رسول نہ بنائیں؟ خزانہ اس کوٹھڑی کو کہتے ہیں جس میں انواع واقسام کے مختلف ذخائر جمع کر کے رکھے جاتے ہیں اور جو چیزیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہیں اس میں ہر جنس کی چیزیں ہیں اور ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

''المسیطر'' کا معنیٰ

نیز اس آیت میں فرمایا: ''المسیطرون'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: جبر کرنے والے' نیز اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو باطل کرنے والے' اور اس کا معنیٰ ہے: ''المتولون'' کسی چیز میں تصرف کرنے والے اور اس کے منتظم' عطاء نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر تصرف کرنے والے ہیں؟ ابو عبیدہ نے صحاح سے نقل کیا ہے کہ کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر مسلط ہیں؟ یعنی ان خزانوں پر تصرف کرتے ہیں اور ان کا انتظام کرتے ہیں'' مسیطرون'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی چیز کی حفاظت کرتے ہیں' یعنی کیا مشرکین لوح محفوظ کی حفاظت کرنے والے ہیں؟

الطور: ۳۸ میں فرمایا: کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں؟ تو ان سننے والوں کو چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O

یعنی کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان تک چڑھنے کا کوئی ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے وہ آسمان تک پہنچ کر آسمان کی خبریں حاصل کرلیں گے اور علم غیب تک ان کی رسائی ہو جائے گی جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ علم غیب حاصل کرتے ہیں اور اگر ان کا یہ دعویٰ برحق ہے تو وہ اس پر کوئی دلیل پیش کریں۔ اس آیت میں ''سُلَّم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: سیڑھی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کو ثابت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے

الطور: ۳۹ میں فرمایا: کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حماقت پر متنبہ کیا ہے اور ان کو ڈانٹ پلائی ہے کہ تم اپنے لیے بیٹیوں کو باعثِ عار سمجھتے ہو اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مانتے ہو اور جو لوگ اس حد تک حماقت کو پہنچے ہوئے ہوں ان سے یہ کب بعید ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور حشر ونشر کا انکار کردیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی نفی اور مشرکین کے عقیدہ شرک کے باطل ہونے کی طرف بہت بلیغ اشارہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کو اپنا شریک وہ شخص بناتا ہے جو اکیلا کوئی کام کرنے یا بنانے سے عاجز ہو اور اللہ سبحانہٗ ہر کام کو کرنے اور ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے تو اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مشرکین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کے افعال میں شریک نہیں کہتے' ہم ان بتوں کی اس لیے تعظیم کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کا یہ جواب اس لیے باطل ہے کہ کسی شخص کے لیے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس لیے پیدا کیا جاتا ہے کہ اس شخص کا فنا ہونا اور اس کا مرنا ممکن ہے' پس اگر توالد اور تناسل کا سلسلہ قائم نہ ہو تو پھر انسان کی نسل ختم ہو جائے گی اور اس کی نسل کو باقی رکھنے کے لیے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نسل انسانی کو قائم اور جاری رکھنے کے لیے توالد اور تناسل کو ذریعہ بنایا اور یہی وجہ ہے کہ جنت میں اولاد پیدا ہونے کا سلسلہ نہیں ہوگا کیونکہ جنت دار البقاء ہے اور وہاں لوگوں کے آباء پر موت نہیں آئے گی حتیٰ کہ

لوگوں کی اولاد کو پیدا کیا جائے اور جب یہ واضح ہوگیا کہ اولاد اس صورت میں ہوتی ہے جب کسی شخص کی موت کا امکان ہو اور اللہ تعالیٰ تو حی اور قیوم ہے' اس پر موت نہیں آ سکتی' قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ. (القصص: ۸۸) اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمن: ۲۶۔۲۷) زمین پر ہر ایک فنا ہونے والا ہے○ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت اور عزت والی ہے○

اللہ سبحانہٗ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس پر موت نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس میں کوئی تغیر اور کسی قسم کے ضعف کا آنا ممکن نہیں ہے' اس لیے اس کو اولاد کی مطلقاً حاجت نہیں ہے جو اس کی قائم مقام ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مانتے ہیں اور خود اپنے لیے بیٹے مانتے ہیں حالانکہ بیٹیوں کا وجود ان کے زیادہ لائق ہے' کیونکہ بیٹیوں کی کثرت اولاد کی کثرت کے لیے معاون ہوتی ہے' ایک مرد سے متعدد عورتوں کے ہاں اولاد ہو سکتی ہے اور متعدد مردوں سے ایک عورت حاملہ نہیں ہوتی کسی ایک مرد کے نطفہ سے ہی استقرار حمل ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ بالعموم بکری کو ذبح نہیں کیا جاتا' بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور متعدد مادہ جانوروں سے افزائش نسل کے لیے ایک نر کافی ہوتا ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ نوع کی بقاء مذکر کی بہ نسبت مؤنث سے زیادہ نفع آور ہوتی ہے تو پھر یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حی' قیوم ہے اس کو فنا اور موت نہیں ہے اور اس کو اپنی نوع کی بقاء کے لیے کسی شخص کو حادث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور ان مشرکوں کو موت آنے والی ہے اور اس جہان کے جانداروں کی بقاء زیادہ تر مؤنث سے ہوتی ہے تو یہ کس قدر حماقت کی بات ہے کہ یہ مشرکین مؤنث سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کو مؤنث کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کو ثابت کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ مؤنث سے مستغنی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مادی اجر کے سوال کی نفی کی ہے

الطور: ۴۰ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں○

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی اجر طلب نہیں کیا' حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (الشوریٰ: ۲۳) آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے اس کے سوا کوئی اجر نہیں طلب کرتا کہ تم اللہ کے قرب سے محبت رکھو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں اور ان دونوں آیتوں سے مراد واحد ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں تم سے ایسا کوئی اجر طلب نہیں کر رہا جس سے مجھے دنیا میں کوئی فائدہ پہنچے' میں تو تم سے یہ طلب کرتا ہوں کہ تم اللہ کے قرب کو حاصل کرنے سے محبت رکھو اور اللہ تعالیٰ کے کامل بندے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کامل بندے وہ ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور وہ اللہ سے کلام کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کامل بنانے کے لیے بھیجتا ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی چاہتے ہیں کہ وہ بندوں کو اللہ کے قریب کر دیں اور یہ وہ مادی اجر نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے نفی کرائی ہے' اس آیت کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الشوریٰ: ۲۳' تبیان القرآن کی دسویں جلد میں کی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرنے کی وجہ سے کفار کی مذمت

الطور: ۴۱ میں فرمایا: یا ان کے پاس علم غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O

قتادہ نے کہا: جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہم ان کی موت کا یا ان پر زمانے کے حوادث کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کب وفات پائیں گے یا آپ اپنی تبلیغ رسالت کے مشن میں کامیاب ہوں گے یا ناکام۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے جس میں وہ دیکھتے رہتے ہیں پھر لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔

قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ فیصلہ کر رہے ہیں؟

امام رازی نے کہا: اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ کیا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں پہنچ گئے ہیں اور ان کو غیب کا علم ہو گیا ہے حتیٰ کہ یہ آپ سے مستغنی ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کی ہدایت اور نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔

الطور: ۴۲ میں فرمایا: یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O

اس سے مراد وہ سازش ہے جو کفار نے آپ کو قتل کرنے کے لیے دارالندوۃ میں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ — ان کی سازش کا وبال ان پر ہی پڑے گا۔

(الفاطر: ۴۳)

انہوں نے دارالندوۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ان پر الٹ دیا اور غزوۂ بدر میں ستر کافر قتل کر دیئے گئے۔

اس کا ایک معنی یہ کیا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آ جائے گا اور ان کو اس کی توقع ہو گی نہ اس کا علم ہو گا۔

الطور: ۴۳ میں فرمایا: کیا اللہ کے سوا کوئی اور ان کی عبادت کا مستحق ہے' اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شریک سے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی ہے جس طرح اس سے پہلے بیٹیوں سے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے: یہ تو اوپر تلے بادل ہیں O سو آپ ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گا O جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت) کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں O اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت O (الطور: ۴۴-۴۹)

کفار مکہ کے مطلوبہ معجزات محض ضد بازی اور کٹ حجتی کے لیے تھے

کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ وہ آپ کی نبوت کو اس وقت مانیں گے جب ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیا

جائے گا' اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الشعراء:۱۸۷)
اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیجئے ۝

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا. (بنی اسرائیل:۹۲)
یا آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے۔

کفار یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی ضد' عناد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض ان پر آسمان گرا دیا جائے تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے' اگر وہ واقعی اپنے مطالبہ میں مخلص ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد معجزات پیش کیے' خود قرآن مجید اتنا عظیم معجزہ ان کے پاس آ چکا ہے اس کے بعد چاہیے تھا کہ وہ ایمان لے آتے لیکن وہ ایمان نہیں لائے' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ کہ ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیئے جائیں محض کٹ حجتی اور ضد بازی کے لیے تھا۔

کفار کو ان کے حال پر چھوڑنے کے حکم کی توجیہ

الطور: ۴۵ میں فرمایا: سو آپ ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گا ۝

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون سے دن کی طرف اشارہ ہے؟ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ان کی موت کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنگ بدر کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن ان پر ایسا عذاب آئے گا جو ان کی عقلوں کو زائل کر دے گا۔

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم دیا گیا اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا کہ آپ کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے اور ان کو تبلیغ نہ فرماتے حالانکہ آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کفار کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر کسی عمل کو واجب کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تہدید کے لیے اور ماموریٰن سے اظہار بیزاری کے لیے ہے' جیسے کسی شخص کا ملازم نافرمان ہو اور کوئی شخص اس کو نصیحت کرے تو وہ شخص اس نصیحت کرنے والے سے کہے: اس کو چھوڑ دو یہ عنقریب اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتے گا۔

اور بعض نے کہا: یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔

الطور: ۴۶ میں فرمایا: جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۝

جو شخص کسی کے خلاف سازش کرتا ہے' اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اس سازش سے اس کو فائدہ پہنچے گا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف جو سازشیں کی ہیں ان سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ آخرت میں ان کو عذاب ہوگا اور جن بتوں کی یہ دنیا میں عبادت کرتے رہے وہ آخرت میں ان کے کسی کام نہ آ سکیں گے۔

الطور: ۴۷ میں فرمایا: اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت) کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝

ان ظالموں کے لیے عذاب آخرت کے علاوہ جو ایک اور عذاب ہے اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ

دنیا کے مصائب ہیں اور درد اور تکلیف والی بیماریاں ہیں اور مال اور اولاد کے نقصانات ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بھوک' پیاس اور قحط سالی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد قتل کیا جانا ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ ان پر جو مصائب آ رہے ہیں وہ درحقیقت عذاب ہے۔

کس علم کا حصول فرض عین ہے اور کس علم کا حصول فرض کفایہ ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: 'ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعض لوگ جانتے ہیں کہ عذاب آخرت کے علاوہ ایک اور عذاب بھی ہے لیکن وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کرتے کہ برے اعمال کو ترک کر دیں اور نیک اعمال سے خود کو مزین کریں اور اکثر لوگ کفر اور شرک پر جمے رہتے ہیں' وہ عذاب آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ دنیاوی عذاب کو مانتے ہیں اور نہ عذاب آخرت کو مانتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اس عذاب کو جانتا اور مانتا ہو اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کرے وہ اور جاہل دونوں برابر ہیں' لہٰذا صاحب عقل پر لازم ہے کہ وہ علوم آخرت کو حاصل کرے اور ان کے تقاضے پر عمل کرے۔

علماء نے کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم ہے جو بہ قدر ضرورت ہو اور ایک شریعت کے اصول اور فروع کا مکمل علم ہے' جو علم بہ قدر ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان کے پاس ضرورت سے زائد مال نہ ہو اور اس پر زکوٰۃ اور حج فرض نہ ہو اور اس پر صرف نماز اور روزہ فرض ہو تو وہ نماز اور روزے کا علم حاصل کرے' یعنی نماز کے فرائض' واجبات' سنن اور آداب کیا ہیں' وضو کے فرائض' سنن اور آداب کیا ہیں اور کن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اور کن سے نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح قرآن مجید کو بہ قدر ضرورت یاد کرے' ہر بالغ شخص پر اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور جب وہ نکاح کرے تو نکاح اور طلاق کا علم حاصل کرے' تاکہ بعد میں بیوی کو تین طلاقیں دے کر پچھتا تا نہ پھرے' بیوی' بچوں اور ماں باپ کے حقوق کا علم حاصل کرے' ان کی کفالت کے لیے کسب معاش کرے تو حلال اور حرام پیشوں اور جائز اور ناجائز تجارت کا علم حاصل کرے تاکہ لقمہ حرام کھانے اور کھلانے سے محفوظ رہ سکے' اور اگر وہ مال دار ہو اور اس پر زکوٰۃ اور حج فرض ہو جائے تو ان کا علم حاصل کرے' غرض وہ زندگی کے جس شعبہ سے وابستہ ہو اس شعبہ سے متعلق جو اسلام کی ہدایات ہیں ان کا علم حاصل کرنا اس پر فرض عین ہے اور تمام شعبوں سے متعلق اسلام کی مکمل ہدایات اور شریعت کے تمام اصول اور فروع کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے' البتہ فرض کفایہ ہے' شہر میں ایسے کم از کم ایک عالم کا ہونا فرض کفایہ ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے ہر شعبہ سے متعلق شخص رہ نمائی حاصل کر سکے اور اگر شہر میں ایک عالم بھی ایسا نہ ہو تو تمام شہر والے گناہ گار ہوں گے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے عذاب قبر کا ثبوت

آخرت کے عذاب سے پہلے جو ظالموں کو عذاب ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عذاب قبر ہے۔

ملحدین' رافضی اور معتزلہ عذاب قبر کو نہیں مانتے' قرآن مجید میں صراحۃً عذاب قبر کا ثبوت ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ (المؤمن: ۴۶)

یہ وہ آگ ہے جس پر صبح اور شام آل فرعون کو پیش کیا جاتا ہے' اور قیامت کے دن بھی ان کو آگ پر پیش کیا جائے گا (اے فرشتو!) آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کر دو○

آل فرعون کو جس آگ پر صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے وہ آگ قبر میں ہے اور یہ عذاب قبر کا واضح ثبوت ہے' اس کے بعد

قیامت کے دن ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کرنے کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں عذاب قبر پر تیسری دلیل یہ ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا: آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو' معلوم ہوا کہ ان کو نفس عذاب دنیا میں دیا جا چکا ہے اور وہ عذاب قبر ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی عذاب قبر کا ذکر ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا: ہاں عذاب قبر برحق ہے' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد جب بھی میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحیا والممات ومن فتنة المسیح الدجال.

اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۸۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو صبح اور شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت سے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: یہی تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ اللہ سبحانہٗ تجھے دوبارہ زندہ کر کے قیامت کے دن اٹھائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۵۹ طبع قدیم' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

شیطان کا قبر میں آ کر مؤمنوں کو بہکانا

ہم نے اس حدیث سے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے پناہ طلب کی ہے' موت کے فتنوں میں سے یہ بھی ہے جس کو علماء نے ذکر کیا ہے کہ قبر میں سوال اور جواب کے وقت شیطان قبر میں آ کر مؤمن کو بہکاتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی روایت کرتے ہیں:

سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے: جب مومن سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس کی قبر میں داخل ہوتا ہے اور کسی صورت کو بنا کر اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ تیرا رب میں ہوں۔

امام حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کی تحقیق کی تو ہم کو اس سلسلہ میں احادیث مل گئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت فرماتے تھے: اے اللہ! اس کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا۔

(نوادر الاصول ج ۴ ص ۱۶۴' دار الجیل' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حکیم ترمذی نے اس مسئلہ میں جن احادیث کا ذکر کیا' وہ درج ذیل ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا جب انہوں نے میت کو لحد میں رکھ دیا تو انہوں نے کہا:

بسم الله وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله.

اللہ کے نام سے اور اس کے راستے میں اور رسول اللہ کے دین پر۔

پھر یہ دعا کی:

اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر اللھم جاف القبر عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منک رضوانا. 30

اے اللہ! اس میت کو شیطان سے پناہ میں رکھ اور عذاب قبر سے پناہ میں رکھ' اے اللہ! اس کی قبر کو اس کے پہلوؤں سے دور رکھ' اس کی روح کو چڑھا اور اس کو اپنی رضا کی تلقین فرما۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۵۵۳' سنن بیہقی ج۴ ص۵۵' المسند الجامع ج۱۰ ص۲۲۹-۲۳۰)

کلبی نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا: تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا یہ تمہاری رائے ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

اس کی سند کا ایک راوی حماد بن عبد الرحمن کلبی ضعیف ہے اور اس کا شیخ الاوری مجہول ہے' تاہم فضائل اعمال میں احادیث ضعیفۃ الاسانید معتبر ہوتی ہیں۔

حکیم ترمذی نے اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے:

حضرت عبد اللہ بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لائے' آپ ان کے جنازہ کے آگے چل رہے تھے' پھر آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے' پھر آپ نے ان کو دیکھ کر ان کی قبر میں رکھا' سو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے' یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب بھی رونے لگے' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں' حالانکہ آپ رونے سے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! آنکھ روتی ہے اور دل میں تکلیف ہوتی ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے جس سے رب ناراض ہوتا ہے' پھر آپ نے ان کو دفن کر دیا' پھر آپ نے فرمایا: کوئی شخص پانی لے کر آئے تو ہم ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکیں' پھر پانی لایا گیا تو آپ نے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کے نام سے اور شیطان رجیم کی پناہ سے تمہاری تدفین کو ختم کرتا ہوں۔ (نوادر الاصول ج۴ ص۱۶۲-۱۶۳' دار الجیل' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

عذاب قبر کے اسباب

(۱) پیشاب کی نجاست سے احتراز نہ کرنا اور چغلی یا غیبت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی چیز کے سبب عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' ان میں سے ایک شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ (ایک روایت میں ہے: دوسرا غیبت کرتا تھا) پھر آپ نے درخت کی شاخ کے دو ٹکڑے کیے اور ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا: جب تک یہ شاخیں سوکھیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰-۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۷' سنن دارمی رقم الحدیث:۷۳۹' مسند احمد ج۱ ص۲۲۵' سنن بیہقی ج۱ ص۱۰۴)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے: غیبت' چغلی اور پیشاب کی نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے۔ (اثبات عذاب القبر للبیہقی رقم الحدیث:۲۶۳' دار الجیل' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

(۳) امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ عمرو بن شرحبیل سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص فوت ہو گیا' اس کے پاس فرشتے آئے اور کہا: ہم تمہیں اللہ کے عذاب سے سو کوڑے ماریں گے' پھر اس کی نماز' روزے اور جہاد کا ذکر کیا گیا' پھر کہا: اس کے عذاب میں تخفیف کر کے دس کوڑے مارو' پھر ان سے تخفیف کا سوال کیا حتیٰ کہ ایک کوڑا رہ گیا' فرشتوں نے کہا: ہم تمہیں ایک کوڑا ماریں گے' اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں' پھر اس کو ایک کوڑا مارا جس سے اس کی قبر جلنے لگی اور وہ شخص بے ہوش ہو گیا' جب وہ شخص ہوش میں آیا تو اس نے پوچھا: تم نے مجھے کس گناہ کی وجہ سے کوڑا مارا ہے؟ فرشتوں نے کہا: تم نے ایک دن پیشاب کیا' پھر وضوء کیے بغیر نماز پڑھ لی اور تم نے ایک شخص کو فریاد کرتے ہوئے سنا اور اس کی فریاد رسی نہیں کی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۹۲-۳۹۳، رقم الحدیث: ۸۵۰۰ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۷ طبع قدیم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے وضو نماز پڑھنے۔ اور کسی فریادی کی مدد نہ کرنے سے بھی عذاب قبر ہوتا ہے۔

جن صورتوں میں عذاب قبر سے نجات ملتی ہے

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ "تبارک الذی بیدہ الملک" پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے عذاب قبر روک لیتا ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس سورت کو مانعہ کہتے تھے۔

(عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۷۱۱، ص ۴۱۵ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۲)

(۲) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو سونے سے پہلے "الم تنزیل السجدۃ" کو پڑھا وہ عذاب قبر سے نجات پائے گا اور قبر کے سوال و جواب کرنے والوں سے محفوظ رہے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۶۸۳)

حضرت خالد بن معدان نے کہا کہ "الم تنزیل" قبر میں اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی ہیں' وہ کہتی ہے کہ اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو تو مجھے اس کی شفاعت کرنے والا بنا دے اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو تو مجھے اس کتاب سے مٹا دے' وہ ایک پرندے کی طرح اپنے پر پھیلا کر اس کی شفاعت کرتی ہے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتی ہے اور سورۃ "تبارک الذی" بھی اس کی مثل ہے اور حضرت خالد ہر رات ان دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔

(۳) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر مرنے والے کا عمل ختم ہو جاتا ہے سوا اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرنے والا ہو' اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ فتنہ (عذاب) قبر سے محفوظ رہے گا (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴' المعجم الکبیر ج ۱۸' رقم الحدیث: ۸۰۳' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۴۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۲۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۳۷۴' رقم الحدیث: ۲۳۹۵۱ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر گیا' اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو قیامت کی دہشت سے مامون رکھا جائے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا اور قیامت تک اس کے صحیفۂ اعمال میں سرحد کی حفاظت کرنے کا اجر لکھا جاتا رہے گا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۲۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۵۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۹۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۵ ص ۱۳۷' رقم الحدیث: ۹۲۴۴ طبع

جدید مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیماری میں مرا وہ شہادت کی موت مرا اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۲۵ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو جائے اللہ سبحانہٗ اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۴ مشکل الآثار رقم الحدیث: ۲۷۷ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۷۳ اثبات عذاب القبر للبیہقی رقم الحدیث: ۱۵۶ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۱۳ الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۵۴ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹ مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۴۷ رقم الحدیث: ۶۵۸۲ طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

(۶) حضرت مقدام بن معدی کرب الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے پاس شہید کے لیے چھ انعام ہیں: (۱) اس کا جب پہلی بار خون نکلے گا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی (۲) وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا (۳) اور اس کو ایمان کا حلہ پہنایا جائے گا (۴) اور بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کر دیا جائے گا (۵) اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا (۶) اس کو قیامت کی بڑی دہشت سے مامون رکھا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۵۵۹ سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۵۶۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث ج ۲۰ رقم الحدیث: ۶۲۹ شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۵۴ مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱ طبع قدیم مسند احمد ج ۲۸ ص ۴۱۹ رقم الحدیث: ۱۷۱۸۲ طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ سات قسم کے مسلمانوں کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا (۱) جو شخص ہر رات کو سورۂ "تبارک الذی" کی تلاوت کرے (۲) جو شخص ہر رات کو سورۂ "الم تنزیل" کی تلاوت کرے (۳) جو شخص مسلمان ملک کی سرحد کی حفاظت کرتا ہوا مر جائے (۴) جو شخص کسی بیماری میں مر جائے (۵) جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب فوت ہو (۶) جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو (۷) جس مسلمان کی قبر پر درخت کی شاخ کو گاڑ دیا جائے (۸) آٹھویں صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس مسلمان کو کسی نیک مسلمان کے جوار میں دفن کر دیا جائے تو توقع ہے کہ اس نیک مسلمان کی برکت سے وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ رہے کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم نیک مسلمانوں کے قرب اور جوار میں موت کی دعا کریں قرآن مجید میں ہے:

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۳) ہم کو نیک مسلمانوں کے قرب میں موت عطا فرما ۝

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۱) مجھے اسلام پر موت عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے ۝

کسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنا

الطور: ۴۸ میں فرمایا: اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں ۝

رب کے حکم اور اس کے فیصلہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو توحید کا پیغام پہنچانے اور دین اسلام کے احکام کی

تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کو بجالائیں اور اس حکم کی تعمیل میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا ہو ان کو برداشت کریں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کے کلام کو سن رہے ہیں' ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں اور ہم آپ کو کفار کے شر اور ان کی ایذاء سے محفوظ رکھیں گے اور کوئی شخص آپ کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

نیز فرمایا: اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ اس آیت میں قیام کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ نماز میں قیام کریں تو کہیں: "سبحانک اللھم وبحمدک" اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' سعید بن جبیر اور سفیان ثوری وغیرہم نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مجلس سے اٹھے تو یہ کہے: "سبحان اللہ وبحمدہ" یا کہے: "سبحانک اللھم وبحمدک" اگر وہ نیک مجلس تھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنے سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور اگر وہ بُری مجلس تھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنے سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس نے بہت شور وشغب کیا اور اس نے مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کلمات پڑھے:

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک الا غفرلہ ما کان فی مجلسہ ذالک.

اے اللہ! تو پاک ہے تیری تمام صفات کامل ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں تجھ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں تو اس مجلس میں اس نے جو کچھ کہا تھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ پڑھتے تھے:

رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور.

اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا' بہت مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۶)

نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت نماز سنت کی تحقیق

الطور: ۴۹ میں فرمایا: اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت O

قٓ: ۴۰ میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے' وہاں پر اس آیت کے آخر میں "وادبار السجود" تھا اور یہاں "ادبار النجوم" ہے۔

حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت جابر اور حضرت انس نے فرمایا: اس سے مراد نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا ہے' یہ دو رکعت نماز سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے' یہی وجہ ہے کہ ایک سفر سے واپسی میں آپ نے صحابہ کے ساتھ اخیر شب میں پڑاؤ ڈالا اور کسی کی بھی آنکھ نہیں کھلی اور سورج نکل آیا تو آپ نے کچھ دور جا کر نمازِ فجر پڑھنے سے پہلے یہ دو رکعت نماز پڑھی' حالانکہ نفل کی قضاء نہیں ہوتی ' اس لیے اس آیت میں اس نماز کے لیے امر کا صیغہ وارد ہے کیونکہ یہ نماز بھی حکماً

واجب ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ دو رکعت نماز پہلے فرض تھی اور جب پانچ نمازوں کا حکم آیا تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اب اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر سے پہلے دو رکعت نماز "ادبار النجوم" ہے اور مغرب کے بعد دو رکعت نماز "ادبار السجود" ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۱ المستدرک ج ۱ ص ۳۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل نماز کی اس قدر حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر سے پہلے دو رکعت نماز کی حفاظت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۲۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۴ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۰۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کی دو رکعت نماز دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۲۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۸ المستدرک رقم الحدیث: ج ۱ ص ۳۰۶ مسند احمد ج ۶ ص ۵۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۱)

سورۃ الطور کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۴ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۸ نومبر ۲۰۰۴ء کو بہ روز جمعرات سورۃ الطور کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۲ اگست ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی اس طرح ایک ماہ ستائیس دن میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العٰلمین! آپ باقی ماندہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اس تفسیر کو قبول عام عطا فرمائیں اور میری مغفرت فرما دیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النجم

سورت کا نام

اس سورت کا نام النجم ہے' اس سورت کی پہلی آیت سے اس کا نام ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ﴿ۙ۱﴾ (النجم:۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ اوپر سے نیچے گرا ○

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ میں اعلان فرمایا' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۳ ہے' اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کو ازخود بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم نازل فرمائی' جس میں یہ آیات ہیں:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ﴿ؕ۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿ۙ۴﴾ (النجم:۳۔۴) وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ○ وہ صرف وحی کہتے ہیں جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ○

سورۃ النجم کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور آپ کے ساتھ وہاں موجود سب لوگوں نے سجدہ کیا' سوا ایک بوڑھے شخص کے' اس نے کچھ کنکریاں یا مٹی ہاتھ میں لی اور ان کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا' اور کہا: مجھے یہ کافی ہے' پھر میں نے اس شخص کو دیکھا وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۰۶)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ اس بوڑھے شخص کا نام امیہ بن خلف تھا' یہ جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا' امام ابواسحاق نے "سیرت ابن اسحاق" میں لکھا ہے کہ اس کا نام الولید بن المغیرہ تھا' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۳۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا' اس وقت وہاں پر جتنے بھی لوگ تھے سب نے سجدہ کیا' سوا ایک شخص کے' اس نے کچھ کنکریاں یا مٹی اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھ لی اور کہا: مجھے یہ کافی ہے۔ بعد میں' میں نے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں نے اور جن اور انس نے سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۷۱)

علامہ بدرالدین عینی حنفی "صحیح البخاری" رقم الحدیث:۱۰۷۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مخرمہ بن نوفل نے روایت کیا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل مکہ کے سامنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا' اور یہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے' حتیٰ کہ جب آپ سجدۂ تلاوت کی آیت تلاوت کرتے تو مسلمان سجدہ کرتے تھے حتیٰ کہ رش کی وجہ سے بعض اوقات مسلمان سجدہ نہ کر سکتے' قریش کے سرداروں میں سے الولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام وغیرہما اس وقت طائف میں تھے جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا: تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۵۔ رقم الحدیث: ۳)

نیز علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا: '' اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ '' (النجم: ۱۹۔ ۲۰) اور مشرکین نے اپنے خداؤں کا ذکر قرآن میں سنا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ ان کے خداؤں کی مدح ہے اس لیے انہوں نے بھی سجدہ کر لیا اور بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ ان آیات کے بعد مشرکین نے یہ سنا:

تلک الغرانیق العلٰی وان شفاعتھن لترتجی. — یہ مرغانِ بلند بانگ ہیں اور بے شک ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ خود مشرکین نے یہ کہا تھا' انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں حضور ان کے بتوں کے ذکر کے بعد ان کی مذمت نہ کریں' اس لیے انہوں نے بتوں کے ذکر کے بعد فوراً یہ کلمات پڑھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھے تھے اور ابلیس نے آپ کی زبان سے یہ کلمات کہلوا دیئے تھے اور یہ قول قطعاً باطل ہے' اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان کو مسلط کر دے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابلیس وغیرہ سے معصوم رکھا ہے' اسی طرح یہ قول بھی باطل ہے کہ ابلیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے' کیونکہ جب شیطان نیند میں آپ کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتا' جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا' اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے' کیونکہ شیطان میرے مشابہ نہیں ہو سکتا اور نہ میری مثل بن سکتا ہے' حالانکہ نیند میں انسان مکلف نہیں ہوتا تو وہ بیداری میں آپ کی آواز کے مشابہ آواز کیسے بنا سکتا ہے؟ اور یہ چیز اتنی محال ہے کہ مومن کا قلب اس کو قبول نہیں کر سکتا اور اس روایت کی تمام اسانید منقطع اور معلول ہیں اور اس حدیث کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

ان روایات پر جرح کرنے کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس روایت کو کسی صحیح اور ثقہ راوی نے روایت نہیں کیا' اس کو ان مورخین اور مفسرین نے ذکر کیا ہے جو ہر صحیح اور ضعیف چیز کا ذکر کر دیتے ہیں ان لوگوں میں غلط اور صحیح میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی' یہ لوگ اندھیرے راستوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اجماع منعقد ہے اور اس پر بھی کہ اس قسم کی رذیل بات سے آپ منزہ ہیں اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو قریش مسلمانوں پر زبردست طعن و تشنیع کے حملے کرتے اور یہود اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حجت بنا لیتے جیسا کہ منافقین کی عادت اور مشرکین کے عناد سے ظاہر ہے' کیا واقعۂ معراج کی بناء پر اعتراض نہیں کیے گئے تھے' حتیٰ کہ بعض ضعیف مسلمان اس وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۴۳۔ ۱۴۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ النجم کے اہداف اور اغراض

☆ اس سورت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام اور خبریں پہنچاتے ہیں آپ اس میں صادق ہیں' آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے' آپ وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی فرماتا ہے۔

☆ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کی وساطت سے آپ تک پہنچی ہے۔

☆ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے انتہائی قرب بیان فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے جتنی دو کمانیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں یا اس سے بھی زیادہ یا جس طرح ایک کمان کے دوسرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

☆ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے اس طرح بے حجاب دیکھا کہ آپ کی نظر بہکی نہ حد سے بڑھی۔

☆ اس میں مشرکین کے بتوں کی خدائی کو باطل کیا گیا ہے۔

☆ اس میں مشرکین کے اس قول کو باطل کیا گیا ہے کہ لات' عزیٰ اور منات اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

☆ اس میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور حشر ونشر کو ثابت کیا گیا ہے

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن امتوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اس کے نتیجہ میں ان پر جو عذاب آیا اس کا بیان کر کے اہل مکہ کو ڈرایا گیا۔

☆ یہ قرآن انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل شدہ کتب اور صحائف کا مصدق ہے اور اس کا ذکر ان صحائف میں بھی ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ کی توفیق اور تائید سے سورۃ النجم کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العالمین! میرے اس کام کو صرف اپنی رضا کے لیے رکھنا اور اس میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور غلط اور باطل سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور اس تفسیر کے لیے میرے سینہ کو کشادہ کر دینا اور اس کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھنا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا وسيد المرسلين محمد وعلى آله واصحابه وازواجه وعترته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہ
دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۳ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ٥٣ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٦٢ رُكُوْعَاتُهَا ٣

سورۃ النجم مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باسٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾ وَمَا يَنْطِقُ

روشن ستارے کی قسم! جب وہ زمین کی طرف اترا ○ تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا اور نہ (کبھی) راہ (راست) کے بغیر چلے ○ وہ

عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ﴿٤﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾ ذُوْ

اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ○ ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ○ سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا ○

مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ

بہت زبردست نے پھر اللہ نے استواء فرمایا ○ اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے ○ پھر وہ (اللہ نبی سے)

قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ

زیادہ قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا ○ تو وہ (نبی اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ○ پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی

الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾

طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ○ (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا ○ کیا تم ان سے اس پر جھگڑتے ہو

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ

ہو جو انہوں نے دیکھا ○ بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا ○ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ○ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے ○ جب

مَا یَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ

سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا ○ (آپ کی) نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی ○ بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں

الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾

سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا ○ کیا تم نے لات اور عزّیٰ کو (بہ غور) دیکھا؟ ○ اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو ○

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِیَ اِلَّاۤ

کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں ○ پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے ○ یہ صرف وہ نام ہیں

أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ

جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی،

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن

یہ (مشرکین) صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت

رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿۲۳﴾ أَمْ لِلْإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿۲۴﴾ فَلِلَّهِ ٱلْءَاخِرَةُ وَٱلْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾ ع ۵

آ چکی ہے ○ کیا انسان کے لیے وہ کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ ○ پس اللہ ہی آخرت اور دنیا کا مالک ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روشن ستارے کی قسم جب وہ زمین کی طرف اترا ○ تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلے ○ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ○ ان کا کہا ہوا وحی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ○ (النجم: ۱۔۴)

"نجم" کے معانی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

نجم اصل میں طلوع ہونے والے ستارے کو کہتے ہیں اس کی جمع نجوم ہے اور نجم زمین پر پھیلنے والی بیل کو بھی کہتے ہیں، وقت کے ایک مقرر حصہ اور قسط کو بھی نجم کہتے ہیں، ستاروں کے علم میں غور وفکر کرنے کو بھی نجم کہتے ہیں اسی سے منجم (نجومی) بنا ہے، نجم ستارے کے طلوع ہونے کو بھی کہتے ہیں، عرب ثریا کو بھی نجم کہتے ہیں (وہ سات ستارے جو ایک دوسرے کے نزدیک ہیں ان کو ثریا کہتے ہیں، ان کو سات ستاروں کا جھمکا بھی کہتے ہیں)۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى ٱلنُّجُومِ ○ (الصّٰفّٰت: ۸۸) پس اس نے ستاروں کے علم میں نظر کی یعنی غور کیا ○

وَٱلنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ○ (النجم: ۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ زمین کی طرف اترا ○

اس سے مراد ستارہ ہے اور ستارے کے اترنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ستارے کے طلوع کا معنی خود النجم میں موجود ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ثریا ہے اور عرب جب مطلقاً ثریا کا لفظ بولیں تو اس سے ثریا کا ارادہ کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو کہ قسط وار اور بہ تدریج نازل ہوا ہے اور "هوىٰ" سے مراد قرآن مجید کا نزول ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ○ (الواقعہ: ۷۵) پس میں ستاروں کے گرنے یا قرآن کے بہ تدریج نازل ہونے کی قسم کھاتا ہوں ○

وَٱلنَّجْمُ وَٱلشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ○ (الرحمٰن: ۶) زمین پر کھڑے ہوئے درخت اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں دونوں سجدہ کرتی ہیں ○

(المفردات ج ۲ ص ۶۲۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد المعروف ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نجم کا معنی کسی چیز کا ظہور اور خروج ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی:

سراج من النار یظھر فی اکتافھم حتی ینجم فی صدورھم. آگ کا شعلہ منافقین کے کندھوں میں ظاہر ہوگا اور ان کے سینوں سے نکلے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰ مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۰ طبع قدیم)

نجم کا معنی ستارہ ہے اور اس کی جمع نجوم ہے اور کبھی اس سے مراد ثریا ہوتا ہے اور عرب ثریا کو ستاروں کا علم (نام) قرار دیتے ہیں اور جب وہ مطلقاً نجم کہیں تو اس سے مراد ثریا ہوتا ہے' درج ذیل حدیث میں ثریا کا اطلاق اسی معنی پر ہے۔

ما طلع النجم قط وفی الارض عاھۃ الا رفعت. جب بھی ثریا طلوع ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفت اٹھالی جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ طبع قدیم' مشکل الآثار ج ۳ ص ۹۲)

اور اس کا معنی قسطوں میں کسی چیز کا دینا ہے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

واللہ لا ازیدک علی اربعۃ الاف منجمۃ. اللہ کی قسم! میں تم کو قسط وار چار ہزار سے زیادہ نہیں دوں گا۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۰۔۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے ''المفردات'' اور ''النہایہ'' کی عبارات کو جمع کر دیا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۰۳' دار صادر بیروت' ۲۰۰۳ء)

''النجم'' کے معانی اور محامل میں مفسرین کے اقوال

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: ''والنجم اذا ھوی'' کا معنی ہے: ثریا کی قسم! جب وہ فجر کے وقت نیچے اترے اور عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں' ہرچند کہ وہ تعداد میں کئی ستارے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سات ستارے ہیں' ان میں سے چھ ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے' اس سے لوگوں کی آنکھوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ قاضی عیاض نے ''شفاء'' میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثریا میں گیارہ ستارے دیکھے تھے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: اور قرآن کی قسم! جب وہ نازل ہوا' کیونکہ قرآن مجید قسط وار بہ تدریج نازل ہوا ہے۔

فراء اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: ستاروں کی قسم! جب وہ ڈوب جائیں اور نجوم کو نجم سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حسن بصری سے یہ بھی روایت ہے کہ ستاروں کی قسم! جب وہ جھڑ جائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے ساتھ شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ کی ولادت سے پہلے بہ کثرت ستارے ٹوٹنے لگے' پس بہت عرب خوف زدہ ہو گئے' ان کے ہاں ایک نابینا کاہن تھا وہ گھبرا کر اس کے پاس گئے' جو ان کو مستقبل کی خبریں بتاتا تھا' اس نے کہا: بارہ بروج کو دیکھو اگر ان میں سے کوئی برج ٹوٹ گیا ہے تو اب دنیا ختم ہونے والی ہے' اور اگر ان میں سے کوئی برج نہیں ٹوٹا ہے تو دنیا میں ایک بہت بڑا واقعہ ہوگا' سو تم دیکھو کیا رونما ہوتا ہے' پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہی وہ امر عظیم تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''والنجم اذا ھوٰی'' یعنی یہ ستارہ ہے جو نیچے اترا ہے یہ ستارہ اس نبوت کا ہے جو اب ظاہر ہوئی ہے۔

اور جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے کہا: اس کا معنی ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم! جب وہ شب معراج کو

آسمان سے زمین پر آئے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عتبہ بن ابی لہب جس کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی تھیں' اس نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور کہا: میں ضرور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور ان کو ایذاء پہنچاؤں گا' اس نے کہا: اے محمد! میں ''والنجم اذا ھوی'' اور ''دنی فتدلی'' کا انکار کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا اور آپ کی صاحب زادی آپ کی طرف بھیج کر ان کو طلاق دے دی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے' اس موقع پر ابوطالب بھی تھے' انہوں نے غم گین ہو کر کہا: اے بھتیجے! اس دعا سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ عتبہ نے جا کر اپنے باپ کو یہ خبر دی' پھر وہ شام کی طرف چلے گئے اور ایک جگہ ٹھہرے' ان کے پاس گرجا سے ایک راہب آیا اور کہا: اس زمین میں درندے آتے ہیں' ابولہب نے اپنے اصحاب سے کہا: اے قریش کی جماعت! ہماری مدد کرو کیونکہ آج رات مجھے اپنے بیٹے پر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ضرر کا خطرہ ہے' پھر انہوں نے اپنے اردگرد اپنے اونٹوں کو بٹھا لیا اور عتبہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا' پھر شیر آ کر سب کے چہروں کو سونگھتا رہا حتیٰ کہ عتبہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۸۱۔۳۸۳' تفسیر امام عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۰۲۔ رقم الحدیث: ۳۰۲۱' دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۳' دار الفکر' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۳۵' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۰۹۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۱' الدر المنثور ج ۷ ص ۶۴۳' الکشاف ج ۴ ص ۴۱۹' روح البیان ج ۹ ص ۲۳۹' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۱۱' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اشعار میں نظم کیا ہے' جس کو تفصیل سے ''الکشف'' اور ''الجامع لاحکام القرآن'' میں ''دلائل النبوۃ'' رقم الحدیث ۴۲۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔)

''النجم'' کی تفسیر میں مرغوب اور پسندیدہ اقوال اور ان کی توجیہات اور نکات

''النجم'' سے ثریا کو مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ آسمان کے ستاروں میں ثریا سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ واضح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت معجزات اور دلائل کے اعتبار سے نبیوں میں سب سے زیادہ روشن اور واضح ہیں' نیز اواخر خریف میں جب عشاء کے وقت ثریا کا ظہور ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفات دور ہو جاتی ہیں اور پھل پک جاتے ہیں' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو دلوں کی بیماریاں دور ہو گئیں اور ایمان اور عرفان کے پھل پک کر تیار ہو گئے' اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی ثریا ہے۔

النجم سے آسمان کے ستارے مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ ستاروں سے سمندر' جنگلوں اور ریگستانوں میں راستے کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر اور شرک کے اندھیروں میں صحیح راستہ کی ہدایت حاصل ہوتی ہے' اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی آسمان کے ستارے ہیں۔

النجم سے ستاروں کو رجم کرنا اور ان سے شیاطین کو آسمانوں سے بھگانا یعنی شہاب ثاقب مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ جس طرح شہاب ثاقب سے شیاطین کو آسمانوں سے دور کیا جاتا ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے زمین پر لوگوں سے شیاطین کو دور کیا جاتا ہے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی شہاب ثاقب ہے۔

النجم سے قرآن مجید مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے صدق پر دلالت کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (یٰس: ۱۔۴)	یٰس ۝ قرآن حکیم کی قسم ۝ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ۝ سیدھے راستے پر قائم ہیں ۝

اور یہاں فرمایا: قرآن کی قسم! جو قسط وار نازل ہوا' تمہارے آقا اور پیغمبر نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا اور نہ کبھی بے راہ چلے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی قسط وار ہے۔

النجم کا معنی زمین پر پھیلنے والی بیل مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ ان بیلوں کے پھلوں سے جسم کی تقویت اور نشو و نما ہوتی ہے اور آپ کی تعلیمات سے روح کی تقویت اور نشو و نما ہوتی ہے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ علامہ محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے النجم کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے:

امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ النجم سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم! جب وہ شب معراج آسمان سے زمین پر آئے اور یہ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے قرب "دنا فتدلی" اور اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کا تعلق شب معراج سے ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۸۲' البحر المحیط ج ۱۰ص ۹' روح البیان ج ۹ص ۲۳۹' روح المعانی جز ۲۷ص ۷۰)

نیز علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ "اذا ھوٰی" سے یہ مراد ہو کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج لامکان تک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ آپ راہِ راست سے گم ہونے اور راہِ راست کے بغیر چلنے کے شائبہ سے بھی مبرأ' منزہ اور پاک ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ص ۷۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

النجم: ۲ میں فرمایا: تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلے O

ضلال کے متعدد معانی

اس آیت میں "ضلّ" کا لفظ ہے یہ "ضلال" سے ماخوذ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی کے بیان میں لکھتے ہیں: "ضلال" کا معنی ہے: راہِ راست سے تجاوز کرنا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ (یونس: ۱۰۸) جو شخص راہِ راست پر چلے تو اس کا یہ چلنا اسی کے لیے مفید ہے اور جو شخص راہِ راست سے تجاوز کرے تو اس کے اس تجاوز کا وبال اسی پر ہے۔

راہِ راست سے ہر قسم کے تجاوز کو ضلال کہا جاتا ہے' خواہ یہ تجاوز عمداً ہو یا سہواً' معمولی تجاوز ہو یا زیادہ کیونکہ وہ سیدھا راستہ جو پسندیدہ اور مرغوب اور محبوب ہو' اس پر چلنا بہت مشکل اور دشوار ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

استقیموا ولا تحصوا. تم ہر معاملہ میں راہِ راست پر رہو اور تم ہر معاملہ میں راہِ راست کا احاطہ نہ کر سکو گے۔

(مسند احمد ج ۵ص ۲۷۷' سنن کبریٰ ج ۱ص ۸۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۹۳' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

بعض حکماء نے کہا ہے کہ ہمارا کسی نہ کسی وجہ سے گم راہ ہونا' بہت سی صورتوں میں ہے کیونکہ تیر کو عین ہدف پر مارنا راہِ راست ہے اور اگر وہ ہدف سے بال برابر بھی ادھر اُدھر ہو جائے تو یہ ضلال ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے آپ کو دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ کے سفید بال ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ھود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷) خصوصاً سورۂ ھود کی اس آیت نے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ. (ھود: ۱۱۲) جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے سو آپ ہر عمل میں راہِ راست

پر رہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی طرف ضلال کی نسبت کرنے کے معانی اور محامل

اور جب کہ ضلال کا معنی ہے: راہ راست کو ترک کرنا خواہ یہ ترک عمداً ہو یا سہواً، کم دفعہ ہو یا زیادہ دفعہ تو جس شخص سے بھی خطا ہو اس کے لیے ضلال کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے اسی وجہ سے ضلال کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی کی گئی ہے اور کفار کی طرف بھی، ہر چند کہ دونوں کے ضلال میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اسی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ: ۷) آپ کو از خود راہ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہ راست پر گامزن کیا ۝

(اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ بعض اُمور میں آپ کو سہو اور نسیان سے راہ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہ راست پر چلایا، جیسے امت کی تعلیم اور تشریع کے لیے آپ کو ظہر یا عصر کی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۰) اور ایک مرتبہ ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۲۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱) پھر آپ نے سلام پھیر کر سجدہ کیا اور ہمیں یہ تعلیم دی کہ تم بھی ایسی صورت میں سجدہ سہو کر کے نماز کی اصلاح کرنا، اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنی محبت میں مستغرق اور وارفتہ پایا اور آپ کو امت کی طرف غیر متوجہ پایا تو آپ کو امت کی اصلاح، ہدایت اور تبلیغ اور تشریع کی طرف متوجہ کیا، اس معنی کی طرف اشارہ علامہ راغب کی اگلی عبارت میں آ رہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹوں نے کہا:

اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝ (یوسف: ۹۵) بے شک آپ (یوسف کی اسی) پرانی محبت میں ہیں ۝

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۝ (یوسف: ۸) بے شک ہمارا باپ (یوسف) کی محبت میں واضح طور پر راہ راست سے متجاوز ہے ۝

اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت شدید محبت تھی جس کو انہوں نے ضلال سے تعبیر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۰) اور میں سہو کرنے والوں میں سے ہوں ۝

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا (البقرہ: ۲۸۲) دو گواہی دینے والی عورتوں میں سے ایک بھول جائے۔

ایک اور اعتبار سے ضلال کے معانی

ایک اور اعتبار سے ضلال کی دو قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت میں کوئی شخص راہ راست پر نہ ہو (۲) احکام شرعیہ اور عبادات میں کوئی شخص راہ راست پر نہ ہو۔

ضلال (۱) کی مثال اس آیت میں ہے:

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝ (النساء: ۱۳۶) جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور روز قیامت

کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا○

اور ضلال (۴) کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا○ (النساء: ۱۶۷)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ (پر چلنے) سے روکا' بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے○

ضلال کا معنی غفلت بھی ہے۔

قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی○ (طٰہٰ: ۵۲)

موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے رب کے پاس اس کتاب میں ہے جس سے میرا رب نہ غافل ہے اور نہ بھولتا ہے○

ضلال کا معنی باطل بھی ہے:

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ كَیۡدَهُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ○ (الفیل: ۲)

کیا اللہ نے کافروں کی سازش کو باطل نہیں کر دیا○

اضلال (گمراہ کرنا) کا معنی یہ ہے کہ اس کا فاعل ضلال کا سبب ہو جیسے اس آیت میں ہے:

لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡكَ ؕ (النساء: ۱۱۳)

ان منافقین کی ایک جماعت نے آپ کو ضرور گمراہ کرنے کا قصد کر لیا تھا۔

یعنی منافقین آپ کے سامنے بنو ابیرق کی چوری کی تہمت دوسروں پر ڈال رہے تھے تاکہ آپ سے ظالمانہ فیصلہ کرا دیں اور ظالمانہ فیصلہ گم راہی کا سبب ہے۔

اللہ کی طرف اضلال کی نسبت کرنے کے دو معنی

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کے اضلال کی نسبت ہو تو اس کے دو معنی ہیں: (۱) انسان ضلال کا سبب مہیا کرے یعنی اس کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے اندر ضلال کو پیدا کر دے' اور آخرت میں اس کو جنت کے بجائے دوزخ کی طرف چلا دے' یعنی اس کو جنت سے بھٹکا دے اور گم راہ کر دے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اضلال (گم راہ کرنا) حق اور عدل ہے' پس ایسے انسان پر یہ حکم لگانا کہ اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا اور جنت کے راستہ سے بھٹکا دیا' برحق ہے اور کسی اعتراض کا موجب نہیں ہے جیسے فرمایا:

كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِیۡنَ○ (المؤمن: ۷۴)

اسی طرح اللہ کافروں میں گمراہی پیدا فرماتا ہے○

(۲) اور اللہ کی طرف انسان کے اضلال کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی جبلت (فطرت) پر پیدا کیا ہے' وہ جس راستہ کو پسند کرتا ہے خواہ وہ راستہ اچھا ہو یا برا ہو (ایمان ہو یا کفر' نیکی ہو یا بدی) وہ اس راستہ کو اچھا سمجھتا ہے اور اس راستہ سے محبت کرتا ہے تو وہ انسان کی فطرت میں اس راستہ کو لازم کر دیتا ہے اور اس کو اس راستہ سے پھیرنا اور ہٹانا مشکل ہوتا ہے اور گویا اس راستہ کی اس کے اوپر مہر لگ جاتی ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ عادت انسان کی طبیعت ثانیہ ہے اور انسان کے اندر یہ قوت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' جس کو اللہ نے انسان کے اندر اس کے اختیار کی بناء پر پیدا کیا ہے' اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کے متعلق

باتیں کر رہے تھے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ خبر سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا اور جب یہ خبر سنو کہ کسی شخص نے اپنی عادت بدل دی ہے تو اس کی تصدیق مت کرنا کیونکہ وہ اسی وصف پر لازم رہتا ہے جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

اور جب یہ قاعدہ اس طرح ہے تو جس فعل کا کوئی سبب ہو اس فعل کی اس سبب کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے' پس کہا جائے گا کہ اس کافر کو اللہ تعالیٰ نے گم راہ کر دیا' نہ اس طریقہ سے جیسا کہ جاہل کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو گم راہ کر دیا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو گم راہ کرتا ہے جو از خود گم راہی کو اختیار کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کافر اور فاسق کو گم راہ کرتا ہے' مؤمن کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس نے خود مؤمن کو گم راہ کرنے کی نفی فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ . (التوبہ: ۱۱۵) — اور اللہ کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ ایک قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گم راہ کر دے۔

دلوں پر مہر لگانے کے ثبوت میں یہ آیات ہیں:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ . (البقرہ: ۷) — اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝ (النساء: ۱۵۵) — بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۝

(المفردات ج ۲ ص ۳۸۸-۳۹۰' ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ضلال کی دو آیتوں میں تعارض کا جواب

جب ضلال کے متعدد معانی معلوم ہو گئے تو اب پھر یہ اشکال نہیں رہے کہ النجم میں فرمایا ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۝ (النجم: ۲) — تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلے۝

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۝ (الضحیٰ: ۷) — اللہ نے آپ کو (از خود) راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر گامزن کیا۔

ہم نے جو اس آیت کا معنیٰ کیا ہے اس سے اس کا النجم: ۲ سے تعارض نہیں رہا اور اس کے دوسرے محامل یہ ہیں:

(۲) اللہ نے آپ کو بعض اُمور میں سہو اور نسیان سے راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر چلایا۔

(۳) اللہ نے آپ کو اپنی محبت میں مستغرق اور وارفتہ پایا سو آپ کو امت کی ہدایت اور اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔

اس کے باقی محامل ان شاء اللہ ہم الضحیٰ: ۷ میں بیان کریں گے۔

"صاحب" کے معنیٰ

اس آیت میں "صاحبکم" کا لفظ ہے' صاحب اس کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ لازم رہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان ہو' مکان ہو یا زمان ہو اور اس کی مصاحبت خواہ بدن کے ساتھ ہو یا توجہ اور التفات کے ساتھ ہو' عرف میں صاحب کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ بہ کثرت لازم رہے' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہ کثرت لازم رہتے تھے'

اس لیے ان پر آپ کے صاحب کا اطلاق ہے:

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ . (التوبہ:۴۰) جب نبی اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے: تم غم نہ کرو۔

صاحب اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کا مالک اور آقا ہو اور اس پر تصرف کرنے کا مالک ہو' اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صاحب کا اطلاق ہے' تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا صاحب فرمایا ہے' اس پر تنبیہ کرتے ہوئے تم ان کی مصاحبت اور مجلس میں رہے ہو اور تم نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ان کے ظاہر اور باطن کو پرکھا ہے اور اس میں کوئی خلل نہیں پایا' اس لیے فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب اور آقا مجنون نہیں ہیں ۝

کسی شخص کے متبعین کو بھی اس کے اصحاب کہا جاتا ہے' اسی اعتبار سے زندگی میں آپ کے متبعین کو آپ کے اصحاب کہا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا:

عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی (بہ ظاہر) معصیت کی اور (بہ ظاہر) راہ راست کے بغیر چلے ۝

اور آپ کے متعلق فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (النجم:۲) تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا نہ کبھی راہ راست کے بغیر چلے ۝

''غوی'' کے معنی

''الغی'' کا معنی ہے: اعتقاد فاسد کی وجہ سے جاہل ہونا' کبھی انسان جاہل محض ہوتا ہے' اس کا کوئی اعتقاد صحیح ہوتا ہے نہ اعتقاد فاسد ہوتا ہے اور کبھی وہ اعتقاد فاسد کی وجہ سے جاہل ہوتا ہے' اس دوسری قسم کو ''الغی'' کہتے ہیں۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ . (الاعراف:۲۰۲) شیاطین کے بھائی کافروں کو فاسد اعتقاد (گمراہی) میں کھینچتے ہیں۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم:۵۹) سو وہ عنقریب عذاب میں داخل ہوں گے ۝

اس آیت میں ''الغی'' کا اطلاق عذاب پر کیا گیا ہے کیونکہ عذاب ''الغی'' کا اثر ہے۔

اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ . (ھود:۳۴) (اے کافرو!) بے شک اللہ تمہیں تمہارے فاسد اعتقاد کی سزا دینا چاہتا ہے۔

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے بہ ظاہر معصیت کی پس وہ غوی ہوئے ۝

اس آیت میں ''فغوی'' کا معنی ہے: پس آپ نے ناواقفیت کا کام کیا' ایک قول ہے: پس آپ نے نقصان اٹھایا' ایک قول ہے: پس آپ کا عیش اور آپ کی پر لطف عشرت جاتی رہی۔

(''غوی'' کے جتنے معنی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝'' (النجم:۲) میں ان سب کی نفی کر دی۔) (المفردات ج ۲ ص ۴۷۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

''ھوی'' کے معنی

النجم: ۳ میں فرمایا: وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O
''الھوی'' کا معنی ہے: نفس کا شہوت کی طرف مائل ہونا' اس کا اطلاق عموماً اس شخص پر کیا جاتا ہے: جس کا نفس شہوت کی طرف مائل ہو' ''الھاویہ'' دوزخ کو کہتے ہیں کیونکہ ''ھوی'' کی اتباع کے نتیجہ میں انسان دوزخ میں جا گرتا ہے' ''الھوی'' کا معنی ہے: بلندی سے نیچے گرنا'' فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ O '' (القارعہ: ۹) اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' اس کا معنی خالی بھی ہے:
وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ O (ابراہیم: ۴۳) (قیامت کے دن) کفار کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے O

(المفردات ج ۲ ص ۷۱۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى ۔ (ص: ۲۶) آپ خواہش نفس کی پیروی نہ کریں۔
اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O (النجم: ۳) آپ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے O
آپ کا نفس باطل شہوات کی طرف مائل نہیں تھا' آپ کے نفس کی اپنی کوئی خواہش نہیں تھی' آپ وہی چاہتے تھے جو اللہ چاہتا تھا' آپ کی رضا اللہ کی مرضی تھی اور اللہ کی رضا آپ کی مرضی تھی۔

آیاتِ سابقہ سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: ''ماضل'' آپ نے کبھی راہ راست کو ترک نہیں کیا' پھر فرمایا: ''وما غوی'' آپ کبھی راہ راست کے خلاف نہیں چلے' خلوت میں نہ جلوت میں' ایام طفولیت میں نہ ایام شباب میں' اور جب اللہ سبحانہ نے آپ کو مبعوث کیا اور لوگوں کی طرف رسول بنایا اور اپنا پیغام دے کر بھیجا تو وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' وہ پہلے پاکیزہ اور پارسا تھا اور اب ھادی اور رہ نما ہیں' وہ بچپن کے کھیل کود اور فضول لہو ولعب سے پاک رہے اور شباب کی مستیوں اور عیاشیوں سے دور رہے اور کبھی اپنے دامن کو بُرے کاموں اور بُری باتوں سے آلودہ نہ ہونے دیا اور جب خود اپنی شخصیت اور سیرت میں کامل ہو گئے تو اوروں کو کامل بنانے کے لیے اللہ نے آپ کو رسول بنایا اور اپنا پیغام دے کر بھیجا اور جب اللہ کا پیغام پہنچانے لگے تو وہی حکم دیا جو اللہ کا حکم تھا' جو اللہ کا منشاء اور اس کی مرضی تھی' آپ کی رسالت کو منوانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کمالات عطا کیے۔ مہر و ماہ کو آپ کی جنبش لب کے تابع کر دیا' آپ پر قرآن مجید بہ طور معجزہ نازل کیا جس کی نظیر لانے سے آج ساری دنیا عاجز ہے' جس میں کوئی اضافہ یا کمی کوئی ثابت نہ کر سکا' کسی مکتب میں نہیں گئے' کسی سے پڑھا نہیں' اس کے باوجود ایسی علوم آفریں گفتگو کی جس کے اسرار ورموز آج تک بیان کیے جا رہے ہیں' صالح نظام حیات کے لیے جامع دستور بنایا جو قیامت تک زندگی کے ہر شعبہ کے لیے کفیل ہے' اپنے کسی کمال کے متعلق یہ نہیں کہا: یہ میری کاوش ہے' ہر کمال کے متعلق یہی کہا: یہ اللہ کی عطا ہے' جو حکم دیا اس پر عمل کر کے دکھایا بلکہ اس سے زیادہ کر کے دکھایا' اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں صرف کیا اور اپنی مرضی کو رضائے الٰہی میں ڈھالا تب ہی تو فرمایا: وہ راہ راست سے ہٹے نہیں صراط مستقیم کے خلاف چلے نہیں اور اپنی خواہش سے نطق نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی تحقیق

النجم: ۴ میں فرمایا: ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے O

وحی کا لغوی معنی ہے: لکھنا' اشارہ کرنا اور کلام خفی' اور وحی کا اصطلاحی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس کو وہ اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرماتا ہے۔

اس آیت میں ان مشرکین کا رد ہے جو قرآن مجید کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو شعر و شاعری کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا: یہ قرآن اور آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کی وحی ہے' شعر و شاعری نہیں ہے اور وحی عام ہے خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی ہو' اور وحی خفی میں احادیث بھی داخل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابوعلی جبائی اور اس کا بیٹا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ بھی نطق کیا وہ وحی ہے اور جو اجتہاد سے ہو وہ وحی نہیں ہوتا' پس وہ آپ کا نطق اور آپ کا کہا ہوا نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دیا ہے اس لیے آپ کا اجتہاد بھی وحی ہے' یعنی وحی خفی ہے اور آپ کا اپنی خواہش سے کلام نہیں ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اجتہاد بھی وحی ہوتا ہے تو مجتہدین جو اپنے قیاس سے مسائل استنباط کرتے پھر وہ بھی وحی کہلائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ آپ اجتہاد کریں اور دوسرے مجتہدین کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی۔ قاضی بیضاوی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر آپ کا اجتہاد وحی کے سبب سے ہوگا خود وحی نہیں ہوگا' صاحب الکشف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: جب تمہارے ظن کے مطابق کوئی حکم ہو تو وہ میرا حکم ہے' یعنی ہر وہ چیز جس کو میں تمہارے دل میں ڈالوں وہ میری مراد ہے' پھر آپ کا اجتہاد حقیقۃً وحی ہوگا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: میرے نزدیک '' وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی O '' (النجم: ۳) اپنے عموم پر ہے' کیونکہ امام یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے جو حکم دیتے ہیں وہ اپنی خواہش سے دیتے ہیں' آپ کی شان اس سے بہت بلند ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا اجتہاد وحی کے واسطے سے ہوتا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۷۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں مذاہب فقہاء

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں وہ اُمور بھی داخل ہیں جو اجتہاد سے صادر ہوئے اور یہی امام ابویوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔

معتزلہ میں سے ابوعلی اور ابوہاشم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد سے عبادت نہیں کرتے تھے۔

(الاحکام للآمدی ج ۴ ص ۱۴۲)

بعض معتزلہ نے کہا: آپ کے لیے جنگوں میں اجتہاد کرنا جائز تھا اور دین کے احکام میں اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔

جو ائمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۝ (الحشر: ۲) پس اے بصیرت والو! قیاس کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ صاحب بصیرت تھے اور آپ سب سے زیادہ قیاس کی شرائط پر مطلع تھے اور اس کو جانتے تھے کہ قیاس میں کیا چیزیں واجب ہیں اور کیا جائز ہیں' پس آپ دوسروں کی بہ نسبت قیاس کرنے میں اگر راجح نہیں تو کم از کم مساوی ضرور ہیں لہٰذا آپ بھی قیاس کرنے کے حکم میں داخل ہیں' سو آپ بھی قیاس کرنے والے ہیں ورنہ آپ کی عصمت پر حرف آئے گا۔

(۲) جب آپ کا ظن غالب یہ ہو کہ اصل میں حکم کسی وصف (علت) پر مبنی ہے اور جب آپ کو علم ہو کہ فرع میں وہ وصف موجود ہے تو ضروری ہے کہ آپ یہ گمان کریں کہ فرع میں بھی اصل کی طرح اللہ کا حکم ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ قیاس پر عمل کریں۔

(۳) نص صریح کی بہ نسبت اجتہاد کے موافق عمل کرنا زیادہ مشکل اور دشوار ہے تو اس میں زیادہ ثواب ہو گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

افضل العبادات احزها. جو عبادت زیادہ دشوار ہو وہ زیادہ افضل ہے۔

(النہایہ ج ۱ ص ۳۲۲' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۲۰۸' المقاصد الحسنہ ص ۸۹' کشف الخفاء ص ۱۵۵)

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد پر عمل نہ کریں جب کہ آپ کی امت نے اجتہاد پر عمل کیا ہے تو اس باب میں امت آپ سے افضل ہو گی اور یہ جائز نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اجتہاد پر ہی عمل کریں کیونکہ یہ افضل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد اس وقت کیا جائے جب اس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو' اس لیے ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں اجتہاد نہیں ہو سکتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ وحی کا درجہ اجتہاد سے اعلیٰ ہے' لہٰذا جب آپ کے لیے وحی کا حصول ممکن ہے تو آپ کے لیے حصول وحی کی صورت میں اس پر عمل کرنا افضل ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

العلماء ورثة الانبياء. علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶)

پس ضروری ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا ہو' ورنہ مجتہدین اور مفتیان کرام اجتہاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہیں ہوں گے۔

(۵) بہ کثرت احکام اور سنن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں (جیسے وضو میں کلی کرنا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا وغیرہ اسی طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا' قیام میں ہاتھ باندھنا' سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا' زکوٰۃ میں نصاب کی مقدار اور حج میں تلبیہ پڑھنا' طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا اور اسی طرح حدود اور قصاص اور روزوں اور دیگر احکام شرعیہ کی تفصیلات ہیں) اگر تمام احکام وحی سے ثابت ہوں اور آپ کے اجتہاد سے کوئی حکم ثابت نہ ہو تو پھر بعض احکام آپ کی سنت کس طرح قرار پائیں گے؟

(المحصول ج ۴ ص ۱۳۲۶-۱۳۲۷' موضحاً و مخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن امیر الحاج المتوفی ۸۷۹ھ' علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ کی "التحریر" کی شرح میں لکھتے ہیں:

متاخرین فقہاء احناف کا مختار مذہب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں پہلے وحی نازل ہونے کا انتظار کریں اور جب انتظار کی مدت ختم ہو جائے اور وحی نازل نہ ہو تو پھر آپ اس میں اجتہاد کریں اور آپ اجتہاد سے جو حکم دیں گے وہ وحی کی طرح قطعی ہوگا۔ اس کے برخلاف دوسرے مجتہدین کے اجتہاد سے جو حکم ثابت ہو وہ ظنی ہوتا ہے کیونکہ ان کا اجتہاد خطاء کا احتمال رکھتا ہے اور آپ کا اجتہاد خطاء کا احتمال نہیں رکھتا اور اگر بالفرض اس میں خطاء ہو تو آپ کو اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا' بلکہ متنبہ کر دیا جائے گا۔ (التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۹۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطاء اجتہادی میں مصنف کی تحقیق

محققین کا یہی مذہب ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطاء نہیں ہوتی اور شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ آپ کا اجتہاد وحی کے قائم مقام ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جن صورتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ آپ کی اجتہادی خطاء تھی جیسے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنا یا فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھنا یا شہد کو اپنے اوپر طبعاً حرام قرار دینا' یہ چیزیں بہ ظاہر صورۃً خطا تھیں تاکہ امت میں اجتہادی خطاء کا نمونہ ہو اور یہ چیزیں حقیقۃً خطا نہیں تھیں ورنہ بعد میں فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنا ممنوع قرار دیا جاتا اور جنگ میں کفار سے شکست یا کسی ناگہانی مصیبت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا بعد میں ممنوع ہوتا اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ قسم کھا کر یہ کہے کہ میں فلاں چیز کو نہیں کھاؤں گا یا کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے' انہوں نے حضرت یعلیٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' لیکن بہ کثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یعلیٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے' لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے' جب کہ آپ نے بہ کثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنولیث کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے' جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: بے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنو! مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ سنو! وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو! یہ وہی ساعت ہے' نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی' ماسوا اعلان کرنے والے کے' اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو' اس کو دو اختیار ہیں: یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ابوفلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرمایئے' کیونکہ

ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوا اذخر کے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۲۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۸ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۴۔۲۸۷۵ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا: محرم قمیص پہنے' نہ عمامہ' نہ شلوار' نہ ٹوپی' نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا' اگر اس کو نعلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو (اوپر سے) کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۶۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۱۲) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آل فلاں کا استثناء کر دیجئے' کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی' تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آل فلاں کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۰ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے' کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے)' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے' آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰۔۲۸۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۳' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۲۸۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۰۷ طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے باوجود بوسہ لے لیا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے' میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کر لو تو! (دارمی میں ہے:) میں نے کہا: تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا' آپ نے فرمایا: تو اس سے کیسے ہوگا؟

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۷۲۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مال دار لوگ تو اجر و ثواب لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار "سبحان الله" کہنا صدقہ ہے' ہر بار "الحمد لله" کہنا صدقہ ہے اور ہر بار "لا اله الا الله" کہنا صدقہ ہے' اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے' پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷۔ ۱۶۸)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر ہم نے "تبیان القرآن" ج ۳ ص ۴۷۸۔ ۴۸۲ میں بھی بحث کی ہے اور "شرح صحیح مسلم" ج ۳ ص ۲۶۸۔ ۲۷۸ میں بھی بحث کی ہے۔ ان دونوں مقامات کی ابحاث لائق مطالعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا○ بہت زبردست نے پھر اللہ نے استواء فرمایا○ اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے○ پھر وہ (اللہ' نبی سے) قریب ہوا' پھر زیادہ قریب ہوا○ تو وہ (نبی' اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار (قریب) ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ○ پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی○ (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا○ (النجم: ۵۔ ۱۱)

حضرت جبریل کی شدید قوت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل کو دوبار دیکھنا

النجم: ۵۔ ۶ میں فرمایا: سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا○ بہت زبردست نے۔ تمام مفسرین کی تصریح کے مطابق اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبریل امین کی شدت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھا لیا پھر ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے' حتیٰ کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پھر ان تمام بستیوں کو پلٹ کر زمین پر پھینک دیا اور ان کی شدت کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ ابلیس' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارض مقدسہ کی کسی گھاٹی میں کلام کر رہا ہے انہوں نے اپنے پر سے پھونک مار کر سرزمین ہند کے دور دراز پہاڑ پر پھینک دیا' اور ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ قوم ثمود جو بہت جسیم اور بہت طاقت ور تھی ان کی ایک چیخ سے وہ ہلاک ہو گئی اور یہ ان کی قوت تھی کہ وہ آسمان سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے اور پلک جھپکنے سے پہلے واپس آسمان پر پہنچ جاتے اور ان کی عقل کی عظمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی پر امین بنایا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۷۹۔ ۸۰)

اس کے بعد اللہ نے استواء فرمایا یعنی اپنی شان کے مطابق عرش پر جلوہ فرما ہوا' یہ حضرت حسن بصری کی تفسیر ہے۔
اور ربیع بن انس' فراء' سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک علم پہنچانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آسمان کے بلند مقام پر پہنچے اور پھر اپنی صورت میں قائم ہو گئے جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے' ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے ان سے ان کی اصل صورت میں دیکھنے کا سوال کیا تو انہوں نے آسمان کے کنارے کو بھر لیا اور دوسری بار اس وقت جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آسمان پر چڑھے اس وقت وہ افق اعلیٰ پر تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۴۷' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۷' کتاب العظمۃ ج ۲ ص ۷۹۱)

النجم: ۷ میں فرمایا: اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے۔

علامہ علی بن حبیب ماوردی متوفی ۴۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) سدی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر دیکھا۔

(۲) عکرمہ نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر دیکھا۔

اور ''افق اعلیٰ'' کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ ہے (۲) قتادہ نے کہا: اس سے مراد صبح کے طلوع ہونے کی جگہ ہے (۳) ابن زید نے کہا: اس سے مراد آسمان کے کناروں میں سے کوئی ایک کنارہ ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو اصل صورت میں دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے' ہر پر نے افق کو بھر لیا تھا اور ان سے موتی' یاقوت اور جواہر جھڑ رہے تھے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''دنا فتدلّٰی'' کی ضمیروں کے مرجع کے متعلق مفسرین کے اقوال

النجم: ۷ میں فرمایا: پھر وہ (اللہ نبی سے) قریب ہوا' پھر زیادہ قریب ہوا O

اس آیت میں ''دنا'' اور ''فتدلّٰی'' کے الفاظ ہیں' ''دنا'' کے معنیٰ ہیں: قریب ہوئے اور ''فتدلّٰی'' کے متعلق ابن قتیبہ نے کہا ہے: اس کا معنیٰ بھی ہے قریب ہوئے' کیونکہ ''تدلّٰی'' قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے اور الزجاج نے کہا: ''دنا'' کا معنیٰ ہے: قریب ہوئے اور ''فتدلّٰی'' کا معنیٰ ہے: پس زیادہ قریب ہوئے اور دوسرے ائمہ نے کہا: ''تدلّٰی'' کا اصل معنیٰ ہے: کسی چیز کے قریب نازل ہونا' پس اس کو قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

''دنا'' اور ''فتدلّٰی'' کی ضمیروں میں اختلاف ہے کہ کون کس کے قریب ہوا؟ علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: رب العزت عزوجل شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے' پھر زیادہ قریب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قرظی نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

حسن بصری اور قتادہ نے کہا: حضرت جبریل جب زمین سے افق اعلیٰ پر مستوی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل ہوئے۔

مجاہد نے کہا: حضرت جبریل اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے' پس وہ دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

علامہ ابن جوزی نے کہا: ان اقوال میں قول مختار مقاتل کا ہے کیونکہ اس کی تائید میں ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی حدیث ہے۔ (زاد المسیر ج۸ص ۶۵۔۶۶' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن جوزی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

ودنا الجبار رب العزة فتدلى حتى كان منه قاب قوسين او ادنى.

اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار قریب' بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ عزوجل کے قریب ہونے کے محمل کے متعلق محدثین اور مفسرین کی تصریحات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے اس حدیث سے اشکال کو زائل کیا ہے' قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو قریب ہونے کی اضافت کی گئی ہے اس سے زمان اور مکان اور جگہ کا قرب مراد نہیں ہے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور آپ کے شرف والے درجہ کو ظاہر کرنا مراد ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سے مانوس کرنا اور آپ کا اکرام کرنا مراد ہے' اور اس کی وہی تاویل کی جائے گی جو درج ذیل احادیث میں کی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے یعنی اترتا ہے' جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے استغفار کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۸)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل بدعت نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نازل ہونا اور اترنا جسم ہونے کا تقاضا کرتا ہے سو اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات تو قرآن مجید میں بھی ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ (الفجر: ۲۲)

آپ کا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صف بہ صف آ جائیں گے ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ. (البقرہ: ۲۱۰)

وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ خود اَبر کے سائبانوں میں آ جائے اور اس کے فرشتے آ جائیں۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ. (النحل: ۲۶) پس اللہ ان عمارتوں کی بنیادوں پر آیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی نسبت ہے اور آنے اور اترنے دونوں میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ آنا اور اترنا دونوں انتقال اور حرکت کا تقاضا کرتے ہیں جو جسم کے خواص میں سے ہے' پس ان آیات میں آنے کا وہ معنی کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وہ ہے متوجہ ہونا' اس طرح جس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف اترنے کی نسبت ہے' اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۳ص ۱۳۷۔۱۳۹ ملخصاً' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

اسی طرح یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں' اگر وہ میرا تنہائی میں ذکر کرے تو میں اس کا تنہائی میں ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میرا جماعت میں ذکر کرے تو میں جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میرے ایک بالشت قریب ہو تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے ایک ہاتھ قریب ہو تو میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(مسند احمد ج ۲ص ۴۱۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۵ص ۲۰۴۔۲۰۵' رقم الحدیث: ۹۳۵۱' طبع موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کہ ''ثم دنا'' سے مراد قرب معنوی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ اس کے نزدیک اپنے نبی علیہ السلام کا کتنا عظیم مرتبہ ہے اور ''تدلی'' کا معنیٰ زیادہ قرب کو طلب کرنا ہے اور ''قاب قوسین'' کا معنیٰ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لطیف محل عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی وضاحت کرنا' آپ کی دعا کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا۔

(فتح الباری ج ۱۵ص ۲۵۶ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جبار رب العزت کے قریب ہونے سے مراد قرب معنوی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ ہے اس کو ظاہر کرنا ہے' اور ''تدلی'' کا معنیٰ ہے: زیادہ قرب کو طلب کرنا اور ''قاب قوسین'' سے مراد آپ کی دعاؤں کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ص ۲۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی نے بھی اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور الماوردی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ''ثم دنا'' کی تفسیر میں فرمایا کہ رب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا اور ''فتدلی'' کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی طرف اپنے احکام نازل کیے۔

(النکت والعیون للماوردی ج ۵ص ۳۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت) (ارشاد الساری ج ۱۵ص ۵۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ''صحیح بخاری'' میں یہ حدیث مروی ہے: الجبار رب العزت قریب ہوا' پس زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ اللہ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے پس دو کمانوں کی مقدار ہو گئے۔

جعفر بن محمد نے کہا کہ آپ کو آپ کے رب نے خود سے قریب کیا حتیٰ کہ آپ اپنے رب سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے۔

اور جعفر بن محمد نے کہا: اللہ کے قریب کی کوئی حد نہیں ہے اور بندوں کا قرب محدود ہے۔ نیز انہوں نے کہا: کیا تم نے دیکھا کہ حضرت جبریل اللہ کے قرب سے کیسے حجاب میں تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے قریب ہوئے حتیٰ کہ آپ کے دل میں معرفت اور ایمان کو رکھا گیا' پھر آپ سکون قلب سے وہاں تک قریب ہوئے جہاں تک اللہ نے آپ کو قریب کیا اور آپ کے دل سے ہر قسم کا شک اور تردد زائل ہو گیا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے یا آپ کو اپنی طرف قریب کرنے کا معنی اس طرح نہیں ہے جو جگہ اور مسافت کا قرب ہو بلکہ جیسا کہ ہم نے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے اللہ کے قرب کی کوئی حد (تعریف) نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے عظیم مرتبہ' بلند درجہ' آپ کی معرفت کے انوار اور اللہ تعالیٰ کے غیب اور اس کی قدرت کے اسرار کے مشاہدہ کو ظاہر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے آپ سے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کو مانوس کیا جائے اور آپ کا اکرام کیا جائے۔

اور آپ اللہ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے زیادہ قریب ہوئے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی قرب اور لطیف محل عطا کیا' آپ کو واضح معرفت عطا کی اور محبت سے آپ کی دعاؤں کو قبول کیا اور آپ کے مطالبہ کو پورا کیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۵۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اپنے نزدیک بلند کیا اور ''تدلّی'' کا معنی یہ ہے کہ اس نے آپ کو بالکلیہ جانب قدس میں جذب کر لیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہونا کہتے ہیں۔

ہم نے جو ''دنا'' کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے یعنی اللہ آپ کے قریب ہوا' اس کی دلیل ''صحیح بخاری'' کی وہ حدیث ہے کہ جبار رب العزت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۰ ملخصاً' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

معظم صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ جو آپ کے قریب ہوا یا آپ اس کے قریب ہوئے اس سے قرب کا وہ معنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور آپ کی شان کے لائق ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

''فکان قاب قوسین'' کا معنی اور قریب ہونے والے کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف اور قول مختار کا تعین

النجم: ۸ میں فرمایا: تو وہ (نبی' اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار (قریب) ہو گئے' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اس آیت میں ہے: ''قاب قوسین'' ''قاب'' کا معنی ہے: مقدار اور ''قوسین'': ''قوس'' کا تثنیہ ہے' ''قوس'' کا معنی ہے: کمان اور اس میں تین مضاف محذوف ہیں اور اس کا معنی ہے: وہ دو کمانوں کی مقدار کی مسافت کی مثل قریب ہو گئے' یہ اس کا ظاہری معنی ہے اور اس سے مراد ہے: اللہ کا اپنے نبی کو انتہائی قرب عطا کرنا ہے اور اس سے قرب مسافت مراد نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۳۔۸۴ ملخصاً)

اوراس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ کون کس کے قریب ہوا؟ علامہ الماوردی التوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت جبریل امین اللہ عزوجل کے قریب ہوئے۔

(۲) محمد بن کعب نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے۔

(۳) حضرت جبریل امین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۹۱۱ ھ کا مختار یہ ہے کہ حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے (یعنی ان کا مختار تیسرا قول ہے)۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۹' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۶۔ ۷' روح البیان ج ۹ ص ۲۵۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے یا حضرت جبریل امین کے قریب ہوئے (ان کا مختار دوسرا قول ہے)۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے بھی دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ حسن بصری کی روایت ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ' علامہ عینی متوفی ۸۵۵ ھ' علامہ قسطلانی متوفی ۹۱۱ ھ اور قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ کا بھی یہی مختار ہے' جیسا کہ ان کی تصریحات گزر چکی ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین اور محدثین کا مختار دوسرا قول ہے۔

''قاب قوسین'' سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا معاملہ واحد ہے

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے کیونکہ دو سردار جب ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو وہ اپنی دونوں کمانوں کو ملاتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ہتھیار ایک ہیں' اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو وہ دونوں اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ اور رسول کا معاملہ واحد ہے' اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے' رسول اللہ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے' رسول اللہ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے' رسول کا حکم اللہ کا حکم ہے' رسول اللہ کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے' رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے' اور رسول اللہ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے' آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے اور آپ کا فعل اللہ کا فعل ہے' قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کا معاملہ واحد ہونے پر قرآن مجید کی آیات

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کر رہے تھے وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس آیت میں یہ صاف بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اور آپ سے خریدنا' اللہ سے بیعت کرنا اور اللہ سے خریدنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ صحابہ کے ہاتھوں پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۳) یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ. (الفتح: ۱۰) — اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے' یعنی آپ کی قوت' عطا اور مدد اللہ تعالیٰ کی قوت' عطاء اور مدد ہے۔

(۴) وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ. (الانفال: ۱۷) — آپ نے (حقیقۃً) کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے (ظاہراً) کنکریاں ماری تھیں' لیکن اللہ نے کنکریاں ماری تھیں۔

اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ آپ کا فعل اللہ کا فعل ہے

ستر نقباء (انصار) نے مدینہ سے آ کر مکہ کی گھاٹی میں اپنی جانوں اور مالوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۵) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ. (التوبہ: ۱۱۱) — بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا' اللہ سبحانہٗ کا خریدنا ہے۔

منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا ایمان ظاہر کر کے اپنے زعم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۶) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ. (البقرہ: ۹) — وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا تو غیر متصور ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ عالم الغیب ہے اور منافق بھی اللہ کو مانتے تھے' اس لیے اس کا معنیٰ ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں' پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے۔

(۷) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. (الاحزاب: ۵۷) — بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا تو محال ہے' اس لیے اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے' لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا اس آیت میں الگ سے صراحۃً ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز پہلے سے ضمناً سمجھ آ رہی تھی اس کو صراحۃً ذکر کر کے مؤکد کیا گیا ہے۔ اصطلاح میں اس کو "تصریح بما علم ضمناً" کہتے ہیں۔

بعض نومسلم صحابہ نے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنے کا مشورہ مال دنیا کی طمع میں دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو ان کی آخرت کے اعتبار سے قبول کیا تھا کہ ان میں سے بعض قیدی خود ایمان لے آئیں گے اور بعض کی اولاد اسلام قبول کرلے گی اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے' سو بعض نومسلم صحابہ کی رائے مال دنیا کی طمع سے تھی اور آپ کا اس رائے کو قبول کرنا قیدیوں کی آخرت کی وجہ سے تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۸) تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ. تم فدیہ سے متاع دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور اللہ آخرت کا ارادہ فرما رہا تھا۔ (الانفال: ۶۷)

آخرت کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آخرت کا ارادہ کر رہا تھا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہے۔

(۹) وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ. اور اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم اس کو راضی کرو۔ (التوبہ: ۶۲)

اس آیت میں اللہ اور رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور "یرضوہ" میں ضمیر واحد ذکر کی ہے اور اس سے اس پر متنبہ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے اور رسول کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے۔

(۱۰) وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ. (التوبہ: ۷۴) ان منافقوں کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں بھی اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور "من فضلہ" میں ضمیر واحد کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فضل واحد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل کرنا اللہ ہی کا فضل فرمانا ہے۔

(۱۱) لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (الحجرات: ۱) اللہ اور رسول پر سبقت نہ کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو۔

اللہ پر سبقت کرنا اور اس سے آگے بڑھنا محال ہے اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور منع اس کام سے کیا جاتا ہے جس کا کرنا متصور ہو اس لیے اللہ پر سبقت کرنے سے مراد ہے: اس کے رسول پر سبقت کرنا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ رسول اللہ سے سبقت کرنا اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنا ہے پھر تاکید کے لیے صراحۃً فرمایا کہ اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

ہم نے یہ گیارہ آیات پیش کی ہیں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اور اسی چیز کو "قاب قوسین او ادنی" کی مثال سے واضح کیا ہے کہ دونوں کمانیں انتہائی قریب ہیں جس طرح دو قبیلوں کے سردار اپنی کمانوں کو ملا کر یہ بتاتے ہیں کہ ایک سے صلح دوسرے سے صلح ہے اور ایک سے جنگ دوسرے سے جنگ ہے اور ایک سے خیانت دوسرے سے خیانت ہے اور ایک سے معاہدہ دوسرے سے معاہدہ ہے اور ایک سے عہد شکنی دوسرے سے عہد شکنی ہے کیونکہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح اللہ تعالیٰ سے صلح کرنا ہے اور آپ سے جنگ کرنا اللہ سے جنگ کرنا ہے آپ سے خیانت کرنا اللہ سے خیانت کرنا ہے آپ سے معاہدہ کرنا اللہ سے معاہدہ کرنا ہے اور آپ سے عہد شکنی کرنا اللہ سے عہد شکنی کرنا ہے۔

اور "قاب قوسین" سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اس قدر قریب ہو گئے کہ دونوں میں کوئی فاصلہ نہ رہا کیونکہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے اور آپ بے شمار کمالات کے باوجود اللہ کے عبد اور اس کے بندے ہیں اس لیے "قاب قوسین" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوس اور اللہ عزوجل کی قوس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول میں اس قدر قرب ہے کہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے

"فکان قاب قوسین او ادنی" میں جو اللہ اور اس کے رسول کا انتہائی قرب بتایا ہے ہم نے اس کو درج ذیل مثال سے واضح کیا ہے۔

''فکان قاب قوسین او ادنیٰ'' کی ایک تمثیل سے وضاحت

''قاب قوسین'' کی صورت:

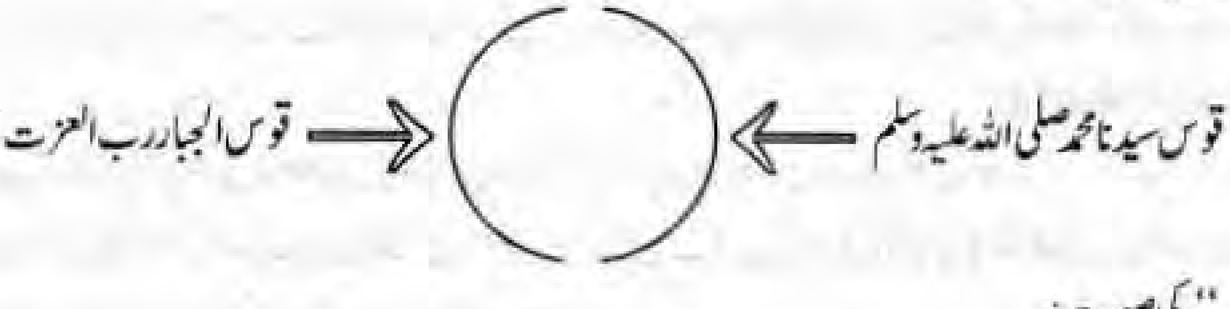

''او ادنی'' کی صورت:

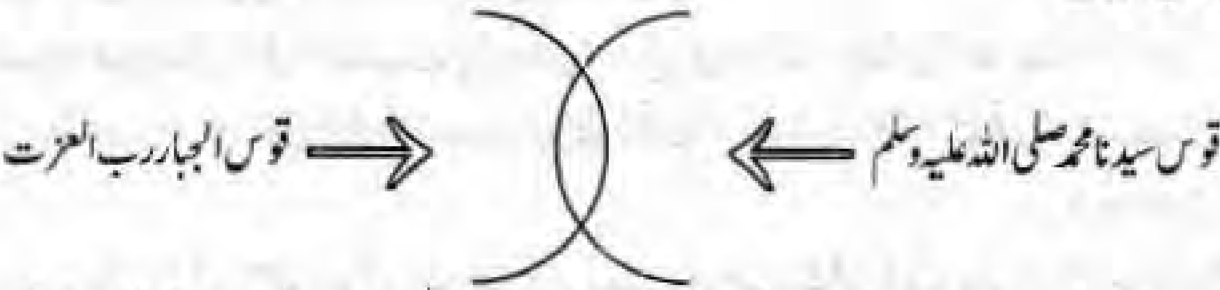

مفسرین اور محدثین نے اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہو گئے جیسے ایک کمان کے دوسرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں' بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اصل میں عبارت یہ ہے کہ''کقابی قوس ''لیکن اس معنی میں کافی تکلف کا دخل ہے''قاب'' کا معنی کمان کا سرا بھی ہوتا ہے۔

اس آیت کا یہ محمل نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فاصلہ نہ رہا' یا اللہ اور رسول گڈمڈ ہو گئے جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں' بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوس کی تجلیات رب العزت کی قوس کے جلووں میں گم ہو گئیں اور آپ فنافی الذات کے مرتبہ سے واصل ہو گئے' جیسا کہ علامہ آلوسی نے بعض اللہ والوں سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ص ۸۰) یا اس کا محمل آپ کا اللہ سے انتہائی قرب اور آپ کے مرتبہ کی تکریم اور آپ کے درجہ کی تعظیم کو بیان کرنا ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے۔ (الشفاء ج اص ۱۵۹) یا اس کا محمل یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ کے ساتھ اور آپ کے ساتھ معاملہ واحد ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

''فاوحٰی الی عبدہ ما اوحی'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

النجم: ۱۰ میں فرمایا: پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) شب معراج اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالمشافہ اور بلاواسطہ وحی کی۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ وحی کی جو ان کی طرف اللہ نے وحی کی تھی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی طرف وحی کی جو بھی وحی کی۔

(زاد المسیر ج ۸ص ۶۷' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے موخر الذکر دو قول بیان کیے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ص ۳۹۳)

امام رازی المتوفی ۶۰۶ ھ نے بھی موخر الذکر دو قول بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۱)
قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے صرف دوسرا قول ذکر کیا ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۷)
علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے تینوں قول ذکر کیے ہیں اور علامہ ابن جوزی کی طرح پہلے قول کو مقدم رکھا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۵)
علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ ھ نے صرف دوسرا قول ذکر کیا ہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۲۵۷)
حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل نے آپ کی طرف وحی کی یا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے واسطے سے آپ کی طرف وحی کی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۴)
علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ نے پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔ (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۱۱)
علامہ الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ نے بھی پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔
(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۰۲)
علامہ ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے بھی پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۶۲)
ان اقوال میں ہمارا مختار پہلا قول ہے اور علامہ آلوسی کا بھی یہی مختار ہے' وہ لکھتے ہیں: علامہ طیبی نے کہا کہ اس آیت کو اس پر محمول کرنا کہ حضرت جبریل نے اللہ کے مقدس بندے پر وحی کی' اس سے ذوقِ سلیم انکار کرتا ہے کیونکہ یہ وحی بالواسطہ ہے اور دوسری وحی بلاواسطہ ہے جو تعظیم اور تکریم کی جہت سے ہے اور اس وحی سے آپ کو ایک مقام سے ترقی حاصل ہوگی۔
امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب اللہ کے حبیب' اللہ سے غایت قرب میں پہنچے تو آپ پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ازالہ کے لیے آپ پر انتہائی لطف و کرم فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:
فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ؕ (النجم: ۱۰) پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی O
گویا جو ہونا تھا وہ ہوا اور حبیب نے اپنے حبیب سے وہ کہا جو ایک حبیب دوسرے حبیب سے کہتا ہے اور آپ سے وہ راز کی باتیں کیں جو راز ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے بس دونوں نے اس راز کو مخفی رکھا اور ان کے راز و نیاز پر کوئی بھی مطلع نہیں ہوا۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

شبِ معراج آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا قلب سے؟ اس مسئلہ میں متعدد اقوال اور قولِ مختار

النجم: ۱۱ میں فرمایا: آپ کے قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا O
علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس آیت میں "الفؤاد" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دل اور دل کی تفسیر میں دو قول ہیں:
(۱) دل سے مراد ہے: صاحبِ دل' دل والا اور جسم کو دل سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ دل جسم کا قطب ہے اور اسی پر مدارِ حیات ہے۔
(۲) اس سے مراد خود دل ہے (یعنی ذہن اور دماغ) کیونکہ وہی تمام افکار' نظریات اور معتقدات کا محل ہے۔
اور قلب کی تکذیب نہ کرنے کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) آنکھوں نے جو کچھ دیکھا دماغ نے اس کے خلاف وہم پیدا نہیں کیا' جیسا کہ انسان دور سے ریگستان میں دوپہر کو چمکتی ہوئی ریت کو دیکھتا ہے تو دماغ میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ وہ محض سراب ہے۔
(۲) آنکھوں نے جو کچھ دیکھا دماغ نے اس کا انکار نہیں کیا۔
اور آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی تفسیر میں پانچ قول ہیں:
(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو بیداری میں اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔
(۲) سدی نے کہا: آپ نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا جیسا کہ ''سنن ترمذی'' میں یہ حدیث ہے:
''انی نعست فاستثقلت نوما فرایت ربی فی احسن صورۃ. الحدیث'' مجھے نیند آئی' پھر گہری نیند آ گئی' پھر میں نے اپنے رب کو بہت حسین صورت میں دیکھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳-۳۲۳۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸)
(۳) محمد بن کعب نے کہا: ہم نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○''۔ (النجم: ۱۱)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔
(جامع البیان جز ۲۷ ص ۶۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)
(۴) حسن بصری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے جلال کو دیکھا اور ابو العالیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے دریا کو دیکھا اور میں نے دریا کے پار حجاب کو دیکھا اور میں نے حجاب کے پار نور کو دیکھا' میں نے اس کے سوا نہیں دیکھا۔
(۵) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو بار دیکھا۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضرت جبریل کو دیکھا' ان کے چھ سو پر تھے اور ان کے پروں سے جواہر' موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۱۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۴۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۵۶۵)
علامہ ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اس کی تفسیر میں صرف پہلا اور پانچواں قول نقل کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۶۸)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
آپ نے جو دیکھا اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) آپ نے اپنے رب کو دیکھا (۲) آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا (۳) آپ نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں۔
امام رازی اس آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں:
پھر نصوص اس پر وارد ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے' پس آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھ دی گئی تھی یا آپ نے اپنے رب کو اپنی بصر سے دیکھا اور آپ کا دل آپ کی بصر میں رکھ دیا گیا تھا اور یہ کیوں نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ بندہ کا دیکھنا اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے' بندہ کی قدرت سے نہیں ہوتا' پس جب اللہ تعالیٰ بصر کے ذریعہ سے کسی چیز کا علم پیدا کرتا ہے تو اس کو رؤیت کہتے ہیں اور جب وہ کسی چیز کا علم دل کے ذریعہ سے پیدا کرتا ہے تو

اس کو معرفت کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ کسی چیز کے علم کے لیے بصر میں مدرک پیدا کر دے جیسے وہ اس پر قادر ہے کہ کسی چیز کے علم کے لیے وہ قلب میں مدرک پیدا کر دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے اور ان کا اختلاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھنا ممکن ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۱۔۲۳۲ ملخصا وموضحا 'داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر کو آپ کے قلب میں رکھ دیا' حتیٰ کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لیا اور اس کو رؤیت قرار دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رؤیت بصر سے حاصل ہوئی اور پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور دوسرا قول حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک اور جماعت کا ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم خلیل ہوں' حضرت موسیٰ کلیم ہوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی رؤیت حاصل ہو؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا' وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸)

اور دوسری روایت میں ہے: میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۶۔۸۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مسئلہ میں ہمارا مختار یہ ہے کہ آپ نے شب معراج اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے دل نے آپ کی آنکھوں سے دیکھنے کی تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق کی۔ اس پر دلائل ہم ان شاء اللہ اس بحث کے آخر میں النجم: ۱۸ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا O بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک O اس کے پاس جنت الماویٰ ہے O جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا O آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی O بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا O (النجم: ۱۲۔۱۸)

النجم: ۱۲ کا معنیٰ ہے: کیا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات میں جھگڑ رہے ہو کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا آپ کے اس قول میں شک کر رہے ہو؟

النجم: ۱۳ میں فرمایا: بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O

شب معراج جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے تھے تو آپ نے دوسری بار اللہ تعالیٰ کو دیکھا' کیونکہ جب آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے ان میں تخفیف کرانے کے لیے بار بار اپنے رب کے پاس جا رہے تھے اور واپس آ رہے تھے۔

سدرۃ المنتہیٰ کی تعریف' اس کے متعلق احادیث اور اس کی وجہ تسمیہ میں اقوال

النجم: ۱۴ میں فرمایا: سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک O

"سدرۃ" بیری کا ایک درخت ہے اور اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور اس کا تنا ساتویں آسمان میں ہے اور سدرہ ساتویں آسمان اور اس سے اوپر والوں کے درمیان برزخ ہے' نیچے سے جو چیزیں اوپر چڑھتی ہیں وہ سدرہ سے اوپر نہیں جا سکتیں' اوپر سے جو چیزیں نیچے اترتی ہیں وہ سدرہ سے نیچے نہیں جا سکتیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جاتے ہوئے سدرہ سے اوپر گئے اور واپسی میں سدرہ سے نیچے بھی آئے' اس سے معلوم ہوا کہ ہر مخلوق کی ایک حد ہے اور تمام مخلوق میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے' آپ جب نیچے سے اوپر گئے تو نیچے والوں کی حد توڑ دی اور جب اوپر سے نیچے آئے تو اوپر والوں کی حد توڑ دی۔ علامہ بوصیری نے کہا:

فان رسول اللہ لیس لہ حد — فیعرب عنہ ناطق بفم

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی کوئی ایسی حد نہیں ہے' جس کو کوئی بتانے والا اپنے منہ سے بتا سکے

(الزبدۃ العمدۃ ص ۵۹' جمعیت علماء سکندریہ' سندھ' خیر پور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے اوپر کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تھی جس پر مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر بیر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اور اس کے تنے سے دو ظاہری دریا نکل رہے تھے اور دو باطنی' میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کیسے دریا ہیں؟ انہوں نے کہا: دو باطنی دریا تو جنت میں ہیں اور دو ظاہری دریا فرات اور دجلہ ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۹)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سدرہ کی ایک شاخ کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا یا ایک سو سوار اس کے سائے میں ہوں گے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۱)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی نے کہا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ میں نو اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نیچے کی تمام چیزوں کی انتہاء اس درخت پر ہوتی ہے اور اوپر کی تمام چیزوں کی انتہاء بھی اس درخت پر ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمام نبیوں کے علوم کی انتہاء سدرہ پر ہو جاتی ہے اور اس کے پار کی چیزوں کا علم ان سے غائب ہے۔

(۳) ضحاک نے کہا کہ اعمال کے اوپر چڑھنے کی انتہاء سدرہ پر ہوتی ہے اور یہاں سے ان کو وصول کر لیا جاتا ہے۔

(۴) کعب نے کہا کہ ملائکہ اور عام انبیاء کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۵) ربیع بن انس نے کہا کہ ارواح شہداء کی انتہاء سدرہ پر ہے (اس میں یہ اشکال ہے کہ شہداء کی روحیں جنت کی کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(۶) قتادہ نے کہا کہ ارواح مؤمنین کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے منہاج کے موافق چلنے والے ہر شخص کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۸) کعب کا دوسرا قول ہے کہ اس درخت کی بلند شاخوں کی انتہاء حاملین عرش کے سروں کے اوپر ہے اور وہیں مخلوق کے علوم کی انتہاء ہوتی ہے' جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس درخت کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور اس کا تنا ساتویں آسمان میں ہے۔

(۹) جو سدرہ تک پہنچ گیا وہ اپنے کمالات کی انتہاء تک پہنچ گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''جنت الماویٰ'' کی تعریف میں متعدد اقوال

النجم: ۱۵ میں فرمایا: اس کے پاس جنت الماویٰ ہے O

الماویٰ کا معنی ہے: رجوع کرنے کی جگہ' پناہ حاصل کرنے کی جگہ' ٹھکانا۔

جنت الماویٰ کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: یہ وہ جنت ہے' جس میں متقین جائیں گے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ جنت ہے' جس میں ارواح شہداء ٹھہرتی ہیں۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے' جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے حتیٰ کہ آپ وہاں سے زمین پر آئے اور یہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے' جس میں تمام مؤمنین کی ارواح ٹھہرتی ہیں اور اس کو جنت الماویٰ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ارواح مؤمنین کا مسکن ہے اور یہ عرش کے نیچے ہے' پس وہ روحیں جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور اس کی خوشبو سے شاد کام ہوتی ہیں۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت حضرت جبریل اور میکائیل کا مسکن ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۹۰)

سدرہ کو ڈھانپنے والی چیزوں میں متعدد اقوال

النجم: ۱۶ میں فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا O

سدرہ کو کس چیز نے ڈھانپا؟ اس میں بھی حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم' ان کے اصحاب اور ضحاک نے کہا: وہ سونے سے بنے ہوئے پروانے ہیں' جیسا کہ ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرہ پر پہنچے تو اس کو سونے کے بنے ہوئے پروانوں نے ڈھانپ رکھا تھا' وہاں آپ کو تین چیزیں دی گئیں: آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں' سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں اور آپ کی امت میں سے ہر اس شخص کو بخش دیا گیا جس نے شرک نہیں کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳)

(۲) حسن بصری نے کہا: سدرہ کو رب العٰلمین کے نور نے ڈھانپا پس وہ روشن ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۷)

(۳) القشیری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس چیز نے سدرہ کو ڈھانپ لیا؟ آپ نے فرمایا: سونے کے پروانوں نے' یعنی سونے کی دھات سے بنے ہوئے پروانوں نے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ سدرہ کو اللہ کے نور نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ اب کوئی اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۹۰)

(۴) ربیع بن انس نے کہا: سدرہ کو رب العٰلمین کے نور نے ڈھانپ لیا اور اس پر فرشتے ہیں جیسے پرندے درخت پر ہوتے

ہیں اور ابن زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ سدرہ کو سونے سے بنے ہوئے پروانوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور میں نے دیکھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی O''۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۸)

(۵) مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد سبز رنگ کا تخت ہے' ان سے دوسری روایت ہے کہ رفرف کو سبز پرندوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سدرہ کو اللہ تعالیٰ کے امر نے ڈھانپ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲)

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ملکوت کے دلائل نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے لیے سدرہ کو کیوں خاص کیا گیا' کسی اور درخت کو کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سدرہ میں تین اوصاف ہیں: (۱) اس کا سایہ بہت لمبا ہے (۲) اس کا ذائقہ بہت لذیذ ہے (۳) اس کی خوشبو بہت نفیس ہے' پس یہ ایمان کے مشابہ ہے جو قول' عمل اور نیت کا جامع ہے' اس کا سایہ بہ منزلہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ ہیں' اس کا سایہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ کی نیت ہے اور اس کی خوشبو ایمان لانے کے بعد اس کا قول اور اظہار ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۶)

امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیری کے درخت کو کاٹ ڈالا' اللہ تعالیٰ اس کے سر کو جہنم میں نیچے کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۹)

امام ابوداؤد نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص بیری کے اس درخت کو جنگل میں بے فائدہ اور ظلماً کاٹ دے گا جس کے سائے میں مسافر اور جانور بیٹھتے ہیں' اللہ تعالیٰ دوزخ میں اس کے سر کو نیچے کر دے گا (سوچئے! جب عام بیری کے درخت کی یہ عظمت ہے تو سدرۃ المنتہیٰ کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔ سعیدی غفرلہٗ)

شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر ایک دلیل

النجم: ۱۷ میں فرمایا: آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی O

''مازاغ البصر'' کا معنی ہے: آپ کی نظر منحرف نہیں ہوئی' ابن بحر نے کہا: آپ کی نظر کم نہیں ہوئی' ''وماطغٰی'' کا معنی ہے: آپ کی نظر حق سے متجاوز نہیں ہوئی' آپ کی نظر حد سے بڑھی نہیں' یعنی آپ کی نظر ادراک کرنے سے عاجز نہیں ہوئی اور نہ اس نے تخیل سے واقع کے خلاف زیادہ وہم کیا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دائیں بائیں نہیں ہوئی اور نہ زیادہ ہوئی اور نہ متجاوز ہوئی۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۷۰۔۷۱)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا:

ظہورِ نور کے وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اِدھر اُدھر ہٹی' نہ نور سے متجاوز ہوئی' اس کے برخلاف جب کوئی شخص سورج کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر بے اختیار اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے اور آپ نے اتنے عظیم نور کو دیکھا اور آپ کی نظر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قونوی حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سر کی آنکھ سے اور دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جنت اور اس کی زیب و زینت کی طرف مڑی اور نہ دوزخ اور اس کے ہولناک عذاب کی طرف گئی' بلکہ آپ صرف اللہ عزوجل کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہے۔

سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شب معراج اپنی ذات میں الوہیت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوئی نہ اس رات کی عظیم نشانیوں کی طرف ملتفت ہوئی' بلکہ آپ صرف اپنے رب کی ذات کا مشاہدہ کرتے رہے اور اپنے رب کی صفات کا مطالعہ کرتے رہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ اگر آپ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

ما زاغ قلب محمد وما طغی: محمد کا قلب نہ بہکا نہ کج ہوا۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کی بصر نہ بہکی اور نہ کج ہوئی اور بصر سر کی آنکھ کو کہتے ہیں' اس سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں اپنے سر کی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھا۔

البقلی رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ نے پہلی بار اپنے رب کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○" (النجم: ۱۷) آپ کی بصر ادھر ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے سے متجاوز ہوئی بلکہ اسی کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی اور جب آپ نے دوسری بار واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت' دوزخ اور دیگر عجیب و غریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اسی کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر لگاتار دیکھتے رہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۲۹۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جن نشانیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج دیکھا

النجم: ۱۸ میں فرمایا: بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا ○

اپنے رب کی نشانیوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے دیکھا کہ سونے سے بنے ہوئے پروانوں نے سدرہ کو ڈھانپ لیا تھا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کا دوسرا قول ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا کہ انہوں نے اپنے پروں سے افق کو گھیر لیا تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۷)

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تیسرا قول ہے کہ آپ نے جنت کے رفرف (سبز رنگ کے تخت) کو دیکھا۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۷۱)

علامہ اسماعیل بن محمد حنفی قونوی متوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

آپ نے شب معراج ان علامات اور دلائل کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی دوسری بلند صفات پر دلالت کرتی ہیں اور جن کو دیکھ کر دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے' یعنی عالم ملک اور شہادت اور عالم الغیب اور جبروت۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

شبِ معراج کی نشانیاں دیکھنے سے امام رازی کا یہ استدلال کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پر معراج کے قصہ کو ختم فرمایا اور اس قصہ کی ابتداء اس آیت سے کی تھی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ. (بنی اسرائیل: ۱)

سبحان ہے وہ ذات جو اپنے مقدس بندے کو راتوں رات رات کے ایک لمحہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہوتا تو یہی سب سے بڑی نشانی ہوتی' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا یہ سب سے بڑی نشانی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث میں ہے: حضرت جبریل سے بھی بڑے فرشتے ہیں' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس رات آپ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا اور حضرت جبریل بھی ان بڑی نشانیوں میں داخل ہیں اگرچہ وہ سب سے بڑی نشانی نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے استدلال پر علامہ اسماعیل حقی کا تبصرہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ فرماتے ہیں:

فقیر یہ کہتا ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مشتمل ہے جیسا کہ شیخ کبیر رضی اللہ عنہ نے ''الفکوک'' میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا صرف اس وقت مشکل ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے مظاہر اور اضافات سے صرفِ نظر کر کے دیکھا جائے لیکن مظاہر میں اور حجاباتِ مراتب میں اس کو دیکھنا ممکن ہے' جیسے آفتاب کو بالمشافہ دیکھنا مشکل ہے لیکن اس کو رقیق بادل کی اوٹ سے دیکھنا ممکن اور آسان ہے (ان کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دکھانا' اللہ تعالیٰ کو دکھانے پر مشتمل ہے' سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیات ملکوتیہ آیات ملکیہ پر فائق ہیں (یعنی اس کی صفات فرشتوں سے بلند ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تمام مشاہد دکھائے تاکہ تمام مراتب اور مشاہد میں آپ کا مشاہدہ مکمل ہو جائے اور یہ محال ہے کہ ایک کریم دوسرے کریم کی دعوت دے اور ایک حبیب دوسرے حبیب کو اپنے محل میں بلائے اور خود اپنے حبیب سے چھپ جائے اور اس کو اپنا چہرہ نہ دکھائے۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۷۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام رازی کے استدلال پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ آیت کا معنی ہے: نشانی اور دلیل' اور جس طرح ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات خود بھی اپنی ذات اور صفات پر دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات میں خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے داخل ہونے سے کیا چیز مانع ہے؟ وہ خود اپنی ذات پر سب سے بڑی نشانی ہے اور سب سے قوی دلیل ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اپنی نبوت کو پیش کیا تو یہ سب بغیر کسی دلیل اور معجزے کے آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے کیونکہ آپ کی نبوت پر سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذاتِ مقدسہ اور ان کے درمیان مکہ میں گزاری ہوئی چالیس سالہ حیات تھی' قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کافروں سے منکروں سے کہیے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس:۱۶)

آپ کہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر قرآن کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی خبر دیتا' بے شک میں تم میں اس (دعویٰ نبوت) سے پہلے عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں پس کیا تم عقل نہیں رکھتے (کہ میری گزاری ہوئی پاکیزہ زندگی میں میری نبوت پر استدلال کر سکو) ۝

سو جس طرح طلوعِ آفتاب وجودِ آفتاب پر دلیل ہے اور آپ کی ذات اور آپ کی زندگی آپ کی نبوت پر دلیل ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات خود اس کی ذات اور صفات پر دلیل ہیں' بلکہ سب سے قوی دلیل ہیں اور سب سے عظیم آیت ہیں' اور آپ کے رب کی آیتوں میں سب سے عظیم اور سب سے بڑی آیت خود اس کی ذات ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (النجم:۱۸)

بے شک (اس نبی) نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا ۝

"الکبریٰ" واحد مؤنث اسم تفضیل ہے' اور جس طرح "اکبر" کا معنی ہے: سب سے بڑا' اسی طرح "کبریٰ" کا معنی ہے: سب سے بڑی' یعنی سب سے بڑی آیت اور سب سے بڑی نشانی اور لاریب وہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی آیت "کبریٰ" یعنی سب سے بڑی نشانی کو دیکھا اور یہ معنی اس کو مستلزم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے رب کو دیکھا' اللہ امام رازی پر رحمتیں نازل فرمائے' نجانے ان ایسے نکتہ شناس اور ژرف بین پر یہ نکتہ کیسے مخفی رہا؟

اللہ تعالیٰ نے صراحۃً فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ . (الفرقان:۴۵)

کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔

اور فرمایا: "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝" (النجم:۱۷) یعنی اپنے رب کو دیکھتے وقت آپ کی نظر ادھر ادھر ہٹی نہ اپنے رب کی رؤیت سے متجاوز ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۸)

دیدارِ الٰہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قدر ثقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ . (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی دہشت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

تو آپ کے سینہ بے کینہ کی عظمت کا کیا کہنا جس پر قرآن کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس کی صحت و سالمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

اور جب موسیٰ وقت مقرر پر ہمارے پاس آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف نظر کروں' (اللہ نے) فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے! لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے' پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی تجلی کو نہ پہاڑ سہار سکا' نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت کر سکے تو ان کی آنکھوں کی ہمت کا کیا کہنا جنہوں نے اس کے جلووں کو اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی اور فرمایا: " مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ " (النجم: ۱۷)۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک جلوہ صفات تو عین ذات مے نگری و در تبسمی

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

ان کے قلب پر آفرین ہو کہ جس کلام کے نزول کو پہاڑ سہار نہیں سکتا وہ پورا قرآن آپ پر نازل ہوا اور آپ کی بصارت پر مرحبا ہو کہ جس کے جلووں کو' کوئی برداشت نہیں کر سکتا اس ذات کو آپ نے بے خوف وخطر دیکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ (البقرہ: ۲۶۰)

اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چار مردہ پرندے زندہ کر کے دکھا دیا' پھر کیا وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا اور کہا: " رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ " (الاعراف: ۱۴۳) اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف نظر کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا سوال کیوں پورا نہیں کیا اور انہیں اپنی ذات کیوں نہیں دکھائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفت صدق کے مظہر ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء کو دیکھنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت احیاء (زندہ کرنے کی صفت) دکھا دی' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے مظہر ہیں اگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو دیکھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو وہ صفت دکھا دیتا' لیکن انہوں نے صفت کا مظہر ہو کر ذات کو دیکھنے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ذات نہیں دکھائی اور فرمایا: تم ہماری ذات کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے' تم میں وہ حوصلہ اور وہ قوت برداشت نہیں ہے کہ ہماری ذات کے جلووں کو سہار سکو' ہماری ذات کو تو صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو ہماری ذات کا مظہر ہو اور ہماری ذات کا مظہر تو اس پوری کائنات میں صرف ایک ہی ہے اور وہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں تھی' اور یہ حوصلہ نہیں تھا اور وہ اس کی ذات کے مظہر نہیں تھے' لیکن اللہ تعالیٰ ان میں یہ قوت پیدا تو کر سکتا تھا اور ان کو اپنی ذات کا مظہر بنا تو سکتا تھا' اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ چیز اس کی قدرت میں تو تھی لیکن اس کی حکمت میں نہیں تھی کیونکہ اس کی صفات تو بہت ہیں اس لیے اس کی صفات کے مظہر تو بہت ہو سکتے ہیں' ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس کی صفات کے مظہر ہو سکتے ہیں لیکن اس کی ذات واحد ہے اس لیے اس کی ذات کا مظہر بھی واحد ہوگا۔

مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ دنیا میں یہ آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی ذات کو نہیں دیکھا جا سکتا اور جنت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے' کیونکہ جنت میں مسلمانوں کے لیے خلود و دوام اور بقاء ہوگی' اب مسلمان بھی باقی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی باقی ہے اور باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھا جا سکتا ہے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو جاگتے میں دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ ساری کائنات کی آنکھیں فنا کے لیے ہیں اور سرکار کی آنکھیں بقاء کے لیے ہیں۔

جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی.... آنکھوں سے دیکھا

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے' میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

(الانعام: ۱۰۳)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اس وقت ہوگا جب وہ اپنے اس نور سے تجلی فرمائے گا جو اس کا خاص نور ہے (یعنی غیر متناہی نور) آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے (ایک بار رب کے پاس جاتے ہوئے اور ایک بار آتے ہوئے)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۶۱۹)

طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: یہ اس وقت ہوگا جب وہ اس کیفیت کے ساتھ تجلی فرمائے گا جس کے سامنے کوئی بصر قائم نہیں رہ سکتی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۶۱۹)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف نظر سے دیکھا۔ عکرمہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نظر سے دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر سے دیکھنے کے ساتھ خاص کیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۹۴' مکتبۃ المعارف' ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۹۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس کی سند میں حفص بن عمر میمون ضعیف راوی ہے' لیکن فضائل اور مناقب میں ضعیف الاسانید روایات معتبر ہوتی ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی آیات اور "صحیح مسلم" اور "سنن ترمذی" کی احادیث ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے جس نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۲)

عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت کی ہوتی تو میں آپ سے ضرور سوال کرتا' حضرت ابوذر نے کہا: تم کس چیز کے متعلق سوال کرتے؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر نے کہا: میں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۸ الرقم المسلسل ۴۴۲)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے ایک مرتبہ آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل سے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۵۶۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام کا اس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگتے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے موافقین صحابہ کا یہ موقف ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن مسعود اور ان کے موافقین کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا' البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ان سب کے نزدیک جائز ہے اور معتزلہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ ہم پہلے معتزلہ کے دلائل ذکر کرکے ان کا رد کریں گے پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دلائل کا جواب ذکر کریں گے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے' وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رؤیت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رؤیت صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین کے لیے یہ رؤیت واقع ہوگی' میدان محشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رؤیت کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ اور دیگر منکرین رؤیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جہت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کردو کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مخالف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے' نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رؤیت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے' نہ ہر ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے' نہ ہر ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے' سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے

بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا' اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام اور جملہ مؤمنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رؤیت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ: ۵۵)

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے○

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو ازراہ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رؤیت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے: امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا: وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا: میں ٹیک لگائے ہوئے تھا' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ (التکویر: ۲۳)
اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا○

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ (النجم: ۱۳)
اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا○

حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اس امت میں وہ سب سے پہلی خاتون ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا: اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا' میں نے اس صورت پر ان کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳)
آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (الشوریٰ: ۵۱)
اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے' پہنچا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۲-۴۸۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹' السنن

الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے' لیکن وہ آخرت میں رؤیت باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں' نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً ادراک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامہ: ۲۲۔۲۳)　کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ○

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۵)　بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے ○

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حرمان و یاس ہو گی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں' کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو' تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہو گی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ (الانعام: ۱۰۳)　آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو' کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو' مثلاً ہوا' خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا' خوشبو اور ہوا کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں' یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ (الاعراف: ۱۴۳)　موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حٰم السجدۃ: ۳۱)　اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے ○

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا' سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴۔۳۳۳۔۷۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۲۱۱ طبع جدید' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸ طبع قدیم)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۚ (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے' وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پھر حجاب کھول دیا جائے گا' آپ نے فرمایا: جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲۔۳۳۳ طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں' اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہوگا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ۝ (القیامہ: ۲۲۔۲۳)

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' سونے کا ہے اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۸۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۷۲۸ طبع جدید' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۱۔۴۱۶ طبع قدیم' المستدرک ج ۱ ص ۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ "صحیح مسلم" کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابوہریرہ' مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود' سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رؤیت کے ساتھ خاص کیے گئے' حضرت ابوذر' کعب' حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے' مشائخ کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے' لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً جائز ہے' عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رؤیت کا سوال کرنا ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم ج ۱ ص ۴۰۱-۴۰۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: ہم بنوہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے اور دیدار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو؟ پھر حضرت ابی بن کعب نے بہت بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر! حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رؤیت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابوعمر الطلمنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

وہ بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انس' حضرت ابن عباس' عکرمہ' ربیع اور حسن بصری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوالعالیہ' قرظی اور ربیع بن انس کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبدالبر

نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جاسکتا اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی جائیں گی تو پھر باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا: یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے' اتنی قدرت عطا فرمادے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممتنع نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷ ص ۵۱۔۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رؤیت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ "صحیح مسلم" کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا مختار یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں' لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رؤیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو؟ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! ایک معتمد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! دیکھا ہے' اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے: میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا' بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رؤیت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں ظنی دلائل کافی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے ظن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے' جس کی دوسروں نے نفی کی ہے اور مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے' پس سورۃ الانعام کی آیت: ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ادراک بہ طور احاطہ کی نفی ہے اور سورۂ شوریٰ کی آیت: ۵۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجاب رؤیت کی نفی نہیں ہے' بلکہ بلا حجاب کلام کی نفی ہے اور رؤیت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام

قاعدہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عام قاعدہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱ ص ۹۷۶۔ ۹۸۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بہ غور دیکھا O اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو O کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں O پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O یہ صرف وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے 33
رکھ لیے ہیں اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی یہ مشرکین صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت آچکی ہے O کیا انسان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O پس اللہ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے O (النجم: ۱۹۔ ۲۵)

بتوں کی پرستش کا ابطال اور توحید کا استحقاق

النجم کے آغاز سے لے کر النجم: ۱۸ تک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت بیان کی اور شب معراج جو آپ پر اپنا خصوصی انعام اور اکرام فرمایا اور آپ کو اپنے قرب خاص سے نوازا اور اپنا دیدار عطا کیا' اس کا تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغام دے کر بھیجا تھا اس پیغام کا ذکر فرمایا اور وہ پیغام ہے شرک کا ابطال اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا احقاق' مشرکین مکہ لات' عزیٰ اور منات نام کی دیویوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے بطلان کو ظاہر فرماتا ہے کہ ان کو دیکھو تو سہی کیا یہی اس کائنات کو پیدا کرنے' پالنے اور رزق دینے میں اللہ سبحانہٗ کی شریک ہیں؟ ان دیویوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے پھر یہ تمہاری اور ساری کائنات کی خالق اور رازق کیسے ہوگئیں۔

لات' منات اور عزیٰ مؤنث کے صیغے ہیں اور لات میں "تاء" کو گول بنا کر "لاۃ" کی شکل میں نہیں لکھا گیا بلکہ "تا" کو مبسوط بنا کر "لات" کی شکل میں لکھا گیا تاکہ لکھنے میں اس کی لفظ "اللہ" کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

لات' عزیٰ اور منات کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ ان اسماء کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لات' عزیٰ اور منات ان کے بتوں کے نام ہیں اور یہ مؤنثات ہیں' پس لات قبیلہ ثقیف کی دیوی کا بت ہے' اس کی طائف میں پرستش کی جاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی نخلہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں پرستش کی جاتی تھی اور لات کا لفظ "لوی" سے بنا ہے' لات کا لفظ اصل میں "لَوِیَۃ" تھا' واو متحرک ماقبل مفتوح اس کو الف سے بدل دیا اور یا خلاف قیاس گر گئی تو یہ لات ہو گیا۔ "لوی" کا معنیٰ ہے: کسی کی پرستش کرنا اور اس پر آسن جما کر بیٹھنا' یا کسی چیز کے گرد طواف کرنا' وہ اس دیوی کے بت کی پرستش کرتے تھے' اس کے پاس دھرنا مار کر بیٹھتے تھے' اس لفظ کو لام کی تشدید کے ساتھ "اللات" بھی پڑھا گیا ہے اور ان کا زعم یہ تھا کہ "اللات" ایک شخص کا نام تھا جو ستو میں گھی ملا کر حجاج کو پلاتا تھا (مگر از روئے قرآن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ لات کسی مرد کا نام نہیں' دیوی کا نام ہے۔) جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کی قبر کی پرستش کرنی شروع کر دی' پھر اس کا بت بنا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔

اور عزیٰ اعز کی تانیث ہے' یہ ببول کا درخت تھا' مقام نخلہ میں قبیلہ غطفان کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ببول کے تین درخت تھے ان پر گنبد بنا ہوا تھا' اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں' ان میں ایک جنیہ ظاہر ہوئی تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا' حضرت خالد نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور گنبد مسمار کر دیا اور واپس آ کر آپ کو اس کی اطلاع دی' آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا' دوبارہ جاؤ' حضرت خالد جب دوبارہ گئے تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے بہت شور وغل کیا اور "یا عزیٰ یا عزیٰ" کہہ کر اس کے نام کی دہائی دی' حضرت خالد نے دیکھا وہاں ایک برہنہ عورت ہے' جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے' آپ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا' آپ نے فرمایا: یہی عزیٰ تھی' اب اس کی کبھی پرستش نہیں ہوگی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۱۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۴۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۰۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۷)

اور منات ایک بت تھا' یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسمار کرنے کے لیے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا' قبیلہ ہذیل اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے' اس کو منات اس لیے کہتے ہیں کہ منیٰ کے معنیٰ قربانی کرنا ہے اور مشرکین اس کے استھان پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور اس سے بارش طلب کرتے تھے اور لات کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

(الکشاف ملخصا وموضحا بحر جا' ج ۴ ص ۴۲۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۸۔۲۸۰ ملخصا)

بت پرستوں کی ظالمانہ تقسیم

النجم: ۲۱۔۲۲ میں فرمایا: کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں O پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O

اللہ تعالیٰ نے لات' العزیٰ اور منات کا ذکر کیا اور فرمایا: یہ وہ چیزیں ہیں جن کو تم نے دیکھ لیا ہے اور پہچان لیا ہے' تم ان کو اللہ سبحانہٗ کا شریک کہتے ہو' حالانکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کے متعلق سن لیا ہے اور جان لیا ہے کہ فرشتے اس قدر بلند مخلوق ہونے کے باوجود سدرہ تک آ کر رک جاتے ہیں اور اس سے آگے ان کی رسائی نہیں ہے' پھر گویا کہ فرشتوں نے یہ کہا کہ بے شک کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مماثل یا اس کے قریب نہیں ہے' لیکن ہم نے ان چیزوں کو فرشتوں کی صورت پر بنایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اس لیے ہم نے ان کے بت عورتوں کی صورت پر بنائے ہیں اور عورتوں کے ناموں کی طرح ان کے نام رکھے ہیں یعنی لات' منات اور عزیٰ' تب اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اللہ سبحانہٗ کے لیے بیٹیاں قرار دی ہیں' حالانکہ تم خود بھی جانتے ہو کہ بیٹیاں ناقص ہوتی ہیں اور بیٹے کامل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کامل عظمت والا ہے' تو تم نے اس کی طرف ناقص کو کیسے منسوب کیا اور تم انتہائی حقیر اور ذلیل ہو کیونکہ تم پتھروں اور درختوں کی پرستش کرتے ہو جو کہ بجائے خود حقیر اور ذلیل ہیں' اس کے باوجود تم نے اپنے لیے بیٹے مانے' پس انتہائی کامل کی طرف ناقص کو منسوب کرنا اور انتہائی ناقص کی طرف کامل کو منسوب کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

مشرکین کے ظن کا باطل ہونا اور مجتہدین کے ظن کا صحیح ہونا

النجم: ۲۳ میں فرمایا: یہ صرف وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' یہ مشرکین صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت آ چکی ہے O

یعنی بتوں کا نام تم نے لات اور منات رکھا ہے اور جن ببول کے درختوں کا نام تم نے عزیٰ رکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی پرستش کرنے پر کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیج کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی پرستش کرنا باطل ہے' تم

اپنے ان معبودوں کو مؤنث کہتے ہو حالانکہ یہ صرف عورتوں والے نام ہیں' حقیقت میں یہ مؤنث نہیں ہیں اور تم ان کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو' حالانکہ یہ واقع میں عبادت کے مستحق نہیں ہیں' یہ صرف تمہارا ظن اور گمان ہے' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوا کہ ظن اور گمان کی پیروی کرنا مشرکین کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ظن کی مذمت کی ہے' حالانکہ حدیث متواتر کے علاوہ تمام احادیث ظنی ہیں اور فقہاء مجتہدین کے اجتہاد کردہ مسائل بھی ظنی ہوتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین اس ظن کی اتباع کرتے تھے جس پر کوئی دلیل نہیں تھی اور ان کا ظن واقع کے خلاف ہوتا تھا' اس کے برخلاف احادیث اور مجتہدین کے قیاس کے ظنی ہونے کا یہ معنی ہے کہ وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نہیں ہیں کہ ان کا انکار کفر ہو لیکن احادیث اور قیاس کے حجت ہونے پر قطعی دلائل ہوتے ہیں اور مشرکین کے ظن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی اور ان کا ظن واقع کے خلاف اور باطل ہوتا ہے۔

مشرکین کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی وضاحت

اور فرمایا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اللہ کے نبی اور رسول جو اللہ کا دین اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ لاتے' مشرکوں کے نفسوں پر ان احکام کا بجالانا مشکل اور دشوار تھا اور جن بُرے کاموں مثلاً زنا' چوری' قتل اور خیانت وغیرہ سے رسول منع کرتے تھے ان سے رکنا بھی ان پر دشوار تھا' اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی چیز کو اپنا خدا اور معبود قرار دے لیں جو انہیں کسی چیز کا حکم دے سکے اور نہ کسی بُرے کام سے منع کر سکے' پھر انہوں نے اپنی طرف سے اس کی عبادت کے طریقے فرض کر لیے کہ اس کے آگے سر جھکائیں' چڑھاوے چڑھائیں' جانوروں کی بھینٹ دیں اور مصائب میں اس کو پکاریں اور اپنی طرف سے عقیدہ گھڑ لیا کہ اگر بالفرض آخرت میں ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور عذاب پر پیش کیا گیا تو ان کے یہ باطل معبود ان کو اللہ کے پاس سفارش کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب ان کی نفسانی خواہشیں ہیں اور من گھڑت باتیں ہیں' ان کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

کفار کی تمناؤں کا پورا نہ ہونا اور دنیا اور آخرت میں ان کا خائب و خاسر ہونا

النجم: ۲۴ میں فرمایا: کیا انسان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O

مشرکین یہ تمنا رکھتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو' آخرت میں ان کی شفاعت کی جائے اور دنیا میں وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب اور آفات نازل ہوں اور دین اسلام مٹ جائے لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی' اسلام کا بول بالا ہوا اور ان کا منہ کالا ہوا۔

النجم: ۲۵ میں فرمایا: پس اللہ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے O

یعنی کفار اپنی خواہش سے اپنا معبود منتخب کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں لیکن دنیا اور آخرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ دنیا میں ان کو ناکام اور نامراد کرتا ہے اور آخرت میں ان کو عذاب دے کر رسوا کرے گا' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ کی اور اسلام کی اشاعت کی تو مشرکین نے آپ کے مشن میں روڑے اٹکائے اور آپ کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ اگر آخرت برپا ہوئی تو اس میں بھی ہم ہی سرخرو ہوں گے' پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور فرمایا: دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے وہ آپ کو دنیا اور آخرت میں کامیاب اور سرفراز کرے گا اور مشرکین کو دنیا اور آخرت میں خائب و خاسر کرے گا۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کسی کو بالکل فائدہ نہیں پہنچا سکتی سوا اس صورت کے کہ

أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اللہ جس کے لیے چاہے (شفاعت کی) اجازت دے اور اس (کی شفاعت) سے راضی ہو O بے شک جو لوگ آخرت پر

بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ

ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام سے رکھتے ہیں O انہیں اس کا بالکل علم نہیں ہے

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں؛ اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتا O

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے آپ اس سے اعراض کریں O

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

یہی ان کے علم کی انتہاء ہے؛ بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ع

اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے O اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا

ہے؛ تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے بُرے کام کیے اور ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے

بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ

نیک کام کیے O جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں؛

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

ماسوا چھوٹے گناہوں کے؛ بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے؛ (اور) تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو

وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ

مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں پیٹ کے بچے تھے؛ سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو؛ اللہ

بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾

متقین کو خوب جانتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کسی کو بالکل فائدہ نہیں پہنچا سکتی' سوا اس صورت کے کہ اللہ جس کے لیے چاہے شفاعت کی اجازت دے اور اس (کی شفاعت) سے راضی ہو O بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیں O انہیں اس کا بالکل علم نہیں ہے وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں' اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتا O سو جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے' آپ اس سے اعراض کریں O یہی ان کے علم کی انتہاء ہے' بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے O (النجم: ۲۶۔۳۰)

کفار کے لیے فرشتوں کی شفاعت نہ کرنے کی توجیہ

النجم: ۲۶ میں اللہ سبحانہ نے ان کافروں اور مشرکوں کی مذمت کی ہے جو فرشتوں اور کافروں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے زعم فاسد کے موافق یہ کہتے تھے کہ ان کی عبادت کرنے سے ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ ہم ان کی صرف اسی لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الزمر: ۳)

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بہت معظم اور مکرم مخلوق ہیں' اس کے باوجود از خود اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے ہیں' ہاں! جس کی شفاعت کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی شفاعت کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہ اس کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور ان ہی کی شفاعت کرنے سے راضی ہوگا اور کفار کی شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور نہ ان کی شفاعت کرنے سے راضی ہوگا۔

فرشتوں اور بتوں کے مؤنث ہونے پر دلائل

النجم: ۲۷ میں فرمایا: بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیں O

اس سے مراد وہ کفار ہیں جو کہتے تھے کہ فرشتے اور لات' عزیٰ اور منات اللہ کی بیٹیاں ہیں' ان کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ مؤنث ہیں' حالانکہ ان کو اس کا کوئی علم نہیں ہے' کیونکہ وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود نہ تھے اور نہ ان کو کسی رسول نے یہ بتایا کہ فرشتے مؤنث ہیں اور نہ انہوں نے کسی آسمانی کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ فرشتے ہیں تو پھر علم کا وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ فرشتے مؤنث ہیں اور اللہ سبحانہ کی بیٹیاں ہیں؟ اور رہے لات' منات اور عزیٰ تو لات' منات پتھر سے بنائی ہوئی دیوی کسی عورت کی مورت اور مجسمہ ہے اور عزیٰ ببول کا درخت ہے اور پتھر کا مجسمہ یا درخت مرد یا عورت نہیں ہوتے' مؤنث وہ ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں نر جاندار ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کفار آخرت پر ایمان نہیں لاتے' حالانکہ اگر ان کا اللہ پر ایمان نہ ہوتا تو وہ یہ کیوں کہتے کہ بت آخرت میں ہماری شفاعت کریں گے اور ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے؟ اس کا جواب

یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت آئی اور حشر برپا ہوا تو یہ بت ہماری شفاعت کر دیں گے' اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ (حم السجدۃ: ۵۰)

اگر ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد راحت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا کہ اس رحمت کا میں مستحق تھا' اور میرے گمان میں قیامت قائم نہیں ہوگی اور اگر میں بالفرض اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تب بھی اس کے پاس میرے لیے انعام اور اکرام ہوگا۔

تصدیق کی اقسام اور کفار کے باطل عقائد پر ظن کے اطلاق کی توجیہ

النجم: ۲۸ میں فرمایا: وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں' اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتا○

یعنی مشرکین جو کہتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں یہ صرف ان کا ظن ہے اور بے شک ظن (حق) یقین سے مستغنی نہیں کرتا۔

اگر انسان کے ادراک میں مثلاً ثبوت کی جانب راجح اور غالب ہو لیکن عقل نفی کی جانب کو بھی مرجوحا اور مغلوبا جائز قرار دے تو اس کو ظن کہتے ہیں اور اگر نفی کی مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے تو اس کو جزم کہتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ دس معتبر آدمی یہ کہیں کہ ابھی ابھی ٹی۔وی پر خبر آئی ہے کہ اپوزیشن پارٹی کے لیڈر مولانا فضل الرحمان ہارٹ اٹیک سے فوت ہو گئے اور ایک آدمی یہ کہے کہ میں نے بھی ابھی خبریں سنی ہیں' اس میں ایسی کوئی خبر نہیں تھی تو ہمارا ظن غالب یہ ہو گا کہ مولانا فضل الرحمان فوت ہو گئے' لیکن ایک مرجوح اور مغلوب سا احتمال ہو گا کہ شاید اس آدمی کی خبر صحیح ہو اور ٹی۔وی پر یہ خبر نہ آئی ہو' سو یہ ظن ہے' پھر تھوڑی دیر بعد ہم اگلے بلیٹن میں خود ٹی۔وی پر یہ خبر سن لیں کہ مولانا فضل الرحمان فوت ہو گئے تو وہ مرجوح جانب بھی زائل ہو جائے گی اور ہمیں مولانا فضل الرحمان کے فوت ہونے پر جزم ہو جائے گا اور یہ تصدیق کی پہلی قسم ہے' پھر اگر یہ جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید خطئی کہتے ہیں' جیسے امام شافعی کے مقلد کو جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن جب اس کے خلاف احادیث پیش کی جائیں کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا اور اگر جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہتے ہیں' جیسے ابوجہل کو یہ جزم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی نہیں ہیں اور اس کا یہ جزم دلائل اور معجزات سے بھی زائل نہیں ہوا' اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مصیب کہتے ہیں' جیسے امام ابوحنیفہ کے مقلد کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' لیکن اگر کوئی شافعی اس کے خلاف بہ کثرت احادیث پیش کر دے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو اس کو یقین کہتے ہیں اور پھر اس کی تین قسمیں ہیں: اگر خبر صادق سے جزم حاصل ہوا ہو تو اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور اگر دیکھ کر مشاہدہ سے جزم حاصل ہوا تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں اور اگر تجربہ سے جزم حاصل ہوا ہو تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں' ہم کو جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جزم ہے' یہ علم الیقین ہے اور صحابہ کو جو آپ کی نبوت پر جزم تھا یہ عین الیقین تھا اور خود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت پر جو جزم تھا وہ حق الیقین تھا' ہم نے جو تصدیق کی تعریفات بیان کی ہیں' اس کے اعتبار سے تصدیق کی حسب ذیل سات اقسام ہیں:

(۱) ظن (۲) تقلید خطئی (۳) جہل مرکب (۴) تقلید مصیب (۵) علم الیقین (۶) عین الیقین (۷) حق الیقین

اب سوال یہ ہے کہ آپ نے جو ظن کی تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے اس میں جانب ثبوت پر بہ کثرت راجح دلائل ہیں اور کفار کو جو ظن تھا کہ فرشتے مؤنث ہیں اس ظن پر ایک بھی دلیل قائم نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں' تو یہ ظن

کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو جو اس بات کی تصدیق تھی کہ فرشتے مؤنث ہیں یہ دراصل جہل مرکب تھا کیونکہ ان کا اوراک جازم واقع کے خلاف تھا اور دلائل سے زائل نہیں ہوا اور اس پر ظن کا اطلاق مجازاً فرمایا ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی کفار کے عقائد اور ان کی تصدیقات پر ظن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے اور اس سے مراد جہل مرکب ہے۔

النجم: ۲۹ میں فرمایا: سو جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے آپ اس سے اعراض کریں O

جو لوگ کسی بھی طریقہ سے اصلاح کو قبول نہ کریں ان کا آخری حل ان کے خلاف جہاد ہے

یعنی جو شخص ایمان لانے سے انکار کرے اور قرآن مجید کی دعوت کو مسترد کر دے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے' آپ بھی اس سے اعراض کریں اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں' علامہ قرطبی نے کہا: اب اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف اب جہاد کرنا واجب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے طبیب ہیں اور آپ ترتیب اطباء کے موافق دلوں کا علاج کرتے ہیں اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے غذا اور پرہیز سے علاج کرتے ہیں' مثلاً کسی شخص کو شوگر کا مرض ہو جائے تو اگر اس کی شوگر معمولی ہے تو وہ غذا اور پرہیز سے اس کا علاج کرتے ہیں' وہ اس کو میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کراتے ہیں' وہ اسے کہتے ہیں کہ وہ چینی اور اس کی مصنوعات نہ کھائے' چاول اور سوجی نہ کھائے' زمین کے نیچے پیدا ہونے والی سبزیوں کو نہ کھائے' گھی اور مکھن وغیرہ نہ کھائے' ان چھنے آٹے کی روٹی کھائے جس میں بھوسی کا عنصر زیادہ ہو' پھلوں میں صرف جامن کھائے اور میٹھے مشروبات نہ پیئے اور تیز تیز چل کر صبح اور شام لمبی سیر کرے اگر اسی سے اس کی شوگر کنٹرول ہو جائے تو فبہا وہ اس کو دوا نہیں دیتے اور اگر اس کی شوگر زیادہ ہو اور صرف غذا میں ردوبدل سے اس کی شوگر کنٹرول نہ ہو اور ناشتہ سے پہلے 120mg اور کھانے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد 210mg سے زیادہ ہو تو پھر اس کو منہ سے کھانے والی دوائیں استعمال کراتے ہیں اور اگر اس طریقہ سے بھی اس کی شوگر کنٹرول نہ ہو تو پھر اس کو انسولین کے انجکشن لگانے کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر بدپرہیزی کی بناء پر اس کے مثلاً پیر میں زخم ہو جائے اور کسی طرح ٹھیک نہ ہو اور اس زخم کا زہر باقی ٹانگ میں سرایت کرنے لگے تو پھر اس کا آخری حل سرجری ہے اور اس کی باقی ٹانگ کو بچانے کے لیے ڈاکٹر اس کا پیر کاٹ دیتے ہیں۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاشرہ کے روحانی بیماروں کا علاج کرتے ہیں' پہلے آپ اسے بُرے کاموں اور فسق و فجور کو ترک کرنے اور فرائض و واجبات پابندی سے ادا کرنے کی ہدایت دیتے ہیں' پھر اس کو نفلی عبادات اور اوراد و وظائف پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر اس سے اس کی اصلاح نہ ہو اور وہ قابل تعزیر جرائم کا ارتکاب کرے تو اس کو تنہائی میں توبہ اور استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر وہ بار بار جرائم کا ارتکاب کرے اور اللہ کی حدود کو توڑے تو پھر اس کے اوپر حد جاری کرتے ہیں' شراب پینے اور پاک دامن مسلمان عورت کو تہمت لگانے پر اسی (۸۰) کوڑے مارتے ہیں اور زنا کے ارتکاب پر سو کوڑے مارنے کا حکم دیتے ہیں' پہلی بار چوری کرنے پر اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیتے ہیں اور دوسری بار چوری کرنے پر اس کا بایاں پیر بھی کاٹنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر وہ حد سے بڑھ جائے اور ڈاکے ڈالے اور معاشرہ کے دیگر افراد کے لیے خطرہ بن جائے یا مرتد ہو جائے تو پھر آخری حل یہ ہے کہ آپ اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں بتایا ہے کہ جو شخص ایمان لانے سے انکار کر دے اور قرآن مجید کی دعوت کو مسترد کر دے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے اور قیامت' آخرت' حشر و نشر' حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کا مذاق اڑائے اور کسی بھی

طریقہ سے اصلاح اور نصیحت کو قبول نہ کرے اور اس کو اس کے حال پر برقرار رکھنے سے معاشرہ کے دیگر افراد کے بگڑنے کا خطرہ ہو یا اس سے دینی ضرر کا خطرہ ہو تو پھر اس کا آخری حل یہ ہے کہ آپ اس کے خلاف جہاد کریں اور آپ اس کو اور ایسے دیگر افراد کو قتل کر دیں۔

النجم: ۳۰ میں فرمایا: یہی ان کے علم کی انتہاء ہے' بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے O

کفار کی بدعقیدگی کو ان کا مبلغ علم قرار دینے کی توجیہ

یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ان کا مبلغ علم اسی دنیا کے متعلق ہے' یہ لوگ صرف دنیاوی چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں اور دین کے احکام سے یکسر غافل ہیں' ان کا مقصد حیات صرف اپنی پسندیدہ چیزوں کو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پوری کرنے سے متعلق ہے' خواہ یہ مقاصد جائز طریقے سے پورے ہوں یا ناجائز طریقے سے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر زندگی صرف یہی کچھ ہو تو پھر ان میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے؟ ان کی عقلوں کی پستی اور ان کے علم کی انتہاء یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا فرشتوں کو اور بتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا یہ ان کے علم کی انتہاء ہے' اسی کو ان کے علم کی انتہاء طنزاً فرمایا ہے اور درحقیقت یہ ان کا جہل مرکب ہے' یعنی ایسا ادراک جو جازم ہے اور کسی طریقہ سے زائل نہیں ہوتا اور واقع کے مطابق نہیں ہے' جہل مرکب کی دوسری تعریف یہ ہے:

ہر آنکس کہ نداند وبداند کہ بداند ۔۔۔ در جہل مرکب ابدا لاباد بماند

''ہر وہ شخص جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اور سمجھتا یہ ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے وہ ہمیشہ جہل مرکب میں گرفتار رہتا ہے'' کیونکہ اس کی دو جہالتیں ہیں' ایک تو وہ اس چیز سے جاہل ہے' دوسرے اپنی جہالت سے جاہل ہے۔

مشرکین اس چیز سے جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا محال ہے اور اپنی اس جہالت سے بھی جاہل تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اور لات اور منات اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اپنی اس جہالت میں اس قدر غالی اور راسخ تھے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل سننے کے لیے تیار نہ تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جہل کو جو علم فرمایا ہے وہ طنزاً فرمایا ہے یا اس اعتبار سے کہ ان کا علم یہ کچھ ہے جو حقیقت میں جہل مرکب ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو اس کی گمراہی پر جمے رہنے اور ڈٹے رہنے کی سزا دے گا' نیز فرمایا: اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے' اس کا معنی ہے: وہ اس کو ہدایت پر برقرار رہنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی جزاء دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے بُرے کام کیے اور ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے نیک کام کیے O جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' ماسوا چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے' اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں' پیٹ کے بچے تھے' سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ متقین کو خوب جانتا ہے O (النجم: ۳۰۔۳۲)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور تمام معلومات کو محیط ہونے کا ذکر فرمایا تھا کہ اس کو تمام گم راہ

لوگوں کا علم ہے اور تمام نیکو کاروں کا بھی علم ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے شمول کا ذکر فرمایا ہے وہ تمام بُرے کام کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر ہے اور تمام نیک کام کرنے والوں کو اجر و ثواب دینے پر قادر ہے اور اس کی قدرت کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور کوئی چیز اس کی ملکیت سے باہر نہیں ہے۔

''اللمم'' کا معنی

النجم: ۳۲ میں فرمایا: جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' ماسوا چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔ الآیۃ

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: تاکہ اللہ ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے نیک کام کیے' اور اس آیت میں ان نیک کام کرنے والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔

سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور سب سے بڑی بے حیائی زنا ہے۔ اس کے بعد اس آیت میں ''لمم'' کا ذکر ہے' اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''لمم'' کا معنی ہے: معصیت کے قریب جانا اور اس کو گناہ صغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' ''المام'' کا معنی ہے: کسی چیز کے پاس آنا' اس کے قریب جانا اور کسی چیز کی قلت کو بھی ''المام'' کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

''لم اللہ شعثہ'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کے منتشر اور پراگندہ امور کی اصلاح کر دی اور ان کو مجتمع کر دیا۔ سو اس کا معنی جمع کرنا اور اصلاح کرنا ہے۔ ''المام'' کا معنی ہے: کسی کے پاس جانا' ''ملمّ'' اس لڑکے کو کہتے ہیں جو بلوغت کے قریب ہو' حدیث میں ہے:

''وان مما ینبت الربیع یقتل او یلم'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۵) موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو ہلاک کر دیتی ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہے۔ اور ''لمم'' صغیرہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''المام'' کا معنی ہے: معصیت کے قریب جانا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرنا۔ اخفش نے کہا: گناہوں کے قرب کو ''لمم'' کہتے ہیں۔ ازہری نے کہا: ''الا اللمم'' کا معنی ہے: مگر وہ جو گناہ صغیرہ کے متقارب ہو۔ (مختار الصحاح ص ۳۵۰-۳۵۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''اللمم'' کے متعلق احادیث

ہم نے جو ''لمم'' کے معنی بیان کیے ہیں' ان کے اعتبار سے ''لمم'' گناہ صغیرہ ہے' نیز اس آیت میں ''الفواحش'' کا لفظ ہے' یہ ''فاحشۃ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بے حیائی کے کام' اور قرآن مجید میں زنا کو فاحشہ فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ اور زنا کے قریب نہ جاؤ' بے شک وہ بے حیائی کا کام اور بُرا راستہ ہے ۝ (بنی اسرائیل: ۳۲)

لہٰذا زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس سے کم درجہ کے یا اس کے قریب کے کام گناہ صغیرہ ہیں' اور اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں مدینہ کے آخری حصہ میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہوا اور میں نے زنا کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ باقی سب کچھ کیا اور اب میں یہاں حاضر ہوں' آپ میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں' حضرت عمر نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ نے تمہارے جرم پر

پردہ رکھا تھا' کاش! تم بھی اپنے جرم پر پردہ رکھتے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا' پس وہ چلا گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے گئے اور اس شخص کو بلایا' پھر اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ھود ۱۱۴) دن کی دو طرفوں میں (فجر اور عصر میں) نماز پڑھئے' اور رات کے قریب (مغرب اور عشاء میں) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: کیا یہ (صغائر کی نیکیوں سے مغفرت) خاص اس شخص کے واسطے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم سب کے واسطے ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۲۶ ـ ۴۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۳ ـ ۲۷۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۱۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۵)

حضرت ابن مسعود' حضرت ابوسعید الخدری' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم اور مسروق نے کہا کہ زنا سے کم گناہ مثلاً اجنبی عورت کو بوسہ دینا' چھیڑ چھاڑ کرنا' اس کو دیکھنا اور اس سے بغل گیر ہونا ''لمم'' اور گناہ صغیرہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ ''لمم'' کے مشابہ اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے زنا کا حصہ اس کے اوپر لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا' پس آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اس کے متعلق بات کرنا ہے اور نفس (زنا کی) تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۳ ـ ۶۶۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۱۵۲' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۳۷)

''صحیح مسلم'' کی روایت میں یہ اضافہ ہے: کانوں کا زنا' زنا کی بات سننا ہے' ہاتھوں کا زنا اجنبی عورت کو پکڑنا ہے اور پیروں کا زنا اس طرف جانا ہے۔ ''صحیح مسلم'' رقم الحدیث: ۲۶۵۷ اور حاکم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ہونٹوں کا زنا اجنبی عورت کو بوسہ دینا اور آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو تلاش کرنا ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی مسلمان فرض نماز کا وقت پائے' پھر اس کا اچھی طرح وضو کرے اور اس نماز کو ظاہری آداب اور خشوع کے ساتھ پڑھے تو وہ نماز اس نماز سے پہلے کیے ہوئے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جب تک کہ اس نے کبیرہ گناہ نہ کیا ہو اور یہ مغفرت ہر زمانہ میں ہوتی رہے گی۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کی نماز ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتی ہیں جب تک گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ بتاؤ! اگر تم میں سے کسی ایک شخص کا گھر دریا کے پاس ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو تم کیا کہتے ہو کہ اس کے جسم پر کوئی میل رہے گا؟ مسلمانوں نے کہا: اس کے جسم پر کوئی میل نہیں رہے گا' آپ نے فرمایا: یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے' اللہ سبحانہٗ ان کے سبب سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۸۶۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۶۱)

''اللمم'' کی تعریف میں صحابہ اور تابعین کے اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الا اللمم'' کا معنی یہ ہے کہ بندہ کوئی گناہ کرے پھر اس کو دوبارہ نہ کرے۔

زہری نے کہا کہ ''لمم'' کا معنی یہ ہے کہ وہ زنا کرے پھر توبہ کرے پھر دوبارہ نہ کرے یا چوری کرے یا شراب پئے پھر توبہ کرے پھر دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۵۔۱۳۶)

اور جب یہ (نیکوکار) بے حیائی کا کام کر گزریں یا کوئی اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے اور جان بوجھ کر دوبارہ اس گناہ کو نہ کریں○ تو ان کی جزاء ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے○

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اللمم'' شرک کے ماسوا گناہ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس پر دنیا میں حد نہیں ہے اور نہ اس پر آخرت میں عذاب کی وعید ہے یہ گناہ پانچ نمازوں سے معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ابن زید عکرمہ ضحاک اور قتادہ کا قول ہے۔

کلبی نے کہا: ''اللمم'' کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ہر وہ گناہ ہے جس کی حد کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس پر آخرت میں عذاب کا ذکر ہے اور دوسری قسم وہ گناہ کبیرہ ہے جس کا انسان بار بار ارتکاب کرتا ہے اور اس پر توبہ کرتا رہتا ہے۔

لغطویہ نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کا ارتکاب کرنا انسان کی عادت نہ ہو۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کو انسان وقتاً فوقتاً کرے۔

سعید بن مسیب نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کا دل میں خیال آئے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ دل میں آنے والے خیال کا کسی امت سے مواخذہ نہیں ہوا' ہاں! اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کو انسان کرنا چاہے لیکن اس کا عزم مصمم نہ کرے یا عزم مصمم کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو پھر اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۹۸۔۱۰۰ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تعریفات اور اس سلسلہ میں احادیث

امام فخر الدین محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''اللمم'' کی تعریف میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) وہ گناہ جس کو انسان قصداً نہ کرے اور نہ اس کو مؤکد کرے اور نہ اس کا عزم کرے۔

(۲) وہ جس کو کرنے کے بعد انسان فوراً نادم ہو۔

(۳) گناہ صغیرہ' وہ گناہ جو کسی بے حیائی کے کام پر مشتمل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۶۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے گناہ کبیرہ کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:

(۱) گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صراحتہً عذاب کی وعید سنائی ہو۔

(۲) کبیرہ وہ گناہ ہے جس کو حلال جان کر کرنا کفر ہے۔

(۳) اصل یہ ہے کہ ہر معصیت کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت ہیں اور منعم کی مخالفت بہت بڑی برائی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی خطا اور نسیان کو معاف کر دیا ہے کیونکہ وہ ترک تعظیم پر دلالت نہیں کرتیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بندوں میں بہت ہوتی ہیں' جیسے ایک آدھ بار جھوٹ بولنا یا ایک دو مرتبہ غیبت کرنا' یا ایک دو بار اجنبی عورت کو دیکھنا' اسی طرح وہ برے کام جن کے برے ہونے میں شبہ ہے اور ہر زمانے میں ان سے اجتناب کرنے والے بہت کم ہیں' اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ موسیقی سننا فسق ہے اور اگر شہر والے عادۃً موسیقی نہ سنیں تو یہ فسق نہیں ہے' سو اگر ارباب عقول اس کو ترک تعظیم نہ قرار دیں تو یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے' اسی طرح اوقات کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے وقت کھیلنا کبیرہ ہے اور دوسرے وقت کھیلنا کبیرہ نہیں ہے' اسی طرح اشخاص کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً متقی عالم جب کسی اجنبی عورت کا پیچھا کرے گا یا بہت زیادہ کھیل میں مشغول ہو گا تو یہ کبیرہ ہے۔ اور جب دلال یا باندیاں فروخت کرنے والا یا فارغ شخص ایسا کرے گا تو وہ کبیرہ نہیں ہے' اس بناء پر ہر گناہ کبیرہ ہے مگر جس گناہ کے متعلق مکلف کو یہ علم یا ظن ہو کہ وہ اللہ کے فضل سے اس گناہ سے نکل جائے گا یا اللہ اس کو معاف فرما دے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ایک تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ چیزیں حرام کر دی ہیں (۱) ماؤں کی نافرمانی کرنا (۲) حق چیز سے منع کرنا اور ناحق چیز کو طلب کرنا (۳) بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا اور یہ چیزیں مکروہ قرار دی ہیں: فضول بحث کرنا' بہ کثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شریک کرنا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا (۳) ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا کبیرہ نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا: جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۷)

الکہف: ۴۹ ''تبیان القرآن'' ج ۷ ص ۱۲۱۔ ۱۲۵ میں ہم نے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی زیادہ تحقیق کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

یعنی جو اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ وسیع مغفرت والا ہے اور بعض اوقات وہ اپنے فضل محض سے بغیر توبہ کے بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

نیز فرمایا: اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ الایۃ

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی توجیہ

امام ابوعبداللہ ترمذی نے کہا: جب زمین سے مٹی نکالی گئی تو ہم سب کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا' پھر اس مٹی کو ہمارے آباء کی پشتوں میں رکھ دیا گیا' بعض مٹی سفید اور روشن تھی اور بعض کوئلہ کی طرح سیاہ تھی سو ہم کو ان ہی رنگوں پر پیدا کیا گیا۔

امام اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس رات تمام اولین اور آخرین میرے حجرے کے

سامنے پیش کیے گئے' کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! اگزری ہوئی مخلوق بھی! فرمایا: ہاں! مجھ پر حضرت آدم اوران کے ماسوا سب پیش کیے گئے' مسلمانوں نے پوچھا: اور وہ بھی جو اپنے آباء کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے ارحام میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ مٹی میں متمثل کر کے پیش کیے گئے اور میں نے ان سب کو اس طرح پہچان لیا جس طرح حضرت آدم نے تمام اسماء کو پہچان لیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۱۰۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں' پیٹ کے بچے تھے۔ الایۃ

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے متعلق احادیث

اس آیت کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ تم کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے' اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے' وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے: اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے: اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟ اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ فرماتا ہے: تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق' اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا' وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ (طٰہٰ: ۵۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۷ص ۳۰۰' مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے کہ جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا' وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے: "منها خلقناکم"۔ (الدرالمنثور ج ۴ص ۳۰۲' مطبوعہ ایران)

حافظ ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۲۸۰' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۲۹۷۳)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس مؤقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زمینی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مآل زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں' مثلاً

قلب' دماغ' پھیپھڑے' جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں' باریک شریانیں اور پٹھے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت وشکل اور مختلف طبائع اور حقائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ ونسل کے انسان پیدا کرنا' صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آسکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزارہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

خودستائی کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ متقین کو خوب جانتا ہے۔ (النجم: ۳۲)

یعنی تم اپنی تعریف اور توصیف اور حمد وثناء نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا ریاکاری سے دور ہے اور تواضع اور خضوع اور خشوع کے قریب ہے' اللہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ اخلاص سے عمل کرتا ہے اور کون اللہ کے عذاب سے زیادہ ڈرتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ سبحانہٗ ہر نفس کو جانتا ہے کہ وہ اب کیا عمل کر رہا ہے اور آئندہ کیا عمل کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی حمد وثناء نہیں کرتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۲)

اس آیت میں مؤمنین کے لیے یہ رہ نمائی ہے کہ اے مؤمنو! اللہ تمہارے احوال کو بہت زیادہ جاننے والا ہے' وہ تمہاری پیدائش سے لے کر تمہاری موت تک کے تمام احوال سے واقف ہے سو تم ریا اور فخر سے یہ نہ کہو کہ میں فلاں سے بہتر ہوں اور میں فلاں سے زیادہ مخلص اور متقی ہوں کیونکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ تم حتمی اور قطعی طور پر یہ نہ کہو کہ میں نجات یافتہ ہوں کیونکہ تمہارے انجام کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

خودستائی عیب ہے اے خودستا

زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: اپنے آپ کو خامیوں اور عیوب سے بری نہ کرو۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: تم گناہ نہ کرو اور تم کہتے ہو کہ ہم اطاعت کرتے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۸۰)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا: میرا نام برہ (نیکی کرنے والی) رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے ۝ (النجم: ۳۲)

تم اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۳)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ

کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری؟ ۝ اور تھوڑا سا مال دیا اور روک لیا ۝ کیا اس کے

عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ

پاس علم غیب ہے جو وہ دیکھ رہا ہے ۝ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں ہوئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ۝ اور

إِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۷﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَأَنْ لَّيْسَ

جو ابراہیم کے صحائف میں ہے جنہوں نے وفا کی O کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا O اور یہ کہ

لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَأَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ

ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا O اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا O پھر اس کو پورا پورا

الْجَزَآءَ الْأَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَأَنَّ إِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَأَنَّهٗ هُوَ أَضْحَكَ وَ

عوض دیا جائے گا O اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے O اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور

أَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَأَنَّهٗ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَأَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ

اسی نے رُلایا O اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے

الْأُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ

پیدا کیے O نطفہ سے جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا گیا O اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور

أَنَّهٗ هُوَ أَغْنٰى وَأَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَأَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَأَنَّهٗٓ أَهْلَكَ

یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O اور یہ کہ اس نے پہلی

عَادًا الْأُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ أَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ

(قوم) عاد کو ہلاک کر دیا O اور (قوم) ثمود (میں سے) کسی کو باقی نہیں چھوڑا O اور ان سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو

كَانُوْا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا

بے شک وہ سخت ظالم اور بہت سرکش تھے O اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیا O تو (سنگریزوں

مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ

کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا O پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے

النُّذُرِ الْأُوْلٰى ﴿۵۶﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ

گا O یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں O قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O اللہ کے سوا

اللّٰہِ کَاشِفَۃٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ ہٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ

(وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے O تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو O اور

تَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا

تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O سو اللہ

لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ ع السجدۃ

کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری O اور تھوڑا سا مال دیا' اور روک لیا O کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو وہ دیکھ رہا ہے O (النجم: ۳۳۔۳۵)

النجم: ۳۳۔۳۵ کے شان نزول کے متعلق اقوال

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور ابن زید نے کہا: یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا' تو بعض مشرکوں نے اس کو عار دلایا اور ملامت کی اور کہا: کیا تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو اور ان کو گم راہ قرار دے رہے ہو اور یہ گمان کر رہے ہو کہ وہ دوزخ میں ہوں گے' حالانکہ تم پر لازم تھا کہ تم ان کے دین کی مدد کرتے۔ ولید نے کہا: اگر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا تو مجھے اللہ کے عذاب کا خطرہ ہے' اس شخص نے کہا: اگر تم پر عذاب ہوا تو اس کو میں برداشت کروں گا بہ شرطیکہ تم مجھے اس قدر مال دو' ولید نے کہا: میں تم کو اتنا مال دوں گا' اس کے عوض تم میرا عذاب برداشت کر لینا' پھر ولید اپنے شرک پر برقرار رہا' پھر ولید نے اس سے جتنے مال کا وعدہ کیا تھا اس میں سے کچھ مال اس کو دیا اور پھر بخل کیا اور باقی مال دینے سے رک گیا' تو اس کی مذمت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یعنی اس نے اسلام لانے سے پیٹھ پھیری اور جتنا مال دینے کا وعدہ کیا تھا بخل کی وجہ سے وہ رک گیا اور اس نے جو سمجھا تھا کہ وہ مال دے کر عذاب سے بچ جائے گا تو کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو وہ اپنی نجات کو دیکھ رہا تھا۔

عطاء بن یسار نے کہا: یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے اپنے گھر والوں سے کہا: میں اس شخص کے پاس جا کر اسلام لاتا ہوں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' جب وہ روانہ ہوا تو اس کو ایک کافر ملا اور اس نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس' شاید مجھے اس اقدام سے خیر ملے گی' اس کافر نے کہا: مجھے یہ سامان دے دو' اس کے عوض اسلام نہ لانے سے تمہیں جو عذاب ہوگا اس کو میں برداشت کروں گا' وہ شخص مان گیا پھر اس نے اس کافر کو کچھ سامان دیا اور باقی سامان دینے سے بخل کیا اور رک گیا۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا: یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے کہا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں' پھر اس نے آپ کے بعض اوصاف کریمہ بیان کیے' پھر بخل کی وجہ سے باقی اوصاف بیان کرنے سے رک گیا۔

سدی اور کلبی نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے اپنا مال خیرات کرنے کا ارادہ کیا پھر اپنے ماں شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح کے منع کرنے سے رک گئے (ہوسکتا ہے یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہو)۔(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۰۔۱۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس روایت کا ذکر کر کے اس کا رد کر دیا ہے اور فرمایا ہے: یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ متواتر ہے نہ مشہور ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جود و سخا اس کے خلاف ہے اس روایت کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۷۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے باطل اور مردود ہونے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ اس کو سدی اور کلبی نے روایت کیا ہے اور سدی اور کلبی کذاب اور وضاع راوی ہیں نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مدح کی ہے اور ان کی سخاوت کی احادیث معنیً متواتر ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے بخل کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل ہوں؟ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں اور سابقین اولین کے متعلق قرآن مجید میں یہ بشارت ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ: ۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے○

النجم: ۳۴ میں ''اکدی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: وہ پتھر کی طرح سخت نکلا' یہ لفظ ''کدیہ'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: سخت زمین' جب کنواں کھودا جائے اور اس میں کوئی ایسا پتھر نکل آئے جو کھودنے سے عاجز کر دے تو اس وقت کہتے ہیں: ''قد اکدی'' پھر اس کا استعمال اس شخص کے متعلق ہونے لگا جو کچھ مال دے کر رک جائے اور پورا مال نہ دے۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے: دینے سے رک جانا اور عطا کو منقطع کر دینا۔ زیر تفسیر آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۳۶ القاموس المحیط ص ۱۳۲۷ مختار الصحاح ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں ہوئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے○ اور جو ابراہیم کے صحائف میں ہے جنہوں نے وفا کی○ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا○ اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا○ اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا○ پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا○ اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے○ (النجم: ۳۶۔۴۲)

مشرکین پر اللہ تعالیٰ کی حجت کی تقریر

یعنی جو شخص آپ سے روگردانی کر رہا ہے اور آپ کے پیغام پر ایمان نہ لانے کا دوسرے کافروں کو مشورہ دے رہا ہے اور یہ ضمانت دے رہا ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لانے کا اس کو عذاب ہوا تو اس عذاب کو وہ بھگت لے گا' کیا اس نے سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں لکھی ہوئی یہ خبر نہیں پڑھی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھ لیا جائے گا' پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا اور یہ کہ آخر کار

آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔

النجم: ۳۶ میں پہلے موسیٰ کے صحیفوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد النجم: ۳۷ میں ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر ہے حالانکہ واقع میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی پھر اس کے کافی عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی ہے تو حضرت ابراہیم سے پہلے حضرت موسیٰ کا ذکر کس وجہ سے کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف یعنی ''تورات'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف سے زیادہ مشہور تھے نیز یہودی مکہ مکرمہ میں آتے رہتے تھے اور ان کی زبانی مشرکین مکہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت زیادہ سنا تھا اس لیے ان کی شہرت بھی مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ تھی اور مشرکین مکہ یہودیوں کی زبانی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحائف کی ان آیات کو سنتے رہتے تھے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کو اس کا عوض ملے گا جو اس نے کیا اور مشرکین کے نزدیک یہ آیات مشہور و معروف تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی شہرت کو بنیاد بنا کر مشرکین کو سرزنش فرما رہا ہے کہ جب تمہیں یہ معلوم ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم دوسرے شخص کی جگہ اس کا عذاب اٹھانے کی ضمانت کیوں دے رہے ہو؟

حضرت ابراہیم کے وفا کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح بجالائے نمرود کے سامنے پیغام پوری طرح سنایا نمرود کی دھمکیوں سے نہیں ڈرے توحید کا اعلان کرنے کی پاداش میں بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا وفا کیا اپنے نوجوان بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے سے ذرا نہ ہچکچائے اور تادم آخر دین کی تبلیغ کرتے رہے اور اپنا مال اپنی جان اور اپنی اولاد سب اللہ سبحانہٗ سے وفا میں نچھاور کر دی۔

''کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' اس پر ایک سوال کا جواب

النجم: ۳۸ میں فرمایا: کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک شخص کو دوسرے کے گناہ میں پکڑ لیا جاتا تھا اور ایک شخص کو اپنے باپ اور اپنے بیٹے اور اپنے بھائی اور اپنے چچا اور اپنے ماموں اور اپنے عم زاد اور اپنے رشتہ دار اور اپنی بیوی کے قتل کرنے کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا تھا اور ان کے جرائم کے بدلہ میں اس کو سزا دی جاتی تھی تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے زمانہ میں یہی ہوتا تھا کہ باپ کے جرم میں بیٹے کو اور ایک رشتہ دار کے جرم میں دوسرے کو پکڑ لیا جاتا تھا تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مبعوث ہو کر اس چلن کو ختم کر دیا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کہا جاتا ہے کہ ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت تک جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کے عذاب میں سے ایک حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) کو بھی دیا جائے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کے طریقہ کو ایجاد کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ قیامت تک ہونے والی قتل کی تمام وارداتوں کے بوجھ کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوگا اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے تو ان کے گناہوں کی سزا میں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا' کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا اور بعد کے لوگوں کی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی' تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۱۷۱)

''کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا'' اس قاعدہ کے بعض مستثنیات

''کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی'' یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دوسروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے' لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دوسرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہوگا کہ اس نے ان دوسروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (المائدہ: ۷۹)

وہ ایک دوسرے کو ان بُرے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے' البتہ وہ بہت بُرا کام کرتے تھے ○

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے: ''لا الٰہ الا اللہ'' عرب کے لیے تباہی ہو' اس شر سے جو قریب آ پہنچا' یاجوج ماجوج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے' آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بنایا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۴۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں' مثلاً اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطاءً قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ عمد ہو (قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاٹھی' کوڑے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے' تاکہ اس کا خون رائیگاں نہ ہو' اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تاوان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا درآں حالیکہ وہ مضروبہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنولحیان کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی' اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تاوان

میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۔۱۶۸۲۔۴۳۱۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۱۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۲۲۔۴۸۳۶۔۴۸۳۷۔۴۸۴۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

ایصالِ ثواب کے عدم جواز پر معتزلہ کا استدلال اور اہل سنت کے جوابات

درج ذیل آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اموات کے لیے ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے اور اہل سنت نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بھی بہت جوابات ہیں۔

النجم: ۳۹ میں فرمایا: اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیاO

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' (النجم: ۳۹) کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ۔ (الطور: ۲۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ آباء کی نیکیوں کے سبب سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دے گا اور آباء کی سعی سے اولاد کو فائدہ ہوگا اور یوں النجم: ۳۹ کا حکم الطور: ۲۱ سے منسوخ ہو گیا۔

اور جن دیگر مفسرین نے یہ کہا کہ النجم: ۳۸ منسوخ ہے' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

علامہ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ النجم: ۳۹' الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آباء کی نیکیوں سے ابناء کو جنت میں داخل کر دیا اور عکرمہ نے کہا کہ ''ان لیس للانسان الا ما سعی'' کا حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے لیے تھا اور رہی یہ امت تو اس کو اپنی سعی سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کی سعی سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اور اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

اور ربیع بن انس نے کہا کہ النجم: ۳۹ کا حکم کافر کے لیے ہے اور رہا مؤمن تو اس کو اپنی سعی سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسروں کی سعی سے بھی ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کافر کے لیے آخرت میں کوئی خیر نہیں ہے' اس کو اس کے اعمال کا اجر صرف دنیا میں ملتا ہے' اور روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی تو جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قمیص بھجوا دی تاکہ آخرت کے لیے اس کی کوئی نیکی نہ رہے جس پر ثواب عطا کیا جا سکے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حنبلی مفسرین کے جوابات

علامہ عبدالرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحائف میں یہ آیت بھی مذکور تھی:

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙ (النجم: ۳۹) اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا○

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر انسان کو صرف اس کی کوشش کی جزاء ملے گی' اگر اس نے نیک عمل کیا ہے تو اس کو نیک جزاء ملے گی اور اگر اس نے بُرا عمل کیا ہے تو اس کو سزا ملے گی اور اس آیت کی تفسیر میں علماء کے آٹھ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت "وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ" (الطور: ۲۱) سے منسوخ ہے' اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو آباء کی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا (رہا یہ اعتراض کہ یہ دونوں آیتیں خبر ہیں' اور نسخ انشاء میں ہوتا ہے اس کا جواب ہم الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں' اس کا دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت میں آرہا ہے)۔

(۲) عکرمہ نے کہا: یہ قاعدہ کہ ہر انسان کو صرف اس کے عمل کا عوض ملتا ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کی امتوں کے لیے تھا اور اس امت کو اپنی سعی کا اجر بھی ملتا ہے اور دوسروں کی سعی کا اجر بھی ملتا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا: تم اپنے فوت شدہ باپ کی طرف سے حج کرو۔

(۳) ربیع بن انس نے کہا: النجم: ۳۹ میں انسان سے مراد کافر ہے' کیونکہ مؤمن کو اپنی سعی کا اجر بھی ملتا ہے اور دوسروں کی سعی کا بھی۔

(۴) الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کو صرف اس کی سعی پر اجر عطا فرمائے اور اس کے فضل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو دوسرے کی سعی پر بھی اجر عطا فرمائے اور النجم: ۳۹ صورت عدل پر محمول ہے۔

(۵) ابوبکر الوراق نے کہا: اس آیت میں سعی کا معنی نیت ہے' یعنی انسان کو صرف اس کی نیت کا اجر ملتا ہے۔

(۶) الثعلبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا اجر صرف دنیا میں ملتا ہے' آخرت میں اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

(۷) علامہ زاغوانی حنبلی متوفی ۵۲۷ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں "لام" بہ معنی "علیٰ" ہے' یعنی انسان کو صرف اسی عمل سے ضرر یا اسی عمل پر عذاب ہوگا جو اس نے خود کیا ہو' کسی اور کے بُرے عمل سے اس کو عذاب نہیں ہوگا' جیسا کہ النجم: ۳۸ میں اتصریح ہے۔

(۸) ہمارے شیخ علی بن عبید اللہ زاغوانی حنبلی متوفی ۵۲۷ھ نے اس آیت کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہر انسان کو اپنی سعی کے سبب سے اجر ملتا ہے اور اسباب مختلف ہوتے ہیں: (۱) اس کے رشتہ دار' اس کی اولاد اور اس کے دوست اس پر رحم کھا کر اسے اپنی عبادتوں کا ثواب پہنچاتے ہیں (۲) وہ دین کی خدمت کرتا ہے اور عبادت کرتا ہے' اس وجہ سے دین دار لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان کے ثواب پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے (علامہ عینی' علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے بھی اپنی کتب میں ان جوابات کو ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۸۲' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شافعی مفسرین کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کو صرف اپنی سعی کا اجر ملتا ہے' حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انسان کو دوسروں کی سعی کا بھی اجر ملتا ہے' مثلاً میت کے رشتہ دار اس کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں

اور روزے رکھتے ہیں' یہ عبادات میت تک پہنچتی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اس انسان کی سعی کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ انسان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انسان کو بغیر عمل کیے بھی اجر ملتا ہے' وہ ایک نماز پڑھتا ہے اور اس کو دس نمازوں کا اجر ملتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ — جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس کی دس مثالیں ہوں گی۔ (الانعام: ۱۶۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ اجر ملنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس زیر تفسیر آیت میں صورت عدل کا ذکر ہے۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سابقہ شریعتوں کا ذکر ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے ان کو منسوخ کر دیا' اب انسان کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور دوسروں کی سعی کا بھی' لیکن یہ جواب باطل ہے اور سابقہ جواب کافی ہیں پھر نسخ کے قول کی کیا ضرورت ہے؟

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۲۷۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا اس جواب کو باطل کہنا صحیح نہیں ہے' یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جو تفسیر قرآن میں دعاء رسول ہیں اور تمام مفسرین نے اس جواب پر اعتماد کیا ہے۔

مالکی مفسرین کے جوابات

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یہ آیت الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے اور چھوٹا بچہ قیامت کے دن اپنے باپ کے میزان میں ہوگا' اور اللہ تعالیٰ آباء کو ابناء کے لیے اور ابناء کو آباء کے لیے شفیع بنائے گا اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ (النساء: ۱۱) — تمہارے باپ ہوں اور تمہارے بیٹے' تم ان کے متعلق ازخود نہیں جانتے کہ ان میں سے کس کا نفع تمہارے زیادہ قریب ہے۔

اور اکثر اہل تاویل نے کہا ہے کہ یہ آیت غیر منسوخ ہے اور کسی شخص کا عمل دوسرے شخص کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا (فقہاء احناف نے کہا ہے کہ میت کی قضاء نمازوں کا اس کی طرف سے اس کے ورثاء فدیہ دے سکتے ہیں اور حیلہ اسقاط کرنا بھی جائز ہے' اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ اس بحث کے آخر میں بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام مالک نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھنا' حج کرنا اور صدقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے (میں کہتا ہوں کہ روزوں کا فدیہ دینا بھی جائز ہے اور میت کی طرف سے حج کرنا اور صدقہ دینا بھی جائز ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کو عنقریب دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) البتہ امام مالک نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے حج کرنے کی وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور امام شافعی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ میت کی طرف سے نفلی حج کرنا جائز ہے۔

باقی اس آیت کی تفسیر میں ربیع بن انس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت کفار کے لیے ہے اور مومن کو اس کے عمل کا ثواب بھی

پہنچتا ہے اور دوسرے کے عمل کا ثواب بھی پہنچتا ہے' میں کہتا ہوں کہ یہ کثرت احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن تک نیک اعمال کا ثواب پہنچتا ہے' خواہ وہ نیک اعمال اس مؤمن نے کیے ہوں یا کسی دوسرے نے اور صدقہ کا ثواب پہنچنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ "کتاب مسلم" کے شروع میں عبداللہ بن مبارک کا قول ہے' نیز حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے: علم نافع' صدقہ جاریہ اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶)

اور یہ محض اللہ کے فضل سے ہے جیسا کہ کسی عمل کے اجر کو بڑھا کر دگنا چوگنا کر دینا بھی اللہ کے فضل سے ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک عمل کی جزاء دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱)

اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور النجم: ۳۹ اللہ تعالیٰ کے عدل پر محمول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۵۔۱۰۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حنفی مفسرین کے جوابات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے جو صدقہ کیا جائے تو اس سے اس کو نفع پہنچتا ہے' نیز بعض اجلہ محققین نے کہا ہے کہ کتاب' اور سنت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے نفع حاصل ہوتا ہے اور یہ چیز اس ظاہر آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کے عمل سے نفع نہ پہنچنا بہ طریق عدل ہے اور نفع پہنچنا بہ طریق فضل ہے اور عکرمہ نے کہا: یہ حکم سابقہ امتوں میں تھا اور اس امت میں حکم یہ ہے کہ انسان کو اپنے عمل سے بھی نفع ہوتا ہے اور دوسرے کے عمل سے بھی نفع ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے۔ علامہ ابو الحیان اندلسی نے نسخ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نسخ خبر میں نہیں انشاء میں ہوتا ہے اور النجم: ۳۹ اور الطور: ۲۱ دونوں آیتیں خبر ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے النجم: ۳۹ میں یہ خبر دی ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے عمل کا ثواب نہ پہنچایا جائے پھر ہماری شریعت میں اس کو جائز کر دیا سو اس کا مآل النجم: ۳۹ کی خبر کو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے ساتھ مقید کرنا ہے نہ کہ اس کو منسوخ قرار دینا اور یہ اس حکم کی تخصیص ہے اس کا نسخ نہیں ہے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب اموات کو نہیں پہنچتا اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ امام ابن ہمام نے یہ کہا ہے کہ امام شافعی اور امام مالک عبادات بدنیہ محضہ کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں اور بعض علماء شافعیہ اور امام احمد بن حنبل اور فقہاء احناف مطلقاً ایصال ثواب کے جواز کے قائل ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۰۱۔۱۰۲ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ایصال ثواب کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتی تو کچھ صدقہ کرتی' پس اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو کوئی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۸۔۲۷۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا انتقال ہو گیا' وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اس وقت موجود نہیں تھا' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پس بے شک میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا مخراف نام کا کھجوروں کا باغ اُن پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۵۶-۲۷۶۲-۲۷۷۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی ماں فوت ہو گئی اور انہوں نے ایک نذر مانی ہوئی تھی' آپ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے ان کی نذر ادا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۲)

(۴) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی تو حضرت فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کے چہرے کو دوسری طرف کر دیا' اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کرنا فرض کر دیا ہے اور میرا باپ بہت بوڑھا ہے' وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور اب وہ فوت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا قرض ادا کرو وہ قرض کی ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۰۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی' آیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو' یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اللہ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۱۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۶۶' عالم الکتب' بیروت)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگھوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا' وہ مینڈھا لایا گیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ' پھر فرمایا: اس چھری کو پتھر سے تیز کرو' انہوں نے اس چھری کی دھار تیز کی' پھر آپ نے اس چھری کو پکڑ کر اس مینڈھے کو گرایا' پھر اس کو ذبح کرنے لگے' پھر یہ دعا کی: بسم اللہ! اے اللہ! اس کو محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما' پھر اس کو قربان کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۷' الرقم المسلسل: ۵۰۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۷۹۲)

امام احمد نے اس حدیث کو تین مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶ طبع قدیم ج ۲۳ ص ۱۳۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۹ ھ المستدرک ج ۳ ص ۲۲۹ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۹۲ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۲ طبع قدیم مسند احمد ج ۲۳ ص ۱۷۱ موسسۃ الرسالۃ سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۲۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵ طبع قدیم مسند احمد ج ۲۳ ص ۲۶۷ موسسۃ الرسالۃ المستدرک ج ۱ ص ۳۶۷ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۹ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۴۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۱ الطحاوی ج ۴ ص ۱۷۷)

حضرت علی کی حضور کی طرف سے قربانی کی حدیث کی سند کی تحقیق

(۸) حنش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا' وہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے' میں نے ان سے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں' سو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں (''ترمذی'' کی روایت میں ہے: میں اس قربانی کو کبھی ترک نہیں کروں گا)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۵ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ طبع قدیم مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۰ ھ المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۸۸)

امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام احمد کا سلسلہ سند اس طرح ہے: **''شریک عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش عن علی''۔**

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث غریب ہے' ہم اس کو صرف شریک کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور بعض اہل علم نے میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دی ہے اور بعض نے اس سے منع کیا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا: مستحب یہ ہے کہ اس جانور کا میت کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے اور اس کی قربانی نہ کی جائے اور اگر قربانی کر دی تو قربانی کرنے والا اس کو خود نہ کھائے اور اس پورے جانور کو صدقہ کر دے۔ محمد (امام بخاری) نے کہا: علی بن مدینی نے کہا: اس حدیث کو شریک کے علاوہ بھی راویوں نے روایت کیا ہے' میں نے ان سے پوچھا: ابوالحسناء کا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے اس کو نہیں پہچانا اور امام مسلم نے کہا: اس کا نام حسن ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۳۱ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۳ ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ ھ ابوالحسناء کے متعلق لکھتے ہیں:

ابوالحسناء کوفی ہیں' ان کا نام حسن ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حسین ہے' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' ہمارے پاس ان کی حدیث سند عالی سے ہے' پھر انہوں نے اس حدیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲۱ ص ۱۷۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ ھ لکھتے ہیں:

الحسن بن الحکم النخعی الکوفی ابراہیم' شعبی اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں' ابن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں ابوحاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں' ابن حبان نے ان میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بہ کثرت خطا کرتے تھے اور شدید وہمی تھے اور جب یہ کسی روایت میں منفرد ہوں تو مجھے وہ روایت پسند نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ ھ)

علامہ شعیب الارنوط اور ان کے شرکاء اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سند میں جو ابوالحسناء ہے

وہ الحسن بن الحکم نخعی ہے' اس کے باوجود انہوں نے "میزان الاعتدال" کے "باب الکنیٰ" میں اس کا نام ذکر نہیں کیا اور کہا ہے: وہ معروف نہیں ہے اور الحسن بن الحکم معروف ہے' اس سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور متعدد ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے اور نسائی کے علاوہ باقی اصحاب السنن نے اس سے حدیث کو روایت کیا ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حنش بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی' ایک مینڈھے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک مینڈھے کی اپنی طرف سے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں' پس میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا رہوں گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس کی سند میں جو ابو الحسناء ہے وہ الحسن بن الحکم النخعی ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹۔۲۳۰' دارالباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح ہے اور ابو الحسناء ہی حسن بن الحکم نخعی ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹۔۲۳۰' دارالباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث پر بعض لوگوں نے ضعف کا حکم اس لیے لگایا تھا کہ اس کی سند میں ابو الحسناء مجہول راوی ہے' الحمد للہ! ہم نے اس کی جہالت کو زائل کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ کی سند کی تحقیق

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک سعد کی ماں فوت ہو گئی' پس کون سا صدقہ افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: پانی کا' پھر حضرت سعد نے کنواں کھودا اور کہا: یہ سعد کی ماں کا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۱)

دوسری سند سے یہ روایت ہے:

(۹) سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: کس چیز کا صدقہ آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۹۔۱۶۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۸' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴' مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو سعید بن المسیب نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

علامہ ذہبی نے "ذیل المستدرک" میں اس پر تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے: نہیں یہ غیر متصل ہے' کیونکہ سعید بن المسیب کا حضرت سعد بن عبادہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (المستدرک مع الذیل ج ۱ ص ۴۱۴)

امام ابوداؤد نے حدیث: ۱۶۸۰ میں اس کو دوبارہ روایت کیا ہے: "عن الحسن عن سعد بن عبادہ" یہ بھی منقطع ہے' کیونکہ حسن بصری کا حضرت سعد سے سماع ثابت نہیں ہے' پھر امام ابوداؤد نے اس کو حدیث: ۱۶۸۱ میں مکرر روایت کیا ہے: "عن رجل عن سعد بن عبادہ" اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں "الرجل" مجہول ہے' لیکن یہ حدیث ان اسانید

کے مجموعہ کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئی اور ابن المسیب کی مراسیل صحیح ہیں' اس لیے یہ حدیث لائق احتجاج اور صالح الاستدلال ہے۔

اس حدیث کی تائید میں امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ ھ کی یہ صحیح السند روایت ہے:

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ بے شک میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی ہے' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم پر پانی کا صدقہ لازم ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۵۷ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۶۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸' بیروت)

ایصال ثواب کے متعلق بعض دیگر احادیث

(۱۱) حضرت سہل بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے' انہوں نے کوئی وصیت کی ہے نہ صدقہ' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا وہ مقبول ہوگا؟ اور انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ تم بکری کا جلا ہوا کھر صدقہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۸۶ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن کریب ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص نفلی صدقہ کرکے اُسے اپنے ماں باپ کی طرف سے قرار دیتا ہے تو اُنہیں بھی اُس صدقہ کا اجر وثواب ملتا ہے اور اُس کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا کہ اس کو طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی خارجہ بن مصعب الضبی ضعیف ہے۔)

(۱۳) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے' وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اُس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں تو اُس کے بیٹے ہشام نے اپنے حصہ کے پچاس غلام آزاد کر دیئے' پھر اُس کے دوسرے بیٹے عمرو نے ارادہ کیا کہ بقیہ پچاس غلام آزاد کر دے' پھر انہوں نے سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے باپ نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور ہشام نے اپنے حصہ کے پچاس غلام آزاد کر دیئے اور پچاس غلاموں کو آزاد کرنا باقی ہے' کیا میں اپنے باپ کی طرف سے اُن کو آزاد کر دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا پھر تم اُس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا تم اُس کی طرف سے صدقہ کرتے یا تم اُس کی طرف سے حج کرتے تو اُس کو ان عبادات کا ثواب پہنچتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷' سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲ الطبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۳۰۷' مؤسسۃ الرسالۃ)

"مسند احمد" کے مخرج شعیب الارنؤط لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۱۱ ص ۳۰۷)

علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اس حدیث سے ایصال ثواب کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ البتہ اُن کی ذکر کردہ حدیث میں سو اونٹوں کی قربانی کرنے کا تذکرہ ہے اور "مسند احمد" میں بھی اسی طرح ہے۔ لیکن "سنن ابوداؤد" میں سو غلاموں کے آزاد

کرنے کا ذکر ہے' جیسا کہ ہم مکمل حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۰۱ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے' اگر اچانک انتقال نہ ہوا ہوتا تو ضرور وہ صدقہ کرتیں اور کچھ دیتیں' تو کیا میرا اُن کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کرنا اُنہیں کفایت کرے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم اُن کی طرف سے صدقہ کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۱)

اس حدیث پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس حدیث پر امام ابوداؤد سکوت کریں اُس کی سند حسن ہوتی ہے۔

ہم نے جن احادیث سے ایصال ثواب کے جواز پر استدلال کیا ہے اُن میں سے چھ احادیث ''صحیح بخاری'' کی ہیں اور بعض میں اُن کے ساتھ امام مسلم بھی متفق ہیں۔ اور ایک حدیث ''صحیح مسلم'' اور ''ابوداؤد'' کی ہے۔ علاوہ ازیں چار احادیث ''سنن ابوداؤد'' کی ہیں اور یہ بھی صحیح لغیرہ اور حسن ہیں۔ اور تین احادیث امام طبرانی کی ہیں' جن میں سے دو احادیث سند ضعیف کے ساتھ ہیں اور حدیث ضعیف السند فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے' خصوصاً جب اُس کی تائید میں احادیث صحیحہ ہوں اور امام طبرانی کی ایک روایت ہم نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اس کے بعد اب ہم ایصال ثواب کے مطلقاً جواز اور استحسان پر فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کی عبارات پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق:

ایصال ثواب کے متعلق فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ کی تصریحات

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں اصل یہ ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے' خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا کوئی اور عمل (مثلاً تلاوت قرآن اور اذکار) یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت اور مقرر ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے' ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ جب آپ نے ان مینڈھوں کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا تو یہ دعا پڑھی: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○'' (الانعام: ۷۹) ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○'' (الانعام: ۱۶۲۔۱۶۳) اے اللہ! یہ تیری طرف سے اور تیرے لیے ہے' محمد کی طرف سے اور اس کی امت کی طرف سے' بسم اللہ واللہ اکبر پر آپ نے ان کو ذبح کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۷۹۵' سنن ترمذی: ۱۵۲۱' سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۱) آپ نے دو مینڈھوں میں سے ایک کی قربانی امت کی طرف سے کی ہے اور عبادات کئی اقسام کی ہیں: مالیہ محضہ مثلاً زکوٰۃ' بدنیہ محضہ مثلاً نماز' ان دونوں سے مرکب مثلاً حج اور قسم اول (مالیہ محضہ) میں نیابت مطلقاً جاری ہوتی ہے' خواہ حالت اختیار ہو یا حالت اضطرار ہو' کیونکہ نائب کے فعل سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور قسم ثانی (بدنیہ محضہ مثلاً نماز) میں نیابت جاری نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مقصود ہے نفس کو مشقت میں ڈالنا اور وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا اور قسم ثالث (جو مال اور بدن سے مرکب ہو مثلاً حج) اس میں عجز کے وقت نیابت جاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں مال کے کم ہونے سے مشقت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان عاجز نہ ہو بلکہ قادر ہو کیونکہ اس میں نفس کو تھکانے کی مشقت نہیں ہے اور شرط یہ ہے کہ موت تک دائمی عجز رہے کیونکہ حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہوتا ہے اور حج نفل میں نیابت مطلقاً جائز ہے اور حالت قدرت میں بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے کیونکہ نفل کے باب میں وسعت ہے' پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ حج اس کا ہوگا جس کی طرف سے حج کیا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خثعمی عورت سے فرمایا تھا: تم اپنے باپ کی

طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو اور امام محمد کا ایک قول یہ ہے کہ حج ' حج کرنے والے کا ہوگا اور حج کرانے والے کے لیے مال خرچ کرنے کا ثواب ہوگا کیونکہ یہ عبادت بدنیہ ہے اور عجز کی صورت میں مال خرچ کرنے کو عبادت کے قائم مقام قرار دیا ہے' جیسے روزہ میں فدیہ دینے کو روزے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۹۶۔ ۲۹۷' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

فقہاء احناف میں سے علامہ شامی کی ایصال ثواب کے متعلق تصریحات

سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ ایصال ثواب کی نفی اس آیت سے کرتے ہیں: ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ '' (النجم: ۳۹) لیکن یہ آیت یا منسوخ ہے یا مقید ہے' یعنی سابقہ امتوں کو یا کافر کو صرف اپنی سعی کا اجر ملے گا' سابقہ امتوں کے مومنوں کو آخرت میں اور کافر کو صرف دنیا میں' کیونکہ بہ کثرت ایسی احادیث مروی ہیں جو اس تقیید کا تقاضا کرتی ہیں۔

حجاج بن دینار روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: میرے ماں باپ ہیں جن کے ساتھ میں زندگی میں نیکی کرتا تھا' اب میں ان کی موت کے بعد کیسے ان کے ساتھ نیکی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی اس طرح ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا' ایک شخص کہہ رہا تھا: شبرمہ کی طرف سے لبیک' آپ نے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی ہے یا میرا رشتہ دار ہے' آپ نے پوچھا: کیا تم نے اپنا حج کر لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پہلے اپنا حج کرو' پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۰۳' المنتقیٰ لابن الجارود رقم الحدیث: ۴۹۹' مشکل الآثار ج ۳ ص ۲۲۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۰۳۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۴۰' سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا کوئی قرض ادا کیا وہ قیامت کے دن ابرار (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو وہ حج اس کی طرف سے بھی قبول کیا جاتا ہے اور اس کے والدین کی طرف سے بھی اور ان کی روحیں آسمان میں خوش ہوتی ہیں اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۵۷۳' دار الکتب العلمیہ' اس کی سند میں ایک راوی ابو سعید البقال ضعیف ہے' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۷۹۔ ۸۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے باپ اور ماں کی طرف سے حج کیا اس کا اپنا حج بھی ہو گیا اور اس کو دس حج کرنے کی فضیلت ملے گی۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۵۷۶ طبع جدید' اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اس پر جو حج فرض ہے وہ اس کو ادا کرنے کی نیت کرے پھر اس کا ثواب اپنے ماں باپ کو پہنچا دے۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کرتے تو وہ قبول کیا

جاتا؟ اُس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔
(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۵۷۷ طبع جدید' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے ''کبیر'' اور ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھا' پھر اس کا اجر اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا تو اس قبرستان کے جتنے مردے ہیں اتنی بار پڑھنے کا اس کو اجر ملے گا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۵۲' فضائل سورۃ الاخلاص للخلال ج ۲ ص ۱۰۲' تذکرۃ للقرطبی ج ۱ ص ۱۲۸' شرح الصدور ص ۳۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قبرستان میں جا کر سورۂ یٰس پڑھی (اور اس کا ثواب مُردوں کو پہنچایا) اللہ تعالیٰ اس دن ان کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے (اسی طرح جمعہ کے دن بھی یٰس پڑھنے سے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے) اور قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر پڑھنے والے کو نیکیاں عطا فرماتا ہے۔
اس کو امام خلال نے روایت کیا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۳۷۳)

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۔۱۳۔۱۵۔۲۸ ملخصاً و مخرجاً و مزیداً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہم نے علامہ شامی کی ذکر کردہ ان احادیث کو ترک کر دیا' جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے اسی طرح اس حدیث کو بھی ترک کر دیا' جس کی سند میں کذاب راوی ہے اور سات عدد جتنی احادیث ذکر کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کو بھی اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کی مؤید دوسری احادیث ہیں اور فضائل اعمال میں ضعیف السند احادیث معتبر ہوتی ہیں اور باقی احادیث صحیح لغیرہ اور حسن ہیں۔

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ میں سے علامہ ابن قدامہ کی تصریحات

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جس شخص پر حج فرض ہو یا اس نے حج کی نذر مانی ہو اور وہ خود حج کرنے پر قادر ہو' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا فرض حج یا نذر مانا ہوا حج کسی سے کرائے اور نفلی حج کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس نے حجۃ الاسلام نہیں کیا تو وہ نہ خود نفلی حج کر سکتا ہے نہ کسی سے نفلی حج کرا سکتا ہے۔

(۲) اس نے حجۃ الاسلام کر لیا ہے تو وہ کسی سے نفلی حج کرا سکتا ہو خواہ وہ خود حج کر سکتا ہو یا عاجز ہو۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اگر وہ شخص خود حج کرنے سے عاجز ہو یا بہت بوڑھا ہو تو وہ کسی اور شخص سے حج کرا سکتا ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۹۳ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص کے ماں باپ فوت ہو چکے ہوں یا حج کرنے سے عاجز ہوں' اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ان کی طرف سے حج کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رزین کو یہ حکم دیا: ''حج عن ابیک واعتمر'' اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو اور ایک عورت نے آپ سے سوال کیا کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔ امام احمد نے کہا: خواہ وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے فرض حج کرے یا حج نفل کرے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے تو وہ حج اس کی طرف سے اور اس کے

ماں باپ کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی روحیں آسمان میں خوش ہوتی ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ شخص نیکو کار لکھا جاتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا قرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں اٹھایا جائے گا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے باپ یا اپنی ماں کی طرف سے حج کیا تو اس کا حج بھی ہو گیا اور اس کو دس حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

یہ تمام احادیث "سنن دار قطنی" میں ہیں۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۰۲ ملخصاً 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے قرآن مجید سے ایصال ثواب کے ثبوت پر دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ سے سوال کیا گیا:

قرآن مجید میں ہے: "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○" (النجم: ۳۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب ابن آدم مرجاتا ہے تو تین کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور وہ نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱) کیا اس کا یہ تقاضا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے پاس نیک اعمال سے کوئی چیز نہیں پہنچتی؟

شیخ ابن تیمیہ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اس آیت میں اور اس حدیث میں یہ بات نہیں ہے کہ میت کو مخلوق کی دعاؤں سے نفع نہیں پہنچتا اور نہ یہ بات ہے کہ اس کی طرف سے جو نیک عمل کیے جائیں' وہ اس کو نہیں پہنچتے' بلکہ ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ میت کو ان چیزوں سے نفع پہنچتا ہے اور اس پر کتاب' سنت اور اجماع سے دلائل ہیں اور جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل بدعت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المؤمن: ۷-۸)

عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور جو ان کے اردگرد ہیں اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں' اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کا اپنی مغفرت اور اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے' سو تو ان کو بخش دے جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی اتباع کریں اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا○ اے ہمارے رب! تو ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں' بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مومنین کے لیے مغفرت کی' عذاب سے بچانے کی اور دخول جنت کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کی یہ دعا بندہ کا عمل نہیں ہے اور اس سے بندہ کو نفع ہوتا ہے' پس واضح ہو گیا کہ انسان کو اس کے غیر کے عمل سے نفع پہنچا۔

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ

آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے

(محمد: ۱۹) اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما' اور میرے والدین کے لیے اور مؤمنوں کے لیے جس دن حساب ہوگا○

اور حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۔ (نوح: ۲۸)

اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما' اور میرے والدین کے لیے اور جو مؤمن میرے گھر داخل ہو اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے۔

یہ نبیوں اور رسولوں کی دعائیں اپنی امتوں اور مؤمنوں کے لیے ہیں اور ان کی یہ دعائیں انسان کے اعمال کا غیر ہیں اور ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے گا اور ان سے انسان کو نفع ہوگا اور اس کی مغفرت ہوگی۔

شیخ ابن تیمیہ کے سنن متواترہ سے مالی صدقات اور عبادات بدنیہ کے ایصال ثواب پر دلائل

سنن متواترہ سے دوسروں کے اعمال کا نفع آور ہونا ثابت ہے جن کا انکار کفر ہے' مثلاً مسلمانوں کا میت کی نماز جنازہ پڑھنا اور نماز میں ان کے لیے دعا کرنا' اسی طرح قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا کیونکہ ان کے ثبوت میں احادیث متواترہ ہیں' بلکہ مرتکب کبائر کی شفاعت کا اہل بدعت کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ ثابت ہے کہ آپ اہل کبائر کی شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس سے سوال کرنا ہے' پس یہ امور اور ان کی امثال قرآن اور سنن متواترہ سے ثابت ہیں اور ایسی چیزوں کا منکر کافر ہے اور ایسی چیزیں احادیث صحیحہ سے بہ کثرت ثابت ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میری ماں کا انتقال ہو گیا' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میرا ایک باغ ہے اور میں آپ کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو کچھ صدقہ کرتیں' پس اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا اس سے ان کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۴)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی' اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۰)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ العاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا اور ہشام بن العاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کر دیئے اور عمرو نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا پھر تم اس کی طرف سے روزہ رکھتے یا

صدقہ کرتے تو اس کو نفع ہوتا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲)

(۵) ''سنن دار قطنی'' میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ تھے' میں زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا' اب میں ان کی وفات کے بعد کیسے ان کے ساتھ نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا: اب ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو اور 35
اپنے صدقہ کے ساتھ ان کے لیے صدقہ کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷)

(۶) امام مسلم نے اپنی کتاب کے شروع میں ابواسحاق طالقانی سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن المبارک سے کہا: اے ابوعبدالرحمان! حدیث میں ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے ماں باپ کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو' عبداللہ بن مبارک نے کہا: اے ابواسحاق! یہ کس سے روایت ہے؟ میں نے کہا: یہ شہاب بن حراس کی حدیث ہے' انہوں نے کہا: وہ ثقہ ہے' میں نے کہا: وہ کس سے روایت کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: حجاج بن دینار سے' انہوں نے کہا: وہ بھی ثقہ ہے' وہ کس سے روایت کرتا ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے' انہوں نے کہا: اے ابواسحاق! حجاج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کئی سواریوں کی مسافت کو قطع کرنا ہے لیکن صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور واقعہ اسی طرح ہے' جس طرح عبداللہ بن مبارک نے کہا' کیونکہ یہ حدیث مرسل ہے۔ (مقدمہ مسلم رقم الحدیث: ۱۶)

اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ میت تک پہنچتا ہے' اسی طرح عباداتِ مالیہ جیسے غلام آزاد کرنا' ان کا اختلاف صرف اس چیز میں ہے کہ عباداتِ بدنیہ مثلاً نماز' روزہ اور تلاوتِ قرآن ان کو دوسرے کی طرف سے کرنا جائز ہے یا نہیں' جب کہ صحیح حدیث میں ہے:

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کا ولی (وارث) اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ نذر کے روزے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا اس کی طرف سے وہ قرض ادا کیا جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: میری بہن کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن بریدہ بن حصیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: بے شک میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں' اگر میں اس کی طرف سے یہ روزے رکھ لوں تو آیا اس کی طرف سے یہ روزے ادا ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۹)

لہٰذا ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ میت کے ذمہ جو نذر کے روزے ہیں ان کو رکھا جائے گا اور وہ قرض کی ادائیگی کے مشابہ ہیں اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے' اور جن کے پاس یہ احادیث پہنچ گئیں' انہوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا' اس مسئلہ میں ان ائمہ کا اختلاف ہے جن کے پاس یہ احادیث نہیں پہنچیں (میں کہتا ہوں: ان ائمہ نے ان احادیث میں تاویل کی ہے اور روزہ رکھنے کے حکم سے روزہ کا فدیہ دینا مراد لیا ہے تاہم ان کے نزدیک بھی کسی کی طرف سے نفل روزہ اور نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ جس کی طرف سے یہ نفلی عبادت ادا کی جائے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ سعیدی غفرلہٗ) اور رہا حج تو وہ سب کے نزدیک دوسرے کی طرف سے ادا کرنا کافی ہے' اور اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی' ابھی اس نے حج نہیں کیا تھا کہ وہ فوت ہو گئی' آیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے حج کرو' یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اللہ کا قرض ادا کرو' اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۸)

(۱۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی اور اس نے حج نہیں کیا' آیا اس کے لیے یہ کافی ہو گا کہ میں اس کی طرف سے حج ادا کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بخاری کی روایت میں ہے: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ایک عورت نے کہا: میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی' آیا اس کے لیے میرا حج کرنا کافی ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۹)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے حج فرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح نذر مانے ہوئے حج کو بھی میت کی طرف ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح فرض روزوں کو بھی میت کی طرف سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کو حکم دیا ہے وہ بعض احادیث میں میت کی اولاد تھی اور بعض احادیث میں میت کا بھائی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میت کے ذمہ قرض کے مشابہ قرار دیا ہے اور قرض ہر ایک کی طرف سے ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ کام بھی ہر شخص کر سکتا ہے اور اس میں اولاد کی تخصیص نہیں ہے' کیونکہ بعض احادیث میں آپ نے بھائی کو بھی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب' سنت اور اجماع علماء سے یہ واضح ہو گیا کہ میت کی طرف سے عبادات کو ادا کرنا اور ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" (النجم: ۳۹) اس کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح وہ حدیث بھی اس کے خلاف نہیں ہے جس میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوا تین کے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۳۱) اور یہ حق ہے بلکہ یہی حق ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اس کو دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں ہو گا جب کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس کی اولاد کی دعا سے اس کو فائدہ ہو گا۔

"وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" (النجم: ۳۹) کے متعدد جوابات ہیں: (۱) یہ ہم سے پہلی شریعت کا حکم ہے (۲) یہ حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی امتوں کے ساتھ مخصوص ہے (۳) یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے (۴) انسان کی سعی سے مراد اس کا سبب ہے اور اس کے غیر کے اعمال کا بھی وہ سبب ہوتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت باقی نصوص کے مخالف نہیں ہے اور اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ غیر کے عمل سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا۔ حدیث صحیح میں ہے:

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کے جنازہ پر گیا حتیٰ کہ

اس کی نماز پڑھی' اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو تدفین تک جنازہ کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط اجر ملے گا' پوچھا گیا: قیراط کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: دو بڑے پہاڑوں کی مثل ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴۵)

اور اللہ تعالیٰ زندہ کی نماز پڑھنے سے میت پر رحم فرماتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

(۱۴) جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نماز جنازہ سو مسلمان پڑھیں' ایک روایت میں ہے: چالیس مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور ایک روایت میں ہے: تین صفیں نماز پڑھیں اور وہ اس کے لیے دعا اور شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے: اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴۷۔۹۴۸)

پس اللہ تعالیٰ اس سعی کرنے والے کو ایک قیراط اجر دے گا اور اس کی سعی سے اس میت پر رحم فرمائے گا' اس کی دعا کے سبب سے اور اس کی طرف سے صدقہ کرنے کے سبب سے اور اس کی طرف سے روزہ رکھنے کے سبب سے اور اس کی طرف سے حج کرنے کے سبب سے۔

(۱۵) حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس دعا کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے اور جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے: تیرے لیے بھی ایسا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

پس یہ وہ سعی ہے جس سے مسلمان اپنے بھائی کو نفع پہنچاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو جزاء دے اور اس پر رحم فرمائے۔

ہر وہ چیز جس سے میت کو نفع ہوتا ہے یا زندہ کو نفع ہوتا ہے اور اس پر رحم کیا جاتا ہے' یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نفع اس کی اپنی سعی سے ہو' کیونکہ مؤمنین کے کم سن بچے اپنے آباء کے ساتھ بغیر اپنی کسی سعی کے داخل ہوں گے اور جس طرح کوئی انسان کسی شخص کا قرض اپنی طرف سے ادا کر دیتا ہے تو وہ بری ہو جاتا ہے' اسی طرح جب کوئی شخص کسی کی طرف سے حج کرلے گا یا روزہ رکھ لے گا تو اس کا ذمہ بھی بری ہو جائے گا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۶۷۔۱۷۶ ملخصاً وخرجاً موضحاً' دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے تلاوت قرآن سے ایصال ثواب پر دلائل

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ سے یہ سوال کیا گیا:

حسب ذیل مسائل میں ائمہ اور فقہاء کیا ارشاد فرماتے ہیں:

میت پر قرآن پڑھنے کا ثواب اس کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تلاوت قرآن کی اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ مستحق کے لیے اہل میت کا طعام کھانا جائز ہے یا نہیں؟ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے اس کے جواب میں لکھا:

الحمد للہ رب العلمین! مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا میت کو نفع ہوتا ہے اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ مروی ہیں' ان میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باحوالہ گزر چکی ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرلیں' اسی طرح میت کو اس کی طرف سے حج کرنے' اس کی طرف سے قربانی کرنے' غلام آزاد کرنے اور دعا اور استغفار سے بھی نفع ہوتا ہے۔

اور رہا میت کی طرف سے نفل نماز پڑھنا اور روزے رکھنا اور تلاوت قرآن کرنا تو اس میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) امام احمد' امام ابوحنیفہ وغیرہما اور بعض اصحاب شافعی وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

(۲) امام مالک اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے میت کو نفع نہیں ہوتا۔

رہا تلاوت قرآن پر اجرت دینا اور اس کا ثواب پہنچانا' اس میں ایک قول یہ ہے کہ دنیاوی مال کے عوض جو تلاوت کی گئی ہے وہ قبول نہیں ہوگی نہ اس کا ثواب ہوگا' دوسرا قول یہ ہے کہ فقیر اور تنگ دست کا تلاوت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور غنی اور خوش حال کا اجرت لینا جائز نہیں ہے اور یہ امام احمد کے مذہب کے موافق ہے' وہ کہتے ہیں کہ یتیم کا ولی جب فقیر ہو تو وہ یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے اور غنی کو اجتناب کرنا چاہیے اور یہ قول دوسرے قول سے زیادہ قوی ہے' پس جب فقیر اجرت لے گا تو وہ اس سے عبادت کرنے پر مدد حاصل کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اس کو اجر دے گا۔ پس جب کوئی شخص اس مال کو مستحق پر خرچ کرے گا تو وہ صدقہ میت کو مل جائے گا اور جب وہ اس سے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تعلیم پر اعانت کا قصد کرے گا تو یہ افضل اور احسن ہے' کیونکہ تعلیم قرآن پر اعانت کرنا اعمال میں سے سب سے افضل عمل ہے۔ (تلاوت قرآن پر اجرت لینے کے جواز میں' میں نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۷ ص ۱۰۱۶۔ ۱۰۲۹ میں مفصل بحث کی ہے اور کچھ یہاں بھی اس بحث کے اخیر میں ذکر کروں گا' ان شاء اللہ۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور قبروں پر دواماً تلاوت کرنا سلف میں معروف نہیں تھا' امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد نے اکثر روایات میں اس کو مکروہ کہا ہے اور متاخر روایت میں اس کی اجازت دی ہے' جب ان کو یہ حدیث پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر سورۂ بقرہ کی شروع اور آخر کی آیات تلاوت کی جائیں اور بعض انصار نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر سورۂ بقرہ تلاوت کی جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۶۱۳' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۲۰)

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۵۔ ۱۷۶ ملخصاً' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ستر ہزار مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھے اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دے تو اس سے میت کی دوزخ سے نجات ہوگی یا نہیں اور یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اور جب انسان ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچا دے تو میت کو اس کا ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے اس کے جواب میں کہا:

جب کوئی انسان ستر ہزار مرتبہ یا اس سے کم یا زیادہ مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھے گا اور میت کو اس کے ثواب کا ہدیہ کرے گا تو اس میت کو اس کا ثواب پہنچے گا اور یہ نہ کوئی حدیث صحیح ہے نہ ضعیف ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۸۰' دارالجیل' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا' آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی اماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں' حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا' یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے' اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی' مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے' آپ نے پھر سبب پوچھا' اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں' سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے کشف کی صحت تو مجھ کو اس حدیث سے معلوم ہوئی اور اس حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (تحذیر الناس ص ۴۴۔ ۴۵' مطبوعہ دارالاشاعت' کراچی)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ نے اکیس دلائل سے اس استدلال کو باطل کیا ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے نفع نہیں ہوتا اور قرآن اور سنت کے اکیس دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے (ہم نے ان اکیس دلائل کو ''شرح صحیح مسلم'' ج ۲ ص ۹۲۹۔ ۹۳۰ میں ذکر کیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۶۴-۳۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

علماء غیر مقلدین میں سے شیخ ابن قیم جوزیہ کی ایصالِ ثواب پر تصریحات

شیخ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمہ روزوں کی نذر ہے اور نذر پوری کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا' آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۸)

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔

ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث اپنے عموم اور اطلاق پر ہے اور ایک جماعت نے کہا: اس کی طرف سے نذر کے روزے رکھے جائیں' نہ فرض روزے اور ایک جماعت نے کہا: نذر کے روزے رکھے جائیں اور فرض روزے نہ رکھے جائیں۔ حضرت ابن عباس اور ان کے اصحاب اور امام احمد اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور یہی قول صحیح ہے' کیونکہ فرض روزے نماز کے قائم مقام ہیں اور جس طرح کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا' اسی طرح کوئی شخص کسی کی طرف سے فرض روزے بھی نہیں رکھ سکتا اور نذر میں کسی چیز کو اپنے ذمہ لازم کرنا ہے' پس وہ بہ منزلہ قرض ہے' پس ولی جب نذر کی قضا کرے گا تو وہ قضا قبول کی جائے گی' جس طرح اس کی طرف سے قرض کی ادائیگی قبول کی جاتی ہے اور صرف معذور شخص کی طرف سے حج کی ادائیگی قبول کی جائے گی اور کسی شخص کی دوسرے شخص کی طرف سے تو بہ نفع نہیں دے گی' نہ کسی شخص کا دوسرے کی طرف سے اسلام لانا نفع دے گا' نہ کسی اور فرض کا کسی کی طرف سے ادا کرنا نفع دے گا' جس شخص نے ان فرائض کی ادائیگی میں تفریط کی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۳۲۳ دار الحدیث مصر)

حیلہ اسقاط کا بیان

میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے ذمہ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں اور وہ ان کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو اس کی طرف سے نہ نماز پڑھی جائے گی نہ روزہ رکھا جائے گا' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر سے سوال کیا جاتا کہ آیا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے روزے رکھے یا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھے؟ انہوں نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے روزے رکھے نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۸۸ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

لیکن چونکہ بہ کثرت احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ جس شخص کے ذمہ فرض روزے ہوں اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے' اس لیے فقہاء احناف کے نزدیک روزوں اور نمازوں کا فدیہ دیا جائے اور ایک روزے اور ایک نماز کا فدیہ دو کلوگرام گندم یا اس کی قیمت ہے' اس کے روزوں اور نمازوں کا حساب کر کے اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے فدیہ ادا کر دیا جائے' ورنہ کوئی شخص یا کئی اشخاص مل کر اپنی طرف سے تبرع اور احسان کر کے اس کا فدیہ ادا کر دیں' اگر فدیہ کی رقم بہت زیادہ ہو تو پھر حیلہ اسقاط کر لیا جائے' اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مثلاً کل فدیہ کی رقم دس ہزار روپے ہے اور ولی کے پاس صرف ایک ہزار روپیہ ہے تو وہ ایک ہزار روپیہ فقیر کو دے دے اور میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط کر دے جن کا فدیہ ایک ہزار ہو' پھر فقیر وہ ایک ہزار روپے ولی کو ہبہ کر دے اور وہ پھر اس فقیر پر وہ ہزار روپیہ صدقہ کر دے اور میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط کر دے اور یہ عمل دس بار دہرائیں تو میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط ہو جائیں گی جن کا فدیہ

دس ہزار روپے ہے یا دس آدمی بیٹھ جائیں' میت کا ولی ان میں سے ایک کو ایک ہزار روپیہ صدقہ کرے اور وہ آدمی دوسرے شخص کو وہ ہزار روپیہ ہبہ کر دے اور وہ شخص اس رقم پر قبضہ کرے' تیسرے آدمی پر صدقہ کر دے' علیٰ ہذا القیاس' ان دس آدمیوں میں سے ہر شخص اس ہزار روپے پر قبضہ کر کے میت کی طرف سے دوسرے شخص پر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ میت کی طرف سے اتنا فدیہ قبول فرمائے اور اس سے نمازیں ساقط کر دے' یہ ایک حیلہ ہے اور اللہ سے امید رکھے کہ وہ اس کو قبول فرمائے گا۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی نور الایضاح و مراقی الفلاح ج ۲ ص ۳۰-۳۲' مکتبہ غوثیہ' کراچی)

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن بھوپالی کی تصریحات

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں: زندہ انسان' نماز' روزہ' تلاوت قرآن' حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی' احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ میت ہے' جو تحت الثریٰ میں رہین ہے اور اب نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے' پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے' سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۂ پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے' یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صَرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے' یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں' پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا؟ کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے' خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ۔

شیخ ابن قیم نے ایصالِ ثواب کے دلائل میں سے دعاء استغفار اور نماز جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلۃ اور وسیلۃ (بلند درجہ) کی دعا کی جائے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور یہ قیامت تک مشروع ہے اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعاء' تلاوت قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچا ہے۔ عبد الحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے' امام احمد پہلے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے تھے' جب انہیں حضرت ابن عمر کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے اس انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے: تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو' حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھو۔ اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو۔ علامہ سیوطی نے کہا: جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ عبد الواحد مقدسی نے کہا: یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصالِ ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں' شیخ نے کہا: ہر چند کہ صرف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن

سکتیں' لیکن بہ کثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔ (سراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵' مطبع صدیقی بھوپال' ۱۳۲۰ھ)

ایصال ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین میں سے نواب وحید الزمان حیدر آبادی کی تصریحات

نواب وحید الزمان حیدر آبادی متوفی ۱۳۳۸ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مردوں کو زندوں کی سعی سے فائدہ پہنچتا ہے' اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جس ثواب کا سبب مردے نے اپنی زندگی میں مہیا کر دیا تھا (مثلاً اس کی صالح اولاد اور اس کے وہ احباب جن سے اس نے نیک سلوک کیا) اور دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اس کے لیے دعا کریں اور استغفار کریں اور اس کی طرف سے صدقہ کریں اور حج کریں اور ہمارے اصحاب کا عبادات بدنیہ کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے' مثلاً تلاوت قرآن کا ایصال ثواب اور اہل حدیث میں سے محققین کا مذہب یہ ہے کہ ہر عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے' مثلاً تلاوت قرآن کا اور عبادات مالیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے مثلاً صدقہ کر کے اس کا ثواب میت کو ہدیہ کیا جائے تو اس کو یہ ثواب پہنچتا ہے اور امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ میت کی طرف ہر عبادت کا ثواب پہنچتا ہے خواہ وہ عبادت صدقہ ہو' نماز ہو' حج ہو' اعتکاف ہو یا تلاوت قرآن یا ذکر ہو یا کوئی اور عبادت ہو اور" وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى " (النجم: ۳۹) ایمان پر محمول ہے یعنی کسی انسان کو دوسرے انسان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچا سکتا' اگر وہ انسان خود ایمان نہ لایا ہو' یا اس آیت میں انسان سے مراد ابوجہل یا عقبہ یا ولید بن مغیرہ ہے یا یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے اور وہ یہ ہے:" وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ " (الطور: ۲۱) اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور حاجات کو پورا کرنے والا ہے اور ہمارے شیخ ابن القیم نے کہا کہ قرآن کی تلاوت بغیر اجرت کے کر کے اسے میت کو ہدیہ کرنے سے اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور یہ چیز ہر چند کہ متقدمین اور سلف صالحین میں معروف نہیں تھی لیکن دلیل کے تقاضے سے یہ جائز ہے کیونکہ جب حج' روزہ' دعا' استغفار اور صدقہ کا ثواب احادیث صحیحہ کی بناء پر میت کو پہنچتا ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کے پہنچنے سے کیا چیز مانع ہے؟ ہاں! جب انسان نے اپنے لیے کوئی عمل کیا پھر بعد میں اس نے ارادہ کیا کہ وہ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس میں بھی ان کے دو قول ہیں۔ ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض علماء (اسماعیل دہلوی) کا یہ کہنا باطل ہے کہ عبادات بدنیہ کا ایصال ثواب بدعت ہے' ہاں! تلاوت قرآن کے لیے جمع ہونا اور اس کے لیے دن معین کرنا بے شک بدعت ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۰۷۔۱۰۸' مطبع صدیقی بھوپال' ۱۳۰۱ھ)

ایصال ثواب کے لیے انعقاد محفل اور عرفی تعیین یوم پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ اگر اس سے مراد بدعت حسنہ ہے تو یہ کلام صحیح ہے اور اگر اس سے مراد بدعت سیئہ ہے تو یہ کلام باطل ہے کیونکہ جو کام انفرادی طور پر کرنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے' وہ اجتماعی طور پر کرنا بدعت سیئہ کس دلیل سے ہو گا؟ یہ از خود شریعت بنانا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ عہد رسالت میں اور عہد ابوبکر میں اور حضرت عمر کی خلافت کے اوائل میں قیام رمضان (تراویح) انفرادی طور پر پڑھی جاتی تھی؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ تراویح شروع کرائی اور اب تک اس پر عمل ہو رہا ہے حتیٰ کہ غیر مقلدین کے ہاں بھی باجماعت تراویح پڑھی جاتی ہے اور نواب وحید الزمان نے تعیین یوم کو جو بدعت کہا ہے' اگر اس سے مراد تعیین شرعی ہے جیسے یکم شوال عید الفطر کے لیے معین ہے اور نو ذوالحجہ حج کے لیے معین ہے اور دس ذوالحجہ عید الاضحیٰ کے لیے معین ہے اور یہ تعیین صرف شارع علیہ السلام کی طرف سے ہوتی ہے' کوئی اس کو از خود معین نہیں کر سکتا تو پھر یہ

کلام درست ہے' اور اگر اس سے مراد تعیین عرفی ہے تو پھر نواب صاحب کا یہ کلام باطل ہے کیونکہ تعیین عرفی عہد رسالت سے لے کر آج تک ہو رہی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے معاملہ میں مرد ہم پر غالب آ گئے' آپ اپنی طرف سے ہمیں تعلیم دینے کے لیے ایک دن معین کر دیں' آپ نے ان سے ملاقات کے لیے ایک دن معین کیا اور اس دن میں ان کو وعظ کیا اور احکام بیان کیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

من جعل لاهل العلم ایاما معلومة. جس شخص نے تعلیم دینے کے لیے ایام مخصوصہ معین کر دیے۔

اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو نصیحت کرتے تھے' ایک شخص نے آپ سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز نصیحت کیا کریں' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہر روز نصیحت اور وعظ کرنے سے مجھے صرف یہ چیز مانع ہے کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالنا ناپسند کرتا ہوں اور میں وعظ کرنے میں تمہارا اس طرح لحاظ کرتا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کرنے میں ہمارا لحاظ فرماتے تھے' اس خوف سے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود نے اپنے اس عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے' جس طرح آپ صحابہ کو ہر روز وعظ نہیں کرتے تھے' بلکہ کسی ایک دن وعظ کیا کرتے تھے تاکہ صحابہ روز روز وعظ سننے سے اکتا نہ جائیں' اسی طرح حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے وعظ کے لیے ایک دن معین کر لیا تھا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو وعظ اور تعلیم کے لیے جمعرات کا دن معین فرمایا تھا وہ شرعی تعیین نہیں تھی کہ جمعرات سے پہلے یا بعد کسی دن وعظ اور تعلیم جائز نہ ہو جیسے عید الاضحیٰ کے لیے دس ذوالحج معین ہے' نہ اس سے پہلے عید ہو سکتی ہے نہ اس کے بعد' بلکہ انہوں نے لوگوں کی سہولت کے لیے ایک دن معین کر دیا تھا کہ سب لوگ اس دن وعظ سننے اور حصول تعلیم کے لیے جمع ہو جائیں' جیسے لوگ دینی اور تبلیغی اجتماع کے لیے ایک تاریخ معین کر کے اشتہار چھاپ دیتے ہیں یا دینی مدارس میں داخلہ کے لیے اور امتحانات کے لیے اور نتائج کے لیے اور تقسیم اسناد اور دستار بندی کے لیے ایک تاریخ معین کر دیتے ہیں' اگرچہ اس سے پہلے اور بعد کی تاریخوں میں بھی یہ امور جائز ہوتے ہیں اور جیسے دینی مدارس میں ختم بخاری کے لیے پیشگی ایک تاریخ معین کر دی جاتی ہے اور جب ختم بخاری کے لیے ایک تاریخ معین کرنا جائز ہے تو ختم قرآن کے لیے تدفین کے دوسرے روز (جس کو عرف میں سوئم کہتے ہیں) یا چالیسویں روز کی تاریخ معین کرنا کیوں جائز نہیں' جب کہ ان تاریخوں سے پہلے یا بعد بھی سوئم اور چالیسویں کی تقریبات منعقد کرنا جائز ہے اور اس سے پہلے اور بعد یہ تقریبات ہوتی بھی ہیں' خود میں نے اپنی والدہ مرحومہ کا سوئم چوتھے روز کیا اور چہلم چالیس دن سے پہلے کیا' سو ان تاریخوں میں ان تقریبات کا کرنا ضروری نہیں ہے صرف سہولت سے لوگوں کے اجتماع کے لیے عرفاً ایک تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے۔

تعیین عرفی کے ثبوت میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام میں تمہارا کون سا ایسا عمل ہے‘ جس کے مقبول ہونے کی تمہیں زیادہ توقع ہے؟ کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتیوں سے چلنے کی آواز سنی‘ حضرت بلال نے کہا: میں نے اسلام لانے کے بعد کوئی ایسا عمل نہیں کیا‘ جس کے مقبول ہونے کی مجھے زیادہ توقع ہو‘ ماسوا اس کے کہ میں رات اور دن کے جس وقت میں بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو کے ساتھ اتنی نماز پڑھتا ہوں جو میرے لیے مقدر کی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۹‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۸)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ (نفلی) عبادت کو ادا کرنے کے لیے اپنے اجتہاد سے وقت مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت بلال نے اپنے اجتہاد سے وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے کو مقرر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا۔ علامہ ابن جوزی نے کہا کہ اس حدیث میں وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے کی ترغیب ہے تاکہ وضو کرنا اپنے مقصود سے خالی نہ رہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۵‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

اور آج تک امت مسلمہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس سنت کے مطابق وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھ رہی ہے اور جب اپنے اجتہاد سے نفلی عبادات کے لیے وقت مقرر کرنا جائز ہے تو اسی اصول پر ایصالِ ثواب کے لیے سوئم اور چہلم‘ غوثِ اعظم کے ایصالِ ثواب کے لیے گیارھویں اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بارھویں تاریخ کو مقرر کرنا جائز ہے اور ان تاریخوں میں ان تقریبات کو منعقد کرنا ضروری نہیں ہے‘ ان تاریخوں سے پہلے اور بعد بھی یہ تقریبات منعقد ہو سکتیں ہیں اور ہوتی بھی ہیں‘ لیکن لوگوں کو جمع کرنے کے لیے کسی نہ کسی تاریخ کو معین تو کرنا ہوگا‘ عہد صحابہ اور عہد تابعین میں ایصالِ ثواب کی تقریبات منعقد نہیں ہوتیں تھیں‘ تو نہ ہوتی ہوں لیکن جب دلائل سے ان تقریبات کا معین دن میں منعقد کرنا جائز ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے‘ عہد صحابہ اور تابعین میں سالانہ تبلیغی جلسے بھی نہیں ہوتے تھے‘ ختم بخاری کی تقریبات بھی نہیں ہوتی تھیں‘ تاریخ معین کر کے منگنی‘ نکاح اور ولیمہ کی تقریبات بھی نہیں ہوتی تھیں اور یہ سب دینی کام ہیں اور ان کو کارِ ثواب سمجھ کر معین تاریخوں میں کیا جاتا ہے تو پھر صرف رشتہ داروں اور بزرگوں کے لیے ایصالِ ثواب کی تاریخوں کو کیوں ہدفِ اعتراض بنایا جاتا ہے؟

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں: میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا‘ صدقات کرنا اور دیگر تمام عبادات معتبر ہیں۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۴۱۳)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کیں اور اس کے بعد لکھا: ان احادیث اور آثار کے علاوہ بہ کثرت احادیث اور آثار ہیں جو حدِ تواتر تک پہنچتے ہیں اور ان سے ایصالِ ثواب ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی عبادت کا ثواب دوسروں کو پہنچاتا ہے اس سے دوسروں کو نفع ہوتا ہے اور یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹‘ مکتبۃ الحجاز کراچی)

علماء دیوبند کا اب بھی یہ معمول ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے برسی اور سوئم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں:

اس سلسلہ میں روزنامہ جنگ‘ کراچی اور روزنامہ ایکسپریس‘ کراچی کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

ملتان: اعظم طارق کی برسی کے اجتماع میں دھماکا '۴۱ جاں بحق

(روزنامہ جنگ' کراچی' جمعہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۸ اکتوبر ۲۰۰۴ء' صفحہ اول)

مولانا اعظم طارق کی برسی پر کالعدم ملت اسلامیہ کا اجتماع ختم ہوتے ہی زوردار دھماکے سے۔۔ افراتفری پھیل گئی

(روزنامہ ایکسپریس' جمعہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۸ اکتوبر ۲۰۰۴ء' صفحہ اول)

مفتی جمیل اور مولانا نذیر کے لیے ایصال ثواب کا اعلان

مفتی جمیل اور مولانا نذیر کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی آج ہوگی

کراچی (اسٹاف رپورٹر) جامعہ علوم اسلامیہ' علامہ بنوری ٹاؤن کے ناظم امور قاری محمد اقبال کے مطابق ممتاز علمائے کرام مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی پیر کو جامعہ علوم اسلامیہ' بنوری ٹاؤن میں صبح گیارہ بجے ہوگی۔ (روزنامہ جنگ' کراچی' ص ۱۶' پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

بنوری ٹاؤن میں مفتی جمیل اور نذیر تونسوی کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی

قرآن خوانی صبح گیارہ بجے شروع ہوئی' شہداء کے لیے بلندی درجات کی دعا کی گئی۔

کراچی (وقائع نگار) عالمی تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذید احمد تونسوی کے ایصال ثواب کے لیے بنوری ٹاؤن میں صبح گیارہ بجے قرآن خوانی ہوئی' اس موقع پر مولانا عزیز الرحمن جالندھری' ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے سات ہزار سے زائد شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مفتی محمد جمیل خان نے ملک بھر میں دینی مدارس کا جال بچھا کر اسلام کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (روزنامہ دن' کراچی' ص ۸' ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

مفتی جمیل اور نذیر تونسوی کے ایصال ثواب کے لیے بنوری ٹاؤن میں قرآن خوانی

اجتماع میں ۷ ہزار سے زائد افراد کی شرکت' شہداء کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مقررین

کراچی (اسٹاف رپورٹر) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کے ایصال ثواب کے لیے بنوری ٹاؤن میں صبح گیارہ بجے قرآن خوانی ہوئی۔ اس موقع پر مولانا عزیز الرحمن جالندھری اور ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر نے سات ہزار سے زائد شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ (روزنامہ امت' کراچی' ص ۲' ۶۱ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

ایصال ثواب کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

فاتحہ دلاتے وقت کھانا سامنے رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

اور وقت فاتحہ کھانے کے قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے' مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں' جو اسے ناجائز و ناروا کہے' ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے' ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا و رسول کسی چیز کو ناجائز و ناروا کہہ دینا خدا و رسول پر افتراء کرنا ہے' ہاں! اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا' ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے لیکن نفس فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرف نہیں آتا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۵' سنی دار الاشاعت' ۱۳۹۴ھ)

ایصالِ ثواب کی تفصیل اور غنی کے کھانے کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

طعام تین قسم کا ہے ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے۔ "لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور" اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں' دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے' فقراء اس کے لیے احق ہیں' اغنیاء کو نہ چاہیے' تیسرے وہ طعام کہ نذر ارواح طیبہ (اس نذر سے مراد ایصالِ ثواب کی نذر ہے' یہ نذر عرفی ہے' شرعی اور فقہی نذر مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے' اس نذر عرفی کی مزید وضاحت عنقریب اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات سے پیش کی جائے گی' ان شاء اللہ۔ سعیدی غفرلہٗ) حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے' یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴' سنی دارالاشاعت' فیصل آباد)

گیارہویں شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

گیارہویں شریف جائز ہے اور باعثِ برکات اور وسیلہ مجربہ قضاء حاجات ہے اور خاص گیارہویں کی تخصیص عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اسے شرعاً واجب نہ جانے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴)

بزرگانِ دین کی نذر و نیاز اور تیجہ و چالیسواں اور عرس کے متعلق لکھتے ہیں:

ایصالِ ثواب میں نذر اللہ نہ کہنا چاہیے' اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اسے نذر کیا جائے' ہاں! نذر رسول کہنا صحیح ہے' معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ نذر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں' جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے' اولیاء کی نذر کے بہت ثبوت ہمارے "فتاویٰ افریقہ" میں ہیں' اور تازہ ثبوت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں حال سید عبدالرحمٰن ادریسی قدس سرہٗ میں فرماتے ہیں: از اطراف دیار اسلام نذور برائے وے مے آوردند (اسلامی ممالک کے اطراف سے سید عبدالرحمٰن کو نذریں پیش کرنے کے لیے لائی جاتی ہیں)۔

تیجہ' دسواں' چہلم وغیرہ جائز ہیں جب کہ اللہ کے لیے کریں اور مساکین کو دیں' اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اور ان کا آنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں' فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھائے' اپنے بی بی بچوں کو کھلائے' سب اجر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے لیے حکم بھی دیا اور صحابہ نے ایصالِ ثواب کیا اور آج تک کے مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا' تخصیصات عرفیہ جب کہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں خدا نے مباح کی ہیں۔

اور عرس کہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو اور شیرینی پر ایصالِ ثواب یہ سب جائز ہیں اور نزد قبر رکھنے کی ضرورت نہیں نہ اس میں جرم جب کہ لازم نہ جانے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸' فیصل آباد)

تیجہ اور چالیسویں کو معین کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اموات مسلمین کو ایصالِ ثواب قطعاً مستحب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ" "تم میں سے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو نفع پہنچائے۔ اور یہ تعینات عرفیہ ہیں' ان میں اصلاً حرج نہیں' جب کہ انہیں شرعاً لازم نہ جانے' یہ نہ سمجھے کہ انہیں دنوں ثواب پہنچے گا' آگے پیچھے نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۵' فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں: تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا' ہاں!

قرآن خوانی پر اُجرت لینی دینی منع ہے' اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں گے کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے' اب یہ اُجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۲)

قرآن خوانی کی اُجرت لینے کی توجیہات

مصنف کہتا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ نفس قرآن مجید پڑھنے کا معاوضہ نہ طے کیا جائے بلکہ خاص قیود کے بدلے معاوضہ لیا جائے' مثلاً فلاں جگہ' فلاں وقت' فلاں شخص کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے ان قیودات کا معاوضہ لے' دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا نفس قرأت کی اجرت نہ لے بلکہ اس کو پڑھنے سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے اس کے ازالہ کے لیے معاوضہ لے' تیسری صورت یہ ہے کہ وہ قرأت کا معاوضہ تو نہیں لیتا لیکن اس وقت وہ اگر کوئی کارِ معاش کرتا تو اس کو جو اُجرت ملتی وہ لیتا ہے' اسی تاویل سے صحابہ نے حضرت ابوبکر اور دیگر خلفائے راشدین کو کارِ خلافت اور امامت کی اجرت دی اور اسی تاویل سے نماز کی امامت کی اجر دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قاری للہ فی اللہ قرآن مجید پڑھے اور پڑھوانے والا للہ فی اللہ بلا تعیین کچھ خدمت کر دے اور آج کل اسی کا رواج ہے' پانچویں وجہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے اس حدیث کے پیش نظر قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے: "ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله" "جن چیزوں پر اجرت لی جاتی ہے ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۷' صحیح مسلم: ۲۲۰۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

سوم دہم و چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے' برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی بات ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۳)

نیز سوئم کے کھانے اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے' ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے' مشرک یا چمار (مردار خور) کو اس کا دینا گناہ' فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے' یہ حکم عام فاتحہ کا ہے' نیاز اولیاء کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے' فقیر و غنی سب لیں' جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو' شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵ فیصل آباد)

حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

اور حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا' یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں' انہیں اس سے باز رکھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵)

کسی نے کہا: کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی (اسی طرح سوئم' چہلم اور عرس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے)' اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے؟ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول

نے منع نہ فرمایا دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔ " اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ " (النحل: ۱۱۶۔۱۱۷)۔ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۲۲۹ سنی دارالاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۳ھ)

ایصالِ ثواب کے ثبوت پر برطانیہ سے موصول ہونے والے اعتراضات کے جواب

میں نے " شرح صحیح مسلم " ج ۴ ص ۴۹۹۔۵۱۰ میں ایصالِ ثواب کی بحث لکھی تھی' لیکن چونکہ یہ بحث اب تک " تبیان القرآن " میں نہیں آیا تھا' اس لیے میں نے یہاں پر یہ بحث از سرِ نو زیادہ تفصیل اور تحقیق سے لکھا اور " شرح صحیح مسلم " کے بعض آخری اقتباسات کو بھی اس مبحث کی تکمیل اور تتمیم کے لیے دوبارہ ذکر کیا' اس مبحث پر منکرین ایصالِ ثواب کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ محترمہ ام السحر شمیم اختر نے شفیلڈ برطانیہ سے مجھے بھجوائے' تاکہ " تبیان القرآن " میں ان کا جواب لکھ دوں۔ ہرچند کہ ان میں سے اکثر اعتراضات کے جوابات خود " شرح صحیح مسلم " میں آ چکے تھے' لیکن میں نے مناسب جانا کہ میں ان تمام اعتراضات کے جوابات لکھ دوں تاکہ ایصالِ ثواب کی یہ بحث مکمل طریقہ سے بے غبار ہو جائے' میں ان اعتراضات کو نمبروار نقل کر کے ان کے جوابات لکھ رہا ہوں' فاقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق' علیہ توکلت والیہ انیب۔

اس کا جواب کہ دوسرے کے عمل کے کام آنے کا ثبوت کہاں ہے؟

اعتراض ۱: ایک کا عمل دوسرے کے کام آ سکتا ہے اس کا ثبوت کہاں ہے؟

الجواب: الطور: ۲۱ میں یہ مذکور ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی نابالغ اولاد کو ان کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا' اس کی تفصیل اسی جلد میں الطور: ۲۱ کی تفسیر میں بھی ہے اور النجم: ۳۹ کی تفسیر میں بھی ہے اور " شرح صحیح مسلم " میں بھی قرآن مجید کی آیات' احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات سے واضح کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا عمل دوسرے مسلمان کے کام آتا ہے اور " وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ " (النجم: ۳۹) کے وافی اور شافی جوابات دیئے گئے ہیں' دیکھئے! " شرح صحیح مسلم " ج ۲ ص ۹۲۸' ۹۳۴۔

اس کا جواب کہ زندہ کے لیے ایصالِ ثواب کیوں نہیں کیا جاتا؟

اعتراض ۲: زندہ شخص کے لیے دعا کرنا جائز ہے تو زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کیوں نہیں کیا جاتا؟ زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی ممانعت کہاں ہے؟

الجواب: زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی ممانعت نہیں ہے اور زندہ شخص کے لیے بھی دوسرا شخص عبادات انجام دیتا ہے' حج بدل کی احادیث اور اس مسئلہ میں فقہاء کی عبارات اس پر واضح دلیل ہیں' علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی صاحب ہدایہ حنفی نے لکھا ہے کہ حج بدل میں شرط یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہو وہ معذور ہو اور موت تک دائمی عجز رہے اور حج نفل میں نیابت مطلقاً جائز ہے اور حالت قدرت میں بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے' کیونکہ نفل کے باب میں وسعت ہے' مکمل عبارت اسی جلد میں مذکور ہے' اسی طرح علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی لکھا ہے' اس کی مکمل عبارت بھی اسی جلد کے اسی مبحث میں ہے' خود راقم الحروف نے اپنی والدہ کی حیات میں ان کی طرف سے عمرہ ادا کیا اور راقم الحروف کے دوست محترم طیب بھائی نے راقم الحروف کی طرف سے عمرہ کیا۔ نیز صالح بن درہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایام حج میں ہم سے ایک شخص نے کہا: کیا تمہارے پہلو میں ابلہ نام کی بستی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! اس شخص نے کہا: تم میں سے کون شخص اس بات کا ضامن ہے کہ مسجد عشاء میں میرے لیے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے: یہ نماز ابوہریرہ کے لیے ہے' کیونکہ میں نے اپنے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ قیامت کے دن مسجد عشاء سے ایسے شہداء کو اٹھائے گا' جن کے ہم پلہ شہداء بدر کے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۰۸) اس حدیث میں زندہ کے لیے ایصالِ ثواب کی واضح دلیل ہے۔

اس کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایصالِ ثواب کا کہاں ثبوت ہے؟

اعتراض ۳: وفات یافتہ افراد کے لیے عہدِ رسالت یا عہد خلفاء راشدین میں ایصالِ ثواب کی کوئی محفل منعقد ہوئی یا اجتماعی دعا کی گئی' جنگ یمامہ جیسے واقعات پیش آئے' کیا کسی نے اپنا عمل دوسرے کو دیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ میں سے کسی نے ایصالِ ثواب کیا؟ ثبوت کیا ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے زیادہ قوی آپ کا قول ہے' حتیٰ کہ جب آپ کے قول اور عمل میں تعارض ہو تو آپ کے قول کے مقابلہ میں عمل کو ترک کر دیا جاتا ہے اور جب کہ بہ کثرت احادیثِ صحیحہ میں آپ کے صریح ارشادات موجود ہیں کہ فلاں کی طرف سے صدقہ کرو اور فلاں کی طرف سے حج کرو اور فلاں کی طرف سے روزے رکھو تو پھر اس سلسلہ میں آپ کے اور صحابہ کے اعمال کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

نیز اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ و تابعین میں مساجد میں صرف فرض نمازیں پڑھی جاتی تھیں' سنن اور نوافل صرف گھروں میں پڑھے جاتے تھے' جب کہ اب مساجد میں سنن اور نوافل پڑھنے کا بھی رواج ہو گیا ہے۔ کیا مخالفین یہ بتا سکتے ہیں کہ اس رواج کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟

نیز عہد رسالت میں اور عہد صحابہ و تابعین میں گھڑیوں کے حساب سے ایک معین وقت پر نمازیں نہیں پڑھی جاتی تھیں' جب مسلمان جمع ہو جاتے تھے' نماز پڑھ لیتے تھے' ہم سے تیجے اور چالیسویں کی تعیین کا سوال کرنے والے مخالفین کیا بتا سکتے ہیں کہ گھڑیوں کے حساب سے معین وقت پر نماز پڑھنے کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟

اور اگر آپ کے صریح ارشادات کے باوجود معترض کی تسکین آپ کے عمل سے ہو سکتی ہے تو ہم "صحیح مسلم" اور بہ کثرت دیگر احادیث کے حوالوں سے بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگھوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور یہ دعا کی: اے اللہ! اس کو محمد اور آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔ اور صحابہ کے عمل کا ثبوت یہ ہے کہ ہم "سنن ابوداؤد" اور دیگر کثیر احادیث کے حوالوں سے یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت علی ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے' ایک اپنی طرف سے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

اس سوال کا جواب ہم "شرح صحیح مسلم" میں غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں کی طرف سے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی طرف سے بھی لکھ چکے اور مذکور الصدر احادیث کا بھی "شرح صحیح مسلم" ج ۲ ص ۵۰۱-۵۰۲ میں ذکر ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی کی عبارت یہ ہے:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۂ پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے' یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے' یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا؟ کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے' خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۰۷)

اور اعلیٰ حضرت امام رضا فاضل بریلوی کی عبارت یہ ہے:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں' کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے تھے یا بنوائے تھے یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے' جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول نے منع نہ فرمایا' دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۱۱)

نفلی عبادات کے لیے اپنے اجتہاد سے کوئی بھی وقت معین کیا جا سکتا ہے' لیکن یہ تعیین عرفی ہوتی ہے' تعیین شرعی کی طرح نہیں' جسے شارع نے مقرر کیا ہے اور مکلف اس کا پابند ہے اور اسی پر اجر کامل موقوف ہے۔ دیکھیے' "از روئے شرع" نفلی روزہ ہر دن رکھا جا سکتا ہے' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۲) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کی اتباع میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہر ہفتے کو مسجد قباء جایا کرتے تھے' جب کہ مسجد قباء کی زیارت ایک نفلی عبادت ہے' جسے ہر روز کیا جا سکتا ہے' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتے کے دن کو اس کی زیارت کے لیے خاص کر لیا تھا' چنانچہ حدیث میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن مسجد قباء پیدل یا سواری پر جایا کرتے تھے' اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۳)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں دوسرے کے لیے دعا کے ثبوت سے ایصال ثواب کا ثبوت لازم نہیں آتا

اعتراض ۴: آپ نے "شرح صحیح مسلم" (ج ۲ ص ۵۰۰) میں قرآن مجید کی ان آیات سے ایصال ثواب پر استدلال کیا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۴)

اور آپ کہیے: اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ . (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

دعا میں استدعا ہے' اپنا عمل کسی کو دیا نہیں جا رہا' اس لیے دعا کی آیات ایصال ثواب کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں۔

الجواب: معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کا عمل دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اسی قاعدہ کی بنیاد پر وہ ایصال ثواب کی نفی کرتے ہیں' ہم نے بنی اسرائیل: ۲۴ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے والدین کے لیے حصول رحمت کی دعا کیجئے اور الحشر: ۱۰ میں یہ بتایا ہے کہ مؤمنین اپنے فوت شدہ بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں گویا ہمیں بھی ایسی دعا کرنے کی تلقین کی ہے' اگر آپ کی دعا سے آپ کے والدین کو رحمت حاصل نہ ہو اور مؤمنین کی دعا سے ان کے فوت شدہ بھائیوں کو مغفرت حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اور اس کی تلقین عبث ہو گی۔ سو واضح ہو گیا کہ ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے یہ قاعدہ باطل ہو گیا کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ نہیں ہوتا اور اسی قاعدہ کی بنیاد پر معتزلہ نے ایصال ثواب کی نفی کی تھی' پس ان آیات سے ایصال ثواب کی نفی کی بنیاد منہدم ہو گئی اور خصوصیت کے ساتھ ایصال ثواب کا ثبوت ان متعدد احادیث سے ہے' جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔

اس کا جواب کہ ایصالِ ثواب کے کھانے سے اغنیاء کیوں کھاتے ہیں؟

اعتراض ۵: صدقہ غرباء کے لیے ہوتا ہے' امراء کے لیے نہیں ہوتا' لیکن عملاً امراء بھی ایصالِ ثواب کی دعوتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

الجواب: جو صدقہ فرض ہو جیسے نذر معین کا یا زکوٰۃ کا' اس کا کھانا امراء کے لیے جائز نہیں ہے اور نفلی صدقات جیسے سوئم اور چہلم میں صدقہ کا ثواب یا بزرگانِ دین کے عرس کا طعام اس کو سب کھا سکتے ہیں۔

اس کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں بندوں کے اعمال میں دوسروں کے ہدیہ کیے ہوئے اعمال کا کیوں ذکر نہیں ہے؟

اعتراض ۶: قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کا حساب ہوگا' یہ کہیں نہیں ہے کہ تمہارے اعمال میں ان ہدیوں کو بھی دیکھا جائے گا جو تمہیں وفات کے بعد بھی وصول ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ" (البقرہ: ۱۳۹) اگر دوسرے کی نیکیاں بھی انسان کے اعمال میں ہوتیں تو قرآن میں ان کا ذکر بھی ہوتا۔

الجواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے مرنے کے بعد تین کے سوا اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں: صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور وہ نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱) اس نے اپنی زندگی میں جو اعمال از خود نہیں کیے تھے اس حدیث کی رُو سے قیامت تک کی یہ نیکیاں اس کے اعمال میں داخل ہوں گی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اپنی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور جن لوگوں نے اس نیکی پر عمل کیا ان کا اجر بھی اس کو ملے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) سو جس نے اپنی اولاد کو نماز سکھائی' اس کی نمازوں کا اجر اس کو ملے گا اور جس نے اپنی اولاد کو صدقہ و خیرات کرنا سکھایا' ان کے صدقہ و خیرات کرنے کا بھی اجر اس کو ملے گا' جس نے دینی مسائل سکھائے' ان مسائل پر عمل کرنے والوں کا اجر اس کو ملے گا' جس نے کوئی دینی کتاب لکھی' اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرنے والوں کا اجر اس کو ملتا رہے گا جب تک دنیا میں وہ کتاب باقی رہے گی۔

حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو سلمہ کے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد کیا کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کے ساتھ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم ان کی نمازِ جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت طلب کرو' ان کی وفات کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو' جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ نیکی کرتے تھے ان کے ساتھ نیکی کرو اور ان کے دوستوں کی تکریم کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴)

اولاد کی ان نیکیوں سے بھی ماں باپ کو نفع ہوگا اور یہ نیکیاں ماں باپ کے اعمال ناموں میں درج ہوں گی' ہم نے تین حدیثیں بیان کی ہیں' جن کے اعتبار سے اولاد اور شاگردوں کی نیکیاں ماں باپ اور اساتذہ کے اعمال میں اور قارئین کی نیکیاں مصنفین کے اعمال ناموں میں درج ہوں گی تو کیا کسی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ میزان پر کسی شخص کو وہ نیکیاں ملیں گی جو اس کے لیے دوسروں نے کی ہیں اور کیا کسی حدیث میں اعمال نامے میں درج تمام مفصل نیکیوں کا ذکر ہے' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ اس میں کسی شخص کی اپنی کی ہوئی نیکیوں کا تو ذکر ہے لیکن ان نیکیوں کا ذکر نہیں ہے جو کسی دوسرے نے اس کے لیے کیں تھیں اور کیا

ایصالِ ثواب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارشادات کافی نہیں ہیں جن میں آپ نے کسی سے فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے حج کرو کسی سے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو کسی سے فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرو اور کیا قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ. (الطور:۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

لہٰذا اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ اگر دوسروں کی نیکیاں انسان کے کام آتیں تو قرآن ان کو بھی ذکر کرتا۔

اور قرآن مجید میں یہ بھی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ. (البقرہ:۲۵۱)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کی نیکیوں سے دوسرے بعض سے عذاب دور نہ کرتا تو زمین فاسد ہو جاتی۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (الحج:۴۰)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر کو بعض لوگوں کی خیر سے دور نہ فرماتا تو راہبوں کے معبد اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ضرور گرا دیے جاتے۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اول الذکر آیت (البقرہ:۲۵۱) کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں' ان ہی کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے' ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

شیخ محمد بن علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث روایت کی ہے: اللہ نماز پڑھنے والوں کے سبب سے بے نمازوں سے عذاب دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب دور کر دیتا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے ان سے عذاب دور کر دیتا ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰ دار الوفاء المنصورہ ۱۴۱۸ھ' فتح البیان ج ۱ ص ۳۶۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اور ''وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ'' (البقرہ:۱۳۹) اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو شخص کسی کے تعلیم دینے یا اس کے نیک سلوک' اس کی پرورش اور اس کی محبت کی وجہ سے اس کی طرف سے نیک اعمال کرتا ہے' وہ درحقیقت اسی کے اعمال ہوتے ہیں کیونکہ وہ دوسرے کے نیک اعمال کا سبب ہوتا ہے۔

اس کا جواب کہ حضرت سعد نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا اس لیے یہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے

اعتراض ۷: جس حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا' وہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ انہوں نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا یا ان کی خواہش سے صدقہ کیا تھا۔

الجواب: یہ حدیث پر افتراء ہے' کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت سعد نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا یا ان کی

خواہش سے ان کی طرف سے ایسا کیا تھا' اگر منکرین کے پاس ایسی حدیث ہے تو پیش کریں ورنہ جھوٹی حدیث گھڑنے سے باز آئیں اور اس جھوٹ کا واضح قلع قمع اس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اس وقت موجود نہیں تھا' اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پس بے شک میں آپ کو گواہ کرتا ہوں میرا مخراف نام کا کھجوروں کا باغ ہے وہ ان پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲' یہ حدیث "شرح صحیح مسلم" ج ۴ ص ۵۰۱ پر بھی درج ہے)

اس کا جواب کہ میت کی نذر پوری کرنا وارثوں پر لازم ہے اس لیے یہ ایصال ثواب کی دلیل نہیں ہے

اعتراض ۸: جس حدیث میں وارث سے کہا گیا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کرے یا اس کی نذر پوری کرے وہ بھی ایصال ثواب کی دلیل نہیں ہے کیونکہ میت کا قرض ادا کرنا اور اس کی نذر پوری کرنا وارثوں پر فرض ہے۔

الجواب: قرض ادا کرنا اور نذر پوری کرنا وارثوں پر اس وقت ضروری ہے جب اس نے ترکہ میں مال چھوڑا ہو' اور اگر اس نے ترکہ میں کوئی مال نہ چھوڑا ہو' پھر ان پر قرض ادا کرنا یا نذر پوری کرنا فرض نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے نذر پوری کرنے کا مطلقاً حکم دیا ہے اور جب وارث اپنی طرف سے تبرع اور احسان کر کے اس کی نذر پوری کرے گا تو یہ خالص غیر کا عمل ہو گا جس سے میت کو نفع ہو گا اور یہ ایصال ثواب کی واضح دلیل ہے' نیز جب میت نے مال چھوڑا ہو اور وارث اس مال سے قرض ادا کرے یا نذر پوری کرے' تب بھی یہ عمل تو میت کا نہیں ہے' مال میت کا ہے لیکن عمل تو وارث کا ہے اور وارث کے اس عمل سے میت کو بہر حال نفع ہو گا اور اس صورت میں بھی یہ ایصال ثواب کی دلیل ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے جس میں حضور کی طرف سے حضرت علی۔۔ کی قربانی کرنے کا ذکر ہے

اعتراض ۹: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی حدیث ہے اس کی سند کا حال "میزان" میں قابل دید ہے' اس روایت کو قبول کرنے کے لیے چیتے کا دل چاہیے؟

الجواب: جی نہیں! اس روایت کو قبول کرنے کے لیے مسلمان کا دل کافی ہے" "میزان الاعتدال" میں اس سند کا جو حال ہے وہ ہم نے دیکھ لیا ہے" "میزان الاعتدال" کے مصنف علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی الحسن بن الحکم کے متعلق ابن معین نے کہا: وہ ثقہ ہیں اور ابوحاتم نے کہا: وہ صالح الحدیث ہیں' البتہ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن حبان ان کو ناپسند کرتے تھے (اگر وہ ناپسند کرتے تھے تو کرتے رہیں!)۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳) اور علامہ ذہبی نے "تلخیص المستدرک" میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹-۲۳۰)

اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کی طرف سے قربانی دینا گھر۔۔۔ کے سربراہ کی مثل ہے' یہ ایصال ثواب کی دلیل نہیں

اعتراض ۱۰: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی وہ بھی ایصال ثواب کی دلیل نہیں ہے کیونکہ جب گھر کا سربراہ قربانی دیتا ہے تو وہ سب کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے سربراہ تھے اس لیے آپ نے ساری امت کی طرف سے قربانی کر دی۔ آپ کا یہ عمل امت کی دل جوئی کے لیے تھا یہ

ایصال ثواب کی دلیل نہیں ہے۔
الجواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا تعلق ایک گھرانے اور اس کے سربراہ کا سا نہیں ہے بلکہ ایک نبی اور اس کی امت کا ہے اور نبی کے ہر عمل میں امت کے لیے حسین نمونہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ . بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حسین نمونہ ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل اور امت کی طرف سے جو قربانی کی ہے اس میں ہمارے عمل کے لیے یہ نمونہ ہے کہ ہم بھی اپنے عزیزوں اور معاشرہ کے ان پس ماندہ افراد کی طرف سے قربانی کیا کریں جواز خود قربانی نہیں کر سکتے اور ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي . آپ کہیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (آل عمران:۳۱)

اس آیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنی قربانی کے ساتھ اپنے عزیزوں اور معاشرہ کے تنگ دست افراد کی طرف سے قربانی کریں اور ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔

اس کا جواب کہ حضرت سعد بن عبادہ کی حدیث مرسل ہے' اس لیے حجت نہیں

اعتراض ۱۱: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات چودہ ہجری میں ہوئی ہے' حسن بصری جو بے نظیر مدلس ہیں' ان کی وفات کے بعد تقریباً بائیس ہجری میں پیدا ہوئے' "موطأ امام مالک" میں حسن بصری نے حضرت سعد بن عبادہ سے یہ مرسلاً روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرنے کا سوال کیا۔ سو یہ روایت مدلس ہے اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ "تہذیب التہذیب" اور "میزان الاعتدال" میں حسن بصری کے مدلس ہونے کا ذکر ہے۔

الجواب: ہم نے "موطأ امام مالک" کی مرسل روایت سے استدلال نہیں کیا بلکہ "صحیح بخاری" کی متصل السند تین روایتیں پیش کی ہیں' پہلی روایت "عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس ان سعد بن عبادہ رضی الله عنه" سے شروع ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۱) اور دوسری روایت: "اخبرنی یعلی انه سمع عکرمة مولی ابن عباس یقول انبانا ابن عباس ان سعد بن عبادہ" سے شروع ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۲)

اور تیسری متصل روایت یہ ہے: "عن هشام عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم" الحدیث۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۰) ان تینوں روایات میں سے کسی روایت میں حسن بصری نہیں ہیں۔

نیز "سنن ابوداؤد" میں سعید بن مسیب اور حسن بصری سے مرسل روایت ہے' جس کے متعلق ہم ایصال ثواب کے متعلق احادیث کے عنوان کے تحت بحث کر چکے ہیں۔ تاہم معترضین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حسن بصری بے نظیر مدلس تھے' ان کی روایات مرسل ہیں' مدلس نہیں ہیں۔

کیا حضرت حسن بصری فی الواقع مدلس تھے؟

حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری کا پورا نام ہے: حسن بن ابی الحسن یسار بصری' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دو سالوں

میں پیدا ہوئے' ان کی ماں کا نام خیرہ تھا اور وہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں' بعض اوقات ان کی ماں گھر میں نہیں ہوتی تھیں اور یہ روتے تھے تو حضرت ام سلمہ ان کے منہ میں اپنا پستان دے دیتی تھیں' ان میں جو حکمت اور فصاحت تھی وہ اسی کی برکت سے تھی۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۹۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نیز علامہ مزی نے لکھا ہے کہ ان کی ماں ان کو حضرت عمر کے پاس لے گئیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کو دین میں فقہ عطا فرما اور لوگوں کے نزدیک اس کو محبوب بنا دے۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۰۳)

امام احمد بن حنبل نے کہا: رجب ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: اس وقت ان کی عمر اٹھاسی (۸۸) سال تھی۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۱۷)

''میزان الاعتدال'' کے مصنف علامہ شمس الدین ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بہت فضائل اور مناقب لکھے ہیں' وہ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری اپنے زمانہ کے اہل علم و عمل کے سردار تھے اور اہل بصرہ کے شیخ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۵۷)

یحییٰ بن معین نے کہا: انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے مرسلاً احادیث روایت کی ہیں' مثلاً حضرت علی' حضرت ام سلمہ' ان سے ان کا سماع نہیں ہے اور نہ حضرت ابوموسیٰ اور نہ حضرت ابن سریع سے اور نہ عمرو بن تغلب سے اور نہ حضرت عمران سے اور نہ حضرت ابی برزہ سے اور نہ حضرت اسامہ بن زید سے اور نہ حضرت ابن عباس سے اور نہ حضرت عقبہ بن عامر سے اور نہ حضرت ابوثعلبہ سے اور نہ حضرت ابوبکرہ سے اور نہ حضرت ابوہریرہ سے اور نہ حضرت جابر سے اور نہ حضرت ابوسعید سے اور دوسروں نے کہا: ان کا حضرت سلمہ بن محبق' حضرت عباس اور حضرت ابی بن کعب سے بھی سماع نہیں ہے' قتادہ نے کہا: ان کا کسی بدری صحابی سے سماع نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۵۸۔۳۵۹)

حضرت حسن بصری نے کہا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات میں جاتا تھا' اس وقت میں بالغ ہو چکا تھا اور جب باغیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ حسن بصری' عثمان بن ابی العاص کے پاس گئے تھے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۶۰۔۳۶۱)

ابوبردہ نے کہا: میں نے حسن بصری سے زیادہ کوئی شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشابہ نہیں دیکھا۔

ابوقتادہ نے کہا: حسن بصری کو لازم رکھو' میں نے ان سے زیادہ کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہ نہیں دیکھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: حسن بصری سے سوال کرو کیونکہ ان کو (احادیث) حفظ ہیں اور ہم بھول گئے۔

قتادہ نے کہا: میں نے جب بھی حسن بصری کے علم کا دوسرے علماء سے تقابل کیا تو حسن بصری کو ان سے افضل پایا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۶۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ابوہلال نے کہا: جب قتادہ کے پاس حسن بصری کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ علم میں غوطہ زن تھے' بلکہ وہ علم میں ہی پروان چڑھے اور اللہ کی قسم! خارجیوں کے سوا ان سے کوئی بغض نہیں رکھتا تھا۔

ہمام نے قتادہ سے روایت کیا کہ زمین کبھی ایسے سات لوگوں سے خالی نہیں رہی' جن کے سبب سے بارش ہوتی ہے اور جن کی برکت سے لوگوں سے مصائب دور کیے جاتے ہیں اور مجھے توقع ہے کہ حسن بصری بھی ان سات میں سے ایک ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۶۴)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: میں جنگ صفین کے ایک سال بعد بالغ ہوا' حضرت عثمان کی شہادت کے وقت ان کی عمر چودہ سال تھی' انہوں نے حضرت عثمان کو دیکھا' ان سے سماع کیا اور ان سے احادیث روایت کیں' اور انہوں نے حضرت عمران بن حصین سے' حضرت سمرہ بن جندب سے' حضرت ابوہریرہ سے' حضرت ابن عمر سے' حضرت ابن عباس سے' حضرت عمرو بن تغلب سے' حضرت اسود بن سریع سے' جندب بن عبداللہ سے اور صعصعہ بن معاویہ سے احادیث روایت کیں' اور حسن بصری جامع' عالم' عالی' رفیع' فقیہ' ثقہ' مامون' عابد' ناسک' کبیر العلم' فصیح اور جمیل تھے۔ ان کی جو روایات متصل ہیں اور ان سے روایت کی ہیں جن سے انہوں نے سماع کیا ہے وہ عمدہ اور حجت ہیں اور ان کی مرسل احادیث حجت نہیں ہیں (یہ محمد بن سعد کی رائے ہے' احناف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل روایت مطلقاً مقبول ہے) اہل مکہ نے ان کی تعظیم کی اور مجاہد' عطاء' طاؤس اور عمرو بن شعیب نے کہا: ہم نے ان کی مثل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ نے لکھا ہے:

یہ اپنے زمانہ میں بصرہ میں سید التابعین تھے' یہ فی نفسہٖ ثقہ تھے' علم اور عمل میں سردار تھے' بہت عظیم القدر تھے اور بہت تدلیس کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۸۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ ھ)

حسن بصری کو مدلس کہنا صحیح نہیں' دراصل یہ مرسل روایت بیان کرتے تھے' اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ کا بھی ان کو مدلس کہنا صحیح نہیں ہے' وہ لکھتے ہیں:

حسن بصری ثقہ اور فقیہ تھے' ان کی مرسل روایات بہت ہیں اور وہ تدلیس کرتے تھے۔

(تقریب التہذیب ص ۱۲۶' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

العجلی نے کہا: وہ تابعی ثقہ ہیں اور رجل صالح ہیں' ابن حبان نے ان کا الثقات میں ذکر کیا ہے' انہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا' وہ تدلیس کرتے تھے' وہ اہل بصرہ میں سب سے زیادہ فصیح تھے' سب سے زیادہ حسین تھے' سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

تدلیس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

تدلیس کا لغوی معنی ہے: روشنی اور اندھیرے کا مختلط ہونا' بیچنے والے کا سودے کے عیب کو خریدار سے چھپانا' دھوکا دینا۔ سند میں تدلیس یہ ہے کہ محدث نے جس شیخ سے حدیث سنی ہو' اس شیخ کے کسی عیب کی وجہ سے اس کی طرف حدیث کا اسناد نہ کرے بلکہ اس سے اوپر کے شیخ کی طرف حدیث کا اسناد کرے' جس کو اس نے دیکھا بھی ہو۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۸۶' دارصادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

اور تدلیس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

تدلیس الاسناد یہ ہے کہ محدث اپنے معاصر سے ایک حدیث روایت کرے' جس سے اس نے اس حدیث کو نہ سنا ہو اور وہ یہ وہم ڈالے کہ اس نے اسی سے اس حدیث کو سنا ہے اور جس سے اس نے سنا ہے اس کے ضعیف یا اس کے کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کی طرف اس حدیث کا اسناد نہ کرے تاکہ اس حدیث کی تحسین ہو۔

(تقریب النواوی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۲۳۔۲۲۲' مکتبہ علمیہ' مدینہ منورہ)

اور حدیث مرسل کی تعریف یہ ہے:

تابعی کبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا آپ نے یہ کام کیا۔ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ج ا ص ۱۹۵)

واضح رہے کہ حدیث مرسل امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اگر دوسرے قرائن سے مؤید ہو جائے تو مقبول ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

حضرت حسن بصری کے مدلس نہ ہونے پر دلائل

حضرت حسن بصری کے متعلق سب نے لکھا ہے کہ وہ عالم باعمل تھے اور اپنے زمانہ میں سب سے بڑے فقیہ اور سب سے زیادہ عبادت گزار تھے' سو ان کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ سند حدیث میں تدلیس کریں گے اور لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنی روایت کی نسبت اپنے شیخ الشیخ کی طرف کریں گے جس سے انہوں نے اس حدیث کو نہیں سنا ہو گا اور اپنے اس شیخ کی طرف اس حدیث کی نسبت نہیں کریں گے جس سے درحقیقت انہوں نے اس حدیث کو سنا ہو گا کیونکہ ان کے اس شیخ میں کوئی عیب ہو گا اور وہ اس حدیث کو رواج دینے کے لیے اس کی نسبت شیخ الشیخ کی طرف کر دیں گے تا کہ اس حدیث کا رواج ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دھوکہ دہی ہے اور کسی متقی عالم دین سے ایسا کرنا متصور نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ایسے شخص سے جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فقیہ اور سب سے بڑا عابد ہو۔ لہٰذا حضرت حسن بصری کی طرف تدلیس کی نسبت کرنا باطل ہے' خواہ کسی نے بھی یہ نسبت کی ہو۔

البتہ حضرت حسن بصری کی مرسل روایات بہت ہیں اور حدیث مرسل وہ ہوتی ہے جس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور درمیان میں کسی صحابی کو چھوڑ دے۔ علامہ ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے حسن بصری سے کہا کہ آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں اور کہتے تھے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) کاش! آپ یہ بھی بیان کرتے کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟ حسن بصری نے کہا: اے شخص! نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے نہ ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو اصحاب تھے اور انہی میں سے کوئی شخص ہمیں نماز پڑھاتا تھا (یعنی اُن ہی صحابہ میں سے ہم نے احادیث سنی ہیں)۔

یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے سوال کیا: اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حالانکہ آپ نے اُن کے زمانہ کو نہیں پایا۔ حسن بصری نے کہا: اے بھتیجے! تم نے مجھ سے اُس چیز کا سوال کیا ہے جو تم سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں کیا اور اگر میرے نزدیک تمہاری وہ وقعت نہ ہوتی جو ہے تو میں تمہیں نہ بتاتا' تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس زمانے میں ہوں اور یہ زمانہ حجاج کی عمل داری کا تھا اور ہر وہ حدیث جس میں تم مجھ سے یہ سنتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دراصل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنی ہوتی ہے' لیکن میں اُس زمانہ میں ہوں کہ حضرت علی کا نام زبان پر لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۱۶' دارالفکر بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن مدینی نے کہا کہ حسن بصری کی مرسلات جب اُن سے کوئی ثقہ راوی روایت کرے تو وہ صحیح ہیں اور بہت کم ایسا ہو گا کہ ان میں سے کوئی حدیث ساقط الاعتبار ہو۔ اور امام ابوزرعہ نے کہا کہ ہر وہ حدیث جس میں حسن بصری کہتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے اس کی اصل ثابت پائی سوا چار احادیث کے اور امام محمد بن سعد نے کہا کہ حسن بصری جامع' عالم' رفیع' فقیہ' ثقہ' مامون' عابد' ناسک' کثیر العلم' فصیح اور جمیل تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا روایت حدیث میں کتنا بلند مقام ہے اور منکرین حدیث نے ان کی بہ کثرت احادیث کو رد کرنے کے لیے یہ زہر پھیلایا ہے کہ وہ مدلس تھے اور ہم نے تفصیل سے اس کو اس لیے لکھا کہ عام لوگوں کو اس زہر آفرینی سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو تو وہ دور ہو جائے اور حضرت حسن بصری کے دامن سے غبار ہٹ جائے اور قیامت کے دن حسن بصری ایسے فقیہ اور عابد و زاہد کے دامن سے گرد صاف کرنے کی وجہ سے ہمیں اُن کی شفاعت نصیب ہو اور ہماری مغفرت ہو:

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

''میں صالحین سے محبت کرتا ہوں ہر چند کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں' شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی صالحیت عطا فرما دے''۔

النجم: ۴۰۔۴۱ میں فرمایا: اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا O پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا O

قیامت کے دن انسان کے گزشتہ اعمال دکھانے کی توجیہ

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کا عمل سب کو دکھائے گا' پھر اس کے عمل کی اس کو پوری پوری جزاء دی جائے گی۔

اس آیت میں مؤمنین کے لیے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے نیک اعمال سب کو دکھائے گا تاکہ مؤمنین اپنی عزت افزائی سے خوش ہوں یا فرشتے اور تمام مخلوق قیامت کے دن مؤمنین کے نیک اعمال کو دیکھے گی اور اس سے مؤمنین خوش ہوں گے اور اپنے نیک اعمال پر فخر کریں گے اور کافر غمگین ہوں گے' کیونکہ ان کے بُرے اعمال کو ساری مخلوق دیکھے گی اور وہ رسوا ہوں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو اعمال انجام دیئے جا چکے وہ گزرنے کے بعد فنا ہو گئے' ان کو کیسے دکھایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال کی جگہ حسین صورتیں دکھائی جائیں گی اور بُرے اعمال کی جگہ بُری اور ڈراؤنی صورتیں دکھائی جائیں گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو اور اس کے اعمال کو پیدا کرنے والا اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا' اسی طرح اس کے اعمال کو بھی دوبارہ پیدا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے اس کو بعید سمجھنا گمراہی اور جہالت کی بات ہے' کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کا پہلے کوئی تصور نہیں تھا' لیکن سائنس کی تیز رفتار ترقی کے باعث اب وہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہو چکی ہیں' پہلے یہ جاننے کا کوئی تصور نہیں تھا کہ خون کے ایک قطرہ میں کتنے ملی گرام گلوکوز ہے اور کتنے ملی گرام کولیسٹرول ہے' اب ایسی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں جس سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ اس کے خون میں گلوکوز کی کتنی مقدار ہے اور کولیسٹرول کی کتنی مقدار ہے' خود میرے پاس ایسا میٹر ہے' جس سے میں اپنا گلوکوز اور کولیسٹرول جانچتا رہتا ہوں' لیکن یہی بات اب سے آٹھ نو سو سال پہلے امام غزالی اور امام رازی کے زمانہ میں کہی جاتی تو اس پر کوئی یقین نہ کرتا۔ سائنس دان کہتے ہیں: ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں وہ آوازیں معدوم نہیں ہوئیں' وہ فضا میں موجود ہیں اور وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ گزشتہ آوازوں کو ریکارڈ کر کے لوگوں کو سنا سکیں اور جب گزشتہ آوازوں کو سنایا جا سکتا ہے تو پھر گزشتہ اعمال کو بھی دکھایا جا سکتا ہے' نیز یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ وڈیو کیمرے کے ذریعہ انسان کی آوازوں اور اس

کے کاموں کو بعینہٖ اسی طرح دکھایا اور سنایا جاتا ہے تو جب انسان وڈیو کیمرے کے ذریعہ گزشتہ کام اور گزشتہ آوازیں دکھا اور سنا سکتا ہے تو خالق کائنات وڈیو کیمرے کی وساطت کے بغیر انسان کے گزشتہ کام کیوں نہیں دکھا اور سنا سکتا' ہم اسباب اور واسطوں کے محتاج ہیں' خالق کائنات کسی سبب اور واسطے کے محتاج نہیں ہے۔

النجم: ۴۲ میں فرمایا: اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے O

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے' کیونکہ ہر چیز کے سبب کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہو جاتی ہے' مثلاً زید کی پیدائش کا سبب اس کا باپ ہے' اور اس کے باپ کی پیدائش کا سبب اس کا باپ ہے اور اس کا سبب پھر اس کا باپ ہے اور یہ سلسلہ حضرت آدم تک پہنچے گا' اب سوال ہوگا کہ حضرت آدم کی پیدائش کا سبب کون ہے؟ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ ان کی پیدائش کا سبب ایسی ذات ہو جو فی نفسہٖ حادث اور ممکن نہیں ہے اور وہ ذات قدیم اور واجب ہے' وہ سب کے وجود کا سبب ہے اور اس کا سبب کوئی نہیں ہے کیونکہ وہ حادث اور ممکن نہیں ہے' قدیم اور واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ ذات واحد ہو کیونکہ اگر وہ ذات متعدد ہو تو ان متعدد ذوات میں قدم اور وجوب مشترک ہوگا اور چونکہ دو چیزیں بغیر باہم امتیاز کے نہیں ہو سکتیں اس لیے ہر ذات میں دو جز ہوں گے' ایک جز مشترک ہوگا اور ایک جز ممیز ہوگا' اور جس ذات کے دو جز ہوں وہ مرکب ہوتی ہے اور مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے' اس لیے جو ذات واجب اور قدیم ہو وہ واحد ہی ہوگی اور جو قدیم' واجب اور واحد ہو وہی اللہ عزوجل کی ذات ہے' اس لیے ہر چیز کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور احادیث میں بھی اس دلیل کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا' فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا' حتیٰ کہ وہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا' جب وہ یہاں پر پہنچے تو تم شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور وہ رک جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب کوئی شخص ایسے سوال کو پائے تو وہ کہے کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا O اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کیے O نطفہ سے' جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا گیا O اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O اور یہ کہ اسی نے پہلی (قوم) عاد کو ہلاک کر دیا O اور (قوم) ثمود میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا O اور اس سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت سرکش تھے O اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیا O تو (سنگریزوں کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا O پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا O یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں O قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O اللہ کے سوا (وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے O تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو O اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O (النجم: ۴۳-۶۲)

اللہ تعالیٰ کے ہنسانے اور رلانے کی توجیہات

ہر چند کہ انسان کسی سبب سے ہنستا ہے اور کسی سبب سے روتا ہے' لیکن یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے' اس آیت میں اسباب ظاہرہ سے صرف نظر کر کے سبب حقیقی کی طرف اسناد فرمایا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر کے اس قول کا ذکر کیا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے' اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا کہ کسی کے رونے سے اللہ تعالیٰ مؤمن کو عذاب دیتا ہے' لیکن آپ نے یہ فرمایا تھا کہ بے شک اللہ کافر کے گھر والوں کے رونے سے کافر پر عذاب زیادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے قرآن کی یہ آیت کافی ہے کہ "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ (فاطر: ۱۸' النجم: ۳۸) اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور اللہ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ایسا خطبہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا' آپ نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو چھپا لیا اور ان کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں' پھر ایک شخص نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فلاں شخص ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۶)

عطاء بن ابی مسلم نے اس کی تفسیر میں کہا: یعنی اس نے لوگوں کو خوش کیا اور غم زدہ کیا۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو جنت میں ہنسایا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں رلایا۔

ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین میں سبزہ اگا کر اس کو خوش کیا اور آسمان کو بارش برسا کر رلایا۔

ذوالنون مصری نے کہا: مؤمنین اور عارفین کو اپنی معرفت کے سورج سے ہنسایا اور کافروں اور بدکاروں کو ان کے گناہوں کی ظلمت سے رلایا۔

سہل بن عبداللہ نے کہا: اطاعت گزاروں کو اپنی رحمت سے ہنسایا اور نافرمانوں کو اپنے غضب سے رلایا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

النجم: ۴۴۔۴۶ میں فرمایا: اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا ۝ اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کیے ۝ نطفہ سے' جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا ۝

موت اور حیات کی مختلف تعبیریں

یعنی اللہ نے موت اور حیات کے اسباب پیدا کیے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے کافر کو کفر کے ساتھ موت دی اور مؤمن کو ایمان کے ساتھ حیات دی' ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے عدل سے

مارا اور اپنے فضل سے زندہ کیا' دینے سے منع کرنا اور بخل کرنا یہ موت ہے اور سخاوت اور خرچ کرنا حیات ہے' ایک قول یہ ہے کہ آباء پر موت طاری کی اور ابناء کو حیات دی' ایک قول یہ ہے کہ موت سے مراد خشک سالی اور قحط ہے اور حیات سے مراد فصلوں کی زرخیزی ہے' ایک قول یہ ہے کہ موت سے مراد نیند ہے اور حیات سے مراد بیداری ہے' ایک قول یہ ہے کہ مارنا دنیا میں ہے اور زندہ کرنا قیامت کے بعد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے نر اور مادہ پیدا کیے اور نطفہ سے مراد منی کا قطرہ ہے۔

النجم: ۴۷۔۴۸ میں فرمایا: اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O

''اقنٰی'' کا معنی

یعنی قیامت کے بعد مردہ جسموں میں وہی روح ڈالے گا اور وہی جس کو چاہتا ہے خوش حال کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مال دیتا ہے۔

اس آیت میں ''اقنٰی'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''قنیہ'' ہے' اس کا معنی ہے: وہ مال جس کا ذخیرہ کیا گیا ہو' ایک قول ہے: ''اقنٰی'' کا معنی ہے: ''ارضی'' راضی کیا' اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رضا اور اطاعت کی دولت عطا کی' اور یہ سب سے بڑی خوش حالی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۳۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''قنی'' کا معنی ہے: مال حاصل کیا' ''قناہ اللہ واقناہ'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کو راضی کیا۔

(القاموس المحیط ص ۱۳۲۶' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابوزید سے روایت ہے کہ جس کو سو بکرے دیئے گئے' اس کو ''القنی'' دی گئی' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کو سکونت دی گئی اس کو اللہ نے غنی کر دیا اور ''قنیۃ'' دی' اور سلیمان تیمی نے کہا کہ ''اغنی واقنی'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کو غنی کر دیا اور مخلوق کو اس کا محتاج کر دیا۔ سفیان نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کو قناعت سے غنی کر دیا اور اس کو راضی کر دیا اور اخفش نے کہا: ''اقنٰی'' کا معنی ہے: اس کو فقیر اور محتاج کر دیا' ابن کیسان نے کہا: اس کو صاحب اولاد کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''شعریٰ'' کا معنی اور مصداق

النجم: ۴۹ میں فرمایا: اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O

مجاہد نے کہا: شعریٰ ایک ستارہ ہے جو الجوزاء کے عقب میں ہے' زمانۂ جاہلیت میں مشرکین اس کی عبادت کرتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۲۵۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے لکھا ہے: ''الشعریٰ'' ایک ستارہ ہے جو الجوزاء کے عقب سے طلوع ہوتا ہے' الغمیصاء اور العبور دو ستارے ہیں' ان میں سے ایک ''شعریٰ'' میں ہے' اس کا نام کلب الجبار ہے' قبیلہ خزاعہ اس کی عبادت کرتا تھا' ان کا سردار ابو کبشہ تھا' اس نے اس ستارے کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو کبشہ کی مشابہت کی وجہ سے ابن ابی کبشہ کہتے تھے کہ جس طرح ابو کبشہ نے بتوں کی عبادت کے بجائے ستارہ ''شعریٰ'' کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے طریقہ کی مخالفت کر کے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا۔ (الکشاف ج ۴ ص ۴۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:
ابوسفیان نے کہا کہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر جو کہنا تھا وہ کہا اور جب وہاں شور ہو گیا تو ہم لوگوں کو وہاں سے نکال دیا گیا' اس وقت میں نے اپنے اصحاب سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت بڑھ چکا ہے' اب گوری چمڑی والوں کا بادشاہ بھی ان سے ڈرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

النجم: ۵۰۔۵۵ میں فرمایا: اور یہ کہ اسی نے پہلی (قوم) عاد کو ہلاک کر دیا ○ اور (قوم) ثمود میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا ○ اور اس سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت سرکش تھے ○ اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیا ○ تو (سنگریزوں کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا ○ پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا ○

سابقہ امتوں میں سے مکذبین پر عذاب نازل فرمانا

قوم عاد کی صفت ذکر فرمائی کہ وہ پہلی عاد ہے' کیونکہ وہ قوم ثمود سے پہلے تھی' ابن زید نے کہا کہ اس کو عاد اولیٰ اس لیے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا وہ قوم عاد تھی اور امام ابن اسحاق نے کہا: عاد کی دو قومیں تھیں' پہلی قوم کو آندھی سے ہلاک کیا گیا اور دوسری قوم کو ایک زبردست چیخ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ عاد اولیٰ' عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح ہے' اور عاد ثانیہ عاد کی اولاد سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عاد ثانیہ وہ زبردست جسیم لوگ تھے جو حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھے۔

اور قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھے' ان کو ایک زبردست چیخ سے ہلاک کیا گیا' اظہر یہ ہے کہ یہی لوگ عاد ثانیہ تھے۔

اور عاد اور ثمود سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا' ان کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بہت ظالم اور بہت سرکش تھے' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے درمیان بہت طویل عرصہ تک قیام کیا' اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص اپنے بیٹے کو حضرت نوح کے پاس لے کر جاتا اور حضرت نوح کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے سے کہتا: ان سے بچ کر رہنا' یہ بہت جھوٹے ہیں' میرا باپ بھی مجھے ان کے پاس لے کر گیا تھا اور اس نے بھی مجھے یہی نصیحت کی تھی' ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں' ہر دور میں نبیوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو بلندی پر لے جا کر زمین پر الٹ کر پھینک دیا گیا تھا' حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو زمین کی بلندی سے پلٹ کر پھینک دیا تھا' پھر اوپر سے ان پر نشان زدہ کنکریاں برسائی گئیں' ان تمام واقعات کو سورۂ ھود میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

جب قریش مکہ' مکہ سے شام کا سفر کرتے تھے تو ان کو ان سابقہ امتوں پر عذاب کی نشانیاں نظر آتی تھیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے وہ شخص جو اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرتا ہے تو اللہ کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا" ان نشانیوں کو نعمتوں سے تعبیر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں بھی لوگوں کے لیے نعمت ہیں۔

النجم: ۵۶۔۶۲ میں فرمایا: یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں ○ قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے ○ اللہ کے سوا (وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے ○ تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو ○ اور تم

ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O

ابن جریج اور محمد بن کعب نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یعنی جس طرح انبیاء سابقین اپنی اپنی امتوں کو عذاب آخرت سے ڈراتے رہے ہیں' اسی طرح اے قریش مکہ! میں بھی تم کو عذاب آخرت سے ڈرا رہا ہوں' اگر تم نے میری اطاعت کر لی تو فبہا ورنہ تم کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس سے پہلے کفار کو پہنچ رہا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے اور جس طرح سابقہ کتابوں نے عذاب سے ڈرایا تھا اسی طرح قرآن مجید نے بھی آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ابو مالک نے کہا: میں نے تم کو پچھلی امتوں کے جن واقعات سے ڈرایا ہے' اس کا ذکر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔

النجم: ۵۷ میں فرمایا: قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O

''ازفة'' کا معنی ہے: قریب آنے والی' یعنی اب قیامت کے وقوع کا وقت قریب آ چکا ہے۔

النجم: ۵۸ میں فرمایا: اللہ کے سوا وقت معین پر اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے O

یعنی اللہ کے سوا کوئی اسے اپنے وقت سے مقدم یا مؤخر نہیں کر سکتا' قیامت کو ''غاشیة'' بھی فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو ڈھانپ کر اس کا احاطہ کرے گی۔ ''کاشفة'' کے آخر میں ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے۔

النجم: ۵۹ میں فرمایا: تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو O

اس کلام سے مراد قرآن مجید ہے' پھر فرمایا: اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O

یعنی تم قرآن مجید کی وعیدوں کا مذاق اڑاتے ہو' ہنستے ہو اور اس کی وعید سے خوف زدہ ہو کر روتے نہیں ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہیں تھے' صرف روتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل الصفۃ نے کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پھر رونے لگے' حتیٰ کہ ان کی آنکھوں سے ان کے چہروں پر آنسو بہنے لگے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روتے ہوئے سنا تو آپ بھی رونے لگے تو پھر آپ کے رونے کی وجہ سے ہم اور روئے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خوف خدا سے رویا ہو وہ کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہو گا اور جو شخص اللہ کی معصیت پر مصر ہو وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو گا اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم لے آئے گا جو گناہوں پر استغفار کرے گی' اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا' بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور میں ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کا چرچرانا برحق ہے' آسمان میں چار انگل بھی خالی جگہ نہیں' جس میں کوئی فرشتہ سر جھکائے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ میں نہ پڑا ہو اور اگر تم ان چیزوں کو جان لیتے جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور تم بستروں پر اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور تم جنگلوں میں نکل جاتے اور اللہ کو پکارتے اور البتہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳)

النجم: ۶۱ میں فرمایا: اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O

یعنی تم کھیل کود میں مشغول ہو اور قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے اعراض کر رہے ہو۔

عکرمہ نے بیان کیا کہ ''سمد'' کا معنی ہے: غنا' مشرکین جب قرآن مجید کو سنتے تو زور زور سے گاتے بجاتے تا کہ قرآن مجید کی تلاوت ان کو نہ سنائی دے۔

ضحاک نے کہا: ''سامدون'' کا معنی ہے: تکبر کرنے والے' جوہری نے ''صحاح'' میں لکھا ہے: جو شخص تکبر سے سر بلند کرے وہ ''سامد'' ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو لوگ نماز کے اوقات میں بیٹھے رہتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے اور نہ نماز کا انتظار کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ امام کے کھڑے ہونے سے پہلے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

النجم: ۶۲ میں فرمایا: سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: اس آیت میں سجدہ سے مراد سجدۂ تلاوت ہے۔ سورۂ نجم کے تعارف میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ وہاں پر موجود تمام مؤمنوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سجدہ سے مراد نماز کا سجدہ ہے' ان کے نزدیک یہ سجدہ عزائم سجود سے نہیں ہے اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے' اور صحیح پہلا قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۱۱۳۔۱۱۴)

سورۂ النجم کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج بہ روز جمعرات' بعد از نماز عصر' مؤرخہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/۱۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء' سورۂ النجم کی تفسیر ختم ہوگئی' اس سورت کو میں نے ۱۹ ستمبر کو شروع کیا تھا' اس طرح پچیس (۲۵) دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں اور راقم الحروف' اس کے والدین' اس کے اساتذہ' احباب اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں' اس کتاب کو قیامت تک کے لیے مقبول اور وجۂ ہدایت بنا دیں اور اس کتاب کے مصنف' اس کے ناشر' معاونین اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المسلمین وعلٰی جمیع المسلمین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ القمر

سورت کا نام

اس سورت کا نام القمر ہے اور القمر کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ○ (القمر:۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا○

چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا قیامت کی نشانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے 'شق القمر کے متعلق احادیث کا ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

سورۃ القمر کا زمانہ نزول

جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے۔ مقاتل نے درج ذیل آیات کے متعلق کہا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ○ (القمر:۴۴-۴۶)

یا یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہوگی○ عنقریب اس جماعت کو شکست دے دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی○ بلکہ ان سے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بہت سخت اور بہت کڑوی ہے○

یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوۂ بدر کے دن نازل ہوئیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیات آپ پر پہلے نازل ہوئی ہوں اور آپ نے صحابہ کے سامنے غزوۂ بدر کے دن ان کی تلاوت کی ہو۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۷ ہے' یہ سورت الطارق کے بعد اور ص سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

شق القمر کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۱۵۵۳' مسند احمد ج۱ص ۳۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ نے ان کو چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۰۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ

کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا' لوگوں نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر دیا' پھر ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں (یعنی مکہ سے باہر کے لوگوں) پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا' کیونکہ ''صحیح بخاری'' اور ''مسلم'' اور ''تفسیر ابن جریر'' میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا' حتیٰ کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ہر طرف سے مکہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے متعلق احادیث صحیحہ بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے' ''شرح مواقف'' میں علامہ میر سید شریف نے لکھا ہے کہ یہ احادیث متواتر ہیں' اسی طرح علامہ سبکی نے ''مختصر ابن حاجب'' کی شرح میں لکھا ہے: اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا شق ہونا متواتر ہے' قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا بہ کثرت ذکر ہے۔

چاند کے شق ہونے کا واقعہ چاند کی چودھویں شب میں واقع ہوا' مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کیا تو چاند شق ہو گیا لیکن میں نے اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھا۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۳۔ ۱۱۷ ملخصاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

البتہ امام ابونعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے' ان میں ولید بن مغیرہ' ابوجہل بن ہشام' العاص بن ہشام' الاسود بن عبد یغوث' الاسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ' زمعۃ بن الاسود' النضر بن الحارث وغیرہم تھے' پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں' اس کا نصف ابوقبیس (مکہ کا ایک پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے' ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء فرما رہے تھے: اے ابوسلمہ بن عبد الاسد اور اے الارقم بن ابی الارقم! گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۰۔ رقم الحدیث: ۲۰۹' دارالنفائس بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کی احادیث ''صحیح بخاری'' میں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' حضرت ابن عباس اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت انس اس وقت مکہ میں حاضر نہیں تھے اور مدینہ میں اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ سال تھی' سو ان کی احادیث مرسل ہیں اور اس پر محمول ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کے متعلق سنا تھا' اور ''دلائل النبوۃ'' میں جو حضرت ابن عباس کی حدیث ہے اس کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس کے علاوہ جن صحابہ سے شق القمر کی حدیث روایت ہے' انہوں نے ممکن ہے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شق القمر کو دیکھنے کی تصریح بھی کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۱)

واقعہ شق القمر پر اعتراضات کے جوابات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے مکہ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اور ان سے دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے منیٰ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۶۹) اور ان میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ منیٰ بھی مکہ میں ہے' اس لیے ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

قدیم فلاسفہ نے چاند کے شق ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک چاند پہلے آسمان میں ہے اور آسمانوں میں خرق اور التیام محال ہے' اسی طرح ان کا شب معراج آسمان کے دروازوں کو کھلوانے پر بھی اعتراض ہے' اسی طرح انہوں نے قیامت کے دن سورج کے لپیٹے جانے پر بھی اعتراض کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے ان سے اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کیا جائے گا اور اگر وہ مسلم ہیں تو جو چیز صریح قرآن سے ثابت ہے جیسے "اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝" (التکویر: ۱) اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝" (القمر: ۱) اس کا انکار کرنے سے وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر شق القمر ہوا ہوتا تو اس کو تمام دنیا کے لوگ دیکھتے اور اس کو نقل کرتے' اور اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ کے ساتھ مختص نہ ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ شق القمر رات کے وقت ہوا اور اس وقت اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی لوگ آسمان کی طرف گھات لگا کر دیکھتے تھے اور کئی مرتبہ رات کو چاند گہن لگتا ہے اور بڑے بڑے ستارے ظاہر ہوتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہی ان کو دیکھتے ہیں' اسی طرح چاند کا شق ہونا بھی رات کو وقوع پذیر ہوا' نیز ایک لحظہ کے بعد چاند کے دونوں ٹکڑے پھر جڑ گئے تھے' اس لیے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکے اور چونکہ ایک لحظہ کے لیے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا' اس لیے کئی دیکھنے والوں نے اسے شدت حیرت کی وجہ سے نظر کے دھوکے پر محمول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات بعض علاقہ والوں کے لیے چودھویں ہو اور بعض دوسرے علاقہ والوں کے لیے وہ چودھویں رات نہ ہو۔

بعض لوگوں نے شق القمر کا اس لیے انکار کیا کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ عام لوگوں سے مخفی نہ رہتا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تعلق حس اور مشاہدہ سے ہے اور تمام لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں اور جو چیز عجیب و غریب ہو اس کو لوگ ضرور دیکھتے ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ستاروں کے علم کی کتابوں میں ضرور درج ہوتا کیونکہ ان سب لوگوں کا اس کو ترک کرنے پر اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چاند کو شق کرنے کا واقعہ رات میں رونما ہوا' کیونکہ دن میں چاند کا ظہور نہیں ہوتا اور رات کو اکثر لوگ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض صحرا میں سفر کرنے والے بیدار ہوتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کسی اور کام میں مشغول ہوں' اور یہ واقعہ تو چشم زدن میں ہو گیا تھا اور یہ بہت بعید ہے کہ ستارہ شناس ہر وقت رصد گاہوں میں بیٹھ کر چاند کو تکتے رہیں اور کبھی غافل نہ ہوں اور یہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا ہو تو اکثر لوگوں کو پتا نہ چلا ہو' اور اس واقعہ کو ان ہی لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اس کے دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ واقعہ تو صرف ایک لحظہ میں رونما ہو گیا تھا' اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن مجید کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ حد تواتر کو نہ پہنچے کیونکہ ہر نبی کا وہ معجزہ جو عامۃ الوقوع ہو اور اس کا ادراک حس اور مشاہدہ سے ہو سکتا ہو اور پھر قوم اس کی تکذیب کرے تو اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے' اس لیے جس معجزہ کے ساتھ آپ نے دوسروں کو اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا وہ معجزہ عقلی تھا' اس لیے اس معجزہ کے ساتھ ان ہی لوگوں سے معارضہ کیا گیا جن کو زیادہ عقل اور فہم دی گئی تھی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی ستارہ شناس نے اس کا اعتراف نہیں کیا کہ اس نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ستارہ شناس نے یہ بھی نہیں کہا: اس نے چاند کے دو ٹکڑے نہیں دیکھے۔

اس واقعہ کو بہ کثرت صحابہ اور ان کے بعد تابعین نے روایت کیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے' اس کے علاوہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف میں لوگوں کو بھیجا تھا اور انہوں نے آ کر یہ خبر دی کہ انہوں نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا ہے کیونکہ مسافر رات کو چاند کی روشنی میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو قصداً دیکھنا نہ چاہے تو اس کو دیکھنے سے مانع بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے علاوہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی نگاہوں کو اس واقعہ سے پھیر لیا ہو تا کہ یہ مشاہدہ اہل مکہ کے ساتھ خاص ہو جائے جیسا کہ اور بہت سے معجزات کے مشاہدہ کے ساتھ اہل مکہ خاص تھے اور دوسروں کو صرف ان کے بیان کرنے سے ان معجزات کا علم ہوا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ شق القمر کا معجزہ بہت عظیم معجزہ تھا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں ہے' کیونکہ یہ معجزہ اس عالم طبیعی سے خارج میں واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا بہت واضح ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۰-۵۸۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ القمر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی توفیق پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! مجھے ایمان' اعمال صالحہ اور بدن کی صحت اور سلامتی کے ساتھ اس کے ترجمہ اور تفسیر میں وہی امور لکھنے کی ہدایت دینا' جو حق اور صواب ہوں اور غلط اور باطل باتوں سے بچائے رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ القمر مکیۃ ۵۴ — آیاتہا ۵۵ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | رکوعاتہا ۳

سورۃ القمر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پچپن آیات تین رکوع ہیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ

قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیاO اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور

يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ

کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہےO انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام

مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ

اپنے وقت پر مقرر ہےO بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہےO (اس میں) انتہائی

بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

حکمت ہے سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیاO (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے جس دن ایک

نُّكُرٍ ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گاO وہ خوف زدہ آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے

مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

ہوئے ٹڈی دل ہیںO وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے' کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہےO

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ

اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور

ازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ

ان کو جھڑکا گیاO سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لےO سو ہم نے موسلا دھار بارش سے

بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ

آسمانوں کے دروازے کھول دیئےO اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو

قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا

ان کے (عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی O اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا O جو ہماری آنکھوں کے

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾

سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا O اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

کوئی نصیحت قبول کرنے والا O عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O بے شک ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ

پر تیز و تند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجی O جو ان کو اٹھا کر زمین پر

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ

اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O اور ہم

١ ع ٢٢ ٨ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع

نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا O اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے O انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام اپنے وقت پر مقرر ہے O بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہے O (اس میں) انتہائی حکمت ہے' سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا O (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے' جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا O وہ خوف زدہ' آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں O وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے' کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے O

(القمر: ١۔٨)

قیامت کے قریب آنے کے متعلق احادیث

القمر: ١ میں فرمایا ہے: قیامت قریب آ گئی اور اس سے پہلے فرمایا تھا: قریب آنے والی ساعت قریب آ گئی ہے۔

(النجم: ۵۷) اور احادیث میں بھی قیامت کے قریب آنے کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مدت اتنی ہے جیسے عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت ہو۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۸' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ "المعجم الصغیر" اور "المعجم الاوسط" کے راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی مثل ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے' آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸' حافظ الہیثمی نے کہا: "مسند احمد" کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۲)

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے متعلق ہم نے القمر کے تعارف میں احادیث لکھی ہیں اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔

مشرکین مکہ کا چاند کے دو ٹکڑوں کو دیکھ لینا

القمر: ۲ میں فرمایا: اور کافر اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں O

اس آیت کے اس حصہ میں یہ دلیل ہے کہ مشرکین نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھ لیے تھے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے' قریش نے کہا: یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے' تم مسافروں سے سوال کرو' انہوں نے مسافروں سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: ہاں! ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔ (مسند ابو داؤد طیالسی رقم الحدیث: ۲۹۶) تب یہ آیت نازل ہوئی: اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

ہر شخص کا انجام اس کے اعمال کے اعتبار سے ہے

القمر: ۳ میں فرمایا: انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام اپنے وقت پر مقرر ہے O

یعنی انہوں نے ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کی اور اپنی باطل خواہشوں کی پیروی کی اور ہر عمل کرنے والے کے عمل کے اعتبار سے اس کا ٹھکانا ہے' نیک عمل کرنے والوں کا ٹھکانا جنت میں ہے اور بُرے عمل کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔

القمر: ۴ میں فرمایا: بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہے O

مشرکینِ مکہ کے پاس سابقہ امتوں کی ایسی خبریں آ چکی ہیں کہ جب وہ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے کفر پر سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر آسمانی عذاب آیا' اگر وہ ان خبروں پر غور کر لیتے تو اپنے کفر اور شرک سے باز آ جاتے۔

حکمت بالغہ کے محامل

القمر: ۵ میں فرمایا: (اس میں) انتہائی حکمت ہے' سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا O

یعنی اس قرآن میں انتہائی حکمت کی باتیں ہیں' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا اور توحید پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا اس میں انتہائی حکمت ہے اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر جو احکام نازل کیے ان میں انتہائی حکمت ہے' اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں

انتہائی حکمت ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے: ''سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا'' اس کے دو محمل ہیں:

(۱) عذاب سے ڈرانے والے جن رسولوں کو بھیجا گیا وہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کو جبراً مؤمن بنا دیں' ان کو تو صرف تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔ (الشوریٰ: ۴۸)
پس اگر یہ آپ کی نصیحت سے روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو جبراً منوانے کے لیے نہیں بھیجا۔

آپ نے حکمت بالغہ کے ساتھ ان کو ہمارا پیغام پہنچا دیا اور اس آیت پر عمل کیا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: ۱۲۵)
آپ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ ان کو اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے۔

(۲) آپ پر توحید کا پیغام پہنچانا جو فرض تھا اور اپنی رسالت پر معجزات کا اظہار جو فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا اور اہل مکہ نے آپ کی تکذیب کی اور تکذیب کرنے والوں پر جو آسمانی عذاب آتا ہے آپ نے اس سے ان کو ڈرایا اور اس سے انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہ حکمت بالغہ ہے' اس کے علاوہ آپ کے ذمہ کوئی اور چیز باقی نہیں ہے۔

بلانے والے کے مصادیق اور ناگوار چیز کے محامل

القمر: ۶ میں فرمایا: (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے' جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گاO

جب کوئی شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور وہ اس کی نصیحت قبول نہیں کرتا تو وہ اس سے اعراض کر لیتا ہے' اسی اعتبار سے فرمایا: آپ ان سے اعراض کیجئے' اور یہ جو فرمایا: جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گاO اس بلانے والے کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں (۲) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں (۳) اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ قبروں سے نکلنے والے مردوں کو محشر کی طرف لے جائے۔

اور ناگوار چیز کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں:

(۱) بلانے والا ان کو اس چیز کی طرف بلائے گا جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے' کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر کا انکار کرتے تھے۔

(۲) بلانے والا ان کو اس چیز کی طرف بلائے گا جو انجام کاران کو دوزخ میں داخل کرنے کا باعث ہوگی اور وہ چیز ان کا حساب ہے یا حساب کے لیے محشر میں جمع ہونا ہے۔

قبر سے نکلنے والوں کی دو حالتیں

القمر: ۷ میں فرمایا: وہ خوف زدہ' آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیںO

اس آیت میں خشوع کی نسبت بصر کی طرف کی ہے کیونکہ عزت اور ذلت کا دیکھنے والے کے دیکھنے کے انداز سے پتا چل جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌO (النٰزعٰت: ۹)
جن کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گیO

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۔ (الشوریٰ: ۴۵) (اے مخاطب!) تو انہیں دیکھے گا ان کو دوزخ کے اوپر پیش کیا جائے گا وہ ذلت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ قبروں سے نکلتے وقت ٹڈی دل کی طرح ہوں گے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ جس دن لوگ پروانوں کی طرح منتشر ہوں گے ۝ (القارعۃ: ۴)

قبروں سے نکلنے والے انسانوں کی دو صفتیں ہوں گی: جس وقت وہ قبروں سے نکلیں گے تو وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے ان پر دہشت طاری ہوگی وہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جائیں گے انہیں کچھ پتا نہیں چلے گا کہ وہ کس طرف جائیں اس وقت وہ پروانوں کی طرح منتشر ہوں گے اور ان کی دوسری حالت ہوگی جب وہ بلانے والے کی آواز سنیں گے کہ وہ انہیں کس طرف بلا رہا ہے اور وہ اس طرف چلے جائیں گے اور اس وقت وہ ٹڈی دل کی طرح ہوں گے کیونکہ ٹڈیاں بھی کسی ایک سمت کا رخ کرتی ہیں۔

''مهطعين'' کا معنی

القمر: ۸ میں فرمایا: وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے ۝

اس آیت میں ''مهطعين'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: دوڑتے ہوئے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: آگے بڑھتے ہوئے قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: قصد کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: دیکھتے ہوئے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: کسی آواز کی طرف کان لگاتے ہوئے اور یہ سب متقارب معانی ہیں ''ھطع'' اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کسی چیز کو آگے بڑھ کر آنکھوں سے دیکھے اور پلک نہ جھپکائے اور ''اھطع'' اس وقت کہتے ہیں جب آدمی گردن موڑ کر سر نیچا کرے۔

اور قیامت کی ہولناکیوں اور شدت کو دیکھ کر کافر کہیں گے: یہ دن بہت سخت ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ (المدثر: ۹-۱۰) یہ بہت مشکل دن ہوگا ۝ کافروں پر آسان نہیں ہوگا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا ۝ سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے ۝ سو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے ۝ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی ۝ اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا ۝ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا ۝ اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۝ تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ۝ اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۝ (القمر: ۹-۱۷)

حضرت نوح کو ہمارا بندہ کہنے اور تکذیب کا ذکر مکرر کرنے کی وجہ

القمر: ۹ میں فرمایا: اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی O

اس آیت پر یہ سوال ہے کہ اس آیت میں تکذیب کرنے کا مکرر ذکر فرمایا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کے جواب میں امام رازی نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ نے چاند کے شق ہونے کے معجزہ اور توحید و رسالت کی دلیل ہونے کا انکار کیا اور اس سے پہلے نوح کی قوم نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا' پس انہوں نے ہمارے بندہ کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی اور کہا: اللہ نے کوئی رسول نہیں بھیجا اور ان کے پیغام توحید کو جھٹلایا پس انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی جیسے ان کے غیر کی تکذیب کی' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بتوں کی عبادت کرتی تھی اور جو بتوں کی عبادت کرتا ہے وہ رسول اور رسالت کا انکار کرتا ہے' کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کی پیدائش اور تربیت ستاروں کا کام ہے یہ اللہ کا کام نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے علی العموم رسولوں کی تکذیب کی اور بالخصوص حضرت نوح کی تکذیب کی' اس لیے دو مرتبہ ان کی تکذیب کا ذکر فرمایا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ہمارا بندہ فرمایا' اسی طرح دیگر عباد صالحین کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف فرماتا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ'' (ص: ۱۷) ہمارے بندہ (داؤد) کا ذکر کریں' اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا'' (یوسف: ۲۴) بے شک وہ ہمارے بندوں میں سے ہیں' حالانکہ سارے انسان اللہ ہی کے بندے ہیں' خصوصاً ان بندوں کو ہمارا بندہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی عزت افزائی اور تشریف کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ اور ناقۃ اللہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے آپ کو مغلوب فرمانے کی توجیہ

القمر: ۱۰ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے O

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے آپ کو حسب ذیل وجوہ سے مغلوب فرمایا:

(۱) کفار مجھ پر غالب آ گئے سو تو ان سے میرا بدلہ لے' یعنی وہ میرے عرصہ دراز کی تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

(۲) کوئی نبی علیہ السلام اس وقت تک اپنی قوم کے خلاف دعا ضرر نہیں کرتا جب تک اس کو ان کے ایمان لانے کی معمولی سی بھی امید ہو' پھر جب ایک مدت گزر جائے اور وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جائے تو پھر ان کے خلاف دعاء ضرر کرتا ہے اور حضرت نوح ان کے ایمان لانے سے اس لیے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْاۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ O آپ ان ظالموں کی مجھ سے سفارش نہ کریں' بے شک یہ غرق کیے جائیں گے O (المومنون: ۲۷)

پس گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا کی: اے میرے معبود! بے شک میرا نفس مجھ پر غالب آ گیا اور تو نے مجھے ان کے خلاف دعا کرنے کا حکم دیا ہے سو تو ان کو ہلاک کر دے' یعنی میں اپنی بشریت کے تقاضے سے مغلوب ہوں۔

اور تو میرا بدلہ لے' اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تیرا کفر کیا ہے اور تیری توحید کا انکار کیا ہے' لہٰذا تو اپنے لیے اور اپنے دین کی برتری کے لیے ان سے بدلہ لے۔

القمر: ۱۱ میں فرمایا: سو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے O

ایک بحث یہ ہے کہ اس آیت میں آسمان کے دروازوں سے مراد حقیقتاً آسمان کے دروازے ہیں یا یہ اطلاق مجازی ہے' سو اگر یہ مراد لیا جائے کہ حقیقتاً آسمان کے دروازے مراد ہیں تو اس میں بھی کوئی استبعاد اور اشکال نہیں ہے' کیونکہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور اگر اس سے مجازاً مراد بادل لیے جائیں تب بھی درست ہے' جیسا کہ جب شدید بارش ہو تو کہا جاتا ہے کہ آسمان کے پرنالے بہہ رہے ہیں۔ نیز اس آیت میں "ماء منھمر" کے الفاظ ہیں' "انھمار" کا معنی ہے: زور سے پانی کا گرنا' یعنی بادلوں سے بہت زور اور شدت سے پانی برس رہا تھا۔

طوفان اور کشتی کی بناوٹ کی کیفیت

القمر: ۱۲ میں فرمایا: اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی O

اس آیت میں "عیون" کا لفظ ہے اس کا واحد "عین" ہے اور "عین" کا معنی آنکھ بھی ہے اور "عین" کا معنی چشمہ بھی ہے' یہاں اس سے مراد چشمہ ہے۔

اس آیت میں مراد یہ ہے کہ دونوں قسم کے پانی جمع ہو گئے' بارش کا پانی اور چشموں کا پانی' اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا اور نیچے زمین سے چشمے ابل رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی' اس میں نجومیوں کا رد ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ایک برج میں سات ستاروں کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا۔

القمر: ۱۳ میں فرمایا: اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا O

اس آیت میں "دسر" کا لفظ ہے' "الدسر" کا معنی ہے: کسی چیز کا دفع کرنا اور دھکا دینا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد کشتی کا اگلا حصہ ہے' جس سے طوفان کی موجیں ٹکراتی تھیں' جوہری نے "صحاح" میں کہا ہے کہ "دسر" کا واحد "دسار" ہے اور اس سے مراد وہ رسے ہیں جن سے کشتی کے تختے باندھے جاتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "دسر" کا معنی میخیں ہے۔

القمر: ۱۴ میں فرمایا: جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا O

اللہ تعالیٰ کی صفات میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کا ذکر فرمایا ہے' ائمہ اربعہ اور دیگر متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی آنکھیں بھی ہیں اور اس کے ہاتھ بھی ہیں' لیکن وہ ہماری طرح جسمانی اعضاء نہیں ہیں' بلکہ مخلوقات اور ممکنات میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشوریٰ: ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو ید' عین اور ساق وغیرہ کے الفاظ ہیں' ہم ان پر ایمان لاتے ہیں' ان کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان میں کوئی تاویل کرتے ہیں' اس کے ہاتھ' آنکھیں اور پنڈلی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں لیکن ممکنات اور مخلوقات میں ان کی کوئی مثال نہیں ہے' وہ جسم اور جسمانی اعضاء سے مبرا' منزہ اور پاک ہے۔

اور متاخرین علماء نے ان صفات میں تاویلات کیں' انہوں نے کہا: "ید اللہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی قوت ہے' اور "تجری باعیننا" سے مراد ہے: وہ کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی۔

اس طوفان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سزا دی جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے ان کو نجات دے دی۔

القمر: ۱۵ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا' تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا○

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اس کشتی کو نشانی بنا کر چھوڑا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو ایک مدت تک بعینہا باقی رکھا' وہ کشتی جودی نام کے ایک جزیرہ پر ٹھہر گئی۔ "وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ" (ھود: ۴۴) وہ کشتی جودی پر ٹھہر گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے توحید پر ایمان لانے کی ترغیب کے لیے اور اپنی نافرمانی پر عذاب سے ڈرانے کے لیے فرمایا: تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

القمر: ۱۶ میں فرمایا: تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب پر تنبیہ کی ہے' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے مخاطبین نے تو وہ عذاب نہیں دیکھا پھر ان سے یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ کیسا تھا میرا عذاب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طوفان کا آنا پوری دنیا میں مشہور ہو چکا تھا اور اس شہرت کی بناء پر یہ فرمانا درست ہے کہ کیسا تھا میرا عذاب؟

اور فرمایا: کیسا تھا میرا ڈرانا' اس سے مراد ہے کہ رسولوں نے اللہ کے عذاب سے جو ڈرایا تھا اس کا انجام کیسا ہوا اور جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی ان پر عذاب آیا یا نہیں؟

قرآن مجید کے آسان ہونے کے محامل

القمر: ۱۷ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا○

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے' دنیا کی کسی کتاب کو حفظ کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان ہے۔

ایک دفعہ پنڈت رام چند حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے پاس گیا اور کہنے لگا: مجھے تمہارے "قرآن مجید" کے چودہ پارے حفظ ہیں' تم بتاؤ تمہیں ہمارا "وید" کتنا حفظ ہے؟ حضرت نے کہا: دوبارہ یہ بات نہ کہنا ورنہ بہت ذلیل ہو گے' اس نے کہا: تم باتیں نہ بناؤ اگر "وید" یاد ہے تو سناؤ' حضرت نے فرمایا: یہ تو میرے "قرآن" کا کمال اور اعجاز ہے کہ دشمن کے سینہ میں بھی چلا گیا اور یہ تمہارے "وید" کا نقص ہے کہ تمہیں خود بھی "وید" اتنا حفظ نہیں جتنا تمہیں "قرآن" حفظ ہے' یہ جواب سن کر پنڈت مبہوت ہو کر چلا گیا۔ اسی طرح "تورات' زبور" اور "انجیل" آسمانی کتابیں ہیں' لیکن دنیا میں ان میں سے کسی آسمانی کتاب کا کوئی حافظ نہیں ہے اور یہ صرف "قرآن مجید" کا اعجاز ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید سے حصولِ نصیحت کو بہت آسان کر دیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں حکمت اور نصیحت کے بہت نکات ہیں۔

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو سن کر کانوں کو لذت ہوتی ہے اور اس میں علم آفریں نکات ہیں اور ان آیات کو سن کر خوفِ آخرت سے دل پگھل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈراناO بے شک ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجیO جو ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیںO پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈراناO اور ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والاO (القمر: ۱۸۔۲۲)

ھود کی قوم کے بجائے عاد کا ذکر کرنے کی وجہ

القمر: ۱۸ میں فرمایا: عاد نے تکذیب کی اور یوں نہیں فرمایا کہ ھود کی قوم نے تکذیب کی' جیسے فرمایا تھا: نوح کی قوم نے تکذیب کی۔ (القمر: ۹' الشعراء: ۱۰۵) کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی علم (نام) نہیں تھا' اس لیے اس قوم کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اضافت کی اور حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا علم (نام) عاد تھا' اور علم سے جو تعریف اور پہچان حاصل ہوتی ہے وہ اضافت سے زیادہ قوی ہوتی ہے' مثلاً بیت اللہ کی بجائے کعبہ کہا جائے تو اس کی پہچان زیادہ قوی ہے' اسی طرح رسول اللہ کی جگہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جائے تو اس کی شناخت زیادہ قوی ہے' اس لیے یوں نہیں فرمایا کہ ھود کی قوم نے تکذیب کی بلکہ فرمایا: عاد نے تکذیب کی۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا: انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی' اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو کفار نے اپنے اپنے زمانہ میں ہر نبی کی تکذیب کی ہے مگر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنا زیادہ سنگین تھا کیونکہ ان کی قوم مسلسل ساڑھے نو سو سال تک ان کی تکذیب کرتی رہی' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں عاد کا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے قصہ کے مقابلہ میں قدرے اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور دوسری مرتبہ جو فرمایا: تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا' یہ استفہام تعظیم کے لیے ہے۔

عاد پر آندھی کا عذاب بھیجنا

القمر: ۱۹۔۲۰ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجیO وہ ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیںO

اس آیت میں "ریح صرصر" کے الفاظ ہیں' قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ بہت سخت ٹھنڈک والی آندھی تھی' ایک قول یہ ہے کہ وہ آندھی بہت گرج دار آواز کے ساتھ آئی تھی' اس کی تفصیل حٰم السجدۃ: ۱۶ میں گزر چکی ہے' اور اس آیت میں فرمایا ہے: "فی یوم نحس مستمر" یعنی اس دن میں جو ان کے حق میں نحوست والا (بے برکت) ثابت ہوا' یا وہ خود اس دن کو منحوس کہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان پر آندھی کا عذاب بدھ کے دن آیا تھا اور وہ اس دن کو منحوس کہتے تھے' وہ اس مہینہ کا آخری دن تھا اور اس عذاب سے ان کے چھوٹے اور بڑے سب مر گئے' "مستمر" کا معنی ہے: دائم' یعنی ان پر وہ عذاب ان کے ہلاک ہونے تک جاری رہا۔

معین دنوں کے منحوس یا مبارک ہونے کی تحقیق

بعض روایات میں ہے کہ بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور فرمایا: بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے' اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حیہ ہے' امام

دار قطنی نے کہا: یہ متروک ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۷۴)

اور بر تقدیر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ بدھ کا دن کفار' فساق' فجار اور مفسدین پر منحوس ہوتا ہے اور مسلمانوں اور نیک لوگوں پر منحوس نہیں ہوتا' کیونکہ جن ایام میں عاد پر آندھی چل رہی تھی اور ان کو ہلاک کر رہی تھی ان ایام میں حضرت ھود علیہ السلام اور دیگر مؤمنین بھی موجود تھے اور ان کو ان ایام میں آندھی سے کوئی ضرر نہیں ہوا۔

پس واضح ہوا کہ یہ ایام صرف عاد کے حق میں منحوس تھے' انبیاء اور صالحین کے لیے منحوس نہیں تھے۔

نیز دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (حٰم السجدۃ: ۱۶)

سو ہم نے ان پر تند و تیز آندھی منحوس ایام میں بھیج دی تاکہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھا دیں۔

نیز عاد کے متعلق فرمایا:

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ (الحاقہ: ۶-۷)

اور عاد کو خوفناک آواز والی تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں تک (اللہ نے) عذاب مسلط رکھا' سو تم دیکھتے یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ○

ان پر بدھ سے عذاب شروع ہوا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر عذاب جاری رہا اور حٰم السجدۃ: ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام دنوں کو منحوس فرمایا' پس صرف بدھ کے دن کو منحوس قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں رہی' کیونکہ ان کے حق میں ہفتہ کے ساتوں دن منحوس (بے برکت تھے) اور تمام ایام کے منحوس ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے' پس واضح ہو گیا کہ یہ ایام صرف ان کے حق میں منحوس تھے نہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اتفاق سے کسی شخص کے گھر میں ہر منگل کے دن کوئی نہ کوئی مر جاتا ہو یا کسی شخص کو ہر منگل کے دن تجارت میں نقصان ہو جاتا ہو تو وہ منگل کے دن کو منحوس سمجھنے لگتا ہے' حالانکہ منگل کے دن کا منحوس اور بے برکت ہونا صرف ان لوگوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ ساری دنیا کے لوگوں کے لیے' اسی طرح کسی اور شخص کے گھر میں ہر منگل کے دن ایک بیٹا پیدا ہوتا ہو اور ہر منگل کے دن اس کو تجارت میں غیر معمولی نفع ہوتا ہو تو وہ منگل کے دن کو سعد اور مبارک سمجھتا ہے' حالانکہ اس کا مبارک دن ہونا صرف اس کے اعتبار سے ہے' ساری دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کا سعد یا نحس ہونا ایک اضافی اور اعتباری چیز ہے اور کسی دن کے متعلق بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ منحوس ہو یا ہمیشہ مبارک ہو۔

القمر: ۲۱-۲۲ میں فرمایا: پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ○ اور ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ○

رحمت کا غضب پر غالب ہونا

اس آیت کی تفسیر پہلے آ چکی ہے' امام رازی نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے' وہ یہ ہے کہ "نذر" کا لفظ "نذیر" کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے بہت بھیجے اور عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' پس جہاں رحمت کا ذکر ہے وہاں جمع کا صیغہ ہے اور جہاں عذاب کا لفظ ہے وہ واحد ہے' پس عذاب کو واحد کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنے اور "نذیر" کو جمع کے صیغہ کے ساتھ (نذر) ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ اس کا عذاب کم ہے اور اس کی رحمت بہت زیادہ ہے

اور اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے' "فبای آلاء ربکما تکذبان" میں "آلاء" جمع کا صیغہ ہے اور اس کا معنی نعمتیں ہیں اور اس آیت کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں تیس بار ذکر کیا ہے اور عذاب کا ذکر اس سورت میں صرف دو آیتوں میں ہے' الرحمٰن: ۴۱ اور الرحمٰن: ۴۳ میں۔

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا مختصر ذکر ہے اور ان کا تفصیلی ذکر سورۂ ھود میں ہے' زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے سورۂ ھود کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ إِنَّآ

ثمود نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی ○ سو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں! بے شک

إِذًا لَّفِي ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ

پھر تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے ○ کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے

هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا

بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے' متکبر ہیں ○ عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے ○ ہم ان کی

مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ

آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں پس (اے صالح!) آپ (ان کے انجام کا) انتظار کیجیے اور صبر سے کام لیجیے ○ اور

أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا

آپ انہیں بتا دیجیے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہو گا ○ سو انہوں

صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّآ

نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں ○ پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ○ بے شک

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَ

ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے ○ اور

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۢ

بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ○ لوط کی قوم نے

بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم

عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کیO بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے ہم نے ان

بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ

کو سحری کے وقت بچا لیاO یہ ہماری طرف سے احسان تھا اور ہم شکر کرنے والوں کو یونہی اجر دیتے ہیںO اور بے شک

أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا۟ بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن

لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیاO اور بے شک انہوں نے لوط سے

ضَيْفِهِۦ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ

ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھوO اور

صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾

بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیاO پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھوO

ع ١٨ ٩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع

اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثمود نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کیO سو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں! بے شک پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گےO کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے! بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے اور متکبر ہیںO عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہےO

(القمر: ٢٦-٢٣)

دنیا میں فقر اور تونگری حق اور باطل کا معیار نہیں

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے' انہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی اور ان آیات کی تکذیب کی جن میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور یہ کہا کہ کیا ہم اپنی ہی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں اور اپنی پوری جماعت کے طریقہ کو چھوڑ دیں! پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گے' کیونکہ صرف ایک شخص کے طریقہ کی پیروی کرنا اور کثیر جماعت کے طریقہ کو چھوڑ دینا یہی صحیح اور درست راستہ سے بھٹکنا اور پاگل پن ہے۔

اس آیت میں ''ضلال'' کے بعد ''سعر'' کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''سعر'' کا معنی جنون ہے' جو اونٹنی پاگل ہو اس کو ''ناقة مسعورة'' کہتے ہیں' نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''سعر'' کا معنی عذاب ہے۔

اس کے بعد ثمود نے کہا: کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نہیں نازل کی گئی ہے' یعنی آل ثمود میں صرف ان کو رسالت

کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے' حالانکہ آل ثمود میں (حضرت) صالح سے زیادہ خوش حال اور مال دار لوگ ہیں' پھر کہا: بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے' متکبر ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دعویٰ کے مطابق رسول نہیں ہیں بلکہ وہ رسالت کا دعویٰ کر کے ناحق ہم پر اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہیں۔ ''اشر'' کا معنی ہے: خوشی سے اترانے والا اور تکبیر کرنے والا اور ایک قرأت میں لفظ ''اکثر'' ہے یعنی زیادہ شر والا اور زیادہ خبیث۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے''۔

کل کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ کل قیامت کے دن جب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب دنیا میں ان کو عذاب دیا جائے گا اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ کے کافروں نے مسلمانوں پر اپنی برتری جتائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی اسی طرح رد فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ (مریم: ۷۳)

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں: بتاؤ ہم دو فریقوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے اور کس کی مجلس شان دار ہے ۝

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ (مریم: ۷۵)

آپ کہیے: جو گم راہی میں ہوتا ہے اس کو رحمٰن خوب لمبی مہلت دیتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں گے جن کی وعید ان کو سنائی گئی تھی یا عذاب یا قیامت' پس عنقریب (اس وقت) ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سا فریق بدتر مقام پر ہے اور کون سے فریق کا لشکر زیادہ کم زور ہے ۝

قرآن کی آیات کے مقابلہ میں کفار مکہ فقراء مسلمین کا رؤساء مشرکین سے موازنہ کرتے تھے کہ دیکھو! ایک طرف عمار' بلال اور صہیب ہیں اور دوسری طرف نضر بن حارث اور عتبہ اور شیبہ ہیں' بتاؤ! ان میں کس کا بلند مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دنیا کا مال و دولت قابل فخر چیز نہیں ہے' جب قیامت کے دن تم دوزخ میں ہو گے اور فقراء مسلمین جنت میں ہوں گے پھر تم کو پتا چلے گا کہ کس کا مقام بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں پس (اے صالح!) آپ (ان کے انجام) کا انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے ۝ اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہو گا ۝ سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں ۝ پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ۝ بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے ۝ اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۝ (القمر: ۲۷۔۳۲)

ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ اس چٹان سے زندہ اونٹنی نکال دیں تو ہم پر ایمان لے آئیں گے' حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اونٹنی نکال دی تاکہ وہ حضرت صالح

علیہ السلام کا معجزہ ہو اور ان کے صدق پر دلیل ہو اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی کہ وہ اپنا فرمائشی معجزہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام سے فرمایا: ''ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں' آپ انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے''۔

ثمود اور اونٹنی کے درمیان پانی کی تقسیم

القمر: ۲۸ میں فرمایا: اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوگا O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس دن ثمود پانی پیتے تھے اس دن اونٹنی بالکل نہیں پیتی تھی اور ان کو اپنا دودھ پلاتی تھی اور وہ بہت عیش و آرام میں تھے اور جس دن اونٹنی کی باری ہوتی تھی تو وہ سارا پانی پی جاتی تھی اور ان کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں بچتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم غزوہ تبوک میں مقام حجر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! معجزات کا سوال نہ کیا کرو' کیونکہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم تھی' جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اونٹنی بھیج دے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف اونٹنی بھیج دی' پس وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری پر ان کا تمام پانی پی جاتی تھی' اور اس دن وہ اس اونٹنی سے اتنا دودھ دوہ لیتے تھے جتنا وہ اس دن پانی پیتے تھے اور وہ اسی راستے سے واپس چلی جاتی تھی' پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر ان کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے ان میں سے کوئی شخص نہیں بچا' سوا ایک شخص کے وہ اللہ کے حرم میں تھا' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون شخص تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ ابورغال تھا' جب وہ حرم سے نکلا تو اس پر بھی وہ عذاب آ گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۶۶ - رقم الحدیث: ۱۴۱۶۰' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۴۰ - ۳۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۶۵' شعیب الارنؤط نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔)

نیز اس آیت میں ''محتضر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کوئی شخص اس پر حاضر ہو جو اس کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: پس اونٹنی پانی پر اپنی باری کے دن حاضر ہوتی اور جس دن ثمود پانی پر آتے' اس دن وہ غائب رہتی اور مجاہد نے کہا کہ ثمود جس دن پانی پر حاضر ہوتے' اس دن اونٹنی پانی پر نہیں جاتی تھی سو وہ پانی پیتے تھے اور جس دن اونٹنی پانی پر جا کر پانی پیتی' اس دن وہ اونٹنی کا دودھ دوہ کر اس کا دودھ پیتے تھے۔

ثمود کا اونٹنی کو ذبح کرنا

القمر: ۲۹ - ۳۰ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O

یعنی انہوں نے اپنے ساتھی کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا: پس وہ شخص اونٹنی کے آنے کے راستہ میں ایک درخت کی جڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا' پھر تاک کر اس کی پنڈلی کے پٹھوں میں تیر مارا' پھر تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اس اونٹنی کو ذبح کر دیا اور اس اونٹنی کا بچہ پہاڑ کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گیا اور وہیں غائب ہو گیا' پھر جب حضرت صالح علیہ السلام آئے اور انہوں نے دیکھا کہ اونٹنی کی

کونچیں کاٹ دی گئیں ہیں اور اس کو ذبح کر دیا گیا ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ دیا ہے' پس تمہیں اللہ سبحانہٗ کے عذاب کی بشارت ہو اور اس واقعہ کی پوری تفصیل سورۃ الاعراف میں بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں' اس کا سرخ رنگ تھا اور اس کی نیلی آنکھیں تھیں اور اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ القمر: ۳۰ کی تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

ثمود پر عذاب کی کیفیت

القمر: ۳۱۔۳۲ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے O اور بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

یہ حضرت جبریل کی چیخ تھی' اس کی تفصیل سورۂ ھود میں گزر چکی ہے' اس آیت میں "ھشیم المحتظر" کے الفاظ ہیں' "حظیرۃ محظورۃ" کے معنی میں ہے' اس کا لفظی معنی ہے: ممنوعہ چیز' رکاوٹ' یہ اس باڑ کو کہتے ہیں جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے "ھشیم" کا معنی ہے: خشک گھاس یا کٹا ہوا خشک کھیت' اس آیت کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا چورا یا ریزہ ریزہ ہو گئے۔

القمر: ۳۲ کی تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوط کی قوم نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آلِ لوط کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا O یہ ہماری طرف سے احسان تھا' اور ہم شکر کرنے والوں کو یوں ہی اجر دیتے ہیں O اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا O اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو O اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا O پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو O اور بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

(القمر: ۳۳۔۴۰)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ

القمر: ۳۳ میں فرمایا: لوط کی قوم نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O

یعنی جس طرح دیگر قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی' اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی حضرت لوط کی تکذیب کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجا تھا۔

القمر: ۳۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آلِ لوط کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا O

اس آیت میں "حاصب" کا لفظ ہے' جوہری نے "صحاح" میں لکھا ہے: "حاصب" اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں برساتی ہے۔ (مختار الصحاح ص ۹۴) یعنی پہلے ان کی بستیوں کو پلٹ دیا گیا پھر ان پر کنکریوں کی بارش ہوئی۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ تیز ہوا نے ان پر کنکر برسائے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے ان پر نشان زدہ پتھر برسوائے' یا بھجوائے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ○ (الذّٰرِيٰت: ۳۲۔۳۴)

فرشتوں نے کہا: بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے○ تاکہ ہم ان پر مٹی سے بنے ہوئے پتھر برسائیں○ جو پتھر آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں (یہ) ان کے لیے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں○

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ ہوا جو کنکریاں اڑاتی اور برساتی ہے اس کو "حاصب" کہا جاتا ہے' اس لیے اس آیت میں اس کا ہوا کی طرف اسناد فرمایا ہے اور چونکہ ہوا کو فرشتوں نے چلایا تھا اس لیے سورۃ الذّٰریٰت میں اس کا فرشتوں کی طرف اسناد فرمایا ہے اور فرشتوں نے ہوا کی کنکریوں پر نشان لگا دیئے تھے اور ہر شخص پر اسی کے حصہ کی کنکری جا کر لگتی تھی۔

آل لوط سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام کے دین پر تھے اور وہ صرف ان کی دو بیٹیاں تھیں' اللہ تعالیٰ نے سحری کے وقت ان کو بچالیا تھا اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عذاب آنے سے پہلے اس بستی سے نکل گئی تھیں۔

القمر: ۳۵ میں فرمایا: یہ ہماری طرف سے احسان تھا اور ہم شکر کرنے والوں کو یوں ہی اجر دیتے ہیں○

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مجرموں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل تھا اور ان کو اور ان کی بیٹیوں کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔

قوم لوط پر عذاب کی کیفیت

القمر: ۳۶ میں فرمایا: اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا○

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس عذاب سے ڈرایا تھا جو انجام کار ان پر آ کر رہا' اور اللہ اور اس کے رسول کی وعید سچی ہو گئی۔

القمر: ۳۷ میں فرمایا: اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو○

"راودوا" کا معنی ہے: انہوں نے طلب کیا۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا بال احدکم فلیرتدلبو له موضعا. جب تم سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اس کے لیے جگہ کو طلب کرے (تلاش کرے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳)

علامہ خطابی نے کہا: یعنی کسی نرم اور سہل جگہ کو تلاش کرے' جہاں پر پیشاب کرنے سے چھینٹیں نہ اڑیں۔

فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے تھے' ان کی قوم کے اوباش لوگوں نے حضرت لوط سے کہا: ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کریں' اور وہ دروازہ توڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں گھس گئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے اوپر اپنا پر مارا' جس سے وہ سب اندھے ہو گئے' ایک روایت ہے کہ ان کی آنکھوں کی جگہ بالکل سپاٹ ہو گئی اور آنکھوں کی جگہ کوئی گڑھا نہ رہا' ایک قول یہ ہے کہ ان کی آنکھیں باقی رہیں لیکن ان کو نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عذاب چکھایا جس کی حضرت لوط علیہ السلام نے خبر دی تھی۔

القمر: ۳۸ میں فرمایا: اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا○

یعنی وہ عذاب جو دنیا میں ان پر مسلسل جاری رہا اور اس عذاب میں ان کی بستی کے نچلے حصہ کو اوپر اور اوپر والے حصہ کو

نیچے کر دیا۔

القمر: ۳۹ میں فرمایا: پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو O

یعنی وہ عذاب جس نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔

القمر: ۴۰ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

اس کی تفسیر پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

اس رکوع میں ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ مختصر طور پر ذکر فرمایا ہے اور سورۂ ھود میں اس کی بہت تفصیل ہے جو "تبیان القرآن" کی پانچویں جلد میں ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ

اور بے شک آل فرعون کے پاس عذاب سے ڈرانے والے رسول آئے O انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی،

أَخْذَ عَزِيزٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ

پس ہم نے ان کو غالب، بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیا O (اے کفار مکہ!) کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں

فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ

یا تمہارے پاس آسمانی کتاب میں نجات لکھی ہوئی ہے O یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب رہے گی O عنقریب

وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے O بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور

وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ

بہت تلخ ہے O بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیں O جس دن ان کو دوزخ

فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ

میں اوندھا گھسیٹا جائے گا (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھو O بے شک ہم نے ہر چیز

خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ

اندازہ سے بنائی ہے O اور ہمارا کام تو بس ایک لحظہ کا ہے جیسے آنکھ جھپکنا O اور بے شک

أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي

ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں' پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے

الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي

وہ سب' صحائف میں لکھا ہوا ہے O اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے O بے شک متقین جنتوں

۳ ع ۱۵ ۲ جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

میں اور دریاؤں میں ہوں گے O سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آل فرعون کے پاس عذاب سے ڈرانے والے رسول آئے O انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی' پس ہم نے ان کو غالب بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیا O (القمر: ۴۱۔۴۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر قصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو قبطیوں کے بادشاہ فرعون کے پاس آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا کہ اگر تم ایمان نہیں لائے تو تم کو دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا' انہوں نے ہمارے دیئے ہوئے ان تمام معجزات کا انکار کیا جو ہماری توحید اور ہمارے نبیوں کی رسالت پر دلالت کرتے تھے' وہ معجزات یہ تھے: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) خشک سالی اور قحط (۴) ان کے اموال کو تباہ و برباد کرنا (۵) طوفان (۶) ٹڈیاں نازل کرنا (۷) جوئیں نازل کرنا (۸) خون نازل کرنا (۹) اور مینڈک نازل کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈرانے والوں میں حضرت یوسف علیہ السلام' ان کے بیٹے' حضرت موسیٰ تک شامل ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے غالب بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیا' یعنی جس طرح چاہا ان کو سزا دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل قصہ سورۃ الاعراف' سورۂ ھود اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے کفار مکہ!) کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے پاس آسمانی کتاب میں نجات لکھی ہوئی ہے O یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب رہے گی O عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے O بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے O (القمر: ۴۳۔۴۶)

جنگ بدر میں کفار کی شکست کی خبر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو خطاب فرمایا ہے کہ تمہارے کافر سابقہ امتوں کے کفار سے مال و دولت اور جسمانی طاقت میں زیادہ بڑے نہ تھے یا تم نے سابقہ آسمانی کتابوں میں یا لوح محفوظ میں پڑھ لیا ہے کہ تم کو عذاب نہیں ہوگا' اس لیے تم اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہو یا تم کو اپنی عددی قوت اور اسلحہ کی زیادتی پر اتنا گھمنڈ ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ تم ناقابل تسخیر ہو اور تم کو شکست نہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ عنقریب کفار مکہ شکست کھا جائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نہیں جانتا تھا کہ کافروں کی کون سی جماعت شکست کھائے گی' پھر میں نے دیکھا کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے دعا کر رہے تھے:

اے اللہ! بے شک قریش بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ تیرے خلاف اور تیرے رسول کے خلاف جنگ کرنے آئے ہیں' پس تو ان کو ہلاک کر دے پھر یہ آیت نازل ہوئی: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○" ۔ (القمر: ۴۵)

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۰۶۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۸۴۱' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۲۷)

اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے غیب کی خبر دی ہے اور اسی طریقہ سے واقع ہوا جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں جس وقت بچی تھی اور کھیلتی تھی' اس وقت مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ○ (القمر: ۴۶) بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۶)

جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن اپنے خیمہ میں تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں' اے اللہ! اگر تو چاہے کہ آج کے بعد تیری کبھی عبادت نہ کی جائے (یعنی اگر مسلمانوں کی جماعت شکست کھا جائے) پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے اتنی دعا کافی ہے' آپ نے اپنے رب سے بہت زیادہ دعا کی ہے' اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے' پھر آپ یہ آیتیں پڑھتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ○" ۔ (القمر: ۴۵-۴۶)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۴۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۷۰' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۵۰' کتاب الاسماء والصفات ص ۱۴۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۹ طبع قدیم۔ ج ۵ ص ۱۶۵۔ رقم الحدیث: ۳۰۴۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی متوفی ۷۹۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوزید کی روایت میں یہ دعا اس طرح ہے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وعدہ کے پورا کرنے کا اور تیرے عہد کے ایفاء اور اتمام کا سوال کرتا ہوں اور یہ جو فرمایا ہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے۔ اس میں اللہ کے حکم اور اس کے فعل کو تسلیم کرنا ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ (التنقیح الزرکشی علی الجامع الصحیح ج ۲ ص ۱۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو انیس تھے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر' اور تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا وہ عطا فرما: اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی' آپ مسلسل یہ دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی چادر آپ کے کندھے سے گر گئی' تب حضرت ابوبکر نے آپ کی چادر درست کی اور آپ سے لپٹ گئے اور کہا: آپ نے کافی دعا کر لی ہے' اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیں ○ جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا' (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھو ○ بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے ○ (القمر: ۴۷-۴۹)

مسئلہ تقدیر

القمر: ۴۷ کا معنی ہے: کفار گمراہی اور دیوانگی میں ہیں یا وہ دوزخ میں جل رہے ہیں۔
القمر: ۴۸ میں فرمایا: جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھوO
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے آئے' اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: (ترجمہ) بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیںO جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا' (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھوO بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہےO (القمر: ۴۷-۴۹)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۷-۳۲۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے' حتیٰ کہ عاجز ہونا اور قادر بھی تقدیر سے ہے۔ "صحیح مسلم"، رقم الحدیث: ۲۶۵۵ اور اس آیت میں بھی ہے: (ترجمہ) بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر (اندازہ) کے ساتھ پیدا کیا ہےO

(القمر: ۴۹)

اور اس آیت میں قدر (اندازہ) سے مراد معروف تقدیر ہے اور یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا اور اس کا فیصلہ کر دیا اور اس کا علم اور ارادہ اس چیز پر مقدم ہے اور اس آیت اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تقدیر کا تعلق ہر چیز کے ساتھ ہے اور ہر چیز ازل میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی اور اس نے اس کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

(شرح نواوی علی صحیح مسلم ج ۱۰ ص ۶۷۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

تقدیر کے متعلق علماء اہل سنت کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر فرمایا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے بنانے سے پہلے اس کی مقدار اور اس کے احوال کا علم تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے موافق اس چیز کو پیدا کیا' پس عالم علوی اور سفلی میں ہر چیز اس کے علم' اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہے اور اس میں مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے اور مخلوق کو صرف ایک قسم کا کسب حاصل ہوتا ہے اور مخلوق جو کسب کرتی ہے اور کام انجام دیتی ہے وہ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق' اس کی قدرت اور اس کے الہام سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے' جیسا کہ قرآن اور سنت میں اس کی تصریح ہے اور منکرین تقدیر کا یہ قول باطل ہے کہ اعمال کو ہم خلق کرتے ہیں اور ہماری اجل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:
یعنی ہم نے ہر چیز کو تقدیر (اندازے) سے حکمت کے تقاضے پر مرتب کر کے پیدا کیا ہے یا ہر چیز کو اس کے وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور مقدر کر دیا ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۴۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)
علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمود القونوی الحنفی التوفی ۱۱۹۵ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:
کیونکہ مخلوق اس معین اندازہ پر مبنی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے' جس حکمت پر تخلیق موقوف ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے کیونکہ علم کلام میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی تخلیق میں حکمت کی رعایت رکھی ہے لیکن

حکمت کی رعایت اس پر واجب نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حکمت اور مصلحت ہمیں معلوم ہو' کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ کفار کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اور بدکاروں کے لیے دوزخ کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے' پس کفار اور دوزخ کو پیدا کرنے میں ضرور کوئی مصلحت ہے خواہ ہم کو وہ مصلحت معلوم نہیں ہے۔

علامہ بیضاوی کی دوسری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کے واقع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے' پس مجرموں کی سزا کے متعلق بھی اس میں لکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہمیں اس کا علم بھی ہے لیکن محض اس کے علم کی وجہ سے ان پر سزا واجب نہیں ہوگی' سزا تب واجب ہوگی جب وہ مجرم پیدا ہو جائیں گے اور اپنے اختیار سے کفر اور گناہ کبیرہ کریں گے' ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق قدیم ہے اور ان کے افعال کے وقوع کے ساتھ تعلق ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

تقدیر کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو اللہ کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں' اگر وہ بیمار ہوں تو تم ان کی عیادت نہ کرنا اور اگر وہ مرجائیں تو تم ان کے جنازہ پر نہ جانا اور اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو تم ان کو سلام نہ کرنا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۲)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: مرجئہ اور قدریہ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۹' اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کہتے ہیں کہ نیکی اور بدی ہمارے اختیار میں ہے ان کو میری شفاعت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا' نہ میں ان سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۰۷۴' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۸۸' اس حدیث کی سند غیر محفوظ ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس چیز پر عبد اللہ بن عمر قسم کھاتا ہے' وہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کو ہمیں پیدا کرنے سے پہلے علم تھا کہ ہم اپنے اختیار اور ارادہ سے نیک کام کریں گے یا بُرے کام کریں گے' اسی اعتبار سے وہ ہم کو جزاء یا سزا دے گا' اس کے اسی علم سابق کا نام تقدیر ہے' گھڑی کا سیل بنانے والے انجینئر کو پیشگی علم ہوتا ہے' یہ سیل کتنی مدت تک کار آمد ہے اور اتنی مدت گزرنے کے بعد وہ سیل ختم ہو جاتا ہے اور دوا بنانے والے کیمسٹ کو پیشگی علم ہوتا ہے کہ یہ دوا کتنے عرصہ تک کار آمد رہے گی اور اس دوا کی شیشی پر اسی اعتبار سے اس کی میعاد ختم ہونے کی تاریخ لکھ دی جاتی ہے تو جب انجینئر کو سیل کی مدت کار کا پیشگی علم ہو سکتا ہے اور دوا بنانے والے کیمسٹ کو اس دوا کی مدت کار کا پیشگی علم ہو سکتا ہے تو خالق کائنات کو اس کائنات بنانے سے پہلے اس کا پیشگی علم کیوں نہیں ہوگا؟

مسئلہ تقدیر پر بہت شرح و بسط کے ساتھ ہم نے "شرح صحیح مسلم" ج ۷ ص ۲۶۰-۲۶۹ میں لکھا ہے اور مسئلہ جبر و قدر پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم نے الرعد: ۱۶ کی تفسیر میں "تبیان القرآن" ج ۶ ص ۷۱-۷۶ میں لکھا ہے' جو قارئین اس مسئلہ کے تمام

پہلوؤں پر بحث دیکھنا چاہیں وہ ان مقامات کا مطالعہ کریں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہمارا کام تو بس ایک لحظہ کا ہے جیسے آنکھ جھپکنا O اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں' پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب صحائف میں لکھا ہوا ہے O اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے O بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے O سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس O (القمر: ۵۰۔۵۵)

یعنی میں جس کام کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ آنکھ جھپکنے کی مثل بہت جلد ہو جاتا ہے' جوہری نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو خفیف نظر سے دیکھے تو کہا جاتا ہے: لَمَحَهُ' اور اس کا اسم "لمحة" ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۵۰)

القمر: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں O الآیۃ
اس میں اہل مکہ کو ڈرایا ہے کہ پچھلی امتوں میں جو لوگ تمہاری طرح کافر تھے ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں' سو تم بھی ان کے حال سے عبرت پکڑو اور کفر اور شرک سے باز آ جاؤ۔

القمر: ۵۲ میں فرمایا: اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب صحائف میں لکھا ہوا ہے O
یعنی پہلی امتوں نے جو کچھ نیک کام کیے تھے یا بُرے کام کیے تھے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں یا ان کے صحائف اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس میں بھی مسئلہ تقدیر پر دلیل ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں وہ تمام کام پہلے سے لکھے ہوئے تھے جو کام انہوں نے اپنے اپنے وقت میں بعد میں کیے اور علم معلوم کے تابع ہے یعنی جو کچھ انہوں نے بعد میں کیا وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے' ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ پہلے سے لکھا ہوا تھا اسی کے مطابق انہوں نے کام کیے' کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔

القمر: ۵۳ میں فرمایا: اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے O
یعنی ہر عمل کرنے والے کا کام خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ ہو' اس کے عمل کرنے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے تاکہ اس کے کاموں پر جزاء یا سزا دی جائے۔

القمر: ۵۴ میں فرمایا: بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے O
اس سے پہلے کفار کا ذکر فرمایا تھا کہ مجرمین کو ان کے چہروں کے بل دوزخ میں گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا مزا چکھو' اور اب متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے' وہ دریا پانی کے ہوں گے اور شراب طہور کے' اور شہد کے اور دودھ کے۔

"مقعد صدق" کی تفسیر

القمر: ۵۵ میں فرمایا: سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس O
سچی عزت کے مقام میں یعنی ایسی مجلس میں جس میں صرف سچی باتیں کی جائیں گی' نہ وہاں لغویات ہوگی نہ گناہ کی بات ہوگی اور وہ جگہ جنت ہے' ایسے بادشاہ کے پاس جو ہر چیز پر قادر ہے۔
امام جعفر صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کی تعریف کی ہے' وہ صدق کی جگہ ہوگی سو اس جگہ صرف اہل صدق ہی ہوں گے۔

عبداللہ بن بریدہ نے کہا کہ اہل جنت ہر روز جبار تبارک وتعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے سامنے قرآن پڑھیں گے اور ہر انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف مجالس میں بیٹھا ہوگا' وہ مجالس' موتی' یاقوت' زمرد'

سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی آنکھیں اور کسی چیز سے اتنی ٹھنڈی نہیں ہوں گی جتنی اللہ کے پاس حاضر ہونے سے ٹھنڈی ہوں گی' انہوں نے اس سے پہلے اتنی عظیم اور حسین چیز نہیں دیکھی ہوگی' پھر وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر کے اپنی اپنی منزلوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرشتے قیامت کے دن مؤمنوں کے پاس آ کر کہیں گے: اے اولیاء اللہ! چلو' وہ کہیں گے: کہاں؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف' مؤمنین کہیں گے: تم ہمیں ہمارے مطلوب کے غیر کی طرف لے جا رہے ہو' فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مطلوب کہاں ہے؟ مؤمنین کہیں گے: وہ سچی عزت کا مقام ہے' بہت قادر بادشاہ کے پاس۔

سورۃ القمر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۷ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء بعد نماز عصر' سورۃ القمر کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو سورۃ القمر کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح آٹھ دن میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی اپنے فضل و کرم سے مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کو فیض آفریں رکھیں۔ اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور تلامذہ کی اور جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک: ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة الرحمٰن

سورت کا نام

اس سورت کا نام الرحمٰن ہے' کیونکہ اس سورت کا پہلا لفظ الرحمٰن ہے' احادیث میں بھی اس سورت کا نام الرحمٰن آیا ہے' جس کو ان شاء اللہ ہم ابھی ذکر کریں گے' اس سورت کے نزول کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ (الفرقان: ۶۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس (کو سجدہ کرنے) کا آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں؟ اور اس حکم نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا ۝

جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی' جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ یہ سورت سورۃ الحجر اور سورۃ النحل سے پہلے اور سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۵ ہے۔

سورۃ الرحمٰن کے متعلق احادیث

عروۃ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے مکہ میں سب سے پہلے بہ آواز بلند قرآن مجید پڑھا' وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں' کیونکہ ایک دن صحابہ نے کہا کہ قریش نے آج تک کسی سے بہ آواز بلند قرآن مجید نہیں سنا' پس کون شخص ہے جو ان کو بلند آواز سے قرآن سنائے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: میں سناؤں گا۔ صحابہ نے کہا: ہمیں تمہارے متعلق خطرہ ہے' ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ان کو قرآن سنائے' جس کے پاس ان کے شر سے بچنے کے لیے مضبوط جتھا ہو' حضرت ابن مسعود نہیں مانے اور انہوں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر پڑھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم. اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ " (الرحمٰن: ۱۔۲) پر انہوں نے اپنی آواز بہت بلند کی' اس وقت قریش اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے کہا: ام عبد کے بیٹے! کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ وہی کلام پڑھ رہے ہیں' جس کے متعلق (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ یہ کلام ان پر نازل کیا گیا ہے' پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا' حتیٰ کہ ان کا چہرہ سوج گیا۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۷۶' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۳۸' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۶۔۷۔۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۳۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس گئے اور ان کے سامنے شروع سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی' صحابہ خاموش رہے' آپ نے فرمایا: میں نے جنات سے ملاقات کی' تب یہ سورت جنات پر پڑھی تھی' انہوں نے تم سے اچھا جواب دیا تھا' جب بھی میں پڑھتا:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن: ۱۳) (پس اے جنات اور انسانوں کے گروہ!) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

تو وہ کہتے: "لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد" اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلائیں گے پس تیرے لیے حمد ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱ المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی ایک دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن (سورۃ) رحمٰن ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۴۹۰ رقم الحدیث: ۲۴۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

النحاس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمٰن مکہ میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمان مکہ میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمٰن مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۶۰۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الرحمٰن کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح سورۃ الرحمٰن کی آیات بھی چھوٹی چھوٹی ہیں اور ان کی تاثیر بہت قوی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں اور نبوت اور وحی الٰہی پر دلائل ہیں اور قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر ہے اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔

☆ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام چیزوں کی تعلیم دی اور انسان کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ وہ بیان کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔

☆ سورج چاند زمین پر اگی ہوئی بیلوں اور درختوں کو پیدا فرمایا باغات میں پھلوں اور کھیتوں میں فصلوں کو پیدا فرمایا۔

☆ اس نے شیریں اور کھاری سمندر پیدا کیے اور ان میں سے موتیوں اور مرجان کو نکالا جیسے زمین سے دانوں فصلوں پھولوں اور پھلوں کو نکالا۔

☆ پھر ایک دن یہ سارا جہان درہم برہم ہو جائے گا اور اللہ عزوجل کی ذات کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور ان کے علاوہ دنیا اور آخرت کی اور بہت نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اس کی قدرت اور وحدت پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۃ الرحمان کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اے میرے رب! مجھ سے اس ترجمہ اور تفسیر میں وہ چیز لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو غلط اور باطل ہو اس سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ بلاک: ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۳۸

۸ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰_۲۰۲۱۷۲۴/۰۳۲۱

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۷۸ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۃ الرحمٰن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھتر آیات تین رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

رحمٰن نے O (اپنے رسول مکرم کو) قرآن کی تعلیم دی O انسان (کامل) کو پیدا کیا O اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دی O

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۪﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں O اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیں O اور آسمان

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا

کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائی O تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کرو O اور انصاف

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾

کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو O اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایا O

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ

اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیں O اور بھوسے والا غلہ ہے اور

الرَّيْحَانُ ۚ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

خوشبو دار پھول ہیں O پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ O اس نے انسان کو

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴿۱۵﴾

ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا O اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا O

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ﴿۱۷﴾

سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ O وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے O سو تم دونوں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ O اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O

بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ

ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور سمندر

الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رحمٰن نے O (اپنے رسول مکرم کو) قرآن کی تعلیم دی O انسان (کامل) کو پیدا کیا O اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دی O (الرحمٰن: ۱۔۴)

رحمٰن کا معنی اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا

لفظ اللہ اس ذات کا علم (نام) ہے جو واجب اور قدیم ہے اور تمام کائنات کا خالق اور رب اور مستحق عبادت ہے' بعض علماء نے کہا ہے کہ لفظ رحمٰن بھی اسی طرح اس ذات کا علم (نام) ہے' قرآن مجید میں ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) آپ کہیے کہ تم اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر' تم اس کو جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ الرحمٰن فی نفسہٖ صفت ہے' لیکن یہ لفظ اللہ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہے کہ گویا کہ اس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر رحمٰن کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' عبد اللہ اور عبد الرحمان نام رکھنا مستحب ہے اور جس کا نام عبد الرحمان ہو اس کو خالی رحمان کہنا جائز نہیں ہے' جس کا نام عبد الرحمٰن ہو بعض لوگ اس کو رحمان صاحب کہتے ہیں' یہ بھی اسی طرح جائز نہیں ہے' جس طرح کسی کو اللہ صاحب کہنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو رحمتیں ہیں' ایک رحمت سابقہ ہے اور ایک رحمت لاحقہ ہے' رحمت سابقہ کے تقاضے سے اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور رحمت لاحقہ کے تقاضے سے اس نے مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ان کو رزق دیا اور دوسری وہ تمام نعمتیں دیں جن کی وجہ سے مخلوق کا اس دنیا میں گزر بسر ہو سکے' پس اللہ تعالیٰ رحمت سابقہ کے اعتبار سے رحمٰن ہے اور رحمت لاحقہ کے اعتبار سے رحیم ہے' اور چونکہ مخلوق کو پیدا کرنے میں وہ منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اس لیے اس کا رحمان ہونا بھی منفرد ہے اور وہ رحمان ہونے میں واحد لاشریک ہے اور اللہ کا معنی ہے: جو واجب اور قدیم ہو اور تمام مخلوق کی عبادت اور اطاعت کا مستحق ہو' اس اعتبار سے اللہ منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اسی طرح رحمٰن کا معنی ہے: جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور اس اعتبار سے وہ رحمٰن ہونے میں منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اللہ کہنا جائز ہے نہ رحمٰن کہنا جائز ہے' اور چونکہ بعض

نیک بندے بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جو بے لباس ہوں ان کو لباس دیتے ہیں اور ضرورت مندوں کو خرچ دیتے ہیں' اس لیے ان کو رحیم کہنا جائز ہے' نیز رحمٰن کا معنی ہے: جو بالذات رحم کرے اور بلاغرض اور بلاعوض رحم کرے اور اللہ کے نیک بندے اگر کسی پر رحم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے رحم کرتے ہیں' بالذات رحم نہیں کرتے اور اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو دنیا میں اپنی تحسین کی غرض سے یا آخرت میں ثواب کے عوض دیتے ہیں' بلاغرض اور بلاعوض نہیں دیتے' اس لیے وہ رحیم تو ہو سکتے ہیں رحمٰن نہیں ہو سکتے' نیز رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ حروف ہیں اس لیے رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت رحم کا زیادہ معنی ہے' اس لیے وہ دنیا میں کافروں اور مؤمنوں دونوں پر رحم فرماتا ہے اور آخرت میں صرف مؤمنوں پر رحم فرمائے گا' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں رحمٰن ہے اور آخرت میں رحیم ہے۔

رحمٰن نے جس کو قرآن کی تعلیم دی' اس کے محامل

الرحمٰن: ۲ میں فرمایا: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دیO

''عَلَّمَ'' فعل متعدی ہے اور اس کا معنی اس وقت مکمل ہوگا جب اس کے مفعول کا ذکر کیا جائے کہ رحمٰن نے کس کو قرآن کی تعلیم دی' مفسرین نے اس کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں:

(۱) علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے: اس سے مراد ہے: رحمٰن نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تعلیم دی اور آپ نے اپنی تمام امت کو اس کی تبلیغ کی۔

(۲) دوسرا محمل یہ ہے کہ رحمٰن نے حضرت جبریل اور تمام فرشتوں کو قرآن کی تعلیم دی۔

(۳) تیسرا محمل یہ ہے کہ رحمٰن نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دی۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۲۳' زاد المسیر ج ۸ ص ۱۰۶' تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۰' البحر المحیط ج ۱۰ ص ۵۴' روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۵۰)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا: رحمٰن کیا چیز ہے؟ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک بشر تعلیم دیتا ہے اور وہ یمامہ کا رحمان ہے' اس سے ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھی' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: ''الرحمٰنO علم القراٰنO''۔

زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: رحمٰن نے یاد کرنے کے لیے اور پڑھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے' جیسا کہ فرمایا ہے: ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ'' (القمر: ۱۷)۔

''انسان'' اور ''بیان'' کے محامل

الرحمٰن: ۳۔۴ میں فرمایا: انسان (کامل) کو پیدا کیاO اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دیO

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور حسن نے بیان کیا: یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ہر چیز کے اسماء کی تعلیم دی' اور ایک قول ہے: ان کو تمام لغات سکھا دیں' نیز حضرت ابن عباس اور ابن کیسان سے روایت ہے کہ انسان سے مراد یہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد ہے: حلال اور حرام کا بیان اور ہدایت کا گمراہی سے بیان ہے' ایک قول ہے: اس سے مراد ہے: ''ما کان وما یکون'' کا بیان کیونکہ آپ نے تمام اولین اور آخرین اور روز قیامت کی خبریں دی ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے: خیر اور شر کا بیان' ربیع بن انس نے کہا: نفع دینے والی اور نقصان دینے والی چیزوں کا بیان۔

ایک قول یہ ہے کہ "الانسان" سے مراد ہے: جنس انسان اور اس سے تمام انسان مراد ہیں اور اس تقدیر پر بیان سے مراد ہے: کلام کرنا اور سمجھنا اور اسی خصوصیت کی بناء پر انسان کو تمام جانداروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ سدی نے کہا: ہر قوم کو اس کی زبان سکھا دی جس زبان میں وہ بات کرتی ہے اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ — قلم سے لکھنا سکھایا ۝ انسان (کامل) کو وہ سب سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا ۝ (العلق: ۵۔۴)

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۷۷ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۱ فتح القدیر للشوکانی ج ۵ ص ۱۷۲ فتح البیان ج ۶ ص ۲۹۳۔۲۹۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں ۝ اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیں ۝ اور آسمان کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائی ۝ تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کرو ۝ (الرحمٰن: ۸۔۵)

سورج اور چاند کے حساب سے چلنے میں مفسرین کے اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور ابو مالک نے کہا: سورج اور چاند اپنی اپنی مقررہ منازل میں ایک حساب سے چل رہے ہیں وہ ان منازل سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ان سے انحراف کرتے ہیں۔

ابن زید اور ابن کیسان نے کہا: ان کی گردش اور ان کی رفتار سے اوقات مدتوں اور عمروں کا حساب کیا جاتا ہے اور اگر دن اور رات نہ ہوں اور سورج اور چاند نہ ہوں تو کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ وہ کیسے حساب کرے گا۔

سدی نے کہا: وہ اپنی مدت کے حساب سے چل رہے ہیں جیسے لوگ اپنی مدت عمر کے حساب سے جیتے ہیں اور جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو وہ ہلاک ہو جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ (الرعد: ۲) — ہر ایک اپنی میعاد معین تک چل رہا ہے۔

اس کی زیادہ تفصیل یٰسٓ: ۳۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"النجم" سے مراد بیلیں ہیں یا ستارے اور ان کے سجدہ کرنے کی توجیہ

الرحمٰن: ۶ میں فرمایا: اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیں ۝

حضرت ابن عباس نے فرمایا: نجم ان نباتات کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو جیسے انگور خربوزے اور تربوز کی بیلیں۔

"نجم ینجم" کا معنی ظاہر ہونا اور طلوع ہونا ہے اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کے سایوں کا سجدہ کرنا ہے۔ فراء نے کہا: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو درختوں اور بیلوں کا منہ سورج کی طرف ہوتا ہے پھر ان کے سائے جھکتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سائے معدوم ہو جاتے ہیں۔ زجاج نے کہا: ان کے سجدوں سے مراد یہ ہے کہ ان کے سائے ان کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔

حسن اور مجاہد نے کہا: اس آیت میں نجم سے مراد آسمان کے ستارے ہیں اور ستاروں کے سجدوں سے مراد ان کا غروب ہونا ہے درخت کے سجدہ کرنے سے مراد ان کے پھلوں کا جھکنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے مسخر کی ہوئی ہیں سو تم نہ صابئین کی طرح ستاروں کی پرستش کرو اور نہ ہندوؤں کی طرح درختوں کی عبادت کرو۔

امام قشیری نے کہا: سجود سے مراد خضوع اور عاجزی کا اظہار ہے اور یہ حادث ہونے کی علامت ہے۔

النحاس نے کہا: سجود کا اصل معنی اطاعت اور فرماں برداری کرنا ہے اور اس کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کرنا ہے اور تمام جمادات اور نباتات اس کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں' اسی طرح حیوانات بھی غیر اختیاری طور پر اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔

میزان کے متعلق مفسرین کے اقوال

الرحمٰن: ۷ میں فرمایا: اور آسمان کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائی O

مجاہد' قتادہ اور سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل کو رکھا جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شریعت کو مقرر کرنا ہی عدل کا حکم دینا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ میزان رکھنے سے مراد قرآن مجید کو نازل کرنا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا بیان ہے جن سے عادلانہ معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

حسن اور قتادہ سے یہ بھی مروی ہے کہ میزان سے مراد ترازو ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کی میزان ہے جس میں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا۔

طغیان کا معنی

الرحمٰن: ۸ میں فرمایا: تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کرو O

اس آیت میں ''الا تطغوا'' کا لفظ ہے' یہ ''طغیان'' سے بنا ہے' اور ''طغیان'' کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا' پس جس نے کہا ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے تو اس کے نزدیک طغیان سے مراد عدل سے تجاوز کرنا اور بے انصافی ہے اور جس نے کہا: عدل سے مراد ترازو ہے تو طغیان سے مراد کم تولنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: جس کے لیے تم وزن کرو تو اس سے خیانت نہ کرو اور جس نے کہا کہ میزان سے مراد حکم ہے تو اس کے نزدیک اس سے مراد تحریف ہے' یعنی اللہ کے احکام میں تحریف نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو O اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایا O اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیں O اور بھوسے والا غلہ ہے اور خوشبودار پھول ہیں O پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (الرحمٰن: ۹-۱۳)

وزن صحیح کرنے کے حکم کی تکرار کی توجیہ

الرحمٰن: ۹ میں بھی انصاف کے ساتھ وزن کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ترازو کی ڈنڈی کو درستی کے ساتھ پکڑ کر رکھو اور انصاف سے وزن کرو۔

ابو عیینہ نے کہا: وزن درست کرنے کا تعلق ہاتھ کے ساتھ ہے اور انصاف کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

مجاہد نے کہا: ''القسط'' کا معنی رومی زبان میں عدل ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وزن قائم کرنے کا معنی اس طرح ہے جیسے کسی شخص نے کہا: فلاں شخص نے نماز قائم کی' یعنی نماز کو اس کے وقت میں پڑھ لیا' یا جیسے کسی نے کہا: لوگوں نے بازار کو قائم کیا' یعنی وہ وقت پر بازار میں گئے' سو اس کا معنی ہے: عدل کے ساتھ وزن کرنے کے معاملہ کو ترک نہ کرو۔

اور فرمایا ہے: اور تول میں کمی نہ کرو یعنی ناپ اور تول میں کمی نہ کرو' جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ (ھود: ۸۴) اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ نے کہا: اے ابن آدم! جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے سو تو بھی لوگوں

کے ساتھ عدل کر اور جس طرح تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ وفا کی جائے سو تو بھی لوگوں کے ساتھ وفا کر' کیونکہ عدل میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم قیامت کے دن اپنی نیکیوں میں کمی نہ کرو اور انجام کار یہ چیز قیامت کے دن تمہارے لیے باعثِ حسرت ہو اور وزن میں کمی نہ کرنے کو دوبارہ ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ وزن پورا کرو اور دوسری بار ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ عدل کرو نیز دوبارہ ذکر کرنے سے یہ آیات ایک وزن پر ہو گئیں۔

اعمال اور ان کی کیفیات کے وزن پر ایک اشکال کا جواب

قیامت کے دن جو میزان میں نیکیوں کا وزن کیا جائے گا' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ انسان کے نیک اعمال ٹھوس چیز تو ہیں نہیں اور نہ بُرے اعمال ٹھوس چیز ہیں کہ ایک پلڑے میں نیک اعمال رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں بُرے اعمال رکھ دیئے جائیں پھر ان کا وزن کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ اس انسان کی نیکیاں زیادہ ہیں یا گناہ زیادہ ہیں' نیز بعض نیک اعمال اخلاص سے کیے جاتے ہیں اور بعض نیک اعمال ریاکاری اور دکھاوے سے کیے جاتے ہیں اور اخلاص اور ریاء کیفیات ہیں' ان کا وزن کیسے ممکن ہوگا؟ وزن تو اس چیز کا کیا جاتا ہے جو کوئی مقدار والی چیز ہو اور کیفیات مقدار والی چیز نہیں ہیں' قدیم علماء نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ بندوں کے اعمال ناموں کے ایک قسم کے رجسٹر ہیں اور ان میں ان سب چیزوں کا ان کی پوری کیفیات سے اندراج ہوگا اور دراصل وزن ان رجسٹروں کا کیا جائے گا اور وہ رجسٹر مقدار والی ٹھوس چیزیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نیک اعمال کے مقابلہ میں حسین صورت والے اجسام بنا دیئے جائیں گے اور بُرے اعمال کے مقابلہ میں بدصورت اجسام بنا دیئے جائیں گے اور جیسے جیسے نیکی اور بدی میں اضافہ ہوگا' اسی طرح ان کی خوب صورتی اور بدصورتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن چیزوں کے وزن اور ان کی پیمائش کا پہلے کوئی تصور نہیں تھا اب ان کی پیمائش کا معلوم ہونا روزمرہ ہو گیا ہے' مثلاً کمرے میں کتنے درجہ مثبت یا منفی درجہ حرارت ہے' اب یہ آلات کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' ہوا کا وزن جاننے کا پہلے کوئی ذریعہ نہ تھا' اب ہوا کا دباؤ بیرومیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' آواز کی پیمائش کے بارے میں پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' اب سونومیٹر کے ذریعہ آواز کی پیمائش ہو جاتی ہے' اسی طرح جسم میں کتنا درجہ حرارت ہے' پہلے اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن اب تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' انسان کے خون کے ایک قطرہ میں کتنے ملی گرام گلوکوز ہے' کتنا کولیسٹرول ہے یہ گلوکومیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' اسی طرح لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کے خون میں کتنا یورک ایسڈ ہے' کتنا یوریا ہے' کتنا کیلشیم ہے' کتنا ہیموگلوبین ہے' اس کے خون میں سرخ ذرات کتنے ہیں' سفید ذرات کتنے ہیں' اس کے خون میں کیا کیا بیماریاں ہیں' اس کو ایڈز ہے یا نہیں؟ ہیپاٹائٹس اے' بی' سی یا اور کوئی مہلک بیماری ہے یا نہیں؟ ملیریا' ٹائی فائیڈ ایسی تمام بیماریاں خون میں ہوتی ہیں اور اب سے سو سال پہلے ان کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا' لیکن اب میڈیکل سائنس کی روزافزوں ترقی کے باعث یہ چیزیں لیبارٹری ٹیسٹ سے معلوم ہو جاتی ہیں' سو جس طرح اب خون کے ٹیسٹ کے ذریعہ انسان کی صحت اور بیماری کا علم ہو جاتا ہے' اس طرح کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان میں ایسی صفت پیدا کر دی ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ انسان کے اعمال میں نیکیوں کی کتنی مقدار ہے اور برائیوں کی کتنی مقدار ہے اور نیک اعمال میں اخلاص کی کتنی مقدار ہے اور ریاکاری کی کتنی مقدار ہے' انسان نے جس عقل اور سائنس سے وزن اور پیمائش کے یہ آلات ایجاد کیے' وہ عقل اور سائنس اللہ ہی کی دی ہوئی ہے' جب وزن اور پیمائش میں مخلوق کی تجزیہ کاری کا یہ عالم ہے تو خالق کی تجزیہ کاری کا کیا عالم ہو

گا۔

''الانام' الاکمام' الحب' العصف'' اور'' الریحان'' کے معانی

الرحمٰن: ۱۰۔۱۲ میں فرمایا: اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایاO اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیں O اور بھوسے والا غلہ ہے اور خوشبودار پھول ہیں O 39

اس آیت میں'' الانام'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے:'' الناس''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد انسان اور جنات ہیں' اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہر وہ جان دار ہے جو روئے زمین پر چل رہا ہو۔

اور فرمایا: اس میں'' فاکھۃ'' ہیں'' فاکھۃ'' کھانے کی اس چیز کو کہتے ہیں جس کو انسان پیٹ بھرنے کے بجائے لذت کے لیے کھاتا ہے' اور اس میں'' اکمام'' کا لفظ ہے' یہ لفظ'' کِمّ'' کی جمع ہے' جوہری نے کہا ہے کہ'' کِمّ'' اور'' کمامہ'' پھلوں کے شگوفوں کا غلاف اور ظرف ہے اور اس کی جمع'' اکمام'' ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۳۷)

اور فرمایا:'' الحَبّ' حَبّ'' گندم' جو اور ان کی امثال کو کہتے ہیں' اور'' العصف'' کا معنی ہے گندم اور جو وغیرہ سے جو چھلکا اترتا ہے اور'' ریحان'' کا معنی خوشبودار پھول ہے۔

''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کے مخاطبین

پھر فرمایا: پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O

اس آیت میں انسانوں اور جنات سے خطاب ہے' اگرچہ اس سورت میں پہلے جنات کا ذکر نہیں ہے' لیکن قرآن مجید کی اور سورتوں میں جنات کا ذکر آ چکا ہے اور پورا قرآن مجید کتاب واحد ہے اور اس آیت کے بعد بھی جنات کا ذکر ہے:'' سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ O'' (الرحمٰن: ۳۱) اور'' ثقلان'' سے مراد جن اور انس ہیں۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیت ہے:'' يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ'' (الرحمٰن: ۳۳) نیز جن اور انسان دونوں مکلف ہیں اور پورے قرآن میں مکلفین سے خطاب ہے۔ نیز علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے'' الکشاف'' ج ۴ ص ۴۴۳ میں' امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے'' تفسیر کبیر'' ج ۱۰ ص ۳۴۶ میں اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے'' روح المعانی'' جز ۲۷ ص ۱۵۹ میں لکھا ہے: اس آیت سے پہلے فرمایا ہے:'' وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ O'' (الرحمٰن: ۱۰) اور'' انام'' کا لفظ جن اور انس دونوں کو شامل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس گئے اور ان کے سامنے شروع سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی' صحابہ خاموش رہے' آپ نے فرمایا: میں نے جنات سے ملاقات کی' تب یہ سورت جنات پر پڑھی تھی' انہوں نے تم سے اچھا جواب دیا تھا' جب بھی میں پڑھتا:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O (الرحمٰن: ۱۳) پس اے جنات اور انسانوں کے گروہ! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O

تو وہ کہتے:'' لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد'' اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلائیں گے' پس تیرے لیے حمد ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

''آلاء'' کا معنی اور'' الاء'' '' النعماء'' کا فرق

'' الاء'' کا لفظ'' الْي يا اِلْي'' کی جمع ہے اور اس کا معنی نعمت ہے۔

(القاموس ص ۱۲۶۰' تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۱' لسان العرب ج ۱ ص ۱۴۳' النہایہ ج ۱ ص ۶۲' مختار الصحاح ص ۲۷)

حدیث میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تفکروا فی آلاء اللّٰہ ولا تفکروا فی اللّٰہ. اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۳۱۵' مجمع الزوائد ج ۱ص ۸۱' الکامل لابن عدی ج ۷ص ۲۵۵۶' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کے ساتھ بغیر غرض اور بغیر عوض کے احسان کرنے اور نفع پہنچانے کا قصد کیا جائے اس کو نعمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص ۱۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ "آلاء اللہ" اور "نعماء اللہ" دونوں ایک ہیں' مگر "آلاء" عام نعمت ہیں اور "نعماء" خاص نعمتیں ہیں اور یہ بھی کہ جاتا ہے کہ "آلاء" سے مراد نعمت ظاہرہ ہے اور وہ توحید ہے اور "نعماء" سے مراد نعمت باطنہ ہے اور وہ معرفت قلب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ. اس نے تم کو اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کی ہیں۔

(لقمان: ۲۰)

(تفسیر السمرقندی' بحر العلوم ج ۳ص ۳۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فرق اور ان کی تفاصیل

ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری اور باطنی نعمتوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ظاہری نعمت اسلام ہے اور باطنی نعمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے تمہاری بداعمالیوں پر پردہ رکھا ہوا ہے۔

(۲) ظاہری نعمت صحت اور تندرستی اور انسان کے محاسن اخلاق ہیں اور باطنی نعمت معرفت اور عقل ہے۔

(۳) محاسبی نے کہا: ظاہری نعمت دنیاوی نعمتیں ہیں اور باطنی نعمت اخروی نعمتیں ہیں۔

(۴) ظاہری نعمت وہ ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے' مثلاً انسان کا مال اور منصب اور مرتبہ' اس کا حسن و جمال اور عبادت اور اطاعت کی توفیق اور باطنی نعمت انسان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کا علم اور اس پر حسن یقین اور اللہ تعالیٰ کے بندے سے مصائب اور آفات کو دور کرنا ہے۔

(۵) مجاہد اور وکیع نے کہا: ظاہری نعمت فصاحت و بلاغت سے اور شیریں لہجے میں' ہنستے اور مسکراتے ہوئے کلام کرنا ہے اور باطنی نعمت دل کا صاف اور پاک ہونا ہے۔

(۶) نقاش نے کہا: ظاہری نعمت خوب صورت اور عمدہ لباس ہے اور باطنی نعمت گھر میں ضرورت اور آسائش کی چیزیں ہیں۔

(۷) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت نیک اور باعمل شاگرد ہے' یا دینی تصانیف ہیں۔

(۸) ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود اس کو عطا کی ہیں اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو عطا کی ہیں۔

(۹) ظاہری نعمت اس کا علم ہے اور وہ عبادات ہیں جو وہ ظاہراً کرتا ہے اور باطنی نعمت اس کا عرفان ہے اور اس کی وہ عبادات ہیں جو وہ لوگوں سے چھپ کر کرتا ہے۔

(۱۰) ظاہری نعمت اس کی سلطنت اور اس کا اقتدار ہے اور باطنی نعمت اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۴۳۲۔ ۴۳۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۶۹ ملخصاً ومزیداً وموضحاً)

امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) ظاہری نعمت عبادات کی توفیق ہے اور باطنی نعمت اخلاص اور دکھاوے سے محفوظ رہنا ہے (۲) ظاہری نعمت زبان سے ذکر کرنا ہے اور باطنی نعمت دل سے ذکر کرنا ہے (۳) ظاہری نعمت قرآن کی تلاوت کرنا ہے اور باطنی نعمت قرآن کی معرفت ہے (۴) ظاہری نعمت دن کی روشنی ہے جس میں انسان کسب معاش کرتا ہے اور باطنی نعمت رات کا اندھیرا ہے جس میں وہ آرام کرتا ہے اور سکون سے سوتا ہے (۵) ظاہری نعمت زبان سے کلام کرنا ہے اور باطنی نعمت عقل سے تدبر کرنا ہے (۶) ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد جو چیزیں ملیں وہ ظاہری نعمت ہے اور ماں کے پیٹ میں جو غذا اور دوسری چیزیں ملیں وہ باطنی نعمت ہے (۷) ظاہری نعمت شہادت ناطقہ ہے اور باطنی نعمت سعادت سابقہ ہے (۸) ظاہری نعمت گوناگوں عطائیں ہیں اور باطنی نعمت گناہوں کو معاف کرنا ہے (۹) ظاہری نعمت مشقت کا بوجھ کم کرنا ہے اور مرتبہ بلند کرنا ہے اور باطنی نعمت سینہ کھول دینا ہے (۱۰) ظاہری نعمت فتوحات عطا کرنا ہے اور باطنی نعمت مخالفین کو شکست دینا ہے (۱۱) ظاہری نعمت مال اور اولاد ہے اور باطنی نعمت ہدایت اور ارشاد ہے (۱۲) ظاہری نعمت درست بات کہنا ہے اور باطنی نعمت درست کام کرنا ہے (۱۳) ظاہری نعمت وہ امراض اور مصائب ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے اور باطنی نعمت دنیا اور آخرت میں اللہ عزوجل کا گناہوں پر مواخذہ نہ کرنا ہے (۱۴) ظاہری نعمت بندوں کے ساتھ نسبی اور سسرالی تعلق ہے اور باطنی نعمت اللہ عزوجل کے ساتھ سحری کے اوقات میں دعا اور مناجات کا تقرب ہے (۱۵) ظاہری نعمت کامل مسلمانوں کا دنیا پر غلبہ اور تفوق ہے' جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اور تم ہی (دنیا پر) غالب اور فائق ہو گے بہ شرطیکہ تم (کامل) مومن ہو ○ (آل عمران: ۱۳۹)

اور باطنی نعمت نیکیوں میں سبقت کرنے والے مسلمانوں کا اللہ سبحانہٗ سے وہ خاص قرب ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اور (نیکیوں میں) سبقت کرنے والے (درجات میں) سبقت کرنے والے ہیں ○ وہی لوگ (اللہ کا) قرب حاصل کیے ہوئے ہیں ○ (الواقعہ: ۱۰۔ ۱۱)

(الکشف والبیان ج ۷ص ۳۲ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

یہ اللہ سبحانہٗ کی عطا کی ہوئی چند ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں "لاتعدو لاتحصیٰ" ہیں اور حد و شمار سے باہر ہیں۔

"الالاء" اور "النعماء" دونوں مترادف ہیں اور ان میں ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فرق کرنا صحیح نہیں

نیز علامہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''الالاء'' کا معنی ہے: نعمتوں کا پہنچانا اور ''النعماء'' کا معنی ہے: مصائب کا دور کرنا' اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ لنجا (شل) ہو تو اس کو ''الالاء'' تو حاصل ہے مگر ''النعماء'' حاصل نہیں ہے' اسی طرح گونگے کی زبان ہے' اسی طرح وہ آدمی جس کو عرق النساء یا گٹھیا ہو یا جو شخص عنین (نامرد) ہو' ان سب کو ''الالاء'' تو حاصل ہیں لیکن ''النعماء'' حاصل نہیں ہیں' اور اکثر مفسرین نے ''الالاء'' اور ''النعماء'' میں فرق نہیں کیا اور اس صورت میں یہ لکھا ہے کہ مصائب کو دور کرنا اور نعمت کو پہنچانا دونوں ''الالاء'' ہیں۔

(تفسیر السمرقندی' بحر العلوم ج ۳ ص ۳۰۵۔۳۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ کتب لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ''الالاء'' اور ''النعماء'' مترادف ہیں کیونکہ کتب لغت میں ''الالاء'' کا معنی مطلقاً نعمت بیان کیا ہے اور اس کو ظاہری نعمت یا باطنی نعمت کے ساتھ مقید نہیں کیا' اسی طرح ''سنن ترمذی'' کی حدیث میں ہے کہ جنات نے ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' سن کر کہا: اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور انہوں نے نعمت کو ظاہری نعمت یا باطنی نعمت کے ساتھ مقید نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ''الالاء'' کا لفظ ظاہری نعمتوں اور باطنی نعمتوں دونوں کو شامل ہے' نیز اس سورت میں بھی اس پر دلیل ہے' کیونکہ دنیا کی نعمتیں ظاہری نعمت ہیں اور آخرت کی نعمتیں باطنی نعمت ہیں اور اس سورت میں دنیا کی نعمتوں کے بعد بھی ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے اور آخرت کی نعمتوں کے بعد بھی ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے' دنیا کی نعمتوں کے بعد اس کے ذکر کی مثال یہ ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ (الرحمٰن: ۲۲۔۲۳)

ان دو سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ۞

موتی اور مونگے دنیا کی نعمتیں ہیں اور ظاہری نعمتیں ہیں اور باطنی نعمتوں کے بعد اس کے ذکر کی مثال یہ ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ (الرحمٰن: ۴۶۔۴۷)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۞

اس آیت میں جنت کے ذکر کے بعد ''آلاء'' کا ذکر ہے اور جنت آخرت کی نعمت ہے اور باطنی نعمت ہے' سو اس سورت میں ظاہری اور باطنی دونوں نعمتوں پر ''آلاء'' کا اطلاق کیا گیا ہے' پس لغت' حدیث اور آیات قرآن ہر طریقہ سے واضح ہو گیا کہ ''آلاء'' کا لفظ ظاہری اور باطنی دونوں نعمتوں کو شامل ہے اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ ''آلاء'' کا معنی ظاہری نعمتیں ہیں اور ''النعماء'' کا معنی باطنی نعمتیں ہیں' ان کا قول غلط اور باطل ہے۔

''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کو اکتیس بار مکرر ذکر کرنے میں کوئی حکمت ہے یا نہیں؟

اس سورت میں ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا اکتیس مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور بار بار اس آیت کو ذکر کرنے کا فائدہ اس آیت کے معنی کو ذہنوں میں راسخ کرنا اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے' کیونکہ جو چیز اہم ہوتی ہے' اس کا بار بار ذکر کر کے اس کی تاکید کی جاتی ہے اور جس چیز کے ذکر میں لذت ہو اس کا بھی بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور رب کی نعمتوں کے ذکر سے مسلمانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس کا بار بار ذکر فرمایا' باقی رہا یہ سوال کہ اس کو خاص اکتیس بار کیوں ذکر فرمایا' اس سے کم یا زیادہ بار کیوں ذکر نہیں فرمایا؟ تو یہ اعداد توقیفی ہیں' اس لیے اس خاص عدد کی حکمت اور اس کے فائدہ کو جاننے کے لیے سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' جیسے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں ہیں؟ اس کی توجیہ

میں دماغ لڑانے اور دور دراز کی مناسبتوں اور توجیہات کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ (عبس: ۳۱) اور اللہ نے میوے اور خودرو گھاس پیدا کی ۝

''اب'' کے متعدد معانی ہیں' اس سے پہلی آیات میں زیتون کا اور کھجور کے درخت کا ذکر ہے اور اس آیت میں پھل کا ذکر ہے' اس کے بعد ''اب'' کا ذکر بہ ظاہر غیر مناسب معلوم ہوتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ان الفاظ کے معانی جانتے ہیں' پھر اپنی لاٹھی اٹھا کر فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تکلیف ہے' اور اے عمر! اگر تمہیں معلوم نہیں کہ ''الاب'' کیا چیز ہے تو کوئی حرج نہیں ہے' جس چیز کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو اور جس چیز کا بیان نہیں کیا گیا اس کو چھوڑ دو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۴۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اسی طرز پر حضرت عمر کی اتباع کرتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں اکتیس بار ''فبای الاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے اور اکتیس بار ذکر کرنے کی توجیہ نہیں بیان کی' سو ہمیں بھی اس کی توجیہ اور اس کی تعداد کی وجہ تلاش کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے' تاہم بعض علماء نے اس تعداد کی وجہ بھی بیان کی ہے' خود امام رازی نے بھی اس کی تین وجہیں بیان کی ہیں لیکن وہ اس قدر واضح اور عام فہم نہیں ہیں' سب سے زیادہ آسان اور واضح توجیہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بیان کی ہے' ہم اس کو یہاں ذکر کر رہے ہیں:

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: ''برھان القرآن'' میں مذکور ہے کہ اس آیت کا اکتیس مرتبہ ذکر فرمایا ہے' ان میں سے آٹھ آیات وہ ہیں جو ان آیات کے بعد ذکر کی گئی جن میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب مخلوق اور بغیر سابقہ مثال کے اس کی تخلیق اور اس کی مخلوق کی ابتداء اور انتہاء کو بیان کیا گیا ہے' پھر سات آیات کو ان آیتوں کے بعد بیان فرمایا ہے' جن میں دوزخ کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے کیونکہ دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں' اور ان آیتوں کے بعد ''آلاء'' کا ذکر اس لیے مستحسن ہے کیونکہ دوزخ کے خوف میں بھی نعمت ہے کیونکہ انسان دوزخ کے خوف سے گناہوں کو ترک کرتا ہے اور دوزخ اس لیے بھی نعمت ہے کہ دوزخ سے مسلمانوں کے دشمنوں کو عذاب دیا جائے گا' اور اس کو بہت بڑی نعمت میں شمار کیا جاتا ہے اور ان سات آیات کے بعد آٹھ مرتبہ اس آیت کو ان آیات کے بعد ذکر فرمایا جن آیات میں جنت کی صفات کا ذکر ہے' کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں' اس کے بعد اس آیت کا مزید آٹھ بار ذکر فرمایا ہے کہ دو جنتیں اور ہیں' پس جو شخص پہلی آٹھ آیتوں پر ایمان لائے اور ان میں مذکور نعمتوں کا شکر ادا کرے اور پھر دوسری بار ان آیات کے تقاضوں پر عمل کرے جو جنت کی صفات میں ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو ان سات آیات میں ذکر کیے ہوئے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (روح البیان ج ۹ ص ۳۳۶۔ ۳۳۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا ۝ اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ وہی دونوں مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ اس نے کھاری اور شیریں دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں ۝ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۝ اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

کو جھٹلاؤ گے O (الرحمٰن: ۱۳۔۴۵)

انسانوں اور جنات کی تخلیق کے اعتبار سے ان پر نعمت

الرحمٰن: ۱۴۔۱۶ میں فرمایا: اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا O اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس سے پہلے اللہ سبحانہٗ نے عالم کبیر کی تخلیق کا ذکر فرمایا تھا جیسے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عالم صغیر کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت انسان ہے اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''الانسان'' سے مراد حضرت آدم ہیں "صلصال" کا معنی ہے: وہ ریت جس کے ساتھ مٹی ملی ہوئی ہو؛ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''صلصال'' کا معنی ہے: عمدہ قسم کی گیلی مٹی جب اس کا پانی سوکھ جائے اور وہ پھٹنے لگے اور جب اس کو ہلایا جائے تو وہ بجنے لگے "الفخار" کا معنی ہے: ٹھیکرا پکائے جانے سے پہلے' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت آدم روح پھونکے جانے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح تھے۔

اس کے بعد "الجان" کی تخلیق کا ذکر فرمایا: "الجان" سے مراد ابلیس ہے اور وہ جنات کا باپ ہے جیسے آدم انسانوں کے باپ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ "الجان"' "جن" کا واحد ہے اور "مارج" کا معنی ہے: شعلہ یعنی بالکل صاف آگ جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو' اور اس کا نام "جان" اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کے اس قبیلہ سے ہے جن کو "جن" کہا جاتا ہے' پس "جن" جمع ہے اور "جان" واحد ہے اور اس کا پیدا کرنا بھی نعمتوں میں سے ہے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

پھر فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۱۶) یعنی اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور جنات! تم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک نفس سے پیدا کیا' پس تم دونوں اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور ان دونوں کا ایک ایک نفس سے پیدا کرنا اس لیے نعمت ہے کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں اور جنات کی اتنی عظیم کثرت وحدت کی طرف رجوع کرتی ہے' اسی طرح ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بہت واضح دلیل ہے اور یہ تمام مکلفین پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان لا کر دوزخ کے خلود سے نجات حاصل کریں اور جنت کی دائمی نعمتوں کے امیدوار بنیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مقصود تو یہ تھا کہ انسان کے اوپر نعمتوں کو گنوایا جائے پھر جنات کی تخلیق کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "فبای آلاء ربکما تکذبان" میں انسانوں اور جنات دونوں سے خطاب ہے اور اس میں دونوں پر اپنی نعمتیں گنوانا مطلوب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ انسان کی اصل میلی اور کثیف ہے یعنی مٹی اور جن کی اصل صاف اور لطیف ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جنات پر فضیلت دی تو یہ فضیلت انسان کی کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں ہے' محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی وجہ سے ہے۔

دو مشرق اور دو مغرب بنانے میں انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۱۷۔۱۸ میں فرمایا: وہی دونوں مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

مشرق سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے اور مغرب سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے' ہر روز ایک نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے' گرمیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ پہلے طلوع ہوتا ہے اور سردیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ بعد میں طلوع ہوتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑے ہوتے رہتے ہیں اور سردیوں میں دن کم ہوتے رہتے ہیں اور گرمیوں میں انتہائی بڑا دن چندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات انتہائی کم نو گھنٹے کی ہوتی ہے اور سردیوں میں دن انتہائی کم نو گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات انتہائی بڑی پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے' سو ایک گرمیوں کا مشرق ہے جس میں سورج بہت پہلے طلوع ہوتا ہے اور ایک سردیوں کا مشرق ہے جس میں سورج بہت دیر سے طلوع ہوتا ہے' سو یہ گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرق ہیں' اسی طرح گرمیوں اور سردیوں کے دو مغرب ہیں' ویسے تو ہر روز کے الگ الگ مشرق اور مغرب ہیں لیکن گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرقوں اور مغربوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے' اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

انسانوں اور جنات کے لیے دو مشرقوں اور دو مغربوں میں یہ خصوصی نعمت ہے کہ اگر ہر روز ایک ہی مشرق اور مغرب ہوتا اور سردیوں اور گرمیوں کا ایک ہی مشرق اور مغرب ہوتا اور ہمیشہ دن برابر ہوتے تو لوگ اس مسلسل یکسانیت کی وجہ سے اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے' نیز پھر سارے سال ایک ہی موسم رہتا اور اس میں تنوع نہ ہوتا اور جب موسمی تغیرات نہ ہوتے تو کاشت کاری صحیح نہ ہوتی' فصلیں نہ پکتیں' سارے سال ایک ہی قسم کے پھل ہوتے اور سردیوں اور گرمیوں کے الگ الگ پھل اور الگ الگ اناج نہ ہوتے اور انسان کی نشو و نما کے لیے اور اس کی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف موسموں کی مختلف غذائیں حاصل نہ ہوتیں۔

پھر فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۱۸) یعنی اس میں انسانوں اور جنات کو یہ بتانا ہے کہ تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سے جس جگہ پر بھی ہو تم اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی سلطنت میں ہو' تم اسی کا رزق کھا رہے ہو اور تم جہاں بھی ہو اس کو تمہارا علم ہوتا ہے' وہی آفات اور مصائب میں تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تمہاری مدد کرتا ہے' سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

دو سمندروں کو ملانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۱۹۔۲۱ میں فرمایا: اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

یعنی ان دونوں سمندروں کے پانی ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ایک پانی کا ذائقہ دوسرے پانی سے مختلط ہوتا ہے' یہ دو سمندر ایک بحر روم ہے اور ایک بحر فارس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا بحر ہند ہے' اور ان کے درمیان جو آڑ ہے وہ جزیرۂ عرب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے' پھر فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمان: ۲۱) یعنی ان میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں' تاکہ تم ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لاؤ' پھر تم دونوں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں؟

موتی اور مونگے نکالنے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۲۲۔۲۳ میں فرمایا: ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللہ تمہارے لیے پانی سے موتی اور مونگوں کو اس طرح نکالتا ہے جس طرح زمین سے اناج' پھلوں اور پھولوں کو نکالتا ہے' اللہ تعالیٰ صرف میٹھے پانی سے موتی اور مونگوں کو نکالتا ہے اور اس آیت میں ان دونوں سمندروں کا ذکر ہے' حالانکہ ان میں سے صرف ایک سے موتی اور مونگے نکالتا ہے' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عرب دو مختلف جنسوں کا ذکر کرتے ہیں' پھر ان میں سے کسی ایک سے خبر دیتے ہیں اور جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ . اے جنات اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے۔ (الانعام: ۱۳۰)

اس آیت میں جنات اور انسانوں دونوں میں سے رسولوں کے آنے کا ذکر فرمایا ہے' حالانکہ رسول ان میں سے صرف انسانوں میں سے آئے تھے' اسی طرح کھارے اور شیریں دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ موتی اور مونگے صرف شیریں سمندر میں نکلتے ہیں۔

''لؤلؤ'' اور ''مرجان'' کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ''لؤلؤ'' چھوٹے موتی ہیں اور ''مرجان'' بڑے موتی ہیں اور اس کے برعکس بھی روایت ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ''مرجان'' سرخ سیپی کو کہتے ہیں۔

پھر فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ موتی اور مونگے مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمائے ہیں'' سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو ملایا یعنی حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان سے موتی اور مونگے نکالے یعنی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۶۴)

سطح سمندر پر جہاز چلانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۲۴۔۲۵ میں فرمایا: اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت میں ہیں O سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

سمندر میں بہت بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں' جو پہاڑوں کی مانند بڑے بڑے نظر آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہارے سمندری سفر کے لیے کشتیاں اور جہاز پیدا کیے جو بہت وزنی ہیں اور حجم میں پہاڑ جتنے ہوتے ہیں اور وہ سمندر کے دوش پر چلتے ہیں جن سے تم تجارت اور دوسری اغراض کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچ جاتے ہو اس میں تمہارے لیے بہت منفعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پانی میں ڈوب جاتا ہے اور اتنے بڑے بڑے دیو ہیکل جہاز سمندر کی سطح پر سفر کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۲۵) یعنی اس نے مخلوق کی منفعت کے لیے اتنے بڑے جہازوں کو سمندر میں رواں دواں رکھا' کیا تم اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا انکار کر سکتے ہو کہ یہ اس کی دی ہوئی نہیں ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے ○ اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور

وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي

بزرگی والا ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ اسی سے سوال کرتے ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، وہ ہر آن نئی شان میں ہے ○ سو تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے ○ سو تم دونوں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ اے جنات اور انسان کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ

اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا

آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں

تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ

بھی جاؤ گے وہاں اسی کی سلطنت ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (اے مکذبو!) تم پر

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

(روزِ قیامت) آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾

کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ○ پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا ○

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ

سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق

إِنسٌ وَلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ

سوال نہیں کیا جائے گا انسان سے نہ جن سے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ (اس دن) مجرمین

الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ۞

فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا

پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا

الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ

کرتے تھے ۞ وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ۞ سو تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے ۞ اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والی ہے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ۞ وہ ہر آن نئی شان میں ہے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ اے جنات اور انسانوں کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں اسی کی سلطنت ہے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ (الرحمٰن: ٢٦-٣٤)

تمام روئے زمین والوں کے ہلاک ہونے میں انسانوں کے لیے نعمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرشتوں نے کہا: زمین والے ہلاک ہو گئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ. (القصص: ٨٨) — اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

تو فرشتوں کو اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہو گیا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۵)

اور تمام مخلوق کو فنا ہونے میں انسانوں اور جنات کے لیے یہ نعمت ہے کہ صرف وہ ہلاک نہیں ہوں گے بلکہ کائنات کی ہر چیز ہلاک ہو گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان موت کے بعد دار تکلیف سے دار جزاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞" (الرحمٰن: ٢٨) یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرماتا ہے تم اس پر توکل کرو اور لوگوں پر بھروسا نہ کرو وہ تم سے مصائب کے دور کرنے پر قادر نہیں ہیں کیونکہ وہ سب فانی ہیں اور ہلاک ہونے والے ہیں اور

ع ٢ | ١٢

مخلوق کی فنا کے بعد اللہ ہی باقی ہے' وہ تمہارے گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور نیکیوں پر تمہاری مدد کرتا ہے پس تم اپنے ایسے رب کا کیسے انکار کر سکتے ہو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم پر یہ احسانات کیے؟

ہر روز نئی شان میں ہونے کے ضمن میں اللہ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۲۹۔۳۰ میں فرمایا: اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں O الآیۃ

آسمان والے اللہ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور زمین والے اللہ سے رزق کا سوال کرتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: آسمان والے اللہ سے مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور زمین والے اللہ سے مغفرت اور رزق کا سوال کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: فرشتے زمین والوں کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں۔

وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے' اس کی تفسیر میں یہ حدیث ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی شان سے یہ ہے کہ وہ گناہ معاف کرتا ہے اور غم کو دور کرتا ہے' ایک قوم کو سر بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو سرنگوں کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۲' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۳۰۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ گناہ معاف کرتا ہے اور غم کو دور کرتا ہے اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ (مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۲۲۶۸)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ ہے کہ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے' وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے' وہ رزق دیتا ہے اور رزق روک لیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی شان سے دنیا اور آخرت دو دن ہیں' دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حکم دے کر اور کسی کام سے منع کر کے آزماتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور عطا کرتا ہے اور روک لیتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان جزاء دینا ہے اور حساب لینا ہے اور ثواب اور عتاب دینا ہے اور لغت میں شان کا معنیٰ عظیم کام ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے' اور بیمار کو تندرست کرتا ہے اور تندرست کو بیمار کر دیتا ہے' خوش حالی کو تنگ دست کر دیتا ہے اور تنگ دست کو خوش حال کر دیتا ہے' ذلیل کو عزت دار کر دیتا ہے اور عزت دار کو ذلیل کر دیتا ہے' فقیر کو غنی کرتا ہے اور غنی کو فقیر کر دیتا ہے۔

"کل یوم ھو فی شان" کے مسئلہ تقدیر سے تعارض کا جواب

عبداللہ بن طاہر نے الحسین بن الفضل کو بلا کر کہا: مجھے قرآن مجید کی تین آیتوں میں اشکال ہے' میں نے آپ کو ان کے حل کے لیے بلایا ہے' پہلی آیت یہ ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے اس کی لاش کو دفن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (المائدہ: ۳۱) پھر وہ ندامت کرنے والوں میں سے ہو گیا O

اور صحیح حدیث میں ہے کہ ندامت توبہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۲' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۶۹' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۳' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۱۲' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۲۹)

اور جب قابیل حابیل کو قتل کر کے نادم ہو گیا تو اس نے توبہ کر لی پھر اس کو عذاب کیوں ہو گا؟
الحسین بن الفضل نے جواب دیا کہ قابیل حابیل کو قتل کرنے پر نادم نہیں ہوا تھا' بلکہ اس کی لاش کو اٹھائے اٹھائے پھرنے پر نادم ہوا تھا' وہ ہابیل کی لاش اٹھائے اٹھائے پھر رہا تھا کہ اس لاش کو کیسے چھپائے' پھر جب اس نے ایک کوے کو زمین کھودتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا:

قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚ (المائدہ: ۳۱)

اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی طرح بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپا دوں' پھر وہ ندامت کرنے والوں میں سے ہو گیا۔ O

عبداللہ بن طاہر نے کہا: میرا دوسرا اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ (الرحمٰن: ۲۹)

وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔ O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نیا کام کرتا ہے' حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جف القلم علی علم الله.

قلم تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۲)

پھر جب سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو پھر ہر روز ایک نیا کام کرنے کا کیا مطلب ہے؟
الحسین بن الفضل نے جواب دیا کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ہر روز ایک نیا کام کرتا ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر روز ایک نئے کام کو ظاہر فرماتا ہے' لہٰذا اس آیت میں اور مسئلہ تقدیر میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

عبداللہ بن طاہر نے کہا: میرا تیسرا اشکال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ (النجم: ۳۹)

انسان کے لیے اسی عمل کا اجر ہے جو اس نے کیا ہے۔ O

حالانکہ قرآن مجید کی آیات میں یہ صراحت ہے کہ ایک عمل کا دس گنا اجر ملتا ہے اور سات سو گنا اجر ملتا ہے اور اللہ جس کے لیے چاہے اس اجر کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے۔
الحسین بن الفضل نے کہا: انسان کے عمل کا اتنا ہی اجر دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور اس کا دگنا چوگنا اور بے حساب اجر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

تب عبداللہ بن طاہر نے الحسین بن الفضل کے سر پر بوسہ دیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۵۳' موضحاً و مفصلاً و مخرجاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۳۰) فرمایا' یعنی تم اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو' حالانکہ اسی سے تم اپنی حاجات کا سوال کرتے ہو۔

جن و انس کا حساب لینے اور ان کو اجر دینے میں اللہ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۳۱-۳۲ میں فرمایا: اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں ''سنفرغ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہم عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا

شغل نہیں ہے' جس سے وہ فارغ ہو' اس لیے اس کا مجازی معنی ہے: ہم عنقریب تمہیں جزاء دینے کے لیے اور تمہارا حساب کرنے کے لیے فارغ ہوں گے' اس میں ان کو عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔

امام احمد نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے' اس میں یہ مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں انصار سے بیعت لی' تو شیطان نے چیخ کر کہا: اے گھروں والے! یہ مذمم ہے' یہ بنی قیلہ سے تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے بیعت لے رہا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ازب العقبہ (شیطان کا نام) ہے' سن اے اللہ کے دشمن! میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہوں گا یعنی تیرے مکر کو باطل کرنے کا قصد کروں گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۲)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور فجار کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

اور اس آیت میں ''ثقلان'' کا لفظ ہے' اس سے مراد جن اور انس ہیں' ان کو ''ثقلین'' اس لیے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر یہی سب سے عظیم مخلوق ہیں کیونکہ تمام مخلوقات میں صرف یہی مکلف ہیں یعنی صرف یہی تکلیف کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ ثقل' خفت کا مقابل ہے' بوجھ' وزنی چیز۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰۳) امام جعفر صادق نے کہا: ان کو ''ثقلین'' اس لیے فرمایا کہ یہ گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۸۶) امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: یعنی ہم عنقریب انسانوں اور جنات کا حساب لینے کا قصد کریں گے اور اس سے شیاطین کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ انہوں نے انسانوں اور جنات کو گمراہ کیا ہے' عرب دھمکی دینے کے لیے کہتے ہیں: میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝'' (الرحمان: ۳۲) فرمایا' یعنی تم نے جو بُرے اعمال کیے ہیں وہ بھلائے نہیں جائیں گے اور نہ تمہارے اعمال کے ثواب کو روکا جائے گا اور تم نے جس پر ظلم کیا ہے اس کو انصاف دلایا جائے گا' پھر تم اللہ کی ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ تم کو اللہ نے یہ نعمتیں نہیں دی ہیں؟ سنو! یہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں سو تم اس کا شکر ادا کرو' سو تم اس کا کیسے انکار کرو گے جو تمہارے اعمال کی جزاء دیتا ہے اور تمہاری نیکیوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرتا اور تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرتا ہے' پس یہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں' تم اس کو واحد مانو' اس کا شریک نہ مانو اور اس کا شکر ادا کرو۔

پیشگی احوالِ قیامت بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۳۳۔۳۴ میں فرمایا: اے جنات اور انسان کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں بھی جاؤ گے' اسی کی سلطنت ہے ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

ضحاک نے کہا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنی چیزوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے اس کے کنارے پر کھڑے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زمین پر آئیں گے' پھر وہ زمین والوں کا احاطہ کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کے ساتھ والے آسمان کے فرشتوں کو حکم دے گا تو وہ صف بہ صف کھڑے ہو جائیں گے' اسی طرح تیسرے' چوتھے' پانچویں' چھٹے اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دے گا' پھر سب سے اونچے آسمان کا فرشتہ اتر کر جہنم کی طرف آئے گا اور اس کی پرجوش آواز اور چنگھاڑ کو سنے گا' پھر ہر آسمان کے کنارے پر فرشتوں کی صفوں کو دیکھے گا اور یہ اس آیت کا

مصداق ہے کہ اے جنات اور انسانوں کے گروہ! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کنارے سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ' تم جہاں بھی جاؤ گے' اسی کی سلطنت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۵۵)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ نے لکھا ہے: اس آیت کے تین محمل ہیں: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کا علم حاصل کر سکتے ہو تو کر لو۔

(۲) مقاتل بن سلیمان نے کہا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ لو' تم جہاں بھی جاؤ گے تو موت تم کو پالے گی۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۹)

(۳) امام ابن جریر نے کہا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل کر اپنے رب کو عاجز کر سکتے کہ وہ تم پر قدرت نہ پائے تو نکل جاؤ' تم جہاں بھی جاؤ گے' اسی کا ملک' اسی کی سلطنت اور اسی کی قدرت میں ہو گے۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۱۷۷)

(زاد المسیر ج ۸ ص ۱۲۶' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۳۴) یعنی یہ تم پر اللہ کی کتنی عظیم نعمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے قیامت کے احوال بیان کر دیئے تاکہ تم قیامت کے آنے سے پہلے توبہ کر لو اور اس کی طرف رجوع کر لو' سو تم ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مکذبو!) تم پر روزِ قیامت آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا' انسان سے نہ جن سے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے ○ وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (الرحمٰن: ۴۵-۳۵)

''شواظ'' اور ''نحاس'' کے معنیٰ

''نحاس'' کا ایک معنیٰ دھواں ہے اور دوسرا معنیٰ پگھلا ہوا پیتل یا تانبا ہے' مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت کے دن کفار کہیں بھاگ کر گئے بھی تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ کر تمہیں واپس لے آئیں گے یا تمہارے سروں پر پگھلا ہوا تانبا یا پیتل ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے اور تم اس عذاب کو دور نہیں کر سکو گے۔

اس آیت میں ''شواظ'' اور ''نحاس'' کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''شواظ'' کا معنیٰ ہے: ایسی آگ جس میں دھواں نہ ہو اور ''نحاس'' اس دھوئیں کو کہتے ہیں: جس میں آگ نہ ہو اور ''نِحاس'' (زیر کے ساتھ) ''نحس'' کی جمع ہے اور ''نُحاس'' اس پگھلے ہوئے پیتل کو بھی کہتے ہیں جو ان کے سروں پر ڈالا جائے گا اور ''فلا تنصران'' کا معنیٰ ہے: جن اور انس ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۳۶) یعنی اس دن اللہ کے سوا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا اور جب تم پر عذاب چھوڑا جائے گا تو اللہ کے سوا کوئی تمہاری حفاظت نہیں کر سکے گا' سو تم اس کی قدرت اور توحید کا کیسے انکار کر

سکتے ہو؟

آسمان کے پھٹنے اور اس کے سرخ ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور ''وردۃ'' اور ''دھان'' کے معنی

الرحمٰن: ۳۷۔۳۸ میں فرمایا: پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں ''وردۃ'' اور ''دھان'' کے الفاظ ہیں ''وردۃ'' کے معنی گلاب کی طرح سرخ ہیں اور ''دھان'' کے معنی تیل ہیں یعنی آسمان پھٹ کر آگ کی تپش سے پگھل جائے گا اور دوزخ کی آگ کی حرارت سے سرخ ہو جائے گا اور تیل کی طرح بہ رہا ہوگا۔ ابوعبید اور فراء نے ذکر کیا ہے کہ ''دھان'' کا معنی سرخ چمڑا ہے یعنی آسمان دوزخ کی آگ کی شدید تپش سے کچے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۳۸) یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان متغیر ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کا حکم دے گا اور اس دن قیامت کی ہولناکیوں سے صرف اللہ تعالیٰ ہی تم کو نجات دے گا تو تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہ کرنے کا ایک آیت سے تعارض اور اس کے جوابات

الرحمٰن: ۳۹۔۴۰ میں فرمایا: سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا انسان سے نہ جن سے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

ایک اور آیت میں بھی اسی طرح فرمایا ہے:

وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ O (القصص: ۷۸)

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک اور آیت میں اس کے برعکس فرمایا ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ O (الحجر: ۹۲)

آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے O

اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) عکرمہ نے کہا: قیامت کا دن بہت طویل ہوگا' پس کسی وقت اللہ تعالیٰ مجرموں سے سوال نہیں فرمائے گا اور دوسرے وقت میں سوال فرمائے گا۔

(۲) میدانِ محشر میں ان سے سوال کیا جائے گا اور جب ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اللہ ان سے ان کے گناہوں کو جاننے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا گناہ کیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ ان کے اعمال کو جاننے والا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر سوال کرے گا کہ تم نے یہ کام کیوں کیے۔

(۴) ابوالعالیہ نے کہا: غیر مجرم سے مجرم کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

(۵) پہلے مجرموں سے سوال کیا جائے گا اور جب ان کی زبان اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تو پھر ان سے

سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ ہنسنے لگے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنسا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: میں بندے کے اپنے رب سے کلام پر ہنسا ہوں' بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں! بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف اپنے نفس کے سوا کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج تیرے خلاف تیرے نفس کی شہادت ہی کافی ہے اور لکھنے والے معزز فرشتوں کی گواہی کافی ہے' پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: تم کلام کرو' پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال بیان کریں گے' پھر وہ شخص اکیلے میں اپنے اعضاء سے کہے گا: دفع ہو جاؤ' میں تمہارے لیے ہی تو جھگڑتا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۹)

اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یٰس: ۶۵)

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

(۶) مجرموں سے ان کے جرائم کے متعلق اس لیے سوال نہیں کیا جائے گا کہ کراماً کاتبین نے ان کے صحائف اعمال میں ان کے تمام جرائم کی فہرست تیار کر رکھی ہوگی۔

(۷) مجرموں سے ان کے جرائم کے متعلق اس لیے بھی سوال نہیں کیا جائے گا کہ ان کے جرائم کی علامتیں ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گی:

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○ (عبس: ۴۰۔۴۱)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ (آل عمران: ۱۰۶)

رہے وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے' ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے' ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کو پیشانی کے بالوں اور ان کے قدموں سے پکڑا ہوا ہوگا' پھر ان کے جرائم کے متعلق ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہوگی؟

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○" (الرحمٰن: ۴۰) یعنی جب وہ قیامت کے دن تمہیں ثواب عطا فرمائے گا اور تم کو اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دے گا پھر تم اللہ کی وحدانیت اور اس کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟ اور یہ نعمت ہے کہ اللہ نے تمہیں یہ بیان کر دیا کہ اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے اور تمہیں گناہوں سے منع کرتا ہے اور تم سے درگزر فرماتا ہے سو تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

روزِ قیامت کی ہولناکیاں

الرحمٰن: ۴۱۔۴۲ میں فرمایا: (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

حسن نے کہا: ان کا چہرہ سیاہ ہوگا اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۔ اس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ (آل عمران: ۱۰۶)

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۲) ہم اس دن مجرمین کو اکٹھا کریں گے (دہشت کی وجہ سے) ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۝

فرشتے ان کو ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔

ضحاک نے کہا: ان کی پیشانیوں کو اور ان کے قدموں کو ان کی پیٹھوں کے پیچھے سے زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا پھر ان کی ٹانگوں اور پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' یہ اس لیے کیا جائے گا تا کہ ان کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ قبیح ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ فرشتے ان کو گھسیٹ کر دوزخ میں لے جائیں گے' دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو بالوں سے پکڑ کر منہ کے بل گھسیٹیں گے' تیسرا قول یہ ہے کہ ان کو بالوں سے پکڑ کر سر کے بل گھسیٹ کر لے جائیں گے۔

پھر فرمایا: "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ " (الرحمٰن: ۴۳) یعنی اگر تم ایمان لے آؤ تو اللہ ہی تم سے اس عذاب کو دور کر سکتا ہے' سو جب تم اس کو واحد مانو گے اور اس کی اطاعت کرو گے تو قیامت کی ان ہولناکیوں سے محفوظ رہو گے' پس تم اللہ کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جہنم میں کفار کے گھومنے کی کیفیت

الرحمٰن: ۴۴۔۴۵ میں فرمایا: یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے۝ وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ۝ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

جب کفار دوزخ کے قریب ہوں گے تو ان سے دوزخ کے پہرے دار کہیں گے: یہ ہے وہ جہنم جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا دوزخ میں حال بیان فرمایا' ان کو پینے کے لیے کھولتا ہوا مشروب دیا جائے گا' ان پر بھوک مسلط کی جائے گی اور ان کو کھانے کے لیے شجر زقوم کا پھل دیا جائے گا' (تھوہر کے درخت کا سخت کڑوا پھل جس کو اندرائن کہتے ہیں) وہ اس کو کھائیں گے تو وہ ان کے حلق میں پھنس جائے گا' پھر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ کھولتے ہوئے پانی کے پاس جاؤ' وہ اس کو پئیں گے تو وہ ان کے مونہوں کو جلا دے گا اور وہ پانی ان کے پیٹوں میں جوش کھا رہا ہو گا اور ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہو گا اس کو نکال کر باہر کر دے گا' پھر ان پر دوبارہ بھوک مسلط کی جائے گی' پھر دوبارہ کبھی وہ تھوہر کے درخت کے پاس جائیں گے اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے پاس جائیں گے۔ (بحر العلوم ج ۳ ص ۳۰۹)

پھر فرمایا: "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ " (الرحمٰن: ۴۵) یعنی اگر تم اللہ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرو تو اللہ سبحانہٗ ہی تم کو آخرت کے اس عذاب سے نجات دے گا' سو تم اللہ اور اس کے رسولوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟ نیز میں نے جو تم کو آخرت کے اس عذاب کی خبر دی ہے یہ بھی تمہارے لیے نعمت ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے کفر اور اس کی نافرمانی سے باز آ جاؤ' پس تمہارے رب نے جو تم کو نعمتیں عطا کیں ہیں ان نعمتوں کا انکار اور ان کی ناشکری نہ کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے مصائب کو اور آخرت کے عذاب کو دور کرتا ہے اور اس کے بعد جو آیات ہیں ان میں یہ بتایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے' اس سے ڈرے اور اس کے خوف سے گناہوں کو ترک کر دے اور اس کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کی بیش بہا نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

کو جھٹلاؤ گے O جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا

ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں

مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں O سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ

(متقین) ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

جھکے ہوئے ہوں گے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون

تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِیْهِمَا

کو جھٹلاؤ گے ○ وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ

ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں پھل

نَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

اور کھجوریں اور انار ہیں ○ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں خوب صورت خوب سیرت بیویاں ہیں ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں ○ پس

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے ○ پس تم

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ع ۳ ۱۴

پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ آپ کے رب کا نام بابرکت ہے، جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ متقین ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن پر استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے قریب ہوں گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (الرحمٰن: ۴۶-۶۱)

''ولمن خاف مقام ربہ'' کا شان نزول اور اس بشارت کا ہر مؤمن کے لیے عام ہونا

اس سے پہلی آیات میں فساق' فجار اور کفار کو قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس رکوع کی آیات مؤمنین اور صالحین کے لیے آخرت میں جو جنت کی نعمتیں تیار کی ہوئی ہیں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

الرحمٰن: ۴۶ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور ڈر کر اس نے گناہ کو ترک کر دیا تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے خواہش نفس سے مغلوب ہو کر گناہ کا ارادہ کیا' پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آئی اور اس نے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیا۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں جنتی نہ ہوں تو تجھ کو طلاق ہے' تو اگر اس نے اس سے پہلے کبھی زندگی میں گناہ کا ارادہ کیا تھا' پھر اس کو حیا آئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس گناہ کو ترک کر دیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

اس کو جو دو جنتیں ملیں گی تو ایک جنت اپنے رب سے ڈرنے کی وجہ سے ملے گی اور ایک جنت اپنی شہوت کے تقاضے سے گناہ کو ترک کرنے کی وجہ سے ملے گی۔

ضحاک نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا' جو ان کو بہت اچھا لگا' انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا' تو پھر انہوں نے اس دودھ کی قے کر دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے' تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۱' دار الفکر بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝'' (الرحمٰن: ۴۶) میں نے کہا: یارسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولمن خاف مقام ربہ جنتان'' (جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں) میں نے کہا: یارسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: ''ولمن خاف مقام ربہ جنتان'' میں نے کہا: یارسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ابوالدرداء کی ناک کو خاک آلودہ کرتے ہوئے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ شعیب الارنؤط' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۶۸۳) (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۷' طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۳۱۱۔۳۱۲' رقم الحدیث: ۸۶۸۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۸۹' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۹۷۵' مشکل الآثار رقم الحدیث: ۲۰۰۰' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۸' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۶۱۳' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۸۹' الدر المنثور ج ۷ ص ۶۳۳' روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۸۷' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۳۳' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۲)

دو جنتوں کے مصداق میں احادیث اور آثار

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' سونے کا ہے' ان کے اور ان کے رب کو دیکھنے کے درمیان جنت عدن میں صرف اس کے چہرے پر کبریا کی چادر حائل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن کبریٰ للنسائی

رقم الحدیث: ۶۵۷۷، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۵)

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

ان دو جنتوں سے مراد جنت عدن اور جنت نعیم ہے اور یہ صدیقین، شہداء، مقربین، سابقین کے لیے ہیں اور اس شخص کے لیے ہیں جس نے گناہ کا ارادہ کیا پھر اس نے اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہونے کو یاد کیا، پھر اللہ سے ڈرا اور گناہ کو ترک کر دیا، سو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو جنتیں کیا ہیں؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں کہ وہ دو جنتیں کیا ہیں، آپ نے فرمایا: وہ جنت کے وسط میں دو باغ ہیں، ہر باغ نور کے گھروں میں سے ایک گھر میں ہے، ان میں سے ہر باغ نعمت سے معمور ہے اس کے درخت اگے ہوئے ہیں، اس کے پتے سرسبز ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: ان دو جنتوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: ایک جنت انسانوں کی ہے اور ایک جنت جنات کی ہے۔

(۲) مقاتل نے کہا: ایک جنت عدن ہے اور ایک جنت نعیم ہے۔

(۳) عیاض بن تمیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جنت کے باغات میں سے دو باغ ہیں۔

(۴) ایک جنت میں اس کا گھر ہے اور دوسری جنت میں اس کی ازواج اور اس کے خدام کا گھر ہے۔

(۵) ایک جنت اس کا مسکن ہے اور دوسری جنت اس کا باغ ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ان دو جنتوں کے مصداق میں صحیح وہ قول ہے جس کو ہم نے "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے حوالے سے ارشاد رسالت بیان کیا ہے۔

زیر تفسیر آیت کے شانِ نزول میں ایک ضعیف روایت

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیامت، میزان، جنت، دوزخ، صفوف ملائکہ، آسمانوں کے لپیٹے جانے، روئی کے گالوں کی طرح پہاڑوں کے اڑنے، سورج کے لپیٹے جانے اور ستاروں کے بے نور ہونے کے متعلق غور و فکر کیا تو کہا: کاش! میں سرسبز چارہ ہوتا اور کوئی جانور مجھے کھالیتا اور میں پیدا نہ کیا جاتا تو یہ آیت نازل ہوئی: (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝)۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۷۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ، الدرالمنثور ج ۷ ص ۶۲۲)

مطبوعہ "تفسیر امام ابن ابی حاتم" میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے، البتہ امام ابوالشیخ الاصبہانی التوفی ۳۹۶ھ نے اس کو روایت کیا ہے۔

کتاب العظمۃ ص ۳۵۔ رقم الحدیث: ۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، لیکن اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے، اس کا ایک راوی ہے: کنانہ بن جبلہ، ابن معین نے کہا: وہ کاذب ہے، السعدی نے کہا: شدید ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۱۵) دراصل علامہ آلوسی نے ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ کے حوالے "الدرالمنثور" سے اٹھائے اور اپنی عادت کے مطابق حافظ سیوطی کا نام لیے بغیر ان کو نقل کر دیا اور اصل کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی اور ہمارے زمانہ کے علماء ان کو خاتم المحققین کے

لقب سے ذکر کرتے ہیں۔

اللہ سے نہ ڈرنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ انسان اپنے بچوں' اپنے شاگردوں' مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور بُرے کام نہیں کرتا اور جب تنہا ہو اور صرف اللہ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ۔ (المائدہ: ۴۴) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

اور یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے بُرے کام چھوڑ بھی دیئے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جب کہ اللہ کے ڈر سے اس نے گناہ اور بُرے کام چھوڑ دیئے تو اللہ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات: ۴۰۔۴۱) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس (امارہ) کو (اس کی) خواہش سے روکا ۝ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ۝

نیز فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝

خوفِ خدا سے مرنے والے نوجوان کو دو جنتیں عطا فرمانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا' جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا' حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے' اس کا ایک بوڑھا باپ تھا' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا' اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا' وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی' وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی' ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی' حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا' جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہو گئی' اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۱) بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا' اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں' اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے' کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا' اس کے باپ نے پوچھا: اے بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا: خیر ہے' باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا: اے بیٹے! تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے

ہوش ہوکر گر گیا' گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا' انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا' صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا: رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو' پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے' حضرت عمر نے کہا: اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو یا دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع رقم الحدیث: ۱۱۴۰۔ ج ۱۹ ص ۱۹۰۔ ۱۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر الاعراف رقم الحدیث: ۲۰۱۔ ج ۳ ص ۲۶۹' طبع دار الاندلس بیروت' شرح الصدور ص ۱۲' طبع دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۳)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا' ایک عورت اس پر عاشق ہوگئی' وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں' اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا' اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا' جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا: اے چچا! حضرت عمر کے پاس جائیں' ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزاء ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر کے پاس گیا' اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: تمہارے لیے دو جنتیں ہیں' تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۳۶۸۔ ۴۶۹۔ رقم الحدیث: ۷۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۴۷' طبع قدیم۔ ج ۷ ص ۷۰۸' طبع جدید' دار الفکر' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۵' روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۱۶)

حافظ ابن عساکر نے جو حدیث تفصیلاً روایت کی ہے اس پر حافظ ابن کثیر نے بھی اعتماد کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) گناہ کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کر دینا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔

(۲) نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

(۳) نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

(۴) کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمر کا طریقہ ہے۔

(۵) صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا' اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔

(۶) جن احادیث میں ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جس کو تم سن سکو' ان کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا جواب عادۃً نہیں سن سکتے۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○" (الرحمٰن: ۴۷) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ تمہارے

ایک عمل کے بدلہ میں دو جنتیں عطا فرما رہا ہے تو تم اس کی وحدانیت کا' اس کی قدرت کا اور اس کے جود و کرم کا اور دیگر نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

''ذواتا افنان'' کا معنیٰ

الرحمٰن: ۴۸۔۴۹ میں فرمایا: جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

اس آیت میں ''ذواتا افنان'' فرمایا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: رنگ برنگ پھلوں والی دو جنتیں۔

مجاہد نے کہا: ''افنان'' کا معنیٰ ہے: شاخیں یہ ''فنن'' کی جمع ہے۔ عکرمہ نے کہا: ''افنان'' کا معنیٰ ہے: شاخوں کا دیواروں پر سایہ۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۴۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پھلوں اور سرسبز شاخوں والی جنت کا وعدہ کیا ہے' پھر تم اس کی نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کے چشموں کی کیفیت

الرحمٰن: ۵۰۔۵۱ میں فرمایا: ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دونوں جنتوں میں سے ہر ایک میں چشمے بہ رہے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں صاف شفاف پانی بہ رہا ہے' ان میں ایک چشمہ تسنیم ہے اور دوسرا چشمہ سلسبیل ہے' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ چشمے دنیا کے چشموں سے دو گنے چوگنے بڑے ہیں' اس کی کنکریاں سرخ یاقوت اور سبز زمرد ہیں' اس کی مٹی کافور ہے' اس کی کیچڑ مشک ہے اور اس کے دو کنارے زعفران ہیں۔ عطیہ نے کہا: ان میں سے ایک پانی کا چشمہ ہے اور دوسرا شراب طہور کا ہے' وہ پینے والوں کی لذت کے لیے ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: جنت کے یہ دو چشمے ان لوگوں کے لیے بہ رہے ہیں جن کی آنکھوں سے دنیا میں خوف خدا سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ ص ۱۶۲)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۵۱) یعنی ان چشموں کو جاری کرنا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت سے ہے' کیا تم پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انکار کر سکتے ہو ○

الرحمٰن: ۵۲۔۵۳ میں فرمایا: ان جنتوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

ان میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں وہ تازہ بھی ہے اور خشک بھی ہے اور ہر پھل ذائقہ دار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دنیا کے جس پھل کا بھی ذائقہ تلخ اور کڑوا ہے' جنت میں اس پھل کا ذائقہ شیریں اور لذیذ ہو گا حتیٰ کہ جنت میں حنظل (اندرائن' کوڑتما) بھی میٹھا ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۵۳) اللہ نے تمہارے لیے ہر رنگ اور ہر ذائقہ کے پھل جنت میں رکھے ہیں' سو تم اس کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے؟

جنت کے بستروں اور پھلوں کی کیفیت

الرحمٰن: ۵۴۔۵۵ میں فرمایا: متقین ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے قریب ہوں گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟○

استر لحاف یا گدے کے نچلے حصے کو کہتے ہیں' جو عموماً معمولی کپڑے کا ہوتا ہے اور ابری اوپر والے حصہ کو کہتے ہیں' جو عموماً اچھے اور عمدہ کپڑے کا ہوتا ہے تو جنت کے بستروں کا جب استر دبیز ریشم کا ہوگا تو اس کی ابری کس شان کی ہوگی۔

''استبرق'' کا معنی ہے: دبیز اور موٹا دیباج' یہ ریشم کی ایک قسم ہے۔

سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا کہ جب جنت کے بستروں کا استر ''استبرق'' کا ہوگا تو اس کی ابری کیسی ہوگی' انہوں نے کہا کہ اس کی ابری کی کیفیت کا اندازہ اس آیت سے کرو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ — کوئی شخص نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ (السجدۃ: ۱۷)

اور جنت کے درختوں کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ ان کو بیٹھے بیٹھے بھی توڑ سکیں گے اور لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں ایسے بلند بستر بنا دیئے ہیں جیسے بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں' پھر تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟

انسان عورتوں کے ساتھ جنات کے جماع کرنے کے جواز میں مذاہب

الرحمٰن: ۵۶۔۵۷ میں فرمایا: ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

یعنی ان ریشم کے بستروں میں بیویاں ہوں گی' ''قاصرات الطرف'' کا معنی یہ ہے کہ ان بیویوں کی نظریں اپنے شوہروں کے سوا اور کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کے شوہروں سے پہلے ان سے کسی انسان نے جماع کیا ہوگا نہ جن نے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جن بھی عورتوں کے ساتھ انسانوں کی طرح جماع کرتا ہے اور جن بھی جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے لیے جنیات ہوں گی۔ ضمرہ نے کہا: مؤمنین کے لیے ان میں سے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی' پس انسیات انسانوں کے لیے ہوں گی اور جنیات جنات کے لیے ہوں گی۔

علامہ قشیری شافعی نے کہا ہے کہ مومن جنات کی جو حوریں ہوں گی ان کو اس سے پہلے کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا' اور مؤمن انسانوں کی جو حوریں ہوں گی' ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا کیونکہ دنیا میں بھی جن آدم کی بیٹیوں سے جماع نہیں کرتے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جائز ہے کہ جنات بنات آدم سے جماع کریں اور مجاہد نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر جماع کرے تو اس کے آلہ کے ساتھ جن چمٹ جاتا ہے اور وہ بھی اس انسان کے ساتھ جماع کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بڑی آنکھوں والی حور کے ساتھ اس سے پہلے کسی انسان نے جماع کیا ہوگا نہ جن نے' اس سے تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ آدم زاد عورتوں کے ساتھ بھی جن بھی جماع کرتے ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں

اس عیب سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تنزیہ کی ہے اور طمث کا معنی جماع کرنا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۴۔۱۶۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد الرحمان علی بن محمد الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: ان کو اس سے پہلے کسی نے نہیں چھوا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جنت میں پیدا کیا گیا ہے اور اس بناء پر یہ حور کی صفت ہے اور شعبی نے کہا: متقین کی یہ بیویاں دنیا کی وہ عورتیں ہوں گی جن کے پیدا ہونے کے بعد ان کو کسی انسان نے چھوا نہ کسی جن نے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جن عورت کے ساتھ انسان کی طرح جماع کرتا ہے۔
(زاد المسیر ج ۸ ص ۱۲۳' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں جن کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جن تو جماع نہیں کرتے؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے' بلکہ جن جماع کرتے ہیں' اسی وجہ سے ان کی اولاد اور ذریات ہیں' بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ وہ انسان عورتوں سے جماع کرتے ہیں یا نہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ انسان عورتوں سے جماع کرتے ہیں' ورنہ جنات میں حسب اور نسب نہ ہوتا۔ اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۷۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جنات کے جنت میں داخل ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

انسان عورتوں کو اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا اور مؤنث جن کو اس سے پہلے کسی مذکر جن نے نہیں چھوا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جن بھی جنت میں جماع کریں گے۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

''طمث'' کا معنی جماع کرنا ہے اور مس کرنے سے بھی یہی مراد ہے اور اصل میں ''طمث'' خون نکلنے کو کہتے ہیں' اسی وجہ سے حیض کو بھی ''طمث'' کہا جاتا ہے اور کنواری عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کو بھی ''طمث'' کہتے ہیں' کیونکہ ان کے ساتھ جماع کرنے سے بھی خون نکلتا ہے' اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جنت کی حوروں کے ساتھ جب بھی جماع کیا جائے گا وہ کنواری ہوں گی' اور اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنات بھی جنت میں داخل ہوں گے اور وہ جماع بھی کریں گے کیونکہ وہ جنت میں نعمتوں کے ساتھ باقی رہیں گے' جیسا کہ کافر جن دوزخ میں عذاب کے ساتھ باقی رہیں گے اور یہی صحیح قول ہے اور اس میں اس قول کا رد ہے کہ مؤمنین جنات کو ثواب نہیں ملے گا' ان کی جزاء صرف یہ ہے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے اور ان کو حساب کے بعد مٹی بنا دیا جائے جیسا کہ حیوانات کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ (عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ ''بیضاوی'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ جن بھی جنت میں جماع کریں گے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر جن جنت میں جماع نہ کریں تو پھر جنات پر کوئی احسان نہیں ہوگا حالانکہ اس آیت کے بعد فرمایا ہے: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝'' (الرحمٰن: ۵۷) کہ انسانوں اور جنات دونوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایسی حوریں عطا فرمائے گا جو صرف اپنے شوہر کو دیکھنے والی ہوں گی ان کو ''قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ'' (الرحمٰن: ۵۶) اور ''حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۝'' (الرحمٰن: ۷۲) سے تعبیر فرمایا ہے۔ (حاشیۃ ابن التمجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۷۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی القونوی متوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:
ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مؤمنین جن کو کوئی ثواب نہیں ملے گا' ان کی جزاء صرف یہ ہے کہ ان کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے اپنی قوم سے کہا:

یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ○ (الاحقاف: ۳۱)

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ میں رکھے گا○

اور جنات کے متعلق اس آیت میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی اجر وثواب دے گا' اس لیے ہمارے امام نے جنات کے جنت میں داخل ہونے کے قول کو اختیار نہیں فرمایا۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۷۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ جو جنات کے جنت میں دخول کے قائل ہیں' ان کا استدلال الرحمٰن: ۵۶ اور الرحمٰن: ۷۲ کی صریح آیات سے ہے اور امام اعظم کا استدلال الاحقاف: ۳۱ سے ہے' جس میں جنات کے جنت میں داخل نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور اس آیت میں اس کا ذکر نہ ہونے سے ان کے جنت میں دخول کی نفی نہیں ہوتی جب کہ الرحمٰن: ۵۶۔ ۵۷ میں ان کے جنت میں داخل ہونے کا ثبوت ہے' نیز عقل سلیم بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ جنات کو احکام کا مکلف کیا گیا ہے اور جب ان کو ان کے برے کاموں پر سزا ملے گی تو ان کو ان کے نیک کاموں پر جزاء بھی ملنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علامہ ابوسعود محمد بن محمد حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:
جنت میں جو انسان عورتیں ہیں ان کو ان کے شوہروں سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا اور جنت میں جو جنیات ہیں ان کو اس سے پہلے کسی جن نے نہیں چھوا۔ (تفسیر ابی سعود ج ۶ ص ۱۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
مجھ کو جو ظن غالب ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں کو انسان بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور جنات کو جنیات بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور کسی انسان کو جنیہ نہیں ملے گی اور نہ کسی جن کو انسیہ ملے گی اور مومن خواہ انسان ہو خواہ جن ہو اس کو وہی حور ملے گی جو اس کی نوع کے لائق ہو اور اس کا نفس اس کی خواہش کرے اور اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن اپنی نوع کی مؤنث جنیہ سے جماع کرتے ہیں' جیسا کہ انسان اپنی نوع کی مؤنث انسان کے ساتھ جماع کرتے ہیں اور وہ جنت میں اپنی نعمتوں کے ساتھ اسی طرح باقی رہیں گے جس طرح کافر جن دوزخ میں اپنے عذاب کے ساتھ باقی رہیں گے۔
امام ابو یوسف' امام محمد' ابن ابی لیلیٰ' اوزاعی اور اکثر ائمہ اور فقہاء کا یہی مذہب ہے' جیسا کہ علامہ عینی نے ''شرح بخاری'' میں ذکر کیا ہے کہ جنات کو ان کی اطاعت پر ثواب دیا جائے گا اور ان کی معصیت پر سزا دی جائے گی اور ان میں سے مؤمنین انسانوں کی طرح قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے اور امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں تین روایات ہیں:
(۱) ان کو دوزخ سے نجات کے سوا اور کوئی ثواب نہیں ملے گا' پھر ان سے کہا جائے گا: مٹی بن جاؤ' جیسے باقی حیوانات سے کہا جائے گا۔
(۲) وہ جنت میں داخل ہوں گے' لیکن جنت میں ان کو کوئی نعمت نہیں ملے گی۔
(۳) جنات کی جزاء کے معاملہ میں توقف کرنا چاہیے۔ کردری نے کہا: اکثر روایات میں اسی طرح ہے اور ابو اسحاق بن الصفار

کے ''فتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ جنات نہ جنت میں ہوں گے نہ دوزخ میں' ان کی جزاء کا صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

امام مالک اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ جنات جنت کے وسط میں ہوں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصحاب الاعراف ہیں۔ ضحاک نے کہا: ان کو تسبیح اور ذکر کا الہام کیا جائے گا اور ان کو اس میں ایسی ہی لذت آئے گی جیسے ابن آدم کو جنت کی نعمتوں میں آتی ہے۔ الحارث المحاسبی نے کہا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے' ہم ان کو دیکھ سکیں گے اور وہ ہم کو نہیں دیکھ سکیں گے اور یہ دنیا کے برعکس ہوگا۔ ابو اسحاق ابراہیم بن الصفار نے اپنے ''فتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ جنات کو جنت کی نعمتیں ملیں گی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے' اسی طرح فرشتے بھی اللہ عزوجل کو نہیں دیکھیں گے' ماسوا حضرت جبریل علیہ السلام کے کیونکہ وہ ایک بار اللہ عزوجل کو دیکھیں گے۔

اور زیادہ صحیح اکثر ائمہ اور علماء کا مذہب ہے کہ اللہ عزوجل کو دیکھنے میں انسانوں اور جنات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○'' (الرحمٰن: ۵۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری طبیعت کے موافق جنت میں تمہاری بیویاں بنائیں' انسانوں کے لیے انسان اور جنات کے لیے جنیہ' پس تم دونوں اپنے رب کی نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کی حوروں کا حسن و جمال

الرحمٰن: ۵۸۔۵۹ میں فرمایا: گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

اس آیت میں جنت میں متقین کی بیویوں (حوروں) کا حسن و جمال بیان فرمایا ہے کہ گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں کے پار سے نظر آئے گی' حتیٰ کہ اس کی پنڈلی کا مغز بھی نظر آئے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں' رہا یاقوت تو وہ (سرخ) پتھر ہے حتیٰ کہ اگر تم اس میں ایک دھاگا داخل کرو' پھر تم اس کو شفاف کرو تو وہ تم کو اس کے پیچھے سے نظر آئے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۹۶' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۵)

وہ سفید ہونے میں مرجان کی طرح ہوں گی اور شفاف ہونے میں یاقوت کی طرح ہوں گی۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○'' (الرحمٰن: ۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہاری بیویوں کو اس قدر حسین بنا دیا ہے کہ ان کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

نیکی اور اس کی جزاء کی تفسیر میں احادیث اور آثار

الرحمٰن: ۶۰۔۶۱ میں فرمایا: نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

عکرمہ نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ''لا الٰہ الا اللہ'' کی جزاء صرف جنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کیا' اس کی جزاء صرف جنت ہے۔

ابن زید نے کہا: جس نے دنیا میں نیک کام کیے' اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ اس کے ساتھ آخرت میں نیکی کی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا

الْاِحْسَانُ ﴿﴾ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۰) پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور رسول کو ہی اس کا زیادہ علم ہے‘ آپ نے بتایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس پر میں نے توحید کا انعام کیا ہے اس کی جزاء جنت کے سوا کیا ہے۔

(الاتحافات السنیہ ص ۲۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر میں نے اپنی معرفت اور توحید کا انعام فرمایا‘ اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ میں اس کو اپنی رحمت سے اپنی جنت میں اور اپنی قدس کی بارگاہ میں رکھوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۸‘ تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۲۴۳)

امام جعفر صادق نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: جس شخص پر میں نے ازل میں احسان کیا ہے اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ میں ابد تک اس پر احسان فرماتا رہوں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۴‘ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۵-۱۶۶‘ زاد المسیر ج ۸ ص ۱۲۲)

اس کے بعد فرمایا: ’’ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۱) یعنی تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ اس نے تمہاری نیکیوں کی جزاء میں تمہیں جنت عطا فرمائی اور یہ چیز تمہیں بیان فرمادی تاکہ تم مزید نیکیاں کرو اور مزید ثواب حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ وہ دو جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں خوب صورت‘ خوب سیرت بیویاں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں‘ جو خیموں میں باپردہ ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے ○ (الرحمٰن: ۶۲-۷۸)

دو مزید جنتوں کی نعمت

الرحمٰن: ۶۲-۶۳ میں فرمایا: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

وہ دو جنتیں جو مقربین‘ صدیقین اور شہداء کے لیے ہیں: یعنی جنت عدن اور جنت نعیم‘ ان کے علاوہ اور دو فضیلت والی جنتیں ہیں‘ یعنی جنت الفردوس اور جنت الماویٰ۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۱۰‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: ’’ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۳) یعنی پہلے متقین کے لیے دو جنتوں کا ذکر کیا گیا‘ پھر ان کے علاوہ متقین کے لیے دو اور جنتوں کا ذکر کیا گیا‘ پس تم اپنے رب کے اس فضل اور کرم کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کے درختوں‘ چشموں اور پھلوں کی نعمت

الرحمٰن: ۶۴-۶۵ میں فرمایا: وہ دو جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

گے O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ جنتیں گہرے سبز رنگ کی ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سیاہ رنگ کی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۶۵) یعنی تمہارے لیے دو جنتیں گہرے سبز رنگ کی بنائی ہیں اور سبز رنگ آنکھوں کو بھلا لگتا ہے تو تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمٰن: ۶۶۔۶۷ میں فرمایا: ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ دو چشمے خیر اور برکت سے چھلک رہے ہوں گے' حضرت ابن مسعود اور حضرت انس نے فرمایا: جنت میں اولیاء اللہ کے گھروں میں مشک' عنبر اور کافور کے چھینٹے پڑ رہے ہوں گے' جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں۔ سعید بن جبیر اور دیگر مفسرین نے کہا: ان کے گھروں میں انواع و اقسام کے پھل برس رہے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۶۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لیے دو چشمے بنا دیئے ہیں جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں اور کبھی منقطع نہیں ہوتے' تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمٰن: ۶۸۔۶۹ میں فرمایا: ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں O تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس سے پہلے الرحمان: ۱۱ میں کھجوروں اور پھلوں کا ذکر آ چکا ہے' اس آیت میں انار کا ذکر بھی فرمایا ہے اور انار دو قسم کا ہوتا ہے: ترش اور شیریں۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۶۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو اور جنتیں جو عطا فرمائی ہیں ان میں بھی پہلی دو جنتوں کی طرح انواع و اقسام کے پھل ہیں تو تم اللہ سبحانہٗ کی ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

آیا جنت میں مؤمنوں کی بیویاں زیادہ حسین ہوں گی یا جنت کی حوریں؟

الرحمٰن: ۷۰۔۷۱ میں فرمایا: ان جنتوں میں خوب صورت' خوب سیرت بیویاں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں "خیرات" کا لفظ ہے' یہ دراصل "خَیِّرات" تھا' تخفیف کے لیے ایک "یا" کو حذف کر دیا۔

سعید بن عامر نے کہا: اگر "خیرات حسان" میں سے کوئی ایک آسمان پر آ جائے تو تمام آسمان روشن ہو جائے گا اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔

"حسان" کا معنیٰ ہے: جس کی صورت حسین ہو اور اس کے حسن کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حسین فرمایا ہو۔

زہری اور قتادہ نے کہا: ان کے اخلاق بہت نیک اور عمدہ ہیں اور ان کی صورت بہت حسین ہے۔

ابو صالح نے کہا: وہ سب دوشیزہ اور کنواری ہیں۔

ترمذی نے کہا: "خیرات" کا معنیٰ ہے: جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار کر لیا اور چن لیا اور اپنے اختیار سے ان کی تخلیق کو بہت حسین اور بہت عمدہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں انسانوں کے اختیار کی کیا حیثیت ہے' وہ صرف اپنے شوہروں کو دیکھنے والی ہوں گی اور گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں بڑی آنکھوں والی حوروں کے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے' وہ وہاں پر اپنی آواز بلند کریں گی' ایسی آواز کسی مخلوق نے نہیں سنی ہو گی' وہ کہیں گی: ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں' ہم کبھی ہلاک نہیں ہوں گی' ہم نعمتوں والی ہیں' ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی اور ہم اپنے (شوہروں سے) راضی ہونے والی ہیں' سو ہم ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کے لیے مبارک ہو جو ہمارے لیے ہے اور ہم جس کے لیے ہیں۔

جس عورت کے متعدد شوہر ہوں وہ جنت میں کس شوہر کے پاس رہے گی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: ''حُوْرٌ عِیْنٌ'' (الواقعہ: ۲۲) بڑی آنکھوں والی حوریں' آپ نے فرمایا: ''حور'' کا معنی ہے: سفید اور ''عین'' کا معنی ہے: موٹی آنکھ والی' ان کی پلک کرگس کے پر کی طرح ہو گی۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: ''كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ'' (الرحمٰن: ۵۸) گویا کہ وہ یاقوت اور مونگے کی مثل ہیں' آپ نے فرمایا: وہ اس طرح صاف اور شفاف ہوں گی جس طرح سیپی میں موتی ہوتا ہے' جس کو کسی نے نہ چھوا ہو۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: ''فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ'' (الرحمٰن: ۷۰) ان میں نیک سیرت اور حسین حوریں ہیں' آپ نے فرمایا: ان کے اچھے اخلاق ہوں گے اور ان کے چہرے حسین ہوں گے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: ''كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ'' (الصّٰفّٰت: ۴۹) آپ نے فرمایا: ان حوروں کی جلد (کھال) اس طرح رقیق اور باریک ہو گی جیسے انڈے کی وہ جلد ہوتی ہے جو اس کے چھلکے کے قریب ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: ''عُرُبًا اَتْرَابًا'' (الواقعہ: ۳۷) محبت کرنے والی ہم عمر آپ نے فرمایا: یہ وہ عورتیں ہیں' جو اس دنیا میں بڑھاپے میں فوت ہوئیں' اللہ تعالیٰ انہیں بوڑھی ہونے کے بعد دوشیزہ اور کنواری بنا دے گا' آپ نے فرمایا: ''عربا'' کا معنی ہے: عشق اور محبت کرنے والیاں اور ''اترابا'' کا معنی ہے: ہم عمر۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھوں والی حوریں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی عورتیں' بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح ابری' استر سے افضل ہوتی ہے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: وہ ان کی نمازوں اور اللہ کے لیے ان کے روزوں کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ ان کے چہروں پر نور پہنائے گا اور ان کے جسموں پر ریشم کا لباس پہنائے گا' ان کا رنگ سفید ہو گا اور ان کا لباس سبز رنگ کا ہو گا' وہ سونے کے زیورات پہنے ہوں گی' ان کی انگیٹھیاں موتی کی ہوں گی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی' وہ کہیں گے: سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں' ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی' ہم ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گی اور ہم کبھی خوف زدہ نہیں ہوں گی' سنو! ہم ہمیشہ قیام پذیر رہیں گی اور ہم کبھی سفر نہیں کریں گی' ہم ہمیشہ (اپنے شوہروں سے) راضی رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کو مبارک ہو جس کے لیے ہم ہیں اور وہ ہمارے لیے ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی عورت دنیا میں کبھی دو شوہروں سے عقد کرتی ہے' کبھی تین سے اور کبھی چار سے' پھر وہ فوت ہو جاتی ہے اور جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے وہ شوہر بھی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں' تو وہ جنت میں کون سے شوہر کے پاس رہے گی؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! اس کو اختیار دیا جائے گا اور وہ اس شوہر کو اختیار کرے گی جس کے

اخلاق سب سے اچھے ہوں گے' وہ عورت کہے گی: اے میرے رب! یہ شخص دنیا میں میرے ساتھ سب سے اچھے اخلاق کے ساتھ رہا تھا' سو تو میرا اس سے نکاح کردے' اے ام سلمہ! دنیا اور آخرت کی خیر اچھے اخلاق کے سبب سے ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مکتبۃ المعارف' ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں سلیمان بن ابی کریمہ ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۲۰)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہے ہوں' وہ جنت میں اس شوہر کے پاس رہے گی جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے اور اس کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا' اس کے بعد اس عورت نے کسی اور شخص سے شادی کی تو وہ عورت اپنے بعد والے خاوند کو ملے گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۵۴' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۲۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۵۷۷' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۷۳)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم ہے' وہ مختلط ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۰)

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جو عورت جس خاوند کے نکاح میں فوت ہوگی وہ اسی خاوند کو ملے گی یا اس نے اپنے خاوند کے فوت ہونے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح نہ کیا ہو اور اسی حال میں وہ فوت ہو گئی ہو تو وہ اپنے اسی خاوند کو ملے گی۔

اور جس عورت نے کئی مردوں سے نکاح کیا اور سب نے اس کو طلاق دے دی اور جب وہ فوت ہوئی تو وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی تو اس کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد کے اس کے ساتھ سب سے اچھے اخلاق رہے ہوں وہ اس سے نکاح کرلے۔

حوروں کے متعلق سید مودودی کے انوکھے نظریہ پر بحث ونظر

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس بحث میں ایک بہت عجیب وغریب بات لکھی ہے وہ حوروں کے متعلق لکھتے ہیں:

رہی حوریں تو وہ اپنے کسی حسن عمل کے نتیجہ میں خود اپنے استحقاق کی بناء پر جنتی نہیں بنیں گی' بلکہ اللہ تعالیٰ جنت کی دوسری نعمتوں کی طرح انہیں بھی اہل جنت کے لیے ایک نعمت کے طور پر جوان اور حسین وجمیل عورتوں کی شکل دے کر جنتیوں کو عطا کردے گا' تا کہ وہ ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن بہر حال یہ جن وپری کی قسم کی مخلوق نہ ہوں گی' کیونکہ انسان کبھی صحبت ناجنس سے مانوس نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اغلب یہ ہے کہ یہ وہ معصوم لڑکیاں ہوں گی جو نابالغی کی حالت میں فوت ہو گئیں اور ان کے والدین جنت کے مستحق نہ ہوئے کہ وہ ان کی ذریت کی حیثیت سے جنت میں ان کے ساتھ رکھی جائیں۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۷۳' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۲ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ''اغلب یہ ہے'' کے ساتھ جو حوروں کی طبع زاد تعریف کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ نابالغ لڑکیوں پر معصوم کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے' نابالغ بچے غیر مکلف ہوتے ہیں معصوم نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نابالغ لڑکیاں تو قیامت' حشر ونشر اور حساب کتاب کے بعد جنت میں جائیں گی' جب کہ حوریں تو اب بھی جنت میں موجود ہیں' پھر نابالغ لڑکیوں کو حوریں قرار دینا کس طرح درست ہوگا؟ حوریں اب بھی جنت میں ہیں' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت دنیا میں اپنے خاوند کو ایذاء

پہنچاتی ہے تو بڑی آنکھوں والی حور جو جنت میں اس کی بیوی ہوتی ہے' وہ اس عورت سے کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کر دے' یہ شخص دنیا میں تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور عن قریب تجھ سے جدا ہو کر ہماری طرف آئے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۴' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲)

حوروں کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ وہ آدم زاد نہیں ہوں گی' لیکن انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کی جنس سے حوریں بنائے گا اور جنات کے لیے جنات کی جنس سے حوریں تخلیق فرمائے گا' جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ جنت کی حوریں زیادہ حسین وجمیل ہیں یا دنیا کی (مؤمنہ) عورتیں' ایک قول یہ ہے کہ حوریں زیادہ حسین وجمیل ہیں' کیونکہ قرآن اور سنت میں ان کا بہت زیادہ حسن وجمال بیان کیا گیا ہے' حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی: (عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دعا میں فرمایا:)

اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما اور اس کو معاف کر دے اور اس کو عافیت میں رکھ اور اس کی اچھی مہمانی کر اور اس کی قبر کو وسیع فرما اور اس کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور اس کو گناہوں سے اس طرح پاک اور صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک اور صاف کر دیا جاتا ہے اور دنیا کے گھر سے اس کو اچھا گھر عطا فرما اور دنیا کے اہل سے اس کو اچھے اہل عطا فرما اور دنیا کی بیوی سے اس کو اچھی بیوی عطا فرما اور اس کو قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳)

حبان بن ابی جبلہ نے کہا کہ دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہو جائیں گی' ان کو دنیا میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بڑی آنکھوں والی حوروں پر فضیلت دی جائے گی۔

حسن بصری نے کہا کہ قرآن مجید میں جن بڑی آنکھوں والی حوروں کا ذکر کیا گیا ہے' یہ وہ مؤمنات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ازواج ہیں اور عام مؤمنین کی ازواج ہیں' ان کو آخرت میں زیادہ حسین صورت پر پیدا کیا جائے گا۔

اور مشہور یہ ہے کہ بڑی آنکھوں والی حوریں دنیا کی عورتوں کی جنس سے نہیں ہیں' ان کو صرف جنت میں پیدا کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ (الرحمٰن: ۷۴) اور حوروں کو ان کے شوہروں سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہے نہ جن نے ۝

اور دنیا کی اکثر عورتیں وہ ہیں جن سے پہلے جماع کیا جا چکا ہے اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتیں جنت میں سب سے کم سکونت رکھنے والی ہیں' پس ہر جنتی شخص کو اس کی دنیاوی بیوی نہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بڑی آنکھوں والی حوروں کا وعدہ فرمایا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ جنت کی حوریں دنیا کی مؤمنات سے مختلف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۹' ۱۷۰' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۴)

جنت کی حوریں دنیا کی عورتوں سے مختلف ہوں گی' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلّوں کے پار سے نظر آئے گی' حتیٰ کہ اس کی ہڈی کا مغز بھی دکھائی دے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن: ۵۸) گویا کہ وہ حوریں یاقوت اور مونگے کی مثل ہوں گی ۝

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳)

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۷۱) یعنی ان چاروں جنتوں میں سے ہر جنت میں تمہیں بہترین بیوی ملے گی جس کا حسن و جمال اور اس کا اخلاق اور کردار بے مثال ہوگا' پھر تم اپنے رب کے اس احسان کا کیسے انکار کر سکو گے اور کیوں کر اس کا شکر ادا نہ کرو گے؟

"مقصورات" اور خیموں کے معانی

الرحمٰن: ۷۲۔۷۳ میں فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

یعنی جنت کی حوروں کو ان کی عزت اور کرامت کی وجہ سے خیموں میں باپردہ رکھا گیا ہے۔

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں "مقصورات" کا لفظ ہے اور اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: وہ اپنی نظریں صرف اپنے شوہروں پر مرکوز اور ان ہی میں منحصر رکھیں گی اور اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور مرد کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اپنے گھروں میں محصور رہیں گے' راستوں میں نہیں گھومیں گی۔

(۳) زید بن الحارث اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ پردہ دار اور محفوظ ہوں گی' شوقین مزاج نہیں ہوں گی۔

(۴) حسن بصری نے کہا: وہ قصور یعنی محلات میں رہنے والی ہوں گی۔

اور خیموں کے متعلق تین قول ہیں: (۱) ابن بحر نے کہا: خیموں سے مراد گھر ہیں (۲) سعید بن جبیر نے کہا: جنت سے باہر ان کے خیمے لگائے جائیں گے' جیسے خانہ بدوشوں کے خیمے ہوتے ہیں (۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے خیمے کھوکھلے موتی ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۶۲)

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۴۲۔۴۴۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر مسلمان کو ایک نیک سیرت حور ملے گی اور ہر نیک سیرت حور کے لیے ایک خیمہ ہوگا' اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے' جن سے ہر روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیے اور تحفے آئیں گے' جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے اور وہ نیک سیرت والی بیویاں نہ اترانے والی ہوں گی' نہ شوہر کی نافرمانی کرنے والی ہوں گی اور نہ ان کے منہ اور ان کے جسم سے بدبو آئے گی' وہ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۶۳' ج ۱۰ ص ۳۳۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O" (الرحمٰن: ۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نیک سیرت اور پاکیزہ حوریں خیموں میں مستور اور محفوظ رکھی ہیں' سو تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمان: ۷۴۔۷۵ میں فرمایا: ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

"رفرف" اور "عبقری" کے معانی

اس کی تفسیر الرحمٰن: ۵۶ میں گزر چکی ہے۔

الرحمٰن: ۷۶۔۷۷ میں فرمایا: (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے O پس تم دونوں اپنے

رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں "رفرف" کا لفظ ہے علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

"رفرف" کا معنی بستر یا پردہ ہے معراج کی شب جو آپ نے "رفرف" دیکھا وہ سبز رنگ کا قالین تھا زمخشری نے کہا ہے کہ ریشم وغیرہ کے خوب صورت اور باریک کپڑے کو "رفرف" کہا جاتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۲۱ الفائق ج ۲ ص ۵۰)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

"رفرف" بکھرے ہوئے پتوں کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے: "علی رفرف خضر" اس سے مراد خاص قسم کا سبز کپڑا (قالین) ہے جس کو سبز رنگ کی وجہ سے قالین کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ایک قول یہ ہے کہ خیمہ کی ایک جانب جو کپڑا لٹکا ہوا ہوتا ہے اس کو "رفرف" کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۳ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ بستر کے اوپر سونے کے لیے جو کپڑا بچھایا جاتا ہے اس کو محابس کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: سبز کپڑوں کو "رفرف" کہتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: اس سے مراد بچھونا ہے۔ جبائی نے کہا: اس کے معنی بلند بستر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد جنت کے باغات ہیں لمبے چوڑے کپڑے کو بھی "رفرف" کہتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۹۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ عمدہ قسم کے کپڑے کو "رفرف" کہتے ہیں خواہ وہ قالین ہو یا چاندنی ہو یا غالیچہ ہو۔

اس آیت میں "رفرف خضر" کے بعد "عبقری حسان" کے الفاظ ہیں علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ جنات کی جگہ ہے ہر وہ چیز جو غیر معمولی ہو انسان ہو یا حیوان ہو یا کپڑا ہو اس کو غیر معمولی ہونے کی وجہ سے عبقر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا: میں نے عمر کی طرح "عبقری" کوئی نہیں دیکھا جس نے ان کی طرح حیرت انگیز کام کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۳)

"عبقری حسان" کا معنی ہے: جنت کے بچھونے غیر معمولی خوب صورت تھے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۶ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

"عبقری" کی اصل یہ ہے کہ عربوں کا گمان تھا کہ عبقر ایک بستی ہے جس میں جن رہتے تھے پس جب عرب کوئی غیر معمولی چیز دیکھتے یا کوئی ایسا کام دیکھتے جس کا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہو یا بہت دقیق ہو تو وہ کہتے تھے کہ یہ کسی "عبقری" کا کام ہے پھر وہ قوم کے سردار کو "عبقری" کہنے لگے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۱۵۷۔۱۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ ھ)

علامہ محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ ھ لکھتے ہیں:

عبقر عنبر کے وزن پر ہے یہ وہ جگہ ہے جس کے متعلق عربوں کا گمان تھا کہ یہ جنات کی سرزمین ہے پھر وہ عبقر کی طرف ہر اس چیز کو منسوب کرتے تھے جو بہت قوت والا بہت مہارت والا اور بہت حیرت انگیز کام کرے اور وہ اس شخص کو عبقری کہتے تھے۔ (مختار الصحاح ص ۲۴۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو سب سے کامل ہو اس کو ”عبقری“ کہتے ہیں اور سردار کو اور ہر اس چیز کو جس سے اوپر اور برتر کوئی چیز نہ ہو اور بہت طاقت ور کو اور بچھونے کی ایک قسم کو۔ (القاموس المحیط ص ۴۳۵' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: ”فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○“ (الرحمٰن: ۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی عزتیں اور کرامتیں عطا کی ہیں تو کیا تم اس کی ان نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو؟

اللہ کے نام کی برکت کا معنیٰ اور اس کی رحمت کے تقاضے

الرحمٰن: ۷۸ میں فرمایا: آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے ○

اس نام سے مراد وہ نام ہے جس نام کے ساتھ اس سورت کو شروع کیا ہے' یعنی رحمان اور یہ بتایا ہے کہ رحمان نے انسانوں اور جنات کو پیدا کیا اور تمام انسانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہ ہر روز مخلوق کی ایک نئی حالت اور نئی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے' پھر قیامت اور اس کے ہولناک امور کا ذکر فرمایا اور مجرموں کے لیے دوزخ کا ذکر کیا' پھر متقین کے لیے جنت کا ذکر فرمایا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ یہ رحمان کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اے انسانو! تم کو اور جنات کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں اور زمینوں کو اور جنت اور دوزخ کو پیدا کیا اور یہ سب نعمتیں جو اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے پیدا کی ہیں یہ اس کے نام رحمٰن کا تقاضا ہے' پھر اس لیے اس نے اس نام کی مدح فرمائی کہ یہ نام بابرکت ہے' جو بہت بزرگی اور بہت عزت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں کا ذکر اس آیت پر ختم کیا: ”وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ○“ (الرحمٰن: ۲۷) اور آخرت کی نعمتوں کو اس آیت پر ختم کیا: ”تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ○“ (الرحمٰن: ۷۸) اس میں یہ اشارہ ہے کہ اصالۃً اور بالذات جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے وہ صرف اللہ عزوجل ہے' دنیا اور اس کی ساری نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں اگرچہ دائمی اور باقی ہیں لیکن وہ خود بہ خود دائمی اور باقی نہیں ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے باقی کرنے اور دائمی بنانے سے دائمی اور باقی ہیں۔

”تبارک“ کا لفظ ”برکت“ سے ماخوذ ہے' ”برکت“ کا معنیٰ دوام اور ثبوت ہے' یعنی اللہ کا نام دائم ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے' نیز ”برکت“ کا لفظ خیر کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے' یعنی ہر قسم کی خیر اللہ کے نام میں ہے اور ”برکت“ کا معنیٰ بلندی بھی ہے' یعنی اللہ کا نام بہت بلند ہے اور اسم کا لفظ ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس کا نام بلند ہے اس کی ذات کی بلندی کا کیا عالم ہوگا یا جس کے نام میں خیر ہے اس کی ذات میں کس قدر خیر ہوگی یا جس کے نام میں برکت اور دوام ہے' اس کی ذات کی برکت اور دوام کا کیا عالم ہوگا' تبھی تو فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ (الملک: ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کا اقتدار ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ○ (المومنون: ۱۴) سو بابرکت ہے وہ ذات جو سب سے عمدہ تخلیق کرنے والی ہے ○

سورۃ الرحمٰن کا اختتام

آج بہ روز جمعرات ۲۰ رمضان ۱۴۲۵ھ/۴ نومبر ۲۰۰۴ء' سورۃ الرحمٰن کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۸ رمضان کو اس سورت کی تفسیر

شروع کی تھی' اس طرح بارہ دنوں میں اس کی تکمیل ہوگئی' فالحمد للہ رب العٰلمین۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو قیامت تک مسلمانوں میں مقبول' مرغوب اور فیض آفریں بنا دیں' مخلصین اور محبین کے لیے اس کو موجب استقامت بنائیں اور مخالفین کے لیے اس کو موجب ہدایت بنادیں۔ میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے تلامذہ کی مغفرت فرمائیں' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح' دیگر معاونین' قارئین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائیں' مجھے نیکی' صحت وسلامتی کے ساتھ تاحیات اسلام پر قائم رکھیں اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں' ارذل عمر اور مخلوق کی احتیاج سے محفوظ رکھیں اور ناگہانی آفتوں سے مامون رکھیں' آخرت میں ہر قسم کے عذاب اور شرمندگی سے بچائیں اور عزت اور سرخروئی عطا فرمائیں' مرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وسید المرسلین خاتم النبیین
شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطاھرین واصحابہ الراشدین وازوجہ امھات المؤمنین
وعلٰی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک: ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الواقعۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورت کی پہلی آیت سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے وہ آیت یہ ہے:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ (الواقعہ: ۱۔۲) جب قیامت واقع ہو جائے گی ○ (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا ○

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کو قیامت' حشر ونشر' حساب و کتاب اور جنت دوزخ کی خبریں سناتے تھے تو کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ سب خیالی اور فرضی باتیں ہیں' ان میں سے کسی کا وقوع نہیں ہوگا' قیامت واقع ہوگی نہ حساب و کتاب ہوگا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی تو پھر اس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس سورت میں ایک آیت ہے:

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ (الواقعہ: ۷۹) اس قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○

حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں' وہ ان کے گھر گئے' وہ اس وقت حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے' جب حضرت عمر آئے تو انہوں نے قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے' حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا' پھر جب دل میں رحم آیا تو بہن سے کہا: لاؤ! مجھے وہ اوراق دکھاؤ' تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ ان کی بہن نے: میں تم کو وہ اوراق نہیں دوں گی' تم ان کو چھونے کے اہل نہیں ہو' تم غسل جنابت نہیں کرتے اور پاک نہیں ہوتے اور اس قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے تھے۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۰۔۱۴۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ سورت واقعہ نبوت کے چھٹے سال کے لگ بھگ نازل ہوئی ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۶ ہے۔

سورۃ الواقعہ کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ مکہ میں نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو فاطمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے گئے' حضرت عثمان نے پوچھا: آپ کو کس چیز سے تکلیف ہے؟ فرمایا: اپنے گناہوں سے' پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: اپنے رب کی رحمت کو' پوچھا: ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں؟ فرمایا: طبیب ہی نے مجھے بیماری میں مبتلا کیا ہے'

پوچھا: میں آپ کو کچھ وظیفہ دینے کا حکم دوں؟ فرمایا: آپ اس سے پہلے مجھے منع کر چکے ہیں اب مجھے اس کی حاجت نہیں ہے' کہا: پھر آپ اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ پیش کرنے دیں' فرمایا: میں نے ان کو ایسی چیز سکھا دی ہے جب وہ اس کو پڑھ لیں گے تو پھر وہ کسی چیز کے محتاج نہیں ہوں گے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھی وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہوگا۔ (شعب الایمان ج ۲ص ۴۹۱' رقم الحدیث: ۲۴۹۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھی وہ کبھی فاقے سے نہیں رہے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ سکھاؤ' کیونکہ یہ خوشحال کرنے والی سورت ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۰۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے' آپ نے فرمایا: (سورۂ) ھود' الواقعہ' المرسلات' عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آج کل تم نمازیں پڑھتے ہو' لیکن آپ بہت تخفیف سے نمازیں پڑھتے تھے' آپ کی نماز اس طرح ہوتی تھی جیسے تمہاری مختصر نماز ہوتی ہے' آپ فجر کی نماز میں سورۃ الواقعہ اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۷۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۵۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۱۳' المستدرک ج ۱ص ۲۴۰' سنن بیہقی ج ۳ص ۱۱۹' مسند احمد ج ۵ص ۱۰۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۴ص ۵۰۴۔ رقم الحدیث: ۲۰۹۹۵)

سورۃ الواقعہ کے مشمولات

☆ سورۃ الواقعہ کی ابتداء میں بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' پھر جو لوگ حساب کے لیے پیش ہوں گے' ان کی تین قسمیں ہوں گی: (۱) اصحاب الیمین (جن کا اعمال نامہ ان کے سیدھے ہاتھ میں ہوگا) (۲) اصحاب الشمال (جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا) (۳) السابقین (نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والا یا بڑھ چڑھ کر نیکی کرنے والے)' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان میں سے ہر فریق کی آخرت کے دن کیا جزاء ہوگی۔

☆ یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت' اس کی تخلیق' اس کی قدرت کے کمال پر دلائل قائم کیے گئے ہیں' اور انسان کی تخلیق' زمین کی پیداوار' بارش کے برسنے اور ایندھن میں جلانے کی قوت سے انسان کے دوبارہ پیدا ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کا ذکر اس سے پہلی کتابوں میں بھی تھا اور یہ کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا اور کوئی چھو نہیں سکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں اور بدکاروں کی جزاء اور سزا کا ذکر فرمایا ہے اور شرک اور کفر پر زجر و توبیخ کی ہے۔

سورۃ الواقعہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الواقعہ

کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو بات باطل ہو اور غلط ہو اس سے مجتنب رکھنا اور اس کے رد کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ بلاک: ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۳۸
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۵ نومبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الواقعۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھیانوے آیات' تین رکوع ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ

جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا O وہ پست کرنے والی'

رَّافِعَةٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵

بلند کرنے والی ہو گی O جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝۶ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ

پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O اور تم لوگوں کے تین گروہ ہو جائیں گے O سو دائیں طرف والے کیا ہی

مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹

اچھے ہیں دائیں طرف والے O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۱۲ ثُلَّةٌ

اور آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں O وہی (اللہ کے) مقربین ہیں O وہ نعمت والی جنتوں میں ہیں O بڑا گروہ

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۴ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵

پہلے لوگوں سے ہے O اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں O وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے O

مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷

ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا

مٹکوں اور جگوں اور شراب کے لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں

وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا

درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ

جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O (یہ) ان (نیک)

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا

کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O مگر ہر طرف

سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ

سے سلام سلام کی آواز O اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے O وہ بے کانٹوں

مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾

کی بیریوں میں ہوں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں O اور چھلکتے ہوئے پانی میں O

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے منع کیا جائے گا O اور اونچے بستروں میں O

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ

ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے O ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا O محبت کرنے والیاں ہم عمر O جو دائیں

الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ع ۱ ع ۳۸ ۱۴

طرف والے لوگوں کے لیے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں ہوگا O وہ پست کرنے والی' بلند کرنے والی ہوگی O جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O (الواقعہ: ۱-۶)

سورۃ الواقعہ اور سورۃ الرحمٰن کی باہمی مناسبت

سورۃ الواقعہ کی سورۃ الرحمٰن سے حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کا بیان تھا اور ان نعمتوں کی تکذیب سے منع فرمایا تھا اور ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ فرمایا تھا اور اس سورت الواقعہ میں شکر کرنے والے کی جزاء کا اور کفرانِ نعمت کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے۔

(۲) اُس سورت میں "فبای آلاء ربکما تکذبان" فرما کر بار بار تنبیہ فرمائی تھی اور اس سورت میں بھی قیامت کے دن

اعمال کے بدلہ کا ذکر کر کے تنبیہات فرمائی ہیں۔

(۳) سورۃ الرحمٰن میں زیادہ تر رحمت کا ذکر ہے اور سورۃ الواقعہ میں زیادہ تر ہیبت کا ذکر ہے اور دونوں سورتیں اللہ تعالیٰ کے اسم کی تنزیہ' اس کی عظمت اور شان' اس کی غالب سلطنت اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

قیامت کا وقوع اور اس کا جھوٹ نہ ہونا

الواقعہ: ۱۔۳ میں فرمایا: جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں ہو گا O وہ پست کرنے والی بلند کرنے والی ہو گی O

اس سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت واقع ہو گی یا زلزلہ واقع ہو گا تو ہر شخص اس کا اعتراف کرے گا اور کوئی شخص اس کا انکار اور اس کی تکذیب نہیں کر سکے گا اور معاندین جو قیامت کا انکار کرتے تھے' ان کا انکار باطل ہو جائے گا' کفار دوزخ کے نچلے طبقات میں پڑے ہوں گے اور مؤمنین جنت کے بلند درجات میں ہوں گے' اس وقت اوپر کی چیزیں نیچے اور نیچے کی چیزیں اوپر ہو جائیں گی' پہاڑ زمین کی طرح پست ہوں گے اور زمین پہاڑوں کی طرح بلند ہو گی' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O اس میں یہ اشارہ ہے کہ زمین بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہو گی اور پہاڑ پھٹ رہے ہوں گے۔

الواقعہ: ۲ میں فرمایا ہے: "لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ O" اس کے متعدد محمل ہیں:

(۱) "کاذبۃ" "عاقبۃ" کی طرح مصدر ہے اور "کاذبۃ" کا معنی کذب ہے' یعنی اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں ہو گا۔

(۲) قیامت کی ہیبت کی وجہ سے اس دن قیامت کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا۔

(۳) اگر کوئی شخص قیامت کے متعلق جھوٹ بولتا اور اس دن یہ کہتا کہ کوئی قیامت نہیں ہوئی اور کوئی واقعہ نہیں ہوا تو وہ بہت بڑا جھوٹا ہوتا اور اس عظیم واقعہ کو دیکھ کر کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا۔

(۴) زجاج' حسن اور قتادہ نے کہا: اس دن قیامت کو کوئی رد نہیں کر سکے گا۔

(۵) الثوری اور الکسائی نے کہا: اس دن قیامت کے وقوع کو دیکھ کر کوئی شخص قیامت کی تکذیب نہیں کر سکے گا اور کوئی شخص قیامت کو جھٹلا نہیں سکے گا اور ہر شخص قیامت کی تصدیق کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ قیامت کا وقوع ایک حتمی اور شدنی چیز ہے اس میں کوئی مذاق نہیں ہے۔

پست اور بلند کرنے کے محامل

نیز فرمایا: وہ پست کرنے والی بلند کرنے والی ہو گی O

عکرمہ' مقاتل اور سدی نے کہا: اس کی آواز قریب والوں کے لیے پست ہو گی اور دور والوں کے لیے بلند ہو گی' یعنی اس کی آواز قریب اور بعید ہر کسی کو سنائی دے گی۔

سدی نے کہا: وہ متکبرین کو پست کر دے گی اور متواضعین کو بلند کر دے گی۔

قتادہ نے کہا: وہ ایک قوم کو اللہ کے عذاب میں سرنگوں کر دے گی اور دوسری قوم کو اللہ کی اطاعت کی وجہ سے سربلند کرے گی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اللہ کے دشمنوں کو دوزخ میں پست کرے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں

بلند کرے گی۔

محمد بن کعب نے کہا: جو لوگ دنیا میں سربلند تھے ان کو پست کردے گی اور جو لوگ دنیا میں سرنگوں تھے ان کو بلند کردے گی۔

ابن عطاء نے کہا: کسی کو عدل سے نیچا کردے گی اور کسی کو فضل سے بالا کردے گی۔

سربلندی اور پستی عربی میں جگہ اور مکان کے اعتبار سے بھی مستعمل ہوتی ہے اور عزت اور ذلت کے اعتبار سے بھی مستعمل ہوتی ہے اور اس آیت میں اس کا استعمال دونوں اعتبار سے ہے۔

''رُجّت' بُسّت اور ھباءً منبثاً'' کے معنی

الواقعہ: ۴ میں فرمایا: جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O

اس آیت میں ''رجت'' کا لفظ ہے' ''رج'' ''یرج'' کا معنی ہے: تحریک دینا' زلزلہ لانا' جس اونٹنی کا کوہان بہت بڑا ہو اس کو ''ناقة رجاء'' کہتے ہیں۔

کلبی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو وہ مارے خوف کے لرزنے لگے گی' پھر زمین پر بنی ہوئی ہر چیز منہدم ہو جائے گی اور اس پر نصب پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے' اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ زمین پر بار بار زلزلہ آئے گا۔

الواقعہ: ۵ میں فرمایا: اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے O

اس آیت میں ''بُسّت'' کا لفظ ہے' یہ ''بَس'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: آٹے یا ستو کو گھی یا زیتون کے تیل میں لتھیڑ دیا جائے' یہاں مراد یہ ہے کہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر چورا چورا ہو جائیں گے اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے۔

عطیہ نے کہا: جس طرح ریت اور مٹی بچھی ہوئی ہے' اسی طرح پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ریت اور مٹی کی طرح ہو جائیں گے۔

''بس'' کا معنی چلانا اور ہنکانا بھی ہے' یعنی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے چلایا اور ہنکایا جائے گا۔

الواقعہ: ۶ میں فرمایا: پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O

اس آیت میں ''الھباء المنبث'' کے الفاظ ہیں' ''الھباء'' کے معنی ہیں: غبار اور ''المنبث'' کے معنی ہیں: بکھرا ہوا اور منتشر' یعنی چوپایوں' مثلاً گھوڑوں اور گدھوں کے دوڑنے سے غبار اڑتا ہے' پھر بکھر جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کفار کے اعمال کو بھی اسی طرح بکھرے ہوئے غبار کی طرح کردے گا۔

مجاہد نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح دیوار کے کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی روشنی اندر آتی ہے تو سورج کی شعاعیں منتشر غبار کی صورت میں کمرے کے اندر آتی ہیں سو اسی طرح پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم لوگوں کے تین گروہ ہو جائیں گے O سو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O اور آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں O وہی (اللہ کے) مقربین ہیں O وہ نعمت والی جنتوں میں ہیں O (الواقعہ: ۷۔۱۲)

''اصحاب المیمنہ' اصحاب المشئمہ'' اور ''السابقون'' کے معانی اور ان کی وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے آخرت میں لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں اور ان میں سے ہر ایک کے احوال بیان فرمائے اور ان میں

سب سے پہلے "اصحاب المیمنہ" یعنی دائیں طرف والوں کا ذکر فرمایا' اس سے مراد جنتی لوگ ہیں' ان کو "اصحاب المیمنۃ" اس لیے فرمایا ہے کیونکہ ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ہو گا یا اس وجہ سے کہ ان کا نور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الحدید: ۱۲)

قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا' آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' یہی بڑی کامیابی ہے ۝

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تین قسمیں کی ہیں' یہ اس کی دلیل ہے کہ اس پر رحمت کا غلبہ ہے' کیونکہ انسان کی چار جانبیں ہیں' دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے۔ دائیں جانب' بائیں جانب کے مقابل ہے اور پیچھے کی جانب آگے کی مقابل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ دائیں جانب والے نجات یافتہ ہیں' جن کو ان کے صحائف اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں اور ان کے برخلاف بائیں جانب والے ہیں جن کو ان کے صحائف اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے' ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسری قسم کا ذکر فرمایا جو سابقین ہیں' جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور وہ تمام مخلوق پر سبقت کریں گے' خواہ وہ دائیں جانب والے ہوں یا بائیں جانب والے ہوں' یہ لوگ دائیں جانب والوں میں سے بہت بلند مرتبہ کے ہوں گے' یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے' یہ دوسرے مؤمنوں کے متعلق بات کریں گے اور ان کی شفاعت کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں بائیں جانب والوں کا ذکر نہیں فرمایا' جو بائیں جانب والوں میں زیادہ شریر ہوں اور ان پر زیادہ غضب ہو' کیونکہ بائیں جانب والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقہور اور اس کی رحمت سے زیادہ دور ہیں اور یہ تین قسمیں اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ ۔ (الفاطر: ۳۲)

پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اور بعض وہ ہیں جو درمیانہ روی پر ہیں اور بعض وہ ہیں جو بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرنے والے ہیں اور نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں' یعنی جو دنیا میں نیکیوں میں آگے بڑھنے والے تھے' وہی آخرت میں درجات جنت میں آگے بڑھنے والے ہیں۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ دائیں جانب والے اللہ تعالیٰ کے مقرب نہیں ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرب کے بہت درجات ہیں اور سابقین انتہائی قرب میں ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سابقین جنت کے قریب پہنچ چکے ہوں گے اور ابھی اصحاب الیمین جنت کی طرف کے راستے میں ہوں گے' کیونکہ اصحاب الیمین سے آسان حساب لیا جائے گا اور مقربین سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا' جس وقت اصحاب الیمین اللہ کے قرب کے راستہ پر ہوں گے اس وقت مقربین اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوں گے' یا جس وقت اصحاب الیمین

بڑی آنکھوں والی حوروں تک پہنچیں گے' اس وقت مقربین نعمت والی جنتوں اور اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور اللہ کے قرب کے مراتب غیر متناہی ہیں' جب اصحاب الیمین قرب کے ایک مرتبہ میں ہوں گے تو سابقین اس مرتبہ سے گزر کر اس سے اگلے قرب کے مرتبہ میں ہوں گے اور اصحاب الیمین سیر الی اللہ میں ہوں گے اور سابقین سیر فی اللہ میں ہوں گے۔

نعمت والی جنتوں کے دو مرتبہ ہیں' ایک مرتبہ ان کی جسمانی لذتوں کا ہے اور دوسرا مرتبہ روحانی لذتوں کا ہے کیونکہ سابقین کو اللہ تعالیٰ کے غایت قرب سے انتہائی لذت اور کرامت حاصل ہوگی۔

''اصحاب المیمنہ'' کے مصادیق

زید بن اسلم نے کہا: ''اصحاب المیمنۃ'' وہ لوگ ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے نکالا گیا تھا اور ''اصحاب المشئمۃ'' وہ لوگ ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالا گیا تھا۔

ابن جریج نے کہا: ''اصحاب المیمنۃ'' نیک کام کرنے والے لوگ ہیں اور ''اصحاب المشئمۃ'' بُرے اور قبیح کام کرنے والے لوگ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے شب معراج کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہم آسمانِ دنیا پر پہنچے تو وہاں ایک شخص تھا جس کی دائیں طرف بھی ایک مخلوق تھی اور بائیں طرف بھی ایک مخلوق تھی' جب وہ دائیں طرف دیکھتا تو ہنستا تھا اور جب وہ بائیں طرف دیکھتا تو روتا تھا' اس نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا: نیک نبی اور نیک بیٹے کو مرحبا (خوش آمدید) ہو' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور جو مخلوق ان کی دائیں جانب اور بائیں جانب ہے وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں' جو دائیں جانب والے ہیں وہ اہل جنت ہیں اور جو بائیں جانب والے ہیں' وہ اہل دوزخ ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٤٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٣' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٣١٤)

''السابقون'' کے مصادیق

اور ''السابقون السابقون'' کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سابقین وہ ہیں' جب ان کو حق دیا جائے تو وہ اس کو قبول کرلیں اور جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ اس کو عطا کردیں اور لوگوں پر وہ حکم کریں جو اپنے اوپر حکم کرتے ہیں۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: وہ انبیاء ہیں۔ حسن اور قتادہ نے کہا: وہ ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔

عکرمہ نے کہا: یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔ سابقین اور اوّلین مہاجرین اور انصار میں سے۔

(التوبہ: ١٠٠)

مجاہد وغیرہ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد کی طرف سبقت کرتے ہیں اور نماز کے لیے لوگوں میں سب سے پہلے روانہ ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو پانچ نمازوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: جو جہاد کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: جو توبہ اور نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

أُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُونَ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے اور ان کی طرف سبقت کرتے ہیں۝ (المؤمنون:٦١)

اللہ تعالیٰ نے سابقین کے متعلق فرمایا ہے: یہی لوگ مقربین ہیں' یعنی جو لوگ اللہ کی اطاعت کی طرف سبقت کرتے ہیں' وہی اس کے قرب اور اس کی رحمت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

سبقت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ سبقت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سبقت کا اصل معنی ہے: چال اور رفتار میں کسی سے آگے نکلنا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۝ (النّٰزعٰت:٤) پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والے فرشتوں کی قسم۝

اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ (یوسف:١٧) ہم ایک دوسرے سے دوڑنے میں آگے نکلنے میں لگ گئے۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ (یوسف:٢٥) وہ دونوں دروازے کی طرف (ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کے لیے) دوڑے۔

اور کبھی مجازاً دوڑنے کے علاوہ محض پہل اور پیش قدمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف:١١) اور کافروں نے مؤمنوں سے کہا: اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ ایمان لانے میں ہم سے پہل نہ کرتے۔

اور کبھی یہ لفظ فضیلت کو جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۝ (الواقعہ:١٠) دنیا میں اعمالِ صالحہ میں پہل کرنے والے ہی' آخرت میں جنت اور ثواب کی طرف پہل کرنے والے ہیں۝

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۳' مطبوعہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جوہری نے کہا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کرنے والوں کے لیے جس نیزے کو گاڑ دیا جاتا ہے اس کو سَبَق کہتے ہیں۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بڑا گروہ پہلے لوگوں سے ہے۝ اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں۝ وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے۝ ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے۝ (الواقعہ:١٣۔١٦)

"ثُلَّۃ" کا معنی اور مصداق

الواقعہ:١٣ میں "ثُلَّۃ" کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

"ثُلَّۃ" کا معنی ہے: انبوہ کثیر' بہت بڑی جماعت' اصل میں "ثُلَّۃ" اون کے گٹھے کو کہتے ہیں اور کثرتِ اجتماع کی مناسبت سے بہت بڑی جماعت کے لیے "ثُلَّۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

"ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۝" (الواقعہ:٣٩) گزشتہ امتوں کے سابقین کی بہت بڑی جماعت "وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۝" (الواقعہ:٤٠) سے مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سابقین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' ان میں سے سیدنا محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کی اسی (۸۰) صفیں ہوں گی اور باقی امتوں کی چالیس صفیں ہوں گی اور گزشتہ امتوں کے سابقین اور مقربین اس امت کے سابقین اور مقربین کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوں گے' اس لیے فرمایا: "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝" (الواقعہ: ۳۹) اور اس امت کے سابقین ان کی بہ نسبت بہت کم ہوں گے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا چوتھائی ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر! آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا تہائی ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر! پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر' پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے مقابلہ میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل میں کالے بال ہوتے ہیں یا کالے بیل میں سفید بال ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲' صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۸۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۶۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۳۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۸۴' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حسن بصری نے کہا: "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝" (الواقعہ: ۱۳) اس سے مراد ہے: گزشتہ امتوں کے سابقین کی جماعت اور "وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝" (الواقعہ: ۱۴) اس سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سابقین' ان کو قلیل اس لیے فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین بہت زیادہ تھے اور ان کی امتوں میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والے بھی بہت زیادہ تھے' اس لیے ان کا عدد ہماری امت کے سابقین سے زیادہ ہو گیا۔

"قلیل من الاٰخرین اور ثلۃ من الاٰخرین" میں تعارض کا جواب

اس کے بعد فرمایا ہے: "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝" (الواقعہ: ۳۹) اور "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝" (الواقعہ: ۴۰) اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے' کیونکہ الواقعہ: ۱۴ میں فرمایا تھا کہ آپ کی امت کے سابقین قلیل ہیں اور الواقعہ: ۴۰ میں فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے سابقین کثیر ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ الواقعہ: ۱۳۔۱۴ کا تعلق سابقین سے ہے اور الواقعہ: ۳۹۔۴۰ کا تعلق اصحاب الیمین سے ہے' یعنی آپ کی امت کے سابقین تو گزشتہ امتوں سے کم ہوں گے' لیکن آپ کی امت کے اصحاب الیمین یعنی عام مؤمنین کی تعداد بہت زیادہ ہو گی اور گزشتہ امتوں کے مؤمنین اور ہماری امت کے مؤمنین دونوں کے بڑے گروہ ہوں گے' لیکن ہماری امت کا گروہ گزشتہ امتوں کے گروہ سے بہت بڑا اور بہت زیادہ ہو گا' جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

"موضونۃ" کا معنی

الواقعہ: ۱۵ میں فرمایا: وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے ۝

اس آیت میں "موضونۃ" کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کا مادہ "الوضن" ہے' اس کا معنی ہے: زرہ بننا' اور ہر مضبوط بناوٹ کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

"وضن" کا معنی ہے: کسی چیز کو دوہرا تہرا بنانا' چمڑے پر دھاگوں سے کسی چیز کو بنانا' زرہ کو مضبوطی سے بننا' کسی چیز کو جواہر سے مرصع کرنا۔ (القاموس المحیط ص ۱۲۳۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سونے کے تاروں سے بنی ہوئی کوئی چیز' موتی اور یاقوت سے بنی ہوئی جالی'
حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے' اس کا معنی ہے: "مصفوفة" یعنی وہ تخت قطار در قطار ہوں گے۔
تفاسیر میں ہے کہ وہ تخت سونے کے سرکنڈوں سے بنے ہوں گے اور ان میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے۔
الواقعہ: ۱۶ میں فرمایا: ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O
یعنی وہ سابقین ایک دوسرے کے سامنے متقابل ہوں گے' ان کی ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی' دوسری تفسیر یہ ہے کہ مؤمنین' ان کی بیویاں اور ان کے اہل تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O مشکوں اور جگوں اور شراب لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز O (الواقعہ: ۱۷-۲۶)

"ولدان" اور "غلمان" کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۷ میں "ولدان مخلدون" کے الفاظ ہیں "ولدان"، "ولید" کی جمع ہے' ان کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ مؤمنین کے کم عمر بچے ہیں' لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سے پہلے الطور: ۲۱ میں گزر چکا ہے کہ مؤمنوں کے کم سن بچوں کو ان ہی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور بعض مؤمنوں کی اولاد ہی نہیں ہوگی تو دوسرے مؤمنوں کی کم سن اولاد کو ان کی خدمت پر کیسے مامور کیا جائے گا اور اس میں ان بچوں کے باپ کی بھی خفت ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کفار کے کم سن بچے ہوں گے اور اس قول میں کوئی خرابی نہیں ہے اور "مخلدون" کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رہیں گے یا ان پر موت اور فنا نہیں آئے گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسی کیفیت پر ہمیشہ برقرار رہیں گے اور ہمیشہ کم سن رہیں گے' وہ بڑے ہوں گے نہ ان کی ڈاڑھی آئے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت بھی ہے:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ O (الطور: ۲۴)

اور ان (جنتیوں) کے گرد کم عمر لڑکے پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں O

اہل جنت کی خدمت کے لیے نو عمر خدام دیئے جائیں گے' جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی اور رعنائی میں وہ ان موتیوں کی طرح ہوں گے جس کو ڈھک کر رکھا جاتا ہے' مبادا کسی کا ہاتھ لگنے سے ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے۔

عکرمہ نے کہا ہے کہ ان لڑکوں کو اللہ تعالیٰ نے ولادت کے معروف طریقہ کے بغیر جنت میں ایک عمر پر پیدا کیا ہے' یہ جنت میں گھومتے رہتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حسن بصری نے کہا: یہ مسلمانوں کے وہ بچے ہیں جو کم عمر میں فوت ہو جاتے ہیں' ان کی کوئی نیکی ہوگی نہ گناہ۔

سلمان فارسی نے کہا: یہ مشرکین کے نابالغ بچے ہیں جو اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

حسن بصری نے کہا: ان کی نہ کوئی نیکی ہوگی جس کی ان کو جزاء دی جائے اور نہ ان کا کوئی گناہ ہوگا جس کی ان کو سزا دی

جائے ان کو اس جگہ رکھا جائے گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل جنت کو مکمل خوشی اور راحت پہنچائی جائے اور جب انسان کے آگے اور پیچھے خدام گھوم رہے ہوں تو اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۸۴)

اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں اس طرح پیدا کیا ہے جس طرح بڑی آنکھوں والی حوروں کو جنت میں پیدا کیا ہے' نہ وہ مریں گے' نہ بوڑھے ہوں گے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۱)

اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت ہی میں پیدا کیا ہو تاکہ وہ اہل جنت کی خدمت کریں۔
(فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۹)

''اکواب''اباریق''کاس''اور''معین''کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۸ میں فرمایا: مشکوں اور جگوں اور شراب... سے لبریز جاموں کے ساتھ O

اس آیت میں ''اباریق'' کا لفظ ہے' یہ ''ابریق'' کی جمع ہے' دراصل یہ فارسی کا لفظ ہے' اس کو عربی بنایا گیا ہے' اصل میں یہ لفظ ''آب ریز'' تھا یعنی وہ برتن جس سے پانی یا کوئی مشروب گرایا جائے' جیسے لوٹا یا جگ۔ (مختار الصحاح ص ۲۲ مو ضحا)

اور اس میں ''اکواب'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''کوب'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کوزے' آب خورے اور گلاس' پانی پینے کا وہ برتن جس میں پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو۔ (مختار الصحاح ص ۳۲۸ موضحا)

اور ''کاس'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے' شراب سے بھرا ہوا جام' شراب کے جام کو بھی کہتے ہیں' اس کی جمع ''کئوس'' ہے۔
(مختار الصحاح ص ۳۲۷ موضحا)

''معین'' کا معنی ہے: جاری چشمہ۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۱۱) یہاں مراد ہے: جنت میں شراب کے جاری چشمے۔

امام رازی نے لکھا ہے: ''اکواب'' سے مراد بڑے بڑے پیالے ہیں جن میں پکڑنے کے لیے دستے نہ ہوں (میں کہتا ہوں: اس سے مراد شراب کے مٹکے لینا زیادہ مناسب ہے) اور ''اباریق'' سے مراد ہے: پانی کے وہ برتن جن کا دستہ ہو اور اس کی سونڈ (ٹونٹی) بھی ہو' اس سے مراد لوٹے یا جگ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

یعنی جنت کی شراب کے چشموں سے شراب نکال کر مشکوں میں رکھی جائے گی اور اس سے جگ یا لوٹے بھرے جائیں گے' پھر اس شراب کو جاموں یا گلاسوں میں انڈیل کر ولدان اور غلمان اہل جنت کو پیش کریں گے۔

الواقعہ: ۱۹ میں فرمایا: جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O

''صداع'' کا معنی ہے: سر میں درد ہونا اور ''نزف'' کا معنی ہے: عقل کا ماؤف ہو جانا۔

یعنی جنت کی شراب میں صرف لذت ہو گی' اس کے پینے سے سر میں درد ہو گا' نہ عقل میں کوئی کمی آئے گی' نہ عقل خراب ہو گی' نہ ان کو نشہ ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خمر (انگور کی شراب) میں چار وصف ہوتے ہیں' اس سے نشہ آتا ہے' سر میں درد ہوتا ہے' قے ہوتی ہے اور پیشاب آتا ہے اور جنت کی شراب ان تمام خرابیوں سے پاک ہو گی۔

جنت کے پرندوں کی کیفیت

الواقعہ: ۲۰۔۲۱ میں فرمایا: ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دریا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنت میں) عطا فرمایا ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے' شہد سے

زیادہ میٹھا ہے' اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں سے زیادہ لمبی ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک یہ بہت بڑی نعمت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو کھانا بہت اچھا ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۴۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک پرندہ ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں' وہ آ کر ایک جنتی شخص کے پیالے پر بیٹھ جائے گا' پھر اپنے پر جھاڑے گا تو اس کے ہر پر سے سفید رنگ کے برف کے ذرات اور اولے نکلیں گے جو مکھن سے زیادہ ملائم اور برف سے زیادہ میٹھے ہوں گے اور اس کا کوئی رنگ پرندے کے مشابہ نہیں ہوگا' پھر وہ پرندہ اڑ کر چلا جائے گا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۸۵-۱۸۶' کنز العمال ج ۱۴ ص ۴۶۲-۴۶۳)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں اونٹ کی جسامت کے پرندے ہیں' وہ ایک جنتی شخص کے پاس آئیں گے اور پھر چلے جائیں گے اور گویا کہ اس سے کچھ کم نہیں ہوگا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جنت کے پرندوں میں سے کسی پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا وہ پرندہ بھنا ہوا اس کے ہاتھ میں آ جائے گا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک شخص اونٹ کے برابر پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا' وہ پرندہ اس کے دسترخوان پر آ کر گر جائے گا' اس کو دھواں چھوئے گا نہ آگ' وہ اس سے سیر ہو کر کھائے گا' پھر وہ پرندہ اڑ جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حوروں کا حسن اور جمال

الواقعہ: ۲۲-۲۳ میں فرمایا: اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O

ابراہیم نخعی نے کہا: بڑی آنکھوں والی حوروں سے اہل جنت کا نکاح کر دیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: "حُوْرٌ عِيْنٌ" (الواقعہ:۲۲) آپ نے فرمایا: وہ سفید رنگ کی حوریں ہوں گی' جن کی آنکھیں موٹی موٹی اور کشادہ ہوں گی۔ (المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۷۸' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوروں کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ا ص ۹۵' جامع البیان رقم الحدیث:۲۵۸۰۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا' اس کا بہتر بیویوں سے نکاح کر دیا جائے گا' دو بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ستر بیویاں اس کو دوزخیوں کی میراث سے ملیں گی' ان میں سے ہر بیوی کی شہوت ہوگی اور ان سے اپنی خواہش پوری کرنے میں اہل جنت کو کسی قسم کا ضعف اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۷' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی شخص کو اتنی اور اتنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو سو عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی طاقت دی جائے گی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں نور چمک رہا ہوگا' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کس چیز کا نور ہوگا؟ آپ نے فرمایا: حور اپنے شوہر کو دیکھ کر ہنسے گی تو اس کے دانتوں سے روشنی پھوٹے گی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۶۳' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

ان حوروں کے متعلق فرمایا: وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گی' یعنی ان کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا اور نہ ان پر گرد وغبار پڑا ہوگا' سو وہ سیپ میں چھپے ہوئے موتی سے زیادہ صاف اور شفاف ہوں گی اور ان کے جسم کی ہر جانب سے ان کا حسن چمک رہا ہوگا۔

آخرت کی تمام نعمتوں کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے

الواقعہ: ۲۴ میں فرمایا: یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے ○

جنت میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کا ایمان لانا ہے اور جنت میں حور وغلمان کا ملنا اور کھانے پینے کی لذیذ چیزیں' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کا سبب بندے کے نیک اعمال ہیں اور جنت میں دوام اور خلود یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کی یہ نیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔ لیکن یہ سب ظاہری اسباب ہیں' حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے' بندہ اسی کے فضل کے سبب سے ایمان لاتا ہے' اسی کے فضل سے نیک اعمال کرتا ہے اور اسی کے فضل سے ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم رہتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء: ۸۳)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے سوا تم سب افراد شیطان کے پیروکار بن جاتے ○

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ○ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ○ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ○ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (الدخان: ۵۱۔۵۷)

بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے ○ جنتوں میں اور چشموں میں ○ وہ باریک اور موٹے ریشم کا لباس پہنے آمنے سامنے ہوں گے ○ ایسا ہی ہوگا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی زوجیت میں دے دیں گے ○ وہ وہاں پر ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے ○ وہ پہلی موت کے سوا جنت میں اور کسی موت کا مزا نہیں چکھیں گے' اور اللہ نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیا ○ (انہیں یہ سب نعمتیں) آپ کے رب کے فضل سے (ملیں) یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

الواقعہ: ۲۴ میں آخرت کی ان نعمتوں کی نسبت مسلمانوں کے نیک اعمال کی طرف کی ہے اور الدخان: ۵۱۔۵۷ میں ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کی طرف کی ہے اور اول الذکر سبب ظاہری ہے اور ثانی الذکر سبب حقیقی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۲)

اس مضمون کو ہم نے زیادہ تفصیل کے ساتھ "تبیان القرآن" ج ۳ ص ۱۴۱۔۱۴۳ میں لکھا ہے۔

لغو اور گناہ کی باتوں کے مصادیق

الواقعہ: ۲۵۔ ۲۶ میں فرمایا: وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز O

اس آیت میں "لغو" کا لفظ ہے وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے لغویات سے مراد ہے: ایسا کلام جو عبث اور بے فائدہ ہو' جو لائق شمار نہ ہو یا کھیل کود کی باتیں' جن کو سننے سے محض وقت ضائع ہو اور گناہ کی بات سے مراد ہے: جھوٹ' چغلی اور فحش باتیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: لڑائی جھگڑے' گالم گلوچ' جھوٹی قسمیں اور گناہ پر ابھارنے والی باتیں۔

وہ اس میں سلامتی کی باتیں سنیں گے اور نیکی کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی باتیں سنیں گے' وہ جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو کلام کی ابتداء سلام سے کریں گے' اور ایک دوسرے کو خوش آمدید اور مرحبا کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے O وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں O اور چھلکتے ہوئے پانی میں O اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے منع کیا جائے گا O اور اونچے بستروں میں O ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے O ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا O محبت کرنے والیاں ہم عمر O جو دائیں طرف والے لوگوں کے لیے ہیں O (الواقعہ: ۲۷۔ ۳۸)

جنت کی بیریوں' کیلوں اور درختوں کی صفات

الواقعہ: ۲۷ میں اصحاب الیمین کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد سابقین ہیں۔ الواقعہ: ۸۔ ۱۲ میں ان کی تفسیر آ چکی ہے' ان کا دوبارہ ذکر ان کی شان کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس مرتبہ کے حصول کی ترغیب کے لیے فرمایا ہے۔

الواقعہ: ۲۸ میں فرمایا: وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے O

سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیہاتیوں سے اور ان کے سوالات سے نفع پہنچاتا ہے' ایک دن ایک اعرابی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! اللہ عزوجل نے جنت کے ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو ایذاء پہنچانے والا ہے' اور میرا یہ گمان نہیں تھا کہ جنت کا کوئی درخت جنتی کو ایذاء پہنچائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سا درخت ہے؟ اس نے کہا: وہ بیری کا درخت ہے' اس میں اذیت دینے والے کانٹے ہوتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: "فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ O" (الواقعہ: ۲۸) وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے' اللہ تعالیٰ ان کے کانٹوں کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا کر دے گا' ان کانٹوں میں پھل اگیں گے اور ہر پھل سے بہتر (۷۲) ذائقے نکلیں گے اور ان میں سے کسی کا رنگ دوسرے سے نہیں ملے گا۔

علامہ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۷۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۷۸ طبع جدید' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۳' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۵۱۱)

الواقعہ: ۲۹ میں فرمایا: اور تہ بہ تہ کیلوں میں O

کیلے کے درخت کو "طلح" کہتے ہیں' اس کا واحد "طلحۃ" ہے اور "منضود" کے معنی ہیں: تہ بہ تہ۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"الطلح" سر زمین حجاز میں بہت بڑا درخت ہوتا ہے' اس میں بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں اور "منضود" کا معنی یہ

ہے کہ اس درخت میں تہ بہ تہ پھل ہیں' ان دونوں درختوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرب ان درختوں کو بہت پسند کرتے تھے' جن کا سایہ بہت لمبا اور بہت گھنا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ درخت دنیاوی درخت کے مشابہ ہوگا لیکن اس میں کانٹوں کے بجائے بہت شیریں پھل ہوں گے' اہل یمن کیلے کے درخت کو ''الطلح'' کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الواقعہ: ۳۰۔۳۱ میں فرمایا: اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ○ اور چھلکتے ہوئے پانی میں ○

جنت کے درختوں کے سائے ہمیشہ قائم رہیں گے' کبھی ختم نہیں ہوں گے' تمام جنت سائے والی ہے' وہاں دھوپ نہیں ہو گی اور وہاں اس طرح کا وقت ہوگا جیسے صبح کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے' اس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اس کے سائے کو منقطع نہیں کر سکے گا اور اگر چاہو تو یہ آیات پڑھو:

وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ○ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ○ (الواقعہ: ۳۰۔۳۱) اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ○ اور چھلکتے ہوئے پانی میں ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸)

''مسکوب'' کا لفظ ''سکب'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: پانی بہانا۔

الواقعہ: ۳۲۔۳۳ میں فرمایا: اور بہ کثرت پھلوں میں ○ جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے منع کیا جائے گا ○

یعنی وہ پھل اس طرح کم مقدار اور کم تعداد میں نہیں ہوں گے جس طرح دنیا میں ہوتے تھے اور کسی وقت میں بھی وہ پھل منقطع نہیں ہوں گے' جس طرح دنیا میں گرمیوں کے پھل سردیوں میں نہیں ہوتے اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں نہیں ہوتے' دنیا میں بعض اوقات پھلوں کے حصول سے درختوں میں لگے ہوئے کانٹے مانع ہوتے ہیں' بعض اوقات باغ کی چار دیواری مانع ہوتی ہے' بعض دفعہ حفاظت کے چوکیدار مانع ہوتے ہیں' بعض اوقات وہ پھل اس قدر مہنگے ہوتے ہیں کہ انسان کی قوت خرید سے باہر ہوتے ہیں' بعض اوقات انسان کی بیماریاں بعض پھلوں کے کھانے سے مانع ہوتی ہیں' جنت میں کسی بھی وقت کسی بھی پھل کو کھانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

اہل جنت کی بیویوں کی صفات

الواقعہ: ۳۴ میں فرمایا: اور اونچے بستروں میں ○

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ○'' (الواقعہ: ۳۴) کی تفسیر میں فرمایا: ان بستروں کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی زمین سے آسمان تک کی اونچائی ہے اور وہ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بستروں سے مراد اہل جنت کی بیویاں ہیں' کیونکہ وہ بستر ان بیویوں کا محل ہوگا اور اس آیت کا معنی ہے کہ حسن اور جمال اور فضل و کمال میں ان بیویوں کا مرتبہ بہت بلند ہوگا۔

الواقعہ: ۳۵۔۳۶ میں فرمایا: ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے ○ ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا ○

یعنی ہم نے بڑی آنکھوں والی حوروں کو دنیا کے معروف طریقہ ولادت کے بغیر پیدا کیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو آدم کی عورتیں ہیں' یعنی ہم نے ان کو دوبارہ از سر نو پیدا کیا اور ہم نے ان کو نو جوانی اور شباب کے حال میں لوٹا دیا اور ہم نے بوڑھی خواتین اور بچیوں کو از سر نو جوان اور دوشیزہ بنا دیا۔

الواقعہ: ٣٧۔٣٨ میں فرمایا: محبت کرنے والیاں ہم عمر O جو دائیں طرف والے لوگوں کے لیے ہیں O
اس آیت میں "عربا" کا لفظ ہے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ سب عربی میں کلام کریں گی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ سب ہم عمر ہوں گی وہ سب کنواری اور دوشیزہ ہوں گی اور یہ سب نعمتیں دائیں طرف والے مسلمانوں کے لیے ہوں گی۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝

(دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا O اور بائیں طرف

مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿٤٢﴾ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ﴿٤٣﴾

والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O

لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿٤٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوا

جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ فرحت بخش O بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے O اور وہ گناہ

يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۝ أَئِذَا مِتْنَا

کبیرہ پر اصرار کرتے تھے O اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤٧﴾ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿٤٨﴾

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی؟ O

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوعُونَ ۝ إِلَىٰ مِيقَاتِ

آپ کہیے: بے شک تمام اوّلین اور آخرین O ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے

يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾ لَآكِلُونَ

جائیں گے O پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو! O تم ضرور تھوہر

مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ

کے درخت سے کھانے والے ہو O پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو O پھر اس پر

عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿٥٥﴾ هَٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ

کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو O پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے O یہ قیامت کے دن

الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

ان کے لیے ضیافت ہے O ہم نے تم کو پیدا کیا ہے سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتے O بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہو O

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ

کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم تخلیق کرنے والے ہیں O ہم ہی نے تمہارے درمیان موت

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ

(کا وقت) مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے بدلے میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں از سر نو اس طرح

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتے O

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو O اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا O

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ

بلکہ ہم تو محروم ہو گئے O بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو O کیا تم نے

اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ

اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو)

اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ

سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ O بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو O کیا اس کے لیے

اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو نصیحت بنایا

ع ۲ ۱۵

وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش O بے شک اس سے پہلے وہ بہت نعمتوں میں تھے O اور وہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرتے تھے O اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی؟ O آپ کہیے: بے شک تمام اولین اور آخرین O ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے جائیں گے O پھر بے شک تم اے گم راہو جھٹلانے والو! O تم ضرور تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو O پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو O پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو O پس تم پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے O یہ قیامت کے دن ان کے لیے ضیافت ہے O (الواقعہ: ۳۹-۵۶)

دائیں طرف والوں کے لیے بشارتیں

الواقعہ: ۳۹ میں فرمایا: (دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O

ابو العالیہ' مجاہد' عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ گزشتہ امتوں میں سے دائیں طرف والوں کا بڑا گروہ ہوگا۔

الواقعہ: ۴۰ میں فرمایا: اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دونوں گروہ اس امت میں سے ہوں گے' اس امت میں سے متقدمین کا بھی ایک بڑا گروہ دائیں طرف والوں میں سے ہوگا اور اس امت کے متاخرین میں سے بھی ایک بڑا گروہ دائیں طرف والوں میں سے ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں بڑے گروہ میری امت میں سے ہوں گے۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۸۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۹)

بائیں طرف والوں کے لیے وعیدیں

الواقعہ: ۴۱-۴۲ میں فرمایا: اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O

دائیں جانب والوں کی فضیلت کے بعد بائیں جانب والوں کی مذمت کی آیات ہیں' کافروں' منافقوں اور مشرکوں کو بائیں جانب والے فرمایا' کیونکہ ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں ہوں گے۔

الواقعہ: ۴۲ میں "سموم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گرم ہوا' جیسے دنیا میں لو چلتی ہے' یہ گرم ہوا بدن کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے' یہاں اس سے مراد دوزخ کی آگ کی سخت گرمی اور تپش ہے اور اس آیت میں "حمیم" کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: کھولتا ہوا پانی' جب دوزخ کی آگ ان کے جسموں کو جلا دے گی تو یہ کھولتے ہوئے پانی کی پناہ میں آئیں گے جیسے دنیا میں انسان آگ سے گھبرا کر پانی کی طرف دوڑتا ہے تاکہ آگ کی گرمی کا توڑ پانی سے کرے اور وہ کھولتا ہوا پانی ایسا ہوگا:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ (محمد: ۱۵) ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا ○

الواقعہ: ۴۳ میں فرمایا: اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے ○

وہ گرم ہوا کی شدت یا دوزخ کی آگ کی تپش سے سائے کی طرف دوڑیں گے' جیسے دنیا میں انسان دھوپ کی تپش سے گھبرا کر سائے کی طرف جاتا ہے اور دوزخیوں کا سایہ سیاہ دھواں ہوگا' اس آیت میں "یحموم" کا لفظ ہے' لغت میں "یحموم" کا معنی ہے: شدید سیاہ' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ "حمم" سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: کوئلہ۔ ضحاک نے کہا: دوزخ کی آگ سیاہ ہے' اس کے رہنے والے سیاہ ہیں اور اس کی ہر چیز سخت سیاہ ہے۔

الواقعہ: ۴۴ میں فرمایا: جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ○

بلکہ وہ دھواں گرم ہوگا جو جہنم کے کناروں سے نکل رہا ہوگا' نہ اس کا منظر دل کش ہوگا نہ اس میں کوئی خیر ہوگی۔

الواقعہ: ۴۵ میں فرمایا: بے شک اس سے پہلے وہ بہت نعمتوں میں تھے ○

یعنی وہ اس سخت عذاب کے اس لیے مستحق ہوئے کہ وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے' لیکن انہوں نے اس کا شکر ادا نہیں کیا۔

الواقعہ: ۴۶ میں فرمایا: اور وہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرتے تھے ○

یعنی وہ شرک پر تھے اور بار بار وعظ اور نصیحت کے باوجود شرک کو ترک نہیں کرتے تھے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: وہ بڑے بڑے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے تھے۔ اصرار کا معنی ہے: گناہ پر گناہ کرنا اور توبہ نہ کرنا' وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوں گے اور بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے' یہ ان کے وہ بڑے بڑے گناہ ہیں جن سے وہ تائب نہیں ہوتے تھے۔

الواقعہ: ۴۷ میں فرمایا: اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا ○

یعنی وہ مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے۔

الواقعہ: ۴۸ میں فرمایا: (اور وہ کہتے تھے:) کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟ ○

گویا ان کے نزدیک یہ امر بہت بعید تھا۔

الواقعہ: ۴۹۔ ۵۰ میں فرمایا: آپ کہیے: بے شک تمام اولین اور آخرین ○ ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے جائیں گے ○

اولین سے مراد ہے: کفار مکہ کے آباء و اجداد اور آخرین سے مراد ہے: خود کفار مکہ اور مقرر دن سے مراد ہے: قیامت کا دن۔

الواقعہ: ۵۱ میں فرمایا: پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو! ○

گم راہو سے مراد ہے: راہ ہدایت سے بھٹکنے والو اور توحید کے بجائے شرک کا اعتقاد رکھنے والو! اور جھٹلانے والو سے مراد ہے: قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرنے والو!۔

الواقعہ: ۵۲ میں فرمایا: تم ضرور تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو ○

اس آیت میں "زقوم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: تھوہر کا درخت' اس کی خوراک مہلک ہوتی ہے' یہ جہنم کے ایک درخت کا

نام ہے' یہ بہت بدصورت درخت ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت کڑوا ہے' سورۃ الصّٰفّٰت میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

الواقعہ: ۵۳ میں فرمایا: پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو O

یعنی زقوم کے کڑوے اور مہلک پھلوں سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو۔

الواقعہ: ۵۴ میں فرمایا: پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو O

زقوم کے کڑوے پھل کھانے کے بعد جب پیاس لگے گی تو پھر تم کھولتے ہوئے پانی کو پیو گے' جو جوش سے ابل رہا ہوگا' یہ پانی دراصل دوزخیوں کی پیپ ہوگا' ان کا گمان ہوگا کہ اس سے پیاس بجھے گی' جب کہ اس پانی کے پینے سے ان کو مزید اذیت اور عذاب ہوگا۔

الواقعہ: ۵۵ میں فرمایا: پس تم پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے O

اس آیت میں "ھیم" کا لفظ ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: بیمار اونٹ' ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اونٹ جس کو پیاس کی بیماری ہو۔

الواقعہ: ۵۶ میں فرمایا: یہ قیامت کے دن ان کے لیے ضیافت ہے O

اس آیت میں "نزل" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مہمان کو کھلانے کے لیے جو خصوصی کھانا تیار کیا جاتا ہے' سو جو کفار اور مشرکین قیامت کے منکرین ہیں ان کی مہمانی کے لیے یہ کھانے اور پینے کی چیزیں تیار کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم کو پیدا کیا ہے سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتے O بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہو O کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم تخلیق کرنے والے ہیں O ہم ہی نے تمہارے درمیان موت (کا وقت) مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے بدلے میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتے O بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو O اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں' پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا O بلکہ ہم تو محروم ہو گئے O بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ O بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو O کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O (الواقعہ: ۷۴۔۵۷)

تخلیق انسان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حشر و نشر پر استدلال

تم جو عورتوں کے رحموں میں منی ٹپکاتے ہو بتاؤ کہ اس سے تم انسان کی تخلیق کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں اور جب تم نے یہ جان لیا کہ ہم ہی انسانوں کے خالق ہیں تو تم اس کو مانتے کیوں نہیں اور اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے اور جب تم اللہ تعالیٰ ہی کو خالق مانتے ہو تو پھر اس کو واحد کیوں نہیں مانتے؟ تم دیکھتے ہو کہ ہمیشہ سے انسان کی تخلیق ایک طرز اور ایک طریقہ سے ہو رہی ہے' ہمیشہ عورتیں بچہ جنتی ہیں' کبھی کسی مرد سے بچہ پیدا نہیں ہوا اور ہمیشہ مکمل بچہ استقرار حمل کے نو ماہ بعد پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ آگے کے راستہ سے سر کے بل بچہ پیدا ہوتا ہے' کبھی پیچھے کے راستہ سے یا پیروں کے بل بچہ پیدا نہیں ہوتا' کیا نظام تخلیق کی یہ وحدت پکار پکار کر یہ نہیں بتا رہی کہ اس نظام تخلیق کا خالق بھی واحد ہے؟ کیونکہ اگر اس نظام کے متعدد خالق ہوتے تو اس

نظام میں یہ وحدت اور یکسانیت نہ ہوتی اور یہ نظام حادث ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس کا خالق حادث نہ ہو' ورنہ وہ بھی انسان کی طرح مخلوق ہوگا' خالق نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہوا کہ اس نظام کا خالق حادث اور ممکن نہ ہو' بلکہ قدیم اور واجب ہو اور قدیم اور واجب کا متعدد ہونا محال ہے۔ کیونکہ اگر وہ متعدد ہوں تو ہر قدیم اور واجب میں دو جز ہوں گے' ایک جز نفس وجوب اور قدم ہوگا اور وہ سب میں مشترک ہوگا اور دوسرا جز ممیز ہوگا' جس کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں گے اور جو حقیقت دو جزوں سے مرکب ہو' وہ اپنے اجزاء کی طرف محتاج ہوتی ہے اور جو اپنے وجود میں محتاج ہو' وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے' واجب اور قدیم نہیں ہوتا' اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان کا خالق واحد ہو' متعدد نہ ہو' نیز جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک بار پیدا کر دیا تو وہ ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا' پھر تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کا اور حشر و نشر کا کیوں انکار کرتے ہو؟

تخلیق کے مراحل سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال

الواقعہ: ۶۰ میں فرمایا: ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں O

اس آیت سے بھی اس پر استدلال فرمایا ہے کہ جو تم کو مارنے پر قادر ہے وہ تم کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور فرمایا: ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔

الواقعہ: ۶۱ میں فرمایا: کہ ہم تمہارے بدلہ میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O

یعنی اگر ہم تمہارے مرنے کے بعد تمہاری جنس سے اور لوگ پیدا کرنا چاہیں تو ہمیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور ہم تمہارے مرنے کے بعد تمہاری شکل و صورت کو تبدیل کر دیں' مؤمن کے چہرے کو سفید بنا دیں اور کافر کے چہرے کو سیاہ اور بدہیئت بنا دیں یا مؤمنوں کی روحوں کو پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیں' جن کا تمہیں ابھی علم نہیں ہے۔

الواقعہ: ۶۲ میں فرمایا: اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتے O

تم کو اپنی تخلیق کے مراحل کا علم ہے' پہلے تم مٹی تھے' پھر نبات بنے' پھر سبزی اور گوشت کی صورت میں غذا بنے' پھر نطفہ کی صورت میں تھے' پھر جمے ہوئے خون کی صورت میں' پھر گوشت کی بوٹی کی صورت میں آئے تو لحیم بنے' پھر تمہیں ہڈیوں کا لباس پہنایا گیا تو عظیم بنے' پھر چار ماہ گزرنے کے بعد تم میں روح پھونکی گئی تو حی بنے' تم پہلے بلکہ نہ تھے' پھر بہ تدریج تم کو شکل و صورت دی اور اپنی ماں کے پیٹ سے تم پیدا ہوئے' تم خاک اور مٹی تھے' پھر ماں کے پیٹ میں آئے تو جنین کہلائے' وضع حمل ہوا تو ولید کہلائے' پھر دودھ پیتے بچے (رضیع) بنے' پھر ہلکی غذا کھانے لگے تو فطیم بنے' پھر تم پر بچپنا آیا تو صبی کہلائے' چلنے پھرنے اور بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو غلام کہلائے' بلوغت کے قریب ہوئے تو مراہق کہلائے' پھر بالغ ہوئے' تو جوانی میں شاب اور فتی کہلائے' نشو و نما کی تکمیل ہوئی تو رجل کہا گیا' تیس سال کی پختہ عمر کو پہنچے تو کہول کہلائے' عقل کامل ہوئی اور چالیس سال کی عمر ہوئی تو شیخ بنے' ساٹھ سال سے ستر سال کی عمر ہوئی تو شیخ فانی ہوئے' موت قریب آئی تو حضیر بنے اور جب موت آ گئی تو میت کہلائے' نہلایا گیا تو غسیل بنے' کفن پہنایا گیا تو مکفون ہوئے' جنازہ اٹھایا گیا تو محمول ہوئے' دفن کیا گیا تو پھر دفین ہوئے' اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب گوشت پوست گل گیا' ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں تو رمیم کہلائے اور مرور زمانہ کے بعد پھر خاک اور مٹی ہو گئے' اس نے تمہیں خاک اور مٹی سے بنایا تھا' پھر دوبارہ ان مراحل کے بعد خاک اور مٹی بنا دیا اور جس نے تمہیں ایک بار خاک اور مٹی سے بنایا ہے وہ دوبارہ تم کو خاک اور مٹی سے کیوں نہیں بنا سکتا؟

الواقعہ: ۶۳-۶۴ میں فرمایا: بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو○ اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں○

حیات بعد الموت پر ایک اور دلیل

اس آیت میں حشر و نشر پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور دلیل ہے' یعنی یہ بتاؤ کہ تم جو زمین میں کاشت کرتے ہو اور بیج بو کر آ جاتے ہو' پھر اس بیج سے غلہ تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں' تم نے تو زمین میں ہل چلا کر صرف بیج ڈالا ہے' پھر اس بیج کو پھاڑ کر سبز کونپل کس نے نکالی؟ پھر اس نرم و نازک کونپل میں یہ توانائی کس نے رکھی کہ وہ زمین کے سینے کو شق کر کے اس سے باہر نکل آئی؟ پھر اس کونپل کو تناور پودے کا روپ کس نے دیا؟ اس کی نشو و نما کے لیے سورج کی شعاعیں' چاند کی روپہلی کرنیں کس نے مہیا کیں؟ اس کو سینچنے کے لیے آسمان سے پانی کس نے نازل کیا؟ اس کی بالیدگی کے لیے ہواؤں کو کس نے رواں دواں رکھا؟ پھر بتاؤ کہ کھیتوں سے غلہ اور باغوں سے پھل پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہم ہیں یا تم ہو!

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے سبزہ زاروں اور مرغ زاروں کو پیدا کیا' پھولوں کو کھلایا' پھلوں میں رنگ و روپ اور ذائقہ پیدا کیا' درختوں کو کھڑا کیا' فصلوں میں غلہ مہیا کیا تاکہ لوگ غذا اور خوراک حاصل کر سکیں اور ان نعمتوں پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کریں' دوسری بات یہ ہے کہ جو اس پر قادر ہے کہ ایک بیج سے درخت پیدا کرتا ہے' پھر اسی درخت سے ایسا غلہ اور اناج اور پھل اور پھول پیدا کرتا ہے' جن میں ایسے ہزاروں بیج ہوتے ہیں اور ان بیجوں سے پھر کھڑی فصل پیدا کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' وہ اس پر کیوں قادر نہیں ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد پھر تم کو دوبارہ پیدا کر دے؟

اس آیت سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ ''افرء یتم ما تحرثون'' میں بندوں کے فعل کا ذکر ہے' کیونکہ 'تحرثون' کے معنی ہیں: زمین میں بیج ڈالنا' ہل چلانا اور کھیتی باڑی کرنا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ بندوں کا فعل ہے' جب کہ ''الزرع'' یعنی بیج سے غلہ یا پھل اُگانا یہ اللہ کا فعل ہے' بندوں کا فعل نہیں ہے اور ''تحرثون'' میں اسناد مجاز عقلی نہیں ہے' البتہ سورۃ الفتح میں جو ''الزراع'' فرمایا ہے اور بندوں کی طرف ''زرع'' کی نسبت کی ہے یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

حرث (کھیتی باڑی کرنا) مخلوق کی صفت ہے اور زرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرث (کھیتی باڑی کرنے اور کاشت کرنے) کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے اور زرع (اگانے) کی نسبت اپنی طرف کی ہے' کیونکہ کاشت کرنا بندوں کا فعل ہے اور ان کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اور زرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے' اس میں بندوں کا کوئی اختیار نہیں ہے' بندے بیج کو کاشت کریں' لیکن اللہ تعالیٰ فصل اگانا نہ چاہے تو کچھ نہیں اگتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ''زرعت'' (میں نے اگایا ہے) اس کو یہ کہنا چاہیے: ''حرثت'' (میں نے کھیتی باڑی کی ہے) کیونکہ ''الزارع'' (اگانے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ (الواقعہ: ۶۴) آیا تم اس کو (حقیقت میں) اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں○

ہر وہ شخص جو زمین میں تخم ریزی کرے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ یہ آیت پڑھے:

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ (الواقعہ: ۶۳) بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو۔

پھر یہ کہے کہ بلکہ اللہ ہی الزارع ہے اور وہی حقیقت میں اگانے والا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر یہ دعا کرے: اے اللہ! ہمیں اس کاشت کا ثمر عطا فرما اور اس کے ضرر کو ہم سے دور رکھ۔ (مسند البزار: ۱۲۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۲۳' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۳۸' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۰) اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے خاص افعال کا مخلوق کی طرف نسبت کرنے کا جواز

الواقعہ: ۶۴ سے واضح ہو گیا کہ الزارع (اگانے والا) حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور الزرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' لیکن اس کے باوجود قرآن مجید میں مخلوق کو بھی زارع (اگانے والا) فرمایا گیا ہے:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ (الفتح: ۲۹)

اس کھیتی کی مثل جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا تو وہ تناور پودا ہو گیا' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اگانے والوں کو اچھا لگنے لگا۔

اللہ تعالیٰ حقیقت میں اگانے والا ہے اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کسان مجازاً اگانے والے ہیں اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی اور خاص افعال کی مخلوق کی طرف نسبت کرنا جائز ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اسی اعتبار سے داتا' مشکل کشا' کارساز اور حاجت روا کہا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ حقیقی داتا' کارساز اور حاجت روا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے مشکل کشا اور حاجت روا ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ حقیقی زارع ہے اور کسان اس کی دی ہوئی طاقت سے زراع' زارعین اور اگانے والے ہیں' لیکن وہابی فکر کے حاملین اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور جب مسلمان انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو داتا اور حاجت روا کہتے ہیں تو ان پر جھٹ شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

سید مودودی کے نزدیک شرک کی تعریف

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝" (الرحمٰن: ۳۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر شخص جو کسی نوعیت کا شرک کرتا ہے' دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی تکذیب کرتا ہے' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی' اصل میں یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ شافی نہیں ہے بلکہ وہ حضرت شافی ہیں' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی' گویا دراصل یہ کہنا ہے کہ دنیا میں حکم اللہ کا نہیں بلکہ اس آستانے کا چل رہا ہے' غرض ہر مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ قول آخری تجزیہ میں صفات الٰہی کی تکذیب ہی پر منتہی ہوتا ہے' شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی دوسروں کو سمیع و بصیر' عالم الغیب' فاعل مختار' قادر و متصرف اور الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دے رہا ہے اور اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۴' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

مخلوق کو سمیع و بصیر' فاعل مختار اور قادر کہنے کا جواز اور ان کا شرک نہ ہونا

اس عبارت میں سید مودودی نے دوسروں کو سمیع و بصیر کی صفت سے متصف قرار دینے کو بھی شرک لکھا ہے' جب کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (الدھر: ۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا' ہم اس کو آزماتے ہیں' پس ہم نے انسان کو سمیع بصیر بنا دیا ۝

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شرک کی جو تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

نیز اس عبارت میں سید مودودی نے دوسروں کو فاعل مختار کی صفت سے متصف کرنے کو بھی شرک لکھا ہے' حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بندے فاعل مختار ہیں' مجبور محض نہیں ہیں اور بندوں کو مجبور ماننا جبریہ کا عقیدہ ہے اور یہ باطل عقیدہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

وللعباد افعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية لا كما زعمت الجبرية انه لا فعل للعبد اصلاً.

(شرح عقائد نسفی ص ۶۳' مطبوعہ کراچی)

اور بندوں کے اختیاری افعال ہوتے ہیں' اگر وہ افعال اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوں تو ان کو ان افعال پر ثواب دیا جائے گا اور اگر وہ افعال معصیت ہوں تو ان پر سزا دی جائے گی اس کے برخلاف جبریہ کا زعم ہے کہ بندوں کا بالکل فعل نہیں ہوتا۔

نیز اس عبارت میں سید مودودی نے بندوں کو قادر قرار دینے کو بھی شرک کہا ہے' حالانکہ اگر بندے فعل کرنے یا نہ کرنے پر قادر نہ ہوں تو وہ جمادات کی طرح ہوں گے اور ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی وسعت کے مطابق مکلف فرماتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھی قدرت کا اسناد فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ (المائدہ: ۳۴)

(آخرت میں ڈاکوؤں کو عذاب ہوگا) ماسوا ان کے جو تمہارے ان پر قادر ہونے سے پہلے توبہ کر لیں۔

سید مودودی نے جو دوسروں کو قادر قرار دینے کو شرک کہا ہے اس اعتبار سے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پاتا ہے۔

سید مودودی کی شرک کی تعریف سے معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ کا بھی مشرک ہونا

اس عبارت میں سید مودودی نے الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دینے کو بھی شرک کہا ہے' مزید یہ لکھا ہے کہ یہ اس بات کا انکار ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں الوہیت کی یہ صفت مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی اور نصیر (کارساز اور مددگار) ہے:

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ (النساء: ۴۵)

اور اللہ کا ولی (کارساز) ہونا کافی ہے اور اللہ کا نصیر (مددگار) ہونا کافی ہے ۝

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (الاحزاب: ۱۷)

اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی ولی (کارساز) پائیں گے اور نہ نصیر (مددگار) ۝

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو بھی ولی اور نصیر کی صفت سے متصف فرمایا ہے:

(۱) الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝ (النساء: ۷۵)

(مظلوم بندے دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات عطا فرما اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی (کارساز) بنا دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے نصیر

(مددگار) بنادے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مظلوم بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ولی اور نصیر کے حصول کی دعا کریں اور اگر مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی صفت سے موصوف ہونا اور ولی اور نصیر ہونا شرک ہو تو لازم آئے گا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ شرک کی ترغیب دے رہا ہے (العیاذ باللہ) اور یہ بجائے خود شرک ہے۔

نیز حضرت زکریا اپنے لیے بیٹے کی دعا کرتے ہوئے ایسی صفت والے بیٹے کی دعا کرتے ہیں جو ولی (کارساز) ہو:

(۲) فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ (مریم: ۵) پس تو مجھے اپنے پاس سے ولی (کارساز) عطا فرما○

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں:

(۳) وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا○ (بنی اسرائیل: ۸۰) اور آپ کہیے: اے میرے رب! مجھے سچائی کی جگہ داخل فرما اور مجھے سچائی کی جگہ باہر لا اور میرے لیے اپنے پاس سے غالب نصیر (مددگار) بنادے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت نصیر کے حصول کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اللہ کی صفت کو دوسرے کے لیے ماننا شرک ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شرک کرنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ بجائے خود شرک ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رؤف ورحیم ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (البقرہ: ۱۴۳) بے شک اللہ لوگوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے○

اور اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ساتھ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۴) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (التوبہ: ۱۲۸) بے شک ضرور تمہارے پاس تم میں سے عظیم رسول آ گئے جن پر تمہاری مشقت کے کام گراں ہیں' وہ تمہاری آسانی پر حریص ہیں اور مومنوں پر رؤف رحیم (شفیق مہربان) ہیں○

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت رؤف رحیم کے ساتھ متصف کیا ہے اور الدھر: ۲ میں عام انسانوں کو اپنی صفت سمیع بصیر کے ساتھ متصف کیا ہے' لہٰذا سید مودودی کی شرک کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پایا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اسی طرح متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلیم (بردبار) ذکر فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ○ (البقرہ: ۲۲۵' المائدہ: ۱۰۱) اور اللہ بہت بخشنے والا حلیم (بردبار) ہے○

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حلیم کی صفت کے ساتھ متصف کیا' قرآن مجید میں ہے:

(۵) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ○ (التوبہ: ۱۱۴) بے شک ابراہیم ضرور بہت نرم دل حلیم (بردبار) ہیں○

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی حلیم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۶) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○ (الصّٰفّٰت: ۱۰۱) سو ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی○

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو اپنی صفت حلیم کے ساتھ متصف کیا ہے' اس لیے سید مودودی کی شرک کی تعریف سے اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ مشرک قرار پایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت شکور (بہت قدر دان) ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (التغابن: ۱۷) اور اللہ بہت قدر دان' حلیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی شکور کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۷) ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳) اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا' بے شک نوح شکور بندے تھے ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت علیم ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۱۵) بے شک اللہ وسعت والا' علیم ہے ۝

اور قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے آپ کو علیم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے:

(۸) قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ (یوسف: ۵۵) یوسف نے (مصر کے بادشاہ سے) کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے (یعنی مجھے اس ملک کا وزیر خزانہ بنا دیں) بے شک میں حفاظت کرنے والا' علیم ہوں ۝

اسی طرح متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کریم بیان فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے: حضرت سلیمان نے کہا:

فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝ (النمل: ۴۰) پس بے شک میرا رب غنی کریم ہے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی صفت کریم کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۹) وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ (الدخان: ۱۷) اور بے شک ہم نے اس سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس رسول کریم آئے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی کریم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا:

(۱۰) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ (التکویر: ۱۹) بے شک یہ (قرآن) رسول کریم کا قول ہے ۝

اسی طرح رسول اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی صفت صادق ذکر فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۴۶) اور بے شک ہم ضرور صادق ہیں ۝

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے بھی صفت صادق کا ذکر فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۱۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: ۵۴) اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے' بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول نبی تھے ۝

ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ولی' نصیر' رؤف رحیم' سمیع بصیر' حلیم' شکور' علیم' کریم اور صادق ذکر فرمائی ہے اور گیارہ آیتوں میں ان صفات کے ساتھ اپنے مقرب بندوں کو متصف کیا ہے اور سید مودودی کے ذکر کردہ قاعدہ کے اعتبار سے یہ شرک ہے تو گویا قرآن مجید کی گیارہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا ارتکاب کیا ہے' نعوذ باللہ منہ۔ سید مودودی کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے وہابی طریقہ سے مطلقاً لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا مخلوق کے لیے ثبوت شرک ہے' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت قدیمہ یا صفت مستقلہ کا مخلوق کے لیے ثبوت شرک ہوتا ہے نہ کہ مطلقاً کسی صفت کا ثبوت' لیکن پھر مسلمانوں کے اس قول کو شرک کہنے کا جواز نہیں ہے کہ فلاں بزرگ نے میری بیماری دور کر دی یا فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' کیونکہ کسی مسلمان کے نزدیک کسی بزرگ کی کوئی صفت قدیمہ یا مستقلہ نہیں ہے۔

شرک کی صحیح تعریف

دراصل بنیادی غلطی یہ ہے کہ سید مودودی نے شرک کی خود ساختہ اور طبع زاد تعریف کی ہے اور متقدمین متکلمین نے جو شرک کی تعریف کی ہے اس کو اختیار نہیں کیا' علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرک کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الاشراک هو اثبات الشریک فی الالوهیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام.

(شرح عقائد نسفی ص ۶۱' مطبوعہ کراچی)

شرک کرنا یہ ہے کہ الوہیت میں شریک کو ثابت کیا جائے' یعنی اللہ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے ہیں (ایک یزداں اور ایک اہرمن) یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اما الاشراک فوضع المعبودیة فی غیر الله تعالی ولا یجوز ان یکون غیره معبودا اصلاً.

رہا شرک کرنا تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر میں معبودیت رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کا معبود ہونا بالکل جائز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۳۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکہف: ۱۱۰)

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۝

اور مشرکین مکہ کا شرک بھی تھا کہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کرتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر: ۳)

ہم ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکین سے لے کر مشرکین مکہ تک تمام مشرکین کا شرک یہی تھا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے منع کرنے کے باوجود بتوں کی عبادت کو ترک نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات کو واجب الوجود یا قدیم مانا جائے یا اس کی کسی صفت کو قدیم مانا جائے یا اس کو عبادت کا مستحق مانا جائے تو یہ شرک ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکین سے لے کر مشرکین مکہ تک تمام مشرکین کا شرک یہی تھا کہ وہ غیر اللہ کی یا بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جن چیزوں کو سید مودودی نے شرک لکھا ہے ان میں سے ایک چیز بھی شرک نہیں ہے' جیسا کہ ہم قرآن مجید کی آیات کے حوالوں سے واضح کر چکے ہیں۔

شرک کرنے والوں کے متعدد گروہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ مشرکین کے فرقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مشرکین کے مختلف گروہ اور فرقے ہیں:

(۱) بت پرست' یہ لوگ کہتے ہیں کہ بت معبودیت میں اللہ کے شریک ہیں' لیکن وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو تخلیق اور ایجاد پر کوئی قدرت نہیں ہے۔

(۲) مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کی تدبیر کرنے والے کواکب (ستارے) ہیں اور ان کے دو فریق ہیں: اول وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کواکب واجب الوجود (قدیم) ہیں۔ ثانی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کواکب ممکن الوجود ہیں اور حادث ہیں

اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جہان کی تدبیر ان کے سپرد کر دی ہے۔

(۳) بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں میں دو خدا ہیں: ایک فاعل خیر ہے اور دوسرا فاعل شر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ'' (الانعام:۱۰۰) کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت ان زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں' جانوروں' مویشیوں اور اچھی چیزوں کو پیدا کیا ہے اور ابلیس نے درندوں' سانپوں' بچھوؤں اور بُری چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۸۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سید مودودی نے لکھا ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی یا کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا یا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی' یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲ ملخصاً)

حقیقت میں بیماری کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' اور جب کوئی مسلمان کہتا ہے کہ فلاں بزرگ نے میری بیماری دور کر دی تو وہ اس بزرگ کی طرف اسناد مجازی کرتا ہے' اس کو اسناد مجاز عقلی کہتے ہیں' ہم نے اپنی پہلی تصنیف ''توضیح البیان'' میں اسناد مجاز عقلی پر گفتگو کی ہے' پہلے ہم ''توضیح البیان'' کی پوری عبارت نقل کریں گے' اس کے بعد زیادہ تفصیل سے اسناد مجاز عقلی پر از سر نو بحث کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

اسناد مجازی

علماء دیوبند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دینا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ غوث پاک نے بیٹا دیا اور حضرت علی مشکل کشا کیسے ہو گئے اور پھر حضور کو حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب انہیں بارہا دیا جا چکا ہے کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں۔ ''تلخیص المفتاح'' میں اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

''وبنی الامیر مدینۃ فی السبب'' (مختصر معانی ص ۸۹) یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ شہر امیر نے بنایا' حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے کہ چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا' پس وہ شہر بنانے کا سبب ہے اور اس کی طرف اسناد کر کے مجازاً کہا جاتا ہے کہ ''بنی الامیر المدینۃ'' امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ انبیاء و اولیاء کی دعا سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے اور وہ اس عطا میں سبب قرار پاتے ہیں' اس لیے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے' سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ:۷۴)

اور ان منافقین کو صرف یہ برا لگا کہ مؤمنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے' حالانکہ اغناء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' پس ثابت ہوا کہ یہ اسناد مجازی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ

ابن جمیل کو صرف یہ برا لگا کہ وہ فقیر تھا' پس اللہ اور اس کے

اللّٰہ تعالٰی ورسولہ. (مشکوٰۃ ص ۱۵۶) — رسول نے اسے غنی کر دیا۔

اس کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں:

وغنا بحقیقت از خدا است وذکر رسول بجہت آنست کہ وے صلی اللّٰہ علیہ وسلم واسطہ است در افاضت خیرات و وصول نعمات از جناب حق۔

غناء حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۸)

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے: "لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا" (مریم: ۱۹) فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا: تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں' اور لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے' مگر اس آیت کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ کی طرف کیا گیا ہے۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت ہے۔ مزید تفصیل اور توضیح کے لیے "مختصر معانی' مطول" اور دیگر کتب بلاغت کی طرف رجوع فرمائیں۔

علماء دیوبند کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح ہے' عوام اس پر مطلع نہیں ہیں' اس لیے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا دیا' بہر صورت شرک ہے' یہ ایک پُر فریب مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اس کی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں تاج محل شاہجہان نے بنایا ہے' حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کے بنانے کا سبب تھا' حقیقت میں تاج محل مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضرت غوث پاک نے بیٹا دیا' حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعا سے یا ان کے توسّل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر اگرچہ قادر نہیں ہیں' مگر اس کی حقیقت سے وہ واقف ہیں۔

بحمد اللہ! ہم نے قرآن وحدیث' شہادتِ سلف اور عوام کے عرف سے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے سب کچھ مل سکتا ہے اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور نوازتے ہیں' عطاء فرماتے ہیں۔

(توضیح البیان ص ۲۶۳-۲۶۵' فرید بک سٹال' طبع ثانی' ۱۴۲۲ھ)

اور اب ہم از سر نو اسناد مجاز عقلی کی بحث شروع کرتے ہیں۔

اسناد مجاز عقلی کی تعریف اور اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور اس بناء پر سید مودودی اور ان کے ہم مشربوں کا رد

اگر فعل کی نسبت ظاہر میں اس کے حقیقی فاعل کی طرف کی جائے تو اس کو اسناد حقیقت عقلی کہتے ہیں اور اگر فعل کی نسبت ظاہر میں اس کے حقیقی فاعل کے غیر کی طرف کسی تاویل یا قرینہ سے کی جائے تو اس کو اسناد مجاز عقلی کہتے ہیں' مثلاً مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حقیقی شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے' اس لیے جب مسلمان یہ کہے گا کہ مجھے ڈاکٹر نے شفاء دی تو یہ اسناد مجاز عقلی ہو گا اور اس کا مسلمان ہونا اس پر قرینہ ہے کہ وہ تاویل سے غیر فاعل کی طرف اسناد کر رہا ہے' اسی طرح جب مسلمان کہے گا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے کا انکار نہیں کر رہا بلکہ کسی تاویل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شفاء کی نسبت کر رہا ہے اور اس کی قرآن کریم' احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ علماء میں بہت مثالیں ہیں' قرآن

مجید میں ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ . (یوسف:۹۳) میری اس قمیص کو لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے۔

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کی طرف بینائی عطا کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے' انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا' جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے' حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے' ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی (دھوون) بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان بیماروں کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۰۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار:۲۰۶۸ الرقم المسلسل:۵۳۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۱۷' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۵۸۸)

اس حدیث میں حضرت اسماء نے شفاء دینے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کی طرف کی ہے اور یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سری سے ایک بزرگ کے قصہ میں روایت ہے' جو ان سے ایک پہاڑ پر ملے تھے کہ وہ اپاہج اور اندھوں اور دوسرے بیماروں کو تندرست کر دیا کرتے تھے اور جیسے کہ شیخ عبد القادر سے روایت ہے کہ ایک مجبور محض فالج زدہ اندھے کوڑھی بچے کو فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے کھڑا ہو جا' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کا کوئی مرض باقی نہ رہا۔

(جمال الاولیاء ص ۲۳-۲۴' مکتبہ اسلامیہ' لاہور)

شیخ تھانوی نے بزرگوں کی طرف جو شفاء دینے کی نسبت کی ہے وہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے اور اسی کو سید مودودی نے شرک کہا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲) نیز سید مودودی نے لکھا ہے:

کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے' بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲) اور قرآن مجید میں ہے:

(۲) وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ . (التوبہ:۷۴) اور ان منافقین کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غنی کرنے کا جو اسناد کیا ہے وہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۳) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ (التوبہ:۵۹) اور اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا ہے اور کہتے: ہمیں اللہ کافی ہے اور عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول عطا فرمائے گا' بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا فرمانے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۴) اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ . (الاحزاب: ۳۷)　　اللہ نے (حضرت) زید پر انعام فرمایا اور آپ نے انعام فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انعام فرمانے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۵) قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم: ۱۹)　　(حضرت جبریل نے حضرت مریم سے) کہا: میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں ○

حضرت جبریل نے اپنی طرف بیٹا دینے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

جب حضرت ابراہیم حضرت ہاجر کو چھوڑ کر چلے گئے اور انہوں نے حضرت جبریل کے آنے کی آہٹ سنی تو کہا:

اغث ان کان عندک خیر.　　اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو میری مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷ طبع قدیم)

حضرت ہاجر نے حضرت جبریل کی طرف مدد طلب کرنے کی جو نسبت کی ہے' یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۶) قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ . (السجدۃ: ۱۱)　　آپ کہیے: ملک الموت تمہاری روح قبض کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی طرف روح قبض کرنے کی جو نسبت کی ہے' وہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

محترمہ ام الحر شمیم اختر' جامعہ اسلامیہ' شی فیلڈ' برطانیہ نے مجھے اسناد مجاز عقلی کے ثبوت میں حسب ذیل آیات لکھ کر ارسال کی ہیں:

(۱) تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍ ۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ (ابراہیم: ۲۵)　　شجرہ طیبہ ہر وقت اپنے رب کے اذن سے پھل لاتا ہے۔

(۲) وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا . (الانفال: ۲)　　جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں۔

(۳) يَوۡمًا يَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِيۡبَا ۝ (المزمل: ۱۷)　　وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ○

(۴) وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوۡثَ وَيَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ۝ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ۚ (نوح: ۲۳-۲۴)　　اور کافروں نے کہا: تم اپنے خداؤں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا ○ بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی طرف گم راہ کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے' حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بتوں کی طرف بھی گم راہ کرنے کا اسناد مجاز عقلی فرما رہا ہے اور سید مودودی اور دیگر وہابی علماء انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی طرف فعل کے اسناد مجاز عقلی کو شرک قرار دیتے ہیں۔ یاللعجب!

(۵) رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ (ابراہیم: ۳۶)　　اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔

(۶) اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ . (المؤمنون: ۶)　　یا جن کے تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہیں۔

مخلوق کو مالک فرمانا بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۷) فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ (القیامۃ: ۱۸)　　جب ہم اس کو پڑھ لیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا فرمایا ہے اور یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۸) وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ. (البقرہ: ۲۳۳) اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا رزق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کے باپ کی طرف رزق دینے کی نسبت فرمائی ہے اور یہ مجاز عقلی ہے۔

(۹) يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا. (المؤمن: ۳۶) (فرعون نے کہا:) اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنادو۔

عمارت تو مزدور بناتے ہیں' ہامان کو جو حکم دیا ہے' یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ. (الانفال: ۱۷) اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی پھینکی تھی۔

آپ کی طرف خاک کی مٹھی پھینکنے کا اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۱۰) فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا. (الانبیاء: ۹۱) پس ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دی۔

یہ پھونک حضرت جبریل نے دی تھی' جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے پھونک دی' سو یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۱۱) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ. (ص: ۳۶) پس ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم سے چلتی تھی۔

(۱۲) هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (ص: ۳۹) یہ ہماری عطاء ہے' اب آپ کسی پر احسان کر کے (اس میں سے) دیں یا اپنے پاس رکھیں' آپ سے محاسبہ نہیں ہوگا ۝

اسناد مجاز عقلی کے ثبوت میں چھ آیات ہم نے پیش کی ہیں اور بارہ آیات محترمہ ام الحسن نے لکھی ہیں' اس طرح مجاز عقلی کے ثبوت میں یہ اٹھارہ آیات ہیں' ان کے علاوہ قرآن مجید' احادیث اور عبارات علماء میں اور بہت تصریحات ہیں' ہمارا مقصد ان سب کا استیعاب اور احصاء کرنا نہیں ہے' صرف یہ بتانا ہے کہ اسناد مجاز عقلی پر بہت دلائل ہیں' پس جب مسلمان کسی کام کا اسناد انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کی طرف کریں تو سید مودودی یا دیگر دیو بندی اور وہابی علماء کی طرح اس پر شرک کا حکم نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس کو اسناد مجاز عقلی پر محمول کرنا چاہیے۔

''حطام' تفکھون' مغرمون'' اور ''محرومون'' کے معانی

الواقعہ: ۶۵۔ ۶۷ میں فرمایا: اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ ۝ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا ۝ بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ۝

الواقعہ: ۶۵ میں ''حطاما'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گھاس سوکھ کر چورا چورا ہو جائے اور وہ کسی فائدہ کی نہ رہے' نیز اس آیت میں ''تفکھون'' کا لفظ ہے ''تفکھون'' کا معنی ہے: تم تعجب کرتے رہ جاؤ' یا اس کا معنی ہے: تم ندامت سے افسوس کرتے رہ جاؤ۔ (مختار الصحاح ص ۳۰۰)

الواقعہ: ۶۶ میں ''مغرمون'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ''غرام'' کا معنی عذاب ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی وہ شر ہے جو لازم ہو یعنی تاوان' مقاتل بن حیان اور النحاس نے کہا: اس کا معنی ہے: ہلاکت یعنی ہم تو عذاب میں مبتلا ہو گئے یا ہلاک ہو گئے۔

الواقعہ: ۶۷ میں ''محرومون'' کا لفظ ہے' یعنی ہم نے کاشت کاری سے جس نفع کی امید رکھی تھی وہ ہم کو حاصل نہ ہو سکا'

اور محروم کا لفظ مرزوق کی ضد ہے۔

میٹھا پانی فراہم کرنے کی نعمت

الواقعہ: ۶۸۔ ۶۹ میں فرمایا: بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو○ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں○

تم جس پانی کو پی کر اپنی پیاس بجھاتے ہو اور زندگی حاصل کرتے ہو' اس کے حصول کے متعلق بتاؤ' اس پانی کو مہیا کرنے والا کون ہے! اس سے پہلی آیتوں میں غذا کی نعمت کا ذکر کیا تھا اور اب پانی کی نعمت کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ انسان کی عادت یہ ہے کہ پہلے کوئی چیز کھاتا ہے اس کے بعد کسی مشروب کو پیتا ہے۔

الواقعہ: ۷۰ میں فرمایا: اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنادیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟○

یعنی اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو سخت کھاری اور کڑوا بنادیں کہ تم اس پانی کو پی سکو اور نہ اس سے اپنے کھیتوں کو سیراب کر سکو' پھر تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔

ایندھن فراہم کرنے کی نعمت

الواقعہ: ۷۱۔ ۷۲ میں فرمایا: بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو○ کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں○

یعنی مجھے بتاؤ کہ تم لکڑیوں سے جس آگ کو سلگاتے ہو' آیا تم اس کے خالق ہو یا ہم خالق ہیں' پھر جب تم میری قدرت کو پہچانتے ہو تو پھر میرا شکر کیوں ادا نہیں کرتے اور حیات بعد الموت پر میری قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

''تورون'' کا مادہ ''وری'' ہے' اس کا معنی ہے: آگ کا جلنا' چقماق سے آگ کا روشن کرنا۔

اس زمانہ میں آگ کے حصول کا یہی ذریعہ تھا کہ درختوں سے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن حاصل کیا جائے' پھر زمین کی کانوں سے پتھر کا کوئلہ نکل آیا اور لکڑیوں کو جلا کر اس کو کوئلہ بھی حاصل کیا جانے لگا' پھر زمین سے تیل نکل آیا اور قدرتی گیس نکل آئی' لیکن جس طرح جنگل میں درخت اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اسی طرح پتھر کا کوئلہ اور گیس اور تیل بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور بندوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

آخرت کی آگ کی شدت

الواقعہ: ۷۳۔ ۷۴ میں فرمایا: ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز○ سو آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح کرتے رہیے○

یعنی ہم نے دنیا کی آگ کو پیدا کیا تا کہ تم اس کی حدت' حرارت اور سوزش کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے ڈرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو بنو آدم جلاتے ہیں' دوزخ کی آگ سے ستر درجہ کم ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اگر دوزخ کی آگ دنیا کی آگ جتنی ہوتی تو وہ بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ ہے اور اس کا ہر درجہ دنیا کی آگ جتنا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۹۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۶۳)

''مقوین'' کا معنی

اور فرمایا: یہ مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز ہے' اس آیت میں ''مقوین'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''قوی'' ہے' اس کا معنی

ہے: وہ گھر جو رہنے والوں سے خالی ہو' چٹیل میدان' جن لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو جائے اور ان کے کھانے اور پینے کے لیے کوئی چیز نہ ہو' مسافروں کو "مقوین" اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دورانِ سفر ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں چٹیل میدان اور ویرانہ ہو اور کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہو' وہاں جنگل میں قیام کے وقت مسافر آگ جلاتے ہیں تاکہ کوئی جنگلی درندہ آ کر ان کو ضرر نہ پہنچائے اور بعض اوقات وہ کسی حلال جانور یا پرندہ کو شکار کر کے اس کو آگ پر بھون لیتے ہیں اور یوں اپنی بھوک کو مٹاتے ہیں۔

سو آپ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیے اور یہ بتایئے کہ وہ اپنے لیے شرکاء سے پاک ہے اور لوگوں کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کے عجز اور عیب سے پاک ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم! ○ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہے ○

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے ○ جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہے ○ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ

یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے ○ کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو! ○ اور

تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہے ○ پس جب روح نرخرے تک پہنچ جائے ○

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

اور تم اس وقت (روح کو نکلتا ہوا) دیکھ رہے ہو ○ اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ

تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ

نہیں سکتے ○ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو ○ تو تم اس روح

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ

کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو ○ پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے ○ تو اس کے لیے راحت اور

رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾

نفیس پھول اور انعام والی جنت ہے ○ اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہے ○

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

(اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں سے ہے O اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا

الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا

گم راہوں میں سے ہے O تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے O اور دوزخ میں جلانا ہے O بے شک

لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ع ۳ ۱۶

یہی ضرور حق الیقین ہے O پس آپ اپنے رب عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم! O اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہے O بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے O جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہے O اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں O یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے O (الواقعہ: ۷۵۔۸۰)

''مواقع النجوم'' کی قسم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کاملہ اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف عموماً اور اہل مکہ کی طرف خصوصاً رسول بنا کر بھیجا' آپ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ اور سب سے قوی دلیل قرآن مجید کو پیش کیا اور فرمایا: یہ اللہ کا کلام ہے اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ یہ کلام میرا بنایا ہوا ہے تو تم بھی میری طرح نوع انسان سے ہو' سو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ' اور کوئی بھی اس کلام کی مثل بنا کر نہ لا سکا' اور جب دلائل اور براھین سے ان کا انکار زائل نہ ہو سکا اور وہ مسلسل اپنے انکار اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو پھر صرف یہ صورت باقی رہی کہ قسم کھا کر ان کو مطمئن کرنے کی اور ان کے انکار کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے' اسی وجہ سے قرآن مجید کی آخری مکی سورتوں میں بہ کثرت قسموں کا ذکر ہے اور اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا: پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم!

''مواقع النجوم'' کے مصادیق

ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد مشارق اور مغارب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف مغارب ہیں' کیونکہ ستارے وہیں غروب ہوتے ہیں۔

(۲) اس سے مراد آسمان میں بروج اور سیاروں یا ستاروں کی منازل ہیں۔

(۳) جب آسمان پر شیاطین' فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں اور فرشتے ان کو آگ کے گولے مارتے ہیں تو اس سے ان آگ کے گولوں کے گرنے کی جگہیں مراد ہیں' آگ کے ان گولوں کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔

(۴) قیامت کے دن جب ستارے منتشر ہو جائیں گے اور جن جگہوں پر وہ ٹوٹ کر گریں گے' اس سے وہ جگہیں مراد ہیں۔

(۵) النجوم کے معنی اقساط اور حصص بھی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''مواقع النجوم'' سے مراد نجوم قرآن کے وقوع کی جگہیں ہوں اور قرآن کے حصص اور اقساط سے مراد قرآن مجید کے معانی اور احکام ہوں اور یہ معانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلب اطہر پر اور مؤمنین کاملین مثلاً صحابہ' فقہاء' تابعین' مجتہدین اور اولیاء اور عارفین کے قلوب پر واقع ہوتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر اور آپ کے وسیلہ سے مؤمنین کاملین کے قلوب کی قسم کھائی ہے۔

کفارِ مکہ کے علم کی نفی کی توجیہ

الواقعہ: ۷۶ میں فرمایا: اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہے O
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم جانو (یا سمجھو) تو یہ بہت عظیم قسم ہے' اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ تم کیا سمجھو یا کیا جانو' جب کسی چیز میں عموم کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تو مفعول کو ذکر نہیں کیا جاتا' جیسا کہ حدیث میں ہے:

انما انا قاسم و الله يعطى. میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۱)

میں کیا تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کیا دیتا ہے؟ اس کا ذکر نہیں فرمایا' یعنی سب کچھ اللہ دیتا ہے اور سب کچھ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اس لیے اس آیت کا بھی یہ معنی ہے کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں' کیونکہ اگر تمہیں کسی چیز کا علم ہوتا تو تمہیں اس قسم کے عظیم ہونے کا بھی علم ہوتا اور یہ آیت ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ. (البقرہ: ۱۸) یہ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ. (الاعراف: ۱۷۹) یہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ان کو بہت سی چیزوں کا علم تھا' پھر کیسے فرمایا: ان کو کسی چیز کا علم نہیں' کیونکہ علم سے مقصود اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا علم ہے اور جب انہوں نے وہ علم حاصل نہیں کیا تو گویا ان کو کسی چیز کا علم نہیں۔

قرآن کریم کو کریم فرمانے کی دس وجوہ

الواقعہ: ۷۷ میں فرمایا: بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے O
کفارِ مکہ قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ شعر ہے' یہ سحر ہے' یہ ان کا اللہ پر افتراء ہے' یہ ان کی مجنونانہ باتیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کر رہے ہیں' بے شک وہ بہت عزت والا قرآن ہے۔ وہ کہتے تھے: یہ ان کا من گھڑت کلام ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے۔
''قرآن'' مصدر ہے اور ''مقروء'' کے معنی میں ہے یعنی جس کو پڑھا گیا ہو' جیسے ''قربان'' مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے' یعنی جس کی قربانی کی گئی ہو اور جیسے ''حلوان'' مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مٹھائی جو کاہنوں اور نجومیوں کو پیش کی گئی ہو۔

(۱) قرآن مجید کو کریم اس لیے فرمایا ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جس چیز کو بار بار پڑھا جائے اس سے دل اکتا جاتا ہے اور طبیعت مکدر ہو جاتی ہے' لیکن قرآن کریم میں ایسی حلاوت ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کے باوجود دل اکتاتا ہے نہ طبیعت مکدر ہوتی ہے' اس لیے اس کو کریم فرمایا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ اس کے کریم ہونے کی واضح دلیل ہے۔
محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کو اس کی وجہ سے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" "ایک حرف ہے" بلکہ الف حرف ہے اور لام حرف ہے اور میم حرف ہے (خلاصہ یہ ہے کہ "الم" "پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۱۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۹۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۶۴۸۔ ۸۶۴۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۰۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۵۵' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۸۵)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو چیز طلب کی جائے وہ مل جاتی ہے' فقیہ اس سے احکام شرعیہ نکالتا ہے' حکیم اس سے حکمت کے موتی نکالتا ہے' ادیب اس سے ادب کو حاصل کرتا ہے' عارف اس سے معارف کو حاصل کرتا ہے' مؤرخ اس سے تاریخ کو حاصل کرتا ہے' متکلم اس سے عقائد پر دلائل کو حال کرتا ہے' صوفی اس سے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے رموز حاصل کرتا ہے اور رشد و ہدایت کا طالب رشد و ہدایت کو حاصل کرتا ہے' اس سے دوزخ سے نجات کا طریقہ ملتا ہے اور جنت کے حصول کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سے جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفاء ملتی ہے' قرآن کریم میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ﳔ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ (یونس: ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء اور ہدایت اور مومنوں کے لیے رحمت ○

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ (بنی اسرائیل: ۸۲)

ہم قرآن سے اس چیز کو نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ (حم السجدۃ: ۴۴)

آپ کہیے: یہ قرآن مومنین کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

عبد الملک بن عمیر مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب میں ہر بیماری سے شفاء ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۷۰)

(۵) قرآن کریم کے کریم ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت فرمائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن کریم کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا' اس کے حلال کو حلال قرار دیا اور اس کے حرام کو حرام قرار دیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کے لیے اس کو شفاعت کرنے والا بنائے جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید کو لایا جائے گا اور ان لوگوں کو لایا جائے گا جو قرآن مجید پر عمل کرتے تھے اور ان کی پیشوائی سورۃ البقرہ اور آل عمران کریں گی گویا کہ وہ دو بادل ہیں یا دو سیاہ سائبان ہیں جن کے درمیان روشنی ہے یا گویا کہ وہ صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہیں وہ اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۵)

(۶) قرآن کریم کے کریم ہونے کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والوں سے عذاب قبر دور ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے قبر پر خیمہ لگایا اور اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے' اچانک اس میں ایک انسان سورۂ ''تبارک الذی بیدہ الملک'' پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر لیا' اس صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ سورت مانعہ ہے' یہ نجات دینے والی ہے' یہ عذاب سے نجات دیتی ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کی ایک سورت ہے' جس کی تیس آیتیں ہیں' وہ کسی شخص کی شفاعت کرتی رہیں گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ سورت ''تبارک الذی بیدہ الملک'' ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۸۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نجات دینے والی سورت کو پڑھو' وہ ''الم تنزیل'' ہے' کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کو پڑھتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہیں پڑھتا تھا اور وہ بہت گناہ کرتا تھا' (قبر میں) اس سورت نے اس شخص پر اپنے پر پھیلا لیے اور کہا: اے میرے رب! اس شخص کو بخش دے' کیونکہ یہ میری بہت تلاوت کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس سورت کی شفاعت قبول فرمائے گا اور فرمائے گا: اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو اور یہ سورت اپنے تلاوت کرنے والے کی طرف سے قبر میں لڑے گی اور کہے گی: اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور یہ پرندے کی طرح آئے گی اور اس شخص پر اپنا پر رکھ دے گی اور اس کی شفاعت کرے گی اور اس سے عذاب قبر کو دور کرے گی اور انہوں نے کہا: ''تبارک الذی بیدہ الملک'' بھی اسی سورت کی مثل ہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۸۶۱)

سوچئے! اس سے بڑھ کر قرآن مجید کا کرم اور کیا ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتیٰ کہ ''الم تنزیل'' اور ''تبارک الذی بیدہ الملک'' کی سورتوں کی تلاوت نہ کر لیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۰)

(۷) قرآن کریم کے کریم ہونے کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو حفظ کرنے والے کی میدان محشر میں عزت افزائی ہو گی۔

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے احکام پر عمل کیا' اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا' جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں سورج کی روشنی سے زیادہ ہو گی' اگر سورج تم میں ہو تو تمہارا اس کے متعلق کیا گمان ہے جو قرآن پر عمل کرے گا؟

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰)

(۸) قرآن کریم کے کریم ہونے کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی وجہ سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح تین مرتبہ پڑھا: ''اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم'' پھر سورۂ حشر کی (آخری) تین آیتوں کی تلاوت کی' اللہ تعالیٰ

اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ اس دن مر گیا تو شہادت کی موت مرے گا اور جس نے شام کو اس طرح تلاوت کی اس کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۹۲۲)

(۹) قرآن مجید کے کریم ہونے کی نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے محبت کی وجہ سے جنت ملے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (حضرت کلثوم بن ھدم) نے کہا: یارسول اللہ! میں اس سورت "قل ھو اللہ احد" سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۷۴ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۱ سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۱)

مصنف کو اس آیت سے بہت محبت ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۸۷) اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو ہر نقص اور عیب سے بری ہے' بے شک میں ظالموں سے ہوں ○

میں اس آیت سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے حسب حال ہے' میں بہت نکما' ناشکرا اور گناہ گار ہوں اور اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے' وہ مجھے لگاتار نعمتیں عطا فرما رہا ہے۔

اسی طرح مجھے اس آیت سے بھی بہت محبت ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔ (بنی اسرائیل:۸۴) آپ کہیے: ہر شخص اپنے طریقہ اور اپنی روش کے موافق عمل کرتا رہتا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کا ذکر کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اول سے آخر تک قرآن کریم پڑھا' مجھے سب سے اچھی اور سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ملی ہے: "قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ" (بنی اسرائیل:۸۴) بندہ کی روش صرف گناہ کرنا ہے اور رب کی روش صرف معاف فرمانا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۹۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قارئین کرام! دعا فرمائیں کہ ان دو آیتوں کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنت عطا فرما دیں۔

(۱۰) قرآن کریم کے کریم ہونے کی دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی وجہ سے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: جس طرح تو دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا' اس طرح آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات میں) چڑھتا جا اور جس جگہ تو آخری آیت پڑھے گا وہیں تیری منزل ہوگی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۲' المستدرک ج ۱ ص ۵۵۲-۵۵۳' موارد الظمآن رقم الحدیث:۱۷۹۰)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ

قرآن مجید کو "کتاب" اور "مکنون" فرمانے کی توجیہ

الواقعۃ: ۷۸ میں فرمایا: جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہے○

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: "فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ○" (الواقعۃ: ۷۸) اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب فرمایا ہے' اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں' زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے' اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○ بلکہ یہ قرآن مجید ہے○ لوح محفوظ میں○

(البروج: ۲۱-۲۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد مصحف ہے' یعنی قرآن مجید کا وہ نسخہ جو کتابی شکل میں ہمارے پاس ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے' جیسے "تورات" اور "انجیل" وغیرہ آسمانی کتابیں ہیں۔

اور اس میں قرآن مجید کو "مکنون" فرمایا ہے اور "مکنون" کے معنی ہیں: پوشیدہ' سو اگر اس سے مراد لوح محفوظ ہو تو اگرچہ وہ فرشتوں سے غیر مستور ہے لیکن عام مسلمانوں کی نگاہوں سے وہ پوشیدہ ہے اور اگر اس سے مراد مصحف ہے جو جلد اور اوراق پر مشتمل ہے تو وہ تحریف اور ترمیم کرنے والوں کی نگاہوں سے مستور ہے' یا پھر اس کا مجازی معنی مراد ہے کیونکہ جو چیز مستور ہو وہ محفوظ ہوتی ہے' قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ محافظ ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ بے شک ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں○

(الحجر: ۹)

اور کائنات میں قرآن مجید سے زیادہ اور کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں مفسرین کی تصریحات

الواقعۃ: ۷۹ میں فرمایا: اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں○

اگر اس سے مراد وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے تو پھر اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: اس کو آسمان میں صرف فرشتے ہی چھوتے ہیں جو "**مطھرون**" ہیں یعنی پاک ہیں۔

(۲) زید بن اسلم نے کہا: اس کو صرف رسل ملائکہ ہی انبیاء کی طرف نازل کرتے ہیں۔

اس قول پر یہ اشکال ہے کہ تمام رسل ملائکہ قرآن مجید کو تمام نبیوں کی طرف نازل نہیں کرتے بلکہ صرف حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور اگر اس سے مراد وہ قرآن مجید ہے جو مصحف اور کتاب کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہے تو اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) کلبی نے کہا: اس قرآن کو صرف مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو شرک اور کفر سے پاک ہیں۔

(۲) الربیع بن انس نے کہا: اس قرآن کو صرف نیک مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: اس کو صرف وہ مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو نجاست اور ہر قسم کے حدث سے پاک ہوں' یعنی ان پر غسل واجب ہو نہ وضو۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۶۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے' ان کا استدلال حضرت عمرو بن حزم کی اس حدیث سے ہے کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا اور کوئی نہ چھوئے' اور بے وضو کے قرآن مجید کو چھونے میں قرآن مجید کی اہانت ہے اس لیے اس کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۳۱ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے' حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآن کو صرف اس حال میں چھوؤ جب تم طاہر ہو اور جب تک حضرت عمر نے غسل نہیں کرلیا' ان کی بہن نے ان کے ہاتھ میں قرآن نہیں دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۰۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں "مطھرون" سے مراد وہ لوگ ہیں: جو حدث اصغر (بے وضو ہونا) اور حدث اکبر (جنابت) دونوں سے پاک ہوں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ طاہر نہ ہوں ان کو قرآن مجید نہیں چھونا چاہیے۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں احادیث

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ' عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت کرتے ہیں کہ جس مکتوب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے لیے لکھا تھا اس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ:

ان لا یمس القرآن الا طاهر. طاہر (حدث سے پاک شخص) کے سوا کوئی قرآن مجید کو نہ چھوئے۔

(موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۹۱ ۔رقم الحدیث: ۴۷۸' دار المعرفۃ' لبنان' ۱۴۲۰ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمان الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(سنن دارمی ص ۷۱۸ ۔رقم الحدیث: ۲۲۷۰' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۰۰۔۳۰۳ ۔رقم الحدیث: ۴۲۸۔۴۳۳' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ۔ امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۳۴۱۔۳۴۲ ۔رقم الحدیث: ۱۳۲۸' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ طبع قدیم)

امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی المتوفی ۳۲۲ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۲۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۴۸۵' دار الباز' مکہ مکرمہ)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷' ملتان' الخلافیات ج ۱ ص ۴۹۸' معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۱۸۶ ۔رقم الحدیث: ۱۰۶)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۷۔ حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا: اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۳۱)

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں آثارِ صحابہ و تابعین

امام عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' وہ رفع حاجت کے لیے گئے' جب وہ قضاء حاجت کے بعد واپس آئے تو ہم نے ان سے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ وضو کر لیں' ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں گے' حضرت سلمان نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو' کیونکہ میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں' بے شک قرآن مجید کو طہارت کے بغیر کوئی شخص نہیں چھو سکتا' پھر ہم نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے وضو کیے بغیر ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۹۸' رقم الحدیث: ۱۱۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء نے کہا: کوئی شخص بغیر وضو کے مصحف کو نہ چھوئے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۶۴' رقم الحدیث: ۱۳۳۵' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جابر بیان کرتے ہیں کہ شعبی' طاؤس اور قاسم بن محمد بغیر وضو کے مصحف کے چھونے کو مکروہ کہتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۸)

معمر کہتے ہیں کہ زہری نے کہا: جن دراہم پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بغیر وضو کے نہ چھوا جائے' معمر نے کہا کہ حسن بصری اور قتادہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے' وہ کہتے تھے کہ یہ لوگوں کی قدیم عادت ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۸)

جابر بیان کرتے ہیں کہ شعبی نے کہا: جنبی کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مکروہ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۵)

معمر بیان کرتے ہیں کہ قتادہ نے کہا: مستحب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو باوضو لکھا جائے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۶)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے کی ممانعت میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

مدینہ' شام اور مصر کے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بے وضو شخص قرآن مجید کو نہ چھوئے اور یہ حکم صرف اس آیت کی وجہ سے نہیں ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ (الواقعہ: ۷۹) اس کتاب کو مطہرین کے سوا کوئی نہ چھوئے ○

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۶۸)

امام مالک نے کہا کہ قرآن مجید کو بغیر وضو کے لٹکانے والی ڈوری یا غلاف کے ساتھ بھی نہ چھوئے' البتہ اگر قرآن مجید کسی بکس یا ڈبہ میں ہو تو اس کو بغیر وضو کے چھو سکتا ہے۔ الحکم بن عتیبہ اور حماد بن سلیمان نے کہا کہ قرآن مجید کو بے وضو شخص لٹکانے

والی ڈوری کے ساتھ اٹھا سکتا ہے اور میرے نزدیک ان کا قول شاذ ہے۔ داؤد بن علی ظاہری نے بھی ان کے قول کو اختیار کیا ہے' اس نے کہا کہ قرآن مجید اور جن دراھم اور دینار پر اللہ کا نام ہو اس کو جنبی اور حائض چھو سکتے ہیں۔

(تمہید ج ۷ص ۱۶۴۔۱۶۵ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت'۱۴۱۹ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے کی ممانعت میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

بے وضو شخص پر قرآن مجید کو چھونا حرام ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ‎ؕ'' (الواقعہ:۷۹) اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر طہارت کے قرآن مجید کو مت چھوؤ اور بے وضو بچوں کے لیے قرآن مجید کو اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جیسے بڑوں کے لیے جائز نہیں ہے ان کے لیے بھی جائز نہیں ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ طہارت کو قائم نہیں رکھ سکتے اور ان کو قرآن پڑھانے کی ضرورت ہے۔ (المجموع من شرح المہذب ج ۲ص ۶۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی التوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر' حسن بصری' عطاء' طاؤس' شعبی اور قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جو شخص بے وضو ہو اس کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ہمارے علم میں داؤد ظاہری کے علاوہ اور کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے' اس نے کہا کہ جنبی اور بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کی طرف ایک آیت لکھ کر بھیجی (وہ آیت آل عمران: ۶۴ ہے' اس کا ذکر ''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۷ میں ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ‎ؕ'' (الواقعہ:۷۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے مکتوب میں لکھا کہ غیر طاہر قرآن کو نہ چھوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو مکتوب لکھا تھا' اس سے مقصود پیغام بھیجنا تھا اور اگر کسی رسالہ یا فقہ کی کتاب میں کوئی آیت ہو تو اس رسالہ یا کتاب کو چھونا ممنوع نہیں ہے اور اس کتاب میں اس آیت کی وجہ سے وہ کتاب مصحف یا قرآن نہیں ہوگی اور اس کی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ' حسن بصری' شعبی' عطاء' طاؤس' قاسم' ابووائل' حکم اور حماد کے نزدیک بے وضو کے لیے قرآن مجید کو لٹکانے والی ڈوری کے ساتھ پکڑ کر اٹھانا جائز ہے اور اوزاعی' امام مالک اور امام شافعی نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو چھو نہیں رہا اور یہ ایسا ہے جیسے اس نے رحل (یا بکس) میں قرآن مجید کو اٹھایا ہوا ہو' نیز ممنوع قرآن مجید کو چھونا ہے اور قرآن مجید کو اٹھانا اس کو چھونا نہیں ہے اور اٹھانے کو چھونے پر قیاس کرنا' قیاس فاسد ہے۔

تفسیر اور فقہ کی کتابوں اور رسالوں کو بے وضو اٹھانا جائز ہے' خواہ ان میں قرآن مجید کی آیات ہوں' اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کی طرف مکتوب لکھا اور اس میں قرآن مجید کی آیت تھی' نیز تفسیر اور فقہ کی کتابیں قرآن مجید یا مصحف نہیں ہیں اور ممنوع ان کو بے وضو مس کرنا ہے اور ان کتابوں کے لیے قرآن مجید کی طرح حرمت ثابت نہیں ہے۔

بے وضو بچوں کے لیے قرآن مجید اٹھانے میں دو قول ہیں' اس آیت کے عموم کی وجہ سے منع ہے اور ضرورت کی بناء پر جائز ہے' جن دراھم پر قرآن مجید کی آیات نقش ہوں' ان کو بے وضو چھونے میں دو قول ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ وہ اوراق قرآن کے مشابہ ہیں اور دوسرا جواز کا قول ہے کیونکہ ان پر مصحف اور قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا اور وہ فقہ کی

کتابوں کے مشابہ ہیں اور ان کو بے وضو نہ چھونے میں مشقت اور حرج ہے' جس طرح بچوں پر وضو لازم کرنے میں حرج ہے۔
اگر بے وضو کو قرآن مجید چھونے کی ضرورت ہو تو وہ تیمم کر کے چھو سکتا ہے۔
مصحف کو لے کر دار الحرب کی طرف سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے ساتھ دشمن کے علاقہ میں سفر نہ کرو' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دشمن قرآن مجید کی بے ادبی کریں گے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۳۶_۲۸۶۳)

(المغنی والشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۸۔ ۱۷۰' دار الفکر' بیروت)

ہر چند کہ یہ حدیث مرسل ہے' لیکن حافظ ابو نعیم اصبہانی نے لکھا ہے: یہ حدیث مشہور ثابت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۵)
تاہم اگر علامہ ابن قدامہ درج ذیل صحیح مرفوع متصل حدیث سے استدلال کرتے تو زیادہ بہتر تھا:
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے علاقے میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرماتے تھے' مبادا! دشمن اس کی بے ادبی کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۶)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:
ہمارے نزدیک بغیر غلاف کے بے وضو مصحف کو چھونا جائز نہیں ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بے وضو کے لیے مصحف کو بغیر غلاف کے چھونا جائز ہے' انہوں نے چھونے کو قراءت پر قیاس کیا ہے' یعنی جب بے وضو قرآن پڑھ سکتا ہے تو اس کو چھو بھی سکتا ہے (میں کہتا ہوں: علامہ کاسانی نے یہ صحیح نہیں کہا' امام شافعی کے نزدیک بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم علامہ نووی شافعی سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔
علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ" (الواقعہ: ۷۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر طاہر قرآن کو نہ چھوئے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۵۳) اور جن دراہم پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بھی بے وضو چھونا جائز نہیں ہے اور نہ تفسیر کی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے' کیونکہ اس صورت میں وہ قرآن مجید کو چھونے والا ہو جائے گا' رہا فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں علامہ ابن قدامہ حنبلی کی تحریر زیادہ قابل عمل ہے اور اس میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اور اس میں حرج اور مشقت نہیں ہے۔ ہاں! محققین احناف نے بھی اس مسئلہ کو علامہ ابن قدامہ حنبلی کی طرح لکھا ہے۔

کتب تفسیر اور کتب فقہ کو بے وضو چھونے میں فقہاء احناف کا مذہب اور مصنف کا مختار

علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری الحنفی دہلوی المتوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:
"الجامع الصغیر" میں مذکور ہے کہ جنبی شخص جب کسی تھیلی کو پکڑے' جس میں ایسے دراہم ہوں جن پر قرآن مجید کی سورت نقش ہو یا مصحف کو غلاف کے ساتھ پکڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور بغیر تھیلی کے ایسے دراہم کو اور بغیر غلاف کے مصحف کو نہ پکڑے اور جنبی شخص (اور حائض) قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے' پوری آیت کا پڑھنا منع ہے' اس سے کم پڑھ سکتے ہیں اور تلاوت کے قصد سے نہ پڑھیں' دعا اور افتتاح کے قصد سے پڑھ سکتے ہیں۔ نیز علامہ بخاری دہلوی لکھتے ہیں:

بے وضو کا مصحف کو مس کرنا اور چھونا مکروہ ہے' جیسا کہ جنبی کے لیے مکروہ ہے' اسی طرح امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک احادیث' تفاسیر اور فقہ کی کتابوں کو بھی بغیر وضو کے چھونا مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور "الجامع الصغیر" میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا' لیکن اس میں مذکور ہے کہ فقہ کی کتابیں مصحف کی طرح ہیں' لیکن جب ان کو آستین سے پکڑے تو مکروہ نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ا ص ۱۰۴' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

"خلاصۃ الفتاویٰ" میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تفاسیر' حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے۔ (علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ) نے امام ابوحنیفہ کے اس قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ کتب تفسیر وغیرہ کے چھونے والے کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ قرآن مجید کو چھو رہا ہے' کیونکہ ان کتابوں میں جو آیتیں مذکور ہیں وہ تبعاً ہیں اور ان کتابوں کو قرآن نہیں کہا جاتا۔ (حلبی کبیر ص ۵۹) علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے کتب تفسیر وغیرہ کو بے وضو چھونے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۱۴۷) لیکن علامہ حموی حنفی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ بے وضو تفسیر کی کتابوں کو چھونا جائز ہے کیونکہ وہ بھی باقی کتب شرعیہ کی طرح ہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارے تمام اصحاب احناف کا یہی قول ہے۔

"شرح درر البحار" میں بھی اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور "السراج" میں "الایضاح" سے منقول ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں جہاں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور دوسری عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے' اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور فقہی عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ کتب تفسیر اور دیگر کتب شرعیہ کو بے وضو چھونے کے مکروہ ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے (یعنی جو مکروہ کہتے ہیں وہ دونوں کو مکروہ کہتے ہیں اور جو غیر مکروہ کہتے ہیں وہ دونوں کو غیر مکروہ کہتے ہیں)۔ "خلاصہ" کی عبارت کا یہی تقاضا ہے۔ علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے لکھا ہے کہ جو کچھ "السراج" میں مذکور ہے وہ قواعد شرع کے زیادہ موافق ہے' یعنی کتب تفسیر میں بے وضو قرآن مجید کی آیات کو ہاتھ نہ لگائے' باقی عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

(رد المحتار ج ا ص ۲۸۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شامی نے اس بحث میں "النہر الفائق" کا بھی حوالہ دیا ہے' اس کی اصل عبارت یہ ہے:

علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بے وضو ہو اس کو صرف قرآن مجید کو چھونے سے منع کیا جائے گا' کیونکہ بغیر وضو کے کتب حدیث اور فقہ کو چھونے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے' اسی طرح "خلاصہ" میں ہے اور یہ اختلاف مطلقاً ہے' یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک کتب تفسیر اور دیگر کتب شرعیہ کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔ (النہر الفائق ج ا ص ۱۳۳' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۴۲۲ھ)

مصنف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ بے وضو کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا مکروہ تحریمی ہے اور کتب تفسیر اور کتب فقہ کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے' لیکن ان کتابوں میں جو قرآن مجید کی آیات درج ہیں ان کو بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے جیسا کہ "السراج" میں مذکور ہے اور علامہ احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ کا بھی یہی مختار ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص ۱۰۰' دار المعرفہ' بیروت)

غیر مقلدین کے نزدیک جنبی اور حائض کے تلاوت قرآن کا جواز اور مصنف کا رد

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنا' سجدۂ تلاوت کرنا اور مصحف کو چھونا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا' یہ سب امور وضو کے ساتھ بھی جائز ہیں اور بغیر وضو کے بھی اور جنبی اور حائض کے لیے بھی۔

رہا بے وضو قرآن مجید کی تلاوت کرنا تو اس میں مخالفین بھی ہمارے موافق ہیں' رہا جنبی اور حائض کو قرآن کی تلاوت سے منع کرنا تو یہ حضرت عمر' حضرت علی رضی اللہ عنہما' حسن بصری' قتادہ اور نخعی وغیرھم کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے:

عبد اللہ بن سلمہ' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنابت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۹۴' مسند احمد ج ۱ ص ۸۴)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ آپ اس حالت میں قرآن کریم نہیں پڑھتے تھے لیکن آپ نے جنبی کو تلاوت قرآن سے منع نہیں فرمایا اور جن آثار میں ممانعت ہے وہ ضعیف ہیں۔

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۹۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ ملخصاً وتخریجاً)

شیخ ابن حزم نے یہ صحیح نہیں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے ان کو قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۹۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۹' معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۱۹۰' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۸۹' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۴۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۷' رقم الحدیث:۴۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۲' شرح معانی الآثار رقم الحدیث:۵۴۶' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

امام ترمذی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا اور ان کے بعد کے تابعین کا یہی مسلک ہے' مثلاً سفیان ثوری' ابن المبارک' شافعی' احمد' اسحٰق وغیرہم' انہوں نے کہا کہ حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں' سوا ایک آیت اور ایک حرف کے اور انہوں نے ان کو تسبیح اور تہلیل کرنے کی اجازت دی ہے

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے' امام بخاری کے نزدیک اس کی اہل شام سے روایت منکر ہے' امام احمد نے کہا کہ یہ بقیہ سے اصلح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی سند میں اسماعیل بن عیاش کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے اور امام دار قطنی کی سند میں مغیرہ بن عبد الرحمٰن کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے' لہٰذا امام بخاری والا اعتراض بھی ساقط ہو گیا' امام دار قطنی کی سند یہ ہے:

محمد بن حمدویة المروزی نا عبد الله بن حماد الآملی ثنا عبد الملک بن مسلمة حدثنی المغیرة بن عبد الرحمان عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال' قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا یقرء الجنب شیئا من القرآن"۔

امام دار قطنی لکھتے ہیں:

مغیرہ بن عبد الرحمان ثقہ ہے وہ ابو معشر از موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث:۴۱۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے سوا قرآن پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث ۴۲۴ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۲ھ)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۲۳-۴۲۶)

اس سلسلہ میں بعض آثار یہ ہیں:

عبیدہ السلمانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنبی کے قرآن پڑھنے کو مکروہ فرماتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۰۹ طبع جدید' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۰' معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۱۱۵' شرح معانی الآثار رقم الحدیث: ۵۶۰)

یسار نے کہا: حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنبی اور حائض قرآن نہ پڑھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵)

ابوالغریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنبی قرآن نہ پڑھے' ایک حرف بھی نہ پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

حائضہ عورت قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی' زبان سے پڑھ سکتی ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۳۵' مکتبہ ثنائیہ سرگودھا)

نیز شیخ ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''ترمذی'' میں حدیث ہے: حائضہ اور جنبی قرآن نہ پڑھیں۔ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے ضعیف ہے اور حدیث ضعیف' حدیث صحیح کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہوتی اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۹ ملخصاً' سرگودھا)

میں کہتا ہوں کہ ہم ''سنن دار قطنی'' کے حوالے سے تین احادیث بیان کر چکے ہیں جن کی سند میں اسماعیل بن عیاش نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۲۲) اور انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں بھی قرآن مجید پڑھتے تھے' حالانکہ بحث اس میں ہے بلکہ حدیث صحیح میں یہ صراحت ہے کہ آپ کو جنابت کے سوا قرآن مجید پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔

ہم نے قرآن مجید کی عزت وناموس کی وجہ سے اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے' کیونکہ علماء غیر مقلدین کی صریح عبارت سے قرآن مجید کی بہت توہین ہوتی ہے۔

غیر مقلدین کے نزدیک جنبی' حائض اور بے وضو کے سجدہ تلاوت کرنے کا جواز اور مصنف کا رد

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

رہا سجدۂ تلاوت کرنا تو وہ بالکل نماز نہیں ہے' سجدۂ تلاوت ایک رکعت ہے نہ دو رکعت ہے' پس وہ بالکل نماز نہیں ہے اور جب سجدۂ تلاوت نماز نہیں ہے تو وہ بے وضو بھی جائز ہے اور جنبی اور حائض کے لیے بھی جائز ہے اور قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر بھی جائز ہے' جیسا کہ دیگر اذکار اور وظائف بھی جائز ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ وضو کرنا صرف نماز کے لیے لازم ہے اور جب غیر نماز کے لیے قرآن' سنت' اجماع اور قیاس سے وضو کرنا لازم نہیں ہے تو سجدۂ تلاوت کے لیے بھی وضو کرنا لازم نہیں ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۷۷-۹۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

سجدۂ تلاوت کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ سجدۂ تلاوت کرنے والے کو باوضو ہونا چاہیے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدۂ تلاوت کرتے تو آپ کے پاس جو حاضر ہوتے وہ بھی سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور آپ کسی کو وضو کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور یہ بعید ہے کہ اس وقت سب مسلمان باوضو ہوں' نیز جب آپ نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا تھا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدۂ تلاوت ادا کیا تھا اور وہ نجس لوگ تھے ان کا وضو صحیح نہیں تھا۔ (الیٰ قولہ) اسی طرح احادیث میں یہ بھی نہیں ہے کہ سجدۂ تلاوت کے وقت کپڑے پاک ہوں یا جگہ پاک ہو۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۸۰' دار الوفاء ۱۴۲۱ھ)

شیخ ابن حزم اور شیخ شوکانی نے جنبی اور بے وضو کے سجدۂ تلاوت ادا کرنے پر جو دلائل پیش کیے ہیں وہ سب عقل ناتمام اور قیاس فاسد پر مبنی ہیں اور ان کا یہ موقف صریح حدیث' آثار صحابہ اور اجماع کے خلاف ہے۔ شیخ شوکانی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو سجدۂ تلاوت کے وقت وضو کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو لازم نہیں ہے' یہ استدلال فاسد ہے' بلکہ آپ نے اس وقت وضو کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ سب صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو ضروری ہے' پھر شیخ شوکانی نے لکھا کہ یہ بعید ہے کہ اس موقع پر تمام مسلمان باوضو ہوں' بلکہ ہمارے نزدیک یہ بعید ہے کہ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بے وضو بیٹھے ہوں' پھر شیخ شوکانی نے مشرکین کے سجدہ کرنے سے بھی استدلال کیا ہے کہ ان کا وضو نہیں ہوتا' یہ استدلال بھی فاسد ہے کیونکہ کوئی شرعی حکم مشرکین کے قول وفعل سے ثابت نہیں ہوتا اور مسلمانوں کے نزدیک مشرکین کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہے۔

ہم نے لکھا ہے کہ جنبی' حائض اور بے وضو کا سجدۂ تلاوت کرنا حدیث کے خلاف ہے' وہ حدیث یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر لا یسجد الرجل الا وھو طاھر. (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۵)	حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص بغیر وضو کے سجدہ نہ کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۸) اور شیخ شوکانی نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۸۰)

امام ابن ابی شیبہ نے حماد اور سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ جب جنبی شخص آیت سجدہ کو سنے تو غسل کرے اس کے بعد سجدہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

ہشیم نے از مغیرہ از ابراہیم کہا: جب حائض آیت سجدہ کو سنے تو سجدہ نہ کرے' وہ فرض نماز کے اس سے بڑے سجدہ کو بھی نہیں کرتی۔

حماد کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر اور ابراہیم سے سوال کیا کہ حائض آیت سجدہ کو سن کر کیا کرے؟ انہوں نے کہا: اس پر سجدۂ تلاوت نہیں ہے' نماز کا سجدہ اس سے زیادہ بڑا ہے۔

عطاء سے سوال کیا گیا کہ اگر حائض ان لوگوں کے پاس سے گزرے جو سجدۂ تلاوت کر رہے ہیں تو آیا ان کے ساتھ سجدہ کرے؟ انہوں نے کہا: نہیں! وہ اس سے افضل سجدہ کو نہیں کرتی۔

اشعث نے حسن بصری سے سوال کیا کہ جنبی اور حائض آیت سجدہ کو سنیں تو کیا کریں؟ انہوں نے کہا: وہ سجدہ نہ کریں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص ١٣۔١٤ ادارۃ القرآن کراچی ١٤٠٦ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ٢١١ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نے کہا: جب تم آیتِ سجدہ کو سنو اور تمہارا وضو نہ ہو تو تم تیمم کر کے سجدہ کرو۔

حماد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ وہ وضو کر کے سجدہ کرے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ٣ ص ٢١١۔٢١٢۔ رقم الحدیث: ٥٩٥٣۔٥٩٥٥ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤٢١ھ)

ان احادیث اور آثار کے بعد سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت کے لزوم پر اجماع کی تصریح یہ ہے:

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ لکھتے ہیں:

بے وضو سجدہ نہ کرے، سجدۂ تلاوت کی وہی شرائط ہیں جو نفل نماز کی شرائط ہیں، یعنی بے وضو نہ ہو، نجاست سے پاک ہو، شرم گاہ مستور ہو، قبلہ کی طرف منہ ہو اور سجدۂ تلاوت کی نیت کرے، ہمارے علم میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، ماسوا اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حائض آیتِ سجدہ کو سنے تو وہ سر سے اشارہ کرے، اور شعبی نے کہا: جب بے وضو شخص آیتِ سجدہ سنے تو جس طرف اس کا منہ ہو سجدہ کر لے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ١، مسند احمد ج ٢ ص ٩) اور اس حدیث کے عموم میں سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ١ ص ٦٨٦ دارالفکر بیروت)

جنبی، حائض اور بے وضو کے قرآن مجید کو چھونے پر شیخ شوکانی کا استدلال اور مصنف کا رد

جنبی، حائض اور بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونے کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے شیخ شوکانی نے کہا کہ ہر چند کہ حدیث میں ہے: طاہر شخص کے سوا کوئی قرآن مجید کو نہ چھوئے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٢١٧، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٤٦٥)

لیکن طاہر کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے، طاہر اس کو بھی کہتے ہیں: جو جنبی ہو نہ بے وضو ہو اور طاہر اس کو بھی کہتے ہیں جس کے بدن پر نجاست نہ ہو، سو یہ مشترک لفظ ہے اور اس سے باوضو ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اور اس مکتوب میں آل عمران: ٦٤ آیت تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٧٣) (نیل الاوطار ج ١ ص ٢٩٤۔٢٩٥ دارالوفاء ١٤٢١ھ)

یہ درست ہے کہ مشترک لفظ سے کسی ایک معنی پر استدلال جائز نہیں ہوتا لیکن جب قرینہ سے کوئی ایک معنی متعین ہو جائے تو پھر اس سے استدلال کرنا صحیح ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ احادیث سے واضح ہے کہ یہاں طاہر سے مراد باوضو ہے:

امام علی بن عمر الدارقطنی متوفی ٣٨٥ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تلوار لٹکائے ہوئے جا رہے تھے، ان کو بتایا گیا کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کی بہن اپنے آبائی دین سے نکل چکے ہیں، حضرت عمر ان کے پاس گئے، اس وقت ان کے پاس مہاجرین میں سے بھی ایک شخص تھا، ان کا نام حضرت خباب تھا اور وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے، حضرت عمر نے کہا: مجھے بھی وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے، میں بھی اس کو پڑھتا ہوں اور حضرت عمر کو کتاب پڑھنی آتی تھی، ان کی بہن نے کہا: تم ناپاک ہو اور قرآن مجید کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، پس آپ کھڑے ہوں اور غسل کریں یا وضو کریں، پھر حضرت عمر نے وضو کیا اور کتاب کو لیا اور سورۂ طٰہٰ پڑھی۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ٤٣٣ دارالمعرفۃ بیروت ١٤٢٢ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے انہوں نے رفع حاجت کی، ہم

نے ان سے کہا: آپ وضو کر لیں حتیٰ کہ ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں' انہوں نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو' میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں' پھر انہوں نے ہمارے منشاء کے مطابق قرآن پڑھا اور ہمارے اور ان کے درمیان پانی نہیں تھا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۳۵ ج ۱ ص ۱۲۳' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو تین سندوں سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مذکور الصدر حدیث میں طاہر کا معنی باوضو ہے اور اس حدیث پر شیخ شوکانی کا جو اعتراض تھا وہ دور ہو گیا۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے ایک اور عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ کا بھی یہی موقف ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

" لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ " (الواقعہ: ۷۹) میں جمہور ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔

حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم کا اور فقہاء تابعین میں سے عطاء' زہری' نخعی' حکم' حماد اور ائمہ اربعہ کا یہی موقف ہے اور اس مسئلہ میں جو حق ہے اس کو شوکانی نے منتقیٰ کی شرح (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۴۔۲۹۵) میں واضح کیا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۵۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نوٹ: اس جگہ شیخ قنوجی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز ہے لیکن یہ بالکل غلط اور باطل ہے' امام ابو حنیفہ کے نزدیک بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے' البتہ تفسیر اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو کا چھونا جائز ہے' جیسا کہ ہم اس مسئلہ میں مذہب احناف کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

ہم نے الواقعہ: ۷۹ کی تفسیر میں بہت طویل بحث کی ہے اور اس کی وجہ صرف قرآن مجید سے محبت' اس کی تعظیم اور تکریم اور جنبی اور حائض سے اس کی تلاوت اور مس کو محفوظ رکھنا اور بے وضو کے مس سے اس کو مامون رکھنا ہے اور منکرین اور مخالفین کے شبہات کو دور کرنا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

حائضہ اور جنبی کے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر علماء غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

علماء غیر مقلدین کے نزدیک حائضہ عورت کا مسجد میں جانا اور وہاں رہنا اور مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ ہم اس سلسلہ میں پہلے شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کے دلائل پیش کریں گے اور ان کے دلائل کے ساتھ ساتھ ان کا رد بھی کریں گے:

شیخ ابن حزم اندلسی اس مسئلہ پر درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مجھے مسجد سے جائے نماز اٹھا دو۔ وہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۲) (المحلیٰ بالآثار ج ۱ ص ۳۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علماء غیر مقلدین کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہو گا جب اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ حضرت عائشہ حجرہ سے نکل کر مسجد میں جائیں اور وہاں سے مصلیٰ لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں' جب کہ اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اپنے حجرہ سے ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلیٰ اٹھا کر حضور کو دیں اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں' ورنہ فرماتے کہ تمہارا حیض تمہارے پیروں میں تو نہیں ہے' اور حضرت عائشہ کا حجرہ مسجد سے

متصل تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تو اپنا سر مبارک حجرہ میں داخل کر دیتے اور حضرت عائشہ آپ کا سر دھوتی تھیں اور اس وقت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ تھیں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۱ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۶۹ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۰۴)

اور اگر حائضہ کا مسجد میں آنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی حضرت عائشہ کو مسجد میں بلا لیتے اور حجرہ میں سر مبارک داخل نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس حدیث سے شیخ ابن حزم نے استدلال کیا ہے' اس میں مسجد سے مراد مسجد نبوی نہ ہو بلکہ مسجد بیت ہو۔ یعنی حجرہ کی وہ جگہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے مخصوص فرما لیا تھا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم لکھتے ہیں:

جو ائمہ حائضہ عورت کا مسجد میں جانا ناجائز کہتے ہیں' ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ان گھروں (کے دروازوں) کا رُخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد (میں جانے) کو حلال نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۲ 'سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۴۲)

شیخ ابن حزم نے اس حدیث کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی سند میں افلت بن خلیفہ ہے' یہ راوی غیر مشہور ہے اور ثقاہت میں معروف نہیں ہے۔ (المحلی بلا تاریخ ص ۴۰۱)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے شیخ ابن حزم کے اس کلام پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ افلت کو امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابو حاتم نے کہا کہ وہ شیخ ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور ''الکاشف'' میں مذکور ہے کہ یہ بہت زیادہ سچا ہے اور ''البدر المنیر'' میں مذکور ہے کہ وہ مشہور ثقہ ہے۔ (نیل الاوطار ج ا ص ۳۲۵ 'مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے مانعین کی دوسری حدیث نقل کی ہے کہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند ندا کی: سنو! یہ مسجد نہ جنبی کے لیے حلال ہے نہ حائضہ کے لیے' مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے لیے اور علی کے لیے اور فاطمہ کے لیے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴۵)

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں محدوج الذہلی ہے جو جسرہ بنت دجاجہ سے روایت کرتے ہیں۔ محدوج ساقط ہے' وہ جسرہ سے معضلات روایت کرتا ہے۔ نیز اس روایت کی سند میں ابو الخطاب الہجری ہے' وہ مجہول ہے۔ وغیرہ

(المحلی بلا تاریخ ص ۴۰۱)

شیخ شوکانی نے شیخ ابن حزم کی اس عبارت کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ جسرہ کے پاس عجائب ہیں۔ امام ابن القطان نے کہا کہ امام بخاری کا یہ قول جسرہ کی احادیث کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور العجلی نے کہا کہ وہ ثقہ تابعیہ ہے۔ امام ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں جسرہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ابن سید الناس نے کہا کہ اگر اس حدیث کو حسن کہا جائے تو یہ اس کا بہت کم مرتبہ ہے' کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کی صحت پر خارجی شواہد ہیں۔ لہٰذا شیخ ابن حزم کے پاس اس حدیث کو رد کرنے کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔

آگے چل کر شیخ شوکانی نے لکھا ہے کہ افلت کو مردود کہنا مردود ہے' کیونکہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کو مردود نہیں کہا۔ اس کے بعد شیخ شوکانی لکھتے ہیں: یہ دونوں احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنبی اور حائض کا مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور یہی اکثرین کا مذہب ہے اور جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اور اُس حدیث سے بھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اور داؤد (ظاہری) اور مزنی وغیرہم نے کہا کہ جنبی اور حائضہ کا مسجد میں ٹھہرنا مطلقاً جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۲۵_۳۲۶)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے حائضہ عورت کے مسجد میں ٹھہرنے پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ فام لڑکی عرب کے کسی قبیلہ کی تھی' انہوں نے اس کو آزاد کیا تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گئی' اس کے لیے مسجد میں خیمہ تھا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۴۳۹)

شیخ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں رہتی تھی اور عورتوں کے متعلق معلوم ہے کہ ان کو حیض آتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع نہیں فرمایا اور ہر وہ کام جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں وہ مباح ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۴۰۱)

شیخ ابن حزم کی اس دلیل پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس لڑکی کو مسجد میں رہنے کی اجازت دی تھی' نہ یہ مذکور ہے کہ ایک لمبے عرصے تک رہنے کی اس کو اجازت دی تھی ورنہ دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہوتا۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقتی اور عارضی طور پر اس کو مسجد میں ٹھہرایا تھا جب تک کہ اس کی رہائش کا کوئی اور معقول بندوبست نہیں ہو گیا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۳۲)

شیخ ابن حزم اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لیے تمام روئے زمین پہ رہنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو پھر کسی مسجد میں رہنے سے منع کرنا اور کسی مسجد میں جائز قرار دینا یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور اگر حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو بتا دیتے' جب انہیں حیض آیا' حالانکہ آپ نے انہیں صرف بیت اللہ کے طواف سے منع فرمایا تھا۔ (المحلی ج ۱ ص ۴۰۱_۴۰۲)

شیخ ابن حزم کا یہ استدلال انتہائی عجیب وغریب ہے۔ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمام روئے زمین میں لوگوں کا خرید وفروخت کرنا' بیویوں سے مجامعت کرنا' قضائے حاجت کرنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی یہ سب کام جائز ہیں اور بعض کو ان کاموں سے خاص کر لینا یہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی فاتر العقل ہی کہہ سکتا ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے اُسے مسجد کے لیے وقف کر دیا اور وہاں مسجد کی عمارت بنا دی' اس کا حکم یہ ہے کہ وہاں باجماعت نماز پڑھنے سے ۲۷ درجہ ثواب ہو گا اور جمعہ پڑھنے سے پانچ سو گنا ثواب ہو گا اور اس مسجد میں خرید وفروخت کرنا اور حائضہ اور جنبی کا اس میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زمین کے

جس ٹکڑے پر نماز پڑھی جائے' جہاں عرفاً مسجد قائم نہ ہو' وہاں نماز پڑھنے سے نماز تو ہو جائے گی' لیکن اس جگہ نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ہوگا اور نہ اُس جگہ خرید وفروخت اور دیگر دنیاوی کاموں سے منع کیا جائے گا۔ باقی رہا شیخ ابن حزم کا یہ کہنا کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو آپ حضرت عائشہ کو بتاتے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتایا ہے' جیسا کہ ہم اس سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کی احادیث سے بیان کر چکے ہیں۔

طواف بالبیت سے ممانعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ذکر فرمایا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اس میں بیت اللہ کا طواف کرنا ہوتا ہے اور طواف کے لیے حضرت عائشہ کو بیت اللہ میں داخل ہونا پڑتا اور وہ حائضہ تھیں' جس کی وجہ سے وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں' اس لیے آپ نے انہیں طواف بالبیت سے منع فرمایا۔ یعنی طواف بالبیت سے منع کرنے کی علت یہی ہے کہ اس میں مسجد میں داخل ہونا لازم آتا ہے جو کہ حائضہ کے لیے جائز نہیں۔

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یہ ہے کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸) اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حائضہ کا مسجد میں جانا اور مسجد میں رہنا مطلقاً جائز ہے اور آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لیے حلال نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۲) ان دونوں احادیث میں تطبیق دینا ضروری ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسری کی ناسخ نہیں ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ ضرورت کی بناء پر جنبی اور حائضہ کا مسجد میں رہنا اور جانا جائز ہے اور بلا ضرورت جائز نہیں ہے' جیسا کہ خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے لیکن ضرورت کے وقت مباح ہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۶ ص ۱۰۹ ملخصاً' مطبوعہ دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک مطلقاً حائضہ اور جنبی کا مسجد میں جانا اور رہنا جائز نہیں ہے' ضرورت کی بناء پر جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' جب کہ عام غیر مقلدین حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں جانے کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔

قرآن مجید کو بہ تدریج نازل کرنے کی وجوہ

الواقعہ: ۸۰ میں فرمایا: یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے O

یہ قرآن مجید کی ایک اور صفت ہے' اس آیت میں ''تنزیل'' کا لفظ ہے' ''تنزیل'' کا معنی ہے: کسی چیز کو تدریجاً نازل کرنا' اصل میں قرآن مجید کی صفت منزل ہے' لیکن اس کو مبالغۃً تنزیل فرمایا' گویا کہ یہ نفس تنزیل ہے' باقی آسمانی کتابیں یک بارگی نازل کی گئی ہیں اور قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں ہم نے الفرقان: ۳۲ اور بنو اسرائیل: ۱۰۶ میں بیان کیں ہیں' از اں جملہ یہ ہیں: قرآن کو نازل کرنے کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس بار بار آتے رہیں' وحی کا رابطہ آپ سے بار بار ہوتا رہے' مشرکین اور یہود و نصاریٰ آپ سے سوالات کرتے رہتے تھے اور ان کے جوابات میں آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' صحابہ کرام بعض احکام کی وضاحت کے لیے سوال کرتے تھے' ان کے جواب میں آیات نازل ہوتی تھیں' ابتداء میں تمام احکام نازل نہیں کیے گئے تا کہ مسلمانوں کے لیے ان پر عمل کرنا دشوار نہ ہو' شراب اور جوئے کو بہ تدریج حرام کیا گیا' پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی' پھر فجر کی نماز بھی فرض کی گئی اور معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں' پہلے مشرکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم تھا' پھر ہجرت کے بعد جہاد فرض کیا گیا۔ اسی طرح اور بہت حکمتیں ہیں جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو! O اور تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہے O پس جب روح

نرخرے تک پہنچ جائے○ اور تم اس وقت (روح کو نکلتا ہوا) دیکھ رہے ہو○ اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے○ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو○ تو تم اس روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو○ (الواقعہ: ۸۱-۸۲)

مداہنت کا معنیٰ

الواقعہ: ۸۱ میں "مدھنون" کا لفظ ہے' "دھن" کا اصل معنی تیل ہے اور اس سے مراد ہے: نرمی یعنی انسان کے باطن میں سختی ہو اور وہ نرمی اور لچک کا اظہار کرے اور "مدھن" سے مراد کافر یا منافق ہے' جو اپنے کفر کو چھپانے کے لیے نرمی کا اظہار کرے اور "مداہنت" "تکذیب" کفر اور نفاق کو کہتے ہیں' جو مسلمان ذاتی مفاد کے لیے احکام شرعیہ کو چھپائے اور فساق فجار کے سامنے نرم رویہ کا اظہار کرے اس کو بھی "مداہنت" کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

"وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ○" (القلم: ۹) کفار یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ ان کے معاملہ میں نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔

یعنی آپ ان کے معبودوں کے متعلق نرمی کریں تو وہ بھی آپ کے خلاف سختی اور دشمنی نہ کریں۔

اور یہاں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اس قرآن سے اعراض کر رہے ہو اور اس کا کفر کرنے کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو۔

تکذیب کو رزق بنانے کی توجیہ اور آیت کا شانِ نزول

الواقعہ: ۸۲ میں فرمایا: اور تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہے○

حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے تکذیب کو اپنا شکر بنا لیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے تم اللہ کی تکذیب کرتے ہو' اس آیت میں شکر کو رزق فرمایا ہے' کیونکہ رزق کا شکر کرنے سے اس میں زیادتی ہوتی ہے' اس اعتبار سے شکر بھی رزق ہے۔ اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اپنے رزق کی تکذیب کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بارش ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو کچھ لوگ شکر کرنے والے تھے اور کچھ لوگ کفر کرنے والے تھے' جنہوں نے کہا: اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی وہ شکر کرنے والے تھے اور جنہوں نے کہا: فلاں' فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ کفر کرنے والے تھے۔

اور آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی: "وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ○" یعنی تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کی تکذیب کرتے ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۵)

امام علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے اور ایک جگہ قیام کیا' لوگوں کو پیاس لگی اور وہاں پانی نہیں تھا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں نے تمہارے لیے دعا کی اور تمہارے لیے بارش ہو گئی تو تم کہو گے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ ستاروں کا وقت تو نہیں ہے' آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو بادل امڈ آئے اور بارش ہو گئی اور وادیاں بہنے لگیں اور لوگوں نے اپنی مشکیں بھر لیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے' وہ پیالے میں پانی بھر کر کہہ رہا تھا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے اور یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ سبحانہ' کا دیا ہوا رزق ہے تو اللہ سبحانہ' نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ○ (الواقعہ: ۸۲) اور تم اپنے رزق کی تکذیب کرتے ہو○

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۷۹۳، ص ۴۴۳، الدر المنثور ج ۸ ص ۲۸)

یعنی اللہ نے جو تم کو رزق دیا ہے تم اس رزق کی اللہ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے ستاروں کی طرف نسبت کرتے ہو' میرے نزدیک آیت کا یہی معنی درست ہے' کیونکہ یہ معنی احادیث کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا اثبات اور مخلوق کی سلطنت کا ابطال

الواقعہ: ۸۴۔۸۳ میں فرمایا: پس جب روح نرخرے تک پہنچ جائے○ اور تم (اس وقت) روح کو نکلتا ہوا دیکھ رہے ہو○

''حلقوم'' کا معنی معروف ہے' حدیث میں ہے کہ ملک الموت کے مددگار ہیں' وہ بہ تدریج روح کو نکالتے ہیں حتیٰ کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ اس روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱۸۵)

اور تم اس وقت میرے حکم اور میری سلطنت کا مشاہدہ کرتے ہو' ایک قول یہ ہے کہ تم اس وقت میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو اور تم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جب تم میں سے کسی شخص کی روح اس کے حلقوم تک پہنچ جائے اور تم اس شخص کے سامنے حاضر تھے تو تم نے اس کی روح کو اس کے جسم میں روک کیوں نہ لیا اور کیوں اس روح کو اس کے جسم سے نکلنے دیا حالانکہ تمہاری یہ شدید خواہش تھی کہ وہ تمہارے ساتھ کچھ اور دن زندہ رہتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں مرنے والے سے خطاب ہے کہ اگر تجھ پر اللہ کا تصرف نہیں ہے اور تو خود مالک و مختار ہے تو جب تیری روح تیرے حلقوم تک پہنچ گئی تو تو نے اس کو اپنے جسم سے نکلنے سے روک کیوں نہ لیا۔

الواقعہ: ۸۷۔۸۵ میں فرمایا: اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے○ پس اگر تم کسی کے زیرِ فرمان نہیں ہو○ تو تم اس روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو○

یہ تین آیتیں پہلی دو آیتوں سے مربوط ہیں' یعنی ہم اپنے علم اور اپنی قدرت کے لحاظ سے تم سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جو فرشتے تمہاری روح قبض کرتے ہیں وہ اس مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم ان فرشتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔

الواقعہ: ۸۶ میں ''غیر مدینین'' کا لفظ ہے' دین کا معنی ہے: اطاعت کرنا' یعنی اگر تم اللہ کے اطاعت گزار نہیں ہو اور دین سے مراد یوم آخرت اور یوم حساب بھی ہے' یعنی اگر قیامت کے دن تمہارے اعمال کا حساب نہیں ہوگا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزاء نہیں دی جائے گی اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہارے زعم کے موافق تم اللہ کی اطاعت کے پابند نہیں یا تم سے تمہارے اعمال کا حساب نہیں ہوگا تو تم اس مردے کی روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو؟ پس اگر تم سچے ہو تو جب اس مردے کی روح اس کے نرخرے تک پہنچ چکی ہے تو اس کو واپس اس کے بدن میں لوٹا دو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے○ تو اس کے لیے راحت ہے اور انعام والی جنت ہے○ اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہے○ تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے○ اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا' گم راہوں میں سے ہے○ تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے○ اور دوزخ میں جلانا ہے○ بے شک یہی ضرور حق الیقین ہے○ پس آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح کرتے رہیے○ (الواقعہ: ۹۶۔۸۸)

''رَوح'' اور ''ریحان'' کے معانی

اس سے پہلی آیتوں میں موت کے وقت مخلوق کی حالت اور کیفیت بیان فرمائی تھی اور اس سے اپنی حاکمیت اور سلطنت پر استدلال فرمایا تھا اور ان آیتوں میں قیامت کے دن مخلوق کے درجات بیان فرمائے ہیں' نیک لوگوں کے لیے اچھی مہمانی اور بداعمال لوگوں کے لیے عذاب پر مشتمل مہمانی کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے اپنے وعدہ کے صدق اور ہر عیب سے بری اور سبحان ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔

الواقعہ: ۸۸-۸۹ میں بتایا کہ اگر وہ مرنے والا نیک اور مؤمن ہو تو اس کو رحمت' راحت اور دائمی نعمتوں کی جنت ملے گی۔
اس آیت میں ''رَوح'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی دنیا کی راحت ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس کا معنی راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی استراحت ہے۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کے پاس قبر میں پاکیزہ اور خوشبودار ہوائیں آئیں گی۔ ابو العباس بن عطاء نے کہا: ''رَوح'' کا معنی ہے: اس کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے خوشی ہو گی اور ''ریحان'' کا معنی ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی وحی سے استفادہ کرے گا اور ''جنت نعیم'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب نہیں ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''رُوح'' (ر پر پیش) پڑھا اور فرمایا: اس سے مراد جنت میں بقاء اور حیات ہے اور رحمت سے یہی مراد ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۴' المستدرک ج ۲ ص ۲۳۶)

الربیع بن خثیم نے کہا: موت کے وقت مؤمن کو خوشبودار پھول سنگھایا جائے گا اور جنت اس کو قیامت کے بعد عطا کی جائے گی۔ ابو العالیہ نے کہا: مقربین میں سے کسی ایک کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ اسے خوش بودار پھولوں کی دو شاخیں دی جائیں گی' وہ ان کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔

مؤمنوں پر فرشتوں کے سلام کے مواضع اور مقامات

الواقعہ: ۹۰-۹۱ میں فرمایا: اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہے○ تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے○

سلام کا معنی یہ ہے کہ تو اللہ کے عذاب اور سزا سے سلامت رہے گا اور تو غم اور اندوہ سے سلامت رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دائیں طرف والے آپ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے۔

دائیں طرف والوں پر چار مقامات میں سلام پیش کیا جائے گا:

(۱) ضحاک نے کہا: جب دنیا میں ملک الموت علیہ السلام اس کی روح قبض کریں گے تو اس کو سلام کریں گے' اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ (النحل: ۳۲)
فرشتے جن نیکوکاروں کی ان کی پاکیزہ حالت میں روح قبض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تم پر سلام ہو۔

(۲) قیامت کے دن جب سب اٹھیں گے تو فرشتے مؤمنوں کو سلام کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ (الواقعہ: ۹۱)
تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں

طرف والوں میں سے ہے○

(۳) جنت میں دخول کے وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ○ (الزمر: ۷۳)

جو مؤمنین اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت کے پاس آ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو! تم خوش رہو پس تم ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ○

(۴) جنت میں بھی ان پر سلام پیش کیا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۚ (مریم: ۶۲)

وہ جنت میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے مگر ہر طرف سلام کی آوازیں سنیں گے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ○ (الفرقان: ۷۵)

یہی وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزاء میں جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے اور ان کو دعا اور سلام کے کلمات پہنچائے جائیں گے○

کافروں کے لیے آخرت میں عذاب کی مہمانی

الواقعہ: ۹۳۔۹۵ میں فرمایا: اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا' گم راہوں میں سے ہے○ تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے○ اور دوزخ میں جلانا ہے○ بے شک یہی ضرور حق الیقین ہے○

یعنی اگر مرنے والا قیامت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرنے والا ہے اور ہدایت اور راہِ حق کو اختیار کرنے والا نہیں ہے تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی اور اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

اور ہم نے کافر کی جو یہ جزاء بیان کی ہے یہ برحق ہے۔ حق اور یقین کا ایک معنی ہے: یعنی یہ محض اور خالص یقین ہے' مؤمن کو اس کا دنیا میں ہی یقین ہوتا ہے اور کافر کو اس کا یقین آخرت میں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کے اسم کی تسبیح کی توجیہات

الواقعہ: ۹۶ میں فرمایا: پس آپ اپنے رب عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے○

یعنی کفار اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی طرف جن عیوب اور قبائح کی نسبت کرتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے اسم سے ان کی برأت بیان کیجئے' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ○" (الواقعہ: ۹۶) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تم اپنے رکوع میں رکھ لو اور جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○" (الاعلیٰ: ۱) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں رکھ لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹)

تسبیح کا معنی ہے: جو چیز اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کرنا' اب یہاں پر یہ سوال ہے کہ مقصود تو یہ ہے کہ عیوب اور قبائح سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی برأت بیان کی جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی عیوب سے برأت بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا مقصود ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم کی بھی عیوب اور قبائح سے برأت بیان کرنا مطلوب ہے' کیونکہ مشرکین اپنے باطل

خداؤں پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اطلاق کرتے تھے مثلاً وہ بتوں کو نافع اور ضار (ضرر پہنچانے والا) کہتے تھے اور بتوں کے نام کی دہائی دیتے تھے اور ان کو رازق اور مدبر مانتے تھے تو آپ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی تنزیہ بیان کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور بتوں میں کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے' وہ کسی کی فریاد رس سکتے ہیں نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں نہ کسی کو دیکھ سکتے ہیں نہ عبادت کرانے کا استحقاق رکھتے ہیں' لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات میں بتوں کی شرکت کی نفی کیجئے اور بتوں کی شرکت سے اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات کی برأت بیان کیجئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کے نزدیک عظیم ہوتا ہے وہ اس کے نام کی بھی تعظیم کرتا ہے اور اس کے نام کو تعظیم سے لیتا ہے اور اس کے نام کو قبیح صفات سے بری کرتا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے نام کو عزت والی جگہ میں لیتا ہے اور مبتذل جگہ اور مبتذل حال میں اس کا نام نہیں لیتا' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بیت الخلاء (واش روم) اور حمام (باتھ روم) میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے' اسی طرح قضاء حاجت اور جماع کے وقت اللہ کا نام نہ لے' اسی طرح کسی معصیت اور گناہ کا کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اور صرف پاک جگہ اور نیک کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے۔

رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھنے کی توجیہ

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''سبحان ربی العظیم'' کو رکوع میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کو سجدہ میں پڑھنے کا حکم دیا ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' میں ''سبحان ربی العظیم'' کی بہ نسبت زیادہ تنزیہ ہے کیونکہ ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○'' (الواقعہ: ۹۶) کا معنی یہ ہے کہ آپ کے رب کا اسم فی نفسہٖ عظیم ہے اور ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○'' (الاعلیٰ: ۱) کا معنی یہ ہے کہ آپ کے رب کا اسم تمام اسماء سے زیادہ اعظم اور اعلیٰ ہے' اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی زیادہ تنزیہ اور تسبیح مطلوب ہے اور رکوع کی بہ نسبت سجدہ میں بندہ کا اللہ سے زیادہ قرب ہوتا ہے' اس لیے سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہنے کا حکم فرمایا اور رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کا حکم فرمایا اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قرب کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو پس تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۷)

اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (العلق: ۱۹) اور سجدہ کر اور (ہم سے) قریب ہو جا ○

نیز عبادت سے مقصود اللہ کے سامنے تذلل اور عجز و انکسار کا اظہار ہے اور غایت تذلل اور انتہائی عجز و انکسار سجدہ میں ہوتا ہے' قیام میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے' رکوع میں اس کے سامنے جھک جاتا ہے اور سجدہ میں اس کے سامنے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور جو جگہ پیروں تلے آتی ہے' وہاں اپنا سر رکھ دیتا ہے' سو اسی رکن میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب ہے' سو اسی رکن میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی سب سے زیادہ تنزیہ' تقدیس اور تسبیح لائق ہے تو اسی میں کہنا چاہیے: ''سبحان ربی الاعلیٰ''۔

سورۃ الواقعہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ ۲۰ شوال ۱۴۲۵ھ/۳ دسمبر ۲۰۰۴ء بہ روز جمعہ بعد نماز مغرب سورۃ الواقعہ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۵ نومبر ۲۰۰۴ء کو سورۃ الواقعہ کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح اٹھائیس دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' نومبر کے مہینہ میں معمول سے کم کام ہوا' کولیسٹرول بڑھا رہا جس کی وجہ سے کمر میں درد بہت زیادہ رہا اور چونکہ لکھنے کا کام بیٹھ کر کیا جاتا ہے اور جب کمر میں درد ہو تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے' اس لیے لکھنے کا کام متاثر ہوا۔

محترمہ ثمینہ بہن مجھے برسٹل برطانیہ سے دوائیں بھیجتی ہیں جن کی وجہ سے مجھے کافی افاقہ رہتا ہے' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کے تمام امراض' مصائب اور آفات سے محفوظ رکھے اور ان کو صحت اور توانائی عطا فرمائے اور دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے' اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادے اور اس تفسیر کو تاروزِ قیامت مرغوب اور فیض آفریں رکھے' میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے تلامذہ کی' ''تبیان القرآن'' کے ناشرین' معاونین اور قارئین اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔ آمین یا رب العلمین' والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحدید

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الحدید ہے اور الحدید کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. اور ہم نے لوہے کو نازل کیا اس میں بہت قوت ہے اور لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں۔ (الحدید: ۲۵)

"الحدید" کا لفظ حسب ذیل آیت میں بھی آیا ہے:

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ (الکہف: ۹۶) (ذوالقرنین نے کہا:) مجھے لوہے کی چادریں لا کر دو۔

مگر اس سورت کا نام "الحدید" نہیں رکھا گیا' کیونکہ اول تو وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' ثانیاً: وہاں لوہے کا ذکر بہ طور معدن نہیں ہے اور نہ اس کے خواص اور فوائد بیان فرمائے' بلکہ اس سورت میں اصحاب الکہف کا ذکر اہمیت کا حامل تھا' اس لیے اس سورت کا نام الکہف رکھا گیا' ثانیاً: ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' کسی چیز کا جو نام رکھا جائے وہاں اس نام کی مناسبت ہونی چاہیے' یہ ضروری نہیں کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے وہاں اس چیز کا نام بھی ہو' اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ سورۃ الکہف میں بھی الحدید کا ذکر ہے تو اس کا نام الحدید کیوں نہیں رکھا گیا؟

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۷ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۵ ہے۔

سورت الحدید کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف اور دونوں طرف کی احادیث

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' جمہور کا قول یہ ہے کہ سورۃ الحدید مدنی ہے۔

علامہ عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

نقاش نے کہا کہ سورۃ الحدید کے مدنی ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے اور دوسروں نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں مدنی آیات ہیں' لیکن اس کی شروع کی آیات مکی آیات کے مشابہ ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات میں ہے اور ان کو پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۳۹۶' المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ)

سورۃ الحدید کے مکی ہونے کی ایک دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھ کر اسلام سے متاثر ہوئے اور ایمان لائے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۳' رقم الحدیث: ۴۳۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۹' تاریخ دمشق جز ۴۷ ص ۵۷) اور بعض احادیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورۂ الحدید کی ابتدائی آیات پڑھ کر اسلام سے متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے' اس حدیث کی مفصل روایت یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیسے اسلام لایا؟ ہم نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر نے کہا: میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا' ایک دن میں سخت گرمی میں مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا' مجھے قریش کا ایک آدمی ملا' اس نے پوچھا: اے ابن الخطاب! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں فلاں فلاں کام سے جا رہا ہوں' اس نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تمہارے گھر میں ایک سنگین حادثہ ہو چکا ہے' میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تمہاری بہن مسلمان ہو چکی ہے! میں غضب ناک ہو کر لوٹا اور دروازہ کھٹکھٹایا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب ایک یا دو آدمی مسلمان ہوتے جن کے پاس کچھ مال نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ خوش حال آدمی کو ملا دیتے تا کہ وہ اس کا فالتو کھانا کھالیں' اور آپ نے میرے بہنوئی کے ساتھ دو آدمی ملا دیئے تھے' جب میں نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ میں نے کہا: عمر بن الخطاب' وہ جلدی جلدی مجھ سے چھپ گئے' ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا' جس کو وہ پڑھ رہے تھے' وہ جلدی میں اس کو اٹھانا بھول گئے' میری بہن نے دروازہ کھولا' میں نے کہا: اے اپنی جان کی دشمن! کیا تو دین بدل چکی ہے؟ اور میرے ہاتھ میں جو چیز تھی وہ میں نے اس کے سر پر ماری' اس کے سر سے خون بہنے لگا' وہ خون دیکھ کر رونے لگی' اس نے کہا: اے ابن الخطاب! تو نے جو کرنا ہے سو کر' میں دین بدل چکی ہوں۔ میں تخت پر بیٹھ گیا تو گھر کے درمیان میری نظر صحیفہ پر پڑی' میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ مجھے اٹھا کر دو' میری بہن نے کہا: تم اس کو اٹھانے کے اہل نہیں ہو' تم غسل جنابت نہیں کرتے اور پاک لوگوں کے سوا اس کو کوئی چھو نہیں سکتا' میں مسلسل اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ میری بہن نے مجھے وہ صحیفہ دے دیا اس میں لکھا ہوا تھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں جب اللہ عزوجل کے اسماء میں سے کسی اسم پر سے گزرتا تو میں ڈر جاتا' میں نے وہ صحیفہ رکھ دیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا' میں اس کو اٹھا کر پڑھنے لگا' اس میں لکھا ہوا تھا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (الحدید: ۱) آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔

پھر میں جب بھی اللہ عزوجل کے اسماء میں سے کسی اسم کو پڑھتا تو ڈر جاتا' میں اپنے دل میں سوچنے لگا' پھر میں اس کو پڑھنے لگا اور اس آیت پر پہنچا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (الحدید: ۷)

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ' اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنایا ہے' پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں' ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے○

تب بے اختیار میں نے کہا: "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله" تب وہ چھپے ہوئے لوگ بھی دوڑ کر آئے اور مجھ سے ملے اور کہا: اے ابن الخطاب! مبارک ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن یہ دعا کی تھی: اے اللہ! دو آدمیوں میں سے جو تجھ کو زیادہ محبوب ہو' اس کی وجہ سے دین کو غلبہ عطا فرما' ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب اور ہمیں امید ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہو' پس تم کو بشارت ہو' پھر میں نے کہا: مجھے بتاؤ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ صفا کے نیچے ایک گھر میں ہیں' میں نے اس گھر پر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا' مسلمانوں کو معلوم تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر مخالف ہوں' اس لیے کوئی دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا' حتیٰ کہ آپ نے

فرمایا: دروازہ کھول دو' اگر اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو ہدایت دے گا' انہوں نے دروازہ کھول دیا اور دو آدمی مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے' آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! اللہ تمہیں ہدایت دے اسلام کو قبول کر لو! پس میں نے کہا: "اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمداً عبده ورسوله " ۔ پھر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی آواز مکہ کے راستوں میں سنی گئی' اس سے پہلے وہ چھپے ہوئے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ص ۲۱۶۔ ۲۱۸ ملخصاً' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۷ص ۵۶' الدر المنثور ج ۸ص ۴۷)

حافظ ابوبکر احمد عمرو البزار المتوفی ۲۹۲ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج اص ۴۰۰۔ ۴۰۳۔ رقم الحدیث: ۲۷۹' مکتبۃ العلوم والحکم' المدینۃ المنورہ' ۱۴۲۴ھ)

(کشف الاستار رقم الحدیث: ۲۴۹۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں اسامہ بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ص ۶۴۔ ۶۵)

حضرت عمر سورۃ الحدید کی ۱۔ ۱۰ آیات پڑھ کر اسلام لائے اور حضرت عمر مکہ میں بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے تھے اس لیے کہا گیا ہے کہ سورۃ الحدید مکی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسلام لائے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اسلام لانے کے (چار سال بعد) ہم پر اس آیت سے عتاب کیا گیا:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ. کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل' اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں۔ (الحدید: ۱۶)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۲۷' المستدرک ج ۲ص ۴۷۹)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحدید مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحدید مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ص ۳۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی مذکور الصدر روایات' ان احادیث کے معارض ہیں جن سے سورۃ الحدید کا مکی ہونا ثابت کیا گیا ہے' لیکن "صحیح مسلم" میں جو حضرت ابن مسعود کی روایت ہے' وہ ان پر راجح ہے' تاہم ان میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ سورۃ الحدید کی شروع کی آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں جیسا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کی باقی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں اور چونکہ اس کی اکثر آیات مدینہ میں نازل ہوئیں ہیں اس لیے جمہور نے اس سورت کو مدنی کہا ہے۔

جس آیت سے اس سورت کا مدنی ہونا متعین ہوتا ہے' وہ یہ ہے:

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ. تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ یا حدیبیہ) سے پہلے (راہ حق میں) خرچ کیا اور قتال کیا۔ (الحدید: ۱۰)

ظاہر ہے کہ مکہ میں قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا' جہاد مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے' اس لیے یہ آیت لامحالہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیات مکی ہیں۔ (الاتقان ج اص ۶۶)

سورت الحدید کی فضیلت

اس سورت کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے المسبحات (تسبیح کی آیات) کو پڑھتے تھے اور آپ نے فرمایا: ان میں ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے (المسبحات سے مراد: الحدید' الحشر' الصف' الجمعہ اور التغابن ہیں)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۵۴۹)

سورۃ الحدید کے مشمولات

☆ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے جلال' اس کی صفات عظیمہ' اس کی وسعت قدرت' اس کے تصرف کا عموم' اس کے علم کا محیط ہونا اور اس کے وجوب وجود کو بیان کیا گیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لایا جائے۔

☆ قرآن مجید میں جو ہدایت ہے اور نجات کا راستہ ہے' اس پر تنبیہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مخلوق پر اس کی شفقت کو یاد دلایا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ترغیب دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مال تو خرچ ہونے والی چیز ہے اور جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر وثواب ہے۔

☆ مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے کہ وہ اس طرح سخت دل نہ ہو جائیں جس طرح ان سے پہلے لوگ سخت دل ہو گئے تھے اور انہوں نے ہدایت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی بناء پر ان میں سے اکثر لوگ فسق میں مبتلا ہو گئے۔

☆ یہ بتایا ہے کہ اس دنیا سے زیادہ دل نہ لگاؤ یہ فانی ہے اور تم نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی جواب دہی کے لیے قیامت میں پیش ہونا ہے۔

☆ مصائب اور ناگہانی آفات پر صبر کرنا چاہیے اور یہ بتایا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے میں کیا حکمت ہے۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی مثل ہے' جس طرح ان کی ذریت میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور فاسق بھی تھے' اسی طرح آپ کی امت میں بھی ہیں۔

سورۃ الحدید کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے بارِ الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم التفسیر والحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۲۱ شوال ۱۴۲۳ھ/ ۴ دسمبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الحدید مدنیۃ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴

سورۃ الحدید مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں انتیس آیات چار رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①
آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ
قادر ہے ○ وہی اوّل اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ
پیدا فرمایا پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے
وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ
جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمین سے خارج ہوتی ہیں اور جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
ہیں اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ آسمانوں اور زمینوں
وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
میں اسی کی حکومت ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ○ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور
يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا
دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ اللہ پر ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ

اور اس کے رسول پر اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے'

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا

پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے اگر تم مومن ہو O وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے

عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ

پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے' بے شک

اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ

حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی وراثت ہے' (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا

مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ

جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ ع ۱۷

وعدہ فرمایا ہے' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی اوّل اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الحدید: ۱۔۳)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اقسام

زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی تمجید اور تعظیم کرتی ہے اور عیوب اور قبائح سے اس کے بری ہونے کو بیان کرتی ہے' خواہ وہ چیز جان دار ہو یا بے جان ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی کئی اقسام ہیں' اس کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کی صفات کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کے افعال کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کے اسماء کی عیوب سے برأت بیان کرنا اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت بیان کرنا۔

اس کی ذات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ذات امکان اور حدوث کے عیب سے بری ہے اور اس کی ذات واحد ہے اور وہ شرکت اور کثرت کے عیب سے بری ہے' کیونکہ اگر واجب الوجود متعدد ہوں تو ان میں نفس وجوب مشترک ہوگا اور کوئی امر ممیز ہوگا اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے' واجب اور قدیم نہیں ہوتی۔

اور اس کی صفات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ جہل کے عیب سے بری ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور عجز کے عیب سے بری ہے۔

اور اس کے افعال کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ جس فعل کا ارادہ کرے اس کو کر گزرتا ہے' اس کے افعال زمان پر موقوف ہیں نہ مکان پر' مادے پر نہ اس کی استعداد پر' وہ کسی چیز کے متعلق فرماتا ہے: "ہو" سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس کے اسماء کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں اور اس کے اوپر کسی ایسے اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے جس میں کسی وجہ سے نقص اور عیب ہو بلکہ اس پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا ذکر قرآن اور احادیث میں آ گیا ہو اور محض اپنی عقل سے اس پر کسی اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی حسن' خوبی اور مصلحت پر مبنی ہے' اس کا کوئی حکم عبث اور بے فائدہ نہیں ہے اور یہ محض اس کا فضل اور احسان ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۴۱ ملخصاً وموضحاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد تسبیح حالی ہے یا تسبیح قولی ہے' امام فخر الدین رازی کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد تسبیح حالی ہے اور ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد تسبیح قولی ہے' بنی اسرائیل: ۴۴ میں اس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے' اس کے لیے دیکھئے: "تبیان القرآن" ج ۶ ص ۷۲۳۔۷۲۶۔

اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں

الحدید: ۲ میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ برحق حاکم ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں ہر چیز سے مستغنی ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز اپنی ذات اور صفات

میں اس کی طرف محتاج ہے۔

وہ اپنی ذات اور صفات میں ہر چیز سے مستغنی ہے کیونکہ وہ واجب الوجود اور قدیم ہے اگر وہ کسی کا محتاج ہوتا تو ممکن اور حادث ہوتا' واجب اور قدیم نہ ہوتا اور اس کے ماسوا ہر چیز اپنی ذات اور صفات میں اس کی محتاج ہے کیونکہ اس کے ماسوا ہر چیز ممکن اور حادث ہے' اور ممکن اور حادث کو وہی بلاواسطہ وجود میں لاسکتا ہے' جو خود ممکن اور حادث نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی واجب اور قدیم نہیں ہے' اس لیے ہر چیز اس کی طرف محتاج ہے۔

وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' یعنی دنیا میں لوگوں کو مارتا ہے اور قیامت کے بعد سب کو حشر اور حساب و کتاب کے لیے زندہ کرے گا اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ دنیا والوں کی موت اور حیات پر وہی قادر ہے' اس لیے وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہونے کے معانی اور محامل

الحدید: ۳ میں فرمایا: وہی اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

حکماء نے تقدم کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) تقدم بالتاثیر' اس میں مقدم کی مؤخر میں تاثیر ہوتی ہیں لیکن مقدم مؤخر کے لیے علت تامہ نہیں ہوتا' جیسے قلم کی حرکت پر ہاتھ کی حرکت مقدم ہے۔

(۲) تقدم طبعی' اس میں مقدم کی مؤخر میں تاثیر نہیں ہوتی' جیسے ایک کا تقدم دو پر۔

(۳) تقدم بالشرف ہے' جیسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدم تمام انبیاء پر یا حضرت ابوبکر کا تقدم تمام صحابہ پر۔

(۴) تقدم بالترتیب' جیسے نماز میں امام کا تقدم پہلی صف پر اور پہلی صف کی تقدیم دوسری صف پر وعلیٰ ھذا القیاس۔

(۵) تقدم بالزمان' یعنی متقدم پہلے زمانہ میں ہو اور متاخر اس کے بعد کے زمانہ میں ہو جیسے طوفانِ نوح ہم پر مقدم ہے۔

(۶) زمانہ کے بعض اجزاء کا بعض پر تقدم جیسے پہلی صدی ہجری دوسری صدی ہجری پر مقدم ہے اور دوسری تیسری پر وعلیٰ ھذا القیاس۔

اور اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے لیے محتاج الیہ ہے اور تمام کائنات اس کی محتاج ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ سب سے اوّل ہے اور سب مخلوق اس کے بعد ہے۔

اللہ تعالیٰ آخر ہے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ساری کائنات کو فنا کر دے گا' سب چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے بعد باقی رہے گا' اس لیے وہ آخر ہے' اس کے بعد وہ سب چیزوں کو دوبارہ موجود کر دے گا اور ان کو ہمیشہ باقی رکھے گا۔

اور اللہ ظاہر ہے' یعنی اللہ تعالیٰ دلائل کے اعتبار سے سب پر ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ باطن ہے' یعنی انسان کے حواس سے باطن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہونے کی یہ تفسیر فرمائی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اوّل ہے' تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے اور تو آخر ہے' تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں ہے' پس تو ہمارا قرض ادا کر دے اور ہم کو فقر سے بے پروا کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۳۷)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے فرمایا: احسن قول یہ ہے کہ "الاوّل" سے مراد یہ ہے: جس کی ابتداء نہ ہو اور "الاٰخر" سے مراد یہ ہے کہ جس کی انتہاء نہ ہو اور "الظاھر" سے مراد ہے: جو بلا حجاب ہو اور "الباطن" سے مراد ہے: جو بلا اقتراب ہو (جو مستور ہو)' دوسرا قول یہ ہے: الاوّل سے مراد ہے: ابتداء اور آخر سے مراد ہے: انباء (خبر دینا)' ظاہر سے مراد ہے: وہ دلائل سے ظاہر ہے اور باطن سے مراد ہے: وہ ادراکات سے باطن ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ اوّل سے مراد ہے: وہ قدیم ہے' آخر سے مراد ہے: وہ باقی ہے' ظاہر سے مراد ہے: وہ غالب ہے اور باطن سے مراد ہے: وہ مخلوق کے لیے لطیف اور رفیق ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

"الظاھر" اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے' اس کا معنی ہے: وہ غالب ہے اور اس کی قدرت کامل ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ دلائل قطعیہ کے اعتبار سے ظاہر ہے اور باطن کا معنی ہے: وہ اپنی مخلوق سے مستور ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ پوشیدہ چیزوں کا عالم ہے۔

علامہ ابوبکر بن الباقلانی نے کہا: "الاٰخر" کا معنی ہے: وہ اپنے علم اور اپنی قدرت اور اپنی دیگر صفات ازلیہ کے ساتھ باقی ہے اور وہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی اپنی صفات کے ساتھ باقی رہے گا اور مخلوق کے علوم اور ان کی قدرت اور ان کے حواس باقی نہیں رہیں گے۔

معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت "الاٰخر" سے اپنے مذہب کو ثابت کیا ہے کہ تمام اجسام بالکل فنا ہو جائیں گے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی بالکلیہ فنا ہو جائیں گی اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا اور یہ اہل حق کے مذہب کے خلاف ہے' اہل حق یہ کہتے ہیں کہ تمام اجسام کے فنا ہونے سے ان کا عدم مراد نہیں ہے۔

(شرح مسلم للنواوی مع مسلم ج ۱۱ ص ۶۸۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اوّل' آخر' ظاہر' باطن کے معانی اور محامل میں ایک اور تقریر یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے اوّل ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قدیم بلا ابتداء ہے اور اس کے آخر ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور وہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا اور اس کے ظاہر ہونے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت ظاہر آیات دلالت کرتی ہیں اور اس کا معنی قاہر' غالب اور کامل القدرۃ بھی ہے اور باطن کا معنی یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حواس اور ان کے ادراکات سے چھپا ہوا ہے۔

نیز فرمایا: اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' اس کو ان سب چیزوں کا علم ہے جو ہو چکی ہیں اور جو ہونے والی ہیں' اور اس کا علم غیر متناہی بالفعل ہے اور اس کے علم کی وسعت کا اندازہ کرنا انسان کی عقل سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا' وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمین سے خارج ہوتی ہیں اور جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O (الحدید: ۴۔۶)

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر دلائل اور نظائر

الحدید: ۴ میں فرمایا: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایاO
زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت' چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تعیین' عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ اور متاخرین علماء کا موقف' ان تمام امور پر ہم الاعراف: ۵۴ کی تفسیر میں "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۱۵۵۔ ۱۶۱ میں لکھ چکے ہیں۔
اس آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں۔
پھر فرمایا: وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں' یعنی بارش اور سیلاب کا پانی یا وہ بیج جس کو کسان زمین میں دباتے ہیں۔
نیز فرمایا: اور زمین سے خارج ہوتی ہیں' یعنی زمین سے جو زرعی پیداوار نکلتی ہے اور دانے اور پھل نکلتے ہیں۔
اور جو آسمان سے اترتی ہیں: جیسے بارش ہوتی ہے اور اولے برستے ہیں اور فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں' اس سے مراد بندوں کے نیک اعمال ہیں جن کو فرشتے آسمان پر لے کر جاتے ہیں۔
پھر فرمایا: اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو' یعنی تم اس کے علم اور اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو۔
اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے' وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔
بہ ظاہر اس آیت میں تعارض ہے' اس آیت کے شروع میں فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اس لیے اس آیت کے ان دو فقروں میں تاویل اور تطبیق ضروری ہے' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر جلوہ فرما ہے اور وہ اپنی صفت علم اور قدرت کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے' تم جہاں کہیں بھی ہو اس کو تمہارا علم ہے اور وہ ہر طرح تم پر قادر ہے' اسی لیے محققین نے کہا: ہم نے ہر چیز سے پہلے اللہ کو دیکھا' اور متوسطین نے کہا: ہم نے ہر چیز کے ساتھ اللہ کو دیکھا اور علماء ظاہر نے کہا: ہم نے ہر چیز کے بعد اللہ کو دیکھا۔
اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہے' یعنی تمام ممکنات اس کے زیر قدرت اور زیر تصرف ہیں' پھر فرمایا: عرش اور زمین اور آسمان سب اس کے زیر سلطنت ہیں' پھر فرمایا: وہ اپنے علم اور قدرت سے تم سب کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے ظاہر اور باطن کو خوب جاننے والا ہے۔
الحدید: ۵ میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے اور تمام اُمور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیںO
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر پر دلیل قائم کی ہے۔
الحدید: ۶ میں فرمایا: وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہےO
جو ذات ایسی وسیع قدرت اور ایسے علم محیط کی مالک ہے' وہی اس چیز کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' اس کی آیت کی مکمل تفسیر آل عمران: ۲۷ میں گزر چکی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر' اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا

جانشین بنا دیا ہے' پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے اگر تم مؤمن ہو O وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے' تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے' بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O (الحدید: ۷۔۹)

اللہ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے

الحدید: ۷ میں فرمایا: اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے O

یعنی تم اس کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کا خالق' مالک اور واحد مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور وہ جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور بتوں کی عبادت کرنا اور ان کو مدد کے لیے پکارنا اور ان کے نام کی دہائی دینا جائز نہیں ہے۔

اور اس آیت میں اللہ کی راہ میں جس مال کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں اور اس کی عبادات میں خرچ کرنا مراد ہے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندے کے لیے اپنے مال کو صرف اس جگہ خرچ کرنا جائز ہے' جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کو ثواب میں جنت عطا فرمائے گا' جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مال کو خرچ کیا اور اس پر مال کو خرچ کرنا اس طرح آسان اور خوش گوار ہوا جس طرح وہ اپنی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تمہارے پاس جو اموال ہیں وہ حقیقت میں تمہارے نہیں ہیں اور ان اموال میں تمہاری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی نائب اور وکیل کی ہوتی ہے' سو تم اس مہلت اور فرصت کو غنیمت جانو اور اس سے پہلے کہ وہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے تم اس مال کو ان مصارف میں خرچ کرو جن مصارف میں مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

میثاق کے محامل

الحدید: ۸ میں فرمایا: اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے' حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ O

یعنی ایمان نہ لانے کے تمام حیلے اور بہانے زائل کیے جا چکے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل اور شعور عطا کیا ہے' اور اس خارجی کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت' تخلیق اور توحید پر بے شمار دلائل قائم کیے ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی اس کی ذات اور صفات پر بہت نشانیاں ہیں' پھر ان دلائل اور نشانیوں پر ہمارے رسول تمہیں متوجہ اور متنبہ کر رہے ہیں' سو تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور ایمان نہ لانے کے لیے اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں ہے۔

پھر فرمایا: اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے' اگر تم مؤمن ہو۔

اس میثاق اور پکے عہد کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء' مجاہد اور کلبی نے کہا: اس میثاق سے مراد وہ میثاق ہے جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی روحوں کو حضرت آدم علیہ

السلام کی پشت سے نکالا تھا اور فرمایا:
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ. (الاعراف: ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں!
امام رازی نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میثاق کے بعد لوگوں کے لیے یہ عذر ہو سکتا تھا کہ ہم اس میثاق کو بھول چکے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر دوبارہ ان کو یاد دہانی کرائی۔
(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی عقلوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر صاحب نشان تک پہنچ سکیں۔
(۳) انبیاء علیہم السلام اور ہر دور میں علماء مبلغین نے لوگوں کو پیغامِ حق سنایا' اس میثاق سے بھی پیغام مراد ہے۔
الحدید: ۹ میں فرمایا: وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے' تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے' بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O
اس آیت میں واضح آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہوں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں پیش فرمایا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی وراثت ہے (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا' جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے' جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O (الحدید: ۱۰)

جس عمل میں زیادہ مشقت ہو اس کا زیادہ اجر و ثواب ہوتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے' یعنی تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سی چیز منع کرتی ہے اور کون سی چیز تم کو اللہ کا قرب حاصل کرنے سے روکتی ہے' جب کہ تم اس دنیا میں اس مال کو یوں ہی چھوڑ کر مر جاؤ گے اور یہ مال تمہارے کسی کام نہیں آئے گا اور اگر تم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہیں اس مال سے نفع پہنچے گا۔
اس کے بعد فرمایا: (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا۔
اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور شعبی اور زہری نے یہ کہا کہ اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے۔ قتادہ نے کہا: جن مسلمانوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا' وہ ان مسلمانوں سے بہت افضل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا' کیونکہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان بہت کمزور تھے اور بہت ضرورت مند تھے اور اس وقت ان کے لیے مال خرچ کرنے میں اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے میں بہت مشقت تھی اور جس عبادت میں جتنی زیادہ مشقت ہو اس کا اجر و ثواب اسی قدر زیادہ ہوتا ہے' حدیث میں ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس عمل میں سب سے زیادہ مشقت ہو۔ (النہایہ ج ۱ ص ۴۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن عمرہ کا اجر تمہارے خرچ کرنے اور تمہاری مشقت کے اعتبار سے ملے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۸۱ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو تنگ دست آدمی مشقت برداشت کرکے دے اور دینے کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷ المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افضل الامت ہونا

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے اور ان کی فضیلت پر واضح دلیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے درجہ میں رکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۲۶)

اور سب سے بڑا درجہ نماز کا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا:

مروا ابا بکر فلیصل بالناس. ابوبکر سے کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸ سنن نسائی رقم الحدیث: ۸۳۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت میں سب سے بڑے درجہ پر فائز ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر کو نماز کی امامت کے درجہ میں رکھا اور کسی کو اس درجہ میں نہیں رکھا گیا اور نماز کی امامت کا درجہ سب سے بڑا درجہ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اللہ کے دشمنوں سے قتال کیا وہ بعد والوں سے بہت زیادہ افضل ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کے لیے نمایاں خرچ کرنے والے حضرت ابوبکر تھے اور اسلام کے لیے نمایاں قتال کرنے والے حضرت علی تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کے ذکر کو قتال کرنے والے کے ذکر پر مقدم کیا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں' نیز خرچ کرنا باب رحمت ہے اور قتال کرنا باب غضب سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سبقت رحمتی غضبی. میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

لہٰذا خرچ کرنے والا قتال کرنے والے پر سابق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خرچ کرنے والے تھے کیونکہ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ (الدھر: ۸) اور جو اللہ کی محبت میں مسکین کو' یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۝

تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنا اسی وقت ثابت ہوگا جب انہوں نے بڑے بڑے مواقع پر بہت زیادہ مال خرچ کیا ہو اور یہ چیز صرف حضرت ابوبکر کے لیے ثابت ہے نیز امام واحدی نے "البسیط" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لیے سب سے پہلے قتال کیا' کیونکہ اسلام کے ظہور کی ابتداء میں حضرت علی

چھوٹے بچے تھے اور اس وقت وہ قتال کرنے والے نہ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت شیخ اور مقدم تھے اور اسی وقت وہ اسلام کی مدافعت کرتے تھے' حتیٰ کہ وہ کئی مرتبہ لڑتے لڑتے موت تک پہنچے۔

علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص پہلے اسلام لایا اور جس نے پہلے جہاد کیا اور جس نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی راہ میں خرچ کیا' وہ بعد والوں سے افضل ہے' کیونکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کا عظیم موقع حاصل ہوا اور اس نے اس وقت مال خرچ کیا جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس وقت مسلمانوں کو مدد اور معاونت کی بہت ضرورت تھی' اس کے برخلاف فتح مکہ کے بعد اسلام قوی ہو چکا تھا اور کفر بہت ضعیف تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۵۲۔۴۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مضمون پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ: ۱۰۰)

جو مہاجرین اور انصار (اسلام میں) سابق اور اول ہیں اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی عظیم کامیابی ہے○

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن فضیل نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال خرچ کیا اور سب سے پہلے اسلام کے لیے قتال کیا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: انہوں نے سب سے پہلے اسلام کے لیے تلوار اٹھائی۔ عطاء نے کہا: جنت کے مختلف درجات ہیں اور جس نے سب سے پہلے اسلام کے لیے خرچ کیا اور تلوار اٹھائی' وہ لوگ سب سے افضل درجہ میں ہوں گے۔ الزجاج نے کہا: کیونکہ متقدمین نے بعد والوں کی بہ نسبت اسلام کے لیے بہت زیادہ مشقت اٹھائی ہے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۲۳۵۔۲۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث

حسب ذیل احادیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی دلیل ہے:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رفاقت اور اپنے مال سے سب سے زیادہ (دنیا میں) مجھ پر احسان کیا وہ ابوبکر ہیں' اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن (اس کے ساتھ) اسلام کی اخوت اور محبت ہے اور ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ' تاکہ میں ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور یہ کہے گا کہ میں ہی خلافت کا مستحق ہوں اور کوئی نہیں ہے' اور اللہ اور مؤمنین غیر ابوبکر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۲)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی ہم پر کوئی احسان

کیا ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا' سوا ابوبکر کے' کیونکہ ان کی ہم پر ایسی نیکی ہے جس کی جزاء ان کو اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی کے مال نے مجھے وہ نفع نہیں پہنچایا جو ابوبکر کے مال نے مجھے نفع پہنچایا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۳)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے کسی اور کو امام بنائیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے' پس انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا' پھر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی' حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تاکہ آپ کو دیکھتا رہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔

فضائل صحابہ میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔

صحابہ میں سے خواہ مقدم ہوں یا مؤخر ہوں' اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے' البتہ ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوں گے۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو' کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کر دے تو وہ ان کے صدقہ کیے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو کے برابر نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱)

(۲) حضرت ابوبردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا اور آپ بہ کثرت آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے' سو آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں' جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر اس کی وعید آ جائے گی اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں' جب میں چلا جاؤں گے تو میرے اصحاب کے پاس وہ چیز آ جائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کی امان ہیں' جب وہ چلے جائیں گے تو میری امت کے پاس وہ چیز آ جائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسلمان کو آگ نہیں جلائے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس کو دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۸)

(۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میرا قرن ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۹)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ

کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے' تو اللہ اس قرض کو اس کے لیے بڑھاتا رہے اور اس کے لیے

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ

عزت والا اجر ہے ○ جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے

نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي

کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

جن کے نیچے سے دریا بہ رہے ہیں (تم ان میں) ہمیشہ رہنے والے ہو یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو

نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ

ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر کوئی نور حاصل کرو،

فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن

پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے

قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَ

باہر کی جانب عذاب ہوگا ○ (منافق) ایمان والوں کو پکاریں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں!

لَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ

لیکن تم نے اپنے آپ کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کا) انتظار کرتے رہے اور (دین میں) شک کرتے

الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ

رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور (شیطان نے تمہیں) فریب میں مبتلا رکھا ○

لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ

(سو اے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے

هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٥ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا

تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا

کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے اور ان لوگوں کی

كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ

طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝١٦ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ

سخت ہو گئے' اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں ○ یاد رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝١٧ اِنَّ

زندہ فرماتا ہے' بے شک ہم تمہارے لیے نشانیاں بیان کر چکے ہیں تاکہ تم سمجھو ○ بے شک

الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا'

يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝١٨ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ

ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر

وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی

ع ٢ ٩ ١٨ الْجَحِيْمِ ۝١٩ ع

وہی دوزخ والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتا رہے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہے O جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں (تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو) یہی بہت بڑی کامیابی ہے O جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو' ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں' ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر کوئی نور حاصل کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا' اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا O (الحدید: ۱۱۔۱۳)

قرض حسن کی شرائط

الحدید: ۱۱ میں قرض حسن کا ذکر کیا گیا ہے' مفسرین نے قرض حسن کی حسب ذیل آٹھ شرائط بیان کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی راہ میں رزق حلال سے صدقہ دیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ طیب ہے اور طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹)

(۲) انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھی چیز صدقہ دے' بُری چیز نہ دے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ (البقرہ: ۲۶۷)

ان میں سے بُری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو' جس کو تم خود لینے والے نہیں ہو' سوا اس کے کہ تم آنکھیں بند کر لو۔

(۳) تم اس چیز کو صدقہ کرو جو تم کو پسند ہو اور تمہیں اس کی ضرورت ہو کہ تم اس کے بعد زندہ رہو گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ (البقرہ: ۱۷۷)

اور اپنی محبت کے باوجود مال اللہ کی راہ میں دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور کفایت شعار ہو' تمہیں تنگ دستی کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلقوم تک پہنچ جائے' اس وقت تم کہو کہ فلاں کے لیے اتنا ہے' فلاں کے لیے اتنا ہے اور اب تو فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

(۴) حتی الامکان چھپا کر صدقہ کیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ

اور اگر تم چھپا کر صدقہ کرو اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے

زیادہ بہتر ہے۔ (البقرہ:۲۷۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا' اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے' (ان میں سے ایک وہ شخص ہے) جس نے چھپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۳۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۹۳۱)

(۵) جس پر صدقہ کیا ہے اس پر صدقہ کا احسان جتائے نہ اس کو طعنہ دے کر اذیت پہنچائے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو۔ (البقرہ:۲۶۴)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تم نیکی پر احسان نہ جتاؤ' کیونکہ یہ شکر کو باطل کرتا ہے اور اجر کو ضائع کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۳ص۲۸۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۶) صرف اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے صدقہ کرے' دکھاوے کی نیت سے صدقہ نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ (اللیل:۲۰) صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے صدقہ دیا ○

(۷) جتنا زیادہ صدقہ کرے اس کو کم سمجھے اور اپنے صدقہ کو زیادہ خیال نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (المدثر:۶) اور زیادہ گمان کر کے احسان نہ کر ○ (یہ ایک محمل ہے)

(۸) جو چیز زیادہ پسندیدہ ہو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ تم ہرگز نیکی نہیں پاسکو گے حتیٰ کہ اپنی پسندیدہ چیزوں سے صدقہ کرو۔ (آل عمران:۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۱۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۰۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۷)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض فرمانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: تو اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتا ہے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو' اللہ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ مجاز ہے' کیونکہ سب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے' اس کو قرض اس مناسبت سے فرمایا ہے کہ جس طرح مقروض' قرض دار کو رقم واپس کرتا ہے' اسی طرح جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی خرچ کی ہوئی رقم کا اجر واپس کرے گا اور اس قسم کو بڑھا کر اس کا اجر دے گا' کسی کو اس رقم کا دس گنا اجر عطا فرمائے' کسی کو سات سو گنا' کسی کو چودہ سو گنا اور کسی کو غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا۔

قیامت کے دن مومنوں کے نور کی مختلف مقدار

الحدید:۱۲ میں فرمایا: جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بعض مؤمنوں کا نور اس قدر ہو گا کہ اس سے مدینہ سے عدن تک روشن ہو جائے گا اور بعض مؤمنوں کے نور سے صرف ان کے قدموں کی جگہ روشن ہو گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مؤمنوں کو ان کے نیک اعمال کے حساب سے نور دیا جائے گا' بعض کا نور کھجور کے درخت جتنا ہو گا' بعض کا نور مرد کی قامت کے برابر ہو گا' کم سے کم نور انسان کے انگوٹھے کے برابر ہو گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۵)

قیامت کے دن منافقین کا جنت کے راستہ سے محروم ہونا

الحدید: ۱۳ میں فرمایا: جس دن وہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو' ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں۔ الآیۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ اندھیروں میں ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا' جب مؤمنین اس نور کو دیکھیں گے تو اس نور کی جانب چل پڑیں گے اور وہ نور جنت کی طرف رہ نمائی کرے گا' پس جب منافقین دیکھیں گے کہ مؤمنین اس نور کی روشنی میں جنت کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی مؤمنوں کو پیچھے چل پڑیں گے' تب اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا کر دے گا' اس وقت منافقین مؤمنوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں' کیونکہ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ رہے تھے تو مؤمنین کہیں گے: تم اسی اندھیرے میں لوٹ جاؤ' جہاں سے آئے تھے اور وہیں نور تلاش کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۷)

اس کے بعد فرمایا: پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی' جس میں دروازہ ہو گا' اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہو گی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہو گا○

قتادہ نے کہا: یہ دیوار جنت اور دوزخ کے درمیان ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافق ایمان والوں کو پکاریں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کا) انتظار کرتے رہے اور (دین میں) شک کرتے رہے' اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور (شیطان نے تمہیں) اللہ کے متعلق فریب میں مبتلا رکھا○ (سواے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے' تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے○ کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے' اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں○ (الحدید: ۱۴۔۱۶)

قیامت کے دن مؤمنوں اور منافقوں کا مکالمہ

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافقین' مؤمنین کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' ان کے ساتھ نکاح کرتے تھے' اور ان کے ساتھ معاشرتی زندگی گزارتے تھے' اور قیامت کے دن ان سب کو نور دیا جائے گا' پھر جب منافقین اس دیوار تک پہنچیں گے تو ان کا نور بجھ جائے گا' اس وقت وہ ظلمت اور عذاب میں ہوں گے اور مؤمنین جنت میں ہوں گے' اس وقت منافقین مؤمنوں سے کہیں گے: کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے' ہم نماز پڑھتے تھے اور روزے رکھتے تھے' ایک دوسرے کے ساتھ نکاح

کرتے تھے اور وارث ہوتے تھے؟ مؤمنین کہیں گے: ہاں! تم اسی طرح تھے لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنہ میں ڈالا تم نے منافقت کی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کا انتظار کرتے رہے اور دین میں شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تم کو فریب میں مبتلا رکھا اور تم کو اللہ کے راستہ سے روک لیا اور تم کو گم راہ کر دیا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تم کو عذاب میں ڈال دیا۔ (جامع البیان جز ۲۷ص ۲۹۴ ملخصاً 'دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الحدید: ۱۵ میں فرمایا: (سوائے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے' تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے O

فدیہ کا معنیٰ ہے: عوض اور بدل' یعنی تمہارے عذاب کے بدلہ میں تم سے کوئی چیز لے کر تم کو عذاب سے نجات نہیں دی جائے گی۔

الحدید: ۱۶ میں فرمایا: کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں سے سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی وہ خشوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنوں کو اس چیز سے منع فرمایا ہے کہ وہ ان اہل کتاب سے مشابہت اختیار کریں جو یہود اور نصاریٰ تھے' جب ان پر زیادہ مدت گزر گئی تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کتاب کو بدل ڈالا اور اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت خرید لی اور کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور مختلف نظریات اور مختلف اقوال کے درپے ہوئے اور اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید کی اور اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے بجائے رب مان لیا اور اس وقت ان کے دل سخت ہو گئے' وہ کسی کی نصیحت قبول نہیں کرتے تھے اور نہ جنت کی بشارت اور دوزخ کی وعید سن کر ان کے دل نرم ہوتے تھے' ان میں سے اکثر لوگوں کے عقائد فاسق تھے' ان کے دل فاسد ہو چکے تھے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ان کی عادت بن چکی تھی' انہوں نے ان کاموں کو ترک کر دیا تھا جن کو کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ ایسے کام کرتے تھے جن کو کرنے سے انہیں منع کیا گیا تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُمور اصلیہ اور اُمور فرعیہ میں سے کسی ایک چیز میں بھی ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۳۴۲ 'دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرماتا ہے' بے شک ہم تمہارے لیے نشانیاں بیان کر چکے ہیں تاکہ تم سمجھو O بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے O اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخ والے ہیں O (الحدید: ۱۷۔۱۹)

خضوع اور خشوع کی ترغیب

الحدید: ۱۷ میں مردہ دلوں کو مردہ زمین کے ساتھ تشبیہ دی ہے' جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے' اسی طرح جو دل کفر اور معصیت پر اصرار کرنے کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے' اس کا ذکر کرنے' اعمال صالحہ اور توبہ اور استغفار سے زندہ ہو جاتے ہیں' اس آیت میں اللہ سے ڈرنے اور خضوع اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے اور مرنے کے

بعد دوبارہ زندہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔

الحدید:۱۸ میں اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے اور اس پر دگنے چوگنے اجر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل ہم الحدید:۱۱ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر مؤمن کا صدیق اور شہید ہونا

الحدید:۱۹ میں فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخ والے ہیں O

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور منافقین کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں مؤمنوں اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے۔

صدیق صادق کا مبالغہ ہے' یعنی جو بہت زیادہ صادق ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت قوی تصدیق کرنے والا ہو اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ نہایت خوشی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرے اور سخت سردی اور شدید گرمی میں اس پر نماز پڑھنا اور روزے رکھنا گراں اور دشوار نہ ہو' زکوٰۃ ادا کرنا اس پر سہل ہو اور حج کرنے کا اس کو شوق ہو اور اس کی آرزو جہاد کرنا ہو اور میدانِ جہاد میں شہید ہونا اس کی تمنا ہو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت مخصوص صدیقین کے لیے ہے اور وہ یہ ہیں: پچھلی امتوں میں سے صاحب یاسین اور آل فرعون کا مومن اور ہماری امت میں سے یہ ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زید' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر کبیر ج۱۰ص ۴۶۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۲۲۹)

مجاہد نے کہا: ہر مؤمن صدیق اور شہید ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۶۳۳)

ہر مومن کے شہید ہونے کی وجوہ

بعض علماء نے کہا کہ ہر مومن کے شہید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کے سامنے گزشتہ انبیاء کے حق میں شہادت دیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ. (البقرہ:۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے حق میں شہادت دینے والے ہو جاؤ۔

حسن بصری نے کہا: ہر مومن کو شہید اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے لطف و کرم پر شہید (حاضر یا گواہ) ہوگا۔

اصم نے کہا: ہر مومن اس لیے شہید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر کے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا حرام ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ "والشھداء عند ربھم " سے الگ جملہ ہے یعنی جو لوگ اپنے رب کے پاس شہید (حاضر) ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے۔

اس قول کی بناء پر اس آیت میں شہداء سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۴۱)

(اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہوگی! جب ہم ہر امت سے ایک شہید لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید بنا کر پیش کریں گے O

اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں شہداء سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوں گے اور اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر مومن اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہے۔

اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کرنے کو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو میری امت میں شہید بہت کم ہوں گے' اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا شہید ہے' طاعون میں مرنے والا شہید ہے' جو شخص اللہ کی راہ میں غرق ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں گر کر مرا وہ شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں نمونیہ میں مرا وہ شہید ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱ مکتب اسلامی بیروت' طبع قدیم)

ہم نے "شرح صحیح مسلم" ج ۵ ص ۹۲۵۔۹۲۹ میں احادیث کے حوالوں کے ساتھ پینتالیس (۴۵) حکمی شہادت کی اقسام بیان کیں ہیں اور "تبیان القرآن" ج ۲ ص ۳۶۵۔۳۲۲ میں اکیاون (۵۱) اقسام بہ حوالہ بیان کی ہیں' ان میں سے اڑتالیس (۴۸) اقسام یہ ہیں:

حکمی شہداء کی تعداد

مذکور الصدر احادیث میں جو حکمی شہادت کی اقسام بیان کی گئی ہیں' ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) طاعون میں مرنے والا (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (۳) ڈوبنے والا (۴) دب کر مرنے والا (۵) نمونیہ میں مرنے والا (۶) جل کر مرنے والا (۷) دردِ زہ میں مبتلا ہو کر مرنے والی حاملہ (۸) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۹) اپنی جان کی حفاظت میں مارا جانے والا (۱۰) اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۱۱) دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۱۲) سواری سے گر کر مرنے والا (۱۳) اللہ کے راستہ میں مرنے والا' مثلاً علم دین کی طلب میں جانے والا' نماز کو جانے والا' حج کو جانے والا' غرض ہر نیک کام کے لیے جانے والا اس دوران اگر مر جائے (۱۴) پہاڑ سے گر کر مرنے والا (۱۵) جس کو درندے کھا جائیں (۱۶) نفاس میں مرنے والی عورت (۱۷) اپنے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا (۱۸) اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا (۱۹) کسی مصیبت یا حادثہ میں مرنے والا (۲۰) صدق دل سے شہادت کی دعا کرنے والا (۲۱) پھیپھڑوں کی بیماری مثلاً دمہ' کھانسی یا تپ دق میں مرنے والا (۲۲) سفر میں مرنے والا (۲۳) جو شخص ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کرے: "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" (۲۴) تیزہ کی ضرب سے مرنے والا (۲۵) جو عاشق پاک دامن رہا (۲۶) بخار میں مرنے والا (۲۷) سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا (۲۸) گڑھے میں گر کر مرنے والا (۲۹) ظلماً قتل کیا جانے والا (۳۰) اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۳۱) اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہونے والا (۳۲) جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے (۳۳) جو اچھو سے مر جائے (۳۴) پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے (۳۵) جو چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے (۳۶) جو پتھر گرنے سے مر جائے (۳۷) جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہوئی مر جائے (۳۸) نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہوئے مر جائے (۳۹) اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے (۴۰) جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر جانے سے مر جائے (۴۱) جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے (۴۲) صبح و شام سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے والا شہید ہے (۴۳) چاشت کی نماز پڑھنے والا' ہر ماہ تین روزہ رکھنے والا اور وتر قضاء نہ کرنے والا شہید ہے (۴۴) دائما

باوضو رہنے والا شہید ہے (۴۵) بیت المقدس کا خادم شہید ہے (۴۶) زکام یا کھانسی میں مرنے والا شہید ہے (۴۷) غلبہ بدعت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے (۴۸) ہر مومن کامل شہید ہے۔

اس آیت کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ ہر مؤمن شہید ہے' اس سے مراد وہ مومن ہے جس کا ایمان کامل اور قابل شمار ہو' ورنہ یہ بات بہت بعید ہے کہ جو شخص نفسانی تقاضوں اور شہوات میں ڈوبا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے غافل ہو وہ قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے درجہ میں ہو۔

صدقہ کے شوق اور شہادت کی تمنا کا اجر

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابو الدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور صدقہ کرنے کی ترغیب دی' تو حضرت ابو الدحداح انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنا باغ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے صدقہ کر دیا' پھر وہ باغ میں آئے تو حضرت ام الدحداح باغ میں تھیں' انہوں نے کہا: اے ام الدحداح! میں نے اپنا باغ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے صدقہ کر دیا ہے' تم اپنی بچیوں کا ہاتھ پکڑو اور ان کو باغ سے باہر نکالو' پھر جب ان کی بچیوں کو تیز دھوپ لگی تو وہ رونے لگیں' تو ان کی ماں نے کہا: رو مت' تمہارے باپ نے اپنا باغ اپنے رب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ابو الدحداح کی کھجوروں کے کتنے ہی خوشوں کو جنت میں دیکھا ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی:

يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ۝ (الحدید: ۱۸) — ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے۝

یعنی ان کو جنت میں اچھی جزاء ملے گی۔

تب فقراء صحابہ نے کہا: ہمارے پاس تو اتنا مال نہیں ہے' جس سے ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں یا صدقہ کریں' تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (الحدید: ۱۹) — اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق ہیں۔

یعنی جن لوگوں نے اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کی وہی اللہ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور انہوں نے ایک لحظہ کے لیے بھی شکایت نہ کی ہو۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ (الحدید: ۱۹) — اور جو ان میں سے شہید ہو گئے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ دوزخ والے ہیں۔ (الحدید: ۱۹)

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۲۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن کے پاس صدقہ کرنے اور جہاد کرنے کے وسائل نہ ہوں لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں صادق ہوں اور ان کی نیت میں اخلاص ہو اور ان کو صدقہ کرنے کا شوق اور شہادت کی تمنا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ

یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، زیب و زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے

بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ

اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے، اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں

الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ

کو اچھی لگتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب!) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ

اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى

اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ○ اپنے رب کی مغفرت کی

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَ

طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو، جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے، جس کو ان لوگوں کے لیے

الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ

تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، یہ اللہ کا فضل ہے

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ مِنْ

وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ زمین میں اور تمہاری جانوں

مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

میں جو بھی مصیبت آتی ہے، اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے،

نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ۙ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ

بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے ○ تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ

اور اس چیز پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا○ جو لوگ

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں' اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

ہے تعریف کیا ہوا○ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ

اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ اللہ کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' بے شک اللہ

عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع ۳ / ۱۹

بہت قوی بے حد غالب ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے' زیب و زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے' اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب!) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے' پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے' اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے○ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے جس کو ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے○ (الحدید: ۲۰-۲۱)

اس سوال کا جواب کہ دنیا میں اچھی اور مقدس چیزیں بھی ہیں' پھر دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان کیوں ہے؟

الحدید: ۲۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا کی زندگی مذموم ہے اور آخرت کی زندگی محمود ہے' حالانکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی اچھائی ہے' انبیاء علیہم السلام دنیا میں ہی مبعوث کیے گئے اور اولیاء اللہ بھی دنیا میں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ: ۱۳۰)

بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بزرگی دی اور وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں ○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً . (البقرہ: ۲۰۱)

اور بعض لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ . (آل عمران: ۴۵)

ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے' وہ دنیا میں بھی سرخ رو ہیں اور آخرت میں بھی۔

ربیون کا متعلق فرمایا:

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ . (آل عمران: ۱۴۸)

سو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ . (النساء: ۱۳۴)

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو (تو یاد رکھو کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ . (الاعراف: ۱۵۶)

اور ہمارے لیے دنیا کی اچھائی لکھ دے اور آخرت کی۔

اولیاء اللہ کے متعلق فرمایا:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۗ (یونس: ۶۴)

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔

اور ایسی اور بہت آیتیں ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ دنیا اور اس کی چیزیں مذموم نہیں ہیں کیونکہ دنیا میں کعبہ اور بیت المقدس بھی ہے' مسجد نبوی بھی ہے اور دیگر مساجد بھی ہیں' قرآن مجید اور دیگر دینی کتب بھی ہیں' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں' دینی مدارس اور دینی لائبریریاں ہیں' اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے مراکز ہیں' دنیا صرف اس اعتبار سے مذموم ہے کہ اس میں اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کی جائے اور اس میں وہ چیزیں ہوں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اور شیطان کی اطاعت کی طرف راغب کرتی ہیں' جیسے شراب خانے' قحبہ خانے' قمار خانے' بت کدے اور رقص اور موسیقی کے کلب ہیں اور اس آیت میں ایسی ہی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اب ہم اس آیت میں مذکور بعض الفاظ کے معانی ذکر کر رہے ہیں۔

لھو ولعب اور زینت کا معنی

اس آیت میں لھو ولعب کا ذکر ہے' "لعب" اس چیز کو کہتے ہیں جو دنیا کی طرف راغب کرے اور "لھو" اس چیز کو کہتے ہیں جو آخرت سے غافل کر دے۔ ایک قول یہ ہے کہ لعب بچوں کے اس کھیل کو کہتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور لھو جوانوں کے اس کھیل کو کہتے ہیں جس کے ختم ہونے کے بعد سوائے تھکاوٹ اور حسرت کے کچھ حاصل نہ ہو۔

اور زینت کا ذکر ہے' زیب و زینت عام طور پر عورتوں کا طریقہ ہے' وہ سونے' چاندی کے زیورات' ہیرے' جواہرات' ریشمی اور زرق برق لباس اور آرائشی ساز و سامان کی دل دادہ ہوتی ہیں اور مرد بھی عالی شان بنگلوں' خوب صورت کپڑوں اور گھڑیوں اور دیگر عیش و عشرت کی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔

تفاخر کی مذمت میں حدیث

اور اس آیت میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کا ذکر ہے' اس کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عیاض بن عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ' حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے پر فخر کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱۴)

مال اور اولاد میں کثرت کی طلب مطلقاً مذموم نہیں ہے

اور اس آیت میں مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین زیادہ بیٹوں اور زیادہ مال پر فخر کیا کرتے تھے اور مسلمان ایمان اور عبادت اور اطاعت کی کثرت کو قابل فخر شمار کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دنیا نہ ملنے پر غم نہ کرو' کیونکہ دنیا کی خاص چیزیں چھ ہیں: ماکولات' مشروبات' ملبوسات' خوشبویات' سواریاں اور بیویاں' سب سے خوش ذائقہ طعام شہد ہے اور وہ شہد کی مکھی کی قے ہے اور انسان سب سے زیادہ پانی پیتا ہے اور اس میں انسان اور حیوان برابر ہیں' اور ملبوسات میں سب سے افضل ریشم ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کے تھوک سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ خوشبو مشک ہے اور وہ ہرن کی ناف کا جما ہوا خون ہے اور بیویوں سے لذت جماع میں ہے اور وہ المبال فی المبال ہے یعنی ایک کی پیشاب گاہ کا دوسرے کی پیشاب گاہ میں داخل ہونا اور عورت خوب زینت اور میک اَپ کرتی ہے تاکہ اس سے یہ قبیح کام کیا جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۲۳۰)

تاہم مطلقاً مال اور اولاد کی کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے' اگر اللہ کی راہ میں اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے مال کی کثرت کو طلب کیا جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کے لیے اولاد کی کثرت کو طلب کیا جائے تو یہ محمود ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے جس کا خاندان بہت اچھا ہے اور وہ خوب صورت بھی ہے لیکن اس کے ہاں بچے نہیں ہوتے' کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر اس نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے منع فرمایا' پھر اس نے سہ بارہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جننے والی ہو' کیونکہ میں دوسری امتوں کی بہ نسبت زیادہ امت والا ہوں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے دوسری امتوں کی بہ نسبت کثرت حاصل کرنے والا ہوں گا۔ الحدیث

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۴۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱)

اسی طرح مال کی فضیلت کے متعلق بھی یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزوں پر رشک کرنا

مستحسن ہے' ایک شخص کو اللہ نے مال دیا ہو اور اسے اس مال کو راہِ حق میں صرف کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ نے حکمت دی ہے وہ اس حکمت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۵۱' دار الفکر)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اولاد اور مال میں کثرت کو طلب کرنا مطلقاً مذموم نہیں ہے' یہ اس وقت مذموم ہے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کے لیے ان کو طلب کیا جائے۔

الحدید: ۲۱ اور آل عمران: ۱۳۳ میں تعارض کا جواب

الحدید: ۲۱ میں فرمایا: اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے' جس کو ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ الایۃ

یعنی نیک اعمال میں سبقت کرو تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت حاصل ہو' ایک قول یہ ہے کہ اگر تم سے شامت نفس سے گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرنے میں جلدی کرو' تاکہ تمہیں مغفرت حاصل ہو۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: جس (جنت) کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے اور آل عمران: ۱۳۳ میں فرمایا: جس (جنت) کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کی مثل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں جنت کی وسعت سات آسمانوں اور سات زمینوں کی وسعت کی مثل ہے' جس طرح آل عمران: ۱۳۳ میں فرمایا ہے' لیکن عام انسان کے مشاہدہ میں صرف یہی ایک آسمان اور یہی ایک زمین ہے' اس لیے یہاں عام انسان کے مشاہدہ کے اعتبار سے صرف آسمان اور زمین فرمایا۔

مرجئہ کی دلیل اور اس کا رد

اس آیت میں جنت کے حصول کے لیے صرف ایمان کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی قید نہیں لگائی اور اس سے بہ ظاہر فرقہ مرجئہ کی تائید ہوتی ہے' جو کہتے ہیں کہ نجات کے لیے صرف ایمان لانا کافی ہے' اعمالِ صالحہ کی ضرورت نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی بہت آیات میں ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے وہ ذکر اس پر قرینہ ہے کہ یہاں ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی معتبر اور مراد ہیں اور یا ایمان سے ایمان کامل مراد ہے اور ایمان کامل وہی ہے' جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی ہوں' البتہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر جنت نہیں ملتی' ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اس کو جنت ضرور ملے گی' اگر اس کے نیک اعمال نہیں ہیں یا ان میں کوئی کمی ہے' تب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے ابتداءً جنت عطا فرما دے یا پھر اس کو اس کی تقصیر کی کچھ سزا دینے کے بعد جنت عطا فرما دے۔

حصولِ جنت کا حقیقی اور ظاہری سبب

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جنت کسی عمل سے نہیں اللہ کے فضل سے ملتی ہے' رہے نیک اعمال تو وہ بھی بندوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتے ہیں' میں جب ۱۹۹۴ء میں حج کے سلسلہ میں حاجی کیمپ جا رہا تھا تو مجھ سے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا: آپ حج کے لیے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اپنے اپنے نصیب کی بات ہے' میں ملازمت کے سلسلہ میں اٹھارہ سال مکہ میں رہا اور میں نے حج نہیں کیا اور آپ کراچی سے حج کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔

رہا یہ کہ بعض آیات میں جنت کے حصول کا سبب نیک اعمال کو قرار دیا' جیسے یہ آیت ہے:

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ تم اپنے (نیک) اعمال کے سبب ان جنتوں کے وارث بنائے گئے ہو○ (الاعراف: ۴۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے' جیسا کہ الحدید: ۲۱ میں فرمایا ہے اور اس کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں' جیسا کہ الاعراف: ۴۳ میں فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمین میں اور تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے' اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے○ تا کہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور اس چیز پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا○ جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے' تعریف کیا ہوا○

(الحدید: ۲۲۔۲۴)

لوحِ محفوظ میں لکھنے کی حکمتیں

الحدید: ۲۲۔۲۳ میں زمین کی مصیبتوں کا ذکر ہے' اس سے مراد ہے: بارش کا نہ ہونا' غلہ اور پھلوں کا کم پیدا ہونا' قیمتوں کا چڑھ جانا اور لوگوں کا مسلسل بھوک میں مبتلا ہونا۔

اور اس میں انسان کی جانوں کی مصیبتوں کا ذکر ہے' اس سے مراد ہے: بیماریاں' فقر اور تنگ دستی اور اولاد کا نہ ہونا وغیرہ۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ زمین میں جو چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ پیدا ہونے سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور لوحِ محفوظ میں ان کو لکھنے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوحِ محفوظ میں ان چیزوں کو لکھا ہوا دیکھ کر فرشتے اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا جاننے والا ہے۔

(۲) ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں مخلوق اللہ کی نافرمانی کرے گی پھر بھی وہ اس کو پیدا کرتا ہے اور اس کو رزق دیتا ہے اور اس میں اس کی کیا حکمت ہے اس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔

(۳) مخلوق کے گناہوں کو لکھا ہوا دیکھ کر فرشتے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ان کو ان گناہوں سے محفوظ رکھا اور ان کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اور اس کے اولیاء بھی لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو مستقبل میں ہونے والے اُمور کا علم ہو جاتا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جب روحِ قدسیہ کا نور زیادہ ہو جاتا ہے اور عالم محسوسات کی ظلمت سے اعراض کرنے کی وجہ سے اس کا اشراق بڑھ جاتا ہے اور اس کے دل کا آئینہ طبیعت کے زنگ سے صاف ہو جاتا ہے اور علم کے تقاضوں پر دوام کرنے کی وجہ سے اور انوار الٰہیہ کے فیضان کی وجہ سے اس کا نور قوی ہو جاتا ہے تو جو نقوش لوحِ محفوظ میں مرتسم ہیں وہ اس کے دل کی فضا میں مرتسم ہو جاتے ہیں اور وہ مغیبات کا مطالعہ کرتا ہے اور عالم سفلی کے اجسام میں تصرف کرتا ہے بلکہ اس وقت فیاضِ اقدس خود اس کے دل پر اپنی معرفت کی تجلی فرماتا ہے جو سب سے عظیم عطیہ ہے تو پھر اور کون سی چیز اس سے مخفی ہوگی۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۲۸' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

مصیبت اور راحت کے وقت مسلمانوں کا طریقہ

ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر مکہ سے کوفہ آئے تا کہ ان کو واسط میں حجاج کے پاس لے جایا جائے تو ہم تین یا چار شخص ان کے پاس گئے ان کو لکڑی کے ایک گھوڑے (کچرا کنڈی) میں رکھا ہوا تھا ہم ان کے پاس بیٹھ گئے اور ہم میں سے ایک شخص رونے لگا سعید نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: میں آپ کو اس مصیبت میں دیکھ کر رو رہا ہوں سعید نے کہا: مت روؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ ایسا ہونا ہے پھر یہ آیت پڑھی: "مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝" ۔ (الحدید: ۲۲)

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان کا ذائقہ محسوس نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو یہ یقین نہ ہو کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی: "لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ" ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر شخص غم گین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے لیکن مومن اپنی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اپنی نعمت پر شکر کرتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱)

بخل کا حکم دینے والوں کے مصادیق اور بخل اور سخاوت کا معنی

الحدید: ۲۴ میں فرمایا: جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝

سدی اور کلبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہود کے بڑے بڑے علماء ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بیان میں بخل کرنے کا حکم دیتے تھے اور "تورات" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات لکھی ہوئی تھیں ان کو چھپاتے تھے اور اپنے دوسرے علماء کو بھی ان صفات کے بتانے سے منع کرتے تھے تا کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اسلام کو نہ قبول کر لیں اور اگر ایسا ہو گیا تو عوام یہودیوں سے ان کو نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم کو چھپاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دینے سے منع کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔

عامر بن عبد اللہ اشعری نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ صدقہ اور خیرات کرنے سے اور حقوق العباد میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔

علماء نے بخل اور سخاوت میں دو وجہ سے فرق کیا ہے:

(۱) بخیل وہ ہے جس کو مال روکنے سے لذت ملتی ہے اور سخی وہ ہے جس کو مال خرچ کرنے سے لذت ملتی ہے۔

(۲) بخیل وہ ہے جو صرف سوال کرنے سے دے اور سخی وہ ہے جو بغیر سوال کے بھی عطا کرے۔

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝

یعنی اگر کوئی شخص حقوق اللہ کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بخل سے کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ بے نیاز ہے اور اللہ عزوجل فی نفسہ حمد کا مستحق ہے اگر بندہ اس کی اطاعت اور عبادت میں کمی کرے تو اس کا وبال صرف اس بندہ پر ہو گا اللہ

تعالیٰ تو ہر حال میں حمد کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں' تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' بے شک اللہ بہت قوی' بے حد غالب ہے O (الحدید: ۲۵)

''البینات'' کا معنیٰ اور نزولِ کتاب کی حکمت

اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو البینات کے ساتھ بھیجا۔

''البینات'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد ہے: معجزات ظاہرہ اور دلائل قاہرہ (۲) مقاتل بن حیان نے کہا: ہم نے ان کو ان اعمال کے ساتھ بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور غیر اللہ سے اعراض کی ترغیب دیتے ہیں۔ امام رازی نے کہا: ان میں سے پہلا قول صحیح ہے' کیونکہ رسولوں کی نبوت معجزات سے ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

کتاب کو اس لیے نازل فرمایا کہ کتاب میں ضروری عقائد کا ذکر ہے اور باطل عقائد کا رد ہے اور ان میں واقع ہونے والے شکوک اور شبہات کا ازالہ ہے' اور ان نیک اعمال کا حکم ہے جن سے متصف ہو کر انسان کی دنیا اور آخرت میں عزت اور سرخ روئی ہوتی ہے اور بُرے کاموں سے ممانعت ہے' جن کو کرنے سے انسان کی دنیا اور آخرت میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں شدید عذاب ہے اور میزان کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے مقابلہ میں اپنے کیے ہوئے کاموں پر غور کرے کہ آیا اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس کی اطاعت اور عبادات شکر کے میزان پر پوری اتر رہی ہیں یا نہیں' اسی طرح والدین کے احسانات اور ان کے ساتھ اپنے سلوک کو دیکھے کہ آیا وہ اس میزان کے مطابق ہیں یا نہیں' اسی طرح دیگر اقرباء' پڑوسیوں اور حکام کا اس کے ساتھ جو سلوک ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ میزانِ عدل کے موافق ہے یا نہیں۔

لوہے کے فوائد

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: لوہے میں سخت قوت ہے' کیونکہ آلاتِ حرب لوہے سے بنائے جاتے ہیں اور اس میں اور بھی بہت فائدے ہیں:

لوہے سے زرہ بنائی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ O (الانبیاء: ۸۰)

اور ہم نے ان کو (حضرت داؤد کو) تمہارے لیے لباس بنانے کی کاری گری سکھائی تا کہ وہ لباس تم کو جنگ کے ضرر سے محفوظ رکھے' پس کیا تم شکر ادا کرو گے O

قدیم زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی اور لوہے کی زرہ تلوار کے حملہ اور اس کے وار سے محفوظ رکھتی تھی اور اب لوہے سے بلٹ پروف لباس بنایا جاتا ہے جو بندوق کی گولی کے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔

نیز لوہے سے مختلف قسم کی مشینیں بنائی جاتی ہیں' ہل چلانے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ ہل کا فریم لگا دیتے ہیں جو مٹی کو بھربھرا کرتا ہے' پھر اسی مٹی کو باریک کرنے کے لیے اس کے ساتھ چیزل لگا دیتے ہیں' بیج بونے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ چیزل لگا دیتے ہیں' گندم سے بھوسہ کو الگ کرنے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ تھریشر کو لگا دیتے ہیں' فصل کاٹنے اور گندم کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لیے ہارڈ ویسٹر کو استعمال کرتے ہیں' گندم پیسنے کے لیے چکی بھی لوہے سے بنائی جاتی ہے اور فلور ملز میں اس کی بڑی بڑی مشینیں لگی ہوتی ہیں' جو آٹا' میدہ اور سوجی بناتی ہیں' اسی طرح شوگر ملز میں بڑی بڑی مشینیں ہیں جو گنے سے رس نکالتی ہیں' پھر اس رس کو مختلف مراحل سے گزار کر سفید چینی بنا دیتی ہیں' تیل اور گھی نکالنے کی مشینیں ہیں' کپڑا بنانے اور رنگنے کے ملز ہیں' کپڑا سینے کی فیکٹریاں ہیں' دوائیں بنانے کی فیکٹریاں ہیں' یہ سب مشینیں خام لوہے سے بنائی جاتی ہیں اور اب تو مکانات بنانے میں لوہا اور سیمنٹ استعمال ہوتا ہے' غرض زندگی کے ہر شعبہ میں لوہے سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

بعض مترجمین کے ترجمہ سے معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ کی بے علمی ظاہر ہونا

اس کے بعد فرمایا: تا کہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے۔

اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: "وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ" (الحدید: ۲۵) اور اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اور تا کہ اللہ جان لے۔

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۳۱۔۳۳۲ مطبوعہ ترجمان القرآن' لاہور)

ان تمام تراجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا' اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا' پھر اس کو معلوم ہوا کہ کون اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد فرماتا ہے' اور ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سخت قدر ناشناسی اور اس کی جناب میں سخت بے ادبی ہے' جس سے اس کے علام الغیوب ہونے پر زد پڑتی ہے' اس کے برخلاف ہم نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے: تا کہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کو حادث مانتے ہیں' وہ "ولیعلم اللہ" سے استدلال کرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے (یعنی واقع میں کسی چیز کو ظاہر کرنا جس طرح ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۷۲)۔

اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: تا کہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' یعنی لوہے کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے کام لے کر کون اس کی راہ میں کافروں سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کے منکروں کو قتل کرتا ہے' قدیم زمانہ میں لوہے کے یہ ہتھیار تلواریں' نیزے' تیر اور برچھیاں وغیرہ تھے اور اس دور میں لوہے سے کلاشن کوف' توپ' ٹینک' بم' میزائل اور جوہری بم وغیرہ ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ بہت قوی' بے حد غالب ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس

کے رسولوں کی یا اس کے دین کی مدد کرے اور جو مسلمان اس کے رسولوں کی اور اس کے دین کی مدد کرتے ہیں' در اصل وہ اخروی
اجر کے حصول کے لیے خود اپنی مدد کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَّإِبْرٰهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (اپنا پیغام دے کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

دیا' پس ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے

بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ ۙ وَجَعَلْنَا

اور رسول لگاتار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے

فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا

ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی' اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

کیا تھا' مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا

فَاٰتَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٢٧﴾ يٰٓأَيُّهَا

حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O اے ایمان والو!

الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ

اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے اس رسول پر (ہمیشہ) ایمان رکھو' اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے

رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا جس میں تم چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلٰى

بہت معاف فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت

شَیۡءٍ مِّنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اَنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ

نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے .وہ اسے جس کو چاہے' عطا

یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۹﴾ ع

فرماتا ہے' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (اپنا پیغام دے کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا' پس ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیںO پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے اور رسول لگاتار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا' مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور ان میں سے اکثر فاسق ہیںO (الحدید: ۲۶۔۲۷)

نبی' کتاب اور فاسق کے معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور مخلوق کو ان کی مدد کرنے کا حکم دیا اور اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل فرمائی ہے کہ ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو رسالت (پیغام رسانی) کے ساتھ مشرف فرمایا اور ان کی اولاد میں بھی نبوت اور کتاب کو رکھا' اس کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوا وہ ان کی اولاد میں سے تھا۔

اس آیت میں پہلے نبوت کا ذکر فرمایا ہے پھر کتاب کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا اسلوب ہے' کیونکہ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل فرمائے اور اس کو مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجے خواہ اس کو کتاب بھی عطا فرمائے یا نہیں اور رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو اور رسول کا نبی سے بڑا رتبہ ہے۔

کتاب کا لغوی معنی ہے: جمع کرنا اور کتاب کو کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں متعدد مضامین جمع ہوتے ہیں اور آسمانی کتاب کو بھی کتاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام اور غیب کی خبریں جمع ہوتی ہے۔

اور فرمایا: ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور اکثر فاسق ہیں' ان میں سے ہر ایک کے دو محمل ہیں: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی اولاد سے یا جن کی طرف ان کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' ان میں سے۔

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو' عام ازیں کہ اس نے کفر بھی کیا ہو یا نہیں۔

''رھبانیت'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الحدید: ۲۷ میں رہبانیت کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رھب'' کا معنی ہے: ڈرنا اور خوف' اور ''ترھب'' کا معنی ہے: عبادت کرنا اور ''رھبانیت'' کا معنی ہے: عبادت کے افعال برداشت کرنے میں غلو اور زیادتی کرنا' ''رھبان'' کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

(المفردات ج ا ص ۲۶۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں "رھبانیت" نہیں ہے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۷۷) "رھبانیت" کی اصل "رھبۃ" ہے جس کا معنی خوف ہے نصاریٰ کے راہب دنیا کے اشغال اور اس کی لذتوں کو ترک کر دیتے تھے اور ان میں رغبت نہیں کرتے تھے اور اپنے گھر والوں سے الگ رہتے تھے اور مشقتوں کو برداشت کرتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض خود کو خصی کر لیتے تھے اور اپنے گلوں میں زنجیریں ڈال لیتے تھے اس کے علاوہ خود کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرتے تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام سے رہبانیت کی نفی کی اور مسلمانوں کو رہبانیت کے اختیار کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاد کو لازم رکھو کیونکہ وہ اسلام کی رہبانیت ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۲ طبع قدیم' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۹' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۹۸ طبع جدید)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے رہبانیت ہوتی ہے اور اس امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۶ طبع قدیم' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۲۷' مسند احمد ج ۲۱ ص ۱۷ طبع جدید)

آپ کی مراد یہ تھی کہ ہر چند کہ راہبوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور اس سے بے رغبتی کی ہے' لیکن اللہ کی راہ میں اپنی جان خرچ کرنے سے بڑھ کر کوئی ترک دنیا اور دنیا سے بے رغبتی نہیں ہے اور جیسا کہ نصاریٰ کے نزدیک سب سے افضل عمل رہبانیت ہے' اسی طرح اسلام میں سب سے افضل عمل جہاد ہے' اسی لیے حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اُمور کا سردار اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱) (النہایہ ج ۲ ص ۲۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

"ترھب" کے معنی ہیں: عبادت کرنا۔ ایک قول ہے: اپنے گرجا میں عبادت کرنا' قرآن مجید میں ہے: "وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا" (الحدید: ۲۷) ابو اسحاق نے کہا: اس کے دو معنی ہیں: (۱) رہبانیت کو انہوں نے ایجاد کر لیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا اور اس کا معنی یہ ہے: ہم نے صرف اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس کو ان پر فرض کیا تھا اور اللہ کی رضا کو طلب کرنا اس کے احکام پر عمل کرنا ہے (۲) تفسیر میں آیا ہے کہ ان کے بادشاہ ان کو ایسے کاموں کا حکم دیتے جن پر وہ صبر نہیں کر سکتے تھے' پھر انہوں نے سرنگیں اور گرجے بنا لیے اور انہوں نے نفلی طور پر ترک دنیا کو لازم کر لیا' پھر ان پر اس کو پورا کرنا لازم ہو گیا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر نفلی روزہ کی نذر مان لے جو اس پر فرض نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کا اختراع رہبانیت سے بدعت حسنہ کے جواز پر استدلال

امام رازی شافعی کی تفسیر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

رہبانیت سے مراد یہ ہے کہ وہ دین میں فتنوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے

گئے اور انہوں نے زیادہ مشقت والی عبادتیں اختیار کیں' جو ان پر واجب ہوگئیں' وہ تنہائی میں رہتے تھے' موٹا لباس پہنتے تھے' عورتوں سے دور رہتے تھے اور غاروں میں عبادت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد علیہما السلام کے ایام فترت میں بادشاہوں نے ''تورات'' اور ''انجیل'' کو بدل ڈالا تو ایک قوم نے زمین میں سفر کیا اور موٹے کپڑے پہنے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن مسعود! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل میں ستر فرقے ہوئے اور تین فرقوں کے سوا سب دوزخی ہیں؟ ایک فرقہ وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت میں ان کے دشمنوں سے قتال کیا' حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا گیا' دوسرا فرقہ وہ ہے جس کو قتال کرنے کی طاقت نہ تھی' انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور بُرائی سے روکا' اور تیسرا فرقہ وہ ہے جس کو ان دونوں کاموں کی طاقت نہ تھی' انہوں نے موٹا لباس پہنا اور جنگلوں اور صحراؤں میں نکل گئے' ان ہی کے متعلق اس آیت میں ذکر ہے: اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ بدعت اختیار کی اور اس طریقہ کو ایجاد کیا' اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کا ارادہ نہیں کیا' بلکہ مراد یہ ہے کہ اس رہبانیت کو انہوں نے اپنی طرف سے اختیار کیا اور اس کی نذر مانی' اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا (یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی بدعت کو نکالنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس بدعت کو پورا نہ کرنے کی مذمت کی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اس کے بعد فرمایا: ماسوا اللہ کی رضا کی طلب کے' اس استثناء میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ یہ استثناء منقطع ہے' یعنی لیکن انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس بدعت کو اختیار کیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ استثناء متصل ہے اور اس کا معنیٰ ہے: ہم نے رہبانیت کے ساتھ اور کسی وجہ سے عبادت نہیں کی صرف اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے رہبانیت کے ساتھ عبادت کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۴۷۳۔ ۴۷۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی تفسیر

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور جو شخص کسی بدعت حسنہ کو نکالے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ہمیشہ برقرار رہے اور اس بدعت کی ضد کی طرف عدول نہ کرے ورنہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہو جائے گا۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم نے تراویح کی بدعت نکالی ہے' تم پر تراویح فرض نہیں کی گئی تھی' تم پر صرف روزے فرض کیے گئے تھے' اب جب کہ تم نے یہ بدعت اختیار کر لی ہے تو اس پر دوام کرو اور اس کو ترک نہ کرو' کیونکہ بنی اسرائیل نے کئی بدعتیں نکالیں' جن کو اللہ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا اور انہوں نے صرف اللہ کی رضا کی طلب کے لیے یہ بدعتیں نکالی تھی' پھر انہوں نے ان بدعتوں کی اس طرح رعایت نہیں کی جس طرح ان کی رعایت کرنے کا حق تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان بدعات کے ترک کرنے پر ان کی مذمت کی اور فرمایا: اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)' پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہیں کی جو رعایت کا حق تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۲۳۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی کی تفسیر

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "ہم نے رہبانیت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا" اس کے دو معنی ہیں:

(۱) جب یہ لوگ نفلی طور پر رہبانیت میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے۔ حسن بصری نے کہا: انہوں نے نفلی طور پر اس بدعت کو اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اس بدعت رہبانیت کو فرض کر دیا۔ الزجاج نے کہا: جب انہوں نے اس کو نفلاً اپنے اوپر لازم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کرنا ان پر لازم کر دیا جیسے کوئی شخص نفلاً روزہ رکھ لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے۔ قاضی ابویعلیٰ نے کہا: کسی بدعت کو اختیار کرنا قول سے بھی ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کسی نفلی عبادت کی نذر مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لے اور کسی بدعت کو فعل سے بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ اس نفلی عبادت کو کرے اور اس آیت کا عموم دونوں قسموں کو شامل ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی عبادت کی اپنے قول یا فعل سے بدعت نکالے اس پر اس کی رعایت کرنا اور اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

(۲) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو صرف اس کام کا مکلف کیا ہے جس سے اللہ عزوجل راضی ہو۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۱۷۶۔۱۷۷ 'مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سمرقندی کی تفسیر

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے اور مؤمنوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسے کام کو واجب کر لیا جو اس پر پہلے واجب نہیں تھا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کرے اور اس کو ترک نہ کرے ورنہ وہ فاسق کہلائے گا اور بعض صحابہ نے یہ کہا کہ تم پر تراویح کو پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ یہ پہلے تم پر واجب نہیں تھی' تم نے خود اس کو اپنے اوپر واجب کیا ہے' اگر تم نے اس کو ترک کیا تو تم فاسق ہو جاؤ گے' پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(بحر العلوم ج ۳ ص ۳۳۰ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ رومی حنفی کی تفسیر

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین امور محدثات (نئے نکالے ہوئے کام) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۳۸' دار الفکر' بیروت)

صاحب "جامع الاصول" (علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ) نے کہا: محدثات الامور' وہ ہیں جو کتاب' سنت اور اجماع سے ثابت نہ ہوں' اللہ تعالیٰ کے ابتداع کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف لاتا ہے' جب کہ وہ چیز پہلے موجود نہیں ہوتی' اسی کو تکوین اور تخلیق بھی کہتے ہیں اور مخلوق جو ابتداع (بدعت کا ارتکاب) کرتی ہے' اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مذموم اور منکر ہے اور اگر وہ ان احکام کے تحت داخل ہو جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم نے مستحب قرار دیا ہے تو وہ بدعت مستحبہ ہے' خواہ اس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور یہ افعال محمودہ سے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نیک طریقہ ایجاد کیا' اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا: جس نے بُرا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا' اور یہ اس وقت ہے جب وہ طریقہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو اور اس کی تائید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے' جو انہوں نے تراویح کے متعلق فرمایا تھا:

نعمت البدعة هذه. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) یہ بہت اچھی بدعت ہے۔

جب کہ تراویح نیک افعال سے ہے تو اس کو اچھی بدعت فرمایا۔ (جامع الاصول ج ۱ ص ۲۰۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محی الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ نے ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) مکروہہ (۴) محرمہ (۵) اور مباحہ' بدعت واجبہ جیسے متکلمین کے دلائل اور ان کا ملحدین اور مبتدعین پر رد' اور مستحبہ جیسے علم کی کتابوں کی تصنیف اور دینی مدارس اور سرائے وغیرہ کو بنانا' بدعت مباحہ جیسے طرح طرح کے کھانے اور حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۲۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ)

(جیسے ماتم کرنا' پیروں کو دھونے کے بجائے ان کا مسح کرنا اور نماز میں عمامہ کو لازم قرار دینا' سعیدی غفرلہٗ) پس جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گم راہی ہے' یہ عام مخصوص البعض ہے' اس کا معنی ہے: ہر بدعت سیئہ گم راہی ہے اور بدعت حسنہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ مطلقاً بدعت مذموم ہے' بلکہ مذمت اس بات کی فرمائی ہے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے ایک بدعت کو اختیار کیا اور پھر اس کی رعایت نہیں کی۔ علامہ نووی نے ''شرح صحیح مسلم'' میں یہ کہا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (علامہ آلوسی نے ان ہی اقسام کا ذکر کیا ہے' جن کو ہم علامہ مصلح الدین کی عبارت میں ابھی ذکر کر چکے ہیں)۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: صاحب ''جامع الاصول'' المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا۔۔۔۔ (اس کے بعد علامہ آلوسی نے ''جامع الاصول'' ج ۱ ص ۲۰۲ کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم ابھی علامہ مصلح الدین حنفی کی عبارت میں ذکر کر چکے ہیں)۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۳-۲۹۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی کی تفسیر

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جس طرح تراویح ابتداء میں واجب نہیں تھی' پھر بعد میں مسلمانوں نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا تو اب تراویح شروع کرنے کے بعد ان پر لازم ہوگئی' اسی طرح صلوٰۃ رغائب ہے' اور شب برأت کے نوافل ہیں' یہ نوافل بھی تراویح کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ تراویح کی طرح یہ بھی رات کو پڑھے جاتے ہیں۔ بعض کبار نے کہا ہے کہ تمام وہ نئے نیک کام جن کو بہ طور عبادت ایجاد کیا گیا ہے' وہ سب اس شریعت میں داخل ہیں جن کو رسل کرام لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی مذمت نہیں کی بلکہ مذمت اس بات کی کی ہے کہ بعد کے لوگوں نے اس کی رعایت نہیں کی اور ان کے ایجاد کیے ہوئے اس فعل پر بدعت کا اطلاق فرمایا' اس کے برخلاف ہماری امت نے جس نئے کام کو بہ طور عبادت ایجاد کیا' اس پر سنت کا اطلاق فرمایا جیسا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ"۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) جس نے اسلام میں نیک سنت (طریقہ) کو ایجاد کیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسلام میں نیک طریقہ نکالنے کی اجازت دی ہے اور اس کا نام سنت رکھا ہے اور اس طریقہ کے نکالنے والے اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کو اجر کی بشارت ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ العلماء اور العارفون نے جو تمام ایسی نئی عبادات نکالی ہیں جن کا شریعت میں صراحۃً امر نہیں ہے' وہ بدعت نہیں ہیں' سوا اس کے کہ وہ صریح سنت کے خلاف ہوں' پس اگر وہ نکالی ہوئی نئی عبادات صریح سنت کے خلاف نہیں ہیں تو وہ محمود ہیں' جیسے سر منڈانا' پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا' کم کھانے اور کم سونے سے ریاضت کرنا اور مخصوص ہیئت کے ساتھ ذکر کرنا یا ذکر بالجہر کرنا اور اس طرح کے اور اوصاف' جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو حکم نہیں دیا' کیونکہ یہ مخصوص سالکین کا طریقہ ہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

"وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا" (الحدید: ۲۷) کی تفسیر میں سید مودودی کی جمہور مفسرین اور احادیث کثیرہ کی مخالفت

ہم اس سے پہلے مذاہب اربعہ کے مفسرین کے حوالہ سے یہ لکھ چکے ہیں کہ ایام فترت میں ایک قوم نے بادشاہ کے مظالم سے بھاگ کر محض اللہ کی رضا کی طلب کے لیے رہبانیت کی بدعت نکالی اور اللہ تعالیٰ نے اس بدعت نکالنے پر ان کی مذمت نہیں کی بلکہ ان کے بعد کے لوگوں نے اس بدعت کی جو کماحقہٗ رعایت نہیں کی اس پر ان کی مذمت کی۔ تمام مفسرین نے اسی طرح لکھا ہے' اس کے برخلاف سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ لکھا ہے کہ ان کا رہبانیت کی بدعت کو نکالنا بھی مذموم تھا اور اللہ تعالیٰ نے رہبانیت نکالنے پر بھی ان کی مذمت کی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: اصل الفاظ ہیں: "الا ابتغاء رضوان الله"۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کی کوشش کریں' اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی' بلکہ اللہ کی خوش نودی کی طلب میں انہوں نے اسے خود اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۳۴' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اگلے صفحہ پر سید مودودی لکھتے ہیں:

یعنی وہ دوہری غلطی میں مبتلا ہو گئے' ایک یہ کہ اپنے اوپر وہ پابندیاں عائد کیں جن کا اللہ نے کوئی حکم نہ دیا تھا اور دوسری غلطی یہ کہ جن پابندیوں کو اپنے نزدیک وہ اللہ کی خوش نودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کیے بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں جن سے اللہ کی خوش نودی کے بجائے الٹا اس کا غضب مول لے بیٹھے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۳۵' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اس عبارت میں سید مودودی نے کہا ہے کہ اس قوم نے رہبانیت کی بدعت جو نکالی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی بدعت نکالنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی مذمت کی ہے' باقی ہماری شریعت میں رہبانیت نہیں ہے' جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع میں متعدد احادیث اور آثار سے واضح کیا ہے۔

سید مودودی کی تفسیر کے رد میں مفتی شفیع کی تفسیر سے تائید

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ حافظ ابن کثیر کے حوالے سے (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ

عنہ کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے لوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کی رہبانیت ابتداء اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی' وہ اپنی ذات سے مذموم اور بری چیز نہ تھی' البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا' ان لوگوں نے اپنی مرضی وخوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا' برائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا کہ اس التزام کے بعد بعض لوگوں نے اس کو نبھایا نہیں اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ ہوگئی تھی' اس لیے ''لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ'' یعنی اکثریت کے عمل کو کل کی طرف منسوب کر دینا عرف عام ہے' اس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جس رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو نبھایا نہیں اور اس کی شرائط کی رعایت نہیں کی' اسی کو فرمایا: ''فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا'' (الحدید: ۲۷)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رہبانیت کے متعلق جو قرآن نے فرمایا: ''اِبْتَدَعُوْهَا'' یعنی اس کو انہوں نے ایجاد کر لیا' اس میں لفظ ''ابتداع'' جو بدعت سے مشتق ہے وہ اس جگہ اپنے لغوی معنیٰ یعنی اختراع وایجاد کے لیے بولا گیا ہے' شریعت کی اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے' جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے: ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

قرآن کریم کے نسق ونظم میں غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے پہلے تو اس جملے پر نظر ڈالئے: ''وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ'' (الحدید: ۲۷) جس میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمت کے اظہار کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں رأفت' رحمت' رہبانیت پیدا کر دی' نسق کلام بتلاتا ہے کہ جس طرح رأفت ورحمت مذموم نہیں' اسی طرح ان کی اختیار کردہ رہبانیت بھی اپنی ذات سے کوئی مذموم چیز نہ تھی' ورنہ مقام امتنان میں رأفت ورحمت کے ساتھ رہبانیت کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' اسی لیے جن حضرات نے مطلقاً رہبانیت کو مذموم وممنوع قرار دیا ان کو اس جگہ رہبانیت کے عطف میں غیر ضروری تاویل کرنا پڑی کہ اس کو رأفت ورحمت پر عطف نہیں مانا بلکہ ایک مستقل جملہ' یہاں محذوف قرار دیا' یعنی ''اِبْتَدَعُوْا'' (کما فعلہ القرطبی رحمہ اللہ) لیکن مذکورہ تفسیر پر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی' آگے بھی قرآن کریم نے ان کے اس ابتداع پر کوئی نکیر اور رد نہیں فرمایا' بلکہ نکیر اس پر کی گئی ہے کہ انہوں اس اختیار کردہ رہبانیت کو نبھایا نہیں' اس کے حقوق وشرائط کی رعایت نہیں کی' یہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے کہ ابتداع کو لغوی معنیٰ میں لیا جائے' شرعی اور اصطلاحی معنیٰ ہوتے تو قرآن خود اس پر بھی نکیر کرتا' کیونکہ بدعت اصطلاحی خود ایک گمراہی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے اور بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ ترہب اختیار کرنے والی جماعت کو نجات یافتہ جماعتوں میں شمار فرمایا' اگر یہ بدعتِ اصطلاحی کے مجرم ہوتے تو نجات یافتہ شمار نہ ہوتے بلکہ گمراہوں میں شمار کیے جاتے۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۳۲۸۔۳۲۹' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن مسعود کی روایت کے کتب تفسیر اور کتب حدیث سے حوالہ جات

حافظ ابن کثیر کی ذکر کردہ جس روایت سے ان راہبوں کا نجات یافتہ ہونا معلوم ہوتا ہے' وہ روایت یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے' ان میں سے تین فرقوں نے نجات پائی' باقی ہلاک ہوگئے۔ ان تین میں سے ایک فرقہ بادشاہوں کے سامنے ڈٹ گیا اور ان سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے دین کی حمایت میں قتال کیا' پس بادشاہوں

نے ان کو شہید کر دیا' دوسرے فرقہ میں قتال کرنے کی طاقت نہ تھی' انہوں نے بادشاہوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کی' بادشاہوں نے ان کو بھی شہید کر دیا اور ان کو آروں سے چیر ڈالا اور تیسرا فرقہ جس کو بادشاہوں سے قتال کرنے کی قوت تھی نہ ان کے سامنے تبلیغ کرنے کی طاقت تھی' وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور رہبانیت اختیار کی' جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ انہوں نے یہ رہبانیت صرف اللہ کی رضا کے لیے اختیار کی تھی' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا' پھر انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' آپ نے فرمایا: ان راہبوں کے بعد کے لوگوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی تھی' پس ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر عطا کیا اور ان میں سے اکثر فاسق تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۸۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۸۳۳' معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴۷' روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۳' الدر المنثور ج ۸ ص ۶۲-۶۳' کتب تفسیر کے علاوہ یہ روایت ان کتب حدیث میں ہے: المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۴۷۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۵۷-۱۰۵۳۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۰ قدیم' رقم الحدیث: ۳۷۹۰ جدید' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۹۰۶۵' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۶۰-۲۶۱' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۸ ص ۱۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۵۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۲۵' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۲۸)

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفسیر ان تمام کتب تفسیر اور کتب حدیث کے خلاف ہے۔

بدعت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ بدعت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الابداع" کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو ابتداءً کسی مثال کے بغیر بنانا اور جب اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو بغیر آلہ' بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا' اور یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' قرآن مجید میں ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ (البقرہ: ۱۱۷) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا۔

اور مذہب میں بدعت کا معنیٰ ہے: کسی شخص کا ایسا قول جس میں اس نے صاحب شریعت کی اتباع کی ہو نہ متقدمین کی نہ اصول شریعہ کی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا: ہر نیا کام (یا نیا قول) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵) (المفردات ج ۱ ص ۴۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ' جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو' وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی پہلے مثال موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام' بہ شرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے' آپ نے فرمایا: جس شخص نے کسی سنت حسنہ (نیک طریقہ) کو ایجاد کیا تو اس کو بھی اس کا اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کو ملے گا اور اس کی ضد میں فرمایا: اور جس نے کسی بُرے طریقہ کو ایجاد کیا تو اس کو بھی اس کا گناہ ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اس کو گناہ ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور یہ اس صورت میں ہوگا جب وہ کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

احکام کے خلاف ہو۔ (النہایہ ج ۱ ص ۱۰۶ 'دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

بدعت کا معنی ہے: حدث' نیا کام' دین کے مکمل ہونے کے بعد اس میں کوئی نئی چیز نکالی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) اس کے بعد علامہ ابن منظور نے علامہ ابن اثیر جزری کی مذکور الصدر پوری عبارت نقل کی ہے' اس کے بعد لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا: "نعمت البدعة ھذہ" یہ بھی اسی قبیل سے ہے' کیونکہ جب تراویح اچھے کاموں سے ہے تو وہ مدح کے تحت داخل ہے' اس لیے حضرت عمر نے اس کا نام بدعت رکھا اور اس کی مدح کی' اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے تراویح کا طریقہ مقرر نہیں فرمایا تھا' آپ نے صرف چند راتیں تراویح پڑھی' پھر اس کو ترک کر دیا تھا' اس کی حفاظت نہیں کی اور نہ اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا اور نہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی' صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور اس کی ترغیب دی اور اس وجہ سے انہوں نے اس کا نام بدعت رکھا اور حقیقت میں یہ سنت ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲ 'مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس ان لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں' ابوبکر اور عمر کی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۳ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷ 'مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۲)

اسی طرح جس حدیث میں ہے: ہر نیا کام بدعت ہے' اس کا بھی محمل یہ ہے کہ جو نیا کام اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو وہ بدعت ہے' اور اکثر بدعت کا استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔

(لسان العرب ج ۲ ص ۳۷ 'دار صادر بیروت '۲۰۰۳ء)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے بدعت کے معنی میں من وعن علامہ ابن منظور کی عبارت نقل کر دی ہے۔

(تاج العروس ج ۵ ص ۲۷۱ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ نے بدعت کے معنی میں پہلے علامہ ابن اثیر اور علامہ ابن منظور کی عبارات کا خلاصہ لکھا ہے' جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے' اس سے اس بدعت کو خاص کر لیا ہے جو واجب ہے' جیسے متکلمین کے دلائل اور جو بدعت مستحب ہے جیسے علم کی کتابوں کو تصنیف کرنا' مدارس بنانا اور تراویح پڑھنا اور وہ بدعت جو مباح ہے' جیسے کھانے پینے کی اشیاء میں وسعت۔ (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۶۰-۱۶۱ 'مکتبہ دارالایمان' المدینہ المنورہ '۱۴۱۵ھ)

وہ فقہاءِ اسلام جن کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں' بدعت حسنہ و بدعت سیئہ

علامہ ابی الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جو کام سنت کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ ہے اور جو کام سنت کے موافق ہو وہ بدعت ہدیٰ ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۷ 'مکتبۃ الرشید' ریاض '۱۴۲۰ھ)

علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر وہ کام کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کام کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو پھر وہ بدعت مستقبحہ ہے۔ (الاستذکار ج ۵ ص ۱۵۲ 'موسسۃ الرسالۃ' بیروت '۱۴۱۳ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کام کی کسی اصل شرعی کے بغیر ابتداء کی گئی ہے۔
(المفہم ج ۲ ص ۵۰۸ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی متوفی ۷۹۴ھ لکھتے ہیں:

جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ کیا گیا ہو وہ بدعت ہے اور بدعت کی دو قسمیں ہیں: خیر اور شر اور مذموم وہ بدعت ہے جو کسی امر شرعی کو رد کرے یا اس کی نفی کرے۔
(التنقیح علی الجامع الصحیح مع کشف المشکل ج ۳ ص ۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۴ء)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر وہ کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت مستقبحہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمان سخاوی شافعی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔ (القول البدیع ص ۲۸۰ مکتبۃ المؤید الطائف)

علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو اس لیے بدعت فرمایا کہ اس کے لیے جماعت کا اہتمام مسنون نہیں تھا اور یہ بات گزر چکی ہے کہ بدعت کبھی مستحب بھی ہوتی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گم راہی ہے' وہ عام مخصوص البعض ہے' کیونکہ تراویح کی جماعت بدعت ہے اور گم راہی نہیں ہے' اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ترغیب دی ہے۔ (تحفۃ الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۴۸۔۵۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: جو کام کتاب' سنت' اثر یا اجماع کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ ہے اور جو نیا اور نیک کام ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو وہ مذموم نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کے متعلق فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۳۶۸ مکتبہ حقانیہ پشاور)

وہ فقہاءِ اسلام جن کے نزدیک بدعت کی پانچ قسمیں ہیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: حسنہ اور قبیحہ (سیئہ)۔ شیخ امام ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام رحمہ اللہ ورضی اللہ عنہ جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں اور جن کی جلالت اور امامت پر تمام کا اتفاق ہے' انہوں نے ''کتاب القواعد'' کے آخر میں فرمایا: بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: واجب' حرام' مستحب' مکروہ اور مباح۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے' اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعد استحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہیت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔

بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا' جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے' یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن اور حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ وہ

بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے: قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لیے علم لغت کا حاصل کرنا' تیسری مثال ہے: دین کے قواعد اور اصولِ فقہ کو مرتب کرنا' چوتھی مثال ہے: سند حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ' جبریہ' مرجئہ اور مجسمہ کے نظریات (آج کل پرویزی' چکڑالوی' بہائی' مرزائی' رافضی' اسماعیلی وغیرہ کے نظریات سعیدی غفرلہٗ) اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: سرائے اور مدارس بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا' (تمام رمضان میں) جماعتِ تراویح' تصوف کی دقیق ابحاث' بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کے لیے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعاتِ مکروہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) مصحف قرآن کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) بدعاتِ مباح کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا' کھانے پینے' پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت کو اختیار کرنا' سبز چادریں اوڑھنا' کھلی آستینوں کی قمیص پہننا' ان اُمور میں اختلاف ہے' بعض علماء نے ان اُمور کو بدعاتِ مکروہ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں ''اعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔ یہاں تک امام عبد العزیز بن عبد السلام کا کلام ہے' اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں: امام بیہقی نے ''مناقب شافعی'' میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو کتاب' سنت' اثر یا اجماع کے خلاف ہو' یہ بدعت سیئہ ہے' دوسری قسم وہ نئے کام ہیں جن میں خیر ہو ان میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بدعت غیر مذموم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں جماعت قائم کرا کر فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے' یعنی یہ وہ کام ہے جو پہلے نہیں تھا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف نہیں ہے' یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی مکمل عبارت ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ص ۲۲۔۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ عز الدین بن عبد السلام نے ''کتاب القواعد'' کے آخر میں لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعت واجبہ جیسے قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے علم نحو میں مشغول ہونا (۲) بدعتِ محرمہ جیسے جبریہ' قدریہ اور مرجئہ کے مذاہب اور ان کا رد کرنا بدعتِ واجبہ ہے (۳) بدعتِ مستحبہ' جیسے سرائے اور دینی مدارس بنانا اور ہر وہ نیک کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا' جیسے تراویح کی جماعت اور وعظ اور علمی مسائل کے لیے مجالس کو منعقد کرنا (۴) بدعتِ مکروہہ جیسے (دکھاوے کے لیے) مساجد کو مزین کرنا اور مصاحف کو مزین کرنا (۵) بدعت مباحہ جیسے صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے اور مشروبات۔ (شرح الطیبی ج ۱ص ۲۹۶' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے' وہ عام مخصوص البعض ہے اور بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مستحبہ' مباحہ' مکروہہ اور محرمہ' پھر ان کی وہی تعریفیں کی ہیں جو علامہ طیبی نے کی ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۳ص ۳۳۴۔۲۳۵' مکمل اکمال الاکمال ج ۳ص ۲۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت اصل میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور شریعت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جو سنت کے مقابل ہو پس بدعت مذموم ہوتی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں قبیح ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہے' ورنہ وہ مباح کی قسم سے ہے اور بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۸۲۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مستحبہ' محرمہ' مکروہہ' مباحہ اور جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے' وہ عام مخصوص البعض ہے۔ (ارشاد الساری ج ۴ ص ۶۵۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷) علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا: یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے اور اس سے مراد غالب بدعات ہیں۔ علماء نے کہا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مستحبہ' محرمہ' مکروہہ اور مباحہ۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۶۸) (الدیباج ج ۱ ص ۳۳۳' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے: وجوب' استحباب' اباحت' کراہت اور تحریم' پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں۔

(الفتاوی الحدیثیہ ص ۲۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت کا لغوی معنی ہے وہ نیا کام جس کی پہلے مثال نہ ہو اور اس کا شرعی معنی ہے وہ کام جو سنت کے خلاف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ ہو اور یہ پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

(شرح الزرقانی علی الموطا امام مالک ج ۱ ص ۳۶۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مستحبہ' مباحہ' مکروہہ اور محرمہ پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں اور بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے:

ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ حق کے خلاف ہو' خواہ وہ علم (اعتقاد) ہو یا عمل ہو یا حال ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کے شبہ یا استحسان پر ہو اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم بنا لیا جائے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بدعت کی تقسیم کے متعلق علماء دیوبند کی تصریحات

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی مذکور الصدر پانچ قسمیں لکھی ہیں۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۴۰۶' مکتبۃ الحجاز' کراچی)

شیخ محمد زکریا بن محمد بن یحییٰ الکاندھلوی متوفی ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے کہا ہے: بدعت اصل میں اس نئے کام کے کرنے کو کہتے ہیں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ

ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: اگر وہ کام کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کام کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت مستقبحہ ہے۔ (اوجز المسالک ج ۲ ص ۳۸۲ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۲۰ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں' بدعت کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

واجبہ' محرمہ' مستحبہ' مباحہ اور مکروہہ اور ہر ایک کی مفصل مثالیں لکھی ہیں۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۱۱۵ مکتبہ عثمانیہ لاہور)

بدعت کی تقسیم کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کی تصریحات

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

دین میں بدعت نکالنا اگرچہ اصل میں مذموم ہے' جیسا کہ کتاب اور سنت کی اس پر دلالت ہے' اور اس میں بدعات قولیہ اور فعلیہ برابر ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طریق عموم فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰) اور اس حدیث کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے' اور جس نے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں' حسن اور قبیح اس نے خطا کی ہے' جیسا کہ فقہاء' متکلمین اور صوفیاء نے کیا ہے اور ہر وہ طریقہ جو نص نبوت کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے۔

اور جس کام کا نام بدعت حسنہ رکھا گیا ہے اور اس کا حسن دلائل شرعیہ سے ثابت ہے تو اس کے لیے دو چیزوں میں سے ایک لازم ہے۔

(۱) یا تو یہ کہا جائے گا کہ وہ کام دین میں بدعت نہیں ہے' اگرچہ اس کو لغت کے اعتبار سے بدعت کہا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نعمت البدعة هذه"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰)

(۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ حدیث: ہر بدعت گمراہی ہے' اس کا حکم عام ہے' مگر اس سے بعض بدعات خاص کر لی گئی ہیں کیونکہ اس عموم کا معارض راجح ہے اور جیسا کہ کتاب اور سنت کے اور عمومات تخصیص کے بعد اپنے عموم پر باقی رہتے ہیں' اسی طرح یہ حکم عام بھی ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱۰ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵' دار الجلیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ بدعات سیئہ کا ذکر کرتے ہیں:

اسی معنی کی وجہ سے شطرنج اور جوئے کی دیگر اقسام مکروہ ہیں کیونکہ یہ آپس میں عداوت اور بغض پیدا کرتی ہیں۔ اسی طرح غنا ہے کیونکہ یہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور زنا کی طرف ابھارتا ہے اور قلب کو علم نافع اور عمل صالح سے روکتا ہے اور برائیوں کی دعوت دیتا ہے اور نیکیوں سے منع کرتا ہے۔

اسی طرح بدعات اعتقادیہ اور عملیہ ہوتی ہیں' جو کلمات طیبہ اور اعمال صالحہ سے روکتی ہیں اور وہ حق کے ترک کو متضمن ہوتی ہیں اور ان میں اعتقاد اور عمل کا فساد ہوتا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۱۰۷' دار الجلیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ بدعت حسنہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

جو علماء بدعت کی حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم کے قائل ہیں' ان کے نزدیک بدعت حسنہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جن اہل علم کی اقتداء کی جاتی ہے انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہو اور اس کے استحباب پر دلیل شرعی قائم ہو۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۷ ص ۸۷' دار الجلیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی مزید مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کام جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا (تراویح کی جماعت) یہ سنت ہے' لیکن انہوں نے کہا: "نعمت البدعة

ھذہ "(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) یہ اچھی بدعت ہے کیونکہ یہ لغت کے اعتبار سے بدعت ہے اور صحابہ نے وہ کام کیا جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں کرتے تھے یعنی اس کی مثل کے لیے مجتمع ہونا اور یہ شریعت میں سنت ہے۔

اسی طرح یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنا اور یہ حجاز' یمن اور یمامہ ہے اور ہر وہ شہر جس پر فارس اور روم نہیں پہنچا وہ جزیرۂ عرب ہے اور شہروں میں سے ایک شہر ہے' جیسے کوفہ اور بصرہ اور قرآن کو مصحف واحد میں جمع کرنا اور وظائف مقرر کرنا اور جمعہ کے دن پہلی اذان دینا' اور عید کے دن شہر سے باہر نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر کرنا اور اس قسم کے اور بہت کام جن کو خلفاء راشدین نے سنت قرار دیا' کیونکہ ان کاموں کو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے سنت بنایا' لہٰذا یہ تمام کام سنت ہیں اگرچہ لغت کے اعتبار سے ان کاموں کو بدعت کہا جاتا ہے۔

رہا بہ آواز بلند نیت کرنا اور اس کو بار بار دہرانا تو وہ بدعت سیئہ ہے اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ مستحب نہیں ہے کیونکہ یہ وہ کام ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے نہ خلفاء راشدین نے۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۲ ص ۱۳۲' دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

علامہ اسماعیل حقی اور شیخ ابن تیمیہ کے موقف کا تجزیہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی اور شیخ ابن تیمیہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ بدعت حسنہ پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں اور اس کو بدعت حسنہ نہیں کہتے' لیکن دونوں کی وجہ الگ الگ ہے۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ"۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) جو شخص اسلام میں نیک اور اچھی سنت نکالے' پس جو شخص اسلام میں کوئی نئی اور نیک عبادت نکالے اس کو آپ نے سنت فرمایا ہے بدعت نہیں فرمایا' اس لیے بدعت حسنہ درحقیقت سنت ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں: دین میں جو نئے کام نکالے گئے جیسے تراویح کی جماعت' قرآن کو مصحف واحد میں جمع کرنا اور جمعہ کے دن پہلی اذان دینا اور اس جیسے اور بہت کام' یہ سب کام اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے ہی کیے گئے ہیں' اس لیے یہ سب کام بدعت حسنہ نہیں بلکہ سنت ہی ہیں۔

بدعت کی تقسیم کے متعلق علماء غیر مقلدین کی تصریحات

مشہور غیر مقلد عالم محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نعمت البدعۃ"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے "فتح الباری" (ج ۴ ص ۸۲' دار الفکر' بیروت) میں کہا: بدعت اصل میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی پہلی کوئی مثال نہ ہو اور شریعت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جو سنت کے مقابل ہو' پس بدعت مذموم ہوتی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں قبیح ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہے ورنہ وہ مباح کی قسم سے ہے اور بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۱۴' دار الوفاء' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

بدعت لغویہ کی یہ قسمیں ہیں: مباحہ' مکروہہ' حسنہ اور سیئہ۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۶' طبع قدیم' میور پریس' دہلی' ۱۳۲۵ھ)

شیخ ابوالحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام مبارک پوری لکھتے ہیں:

بدعت ضلالہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر

دلالت کرے وہ بدعت لغوی ہے اور سلف صالحین کے کلام میں جس بدعت کو حسن کہا گیا ہے' اس سے مراد یہی بدعت ہے' جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق کہا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۲۶۳-۲۶۴ مکتبہ الرحمان سلفیہ سرگودھا' طبع ثانی)

رہبانیت کی رعایت نہ کرنے والوں کے مصادیق

الحدید: ۲۷ کے آخر میں فرمایا: پھر انہوں نے اس (رہبانیت) کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کرنے کا حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحت اور صواب کے سب سے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ ان لوگوں میں سے بعض ہیں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا اور آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رہبانیت کی بدعت نکالنے والوں میں سے بعض وہ بھی تھے' جنہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت کی تھی اور اگر ان میں سے ایسے لوگ نہ ہوتے تو وہ اس اجر کے مستحق نہ ہوتے' جس کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے اور جن لوگوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان ہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بعد کے لوگوں میں سے ہوں۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۳۱۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی اور اس کے ساتھ انہوں نے تثلیث اور اتحاد کو ملا دیا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہے حتیٰ کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیا' پھر وہ آپ پر ایمان لے آئے اور ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا۔

(۲) ہم نے ان پر رہبانیت کو صرف اس لیے فرض کیا تھا کہ وہ اس کے وسیلہ سے اللہ کی رضا کو حاصل کریں' پھر انہوں نے یہ افعال' دنیا کی طلب اور ریاکاری کے طور پر کیے۔

(۳) پھر جب ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض کر دیا تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا سو ان کی مذمت اس فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۴) جن لوگوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور جن کے متعلق فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جن کے متعلق فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو آپ پر ایمان نہیں لائے' اس پر دلیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میری اتباع کی' اس نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت کی اور جو لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے سو وہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۴۷۶' مجمع الزوائد ج ا ص ۱۶۳)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی اور وہ اس بدعت پر قائم رہتے ہوئے گزر

گئے' پھر ان کے بعد ایک اور قوم جس نے محض زبانی ان کی اقتداء کی اور عمل میں ان کی اتباع نہیں کی اور انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی۔ عطاء نے کہا: انہوں نے الحواریون کی طرح رہبانیت کی رعایت نہیں کی' پھر فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اس کا معنی ہے: بعض لوگوں نے اس کی رعایت کی اور ان میں سے اکثر لوگوں نے فسق (نافرمانی) کو ظاہر کیا اور رہبانیت کے طریقہ کو ظاہراً اور باطناً ترک کر دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۷۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی ان صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' پھر بعد میں آنے والے لوگوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا کے لیے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' ان کے متعلق فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' ان کے متعلق فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان صالحین میں سے بہت کم باقی بچے تھے' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص اپنے گرجا سے نکلتا اور آپ پر ایمان لے آتا اور ایک سیاح اپنی سیاحت سے واپس آتا اور آپ پر ایمان لے آتا۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا: رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جنہوں نے رہبانیت میں تقصیر کی اور جو کچھ انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا اس میں کوتاہی کی اور دوسری قسم وہ ہے اور وہی عمدہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہے اور آپ پر ایمان نہیں لائے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترک کرنے والے تھے' سو انہوں نے اس رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور یہ ایمان لانے والے وہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہبانیت پر رہے اور آپ پر ایمان لائے اور فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

اور اس آیت کی یہ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے کہ کماحقہٗ رہبانیت کی رعایت کرنے والے وہ ہیں جو رہبانیت کے منسوخ ہونے سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے اور رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہ کرنے والے وہ ہیں جنہوں نے اس میں تثلیث' اللہ اور حضرت عیسیٰ کے اتحاد کے قول اور ریاکاری کو ملا دیا تھا۔ نیز یہ تفسیر حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جس کو امام طبرانی' امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صحیح بات یہ ہے کہ جن صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت کی اور ان ہی کی اللہ تعالیٰ نے تحسین فرمائی ہے اور ان کو اجر عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے' پھر بعد کے زمانہ میں رہبانیت میں بگاڑ شروع ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس میں کافی بگاڑ ہو چکا تھا اور اسی رہبانیت کی آپ نے مذمت فرمائی ہے اور اس کا رد فرمایا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر بھی سختی کی جائے گی' کیونکہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی' یہ ان کے باقی ماندہ گرجے اور معابد ہیں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ" (الحدید: ۲۷)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے اس رسول پر (ہمیشہ) ایمان رکھو اللہ تمہیں اپنی رحمت

کے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا' جس میں تم چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ بہت معاف فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے O

(الحدید: ۲۸۔۲۹)

اہل کتاب میں سے جو شخص ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا' اس کو دو اجر ملنے کی تحقیق

الحدید: ۲۸ کے حسب ذیل محامل ہیں:

اے وہ لوگو! جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) عیسیٰ پر ایمان لائے ہو! اللہ سے (ہمیشہ) ڈرتے رہو' اور اس کے رسول (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دو حصے عطا فرمائے گا' ایک اجر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک اجر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا' اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ O وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ O اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O (القصص: ۵۲۔۵۴)

وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی' سو وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں O اور جب اس کتاب کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لا چکے ہیں' یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم تو پہلے ہی اس کو ماننے والے تھے O یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر پر دو مرتبہ اجر دیا جائے گا' یہ نیکی سے بدی کو دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں O

ان لوگوں کو دو اجر اس لیے ملیں گے کہ یہ اپنے پہلے نبی (حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام) پر بھی ایمان لائے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے' حدیث میں ہے:

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین (قسم کے) آدمیوں کے دو اجر ہیں: ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا' اور دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کی ایک باندی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور اس کو اچھی طرح علم پڑھائے' پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۷۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو لوگ گزشتہ رسولوں پر ایمان لا چکے تھے خواہ ان کے ادیان منسوخ ہو چکے ہوں' جب وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو اسلام کو قبول کرنے کی برکت سے ان سب کو دو اجر دیئے جائیں گے' کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب علماء یہود میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لائے تھے اور یہ آیت تمام اہل کتاب کے حق میں عام ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس نیکی کی دس مثلیں ملیں گی۔ (الانعام: ۱۶۰)

اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ عام مؤمنین کو ان کی نیکیوں کا دس گنا اجر ملے گا اور مؤمنین اہل کتاب میں سے جو اسلام کو قبول کریں گے ان کو ان کی نیکیوں پر بیس گنا اجر ملے گا' اسی طرح اس غلام کو بھی بیس گنا اجر ملے گا جو اللہ کا حق بھی ادا کرے گا اور اپنے مالک کا بھی۔

آیا دو اجر صحیح مومن اہل کتاب کو ملیں گے یا ہر اہل کتاب کو جو اسلام قبول کرے گا؟

اس میں بھی اختلاف ہے کہ دو اجر صحیح مؤمنین اہل کتاب کے ساتھ خاص ہیں یا ان یہود و نصاریٰ کو بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے دین میں بگاڑ پیدا کر لیا تھا اور حضرت عیسیٰ اور عزیر کی پرستش شروع کر دی تھی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا: ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اپنے دین پر اسی طرح باقی تھے جس طرح ان کے نبی اس دین کو لے کر آئے تھے اور انہوں نے دین میں کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں کی تھی' سو جو اہل کتاب اسی طرح اس دین پر قائم رہے' حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے' پھر وہ آپ کے اوپر بھی ایمان لائے تو ان کو دو اجر ملیں گے اور جنہوں نے اس دین میں تبدیلی اور تحریف کر دی ان کے لیے اس دین پر قائم رہنے کا کوئی اجر نہیں ہے' پھر جب وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کو صرف آپ کی نبوت اور آپ کے دین پر ایمان لانے کا اجر ملے گا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت عام اہل کتاب کے متعلق ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان کو دو اجر عطا کرنے کا سبب ہو' ایک مرتبہ ان کے ان نیک اعمال پر جو انہوں نے اس دین میں کیے ہیں' خواہ انہوں نے دین میں تبدیلی اور تحریف کر دی ہو' کیونکہ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اسلام لانے کے بعد کفار کے نیک اعمال مقبول ہوتے ہیں' اسی طرح ان کو ایک اجر اپنے گزشتہ ایمان پر ملے گا اور ایک اجر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ملے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

''شرح ابن التین'' میں مذکور ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۴) حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ اہل کتاب' جن کو دو اجر دیئے جائیں گے' یہ وہ ہیں جو اپنے عقیدہ اور افعال میں مسلسل حق پر قائم رہے حتیٰ کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کو پہلے حق کی اتباع کرنے پر بھی اجر دیا جائے گا اور دوسرے حق کی اتباع کرنے پر بھی اجر دیا جائے گا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا:

اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین. تم اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے' تم کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷)

اور ھرقل وہ شخص تھا جو دین کے تبدیل ہونے اور تحریف کے بعد نصرانیت میں داخل ہوا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ بدرالدین عینی کی دلیل بہت قوی ہے کیونکہ وہ ''صحیح بخاری'' کی حدیث پر مبنی ہے' اس لیے صحیح یہی

ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص بھی اسلام پر ایمان لائے گا' خواہ اس کے دین سابق میں تحریف ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کو دو اجر ملیں گے۔ ہاں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان کو جس عبادت پر ایک اجر ملتا ہے اس کو اس پر دو اجر ملیں گے اور جس عبادت پر دس اجر ملتے ہیں اس پر اس کو بیس اجر ملیں گے اور جن پر ستائیس اجر ملتے ہیں اس کو اس پر چون اجر ملیں گے اور شب قدر کی عبادت پر اس کو دو ہزار ماہ کی عبادت کا اجر ملے گا' وعلیٰ ہذا القیاس اور اس غلام کو بھی اسی طرح دگنا اجر ملے گا جو اپنے مالک کی بھی خدمت کرتا ہے اور اپنے رب کی عبادت بھی کرتا ہے اور اسی طرح اس شخص کو بھی دگنا اجر ملے گا جس نے اپنی باندی کی تعلیم و تربیت کی' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا' لیکن یہ معنی اس صورت میں ہو گا جب دو اجروں سے مراد' دگنا اجر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نیز فرمایا: اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا جس میں تم چلو گے۔

اس نور سے مراد حسی نور بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی' اگر حسی نور مراد ہو تو اس کا معنی ہے: آخرت میں پل صراط پر تمہارے لیے روشنی کر دے گا یا قیامت کے دن تمہارے لیے جنت کے راستے کو روشن کر دے گا اور اگر اس سے معنوی نور مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے بیان اور ہدایت مہیا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دین اسلام میں مبلغ اور قائد بنا دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اہل کتاب میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو دگنا اجر عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے

الحدید: ۲۹ میں فرمایا: تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (القصص: ۵۴) ان (اہل کتاب) کو ان کے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سامنے مؤمنین اہل کتاب نے فخر کیا کہ ہم کو دو اجر ملیں اور تم کو ایک اجر ملے گا' پھر اللہ سبحانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کے اصحاب کے لیے بھی اسی طرح دو اجر کر دیئے جس طرح مؤمنین اہل کتاب کے لیے دو اجر کیے تھے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۶۔ ۲۹۷) مطبوعہ "تفسیر امام ابن ابی حاتم" میں یہ عبارت نہیں ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے جو ایمان لے آئے تھے یا ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے' اور اس آیت کا معنی ہے: اے وہ لوگو! جو حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر ایمان لا چکے ہو' اب حضرت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ' یعنی ان پر ایمان کو برقرار رکھو اور اس پر ثابت قدم رہو اور اگر ابھی تک ایمان نہیں لائے ہو تو اب ایمان لے آؤ' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک حصہ تمہیں تمہارے سابق ایمان لانے پر دے گا اور ایک حصہ تمہیں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دے گا تا کہ ان اہل کتاب کو معلوم ہو جائے جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا جو ان میں سے ایمان لانے والوں کو مل چکا ہے اور وہ اس رحمت کو حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں گے کیونکہ اس رحمت کے حصول کی شرط سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔

اور اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا ہے: تین (قسم کے) لوگوں کے لیے دو اجر ہیں' ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنا مالک کا بھی حق ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کی ایک باندی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور اس کو اچھی طرح علم پڑھائے' پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷)

اور نصاریٰ کے اعتبار سے اس آیت پر کوئی اشکال نہیں ہے' کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ان ہی سے خطاب ہے' کیونکہ ملتِ محمدیہ کے ظہور سے پہلے ان کی ملت غیر منسوخ تھی' لہٰذا ان کو اس ملت پر عمل کرنے کا ثواب ملتا رہے گا' حتیٰ کہ ان پر واجب ہو گیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور جب وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو اس کا ثواب بھی دیا گیا اور ان کے لیے دو ثواب اور دو اجر ہو گئے' ہاں! یہودیوں کے اعتبار سے اشکال ہو گا کیونکہ ان کی ملت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت سے منسوخ ہو چکی تھی اور منسوخ شدہ ملت پر عمل کرنے کا ثواب نہیں ہوتا اور اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اسلام لانے کی برکت سے ان کو بھی ملتِ سابقہ پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا' خواہ وہ ملت منسوخ ہو چکی ہو۔

اور بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہودیوں کو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا ثواب ہو گا' خواہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہو' کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے' خواہ اس کی شریعت منسوخ ہو چکی ہو یا نہیں۔

اور اب اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہو گا کہ ہم نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو دو اجر عطا کیے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں تاکہ دوسرے اہل کتاب یہ اعتقاد نہ کریں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ کے فضل کے حصول پر قادر نہیں ہیں' اس لیے فرمایا: "تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ اسے' جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے"۔

آیا مؤمنین اہل کتاب کو ہر نیک عمل کا دگنا اجر دیا جائے گا یا نہیں؟

اہل کتاب میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لیے القصص: ۵۴ میں فرمایا تھا: "اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا" ان کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا اور الحدید: ۲۸ میں ان کے لیے فرمایا ہے: "يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ" اللہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا' ان آیتوں کا کیا مطلب ہے' آیا ان لوگوں کو ان کے ہر نیک عمل پر عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر دیا جائے گا یا ان کو ایک اجر ان کے پہلے ایمان کا دیا جائے گا اور دوسرا اجر ان کو ان کے دوسرے ایمان کا دیا جائے گا؟ اگر ثانی الذکر معنیٰ ہو تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی اور نہ اس میں بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی فضل ہے' جس کا یہاں بہت اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ عام قاعدہ کے مطابق ان کو دو اجر ملے' ایک اجر سابق شریعت پر ایمان لانے کا ملا اور دوسرا اجر بعد میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانے کا ملا اور اگر ان دونوں آیتوں کا یہ معنیٰ ہو کہ ان کو ان کے ہر نیک عمل پر عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر دیا جائے گا تو اس میں ان کی خصوصیت بھی نظر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی فضل بھی دکھائی دیتا ہے' مفسرین اور شارحین حدیث کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو ایمان ہیں' اس لیے ان کو دو اجر ملیں گے' یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ہر نیک عمل پر ان کو عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر ملے گا' لیکن میرا ذوق اور میرا رجحان اسی طرف ہے اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

پھر ان دو اجروں میں سے ہر ایک کو فی نفسہٖ دگنا کیا جائے گا اور ہر نیکی کا دس گنا اجر دیا جائے گا اور ان کے اجور دگنے چوگنے کر دیئے جائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہو اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہو وہ آزاد شخص سے بہتر ہے اور یہی وہ رائے ہے جس کو ابو عمر بن عبد البر وغیرہ نے پسند کیا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز "تفسیر امام ابن ابی حاتم" میں "کفلین" (الحدید: ۲۸) کی تفسیر میں مذکور ہے: حضرت ابو موسیٰ نے "کفلین" کی تفسیر میں کہا: ضعفین (دو مثل، دگنا) اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۳۱، رقم الحدیث: ۱۸۸۳۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: "یُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ" وہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا، اس کی تفسیر یہ ہے کہ الکفل (ایک حصہ) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تین سو حصے اور پچاس حصے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۳۱، رقم الحدیث: ۱۸۸۳۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ ان آیات اور "صحیح بخاری" کی حدیث کا ظاہر معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دو اجر عطا فرمائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہیں ہے کہ ان کو ان کے ہر نیک عمل کا دگنا اجر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

القصص: ۵۴ کی تفسیر میں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

سورۃ الحدید کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج تیرہ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ / ۲۶ دسمبر ۲۰۰۴ء بہ روز اتوار سورۃ الحدید کی تفسیر مکمل ہو گئی، ۴ دسمبر کو اس کی تفسیر شروع کی تھی، اس طرح بائیس دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہوئی۔

رب العلمین! اس تفسیر کو اور اس سے پہلے لکھی ہوئی تفسیر کو قبول فرما اور بشری تقاضے سے جو مجھ سے غلطیاں ہوئیں ان کو معاف فرما اور تا روز قیامت اس تفسیر کو فیض آفریں رکھ اور باقی ماندہ سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل فرما دے اور میری اور میرے والدین کی، میرے اساتذہ کی، میرے تلامذہ اور احباب کی، اس کتاب کے ناشر اور معاونین کی اور قارئین کی اور جمیع مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

سورۃ المجادلۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المجادلہ ہے' "المجادلہ" کا معنی ہے: بحث اور تکرار کرنے والی عورت اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ۝ (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی' اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا' بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے ۝

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں' ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)' زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا' اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں' اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی شرعی حکم نازل نہیں ہوا تھا' اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں' تاکہ اس مسئلہ کا حل معلوم کریں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کافی بحث اور تکرار کی' اس لیے ان خاتون کو مجادلہ کہا گیا اور ان ہی کی مناسبت سے اس سورت کا نام المجادلہ رکھا گیا۔

سورۃ المجادلہ کے متعلق احادیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس کی سماعت تمہاری تمام آوازوں کو محیط ہے' پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا. (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۸۔۲۰۶۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو محیط ہے' میں حضرت خولہ بن ثعلبہ کی بات پوری طرح نہیں سن رہی تھی اور ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ (اس کی اولاد کی کثرت سے) پھیل گیا' لیکن اب جب میں بوڑھی ہو گئی اور مجھ سے اولاد ہونا منقطع ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا' اے اللہ! میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں وہ اس طرح کہتی رہیں' حتیٰ کہ حضرت جبریل یہ آیات لے کر

نازل ہوئے: ”قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ“ (المجادلہ:۱)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۶۳‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۲‘ رقم الحدیث:۱۸۸۳۰‘ المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱ طبع قدیم‘ المستدرک رقم الحدیث:۳۷۹۱ طبع جدید‘ تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۲۰‘ رقم الحدیث:۱۶۱۲)

سورت المجادلہ کا زمانہ نزول

علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔(المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۳۴۴) اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اس کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیات مکی ہیں۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۵ ہے‘ سورۃ المجادلہ سورت المنافقین کے بعد اور سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المجادلہ سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاحزاب میں فرمایا ہے:

”وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ“ (الاحزاب:۴) اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یہ کہتے ہو کہ ان کی پشت ان کی ماں کی پشت کی مثل ہے) ان کو اللہ نے حقیقت میں تمہاری ماں نہیں بنایا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظہار کرنے سے بیوی شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی اور نہ وہ اس کی ماں ہو جاتی ہے‘ یہ صرف زمانہ جاہلیت کا مفروضہ تھا‘ کیونکہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ نے ظہار کی وجہ سے تمہاری بیویوں کو تمہاری حقیقی مائیں نہیں بنایا اور ان کو تم پر حرام نہیں کیا‘ یہ اجمالی حکم ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان فرمائی ہے‘ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۹۰ ہے اور سورۃ المجادلہ کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے‘ اور چونکہ غزوۃ الاحزاب شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا تو اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ بھی اسی دور میں یا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المجادلہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے‘ یہ دستور باطل ہے۔

☆ اور اس سورت میں آداب مجلس بتائے ہیں کہ مجلس میں ایل پھیل کر نہیں بیٹھنا چاہیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی گنجائش نکالنی چاہیے۔

☆ اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

☆ علماء دین کے مرتبہ اور مقام کو واضح کیا ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو مسلمانوں کو اس سے پہلے کچھ صدقہ دینا چاہیے‘ بعد میں اس حکم کو اٹھا لیا۔

☆ منافقین کو سرزنش کی ہے جو مسلمانوں کے منصوبے اور ان کے راز کی باتیں کفار کو جا کر بتا دیتے تھے اور پھر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے تھے‘ لیکن ان کا انجام ذلت اور رسوائی تھا۔

☆ اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ مسلمان کفار سے محبت نہ رکھیں اور ان سے مل جل کر نہ رہیں۔

سورۃ المجادلہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الہ العلمین! مجھے حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸
۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورة المجادلة مدنية | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آياتها ٢٢ ركوعاتها ٣

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بائیس آیات تین رکوع ہیں

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا' بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں

اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ

مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں'

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں' پھر عمل زوجیت کے

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ

لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں' تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' یہ وہ چیز

بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے' اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت

مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے' پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

کھلانا ہے' یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو' اور یہ اللہ کی

اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

حدود ہیں' اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے○ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ

رکھتے ہیں وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے' اور بے شک ہم نے واضح

بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

آیات نازل فرمائیں' اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے○ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا'

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرما لیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر

شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ ع ۱

چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی' اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا' بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے○ (المجادلہ: ۱-۲)

المجادلہ: ۱ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' ان کا جسم بہت حسین تھا اور ان کے شوہر بہت شہوت اور بہت غصے والے تھے' انہوں نے ان کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بلایا' حضرت خولہ نے انکار کیا' انہوں نے کہا: تمہاری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے' پھر وہ اپنے قول پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق شمار ہوتا تھا' حضرت اوس نے کہا: میرا گمان ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو' حضرت خولہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں' حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت نے مجھ سے شادی کی تھی' اس وقت میں جوان' مال دار' خوش حال اور رشتہ داروں والی تھی' حتیٰ کہ جب حضرت اوس نے میرا مال کھا لیا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرے رشتہ دار بکھر گئے اور میری عمر زیادہ ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ نادم ہیں' کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ اور میں پھر سے جمع ہو جائیں اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر سکیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب

نازل کی ہے اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا اور وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو' حضرت خولہ نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں' انہوں نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میرا یہی گمان ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور تمہارے معاملہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا' وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مدعا عرض کرتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہی فرماتے رہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو' اس نے کہا: میں اللہ سے اپنے فاقہ اور اپنی پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر میں یہ بچے حضرت اوس کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان بچوں کو اپنے پاس رکھوں تو یہ بھوکے رہیں گے' پھر حضرت خولہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں' اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان پر میری کشادگی کا حکم نازل فرما' اور یہ اسلام میں پہلا ظہار کا واقعہ تھا' پھر حضرت عائشہ کھڑی ہو کر اپنے سر کی دوسری جانب دھونے لگیں' حضرت خولہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ میں غور فرمائیں' اللہ مجھے آپ پر فدا کرے' حضرت عائشہ نے کہا: اپنی بات مختصر کرو اور زیادہ بحث نہ کرو' کیا تم دیکھ نہیں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا' جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ' جب وہ اس کو بلا لائی تو آپ نے اس کے سامنے "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ" الایات پڑھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے' بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کی ایک جانب ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۸۔۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۸۔۲۰۶۳' تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۱۱۸' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱)

ظہار کو زمانہ جاہلیت میں سب سے شدید طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ اس میں بیوی کی پشت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی جاتی تھی اور عربوں میں نکاح اور طلاق کے جو احکام تھے وہ اسلام میں اس وقت تک معتبر رہے تھے جب تک اسلام میں ان احکام کو منسوخ نہیں کر دیا جاتا تھا اور اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے عرف کے موافق ابتداءً اس کو برقرار رکھا' پھر جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ سے دوچار ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں بہت بحث اور تکرار کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو منسوخ فرما دیا اور ظہار کی مذمت میں المجادلہ: ۲ نازل ہوئی اور اس کے بعد کی آیات میں یہ بتایا کہ جب کوئی شخص ظہار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو پھر اس کا کیا طریقہ ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا حکم

المجادلہ: ۲ میں فرمایا: جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اور بے شک وہ ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۷۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور اب اس سے

عملِ زوجیت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور اس کو بوسہ دینا جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے المجادلہ: ۳ میں فرمایا ہے۔

اور ظہار زمانۂ جاہلیت کی طلاق تھی' شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو وقت مقرر کی تحریم کی طرف کفارہ کے ساتھ منتقل کر دیا اور ظہار نکاح کو زائل کرنے والا نہیں ہے' اس لیے کہ یہ جھوٹ بولنے اور بُری بات کہنے کا جرم ہے' اسی لیے اس کے مناسب یہ سزا ہے کہ ظہار کرنے والے پر اس کی بیوی کے ساتھ جماع کو حرام قرار دیا جائے اور کفارہ ادا کرنے سے یہ حرمت ساقط ہو جائے' پھر جب اس سے عملِ زوجیت کو حرام کیا گیا تو اس کے دواعی اور محرکات کو بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف حائض اور روزہ دار کے ساتھ جماع کے محرکات کو حرام نہیں کیا گیا کیونکہ حیض اور روزہ کا اکثر وقوع ہوتا ہے' کیونکہ اگر ان میں عملِ زوجیت کے محرکات کو حرام قرار دیا جاتا تو اس سے حرج لازم آتا' اس کے برخلاف ظہار کا اتنا وقوع نہیں ہوتا' اس میں عملِ زوجیت کے دواعی اور محرکات کو حرام قرار دینے سے حرج لازم نہیں آئے گا۔

(الہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۳۔۳۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ظہار کے الفاظ اور اس کی دیگر تفاصیل

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں' ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو سے تشبیہ دینا' اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ کفارۂ ظہار نہ ادا کرے اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی' مثلاً اپنی بیوی سے کہا: تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے' یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن' یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے' اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۰۹۔۴۱۰ ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں' بہن کہنا آیا یہ ظہار یا طلاق ہے یا نہیں؟

میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھاتا رہا ہوں اور استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ کی نگرانی میں افتاء کا کام کرتا رہا ہوں' اس وقت میری یہی تحقیق تھی کہ اگر کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو ماں' بہن کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور میں اسی کے موافق فتویٰ دیتا رہا' لیکن جب میں نے ۱۹۸۶ء میں "شرح صحیح مسلم" لکھنی شروع کی تو بعض متاخرین فقہاء کی عبارات سے میں نے یہ سمجھا کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے' چنانچہ "شرح صحیح مسلم" ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور "تبیان القرآن" ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا' اس کے بعد "تبیان القرآن" کی نویں جلد ص ۳۷۳ میں سورۃ الاحزاب میں جب ظہار کی بحث آئی تو میں نے اس مسئلہ پر از سر نو غور کیا اور مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اس صورت میں طلاق نہیں ہوتی جیسا کہ میرا پہلا نظریہ تھا' سو میں نے نویں جلد میں اسی کے موافق لکھا اور "شرح صحیح مسلم" ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور "تبیان القرآن" ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں اسی کے موافق اصلاح کر دی' سو بعد کے ایڈیشن اسی کے موافق

چھپ چکے ہیں' یہ سطور اس لیے لکھ دی ہیں کہ میرے مسلسل مطالعہ کرنے' میرے رجوع کرنے اور اخلاص اور للّٰہیت کی سند رہیں' اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ حق پر قائم رکھے اور نفسانیت اور انانیت کے شر سے محفوظ رکھے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ 49

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸' ۲۲۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰' عالم الکتب)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا ''اے میری بہن!'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۱۔ ۲۲۱۰' بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا اور کوئی حکم نہیں بیان فرمایا' اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی' بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

علامہ حسن بن منصور اوز جندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لا مراته ان فعلت کذا فانت امی ونوی به التحریم فهو باطل لا یلزمه شیء.

(فتاویٰ قاضی خاں علی حاشش الھندیہ ج ۱ ص ۵۱۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو' تو میری ماں ہے' اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے' اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا' یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے' یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے' اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی' یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہو گا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نوی. (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبد الرحمن بن محمد الکلیبولی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبولی نے لکھا ہے:

ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا' خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا' مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: زوجہ کو ماں' بہن کہنا خواہ یوں کہ اے ماں' بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے: تو میری ماں' بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے' مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو' در مختار میں ہے:

اولا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ. (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی' یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا' اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے' یا یہ کہنا: اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:

حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد منتقی عن القہستانی قلت ویدل علیہ ما تذکرہ عن الفتح من انہ لا بد من التصریح من الاداۃ. اسی میں ہے: انت امی بلا

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے' بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے' میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم "فتح القدیر" سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے حرف کا ذکر کرنا ضروری

تشبیہ باطل وان نوی.

ہے' نیز علامہ شامی نے کہا: بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے' باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۹۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں' بہن کی جگہ ہے' تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں' بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا' اب جب تک کفارہ نہ دے لے' عورت سے جماع کرنا' یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا' یا بہ نگاہ شہوت اس کی شرم گاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے' اس کی طاقت نہ ہو تو لگا تار دو مہینہ کے روزے رکھے' اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی' تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہو گا' جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا' در مختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی و کذا لو حذف علی (خانیہ) برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته و وقع مانواه وان لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا. (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس نے بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہو گا' اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

''ھندیہ'' میں ''خانیہ'' سے ہے: اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱۔ ۶۳۰' مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے ''در مختار'' کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں' بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گذر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸) یعنی اس سے طلاق نہیں ہو گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ' فتاویٰ قاضی خاں' الدر المختار' رد المحتار' ملتقی الابحر' مجمع الانہر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں' بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی' خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو' اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے۔ ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ عامۃ الوقوع ہے' لوگ غصہ میں بیوی کو ماں' بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں' پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں' جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا ہیں' پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے O (المجادلہ: ۳۔ ۴)

کفارۂ ظہار کے متعلق احادیث

حضرت خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کرلیا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کی شکایت کرنے کے لیے گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے تکرار کرتے رہے' اور فرماتے رہے: تم اللہ سے ڈرو وہ تمہارا عم زاد ہے' میں اسی طرح بحث کرتی رہی' حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ''قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا'' (المجادلہ: ۱۔۴) تب آپ نے فرمایا: اس سے کہو: وہ ایک غلام کو آزاد کردے' حضرت خولہ نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا' آپ نے فرمایا: پھر وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے' حضرت خولہ نے کہا: وہ بہت بوڑھا ہے روزوں کی طاقت نہیں رکھتا' آپ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے' حضرت خولہ نے کہا: اس کے پاس تو صدقہ کرنے کے لیے بالکل مال نہیں ہے' حضرت خولہ نے کہا: پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا' میں نے کہا: یارسول اللہ! میں اس کی ایک اور ٹوکرے سے مدد کروں گی' آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا' جاؤ! اس ٹوکرے سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ' اور پھر اپنے عم زاد کی طرف لوٹ جاؤ' امام ابوداؤد نے کہا: اس ٹوکرے میں ساٹھ صاع (دوسو چالیس کلوگرام) کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۳)

امام ابوداؤد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے' اس میں حضرت سلمہ بنت صخر رضی اللہ عنہا کا اسی قسم کا واقعہ ہے' انہوں نے بھی کفارۂ ظہار ادا کرنا تھا اور ان کے پاس بھی مال نہ تھا نہ وہ روزوں کی طاقت رکھتی تھیں' آپ نے ان سے فرمایا: بنو زریق سے صدقہ کا مال لے کر ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس بن الصامت نے اپنی بیوی حضرت خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ظہار کیا' انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' سو انہوں نے کہا: جب میں بوڑھی ہوگئی اور میری ہڈی کمزور ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کرلیا' تب اللہ تعالیٰ نے آیتِ ظہار نازل فرمائی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس سے کہا: تم ایک غلام آزاد کرو' انہوں نے کہا: میرے پاس اس کی طاقت نہیں' آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو' انہوں نے کہا: جس دن میں دو مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے' آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ' انہوں نے کہا: میرے پاس اتنا طعام نہیں ہے' البتہ آپ مدد فرمائیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ رحیم ہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (مزید) پندرہ صاع جمع کردیئے اور یوں ساٹھ مسکینوں کا طعام ہوگیا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۱۵ طبع قدیم' رقم الحدیث: ۳۷۹۳ طبع جدید' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

ظہار میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الحنفی المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اور کفارۂ ظہار' ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے' پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ کفارہ میں اسی ترتیب سے نص وارد ہے اور یہ کفارے عمل زوجیت سے پہلے ادا کیے جائیں اور یہ غلام آزاد کرنے میں اور روزے رکھنے میں تو ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی طرح ہے' اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہے' کیونکہ کھانا کھلانے میں جماع سے منع کیا گیا ہے' اس حرمت کی وجہ سے جو ظہار سے ثابت ہے' اس لیے کفارہ کو عمل زوجیت پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ عمل زوجیت حلال طریقہ سے ہو۔ (الہدایہ مع البنایہ ج ۵ ص ۳۳۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظہار کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے' کیا وہ کھانا کھلانے سے پہلے جماع کر سکتا ہے؟ پس ہمارے اصحاب (احناف) اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: اس وقت تک جماع نہ کرے حتیٰ کہ کھانا کھلا دے جب کہ اس پر کھانا کھلانا فرض ہو اور جو ظہار کرنے والا روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک وہ کفارہ نہ دے جماع نہ کرے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۶۔ ۴۲۷' سہیل اکیڈمی لاہور)

تاہم علامہ المرغینانی الحنفی نے لکھا ہے کہ کھانا کھلانے سے پہلے تو مظاہر جماع نہیں کر سکتا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر سکتا ہے' وہ لکھتے ہیں:

اگر مظاہر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ رہا ہو اور دو ماہ کے درمیان اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا اور جب دو ماہ کے مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھجور یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت ادا کرے گا' اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو اس کے لیے کافی ہوگا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کا طعام دے دیا تو یہ صرف ایک مسکین کا کفارہ ہوگا اور اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کو یہ کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور ساٹھ مسلسل روزوں میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ کفارہ جماع کرنے سے پہلے ادا کریں اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لیے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے درمیان وہ جماع کر سکتا ہے۔

(ہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۸۔ ۳۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳' ادارۃ القرآن' ۱۴۲۴ھ)

ظہار میں فقہاء حنبلیہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی' پس اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس پر از سر نو کھانا کھلانا واجب نہیں ہوگا۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۶۰۷' دار الفکر بیروت)

ظہار میں فقہاء مالکیہ کا مؤقف

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ فرماتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا' پس ایک ماہ کے روزے رکھے' پھر رات کو اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو روزے رکھے گا اور پچھلے روزوں پر بنا نہیں کرے' اسی طرح کھانا کھلانے والے کا حکم ہے' اگر ساٹھ مسکینوں میں سے ایک مسکین بھی رہتا ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کو از سر نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔

(المدونہ الکبریٰ ج ۳ ص ۸۲' دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے تو آپ نے ان کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ صاف تصریح ہے' خواہ غلام آزاد کرنے کا کفارہ ہو یا روزہ رکھنے کا یا کھانا کھلانے کا اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس کا کفارہ کھانا کھلانا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ

جماع کرے پھر کھانا کھلائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۵۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح نقل نہیں کیا' امام اعظم کے نزدیک کھانا کھلانے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں ہے' جیسا کہ ''ہدایہ'' اور ''محیط برہانی'' کے حوالوں سے گزر چکا ہے' البتہ ان کے نزدیک کھانا کھلانے کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور روزوں کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ جماع کرنے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے ساتھ کفارہ کو مطلق رکھا ہے' اس کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔

ظہار میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح غلام آزاد کرنے اور ساٹھ روزے رکھنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ تینوں کفارۂ ظہار ہیں اور جب مطلق' مقید کی جنس سے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے' جیسے شہادت میں ہے' انتہی کلامہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ. (الطلاق: ۲) — تم اپنوں میں دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اس آیت میں گواہ بنانے کو نیک آدمیوں کے ساتھ مقید کیا ہے اور دوسری آیت میں گواہ بنانے کو مطلق رکھا ہے۔ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ. (البقرہ: ۲۸۲) — تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اور محمد بن علی بن محمد شوکانی ظاہری نے کہا: البقرہ: ۲۸۲ میں مطلق گواہوں سے مراد عادل گواہ ہیں' جیسا کہ الطلاق: ۲ میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۵۴' روح المعانی جز ۳ ص ۹۲' فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اور اس لیے کہ جب ایک مقید پر مطلق کو محمول کرنا واجب ہے تو دو مقیدوں پر مطلق کو محمول کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا اور زیادہ مؤکد ہوگا اور کفارۂ ظہار میں یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے غلام آزاد کیا جائے اور دو ماہ کے روزوں کا زمانہ طویل ہے' پھر بھی یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور جب کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا زمانہ ساٹھ روزوں سے بہت کم ہے تو اس میں قید کے اعتبار کرنے کا زیادہ حق ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۳ ص ۴۳۶۔۴۳۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' تکملہ مجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۲۸۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

فقہاء شافعیہ کی دلیل کا جواب

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مطلق مقید کی جنس سے ہو اور دونوں کا تعلق ایک واقعہ سے ہو' جیسے یہاں پر غلام آزاد کرنا اور ساٹھ روزے رکھنا' دونوں اس قید سے مقید ہیں کہ ان سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور اس کے بعد

ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ ان سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور یہ مطلق ہے اور یہ بھی مقید کی جنس سے ہے یعنی کفارۂ ظہار ہے لیکن مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے' بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ. (المائدہ: ۸۹) (پس جو شخص کفارۂ قسم میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھے) تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

علامہ ابوعبد اللہ مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "ثلاثۃ ایام" کے بعد "متتابعات" کی بھی قید ہے' یعنی تین دن کے مسلسل روزے رکھے اور المائدہ: ۸۹ میں مطلقاً تین دن روزے رکھنے کا حکم ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں چونکہ تسلسل کی قید ہے' اس لیے اس مطلق کو مقید کیا جائے گا اور یہی امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور یہی مزنی کا مختار ہے' انہوں نے کفارۂ قسم کے روزوں کو کفارۂ ظہار کے روزوں پر قیاس کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت سے استدلال کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۲۶۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب قرأت کرتے تھے: "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات" پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے' اور مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں تھا: "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۹۷۵۰۔۹۷۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عطاء' اعمش اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن مسعود کی قرأت اس طرح پہنچی ہے: "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۴۳۳' رقم الحدیث: ۱۶۳۸۳۔ ۱۶۳۸۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' جدید' ۱۴۲۱ھ)

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُبی قرأت کرتے تھے: "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۳۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۳' ادارۃ القرآن' کراچی)

حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما قرأت کرتے تھے: "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۶۰' ملتان' معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۷ ص ۳۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں: اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز کو مطلقاً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو اور اسی چیز کو مقیداً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو' کیونکہ کفارہ قسم کے تین روزوں کو بغیر کسی قید کے مطلقاً بھی رکھنے کا حکم ہے اور تسلسل کی قید کے ساتھ بھی رکھنے کا حکم ہے اور یہاں پر ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی حکم ہے اس لیے یہاں پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے' قرآن مجید کی قرأت متواترہ میں مطلقاً تین روزے رکھنے کا حکم ہے اور قرأت مشہورہ میں تتابع اور تسلسل کی قید ہے' اور قرأت مشہورہ سے قرآن مجید پر زیادتی جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۴۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ظہار میں غیر مقلدین کا موقف

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور مفسرین نے "ثم یعودون لما قالوا" کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مظاہر جماع کے لیے لوٹنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ تین کفاروں میں سے کوئی ایک کفارہ دے' اور فرقہ ظاہریہ (غیر مقلدین) علماء نے یہ کہا ہے کہ "ثم

یعودون لما قالوا " کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک بار اپنی بیوی سے یہ کہنے کے بعد کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے دوبارہ یہی بات کہے کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہوگا۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے' اس پر کچھ واجب نہیں ہے' نہ اس کی بیوی سے جماع کرنا اس پر حرام ہے حتیٰ کہ وہ اسی بات کو دوبارہ کہے اور جب وہ دوبارہ اسی بات کو کہے گا تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہو جائے گا۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۱۸۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ (مشہور غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں:

فرقۂ ظاہریہ کا یہی مسلک ہے۔ (فتح البیان ج ۷ ص ۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ اس طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے اور بے شک ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے O جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا' پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے O (المجادلہ: ۵۔۶)

"یحادون" کا معنی اور کفار کی دنیا اور آخرت میں رسوائی

المجادلہ: ۵ میں "**یحادون**" کا لفظ ہے' اس کا مادہ "**المحادة**" ہے اور اس کا معنی ممانعت ہے' اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو بلا اجازت داخل ہونے سے منع کرتا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی نے کہا: "**المحادة**" میں حدید کو باب مفاعلہ سے لایا گیا ہے' اس کا معنی ہے: لوہے کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا' خواہ یہ حقیقۃً ہو یا مجازاً ہو یعنی ایک دوسرے سے شدید مناقشت اور مخاصمت رکھنا اور مفسرین نے کہا ہے کہ "**یحادون**" کا معنی ہے: وہ عداوت رکھتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کر کے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روک کر ان کی مخالفت کرتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے مخالفت کرنا قرار دیا ہے۔

اور یہ عداوت کرنے والے منافقین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تمام کفار ہوں' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ خبر دی کہ ان کو اس طرح رسوا کیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے رسولوں کے دشمنوں کو رسوا کیا گیا تھا' اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے صدق پر واضح دلائل بیان کر چکا ہے اور قوی معجزات نازل فرما چکا ہے اور ان عداوت رکھنے والے منافقوں اور کافروں کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی ان کو رسوا کرنے والا سخت عذاب ہوگا۔

المجادلہ: ۶ میں فرمایا: جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا' پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے' سب کے سامنے قیامت کے دن ان کے کفر اور فسق کو بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام کاموں کو محفوظ کر لیا ہے' ان کے کاموں کی مقدار اور ان کے کفر اور نفاق کی کیفیت کو اور جس جگہ پر اور جس زمانہ میں انہوں نے وہ بُرے اعمال کیے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر بات اور ہر ہر کام کو جاننے والا ہے اور کفار اور منافقین اپنے کرتوتوں کو بھول چکے ہیں' کیونکہ وہ ان کاموں کو بہت معمولی اور ناقابل شمار اور نالائق التفات سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ

(اے مخاطب!) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے'

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ

تین میں جو بھی سرگوشی ہو' چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے اور

لَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِن ذٰلِكَ وَ

پانچ میں جو بھی سرگوشی ہو' چھٹا اللہ ان کے ساتھ ہے' خواہ وہ اس سے

لَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا

کم ہوں یا زیادہ اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ

کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (اے رسول مکرم!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْإِثْمِ

جن کو (بری) سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے جس سے

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۫ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ

انہیں منع کیا گیا تھا' اور وہ گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی سرگوشی کرتے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو

يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس

نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾ يٰأَيُّهَا

قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے وہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ اے ایمان والو!

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنٰجَيْتُمْ فَلَا تَتَنٰجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور نیکی اور خوفِ خدا کی سرگوشی کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا اسی کی طرف تم

الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

جمع کیے جاؤ گے ○ سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى

کو غمگین کرے' اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے اور مومنوں کو

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ

اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ○ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو

لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا

کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا' اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے

فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

ہو تو کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تم میں سے کامل مومنوں کے اور علم والوں کے

دَرَجٰتٍ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

درجات بلند فرمائے گا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی بے حد خبر رکھنے والا ہے ○ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی

نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ

کرنے کا ارادہ کرو' تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ

پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو تم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ کیا تم اپنی

اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ

سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط

اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' پس تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو'

۲ ع۷ ۲ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳ ع

اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' تین میں سے جو کچھ بھی سرگوشی ہو چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے اور پانچ میں جو کچھ بھی سرگوشی ہو چھٹا اللہ ان کے ساتھ ہے' خواہ وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ' اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (اے رسولِ مکرم!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو بری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا' اور وہ گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی سرگوشی کرتے ہیں' اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے وہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O (المجادلہ: ۷۔۸)

اللہ تعالیٰ کا سرگوشیوں پر مطلع ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے' یعنی اس کو ہر چیز کا علم ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا ہے کہ اس کو تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کا علم ہے اور وہ تمام لوگوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی پوشیدہ باتوں اور آپس کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور اس کے فرشتے بھی لوگوں کی سرگوشیوں کو لکھتے رہتے ہیں' سو کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ (التوبہ: ۷۸)

کیا ان کو یہ علم نہیں کہ بے شک اللہ ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تمام غیبوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے O

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ (الزخرف: ۸۰)

یا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں O

اور فرمایا: تین میں جو کچھ بھی سرگوشی ہو چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا شخص' اور اس کی ذات ان کے ساتھ ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا علم ان کے ساتھ ہے اور وہ ان کو دیکھتا ہے اور ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے' اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے تمام احوال پر مطلع ہے اور اس کا علم ہر چیز اور ہر حال کو محیط ہے' اسی لیے فرمایا: اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن' اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے تمام کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تین اور پانچ سرگوشیاں کرنے والوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں تین سرگوشی کرنے والوں اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر کیا ہے دو اور چار سرگوشی کرنے والوں کا ذکر نہیں فرمایا' حالانکہ کم از کم سرگوشی کرنے والے دو ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طاق عدد محبوب ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ وتر یحب الوتر. بے شک اللہ فرد ہے اور فرد کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۰' صحیح مسلم: ۲۶۷۷)

اور کم از کم طاق عدد واحد ہے اور ایک شخص اپنے نفس سے تو سرگوشی کر نہیں سکتا' پس سرگوشی کرنے والوں کا کم از کم طاق عدد تین ہوگا اور اس کے بعد طاق عدد پانچ ہوگا اس وجہ سے تین سرگوشی کرنے والوں اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے سرگوشیاں کرتے تھے ان کا عدد تین ہوتا تھا یا پانچ ہوتا تھا' اس وجہ سے تین سرگوشیاں کرنے والوں اور پانچ سرگوشیاں کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔

یہودیوں اور منافقوں کو مسلمانوں کے خلاف سرگوشیوں سے منع فرمانا

المجادلۃ: ۸ میں فرمایا: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو بُری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے۔ الایۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت یہود اور منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ آپس میں سرگوشی کرتے تھے اور مسلمانوں کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے تھے' پھر مسلمان کہتے تھے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے ہمارے بعض بھائی قتل ہو گئے ہیں یا ان پر کوئی مصیبت آئی ہے یا وہ شکست سے دوچار ہو گئے ہیں اور اس سے مسلمانوں کو رنج پہنچتا' جب یہودیوں اور منافقوں نے کئی بار ایسا کیا تو مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے یہودیوں اور منافقین کو سرگوشیوں سے منع فرمایا اور جب وہ باز نہیں آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول ص ۴۳۰۔ رقم الحدیث: ۷۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک رات ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: یہ تم کیسی سرگوشیاں کر رہے ہو؟ کیا تم کو سرگوشی کرنے سے منع نہیں کیا گیا' ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں' ہم تو مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے' اس کے خوف کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں' جس کا خوف مسیح الدجال سے بھی زیادہ ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی وجہ سے (نیک) کام کرے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰' حافظ ابن کثیر نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۵۵' دار الفکر' بیروت)

یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کی صورت میں بددعا دینا اور آپ کا جواب

اس کے بعد فرمایا: اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ آپ کو اللہ نے سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ الایۃ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے پاس آئے اور

کہنے لگے: السام علیکم (تم پر موت آئے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا اور فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے انہوں نے کیا کہا تھا؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں یا نبی اللہ! انہوں نے سلام کیا تھا' آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے ایسے ایسے کہا تھا' مجھے بتاؤ! میں نے کیا کہا تھا؟ صحابہ نے بتایا: آپ نے کہا تھا: السام علیکم' آپ نے فرمایا: ہاں! پھر اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب میں سے کوئی شخص تم کو سلام کرے تو تم کہو: علیک یعنی تم پر وہی نازل ہو جو تم نے کہا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور کہا: السام علیک یا ابا القاسم!' آپ نے فرمایا: وعلیکم' میں نے کہا: السام علیکم اور اللہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بدزبانی کو ناپسند فرماتا ہے' میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے دیکھا نہیں' وہ کیا کہہ رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتیں کہ میں ان پر وہی جواب لوٹا دیتا ہوں' جو وہ کہتے ہیں' میں کہتا ہوں: وعلیکم' اور تم پر بھی وہی نازل ہو' تب یہ آیت نازل ہوئی: "بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ" (المجادلہ: ۸) یعنی اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور یہ کہتے ہیں: السام علیک اور السام کا معنی موت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم کہو: وعلیکم (یعنی تم پر بھی وہی چیز نازل ہو جس کے نزول کی تم نے ہمارے لیے دعا کی۔ خواہ تم نے ہماری موت کی دعا کی ہو یا ہمارے دین پر مصیبت کے نزول کی دعا کی ہو)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۸۔۶۹۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: السام علیک یا ابا القاسم' پس آپ نے فرمایا: وعلیکم' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غضب ناک ہو کر کہا: کیا آپ نے نہیں سنا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! پس میں نے ان کو وہی جواب دیا ہے جو جواب ہم ان کو دیتے ہیں اور وہ یہ جواب ہم کو نہیں دیتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۶)

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں فقہاء کے مذاہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کو جواب دینے میں علماء کا اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' شعبی اور قتادہ کا موقف یہ ہے کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے' کیونکہ آپ نے انہیں جواب دینے کا حکم دیا ہے اور اشہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے' اگر تم جواب دینا چاہو تو کہو: "وعلیک"۔ اور ابن طاؤس کا مختار یہ ہے کہ تم جواب میں کہو: "علاک السلام" یعنی سلامتی تم پر سے اٹھ گئی ہے۔ اور ہمارے بعض اصحاب کا مختار یہ ہے کہ السِّلام (سین کی زیر) کہو' یعنی تم پر پتھر برسیں اور جو امام مالک کا قول ہے وہ اتباع سنت کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ یہودیوں نے آ کر کہا: السام علیک یا ابا القاسم! آپ نے فرمایا: وعلیکم۔ حضرت عائشہ نے کہا: تم پر موت ہو اور مذمت ہو' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! بدزبانی کرنے والی نہ بنو' حضرت عائشہ نے کہا: آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں نے ان کے قول کو ان پر لوٹا نہیں دیا؟ میں نے کہا: وعلیکم۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

یہودیوں کی گستاخیوں کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا: اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے' وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O

یہودیوں نے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو اللہ ہمارے اس قول (السام علیکم) کی وجہ سے ہمیں ضرور عذاب دیتا' اور اس میں ان کی جہالت ہے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور وہ جانتے تھے کہ کبھی انبیاء علیہم السلام کو غضب میں لایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو غضب میں لانے والوں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل فرمانا اس کی مشیت اور مصلحت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جب دنیا میں عذاب نازل نہ کرنا اس کی مشیت اور مصلحت میں نہ ہو تو وہ قیامت اور آخرت میں عذاب نازل فرماتا ہے' جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور وہ اسی میں داخل کیے جائیں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔

اور میرے نزدیک ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا اور نیکی اور خوفِ خدا کی سرگوشی کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غم گین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمادے گا' اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تم میں سے کامل مؤمنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا اور اللہ تمہارے کاموں کی بے حد خبر رکھنے والا ہے O (المجادلہ: ۹۔۱۱)

مسلمانوں کو سرگوشی سے منع کرنے کے محمل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں یہودیوں کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں ایمان والوں کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا ہے' اور اس آیت میں ایمان والوں سے مراد منافقین ہیں یعنی جو صرف زبان سے ایمان لائے ہیں' دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ایمان والوں سے مراد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا تو بالتبع مسلمانوں کو بھی اس سے منع فرمایا کہ کہیں وہ کفار اور منافقین کی روش پر نہ چل پڑیں اور ان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت میں سرگوشیوں سے منع فرمایا اور نیکی' خیر اور خدا ترسی کے کاموں میں سرگوشی کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا O (النساء: ۱۱۴)

منافقین کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہے ہاں! جو صدقہ دینے کا حکم دے' یا کسی اور نیکی کا' جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے' اور جو مسلمان اللہ کی رضا کے طلب کے لیے یہ کام کریں گے پس عنقریب ہم ان کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے O

اور جب مسلمان اس طریقہ سے سرگوشی کریں گے تو ان کی سرگوشیوں سے کسی دوسرے مسلمانوں کو ایذاء نہیں پہنچے گی' پھر ان کو آخرت سے ڈرایا کہ تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر باقیوں کا سرگوشیاں کرنا منع ہے

المجادلہ: ۱۰ میں فرمایا: سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غم گین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان منافقین کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح سرگوشیاں کیا کریں جس سے مسلمان فکر' تشویش اور غم میں مبتلا ہوں' اس لیے کہ جب مسلمان منافقوں کو ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ہمارے بھائی اور رشتہ دار جو جہاد میں گئے ہوئے تھے وہ قتل ہو گئے ہیں یا شکست کھا گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ تشویش اور غم میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کی سرگوشیوں سے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا' کیونکہ اللہ کے اذن کے بغیر شیطان کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا' مخلوق کو جو بھی ضرر یا نفع پہنچتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' وہی اپنے علم کے تقاضے اور اپنی مشیت سے مخلوق کو بیماریوں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے' یا ان کو صحت' شفاء اور راحت عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی قسم کا تردد اور فکر نہ کریں اور اللہ پر بھروسا رکھیں اور جو اللہ پر بھروسا رکھتا ہے وہ مایوس اور نامراد نہیں ہوتا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تین مسلمان ہوں تو ایسا نہ کریں کہ ایک کو چھوڑ کر دو مسلمان آپس میں سرگوشی کرنا شروع کر دیں' اس سے تیسرا مسلمان اس تشویش میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں' اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی پشتو یا گجراتی نہیں جانتا اور دو آدمی آپس میں پشتو یا گجراتی میں بات کرنا شروع کر دیں تو اس سے وہ تیسرا شخص خواہ مخواہ اس بدگمانی میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف یا میرے متعلق کوئی بات کر رہے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کے سامنے دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں' حتیٰ کہ تم اس کو تشویش اور غم میں مبتلا کرو' تم لوگوں سے میل جول رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۳)

ان احادیث میں عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے' لہٰذا چار آدمیوں میں سے ایک کو چھوڑ کر تین آدمی سرگوشیاں نہ کریں' اسی طرح دس آدمی ایک کو چھوڑ کر آپس میں پشتو یا سندھی میں بات نہ شروع کر دیں' اس لیے جب مجلس میں بہت آدمی ہوں تو اس زبان میں بات کریں جو سب کو آتی ہو اور مجلس میں سے کسی ایک آدمی کے بھی غم اور تشویش میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بنیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا' جب منافقین مسلمانوں سے ہٹ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے اور جب اسلام کا غلبہ ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور بعض علماء نے کہا: یہ حکم سفر کے ساتھ خاص ہے' کیونکہ سفر کے دوران مسلمان اجنبی

مقام میں ہوتے ہیں اور وہاں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ جب لوگ اس کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کر رہے ہوں تو وہ مسلمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ کہیں وہ اس کو لوٹ کر قتل کرنے کی سازش نہ کر رہے ہوں' لیکن آبادی میں اور اپنے وطن میں یہ خطرہ نہیں ہوتا' لیکن صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے اور اس کے خلاف کوئی آیت یا حدیث مشہور نہیں ہے اور اس کو محض قیاس سے منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

حاضرین بدر کو ان کی فضیلت کی وجہ سے صف اوّل میں بٹھانا

المجادلہ: ۱۱ میں فرمایا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ الایۃ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کاموں سے منع فرمایا تھا' جو ایک دوسرے سے بغض اور نفرت کا سبب ہیں اور اس آیت میں ان کاموں کا حکم دیا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور محبت کا سبب ہیں۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر نہ بیٹھو' بلکہ کھلے کھلے بیٹھو' تاکہ اگر بعد میں کوئی شخص آئے تو اس کو بھی بیٹھنے کی جگہ مل سکے اور یہ سب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن سکیں اور آپ کی طرف دیکھ سکیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم الصفۃ میں تشریف فرما تھے اور جگہ تنگ تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار میں سے شہداء بدر کی تکریم کرتے تھے' پھر حاضرین بدر میں سے کچھ صحابہ آئے اور مجلس میں لوگ پہلے سے آگے بیٹھے ہوئے تھے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں کے پیروں کی جانب کھڑے ہو گئے' وہ اس انتظار میں تھے کہ ان کے لیے کشادگی کر کے بیٹھنے کی جگہ بنائی جائے' لوگوں نے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں دی تو یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوئی تو آپ کے گرد جو غیر بدری صحابہ تھے' آپ نے ان سے فرمایا: اے فلاں! تم اٹھو' اے فلاں! تم اٹھو اور آپ نے اتنے غیر بدری صحابہ کو اپنے قریب سے اٹھا دیا جتنے بدری صحابہ آئے تھے' پس جن لوگوں کو اپنی جگہ سے اٹھایا گیا تھا ان کو یہ اٹھانا ناگوار گزرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں سے ناگواری کو بھانپ لیا تو منافقین نے مسلمانوں سے کہا: کیا تمہارا یہ زعم نہیں تھا کہ تمہارے پیغمبر لوگوں کے درمیان عدل اور انصاف کرتے ہیں' پس اللہ کی قسم! انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ عدل اور انصاف نہیں کیا' مسلمان اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے اور وہ اپنے نبی کے قریب بیٹھنا چاہتے تھے' انہوں نے ان مسلمانوں کو ان کی جگہوں سے اٹھا دیا اور جو لوگ دیر سے آئے تھے' ان کو ان کی جگہوں پر بٹھا دیا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جائے تو کشادہ ہو جایا کرو۔ الایۃ

(اسباب النزول للواحدی ص ۳۳۲۔ رقم الحدیث: ۷۹۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۸۴۶۔ ج ۱۰ ص ۳۳۴۳۔ ۳۳۴۴' معالم التنزیل ج ۵ ص ۴۳' الدر المنثور ج ۸ ص ۸۷)

امیر اور منتظم مجلس کو چاہیے کہ عام لوگوں کو صف اوّل سے اٹھا کر اصحاب فضل کو بٹھائے

ہر چند کہ آداب مجلس کا یہی طریقہ ہے کہ جو شخص مجلس میں آ کر پہلے بیٹھ چکا ہو اس کو اس کی جگہ سے نہ اٹھایا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے' لیکن مذکور الصدر حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اصحاب فضل کے لیے امیر مجلس دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کر اپنے قریب بٹھا سکتا ہے' البتہ اصحاب فضل کو

ازخود دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کو خود بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں میں سے جو بالغ اور عقل مند ہیں ان کو میرے قریب کھڑے ہونا چاہیے' پھر جو ان کے قریب ہوں' پھر جو ان کے قریب ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۶' مسند احمد ج ۱ص ۴۵۷)

امیر مجلس اور منتظم اعلیٰ کو چاہیے کہ وہ عام لوگوں کو صف اوّل سے اٹھا کر پیچھے بٹھائے اور اصحاب فضل' علماء اور معزز لوگوں کو اگلی صف میں بٹھائے' اس پر ان احادیث میں دلیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو ان کے مراتب اور مناصب کے مطابق بٹھاؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اور اس حامل قرآن کی تعظیم کرنا جو قرآن میں غلو نہ کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور سلطان عادل کی تعظیم کرنا' اللہ کی تعظیم کرنے سے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل میں حسن ہے

المجادلہ: ۱۱ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بہ ظاہر عقل یا عدل کے خلاف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فعل صحیح ہوتا ہے' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو' کیونکہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو ان کی جگہ بٹھانا بہ ظاہر معیوب ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا' معلوم ہوا کہ کسی چیز میں فی نفسہٖ حسن ہے نہ قبح ہے' جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرلیں وہ حسین ہے اور جس سے آپ منع فرمادیں وہ قبیح ہے۔ اور اس آیت کے شان نزول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں پر نکتہ چینی کرنا یہ منافقوں کا کام ہے۔

اصحاب فضل کا کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت

ہم نے یہ لکھا ہے کہ اصحاب فضل کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ ازخود کسی کو اگلی صف سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت میں متعدد ارشاد فرمائے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص مجلس میں سے کسی شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۷)

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ایک شخص کسی کو مجلس سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے' لیکن دوسروں کے لیے کشادگی اور وسعت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۸۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۵۸۴' مسند احمد ج ۲ص ۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ ہرگز نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۸' سنن بیہقی ج ۳ص ۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھ

کر جائے اور پھر واپس آ جائے تو پھر اس جگہ کا وہی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۸)

اللہ کے کشادگی کرنے کا معنیٰ

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا' یعنی تمہارے لیے قبر میں کشادگی کر دے گا یا تمہارے دلوں میں کشادگی فرما دے گا یا تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں وسعت فرما دے گا۔

نیز فرمایا ہے: اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔

اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ جب تم سے جہاد کے لیے کھڑے ہونے کا کہا جائے یا نماز کے لیے یا کسی بھی نیک کام کے لیے کھڑے ہونے کا کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ تم میں سے کامل مؤمنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔ الآیۃ

یعنی اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت و کرامت اور آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا' پس مؤمنوں کا غیر مؤمنوں پر اور علماء کا غیر علماء پر درجہ بلند فرمائے گا۔

علماء کی فضیلت میں آیات اور احادیث

امام بخاری تعلیقاً بیان کرتے ہیں:

علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں' انبیاء نے علم کا وارث بنایا ہے' سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑے عظیم حصہ کو حاصل کیا اور جو شخص علم کے راستہ پر گیا' اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۶) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (الفاطر: ۲۸)
اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۳)
قرآن مجید کی امثال کو صرف علماء سمجھتے ہیں ۝

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر: ۹)
آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ربانیین بن جاؤ' حلماء (بردبار) اور فقہاء۔ (صحیح البخاری' کتاب العلم باب: ۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان کے اوپر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص کسی راستہ پر علم کو طلب کرنے کے لیے چلتا ہے' اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پَر رکھتے ہیں اور بے شک عالم کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہیں' جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے اور علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے' وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں' سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو

حاصل کیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا' ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے سارے فرشتے اور تمام آسمان اور زمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور حتیٰ کہ مچھلی بھی لوگوں کو تعلیم دینے والے پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۵)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے: رحمت نازل فرمانا اور مخلوق کی صلوٰۃ کا معنی ہے: حصول رحمت کی دعا کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن تین (گروہ) شفاعت کریں گے' انبیاء' پھر علماء' پھر شہداء۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے' پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو تم غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو' اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O (المجادلۃ: ۱۲۔۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم' سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے یعنی خفیہ طریقہ سے آپ سے سوال کرنے پر جو کچھ صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کا اظہار ہے' کیونکہ مال خرچ کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور جو چیز مشقت سے حاصل ہو' اس کی بہت قدر و منزلت ہوتی ہے' اس کے برخلاف جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی اور جب مسلمان مال خرچ کرنے کے بعد آپ سے سرگوشی کر سکیں گے تو اس سرگوشی کی بہت قدر و منزلت ہو گی۔

(۲) اس میں فقراء کی مدد ہے کیونکہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے گا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

(۳) ابن زید نے کہا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر ضروری' لایعنی اور عبث سوال کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا' تا کہ وہ اس قسم کے سوالات نہ کریں۔

(۴) حسن بصری نے کہا: بعض مسلمان تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتے تھے' اس سے دوسرے مسلمانوں نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں۔ اس سے ان کو رنج ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں سرگوشی کرنے سے پہلے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ تنہائی میں سرگوشی نہ کریں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرنے لگے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مشقت ہوتی تھی کیونکہ آپ نے احکام کی تبلیغ کرنی ہوتی تھی' مصالح امت کے کام کرنے ہوتے

تھے اور دیگر عبادات کرنی ہوتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف کا ارادہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو بہت مسلمان سوالات کرنے سے رک گئے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۶) صدقہ دینے کے حکم سے یہ واضح ہو گیا کہ کون مال دنیا سے محبت کرتا ہے اور کس کو آخرت عزیز ہے۔

(۷) مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ اور مقاتل بن حیان نے بیان کیا کہ دولت مند لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں فقراء کو آپ سے سوال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال داروں کی طویل صحبت اور ان کی بہت سرگوشیوں کو ناپسند کرتے تھے پس جب اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو مال دار مسلمان سوال کرنے سے رک گئے اور فقراء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے اور آپ کی ہم نشینی کا موقع مل گیا اور خوش حال مسلمانوں میں سے سوائے حضرت علی بن ابی طالب کے اور کسی نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا' انہوں نے ایک دینار صدقہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سوالات کیے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۳۳' النکت والبیان ج ۹ ص ۲۶۱)

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک آیت ہے' جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا اور وہ یہ آیت ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ" (المجادلہ: ۱۲)۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۱۔۲۶۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنا آیا واجب تھا یا مستحب؟

المجادلہ: ۱۳ میں فرمایا: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ الایۃ

بعض علماء نے کہا: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا امر اور حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ صدقہ کرنا واجب ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ صدقہ واجب نہیں ہے مستحب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے اور اس قسم کے الفاظ نفلی کام کے لیے آتے ہیں' واجب کے لیے نہیں آتے اور تحقیق یہ ہے کہ صدقہ کرنا شروع میں واجب تھا' بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ کلبی نے کہا: یہ صرف دن کی ایک ساعت میں واجب رہا' پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور مقاتل بن حیان نے کہا: دس دن تک یہ حکم واجب رہا' پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے امت کو تخفیف حاصل ہونا

علی بن علقمہ الانماری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ" (المجادلہ: ۱۲) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے لوگ ایک دینار صدقہ کریں گے؟ میں نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے' آپ نے فرمایا: نصف دینار؟ میں نے کہا: وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے' آپ نے پوچھا: پھر لوگ کس کی طاقت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: (کچھ) جَو کی' آپ نے فرمایا: تم تو بہت زاہد ہو' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ کیا تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے۔ (المجادلہ ۱۳)

حضرت علی نے فرمایا: پس میرے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف کر دی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۰)

اکابر صحابہ کا آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہ کرنا' آیا ان کے حق میں کسی طعن یا نقص کا موجب ہے؟

اکثر روایات میں مذکور ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے ایک دینار صدقہ دیا تھا' اس کے بعد اس حکم پر عمل کرنے کی رخصت نازل ہوگئی اور اس حکم پر عمل کرنا منسوخ ہوگیا اور یہ بھی مروی ہے کہ اکابر صحابہ نے اس حکم پر عمل کرنے کا وقت پایا لیکن اس حکم پر عمل نہیں کیا اور اس سے اکابر صحابہ پر طعن ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم پر افاضل صحابہ نے اس لیے عمل نہیں کیا کہ فقراء مسلمین آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے' اس لیے اس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے مشکل تھا اور جو مسلمان غنی تھے ان کے دلوں میں اس کی وجہ سے وحشت پیدا ہوتی تھی' اگر وہ صدقہ نہ کرتے اور دوسرے صدقہ دیتے تو ان پر طعن ہوتا' لہٰذا فقراء کے لیے اس حکم پر عمل کرنا مشکل تھا اور اغنیاء کے لیے اس حکم پر عمل سے توحش ہوتا تھا اور ہر مسلمان کے لیے آپ سے سرگوشی کرنا واجب نہ تھا اور سرگوشی نہ کرنے سے ان کا کوئی نقصان نہ تھا اور نہ ہی سرگوشی کرنا کوئی مستحب کام تھا' بلکہ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ مسلمان سرگوشی کرنا ترک کر دیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بہت مصروفیات تھیں' آپ کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ آپ سرگوشیوں کا جواب دیتے رہیں' آپ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنی تھی' قرآن مجید کو لکھوانا اور یاد کرانا تھا' کفار سے جہاد کے لیے لشکروں کو بھیجنا تھا' مختلف عبادات کرنی تھیں اور مصالح امت پر غور و فکر کرنا تھا' اس لیے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کا منشاء ہی یہ تھا کہ مسلمان آپ سے سرگوشیاں کرنا ترک کر دیں اور اکابر صحابہ اس منشاء سے آگاہ تھے' اس لیے انہوں نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا اور انہوں نے جو اس حکم پر عمل نہیں کیا تو اس سے ان پر کوئی طعن وارد نہیں ہوتا' نہ اس سے ان کی فضیلت میں کوئی کمی ہوتی ہے' بلکہ ان کے اس پر عمل نہ کرنے میں ان کی یہ فضیلت ہے کہ وہ قرآن کے اسرار اور رموز سے سب سے زیادہ آگاہ تھے اور وہ منشاء قرآن کو جاننے والے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ مَا هُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی جن پر اللہ نے غضب فرمایا' وہ نہ تم

مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

میں سے ہیں نہ ان میں سے ہیں اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ○

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت برے کام کیا کرتے تھے ○

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ

انہوں نے اپنی (جھوٹی) قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا سو ان کے لیے سخت ذلت والا

مُّهِيْنٌ ۞۱۶ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

عذاب ہے ○ ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞۱۷ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ

یہ دوزخی ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○ جس دن اللہ ان سب کو

جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ

اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا یہ

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۞۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ

گمان ہوگا کہ وہ کسی دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں ○ شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ

ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا

الْخٰسِرُوْنَ ۞۱۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي

ہے ○ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں' وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں

الْاَذَلِّيْنَ ۞۲۰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞۲۱

ہیں ○ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول (غالب ہوں گے) بے شک اللہ بہت قوت والا بے حد غالب ہے ○

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ

بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ

کے رشتہ دار ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ

انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے

رَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾ ع

راضی ہو گئے' یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں' سنو! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی جن پر اللہ نے غضب فرمایا' وہ نہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے ہیں اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں O اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے O انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا' سو ان کے لیے سخت ذلت والا عذاب ہے O (المجادلہ: ۱۴۔۱۶)

المجادلہ: ۱۴ کا شانِ نزول

قتادہ نے کہا: ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں جو یہود سے محبت رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ منافقین نہ مسلمانوں میں سے ہیں نہ یہود میں سے ہیں' یعنی وہ دونوں کے درمیان مذبذب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ (النساء: ۱۴۳) وہ درمیان میں ڈگمگا رہے ہیں نہ پورے ان کی طرف نہ مکمل ان کی طرف۔

سدی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت خصوصاً عبد اللہ بن نبتل منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا' پھر آپ کی باتیں یہود تک پہنچا دیتا تھا' ایک دفعہ آپ اپنے کسی حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس ایک ایسا شخص آئے گا جس کا دل ظالم ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے' پس عبد اللہ بن نبتل آیا' اس کی آنکھیں نیلی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم اور تمہارے اصحاب کس وجہ سے مجھے بُرا کہتے ہیں؟ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: اس نے ایسا نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایسا کیا ہے' پھر وہ وہاں سے گیا اور اپنے اصحاب کو لے کر آیا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: انہوں نے آپ کو بُرا نہیں کہا' تب اللہ سبحانہ نے ان کے رد میں اس آیت کو نازل فرمایا۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۱۹۶' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۷۲' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۶۰)

امام احمد اور امام حاکم نے اس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۲)

اس آیت میں فرمایا ہے: جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی' جن پر اللہ نے غضب فرمایا۔

اس سے مراد یہود ہیں جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' قرآن مجید میں یہود کے متعلق ہے:

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ. (المائدہ: ۶۰) جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا

منافقین کے کرتوت اور ان کی سزا

المجادلہ: ۱۵ میں فرمایا: اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے۔

ان کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا اور آخرت میں منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ان کے بُرے کام یہ تھے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق سازشیں کرتے تھے اور وہ نفاق کے عادی ہو چکے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔

المجادلہ: ۱۶ میں فرمایا: انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا' ان کے لیے سخت ذلت والا عذاب ہے۔

منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور اپنی سازشوں کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور جب وہ نفاق کو چھپانے کی وجہ سے قتل کیے جانے سے بچ گئے تو انہوں نے لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا شروع کر دیا' وہ اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے تا کہ وہ اسلام نہ لا سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے' یہ دوزخی ہیں' یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا یہ گمان ہوگا کہ وہ کسی (ٹھوس) دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں O شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے O (المجادلہ: ۱۷۔۱۹)

منافقین کی مذمت

مقاتل نے کہا کہ منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کی مدد کی جائے گی' اگر ایسا ہوا پھر تو ہم بہت ہی بد بخت نکلے' پس اللہ کی قسم! ہمارے اموال اور ہماری اولاد سے قیامت کے دن ہماری بھی مدد کی جائے گی' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے' یہ دوزخی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دنیا اور آخرت میں منافقین کی جھوٹی قسمیں

المجادلہ: ۱۸ میں فرمایا: جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا گمان یہ ہوگا کہ وہ کسی (ٹھوس) دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: منافقین قیامت کے دن اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے جس طرح وہ دنیا میں اپنے ساتھیوں کی حمایت میں جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے' قیامت کے دن ان کی جھوٹی قسم کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ O (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم! ہمارے پروردگار کی' ہم مشرک نہ تھے O

اور مسلمانوں کے سامنے ان کی جھوٹی قسم کھانے کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ. (التوبہ: ۵۶) اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ تم میں سے ہیں۔

دراصل منافقین اپنے نفاق میں اس قدر راسخ ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح وہ دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے سے بچ جاتے تھے اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا تھا' اسی طرح آخرت میں بھی جھوٹی قسمیں کھانے سے وہ بچ جائیں گے اور ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں۔

''استحوذ'' کا معنیٰ

المجادلۃ: ۱۹ میں فرمایا: شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے O

اس آیت میں ''استحوذ'' کا لفظ ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: غالب آ گیا' مبرد نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اس کا احاطہ کر لیا' حضرت عائشہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وہ احوذی تھے۔

یعنی بہت سیاست دان اور بہت اچھے منتظم تھے اور اس آیت کا معنیٰ ہے: شیطان ان پر قابض ہو گیا اور اس نے ان سے اللہ کا ذکر بھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں' وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں O اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوت والا' بے حد غالب ہے O بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے' یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں' سنو! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے O (المجادلۃ: ۲۰۔۲۲)

کفار پر مسلمانوں کے غلبہ سے مراد دلائل کا غلبہ ہے یا مادی غلبہ؟

المجادلۃ: ۲۰۔۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والے کی ذلت' اور اللہ اور اس کے رسول کا غلبہ بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت کے مراتب غیر متناہی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنے والے کی ذلت کے مراتب بھی غیر متناہی ہوں گے۔ اس آیت میں رسولوں کے غلبہ سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دلائل کے اعتبار سے غالب ہوں گے اور اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مادی اعتبار سے غالب ہوں گے۔

مقاتل نے کہا: مسلمانوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فارس اور روم (شام) پر غلبہ عطا فرمائے گا' اس پر عبد اللہ بن ابی نے کہا: کیا تم نے فارس اور روم کو ان دیہاتوں کی طرح سمجھ رکھا ہے' جن پر تم غلبہ پا چکے ہو' یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے' وہ بہت طاقت ور حکومتیں ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

کافروں سے ان کے دین کی وجہ سے محبت کرنا کفر ہے اور دیگر اغراض کی وجہ سے محبت رکھنا گناہ ہے

المجادلۃ: ۲۲ میں فرمایا: بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور رسول سے عداوت رکھیں۔ الایۃ

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا

ہو وہ اس کے دشمن سے محبت نہیں رکھ سکتا' کیونکہ یہ دونوں محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں' پس جب کسی شخص کے دل میں اللہ کے دشمنوں کی محبت ہوگی تو اس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا اور وہ شخص منافق ہوگا' لیکن اس پر کفر یا نفاق کا حکم اس وقت لگایا جائے گا جب وہ اللہ کے دشمنوں کے دین یا ان کے کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھے اور اگر وہ دنیا داری یا رشتہ کے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھے تو یہ کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے۔

اپنے کافر باپ' بیٹے اور دیگر رشتہ داروں پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ترجیح دینے والے صحابہ

اس کے بعد فرمایا: خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں۔

آیت کے اس فقرہ کا معنی یہ ہے کہ باپ' بیٹے' بھائی اور رشتہ داروں کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے' لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان پر لازم ہے کہ اس طبعی محبت کے تقاضوں کو مرجوح اور مغلوب قرار دے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے احکام اور اس کے تقاضوں کو غالب قرار دے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ دادا اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوں اور جنگِ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے مبارزت کی اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تو حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے آگے بڑھے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۶۸' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

ابن شوذب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ بدر کے دن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے باپ ان کو اپنے بت دکھا رہے تھے اور حضرت ابو عبیدہ ان سے اعراض کر رہے تھے' لیکن جب ان کے باپ باز نہ آئے' بت دکھاتے رہے اور ان کی تعریف کرتے رہے تو حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور پھر ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ . (المجادلہ: ۲۲)

(اے رسول مکرم!) جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے خواہ (وہ دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۰' المستدرک ج ۳ ص ۲۶۴-۲۶۵' حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند جید ہے۔ الاصابہ ج ۳ ص ۴۷۶' رقم الحدیث: ۴۴۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حافظ بیہقی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہوں اور حدیث میں ہے کہ جنگِ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کو لڑنے کے لیے للکار رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ پر جانا چاہا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۳۶۸' رقم الحدیث: ۱۴۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ مذکور الصدر آیت (المجادلہ: ۲۲) کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا: مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ ابو قحافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو حضرت ابوبکر نے ابو قحافہ (حضرت ابوبکر کا باپ) کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ گر پڑا' پھر انہوں نے اس واقعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم نے ایسا کیا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے جنگِ اُحد میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کر دیا اور حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی' جب جنگ بدر میں ان کے بیٹے عبد الرحمٰن نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے للکارا تو حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ' کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے میری آنکھوں اور میرے کانوں کے مرتبہ میں ہو اور حضرت مصعب بن عمیر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو جنگ احد میں قتل کر دیا اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے عتبہ' شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور یہ صحابہ اس آیت کے اس حصہ کے مصداق ہیں خواہ وہ (دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۴۴۳' رقم الحدیث: ۷۹۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' اسباب النزول للسیوطی ص ۲۸۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ اور رسول کے مخالفوں سے محبت نہ کرنے والوں پر انعامات

اس کے بعد فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

اس آیت میں "کتب" کا لفظ ہے' اور "کتب" کا معنی ہے: جمع کیا' کتاب کو بھی کتاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بہت سارے مضامین جمع ہوتے ہیں' اس لحاظ سے اس آیت کا معنی ہے: اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جمع کر دیا' یعنی وہ ہر اس چیز پر ایمان لے آئے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو بعض آیات پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

اور جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ "کتب" کا معنی ہے: "اثبت و خلق" یعنی ایمان ان کے دلوں میں پیدا کر دیا اور ثابت کر دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کو لکھنا ممکن نہیں ہے' اس لیے اس کو ایجاد اور خلق کے معنی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ اللہ کی محبت کو اپنے باپ اور بھائی وغیرہ کی محبت پر ترجیح دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے ایک انعام یہ کیا کہ ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا اور دوسرا انعام یہ کیا کہ اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی اور اس مدد کو روح فرمایا' کیونکہ اس مدد سے ان کے مشن میں مدد فرمائی۔

سدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

اور ان پر تیسرا انعام یہ فرمایا کہ ان کو جنتوں میں داخل فرمایا اور چوتھا انعام یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑا انعام ہے اور آخر میں فرمایا: یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور سنو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے اور یہ آیت المجادلہ: ۱۹ کے مقابلہ میں ہے' جس میں فرمایا تھا: یہ (منافق) شیطان کا گروہ ہیں اور سنو! شیطان کا گروہ ہی نقصان

اٹھانے والا ہے۔

المجادلہ: ۲۲ کا مشہور شانِ نزول

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت: جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے۔ (المجادلہ: ۲۲) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی' جب انہوں نے اہل مکہ کو یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہونے والے ہیں' اس واقعہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا اور فرمایا: خاخ کے باغ میں جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا' تم اس سے وہ خط لے لینا' ہم لوگ روانہ ہو گئے' ہم نے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا' پھر ہم کو ایک عورت ملی' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو' اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتار دیں گے' اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے خط نکال کر دیا' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ خط لے کر آئے' اس خط میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے بعض مشرکین کو خبر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منصوبوں سے مطلع کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ کریں' میں قریش کے ساتھ چسپاں تھا' سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے اور قریش سے نہ تھے' آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں' ان رشتہ داریوں کی بناء پر قریش ان کے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر چند کہ میرا ان کے ساتھ کوئی نسبی تعلق نہیں ہے' تاہم میں ان پر ایک احسان کرتا ہوں' جس کی وجہ سے وہ (مکہ میں) میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں گے' میں نے یہ اقدام (یعنی کفار کو خط کا لکھنا) کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا' نہ اپنے دین سے مرتد ہونے کی بناء پر کیا ہے' اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا ہے' اور تم کیا جانو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اہل بدر کے تمام حالات سے واقف ہے اور اس نے فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے' پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' ابو بکر اور زہیر کی روایت میں اس آیت کا ذکر نہیں ہے' اور اسحاق نے اپنی روایت میں سفیان کی تلاوت کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷-۴۲۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۲۱)

سورۃ المجادلہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۶ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ المجادلہ کی تفسیر مکمل ہوگئی' یہ تفسیر ۲۷ دسمبر کو شروع کی تھی۔ اس طرح دس ایام میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' آج کل کراچی میں سردی بہت پڑ رہی ہے' کوئٹہ میں برف باری ہوئی ہے' جس کے اثرات کراچی میں بھی ہیں' عمر کے تقاضے اور مختلف بیماریوں کی وجہ سے جو کمزوری اور اعصاب کا ضعف ہے' اس وجہ سے مجھے سردی بہت لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے' اور میری' میرے والدین کی' اس تفسیر کے ناشر' اس کے کمپوزر'

مصحح 'جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا 'کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الحشر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الحشر ہے اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ (الحشر:۲) وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلا وطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔

اس سورت کا نام سورۃ بنی النضیر بھی ہے' کیونکہ اس سورت میں یہود بنی النضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے' حدیث میں ہے:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے فرمایا: اس کو سورۃ بنو نضیر کہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۳)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا' انہوں نے کہا: یہ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۱)

اس سورت کا نام سورۃ الحشر اس لیے ہے کہ حشر کا معنی ہے: لوگوں کو اکٹھا کرنا' اور بنو نضیر کو اکٹھا کر کے مدینہ سے نکالا گیا' پھر ان کو خیبر اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

اور اس سورت کا نام سورۃ بنو نضیر اس لیے ہے کہ اس سورت میں بنو نضیر کو ان کے گھروں سے نکال کر جلاوطن کرنے کا ذکر ہے' اس واقعہ کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ الحشر: ۲ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

۴ھ میں بنو نضیر کو ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا' یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۹۸ ہے' یہ سورت البینہ کے بعد اور سورت النصر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورة الحشر کے مشمولات

☆ بنو نضیر مدینہ کے ایک بڑے محلہ میں آباد تھے' یہ وہاں بہت قوت والے تھے' اسی گھمنڈ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی' اس کے نتیجہ میں ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دشمنوں پر غلبہ کی بڑی نشانی ہے۔

☆ اس میں بتایا ہے کہ مسلمانوں نے بنو نضیر کے باغ کاٹ دیئے اور جو اموال وہ چھوڑ گئے ان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا' اس کو اموال فے کہتے ہیں۔

☆ اس سورت میں مہاجرین اور انصار کی اور بعد میں آنے والے مؤمنین کی عظمت بیان کی ہے۔

☆ منافقین کے خبث باطن کو منکشف فرمایا ہے اور انہوں نے بنو نضیر سے ان کی مدد کے جو خفیہ وعدے کیے تھے اور پھر کس طرح ان وعدوں کی تکذیب کی' اس کو ظاہر فرمایا ہے۔
☆ مؤمنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں سے خبردار رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔
☆ قرآن مجید کی عظمت اور جلالت کو بیان فرمایا ہے۔
☆ سرمایہ داروں کو اللہ کی راہ میں مال دینے کی تلقین فرمائی تاکہ سرمایہ گردش میں رہے اور ایک جگہ منجمد نہ ہو۔
☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ماننے اور جن چیزوں سے آپ نے منع کیا ہے ان سے رکنے کی تاکید فرمائی ہے۔
☆ اس سورت کا اختتام ان آیات پر فرمایا ہے' جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت ظاہر ہوتی ہے۔

سورۃ الحشر کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! اے میرے رب! مجھ سے وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۶ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الحشر مدنیۃ آیاتہا ۲۴ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعاتہا ۳

سورۃ الحشر مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چوبیس آیات تین رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ

آسمانوں کی ہر چیز اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ ہی کے لیے تسبیح کی' اور وہ بہت غالب' نہایت حکمت والا ہے ○ وہی

الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ

ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلا وطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا'

الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

تمہیں ان کے نکلنے کا گمان (تک) نہ تھا اور وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ

(کے عذاب) سے بچا لیں گے' پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا'

قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ

اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ

ہاتھوں سے (بھی)' سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو○ اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ

تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى

سخت عذاب دینے والا ہے○ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا

أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝٥ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ

سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے ○ اور اللہ نے جو اموال ان

عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَ 51

سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ

لَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ۝٦ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ

قادر ہے○ اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ

کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے

دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ

(صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں

عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٧ لِلْفُقَرَاءِ

اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○ (یہ اموال) ان فقراء مہاجرین

الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا

کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا وہ اللہ کے فضل

مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝٨

اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں وہ لوگ وہی سچے ہیں○

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ

اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں اور وہ ان سے محبت

اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى

کرتے ہیں جوان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی

اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ

بچالیا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O (اور یہ اموال) ان کے لیے ہیں جنہوں نے ان کے بعد ہجرت کی وہ دعا کرتے ہیں:

لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا

اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں

غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ ع

کے لیے کینہ نہ رکھ اے ہمارے رب! بے شک تو بے حد شفقت کرنے والا بہت مہربان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی ہر چیز اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ ہی کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب' نہایت حکمت والا ہے O وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلاوطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا' تمہیں ان کے نکلنے کا گمان (تک) نہ تھا' اور وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے' پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا' اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی' سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو O (الحشر: ۱۔۲)

غزوہ بنونضیر

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بیر معونہ کے بعد چار ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی طرف روانہ ہوئے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرو بن امیہ نے غلطی سے بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے' جن کی دیت (خون بہا) اب تک واجب الادا تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر سے جو معاہدہ کیا ہوا تھا' اس کے مطابق اس دیت کا ایک حصہ بنونضیر پر واجب تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالبہ کے لیے بنونضیر کے پاس گئے تھے' بنونضیر نے کہا: ہاں! ہم اپنا حصہ ادا کریں گے اور خفیہ طور پر یہ سازش کی' ایک شخص چپکے سے چھت پر چڑھ گیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر گرا کر معاذ اللہ آپ کو ہلاک کر دے۔ آپ اس وقت اس چھت کی دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ عمرو بن جحاش یہودی اس ارادہ سے چھت پر چڑھا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی' ان میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ کو بنونضیر کی اس سازش سے مطلع کر دیا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ چلے گئے' ادھر جب آپ کو دیر ہو گئی تو آپ کے اصحاب آپ کو ڈھونڈنے نکلے' پھر آپ کے اصحاب آپ سے ملے اور آپ نے ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔

علامہ واقدی نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو بنونضیر کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ آپ کے قرب اور شہر مدینہ سے نکل جائیں اور منافقین نے ان کو وہیں ٹھہرنے پر ابھارا اور کہا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے' یہ چیز ان کے دل میں گھر کر گئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلیں گے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ علامہ واقدی نے کہا ہے کہ آپ نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا' ابن ہشام نے کہا: یہ ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے' امام ابن اسحاق نے کہا: آپ ان کی طرف روانہ ہوئے اور چھ روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا' ان ہی ایام میں حرمت خمر نازل ہوئی' بنونضیر قلعہ بند ہو گئے' آپ نے حکم دیا کہ ان کی کھجوروں کے باغ کاٹ کر جلا دیئے جائیں' پھر انہوں نے پکار کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فساد کرنے سے منع کرتے تھے اور فساد کرنے والوں کی مذمت کرتے تھے اور اب آپ خود فساد کر رہے ہیں' پس ان درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا کیا جواز ہے؟ منافقین کی ایک جماعت نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنے مؤقف پر ڈٹے رہو اور یہاں سے نہ نکلو' اگر جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے' بنونضیر ان کی مدد کے انتظار میں کچھ دن اور ٹھہرے' لیکن ان کی مدد نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو قتل نہ کریں اور ان کو جلاوطن کریں' بہ شرطیکہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اپنے باقی اموال اور اسباب کو اپنے ساتھ اونٹوں پر لاد کر لے جائیں۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ تین دن کے اندر اس بستی کو خالی کر دیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ انہوں نے اپنا تمام مال اور اسباب ان اونٹوں پر لاد لیا' حتیٰ کہ اپنے گھروں کے دروازے بھی اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے' ان میں سے بعض خیبر کی طرف گئے اور بعض شام کی طرف گئے' حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھ گانے بجانے کے آلات بھی لے گئے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے باغات اور کھیت چھوڑ دیئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باغات اور کھیتوں کو مہاجرین اوّلین میں تقسیم کر دیا اور انصار نے ان اموال میں سے کچھ نہیں لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق سورۃ الحشر کی آیات نازل فرمائیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۸۔ ۲۱۹ ملخصاً وموضحاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

غزوۂ بنونضیر کی مزید تفصیل

علامہ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تمام آیات بنوالنضیر کے متعلق نازل ہوئی ہیں' کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ سے بنونضیر نے اس شرط پر صلح کی کہ آپ ان سے جنگ نہ کریں اور وہ بھی آپ سے جنگ نہیں کریں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ شرط قبول کر لی' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں مشرکوں کے خلاف جنگ کی اور ان پر غلبہ حاصل کیا تو بنونضیر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہم نے ''تورات'' میں پڑھا ہے' پھر جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو یہ شک اور نفاق میں پڑ گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں سے عداوت ظاہر کرنی شروع کر دی اور ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ تھا' اس کو توڑ دیا' پھر کعب بن اشرف چالیس

یہودیوں کے ساتھ مکہ گیا اور قریش کے پاس جا کر انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ معاہدہ کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں ہم متحد ہیں' پھر ابوسفیان چالیس مشرکوں کے ساتھ آ کر ان سے حرم کعبہ میں ملا اور انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا معاہدہ کیا۔ پھر کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب مدینہ چلے گئے' پھر حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ کو کعب بن اشرف اور ابوسفیان کے درمیان ہونے والے معاہدہ کی خبر دی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس کو محمد بن مسلمہ انصاری نے قتل کر دیا جو اس کا رضاعی بھائی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی خیانت اور عہد شکنی پر مطلع ہو چکے تھے' آپ' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے پاس گئے اور ان سے ان دو مسلمانوں کی دیت میں سے ان کا حصہ طلب کیا' جن کو حضرت عمرو بن امیہ الضمری نے بیر معونہ سے واپسی کے وقت غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا' جب وہ دونوں بنو عامر کی طرف جا رہے تھے' بنونضیر نے دیت ادا کرنے کو قبول کیا اور آپ کو بٹھایا اور قلعہ کی چھت کے اوپر سے آپ پر بھاری پتھر پھینکنے کی سازش کی' اللہ سبحانہ نے آپ کو اس سازش سے مطلع کر کے آپ کو بچالیا' جس بستی میں بنونضیر رہتے تھے اس کا نام زہرۃ تھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف روانہ ہوئے اس وقت وہ کعب بن اشرف پر ماتم کر رہے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن ابی نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے قلعوں سے نہ نکلیں' اگر انہوں نے تم سے قتال کیا تو ہم تمہارے ساتھ مل کر ان سے قتال کریں گے اور اگر تم کو نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ تاہم منافقین ان کی مدد کو نہ پہنچے۔

دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر روانہ ہوئے اور ان کا اکیس روز تک محاصرہ کیا' پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ منافقین کی مدد سے مایوس ہو گئے' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا سوال کیا' آپ نے انکار فرمایا اور کہا: اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ تم مدینہ سے نکل جاؤ' پھر انہوں نے اس شرط پر جلاوطنی کو قبول کر لیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ باقی ساز و سامان اپنے اونٹوں پر لاد کر لے جائیں گے' ان کو وہ سامان لے جانے کی اجازت دی جائے' پھر دو گھرانوں کے سوا سب مدینہ چلے گئے' یہ دو گھرانے آل ابی الحقیق اور آل حیی بن اخطب تھے' یہ لوگ خیبر چلے گئے اور ان کی ایک جماعت حیرہ چلی گئی۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: "هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ" (الحشر: ۲) جس ذات نے اہل کتاب میں سے کافروں کو یعنی بنونضیر کو ان کے ان گھروں سے نکال دیا جو مدینہ میں تھے۔

امام ابن اسحاق نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس ہو چکے تھے' اس وقت بنونضیر کو جلاوطن کیا تھا اور بنوقریظہ کو غزوۂ احزاب سے واپسی میں فتح کیا تھا اور ان دونوں کے درمیان دو سال کا وقفہ تھا۔

نیز اس آیت میں فرمایا: "لاول الحشر"۔

زہری نے کہا: بنونضیر دنیا میں وہ پہلے لوگ تھے جن کا شام میں حشر کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کو اس میں شک ہو کہ میدان حشر شام میں قائم ہو گا وہ اس آیت کو پڑھے' کیونکہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: نکل جاؤ' انہوں نے پوچھا: کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا: ارض محشر میں' پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۶۔ ۲۶۷ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ' علامہ عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ' علامہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی

غزوۂ بنو نضیر کا واقعہ کم و بیش اسی طرح لکھا ہے۔ (کتاب المغازی ج ۱ ص ۳۷۸ 'دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ 'سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ج ۳ ص ۱۹۰-۱۹۷ 'دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ 'تاریخ الاسلام المغازی ص ۲۴۳ 'دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ)

''اول حشر'' کا معنی

الحشر: ۲ میں ''اول الحشر'' فرمایا ہے: ''الحشر'' سے مراد ہے: ایک جماعت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالنا' اور اس کو ''اول حشر'' حسب ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ان اہل کتاب کو پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب سے نکالا گیا اور دوسری بار حضرت عمر نے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے شام کی طرف نکالا۔

(۲) میدانِ محشر شام کی سرزمین میں قائم ہوگا جب تمام مُردوں کو زندہ کر کے شام کے علاقہ میں جمع کیا جائے گا اور دنیا میں اس سرزمین میں پہلی بار بنو نضیر کو نکالا گیا تھا۔

(۳) یہودیوں کو قتال کے لیے پہلی بار ان کی بستی سے نکال کر جمع کیا گیا اور پھر ان کو جلاوطن کیا گیا۔

(۴) قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے اور دوسرا حشر اس وقت ہوگا جب قرب قیامت میں ایک آگ تمام لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۸-۴۹۹ 'معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۲-۵۳)

نیز اس آیت میں فرمایا: وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی۔

اس انہدام کی تفسیر میں حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) جب بنو نضیر کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے گا تو اب ان کو اس سے جلن ہوئی کہ ان کے گھروں میں مسلمان رہیں گے تو وہ اپنے گھروں کو اندر سے توڑ رہے تھے اور مسلمان ان کے گھروں کو باہر سے توڑ رہے تھے۔

(۲) قتادہ نے کہا: جب منافقوں نے ان کو یقین دلایا کہ وہ ان کی مدد کریں گے تو انہوں نے اپنے گھروں کو منہدم کر کے قلعوں کی طرح بنایا اور مسلمانوں نے ان کے گھروں کو ہر طرف سے توڑ دیا۔

(۳) جب مسلمان ان پر غالب آ گئے تو انہوں نے ان کے گھروں کو منہدم کر دیا اور بنو نضیر نے اپنے گھر کی پچھلی دیواروں کو منہدم کیا تھا تا کہ وہ گھروں سے نکلنے کا راستہ بنالیں۔

(۴) مسلمان ان کی بستی کو باہر سے منہدم کر رہے تھے اور بنو نضیر گھروں کو اندر سے منہدم کر رہے تھے تا کہ اپنے گھروں کے دروازوں' کھڑکیوں اور دیگر اشیاء کو نکال کر لے جائیں۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۲۰۳ 'النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۹ 'الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۹ 'معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۳)

بنو نضیر کے عذاب سے عبرت حاصل کرنے کی تفصیل

نیز اس آیت میں فرمایا: سواے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت کی تفسیر حسب ذیل وجوہ سے کی گئی ہے:

بنو نضیر نے اپنے قلعوں پر اور اپنی شوکت اور قوت پر گھمنڈ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں کو منہدم کر دیا اور ان کی شوکت اور قوت کو توڑ ڈالا' انہوں نے یہودیوں کی امداد پر بھروسا کیا تھا' وہ ان کی امداد کو نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اعتماد نہ کرو' لہٰذا عابد اور زاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے زہد اور عبادت پر بھروسا نہ کرے اور عالم فاضل کو چاہیے کہ وہ اپنے علم و فضل پر اعتماد نہ کرے' بلکہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر

توکل کرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' تم ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب عمل کرو' اور صبح اور شام کے کچھ وقت میں نیک کام کرو اور درمیانہ روش رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۳۹)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بنو نضیر پر ان کے کفر اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے دنیا میں عذاب آیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا گیا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر منہدم کیے اور وہ آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے' حالانکہ اور بہت لوگوں نے بھی کفر کیا اور عہد شکنی کی' مگر ان پر دنیا میں عذاب نہیں آیا۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں عذاب سے مراد عام ہے' خواہ وہ دنیا کا عذاب ہو یا آخرت کا' لیکن میرے نزدیک یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک مخصوص واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بنو نضیر پر ان کے کفر اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے دنیا میں عذاب آیا اور اس آیت میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان فرمایا کہ جو لوگ بھی کفر اور عہد شکنی کریں گے ان پر لازماً دنیا میں عذاب آئے گا۔

علماء اصول نے اس آیت سے قیاس کے ثبوت پر استدلال کیا ہے' ہم نے قیاس کے حجت ہونے پر الشوریٰ: ۱۰ ''تبیان القرآن'' ج ۱۰ ص ۵۵۱ میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اعتبار کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

اس آیت میں ''فاعتبروا'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''اعتبار'' ہے' علامہ محمد بن عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ ھ اس کے مادہ عبر کے متعلق لکھتے ہیں:

عبرت کا معنیٰ ہے: نصیحت حاصل کرنا' دوسرے کے حال پر اپنے آپ کو قیاس کرنا' ''عَبر'' کا معنیٰ ہے: آنسو بہنا' ''عَبو'' کا معنیٰ ہے: راستہ سے گزرنا' ''عَبّر'' کا معنیٰ ہے: کسی شخص کے مافی الضمیر کو بیان کرنا' زبان سے دل کی ترجمانی کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۲۴۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''عبر'' کا اصل معنیٰ ہے: ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنا' اس وجہ سے کہتے ہیں: دریا عبور کرتا ہے اور آنکھ سے آنسو گرتا ہے اور فلاں راستے سے گزرتا ہے اور اعتبار اور عبرت اس کو کہتے ہیں کہ انسان حاضر چیز کا مشاہدہ کر کے اس چیز کی معرفت حاصل کرے جو حاضر نہیں ہے اور تعبیر' خواب کی تاویل کے ساتھ خاص ہے' جس میں ظاہر سے باطن کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ ھ نے کہا: ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا عبرت ہے۔

(کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۲۵' مطبع باقری' قم' ۱۴۱۴ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اعتبار کا لفظ عبور سے ماخوذ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ایک چیز کا دوسری چیز کی طرف تجاوز کرنا' اس لیے آنسو کو عبرت کہتے ہیں کیونکہ وہ آنکھ سے تجاوز کرتا ہے' اور خواب کی تاویل کو تعبیر کہتے ہیں کیونکہ تعبیر بیان کرنے والا متخیل سے معقول کی طرف منتقل ہوتا ہے اور الفاظ کو عبارات کہتے ہیں' کیونکہ بولنے والے کی زبان سننے والے کی طرف معانی منتقل کرتی ہے' کہا جاتا ہے کہ

سعید وہ شخص ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے کیونکہ اس کی عقل دوسرے کے حال سے اپنے حال کی طرف منتقل ہوتی ہے اسی لیے مفسرین نے اعتبار کی تفسیر میں کہا ہے کہ حقائق اشیاء اور ان کی دلالت کی وجوہ میں غور وفکر کرنا' تاکہ اس سے اس کی جنس کی دوسری چیز حاصل ہو اس کو اعتبار کہتے ہیں اور ''یا اولی الابصار'' کا معنی ہے: اے عقل والو اور بصیرت والو! یا اے وہ لوگو جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ قیاس حجت ہے' کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی التوفی ۱۱۹۵ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیاس شرعی جو اپنی شروط کا جامع ہو حجتِ شرعیہ ہے' اس کی وجہ سے مقیس (فرع) میں حکم ظاہر ہوتا ہے اور وہ دلائل شرعیہ میں سے ہے' وجہ استدلال یہ ہے کہ ہم کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹا دینا' بایں طور کہ اس نظیر پر بھی اس چیز کا حکم لگایا جائے کیونکہ اس چیز اور اس کی نظیر میں علت مشترک ہوتی ہے۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا' سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے O (الحشر: ۳۔۵)

''الجلاء'' کا معنی

اس آیت میں ''الجلاء'' کا لفظ ہے' ''الجلاء'' کا معنی ہے: وطن سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہونا' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جلاوطن نہ کرتا تو دنیا میں ان کو قتل کرنے کی سزا دی جاتی جیسا کہ ان کے بھائی بنو قریظہ کو قتل کی سزا دی گئی تھی اور آخرت میں ان کو اس سزا کے علاوہ عذاب ہوگا۔

الحشر: ۴ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس کو جلاوطن کرنا چاہیے حالانکہ ہر شخص کو یہ سزا نہیں دی جاتی' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف بنو نضیر کی یہ سزا بیان کی گئی ہے' ہر شخص کی سزا کا قاعدہ کلیہ نہیں بیان کیا گیا۔

صحابہ کے اجتہاد کی تصدیق

الحشر: ۵ میں فرمایا: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا۔

اس آیت میں ''لینۃ'' کا لفظ ہے' ''لینۃ'' کا معنی ہے: کھجور کا تروتازہ اور شاداب درخت خواہ وہ کسی قسم کی کھجور ہو۔

ابو عبیدہ نے کہا: ''لینۃ'' اس درخت کو کہتے ہیں: جس کی کھجوریں نہ عجوہ ہوں' نہ برنی ہوں۔

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کی بستی میں پہنچے تو بنو نضیر اپنے قلعوں میں بند ہو گئے' آپ نے حکم دیا کہ ان کی کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے' اس وقت اللہ کے ان دشمنوں نے فریاد کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نیک کام کرتے ہیں' کیا یہی نیکی ہے کہ درختوں کو کاٹ دیا جائے' کیا آپ کی کتاب میں یہ حکم نازل کیا گیا ہے کہ زمین میں فساد کیا جائے؟ مسلمان ان کی یہ بات سن کر ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کام فساد ہو' پھر مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا' بعض نے کہا: ان درختوں کو نہ کاٹو' ان درختوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ملک میں لوٹا دیا ہے اور بعض نے کہا: نہیں! ہم ان درختوں کو کاٹ کر بنو نضیر کو غیظ اور غم وغصہ میں مبتلا کریں گے' تب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فریقوں کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی کہ جن مسلمانوں نے ان درختوں کو کاٹا ہے' وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اور جن مسلمانوں نے ان درختوں کو بغیر کاٹے چھوڑ دیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۷۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دراصل اللہ کا حکم ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے اور ان دونوں فریقوں کے اجتہاد کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

بنو نضیر کے درختوں کو کاٹنا اور چھوڑ دینا' آیا صحابہ کے اجتہاد سے تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے؟

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے قلعوں کے پاس مقام البویرہ میں پہنچے تو آپ نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا' کیونکہ غزوۂ اُحد میں انہوں نے مشرکین کی مدد کر کے' آپ سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی' تو مسلمانوں نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا اور چھ درختوں کو جلا دیا' اور امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ انہوں نے ایک درخت کو کاٹ دیا تھا اور ایک درخت کو جلا دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کارروائی پر برقرار رکھا تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۱)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے:

یزید بن رومان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کی بستی میں پہنچے تو وہ قلعہ بند ہو گئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے' اس پر انہوں نے اعتراض کیا کہ آپ تو فساد کرنے سے منع کرتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے اور اب خود درختوں کو کاٹ رہے ہیں اور جلا رہے ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ'' (الحشر: ۵)۔

قتادہ نے کہا: بعض مسلمانوں نے درخت کاٹ دیئے اور بعض نے اس خیال سے نہیں کاٹے کہ کہیں یہ فساد نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۴۴' رقم الحدیث: ۲۶۲۱۹-۲۶۲۲۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحسن الماوردی لکھتے ہیں کہ درختوں کو کاٹنے اور جلانے کے بعد مسلمانوں کے دل میں خدشہ ہوا' بعض نے کہا: یہ زمین میں فساد کرنا ہے' اور بعض نے کہا' ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے' کہ یہ اللہ کا اپنے دشمنوں کو ذلیل کرنا ہے اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہے' پھر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم نے جو کارروائی کی ہے اس پر ہم کو اجر ملے گا یا گناہ ہوگا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا' سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تا کہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے۔ (الحشر: ۵) اس سے معلوم ہوا کہ جن

مسلمانوں نے اپنے اجتہاد سے درختوں کو کاٹ دیا تھا وہ بھی صحیح تھا اور جنہوں نے اپنے اجتہاد سے درختوں کو نہیں کاٹا ان کا اجتہاد بھی صحیح تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے' لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کا اجتہاد کرنا جائز نہ تھا' البتہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر دلیل ہے کیونکہ اس خاص معاملہ میں آپ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور چونکہ عمومی طور پر کفار کو ذلیل کرنے کا حکم ہے' اس لیے آپ نے کافروں کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا یا مسلمانوں کو کاٹنے سے منع نہیں فرمایا اور جب اس پر بنو نضیر نے اعتراض کیا تو آپ کی تائید اور تصویب میں الحشر: ۵ نازل ہوگئی۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ' لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں' اور رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O (الحشر: ۶-۷)

فئے کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں ''افاء'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''فیی'' ہے' علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فئے کا معنی ہے: حالتِ محمودہ کی طرف رجوع کرنا' اور اس مال غنیمت کو فئے کہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو کوئی مشقت نہ ہو۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۰۲-۵۰۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشرکین کے جو اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں' وہ اموال فئے ہیں' لہٰذا غنیمت' جزیہ اور خراج یہ سب فئے ہیں' کیونکہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کی ملکیت میں داخل کر دیں' ہر چند کہ غنیمت بھی فئے ہے لیکن وہ بعض خصوصیات کی وجہ سے فئے سے الگ ہوگئی کہ جو اموال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہوں ان کو غنیمت کہتے ہیں' اور ان اموال میں خمس (۱/۵) نکالنے کے بعد ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور جو مال فئے ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام رہتے ہیں' ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات' اپنے اقرباء' فقراء' مساکین' مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا مصرف فقراء' مساکین' مسافر اور عام مسلمانوں کی ضروریات ہیں' کیونکہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو نضیر کے اموال فئے تھے ان اموال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیا' ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے' یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے' آپ ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے اور باقی اموال کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سواریوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: یہ وہ اموال فئے ہیں

جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے‘ ان اموال میں کسی کا حق نہیں ہے‘ الا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے کسی کو کچھ عطا فرمادیں‘ ان اموال میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل پر خرچ کرتے تھے اور باقی اموال کو سواریوں اور ہتھیاروں پر خرچ کرتے تھے‘ کیونکہ ان اموال کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ صلح کے ذریعہ حاصل کیا تھا‘ ارض فدک اور عرینہ کے اموال کا بھی یہی حکم ہے۔ قرآنِ مجید میں فئے کے متعلق سورۂ حشر کی جو آیات ہیں ان میں یہ دلیل ہے کہ کفار کے جو اموال بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان کو ان مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن مصارف میں خراج اور جزیہ کے اموال کو خرچ کیا جاتا ہے‘ کیونکہ وہ اموال بنونضیر کے اموال کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے کوئی جنگ کی ہے نہ کوئی مشقت اٹھائی ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۹۔۴۳۰‘ سہیل اکیڈمی لاہور‘ ۱۴۰۰ھ)

مالِ غنیمت اور مالِ فئے کو کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کو دینے کی وجہ

کفار سے جس نوع کے بھی اموال حاصل ہوتے ہیں‘ ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہوجانے کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہونے کے بعد وہ اموال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور مالکِ حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ جاتے ہیں‘ اس لیے اموال کے اللہ کی طرف پلٹ آنے کو افاء اور فیئی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جن اموال کے حصول میں مسلمانوں کی جنگ اور جہاد کا دخل ہوتا ہے‘ اس مال کو اللہ تعالیٰ نے لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا‘ ارشاد ہوا: ”وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الآیۃ“ (الانفال: ۴۱) جان لو کہ جو مال تم نے بطور غنیمت حاصل کیا ہے۔ اور کفار کے جس مال کے حصول میں جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں پڑتی‘ اللہ تعالیٰ نے اس کو فئے سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: ”مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی“ (الحشر: ۷) یعنی بنونضیر اور بنوقریظہ کے جو مال اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیئے۔

سورۂ حشر کی ابتدائی آیات میں بنونضیر کی ان جائیدادوں اور املاک کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے بنونضیر کی ملک تھیں اور ان کی جلاوطنی کے بعد وہ اسلامی حکومت کے قبضہ میں آ گئیں‘ ان آیات میں ان متروکہ جائیدادوں کے انتظام اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے‘ کیونکہ یہ ایک علاقہ کے فتح ہونے کے بعد اس کے اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کا پہلا موقع تھا اور اس کے بعد بھی اس قسم کے بہت سے علاقے فتح ہونے والے تھے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں اراضی مفتوحہ کا قانون بیان فرمادیا۔ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا۔ ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین اور یہاں کی ساری چیزیں اللہ کے باغیوں کا حق نہیں ہیں‘ اگر وہ ان چیزوں پر متصرف ہیں تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈاکو اور باغی حکومت کے اموال پر قبضہ کر کے اس میں تصرف کرنے لگیں‘ درحقیقت تمام اموال میں اصل یہ ہے کہ ان اموال کو ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان اموال میں اس طرح کا خرچ صرف صالحین مؤمنین ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو اموال بھی ایک جائز اور صحیح جنگ کے نتیجہ میں کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل ایمان کے قبضہ میں آ جائیں ان کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ ان کا مالک انہیں اپنے خائن ملازموں کے قبضہ سے نکال کر اپنے فرمانبردار ملازموں کی طرف پلٹاتا ہے‘ اس لیے ان املاک کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں فئے (پلٹا کر لائے ہوئے اموال) کہا جاتا ہے۔

مالِ غنیمت اور مالِ فئے کا فرق

مالِ غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان فوج دشمن سے جنگ کر کے اور مقابلہ میں فتح یاب ہو کر دشمن سے حاصل کرتی ہے‘

لیکن فوج میں اس مال کو تقسیم کرنے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ چونکہ اس فوج نے لڑ کر یہ مال جیتا ہے اس وجہ سے یہ مال اس کا حق ہے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح عطا کی ہے اور درحقیقت یہ اس اسلامی نظام کی فتح ہے جس کو قائم کرنے کے لیے مسلمانوں نے جنگ کی تھی اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ خمس نکالنے کے بعد مالِ غنیمت کے عنوان سے ان کو جو مال دیا جائے اس مال کو وہ اللہ کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں صرف کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جب کفار کے ہاتھ میں پیسہ ہو تو وہ اس کو کس طرح خرچ کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے ہاتھ میں پیسہ آئے تو وہ اس کو کس طرح صرف کرتے ہیں۔

مالِ غنیمت کے برخلاف مالِ فئے کی یہ نوعیت نہیں ہے کہ اس مال کو اسلامی فوج نے میدانِ جنگ میں لڑ کر جیتا ہے اور اس بناء پر اس مال کو اسلامی فوج میں تقسیم کر دیا جائے بلکہ مالِ فئے کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو کفار پر غالب کر دیا اور اسلام کے رعب اور ہیبت سے کفار اپنے اموال کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں کفار کے اموال آ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے: ''فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ'' (الحشر: ۶) یہ ایسے اموال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے ہوں۔ اس وجہ سے اموالِ فئی میں فوج کا حق نہیں ہے کہ مالِ غنیمت کی طرح مالِ فئی کو بھی ان میں تقسیم کر دیا جائے۔

اسلام میں غنیمت اور فئے کا حکم الگ الگ مقرر کیا ہے غنیمت کا حکم سورۂ انفال کی آیت: ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دیے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر کے اس کو یتامیٰ مساکین مسافروں اور مسلمانوں کے عام رفاہی اُمور میں خرچ کیا جائے اور فئے کا حکم سورۂ حشر کی آیت: ۷ تا ۱۰ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اموالِ فئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قرابت داروں یتامیٰ مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا امام شافعی کے نزدیک یہ حصہ اب امام اور خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ فقراء اور مساکین میں آ گیا اور یہ تقسیم کی وہی صورت ہے جو خمس میں بیان کی گئی ہے۔ غنیمت اور فئے کا یہ ایک اجمالی فرق ہے اس کی تفصیل آئندہ سطور میں ہم فقہاء اسلام کے مذاہب کے ذکر میں بیان کریں گے اس سے پہلے کہ فئے اور غنیمت کی مزید وضاحت کریں پہلے سورۂ حشر کی ان آیات کو بیان کرتے ہیں جو فئے کے احکام کا اصل ماخذ ہیں۔

قرآن مجید سے اموالِ فئے کے وقف ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ

(الحشر: ۶۔۷)

اور اللہ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے صرف

مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ . (الحشر: ۱۰) اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ مال خمس اور مال فئے کے مصارف ایک جیسے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں دیئے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال کا شخصی مالک نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال آپ کی تولیت اور انتظام میں کر دیئے اور ان کے مصارف متعین کر دیئے' تاکہ آپ ان اموال کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں' اپنے قرابت داروں میں صرف کریں اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں' چنانچہ اس باب کی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو اسی طرح خرچ کرتے تھے' نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ ان اموال کے یہ مصارف اس لیے مقرر کیے ہیں تاکہ یہ مال تمہارے مال داروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے' اس سے واضح ہو گیا کہ مال فئی کا کوئی شخص شخصی مالک نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے' نیز ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ '' (الحشر: ۱۰) اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔ اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ اموال فئے کسی شخص کی نجی اور شخصی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے قیامت تک وقف ہوتے ہیں اور اموال فئے کے وقف ہونے پر سورۂ حشر کی یہ نصوص قطعیہ ناطق اور شاہد ہیں۔

احادیث سے مال فئے کے وقف ہونے پر دلائل اور باغ فدک کا وقف ہونا

حضرت اوس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا' میں دن چڑھنے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ وہ گھر میں خالی تخت پر چمڑے کے ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں' فرمانے لگے: اے مالک! تمہاری قوم کے کچھ لوگ جلدی جلدی آئے تھے' میں نے انہیں تھوڑی سی چیزیں دینے کا حکم دے دیا ہے' تم وہ چیزیں لے کر ان کے درمیان تقسیم کر دو' میں نے کہا: آپ میرے علاوہ کسی اور کے ذمہ یہ کام لگا دیتے تو اچھا تھا' حضرت عمر نے فرمایا: اے مالک! تم یہ چیزیں لے لو' اتنے میں (ان کا غلام) یرفاء اندر آیا اور کہنے لگا: حضرت عثمان' حضرت عبد الرحمن بن عوف' حضرت زبیر اور حضرت سعد کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی وہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں) حضرت عمر نے کہا: اچھا' اور انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی' اور وہ اندر آگئے' پھر یرفاء آئے اور کہا: حضرت علی اور حضرت عباس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے کہا: اچھا' اور ان کو بھی اجازت دے دی' حضرت عباس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرے اور اس جھوٹے' خطاکار' عہد شکن اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے' باقی صحابہ نے بھی کہا: ہاں! اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان کو راحت دلایئے۔ حضرت مالک بن اوس نے کہا: میرا خیال تھا کہ ان دونوں نے ان صحابہ کو اسی لیے پہلے بھیجا تھا' حضرت عمر نے کہا: ٹھہرو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر' حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم دونوں کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تم دونوں یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا

تھا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے'ان دونوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کے ساتھ خاص کیا تھا جس کے ساتھ کسی اور کو خاص نہیں کیا تھا' یہ بستیوں کے وہ اموال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوٹا دیئے تھے' یہ اموال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں (یعنی اموال فئے) راوی کہتے ہیں: مجھے علم نہیں کہ انہوں نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی تھی یا نہیں۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے درمیان بنونضیر کے اموال تقسیم کر دیئے' بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو اپنے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ تمہیں چھوڑ کر ان اموال کو خود رکھا' حتیٰ کہ یہ مال باقی رہ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے ایک سال کا خرچ لے لیتے تھے' باقی جو بچتا وہ بیت المال میں رکھ لیتے' حضرت عمر نے پھر فرمایا: میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی کو بھی وہی قسم دی جو باقی صحابہ کو دی تھی' اور کہا: کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں' پھر تم دونوں آئے' تم اپنے بھتیجے کی میراث سے طلب کرتے تھے اور یہ اپنی زوجہ کے لیے ان کے والد کی میراث سے طلب کرتے تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے' سو تم دونوں نے حضرت ابوبکر کو جھوٹا' گناہ گار' عہد شکن اور خائن گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر سچے' نیک' ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والے ہیں' پھر حضرت ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا خلیفہ بنایا گیا' پس تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا' گناہ گار' عہد شکن اور خائن گمان کیا (یعنی میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو جھوٹے اور خائن کے ساتھ کرتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا' نیک' ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں' پھر میں ان اموال کا ولی بنایا گیا پھر تم اور یہ میرے پاس آئے درآں حالیکہ تم دونوں کی رائے متفق تھی' تم دونوں نے کہا: ان اموال کی نگہداشت ہمارے سپرد کر دیجئے' میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموال اس شرط کے ساتھ تمہارے سپرد کر دیتا ہوں کہ تم ان اموال میں اسی طرح تصرف کرو گے جس طرح ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے' تم دونوں نے اس کا اقرار کیا' حضرت عمر نے کہا: کیا اسی طرح معاہدہ ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: اب پھر تم دونوں میرے پاس آئے ہو کہ میں تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں' نہیں! خدا کی قسم! قیامت تک میں تمہارے درمیان اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا' اگر تم ان اموال کا انتظام کرنے سے عاجز ہو گئے ہو تو پھر یہ مجھے واپس کر دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۰)

کیا حضرت علی نے نبی کا وارث نہ بنانے کی روایت میں حضرت ابوبکر اور عمر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا تھا؟

ملا باقر مجلسی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر یہ دلیل ہے کہ "صحیح مسلم" میں مالک بن اوس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے کہا: حضرت ابوبکر نے تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو کچھ ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے' پس تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر سچے' نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے' پھر ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوا' پھر تم دونوں نے مجھ کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں

سچا' نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ "صحیح مسلم" کی اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی' حضرت ابوبکر کو اس روایت میں جھوٹا گردانتے تھے اور حضرت علی کا اس روایت کو جھوٹا قرار دینا اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے پر واضح دلیل ہے' کیونکہ حضرت علی حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کی صداقت کے معترف تھے جیسا کہ مالک بن اوس کی اسی روایت میں ہے: حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے فرمایا:

میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کی اجازت سے زمین اور آسمان قائم ہیں' کیا تم دونوں کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے؟ حضرت عباس اور حضرت علی دونوں نے کہا: ہاں (ہمیں علم ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹)

نبی کا وارث نہ بنانے کی حدیث پر اشکالات کے جوابات

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی کو اس حدیث کا علم تھا اور جب انہیں علم تھا تو حضرت فاطمہ کو بھی یقیناً علم ہو گا تو پھر ان حضرات نے حضرت ابوبکر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا اور پھر دوبارہ حضرت عمر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرت عباس اس حدیث کے تو معترف تھے لیکن اس حدیث کو عام نہیں سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کسی چیز کا بھی کوئی وارث نہیں ہو گا' ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے بعض چیزوں کا کوئی وارث نہیں ہو گا اور باقی متروکات میں وراثت جاری ہو گی اور خیبر کی بعض اراضی اور فدک کے متعلق ان کا گمان تھا کہ اس میں وراثت جاری ہو گی' اس وجہ سے وہ ان میں وراثت کو طلب کرتے تھے' اس کے برعکس حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور دیگر صحابہ اس حدیث کو عموم پر محمول کرتے تھے اور اس حدیث کی تعمیم اور تخصیص میں ان کی آراء اور اجتہاد میں اختلاف ہو گیا' حضرت علی اور حضرت عباس کو اپنے مؤقف پر اصرار تھا' اس وجہ سے پہلے انہوں نے حضرت ابوبکر سے اور پھر حضرت عمر سے میراث کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷ 'مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم دونوں نے پہلے ابوبکر کو اور پھر مجھے جھوٹا' عہد شکن اور خائن گمان کیا اس کا کیا محمل ہے؟ علامہ أبی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ باب تنزیل سے ہے یعنی تم دونوں نے حضرت ابوبکر کے استدلال اور حجت کو تسلیم نہیں کیا اور برابر میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے رہے' خلاصہ یہ ہے کہ تم نے سچے شخص کے ساتھ جھوٹے شخص کا معاملہ کیا نہ یہ کہ تم نے ان کو فی الواقع جھوٹا سمجھا۔

علامہ أبی مالکی لکھتے ہیں کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی "افرایتماہ کاذبا غادرا خائنا آثما" کیا تم نے ابوبکر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار سمجھا تھا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے' یعنی جب تم حضرت ابوبکر کو جھوٹا اور عہد شکن نہیں سمجھتے تھے تو پھر کیوں بار بار میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے تھے؟ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۷۷۔۷۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ ان توجیہات کے صحیح اور صواب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان اراضی کو حضرت فاطمہ کی اولاد کی ملکیت میں نہیں دیا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بعد میں حضرت علی کو یہ شرح صدر ہو گیا کہ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابوبکر کا اجتہاد صحیح اور صائب تھا اور یہ کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متروکات میں سے کسی چیز میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ہم نے جو اس حدیث کی تحقیق کی ہے اس سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کا اس حدیث سے استدلال میں اختلاف تھا اور اس حدیث کی صحت میں اہل بیت کا اختلاف نہیں تھا' نہ حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرت عباس میں سے کسی نے اس حدیث کا انکار کیا تھا' جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے سمجھا ہے بلکہ انہوں نے قسم کھا کر اس حدیث کا اعتراف کیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ائمہ شیعہ نے بھی اس حدیث کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

نبی کا وارث نہ بنانے کی تائید میں دیگر احادیث

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فئی عطا کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جو کچھ چھوڑا ہے اس میں ان کی میراث کو تقسیم کریں' حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان' حضرت عبد الرحمٰن' حضرت زبیر اور حضرت سعد سے) کہا: ٹھہرو! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں' جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸)

باغ فدک کو وقف قرار دینے پر مفصل بحث اور علماء شیعہ کے اہم اعتراضات کے جوابات پڑھنے کے لیے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۵ ص ۳۶۱۔ ۳۶۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

''دولۃ'' کا معنی

نیز الحشر: ۷ میں فرمایا: تاکہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش کرتے نہ رہیں۔

اس آیت میں ''دولۃ'' کا لفظ ہے' علامہ حسین محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الدَّولۃ'' اور ''الدُّولۃ'' واحد ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ''الدَّولۃ'' کا اطلاق مال میں ہوتا ہے' ''الدُّولۃ'' کا اطلاق حرب میں ہوتا ہے' اور دولت اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو بعینہٖ گردش کرتی رہتی ہے' کبھی ایک کے پاس' کبھی دوسرے کے پاس' قرآن مجید میں ہے:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

(آل عمران: ۱۴۰)

(المفردات ج ۱ ص ۲۳۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: اور رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو مال غنیمت سے جو کچھ عطا کریں' اس کو قبول کر لو اور تم کو مال غنیمت میں خیانت

کرنے سے روکیں تو اس سے رک جاؤ۔ اس آیت کا شانِ نزول اگرچہ مالِ غنیمت کے ساتھ خاص ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی اور آپ کے تمام احکام اس میں داخل ہیں۔

حسن بصری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: میں تم کو مالِ فئے سے جو کچھ دوں اس کو قبول کر لو اور جس چیز سے تم کو منع کر دوں اس کو طلب نہ کرو۔

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی پر محمول ہے کیونکہ آپ کا ہر حکم صرف نیک کام کے لیے ہوتا ہے اور نہی اور ممانعت بُرائی کے لیے ہوتی ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اموال ان فقراء مہاجرین کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' وہ لوگ وہی سچے ہیں O اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دارِ ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں شدید ضرورت ہو اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O (الحشر: ۸۔۹)

فقراء مہاجرین کا صادق ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صادق ہونے کو مستلزم ہے

اس آیت (الحشر: ۸) میں مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں' جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی نصرت کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی' قتادہ نے کہا: یہ وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اپنے گھروں' اپنے مالوں اور اپنے عزیزوں' رشتہ داروں اور اپنی اولاد کو اور اپنے وطن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر چھوڑ دیا' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تا کہ اس کی کمر سیدھی رہے اور ان میں سے کسی شخص کے لیے سردی سے بچاؤ کے لیے گرم کپڑے نہیں ہوتے تھے۔

اور فرمایا: ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا' کفار نے ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور ان کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور یہ ایک سو نفر تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۰)

نیز فرمایا: وہی لوگ سچے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء مہاجرین کو صادق فرمایا ہے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے خلافت کا مستحق قرار دیا تھا اور ان کا صادق ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صادق ہونے کو مستلزم ہے۔

اس کی توجیہ کہ انصار نے مہاجرین سے پہلے ایمان کی جگہ بنالی

الحشر: ۹ میں فرمایا: اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دارِ ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن لوگوں نے مہاجرین کے مدینہ میں آنے سے مدینہ کو اپنا وطن بنایا اور مدینہ میں اپنا گھر بنایا وہ انصار ہیں' اور یہ جو فرمایا ہے: وہ مہاجرین سے پہلے ایمان میں جگہ بنا چکے ہیں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ مہاجرین سے پہلے ایمان لا چکے ہیں کیونکہ انصار' مہاجرین کے بعد ایمان لائے تھے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے مدینہ میں ایمان کے گھر بنا چکے تھے یعنی ایمان والوں کے لیے گھر بنا چکے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے گھروں کو لازم کر لیا تھا اور ایمان کو لازم کر لیا تھا۔

اس آیت میں "تبوؤ" کا لفظ ہے اس کا مصدر "تبوء" ہے اس کا معنی ہے: انہوں نے ٹھکانا بنالیا، انہوں نے جگہ بنا لی۔

اموالِ بنونضیر صرف مہاجرین کو عطا فرمانا نہ انصار کو

اس کے بعد فرمایا: اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی گئی ہے۔

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے دن انصار سے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم اپنے اموال اور اپنے گھروں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کر دو اور تم بنونضیر کے مالِ غنیمت میں شریک ہو جاؤ اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور تمہارے گھر تمہارے ہی لیے رہیں اور اس مالِ غنیمت کو تم میں تقسیم نہیں کیا جائے گا" انصار نے کہا: بلکہ ہم اپنے مالوں کو اور اپنے گھروں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کریں گے اور ہم اس مالِ غنیمت میں ان کے شریک نہیں ہوں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۸۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا کہ بنونضیر سے جو مال فئے حاصل ہوا تھا وہ انصار نے مہاجرین کے لیے چھوڑ دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں لیا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر سے حاصل شدہ مال فئے اور بنوقریظہ سے حاصل شدہ مالِ غنیمت مہاجرین کو دے دیا اور فرمایا: اس کے عوض مہاجرین انصار سے لیے ہوئے اموال انہیں واپس کر دیں' پس انصار نے کہا: نہیں ہم اپنے اموال واپس نہیں لیں گے اور ہم خوشی سے ان کو یہ اموالِ فئے اور اموالِ غنیمت دیتے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ بنونضیر کے اموال کے پانچ حصے کیے جائیں (چار حصے مسلمانوں میں تقسیم کیے جائیں اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے' جیسا کہ مالِ غنیمت میں ہوتا ہے) تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بیان فرمایا کہ بنونضیر کے اموال فئے ہیں وہ مسلمانوں کی جنگ کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوئے اور ان اموال پر خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے' سو آپ ان اموال میں جو چاہیں کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ بنونضیر کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا' سوائے تین شخصوں کے جن کو مال کی بہت ضرورت تھی: حضرت ابو دجانہ' حضرت سہل بن حنیف اور حضرت حارث بن الصمۃ رضی اللہ عنہم۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۲۱۰' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ایثار کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

نیز اس آیت میں فرمایا: اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں شدید ضرورت ہو۔

اس آیت میں ہے: "ویؤثرون" اس کا مصدر ایثار ہے' علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اثر کے لفظ کا فضل اور ایثار کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے' صحیح حدیث میں ہے: "ستکون بعدی اثرۃ" (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۳) یعنی تم میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیں گے۔ اور "استئثار" کا معنی ہے: کسی شخص کا کسی چیز کے ساتھ منفرد

ہونا۔ (المفردات ج اص ۱۰۱-۱۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ 'مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایثار کا معنی ہے: کسی دوسرے شخص کو دنیاوی چیزوں میں اپنے اوپر ترجیح دینا' یہ وصف یقین کی قوت' محبت کی شدت اور مشقت پر صبر کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ص ۲۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ایثار کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے پاس رات کو ایک مہمان آیا' اس کے پاس صرف اتنا طعام تھا کہ وہ اور اس کی بیوی بچے کھا لیں' اس نے اپنی بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور گھر میں جو کچھ کھانا ہے وہ مہمان کے آگے لا کر رکھ دو' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ" (الحشر: ۹)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۹-۳۷۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۸۶' سنن بیہقی ج ۴ص ۱۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں بھوکا ہوں' آپ نے اپنی کسی زوجہ کے پاس پیغام بھیجا' انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں' پھر آپ نے دوسری زوجہ کے پاس پیغام بھیجا' انہوں نے بھی اسی طرح کہا حتیٰ کہ سب نے اسی طرح کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں' پھر آپ نے فرمایا: آج رات کون اس شخص کو مہمان بنائے گا؟ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی ضیافت کروں گا' پھر وہ اس کو اپنے گھر لے گیا' پھر اس نے اپنی بیوی سے پوچھا: تمہارے پاس کھلانے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا: صرف میرے بچوں کا کھانا ہے' اس نے کہا: ان کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھا رہے ہیں' پھر سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھا لیا' جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جس طرح رات کو اپنے مہمان کی ضیافت کی ہے اس سے اللہ بہت خوش ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۴) امام بیہقی نے لکھا ہے: یہ حضرت ابو طلحہ اور اس کی بیوی کا واقعہ ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۵ص ۱۴۰)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کے پاس بکری کی سری ہدیہ میں آئی' اس نے سوچا کہ میرا فلاں (دینی) بھائی عیال دار ہے اور وہ مجھ سے زیادہ اس سری کا محتاج ہے' اس نے وہ سری اس کے پاس بھیج دی' اس نے وہ سری کسی اور ضرورت مند صحابی کے پاس بھیج دی اور اس نے کسی اور ضرورت مند کے پاس' یوں وہ سات گھر والوں میں سے گھومتی ہوئی پھر پہلے صحابی کے پاس پہنچ گئی۔

(زاد المسیر ج ۸ص ۲۱۴' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اور امام ابو الحسن واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ص ۴۸۴' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۴۰۴' اسباب النزول رقم الحدیث: ۸۱۰)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' ان کو یہ خواہش ہوئی کہ جب انار کا پہلی بار پھل آئے تو وہ انار کھائیں' ان کی بیوی صفیہ نے ایک درہم کا انار منگایا' جب انار آ گیا تو ایک سائل نے اس کا سوال کیا' حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ انار اس کو دے دو' پھر ان کی بیوی نے ایک اور درہم کا انار منگوایا' پھر وہی سائل آ گیا اور اس نے اسی کا سوال

کیا' حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ انار بھی اس کو دے دو' پھر ان کی بیوی نے تیسرا انار منگوایا۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۲۰۶' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ص ۲۹۷' کتاب الزہد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۰۰ ۱سنن بیہقی ج ۴ص ۱۸۵ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ روزہ سے تھیں کہ ایک مسکین نے سوال کیا اور اس وقت گھر میں صرف ایک روٹی تھی' آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا: اس کو وہ روٹی دے دو' خادمہ نے کہا: پھر آپ کے افطار کے لیے کوئی چیز نہیں رہے گی' آپ نے فرمایا: تم یہ روٹی اس کو دے دو' ایک گھر سے ہمارے ہاں ہدیہ آتا تھا' شام کو اس کے ہاں سے ایک بکری اور اس کی دستی آ گئی' حضرت عائشہ نے اس خادمہ سے فرمایا: لو اس سے کھاؤ' یہ تمہاری روٹی سے بہتر ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۱۹۲۹' ج ۲ص ۳۷۲' دار المعرفہ' بیروت' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۲۰۷)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں' ان کے پاس ایک سائل آیا اور ان کے پاس اس وقت صرف ایک روٹی تھی' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: اے بریرہ! وہ روٹی اس سائل کو دے دو' حضرت بریرہ نے توقف کیا' اس سائل نے پھر سوال کیا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: اے بریرہ! وہ روٹی اس سائل کو دے دو' شام کو ہم نے پانی سے روزہ افطار کیا' تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی' آپ نے فرمایا: اے بریرہ! دیکھو کون ہے؟ تو ایک شخص ایک خوان میں بھنی ہوئی بکری اور روٹیاں لے کر آیا تھا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: الحمد للہ! اللہ عزوجل نے ان شاء اللہ ہمارے لیے اجر رکھا ہے' یہ اس کے علاوہ ہے۔ ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں ایک ماہ سے دوسرے ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۵ص ۱۳۶۔۱۳۵۔ رقم الحدیث: ۳۲۱۵۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں' اس نے سوال کیا' میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی' میں نے وہی کھجور اس کو دے دی' اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں کو کھلا دیئے اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا' پھر وہ چلی گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا: جو ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

امام مسدد اپنی ''مسند'' میں' امام ابن ابی الدنیا ''کتاب قری الضیف'' اور امام ابن المنذر ابوالمتوکل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان تین دن سے روزہ دار تھا اور اس کے پاس افطار کے لیے کوئی چیز نہیں تھی حتیٰ کہ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہوئی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: آج شام کو میں ایک مہمان لے کر آؤں گا' جب تم کھانا رکھو تو تم چراغ کے پاس اس طرح کھڑی ہو جانا گویا تم اس کو ٹھیک کر رہی ہو' پھر اس کو بجھا دینا پھر تم کھانے کے پاس اس طرح ہاتھ بڑھانا گویا کہ تم کھانا کھا رہی ہو' پھر حضرت ثابت اس روزہ دار مہمان کو لے کر آئے' شام کو ان کے سامنے کھانا رکھا اور چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دیا اور گھر والے کھانے کے سامنے اس طرح ہاتھ بڑھاتے رہے گویا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا' جب صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: اے ثابت! گزشتہ رات تم نے اپنے مہمان کی جس طرح ضیافت کی اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (الحشر: ۹)۔

(الدر المنثور ج ۸ص ۱۰۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوں' کیونکہ ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی' اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تا کہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی' آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے' آپ یہ مجھے دے دیجئے' حاضرین نے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا' اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا درآں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی' پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے' اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے' سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

حافظ جلال الدین سیوطی' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا آیا اور اس نے کہا: میری ماں نے آپ سے فلاں فلاں چیز کا سوال کیا ہے' آپ نے فرمایا: آج ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے' اس نے کہا: میری ماں کہتی ہے کہ آپ یہ قمیص دے دیجئے' آپ نے وہ قمیص اتار کر اس کو دے دی اور آپ بغیر قمیص کے افسوس سے بیٹھے رہے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷ ۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

لیکن ''تفسیر ابن جریر'' اور ''تفسیر امام ابن ابی حاتم'' میں یہ حدیث نہیں ہے' علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور قرطبی کے مخرج نے ''سنن کبریٰ' مجمع الزوائد'' اور ''مصنف عبد الرزاق'' کا حوالہ دیا ہے لیکن ان تینوں کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے' البتہ اس مضمون کی ایک اور حدیث مستند کتابوں میں موجود ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ایثار نفس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی' اور اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہوئے ان کو اپنے اموال دیئے خواہ ان کو خود ان مکانوں اور اموال کی ضرورت کیوں نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں اس کی تفسیر میں دو روایتیں ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن حیان نے بیان کیا کہ انصار نے مال فے (کفار کا چھوڑا ہوا مال) اور مال غنیمت (میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا مال) میں اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی حتیٰ کہ وہ مال مہاجرین کو دیا گیا اور ان کو نہیں دیا گیا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو النضیر کا مال فے مہاجرین میں تقسیم کیا' اور بنو قریظہ سے حاصل شدہ مال مہاجرین کو دے کر فرمایا انصار نے اپنے اموال جو تم کو دیئے تھے تم ان کے اموال واپس کر دو' انصار نے کہا نہیں' ہم ان کو ان اموال پر برقرار رکھیں گے اور اموال فے میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔

(۲) ابن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: تمہارے بھائی (مکہ میں) اپنے اموال اور اولاد کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم اپنے اموال میں ان کو شریک کر لیں گے' آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ

کچھ اور! انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو کھیتی باڑی نہیں آتی' تم ان کی جگہ کام کرو اور پیدا شدہ کھجوریں آپس میں تقسیم کر لینا' یعنی بنو نضیر سے حاصل شدہ کھجوروں کو' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ٹھیک ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

صرف اصحاب صبر کے لیے تنگی میں اپنے اوپر ایثار کی اجازت ہے' ہر شخص کے لیے نہیں

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

ایثار یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں میں آخرت کی طرف رغبت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی جائے اور یہ وصف نفس کی قوت' شدتِ محبت اور مشقت پر صبر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایثار کرنے والوں کے احوال کے اختلاف سے ایثار مختلف ہوتا ہے' جیسا کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کا سارا مال قبول فرما لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا نصف مال قبول کیا اور حضرت ابولبابہ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما سے تہائی مال قبول کیا کیونکہ ان کا درجہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کم تھا اور اس میں کوئی خیر نہیں ہے کہ ایک شخص پہلے صدقہ کرنے پھر نادم ہو اور ندامت کی وجہ سے اس کا اجر ضائع ہو جائے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۲۲۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ احادیثِ صحیحہ میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ انسان اپنا تمام مال صدقہ کر دے' اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اس شخص کے لیے منع ہے جو فقر پر صبر نہ کر سکتا ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے بعد بھیک مانگنا شروع کر دے گا' لیکن جن انصار کے ایثار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور تحسین کی ہے ان کی یہ صفت نہ تھی' ان کے لیے مال رکھنے کے بجائے دوسروں کو دینا افضل تھا اور مال رکھنا ان کے لیے افضل ہے جو صبر نہیں کر سکتے اور وہ بھیک مانگنے کے درپے ہو جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تنگ دست ضرورت مند کا صدقہ سب سے افضل ہے (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷) اور یہ مقام سب سے بلند ہے' کیونکہ ان صحابہ نے اس چیز کو خرچ کیا جس کی ان کو خود سخت ضرورت تھی اور یہی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے' جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کر دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول کو باقی رکھا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۷۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تمام مال قبول فرما لیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصف مال قبول فرما لیا' اور جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا: تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے' آپ نے ہر ایک سے اتنا مال لیا جتنے مال کی سخاوت کو اس کا دل برداشت کر سکتا تھا اور آپ کو علم تھا کہ حضرت ابولبابہ اپنے تمام مال کے خرچ ہونے پر صبر نہیں کر سکیں گے' جس طرح حضرت ابوبکر اپنے تمام مال کے راہ خدا میں صرف ہونے پر صبر کر لیں گے اور جس طرح حضرت عمر اپنے نصف مال کے خرچ ہونے پر صبر کر لیں گے' اس لیے آپ نے حضرت ابولبابہ کو صرف تہائی مال کے صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۳ ص ۱۱۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:
جس شخص نے اس حال میں صدقہ کیا کہ وہ خود ضرورت مند تھا' یا اس کے اہل وعیال ضرورت مند تھے' یا اس پر قرض تھا تو صدقہ کرنے' غلام کو آزاد کرنے یا ہبہ کرنے کی بہ نسبت قرض کی ادائیگی کا استحقاق ہے' اور اس نے جو صدقہ کیا ہے یا غلام آزاد کیا ہے یا ہدیہ دیا ہے وہ واپس لیا جائے گا' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کو ضائع کردے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ضائع کرنے کے لیے لوگوں کے اموال لیے اللہ اس کو ضائع کردے گا' ماسوا اس شخص کے جس کا صبر کرنا معروف اور مشہور ہو' جو اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو' خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کردیا تھا اور جس طرح انصار نے اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صدقہ کرنے کے بہانے سے لوگوں کے اموال کو ضائع کردے' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو اللہ اور رسول کی طرف صدقہ کردوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے' تو میں نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔
(صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب: ۱۸ لاصدقۃ الا عن ظھر غنی' اسی وقت صدقہ کرے جب صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس خوش حالی رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اور اپنے عیال سے ابتداء کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۵۵)

تنگی میں دوسروں کے لیے ایثار کرنے کا ضابطہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ جس شخص کا بدن تندرست ہو' اس کی عقل صحیح ہو' اس پر کسی کا قرض نہ ہو اور وہ شخص فقر و فاقہ پر صبر کرسکتا ہو اور اس کے عیال نہ ہوں' یا عیال ہوں اور وہ بھی مال نہ ہونے پر صبر کرسکتے ہوں' تو جمہور کے نزدیک اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے' اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا اس کا وہ صدقہ واپس لیا جائے گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق (رجعی) دے کر اپنا تمام مال اپنے بیٹوں میں صدقہ کردیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ تم یہ طلاق واپس لو اور تقسیم کیا ہوا مال بھی واپس لو ورنہ میں حکم دوں گا کہ تمہاری قبر پر بھی رجم کیا جائے جیسا کہ ابورغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا (مسند احمد ج ۲ ص ۱۴ ملخصاً) اور ایک محتاج شخص نے اپنے غلام کو مدبر کردیا (یعنی اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگا) تو آپ نے اس غلام کو فروخت کرکے اس کی قیمت اس محتاج شخص کو واپس کردی۔ امام طبری نے کہا: ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مذکور الصدر شرائط کے ساتھ اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے لیکن مختار اور مستحب یہ ہے کہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے' تاکہ حضرت ابوبکر کے فعل اور حضرت کعب بن مالک کے فعل میں تطبیق رہے (علامہ عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ) اور جس حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اتنا زیادہ صدقہ نہ کرے کہ صدقہ کے بعد وہ خود اور اس کے اہل وعیال محتاج ہوجائیں اور اس کے پاس اتنا مال رہے کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کرسکے' یعنی وہ بھوک دور کرنے کے لیے کھانا کھاسکیں' کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہوسکتا' اور اپنی ستر پوشی کرسکیں' اور ان کو کوئی اذیت پہنچے تو اس کو دور کرسکیں' اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس ان ضروریات کو پورا

کرنے کے لیے مال نہ بچے تو پھر اپنی ضروریات پر کسی کے لیے ایثار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے' کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دوسروں کو ترجیح دے گا تو لازم آئے گا کہ وہ بھوک سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے یا اپنے آپ کو ضرر میں مبتلا کرے یا اپنے آپ کو برہنہ کرے کیونکہ اپنے حقوق کی رعایت کرنا ہر حال میں راجح ہے اور جب یہ واجبات ساقط ہو جائیں تو پھر ایثار کرنا جائز ہے اور اس وقت اس کا صدقہ کرنا افضل ہوگا کیونکہ وہ فقر اور مشقت کی شدت کو برداشت کرے گا' اور اس طرح دلائل میں جو تعارض ہے وہ دور ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۸۔۲۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنا حق دوسروں پر مقدم ہے' اولاد اور بیوی کا خرچ بالاتفاق فرض ہے اور خادم کا خرچ بھی واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اپنے اوپر' اپنے عیال پر اور دوسروں پر خرچ کرنے کی ترتیب

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی "اپنے عیال سے ابتداء کرو" کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام النسائی نے طارق محاربی کی سند سے روایت کیا ہے: ہم جب مدینہ منورہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے: دینے والے کا ہاتھ اوپر ہے' اپنے عیال سے (دینے کی) ابتداء کرو' تمہاری ماں' تمہارا باپ' تمہاری بہن اور تمہارا بھائی پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو' جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرو' ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۳۵' اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید' تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۹۹)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے' اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اسی کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے' پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا' کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا' چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا' کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے' علامہ

نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہے اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۴۔ ۴۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں "وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (لقمان: ۱۵) دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

ترتیب مذکور کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی ہو اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے دینے کی ابتداء کرو' عورت کہے گی: مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دے دو اور غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور (نابالغ) بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ' تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۲۷' عالم الکتب)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تم میں سے کسی کو خیر عطا فرمائے تو وہ اپنے نفس سے اور اپنے گھر والوں سے ابتداء کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے' اس وقت ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا' اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ معدن (کان) سے ملا ہے' آپ اس کو لے لیں' یہ صدقہ ہے' میرے پاس اس کے سوا اور مال نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر دائیں جانب سے آیا' آپ نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر بائیں جانب سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر پیچھے سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر پھینک دیا' اگر وہ اس کو لگ جاتا تو وہ زخمی ہو جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص کوئی چیز لے کر آتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے' پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی نہ ہو۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو گا' اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تم اس کی قیمت کے زیادہ حق دار ہو اور اللہ اس سے غنی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۴' اس کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے)

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جان کا ایثار کرنا جائز ہے

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

مال کے ساتھ ایثار کرنے سے زیادہ مرتبہ جان کے ساتھ ایثار کرنے کا ہے اور سب سے افضل سخاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں جان کی سخاوت کرنا ہے' پس حدیث صحیح میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے احوال پر مطلع ہونے کے لیے جھانک رہے تھے' تب حضرت ابو طلحہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مت جھانکیں' کہیں آپ کو دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے' میرا سینہ آپ کے سینہ کے لیے ڈھال ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۱)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کے سامنے اپنا ہاتھ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا وہ ہاتھ شل ہو گیا۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۹ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی علامہ ابن العربی کی اتباع میں اسی طرح لکھا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۷)

تاہم اپنی جان کے ساتھ ایثار کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے' کسی اور کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کے لیے مسلمان اپنا جسم یا جسم کا کوئی عضو قربان کر دے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ یزید بن السکن سے روایت کرتے ہیں:

جنگ احد کے دن جب قتال میں شدت آ گئی اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں اور دشمن آپ کے قریب آ پہنچا تھا' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے دشمن کو آپ سے دور کیا اور وہ شہید ہو گئے اور حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ نے دشمن کو آپ سے دور کیا اور وہ شدید زخمی ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خون آلود ہو چکا تھا اور آپ کے سامنے کے دانت کا تہائی حصہ شہید ہو چکا تھا اور آپ کا ہونٹ زخمی ہو گیا تھا اور آپ کا رخسار زخمی ہو چکا تھا' اس وقت آپ نے فرمایا: وہ کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان دے گا؟ اس وقت انصار کے پانچ نوجوان کود کر نکلے' ان میں حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ بھی تھے' انہوں نے زبردست قتال کیا حتیٰ کہ دشمن کو آپ سے دور کر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیاد بن السکن سے فرمایا: میرے قریب ہو' وہ زخموں سے چور تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر گھسیٹ کر اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور حضرت زیاد نے اسی حالت میں جان دے دی۔

بہ چہ ناز رفتہ باشد زجہان نیاز مندے ۔۔۔ کہ بہ وقت جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

محبّ صادق کس شان سے دنیا سے گیا ہے ۔۔۔ کہ وہ جان دیتے وقت اپنے محبوب آقا کے قدموں میں پہنچ چکا تھا

(تاریخ کبیر ج ۸ ص ۱۹۷۔۱۹۸۔ رقم الحدیث: ۱۲۲۸۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۲۲ھ)

علامہ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' علامہ ابن الاثیر علی بن محمد الجزری التوفی ۶۳۰ھ اور علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۱۰۶۔ رقم الحدیث: ۸۳۳' اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۵۔ رقم الحدیث: ۱۷۹۹' الاصابہ ج ۲ ص ۴۸۲۔ رقم الحدیث: ۲۸۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی ایک گھاٹی میں سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کے ساتھ تنہا تھے' جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے فرمایا: جو ان کو ہم سے دور کر دے گا' اس کے لیے جنت ہے' یا فرمایا: وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا' پھر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا' مشرکین نے پھر آپ کو گھیر لیا' آپ نے فرمایا: جو ان کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت ہے یا فرمایا: وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا' پھر انصار میں سے ایک اور آگے بڑھا اور اس نے قتال کیا' حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا' یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا حتیٰ کہ وہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے' پھر آپ نے دو قریشیوں سے فرمایا: ہم نے اپنے (انصاری) بھائیوں سے انصاف نہیں کیا (یہ آپ نے ترحماً فرمایا)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۹۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۱۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۱۸' سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۴)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمود بن عمرو بن یزید بن السکن بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن جب دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو ہمارے لیے اپنی جان فروخت کر دے؟ تو حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کے ساتھ اٹھے اور ایک ایک کر کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان فدا کرتے رہے اور سب سے آخر میں حضرت زیاد بن السکن شہید ہوئے پھر مسلمان بڑی تعداد میں آئے اور انہوں نے دشمنوں کو آپ سے دور کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیاد کو میرے قریب کرو' مسلمانوں نے ان کو قریب کیا اور ان کا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور انہوں نے اسی حال میں اپنی جان دے دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۳۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ہاتھ (مسلسل تیر لگنے سے) شل ہو گیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۲۴-۴۰۶۳)

تاہم اپنی جان کے ساتھ ایثار کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے کسی اور کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کے لیے مسلمان اپنا جسم یا جسم کا کوئی عضو قربان کر دے۔ اس کی مکمل تحقیق ہم نے ''تبیان القرآن'' ج ۹ ص ۱۵۴-۱۹۰ میں کر دی ہے۔

''الشح'' کا معنیٰ اور اس کے متعلق احادیث اور آثار

اس کے بعد اس آیت کے آخری فقرے میں فرمایا: اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

اس آیت میں ''الشح'' کا لفظ ہے' جس کا ترجمہ ہم نے بخل کیا ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا ہے کہ حرص کے ساتھ جو بخل ہو اس کو ''الشح'' کہتے ہیں اور یہ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس کی عادت بخل کرنا ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۳۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے' انہوں نے کہا: خرچ کی جگہ خرچ نہ کرنا بخل ہے اور اپنے بھائی کا مال ظلماً کھانا ''الشح'' ہے۔

طاؤس نے کہا: جو چیز اپنے پاس ہو اس کو خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جو چیز لوگوں کے پاس ہو اس کے خرچ کو ناپسند کرنا شح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمان کی ضیافت کی وہ شح سے بری ہو گیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۸۴۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے ڈرو' کیونکہ ظلم قیامت کا اندھیرا ہے اور شح کرنے سے بچو' کیونکہ شح نے تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا' کیونکہ شح نے ان کو ناحق قتل کرنے اور حرام کام کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۵۶' سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اموال ان کے لیے ہیں جنہوں نے ان کے بعد ہجرت کی' وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ

رکھ' اے ہمارے رب! بے شک تو بے حد شفقت کرنے والا مہربان ہے O

صحابہ اور اخیار تابعین سے محبت کا وجوب

یہ آیت تمام تابعین کو شامل ہے اور قیامت تک ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کو' اس سے پہلی آیت میں فقراء مہاجرین کا اور انصار کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں تابعین اور بعد کے مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ تمام صحابہ سے محبت رکھنا واجب ہے' کیونکہ اللہ نے مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کے مالِ فئے کا حصول اس پر موقوف کیا ہے کہ وہ مہاجرین اور انصار سے دوستی اور محبت رکھیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور اپنے دلوں میں ان کے خلاف کینہ نہ رکھیں اور جس نے اپنے دل میں ان کے خلاف کینہ رکھا' وہ مالِ فئے کا مستحق نہیں ہے۔

علامہ الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ شخص جس کے دل میں کسی ایک صحابی کے لیے بھی کینہ ہو اور وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے' وہ اس آیت کے مصداق میں داخل نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) تابعین یعنی بعد میں آنے والے وہ مسلمان جو ان سے محبت کرتے ہوں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہوں اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ نہ ہو۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مسلمانوں کی یہ تین قسمیں ہیں' تم کوشش کرو کہ تم ان اقسام سے خارج نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اصحاب محمد کے لیے استغفار کرو اور تم ان کو بُرا کہتے ہو اور میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں پر لعنت نہ کریں۔

مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ شعبی نے کہا: اے مالک! یہود و نصاریٰ رافضیوں پر ایک درجہ فضیلت رکھتے ہیں' یہود سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور نصاریٰ سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور رافضیوں سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب۔

امام مالک بن انس نے کہا: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کی یا اس کے دل میں کسی صحابی کے خلاف کینہ ہو تو اس کا مسلمانوں کے مالِ فئے میں کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۶۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحابہ کو سبّ و شتم کی ممانعت اور مذمت میں احادیث

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی التوفی ۳۲۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے میرے اصحاب اور میری سسرال والوں کو پسند فرمایا اور عنقریب ایک قوم آئے گی جو ان کو بُرا کہے گی اور ان کی تنقیص کرے گی' پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا اور نہ ان کے ساتھ پینا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

یہ حدیث حسب ذیل کتب میں بھی ہے:

السنۃ لابن ابی عاصم ج ۲ص ۴۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۱۱' المستدرک ج ۳ص ۶۳۲' جمع الجوامع ج ۲ص ۲۲۸' کنز العمال ج ۱۱ص ۵۲۹۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میرے اصحاب کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے' سوائے نبیوں اور رسولوں کے اور ان میں سے میرے لیے چار کو فضیلت دی ہے' یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم' سو ان کو میرے اصحاب بنایا' اور فرمایا: میرے تمام اصحاب میں خیر ہے اور میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور میری امت میں سے چار قرون کو فضیلت دی: قرن اول' قرن ثانی' قرن ثالث اور قرن رابع۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۶۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۳۸۳)

حضرت عیاض انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب اور میرے سسرالی رشتہ داروں کی حفاظت کرو' سو جس نے ان کی حفاظت کی اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت کرے گا اور جس نے ان کی حفاظت نہیں کی اللہ اس سے بَری ہو جائے گا اور جس سے اللہ بَری ہو گا اس کو پکڑے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۳۶۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۳۸۴)

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے وقت کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: میں تمہیں مہاجرین میں سے سابقین اولین کے متعلق وصیت کرتا ہوں اور ان کی اولاد کے متعلق اور ان کے بعد کے لوگوں کے متعلق' اگر تم نے ان کی خیر خواہی نہ کی تو تمہارا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۷۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۶۳' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے فضیلت دی اور میرے اصحاب کو فضیلت دی اور ان میں سے میرے وزراء' انصار اور سسرالی رشتہ دار بنا دیئے' سو جس نے ان کو برا کہا' اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی' اس کا کوئی فرض قبول ہو گا نہ نفل۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۱۴۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۵۹' اس کی سند میں یزید بن ربیعہ متروک ہے)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اصحاب کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۱۸۶' اس کی سند کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۴۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایک قوم ہو گی جس کو رافضی کہا جائے گا' وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔ الحدیث

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۷۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۹۷)

اس آیت سے ہمارے علماء اہل سنت ایصال ثواب کے جواز پر بھی استدلال کرتے ہیں' لیکن ہم النجم: ۳۹ میں اس پر اتنی تفصیل سے کلام کر چکے ہیں جو شاید ہماری اس کتاب کے سوا اور کہیں نہیں ملے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا آپ نے ان منافقین کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ شہادت

لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا

دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں ○ اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ

يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر (کہیں سے) ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

اے مسلمانو! ان کے دلوں میں ضرور اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ

يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ

نہیں سمجھتے ○ وہ سب مل کر بھی تم سے قلعہ بند بستیوں کے سوا نہیں لڑسکیں گے یا دیواروں کی آڑ سے

جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ

ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے، (اے مخاطب!) تم ان کو متفق سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل مختلف ہیں،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ۚ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا

کیونکہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○ ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ

کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے ○ ان کی مثال شیطان کی طرح ہے

قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ

جس نے انسان سے کہا: کفر کر، پھر جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان نے کہا: میں تجھ سے بے زار ہوں، میں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ

اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں O سو ان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں

فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا ع ۲ ۵

رہنا ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص

اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ

غور کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ

اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ

اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ

نے بھی انہیں اپنی جانوں سے بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں O دوزخی اور جنتی برابر

وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿٢٠﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا

نہیں ہو سکتے جنتی ہی کامیاب ہیں O اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

(اے مخاطب!) تو ضرور اس کو (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا،

اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غوروفکر کریں O

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر غیب اور شہادت (باطن و ظاہر) کا جاننے والا ہے، وہ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ بادشاہ

الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ

بے بہت پاک' ہر نقص سے سالم' امان دینے والا' نگہبان' بہت غالب' نہایت عظمت والا' سب سے بڑا'

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے خالق' موجد' صورت بنانے والا'

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

تمام اچھے نام اسی کے ہیں' آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں'

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۲۴ ع

اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان منافقین کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں O اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' پھر (کہیں سے) ان کی مدد نہیں کی جائے گی O (اے مسلمانو!) ان کے دلوں میں ضرور اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں سمجھتے O (الحشر: ۱۱۔۱۳)

بنو نضیر کو منافقین کا ورغلانا اور دونوں کی ناکامی اور عذاب

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ یہ آیتیں اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں کہ منافقین بنی نضیر سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری مدد کے لیے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم کو نکلنا پڑا تو ہم پھر بھی تمہارے ساتھ ہیں' یہ منافقین عبد اللہ بن ابی' عبد اللہ بن نبتل اور رفاعہ بن زید تھے اور بہ ظاہر ان کا تعلق انصار سے تھا' اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کیونکہ منافقین اور یہودی دینی رشتہ سے آپس میں بھائی تھے' کیونکہ دونوں فریق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور اس میں فرمایا ہے: منافقین نے اہل کتاب کے کافروں سے کہا' اس سے مراد حیی ابن اخطب' جدی' ابو یاسر اور مالک بن الضیف اور بنو قریظہ ہیں' انہوں نے ان سے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو مدینہ سے نکال دیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے اور اس معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں' اگر بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے' اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کا علم تھا کہ منافقین نے بنو نضیر کو جھوٹی تسلیاں دی ہیں وہ ان کے موافق عمل نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا اور یہ قرآن مجید کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قوی دلیل ہے کہ آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مسلمانوں نے ان سے جنگ کی تو منافقین ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور اگر بالفرض انہوں نے بنو نضیر کے ساتھ جنگ کی تو یہ پیٹھ پھیر کر

بھاگیں گے اور پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان منافقوں کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مسلمانوں کا خوف ہے یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا علم نہیں ہے اور اس کے علم اور قدرت پر ان کا ایمان نہیں ہے اس لیے وہ بنو نضیر کو ایسی جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۳۱-۳۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ سب مل کر بھی تم سے قلعہ بند بستیوں کے سوا نہیں لڑ سکیں گے یا دیواروں کی آڑ سے ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے (اے مخاطب!) تم ان کو متفق سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل مختلف ہیں کیونکہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جس نے انسان سے کہا: کفر کر، پھر جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان نے کہا: میں تجھ سے بے زار ہوں میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں O سو ان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے O (الحشر: ۱۴-۱۷)

منافقین کا بنو نضیر کو شیطان کی طرح ورغلانا اور اس کا انجام

اس سے مراد یہ ہے کہ یہود اور منافقین سب مل کر بھی تم مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ماسوا اس کے کہ وہ قلعہ میں بند ہو کر لڑیں یا دیواروں کے پیچھے مورچہ بنا کر لڑیں۔ یہ جب آپس میں جنگ کرتے ہیں تو ایک دوسرے سے ان کا مقابلہ بہت سخت ہوتا ہے لیکن اللہ اور رسول کے خلاف جب یہ مسلمانوں سے جنگ کریں تو ان کا بڑے سے بڑا بہادر بھی بزدل ہو جاتا ہے اس وجہ سے یہ مسلمانوں سے جنگ کرنے سے احتراز کرتے ہیں تم بہ ظاہر دیکھتے ہو کہ یہ ایک دوسرے سے بہت الفت اور محبت رکھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت اور عداوت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔

الحشر: ۱۵ میں فرمایا: ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں۔

یعنی کفار نے دو ہجری میں مسلمانوں پر حملہ کیا اور بدر کے میدان میں اپنے منہ کی کھا کر چل گئے سو ان کافروں کے لیے اور منافقوں کے لیے اور یہودیوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

الحشر: ۱۶ میں فرمایا: ان کی مثال شیطان کی طرح ہے۔ الآیۃ

یعنی جب منافقین نے بنو نضیر سے جھوٹے وعدے کیے ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جس نے انسان سے کہا: کفر کر پھر آخرت میں اس سے بے زار ہو گیا اس سے مراد یا تو شیطان کی عام دعوت کفر ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے جنگ بدر میں کفار قریش سے کہا تھا:

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ O (الانفال: ۴۸)

جب شیطان کافروں کو ان کے اعمال خوش نما بنا کر دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا میں تمہارا حامی ہوں پس جب دو جماعتیں صف آراء ہو گئیں تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹ گیا اور کہنے لگا: میں تم سے بے زار ہوں میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

الحشر: ۱۷ میں فرمایا: سوان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے اور یہی ظالموں کی سزا ہے O
مقاتل نے کہا: یہی منافقوں اور یہودیوں کی سزا ہے جیسے شیطان کو سزا دی گئی اور اس انسان کو جس نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں O دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی ہی کامیاب ہیں O (الحشر: ۱۸۔۲۰)

منافقین کی مذمت کے بعد مومنوں کو ہدایت اور تقویٰ کی ترغیب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور یہودیوں کو زجر و توبیخ کی تھی اور ان کی مذمت کی تھی اور اس آیت سے مؤمنوں کو خطاب فرمایا اور قیامت کے ہولناک دن اور اس دن کے محاسبہ کی تیاری کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔ اس آیت کے شروع میں بھی فرمایا تھا: اللہ سے ڈرتے رہو اور اس آیت کے آخر میں پھر فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو یا تو یہ اول کی تاکید ہے یا پہلے سے مراد ہے: اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور دوسرے سے مراد ہے: اللہ کی نافرمانی کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

الحشر: ۱۹ میں فرمایا: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ الایۃ
اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے معاملات میں بھی بھولنے والا بنا دیا' حتیٰ کہ انہوں نے ان کاموں کی کوشش نہیں کی' جن سے ان کو فائدہ ہوتا۔

(۲) ان کو یہ بھلا دیا کہ قیامت کے دن ان کو کیسی ہولناکیوں کا سامنا ہوگا' پھر فرمایا: یہی لوگ فاسق ہیں۔

الحشر: ۲۰ میں فرمایا: دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے' جنتی ہی کامیاب ہیں O
اس آیت میں دوزخی سے مراد کفار ہیں اور جن گناہ گار مسلمانوں کو عارضی طور پر تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا' وہ دوزخی نہیں ہیں کیونکہ وہ بالآخر سزا سے پاک ہو کر جنت میں چلے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب!) تو ضرور اس کو (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا' ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں O وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر غیب اور ہر شہادت (باطن و ظاہر) کا جاننے والا ہے' وہ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بادشاہ ہے' بہت پاک' ہر نقص سے سالم' امان دینے والا' نگہبان' بہت غالب' نہایت عظمت والا' سب سے بڑا' مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے خالق' موجد' صورت بنانے والا' تمام اچھے نام اسی کے ہیں' آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (الحشر: ۲۱۔۲۴)

قرآن مجید کی عظمت

مؤمنوں سے خطاب کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرما رہا ہے کہ اگر پہاڑ میں تمہاری طرح

عقل رکھ دی جاتی' پھر اس پر قرآن کریم نازل کیا جاتا تو وہ خشوع سے اللہ کے لیے جھک جاتا اور خوفِ الٰہی سے پھٹ جاتا' اور اس مثل کے بیان سے یہ غرض ہے کہ کفار کے دلوں کی سختی پر متنبہ کیا جائے اور ان کی طبیعت کے جمود کی طرف متوجہ کیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ (البقرہ: ۷۴)

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور لفظ عالم الغیب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

الحشر: ۲۲ میں فرمایا: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر غیب اور ہر شہادت (باطن و ظاہر) کا جاننے والا ہے O

غیب سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں سے غائب ہو اور شہادت سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں کے سامنے حاضر ہو' یہ غیب کا لغوی معنی ہے اور غیب کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ وہ پوشیدہ چیز جس کو حواس خمسہ اور بداہت عقل سے نہ جانا جا سکے' مثلاً جنت غیب ہے' ہم اس دنیا میں آنکھ سے دیکھ کر اس کو نہیں جان سکتے' نہ اس کی کسی آواز کو سن کر اسے جان سکتے ہیں' اسی طرح اس کو چکھ کر' سونگھ کر اور چھو کر نہیں جان سکتے' اور نہ بغیر غور و فکر کے بداہت عقل سے اس کو جان سکتے ہیں' جس طرح ہم موسم کی گرمی اور سردی کو جان لیتے ہیں یا جس طرح ہم بغیر غور اور فکر کے جان لیتے ہیں کہ دو اور دو کا مجموعہ چار ہوتا ہے' سو ہم جنت اور دوزخ کو' فرشتوں کو' عرش اور کرسی کو از خود نہیں جان سکتے' یہ سب چیزیں غیب ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی ہم از خود نہیں جان سکتے وہ بھی غیب ہے' البتہ غور و فکر کر کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے ہم ان سب چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور کسی مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے اس کے باوجود آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہٗ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے' کشاف میں لکھا ہے:

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس میں ابتداءً صرف اللطیف الخبیر کا علم نافذ ہوتا ہے اور ہمیں اس غیب سے اسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے' جس کی ہمیں خبر دے دی جاتی ہے یا جس پر ہمارے لیے کوئی عقلی دلیل قائم کر دی جاتی ہے' اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب جانتا ہے اور جس غیب کا ہمیں علم دے دیا گیا یا جس پر ہمارے لیے دلیل قائم کر دی گئی' اس کی مثال ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت اور اس کے متعلق چیزیں اور قیامت اور حشر و نشر اور حساب اور وعد اور وعید وغیرھا۔

(الکشاف ج ۱ ص ۱۸۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ماکان و مایکون کے عالم ہیں' مگر عالم الغیب صرف اللہ عز و جل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں' تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے' مگر محمد عز و جل کہنا جائز نہیں ہے۔ (الیٰ قولہٖ)

علامہ سید شریف قدس سرہٗ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیر پر علم غیب کا اطلاق اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ علم سے متبادر یہ ہوتا ہے جس کو ابتداءً علم ہو' پس یہ منافی

ہو گا' لیکن جب اس میں قید لگائی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم دیا یا اس کو غیب پر مطلع فرمادیا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (حاشیۃ الکشاف علی الکشاف ج ۱ص ۱۲۸ 'مصر) (فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۸۱ 'مکتبہ رضویہ' کراچی)

''الملک' القدوس' السلام' المومن' العزیز' الجبار'' اور'' المتکبر'' کا معنی

الحشر: ۲۳ میں فرمایا: وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ بادشاہ ہے' بہت پاک۔ الایۃ

''القدوس'' کا معنی ہے: جو اپنی ذات' صفات' افعال' احکام اور اسماء میں ہر عیب اور نقص سے منزہ ہو۔

''السلام'' اس کا معنی ہے: ہر عیب اور نقص سے سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

''المؤمن'' اس کا ایک معنی ہے: امان دینے والا' دوسرا معنی ہے: تصدیق کرنے والا یعنی اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔

''المھیمن'' اس کا معنی ہے: شاہد جس سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔

''العزیز'' اس کا معنی ہے: غالب جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

''الجبار'' اس کا معنی ہے: قہر اور جبر کرنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جبار'' کا معنی ہے: عظیم بادشاہ۔

''المتکبر'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اپنی ربوبیت میں سب سے بڑا ہے' اس کی مثل کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: وہ کبریائی والا ہے۔

اللہ کے لیے'' المتکبر'' کا لفظ باعث مدح ہے اور مخلوق کے لیے باعث مذمت ہے

مخلوق کے لیے متکبر کی صفت مذموم ہے' کیونکہ متکبر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور بلند جانے اور یہ اس کی صفت نہیں ہے' بلکہ وہ واقع میں حقیر' ذلیل اور مسکین ہے' پس جب وہ اپنے لیے بڑائی اور بلندی ظاہر کرے گا تو وہ جھوٹا ہو گا۔

اور اللہ سبحانہٗ کے لیے ہی تمام بڑائیاں اور بلندیاں ہیں' پس جب وہ اپنی بڑائی اور بلندی کو ظاہر کرے گا تو وہ مخلوق کو اپنی صفات عظمت وجلال وکبریائی کی طرف ہدایت دے گا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق میں ''متکبر'' کا لفظ غایت مدح کا مظہر ہے۔

پھر فرمایا: مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں' وہ اس سے پاک ہے' جو لوگ تکبر کرتے ہیں' وہ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ اس شرکت سے پاک ہے' پس ان کا تکبر کرنا اپنے آپ کو جھوٹا بنانا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے لیے سب سے زیادہ بلندی اور بڑائی ہے' سو یہ اس کی صفت کمال ہے اور مخلوق کی صفت نقص ہے۔

''الخالق' الباری'' اور'' المصور'' کا معنی

الحشر: ۲۴ میں فرمایا: وہی اللہ ہے' خالق' موجد' صورت بنانے والا' تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ الایۃ

''الخالق'' کا معنی ہے: کسی کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ نیز خلق کا معنی تقدیر ہے' وہ کسی چیز کو کسی مخصوص صورت میں مقدر فرماتا ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو وجود میں لے آتا ہے۔

''الباری'': یعنی وہ صانع اور موجد ہے اور کسی سابق نمونہ اور مثال کے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے' کسی چیز کو بغیر مادہ کے پیدا کرنے والا خالق ہے اور بغیر مثال کے پیدا کرنے والا باری ہے۔

''المصور'': وہ جس طرح چاہتا ہے مخلوق کی صورت بناتا ہے' خالق کو باری پر مقدم کیا' کیونکہ خالق کا تعلق ارادہ سے ہے اور باری کا تعلق تاثیر قدرت سے ہے اور ارادہ تاثیر قدرت ہے اور باری کو مصور پر مقدم کیا کیونکہ ذات صفت پر مقدم ہوتی

ہے اور باری کا تعلق ذات سے ہے اور مصور کا تعلق صفت سے ہے۔
اور فرمایا: تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ اس کی تفسیر الاعراف: ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔
اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں' اس کی تفسیر الحدید کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات یا دن میں سورۃ الحشر کی آخری (تین) آیتیں پڑھیں اور اس رات یا دن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۰۱' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۱۸)

سورۃ الحشر کا اختتام

آج تین ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ چودہ جنوری ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعہ بعد نماز عشاء سورۃ الحشر کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل فرما دیں اور میری' میرے والدین کی اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد سید المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الممتحنۃ

سورت کا نام

اس سورت کے نام میں دو قول ہیں' زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحنۃ (ح پر زیر) ہے' یعنی یہ سورت عورتوں کا امتحان لینے والی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحنۃ (ح پر زبر) ہے' یعنی اس سورت میں ان خواتین کا ذکر ہے جن کا امتحان لیا گیا ہے۔ اوّل الذکر نام کتب تفسیر اور کتب ستہ میں زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت ہے جس میں ان مؤمن خواتین کا امتحان لینے کا ذکر ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں' وہ آیت یہ ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُہٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡہُنَّ ؕ (الممتحنۃ: ۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔

دراصل ان عورتوں کا امتحان لینے والے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین تھے اور اس سورت کی طرف امتحان لینے کا اسناد کر کے اس کا نام الممتحنۃ رکھا گیا ہے' یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔ جیسے حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث اور مجادلہ کیا تھا اور مجازاً اس سورت کا نام مجادلہ رکھا گیا' اسی طرح امتحان لینے والے تو مؤمنین تھے لیکن مجازاً اس سورت کا نام الممتحنۃ رکھ دیا گیا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام الممتحنۃ (ح پر زبر) ہے' کیونکہ یہ سورت ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط کے سبب سے نازل ہوئی ہے' کیونکہ ان کا امتحان لیا گیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے کہا: مشہور یہی ہے اور الممتحنۃ (ح پر زیر) بھی پڑھا گیا ہے اور اس تقدیر پر یہ سورت کی صفت ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۲۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ الممتحنۃ کا زمانۂ نزول

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اس کی بالاتفاق تیرہ آیتیں ہیں' یہ سورت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب فتح مکہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے رشتہ داروں کے تحفظ کی خاطر اہل مکہ کے نام خط لکھا تھا جس میں اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبہ سے باخبر کیا تھا' وہ خط پکڑا گیا اور کافر رشتہ داروں سے دوستی کی ممانعت میں اس سورت کی آیات نازل ہوئیں' اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی ہے' یعنی چھ اور آٹھ ہجری کے درمیان میں کیونکہ حضرت حاطب کا واقعہ آٹھ ہجری میں ہوا ہے اور اسی سال مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۰ ہے۔

سورۃ الممتحنہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ مؤمنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے دوستی اور محبت رکھیں۔

☆ اس سورت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کفار سے محبت رکھنا گم راہی ہے' کفار کو جب بھی موقع ملے گا وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

☆ جو کافر مسلمانوں سے برسر جنگ نہیں ہیں ان سے بغیر محبت کے دنیاوی معاملات رکھنا جائز ہیں۔

☆ جو خواتین کفار کے علاقوں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف آئیں ان کے ایمان کے صدق کا امتحان لیا جائے اور اس بات کا التزام کیا جائے کہ وہ مشرکوں کے علاقہ کی طرف لوٹنے نہ پائیں اور مشرکوں نے اپنی بیویوں کو مہر میں جو رقومات دی تھیں وہ واپس کر دی جائیں' کیونکہ ان خواتین کے ایمان لانے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کرنے سے ان کا مشرکین سے نکاح منقطع ہو گیا۔

☆ جو مسلمان خواتین ہجرت کر کے آئی ہیں ان سے احکامِ شرعیہ پر بیعت لی جائے تاکہ وہ ان احکام پر پابندی سے عمل کریں۔

☆ یہود کے ساتھ دوستی رکھنے سے بھی ممانعت کر دی گئی ہے' کیونکہ وہ بھی مشرکین کے مشابہ ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' الٰہ العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۴ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۱۵ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹_۰۳۰۰
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ (۶۰) مَدَنِيَّةٌ (۹۱) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتها ۱۳ رکوعاتها ۲

سورۃ الممتحنہ مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں تیرہ آیات دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ'

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ

تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو' حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو ان کے پاس آ چکا ہے'

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ

وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو' اگر تم میرے

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ

راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے کے لیے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی طرف

بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ

دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو' اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ

جو ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹک گیا ○ اگر وہ تم پر قابو پا لیں تو وہ تمہارے کھلے

اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا

دشمن ہوں گے اور وہ برائی کے ساتھ تمہارے خلاف دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش!

لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ

تم کافر ہو جاؤ ○ تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہیں

الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ

دیں گی (اللہ) تمہارے درمیان جدائی کر دے گا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ تمہارے لیے

لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ

ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے' جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ

ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' ہم نے تم سب کا انکار کیا اور

بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدٰوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ

ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے

وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ

آؤ مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا: میں تمہارے لیے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے

لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن شَيْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا

مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف

وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ

رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب!

لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ

ہماری مغفرت فرما' بے شک تو ہی بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا

حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ

نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روزِ آخرت سے بے شک

اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۶ ع ۲

اللہ ہی بے نیاز اور لائق حمد ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو' حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو ان کے پاس آچکا ہے' وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو' اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی

طرف دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا○ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہوں گے اور وہ بُرائی کے ساتھ تمہارے خلاف دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ○ تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہیں دیں گی (اللہ) تمہارے درمیان جدائی کر دے گا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے○ (الممتحنۃ: ۱۔۳)

الممتحنۃ: ۱۔۳ کا شانِ نزول

یہ آیات حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ پر عتاب کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور دیگر محدثین اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا اور فرمایا: خاخ کے باغ میں جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ملے گی جس کے پاس ایک خط ہو گا' تم اس سے وہ خط لے لینا' ہم لوگ روانہ ہو گئے' ہم نے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا' پھر ہم کو ایک عورت ملی' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو! اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو! ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتار دیں گے' اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے خط نکال کر دیا' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ خط لے کر آئے' اس خط میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے بعض مشرکین کو خبر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منصوبوں سے مطلع کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ کریں' میں قریش کے ساتھ چسپاں تھا' سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے اور قریش سے نہ تھے' آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں' ان رشتہ داریوں کی بناء پر قریش ان کے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر چند کہ میرا ان کے ساتھ کوئی نسبی تعلق نہیں ہے' تاہم میں ان پر ایک احسان کرتا ہوں' جس کی وجہ سے وہ (مکہ میں) میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں گے' میں نے یہ اقدام (یعنی کفار کو خط کا لکھنا) کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا' نہ اپنے دین سے مرتد ہونے کی بناء پر کیا ہے' اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا ہے' اور تم کیا جانو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اہل بدر کے تمام حالات سے واقف ہے اور اس نے فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے' پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' ابوبکر اور زہیر کی روایت میں اس آیت کا ذکر نہیں ہے' اور اسحاق نے اپنی روایت میں سفیان کی تلاوت کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷۔۴۲۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۲۱)

وہ عورت کون تھی جس کے ہاتھ حضرت حاطب نے خط روانہ کیا تھا؟

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الممتحنۃ: ۱ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوعمرو بن صیفی کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی' اس وقت آپ فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے' آپ نے اس سے پوچھا کہ تم

کیوں آئی ہو؟ اس نے کہا: مجھے ایک کام ہے' وہ ایک گانے والی عورت تھی' آپ نے پوچھا کہ مکہ کے جوانوں نے تم کو کیسے چھوڑ دیا؟ اس نے کہا: واقعۂ بدر کے بعد مجھ سے کوئی چیز طلب نہیں کی گئی' آپ نے اس کو کپڑے وغیرہ دیئے' اس عورت کے پاس حضرت حاطب آئے اور اہل مکہ کے نام اس کو ایک خط دیا اور اس کو دس دینار دیئے' اس خط میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے والے ہیں' تم اپنی حفاظت کا انتظام کر لو' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس کے تعاقب میں حضرت علی' حضرت عمار' حضرت عمر' حضرت زبیر' حضرت طلحہ اور حضرت مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا: تم روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) پر جاؤ' وہاں پر ایک مسافرہ کے پاس مشرکین مکہ کے نام ایک خط ہو گا' اس سے وہ خط لے کر اس کو چھوڑ دو' اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن اڑا دینا۔

حضرت حاطب سے مواخذہ کیوں نہیں کیا گیا اور اہل بدر کی عام مغفرت کی توجیہ

حضرت حاطب نے کفار کے لیے جاسوسی کی اور مسلمانوں کے جنگی راز کفار کو بتائے' اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی سزا نہیں دی' بلکہ حضرت عمر نے جو فرمایا تھا: مجھے اجازت دیں' میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' ان کو منع فرمایا اور ان کا عذر قبول فرما لیا' اس کی توجیہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدود کے سوا معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۵' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱' سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۶۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۵۶۹)

اور آپ نے فرمایا: حاطب بدری ہے اور اصحاب بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ اکرام اور عزت افزائی کا خطاب ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو بخش دیا ہے اور اگر ان سے پھر گناہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو پھر بھی بخش دے گا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فی الفور ان کے آئندہ ہونے والے گناہ بخش دیئے' بلکہ ان میں یہ صلاحیت ہے کہ آئندہ ان سے ہونے والے گناہ بھی بخش دیئے جائیں اور یہ بشارت والے اس سے بے خوف نہیں ہیں کہ ان سے مواخذہ کیا جائے گا' پھر اللہ نے اپنے رسول کی دی ہوئی خبر کے صدق کو ظاہر فرمایا اور اصحاب بدر اپنی وفات تک اہل جنت کے اعمال پر قائم رہے اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس نے توبہ کر لی۔

جاسوس کا شرعی حکم اور حدیث مذکور کے دیگر مسائل

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جاسوس کا پردہ چاک کرنا چاہیے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' جب کہ اس میں مصلحت ہو' اور اس کا حال چھپانے میں خرابی ہو۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور اگر وہ معزز شخص ہو اور اس کا عذر صحیح ہو تو اس کو حضرت حاطب کی طرح معاف کر دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور لمبی قید میں رکھا جائے اور امام مالک سے یہ منقول ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اصبغ نے کہا کہ حربی جاسوس کو بھی قتل کر دیا جائے اور مسلم اور ذمی جاسوس کو سزا دی جائے' ماسوا اس کے کہ انہوں نے اسلام کے خلاف مدد کی ہو' پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ضرورت ہو تو عورت کے کپڑے اتار دینا جائز ہے' اور علامہ ابن جوزی نے کہا: جو شخص کسی تاویل سے ممنوع کام کا ارتکاب کرے اس کا حکم اس سے مختلف ہے جو بغیر تاویل کے حلال جان کر ممنوع کام کا ارتکاب کرے اور یہ کہ جو شخص کسی ممنوع کام میں تاویل کا دعویٰ کرے تو اس کی تاویل قبول کی جائے گی خواہ اس کی تاویل خلاف ظاہر

ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۵۳-۲۵۴ ملخصا وموضحا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کفار سے موالات (دوستی) کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیات کے علاوہ کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت میں حسب ذیل آیات ہیں:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: ۲۸)
مؤمنین مومنین کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ. (آل عمران: ۱۱۸)
اے ایمان والو! تم ایمان والوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ. (المائدۃ: ۵۱)
اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. (ھود: ۱۱۳)
اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ جلائے گی۔

کفار سے موالات صوری اور مجرد معاملہ کرنے کا شرعی حکم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

موالات ہر کافر سے حرام ہے

موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ. (المجادلۃ: ۲۲)
تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

موالاتِ صوریہ کے احکام

حتیٰ کہ صوریہ کو بھی شرع مطہر نے حقیقیہ کے حکم میں رکھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنۃ: ۱)
اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا۔

یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی کہ نزول کریمہ درباره سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ احد اصحاب البدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ہے کما فی الصحیح البخاری ومسلم (جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے)۔ تفسیر علامہ ابو السعود میں ہے:

فیہ زجر شدید للمؤمنین عن اظہار صورة الموالاة لہم وان لم تکن موالاة فی الحقیقة.
اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑکی ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو۔

(تفسیر ابو السعود ج ۶ ص ۲۳۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

مگر صوریہ ضرور یہ خصوصاً باکراہ، قال تعالیٰ:

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ (آل عمران:۲۸) مگر یہ کہ تمہیں اُن سے واقعی پورا ڈر ہو۔

وقال تعالیٰ:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (النحل:۱۰۶) مگر وہ جو پورا مجبور کیا جائے اور اُس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

مجرد معاملت کا حکم

اور معاملت مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اُس میں نہ کوئی اعانت کفر یا معصیت ہو نہ اضرارِ اسلام و شریعت' ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے' چہ جائیکہ کافر۔ قال تعالیٰ:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ (المائدہ:۲) گناہ وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

غیر قوموں کے ساتھ جوازِ معاملت کی مجمل تفصیل اُس فتویٰ میں آپ ملاحظہ فرما چکے' ہر معاملت کے ساتھ وہ قید لگا دی ہے جس کے بعد نقصانِ دین کا احتمال نہیں' اُن احکام شرعیہ کو بھی حالات دائرہ نے کچھ نہ بدلا' نہ یہ شریعت بدلنے والی ہے:

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ○ (حم السجدۃ:۴۲) باطل نہیں آ سکتا نہ اُس کے آگے نہ اُس کے پیچھے سے' اتارا ہوا ہے حکمت والے سراہے گئے کا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۴۳۲ـ۴۳۳ ' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت نے جن قیود کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:

موالات و مجرد معاملت میں زمین آسمان کا فرق ہے دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں' ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے:

لھم ما لنا وعلیھم ما علینا. اُن کے لیے ہے جو ہمارے لیے اور جو اُن پر ہے ہم پر۔

(یعنی دنیاوی منافع میں ہماری طرح اُن کو بھی حصہ دیا جائے گا اور دُنیوی مواخذہ اُن پر بھی وہی ہو گا جو ایک مسلمان پر کیا جائے گا۔)

اور غیر ذمی سے بھی خرید و فروخت' اجارہ واستیجار' ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانتِ حرب اور اہانتِ اسلام نہ ہو' اُسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو' اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اُس کا استعلا نہ ہو' ایسے ہی امور میں اُجرت پر اُس سے کام لینا یا اُس کا کام کرنا بمصلحت شرعی اُسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو' اُس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو' حتیٰ کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہ حلال ہے' وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال' یونہی ایک حد تک معاہدہ و موادعت کرنا بھی اور جو جائز عہد کر لیا اس کی وفا فرض ہے اور غدر حرام الیٰ غیر ذٰلک من الاحکام در مختار میں ہے:

والمرتدۃ تحبس ابدا وتجالس ولا تؤاکل حتی تسلم ولا تقتل قلت وھو العلۃ فانھا تبقی ولا تفنی وقد شملت المرتد فی اعصارنا وامصارنا لامتناع القتل.

مرتد عورت دائم الحبس کی جائے گی اور نہ اُس کے پاس کوئی بیٹھے نہ اُس کے ساتھ کوئی کھائے یہاں تک کہ وہ اسلام لائے اور قتل نہ کی جائے گی۔ میں کہتا ہوں یہی اُن احکام کا سبب ہے کہ وہ باقی چھوڑ دی جاتی ہے اور فنا نہیں کی جاتی' اور اب اس ملک میں

یہ سب مرتد کو بھی شامل ہو گیا کہ قتل نہیں کیا جا چکا۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۳۲۰ مطبع مجتبائی دہلی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۳۲۰۔۳۲۱ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ہم نے تم سب کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ' مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا: میں تمہارے لیے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے O اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما' بے شک تو ہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روز آخرت سے' بے شک اللہ ہی بے نیاز اور لائق حمد ہے O (الممتحنہ: ۴۔۶)

کفار کی مخالفت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی دوستی سے منع فرمایا تھا اور ضمناً ان کی مخالفت کا حکم دیا تھا' اب کفار کی مخالفت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ بیان فرمایا۔

الممتحنہ: ۴ میں ''اسوہ'' کا لفظ ہے' اسوہ ہر اس شخص کا نام ہے جس کے افعال کی اقتداء کی جائے' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے اپنی قوم سے بے زاری اور عداوت کا اظہار کیا' اور حضرت ابراہیم نے اپنے عرفی باپ آزر سے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا' اس قول میں ان کی اتباع کرنے سے منع فرمایا کیونکہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے اور بعد میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ منکشف ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو خود بھی اس سے بے زار ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کی' البتہ ان کے حقیقی والدین جو مؤمن تھے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ O (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! روز حساب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی O

اور اس آیت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

یعنی حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا: اگر تم اپنے شرک پر اصرار کرتے رہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے اسلام لانے کی توقع پر اس کی مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس سبب سے تھا کہ انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا اور جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔

کافروں کے لیے آزمائش کا معنی

الممتحنہ: ۵ میں فرمایا: اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما۔
یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تتمہ ہے' اس کا معنی ہے: ہمارے دشمنوں کو ہم پر مسلط نہ کر' کہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ حق پر ہیں یا ان سے مقابلہ میں ہمیں شکست سے دوچار نہ کر یا ایسا نہ کر کہ ان پر رزق فراخ کر دے اور ہم پر تنگ کر دے' سو یہ ہمارے لیے بڑی آزمائش ہو گی۔
الممتحنہ: ۶ میں فرمایا: بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روز آخرت سے' بے شک اللہ ہی بے نیاز اور لائق حمد ہے ○
یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی مخالفت سے بے نیاز ہے اور اللہ کے اولیاء اس کی حمد کرتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ

عنقریب اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرما دے گا

مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ

اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور اللہ تم کو ان کے ساتھ

الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ

نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم

تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨

کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو (بھی) پسند فرماتا ہے ○

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ

اللہ تمہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ

کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی' اور جو

يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں ○ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی

جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

جانتا ہے پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مومنات کفار کے لیے

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ

حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں، اور تم کافروں کو وہ مال دے دو جو انہوں نے

مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

ان مومنات پر خرچ کیا ہے، اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو، اور

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ

(اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب

وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت

حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

علم والا، حکمت والا ہے ○ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے،

فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کرلو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لاچکے ہو ○ اے نبی (مکرم)! جب

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا

آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی،

يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ

اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں

بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لیے

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O اے ایمان والو! ان لوگوں سے

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ

دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے، بے شک وہ آخرت سے مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع النصف ع ۲ ۸

ہو چکے ہیں جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرما دے گا، اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو (بھی) پسند فرماتا ہے O اللہ تمہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں O

(الممتحنۃ: ۷۔۱۰)

غیر متحارب کافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تحقیق

الممتحنۃ: ۷ میں فرمایا: عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرما دے گا۔ الآیۃ

اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مسلمان ہو جائے اور فتح مکہ کے بعد بہت کافر اسلام لے آئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے، مثلاً ابوسفیان بن حرب اور الحارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور حکیم بن حزام وغیرہ۔

الممتحنۃ: ۸ میں فرمایا: اور اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

ابن زید نے کہا: یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب کفار سے قتال کرنے کی اجازت نہیں تھی، پھر جب آیتِ جہاد نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی اور جب ۸ ہجری میں یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا اور مکہ فتح ہو گیا تو پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے کہا: یہ حکم ان مسلمانوں کے لیے تھا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم عورتوں اور بچوں کے ساتھ مخصوص تھا جو قتال نہیں کر سکتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہوئی' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ نیکی کریں؟ جب وہ حالتِ شرک میں ان کے پاس آئیں' آپ نے فرمایا: ہاں!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰۔۳۱۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۷)

اس آیت میں تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے سے منع نہیں فرمایا' جنہوں نے تم سے قتال نہیں کیا' اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر صلح کی تھی کہ وہ آپ سے قتال کریں گے نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''**وتقسطوا الیھم**'' یعنی ان کو قسطوں میں مال عطا کرو' اس سے مراد عدل اور انصاف نہیں ہے' کیونکہ عدل اور انصاف ہر ایک کے ساتھ واجب ہے' خواہ وہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کرے یا نہ کرے۔

(احکام القرآن لابن العربی ج ۴ ص ۲۲۸)(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۵۳۔۵۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عام طور پر مفسرین نے اس لفظ کا ترجمہ عدل و انصاف کیا ہے' لیکن علامہ ابن العربی و قرطبی وغیرہما نے اس پر قوی اعتراض کیا ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ تھوڑا تھوڑا دینا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک تاویل سے اس کا معنی انصاف کرنا بھی جائز قرار دیا ہے' اس کی تفصیل عنقریب اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عبارت میں آرہی ہے۔

غیر متحارب کافروں کے ساتھ حسن سلوک میں اعلیٰ حضرت کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

سلوک مالی کی اقسام

فاقول سلوک مالی تین طرح ہے: (۱) مرحمت (۲) مکرمت (۳) مکیدت۔

اوّل یہ کہ محض اُسے نفع دینا خیر پہنچانا مقصود ہو' یہ مستامن معاہد کے لیے بھی حرام ہے' امان و معاہدہ کفِ ضرر کے لیے ہے نہ کہ اعداء اللہ کو بالقصد ایصالِ خیر کے واسطے۔

دوم یہ کہ اپنی ذاتی مصلحت مثل مکافاتِ احسان و لحاظِ رحم کے لیے کچھ مالی سلوک' یہ معاہد سے جائز نامعاہد سے ممنوع۔

سوم یہ کہ مصلحت اسلام و مسلمین کے لیے محاربانہ چال ہو' یہ حربی محارب کے واسطے بھی جائز کہ حقیقت برّ و صلہ سے اسے علاقہ نہیں۔

موالات کی تقسیم اور اُس کے احکام

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم ہے:

اوّل حقیقیہ جس کا ادنیٰ رکون یعنی میلانِ قلب ہے' پھر ودّ اور پھر اتحاد' پھر اپنی خواہش سے بے خوف و طمع انقیاد' پھر تبتّل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

میل طبعی کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے۔

(ہود:۱۱۳)

مگر میل طبعی جیسے ماں باپ اولاد یا زنِ حسینہ کی طرف کہ جس طرح بے اختیار ہو زیرِ حکم نہیں، پھر بھی اس تصور سے کہ یہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں ان سے دوستی حرام ہے بقدرِ قدرت اُس کا دبانا یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کر دینا لازم ہے کہ شئے مستمر میں بقاء کے لیے حکم ابتدا ہے کہ اعراض ہر آن متجدد ہیں آنا بے اختیار تھا اور جانا یعنی ازالہ قدرت میں ہے تو رکھنا اختیار موالات ہوا اور یہ حرام قطعی ہے، ولہٰذا جس غیر اختیاری کے مبادی اُس نے باختیار پیدا کیے اُس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اُس سے زوالِ عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جب کہ اختیار سے پی تو زوالِ عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ۝ (التوبہ:۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو اُن سے دوستی رکھے گا وہی پکا ظالم ہوگا۝

موالاتِ صوریہ کے احکام

دوم صوریہ کہ دل اس کی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو، یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدرِ ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِلَّآ أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَىٰةً ۔ (آل عمران:۲۸) مگر یہ کہ تمہیں ان سے پورا واقعی خوف ہو۔

بقدرِ ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدمِ اظہارِ عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اکتفاء کرے اور اظہارِ محبت کی ضرورت ہو تو حتی الامکان پہلو دار بات کہے، صریح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی بھی رخصت اور اب بھی ترک عزیمت۔

صوریہ کی اعلیٰ قسم مداہنت ہے، اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری و اکراہ ہی ہے اور ادنیٰ قسم مدارات یہ مصلحۃً بھی جائز۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۔ (التوبہ:۶)

اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اُسے پناہ دو تا کہ کلام الٰہی سنے پھر اُسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔

ظاہر ہے کہ اس وقت غلظت و خشونت منافی مقصود ہوگی۔

مدارات کا بیان

مدارات صرف اس ترک غلظت کا نام ہے، اظہارِ الفت و رغبت پھر کسی قسم اعلیٰ میں جائے گا اور اسی کا حکم پائے گا۔ مدارات و مداہنت کے بیچ میں موالاتِ صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں: بر و اقساط اور معاشرت۔ یہ تو صورتیں موالات کی ہوئیں اور ان کی تکمیل مجرد معاملت ہے نہ کہ میلان پر مبنی نہ اُس سے منبئی، یہ سوائے مرتد ہر کافر سے جائز ہے جب تک کسی محظور شرعی کی طرف منجر نہ ہو، معاشرت کے نیچے افعالِ کثیرہ ہیں، سلام، کلام، مصافحہ، مجالست، مساکنت، مؤاکلت، تقریبوں میں شرکت، عیادت، تعزیت، اعانت، استعانت، مشورت وغیرہا ان سب کے صور و شقوق کی تفصیل اور ہر صورت پر بیان حکم و دلیل ایک مستقل رسالہ چاہے گا، یہاں مزدوصلہ سے بحث ہے جس کی ہم نے تین قسمیں بیان کیں: قسم اول کہ بے اپنی کسی غرض صحیح کے

بالقصد ایصالِ نفع و خیر منظور ہو' یہ بے رغبت و میلانِ قلب متصور نہیں' تو موالاتِ حقیقیہ ہے اور مطلقاً قطعاً حرام قطعی' باقی دو قسمیں کہ اپنی غرض ذاتی یا مصلحت دینی مقصود ہو تو موالاتِ صوریہ کی ایک ہلکی قسمیں ہیں' اگرچہ بجرد ترک غلظت پر ان میں شئے زائد ہے' ان دو میں فرق یہ ہے کہ قسم دوم بھی اگرچہ حقیقتِ موالات سے برکراں ہے اور صورۃً بھی کوئی قوی دلیل نہیں مگر معنیٰ کچھ اُس کی نفی وضد بھی نہیں اور سوم حقیقۃً معادات و قصد اضرار ہے' لہٰذا حربی محارب سے بھی جائز ہوئی کہ اب وہ ظاہری صورت خدعہ اور چال رہ گئی' "والحرب خدعۃ" (لڑائی فریب ہے۔) کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنا کیسا اشد حرام و کبیرہ ہے' لیکن اگر مثلاً اس لیے ہو کہ وہ تعاقب کرتے چلے آئیں گے اور آگے اسلامی کمین ہے جب اُس سے گزریں' اُن کے پیچھے سے کمین کا لشکر نکلے اور آگے سے یہ لوٹ پڑیں اور کافر گھر جائیں تو ایسا فرار بہت پسندیدہ ہے کہ یہ صورۃً فرار معنیٰ کرّار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (الانفال:۱۶)	جہاد کے دن جو کوئی کافروں کو پیٹھ دکھائے گا سوا اس کے جو لڑائی کے لیے کنارہ کرنے یا اپنے جتھے میں جگہ لینے کو جائے وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُری پھرنے کی جگہ ہے ○

حربی غیر معاہد سے موالات کی حالی صورت بھی حرام ہے

اور دوم ان سے جائز نہیں کہ حقیقت معادات سے خالی اور صورت موالات حالی یہ صرف معاہدین کے لیے ہے' "تنزیلا للناس منازلھم" ہر شخص کو اس کے مرتبے پر رکھنے کے لیے اور غیر معاہد کے لیے یہ بھی موالات ممنوعہ ہی ہے' اوپر گزرا کہ مولیٰ عزوجل نے اُن سے صوریہ کو بھی مثل حقیقیہ منع فرمایا اور اُس کا نام موڈۃ ہی رکھا کہ "تلقون الیھم بالمودۃ تسرون الیھم بالمودۃ" (تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے' تم انہیں محبت کا خفیہ پیغام پہنچاتے ہو)۔ یہ ہے تحقیق انیق متکفل توفیق و تطبیق والحمد للہ علیٰ حسن التوفیق۔

آیاتِ ممتحنہ میں بِر و معاملات سے کیا مراد

اس تحقیق سے روشن ہوا کہ کریمہ "لاینھکم" میں بِر سے صرف اوسط مراد ہے کہ اعلیٰ معاہد سے بھی حرام اور ادنیٰ غیر معاہد سے بھی جائز' اور آیت فرق کے لیے اتری ہے' نیز ظاہر ہوا کہ کریمہ "انما ینھکم" میں "تولوھم" سے یہی بر وصلہ مراد ہے تاکہ مقابلہ و فرق فریقین ظاہر ہو۔ لاجرم

معنیٰ اقساط کی تحقیق

معنیٰ اقساط میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے:

اوّل کشاف و مدارک و بیضاوی و ابو السعود و جلالین میں اسے بمعنیٰ عدل ہی لیا' اوّلین میں اور واضح کر دیا کہ "ولا تظلموھم" امام ابو بکر ابن العربی نے اس پر ایراد کیا کہ عدل و منع ظلم کا حکم معاہد سے خاص نہیں' حربی محارب کو بھی قطعاً عام ہے اور وہ صرف رخصت نہیں بلکہ قطعاً واجب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدۃ:۸)	کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل نہ کرنے پر باعث نہ ہو' عدل کرو وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔

یہ تقریر ایراد ہے اور اسے قرطبی و خطیب شربینی پھر جمل نے مقرر رکھا۔

دوم عدل سے صرف وفائے عہد مراد ہے اسے کبیر میں مقاتل سے نقل کیا اور یہی تنویر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی:

(ان تقسطوا علیھم) تعدلوا بینھم بوفاء العھد (ان اللہ یحب المقسطین) العادلین بوفاء العھد. (تنویر المقباس ص ۳۵۱)

اُن کے ساتھ اقساط کی اجازت فرماتا ہے یعنی جو معاہدہ اُن کے ساتھ ہوا اُسے پورا کرو یہ عدل ہے بے شک اللہ تعالیٰ اقساط والوں کو دوست رکھتا ہے جو وفائے عہد سے عدل کرتے ہیں۔

اگر کہئے معاہد سے وفائے عہد بھی واجب ہے نہ صرف رخصت۔ اقول وفا واجب ہے اتمام مدت واجب نہیں، مصلحت ہو تو نبذ جائز۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَانْۢبِذْ اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَآءٍ" (الانفال: ۵۸) ان کی طرف یکساں حالت پر نبذ کر دو۔ اب ایراد بھی نہ رہا اور برّ وقسط دو جدا چیزیں ہو گئیں اور "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ" (الممتحنہ: ۸) یہاں بھی بلا تکلف ہے اور اسے ماثور ہونے کا بھی شرف حاصل اگرچہ سند ضعیف ہے تو یہی اسلم واقوی ہے۔

سوم عدل سے مراد صرف عدل بالبرّ ہے ابن جریر و معالم وخازن میں ہے: "تعدلوا فیھم بالاحسان والبر" (ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بھلائی اور نیکی کے ساتھ)۔ ابن العربی وقرطبی وشربینی ونیشاپوری وجمل نے اس کی یوں توجیہ کی "اقساط قسط" بمعنی حصہ سے یعنی اپنے مال سے کچھ دینا۔

اقول یعنی اب تخصیص عدل کی حاجت نہ ہوئی کہ معنی عدل ہی سے عدول ہو گیا مگر بہرحال اقساط برّ سے جدا چیز نہ ہوا اور ظاہر عطف مغایرت چاہتا ہے۔

وانا اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔) ممکن کہ عدل سے عدل فی البر مراد ہو نہ کہ بالبر، اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ماں عہد معاہدہ میں آتی ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس سے صلہ کا مسئلہ پوچھتی ہیں اس پر یہ آیہ کریمہ اترتی ہے وہ اگر کچھ ہدیہ نہ لاتی یہ اپنی طرف سے صلہ کرتیں یا جتنا وہ لاتی اس سے زائد یہ دیتیں تو کل یا قدر زائد ان کی طرف سے احسان ہوتا یہ برّ ہے اُتنا ہی دیتیں تو دینے میں عدل یعنی مساوات ہوتی یہ اقساط ہے۔ آیہ کریمہ نے معاہد سے دونوں صورتوں کی اجازت فرمائی اب یہ آیت زیادت ومساوات دونوں کی اجازت اور اُن میں تقدیم ذکر زیادت میں آیت تحیت کی نظیر ہو گی: "وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْہَآ اَوْ رُدُّوْہَا" (النساء: ۸۶) جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے زیادہ الفاظ جواب میں کہو یا اُتنے ہی' واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ یہ ہے بتوفیق اللہ تعالیٰ تفسیر کریمہ ممتحنہ میں تمام کلام کہ ان اوراق کے غیر میں نہ ملے گا۔ "والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولٰنا محمد والہ واصحابہ امین والحمد للہ رب العلمین"۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۴۶۵۔۴۷۲ ملخصاً رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ نہ وہ مومنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں اور تم کافروں کو وہ مال دے دو جو انہوں نے ان مومنات پر خرچ کیا ہے اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا ہے

حد حکمت والا ہے O اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کفار کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو O (الممتحنۃ: ۱۰۔۱۱)

صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپس کرنا واجب تھا۔ نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مروان اور مسور بن مخرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا' خواہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہوگا' اسی شرط کے مطابق اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا تھا اور اس مدت میں مردوں میں سے جو بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا آپ نے اس کو واپس کر دیا اور مؤمنات بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں' تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس کر دیں' آپ نے حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس نہیں کیا' کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ الایۃ (الممتحنۃ: ۱۰)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۱۳)

اس جگہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ کے پاس مکہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ کو اسے واپس کرنا' بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی' عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی' معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

فقال سهيل وعلى انه لا ياتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا.	سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو مرد بھی آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو' آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے جا رہے تھے' جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے پاس آیا' آپ اس کو واپس کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو ان کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے' اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا' لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ' مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں' پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم (یا صیفی بن الراھب) آئے اور ان کو طلب کیا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری بیوی واپس کر دو' کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے' اور ابھی تو اس صلح نامہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت (الممتحنۃ: ۱۰) نازل فرمائی۔ یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں لہٰذا پوری مدتِ معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ

کے پاس آئیں ان کو آپ نے واپس نہیں فرمایا۔

مہاجر خواتین سے امتحان لینے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو خاتون مسلمان ہو کر آپ کے پاس آتی' آپ اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے یا مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے اور آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی آفت اور مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ دنیا کی طلب میں آئی ہے' بلکہ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سبیعہ بنت الحارث سے اس پر حلف لیا اور جب انہوں نے اس پر حلف اٹھالیا تو پھر آپ نے ان کو واپس نہیں کیا' اور ان کے مشرک خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا' پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ سے جو مرد آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کو واپس کر دیتے تھے اور جو خواتین آتی تھیں ان کا امتحان لینے کے بعد ان کو روک لیتے تھے اور ان کے کافر شوہر کو ان کو دیا ہوا مہر واپس کر دیتے تھے۔

مسلم خواتین ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں یا مدینہ سے مسلم عورتیں مرتد ہو کر کفار کی طرف جائیں' اختلاف دارین سے نکاح سابق منقطع ہو جائے گا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والی مسلمان خواتین سے تمہارا نکاح مباح کر دیا ہے' خواہ ان کے سابقہ شوہر دارالکفر میں ہوں کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کے کافر شوہروں کے درمیان تفریق کر دی۔

اس کے بعد فرمایا: "ولا تمسکوا بعصم الکوافر" "ولا تمسکوا" کا معنی ہے: مت روکو اور "العصم العصمۃ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: جو عقد نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور "الکوافر' کافرۃ" کی جمع ہے اور اس جملہ کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں' یعنی جس مسلمان کا مکہ میں کسی کافرہ کے ساتھ نکاح تھا اور وہ مسلمان اب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکا ہے' تو اس مسلمان کا نکاح بھی اس کافرہ سے اختلاف دارین کی وجہ سے اسی طرح منقطع ہو گیا جس طرح مسلمہ مہاجرہ کا نکاح مکہ میں رہنے والے کافر سے منقطع ہو گیا۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والی مسلم خواتین

زہری نے کہا: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مکہ میں دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں مشرکہ تھیں' سو حضرت عمر کی ہجرت کے بعد ان کا ان مشرکہ بیویوں سے نکاح منقطع ہو گیا' پھر بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے مکہ میں ان مشرکہ عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر لیا اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو تھی' اس سے ابوجہم بن حذافہ نے نکاح کر لیا۔ (امام بخاری نے اس کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۳)

شعبی نے کہا: حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں' وہ مسلمان تھیں اور ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئیں اور ابوالعاص مکہ میں مشرک رہے' پھر وہ مدینہ میں آ کر اسلام لے

آئے تو آپ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو انہیں واپس کر دیا۔
اس کے بعد فرمایا: اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں۔

یعنی اے مسلمانو! اگر کوئی عورت اسلام سے مرتد ہو کر کافروں سے جا ملی ہے تو تم نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ کافروں سے وصول کر لو اور کافروں کی جو عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہے تو کافر شوہر نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ تم سے وصول کر لے (یہ رقم اس سے نکاح کرنے والا مسلمان ادا کرے گا ورنہ بیت المال سے ادا کی جائے گی)۔

الممتحنہ: ۱۱ میں فرمایا: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کر لو تو (مال غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا' جو کفار کی طرف چلی گئیں۔ الایۃ

مدینہ سے اسلام کو ترک کر کے کفار کی طرف جانے والی عورتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں: (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان' یہ حضرت عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ' یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی (۳) بروع بنت عقبہ' یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی (۴) عزہ بنت عبد العزیز' یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی (۵) ھند بنت ابی جہل' یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی (۶) ام کلثوم بنت جرول' یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی' یہ سب عورتیں اسلام سے مرتد ہو گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مال غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کر دیں۔

فریقین کے سابق شوہروں کو ان کے دیئے ہوئے مہر کی رقم دینا آیا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا: اب یہ حکم واجب نہیں ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔ امام ابوبکر رازی حنفی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

(البقرہ: ۱۸۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لیے ناسخ ہے: کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۳۱) (معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۰-۷۵ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی ان آیات کی تفسیر اسی طرح کی' جس طرح علامہ بغوی نے مذکور الصدر تفسیر کی ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۲۰-۵۲۳' احکام القرآن ج ۳ ص ۴۳۸-۴۳۱' تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۲۱-۵۲۳)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں مذاہب ائمہ

جو عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا اپنے کافر

شوہر سے نکاح فی الفور منقطع ہو جائے گا جیسا کہ الممتحنۃ: ۱۰ میں اس کی واضح تصریح ہے' اس کے برخلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے نکاح کا انقطاع اس کی عدت ختم ہونے پر موقوف ہے' اگر عدت ختم ہونے تک اس کا کافر شوہر اسلام نہ لایا تو اس کا نکاح اس کافر سے منقطع ہو جائے گا اور اگر عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا' کافر شوہر مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا۔ سطور ذیل میں ہم ان فقہاء کے مذاہب ان کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔

جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ جائے اس کے نکاح سابق کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب چھوڑ کر مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے اور دوسرا فریق دارالحرب میں بدستور کافر ہو تو ہمارے نزدیک ان دونوں میں فی الفور تفریق ہو جائے گی' اگر دارالاسلام میں آنے والا فریق شوہر ہو تو اس کی بیوی پر بالاتفاق عدت نہیں ہے اور اگر دارالاسلام میں آنے والی فریق عورت ہو تو صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ (المحیط البرہانی ج ۳ ص ۱۹۲' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۳ھ)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اگر بیوی بت پرست ہو یا بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر اہل کتاب میں سے ہو یا بت پرست ہو تو ہر صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح میں جمع رہنا حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کے اسلام کو دیکھا جائے تو اگر مباشرت سے پہلے ان میں سے کوئی ایک اسلام لایا ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا اور مباشرت کے بعد کوئی ایک اسلام لایا ہو تو پھر نکاح عدت پوری ہونے پر موقوف رہے گا' اگر عدت ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرک کو ترک کر کے اسلام لے آیا ہو تو وہ دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے' اور اگر عدت پوری ہونے تک ان میں سے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تو نکاح باطل ہو جائے گا' خواہ شوہر پہلے اسلام لایا ہو یا بیوی پہلے اسلام لائی ہو اور خواہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دارالحرب میں اسلام لایا ہو یا دارالاسلام میں اسلام لایا ہو۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۱ ص ۲۵۴' دارالفکر بیروت)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر شوہر اور بیوی معاً اسلام لائے ہوں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے' خواہ وہ مباشرت سے پہلے اسلام لائے ہوں یا مباشرت کے بعد اسلام لائے ہوں' کیونکہ اس پر اجماع ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلے اسلام لایا ہو اور وہ اہل کتاب بیوی کا شوہر ہو' تب بھی ان کا نکاح برقرار رہے گا' کیونکہ ابتداءً ان کا نکاح بھی جائز ہے اور اگر عورت پہلے اسلام لائی ہو یا شوہر اور بیوی دونوں بت پرست ہوں اور مباشرت سے پہلے بیوی اسلام لائی ہو تو ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنۃ: ۱۰) نہ وہ مؤمنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لیے حلال ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ . (الممتحنہ:۱۰) اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو روک کے نہ رکھو۔

اور ان دونوں میں سے جو بھی پہلے اسلام لے آئے گا تو نکاح منقطع ہو جائے گا' کیونکہ اس سے دونوں کے دین میں اختلاف ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مباشرت کے بعد اسلام لایا ہے تو اس میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فی الفور نکاح منقطع ہو جائے گا (جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح عدت گزرنے پر موقوف ہے' اگر عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا فریق مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد تک دوسرا فریق مسلمان نہیں ہوا تو پھر ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اس عورت کو مہر مثل دینا ہوگا' کیونکہ ابن شبرمہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرد' عورت سے پہلے مسلمان ہو جاتا تھا اور عورت مرد سے پہلے مسلمان ہو جاتی تھی اور جو بھی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو اس کا نکاح برقرار رہتا تھا اور اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام لاتا تھا تو اس کا نکاح منقطع ہو جاتا تھا۔

اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ جب شوہر اور بیوی ایک ساتھ اسلام لائے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کی ہو' جب کہ مردوں کی ایک جماعت اپنی بیویوں سے پہلے اسلام لائی' جیسے ابوسفیان بن حرب اور مردوں کی دوسری جماعت سے پہلے ان کی بیویاں اسلام لے آئی تھیں' جیسے صفوان بن امیہ' عکرمہ اور ابوالعاص بن الربیع' اور جو تفریق ان کے درمیان واقع ہوئی وہ نکاح کا فسخ ہونا تھا۔ (الکافی ج ۳ ص ۵۰-۵۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاحِ سابق کے انقطاع میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ سحنون بن سعید التنوخی امام مالک سے روایت کرتے ہیں:

راوی نے کہا: اگر شوہر اور بیوی دونوں مجوسی ہوں یا دونوں نصرانی ہوں یا دونوں یہودی ہوں؟ علامہ سحنون نے کہا: امام مالک کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے' امام مالک نے کہا: اگر خاوند اس عورت کی عدت میں اسلام لے آئے تو وہ اس عورت کا مالک ہے' اور اگر اس کی عدت پوری ہو چکی ہو تو پھر خاوند کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے' خواہ وہ اس کے بعد اسلام لے آئے' میں نے پوچھا: جب ان میں تفریق ہو گئی تو آیا یہ تفریق نکاح کا فسخ ہو گی یا طلاق؟ امام مالک نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے' طلاق نہیں ہے۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتیں اپنی سرزمین میں اسلام لے آتی تھیں اور ہجرت نہیں کرتی تھیں اور ان کے شوہر اس وقت کافر ہوتے تھے' جیسے ولید بن مغیرہ کی بیٹی' صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں' وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں اور صفوان اسلام سے بھاگ کر سمندر میں سوار ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عم زاد وہب بن عمیر کو ان کے پیچھے امان کے پیغام کے ساتھ بھیجا اور نشانی کے طور پر اپنی چادر دی اور فرمایا: تم اسلام لے آؤ اور تم کو غور و فکر کے لیے دو ماہ کی مہلت ہے' پھر جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور وہ حالتِ کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ہوازن میں رہے اور غزوۂ طائف میں رہے اور اس دوران ان کی بیوی مسلمان رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی' حتیٰ کہ صفوان اسلام لے آئے اور ان کی بیوی اسی نکاح سے ان کے ساتھ رہیں۔ ابن شہاب نے کہا: صفوان اور ان کی

بیوی کے اسلام لانے کے درمیان ایک ماہ کا عرصہ تھا۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۳۔رقم الحدیث: ۱۱۷۸‘دار المعرفۃ‘بیروت‘۱۴۲۰ھ)

نیز ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے‘ پھر حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور عکرمہ مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ پھر وہ حضرت عکرمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے‘ ان کو گلے لگایا اور ان کو بیعت کر لیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۴۔رقم الحدیث: ۱۱۸۰‘دار المعرفۃ‘بیروت)

امام مالک نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق کی ہو اور وہ اسی نکاح کے ساتھ حضرت عکرمہ کے ساتھ رہیں۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں‘ وہ اسلام لے آئیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئیں اور ان کے خاوند نے اسلام کو ناپسند کیا اور تجارت کے لیے شام چلے گئے‘ وہاں چند انصاریوں نے ان کو قید کر لیا‘ پس سیدہ زینب نے کہا: مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے؟ آپ نے پوچھا: کس کو؟ سیدہ زینب نے کہا: ابو العاص کو‘ آپ نے فرمایا: جس کو زینب نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی‘ پھر ابو العاص مسلمان ہو گئے اور ابھی سیدہ زینب عدت میں تھیں اور وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں۔

امام مالک نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت کا خاوند عدت کے اندر ہجرت کر کے آ گیا ہو پھر بھی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۰۔۲۹۸‘ دار احیاء التراث العربی‘بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ‘ ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کا جواب یہ ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے‘ اس لیے آپ نے ان کا نکاح ان کی بیویوں سے برقرار رکھا‘ ابو سفیان اور ہند کا بھی یہی جواب ہے۔ اور سیدہ زینب کے شوہر ملک شام چلے گئے تھے اس لیے ان کا نکاح برقرار نہیں رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح سیدہ زینب سے دوبارہ پڑھایا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے: (فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۰‘ بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو العاص بن الربیع کی طرف نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹا دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۲‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۰‘ شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۵۶‘ المستدرک ج ۳ ص ۶۳۹‘ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۷۔۲۰۸‘ طبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت دار الکفر سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ کر مسلمان ہو جائے‘ اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں اس کا سابق نکاح اس کی عدت ختم ہونے تک موقوف رہے گا‘ اگر اس کا مشرک شوہر عدت پوری ہونے تک مسلمان نہیں ہوا تو اس کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اگر وہ عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اس مہاجرہ مسلمہ کا نکاح اس کے ساتھ برقرار رہے گا اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ عورت ہجرت کر کے اسلام لائی اس کا اپنے کافر شوہر سے سابق نکاح فی الفور منقطع ہو جائے گا اور قرآن مجید کے موافق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کا قول ہے‘ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ' نہ وہ مؤمنات کفار کے لیے حلال ہیں' اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لیے حلال ہیں۔

امام اعظم کا مذہب اس آیت کے صراحۃً مطابق ہے کیونکہ اس آیت میں ان کے نکاح کو عدت پر موقوف کرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی (مکرم)! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی' اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی' تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں' اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہےO اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں' جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیںO (الممتحنہ: ۱۲۔۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام لانے والی خواتین سے احکام شرعیہ کی اطاعت پر بیعت لینا

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ' الممتحنہ: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا' اس وقت آپ صفا پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس پہاڑ کے نیچے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی' اس وقت ابوسفیان کی بیوی ھند بنت عتبہ نقاب ڈالے ہوئے خواتین کے ساتھ کھڑی تھی' اس نے سر اٹھا کر کہا: اللہ کی قسم! آپ ہم سے اسی چیز پر بیعت لے رہے ہیں جس پر آپ نے مردوں سے بیعت لی ہے' ہم نے آپ سے اس پر بیعت کر لی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تم چوری بھی نہیں کرو گی' ھند نے کہا: اللہ کی قسم! میں ابوسفیان کے مال سے خرچ کرتی ہوں' مجھے نہیں معلوم کہ وہ مال میرے لیے حلال ہے یا نہیں' ابوسفیان نے کہا: ہاں! اس سے پہلے تم نے ماضی میں میرا جو مال لیا ہے وہ حلال ہے اور اس کے علاوہ بھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم ھند بنت عتبہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ میرے گزشتہ قصور معاف فرما دیں' اللہ آپ کو معاف فرمائے گا' آپ نے فرمایا: اور تم زنا بھی نہیں کرو گی' ھند نے کہا: کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: اور تم اپنی اولاد کو قتل بھی نہیں کرو گی' اس نے کہا: ہم نے اپنی اولاد کو بچپن میں پالا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو تم نے ان کو قتل کر دیا' یہ سن کر حضرت عمر بہت ہنسے اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے' آپ نے فرمایا: اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی پر بہتان لگاؤ گی' بہتان یہ ہے کہ عورت کسی اور کے بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ تمہارا بچہ ہے حالانکہ وہ اس کا بچہ نہ ہو۔ ھند نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان بہت بری چیز ہے اور آپ اچھے اخلاق اور اچھی خصلتوں کا حکم دیتے ہیں' پھر آپ نے فرمایا: اور تم دستور کے موافق کسی کام میں نافرمانی نہیں کرو گے' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے اور کپڑے پھاڑنے اور بال نوچنے سے منع کیا اور فرمایا: تم شہر میں کسی مسافر کے ساتھ خلوت میں نہیں

رہو گی اور بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ سفر نہیں کرو گی۔ ھند نے کہا: ہم ان چیزوں میں سے کسی کی مخالفت نہیں کریں گی' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کو بیعت کر لیجئے اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۳-۳۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے کی کیفیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا امتحان لیتے تھے' جیسا کہ الممتحنہ: ۱۲ میں اس کا حکم ہے اور جو مؤمن عورتیں اس آیت کی شرائط کا اقرار کر لیتیں تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: میں نے تم کو بیعت کر لیا اور اللہ کی قسم! بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا' آپ ان کو صرف اپنے کلام سے بیعت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۴-۲۷۰' سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۴۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۸۱)

الممتحنہ: ۱۳ میں فرمایا: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں ○

یہود کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت

مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ فقراء مسلمین یہود کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور ان سے ملاپ رکھتے تھے' اسی وجہ سے یہود ان کو پھل وغیرہ دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہود آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں' کیونکہ یہود نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ ان کو آپ کے صدق کا علم تھا اور ان کو یقین تھا کہ آپ برحق رسول ہیں' اس کے باوجود انہوں نے عناداً آپ کی رسالت کا انکار کیا' اس وجہ سے وہ آخرت میں اپنی نجات سے مایوس ہیں۔ جس طرح جو کافر مر کر قبروں میں پہنچ چکے ہیں وہ آخرت میں اپنی نجات سے مایوس ہیں' ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے لیے اجر و ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے وہ کافر مراد ہیں جو آخرت کے عذاب کا معائنہ کر چکے ہیں۔ (الوسیط ج ۴ ص ۲۸۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

کافروں کے مایوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کافر کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس شدید ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا فرشتہ آتا ہے' وہ اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا رسول کون ہے؟ کافر کہتا ہے: میں نہیں جانتا' فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ کے دشمن! دیکھ! اللہ نے تیرے لیے قبر میں کیسا عذاب تیار کر رکھا ہے' فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ کے دشمن! یہ عذاب تیرے لیے ہے' اگر تو ایمان لے آتا تو تجھے جنت میں داخل کر دیا جاتا' پھر اس کو جنت دکھائے گا' کافر پوچھے گا: یہ جنت کس کے لیے ہے؟ فرشتہ کہے گا: یہ جنت اس کے لیے ہے جو اللہ پر ایمان لایا' پھر کافر پر حسرت طاری ہو گی اور اس کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی اور اس کو یقین ہو جائے گا کہ اس کی آخرت میں نجات نہیں ہو گی اور اس کے لیے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے' سو اس وجہ سے فرمایا کہ کافر اپنی آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ کافر نے قبر میں اپنی آخرت کا معائنہ کر لیا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

سورۃ الممتحنہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۹ ذوالحج ۱۴۲۴ھ/ ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ الممتحنہ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۵ جنوری کو

اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی گئی تھی' اس طرح پانچ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ' میرے احباب' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشر' مصحح' کمپوزر' قارئین اور جملہ مسلمین کی مغفرت فرمادیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر المسلمین اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الصّف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الصف ہے اور یہ نام اس سورت کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ○ (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ○

یہ سورت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۸ اور ترتیب مصحف کے اعتبار اس سورت کا نمبر ۶۱ ہے۔

سورت الصف کے مشمولات

☆ اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال اور جہاد کرنا ہے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے اور دیگر احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا ثواب عظیم بیان کرنا ہے۔

☆ اس سورت کی ابتداء اللہ سبحانہٗ کی تسبیح' تنزیہ اور تقدیس سے کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کرنا ضروری ہے اور دین اور احکام شرعیہ کی تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اللہ اور رسول کی نافرمانی اور دین میں تفرقہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔

☆ سب سے بڑی سعادت اور کامیابی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنا ہے اور اس کا ثمرہ دنیا میں کامیابی اور خوش حالی ہے اور آخرت میں جنت کا حصول ہے۔

سورۃ الصف کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے محفوظ اور مامون رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۹ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

الصف (۶۱)   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   آیاتها ۱۴ رکوعاتها ۲

سورۃ الصف مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چودہ آیات دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

آسمانوں کی تمام چیزوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے O اللہ اس پر سخت غضب ناک

اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے O بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں O اور (آپ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا:

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ

اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو! حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں،

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں

بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے، پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو جھوٹ

الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ

نہیں دیتا O وہ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ

مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ

اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾ ع ۱ ۹

خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی تمام چیزوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے O اللہ اس پر سخت غضب ناک ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے O بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں O (الصف: ۱۔۴)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کبھی منقطع نہیں ہوتی

الصف: ۱ میں ماضی کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کی تسبیح کی اور الجمعۃ: ۱ میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ (الجمعۃ: ۱) آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔

اور الاعلیٰ: ۱ میں امر کے صیغہ کے ساتھ فرمایا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح کیجئے O

ان مختلف صیغوں کے ساتھ تسبیح کی تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح ماضی، حال اور مستقبل ہر زمانہ میں ہوتی

55

ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوتی۔

نذر اور وعدہ پورا نہ کرنے والوں اور بے عمل واعظوں پر وعید

الصف: ۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے O

اس کے شانِ نزول میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے مذاکرہ کر رہے تھے' ہم نے کہا: کاش! ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل بہت پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے تو سورۃ الصف کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۹' مسند احمد ج ۵ ص ۴۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۷)

امام رازی نے کہا: یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو پہلے قتال اور جہاد کی تمنا کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے قتال کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا:

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ منافقوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا؟ (النساء: ۷۷)

الصف: ۳ میں فرمایا: اللہ اس پر سخت غضب ناک ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

ابن زید نے کہا: یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے: اگر تم اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے نکلے اور تم نے ان سے قتال کیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ان کے ساتھ قتال کریں گے اور جب مسلمان کفار سے مقابلہ کے لیے نکلے تو وہ پیچھے لوٹ گئے اور انہوں نے قتال نہیں کیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی کام کی نذر مانتے ہیں اور پھر اس کو پورا نہیں کرتے یعنی وہ ایک بات کہتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔

اسی طرح انسان جب کسی شخص سے کسی چیز کو دینے کا وعدہ کرے یا اس کے لیے کسی کام کو کرنے کا وعدہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے ورنہ وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح اس آیت کے مصداق وہ علماء اور واعظین ہیں جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے ہیں اور خود بُرائی سے نہیں رکتے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں دوزخ میں بکھر جائیں گی اور وہ اس طرح گردش کر رہا ہوگا جس طرح چکی کے گرد گدھا گردش کرتا ہے' دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر اس سے کہیں گے: اے فلاں! کیا بات ہے؟ تم تو ہم کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور بُرائی سے روکتے تھے' وہ کہے گا: میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور میں تم کو بُرائی سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی شب میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' جب بھی ان کو کاٹا جاتا وہ جڑ جاتے اور پھر ان کو کاٹا جاتا' میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ واعظین ہیں جو لوگوں سے

کہتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے' کتاب اللہ کو پڑھتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے' بے عمل واعظین کے متعلق ہم نے زیادہ تحقیق البقرہ: ۴۴ '' تبیان القرآن '' ج ا ص ۳۹۹ ـ ۴۰۷ میں کی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۸۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۹۲' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۶' مسند ابویعلیٰ کی حدیث کی سند صحیح ہے۔)

بلاضرورت جنگ کی صفوں کو توڑنا جائز نہیں

الصف: ۴ میں فرمایا: بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس طرح قدم جمائے کھڑے رہتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ مؤمنوں کو دشمن سے قتال کرتے ہوئے کس طرح کھڑے ہونا چاہیے؟

اس آیت میں یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ قتال کے وقت صف سے باہر نہیں نکلنا چاہیے اور صف کو توڑنا نہیں چاہیے' سوا اس کے کہ کوئی ضروری اور اہم کام ہو یا امیر لشکر کو کوئی پیغام دینا ہو یا دشمن کا کوئی فوجی للکار رہا ہو تو اس سے مقابلہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (آپ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو؟ حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے لیے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے' پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (الصف: ۵ ـ ۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی ہوئی اذیتوں کی تفصیل

البقرہ: ۵ میں فرمایا: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو O

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات کو بھی اذیت پہنچائی اور دینی اعتبار سے بھی اذیت پہنچائی' ان کی ذات کو اذیت پہنچانے کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا:

ان میں جسمانی عیب ہے' ان کے خصیے سوجے ہوئے ہیں اور ان کے کہنے سے ایک عورت نے حضرت موسیٰ پر بدکاری کی تہمت لگائی اور انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا۔

اور دینی اعتبار سے اس طرح اذیت پہنچائی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً (البقرہ: ۵۵) ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں۔

لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ. (البقرہ: ۶۱) ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ . (المائدہ: ۲۴) آپ خود جائیں اور آپ کا رب اور آپ دونوں دشمنوں سے قتال کریں۔

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ . (الاعراف: ۱۳۸) ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں۔

نیز فرمایا: حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یعنی رسول معظم اور محترم ہوتا ہے اور رسول کی توہین کفر ہوتی ہے۔

پھر فرمایا: پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔

یعنی اس کے باوجود جب انہوں نے حق سے انحراف کیا تو اللہ نے ان کے دلوں میں گم راہی پیدا کر دی' اور یہ ان کے اس جرم کی سزا ہے جو انہوں نے اپنے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دینا

الصف: ۶ میں فرمایا: اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا' اس کا نام احمد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت دو باتوں کو متضمن ہے:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی تبلیغ کی تاکہ جب آپ تشریف لے آئیں تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار پائے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خبر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہنچائی ہو اور ان کی امت کو اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا ہو۔

حدیث میں ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے (پانچ) نام ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' اللہ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں' لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں (سب کے بعد آنے والا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن آپ اپنے رب کی ان کلمات سے حمد کریں گے جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی کسی نے حمد نہیں کی ہوگی۔

الصف: ۶ میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے' موجودہ ''انجیل'' میں بھی اس بشارت کا ذکر ہے:

موجودہ انجیل کے متن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

یسوع نے ان سے کہا: کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا' وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا' یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟O اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گیO

(متی کی انجیل' باب: ۲۱' آیت: ۴۲-۴۳' ص ۲۵' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

یہ آیت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ○ (الانعام: ۸۹)

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی ہے' پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر کریں تو بے شک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں ہیں ○

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں ○ اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے ○ اگر میرے نام سے کچھ چاہو گے تو میں وہی کروں گا ○ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے ○ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے ○

(یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۱۲۔۱۶' ص ۹۹' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

لیکن جب وہ مددگار آئے گا جن کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۲۶' ص ۱۰۰' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا ○ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا ○ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے ○ راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے ○ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے ○ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے ○ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا ○ (یوحنا کی انجیل' باب: ۱۶' آیت: ۷۔۱۳' ص ۱۰۱' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

الصف: ۶ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا احمد علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی ہے' اس بشارت کا بھی "انجیل" میں ذکر ہے:

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۳۰' ص: ۹۹' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

نیز ان آیات میں ہے: وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا: باب: ۱۴' آیت: ۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵)

ان آیات میں ہے: وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶' آیت: ۱۳)

نیز اس آیت میں ہے: وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶' آیت: ۱۳)

اور قرآن مجید میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے ۝ ان کا فرمانا وہی ہوتا ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ۝ (النجم: ۳۔۴)

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶ آیت: ۱۳)

یہ پیش گوئی بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے تمام اُمور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا' اس نے یاد رکھا جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۱۔ ۱۳۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

اس کے بعد فرمایا: پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے ۝

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جب وہ کھلے ہوئے معجزات کے ساتھ آ گئے تو بنی اسرائیل نے ان کے متعلق کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے اپنی نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کیے تو منکرین نے کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

الصف: ۷ میں فرمایا: اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی سب سے بُری چیز یہ ہے کہ کسی شخص کی بہتان تراشی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وہ جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر بہتان لگائے' یعنی ان پر دلائل سے واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے' پھر بھی وہ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کہ اس نے آپ کو رسول نہیں بنایا اور ان کے اس جرم کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان لانے کی توفیق نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو ۝ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو ۝ (الصف: ۸۔۹)

اللہ کے نور کو بجھانے کے معانی اور مصادیق

''الاطفاء'' کا معنی ہے: آگ کو بجھا دینا اور اس کا استعمال روشنی کو مٹانے میں بھی کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس دن وحی نازل نہ ہوئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہودیو! تمہیں مبارک ہو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو وحی کا نور نازل ہوتا تھا وہ بجھ چکا ہے اور اب ان کا نور پورا نہیں ہوگا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونے لگی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۳۰)

اور اللہ کے نور کی تفصیل میں علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) ابن زید نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے' یہودی اپنے اعتراضات سے قرآن مجید کو باطل کرنا چاہتے تھے۔

(۲) اسدی نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے' کفار اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔

(۳) اس سے مراد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' مخالفین آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

الصف: ۹ میں فرمایا: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔

یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے دلائل اور معجزات کے ساتھ بھیجا تا کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے حتیٰ کہ آخر زمانہ میں اسلام کے سوا اور کوئی دین نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے' وہ عدل کے ساتھ حکومت کریں گے' وہ ضرور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور وہ ضرور جزیہ ختم کر دیں گے اور ضرور اونٹنیاں کھلی چھوڑ دی جائیں گی اور ان کو کوئی نہیں پکڑے گا اور ضرور بغض' بخل اور حسد ختم ہو جائے گا اور مال لینے کے لیے لوگوں کو بلایا جائے گا اور کوئی مال کو قبول نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۷)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو درد ناک عذاب

عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝١٠ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ

سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے

فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن

ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم

كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝١١ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّٰتٍ

رکھتے ہو ○ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا

تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ

جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں

ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝١٢ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ

میں بھی یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو' عنقریب اللہ

ٱللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝١٣ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ

کی طرف سے مدد اور فتح حاصل ہو گی اور مومنین کو بشارت دیجئے ○ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ' جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا:

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

مددگار ہیں' پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ

نے کفر کیا پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی

فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

تو مومن (کافروں پر) غالب آ گئے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے O تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں میں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو' عنقریب اللہ کی طرف سے مدد اور فتح حاصل ہوگی اور مؤمنین کو بشارت دیجئے O (الصف: ۱۰۔۱۳)

دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے

ان آیتوں کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔

ایک چیز کے عوض میں دوسری چیز کے حصول کو تجارت کہتے ہیں' جس طرح تاجر کو تجارت تنگ دستی کی تکلیف سے نجات دیتی ہے اور جس طرح تجارت میں نفع اور نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتا ہے' اس کو بہت عظیم اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات ملتی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا' اس کو دوزخ کا دائمی عذاب ہوتا ہے' اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ دوزخ کے عذاب کے ڈر سے ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے پناہ طلب کی ہے:

عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یتعوذ اللھم انی اعوذ بک من فتنة النار ومن عذاب النار. الحدیث. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں دوزخ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اور جاہل صوفیاء دوزخ کے ڈر سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں۔

جنت کے حصول کے لیے عبادت کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے

الصف: ۱۱ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور جہاد تین قسم پر ہیں: (۱) اپنے نفس سے جہاد اور اس کا معنیٰ ہے: نفس کو مشقت میں ڈال کر مشکل عبادات انجام دینا (۲) نفس سے اس کی لذتوں اور شہوتوں کو چھڑا کر جہاد کرنا یعنی زبان' پیٹ اور شرم گاہ کو حرام چیزوں سے روک کر رکھنا (۳) مخلوق کے نفع کے لیے نفس سے جہاد کرنا' یعنی لوگوں سے طمع نہ کرنا اور اپنی چیزیں دوسروں کو دے کر ایثار کرنا یا کم از کم اپنی زائد چیزیں دوسروں کو دینا۔

اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا دنیاوی منافع کی بہ نسبت آخرت کے اجر وثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔

الصف: ۱۲ میں ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے پر مغفرت اور دائمی جنتوں کی بشارت دی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جنت کی طلب میں عبادت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور جاہل صوفیاء جنت کی طلب میں عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو' یعنی جہاد کے نتیجہ میں تم کو صرف آخرت کا اجر نہیں' دنیا میں بھی مالِ غنیمت حاصل ہوگا اور کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا اور عنقریب فتح حاصل ہوگی' سو مسلمانوں کو فتح مکہ حاصل ہوئی اور فرمایا: آپ مؤمنوں کو بشارت دیجئے' اس سے مراد فتح مکہ کی بشارت ہے یا فارس اور روم کی فتح کی بشارت۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنوں کو جہاد کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کی بشارت دی' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا' (اللہ نے فرمایا:) وہ صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے لیے نکلا ہے' میں اس کا ضامن ہوں کہ میں اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا یا میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ' جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں' پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت نے کفر کیا' پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو مؤمن (کافروں پر) غالب آ گئے O (الصف: ۱۴)

ایمان والوں کو دین کی مدد کرنے کا حکم دینے کی توجیہ اور مدد کرنے والوں کے مصادیق

ایمان والے پہلے بھی اللہ کے دین کے مددگار تھے اس کے باوجود ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کے دین کے مددگار ہو جائیں' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اللہ کے دین کی مدد کرنے پر ثابت قدم رہو اور جس طرح اب مدد کر رہے ہو اسی طرح ہمیشہ مدد کرتے رہنا۔

جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ مقاتل نے کہا: یعنی اللہ کی طرف سے میری حفاظت کون کرے گا؟ عطاء نے کہا: یعنی اللہ کے دین کی کون مدد کرے گا؟ بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو یہ حکم دیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح مدد کریں جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی تھی۔

''الحواریون'' کا معنی ہے: جن کا باطن صاف ہو اور یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ حور کا معنی ہے: خالص سفید' ایک قول یہ ہے کہ حواری کپڑے دھو کر صاف کرتے تھے۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار سب قریش تھے: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حمزہ' حضرت جعفر' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عثمان بن عوف' حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم۔

میں کہتا ہوں: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور مددگار تھے ورنہ تمام مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار تھے۔ قتادہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کا ذکر کیا ہے۔

نصاریٰ کے تین فرقے

اس کے بعد فرمایا: پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت نے کفر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایمان لائے اور جن لوگوں نے ان کے زمانہ میں کفر کیا' کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تو ان کے تین فرقے ہو گئے' ایک فرقہ نے کہا: وہ خود اللہ تھے' پس اوپر چلے گئے' دوسرے فرقہ نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور تیسرے فرقہ نے کہا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور وہی مسلمان تھے اور ہر فرقہ کی لوگوں نے اتباع کی اور کافر فرقوں نے متفق ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور نصاریٰ اسی حال پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا' پھر مسلمان کافروں پر غالب آ گئے' جیسا کہ اس کے بعد فرمایا:

پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو مؤمن (کافروں پر) غالب آ گئے O

مجاہد نے کہا: مؤمنین سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں' ابراہیم نے کہا: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے' جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو ان کی حجت دوسروں پر غالب آ گئی کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ وروح اللہ ہیں۔

سورۃ الصف کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج دس ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۱ جنوری ۲۰۰۵ء بروز جمعہ بعد از مغرب سورۃ الصف کی تفسیر مکمل ہو گئی اور یہ واحد سورت ہے جس کی تفسیر دو دن میں مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور میرے تلامذہ کی اور اس تفسیر کے قارئین اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ

سید العلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعۃ

سورت کا نام

اس سورت کا نام الجمعہ ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں الجمعہ کا ذکر ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَيۡعَ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○ (الجمعہ:۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○

جمعہ کے متعلق احادیث

ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کا نام الجمعہ ہے' جمعہ کے دن جو نماز مشروع ہے اس پر بھی جمعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ احادیث میں نماز جمعہ پر بھی جمعہ کا اطلاق ہے اور جمعہ کے دن پر بھی جمعہ کا اطلاق ہے' نماز جمعہ پر جمعہ کے اطلاق کی یہ احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص (نماز) جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۶۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان محنت مشقت کے کام کرتے تھے اور ان ہی کپڑوں اور اسی حالت میں (نماز) جمعہ کے لیے چلے جاتے تھے تو ان سے کہا گیا: اگر تم غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز) جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۰۳)

اور جمعہ کے دن پر جمعہ کے اطلاق کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بہترین دن پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم پیدا کیے گئے' اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے باہر لایا گیا۔ "مسلم" کی دوسری حدیث میں ہے: قیامت (بھی) جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کی ساعت (قبولیت) امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کیے جانے تک ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۹)

اور جمعہ کے دن اور نماز جمعہ دونوں پر جمعہ کا اطلاق اس حدیث میں ہے:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ایک خاتون نے نہر کے کنارے ایک کیاری بنائی تھی' جس میں چقندر اگائے ہوئے تھے' جمعہ کے دن وہ چقندروں کو ایک دیگچی میں ڈالتی اور اس میں جو پیس کر ڈالتی' جب ہم نماز جمعہ پڑھ کر آتے تو ہم اس کو سلام کرتے اور وہ ہم کو وہ طعام پیش کرتی' ہم اس کو چاٹ چاٹ کر کھاتے اور ہم اس کھانے کے لیے یوم جمعہ کا انتظار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۳۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۱۵)

سورۃ الجمعہ کا زمانۂ نزول

سورۃ الجمعہ کی یہ آیت ۷ ہجری میں فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی ہے' کیونکہ اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت ہے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے:

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ (الجمعہ:۳) اور ان ہی میں سے دوسرے ہیں جو ابھی تک پہلوں سے نہیں ملے۔

اس آیت کے بعد یہود کی مذمت میں آیات ہیں اور اس کی آخری آیت یہ ہے:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ؕ (الجمعہ:۱۱) اور جب یہ کسی تجارتی قافلے کو یا کسی تماشے کو دیکھتے ہیں تو یہ آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تجارتی قافلہ آیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو بارہ مسلمانوں کے سوا سب اس قافلہ کی طرف دوڑ پڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۱۱)

اور یہ مدینہ کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الجمعہ کے دوسرے رکوع کا تعلق مدینہ منورہ میں ہجرت کے ابتدائی دور سے ہے اور پہلے رکوع کا تعلق سات ہجری کے دور سے ہے' کیونکہ الجمعہ:۳ کے شان نزول میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۲ ہے۔

سورۃ الجمعہ کے مشمولات

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی فضیلت بتائی گئی ہے اور یہود کی مذمت کی گئی ہے' ان کے حسد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو فضیلت دی گئی ہے' جب کہ وہ ہفتہ کے دن کو افضل ایام قرار دیتے تھے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنے کو فرض قرار دیا ہے اور اس دن کاروبار کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور ان مسلمانوں پر عتاب فرمایا ہے جو نماز جمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران خطبہ چھوڑ کر شام سے آئے ہوئے قافلہ سے غلہ خریدنے چلے گئے تھے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الجمعہ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ جنوری ۲۰۰۵ء

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۶۲ ترتیبها ۱۱۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتها ۱۱ رکوعاتها ۲

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمینوں میں ہے وہ (ساری کائنات کا) بادشاہ بے حد پاک

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا

بہت غالب بے انتہا حکمت والا ہے ○ وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۙ وَاِنْ كَانُوْا

جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ لا وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ

وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○ اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَ

اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور

اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ

اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا

يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے ان لوگوں کی کیسی بری

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ

آپ کہیے: اے یہودیو! اگر تمہارا یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر اللہ صرف تمہارا دوست

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ

ہے پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو ○ اور وہ اپنے پہلے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے

أَيْدِيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ

کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمھیں

فَإِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

ضرور پیش آنے والی ہے پھر تم اس کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے پس وہ تم کو

۱ ع ۸ ۱۱ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ

خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے ○ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان

فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٩ فَإِذَا

دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ پھر جب

قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝١٠ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا

زیادہ ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ○ اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ

انْفَضُّوْٓا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

یا تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا' آپ کہیے: اللہ کے پاس جو (اجر) ہے

۲ ع ۳ ۱۲ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝١١ ع

وہ تماشے اور تجارتی قافلے سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمینوں میں ہے وہ (ساری کائنات کا) بادشاہ بے حد پاک' بہت غالب' بے انتہاء حکمت والا ہے○ وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور

بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے○ اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے' اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے○ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے○ (الجمعہ: ۱-۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

الجمعہ: ۱ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی عظیم صفات کا بیان فرمایا اور ان کی تفسیر کئی بار متعدد سورتوں میں جا چکی ہے۔

الجمعہ: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائی ہیں۔

ایک صفت یہ ہے کہ آپ امیین کے رسول ہیں' اہل مکہ کو امیین کہا جاتا تھا' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ یہود اور نصاریٰ کی طرح اہل کتاب نہیں تھے' دوسری وجہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر پڑھنے لکھنے والے نہ تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے پاس کتاب تھی نہ ان میں کوئی نبی بھیجا گیا تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ اسی حالت پر تھے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے تھے' ان وجوہ کی وجہ سے ان کو امیین کہا جاتا تھا۔

دوسری صفت یہ ہے کہ آپ ان ہی میں سے تھے یعنی ان کے نسب سے تھے اور ان کی جنس سے تھے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. بے شک تمہارے پاس ایک عظیم رسول تم میں سے آئے ہیں۔ (التوبہ: ۱۲۸)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (آل عمران: ۱۶۴) بے شک اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا کیونکہ اس نے ان ہی میں سے ان میں ایک (عظیم) رسول بھیجا۔

اور یہ اللہ کا احسان اس لیے ہے کہ اس نے نوع انسان اور بشر میں سے رسول بھیجا' فرشتے یا جن کو ان میں سے رسول بنا کر نہیں بھیجا' ورنہ انسان اس سے استفادہ نہ کر سکتے اور اس کے افعال ان کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور وہ دلائل بیان کرتے ہیں اور وہ معجزات پیش کرتے ہیں جن سے آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہوتی ہے اور ان آیات سے احکامِ شرعیہ بیان کرتے ہیں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ آپ ان کے باطن کو صاف کرتے ہیں' جن کے دلوں میں برسوں سے بت پرستی کی اور شرک کی محبت چڑھی ہوئی تھی' آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے ان کی کایا پلٹ گئی تھی اور وہ توحید کے متوالے بن گئے تھے' جو لوٹ مار بدکاری اور قتل و غارت گری کے عادی تھے' ان کی سیرت رشک ملائکہ بن گئی اور وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے پیکر بن گئے تھے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ آپ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' کتاب سے مراد ہے: قرآن مجید کی آیات اور حکمت سے مراد ہے: قرآن مجید کے معانی اور ان سے احکامِ شرعیہ کا استنباط اور اجتہاد یا حکمت سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال اور آپ کی سنتِ مبارکہ اور قرآن مجید کے احکام کا عملی نمونہ۔

اس کے بعد فرمایا: اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے' یعنی وہ کھلم کھلا شرک اور بت پرستی کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' چوریاں کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے اور پرائی عورتوں کی عزتیں لوٹتے تھے۔

آپ کی رسالت کا عموم

یہود یہ کہتے تھے کہ اس آیت میں آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ آپ امیین کے رسول ہیں یعنی صرف مکہ والوں کے رسول

ہیں' آپ کی نبوت اور رسالت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نہیں تھی لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے' کیونکہ قرآن اور حدیث میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا' نیز کسی ایک آیت کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے جب تک اس مسئلہ سے متعلق تمام آیات کو نہ دیکھ لیا جائے' قرآن مجید میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم کے متعلق یہ آیات ہیں:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا. (سبا: ۲۸)
اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ (الفرقان: ۱)
وہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندہ پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہوں O

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ O (الانبیاء: ۱۰۷)
اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے محض رحمت بنا کر بھیجا ہے O

فرزندانِ فارس کا علم دین کی بلندیوں پر پہنچنا

الجمعہ: ۳ میں فرمایا: اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے' اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر' سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد عجمی لوگ ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جب آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی' جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ‌ ؕ (الجمعہ: ۳)
اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے۔

ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ اس نے دو یا تین بار پوچھا: اس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر دین ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہو تو فرزندانِ فارس وہاں جائیں گے اور دین کو حاصل کرلیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۰۔ ۳۹۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۲۳' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷)

امام ابوحنیفہ' امام ابوبکر رازی' امام فخر الدین رازی' امام مسلم نیشاپوری' امام حاکم نیشاپوری اور امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم نیشاپوری یہ تمام ائمہ فرزندانِ فارس تھے اور انہوں نے حدیث' تفسیر اور فقہ میں بہت کمال حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے مطابق علم دین کی بلندیوں پر پہنچے۔

عکرمہ اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد تابعین ہیں' ابن زید نے کہا: اس سے مراد صحابہ کے بعد قیامت تک کے علماء دین ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۸۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب و حکمت کی تعلیم دینا اور ان۔۔۔ کے باطن کو صاف کرنا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم امیین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں' ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اور بعد والوں کو بھی جو ان پہلوں سے نہیں ملے' اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے علاوہ قیامت تک کے ذی استعداد علماء اور اولیاء کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں' ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' اس کی تائید ان عبارات سے ہوتی ہے:

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اہل کشف کے نزدیک ائمہ مجتہدین کے اقوال شرعیہ سے نکلنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے اقوال کشفِ صحیح سے کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر مبنی ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے ساتھ جمع ہوتی ہے اور جن دلائل میں وہ توقف کرتے ہیں' ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے ہیں اور وہ آپ سے بیداری میں سوال کرتے ہیں: یا رسول اللہ! آیا' آپ نے یہ فرمایا ہے یا نہیں؟ اور جن مسائل کا وہ قرآن اور سنت سے استنباط کرتے ہیں ان کو اپنی کتابوں میں درج کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یا رسول اللہ! ہم نے اس آیت کا یا فلاں حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے' آیا آپ اس پر راضی ہیں یا نہیں؟ اور آپ کے ارشاد کے تقاضے پر عمل کرتے ہیں اور یہ چیز اولیاء اللہ کی یقینی کرامات سے ہے اور اگر ائمہ مجتہدین اللہ کے اولیاء نہیں ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی بھی ولی نہیں ہے اور بہ کثرت اولیاء اللہ سے منقول ہے' حالانکہ وہ ائمہ مجتہدین سے کم مرتبہ کے ہیں کہ انہوں نے بہتر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور ان کے زمانہ کے اولیاء نے ان کی تصدیق کی ہے۔

اور میں نے حافظ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ دیکھا ہے' ان سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ وہ سلطان کے پاس اس کی سفارش کریں' حافظ سیوطی نے اس کو جواب میں لکھا: اے میرے بھائی! میں نے پچھتر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ حاکم کے پاس تمہاری سفارش کرنے سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے ملاقات اور استفادہ کرنے سے محروم ہو جاؤں گا تو میں ضرور حاکم کے پاس تمہاری سفارش کرتا اور جن احادیث کو محدثین نے اپنے طریقہ سے ضعیف قرار دیا ہے' میں ان کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کو معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ سے استفادہ کرنے کا محتاج ہوں اور استفادہ میں مسلمانوں کا اجتماعی فائدہ ہے اور تمہارے ایک کے فائدہ کی بہ نسبت تمام مسلمانوں کا اجتماعی فائدہ زیادہ اہم ہے۔

اور حافظ جلال الدین کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مشہور ہے کہ سیدی محمد بن زین' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں ملاقات کرتے تھے' حتیٰ کہ ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ وہ حاکم شہر کے پاس اس کی سفارش کریں اور جب وہ حاکم شہر کے پاس پہنچ گئے اور اس نے ان کو اپنے پاس بٹھایا تو یہ نعمت ان سے جاتی رہی' اور شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابوالعباس المرسی یہ کہتے تھے کہ اگر پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حجاب میں ہوں تو ہم اس ساعت میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتے اور جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو ائمہ مجتہدین کا مرتبہ تو ان سے بہت اونچا ہے۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۴۔۵۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیداری میں دیدار کرنا ہر اس شخص کے لیے ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے' جس طرح حافظ سیوطی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ (صحیح پچھتر بار ہے) زیارت کی اور آپ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا' اور جب آپ نے فرمایا کہ وہ صحیح ہیں تو حافظ سیوطی نے ان کو صحیح قرار دیا اور شاذلی نے سوال کیا کہ وہ حاکمِ وقت کے پاس اس کی شفاعت کریں تو حافظ سیوطی نے انکار کر دیا اور کہا: اگر میں حاکم کے دربار میں گیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں گا اور اس سے امت کا بہت نقصان ہو گا اور علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے بھی بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے ''صحیح بخاری'' پڑھی' ان آٹھ میں سے ایک حنفی تھا' لہٰذا بیداری میں آپ کی زیارت ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا جہل ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ مجلس علمی' ہند' ۱۳۵۷ھ)

56

اللہ تعالیٰ کے فضل کی مختلف تعبیریں

الجمعہ: ۴ میں فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

مقاتل بن حیان نے کہا: یعنی نبوت اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے نبوت عطا فرماتا ہے' پس اس نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے ساتھ خاص فرمالیا اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: اسلام اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ مجتہدین' علماء متقین اور اولیاء مسلمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے صفا باطن اور کتاب و حکمت کی تعلیم کی جو نعمت عطا کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے' وہ جس کو چاہے یہ نعمت عطا فرماتا ہے' اسی طرح زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت اور مال و دولت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: مال دار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور دائمی جنتیں لے گئے' آپ نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم اپنے سے سبقت کرنے والوں کا درجہ پالو گے اور بعد والوں کا درجہ پالو گے اور تم سے کوئی افضل نہیں ہو گا سوا اس کے جو تمہاری طرح عبادت نہ کرے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ ''سبحان اللہ' اللہ اکبر'' اور ''الحمد للہ'' پڑھو' فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' پھر کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے ہماری اس عبادت کا سنا تو وہ بھی اس طرح پڑھنے لگے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۱۴' سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا' ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے' ان لوگوں کی کیسی بُری مثال ہے' جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور اللہ ظالموں کو ہدایت

نہیں دیتاO آپ کہیے: اے یہودیو! اگر تمہارا یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر اللہ صرف تمہارا دوست ہے پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہوO اور وہ اپنے پہلے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہےO آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی ہے پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھےO (الجمعہ: ۸)

احکام تورات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہود کی مذمت

اس سے پہلے ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے عموم میں یہ شبہ پیش کرتے تھے کہ آپ صرف امیین اور مکہ والوں کے رسول ہیں اور ہم نے اس کا جواب ذکر کیا کہ آپ تمام مخلوق کے رسول ہیں' آپ نے خود فرمایا:

ارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون. مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳)

اور اس آیت سے مقصود یہودیوں کی اس بات پر مذمت کرنا ہے کہ ان کو ''تورات'' دی گئی اور انہوں نے ''تورات'' کی آیات پر عمل نہیں کیا' ''تورات'' میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق لکھا ہوا تھا اور آپ کی نشانیاں بیان کر دی گئی تھیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب آپ کا ظہور ہو تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں لیکن انہوں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا' موجودہ ''تورات'' میں بھی لکھا ہوا ہے:

موجودہ ''تورات'' کے متن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

موجودہ ''تورات'' میں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا' تم اس کی سنناO یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن خواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤںO اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں' سو ٹھیک کہتے ہیںO میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا' اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گاO جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گاO

(تورات استثناء' باب: ۱۸' آیت: ۱۵۔۱۹' پرانا عہد نامہ ص ۱۸۳' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہےO اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا' اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی' وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے' اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں' ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔ (تورات استثناء' باب: ۳۳' آیت: ۲۔۳' پرانا عہد نامہ ص ۲۰۱' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی: دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے' اس طرح یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی' جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے

آیا۔ تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا' فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس' استثناء' باب: ۳۳' آیت: ۲' ص ۱۹۲' مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی' انار کلی' لاہور' ۱۹۲۷ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے' اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

واتی من ربوات اقدس. دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی ص ۳۳۴' ۱۹۸۰ء)

لوئیس معلوف نے ''ربوۃ'' کے معنی لکھے ہیں: ''الجماعۃ العظیمۃ نحو عشرۃ الاف '' (المنجد ص ۲۴۷) یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔

دیکھو میرا خادم (پچھلے ایڈیشنوں میں ''بندہ'' تھا۔ سعیدی غفرلہٗ) جس کو میں سنبھالتا ہوں' میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش رہے' میں نے اپنی روح اس پر ڈالی' وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا O وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی O وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا' وہ راستی سے عدالت کرے گا O وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے' جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے O جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا' جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند یوں فرماتا ہے: میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا O اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا O تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں' قید خانہ سے چھڑائے O یہوواہ میں ہوں' یہی میرا نام ہے' میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتیوں کے لیے روا نہ رکھوں گا O دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں' اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں O

(تورات' یسعیاہ' باب: ۴۲' آیت: ۱۔۹' ص ۶۹۴' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۸۰ء)

اس اقتباس کی آیت نمبر ۲ میں ہے: وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی ہے: حضرت عمرو بن العاص کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ ''تورات'' میں آپ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے: اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

اس باب کی آیت نمبر ۶ میں ہے: میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ ''انجیل'' میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی اور حضرت عیسیٰ نے چلا کر کہا: اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ ملاحظہ ہو:

اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے۔ (الیٰ قولہٖ) اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی' ایلی لما شقبتنی؟'' یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

(متی کی انجیل باب: ۲۷، آیت: ۳۵-۴۶، ص ۳۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲ء)

نیز اس باب کی آیت ۷ میں ہے کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی ہے اور اس کی تصدیق ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (المائدہ: ۱۵-۱۶)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور کتاب مبین ○ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف لاتا ہے ○

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "تورات" میں آپ کی یہ صفت ہے: اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا' بایں طور کہ وہ کہیں گے: "لا الـه الا اللّٰه" اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

یہود کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ

اور جب یہودیوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے' اسی طرح اس مسلمان عالم دین کی مثال ہے جو قرآن اور سنت کے احکام پر عمل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مثال گدھے کے ساتھ دی ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) گھوڑے اور خچر کی بہ نسبت گدھے پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔

(۲) گدھے میں جہل اور حماقت کا معنی دوسرے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے۔

(۳) عرف میں دوسرے جانوروں کی بہ نسبت گدھے کو زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔

(۴) کتابوں کے لیے "اسفار" کا لفظ فرمایا ہے اور کتابوں کو جس جانور پر لادا جائے اس کے لیے لفظ حمار' اس میں 'اسفار' کے ساتھ لفظی مجانست اور مشاکلت ہے۔

قرآن مجید کی پیش گوئی کی صداقت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت پر استدلال

یہود یہ سمجھتے تھے کہ باقی امتوں کی بہ نسبت وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ صرف ان ہی کو جنت عطا فرمائے گا' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم سمجھتے ہو تو تم موت کی تمنا کرو' تاکہ تم جلد سے جلد جنت میں چلے جاؤ' لیکن وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اپنی بد اعمالیوں کا علم ہے۔

الجمعہ: ۶-۷ میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے' یہودی قرآن مجید کے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور دشمن تھے' انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن مجید کو اور ہمارے نبی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کہتے کہ لو ہم موت کی تمنا کر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوا' انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی' یہودیوں کا بطلان ظاہر ہو گیا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہو گئی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی حقانیت آشکارا ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الجمعہ: ۸ میں فرمایا: آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی ہے' پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے' پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم نے کھلم کھلا بھی جرائم کیے اور چھپ کر بھی گناہ کیے تم نے ''تورات'' میں تحریف کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کو چھپایا' تم نے جو کچھ ظاہراً برائیاں کیں اور جو چھپ کر برائیاں کیں' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم کو ان سب کی خبر دے دے گا' کیونکہ اس پر ظاہر اور باطن میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (نماز) جمعہ کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو O اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ یا تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا' آپ کہیے: اللہ کے پاس جو (اجر) ہے وہ تماشے اور تجارتی قافلہ سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O (الجمعہ: ۹۔۱۱)

سابقہ آیات سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی اس وجہ سے مذمت کی تھی کہ وہ متاع دنیا اور اس کی لذتوں کی وجہ سے موت سے بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے' اور ان آیتوں میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ کے حکم سے نماز جمعہ پڑھو اور نماز جمعہ کے لیے دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاؤ اور اس طرح یہودیوں اور مسلمانوں میں نمایاں فرق ہوگا کہ یہودی دنیاوی متاع کی وجہ سے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیتے ہیں اور مسلمان اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر تین وجوہ سے رد فرمایا' انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے دوست اور محبوب ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا: اگر ایسا ہے تو تم موت کی تمنا کرو' انہوں نے اس پر فخر کیا تھا کہ وہ اہل کتاب ہیں اور عرب امی ہیں ان کے پاس کتاب نہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا: تم اپنی کتاب کے احکام پر عمل نہیں کرتے' لہٰذا تم اس گدھے کی مثل ہو جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں' اور یہود اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کے لیے ہفتہ میں ایک مقدس دن ہے اور وہ یوم السبت ہے یعنی سنیچر کا دن ہے' اور مسلمانوں کے لیے ہفتہ میں کوئی مقدس دن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مخصوص عبادت کے لیے ہفتہ میں ایک دن مقرر فرمادیا اور وہ جمعہ کا دن ہے' جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' پھر دوسری بار آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں' پھر آپ نے تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ آدم (کی تخلیق) کو جمع کیا گیا' اس دن جو مسلمان بھی وضو کر کے مسجد میں جائے' پھر اس وقت تک خاموش بیٹھا رہے حتیٰ کہ امام اپنی نماز پڑھ لے تو یہ عمل اس جمعہ اور اس کے بعد کے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے بہ شرطیکہ اس نے خون ریزی سے اجتناب کیا ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۰ قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۱۳۳' رقم الحدیث: ۲۳۷۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۶۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۸۹)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابوسلمہ نے کہا: پہلے جمعہ کے دن کو العروبۃ کہا جاتا تھا اور سب سے پہلے جس نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا وہ کعب بن لوی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا۔

امام ابن سیرین نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے اور ان ہی لوگوں نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا' انہوں نے کہا: یہود کا بھی ایک دن ہے' جس میں وہ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور ہر سات دنوں میں ان کا ایک مقدس دن ہے اور وہ السبت (سنیچر) ہے اور نصاریٰ کے لیے بھی اس کی مثل ایک دن ہے اور وہ اتوار کا دن ہے' پس آؤ! ہم بھی ہفتہ میں ایک دن معین کریں جس میں ہم سب جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس دن خصوصی نماز پڑھیں' پھر انہوں نے کہا: یہود نے سنیچر (ہفتہ) کا دن معین کیا ہے اور نصاریٰ نے اتوار کا دن معین کیا ہے' پھر ہم یوم العروبۃ کا دن معین کرتے ہیں' پھر وہ سب حضرت اسعد بن زرارۃ (ابوامامۃ) رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان کو وعظ کیا' پھر جس دن وہ جمع ہوئے تھے اس دن کا نام انہوں نے یوم الجمعہ رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۸۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نمازِ جمعہ کے متعلق احادیث

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہر بالغ پر نمازِ جمعہ کے لیے جانا واجب ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

حضرت ابوالجعد الضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سستی کی وجہ سے تین بار جمعہ کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۲۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۷۸۶' المستدرک ج ۱ ص ۲۸۰' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۴)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہے' ماسوا چار کے: غلام' عورت' بچہ یا بیمار (ہدایہ میں ہے کہ مسافر اور نابینا پر بھی جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے (یعنی ثابت ہے) اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۹)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا تو فبہا (یہ اچھا کام ہے) اور عمدہ ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسلِ جنابت کی طرح غسل کیا' پھر نماز کے لیے گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک

گائے صدقہ کی اور جو تیسری ساعت میں گیا' اس نے گویا سینگھوں والا مینڈھا صدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے گویا مرغی صدقہ کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا گویا اس نے انڈا صدقہ کیا' پس جب امام نکل آئے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں یہی معمول تھا' جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام الزوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا (اقامت کے اعتبار سے تیسری اذان فرمایا ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۸۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۹۳)

حضرت السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھ جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں بھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۸۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے' آپ منبر پر بیٹھ جاتے اور جب مؤذن اذان سے فارغ ہوتا تو آپ کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیتے' پھر بیٹھ جاتے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۹۲)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن سب بے ہوش ہوں گے' سو تم اس دن مجھ پر زیادہ درود و سلام پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵۔ ۱۶۳۶)

نماز جمعہ کے ضروری مسائل

علامہ علاء الدین محمد بن علی محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز جمعہ فرض عین ہے اور اس کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا ثبوت بھی قطعی ہے اور اس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے' نماز جمعہ پڑھنے کے جواز کی سات شرائط ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ جمعہ صرف شہر میں فرض ہے' گاؤں اور دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے اور شہر کا ثبوت اس حدیث سے ہے:

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ جمعہ جامع شہر کے بغیر ہو گا نہ تشریق۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۷۰۔ رقم الحدیث: ۵۱۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو عبد الرحمان سلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: نہ جمعہ جامع شہر کے بغیر ہو گا نہ تشریق اور وہ بصرہ' کوفہ' مدینہ' بحرین' مصر' شام' جزیرہ' یمن اور یمامہ کو شہر میں شمار کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۷۰۔ رقم الحدیث: ۵۱۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

شہر کی معتمد تعریف جو امام ابوحنیفہ سے منقول ہے وہ یہ ہے: وہ بڑا شہر ہو جس میں گلیاں اور بازار ہو اور اس کے مضافات اور اس میں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا حق ظالم سے لینے پر قادر ہو اور اس میں ایسا عالم دین ہو جو پیش آمدہ مسائل میں شرعی رہ نمائی کر سکتا ہو۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سلطان پڑھائے یا وہ شخص جو سلطان کی طرف سے مقرر ہو تاہم مسلمان جس کے نماز جمعہ پڑھانے پر راضی ہوں وہ نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اقامت سلطان بمعنیٰ مذکور ضرور شرط جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعذر تعیین مسلمین قائم مقام تعیین سلطان ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۰۴ مطبوعہ لائل پور ۱۳۹۳ھ)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے ظہر کا وقت ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دیا جائے' دو خطبے دینا اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ جماعت کے سامنے خطبہ دیا جائے' خلاصہ میں تصریح ہے کہ ایک آدمی کا ہونا بھی کافی ہے۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے امام کے سوا جماعت ہو اور اس میں کم از کم تین آدمی ضروری ہیں۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے اذن عام ہو' مسجد کے دروازے آنے والوں کے لیے کھلے ہوں' ہاں! اگر دشمن کے خطرہ کی وجہ سے یا عادت قدیمہ کی وجہ سے قلعہ کے دروازہ بند کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (موجودہ دور میں صدر' وزیر اعظم' گورنر اور وزیر اعلیٰ کی رہائش بھی اسی حکم میں ہے)۔

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۳ ص ۵۔۲۴ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آیا اذان اوّل پر جمعہ کی سعی واجب ہے یا اذان ثانی پر؟

اس آیت میں فرمایا ہے: جب جمعہ کے دن (نماز) جمعہ کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: "فاسعوا الی ذکر اللہ" یعنی تم اللہ کے ذکر (خطبہ) کی طرف سعی کرو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

سعی کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) دل سے نیت کرنا (۲) نماز جمعہ کی تیاری کرنا یعنی غسل کرنا (۳) اذان کی آواز پر لبیک کہنا (۴) بغیر بھاگے ہوئے نماز کی طرف پیدل چل کر جانا۔

اور "ذکر اللہ" کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) خطبہ میں امام کی نصیحت (۲) نماز کا وقت (۳) نماز۔

اور فرمایا: خرید و فروخت کو چھوڑ دو' یعنی نماز کے وقت خرید و فروخت سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا' ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت زوال کے وقت سے لے کر نماز سے فراغت تک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خطبہ کی اذان سے لے کر نماز سے فراغت تک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلی اذان بدعت ہے' اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا تھا تاکہ لوگ خطبہ سننے کے لیے پہلے سے تیار ہو جائیں' کیونکہ مدینہ بہت وسیع ہو چکا تھا' اس پہلی اذان کے بعد خطبہ سے پہلے خرید و فروخت حرام نہیں ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۹-۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان کے ساتھ جمعہ کی طرف سعی کرنا واجب ہے' اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

میں نہیں تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی ہے۔

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

''شرح المنیۃ'' میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس اذان پر سعی واجب ہے جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان اول تھی' حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اذانِ ثانی شروع کی' جب لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام زوراء پر یہ اذان دی جاتی تھی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وقت کے اعتبار سے یہی اذان اول ہے جو کہ زوال کے بعد منارہ پر دی جاتی تھی۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۳ ص ۳۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جائیں تو آیا دونوں کو پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟

اگر ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو دونوں نماز کو پڑھا جائے گا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ میں ''سبح اسم ربک الاعلٰی'' اور ''ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ'' پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۱)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ عید اور جمعہ دونوں لازم ہیں'' الہدایۃ'' میں'' الجامع الصغیر'' سے منقول ہے کہ دو عیدیں ایک دن میں جمع ہو گئیں' پس عید سنت ہے اور دوسری عید (جمعہ) فرض ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ترک نہیں کیا جائے گا۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا آپ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے جب ایک روز میں دو عیدیں جمع تھیں؟ حضرت زید بن ارقم نے کہا: ہاں! حضرت معاویہ نے پوچھا: پھر آپ نے کس طرح کیا؟ حضرت زید نے کہا: آپ نے عید کی نماز پڑھائی' پھر جمعہ کی رخصت دے دی' جو چاہے جمعہ کی نماز پڑھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۰)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''المغنی'' میں مذکور ہے کہ شعبی' نخعی اور اوزاعی کے نزدیک عید کے دن جمعہ کی نماز ساقط ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت سعد' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

اور عامۃ الفقہاء نے کہا ہے کہ آیت کے عموم اور دیگر احادیث کی بناء پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور یہ دونوں نمازیں واجب ہیں اور ایک کے پڑھنے سے دوسری نماز ساقط نہیں ہو گی جیسے عید کے دن ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۲ ص ۲۱۲' دارالفکر بیروت) (شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۹۷۔ ۳۹۸' مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں

پس جو شخص چاہے اسے عید کی نماز جمعہ سے کافی ہوگی اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۲)

علامہ محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو چاہے اس کے لیے عید کی نماز جمعہ سے کافی ہوگی' یہ رخصت ابتداء میں ان لوگوں کے لیے تھی جو بالائی بستیوں سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے' پھر یہ امر مقرر ہو گیا کہ عید کی نماز جمعہ کی نماز سے کافی نہیں ہوتی' حتیٰ کہ جس شخص نے عید کی نماز پڑھ لی اور امام کے ساتھ جمعہ پڑھنے حاضر نہیں ہوا وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے گا۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰۲' مکتبۃ الرشید' ریاض)

الجمعہ: ۱۰ میں فرمایا: پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد کاروبار کرنا واجب نہیں مباح ہے

اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد خرید وفروخت کرنا واجب ہے' کیونکہ اس سے پہلی آیت میں نمازِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت سے منع فرمایا تھا اور کسی کام کی ممانعت کے بعد جب اس کا امر کیا جائے تو وہ امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اباحت کے لیے ہوتا ہے' جیسے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا' پھر شکار کرنے کا امر فرمایا تو یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے' اباحت کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کی تلاوت کی جائے گی مگر حالتِ احرام میں شکار کرنے والے نہ بننا۔

اس آیت میں حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ (المائدہ: ۲)

اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو۔

اس آیت میں بھی چونکہ شکار کرنے کا حکم ممانعت کے بعد ہے' اس لیے یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اجازت اور اباحت کے لیے ہے۔

اللہ کا فضل طلب کرنے کے محامل

عراک بن مالک جب جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں نے تیرے حکم پر عمل کیا اور تیرے فرض کو پڑھا اور تیرے حکم کے مطابق زمین میں پھیل گیا' اب تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

جعفر بن محمد نے ''وابتغوا من فضل اللہ'' کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد ہفتہ کے دن کام کرنا ہے۔

حسن بصری اور سعید بن مسیب نے کہا: اس سے مراد علم کو طلب کرنا اور نفل نماز پڑھنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں دنیا کو طلب کرنے کا حکم نہیں دیا' اس سے مراد بیماروں کی عیادت کرنا ہے' جنازوں پر حاضر ہونا ہے اور مسلمان بھائیوں کی زیارت کرنا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۹۶-۹۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نماز کے طلب کرنے کے بعد رزق کے طلب کرنے کو مباح کر دیا ہے' جو چاہے رزق کو طلب کرے اور جو چاہے نہ طلب کرے۔

ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے وہ چاہے تو نماز کے بعد مسجد سے چلا جائے اور چاہے تو بیٹھا رہے' اور اللہ کے فضل کی طلب میں افضل یہ ہے کہ وہ رزق کو طلب کرے یا نیک اولاد کو یا علم نافع کو یا دوسرے عمدہ کاموں کو۔

اور اس آیت میں بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا تب ہوگا جب چلتے ہوئے' کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے' لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۴۲۔ ۵۴۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک فضل اللہ کے طلب کرنے کے تین محمل ہیں: (۱) فضل کے معنی ہیں: زیادتی لہٰذا نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مزید نماز پڑھنے کی توفیق کو طلب کرے (۲) رزق حلال میں زیادتی کو طلب کرے (۳) اللہ تعالیٰ سے کسی عبادت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے فضل کی وجہ سے جنت اور اللہ کی رضا کو طلب کرے۔

اتوار کی چھٹی کے حامیوں کے دلائل اور ان کے جوابات

اس آیت میں چونکہ نماز کے بعد اللہ کے فضل کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے تو جو لوگ پاکستان میں اتوار کے دن چھٹی کرنے کے حامی ہیں' وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے فضل کا معنی ہے: کاروبار کرنا اور تجارت کرنا' لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن چھٹی نہ کی جائے بلکہ اتوار کے دن چھٹی کی جائے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس لیے جمعہ کے دن چھٹی کرنا ممنوع ہے اور کاروبار کرنا واجب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس آیت سے پہلے نماز کے وقت کاروبار کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں نماز کے بعد کاروبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ممانعت کے بعد جو امر ہو وہ اباحت کے لیے آتا ہے' پس اس دن کاروبار کرنا جائز ہے واجب نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل کو طلب کرنے کا لازمی معنی کاروبار کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ سے رزق اور علم کے حصول کی دعا کی جائے۔

اتوار کی چھٹی کے حامیوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یورپی ممالک میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے اور ان ممالک سے تجارت کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی دن چھٹی کریں' اگر ہم جمعہ کے دن چھٹی کریں تو دو دن ہمارا کاروبار متاثر ہوگا' اتوار کو ان کی چھٹی کی وجہ سے اور جمعہ کو ہماری چھٹی کی وجہ سے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ جغرافیائی فرق کی وجہ سے ویسے بھی ہمارے اور ان کے اوقات کی یکسانیت نہیں ہے۔ مثلاً امریکا کا وقت ہم سے تقریباً بارہ گھنٹے پیچھے ہے' آسٹریلیا کا وقت ہم سے تقریباً دس بارہ گھنٹے پہلے ہے اور برطانیہ کا وقت پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک کا وقت بھی ہم سے کافی مختلف ہے' اس لیے اتوار کی چھٹی کرنے پر ان ممالک کی یکسانیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل

اسلام میں چھٹی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے' لیکن جب ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اس دن چھٹی کرنی چاہیے جو اسلام میں مقدس دن ہے۔ عیسائی اور یہودی اپنے اپنے مقدس دنوں میں اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کرتے ہیں' سو ہمیں اپنے مقدس دن میں چھٹی کرنی چاہیے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باقی تمام مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے تو ہمیں بھی باقی مسلمان ملکوں سے موافقت کرتے ہوئے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اتوار کو چھٹی کرنے سے عیسائیوں کی موافقت ہوگی جب کہ ہمیں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کا حکم

دیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے سو تم ان کی مخالفت کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور انصار کے بوڑھوں کے پاس آئے' ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ اور زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور اس پر چمڑے کی جوتی نہیں پہنتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم موزے پہنو اور اس پر چمڑے کی جوتی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴۔ ۲۶۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۳۹ طبع جدید' عالم الکتب' بیروت' حافظ زین نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۳' دارالحدیث' قاہرہ' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۰۔ ۱۶۰' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۲ رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کرنے میں مسلمان ملکوں کی موافقت ہے اور اتوار کی چھٹی کرنے میں عیسائیوں کی موافقت ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کی موافقت کریں اور ہمارا مقدس دن (Holy Day) جمعہ ہے یا اتوار؟

الجمعہ: ۱۱ میں فرمایا: اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ یا تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا' آپ کہیے کہ اللہ کے پاس جو (اجر) ہے وہ تماشے اور تجارتی قافلہ سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

خطبہ جمعہ کے دوران صحابہ کے اٹھ کر چلے جانے کی توجیہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اچانک غلہ کا ایک قافلہ آ گیا' پس لوگ اس قافلہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے' تب یہ آیت نازل ہوئی: "وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا" (الجمعہ: ۱۱)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۱)

"صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی روایت میں ہے کہ بارہ صحابہ کے سوا سب چلے گئے تھے اور "سنن دار قطنی" میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ چالیس صحابہ بیٹھے رہے تھے' جن میں میں بھی تھا۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

صحابہ کرام کا خطبہ چھوڑ کر جانا خطبہ جمعہ سننے کے حکم سے پہلے کا واقعہ ہے' اس وقت خطبہ نماز کے بعد دیا جاتا تھا' صحابہ کرام نماز جمعہ پڑھ کر گئے تھے اور ان کے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں تھا حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے نزول کے بعد خطبہ سننا واجب ہو گیا' خیال رہے کہ صحابہ کرام کے تسامحات بعض اوقات قرآن مجید کی آیات کے نزول کا سبب ہوتے ہیں' بعض اوقات احکام شرعیہ کی تنفیذ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ فراہم کرنے کا سبب ہوتے ہیں' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض صحابہ پر حدود و تعزیرات جاری فرمانا اور بعض اوقات ان کے تسامحات کی وجہ سے امت پر احکام شرعیہ سہل ہو جاتے ہیں' جیسے رمضان کی راتوں کا امت پر حلال ہو جانا' ہم نے جو لکھا ہے کہ صحابہ کا خطبہ

چھوڑ کر جانا ابتدائی واقعہ ہے' اس کی دلیل یہ حدیث ہے: امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے نماز جمعہ پڑھتے تھے' جس طرح عیدین کی نماز میں ہوتا ہے' ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر بتایا کہ دحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے آیا ہے' اس کے آنے پر دف بجایا جاتا تھا' سو لوگ اٹھ کر چلے گئے' ان کے گمان میں خطبہ ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا (اور نماز وہ پڑھ چکے تھے)۔ تب اللہ تعالیٰ نے (سورۂ جمعہ کی مذکورہ) آیت نازل کی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کو مقدم کر دیا اور نماز جمعہ کو خطبہ سے مؤخر کر دیا' پھر کوئی شخص خواہ نکسیر پھوٹ جائے یا وضو ٹوٹ جائے آپ سے اجازت لیے بغیر دوران خطبہ نہیں جاتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ انگلی سے اشارہ کر کے اجازت لیتے تھے۔

(مراسیل ابوداؤد ص ۸' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی)

سورۃ الجمعہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۳ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۴ جنوری ۲۰۰۵ء بروز پیر بعد نماز مغرب سورۃ الجمعہ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۲ جنوری کو سورۃ الجمعہ کی تفسیر شروع کی تھی اور الحمد للہ! تین دن میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین کی اور جملہ معاونین' قارئین اور مسلمین کی مغفرت فرما دیں۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورة المنافقون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المنافقون ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''المنافقون'' کا لفظ ہے:

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۚ (المنافقون:۱)

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۲ اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۳ ہے۔

سورة المنافقون کا زمانہ نزول

محدثین کے نزدیک یہ سورت غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ہے جو ۹ ھ میں واقع ہوا تھا اور اہل مغازی کے نزدیک یہ سورت غزوۂ بنو المصطلق میں نازل ہوئی ہے جو ۶ ھ میں واقع ہوا تھا۔ درج ذیل حدیث اور اس کی شرح سے اس چیز پر روشنی پڑتی ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں تھا' میں نے عبد اللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ (المنافقون:۷)

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ ادھر اُدھر چلے جائیں۔

اور میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا:

لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ (المنافقون:۸)

اب اگر ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔

میں نے اس بات کا اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے ذکر کیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی' آپ نے مجھے بلایا' میں نے آپ کو اس کی خبر دی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا' انہوں نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور اس کو سچا قرار دیا' اس بات کا مجھے اتنا رنج ہوا کہ اس سے پہلے کبھی کسی بات کا اتنا رنج نہیں ہوا تھا' پھر میں گھر میں بیٹھ گیا' پس میرے چچا نے مجھ سے کہا: میرا یہ

ارادہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ. (المنافقون:۱) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں۔

تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: اے زید! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سچا قرار دے دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۷۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۵۹۸)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا' حالانکہ واقع میں وہ سچے تھے' اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو آپ سچے کو جھوٹا نہ قرار دیتے' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت پر عمل کیا' کیونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مدعی اپنے صدق پر دو گواہ قائم کرے ورنہ منکر قسم کھالے تو اس کو سچا قرار دیا جائے گا' حضرت زید بن ارقم کے پاس اپنے صدق پر گواہ نہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت کے اعتبار سے جھوٹا قرار دیا لیکن آپ ان کو جھوٹا نہیں سمجھتے تھے' آپ نے صرف ان کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے از محمد بن کعب از زید بن ارقم روایت کیا ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے اور اہل مغازی اس پر متفق ہیں کہ یہ غزوہ بنو المصطلق تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا یا حضرت عمر سے کیا' اس حدیث میں ان کے چچا سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں' جو خزرج کے سردار تھے اور وہ ان کے حقیقی چچا نہیں تھے اور حضرت زید بن ارقم کے حقیقی چچا ثابت بن قیس ہیں وہ صحابی نہیں تھے اور ان کے چچا ان کی ماں کے خاوند حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور ابوالاسود کے مغازی میں عروہ سے روایت ہے کہ یہ واقعہ اوس بن ارقم کو پیش آیا تھا اور انہوں نے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعے ہوں' عبد اللہ بن ابی سے یہ بات حضرت زید بن ارقم نے بھی سنی ہو اور حضرت اوس بن ارقم نے بھی سنی ہو رضی اللہ عنہما۔ اور حضرت زید بن ارقم نے اس کا ذکر حضرت سعد بن عبادہ سے کیا ہو اور حضرت اوس بن ارقم نے اس کا ذکر حضرت عمر سے کیا ہو' البتہ مشہور یہ ہے کہ اس واقعہ کا ذکر حضرت زید بن ارقم نے حضرت سعد بن عبادہ سے کیا اور ان کو مجازاً اپنا چچا فرمایا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر قوم کا بڑا کوئی غلط اور بے ہودہ بات کہے تو اس کا مواخذہ نہیں کرنا چاہیے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بڑے کے پیروکار متنفر ہو جائیں اور ان کے عذر کو قبول کرنا چاہیے اور ان کی قسموں کی تصدیق کرنی چاہیے خواہ قرائن اس کے خلاف ہوں کیونکہ اس سے اس کے پیروکاروں کی تالیف قلب ہوگی اور وہ مانوس رہیں گے' حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک عبد اللہ بن ابی کی کہی ہوئی جو بات پہنچائی تھی یہ وہ چغلی نہیں تھی جو اسلام میں ممنوع ہے کیونکہ چغلی کی تعریف یہ ہے کہ ایک فریق کی بات لڑانے اور فساد ڈالنے کے لیے دوسرے تک پہنچانا اور اگر اس بات کے پہنچانے میں کوئی مصلحت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ عبد اللہ بن ابی کا نفاق مسلمانوں پر آشکارا ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۳۹۔۶۴۰ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ المنافقون کے مشمولات

☆ اس سورت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کیا جائے اور ان کو رسوا کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اس میں ایک صحابی کے صدق کا اظہار ہے اور ان کی

دل جوئی ہے۔

☆ اس سورت کی ابتداء منافقین کی صفات کے بیان سے کی ہے اور ان کی نمایاں صفت جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا ہے اور دل میں کفر رکھنے کے باوجود ایمان کا دعویٰ کرنا ہے اور ان کی بزدلی کا بیان ہے اور یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو دھوکا دیتے ہیں اور لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے ہیں۔

☆ اور یہ بتانا ہے کہ ان کا زعم باطل یہ تھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

☆ اور اس سورت کے آخر میں مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں سرگرم رہیں اور دشمن سے مقابلہ کے لیے اسلام کی راہ میں مال خرچ کرتے رہیں اور اس میں سستی اور تاخیر نہ کریں کیونکہ کوئی پتا نہیں کہ موت کب آجائے اور نیکیاں کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔

سورۃ المنافقون کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی عنایت سے اب اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور کج روی اور ناصواب سے محفوظ اور مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۱۵ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۶ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹_۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴_۰۳۲۱

سورة المنافقون مکیۃ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ١١ رکوعاتہا ٢

سورۃ المنافقون مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات دو رکوع ہیں

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله 57

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول

يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكذبون ﴿١﴾ اتخذوا

ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون ﴿٢﴾

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا پس اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکا' بے شک یہ بہت بُرا کام کر رہے ہیں O

ذلك بانهم امنوا ثم كفروا فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون ﴿٣﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں O

واذا رايتهم تعجبك اجسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم كانهم

اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے' گویا

خشب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم هم العدو فاحذرهم

وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں' یہی (حقیقی) دشمن ہیں سو تم ان سے خبردار رہو

قتلهم الله انى يؤفكون ﴿٤﴾ واذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم

اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت

رسول الله لووا رءوسهم ورايتهم يصدون وهم مستكبرون ﴿٥﴾

طلب کریں تو یہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں O

سواء عليهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم

ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں' اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا'

وقف لازم

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ۞ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا

اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو

عَلٰى مَنْ عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنفَضُّوا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۞ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ

خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں' لیکن منافقین نہیں سمجھتے ○ وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو

لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا' حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۞ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوٰلُكُمْ ۱ ع ۸ ۱۳

اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے ○ اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد

وَلَا أَوْلٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۞

تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ

اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ کہے کہ

رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۞

اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور دنوں کی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا ○ اور جب کسی شخص کی مقرر

وَلَن يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۞ ۲ ع ۳ ۱۴

مدت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز موخر نہیں کرتا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا پس اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکا' بے شک یہ

بہت بُرا کام کر رہے ہیں O اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں ہیں O (المنافقون: ۱۔۳)

نفاق کا لغوی اور اصطلاحی معنی

المنافقون: امیں ''المنافقون'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''نفق'' ہے۔ اس کا معنی ہے: زمین میں سرنگ بنانا' ایک سوراخ سے جنگلی چوہا سرنگ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے سوراخ سے نکل جاتا ہے۔ (المنجد ص ۱۰۳۸)

نفاق کا اصطلاحی معنی ہے: ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقہ سے نکل جانا' منافق زبان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دل سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ نفاق سازش اور دھوکے کی جنس سے ہے' وہ خیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے دل میں شر ہوتا ہے۔ (موسوعۃ نضرۃ النعیم ج ۱۱ ص ۵۶۰۴' دار الوسیلۃ' المملکۃ العربیہ السعودیہ' ۱۴۱۹ھ)

اب ہم ان احادیث کا بیان کر رہے ہیں جن میں اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منافقوں کی سازشوں اور برائیوں کا ذکر ہے۔

عبد اللہ بن ابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدزبانی کرنا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار ہوئے' اس کے پالان پر فدک کی بنی ہوئی چادر تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے' آپ غزوۂ بدر سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لیے جا رہے تھے' آپ اس دوران عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی مجلس سے گزرے' یہ عبد اللہ بن ابی کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے' اس مجلس میں مسلمان' بت پرست' مشرک اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے' جب آپ کی سواری کے گرد وغبار نے مجلس کو ڈھانپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر اپنی چادر ڈال لی اور کہا: ہم پر گرد نہ اڑائیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور ٹھہر گئے اور سواری سے اتر گئے' آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں' تب عبد اللہ بن ابی نے آپ سے کہا: اگر آپ جو کہتے ہیں وہ حق ہے تو اس سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے' اب آپ ہمیں ہماری مجلس میں اذیت نہ دیں اور اپنے گھر چلے جائیں' سو جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو وعظ کریں' حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجالس میں بیٹھیں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمان' مشرک اور یہود ایک دوسرے کو بُرا کہنے لگے' حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے قریب تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ٹھنڈا کرتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہو کر چلے گئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے' آپ نے ان سے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب نے کیا کہا ہے؟ آپ کی اس سے مراد عبد اللہ بن ابی تھا' حضرت سعد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگزر کریں' آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو منصب عطا کیا ہے وہ عطا کیا ہے' اس بستی کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ اس کو بادشاہ بنا دیں اور اس کو تاج پہنا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس منصوبہ کو اس حق کے ذریعہ ختم کر دیا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو وہ اس پر بگڑ گیا اور آپ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۰۲)

غزوۂ احد میں عبد اللہ بن ابی کا اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل جانا

عبد اللہ ابن ابی اور اس کے حامی منافقوں نے اسلام اور مسلمانوں کو جو بڑا نقصان پہنچایا' وہ یہ تھا کہ وہ غزوۂ احد میں عین

لڑائی کے وقت اپنے تین سو منافقوں کو ساتھ لے کر لشکر اسلام سے نکل گیا' اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مشرکین سے مقابلہ کے لیے نکلے' مسلمان ایک ہزار تھے اور مشرکین تین ہزار تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور اُحد پہاڑ کے پاس اترے' اس وقت عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو اصحاب کے ساتھ رہ گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(آل عمران: ۱۲۱-۱۲۲)

(اے رسول مکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۝ جب تمہاری دو جماعتیں بزدلی کا ارادہ کر چکیں تھیں' اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے ۝

یہ ۳ھ کا واقعہ ہے جب مشرکین غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار کی تعداد میں اُحد پہاڑ کے قریب جمع ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر مقابلہ کریں؟ بعض نوجوان اور پر جوش اصحاب کی رائے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کریں اور عبد اللہ بن ابی اس کے ساتھیوں اور بعض معمر اصحاب کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پر جوش صحابہ کی دل جوئی کے لیے ان کی رائے کو ترجیح دی' تب عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا کہ میری بات مانی نہیں گئی' اس کے اس فیصلہ سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

غزوۂ بنو قینقاع میں منافقوں کا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا

۴ھ میں بنو نضیر اور بنو قینقاع سے غزوہ ہوا' اس میں منافقوں کی اسلام کے خلاف سازشوں کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (الحشر: ۱۱-۱۲)

کیا آپ نے ان منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں (یعنی بنو نضیر سے) کہ اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں' اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں ۝ اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' پھر کہیں سے ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۝

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ یہ آیتیں اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں کہ منافقین بنی نضیر سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری مدد کے لیے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم کو نکلنا پڑا تو ہم پھر بھی تمہارے ساتھ ہیں' یہ منافقین عبد اللہ بن ابی' عبد اللہ بن نبتیل اور رفاعہ بن زید تھے اور بہ ظاہر ان کا تعلق انصار سے تھا' اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا: کیونکہ منافقین اور یہودی دینی رشتہ سے آپس میں بھائی تھے' کیونکہ دونوں فریق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور اس میں فرمایا ہے: منافقین نے اہل کتاب کے کافروں سے کہا' اس سے مراد حی بن اخطب' جدی' ابویاسر اور مالک ابن الضیف اور بنوقریظہ ہیں' انہوں نے ان سے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو مدینہ سے نکال دیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے اور اس معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں' اگر بنونضیر کو مدینہ سے نکال دیا تو منافقین ان کے ساتھ نکلیں گے' اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کو علم تھا کہ منافقین نے بنونضیر کو جھوٹی تسلیاں دی ہیں وہ ان کے موافق عمل نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا اور یہ قرآن مجید کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قوی دلیل ہے کہ آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مسلمانوں نے ان سے جنگ کی تو منافقین ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور اگر بالفرض انہوں نے بنونضیر کے ساتھ جنگ کی تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان منافقوں کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مسلمانوں کا خوف ہے یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا علم نہیں ہے اور اس کے علم اور قدرت پر ان کا ایمان نہیں ہے' اس لیے وہ بنونضیر کو ایسی جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۳۱۔۳۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

غزوۂ بنوالمصطلق میں منافقین کا مسلمانوں سے جھگڑا کرنا

۶ھ میں غزوۂ بنوالمصطلق میں عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اور مسلمانوں سے جھگڑا کیا' اس کا کچھ بیان ہم اس سورت کے تعارف میں ذکر کر چکے ہیں اور زیادہ تفصیل ہم ان شاء اللہ المنافقون: ۷۔۸ میں ذکر کریں گے۔

عبد اللہ بن ابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم پر بُری تہمت لگانا

۶ھ میں ہی غزوۂ بنوالمصطلق سے واپسی میں عظیم سانحہ پیش آیا جب عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک جھوٹی اور بُری تہمت لگائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' سیدہ عائشہ ام المؤمنین اور دیگر مسلمانوں کو اس سے سخت اذیت پہنچی۔ ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۷ ص ۵۴۸۔۵۹۲ میں اس کے متعلق احادیث اور ان کی مفصل شرح نہایت تحقیق سے بیان کی ہے' اس کے بعد سورۂ نور: ۳۔۲۰ کی آیات بھی اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہم نے تفسیر ''تبیان القرآن'' ج ۸ ص ۶۹۔۱۱۱ میں ان آیات کی بہت شرح و بسط سے تفسیر کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور حضرت ام المؤمنین کی عفت اور طہارت اور امت مسلمہ پر حضرت ام المؤمنین کے احسانات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہاں پر بھی ہم اس مختصر حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں اس واقعہ کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میرے متعلق ایک ناگفتہ بہ بات کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا' کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو جنہوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے' بہ خدا! میں نے اپنی اہلیہ پر کبھی کوئی بُرائی نہیں دیکھی اور جس شخص کے ساتھ انہوں نے تہمت لگائی ہے بہ خدا! مجھے اس میں بھی کسی برائی کا علم نہیں ہے' وہ جب بھی میرے گھر گیا' میرے ساتھ گیا اور میں جب کبھی گھر سے باہر گیا

تو وہ میرے ساتھ باہر گیا' اس کے بعد حسب سابق واقعہ بیان کیا اور اس روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لے گئے' اور میری باندی (حضرت بریرہ) سے پوچھا' اس نے کہا: بہ خدا! مجھے ان کے متعلق اس کے سوا اور کسی عیب کا علم نہیں ہے کہ وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر ان کا آٹا کھا جاتی ہے۔ ہشام کو شک ہے کہ گچھن کہا یا خمیر۔ آپ کے بعض اصحاب (حضرت علی) نے اس کو ڈانٹا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولو حتیٰ کہ انہوں نے اس کو اس قول کی وجہ سے گرا دیا' اس نے کہا: سبحان اللہ! بہ خدا! میں تو ان کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص سونے کی سرخ ڈلی کو جانتا ہے (یعنی وہ بے عیب ہیں)' اور جب اس شخص تک یہ خبر پہنچی جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی تو اس نے کہا: بہ خدا! میں نے کبھی کسی عورت کا کپڑا نہیں کھولا' وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اور اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: جن لوگوں نے تہمت لگائی ان میں حضرت مسطح' حضرت حمنہ اور حضرت حسان بھی تھے اور رہا عبد اللہ بن ابی منافق تو وہ اس تہمت کو ہوا دیتا تھا اور وہ اور حمنہ ہی اس تہمت کو سب سے زیادہ پھیلانے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰)

منافقین کا شعار جھوٹ بولنا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے' (وہ چار خصلتیں یہ ہیں:) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب لڑے تو بدکلامی کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۴' سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۹)

حسن بصری کے سامنے جب یہ احادیث بیان کی گئیں تو انہوں نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے بات کی تو جھوٹ بولا اور وعدہ کیا اور اس کے خلاف کیا اور انہوں نے امانت میں خیانت کی' وہ منافق نہیں تھے' مرتکب کبائر تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے لیے مغفرت طلب کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ علامتیں مسلمانوں کو کبیرہ گناہوں سے ڈرانے کے لیے بیان فرمائیں ہیں تاکہ وہ منافقین کے ان اوصاف کو اپنی عادت نہ بنالیں اور ان میں منافقین کی عادات سرایت نہ کر جائیں اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس شخص سے اتفاقاً اور کبھی کبھی یہ کام سرزد ہو جائیں تو وہ منافق ہو جائے گا۔

منافقوں کا اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنانا

المنافقون: ۲ میں فرمایا: انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

عبد اللہ بن ابی نے کہا تھا: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور اس نے کہا تھا: اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا' ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے یہ کہا تھا؟ تو انہوں نے جھوٹی قسمیں کھالیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا' اس

لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا اور فرمایا: اور اللہ کے راستہ سے روکا' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے اپنے نفسوں کو روکا اور اعراض کیا اور فرمایا: بے شک یہ بہت بُرا کام کر رہے ہیں O یعنی انہوں نے ایمان لانے پر کفر کو ترجیح دی' اور ان کے دلوں میں جو مسلمانوں کے خلاف بغض تھا اس کو چھپایا۔

منافقوں کے ایمان اور ان کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

المنافقون: ۳ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے' پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منافقین تو شروع سے ایمان لائے ہی نہیں تھے' پھر اس ارشاد کی کیا توجیہ ہے کہ وہ ایمان لائے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے کفر کو چھپایا اور زبان سے ایمان لائے' پھر انہوں نے اپنے دل کے کفر کو ظاہر کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور تنہائی میں اپنے ساتھیوں کے سامنے کفر کو ظاہر کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' چونکہ منافقین دانستہ اسلام لانے سے اعراض کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے' اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے' گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں' وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں' یہی (حقیقی) دشمن ہیں' سو تم ان سے خبردار رہو' اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں O ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں' اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا' اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (المنافقون: ۴۔۶)

منافقین کو دیوار کے ساتھ لگے ہوئے شہتیر کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ

المنافقون: ۴ میں فرمایا: جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے۔

ان سے مراد عبد اللہ بن ابی' مغیث بن قیس اور جد بن قیس وغیرہ منافقین ہیں' یہ بہت دراز قد اور حسین و جمیل تھے اور جب وہ کہیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ان کی بات سنیں گے۔

پھر فرمایا: گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں۔

اور لکڑی کے شہتیر میں عقل ہوتی ہے نہ سمجھ ہوتی ہے' اسی طرح منافقین میں بھی کوئی عقل اور سمجھ نہیں ہے اور نہ کوئی بصیرت ہے اور یہ فرمایا: گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے ہیں' یعنی ان میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے درمیان رہ سکیں اور وہ کسی نہ کسی کے سہارے رہتے ہیں' ان کو جو لکڑی کے اس شہتیر سے تشبیہ دی ہے جو دیوار کے سہارے کھڑا ہو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لکڑی کے شہتیر میں کوئی منفعت ہو تو وہ یا تو ستون ہوتا ہے یا چھت میں ہوتا ہے اور دیوار کے سہارے اسی ستون کو کھڑا کیا جائے گا جو ستون بنانے کے قابل ہو نہ چھت میں لگانے کے اور بالکل بے مصرف اور بے فائدہ ہو' سو اسی طرح منافقین بھی بے مصرف اور بے فائدہ ہیں۔

(۲) جو لکڑی دیوار کے سہارے کھڑی ہو وہ اصل میں تروتازہ شاخ ہوتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہوتی ہے' بعد میں وہ سوکھ کر لکڑی ہو جاتی ہے اور بے فائدہ ہو جاتی ہے' اسی طرح منافقین بھی اصل میں اس قابل تھے کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے' بعد میں اپنے غلط کرتوتوں کی وجہ سے بے فائدہ اور بے فیض ہو گئے۔

(۳) لکڑی ایندھن بنتی ہے اور کفار اور منافقین بھی جہنم کا ایندھن ہیں۔قرآن مجید میں کفار کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ — تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء: ۹۸)

(۴) جو لکڑی یا شہتیر دیوار کے سہارے ہو' اس کی دو طرفیں ہوتی ہیں: ایک طرف زمین سے ملی ہوتی ہے اور دوسری اوپر کی جانب ہوتی ہے' اسی طرح منافقین کی بھی دو طرفیں ہیں' ایک طرف سے یہ مؤمنوں کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی دوسری طرف منافقوں سے ملی ہوتی ہے اور اس طرف سے یہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

(۵) جس شہتیر کی دیوار کے ساتھ ٹیک ہو وہ پہلے نباتات سے ہوتا ہے' پھر سوکھ کر جمادات سے ہو جاتا ہے' اسی طرح جو منافقین اصل میں بت پرست تھے وہ بھی درختوں اور پتھروں کی پرستش کرنے والے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں' آیت کے اس حصہ میں بتایا ہے کہ وہ بہت بزدل ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا' فاسق کا معنی ہے: جو اللہ کی اطاعت سے خارج ہو اور اس کے عموم میں کافر' مشرک اور منافق سب داخل ہیں۔

نیز فرمایا: اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں۔

یہ بددعا کا کلمہ ہے' اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو بددعا دے' اس فقرے کا محمل یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے متعلق یہ کہنا چاہیے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۴۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

منافقین کا طلبِ مغفرت سے انکار کرنا

المنٰفقون: ۵ میں فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔

جب قرآن مجید نے منافقین کے کرتوت بیان کیے تو مسلمانوں کے قبائل ان کے پاس گئے اور کہا: تم پر افسوس ہے تم نے نفاق کر کے اپنے آپ کو رسوا اور ہلاک کر دیا پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور نفاق پر توبہ کرو اور آپ سے سوال کرو کہ آپ ہمارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں تو انہوں نے سر ہلایا اور انکار کیا اور توبہ کرنے سے بے رغبتی کا اظہار کیا۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۲۷۶' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

المنٰفقون: ۶ میں فرمایا: ان کے حق میں برابر ہے' خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں' اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت "استغفر لهم او لا تستغفر لهم" کے بعد نازل ہوئی' اس کی مکمل تفسیر ہم التوبہ: ۸۰ میں کر چکے ہیں" تبیان القرآن" ج ۵ ص ۲۱۱۔۲۱۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں' حتیٰ

کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں' لیکن منافقین نہیں سمجھتے O وہ کہتے ہیں کہ اگر اب ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا' حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O (المنافقون: ۷۔۸)

غزوۂ بنو المصطلق چھ ہجری میں عبد اللہ بن ابی کا آپ کی اور آپ کے اصحاب کی شان میں گستاخی کرنا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے' ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی لوگ بھی تھے' ہم پانی لینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دیہاتی ہم پر سبقت کر رہے تھے' ایک اعرابی اپنے اصحاب سے پہلے وہاں پہنچ گیا' اس نے حوض کو بھر دیا اور اس کے گرد پتھر رکھ دیئے اور ان پر ایک چمڑا بچھا دیا' حتیٰ کہ اس کے اصحاب آ گئے' انصار میں سے ایک شخص اس دیہاتی کے پاس آیا' اس نے اپنی اونٹنی کو پانی پلانے کے لیے اس کی لگام ڈھیلی کی' لیکن دیہاتی نے اپنا قبضہ چھوڑنے سے انکار کیا' انصاری نے پانی کے پاس سے رکاوٹیں ہٹا دیں' اس دیہاتی نے لکڑی اٹھا کر اس انصاری کے سر پر ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا' وہ انصاری عبد اللہ بن ابی کے ساتھیوں میں سے تھا' اس نے اس کے پاس جا کر ماجرا سنایا' عبد اللہ بن ابی غضب ناک ہوا اور اس نے کہا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر اس وقت تک خرچ نہ کرو جب تک وہ ان کے پاس سے منتشر نہ ہو جائیں' یعنی وہ دیہاتی جو کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: جب یہ لوگ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے اٹھ جائیں' اس وقت ان کے پاس کھانا لانا' تاکہ وہ اور ان کے اصحاب کھانا کھائیں' پھر عبد اللہ بن ابی اپنے اصحاب سے کہنے لگا: اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو تم میں سے عزت والے ذلت والے کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' میں نے عبد اللہ بن ابی کی بات سن لی اور پھر اپنے چچا کو بتا دی' انہوں نے جا کر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کو بلوایا' اس نے قسم کھا کر یہ بات کہنے کا انکار کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور میری تکذیب کر دی' پھر میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا: میرا ارادہ یہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر ناراض ہوں اور آپ اور مسلمان تمہاری تکذیب کریں' اس سے مجھے اتنا رنج ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا رنج نہیں ہوا تھا' پس جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں جا رہا تھا تو افسوس کی وجہ سے میں اپنا سر ہلا رہا تھا' اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میرے کان کو ملا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور مجھے اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اس کے بدلہ میں دائمی دنیا سے بھی نہ ہوتی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا: آپ نے کچھ نہیں فرمایا تھا' البتہ آپ نے میرے کان کو ملا اور میرے سامنے مسکرائے' حضرت ابوبکر نے کہا: تم کو مبارک ہو' پھر مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے بھی حضرت ابوبکر کی طرح پوچھا' پھر جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المنافقون تلاوت فرمائی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۵۰۴۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۸۔۴۸۹' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۵۴۔۵۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (وہ غزوہ بنو المصطلق تھا)' ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مار دیا' مہاجر نے دیگر مہاجروں کو مدد کے لیے پکارا: اے مہاجرو! مدد کرو' اور انصاری نے انصار کو مدد کے لیے

پکارا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیخ و پکار سنی تو فرمایا: یہ زمانہ جاہلیت کی طرح کیسی چیخ و پکار ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مار دیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو! یہ بہت بُرا رویہ ہے۔ عبد اللہ بن ابی نے یہ واقعہ سنا تو اس نے کہا: کیا واقعی مہاجر نے ایسا کیا ہے؟ اب اگر ہم مدینہ پہنچے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا' تب حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں' عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی نے کہا: پھر عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ جو مخلص صحابی تھے' انہوں نے عبد اللہ بن ابی سے کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں نہیں داخل ہو سکتے' جب تک کہ تم یہ اقرار نہ کر لو کہ تم ذلت والے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۵۔ ۴۹۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۰۴۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۲۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹۰' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۵۳)

آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کا بیان

المنافقون: ۷ میں فرمایا ہے: اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔

یعنی آسمانوں سے بارش برسانا اور زمینوں سے فصلوں کو اگانا اور زمینوں میں معدنیات کو رکھنا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں اور اسی کی ملکیت میں ہے۔

مومنوں کی عزت کا معنی

المنافقون: ۸ میں فرمایا: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے ○

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عزت تکبر کے مغائر ہے اور مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلت میں رکھے' پس مومن کی عزت یہ ہے کہ اس کو اپنی حقیقت کی معرفت حاصل ہو اور وہ اپنے آپ کو دنیا کی عارضی منفعت سے بچا کر رکھے اور تواضع کرے اور جو انسان تکبر کرتا ہے وہ اپنی حقیقت سے جاہل ہوتا ہے' پس عزت صورت کے اعتبار سے تکبر کے مشابہ ہے اور حقیقت کے اعتبار سے تکبر کے خلاف ہے' جیسا کہ تواضع بہ ظاہر ذلیل ہونا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ذلت کے خلاف ہے اور تواضع محمود ہے اور ذلت مذموم ہے اور تکبر مذموم ہے اور عزت محمود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ○	پس آج تم کو ذلت والا عذاب چکھایا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور فسق کرتے تھے ○

(الاحقاف: ۲۰)

اور اس میں یہ خفیف اشارہ ہے کہ وہ عزت جس میں کبریائی اور بڑائی ہو وہ صرف اللہ کا حق ہے اور مومنوں کے لیے جو عزت ہے وہ کبریائی اور بڑائی کی آمیزش سے خالی ہے اور تواضع اور انکسار کو متضمن ہے اور کفار اور منافقین کے لیے کسی قسم کی کوئی عزت نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرو اس

سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے' پھر وہ کہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور دنوں کی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا O اور جب کسی شخص کی مقرر مدت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز مؤخر نہیں کرتا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O (المنافقون: ۹۔۱۱)

اللہ کے ذکر کی مختلف تفسیریں

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد حج اور زکوٰۃ ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کو پڑھنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دائمی طور پر ذکر کرنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام فرائض ہیں۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے یا جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ حج نہ کرے اور زکوٰۃ نہ دے تو وہ موت کے وقت مہلت کا سوال کرتا ہے' ایک شخص نے کہا: اے ابن عباس! اللہ سے ڈریے' دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا سوال تو صرف کافر کرتے ہیں' اس پر حضرت ابن عباس نے اس کے سامنے المنافقون: ۹۔۱۱ آیات کی تلاوت کی۔

اس شخص نے پوچھا: زکوٰۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: دو سو درہم پر (۲۰۰۵ء میں تقریباً آٹھ ہزار روپوں پر) اس نے پوچھا: حج کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کے پاس زادِ راہ اور سواری ہو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۱۰۰۲۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸)

المنافقون: ۱۰ میں فرمایا ہے کہ موت آنے سے پہلے ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو' اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے' اسی طرح تمام فرائض ہیں۔

حج میں تاخیر کے جواز سے حضرت ابن عباس کی تفسیر پر اعتراض اور اس کا جواب

نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں قصداً تاخیر کی تو یہ بالاتفاق گناہ ہے' لیکن حج کی ادائیگی میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جیسے ہی مسلمان زادِ راہ' سواری اور دیگر ضروری اخراجات پر قادر ہوا' اس پر اسی سال حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر اس سال اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو گناہ گار ہوگا۔ اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور ضروری نہیں کہ جس سال وہ حج کے اخراجات پر قادر ہوا اسی سال اس کو موت آ جائے' اس لیے اگر اس نے حج میں تاخیر کی اور اس سال حج نہیں کیا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۷۔۳۲۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام محمد اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کو مطلقاً فرض کیا ہے اور یہ قید نہیں لگائی کہ فرضیت کے پہلے سال ہی حج کیا جائے' مکہ ۸ھ میں فتح ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج کیا ہے' اگر حج فوراً واجب ہوتا تو آپ اسی سال حج کر لیتے نیز اگر اسی سال حج فرض ہو تو جو شخص ایک سال بعد حج کرے تو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے حج کو قضا کیا ہے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اس نے حج کو ادا کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ہرچند کہ حج مطلقاً فرض ہے اور فوراً حج کرنے کی قید نہیں ہے لیکن احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ فوراً حج کر لیا جائے کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۲۔۳۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: جس نے حج نہیں کیا اور اس کو موت آ گئی تو وہ المنافقون: ۹-۱۱ کا مصداق ہوگا حالانکہ بعض ائمہ کے نزدیک حج میں تاخیر کرنا جائز ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسائل وعید میں داخل نہیں ہیں۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۲۵۹ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

سورۃ المنافقون کا اختتام

الحمد للہ علی احسانہ! آج ۱۷ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جنوری ۲۰۰۵ء بعد نماز جمعہ سورۃ المنافقون کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۲۶ جنوری کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

الہ العلمین! باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری' میرے والدین' میرے اساتذہ اور قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد
سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ التّغابن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام التغابن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی حسب ذیل آیت میں ''التغابن'' کا لفظ ہے:

یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ. جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے۔ (التغابن: ۹)

اس سورت کا نام التغابن اس لیے ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن کی یاد دلائی جائے۔ غبن کا معنی ہے: خرید وفروخت میں نقصان پہنچانا' کفار نے اپنے نفسوں کو شیطان اور نفس امارہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس بیع میں ان کو جو نقصان ہوا اس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا' اس لیے قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' فرمایا اور ایک طرح سے یہ مؤمنوں کے لیے بھی نقصان کا دن ہوگا کیونکہ اگر وہ ایمان لانے کے بعد گناہ کبیرہ نہ کرتے تو ان کو عتاب یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور مؤمنین کاملین اگر زیادہ نیکیاں کرتے تو ان کو زیادہ اجر وثواب ملتا اور زیادہ اونچے درجات ملتے اور مکمل خسارے اور نقصان کا دن یہ صرف کفار کے لیے ہوگا۔

سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن میں مناسبت

اس سے پہلی سورت میں منافقین کے اوصاف ذکر فرمائے تھے اور ان کے اوصاف سے اجتناب کی ہدایت دی تھی اور اس سورت میں کفار کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور ان کے اوصاف سے اجتناب کی ہدایت دی ہے اور بتایا ہے کہ کفار کے لیے دوزخ ہے اور مسلمانوں کے لیے جنت ہے۔

سورۃ المنافقون میں مسلمانوں سے فرمایا تھا:

لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ ۚ. تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں۔ (المنافقون: ۹)

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ؕ. (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں۔

سورۃ المنافقون میں فرمایا تھا:

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ. (المنافقون: ۱۰) اور ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡهُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ اگر تم اللہ کو قرض حسن دو گے تو وہ اس (کے اجر) کو تمہارے

لیے دگنا چوگنا کر دے گا اور تمہاری مغفرت کر دے گا۔ (التغابن: ۱۷)

مسبحات اور آخری چھ سورتوں میں ارتباط

سورۃ الحشر (۵۹)' سورۃ الصف (۶۱)' سورۃ الجمعہ (۶۲) اور سورۃ التغابن (۶۴)' ان چار سورتوں کو المسبحات کہا جاتا ہے کیونکہ ان سورتوں کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے سے شروع کیا گیا ہے۔ سورۃ الحشر: ۱ میں ہے: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" "سورۃ الصف: ۱ میں ہے: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" "سورۃ الجمعہ: ۱ میں ہے: "يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" "سورۃ التغابن: ۱ میں ہے: "يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ"۔ پہلی دو سورتوں میں ماضی کے صیغہ کے ساتھ تسبیح کا ذکر ہے کہ آسمانوں کی تمام چیزوں نے اللہ کی تسبیح کی اور بعد کی دو سورتوں میں مضارع کے صیغے کے ساتھ تسبیح کرنے کا ذکر ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور ماضی کا زمانہ حال کے زمانہ پر مقدم ہوتا ہے اس لیے پہلی دو سورتوں میں ماضی کی تسبیح کا ذکر ہے اور بعد کی دو سورتوں میں حال کی تسبیح کا ذکر ہے۔

پھر ان آخری چھ سورتوں میں بھی خاص ربط ہے' ان میں مختلف امتوں کا ذکر ہے' سورۃ الحشر میں ان اہل کتاب یہودیوں (بنو نضیر) کا ذکر ہے جن سے معاہدہ کیا گیا تھا' انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی' اس کی سزا میں ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا' سورۃ الممتحنہ میں ان کفار کا ذکر ہے جن سے حدیبیہ میں معاہدہ کیا گیا تھا اور چونکہ معاہدہ میں خواتین کے مدینہ آنے کی ممانعت نہیں تھی' اس لیے مدینہ ہجرت کر کے آنے والی خواتین کا امتحان لینے کا حکم دیا گیا' سورۃ الصف میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور مؤمنین کا ذکر ہے' سورۃ الجمعہ میں یہودیوں اور مسلمانوں کا ذکر ہے' سورۃ المنافقون میں منافقین کا ذکر ہے اور سورۃ التغابن میں مشرکوں اور دیگر کافروں کا ذکر ہے۔

جمہور کے قول کے مطابق سورۃ التغابن مدنی سورت ہے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۷ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۴ ہے۔ یہ سورۃ الجمعہ کے بعد اور سورۃ الصف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ التغابن کے مشمولات

- ☆ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ عبادت کا حقیقی مستحق صرف اللہ عزوجل ہے' اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور وہی سب کو نعمتیں عطا فرمانے والا ہے' لہٰذا وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔
- ☆ پچھلی امتوں میں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور قیامت کا انکار کیا ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔
- ☆ کفار کے مظالم پر مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے اور اللہ پر توکل کرنے کی تاکید کی ہے۔
- ☆ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ان کے جو رشتہ دار مشرک ہیں ان سے خبردار رہیں' کہیں وہ ان کو شرک میں مبتلا نہ کر دیں۔
- ☆ مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو بہت اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سورۃ التغابن کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھ کو اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم اور غلط اور باطل سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۸ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/۲۹ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰_۲۰۲۱۷۴۴/۰۳۲۱

سورۃ التغابن مدنیۃ — آیاتہا ۱۸ — رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التغابن مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ

آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور

ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ

وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے پس بعض تم میں سے مومن ہیں اور بعض تم

مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ

میں سے کافر ہیں' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو

بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ یَعۡلَمُ مَا فِی

حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے O وہ جانتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ

آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور اللہ سینوں میں چھپی ہوئی

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا

باتوں کو (بھی) خوب جاننے والا ہے O کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تھا انہوں نے اپنے

وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ

کرتوتوں کی سزا (دنیا میں) چکھ لی اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول

رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَی

واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر اور اللہ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی

اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ

اور اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا O کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا نہیں جائے گا آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے

بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷

رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر

خَبِيْرٌ ۝۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ

رکھنے والا ہے O جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے اور جو لوگ

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ وَالَّذِيْنَ

جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ

کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ

الْمَصِيْرُ ۝۱۰

کیسا بُرا ٹھکانا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور ہر چیز پر قادر ہے O وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے' پس بعض تم میں سے مومن ہیں اور بعض تم میں سے کافر ہیں' اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے O وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو (بھی) خوب جاننے والا ہے O

(التغابن: ۱-۴)

آسمانوں اور زمینوں کا زبان قال سے تسبیح کرنا

ہمارے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز زبان حال سے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور ہمارے نزدیک ہر چیز زبان حال سے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زبان قال سے بھی اللہ

تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کامل اور مقبول بندے اس تسبیح کو سنتے بھی ہیں' اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے بنی اسرائیل: ۴۴ کی تفسیر میں ذکر کی ہے' دیکھئے"تبیان القرآن" ج ۶ ص ۷۲۳۔۷۲۶۔

تقدیر پر ایک مشہور اشکال کا جواب

التغابن: ۲ میں فرمایا: پس بعض تم میں سے مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن شام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہر اس چیز کا ذکر کیا جو ہونے والی ہے اور بتایا کہ لوگ مختلف طبقات میں پیدا ہوں گے' ایک شخص مؤمن پیدا ہوگا اور بہ طور مؤمن زندگی گزارے گا اور بہ طور مؤمن مرے گا اور ایک شخص کافر پیدا ہوگا اور بہ طور کافر زندگی گزارے گا اور بہ طور کافر مرے گا اور ایک شخص مؤمن پیدا ہوگا اور بہ طور مؤمن زندگی گزارے گا اور بہ طور کافر مرے گا اور ایک شخص کافر پیدا ہوگا اور بہ طور کافر زندگی گزارے گا اور بہ طور مؤمن مرے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۳۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں کافر پیدا کیا اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو ان کی ماں کے پیٹ میں مؤمن پیدا کیا۔

(الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۳۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور آپ سب سے بڑے سچے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو چالیس دن اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کرتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے' پھر اس کی طرف اللہ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے' اس کو چار باتیں لکھنے کی اجازت دی جاتی ہے' پس وہ اس کا رزق لکھتا ہے' اس کی مدت حیات لکھتا ہے' اس کا عمل لکھتا ہے اور یہ کہ وہ شقی ہوگا یا سعید (دوزخی ہوگا یا جنتی)' پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے' پس بے شک تم میں سے کوئی ایک اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کرتا ہے اور وہ اہل دوزخ کا عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک تم میں سے کوئی ایک اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶)

ہم نے مسئلہ تقدیر پر مفصل بحث "شرح صحیح مسلم" ج ۷ ص ۲۶۸۔۳۰۷ میں کی ہے اور الصّٰفّٰت: ۹۶ "تبیان القرآن" ج ۹ ص ۹۰۶۔۹۰۷ میں بھی اس پر گفتگو کی ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اخیر عمر تک یا عمر کے آخر میں نیک کام کرنے یا برے کام کرنے کا اختیار دیا ہے اور جو کچھ اس نے اپنے اختیار سے کرنا تھا' اسی کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا اور اسی کے موافق لوح محفوظ میں اور ماں کے پیٹ میں فرشتہ نے لکھا ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب پہلے سے ہی لکھ دیا ہے تو بندہ کے گناہ کرنے میں اس کا کیا قصور ہے۔

انسان کی صورت سب سے حسین ہے

التغابن: ۳ میں فرمایا: اور تمہاری صورتیں بنائیں تو حسین صورتیں بنائیں۔

مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث

۲۸۷۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳) خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی حسین صورت ہے اور ان کی اولاد بھی ان کی صورت پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین صورت پر پیدا کیا ۝ (التین: ۴)

سب حیوان سر جھکا کر چلتے ہیں اور انسان سر اٹھا کر چلتا ہے' سب حیوان اپنا منہ کھانے تک لے جاتے ہیں اور انسان کھانا اپنے منہ تک لے جاتا ہے۔ یہ عزت اور سرفرازی صرف انسان کو حاصل ہے' سب حیوانوں کی کمر جھکی ہوئی ہے اور انسان کی کمر سیدھی ہے۔

کافروں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

التغابن: ۴ میں فرمایا: وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کافر کفر کریں گے پھر ان کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ضرور حکمت ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کو اس حکمت کا علم بھی ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۵۲۔۵۵۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور غضب کا ظہور ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے: میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

(اللآلی المنثورۃ للزرکشی رقم الحدیث: ۱۱۳' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔

(الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۹۶)

سو مومنوں کے پیدا کرنے سے اس کی صفت رحمت کا ظہور ہوا اور کافروں کو پیدا کرنے سے اس کی صفت غضب کا ظہور ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تھا' انہوں نے اپنے کرتوتوں کی سزا (دنیا میں) چکھ لی اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیرا' اور اللہ نے ان کی کوئی پروا نہیں کی اور اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝ کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا' آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا' پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے ۝ (التغابن: ۵۔۷)

اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں سابقہ امتوں کے اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کے مسلسل کفر اور عناد کی وجہ سے دنیا میں دیا گیا تھا اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کے لیے آخرت میں تیار کیا گیا ہے۔

58

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے کی تحقیق

التغابن: ۶ میں فرمایا: تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! پس انہوں نے کفر کیا۔
ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھا اور پتھر کے بتوں کو الوہیت کے منافی نہیں سمجھا' انہوں نے رسولوں کی رسالت کا انکار کیا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منہ پھیرا اور لاپرواہی برتی۔
انہوں نے رسولوں کی تحقیر کرتے ہوئے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! اور یہ نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے رسالت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔
رسولوں کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:
اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے' قال تعالیٰ:
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ○ آپ کہیے: میرا رب ہر عیب سے پاک ہے' میں صرف بشر رسول ہوں ○ (بنی اسرائیل: ۹۳)
(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۶۷' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)
لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر کہنا صحیح نہیں ہے آپ کو افضل البشر یا سید البشر کہنا چاہیے۔
شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ نے لکھا ہے:
یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو وہی کرو سو اس میں بھی اختصار کرو۔
(تقویۃ الایمان ص ۴۲' مطبع علیمی' لاہور)
جب کسی شخص کی صفات ذکر کی جائیں تو ان صفات کا ذکر کرنا چاہیے جن صفات میں وہ دوسروں سے ممتاز ہو' اسی وجہ سے جب صحابہ نے کہا: کیا ہم آپ کے (دینی) بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے (یعنی بعد کے لوگ)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹)
آپ نے صحابہ کو بھائی کہنا پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس صفت میں بعد کے لوگ بھی مشترک ہیں اور ان کو اصحاب فرمایا' کیونکہ یہی ان کا امتیازی وصف ہے تو آپ کو صرف بشر کہنا کس طرح درست ہوگا جس وصف میں نہ صرف عام مسلمان بلکہ کفار بھی مشترک ہیں۔
اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھو تو سب سے حسین صلوٰۃ پڑھو' کیونکہ تم کو معلوم نہیں یہ صلوٰۃ آپ پر پیش کی جاتی ہے' لوگوں نے کہا: آپ ہمیں سکھائیں' ہم کیسے صلوٰۃ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: "اللهم اجعل صلاتك ورحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه به الاولون والاخرون. الحديث"۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۶)
التغابن: ۷ میں فرمایا: کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا' آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو ضرور بہ ضرور تمہارے کرتوتوں کی خبر دی جائے گی۔
اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کافر تو قیامت اور حشر و نشر کو مانتے ہی نہیں تھے' ان پر یہ آیت کیسے حجت ہوگی کہ ان کو اٹھایا جائے گا اور ان کو ان کے اعمال کی ضرور خبر دی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو یہ علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو

مانتے ہیں اور جب آپ اللہ کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ان کو ضرور اٹھایا جائے گا اور ان کو ضرور ان کے اعمال کی خبر دے دی جائے گی تو ضرور یہ پکی خبر ہے ورنہ آپ قسم کھا کر یہ بات نہ کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O

(التغابن: ۸۔۱۰)

قرآن مجید کو نور فرمانے کی وجہ

التغابن: ۵۔۶ میں بتایا تھا کہ جو قومیں اپنے رسولوں پر ایمان نہیں لائیں ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا' پس اب اہل مکہ سے فرمایا: تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تا کہ تم پر وہ عذاب نازل نہ ہو جو پچھلی امتوں پر نازل ہو چکا ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے' اس نور سے مراد قرآن مجید ہے' کیونکہ جس طرح حسی نور اندھیرے میں ہدایت دیتا ہے' اسی طرح قرآن مجید شکوک اور شبہات کے اندھیروں اور کفر اور گم راہی کی ظلمتوں میں ہدایت دیتا ہے اور فرمایا: اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے تم خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

قیامت کے دن کو یوم التغابن فرمانے کی وجہ

التغابن: ۹ میں فرمایا: جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا۔

قیامت کے دن کو "یوم الجمع" فرمایا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو' انسانوں اور جنات کو' آسمان والوں کو اور زمین والوں کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس دن بندے کو اس کے اعمال کے ساتھ جمع فرمائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس دن مؤمنوں کو اور کافروں کو جمع فرمائے گا۔

قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے "یوم التغابن" فرمایا' غبن کا معنی ہے: کسی کو نقصان پہنچانا' جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز معروف نرخ سے زیادہ مہنگے داموں پر فروخت کر دے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کے ساتھ غبن کیا ہے' یعنی اس کو نقصان پہنچایا ہے' قیامت کے دن کافروں کو پتا چلے گا کہ دنیا میں انہوں نے اپنی جانوں کو کفر اور سرکشی کی جس قیمت پر فروخت کیا تھا یہ گھاٹے کا سودا تھا اور اس تجارت میں انہوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ غبن کیا تھا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ O (البقرہ: ۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے عوض گم راہی خرید لی پس ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ پہنچایا O

اس طرح جن مسلمانوں نے اپنی جانوں کو نفسانی خواہشوں اور گناہوں کے عوض فروخت کر دیا ان کو بھی قیامت کے دن پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ غبن کیا ہے۔

اسی طرح جن مسلمانوں نے کم عبادت کی یا کم شکر ادا کیا اور اپنی جانوں کو آرام طلبی اور سستی کے عوض فروخت کر دیا ان کو بھی قیامت کے دن پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ غبن کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا۔

یعنی جو لوگ رسولوں کے پیغام کے مطابق قیامت اور حشر و نشر پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل فرما دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

التغابن: ۱۰ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی' وہی دوزخی ہیں' اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مؤمنوں کے انعام کے بعد کفار کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز غبن فاحش کے ساتھ فروخت کر دے یعنی معمول اور مروج قیمت سے بہت زیادہ قیمت لے اور خریدار قاضی کے پاس گواہوں سے غبن فاحش ثابت کر دے اور قاضی بیع فسخ کر دے تو اس کی قضا نافذ ہو جائے گی۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۶۹' سہیل اکیڈمی' لاہور)

غبن فاحش کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

کوئی چیز غبن فاحش کے ساتھ خریدی ہے' اس کی دو صورتیں ہیں: دھوکہ دے کر نقصان پہنچایا ہے کہ نہیں؟ اگر غبن فاحش کے ساتھ دھوکا بھی ہے تو واپس کر سکتا ہے ورنہ نہیں' غبن فاحش کا یہ مطلب ہے کہ اتنا ٹوٹا (نقصان) ہے جو مقومین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ سے باہر ہو مثلاً ایک چیز دس روپے میں خریدی' کوئی اس کی قیمت پانچ بتاتا ہے' کوئی چھ' کوئی سات تو یہ غبن فاحش ہے اور اگر اس کی قیمت کوئی آٹھ بتاتا ہے' کوئی نو' کوئی دس تو غبن یسیر ہوتا۔ دھوکے کی تین صورتیں ہیں: کبھی بائع مشتری کو دھوکا دیتا ہے' پانچ کی چیز دس میں بیچ دیتا ہے اور کبھی مشتری بائع کو دھوکا دیتا ہے کہ دس کی چیز پانچ میں خرید لیتا ہے' کبھی دلال دھوکا دیتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں جس کو غبن فاحش کے ساتھ نقصان پہنچا ہے واپس کر سکتا ہے اور اگر کبھی اجنبی شخص نے دھوکا دیا ہو تو واپس نہیں کر سکتا۔ (بہار شریعت حصہ ۱۱ ص ۵۸-۵۹' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ

جس شخص کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے اذن سے پہنچتی ہے' اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے اللہ اس کے

قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

دل کو ہدایت دے گا' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو'

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

پس اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف (احکام کو) وضاحت سے پہنچا دینا ہے O اللہ (ہی) ہے' اس

اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! بے شک

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو' اور اگر

تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O تمہارے اموال اور

وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے O پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (احکام)

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ

سنو اور اطاعت کرو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے نفسوں کے بخل سے بچا لیے گئے تو وہی لوگ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ

اخروی کامیابی پانے والے ہیں O اور اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا اور تم کو بخش دے گا

يَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع ۲ / ۱۶

اور اللہ نہایت قدر دان بہت علم والا ہے O وہ ہر غیب اور شہادت (باطن اور ظاہر) کو جاننے والا بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس شخص کو بھی مصیبت پہنچی ہے وہ اللہ کے اذن سے پہنچی ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف (احکام کو) وضاحت سے پہنچا دینا ہے O اللہ (ہی) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اللہ پر ہی مومنوں کو توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التغابن: ۱۱-۱۴)

مصائب پر صبر کرنے کی تلقین اور ترغیب

اس آیت میں اللہ کے اذن سے مراد ہے: اس کے ارادہ اور اس کے فیصلہ سے یا اللہ کے امر سے یا اس کے علم سے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار نے کہا: اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ ان کو دنیاوی مصائب سے محفوظ رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: مسلمانوں کو ان کی جان ان کی اولاد اور ان کے اموال میں جو بھی مصیبت پہنچی ہے تو وہ اللہ کے فیصلہ سے پہنچی ہے اور جو مسلمان اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں کو صبر کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور وہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ" (البقرہ: ۱۵۶) اور اللہ ان کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ یہ یقین رکھیں کہ جو مصیبت ان پر آئی ہے وہ ان سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے وہ بچ گئے وہ ان پر آ نہیں سکتی تھی۔

التغابن: ۱۲ میں فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

یعنی مصائب کا مردانہ وار سامنا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مشغول رہو اور قرآن و سنت کے

موافق عمل کرتے رہو اور اگر تم نے اطاعت سے انحراف کیا تو جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تم سے جبراً اطاعت کرانا نہیں ہے' ان کے ذمہ تو صرف وضاحت کے ساتھ احکام کو پہنچا دینا ہے۔

التغابن: ۱۳ میں فرمایا: اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے۔

کیونکہ مؤمنوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ حقیقت میں قادر صرف اللہ ہے' اس لیے ہر معاملہ میں صرف اللہ پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور اسی سے طاقت حاصل کرنی چاہیے۔

اہل وعیال اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکیں یا اس کی نافرمانی کے لیے کہیں تو ان کی بات پر عمل نہ کیا جائے

التغابن: ۱۴ میں فرمایا: اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو۔ اس آیت کے شانِ نزول میں حسب ذیل اقوال ہیں:

یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کی بیوی اور اولاد تھی اور جب وہ جہاد کے لیے جانے لگتے تو وہ رونے لگتے اور کہتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں کچھ مسلمان ہوئے پھر انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے ان کو ہجرت کرنے سے منع کیا اور روکا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۹۰)

قتادہ نے کہا: تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں بعض وہ ہیں جو تمہیں نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے۔

مجاہد نے کہا: ان میں سے وہ ہیں جو تمہیں رشتے منقطع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتے ہیں (کہ گھر کی ضروریات اور ہماری فرمائشوں کو پورا کرنے کے لیے رشوت لو اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرو)۔

ابن زید نے کہا: تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دین میں مخالف ہیں یعنی اہل کتاب سے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۳۳' تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۶۹)

اس کے بعد فرمایا: اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب کسی مسلمان کو اس کے اہل وعیال ہجرت کرنے سے یا جہاد پر جانے سے روکتے اور وہ ان کی بات نہ مان کر ہجرت کر لیتا اور جہاد پر چلا جاتا تو واپس آ کر وہ اپنے اہل وعیال کو سزا دیتا اور ان پر خرچ نہ کرتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے O پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (احکام) سنو اور اطاعت کرو' اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے نفسوں کے بخل سے بچا لیے گئے' تو وہی لوگ اخروی کامیابی پانے والے ہیں O اور اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ نہایت قدر دان بہت حلم والا ہے O وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کو جاننے والا' بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O (التغابن: ۱۵۔۱۸)

اہل وعیال کا آزمائش ہونا اور اجر عظیم کی تفسیر

التغابن: ۱۵ میں فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے' اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے' وہ دو سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا

رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا' پھر کہا: اللہ عزوجل نے سچ فرمایا ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہے' میں نے ان بچوں کی طرف دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات منقطع کی اور ان کو اٹھایا' اس کے بعد آپ نے خطبہ شروع کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۷۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۰۳۹' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۴)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے' اجر عظیم کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا: اے جنت والو! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں' اللہ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے' تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہوگی؟ اللہ سبحانہٗ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کر دیتا ہوں' اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۴۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے لیکن یہ نعمت جنت ملنے کے بعد حاصل ہوگی اس لیے مسلمان جنت کی طلب کریں اور جنت میں اللہ کی رضا کو طلب کریں۔

بہ قدر طاقت اللہ سے ڈرنے کا حکم

التغابن: ۱۶ میں فرمایا: پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

یعنی مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق تقویٰ کے حصول کی کوشش کرے۔ قتادہ نے کہا: اس آیت نے درج ذیل آیت کو منسوخ کر دیا:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (آل عمران:۱۰۲) اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس آیت کا بھی یہی محمل ہے کہ تم جس قدر تقویٰ کر سکتے ہو اس قدر تقویٰ کرو اور وہی تمہارے اعتبار سے تقویٰ کرنے کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور تم اللہ کے احکام پر عمل کرتے رہو اور اس کی راہ میں اپنے اموال کو خرچ کرتے رہو۔

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے تو وہی لوگ اخروی کامیابی پانے والے ہیں۔

اس آیت میں "الشح" کا لفظ ہے' اس کا معنی بخل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ظلم ہے' اس کی مکمل تفسیر الحشر:۹ میں گزر چکی ہے۔

اللہ کو قرض حسن دینے کا معنی

التغابن: ۱۷ میں فرمایا: اور اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا۔

یعنی اگر تم اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت میں اپنے اموال کو خرچ کرو تو وہ تم کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ تم کو سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا۔ (البقرہ:۲۶۱) اور قرض حسن کی تفسیر یہ ہے کہ حلال مال سے صدقہ کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ خوش دلی سے صدقہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کو قرض دو یہ اس کا انتہائی لطف و کرم ہے کیونکہ بندہ جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کرے گا وہ اسی کا

دیا ہوا مال تو ہے' بندہ کا ذاتی مال تو نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں اسناد مجازِ عقلی ہے' حقیقت میں تو مال ضرورت مندوں کو دیا جائے گا اور اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ کو قرض دو' جس طرح کہا جاتا ہے: غوثِ اعظم نے بیٹا دیا حالانکہ حقیقت میں اللہ نے بیٹا دیا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نہایت قدر دان بہت حلم والا ہے۔

اس آیت میں ''شکور'' کا لفظ ہے' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اس مال کا شکر ادا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ شکور ہے' یعنی شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا ہے اور وہ بہت حلیم ہے' یعنی تمہاری کوتاہیوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا اور تم کو مہلت دیتا رہتا ہے۔

التغابن: ۱۸ میں فرمایا: وہ ہر غیب اور شہادت (باطن و ظاہر) کو جاننے والا' بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی مفصل تفسیر الحشر: ۲۲ تا ۲۴ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

سورۃ التغابن کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ! آج ۲۰ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز پیر بعد نمازِ ظہر سورۃ التغابن کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۹ جنوری کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔

سورۃ التغابن کی تفسیر کی تکمیل کے ساتھ ہی تفسیر ''تبیان القرآن'' کی گیارھویں جلد بھی مکمل ہو گئی۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس جلد کی ابتداء کی تھی اور ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء کو یہ جلد مکمل ہو گئی اس طرح اس جلد کی تکمیل میں دس ماہ اور سات دن لگے' اس جلد میں ۱۹ سورتوں اور پونے تین پاروں کی تفسیر آ گئی ہے اور اب سوا دو پاروں کی تفسیر باقی رہ گئی ہے' جو ان شاء اللہ بارھویں جلد میں مکمل ہو جائے گی' بارھویں جلد کے اخیر میں' میں ان شاء اللہ اپنے لکھنے کے طریقہ کار کے متعلق مفصل مقدمہ بھی لکھوں گا۔

میں اس سال کولیسٹرول بڑھتے رہنے کی وجہ سے کافی پریشان تھا اور اس وجہ سے کام کافی متاثر ہو رہا تھا' بعض مہینوں میں صرف ۵۶ صفحات' بعض میں ۶۱ صفحات لکھ سکا اور زیادہ سے زیادہ ۸۴ صفحات لکھ سکا' اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عارف صاحب کو سعادتِ دارین عطا فرمائے' انہوں نے مجھے کولیسٹرول کنٹرول کرنے کے لیے (ZOCOR) دوا لکھ کر دی اور اعصابی کمزوری کے لیے (COBOLMIN) لکھ کر دی' جس کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور جنوری کے مہینہ میں' میں نے ۱۴۴ صفحات لکھے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے اور اپنی دی ہوئی توفیق سے ''تفسیر تبیان القرآن'' کی گیارہ جلدیں مکمل کرا دیں' بارھویں جلد کی بھی تکمیل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے وجۂ استقامت اور مخالفین کے لیے سبب ہدایت بنا دیں اور تا قیام قیامت ''شرح صحیح مسلم'' اور ''تبیان القرآن'' کو باقی اور فیض آفریں رکھیں اور مجھے اور میرے قارئین' محبین اور معاونین اور ناشرین کو صحت' سلامتی اور توانائی کے ساتھ ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں اور ہم کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور فلاح اور فوزِ دارین عطا فرمائیں' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کی محض اپنے فضل سے مغفرت فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔ آمین! یا رب العٰلمین۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد قائد المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ الطاھرین واصحابہ الراشدین وازواجہ امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ١۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۳

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۳ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام سلیمان بن داؤد الجارود' المتوفی ۲۰۴ھ' مسند ابوداؤد الطیالسی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ

۱۴- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ

۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۶- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۷- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۹- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۱- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ 'کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۴ھ
۲۲- امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی '۱۴۰۷ھ' دار المعرفۃ بیروت '۱۴۲۰ھ
۲۳- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'صحیح بخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت
۲۴- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'خلق افعال العباد' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت '۱۴۱۱ھ
۲۵- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۱۴ھ
۲۶- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ 'صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۷ھ
۲۷- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ' دار الجیل بیروت '۱۴۱۸ھ
۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۴ھ
۲۹- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'سنن ترمذی' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۴ھ' دار الجیل بیروت '۱۹۹۸ء
۳۱- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ '۱۴۱۵ھ
۳۲- امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ 'سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان' دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۷ھ
۳۳- امام ابن ابی عاصم متوفی ۲۸۷ھ 'الاحاد والمثانی' مطبوعہ دار الرایہ ریاض '۱۴۱۱ھ
۳۴- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ 'البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ موسسۃ القرآن بیروت
۳۵- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۱۲ھ
۳۶- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت '۱۴۰۸ھ
۳۷- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۱ھ
۳۸- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی متوفی ۳۰۷ھ 'مسند الصحابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۷ھ
۳۹- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ 'مسند ابو یعلیٰ موصلی' مطبوعہ دار المامون التراث بیروت '۱۴۰۴ھ
۴۰- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری متوفی ۳۰۷ھ 'المنتقیٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۷ھ
۴۱- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ 'صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت '۱۳۹۵ھ
۴۲- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی متوفی ۳۱۲ھ 'مسند عمر بن عبدالعزیز'
۴۳- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ 'مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ
۴۴- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ 'نوادر الاصول' مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ '۱۴۰۸ھ
۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح مشکل الآثار' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت '۱۴۱۵ھ
۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض '۱۴۲۰ھ
۴۷- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور '۱۴۰۴ھ
۴۸- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ 'کتاب الضعفاء الکبیر' دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ
۴۹- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی متوفی ۳۲۷ھ 'مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر '۱۴۱۱ھ

۵۰- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
۵۱- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعہ' مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۷- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۸- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۵۹- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۶۰- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۱- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۳- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ' الجامع لشعب الایمان' مطبوعہ مکتبۃ الرشد ریاض' ۱۴۲۳ھ
۷۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۳- امام عبدالوہاب بن محمد ابن مندہ' متوفی ۴۷۵ھ' الفوائد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

۷۴- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۷۵- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' المتوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۷۶- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۷۷- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۷۸- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۷۹- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۸۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ

۸۱- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۲- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرۃ' مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ

۸۳- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی' متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دارخضر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۸۴- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دارارقم بیروت

۸۵- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۸۶- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۸۷- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۸۸- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ

۸۹- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۹۰- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۱- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۹۲- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۹۳- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۴- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۹۵- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۹۶- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۸- امام عبدالرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدرر المنتثرہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۰۷- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۸- علامہ احمد عبدالرحمن البناء، متوفی ۱۳۷۸ھ، الفتح الربانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۱۰- ابوالحجاج مجاہد بن جبیر القرشی المخزومی، متوفی ۱۰۴ھ، تفسیر مجاہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۱۱- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۱۲- امام مقاتل بن سلیمان، متوفی ۱۵۰ھ، تفسیر مقاتل بن سلیمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۱۳- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ
۱۱۴- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۱۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۱۶- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ
۱۱۷- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت
۱۱۸- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۱۹- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۲۰- امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی ۳۳۳ھ، تاویلات اہل السنۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۲۱- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

١٢٢- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ٣٧٥ ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ١٤١٣ ھ

١٢٣- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ٣٨٥ ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

١٢٤- امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی، متوفی ٤٢٧ ھ، تفسیر الثعلبی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤٢٢ ھ

١٢٥- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ٤٣٧ ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ١٤١٢ ھ

١٢٦- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ٤٥٠ ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

١٢٧- علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ٤٦٥ ھ، تفسیر القشیری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٠ ھ

١٢٨- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ٤٦٨ ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٥ ھ

١٢٩- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ٤٦٨ ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

١٣٠- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ٤٨٩ ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ١٤١٨ ھ

١٣١- علامہ عماد الدین طبری الکیا الہراسی، متوفی ٥٠٤ ھ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢٢ ھ

١٣٢- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ٥١٦ ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٤ ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤٢٠ ھ

١٣٣- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ٥٣٨ ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٧ ھ

١٣٤- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف با بن العربی، مالکی، متوفی ٥٤٣ ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

١٣٥- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ٥٤٦ ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

١٣٦- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ٥٤٨ ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ١٤٠٦ ھ

١٣٧- علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ٥٩٧ ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

١٣٨- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار و عدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

١٣٩- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ٦٠٦ ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ ھ

١٤٠- شیخ ابو محمد روز بہان بن ابو النصر البقلی شیرازی متوفی ٦٠٦ ھ، عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع منشی نو لکشور لکھنؤ

١٤١- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ٦٣٨ ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ١٩٧٨ء

١٤٢- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ٦٦٨ ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ ھ

١٤٣- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ٦٨٥ ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

١٤٤- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ٧١٠ ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

١٤٥- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ٧٤١ ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

١٤٦- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ٧٢٨ ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٦ ھ

١٤٧- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ٧٢٨ ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٠٩ ھ

١٤٨- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ٧٥١ ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

١٤٩- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ٧٥٤ ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٢ ھ

۱۵۰- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۵۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ
۱۵۲- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۵۳- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۵۴- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی' متوفی ۸۸۰ھ' حاشیۃ ابن التمجید علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۵۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی' ایران' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیو بند' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۶۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۶۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۳- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۶۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۵- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی' متوفی ۱۱۹۵ھ' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۶۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ
۱۶۷- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' مصر' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۹- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۷۰- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۷۱- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۷۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۷۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۷۴- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۷۵- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۷۶- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۷۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور
۱۷۹- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۸۰- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۸۱- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
۱۸۲- مفتی محمد شفیع دیوبندی' متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۸۳- سید ابو الاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۸۴- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۸۵- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۸۶- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۷- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ
۱۸۸- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۹- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۹۰- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۹۱- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۹۲- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۹۳- سعید حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۹۴- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' البرہان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۵- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۹۶- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۹۷- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ

۱۹۸- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ

۱۹۹- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۰- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ المنتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۲ھ

۲۰۱- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۰۲- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القبس فی شرح موطا ابن انس دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بفوائد مسلم مطبوعہ دارالوفا بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۴- علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ کشف المشکل علی صحیح البخاری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ

۲۰۵- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۲۰۶- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن التوربشتی متوفی ۶۶۱ھ کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۲۲ھ

۲۰۷- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ المفہم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۰۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۲۰۹- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ شرح الطیبی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۴۱۳ھ

۲۱۰- علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ فتح الباری دار ابن الجوزی ریاض ۱۴۱۷ھ

۲۱۱- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۱۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ

۲۱۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار دار ابن کثیر بیروت

۲۱۴- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

۲۱۵- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ

۲۱۶- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمال المعلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۱۷- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التوشیح علی الجامع الصحیح مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۲۱۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ
۲۲۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر الحوالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۲۱- علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ
۲۲۲- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشمائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۲۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۲۲۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الاسرار المرفوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۹- شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۲۳۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
۲۳۱- شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنہ ملتان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۵۷ھ
۲۳۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۳۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ التعلیق الصبیح مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۳۵- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی اوجز المسالک الی موطا مالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۳۶- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ التاریخ الکبیر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۲۳۸- امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۳۹- علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناہیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
۲۴۰- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۴۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۴۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۴- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۴۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۴۸- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۴۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۵۰- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۵۱- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعۃ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۵۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۵۳- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۵۴- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۵۵- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۵۶- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۸- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۰- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۶۱- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۲۶۲- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۶۳- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۶۴- لوئیس معلوف الیسوعی' متوفی ۱۸۶۷ء' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۶۵- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۶۶- ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۶۷- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۶۸- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۶۹- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۷۰- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۷۱- امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ' شرف المصطفیٰ' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۴ھ
۲۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۷۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۷۴- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۷۶- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۷۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۷۷- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۸- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۰- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۸۱- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۸۲- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاریخ الاسلام' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' سیر اعلام النبلاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۸۴- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۵- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۸۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۸۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۹۰- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۹۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الھدیٰ والرشاد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۹۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۶- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ

۲۹۷- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۹۸- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۹۹- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۰۰- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ

۳۰۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۳۰۲- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ

۳۰۳- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ

۳۰۴- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۰۵- علامہ حسین بن منصور اوزجندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۰۶- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین و آخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۳۰۷- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ' المحیط البرہانی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ

۳۰۸- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق' مطبوعہ ایچ-ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ

۳۰۹- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۳۱۰- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ

۳۱۱- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ النیرۃ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۳۱۲- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۱۳- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۱۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' شرح العینی' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۳۱۵- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۳۱۶- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۳۱۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ' شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر

۳۱۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ

۳۱۹- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ' جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نول کشور' ۱۲۹۱ھ

۳۲۰- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۳۲۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ

۳۲۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۲۳- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النہر الفائق مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۲۴- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسۃ التاریخ العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۳۲۵- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۳۲۶- علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۲۷- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۸- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۳۲۹- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۳۳۰- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۳۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۳۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۳۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۶- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۷- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۸- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۹- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۴۰- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۴۱- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابواسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۴۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۶- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۸- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۹- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۵۰- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۱- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا
۳۵۳- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۴- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۶- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۵۷- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۵۸- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۵۹- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فتاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۶۰- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۶۱- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۶۲- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۶۳- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۴- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۵- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۶۶- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ موسسۃ النصر ایران
۳۶۷- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام-قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۶۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۷۰- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۷۱- امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ

۳۷۲- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ

۳۷۳- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۹ھ

۳۷۴- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض ۱۴۱۴ھ

۳۷۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۶- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۸- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ مسایرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

۳۷۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

۳۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۷۵ھ

۳۸۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی المتوفی ۱۱۸۸ھ لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ

۳۸۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی۔

کتب اصول فقہ

۳۸۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ

۳۸۴- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ

۳۸۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ توضیح وتلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۸۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۸۷- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۸۸- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۸۹- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۹۰- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۳۹۱- شیخ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ المحلی بالآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ

۳۹۲- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ

۳۹۳- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ، ذم الھوی، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۹۴- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ

۳۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۳۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر

۳۹۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۹۸- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۳۹۹- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ

۴۰۰- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ

۴۰۱- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ

۴۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ

۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۰۵- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۰۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ

۴۰۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۰۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۴۱۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ

۴۱۱- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۴۱۲- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ

۴۱۳- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۴۱۴- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۰ھ

۴۱۵- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۴۱۶- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۴۱۷- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران، ۱۳۷۸ھ

۴۱۸- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

۴۱۹- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ

۴۲۰- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۴۱- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۴۲- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۴۳- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' ندا یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

ناشر

مکتبہ رضویہ

تقسیم کار

ادبی دنیا

۵۱۰، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶

23250122، گھر 23255337

تبیان القرآن

دوازدہم

سورۃ طلاق تا سورۃ ناس

علامہ غلام رسول سعیدی

ناشر

مکتبہ رضویہ

تقسیم کار

ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ۶

نام کتاب : تبیان القرآن جلد 12

تصنیف : علامہ غلام رسول سعیدی

اشاعت : 2008

تعداد : 600

مطبع : ناہید آفسیٹ پرنٹرس دہلی۔٦

قیمت : Rs 50/-

مکتبہ رضویہ

تقسیم کار

ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سورۃ الطلاق

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين الذى استغنى فى حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شئ عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذى استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذى بلغ الينا ما انزل عليه من القران وبين لنا مانزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فى كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى ومن سيات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له اللهم ارنى الحق حقا وارزقنى اتباعه۔ اللهم ارنى الباطل باطلا وارزقنى اجتنابه۔ اللهم اجعلنى فى تبيان القران على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل فى تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فى تقريبه اللهم الق فى قلبى اسرار القران واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يارب العالمين۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں' جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

انڈیکس تبیان القرآن (جلد دوازدہم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورة الطلاق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الطلاق ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں طلاق دینے اور طلاق کی عدت کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ . (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

مصاحف اور کتب تفسیر میں معروف یہ ہے کہ اس سورت کا نام الطلاق ہے' البتہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نام "النساء القصریٰ" ہے یعنی مصحف کی چوتھی سورت "النساء الطولیٰ" ہے اور وہ خواتین کے احکام پر مشتمل بڑی سورت ہے' جس میں چوبیس رکوع اور ایک سو چھہتر آیات ہیں اور یہ سورت اس کی بہ نسبت چھوٹی سورت ہے جس میں خواتین کے احکام بیان کیے گئے ہیں' یہ سورت دو رکوع اور بارہ آیتوں پر مشتمل ہے' اس لیے اس کا نام "النساء القصریٰ" رکھا گیا' گویا کہ یہ سورت' سورۃ النساء کا تتمہ ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نام "النساء القصریٰ" ہے' وہ درج ذیل ہے:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ محمد نے کہا کہ میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ اصحاب ان کی بہت تعظیم کرتے تھے' انہوں نے اخر الاجلین کا ذکر کیا (اس سے مراد یہ ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت لمبی مدت ہوگی یعنی اگر چار ماہ دس دن سوگ کی مدت زیادہ ہو تو وہ عدت ہوگی اور اگر وضع حمل کی مدت زیادہ ہو تو اس کی وہ عدت ہو گی) محمد نے کہا: میں نے ان کے سامنے سبیعہ بنت الحارث کی حدیث بیان کی جو عبد اللہ بن عتبہ یعنی ابن مسعود سے مروی ہے' تو ابن ابی لیلیٰ کے اصحاب نے مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا' میں سمجھ گیا اور میں نے کہا: میں اس روایت کو بیان کرنے کی ہمت رکھتا ہوں' اگر یہ جھوٹ ہو تو عبد اللہ بن عتبہ کوفہ کی ایک جانب موجود ہیں ان سے معلوم کر لو' اس سے ابن ابی لیلیٰ کو حیا آ ئی' انہوں نے کہا: لیکن اس کے چچا (حضرت ابن مسعود) نے اس طرح نہیں کہا' پھر وہ مجھے سبیعہ کی حدیث سنانے لگے' میں نے کہا: کیا آپ نے اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعود سے کوئی حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' تو انہوں نے کہا: تم اس عورت (وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو) پر عدت مغلظہ مقرر کرتے ہو! اور تم اس کو رخصت نہیں دیتے' ضرور سورۃ النساء القصریٰ' سورت النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں یہ آیت ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

(الطلاق: ۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۱۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۰۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی مراد یہ ہے کہ پہلے سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن عدت میں رکھیں۔

(البقرہ: ۲۳۴)

اور اس کے بعد سورۂ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

(الطلاق: ۴)

حضرت ابن مسعود کی مراد یہ ہے کہ اگر یہاں نسخ ہو تو متاخر آیت ناسخ ہوگی یعنی الطلاق: ۴ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں پر نسخ نہیں ہے بلکہ البقرہ: ۲۳۴ کا عموم الطلاق: ۴ سے مخصوص ہے امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ حاملہ بیوی وہ عدت گزارے گی جس کی مدت دونوں عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضع حمل) میں سے زیادہ ہو تب حضرت ابن مسعود نے کہا: جو شخص چاہے میں ان سے اس پر لعان کر سکتا ہوں کہ "النساء القصریٰ" سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سورت النساء کی صفت القصریٰ جائز ہے (یعنی چھوٹی سورت نساء)۔ ابن التین نے داؤدی سے روایت کیا ہے کہ القصریٰ کا لفظ محفوظ نہیں ہے اور قرآن مجید کی کسی سورت کو قصریٰ یا صغریٰ نہیں کہا جائے گا میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث صحیحہ کو بلا دلیل رد کرنا ہے اور قصر اور طول ایک امر اضافی ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ لمبی سورتوں میں سے لمبی سورت الاعراف ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اس تفصیل کو ذکر کرنے سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ سورۃ الطلاق کا نام احادیث میں النساء القصریٰ بھی ہے۔

سورت الطلاق کا سبب نزول

اس سورت کے نزول کا سبب اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی حائض تھیں اور انہوں نے ان کو طلاق دے دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا: اس کو چاہیے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے پھر اس کو اپنے پاس روکے رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو (دوبارہ) حیض آئے پس وہ اس سے پاک ہو جائے پھر اگر اس کی رائے یہ ہو کہ وہ اس کو طلاق دے تو اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو سو یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۸۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶)

امام ابن الضریس' امام ابن النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورۃ الطلاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۷۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۵ ہے۔

سورۃ الطلاق کی سورۃ التغابن سے مناسبت

سورۃ التغابن میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں پس تم ان سے ہوشیار رہو۔

اور بیویوں کی عداوت بعض اوقات طلاق تک پہنچا دیتی ہے اور اولاد کی عداوت بعض اوقات اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ انسان اپنی اولاد پر خرچ کرنا بند کر دیتا ہے' پس مصحف کریم میں سورۃ التغابن کے بعد سورۃ الطلاق رکھی گئی کیونکہ اس میں طلاق کے اور مطلقہ عورتوں اور اولاد پر خرچ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

سورۃ التغابن کے آخر میں ارشاد فرمایا تھا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۔ (التغابن: ۱۸)

(اللہ) ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے۔

اور سورۃ الطلاق کے آخر میں ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ (الطلاق: ۱۲)

اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ۝

اور اسی طرح سورۃ التغابن اور سورۃ الطلاق دونوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور عموم کو بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الطلاق کے مشمولات

☆ اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے طلاق بر طریقہ سنت کے احکام سے شروع فرمایا ہے' جس کے بعد عدت کا شمار شرعاً صحیح ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو دل میں رکھ کر عدت کے ایام کو صحیح صحیح شمار کیا جائے اور اگر صرف ایک طلاق یا دو طلاقیں دی گئی ہیں تو عدت کے اندر رجوع کر لیا جائے اور عدت پوری ہونے کے بعد عورت آزاد ہو گی خواہ اسی پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرلے یا کسی اور سے اور اگر اس نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو پھر تحلیل شرعی کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا۔

☆ غیر حاملہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا وہ عورت نابالغہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر مطلقہ عورت حاملہ ہے تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے۔

☆ عدت کے اندر مطلقہ عورت کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرنے کا حکم ہے اور وہ اپنی آمدنی کے اعتبار سے خرچ اور رہائش مہیا کرے گا اور بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت دینا بھی اس پر لازم ہے۔

☆ اس سورت کے اختتام میں احکام شرعیہ کی مخالفت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے سے ڈرایا ہے' سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کی تھی' انجام کار ان پر جو عذاب نازل کیا گیا اس کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر اللہ

تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں تاکہ آپ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسق کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لے آئیں اور جو مؤمنین اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی امداد کے بھروسے پر سورۃ الطلاق کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸
۲۴ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/۴ فروری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الطلاق مدنیۃ ۶۵ — ۹۹

آیاتہا ۱۲ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سورۃ الطلاق مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا

اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو' تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت)

ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا

میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو' اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے' تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے

يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَ

نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں' سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں' اور یہ اللہ کی حدود ہیں' اور

مَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ

جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد

يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴿١﴾ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ

اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○ پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو

بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ

یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو'

وَأَقِيمُوا ٱلشَّهَٰدَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَ

اور اللہ کے لیے گواہی دو' یہ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان

ٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ

لاتے ہیں' اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○ اور اس کو وہاں

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ

سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا' اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے' بے شک اللہ

بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③ وَالّٰۗـِٔيْ يَىِٕسْنَ

اپنا کام پورا کرنے والا ہے، بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے O اور تمہاری عورتوں میں سے

مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ

جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے،

وَّالّٰۗـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت

حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ

وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O یہ اللہ کا حکم

اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ

ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا

اَجْرًا ⑤ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ

دے گا O ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے

لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى

ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو)

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا

دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ⑥ لِيُنْفِقْ

دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت

ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ

کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں

اللّٰہُ ؕ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىہَا ؕ سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ

سے خرچ کرے' اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی

یُّسۡرًا ﴿۷﴾ ع

پیدا کر دے گا O

ع ۱۷ ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' جو تمہارا رب ہے تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں' سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں' اور یہ اللہ کی حدود ہیں' اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے O (الطلاق: ۱)

مسئلہ طلاق کی تحقیق

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" (البقرہ: ۲۲۹۔۲۳۵) کی تفسیر میں ہم نے طلاق کے تمام پہلوؤں پر بہت شرح و بسط سے لکھا ہے سطور ذیل میں ہم وہ عنوانات لکھ رہے ہیں جن کے تحت ہم نے مسئلہ طلاق پر لکھا ہے:

(۱) طلاق کا لغوی معنی (۲) طلاق کا اصطلاحی معنی (۳) طلاق کی اقسام (۴) طلاق کیوں مشروع کی گئی (۵) صرف ناگزیر حالات میں طلاق دی جائے (۶) صرف مرد کو کیوں طلاق کا اختیار دیا گیا (۷) طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے (۸) خلع (۹) قاضی اور حکمین کی تفریق (۱۰) تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات' مصالح اور حکمتیں (۱۱) سنت کے مطابق اور احسن طریقہ سے طلاق دینے کے فوائد (۱۲) طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے (۱۳) ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج (۱۴) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور کا مؤقف (۱۵) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں میں علماء شیعہ کا مؤقف (۱۶) تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل (۱۷) شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات (۱۸) تسبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات (۱۹) حضرت عمر پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات (۲۰) صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے (۲۱) صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل (۲۲) اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا (۲۳) مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل (۲۴) طاؤس کی روایت کا صحیح محمل (۲۵) حضرت رکانہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کی فنی اقسام (۲۶) حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت (۲۷) حضرت رکانہ سے متعلق سنن ابوداؤد کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان (۲۸) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل (۲۹) قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۰) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل (۳۱) حضرت عویمر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۲) صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۳) سعید بن نخفلہ کی روایت کی تحقیق (۳۴) سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب (۳۵) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین (۳۶) جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلوخلاصی میں مذاہب ائمہ (۳۷) خرچ سے محروم عورت کی گلوخلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

(۳۸) مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا (۳۹) عدت وفات کا بیان اور عدت کی تعریف (۴۰) عدت کے مسائل اور شرعی احکام۔

یہ طویل بحث تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۸۹۔۸۵۰ میں پھیلی ہوئی ہے۔

''وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا'' (النساء: ۳۵) کی تفسیر میں بھی ہم نے طلاق کے بعض پہلوؤں پر لکھا ہے' اس کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) اختلاف زن وشوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل (۲) اگر شوہر بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات (۴) قضاء علی الغائب کے متعلق مذاہب ائمہ (۵) قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث (۶) دفع حرج' مصلحت اور ضرورت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کے مذاہب پر فیصلہ اور فتویٰ کا جواز (۷) جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آباد کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم۔

یہ ابحاث تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۶۸۔۶۶۰ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

طلاق کی ابحاث میں درج ذیل عنوانوں کا مطالعہ بھی مفید رہے گا:

(۱) ظہار کی تعریف' اس کا حکم اور اس کا کفارہ' تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۲۔

(۲) بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں' بہن کہنے کا شرعی حکم' تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۵۔۳۷۳۔

(۳) بیوی کو طلاق کا اختیار دینے سے وقوع طلاق اور مدت اختیار میں مذاہب فقہاء' تبیان القرآن ج ۹ ص ۴۱۷۔۴۱۶۔

(۴) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں مذاہب ائمہ' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۰۔

(۵) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کے مؤقف پر قرآن اور سنت سے دلائل' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۰۔

(۶) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں فقہاء احناف کے مؤقف پر آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین سے دلائل' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۱۔

(۷) مطلقات کی اقسام اور متاع کا بیان' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۴۔

(۸) سراح جمیل کا معنیٰ۔

ایک لفظ کے ساتھ اور ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تحقیق

جب تین طلاقیں ایک لفظ سے دی جائیں مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم کو تین طلاقیں دیں یا ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دے' مثلاً اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم کو طلاق دی' پھر دوسری بار کہے: میں نے تم کو طلاق دی' پھر تیسری بار کہے: میں نے تم کو طلاق دی تو ہر چند کہ یہ طلاق خلاف سنت ہے اور اس کو طلاق بدعی کہا جاتا ہے مگر یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی الحنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے اس کی مخالفت میں بہت غلو کیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں یہ کہا ہے کہ لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں یا ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین طلاقیں دی جائیں' ہر صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور چونکہ ابن تیمیہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں اس لیے ہم اس مسئلہ میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب ذکر کر رہے ہیں:

علامہ ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی الحنبلی المتوفی ۳۳۴ھ لکھتے ہیں:

(۶۰۱۶) مسئلہ: جب کوئی شخص تین طلاقیں دے اور نیت ایک طلاق کی کرے تو وہ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔
اس کی شرح میں علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:
جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تم کو تین طلاقیں' تو وہ تین طلاقیں ہیں' خواہ وہ ایک طلاق کی نیت کرے۔ ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ لفظ تین' تین عدد میں صریح ہے اور نیت صریح کے معارض نہیں ہوسکتی' کیونکہ وہ لفظ سے ضعیف ہے اس وجہ سے صرف نیت کوئی عمل نہیں کرتی' اور لفظ صریح قوی ہے وہ نیت کے بغیر بھی عمل کرتا ہے' پس ضعیف قوی کے معارض نہیں ہوسکتا جس طرح قیاس نص کے معارض نہیں ہوسکتا۔ (المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۴۰۸' دار الفکر' بیروت)
علامہ شمس الدین عبد الرحمن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۸۲ ھ لکھتے ہیں:
اگر کسی شخص نے ایک کلمہ سے تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی' حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے' خواہ وہ مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے یا مباشرت کے بعد تین طلاقیں دے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت عبد اللہ بن عمرو' حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی مؤقف ہے اور یہی قول اکثر فقہاء تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ کا ہے۔
اس کے برخلاف عطاء' طاؤس' سعید بن جبیر' ابو الشعثاء اور عمرو بن دینار یہ کہتے تھے کہ جس شخص نے کنواری عورت کو تین طلاقیں دیں تو وہ ایک طلاق ہے اور طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: لوگوں نے اس کام میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر کی گنجائش تھی' پس اگر ان کی دی ہوئی طلاقوں کو ہم ان پر نافذ کر دیں' پھر آپ نے ان کی طلاقوں کو ان کے اوپر نافذ کر دیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۰۔ ۲۱۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۶)
اور سعید بن جبیر' عمرو بن دینار' مجاہد اور مالک بن الحارث نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کی روایت کے خلاف روایت کیا ہے اور اس حدیث کو بھی امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے: تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے متعلق امام ابوداؤد کی روایات حسب ذیل ہیں:
مجاہد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا' پھر اس نے کہا: اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاموش رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ حضرت ابن عباس اس کی بیوی اس کی طرف لوٹا دیں گے' پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص چلتا ہے پھر جہالت کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے' پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! اے ابن عباس! اور بے شک اللہ نے فرمایا ہے:
وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ (الطلاق: ۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○
اور تو اللہ سے نہیں ڈرا اور اللہ نے تیرے لیے نجات کا راستہ نہیں نکالا' تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تیرے نکاح سے نکل گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۷)
امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کو حمید اعرج وغیرہ نے از مجاہد از ابن عباس روایت کیا ہے' اور شعبہ نے از عمرو بن مرہ از سعید بن جبیر از ابن عباس روایت کیا ہے اور ایوب اور ابن جریج دونوں نے از عکرمہ بن خالد از سعید بن جبیر از ابن عباس

روایت کیا ہے اور ابن جریج نے از عبد الحمید بن رافع از عطا از ابن عباس روایت کیا ہے' اور الاعمش نے از مالک بن الحارث از ابن عباس روایت کیا ہے' اور ابن جریج نے از عمرو بن دینار از ابن عباس روایت کیا ہے اور یہ سب کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا اور یک بارگی تین طلاقیں دینے والے کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی جیسا کہ از ایوب از عبد اللہ بن کثیر از مجاہد از ابن عباس روایت ...

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کے پانچ شاگرد (مجاہد' سعید بن جبیر' عطا' مالک بن الحارث اور عمرو بن دینار) حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے پر تین طلاقیں نافذ کر دیں اور اکیلے طاؤس کی روایت ان سب کے خلاف ہے' اس لیے اس کو طاؤس کا وہم قرار دیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس کا فتویٰ طاؤس کی روایت کے خلاف ہے۔

امام الدارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے بعض آباء نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں' اس کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہمارے باپ نے ہماری ماں کو ہزار طلاقیں دی ہیں پس اس کے لیے کوئی نجات کی راہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ اللہ سے نہیں ڈرا کہ اللہ اس کے لیے کوئی نجات کی راہ نکالتا' خلافِ سنت تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی اور نو سو ستانوے اس کے گلے میں گناہ ہیں۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۷۷)

اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نکاح انسان کی ملکیت ہے اور ملکیت کا ازالہ جس طرح متفرق طور پر صحیح ہے اسی طرح اجتماعی طور پر اور دفعۃً بھی صحیح ہے' اور رہی حضرت ابن عباس کی حدیث تو ان سے اس کے خلاف زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ بھی ہے۔

اثرم نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے حضرت ابن عباس کی حدیث کے متعلق سوال کیا کہ آپ کس دلیل سے ان کی حدیث کو رد کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اس وجہ سے کہ بہ کثرت راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا ہے' پھر متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ تین طلاقیں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے عہد میں لوگ ایک طلاق دیتے تھے (یعنی ایک طلاق دیتے تھے اور اس کی تاکید کے لیے دو بار طلاق کا مکرر ذکر کرتے تھے' بعد میں حضرت عمر کے دور میں بعض لوگوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا' وہ تین طلاقیں دینے کے ارادہ سے تین بار طلاق کا ذکر کرتے پھر بعد میں جب بیوی سے صلح ہو جاتی تو کہتے: میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا اور دو بار تاکید کے لیے ذکر کیا تھا تو حضرت عمر نے ان کی اس تاویل کو ختم کرنے کے لیے کہا: جو تین بار طلاق دے گا وہ تین طلاقیں ہی ہوں گی اور ان کی تاکید کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا یا عہدِ رسالت میں جن تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا وہ غیر مدخولہ کی تین طلاقیں ہوتی تھیں' ان کو ایک اس لیے قرار دیا جاتا تھا کہ ایک طلاق سے غیر مدخولہ بائنہ ہو جاتی تھی اور باقی دو طلاقوں کا محل نہیں رہتی تھی) ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ متوقع نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد کے معمول کی مخالفت کریں اور نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور اس کے خلاف فتویٰ دیں (دوسری تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے ''غیر مدخولہ کو تین متفرق طلاقیں دینا'' (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۳) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۹ میں اس کی مزید

وضاحت ہے اس کو ہم عنقریب بیان کریں گے)۔ (الشرح الکبیر مع المغنی ج ۸ ص ۲۶۱۔ ۲۶۰ موضحاً و مخرجاً دارالفکر بیروت)

ایک لفظ کے ساتھ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دینے کی احادیث

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے آپس میں لعان کیا اور میں بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا' جب وہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: یارسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں تو میں جھوٹا ہوں گا پس انہوں نے آپ کے حکم دینے سے پہلے اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۱۔ ۲۲۴۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۶)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں!

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں اس کی واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

یہ صحاح ستہ کی احادیث ہیں' اب ہم دیگر کتب احادیث سے احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں' ان میں دو' تین حدیثوں کی سند ضعیف ہے جن کی ہم نے تعیین کر دی ہے' لیکن ہم ان کو احادیثِ صحیحہ کی تایید اور تقویت میں پیش کر رہے ہیں' نیز ان احادیث کی متعدد اسانید ہیں اور تعدد اسانید سے وہ حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں۔ آخر میں ہم سنن ابوداؤد کی احادیث سے مزید وضاحت کریں گے۔

سلمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن المغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی کو اس سے الگ کر دیا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس میں سے تم کو تین طلاقیں کافی ہیں اور نو سو ستانوے طلاقیں چھوڑ دو۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۰' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

نیز سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تین طلاقوں نے تمہاری بیوی تم پر حرام کر دی اور بقیہ طلاقوں کے ساتھ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۳' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۰' مسند الشافعی ج ۲ رقم الحدیث: ۱۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں' حضرت ابن عباس نے کہا: تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تم اپنی بیوی سے الگ ہو گئے اور تم اللہ سے نہیں ڈرے کہ اللہ

تمہارے لیے کوئی نجات کی راہ نکالتا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۱' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قریش کا ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے ابن عباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' میں اس وقت غصہ میں تھا' حضرت ابن عباس نے کہا: بے شک ابن عباس اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ تمہارے لیے اس چیز کو حلال کر دے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے' تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دیا' اور بے شک تم اللہ سے نہیں ڈرے کہ وہ تمہارے لیے نجات کی کوئی راہ نکالتا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۲)

حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' حضرت علی نے فرمایا: تین طلاقوں نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور باقی طلاقوں کو تو اپنی عورتوں میں تقسیم کر دے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۸۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۲۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۰۲' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق دی' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس نے سنت میں خطا کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۸۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۴۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں عائشہ خثعمیہ تھی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت حسن کی بیعت خلافت کی گئی تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو خلافت مبارک ہو' حضرت حسن نے فرمایا: حضرت علی شہید ہو گئے اور تم خوشی کا اظہار کر رہی ہو' جاؤ تم کو تین طلاقیں دیں' وہ اپنا سامان اکٹھا کر کے بیٹھ گئی' حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت حسن نے اس کی طرف دس ہزار درہم بہ طور متعہ کے بھیجے اور بقیہ مہر کی رقم بھیجی تو عائشہ خثعمیہ نے کہا: یہ جدا ہونے والے محبوب کی طرف سے تھوڑا سا سامان ہے' جب حضرت حسن کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ رونے لگے اور کہا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ نہ سنا ہوتا یا میرے والد نے یہ نہ کہا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے' جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ ایک ساتھ' خواہ ہر طہر میں ایک تو اس کے لیے اس کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کر لے' تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۶' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے مگر وہ سند ضعیف ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

اس حدیث میں واضح تصریح ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور سنت کے خلاف کیا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۹' اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہے' ہر چند کہ وہ صادق ہے مگر مدلس ہے' امام دارقطنی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی مٹھاس نہ چکھ لے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۱' اس حدیث کی سند میں علی بن زید ضعیف راوی ہے۔)

محمد بن ایاس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم

سے سوال کیا گیا کہ کنواری لڑکی (غیر مدخولہ) کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو ان سب نے کہا: اس کے لیے وہ حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کر لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

امام ابوداؤد نے کہا: پہلے حضرت ابن عباس کا قول یہ تھا کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اپنے خاوند کے نکاح سے نکل جاتی ہے' خواہ اس سے پہلے مباشرت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو' بعد میں ان کا قول یہ تھا کہ یہ حکم اس عورت کے ساتھ خاص ہے جو غیر مدخولہ ہو یعنی اس سے مباشرت نہ کی گئی ہو۔

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو ابوالصہباء کہا جاتا تھا' وہ حضرت ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتا تھا' اس نے کہا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کی ابتداء میں ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیوں نہیں! ایک شخص اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کی ابتداء میں اس کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا' پھر جب حضرت عمر نے دیکھا کہ لوگ اس کام کو پے در پے کرنے لگے ہیں (یعنی غیر مدخولہ اور مدخولہ دونوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنے لگے ہیں) تو انہوں نے فرمایا: ان پر یہ تینوں طلاقیں نافذ کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۹)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طاؤس کی یہ روایت شاذ ہے' حضرت ابن عباس کے باقی شاگرد یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس تین طلاقوں کو تین طلاق ہی کہتے تھے جیسا کہ ہم سنن ابوداؤد' سنن دارقطنی' سنن بیہقی' مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابنِ ابی شیبہ کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں اور اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا محمل یہ ہے کہ وہ غیر مدخولہ پر محمول ہے کیونکہ غیر مدخولہ پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی اور باقی دو طلاقوں کا محل نہیں رہے گی' اس لیے اس پر صرف ایک طلاق واقع ہو گی جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں اس کی تصریح ہے اور جو عورت مدخولہ ہو اس کو اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

محمد بن اسحاق از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں؟ انہوں نے کہا: بلکہ ایک مجلس میں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان پر واپس کر دی۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو ثابت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ حدیث رکانہ کی اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف لے کر پوچھا تھا کہ تم نے اس لفظ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ تو انہوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ انہوں نے اس لفظ (البتۃ) سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے تو آپ نے ان کی بیوی کو انہیں واپس کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۵۱) اس

حدیث کے راوی مجہول الصفات ہیں' ان کا عدل (نیک ہونا) اور ان کا حافظہ معروف نہیں ہے' اس وجہ سے اس حدیث کو امام احمد' ابوعبید اور ابن حزم وغیر ہم ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے' اس کے برخلاف تین طلاقوں والی حدیث کی سند جید ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۳۲ ص ۱۹۵' دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے دلائل کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ سب خلافِ واقعہ لکھا ہے' مسند احمد میں یہ حدیث اس طرح نہیں ہے جس طرح شیخ ابن تیمیہ نے نقل کی ہے اور نہ اس حدیث کے تحت امام احمد نے وہ تقریر کی ہے جس کو شیخ ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔ پہلے ہم مسند احمد کے حوالے سے اس حدیث کا صحیح متن نقل کرتے ہیں:

''حدثنا سعد بن ابراهيم' حدثنا ابی عن محمد بن اسحاق حدثنی داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس''۔

از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ بنو مطلب کے بھائی حضرت رُکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں' پھر ان کو اس پر بہت زیادہ رنج ہوا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اس کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو تین طلاقیں دیں تھیں' آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ صرف ایک طلاق ہے' اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کرلو' پھر حضرت رکانہ نے اس سے رجوع کر لیا' لہٰذا حضرت ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ طلاق ہر طہر میں دینی چاہیے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ ابن تیمیہ کا اس حدیث کی سند کو جید کہنا غلط ہے' درحقیقت اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی سند کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے روایت کی ہے اس میں سقم ہے۔ علی بن المدینی نے کہا: عکرمہ سے جو روایت کیا گیا ہے وہ منکر ہے۔ ابوداؤد نے کہا: داؤد بن الحصین کی جو روایات اپنے شیوخ سے ہیں وہ درست ہیں اور اس کی عکرمہ سے جو روایت ہے وہ منکر ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا: اس کی غرائب منکر ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا: عکرمہ کے سوا اس کی روایات ثقہ ہیں۔

حافظ بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند حجت نہیں ہے' جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ شاگردوں نے اس کے خلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ روایت کیا ہے اور حضرت رکانہ کی اولاد ان کے اقوال سے زیادہ واقف تھی اور انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کو ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے اور ان کا نام نہیں لیا اور مجہول شخص کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)

(حاشیہ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی شیخ ابن تیمیہ نے استدلال کیا ہے:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابورافع کے بعض بیٹوں نے مجھ سے بیان کیا کہ عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے آزاد شدہ غلام ہیں وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رکانہ اور ان کے

بھائیوں کے والد رضی اللہ عنہ نے حضرت ام رکانہ کو طلاق دے کر مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا' وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بالوں کو پکڑ کر کہا: جس طرح یہ بال ایک دوسرے کے کام نہیں آ سکتے اسی طرح میں بھی کسی کام کاج کی نہیں رہی' مجھے آپ ان سے جدا کر دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمیت جوش میں آ گئی' پھر آپ نے حضرت رکانہ اور ان کے بھائیوں کو بلایا اور اہل مجلس سے فرمایا: کیا تم دیکھ رہے ہو کہ فلاں اور فلاں ابو رکانہ سے کس قدر مشابہ ہیں اور وہ ان سے کتنا مشابہ ہے' صحابہ نے کہا: جی ہاں! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو' انہوں نے طلاق دے دی' پھر فرمایا: تم اپنی بیوی اور رکانہ اور ان کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کر لو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو ان کو تین طلاقیں دے چکا ہوں' آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے' تم اس سے رجوع کر لو' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' (الطلاق:۱)۔

اس حدیث کو ذکر کر کے امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ فرماتے ہیں:

نافع بن عجیر کی اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کو واپس کر دی تھی' یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی شخص کی اولاد اور اس کے اہل اس کے اقوال کو زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں اور بے شک رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۹۶)

مذکور الصدر حدیث کا غیر صحیح ہونا درج ذیل حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میں نے لفظ البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اللہ کی قسم! تم نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ حضرت رکانہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کو واپس کر دی' پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان کے زمانہ میں تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۶۵)

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو دو مزید سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۸۔۲۲۰۷) اس کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ حدیث ابن جریج کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے' جس میں ذکر ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی حضرت رکانہ کے پوتے ہیں اور وہ اپنے دادا کے اقوال سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے ہیں اور ابن جریج کی حدیث کو ابو رافع کے بعض بیٹوں نے ابو رافع از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: طلاق البتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف ہے' بعض اہل علم نے کہا: طلاق البتہ میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے' اگر وہ لفظ البتہ سے ایک طلاق کی نیت کرے تو وہ ایک طلاق ہو گی اور اگر تین طلاق کی نیت کرے گا تو وہ تین طلاقیں اور اگر وہ دو طلاقوں کی نیت کرے گا تو صرف ایک طلاق ہو گی' یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے' (الی قولہ) امام شافعی نے کہا: اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہو اور اگر دو طلاقوں کی نیت کرے گا تو دو طلاقیں ہوں گی اور اگر تین کی نیت کرے گا تو تین ہوں گی۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن حزم ظاہری کا رد کرنا

غیر مقلدین حضرات ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں اور طاؤس کی روایت اور حضرت رکانہ کی حدیث سے اس پر استدلال کرتے ہیں' لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ پر وہ بہت اعتماد کرتے ہیں اور ابن حزم نے ان کے دلائل کا بہت رد کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا' پھر حضرت عمر نے کہا: لوگوں نے اس کام میں جلدی کی' جس میں ان کے لیے تاخیر کی گنجائش تھی' پس اگر ہم ان پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیں (تو اچھا ہو) پھر انہوں نے ان پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۲)

نیز طاؤس نے بیان کیا کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق کی طرف لوٹایا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں!۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

اور انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابورافع کے بعض بیٹوں نے بتایا کہ عکرمہ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رکانہ اور اس کے بھائیوں کے باپ عبد یزید نے رکانہ کی ماں کو طلاق دی اور اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکانہ اور اس کے بھائیوں کی ماں' اپنی بیوی سے رجوع کر لو' رکانہ کے باپ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں' آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے' تم اس سے رجوع کر لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۶)

شیخ ابن حزم نے کہا: جن دلائل سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ یہی ہیں اور مؤخر الذکر حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابورافع کے بیٹے کا نام نہیں لیا گیا کہ کس بیٹے سے یہ حدیث مروی ہے اور مجہول سند حجت نہیں ہوتی اور ابورافع کے بیٹوں میں صرف عبید اللہ کا ہمیں علم ہے' باقی سب مجہول ہیں۔

اور رہی وہ حدیث جس کو طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا' اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا تھا یا ایک طلاق کی طرف لوٹایا تھا اور نہ اس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا' پھر بھی آپ نے اس کو برقرار رکھا اور حجت تب بن سکتی ہے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو کہ یہ آپ کا قول ہے (کہ تین کو ایک قرار دو) یا یہ آپ کا فعل ہو اور یا آپ کے علم میں یہ واقعہ آیا ہو اور آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۲۔ ۳۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ شیخ ابن حزم نے ابو رکانہ کی اس حدیث کو رد کر دیا ہے جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کا ذکر ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ابن حزم نے طلاق البتۃ والی حدیث کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳۲ ص ۱۹۵) حالانکہ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول الصفات ہیں جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کا ذکر ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اکٹھی تین طلاق دینا معصیت اور بدعت ہے اور شیخ ابن حزم کے نزدیک اکٹھی تین طلاق دینا

بھی سنت ہے' لیکن یہ ایک الگ بحث ہے۔

الطلاق: ۱ میں فرمایا: اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو۔

مسئلہ طلاق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی توجیہ

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی گئی ہے اور خطاب میں آپ کی امت بھی شامل ہے اور جمع کا صیغہ آپ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس آیت میں حکم عام ہے اور حکم سے مراد حکم شرعی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کریں تو ان ایام میں طلاق دیں جن ایام میں عدت متحقق ہو سکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے امام اور مقتدیٰ ہیں اور جب آپ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب کیا گیا تو آپ کی امت بھی اس میں داخل ہو گئی اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے نبی! آپ مسلمانوں سے کہیے کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت میں طلاق دو۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے اور اس کو اپنے پاس روکے حتیٰ کہ وہ اپنے حیض سے پاک ہو جائے' پھر اس کو دوسرا حیض آئے' پھر جب وہ پاک ہو جائے تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس سے الگ ہو جائے یا اس کو نکاح میں روک لے پس بے شک یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۱)

نافع نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اپنی عورتوں کو ان کی عدت سے پہلے طلاق دو یعنی اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع نہ کیا ہو۔ سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی' حضرت عمر نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اس سے کہو اس سے رجوع کرے' پھر اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

(صحیح مسلم' کتاب الطلاق رقم الحدیث: ۲)

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اپنی عورتوں کو عدت کے وقت میں طلاق دو' اس وقت سے کیا مراد ہے' اور وہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے لیے اس وقت کو مقرر فرمایا ہے جس وقت میں عورت حیض سے پاک ہو اور اس وقت میں اس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔

طلاق بر طریقہ سنت کی دو صورتیں

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کا قول یہ ہے کہ طلاق بر طریقہ سنت دو صورتوں میں ہے: ایک صورت کا تعلق وقت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق اس طہر میں دی جائے جس طہر میں اس نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو یا اس کی بیوی حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو اور طلاق سنت کی دوسری صورت کا تعلق عدد سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاق نہ دی جائے۔

وقت کی شرط اس شخص کے لیے ہے جو عدت کے لیے طلاق دے ورنہ جس عورت کی عدت نہیں ہے اس کو طلاق دینے

کے لیے اس خاص وقت کی شرط نہیں ہے۔ جو شخص مباشرت سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے اس کے لیے اپنی بیوی کو حیض میں بھی طلاق دینا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ (البقرہ: ۲۳۶)

اگر تم اپنی بیویوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دو یا مہر مقرر کیے بغیر طلاق دو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم مباشرت سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو پھر تمہارے لیے عدت کا کوئی حق نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔

سو جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے' اللہ تعالیٰ نے اس کی عدت نہیں رکھی' پس اس کو طہر میں طلاق دینا بھی جائز ہے اور حیض میں بھی۔

طلاق کا لغوی معنیٰ

طلاق کا لغوی معنیٰ ہے: نکاح کی گرہ کو کھول دینا' ترک کر دینا' چھوڑ دینا' لسان العرب میں ہے کہ عثمان اور زید کی حدیث ہے: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۴۲۵' مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

طلاق کا اصطلاحی معنیٰ

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا' طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں' اس میں خلع بھی شامل ہے اور نامردی اور لعان کی وجہ سے نکاح کی قید از روئے مآل اٹھ جاتی ہے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں: احسن' حسن اور بدعی۔

طلاق احسن: جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو' ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے' اس میں دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق حسن: جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے' اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلظہ ہو جائے گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاق بدعی: اس کی تین صورتیں ہیں: (ا) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں خواہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے' مثلاً کہے: تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی۔ (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے' اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے۔ (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو' ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے' طلاق بدعی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۴ ص ۳۲۰۔ ۳۱۷' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو کنایہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے' مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی کو ماں بہن کہہ دے' طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جا سکتا ہے' لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی' اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا' طلاق بائن سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائن ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہو سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح' وہ طلاق سنت اور طلاق بدعت کے قائل نہیں ہیں۔ ابن حزم ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے' امام مالک کے نزدیک جس طہر میں جماع نہ کیا ہو اس میں ایک طلاق دینا سنت ہے' امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المغنی مع الشرح ج ۸ ص ۲۳۶)

اس اعتراض کا جواب کہ جب حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے تو غیر حاملہ کو کیوں جائز نہیں؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے تو غیر حاملہ کو اس طہر میں طلاق دینا کیوں جائز نہیں ہے جس میں وہ بیوی سے جماع کر چکا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں فرق واضح ہے کیونکہ جس طہر میں شوہر نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا اس طہر کے بعد جب تک حیض نہ آ جائے' یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس جماع کے نتیجہ میں استقرار حمل ہوا یا نہیں اور عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کا پتا نہیں چلے گا اور یہ تعین نہیں ہو سکے گا کہ اس کی عدت تین حیض ہے یا وضع حمل ہے' اس لیے یہ قید لگائی گئی کہ اگر شوہر کو طلاق دینی ہو تو طہر کے ان ایام میں طلاق دے جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

عدت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور عدت کی اقسام

عدت کا لغوی معنیٰ ہے: گننا اور عورت کی عدت ان ایام کو کہتے ہیں جن کے گزر جانے کے بعد مطلقہ عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ غیر حاملہ عورت کی عدت تین حیض ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ: ۲۲۸)

اور مطلقات اپنے آپ کو تین ماہ تک (نکاح سے) روکے رکھیں۔

اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو وہ اپنے آپ کو تین ماہ تک نکاح سے روکے رکھے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرء کا معنیٰ حیض ہے' اس لیے وہ فرماتے ہیں: غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے' اور امام شافعی کے نزدیک قرء کا معنیٰ طہر ہے' اس لیے وہ فرماتے ہیں: غیر حاملہ کی عدت تین طہر ہے' امام ابوحنیفہ کا مذہب اس لیے راجح ہے کہ تین کا عدد مکمل اس وقت ہوگا جب عدت تین حیض ہو کیونکہ اگر عدت تین طہر ہو تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں تو اڑھائی طہر ہوں گے اور اگر شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر ہوں گے اور تین کا عدد مکمل نہیں ہوگا' اس کی مکمل بحث ہم نے البقرہ: ۲۲۸ میں کی ہے۔

اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق: ۴)

حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

اور عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویوں کو چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک نکاح سے روکے رکھیں۔

واضح رہے کہ عدتِ طلاق اور عدتِ وفات میں ایام کو گننے کے لیے قمری تاریخوں کا حساب رکھنا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھر سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نکالنے یا ان کے از خود نکلنے کی ممانعت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں شوہروں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ دورانِ عدت اپنی بیویوں کو گھروں سے نکالیں' اور عورتوں کو بھی از خود نکلنے سے منع فرمایا ہے' اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دورانِ عدت عورتوں کو رہائش فراہم کرنا واجب ہے' کیونکہ جن گھروں سے عورتوں کے نکالنے کو منع فرمایا ہے یہ وہ گھر ہیں جن میں عورتیں طلاق سے پہلے رہتی تھیں' اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو ان ہی گھروں میں رکھا جائے' ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کو اپنے ساتھ لے کر سفر پر جائے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرے اور رجوع پر گواہ قائم کرے' اور انہوں نے مطلقہ عورت کو عدت کے دوران سفر کرنے سے منع کیا ہے۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ طلاق رجعی میں بیوی کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرے اور اس کو اپنے گھر سے نہ نکالے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴)

اس کے بعد فرمایا: سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

کھلی بے حیائی کی متعدد تفاسیر

کھلی بے حیائی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدت پوری ہونے سے پہلے عورت کا گھر سے باہر نکلنا کھلی بے حیائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت دورانِ عدت اپنے خاوند سے بدزبانی اور بدکلامی کرے تو خاوند کا اس کو گھر سے نکالنا جائز ہے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت میں کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورت خاوند کی نافرمانی کرے۔

حسن بصری اور زید بن اسلم نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد ہے وہ زنا کرے' پھر اجرائے حد کے لیے اس کو گھر سے باہر جانا پڑے گا۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا: کھلی بے حیائی کی تفسیر میں یہ تمام معانی درست ہیں۔

پھر فرمایا: اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴' سہیل اکیڈمی لاہور)

ایک طہر میں تین طلاق دینے کی تحریم

اس آیت میں یہ دلیل ہے جس نے خلافِ سنت طلاق دی اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' کیونکہ اس سے پہلے فرمایا ہے:

جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو' تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو' سو جس نے اس کے خلاف کیا یعنی حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' نیز سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے' سو جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اس نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا۔

ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی اباحت پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ ان کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے اپنی بیوی ام ابی سلمہ کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ ان کے اصحاب میں سے کسی نے اس پر ان کی مذمت کی۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے شوہر سے الگ کر دیا اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کی مذمت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاق دینے کی تحریم کے متعلق احادیث اور ان کی وجہ ترجیح

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے پر امام دار قطنی اور امام بیہقی کو حدیث نہیں پہنچی' لیکن ہمارے پاس بہ کثرت احادیث ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اباحت کی احادیث اور تحریم کی احادیث میں تعارض ہو تو تحریم کی احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں؟

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی' پھر یہ ارادہ کیا کہ ان کو دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیں' جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا' تم نے سنت طلاق (طریقہ طلاق) میں خطا کی' سنت یہ ہے کہ تم طہر کا استقبال کرو اور ہر طہر میں طلاق دو۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا' پھر آپ نے فرمایا: جب وہ پاک ہو جائے تو پھر تم اس طہر میں خواہ اس کو طلاق دو' خواہ اپنے پاس رکھو' پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے جائز ہوتا کہ میں اس سے رجوع کر لیتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ تم سے الگ ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل معصیت ہوتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' اس کی بیوی اس سے الگ ہو گئی' اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سنت کی مخالفت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۰)

فی نفسہ طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث

تین طلاقیں دینا سنت کیسے ہو سکتا ہے جب کہ فی نفسہ طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے اور بہ کثرت احادیث میں طلاق دینے

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے طلاق دینا صرف شدید ضرورت کی بناء پر مشروع کیا گیا ہے جب شوہر اور بیوی کے درمیان مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو اور کسی طرح بھی ان میں موافقت نہ ہو سکے یا بیوی بد چلن اور آوارہ ہو اور سمجھانے سے باز نہ آئے اور جب کوئی ایسی ناگزیر وجہ نہ ہو تو طلاق دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کاموں میں جو کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ موجب غضب ہے وہ طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۸)

حضرت محارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ موجب بغض ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 2018)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عیب کے بغیر عورتوں کو طلاق مت دو کیونکہ اللہ عزوجل چکھنے والے مردوں اور چکھنے والی عورتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک طلاق دینے سے زیادہ مبغوض ہو اور جب کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا: تو ان شاء اللہ آزاد ہو تو وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ان شاء اللہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی اور وہ استثناء کر سکتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۸ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۳۱ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۱ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۶۴۳)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: طلاق کی چار قسمیں ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام ہیں جو دو طلاقیں حلال ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو (۲) وہ اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے جس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو اور جو دو طلاقیں حرام ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے (۲) کوئی شخص جماع کرتے وقت اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کو اس کا پتا نہ ہو کہ اس کا نطفہ رحم میں پہنچ گیا ہے یا نہیں۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۲۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور (بلا عذر) طلاق نہ دو کیونکہ طلاق دینے سے عرش کانپنے لگتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۱۲ علامہ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۵۱ تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۲۰۲ الاحادیث الضعیفۃ رقم الحدیث: ۱۴۷ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

عدت طلاق کے دوران عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک حدیث سے جواز کا استدلال

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ (الطلاق: ۱)

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ عدتِ طلاق کے دوران عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی انہوں نے اپنی کھجوریں درخت سے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے ان کو گھر سے نکلنے سے منع کیا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں آپ نے فرمایا: کیوں

نہیں! تم اپنے درخت سے کھجوریں اتارو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تم ان کھجوروں کو صدقہ کرو یا کوئی اور نیکی کا کام کرو۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۳)

اس حدیث کی بناء پر علامہ قرطبی مالکی کا مذہب احناف کو رد کرنا

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اس قول پر دلیل ہے کہ جو عورت عدت طلاق میں ہو وہ اپنی ضروریات کے لیے دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور رات میں اس پر لازم ہے کہ وہ گھر آ جائے، امام مالک فرماتے ہیں: خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو، امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاقِ رجعی میں وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور جس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو وہ صرف دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور جو عورت عدتِ طلاق گزار رہی ہو وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ حدیث ان کے مذہب کا رد کرتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۴۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ہمارا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ. (الطلاق: ۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو دورانِ عدت بغیر کسی استثناء یا قید کے مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید حضرت جابر کی خالہ کی حدیث پر مقدم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی، ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکلنے کی ممانعت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر کی حدیث میں ان کی خالہ کے لیے نکلنے کا حکم خاص ہے اور عام، خاص پر مقدم ہوتا ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں دورانِ عدت ان کی خالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اباحت ہے اور اس آیت میں مطلقہ کے لیے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی تحریم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تحریم اور اباحت کے دلائل میں تعارض ہو تو تحریم کے دلائل کی اباحت کے دلائل پر ترجیح ہوتی ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع ہے، لیکن آپ نے اپنے خصوصی اختیار سے حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی، اس حدیث میں آپ نے مخصوص مطلقہ کو دورانِ عدت ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ ہر مطلقہ دورانِ عدت اپنی ضرورت کی وجہ سے دن میں باہر نکل سکتی ہے، اس لیے اس خاص جزئیہ سے حکم عام پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور اس کی بہت نظائر ہیں، دیکھئے میت پر نوحہ کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو مخصوص میت پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی:

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا (الیٰ قولہ تعالیٰ) وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ. (الممتحنہ: ۱۲) ہجرت کر کے آنے والی خواتین آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کریں گی ۔۔۔ اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

حضرت ام عطیہ نے کہا: ان احکام میں میت پر نوحہ کرنے سے ممانعت بھی تھی' پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دیں' کیونکہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں نوحہ میں میری موافقت کی تھی' سو میرے لیے بھی ان کی موافقت کرنا ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آلِ فلاں کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ام عطیہ کو آلِ فلاں پر نوحہ کی اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ مطلقاً میت پر نوحہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنا بالعموم جائز نہیں ہے لیکن آپ نے حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو اور تمہارے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۲)

آپ نے مکہ کے درختوں کو کاٹنے سے مطلقاً منع فرمایا لیکن قریش کے ایک شخص نے اذخر (گھاس) کاٹنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲)

قرآن مجید میں اڑھائی سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے لیکن آپ نے حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں سہلہ بنت سہیل نامی ایک صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۵۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴۳)

ریشم پہننا مردوں کو مطلقاً ممنوع ہے لیکن آپ نے حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۹۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۰)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ جو کام مطلقاً ممنوع ہو' اگر آپ کسی شخص کو اس کام کرنے کی اجازت دے دیں تو اس اجازت کی وجہ سے وہ کام بالعموم جائز نہیں ہو جاتا اور وہ اجازت صرف اس کی حد تک رہتی ہے' سو آپ نے حضرت جابر کی خالہ کو عدتِ طلاق میں کھجوریں اتارنے کے لیے گھر سے باہر جانے کی جو اجازت دی تھی یہ اجازت صرف ان کی حد تک ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عدتِ طلاق میں دن کے وقت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا بالعموم جائز ہو جائے' لہٰذا اس حدیث کی بناء پر مذہب احناف کا مردود ہونا لازم نہیں آتا۔ مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ نے اس مسودہ کو دیکھ کر مجھ سے کہا: آپ شرح صحیح مسلم کے جواب کو بھی یہاں لکھ دیں' سو وہ جواب یہ ہے:

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

ا حضرت جابر کی روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر کی خالہ نے اپنے شوہر سے خلع کیا ہو اور خلع میں عدت کا نفقہ معاف کر دیا ہو' اس وجہ سے وہ تلاشِ معاش میں باہر گئی ہوں اور اس قسم کے مسائل میں احناف کے نزدیک بھی رخصت ہے۔ "ہدایہ" اور "فتح القدیر" میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہو اور اب منسوخ ہو چکا ہو' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابو الزبیر نے حضرت جابر سے پوچھا: کیا مطلقہ اور بیوہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں؟ حضرت جابر نے کہا: نہیں۔ الحدیث' امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اپنی خالہ کے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں' اس سے معلوم ہوا

کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ (شرح معانی الآثار ج۲ ص۴۶' کراچی) نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں
کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور وہ گھر سے جانا
چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو روکو! اس نے کہا: میں نہیں روک سکتا' فرمایا: اس کو قید کرلو' کہا: اس کے بھائی بہت طاقتور ہیں'
فرمایا: امیر سے مدد طلب کرو۔ (سنن کبریٰ ج۷ ص۴۳۱) اور امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان 5
حج اور عمرہ سے عورتوں کو روکتے تھے تاوقتیکہ وہ عدت پوری کرلیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۸۲' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

علامہ قرطبی کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد اور اس کے جوابات

علامہ قرطبی مالکی نے امام ابوحنیفہ پر دوسرا رد اس حدیث سے کیا ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ابوحفص بن المغیرہ المخزومی نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں' اور وہ خود یمن چلے گئے اور ان کے گھر والوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں ہے' پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت آپ حضرت میمونہ کے گھر تھے' انہوں نے بتایا کہ ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں' کیا اس کا نفقہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نفقہ نہیں ہے اور اس پر عدت ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کو یہ پیغام بھیجا کہ تم خود کہیں نہ جانا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر چلی جائیں' پھر ان کو یہ پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر تو مہاجرین اوّلین آتے ہیں' وہ ابن ام مکتوم جو نابینا ہیں ان کے گھر چلی جائیں' کیونکہ جب تم اپنا دوپٹا اتارو گی تو وہ تم کو نہیں دیکھیں گے' پس وہ ان کے گھر چلی گئیں اور جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح کردیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰' الرقم المسلسل: ۳۶۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۳۵۲)

علامہ قرطبی مالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عدتِ طلاق میں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عدت کے ایام شوہر کے گھر کے بجائے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر گزارنے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ عورت عدتِ طلاق میں شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۸ ص۱۴۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کے بھی وہی پانچ جوابات ہیں جو ہم اس سے پہلے حضرت جابر کی خالہ کی حدیث کے بیان کر چکے ہیں اور مزید چھٹا جواب یہ ہے کہ جمہور صحابہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو رد کردیا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ:

اسود بن یزید نے حضرت عمر کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں ترک کریں گے' شاید اس کو یاد رہا یا بھول گئی' مطلقہ عورت کے لیے شوہر کی طرف سے رہائش بھی ہوگی اور اس کے ذمہ اس کا خرچ بھی ہوگا' اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۳۶۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳۶)

امام دارقطنی نے اس قصہ کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ' فاطمہ بنت قیس پر رد کرتی تھیں اور دورانِ عدت مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا انکار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ عدت پوری ہونے سے پہلے مطلقہ اپنے گھر سے نہ

نکلے۔(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۴، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۷۲)

تین طلاقوں کی ممانعت پر دلیل

نیز فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنوآدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے قلب کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۸۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ بہت زیادہ یہ دعا کرتے ہیں: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ نے فرمایا: مجھے کون مامون رکھ سکتا ہے، بندوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جب وہ کسی بندے کا دل پلٹنا چاہتا ہے تو پلٹ دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۳۰۔ رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۶۹، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰۔ ج ۱۱ ص ۳۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۵۵۳، اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے، کیونکہ اس کی سند کا ایک راوی علی بن زید ابن جدعان ضعیف ہے، باقی رجال ثقہ ہیں۔)

جب احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دل پلٹتا اور بدلتا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ شوہر آج اپنی بیوی سے ناراض ہے کل راضی ہو جائے، آج اس کو بیوی سے نفرت ہے اور کل وہ نفرت محبت سے بدل جائے اور وہ بیوی کو طلاق دینے پر نادم ہو اور اس طلاق سے رجوع کر لے، اس لیے فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ یک بار تین طلاقیں نہ دے بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق دے شاید کہ ایک حیض یا ایک ماہ گزرنے کے بعد حالات بدل جائیں اور اس کا دل پلٹ جائے اور جس وجہ سے وہ بیوی کو طلاق دے رہا تھا وہ وجہ زائل ہو جائے اور وہ پہلے طہر میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ تین طلاقیں دینا ممنوع اور مذموم ہے، ورنہ اس آیت کا پھر کیا محمل ہو گا اور اس آیت میں امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کا رد ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ تین طلاقیں دینا سنت ہے۔

ہمارے زمانہ میں لوگ وثیقہ نویس سے یا وکیل سے طلاق نامہ لکھواتے ہیں اور عموماً وہ اس طرح کی عبارت لکھتا ہے کہ میں بہ قائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ اپنی فلاں منکوحہ کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور اپنے نکاح سے خارج کرتا ہوں اور بعض لکھتے ہیں کہ میں اپنی منکوحہ کو طلاق ثلثہ مثلثہ مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے اور اس طلاق کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ شوہر کا دل بدل دیتا ہے، پھر شوہر نادم اور پریشان ہوتا ہے، اس کو خیال آتا ہے اب بچوں کا کیا ہو گا، پھر مفتیوں کے پاس جاتا ہے، کبھی حلالہ کرانے کا سوچتا ہے کبھی اپنا مذہب بدل کر غیر مقلد مولویوں کے پاس جا کر یہ باطل فتویٰ حاصل کرتا ہے کہ تین طلاقیں یک بارگی واقع نہیں ہوتیں، یہ ایک طلاق ہے اور یہ ساری مصیبت اس وجہ سے آئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا، اللہ تعالیٰ کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد رکھی تھی کہ وہ ایک طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے لیکن اس نے غصہ میں بے قابو ہو کر اللہ کی حد کو توڑا اور اب پچھتا تا پھر رہا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جب انسان اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو

کسی عالم یا مفتی کے پاس جائے' وہ اس کو بتائے گا کہ جس طہر میں تم نے مباشرت نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دو' اگر بعد میں ناراضگی ختم ہو جائے تو رجوع کر لینا اور اگر تین حیض گزر گئے اور تم نے رجوع نہیں کیا تو تمہاری بیوی بائنہ ہو کر تم سے الگ ہو جائے گی' پھر بھی یہ گنجائش ہو گی کہ عدت کے بعد باہمی رضا مندی سے تم پھر اس سے دوسری بار نکاح کر لو۔ میں ۳۸ سال سے فتاویٰ لکھ رہا ہوں' میرے پاس جب بھی کوئی آیا' وثیقہ نویس یا وکیل سے تین پکی طلاقیں لکھوا کر اس پر دستخط کر کے اپنا گھر اجاڑ کر آیا اور اب مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے اجڑے ہوئے گھر کو پھر بسا دوں' طلاق دینے سے پہلے طلاق دینے کا طریقہ معلوم کرنے کوئی نہیں آتا' وائے افسوس!

اللہ کے بندو! اللہ کی حدود کو نہ توڑو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق: ۱)

اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو' اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے گواہی دو' یہ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں' اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○ اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا' اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے' بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے' بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے ○ (الطلاق: ۳۔۲)

مطلقہ سے رجوع کرنے اور اس کو دستور کے مطابق رخصت کرنے کا معنیٰ

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ . (البقرہ: ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو پھر وہ اپنی عدت (کی تکمیل) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو دستور کے مطابق چھوڑ دو ○

دستور کے مطابق عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کا معنیٰ یہ ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کرے اور نکاح کے تمام تقاضے پورے کرے اور بیوی کے تمام حقوق ادا کرے اور دستور کے مطابق چھوڑنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اس نے ایک طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ تین حیض گزر گئے تو اب عورت بائنہ ہو گئی اور اس کے نکاح سے نکل گئی تو اب وہ دستور کے مطابق اس کا مہر اور اس کے جہیز کا وہ سامان جو شوہر کو ہبہ نہیں کیا تھا اور اس عورت کی ملکیت تھا' وہ سامان اس کو دے کر رخصت کر دے' اسی طرح یہاں اس آیت میں فرمایا ہے: پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی طلاق رجعی دینے کے بعد اگر حالات بدل جائیں یا اس کا دل بدل جائے تو پھر عدت کے اندر اس سے رجوع کر لے اور اگر وہ اس سے علیحدگی کے عزم پر قائم رہے حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اس کو رخصت کر دے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے گواہی دو۔

طلاق اور اس سے رجوع پر گواہ بنانے کے حکم میں مذاہب اور اس کی حکمتیں

علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے اور فراق پر گواہ بنانے کا حکم دیا' شوہران میں سے جس پر بھی گواہ بنانے کو اختیار کرے' اور عمران بن حصین' طاؤس' ابراہیم اور ابی قلابہ سے مروی ہے: جب اس نے رجوع کیا اور گواہ نہیں بنایا تو اس کا رجوع صحیح ہے۔

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے پہلے بیوی کو نکاح میں روکنے یا اس کو الگ کرنے کا ذکر فرمایا' اس کے بعد گواہ بنانے کا ذکر فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ شوہر نے پہلے طلاق سے رجوع کیا بعد میں اس پر گواہ بنالیا تب بھی صحیح ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو فراق اور رخصت کرنے کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد بیوی کو اسی حال پر چھوڑ دے حتیٰ کہ عدت گزر جائے اور اب اس کو رخصت کرنا صحیح ہے' خواہ اس وقت گواہ نہ بنائے بعد میں بنالے' اللہ تعالیٰ نے جو رجوع کرنے اور رخصت کرنے پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے یہ احتیاطاً ہے تا کہ کوئی یہ تہمت نہ لگائے کہ اس نے طلاق سے رجوع نہیں کیا یا بیوی کو دستور کے مطابق رخصت نہیں کیا۔

(احکام القرآن ج ٣ ص ٤٥٦' سہیل اکیڈمی' لاہور)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت اور طلاق سے رجوع کے وقت اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو' امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ گواہ بنانا مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک طلاق کے وقت گواہ بنانا مستحب ہے اور طلاق سے رجوع کے وقت گواہ بنانا واجب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ بعد میں فریقین میں سے کوئی طلاق یا رجوع کا انکار نہ کر سکے اور اس کے نکاح میں بیوی کو روکنے پر تہمت نہ لگائے' اور جب فریقین میں سے کوئی دورانِ عدت مر جائے تو اس کے وارث ہونے کا ثبوت ہو' ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کی حکمت یہ ہے کہ بیوی رجوع کا انکار کر کے عدت کے بعد کسی اور سے شادی نہ کر سکے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے لیے گواہی دو۔ اس میں حکام کے سامنے گواہی دینے کا حکم ہے اور یہ کہ گواہی دینا حقوق اللہ میں سے ہے' لوگ مقدمات کے چکر سے بچنے کے لیے گواہ نہیں بنتے' اگر سب لوگ اس طرح کرنے لگیں تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے' سو جس شخص کو گواہ بنایا جائے اس پر واجب ہے کہ وہ گواہی دے۔

الطلاق: ٣ میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔

متقین کے لیے راہِ نجات کے حصول کے سلسلہ میں احادیث اور آثار

شعبی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: جس شخص نے عدت کے وقت سے پہلے طلاق دی یعنی اس طہر میں جس میں جماع نہیں کیا' تا کہ وہ عدت میں رجوع کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے عدت میں رجوع کرنے کی سبیل بنا دیتا ہے اور دوسروں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کا کوئی حل نکال دیتا ہے۔

کلبی نے کہا: جو شخص مصیبت میں صبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے جنت کی طرف نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا کے شبہات سے اور موت کی سختیوں سے اور قیامت کی شدتوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴۱ ـ ۳۴۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت کو جانتا ہوں کہ اگر تمام لوگ اس پر عمل کریں تو وہ آیت انہیں کافی ہوگی' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی آیت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ (الطلاق: ۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۶۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم کو مشرکین نے قید کر لیا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے فاقہ کی شکایت کی' تو آپ نے فرمایا: شام کے وقت سے آل محمد کے پاس صرف ایک کلو طعام ہے' تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو' اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھو' سو انہوں نے اس پر عمل کیا' ابھی وہ اپنے گھر میں تھے کہ ان کے بیٹے نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان کے ساتھ سو اونٹ تھے' ان کا دشمن ان سے غافل ہو گیا تھا سو وہ اس کے سو اونٹ ہنکا کر لے آئے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۰۶' المستدرک ج ۲ ص ۴۹۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۱۱)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو' اللہ اس کی ہر مہم میں کافی ہوگا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا اور جو شخص سب سے منقطع ہو کر دنیا کی طرف متوجہ ہوگا' اللہ اس کو دنیا کی طرف سپرد کر دے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۲۷۳' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۸ ـ ۵۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر میں فرمایا: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کو دنیا کے غم اور فکر سے کافی ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۶۰' رقم الحدیث: ۱۸۹۱۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کرنے کو لازم کر لیا' اللہ اس کے لیے ہر فکر سے کشادگی پیدا کر دے گا اور ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۸' المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی مشکل سے نجات دے گا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۱۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر کو صرف دعا ٹال سکتی ہے اور عمر میں اضافہ صرف نیکی سے ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۲ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۱۹۳۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرو' اور جب کوئی برائی کرو تو اس کے فوراً بعد نیکی کرو' اور کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو اور کسی امانت پر قبضہ نہ کرو اور دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۱ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۱۰۶۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی اصل ہے' اور تم جہاد کو لازم رکھو کیونکہ وہ اسلام کی رہبانیت ہے اور تم اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن کو لازم رکھو کیونکہ وہ آسمان میں تمہاری خوشی ہے اور زمین میں تمہارا ذکر ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۲ طبع قدیم۔رقم الحدیث: ۱۱۳۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۷)

ضرغام بن علیبۃ بن حرملہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو' اور جب تم کسی مجلس میں ہو' پھر وہاں سے اٹھو تو ان کی جو سنی ہوئی بات تمہیں اچھی لگے اس پر عمل کرو اور ان سے جو سنی ہوئی بات تمہیں ناپسند ہو اس کو چھوڑ دو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۵۔رقم الحدیث: ۱۸۲۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۷)

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے۔

توکل کا معنیٰ اور توکل کے متعلق احادیث

توکل کا معنیٰ اسباب کو ترک کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول کے لیے پوری کوشش کی جائے' اس کے تمام اسباب مہیا کیے جائیں اور پھر اس کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص کسی چیز کے لیے اللہ پر توکل کرے' اس کو وہ چیز حاصل ہو جائے کیونکہ کئی متوکلین مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں اور راہِ حق میں شہید ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو آخرت میں عظیم ثواب عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ توکل کے متعلق حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے فاقہ کو بیان کرے تو اللہ اس کے فاقہ کو دور نہیں کرتا اور جس شخص کو فاقہ ہو اور وہ اللہ سے کہے تو اللہ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے (متعدد) امتیں پیش کی گئیں' پس ایک نبی یا دو نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک جماعت ہوتی' اور ایک نبی گزرتا اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا' پھر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت ظاہر ہوئی' میں نے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ مجھے بتایا گیا یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے' پھر مجھ سے کہا گیا کہ آپ آسمان کے کناروں کی طرف دیکھئے' تو وہاں ایک جماعت تھی جس نے تمام آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا' مجھ سے کہا گیا کہ آپ ادھر اور ادھر آسمان کے کناروں کو دیکھیں وہاں بہت بڑی جماعت تھی' جس نے تمام آسمانوں کے کناروں کو بھر لیا تھا' کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے' اور ان لوگوں میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے' پھر آپ گھر چلے گئے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ مسلمانوں نے اس میں غور و فکر کیا اور کہا: یہ ہم لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اس کے رسول کی اتباع کی اور یہ ہم ہیں اور ہماری وہ اولاد ہے جو اسلام پر پیدا ہوئی' کیونکہ ہم لوگ تو زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے باہر آ کر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے تھے اور نہ بدشگونی کرتے تھے' اور نہ داغ لگوا کر علاج کراتے تھے اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے' پھر حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ایک اور شخص نے پوچھا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۳)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے' وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۸۲)

حضرت مطلب بن حطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں کا حکم دیا تھا' میں نے تمہیں ان تمام کاموں کا حکم دے دیا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں سے منع کیا میں نے تمہیں ان تمام کاموں سے منع کر دیا ہے اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کو پورا کر لے پس تم اچھی طرح طلب کرو۔ دوسری روایت میں ہے: حلال کو طلب کرو اور حرام کو ترک کر دو۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۸۷۔۱۱۸۶' السنۃ لابی العاصم ج ۱ ص ۱۸۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق بندہ کو اس طرح طلب کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو طلب کرتی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۲۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۲۵۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۹۱' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور زادِ راہ نہیں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب مکہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ (البقرہ: ۱۹۷) اور زادِ راہ (سفر خرچ) لیا کرو' بہترین زادِ راہ تقویٰ (اللہ سے ڈرنا اور سوال نہ کرنا) ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔

اللہ کے کام پورا کرنے کے محامل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کو پورا کرنے والا ہے۔

مسروق نے کہا: کوئی شخص اللہ پر توکل کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو مقدر کیا ہے وہ اس کو پورا کرنے والا ہے' البتہ جو اس پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کے اجر کو زیادہ کر دیتا ہے۔

ہر چیز کے اندازہ سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک وقت اور اس کا انجام مقرر ہے' اس لیے یہ واجب ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور تمام معاملات اس کے سپرد کر دے' مقاتل نے کہا: ہر چیز کے لیے سختی اور آسانی اور اس کی مدت مقدر اور مقرر ہے۔

الطلاق: ۳ کے آخر میں فرمایا: بے شک اللہ نے ہر چیز کا اندازہ رکھا ہے۔

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں تقدیر کا بیان ہے' تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیتیں بھی ہیں:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ (الفرقان:۱) اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ اندازے پر رکھا ○

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ○ (الاحزاب:۳۸) اور اللہ کا کام مقرر شدہ اندازے پر ہے ○

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر:۴۹) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے ○

تقدیر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا' اور اللہ کی تقدیر کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو حکمت کے تقاضے سے مخصوص مقدار' مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لیے بنانا اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی چیز کو دفعۃً اور ابتداءً کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی' کمی یا تبدیلی نہ ہو' جیسے سات آسمان (۲) اس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوۃ ہوں اور اس کو اس اندازے سے بنایا جائے کہ اس سے وہ چیز موجود ہو نہ کہ کوئی اور چیز' جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہو گی' سیب پیدا نہیں ہو گا اور انسان کی منی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہو گا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہو گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۱۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا حکم کر دیا۔

(النہایہ ج ۴ ص ۲۰' دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۸ ھ)

دراصل یہ دو لفظ ہیں: قضاء اور قدر' علامہ ابن اثیر الجزری نے جو معنیٰ لکھا ہے وہ قضاء کا ہے' اور قدر یعنی تقدیر کا وہی معنیٰ ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں: (۱) کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور و فکر کرنا (۲) کسی چیز کو ختم کرنے کے لیے علامات مقرر کرنا (۳) دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے' اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا نام ہے' انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا' اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا' اس نے اپنے اس علم سابق کو لکھ دیا اور جس کے لیے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کر دیا۔ ابو منصور ماتریدی نے کہا: اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہو گا یا دوزخی ہو گا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا' سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۳۷' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

تقدیر کی وضاحت اور اس کا کھوج لگانے کی ممانعت

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ ھ لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانا فرض لازم ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں' اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ○ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو○

پس ایمان اور کفر' اطاعت اور معصیت سب اللہ کی قضاء اور قدر سے ہے اور اس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے' البتہ وہ ایمان سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے (دراصل بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں اور بندہ جو برے کاموں پر سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اچھے کاموں پر جو اس کو جزا دی جاتی ہے وہ اس کے کسب کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور طاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے' اور وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا' اور اس نے کفر اور معصیت پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے' جس پر اس نے کسی مقرب فرشتہ کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی نبی مرسل کو (ہماری تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں تقدیر کی حقیقت معلوم ہے اور عام مؤمنوں کو آخرت میں تقدیر کی حقیقت پر مطلع کیا جائے گا' سعیدی غفرلہٗ) تقدیر میں غور و خوض کرنا اور عقل سے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا' پھر اس کے دو فرقے کر دیئے' دائیں جانب والوں کو اپنے فضل سے جنت کے لیے پیدا کیا اور بائیں جانب والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے لیے پیدا کیا' ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے متعلق بتایئے' آپ نے فرمایا: یہ اندھیرا راستہ ہے تم اس میں مت چلو' اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے جو تم سے مخفی ہے' تم اس کی تفتیش مت کرو۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۲۱۵' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۵۷' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

خلق اور تقدیر کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا○ (الفرقان: ۱) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ اندازے پر رکھا○

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' اس کا معنیٰ ہے کہ انسان کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا: اور اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا' یعنی وہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور اس میں وہ خاصیت مہیا کی' جس کی اس میں صلاحیت اور استعداد تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس مقدار اور شکل پر پیدا کیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر دین اور دنیا کی کامیابی موقوف ہے' اسی طرح ہر حیوان میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر اس کی دنیاوی مصلحت موقوف ہے اور ہر حیوان کو اس کے حال کے مناسب مقدار اور شکل و صورت پر پیدا کیا' اسی طرح تمام جمادات اور نباتات کو ان کے حسب حال مقدار اور صورت پر پیدا کیا۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے' جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ فلاں چیز ہو گی تو اس چیز کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا محال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم' جہل سے بدل جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کسی چیز کے متعلق خبر دی ہے کہ فلاں چیز ہو گی تو اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے کلام کا صدق' کذب سے بدل جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳۱ - ۴۳۰ 'ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے الفرقان: ۱ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس میں وہ چیزیں رکھیں جو اس کی حکمت کا تقاضا تھیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دولفظ ہیں' پہلے فرمایا: ''خلق'' پھر فرمایا: ''فقدر'' بہ ظاہر دونوں کا معنیٰ ایک ہے اور یہ تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''خلق'' کا معنیٰ ہے: اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور ''فقدر'' کا معنیٰ ہے: اس میں وہ چیزیں مہیا کیں جو اس کی حکمت کا تقاضا ہیں' جیسے انسان کو مخصوص مادے سے مخصوص صورت پر پیدا کیا اور اس میں وہ خصائص اور وہ افعال مہیا کیے جو اس کے لائق ہیں' مثلاً اس میں فہم' ادراک' دنیا اور آخرت کے کاموں میں نظر اور تدبر کو پیدا کیا اور مختلف افعال پیدا کیے۔

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۴۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد: ۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے' اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوحِ محفوظ) ہے ۝

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے' اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا' مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے' پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا' اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے' جس کی طرف ''يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ'' (الرعد: ۳۹) میں اشارہ ہے' اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف ''عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ'' (الرعد: ۳۹) سے اشارہ ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا' مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے' اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہو گی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے' اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حسبِ ذیل احادیث اس تقریر پر دلالت کرتی ہیں:

رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ اس

کے رزق میں وسعت کی جائے یا اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے' اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۲۹)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاندان کے ان رشتوں کو جانو جن سے تم مل جل کر رہو' کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے' مال میں زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جس شخص کو نرمی اور ملائمت سے اس کا حصہ دیا گیا' اس کو دنیا اور آخرت کی خیر سے حصہ دیا گیا۔ رشتہ داروں سے ملنا اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا گھروں کو آباد رکھتا ہے اور عمروں میں اضافہ کرتا ہے۔

ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحم سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (یونس: ۴۹)

ہر گروہ کا ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک ساعت مؤخر ہو سکیں گے اور نہ ایک ساعت مقدم ہو سکیں گے ○

ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جس عمر کا ذکر فرمایا ہے' یہ وہ عمر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ قضاء مبرم ہے' اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی اور ان احادیث میں جس عمر کے اضافہ کا ذکر ہے یہ عمر قضاء معلق میں ہے' مثلاً اگر کسی شخص نے صلہ رحم کیا تو اس کی عمر سو سال ہے اور اگر قطع رحم کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے' پس اگر اس نے صلہ رحم کر لیا' تو اس کی عمر ساٹھ سال کو مٹا کر سو سال لکھ دی جائے گی اور اگر قطع رحم کیا تو وہی ساٹھ سال لکھی رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے صلہ رحم کرنا ہے یا قطع رحم کرنا ہے اور اس کی عمر سو سال ہے یا ساٹھ سال اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

تقدیر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ فرماتے ہیں: اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ سبحانہ کو علم تھا کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی' سو اسی علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں' اور قدریہ نے اس کا انکار کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ اور امام نے کہا: اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال

کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا: اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنیٰ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لیے بندوں کو مجبور کر دیا لیکن قضاء وقدر کا یہ معنیٰ نہیں ہے۔ قدر کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم اور قضاء کا معنیٰ ہے: اپنے علم کے موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ص ۴۴۹۔ ۴۴۷ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان معترضین نے جبر کا معنیٰ نہیں سمجھا۔ جبر یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے کوئی کام کرایا جائے' جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اس سے کہے کہ اپنی جیب سے رقم نکالو تو یہ جبر ہے اور جب آدمی اپنی خواہش سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جیب سے رقم نکالے تو یہ جبر نہیں ہے' سو ہم اچھے یا بُرے کام جو بھی کرتے ہیں تو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور ہم جس کام کو اختیار کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے اندر وہی کام پیدا کر دیتا ہے' پھر جبر کہاں سے ہو گیا' سو ہم اپنے افعال میں مختار ہیں' مجبور نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ سب سے زیادہ سچے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں رہتی ہے' پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتی ہے' پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے' پس وہ اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھتا ہے اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے (دوزخی ہے یا جنتی) پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے' سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے' پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے ایک شخص اہل دوزخ کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲)

اس حدیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے نیک اعمال پر مغرور نہ ہو اور تکبر نہ کرے اور خوف اور امید کے درمیان رہے اور تقدیر پر شاکر اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا اس کا ٹھکانا جنت میں لکھ دیا گیا ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو ہر شخص کے لیے اس چیز کو آسان کر دیا گیا ہے' جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے' جو شخص اہل سعادت میں سے ہے اس کے لیے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل: ۱۰۔۵)

رہا وہ شخص جس نے عطا کیا اور اپنے رب سے ڈرا ۝ اور اس نے ہر نیکی کی تصدیق کی ۝ تو ہم عنقریب اس کے لیے نیک کاموں کو آسان کر دیں گے ۝ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی

برتی○ اور اس نے ہر نیکی کی تکذیب کی○ تو ہم عنقریب اس کے
لیے معصیت کا راستہ آسان کر دیں گے○
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو شخص عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں' یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا○ (الشمس: ۸۔۷)
نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی○ پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اس سے بچنے کی○
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۰)

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر' نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کر سکے' پس جس نے کتاب اور سنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا وہ ناکام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھا دی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں' سو اسی علم کے موافق اللہ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ○ (القمر: ۵۲)
انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں جس سے میں عورتوں سے شادی کروں' گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے' آپ خاموش رہے' میں نے دوبارہ کہا' آپ پھر خاموش رہے' میں نے سہ بارہ کہا' آپ پھر خاموش رہے' میں نے چوتھی بار کہا تو آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے' سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۷۶)

یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم نے اپنے اختیار سے زنا کرنا ہے یا نہیں کرنا اور اسی کے موافق لکھ دیا گیا ہے' سو اب خصی ہونے کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ' اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ' تو اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۵)

حضرت ابو خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعہ حملوں سے بچتے ہیں' کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ

چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۵ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۷)

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماری کو مقدر کیا ہے 'اسی طرح بیماری کے ازالہ کے لیے دوا کو مقدر کیا ہے 'پس جو آدمی دوا کو استعمال کرے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اللہ نے اس کے لیے شفاء کو مقدر نہیں کیا 'لیکن وہ صرف ایک بار دوا کو استعمال کر کے مایوس نہ ہو بلکہ مختلف معالجوں سے علاج کرائے اور شفا کا ہر طریقہ آزمائے اور تا حیات حصولِ شفاء کی کوشش کرتا رہے ' بعض احادیث میں دم کرانے کی ترغیب ہے اور بعض احادیث میں اس کو توکل کے خلاف فرمایا ہے 'ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آیاتِ قرآن اور احادیث میں بیان کیے گئے کلمات سے دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے تو جائز ہے اور اگر شرکیہ کلمات سے دم کیا جائے یا کرایا جائے تو وہ ناجائز ہے اور توکل کے خلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے: اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے 'کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بے شک تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان دلوں کو پلٹتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰ 'مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۷۔۱۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے 'المرجئۃ اور القدریۃ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۹ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۲ 'یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

المرجئۃ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں اور مؤمن کو گناہوں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا اور القدریۃ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مؤمن مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القدریۃ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۱ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۲ 'مسند احمد ج ۲ ص ۸۶۔۱۲۵ 'المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

مجوس دو خالق مانتے تھے 'ایک یزداں جو خالق خیر ہے اور ایک اھرمن جو خالق شر ہے 'آپ نے القدریۃ کو اس امت کا مجوس اس لیے فرمایا کہ وہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں اور مجوس کی طرح شرک کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل قدر (منکرین تقدیر) کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ان سے (سلام کی) ابتداء کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۰۔۴۷۲۰ 'مسند احمد ج ۱ ص ۳۰)

ان سے ابتداء کی ممانعت کا معنیٰ یہ ہے کہ ان سے ابتداءِ سلام اور کلام نہ کرو 'مؤخر الذکر دونوں حدیثیں بد مذہبوں اور گمراہ فرقوں سے میل جول اور سلام و کلام کی ممانعت کی اصل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے 'اور ہر نبی مستجاب الدعا ہوتا ہے: (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) قوت کے بل پر غلبہ پا کر حکومت اور اقتدار حاصل کرنے والا تا کہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے (۴) اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال کرنے والا (۵) میری عترت (اہل بیت) میں ان کاموں کو حلال کرنے والا جن کو اللہ نے حرام کیا ہے (۶) میری سنت کو (بہ طور تخفیف اور اہانت) ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۴ المستدرک ج ۱ص ۳۶ السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۴۴ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۲۴۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کا ذکر کر رہے تھے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا' اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

بہادری اور بزدلی' سخاوت اور بخل' اسی طرح حلیم اور بدمزاج یا غصہ ور' یہ فطری اور جبلی صفات ہیں' اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص جو بہادر تھا اب بزدل ہو گیا ہے' یا جو سخی تھا وہ بخیل ہو گیا' یا جو حلیم اور بردبار تھا وہ جلد غصہ میں آنے والا بن گیا ہے' تو اس خبر کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ ان صفات کا تعلق قضاء وقدر سے ہے' اور کسبی صفات بدل سکتی ہیں جیسے کوئی جاہل عالم بن جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے' اور وہ عورتیں جن کو حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا O (الطلاق: ۵۔۴)

جن بوڑھی عورتوں کو حیض نہیں آتا' ان کی عدت میں شک ہونے کے محامل

جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرما چکا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ: ۲۲۸)

اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہے۔ پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو' اس کے تین محمل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت' حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا' وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ' اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے' نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

ابن زید نے کہا: اگر عورت یا مرد کو حیض کے آنے میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حمل کا انتظار ہو تو اس کی مدت نو ماہ ہے۔

(۲) ابن ابی کعب نے کہا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت' نابالغہ اور حاملہ عورت کی عدت نہیں بیان کی گئی تو یہ آیت نازل ہو گئی۔

(۳) عکرمہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا' یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے' تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۰-۱۷۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا ہے: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلافِ صحابہ

اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے وہ کہتے تھے: جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر لعان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ۴ جس میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے البقرہ: ۲۳۴ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے یعنی اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چار ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۴-۱۸۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم سورۃ الطلاق کے تعارف میں اس اختلاف کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

نابالغہ بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا ہو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۹-۱۴۶ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اور عدتِ وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے خواہ وہ عدتِ طلاق گزار رہی ہو یا عدتِ وفات۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

رہی عدتِ حمل تو اس کی مقدار اتنی ہی ہے جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب ہونے کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تختِ غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی پھر لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب[1] اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

[1] شعیب کا پورا نام ہے: محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص گویا عمرو بن شعیب اپنے والد محمد بن عبداللہ سے اور محمد بن عبداللہ اپنے دادا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص ۳۰۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۴ھ)

''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ'' (الطلاق: ۴) تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے' اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۴) 6

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ براءت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی براءت رحم واضح ہوتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ براءت رحم واضح ہوتی ہے' پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا مہینوں کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۴ ص ۴۳۲۔۴۳۰ ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ سے ڈرنے کے فوائد

الطلاق: ۵ میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا۔

یعنی اللہ اس کے معاملہ کو آسان بنا دے گا اور اس کو نیک اعمال کی توفیق دے گا' عطاء نے کہا: اللہ اس کی دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان کر دے گا' اور اللہ کے احکام پر جو شخص عمل کرے گا اور اس کی اطاعت کرنے میں اس سے ڈرتا رہے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے گا' تو وضو کرنے سے اور ایک نماز سے دوسری نماز اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس سے جو صغیرہ گناہ ہوئے' ان کو مٹا دے گا اور توبہ کرنے سے اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا اور آخرت میں اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو' اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو' اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو' اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو' اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحبِ حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے' اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O (الطلاق: ۷۔۶)

حضرت فاطمہ بنت قیس کی وہ روایت جس سے ائمہ ثلاثہ نے مطلقہ کے خرچ کے عدمِ وجوب پر استدلال کیا ہے

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں' میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی' آپ نے فرمایا: تم اپنے عم زاد عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ اور ان کے پاس عدت گزارو۔ (صحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب: ۶' رقم الحدیث: ۴۵)

شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے رہائش اور خرچ مقرر نہیں کیا تھا' پھر اسود نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے' ہم نہیں جانتے اس کو اصل حدیث یاد ہے یا شاید وہ بھول گئی' اس کے لیے رہائش بھی ہوگی اور خرچ بھی ہوگا' اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ

اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق: ۱) خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

طلاق ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کے استحقاق میں مذاہب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنیٰ (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ لازم ہے ورنہ کچھ لازم نہیں امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ صرف اس صورت میں لازم ہے جب وہ حاملہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں کہ حسن بصری عمرو بن دینار طاؤس عطا بن ابی رباح عکرمہ شعبی امام احمد بن حنبل اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ اور حماد شریح نخعی ثوری ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ حسن بن صالح امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی ابوعبیدہ امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہوگا جب وہ حاملہ ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۸۔۳۰۷ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں کہ جنہوں نے مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کو واجب کیا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ '' (الطلاق: ۶) ''(مطلقہ عورتوں) کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو'' اس آیت میں سکنیٰ کا امر ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہے کہ وہ اس کے پاس مقید ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی۔ (مالکی اور شافعی) علماء نے کہا کہ کتاب اللہ میں فقط سکنیٰ کا ذکر ہے۔ امام دارقطنی نے کہا کہ حضرت عمر کے قول میں ''ہمارے نبی کی سنت'' کے الفاظ ایسی زیادتی ہے جو غیر محفوظ ہے۔ ثقہ راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: ''اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ '' (الطلاق: ۶)۔ اس آیت میں صرف سکنیٰ کو واجب کیا ہے نفقہ کو واجب نہیں کیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی نفقہ کا عدم وجوب ثابت ہوتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ '' (الطلاق: ۶) اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو تاوقتیکہ حمل وضع ہو جائے۔ اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مطلقہ غیر حاملہ ہو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳ اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر فقہاء احناف کے قرآن مجید سے دلائل

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنیٰ واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے امام احمد بن حنبل اور غیر مقلدین کے نزدیک اس

کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔ فقہاء احناف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ○

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(والقول الثانی) ان المراد بھذہ المتعة النفقة والنفقة قد تسمی متاعا واذا حملنا ھذہ المتاع علی النفقة اندفع التکرار.

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

ایک آیت میں ہے:

وَمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو (یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا) خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے' یہ نیکی کرنے والوں پر واجب ہے ○

سورۂ بقرہ کی آیت: ۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور یہاں متاع سے مراد بالاتفاق ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جا سکے جیسے کپڑوں کا جوڑا' خادم یا کچھ نقد رقم وغیرہ' پس اگر بقرہ کی آیت: ۲۴۱ میں بھی متاع سے مراد یہی ہو (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے) تو تکرار لازم آئے گا' اس تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت میں متاع کو نفقہ پر محمول کیا جائے جبکہ از روئے لغت متاع کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی متاع کا اطلاق نفقہ پر کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں' وہ اپنی بیویوں کو ایک سال تک نان اور نفقہ ادا کرنے کی وصیت کریں اور اس مدت میں ان عورتوں کو گھر سے نہ نکالا جائے۔

اس آیت میں متاع سے بالاتفاق اور بالاجماع نفقہ مراد ہے' خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے البقرہ: ۲۳۶ میں متاع دینے کا حکم کیا ہے اور اس سے بالاتفاق وقتی نفع کی چیز مثلاً جوڑا وغیرہ مراد ہے۔ اس کے بعد البقرہ: ۲۴۱ میں پھر مطلقہ عورتوں کے لیے متاع دینے کا حکم کیا گیا ہے' اب اگر اس سے پھر وہی وقتی نفع کی چیز مراد لی جائے تو تکرار ہوگا' اس لیے امام رازی فرماتے ہیں کہ تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں متاع سے مراد نفقہ لیا جائے جبکہ لغت اور قرآن مجید سے متاع پر نفقہ کا اطلاق ثابت ہے۔ امام رازی کی تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ نکرہ ہے اور اصول عرب یہ ہے کہ نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب پہلے متاع سے مراد وقتی نفع کی چیز ہے تو ضروری ہوا کہ دوسرے متاع سے مراد نان ونفقہ ہو' اور اس آیت میں مطلقات کا لفظ عام ہے اور تمام مطلقات کو شامل ہے وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ' اور امام رازی کی تفسیر اور اس اصول عرب سے ثابت ہوا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے دوران عدت نفقہ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور یہی احناف کا موقف ہے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۗ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق:۶)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ' اور اگر یہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے وجوب پر اس آیت میں تین دلیلیں ہیں: (۱) سکنٰی مالیات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقہ کے لیے مال میں حق واجب کیا ہے خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہو اور سکنٰی بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو ضرر پہنچانے سے منع کیا (ولا تضاروهن) اور مطلقہ عورت کو نان ونفقہ نہ دینا بھی ضرر ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت پر تنگی کرنے سے منع کیا ہے (لتضيقوا عليهن) یعنی نہ سکنٰی میں تنگی کرو نہ نان ونفقہ میں تنگی کرو۔ یہ نہی دونوں کو شامل ہے۔ اس کے بعد علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ'' اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو' اس میں مطلقہ سے مراد ہے عام' خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ' کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے' اب دیکھنا یہ ہے' کہ نفقہ کا وجوب حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ وہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رجعیہ اگر غیر حاملہ ہو پھر بھی اس کا نفقہ واجب ہے تو پھر مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ بھی اس وجہ سے واجب ہوگا کہ وہ دورانِ عدت خاوند کے گھر رہے گی۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۰۔۴۵۹' سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اور یہ بھی واضح رہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ کے لیے امام شافعی اور امام مالک اس آیت سے سکنٰی کا وجوب مانتے ہیں تو نفقہ کا وجوب بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ نان ونفقہ سکنٰی سے زیادہ اہم ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنٰی کے وجوب پر احادیث سے دلائل

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن حرب بن ابی العالیة عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم المطلقة ثلاثا لها السکنٰی والنفقة. (سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنٰی بھی ہے اور نفقہ بھی۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: عبدالحق نے احکام میں لکھا ہے کہ ابوالزبیر عن جابر کی روایت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس میں سماع کی تصریح ہو یا عن اللیث عن ابی الزبیر ہو (یعنی لیث کے علاوہ کوئی اور راوی عن ابی الزبیر عن جابر روایت کرے تو صحیح نہیں ہے) اور حرب بن ابی العالیہ سے بھی استدلال نہیں ہوتا' کیونکہ یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' اس لیے اقرب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۴' مجلس علمی' ہند)

عبدالحق کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متعدد احادیث عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے بیان کی ہیں اور اس سند میں لیث نہیں ہے مثلاً کتاب الحج کے ''باب جواز دخول مکه بغیر احرام'' میں ہے ''نامعاویه بن عمار الدهنی عن ابی الزبیر عن جابر'' نیز اسی باب میں ہے: ''فی روایة قتیبة قال نا ابو الزبیر عن جابر''۔ ان اسانید میں نہ لیث ہے نہ حضرت جابر سے ابوالزبیر کے سماع کی تصریح ہے' پس واضح ہو گیا کہ عبدالحق کا بیان کردہ قاعدہ امام

مسلم کے نزدیک مسلّم نہیں ہے' ورنہ امام مسلم ان اسانید کے ساتھ روایات کو اپنی صحیح میں درج نہ کرتے اور جب یہ سند حدیث کی صحت کے منافی نہیں تو دار قطنی کی مذکور روایت کی صحت کے لیے بھی موجب طعن نہیں ہے۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حرب بن ابی العالیہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ان کی ثقاہت کی بھی تصریح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کا امام حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی ان کی روایات سے استدلال کرتے ہیں' پس ثابت ہو گیا کہ حرب بن ابی العالیہ رجال صحیح میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت ہے:

قال عمر لا نترك كتاب الله وسنة رسوله لقول امرأة لا ندری لعلها حفظت او نسيت لها السكنى والنفقة قال الله عزوجل لا تخرجوهن من بيوتهن الا ان ياتين بفاحشة مبينة.

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے' پتا نہیں اس نے حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی۔ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ تھی کہ مطلقہ ثلاثہ کا سکنیٰ اور نفقہ واجب ہے' باقی اس پر علامہ نووی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ دار قطنی کے نزدیک ''نہ سنت رسول کو ترک کریں گے'' یہ زیادتی غیر محفوظ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی امام مسلم کے نزدیک ثابت ہے اور امام مسلم کی تصحیح اور ان کی روایت دار قطنی کی جرح سے زیادہ قوی ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی کے متعدد متابع ہیں' نیز امام مسلم نے متعدد اسانید سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بھی روایت کیا ہے' ان کے شوہر حضرت اسامہ بھی اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

نفقہ کے عدم وجوب پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

امام احمد بن حنبل نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب کی نفی پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے' اور امام مالک اور امام شافعی نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ کے وجوب کی نفی پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے' جیسا کہ ہم علامہ نووی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ علامہ سرخسی حنفی اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جب بھی حضرت فاطمہ سے اس روایت کو سنتے تو پوری قوت سے اس روایت کا رد کرتے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: یہ عورت اس روایت سے دنیا میں ایک فتنہ پیدا کر رہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے' پتا نہیں وہ سچی ہے یا جھوٹی؟ اس کو مسئلہ یاد ہے یا بھول گئی' میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: مطلقہ ثلاثہ کے لیے دوران عدت نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: اگر بالفرض یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی دو تاویلیں ہیں: پہلی تاویل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر غائب تھے' مدینہ سے یمن کی طرف گئے ہوئے تھے' انہوں نے اپنے بھائی کو جو کا آٹا بطور نفقہ دینے کا وکیل بنایا'

انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور ان کا خاوند وہاں موجود نہیں تھا جو اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز ادا کرتا۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ روایات کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس بہت زبان دراز تھیں اور اپنے دیوروں (خاوند کے بھائیوں) کو بہت تنگ کرتی تھیں' اس وجہ سے ان لوگوں نے ان کو گھر سے نکال دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا' جس وجہ سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا۔ (المبسوط ج ۵ ص ۲۰۲۔۲۰۱' دار المعرفۃ' بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو' اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

دودھ پلانے کی اجرت لینے کا جواز

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر بچہ کی ماں اس بچہ کو دودھ پلانے پر راضی ہو (خواہ وہ مطلقہ ہو یا نہ ہو) تو باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کوئی اور دایہ مقرر کرے' اور بچہ کے باپ پر یہ لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے' بہ شرطیکہ بچہ کی ماں رواج اور دستور کے مطابق دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے۔ (واضح رہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف مذہب اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کا اس کے باپ سے مطالبہ کر سکتی ہے۔) اور اگر بچہ کی ماں دودھ پلانے کی اجرت رواج اور دستور سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو پھر فریقین باہمی مشاورت سے کسی اور دایہ کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر سکتے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۴۔۴۶۳' سہیل اکیڈمی' لاہور)

شوہر پر اس کی بیوی اور بچوں کے خرچ دینے کا وجوب

الطلاق: ۷ میں فرمایا: صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے' اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے' اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے' اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مطلقہ کا خرچ شوہر کی حیثیت کے مطابق اس پر واجب ہے' جو خوش حال ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور جو تنگ دست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تنگ دست ہے تو وہ یہ امید رکھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو خوش حال کر دے گا۔

شوہر پر بیوی کا خرچ واجب ہے' اس سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔ (البقرہ: ۲۳۳)

شوہر پر واجب ہے کہ وہ رواج اور دستور کے مطابق بیوی اور بچوں کا خرچ دے اور اگر شوہر پورا خرچ نہ دے تو بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کے پیسوں میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ھند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس آدمی ہیں' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو' سوا اس کے کہ میں ان کی لاعلمی میں ان کے

پیسے نکال لوں؟ آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق اتنے پیسے لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۴۔۲۲۱۱‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۳۱‘ مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۔ ۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور فے عطا فرمائے تھے‘ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے‘ سو وہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر خرچ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۰۴‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے‘ تمہاری بیوی کہے گی: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے طلاق دو‘ اور تمہارا خادم کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے بیچ دو‘ اور تمہاری اولاد کہے گی تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۴۳۳‘ دار الفکر‘ بیروت‘ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو‘ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے‘ آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو‘ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے‘ آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو‘ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے‘ آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو‘ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے‘ آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو‘ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے‘ آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵‘ اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱‘ المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم‘ المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید‘ تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۲)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے‘ اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اسی کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے‘ پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا‘ کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا‘ چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا‘ کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا‘ (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے‘ علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہیں اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں ’’وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا‘‘ (لقمان: ۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَ

محاسبہ کیا اور ان کو بہت بُرا عذاب دیا O سو انہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازا چکھا اور

كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا

انجام کار ان کو نقصان ہوا O ان کے لیے اللہ نے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے' سو اے

اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠

معٓ عند المتقدمین ۱۲

عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ نے تمہاری طرف (سراپا) نصیحت نازل کی ہے O

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو رسول ہے وہ تم پر اللہ کی واضح آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تاکہ جو ایمان لائے ہیں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ

اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور انہوں نے نیک عمل کیے' اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں'

فِيْهَآ أَبَدًا ۗ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے' بے شک اللہ نے ان کے لیے بہترین روزی مہیا کی ہے O اللہ ہی ہے جس نے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۗ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ

سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا' ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل

لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ

ہوتا ہے' تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے

بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع

ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بہت بُرا عذاب دیا O سوانہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازا چکھا اور انجام کار ان کو نقصان ہوا O ان کے لیے اللہ نے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے سواے عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ نے تمہاری طرف (سراپا) نصیحت نازل کی ہے O جو رسول ہے وہ تم پر اللہ کی واضح آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تا کہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے بے شک اللہ نے ان کے لیے بہترین روزی مہیا کی ہے O (الطلاق: ۱۱۔۸)

احکام شرعیہ پر عمل کرنے پر ثواب کی بشارت اور نافرمانی پر عذاب کی وعید

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے تھے اور اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ کے احکام نہ ماننے سے دنیا اور آخرت میں عذاب ہوتا ہے۔

الطلاق: ۸ میں فرمایا ہے: اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی۔

اس کا معنیٰ ہے: ان بستی والون نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور رسل علیہم السلام کی نافرمانی کی۔

پھر فرمایا: تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بہت بُرا عذاب دیا۔

اس کا معنیٰ ہے: ہم نے دنیا میں ان پر بھوک اور قحط سالی نازل کی اور ان کی دشمن قوموں کو ان پر حملہ آور کر دیا ان کو زمین میں دھنسا دیا ان کے چہرے مسخ کر دیئے اور ان کے اوپر اور بہت مصائب نازل کیے ان کے اوپر دنیا میں عذاب پر عذاب نازل کیے اور آخرت میں ان کو دوزخ کے دائمی عذاب کا سامنا ہوگا۔

الطلاق: ۹ میں بتایا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت میں عذاب ہے۔

الطلاق: ۱۰ میں فرمایا: سواے عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انسان مؤمن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ سے ڈر کر شرک کو ترک کر دے تو پھر مؤمنوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے کے کئی مراتب ہیں: (۱) اللہ سے ڈر کر شرک اور کفر کو ترک کرنا (۲) اللہ سے ڈر کر گناہ کبیرہ کو ترک کرنا (۳) اللہ سے ڈر کر گناہ صغیرہ کو ترک کرنا (۴) اللہ سے ڈر کر خلافِ سنت اور خلافِ اولیٰ کو ترک کرنا اور یہاں مراد یہ ہے کہ مؤمن اللہ سے ڈر کے جس مرتبہ میں بھی ہے اس سے اگلے مرتبہ کے حصول کی کوشش کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے تمہاری طرف ذکر (سراپا نصیحت) نازل فرمایا ہے۔

اس آیت میں ذکر کی تفسیر میں کئی قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شرف ہے قرآن مجید میں ہے:

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ (الزخرف: ۴۴) یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے (باعث) شرف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خود قرآن مجید ہے' قرآن کریم میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ . (النحل:۴۴) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید نازل کیا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل امین ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے اوپر ذکر کا اطلاق اس لیے فرمایا کہ آپ سراپا ذکر اور نصیحت ہیں اور مجسم نصیحت ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات تلاوت فرماتے ہیں' جس میں حرام اور حلال کا ذکر ہے اور مؤمنوں کو اور تمام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور نیک اعمال کی نصیحت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا' ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل ہوتا ہے' تا کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے O (الطلاق:۱۲)

سات زمینوں کے متعلق امام رازی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں' اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں' امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ زمین کے تین طبقات ہیں: ایک طبقہ ارضیہ محضہ ہے' دوسرا طبقہ طینیہ محض ہے (محض مٹی ہے) اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس کے بعض حصہ میں سمندر ہے اور بعض حصہ میں آباد علاقے ہیں اور یہ تینوں طبقات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا'' کا مطلب یہ ہو کہ سات آسمانوں کے مطابق سات سیارے ہیں اور یہ زمین ان میں سے ایک سیارہ ہو' اور ان سیاروں میں سے ہر سیارہ کے خواص ہوں اور زمین کی اقالیم میں سے ہر اقلیم میں ان خواص کے آثار ظاہر ہوتے ہوں اور اس اعتبار سے سات زمینیں ہوں' یہ وہ وجود ہیں جو خلافِ عقل نہیں ہیں' ان کے علاوہ مفسرین نے سات زمینوں کے اور محامل بھی بیان کیے ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سات آسمان اس طرح ہیں: (۱) موج مکفوف (۲) چٹانیں (۳) لوہا (۴) پیتل یا تانبا (۵) چاندی (۶) سونا (۷) یاقوت' اور جس نے یہ کہا کہ ان آسمانوں میں سے ہر آسمان کی دوسرے آسمان تک مسافت پانچ سو سال ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے' پس یہ قول اہل تحقیق کے نزدیک غیر معتبر ہے' اے اللہ! (اس اشکال کا حل عطا فرما) سوا اس کے کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث متواتر ہو' اور ہو سکتا ہے کہ آسمان اس سے زیادہ ہوں' اور آسمانوں کی حقیقت کو اور ان کی صفات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سات زمینوں کے متعلق دیگر مفسرین کی آراء

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

یعنی زمینوں کے عدد آسمانوں کے عدد کی مثل ہیں۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینوں کے بھی سات طبقات ہیں' جو ایک دوسرے سے متمیز اور متافصل ہیں' اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی معروف ہے۔

حضرت خالد بن ولید مخزومی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا میں فرمایا:

اللھم رب السموات السبع وما اظلت اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور جن پر ان کا سایا ہے

ورب الارضین وما اقلت. الحدیث اور زمینوں کے رب اور جن کو ان زمینوں نے اٹھایا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۶۲' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۲۸)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات اقالیم ہیں' اور یہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا منکر یا اس میں متردد کافر ہو اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینوں کے سات طبقات ہیں۔

(عنایۃ القاضی علی البیضاوی ج ۹ ص ۲۰۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ مثلیت عدد میں ہے یعنی سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں ہیں' حدیث میں ہے: اللہ غاصب کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا' ایک قول یہ ہے کہ یہ سات طبقات ہیں اور ہر دو طبقوں کے درمیان مسافت ہے اور ان میں اللہ کی مخلوق رہتی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں جن اور فرشتے رہتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سات زمینیں پھیلی ہوئی ہیں' ایک دوسرے کے اوپر نہیں ہیں اور ان کے درمیان سمندر ہے اور ان سب کے اوپر آسمان ہے۔

(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۰۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور زمین کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور دو آسمانوں کی مسافت اور ان کی موٹائی بھی اسی طرح ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق رہتی ہے یا فرشتے اور جن رہتے ہیں' الماوردی نے کہا: اس بناء پر اسلام کی تبلیغ صرف اوپر والی زمین کے ساتھ خاص ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان میں بھی ذوی العقول رہتے ہیں اور وہ آسمان کو دیکھتے ہیں اور روشنی سے استفادہ کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ آسمانوں کا مشاہدہ نہیں کرتے' اور اللہ نے ان کے لیے روشنی پیدا کی ہے جس سے وہ استفادہ کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ سات زمینوں سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن جمہور کا قول صحیح ہے کیونکہ وہ ظاہر آیت اور احادیث کے موافق ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۱۴۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

سات زمینوں کے متعلق صریح احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے سروں پر سے ایک بادل گزرا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بادل ہے اور یہ زمین کے کونے ہیں' اللہ تعالیٰ اس بادل کو اس قوم کی طرف بھیج رہا ہے جو شکر نہیں کرتی اور نہ اس کو پکارتی ہے' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ پہلا آسمان ہے' یہ محفوظ چھت ہے اور موج مکفوف ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تمہارے درمیان اور اس آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہارے درمیان اور اس آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' آپ نے پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو اس آسمان کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے اوپر دو

آسمان ہیں' ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمانوں کو گنا اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے' اس کے اور آسمان کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے' آپ نے پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ زمین ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے نیچے ایک اور زمین ہے' ان دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد کی جان ہے' اگر تم کسی شخص کو زمین سے باندھ کر سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر گرے گا' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' (الحدید:۳)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۹)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے کسی پر ظلم کر کے اس کی زمین چھینی' اس کے گلے میں اتنی زمین کا سات زمینوں تک طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۱)

سات زمینوں کے متعلق اثر ابن عباس

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'' (الطلاق:۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا ہے: یہ سات زمینیں ہیں' ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل ایک نبی ہے اور آدم کی مثل آدم ہیں اور نوح کی مثل نوح ہیں اور ابراہیم کی مثل ابراہیم ہیں اور عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۸۹۱۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن حیان ج ۳ ص ۳۷۵)

نیز امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ'' (الطلاق:۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سات زمینیں ہیں' ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل ایک نبی ہے اور حضرت آدم کی مثل آدم ہیں اور حضرت نوح کی مثل نوح ہیں اور حضرت ابراہیم کی مثل ابراہیم ہیں اور حضرت عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہیں۔

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ حافظ ذہبی نے بھی کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۳۸۲۲' المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند ہے: از عطاء بن السائب از ابی الضحیٰ از ابن عباس ہے اور دوسری سند ہے: از عمرو بن مرہ از ابی الضحیٰ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ امام بیہقی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند حضرت ابن عباس سے صحیح ہے اور راوی مرہ کے ساتھ شاذ ہے اور میں نہیں جانتا کہ ابوالضحیٰ کا کوئی متابع ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۰۔۳۸۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اس حدیث کی دو سندیں ہیں' ایک

حضرت ابن عباس تک متصل ہے اور دوسری سند ابوالضحیٰ پر موقوف ہے' اور اس حدیث کا وہی معنیٰ ہے جو ابوسلیمان دمشقی نے بیان کیا ہے کہ ہر زمین میں اللہ کی مخلوق ہے اور اس مخلوق میں ان کا ایک سردار اور بڑا ہے اور ان پر مقدم ہے جیسے حضرت آدم ہمارے بڑے اور ہم پر مقدم ہیں اور ان کی اولاد میں کسی بڑے کی عمر حضرت نوح جتنی ہے اور اسی طرح باقی ہیں۔

(زاد المسیر ج ۸ص ۳۰۰' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔(البحر المحیط ج ۱۰ص ۲۰۵)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں سات زمینوں سے متعلق اثر ابن عباس کو امام بیہقی کی ''کتاب الاسماء والصفات'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔(تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۴۲۳)

اور اپنی تاریخ میں اس پر یہ تبصرہ کیا ہے:امام ابن جریر نے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو اسرائیلیات سے اخذ کیا ہے۔(البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اثر ابن عباس کے متعلق محدثین اور مشاہیر علماء کی آراء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ زمین واحد ہے' ابن التین نے کہا: یہ قول قرآن اور سنت سے مردود ہے۔میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ سات زمینیں متصل ہیں ورنہ یہ قول قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے' سات زمینوں پر دلیل یہ ہے کہ امام ابن جریر نے از ابوالضحیٰ از ابن عباس ''وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'' (الطلاق:۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا ہے: ہر زمین میں حضرت ابراہیم کی مثل ہے' جس طرح زمین کے اوپر مخلوق ہے' اور اس کی سند صحیح ہے اور امام حاکم اور امام بیہقی نے اس کو طویل متن سے روایت کیا ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم ہیں اور تمہارے نوح کی طرح نوح ہیں اور تمہارے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہیں اور تمہارے عیسیٰ کی طرح عیسیٰ ہیں اور تمہارے نبی کی طرح نبی ہیں۔امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مگر یہ مرہ کے ساتھ شاذ ہے' اور امام ابن ابی حاتم نے از مجاہد از ابن عباس روایت کیا' اگر میں تم سے اس کی تفسیر بیان کروں تو تم کفر کرو گے اور تمہارا کفر اس روایت کی تکذیب ہے۔اہل ہیئت یہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ زمینیں اوپر تلے ہیں مگر ان کے درمیان مسافت نہیں ہے اور ساتویں زمین سپاٹ ہے' اس کا کوئی بطن نہیں ہے اور اس کے وسط میں مرکز ہے اور وہ ایک فرضی نقطہ ہے لیکن ان کے ان اقوال پر کوئی دلیل نہیں ہے' ''سنن ترمذی'' اور ''مسند احمد'' میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' اور ''سنن ابوداؤد'' اور ''سنن ترمذی'' میں حضرت عباس بن عبد المطلب سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اکہتر یا بہتر سال کی مسافت ہے لیکن ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ مسافت کا یہ فرق رفتار کی تیزی اور کمی پر مبنی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ص ۴۳۴-۴۳۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی سات زمینوں کی اسی طرح تحقیق کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ص ۱۵۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے امام حاکم اور امام بیہقی کی سند کے حوالوں سے اس حدیث کا

ذکر کیا' پھر حافظ ابن کثیر سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر اس کی سند حضرت ابن عباس تک صحیح ہے تو پھر یہ اسرائیلیات سے ہے۔
(المقاصد الحسنہ ص ۷۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس اثر کا ذکر امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور ان کی تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' اور ''کتاب الاسماء والصفات'' کے حوالوں سے کیا ہے۔
(الدر المنثور ج ۸ ص ۱۹۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو الحیان اندلسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو موضوع قرار دیا ہے' لیکن میں کہتا ہوں کہ اس اثر کے صحیح ہونے میں کوئی عقلی اور شرعی مانع نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جس کی ایک اصل ہے' جیسے ہماری زمین میں ہماری ایک اصل ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد بھی ہیں جو دوسروں سے ممتاز ہیں' جیسے ہماری زمین میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم وغیرہ ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۱۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مولانا عبد الحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں:

ابناء الزمان نے اس حدیث کو قبول کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجروح ہیں اور ملعون ہیں' پھر انہوں نے اس کی تقویت کے لیے امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم' امام بیہقی اور دوسرے علماء کے نام لیے ہیں جن کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ (زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس ص ۵' مجموعۃ الرسائل لکھنوی ج ۱ ص ۳۹۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۹ھ)

یہاں تک ہم نے مستند ائمہ اور علماء کی عبارات سے یہ واضح کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کے اس اثر کے صحیح ہونے میں کافی اختلاف ہے' سند کے علاوہ اس اثر کے متن پر بھی اشکال ہے اور وہ یہ ہے:

اثر ابن عباس پر اشکال

حضرت ابن عباس کے اس اثر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہر زمین میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور خاتم النبیین ہوں اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں تو آپ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ آپ کے بعد ان زمینوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اگر ان زمینوں میں آپ سے پہلے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو پھر وہ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ ان کے بعد آپ کی نبوت ہے اور جب وہ خاتم النبیین نہیں ہیں تو پھر آپ کی مثل نہ ہوئے' حالانکہ اس اثر میں یہ ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے۔

اشکال مذکور کا جواب مولانا قصوری سے

مولانا غلام دستگیر قصوری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ ہر ایک کی خاتمیت اضافی ہے' یعنی ان زمینوں میں جو نبی ہیں ان کی خاتمیت ان زمینوں کے اعتبار سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اس زمین میں مبعوث ہونے والے انبیاء کے اعتبار سے ہے۔

مولانا قصوری کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اضافی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اور آپ کی خاتمیت قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی اور یقینی ہے جبکہ اس اثر کی صحت ظنی ہے۔ اس ظنی اثر کی وجہ سے قرآن مجید میں النبیین کے عموم اور استغراق کو ختم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اشکال مذکور کا جواب شیخ نانوتوی سے

شیخ قاسم نانوتوی نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے:
سوعوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں' مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ''ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین'' فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۳' مطبوعہ دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

نیز لکھتے ہیں: غرض اختتام اگر بایں معنیٰ تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔
(تحذیر الناس ص ۱۳' دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

نیز لکھتے ہیں: اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے' معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنیٰ مخالف روایت ثقات ہے۔
(تحذیر الناس ص ۲۴' دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایں معنیٰ خاتم النبیین ہونا کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں' قطعی اور متواتر ہے' لیکن شیخ نانوتوی نے اس عبارت میں اس معنیٰ کو عوام کا خیال کہا ہے' نیز آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کو اپنے اختراعی معنیٰ کے اعتبار سے جائز کہا ہے اور اس کو خاتم النبیین کے منافی نہیں قرار دیا' ان وجوہات کی بناء پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نانوتوی کی تکفیر کر دی۔ اس کی تفصیل ''حسام الحرمین'' اور ''التبشیر برد التحذیر'' میں ملاحظہ کریں۔

''تحذیر الناس'' کی اشاعت کے بعد یہ اعتراض کیا گیا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار کر دیا ہے' چنانچہ شیخ نانوتوی نے اپنے دفاع میں متعدد بار یہ لکھا کہ:

(۱) خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے' ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)
(۲) حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳)
(۳) ہاں یہ مسلمہ ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۶۹)
(۴) حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۵۰)
(۵) مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی۔ ہاں! آپ گوشہ عنایت سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں (الیٰ قولہ) اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر کی' اور شروع تحذیر ہی میں اقتضاء خاتمیت مرتبی کی بہ نسبت خاتمیت زمانی کو ذکر کر دیا' یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے جس طرح آیت: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ'' (المائدہ: ۹۰) میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۴۷)

اب بجا طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب شیخ نانوتوی نے اتنی صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت

زمانی کو تسلیم ہے پھر فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''تحذیر الناس'' کی جن عبارات سے خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے (مثلاً یہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ص ٣٣) چونکہ شیخ نانوتوی نے ان عبارات سے رجوع نہیں کیا اور ان کو بحالہا قائم رکھا' اس وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کر دی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

سات زمینوں کے متعلق میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی کہ یہ اثر ہر دور میں علماء کے درمیان معرکۃ الآراء رہا ہے' حتیٰ کہ اس ڈور کی گتھی سلجھاتے سلجھاتے بعض علماء تکفیر کی زد میں آ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل

اس کے بعد فرمایا: ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

عطاء نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان زمینوں کے درمیان اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف وحی نازل فرماتا ہے' ہر زمین میں اور ہر آسمان میں' مقاتل نے کہا: وہ سب سے اوپر والے آسمان سے سب سے نچلی زمین کی طرف وحی نازل فرماتا ہے' مجاہد نے کہا: وہ کسی کی حیات کا حکم نازل فرماتا ہے اور کسی کی موت کا' کسی کی سلامتی کا حکم نازل فرماتا ہے اور کسی کی ہلاکت کا۔

قتادہ نے کہا: آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اور زمینوں میں سے ہر زمین میں اس کی مخلوقات میں سے مخلوق ہے اور اس کے احکام شرعیہ ہیں اور اس کی تقدیر کے موافق نازل ہونے والے احکام ہیں۔

اور جب تم آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور ان کے مدبرانہ نظام میں غور و فکر کرو گے تو تم پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ عظیم الشان تخلیق ہے اور بے مثال تدبیر وہی شخص کر سکتا ہے' جس کی قدرت ذاتی ہو کسی سے مستعار نہ ہو اور جس کا علم محیط اور کامل ہو' جو غیر حادث اور غیر فانی ہو' جو قدیم اور واجب ہو وہی رب کائنات ہے اور وہی سب کی عبادتوں کا مستحق ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی تعظیم بجالائی جائے۔

سورۃ الطلاق کا اختتام

الحمد للّٰہ علٰی احسانہ آج سولہ محرم ١٤٢٦ھ/ ٢٦ فروری ٢٠٠٥ء بہ روز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۃ الطلاق کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ٢ فروری کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اور ٢٦ فروری کو یہ مکمل ہوگئی' اس طرح اس کی تکمیل میں ٢٤ دن لگ گئے۔ ہر چند کہ اس میں صرف بارہ آیات ہیں لیکن ان میں کافی دقیق اور تفصیل طلب مباحث تھے' ہفتہ ١٩ فروری سے اس ہفتہ تک میں بخار اور اس کے عوارض میں مبتلا رہا اور کام بالکل نہیں کر سکا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی اور آج میں اس سورت کو مکمل کرنے پر قادر ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا' باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی اپنے فضل و کرم سے مکمل کرا دے اور قیامت تک کے لیے اس تفسیر کو قائم اور فیض آفریں رکھے اور میری اور میرے والدین کی اور سب مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین
وازواجہ امہات المؤمنین وجمیع المسلمین.

7

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التحریم

سورت کا نام

اس سورت کا نام التحریم ہے' کیونکہ اس سورت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی رضاجوئی کی خاطر اپنے اوپر شہد کو یا حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرلیا تھا یعنی اپنے آپ کو ان کی منفعت سے روک لیا تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''لم تحرم'' کے الفاظ ہیں اور اس کا مصدر تحریم ہے۔

اس سورت میں حضرت ماریہ قبطیہ کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ماریہ کو سات ہجری میں مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا تھا' اور ان کے بطن سے آٹھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے' اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت ۷ اور ۸ ہجری کے درمیان نازل ہوئی ہے۔

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۵ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۶ ہے۔ یہ سورۃ الحجرات کے بعد اور سورۃ الجمعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں باہمی مناسبت

سورۃ التحریم کی سورۃ الطلاق کے ساتھ حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الطلاق کی پہلی آیت ہے:

''یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ''۔ (الطلاق:۱)

اور سورۃ التحریم کی پہلی آیت ہے:

''یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ''۔ (التحریم:۱)

اور دونوں سورتوں کی پہلی آیت کو ''یایھا النبی'' سے شروع کیا گیا ہے۔

(۲) یہ دونوں سورتیں خواتین کے احکام کے ساتھ مخصوص ہیں' سورۃ الطلاق میں طلاق' عدت' عدت گزارنے والی خاتون کے حقوق اور حسنِ معاشرت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور سورۃ التحریم میں ازواج کے ساتھ حسنِ معاشرت اور شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نرمی اور شفقت کا بیان ہے۔

(۳) سورۃ الطلاق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چند کہ بیوی کو طلاق دینا جائز ہے لیکن دورانِ حیض بیوی کو طلاق دینا حرام ہے'

اور سورۃ التحریم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حلال چیز کو حرام کر لینا یمین ہے۔

سورت التحریم کے مشمولات

☆ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں ان احکام کا بیان ہے جو ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص ہیں تا کہ وہ دوسری مسلم خواتین
7 کے لیے نمونہ ہوں۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواجِ مطہرات کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر شہد کو حرام کر لیا تھا یا حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام کر لیا تھا۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں بلکہ ان ازواج کو یہ چاہیے کہ وہ آپ کی رضا کو تلاش کریں۔

☆ ایک زوجہ محترمہ نے آپ کے ایک راز کی بات دوسری زوجہ کو بتادی' اس پر ان کو تنبیہ کی گئی۔

☆ سورت کے آخر میں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی دو کافر بیویوں کا اور فرعون کی مؤمنہ بیوی آسیہ کا ذکر فرمایا' تا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ وہ ظاہری حال پر اعتماد نہ کریں کیونکہ نبی کی بیوی کافرہ ہوسکتی ہے اور کافر کی بیوی مؤمنہ ہو سکتی ہے' اور کوئی شخص رشتہ اور حسب و نسب پر اعتماد نہ کرے' اصل چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول پر ایمان لانا اور اعمالِ صالحہ اور تقویٰ ہے اور اسی پر آخرت میں نجات کا مدار ہے۔

سورۃ التحریم کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں راہِ حق پر قائم رکھنا اور خطاؤں سے بچائے رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۸ محرم ۱۴۲۶ھ/ ۲۸ فروری ۲۰۰۵ء

آياتها ١٢ ركوعاتها ٢	بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ	سورة التحريم ٦٦

سورۃ التحریم مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے‘ آپ اپنی بیویوں کی رضا

أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ

طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا

أَيْمَٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ② وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِىُّ

طریقہ مقرر فرما دیا ہے‘ اللہ تمہارا مددگار ہے‘ اور وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O اور جب نبی نے اپنی کسی

إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِۦ وَأَظْهَرَهُ ٱللَّهُ عَلَيْهِ

بیوی سے راز کی بات کہی‘ پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا‘

عَرَّفَ بَعْضَهُۥ وَأَعْرَضَ عَنۢ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِۦ قَالَتْ

تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا‘ پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا:

مَنْ أَنۢبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِىَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْخَبِيرُ ③ إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ

آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ نبی نے کہا: مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے O اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے)

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ

کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں‘ اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں‘ تو بے شک اللہ نبی کا

وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ④ عَسَىٰ رَبُّهُۥٓ

مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O اگر نبی نے تم کو

إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُۥٓ أَزْوَٰجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَٰتٍ مُّؤْمِنَٰتٍ

طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار‘ ایمان دار‘

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O اے ایمان والو! اپنے

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر سخت مزاج اور طاقت ور

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝۶

فرشتے مقرر ہیں، اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا

اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو، تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع

ع ۷ ۱۹

جو تم دنیا میں کرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التحریم: ۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز کو حرام قرار دیا تھا، یعنی کس چیز سے فائدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو روک لیا تھا، اس سلسلہ میں تین روایات ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے، وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں، اس سے آپ نے اپنے آپ کو روک لیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو شہد پلایا تھا، سو آپ نے شہد پینے سے اپنے آپ کو روک لیا، تیسری روایت یہ ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ سے مقاربت کرنے سے اپنے آپ کو روک لیا۔

پہلی روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پیتے تھے، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے اور حضرت حفصہ نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں، وہ یہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر (ایک قسم کا گوند جس کی بُو آپ کو ناپسند تھی) کی بُو آرہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ ہم میں سے کسی ایک کے پاس آئے، اور اس نے آپ سے ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں دوبارہ اس کو نہیں پیوں گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: "لم تحرم ما احل اللّٰہ لک (الٰی قولہ تعالٰی) ان تتوبا" یہ آیت حضرت عائشہ اور حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی

"وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا" (التحریم:۲) اس سے مقصود آپ کا یہ فرمانا ہے: نہیں! میں نے شہد پیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۲۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۷۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۱۴، سنن نسائی رقم الحدیث:۳۷۹۵۔۳۴۲۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۶۱۴)

دوسری روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹھاس اور شہد کو پسند فرماتے تھے' عصر کی نماز کے بعد آپ اپنی ازواج (مطہرات) کے پاس جاتے تھے' ایک دن آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے' میں نے اس کی وجہ پوچھی' مجھے یہ بتلایا گیا کہ حفصہ کی قوم کی ایک عورت نے انہیں شہد بھیجا اور حفصہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد کا شربت پلایا تھا' میں نے سوچا: خدا کی قسم! ہم اب کوئی تدبیر کریں گے' میں نے اس بات کا حضرت سودہ سے ذکر کیا اور کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں اور تمہارے قریب ہوں تو تم کہنا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ فرمائیں گے: نہیں' پھر تم کہنا' یہ بُو کیسی ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ آپ سے بُو آئے' آپ یہی کہیں گے کہ مجھے حضرت حفصہ نے شہد کا شربت پلایا تھا' تم کہنا کہ شاید ان شہد کی مکھیوں نے درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا' میں بھی یہی کہوں گی اور اے صفیہ! تم بھی یہی کہنا' جب آپ حضرت سودہ کے پاس آئے تو حضرت سودہ کہتی ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے (تمہارے ڈر سے) میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں وہی بات کہوں جو تم نے مجھے بتائی تھی' ابھی آپ دروازے پر تھے کہ حضرت سودہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت سودہ نے کہا: پھر یہ بُو کیسی آرہی ہے؟ آپ نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا' حضرت سودہ نے کہا: شاید اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کے درخت کو چوسا ہوگا' پھر جب آپ میرے پاس آئے تو میں نے بھی یہی کہا' پھر جب آپ حضرت صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا' پھر جب آپ حضرت حفصہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کو شہد نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ نے کہا: بخدا! ہم نے آپ پر شہد حرام کر دیا (یعنی اس کے استعمال سے روک دیا) میں نے ان سے کہا: چپکی رہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۷۲، صحیح مسلم کتاب الطلاق:۲۱۔ الرقم المسلسل:۳۶۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۱۵، سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۶۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۲۳)

صحیحین کی دو روایتوں کے تعارض کا جواب

صحیح مسلم کی پہلی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا تھا اور ان کے خلاف حیلہ کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں' یہ حدیث عبید بن عمیر کی روایت ہے اور صحیح بخاری میں بھی ہے' اس کے برخلاف دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے پاس شہد پیا تھا اور ان کے خلاف حیلہ کرنے والی حضرت عائشہ' حضرت صفیہ اور حضرت سودہ تھیں' یہ ہشام بن عروہ کی روایت ہے اور بخاری میں بھی ہے۔ عبید بن عمیر اور ہشام بن عروہ کی روایات باہم متعارض ہیں' علامہ بدرالدین عینی' علامہ ابن حجر اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۴۴) اور قاضی عیاض' علامہ قرطبی اور علامہ نووی کی تحقیق یہ ہے کہ عبید بن عمیر کی روایت راجح ہے اور ہشام بن عروہ کی روایت مرجوح ہے' ہماری رائے میں یہی صحیح ہے اور اس پر

حسب ذیل قرائن ہیں:

(ا) عبید بن عمیر کی سند زیادہ قوی ہے‘ اس سند کو امام نسائی‘ اصیلی‘ علامہ نووی اور حافظ ابن حجر نے ترجیح دی ہے۔

(ب) عبید کی روایت قرآن مجید کے موافق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ”ان تظاھرا علیہ“ یعنی دو ازواج نے یہ کارروائی کی تھی اور دو کا ذکر عبید کی روایت میں ہے‘ ہشام نے تین کا ذکر کیا ہے۔

(ج) امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے دو گروہ تھے‘ حضرت عائشہ‘ حضرت سودہ‘ حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ ایک گروہ میں تھیں اور حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ام سلمہ دوسرے گروہ میں تھیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ جن کے پاس شہد پینے کے لیے ٹھہرتے تھے وہ حضرت زینب بنت جحش تھیں‘ اس لیے حضرت عائشہ کو یہ ناگوار ہوا اور ان کو طبعی غیرت لاحق ہوئی‘ کیونکہ ان کا تعلق حضرت عائشہ کے مقابل گروہ سے تھا۔

(د) عبید بن عمیر کی روایت کی تائید حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی روایات سے بھی ہوتی ہے‘ جن میں یہ تصریح ہے کہ کارروائی کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی روایت ہی زیادہ صحیح اور زیادہ معتمد ہے۔

تیسری روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ام ولد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقاربت کی‘ حضرت حفصہ نے آپ کو ان کے ساتھ دیکھ لیا‘ وہ کہنے لگیں: آپ میرے حجرہ میں ان سے مقاربت کر رہے ہیں‘ آپ نے اپنی ازواج سے صرف میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے‘ آپ نے فرمایا: تم اس واقعہ کا عائشہ سے ذکر نہ کرنا‘ اب میرا ان سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ حضرت حفصہ نے کہا: یہ آپ پر کس طرح حرام ہوں گی حالانکہ یہ آپ کی کنیز ہیں‘ آپ نے قسم کھائی کہ آپ ان سے مقاربت نہیں کریں گے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا‘ پھر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ بات بتا دی‘ تب آپ نے یہ قسم کھالی کہ آپ ایک ماہ تک اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے‘ پھر آپ انتیس راتوں تک اپنی ازواج کے پاس نہیں گئے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ“ (التحریم: ۱)۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۴۶‘ دار المعرفہ‘ بیروت‘ ۱۴۲۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اپنی کنیز سے مقاربت کر لی‘ اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھالی تھی‘ پھر جب تک حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی خبر نہیں دی‘ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کی‘ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم: ۲) (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور حافظ الضیاء المقدسی نے اپنی کتاب ”مستخرج“ میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۵‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

مذکور الصدر روایت میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہ کی سوانح ذکر کر دی جائے۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی سوانح

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد ہیں' ان کے بطن سے حضرت ابراہیم متولد ہوئے۔

امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ مقوقس صاحب اسکندریہ نے سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین کو بھیجا' ان کے علاوہ ایک ہزار مثقال سونا' بیس ملائم کپڑے اور خچر (دلدل) اور ایک دراز گوش بھیجا جس کا نام عفیر یا یعفور تھا' اور اس کے ساتھ خصی شخص بھی تھا جس کا نام مابور تھا' اور ایک بوڑھا شخص بھیجا جو حضرت ماریہ کا بھائی تھا' اور ان سب کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ساتھ بھیجا' پھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے حضرت ماریہ کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور مسلمان ہونے کی ترغیب دی' پس وہ بھی مسلمان ہوگئیں اور ان کی بہن بھی مسلمان ہوگئیں اور وہ خصی شخص اپنے دین پر برقرار رہا حتیٰ کہ وہ بعد میں مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا' حضرت ماریہ کا گورا رنگ تھا اور وہ بہت خوب صورت تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بلند منزل میں ٹھہرایا' اس کو ام ابراہیم کا بالا خانہ کہا جاتا تھا' آپ ان کے پاس بہت زیادہ آتے جاتے تھے اور ان سے مباشرت کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی باندی تھیں' آپ نے ان کو پردہ میں رکھا' وہ آپ سے حاملہ ہوگئیں اور آٹھ ہجری میں ان کا وضع حمل ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی غیرت مجھے حضرت ماریہ پر آتی تھی' اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت خوب صورت اور گھونگریالے بالوں والی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند تھیں' جب وہ مصر سے آئیں تو آپ نے ان کو حضرت حارث بن النعمان کے گھر میں ٹھہرایا' سو وہ ہماری پڑوسن ہوگئیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہاں سے بالا خانے میں منتقل کر دیا۔

امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قبط کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باندیاں اور ایک خچر پیش کیا تھا' آپ مدینہ میں اس خچر پر سواری کرتے تھے' ان دو باندیوں میں سے ایک باندی کو آپ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

امام واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تا حیات حضرت ماریہ کو خرچ دیتے رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے' پھر حضرت عمر ان کو خرچ دیتے رہے حتیٰ کہ ان کے دورِ خلافت میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ محرم ۱۶ ہجری میں حضرت ماریہ کی وفات ہوئی' حضرت عمر نے ان کے جنازہ میں بہت لوگوں کو جمع کیا اور بقیع میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۳۱۱۔۳۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مابور پر حضرت ماریہ کی تہمت اور اس کا اس تہمت سے بَری ہونا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد حضرت ماریہ پر ایک شخص (مابور) کے ساتھ تہمت لگائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جا کر اس کی گردن مار دو' جس وقت حضرت علی اس کے پاس پہنچے وہ اس وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کر رہا تھا' حضرت علی نے اس سے کہا: نکلو اور

اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو نکالا' تب حضرت علی نے دیکھا کہ اس کا آلہ تناسل بالکل کٹا ہوا ہے' تب حضرت علی رک گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اس کا آلہ تو بالکل کٹا ہوا ہے۔

(صحیح مسلم التوبۃ: ۵۹- رقم الحدیث: ۲۷۷۱- الرقم المسلسل: ۶۸۹۰)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم (حضرت ماریہ) کو اس سے محفوظ رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی تقصیر ہو' اور واقعہ یہ تھا کہ مابور قبطی تھا اور حضرت ماریہ بھی قبطیہ تھیں اور ہم زبان اور ہم علاقہ ہونے کی وجہ سے وہ آپ کے پاس آتا تھا اور آپ سے باتیں کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت ماریہ کے ساتھ باتیں کرنے سے منع کر دیا تھا اور جب اس نے عمل نہیں کیا تو وہ قتل کا مستحق ہو گیا' یا تو آپ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اور یا اس وجہ سے کہ اس نے آپ کو ایذاء پہنچائی' اس وجہ سے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کی پاک دامنی کا علم ہو اور آپ کو معلوم ہو کہ اس کا آلہ نہیں ہے' اس کے باوجود آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تا کہ حضرت علی اس کو برہنہ دیکھ لیں اور ان پر حقیقتِ حال منکشف ہو جائے اور جو لوگ اس کو حضرت ماریہ کے ساتھ تہمت لگاتے ہیں وہ تہمت زائل ہو جائے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی کی ہو کہ آپ اس کو قتل نہ کریں کیونکہ آپ پر اس کا حال منکشف ہو جائے گا کیونکہ وہ کنویں میں برہنہ نہا رہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس کو حقیقۃً قتل کرنے کا حکم دیا ہو حالانکہ آپ کو علم تھا کہ وہ قتل نہیں ہوگا کیونکہ اس کا اس تہمت سے بری ہونا آپ کے نزدیک دلیل سے واضح ہو جائے گا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۰۴' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ومکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۲۱۷-۲۱۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا کفارہ ادا کرنا

امام محمد بن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ماریہ کے آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات کا اکثر وقت حضرت ماریہ کے ساتھ بسر ہوتا تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیٹا پیدا کر دیا۔

زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ابراہیم کے متعلق فرمایا کہ یہ مجھ پر حرام ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم: ۲) اے مسلمانو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

امام محمد بن سعد نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اپنی باندی کو حرام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کر دیا اور وہ باندی آپ پر لوٹا دی اور آپ کی قسم کا کفارہ دے دیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

التحریم: ۱ کے سبب نزول کی تین روایتوں میں سے کون سی روایت زیادہ صحیح اور معتبر ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کے نفع سے اپنے آپ کو جو روک لیا تھا' ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں تین روایات ہیں لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ

عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پینے سے روک لیا تھا۔
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:
ان اقوال میں زیادہ صحیح پہلا قول ہے یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پلاتی تھیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ناگوار گزرنے کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو اس سے روک لیا تھا' اور سب سے کمزور قول متوسط ہے یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پلاتی تھیں' جس سے آپ نے اپنے آپ کو روک لیا۔ علامہ ابن العربی نے کہا: اس کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی عادل نہیں ہیں اور اس کا معنیٰ اس لیے درست نہیں ہے کہ کسی ہبہ شدہ چیز کو واپس کر دینا تحریم نہیں ہے' اور رہی تیسری روایت کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تو اس کے راوی بھی ثقہ ہیں اور اس کا معنیٰ بھی درست ہے لیکن یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے اور یہ مرسل روایت ہے' خلاصہ یہ ہے کہ راجح اور صحیح پہلی روایت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۶۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)
حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے پہلے یہ روایت ذکر کی کہ حضرت حفصہ آپ کو شہد پلاتی تھیں' پھر لکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش ہی وہ خاتون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلاتی تھیں' پھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں اپنی تجویز پر متفق ہو گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں' مگر اس پر اعتراض ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک حدیث ذکر کی ہے: جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت زینب کے شہد پلانے سے ہی تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریم میں اختلاف ہے' حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد پینا ہے' اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا' پس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان دونوں سببوں سے نازل ہوئی ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)
علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن الخفاجی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ ھ لکھتے ہیں:
التحریم: ا کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت ماریہ کے قصہ میں نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شہد پینے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴ کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرت ماریہ کے قصہ میں' جو کہ غیر صحاح میں مروی ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔
(عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۲۰۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرت ماریہ کے قصہ میں جو کہ غیر صحاح میں مروی ہے۔ (یہ قصہ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۳۰ میں مروی ہے)۔ علامہ ذہبی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے اور اس سے حدیث ساقط ہے) کسی سند صحیح سے یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ شہد کے قصہ میں حضرت عائشہ کی حدیث کی سند جید ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۲۹' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)
علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ التحریم: ا کے سبب نزول میں روایات مختلف ہیں لیکن علامہ نووی شافعی اور علامہ نووی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ماریہ کے قصہ کی سند صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا سبب نزول حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۱۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

مغافیر کے معنیٰ کی تحقیق

صحیح مسلم: ۱۴۷۴ میں ہے: حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ سو ہم مغافیر کے معنیٰ کی تحقیق کر رہے ہیں:

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مغافیر کا واحد مغفور ہے اس کی بوسخت ناگوار اور بُری ہوتی ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں: العرفط ببول کا درخت ہے اس سے بدبودار گوند نکلتا ہے جب شہد کی مکھی اس کے پتوں کا رس چوستی ہے تو اس کے شہد سے ناگوار بو آتی ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۱۹۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد طاہر گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

یہ ایک میٹھا گوند ہوتا ہے جس کی بو ناگوار ہوتی ہے علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ گوند کسی درخت سے حاصل ہوتا ہے اور اس کو پانی میں ملا کر پیا جاتا ہے اس کی بو ناگوار ہوتی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے منہ سے اس کی بو آئے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۵۱ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر نہیں کھایا تھا پھر ازواجِ مطہرات نے کیسے کہہ دیا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ازواج نے کہا: شاید اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کے درخت کو چوسا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۷۲)

ازواج کا مطلب یہ تھا کہ اس وجہ سے جو شہد آپ نے پیا اس سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

کیکر ببول بیری اور دیگر کانٹے دار درختوں سے پھوٹ کر جو گوند نکلتا ہے اس کو مغفور کہتے ہیں۔

(الصحاح ج ۲ ص ۷۷۲ دار العلم للملایین ۱۳۷۶ھ)

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا حضور کو اپنے پاس زیادہ ٹھہرانے کے لیے مغافیر کا حیلہ کرنا آیا گناہ تھا یا نہیں؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ازواجِ مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب کے گھر زیادہ ٹھہرنے سے منع کرنے کے لیے یہ حیلہ کیا تھا کہ آپ سے کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے علامہ کرمانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے لیے یہ حیلہ کرنا کس طرح جائز ہوگا' پھر اس کا یہ جواب دیا کہ یہ عورتوں کی غیرت طبعیہ کے تقاضوں سے ہے اور ان کا یہ کہنا گناہ صغیرہ ہے جو ان کی دوسری نیکیوں سے معاف ہو گیا۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۳۴۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

غیرت کا معنیٰ

میں کہتا ہوں کہ ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی طرف غیرت کرنے کی نسبت کی ہے:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور مٹھاس سے محبت کرتے تھے' جب آپ عصر کی نماز پڑھ کر لوٹے تو آپ حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس گئے اور وہاں بہت زیادہ دیر ٹھہرے' پس مجھے غیرت آئی۔الحدیث
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۲۶۸)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
غیرت کا معنیٰ ہے: حمیت' عار اور کسی چیز کا ناگوار ہونا یا اس چیز کو ناپسند کرنا' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طبعی طور پر یہ ناپسند تھا کہ آپ کسی اور زوجہ کے پاس زیادہ دیر ٹھہریں۔ (العنایہ ج ۳ ص ۳۶۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)
علامہ محمد طاہر گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:
''والغیرة كراهة المشاركة فی محبوب'' محبوب میں کسی اور کی شرکت کے ناپسند کرنے کو غیرت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے شرک کرنے سے منع کر دیا ہے۔اسی طرح وہ بے حیائی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے بے حیائی کے کاموں سے منع فرما دیا ہے۔حدیث میں ہے: اللہ سے زیادہ کوئی اس چیز پر غیرت کرنے والا نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے۔ (البخاری:۷۴۰۳) (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۸۵' مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ)
اس معنیٰ کے اعتبار سے غیرت کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی اور کی شرکت کو ناپسند کرتی تھیں اور وہ یہ چاہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب صرف ان کو حاصل رہے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا زیادہ ٹھہرنا آپ سے شدید محبت کی وجہ سے ناپسند تھا اور میں علامہ کرمانی کی اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ یہ آپ کا گناہ صغیرہ تھا' کیونکہ آپ نے جو کہا تھا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے یہ کچھ غلط اور جھوٹ نہ تھا کیونکہ حضرت عائشہ کے خیال میں آپ نے جو شہد پیا تھا تو شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے درخت سے اس کا رس چوسا تھا اور اس میں مغافیر کی بو آ گئی تھی' البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ حیلہ کرنا خلاف اولیٰ ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر ڈوب گئیں تھیں کہ اس کے خلاف اولیٰ ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول نہیں ہوئی' اور ان کے بلند مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر بھی توبہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ (التحریم:۴)
اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد سے امتناع کو حرام سے تعبیر کرنے کی تحقیق

صحیح مسلم: ۱۴۷۴ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شہد نہیں پیوں گا۔اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یوں کیا: ''آپ اس چیز کو حرام کیوں کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے'' ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم:۱)۔
امام رازی فرماتے ہیں: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اس کو حلال کرنا غیر ممکن ہے' کیونکہ حلال کرنے میں حلت کو ترجیح ہے اور حرام کرنے میں حرمت کو ترجیح ہے اور دونوں ترجیحیں جمع نہیں ہو سکتیں' پس قرآن مجید میں ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم:۱)۔آپ اس چیز کو کیوں حرام کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے' کا کیا محمل

ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حلال چیز کے نفع سے اپنے آپ کو روکنا مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو شرعاً حرام کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دینا یا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد کرنا کفر ہے لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ اللہ کے حلال کردہ کو حرام کیوں کرتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ قول باطل ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام نہیں کیا جیسا کہ امام رازی کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے اور آپ کا کسی چیز کو حلال کرنا یا حرام کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف: ۱۵۷) (وہ نبی) مسلمانوں کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی جلی یا وحی خفی کے کسی اشارہ سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو جان کر کسی چیز کو حلال یا حرام کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد نہ پینے کے عزم کو سید مودودی کا ناپسندیدہ عمل کہنا

سید ابوالاعلیٰ مودودی ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم: ۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ دراصل استفہام نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (الیٰ قولہ) اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۵)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس طرح بار بار حلال کو حرام کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور آپ کے اس فعل کی جس طرح تصویر کھینچی ہے وہ اہل ایمان کے لیے یقیناً دل آزار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس کے استعمال سے روک لیا تھا جیسا کہ امام رازی کی تحقیق سے ظاہر ہو چکا ہے اور حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''لن اعود له'' میں دوبارہ ہرگز شہد نہیں پیوں گا اور جن چیزوں کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے ان میں مباح کرنے کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ ان کو کھانا اور نہ کھانا دونوں جائز ہیں آپ کے لیے جس طرح شہد کو پینا جائز تھا اسی طرح اس کو نہ پینا بھی جائز تھا پھر ایک مباح کام کا کرنا کس طرح ناپسندیدہ ہو سکتا ہے دراصل اس آیت میں نہ آپ کے کسی فعل کے ناپسندیدہ ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے نہ آپ کے کسی فعل پر گرفت کی گئی ہے بلکہ آپ کی تعظیم و تکریم اور مقام نبوت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں آپ کا مقام یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝'' (التحریم: ۴) اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ پر واضح کیا کہ اگر تم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے پر نہیں چلیں تو

انہیں کیا کمی ہوگی‘ جن کا اللہ محب ہے‘ جبرائیل ان کا موافق ہے‘ نیک مسلمان اور سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں‘ اگر ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ناپسندیدہ قرار دے کر اس کی گرفت فرمارہا ہوتا تو کیا اس کا یہی انداز ہوتا!

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک اور مولیٰ ہے اور جس کی گرفت کرنا چاہے اس پر قادر ہے‘ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت سے محمد (بے حد تعریف کیے ہوئے) مصطفیٰ اور مجتبیٰ (پسندیدہ اور برگزیدہ) بنایا ہے‘ آپ کو علی الاطلاق ہدایت کا منبع بنایا ہے‘ بغیر کسی استثناء کے آپ کے تمام افعال کو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے‘ ہر مسلمان کی اخروی فوز وفلاح کے لیے آپ کی اتباع کو مطلقاً لازم کیا ہے‘ ہر مسلمان پر آپ کی اطاعت مطلقاً فرض کردی ہے۔ آپ کا کوئی فعل ناپسندیدہ اور گرفت کا موجب نہیں ہے۔ یقیناً سید مودودی کی یہ تفسیر ہی ناپسندیدہ اور گرفت کی موجب ہے۔

بیوی کو حرام کہنے میں مذاہب فقہاء

صحیح مسلم: ۳۰۷۴ا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اپنی بیوی کو حرام کہنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے‘ اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس کے بارے میں امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگی اور اگر اس نے بغیر طلاق اور ظہار کی نیت کے بعینہٖ اس عورت کی تحریم کی نیت کی ہے تو ان الفاظ کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا لیکن یہ قسم نہیں ہے اور اگر اس نے بغیر کسی نیت کے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں‘ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا‘ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا یہ قول لغو ہے اور اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸‘ کراچی)

علامہ نووی شافعی نے لکھا کہ امام مالک کا مذہب مشہور یہ ہے کہ ان کلمات سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں‘ خواہ بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ‘ لیکن اگر اس نے تین سے کم کی نیت کی ہے تو غیر مدخولہ میں اس کی نیت قبول کر لی جائے گی۔ علامہ وشتانی مالکی کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۱۱‘ طبع قدیم بیروت)

علامہ علی بن سلیمان مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کے تین قول ہیں: (ا) یہ ظہار ہے اور یہی فی الجملہ مذہب ہے‘ مستوعب‘ خلاصہ‘ محرر‘ رعایتین‘ حاوی صغیر اور فروع میں اس کو مقدم کیا گیا ہے (ب) یہ کنایہ ظاہرہ ہے اور اس سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں‘ حنبل اور اثرم سے روایت ہے: حرام تین طلاقیں ہیں (ج) یہ قسم ہے‘ علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ یہ لفظ قسم میں ظاہر ہے‘ اگر اس نے یہ لفظ بغیر کسی نیت کے کہا ہے تو یہ قسم ہے اور اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہے اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے‘ ہدایہ‘ مذہب‘ مسبوک الذہب اور مستوعب وغیرہ میں لکھا ہے کہ مشہور فی المذہب یہی قول ہے۔ (الانصاف ج ۸ ص ۴۸۶)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس کی نیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا‘ اگر اس نے کہا: میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا تو اسی پر محمول کیا جائے گا‘ کیونکہ یہ اس کے کلام کی حقیقت ہے‘ اور ایک قول یہ ہے کہ قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ قول بظاہر قسم ہے‘ اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو ان کلمات سے طلاق بائنہ ہوگی‘ الا یہ کہ اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا ہو‘ اور اگر اس نے کہا: میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو یہ ظہار ہے‘ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا نظریہ ہے۔ امام محمد یہ کہتے ہیں کہ ان کلمات سے ظہار نہیں ہوسکتا کیونکہ ان میں

تشبیہ نہیں ہے' اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حرمت کا اطلاق کیا ہے اور ظہار میں بھی حرمت ہوتی ہے' اور اگر وہ کہے کہ میں نے تحریم کا ارادہ کیا ہے یا بلا ارادہ یہ الفاظ کہے ہیں تو یہ ایلاء ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے' اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے بلانیت یہ الفاظ کہے تو عرف کی بناء پر اس کو طلاق (بائنہ) پر محمول کیا جائے گا۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۵۵' سکھر)

علامہ بابرتی حنفی نے لکھا ہے: ابوبکر اسعاف' ابوجعفر ہندوانی اور ابوبکر سعید نے لکھا ہے کہ فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے: ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی یہ عام عادت ہے کہ وہ ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ کرتے ہیں۔

(العنایہ علیٰ ہامش فتح القدیر ج ۴ ص ۵۶' سکھر)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: یہ مشائخ متاخرین کا اپنے زمانے کے عرف کی بناء پر فتویٰ ہے' یہی وجہ ہے کہ مرد یہ الفاظ کہتے ہیں اور اگر عورت خاوند سے کہے: "تم پر حرام ہوں" تو یہ قسم ہے اور اس کے بعد اس نے خاوند کو مقاربت کا موقع دیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا' یہ کلمہ ایسے ہے جیسے مرد نے بغیر نیت کے طلاق کے الفاظ کہے تو صریح الفاظ کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہاں پر صراحت کا موجب عرف ہے' اس بناء پر فقہاء نے کہا ہے کہ کسی شخص نے یہ کلمات کہے اور کہا: میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۵۶' سکھر)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "تو مجھ پر حرام ہے" فقہاء متاخرین کہتے ہیں: ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے' اللہ تمہارا مددگار ہے' اور وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ○ (التحریم: ۲)

قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قسموں کے کھولنے کے طریقہ کا ذکر فرمایا ہے' اس کا بیان اس آیت میں گزر چکا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا' لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا' سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے' جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے' جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ○

اس کی تحقیق کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیا تھا یا نہیں

اس آیت میں صراحۃً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا اور اشارۃً امت کو خطاب ہے اور اس میں جمع کا صیغہ آپ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جب کسی کام کے کرنے یا نہ

کرنے کی قسم کھائی جاتی ہے تو اس کے کرنے یا نہ کرنے پر گرہ باندھ دی جاتی ہے اور جب اس قسم کا کفارہ دے دیا جاتا ہے تو اس گرہ کو کھول دیا جاتا ہے' اسی طرح اگر قسم کھانے کے بعد ان شاء اللہ کہہ دیا جائے پھر بھی وہ گرہ کھل جاتی ہے' ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب کسی حلال چیز کو حرام کرلیا جائے تو وہ قسم ہے اور جب آپ نے شہد پینے کو یا حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام کرلیا تو آپ نے گویا قسم کھائی کہ آپ شہد نہیں پئیں گے یا حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کریں گے' اور بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے اس کی قسم کھائی تھی۔

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اس کے کفارہ میں ایک غلام کو آزاد کیا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کریں گے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کفارۂ قسم واجب کیا تھا اس کو بیان فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیا تھا' اور حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ آپ نے کفارہ نہیں دیا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ تمام کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے' (یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کے مغفور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے افعال پر احکام شرعیہ مرتب نہ ہوں' پس جس طرح جنابت کے بعد آپ کا غسل کرنا آپ کی مغفرت کے منافی نہیں ہے' اسی طرح قسم توڑنے کے بعد اس کا کفارہ دینا بھی آپ کی مغفرت کے منافی نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اس سورت میں آپ کی امت کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرماتے ہوئے یہ آیت نازل کی' اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ایک غلام آزاد کر کے کفارہ دیا اور حضرت ماریہ سے دوبارہ مقاربت کی۔

اللہ سبحانہٗ نے یہ سنت جاری کی ہے کہ جب اس کا بندہ کسی چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور وہ اس کے دل کو اس چیز سے ہٹا دیتا ہے' پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ اس کو اس چیز کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' اسی طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو آپ کی زوجات کی طرف سے ہٹا دیا اور آپ ان سے الگ ہو گئے' اور آپ نے حضرت حفصہ کو (رجعی) طلاق دی' اور انتیس راتوں تک حضرت ماریہ کے ساتھ مقاربت سے رکے رہے' اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے تھا' حتیٰ کہ سب نے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

(لطائف الاشارات (تفسیر القشیری) ج ۳ ص ۳۳۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کے حلال کیے ہوئے کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں' آپ

نے صرف اپنے آپ کو حضرت ماریہ کی مقاربت سے روک لیا تھا اور یہ قسم کھائی کہ میں آج کے بعد ان کے قریب نہیں جاؤں گا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن بصری نے کہا: آپ نے اس قسم کا کفارہ نہیں دیا کیونکہ آپ مغفور ہیں اور یہ آیت صرف مؤمنین کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے' اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی جو قسم کھائی تھی اس کا کفارہ دیا تھا' اور یہ آپ کے مغفور ہونے کے منافی نہیں ہے' کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں بہ ظاہر آپ اور امت مساوی ہیں۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۶۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: آپ نے کفارہ نہیں دیا تھا' یہی امام مالک کا قول ہے' اور اصل یہ ہے کہ بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی (اور خصوصیت پر دلیل ہے نہیں' بلکہ دلیل اس کے خلاف ہے کیونکہ مقاتل نے بیان کیا ہے کہ آپ نے اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا)۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۶ ص ۲۱۹۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

قتادہ' شعبی اور امام سعید بن منصور نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ماریہ کی قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۰۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ان ہی دلائل کو نقل کر کے اس کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کفارہ ادا کیا تھا' نیز انہوں نے لکھا ہے:

امام مالک نے "مدونہ" میں زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو حرام قرار دیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ آپ ان سے مقاربت نہیں کریں گے' آپ نے اس کا کفارہ ادا کیا تھا' شعبی سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۲۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی' پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا' پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ نبی نے کہا: مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے O اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں' اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O (التحریم: ۴۔۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ کی دل جوئی کے لیے ان کو راز کی بات بتانا اور ان کا راز افشاء کرنا

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دو راز کی باتیں کہی تھیں' ایک یہ کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور دوسری یہ کہ تمہارے والد (حضرت عمر) اور حضرت عائشہ کے والد (حضرت ابوبکر) میرے بعد حکمران ہوں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۲۲' ج ۱۰ ص ۳۳۶۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون خلیفہ ہوگا' حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا۔

میمون بن مہران نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: آپ نے حضرت حفصہ کو یہ راز بتایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور انہوں نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا۔ 8

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے کہا: تم نے میرا راز افشاء کر دیا ہے' اور اس کی سزا میں ان کو طلاق (رجعی) دے دی' جب حضرت عمر کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: اگر آل عمر میں کوئی خیر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق نہ دیتے اور ایک ماہ تک تم سے الگ نہ رہتے' پھر آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک اپنی ازواج سے الگ رہے اور آپ نے حضرت ماریہ کے بالا خانہ میں رہائش رکھی حتیٰ کہ آیت تخییر نازل ہوئی' مقاتل بن حیان نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق نہیں دی تھی' آپ نے ان کو صرف طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا' تب آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا: آپ ان کو طلاق نہ دیں' بے شک وہ روزہ رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور یہ آپ کی جنتی بیویوں میں سے ایک ہیں' سو آپ نے پھر ان کو طلاق نہیں دی۔

حضرت حفصہ کی افشاء کی ہوئی خبروں میں سے بعض خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو جتا دی تھی اور بعض نہیں جتائی تھی۔

مقاتل نے یہ کہا ہے کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو دونوں خبریں نہیں بتائی تھیں' صرف یہ بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خلیفہ ہوں گے۔

جب آپ نے حضرت حفصہ کو یہ بتایا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے تو انہوں نے پوچھا: آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو علیم وخبیر نے یہ خبر دی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۴۶۔۳۴۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے' بعض نے قدرے اختصار کے ساتھ اور بعض نے قدرے تفصیل سے۔

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۷۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی ۴۵۰ھ۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ۔ (الکشاف ج ۴ ص ۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ۔ (زادالمسیر ج ۸ ص ۳۰۸' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۰۔۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۷۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ۔ (تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۲۰۵۔۲۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۶۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

8

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ص ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ۔ (روح المعانی جز ۲۸ص ۲۲۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

وحی خفی کا ثبوت

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ایک راز کی بات بتائی تھی جس کو انہوں نے افشاء کر دیا مگر پورے قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ وہ راز کی بات کیا تھی جس کو افشاء کرنے کی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی اور یہ قطعی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات کی خبر دی ہے اور خبر کا وہ ذریعہ بھی قطعی ہے اور وہی وحی خفی ہے جس کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں جو لوگ حدیث کی حجیت اور وحی خفی کے قائل نہیں اور صرف قرآن کی وحی کو مانتے ہیں وہ بتائیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی وہ خبر کہاں ہے؟

التحریم: ۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو توبہ کا حکم دینے کی توجیہ

ان دونوں سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کرنے پر برانگیختہ کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت کی وجہ سے یہ چاہتی تھیں کہ آپ کسی اور کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیں اور کسی اور کے پاس زیادہ نہ ٹھہریں اور چونکہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے کی وجہ سے زیادہ ٹھہرتے تھے اس لیے انہوں نے چاہا کہ آپ شہد ہی نہ پئیں اس لیے انہوں نے کہا کہ آپ نے وہ شہد پیا ہے جس کو شہد کی مکھیوں نے اس درخت کے پتوں سے چوسا تھا جس پر مغافیر لگا ہوا تھا اس وجہ سے آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے اور مغافیر کی بو آپ کو ناپسند تھی گویا وہ آپ سے شہد کو چھڑانا چاہتی تھیں تاکہ آپ حضرت زینب کے پاس زیادہ نہ ٹھہریں لیکن اس معاملہ میں ان کی توجہ اس طرف نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور مٹھاس کو پسند فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴) اور اس طرح وہ نادانستگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو چھڑانے کی مرتکب ہو رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ سخت ناپسند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پسندیدہ چیز کو نہ کھا سکیں نہ پی سکیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو فہمائش کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کو دائرہ اعتدال میں رکھیں تاکہ وہ نادانستگی میں اپنی محبت کی شدت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی اور آپ کی دل آزادی کا موجب نہ بن جائیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں۔

یعنی اپنی محبت کے تقاضوں کو پورا کرتی رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا خیال نہ کیا (تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا کیونکہ) بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے (بھی) ان کے مددگار ہیں۔

نیک مسلمانوں کے مصادیق

جبریل کا الگ سے ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بھی فرشتوں میں داخل ہیں کیونکہ حضرت جبریل کروبین کے سردار ہیں۔ حضرت جبریل کی مدد کے بعد صالح المؤمنین کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے اور آپ کے مخالفوں سے عداوت رکھتے تھے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نیک مسلمان ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس

سے مراد خلفاء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام صحابہ ہیں' اور اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کے بعد تمام فرشتے مدد کرنے والے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان سب کی مدد کے بعد تمام فرشتے مدد کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد حضرت جبریل' نیک مسلمانوں اور فرشتوں کی مدد کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جب یہ فرمادیا کہ اللہ آپ کا مددگار ہے تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی: اور جبریل اور نیک مسلمان اور سارے فرشتے آپ کے مددگار ہیں؟ کیونکہ اللہ کی مدد کے بعد تو اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس اسلوب پر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	بے شک اللہ اور اس کے سارے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! تم (بھی) نبی پر صلوٰۃ اور سلام بھیجا کرو ○

(الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کے بعد اور کسی کی صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شرف ظاہر کرنے کے لیے فرشتے بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور عام مسلمانوں کو بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ کی عظمت اور شرف ظاہر کرنے کے لیے یہ بتایا کہ اے عائشہ اور حفصہ! اگر تم نے ہمارے نبی کی پسند کی رعایت نہ کی اور ان کی پسند پر مدد نہ کی تو ان کو کیا کمی ہوگی جن کا اللہ مددگار ہے اور جبریل مددگار ہیں' اور نیک مسلمان مددگار ہیں اور ان کے بعد سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

مقبولانِ بارگاہِ عزت سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار تو صرف اللہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد حضرت جبریل کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یا نیک مسلمانوں کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی یا سارے فرشتوں کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی' جس طرح رزاق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے رزق دینے نہیں آتا' اس نے رزق کی فراہمی کے لیے اسباب' وسائل اور مظاہر مقرر کر دیئے ہیں' اور ان سے رزق کا حصول دراصل اللہ تعالیٰ سے ہی رزق کا حصول ہے' اسی طرح سب فرشتے' سب نیک مسلمان اور حضرت جبریل ان سب کا مدد کرنا دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا مدد کرنا ہے اور حضرت جبریل' نیک مسلمان اور سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی امداد کے مظہر ہیں اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس طرح ان کی امداد اللہ تعالیٰ کی امداد ہے' اسی طرح ان سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے' کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی امداد کے مظہر ہیں اور جس طرح ان کا مدد کرنا شرک نہیں ہے اسی طرح ان سے مدد طلب کرنا بھی شرک نہیں ہے۔

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○'' (الفاتحہ: ۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنا بالکل ناجائز ہے' ہاں! اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

مولیٰ اور ولی کا معنیٰ

اس آیت میں مولیٰ کا لفظ ہے' اس کا مادہ ولی ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ولی کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولی کا لفظ قربِ مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نسب' دین' دوستی' مدد اور اعتقاد کے قرب کی حیثیت سے استعمال ہوتا

ہے اور ولایت کا معنیٰ ہے: کسی چیز میں تصرف کرنا اور ولی اور مولیٰ کا معنیٰ متصرف ناصر اور دوست ہے مومن کو اللہ عزوجل کا ولی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کا ولی اور ان کا مولیٰ ہے قرآن مجید میں ہے: "اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (البقرہ: ۲۵۷) اللہ مؤمنین کا ولی ہے نیز قرآن مجید میں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى. اور اللہ (کی رسی) کو مضبوطی سے تھام لو وہی تمہارا مالک ہے سو کیا ہی اچھا مالک ہے۔ (الحج: ۷۸)

اور آزاد کرنے والے کو اور آزاد شدہ کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور حلیف کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے معاملات کا منتظم اور کارمختار ہو وہ اس کا ولی ہے اور اولیٰ کا معنیٰ ہے: لائق اور مستحق قرآن مجید میں ہے:

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ○ (القیامہ: ۳۴) اور عذاب تیرے زیادہ لائق ہے سو عذاب تیرے زیادہ لائق ہے ○

دو چیزوں کے درمیان موالات کا معنیٰ ہے: ان کا ایک دوسرے کے بعد وارث ہونا۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۹۴۔ ۶۹۲ ملخصاً مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

عرف اور اصطلاح میں اللہ کا ولی اس نیک مسلمان کو کہتے ہیں جو کبائر صغائر اور خلافِ سنت کاموں سے دائماً مجتنب ہو اور فرائض واجبات اور مستحبات پر دائماً عامل ہو اور احکام شرعیہ اور اسرارِ شریعت کا عالم ہو۔

نیز مولیٰ کا معنیٰ ہے: مالک آقا غلام سردار آزاد کرنے والا انعام دینے والا وہ جس کو انعام دیا جائے محبت کرنے والا ساتھی حلیف پڑوسی مہمان شریک بیٹا چچا کا بیٹا داماد رشتہ دار تابع۔ (المنجد اردو ص ۱۱۰۷)

لفظ مولوی کا معنیٰ

کتب لغت میں مولوی کے حسب ذیل معنی ہیں:

المولوی: مولیٰ کی طرف منسوب زاہد۔ (المنجد اردو ص ۱۱۰۷)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

مولیٰ کی طرف نسبت مولوی ہے۔ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۸۲ دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

مولوی: شرع کے احکام جاننے والا دین کے مسئلوں سے واقف دین کا عالم فاضل شریعت کا پکا پابند پکا دین دار متشرع مدرس معلم عالموں فاضلوں کا لقب۔ (قائد اللغات ص ۹۲۹ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

مولوی: شرع اسلامی کے احکام جاننے والا عالم دین فقیہ پکا دین دار پابند شریعت معلم مدرس علماء کا لقب مولیٰ سے بنایا ہوا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۱۸ فیروز سنز لمیٹڈ)

لفظ مولوی کے مواضع استعمال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے علماء اہل سنت اور احباب اہل سنت کے لیے لفظ مولوی اور مولانا کو استعمال فرمایا ہے:

جس روز آپ کا سوال آیا حسن اتفاق سے اوس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لیے یہاں آئے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸۴ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۰ھ)

حاجی صاحب گئے مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔ (مکتوبات امام احمد رضا ص ۶۲۔ ۶۱ مکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۱ء)

مولوی رحم الٰہی صاحب علیل ہیں' دوسرے آدمی کی فکر میں ہوں۔ "لمعۃ الضحیٰ" کے لیے مولوی امجد علی صاحب سے کہہ دوں گا۔ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۶۳۔۶۲' مکتبہ نبویہ لاہور' ۲۰۰۱ء)

نوٹ: مولانا رحم الٰہی قادر رضوی' اعلیٰ حضرت کے ممتاز خلیفہ اور منظر الاسلام بریلی کے دوسرے صدر المدرسین تھے۔

شام کو مولوی امجد علی صاحب سے دریافت کیے پر معلوم ہوا۔ الخ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۶۸)

بنام مولانا ظفر الدین قادری' مولانا مولوی ظفر الدین۔ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۵۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اکابر دیوبند کے ناموں کے ساتھ بھی مولوی اور مولانا کے القاب لکھے ہیں:

مگر جناب کے مہذب' عالم' مقدس' متکلم' مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی چاندپوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامے .. گرامی منشی مولانا ثناء اللہ امرتسری ممکن وموجود میں فرق نہ جان سکے۔۔۔۔۔۔۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۸۸' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۴۲۰ھ)

جناب مولوی گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ تھانوی صاحب کافر ہیں۔ (الیٰ قولہ) جناب مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا ہے کہ گنگوہی صاحب مرتد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۹۲۔۹۱' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۴۲۰ھ)

بنام مولوی اشرف علی تھانوی۔ (مکتوبات ص ۱۲۹۔۱۲۷۔۱۲۶۔115)

مولوی گنگوہی۔ (مکتوبات ص ۱۲۹۔۱۲۳۔۱۱۸۔۱۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے علماء اہل سنت اور دیوبندیوں دونوں کے لیے مولانا اور مولوی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

لفظ شیخ کا معنیٰ اور اس کے مواضع استعمال

شیخ: بوڑھا' بڑی عمر کا' استاذ' عالم' قوم کے سردار اور بڑے اور ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی نظر میں علم' فضیلت اور مرتبہ ودرجہ کے لحاظ سے بڑا ہو۔ (المنجد اردو ص ۵۵۱۔۵۵۰)

حضرت سید پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ دو عنوانوں میں لکھتے ہیں: پہلا عنوان یہ ہے' شیخ ابنِ تیمیہ غفر اللہ لہٗ کے اِس حدیث پر اعتراضات اور اہلِ تحقیق کے جوابات' اور دوسرا عنوان یہ ہے' شیخ ابنِ تیمیہ کا حدیثِ مدینۃ العلم پر دوسرا اعتراض۔

(تصفیہ مابین سُنی وشیعہ ص ۶۳' ۴۷' مطبوعہ پرنٹنگ پروفیشنلز' لاہور ۲۰۰۵ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے ایک غیر مقلد عالم کی طرف مکتوب کے سرنامے میں لکھا:

بنام الشیخ محمد طیب مکی۔ (مکتوبات ص ۱۳۱' لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: کالی بھوانی' شیخ سدو ارواحِ خبیثہ کے ساتھ نبی اللہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کو ملانا صریح گمراہی اور نبی اللہ کی توہین اور امام الوہابیہ مخذولی کی طرزِ لعین ہے' توبہ فرض ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۲۰' مکتبہ رضویہ' کراچی)

دیگر علماء اہل سنت نے بھی مخالفین اہلِ سنت کے لیے شیخ کا لفظ استعمال کیا ہے:

مولانا حسن رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۲۶ھ کا شعر ہے:

عبد وہاب کا بیٹا ہوا شیخ نجدی   اس کی تقلید سے ثابت ہے ضلالت تیری

(ذوق نعت ص ۱۱۳' مدینہ پبلی کیشنگ کمپنی' کراچی)

مولانا بدر الدین قادری لکھتے ہیں:

زمین کے وسیع علم کے بارے میں شیخ نجدی' ابلیس لعین کو بڑا عالم اور سرکار کو چھوٹا عالم مانتے ہیں۔

(سوانح امام احمد رضا ص ۱۸۳' نوریہ رضویہ' سکھر' ۱۴۰۷ھ)

مفتی آگرہ استاذ العلماء علامہ عبدالحفیظ حقانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

افسوس کہ شیخ نجدی کی ''کتاب التوحید'' میں اور شیخ ھندی کی ''تقویت الایمان'' میں دوسرا باب بدعت موجود نہیں۔

(سنت و بدعت حقائق کی روشنی میں بہ حوالہ النعیم جون ۲۰۰۴ء)

علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں:

فترحم الشیخ محمود الحسن وبعدہ الشیخ اشرف علی تھانوی' الشیخ ابو الاعلیٰ مودودی۔

(من ھو احمد رضا ص ۵۸۔۴۹' لاہور' ۱۴۰۲ھ)

مفتی محمد عبدالقیوم قادری متوفی ۱۴۲۴ھ لکھتے ہیں:

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بارہویں صدی کی ابتداء میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ نجد وحجاز ص ۲۳' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

مولانا فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

ابن التیمیہ کی ''کتاب الرد علی الافنائی'' کا اردو ترجمہ شیخ محمد صادق اہل حدیث نے کیا ہے۔

(شرح حدائق بخشش ج ۳ ص ۲۶۷' مکتبہ اویسیہ' بہاولپور)

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

(۱) وللشیخ محمد قاسم النانوتوی (۲) ھذا ھو امامھم الشیخ محمد اسماعیل الدھلوی (۳) قال الشیخ ابن تیمیہ (۴) قال الشیخ اشرف علی التانوی الدیوبندی (۵) قال الشیخ خلیل احمد الانبیتوی۔

(من عقائد اہل السنۃ ص ۲۳۹۔۱۶۷۔۱۰۶۔۸۴۔۶۶' الدعوۃ الاسلامیہ' لاہور)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی' اس کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

مایصدق رای الشیخ المندوی' قال الشیخ الندوی۔ (من عقائد اہل السنۃ ص ۲۹۔۲۷)

اور علماء اہل سنت میں سے جو شیخ کے لقب سے مشہور ہیں جیسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی' ان پر بھی شیخ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا' جو فرماں بردار' ایمان دار' عبادت گزار' توبہ کرنے والیاں' عبادت کرنے والیاں' روزہ دار' شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں' جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے O (التحریم: ۵۔۷)

''مسلمات' مؤمنات'' اور ''قانتات'' وغیرہا کے معانی

اس آیت میں ''مسلمات'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی خضوع اور خشوع سے اطاعت کرنے والیاں' یا اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے والیاں۔

اور ''مؤمنات'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور اس کی توحید پر ایمان لانے والیاں یا اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے والیاں۔

اور ''قانتات'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اطاعت کرنے والیاں اور رات کو اٹھ کر قیام کرنے والیاں۔

اور ''سائحات'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: روزہ رکھنے والیاں' حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: ہجرت کرنے والیاں' کیونکہ ''سائحات'' کا مادہ سیاحت ہے اس کا معنیٰ ہے: زمین میں سفر کرنا اور مؤمنوں کی سیاحت ہجرت ہے اور ایک قول ہے: اللہ عزوجل کی اطاعت میں سفر کرنے والیاں اور یہ حج اور عمرہ کے سفر کو شامل ہے۔

اور ''ثیبات'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو پھر وہ خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ ہو اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شادیاں کیں وہ عورتوں کی طرف رغبت یا شہوت کے تقاضوں سے نہیں کیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیں' جنت میں آپ کی ثیبہ زوجہ' فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہوں گی۔

اور ''ابکارًا'' کا لفظ ہے' باکرہ کا معنیٰ ہے: دوشیزہ اور کنواری' دنیا میں آپ کی کنواری زوجہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور جنت میں کنواری زوجہ حضرت مریم بنت عمران ہوں گی۔

کیا کوئی خاتون ازواجِ مطہرات سے افضل ہو سکتی ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر آپ ان ازواج کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں ان سے بہتر ازواج آپ کے نکاح میں لے آئے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ روئے زمین پر امہات المؤمنین سے بہتر عورتیں موجود نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ازواج آپ کے نکاح میں لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ازواج کو اس وجہ سے طلاق دے دیتے کہ وہ آپ کی پسند پر اپنی پسند کو ترجیح دیتی ہیں اور اس وجہ سے آپ کو ایذاء پہنچاتی ہیں اور پھر وہ اس پر توبہ نہ کرتیں تو پھر وہ اس صفت پر قائم نہ رہتیں کہ وہ دنیا میں سب سے افضل اور بے مثل خواتین ہیں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ۔ (الاحزاب:۳۲) اے نبی کی ازواج! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔

لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے اپنے مطالبہ سے رجوع کر لیا اور اپنی بے اعتدالی سے توبہ کر لی تو وہ پھر اپنی اسی افضلیت اور بے مثلی کے مقام پر فائز ہو گئیں' اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رجوع کر لیں گی اور آپ ان کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے کے لیے فرمایا: کہ وہ اس پر قادر ہے کہ ان سے بہتر ازواج اپنے نبی کے نکاح میں لے آئے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد:۳۸) اور اگر تم (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اعراض کرو تو اللہ تمہارے بدلہ میں اور لوگ لے آئے گا' پھر وہ تمہاری مثل نہ ہوں گے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ڈرانے کے لیے خطاب فرمایا ہے' اور یہ بتانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سے بہتر مؤمنوں کو وجود میں لے آئے اگرچہ روئے زمین پر ان سے بہتر مؤمن اس وقت تھے نہ آئندہ ہوں گے۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے ناراضگی کے سلسلہ میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں کافی عرصہ سے یہ سوچ رہا تھا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق سوال کروں لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میں ان سے سوال نہیں کر پا رہا تھا' حتیٰ کہ وہ حج کے لیے

روانہ ہوئے اور میں بھی ان کے ہمراہ تھا' واپسی میں وہ ایک جگہ قضاء حاجت کے لیے گئے' جب وہ فارغ ہو کر آئے تو میں نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے آپ سے موافقت نہیں کی تھی؟ حضرت عمر نے کہا: وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں رضی اللہ عنہما' میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے یہ چاہ رہا تھا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں' لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ سے سوال نہیں کر سکا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو' جس چیز کے متعلق بھی تمہیں خیال ہو کہ مجھے اس کا علم ہو گا تم اس کے متعلق مجھ سے سوال کر لیا کرو' اگر مجھے اس کے متعلق علم ہوگا تو میں تم کو ضرور بتاؤں گا' حضرت عمر نے کہا: ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ حقوق نازل کیے جو نازل کیے اور ان کے متعلق وہ تقسیم کی جو تقسیم کی' اسی اثناء میں ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کسی کام کے لیے کہا' تو اس نے کہا: تم اس طرح کر لو' میں نے کہا: میں نے تم کو جس کام کا کہا ہے تم وہ کام کرو' تم اس میں اور باتیں کیوں کر رہی ہو؟ اس نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تم نہیں چاہتے کہ تمہیں جواب دیا جائے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دن غصہ میں گزارتے ہیں' پس حضرت عمر کھڑے ہوئے' چادر اپنی جگہ سے اٹھائی اور حضرت حفصہ کے پاس پہنچے اور کہا: اے بیٹی! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو حتیٰ کہ آپ پورا دن غصہ سے گزارتے ہیں؟ حضرت حفصہ نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! ہم آپ کو ضرور جواب دیتی ہیں۔ میں نے کہا: کیا تم جانتی ہو کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے ڈرا رہا ہوں' اے بیٹی! تم اس سے دھوکے میں نہ آنا جس کا حسن و جمال آپ کو پسند ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے' حضرت عمر کی مراد حضرت عائشہ تھیں' پھر میں ان کے پاس سے حضرت ام سلمہ کے پاس گیا کیونکہ میری ان سے قرابت تھی۔ میں نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی' انہوں نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو' حتیٰ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج میں بھی مداخلت کرنا چاہتے ہو' انہوں نے مجھ سے اس قدر شدید مواخذہ کیا کہ میں نے اپنے دل میں ازواجِ مطہرات کو سمجھانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس پر عمل نہیں کیا' پھر میں ان کے پاس سے چلا گیا' ادھر میرا پڑوسی ایک انصاری تھا' ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے تھے' ایک دن وہ جاتا اور اس دن نازل ہونے والے احکام کی خبر لے کر آتا اور ایک دن میں جاتا' ان دنوں ہمیں غسان کے بادشاہ کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے والا ہے' ایک دن میرے پڑوسی انصاری نے آ کر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: کھولو' کھولو' میں نے پوچھا: کیا غسانی نے حملہ کر دیا؟ اس نے کہا: اس سے بھی بڑی بات ہو گئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں' میں نے کہا: حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ پر افسوس ہے' میں اپنے کپڑے بدل کر وہاں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے پر تھے جس کی طرف سیڑھی سے راستہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ فام غلام اس کے ڈنڈے پر بیٹھا تھا' میں نے کہا: یہ عمر بن الخطاب ہے' آپ سے کہو وہ ملنے کی اجازت چاہتا ہے' حضرت عمر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ سنایا' جب میں نے حضرت ام سلمہ کا قول سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' آپ کے نیچے اور کوئی چیز نہیں تھی' اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کی طرف درخت کے پتے تھے' اور آپ کے سر کے پاس ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے' میں رونے لگا' آپ نے پوچھا: اے ابن الخطاب! تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کتنے عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا یہ حال ہے'

آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۷۹)

امام بخاری نے کتاب المظالم والغصب میں یہ حدیث زیادہ تفصیل سے ذکر کی ہے اس میں یہ اضافہ ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ؕ'' (التحریم:۴) کی تفسیر میں فرمایا: میرے پڑوسی نے آ کر مجھے بتایا کہ عظیم حادثہ ہو گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے حضرت عمر نے کہا: حفصہ تو ناکام اور نامراد ہو گئی مجھے پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ ایسا ہونے والا ہے میں نے اپنے کپڑے بدلے اور نماز فجر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے میں گئے اور وہاں الگ رہے میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں میں نے کہا: اب کیوں رو رہی ہو کیا میں نے تم کو اس خطرہ سے پہلے آگاہ نہیں کیا تھا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ حضرت حفصہ نے کہا: مجھے پتا نہیں آپ وہاں اس بالا خانے میں ہیں پس میں باہر آیا اور منبر کے پاس گیا وہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بعض رو رہے تھے میں تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا پھر میں اپنے خیالات سے مجبور ہو کر اٹھا اور اس بالا خانے کے پاس پہنچا جس میں آپ تشریف فرما تھے میں نے اس سیاہ فام غلام سے کہا: جاؤ عمر کے لیے اجازت طلب کرو وہ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر کے آ گیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ذکر کیا تھا آپ سن کر خاموش رہے میں لوٹ آیا اور منبر کے پاس جو لوگ تھے ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا پھر میں اپنے خیالات سے مجبور ہو کر اٹھا اور پھر بالا خانہ پر گیا پھر اسی طرح ماجرا ہوا اور میں پھر منبر کے پاس جا کر لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا پھر میں اپنے دل سے مجبور ہو کر اٹھا اور اس سیاہ فام غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا: جاؤ عمر کے لیے اجازت طلب کرو پھر اسی طرح ہوا جب میں واپس جانے لگا تو وہ غلام مجھے بلا رہا تھا اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے اس وقت آپ ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے اور چمڑے کے ایک تکیہ سے آپ نے ٹیک لگائی ہوئی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی پھر میں نے کھڑے ہوئے آپ کو سلام کیا پھر میں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں پھر میں نے اسی طرح کھڑے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! کاش آپ مجھے دیکھیں ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں پر غالب رہتے تھے پھر ہم مدینہ آئے اور یہاں کی عورتیں اپنے مردوں پر غالب رہتی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے پھر میں نے کہا: کاش آپ کو معلوم ہوتا میں حفصہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: تم کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سہیلی تم سے زیادہ حسین و جمیل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے ان کی مراد حضرت عائشہ تھیں آپ دوبارہ مسکرائے جب میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا پھر میں نے گھر میں نظر ڈالی سو اللہ کی قسم! میں نے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو میری نظر کو لوٹاتی وہاں صرف تین کچی کھالیں تھیں میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی امت کو خوش حال کر دے کیونکہ فارس اور روم پر تو بہت خوش حالی ہے ان کو دنیا دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی اچھی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے مغفرت طلب کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے ازواج سے الگ ہو گئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راز کی بات حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتا دی تھی اور آپ نے فرمایا: میں ایک ماہ تک ان ازواج کے پاس نہیں جاؤں گا کیونکہ آپ کو ان پر بہت رنج تھا جب اللہ نے آپ پر (صورۃ) عتاب کیا تھا۔ جب

انتیس دن گزر گئے تو آپ نے حضرت عائشہ سے ابتداء کی اور ان کے پاس گئے' حضرت عائشہ نے کہا: آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ ایک ماہ تک ہمارے پاس نہیں آئیں گے' اور میں تو ایک ایک رات گن کر گزار رہی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے' حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ پر آیت تخییر نازل کی گئی تو میں وہ پہلی عورت تھی جس سے آپ نے ابتداء کی اور فرمایا: میں تم سے ایک بات ذکر کر رہا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کر لو' حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے ماں باپ آپ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دیں گے' پھر آپ نے الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸ کی تلاوت فرمائی' میں نے کہا: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی' میں اللہ کا' اس کے رسول کا اور دارِ آخرت کا ارادہ کرتی ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ازواج کو اختیار دیا تو باقی ازواج نے بھی حضرت عائشہ کی طرح کہا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ ازواج سے الگ رہنا حضرت حفصہ کے افشاءِ راز کی وجہ سے تھا یا ازواج کے زیادہ خرچ مانگنے کی وجہ سے؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ناراض ہوئے تھے کہ حضرت حفصہ نے آپ کے راز کی بات حضرت عائشہ کو بتا دی تھی' اس لیے آپ نے ایک ماہ کے لیے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی تھی' اور الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸ میں جو آیت تخییر نازل ہوئی ہے' اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ازواجِ مطہرات نے آپ سے زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا تھا' اس پر ناراض ہو کر آپ نے ایک ماہ کے لیے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر آئے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے' حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی' پھر حضرت عمر آئے اور اجازت طلب کی' سو ان کو بھی اجازت دی گئی' انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ افسردہ اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر نے دل میں سوچا کہ میں ضرور کوئی بات کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا' میں نے کہا: یارسول اللہ! کاش! آپ دیکھتے کہ بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرے اور میں اس کی گردن مروڑ دوں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: ان کو جو تم میرے گرد بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں' پھر حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کی گردن مروڑنے لگے' پھر حضرت عمر کھڑے ہو کر حضرت حفصہ کی گردن مروڑنے لگے اور وہ دونوں سے کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ یا انتیس دن اپنی ازواج سے الگ رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں' مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی' حضرت

عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی' بلکہ میں اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی (باقی) ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں' آپ نے فرمایا: ان میں سے جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتادوں گا' بے شک اللہ نے مجھے دشوار بنا کر بھیجا نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۲۰۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۱۳۱' مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۶۳۷' عالم الکتب)

ازواج مطہرات کو دنیا اور آخرت میں اختیار دینے کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اختیار دینے کے سبب میں بھی اختلاف ہے' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے ملک اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تھا تو آپ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کر لیا تھا' سو اس نہج پر آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تا کہ آپ کی ازواج کا حال بھی آپ کی مثل ہو۔

(۲) ازواج نے آپ کے اوپر غیرت کی تھی (یعنی ان کو آپ کا دوسری ازواج کے پاس جانا ناگوار تھا) تو آپ نے ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی۔

(۳) ایک دن وہ سب ازواج آپ کے پاس جمع ہوئیں اور آپ سے اچھے کپڑے اور اچھے زیورات کا مطالبہ کیا۔

(۴) ان میں سے ہر ایک نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو آپ کے پاس نہیں تھی' حضرت ام سلمہ نے معلم کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ نے یمن کے حلوں کا مطالبہ کیا' حضرت زینب نے دھاری دار چادروں کا مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ نے سحولی کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت حفصہ نے مصر کے کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت جویریہ نے سر پر باندھنے کے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر کا مطالبہ کیا' البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷۔۱۶۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس تفصیل سے اصل اشکال کا جواب نکل آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے ناراضگی کے دو سبب تھے' ایک حضرت حفصہ کا آپ کے راز کو فاش کرنا اور دوسرا ازواج کا زیادہ خرچ کا مطالبہ کرنا اور ان دونوں سببوں سے آپ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے الگ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کا محمل

صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۶۸ میں ہے: جب اللہ نے آپ پر عتاب کیا تھا اس سے مراد صورۃً عتاب ہے حقیقۃً عتاب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا: آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے' اس سے آپ کی دل جوئی مقصود ہے اور آپ کو آپ کی پسندیدہ چیزوں کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور یہ بتلانا ہے کہ آپ ازواج کی خاطر کیوں اپنی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں بلکہ ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کو راضی کریں' اسی طرح احادیث میں جہاں بھی یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اس سے مراد صورۃً عتاب ہے حقیقۃً عتاب نہیں ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کا واقعہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ عبس میں آئے گی یا جیسے غزوۂ تبوک میں منافقین کو اجازت دینے کا معاملہ اس کی تفسیر التوبہ: ۴۳ میں گزر چکی ہے۔

التحریم: ۶ میں فرمایا: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اپنے ماتحت لوگوں اور اولاد کو ادب سکھانے کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات

یعنی تم خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اپنے اہل وعیال سے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کراؤ اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے تم خود بھی ان کاموں سے باز رہو اور اپنے اہل وعیال کو بھی ان کاموں کے کرنے سے منع کرو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ: ۱۳۲) اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہیے۔

اہل وعیال سے احکام شرعیہ پر عمل کرانے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' سربراہِ مملکت اپنے عوام کا محافظ ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک شخص اپنی بیوی کا محافظ ہے اور اس سے اس کی بیوی کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہوگا' اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہوگا' تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے' پس جب وتر پڑھتے تو فرماتے: اے عائشہ! اٹھو اور وتر پڑھو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۴)

عمرو بن شعیب اپنے والد (محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص) وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ' اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۔۴۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۰۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس مرد پر رحم فرمائے جو رات کو نماز پڑھنے کے لیے اٹھے اور اپنی بیوی کو بھی (نماز کے لیے) جگائے' اگر وہ (اٹھنے سے) انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے' اللہ اس عورت پر رحم فرمائے' جو رات کو اٹھے' پھر نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے' پس اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۶)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب کوئی شخص رات کو اپنی بیوی کو جگائے' پھر دونوں نماز پڑھیں یا دو رکعت مل کر نماز پڑھیں تو ان دونوں کو ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۵)

سعید بن ابی العاص اپنے والد سے' وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جو شخص اپنے بیٹے کو نیک ادب سکھائے' اس سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۶۳ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۷۹ طبع جدید)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بیٹے کو ادب سکھائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ہر دن دو کلو صدقہ کرے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۳' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۸۰ جدید)

اس کے بعد فرمایا: جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

دوزخ کے محافظ فرشتوں کی صفات

دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہیں وہ سخت دل ہیں' جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو وہ کسی پر رحم نہیں کرتے' ان کو صفت غضب پر پیدا کیا گیا ہے اور ان کے دلوں میں مخلوق کو عذاب دینے کی محبت اس طرح ڈالی گئی ہے جس طرح بنو آدم کے دلوں میں کھانے پینے کی محبت ڈالی گئی ہے' ان کے ابدان بہت سخت ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کا کلام بہت درشت ہے اور ان کے کام بہت سخت ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ دوزخیوں کو بہت سختی سے پکڑتے ہیں اور ان پر بہت شدت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ کوئی زیادتی اور کمی نہیں کرتے' نہ اس کے کرنے میں تقدیم یا تاخیر کرتے ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں ایسی ہی لذت آتی ہے جیسے اہل جنت کو جنت میں سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہ انیس فرشتے ہیں جو دوزخ کی حفاظت پر مقرر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○" (البقرہ: ۲۴) دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر نہ ہو جاؤ ورنہ تم بھی کافروں کی طرح دوزخ کی آگ کا ایندھن بن جاؤ گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ کافروں کو دائمی عذاب دینے کے لیے دوزخ تیار کی گئی ہے اور جو فساق مؤمنین ہیں' وہ تطہیر کے لیے عارضی طور پر دوزخ میں داخل ہوں گے پھر ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' لیکن دوزخ کا عارضی عذاب بھی بہت شدید ہے' ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

التحریم: ۷ میں فرمایا: اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے ○

کیونکہ قیامت کے دن عذر پیش کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائیں۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○ (الروم: ۵۷)

پس اس دن ظالموں کا عذر پیش کرنا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا اور نہ انہیں توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کا موقع دیا جائے گا ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو' یہ بعید نہیں ہے کہ

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ

نیچے سے دریا بہتے ہیں، جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

چیز پر قادر ہے O اے نبی مکرم! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ

اور ان پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O اللہ نے کافروں

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا

کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جو ہمارے

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا

دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ انہیں اللہ کے

عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ O

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ وقف لازم

اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جب اس نے دعا کی:

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ

اے میرے رب! میرے لیے جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور

عَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ

اس کے عمل سے نجات دے دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے دے O اور عمران کی بیٹی مریم

الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ

کی مثال (بھی) جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی' سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف کی روح پھونک دی

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾ ع

اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو' یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے' اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں' ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے O (التحریم: ۸)

''توبة النصوح'' کی تعریف میں مفسرین کے اقوال

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

''التوبة النصوح'' کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت عمر' حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''التوبة النصوح'' یہ ہے کہ بندہ جس گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ اس گناہ کی طرف نہ لوٹے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: بندہ پچھلے گناہ پر نادم ہو اور یہ عزم مصمم کرے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: وہ توبہ مقبولہ ہے اور توبہ کے قبول ہونے کی تین شرائط ہیں: (ا) توبہ قبول نہ ہونے کا خوف ہو (ب) توبہ قبول ہونے کی امید ہو (ج) اور دائمی اطاعت کرے۔

(۴) القرظی نے کہا: اس توبہ میں چار چیزیں ہیں: زبان سے استغفار ہو' بدن سے گناہ کو اکھاڑ پھینکے' دل سے دوبارہ نہ کرنے کا اظہار ہو اور بُرے کاموں کو ترک کر دے۔

(۵) سفیان ثوری نے کہا: اس کی چار علامتیں ہیں: قلت' علت' غربت اور ذلت۔

(۶) الواسطی نے کہا: یہ توبہ کسی عوض کی وجہ سے نہ ہو' جو شخص دنیا میں گناہ کرتا ہے اس کا مقصد اپنی خواہش پورا کرنا ہے' اور جو شخص اس گناہ سے توبہ کرتا ہے اس کا مقصد اپنی آخرت سنوارنا ہے' تو یہ اپنے نفس کے لیے توبہ ہے' اللہ کے لیے نہیں ہے۔

(۷) الرقاق المصری نے کہا: یہ لوگوں کے غصب کیے ہوئے حقوق واپس کرنا ہے اور لوگوں سے کی ہوئی زیادتی کو معاف کرانا ہے اور ہمیشہ اطاعت کرنا ہے۔
(۸) ذوالنون نے کہا: اس کی تین علامتیں ہیں: کم باتیں کرنا' کم کھانا اور کم سونا۔
(۹) شقیق نے کہا: یہ اپنے نفس کو بہت ملامت کرنا ہے اور ہمیشہ گناہ پر نادم رہنا ہے۔
(۱۰) جنید نے کہا: گناہ کو اس طرح بھول جائے کہ پھر کبھی اس کو یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔
(۱۱) فتح الموصلی نے کہا: اس کی تین علامتیں ہیں: نفسانی خواہش کی مخالفت کرنا' زیادہ رونا اور بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا۔
(۱۲) کلبی نے کہا: دل سے نادم ہونا' زبان سے استغفار کرنا' گناہ کو اکھاڑ دینا' اور مطمئن ہونا کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔
(۱۳) بعض نے کہا: جب گناہ یاد آئے تو اس پر ندامت طاری ہو اور وہ اس گناہ پر استغفار کرے۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۵۱۔۳۵۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
اس سے مراد یہ ہے کہ انسان بُرے کاموں پر انتہائی نادم ہو اور دوبارہ وہ بُرے کام نہ کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
جس گناہ سے آدمی توبہ کر رہا ہے وہ یا تو اللہ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا' اگر وہ اللہ کا حق ہے مثلاً نماز کو ترک کرنا تو اس کی توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک نادم ہونے کے ساتھ ساتھ ترک کی ہوئی نماز کو ادا نہ کرے' اور اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دے اور اگر اس نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی ہے تو اپنے آپ کو حدِ قذف کے لیے پیش کر دے اور اگر اس سے قصاص کو معاف کر دیا گیا تو اس کا نادم ہونا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا اخلاص سے ارادہ کرنا' اس کی توبہ کے لیے کافی ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ دیت کی پیش کش کرے۔ اور اگر اس نے شراب پی ہے یا زنا کیا ہے اور قاضی کے سامنے جرم پیش ہونے سے پہلے اس نے توبہ کر لی ہے تو حد جاری ہونے سے وہ پاک ہو جائے گا اور اگر قاضی کے سامنے اس کا مقدمہ پیش نہیں ہوا اور اس نے تنہائی میں نادم ہو کر اخلاص سے توبہ کر لی تو یہ کافی ہے' اور اگر اس کا گناہ بندوں پر ظلم کرنا ہے تو اس کی توبہ اس وقت صحیح ہوگی جب وہ اس بندہ کا حق لوٹا دے گا' اور اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو یہ عزم کرے کہ جب وہ اس پر قادر ہوگا اس کا حق واپس کر دے گا' اور اگر اس نے کسی بندہ کو نقصان پہنچایا ہے تو اس سے معافی مانگ لے اور اس پر استغفار کرے' جب وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے کسی بندہ کو ناحق مارا پیٹا ہے یا اس کو گالی دی تو اس سے معافی طلب کرے' وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۵۔۱۸۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے' اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہونا

یعنی اگر تم سچی توبہ کر لو اور اس کا معیار یہ ہے کہ جس گناہ سے تم نے توبہ کی ہے پھر دل میں تم اس گناہ کو کرنے کا منصوبہ نہ

بناؤ اور اس کی طرف رغبت نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰' المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۳۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بندہ گناہ کرتا ہے' پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کیے ہوئے پر غم گین ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر غم گین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۲۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی داؤد بن المحبر ضعیف ہے)

اس کے بعد فرمایا: جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں' ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے' اور ہمیں بخش دے' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے O

مرجئہ کا اس پر استدلال کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی ضرورت نہیں اور اس کا رد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان والوں کو رسوا نہیں کرے گا' اس آیت میں کفار اور فساق پر تعریض ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن رسوا کرے گا' اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وجاہت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن شرمندہ نہیں ہونے دے گا کہ آپ کی شفاعت کو مسترد کر دے اور مؤمنین کی مدح ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دائمی عذاب دے کر رسوا نہیں کرے گا۔

مرجئہ نے اس آیت سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد گناہوں سے بچنے اور نیک عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ اگر مؤمنوں کو دوزخ میں داخل کر کے عذاب دیا جائے تو وہ رسوا ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کو دوزخ میں داخل (آل عمران: ۱۹۲) کیا اس کو تو نے رسوا کر دیا۔

اور التحریم: ۸ کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو رسوا نہیں کرے گا' پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو دوزخ میں داخل نہیں کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا وہ ان کو رسوا کرے گا اور گنہ گار مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ عارضی طور پر تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا اس لیے وہ رسوا نہیں ہوں گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ التحریم: ۸ میں مطلقاً مؤمنوں کے لیے نہیں فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان مؤمنوں کے لیے فرمایا ہے جو نبی کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور وہ صحابہ کرام ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے عاقبت حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے اور وہ مطلقاً دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے خلاف سید مودودی کی نقل کردہ ضعیف روایت اور اس کا رد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (قیامت کے دن) اللہ نبی کو شرمندہ نہیں ہونے دے گا (کہ آپ کی شفاعت

مسترد کردے)۔

لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کے برخلاف ایک ضعیف روایت استدلال میں پیش کی ہے:

ابن ماجہ نے اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی ہے وہ بڑے ہی دردناک الفاظ میں ہے' اس میں حضور فرماتے ہیں:

خبردار رہو! میں تم سے آگے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا' اور تمہارے ذریعہ سے دوسری امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی 9
کثرت پر فخر کروں گا' اس وقت میرا منہ کالا نہ کرنا۔ الحدیث (ابن ماجہ کتاب المناسک) (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۴۹۴)

یہ روایت جس میں ''لا تسودوا وجھی'' میرا منہ کالا نہ کرنا کے الفاظ ہیں' غایت درجہ کی ضعیف ہے اور کسی محدث نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے' یہ الفاظ صرف ابن ماجہ میں ہیں۔

ڈاکٹر بشار عواد معروف اس حدیث کی سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' اس کی سند کا ایک راوی زافر بن سلیمان الایادی ہے' وہ اس روایت میں متفرد ہے' اس سے زیادہ ثقہ راویوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (حاشیہ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۷)

قرآن مجید تو فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو شرمندہ نہیں ہونے دے گا اور سید مودودی اس روایت کو نقل کر رہے ہیں: ''تم میرا منہ کالا نہ کرنا'' جو روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں وارد ہو اس کو یہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے' اور یہ مسلّم ضعیف روایت ہے' اس کو مودودی صاحب نے ضعف کی تصریح کے بغیر لکھ دیا اور اس پر غور نہیں کیا کہ اس کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت میں قرآن مجید کی کتنی آیات ہیں۔

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ ۝ (الضحیٰ:۵) عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۝

عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا ۝

(بنی اسرائیل:۷۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! کفار اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۝ اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ ۝ اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جب اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے دے' اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے دے ۝ اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال (بھی) جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی' سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی ۝ (التحریم: ۱۲۔۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی ایک دلیل

التحریم: ۹ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کا منشاء یہ ہے کہ دین میں شدت کو اختیار کیجئے' جہاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے خلاف تلواروں' نیزوں اور دیگر ہتھیاروں سے جہاد کیجئے اور زبان سے جہاد کیجئے اور اپنے مؤقف کے ثبوت پر دلائل پیش کیجئے اور انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیجئے اور

منافقین حدود کا ارتکاب کرتے ہیں' سو آپ ان پر اللہ کی حدود قائم کیجئے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کو علم ہو کہ کون منافق ہے اور کون منافق نہیں ہے اور ایمان اور نفاق دل میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق علم غیب سے ہے' سو اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے۔

نجات کا مدار قرابت داری پر نہیں' ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے

التحریم: ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو کافر عورتوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو دو نبیوں کی بیویاں تھیں' حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والھہ تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والعہ تھا' لیکن وہ دونوں ایمان نہیں لائیں اس لیے نبی (علیہ السلام) کے نکاح میں ہونے کے باوجود ان کی مغفرت نہیں ہو سکی۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان دونوں نے خیانت کی' حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے حضرت نوح کے متعلق یہ کہتی تھی کہ یہ مجنوں ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ ان کے گھر جو مہمان آتے تھے وہ لوگوں کو اُن کی خبر پہنچا دیتی تھی۔ خیانت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ بے حیائی کے کام کرتی تھیں' کیونکہ کبھی کسی نبی کی بیوی نے بے حیائی کا کام نہیں کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۶)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "ما بغت امرءة نبی قط" کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۱۰)

برطانیہ کے مشہور مسلم اسکالر حافظ عبد المجید نقشبندی زید حبہ' نے ٹیلی فون پر مجھے اس مبحث میں مُلحدین کا ایک اشکال بتایا۔ سطور ذیل میں' میں اس اشکال کا جواب پیش کر رہا ہوں:

حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے کے متعلق سوال اور اُن کی بیوی کی خیانت پر مُلحدین کے ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آ گیا ہے' اس مناسبت سے ہم ملحدین کے ایک اعتراض کا جواب لکھنا چاہ رہے ہیں۔ اُن کا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ (ھود: ۴۵) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ (ھود: ۴۶)

اے نوح! بے شک وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' اُس کا عمل نیک نہیں ہے' تو آپ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

ملحدین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے اور آپ کو اس کا علم نہیں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا اُن کے نسب سے نہیں تھا اور اُن کی بیوی نے اُن سے خیانت کی تھی۔ نوح علیہ السلام کا اور کوئی سوال نہیں تھا' ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے سوال کا ذکر فرماتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح کی بیوی کی خیانت سے نسب میں خیانت مراد نہیں ہے' کیونکہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی کوئی بے حیائی کا کام نہیں کیا اور اس سے مراد دین میں خیانت کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اُس کی قوم کے سامنے معزز اور پروقار بنا کر بھیجتا ہے اور جس کی بیوی بدکاری کرے وہ شخص لوگوں کی نگاہوں میں دیوث اور بے غیرت ہوتا ہے اور ایسا شخص کب لوگوں کو اللہ عزوجل کے پیغام پر عمل کرنے کی دعوت دے سکتا ہے' جب کہ کفر و شرک اُن لوگوں کے

نزدیک کوئی قابلِ ملامت اور موجبِ عار چیز نہیں ہوتی' اس لیے اگر نبی کی بیوی کافرہ ہو تو یہ نبی کی تبلیغ کے منافی نہیں ہے اور اگر نبی کی بیوی فاحشہ ہو تو اُس کی تبلیغ کے منافی ہے' اس لیے نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوسکتی۔

رہا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کیا سوال کیا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کیجئے' جس کا آپ کو علم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت نوح علیہ السلام نے صراحۃً اپنے بیٹے کی مغفرت کا سوال نہیں کیا تھا' لیکن آثار اور قرائن ایسے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام محبت پدری کی وجہ سے اپنے بیٹے کی مغفرت کا سوال کرتے اور اگر بالفرض وہ سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کی دعا کو مسترد فرماتا' کیونکہ مشرکین کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اُس کے برگزیدہ نبی کی دعا کو مسترد کرنے کی نوبت نہ آئے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پیارے! تم یہ سوال ہی نہ کرنا کہ ہمیں تمہاری دعا کو مسترد کرنا پڑے اور لوگوں کی نگاہوں میں نبی کی عزت و وجاہت مجروح ہو۔

حضرت آسیہ کا راہِ حق میں مظالم برداشت کرنا

التحریم: ۱۱ میں مؤمنہ عورت کی مثال دی ہے' یہ حضرت آسیہ بنت مزاحم ہیں' جو فرعون کے نکاح میں تھیں اور حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئیں تھیں' حضرت موسیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے فرعون نے ان پر بہت ظلم کیا' ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ان میں کیلیں ٹھونک دیں' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دے' سو اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ الحسن اور ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت کے ساتھ نجات دی اور ان کو جنت میں داخل کر دیا اور وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔

اس آیت میں مؤمنوں کو اس پر تنبیہ کی ہے کہ راہِ حق میں اگر ان کو مظالم برداشت کرنا پڑیں تو حضرت آسیہ سے سبق سیکھیں۔

حضرت آسیہ' حضرت مریم اور حضرت حلیمہ (حضرت موسیٰ کی بہن) کا جنت میں حضور کے نکاح میں ہونا

التحریم: ۱۲ میں حضرت مریم بنت عمران کا ذکر فرمایا ہے' جن کے چاک گریبان میں حضرت جبریل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی تھی' انہوں نے اللہ کے کلمات کی تصدیق کی' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو دین کے عقائد اور احکام شرعیہ بیان کرتے تھے یا حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے کی تصدیق کی' اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق کی یعنی تورات اور انجیل کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں یا نماز میں قیام کرنے والوں میں سے تھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں بہت کامل ہیں اور عورتوں میں صرف چار کاملہ ہیں: آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی' مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴ قدیم۔ ج ۳۲ ص ۲۸۸ جدید' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۱)

امام ثعلبی اور علامہ قرطبی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس گئے' اس وقت ان کی روح قبض ہونے والی تھی' آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! تمہاری تکلیف کو میں ناپسند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف میں بہت خیر رکھی ہے' جب تم اپنی سوکنوں کے پاس جاؤ تو ان کو میرا سلام کہنا' حضرت خدیجہ نے پوچھا وہ کون ہیں؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مریم بنت عمران ہیں' آسیہ بنت مزاحم ہیں اور حضرت موسیٰ کی بہن حلیمہ ہیں۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۵۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۸)

سورۃ التحریم کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۸ محرم ۱۴۲۶ھ/۱۰ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ التحریم کی تفسیر مکمل ہوگئی‘ ۲۸ فروری کو اس کی ابتداء کی تھی‘ اس طرح دس دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ الہ العالمین! اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمانا‘ اور باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دینا‘ اور میری اور میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دینا۔ آمین یا رب العٰلمین بجاہ سیدنا محمد سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وعترتہٖ وامتہٖ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورۃ الملک

سورت کا نام

اس سورت کا نام الملک ہے اور یہ نام اس سورت کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ. (الملک:۱) وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے۔

اس سورت کے اور بھی کئی نام ہیں' اس سورت کا نام الواقیہ اور المنجیہ بھی ہے کیونکہ یہ عذابِ قبر سے بچاتی ہے اور نجات دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت کا نام المجادلہ رکھتے تھے کیونکہ یہ سورت قبر میں میت کی طرف سے بحث اور جدال کرتی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۷ ہے' یہ سورۃ المؤمنون کے بعد اور سورۃ الحاقہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الملک کی فضیلت میں احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی ایک سورت میں تیس آیتیں ہیں' وہ جس شخص کی بھی شفاعت کریں گی اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ سورت "تبارك الذی بیده الملك" ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۸۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۳ ص ۳۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۰۲۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۸۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۰۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں' وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی' وہ سورت "تبارك" ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۶۷' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا دیا' اس میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس کو ختم کر لیا' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو اس کی خبر دی' آپ نے فرمایا: یہ سورت المانعۃ اور المنجیۃ ہے' یہ عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ یہ سورت یعنی

''تبارك الذى بيده الملك '' ہر مؤمن کے دل میں ہو۔
(المستدرک ج۱ص۵۶۵طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث:۳۰۷۶ طبع جدید شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۂ تبارک اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۂ تبارک پڑھنے والے کی قبر میں ایک شخص داخل ہوگا اور اس کے پیروں کی جانب سے آئے گا تو اس کے پیر کہیں گے: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے' یہ شخص میرے پاس سورۂ تبارک الذی پڑھا کرتا تھا' پھر وہ شخص اس کے سینہ یا پیٹ کی جانب سے آئے گا تو اس کا سینہ یا پیٹ کہے گا: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے' یہ شخص میرے پاس سورۂ''تبارك الذى '' پڑھا کرتا تھا' پھر وہ شخص اس کے سر کی طرف سے آئے گا تو اس کا سر کہے گا: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ شخص میرے پاس سورۃ الملک پڑھا کرتا تھا' پس یہ سورت عذابِ قبر سے منع کرنے والی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۹)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ المنجیۃ کی تلاوت کیا کرو' اور یہ الم تنزیل ہے' کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کی تلاوت کرتا تھا اور اس کے علاوہ اور کسی سورت کی تلاوت نہیں کرتا تھا' اور وہ بہت گناہ کرتا تھا' پس اس سورت نے اپنے پر اس کے اوپر پھیلا دیئے اور کہا: اے میرے رب! اس کو معاف کر دے' کیونکہ یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا' سو رب نے اس کی شفاعت کو قبول فرما لیا' اور فرمایا: اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۳۴۰۹' دار المعرفہ' بیروت'۱۴۲۱ھ)

کعب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک کی تلاوت کی' اس کی ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۱۴۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے آپ نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۱۴۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک تعجب خیز چیز دیکھی' میں نے دیکھا کہ ایک شخص بہت گناہ کرتا تھا وہ فوت ہو گیا' جب قبر میں عذاب اس کے پیروں کی طرف سے آتا یا اس کے سر کی طرف سے آتا تو پرندوں کی ایک قطار کی شکل میں ایک سورت اس کے عذاب کو دور کرنے کے لیے جھگڑا کرتی اور کہتی: یہ شخص میری تلاوت کیا کرتا تھا اور مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا کہ جو شخص دائماً میری تلاوت کرے گا میں اس کو عذاب نہیں دوں گا' پس اس شخص سے عذاب دور ہو گیا اور مہاجرین اور انصار اس سورت کو سیکھتے تھے اور کہتے تھے: وہ شخص نقصان زدہ ہے جس نے اس سورت کو نہیں سیکھا' وہ سورت ملک ہے۔
(الدر المنثور ج۸ص۲۱۸' دار احیاء التراث العربی بیروت'۱۴۲۱ھ)

سورت الملک کے مشمولات

☆ جس طرح بالعموم مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد پر زور دیا جاتا ہے' اسی طرح اس سورت میں بھی توحید' رسالت' قیامت' حشر ونشر اور جزا اور سزا کے مضامین کو بہت مؤثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید' اس کی قدرت اور قیامت اور بعثت پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

☆ اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تمجید اور اس کی عظمت سے کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس دنیا کی سلطنت اور حکومت

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ اقتدار میں ہے اور وہی لوگوں کو پیدا کرنے اور ان کو مارنے پر قادر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کرنے اور ان کو سیاروں اور ستاروں کے ساتھ مزین کرنے سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے اور شیاطین پر شہاب ثاقب گرا کر آسمانوں کی حفاظت کرنے سے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس جہان کا نظام نہایت مضبوط اور منظم ہے اور اس میں کوئی خلل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر میں سے یہ ہے کہ اس نے کافروں کے لیے جہنم کا عذاب تیار کیا ہے اور مؤمنوں کو مغفرت اور اجر کبیر کی بشارت دی ہے۔

☆ یہ بتایا ہے کہ وہ ہر ظاہر اور خفی اور کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے' اس نے انسان کو پیدا کیا اور زمین کو اس کی رہائش کے قابل بنا دیا اور زمین کو نیچے کی جانب دھنسنے سے محفوظ بنا دیا اور اس امت کے لیے آسمان کو سنگ باری سے مامون کر دیا تا کہ پچھلی امتوں کی طرح وہ آسمانی عذاب میں مبتلا نہ ہوں' فضا میں اڑنے والے پرندوں کو زمین پر گرنے سے روکے رکھا' یہ سب اُمور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلائل ہیں' سو ان نشانیوں سے یہ جاننا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرنا چاہے تو کوئی اس کے عذاب کو ٹال نہیں سکتا۔

☆ سورت کے اخیر میں یہ بتایا کہ جس نے اس جہان کو بنایا اور چلایا' وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ قیامت سے اس سارے جہان کو نابود کر کے دوبارہ بنا ڈالے اور یہ کب ہوگا اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' اور کفار کو اس سے ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے ہمارے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو پھر ان پر عذاب آئے گا اور اس سے ڈرایا ہے کہ تمہارے پینے کا پانی جس کو تم چشموں اور کنوؤں سے حاصل کرتے ہو اگر وہ اس پانی کو زمین میں دھنسا دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو پھر سے ان چشموں کو جاری کر سکے۔

☆ خلاصہ یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے علم اور اس کی قدرت کے مظاہر سے استدلال کیا گیا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے' اور بندوں پر اللہ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ حصولِ رزق کے لیے سعی اور جدوجہد کرو' پھر اللہ پر توکل کرو۔

سورۃ الملک کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کا آغاز کر رہا ہوں۔ الٰہ العالمین! اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا' باطل سے مجتنب رکھنا' حق و صداقت کے احقاق اور ناصواب اور باطل کے ردّ اور ابطال کی ہمت عطا فرمانا' وما ذالك على الله بعزيز عليه توكلت واليه انيب۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۹ محرم ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ مارچ ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

آیاتہا ۳۰ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | سورۃ الملک مکیۃ ۷۷ رکوعاتہا ۲

سورۃ الملک مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے اور وہ ہر

قَدِیْرُ ۙ۝۱ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ

چیز پر قادر ہے ۝ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون

عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ۝۲ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ

زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور وہ بے حد غالب بہت بخشنے والا ہے ۝ جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى

(اے مخاطب!) تو رحمٰن کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو (ان میں) کوئی

مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ

شگاف دیکھتا ہے؟ ۝ پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر

خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝۴ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ

تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی ۝ اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا اور

جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۝۵

ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا اور ان کے لیے دہکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر دیا ۝

وَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۶

اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۝ جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا

اِذَاۤ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّ هِیَ تَفُوْرُ ۙ۝۷ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ

تو وہ دوزخ کی خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہو گی ۝ گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی جب بھی

الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾

اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟O

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن

وہ کہیں گے: کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا:

شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ

اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گمراہی میں ہوO وہ کہیں گے: کاش ہم غور سے سنتے یا

نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا

عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتےO پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے' سو دوزخیوں

لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم

کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہوO بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں

مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِۦٓ ۖ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ

ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہےO اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے' بے شک وہ دلوں کی

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ع ۱۴ ۱

باتوں کو خوب جاننے والا ہےO کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہےO جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے' اور وہ بے حد غالب بہت بخشنے والا ہےO جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے (اے مخاطب!) تو رحمان کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو (ان میں) کوئی شگاف دیکھتا ہے؟O پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گیO (الملک: ۴-۱)

''تبارک'' کا صیغہ اور معنی اور اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

الملک: ۱ میں 'تبارک'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''برکت'' ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''برك'' کا اصل معنی اونٹ کا سینہ ہے اگرچہ یہ دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے' اونٹ چونکہ سینہ ٹیک کر بیٹھتا ہے' اس لیے اس کا معنی ٹھہرنا اور ثابت رہنا ہے' حوض میں جہاں پانی رک جائے اس کو برکہ کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی چیز میں خیر اور

خوبی کے جمع ہونے کو بھی برکت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر محسوس طریقہ سے خیر اور بھلائی حاصل ہوتی ہے اس کو بھی برکت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الاعراف: ٩٦) تو ہم ان پر آسمانوں اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

(المفردات ج ١ ص ٥٦' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ٨١٦ھ نے لکھا ہے: ''تبارك الله'' کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ برائیوں سے مقدس اور منزہ ہے' یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے تبارک نہیں کہا جاتا۔

(القاموس ص ٩٣٢' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤٢٤ھ)

علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ١٢٠٥ھ لکھتے ہیں:

ابو العباس سے ''تبارك الله'' کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ بلند ہے' زجاج نے کہا: یہ برکت سے بنا ہے اور باب تفاعل پر ہے' ابن الانباری نے کہا: ''تبارك الله'' کا معنیٰ ہے: ہر کام میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کی جائے' اللیث نے کہا: ''تبارك الله'' میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور تعظیم ہے' الجوہری نے کہا: ''تبارك الله'' کا معنیٰ ہے: اللہ برکت والا ہے۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ٧ ص ١٠٦' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے: برکت کی دو تفسیریں ہیں: (١) بقاء اور ثبات (٢) فضیلت والے آثار اور علامات کی کثرت' پہلے معنیٰ کے لحاظ سے ''تبارك الله'' کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ دائم اور ثابت ہے اور دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے ''تبارك الله'' کا معنیٰ ہے: تمام خیرات اور کمالات کا منبع اور مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' پس تبارک کے لفظ میں جو ثناء اور حمد ہے وہ صرف اللہ عزوجل کی شان کے لائق ہے' زجاج کا مختار ہے' ہر خیر کی کثرت' تبارک کے لفظ سے مضارع' امر' اسم فاعل وغیرہ نہیں آتے اور نہ اس کی گردان آتی ہے' قاضی بیضاوی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ وحدانیت' الوہیت اور ربوبیت کے ساتھ متفرد ہے۔

(روح المعانی جز ٨ ص ٢٠٦' دارالفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

اس کے بعد فرمایا: جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے۔

اس آیت میں ہاتھ سے مراد جسمانی عضو نہیں ہے' بلکہ وہ ہاتھ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے یا اس سے مجازاً قبضہ اور قدرت اور تصرف ہے جیسے ہمارے محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے: فلاں چیز یا فلاں کام میرے ہاتھ میں ہے۔

الملک: ٢ میں فرمایا: جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے O

موت اور حیات کے معانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو وجود عطا کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ موت بھی حیات کی طرح وجودی چیز ہے' عدمی نہیں ہے۔

موت حیات کے مقابل ہے' اس لیے اس کا معنیٰ حیات کے اعتبار سے ہے (١) انسان' حیوان اور نباتات میں نشوونما کی قوت کو زائل کرنا' جیسے قرآن مجید میں ہے:

يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط. (الروم: ١٩) وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔

یعنی زمین میں اگانے کی صلاحیت کو زائل کرنے کے بعد اس میں پھر اگانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔
(۲) حواس کی قوتوں کو زائل کر دینا جس طرح حضرت مریم نے دعا کی:
يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا. (مریم:۲۳) اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔
(۳) قوتِ عاقلہ کو زائل کرنا اور اس کو جہالت سے تعبیر کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. (النمل:۸۰) بے شک آپ مُردوں (بے عقل لوگوں) کو نہیں سناتے۔
(۴) ایسا رنج اور غم جو زندگی سے مایوس کر دے اور حواس کو معطل کر دے۔
وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ (ابراہیم:۱۷) دوزخی کو ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی اور وہ مرنے والا نہیں ہے۔
(۵) نیند' جس سے حواس اور مشاعر عارضی طور پر معطل ہو جاتے ہیں' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے' اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے نیند کو وفات فرمایا ہے:
وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ. (الانعام:۶۰) اور وہی ہے جو رات میں تم پر موت (نیند) طاری کرتا ہے۔
(۶) قوت حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسم سے الگ ہونا' قرآن مجید میں ہے:
اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر:۳۰) بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے ۝
(جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے' پس آپ کی موت کفار کی موت کے مغائر ہے' آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے ایک آن کے لیے الگ ہوئی اور ان کی روح قیامت تک کے لیے ان کے جسم سے الگ ہو گئی۔)
(المفردات ج ۲ ص ۶۱۷-۶۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح حیات کے بھی متعدد معانی ہیں:
(۱) نشو و نما کی وہ قوت جو حیوانات اور نباتات میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ. (الانبیاء:۳۰) اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔
(۲) حواس خمسہ ظاہرہ اور حواس خمسہ باطنہ کی قوتوں کو بھی حیات کہا جاتا ہے' اللہ عزوجل نے فرمایا:
وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ. (فاطر:۲۲) اور زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں۔
(۳) قوتِ عاملہ اور قوتِ عاقلہ کو بھی حیات کہا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:
اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ. (الانعام:۱۲۲) جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لیے ایسا نور بنا دیا جس کے سبب سے وہ آدمیوں میں چلتا ہے۔
(۴) دنیاوی تفکرات اور رنج و غم کے اٹھ جانے کو بھی حیات کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (آل عمران:۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔
جیسا کہ بہ کثرت احادیث میں ہے: شہداء کی روحیں لذت حاصل کر رہی ہیں۔
(۵) حیاتِ اخرویہ ابدیہ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ○ — بے شک آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے○

(العنکبوت:٦٤)

یعنی حقیقی اور سرمدی زندگی وہ زندگی ہے جس پر فنا نہ آئے' نہ کہ وہ زندگی جو کہ ایک مدت تک رہتی ہے پھر فنا ہو جاتی ہے۔

(٦) وہ حیات جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ متصف ہے' یعنی وہ حیات جس پر موت کا آنا ممکن ہی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ. (البقرہ:٢٥٥) — اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو ہمیشہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے' نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

(المفردات ج ا ص ١٨٣۔١٨٢' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے اور آزمانے کی توجیہ

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے۔

یعنی تم میں سے کون زیادہ حرام اور مکروہ کاموں سے بچنے والا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت زیادہ ولولہ اور سرگرمی سے کرنے والا ہے۔ اس نے موت کو جزاء اور سزا دینے کے لیے پیدا کیا ہے اور حیات کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابتلاء کا معنیٰ تجربہ اور امتحان ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بندے اس کی اطاعت کر رہے ہیں یا اس کی نافرمانی کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تو ازلاً ابداً تمام معلومات کا علم ہے تو اس کے حق میں امتحان لینے کا معنیٰ کس طرح متصور ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً امتحان نہیں لیتا کیونکہ اس کو پہلے سے ہی نتائج کا علم ہے بلکہ وہ بندوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے جس طرح ممتحن طلبہ کے ساتھ کرتا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے دن نیکی کرنے والوں کو انعامات سے نوازے اور بدکاروں کو سزا دے تو کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے کہ اس نے نیکوں کو فضول انعام دیئے اور بدوں کو بلاوجہ سزا دی' اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنی حجت پوری کرے گا اور آخرت میں یہ بتانا ہے کہ نیکوں کو انعام سے اس لیے نوازا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو گئے اور بدوں کو اس لیے سزا دی کہ وہ امتحان میں ناکام ہو گئے درا صل یہ ساری دنیا اور اس کی زندگی امتحان گاہ ہے اور روزِ آخرت دارالجزاء ہے۔

الملک: ٣ میں فرمایا: جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے (اے مخاطب!) تو رحمان کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھ سکے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو ان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے؟○

رحمٰن کے نظم تخلیق میں کسی قسم کی کجی کا نہ ہونا

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم رحمٰن کی بناوٹ میں کوئی ٹیڑھ' تناقض اور تباین نہیں پاؤ گے بلکہ یہ بناوٹ بالکل مستقیم اور سیدھی ہے جو اپنے خالق کے حسن تخلیق پر دلالت کرتی ہے' اگرچہ اس بناوٹ کی صورتیں اور صفات مختلف ہیں۔

اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آسمانوں کی بناوٹ میں کوئی عیب نہیں ہے۔

تفاوت کا اصل معنیٰ فوت ہے' یعنی کسی چیز سے کسی چیز کا فوت ہو جانا اور اس کی وجہ سے اس کی بناوٹ میں کوئی خلل اور عیب آ جائے۔

اور فرمایا: پس دوبارہ دیکھ کیا تو ان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے۔

یعنی اپنی نظر آسمان کی طرف پھیر دیا اپنی نظر آسمان کی طرف پلٹاؤ اور کوشش کر کے آسمان کی طرف دیکھو تمہیں آسمانوں میں کوئی شگاف نظر نہیں آئے گا۔

الملک: ۴ میں فرمایا: پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی O

بار بار دیکھنے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جب انسان کسی چیز کی طرف صرف ایک بار دیکھے تو اس کے نزدیک اس کے عیوب اور قبائح منکشف نہیں ہوتے' حتیٰ کہ جب وہ کسی چیز کی طرف بار بار غائر نظر سے دیکھتا ہے تو اس کی پوری حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا' اور ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا اور ان کے لیے دہکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر دیا O اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوفناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہو گی O (الملک: ۷۔۵)

ستاروں سے شیاطین کو رجم کرنے کی تحقیق

اس آیت میں ''مصابیح'' کا لفظ ہے اور یہ ''مصباح'' کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ چراغ ہے' ستاروں کو ان کے روشنی پہنچانے کی وجہ سے چراغ کہا جاتا ہے۔

اور فرمایا: ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم نے آگ کے گولے پیدا کیے جن سے ان شیطانوں کو مار بھگایا جاتا ہے جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چوری چھپے آسمانوں پر جاتے ہیں' اس تفسیر کی بناء پر ستارے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں' ان ستاروں سے شیاطین کو رجم نہیں کیا جاتا یعنی مار بھگایا نہیں جاتا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان ستاروں سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے اور ستارہ بنفسہ نہیں مارا جاتا' اس سے کچھ اجزاء جھڑ جاتے ہیں' ان اجزاء سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' اور ستاروں کے کچھ اجزاء جھڑنے سے ان کی صورت اور ان کی روشنی دینے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے: وہ آسمانوں کی زینت ہیں' وہ شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ہیں' جنگلوں اور سمندروں میں ان کو رہ نمائی کی علامت بنایا ہے' جس نے ان تین باتوں کے علاوہ ستاروں کے متعلق کوئی اور تاویل کی اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا' قتادہ کی مراد یہ ہے کہ جس نے ستاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھا کہ وہ اس جہان میں تاثیر اور تصرف کرتے ہیں' ان کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں اور تکوینی اُمور کا ظہور ہوتا ہے یا جیسے ہمارے زمانہ میں نجومی کہتے ہیں کہ جب فلاں ستارہ فلاں برج میں ہو تو فلاں کام ہوتا ہے اور وہ تاریخ پیدائش کے حساب سے لوگوں کے ستارے بتاتے ہیں' یہ سب ان کے عقلی ڈھکوسلے اور تک بندیاں ہیں' شریعتِ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے' نجومی کا غیب کی باتیں بتانا اور اس سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کی تصدیق کرنا حرام ہے اور اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! زمین والوں کے لیے آسمان میں کوئی مؤثر ستارہ نہیں ہے لیکن گم راہ لوگوں نے اس کو کہانت کا ذریعہ بنایا ہے۔

شہاب ثاقب کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

شہاب' وہ چھوٹے چھوٹے اجرام یا شہاب جن کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے' زمین کی حرکت سے مخالف سمت میں حرکت کرتے ہوئے زمین کے کرۂ ہوائی سے متصادم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ہوا کی مزاحمت سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے' وہ ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ نظامِ شمسی کے جن مختلف ارکان کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' ان کے علاوہ بے شمار اور چھوٹے چھوٹے اجرام ہیں' جن کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ (علم ہیئت ص ۱۱۰)

وہ چمکتا ستارہ جو آسمان سے گرتا یا آتش بازی کی طرح چھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شہاب ثاقب کا ٹکڑا جو راکھ ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ پاتا ہے' اور دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا ہے' بعض اوقات ایسے شہابیے زمین پر گر پڑتے ہیں' جن کا سائز کافی بڑا ہوتا ہے۔ (اُردو لغت ج ۱۲ص ۵۰۷' مطبوعہ محیط اردو پریس' کراچی' ۱۹۹۱ء)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جلتی ہوئی آگ کے چمک دار شعلہ کو شہاب کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ص ۳۵۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جب جنات فرشتوں کی باتیں چوری سے سنتے ہیں تو بسا اوقات ان کو شہاب پکڑ لیتا ہے اس سے پہلے کہ وہ یہ باتیں کسی کے دل میں القاء کریں' اور شہاب سے آپ کی مراد ہے: جو رات کو ستارے کی مانند ٹوٹتا ہے اور وہ اصل میں آگ کا ایک شعلہ ہوتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ص ۴۵۸۔ ۴۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شہاب ثاقب کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: جب تم زمانۂ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے' حتیٰ کہ آسمانِ دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں' پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں' پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۸ص ۱۳۸)

سنن ترمذی اور مسند احمد وغیرہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے جو اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے یہ عمل نہیں ہوتا تھا' اور شیاطین کو آسمان پر چڑھنے اور فرشتوں کی باتیں سننے سے منع نہیں کیا جاتا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے' پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱۔ ۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

اور ایک قول یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی دکھائی دیتا تھا اور معروف تھا لیکن شیاطین کو ان کے ذریعہ دور کرنا اور جلانا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے' اسی لیے جنات نے اپنے دور کیے جانے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۶۔ ۳۶۴' مطبوعہ دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ دو متعارض اور مختلف حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا معمول تھا اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے اور ظاہر قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہوا' جاحظ نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرانے کا معمول نہیں تھا اور امام غزالی نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے بھی یہ معمول تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد یہ بہت زیادہ ہوگیا اور اس طرح ان حدیثوں کا تعارض دور ہوگیا۔ (المفہم ج ۷ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا: زمانۂ جاہلیت میں ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! لیکن اسلام آنے کے بعد اس میں زیادہ تغلیظ اور تشدید کی گئی اور یہ ان مختلف حدیثوں میں عمدہ تطبیق ہے۔ پھر میں نے وہب بن منبہ کی ایسی روایت دیکھی جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور ان مختلف حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے' انہوں نے کہا: پہلے ابلیس تمام آسمانوں پر چڑھا کرتا تھا اور جس جگہ چاہتا تھا پھرتا رہتا تھا' جب سے حضرت آدم جنت سے زمین پر آئے تھے اس کا یہی معمول تھا اور اس کو منع نہیں کیا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا' پھر اس کو چوتھے آسمان تک چڑھنے سے روک دیا گیا اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اس کو بقیہ تین آسمانوں پر بھی چڑھنے سے روک دیا گیا' پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری چھپے جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے تو ان پر ستارے مارے جاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۳۔ ۶۷۲' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ستاروں سے شیاطین کو رجم کرنے پر اعتراضات کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: اس مقام پر منکرین کے چند شبہات ہیں' ہم ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں:

(۱) قدیم فلاسفہ کی کتابوں میں بھی ستاروں کے ٹوٹنے کا ذکر ہے' انہوں نے کہا ہے کہ جب دھوپ سے زمین گرم ہو جاتی ہے تو اس سے خشک بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور جب وہ آسمان کے قریب طبقہ نار میں پہنچتے ہیں تو جل جاتے ہیں اور اسی شعلہ کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب موجود تھے' اور ان کے دیگر طبعی اسباب تھے' اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور سبب سے شہاب ثاقب پائے جائیں اور وہ سبب ہے ان جنات کو مار بھگانا جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے اوپر چڑھتے ہیں۔ زہری سے پوچھا گیا: کیا زمانہ جاہلیت میں بھی شیطانوں پر آگ کے گولے مارے جاتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسے سخت محافظوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا ○ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے' سو اب جو بھی سننے کے لیے جاتا وہ ایک شعلہ کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔

(۲) یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں جنات ہزاروں بار آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جائیں اور ان کو ہزاروں بار جلا دیا جائے' اس کے بعد وہ پھر اوپر جائیں جب کہ عقل والے کو پتا چل جائے کہ فلاں کام کرنے سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوبارہ اس کام کو نہیں کرتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی ہلاکت کو ان کے لیے مقدر کر دیا ہے اور جو کام تقدیر میں ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے' اور جب تقدیر کا لکھا ہوا آتا ہے تو عقل جاتی رہتی ہے۔

(۳) احادیث میں آسمان کی موٹائی اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کی مسافت پانچ سو سال میں طے ہوتی ہے' اور ان جنات کا آسمان کے اجسام میں نفوذ کرنا اور آسمانوں کے اتصال کو منقطع کرنا باطل ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں ہے اور جب وہ آسمانوں میں نفوذ نہیں کر سکتے تو اتنی دور سے ان کے لیے فرشتوں کی باتیں سننا کس طرح ممکن ہے اور اگر وہ اتنی دور سے فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہیں تو پھر ان کا آسمانوں پر جانا کیا ضروری ہے' وہ زمین سے بھی فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے زمین سے فرشتوں کی باتیں سننے میں جنات کے لیے کوئی طبعی رکاوٹ اور دشواری ہو یا وہ زیادہ تحقیق اور تاکید کے لیے فرشتوں کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننا چاہتے ہوں۔

(۴) فرشتے مستقبل کی باتوں پر لوحِ محفوظ کے مطالعہ سے مطلع ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتا ہے' ہر دو صورتوں میں فرشتے ان اُمور پر سکوت کیوں نہیں کرتے اور ان اُمور کے متعلق آپس میں گفتگو کیوں کرتے ہیں' جس وجہ سے جنات کو ان کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق بھی امر الٰہی سے ہے' تقدیر میں اسی طرح تھا کہ فرشتے مستقبل کے کاموں کے متعلق

باتیں کریں گے اور شیاطین ان کو چوری چھپے سننے کے لیے آسمانوں کے اوپر جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پَر مارنے لگتے ہیں' جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے' پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے' جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے جو کچھ فرمایا' وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے' پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا: شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں' بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آ کر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب والے کو بتا دیتا ہے' پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے' حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے' پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے' اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٠١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٢٣-٤٧٢٥' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٢٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٩٤)

(۵) شیاطین آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور آگ پر آگ ماری جائے تو وہ اس کو جلائے گی نہیں بلکہ اس کی حرارت میں اور تقویت پیدا کرے گی' پس یہ کیسے معقول ہوگا کہ شیاطین پر آگ کے گولے مار کر ان کو بھگایا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ کی ایک قسم دوسری قسم سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور جو زیادہ قوی ہو گی وہ کم زور کو نقصان پہنچائے گی۔

(٦) شیاطین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے رجم کیا جاتا تھا تو آپ کی وفات کے بعد رجم کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کاہنوں کی خبر کو باطل کرنے کے لیے رجم شیاطین کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۷) رجم شیاطین زمین کے قریب ہوتا ہے' اگر یہ آسمان کے قریب ہوتا تو ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے جیسا کہ ستاروں کی حرکات کا مشاہدہ نہیں کرتے اور جب یہ رجم زمین کے قریب ہوتا ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس رجم کی وجہ سے شیاطین آسمانوں تک نہیں پہنچ سکتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بُعد مسافت سماعت سے مانع نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں یہ عادت جاری کر دی ہو کہ وہ آسمانِ دنیا سے فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہوں' اس لیے ان کو آسمانِ دنیا سے دور رکھا جاتا ہے اور وہیں ان کو آگ کے گولے آ کر لگتے ہوں جو زمین سے قرب کی وجہ سے ہمیں نظر آتے ہیں۔

(۸) اگر شیاطین کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ فرشتوں کی دی ہوئی خبریں کاہنوں کی طرف منتقل کر دیں تو ان کے لیے یہ ممکن کیوں نہیں ہے کہ وہ مؤمنوں کے راز کی باتیں کفار کو پہنچا دیں اور اس کے سبب سے کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی باتیں سننے پر قادر کر دیا ہو اور مسلمانوں کی باتیں سننے اور ان کو کفار تک پہنچانے سے عاجز کر دیا ہو۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ابتداءً آسمان پر چڑھنا محال کیوں نہ کر دیا حتیٰ کہ انہیں بھگانے کے لیے آگ کے گولے مارنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا حتیٰ کہ پھر اس کا رد کرنے کے لیے نبیوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی' دراصل اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۳)
وہ اپنے کاموں پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں ۝

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۸۶ - ۵۸۴ مخرجا وزائداً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الملک: ۶ میں فرمایا: اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے' اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۝

کفار کو دوزخ کا عذاب دینے کی توجیہ

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ'' (الملک: ۱) یعنی تمام کائنات پر اس کا اقتدار اور قبضہ ہے' پھر یہ بتایا کہ اس نے اس کائنات کو عبث اور فضول نہیں پیدا کیا بلکہ مخلوق کا امتحان لینے کے لیے پیدا کیا ہے کہ کون اچھے اور نیک عمل کرتا ہے' ''لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط'' (الملک: ۲) اور یہ بتایا کہ وہ عزیز اور غفور ہے' کافروں کو سزا دینے پر غالب ہے اور مؤمنوں کو جزا دینے اور بخشنے پر قادر ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہو اور جب وہ عالم اور قادر ہے تو اس کا تقاضا اس آیت میں بیان فرمایا: اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔

الملک: ۷ میں فرمایا: جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہوگی ۝

دوزخ میں چنگھاڑ کی تفسیر میں تین اقوال

قیامت کے دن کفار کو اٹھا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور وہاں کفار ایک خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے' یہ چنگھاڑ کس کی ہوگی' اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: یہ دوزخ کی چنگھاڑ ہوگی' ہو سکتا ہے کہ یہ دوزخ کی آگ کے شعلوں کی لپٹ کی آواز ہو' زجاج نے کہا: کفار دوزخ کی چنگھاڑ سنیں گے اور وہ گدھے کی آواز کی طرح سب سے قبیح آواز ہے' مبرد نے کہا: یہ دوزخ کے سانس لینے کی آواز ہے۔

(۲) عطاء نے کہا: جو لوگ دوزخ میں پہلے سے پڑے ہوں گے وہ عذاب کی شدت سے چلا رہے ہوں گے' کفار ان کی آوازوں کو سنیں گے۔

(۳) وہ خود اپنی آوازوں کو سنیں گے' قرآن مجید میں ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ لا (ھود: ۱۰۶)
رہے بدبخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں وہ چیخیں گے اور چلائیں گے ۝

اس آیت میں ''شھیق'' اور ''زفیر'' کا ذکر فرمایا ہے' ''شھیق'' کفار کی وہ آواز ہوگی جب انہیں دوزخ میں جھونکا

جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ "شھیق" وہ آواز ہوگی جو ان کے سینوں سے نکلے گی اور "زفیر" ان کی وہ آواز ہوگی جو ان کے حلق سے نکلے گی۔ ان تین اقوال میں مختار قول پہلا ہے۔ اس وقت وہ جوش میں آ رہی ہوگی جیسے ہنڈیا میں پانی جوش مارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گویا وہ ابھی شدتِ غضب سے پھٹ جائے گی جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟○ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا: اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گم راہی میں ہو○ وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے○ پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے' سو دوزخیوں کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو○ بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے○ اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے○ (الملک: ١٤۔٨)

دوزخ کے غیظ وغضب میں آنے کی توجیہ اور مرجئہ کا ردّ

الملک: ٨ میں دوزخ کے متعلق فرمایا ہے: گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی' جب دل کا خون جوش میں آتا ہے تو اس کو غضب کہتے ہیں اور شدتِ غضب کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جوش میں ہو جیسے کھولتا ہوا پانی اُبل رہا ہو' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوزخ زندہ جان داروں میں سے نہیں ہے پس اس کو غیظ سے متصف کرنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حیات کے لیے حیوانی ڈھانچہ شرط نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ میں حیات پیدا کر دے' کیا قرآن مجید میں پہاڑوں اور پتھروں کی حیات کا ذکر نہیں ہے۔

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ٧٤) بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ (سبا: ١٠) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی یہی حکم ہے۔

اور حدیث میں ہے: کھجور کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے' جب آپ کے لیے منبر رکھ دیا گیا تو ہم نے کھجور کے تنے کی ایسی آواز سنی جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٩١٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٤٩٥' مسند احمد ج ٥ ص ٢٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ١١٢٤)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا' میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب: ١۔ رقم حدیث الباب: ٢۔ رقم الحدیث بلا تکرار: ٢٢٧٧)

سو قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے واضح ہو گیا کہ حیات کے لیے حیوانی ڈھانچہ ضروری نہیں ہے' اللہ تعالیٰ جس چیز

میں چاہتا ہے حیات پیدا فرما دیتا ہے اس لیے دوزخ کا غیظ و غضب میں آنا مستبعد نہیں ہے۔
اس کے بعد فرمایا: جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟
مرجئہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ دوزخ میں صرف کافروں کو ڈالا جائے گا اور مؤمن مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا' ان کا یہ استدلال اس لیے غلط ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں مؤمنین فساق پر بھی عذاب کی وعید ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۴۔۵) ان نمازیوں کے لیے دوزخ کی وادی ہے O جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں O

الملک: ۱۰۔۹ میں فرمایا: وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا: اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گم راہی میں ہو O وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے O

رسولوں کی ہدایت کا عقل پر مقدم ہونا

ان آیتوں میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اس کا اعتراف کریں گے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر ان کے عذر کو زائل کر دیا تھا اور خود انہوں نے ہی رسولوں کی تکذیب کی اور یہ کہہ کر ان کی توہین کی کہ تم صریح گم راہی میں ہو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محافظ فرشتوں نے کفار سے یہ کہا ہو کہ تم صریح گم راہی میں ہو لیکن یہ احتمال نظم قرآن کے خلاف ہے' اس کے بعد کفار اپنی مذمت کریں گے کہ دراصل قصور ہمارا ہی ہے' ہم نے عقل سے کام نہیں لیا اور رسولوں کو پیغام اور ان کی ہدایت اور ان کے وعظ کو غور سے نہیں سنا۔

اس آیت میں سننے کو عقل سے کام لینے پر مقدم کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ہدایت رسولوں کی تعلیم سے ہوتی ہے' از خود اپنی عقل سے کام لینے سے نہیں ہوتی' یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے کے بغیر از خود اپنے خالق کی معرفت کی کوشش کی وہ گم راہی میں مبتلا ہو گئے' کوئی سورج کی پرستش کرنے لگا' کوئی آگ کی' کوئی درختوں کی' کوئی جانوروں کی اور کوئی دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر ان کو پوجنے لگا' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمع کو بصر پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ ہدایت کے حصول کا تعلق رسولوں کی بات سننے سے ہے' دیکھنے سے نہیں ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے: الملک: ۱۰ سے معلوم ہوا کہ کافروں کو عقل نہیں دی جاتی کیونکہ انہوں نے کہا: کاش! ہم عقل سے کام لیتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۹۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' اگر کفار کو عقل نہ دی جاتی تو ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا اور اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ کفار نے کہا: کاش! ہماری عقل ہوتی بلکہ یہ کہا ہے کاش! ہم عقل سے کام لیتے۔

الملک: ۱۱ میں فرمایا: پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے سو دوزخیوں کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو O

''سحق'' کا معنیٰ اور تقویٰ کا بیان

کفار کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب اور توہین کی۔
اس آیت میں ''سحقا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ان کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو' زجاج نے کہا: اس آیت کا

معنیٰ ہے: اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا' کفار کی وعید کے بعد اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے وعد کا ذکر فرما رہا ہے۔

الملک: ۱۲ میں فرمایا: بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے O

اس آیت کے دو محمل ہیں' ایک یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جب شیطان ان کے دلوں میں شبہات ڈالتا ہے تو وہ دلائل سے ان شبہات کو زائل کرتے ہیں اور جب وہ ان کو معصیت کی ترغیب دیتا ہے تو وہ خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور معصیت کی ترغیبات کو قبول نہیں کرتے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے تو انسان بے حیائی اور بُرائی کے کام نہیں کرتا لیکن تقویٰ اور خدا خوفی یہ ہے کہ جب وہ تنہائی میں بے حیائی اور گناہ کے کام پر قادر ہو اور اس کے نفس میں گناہ کی ترغیب اور تحریک بھی ہو' اس وقت وہ اللہ کے خوف سے گناہ سے باز رہے اور جو خلوت میں گناہ سے اجتناب کرے گا وہ جلوت میں بہ طریق اولیٰ گناہ سے اجتناب کرے گا' سو اجرِ عظیم اسی شخص کے لیے ہو گا جو کامل متقی ہو اور جس مؤمن نے گناہ بھی کیے اور وہ بغیر توبہ کیے مر گیا' اس کو دائماً عذاب نہیں ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کی مغفرت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے اس کو معاف کر دے' یا پھر وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں چلا جائے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ O (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا O اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا O

الملک: ۱۳ میں فرمایا: اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کے علم محیط پر دلائل

مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو باتیں کرتے تھے وہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو بتا دیتے تھے' تب مشرکین نے آپس میں کہا: آہستہ آہستہ باتیں کیا کرو کہیں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا سن نہ لے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں تمام مخلوق سے ان کے تمام کاموں اور ان کی تمام باتوں کے متعلق ارشاد ہے کہ تم کوئی کام چھپا کر کرو یا دکھا کر کرو' کوئی بات چپکے سے کرو یا زور سے کرو' اللہ تعالیٰ کو تمہاری تمام باتوں اور تمام کاموں کا علم ہے۔

الملک: ۱۴ میں فرمایا: کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے O

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو نہ جانتا ہو' دلوں کو بھی اس نے پیدا کیا ہے اور دلوں میں خیالات کو بھی اس نے پیدا کیا ہے تو وہ دلوں کی باتوں کو کیسے نہیں جانتا۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے کئی اسماء کا تعلق علم سے ہے' ان میں سے ایک اسم علیم ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ تمام معلومات کا عالم ہے' اور اس کا ایک اسم خبیر ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ ہر چیز کو اس کے وقوع سے پہلے جانتا ہے اور ان میں سے ایک اسم حکیم ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ ہر چیز کے باریک اسباب کو جانتا ہے اور ایک اسم شہید ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ ہر حاضر اور غائب کو جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے' اور ایک اسم حافظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ کوئی چیز بھولتا نہیں ہے اور ایک اسم المحصی ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی کثرت اس کے علم کے لیے مانع نہیں ہے مثلاً سورج کی روشنی' شعاؤں کے باریک ذرات' آندھیوں سے پتوں کا گرنا' وہ ان میں سے ہر ہر جز کو اور اس کی ہر ہر حرکت کو جانتا ہے اور وہ کیسے نہیں جانے گا اسی نے تو ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم اور چلنے کے قابل بنا دیا؛ سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی

مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ

روزی میں سے کھاؤ' اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہےO کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو

بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ

زمین میں دھنسا دے پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگےO کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے کہ وہ تم پر کنکریاں

عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ

برسانے والی تیز ہوا بھیج دے' پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھاO اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے

قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَ

جھٹلایا تھا تو کیسا ہوا میرا انکار کرناO کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے پرندوں

يَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾

وقف لازم — وقف غفران — وقف منزل

کو نہیں دیکھا' ان کو (فضا میں) رحمن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہےO

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ

بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے' کافر تو

الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ

صرف دھوکے میں ہیںO یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے' اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر

رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ

دے' بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیںO بھلا جو شخص منہ کے

وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ

بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے؟O آپ کہیے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

شکر ادا کرتے ہو○ آپ کہیے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا

وہ کہتے ہیں: (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟○ آپ کہیے: اس کا علم تو

الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــَٔتْ

اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں○ پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا

وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے○

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ

آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ

درد ناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟○ آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر

تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

ہم نے توکل کیا ہے، پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے○ آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ

اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲ ع ۲

اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم اور چلنے کے قابل بنا دیا، سوتم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہے○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے، پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر

کنکریاں برسانے والی تیز ہوا بھیج دے؟ پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا○ (الملک: ۱۷۔۱۵)

زمین کو نرم اور مسخر بنانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی ہر کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے اور اب اس طرح بتا رہا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ میں تمہاری ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہوں تو اے کافرو! تم مجھ سے ڈرو اور وہ کام نہ کرو جن کی وجہ سے میں تم کو عذاب دوں' تم اس زمین کے راستوں میں چلتے ہو اور تم یہ سمجھتے ہو کہ اس زمین میں چلنے سے تمہیں نقصان نہیں ہوگا حالانکہ میں نے ہی تو اس زمین کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے اور اس میں تمہارے نفع کی چیزیں رکھی ہیں' اگر میں چاہوں تو تم کو اس زمین میں دھنسا دوں اور آسمان سے تم پر پتھر برسا دوں۔

اس آیت میں ''ذلول'' کا لفظ ہے یہ ''ذلۃ'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: اطاعت کرنا اور نرم ہونا' اور اس زمین کو نرم اور تابع بنانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر یہ زمین پتھریلی اور بہت سخت ہوتی تو اس پر چلنا بہت دشوار ہو جاتا۔

(۲) اگر یہ زمین نرم نہ ہوتی تو اس میں بنیادیں کھودنا اور اس پر عمارتیں بنانا بہت دشوار ہو جاتا۔

(۳) اگر یہ زمین سونے' چاندی' لوہے' پیتل یا کسی اور معدن کی بنی ہوتی تو گرمیوں میں تپ کر سخت گرم اور سردیوں میں سخت ٹھنڈی ہو جاتی اور اس میں کھیتی باڑی کرنا ممکن نہ ہوتا اور اس میں مُردوں کو دفن کرنا بھی محال ہو جاتا۔

اور اس میں ''مناکب'' کا لفظ ہے یہ ''منکب'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: کندھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین کے مناکب اس کے پہاڑ اور ٹیلے ہیں اور پہاڑوں کو مناکب اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کے کندھے اس کے جسم میں بلندی پر ہوتے ہیں' اسی طرح پہاڑ بھی زمین سے بلندی پر ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: تم اس کے رزق سے کھاؤ' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں جو روزی پیدا کی ہے' اس سے کھاؤ۔

اور یاد رکھو کہ زمین میں تمہارا چلنا اور زمین سے روزی کھانا ایک وقت معین تک ہے' پھر تم نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے' اس سے مراد انسان کو کفر اور شرک سے ڈرانا ہے اور خلوت اور جلوت میں گناہوں سے بچنے کی تلقین کرنا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اس زمین میں تمہارا آسانی سے چلنا پھرنا اور زمین کا رزق کھانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو یہ نعمت ان سے چھین لے گا۔

الملک: ۱۶ میں فرمایا: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے○'

اللہ تعالیٰ پر آسمان والے کے اطلاق کی توجیہ

اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور آسمان اللہ تعالیٰ کو تمام جانبوں سے محیط ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آسمان کا مظروف ہوگا اور مظروف ظرف میں محدود ہوتا ہے اور اس سے مقدار میں کم ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ مقدار میں آسمان سے کم ہوگا اور آسمان عرش سے کم ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے بہت کم ہو اور یہ محال ہے' نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اللہ کی مقدار ہو اور یہ بھی محال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ مقدار اور کیفیت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے وہ اللہ کا مملوک ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے: اللہ کی۔ (الانعام:۱۲)

پس اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہو تو لازم آئے گا کہ وہ خود اپنا مملوک ہو اور خود اپنا مالک ہو اور یہ بھی محال ہے' اس لیے الملک:۱۶ میں جو فرمایا ہے: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے' اس میں تاویل کرنا ضروری ہے اور اس کی مفسرین نے حسبِ ذیل تاویلات کی ہیں:

(۱) اس آیت کا معنیٰ ہے: کیا تم آسمان کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہو؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ یہ ہے کہ کفار اور فساق پر عذاب آسمان کی طرف سے آتا ہے جس طرح اس کی رحمت اور نعمت کا نزول بھی آسمان کی جانب سے ہوتا ہے۔

(۲) اس کا معنیٰ ہے: کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی ملکیت' سلطنت اور قدرت آسمانوں میں ہے' ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت' اس کی ملکیت اور اس کی قدرت زمینوں میں بھی ہے اس کے باوجود آسمانوں کا ذکر فرمایا کیونکہ اعلیٰ پر قدرت ادنیٰ پر قدرت کو مستلزم ہوتی ہے۔

(۳) اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے: کیا تم عذاب نازل کرنے والے فرشتے جبریل سے بے خوف ہو گئے جو آسمانوں میں ہے؟

(۴) اور اگر آسمان والے سے اللہ عزوجل ہی کی ذات مراد ہو تو پھر اس کا محمل یہ ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کسی سمت اور جہت کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں ہے' لیکن چونکہ آسمان کی سمت اور جہت کو باقی جہات پر فوقیت اور شرف حاصل ہے' اس لیے جب اللہ تعالیٰ کی طرف کسی جہت سے اشارہ کرنا ہو تو آسمان کی جہت سے اشارہ کیا جاتا ہے' اس لیے عرف میں آسمان والے سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو مراد لیا جاتا ہے' احادیث میں بھی اللہ تعالیٰ پر آسمان والے کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۴۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۴۱' نشر السنۃ' ملتان' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۰)

حضرت عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی میری بکریوں کو چرایا کرتی تھی' ایک دن میں اس کے پاس گیا تو میری ایک بکری گم ہو چکی تھی' میں نے اس بکری کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس پر بہت افسوس ہوا' میں بھی آخر انسان ہوں' میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا' میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' کیا میں اس باندی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں' آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو' یہ مؤمنہ ہے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث:۱۵۳۴' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۹ تا ۴۴۷)

اس حدیث کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں بھی ہے:

صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۳۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۲۱۸' السنن الکبریٰ للنسائی

رقم الحدیث: ١٤١١۔

الملک: ١٧ میں فرمایا: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر کنکریاں برسانے والی تیز ہوا بھیج دے پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا O

کفارِ مکہ کو دنیاوی عذاب سے ڈرانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم پر ایسی کنکریاں برسا دے جیسی حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم پر برسائی تھیں اس آیت میں ''نذیر'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد ''منذر'' ہے یعنی ڈرانے والا اور اس سے مراد سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمارے نبی نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ اگر تم نے اس پیغام کو قبول نہیں کیا تو تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے پس اگر تم اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور اس کے نتیجہ میں تم پر آسمان سے کنکریاں برسنے کا عذاب آیا تو پھر تم کو ہمارے رسول کی وعید کے صدق کا علم ہو جائے گا اور ان کے ڈرانے پر یقین ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا O کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پَر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا' ان کو (فضا میں) رحمٰن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے O بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے' کافر تو صرف دھوکے میں ہیں O یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر دے' بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیں O بھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے O

(الملک: ٢٢۔١٨)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلائل اور کفار کے نظریات کا ردّ اور ابطال

الملک: ١٨ میں سابقہ امتوں کے کافروں کی مثالیں دے کر کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے یعنی اس سے پہلے قوم عاد اور قوم ثمود نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا' اور ان پر جو عذاب بھیجا گیا تھا اس کی نشانیاں کفارِ مکہ اب بھی شام کے سفر میں مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ ان نشانیوں سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

الملک: ١٩ میں فرمایا: کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پَر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا' ان کو (فضا میں) رحمٰن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے O

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے چلنے کے لیے زمین کو مسخر کر دیا ہے اور مچھلیوں کے تیرنے کے لیے پانی کو مسخر کر دیا ہے اسی طرح پرندوں کے اڑنے کے لیے فضا کو مسخر کر دیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خوب دیکھنے کا ثبوت ہے اور جب اللہ دیکھتا ہے تو وہ دکھائی بھی دے سکتا ہے' اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے اس کے برخلاف معتزلہ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے منکر ہیں' دنیا میں صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور میدانِ محشر میں اور جنت میں تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کسی چیز کو دیکھنے سے اس چیز کا احاطہ کرنا لازم نہیں آتا جیسے ہم آسمان کو دیکھتے وقت اس کا احاطہ نہیں کرتے حالانکہ وہ متناہی ہے' تو اللہ تعالیٰ جو غیر متناہی اور لامحدود ہے اس کو دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کا احاطہ بھی ہو جائے۔

الملک: ٢٠ میں فرمایا: بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے' کافر تو صرف دھوکے میں ہیں O

کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو اس لیے قبول نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے تھے کہ دو چیزوں پر ان کو گھمنڈ تھا' ایک تو ان کے پاس بہت زیادہ مال تھا اور ان کے پاس ان کے حامیوں کا لشکر تھا' اور دوسری چیز ان کے بت تھے' ان کو بھروسا تھا کہ ان کے بت ان سے ہر مصیبت اور ہر آفت کو دور کر سکتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو باطل کر دیا' ان کے مددگاروں کے لشکر کے متعلق فرمایا: بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے اور ان کے بتوں کی مدد کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کافر تو صرف دھوکے میں ہیں۔

الملک: ۲۱ میں فرمایا: یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے' اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر دے۔

اس کا معنیٰ ہے: تمہارے خود ساختہ خداؤں میں سے کون تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر اللہ تمہیں رزق دینا بند کر دے' کیونکہ رزق کے قوی اسباب آسمان سے پانی کو نازل کرنا ہے اور زمین سے غلہ' سبزیوں اور پھلوں کو اگانا ہے اور اللہ کے سوا کون آسمان سے بارشوں کو نازل کر سکتا ہے اور کون زمین سے غلہ کو پیدا کر سکتا ہے اور جن حلال جانوروں کا گوشت کھا کر تم اپنی نشو ونما حاصل کرتے ہو' اللہ تعالیٰ کے سوا ان جانوروں کو کون پیدا کر سکتا ہے' ان کافروں نے حق واضح ہونے کے باوجود ایمان لانے سے انکار کیا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے کفر پر ڈٹے رہے' دنیا پر حرص کرنے کی وجہ سے انہوں نے سرکشی کی اور اپنی جہالت کی وجہ سے ایمان لانے سے بھاگتے رہے۔

الملک: ۲۲ میں فرمایا: بھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے؟O

اس آیت میں ''مکبا'' کا لفظ ہے اس کا مادہ ''کبت'' ہے' ''کبه الله'' کا معنیٰ ہے: اللہ اس کو اوندھا گرا دے' ''فلان اکبّ'' وہ سرنگوں گر پڑا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) جو شخص سیدھا کھڑا ہو کر نہ چلتا ہو' بلکہ وہ چلنے میں کبھی اوپر ہوتا ہو اور کبھی نیچے' وہ چلنے میں لڑکھڑاتا رہتا ہے اور چلتے چلتے منہ کے بل گر جاتا ہے' اس کا حال اس شخص کے متضاد ہے جو سیدھا چلتا ہے اور اس کے چلنے میں لڑکھڑاہٹ ہے نہ کجی اور نہ ٹیڑھا پن۔

(۲) جو شخص کبھی ایک طرف چلتا ہے اور کبھی دوسری طرف چلتا ہے' وہ راستہ سے جہالت اور اسی کی وجہ سے حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۳) جو شخص اندھا ہو وہ راستہ میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے اور منہ کے بل ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے' اس کے برعکس جو شخص بینا ہو' اس کو راستہ کا علم ہو وہ سیدھا چلتا ہے اور کہیں بھٹکتا ہے نہ منہ کے بل گرتا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں آیتوں میں آخرت کی مثال ہے یا دنیا کی؟ بعض مفسرین نے کہا: کافر دنیا میں اپنے گناہوں پر منہ کے بل گرا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ حشر کے دن اس کو منہ کے بل اٹھائے گا' اور مؤمن دنیا میں صراطِ مستقیم پر تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو حشر کے دن سیدھا اٹھائے گا اور بعض نے کہا: یہ دنیا میں مؤمن اور کافر اور عالم اور جاہل کی مثال ہے' پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مثال تمام دنیا کے کافروں اور مؤمنوں کے لیے عام ہے یا اس سے مراد مخصوص مؤمن اور کافر ہیں۔

مقاتل نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکرادا کرتے ہو O آپ کہیے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O وہ کہتے ہیں: (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ O آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے O (الملک: ۲۷۔۲۳)

اللہ تعالیٰ کا حیوانات کے احوال سے اپنی قدرت پر استدلال

الملک: ۲۳ سے پہلے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے احوال سے اپنی قدرت پر دلائل قائم کیے تھے اور فرمایا تھا: کیا انہوں نے اپنے اوپر پَر پھیلائے ہوئے اور پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا اور اس آیت میں انسانوں کے احوال سے اپنی قدرت پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور کان اور آنکھوں اور دلوں کو پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا ہے اور یہاں ان نعمتوں کا ذکر کر کے اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عظیم نعمتیں عطا کی ہیں، سوچو! اگر تمہارے کان نہ ہوتے تو لوگوں سے تمہارے رابطے نہ ہو سکتے، اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو تمہارے لیے پوری دنیا اندھیر ہوتی اور دل نہ ہوتے تو تمہارے جسم میں خون کی گردش کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اور تمہارا جینا محال ہو جاتا، لیکن تم نے ان نعمتوں کو ضائع کر دیا، تم کو پیغامِ حق سننے کے لیے کان دیئے تھے لیکن تم نے اس کو نہیں سنا، حقائقِ کائنات میں غور کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنے کے لیے اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کے لیے تمہیں آنکھیں دی تھیں لیکن تم نے ان نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کی اور دل سے تم نے صحیح تدبر نہیں کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل سے آیت میں مجازاً ذہن مراد ہو کیونکہ تدبر اور تفکر کرنا دماغ کا کام ہے ذہن کا کام نہیں ہے اور چونکہ کافروں نے ان نعمتوں کو ضائع کر دیا اس لیے فرمایا: تم بہت کم شکرادا کرتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جن مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دی ہیں، ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ان نعمتوں کو خرچ کیا جائے اور ان نعمتوں سے اس کی رضا کے کام کیے جائیں اور جب کافروں نے ایسا ہی کیا تو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکرادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا انسانوں کی صفات سے اپنی قدرت پر استدلال

الملک: ۲۴ میں فرمایا: آپ کہیے کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر پہلے حیوانات کے احوال سے استدلال کیا، پھر انسانوں کی صفات، سمع، بصر اور عقل سے اپنی قدرت پر استدلال کیا اور اب اس کائنات کے حدوث اور اس کو عدم سے وجود میں لانے سے اپنی قدرت پر استدلال فرما رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر اس لیے دلائل قائم کیے ہیں تاکہ حشر و نشر کا اور قیامت کا ممکن ہونا بیان کیا جائے کیونکہ کفارِ مکہ یہ نہیں مانتے تھے کہ قیامت آئے گی اور تمام انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب وہ اس کائنات کو ایک بار عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو دوبارہ اس کائنات کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں ممکن نہیں ہوگا۔

الملک: ۲۵ میں فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ O

کفار کے انکارِ عذاب کا بطلان

جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا: آپ ہمیں معین وقت بتائیں جب عذاب آئے گا، وہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے آپ سے عذاب کے وقت کی تعیین کا

مطالبہ کرتے تھے یا اپنے حامیوں اور کم عقل لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہتے تھے کہ جب عذاب جلدی نہیں آئے گا تو سمجھ لو عذاب نہیں آئے گا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے عذاب کے وقت کی تعیین کا سوال کیا تھا یا قیامت کے وقت کی تعیین کا سوال کیا تھا۔

الملک: ۲۶ میں فرمایا: آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O

یعنی آپ ان سے کہیں کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ عذاب کا وقوع ہوگا اس کا مجھے علم ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو یقیناً تمہیں عذاب ہوگا' دوسری چیز یہ ہے کہ یہ عذاب کب ہوگا؟ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور تم کو عذاب سے ڈرانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجھے یہ علم ہو کہ تمہیں عذاب کب ہوگا۔

الملک: ۲۷ میں فرمایا: پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے O

اس کا معنیٰ ہے: جب وہ عذاب کو آتا ہوا قریب دیکھ لیں گے یا عذاب کو اپنے قریب پائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور اس کی علت پشیمانی اور پچھتاوا ہوگا' اس آیت میں ''سیئت'' کا لفظ ہے' یہ ''سوٗ'' سے بنا ہے اور اس کا معنیٰ ہے: قبح اور برائی اور ''سیئۃ''' ''حسنۃ'' کی ضد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے کرتوتوں پر پچھتانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے جیسے کسی شخص کو گھسیٹ کر اس کے مقتل کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

اگر اس آیت کو مطلق عذاب پر محمول کیا جائے تو اس کی تفسیر آسان ہے' یعنی جب ان کے پاس وہ عذاب آئے جو ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ہلاک کرنے والا ہو جیسے قوم عاد اور قوم ثمود پر عذاب آیا تھا تو اس عذاب کے آثار دیکھ کر اور اس کو اپنے قریب پا کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے' پھر فرمایا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس قول کا قائل کون ہے' بعض مفسرین نے کہا: وہ ''الزبانیہ'' ہیں یعنی جہنم کے فرشتے' اور بعض مفسرین نے کہا: بلکہ کفار ایک دوسرے سے کہیں گے۔

اس آیت میں ایک لفظ ہے ''تدعون'' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ ''تدعون'' کی طرح ہے' اس کا معنیٰ ہے: تم طلب کرتے تھے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ''دعویٰ'' سے بنا ہے یعنی وہ عذاب ہے جس کے متعلق تم دعویٰ کرتے تھے کہ تم کو یہ عذاب نہیں ہوگا' اور اسی عذاب کا انکار کرنے کے لیے تم یہ کہتے تھے کہ تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا O آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گم راہی میں ہے O آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا O (الملک: ۳۰۔ ۲۸)

کفار کی بددعا سے حراساں نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تلقین

کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو ہلاکت کی بددعا دیتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ O — یا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں O (الطور: ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے اس کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا: آپ ان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے وفات دے کر اٹھالے یا مجھ پر رحم فرما کر میری اجل کو مؤخر کردے تو اس میں تمہارے لیے کون سی راحت ہے اور کون سا فائدہ ہے اور جب تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا تو تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے یہ بت تم کو اللہ کے عذاب سے بچالیں گے' سو تم جان لو کہ تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا' اگر تم اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور بُرے کاموں سے تائب ہو کر نیک کام کرو۔

الملک: ۲۹ میں فرمایا: آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون کھلی گم راہی میں ہے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم رحمٰن پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے خلاف تمہاری بددعا قبول نہیں ہوگی کیونکہ تم کافر اور معاند ہو اور ہم مؤمن ہیں اور ہم اللہ پر بھروسا رکھتے ہیں اس لیے تمہاری بددعا سے ہمیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا

الملک: ۳۰ میں فرمایا: آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا O

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے تاکہ وہ اندازہ کریں اور دل میں سوچیں کہ اتنے زبردست منعم کا شکر ادا نہ کرنا اور اس کی نعمتوں کے احسانات کو نہ ماننا اور اس کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا کتنی بُری بات ہے۔ کافروں کو چاہیے تھا کہ یہ اعتراف کرتے کہ اگر زمین میں پانی دھنس جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بہتا ہوا پانی نہیں لا سکتا' اسی نہج پر یہ آیت ہے:

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ (الواقعہ: ۶۹-۶۸)

بھلا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادلوں سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O

مسلمانوں کو چاہیے کہ جب وہ سورۂ تبارک الذی کی آخری آیت پڑھیں تو اس کے بعد یہ کہا کریں:

لا یاتینا به الا الله. اللہ کے سوا اس پانی کو کوئی نہیں لاسکتا۔

سورت تبارک الذی کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات کو سورۂ تبارک الذی کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو قیامت تک کے مسلمانوں میں مقبول عام بنا دیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور دنیا میں آپ کی زیارت سے شاد کام فرمائیں۔

والحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین

وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورة القلم

سورت کا نام

اس سورت کا نام القلم ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں القلم کا ذکر ہے:

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَ ۙ (القلم:۱) نون' قلم کی قسم اور اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں O

امام بخاری نے اس سورت کا عنوان "سورة نون و القلم" قائم کیا ہے۔ (صحیح البخاری' سورۃ نون والقلم:۶۸)

اسی طرح امام ترمذی نے لکھا ہے: "باب من سورة ن و القلم"۔ (سنن ترمذی رقم الباب:۶۴)

اور اکثر مفسرین نے اس سورت کا نام القلم رکھا ہے۔

علامہ محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری' عکرمہ' عطا اور حضرت جابر نے کہا: یہ سورت مکی ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ" (القلم:۱۶) تک اس کی آیات مکی ہیں اور اس کے بعد "لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ" (القلم:۳۳) تک کی آیات مدنی ہیں اور اس کے بعد "يَكۡتُبُوۡنَ" (القلم:۴۷) تک کی آیات مکی ہیں اور اس کے بعد "مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ" (القلم:۵۰) تک کی آیات مدنی ہیں اور پھر باقی سورت کی دو آیتیں مکی ہیں۔ (النکت والعیون ج۶ ص۵۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۸ ہے۔

حضرت جابر بن زید نے کہا ہے: یہ سورت دوسرے نمبر پر نازل ہوئی' یہ سورت "اقرأ باسم ربك" کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت کے بعد سورت المزمل اور پھر اس کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی ہے اور زیادہ صحیح وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے سورت "اقـراء بـاسم ربك" نازل ہوئی' پھر وحی کا آنا رک گیا' پھر اس کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وحی آنے کے رکنے کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی اور سورۃ القلم "اقـراء باسم ربك" کے بعد نازل ہوئی اور یوں اس کے نزول کا نمبر ۲ ہے۔ (التحریر والتنویر جز۲۹ ص۵۸' تیونس)

سورت القلم کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتداء میں حرف تہجی نون مذکور ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کلام ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف کو ملا کر تم اپنا کلام بناتے ہو' اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنالاؤ۔

☆ اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے اور مشرکین آپ کی شان میں جو نازیبا کلمات استعمال کرتے تھے' ان پر آپ کو تسلی دی گئی ہے اور آپ کے رنج اور افسوس کا ازالہ کیا گیا ہے۔

☆ بعض کافروں نے آپ کی طرف شعر کہنے جادو کرنے اور دیوانگی اور جنون کی جونسبت کی تھی اس سے آپ کی براءت فرمائی ہے۔
☆ اس میں دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا ذکر ہے۔
☆ اس میں قلم اور لکھنے کی فضیلت ہے تا کہ مسلمان قلم اور لکھنے کی طرف متوجہ ہوں اور علوم کو لکھ کر محفوظ کریں۔
☆ ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے متعلق آخرت کی وعید بیان کی گئی ہے۔
☆ کفار کا مقابلہ مؤمنین اور متقین کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ کفار کے مزعوم اور خودساختہ خدا ان سے دنیا کا عذاب دور کر سکتے ہیں نہ آخرت کا۔
☆ کفار کو یہ بتایا ہے کہ دنیا میں ان کو جو عیش اور آرام حاصل ہے اور ان کے پاس سرمایہ اور طاقت کی فراوانی ہے یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہے بلکہ یہ استدراج ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو جو قبول نہیں کیا اس کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی اور اس سلسلہ میں ان کی کسی معذرت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔
☆ کفار کا ایک باغ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے پھلوں کو جلا ڈالا وہ سوئے ہوئے تھے اور آسمانی آگ نے اس کو جلا دیا اس دنیاوی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔
☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور کفار قریش کی ایذاء رسانی سے جو آپ کو رنج اور ملال ہوتا ہے اس پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ اس معاملہ میں آپ کوئی ایسا اقدام نہ کریں جیسا اقدام حضرت یونس علیہ السلام نے کرلیا تھا اور وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھیں اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھیں۔
آمین یا رب العٰلمین!

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۶ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ القلم ٦٨ مکیۃ | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیاتہا ٥٢ رکوعاتہا ٢

سورۃ القلم مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾ 11

نون، قلم کی قسم اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں O (اے رسولِ مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں O

وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾

اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے O اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں O

فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَیِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ

پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے O کہ تم میں سے کون مجنون تھا O بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے

بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۪ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ

والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے O سو آپ مکذبین کی بات

الۡمُكَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ

نہ مانیں O انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O آپ بہت قسمیں کھانے والے بے حد

مَّهِیۡنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ۙ﴿۱۲﴾

ذلیل کی بات نہ مانیں O جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O نیکی سے بہت روکنے والا، حد سے متجاوز، سخت گنہ گار ہے O

عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیۡنَ ؕ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتۡلٰی

...بہت بدخو، ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے O جب اس کے سامنے

عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾

ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں O ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے O ہم نے

اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَیَصۡرِمُنَّهَا مُصۡبِحِیۡنَ ۙ﴿۱۷﴾

ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے ان باغ والوں کی آزمائش کی تھی؛ جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل

وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾

کاٹیں گے O اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا O پھر آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت آئی جب وہ سوئے ہوئے تھے O

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ

پھر وہ باغ پھل دار کٹے ہوئے باغ کی طرح ہو گیا O پس صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا O کہ اگر تم پھل کاٹنے

إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا

والے ہو تو علی الصبح اپنے کھیت کی طرف چلو O پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے O کہ آج اس باغ میں

الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا

تمہارے پاس ہرگز کوئی مسکین نہ آنے پائے O پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل دیئے O پھر

قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ

جب انہوں نے اس کٹے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے O بلکہ ہم محروم ہو گئے O ان میں سے متوسط نے کہا:

أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے O انہوں نے کہا: ہمارا رب سبحان ہے بے شک ہم ظالم تھے O

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا

پھر وہ مڑ کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے O انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک

كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا

ہم سرکش تھے O توقع ہے کہ ہمارا رب ہم کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا باغ دے گا بے شک ہم اپنے رب

رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا

کی طرف رغبت کرتے ہیں O اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب ضرور (اس سے) بہت بڑا ہے

يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ع

کاش یہ لوگ جانتے O

وقف لازم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نون' قلم کی قسم اور اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں O (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں O اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے O اور بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں O (القلم: ۴۔۱)

نون اور قلم کے معانی اور ان کے متعلق احادیث

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' القلم: ا کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر جو کچھ ہونے والا تھا اس کو قلم نے لکھا' پھر پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان پیدا کیے گئے' پھر مچھلی کو پیدا کیا گیا (نون کا معنیٰ مچھلی ہے) اور زمین کو مچھلی کی پشت پر پھیلایا گیا' زمین ہلنے لگی تو اس کو پہاڑوں سے ٹھہرایا گیا' پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''ن والقلم وما یسطرون''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۶۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام عبد الرزاق' امام فریابی' امام سعید بن منصور' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام ابوالشیخ نے ''العظمۃ'' میں' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ ''المستدرک'' میں' امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں اور امام خطیب بغدادی نے اپنی ''تاریخ'' میں اور امام الضیاء نے ''المختارہ'' میں روایت کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۲۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ نے سب سے پہلے القلم کو پیدا کیا' پھر اس سے فرمایا: لکھ' تو اس نے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ لکھ دیا۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے: قلم نے تمام ''ما کان وما یکون'' لکھ دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۹۔۲۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

امام رازی نے کہا: نون کے متعلق یہ روایت کہ وہ مچھلی ہے اور اس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے' ضعیف ہے اور حق یہ ہے کہ نون اس سورت کا اسم ہے یا یہ حرف تہجی ہے اور اس سے یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم کلام مرکب کرتے ہو اور اگر تمہاری رائے میں یہ کلام کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

القلم: ۳۔۲ میں فرمایا: اے رسول مکرم! آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں O اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے O

کفار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا اور اللہ تعالیٰ کا رد فرمانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ انہوں نے آپ کو مجنون (دیوانہ) کہا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ O (الحجر: ۶)

اور کفار نے کہا: اے وہ شخص! جس پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے' بے شک تم ضرور مجنون ہو O

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کے رد میں فرمایا: ''مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ O'' (القلم: ۲) اور آپ کے مجنون نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ نے تین دلیلیں قائم فرمائیں' ایک یہ کہ آپ کے اوپر آپ کے رب کی نعمت ہے اور آپ اللہ کے فضل سے

صاحب عقل ہیں' آپ پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمت یہ ہے کہ آپ عرب میں سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہیں' آپ کی عقل کامل ہے' آپ ہر عیب سے بَری ہیں اور فضیلت والے وصف سے متصف ہیں' آپ کی سیرت کا حسن اور کمال آپ کے مخالفین کو بھی مسلّم ہے' اور ایسی شخصیت والا کب مجنون ہوسکتا ہے۔

القلم: ۴ میں فرمایا: بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں O

''خَلق'' اور ''خُلق'' کا معنیٰ

''خَلق'' (خ پر زبر) کا معنیٰ ہے: پیدا کرنا' عدم سے وجود میں لانا' اور جسم کی ظاہری بناوٹ اور ''خُلق'' (خ پر پیش) کا معنیٰ ہے: انسان کی وہ جبلّی اور طبعی صفات جن کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۱۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حسن اخلاق کی تعلیم' تلقین اور تاکید کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور بُرا کام کرنے کے بعد نیک کام کرو جو اس بُرے کام کو مٹا دے' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بداخلاق شخص سے بغض رکھتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۲' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۹)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز میزان میں نہیں رکھی جائے گی اور اچھے اخلاق والا نمازیوں اور روزہ داروں کے درجہ کو پالیتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۳' اس حدیث کی سند صحیح ہے' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: وہ کون سا کام ہے جس کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنا (تقویٰ) اور اچھے اخلاق' اور آپ سے سوال کیا گیا: وہ کون سے کام ہیں جن کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: منہ اور شرم گاہ (منہ اور شرم گاہ میں حرام چیز کو داخل کرنا)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۴' اس کی سند حسن ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۶' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

عبداللہ بن المبارک نے خلق حسن کی یہ تعریف کی' لوگوں سے ہنستے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے ملنا' نیکی کو پھیلانا اور بُرے کاموں سے باز رہنا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور میری مجلس کے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق تم میں سب سے زیادہ اچھے ہوں گے اور قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سے زیادہ مبغوض اور میری مجلس سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جو متکبر ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام ادیان میں آپ کا دین عظیم ہے اور آپ کے دین سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دین محبوب اور پسند نہیں ہے۔

(۲) ہشام بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق بتایئے' حضرت عائشہ نے پوچھا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں' حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الصلاۃ: ۱۳۹۔ باب: ۱۸۔ رقم الحدیث: ۷۴۶)

جن تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' آپ ان پر عمل کرتے تھے اور جن تمام کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے آپ ان سے باز رہتے تھے اور آپ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تصویر تھی' اگر آپ کی سیرت کو جامع مانع عبارت میں بیان کیا جائے تو وہ آیاتِ قرآن ہیں اور اگر قرآن مجید کی آیات کو انسانی پیکر میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" (المؤمنون: ۱) سے لے کر دس آیتیں پڑھیں اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا' آپ کو صحابہ اور اہل بیت میں سے جو بھی بلاتا' آپ فرماتے: لبیک' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (القلم: ۴) بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں ○

جو بھی عمدہ اخلاق تھے' وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے' نیز آپ کے خلق کو اس لیے عظیم کہا گیا کہ آپ مکارمِ اخلاق کے جامع تھے۔ امام مالک نے روایت کیا ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۷۷)

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا' سو اچھا ادب سکھایا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۰' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۵)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی' آپ نے کبھی مجھ سے اُف نہیں کہا' اور میں نے جو کام کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور میں نے جس کام کو ترک کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس کام کو کیوں ترک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے اور کوئی ریشم آپ کے ہاتھوں سے زیادہ ملائم نہیں تھا' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی مشک اور عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۱۱۔ ۶۰۳۸۔ ۳۵۶۱۔ ۲۷۶۸۔ ۱۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۰۔ ۲۳۱۰۔ ۲۳۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۴۔ ۴۷۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵۔ ۱۷۴۔ ۱۲۴)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً فحش گفتار تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے' اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۶۔ ۲۳۶۔ ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' ماسوا جہاد فی سبیل اللہ کے' اور نہ آپ نے کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۱۔ ۲۲۹' مصنف

ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۶۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۶۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹ المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۹)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا' جب تک اللہ تعالیٰ کے محارم اور اس کی حدود میں سے کسی حد کو نہ توڑا جائے اور جب اللہ کے محارم میں کسی چیز کو پامال کیا جاتا تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے' اور جب بھی آپ کو دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ اس کو اختیار کرتے جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵ مسند احمد ج ۶ ص ۸۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰ الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۷۴ مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۴۸۱)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کی' اس وقت میں بھی آپ کے پاس تھی' آپ نے فرمایا: یہ اپنے قبیلہ کا بُرا شخص ہے' پھر آپ نے اس کو اجازت دے دی' جب وہ آیا تو آپ نے اس سے بہت نرمی سے بات کی' جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس شخص کے متعلق وہ فرمایا جو فرمایا تھا' پھر آپ نے اس سے بہت نرمی سے بات کی' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سب سے بُرا شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی درشت کلامی (بدگفتاری) کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۶ الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۲۹ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳۵)

(۱۰) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ہم نشینوں کے ساتھ سیرت کے متعلق سوال کیا' تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی' آپ بہت نرم مزاج تھے' آپ سے بات کرنا بہت سہل تھا' آپ بدمزاج اور سخت دل نہ تھے' نہ بدگفتار تھے' نہ لوگوں کے عیوب بیان کرتے تھے' نہ بخل کرتے تھے' فضول باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے' جو شخص آپ کے پاس کوئی امید لے کر آتا آپ اس کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی کو نامراد نہیں کرتے تھے' آپ نے اپنے لیے تین چیزوں کو چھوڑ دیا تھا' آپ بحث و تکرار' زیادہ باتوں اور بے مقصد کاموں میں نہیں پڑتے تھے' اور آپ نے لوگوں کے لیے بھی تین چیزیں چھوڑ دیں تھیں' آپ کسی شخص کی مذمت کرتے تھے اور نہ اس کا عیب نکالتے تھے' اور نہ کسی کی پوشیدہ چیز معلوم کرتے تھے' اور صرف اسی معاملہ میں بات کرتے تھے جس میں آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی' اور جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم مجلس اس طرح اپنے سروں کو جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں' اور جب آپ خاموش ہوتے تب وہ آپ سے کوئی بات کرتے تھے' اور وہ آپ کے سامنے کسی بات میں بحث نہیں کرتے تھے' اور جب کوئی شخص آپ سے بات کرتا تو سب اس کی بات ختم ہونے تک خاموش رہتے' جب آپ کے شرکائے مجلس ہنستے تو آپ ہنستے تھے اور جس چیز پر وہ تعجب کرتے آپ بھی اس پر تعجب کرتے تھے' جب کوئی اجنبی شخص سختی سے بات کرتا یا سوال کرتا تو آپ صبر کرتے تھے' حتیٰ کہ اگر آپ کے اصحاب اس پر سختی کرتے تو آپ فرماتے: جب تم دیکھو کہ ضرورت مند اپنی حاجت کو طلب کر رہا ہے تو تم اس کے ساتھ نرمی کرو' آپ بغیر نوازش اور عطا کے اپنی تعریف کو قبول نہیں کرتے تھے' ہاں! آپ کسی کو کچھ عطا کرتے اور وہ آپ کی تعریف کرتا تو آپ قبول کر لیتے' آپ کسی کے کلام کو منقطع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص حق سے تجاوز کرتا تو پھر اس کی بات کاٹ کر اس کو روکتے یا اٹھ جاتے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲)

(۱۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی شخص کے مانگنے پر "نہیں" نہیں فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۵)

(۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے' اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان کے مہینہ میں کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان ختم ہو جاتا' آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے تھے' آپ ان کے ساتھ قرآن مجید کو دہراتے تھے اور جب حضرت جبریل آپ سے ملتے تو آپ برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۲۰۔۱۹۰۲۔۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۹۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۰۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۸۸۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۶۲)

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے (یہ ابتدائی دور کی بات ہے ورنہ جب فتوحات کی کثرت ہوئی تو آپ ازواجِ مطہرات کو ایک سال کا غلہ اور چھوارے فراہم کرتے تھے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۱)

(۱۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سوال کیا کہ آپ اس کو کچھ عطا کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اس وقت کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم میری ضمانت پر خرید لو' میرے پاس مال آیا تو میں ادا کر دوں گا' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ عطا کر چکے ہیں اور جس پر آپ قادر نہیں ہیں اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکلف نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے قول کو ناپسند کیا' پھر انصار کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ خرچ کیجئے اور عرش والے سے مال میں کمی کا خوف نہ کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوئی' اور آپ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۶۴' کتاب العظمۃ ص ۵۳)

(۱۵) حضرت ربیع بنت معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک خوشا اور کچھ ککڑیاں یا جو لے کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں ہاتھوں میں زیورات اور سونا دیا۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۔۲۰۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۷۳۔۲۷۳' رقم الحدیث: ۶۹۴)

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کے جواب میں ہدیہ دیتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶' مسند احمد ج ۶ ص ۹۰' سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۸۰)

(۱۷) عمرۃ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک بشر تھے' اپنے کپڑے صاف کر لیتے تھے' بکری کا دودھ دوھ لیتے تھے اور اپنے کام کرتے تھے۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۴۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۷۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶)

(۱۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے' اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور جس طرح تم گھر کے کام کرتے ہو اسی طرح گھر کے کام کرتے تھے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۷' کتاب الزہد ج ۱ ص ۳۵' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۷۵' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۶)

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے ایک پائے کی دعوت بھی دی جائے تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۶۸-۱۰۶۵ سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۷۶)

(۲۰) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۴ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۷۸۴ الادب المفرد رقم الحدیث: ۹۴۶)

(۲۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی اور پرانے گھی کی دعوت دی جاتی تو آپ اس کو قبول فرما لیتے' اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ اس کو تاحیات چھڑا نہیں سکے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۰۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۶۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۱۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۳۷ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳)

(۲۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے آپ سے کام ہے' آپ نے فرمایا: تم مدینہ کے جس راستہ میں چاہو بیٹھ جاؤ' میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۵-۹۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۷۲)

(۲۳) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی' تو آپ مجھے بلواتے اور میں آ کر وحی لکھتا اور ہم جب دنیا کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے' اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۸۲ دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۲۴ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۷۹)

(۲۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص تھا جس کے کپڑوں پر زعفران کے رنگ کے نشان تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے منہ پر ایسی بات نہیں کہتے تھے جو اس کو ناگوار ہو' آپ نے صحابہ سے فرمایا: تم اس شخص سے کہو کہ وہ ان نشانات کو دھولے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳ الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۳۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۷۷)

(۲۵) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے اندر جاتے تھے تو آپ کے کیا معمولات تھے؟ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں جاتے تھے تو آپ اپنے وقت کے تین حصے کرتے تھے' ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے' ایک حصہ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے' پھر جو حصہ اپنی ذات کے لیے تھا اس کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے' پس اپنے خصوصی فیوض کو خاص صحابہ کے وسیلہ سے عام مسلمانوں تک پہنچا دیتے اور ان سے کوئی چیز روک کر نہ رکھتے' اور جو وقت کا حصہ امت کے لیے تھا' اس میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اصحاب فضیلت کو گھر میں آ کر ملاقات کرنے کی اجازت دیتے اور ان کی دینی فضیلت کی ترتیب کے اعتبار سے ان پر وقت کو تقسیم کرتے' ان میں سے کسی کو ایک چیز کی ضرورت ہوتی' کسی کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی اور کسی کی بہت ضروریات ہوتیں' آپ ان کی ضروریات پوری کرنے میں مشغول ہوتے' اور ان کو ان کی اپنی اور باقی امت کی اصلاح کے کاموں میں مصروف رکھتے اور ان سے ان کے مسائل معلوم کرتے' اور ان کے حسب حال ان کو ہدایات دیتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم میں سے حاضر' غائب تک یہ ہدایات پہنچا دے اور تم میرے پاس ایسے شخص کی حاجت بھی پہنچا دیا کرو جو اپنی حاجت خود

نہیں پہنچا سکتا' کیونکہ جو شخص کسی ایسے انسان کی حاجات صاحب اختیار تک پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی ہی چیزوں کا ذکر کیا جاتا تھا' اس کے علاوہ اور کسی (فضول) بات کو آپ قبول نہیں کرتے تھے' مسلمان آپ کے پاس علم کی طلب لے کر آتے تھے اور جب واپس جاتے تھے تو علم کا ذائقہ چکھ چکے ہوتے تھے اور نیکی کے رہ نما بن چکے ہوتے تھے' پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات تھے؟ حضرت علی نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بامقصد کلام کرتے تھے' صحابہ کی تالیف کرتے تھے اور ان سے انسیت رکھتے تھے' ان کو متنفر نہیں کرتے تھے' آپ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم کرتے اور اس کو اس کی قوم کا حاکم بنادیتے' آپ لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراتے اور لوگوں کے شر سے خود کو محفوظ رکھتے' اپنے اصحاب کے حالات کی تفتیش کرتے اور یہ معلوم کرتے کہ عام لوگ کس حال میں ہیں' اچھی چیز کی تحسین اور تقویت کرتے اور بُری چیز کی مذمت کرتے اور اس کو کم زور کرتے' آپ ہمیشہ میانہ روی سے کام لیتے اور مسلمانوں کے احوال سے غافل نہ رہتے' مبادا وہ غافل اور سست ہو جائیں یا اکتا جائیں' ہر حالت کے لیے آپ کے پاس مکمل تیاری ہوتی' آپ حق بات میں تقصیر کرتے نہ تجاوز کرتے' مسلمانوں میں سے بہترین لوگ آپ کے ہم مجلس ہوتے' جو شخص لوگوں کا زیادہ خیر خواہ ہوتا وہ آپ کے نزدیک افضل ہوتا' اور جو شخص لوگوں کے ساتھ زیادہ نیکی کرتا اور ان سے اچھا سلوک کرتا وہ آپ کے نزدیک بڑے درجہ والا ہوتا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی مجلس کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نشست برخواست کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' جب آپ کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی تھی وہاں بیٹھ جاتے تھے' اور مسلمانوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے' اور اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے تھے' اور آپ کا کوئی ہم نشین یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور شخص آپ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہے' جب کوئی شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا آپ سے گفتگو کرتا تو جب تک وہ خود نہ چلا جاتا آپ بیٹھے رہتے اور جو شخص آپ کے پاس اپنی حاجت پیش کرتا آپ اس کی حاجت پوری فرماتے یا نرمی سے عذر بیان کرتے' آپ کی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سب لوگوں کے لیے عام تھی' آپ سب مسلمانوں کے لیے بہ منزلہ باپ تھے اور آپ کی مجلس میں آپ کے نزدیک سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے' آپ کی مجلس علم' حیا' صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی' اس میں نہ آوازیں بلند ہوتی تھیں اور نہ کسی پر عیب لگایا جاتا تھا' اگر بالفرض کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو آشکارا نہیں کیا جاتا تھا' آپ کے نزدیک تمام مجلس والے برابر تھے' بلکہ ان کو تقویٰ کی وجہ سے دوسروں پر برتری حاصل ہوتی تھی' وہ سب منکسر اور متواضع تھے' مجلس میں بڑوں کی تعظیم کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے' ضرورت مندوں کے لیے ایثار کرتے تھے اور مسافر کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٧٥٤' مسند احمد ج ٣ ص ١٣٢' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٧٨٤' الادب المفرد رقم الحدیث: ٩٤٦)

(٢٦) حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی جس کے کناروں پر بنائی کی ہوئی تھی' اس نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی' آپ نے اس عورت سے وہ چادر لے لی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہ طور تہ بند باندھ کر آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تحسین کی اور کہا: یہ بہت اچھی چادر ہے آپ یہ چادر مجھے دے دیں' مسلمانوں نے اس شخص سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے اس چادر کو پہنا تھا' پھر تم نے آپ سے

وہ چادر مانگ لی' حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے' اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے یہ چادر نہیں مانگی' میں نے تو اپنا کفن بنانے کے لیے یہ چادر مانگی ہے' حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس کا کفن بن گئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

(۲۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کو مارنے کے لیے جھپٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو' کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴)

(۲۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: السام علیکم (تم پر موت آئے)' حضرت عائشہ نے کہا: تم پر موت آئے' اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! رک جاؤ' تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بدکلامی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ نے کہا: کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہو گی اور میرے متعلق ان کی دعا قبول نہیں ہو گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۲)

(۳۰) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آ گئے' ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو نیند آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے' اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے' اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی' اور ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے' اور اس وقت وہ اعرابی آپ کے پاس کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر تلوار سونت لی' میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا' اس نے کہا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳)

(۳۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کے پاس الاقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا' اس نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۸)

(۳۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے: تم (اس کی) سفارش کرو' تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۷)

(۳۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' آپ کے اوپر ایک نجرانی

چادر تھی جس کے کنارے سخت موٹے تھے' ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا' میں نے دیکھا کہ اس چادر کو سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے' پھر اس اعرابی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا' آپ ہنسے' پھر آپ نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷)

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی' اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور جب بھی کسی شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں! اگر اللہ کی حرمات اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸)

(۳۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ پر جنگ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں' وہ اٹھائی ہیں' اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی' اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا' میں جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' پھر میں انتہائی افسردگی کے ساتھ چل پڑا' میں اس وقت قرن الثعالب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا' میں نے سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہاں پر حضرت جبریل تھے' انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے سن لیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے' تاکہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا' پھر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

(۳۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۷' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۴۰)

(۳۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ

سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو، سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔
(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

(۳۹) حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم و حیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔
(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، حافظ الہیثمی نے کہا: امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، ان میں سے ایک سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

(۴۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا، جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا اور وہ اسرافیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے کہا: السلام علیك یا محمد ! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں، مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں، اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا، پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا: اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبد اللہ البابلتی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

(۴۱) حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۷۱، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۰)

(۴۲) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا، آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا: یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔
(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

(۴۳) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے جس نے ان کو تھکا دیا تھا (یعنی وہ تیز نہیں چل رہا تھا)، حضرت جابر نے اُسے چھوڑنے کا ارادہ کیا، وہ کہتے ہیں: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آ ملے، آپ نے مجھے بلایا اور اُس اونٹ پر ایک ضرب لگائی، پھر وہ اس قدر تیز چلنے لگا کہ اس کی طرح کوئی اونٹ نہیں چل

رہا تھا' آپ نے فرمایا: مجھے یہ اونٹ چالیس دراہم کے عوض فروخت کر دو۔ میں نے کہا: نہیں! (یعنی آپ بلا قیمت لے لیں)۔ آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے فروخت کر دو تو میں نے چالیس دراہم کے عوض اس کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور میں نے اُس پر سوار ہو کر مدینہ اپنے گھر تک جانے کا استثناء کر لیا' پس جب میں اپنے گھر پہنچ گیا تو آپ کے پاس اونٹ لے آیا' آپ نے مجھے اس کی نقد قیمت ادا کر دی اور ایک قیراط زیادہ دی' پھر آپ نے کسی کو بھیج کر مجھے بلوایا اور فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اونٹ خریدنے کے لیے تمہیں قیمت کم دی ہے؟ جاؤ! یہ اونٹ لے جاؤ اور یہ دراہم بھی لے جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۵)

(۴۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں' آپ نے اس کو وہ بکریاں عطا کر دیں پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام لے آؤ' کیونکہ خدا کی قسم! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر و غربت کا خدشہ نہیں رہتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۱۲)

(۴۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ حیاء فرمانے والے تھے' جب آپ کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو ہم آپ کے چہرہ سے جان لیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کسی سے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیتے تھے اور زیادتی کرنے والوں سے درگذر فرماتے تھے بلکہ جان کے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے' ہم آپ کی سیرت سے چند ایسی مثالیں بیان کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا

(۴۶) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس گیا' میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ ابن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ چھوڑ نہ دیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی' جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا: اپنی رائے کو رہنے دو۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۴' رقم الحدیث: ۱۳۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(٤٧) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میری قمیص اور اس پر میری نمازِ جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ١٠ ص ١٤٢ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ١٤٠٩ھ)

سو آپ کی اس نرمی اور حسنِ اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور ہند کو معاف کر دینا

(٤٨) امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المتوفی ٦٣٠ھ بیان کرتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی' ابوسفیان نے کہا: اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا اور آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا: تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے' انہوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے' آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان فخر کو پسند کرتا ہے' اس کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے' آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ٢ ص ١٦٦۔١٦٤ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

(٤٩) جب آپ کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ہند ہے؟ ہند نے کہا: میں ہند ہوں' اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے' ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی' چوری نہیں کریں گی' بدکاری نہیں کریں گی' اولاد کو قتل نہیں کریں گی' کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی' کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی' پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا: ان سے بیعت لو اور ان سب کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ٢ ص ١٧٢۔١٧١ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

ابوسفیان نے متعدد بار مدینے پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہا تھا' آپ نے ابوسفیان پر قابو پانے کے بعد اس کو معاف کر دیا' ہند نے آپ کے محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا' مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کر دینا

(۵۰) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:
عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ (یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لیے مکہ سے نکلا تاکہ جدہ سے یمن چلا جائے' حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ کے خوف سے بھاگ رہا ہے تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں گرادے' آپ اس کو امان دے دیجئے' آپ نے فرمایا: اس کو امان ہے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو امان دے دی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے' حضرت عمیر وہ عمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں جالیا' اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے' انہوں نے کہا: اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو' دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آیا ہوں' صفوان نے کہا: تم چلے جاؤ' حضرت عمیر نے کہا: اے صفوان! وہ سب سے زیادہ افضل' سب سے زیادہ نیک' سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور کے پاس لے آئے' صفوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اس کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے' آپ نے فرمایا: اس نے سچ کہا' صفوان نے کہا: مجھے اسلام لانے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے' آپ نے فرمایا: میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۹۔۳۳۸' مطبوعہ بیروت' کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۳' الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۶۸' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۸)

فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دینا

(۵۱) امام ابن اثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:
عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے' آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا' لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی' اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں' انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو جالیا' اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے' ام حکیم نے کہا: میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں' جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں' سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں' اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے' جب عکرمہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے' پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں' پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

(۵۲) امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ روایت کرتے ہیں:
جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی' انہوں نے اس وقت لات اور عزیٰ کو پکارا' کشتی والوں نے کہا: اس موقع پر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں' عکرمہ نے سوچا: اگر سمندر میں

صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر رجوع کریں گے' سو انہوں نے آپ کے پاس جا کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ص ۱۳۴)

فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کر دینا 12

وحشی بن حرب' جبیر بن مطعم کے غلام تھے' ایک قول یہ ہے کہ بنت الحارث بن عامر کے غلام تھے' حارث بن عامر کی بیٹی نے ان سے کہا: میرا باپ جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا' اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' حمزہ یا علی بن ابی طالب ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو' جنگ احد میں وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا اور اس قتل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اذیت پہنچی تھی' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو یہ جان کے خوف سے طائف بھاگ کر چلے گئے تھے' پھر ایک وفد کے ساتھ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کلمہ پڑھ لیا' حافظ ابن عساکر نے ان کے اسلام قبول کرنے کا بہت تاثر انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔

(۵۳) حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی' وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے' قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے اور آپ یہ پڑھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان: ۶۹۔۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (مثلاً قصاص میں) اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا ۝

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کر دی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

لیکن جو (موت سے پہلے) توبہ کر لے' اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (الفرقان: ۷۰)

وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے' ہو سکتا ہے مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ۔

تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا' اور اس کے علاوہ جو گناہ ہوا سے جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس آیت میں تو مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشنا نہ چاہے، پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب مجھے اطمینان ہوا، پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، صحابہ نے پوچھا: یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: سب کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ نے یہی جوابات دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳-۲۶۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

غور فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی ایک ایک شرط پوری کر کے اور اس کا ایک ایک ناز اٹھا کر اس کو کلمہ پڑھا رہے ہیں اور جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں جو آپ کے انتہائی عزیز چچا کا قاتل تھا، اگر کوئی شخص ہمارے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل کر کے ہم سے دنیا کی کسی جگہ کا راستہ پوچھے تو ہم اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تو ان کے ظرف کی عظمت کا کیا کہنا جو ایسے شخص کا ایک ایک نخرہ پورا کر کے اسے جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں۔

ہبار بن الاسود کو معاف کر دینا

(۵۴) امام محمد بن عمر و واقدی متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

ہبار بن اسود کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا، اس وقت وہ حاملہ تھیں، وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا، جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آ گیا، وہ بہت فصیح اللسان تھا، اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس نے آپ کو برا کہا اس کو برا کہا گیا۔ میں آپ کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں، پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اسلام قبول کر لیا، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا: اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا، آپ نے فرمایا: اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۸-۸۵۷، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت)

منافقوں اور دیہاتیوں سے درگزر کرنا

(۵۵) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی اور انہوں نے اس پر صبر کیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا نام معتب بن قشیر تھا اور یہ منافق تھا' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خیر خواہی کی نیت سے کسی شخص سے اس کے متعلق کہا ہوا قول بیان کیا جائے کہ فلاں شخص آپ کے متعلق یہ کہہ رہا تھا' تو یہ چغلی نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے: تم چغلی کیوں کر رہے ہو؟ چغلی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص فساد ڈالنے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے شخص تک پہنچاتا ہے' اور اس حدیث میں آپ کی نرمی اور ملائمت کا بیان بالکل واضح ہے۔

(۵۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے' راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا' اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی' حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا تھا' پھر اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے' پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(کتاب المغازی ج ۲ ص ۹۰۰' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی' حسن اخلاق اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا واضح بیان ہے۔

''وانك لعلي خلق عظيم'' میں امام رازی کی نکتہ آفرینیاں

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خُلق ملکہ نفسانیہ (طبعی مہارت) ہے' جس کی وجہ سے انسان کے لیے نیک کام کرنا آسان ہو جاتا ہے' حسن خلق میں بخل' حرص اور غضب سے اجتناب کرنا داخل ہے' اسی طرح معاملات میں سختی سے احتراز کرنا بھی اس میں داخل ہے' اور اپنے قول اور فعل سے لوگوں کو مانوس کرنا بھی اس میں داخل ہے' اور لوگوں سے قطع تعلق کو ترک کرنا اور خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں لوگوں کے حقوق سے سستی کرنا اور نسبی اور سسرالی حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنے کو ترک کرنا بھی حسن اخلاق میں داخل ہے۔

انسان کو خلق دو قوتوں سے حاصل ہوتا ہے: قوتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ' آپ کی قوت علمیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۳)

اور آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطا کر دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ○

اور قوتِ عملیہ کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم: ۴)

اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں ○

ان دو قوتوں کے کامل ہونے کے بعد انسان کو اپنے کمال کے لیے اور کسی قوت کی ضرورت نہیں ہے' سو آپ کا علم بھی عظیم ہے اور آپ کا خلق بھی عظیم ہے' پس آپ کی روح مقدس تمام ارواح بشریہ میں سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے۔

نیز امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کا خلق عظیم ہے' اس میں ان کفار کا رد ہے جنہوں نے آپ کو مجنون کہا تھا کیونکہ سب کو تسلیم تھا کہ آپ کے اخلاق سب سے عمدہ اور آپ کے افعال سب سے زیادہ پسندیدہ تھے' الصادق الامین آپ ہی کا لقب تھا اور مجنون تو بے عقل ہوتا ہے' اس کے اقوال باطل اور افعال پراگندہ ہوتے ہیں' سو آپ مجنون نہیں ہو سکتے۔

دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ آپ کا خلق اس لیے عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ان (سابق نبیوں اور رسولوں) کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کیجئے۔ (الانعام: ۹۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس ہدایت کی پیروی کا حکم دیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے کیونکہ یہ تقلید ہے اور تقلید کرنا رسول کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مراد احکامِ شرعیہ ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعت سے جدا ہے، پس متعین ہو گیا کہ اس ہدایت سے مراد اصول اور فروع نہیں ہیں بلکہ آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے خلق کریم کی پیروی کیجئے اور ان میں سے ہر نبی کسی ایک خلق کریم کے ساتھ خاص تھا' مثلاً حضرت ابراہیم صدق کے ساتھ خاص تھے' حضرت ایوب صبر کے ساتھ خاص تھے' حضرت یوسف علیہ السلام عفت کے ساتھ خاص تھے' سو آپ کو حکم دیا کہ یہ اخلاقِ کریمہ جو تمام انبیاء سابقین میں متفرق ہیں' آپ ان تمام اخلاق کو اپنے اندر جمع کر لیجئے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں جو فرداً فرداً کمالات اور اخلاق ہائے کریمہ پائے جاتے ہیں وہ تمام اخلاق تنہا آپ اپنی ذات میں جمع کر لیں' سو اس لیے آپ کا خلق عظیم ہے۔ آپ میں جو محاسن اخلاق پائے جاتے ہیں وہ بمنزلہ متن متین ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً جو کمالات پائے جاتے ہیں وہ بمنزلہ شرح جمیل ہیں۔

(حسن یوسف' دم عیسیٰ' ید بیضاء داری آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری)

اور اس آیت میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' (القلم: ۴) اور ''عـلـی'' استعلاء کے لیے آتا ہے اور ''عـلـی'' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ان اخلاق پر مستعمل اور حاکم ہیں اور آپ کی نسبت اخلاقِ حسنہ کی طرف ایسے ہے جیسے مولیٰ کی نسبت غلام کی طرف اور امیر کی نسبت مامور کی طرف ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۰۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''وانك لعلي خلق عظيم'' میں مصنف کی نکتہ آفرینی

میرے نزدیک اس نکتہ کی تشریح اور تقریر اس طرح ہے کہ عربی میں ''علی'' کا لفظ فوقیت اور بلندی کے لیے آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''فـلان ركـب عـلـى الفرس'' فلاں شخص گھوڑی پر سوار ہے' اور سواری سوار کے تابع ہوتی ہے' سوار جس طرف سواری کی باگیں موڑ دیتا ہے سواری اس طرف چل پڑتی ہے' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ خلق کی عظمتوں پر فائق اور سوار ہیں' آپ جس طرف خُلق کی باگوں کو موڑ دیتے ہیں وہی خُلق عظیم ہو جاتا ہے۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی اچھے کام کو کرے وہ اچھا ہو جاتا ہے اور جو کسی عظیم کام کو کرے وہ عظیم ہو جاتا ہے اور یوں لوگ اپنے اچھے اور عظیم ہونے میں اچھائی اور عظمت کے تابع ہوتے ہیں لیکن آپ کا معاملہ اس طرح نہیں ہے' آپ اپنے عظیم ہونے میں خلق عظیم کے تابع نہیں ہیں بلکہ خلق عظیم اپنے عظیم ہونے میں آپ کے فعل کا تابع ہے' آپ سوار ہیں اور خلق عظیم سواری ہے' آپ جس فعل کو کر لیں وہی خلق عظیم ہے اور آپ جس فعل کو ترک کر دیں یا منع کر دیں وہ خلق خسیس ہے' دیکھئے! پہلے آپ نے نماز میں مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کیا تو وہ فعل عبادت ہو گیا اور جب آپ نے کعبہ کی طرف منہ کیا تو وہ فعل عبادت ہو گیا' جب آپ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اس وقت اگر کوئی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تو اس کا وہ فعل عبادت نہ ہوتا اور اب اگر کوئی مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کا یہ فعل عبادت نہ ہوگا' معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ نہ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کرنے میں عظمت ہے نہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں عظمت ہے' عظمت تو آپ کے فعل میں ہے اور اس فعل کی اتباع اور اقتداء میں ہے' نیز دیکھئے کہ رمضان میں دن کو طعام نہ کھانا عبادت ہے اور عید کے دن طعام کو کھانا عبادت

ہے' اگر کوئی رمضان میں دن کے وقت بلا عذر شرعی طعام کھا لے تو گناہ ہے اور عید کے دن طعام نہ کھائے تو گناہ ہے' معلوم ہوا کہ فی نفسہ طعام ترک کرنے میں عظمت ہے نہ طعام کھانے میں عظمت ہے' عظمت تو آپ کے فعل میں ہے' اسی طرح نماز پڑھنا عبادت ہے مگر اسی وقت نماز پڑھنا عبادت ہے جس وقت میں آپ نے نماز پڑھی ہے' اگر کوئی شخص ان اوقات میں نماز پڑھے' جن اوقات میں آپ نے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے تو اس کا نماز پڑھنا گناہ ہے مثلاً طلوعِ آفتاب یا استواء آفتاب کے وقت۔ اسی طرح حج کرنا بھی عبادت ہے لیکن اسی دن حج کرنا عبادت ہے جس دن آپ نے حج کیا ہے' اگر کوئی شخص اس سے ایک دن پہلے حج کر لے تو گناہ ہے' خرید و فروخت کرنا اور روزی کمانا مستحسن ہے لیکن اسی جگہ اور اسی وقت میں مستحسن ہے جس جگہ اور جس وقت میں آپ نے خرید و فروخت کی ہے' اگر کوئی اس جگہ یا اس وقت میں خرید و فروخت کرے' جس جگہ اور جس وقت میں آپ نے منع کیا ہے' مثلاً مسجد میں یا نماز کے وقت خرید و فروخت کرے تو گناہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ نہ نماز میں عظمت ہے' نہ روزہ میں' نہ حج میں نہ اور کسی عبادت میں' عظمت صرف ان عبادات میں ہے جن کو آپ کے طریقہ اور آپ کے فعل کے موافق انجام دیا جائے' اللہ تعالیٰ نے یونہی تو نہیں فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي. (آل عمران:۳۱)

آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔

ہر عبادت میں اصل چیز آپ کی اتباع اور آپ کی اقتداء ہے کیونکہ فی نفسہ کسی عبادت میں عظمت نہیں ہے' اس میں عظمت تب ہوگی جب اس عبادت کو آپ کے طریقہ پر انجام دیا جائے گا' اسی لیے آپ نے فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی.

اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۹۷۹)

پس واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ''عَلٰی'' ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح سوار' سواری پر سوار ہوتا ہے' اس طرح آپ خلق کی عظمتوں پر سوار ہیں اور جس طرح سواری سوار کے تابع ہوتی ہے اس طرح خلق اپنے عظیم ہونے میں آپ کے تابع ہے' دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تابع ہوتے ہیں اور آپ اپنے نیک ہونے میں نیکی کے تابع نہیں ہیں' بلکہ نیکی' نیکی ہونے میں آپ کے فعل اور آپ کے خلق کے تابع ہے اور اسی معنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر واضح کیا ہے: ''وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ'' (القلم:۴)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے O کہ تم میں سے کون مجنون تھا O بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے O سو آپ مکذبین کی بات نہ مانیں O انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O آپ بہت قسمیں کھانے والے' بے حد ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں O جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O نیکی سے بہت روکنے والا' حد سے متجاوز' سخت گنہ گار ہے O بہت بدخو' ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے O جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں O ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے O (القلم:۱۶۔۵)

آپ کے اور کفار کے عنقریب دیکھنے سے مراد آیا دنیا میں دیکھنا ہے یا آخرت میں؟

القلم: ۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن حق' باطل سے متمیز اور ممتاز ہو جائے گا تو اس وقت کفار بھی جان لیں گے کہ دنیا میں کون مجنون تھا اور کون فتنہ میں مبتلا تھا' اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں آپ کو علم نہیں تھا' یقیناً دنیا میں بھی آپ کو علم تھا لیکن قیامت کے دن جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کو مجنون کہنے والوں کو عذاب دیا جاتا ہے تو آپ کو ان کی سزا کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت دنیا کے احوال پر محمول ہے' یعنی عنقریب آپ بھی دنیا میں دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو کیسی کامیابی' کامرانی اور سرفرازی عطا فرماتا ہے اور کس طرح لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت جاگزین ہوتی ہے اور خون بن کر ان کی رگوں میں دوڑنے لگتی ہے اور یہ کافر جو آپ کو مجنون کہتے ہیں' یہ بھی دیکھ لیں گے کہ جنگ بدر میں کس طرح ان کی گردنیں ماری جاتی ہیں اور پورے جزیرۂ عرب میں کفر ملیامیٹ ہو جاتا ہے اور اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔

القلم: ۶ میں فرمایا کہ تم میں سے کون مجنون تھا O

یعنی عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ دونوں فرقوں میں سے کون سا فرقہ مجنون ہے' آیا اسلام کے فرقہ میں جنون ہے یا کفر کے فرقہ میں جنون ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مفتون سے مراد شیطان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا دین فتنہ ہے اور جب کفار نے آپ کو مجنون کہا تو ان کی مراد یہ تھی کہ آپ کو جن چمٹا ہوا ہے اور اس کے اثر سے آپ مرنے کے بعد زندہ ہونے' حشر ونشر اور جنت اور دوزخ کی باتیں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کر کے فرمایا: ان کو عنقریب کل قیامت کے دن معلوم ہو جائے کہ کس کو جن چمٹا ہوا ہے اور کس کی عقل فاسد ہے۔

القلم: ۷ میں فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے O

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت میں مجنون ہیں ان کو آپ کا رب خوب جاننے والا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں اور وہی جاننے والا ہے کہ عقل والے کون لوگ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے آپ پر جنون کی تہمت لگائی ہے اور خود کو عقل مند کہا ہے اور یہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں اور حقیقت میں یہ گم راہ ہیں اور آپ ہدایت یافتہ ہیں۔

کفار کی اپنی مہم میں ناکامی اور آپ کی اپنے مشن میں کامیابی

القلم: ۸ میں فرمایا: سو آپ مکذبین کی بات نہ مانیں O

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کفار نے آپ کی طرف جنون کی نسبت کر کے جھوٹ باندھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ انعام فرمایا ہے کہ آپ کو دین بھی کامل عطا فرمایا اور آپ کو خلق بھی عظیم عطا فرمایا ہے' اور کافروں کی زبردست مخالفت کے باوجود آپ کا پیغام لوگوں میں دن بہ دن مقبول ہوتا جا رہا ہے اور کافروں کے پیہم ظلم وستم کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی اور اسلام کی محبت بڑھتی جا رہی ہے سو آپ مکہ کے کافر سرداروں کی تکذیب اور مخالفت کا کوئی اثر نہ لیں۔

مداہنت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

القلم: ۹ میں فرمایا: انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گےO

اس آیت میں ''تدھن'' کا لفظ ہے' اس کا لفظی معنیٰ ہے: تم نرمی کرو یا ملائمت کرو' ''دھن'' کا معنیٰ تیل اور چکنائی ہے' اصطلاح میں مداہنت کا معنیٰ ہے: کسی خوف یا لالچ کی بناء پر حق بات کو چھپانا' اور مخالفین کے ساتھ نرمی سے پیش آنا' کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ بتوں کی مذمت نہ کریں اور شرک کا رد نہ کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

مداہنت جائز نہیں ہے اور مدارات جائز ہے' دنیاوی مفاد کی وجہ سے کفار اور فساق سے نرمی کرنا مداہنت ہے اور دینی مفاد کی وجہ سے کفار اور فساق سے نرمی کرنا مدارات ہے۔

القلم: ۱۱۔۱۰ میں فرمایا: آپ بہت قسمیں کھانے والے' بے حد ذلیل کی بات نہ مانیںO جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہےO

زیادہ قسم کھانے کی مذمت اور چغلی کھانے پر وعید

اس آیت میں ''حلّاف'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ قسم کھانے والا' خواہ وہ معاملہ حق ہو یا باطل' بات بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ناپسندیدہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۴)

اور اس آیت میں ''مھین'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: حقیر اور ذلیل۔

یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص بہت زیادہ اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہو اور جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہو وہ لوگوں کے نزدیک حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور جو شخص بات بات پر اللہ کی قسم کھائے وہ بھی ذلیل ہوتا ہے کیونکہ اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں ہے' کیونکہ اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو وہ بات بات پر اللہ کی قسم کھا کر اللہ کو گواہ نہ بناتا اور جب کہ وہ جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ پر اللہ کو گواہ بنا رہا ہے اور جو شخص اللہ کو جھوٹ پر گواہ بنائے اس سے بڑھ کر ذلیل اور کون ہو گا۔

القلم: ۱۱ میں ''ھماز'' کا لفظ ہے' ''ھماز'' مبالغہ کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہ طور طعن آنکھ سے اشارہ کرنے والا' کسی کا عیب بیان کرنے والا' کسی کو طعنہ دینے والا۔

اور اس آیت میں ''مشاء بنمیم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: چلتے پھرتے چغلی کھانے والا۔

چغلی کا معنیٰ ہے: فساد ڈالنے کے لیے ایک فریق کی بات دوسرے فریق تک پہنچانا' چغلی کھانے پر احادیث میں سخت وعید ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان: ۱۰۵۔ باب: ۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۸' دار الفکر)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب یہ دکھائی دیں تو اللہ عزوجل کی یاد آئے' پھر فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بدتر لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چلتے پھرتے چغلی کرتے

ہیں' دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے ہیں اور بے قصور لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

(مسند احمد ج ٦ ص ٤٥٩ قدیم' مسند احمد ج ٤٥ ص ٥٧٥ جدید' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١١٩' المعجم الکبیر ج ٢٤ ص ٤٢٣' شعب الایمان رقم الحدیث: ١١١٠٧)

القلم: ١٣۔١٢ میں فرمایا: نیکی سے بہت روکنے والا' حد سے متجاوز' سخت گنہ گار ہے O بہت بدخو' ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O

نیکی سے روکنے اور''عتل''اور''زنیم''کا معنیٰ

نیکی سے روکنے سے یہ مراد ہے کہ وہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنے سے روکتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ شخص اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اسلام لانے سے روکتا تھا' حسن نے کہا: وہ کہتا تھا: تم میں سے جو شخص (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہوا' میں اس کو کوئی نفع نہیں دوں گا اور وہ لوگوں پر حد سے زیادہ ظلم کرتا تھا اور سخت گنہ گار تھا۔

القلم: ١٣ میں''عتل''کا لفظ ہے: سخت مزاج' گردن کش' اجڈ' بسیار خوار' درشت' جس کا جسم بہت مضبوط ہو اور اس کے اخلاق بہت خراب ہوں۔

اور اس آیت میں''زنیم''کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بدنام' جو شخص کسی بُری شناخت سے معروف ہو' اور وہ شخص جو اپنے آپ کو کسی قوم میں شامل کرے اور فی الواقع وہ اس قوم سے نہ ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ نے کہا ہے:''زنیم''کے متعلق متعدد اقوال ہیں: فرّا نے کہا ہے: یہ وہ شخص ہے جس کے نسب میں تہمت ہو' وہ اپنے آپ کو کسی قوم کے ساتھ ملائے اور وہ ان میں سے نہ ہو''زنیم''اس ولد الزنا کو کہتے ہیں جو خود کو کسی قوم کے ساتھ منسوب کرے اور حقیقت میں وہ اس قوم میں سے نہ ہو' ولید بن مغیرہ قریش کے نسب میں متہم تھا اور ان کی اصل سے نہ تھا' اس کے باپ نے اس کی پیدائش کر کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی ماں نے بدکاری کی تھی مگر مشہور نہ تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی' شعبی کا قول ہے کہ''زنیم''وہ شخص ہے جو اپنی بُرائی اور ملامت میں اس طرح مشہور ہو جیسے بکری اپنے لٹکے ہوئے کان کے ساتھ پہچانی جاتی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:''زنیم''اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گلے میں زائد گوشت ہونے کی وجہ سے مشہور ہو' اور مقاتل نے کہا:''زنیم''وہ شخص ہے جس کے کان کی جڑ میں زائد گوشت ہو۔ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٠٥۔٦٠٤ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ ھ نے''زنیم''کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا:''زنیم''وہ شخص ہے جو بُرائی میں اتنا مشہور ہو کہ اسی برائی کے ساتھ لوگوں میں پہچانا جاتا ہو' اور اکثر ایسا شخص نسب میں متہم اور ولد الزنا ہوتا ہے' اور شیطان اس پر مسلط ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ٤ ص ٤٤٦' دارالفکر' بیروت' ١٤١٩ ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ٤٢٧ ھ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان اس شخص پر روتا ہے جس کا جسم اللہ تعالیٰ نے تندرست بنایا ہو اور اس کا پیٹ بڑا ہو' اس کو دنیا کا مال دیا ہو اور وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہو' اسی طرح''العتل الزنیم''ہے۔ (الکشف والبیان ج ١٠ ص ١٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٢ ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ولد الزنا داخل نہیں ہو گا اور نہ احسان جتانے والا' اور نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٠٩٧' سنن نسائی رقم الحدیث: ٥٦٨٨)

یہ حدیث اس ولد الزنا پر محمول ہے جو اپنے ماں باپ کی طرح زنا کرتا ہو' کیونکہ اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے افعال دخولِ جنت کے منافی نہیں ہیں' اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ یہ لوگ ابتداءً جنت میں نہیں داخل ہوں گے اور اپنی سزا پا کر جنت میں جائیں گے اور آپ نے زجراً اس طرح فرمایا ہے تاکہ لوگ ڈریں اور ایسے کام نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والے کا مصداق

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

تمام روایات اس پر محمول ہیں کہ جس شخص نے آپ کو مجنون کہا تھا وہ ولید بن مغیرہ مخزومی تھا' اور وہ اپنے آپ کو قریش کی طرف منسوب کرتا تھا اور واقع میں وہ قریش سے نہیں تھا' اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الحکم بن العاص تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الاخنس بن شریق تھا' وہ اصل میں ثقیف سے تھا اور اس کا شمار زھرہ میں ہوتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الاسود بن یغوث تھا یا ابوجہل تھا۔ (روح المعانی جز ٢٩ ص ٤٧' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

قرآن مجید میں ولید بن مغیرہ کے دس عیوب مذکور ہیں یا نو؟

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تھا' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے نو عیوب بیان فرمائے ہیں:

(١) بے حد قسمیں کھانے والا (٢) بے حد ذلیل (٣) بہت طعنے دینے والا (٤) چلتا پھرتا چغل خور (٥) نیکی سے بہت روکنے والا (٦) حد سے متجاوز (٧) سخت گنہ گار (٨) بہت بدخو (٩) نطفہ حرام۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا: محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں' نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی اس کا حال مجھے معلوم نہیں' یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا' اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا' مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا' تو اس سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مذکور الصدر روایت کو علامہ سلیمان جمل متوفی ١٢٠٤ھ نے اس طرح بیان کیا ہے: اس شخص نے اپنی ماں سے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری نو ایسی صفات بیان کی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں' ماسوا نویں صفت کے' اگر تم نے اس خبر کی تصدیق نہیں کی تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' اس نے کہا: تمہارا باپ نامرد تھا' مجھے مال کا خطرہ ہوا تو میں نے ایک چرواہے کو اپنے اوپر قادر کیا' تم اس کے نسب سے ہو۔ علامہ جمل نے اس روایت کو صرف اپنے استاذ کے حوالے سے لکھا ہے' علامہ صاوی مالکی متوفی ١٢٢٣ھ نے بھی اس کو حسب عادت جمل سے نقل کر کے لکھ دیا ہے' ہمیں کسی حدیث کی کتاب یا اور کسی تفسیر سے اس کی اصل نہیں ملی۔

نیز صدر الافاضل رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے دس عیوب بیان کیے ہیں' لیکن قرآن مجید میں اس کے صرف نو عیوب کا ذکر ہے۔

صدر الافاضل کی پیروی میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے نور العرفان میں اور حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ضیاء القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں اس شخص کے دس عیوب لکھے ہیں' جبکہ دیگر مفسرین نے قرآن مجید کے مطابق نو عیوب لکھے ہیں' دیکھئے تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٠٤' دار احیاء التراث العربی' روح البیان ج ١٠ ص ١٣٠' دار احیاء التراث العربی' تفسیر الجمل

ج ۴ص ۳۸۴، قدیمی کتب خانہ کراچی' تفسیر الصاوی ج ۶ص ۲۲۱۳' دارالفکر بیروت۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اس کا رڈ کرنا اور اس کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور نعت بیان کرنا قرآن مجید کا اسلوب اور اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

القلم: ۱۵۔۱۴ میں فرمایا: وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہےO جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتیں ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیںO

ربطِ آیات اور ولید بن مغیرہ کی ناک کو سونڈ فرمانے کی توجیہ

اس آیت کا تعلق اس سے پہلی آیت (القلم: ۱۰) سے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں معنیٰ ہوگا: آپ بہت قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مانیں کہ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے' اور اس کا تعلق اس کے بعد متصل آیت: ۱۵ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس کو بہت مال دیا اور بہت اولاد عطا کی' پھر چاہیے تھا کہ وہ ہمارا شکر ادا کرتا لیکن اس نے ہمارا شکر ادا کرنے' ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کے بجائے ہمارا کفر کیا اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی گئیں تو اس نے کہا: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں۔

القلم: ۱۶ میں فرمایا: ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گےO

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے کفریہ اور قبیح افعال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں اس کی سزا بیان فرمائی ہے کہ ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے۔

سونڈ سے مراد اس کی ناک ہے' اور اس کو سونڈ اس لیے فرمایا ہے کہ جب کسی انسان کے اعضاء کو حیوانوں کے اعضاء سے تشبیہ دی جائے یا ان پر حیوان کے اعضاء کا اطلاق کیا جائے تو اس سے اس انسان کی توہین اور تذلیل مقصود ہوتی ہے مثلاً کسی انسان کے پیر کو کھر کہا جائے یا سم کہا جائے' نیز اس آیت میں ناک کی تذلیل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں سب سے اشرف عضو اس کا چہرہ ہوتا ہے اور چہرے میں ناک کی زیادہ اہمیت ہے' وہی چہرے میں بلند ہوتی ہے اور اسی سے چہرے کی خوب صورتی ہوتی ہے اور ناک کے لفظ سے کسی انسان کی عزت یا بے عزتی کا کنایہ کیا جاتا ہے' مثلاً کہا جاتا ہے: فلاں نے فلاں کی ناک رکھ لی یعنی اس کی عزت رکھ لی اور کہا جاتا ہے: فلاں کی ناک کٹ گئی یعنی اس کی بے عزتی ہوگئی۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس کی ناک پر یہ نشانی دنیا میں لگائی گئی یا آخرت میں لگائی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی ناک پر تلوار سے نشان لگایا جائے گا اور تا حیات اس میں یہ نشان باقی رہے گا اور یہ بھی روایت ہے کہ جنگ بدر میں اس نے تلوار سے قتال کیا اور اسی جنگ میں اس کی ناک پر نشان لگا اور مقاتل اور ابو العالیہ نے کہا: آخرت میں اس کی ناک پر نشان ہوگا اور اس نشان کی وجہ سے سب اس کو پہچان لیں گے' جس طرح کفار کے چہرے قیامت کے دن سیاہ کیے جائیں گے اور خوف سے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' اسی طرح قیامت کے دن اس کی ناک پر نشان ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۰۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے ان باغ والوں کی آزمائش کی تھی' جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل کاٹیں گےO اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہاO پھر آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت آئی' جب وہ سوئے ہوئے تھےO پھر وہ باغ پھل دار کٹے ہوئے باغ کی طرح ہوگیاO پس صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکاراO کہ اگر تم پھل کاٹنے والے ہو تو علی الصبح اپنے کھیت کی طرف چلوO پھر وہ چپکے چپکے باتیں

کرتے ہوئے چل پڑے O کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہرگز کوئی مسکین نہ آنے پائے O پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل دیئے O پھر جب انہوں نے اس کٹے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے O بلکہ ہم محروم ہو گئے O ان میں سے متوسط نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے O انہوں نے کہا: ہمارا رب سبحان ہے بے شک ہم ظالم تھے O پھر وہ مڑ کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے O انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم سرکش تھے O توقع ہے کہ ہمارا رب ہم کو اس کے بدلے میں اس سے اچھا باغ دے بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرتے ہیں O اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب ضرور (اس سے) بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جانتے O (القلم: ٣٣۔١٧)

باغ والوں کی ناشکری کا انجام

ان آیات میں کفارِ مکہ کو باغ والوں کی مثال سے ڈرایا ہے ایک باغ میں انواع واقسام کے پھل بہ کثرت تھے ان لوگوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہونے سے پہلے راتوں رات اس باغ کے سارے پھل اتار لیں گے تاکہ فقراء مساکین اور سائلوں کو پتا نہ چلے اور وہ بھی پھل مانگنے چلے آئیں اور ہمیں ان کو بھی پھل دینا پڑیں وہ اپنے اس منصوبہ پر بہت زیادہ خوش تھے اور اس خوشی میں انہوں نے ان شاء اللہ یا سبحان اللہ بھی نہیں کہا ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا اس لیے ان کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا ان کے اس باغ میں پہنچنے سے پہلے ایک زبردست آندھی آئی یا گرم ہوا کے بگولے آئے اور باغ کے تمام پھل جل کر خاکستر ہو گئے اس وقت رات کو وہ محوِ خواب تھے جب وہ پھل دار باغ کاٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گیا جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر باغ سے پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ کرو علی الصبح ہی چل پڑو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ انگور کا باغ تھا یہ لوگ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ کوئی سن نہ لے اور فقراء کو ان کے پھل اتارنے کا پتا نہ ہو جائے وہ پختہ عزم کے ساتھ باغ کی طرف جا رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے منصوبہ کو پورا کرنے پر ہر طرح قادر ہیں وہ سمجھتے تھے کہ وہ پھل اتارنے پر پوری طرح قادر ہیں اور ابھی جا کر سب پھل لے آئیں گے لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے کیا دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا سرسبز باغ اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں سارے باغ میں آندھی آ چکی ہے اور تمام پھل جل کر خاکستر ہو چکے ہیں جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو پہلے تو سمجھے کہ شاید ہم راستہ بھول کر کسی اور باغ میں آ گئے لیکن جب بہ غور دیکھنے سے یہ یقین ہو گیا کہ یہ ان ہی کا باغ ہے تو کہنے لگے کہ ہم بدقسمت ہیں اس باغ کے پھل ہمارے نصیب میں نہ تھے ان میں سے جو شخص بہتر تھا اس نے کہا: میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے یہ سن کر وہ کہنے لگے: بے شک ہمارا رب سبحان ہے (پاک اور بے عیب ہے) ہم ہی ظالم ہیں پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے ناحق مسکینوں کا حق مارا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چھوڑ دی ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی تھی اسی لیے ہم پر عذاب آیا شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد اس سے دنیا میں بدلہ دینا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد آخرت میں بدلہ دینا ہو۔

سعید بن جبیر نے کہا: یہ لوگ ضروان جگہ کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور بعض مفسرین نے کہا: یہ لوگ اہل حبشہ تھے یہ اہل کتاب تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے یہ باغ ان کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا ان کے باپ کا معمول یہ تھا کہ باغ کی پیداوار سے باغ کا خرچ نکال کر اور اپنے بچوں کا خرچ نکال کر باقی نفع یا

باقی مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتا تھا' باپ کی وفات کے بعد بچوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارا باپ تو احمق تھا' جو اتنی بڑی آمدنی فقراء کو دے کر ضائع کر دیا کرتا تھا' اگر ہم فقراء کو نہ دیں اور سارا نفع اپنے پاس رکھیں تو ہم بہت جلد سرمایہ دار ہو جائیں گے' جب انہوں نے یہ عزم راسخ کر لیا تو ان کے باغ پر وہ آفت آئی کہ ان کے سارے پھل جل کر خاکستر ہو گئے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے' اس پر اسی طرح اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور یہ تو دنیا کا عذاب ہے' آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ

بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں O کیا ہم اطاعت گزاروں کو

كَٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ

نافرمانوں کی مثل کر دیں گے؟O تمہیں کیا ہوا! تم کیسی خبر سنا رہے ہوO کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے

فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ

جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟ O کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟ O یا تم نے ہم سے

أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾

ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے O

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ

آپ ان سے پوچھیے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہےO یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے

إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ

شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں O جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو

إِلَى ٱلسُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَٰشِعَةً أَبْصَٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی

ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا۟ يُدْعَوْنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ وَهُمْ سَٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾

اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھےO

معٰ عند المتقدمین ۱۲

فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم

سو آپ اس کلام کے جھٹلانے والے کو مجھ پر چھوڑ دیجئے، ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف)

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (۴۴) وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (۴۵)

کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوگا O اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے O

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ (۴۶) أَمْ عِندَهُمُ

کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں O یا ان کے پاس

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ (۴۷) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ

علم غیب ہے جس کو وہ لکھ رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے، اور مچھلی والے کی

الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ (۴۸) لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ

طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالت غم میں پکارا تھا O اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک

مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ (۴۹) فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ

نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے O پس ان کے رب نے انہیں عزت والا بنایا

مِنَ الصَّالِحِينَ (۵۰) وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ

اور ان کو صالحین میں سے کر دیا O اور بے شک کفار سے بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ

بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (۵۱)

کو پھسلا دیں گے، وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے O

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (۵۲)

حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں O کیا ہم اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی مثل کر دیں گے؟O تمہیں کیا ہوا تم کیسی خبر سنا رہے ہو O کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟O کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟O یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں

گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے O آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے O یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں O (القلم: ۴۱۔۳۴)

کفار کے اس دعویٰ کا رد کہ آخرت میں مسلمین اور مجرمین کی جزاء ایک جیسی ہوگی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کا حال ذکر فرمایا تھا کہ انہیں آخرت میں بھاری عذاب ہوگا' اب اس کے بعد القلم: ۳۴ میں مؤمنین' صالحین اور متقین کی آخرت کا حال بیان فرمایا کہ ان کو آخرت میں نعمت والی جنتیں ملیں گی' جن میں خالص نعمتیں ہوں گی اور ان میں فکر وغم کا شائبہ بھی نہیں ہوگا جب کہ دنیا میں دنیا کے ساتھ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ ایک دن یہ نعمتیں ختم ہو جائیں گی لیکن آخرت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی۔

مقاتل نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا: اللہ نے ہم کو دنیا میں تم پر فضیلت دی ہے' سو ضروری ہے کہ وہ آخرت میں بھی ہم کو تم پر فضیلت دے گا' ورنہ کم از کم ہم کو تمہارے درجہ کے برابر ضرور رکھے گا' اللہ تعالیٰ نے القلم: ۳۵ میں ان کے اس قول کا رد فرمایا۔

القلم: ۳۶۔۳۵ میں فرمایا: کیا ہم اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی مثل کر دیں گے O تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو O

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت گزار اور غیر اطاعت گزار دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے معتزلہ کے اس استدلال کا رد کہ مؤمن مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب ہوگا

معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن اور فاسق مرتکب کبیرہ مساوی نہیں ہیں' پس واضح ہو گیا کہ جو شخص فاسق مرتکب کبیرہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ مسلم اور مجرم کسی چیز میں بھی مساوی نہیں ہیں کیونکہ مسلم اور مجرم جسم ہونے میں' جاندار ہونے میں اور انسان ہونے میں بہرحال مساوی ہیں' بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اسلام اور جرم میں مساوی نہیں ہیں یا اسلام اور جرم کی جزاء میں اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں' کیونکہ مسلم ابتداءً جنت میں داخل ہوگا اور فاسق مرتکب کبیرہ شفاعت سے جنت میں داخل ہوگا' یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے' یا پھر اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہوگا' دوسرا جواب یہ ہے کہ مؤمن فاسق بھی مسلمین میں داخل ہے کیونکہ وہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوا اور مجرمین سے مؤمنین فاسقین نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد کفار ہیں۔

مؤمنین اور مجرمین کی آخرت میں ایک جیسی جزاء ہونے کا عقلی اور نقلی دلائل سے بطلان

القلم: ۳۸۔۳۷ میں فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو O کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟ O

جب کفارِ مکہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں:

مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیسا دعویٰ کر رہے ہو O کیا تم سمجھتے نہیں ہو O آیا تمہارے پاس اس (دعویٰ) پر واضح دلیل ہے O اگر تم سچے ہو تو تم اپنی وہ کتاب لے آؤ O (الصّٰفّٰت: ۱۵۷۔۱۵۴)

اسی طرز پر القلم: ۳۸۔۳۶ آیات ہیں' جب کفارِ مکہ نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کو بھی آخرت میں وہی اجر وثواب ملے گا جو

مؤمنین صالحین کو ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا' تم کیسی خبر سنا رہے ہو O کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟O کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟O

القلم: ٣٩ میں فرمایا: یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے O

جب کوئی شخص کسی چیز کا ضامن ہو جائے تو کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے مجھے اس چیز کی قسم دے دی ہے' یعنی کیا ہم نے تم کو ضمانت دی ہے اور قسم کھائی ہے کہ ہم تم کو مؤمنین صالحین کی مثل اجر و ثواب دیں گے۔

القلم: ٤٠ میں فرمایا: آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے؟O

جس طرح کسی قوم کا' کارمختار ان کی اصلاح کرتا ہے اور ان کے متعلق صحیح فیصلے کرتا ہے تو تمہارے متعلق یہ فیصلہ کس نے کیا ہے؟

القلم: ٤١ میں فرمایا: یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں O

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ آیا ان کے پاس ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شرکاء ہیں' اس لیے ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ شرکاء ان کو مؤمنین کی طرح عذاب سے نجات یافتہ بنا دیں گے اور مؤمنین کی مثل ثواب عطا کریں گے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آیا ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا یہ مذہب ہے کہ آخرت میں مسلمین اور مجرمین جزاء میں برابر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اس دعویٰ پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھے O (القلم: ٤٣۔٤٢)

''یوم یکشف عن ساق'' میں ''ساق'' کا لغوی معنیٰ

اس آیت میں ''کشف ساق'' (پنڈلی کھولنے) کا ذکر ہے' پنڈلی کھولنے کے لغوی معنیٰ حسب ذیل ہیں:

ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان جو جگہ ہے اس کو ''ساق'' کہتے ہیں اور ''کشفِ ساق'' شدت اور سختی سے کنایہ ہے' جب کسی معاملہ کی شدت اور ہولناکی کی خبر دینا ہو تو ''ساق'' کا ذکر کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ (القیامہ: ٢٩) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی O

یعنی دنیا کی آخری شدت' روزِ قیامت کی پہلی شدت سے لپٹ جائے گی۔

جب جنگ شدید ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''قامت الحرب علی ساق'' جنگ اپنی پنڈلی پر کھڑی ہوگئی۔ سو اس سے مراد روزِ قیامت کی شدت ہے۔ (المفردات ج ٢ ص ٥٥٨' مکتبہ نزارِ مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

زیادہ اہم کام کو کرتے وقت لوگ شلوار کو اڑس کر پنڈلی کو کھولتے ہیں یعنی قیامت کے دن جب اہم کام کیا جائے گا اور زجر و توبیخ کے لیے منافقوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

''ساق'' کسی چیز کی اصل کو کہتے ہیں جس پر وہ قائم ہو' جیسے درخت کے تنے اور انسان کی ٹانگ کو ''ساق'' کہتے ہیں' یعنی جب تمام لوگوں کے اعمال کی اصل کو کھولا جائے گا اور تمام حقائق منکشف ہو جائیں گے۔

''یوم یکشف عن ساق'' کی تفسیر میں احادیث' آثار اور اقوالِ تابعین

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ'' (القلم:۴۲) کی تفسیر میں فرمایا: ''ساق'' سے مرادِ نورِ عظیم ہے' سب لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر جائیں گے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۲۸۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں روح بن جناح ہے جو قوی نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۷ص ۱۲۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس دن ہمارا رب اپنی ''ساق'' (پنڈلی) کو کھولے گا تو ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت اس کو سجدہ کریں گے اور وہ لوگ باقی رہیں گے جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لیے عبادت کرتے تھے' وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی کمر لوٹ کر ایک طباق (یا تختہ) کی طرح ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۸۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اہل علم کے دو قول ہیں:

(۱) متقدمین کا مسلک یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر ایمان رکھنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پنڈلی سے وہ معنیٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تاویل کی جائے گی اور اس میں وہی شخص تاویل کر سکتا ہے جو عربی زبان کا جاننے والا ہو اور اصول اور فروع کا عارف ہو' اس بناء پر انہوں نے کہا: اس آیت میں ''ساق'' سے مراد شدت ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت اور ہولناک چیزوں کو کھول دے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے' اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''ساق'' سے مراد نورِ عظیم ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۲۸۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد حجابات ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین کے لیے کھول دے گا' اور ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ حجاب کھول دے گا' تو جو شخص بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہو گا وہ سجدہ میں گر جائے گا' علامہ ابن جوزی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین سے سختیوں کو کھول دے (دور کر دے گا) تو وہ سجدۂ شکر بجا لائیں گے اور وہ بھی حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۲۸۳) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ چالیس سال تک اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہیں گے' اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی ''ساق'' کو کھولے گا اور ان پر تجلی فرمائے گا۔

اس حدیث میں ہے کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت تو دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مکلف ہونے کی حیثیت سے سجدہ نہیں کریں گے بلکہ حصولِ لذت کے لیے اور حصولِ تقرب کے لیے سجدہ کریں گے۔

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ القلم:۴۲ میں ہے: اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے' کیونکہ ان کی کمر تختے کی طرح ہو جائے گی اور مڑ نہیں سکے گی' بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو کام انسان کی طاقت میں نہ ہو انسان کو اس کا مکلف کرنا جائز ہے' لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آخرت دارِ تکلیف نہیں ہے اور اس سے مراد ان کا امتحان لینا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۳۷۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کی پیروی کرے جس کی وہ دنیا میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس اعلان کے بعد جس قدر لوگ بھی اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کی عبادت کرتے تھے سب جہنم میں جا کر گریں گے اور صرف وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' خواہ نیک ہوں یا بد اور کچھ لوگ اہل کتاب میں سے بھی باقی رہیں
13 گے' پھر یہود کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا: تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو' اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی بیٹا ہے' اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے رب! ہم پیاسے ہیں' ہم کو پانی پلا دے' پھر ان سے اشارے سے کہا جائے گا: تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا' وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی' پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس چیز کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو' اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے' پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم بہت پیاسے ہیں' ہمیں پانی پلا دے۔ ان سے اشارے سے کہا جائے گا: تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا' وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی' پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

یہاں تک کہ صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' خواہ نیک ہوں یا بدکار' پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایک ایسی صورت بھیجے گا جس صورت کو وہ دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے جانتے ہوں گے (کہ یہ ان کا رب نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ ہر گروہ اپنے معبود کے ساتھ جا چکا۔ مسلمان عرض کریں گے: اے بارِ الٰہ! ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ رہے حالانکہ ہم ان کے سب سے زیادہ محتاج تھے اور ہم نے ان لوگوں کا کبھی ساتھ نہیں دیا' اس صورت سے آواز آئے گی: میں تمہارا رب ہوں' مسلمان کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے' مسلمان یہ کلمات دو یا تین بار دہرائیں گے' یہ ایسا وقت ہو گا کہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگانے لگیں گے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہو؟ مسلمان کہیں گے: ہاں' پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائے گا' اس منظر کو دیکھ کر جو شخص بھی دنیا میں محض اللہ کے خوف اور اس کی رضا کے لیے سجدہ کرتا ہے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی' اور جو شخص کسی دنیاوی خوف یا ریاکاری کے لیے دنیا میں سجدہ کرتا تھا' اس کو سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی' اس کی پیٹھ ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور جب بھی وہ سجدہ کرنا چاہے گا اپنی پیٹھ کے بل گر جائے گا' پھر مسلمان اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ اسی صورت میں ہو گا جس صورت میں انہوں نے اسے پہلے دیکھا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' مسلمان کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے' پھر جہنم کے اوپر پل صراط بچھا دیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی۔ (الحدیث بطولہ)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٣٩٧-٤٥٨١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٣)

اللہ تعالیٰ کا کسی صورت میں تجلی فرمانے کا بیان

اللہ تعالیٰ پہلے ایک صورت میں ظاہر ہو گا جس کو دیکھ کر مسلمان انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تو ہمارا رب نہیں ہے' پھر ایک اور صورت میں ظاہر ہو گا تو مسلمان پہچان لیں گے۔

شروع میں منافقین مسلمانوں کے ساتھ شامل رہیں گے اور مسلمانوں کو اپنے لیے ڈھال بنا لیں گے' جس طرح دنیا میں یہ

معمول تھا' بعد میں حوضِ کوثر پر منافقین کی چھانٹی کردی جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''سحقاً سحقاً'' (دور رہو دور رہو) فرما کر انہیں مسلمانوں سے الگ کر دیں گے' یا اس موقع پر جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ'' (یٰسٓ: ۵۹) اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا پہلے ایسی صورت میں ظاہر ہونا جس کا مؤمنین انکار کر دیں اور دوبارہ ایسی صورت میں ظاہر ہونا جس صورت کو دیکھ کر مؤمنین اس کو رب مان لیں' اس کی تشریح کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے' ہم اس حدیث پر ایمان لاتے ہیں' اس کے منشاء اور مطلب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض کرتے ہیں اور متاخرین میں سے قاضی عیاض وغیرہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کی صورت پیش کرے گا جس صورت سے اس کے حادث اور مخلوق ہونے کے آثار ظاہر ہوں گے' اس لیے مؤمنین اس صورت کو دیکھ کر کہہ دیں گے: یہ ہمارا رب نہیں ہے' بعد میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی ایک صفت منکشف فرمائے گا (اس صفت کو حدیث میں صورت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکل اور صورت سے پاک ہے) اور یہ ایسی صفت ہوگی جو مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کے مشابہ نہ ہوگی اور نہ اس پر آثار حدوث ظاہر ہوں گے' اس لیے اس صفت کی تجلی کو دیکھ کر تمام مسلمان پکار اٹھیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے کیونکہ ان کا اعتقاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہے' لہٰذا جب وہ ایک بے مثل صفت کو دیکھیں گے تو پہچان لیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے۔

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا: پہلی بار جو صورت نظر آئے گی اس میں قیامت کی ایسی ہولناکیاں نظر آئیں گی' جیسی دہشت ناک ہولناکیاں انہوں نے کبھی دنیا میں بھی نہ دیکھی ہوں گی' اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم اس سے خدا کی پناہ میں آتے ہیں' اس کے بعد جو صورت نظر آئے گی اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی تجلیات ہوں گی جن کو دیکھ کر ان کا خوف اور دہشت دور ہو جائے گی اور یہی وہ صورت ہے جس کو ''کشف ساق'' (پنڈلی منکشف کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے بے مثال لطف و کرم کی تجلیات دیکھیں گے تو بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ یہی ہمارا رب ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی صورت میں مسلمانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ یہ بات پیدا کر دے کہ یہ صورت ان کا رب نہیں ہے اور وہ اپنے وجدان سے انکار کر دیں اور دوسری صورت جب نظر آئے جو واقعی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہ بات پیدا کر دے کہ وہ واقعی ان کا رب ہے اور وہ اپنے وجدان کی بناء پر کہیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا محشر میں دیدار بطورِ امتحان ہوگا اور جنت میں دیدار بطورِ انعام ہوگا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۱۰۰۹۔ ۱۰۰۸' مکتبہ نزارِ مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

القلم: ۴۳ میں فرمایا: ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھے O

جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے وعید

کفار اور منافقین کو بہ طور عبادت یا بہ طور مکلف ہونے کے' سجدہ کے لیے نہیں بلایا جائے گا بلکہ بہ طور زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) اور دنیا میں سجدہ نہ کرنے پر ملامت کرنے کی وجہ سے ان کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کی قدرت کو ان سے سلب کر لے گا' حتیٰ کہ ان کو دنیا میں اپنے کفر اور نفاق پر شدید ندامت اور حسرت ہوگی' ان کی آنکھیں اس لیے جھکی ہوئی ہوں گی کہ جس کو مالک نے دائمی غلامی کے لیے رکھا ہو اور وہ غلام اپنے آقا کی خدمت سے اعراض کرے تو وہ

سب کی نگاہوں میں ذلیل اور شرمسار ہو جاتا ہے اور یہ منافقین جب دنیا میں تندرست تھے اور ان کو اذان اور اقامت کے ذریعہ نماز کے لیے بلایا جاتا تھا تو یہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے تھے' کفار اور منافقین سے قطع نظر اس میں ان مسلمانوں کے لیے بھی وعید ہے جو اذان سننے کے باوجود نماز پڑھنے کے لیے مسجدوں میں نہیں جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس کلام کے جھٹلانے والے کو مجھ پر چھوڑ دیجئے' ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف) کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوگا O اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے جس کو وہ لکھ رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا O اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے O پس ان کے رب نے ان کو عزت والا بنا دیا اور صالحین میں سے کر دیا O اور بے شک کفار سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ کو پھسلا دیں گے' وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے O حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O (القلم: ۵۲۔۴۴)

استدراج کا معنیٰ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی شدت اور ہولناکی سے ڈرایا تھا' اس آیت میں ان کو اور زیادہ ڈرایا اور اپنے قہر اور اپنی قدرت کا ذکر فرمایا اور فرمایا: آپ ان کو میرے سپرد کر دیجئے' میں ان کے لیے کافی ہوں یعنی ان کی زیادتیوں کا انتقام لینے کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیں' مجھے معلوم ہے کہ ان کو کیسی سزا دینی چاہیے اور میں اس سزا کو دینے پر قادر ہوں۔

اس آیت میں ''سنستدرجھم'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر استدراج ہے' اس کا معنیٰ ہے: ہم ان کو بہ تدریج عذاب کی طرف لے جا رہے ہیں' عطا نے کہا: ہم ان کے ساتھ ایسی خفیہ تدبیر کرنے والے ہیں کہ ان کو اس کا پتا بھی نہیں چلے گا' کلبی نے کہا: ہم ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا دیں گے' پھر ہم ان کو گرفت میں لے لیں گے' ضحاک نے کہا: جب وہ کوئی نیا گناہ کرتے ہیں تو ہم ان کو نئی نعمت عطا کرتے ہیں۔ سفیان نے کہا: ہم ان پر اپنی نعمتوں کے دریا بہاتے ہیں اور ان کو اس کا شکر ادا کرنے سے غفلت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

القلم: ۴۵ میں فرمایا: اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر

یعنی ان کے مسلسل گناہوں کے باوجود ان کی زندگی دراز کرتا اور ان کی روح قبض کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور اس کو خفیہ تدبیر اس لیے فرمایا کہ یہ بھی صورۃً استدراج ہے' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ (آل عمران: ۱۷۸) ہم ان کو اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ تا کہ یہ اور زیادہ گناہ کریں۔

القلم: ۴۷۔۴۶ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے جس کو وہ لکھ رہے ہیں O

آپ جو ان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تو اس دعوت کو قبول کرنا ان پر کیوں دشوار ہو رہا ہے' آپ ان

سے اس دعوت کے عوض کوئی مال تو نہیں مانگ رہے پھر یہ کیوں بدک رہے ہیں' بلکہ اگر یہ اس دعوت کو قبول کر کے ایمان لے آئیں تو ان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہوگی۔

کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں' ان کا یہ انکار کس بنیاد پر ہے' کیا ان کو غیب کا علم ہے یا ان پر وحی نازل ہوئی ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غیب سے اس آیت میں مراد لوحِ محفوظ ہے' تو کیا جن چیزوں میں یہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو انہوں نے لوحِ محفوظ میں پڑھ لیا ہے اور اس سے ان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آپ سے افضل ہیں اور آخرت میں ان کا اجر و ثواب مسلمانوں کے اجر و ثواب کی مثل ہوگا۔

القلم: ۴۸ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے' اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا○

آپ کا رب آپ کو اپنا پیغام پہنچانے کا جس طرح حکم دے آپ اس پیغام کو پہنچاتے رہیے۔

قتادہ نے کہا: آپ جلدی نہ کریں اور کفار کی دل آزار اور دل خراش باتوں پر غیظ و غضب میں نہ آئیں' اور ایک قول یہ ہے کہ آیتِ جہاد کے نازل ہونے سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں' یعنی جس طرح وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے سے جلدی غضب میں آ گئے تھے' اور جلدی میں اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے' آپ اس طرح نہ کریں۔

اور فرمایا: جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا' یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب کو پکارا اور کہا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○'' (الانبیاء: ۸۷)۔

اس آیت میں ''مکظوم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ غم سے پُر تھے اور عطا اور ابو مالک نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: وہ کرب اور بے چینی سے پُر تھے یا ان کا سانس گھٹ رہا تھا' کہتے ہیں: ''کظم فلان غیظه'' فلاں شخص نے اپنا غصہ روک لیا۔

القلم: ۵۰۔۴۹ میں فرمایا: اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو وہ ضرور وصفِ مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے○ پس ان کے رب نے ان کو عزت والا بنا دیا اور صالحین میں سے کر دیا○

حضرت یونس علیہ السلام پر نعمت کے تدارک کی تفصیل اور ان کے مذموم نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی' یعنی ان کی اجتہادی خطا کی تلافی نہ کرتی' ان کی اجتہادی خطا یہ تھی کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر چلے گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' جب کہ نبی پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل رابطہ رکھے' لیکن ان پر جو اللہ عزوجل کی نعمت تھی' اس نے ان کی اس اجتہادی خطا کا تدارک کر دیا' اس نعمت کی متعدد تفسیریں ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے' ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ان کی سابقہ عبادات ہیں' ابن زید نے کہا: ان کا یہ پکارنا ہے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○'' (الانبیاء: ۸۷)۔ ابن بحر نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکالنا ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کو توبہ کی توفیق دینا اور ان کی توبہ قبول فرمانا ہے' پھر فرمایا: اگر ان پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ان کو مذموم حالت میں کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: لیکن ان پر اللہ کی نعمت تھی اس لیے ان کو غیر مذموم حالت میں بہت کمزوری اور لاغری کے ساتھ کھلے ہوئے میدان میں ڈال دیا گیا۔

اس آیت میں ''العراء'' کا لفظ ہے ایسا کھلا ہوا میدان جس میں نہ پہاڑ ہوں اور نہ درخت ہوں' ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر ان پر اللہ سبحانہٗ کا فضل نہ ہوتا تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے' اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۴۔۱۴۳) پس اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ○

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پسندیدہ اور مختار بنالیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وحی کا رابطہ بحال کر دیا اور ان کے حق میں ان کی دعا اور ان کی قوم کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائی۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وصف مذمومیت کے ساتھ ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا لیکن جب کہ ان کو یہ نعمت حاصل تھی تو ان کو وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں نہیں ڈالا گیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر اللہ کی نعمت ان کو حاصل نہ ہوتی تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے' پھر ان کو وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا' لیکن چونکہ انہیں اللہ کی رحمت حاصل تھی اس لیے ایسا نہیں ہوا۔

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذموم ہونے کا ذکر فرمایا ہے' کیا یہ ان کے گناہ کرنے کی دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے: بلکہ اس آیت میں ان کے مذموم نہ ہونے کا ذکر ہے کیونکہ فرمایا: اگر ان کو اللہ کی نعمت شامل نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے' اور چونکہ ان کو اللہ کی نعمت شامل تھی اس لیے وہ مذموم نہ تھے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مذمومیت سے مراد ترک افضل ہو کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

القلم: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک کفار سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ کو پھسلا دیں گے' وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے ○

کفارِ مکہ کا آپ پر نظر لگانے کی ناکام کوشش کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت کی خبر دی ہے' انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگا دیں' پھر قریش کی ایک جماعت نے آپ کو نظر لگائی اور کہنے لگے: ہم نے ان کی مثل کوئی شخص دیکھا ہے نہ ان کے محافظوں کی مثل کوئی شخص دیکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو اسد والے نظر لگاتے تھے حتیٰ کہ کوئی فربہ گائے یا موٹی تازی اونٹنی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتی تو وہ اس کو نظر لگاتے' پھر اپنی باندی سے کہتے کہ ٹوکری لے کر جاؤ اور دراہم لے کر جاؤ اور اس اونٹنی کا گوشت لے آنا' پھر شام ہونے سے پہلے وہ اونٹنی مر جاتی اور ذبح کر دی جاتی۔ کلبی نے کہا: عرب کا ایک شخص دو تین دن کھانا نہیں کھاتا تھا پھر اس کے پاس سے کوئی اونٹ یا بکرا گزرتا تو وہ کہتا: میں نے اس سے زیادہ خوب صورت اونٹ یا بکرا اس سے پہلے نہیں دیکھا' پھر تھوڑی ہی دیر گزرتی تھی کہ وہ اونٹ یا بکرا گر کر ہلاک ہو جاتا تھا' کفارِ مکہ نے اس شخص سے کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائے' اس نے حامی بھر لی' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عرب جب کسی کی جان یا مال پر نظر لگانا چاہتے تو تین دن بھوکے رہتے' پھر اس کی جان یا مال پر نظر لگا کر کہتے: اللہ کی قسم!

میں نے اس سے زیادہ قوی' بہادر اور اس سے زیادہ مال دار شخص کوئی نہیں دیکھا' پھر وہ شخص ہلاک ہو جاتا اور اس کا مال ہلاک ہو جاتا' اسی وجہ سے فرمایا: جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو یہ آپ کو مجنون کہتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ آپ کو نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو پھسلا دیں' الھروی نے اس کی تفسیر میں کہا: وہ آپ پر اس لیے نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو اس مقام سے گرا دیں جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قائم کیا ہے' سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ آپ پر اس لیے نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو تبلیغِ رسالت کے منصب سے ہٹا دیں' حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: وہ اس لیے آپ پر نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو ہلاک کر دیں۔

جس شخص پر نظر لگی ہو اس پر اس آیت کو پڑھ کر دَم کر دیا جائے تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کو نظر کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

القلم: ۵۲ میں فرمایا: حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O

قرآن مجید کے مضامین سے اس کے اثر جنون ہونے کا ابطال

جس قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنون کی دلیل ہے' یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے' اور ان کے ذہنوں میں جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کے دلائل ہیں' یہ اس پر متنبہ کرتا ہے' اس میں دنیا کی صالح حیات کا اور اخروی فوز و فلاح کا دستور العمل ہے' ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ریاست کو معاشرتی برائیوں سے پاک رکھنے اور معاشرتی خوبیوں کے ساتھ مزین کرنے کے اصول اور آداب ہیں' اس میں حکمتِ نظریہ اور حکمتِ عملیہ ہے' مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کی پیش گوئیاں ہیں' غیب کی خبریں ہیں' سابقہ نبیوں اور ان کی امتوں کے واقعات ہیں' اس کی عبارت کی فصاحت و بلاغت معجز ہے اور بڑے سے بڑا ادیب اس کلام کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہا' ایسا کلام پڑھنے والے کو یہ کفار مجنون کہتے ہیں اور اس کلام کو جنون کا اثر کہتے ہیں جب کہ یہ کلام سراسر تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور اس کلام کو پڑھنے والا بھی مجسم نصیحت ہے۔

سورۃ القلم کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۵ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ القلم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۷ مارچ کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح آٹھ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو تا روزِ قیامت باقی اور اثر آفریں رکھیں' اس کو موافقین کے لیے موجبِ استقامت و طمانیت اور مخالفین کے لیے سببِ ہدایت بنا دیں۔ میری' میرے والدین' میرے اعزہ' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' میرے احباب' اس کتاب کے ناشر' اس کے معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائیں اور ہم سب کو دارین کی مشکلات اور مصائب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین کی کامیابیوں' کامرانیوں اور سعادتوں کو ہمارا مقدر بنا دیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین
اکرم الاولین والاٰخرین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ
وذریاتہٖ واولیاء امتہٖ وعلماء ملتہٖ وامتہٖ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم علٰى رسوله الكريم

سورة الحاقة

سورت کا نام وغیرہ

اس سورت کا نام الحاقۃ ہے' کیونکہ اس سورت کو اسی نام کے سوال کے ساتھ شروع کیا گیا ہے جیسا کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ہے:

اَلۡحَآقَّةُ ۙ مَا الۡحَآقَّةُ ۚ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّةُ ؕ (الحاقۃ: ۳۔۱) ضرور واقع ہونے والی ○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟ ○ ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں ○

''الحاقة'' قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحاقۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ الحاقۃ اور اس کی مثل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۴۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا' آپ مجھ سے پہلے مسجد کی طرف جا چکے تھے' میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' آپ نے سورۃ الحاقۃ پڑھنی شروع کر دی' مجھے قرآن مجید کی عبارت سے بہت تعجب ہوا' میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! یہ ضرور شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں' تب آپ نے یہ آیات پڑھیں:

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۚ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ۙ (الحاقۃ: ۴۱۔۴۰) بے شک یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے ○ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم لوگ بہت کم ایمان لاتے ہو ○

پھر مجھے خیال آیا کہ آپ کاہن ہیں' تب آپ نے یہ آیات پڑھیں:

وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ (۴۳۔۴۲) اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے ○ یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○

آپ نے آخر تک سورۃ الحاقۃ پڑھی اور اس واقعہ سے اسلام کی صداقت میرے دل میں بیٹھ گئی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۲۔ رقم الحدیث: ۱۰۷' مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں مگر شریح بن عبید کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں ہوئی' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۲)

مسلمانوں نے ۵ ہجری کے بعد مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد ٦ ھ میں اسلام لائے تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۵ ہجری سے پہلے کا واقعہ ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٦٩ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٧٧ ہے' یہ سورۂ تبارک الذی کے بعد اور سورۃ المعارج سے پہلے نازل ہوئی۔

سورت الحاقہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر ہے اور مکذبین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا گیا ہے۔

☆ کفارِ مکہ کو یاد دلایا ہے کہ سابقہ امتوں کے کافروں نے دنیا میں عذاب واقع ہونے کی تکذیب کی تو ان پر دنیا میں عذاب نازل کیا گیا' اس کے علاوہ ان کو آخرت میں بھی عذاب ہوگا' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور شرک کرتے تھے ان کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔

☆ جو لوگ اسلام لائے ان کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق ہونے سے بچالیا اور اس میں بنی نوع انسان پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل باقی رکھی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس الزام سے برأت ذکر کی ہے کہ آپ نے رسالت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی اس سے برأت بیان کی ہے کہ وہ جھوٹے رسول کو اس کے جھوٹے دعویٔ رسالت پر برقرار رکھے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دینے میں جو مشکلات اور تکالیف پیش آتی تھیں' ان میں آپ کو صبر واستقامت کی تلقین کی ہے۔

☆ قرآن مجید میں ایمان نہ لانے پر عذاب کی جن وعیدوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان سے کفارِ مکہ کو ڈرایا ہے۔

☆ قیامت کے دن مؤمنین اور کفار کے احوال مختلف ہوں گے' مؤمنین کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کفار کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی وحی ہے' یہ کسی شاعر کا قول ہے نہ کسی کاہن کا قول ہے۔

☆ اس سورت کے اختتام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٔ رسالت پر دلیل قائم فرمائی کہ اگر آپ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوتا تو ہم آپ کی رگِ حیات کاٹ دیتے۔

سورۃ الحاقہ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کر رہا ہوں کہ اے میرے اور اس کائنات کے رب! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا' اور دلائل سے حق اور صواب کو واضح کرنے اور باطل اور ناصواب کو رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا کرنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۵ صفر ۱۴۲۶ھ/ ٢٦ مارچ ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

(۶۹) سورۃ الحاقۃ مکیۃ (۷۸) | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۵۲ رکوعاتہا ۲

سورۃ الحاقۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳

ضرور واقع ہونے والی ۝ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟ ۝ ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟ ۝

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا ۝ رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ

بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶

سے ہلاک کر دیا گیا ۝ اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ۝

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى

(اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا، پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے

الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ

کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے ۝ کیا اب

تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَ

تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟ ۝ اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور وہ جن کی

الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

بستیاں الٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے ۝ سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے

اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱

ان کو شدید پکڑ میں لے لیا ۝ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا ۝

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ

تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں ۝ پس جب صور

فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی ○

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ

اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کم زور ہو گا ○ اور فرشتہ

عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

اس کے کناروں پر ہو گا' اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ

اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے ○ اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے تم میں سے کوئی چھپنے والا

خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ

چھپ نہیں سکے گا ○ سو جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا:

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾

آؤ میرا نامۂ اعمال پڑھو ○ مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے ○

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا

پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا ○ بلند جنت میں ○ جس کے پھلوں

دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ

کے خوشے جھکے ہوئے ہیں ○ خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام

الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۥ فَيَقُوْلُ

میں بھیجے تھے ○ اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' پس وہ کہے گا:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾

کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا O اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے O

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾

کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی O میرا مال میرے کسی کام نہ آیا O

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ

میرا غلبہ جاتا رہا O اسے پکڑو پھر اس کو طوق پہنا دو O پھر اس کو دوزخ میں

صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

جھونک دو O پھر اس کو ستر ہاتھ پیمائش کی زنجیر

فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾

میں جکڑ دو O بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا O

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O پس آج یہاں نہ

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ

اس کا کوئی دوست ہے O اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا کوئی طعام ہے O جس کو

ع ۱ ۳۲ ۵ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ضرور واقع ہونے والیO ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟O ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟O ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی کو جھٹلایاO رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیاO اور رہے عاد تو ان کو ایک گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیاO (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا، پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئےO کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آرہا ہے؟O (الحاقہ: ۸۔۱)

''الحاقة'' کا معنیٰ اور قیامت کو ''الحاقة'' فرمانے کی وجوہ

''الحاقة'' سے مراد قیامت ہے اور اس کو ''الحاقة'' فرمانے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ''الحاقة'' حق کا اسم فاعل ہے اور حق کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی حقیقت کو ثابت کرنا اور قیامت کے دن ہر چیز کی حقیقت ثابت ہو جائے گی۔

(۲) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: جو چیز ہونے والی ہو اور ثابت ہو اور قیامت کا واقع ہونا واجب ہے' اس لیے اس کو ''الحاقة'' فرمایا۔

(۳) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: جس چیز کا صدق واجب ہو اور قیامت کے دن ثواب اور عذاب کا وقوع ہو گا' سو قیامت کے دن ثواب اور عذاب کا صدق واجب ہو گا۔

(۴) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: جو چیز برحق ہو اور اس کا ثبوت یقینی ہو اور قیامت برحق ہے' اس کا ثبوت یقینی ہے۔

(۵) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: وہ حادثہ جس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہو اور قیامت کے متعلق فرمایا:

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ (الواقعہ:۲) اس کے وقوع کا کوئی جھٹلانے والا نہیں ہے ۝

(۶) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: وہ ساعت جس میں جزاء کا وقوع برحق ہے اور قیامت کے دن ہر نیک اور بد کو اپنی اپنی جزا ملے گی۔

(۷) ''الحاقة'' کا معنیٰ ہے: جس کا لوگوں پر وقوع برحق ہے۔

(۸) زجاج نے کہا: اس دن تمام مکلفین کے اعمال کے آثار حق ہو جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے عمل کا اثر برداشت کرنا ہو گا۔

(۹) زہری نے کہا: جو شخص بھی روزِ قیامت کا منکر تھا' اس پر قیامت کا برحق ہونا واضح ہو جائے گا۔

(۱۰) ابو مسلم نے کہا: اس دن آپ کے رب کے کلمات کا برحق ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

الحاقہ:۲ میں فرمایا: الحاقہ کیا چیز ہے! یہ اس کی بڑائی اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا' اس کی مثل یہ آیت ہے:

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ (القارعہ:۳۔۱) دہلانے والی ۝ دہلانے والی کیا چیز ہے؟ ۝ اور آپ کیسا جانتے ہیں کہ دہلانے والی کیا چیز ہے؟ ۝

الحاقہ:۳ میں فرمایا: ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟ ۝

یعنی ابھی آپ کو قیامت کی عظمت اور شدت کا علم نہیں ہے' یعنی قیامت کی ہولناکیاں اتنی شدید ہیں کہ کسی کی سوچ اور وہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اور کوئی سوچنے والا اپنے تخیل سے قیامت کی ہولناکیوں کی شدت کا جتنا بھی اندازہ کرے گا' قیامت کی شدت اس سے کہیں زیادہ ہو گی' اسی طرح ''القارعة'' کا معنیٰ ہے: وہ جو خوف سے لوگوں کا دل دہلا دے گی' آسمان پھٹ جائیں گے' زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ رہے ہوں گے اور ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے گی۔

الحاقہ:۴ میں فرمایا: ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا ۝

اس آیت سے اہل مکہ کو ثمود اور عاد کے عذاب سے ڈرایا ہے' اگر تم نے بھی قیامت کو جھٹلایا تو تم پر بھی ایسا ہی عذاب آئے گا۔

الحاقہ:۵ میں فرمایا: رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ۝

قوم ثمود کی عذاب سے ہلاکت

اس آیت میں "طاغیۃ" کا لفظ ہے "طاغیۃ" کا معنی ہے: جو چیز شدت اور قوت میں حد سے متجاوز ہو اور "طاغیۃ" کا موصوف محذوف ہے اور وہ "صیحۃ" ہے اس کا معنی ہے: آواز اور چیخ یعنی وہ ایسی چیخ تھی جو تمام چیخوں سے قوت اور شدت میں حد سے زیادہ تھی اور وہ خوفناک چنگھاڑ تھی' اللہ تعالیٰ نے اس چنگھاڑ کی اثر آفرینی کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَکَانُوۡا کَہَشِیۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ○ (القمر: ۳۱) ہم نے ان پر ایک چنگھاڑ بھیجی پھر وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس ہو ○

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "طاغیۃ" سے مراد بجلی کی کڑک ہے یعنی وہ حد سے زیادہ ہولناک کڑک تھی۔

بعض مفسرین نے کہا کہ "طاغیۃ" طغیان سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: سرکشی' یعنی قوم ثمود کو ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا کیونکہ قوم ثمود نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ قوم ثمود کو ایک سرکش گروہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا' جس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں کو کونچیں کہتے ہیں) جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے' اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی جس کے نیچے قدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا' جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نام کے ایک شخص نے اس کی پنڈلی پر تاک کر تیر مارا اور قدار نے تلوار سے اس کی کونچیں کاٹ دیں' اونٹنی کو ہر چند کہ دو آدمیوں نے مل کر قتل کیا تھا لیکن چونکہ پوری قوم ثمود اس سرکشی' شرارت اور بغاوت میں ان کے ساتھ تھی' اس لیے اس سرکشی کی وجہ سے پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔

الحاقہ: ۷۔۶ میں فرمایا: اور رہے عاد تو ان کو ایک گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا ○

قوم عاد کی عذاب سے ہلاکت

اس آیت میں "ریح" "صرصر" اور "عاتیہ" کے الفاظ ہیں' "ریح" کے معنی ہیں: آندھی اور "صرصر" کے معنی ہیں: بہت تند و تیز آندھی جس کے چلنے سے صرصر کی آواز آ رہی ہو' گرم لو اور بادِ سموم کو بھی "صرصر" کہتے ہیں جو مہلک ہوتی ہے' سخت سرد ہوا کو بھی "صرصر" کہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ سخت سرد ہوا کے لیے اس کا استعمال عام ہے۔

(لسان العرب ج ۸ ص ۲۲۴' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

"عاتیۃ" کا معنی ہے: حد سے متجاوز' یہ بادِ صرصر کی صفت ہے' جو قوم عاد پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بھیجی گئی تھی' یہ ہوا اس قدر تیز تھی کہ فرشتوں کے کنٹرول سے باہر تھی' یہ یخ اور زناٹے دار ہوا تھی جس نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

پھر فرمایا: (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا ○

اس آیت میں "سخرھا" کا لفظ ہے' مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: اس آندھی کو ان پر مسلط کر دیا' دوسرے مفسرین نے کہا: اس آندھی کو ان کے اوپر بھیج دیا اور یہ سب اللہ کی تقدیر اور اس کی قدرت سے ہوا' اور اس میں "حسوما" کا لفظ ہے یعنی ان سات راتوں اور آٹھ دنوں میں وہ آندھی مسلسل چلتی رہی' "حسوم" کا لفظی معنی ہے: کاٹنے والی' اسی وجہ سے تلوار کو حسام کہتے ہیں اور یہ آندھی بھی ان کی روح اور جسم کا رشتہ کاٹنے والی تھی اس لیے اس کو حسوم فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آندھی نے ان کی ہر خیر اور ہر برکت کو جڑ سے کاٹ دیا۔

اس کے بعد فرمایا: پس اے مخاطب! تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے O

اس آیت میں "صرعی" کا لفظ ہے' یہ "صریع" کی جمع ہے' مقاتل نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: وہ مر کر گر گئے اور وہ کھوکھلے تنوں کی طرح کھوکھلے ہیں اور ان کے اندر کچھ نہیں ہے' ایک اور جگہ فرمایا:

تَنۡزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ O (القمر: ۲۰) — وہ آندھی لوگوں کو اٹھا کر اس طرح پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اجسام کھجور کے تنوں کی طرح بہت لمبے اور قد آور تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آندھی نے ان کے لمبے لمبے جسموں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا' اور "الخاویة" کا معنیٰ ہے: کھوکھلے' اس کی توجیہ یہ ہے کہ آندھی ان کے منہ کے راستہ سے ان کے جسم کے اندر داخل ہوئی اور جسم کے اندر کا تمام گوشت پوست اور تمام اعضاء کو کاٹ کر سُرین کے راستے باہر نکال دیا' "الخاویة" کا معنیٰ بوسیدہ اور پرانا بھی ہے یعنی وہ لوگ زمین پر کھجور کے بوسیدہ درختوں کی طرح گر گئے۔

الحاقہ: ۸ میں فرمایا: کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے O

یعنی اب ان میں سے کوئی گروہ باقی ہے یا کوئی فرد باقی ہے' ابن جریج نے کہا: وہ سات راتیں اور آٹھ دن اللہ سبحانہٗ کے بھیجے ہوئے آندھی کے عذاب میں مبتلا رہے اور آٹھویں دن کی شام کو مر گئے' پھر آٹھویں دن آندھی نے ان کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيۡءٍۭ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ O (الاحقاف: ۲۵) — وہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی' ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O

یعنی سب گھر والے تباہ ہو گئے' صرف عبرت کا نشان رکھنے کے لیے ان کے گھر باقی رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے O سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو شدید پکڑ میں لے لیا O بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا O تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں O پس جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی O اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی O اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کمزور ہو گا O اور فرشتہ اس کے کناروں پر ہو گا O اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے O (الحاقہ: ۱۷۔۹)

دیگر امتوں کی ہلاکت

اور فرعون اور اس کے متبعین نے اس سے پہلے جو کفر کیا تھا' اور اس سے پہلے جن امتوں نے کفر کیا تھا اور وہ قوم جس کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں یعنی وہ قوم جس کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا' ان کو بھی ان کے کفر اور دیگر گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

الحاقہ: ۱۰ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو شدید پکڑ میں لے لیا O

ایک قول یہ ہے کہ اس رسول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے حضرت لوط علیہ السلام مراد ہیں اور یہ قول زیادہ قریب ہے' تب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو زبردست گرفت میں لے لیا۔

الحاقہ: ۱۲-۱۱ میں فرمایا: بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا O تا کہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں' اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے غضب سے وہ پانی محافظ فرشتوں کی طاقت سے باہر ہو گیا اور وہ اس کو روکنے پر قادر نہ ہو سکے' قتادہ نے کہا: وہ پانی ہر چیز سے پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پانی محافظ فرشتوں کی طاقت سے باہر ہو گیا اور وہ یہ نہ جان سکے کہ کتنا پانی نکل چکا ہے' اور اس سے پہلے پانی کا ایک قطرہ بھی ان کی پیمائش سے زیادہ نازل نہیں ہوتا تھا' ان قصوں کو بیان کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ پچھلی امتوں پر کس طرح عذاب نازل ہوتا رہا تھا اور کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ان کے طریقہ کی اقتداء کرنے سے باز رکھنا مطلوب ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مؤمنوں پر یہ احسان فرمایا کہ ان کو حضرت نوح کی کشتی میں سوار کر کے طوفان سے نجات دی۔

اس آیت میں کفار قریش کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم کو کشتی میں سوار کیا' اس کا محمل یہ ہے کہ کفار قریش کے آباء واجداد اس وقت ان لوگوں کی پشتوں میں تھے' جن کو کشتی میں سوار کیا تھا اس لیے یہ احسان کفار قریش پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کے کفار کو غرق کر دیا اور ان کی قوم کے مؤمنوں کو نجات دی' تا کہ یہ واقعہ تمہارے لیے نصیحت اور عبرت کی نشانی بن جائے' اور حفاظت کرنے والے کان اس نشانی کو سن کر اسے یاد رکھیں۔

الحاقہ: ۱۴-۱۳ میں فرمایا: پس جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی O اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

قیامت کے وقوع کی علامات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے صور میں پہلی بار پھونکنا مراد ہے جس سے قیامت قائم ہو جائے گی اور ہر شخص مر جائے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے دوسری بار پھونکنا مراد ہے لیکن یہ قول سیاق وسباق کے خلاف ہے۔

الحاقہ: ۱۴ میں زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھانے کا ذکر ہے' اس سے مراد یا تو وہ زلزلہ ہے جو قیامت کے دن آئے گا' یا اس سے مراد وہ زبردست آندھی ہے جو زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لے گی' یا کوئی فرشتہ اٹھا لے گا' یا بغیر ظاہری اسباب کے اللہ تعالیٰ ان کو محض اپنی قدرت سے اٹھا لے گا' پھر تمام زمینوں اور پہاڑوں پر ضرب لگائی جائے گی' پھر ان کے بعض' بعضوں کو ٹکر ماریں گے حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے پس کر باریک ریت کے ذرات اور بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے' ایک اور جگہ فرمایا:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ (الزلزال:۱) جب زمین پوری طرح لرز جائے گی O

الحاقہ: ۱۶-۱۵ میں فرمایا: پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی O اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کم زور ہو گا O

یعنی اس دن قیامت واقع ہو جائے گی اور فرشتوں کے نزول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن آسمان میں بالکل قوت نہیں ہو گی اور وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائے گا۔

اس آیت میں ''الــمــلك '' کا لفظ ہے' ہر چند کہ یہ واحد ہے لیکن اس سے ایک فرشتہ مراد نہیں ہے بلکہ فرشتوں کی جنس مراد ہے' نیز اس آیت میں ''الارجـاء'' کا لفظ ہے' اس کا لغوی معنیٰ ہے: نواحی اور اطراف' اور یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا تو فرشتے آسمان کے پھٹنے کی ہر جگہ سے انحراف کریں گے اور آسمان کی اطراف میں ٹھہرے ہوں گے۔

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ (الزمر:٦٨) اور صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ قیامت آنے کے بعد فرشتے بھی ہلاک ہو جائیں گے' پھر وہ آسمان کی اطراف میں کیسے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک لحظہ کے لیے آسمان کی اطراف میں ٹھہریں گے' پھر مر جائیں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے' اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عموم سے فرشتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہو۔

الحاقہ: ١٧ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے O

عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں کی تفصیل

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ جو فرشتے اطراف میں ہوں گے ان کے اوپر جو فرشتے ہیں وہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عام فرشتوں اور حاملین عرش کے درمیان امتیاز کر دیا جائے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ حاملین عرش اپنے سروں کے اوپر عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

حسن بصری نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ اس سے صرف آٹھ فرشتے مراد ہیں یا آٹھ ہزار فرشتے ہیں یا فرشتوں کی آٹھ صفیں مراد ہیں۔

امام رازی نے کہا: اس سے آٹھ فرشتوں کو مراد لینا چاہیے اور اس کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب وہ چار فرشتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ چار مزید فرشتوں سے ان کی تائید فرمائے گا تو یہ آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے: یہ آٹھ فرشتے ہیں جن کے پیر ساتویں زمین تک ہیں اور عرش ان کے سروں کے اوپر ہے اور یہ سر جھکائے ہوئے تسبیح کر رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٢٦' الکشف والبیان ج ١٠ ص ٢٦' النکت والعیون ج ٦ ص ٨٢' الجامع لاحکام القرآن جز ١٨ ص ٢٤٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے تم میں سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکے گا O سو جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو O مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے O پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا O بلند جنت میں O جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہیں O خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے O اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا O اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے O کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی O میرا مال میرے کسی کام نہ آیا O میرا غلبہ جاتا رہا O (الحاقہ: ٢٩۔١٨)

اللہ تعالیٰ کے سامنے مخلوق کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا جیسا کہ بادشاہ کے سامنے لشکر کو پیش کیا جاتا ہے تا کہ وہ ان

کے احوال کی باز پرس کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط . (الکہف:۴۸) اور وہ سب آپ کے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔

14 حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین مرتبہ لوگوں کو پیش کیا جائے گا' پہلی بار ان سے باز پرس ہوگی اور دوسری بار وہ اپنے عذر پیش کریں گے اور تیسری بار ان کے صحائف اعمال ان کے ہاتھ میں دیئے جائیں گے' نیک شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور بدکار کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۷' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۴)

پھر فرمایا: تم میں سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکے گا۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اس سے مخلوق کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے: جو چیزیں دنیا میں تم سے چھپی ہوئیں تھیں وہ قیامت کے دن چھپی ہوئی نہیں ہوں گی' مؤمنین کے تمام احوال اور اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے جس سے ان کو خوشی حاصل ہوگی اور کفار کی برائیاں ظاہر ہوں گی جس سے ان کی رسوائی ہوگی اور ان کو غم ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ط ○ جس دن پوشیدہ چیزوں کی جانچ پڑتال ہوگی ○ پھر اس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی نہ مددگار ○ (الطارق: ۱۰-۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا جو قیامت کے دن گاڑ دیا جائے گا' ثابت نے کہا: وہ قیامت کے دن دکھایا جائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۲)

الحاقۃ: ۱۹ میں فرمایا: سو جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' وہ کہے گا: آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو ○

اس آیت میں ''ھاءُ م'' کا لفظ ہے' ''ھا'' کا معنیٰ ہے: لو' پکڑو' اس کی گردان بھی آتی ہے' تثنیہ کے لیے ''ھاؤما'' اور جمع کے لیے ''ھاء موا'' اور میم اس میں اس طرح ہے جیسے ''انتما'' اور ''انتم'' میں ہے۔

''كِتٰبِيَهْ'' (الحاقۃ: ۱۹) ''حِسَابِيَهْ'' (الحاقۃ: ۲۰) ''مَالِيَهْ'' (الحاقۃ: ۲۸) اور ''سُلْطٰنِيَهْ'' (الحاقۃ: ۲۹) میں ''ھاء'' سکتہ کے لیے ہے' ان ''ھاءات'' کا قاعدہ یہ ہے کہ وقف کی حالت میں یہ ثابت رہیں گی اور وصل کی حالت میں ان کو ساقط کر دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۲۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الحاقۃ: ۲۰ میں فرمایا: (دائیں ہاتھ والا کہے گا:) مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے ○

لوگوں کا محشر میں تین بار اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جانا

اس یقین سے مراد وہ یقین ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے یعنی میں یہ گمان کرتا تھا کہ میرا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ میرے گناہوں پر گرفت فرمائے گا' پھر اللہ نے اپنے فضل سے مجھے معاف کر دیا اور اس نے گناہوں پر مجھے سزا نہیں دی۔

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو کھڑا کرے گا' پھر اس کو اس کے اعمال نامے میں اس کے گناہ دکھائے گا اور اس سے فرمائے گا: تم نے یہ کام کیے تھے؟ وہ کہے گا: ہاں! اے میرے

رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو ان کاموں سے رسوا نہیں کر رہا' میں نے تم کو بخش دیا ہے اور جب وہ بندہ یہ دیکھے گا کہ وہ قیامت کے دن کی رسوائی سے نجات پا گیا ہے تو اس وقت وہ یہ آیات پڑھے گا: "هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ" (الحاقہ: ٢٠۔١٩)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ١٠ ص ٣٣٧١۔ رقم الحدیث: ١٢٩٧٤' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

14

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی' پھر میں سامنے کی طرف دیکھوں گا تو امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور میرے پیچھے بھی اس کی مثل ہوگا اور میرے دائیں بھی اس کی مثل ہوگا اور میرے بائیں بھی اس کی مثل ہوگا' ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے لے کر آپ کی امت تک اتنی امتیں ہوں گی' آپ ان میں سے اپنی امت کو کس طرح پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا: میری امت وضو کے اثر سے غر محجل ہوگی (یعنی اس کے ہاتھ' پیر اور اس کا چہرہ سفید ہوگا) اور دوسری کوئی امت اس طرح نہیں ہوگی اور میں اس وجہ سے پہچانوں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور میں اس وجہ سے پہچانوں گا کہ ان کی اولاد ان کے آگے دوڑ رہی ہو گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ١٩٩ طبع قدیم' مسند احمد ج ٣٦ ص ٦٥۔ ٦٤۔ رقم الحدیث: ٢١٧٣٧' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤٢١ھ' المستدرک ج ٢ ص ٤٧٨' مسند البزار رقم الحدیث: ٣٤٥٧' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٣٢٥٨)

الحاقہ: ٢١ میں فرمایا: پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۝

"عیشة راضیة" میں مجاز عقلی کی نسبت

اس زندگی کو "راضیة" اس لیے فرمایا کہ وہ رضا کی طرف منسوب ہوگی' نیز اصل میں راضی تو وہ شخص ہوگا جو اس زندگی میں ہوگا پس زندگی کی طرف رضا کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے۔

آخرت میں جو اجر و ثواب ہوگا وہ اس لیے پسندیدہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اس رنج کی آزمائش نہیں ہوگی کہ کبھی یہ عیش ختم ہو جائے گا' اور وہ ثواب دائمی ہوگا اور اس عیش کے ساتھ تعظیم مقرون ہوگی' خلاصہ یہ ہے کہ وہ عیش جمیع جہات سے پسندیدہ ہو گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے' ان پر موت کبھی نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ صحت مند رہیں گے' کبھی بیمار نہیں ہوں گے اور ہمیشہ نعمت میں رہیں گے' کبھی رنجیدہ نہیں ہوں گے اور وہ ہمیشہ جوان رہیں گے' کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٣٧' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٤٦)

الحاقہ: ٢٤۔٢٢ میں فرمایا: بلند جنت میں ۝ جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہیں ۝ خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے ۝

جنت کی بلندی کی دو تفسیریں اور جنت کی نعمتوں کی تفصیل

یعنی جس شخص کی زندگی پسندیدہ ہوگی وہ بلند جنت میں ہوگا' اس بلندی سے مراد یا تو مکان کی بلندی ہے یا شرف اور مرتبہ کی بلندی ہے' اگر مکان کی بلندی مراد ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس جنت کے اوپر اور بھی جنتیں ہوں گی' پھر یہ بلند جنت کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلندی سے مراد اضافی بلندی ہے' حقیقی بلندی نہیں ہے اور جنت بہر حال آسمانوں اور زمینوں سے بلند ہے۔

جنت کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے تاکہ جنتی کا دل جب کسی خوشے سے پھل توڑ کر کھانے کو چاہے تو وہ

آسانی سے پھل توڑے‘ خواہ وہ اس وقت کھڑا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا لیٹا ہوا ہو۔

الحاقہ: ۲۴ میں فرمایا ہے: ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے‘ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے نیک کاموں کے سبب سے اجر وثواب ملتا ہے‘ حالانکہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے فضل سے اجر وثواب ملتا ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ اجر وثواب کا ظاہری سبب انسان کے نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے‘ اس کی تفصیل کئی بار گزر چکی ہے‘ دیکھئے الاعراف: ۴۳ کی تفسیر۔

الحاقہ: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا‘ پس وہ کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا O اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے O

رسوائی کے عذاب کا دوزخ کے عذاب سے زیادہ سخت ہونا اور کفار کا کف افسوس ملنا

جب کفار اور فساق اپنے صحائف اعمال میں اپنے بُرے کام دیکھیں گے تو شرمندہ ہوں گے اور دوزخ کے عذاب سے زیادہ ان کے لیے شرمندگی کا عذاب تکلیف دہ ہوگا‘ اور وہ کہیں گے: کاش! ہمیں دوزخ کا عذاب دیا جاتا اور ہمارے بُرے کام دکھا کر ہم کو شرمندہ نہ کیا جاتا‘ اس سے معلوم ہوا کہ روحانی عذاب جسمانی عذاب سے زیادہ سخت ہوتا ہے‘ اس لیے دوزخی کہے گا: کاش! مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے۔

الحاقہ: ۲۷ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کردیتی O

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ''یالیتھا'' کی ''ھا'' ضمیر دنیا کی پہلی موت کی طرف راجع ہے‘ ہر چند کہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے لیکن اپنے ظہور کی وجہ سے حکماً مذکور ہے‘ اور اس آیت میں ''القاضیۃ'' کا لفظ ہے‘ اس کا معنیٰ انتہا اور فراغت ہے‘ جیسے اس آیت میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ. (الجمعہ: ۱۰) پس جب نماز مکمل ہو جائے یا ختم ہو جائے۔

اسی طرح اس کا معنیٰ ہے: کاش! وہی موت میری انتہاء کردیتی اور مجھے فارغ کردیتی تو میں محشر میں نہ آتا۔

الحاقہ: ۲۸ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) میرا مال میرے کسی کام نہ آیا O ۔

یعنی کون سی چیز مجھ سے آخرت کے عذاب کو دور کر سکتی ہے جب میرا مال ہی میرے کام نہ آیا۔

الحاقہ: ۲۹ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) میرا غلبہ جاتا رہا۔

اس غلبہ کی دو تفسیریں ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کہے گا: میری وہ حجت میرے ہاتھ سے جاتی رہی جس سے میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف دنیا میں استدلال کرتا تھا‘ مقاتل نے کہا: اس کا یہ مطلب ہے کہ جب میرے ہاتھ‘ پاؤں اور دیگر اعضاء نے میرے خلاف گواہی دے دی تو میرے سارے عذر اور حیلے بہانے ہاتھ سے جاتے رہے۔

(۲) دنیا میں جو میرا ملک اور لوگوں پر میرا تسلط اور اقتدار تھا وہ میرے پاس نہ رہا اور اب میں بالکل ذلیل اور فقیر ہو گیا یا اس کا معنیٰ ہے: میں دنیا میں اپنے ملک اور اقتداء کی بناء پر اصحابِ حق سے مناقشہ کرتا تھا‘ اب وہ اقتدار نہ رہا اور اب میں نے اپنی ہٹ دھرمی کا خمیازہ بھگتنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسے پکڑو پھر اس کو طوق پہنا دو O پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو O پھر اس کو ستر ہاتھ پیمائش کی زنجیر میں جکڑ دو O بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا O اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O پس آج

یہاں نہ اس کا کوئی دوست ہےO اور نہ دوزخیوں کے پیپ کے سوا کوئی طعام ہےO جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گاO (الحاقہ: ۳۰۔۳۷)

کفار کو دوزخ میں ستر ہاتھ لمبی زنجیر سے جکڑ کر عذاب دینا

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیات میں پہلے آخرت میں مؤمنوں کے اجر وثواب' جنت میں ان کی پسندیدہ زندگی اور وسعت کے ساتھ کھانے اور پینے کا ذکر فرمایا' پھر کفار کے عذاب' ان کو طوق ڈالنے اور زنجیروں میں جکڑنے کا اور ان کے لیے دوزخیوں کی پیپ کے طعام کا ذکر فرمایا' اس کے بعد اب یہ بتایا کہ دوزخ کے محافظ ان کے متعلق یہ کہیں گے کہ اس کو پکڑو تو ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف جھپٹ پڑیں گے' اور اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ کر اس میں طوق ڈال دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا: اس کو دوزخ میں ڈال دو' اس آیت میں ''الجحیم'' کا لفظ ہے' یہ آگ کا سب سے بڑا طبقہ ہے کیونکہ یہ دنیا میں اپنا اقتدار جتاتا تھا' اور بڑائی ظاہر کرتا تھا تو اس کو بڑی آگ میں جھونکو' یہ جو فرمایا ہے: اس کو ستر ہاتھ کی زنجیر سے جکڑ دو' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ستر ہاتھ ہی کی زنجیر ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بہت لمبی زنجیر کے ساتھ جکڑ دو کیونکہ عرب میں ستر کا لفظ مبالغہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے: ''اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً'' (التوبہ: ۸۰) اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں' یعنی بہت زیادہ بار بھی استغفار کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ زنجیر ان کی سرین سے داخل ہو کر ان کے حلق سے نکل آتی' پھر ان کی پیشانی اور قدموں کو ملا کر اس زنجیر کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔

ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ اتنی لمبی زنجیر کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لمبی زنجیر کے ساتھ تمام دوزخیوں کو باندھ دیا جائے گا اور جب تمام دوزخی ایک ہی زنجیر کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے تو وہ ان کے لیے زیادہ عذاب کا باعث ہوگا۔

الحاقہ: ۳۴۔۳۳ میں فرمایا: بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھاO اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھاO

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں تقصیر کا عذاب

پہلی آیت میں کافر کی قوتِ عاقلہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے اور دوسری آیت میں اس کی قوتِ عاملہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں اس کے عقائد کی خرابی کی طرف اشارہ ہو اور دوسری آیت میں اس کے اعمال کی خرابی کی طرف اشارہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں یہ بتایا ہو کہ وہ حقوق اللہ کی ادائیگی نہیں کرتا تھا اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہو کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی نہیں کرتا تھا۔

اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ مسکین کو محروم رکھنا بہت بڑا جرم ہے' نیز اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ مسکین کو کھلاتا نہیں تھا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا بھی بہت بڑا جرم ہے' تو سوچئے کہ مسکین کو کھانا نہ کھلانا اور اس کی مدد نہ کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا!

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار کو احکامِ شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بھی عذاب دیا جائے گا' اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے' ایک اللہ پر ایمان نہ لانا اور دوسرا مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا کیونکہ سب سے بڑا جرم اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا ہے اور سب سے زیادہ مذمت والا کام بخل کرنا ہے اور دل کی سختی ہے۔

پہلے جرم کو ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تعظیم بجا لانے اور عبادت کیے جانے کا مستحق ہے' سو جس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی تعظیم کی یا اس کی عبادت کی وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے' پس جس نے ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینا میں اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۳' کتاب البر والصلة باب تحریم الکبر)

روایت ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ سالن میں شوربا زیادہ رکھا کریں تاکہ مسکینوں کو کھانا کھلایا جاسکے۔

امام ابن المنذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک زنجیر ہے جس کو دوزخ کی دیگچیوں میں مسلسل قیامت تک جوش دیا جاتا رہے گا اور اس زنجیر کو لوگوں کی گردنوں میں ڈالا جائے گا' اللہ صاحب عظمت پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے نصف عذاب سے نجات دے دی ہے' پس اے ام الدرداء تم مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیا کرو۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۲۵۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الحاقہ: ۳۷۔۳۵ میں فرمایا: پس آج یہاں اس کا نہ کوئی دوست ہے O اور نہ دوزخیوں کی پیپ کے سوا کوئی طعام ہے O جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا

آخرت میں کافروں کا کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو ان کی غم گساری کرے اور ان سے عذاب کو دور کر سکے' قرآن مجید میں ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا جس کی شفاعت قبول کی جاسکے O (المؤمن: ۱۸)

نیز فرمایا: ''غسلین'' کے سوا ان کا کوئی کھانا نہیں ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ''غسلین'' کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ''غسلین'' کیا ہے' کلبی نے کہا: یہ وہ پانی ہے جو دوزخیوں کے جسم سے بہے گا' یہ ان کا خون اور پیپ ہے۔

اس کے بعد بتایا کہ اس خون اور پیپ کے کھانے والے کون ہیں' فرمایا: اس کو گناہ گاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔ ان گناہ گاروں سے مراد مشرکین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو حق سے باطل کی طرف تجاوز کرتے تھے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ

میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو O اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے O بے شک

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا

یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے O اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم

مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا

ایمان لاتے ہو O اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم

تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ

سمجھتے ہو O یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے O اور اگر

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے O تو ہم ان کو پوری

بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ

قوت سے پکڑ لیتے O پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے O پھر تم میں سے کوئی بھی

اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَ

ان کو بچانے والا نہ ہوتا O اور بے شک یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O اور

اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں O اور بے شک یہ قرآن ضرور

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

کافروں کے لیے باعثِ حسرت ہے O بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے O سو آپ اپنے

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع — ۲ ع ۱۵ ۶

رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو O اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے O بے شک یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے O اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے‘ تم بہت کم ایمان لاتے ہو O اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے‘ تم بہت کم سمجھتے ہو O یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے O (الحاقہ: ۴۳-۳۸)

قرآن مجید کا سحر‘ شعر اور کہانت نہ ہونا

اس آیت کا معنی ہے: میں تمام چیزوں کی قسم کھاتا ہوں‘ خواہ تم ان کو دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے‘ مقاتل نے کہا: ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر ہیں‘ اور ابوجہل نے آپ کے متعلق کہا: آپ شاعر ہیں اور عقبہ نے آپ کے متعلق کہا: آپ کاہن ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے رد میں یہ آیات نازل کیں‘ یہ لوگ قرآن مجید کو سحر‘ شعر اور کہانت کہتے تھے‘ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ ضرور رسول کریم کا قول ہے‘ سحر‘ شعر یا کہانت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ رسول کریم کا قول ہے' حسن بصری' کلبی اور مقاتل نے کہا: اس کی دلیل یہ آیت ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ (التکویر: ١٩-٢٠) یہ رسول کریم کا قول ہے○ جو قوت والا ہے' عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے○

کلبی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ رسول کریم سے اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں ہے' حالانکہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے' یہ اللہ عزوجل کا قول ہے' اور یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے منسوب ہے کہ آپ اس کی تلاوت کرنے والے ہیں اور اس کو پہنچانے والے ہیں۔

نیز فرمایا: اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے اور نہ کسی کاہن کا قول ہے' کیونکہ قرآن مجید کی آیات شعر کے فنون کی مخالف ہیں' لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو یعنی تم ایمان لانے کا قصد نہیں کرتے' شعر میں خیالی باتیں ہوتی ہیں اور قرآن میں حقائق ہیں' نیز شعر میں یہ قصد کیا جاتا ہے کہ آخری کلمات ایک وزن پر ہوں اور قرآن مجید کی آیات اس طرح نہیں ہیں اور بعض سورتوں میں اگرچہ آخری کلمات ایک وزن پر ہیں لیکن ان کا ایک وزن پر ہونا اتفاقاً ہے قصداً نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کی تمام آیات اسی طرح ہوتیں اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے کیونکہ کاہن کی کوئی ایک بات سچی ہوتی ہے اور اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں اور قرآن مجید کی کوئی بات جھوٹی نہیں ہے' یہ تو رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے جو حضرت جبریل کے واسطہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے○ تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے○ پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے○ پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا○ (الحاقۃ: ٤٤-٤٦)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق رسول ہونے کی دلیل

اس آیت میں ''یمین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی دایاں ہاتھ ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: اور اگر ان پر وحی نہ کی جاتی اور یہ بغیر وحی کے کسی کلام کو ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتے یا ان کے دائیں ہاتھ کو تصرف سے روک دیتے' اور پھر ان کی شاہ رگ کو کاٹ کر ان کو ہلاک کر دیتے' یہ معنی حسن بصری اور ابوجعفر طبری سے منقول ہے' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے مراد قوت اور طاقت ہے' کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے' اس صورت میں آیت میں مذکور ''من'' زائد ہوگا اور اب اس آیت کا معنی ہوگا: اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے○ پھر ہم ضرور ان کی شاہ رگ کاٹ دیتے○

اس کے بعد فرمایا: پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا' مقاتل اور کلبی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو اس فعل سے روک نہیں سکتا تھا' اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس آیت میں ''حاجزین'' ''احد'' کی صفت ہے اور ''حاجزین'' جمع ہے اور ''احد'' واحد ہے حالانکہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''احد'' نفی کے تحت ہے اور نکرہ جب حیز نفی میں ہو تو مفید عموم ہوتا ہے' اس لیے ''احد'' حکماً جمع ہے اور ''حاجزین'' کو اس کی صفت بنانے پر کوئی اشکال نہیں ہے' اس کی نظیر یہ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ: ٢٨٥) اس میں بھی ''رسل'' جمع ہے اور ''احد'' کی صفت ہے' اور یہ آیت ہے: ''لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' (الاحزاب: ٣٢)۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بھیجے ہوئے برحق رسول نہ ہوتے تو ہم ان کا

دایاں ہاتھ کاٹ دیتے یا ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے' پھر ان کو ہلاک کر دیتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں O اور بے شک یہ قرآن ضرور کافروں کے لیے باعث حسرت ہے O اور بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے O سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O (الحاقہ: ۵۲۔۴۷)

قرآن مجید کی ایجابی صفات

اس سے پہلی آیتوں میں قرآن مجید کی سلبی اور منفی صفات ذکر فرمائیں تھیں کہ یہ قرآن نہ سحر ہے' نہ شعر ہے' نہ کہانت ہے' اور اس آیت میں اس کی ایجابی اور اثباتی صفت ذکر فرمائی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے' ویسے تو قرآن مجید سب کے لیے نصیحت ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ اس نصیحت سے وہی فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں۔

الحاقہ: ۴۹ میں ان کا ذکر فرمایا جو قرآن مجید کے جھٹلانے والے ہیں یعنی جو شخص دنیا کی رنگینیوں اور اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں سے مجتنب رہا' وہ اس قرآن سے نفع اور نصیحت حاصل کرے گا اور جو دنیا اور اس کی زیب و زینت میں ڈوبا رہا وہ قرآن کریم سے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکے گا۔

الحاقہ: ۵۰ میں فرمایا: اور بے شک یہ قرآن ضرور کافروں کے لیے باعث حسرت ہے۔

یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے لیے باعثِ حسرت ہوگا' جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان قرآن مجید کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے باعث جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔

الحاقہ: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے O

یعنی حق ہے' اس میں کوئی باطل چیز نہیں ہے اور یہ سراسر یقین ہے' اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ اصطلاح میں حق الیقین اس پر جزم تصدیق کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور تشکیکِ مشکک سے زائل نہ ہو اور اس پر یقین تجربہ سے حاصل ہوا ہو۔

الحاقہ: ۵۲ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O

رکوع اور سجود کی تسبیحات کے متعلق احادیث اور ان میں مذاہب

یعنی آپ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نزولِ وحی کا اہل بنا دیا' اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت فرمایا کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتا اور چونکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ جھوٹے نبی نہیں ہیں' سچے نبی ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "فسبح باسم ربك العظيم " اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝" (الاعلیٰ: ۱) اور ان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' جب یہ آیت نازل ہوئی: "فسبح باسم ربك العظيم " تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں کر لو اور جب یہ آیت نازل ہوئی: "سبح اسم ربك الاعلى " تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں کر لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں فرماتے: ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدہ میں فرماتے: ''سبحان ربی الاعلیٰ'' اور جب بھی آپ رحمت کی آیت پڑھتے تو وقف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کرتے اور جب آپ عذاب کی آیت پڑھتے تو وقف کر کے اس سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور تین مرتبہ کہے: ''سبحان ربی العظیم'' تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ کم سے کم مرتبہ ہے اور جب سجدہ کرے اور تین مرتبہ کہے: ''سبحان ربی الاعلیٰ'' تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ کم سے کم مرتبہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان پر بھاری ہیں رحمان کو محبوب ہیں وہ ہیں: ''سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم''۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۶ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲)

امام احمد کے نزدیک رکوع اور سجود میں تسبیحات کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: اس کو اپنے رکوع میں کر لو اور اس کو اپنے سجدہ میں کر لو اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور جمہور کے نزدیک ان تسبیحات کا پڑھنا مستحب ہے کیونکہ جب آپ نے اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو طمانیت سے رکوع اور سجود کرنے کا حکم دیا لیکن تسبیح پڑھنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

(دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۵۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۸۸۴)

سورۃ الحاقہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۱ صفر ۱۴۲۶ھ/ یکم اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ الحاقہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' الہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں۔ دنیا میں مجھے صحت و عافیت اور عزت و کرامت کے ساتھ رکھیں اور آخرت میں میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازوجہٖ وسلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ المعارج

سورت کا نام

اس سورت کا نام المعارج ہے' کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں المعارج کا ذکر ہے:

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ (المعارج:۳) (وہ عذاب) اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے۔

آسمانی سیڑھیوں سے مراد وہ سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر فرشتے اور حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں' حضرت جبریل علیہ السلام کا اس لیے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی لے کر انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل فرماتے تھے۔

یہ سورت' سورۃ الحاقہ کا بہ منزلہ تتمہ ہے' کیونکہ جس طرح سورۃ الحاقہ میں قیامت اور جنت اور دوزخ کے احوال اور مؤمنین اور کافرین کا اخروی انجام ذکر فرمایا تھا' اسی طرح اس سورت میں بھی ان اُمور کو ذکر فرمایا ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۷ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۰ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سورت' سورۃ الحاقہ کے بعد اور سورۃ النبا سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المعارج کے مشمولات

- ☆ اس سورت میں قیامت کے دن کو ثابت کیا گیا ہے اور اس دن میں واقع ہونے والے ہولناک اُمور کو بیان فرمایا ہے اور کفار کو اسی دن سے ڈرایا گیا ہے۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے قہر کو بیان فرمایا ہے اور دوزخ کے ہولناک عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس وجہ سے ملتا ہے۔
- ☆ اس کے مقابلہ میں مؤمنین کے نیک اعمال بیان فرمائے' جس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر فضل کرتا ہے' انہیں دوزخ سے نجات دیتا ہے اور دائمی جنتیں عطا فرماتا ہے۔
- ☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے جو دل آزار باتیں اور اذیتیں پہنچتی تھیں' ان پر آپ کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔
- ☆ مسلمانوں کے ان نیک اوصاف کا بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے وہ مشرکین سے ممتاز ہیں۔

☆ یہ بتایا ہے کہ عام انسانوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ مصیبت ٹوٹنے پر بے صبری کا اظہار کرتے ہیں اور نعمت ملنے پر اتراتے ہیں اور ضرورت مندوں کو اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں اور مسلمان ان اوصاف سے مستثنیٰ ہیں' وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں اور محاسن اخلاق سے متصف ہوتے ہیں اور ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔

سورۃ المعارج کے اس مختصر تعارف کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور خطاء اور باطل سے مجتنب رکھنا۔(آمین!)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۱ صفر ۱۴۲۶ھ/ یکم اپریل ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورة المعارج مکیۃ ۷۰ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | ایاتہا ۴۴ رکوعاتہا ۲

سورۂ معارج مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ

ایک طلب گار نے روزِ قیامت کے عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہونے والا ہےO اور کافروں سے اس (عذاب) کو کوئی دور

دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کرنے والا نہیں ہےO وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہو گا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہےO فرشتے اور جبریل

وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ

اس کی طرف چڑھتے ہیں، وہ عذاب اس دن ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار

سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۙ﴿۶﴾

سال ہےO سو آپ صبر جمیل فرمائیےO بے شک وہ اس عذاب کو دور گمان کرتے ہیںO

وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا ؕ﴿۷﴾ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَ

اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیںO جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گاO اور

تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۚۖ﴿۱۰﴾

پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گےO اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گاO

یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ

حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے، مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلہ میں اپنے

یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ

بیٹوں کا فدیہ دے دےO اور اپنی بیوی اور بھائی کاO اور اپنے اس رشتہ دار کا جو (دنیا میں) اس کو پناہ

تُـْٔوِیْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا

دیتا تھاO اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا، پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دےO ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی

لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَ

آگ ہے ○ وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے ○ وہ اس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا ○

جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا ○ بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے ○ جب اس پر مصیبت آئے تو

جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾

گھبرا جاتا ہے ○ اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے ○ سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں ○

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں ○ اور جن لوگوں کے مالوں میں

حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

مقرر حق ہے ○ سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا ○ اور جو لوگ روزِ قیامت

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

پر ایمان لاتے ہیں ○ اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں ○

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

کی حفاظت کرتے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے سو بے شک

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں ○ پس جو ان کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی

رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

رعایت کرنے والے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں O اور جو لوگ

هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ

اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O وہی لوگ جنتوں میں

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

عزت یافتہ ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک طلب گار نے روزِ قیامت کے عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہونے والا ہے O اور کافروں سے اس (عذاب) کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے O وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے O فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں، وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O سو آپ صبر جمیل فرمائیے O (المعارج: ۵۔۱)

کفار کا عذابِ قیامت کو طلب کرنا

''سئل'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ طلب کرنا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ سوال کرنا ہے، راجح پہلا قول ہے۔

المعارج: ۲۔۱ کی تفسیر میں سعید بن جبیر نے کہا: وہ طلب گار النضر بن الحارث بن کلدۃ تھا، اس نے کہا تھا: اگر یہ عذاب برحق ہے تو ہم پر پتھر برسا، قرآن مجید میں ایک اور جگہ اس کا ذکر ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O (الانفال: ۳۲)

اور جب کافروں نے کہا: اے اللہ! اگر اس قرآن کا نزول تیری طرف سے برحق ہے (تو ہمارے انکار پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ O

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا، اور علامہ ذہبی نے کہا ہے: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے موافق صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۸۵۴، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۱۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حسن اور قتادہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے مشرکین کو عذاب سے ڈرایا تو مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کرو کہ یہ عذاب کس پر واقع ہوگا اور کب واقع ہوگا؟ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۱۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ سائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے کفار کے عذاب کو جلد طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ عذاب ان پر واقع ہوگا اور اس عذاب کو ان سے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ صبر جمیل فرمائیے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ

عذاب کب واقع ہوگا' اس کو اللہ تعالیٰ نے صبر جمیل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۳۷' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المعارج: ۳ میں فرمایا: وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے O

''معارج'' کا لغوی اور عُرفی معنیٰ

اس آیت میں ''المعارج'' کا لفظ ہے' یہ ''معرج'' کی جمع ہے' ''معرج'' کا معنیٰ ہے: اوپر چڑھنے کا آلہ' یعنی سیڑھی' اور اوپر چڑھنا' بلندی اور فضیلت کو متضمن ہے' اس لیے اس کا معنیٰ ہے: جو بلند درجات' فضائل اور نعمتوں کا مالک ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد آسمان کی سیڑھیاں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی سیڑھیاں ہیں' کیونکہ فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ المعارج سے مراد بالا خانے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے اولیاء کے لیے بالا خانے بنائے ہیں' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ المعارج سے مراد قرب کے درجات ہیں' جن کی کیفیت نامعلوم ہے' ان درجات پر انبیاء' ملائکہ اور اولیاء فائز ہوتے ہیں اور وہ مقبولیت کے درجات ہیں' پاکیزہ کلمات اور اعمال صالحہ ان کی طرف چڑھتے ہیں' یا وہ نفوسِ قدسیہ جنت کے درجات میں پہنچتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجات ہیں' ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے' اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اہل جنت اپنے اوپر بالا خانے والوں کو دیکھیں گے جیسا کہ وہ اس روشن ستارے کو دیکھتے ہیں جو مشرقی یا مغربی افق میں ہوتا ہے' کیونکہ اہل جنت کے درمیان فضیلت کے درجات ہوتے ہیں' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آیا یہ انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں' جن میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جا سکے گا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! جس ذات کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے (اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے) جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۰)

حضرت ابن مسعود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آسمان میں معارج (سیڑھیاں) ہیں' کیونکہ فرشتے ان پر چڑھتے ہیں۔

المعارج: ۵ میں فرمایا: فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں' وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O

''الروح'' کا مصداق

اس آیت میں فرشتوں کے بعد روح کا ذکر ہے' علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: روح کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) قبیصہ بن ذویب نے کہا: اس سے مراد (مسلمان) میت کی روح ہے' جب فرشتے اس کو قبض کرتے ہیں تو وہ اس مقام کی طرف چڑھتی ہے جو آسمانوں میں اس کی منزل ہے کیونکہ وہ اس کی عزت اور کرامت کی جگہ ہے اور یہ آیت اس طرح ہے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ . (الصّٰفّٰت: ۹۹) بے شک میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔

(۲) ابو صالح نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے' جو انسانوں کی شکل میں ہے لیکن انسان نہیں ہے۔

(۳) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء: ۱۹۳) قرآن مجید کو روح امین نے نازل کیا ہے ۝

(النکت والعیون ج ٦ ص ۹۰' دارالکتب العربیہ بیروت)

میں کہتا ہوں اس آیت میں ''الروح الامین'' سے مراد حضرت جبریل ہیں' اسی طرح قرآن مجید کی اور آیات میں بھی ''الروح'' سے مراد حضرت جبریل ہیں:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۔ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

(النبا: ۳۸)

اس آیت میں بھی روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ان کو ان کے شرف اور کرامت کی وجہ سے فرشتوں کے عموم سے نکال کر ذکر فرمایا ہے' المعارج: ۵ میں ان کا ذکر عام فرشتوں کے بعد فرمایا اور النبأ: ۳۸ میں ان کا ذکر عام فرشتوں سے پہلے فرمایا اور ان اقوال میں راجح قول یہی ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اس کی تحقیق کہ قیامت کا دن آیا پچاس ہزار سال کا ہے یا ایک ہزار سال کا؟

وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ۝

اس آیت سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو سونا چاندی رکھتا ہو اور اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے' قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی چٹانوں کے پرت بنائے جائیں گے اور دوزخ کی آگ سے ان کو تپایا جائے گا اور اس کے پہلو' پیشانی اور پیٹھ کو ان کے ساتھ داغا جائے گا' ایک بار یہ عمل کرنے کے بعد اس کو دوبارہ دہرایا جائے گا' جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے' اس دن میں یہ عمل مسلسل ہوتا رہے گا' بالآخر جب تمام لوگوں کے فیصلے ہو جائیں گے تو اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۴۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۰-۴۸۹)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور فرشتے اور جبریل پچاس ہزار سال کے دن میں اس طرف چڑھیں گے' اور ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور اس دن میں فرشتے چڑھیں گے' وہ آیت یہ ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (السجدہ: ۵)

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف اس دن چڑھتا ہے جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ۝

اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے روز قیامت تک چڑھنے کے دو اعتبار ہیں' ایک اعتبار ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے' اس کی مدت ہمارے دنوں کی گنتی کے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے اور ایک اعتبار سے زمین سے آسمان تک

اور آسمان سے زمین تک آنے جانے کا ہے اس اعتبار سے اس کی مدت ہمارے گننے کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔

امام عبد الرحمن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا: سب سے نچلی زمین کی انتہاء سے لے کر سات آسمانوں کی انتہاء کے اوپر ہمارے اعتبار سے پچاس ہزار سال
15 ہے اور پہلے آسمان سے زمین تک اور پہلی زمین سے پہلے آسمان تک فرشتے ایک دن میں چڑھتے ہیں اور اس چڑھنے کی مدت ہمارے گننے کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۷۔ ج ۱۰ ص ۳۳۷۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر زمین کی موٹائی کی مسافت کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے' پس یہ چودہ ہزار سال ہیں اور ساتویں آسمان سے عرش تک کی مسافت کا فاصلہ چھتیس ہزار سال ہے' پس یہ تمام فاصلہ اس دن میں طے ہو گا جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۸۔ ج ۱۰ ص ۳۳۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ'' (المعارج: ۵) کی تفسیر میں فرمایا: قیامت کا دن اتنا طویل ہو گا جو تمہارے شمار کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کا ہو گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۹۔ ج ۱۰ ص ۳۳۷۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس حدیث کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے' اور پہلی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ساتویں آسمان اور کرسی کی گہرائی کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے' اور اس کا مجموعہ چودہ ہزار سال کی مسافت ہے اور کرسی کی گہرائی سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی مسافت ہے اور اس کا مجموعہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے' امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے' اس میں اسی طرح ہے' اور شاید یہ حدیث صحیح نہ ہو' ہر چند کہ فرشتوں کا اتنی سرعت کے ساتھ مسافت کو منقطع کرنا بعید نہیں ہے' جس طرح روشنی بہت سرعت کے ساتھ سفر کرتی ہے اور ہمیں اس پر یقین ہے کہ اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۹۹۔ ۹۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مسلمانوں کے لیے قیامت کے دن کی مقدار

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ فرماتے ہیں:

قیامت کے دن کی مقدار ہمارے شمار کے اعتبار سے پچاس ہزار سال صرف کفار کے لیے ہو گی جن کی مغفرت نہیں ہو گی اور جن مؤمنین کی مغفرت ہو گی' ان کے اعتبار سے قیامت کے دن کی مقدار اتنی ہو گی جتنا ظہر سے عصر تک کا وقت ہو گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمنین پر اتنی مقدار کا ہو گا جتنی مقدار ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ (البعث والنشور رقم الحدیث: ۱۲۴۔ ص ۸۷' المستدرک ج ۱ ص ۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمنوں پر اتنی مقدار کا ہو گا جتنی مقدار ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ (البعث والنشور رقم الحدیث: ۱۲۵۔ ص ۸۷' المستدرک ج ۱ ص ۸۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا کیا جائے گا' کیونکہ اس نے دنیا میں کوئی (نیک) عمل نہیں کیا تھا اور کافر ضرور دوزخ کو دیکھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ وہ اس میں چالیس سال کی مسافت تک گرنے والا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۴۴' مؤسسۃ الرسالۃ'
15 مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۵' المستدرک ج ۴ ص ۵۹۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۶' اس حدیث کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں کچھ ضعف ہے' یہ حدیث صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۵۲ میں بھی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے' یہ کس قدر طویل دن ہوگا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' مؤمن پر یہ دن خفیف ہوگا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں عصر کی نماز پڑھتا تھا اس کے لیے قیامت کا دن اس سے بھی خفیف ہوگا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۴۶۔ رقم الحدیث: ۱۱۷۱۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ اور اس کا شیخ دراج بن سمعان ضعیف راوی ہیں' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' حافظ عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے' کامل ابن عدی ج ۳ ص ۹۰' ۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۸۱۴' البعث والنشور رقم الحدیث: ۲۶۱)

المعارج: ۵ میں فرمایا: سو آپ صبر جمیل فرمایئے O

''صبر جمیل'' کا معنیٰ

یعنی آپ اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر جمیل فرمایئے۔ النضر بن الحارث' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اور قرآن مجید کی تکذیب کرنے کے لیے کہتا تھا: آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں وہ آج ہی لے آیئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی باتوں سے اذیت پہنچتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان باتوں پر صبر جمیل فرمایئے۔

صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں' جس میں صبر کرنے والا بے قراری کا اظہار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے دکھ کی شکایت کسی اور سے نہ کرے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ جس شخص پر مصیبت آئی وہ لوگوں کے ساتھ اس طرح رہے کہ اس کے ظاہر حال سے یہ پتا نہ چلے کہ اس پر کوئی مصیبت آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ اس عذاب کو دور گمان کرتے ہیں O اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیں O جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا O اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا O حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے' مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلے میں اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے O اور اپنی بیوی اور بھائی کا O اور اپنے اس رشتہ دار کا جو (دنیا میں) اس کو پناہ دیتا تھا O اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا' پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دے O ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے O وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے O وہ اس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا O جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا O (المعارج: ۱۸۔۶)

قیامت کے احوال اور اھوال

المعارج: ۷۔۶ میں بتایا: اہلِ مکہ عذاب کو بہت بعید سمجھتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس عذاب کا آنا' ناممکن ہے اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیں کیونکہ ہر وہ کام جو ہونے والا ہو وہ قریب ہوتا ہے۔

المعارج:۸ میں فرمایا: جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گاO

اس آیت میں "المهل" کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: زیتون یا اور کسی خوردنی تیل کا تلچھٹ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ یا چاندی اور اس کا معنیٰ خون اور پیپ بھی ہے۔

المعارج:۹ میں فرمایا: اور پہاڑ رنگ برنگے اُون کی طرح ہو جائیں گےO

اس آیت میں "العهن" کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: مختلف رنگ کے اُون حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے: سرخ رنگ کا اُون اور "العهن" دھنکی ہوئی روئی کو بھی کہتے ہیں اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب پہاڑ متغیر ہوں گے تو پہلے ریت کے ذرات کی طرح ہو جائیں گے پھر دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے پھر باریک غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کا گنہ گار مسلمانوں کی شفاعت کرنا

المعارج:۱۴۔۱۰ میں فرمایا: اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گاO حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دےO اور اپنی بیوی اور بھائی کاO اور اپنے اس رشتہ دار کا جو دنیا میں اس کو پناہ دیتا تھاO اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دےO

کیونکہ ہر شخص کو صرف اپنی نجات کی فکر ہوگی تاہم یہ صفت کفار کی ہوگی لیکن مؤمنین قیامت کے دن اپنے دوستوں کا حال پوچھیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے قیامت کے احوال کے متعلق ایک طویل حدیث ہے اس کے وسط میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر پُل کو لایا جائے گا ہم نے کہا: یارسول اللہ! پُل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ پھسلنے اور گرنے کی جگہ ہے اس پر کانٹے اور آنکڑے (ہک) ہوں گے اور چوڑے گوکھرو ہوں گے اور ایسے مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے جیسے نجد میں ہوتے ہیں جن کو سعدان کہا جاتا ہے مؤمن اس پر سے چشم زدن میں بجلی کی طرح ہوا کی طرح تیز رفتار گھوڑوں اور سواریوں کی طرح گزر جائیں گے ان میں سے بعض تو صحیح سلامت گزر جانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے حتیٰ کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا تم آج مجھ سے حق کے معاملہ میں اس قدر جرأت مند نہیں ہو جتنا جرأت مند قیامت کے دن مؤمن اللہ جبار کے سامنے ہوگا جب وہ دیکھیں گے کہ اپنے مسلمان بھائیوں میں سے ان کو نجات مل گئی ہے تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے (کچھ اور) بھائی بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور دوسرے (نیک) اعمال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ تم جس کے دل میں بھی ایک دینار کے برابر ایمان پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو اور اللہ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام کر دے گا پھر وہ آ کر دیکھیں گے کہ بعض تو اپنے قدموں تک دوزخ میں دھنس چکے ہیں اور بعض آدھی پنڈلیوں تک دوزخ میں ہیں پس وہ جن کو پہچان لیں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے پھر واپس آئیں گے تو اللہ عزوجل فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پھر وہ جن کو پہچانتے ہوں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے پھر وہ واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پھر وہ جن کو پہچانتے ہوں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۴۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۳)

مرجئہ معتزلہ اور خوارج کا رد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کافر کے دوست اور رشتہ دار اس کی شفاعت کر کے اس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکیں

گے اور مسلمانوں کے دوست اور احباب اور ان کے واقف کار ان کی شفاعت کر کے ان کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے' اور اس حدیث میں مرجئہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ فاسق مومن کو دوزخ کا عذاب بالکل نہیں ہوگا کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ فساق مؤمنین کے قدموں تک دوزخ کی آگ ہوگی اور کچھ کی آدھی پنڈلیوں تک دوزخ کی آگ ہوگی' اور اس میں خوارج اور معتزلہ کا بھی ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ فساق مؤمنین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت نہیں ہوگی اور اس حدیث میں پل صراط کا بھی ثبوت ہے' اس کا بھی معتزلہ انکار کرتے ہیں۔

المعارج: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے O وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے O

المعارج: ۱۵ میں ''لظی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ آگ کا بھڑکنا اور شعلہ زن ہونا ہے۔

المعارج: ۱۶ میں ''شوی'' کا لفظ ہے' یہ ''شواۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ سر کی کھال ہے اور ''الشوی'' کا معنیٰ دونوں ہاتھ دونوں پیر اور سر ہے' اور اس میں ''نزاعۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کھینچنے والی۔

دوزخ کے بلانے کی توجیہات

المعارج: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: وہ اُس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا O جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا O

اس آیت میں بتایا کہ دوزخ کی آگ پکارے گی حالانکہ نداء کرنا اور پکارنا تو ذی روح کا کام ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زبان حال سے پکارے گی' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ کے جسم میں صراحۃً یہ کلام پیدا کر دے گا کہ وہ کہے گی: اے کافرو! میرے پاس آؤ' اے منافقو! میرے پاس آؤ' تیسرا جواب یہ ہے کہ دوزخ کے پکارنے سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتے پکاریں گے اور یہاں مضاف محذوف ہے' جیسے ''وسئل القریۃ'' (یوسف: ۸۲) ہے۔

المعارج: ۱۸ میں فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو حفاظت سے رکھا۔

حب دنیا کی آفات

یعنی اس مال میں اس پر جو حقوق واجب تھے ان کو ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اس نے پیٹھ پھیری اور اعراض کیا اور مال جمع کرنے اور اس کو حفاظت سے رکھنے میں دنیا کی محبت اور حرص کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لمبی زندگی کی امید رکھتا ہے اور تمام گناہوں اور نافرمانیوں کی اصل یہ ہے کہ انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ وہ بہت عرصہ تک زندہ رہے گا' اور اگر وہ یہ سمجھے کہ اس کو موت جلد آنے والی ہے تو وہ گناہوں کو ترک کر دے گا اور توبہ اور استغفار کی طرف راغب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے O سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں O جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں O اور جن لوگوں کے مالوں میں مقرر حق ہے O سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا O اور جو لوگ روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O

(المعارج: ۲۸۔۱۹)

''ھلوعًا'' اور ''جزوعًا'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''ھـلـوعًـا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ حرص کرنے والا' بہت زیادہ بے صبری اور بہت زیادہ گھبرانے والا اور بہت زیادہ بے حیائی کی باتیں کرنے والا اور دوسری آیت میں ''جزوعًـا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت گھبرانے والا' اور مصیبت میں چیخ و پکار کرنے والا' اس کا معنیٰ ہے: وہ شخص خیر پر صبر کرتا ہے نہ شر پر' اور خیر اور شر میں وہ کام کرتا ہے جو اس کو نہیں کرنے چاہئیں۔ ضحاک نے کہا: وہ شخص جو کبھی سیر نہیں ہوتا اور جب اس کو مال مل جائے تو اللہ کا حق ادا کرنے سے منع کرتا ہے' ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس صفت پر پیدا کیا ہے کہ انسان ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جو اس کو خوش کریں اور ان چیزوں سے ناراض ہوتا ہے جو اس کو ناپسند ہوں' پھر وہ اپنی طبعی صفت کے برخلاف اپنی پسندیدہ چیزوں کو خرچ کر کے اور ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' ابو عبیدہ نے کہا: ''ھـلـوع'' وہ شخص ہے جس کو خیر مل جائے تو اس پر شکر نہ کرے اور جب اس پر مصیبت آئے تو اس پر صبر نہ کرے' اور ثعلب نے کہا: جب اس کو خیر ملے تو وہ اس پر بخل کرے اور لوگوں کو دینے سے منع کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶۶-۲۶۵)

حرص اور بخل کے پیدائشی وصف ہونے پر قاضی کا اعتراض اور امام رازی کا جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وصف پر پیدا کیا ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وصف کی مذمت کی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی مذمت نہیں کرتا' دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان مؤمنین کا استثناء کیا ہے' جنہوں نے اس مذموم خصلت کو ترک کر دیا اور اپنے نفس سے جہاد کیا اور اگر یہ خصلت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہوتی تو وہ اس وصف کو ترک کرنے پر قادر نہ ہوتے۔

پھر امام رازی فرماتے ہیں: ''ھـلـع'' کا لفظ دو چیزوں پر واقع ہوتا ہے: (۱) وہ حالت نفسانیہ جس کی وجہ سے انسان بے صبری' حرص اور بخل کا اظہار کرتا ہے (۲) وہ افعال جو انسان کے قول اور فعل سے ظاہر ہوتے ہیں اور اس حالتِ نفسانیہ پر دلالت کرتے ہیں' رہی یہ حالتِ نفسانیہ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آتی ہے' مثلاً جس شخص کو شجاعت اور سخاوت کے وصف پر پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس وصف کو بالکلیہ زائل کرنا ممکن نہیں ہے' اسی طرح جس شخص کو بخل اور بزدلی کے وصف پر پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس وصف کو بالکلیہ زائل کرنا ممکن نہیں ہے' بلکہ اس قسم کے قول اور فعل پر مشتمل افعال ظاہرہ کو ترک کرنا' اس کے لیے ممکن اور اس کا اقدام کرنا امر اختیاری ہے اور حالت نفسانیہ جو درحقیقت حرص یا بخل ہے وہ اس میں جبراً پیدا کی گئی ہے۔ (اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ جب اس میں حرص اور بخل کو جبراً پیدا کیا گیا ہے تو حرص اور بخل پر مشتمل قول اور فعل کو ترک کرنا اس کے اختیار میں کس طرح ہوگا؟ سعیدی غفرلہٗ)

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۴۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

حرص اور بخل کے پیدائشی وصف ہونے پر قاضی کے اعتراض کا جواب مصنف کی طرف سے

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جس جبلی صفت کو پیدا کیا ہے' اس کو زائل کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' جس کو بزدل پیدا کیا گیا ہے وہ بہادر نہیں ہو سکتا اور جس کو بخیل پیدا کیا گیا ہے' وہ سخی نہیں بن سکتا' جس کو حریص پیدا کیا گیا ہے' وہ قانع نہیں بن سکتا اور جس کو فحاش پیدا کیا گیا ہے وہ حیاء دار نہیں بن سکتا اور اس مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کے متعلق باتیں کر رہے تھے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ خبر سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کی تصدیق کر دینا اور اگر یہ خبر سنو کہ کسی شخص کا جبلی خلق تبدیل ہو گیا تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ انسان اپنے جبلی وصف کی طرف لوٹ آئے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ ضرور تیسری کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے تو اللہ سبحانہ' اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹' مسند احمد ج ۶ ص ۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے اور اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں' مال کی حرص اور عمر کی حرص۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۵۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کو اس حال میں پاؤ گے کہ ان میں معادن ہیں' جو زمانہ جاہلیت میں نیک خصلت تھے' وہ اسلام میں بھی نیک خصلت ہوں گے' جب ان میں دین کی سمجھ ہو۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۶' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵)

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

آپ کہیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم ضرور خرچ کرنے کے ڈر سے ان خزانوں کو روک رکھتے' اور انسان ہے ہی بخیل ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ بخل انسان کا اصلی' جبلی اور فطری وصف ہے' اب بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بخل انسان کا فطری وصف ہے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے حکم پر کیسے عمل ہو گا اور جب ''ہلوعًا'' اور ''جزوعًا'' یعنی حرص اور بے صبری اس کا جبلی وصف ہے تو قناعت اور صبر کرنے کے حکم پر وہ کیسے عمل کر سکے گا!

اس کا جواب یہ ہے کہ جبلی اوصاف کو زائل کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ان اوصاف کے زائل کرنے کا مکلف کیا گیا ہے' وہ صرف اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ اس کے اندر جو بُرے جبلی اوصاف ہیں ان کے اظہار کو کم کر دے اور اس کی سرشت میں جو قبیح اور بُرے اوصاف ہیں ان کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہے' یہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس سے بُرائی کے خلاف جنگ کر رہا ہو تو کبھی وہ مغلوب ہو جائے اور اس سے بُرائی کا صدور ہو جائے لیکن اس کے فوراً بعد وہ سنبھل جائے اور اس بُرائی کے صدور پر توبہ اور استغفار کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۪ۙ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے اور وہ اپنے کیے ہوئے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کریں ۝ (آل عمران: ۱۳۵)

تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور جنت کی نوید سنائی ہے:

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶)

ان ہی لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا اجر ہے ○

قاضی نے حرص اور بخل وغیرہ بُرے اوصاف کے وصف اصلی ہونے اور ان کو اللہ سبحانہٗ کی تخلیق قرار دینے پر جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ان بُرے اوصاف کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا تو ان بُرے اوصاف کی مذمت نہ فرماتا' اس کا امام رازی نے کوئی جواب نہیں دیا' غالباً امام رازی نے اس اعتراض کو قابل التفات نہیں سمجھا' میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کی تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے' انبیاء علیہم السلام کو بھی اس نے پیدا فرمایا ہے اور ابلیس لعین کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی چیزوں کی تعریف کرے اور بُری چیزوں کی مذمت کرے' اسی طرح نیک اعمال اور بُرے اعمال دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اس کے باوجود وہ نیک اعمال کی تحسین فرماتا ہے اور بُرے اعمال کی مذمت فرماتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ انسان بُرے اوصاف مثلاً حرص اور بخل وغیرہ بالکلیہ زائل کرنے کا مکلّف نہیں ہے بلکہ ان کو کم کرنے کا مکلف ہے' اس پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ . (آل عمران: ۱۳۴) اور غصہ کو کم کرنے والے۔

یہ فرمایا ہے کہ غصہ کم کرو' یہ نہیں فرمایا کہ غصے کو معدوم کردو' کیونکہ غیظ و غضب انسان کا جبلی اور فطری وصف ہے اور وہ اس کو بالکلیہ زائل کرنے پر قادر نہیں ہے۔ وللّٰه الحمد علٰی ذالك

ہم نے الشعراء: ۱۸۴ میں بھی جبلّت کی تحقیق کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۴۲۶-۴۲۷) اس موضوع پر وسیع مطالعہ کے لیے اس بحث کو بھی دیکھ لیا جائے' لیکن ہم نے یہاں پر زیادہ تفصیل اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔

المعارج: ۲۱-۲۰ میں فرمایا: جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے ○ اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے ○

فقر اور مرض میں شکوہ اور شکایت نہ کی جائے

اس آیت میں ''شر'' کا لفظ ہے اور یہاں اس سے مراد فقر اور مرض ہے اور دوسری آیت میں ''خیر'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد خوش حالی اور صحت ہے' اور ان دونوں آیتوں کا حاصل معنی یہ ہے کہ انسان جب تنگ دست یا بیمار ہو جائے تو بے صبری کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں سے شکایت کرتا ہے' اور جب خوش حال اور تندرست ہو جائے تو نیکی کے کام کرنے سے منع کرتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اور ضرورت مندوں کی طرف توجہ نہیں کرتا' اگر یہ کہا جائے کہ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انسان تکلیفوں سے بھاگتا ہے اور راحت کو طلب کرتا ہے اور یہ کوئی مذمت کے لائق چیز نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کیوں فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذمت کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نظر صرف دنیاوی احوال اور جسمانی عوارض پر رہتی ہے' حالانکہ اس پر واجب ہے کہ وہ احوالِ آخرت میں مشغول ہو اور جب وہ بیماری یا تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ عوارض اللہ کی طرف سے آئے ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان حالات سے راضی ہو کیونکہ اس کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ بیمار ہو جائے تو بیماری کے ازالہ کے لیے علاج نہ کرے اور جب وہ تنگ دست ہو جائے تو تنگ دستی کے ازالہ کے لیے محنت اور جدوجہد نہ کرے' اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ بیماری

اور تنگ دستی میں واویلا نہ کرے اور بے قراری کا اظہار نہ کرے اور جب اس کو صحت اور مال حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے زیادہ سے زیادہ بدنی عبادات کرے اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرے۔

المعارج: ۲۳۔۲۲ میں فرمایا: سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں O جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں O

ہمیشہ نماز پڑھنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر نماز کو اپنے وقت میں پڑھتے ہیں اور کسی نماز کو ترک نہیں کرتے اور اگر کسی ناگزیر وجہ سے کوئی نماز ترک ہو جائے تو اس کی قضاء پڑھ لیتے ہیں۔

''حق معلوم'' کی تفسیر میں جمہور کا مؤقف

المعارج: ۲۵۔۲۴ میں فرمایا: اور جن لوگوں کے مالوں میں مقرر حق ہے O سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا O

''حق معلوم'' کی تفسیر میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا: اس سے مراد زکوٰۃِ مفروضہ ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص فرض زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے اگر وہ نفلی صدقات ادا نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے' رہا یہ کہ اس ''حق معلوم'' سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ان سے استثناء کیا ہے جن کی مال خرچ نہ کرنے کی وجہ سے مذمت کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے مال سے ''حق معلوم'' ادا کر دیتا ہے وہ مذموم نہیں ہوگا' لہٰذا اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور جس کو خرچ کرنا واجب ہو وہ صرف زکوٰۃ ہے' اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ''حق معلوم'' کا معنیٰ ہے: جس حق کی مقدار معلوم ہو اور صرف زکوٰۃ کی مقدار معلوم اور معین ہے اور صدقاتِ مالیہ کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے۔

مجاہد نے یہ کہا ہے کہ یہ ''حق معلوم'' زکوٰۃ کے علاوہ ہے یعنی جس مال کو بہ طور ندب اور استحباب کے خرچ کیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۴۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ مجاہد کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''حق معلوم'' سے بہ طور استحباب مال خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ اس آیت میں ان لوگوں سے استثناء ہے جو مال خرچ نہیں کرتے تھے اور ان کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے' اس کا معنیٰ ہے: ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جن پر مال خرچ کرنا واجب تھا اور وہ اس مال کو خرچ نہیں کرتے تھے اور واجب صرف زکوٰۃ ہے اور مستحب کے ترک پر مذمت نہیں کی جاتی' اس لیے ''حق معلوم'' سے بہ طور استحباب خرچ کرنے کو مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''حق معلوم'' سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے' کیونکہ زکوٰۃ کی مقدار معلوم ہے اور باقی کسی صدقہ کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

جیسے زکوٰۃ اور وہ صدقات جو سائلین کے لیے مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔

(بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۲۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۷۶۔ جز ۲۹ ص ۹۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''حق معلوم'' کی تفسیر میں سید مودودی کی رائے

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے ان تمام مفسرین کے خلاف یہ لکھا ہے:

بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مقرر حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے' کیونکہ اسی میں نصاب اور شرح دونوں چیزیں مقرر کردی گئیں ہیں' لیکن یہ تفسیر اس بناء پر قابل قبول نہیں ہے کہ سورۂ معارج بالاتفاق مکی ہے اور زکوٰۃ ایک مخصوص نصاب اور شرح کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے' اس لیے مقرر حق کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے مالوں مین سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۹۰' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۹۰ء) (یہ توجیہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اپنی طرف سے طے کردہ صدقہ کو نہ دینا قابل مذمت نہیں ہے' قابل مذمت تب ہوگا جب اللہ عزوجل کی طرف سے فرض کیے ہوئے صدقہ کو نہ دیا جائے اور وہ صرف زکوٰۃ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

میں کہتا ہوں کہ سورۃ المزمل بھی مکی ہے اور اس میں یہ صریح آیت ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (المزمل: ۲۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پنج وقتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۳۴' لاہور' ۱۹۹۰ء)

رہا یہ سوال کہ زکوٰۃ کا مخصوص نصاب اور شرح مدینہ منورہ میں مقرر ہوئی ہے' اس کے جواب میں علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ مکہ معظمہ میں بغیر تعیین زکوٰۃ کے فرض کی گئی تھی اور مدینہ منورہ میں نصابوں کی تعیین فرض کی گئی' پس یہ ممکن ہے کہ اس زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مجملاً مراد لی جائے' پس ان آیات کے مکی ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے البتہ بعض علماء کے نزدیک اس سورت کا دوسرا رکوع مدنی ہے لیکن علامہ سیوطی نے اس قول کو رد کردیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۷۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کہ سورۃ المزمل کے دوسرے رکوع کے مکی ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے' اسی طرح مقرر حق کی تفسیر میں بھی بعض علماء نے اس سے زکوٰۃ کو مراد نہیں لیا' لیکن اکابر مفسرین اور جمہور نے اس سے زکوٰۃ ہی کو مراد لیا ہے اور چونکہ سید مودودی کی تفسیر اس کے خلاف تھی اس لیے ہم نے اس پر تنبیہ کرنا ضروری خیال کیا۔

المعارج: ۲۵ میں فرمایا: (وہ حق معلوم) سائل کا ہے اور محروم کا O

سوال کرنے کے جواز کا ضابطہ

سائل سے مراد ہے: جو مانگتا ہو اور محروم سے مراد وہ شخص ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتا اور مال دار شخص اس کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے اس کو خوش حال سمجھتا ہے' اس وجہ سے وہ اپنے حق سے محروم رہتا ہے' اس آیت میں سائل سے مراد پیشہ ور گداگر نہیں ہیں' درج ذیل حدیث میں سوال کرنے کا ضابطہ بیان فرمایا ہے:

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک بڑی رقم کا مقروض ہو گیا تھا' میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں' آپ نے فرمایا: اس وقت تک ہمارے پاس ٹھہرو جب تک صدقہ کا مال آ جائے' ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم کریں گے' پھر فرمایا: اے قبیصہ! تین شخصوں کے علاوہ اور کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے' ایک وہ شخص جو مقروض ہو' اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے' اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے' دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کوئی آفت ناگہانی پہنچی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو' اس کے لیے اتنا سوال کرنا جائز ہے' جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقل مند آدمی اس بات پر گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے' جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' اور اے قبیصہ! ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

مقروض کے لیے ادائیگی قرض کے واسطے سوال کی اجازت اس وقت ہے' جب اس نے کسی جائز ضرورت کی وجہ سے قرض لیا ہو' اگر کسی گناہ کی خاطر قرض لیا ہے تو سوال کی اجازت نہیں' فاقہ زدہ کے لیے اس کی قوم کے تین ذی عقل آدمیوں کی گواہی بطورِ استحباب ہے ورنہ دو آدمیوں کی گواہی بھی کافی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشہ ور گداگری اسلام میں ناجائز ہے اور اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ پیشہ ور گداگروں کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔ آج کل بعض لوگ مصنوعی طور پر اور بعض عمداً معذور بن جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ پیر خراب کر کے ایسی وضع اختیار کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ترس آئے اور زیادہ سے زیادہ بھیک ملے' ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت سلامتیٔ اعضاء ہے' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ضائع کرتے ہیں اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ میک اَپ کا سہارا لے کر مصنوعی بیماریاں ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں' بعض مصنوعی طور پر نابینا یا لنگڑے بن جاتے ہیں' ایسے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دینی چاہیے تا کہ اس مکروہ پیشہ کی حوصلہ شکنی ہو اور پیشہ ور گداگری کی لعنت کا خاتمہ ہو۔

اس آیت میں سائلین اور محرومین کا حق فرمایا ہے' اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر مال دار لوگ سائلین اور محرومین کو کچھ مال دے رہے ہیں تو ان پر احسان نہیں کر رہے بلکہ مال داروں کے مال میں یہ ان کا حق ہے جس کو وہ ان تک پہنچا رہے ہیں۔

المعارج: ۲۷۔۲۶ میں فرمایا: اور جو لوگ روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O

یعنی جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حشر و نشر پر ایمان لاتے ہیں۔

نیک اعمال نہ کرنے اور بُرے اعمال سے نہ بچنے پر عذاب کا خوف

المعارج: ۲۷ میں اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے' یا تو اس سے وہ خوف مراد ہے جو فرائض اور واجبات ادا نہ کرنے پر عذاب کا خوف ہوتا ہے اور یا اس سے وہ خوف مراد ہے جو حرام اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب کا خوف ہوتا ہے اور جن مسلمانوں کے دلوں میں یہ خوف دائماً رہے گا وہ کسی فرض یا واجب کو ترک کریں گے' نہ کسی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب کریں گے اور اگر ان سے اغواء شیطان یا نفس کے بہکانے سے کوئی گناہ کبیرہ ہو جائے تو وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں گے اور اس پر توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے۔

المعارج: ۲۸ میں فرمایا: بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O

تمام نیک اعمال کرنے اور تمام بُرے اعمال سے بچنے کے باوجود اللہ کے عذاب کا خوف

اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے رب کے تمام احکام کو بجالائے اور اس کے منع کیے ہوئے تمام کاموں سے رُک جائے' پھر بھی اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتا رہے' اور وہ اپنے نیک اعمال پر مطمئن نہ ہو جائے' اور اللہ تعالیٰ کے جلال ذات سے ڈرتا رہے' اسے کیا پتا ہے کہ اس کے یہ نیک اعمال قبول ہوں گے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی تقصیر ہو گئی ہو جس سے اس کی ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں اور وہ عذاب کا مستحق ہو جائے' یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام بھی باوجود کثرتِ عبادت وریاضت کے خوفِ خدا سے لرزتے رہتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا' کاش! میں پیدا نہ کیا جاتا' کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی' کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا' کاش! میں بھولا بسرا ہوتا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا' مجھے پسند ہے کہ میں پیدا نہ کیا جاتا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶۔۲۳۷' المستدرک ج ۴ ص ۵۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرو' اور تم اللہ کو پکارتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ (اور یہ کہو:) میں ضرور یہ پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے پسند ہے میں بھولی بسری ہوتی۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۶' مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۰۷ قدیم' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۷۲۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵۲' الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۵۷۔۴۷ قدیم)۔

اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے پسند ہے کہ میں درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا' مجھے پسند ہے کہ مجھ کو پیدا نہ کیا جاتا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۵۷' کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۱۶۴' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۸' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۷۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

الضحاک بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! میں پرندہ ہوتا' میرے بازوؤں میں پر ہوتے۔ (کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۱۵۶' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۲)

یعقوب بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ ایک پرندہ درخت پر بیٹھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا: کاش! میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۵' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے' سو بے شک اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں ○ پس جو ان کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ وہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے ○ (المعارج: ۳۵۔۲۹)

بیویوں کے سوا جنسی لذت کے حصول کی ممانعت

المعارج: ۳۱۔۲۹ میں بیویوں اور باندیوں کے علاوہ اور کسی سے جنسی تلذذ حاصل کرنے کی ممانعت فرمادی ہے' باندیوں کا اب دنیا میں رواج نہیں رہا' لیکن اگر کسی زمانہ میں باندیاں حاصل ہوں یعنی کافروں کی وہ عورتیں جو میدانِ جہاد میں گرفتار ہوں لعد پھر امیر لشکران کو مسلمانوں میں تقسیم کردے تو جس مجاہد کے حصہ میں جو باندی آئے' وہ اس سے جنسی تلذذ حاصل کرسکتا ہے' نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردوں کا لڑکوں سے جنسی لذت حاصل کرنا یا عورتوں کا عورتوں سے جنسی لذت حاصل کرنا حرام اور ناجائز ہے' اسی طرح کسی شخص کا اپنے ہاتھ یا اپنی ران سے جنسی لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے' اس کی پوری تفصیل المؤمنون: ۷۔۵ میں گزرچکی ہے۔

المعارج: ۳۲ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں O

امانت کی رعایت

یعنی جو لوگ امانت رکھوانے والے کو اس کے مطالبہ کے وقت اس کی امانت لوٹا دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض اور واجبات بھی امانت میں داخل ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹)

اس آیت کی مفصل تفسیر المؤمنون: ۸ میں گزرچکی ہے۔

گواہیوں کی تفصیل

المعارج: ۳۳ میں فرمایا: اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں O

یعنی انہوں نے جس طرح کوئی واقعہ دیکھا وہ اس کو اسی طرح بیان کردیتے ہیں' اس میں سے کوئی چیز چھپاتے ہیں نہ اس میں کوئی کمی بیشی کرتے ہیں' اور اگر ان کو کسی کے خلاف شہادت دینی پڑے تو اس میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے' خواہ ان کی شہادت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ کی شہادت' جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت یا ہلال رمضان کی شہادت' یا حدود اور قصاص میں شہادت' اور حقوق العباد کی شہادت جیسے خرید و فروخت میں شہادت' یا قرض اور رہن میں شہادت یا ہبہ میں اور نکاح اور طلاق میں شہادت۔

المعارج: ۳۴ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O

نماز کی حفاظت سے متعلق اُمور

نمازوں کی حفاظت میں کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز پر مقدم ہیں' مثلاً یہ کہ انسان کی توجہ نماز کے وقت کی طرف مبذول رہے' اور جیسے ہی نماز کا وقت شروع ہو وہ نماز کی تیاری میں مصروف ہو جائے' وضو کرے اور پاک اور صاف لباس پہنے' جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو' اور نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے دل کو دنیاوی وسوسوں سے فارغ کرلے اور غیر اللہ کی طرف توجہ سے خالی الذہن ہو جائے' اور دکھاوے اور سنانے سے حتی الامکان احتراز کرے' اور کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز میں داخل ہیں' مثلاً یہ کہ قرأت کے دوران اس کا ذہن متوجہ ہو' اور جب تسبیحات پڑھے تو ان کے معنیٰ میں غور کرتا رہے اور نماز میں دائیں بائیں توجہ نہ کرے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز میں اپنی نظر کہاں رکھوں؟ آپ نے فرمایا: اے انس! اپنے سجدہ کی جگہ' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو بہت سخت حکم ہے' آپ نے فرمایا: پھر فرض نمازوں میں اس طرح کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۸۴ نشر السنہ ملتان)

اور کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز سے مؤخر ہیں اور وہ یہ ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد فضول کاموں اور لھو ولعب میں مشغول نہ ہو اور نماز پڑھنے کے بعد حتی الامکان گناہوں سے بچا رہے۔

اس کی مزید تفصیل المؤمنون: ۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

المعارج: ۳۵ میں فرمایا: وہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے O

یعنی جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے' ان ہی کو جنتوں میں عزت اور وجاہت ملے گی۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ

پس ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ یہ آپ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں O دائیں

وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

بائیں سے گروہ در گروہ O کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو

اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا

نعمت والی جنت میں داخل کر دیا جائے گا O ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

جانتے ہیں O سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا

بے شک ہم ضرور قادر ہیں O کہ ان کے بدلے میں ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں' اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى

اس سے عاجز نہیں ہیں O پس (اے رسولِ مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ

حتیٰ کہ یہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O جس دن یہ قبروں سے

الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾

دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی' یہ وہ دن ہے

الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آپ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں O دائیں بائیں سے گروہ در گروہ O کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو نعمت والی جنت میں داخل کر دیا جائے گا O ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ جانتے ہیں O (المعارج: ۳۹۔۳۶)

مشرکین کے اس زعم کا رد کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا

مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر گروہ در گروہ بیٹھ جاتے تھے اور آپ کو گھیر لیتے تھے' وہ آپ کے ارشادات سن کر مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے: جس طرح (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے' تب یہ آیتیں ان کے رد میں نازل ہوئیں۔

المعارج: ۳۶ میں ''مھطعین'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: گردن دراز کر کے دوڑتے ہوئے۔ ابو مسلم نے کہا: ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منافق تھے' یہ آپ کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور دوڑنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی طرف بھاگتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہر نہیں ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ مشرکین مکہ تھے کیونکہ سورۃ المعارج مکی ہے اور مکہ میں منافقین نہیں تھے۔

المعارج: ۳۷ میں ''عـزیـن'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: گروہ در گروہ' کیونکہ یہ مشرکین آپ کی دائیں اور بائیں جانب گروہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

المعارج: ۳۸ میں فرمایا: کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟ O

اس آیت کا معنیٰ ظاہر ہے۔

المعارج: ۳۹ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ جانتے ہیں O

اس آیت میں ''کـلا'' کا لفظ ہے' اس لفظ کا معنیٰ کسی شخص کی فاسد طمع پر اس کو ڈانٹنا' اور اس کا رد کرنا ہے' اس آیت کا منشاء مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کرنا ہے' اس کی تقریر یہ ہے کہ اے مشرکو! تم اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک گندے قطرہ سے بنایا ہے تو جب میں ابتداءً تم کو ایک گندے قطرہ سے پیدا کر سکتا ہوں تو دوبارہ تم کو کیوں پیدا نہیں کر سکتا!

مشرکین مکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے تو گویا ان سے کہا گیا کہ جب تم قیامت' حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہو تو پھر کس بناء پر یہ توقع کر رہے ہو کہ تم کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

مشرکین مکہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کو حقیر جانتے تھے تو گویا کہ ان سے کہا گیا کہ تم کس بناء پر مسلمانوں کو حقیر جانتے ہو تم اپنی اصل پر غور تو کرو تم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں O کہ ان کے بدلہ میں ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں O پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O (المعارج: ۴۲۔۴۰)

مشارق اور مغارب کی توجیہ

المعارج: ۴۰ میں مشارق اور مغارب کا ذکر ہے' قرآن مجید میں مشرق اور مغرب کا واحد کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور تثنیہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے۔

واحد کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ'' (البقرہ: ۱۱۵)۔

تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ'' (الرحمٰن: ۱۷)۔

جمع کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا'' (الاعراف: ۱۳۷)۔

سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے بھی اتنے ہی مقام ہیں' گویا ہر روز کا ایک الگ مشرق اور ایک الگ مغرب ہوتا ہے' اس اعتبار سے جمع کے صیغہ کے ساتھ مشارق اور مغارب فرمایا' سردی اور گرمی میں نمایاں فرق کے ساتھ دو مشرق اور دو مغرب ہوتے ہیں' ایک انتہائی آخری مشرق اور مغرب اور دوسرا ابتدائی قریب ترین مشرق اور مغرب' اس لحاظ سے مشرقین اور مغربین فرمایا اور ایک مطلقاً طلوع اور غروب کے مقام' جن میں اس تفصیل سے قطع نظر ہو' اس اعتبار سے مشرق اور مغرب فرمایا۔

المعارج: ۴۱ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان مشرکین مکہ کے بدلہ میں کوئی اور مخلوق لے آئے۔

آیا مشرکین کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ کوئی اور قوم لایا یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدرت کا اظہار کیا ہے یا نہیں اور ان مشرکینِ مکہ کی جگہ کوئی اور قوم وجود میں لایا ہے یا نہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار کو وجود میں لے آیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین مکہ کے شرک اور کفر کو توحید اور ایمان سے تبدیل کر دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ تبدیلی وقوع میں نہیں آئی کیونکہ بعض مشرکین تا حیات اپنے شرک اور کفر پر قائم رہے اور یہ تبدیلی اس وقت وقوع میں آتی' جب یہ سب ہلاک ہو جاتے اور ان کی جگہ نئی قوم وجود میں آ جاتی اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اللہ اس پر قادر ہے کہ ان کے بدلہ میں کوئی اور قوم لے آئے' اس سے متبادر یہ ہے کہ وہ ان سب کو ہلاک کر کے کوئی اور قوم پیدا کر دے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا نہیں' صرف ان کو ڈرانے کے لیے اس طرح فرمایا تا کہ یہ ایمان لے آئیں اور بہر حال ان میں سے اکثر ایمان لے آئے حتیٰ کہ پورے جزیرۂ عرب میں اسلام پھیل گیا۔

المعارج: ۴۲ میں فرمایا: پس (اے رسولِ مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں O

اس آیت میں بہ طور وعید فرمایا: ان لوگوں کو ان کی باطل سرگرمیوں اور دنیاوی مشغلوں میں چھوڑ دیں اور آپ دین اسلام کی تبلیغ میں مشغول اور سرگرم رہیں اور ان کے کفر اور شرک پر برقرار رہنے سے آپ پریشان نہ ہوں' بہر حال ان کی اللہ سبحانہٗ سے ملاقات کا ایک دن معین ہے اور اس دن ان کو اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا O

(المعارج: ۴۴-۴۳)

''اجداث' نصب'' اور دیگر مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''اجداث'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: قبریں' نیز اس آیت میں ''نصب'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بت' اس کی جمع ''انصاب'' ہے' اور اس لفظ کا معنیٰ علم اور جھنڈا بھی ہے' ابوعمر نے کہا: اس سے شکاری کا جال مراد ہے جس کی طرف شکاری تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے کہ کہیں پھنسا ہوا شکار نکل نہ جائے۔

اس بناء پر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے ہوں گے جیسے کوئی شخص دوڑ کے مقابلہ میں اپنے ہدف کی طرف بھاگا جا رہا ہو' اور اس کا دوسرا معنیٰ وہ بت ہیں جن کو مشرکین عبادت کے لیے نصب کرتے ہیں اور ان بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان بتوں کے پاس ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

اور اس آیت میں ''یوفضون'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ تیزی سے دوڑتے ہیں اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس دن وہ قبروں سے نکلیں گے تو بلانے والے کی طرف بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے' گویا وہ اپنے کسی معین اور مددگار کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔

المعارج: ۴۴ میں فرمایا: (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ الآیۃ

ذلت اور ندامت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی' عذاب اور رسوائی کے خوف سے وہ نظر اوپر نہیں اٹھائیں گے' اور یہی وہ دن ہے جس کے عذاب سے انہیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا۔

سورۃ المعارج کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۸ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۸ اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ المعارج کی تکمیل ہوگئی' الٰہ العٰلمین! میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشرین اور دیگر معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمانا اور دنیاوی مشکلات اور مصائب سے محفوظ اور مامون رکھنا' اور جس طرح یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دینا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وامتہٖ اجمعین

16

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورۂ نوح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اس سورت کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ○ (نوح:۱) بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں' اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے○

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۶۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۲ ہے' اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۱ ہے' سورۃ النحل کی چالیس آیتوں کے نازل ہونے کے بعد اور سورۃ الطور سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی۔

سورۃ المعارج کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ مشرکین مکہ سے بہتر لوگ لے آئیں (المعارج:۴۱) اور اس کے بعد سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عالم گیر طوفان بھیجا' جس سے ان کی قوم کے تمام کافر غرق ہو کر ہلاک ہو گئے' صرف وہ اسّی (۸۰) افراد بچے' جو اللہ کی توحید اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا چکے تھے' اور پھر ان ہی باقی ماندہ لوگوں سے دنیا آباد ہوئی' اس طرح اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے تو ایک قوم کو ہلاک کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

سورتِ نوح کے مشمولات

☆ جس طرح دیگر مکی سورتوں میں توحید و رسالت پر ایمان لانے کی تاکید کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کا حکم دیا جاتا ہے اور شرک اور بت پرستی کی مذمت کی جاتی ہے' سو اس سورت میں ان ہی اُمور کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

☆ اس سورت کے شروع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بت پرستی اور گناہوں کو ترک کر دیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے اور ان کے اموال اور ان کی اولاد سے ان کی مدد فرمائے اور آخرت میں ان کو جنت عطا فرمائے لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا اور اپنی گم راہی اور نافرمانی پر ڈٹے رہے۔

16

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی توحید اور اپنی قدرت پر استدلال فرمایا اور آسمانوں اور زمینوں میں اپنی نعمتوں کا بیان فرمایا' اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفع کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور اس میں خزانوں اور معدنیات کو رکھ دیا۔

☆ آخر میں یہ بتایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر ان کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی' وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تلقین کرتے رہے کہ وہ شرک سے باز آئے لیکن جب وہ باز نہ آئی تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اس قوم کو ہلاک کر دے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۂ نوح کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور خطا سے بچائے رکھنا۔
آمین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۴ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۴ فروری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

(۷۱) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ (۷۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آيَاتُهَا ۲۸ رُكُوعَاتُهَا ۲

سورۂ نوح مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ

أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ

ان کی طرف دردناک عذاب آئے ○ (نوح نے) کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف

مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ

ڈرانے والا ہوں ○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو ○ وہ تمہارے

لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ

بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک

وقف لازم

أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ

جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ○ (نوح نے) کہا:

رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی ○ پس میری دعوت سے

دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے ○ اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف فرمائے

جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ

تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے

وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ

اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا ○ پھر میں نے ان کو بلند آواز

جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّيٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾

سے بلایا O پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طریقہ سے بھی O

فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ

پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار

عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَ

بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور

يَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ

تمہارے لیے دریا بہائے گا O تم اللہ کی عظمت و جلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ O حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج

أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا۟ كَيْفَ خَلَقَ ٱللَّهُ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾

پیدا کیا ہے O کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں O

وَجَعَلَ ٱلْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ٱلشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَ

اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ بنایا O اور

ٱللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَ

اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے O پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور

يُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾

(دوبارہ) تم کو نکالے گا O اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا O

لِّتَسْلُكُوا۟ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ ع ۱ ع ۲۰ ۹

تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے O (نوح نے) کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں O کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا،

اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے O (نوح: ۴۔۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کے اہم عنوانات

قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق آیات ہیں' خصوصاً سورۃ الاعراف اور سورۂ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کا بہت مفصل ذکر ہے' ہم نے تبیان القرآن جلد ۴ میں اور جلد ۵ میں ان آیات کی جو تفسیر کی ہے' ہم ان کے عنوانات کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی تاریخ ولادت (ج ۴ ص ۱۹۰) بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی؟ (ص ۱۹۱) حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان (ص ۱۹۲) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب (ص ۱۹۳) طوفانِ نوح اور کشتی کی بعض تفاصیل (ص ۱۹۴) حضرت نوح علیہ السلام کی عمر (ص ۱۹۴) قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد (ص ۱۹۵) اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل (ص ۱۹۵) حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قومِ نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات (ص ۱۹۶) قومِ نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ (ص ۱۹۷)۔

اور سورۂ ھود کی تفسیر میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق یہ عنوانات ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ (ج ۵ ص ۵۲۳) انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت (ص ۵۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات (ص ۵۲۳) بشر کا معنیٰ اور نبی کے بشر ہونے کی حقیقت (ص ۵۲۴) نبی کی خصوصیات (ص ۵۲۵) فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ (ص ۵۲۷) پس ماندہ لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں (ص ۵۲۸) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا (ص ۵۲۸) تبلیغ دین پر اجرت طلب نہ کرنے سے حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی نبوت پر استدلال (ص ۵۳۰) حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ (ص ۵۳۲) حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات (ص ۵۳۳) کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل (ص ۵۴۴) کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ (ص ۵۴۵) حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اڑانے کا محمل (ص ۵۴۵) تنور کا معنیٰ اور اس کے مصداق کی تحقیق (ص ۵۴۵) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل (ص ۵۴۶) ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ کا نام لینا (ص ۵۴۷) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا؟ (ص ۵۴۸) جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل (ص ۵۵۱) ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟ (ص ۵۵۲) اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا (ص ۵۵۳) حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابو الاعلیٰ مودودی کا تبصرہ (ص ۵۵۶) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ (ص ۵۵۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنیٰ (ص ۵۵۹)۔

سورۃ العنکبوت کی تفسیر کے درج ذیل عنوانات بھی قابل غور ہیں:

اس کی تحقیق کہ طوفانِ نوح تمام زمین پر آیا تھا یا بعض علاقوں پر (ج ۹ ص ۵۵) طوفانِ نوح کا تمام روئے زمین کو محیط ہونا (ص ۵۵) طوفانِ نوح کا صرف بعض علاقوں پر آنا (ص ۵۷)۔

نوح: ۱ میں فرمایا: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں' اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے O

آیا حضرت نوح تمام لوگوں کے رسول تھے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جن کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ص ۲۷۳)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے سورۂ نوح کی تفسیر کا آغاز مذکور الصدر حدیث سے کیا ہے' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا' اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے' مگر اس میں صرف اتنا ہے کہ سب سے پہلے جس نبی کو بھیجا گیا وہ حضرت نوح ہیں۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۴۵) نیز علامہ قرطبی کا یہ کہنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا تھا اس آیت کے خلاف ہے' کیونکہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور جس نبی کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا وہ صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ حقیقت قرآن مجید کی آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے' قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ (الفرقان: ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے مقدس بندے پر فرقان کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں O

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا: ۲۸) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ صرف آپ کو ہی روئے زمین کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے (۲) میرے لیے تمام روئے زمین نماز کی جگہ اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی ہے' پس میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا (۴) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱)

نیز صحیح مسلم میں ایک اور سند سے یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم (وسیع المعنی کلام) دیئے گئے ہیں اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مالِ غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ

اس آیت میں فرمایا ہے: اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے' مقاتل نے کہا: اس سے مراد ہے: اس سے پہلے کہ ان کو طوفان سے غرق کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے' ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ ان کو مطلقاً آخرت کے عذاب سے ڈرایئے' حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا' وہ آپ کو اس قدر زدوکوب کرتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ١٤)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' وہ ان میں ساڑھے نوسو سال رہے' پس ان کو طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ۝

نوح: ٢ میں فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۝

یعنی میں تمہارے سامنے تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں کہ اگر تم اللہ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔

نوح: ٣ میں فرمایا: کہ تم اللہ کی عبادت کرو' اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو ۝

اللہ کی عبادت اور اس سے ڈرنے کے حکم کے بعد حضرت نوح کی اطاعت کے حکم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرو' خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحبات ہوں اور خواہ ان عبادات کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو یا دل کے کاموں سے ہو' اور اللہ سے ڈرتے رہنے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان تمام کاموں کو ترک کر دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے' اور فرمایا: میری اطاعت کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت صرف نبی کے بتانے اور اس کی رہ نمائی سے ہو سکتی ہے۔ عام انسان کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کس کام کا حکم دیا ہے اور کس کام سے منع فرمایا ہے' اور اللہ سبحانہٗ کس کام سے راضی ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت نبی کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی' اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی عبادت اور اس سے ڈرنے کا حکم دینے کے بعد یہ فرمایا: میری اطاعت کرو۔

نوح: ٤ میں فرمایا: وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ۝

بعض گناہوں کی معافی کی بشارت کی توجیہ

اللہ سبحانہٗ نے ان کو تین کاموں کا مکلف کیا' اللہ کی عبادت کرو' اس سے ڈرو اور حضرت نوح کی اطاعت کرو' اور اس پر عمل کرنے کے بعد ان سے دو انعاموں کا وعدہ فرمایا: (١) اللہ ان کے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' یعنی ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا (٢) ان سے دنیا کے عذاب اور مصائب کو بھی بہ قدر الامکان دور فرما دے گا اور ان کی موت کو بہ قدر امکان مؤخر کر دے گا۔

اس آیت میں ''من ذنوبکم'' فرمایا ہے' یعنی تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' یعنی ان کے تمام گناہ معاف

نہیں فرمائے گا' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے کے گناہ تو صرف ایمان لانے سے ہی معاف ہو جاتے ہیں' پھر قابل معافی جو گناہ بچے وہ ایمان لانے کے بعد کے ہی گناہ ہیں اور وہ کل گناہوں کا بعض ہی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں' آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا' آپ نے پوچھا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میرا ارادہ ہے کہ میں ایک شرط لگاؤں' آپ نے فرمایا: تم کیا شرط لگاؤ گے؟ میں نے عرض کیا: میری معافی ہو جائے' آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور حج اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے وہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے جب اصحاب حقوق ان کو معاف کر دیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں' جن پر بندوں نے استغفار کیا ہو اور باقی ماندہ گناہ اللہ سبحانہٗ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں' وہ چاہے تو ان گناہوں کی سزا دینے کے بعد ان کو معاف فرما دے چاہے تو کسی نبی' ولی یا فرشتہ کی سفارش سے ان کو معاف فرما دے اور چاہے تو اپنے فضل محض سے ان کو معاف فرما دے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''مِن'' زائدہ ہے یا بیانیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ بلیغ کے کلام میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہوتا' اور ''مِن'' بیانیہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے پہلے جنس کا ذکر ہو یا کوئی مبہم لفظ ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مہلت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا ہے' اللہ تمہیں مہلت دے گا یعنی موت یا عذاب کو مؤخر کر دے گا اور دوسرے حصہ میں فرمایا ہے: اللہ کی معین کردہ مہلت مؤخر نہیں ہوتی اور یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی دو قسمیں ہیں: تقدیر مبرم اور تقدیر معلق' تقدیر مبرم وہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں تبدیلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل جائے اور یہ محال ہے کیونکہ علم بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم نہ ہو بعد میں اس کا علم ہو اور یہ محال ہے' اس لیے تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ (یونس: ۶۴) اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اور تقدیر معلق کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو دوسرے کام پر موقوف کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے' مثلاً اگر تمام قوم نوح ایمان لے آئی تو ان پر طوفان کا عذاب نہیں آئے گا اور اگر تمام قوم ایمان نہیں لائی تو ان پر عذاب آ جائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعیت سے علم ہوتا ہے کہ کیا ہو گا اور وہی ام الکتاب ہے' اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت

رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہےO (الرعد:۳۹)

اس کا ثبوت حسب ذیل احادیث میں ہے:
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوسکتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۳۹)
اس تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی نفع کو کسی بندہ کی دعا پر موقوف کر دیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں اور اس کا وہ علم ہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔
ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو دَم کراتے ہیں یا دوا سے علاج کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں' آیا اس سے اللہ کی تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۳۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱)
یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ اس مرض میں اس دوا سے مثلاً شفا ہوگی' اگر دوا کی تو شفا ہوگی ورنہ نہیں اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا اور وہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے) کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دیO پس میری دعوت سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگےO اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیاO پھر میں نے ان کو بلند آواز سے بلایاO پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طریقہ سے بھیO پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہےO وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گاO اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا' اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گاO (نوح:۱۲۔۵)

ہدایت اور گم راہی کا اللہ کی تقدیر سے ہونا

نوح:۶۔۵ میں بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مسلسل دن اور رات' خلوت اور جلوت میں دین کی تبلیغ کرتے رہے' لیکن ان کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا' بجائے اس کے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رغبت کرتے وہ ان سے متنفر ہو گئے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا ملنا اور گم راہی میں مبتلا ہونا محض اللہ کی تقدیر اور اس کی اثر آفرینی سے ہوتا ہے۔ ایک عالم ایک مجلس میں وعظ کرتا ہے' ایک شخص کے دل پر اس وعظ کا اثر ہوتا ہے اور وہ اس کی نصیحت کو قبول کر کے راہِ راست پر آ جاتا ہے اور دوسرے شخص پر اس کے برعکس اثر ہوتا ہے' وہ اس عالم سے اور متنفر ہو جاتا ہے' اور اس کے وعظ اور نصیحت کے خلاف اپنے دل میں شبہات کے تانے بانے بُننے لگتا ہے اور زیادہ شدت اور تندی سے اس کا ردّ کرتا ہے۔
نوح:۷ میں فرمایا: (نوح نے کہا:) اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف فرمائے' تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیاO
حضرت نوح علیہ السلام جب بھی انہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی طرف بلاتے تاکہ ان کی مغفرت ہو جائے تو وہ اعراض کرتے اور آپ کا وعظ نہ سننے کی کوشش کرتے' اس لیے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے تاکہ حق اور صداقت کی کوئی آواز ان کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے' وہ اپنے کفر اور شرک پر اصرار کرتے اور اس پر جمے رہتے اور

حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ سننے اور اس کے قبول کرنے کو اپنی بڑائی اور انانیت کے خلاف سمجھتے۔

نوح: ۹۔ ۸ میں بتایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بہ آواز بلند بھی تبلیغ کی اور خفیہ طریقہ سے بھی لیکن ان کی قوم پر ان کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

نوح: ۱۲۔ ۱۰ میں فرمایا: (نوح نے کہا:) پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O الآیات

خوش حالی کے حصول کے لیے اور استغفار کی فضیلت میں آیات احادیث اور آثار

امام رازی فرماتے ہیں کہ مقاتل نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بہت طویل عرصہ تک حضرت نوح کی تکذیب کی' اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور چالیس سال تک ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' پھر اس سزا کے تدارک کے لیے انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے شرک اور کفر پر اپنے رب سے توبہ کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو' تمہارا رب تمہارے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرنے سے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اللہ عزوجل کی رحمت اور وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے اور اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الاعراف: ۹۶)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے اوپر آسمان اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ. (المائدہ: ۶۶)

اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور اس کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو یہ اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے نیچے سے۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ (الجن: ۱۶)

اور اگر یہ لوگ راہِ راست پر سیدھے چلتے تو ہم ان کو ضرور بہت وافر پانی پلاتے O

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ. (الطلاق: ۳۔ ۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے' اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے O اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے بہت زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ اللہ نے تم کو استغفار کی اسی لیے تعلیم دی ہے کہ وہ تم کو بخشنا چاہتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۲۶۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی' وہ مغفرت سے محروم نہیں ہو گا کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ" (نوح: ۱۰)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

ابلیس نے اپنے رب عزوجل سے کہا: تیری عزت اور جلال کی قسم! میں بنوآدم کو اس وقت تک گم راہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں رُوحیں ہیں' تب اس کے رب نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹-۴۱-۷۶ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۹-۱۲۷۳)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا صحیفۂ اعمال اس کو خوش کرے وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۴۳ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۷۹)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز استسقاء پڑھانے کے لیے نکلے' آپ نے استغفار کرنے کے اوپر اور کچھ زیادہ نہ کیا حتیٰ کہ آپ واپس آ گئے' لوگوں نے کہا: ہم نے آپ کو بارش کی طلب کے لیے دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: میں نے حاجت برآری کے ان آلات سے بارش کو طلب کیا ہے جن سے بارش ہوتی ہے' پھر یہ آیات پڑھیں:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ (نوح: ۱۱-۱۰) — تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے ○ وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا ○

الربیع بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بصری سے قحط سالی کی شکایت کی' اس سے حسن نے کہا: اللہ سے استغفار کرو' پھر دوسرا شخص آیا' اس نے ان سے فقر کی شکایت کی' حسن نے اس سے بھی کہا: اللہ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا' اس نے ان سے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا دے' انہوں نے اس سے بھی کہا: تم اللہ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے شکایت کی کہ میرے باغات خشک ہو گئے ہیں' حسن نے اس سے بھی کہا: تم اللہ سے استغفار کرو' ہم نے ان سے کہا: آپ کے پاس مختلف لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا' حسن بصری نے کہا: میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی' میں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے' وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا' اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا ○ (نوح: ۱۲-۱۰)

انسان چاہتا ہے کہ آخرت کے اجروثواب کے علاوہ اس کو دنیا میں بھی آرام اور راحت نصیب ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو' تم کو معافی بھی ملے گی اور دنیا کی راحت بھی نصیب ہوگی' استغفار کرنے سے بارش ہوگی' مال و دولت اور اولاد میں اضافہ ہوگا' کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور تمہارے لیے دریا رواں دواں ہو جائیں گے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام بنیادی اور اصولی نعمتیں استغفار کرنے سے حاصل ہوتی ہیں' سو ہمیں چاہیے کہ ہم بہ کثرت استغفار کیا کریں تا کہ ہماری ہر حاجت پوری ہو' اسی لیے ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ بارش کی طلب میں اصل چیز اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے اور نمازِ استسقاء سنت لازمہ نہیں ہے' سنت مشروعہ ہے' یعنی یہ نماز بھی پڑھنی چاہیے لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کی عظمت وجلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ ○ حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے ○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں ○ اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ

بنایا O اور اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے O پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا' اور (دوبارہ) تم کو نکالے گا O اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا O تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو O (نوح: ۲۰۔۱۳)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارشی بنانے کا عدم جواز

نوح: ۱۳ میں "وقار" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ تعظیم ہے: "وَتُوَقِّرُوْهُ" (الفتح: ۹) کا معنیٰ ہے: تم اس کی تعظیم کرو' اس آیت کا معنیٰ ہے: تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈرتے کیوں نہیں یعنی تمہارے حال سے یہ کیوں ظاہر نہیں ہوتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر کرنے والے ہو' اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اس کی ہیبت اور جلال سے ڈرنے کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! لوگ پریشان ہو گئے' بچے ضائع ہو گئے' اموال کم ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے' آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش کی دعا کیجئے' ہم اللہ کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور میں شفیع بناتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! کیا تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھنے لگے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھتے رہے' حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم پر افسوس ہے! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کو شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں بنایا جاتا' اللہ کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے' تم جانتے ہو اللہ کیا ہے؟ بے شک اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر اس طرح ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو گنبد کی طرح بنایا اور بے شک وہ چرچر کر رہا ہے جس طرح سوار کے بوجھ سے سواری چرچر کرتی ہے۔ (امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یحییٰ بن معین' علی بن مدینی اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی موافقت کی ہے۔) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

امام ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال بنا کر جو دکھائی اور عرش کے چرچر کرنے کا ذکر فرمایا' یہ اس کم فہم اعرابی کو سمجھانے کے لیے تھا اور آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کیا ہے؟ اس کا معنیٰ ہے: کیا تم اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کو جانتے ہو؟ اور سواری کے چرچر کرنے کی مثال سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو عرش بھی برداشت نہیں کر سکتا' اور اس مثال کو بتانے سے یہ مراد ہے کہ جس کی اتنی عظیم شان اور جلالت قدر ہو اس کو کسی کے پاس سفارشی بنانا جائز نہیں ہے۔ (معالم السنن ص ۹۶۔۹۴' دارالمعرفہ' بیروت)

علامہ حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کو سفارشی بنایا جائے' اور آپ کا بار بار سبحان اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی اس سے تنزیہ اور برأت کے لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال جو دی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اس کے منافی ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱۰ ص ۳۲۹۔۳۲۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

آپ کے بار بار سبحان اللہ پڑھنے پر آپ کے اصحاب کے چہرے اس لیے متغیر ہو گئے تھے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے غضب ناک ہوئے ہیں کہ اس اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو آپ کی جناب میں سفارشی بنایا' سو وہ آپ کے غضب سے خوف زدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے چہرے متغیر ہو گئے' آپ نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت کی وجہ سے بار بار سبحان اللہ پڑھا اور آپ نے جو گنبد کی مثال دی ہے' اس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت اس سے بلند ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۹ ص۲۲۷۔۲۰۷ ملخصاً' المکتبۃ الحقانیہ' پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدرستی شان اینست که طلب شفاعت کرده نمی شود بخدا برهیچ یکے ووسیله گرفته نمی شود اورا' امر خدا و قدر و مرتبه او بزرگترست ازاں که وسیله سازند او را نزد کسے۔ (یعنی نہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے' نہ کسی کے سامنے اللہ تعالیٰ کا وسیلہ پیش کیا جائے۔) (اشعۃ اللمعات ج۴ ص۴۶۱' تیج کمار' لکھنؤ' ہند)

مفتی احمد یار خاں کا یہ لکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو سفارشی بنانا' جائز ہے اور اس پر مصنف کا تبصرہ

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ '' (آل عمران:۱۵۹) کی تفسیر میں اس حدیث کے برخلاف لکھتے ہیں:

بڑا چھوٹے سے سفارش کر سکتا ہے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے رب ہو کر اپنے حبیب سے خطا کاروں کی سفارش فرمائی' مگر اس کا نام سفارش ہوگا نہ کہ شفاعت ہوگا' لہٰذا رب تعالیٰ کو شفیع نہیں کہہ سکتے' وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں رب تعالیٰ کو آپ کی بارگاہ میں شفیع لاتا ہوں تو سرکار اس پر بہت ناراض ہوئے' اس کی یہی وجہ تھی' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ (تفسیر نعیمی ج۴ ص۲۹۱۔۲۹۰' مکتبہ اسلامیہ' لاہور' نور العرفان ص۱۱۱' ادارہ کتب اسلامیہ' لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے شفاعت اور سفارش میں فرق کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شفیع نہیں بنا سکتے لیکن سفارش کرنے والا بنا سکتے ہیں لیکن یہ فرق صحیح نہیں ہے' شفاعت اور سفارش ایک ہی چیز ہیں' جس چیز کو عربی میں شفاعت کہتے ہیں اسی چیز کو اُردو میں سفارش کہتے ہیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے شفیع کا ترجمہ سفارشی کیا ہے' سنن ابوداؤد کی زیر بحث حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جو بات عظمت شانِ الٰہی کے خلاف ہو' اسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ ہوتا ہے' حالانکہ سفارشی ٹھہرانے کو یہ بات کہ اس کا مرتبہ اس سے کم ہے' جس کے پاس سفارش لائی گئی' ایسی صریح لازم نہیں جسے عام لوگ سمجھ لیں' ولہٰذا وہ صحابی اعرابی رضی اللہ عنہ با آنکہ اہل زبان تھے' اس نکتے سے غافل رہے۔ (الامن والعلیٰ ص۱۶۷' شبیر برادرز' لاہور' ۱۳۹۶ھ)

خود مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ نے بھی شفیع کا ترجمہ سفارشی کیا ہے' سنن ابوداؤد کی زیر بحث حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم لوگ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو شفیع بناتے ہیں کہ آپ کی دعا سے وہ ہم پر بارش بھیجے' اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کو شفیع اور سفارشی بناتے ہیں کہ آپ سے ہماری شفاعت و سفارش کرے کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں گویا آپ کی دعا کا شفیع اللہ تعالیٰ اور بارش کے شفیع آپ ہوں۔ (مراۃ المناجیح ج۷ ص۵۹۹)

مفتی احمد یار خاں کے اس ترجمہ سے واضح ہو گیا کہ شفیع اور سفارشی کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

اور اس حدیث کی تشریح میں مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

سفارش کو شفاعت اس لیے کہتے ہیں کہ سائل حاکم کے سامنے اکیلا پیش ہونے کی ہمت نہیں کرتا' تو اس حاکم کے کسی

منظور ومقبول کے ساتھ مل کر حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے' بہر حال شفیع سے حاکم کا افضل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے' اگر خدا تعالیٰ کو شفیع کہا جائے تو لازم آوے گا کہ کوئی اور اس سے اعلیٰ ہے جس کے دربار میں خدا تعالیٰ سے سفارش کرائی گئی' چونکہ یہ بہت باریک بات تھی' اس لیے اس شخص کو نہ تو کافر کہا گیا نہ اس سے توبہ کرائی گئی۔ (مراٰۃ المناجیح ج ۷ص ۶۰۰ 'نعیمی کتب خانہ' گجرات)

مفتی احمد یار خاں نعیمی اہل سنت کے بہت عظیم عالم دین تھے' ان کی بہت خدمات ہیں' میرے دل میں ان کی بہت محبت ہے' لیکن میرے دل میں اللہ عزوجل کی عظمت و جلالت اس سے کہیں زیادہ ہے' اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ کی قدر اور شان واضح کرنے کے لیے یہ وضاحت کی تاکہ ''تفسیر نعیمی'' اور ''نور العرفان'' میں ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ '' (آل عمران:۱۵۹) کی تفسیر پڑھ کر نوجوان علماء اللہ تعالیٰ کو حضور کی بارگاہ میں سفارشی نہ کہنے لگیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس کو وسیلہ بنانے کے منافی ہے

نیز مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

اللہ کے نام کے وسیلہ سے بندوں سے مدد مانگنا درست ہے' ہم کہا کرتے ہیں: اللہ کے واسطے سے یہ دے دو' اللہ کے نام کا صدقہ دے دو' کہا جاتا ہے: ''شیئاً للّٰہ''۔ (مراٰت المناجیح ج ۷ص ۶۰۰)

مفتی احمد یار خاں نعیمی کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے' انہوں نے یہ بھی صحیح نہیں لکھا' اللہ کی بارگاہ میں کسی مقرب کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' لیکن اللہ کا وسیلہ کسی کی بارگاہ میں پیش کرنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ ہم ابھی شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی عبارت سے بتا چکے ہیں' اور عوام کے اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں' استدلال تو قرآن مجید کی آیات' احادیث' آثار صحابہ اور اقوال فقہاء سے کیا جاتا ہے اور ''شیاءً للّٰہ'' کی فقہاء نے یہ تاویل کی ہے کہ ''شیئاً اکراما للّٰہ'' اللہ کی تکریم اور تعظیم کے لیے کچھ دو۔ (الفتاویٰ الخیریہ علیٰ ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ص ۲۸۲' المکتبۃ الحبیبیہ' کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے حضور وسیلہ بنانا جائز نہیں ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہی حال استعانت وفریاد رسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور بمعنیٰ وسیلہ وتوسل وتوسط غیر کے لیے ثابت اور قطعاً روا' بلکہ یہ معنیٰ تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں' اللہ عزوجل وسیلہ وتوسل وتوسط بننے سے پاک ہے' اس سے اُوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا' وللہذا حدیث میں ہے: جب اعرابی نے حضور پُر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا' دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے' پھر فرمایا:

ویحك انه لایستشفع باللّٰه علی احد' شان اللّٰه اعظم من ذلك. رواه ابو داؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللّٰه تعالٰی عنه.

ارے ناداں! اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں کہ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

(الیٰ قولہ) ایک بے وقوف وہابی نے کہا تھا:

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے کہا:

توسّل کر نہیں سکتے خدا سے
اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے توسّل کر کے اُسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنایئے'اس وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ دربارِ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۱ ص ۳۰۴۔۳۰۳' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۲۳ھ)

اللہ اور رسول چاہے کہنا موہم بے ادبی ہے' اللہ پھر رسول چاہے' کہنا چاہیے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اور اللہ کو برابر (اور ایک درجہ میں) کر دیا ہے' بلکہ جو صرف اللہ چاہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۷' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۰۰۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹۔ رقم الحدیث: ۱۸۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے۔)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کسی اہل کتاب نے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم یہ نہ کہا کرتے جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے' (یہ سن کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی تمہارے اس جملہ کو ناپسند کرتا تھا' تم یوں کہا کرو: جو اللہ چاہے' پھر جو محمد چاہے۔

(تاریخ کبیر للبخاری ج ۴ ص ۳۶۴' مسند البزار ج ۷ ص ۲۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۸' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۴' الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۸ ص ۳۶۴۔ رقم الحدیث: ۲۳۳۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: تم لوگ اللہ کا شریک بناتے ہو اور شرک کرتے ہو' تم کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں' اور تم کہتے ہو: کعبہ کی قسم! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانے کا ارادہ کریں تو کہیں: ربِ کعبہ کی قسم! اور یوں کہیں: جو اللہ چاہے پھر جو آپ چاہیں۔(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۸۲' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۷۔۹۸۶)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ اور رسول چاہے تو یہ شرک نہیں ہے کیونکہ عربی میں واؤ اور اُردو میں اور برابری کے لیے نہیں آتا' اس لیے آپ نے ابتداء میں صحابہ کو اس سے منع نہیں کیا لیکن بعد میں جب یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: میں بھی اس کلام کو ناپسند کرتا تھا اور اس کو خلافِ ادب قرار دے کر فرمایا: تم یوں کہا کرو: اللہ چاہے پھر آپ چاہیں' تاکہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مساوات اور برابری کا وہم بھی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کلام سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں برابری کا وہم بھی ہو اس سے احتراز لازم ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

جب اُس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے' اعتراض کیا اور معاذ اللہ شرک کا الزام دیا' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے کریم کا زیادہ رُجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بدعقل مخالف جائے طعن جانے دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک وتوسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے' مگر یہ بات طرزِ عبادت کے ایک گونہ آداب سے تھی' معناً تو قطعاً صحیح تھی' لہٰذا اُس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا' یہاں تک کہ طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خواب دیکھا اور رویائے صادقہ القائے مَلک ہوتا ہے' اب اس خیال کی زیادہ

تقویت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہِ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے پناہ ٹھہرا ہے' بدل دیا جائے جس طرح رب العزت جل جلالہ نے ''رَاعِنَا'' کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود عنود اُسے اپنے مقصد مردود کا ذریعہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ ''اُنظرنا'' کہنے کا ارشاد ہوا تھا' ولہٰذا خواب میں کسی بندۂ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہ محل اعتراض نہ ٹھہرتی بلکہ خواب بھی دیکھا تو اُنہیں یہود و نصاریٰ اس امام الوہابیہ کے خیالوں کو معترض دیکھا تا کہ ظاہر ہو کہ صرف دہن دوزی مخالفان کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے' اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ و رسول چاہیں تو کام ہوگا' بلکہ یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا' (پھر) کا لفظ کہنے سے وہ توہم مساوات کہ ان وہابی خیال کے یہود و نصاریٰ یا یوں کہیے کہ ان یہودی خیال کے وہابیوں کو گزرتا ہے' باقی نہ رہے گا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی تَوَاتُرِ اٰلَائِهٖ والصلاۃ والسّلام عَلٰی انبیائه'' اہل انصاف و دین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تقریر منیر کہ فیض تقدیر سے قلب فقیر پر القا ہوئی کیسی واضح و مستنیر ہے' اُن احادیث کو ایک مسلسل سلک گوہرین میں منظوم کیا اور تمام مدارج و مراتب مرتبہ بحمد اللہ تعالیٰ نورانی نقشہ کھینچ دیا' الحمد للہ کہ یہ حدیث فہمی ہم اہل سنت ہی کا حصہ ہے' وہابیہ وغیرہم بدمذہبوں کو اُس سے کیا علاقہ ہے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''۔

(الامن والعلیٰ ص ۱۸۷۔۱۸۶' شبیر برادرز' لاہور' ۱۳۹۶ھ)

نوح: ۱۴ میں فرمایا: حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو بہ تدریج پیدا فرمانا

اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس نے تم کو اوّلاً مٹی سے بنایا' پھر مٹی کو سبزہ اور غلہ بنایا' پھر اس سے غذا بنائی' پھر غذا سے خون بنایا' پھر خون سے نطفہ بنایا' پھر اس نطفہ کو جما ہوا خون بنایا' پھر اس خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا' پھر اس کو ہڈیوں اور گوشت کی صورت دی' پھر اس میں روح پھونکی' پھر تم کو جنین بنایا' پھر ولید بنایا' پھر رضیع (دودھ پیتا) بنایا' پھر صبی (بچہ) بنایا' پھر غلام (نوخیز لڑکا) بنایا' پھر مراہق (قریب بہ بلوغ) بنایا' پھر بالغ بنایا' پھر شاب (جوان) بنایا' پھر رجل (قوی مرد) بنایا' پھر کہول (چالیس سال کی عمر کا) بنایا' پھر شیخ بنایا' ساٹھ سال کے بعد شیخ فانی بنایا' پھر میت بنایا اور قبر میں پہنچایا تو دفین بنایا اور جب قبر میں ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں تو رمیم بنایا اور جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر خاک ہوگئیں تو پھر تم کو مٹی بنا دیا۔

اس آیت کی دوسری تقریر اس طرح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی تعظیم اور توقیر نہیں کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت نوح اللہ کے نبی ہیں' ان کی توقیر اللہ کی توقیر ہے' تم اللہ کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر کیوں نہیں کرتے' تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کے پیغام کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانو' اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے۔

نوح: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں ○ اور ان میں چاند کو روشن فرمایا' اور سورج کو چراغ بنایا ○

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید پر دلائل اور آسمانوں کے انطباق اور چاند کے آسمانوں میں ہونے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں' وہ دو قسم کے ہیں: ایک وہ دلائل ہیں جو انسان کے اپنے اندر ہیں اور دوسرے وہ دلائل ہیں جو اس خارجی کائنات میں ہیں' انسان کے اپنے اندر جو دلائل ہیں' ان کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہ تدریج پیدا کیا ہے' اب سوال یہ ہے کہ انسان ممکن اور حادث ہے' کیونکہ انسان عدم سے وجود میں آیا ہے تو

ضروری ہوا کہ اس کو عدم سے وجود میں لانے کی کوئی علت ہو اور اگر وہ علت بھی ممکن اور حادث ہوئی تو اس کے لیے پھر کسی علت کی ضرورت ہو گی اور یوں غیر متناہی علتیں لازم آئیں گی اور یہ محال ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ انسان کی پیدائش کی علت حادث اور ممکن نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علت واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء اور تعدد قدماء محال ہے' نیز تمام انسانوں کی بہ تدریج پیدائش کا طریقہ واحد ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا موجد بھی واحد ہو کیونکہ اگر موجد متعدد ہوتے 17
تو ان کے طریقہ ہائے تولید بھی متعدد ہوتے۔

اس خارجی کائنات میں آسمان' چاند اور سورج ہیں اور اسی طریقہ سے ان کی تخلیق کی علت بھی واجب' قدیم اور واحد ہو گی' اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر پہلے اس دلیل کا ذکر کیا جو اس کے اندر ہے' پھر اس دلیل کا ذکر فرمایا جو اس کے باہر ہے کیونکہ انسان اپنے اندر کی نشانیوں کو باہر کی نشانیوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمان اوپر تلے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہیں' حالانکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان ایک دوسرے پر منطبق ہیں' اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ایک دوسرے سے مماس ہوں اور پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں' دو آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہونے کے باوجود اوپر تلے اور ایک دوسرے پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ نوح: ۱۶ میں فرمایا ہے: ان (آسمانوں) میں چاند کو روشن فرمایا حالانکہ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق چاند آسمانِ دنیا سے بہت نیچے اور زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان دنیا زمین کو محیط ہے اور تمام زمینیں اور فضا اور خلا سب آسمانوں کے احاطہ میں ہیں' اس لیے جب چاند خلا میں ہے تب بھی وہ آسمانوں کے احاطہ میں ہے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چاند کسی آسمان میں مرکوز ہو یا نصب ہو' جیسے ہم کہتے ہیں: پاکستان کا صدر مملکت سرزمین پاکستان میں ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ زمین کے کسی حصہ میں مرکوز ہو' اگر وہ ہوائی جہاز میں اسلام آباد سے کراچی پرواز کر رہا ہو تب بھی یہ کہا جائے گا کہ وہ پاکستان میں ہے' اسی طرح جب چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں خلا کے اندر گردش کر رہے ہوں گے' تب بھی آسمانوں کے احاطہ میں ہوں گے' اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں۔

نوح: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اور اللہ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے O پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور دوبارہ تم کو نکالے گا O

انسان کو زمین سے پیدا کرنے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: ۴) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر: ۲) بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے

مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا: ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے' ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خلقت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۴۔۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا ۝ پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا ۝ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا' پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا' پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک اور مخلوق بنایا' سو اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے ۝ 17

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوتی ہے' اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے' اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے' لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے' ابوعاصم نے کہا: تم حضرت ابوبکر اور عمر کے لیے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے' کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۸۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے' اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۴' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے' اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔ (فردوس الاخبار ج ۴ ص ۲۳۵' اللئالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (فردوس الاخبار ج ۲ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۲۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۸۳' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۴۹)

نوح: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ۝ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو ۝

نوح: ۲۰ میں ''فجاجا'' کا لفظ ہے' یہ ''فج'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: کشادہ راستہ۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ

نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے

مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا

مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا○ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی ○ اور انہوں نے کہا:

لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ

تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق

وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ

اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا○ اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا' اور (اے میرے رب!) ظالموں میں صرف

إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ

گم راہی کو زیادہ کرنا○ سو ان کو ان کے سنگین گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا

يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ

گیا تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پایا○ اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب!

لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن

زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ○ بے شک اگر تو

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے ○

رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَ

اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور میرے ماں باپ کو اور ان کو جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور

لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ ع ۲ ۸ ۱۰

تمام ایمان والے مردوں اور تمام ایمان والی عورتوں کو اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما! ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا O اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی O اور انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا O اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا O (نوح: ۲۱۔۲۴)

کفارِ نوح کی حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازشیں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کیے اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا۔

نوح: ۲۱ میں یہ بتایا ہے کہ ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان کی حکم عدولی کی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں کی اطاعت کی جو لوگ حضرت نوح کی نبوت کے منکر اور مخالف تھے اور بت پرستی کے داعی تھے، جن کی اطاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی، وہ ان کے دنیا میں کسی کام آ سکتے تھے نہ آخرت میں، جن کی دوستی اور اطاعت سے ان کو سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ تھا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کرتی تھی۔

نوح: ۲۲ میں فرمایا: حضرت نوح کی قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے اطاعت گزاروں کو ورغلایا اور حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازش کی، وہ اپنے ماتحت لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے تھے، اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ناگفتنی باتیں کہتے تھے، قرآن مجید نے دیگر سورتوں میں ان کے وہ اقوال نقل کیے ہیں، فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (الاعراف: ۶۰)

نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تم کو صریح گم راہی میں دیکھتے ہیں O

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ O (ھود: ۲۷)

پس نوح کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم آپ کو اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی پیروی صرف نیچ اور کم عقل لوگوں نے کی ہے اور ہم اپنے اوپر آپ کی کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تو آپ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں O

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ O اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ O (المؤمنون: ۲۴۔۲۵)

پس نوح کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ شخص صرف تمہاری مثل بشر ہے، یہ تم پر اپنی بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ (کسی نبی کو بھیجنا چاہتا) تو کسی فرشتے کو نازل کر دیتا، ہم نے تو اس کے متعلق اپنے پہلے باپ دادوں سے کچھ نہیں سنا O یہ شخص تو صرف دیوانہ ہے تم اس کو ایک مقرر وقت تک ڈھیل دیتے رہو O

نوح: ۲۳ میں ان بتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی، اور ان کی قوم کے سردار ان کو ان بتوں کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہا کی تاریخی حیثیت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس نے کہا: یہ بت (ودّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے' جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان نیک لوگوں کے مجسمے بنالیں تو پھر ہم کو عبادت کرنے میں زیادہ ذوق اور شوق حاصل ہو گا' سو انہوں نے ان کے مجسمے بنالیے' اور جب یہ نسل بھی ختم ہو گئی اور دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ تمہارے آباؤ اجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش برسائی جاتی تھی' سو بعد کے لوگوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۱۵۴)

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ودّ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا بت تھا' اور سواع رباط میں ہذیل کا بت تھا' اور یغوث جرف میں مراد کے بنو غطیف کا بت تھا' یہ سبا میں تھا' یعوق بلخ میں ہمدان کا بت تھا اور نسر ذی کلاع کا بت تھا جو حمیر سے تھے' قتادہ نے کہا: یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی' پھر بعد میں اہل عرب نے ان کو اپنا معبود بنالیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۱۵۶)

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ان کے گرد ان کے بیٹے تھے' ان میں ودّ' یغوث' سواع اور نسر تھے اور ودّ ان کے سب سے بڑے بیٹے اور سب سے زیادہ نیک تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۹۶)

امام ابو جعفر نے ودّ کا ذکر کیا اور کہا: ودّ مسلمان شخص تھا اور بہت نیک تھا اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا' جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر ارضِ بابل میں گئے اور اس کی یاد میں رونے لگے' جب ابلیس نے ان کی آہ وزاری کو دیکھا تو وہ ان کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہنے لگا: اس شخص کی یاد میں' میں تمہارے رنج و غم کو دیکھ رہا ہوں' تمہارا کیا خیال ہے میں اس شخص کی مثال کا ایک مجسمہ تمہارے لیے بنا دوں' تم اس مجسمہ کو اپنی مجلس میں رکھ لینا' پھر تمہارا دل بہل جائے گا' انہوں نے کہا: ہاں! ٹھیک ہے' سو اس نے ودّ کی مثل کا ایک مجسمہ بنا دیا اور انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھ لیا' اور وہ اس کو یاد کرتے رہتے تھے' جب ابلیس نے دیکھا کہ وہ اس کو بہت یاد کرتے ہیں تو اس نے ان لوگوں سے کہا: کیا خیال ہے میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں ودّ کی مثال کا ایک مجسمہ بنا کر رکھ دوں' ان لوگوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا' اور وہ ان مجسموں کو دیکھ کر ودّ کو یاد کرتے رہے' پھر ان کی نسل نے اپنے آباء واجداد کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ بھول گئے کہ ان کے آباء واجداد صرف ان بتوں کو دیکھ کر ودّ کو یاد کرتے تھے' حتیٰ کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنا لیا' پھر وہ نسل در نسل ان بتوں کی عبادت کرتے رہے' اور اللہ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے عبادت کی گئی وہ ودّ کا بت تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۹۷)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

محمد بن قیس نے کہا ہے کہ یغوث' یعوق اور نسر' حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی عہد کے لوگ ہیں' یہ بہت نیک لوگ تھے اور ان کے بہت پیروکار تھے' جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی مثال کے مجسمے بنالیں تو ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہو گا' پھر انہوں نے ان کی مثال کے مجسمے بنا لیے' پھر جب ان کی نسل ختم ہو گئی اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دماغوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ تمہارے آباء واجداد ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی' سو انہوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی یہ روایت نقل کی ہے:

حافظ ابن عساکر نے حضرت شیث علیہ السلام کی سوانح میں یہ روایت ذکر کی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی' بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں' ان میں سے جو زندہ رہے وہ ھابیل اور قابیل تھے اور صالح اور عبدالرحمان' جن کا نام عبد الحارث رکھا تھا' اور ودّ کو ہی شیث کہا جاتا تھا' اور ان کو ھبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا' اور ان کے بھائیوں نے ان کو سردار بنا دیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام سواع' یغوث' یعوق اور نسر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ ص ۱۸۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۵۷ میں' علامہ قرطبی نے جز ۱۸ ص ۲۸۱ میں' علامہ بغوی نے معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۵۷ میں' اور علامہ آلوسی نے روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۳۳۔۱۳۲ میں ان روایات کو نقل کر کے ان پر اعتماد کیا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ودّ کا بت مرد کی صورت کا تھا' سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا' یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا' یعوق کا بت گھوڑے کی صورت پر تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا' اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی ہے کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۳۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

واضح رہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اسی اصح روایت کو اختیار کیا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۰۴' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۴۱۱ھ)

اس روایت کی تحقیق کہ کفارِ مکہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے' یہ وہی بت تھے جن کی کفارِ نوح عبادت کرتے تھے

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان کے متعلق امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

ابن جریج سے روایت ہے کہ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قومِ نوح جن بتوں کی عبادت کرتی تھی وہ بت عرب میں اب بھی ہیں' رہا ودّ تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا معبود ہے' رہا سواع تو وہ ہذیل کا معبود ہے' رہا یغوث تو وہ مراد کا معبود ہے' پھر بنو غطیف کا جوف میں سبا کے پاس معبود ہے' رہا یعوق تو وہ ہمذان کا معبود ہے اور رہا نسر تو وہ حمیر کا ذی الکلاع کے لیے معبود ہے' یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے اسماء ہیں' جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھے ہیں' وہاں ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر رکھ دیئے جائیں اور ان نیک لوگوں کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھ دیئے جائیں' پھر جب تک ان لوگوں کی نسل باقی رہی' ان بتوں کی عبادت نہیں کی گئی اور جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۰)

امام بخاری کی اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تقریباً تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ ودّ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا تھا' اور اسی کا نام شیث تھا اور باقی ودّ کے بیٹے تھے اور یہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے صالحین نہیں تھے۔

اور اس پر دوسرا اعتراض حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے سند کے لحاظ سے کیا ہے کہ اس حدیث کو عطا خراسانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' حالانکہ عطا خراسانی کا حضرت ابن عباس سے سماع نہیں ہے' لہٰذا اس حدیث کی سند

منقطع ہے، پس یہ حدیث ضعیف ہے، پھر اس کا ایک کمزور سا جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سند میں مذکور عطا سے مراد عطا خراسانی نہ ہو بلکہ عطا بن ابی رباح ہو اور ابن جریج نے اس کو عطا بن ابی رباح سے بھی روایت کیا ہو اور یہ بات امام بخاری سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے کیونکہ ان کے حدیث وارد کرنے کی شرط اتصال ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۸۰۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس جواب کو رد کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

امام بخاری کا حدیث لانے کے لیے اتصال کی شرط عائد کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان سے یہ مخفی نہ ہو کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، نیز جس حدیث میں عطا خراسانی منفرد ہو اس کی حدیث کو امام مسلم وارد کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس روایت پر سب سے قوی اعتراض امام رازی نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے، پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے، پس ودّ بنو کلب کا ہو گیا، اور سواع ہمذان کا ہو گیا، یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا، اسی وجہ سے اہل عرب کو عبدودّ اور عبد یغوث کہا جاتا تھا، تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے اور اس پر یہ اشکال ہے کہ طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیامیٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے، اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے، پھر انہوں نے ان بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا تا آں کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے بت شکن تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۵۷، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان دلائل کی بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ عرب میں جن بتوں کی پرستش ہوتی تھی، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالحین کی صورتوں کے مجسمے ہیں اور یہ وہی بت ہیں جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پرستش کرتی تھی، ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان ناموں کا ذکر پچھلے لوگوں سے سنتے آئے تھے تو انہوں نے اپنے بتوں کے بھی وہی نام رکھ لیے۔

نوح: ۲۴ میں فرمایا: اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا، اور (اے میرے رب!) ظالموں میں صرف گم راہی کو زیادہ کرنا O

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی توجیہ اور اس دعا کو بددعا کہنے کی مذمت

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بتایا کہ ان کافر سرداروں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے اور ان کو بتوں کی پرستش میں مشغول کر دیا ہے، تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان کی گمراہی کو اور زیادہ کر دے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تو اس قوم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، انہوں نے ان کے گم راہ ہونے کی دعا کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا منشاء یہ نہیں تھا کہ ان کو صراطِ مستقیم سے گم راہ کر دیا جائے، اور ان کو دین میں گم راہی کے راستہ پر ڈال دیا جائے بلکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف جو سازشیں کر رہے تھے اور آپ کو دین و دنیا میں نقصان پہنچانے کی جو تدبیریں کر رہے تھے ان میں ان کو گم راہ کر دیا جائے، تا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں اور اپنی سازشوں میں ناکام اور نامراد ہو جائیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں "ضلال" سے مراد اس کا اثر اور نتیجہ ہے یعنی عذاب، اور مراد یہ ہے کہ اے اللہ! ان کے عذاب کو اور زیادہ کر دے۔

مفتی شفیع دیوبندی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی گمراہی بڑھا دینے کی دعا

اس لیے فرمائی کہ جلد ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ہلاک کر دیئے جائیں۔ (معارف القرآن ج۸ ص ۵۶۷) سید مودودی نے لکھا ہے: وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو چکے تھے' ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰ نے بھی فرعون اور قوم فرعون کے حق میں یہ بددعا کی تھی۔ (تفہیم القرآن ج۶ ص ۱۰۴) شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت کے تیسرے مرحلہ میں پہنچ کر دیکھ لیا کہ اس قوم میں جتنا جوہر تھا وہ نکل آیا ہے' اس کے مٹ جانے میں ہی خیر ہے۔ (تدبر قرآن ج۸ ص ۶۰۴) ان جوابات کی رکاکت ظاہر ہے اور محتاجِ بیاں نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں اور اس کے بعد کی آیات کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اور شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے کہ حضرت نوح نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی' اور سید مودودی اور امین احسن اصلاحی نے اس بحث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی۔ (معارف القرآن ج۸ ص ۵۶۷' تفہیم القرآن ج۶ ص ۱۰۴' تدبر قرآن ج۸ ص ۱۰۴) یہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں شدید بے ادبی اور گستاخی ہے' انبیاء علیہم السلام کا کوئی فعل یا قول بد نہیں ہوتا' ان کا ہر قول اور فعل امت کے لیے نمونہ اور حسن ہوتا ہے' اس کی تفسیر میں یوں لکھنا لازم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ناکامی اور نامرادی کی دعا کی یا ان کے خلاف عذاب زیادہ ہونے کی دعا کی' جس طرح ہم نے لکھا ہے۔

نوح: ۲۵ میں فرمایا: سو ان کو ان کے سنگین گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا گیا تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پایاO

عذابِ قبر کا ثبوت اور اس پر شبہات کے جوابات

اس آیت میں "مما خطیئتهم" میں جار مجرور معمول مقدم ہے اور اس کا عامل "اغرقوا" مؤخر ہے اور تقدیم "ما حقه التاخیر" مفید حصر ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: سو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: "اغرقوا فادخلوا نارا" اور "فاء" تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: (ان کو) غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا گیا۔

ہمارے علماء نے اس آیت سے عذابِ قبر کو ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں جو فرمایا ہے: ان کو فوراً آگ میں جھونکا گیا' اس سے مراد دوزخ کی آگ نہیں ہے کیونکہ وہ عذاب تو قیامت کے بعد آخرت میں دیا جائے گا' لہٰذا ان کو فوراً آگ میں جھونکنے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو قبر کے اندر آگ میں جھونکا گیا۔

منکرین عذابِ قبر کہتے ہیں کہ قومِ نوح کے کافروں کی قبریں کہاں بنی تھیں جو اس سے عذابِ قبر مراد لیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذابِ قبر کی بحث میں قبر سے مراد معروف قبر نہیں ہوتی یعنی گڑھا کھود کر اس میں میت کو دفن کیا جائے اور اس کے اوپر اونٹ کے کوہان کی شکل میں مٹی کو برابر کیا جائے بلکہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان مرنے کے بعد رہے خواہ وہ جگہ دریا ہو یا سمندر ہو یا کسی درندہ کا پیٹ ہو۔

منکرین عذابِ قبر کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں "فادخلوا نارًا" کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ان کو فوراً آگ میں جھونک دیا گیا' بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ قیامت کے بعد ان کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا' رہا یہ کہ یہ تو مستقبل میں ہوگا اور اس آیت میں ماضی کا صیغہ ہے' جس کا معنیٰ ہے: ان کو آگ میں جھونک دیا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ جس کام کا مستقبل میں تحقق اور وقوع یقینی ہو' اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے' گویا وہ کام ہو گیا' جیسے قرآن مجید میں ہے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا۔

(الاعراف:۴۴)

یہ بھی ماضی کا صیغہ ہے حالانکہ یہ پکارنا قیامت کے بعد آخرت میں ہوگا مگر چونکہ اس کا وقوع اور تحقق یقینی ہے اس لیے اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا' اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی کے صیغہ کا مضارع کا معنیٰ کرنا مجاز ہے اور بلاضرورت شرعی قرآن مجید کے کسی لفظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' رہا'' وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ '' (الاعراف:۴۴) تو اس آیت کا معنیٰ اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا' جب تک ماضی کو مستقبل کے معنیٰ میں نہ لیا جائے اور ''اغرقوا فادخلوا نارا '' میں اس لفظ کو ماضی کے معنیٰ میں ہی برقرار رکھ کر معنیٰ صحیح ہے اور اس سے مراد قبر کی آگ ہے' لہٰذا اس آیت کو '' ونادیٰ اصحاب الجنة '' پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

منکرین عذاب قبر کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جو شخص پانی میں ڈوب جاتا ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش کئی کئی دن تک سطح آب پر پڑی رہتی ہے' اس صورت میں یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ اس کو آگ جلا رہی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا شخص اس کے اجزاء اصلیہ سے عبارت ہے اور اجزاء اصلیہ انسان کے وہ اجزاء ہیں جو اس کی پیدائش سے لے کر موت تک اس میں برقرار رہتے ہیں' انسان کا جسم گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور وہ اجزاء اس میں مشترک رہتے ہیں' انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے جسم کا وزن چار پونڈ ہوتا ہے اور جوانی میں اس کے جسم کا وزن ڈیڑھ سو سے دو سو پونڈ تک ہوتا ہے اور بڑھاپے میں اس کا وزن ایک سو پونڈ سے ڈیڑھ سو پونڈ تک رہ جاتا ہے' اسی طرح بیماری اور صحت کے اعتبار سے بھی اس کا وزن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے' پھر ہم کس بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ وہی انسان ہے جو چار پونڈ کا پیدا ہوا تھا' اور اجزاء اصلیہ کے علاوہ اس کے جسم کے تمام ادوار میں اور کوئی چیز مشترک نہیں ہوتی' روح کا تعلق بھی ان ہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان خواہ دریا میں ہو یا درندہ کے پیٹ میں ہو' اللہ تعالیٰ اس کے اجزاء اصلیہ کو باقی رکھتا ہے اور ان ہی اجزاء پر عذاب اور ثواب کا ترتب ہوتا رہتا ہے۔

نوح: ۲۷۔۲۶ میں فرمایا: اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ ان کافروں کی جو اولاد پیدا ہوگی وہ بدکار کافر ہی ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور تجربہ سے ہوا' رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو وہ یہ ہے:

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ بے شک آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔ (ھود:۳۶)

اور تجربہ کا معاملہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے اور اس طویل عرصہ میں صرف اسّی (۸۰) لوگ ایمان لائے' باقی اپنے کفر پر ڈٹے رہے' اور وہ اپنی اولاد کو نصیحت کرتے تھے کہ ان کی بات نہ سننا' یہ بہت بڑے جھوٹے ہیں' اور جب وہ شخص مر جاتا تو وہ اپنی اولاد کو ایسی ہی نصیحت کرتا تھا اور ان کی نسل در نسل میں جو بھی پیدا ہوتا تھا وہ بدکار کافر ہی ہوتا تھا۔اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ! تیرے علم اور تیری تقدیر میں یہ مقرر ہے کہ ان کی اولاد میں سب کافر اور بدکار ہی ہوں گے۔

نوح: ۲۸ میں فرمایا: اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور میرے ماں باپ کو اور ان کو جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا' اور تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما O

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر اعتراضات کے جوابات

حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام لمک بن متوشلخ اور ان کی والدہ کا نام ہے شمخی۔ (روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۳۸)

اور حضرت نوح کے والدین مؤمن تھے' کیونکہ کافر کے لیے دعا کرنا جائز نہیں ہے یا اس سے مراد ہے: حضرت آدم علیہ السلام تک ان کے سلسلۂ نسب کے تمام آباء اور امہات۔

حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے لیے دعا کی' تا کہ یہ ظاہر ہو کہ انسان سب سے زیادہ خود اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہے' پھر اپنے والدین کے لیے دعا کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ احسان اس کے والدین کا ہے' اس کے بعد تمام مؤمنین کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا یہی طریقہ ہے' حضرت نوح نے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طریقہ سے دعا کی ہے۔

اپنے' اپنے والدین اور تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے لیے ہلاکت کی دعا کی اور فرمایا: اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما۔

افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں کفار کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے' اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام نے اس خلافِ اولیٰ دعا پر پہلے ہی اپنے لیے مغفرت کی دعا کی' کیونکہ آپ نے ان کے لیے ہلاکت کی دعا اس لیے کی تھی کہ وہ آپ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کے پیغام کو قبول نہیں کرتے تھے' اس لیے ان کے خلاف دعا کرنا بہ ظاہر ان سے انتقام لینا تھا' اسی وجہ سے میدانِ حشر میں بھی جب لوگ حضرت نوح سے شفاعت کے طالب ہوں گے تو وہ گریز فرمائیں گے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے ان کی قوم کے کافروں پر جو طوفان آیا' اس کے نتیجہ میں بچے بھی غرق کر دیئے گئے حالانکہ وہ مکلف نہ تھے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) طوفان آنے سے چالیس سال یا نوے سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو بانجھ کر دیا تھا' اس لیے طوفان کے وقت ان کی کوئی نابالغ اولاد نہ تھی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور جب انہوں نے استغفار نہیں کیا تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو (الیٰ قولہ تعالیٰ) وہ مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (نوح: ۱۲)

اس آیت کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ اگر وہ استغفار نہیں کریں گے تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوگی اور جب انہوں نے اللہ کی طرف رجوع نہیں کیا تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' اس لیے طوفان سے پہلے کوئی نابالغ بچہ نہیں تھا۔

(۲) اگر بالفرض طوفان سے پہلے بچے ہوں تو وہ طوفان ان کے لیے طبعی موت کا سبب بنا اور وہ ان کے حق میں عذاب نہیں ہوا۔

سورت نوح کی تفسیر کا اختتام

اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ہے کہ آج ۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز پیر بعد از نمازِ عصر سورۂ نوح کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادے' اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی اور قارئین کی اور تمام مؤمنوں کی مغفرت فرما۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ وامتہٖ اجمعین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده و نصلى و نسلم علٰى رسوله الكريم

سورة الجن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الجن ہے' کیونکہ اس سورت کی حسب ذیل آیت میں الجن کا ذکر ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ (الجن:١) (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ بے شک میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے کہا: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ○

یہ سورت جنات کے احوال سے متعلق ہے کیونکہ جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو وہ آپ کے اوپر ایمان لے آئے' جنات ایک ایسے عالم میں ہیں کہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان کا کلام سن سکتے ہیں' سوائے وحی الٰہی یا الہام صادق کے ان کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی عشرہ میں نازل ہوئی ہے' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے' اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان ایک چیز حائل ہو چکی تھی اور ان پر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے' جنات نے آپس میں کہا: تمہارے اور آسمان کے درمیان جو چیز حائل ہوئی ہے وہ کوئی نئی چیز ہے' پس تم زمین کے مشارق اور مغارب میں جاؤ اور ڈھونڈو وہ کیا چیز ہے' پھر وہ زمین کے مشارق اور مغارب میں تلاش کرتے رہے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے۔ پس جو لوگ تہامہ (مکہ معظمہ) کی طرف گئے تھے' وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو نمازِ فجر پڑھا رہے تھے' پس جب انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے' جو نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ عز و جل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی اور دراصل آپ کی طرف جنات کا قول نازل کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۶۲۴)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ الجن اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف گئے تھے اور آپ نے بنو ثقیف سے تبلیغ اسلام پر مدد طلب کی تھی' اور یہ واقعہ بھی بہرحال بعثت کے ابتدائی دس سال کا ہی ہے۔

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے سورت الجن کا نمبر ۷۲ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۰ ہے یہ سورت الاعراف کے بعد اور یٰسین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ (التحریر والتنویر جز ۲۹ ص ۲۱۷ تیونس)

سورت الجن کے مشمولات

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دعوت صرف انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ جنات تک پہنچ چکی تھی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت کو سن کر قرآن مجید کے پیغام کو سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر اس کی عظمت پر اور شریک بیوی اور بیٹے سے اس کے منزہ ہونے پر ایمان لے آئے۔

☆ اس پر دلیل ہے کہ جنات کی عبادت کرنا باطل ہے۔

☆ کاہن جو غیب کی باتیں بتاتے ہیں اس کا بطلان ہے اور یہ ثبوت ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ عزوجل ہے اور انبیاء علیہم السلام اسی قدر علم غیب پر مطلع ہیں جس پر ان کی طرف وحی کی جاتی ہے اور رسولوں کے واسطے سے اولیاء کرام کو بھی غیب پر اطلاع ملتی ہے لیکن بالذات اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔

☆ جنات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان میں متعدد فرقے ہیں ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بدکار بھی ہوتے ہیں موحد بھی ہوتے ہیں اور مشرک بھی ہوتے ہیں اور وہ لوگ گم راہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں اور جو لوگ جنات کی عبادت کرتے ہیں اور جو مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔

☆ جنات اس پر تعجب کرتے تھے کہ جب وہ فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے تھے تو ان پر آگ کے گولے مارے جاتے تھے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچائیں کہ وہ اخلاص سے عمل کریں اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور یہ بتائیں کہ آپ اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں اور اگر بہ فرض محال آپ اللہ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آپ کو کوئی بچا نہیں سکتا اور آپ ازخود اپنی عقل سے یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر کرنے والوں پر عذاب کب نازل ہوگا۔

☆ جنات نے یہ اعتراف کیا کہ وہ اللہ سے بھاگ کر کہیں نہ جا سکتے ہیں اور نہ اللہ پر غالب آ سکتے ہیں۔

☆ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئیں ہیں ان میں کسی کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر نہ پکارا جائے۔

☆ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول نہیں کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ رسولوں پر جو وحی نازل فرماتا ہے اس کی حفاظت کے لیے اس کے آگے پیچھے فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو جنات اور شیاطین کو وحی سننے نہیں دیتے۔

سورت الجن کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں وہی لکھنے کی توفیق دینا جو حق اور صواب ہو اور باطل اور ناصواب سے محفوظ اور مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۱ الربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ اپریل ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الجن | بسم اللہ الرحمن الرحیم | آیاتہا ۲۸ رکوعاتہا ۲

سورۃ الجن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا

آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے

سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن

بہت عجیب قرآن سنا ہے O جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے

نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿۲﴾ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے O اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے

صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ

اس نے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا O اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے متعلق ناحق باتیں

شَطَطًا ﴿۴﴾ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى

کہا کرتے تھے O اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ

اللَّهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ

نہیں باندھتا O اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات میں کچھ لوگوں کی پناہ طلب کرتے تھے

مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن

اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہو گئی O اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ

لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿۷﴾ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا

اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا O اور ہم نے آسمان (کی خبر کو) طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت

مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ﴿۸﴾ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ

محافظوں اور آگ کے گولوں سے بھرا ہوا ہے O اور ہم اس سے پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے گھات لگا کر

لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا

بیٹھ جاتے تھے' سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O اور ہمیں معلوم

نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ

نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا

رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

ارادہ کیا ہے O اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں' اور ہم مختلف

طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ

فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O اور ہم نے یہ یقین کر لیا کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ

اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے' سو جو بھی

يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O اور بے شک ہم میں سے

الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا

چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں سو جنہوں نے اطاعت کی انہوں نے ہدایت کا راستہ

رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ

تلاش کر لیا O اور رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O اور اگر وہ راہِ راست

اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ

پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش

فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾ وَّ

کریں' اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا O اور

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ

بے شک مساجد اللہ کی (عبادت کے لیے) ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو O اور جب اللہ کا بندہ اس کی

عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ ع ۱۹

عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے O جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے O اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے' اس نے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا O (الجن: ۳۔۱)

الجن کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جن کا اصل معنیٰ ہے: کسی چیز کا حواس سے مخفی ہونا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ (الانعام: ۷۶) جب رات نے اس کو چھپالیا تو اس نے ستارہ دیکھا۔

''الجنان'' قلب کو کہتے ہیں کیونکہ وہ حواس سے مخفی ہوتا ہے' ''المجن'' اور ''المجنة'' کا معنیٰ ڈھال ہے جو اپنے صاحب کو دشمن کے وار سے محفوظ رکھتی ہے اور چھپاتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المجادلہ: ۱۶) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

اور حدیث میں ہے: ''الصوم جنة'' روزہ ڈھال ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۱)

جنت ہر اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں بہت گھنے درخت ہوں جو زمین کو چھپالیں۔

اور آخرت کی جنت کو جنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کے باغ سے مشابہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کی نعمتیں انسانوں کی آنکھوں اور باقی حواس سے مخفی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ (السجدہ: ۱۷) سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپائی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ''جنّٰت'' کا لفظ فرمایا ہے' جو جمع کا صیغہ ہے کیونکہ ''جنّٰت'' سات ہیں: جنت الفردوس' جنت عدن' جنت النعیم' جنت الماویٰ' دار السلام' دار الخلد اور علیین۔

اور جب تک پیٹ میں بچہ رہے اس کو الجنین کہتے ہیں کیونکہ پیٹ کا بچہ بھی لوگوں کے حواس سے مخفی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ (النجم: ۳۲) جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔

اور الجن اس روحانی مخلوق کو کہتے ہیں جو تمام حواس سے مخفی ہوتی ہے' اس کے مقابلہ میں انس ہے' اس بناء پر الجن میں فرشتے اور شیاطین بھی داخل ہیں' پس ہر فرشتہ جن ہے کیونکہ وہ مستور ہے لیکن ہر جن فرشتہ نہیں ہے' اسی بناء پر ابو صالح نے کہا:

تمام فرشتے جن ہیں' ایک قول یہ ہے کہ روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں' جو اخیار اور نیک ہیں وہ فرشتے ہیں اور جو اشرار اور بدکار ہیں وہ شیاطین ہیں' اور جو متوسط ہیں جن میں اخیار بھی ہیں اور اشرار بھی ہیں وہ جنات ہیں' اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: جنات نے کہا:

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط (الجن: ۱۴) اور ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں۔

جنات کی ایک قسم کے متعلق فرمایا:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (الحجر: ۲۷) اور ہم نے اس سے پہلے جنات کو دھویں والی آگ سے پیدا کیا○

(المفردات ج ۱ ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الجن' جان کی ایک قسم ہے' اس کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے۔ ''الجآن'' جن کا باپ ہے' اس کو آگ سے پیدا کیا گیا پھر اسی سے اس کی نسل چلی' روایت ہے کہ ایک مخلوق زمین میں رہتی تھی' اس نے زمین میں فساد کیا اور خون ریزی کی' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے زمین کو صاف کیا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۱۹۔۲۱۸' ملتقطاً' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۲ء)

علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

جن' انس کے برخلاف ہے' اس کا واحد جنی ہے' الصحاح میں مذکور ہے: اس کو جن اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ دکھائی نہیں دیتا' زمانۂ جاہلیت میں فرشتوں کو جنات کہا جاتا تھا کیونکہ فرشتے آنکھوں سے مخفی ہوتے ہیں' ابلیس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے جن تھا' زمخشری نے کہا ہے کہ جنات اور ملائکہ ایک نوع ہیں لیکن ان میں سے جو خبیث اور سرکش ہو وہ شیطان ہے اور جو پاکیزہ ہو وہ فرشتہ ہے' ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ مصنف (صاحب قاموس) کا جن کی تفسیر ملائکہ سے کرنا مردود ہے' کیونکہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں نہ کہ نار سے' جب کہ جن نار سے پیدا کیا گیا ہے اور ملائکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان میں تناسل نہیں ہوتا' اور نہ وہ مذکر اور مؤنث ہونے کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور جن اس کے برعکس ہے' اس میں توالد اور تناسل بھی ہے اور وہ مذکر اور مؤنث بھی ہوتا ہے' اسی وجہ سے جمہور علماء نے ''اِلَّآ اِبْلِيْسَ'' (البقرہ: ۳۴) کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور یا استثناء متصل اس صورت میں ہے چونکہ یہ فرشتوں کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا اس لیے تغلیباً اس کو بھی فرشتوں کے ساتھ شامل کر کے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۹ ص ۱۶۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

جنات کے متعلق فلاسفہ اور مفکرین کی آراء

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جنات کے ثبوت میں علماء کا شروع سے اختلاف رہا ہے' اکثر فلاسفہ سے یہ منقول ہے کہ وہ جنات کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ابوعلی بن سینا نے اپنے رسالہ ''حدود الاشیاء'' میں لکھا ہے: الجن حیوان ہوائی ہے' جو مختلف اشکال میں متشکل ہو جاتا ہے اور اس اسم کی شرح ہے' اس کا یہ کہنا کہ یہ اسم کی شرح ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' لیکن جمہور ارباب ملل اور انبیاء علیہم السلام کے مصدقین جنات کے ثبوت کو مانتے ہیں اور قدماء فلاسفہ بھی جنات کے ثبوت

کو مانتے ہیں اور جنات کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں' ان کا قول ہے کہ جنات کی ماہیات مختلف ہوتی ہیں' بعض شریر ہوتے ہیں اور بعض شریف ہوتے ہیں جو نیکیوں سے محبت کرتے ہیں' اور بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بُرائیوں اور آفتوں سے محبت رکھتے ہیں' اور ان کی انواع کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں' یہ موجودات مجردہ ہیں (غیر مادی ہیں) اور خبروں کے عالم ہوتے ہیں اور افعال شاقہ پر قادر ہوتے ہیں' ان کا سننا اور دیکھنا ممکن ہے۔ جنات کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اجسام ہیں' قرآن مجید میں جنات اور ملائکہ کا ثبوت ہے' اور اس کا ثبوت ہے کہ ملائکہ کو افعال شاقہ پر عظیم قوت حاصل ہوتی ہے اور جنات بھی اسی طرح ہیں' پھر یہ ملائکہ ہمارے پاس ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں اور وہ کراماً کاتبین ہیں اور محافظ فرشتے ہیں اور یہ فرشتے قبض روح کے وقت بھی حاضر ہوتے ہیں اور یہ فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی حاضر ہوتے تھے اور مسلمانوں اور حاضرینِ مجلس میں سے کوئی بھی ان کو نہیں دیکھتا تھا اور قبض روح کے وقت بھی ان کو کوئی نہیں دیکھتا تھا' بہر حال یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر فرد میں علوم کثیرہ پیدا کرے اور اس کو مشکل اور شدید دشوار افعال پر قدرت عطا کر دے اور اس تقدیر پر جنات کا وجود ممکن ہے' خواہ ان کے اجسام لطیف ہوں یا کثیف ہوں اور ان کے اجرام کبیر ہوں یا صغیر ہوں' اور وہ ہم کو دکھائی نہ دیتے ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۶۴۔ ۶۶۱ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

قرآن میں جن کا جو لفظ آیا ہے' اس سے بدوی اور دیگر غیر متمدن اور غیر تربیت یافتہ لوگ مراد ہیں۔ قرآن مجید میں چودہ جگہ ''الجن و الانس'' کا لفظ آیا ہے اور ہر موقع پر ان غیر متمدن لوگوں کی کسی نئی صفت اور خاصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۸۹۔ ۷۹ ملخصاً' علی گڑھ' ۱۸۸۵ء' بہ حوالہ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ ص ۴۶۶' دانش گاہ پنجاب' لاہور)

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں ''جن'' اور ''انس'' کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم انس کے عنوان میں بتا چکے ہیں کہ عربوں میں ''اَلْاِنْـــــس'' ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جائیں' لیکن جن وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور' جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔ آج کل وسائل' رسل و رسائل کے عام ہو جانے سے' ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے اُمور مشترک ہو چکے ہیں' اس لیے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا' لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے' شہر والوں اور ان خانہ بدوش صحرا نشینوں کے تمدن و معاشرت' عادات و اطوار' خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اس قدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدو یا اعراب کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا' اس لیے اس نے جن و انس دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں جن سے مراد انسان ہی ہیں' یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے' مثلاً سورۂ انعام میں ہے: ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'' (الانعام: ۱۳۰) اے گروہِ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا اور سورۂ اعراف میں اس کی تصریح کر دی کہ رسول' بنی آدم میں سے' انہی کی طرف بھیجے گئے تھے۔ (الاعراف: ۳۵) سورۂ جن اور سورۂ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک

جماعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قرآن سننے کے لیے آئی۔اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ''جنوں'' کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے۔انہی سورتوں (سورۂ جن اور سورۂ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن سننے کے لیے آئے تھے وہ انسان ہی تھے۔

(لغات القرآن ص ۴۴۶ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور ۱۹۸۴ء)

جنات کے متعلق مفسرین کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جنات تمام انسانوں کو پہچانتے ہیں اسی لیے وہ تمام انسانوں کی طرف اپنے کلام کا وسوسہ ڈالتے ہیں' جنات کی اصل میں اختلاف ہے' حسن بصری سے منقول ہے کہ جن ابلیس کی اولاد ہیں' جیسے انس حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان دونوں میں سے مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں' اور یہ ثواب اور عقاب میں شریک ہیں' ان دونوں فریقوں میں سے جو مؤمن ہو وہ اللہ کا ولی ہے اور ان دونوں فریقوں میں سے جو کافر ہو وہ شیطان ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن الجان کی اولاد ہیں اور شیاطین نہیں ہیں اور ان پر موت آتی ہے اور ان میں سے مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی' اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں' ان پر ابلیس کے ساتھ ہی موت آئے گی۔اس میں اختلاف ہے کہ جنات میں سے مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں' جیسا کہ ان کی اصل میں اختلاف ہے' جن لوگوں کا یہ زعم ہے کہ جنات الجان کی اولاد ہیں' ابلیس کی ذریت نہیں ہیں' وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور جو یہ کہتے ہیں کہ جنات ابلیس کی ذریت ہیں' ان کے دو قول ہیں: حسن بصری نے کہا: وہ جنت میں داخل ہوں گے' اور مجاہد نے کہا: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے' اگرچہ ان کو دوزخ سے دور کر دیا جائے گا۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۱۰۹' دار الکتب العربیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زاد (خوراک) کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے ہر ہڈی میں خوراک ہے' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جنات کھاتے ہیں' اطباء اور فلاسفہ کی ایک جماعت نے جنات کے کھانے کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بسیط ہیں اور ان کا کھانا صحیح نہیں ہے اور ان کا یہ قول قرآن اور سنت سے مردود ہے اور مخلوقات میں بسیط اور مرکب نہیں ہیں' واحد محض صرف اللہ سبحانہٗ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کو ان کی اصل صورتوں میں دیکھنا محال نہیں ہے' جیسا کہ آپ فرشتوں کو ان کی اصل صورتوں میں دیکھتے تھے اور ہمارے لیے جنات اکثر سانپوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں جنات کی ایک جماعت اسلام لاچکی ہے' اگر تم نے ان سانپوں میں سے کسی کو گھروں میں رہتے ہوئے دیکھا تو اس کو تین دفعہ نکلنے کے لیے خبردار کرو' اگر اس کے بعد بھی وہ سانپ نظر آئے تو اس کو مار دو وہ شیطان ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب السلام' رقم الحدیث: ۱۴۱)

حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر البدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب السلام' رقم الحدیث: ۱۳۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان گھروں میں جنات

سانپوں کی شکل میں رہتے ہیں' اگر تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو اس کو تین دفعہ ڈراؤ' اگر وہ نکل جائے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کردو' وہ کافر ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۵۷)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

جنات اجسام عاقلہ خفیہ ہیں' جن پر ناریت یا ھوایت غالب ہوتی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ ارواحِ مجردہ کی ایک نوع ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ ابدان سے جدا ہونے والے نفوسِ شریرہ ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج۹ص ۲۸۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جنات اجسام عاقلہ ہیں جن پر ناریت غالب ہے' اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (الرحمٰن: ۱۵) اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا ○

ایک قول یہ ہے کہ یہ اجسام ھوائیہ ہیں اور تمام صورتوں کو قبول کر لیتے ہیں یا ان کی ایک قسم مختلف اشکال کو قبول کر لیتی ہے' یہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں' اور کبھی اپنی صورتِ اصلیہ کی مغائر صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اپنی اس اصلی صورت میں دکھائی دیتے ہیں' جس صورت پر ان کو پیدا کیا گیا اور یہ مشاہدہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے ساتھ مخصوص ہے' اور ان اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے' جن کو اللہ تعالیٰ ان کی اصلی صورت دکھانا چاہے' ان کو سخت مشکل اور دشوار کاموں کے کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے' اور اس میں کوئی عقلی مانع نہیں ہے کہ بعض اجسامِ لطیفہ کی نوع دیگر اجسامِ لطیفہ کی ماہیت سے مخالف ہو اور ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ یہ حیات کو اور افعالِ عجیبہ پر قدرت کو قبول کر لیں' اور جدید سائنس نے بعض اجسام لطیفہ میں ایسے خواص کو ثابت کیا ہے جن سے عقل حیران ہوتی ہے' تو ہوسکتا ہے کہ جنات کے اجسام بھی اسی طرح ہوں' اور عالم طبعی میں اتنے عجائبات ہیں کہ عقل ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ص ۱۴۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس امر کی تحقیق کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا یا نہیں؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا نہ ان کا کلام سنا تھا' آپ کی طرف صرف جنات کے کلام کی وحی نازل کی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا نہ ان کو دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کا قصد کر کے گئے' اس اثناء میں شیاطین (جنات) اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے' پھر شیاطین واپس آجاتے تھے' وہ ایک دوسرے سے پوچھتے: اب کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں' انہوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان وہی چیز حائل ہوئی ہے جو تازہ ظہور میں آئی ہے' تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ کون سی چیز ظہور میں آئی ہے' پھر وہ روانہ ہوئے اور زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور وہ اس پر غور کرتے تھے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر وہ جنات تہامہ میں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے درخت کے پاس تھے' اس وقت آپ عکاظ کے بازار کا قصد کرنے والے تھے اور آپ اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' جب جنات نے قرآن مجید سنا تو انہوں نے کہا: غور سے سنو' یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے' پھر وہ وہیں

سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور انہوں نے کہا: اے ہماری قوم!

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ (الجن: ٢-١)

ہم نے عجیب قرآن (کلام) سنا ہے ○ جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے ہم اس کے ساتھ ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کریں گے ○

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ (الجن: ١)

(اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا۔

اور آپ کی طرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٧٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٤٩، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٣٢٣، مسند احمد ج ١ ص ٢٥٢ طبع قدیم، مسند احمد ج ٤ ص ١٢٩ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ٢٢٧١، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤٢٠ھ، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٦٢٥-١١٦٢٤، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٢٣٦٩، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٥٢٦، المستدرک ج ٢ ص ٥٠٣، سنن کبریٰ للبیہقی ج ٢ ص ٢٢٦-٢٢٥)

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ میں سے کوئی شخص اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' جب آپ کی جنات سے ملاقات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا' لیکن ایک رات ہم نے آپ کو گم پایا اور ہم کو یہی خیال آتا تھا کہ کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا' یا آپ کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آیا' ہم نے انتہائی پریشانی میں وہ رات گزاری' جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ کو غارِ حرا کی طرف سے آتے دیکھا' ہم نے کہا: یارسول اللہ! اور ہم نے آپ سے اپنی پریشانی بیان کی' آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک جن دعوت دینے آیا' میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان کے سامنے قرآن پڑھا' پھر آپ ہم کو لے کر گئے اور ان کے نشانات اور آگ کے نشانات ہمیں دکھائے' شعبی نے بیان کیا کہ انہوں نے آپ سے ناشتہ طلب کیا تھا' عامر نے کہا: یہ ایک جزیرہ کے جن تھے' آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو جب وہ تمہارے ہاتھوں میں آئے گی تو گوشت سے بھر جائے گی' اور اسی طرح گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا' پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو' یہ تمہارے بھائی جنات کی (اور ان کے جانوروں کی) خوراک ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(مسند احمد ج ١ ص ٤٣٦ طبع قدیم، مسند احمد ج ٧ ص ٢١٥-٢١٤ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ٤١٤٩، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤١٦ھ، دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢٢٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٥٠، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٥٨، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٤٢٣٧، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٣٢٠، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ٨٢، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ١٥٥، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٨٥، سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٨، دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢٢٩)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور اس رات حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس رات آپ نے جنات کو دیکھا تھا اور حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنات سے ملاقات کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' پس ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: میرے ساتھ ایک مشکیزہ میں پانی ہے' آپ نے فرمایا: مجھ پر وہ ڈالو' پھر آپ نے وضو کیا' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن مسعود! یہ پاک مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ (شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ

ضعیف راوی ہے۔ مسند احمد ج اص ۳۹۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۲ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵' سنن دار قطنی ج اص ۷۸ طبع قدیم)

جنات کو دیکھنے اور نہ دیکھنے میں احادیث میں تطبیق

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ان احادیث کو روایت کیا ہے' بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ وہ اس شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' اور بعض احادیث میں ہے کہ جنات نے ازخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنا تھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ میں کھجوروں کے جھنڈ کے پاس اپنے بعض اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ قصداً انہیں تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے' حافظ ابن کثیر ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصداً جنات کی طرف گئے تھے اور آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی' اور ان کے لیے وہ احکامِ شرعیہ بیان کیے جن کی انہیں ضرورت تھی' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی بار جنات نے آپ سے قرآن مجید سنا ہو اور اس وقت آپ کو یہ علم نہ ہو کہ جنات قرآن سن رہے ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے' اور اس کے بعد جنات کا وفد آپ کے پاس آیا ہو جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے خطاب فرما رہے تھے' اس اثناء میں حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور آپ سے دور تھے' اور حضرت ابن مسعود کے علاوہ آپ کے اصحاب میں سے اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں گیا تھا اور یہ سنن بیہقی کی روایت میں ہے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے' اس بار آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے' نہ کوئی اور صحابی تھے جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے' اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ جانے کے واقعات پہلی بار جانے کے بعد پیش آئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنات کو دیکھنے پر دلائل

یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات پر حکومت تھی اور آپ جنات سے مشقت والے کام لیتے تھے' قرآن مجید میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام سے جن نے کہا:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ (النمل: ۳۹)

ایک سرکش جن نے کہا: میں وہ تخت آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بے شک میں اس پر ضرور قوت والا امانت دار ہوں ۝

اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو دیکھتے تھے تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ وصف حاصل ہو' کیونکہ آپ افضل الرسل ہیں' اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے جنات کو دیکھنے اور ان پر تصرف کرنے کی قوت کے حصول پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سرکش جن رات کو مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز منقطع کردے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی' میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی

ستون کے ساتھ باندھ دوں' حتیٰ کہ تم سب صبح اٹھ کر اس کو دیکھتے' پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: اے میرے رب! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' پھر آپ نے اس کو نا کام واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں تا کہ آپ جنات کے سامنے قرآن پڑھیں' وہ آپ کے ساتھ گئے حتیٰ کہ شعب ابن ابی دب کے ساتھ مقام الحجون کے نزدیک پہنچے' آپ نے میرے سامنے ایک خط کھینچ کر فرمایا: اس لکیر سے آگے نہ بڑھنا' پھر آپ الحجون کی طرف گئے تو جنات بہت بڑے اجسام میں آپ کی طرف بڑھے' وہ اس طرح دف بجا رہے تھے جس طرح عورتیں دف بجاتی ہیں حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے' میں اٹھا پھر آپ نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر آپ نے قرآن کی تلاوت کی اور آپ کی آواز بلند ہو رہی تھی' جنات زمین سے ملے ہوئے تھے' میں ان کی آوازیں سن رہا تھا اور ان کو دیکھ نہیں رہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کون ہیں؟ آپ نے کہا: میں اللہ کا نبی ہوں' انہوں نے کہا: آپ کے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت' پھر فرمایا: آ؛ اے درخت! وہ درخت اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا' آپ نے اس سے فرمایا: تم میرے لیے کس چیز کی گواہی دیتے ہو؟ اس درخت نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا: جاؤ! وہیں لوٹ جاؤ جہاں سے آئے ہو' حتیٰ کہ وہ درخت اسی طرح لوٹ گیا' حضرت ابن مسعود نے کہا: جب آپ میرے پاس واپس آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میرے پاس آنا چاہتے تھے؟ میں نے کہا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے ممکن نہیں تھا' یہ جنات قرآن سننے کے لیے آئے تھے' پھر اپنی قوم کو عذاب سے ڈرانے کے لیے واپس گئے' انہوں نے مجھ سے خوراک کے متعلق سوال کیا تھا' میں نے ان کے لیے ہڈیوں اور مینگنیوں کی خوراک دی' پس تم میں سے کوئی شخص ہڈی سے استنجاء کرے نہ مینگنی سے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کی روایات میں امام رازی کی توجیہات اور ان پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی لکھتے ہیں:

ان روایات کی تکذیب کی کوئی ضرورت نہیں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے جنات کو دیکھا ہے اور ان میں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کو روایت کیا' جب پہلی بار جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تھی اور اس وقت آپ نے جنات کو نہیں دیکھا تھا' پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی طرف جانے کا حکم دیا گیا' جس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

(۲) اگر جنات کا واقعہ ایک ہی بار ہوا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور ان کا کلام سنا اور وہ آپ پر ایمان لائے' پھر جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو انہوں نے اس واقعہ کی حکایت کرتے ہوئے کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا

ہے اور اس طرح اور اس طرح ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ انہوں نے اپنی قوم سے کیا کہا۔

(امام رازی نے اس تقدیر پر یہ نہیں بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور ان کا کلام سنا تھا تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو دیکھنے اور سننے کی نفی کی ہے' اس کا کیا محمل ہوگا؟)

(۳) اگر یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ ہوا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں سمجھ سکے کہ جنات نے کیا کہا ہے اور انہوں نے قرآن کریم سن کر کیا کیا' تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی کہ انہوں نے کیا کہا ہے اور کیا کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی یہ توجیہ بھی دو وجہ سے صحیح نہیں ہے' اوّلاً اس لیے کہ اس توجیہ میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دیکھنے اور سننے کی نفی کا محمل بیان نہیں کیا' اور ثانیاً اس لیے کہ یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کا کلام نہیں سمجھ سکے' بہت سنگین جسارت ہے' ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل اور دیگر فرشتوں کا کلام سمجھ لیں' حیوانات' پہاڑوں' پتھروں اور درختوں کا کلام سمجھ لیں' اللہ سبحانہٗ کی وحی کو سمجھ لیں اور جنات کا کلام نہ سمجھ سکیں۔ ہم امام رازی کو بہت بڑا مفسر اور محقق گردانتے ہیں' مگر ان کی یہ بات ہم سے ہضم نہیں ہو سکی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے' زیادہ جواب دینے کے شوق میں امام رازی سے یہ تقصیر ہو گئی۔ دیگر مفسرین نے ان روایات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اب ہم اس کو پیش کر رہے ہیں۔

مذکورہ احادیث کے متعلق دیگر مفسرین اور محدثین کی توجیہات

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور یہ قول زیادہ ثابت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس میں ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے سننے کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا اور آپ نے جنات کا مشاہدہ نہیں کیا اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مفسرین کے بعد اب ہم ان روایات کے متعلق محدثین کی تصریحات پیش کر رہے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تعارض ہے' اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور ان میں کوئی تعارض اور تنافی نہیں ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۴' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

علماء نے یہ لکھا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق نبوت کی ابتداء سے ہے' جب جنات آئے' اور انہوں نے آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سنی اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: "قل اوحی الی

الآیۃ'' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کے بہت بعد کے واقعہ کا ذکر ہے' اس وقت اسلام مشہور ہو چکا تھا اور اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کے بعد کتنا عرصہ گزر چکا تھا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۶۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق بعثت کے ابتدائی ایام کے ساتھ ہے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث کا تعلق اس کے بہت بعد کا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور وہ ہجرت کے بعد (۷ھ) میں اسلام لائے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کے متعدد وفود کا آنا ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے الاحقاف: ۳۲۔ ۲۹ میں بھی ان روایات پر بحث کی ہے' لیکن یہاں زیادہ تفصیل لکھی ہے۔

انسان کے جسم میں جنات کے تصرف کی بحث

جنات کے موضوع میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ جن انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء پر تصرف کرتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت حکایات بیان کی جاتی ہیں' ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' کی ساتویں جلد میں اس پر بحث کی' اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) انسان کے جسم پر جن کے تصرف اور تسلط کے متعلق علماء اسلام کے نظریات۔ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۶۴۴
(۲) انسان کے جسم میں جن کے دخول اور اس کے تصرف اور تسلط کے متعلق مصنف کا مؤقف۔ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۶۴۹

تبیان القرآن میں بھی ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے' اس کا عنوان ہے:

انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کی نفی۔ تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۷

الجن: ۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا' اور کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے O

صحابہ کرام کے جنات کے قول کی خبر دینے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے اصحاب کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے واقعہ جن کے متعلق آپ پر کیا وحی فرمائی ہے' اس کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) تاکہ حضرات صحابہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح آپ کو انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے' اسی طرح آپ کو جنات کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے۔

(۲) قریش یہ جان لیں کہ جنات کے خمیر میں سرکشی ہے' اس کے باوجود جب انہوں نے قرآن مجید کے اعجاز کو جان لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے' اور قرآن مجید سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔

(۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں' ان میں سے نیکوں کو ثواب اور بدکاروں کو عذاب ہو گا۔

(۴) جنات ہمارا کلام سنتے ہیں اور ہماری لغات کو جانتے ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مبعوث ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ بھی ان کی زبان سمجھتے ہوں' ورنہ آپ کیسے ان کے سوالات کا جواب دیں گے۔

(۵) جنات نے کہا: ہم اسلام کو اپنی قوم کی طرف پہنچائیں گے' اس سے معلوم ہوا جو شخص مسلمان ہو جائے وہ دوسروں تک خصوصاً اپنی قوم تک اسلام کا پیغام پہنچائے۔

''وحی'' اور ''نفر'' کا معنیٰ

نیز اس آیت میں ''وحی'' کا لفظ ہے' وحی کا معنیٰ ہے: کلام خفی' دل میں کسی نیک بات کا ڈالنا' اگر نبی کے دل میں بات ڈالی جائے تو وحی ہے اور ولی کے دل میں نیک بات ڈالی جائے تو وہ الہام ہے' اور وحی کا اصطلاحی معنیٰ ہے: وہ کلام خفی جو انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں ڈالا جائے خواہ فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا اس کے بغیر' قرآن مجید میں ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ. (الانعام:۱۹) آپ کہیے: مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے۔

نیز اس آیت میں ''نفر'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: تین سے لے کر نو افراد کی جماعت۔

نیز جنات نے کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے' یعنی اس میں جو فصاحت اور بلاغت سے نصیحتیں کی گئی ہیں' ہم کو ان پر بہت تعجب ہے' یہ ایسا فصیح کلام ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

الجن:۲ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور وہ ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے O

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کے علم اور قدرت اور اس کی توحید کی معرفت کی ہدایت دیتا ہے' ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے اور ہم اب کبھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار نہیں دیں گے' اور اب ہم ابلیس کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور نہ اس کی اطاعت کریں گے۔

الجن:۳ میں فرمایا: اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے' اس نے کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا O

''جد'' کا معنیٰ

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''وانه تعالٰى جد ربنا''۔ لغت میں ''جد'' کا معنیٰ ہے: عظمت اور جلال۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کو حفظ کرلیا تو انہوں نے کہا: ''جد في عيوننا'' ہماری آنکھوں میں اس کی عظمت اور جلالت بھر ہوگئی اور اس کا معنیٰ غنا بھی ہے' حدیث میں ہے:

لا ينفع ذالجد منك الجد. تیرے مقابلہ میں کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی غنی کا غنا فائدہ نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۰۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۴۰' مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۲۰۷' دارالفکر)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے' تو نہ اس کو بیٹے کی حاجت ہے نہ بیوی کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (جنات نے کہا:) اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے متعلق ناحق باتیں کہا کرتے تھے O اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا O اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات کی پناہ طلب کرتے تھے' اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہوگئی O اور جنات نے بھی یہ گمان کرلیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا O (الجن:۷۔۴)

جنات کا اپنے جرائم کا اعتراف کر کے ان سے برأت کا اظہار کرنا

الجن:۴ میں ''سفيه'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کم عقل اور ''شطط'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ظلم میں حد سے تجاوز کرنا۔

جنات میں سے جو مشرکین تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ کی بیوی بھی ہے اور بیٹا بھی ہے یہ ان کی جہالت اور کم عقلی بھی تھی اور ظلم میں حد سے تجاوز کرنا بھی تھا۔

الجن: ۵ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا O

آپ سے قرآن سننے والے جنات نے اپنے شرک کرنے کا عذر بیان کیا کہ مشرکین جن نے ہم سے کہا کہ اللہ کا بیٹا اور بیوی ہے اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا' سو ہم نے بھی ان کے قول کی پیروی کی' پس انہوں نے اقرار کیا کہ وہ ان مشرکین جنات کی تقلید کی وجہ سے شرک اور جہالت میں مبتلا ہو گئے' واضح رہے کہ اصول اور عقائد میں تقلید کرنا مذموم ہے اور فروع اور احکامِ شرعیہ میں تقلید کرنا جائز ہے۔

الجن: ٦ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات کی پناہ طلب کرتے تھے' اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہو گئی O

اس آیت کی حسبِ ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حسن بصری اور ابن زید وغیرہما نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مسافر کسی اجنبی وادی میں پہنچتا تو کہتا: میں اس وادی کی قوم کے جاہلوں کے شر سے اس وادی کے رب کی پناہ میں آتا ہوں' پھر اس وادی میں صبح تک رہتا۔

(۲) مقاتل نے کہا: سب سے پہلے جن لوگوں نے جنات کی پناہ طلب کی تھی وہ اہل یمن تھے' پھر بنو حنیفہ' پھر یہ شرک تمام عرب میں پھیل گیا' پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے جنات سے پناہ طلب کرنا چھوڑ دیا اور اللہ کی پناہ کو طلب کرنا شروع کر دیا۔

(۳) کردم بن ابی السائب نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابتدائی دور تھا' میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ گیا' ہم نے رات ایک بکریوں کے چرواہے کے ساتھ گزاری' جب آدھی رات ہو گئی تو ایک بھیڑیا آیا اور بکری کے بچہ کو اٹھا کر لے گیا' اس چرواہے نے پکارا: اے وادی میں رہنے والے! میں تیری پناہ میں ہوں' پھر ایک منادی پکارا: اے بھیڑیے! اس بکری کے بچے کو چھوڑ دے' پھر وہ بکری کا بچہ دوڑتا ہوا آ گیا اور اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے: جب زمانۂ جاہلیت میں قحط پڑ جاتا تو مشرکین کسی شخص کو سرسبز زمین کی تلاش میں بھیجتے' پھر اس کو جس جگہ پانی اور گھاس ملتی تو وہ وہاں اپنے گھر والوں کو بلا لیتا' پھر جب وہ وہاں پہنچ جاتے تو وہ بلند آواز سے پکارتے: اے اس وادی کے رب! ہم اس وادی کی آفات اور بلیّات سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور ان کی مراد اس وادی کے رب سے جنات ہوتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ٦٦٨)

اس آیت میں ''رھقا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: خطاء اور گناہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلام عرب میں ''رھق'' کا معنیٰ ہے: بڑے بڑے گناہوں کا احاطہ کرنا۔ مجاہد نے کہا: انسانوں نے جنات کی پناہ میں آ کر ان کی سرکشی میں اور اضافہ کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: ''رھق'' کا معنیٰ کفر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ سبحانہٗ کو چھوڑ کر جنات کی پناہ طلب کرنا کفر اور شرک ہے۔

الجن: ۷ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان (کی خبر) کو طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت محافظوں اور آگ کے گولوں سے

بھرا ہوا ہے O اور ہم اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاتے تھے' سواب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O اور ہمیں معلوم نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے O اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں اور ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O اور ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے' سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O اور بے شک ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں' سو جنہوں نے اطاعت کی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا O اور رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں' اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا O اور بے شک مساجد اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو O اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O (الجن: ۱۹۔۸)

جنات سے فرشتوں کی باتوں کو محفوظ رکھنا

الجن: ۸ میں ہے: ''وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ'' اس کا معنی ہے: جنات نے کہا: ہم نے آسمان کی خبر کو طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت محافظوں اور آگ کے گولوں سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی جب جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے قریب جاتے تھے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے' تو فرشتے ان پر آگ کے گولے برسا کر ان کو آسمانوں سے دور بھگا دیتے تھے' اس مسئلہ کی مکمل بحث ہم الملک: ۵ میں بیان کر چکے ہیں۔

الجن: ۹ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور ہم اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاتے تھے' سواب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O

اس کی تفسیر کے لیے بھی الملک: ۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

الجن: ۱۰ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور ہمیں معلوم نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے O

اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ہم کو یہ معلوم نہیں کہ چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے سے زمین والوں کے ساتھ کسی خیر کا ارادہ کیا گیا ہے یا شر کا۔

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی تکذیب کر کے ہلاک ہو جائیں' جس طرح پچھلی امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کر کے ہلاک ہو گئیں یا آپ کی بعثت سے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ پر ایمان لا کر ہدایت پا جائیں اور دنیا اور آخرت میں سرفراز ہوں۔

الجن: ۱۱ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں' اور ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O

جنات کے فرقے

اس آیت میں ''قددا'' کا لفظ ہے' یہ ''قدۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کچے چمڑے کا ٹکڑا' اور ''قلدد'' کا معنی ہے: متعدد

ٹکڑے یعنی متعدد فرقے۔

اس کا معنیٰ ہے: ہم میں سے چند جنات نیک ہیں اور دوسرے اس سے کم درجہ کے ہیں اور کم درجہ کے جنات سے مراد عام ہے: خواہ وہ نیکی میں کم درجہ کے ہوں یا وہ فاسق اور بدکار ہوں۔

نیز جنات نے کہا: ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں سدی نے کہا: یعنی جنات میں بھی انسانوں کی طرح مختلف عقائد کے حاملین ہیں ان میں مرجۂ قدریہ روافض اور خوارج ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۷۱)

ضحاک نے کہا: ان میں مؤمن متقی بھی ہیں اور مؤمن فاسق بھی ہیں المسیب نے کہا: ان میں یہود نصاریٰ مجوس بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں اور ان میں وہ جنات بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱۵)

اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سنی بھی ہوں اور دیوبندی اور وہابی بھی ہوں۔

الجن: ۱۲ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور ہم نے یہ یقین کرلیا ہے کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کرسکتے اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O

اس آیت میں ''ظـــــن'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد یقین ہے اس کا معنیٰ ہے: ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں ہم آسمان کی طرف بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے اس کا دوسرا معنیٰ ہے: جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کسی معاملہ کا ارادہ فرمائے تو ہم اس سے بھاگ کر اس کو عاجز نہیں کرسکتے یعنی دلائل سے ہم پر یہ منکشف ہوا یا اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ سبحانہٗ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

الجن: ۱۳ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''بـخـس'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: نقصان اور کمی اور ''رھق'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: حد سے تجاوز عدوان اور بہت زیادہ گناہ کرنا۔

اس آیت کا معنیٰ ہے: جب ہم نے قرآن کریم کی آیات سنیں تو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی اس آیت سے واضح ہوگیا کہ ہمارے نبی انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث تھے اور اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے کسی رسول کو نہیں بھیجا اور نہ بادیہ نشینوں میں سے کسی کو رسول بنایا ہے اور نہ عورتوں میں سے کسی کو رسول بنایا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ. (یوسف: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے شہر والوں میں جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی نہ اس کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

الجن: ۱۴ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں سو جنہوں نے اطاعت کی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کرلیا O

یعنی قرآن مجید کی آیات سننے کے بعد ہم میں اختلاف ہو گیا' ہم میں سے بعض اسلام لے آئے اور بعض کفر پر برقرار رہے' اس آیت میں ''القاسطون'' کا لفظ ہے' اس کا واحد ''القاسط'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: ظالم کیونکہ وہ حق سے عدول کرنے والا ہوتا ہے اور ''المقسط'' کا معنیٰ ہے: عادل' کیونکہ اس میں باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی ظلم کی نفی کرنے والا اور ایسا شخص حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس آیت میں ''تحروا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: حق کے راستہ کا قصد کرنا' اسی مفہوم میں تحری قبلہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

الجن: ۱۵ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O

امام رازی نے لکھا ہے: جب حجاج بن یوسف نے سعید بن جبیر کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا: تم میرے متعلق کیا کہتے ہو؟ سعید بن جبیر نے کہا: تم قاسط ہو' لوگوں نے حجاج سے کہا: واہ واہ! یہ آپ کی قسط اور عدل کے ساتھ صفت بیان کر رہے ہیں' حجاج نے کہا: تم پر افسوس ہے! یہ مجھے ظالم کہہ رہا ہے' قرآن مجید میں ہے: ''واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا O''۔ ''حطباً'' کا معنیٰ ہے: لکڑیاں اور ایندھن۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جنات تو آگ سے بنے ہوئے ہیں' پھر انہیں جہنم کی آگ سے کیا تکلیف ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی نے کہا: وہ اگرچہ آگ سے بنے ہیں' لیکن وہ متغیر ہو کر گوشت اور خون کے بن گئے' اور صحیح جواب یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہوا ہے' لیکن پتھر مارنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے' اسی طرح جنات کو بھی دوزخ کی آگ سے تکلیف ہو گی۔

الجن: ۱۶ میں فرمایا: اور اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O

استغفار کرنے سے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا ملنا

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ (کفارِ مکہ) ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کشادہ کر دیتے اور ان کے رزق میں وسعت کر دیتے۔

اس آیت کا پہلے جملے پر عطف ہے یعنی میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن سنا۔۔۔۔۔ اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کشادہ کر دیتے۔

اس آیت میں ''غدق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کثیر پانی' جس باغ میں پانی بہت زیادہ ہو اس کو ''روضة مغدقة'' کہتے ہیں اور جب بارش بہت زیادہ ہو تو اس کو ''مطر مغدوق'' کہتے ہیں' اور کثیر پانی سے کیا مراد ہے' اس میں تین قول ہیں: اس سے جنتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جنتوں کے نیچے دریا بہتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بارش ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام منافع اور فوائد ہیں کیونکہ پانی دنیا میں ہر خیر کی اصل ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ ایمان لے آئے اور راہِ راست پر چلے تو ان کو دنیا اور آخرت کی ہر خیر حاصل ہو گی اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ O (المائدہ: ۶۵)

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے تو ہم ان کے تمام گناہ معاف فرما دیتے اور ان کو نعمت والی جنتوں میں داخل فرما دیتے O

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (المائدہ: ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور ان احکام کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں تو وہ اپنے اوپر سے (بارش کے ذریعہ) کھاتے اور اپنے نیچے (زمین کی

پیداوار) سے کھاتے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق:۳۔۲)

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہےO اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًاۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ (نوح:۱۲۔۱۰)

(نوح نے اپنی قوم سے کہا:) میں نے کہا: تم اپنے رب سے مغفرت کی دعا کرو' بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہےO وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گاO اور کثرتِ مال اور بیٹوں کی کثرت سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کردے گا اور دریا نکالے گاO

الجن:۱۷ میں فرمایا: تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں' اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کردے گاO

کفار اور فجار کو ڈھیل دینا اور مالِ دنیا کی خرابیاں

سعید بن المسیب' عطاء بن ابی رباح' ضحاک' قتادہ' مقاتل' عطیہ' عبید بن عمیر اور الحسن نے کہا: اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام کو سننے والے اور اطاعت کرنے والے تھے' ان کے اوپر قیصر و کسریٰ' المقوقس اور النجاشی کے خزانے کھول دیئے گئے' پھر ان کی آزمائش کی اور ان کے بعد کے لوگ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے اور انہوں نے خلیفہ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

اور ہمارے دور میں سرمایہ کی بہت فراوانی ہے' اور اکثر اسلامی ملکوں میں مسلمان بہت عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں' پاکستان میں غیر ملکی ساختہ کاروں کی اتنی کثرت ہے کہ اب ٹریفک کو رواں دواں رکھنا مشکل ہو گیا ہے' لوگ ہزار ہزار گز کے بنگلوں میں رہتے ہیں' لگژری اپارٹمنٹ خریدتے ہیں' بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز میں خریداری کرتے ہیں' گھروں میں فریج اور اوون کی کثرت ہے اور سامانِ تعیش بہت زیادہ ہے' روپے پیسے کی کثرت سے فحاشی اور بے حیائی بھی بہت بڑھ گئی ہے' اب کم گھر ٹی۔وی اور وی۔سی۔آر سے خالی ہوتے ہیں' اور زیادہ خوش حال لوگ ڈش کے ذریعہ غیر ملکی چینلوں پر عریاں فلمیں دیکھتے ہیں۔روپے پیسے کی کثرت سے لوگ جوئے اور سٹے میں رقمیں لگاتے ہیں' سعودی شہزادے اور عرب امارات کے شیوخ امریکا' برطانیہ اور فرانس کے کلبوں اور ہوٹلوں میں ایک ایک میز پر ہزاروں ڈالر اور پونڈ ہار کر اٹھتے ہیں اور ویٹریس کو سینکڑوں ڈالر اور پونڈ کی ٹپ دے دیتے ہیں' فضول خرچی کا یہ عالم ہے کہ محض شوقیہ ہر ماڈل کی نئی کاریں خریدتے ہیں اور ہزاروں ریال کے مہنگے عطریات اور پرفیومز خریدتے ہیں' گھوڑوں اور اونٹوں کی ریس پر لمبی لمبی رقوم کی شرطیں لگا کر ہار جاتے ہیں' حسین سے حسین کال گرل ان کے شبستان کی زینت ہوتی ہے' اور باز اور شکروں کو خریدنے پر ہزاروں ریال اور دراہم خرچ کرتے ہیں' اسی طرح ہر وڈیرہ اور رئیس شراب پیتا ہے' ان کے دیہاتوں اور مزارعین کی کسی لڑکی کی عزت' ناموس اور آبرو ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں' پیسے اور طاقت کے زور پر یہ اپنے ہر مخالف کو کچل دیتے ہیں' ان کے عشرت کدوں سے کسی مظلوم کی آواز باہر نہیں جا سکتی' انہیں تو قانون کا بھی ڈر نہیں' ان کو اسلام کا ڈر کیا ہو گا' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کثرت سے مال دیا' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور عیاشیوں میں' اور مال و دولت کی کثرت دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور یہ اس امتحان میں ناکام ہو

گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی تو نہیں فرمایا تھا کہ مجھے تم پر شرک کا اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا مالِ دنیا کی کثرت کا خطرہ ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کی تھی' اور حضرت العلا بن حضرمی کو ان کے اوپر امیر بنا دیا تھا' انصار کو جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے' آپ نماز سے فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: میرا گمان ہے کہ تم کو ابوعبیدہ کے آنے کی خبر پہنچ گئی ہے اور یہ کہ وہ کچھ مال لے کر آئے ہیں' انہوں نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر تم خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جس سے تم کو خوشی ہوگی' پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر اور تنگ دستی کا خوف نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی' پھر تم دنیا کے مال و دولت میں رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے مالِ دنیا میں رغبت کی تھی اور مالِ دنیا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام سے اس طرح غافل کر دے گا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو غافل کر دیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٢٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٦١' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٤٦٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٩٩٧' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ٨٧٦٦)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے اہل اُحد (شہداءِ اُحد) کی نمازِ جنازہ پڑھی' پھر آپ واپس منبر پر آئے اور فرمایا: میں (حشر کے دن) تمہارا پیش رو ہوں گا اور تمہارے حق مین گواہی دوں گا' اور بے شک میں اللہ کی قسم! اپنے حوض کو ضرور اب بھی دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں' اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٩٦٠۔١٣٤٤' مسند احمد ج ٤ ص ١٤٩۔١٤٨)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے' یہ وہ چیزیں ہیں: جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے روئے زمین کی برکتوں سے نکالے گا (یعنی کھیتوں سے غلہ اور باغات سے پھل)' آپ نے فرمایا: یہ دنیا کی تروتازگی ہے (الیٰ قولہ)' بے شک یہ مال میٹھا ہے' جس نے اس مال کو حق کے ساتھ لیا اور حق کے راستوں میں خرچ کیا تو یہ مال اس کے لیے بہت اچھا ہے اور جس نے اس مال کو ناحق طریقہ سے لیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٢٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٥٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٩٩٥)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مال و دولت کی نعمتیں اس لیے عطا فرمائیں ہیں کہ وہ ان کی آزمائش کرے' پس مال و دولت کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور انعام ہے' تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے' اور اللہ سبحانہٗ کی نعمتوں کو اس کی رضا اور خوشنودی میں خرچ کرتا ہے یا ان نعمتوں سے اپنی نفسانی خواہشوں کے تقاضے پورے کرتا ہے اور شیطان کو راضی کرتا ہے' اور جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت بُرے کاموں میں صرف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فوراً اس پر گرفت نہیں کرتا' اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کے یہ کام صحیح اور درست ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ جی بھر کر گناہ کرے' پھر اللہ تعالیٰ اس سے اکٹھا حساب لے گا' قرآن مجید میں ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۵۶۔۵۵)

کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کے مال اور اولاد میں صرف اس لیے اضافہ کر رہے ہیں ۝ کہ ان کی بھلائیاں ان کو جلد پہنچا دیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ۝

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (آل عمران: ۱۷۸)

کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ان کی بہتری کے لیے ہے' بلکہ ہم ان کو اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تا کہ وہ زیادہ گناہ کریں' اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ۝

ہر چند کہ یہ آیت کفار کے لیے ہے' لیکن جو مسلمان اپنے فسق و فجور اور سرکشی سے تائب نہیں ہوتے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اصرار کرتے ہیں' ان کا بھی یہی حکم ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے کے قانون کا ذکر ہے' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کفار اور فساق اور فجار کو مہلت عطا فرماتا ہے' اور ان کو دنیا کی فراغت' خوش حالی' فتوحات اور مال اور اولاد کی کثرت سے نوازتا ہے' وہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر وہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد' نیکی' اطاعت اور گناہوں سے اجتناب کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو ان کو جو مہلت ملی ہے اس سے ان کے گناہوں میں اضافہ ہی ہوگا اور بالآخر وہ دوزخ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

اللہ کے ذکر سے اعراض کا معنیٰ

نیز اس آیت میں فرمایا: اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا۔

ابن زید نے کہا: اس آیت میں رب کے ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور اس سے اعراض کرنے کا معنیٰ ہے: اس کو قبول نہ کرنا اور یہ کافروں کا طریقہ ہے' یا ان آیات کے احکام پر عمل نہ کرنا' جیسا کہ فساق مؤمنین کی روش ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت برتنا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا' یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنا ہے۔

''صعداً'' کا معنیٰ

اور اس آیت میں ''عذابا صعدا'' ہے' ''صعداً'' کا معنیٰ ہے: چڑھنا' اور چونکہ انسان کو چڑھنے میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت مشقت ہوتی ہے' اس لیے یہاں اس سے مراد ہے: سخت مشقت والا عذاب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''صعداً'' جہنم میں بہت عظیم پہاڑ ہے' جب بھی وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھیں گے ان کا ہاتھ پگھل جائے گا' حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ ''صعدا'' کا معنیٰ ہے: مشقت والا عذاب' اور یہ لغت عربی کے موافق ہے' لغت میں ''صعداً'' کا معنیٰ مشقت ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما تصعدنی شیء ما تصعدتنی خطبة النکاح. (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۳)

مجھے کسی کام میں اتنی مشقت نہیں ہوتی جتنی مشقت نکاح کا پیغام دینے میں ہوتی ہے۔

عذاب کی صفت ''صعداً'' اس لیے لائی گئی ہے کہ عذاب' عذاب میں مبتلا شخص پر چڑھ کر اس پر غالب ہو جائے گا اور وہ اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔

عکرمہ نے کہا: ''صعداً'' دوزخ میں ایک چکنا پتھر ہے' دوزخی کو اس پر چڑھنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس پر چڑھ نہیں سکے گا' بار بار پھسلے گا' پھر اس کو زنجیروں سے باندھ کر آگے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے اس کے اوپر لوہے کے گرز مارے جائیں گے' پھر جب وہ اس پتھر کی چوٹی پر پہنچ جائے گا تو اس کو اوپر سے پھر نیچے پھینک دیا جائے گا' اور اس کو پھر دوبارہ اس پتھر کے اوپر چڑھنے کا مکلف کیا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا اور یہ ''صعداً'' کا وہ عذاب ہے جس میں اس کو داخل کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج۱۰ص ۶۷۳' الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۲۰) 19

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کا دنیا میں تنگی کا سبب ہونا

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا' اس کی زندگی میں تنگی رہے گی اور ہم قیامت کے دن اسے اندھا اٹھائیں گے ○

بعض مفسرین نے کہا: اس تنگی سے مراد قبر کا عذاب ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد وہ بے چینی' بے کلی اور اضطراب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بڑے بڑے سرمایہ دار مبتلا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کے پاس مال ہو خواہ کم ہو یا زیادہ اور وہ اس مال کو نیک کاموں میں صرف نہ کرے' اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی' کیونکہ جو مال دار لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہوتے ہیں' ان سے قناعت سلب کر لی جاتی ہے' ان کی حرص اور مال کی پیاس بڑھتی جاتی ہے' وہ کبھی سیراب نہیں ہوتے اور ان کو ہر وقت اپنے مال پر کسی آفت اور مصیبت کا خطرہ لگا رہتا ہے' وہ چین کی نیند سو نہیں سکتے' خواب آور گولیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے' لیکن ان کو سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا' ان کے کاروباری حریف بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مسابقت کی جنگ میں ان کا بلڈ پریشر بڑھتا رہتا ہے اور یہی اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے مال داروں کی زندگی کی وہ تنگی ہے جس میں وہ آئے دن مبتلا رہتے ہیں۔ یہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تنگی سے مراد ان کے خون کی شریانوں کا تنگ ہونا مراد ہو' جس کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے' انجائنا ہو جاتا ہے' دل کے دورے پڑتے ہیں اور فالج کا خطرہ ہوتا ہے۔

الجن: ۱۸ میں فرمایا: اور بے شک مساجد اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو ○

مسجد میں ادا کی جانے والی عبادات اور اطاعت

اس آیت میں مساجد سے مراد وہ عمارتیں ہیں جن کو تمام ادیان اور مذاہب والے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بناتے ہیں۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہمارے لیے مساجد میں آنا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنا کیسے ممکن ہوگا جب کہ ہم آپ سے بعید ہوتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مساجد کو اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔

حسن بصری نے کہا: مساجد سے مراد تمام روئے زمین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد بنا دیا ہے' حدیث میں ہے:

تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٣٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٢٢، سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٣٠، سنن بیہقی ج ا ص ٢١٢)

سعید بن المسیب اور طلق بن حبیب نے کہا: مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے' وہ کہتا ہے کہ ان اعضاء کی نعمت مجھے صرف اللہ سبحانہٗ نے عطا کی' سو میں ان اعضاء سے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے سجدہ کروں گا' عطاء نے کہا: تمہاری مساجد تمہارے وہ اعضاء ہیں جن پر تمہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے' سو تم ان اعضاء کو غیر خالق کے لیے ذلیل 19
نہ کرو' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں' پیشانی پر' ہاتھوں پر' گھٹنوں پر اور قدموں کے سروں پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٨١٢، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٩٠، سنن نسائی رقم الحدیث: ١٠٩٥)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٩١، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٨٩١، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٧٢، سنن نسائی رقم الحدیث: ١٠٩٣)

احادیث میں مساجد کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ تین مساجد پر کیا گیا: مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس۔

حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ اور (کسی مسجد کی طرف) سامانِ سفر نہ باندھا جائے' مسجد حرام' مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٨٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٩٧، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٤٣)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دیگر مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے سوا مسجد حرام کے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٩٠، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٥، سنن بیہقی ج ٥ ص ٢٤٦)

نیز احادیث میں دیگر مساجد پر بھی مسجد کا اطلاق کیا گیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں کا الحفیاء سے ثنیۃ الوداع تک مقابلہ کرایا' اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کا ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنو زریق تک مقابلہ کرایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٢٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٧٠، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥٧٥)

اضمار شدہ گھوڑوں سے ایسے گھوڑے مراد ہیں جن کو پہلے دو تین دن خوب کھلایا پلایا جائے' پھر دو تین دن بھوکا رکھا جائے تاکہ ان کی طاقت برداشت اور جفاکشی زیادہ ہو جائے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

عبادت کے اندر اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی اطاعت بھی داخل ہے' مثلاً مساجد میں مالِ غنیمت کو تقسیم کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا' آپ نے فرمایا: اس مال کو مسجد میں پھیلا دو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قدر اموالِ غنیمت آئے تھے' یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھانے گئے اور آپ نے اس مال کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی' نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے' پھر آپ جس کو بھی دیکھتے اس مال میں سے عطا فرماتے' اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے بھی مال عطا کیجئے کیونکہ میں نے اپنی جان کا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کی جان کا فدیہ بھی دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اس مال میں سے لے لیں' حضرت عباس نے کپڑا بچھایا اور اس ڈھیر سے مال اٹھا اٹھا

کر اس کپڑے پر رکھنے لگے' پھر اس گٹھڑ کو اٹھانا چاہا تو اس کو نہ اٹھا سکے' پھر انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کسی کو حکم دیں وہ اس گٹھڑ کو میری طرف اٹھا دے' آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت عباس نے کہا: پھر آپ خود اٹھا دیں' آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں۔ حضرت عباس نے اس سے کچھ مال کم کیا اور کچھ اور مال اس میں رکھا' حتیٰ کہ پھر اس کی چوٹی بن گئی' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کسی سے کہیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے' آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں' آپ نے فرمایا: نہیں' پھر انہوں نے اس میں سے کچھ مال کم کیا' پھر اس گٹھڑ کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا' پھر وہ چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کافی دیر تک ان کا تعاقب کرتی رہی' حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے' آپ کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا' پھر جب تک اس مال میں سے ایک درہم بھی باقی تھا آپ اس جگہ سے نہیں اٹھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۱)

اسی طرح مسجد میں لوگوں کو فقراء پر صدقہ کرنے کی ترغیب دینا بھی جائز ہے اور فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مسجد میں کچھ فقراء آئے' جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے' انہوں نے اپنے گلوں میں کفنیاں یا عبائیں پہنی ہوئیں تھیں' ان سب کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا' ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے' پھر باہر آئے' اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا' پھر انہوں نے اقامت کہی اور آپ نے (ظہر کی) نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا' اور یہ آیات تلاوت فرمائیں:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الی قوله تعالٰی) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ○ (النساء:۱)	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے' (الیٰ قولہ تعالیٰ) بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○
اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۸)	اللہ سے ڈرو! اور انسان کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کل آخرت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔

(آپ نے فرمایا:) ایک شخص اپنے دینار سے صدقہ کرے' اپنے درہم سے صدقہ کرے' اپنے کپڑے سے صدقہ کرے' چار کلو گندم سے صدقہ کرے' چار کلو کھجور سے صدقہ کرے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرے' پھر انصار میں سے ایک شخص تھیلی اٹھا کر لائے جس کے بوجھ سے ان کا ہاتھ تھکا جا رہا تھا' اس کے بعد صدقہ دینے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا' یہاں تک کہ میں نے غلے اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے' میں نے دیکھا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے اس طرح تمتما رہا تھا جیسے آپ کا چہرہ سونے کا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرتا ہے' اس کو اپنے نیک کام کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا' اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی اور ہر وہ شخص جس نے اسلام میں کسی بُرے عمل کی ابتداء کی اس کو اپنے بُرے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور بعد میں اس بُرائی پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور ان بُرے عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳)

حضرت عبد الرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے آج کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو ایک سائل سوال کر رہا تھا' میں نے

عبدالرحمان کے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا دیکھا' میں نے عبدالرحمان سے لے کر اس سائل کو وہ روٹی کا ٹکڑا دے دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۰' المستدرک ج۱ ص ۴۱۲ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۰۱ طبع جدید)

مسجد میں مقروض اور قیدی کو باندھنا بھی جائز ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کو نجد کی طرف بھیجا' وہ بنوحنیفہ کے ایک شخص کو لے کر آئے' اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا' پھر انہوں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۹)

مسجد میں بیمار کو ٹھہرانا اور اس کی عیادت کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جنگ خندق کے دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا کندھا زخمی ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا' تا کہ نزدیک سے ان کی عیادت کر لیں اور مسجد میں بنوغفار کا بھی خیمہ تھا' مسلمان صرف اس چیز سے گھبرا گئے کہ ان کی طرف خون بہ کر آ رہا تھا' انہوں نے کہا: اے خیمے والو! تمہاری طرف سے ہمارے پاس کیا چیز بہ کر آ رہی ہے؟ دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون بہ رہا تھا اور وہ اسی میں فوت ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

مسجد میں بُرے کام کرنے کی مذمت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

اس آیت کے اس حصہ میں مشرکین کی مذمت کی ہے جو مسجد حرام میں اللہ سبحانہ' کو چھوڑ کر اپنے خودساختہ بتوں کو اپنی حاجات میں پکارا کرتے تھے اور ان بتوں کی عبادت کرتے تھے' مجاہد نے کہا کہ جب یہود اور نصاریٰ اپنے گرجوں اور اپنے کلیساؤں میں داخل ہوتے تو اللہ سبحانہ' کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو یہ حکم دیا کہ وہ جب کسی بھی مسجد میں داخل ہوں تو صرف اللہ عزوجل کو اپنی حاجات میں پکاریں' اسی کی عبادت کریں اور صرف اسی سے دعا کریں' گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مسجد میں کسی بت یا کسی خودساختہ معبود کی عبادت نہ کرو اور نہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر پکارو اور نہ اپنی عبادات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حصہ رکھو اور نہ کسی اور کو شریک کرو۔

اور نہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کے سوا کسی اور کام کو کیا جائے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کیا' تم کہو: اللہ تمہاری اس چیز کو واپس نہ کرے کیونکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶۷' مسند احمد ج۲ ص ۳۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اس بدبودار درخت کی کوئی چیز کھائی (لہسن یا پیاز) وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو ان چیزوں سے ایذاء پہنچتی ہے جن چیزوں سے انسانوں کو ایذاء پہنچتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۴' مسند احمد ج۳ ص ۳۷۴)

امام نسائی کی روایت میں لہسن' پیاز اور گندنے کا ذکر ہے۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۷) بیڑی' سگریٹ' حقہ اور نسوار کا بھی یہی حکم ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے (حضرت عبداللہ بن عمرو) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہما سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں (غیر شرعی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور مسجد میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا اور جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۴۹)

حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں دنیاوی باتیں کریں گے' تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث:۷۴۳)

حضرت ابوالدرداء' حضرت ابوامامہ اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں' اپنے پاگلوں' اپنے جھگڑوں سے اور اپنی بلند آوازوں سے دور رکھو' اور اپنی سونتی ہوئی تلواروں سے اور اپنی حدود کو قائم کرنے ۔سے دور رکھو اور ہر سات دن بعد مسجد میں دھونی دو (خوشبو پھیلاؤ) اور وضو کے آلات مسجدوں کے دروازوں پر رکھو۔ (العلل المتناہیہ رقم الحدیث:۶۷۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

مسجد میں نیک اعمال کرنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۱۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۴' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۳۹۳' موطأ امام مالک رقم الحدیث:۵۷' مسند احمد ج ۵ص ۲۹۵)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن کے وقت سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے' پھر اس میں بیٹھتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۷۸۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۳۲' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۵۲۰' مسند احمد ج ۶ص ۳۸۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اندھیروں میں پیدل چل کر مسجدوں میں آتے ہیں' انہیں قیامت کے دن بھرپور نور کی بشارت دے دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۶۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو چر لیا کرو' پوچھا گیا: یارسول اللہ! جنت کی کیاریاں کیا چیز ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد' پوچھا گیا: یارسول اللہ! ان میں چرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" پڑھنا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۵۰۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھانے کافی دیر سے آئے' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو نکلتا ہوا دیکھ لیتے' پھر آپ جلدی جلدی آئے' پس نماز کی اقامت کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی' آپ نے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے دعا کی' اور ہم سے فرمایا: تم اسی طرح اپنی صفوں میں بیٹھے رہو جس طرح بیٹھے ہو' پھر ہماری طرف مڑ کر فرمایا: میں اب تمہیں بتاؤں گا کہ مجھے صبح آنے میں کیوں دیر ہوگئی' میں رات کو اٹھا' میں نے وضو کیا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی میں نے اتنی نماز پڑھی' پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی' حتیٰ کہ نیند آگئی' پس میں نے اچانک رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا' پس رب نے فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں از خود نہیں جانتا' اس طرح تین مرتبہ فرمایا' پھر میں نے دیکھا کہ میرے رب نے اپنی ہتھیلی میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دی' حتیٰ کہ

میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی' پھر ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا' پھر فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: کفارات میں' فرمایا: کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا: پیدل چل کر نماز کے لیے جانا' نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھنا' تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا' فرمایا: پھر کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: درجات میں' فرمایا: وہ کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا' نرمی سے بات کرنا اور اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' پھر فرمایا: دعا کرو اور کہو: اے اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے کا اور بُرے کاموں سے بچنے کا سوال کرتا ہوں اور مسکینوں سے محبت کرنے کا اور یہ کہ تو مجھ کو معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما' اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اٹھا لینا' اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان کی محبت کا جن سے تو محبت کرے اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے' آپ نے فرمایا: یہ کلمات برحق ہیں' تم ان کو یاد کرلو اور دوسروں کو سکھاؤ' اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے اس حدیث کے متعلق امام محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازیں ہیں اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازیں ہیں اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازیں ہیں' اور میری اس مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازیں ہیں اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! جتنی برکتیں مکہ میں نازل فرمائی ہیں' مدینہ میں اس سے چار گنی برکتیں نازل فرما۔ (صحیح البخاری: ۱۸۸۵) اور مکہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازیں ہیں تو مدینہ میں ایک نماز کا ثواب کم از کم تین لاکھ نمازیں ہونا چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: "اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم" فرمایا: جب بندہ یہ دعا پڑھ لے تو شیطان کہتا ہے: یہ سارے دن کے لیے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶)

آپ کی عبادت کو دیکھنے کے لیے ہجوم کی متعدد تفاسیر

الجن: ۱۹ میں فرمایا: اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O

اس آیت میں "لبدا" کا لفظ ہے' یہ "لبدة" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ٹھٹ کے ٹھٹ' ہجوم' بھیڑ' جماعت در جماعت۔

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں عبد اللہ سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' البتہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے یا جنات کا قول ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہونے کی صورت میں اس آیت کے تین محمل ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کا مقدس بندہ نمازِ فجر پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تھا' اس وقت ان کے پاس جنات آئے اور وہ آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننے لگے اور جنات نے آپ کے گرد جمگھٹا بنا لیا' وہ آپ کی عبادت کرنے پر اور قیام' رکوع اور سجود میں آپ کے اصحاب کی آپ کی اقتداء کرنے پر تعجب کر رہے تھے' کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا اور نہ اس سے پہلے قرآن مجید کی مثل کوئی کلام سنا تھا۔

(۲) مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کی مخالفت کر کے بتوں کی پرستش کے بجائے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت

کرتے تو مشرکین آپ کی عداوت میں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور یوں لگتا جیسے وہ عنقریب آپ پر حملہ کردیں گے۔

(۳) قتادہ نے کہا: جب آپ عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو تمام انسان اور جنات آپ کی مخالفت میں مجتمع ہو جاتے اور حق کو مٹانے اور اسلام کا نور بجھانے کے لیے ایک دوسرے کی حمایت کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعداء کے خلاف آپ کی نصرت کی اور آپ کے مخالف خائب و خاسر ہو گئے۔

اور اگر اس آیت میں جنات کے قول کا ذکر فرمایا ہو تو اس کا معنی یہ ہے: جب اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو پھر یہ کفار کیوں اس کے گرد جمع ہو کر اس کو اللہ سبحانہ کی عبادت سے روکنے کا قصد کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ
آپ کہیے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O آپ کہیے: میں (از خود)
اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ
تمہارے لیے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں O آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی
اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں O مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا
رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
میرے ذمہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ﴿٢٣﴾ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ
رہے گا O (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے سو یہ عنقریب جان
مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ
لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیں O آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے
مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿٢٥﴾ عٰلِمُ
وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے O وہ ہر غیب کا
الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ
جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے

اِرْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ

جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ

اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے O تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک

اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى

ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے ان سب کا اللہ نے

كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ ۹ ۱۲

احاطہ کرلیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کرلیا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O آپ کہیے: میں (ازخود) تمہارے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں O آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں O مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا میرے ذمہ ہے' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا O (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے' سو یہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیں O آپ کہیے: میں ازخود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کردی ہے O (الجن: ۲۵۔۲۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں آپ کو اپنے عجز کے اظہار کا حکم

مشرکین مکہ یہ کہتے تھے: تم جو پیغام سنا رہے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ' تم نے تمام اہل مکہ کو اپنا دشمن بنا لیا ہے' اگر بالفرض تم پر اللہ کا عذاب آیا تو ہم تمہیں اپنی پناہ میں رکھیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے: میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O

الجن: ۲۱ میں فرمایا: آپ کہیے: میں (ازخود) تمہارے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں O

یعنی میں تم سے کسی ضرر کو دور کرنے پر ازخود قادر نہیں ہوں اور نہ ازخود تمہیں کوئی نفع پہنچانے پر قادر ہوں' اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ میں ازخود تم کو ہدایت دینے پر قادر ہوں اور نہ ازخود تم کو گم راہ کرنے پر قادر ہوں۔

الجن: ۲۲ میں فرمایا: آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں O

یعنی اگر بہ فرض محال اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے تو اللہ کے سوا کوئی مجھے اس عذاب سے بچا نہیں سکتا۔

الجن: ۲۳ میں فرمایا: مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا میرے ذمہ ہے O الآیۃ

اس آیت کا معنیٰ ہے: مجھے کوئی چیز کسی عذاب یا کسی مصیبت سے بچا نہیں سکتی' سوا اس کے کہ میں اللہ کے اس پیغام کو پہنچاؤں جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے' کیونکہ اللہ کے پیغام کو پہنچانا اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی اعانت اور اس کی توفیق سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا O

گنہ گار مسلمانوں کی عدم مغفرت پر معتزلہ کا استدلال اور اس کے جوابات

معتزلہ نے اس آیت کے اس حصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مسلمان گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہے گا کیونکہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے کا مصداق ہے اور جس طرح کافر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' اس طرح فاسق مسلمان بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' ان کے اس استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا آخری حصہ اس آیت کے پہلے حصہ سے مربوط ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا پیغام پہنچانے میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا یعنی اللہ کا صحیح پیغام نہیں پہنچائے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

(۲) امام رازی نے دوسرا یہ جواب دیا ہے کہ جو شخص ہر حکم میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور ہر حکم میں اللہ اور رسول پر ایمان لانے کا بھی حکم شامل ہے اور جو اس حکم کی بھی نافرمانی کرے گا' وہ مسلمان ہی نہیں ہوگا' لہٰذا یہ آیت مؤمن مرتکب کبیرہ کو شامل نہیں ہے۔

(۳) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو کم درجہ کا اور معمولی سمجھ کر اس حکم کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ ایسا شخص مسلمان نہیں رہے گا۔

(۴) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کو حلال اور جائز سمجھ کر اس کی نافرمانی کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

(۵) جو شخص بہ طور اہانت اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔

الجن: ۲۴ میں فرمایا: (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے' سو یہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیں O

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفار کی ذلت اور مؤمنوں کی عزت اور وجاہت

کفارِ مکہ آپ کی عداوت میں اکٹھے ہو کر آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور آپ کی نصرت کرنے والے مسلمانوں کو بہت قلیل اور کم زور سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کل قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا عدد کم ہے اور کون کم زور ہے یا دنیا میں ہی ان کو غزوۂ بدر سے علم ہو جائے گا کہ کون سا گروہ قوی ہے اور کون سا گروہ کم زور ہے۔

قیامت کے دن کفار بہت خوار اور زبوں ہوں گے' ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوں گے' اس دن ان کا کوئی حامی اور مددگار

ہوگا اور نہ ان کا کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا اور اس کے برخلاف مسلمان بہت عزت اور کرامت کے ساتھ ہوں گے' انبیاء' مرسلین اور فرشتے ان کی شفاعت کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (العبس: ۴۲-۳۳)

پس جب کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آ جائے گی ۝ اس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ۝ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ۝ ان میں سے ہر انسان کو اس دن صرف اپنی فکر ہوگی جو اس کو کافی ہو ۝ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ۝ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش ۝ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ۝ یہی لوگ کافر بدکار ہیں ۝

نیز قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (القیامہ: ۲۵-۲۲)

اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۝ اور کتنے چہرے اس دن بے رونق اور اداس ہوں گے ۝ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ۝

نیز مؤمنین کی عزت افزائی کے متعلق فرمایا:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ . (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے مؤمنوں کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوں گے ۝ (اور کہیں گے:) سلام علیکم۔

اور اللہ عزوجل بھی ان کو سلام کہے گا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسین: ۵۸)

رب رحیم کی جانب سے سلام کہنا ہے ۝

الجن: ۲۵ میں فرمایا: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے ۝

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت وقوعِ قیامت کا علم تھا یا نہیں؟

جب مشرکین نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے الآیۃ' تو النضر بن الحارث نے کہا: وہ عذاب کب واقع ہوگا جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں؟ تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس عذاب کا وقوع تو متیقن ہے لیکن اس عذاب کے وقوع کا وقت غیر معلوم ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴، سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۱۴)

علامہ جلال الدین سیوطی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا' قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: آپ نے یہ اشارہ فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت کے وقوع میں بہت کم مدت رہ گئی ہے اور جتنا ان دو انگلیوں میں فاصلہ ہے' اسی کی مناسبت سے میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ ہے اور دیگر شارحین نے یہ کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا پیغام اور آپ کا دین قیامت تک کے لیے ہے اور جس طرح دو انگلیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں' اسی طرح آپ کا دین قیامت تک قائم رہے گا اور قیامت سے منفصل نہیں ہوگا۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۵ ص ۱۲۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا' پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کا وقوع قریب ہے یا بعید ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''لا ادری'' میں اپنی عقل اور اپنے قیاس سے نہیں جانتا یا ازخود نہیں جانتا' بے شک آپ کو علم تھا کہ قیامت کب واقع ہوگی کیونکہ جب دو چیزیں متصل ہوں اور ایک شخص کو ایک چیز کا علم ہو تو اس سے متصل دوسری چیز کا بھی علم ہوتا ہے' سو آپ کو اپنی بعثت کا علم تھا تو لازماً اس سے متصل قیامت کا بھی علم تھا' لیکن یہ علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی وحی سے تھا' ازخود نہیں تھا' اس لیے فرمایا: ''لا ادری'' اور ''لا اعلم'' نہیں فرمایا یعنی میں ازخود نہیں جانتا' اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کی وحی سے جانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ○ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے ○ تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سب کا اللہ نے احاطہ فرمالیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کرلیا ہے ○ (الجن: ۲۸۔۲۶)

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

اس آیت میں ''غیب'' کا لفظ ہے' غیب کا لغوی معنیٰ ہے: جو چیز حاضر نہ ہو' اور غیب کا اصطلاحی معنیٰ ہے: جس چیز کا حواسِ خمسہ اور بداہت عقل سے یعنی بغیر غور و فکر کے ادراک نہ کیا جا سکے وہ غیب ہے' جیسے اللہ عزوجل کی ذات' ہم اللہ تعالیٰ کو حواسِ خمسہ سے جان سکتے ہیں اور نہ بغیر غور و فکر کے جان سکتے ہیں' البتہ غور و فکر کر کے یہ جان سکتے ہیں کہ یہ جہان حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی محدث اور موجد ہوتا ہے' پس ضروری ہے کہ اس جہان کا بھی کوئی موجد ہو' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہوا تو اس کے لیے پھر کوئی موجد ماننا پڑے گا' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موجد واحد ہو کیونکہ اگر اس جہان کے متعدد موجد ہوں تو اس جہان کی تخلیق کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور چونکہ اس جہان کی تخلیق میں یکسانیت ہے' اس لیے ماننا پڑے گا کہ اس جہان کا خالق واحد ہے' پس غور و فکر کرنے سے معلوم ہو گیا کہ اس جہان کا موجد واجب' قدیم اور واحد ہے اور اللہ سبحانہٗ کی یہی شان ہے' پس ہم غور و فکر کر کے اللہ عزوجل کو جان لیتے ہیں اور بغیر غور و فکر کے اللہ تعالیٰ کو نہیں جان سکتے' سو اللہ تعالیٰ غیب ہے۔

اسی طرح ہم جنت اور دوزخ کو حواسِ خمسہ سے نہیں جان سکتے' نہ ان کو دیکھ سکتے ہیں' نہ ان کی آواز سن سکتے ہیں' نہ ان کی کسی چیز کو چکھ سکتے ہیں' نہ ان کو سونگھ سکتے ہیں' نہ ان کو چھو سکتے ہیں' نہ بغیر غور و فکر کے عقل سے ان کو جان سکتے ہیں' البتہ غور و فکر کر

کے یہ جان سکتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں میں فرق ہونا چاہیے سو اطاعت گزاروں کے لیے انعام ضروری ہے اور نافرمانوں کے لیے سزا ضروری ہے اور انعام کا محل جنت ہے اور سزا کا محل دوزخ ہے سو ہم عقل سے غور و فکر کر کے جنت اور دوزخ کو جان سکتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اس دنیا میں ظلم کرتے کرتے مر جاتے ہیں اور ان کو اس دنیا میں ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بہت لوگ اس دنیا میں ظلم سہتے سہتے مر جاتے ہیں اور ان کو ان کی مظلومیت کے اوپر کوئی جزا نہیں ملتی تو اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم بغیر سزا کے رہ جائے گا اور مظلوم بغیر جزاء کے رہ جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہو جس میں ظالم کو دوزخ میں اور مظلوم کو جنت میں داخل کیا جائے پس اس طرح ہم عقل سے غور و فکر کر کے جنت اور دوزخ کو جان لیتے ہیں مگر بغیر غور اور فکر کے ہم جنت اور دوزخ کو نہیں جان سکتے اس لیے جنت اور دوزخ بھی غیب ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی ذات غیب ہے۔

غیب کی دو قسمیں ذاتی اور عطائی

غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غیب ہے جس کو جاننے کا کوئی سبب اور ذریعہ ہو خواہ اس کا سبب عقل ہو یا اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی دی ہوئی خبر ہو مثلاً ہم نے جنت اور دوزخ کے وجود کو عقل کے ذریعہ جانا لیکن جنت میں ثواب کی تمام تفاصیل اور دوزخ میں عذاب کی تمام اقسام کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا ان کے علم کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر وحی فرماتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو خبر دیتے ہیں اور غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس غیب کو عقل سے جانا جا سکتا ہو نہ وحی سے جیسے اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور مخلوق کے لیے اس کے علم کی کوئی سبیل نہیں ہے اس غیب کو ذاتی کہتے ہیں اور غیب کی پہلی قسم کو غیب عطائی کہتے ہیں ان کو علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی بھی کہتے ہیں اس کی یہ تعریف بھی ہے کہ جو غیب تعلیم اور بتانے کے بغیر ہو وہ غیب ذاتی ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غیر پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں

ہمارے نزدیک عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی علم غیب ہوتا ہے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی علم غیب ہوتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات فرشتوں اور جنت اور دوزخ کا علم ہے اور چونکہ یہ سب اُمورِ غیب ہیں اس لیے ان کا علم علم غیب ہے لیکن عرفِ شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اس لیے خواہ عام مسلمانوں کو علم غیب حاصل ہو لیکن ان کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے جیسے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز اور جلیل ہیں لیکن محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے اور جیسے آپ صاحبِ برکت اور صاحبِ علو ہیں لیکن محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے۔

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنیٰ اطلاع کتب لغت سے

اس آیت میں ایک لفظ ہے: ''فلا یظھر'' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ''یظھر'' کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ای لا یطلع علیہ'' یعنی اللہ تعالیٰ اس غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ (التوبہ: ۳۳) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ہر دین پر غالب کر دے۔

اس آیت میں ''لیظھر'' کا معنیٰ ظہور بھی صحیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تمام دینوں پر ظاہر کر دے اور اس کا معنیٰ معاونت اور غلبہ بھی صحیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۴' مکتبہ نزارِ مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

واظھرنا اللہ علی الامر ای اطلع. — اللہ تعالیٰ نے کسی معاملہ کا ہم پر اظہار کیا یعنی ہم کو اس پر مطلع فرما دیا۔

(لسان العرب ج ۹ ص ۲۰۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ میری جو چیز چوری ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا اظہار کر دیا' یعنی مجھ کو اس پر مطلع کر دیا۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۳۷۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنیٰ اطلاع کتب تفاسیر سے

مفسرین کرام نے بھی اس آیت میں ''لیظھر'' کا معنیٰ مطلع کرنا کیا ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ رسولوں کو جس قدر غیب پر مطلع کرنا چاہتا ہے' انہیں مطلع فرماتا ہے۔

ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ انبیاء پر جتنا چاہتا ہے غیب نازل فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیب یعنی قرآن نازل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیامت کے غیب کی خبر دی۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے بھی ان دونوں قولوں کو نقل کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو جس غیب کا علم ہے وہ عام لوگوں میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرماتا' ماسوا رسولوں کے' کیونکہ اس غیب سے ان کی نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے' تاکہ وہ معجزہ سے غیب کی خبر دیں' اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ جس کو رسالت اور نبوت کے لیے چن لیتا ہے' اس کو اپنے غیب میں سے جتنا چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۳۶۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

وہ عالم الغیب ہے' پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے چن لیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۶۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علم غیب صرف اللہ کے لیے ہے' پس اس کو جس غیب کا علم ہے وہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں' اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کو اس نے رسالت کے لیے چن لیا اس کو جتنا چاہتا ہے' اپنے غیب سے مطلع فرماتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۳۸۵' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ غیب پر صرف چنے ہوئے لوگوں کو مطلع فرماتا ہے' جو اس کے رسول ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۷۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

پس بے شک اس کو اپنے غیب سے جتنا چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے' تا کہ وہ غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

قاضی عبداللہ بن عمر شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج۹ص ۳۰۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت'۱۴۱۷ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں یہ فرمایا ہے کہ وہ غیب اور شہادت کا عالم ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے کسی علم پر مطلع نہیں ہوتا' ماسوا ان کے جن کو وہ خود مطلع فرمائے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۴۷۸' دارالفکر' بیروت'۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علی الاطلاق علم غیب کے ساتھ منفرد ہے' پس اس کے علم غیب پر مخلوق میں سے کوئی بھی اس طرح کامل مطلع نہیں ہوتا کہ اس کو مکمل انکشاف تام ہو جائے' جس سے علم الیقین واجب ہو جائے' ماسوا ان کے جن کو اس نے چن لیا ہے جو اس کے رسول ہیں تا کہ ان کو وہ اپنے بعض ان غیوب پر مطلع فرمائے جو ان کی رسالت سے متعلق ہوں۔

(روح البیان ج ۱۰ص ۲۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالليث نصر بن محمد الحنفی السمرقندی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

وہ اپنی مخلوق میں سے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو اپنی رسالت کے لیے پسند فرمالیتا ہے تو اس کو جس غیب پر چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے تا کہ وہ غیب اس کی نبوت پر دلیل ہو۔(بحر العلوم تفسیر سمرقندی ج ۳ص ۴۱۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت'۱۴۱۳ھ)

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنیٰ اطلاع کے تراجم

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پروردگار زمانے و در دانند غیب پس آگاہ نسازید برغیب خود ہیچ کس یکے را مگر آنرا کہ پسند دارد از رسول۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۹۶ھ لکھتے ہیں:

پس مطلع نمے سازد بر علم غیب خود ہیچ یک را مگر کسے کہ پسند کرد اورا مراد از پیغمبر است۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

وہ ہی جاننے والا غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے پیغمبروں میں سے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

جاننے والا بھید کا' سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی مگر جس کو پسند کرلیا کسی رسول کو۔

علامہ سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

اور وہ غیب کا جاننے والا ہے تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو مگر جسے چن لیا رسول سے۔

(معارف القرآن ص ۶۸۹ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

وہ غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا' مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے سب رسول ہیں۔ (البیان ص ۷۴۶-۷۴۵ کاظمی پبلی کیشنز ملتان)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو۔

(جمال القرآن ص ۹۴۶ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنیٰ تسلط پر بحث ونظر

بعض محترم اکابر رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس ترجمہ میں چند اُمور ہماری ناقص فہم میں نہیں آسکے' جن کا ذکر حسب ذیل ہے:

(۱) ہم کتب لغت کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں کہ اس آیت میں ''یظھر'' کا معنیٰ مطلع کرنا ہے' اور تمام مفسرین نے ''یظھر'' کی تفسیر میں لکھا ہے: اس کا معنیٰ مطلع کرنا ہے' لہٰذا اس کے معنیٰ میں مسلط کرنا مراد نہیں ہے' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

''القرآن یفسر بعضه بعضا'' بعض قرآن بعض کی تفسیر کرتا ہے' سو جس طرح اس آیت میں رسولوں کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ہے' اسی طرح الجن: ۲۶ میں بھی ''یظھر'' سے غیب پر مطلع کرنا مراد ہے اور غیب پر مسلط کرنا مراد نہیں ہے۔

(۲) غیب پر مسلط کرنے کا معنیٰ ہے: غیب پر غالب کرنا اور غیب پر غالب کرنے سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ غیب کے ہر فرد کا رسولوں کو علم ہو' اور غیب کا ہر فرد خواہ وہ غیب متناہی ہو' رسولوں کو معلوم نہیں ہوتا' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں اس کی واضح دلیل ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ آپ کا علم تدریجی ہے' جو نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ مکمل ہوا' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ غیب کا علم نہیں تھا جس کا بعد میں علم ہوا' پھر آپ غیب پر مسلط اور غالب کیسے ہوئے' جب کہ سورۃ الجن ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔

(۳) نیز اس ترجمہ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے' اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ رسول غیر پسندیدہ ہیں کیونکہ اس ترجمہ میں رسولوں کو پسندیدہ کی صفت کے ساتھ مقید کیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول پسندیدہ اور مختار ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب کا رسولوں پر اظہار نہیں فرماتا' اس کے غیوب غیر متناہی ہیں اور رسولوں کے علوم متناہی ہیں' اور متناہی غیر متناہی کا محل نہیں بن سکتا' اسی لیے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو اپنے بعض غیوب پر مطلع فرماتا ہے اور اس کی مقدار رسولوں کے مرتبہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے' ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا' جو تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ہے۔

(۵) اس آیت میں ''من'' بیانیہ ہے کیونکہ ''من ارتضی'' مبہم ہے اور اس کا بیان ''من رسول'' ہے جب کہ اس ترجمہ میں ''من'' تبعیضیہ کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس آیت میں ''من'' کا تبعیضیہ ہونا ہماری سمجھ میں اس لیے نہیں آسکا کہ ''من'' تبعیضیہ کے بعد اُمور متعددہ کا ذکر ہوتا ہے جیسے ''اخذت من الدراھم'' ہمارے ناقص علم کے مطابق اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے' جو اس کے سب رسول ہیں۔

(٦) اسی طرح بعض محترم اکابر رحمہم اللہ نے آل عمران: ١٧٩ کا جو ترجمہ کیا ہے' اس کو بھی ہم نہیں سمجھ سکے' وہ ترجمہ یہ ہے:

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے' ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

اس ترجمہ میں بھی ''من'' کو تبعیضیہ قرار دیا ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے بعض رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے اور بعض کو نہیں' کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے' ہماری ناقص فہم کے اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں کو) غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر) مطلع (کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے سب رسول ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ آل عمران: ١٧٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''من'' ابتداء غایت کے لیے ہے اور تمام رسل علیہم السلام میں پسندیدگی کو عام فرمانے کے لیے ہے تاکہ یہ آیت اس پر دلالت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غیب پر مطلع فرمایا ہے' وہ اس قوی اصل پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسل صلوات اللہ علیہم میں یہی سنت ہے کہ وہ انہیں غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ''من'' تبعیض کے لیے ہے کیونکہ مغیبات پر مطلع فرمانا بعض رسولوں کے ساتھ اور بعض اوقات میں مخصوص ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہو۔ واضح رہے کہ یہ تو درست ہے کہ غیب کی اطلاع بعض اوقات کے ساتھ خاص ہو' لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غیب کی اطلاع بعض رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے' اور شاید کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے۔

(روح المعانی جز ۴ ص ٢١٦' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

ہر چند کہ علامہ آلوسی نے اس آیت میں ''من'' کو ابتداء غایت کے لیے قرار دیا ہے' لیکن اس کا مآل بھی وہی ہے جو ''من'' بیانیہ کا ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' نہ کہ بعض رسولوں کو' بلکہ علامہ آلوسی نے ''من'' تبعیضیہ کو صراحةً رد کر دیا ہے اور ہم نے ''من'' بیانیہ اس لیے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' (آل عمران: ١٧٩) ''من یشاء'' میں ''مَن'' موصول ہے اور اسم موصول مبہم ہوتا ہے اور اسم مبہم کا یہ تقاضا ہے کہ اس کا بیان کیا جائے' پس ''من رسله'' ''مَن یشاء'' کا بیان مقدم ہے' یعنی اللہ جن کو چاہتا ہے ان کو غیب کی اطلاع کے لیے پسند فرما لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں۔

علامہ اسماعیل بن محمد القونوی المتوفی ١١٩٥ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں جمع کے صیغہ سے ''رسل'' فرمایا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ تمام رسولوں کی تصدیق کے ساتھ ہو اور اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر رسولوں کے پسندیدہ ہونے کا ذکر فرمایا تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ غیب کی اطلاع دینا تمام رسولوں کے لیے عام ہے اور یہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں ہے۔

اس پر محشی نے لکھا ہے:

اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس آیت میں ''من رسله'' میں ''من'' بیانیہ ہے' تبعیضیہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ آل عمران: ۱۷۹ اور الجن: ۲۶ میں مذکور ''مِــن'' بیانیہ ہے' تبعیضیہ نہیں۔ میں نے بہت غور وفکر کے بعد ان آیتوں کو اسی طرح سمجھا ہے' اگر یہ درست ہے تو اس گنہ گار پر یہ اللہ کا کرم ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے ورنہ یہ میری سوءِ فہم اور مطالعہ کا نقص ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بَری ہیں۔ 20

علامہ زمخشری کا کراماتِ اولیاء کا انکار کرنا

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۹ھ نے لکھا ہے: اس آیت سے کرامات باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ جن لوگوں کی طرف کرامات منسوب ہوتی ہیں' ہر چند کہ وہ پسندیدہ اولیاء ہیں لیکن وہ رسول نہیں ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب کی اطلاع کو اپنے ان پسندیدہ بندوں کے ساتھ خاص کر لیا ہے جو اس کے رسول ہیں اور ولیوں کو اللہ غیب کی خبر نہیں دیتا' اسی طرح نجومی اور کاہن جو مستقبل میں ہونے والے حوادث کی خبر دیتے ہیں' وہ بھی باطل ہو گئی کیونکہ نجومی اور کاہن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے اور رسول نہیں ہیں۔ (الکشاف ج ۴ ص ۶۳۵۔۶۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر میں امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت میں زمخشری کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ اس آیت میں غیب سے مراد عموم نہیں ہے اور اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' بلکہ غیب سے مراد مخصوص غیب ہے اور وہ ہے وقت وقوعِ قیامت کا علم۔ پس اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس خاص غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' پھر استثناء کر کے فرمایا: ہاں! جو اس کے پسندیدہ بندے ہیں ان پر اس غیب کو ظاہر فرماتا ہے اور وہ پسندیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں' اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ اس غیب کو کسی رسول پر ظاہر نہیں فرماتا تو ہم کہیں گے: نہیں بلکہ قربِ قیامت میں اللہ سبحانہٗ اس غیب کو ظاہر فرمائے گا' جب وہ قیامت کو قائم فرمائے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اتارا جائے گا ۝ (الفرقان: ۲۵)

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرشتوں کو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کس وقت واقع ہو گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے مخصوص غیب یعنی وقت وقوعِ قیامت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' پھر اس کے بعد فرمایا: لیکن جن سے وہ راضی ہے وہ اس کے رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے' جو اس کو سرکش جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ان لوگوں کے سوال کے جواب میں ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تحقیر کرتے ہوئے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے وقت وقوعِ قیامت کا سوال کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ رسولوں کے سوا کسی کو بھی کسی غیب پر مطلع نہیں فرماتا' اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) تقریباً اخبارِ متواترہ سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے شق اور سطیح نام کے دو کاہن

20

تھے جنہوں نے یہ خبر دی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے اور عرب میں اس قسم کے کاہن بہت مشہور تھے حتیٰ کہ ایران کے بادشاہ کسریٰ نے بھی ان کاہنوں کی طرف رجوع کیا تھا تا کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کر سکے اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے علاوہ دوسروں کو بھی غیب کی خبروں پر مطلع فرما دیتا ہے۔

(۲) تمام مذاہب اور ادیان میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ خواب کی تعبیر صحیح ہوتی ہے اور خواب کی تعبیر بتانے والا مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی قبل از وقت خبر دے دیتا ہے اور اس کی تعبیر صادق ہوتی ہے۔

(۳) سلطان سنجر بن ملک بغداد کا بادشاہ تھا' وہ بغداد کی ایک کاہنہ کو خراسان لے گیا اور اس سے مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کے متعلق سوالات کیے اس کاہنہ نے اس کو ان اُمور کی خبر دی اور جس طرح اس نے خبر دی تھی بعد میں اسی طرح واقعات پیش آئے۔

(۴) ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی طرف صادق الہامات ہوتے ہیں اور یہ الہامات اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جادوگروں کی طرف بھی ہوتے ہیں' ہر چند کہ جادوگروں کی دی ہوئی خبریں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتیں ہیں' اسی طرح نجومیوں کی دی ہوئی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں' لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتی ہیں۔ یہ تمام اُمور مشاہدہ سے ثابت ہیں' پس یہ کہنا کہ قرآن مجید ان زمینی حقائق اور بین الاقوامی مسلمات کے خلاف بتا رہا ہے یہ ایسا قول ہے جو قرآن مجید میں طعن کا دروازہ کھولتا ہے اور یہ باطل ہے' پس اس آیت کی صحیح تاویل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے اور دوسروں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹ ـ ۶۷۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نہیں لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ رسولوں پر بھی اپنے غیب کا اظہار فرماتا ہے اور دوسروں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے حتیٰ کہ اولیاء کرام' خواب کی تعبیر بتانے والوں' جادوگروں' کاہنوں اور نجومیوں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے تو پھر اس آیت میں حصر کے ساتھ صرف رسولوں پر اظہارِ غیب کا کیوں ذکر فرمایا ہے' جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا اور کسی پر غیب کا اظہار نہیں فرماتا اور اسی وجہ سے علامہ زمخشری اور دیگر معتزلہ نے اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کو غیب کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ غیب کی خبر دے سکتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں پر بلاواسطہ اپنے غیب کا اظہار فرماتا ہے اور رسولوں کے سوا اور کسی پر بلاواسطہ غیب کا اظہار نہیں فرماتا اور اس آیت میں اسی اعتبار سے حصر ہے اور اولیاء کرام پر رسولوں کے یا فرشتوں کے واسطے سے غیب کا اظہار فرماتا ہے۔

الجن: ۲۶ میں ''عالم الغیب'' اور ''علی غیبہ'' سے مراد ہر غیب ہے نہ کہ وقت وقوعِ قیامت

امام رازی کی تفسیر میں ایک مناقشہ یہ ہے کہ امام رازی نے ''لا یظھر علی غیبہ'' میں غیب سے مراد ایک معین غیب مراد لیا ہے یعنی وقت وقوعِ قیامت' جب کہ عالم الغیب میں لام استغراق کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو

اس کے سب رسول ہیں۔

امام رازی نے یہ کہا ہے کہ "علٰی غیبه" میں لفظ مفرد مضاف ہے اور اس کے عمل کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو ایک غیب پر محمول کیا جائے اور وہ وقت وقوعِ قیامت ہے اور رہا عموم تو اس پر اس لفظ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

امام رازی کا یہ قول قواعد کے خلاف ہے کیونکہ کلام عرب کے استقراء اور تتبع سے یہ قاعدہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب مصدر یا اسم جنس مضاف ہو تو وہ اضافت استغراق کے لیے ہوتی ہے اور جو غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ صرف وقت وقوعِ قیامت کا علم نہیں ہے بلکہ وہ ہر غیب کا علم ہے۔

شیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

فينظر في ذالك الاسم فان لم يكن معه قرينة لا حالية و لا مقالية دالة انه بعض مجهول من كل ولا دالة علٰى انه بعض معين فهي اللام التي جيء بها للتعريف اللفظي والاسم المحلي بها لاستغراق الجنس فعلى هذا قوله صلى الله عليه وسلم الماء طاهر اى كل الماء طاهر.

پس اس اسم کو دیکھا جائے گا اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظی یا معنوی قرینہ نہ ہو کہ اس سے بعض معین یا غیر معین فرد مراد ہے تو اس اسم پر جو لام ہوگا وہ معرفہ بنانے کے لیے ہوگا اور اس کا مدخول استغراق جنس کے لیے ہوگا' اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الماء طاهر" کا معنیٰ ہے: ہر پانی طاہر ہے۔

(شرح کافیۃ ابن الحاجب ج ۳ ص ۳۱۹ ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز ہم بتا چکے ہیں کہ عالم الغیب میں لام استغراق کا ہے' یعنی ہر غیب کا جاننے والا' "الـغـيـب" معرفہ ہے' اس کے بعد "علٰی غیبه" کا ذکر ہے اور یہ بھی معرفہ ہے اور جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا عین ہوتا ہے اور جب "الغیب" سے مراد ہر غیب ہے تو ضروری ہوا کہ "غیبـه" سے بھی مراد ہر غیب ہو' اس لیے اس غیب سے ایک غیب مراد لینا اور اس کو وقت وقوعِ قیامت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' اس لیے اس آیت کا صحیح معنیٰ یہی ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔(چونکہ رسول غیر متناہی علوم کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے یہاں مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے بعض غیوب ہیں۔)

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ کاہنوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

امام رازی کی اس تفسیر میں دوسرا مناقشہ یہ ہے کہ امام رازی نے کہا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا اور کسی کو غیب کی خبر نہیں دیتا' کیونکہ کبھی کاہن بھی غیب کی خبر دیتے ہیں' پس ثابت ہوا کہ غیر رسول بھی بعض غیوب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹)

یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات چوری چھپے آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے تھے اور آ کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے اور کاہن ایک بات کے ساتھ کئی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو بتا دیتے تھے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانوں پر جانے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا' لہٰذا اب کاہن کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا: وہ کوئی چیز نہیں ہیں' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کبھی کبھی وہ ہم کو کسی چیز کی خبر دیتے ہیں اور وہ سچ نکلتی ہے' تب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حق بات فرشتوں سے چوری چھپے سن کر لاتا ہے' پھر اپنے ولی کے کان میں ڈال دیتا ہے اور اس میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۲۸)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے کہ کاہنوں کے متعلق ایک قوم کا گمان ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے اور وہ اس وجہ سے غیب کو جان لیتے ہیں اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے' شریعت نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور اس کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔

قاضی مازری نے کہا ہے کہ کہانت کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) کسی انسان کا جن دوست ہو' وہ آسمانوں پر جا کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سنے' پھر جا کر اس انسان کو اس کی خبر دے اور جب سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں' یہ قسم باطل ہو گئی' جیسا کہ سورۃ الجن کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔

(۲) کاہن زمین کی اطراف میں گھوم پھر کر خبر دے' لیکن وہ اس سلسلہ میں سچ بھی بولتا ہے اور جھوٹ بھی اور ہم کو ان کی خبروں کے سننے اور ان کی تصدیق کرنے سے کلیۃً منع کیا گیا ہے۔

(۳) بعض لوگوں میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ قیاس اور اندازے سے غیب کی بات معلوم کر لیتے ہیں' لیکن اس میں جھوٹی خبروں کا غلبہ ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۳' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ خواب کی تعبیر بتانے والوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

نیز امام رازی نے کہا: تمام اہل مذاہب اور ادیان اس پر متفق ہیں کہ خواب کی تعبیر کا علم صحیح ہے اور اس سے بھی مستقبل کے واقعات کا علم ہو جاتا ہے' اس سے بھی معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بتانے والے بھی غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹)

غیر مسلم جو خواب کی تعبیر بتاتے ہیں' اس کے صحیح اور صادق ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے' البتہ مسلمان کی بتائی ہوئی تعبیر صحیح ہو سکتی ہے' حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو گا تو مسلمان کا خواب کم جھوٹا ہو گا' تم میں سے جو آدمی جتنا سچ بولتا ہو گا اس کا خواب اتنا سچا ہو گا' اور مسلمان کا خواب نبوت کے پینتالیس (۴۵) حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور خواب کی تین قسمیں ہیں: نیک خواب اللہ کی طرف سے بشارت ہے اور ڈرانے والا خواب شیطان کی طرف سے ہے اور بعض خواب انسان کے دل میں آنے والی باتوں کے موافق ہوتے ہیں' اگر تم میں سے کوئی شخص ڈراؤنا خواب دیکھے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور لوگوں کو نہ بتائے' آپ نے فرمایا: میں پاؤں میں بیڑیوں کو پسند کرتا ہوں اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں' پاؤں میں بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۱۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۷۰ ملخصاً)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خواب میں قمیص دیکھنے کی تعبیر دین ہے' انسان جتنی لمبی قمیص پہنے ہوئے دیکھے گا' اس میں اتنی زیادہ دین داری ہو گی اور جتنی چھوٹی قمیص ہو گی' اس میں اتنی کم دین داری ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۹۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا' میں نے اس کو پیا' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے دودھ کی سیرابی نکل رہی تھی' پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''العلم''۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ خواب میں جس واقعہ کی پیشگی خبر دی جاتی ہے' اس کی صراحۃً خبر نہیں دی جاتی بلکہ اشارہ اور کنایہ سے بتایا جاتا ہے' جیسے بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدمی اور طوق سے مراد دوزخی ہونا' اور قمیص پہنے ہوئے دیکھنے سے مراد دین داری اور دودھ پینے سے مراد علم کا حصول ہے اور کسی کو سفید لباس میں دیکھنا اس کا جنتی ہونا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق سوال کیا گیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ آپ کا دوست تھا اور آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے فوت ہو گیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وہ خواب میں دکھایا گیا اور اس پر سفید لباس تھا' اگر وہ دوزخی ہوتا تو اس پر کسی اور رنگ کا لباس ہوتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۵)

اسی طرح قرآن مجید میں ایک خواب کا ذکر ہے' قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا:

اے یوسف! اے صدیق! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات فربہ گائیں ہیں' جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں' اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک خوشے ہیں' (آپ اس کی تعبیر بتائیں) تاکہ میں واپس جا کر لوگوں کو بتاؤں' شاید وہ لوگ جان لیں O یوسف نے کہا: تم سات سال تک لگاتار غلہ بوتے رہو اور جو فصل کاٹو اسے خوشوں میں ہی رہنے دینا' ماسوا اپنے کھانے کے لیے تھوڑی سی مقدار کے O اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے' وہ اس غلہ کو کھا جائیں گے جس کو تم نے پہلے ذخیرہ کیا تھا ماسوا اس کم مقدار کے جس کی تم نے حفاظت کی تھی O اس کے بعد اگلے سال لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں لوگ انگور کا شیرہ خوب نچوڑیں گے O (یوسف: ۴۹۔۴۶)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں خواب کی تعبیروں کا جو ذکر کیا گیا ہے' ان سے یہ واضح ہو گیا کہ خواب کی تعبیر میں صاف اور واضح اور صریح بیان نہیں ہوتا' بلکہ اس میں تلمیحات اور استعارات اور اشارے اور کنایے ہوتے ہیں اور ان کی وہی تعبیر صحیح اور یقینی ہوتی ہے' جو قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے مؤید ہو' اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو جو وحی کے ذریعہ غیب کی خبر دیتا ہے وہ بالکل صاف' صریح اور یقینی ہوتی ہے' اس میں کسی قسم کا ابہام اور شک نہیں ہوتا' لہٰذا امام رازی کا نبیوں میں علم غیب کے حصر پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ جادوگروں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

اس بحث میں امام رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ الہامات اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جادوگروں کی طرف بھی الہامات ہوتے ہیں' امام رازی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ جادوگروں سے آج تک یہ ثابت نہیں ہوا کہ انہوں نے غیب کی کوئی خبر دی ہو' جادوگر شیطانی کلمات کے اثر سے نظر بندی کرتے ہیں' شعبدہ بازی سے چیزوں کو کچھ کا کچھ کر کے دکھا دیتے ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ حقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں' یعنی مٹی کو سونا بنا سکتے ہیں یا مرد کو عورت بنا سکتے ہیں یا نہیں' لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ جادوگروں نے غیب کی کوئی خبر دی ہو اور بالفرض اگر انہوں نے شیطانی عمل سے کبھی مستقبل کی کسی بات کو بتایا بھی ہو تو اس کو الہام کہنا صحیح نہیں ہے' اصطلاح میں الہام افاضہ خیر کو کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ

اولیاء اللہ اور نیک مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اس کو زیادہ سے زیادہ استدراج کہا جاسکتا ہے اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جادوگر بھی غیب کی خبر دیتے ہیں اس لیے غیب کی خبر دینا رسولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ نجومیوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

نیز امام رازی نے لکھا ہے: اسی طرح نجومیوں کی دی ہوئی اکثر خبریں جھوٹی بھی ہوتی ہیں لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتی ہیں یہ تمام اُمور مشاہدہ سے ثابت ہیں اور یہ کہنا کہ قرآن اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے ایسی بات ہے جو قرآن مجید میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے اور یہ بالکل باطل ہے پس اس آیت کی تاویل صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا کسی کو غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۷۹)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف رسولوں کو بلاواسطہ غیب کی وحی کرتا ہے اور ان کی دی ہوئی خبر قطعی ہوتی ہے جس کا انکار کفر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو رسولوں کے یا فرشتوں کے واسطے سے غیب کی خبر کا الہام کرتا ہے اور اس الہام کے ذریعہ ان کی دی ہوئی خبر ظنی اور غیر یقینی ہوتی ہے اور رسولوں اور اولیاء اللہ کے سوا اللہ تعالیٰ کسی کو غیب نہیں دیتا نہ کاہنوں کو نہ خواب کی تعبیر بتانے والوں کو اور نہ نجومیوں کو اور یہی قطعی بات ہے۔

چونکہ امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نجومیوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے اس لیے اب ہم نجومیوں کی تعریف ان کی خبر دینے کے ذرائع ان کے متعلق احادیث نجومیوں اور ان سے سوال کرنے والوں کا شرعی حکم بیان کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وہ تخمین اور اندازوں سے اور اٹکل پچو سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں ایسی قوت دراکہ رکھتا ہے جس سے وہ مستقبل کے اُمور کے متعلق قیاس اور اندازے سے باتیں بتاتے ہیں جو کبھی اتفاقاً سچ نکلتی ہیں اور اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔

کاہن کی ایک قسم عراف ہے یہ وہ شخص ہے جو علامات اسباب اور مقدمات سے ان کے نتائج اور مسببات پر استدلال کر کے آئندہ کی باتیں بتاتا ہے اور اُمور مستقبلہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے یہ لوگ ستاروں اور دیگر اسباب سے استفادہ کرتے ہیں علامہ ہروی نے کہا: عراف نجومی کو کہتے ہیں جو غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

نافع بعض ازواجِ مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

علم نجوم کا اصطلاحی معنیٰ اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبد اللہ آفندی قسطنطنی التوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تشکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کواکب کی اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت اور مقابلت وغیرہ سے دنیا کے حوادث ان کے مرنے اور جینے بننے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نجومی کا اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے حوادث کا سبب ہوں لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے نحوست (اور اسی طرح سعادت) کے لیے عادۃً اسباب اور علت

ہیں، نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی، حسی دلیل کا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لیے نہیں ہے کہ سیاروں کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خاصہ ہے، پھر کہتے ہیں کہ زحل سرد خشک ہے اور مشتری گرم تر ہے، اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کواکب کے لیے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا منجم کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا، اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۴۰۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۲، عالم الکتب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰، دار الفکر)

''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں، اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان کے احوال اور مسائل معلوم ہوں، جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں فلاں چیز کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ زعم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔

علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب، کسی صنعت اور کسی طریقہ سے غیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی، انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا تھا۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۳۱۔ ۱۹۳۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۸ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۲۷، یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۲۳۔ ۲۰۲)

امام غزالی فرماتے ہیں: نجوم کے احکام محض ظن، تخمین اور اندازوں پر مبنی ہیں، اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب

سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا' لہٰذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے' سو نجوم کے احکام اس لیے مذموم نہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں' یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا (دراصل وہ علم رمل تھا یعنی لکیروں سے زائچہ بنانے کا علم' وہ نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا ہے' اور کبھی کبھار نجومی کی جو بات سچ نکلتی ہے وہ بہت نادر ہے اور محض اتفاق ہے' کیونکہ وہ کبھی بعض اسباب پر مطلع ہو جاتا ہے اور ان اسباب کے بعد مسبب اسی وقت حاصل ہوتا ہے' جب بہت ساری شروط پائی جائیں' جن کے حقائق پر مطلع ہونا بشر کی قدرت میں نہیں ہے' جیسے انسان کبھی بادل دیکھ کر بارش کا گمان کرتا ہے' حالانکہ بارش کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں' جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا' اور جس طرح ہواؤں کا رخ دیکھ کر ملاح کشتی کو سلامتی سے لے جانے کا گمان کرتا ہے حالانکہ سلامتی کے اور بھی اسباب ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور اس کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ قرطبی مالکی سے

علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے: جب اللہ سبحانہ نے علم غیب سے اپنی مدح فرمائی اور اس کو اپنے ساتھ خاص فرما لیا اور مخلوق سے اس کی نفی فرما دی تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے رسولوں کا نفی کے اس عموم سے استثناء فرمایا اور وحی کے ذریعہ جتنا چاہا ان کو علم غیب عطا فرمایا اور اس کو ان کا معجزہ قرار دیا' اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا' اور نجومی اور کاہن وغیرہ جو مختلف حیلوں سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے رسول نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے غیب پر مطلع فرمائے' بلکہ کاہن اور نجومی اللہ کا کفر کرتا ہے اور اپنے حیلوں اور اٹکل پچو سے جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اللہ سبحانہ پر افتراء ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے آپ کو علم نجوم سیکھنے سے بچاؤ' ستارے تو صرف اس لیے ہیں کہ جنگلوں اور سمندروں میں سفر کے وقت اندھیروں میں ان سے رہ نمائی حاصل کرو' نجومی تو جادوگر کی طرح ہیں اور جادوگر کافر کی طرح ہیں اور کافر دوزخ میں ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۷۔۲۶ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ بیضاوی شافعی سے

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس غیب کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا اپنے رسول کے تاکہ غیب کی خبر دینا اس کی نبوت کا معجزہ ہو جائے' اس آیت سے اولیاء اللہ کی کرامات کے بطلان پر استدلال کیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کو غیب پر بلا واسطہ مطلع فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی جو کرامات ہوتی ہیں' ان کو فرشتوں کی وساطت سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے' جیسے ہمیں آخرت کے احوال پر انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے مطلع کیا جاتا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۳۰۲۔۳۰۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ رومی حنفی سے

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ قاضی بیضاوی کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر انبیاء علیہم السلام کو بھی مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو بھی مطلع فرماتا ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اولیاء کو جو غیب کی اطلاع ہوتی ہے وہ ضعیف ہوتی ہے اور اس میں خفاء ہوتا ہے' اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی اطلاع دی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کی اطلاع سے بہت قوی اور مستحکم ہوتی ہے اور اس آیت کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب

کا کامل اظہار اور کشف جلی صرف اپنے چنے ہوئے رسولوں پر کرتا ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو غیب پر مطلع کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی طرف وحی فرماتا ہے یا اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں سے اس وحی کی حفاظت فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی کرامات اشاروں اور کنایوں پر مشتمل ہوتی ہیں' جیسے ان کی دعاؤں کو قبول فرمانا اور ان کی فراست کا صادق ہونا' کیونکہ اولیاء اللہ کا کشف غیر تام ہوتا ہے اور واضح نہیں ہوتا' امام ابو اسحاق نے کہا: اولیاء اللہ کی کرامات ایسی ہوتی ہیں جیسے دعاؤں کا قبول ہونا اور ان کی کرامات معجزات کی مثل نہیں ہوتیں اور امام ابو بکر نے کہا: معجزات اور کرامات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ معجزات کو ظاہر کریں' اولیاء اللہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی کرامات کو چھپائیں اور ظاہر نہ کریں اور نبی اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے معجزہ کا دعویٰ کرتا ہے اور ولی کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرتا۔ الزجاج' واحدی اور صاحب المطالع نے کہا: جو شخص علم نجوم کی بناء پر کسی کی موت یا حیات کی خبر دے' یہ آیت اس کی تکفیر کرتی ہے کیونکہ وہ شخص قرآن مجید کا کفر کرتا ہے۔ نعوذ باللّٰہ منہ. (حاشیہ ابن التمجید علی البیضاوی مع حاشیۃ القونوی ج۱۹ص ۳۶۷)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ قونوی حنفی سے

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد القونوی الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ بیضاوی کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کے ساتھ جو علم غیب مخصوص ہے' اس سے مراد علم بالذات ہے جو علم یقینی کامل ہے اور کسی سبب کے بغیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے کے سبب سے ہے' خواہ یہ اطلاع وحی سے دی جائے یا الہام سے یا اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں علم بدیہی پیدا کر دے اور نجومیوں کا علم قواعد کے سبب سے ہے اور کاہنوں کا علم جنات کے خبر دینے کے سبب سے ہے کیونکہ جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن کر اس کی خبر کاہنوں کو دیتے تھے' پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم غیب کے مخصوص ہونے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا غیب بلا سبب اور بالذات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب اللہ تعالیٰ کی عطا سے اور وحی یا الہام کے سبب سے ہے۔

(حاشیۃ القونوی ج۱۹ص ۳۶۵)

نیز علامہ قونوی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ بلا واسطہ علم غیب عطا فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کو فرشتوں کے واسطہ سے علم غیب عطا فرماتا ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج۱۹ص ۳۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ ابو الحیان اندلسی سے

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ نے امام رازی کی تفسیر کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

(البحر المحیط ج۱۰ص ۳۰۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر حافظ ابن کثیر سے

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت کا عالم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی شخص بھی اس کے علم پر مطلع نہیں ہوتا ماسوا اس کے جس کو وہ خود اپنے کسی علم پر مطلع فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر ج۴ص ۴۷۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ اسماعیل حقی سے

علامہ اسماعیل حقی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے کاہنوں اور نجومیوں کی دی ہوئی خبریں خارج ہو گئیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی طرح اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور پسندیدہ بندے نہیں ہیں اور ان کی دی ہوئی خبریں الہام اور کشف کے طریقوں سے نہیں ہوتیں بلکہ وہ علامات اور اندازوں سے خبر دیتے ہیں اس لیے ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں اور جس شخص نے یہ کہا: میں جنات کی دی ہوئی غیب کی خبروں سے خبر دیتا ہوں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ انسانوں کی طرح جنات بھی غیب کو نہیں جانتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی کہانت نہیں ہے کیونکہ اب جنات کو آسمانوں کے اوپر جانے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن الشیخ نے کہا: جو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا ماسوا اللہ کے چنے ہوئے اور پسندیدہ بندوں کے جو اللہ کے رسول ہیں اور جو علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس پر غیر رسول بھی مطلع ہوتا ہے یا تو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے یا دلائل مقررہ سے یا ترتیب مقدمات سے یا اللہ تعالیٰ بعض اولیاء پر بعض غیوب کا الہام فرما دیتا ہے یا فرشتہ کے واسطے سے پس اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا کسی کو کسی غیب پر مطلع نہیں فرماتا کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ چنے ہوئے رسولوں کے علاوہ دوسروں کو بھی کچھ نہ کچھ غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ فرعون کے کاہنوں نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی خبر دی تھی اور یہ خبر دی تھی کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھوں فرعون کی حکومت زائل ہو جائے گی اور بعض کاہنوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کے ظہور کی خبر دی تھی اور وہ غیب کی اس خبر دینے میں صادق تھے اور تمام مذاہب اور ادیان والے اس پر متفق ہیں کہ خواب کی تعبیر کا علم صحیح ہوتا ہے اور خواب میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی جاتی ہے اور وہ تعبیر بھی صادق ہوتی ہے پھر یہ آیت درج ذیل آیت کی نظیر ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (آل عمران: ١٧٩)

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ جن کو چاہے غیب پر اطلاع کے لیے پسند فرما لیتا ہے اور وہ اللہ کے سب رسول ہیں۔

(روح البیان ج ١٠ ص ٢٣٦ دار احیاء التراث العربی بیروت ١۴٢١ھ)

بعثت نبوی کے بعد کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور خواب کی تعبیر اشارات سے معلوم ہوتی ہے وہ غیب کی خبر نہیں ہوتی۔

الجن: ٢٦ کی تفسیر غیر مقلد عالم شیخ شوکانی سے

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ١٢٥٠ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسولوں کو جس قدر غیب پر چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے پس کیا رسول کے لیے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس قدر غیب پر مطلع فرمایا ہے اس میں سے وہ اپنی امت کے بعض افراد کو مطلع فرما دے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! یہ ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے اور جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی معرفت ہے ان سے یہ امر مخفی نہیں ہے اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں کھڑے ہو کر قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما رہے تھے اور آئندہ ہونے والے فتنوں میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٩٢) اسی طرح حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مستقبل میں برپا ہونے والے فتنوں کی خبر دیتے تھے جن کی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٩١) حتیٰ کہ اکابر صحابہ حضرت حذیفہ سے ان فتنوں کے متعلق سوال کرتے تھے اور اس طرح

کی بہت زیادہ احادیث ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے بعض صالحین کو غیب کی ان خبروں کے ساتھ خاص کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں' اور وہ صالحین اپنے بعد کے لوگوں کو ان غیب کی خبروں پر مطلع کر دیں اور صالحین کی کرامات اسی طور سے ہیں اور یہ سب فیض ربانی ہے' جو حضرت رسالت کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۱۴۔۴۱۳' دار الوفاء' ۱۴۱۸ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ آلوسی حنفی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صرف اللہ سبحانہ ہر غیب کا عالم ہے اور وہ اپنے اس مخصوص غیب کی کامل اطلاع اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیتا' تاکہ وہ اس غیب کے علم کے ساتھ منفرد رہے اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مخلوق کا کوئی فرد خالق کے علم کے مساوی ہے' البتہ اللہ سبحانہ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے اس غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے علم عطا فرماتا ہے۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسول کے اوپر بعض ان غیوب کو ظاہر فرماتا ہے' جن کا تعلق اس کی رسالت سے ہوتا ہے تاکہ یہ غیب کی خبریں اس کی رسالت کا معجزہ ہو جائیں یا اس غیب کا تعلق احکامِ شرعیہ اور ان کی جزاء سے متعلق ہوتا ہے اور اسی طرح کے اور دوسرے غیوب جن کا تعلق وظائف رسالت سے ہوتا ہے' اور جب اللہ جل وعلا رسول کی طرف اس غیب کی وحی فرماتا ہے تو اس وحی کی تمام جوانب سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ جنات اور شیاطین اس کے درپے نہ ہوسکیں۔

اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

صوفیہ میں سے شیخ محی الدین قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ ولی پر بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے اور اس کو کبھی کبھی بعض مغیبات کی خبریں دیتا ہے اور انہوں نے اس مؤقف پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ (حٰم السجدہ: ۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے ان کے اوپر فرشتے یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں: تم نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○

البتہ یہ ضرور ہے کہ فرشتوں کی اس وحی سے ان کو ظن حاصل ہوتا ہے اور اس طرح کا علم حاصل نہیں ہوتا جس طرح فرشتوں کی وحی سے رسول کو علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی ان کو الہام کیا جاتا ہے اور کبھی ان کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۶۹۔۱۶۵' ملتقطاً وملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر سید مودودی سے

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی غیب کا پورا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور یہ مکمل علم غیب وہ کسی کو بھی نہیں دیتا۔

یعنی رسول بجائے خود عالم الغیب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب اس کو رسالت کا فریضہ انجام دینے کے لیے منتخب فرماتا ہے تو غیب کے حقائق میں سے جن چیزوں کا علم وہ چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے غیب کے حقائق کا علم رسول کے پاس بھیجتا ہے تو اس کی نگہبانی کے لیے ہر طرف فرشتے مقرر فرما دیتا ہے تا کہ وہ علم نہایت محفوظ طریقہ سے رسول تک پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ (تفہیم القرآن ج ٦ ص ١٢١ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ستمبر ١٩٩٠ء)

الجن: ٢٦ کی تفسیر مفتی محمد شفیع دیوبندی سے

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی قیامت کے وقتِ معین سے میری بے خبری اس لیے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں بلکہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے اس لیے وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی غالب وقادر نہیں بناتا۔ یہاں ''عالم الغیب'' میں ''الغیب'' کا الف لام استغراقِ جنس کے لیے ہے (کمافی الروح عن الرضی) یعنی عالم ہر فردِ غیب اور جنسِ غیب کا اور ''علی غیبہ'' میں غیب کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے بھی اسی استغراق اور جامعیت کا اظہار مقصود ہے یعنی ہر فرد و جنسِ غیب کا علم جو اللہ رب العالمین کا مخصوص وصف ہے اس پر وہ کسی کو قادر و غالب نہیں کرتا کہ کوئی جس غیب کو چاہے معلوم کرلے۔

مقصود اس کلام سے علمِ غیب کلّی کا جس سے جہان کا کوئی ذرّہ مخفی نہ ہو اس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہے لیکن کسی بے وقوف کو اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیب کی چیز کی خبر نہیں تو پھر وہ رسول کیا ہوئے کیونکہ رسول کے پاس تو اللہ تعالیٰ ہزاروں غیب کی خبریں بذریعہ وحی بھیجتے ہیں اور جس کے پاس اللہ کی وحی نہ آئے وہ نبی و رسول نہیں کہلا سکتا۔ اس لیے آگے آیت میں ایک استثناء کا ذکر فرمایا۔

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق

''اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا'' (الجن:٢٧)۔

حاصل استثناء کا اُس سفیہانہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کلّی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں بلکہ منصبِ رسالت کے لیے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ اُن کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اُس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تا کہ شیاطین اُس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اوّل تو لفظِ رسول سے اُس غیب کی نوعیت متعیّن کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علمِ شرائع واحکام بتمامہ اور غیب کی خبریں بقدرِ ضرورتِ وقت۔ اس کے بعد جو علمِ غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اُس کی نوعیت اگلے جملے سے یوں بھی متعیّن کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس استثناء سے جس علمِ غیب کا نبی و رسول کے لیے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علمِ غیب ہے جس کی ضرورت منصبِ رسالت کے لیے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے یعنی جس علمِ غیبِ کلّی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اُس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جا بجا ''انباء الغیب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ'' (ھود:٤٩)۔

بعض ناواقف غیب اور ''انباء الغیب'' میں فرق نہیں سمجھتے اس لیے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ہر ذرۂ کائنات کا علم رکھنے

والا کہنے لگتے ہیں' جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے'نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا اُن کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا' خوب سمجھ لیا جائے۔

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے' جب اُن کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں' وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں' جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے' کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مؤمن سے امکان نہیں۔

آخر سورت میں فرمایا: ''وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا'' (الجن: ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ اُس کو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرّے ہیں اُن کا بھی عدد معلوم ہے' ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اُس کے علم میں ہے' ہر بارش کے قطروں اور تمام دُنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا اُسی کو علم ہے۔ اس میں پھر علم غیب کلی کا ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا واضح کر دیا کہ کسی کو مذکورہ استثناء سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۵۸۳۔ ۵۸۱' ادارہ معارف القرآن' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر سید نعیم الدین مراد آبادی سے

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر جس کے ساتھ وہ منفرد ہے' کسی کو مسلط نہیں کرتا یعنی اطلاع کامل نہیں دیتا' جس سے حقائق کا کشف تام اعلیٰ درجہ یقین کے ساتھ حاصل ہو' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے تو انہیں غیب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے' اولیاء کو بھی اگرچہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے' مگر انبیاء کا علم بہ اعتبار کشف و انجلاء اولیاء کے علم سے بہت بلند و بالا و ارفع و اعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء ہی کی وساطت اور ان ہی کے فیض سے ہوتے ہیں۔

معتزلہ ایک گم راہ فرقہ ہے' وہ اولیاء کے لیے علم غیب کا قائل نہیں' اس کا خیال باطل اور احادیث کثیرہ کے خلاف ہے اور اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں' بیان مذکورہ بالا میں اس کا اشارہ کر دیا گیا ہے' سید الرسل' خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے' جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور کے اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لیے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔

(خزائن العرفان بر کنز الایمان ص ۹۱۷' تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں بہ کثرت مفسرین کی عبارات پیش کی ہیں' علامہ قرطبی' علامہ رومی' علامہ قونوی اور علامہ اسماعیل حقی کی عبارات اس لیے پیش کیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نجومیوں' کاہنوں اور جادوگروں کو علم غیب عطا کرنے کے مسئلہ میں امام رازی سے اختلاف کرنے میں ہم منفرد نہیں ہیں' دیگر مفسرین نے بھی ان کے علم غیب کا انکار کیا ہے اور باقی مفسرین کی عبارات اس لیے پیش کی ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب اور آپ کے واسطے سے علم غیب اجماعی عقیدہ ہے' جس کو ہر مکتبہ فکر کے علماء مانتے ہیں۔

امام احمد رضا کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علم کا فرق

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ لکھتے ہیں: کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے

غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

(١) علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطاءِ غیر ہے۔

(٢) علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر فکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

(٣) علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

(٤) علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

(٥) علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر' تبدل' فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

(٦) علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرّہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرّہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے' جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں' خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام ص ٦)

نیز امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اوّلین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علمِ الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے' کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ ج ا ص ٤٦' نوری کتب خانہ' لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے علوم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ کے مقابلہ میں سمندر ہو اور اللہ کے علم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے۔ کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔

امام احمد رضا کے نزدیک عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مؤمن کی نسبت صریح لفظ ''یعلم الغیب'' وارد ہے' کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی القاری' بلکہ خود حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے: ''کان یعلم علم الغیب'' مگر ہماری تحقیق میں لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہٗ کے ساتھ خاص ہے کہ اوس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے: ''المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب'' اور اس سے انکارِ معنیٰ لازم نہیں آتا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب وما کان وما یکون کے عالم ہیں' مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً عزت وجلالت والے ہیں' تمام عالم میں اون کے برابر کوئی عزیز وجلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غرض صدق وصورت معنیٰ کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں' نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنیٰ' امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف

میں فرماتے ہیں: ''کم من معتقد لا یطلق القول به خشیة ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق '' یہ سب اوس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱ 'مکتبہ رضویہ کراچی)

علم کلی کی تحقیق

الجن: ۲۶ میں ہم نے علم غیب کے تمام اہم موضوعات پر بحث کی ہے تاہم یہ مبحث ادھورا رہے گا' اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب عطا کیا گیا ہے آیا وہ کُلی ہے یا نہیں؟ سو ہم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کُلی علم عطا کیا گیا ہے' اور کُلی علم کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کل مخلوقات کا علم ہے نہ کہ خالق کا کل علم ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس علم کُلی کو ما کان و ما یکون کے علم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی بار بار وضاحت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آپ کو علم کلی دفعۃً دیا گیا یا تدریجاً دیا گیا ہے' بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلی دفعۃً عطا کیا گیا ہے اور بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلی تدریجاً عطا کیا گیا ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ علم کلی آپ کو اجمالاً دفعۃً عطا کیا گیا اور تفصیلاً آپ کو علم کلی تدریجاً عطا کیا گیا' اب ہم پہلے دفعۃً علم کلی عطا کیے جانے کے دلائل پیش کریں گے اور پھر تدریجاً علم کلی عطا کیے جانے کے دلائل پیش کریں گے۔ فنقول وباللّٰه التوفيق وبه الاستعانة يليق.

قرآن مجید سے علم کلی دفعۃً عطا کیے جانے کے دلائل

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے○

اس آیت کی تفسیر میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اولین اور آخرین کی خبروں اور ''ما کان وما یکون'' (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ مستقبل میں ہوگا) میں سے جس کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے' اس سب کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۳۷۳ 'دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: آپ کو دنیا اور آخرت کے بیان کا علم دیا اور حلال اور حرام کا علم دیا' تاکہ اس علم سے آپ اللہ کی مخلوق کے سامنے استدلال کریں۔

ضحاک نے کہا: آپ کو خیر اور شر کا علم دیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۰۶۴ 'رقم الحدیث: ۵۹۵۸۔۵۹۵۷ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

آپ احکام میں سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اور ایک قول ہے: آپ علم غیب سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اس کا علم آپ کو دے دیا۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۷۰۰ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان کے اسرار پر آپ کو مطلع کیا اور ان کے حقائق سے آپ کو آگاہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا' اسی طرح آئندہ بھی آپ کو مطلع فرمائے گا تاکہ منافقین آپ کو پھسلانے پر قادر نہ ہو سکیں۔

(٢) اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اولین کی خبروں سے مطلع کیا تاکہ آپ منافقین کے مکر و فریب سے محفوظ رہیں' اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو علم عطا فرمایا' اس کے متعلق ارشاد کیا: وہ بہت کم ہے "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" (بنی اسرائیل: ٨٥) اور صرف آپ کے علم کے متعلق فرمایا: وہ عظیم ہے "وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا" (النساء: ١١٣) یہ آپ کے علم کے شرف عظیم پر دلیل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ٢١٧' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

آپ مخفی چیزوں اور اُمورِ دین اور احکام میں سے جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ٣ ص ٣٤٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٧ھ)

تفسیر بیضاوی کی شرح میں علامہ اسماعیل بن محمد قونوی حنفی متوفی ١١٩٥ھ لکھتے ہیں:

آپ کو ان مخفی اُمور کا علم دے دیا جو غیب ہیں' جن کا حواس ادراک کر سکتے ہیں نہ بداہت عقل ان کا تقاضا کرتی ہے۔

(حاشیۃ القونوی ج ٧ ص ٢٩٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٢ھ)

علامہ علاء الدین علی بن محمد الخازن المتوفی ٧٤١ھ لکھتے ہیں:

آپ کو احکام شرع اور اُمورِ دین میں سے جن کا علم نہیں تھا' ان کا علم آپ کو دے دیا' ایک قول یہ ہے کہ آپ کو علم غیب سے جن چیزوں کا علم نہیں تھا' آپ کو ان کا علم دے دیا' دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کو مخفی چیزوں' دلوں کی باتوں' منافقین کے احوال اور ان کے مکر و فریب کا علم دے دیا۔ (تفسیر الخازن ج ٤ ص ٤٢٦' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

آپ جن مخفی اُمور اور غیب کو نہیں جانتے تھے ان کا علم آپ کو دے دیا۔

(روح البیان ج ٢ ص ٣٤٣' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

آپ جن مخفی اُمورِ دل کی باتوں' منافقوں کی سازشوں' اُمورِ دین اور احکام شرع کو نہیں جانتے تھے' ان سب کا علم آپ کو دے دیا اور آپ کو دین کے اسرار سے مطلع اور حقائقِ شرع سے واقف کر دیا۔ (روح المعانی جز ٤ ص ٢١٠' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

علم کلی دفعۃً عطا کیے جانے کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال احتبس عنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة من صلوة الصبح حتى كدنا نترای عين الشمس فخرج سريعا فثوب بالصلوة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وتجوز في صلوته فلما سلم دعا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں آنے کے لیے دیر کی' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی' پھر آپ نے سلام پھیر کر بہ آواز

بصوته فقال لنا على مصافكم كما انتم ثم انفتل
الينا فقال اما انى ساحدثكم ما حبسنى عنكم
الغداة انى قمت من الليل فتوضات فصليت ما
قدر لى فنعست فى صلوتى فاستثقلت فاذا بربى 21
تبارك و تعالى فى احسن صورة فقال يا محمد
قلت رب لبيك قال فيم يختصم الملأ الاعلى
قلت لا ادرى رب قالها ثلاثا قال فرايته وضع
كفه بين كتفى قد وجدت برد انامله بين ثديى
فتجلالى كل شئى وعرفت. الحديث الى ان قال'
قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح سالت
محمد ابن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هذا
صحيح.

بلند ہم سے فرمایا: جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو' پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا: میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہوگئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی' پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی' پھر مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا' اس نے فرمایا: اے محمد!' میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ آپ نے کہا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی ص ۴۶۶' رقم الحدیث: ۳۲۳۳' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

شعیب الارنؤوط اور ان کے معاونین نے اس حدیث کی مزید تخریج اس طرح کی ہے:

مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸ قدیم' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸۔ رقم الحدیث: ۳۴۸۴' طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ' تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۶۹' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۳۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۶۸۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۲۰' الشریعۃ للآجری ص ۴۹۶' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۶۹' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۰' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۲۸۔

واضح رہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه
وسلم قال اتانى ربى فى احسن صورة فقال يا
محمد فقلت لبيك ربى وسعديك قال فيم
يختصم الملأ الاعلى قلت ربى لا ادرى فوضع
يده بين كتفى حتى وجدت بردها بين ثديى
فعلمت ما بين المشرق و المغرب.

(سنن ترمذی ص ۴۶۶۔ رقم الحدیث: ۳۲۳۴' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا' میرے رب نے کہا: اے محمد!' میں نے کہا: حاضر ہوں یا رب!' فرمایا: ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

21

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اتانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة احسبه یعنی فی النوم فقال یا محمد تدری فیم یختصم الملأ الاعلی قال قلت لا قال النبی صلی الله علیه وسلم فوضع یده بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدیی او قال نحری فعلمت ما فی السمٰوات والارض.

(مسند احمد ج۱ص ۳۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو نیند میں میرا رب عزوجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں: آپ نے فرمایا: نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع کفیه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی حتی تجلی لی ما فی السموات وما فی الارض. (مسند احمد ج۴ص۶۶ ۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا' میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہوگئیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

امام ترمذی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی۔

فتجلی لی کل شیء وعرفت. الحدیث

پھر میرے لیے ہر چیز منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو پہچان لیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۳۵' مسند احمد ج۵ص۲۴۳ طبع قدیم' مسند احمد ج۳۶ص۴۲۲۔ رقم الحدیث:۲۲۱۰۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت تہذیب الکمال ج۱۷ص۲۰۵' صحیح ابن خزیمہ ج۱ص۵۴۲' المعجم الکبیر ج۲۰۔ رقم الحدیث:۲۱۶' الکامل لابن عدی ج۶ص۲۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۶۸' المعجم الکبیر ج۱۔ رقم الحدیث:۲۹۰)

سنن ترمذی کی ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو علم کُلی دفعۃً عطا کیا گیا' اسی طرح درج ذیل حدیث بھی اس مطلوب پر دلالت کرتی ہے:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها. (صحیح مسلم ج۴ص ۳۹۰' کراچی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے' نیز امام ابوداؤد اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج۶ص۵۲۷' سنن ابوداؤد ج۲ص ۳۲۸' مسند احمد ج۵ص۲۷۸)

اور یہ حدیث بھی اسی مطلوب پر دلالت کرتی ہے۔
حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں' جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں' اس نے اپنے نبی کے لیے ان کو روشن کیا' جس طرح پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱' الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۷۹۔ ۳۱۸۱۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے' اس میں سعید بن سنان رہاوی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷)
ان احادیث کے علاوہ اب ہم چند ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں' جن میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے ما کان و ما یکون کی خبریں دی ہیں:

''ما کان و ما یکون'' کے علم کے ثبوت میں احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو اُمور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب اُمور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا' جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم کتاب الجنۃ: ۲۳۔ رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۸۸۸۲)
حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ''ما کان و ما یکون'' (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴۔ رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۱۴۔ رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور علم ما کان و ما یکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے' جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره وانك مامون على كل غائب

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں''

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے' آپ کے چہرۂ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔فرمایا:''افلحت یا سواد''اے سواد!تم کامیاب ہو گئے۔اس حدیث کو بہ کثرت علماء اسلام نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔بعض علماء کے اسماء یہ ہیں:امام ابونعیم' امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' علامہ ابن عبدالبر'علامہ سہیلی' علامہ ابن الجوزی' حافظ ابن کثیر'علامہ بدرالدین عینی' علامہ جلال الدین سیوطی' علامہ حلبی' شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی' علامہ محمد بن یوسف الصالی الشامی۔(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۱ص۱۱۴'دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۲۵۱' استیعاب علی ہامش الاصابہ ج۳ص۱۲۴'الروض الانف ج۱ص۱۴۰'الوفاج۱ص۱۵۳'السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج۱ص۳۴۶'عمدۃ القاری ج۷ص۸'الخصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۷۱'بیروت'انسان العیوب ج۱ص۳۲۴'مختصر سیرت الرسول ص۶۹'سبل الہدیٰ والرشاد ج۲ص۲۰۹)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك ما لم تكن تعلم من خبر الاولين والاخرين وما كان وما هو كائن.

اوّلین اور آخرین کی خبروں اور ما کان وما یکون میں سے جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔

(جامع البیان جز۵ص۳۷۳'بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقدة من ملكوت السموت والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنى واٰياته الكبرى وامور الاخرة واشراط الساعة واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان وما يكون مما لم يعلمه الا يوحى.

(الشفاء ج۲ص۱۰۰'ملتان)

آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں' اللہ تعالیٰ کی مخلوق' اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین' آیاتِ کبریٰ' اُمورِ آخرت' علاماتِ قیامت' اچھے اور بُرے لوگوں کے احوال اور ما کان وما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں' اللہ تعالیٰ کی مخلوق' اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین' آیاتِ کبریٰ' اُمورِ آخرت' علاماتِ قیامت' اچھے اور بُرے لوگوں کے احوال اور ما کان وما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان علمه (صلى الله عليه وسلم) محيط بالكليات والجزئيات. (المرقات ج۱۰ص۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں:

كون علمها من علومه صلى الله عليه وسلم ان علومه تتنوع الى الكليات والجزئيات وحقائق و دقائق وعوارف و معارف تتعلق بالذات والصفات وعلمها انما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه ثم مع هذا هو من بركة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم.

لوح وقلم' علومِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں' کلیات' جزئیات' حقائق' دقائق' عوارف اور معارف کہ ذات وصفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح وقلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے' پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ ص ۱۱۶ مطبوعہ پیر جو گوٹھ سندھ ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الثانية والاربعون اطلاع على ما سيكون الثالثة والاربعون الاطلاع على ما كان مما لم ينقله احد قبله. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷)

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما یکون (اُمورِ مستقبلہ) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما کان (اُمورِ ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(انزله بعلمه) ای متلبسا بعلمه المحيط الذی لا يعزب عنه مثقال ذرة فی السموت والارض ومن هنا علم صلى الله عليه وسلم ما كان وما هو كائن. (روح المعانی ج ۶ ص ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا' جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما کان وما یکون کو جان لیا۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فلم يقبض النبی صلى الله عليه وسلم حتى علم كل شئی يمكن العلم به.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔ (توضیح البیان فی حفظ الایمان ص ۱۲)

علم کلی تدریجاً عطا کیے جانے کے دلائل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ. (ھود: ۱۲۰)

رسولوں کی خبروں میں سے ہم آپ کو وہ بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثابت اور برقرار رکھیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ. (المومن: ۷۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسول بھیجے' ان میں سے بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان فرمایا اور بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ما کان وما یکون کا علم ہے' وہ قرآن عظیم سے مستفاد ہے اور قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور قرآن مجید دفعۃً نازل نہیں ہوا' بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تدریجاً تئیس سال میں نازل ہوا ہے' پس جب بھی کوئی آیت یا کوئی سورت نازل ہوتی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں اضافہ کرتی' حتیٰ کہ قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا' پس ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اوپر نعمت کو مکمل کر دیا جیسا کہ اس نے قرآن میں اس کا وعدہ فرمایا ہے' پس اگر قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے یہ اعتراض کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض نبیوں کا قصہ

بیان نہیں کیا گیا' یا آپ کو منافقین کا علم نہیں تھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قصہ یا کسی واقعہ میں توقف فرمایا (جیسا کہ اصحاب کہف' ذوالقرنین اور روح کے سوال کے موقع پر ایسا ہوا) حتیٰ کہ وحی نازل ہوگئی اور آپ پر سوال کردہ اُمور منکشف ہو گئے' تو وہ قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان ہونے کے منافی نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی ہونے کے منافی ہے' جیسا کہ کسی بھی عقل مند پر مخفی نہیں ہے۔

پس منکرین علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کے لیے جب بھی بعض واقعات اور روایات سے استدلال کریں گے' خواہ ان واقعات اور روایات کی تاریخ کا علم نہ ہو تو ان کا استدلال باطل ہوگا' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے کا ہو اور آپ کے علم کلی کی تکمیل قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے ساتھ ہوئی ہے' اور اگر وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کا ہو تو منکرین کو اس پر صریح نص پیش کرنی ہوگی اور اس کے بغیر ان کا دعویٰ محض باطل ہو گا اور منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی تقصیر اور تنقیص اس کے بغیر ثابت نہیں کر سکتے۔

اور اگر بہ فرض محال وہ کوئی ایسی روایت لے آئیں' جس کے متعلق قطعیت سے ثابت ہو کہ وہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کی ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علم کی نفی ہوتی ہو' تب بھی وہ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝'' (النساء: ۱۱۳) اور اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا' جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور ہم اس آیت قطعی الدلالۃ سے آپ کا علم کلی ثابت کر چکے ہیں اور جو روایات خبر واحد کے قبیل سے ہوں اور وہ قرآن مجید کے معارض ہوں تو ان کو نہ سنا جاتا ہے' نہ قبول کیا جاتا ہے بلکہ ان کو مسترد کر دیا جاتا ہے اور منکرین کے سرخیل شیخ انبیٹھوی نے لکھا ہے کہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں' قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں' خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱' مطبع بلالی' ہند)

سو منکرین پر لازم ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی نفی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ قرآن مجید کی آیت یا حدیث متواتر کی طرح کوئی ایسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ روایت پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا اصلاً علم نہیں ہوا اور اس طرح نہ ہو کہ آپ کو علم تو تھا لیکن آپ نے اس کو مخفی رکھا' کئی ایسی چیزیں ہیں کہ آپ کو ان کا علم تھا' لیکن آپ نے ان کو ظاہر نہیں کیا اور اس کو مخفی رکھا اور اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکمل توجہ کے بعد بھی آپ کو علم نہیں ہوا کیونکہ بسا اوقات آپ کو کسی چیز کا علم ہوتا ہے لیکن آپ کی توجہ نہیں ہوتی۔ (الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ص ۸۵۔۸۳ ملخصاً' مرکز اہل السنۃ برکات رضا' ۱۴۲۳ھ)

النساء: ۱۱۳ سے علم کلی کے استدلال پر شبہات کے جوابات

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱۳)

ہم نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سب کچھ بتلا دیا جسے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''ما'' استعمال فرمایا ہے اور علماء اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ ''ما'' اپنے عموم اور استغراق میں قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی۔ (توضیح تلویح ص ۷۹' مطبع نور محمد اصح المطابع) اس لیے اگر بعض مفسرین نے یہاں ''مالم تکن تعلم'' (جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے) کو احکام شریعت کے ساتھ مقید کیا ہے تو وہ

نا قابل التفات ہے' اس آیت کا صریح مفاد اور قطعی مدلول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' خواہ وہ احکامِ شرعیہ ہوں یا اُمورِ دنیویہ' اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اُمور آپ کو بتلا دیئے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کے بعد باقی قرآن کیوں نازل ہوتا رہا' اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ سورۂ نساء مدنی سورتوں میں سے ہے اور کون سی سورت آخری ہے اس پر اتفاق نہیں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۂ نساء کی چند آیات قرآن مجید کی آخری آیات ہیں۔(الاتقان ج ۱ ص ۱۴۱' دار الکتب العربی بیروت) لہٰذا جب کہ آخری سورت اور آخری آیت کا تعین قطعی نہیں ہے تو غیر قطعی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہو سکتی۔ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے' "علمك مالم تكن تعلم" (النساء:۱۱۳) آپ اس سے پہلے جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتلا دیا' کے بعد بھی قرآن مجید نازل ہوتا رہا تو یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ بعض احکام اور واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی آپ پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔دیکھیں قرآن کریم میں نماز کی فرضیت سے متعلق تقریباً سو آیات نازل ہوئیں۔ظاہر ہے اس کا علم تو ایک مرتبہ نازل ہونے سے ہو گیا تھا باقی آیتوں کا نزول تعلیم کے سبب نہیں' اور حکمتوں کے پیش نظر ہوا۔سورۂ فاتحہ کا دو مرتبہ نزول ہوا' قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو کئی بار نازل ہوئیں' پس تعلیم کے لیے تو ایک مرتبہ نازل ہونا کافی تھا' ایک مرتبہ کے بعد جو سورۃ اور آیات نازل ہوتی ہیں وہ دیگر حکمتوں کی بناء پر تھیں' جنہیں اللہ اور اس کا رسول جانے۔بہر حال ان کا نزول تعلیم کے لیے نہیں تھا۔وضو اور نماز پہلی نماز کے ساتھ فرض ہوئے' لیکن آیت وضو سورۂ مائدہ میں مدینہ میں نازل ہوئی' اسی طرح پانچ نمازیں شب معراج مکہ میں فرض ہوئیں اور نماز پڑھنے کی تفصیل حضور کو پہلی وحی کے ساتھ معلوم تھی' اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے نزول سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام اور واقعات کا علم ہوتا تھا۔آیات صرف تعلیم کے لیے نازل نہیں ہوتی تھیں' اس لیے اگر "علمك مالم تعلم" (النساء:۱۱۳) کے بعد بھی قرآن کریم نازل ہوتا رہا تو اس سے نصی طور پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعلیم احکام واخبار کے لیے ہی نازل ہوتا ہے اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غیر قطعی چیز قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی۔باقی رہا یہ معارضہ کرنا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۵۱) (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے ۝

اور یہ کہا جائے کہ یہاں بھی "ما" کا عموم قطعی ہے تو چاہیے کہ امت کا بھی علم کلی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ "یعلمکم" میں ضمیر "کم" بھی جمع ہے اور "مالم تکونون تعلمون" بھی جمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو تقسیم احاد کی طرف احاد کی ہوتی ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ امت کے جمیع افراد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ بتلا دیا جو سب وہ نہیں جانتے تھے۔اس سے مساوات کا شبہ نہ ہو کیونکہ حضور تنہا ان تمام باتوں کو جانتے ہیں جن باتوں کو تمام امت مل کر جانتی ہے' پھر جس کو جو کچھ بتا دیا وہ اس سے آگے نہیں بڑھا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں' اس کو وہ بتایا ہوا ہی یاد ہو (جیسا کہ عنقریب احادیث سے ثابت ہو گا کہ حضور نے تو ابتداء خلق سے لے کر سب کچھ بتا دیا تھا' جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام علم محفوظ ہے اور ہر آن ترقی پذیر ہے اور ان کا مولیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان کا علم بڑھتا رہے۔

ارشاد فرمایا:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اور زیادتی فرما ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ ظاہری میں تو صحابہ کرام کو احکام اور خبار کی تعلیم دیتے ہی تھے۔ وصال کے بعد بھی آپ نے امتیوں کو محروم نہیں رکھا اور قیامت تک آپ کا فیضان جاری ہے اور آپ امت مسلمہ کو تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الی قوله تعالٰی) (حضور) صحابہ کو بھی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں (الیٰ قولہ

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ (الجمعہ:۳۔۲) تعالیٰ) اور ان بعد والوں کو بھی جو ابھی تک صحابہ سے واصل نہیں ہوئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اور جو بعد میں آئیں گے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ عجمی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی' جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ (الجمعہ:۳) اور ان میں سے دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں جو ابھی پہلوں کے ساتھ نہیں ملے۔

ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے دو یا تین بار سوال کیا' اس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے' آپ نے فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو اس کو وہ لوگ حاصل کرلیں گے جو اس کی قوم سے ہوں' ایک روایت میں ہے: اس کو فرزندانِ فارس حاصل کرلیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۶۰)

ابن زید اور مقاتل بن حیان نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۴۔۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

عرب' روم' عجم وغیرہم قیامت تک آنے والے تمام مسلمان اس میں شامل ہیں اور حدیث میں فرزندانِ فارس کا ذکر بہ طور مثال کیا گیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۱۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے تبیان القرآن ج ۱۱ میں الجمعہ:۳ کی تفسیر میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ فرماتے ہیں' سو اس جگہ اس کا بھی مطالعہ فرمائیں' اور مزید شرح صدر کے لیے ہم مستند علماء کے لکھے ہوئے واقعات پیش کررہے ہیں' جس سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ فرماتے ہیں:

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور استفادہ جائز ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ اس امت کے بے شمار کاملین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آپ سے علم حاصل کیا ہے۔ شیخ سراج الدین الملقن ''طبقات اولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا: میں ظہر سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے ابا جان! میں ایک عجمی شخص ہو کر

فصحاء بغداد کے سامنے کس طرح لب کشائی کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو میں نے اپنا منہ کھولا آپ نے میرے منہ میں سات بار اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: اب وعظ کرو اور لوگوں کی محبت اور حکمت اللہ کے دین کی طرف دو اور نصیحت کرو۔ میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا' میرے پاس خلقت کا ایک اژدھام جمع ہو گیا اور مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی' میں نے دیکھا کہ میرے سامنے مجلس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف فرما ہیں۔ فرمانے لگے: اے بیٹے! وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے ابا جان! مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے چھ بار میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے عرض کیا: آپ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر۔ اس کے بعد آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک فکر کا غوطہ زن میرے دل کے سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگا رہا ہے اور تہ سے حقائق و معارف کے موتی نکال کر میرے سینہ کے ساحل پر رکھ رہا ہے اور زبان اور سینہ کے درمیان کھڑا ایک سفیر ترجمان زبان سے کہہ رہا ہے: اچھی عبادت کی نفیس قیمت ادا کر کے ان موتیوں کو خرید لو اور خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی نے شیخ کی سوانح میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کیا کرتے اور شیخ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت وظائف حاصل کرتے تھے۔ ایک بار صرف ایک رات میں شیخ کو سترہ مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اس رات کی زیارتوں میں سے ایک زیارت میں سرکار نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لیے زیادہ بے قرار نہ ہوا کرو۔ نہ جانے کتنے اولیاء اللہ میری زیارت کی حسرت میں ہی فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ "لطائف المنن" میں لکھتے ہیں: ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے کہا: اے میرے سردار! اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے کیونکہ آپ بہت سے شہروں میں گئے ہیں اور آپ نے بہت سے نیک لوگوں سے ملاقات کی ہے۔ ابو العباس مرسی نے کہا: قسم بہ خدا! میں اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی سے مصافحہ نہیں کرتا' اور شیخ مرسی نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل پاؤں تو اس ساعت اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: کتابوں میں اس قسم کی عبارتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۰۔ ۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سلف اور خلف سے یہ بات مسلسل منقول چلی آ رہی ہے کہ جو لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھتے ہیں اور انہیں اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے' جو مجھے نیند میں دیکھے گا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا' وہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں بھی دیکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' جن میں ان کو تردد اور پریشانی رہتی ہے اور حضور ان کے لیے مسئلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان کا تردد ختم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے اور بغیر کسی زیادتی اور کمی کے فی الواقع ایسا ہی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

پھر تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کی معین ذاتِ مبارکہ میں منحصر نہیں ہے' کیونکہ آپ کی زیارت کے وقت آپ کی شخصیت کریمہ کے احوال مختلف ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات زندہ لوگوں میں سے کسی شخص کو دیکھتے اور اسے ہمارے دیکھنے کا علم نہیں ہوتا اور اگر نیند میں بھی وہی نظر آئے جس کو ہم نے بیداری میں دیکھا تھا تو اسی کو شعور ہونا چاہیے' پس جس صورت کی زیارت ہوتی ہے (واللہ اعلم) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل صورت کی مثال کے مطابق مخلوق ہوتی

ہے یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل صورت کے مطابق مثال پیدا فرماتا ہے جس میں حضور کی حقیقت اور روحانیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ وہ صورت ہمیں دکھاتا اور ہمارے دلوں میں واقع کرتا ہے اور اس سے ہم کو ہم کلام کرتا ہے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بنفسہا اپنے بدن مثالی کے ساتھ آتی ہے اور پھر کبھی یہ زیارت بیداری میں ہوتی ہے اور کبھی نیند میں اور میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمادے جیسا کہ منقول ہے علامہ سیوطی (جو عابد اور زاہد، علم میں اپنے معاصرین میں سب سے بڑھ کر تھے) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیس مرتبہ دیکھا اور آپ سے مختلف احادیث کی تحقیق کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے مطابق ان احادیث کی تصحیح کی اور ان کی طرف شاذلی نے اپنی بعض ضروریات میں خط لکھا کہ سیوطی ان کی سلطانِ وقت کی طرف سفارش کردیں کیونکہ سلطان ان کی تعظیم کرتا تھا' پس سیوطی نے اُن کی سفارش کرنے سے انکار کردیا اور عذر پیش کیا کہ اس کام کے کرنے سے مجھے بھی نقصان ہوگا اور امت مسلمہ کو بھی' کیونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار مرتبہ زیارت کرتا ہوں اور اگر میں نے تمہارے کہنے کے مطابق سلطان سے تمہاری سفارش کردی اور حکام کے دروازے پر چلا گیا تو عین ممکن ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ سے محروم ہو جاؤں اور میں اس بڑے امت کے نقصان کے مقابلہ میں تمہارے دنیاوی نقصان کو برداشت کرلوں گا اور شعرانی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے جاگتے میں بخاری پڑھی' شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام لیا۔ ان میں سے ایک ساتھی حنفی تھا اور شعرانی نے وہ دعا بھی لکھی ہے جو حضور نے ختم بخاری کے وقت پڑھی' پس بیداری میں آپ کی زیارت ایک حقیقت ثابتہ ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبع حجازی' مصر' ۱۳۵۷ھ)

خلاصہ کلام

علامہ آلوسی اور مخالفین کے پیشوا انور شاہ کشمیری کی ان مفصل عبارات سے یہ امر مبرہن ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف صحابہ کو تعلیم دیتے تھے' بلکہ قیامت تک جتنے لوگ بھی ایمان لانے والے ہیں ان سب کو علم و حکمت سے نوازتے تھے۔

اس تفصیل کے بعد اب اس اعتراض کی گنجائش نہیں رہی کہ اگر ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ'' (النساء: ۱۱۳) کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تو پھر ''وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞'' (البقرہ: ۱۵۱) کا معنیٰ یہ ہوگا کہ امت کو بھی ان تمام باتوں کا علم ہوگیا جن کو وہ پہلے نہیں جانتی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علم کلی کے ساتھ کیا خصوصیت رہی' اور اعتراض وارد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جن تمام چیزوں کا قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے اجتماعی طور پر علم ہوگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ان تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ تمام افرادِ امت سب مل کر جتنا علم رکھتے ہیں آپ تنہا ان سب چیزوں کا علم رکھتے ہیں' اس لیے امت کی آپ کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی' اور یہ جواب اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ جب جمع کا تقابل جمع کے ساتھ ہو تو تقسیم احاد کی احاد کی طرف ہوتی ہے' جیسے ''رکب القوم دوابھم'' قوم بھی جمع ہے اور دواب بھی جمع ہے' پس اس کا معنیٰ ہے: قوم کے سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوگئے' اسی طرح ''یعلمکم'' میں ضمیر ''کم'' بھی جمع ہے اور ''مالم تکونوا تعلمون'' بھی ''ما'' کے عموم کی وجہ سے معنیً جمع ہے لہٰذا اس کا معنیٰ ہے: آپ تمام افراد امت کو ان کے اپنے اپنے علم کی تعلیم دیتے ہیں یعنی ہر ایک کو اس کے حسبِ حال تعلیم دیتے ہیں نہ کہ ہر ایک کو تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں' اور ان علوم سے بھی وہ علوم مستثنیٰ ہیں جو نبوت اور رسالت کے خصائص میں سے ہیں' اس کا حاصل یہ ہے کہ امت کے تمام افراد کے علوم مل کر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ

میں ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو۔

میری خواہش تھی کہ "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ(۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ (الجن:۲۶) کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے تمام حقائق و معارف بیان کر دوں اور تمام شبہات کے جوابات لکھ دوں' سو اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب احسان ہے کہ اس نے میری اس خواہش کو پورا کر دیا۔ وللّٰه الحمد علٰی ذالك !

الجن: ۲۸ میں فرمایا: تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سب کا اللہ نے احاطہ فرما لیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے O

اللہ سبحانہ کے علم پر حادث ہونے کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: تاکہ اللہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' پھر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تھا' بعد میں اس نے جان لیا' اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہو اور چونکہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' سو اس سے اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور جو محل حوادث ہو وہ خود حادث ہوتا ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لیے ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ (محمد:۳۱) ہم تم کو ضرور آزمائیں گے' حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں۔

اس پر بھی یہی اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو آزمانے کے بعد علم ہو تو اس کا علم حادث ہوگا' اس کا جواب بھی یہ ہے کہ اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے: ہم تم کو ضرور آزمائیں گے حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور یہاں علم کا معنیٰ کسی چیز کا منکشف ہونا نہیں ہے بلکہ کسی چیز کو ظاہر کرنا ہے اور یہ اس کا مجازی معنیٰ ہے۔

دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی توجیہات کی ہیں:

قتادہ اور مقاتل نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: تاکہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جان لیں کہ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچایا ہے' دیگر رسولوں نے بھی اسی طرح اللہ عزوجل کے پیغام کو پہنچایا تھا' گویا اس آیت میں مجاز بالحذف ہے' یعنی ہم نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ ہم وحی کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح آپ اللہ سبحانہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں دیگر رسول بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کا پیغام پہنچاتے رہے ہیں۔

ابن جبیر نے کہا کہ اس آیت کا معنیٰ ہے: تاکہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جان لیں کہ حضرت جبریل اور ان کے ساتھ والے فرشتوں نے آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ابن جبیر نے کہا: آپ کے پاس جب بھی وحی آتی تھی تو اس کی حفاظت کرنے کے لیے اس کے ہمراہ چار فرشتے ہوتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ تاکہ رسول جان لے خواہ وہ کوئی رسول ہو کہ اس کے سوا باقی رسولوں نے بھی تبلیغ کی ہے' ابن قتیبہ نے کہا: تاکہ جنات یہ جان لیں کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور وہ پیغامات جنات کے چوری چھپے سنے اور وحی میں کسی اور کلام کی آمیزش سے محفوظ تھے۔

مجاہد نے کہا: تاکہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے یہ جان لیں کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو کچھ ان کے پاس ہے' ان سب کا اللہ نے احاطہ فرما لیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے۔

ابن جبیر نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے: تاکہ رسول یہ جان لیں کہ ان کے رب کے علم نے ان کے کاموں کا احاطہ کرلیا ہے اور اس نے ہر چیز کے عدد کا احاطہ کرلیا ہے اور اس کو اس کا پورا علم ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے پس اللہ سبحانہ ہر چیز کا شمار کرنے والا ہے' اس کا احاطہ کرنے والا ہے' اس کو پوری طرح جاننے والا ہے اور ہر چیز کی پوری حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الجن کا اختتام

الحمدللہ رب العالمین! آج ١٣ ربیع الثانی ١٤٢٦ھ/٢٢ مئی ٢٠٠٥ء بہ روز ہفتہ بعد نمازِ ظہر سورۃ الجن کی تفسیر مکمل ہو گئی' ٢١ اپریل کو اس کی تفسیر شروع کی تھی' اس تفسیر کے دوران میں کافی علیل رہا' شوگر اور کولیسٹرول کی کمی بیشی اور ان کے اثرات کا شکار رہا' تاہم کوشش رہی کہ ہر روز کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہے اور سخت علالت میں بھی اس معمول کو جاری رکھا' اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ
واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ وامتہٖ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ المزّمّل

سورت کا نام

اس سورت کا نام المزمّل ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ (المزمل:۱) اے چادر لپیٹنے والے!○

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے‘ تاہم اس کے دوسرے رکوع میں اختلاف ہے‘ بعض کے نزدیک اس کے دوسرے رکوع کی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں‘ تاہم صحیح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اور اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۂ نون والقلم نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی‘ اور ظاہر یہ ہے کہ یہی راجح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ن والقلم کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی‘ پس یہ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۳ ہے۔

سورۃ المزّمّل کے مشمولات

☆ اس سورت کے شروع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لطف و کرم کے ساتھ آپ کو آپ کے اوصاف سے ندا کرتا ہے‘ پورے قرآن میں کہیں بھی آپ کو آپ کے نام کے ساتھ ندا نہیں کی گئی‘ البتہ احادیثِ قدسیہ میں آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کی گئی ہے۔

☆ اس آیت میں رات کے نصف حصہ تک یا اس سے کم و بیش حصہ تک آپ کو قیام کرنے کا حکم دیا ہے اور ان مسلمانوں کی تحسین فرمائی ہے‘ جو رات میں آپ کے ساتھ نماز میں قیام کرتے تھے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچانے کے فریضہ پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

☆ آپ کو ہمیشہ نماز قائم کرنے اور صدقات ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

☆ آپ کو اللہ کے احکام کی تبلیغ کرنے‘ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔

☆ مشرکین جو آپ کی تکذیب کرتے تھے اور آپ کو سب و شتم کرتے تھے‘ آپ سے فرمایا کہ آپ ان سے اعراض کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

☆ آپ کی مدد کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے اور مشرکین کی تکذیب کی سزا ان کو اللہ تعالیٰ دے گا‘ اور کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

☆ کفارِ قریش کو نصیحت کی' جب فرعون کی قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا سو کفارِ قریش بھی اس خطرے میں ہیں۔

☆ قیامت کی ہولنا کیوں اور اس دن کی شدت کا ذکر فرمایا۔

☆ رات کے اکثر حصہ میں قیام کے وجوب کو لوگوں کی رعایت سے منسوخ فرمادیا۔

☆ نیک کاموں کی عظیم جزاء عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا' توبہ کرنے کا حکم دیا اور قرآن مجید کو ادب سے پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المزمل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے حق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا اور حق کے ابلاغ اور احقاق اور باطل کے ردّ اور ابطال کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ مئی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورة المزمل ٧٣ — آياتها ٢٠ — ركوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ المزمل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے O رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا O آدھی رات یا اس سے

مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ

کچھ کم کر دیں O یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں O بے شک ہم آپ پر

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

بھاری کلام نازل فرمائیں گے O بے شک رات کو اٹھنا (نفس پر) سخت بھاری ہے اور کلام کو درست

قِيْلًا ﴿٦﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

رکھنے والا ہے O بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں O اور آپ اپنے رب کے

رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿٨﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو آپ اس کو اپنا کارساز بنا لیں O اور آپ کافروں کی باتوں پر

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾

پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں O بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے O

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ

اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور درد ناک عذاب ہے O جس دن زمین اور پہاڑ

وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۵ لا

لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے O بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ ط

جو تم پر گواہ ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا O

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا O

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

اگر تم نے اس کا انکار کیا' تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو

شِيْبًا ﴿۱۷﴾ ق صلے السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ط كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

بوڑھا کر دے گا O آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا O

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع — ع ۱ ۱۹ ۱۳

بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں' سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کر لے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے O رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا O آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں O یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں O بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے O (المزمل: ۵۔۱)

"المزّمل" کا معنیٰ اور مصداق

اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں "المزّمل" سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' فرّاء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کے لیے اپنے اوپر چادر لپیٹ لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے چادر لپیٹنے والے' ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے تو آپ سے فرمایا گیا: اے چادر لپیٹنے والے' اُٹھیے اور عبادت میں مشغول ہو جائیے' ایک قول یہ ہے کہ آپ پر غارِ حرا میں پہلی بار وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی تین آیات نازل ہوئیں اور بالفعل آپ پر نبوت کی ذمہ داری ڈال دی گئی تو آپ نبوت کے بارِ گراں سے گھبرا گئے اور خوفِ الٰہی سے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ' مجھے چادر اڑھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب کسی شخص کے ساتھ لطف اور محبت کے ساتھ خطاب کرنے کا قصد کیا جائے تو اس کے اس وقت کے حال کے مناسب کسی اسم کو مشتق کر کے اس سے کلام کیا جاتا ہے' جیسا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت سیدہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سو گئے اور اس وقت اُن کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

قم یا ابا تراب!(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۱) اے مٹی والے! اٹھو۔

سو اسی اسلوب پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی لطف اور محبت کے ساتھ خطاب فرمایا کہ اے چادر 22
لپیٹنے والے! اٹھو۔

نمازِ تہجد پڑھنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

المزمل:۴۔۲ میں رات کے قیام یعنی تہجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں تین قول ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: ان آیتوں میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر رات کا قیام فرض تھا۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

سعد بن ہشام بن عامر سے ایک طویل روایت ہے' اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق خبر دیجئے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید میں ''یایھا المزمل'' نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اس سورت کے شروع میں آپ پر رات کا قیام فرض کر دیا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سال تک رات کو قیام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ مہینوں تک روکے رکھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ میں تخفیف نازل فرمائی' پھر رات کا قیام نفل ہو گیا جب کہ اس سے پہلے فرض تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۴۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۳۰۱' مسند احمد ج ۶ ص ۵۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہی قول صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے حق میں تہجد کی نماز نفل ہو چکی ہے' رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کے متعلق تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے' اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ سے بھی تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (شرح مسلم للنواوی ج ۳ ص ۲۲۴۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ظاہر قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' نیز اس آیت میں ہے: آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور یہ اسلوب فرضیت کی علامت نہیں ہے اور یہ صرف مستحب کی علامت ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل ہیں: وتر' چاشت کی نماز اور نمازِ فجر کی دو رکعتیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۲)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس مبحث میں صحیح قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۳۷۹' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہجد کی نماز خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر بھی فرض تھی' پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد آپ سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مگر اس کا نفل ہونا برقرار ہے' ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دس سال تک تہجد کی نماز پڑھتے رہے' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:
22 ''اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ '' (المزمل: ٢٠) تو اس کا قیام نصف شب تک منسوخ ہو گیا اور تہائی شب تک اس کا قیام رہ گیا' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فاقرؤا ما تيسر من القرآن '' تو پھر تو آپ پر نصف شب یا تہائی شب کے اختیار سے تہجد پڑھنا واجب تھا' پھر جب آپ پر قیام دشوار ہوا تو اس کا وجوب منسوخ ہو گیا یعنی نصف شب یا تہائی شب تک پڑھنے کا اختیار اور تہائی شب تک پڑھنے کا وجوب باقی رہا' پھر پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہائی رات تک تہجد پڑھنے کا وجوب بھی منسوخ ہو گیا اور اس کا استحباب باقی رہا۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۱۱ مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے دلائل

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر رات کے قیام اور تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے' اب یہ امر باقی رہتا ہے کہ تہجد کی فرضیت کی ناسخ کون سی دلیل ہے' اس سلسلہ میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آدھی رات تک قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں' پس اس آیت میں رات کے قیام کو نمازی کی رائے کی طرف مفوض کر دیا ہے اور جو چیز واجب ہو وہ اس طرح نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ — اور رات کو آپ تہجد پڑھیے یہ آپ کے لیے نفل ہے۔

(بنی اسرائیل: ٧٩)

اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ''نافلة لك '' کا معنیٰ ہے: یہ آپ پر زائد فرض ہے' یعنی پانچ نمازوں پر زائد فرض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس تاویل سے اس لفظ کو مجاز پر محمول کیا گیا ہے اور جب تک حقیقت محال یا متعذر نہ ہو کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح رمضان کے روزوں سے عاشورہ کا وجوب منسوخ ہو گیا اور قربانی کے وجوب سے عتیرہ کا وجوب منسوخ ہو گیا' اسی طرح پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہجد کی نماز کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٨٢' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

نمازِ تہجد پڑھنے کا وقت اور اس کی رکعات

تہجد کی نماز کا وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے یا نصف شب کے بعد کا وقت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ عزوجل آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' پس فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں' میں بادشاہ ہوں' کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں' وہ اسی طرح ندا فرماتا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٤٥-٦٣٢١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٥٨' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٤٤٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام نصف شب تک سوتے تھے' پھر تہائی رات کو اٹھ کر نماز میں قیام کرتے تھے' پھر رات کے چھٹے حصہ تک آرام کرتے تھے' اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲)

فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی نماز ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام تین گھنٹے سوتے تھے' پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے اور آخری ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس.

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے' نو رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور سنت فجر کی دو رکعات اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان' آپ نے رات میں گیارہ رکعات۔ سے زیادہ نہیں پڑھیں' آپ چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' آپ پھر چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے' حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

''ترتیل'' کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

المزمل: ۴ میں یہ بھی فرمایا: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اس آیت میں ''ترتیل'' کا لفظ ہے' ''ترتیل'' کا معنیٰ ہے: کلام کو ٹھہر ٹھہر کر اور خوش اسلوبی سے پڑھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''رَتّل'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو مرتب اور منظم طور پر وارد کرنا اور ''ترتیل'' کا معنیٰ ہے: لفظ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۴۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے کہا ہے:

قرآن مجید کو سرعت کے ساتھ نہ پڑھنا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر سہولت کے ساتھ معانی میں غور و فکر کے ساتھ پڑھنا ''ترتیل'' ہے۔

الضحاک نے کہا: ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھنا ''ترتیل'' ہے' مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے پسندیدہ اس کی قرأت ہے جو سب سے زیادہ تدبر سے قرآن مجید پڑھے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ قرآن مجید کو ''ترتیل'' سے پڑھو' یہ ''ترتیل''

ہے۔(مسند احمد رقم الحدیث:۲۲۳۵۴۔ج ۸'دارالفکر'بیروت)

ابوبکر بن طاہر نے کہا:''تــرتیــل'' یہ ہے کہ قرآن مجید کے خطاب کے لطائف میں غور کرو اور اپنے نفس سے قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کا مطالبہ کرو اور اپنے قلب سے اس کے معانی سمجھنے کا مطالبہ کرو اور اپنی روح کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کردو۔(الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۳۶'دارالفکر'بیروت'۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ''تــرتیــل'' کا معنیٰ تبیین'یعنی بیان کرنا'اور قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھنے سے تبیین نہیں ہوتی' یہ اس وقت ہوتی ہے جب تمام حروف کو ان کے مخارج سے واضح طور پر ادا کیا جائے'اور جہاں مدّات ہوں ان کو پورے طور پر پڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز میں قرآن مجید کو''ترتیل'' کے ساتھ پڑھنے کا حکم اس لیے دیا ہے' تاکہ رات کے سکوت' پرسکون ماحول اور تنہائی میں انسان ان آیات کے حقائق اور دقائق میں غور کرنے پر قادر ہو اور جب وہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت ہو'اور جب وعد اور وعید کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید ہو اور اس وقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جائے'اور جلدی جلدی قرآن پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے معانی میں غور نہیں کر رہا'پس معلوم ہوا کہ''تــرتیــل'' سے مقصود یہ ہے کہ حضورِ قلب اور کمالِ معرفت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔(تفسیر کبیرج ۱۰ص ۶۸۳'داراحیاء التراث العربی'بیروت'۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کا طریقہ

عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اہلِ قرآن! قرآن مجید کو تکیہ نہ بناؤ اور رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو اور اس میں جو کچھ مذکور ہے اس سے نصیحت حاصل کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور تم اس کے ثواب کو جلد طلب نہ کرو'اس کا ثواب بہر حال ہے۔(کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۳'حافظ الہیثمی نے کہا:اس کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف راوی ہے'مجمع الزوائد ج ۲ص ۲۵۲'دارالکتاب العربی'بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب بندہ دوزخ کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے دوزخ کی پناہ طلب کرے اور جب جنت کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۱۶۰'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ'۱۴۱۷ھ'الدر المنثور ج ۱ص ۲۴۴'داراحیاء التراث العربی'بیروت'۱۴۲۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدّات کے ساتھ قراءت کرتے(یعنی لمبا کھینچ کر پڑھتے تھے) آپ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے اور رحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے اور رحیم کو کھینچ کر پڑھتے' لفظ اللہ میں لام کے بعد الف کا خوب اظہار کرتے'اور رحمان میں میم کے بعد الف کا اظہار کرتے اور رحیم میں دو سے چھ مدات تک کھینچ کر وقف کرتے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ایک ایک حرف کو الگ الگ پڑھ کر بتایا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۲۳'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۶۵'سنن نسائی رقم الحدیث:۱۰۱۶)

قرآن مجید کی تلاوت کو طرز کے ساتھ اور خوش الحانی سے پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے'اس

وقت ہم ایک دوسرے کے سامنے قرآن پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ تم میں اللہ کی کتاب موجود ہے' اور تم میں بہت نیک لوگ موجود ہیں' اور تم میں گورے اور کالے موجود ہیں' تم قرآن مجید پڑھو اور پڑھاؤ' اس سے پہلے کہ تم میں ایسے لوگ آ جائیں جو قرآن مجید پڑھیں گے اور اس کو درست رکھیں گے' وہ اس کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے' جس طرح تیروں کو سیدھا کیا جاتا ہے اور قرآن مجید ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کرے گا' وہ اس کے اجر کو جلد طلب کریں گے اور آخرت کی نیت نہیں کریں گے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۶۴۵۔ ج ا ص ۵۳۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو عربوں کے لہجے میں اور ان کی آوازوں میں پڑھو' اور فاسقوں کے لہجوں (اور ان کی طرزوں) میں نہ پڑھو' اور نہ یہود و نصاریٰ کے لہجوں میں پڑھو' کیونکہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن مجید کو گانوں کی دھنوں پر پڑھیں گے اور راہبوں اور نوحوں کی طرزوں پر پڑھیں گے' اور قرآن مجید ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترے گا' ان کے دل فتنہ زدہ ہوں گے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۶۴۹۔ ج ا ص ۵۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

جس طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں قرآن مجید کی تلاوت ممنوع ہے' اسی طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں نعت پڑھنا بھی ممنوع ہے' کیونکہ نعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے' لہٰذا قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو بھی ممنوع ہونا چاہیے' آج کل فلمی گانوں کی دھنوں اور ان کی طرزوں پر نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور فلمی گانوں کی دھنوں اور طرزوں کے بنانے والوں کے اہل فسق ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے لیے اتنی اجازت نہیں دی' جتنی اجازت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غنا (خوش آوازی) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے غنا (خوش آوازی) کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! تم کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر سے مزمار (بانسری) دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۵)

ابن ابی ملیکہ نے کہا: جب کسی شخص کی آواز اچھی نہ ہو تو وہ کوشش کر کے اپنی آواز اچھی بنائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۱)

قرآن مجید کو غنا کے ساتھ پڑھنے کے محامل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۷۵۲۷ میں ہے: جس نے غنا کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں غنا کے کئی محمل ہیں:

(۱) جو قرآن کے سبب سے' دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی نہیں ہوا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(٢) جس کو قرآن کے وعد اور وعید نے نفع نہیں پہنچایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(٣) جس کو قرآن سے راحت نہیں پہنچی' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(٤) جس نے دائماً قرآن مجید کی تلاوت کر کے خوش حالی کو حاصل نہیں کیا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(٥) امام عبد الرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے نبی کو جتنی اجازت خوش آوازی کے لیے دی ہے کسی چیز کے لیے نہیں دی۔
(٦) امام ابن ابی داؤد اور امام طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' اللہ تعالیٰ نے نبی کو حسن ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی جتنی اجازت دی ہے' اتنی اجازت اور کسی چیز کے لیے نہیں دی۔
(٧) امام ابن ماجہ' امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت فضالہ بن عبید سے مرفوعاً روایت کیا ہے' جو شخص خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتا' ہے اللہ تعالیٰ بہت توجہ سے اس کا قرآن سنتا ہے۔
(٨) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے' قرآن مجید پڑھنا سیکھو اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو۔ (فتح الباری ج ١٠ص ٨٧' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ)

خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

متقدمین کے نزدیک الحان کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے' بہر حال خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' عبد الوہاب مالکی نے الحان (طرز) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ حرام ہے' اور ابو الطیب الطبری' الماوردی' ابن بطال' قاضی عیاض مالکی' علامہ قرطبی اور متعدد اہل علم نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور ابن بطال نے جماعتِ صحابہ اور تابعین سے جواز کا قول نقل کیا ہے اور امام طحاوی حنفی نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اور علامہ نووی نے ''تبیان'' میں کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے' بہ شرطیکہ الفاظ کو زیادہ کھینچنے سے وہ الفاظ قرأت اور تجوید کی حد سے نہ نکل جائیں اور اگر وہ قرأت کی حد سے نکل جائیں' حتیٰ کہ کسی ایک لفظ کی زیادتی ہو جائے یا کسی ایک حرف کا اخفاء ہو جائے تو پھر یہ حرام ہے اور رہا قرآن مجید کو الحان (طرز اور ترنم) سے پڑھنا تو امام شافعی نے ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسری جگہ تصریح کی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام شافعی کے اصحاب کے اس میں دو قول ہیں' اگر الحان اور ترنم کے ساتھ پڑھنے سے قرأت اپنے صحیح طریقہ سے خارج نہ ہو تو پھر جائز ہے ورنہ حرام ہے' اور علامہ الماوردی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ ترنم کے ساتھ پڑھنے سے اگر بعض الفاظ اپنے مخارج سے نکل جائیں تو حرام ہے ورنہ جائز ہے' علامہ ابن حمدان حنبلی نے الرعایہ میں اور حنفیہ میں سے صاحب الذخیرہ نے کہا ہے کہ اگر ترنم کی وجہ سے نظم قرآن مشوش نہ ہو تو پھر ترنم کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو اس کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے' جیسا کہ ابن ابی ملیکہ کا قول ہے' جس کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ١٠ص ٨٩' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ)

''قول ثقیل'' (بھاری کلام) کا معنیٰ اور اس کا مصداق

المزمل: ٥ میں فرمایا: بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے O

یہ آیت قیام لیل کی فرضیت کے ساتھ مربوط ہے' یعنی ہم رات کے قیام کی فرضیت کے ساتھ آپ پر بھاری کلام نازل

فرمائیں گے، کیونکہ رات کو نیند کا وقت ہوتا ہے، سو جو شخص پہلے سے تیار نہ ہو اور اس کو رات کے اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا جائے تو وہ اس کے نفس پر سخت دشوار ہوتا ہے اور اس میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنا بندہ کے لیے بہت ثقیل اور بھاری ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم عنقریب آپ پر ایسی وحی نازل کریں گے جو اس وجہ سے ثقیل ہوگی کہ اس پر عمل کرنا سخت مشکل اور دشوار ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود ثقیل ہیں، مجاہد نے کہا: قرآن مجید کے حلال اور حرام ثقیل ہیں، حسن بصری نے کہا: اس پر عمل کرنا ثقیل ہے، ابو العالیہ نے کہا: اس کے وعد اور وعید اور حلال اور حرام ثقیل ہیں، محمد بن کعب نے کہا: قرآن مجید منافقین پر ثقیل ہے، ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کفار پر ثقیل ہے، کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے عقائد کے خلاف دلائل ہیں، ان کی گمراہیوں اور ان کے فساد کا بیان ہے، ان کے خداؤں کو بُرا کہا ہے، اور اہل کتاب نے جو سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف کی تھی اس کو منکشف کر دیا ہے۔

الحسین بن الفضل نے کہا: اس کو صرف وہی دل برداشت کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو، ابن زید نے کہا: قرآن مجید ثقیل اور مبارک ہے، جس طرح یہ دنیا میں ثقیل ہے اسی طرح آخرت میں میزان پر ثقیل ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ خود قرآن مجید ثقیل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے اور آپ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی تو اونٹنی سینہ کے بل زمین پر گر جاتی اور جب تک وحی کی کیفیت آپ سے منقطع نہیں ہو جاتی، وہ اسی طرح بے حس و حرکت زمین پر پڑی رہتی، وحی کے ثقل کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا: یارسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح آتی ھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں مجھ پر وحی آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت زیادہ دشوار ہوتی تھی، جب وہ وحی منقطع ہوتی تھی تو میں اس کو حفظ کر چکا ہوتا تھا اور کبھی کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا تھا، وہ مجھ سے بات کرتا تھا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی اور جب آپ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۹۷۹)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''قول ثقیل'' سے مراد ہے: ''لا الہ الا اللہ'' کیونکہ حدیث میں ہے: یہ کلمہ زبان پر ہلکا ہے اور میزان میں بھاری ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

''قول ثقیل'' کی تعریف میں متعدد اقوال

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے قول ثقیل کی تعریف میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) میرے نزدیک ''قول ثقیل'' کی تعریف میں مختار اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ جس چیز کی قدر و منزلت اور اس کا درجہ اور مرتبہ بہت زیادہ ہو وہ چیز وزنی اور ثقیل ہوتی ہے اور انسان کو عظیم اور جلیل القدر عبادت کا مرتبہ تہجد کی نماز سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جب انسان اندھیری رات میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اس کی حمد و ثنا اور اس کے سامنے گڑگڑانے میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت تنہائی اور اندھیرے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے اس کی اللہ کی طرف توجہ اور یاد میں خلل آسکے تو اس وقت اس کے قلب اور اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات

منعکس ہوتی ہیں اور اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

(۲) ''قول ثقیل'' سے مراد خود قرآن کریم ہے' کیونکہ اس میں اللہ سبحانہ کے اوامر اور نواہی یعنی احکام ہیں' اور عام مسلمانوں کے عمل کرنے کے لیے ایسے احکام ہیں جن پر عمل کرنا نفس پر شاق اور دشوار ہوتا ہے۔

(۳) یہ قول اس لیے ثقیل ہے کہ انسان کی عقل اس کے تمام فوائد اور معانی اور اس کے اسرار و رموز کا بالکلیہ ادراک نہیں کر سکتی' پس متکلمین اس میں مذکور عقائد میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے دلائل کے سمندروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور فقہاء ان آیات میں تفکر کرتے ہیں' جن سے احکام شرعیہ حاصل ہوتے ہیں اور اصولیین اس میں احکامِ شرعیہ کے دلائل کی تلاش میں مصروف ہوتے ہیں' اسی طرح اہل لغت' ارباب نحو' اصحاب صرف اور فصاحت و بلاغت کے ماہرین اپنے اپنے موضوع کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور ہر شعبہ میں متاخرین پر بعض ایسے نئے نکات منکشف ہوتے ہیں جو پہلوں کو معلوم نہیں تھے' غرض قرآن مجید میں مسلسل غور و فکر کرتے رہنے سے انسان نئے نئے حقائق و معارف سے آشنا ہوتا ہے۔

(۴) اور یہ اس وجہ سے بھی ثقیل ہے کہ یہ معلومات کا خزانہ ہے' یہ محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ پر مشتمل ہے اور ان تک ان ہی علماء کی رسائی ہو سکتی ہے' جو تمام علومِ عقلیہ اور نقلیہ میں بہت ماہر ہوں۔

ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے اور اقوال بھی نقل کیے ہیں' جن کو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی عبارت میں نقل کر چکے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۸۴ ـ ۶۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک رات کو اٹھنا نفس پر سخت بھاری ہے اور کلام کو درست رکھنے والا ہے O بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں O اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو آپ اس کو اپنا کارساز بنا لیں O (المزمل: ۹ـ۶)

رات کو نماز کے لیے اٹھنے میں مشقت کی وجوہ

المزمل: ۶ میں فرمایا: بے شک رات کو اٹھنا نفس پر سخت بھاری ہے اور کلام کو درست رکھنے والا ہے O

اس آیت میں ''ناشئة اللیل'' کا لفظ ہے' ''انشاء'' کا معنیٰ احداث ہے اور ہر وہ چیز جو حادث ہو وہ ''ناشئة'' ہے اور اس میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد رات کی ساعات اور رات کے اوقات ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو رات کے اوقات میں حادث ہوتی ہیں۔

پہلے قول کی صورت میں تمام رات ''ناشئة'' ہے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر نے کہا: تمام رات ''ناشئة'' ہے' حضرت زین العابدین نے کہا: مغرب سے عشاء تک کا وقت ''ناشئة'' ہے' دوسرے قول کی صورت میں اپنے بستر سے اٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے قیام کرنا ''ناشئة'' ہے' انسان جب رات کے اندھیرے اور تنہائی میں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حواس اور کسی چیز کی طرف مشغول نہیں ہوتے' اور اس وقت اس کا دل بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے' جب کہ دن کی روشنی میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول اور معاش کی مصروفیات میں اس کا دل و دماغ اور اس کے حواس دنیا داری میں مشغول ہوتے ہیں۔

''اشد وطأ'' کا ایک معنیٰ ہے: رات کو اٹھنا دن کی بہ نسبت نفس پر سخت بھاری ہے' کیونکہ دن کو اٹھنے میں اور بہت دنیاوی دلچسپیاں ہوتی ہیں' دن میں انسان کاروبار میں نفع کی امید میں مشغول رہتا ہے' اپنی پسند کی چیزیں خریدتا ہے' سیر اور تفریح کرتا ہے' دوستوں سے ملاقات کرتا ہے اور رات کو اٹھنے میں صرف ایک ہی کام ہے اور وہ اللہ کو یاد کرنا اور اس کی عبادت

کرنا ہے' جس سے جسم کو آسودگی اور تلذذ کے بجائے مشقت اور تھکاوٹ حاصل ہوتی ہے' اس لیے رات کو اٹھنا نفس پر بہت بھاری ہے۔

اور ''وطأ'' کا دوسرا معنیٰ ہے: موافقت' یعنی رات کو عبادت کرنے میں قلب کی زیادہ موافقت ہوتی ہے اور دیگر شواغل نہ ہونے کی وجہ سے دل یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور زیادہ خشوع اور خضوع اور کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔

اور رات کو اٹھنا کلام کو زیادہ درست رکھنے والا ہے' کیونکہ رات کو سکوت کا وقت ہوتا ہے' کوئی شور وغیرہ نہیں ہوتا اور اس وقت جو بھی اللہ کے کلام کا ذکر کرتا ہے' اس میں کسی قسم کا خلل نہیں آتا۔

دن کے وقت میں مصروفیات کی وجوہ

المزمل: ۷ میں فرمایا: بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں O

اس آیت میں ''سبحا'' کا لفظ ہے' ''سبحا'' کا معنیٰ ہے: تیرنا' اور تیرنے میں انسان اپنے ہاتھوں اور پیروں دونوں سے کام لیتا ہے اور ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے' اس لیے اس کا معنیٰ ہے: دن میں آپ کو بہت کام ہوتے ہیں اور آپ کی بہت مصروفیات ہوتی ہیں' اس لیے یک سوئی سے اللہ کو یاد کرنے اور اطمینان سے اس کی عبادت کرنے کا وقت صرف رات میں ہوتا ہے' اس لیے آپ رات کے اوقات کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے لیے نماز میں قیام کرنے کے ساتھ مخصوص رکھیں۔

رب کے نام کو یاد کرنے اور رب کو یاد کرنے کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

المزمل: ۸ میں فرمایا: اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے' ایک اس کے نام کا ذکر کرنے کا اور دوسرا سب سے منقطع ہو کر صرف اس کی طرف متوجہ رہنے کا۔

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک رب کے نام کا ذکر کرنا' دوسرا ہے دل میں رب کا ذکر کرنا' یہاں فرمایا ہے: آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کریں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً . آپ چپکے چپکے اور گڑگڑا کر اپنے دل میں اپنے رب کا ذکر کیجئے۔ (الاعراف: ۲۰۵)

ابتداء میں یہ حکم دیا کہ انسان اپنے رب کے نام کا ذکر کرے اور جب وہ ایک طویل مدت تک اپنے رب کا نام ذکر کرتا رہا تو پھر اس کے دل سے اسم محو ہو جائے گا اور اس میں صرف مسمیٰ باقی رہ جائے گا' پھر اس کو الاعراف: ۲۰۵ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دل میں اپنے رب کو یاد کرے اور جب بندہ اپنے رب کی یاد میں مشغول ہو گا تو اس کو اپنے رب کی ربوبیت کے مطالعہ کا مقام حاصل ہو گا اور وہ یہ جان لے گا کہ اس کا رب کس طرح اس کی تربیت اور پرورش میں اس پر احسان کرتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچے گا تو اس کا دل اپنے رب کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گا' پھر وہ اور ترقی کرے گا' پھر وہ اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہے گا' اور اس وقت وہ اللہ کی ہیبت اور خشیت کے مطالعہ کے مقام پر ہو گا' اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قہاریت' عزت' علو اور صمدیت ہو گی اور بندہ اسی مقام پر ترقی کرتا رہے گا' اور اللہ تعالیٰ کے جلال' اس کی تنزیہہ اور اس کی تقدیس میں متردد رہے گا' پھر ترقی کرتے ہوئے اس کی ذات کے مطالعہ کے مقام تک پہنچے گا اور یہ وہ مقام ہے جس کی

شرح کرنے سے الفاظ اور عبارت عاجز ہیں اور اس کو تحریر کا لباس پہنانے سے قاصر ہیں اور جب بندہ یہاں تک پہنچ جائے تو پھر اس کے سامنے صرف اسی کی ذات ہوتی ہے اور یہاں پہنچ کر بندہ ٹھہر جاتا ہے' کیونکہ یہ مقام صفات کی طرح نہیں ہے کہ وہ ایک صفت کے مطالعہ سے دوسری صفت کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوتا رہے اور نہ اس کی ذات اجزاء سے مرکب ہے کہ وہ ایک جز کے مطالعہ سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہوتا رہے' اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کسی نفس کے ساتھ کوئی مناسبت ہے کہ وہ اس کی ذات کو اس پر قیاس کر سکے' پس اس کی ذات ظاہر ہے کیونکہ وہ ہر ظاہر کے ظہور کی مبداء ہے اور اس کی ذات باطن ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی عقول سے ماوراء ہے' پس سبحان ہے وہ ذات جو اپنے ظہور کی شدت کی بناء پر عقول سے محجوب ہے اور اپنے نور کے کمال کی وجہ سے مخفی ہے۔

سب سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے اور اللہ میں مشغول ہونے کا فرق

نیز امام رازی لکھتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا: اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں۔

اس آیت میں ''تبتل'' کا لفظ ہے' تمام مفسرین نے ''تبتل'' کی تفسیر اخلاص کے ساتھ کی ہے' اور لغت میں ''تبتل'' کا معنیٰ ہے: منقطع ہونا' حضرت سیدہ مریم کو بتول اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ سب لوگوں سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئی تھیں' اور لیث نے کہا ہے کہ ''تبتل'' کا معنیٰ ہے: ایک چیز کا دوسری چیز سے ممیز اور ممتاز ہونا' اور بتول ہر اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے رغبت نہ رکھتی ہو' اس تمہید کے بعد مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

فرّا نے کہا: جب عابد ہر چیز کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''قد تبتل'' یعنی ہر چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

زید بن اسلم نے کہا: ''تبتل'' کا معنیٰ ہے: دنیا اور دنیا کی سب چیزوں کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر و ثواب ہے اس کو طلب کرنا۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت کا معنیٰ اس سے کہیں بلند ہے' جو ان علماء ظاہر نے کیا ہے' کیونکہ جو سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مستغرق ہوا' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع اور مستغرق نہیں ہوا' بلکہ اللہ کی عبادت کی طرف منقطع اور مستغرق ہوا اور جو سب سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوا' وہ بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہوا' اور جو اللہ کی معرفت میں مشغول ہوا وہ بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا' سو جس نے نفس عبادت کے لیے عبادت کو ترجیح دی' یا جس نے طلب ثواب کے لیے ثواب کو ترجیح دی یا جس نے معرفت کے لیے معرفت کو ترجیح دی تو وہ معرفت کی طرف متبتل ہوا اور جس نے عبادت کو ترجیح دی وہ عبادت کی طرف متبتل ہوا اور جس نے آخرت اور ثواب کو ترجیح دی وہ آخرت اور ثواب کی طرف متبتل ہوا اور یہ سب اللہ کے غیر کی طرف متبتل ہیں' اللہ کی طرف متبتل نہیں ہیں جب کہ اس آیت میں فرمایا: ''وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' (المزمل: ۸) یعنی سب سے منقطع ہو کر صرف اللہ کی ذات میں مشغول ہو جاؤ اور بس اسی کے ہو جاؤ اور یہ وہ مقام ہے جس کو کلام سے واضح نہیں کیا جا سکتا اور نہ خیال میں اس کی تعبیر آ سکتی ہے اور جو شخص اس مقام کے حصول کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ عین ذات تک پہنچنے والا بنے نہ کہ وہ محض خبر کو سننے والا ہو' اور انسان اس کی کوئی مثال نہیں پا سکتا' ماسوا اس کے جس کو شدید عشق ہو اور اس کی ذات اور اس کے تمام حواس اور مشاعر فنا ہو جائیں' اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ''تبتل'' کا ذکر فرمایا ہے' پہلی مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ اس کی طرف ''تبتل'' کرنا مقصود بالذات ہے اور دوسری مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ اس کی طرف ''تبتل'' کرنا مقصود

بالفرض ہے۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۸۷۔۱۸۶'دار احیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۱۵ھ)

''تبتل'' کے متعلق مصنف کی تحقیق

امام رازی نے''وتبتل الیه تبتیلا'' کی تفسیر میں جو فرمایا' وہی برحق اور صحیح ہے تاہم یہ اللہ تعالیٰ کے محبین اور عارفین اور اس کے خاص اولیاء کرام کا مرتبہ ہے' ہم ایسے ناقصین کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ ہم سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یا اس کی معرفت میں مشغول ہوں یا آخرت کے اجر وثواب کی نیت سے دنیا اور دنیا کی چیزوں سے منقطع ہو کر آخرت میں مشغول ہوں۔

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سب سے منقطع ہو کر اللہ کے ساتھ مشغول ہو'اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ تو رہبانیت ہے اور اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جو رہبانیت ممنوع ہے' وہ یہ ہے کہ انسان نکاح نہ کرے اور کسی جنگل یا غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے' حصولِ رزق کے لیے محنت اور مشقت نہ کرے' ماں باپ' بیوی بچوں' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا نہ کرے' اور سب سے منقطع ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمام حقوق اور فرائض کو ان حقوق اور فرائض کی وجہ سے ادا نہ کرے بلکہ اس نیت سے ان حقوق اور فرائض کو ادا کرے کہ اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق اور فرائض کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے' تاہم رات کے کسی وقت میں خصوصاً تہائی رات گزر جانے کے بعد تہجد کی نماز پڑھے اور اس کے بعد اپنے دل و دماغ کو تمام خیالات اور تفکرات سے خالی کر کے اور سب سے منقطع ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور جب اس ذکر کی برکت سے اس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے منور ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہو کر بیٹھ جائے اور جب وہ ہر رات کو تہجد پڑھ کر اس کی مشق کرتا رہے گا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ واصلین اور محبین میں سے ہو جائے گا اور اس کا دل اللہ سبحانہ کی تجلیات کے لیے آئینہ بن جائے گا۔

تہجد پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

مذکور الصدر آیات میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے' اور رات کے آخری پہر اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے' وہ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۵۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ وہ جس بندہ مسلمان کو بھی مل جائے تو وہ اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی جو خیر بھی طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرما دے گا اور وہ ساعت ہر رات میں آتی ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۵۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے' حضرت داؤد علیہ السلام نصف رات تک سوتے تھے' پھر تہائی رات تک نماز میں قیام کرتے تھے' پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے (مثلاً چھ گھنٹے کی رات ہو تو تین گھنٹے تک سوتے تھے' پھر دو گھنٹے تک نماز پڑھتے تھے' پھر آخری ایک گھنٹہ میں

آرام کرتے تھے) اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۳۱'صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۵۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رات کے قیام کو لازم رکھو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے اور یہ تمہارے رب کی طرف تمہارے قرب کا ذریعہ ہے' اور تمہارے گناہوں کے مٹنے کا سبب ہے' اور تمہارے گناہوں سے بچنے کا طریقہ ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۴۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے' ایک وہ شخص جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے' دوسرے وہ لوگ جو صف باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو دشمن کے مقابلہ میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۵۶۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۳۵۵۵)

حضرت عمرو بن عیینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب سب سے زیادہ بندہ کے قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے' اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کا اللہ تعالیٰ اس وقت ذکر کرتا ہے تو ہو جاؤ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے افضل لوگ قرآن کے حاملین ہیں اور رات کو نماز پڑھنے والے ہیں۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۴۳۳)

المزمل:۹ میں فرمایا: وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو آپ اس کو اپنا کارساز بنا لیں ○

یہ آیت بھی پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ جس کو یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کا رب ہے' اس کی تمام امیدیں سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوں گی اور اس کے تمام اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں ○ اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں ○ بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے ○ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے ○ جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے' اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے ○ (المزمل:۱۴۔۱۰)

کفار کی ایذا رسانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

المزمل:۱۰ میں فرمایا: اور آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں۔

یعنی کفار آپ کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ کا مذاق اُڑا کر آپ کو ایذا پہنچاتے ہیں تو آپ ان کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرنے سے نہ رُکیں۔

اور فرمایا: ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں ○

یعنی آپ ان سے انتقام لینے کے درپے نہ ہوں' کیونکہ پھر آپ کے لیے ان کو اللہ کا پیغام سنانا مشکل ہوگا' یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے' پھر اس کے کافی عرصہ بعد کفار سے قتال کرنے کا حکم نازل ہوا' پس آیت قتال نے اس سے پہلے کی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔

المزمل: ۱۱ میں فرمایا: اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں O

یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا کوئی عزیز دوست اس کام کو اس کی بہ نسبت زیادہ عمدگی سے کر سکتا ہو تو وہ اس سے کہے کہ تم خود یہ کام نہ کرو اس کام کو تمہارے بدلہ میں کروں گا' اسی نہج پر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: کفار کی ایذا رسانیوں کا آپ خود ان سے انتقام نہ لیں' آپ کے بدلہ میں ان جھٹلانے والوں سے میں انتقام لوں گا' اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دوں گا۔

کفار سے یہ انتقام جنگ بدر میں لیا گیا' جب کفارِ مکہ کو جنگ بدر میں شکست ہوئی' ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قید کر لیے گئے یا قیامت کے دن کافروں سے انتقام لیا جائے گا' جب ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس لیے فرمایا: ان کو تھوڑی مہلت دیں کیونکہ جنگ بدر کا دن آنے والا ہے یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی مدت تھوڑی ہے اور عنقریب آخرت آنے والی ہے وہاں ان جھٹلانے والے کافروں سے بھرپور انتقام لیا جائے گا۔

المزمل: ۱۳۔۱۲ میں فرمایا: بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے O اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے O

کفار کے جسمانی اور روحانی عذاب کی تفصیل

یعنی ہمارے پاس آخرت میں کفار کے لیے سخت ترین عذاب ہے جو ان کے دنیاوی عیش و آرام اور جسمانی لذتوں کے بالکل خلاف ہے اور ان آیتوں میں اس عذاب کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) ''انکالا'' کا ذکر فرمایا' اس کا معنیٰ ہے: بیڑیاں' اور یہ بیڑیاں ان کے پاؤں میں اس لیے نہیں ڈالی جائیں گی کہ ان کے دوزخ سے نکل بھاگنے کا خطرہ ہے' بلکہ یہ بیڑیاں ان کو ذلت اور رسوائی اور اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے ڈالی جائیں گی۔

(۲) ''جحیم'' کا معنیٰ بھڑکتی ہوئی آگ ہے' اور آگ میں جلنے کا عذاب واضح ہے۔

(۳) ''طعاما ذا غصة'' ''غصة'' کا معنیٰ ہے: جو چیز حلق میں پھنس جائے اور یہ تھوہر کے درخت کا پھل ہے' جس کو اندرائن کہتے ہیں' اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کانٹوں والا کھانا ہے۔

(۴) ''عذابا الیما'' اس کا معنیٰ ہے: دردناک عذاب ہے اور اس میں عذاب کی باقی اقسام شامل ہیں۔

امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ والوں پر آگ کے سانپ اور آگ کے بچھو گرائے جائیں گے اور اگر ان میں سے کوئی سانپ مشرق والوں پر پھونک مارے تو مغرب والوں کو جلا دے گا' اور اگر ان میں سے کوئی بچھو دنیا والوں پر مارا جائے تو تمام دنیا کے لوگ جل جائیں گے اور یہ سانپ اور بچھو اہل دوزخ کی کھالوں اور ان کے جسموں کے درمیان داخل کر دیئے جائیں گے۔ (مظہری ج ۱۰ ص ۷۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا' اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲)

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب کی پہلی چار اقسام کو جسمانی عذاب پر محمول کیا جائے اور ان سے چار قسم کے روحانی عذاب کو بھی مراد لیا جائے:

(۱) یہ بھی ممکن ہے کہ ''انکال'' سے مراد یہ ہو کہ نفس کو تعلقاتِ جسمانیہ اور لذاتِ بدنیہ کی بیڑیاں ڈال دی جائیں' کیونکہ دنیا

میں اس کو اس کی محبت اور رغبت کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے' پھر بعد میں جب اس کے بدن کو وہ لذت حاصل نہیں ہوتی تو وہ شدید غم میں مبتلا ہوتا ہے اور جب کہ اس کے کسب کے آلات باطل ہو چکے ہوتے ہیں تو گویا یہ بیڑیاں ہوتی ہیں جو اس کو عالم دوزخ سے نجات کے لیے مانع ہوتی ہیں۔

(۲) پھر ان روحانی بیڑیوں سے روحانی آگ بھڑکتی ہے' کیونکہ احوال بدنیہ کی طرف اس کو بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور وہ ان کو حاصل نہیں کر سکتا' اس سے اس کو شدید روحانی جلن پیدا ہوتی ہے' جیسے کسی شخص کو کسی چیز کے حصول کی شدید خواہش ہو' پھر وہ اس کو نہ پا سکے تو اس کا دل جلتا رہتا ہے اور یہی اس کی روحانی ''جحیم'' ہے۔

(۳) پھر وہ اس محرومی کے غصہ کو گھونٹ بھر بھر کر پیتا ہے اور فراق کے درد کو سہتا رہتا ہے' اسی کو ''طعاماً ذا غصة'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۴) پھر وہ ان احوال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلیات سے دائماً محروم رہتا ہے اور ''عذاباً الیما'' سے یہی مراد ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ان آیات سے فقط یہی روحانی عذاب کے مراتب مراد نہیں ہیں' بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جسمانی عذاب کے چار مراتب کے ساتھ ساتھ روحانی عذاب کے بھی یہ چار مراتب ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۹۰۔۶۸۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المزمل: ۱۴ میں فرمایا: جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے O

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''ترجف'' کا لفظ ہے اور ''الرجفة'' کا معنی ہے: شدید زلزلہ اور ''کثیبا'' کا معنی ہے: ریت کا بہت بڑا ٹیلا ''مهیلا'' کا معنی ہے: ریگ رواں' ریگ سیال' جھڑ کر گرنے والی مٹی اور ریت۔

اللہ تعالیٰ پہاڑوں کے اجزاء کو توڑ پھوڑ دے گا اور وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' پھر اس وقت وہ ریت کے بہت بڑے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلائے گا تو وہ رواں دواں ریت کی طرح ہو جائیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے' جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا O پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا O اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا O آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا O بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں' سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کر لے O (المزمل: ۱۹۔۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تشبیہ دینے کی توجیہ

ان آیات میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور ان کو ایمان نہ لانے پر انواع و اقسام کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ ان آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ کسی اور نبی اور رسول کا قصہ کیوں نہیں ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کم حیثیت اور معمولی انسان سمجھتے تھے اور آپ کی تحقیر کرتے تھے کیونکہ آپ ان ہی کے درمیان پیدا ہوئے تھے اور پلے بڑھے تھے' جیسا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت کم حیثیت اور معمولی انسان سمجھتا تھا' کیونکہ حضرت موسیٰ اسی کے شہر میں پیدا ہوئے تھے اور اُسی کے گھر میں انہوں نے پرورش پائی تھی' جیسا کہ فرعون نے کہا تھا:

اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا (الشعراء:۱۸) فرعون نے کہا: کیا ہم نے آپ کے بچپن کے زمانہ میں آپ کی پرورش نہیں کی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو تم پر گواہ ہے'' اس کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ان کے کفر اور ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے گواہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ دنیا میں حق کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس کفر پر وہ قائم ہیں وہ باطل ہے' کیونکہ گواہ اپنی گواہی سے حق کو بیان کرتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ المزمل:۱۶ میں ''وبیل'' کا لفظ ہے' اس کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''وبیل'' کا معنیٰ ہے: ثقیل اور غلیظ' اسی وجہ سے سخت بارش کو ''وابل'' کہا جاتا ہے' یعنی ہم نے فرعون کو شدید گرفت میں پکڑ لیا۔

قیامت کے دن بچوں کو بوڑھا کرنے کی توجیہ

المزمل:۱۷ میں فرمایا: اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گاO

زمخشری نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: اگر تم اپنے کفر پر قائم رہے تو قیامت کے دن اپنے آپ کو اس عذاب سے کیسے بچاؤ گے' جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ کسی سخت دن کی سختی اور شدت کو اسی طرح بیان کیا جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ غم اور فکر انسان پر بڑھاپے کو بہت جلد طاری کر دیتا ہے' کیونکہ غم اور فکر سے انسان کی حرارت غریزی سرد پڑ جاتی ہے' اس وجہ سے اجزاء غذائیہ پوری طرح پک نہیں سکتے اور بلغم کا باقی اخلاط پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے انسان کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور سفید بالوں کو بڑھاپے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ قیامت کے دن بچے حقیقت میں بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن بچوں پر غم اور خوف کا طاری ہونا جائز نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن اس قدر طویل ہو کہ بچے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا پورا ہونا کیوں لازم ہے؟

المزمل:۱۸ میں فرمایا: آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گاO

قیامت کی ہولناکیوں میں سے یہ ہے کہ وہ دن اس قدر سخت اور شدید ہوگا کہ آسمان اس وقت وسعت' عظمت اور شدت کے باوجود پھٹ کر روئی کے گالوں کی طرح بکھر جائے گا تو سوچو کہ عام مخلوق کا اس دن کیا حال ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

آیت کے اس حصہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ قیامت کے دن آسمان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور جو اس کے علم کا تقاضا ہو اس کا پورا ہونا واجب ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہو کہ آسمان کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہو وہ لامحالہ پورا ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے۔

سورۃ المزمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اجمالی تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ احوال اور آپ کی عمدہ سیرت کے بیان سے شروع کیا تھا' اور آپ کے احوال دو قسم کے ہیں' ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ عزوجل کی اطاعت اور اس کی عبادت کے ساتھ ہے' المزمل:۹۔۱ میں اس کا بیان ہے اور آپ کی سیرت کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے' اس کا ذکر المزمل:۱۱۔۱۰ میں ہے: اور

آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں○ اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں○ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر کفار کو دھمکی بھی دی ہے کہ تمہاری دل آزار اور دل خراش باتوں کا جواب دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے، تم سے انتقام میں لوں گا' پھر اس کے بعد کی آیتوں میں المزمل: ۱۸ تک کفار کو آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے۔

المزمل: ۱۹ میں فرمایا: بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرے○

یعنی یہ آیات ہدایت کی انواع اور اقسام پر مشتمل ہیں، سو جو چاہے اپنے رب کی ہدایت کو اختیار کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جائے اور اس کی معصیت اور اس کی نافرمانی کو ترک کر دے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَ

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور (کبھی)

نِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ

آدھی رات تک اور (کبھی) ایک تہائی رات تک اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان میں سے ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے، اور اللہ

يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ

رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے، اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام

عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ

کا شمار نہیں کر سکو گے، سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی، پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اللہ کو علم ہے

مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ

کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے. اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے، اللہ کے

مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

فضل کو تلاش کرتے ہوئے، اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے،

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دو اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ 23

اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۴

اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات تک اور (کبھی) ایک تہائی رات تک اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان میں سے ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام کا شمار نہیں کر سکو گے' سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو○ الخ (المزمل: ۲۰)

نمازِ تہجد کی فرضیت کا منسوخ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے دو تہائی رات سے کچھ کم بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں' اور کبھی آدھی رات تک بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تہجد کی نماز پڑھتی ہے' لیکن ایک تو ہر رات کو اتنا قیام کرنا بہت مشکل اور بھاری کام تھا' دوسرے وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ دو تہائی رات تک قیام ہوا ہے یا نصف رات تک قیام ہوا ہے یا تہائی رات تک قیام ہوا ہے' کیونکہ اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف نازل فرمائی اور رات کے اس قیام کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا' اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے' مستحب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اب دو تہائی رات یا نصف رات یا تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھنی فرض نہیں ہے' بلکہ جتنے وقت میں بھی آپ آسانی کے ساتھ تہجد پڑھ سکیں پڑھ لیں' فرض ادا ہو جائے گا' پھر جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو تہجد کی اتنی مقدار کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان آیات سے ابتداءً نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

نمازِ تہجد میں کتنا قرآن پڑھنا چاہیے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اس آیت کا معنی ہے:

تہجد کی نماز میں اتنا قرآن مجید پڑھو جتنا تم آسانی کے ساتھ پڑھ سکو' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

السدی نے کہا: سو آیتیں پڑھو' حسن بصری نے کہا: جس شخص نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں' قرآن مجید اس کی مخالفت نہیں کرے گا' کعب احبار نے کہا: جس نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا' سعید نے کہا: اس سے مراد پچاس آیتیں ہیں۔

کعب کا قول زیادہ صحیح ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو دس آیات کے ساتھ قیام کیا' اس کا نام غافلین میں نہیں لکھا جائے گا' اور جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا' اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا اور جس نے ہزار آیات کے ساتھ قیام کیا اس کا نام پل بنانے والوں میں لکھا جائے گا۔

23 (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۸)

نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کا فرض نہ ہونا

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز کا ایک جز قرآن پڑھنا ہے اور اس آیت میں جز سے مراد کل ہے اور یہ اطلاق مجازی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رات میں جتنی نماز آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو' اتنی نماز پڑھو' لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ قرآن مجید کے کسی لفظ کو مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے' جب اس لفظ سے حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہو یا متعذر ہو' اور اس آیت میں قرآن پڑھنے کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے' اسی وجہ سے ائمہ احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں کسی معین سورت کو پڑھنا فرض نہیں ہے' بلکہ قرآن مجید کا جو حصہ بھی آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے' اتنا قرآن پڑھنا فرض ہے' اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مطلقاً قرآن کا پڑھنا فرض ہے' جس قدر قرآن کو کوئی شخص آسانی اور سہولت سے پڑھ سکتا ہو' جن بعض احادیث سے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا لزوم معلوم ہوتا ہے وہ وجوب پر محمول ہے یعنی نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷)

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے کیونکہ کسی چیز کی فرضیت ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے' جس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اور اس کا ثبوت بھی قطعی ہو' اس حدیث کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لزوم کی دلالت تو قطعی ہے کیونکہ اس میں یہ ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی' لیکن اس حدیث کا ثبوت قطعی نہیں ہے' کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے قطعی نہیں ہے' جس کا ثبوت قطعی ہے وہ صرف قرآن مجید ہے یا خبر متواتر ہے' اس لیے ہمارے نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے' پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو' اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے' اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (المزمل: ۲۰)

تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی توجیہ

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے' یعنی اگر یہ کہا جائے

کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو کیوں منسوخ کر دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کچھ لوگ بیمار ہوں گے تو وہ تہجد نہیں پڑھ سکیں گے' اور کچھ لوگ تجارت کے لیے زمین میں سفر کریں گے تو وہ حالتِ سفر میں تہجد نہیں پڑھ سکیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سخت مشقت کے کاموں میں مصروف ہوں گے' پس اگر وہ دن کی تھکن' رات کی نیند سے نہ اتاریں اور رات کو پھر آدھی رات یا تہائی رات تک تہجد پڑھیں تو پھر ان کے لیے دن میں جہاد کی مشقت اٹھانا بہت مشکل ہو گا اور جہاد بہت اہم فریضہ ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی جو وجوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں وہ وجوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہیں بلکہ ان وجوہ کے علاوہ ایک زائد وجہ آپ کا اُمورِ تبلیغ میں مصروف اور مشغول ہونا ہے' اس لیے جس طرح امت سے تہجد کی فرضیت ساقط ہو گئی' اسی طرح آپ سے بھی تہجد کی فرضیت ساقط ہو گئی۔

اس آیت کے لطائف میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور حلال روزی کے حصول کے لیے سفر کرنے والوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے لے گیا اور محض ثواب کی نیت سے یہ سفر کیا اور اس چیز کو مروج قیمت کے مطابق فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شہداء میں شمار ہو گا۔

سورۃ المزّمل کے آخر میں زکوٰۃ کا حکم اس سورت کے مکی ہونے کے خلاف نہیں ہے

اس کے بعد پھر فرمایا: پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اس میں پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

یعنی فرض نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اس سے مراد فرض زکوٰۃ نہیں ہے' نہ صدقہ فطر مراد ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مدینہ منورہ میں فرض ہوئیں تھیں اور سورۃ المزمل مکی سورت ہے بلکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے' لہٰذا اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقات ہیں اور نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا' کیونکہ جس طرح نماز سے بدن کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے' اسی طرح نفلی صدقات ادا کرنے سے مال کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ اجمالی طور پر مکہ میں فرض ہوئی تھی اور زکوٰۃ کے مصارف اور اس کی مقدار کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا تھا' اس لیے اس آیت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم اس سورت کے مکی ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے:

حسن بصری' عکرمہ' عطاء' جابر وغیرہم کے نزدیک سورۃ المزمل پوری مکی ہے' ''البحر المحیط'' میں مذکور ہے کہ سورۃ المزمل مکی ہے' ماسوا اس کے دوسرے رکوع کے جو ''ان ربك يعلم'' سے شروع ہوتا ہے' لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا ردّ کیا ہے کہ اس استثناء کی حکایت ابن الفارس نے کی ہے اور حاکم کی روایت اس کا ردّ کرتی ہے' حاکم کی روایت یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اسلام کی ابتداء میں پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے تہجد فرض ہو گئی تو اس سورت کے ابتدائی حصہ کے نازل ہونے کے بعد اس سورت کا دوسرا رکوع نازل ہوا' جس سے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۷۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ سورۃ المزمل پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس سورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم اس کے

خلاف نہیں ہے' کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ اجمالی طور پر زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوگئی تھی اور اس کی تفصیل مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

اللہ کو قرض دینے کا معنیٰ

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

اس آیت کے تین محمل ہیں: (۱) اس سے مراد تمام صدقات ہیں (۲) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے اچھا مال نکالا جائے' جس مال میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کی جائے اور وہ مال مستحق کو دیا جائے (۳) اس سے مراد صرف اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ جو بھی نیک کام کیا جائے اس کو حسن نیت سے کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے' خواہ اس کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہو یا اور کوئی نیک عمل ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے' اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور اس کو اس لیے بچا کر رکھو کہ مرتے وقت اس مال میں وصیت کرو گے' اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم اس مال کو پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔

اور تم سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں اور جو کوتاہیاں ہو چکی ہیں' ان پر تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہو' خاص طور پر جب تم رات کو اٹھ کر نماز میں قیام کرو تو اللہ سبحانہ سے استغفار کرو' بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مغفرت کرنے والا ہے اور ان پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: وہ تمام گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے خواہ وہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرنے والا ہو یا گناہ پر اصرار کر کے پھر توبہ کرنے والا ہو' جب بندہ اللہ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

سورۃ المزمل کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین! آج ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۳ جون ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ المزمل کی تفسیر کا اختتام ہو گیا' ۲۳ مئی کو سورۃ المزمل کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح دس دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور مجھے صحت و عافیت کے ساتھ تاحیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے تمام احکام پر عامل رکھیں اور معصیت سے مجتنب رکھیں' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ اور میرے احباب کی' اس کتاب کے ناشر اور معاونین کی اور میرے قارئین کی مغفرت فرمائیں اور تا قیامت اس کتاب کو مقبولِ عام بنا دیں۔

میں نے کولیسٹرول کم کرنے کے لیے چکنائی بالکل ترک کر دی تھی' حتیٰ کہ چائے میں دودھ ڈالنا بھی چھوڑ دیا تھا اور سبز چائے کا قہوہ پیتا تھا' اس کا خوشگوار اثر میری شوگر پر پڑا اور وہ حیرت انگیز طور پر کم ہو گئی' اب میں پہلے کی بہ نسبت کم مقدار میں شوگر کنٹرول کرنے والی دوا لیتا ہوں' ایک Eropride 2mg صبح کو اور تین دفعہ Glucophage یہ پورے دن کی خوراک ہے۔ اکیس سال سے میں ایک وقت میں صرف دو Bran Bread کے پیس لیتا تھا' اب الحمد للہ! ڈیڑھ روٹی کھاتا ہوں' اس کے علاوہ میں موسم کے لحاظ سے اب پھل بھی کھا رہا ہوں' سو اس تحریر کے حوالے سے میں شوگر کے تمام مریضوں کو یہ

مشورہ دیتا ہوں کہ وہ چکنائی کو بالکل ترک کر دیں' اُبلی ہوئی سبزی اور اُبلا ہوا گوشت کھائیں' بڑے گوشت سے پرہیز کریں' ان شاءاللہ ان کی شوگر بہت کم ہو جائے گی۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة المدّثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المدثر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا ہے: ''یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ'' اور اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کے ذکر کے ساتھ شروع کیا ہے جس وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موصوف کیا تھا لفظ ''المدثر'' اصل میں ''المتدثر'' تھا جو شخص سردی دور کرنے کے لیے یا سونے کے لیے اپنے اوپر چادر لپیٹ لے اس کو ''المدثر'' کہا جاتا ہے۔

سورت المدثر کے متعلق احادیث

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ بن عبد الرحمان سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی سورت نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا: ''یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ'' (المدثر:۱) سب سے پہلے نازل ہوئی ہے میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ''اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ'' (العلق:۱) سب سے پہلے نازل ہوئی ہے ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور جس طرح تم نے مجھ سے کہا ہے میں نے بھی ان سے اسی طرح کہا تھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنائی تھی آپ نے فرمایا: میں حراء میں بیٹھا ہوا تھا جب میں نے اپنی نشست مکمل کر لی تو میں پہاڑ سے نیچے اترا مجھے ندا کی گئی میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے اپنے آگے دیکھا تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا پھر میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا پھر میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے کوئی چیز دیکھی پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھ پر کپڑا لپیٹو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو پھر گھر والوں نے مجھ پر چادر لپیٹ دی اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ (المدثر:۳۔۱) اے چادر لپیٹنے والے! ○ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے ○ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۲۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱ سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۵ السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۶۳۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو مکرر بھی بیان کیا ہے۔ (رقم الحدیث:۴۹۲۴)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے یہ آیات نازل ہوئیں:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞'' (العلق: ٣-١)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٠' مسند احمد ج ٦ ص ٢٣٣-٢٣٢)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ابوسلمہ نے حضرت جابر سے جو روایت کی ہے' اس میں اوّلیت سے مراد اوّلیت مخصوصہ ہے یعنی پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب وحی کا آنا رک گیا تھا' اس کے بعد جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' تھی یا اس سے مراد وہ پہلی وحی تھی جس میں آپ کو کھڑے ہونے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا' اور حضرت جابر کی اس حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت مطلقہ نہیں ہے اور جس راوی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' نازل ہوئی' ان کی اوّلیت سے مراد اوّلیت مطلقہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت اضافی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت حقیقی ہے اور یوں ان دونوں حدیثوں میں جو بہ ظاہر تعارض تھا' وہ ساقط ہو گیا۔ (فتح الباری ج ٩ ص ٦٨٤-٦٨٣' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ)

امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی' جب سب نے کھانا کھا لیا تو اس نے پوچھا: تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا: یہ جادوگر ہیں' اور بعض نے کہا: یہ جادوگر نہیں ہیں اور بعض نے کہا: یہ کاہن ہیں اور بعض نے کہا: یہ کاہن نہیں ہیں' بعض نے کہا: یہ شاعر ہیں اور بعض نے کہا: یہ شاعر نہیں ہے اور بعض نے کہا: یہ پراثر جادوگر ہیں' پھر ان سب کا آپ کے متعلق یہ اتفاق ہو گیا کہ آپ پہلے والا جادو کر رہے ہیں' جب یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ چادر لپیٹے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' سے لے کر ''ولربك فاصبر'' تک آیات نازل فرمائیں۔

(المعجم الکبیر ج ١١ ص ١٠٢-١٠١' رقم الحدیث: ١١٢٥٠' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ابراہیم بن یزید الخوزی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٣١' الدر المنثور ج ٨ ص ٣٠١' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٠ھ)

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں باہمی مناسبت

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(١) ان دونوں سورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے لباس کے ایک وصف کے ساتھ ندا کی گئی ہے۔

(٢) ان دونوں سورتوں کے شروع کا تعلق قصہ واحدہ کے ساتھ ہے اور سورۃ المدثر' سورۃ المزمل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض کے نزدیک سورۃ المدثر پہلے نازل ہوئی ہے' جیسا کہ حضرت جابر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(٣) سورۃ المزمل کی ابتداء تہجد پڑھنے کے حکم سے ہوئی ہے' اس میں اپنے نفس کی تکمیل کا حکم ہے اور سورۃ المدثر میں لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے حکم سے ابتداء کی گئی ہے اور اس میں دوسروں کی تکمیل کا حکم ہے۔

علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:

وحی کے رکنے کی مدت میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک یہ مدت اڑھائی ماہ ہے' بعض کے نزدیک چالیس دن ہے اور بعض کے نزدیک پندرہ دن ہے۔ (التحریر والتنویر جز ٢٩ ص ٢٩٣' مطبوعہ تیونس)

میں کہتا ہوں کہ وحی کے نزول کو اس لیے روک لیا گیا تھا کہ شروع میں نزولِ وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے' پھر آپ پر وحی کے نزول کو روک لیا گیا تا کہ آپ کو وحی کا اشتیاق اور انتظار ہو اور آپ نزولِ وحی سے مانوس ہو جائیں۔ ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے سورۃ المدثر کا نمبر ٧٤ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٤ ہے۔

سورۃ المدثر کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا مکلّف فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین پر ایمان لانے کی دعوت دیں' اور ایمان نہ لانے پر ان کو اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرائیں' اور کفار اور فجار کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ (المدثر:۷۔۱)

☆ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرما کر اس دن کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ (المدثر:۱۰۔۸)

☆ پھر ایک شخص جو دل سے مان چکا تھا کہ واقعی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن اپنی ضد' ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے اس کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے اس کا انکار کر کے یہ کہتا تھا کہ یہ جادو ہے' اس کو دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی ہے (وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا)۔ (المدثر:۲۶۔۱۱)

☆ اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ ڈرانے کے لیے دوزخ کے اوصاف گنوائے اور اس کے محافظوں کی تعداد بتائی۔ (المدثر:۳۱۔۲۷)

☆ چاند کی اور رات اور صبح کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دوزخ کا عذاب سب سے بڑی مصیبت ہے۔ (المدثر:۳۷۔۳۲)

☆ یہ بتایا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے کیے ہوئے کاموں کا ذمہ دار ہوگا' مؤمنین کو نجات کی بشارت دی ہے اور کفار کو عذاب سے ڈرایا ہے۔ (المدثر:۴۸۔۳۸)

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المدثر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' الٰہ العٰلمین اور اے میرے الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا اور اس کو بیان کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا' اور مجھے باطل سے مجتنب رکھنا اور اس کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا۔ (آمین یا رب العٰلمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۵ جون ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

سورة المدثر مكية — بسم الله الرحمن الرحيم — آياتها ٥٦ ركوعاتها ٢

سورۃ المدثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھپن آیات اور دو رکوع ہیں

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (١) قُمْ فَاَنْذِرْ (٢) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (٣) وَ

اے چادر لپیٹنے والے! O اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے O اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے O اور

ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (٤) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (٥) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (٦)

اپنا لباس پاک رکھیے O اور بتوں کو چھوڑے رہیے O اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیے O

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (٧) فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ (٨) فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ

اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے O پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O تو وہ بہت

يَّوْمٌ عَسِيْرٌ (٩) عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (١٠) ذَرْنِيْ وَمَنْ

مشکل والا دن ہو گا O کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہو گا O آپ اس کو مجھ پر

خَلَقْتُ وَحِيْدًا (١١) وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (١٢) وَّبَنِيْنَ

چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا O اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیا O اور بیٹے

شُهُوْدًا (١٣) وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (١٤) ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ (١٥)

جو اس کے سامنے ہیں O اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیا O وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں O

كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (١٦) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (١٧)

ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے O عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گا O

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (١٨) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (١٩) ثُمَّ قُتِلَ

بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیا O اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا O اس پر پھر اللہ کی مار ہو

كَيْفَ قَدَّرَ (٢٠) ثُمَّ نَظَرَ (٢١) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (٢٢) ثُمَّ اَدْبَرَ

اس نے کیسا فیصلہ کیا O پھر اس نے غور کیا O پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا O پھر اس نے اعراض کیا

وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳ فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝۲۴ إِنْ هٰذَآ

اور تکبر کیا O پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہے O یہ صرف

إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝۲۵ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۝۲۶ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا

بشر کا کلام ہے O میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا O اور آپ کو کیا معلوم کہ

سَقَرُ ۝۲۷ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝۲۸ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝۲۹ عَلَيْهَا تِسْعَةَ

دوزخ کیا ہے! O نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے O وہ کھال کو جھلسانے والی ہے O اس پر انیس

عَشَرَ ۝۳۰ وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا

فرشتے مقرر ہیں O اور ہم نے دوزخ کے محافظ صرف فرشتے بنائے ہیں، اور ہم نے ان کی

عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا

یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے، تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں

الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِيمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ

اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں

وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُونَ مَا

اور نہ ایمان والے۔ اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ

ذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ

اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کرنے سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟ اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کرتا ہے اور

يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ

جس میں چاہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے، اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ

إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝۳۱ ع ۱ ۳۱ ۱۵

صرف بشر کے لیے نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے! O اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے O اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے O اور اپنا لباس پاک رکھیے O (المدثر: ۴۔۱)

''المدثر'' کے ساتھ خطاب اور لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کے محامل

اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ''المدثر'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے' رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''المدثر'' کے لقب سے کیوں ندا کی گئی ہے تو اس کی مفسرین نے حسبِ ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) یہ سورت قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حرا پہاڑ پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی: ''یا محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں'' میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا' پھر میں نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا' پھر میں نے اپنے اوپر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا' میں خوف زدہ ہو کر خدیجہ کے پاس گیا' پس میں نے کہا: مجھے چادر اڑھاؤ' مجھے چادر اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸)

(۲) چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی' ان کے نام یہ ہیں: ابوجہل' ابولہب' ابوسفیان' الولید بن المغیرہ' النضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور العاص بن وائل' وہ سب اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا: اب حج کا موسم آ رہا ہے اور عرب کے مختلف علاقوں سے وفود آئیں گے اور ہم سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق سوال کریں گے' تو ہم میں سے ہر شخص الگ الگ جواب دے گا' کوئی کہے گا: وہ کاہن ہیں' کوئی کہے گا: وہ مجنون ہیں' کوئی کہے گا: وہ شاعر ہیں' پس ہمارے مختلف جواب سن کر عرب کہیں گے: ان کے مختلف جواب اس پر دلیل ہیں کہ ان کے جواب باطل ہیں' پس آؤ ہم کسی ایک جواب پر متفق ہو جائیں' کسی نے کہا: سب یہ کہیں کہ وہ شاعر ہیں' ولید نے اس پر اعتراض کیا کہ میں نے بڑے بڑے شعراء کا کلام سنا ہے' (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان میں سے کسی شاعر کے مشابہ نہیں ہے' پھر لوگوں نے کہا: یہ کہو کہ وہ کاہن ہیں' اس پر ولید نے اعتراض کیا کہ کاہن کی خبر سچی بھی ہوتی ہے اور جھوٹی بھی ہوتی ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج تک کوئی جھوٹی خبر نہیں دی' پھر انہوں نے کہا: یوں کہو کہ وہ مجنون ہیں' اس پر ولید نے یہ اعتراض کیا کہ مجنون خلافِ عقل اور بے ربط باتیں کرتا ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج تک ایسا کلام نہیں کیا' پھر الولید واپس اپنے گھر چلا گیا' لوگوں نے کہا: الولید بن المغیرہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے' پھر ابوجہل ولید کے پاس گیا اور کہا: اے ابوعبد شمس! کیا ہوا؟ یہ قریش تمہارے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنا مذہب بدل لیا ہے؟ الولید نے کہا: مجھے اپنا مذہب بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' لیکن میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق غور و فکر کر رہا ہوں' میں نے سوچا ہے کہ وہ ساحر (جادوگر) ہیں' کیونکہ جادوگر وہ ہوتا ہے جو باپ اور بیٹے میں اور بھائی اور بھائی میں اور بیوی اور شوہر میں تفرقہ ڈال دیتا ہے' اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا ہی کرتے ہیں' پھر وہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ آپ کو جادوگر کا لقب دیا جائے' پھر وہ سب باہر نکلے اور مکہ کے مجمع میں چلا کر کہا کہ بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں' پھر لوگوں میں یہ شور مچ گیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا' آپ غم زدہ ہو کر گھر آئے اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے' تب

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (المدثر: ۲۔۱) اے چادر لپیٹنے والے! ۝ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے ۝

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۹۷۔۶۹۶ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۳) جو شخص چادر میں لپٹا ہوا ہو وہ گویا کہ لوگوں سے چھپا ہوا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تھے' گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اے وہ شخص جو چادر لپیٹے ہوئے گوشہ گمنامی میں ہیں' آپ اٹھیے' گم نامی سے نکلیے' مخلوق کو ڈرانے میں مشغول ہو جائیں اور لوگوں کو پیغام حق سنانا شروع کر دیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعلمین بنایا ہے' پس گویا کہ یوں کہا گیا: اے وہ شخص جو علم عظیم کے لباس میں ملبوس ہیں اور خلق عظیم سے متخلق ہیں اور رحمتِ کاملہ کے حامل ہیں' اٹھیں اور لوگوں کو اپنے رب کے عذاب سے ڈرائیں۔

(۵) اے چادر لپیٹنے والے! اپنے بستر سے اٹھیں اور تبلیغِ اسلام اور پیغامِ حق سنانے میں مشغول ہو جائیں۔

(۶) آپ عزم صمیم کے ساتھ اٹھیں اور اپنی قوم کو اللہ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرائیں۔

المدثر: ۳ میں فرمایا: اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے ۝

اس کی تفسیر کے بھی کئی محمل ہیں:

اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے محامل

(۱) کلبی نے کہا: بت پرست اللہ کی شان میں جو نازیبا باتیں کہتے ہیں' مثلاً اللہ سبحانہ کو صاحبِ اولاد کہتے ہیں اور اس کے کئی شریک قرار دیتے ہیں' اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہیں' ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کیجیے اور اس کی تعظیم کیجیے۔

(۲) مقاتل نے کہا: آپ اللہ اکبر کہیے' روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر کہا: ''اللہ اکبر کبیرا'' پھر حضرت خدیجہ نے کہا: اللہ اکبر اور خوش ہوئیں اور انہوں نے جان لیا کہ آپ پر یہ وحی کی گئی ہے۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نماز میں اللہ اکبر کہیے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ المدثر تو اوائل سورتوں میں سے ہے اور اس وقت تک نماز فرض نہیں ہوئی تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ آپ نفلی نماز پڑھتے ہوں اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ آپ اس نماز میں اللہ اکبر پڑھیے۔

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''قُمْ فَاَنْذِرْ ۝'' (المدثر: ۲) میں صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور اجر و ثواب سنانے کی بشارت کا حکم نہیں دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر جو شخص شرک اور کفر اور بداعمالیوں کو ترک کر دے گا' وہ آخرت کے عذاب سے نجات پا جائے گا' اس لیے عذاب سے ڈرانے کا حکم ثواب کی بشارت کے حکم کو متضمن ہے' اور زیادہ اہم چیز گناہوں کو ترک کرنا ہے' اس لیے ابتدائی دعوت کے مقام میں صرف اسی پر اقتصار کیا گیا۔

''وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝'' (المدثر: ۳) کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیجیے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا معنیٰ ہے کہ اللہ عزوجل

کے احکام کی اطاعت کیجئے اور جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے ان پر لزوماً عمل کیجئے نہ یہ کہ فقط زبان سے کہیں ''یا عظیم''۔
اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ کفار مشرکین اور ملحدین جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور اس کے شرکاء ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کیجئے' اس کے حق کی عظمت بیان کیجئے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے' یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت کرنا ہے اور اس کے امر پر عمل کرنا ہے' نہ یہ کہ صرف دل میں اس کی بڑائی کا اعتقاد رکھا جائے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۳۱۰' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

المدثر: ۴ میں فرمایا: اور اپنا لباس پاک رکھیے O

لباس پاک رکھنے کے محامل

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اپنے کپڑوں کو معصیت سے اور عہد شکنی سے آلودہ نہ کرو (یعنی اپنے لباس کو معصیت اور عہد شکنی کے ساتھ متصف نہ کرنے کے وصف پر برقرار اور دائم رہو)۔
ابن زید نے کہا: اپنے لباس کو ظاہری نجاست کی آلودگی سے پاک رکھیں۔

(جامع البیان جز ۲۹ ص ۱۸۳۔۱۸۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:
چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر مامور تھے' اس لیے آپ کو اپنا لباس صاف اور پاک رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ لوگ آپ کی طرف تعظیم اور وقار کے ساتھ دیکھیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: آپ فخر اور عہد شکنی کا لباس نہ پہنیں' حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے اخلاق اچھے رکھیں' بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں' مبادا وہ کپڑے کسی نجاست پر گر جائیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۳۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
امام شافعی نے کہا: اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ نماز صرف پاک کپڑوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔
پھر امام رازی فرماتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں' اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے قلب کو مشرکین کے اخلاق سے پاک رکھیں' کیونکہ وہ دوسروں پر افتراء باندھتے ہیں' عمداً جھوٹ بولتے ہیں اور قطع رحم کرتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنے نفس اور اپنے قلب کو ان سے انتقام لینے کے عزم اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کے عزم سے پاک رکھیں' تیسرا قول یہ ہے کہ آپ نے جس چادر کو لپیٹا ہوا ہے' اس چادر کو مشرکین کے افتراء کی وجہ سے بے صبری اور بے قراری سے پاک رکھیں۔
اس آیت کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ ''المدثر'' کا معنیٰ ہے: نبوت کی چادر لپیٹنے والے' گویا کہ یوں فرمایا گیا ہے:
اے نبوت کی چادر لپیٹنے والے! آپ اپنے آپ کو بے صبری' بے قراری' غضب اور کینہ سے پاک رکھیں کیونکہ یہ اوصاف منصبِ نبوت کے لائق نہیں ہیں۔
اس کنایہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا لباس اس کو لازم ہوتا ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بزرگی انسان کے لباس سے اور اس کی عفت اس کے تہ بند سے ظاہر ہوتی ہے اور درج ذیل آیت میں بھی مرد اور عورت کی ذوات کو لباس سے تعبیر فرمایا ہے:
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ (البقرہ: ۱۸۷) تمہاری بیویاں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے

لباس ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۹۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بتوں کو چھوڑے رہیے O اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیے O اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے O پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا O کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہوگا O (المدثر: ۱۰۔۵)

عصمت انبیاء پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں ''الرجز'' کا لفظ ہے' اور اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

العتبی نے کہا: ''الرجز'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ. (الاعراف: ۱۳۴)

جب فرعونیوں پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے: اللہ نے جو آپ سے عہد کیا ہوا ہے' اس کی بناء پر آپ اپنے رب سے دعا کیجئے' اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

پھر شیطان کے مکروفریب کا نام بھی ''الرجز'' رکھا گیا کیونکہ وہ عذاب کا سبب ہے' اور بتوں کا نام بھی ''رجز'' رکھا گیا کیونکہ ان کی پرستش بھی عذاب کا سبب ہے' اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ حسبِ سابق تمام انواع واقسام کے معاصی سے احتراز کرتے رہیں اور اپنی اسی خصلت پر ڈٹے رہیں۔

جو لوگ عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت سے اپنے مؤقف پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ پہلے معاصی کا ارتکاب کرتے تھے' تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو ارتکابِ معصیت سے منع فرمایا ہے کہ آپ گناہ نہ کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو گناہ نہ کرنے کے دوام کا حکم دیا ہے' جیسا کہ ہم نماز میں کہتے ہیں: ''اهدنا الصراط المستقيم'' ''ہم کو سیدھے راستے کی ہدایت دے'' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم پہلے ہدایت یافتہ نہیں ہیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہدایت پر ہمیشہ برقرار رکھ' اگر ہم پہلے ہی ہدایت یافتہ نہ ہوتے تو نماز کیسے پڑھتے؟

احسان رکھنے کی ممانعت کو امام رازی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دینا

المدثر: ۶ میں فرمایا: اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے O

اس کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

اس آیت کی حسبِ ذیل وجوہ سے تفسیر کی گئی ہے:

(۱) اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا حکم دیا تھا: قوم کو ڈرائیں' اپنے رب کی بڑائی بیان کریں' اپنے کپڑے پاک رکھیں' معاصی کو ہمیشہ چھوڑ رہیے۔ اس کے بعد فرمایا: ان سخت احکام پر عمل کرنے میں اپنے رب پر احسان نہ جتائیں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان کرتا ہے۔ حسن بصری نے کہا: آپ اپنی نیکیوں سے اپنے رب پر احسان نہ کریں تاکہ اس سے زیادہ اجر لیں۔

(۲) آپ لوگوں کو جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور احکامِ دین کی تعلیم دیتے ہیں' اس سے ان پر احسان نہ کریں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان جتاتا ہے۔

(۳) آپ اپنی نبوت کا لوگوں پر احسان نہ جتائیں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان جتاتا ہے۔
(۴) آپ لوگوں کو اس لیے عطا نہ کریں کہ ان سے بدلہ میں زیادہ لیں' اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس عمل سے منع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں درج ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو عطا کرنا صرف اللہ کے لیے ہو' لوگوں کے لیے نہ ہو۔
(۲) جو شخص کسی کو دنیا کی قلیل چیز دے گا اور اس سے زیادہ لینے کی توقع رکھے گا' وہ ضرور اس غیر کے ساتھ تواضع اور انکسار کے ساتھ پیش آئے گا اور یہ چیز منصب نبوت کے لائق نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا یہ ممانعت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یا امت بھی اس ممانعت میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر عموم نہیں ہے اور نہ قرینہ حال اس کے عموم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ چیز منصب نبوت کے خلاف ہے' اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امت کو جو سود لینے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی میں داخل ہے۔

اس آیت کی پانچویں تفسیر یہ کی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو کچھ دے کر اس وجہ سے ان پر احسان نہ رکھیں کہ آپ اپنے عطیہ کو بہت زیادہ گمان کرتے ہیں' بلکہ آپ کی شان کے لائق یہ ہے کہ آپ اپنی دی ہوئی چیز کو کم اور حقیر گمان کریں کیونکہ اگر آپ کسی کو پوری دنیا بھی دے دیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قلیل ہے۔

اور اس کی چھٹی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی چیز دیں تو اس کے اوپر اس وجہ سے احسان نہ رکھیں کہ آپ اس کو بہت چیز دے رہے ہیں کیونکہ کسی چیز کو دے کر اس پر احسان جتانا اس کے اجر و ثواب کو ضائع کر دینا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ. (البقرہ: ۲۶۴)
اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور طعنہ کی اذیت دے کر باطل نہ کرو جیسے کوئی شخص دکھانے کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۰۱۔۷۰۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں اللہ پر احسان رکھنے کی ایک وجہ ذکر کی ہے اور پانچ وجوہ بندوں پر احسان رکھنے کی ذکر کی ہیں اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور امت کے لیے یہ ممانعت نہیں ہے' ہمارے نزدیک امام رازی کی یہ تفسیر مناسب نہیں ہے کیونکہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جس کا ثبوت ممکن اور متصور ہو' مثلاً دیوار سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم جھوٹ نہ بولو' کیونکہ دیوار کا جھوٹ بولنا ممکن اور متصور ہی نہیں ہے' اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن اور متصور ہی نہیں ہے کہ آپ سخت اور مشکل احکام پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان رکھیں' یا آپ اپنی نبوت' اپنی پیغام رسانی' یا اپنی تبلیغ دین کا امت پر احسان رکھیں یا آپ امت کو کچھ عطا فرمائیں تو بدلہ میں زیادہ لینے کے لیے یا اس کو زیادہ گمان کر کے یا ریاکاری کے لیے امت پر احسان رکھیں' یہ چیز تو عام مسلمان سے بھی متوقع نہیں ہے چہ جائیکہ آپ جو کائنات میں سب سے زیادہ متقی اور عبادت گزار ہیں اور سب سے زیادہ مخلص ہیں' آپ سے اس چیز کا خطرہ ہو حتیٰ کہ آپ کو اس چیز سے منع کرنے کی ضرورت پیش آئے' ہمارے نزدیک یہ آیت مجاز عقلی پر محمول ہے' اس آیت میں صراحت

سے احسان رکھنے کی ممانعت کی نسبت آپ کی طرف ہے اور در حقیقت یہ نسبت آپ کی امت کی طرف ہے' اصطلاح میں اس کو تعریض کہتے ہیں یعنی کہنا کسی کو اور سنانا دوسرے کو جیسے ماں اپنی بیٹی سے کہے: تم سالن میں تیل کم ڈالا کرو حالانکہ اس کی بیٹی تو سالن پکاتی ہی نہیں' سالن اس کی بہو پکاتی ہے تو وہ کہہ اپنی بیٹی کو رہی ہے اور سنا اپنی بہو کو رہی ہے' قرآن مجید میں اس کی مثال یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ . (الزمر: ۶۵) اگر آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع جائیں گے۔

آپ سے تو شرک متصور ہی نہیں ہے' درحقیقت اس آیت میں آپ کی امت سے خطاب ہے۔

اسی طرح آپ سے تو یہ متصور ہی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر یا بندوں پر احسان رکھیں' اس لیے کہا آپ سے گیا ہے اور سنایا بندوں کو ہے' امام رازی نے اس آیت کی تفسیر کی دو اور وجہیں بھی ذکر کی ہیں' لیکن ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور بہت زیادہ بعید ہے' اس لیے ہم نے ان کو ترک کر دیا۔ امام رازی بہت زیادہ ژرف بین مفسر ہیں' بہت نکتہ آفریں ہیں اور ہم ان سے بہت زیادہ استفادہ کرتے ہیں' لیکن اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے زیادہ غور نہیں کیا۔

عبادت سے اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھنے اور امت سے زیادہ لینے کے لیے ان پر احسان نہ رکھنے کے حضور کی سیرت سے دلائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ اللہ سبحانہ پر احسان رکھنے کے لیے سخت اور مشکل احکام پر عمل کرتے ہیں' جب کہ آپ کا حال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے دونوں پیر سوج جاتے تھے' حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں) کی مغفرت فرما دی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہو جاؤں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۶)

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مالِ فَے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے (مال فے وہ مال ہے جس کو کفار مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں چھوڑ کر چلے جائیں)' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر: ۶) اور کفار کا جو مال فے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا' جس کے لیے تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ' بلکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنے رسولوں کو غالب فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ام حبیبہ بنت العرباض اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دیئے ہوئے مال فَے سے صرف اُون لیتے' اور فرماتے: میں اس مال میں سے صرف اتنا ہی لوں گا جتنا تم میں سے کوئی ایک لے گا ماسوا خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) کے اور وہ بھی تم میں لوٹا دیا جائے گا۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸ طبع قدیم' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۷۳۴' المعجم الکبیر ج ۱۸۔ رقم الحدیث: ۶۴۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۴۳' حافظ الہیثمی نے کہا: ام حبیبہ کی کسی نے جرح کی ہے نہ توثیق کی ہے اور اس حدیث کی سند کے باقی رجال ثقہ ہیں۔ مسند احمد ج ۲۸ ص ۳۸۵۔ رقم الحدیث: ۱۷۱۵۴)

غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ جو مالِ فَے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا' آپ اس میں سے بھی امت کو لوٹا دیتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ امت سے زیادہ مال لینے کے لیے اس پر احسان فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مال چھوڑا' وہ اس 24
کے وارثوں کا ہے اور جس نے کوئی قرض یا اولاد چھوڑی وہ ہمارے ذمہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٣٩٨' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٠٧٠' سنن نسائی رقم الحدیث:١٩٦٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مؤمن کا دنیا اور آخرت میں' میں سب سے زیادہ ولی (حق دار) ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ نبی مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے حق دار ہیں۔

(الاحزاب:٦)

پس جو مؤمن مر جائے اور مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے' جو بھی اس کے رشتہ دار ہوں اور جس نے کوئی قرض چھوڑا یا عیال کو چھوڑا تو وہ میرے پاس آئیں' پس میں اس کا ولی (ذمہ دار) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٣٩٩' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٠٧٠' سنن نسائی رقم الحدیث:١٩٦٣)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو مال بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:٣٧١١۔٣٠٩٢' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٧٥٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٩٢٥' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٧١٩' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:١١٥٧٦)

ان احادیث کو پڑھ کر کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت سے زیادہ لینے کے لیے اس پر احسان فرماتے تھے۔

بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ لینے سے منع کرنا تب درست ہوتا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ دنیا لینے کی طلب ہوتی' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ دنیا لینے کی مطلقاً طلب نہیں تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے' میں دنیا میں ایک سوار مسافر کی طرح ہوں' جس نے ایک درخت کے سائے میں آرام کیا' پھر اس کو ترک کر دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢٣٧٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤١٠٩' مسند احمد ج ١ ص ٣٩١)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی کو سونے کا بنا دے' میں نے کہا: نہیں! اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا' اور تین دفعہ عرض کیا: جب میں بھوکا ہوں گا تو تیرے سامنے گڑگڑاؤں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢٣٤٧' مسند احمد ج ٥ ص ٢٥٢)

آپ دنیا سے اس قدر مستغنی تھے کہ پوری کائنات میں آپ ایسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا' پھر آپ کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ آپ لوگوں پر اس لیے احسان کرتے تھے کہ لوگ آپ کو زیادہ دیں' سو المدثر:٦ میں آپ کو اس سے منع کیا گیا'

اس لیے لامحالہ اس آیت کی وہی تاویل اور توجیہ کرنی ہو گی جو ہم نے بیان کی ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب کیا گیا ہے اور حقیقت میں مراد آپ کی امت ہے۔

دیگر متقدمین اور متاخرین کی المدثر: ٦ کی تفسیر

امام رازی اس تفسیر میں منفرد نہیں ہیں' ان سے پہلے اور ان کے بعد کے تمام قابل ذکر مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر 24 کی ہے' دیکھئے امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابو اسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' امام واحدی متوفی ۴۶۸ھ' علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' قاضی ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۲۲۳ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' ان کی تفسیروں کے حوالے درج ذیل ہیں:

جامع البیان جز ۲۹ص ۱۸۵' الکشف والخفاء ج ۱۰ص ۷۰' النکت والعیون ج ۶ص ۱۳۸' الوسیط ج ۴ص ۳۸۱' الکشاف ج ۴ ص ۶۴۸' زاد المسیر ج ۸ص ۴۰۲۔ ۴۰۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۶۴' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۹ص ۲۲۳' روح البیان ج ۱۰ص ۲۶۷' تفسیر المظہری ج ۱۰ص ۹۱' روح المعانی جز ۲۹ص ۲۰۵۔

المدثر: ٦ کی بعض اُردو تفاسیر

اردو تفاسیر میں سید مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے المدثر: ٦ کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی جیسے کہ دنیا میں ہدیے اور نیوتے دینے کا دستور ہے کہ دینے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کو میں نے دیا ہے وہ اس سے زیادہ مجھے دے دے گا' اس قسم کے ہدیے اور نیوتے شرعاً جائز ہیں' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرمایا گیا کیونکہ شانِ نبوت بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس منصب عالی کے لائق یہی ہے کہ جس کو جو دیں وہ محض کرم ہو' اس سے لینے یا نفع حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔ (خزائن العرفان ص ۹۲۰' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دے گا' یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگر چہ اس کا جواز عام لوگوں کے لیے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے' خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اس کو حرام قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن ج ۸ص ۶۱۴' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جس پر بھی احسان کرو' بے غرضانہ کرو' تمہاری عطا اور بخشش اور سخاوت اور حسنِ سلوک محض اللہ کے لیے ہو' اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلہ میں تمہیں کسی قسم کے دنیوی فوائد حاصل ہوں' بالفاظ دیگر اللہ کے لیے احسان کرو' فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوئی احسان نہ کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا جو کام تم کر رہے ہو' یہ اگر چہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ تمہاری بدولت خلقِ خدا کو ہدایت نصیب ہو رہی ہے' مگر اس کا کوئی احسان لوگوں پر نہ جتاؤ اور اس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کے لیے حاصل نہ کرو۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تم اگر چہ ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہو' مگر اپنی نگاہ میں اپنے عمل کو کبھی بڑا نہ سمجھو اور کبھی یہ خیال تمہارے دل میں نہ آئے کہ نبوت کا یہ فریضہ انجام دے کر اور اس کام میں جان لڑا کر تم اپنے رب پر کوئی احسان کر

رہے ہو۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۴۵ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ستمبر ۱۹۹۰ء)

سابقہ تفاسیر کا جائزہ

سید مودودی کی یہ تفسیر امام رازی کی بیان کی ہوئی تفسیر کا خلاصہ ہے انداز بیان کا فرق ہے امام رازی نے نہایت ادب سے اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہیں کرنا چاہیے اور سید مودودی نے حسب عادت اور حسب مزاج اللہ تعالیٰ کی ترجمانی اور نمائندگی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے لکھا ہے: تمہیں یوں نہیں کرنا چاہیے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ تمام تفسیریں غلط ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تفسیریں صرف ظاہر آیت کی تعبیر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا تھا کہ اُس شخص کو کسی کام سے منع کیا جاتا ہے جس سے وہ کام متصور ہو اور اس سے اس کام کی توقع ہو یا خطرہ ہو مثلاً اندھے آدمی سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم پرائی عورتوں کو نہ دیکھو اور گونگے سے نہیں کہا جاتا کہ تم جھوٹ نہ بولو کیونکہ ان لوگوں سے ان کاموں کا خطرہ ہی نہیں ہے سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرتِ سلیمہ آپ کی پاکیزہ سرشت آپ کے حسین مزاج اور آپ کے مکارمِ اخلاق کے پیش نظر آپ سے یہ خطرہ ہی نہیں ہے کہ آپ اللہ پر احسان رکھنے کے لیے عبادت کریں گے یا بندوں سے زیادہ لینے کے لیے انہیں کچھ دے کر ان پر احسان کریں گے حتیٰ کہ اس آیت میں آپ کو اس مذموم فعل سے منع کیا جائے اس لیے میرے نزدیک اس آیت میں اگرچہ بہ ظاہر اس فعل سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف ہے مگر حقیقت میں آپ کی اُمت کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے اور اس ممانعت سے مراد بھی امت ہی ہے۔

بسیار تلاش کے بعد مجھے صرف ایک مفسر گرامی ایسے ملے جنہوں نے میری طرح اس آیت کی تفسیر کی ہے:

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور حسن بصری نے کہا: آپ زیادہ عمل نہ کریں تاکہ اپنے رب پر احسان رکھیں امام ابو منصور فرماتے ہیں: اگر اس آیت کی یہی تاویل ہے تو پھر اس خطاب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر ہے اگرچہ خطاب آپ سے ہی ہے کیونکہ یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ وہم ہو سکتا ہے کہ آپ اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے کیونکہ اس قسم کا عمل تو عام لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں کر سکتا جس میں ذرا سی بھی نیکی ہو تو اس قسم کے کام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے وہم کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر احسان رکھنا تو منافقین کا فعل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ (الحجرات: ۱۷)

وہ (منافقین) اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں آپ کہیے: تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون ۱۴۲۵ھ)

مصنف کے مؤقف کی مزید وضاحت

تاہم امام ماتریدی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ آپ سے یہ فرمایا جائے کہ آپ زیادہ لینے کے لیے احسان نہ رکھیں اور اس کی تائید میں طٰہٰ: ۱۳۱ اور آل عمران: ۱۹۶ کو پیش کیا ہے اور بہ اعتبار ظاہر آیات کے ہم بھی اس کو جائز کہتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مقام آپ کی پاکیزہ سیرت اور آپ کی نیک سرشت کے اعتبار سے ہم کہتے ہیں کہ ان آیات کا ظاہر آپ کے شایانِ شان نہیں ہے اور ایسی تمام آیات مجاز عقلی پر محمول ہیں جیسے یہ آیات مجازاً امت کی طرف اسناد پر محمول ہیں:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ:۱۴۵)

اور اگر آپ کے پاس علم آنے کے بعد بھی آپ نے اہل کتاب کی خواہشوں کی پیروی کی تو بے شک آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ۝

یعنی اگر آپ کی امت نے ایسا کیا تو وہ ظالموں میں سے ہو جائے گی' اسی طرح فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یونس:۱۰۶)

اور آپ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت نہ کریں جو نہ آپ کو نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے' پس اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہوں گے ۝

یعنی اگر آپ کی امت نے ایسا کیا تو وہ ظالموں میں سے ہوگی۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ (آل عمران:۱۹۶)

کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ۝

یعنی آپ کی امت کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (طٰہٰ:۱۳۱)

اور ان چیزوں کی طرف آپ ہرگز اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو زینت دنیا کے طور پر دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان کو اس زینت دنیا میں آزمائیں اور آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے ۝

یعنی آپ کی امت ان چیزوں کی طرف آنکھیں نہ پھیلائے۔

ہمارے نزدیک ایسی تمام آیات میں بہ ظاہر آپ کی طرف نسبت ہے اور حقیقۃً ان آیات میں تعریضاً امت کی طرف نسبت ہے اور یہ تمام آیات مجازِ عقلی پر محمول ہیں اور یہی آپ کے مقام کے مناسب ہے۔

المدثر: ۷ میں فرمایا: اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے ۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے کی وجوہ

اس آیت میں حسب ذیل وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

(۱) جب آپ کو مال دیا جائے تو آپ حسبِ مزاج اس مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیں اور اس سے مال میں جو کمی ہوگی اس پر آپ حسبِ عادت اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کیجئے۔

(۲) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں' آپ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں' اپنے کپڑے پاک رکھیں' اور ہمیشہ معصیت سے مجتنب رہیں' اور بے شک ان احکام پر عمل کرنا بہت سخت اور مشکل ہے' سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے ان مشکل احکام پر صبر کیجئے۔

(۳) قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کرنے کی وجہ سے یہ قوم آپ کا مذاق اڑائے گی اور آپ کی مذمت کرے گی' آپ قوم کی ان دل خراش باتوں پر صبر کریں۔

(۴) ان آیات میں مشرکین کو تعریض ہے' احکام آپ کو دیئے ہیں اور سنایا مشرکین کو جا رہا ہے' آپ سے فرمایا ہے: اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے یعنی مشرکین اپنے رب کی بڑائی نہیں بیان کرتے بلکہ بتوں کی بڑائی بیان کرتے ہیں' آپ سے فرمایا

ہے: اپنے کپڑے پاک رکھیں یعنی مشرکین اپنے کپڑے پاک نہیں رکھتے بلکہ نجس اور گندے رکھتے ہیں' آپ سے فرمایا ہے: بتوں کو چھوڑے رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنے پر برقرار رہیں' یعنی مشرکین بتوں کو نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی پرستش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں' آپ سے فرمایا: زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیں یعنی مشرکین کسی کو کچھ دے کر اس پر احسان کرتے ہیں تو اس سے زیادہ لینے کی توقع کرتے ہیں' آپ سے فرمایا: اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے یعنی مشرکین مصائب پر صبر نہیں کرتے' کوئی مرجائے تو نوحہ کرتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں' اگر ان کی مرضی کے خلاف لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔

المدثر: ۸ میں فرمایا: پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O

''نقر'' اور ''ناقور'' کا معنیٰ اور صور کے متعلق احادیث

اس آیت میں ''نقر'' کا لفظ ہے' ''نقر العود'' اور ''الدف'' کا معنیٰ ہے: بانسری یا ڈھول بجانا' پرندے کا چونچ سے انڈے میں سوراخ کرنا' ''نقر فی الناقور'' کا معنیٰ ہے: بگل بجانا' اس آیت میں یہی آخری معنیٰ مراد ہے اور ''الناقور'' کا معنیٰ ہے: بگل۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے پہلی بار صور میں پھونکنا مراد ہے یا دوسری بار' جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو تمام عام لوگ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام ہوش میں آجائیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے نعمتوں سے محظوظ ہوں جب کہ فرشتہ نے صور منہ میں رکھا ہوا ہے اور سر جھکائے ہوئے ہے اور اس نے اپنا کان اللہ کا حکم سننے کی طرف لگایا ہوا ہے کہ اس کو کب صور میں پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے' یہ حدیث صحابہ پر بہت شاق گزری تو آپ نے فرمایا: تم کہو: ''حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل'' ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک سینگھ (بگل) ہے' جس میں پھونک ماری جائے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲)

المدثر: ۱۰۔۹ میں فرمایا: تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا O کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہوگا O

کافروں پر وہ دن اس لیے مشکل ہوگا کہ ان سے سخت حساب لیا جائے گا' ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' مارے خوف کے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' ان کے اعضاء ان کی بداعمالیوں کو بیان کریں گے اور وہ برسر محشر رسوا ہوں گے' اور مسلمانوں سے آسان حساب لیا جائے گا' ان سے حساب میں مناقشہ نہیں کیا جائے گا' ان کے چہرے اور ان کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے' میزان میں ان کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کو مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا O اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیا O اور بیٹے جو اس کے سامنے ہیں O اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیا O وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں O ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے O عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گا O بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیا O اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا O اس پر پھر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا O پھر اس نے غور کیا O پھر

تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑاO پھر اس نے اعراض کیا اور تکبر کیاO پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہےO یہ صرف بشر کا کلام ہےO میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کردوں گاO اور آپ کو کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہےO (المدثر: ۲۷۔۱۱)

الولید بن المغیرہ کی مذمت میں قرآن مجید کی آیات

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیات الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۴۱۵)

المدثر: ۱۱ میں فرمایا: آپ اس کو مجھ پر چھوڑ دیں' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اس سے انتقام لینے کے در پے نہ ہوں' اس سے انتقام لینے کے لیے میں اکیلا کافی ہوں' اور یہ جو فرمایا ہے: میں نے اس کو اکیلا پیدا کیا ہے' اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں میرا کوئی شریک نہیں ہے' اور اس کا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب میں نے اس کو پیدا کیا تو وہ اکیلا تھا' نہ اس کے پاس مال تھا نہ اس کی کوئی اولاد تھی' اس آیت میں ولید کے لیے وحید کا لفظ فرمایا ہے' امام رازی نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اکیلا ہے یعنی اس کا کوئی جائز باپ نہیں ہے اور یہ اس کے نسب میں طعن کی طرف اشارہ ہے' جیسے فرمایا تھا: ''عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ'' (القلم: ۱۳) پھر ان سب عیوب کے باوجود وہ نطفہ نا تحقیق ہے۔

المدثر: ۱۲ میں فرمایا: اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیاO

اس آیت میں ''مال ممدود'' کا لفظ ہے' یعنی وہ مال جس میں مسلسل مدد کی جاتی رہی یا اس کا معنیٰ ہے: وہ مال جو مختلف علاقوں سے کھینچ کر اس کے لیے لایا جاتا رہاO

المدثر: ۱۳ میں فرمایا: اور بیٹے جو اس کے سامنے ہیںO

یعنی اس کے بیٹے اس کے سامنے مکہ میں رہتے تھے' اور چونکہ وہ بہت مال دار تھے' اس لیے ان کو مال کمانے کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا' اس کا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام محافل اور مجالس میں اس کے تمام بیٹے اس کے ساتھ رہتے تھے' مجاہد نے کہا: وہ دس بیٹے تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ سات بیٹے تھے' ان کے نام یہ ہیں: الولید' خالد' عمارۃ' ہشام' العاص' قیس اور عبد شمس' ان میں سے خالد' عمارۃ اور ہشام نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ (الماوردی ج ۶ ص ۱۴۰)

المدثر: ۱۴ میں فرمایا: اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیاO

یعنی مال اور اولاد کے علاوہ اس کو مکہ میں دنیاوی طور پر بہت عزت دار بنایا اور اس کا قریش کے سرداروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

المدثر: ۱۵ میں فرمایا: وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروںO

الکلبی اور مقاتل نے کہا: وہ یہ توقع رکھتا تھا کہ میں اس کو مزید مال اور اولاد عطا کروں گا حالانکہ وہ میرا کفر کرتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ یہ امید رکھتا تھا کہ میں اس کو آخرت میں زیادہ درجات عطا کروں گا' وہ یہ کہتا تھا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں تو جنت صرف میرے لیے بنائی گئی ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (مریم: ۷۷) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور (آخرت میں) مال اور اولاد دی جائے گیO

المدثر: ۱۶ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیات کا دشمن ہےO

یہ ایک سوال کا جواب ہے' گویا کہ کہا گیا کہ اس کے مال اور اولاد میں اضافہ کیوں نہیں کیا جائے گا؟ فرمایا: اس لیے کہ وہ

ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔
اس آیت میں ولید بن مغیرہ کو "عنید" فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید' اپنی قدرت' اپنے رسول کی نبوت' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر جس قدر دلائل مہیا کیے ہیں وہ ان سب کا عناداً انکار کرتا تھا۔
اس کو "عنید" فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ان تمام دلائل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کو دل سے پہچانتا تھا اور زبان سے عناداً انکار کرتا تھا اور یہ کفر کی سب سے بدترین قسم ہے۔
اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی آیات کا عناداً انکار کرتا تھا اور کسی چیز کا عناداً انکار نہیں کرتا تھا' گویا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا معاند تھا۔
المدثر: ۱۷ میں فرمایا: عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گاO
یعنی عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھنے کا مکلف کروں گا' صعود کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جس پر چڑھنا سخت دشوار اور مشکل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ صعود دوزخ کی ایک گھاٹی کا نام ہے' جب انسان اس گھاٹی پر ہاتھ رکھتا ہے تو وہ پگھل جاتی ہے اور جب اس سے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ پھر اصل حالت پر آجاتی ہے' اور جب اس پر پیر رکھتا ہے تو وہ پگھل جاتی ہے اور جب پیر اٹھاتا ہے تو وہ پھر اصل حالت پر آجاتی ہے' روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**الصعود**" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس کی چڑھائی ستر سال کی ہے' پھر اس سے اتنے ہی سال تک گرتا رہے گا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۴۳۳' الماوردی ج۶ ص ۱۴۱)

المدثر: ۱۸ میں فرمایا: بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیاO
یعنی اس نے غور وفکر کر کے اپنے دل میں ایک کلام مرتب کیا۔
المدثر: ۱۹ میں فرمایا: اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیاO
اس سے مراد اظہارِ تعجب ہے یعنی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اس سے زیادہ قوی طعن نہیں کر سکتا تھا' وہ طعن یہ تھا کہ آپ کو جادوگر کہا جائے۔
المدثر: ۲۰ میں فرمایا: اس پر پھر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیاO
اللہ تعالیٰ تو بددعا دینے سے پاک ہے' مقصد یہ ہے کہ اس کے متعلق اس طرح بددعا کا کلمہ کہنا چاہیے۔
المدثر: ۲۱ میں فرمایا: پھر اس نے غور کیاO
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ پہلے اس نے غور وفکر کیا اور سوچا' پھر دوسری بار سوچ کر فیصلہ کیا اور تیسری بار اپنے فیصلہ میں پھر نظر ثانی کی' یہ اس کے دل کے احوال تھے۔
المدثر: ۲۲ میں فرمایا: پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑاO
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پہچانتا تھا لیکن عناداً آپ کا انکار کرتا تھا اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:
(۱) اس نے کافی غور وخوض کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک شبہ تیار کیا' لیکن چونکہ وہ دل سے آپ کی نبوت کے صدق کا معترف تھا' اس لیے اپنے تیار کیے ہوئے شبہ پر خوش نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس شبہ کی جڑیں کھوکھلی ہیں' اس لیے اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا۔

(٢) روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا' آپ اس وقت اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ؕ (حٰم السجدہ:١٣) اگر یہ (کفار) اب بھی روگردانی کریں تو کہیے: میں تم کو اس کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈراتا ہوں جو عاد اور ثمود کی کڑک کی مثل ہے ○

اس وقت ولید نے قسم کھائی کہ وہ آپ کے معاملہ میں خاموش رہے گا' اس سے معلوم ہوا کہ ولید جانتا تھا کہ آپ صادق ہیں اور آپ مستجاب الدعوات ہیں' اور جب ولید کفار کے پاس گیا تو ان سے کہا: میں نے ابھی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سنا ہے' وہ کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے' اس کلام میں انتہائی خوب صورتی اور مٹھاس ہے' وہ کلام غالب ہوگا' مغلوب نہیں ہوگا۔ (اسباب النزول ص ٤٦٨' المستدرک ج ٢ ص ٥٠٦) قریش کہنے لگے: ولید نے دین بدل لیا اور اگر اس نے دین بدل لیا تو سارے قریش اپنے دین بدل لیں گے' ابوجہل نے کہا: اس مہم کو میں سر کروں گا' پھر وہ غم گین صورت بنا کر ولید کے پاس گیا' ولید نے پوچھا: اے بھتیجے! کیا ہوا؟ ابوجہل نے کہا: تم نے دین بدل لیا تاکہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کے دستر خوان سے کھا سکو اور یہ قریش تمہارے لیے مال جمع کر رہے ہیں تاکہ اصحاب محمد سے جو کچھ تم حاصل کرتے ہو' اس کے مساوی معاوضہ تمہیں دے سکیں' ولید نے کہا: وہ تو خود سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے' وہ مجھے مال کیسے دے سکتے ہیں' لیکن میں ان کے متعلق بہت غور و فکر کرتا رہا' بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جادوگر ہیں' پس میں قرآن کو عظیم کلام گمان کرتا ہوں اور یہ اعتراف کرتا ہوں کہ وہ کسی جن یا انسان کا کلام نہیں ہے' ولید بن مغیرہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کے متعلق جو سحر کا دعویٰ کیا تھا وہ محض عناد تھا۔

(٣) ولید بن مغیرہ یہ جانتا تھا کہ سحر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کفر کے ساتھ ہے اور وہ بُرے کاموں پر مبنی ہوتا ہے اور یہ بالکل ظاہر تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے تو جادو کرنا آپ کی شان کے کب لائق تھا' اور ان تمام وجوہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے اس لیے ماتھے پر بل ڈالے اور منہ بنایا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ جو کچھ قرآن مجید کے متعلق کہہ رہا ہے وہ محض افتراء اور بہتان ہے۔

المدثر: ٢٤۔٢٣ میں فرمایا: پھر اس نے اعراض کیا اور تکبر کیا ○ پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہے ○

ولید بن مغیرہ تمام لوگوں سے پیٹھ پھیر کر اپنے گھر چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو اپنی بڑائی کے خلاف سمجھا اور کہنے لگا: یہ تو وہی پہلے والا جادو ہے۔

المدثر: ٢٥ میں فرمایا: (ولید نے کہا:) یہ صرف بشر کا کلام ہے ○

ولید کا یہ قول بھی عناد پر مبنی تھا' کیونکہ اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حٰم السجدۃ: ١٣ کی تلاوت سنی تھی تو اس نے کہا تھا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے نہ جن کا کلام ہے' اس کلام میں شیرینی ہے اور حسن ہے' یہ کلام غالب رہے گا اور مغلوب نہیں ہوگا' جب پہلے وہ یہ کہہ چکا تھا تو اب اس کا اسی کلام کو بشر کا کلام کہنا محض عناد ہے۔

المدثر: ٢٦ میں فرمایا: میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا ○

اس آیت میں ''سقر'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سقر جہنم کے چھٹے طبقے کا نام ہے اور یہ اسم غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو سبب ہیں: تعریف اور وزن فعل۔

المدثر: ۲۷ میں فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہے! O
یہ تعظیم کا کلمہ ہے اور یہ دوزخ کے وصف میں انتہائی مبالغہ ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۰۷۔۷۰۴ ملخصاً' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۶۷۔۷۲ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے O وہ کھال کو جھلسانے والی ہے O اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں O اور ہم نے دوزخ کے محافظ صرف فرشتے بنائے ہیں' اور ہم نے ان کی یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے' تا کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا نور اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں اور نہ ایمان والے اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے' اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کر دیتا ہے' اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے O
(المدثر: ۳۱۔۲۸)

دوزخ کی صفات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

المدثر: ۲۸ میں فرمایا: نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے O
اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے' بعض کے نزدیک ان دونوں جملوں کا معنیٰ واحد ہے' اور دونوں جملوں کو محض تاکید کے لیے لایا گیا ہے' اور بعض کے نزدیک ان دونوں جملوں کے معنیٰ متغایر ہیں اور ان میں درج ذیل وجوہ سے فرق ہے:

(۱) دوزخ خون' گوشت اور ہڈیوں میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھتی اور جب ان کو دوبارہ پیدا کر دیا جاتا ہے تو ان کے جلانے کو نہیں چھوڑتی اور دوبارہ زیادہ شدت کے ساتھ جلاتی ہے اور غیر متناہی مدت تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔
(۲) جو عذاب کے مستحق ہیں ان کو عذاب دیئے بغیر باقی نہیں رکھتی' پھر ان کے بدنوں کو ضرور جلاتی ہے اور جلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔
(۳) ان عذاب یافتہ لوگوں کے بدنوں میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھتی' پھر یہ آگ اپنی قوت اور شدت سے ان کو جلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔

المدثر: ۲۹ میں فرمایا: وہ کھال کو جھلسانے والی ہے O
اس آیت میں ''لواحة'' کا لفظ ہے' ''لواحة'' کے معنیٰ میں دو قول ہیں: (۱) لیث نے کہا: ''لواحة'' کا معنیٰ ہے: متغیر کرنے والی' الفراء نے کہا: وہ کھال کو جلا کر سیاہ کرنے والی ہے (۲) الحسن اور الاصم نے کہا: ''لواحة'' کا معنیٰ ہے: ظاہر ہونے والی کیونکہ دوزخ کی آگ پانچ سو سال کی مسافت سے لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى O (النّٰزعٰت: ۳۶) اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی O

المدثر: ۳۰ میں فرمایا: اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں O
اس آیت کا معنیٰ ہے کہ دوزخ کے معاملات انیس فرشتوں کے حوالے کر دیئے گئے ہیں اور دوزخیوں پر یہ انیس فرشتے مقرر ہیں' انیس کی تفسیر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انیس قسم کے فرشتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی انیس صفیں ہیں' امام الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ نے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ دوزخ کے انیس محافظ ہیں' ایک مالک ہے' ان کے ساتھ اٹھارہ اور فرشتے ہیں' ان کی آنکھیں بجلی کی طرح ہیں' ان کی ڈاڑھیں گائے کے سینگھ کی طرح ہیں' ان کے بالوں کی لمبائی ان کے قدموں تک ہے' ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں' ان کے دو کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے' ان

کی ایک ہتھیلی میں ربیعہ اور مضر جیسے دو قبیلے آ سکتے ہیں' ان سے نرمی اور رحم کو نکال لیا گیا ہے' وہ ستر ہزار افراد کو اپنے ہاتھ میں پکڑ سکتے ہیں اور ان کو جہاں چاہیں دوزخ میں پھینک سکتے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ص ۷۷' الوسیط للواحدی ج ۴ص ۳۸۴)

علامہ واحدی متوفی ۴۶۸ھ اور علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل لعین نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مددگار انیس فرشتے ہیں' وہ تم کو انیس فرشتوں سے ڈرا رہے ہیں' جب کہ تم ایک جم غفیر ہو' کیا تم میں سے سو آدمی مل کر اس ایک فرشتے کو نہیں پکڑ سکتے اور پھر تم دوزخ سے نکل کر جنت میں چلے جاؤ' پھر ان میں سے بنو جمح کے ابوالاشدین نامی ایک شخص نے کہا: اے قریش کے لوگو! جب قیامت کا دن ہو گا تو میں تمہارے آگے آگے پل صراط پر چلوں گا' پس میں اپنے دائیں کندھے کی ٹکر سے دس فرشتوں کو اور بائیں کندھے کی ٹکر سے بقیہ نو فرشتوں کو دوزخ میں گرادوں گا اور پھر ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے' تب اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ (الوسیط ج ۴ص ۳۸۴' زاد المسیر ج ۸ص ۴۰۸)

فرشتوں کو دوزخ کا محافظ بنانے کی حکمتیں

المدثر: ۳۱ میں فرمایا: اور ہم نے ان کی یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے۔

جب ابوجہل اور ابوالاشدین نے یہ بڑھکیں اور ڈینگیں ماریں اور شیخی بگھاری تو مسلمانوں نے کہا: تم پر افسوس ہے تم فرشتوں کو لوہاروں اور جیل کے داروغوں پر قیاس کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حسب ذیل وجوہ سے دوزخ کا پہرے دار اور محافظ بنایا ہے:

(۱) تا کہ دوزخ کے داروغہ عذاب یافتہ لوگوں کی جنس سے نہ ہوں کیونکہ اگر وہ ان کی جنس سے ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ کفار اور مشرکین کے عذاب کو دیکھ کر ان کے دلوں میں کوئی نرمی اور رحم پیدا ہوتا اور جب وہ ان کی مخالف جنس سے ہوں گے تو یہ امکان نہیں رہے گا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم انسانوں کی جنس سے بھیجا گیا تا کہ آپ ہم پر نرمی اور رحم فرمائیں اور ہمارے لیے رؤف و رحیم ہو جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فرشتے سب سے زیادہ ارتکاب معصیت سے دور ہیں اور سب سے زیادہ پر مشقت عبادت کرنے پر قادر ہیں۔

(۳) ان کی قوت جنات اور انسانوں کی قوت سے زیادہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں تو وہ غیر متناہی مدت تک دوزخ میں کیسے رہ سکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی مدت تک کفار' مشرکین اور منافقین کو دوزخ کی آگ میں زندہ رکھے گا' ان کے اجسام جلتے رہیں گے اور دوبارہ پھر بنتے رہیں گے تو اس کی قدرت سے کب بعید ہے کہ وہ نور سے بنے ہوئے فرشتوں کو غیر متناہی مدت تک بغیر کسی درد اور تکلیف کے زندہ اور قائم رکھے۔

اس کے بعد فرمایا: تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا نور اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں اور نہ ایمان والے' اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

دوزخ کے فرشتوں کی تعداد پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات

دوزخ کے محافظوں کی تعداد بیان کرنے میں کفار کی دو وجہ سے آزمائش ہے:

(۱) کفار قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ دوزخ کے محافظ بیس کیوں نہیں ہیں' انیس کے عدد کی کیا خصوصیت ہے؟

(۲) کفار کہتے تھے کہ انیس کا عدد تو بہت کم ہے اور اہل دوزخ کی تعداد بہت زیادہ ہے' جب سے دنیا بنائی گئی ہے قیامت تک کے کافر' جن اور کافر انسان بے حد اور بے شمار ہیں تو دوزخ میں اتنی بڑی تعداد کی حفاظت کے لیے صرف انیس فرشتے کیسے پورے ہوں گے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے' وہ بغیر کسی علت اور سبب کے جتنی چاہتا ہے' جو چیز چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائی ہیں' کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس سے کم تعداد میں آسمان اور زمینیں کیوں نہیں بنائیں؟ اس نے نطفہ کو جما ہوا خون بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر اُس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس سے کم یا زیادہ مدت کیوں مقرر نہیں کی؟ اس نے ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور رسل بھیجے' اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں بھیجے؟ آسمانی کتابیں چار نازل کیں' اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں نازل کیں؟ یہ کوئی سوال نہیں کر سکتا' وہ فاعل مختار ہے اور کسی چیز کا جواب دہ نہیں ہے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا ○ (الانبیاء: ۲۳)

ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ صرف انیس فرشتوں کی قلیل تعداد ابتداء آفرینش سے قیامت تک تمام کافر جنات اور کافر انسانوں کی دوزخ میں حفاظت کے لیے کیسے کافی ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ یہ تو انیس فرشتے ہیں' اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو صرف ایک فرشتے سے بھی ان سب کی حفاظت کرا سکتا تھا' کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ابتداء آفرینش سے قیامت تک کے تمام جانداروں کی روح قبض کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ عزرائیل ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اس کے انصار اور مددگار اور بہت فرشتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ دوزخ کے محافظین کے انصار اور مددگار بھی اور فرشتے ہوں۔ ان معترضین نے اس پر غور نہیں کیا کہ ایک ابلیس ہے اور وہ اکیلا ان جیسے قیامت تک کے تمام لوگوں کو گم راہ کر رہا ہے' دوزخ کے محافظ فرشتے تو پھر بھی انیس ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گم راہی پیدا فرما دیتا ہے۔

کفار کی آزمائش کی وضاحت

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی آزمائش کے لیے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس مقرر کر دی ہے' تاکہ کفارِ مکہ انیس کی تعداد پر اعتراض کر کے کافر ہو جائیں یا اپنے کفر میں اور راسخ اور پختہ ہو جائیں۔

اس آزمائش کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

الجبائی نے کہا: آزمائش کا یہ معنیٰ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچان لیں کہ اگر وہ چاہے تو صرف انیس فرشتوں کو ایسی طاقت عطا فرما سکتا ہے' جو لاکھوں فرشتوں کو بھی حاصل نہ ہو۔

الکعبی نے کہا: اس آزمائش سے مراد امتحان ہے تاکہ مؤمنین اس تعداد کی حکمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ کر امتحان میں کامیاب ہوں اور کفار اس تعداد پر اعتراضات کر کے انجام کار ناکام ہوں۔

رہا یہ اعتراض کہ جب کافروں میں کفر کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' تو پھر کافروں کو اس کفر پر سزا کیوں دی جائے گی؟ اس کا جواب کئی بار دیا جا چکا ہے کہ کافروں نے اس کفر کو خود اختیار کیا تھا اور بندہ اپنے لیے جس چیز کو اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں اسی چیز کو پیدا فرما دیتا ہے۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کے ذکر پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ایک سوال یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے' اس کو قرآن مجید میں بیان کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں۔ (المدثر:۳۱) اہل کتاب کے شک نہ کرنے اور ان کے یقین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں یہ تعداد مذکور ہے' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں نہیں گئے اور آپ نے سابقہ آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا اور اس کے باوجود آپ نے دوزخ کے فرشتوں کی وہی تعداد بیان کر دی جو ان کی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے' تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس تفسیر پر درج ذیل اعتراض کیا ہے:

یہ تفسیر ہمارے نزدیک دو وجوہ سے صحیح نہیں ہے' اوّل یہ کہ یہود و نصاریٰ کی جو مذہبی کتابیں دنیا میں پائی جاتی ہیں' ان میں تلاش کے باوجود ہمیں یہ بات کہیں نہیں ملی کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں بہ کثرت باتیں ایسی ہیں جو اہل کتاب کے ہاں ان کی مذہبی کتابوں میں بھی بیان کی گئی ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ اس کی یہ توجیہ کر دیتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ باتیں ان کی کتابوں سے نقل کر لی ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۵۰' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۴۱۱ھ)

اگر سید مودودی کی بات مان لی جائے تو پھر اس کی کیا توجیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس بیان کرنے کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں۔ (المدثر:۳۱) خود سید مودودی نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی کوئی توجیہ بیان نہیں کی' اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا لازماً یہی معنیٰ ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کی یہ تعداد سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی تھی اور قرآن مجید نے ان کے موافق ان فرشتوں کی تعداد انیس بیان کی' تا کہ اہل کتاب کو قرآن مجید کی صداقت پر یقین آ جائے اور ایمان والوں کا قرآن مجید پر ایمان اور پختہ ہو جائے اور اہل کتاب شک نہ کریں۔

رہا سید مودودی کا یہ اعتراض کہ یہود و نصاریٰ کی جو مذہبی کتابیں دنیا میں پائی جاتی ہیں' ان میں تلاش کے باوجود ہمیں یہ آیت کہیں نہیں ملی کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سید مودودی کے زمانہ میں جو تورات اور انجیل کے نسخے تھے' ان میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں ہو گی لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کسی زمانہ میں بھی ان کی کتابوں میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں تھی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کی کتابوں میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں تھی۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہود آئے دن اپنی تورات میں تحریف کرتے رہتے ہیں' اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ تورات کے ۱۹۲۷ء کے ایڈیشن میں ایک آیت اس طرح لکھی ہوئی تھی:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا' فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ (کتاب مقدس' تورات' استثناء باب:۳۳' آیت:۲' پرانا عہد نامہ ص ۱۹۲' مطبوعہ برٹش اینڈ فاران بائبل سوسائٹی' انارکلی' لاہور' ۱۹۲۷ء)

جب ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہو رہی ہے کیونکہ آپ مکہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے' تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔

اب تورات کے موجودہ نسخوں میں یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی ہے:

اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا' اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ (کتاب مقدس' تورات' استثناء باب:۳۳' آیت:۲-۳' پرانا عہد نامہ ص ۲۰۱' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

سید مودودی کا حال کس قدر عجیب ہے کہ وہ قرآن مجید کی اس صریح آیت کو چھوڑ رہے ہیں'' تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں الایۃ'' اور چونکہ ان کے زمانہ میں چھپی ہوئی تورات میں یہ آیت نہیں ہے' اس لیے اس کی تصدیق کر رہے ہیں کہ تورات میں یہ آیت نہیں ہے۔

سید مودودی کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہ کثرت باتیں ایسی ہیں جو اہل کتاب کے ہاں ان کی مذہبی کتابوں میں بھی بیان کی گئی ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ اس کی یہ توجیہ کر دیتے ہیں کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں ان کی کتابوں سے نقل کر لی ہیں۔

اگر بالفرض اہل کتاب یہ توجیہ پیش کرتے ہیں تو ان کی یہ توجیہ قطعاً باطل اور مردود ہے' نزولِ قرآن سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں گئے تھے اور آپ نے اہل کتاب کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں اور نہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کے ساتھ کوئی شغل تھا' قرآن مجید میں اس کی شہادت موجود ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (العنکبوت:۴۸)

اور نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے ۝

یعنی اگر نزولِ کتاب سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کا شغل ہوتا تو آپ کی نبوت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے منکرین شک میں پڑ جاتے اور یہ کہتے کہ آپ ہم کو جو کچھ سنا رہے ہیں وہ سب آپ نے پچھلی کتابوں سے نقل کر لیا ہے اور جب نزولِ قرآن سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کا شغل تھا ہی نہیں تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہی نہ ہو سکی' یہ جرأت صرف سید مودودی نے کی ہے اور قرآن مجید کی واضح شہادت کے باوجود اہل کتاب کی خود ساختہ توجیہ کی بنیاد پر اس حقیقت کا انکار کر رہے ہیں کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ تصریح تھی کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تورات اور انجیل محرف تھیں اور اہل کتاب ان کتابوں میں یہ پڑھتے تھے کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے' لیکن ان کو اس تعداد پر مکمل اعتماد اور اطمینان نہیں تھا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف ہوتی رہی ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (النساء:۴۶)

یہودی کلام میں اس کے مقامات سے تحریف کرتے رہتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ

وہ کلام میں اس کے اصل مقامات کو چھوڑ کر اس میں تحریف

(المائدہ: ۴۱) کر دیتے ہیں۔

وَقَدۡ كَانَ فَرِيقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ۝

(البقرہ: ۷۵)

اور ان میں ایک فریق ایسا تھا جو کلام اللہ کو سنتا تھا' پھر عالم اور عاقل ہونے کے باوجود اس میں تحریف کر دیتا تھا۔

غرض یہ کہ اہل کتاب کا اپنی کتابوں میں تحریف کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت تھی' جس کا انہیں بھی علم اور اعتراف تھا' اس لیے ان کو اس پر کامل اطمینان نہیں تھا کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے' لیکن جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن لیا تو ان کو بھی اس تعداد پر مکمل اعتماد ہو گیا' یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے اس تعداد کے ذکر کو اپنی کتابوں سے نکال دیا تا کہ ان کی کتابوں کی یہ آیت قرآن مجید کی تصدیق کا ذریعہ نہ بن جائے' اور سید مودودی نے ان کی تصدیق کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش کی تکذیب کا علم تھا' اور آپ جانتے تھے کہ جب آپ دوزخ کے فرشتوں کی اس تعداد کا ذکر کریں گے تو کفار آپ کا مذاق اُڑائیں گے اور آپ پر ہنسیں گے' اس کے باوجود جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کو پڑھ کر سنایا اور آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ کفار کیا کہیں گے اور اس وقت سب نے جان لیا کہ اگر آپ کا مقصد دنیا کو طلب کرنا ہوتا اور دنیا میں اپنا تسلط اور اقتدار حاصل کرنا ہوتا تو آپ کبھی اس تعداد کا ذکر نہ کرتے جو آپ کا مذاق اڑانے اور آپ کی نبوت پر طعن کا سبب بنا اور اس سے ہر منصف مزاج شخص پر واضح ہو گیا کہ آپ کا مقصد صرف اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے' خواہ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے۔

دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کے بیان سے مؤمنین کے ایمان کے زیادہ ہونے کی وضاحت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

مؤمنین کا اس پر یقین ہوتا ہے بلکہ ان کا اس پر قوی ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے تمام معلومات کا علم ہے اور اس کا علم صحیح ہے اور معلومات کے مطابق ہے اور اس کا علم قدیم اور واجب ہے' اور اس میں تغیر اور زوال محال ہے' اسی طرح اس کا کلام بھی صادق ہے اور واقع کے مطابق ہے اور اس کے کلام میں کذب محال ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دوزخ کے محافظ فرشتے انیس ہیں تو ان کو اس خبر پر کوئی تردد نہیں ہوا' ان کو پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے کلام کے صدق پر ایمان تھا' اب اس آیت کی تصدیق کرنے سے یہ ایمان اور زیادہ ہو گیا اور جب ان کے علم میں یہ آیا کہ کفارِ مکہ اس تعداد کا انکار کر رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑا رہے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی اور اس تعداد کے صدق پر اپنے ایمان کو مزید مستحکم کیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی تو نہیں ہوتی تو پھر ایمان والوں کے ایمان کے زیادہ ہونے کی کیا توجیہ ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نفس ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن ایمان کامل میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے اور اس آیت میں ایمان والوں کے ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ نفس ایمان کم اور زیادہ تو نہیں ہوتا' لیکن وہ قوی اور ضعیف ہوتا ہے' اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب کفار نے اس تعداد کا مذاق اڑایا تو ان کا اس تعداد پر ایمان اور قوی ہو گیا۔

اس اعتراض کا جواب کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اس کے بعد کفار کا ذکر کرنا تکرار ہے

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے' قرآن مجید کے عرف میں ان لوگوں سے مراد منافقین ہوتے ہیں' اور یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں تو منافقین نہیں تھے' اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس سے مراد کفار ہیں تو کفار کا تو اس کے بعد مستقل ذکر آ رہا ہے پھر یہ تکرار ہوگا' نیز دوسرے جملہ کا پہلے جملہ پر عطف ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کفار ہی ہیں' لیکن اس تعداد پر اعتراض کرنے والے دو قسم کے تھے' بعض کفار شک کی وجہ سے اس تعداد پر اعتراض کرتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں بیماری تھی اور بعض محض بغض اور عناد کی بناء پر اس تعداد کا مذاق اڑاتے تھے اور اس تعداد پر اعتراض کرتے تھے اور دوسرے جملہ میں جو کفار کا ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد کفار کی یہی قسم ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے' اس سے مراد منافقین ہی ہیں' رہا یہ اعتراض کہ یہ سورت تو مکی ہے اور منافقین تو مدینہ منورہ میں وجود میں آئے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ عنقریب منافقین وجود میں آئیں گے' اس لیے اس نے مستقبل میں ہونے والے واقعہ کی پہلے ہی خبر دے دی' اس اعتبار سے یہ آیت معجزہ ہے کہ اس میں غیب کی خبر دی گئی اور بعد میں ایسا ہی ہوا' جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری تھی' انہوں نے قرآن مجید پر اعتراضات کیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شک کرنے والوں سے اہل مکہ ہی مراد لیے جائیں کیونکہ اکثر کفار مکہ قرآن مجید کے صدق پر شک کرتے تھے اور بعض قرآن مجید کی تکذیب پر یقین رکھتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٧١٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار تو قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہی نہیں تو پھر انہوں نے کیوں کہا: اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ لوگ تو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے ہی نہیں تھے' پھر وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب بات سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ قول منافقین کا ہے تو وہ ظاہر میں قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے تھے' اور اگر یہ قول کفار کا ہے تو ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے تو بتائیں اللہ تعالیٰ نے اس عجیب مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس سوال کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر گم راہوں کی مذمت کیوں فرماتا ہے؟

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کر دیتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کفار میں گم راہی کو پیدا فرمایا ہے تو پھر ان کی مذمت کیوں فرمائی ہے اور آخرت میں ان کو دوزخ میں کیوں ڈالے گا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ دوزخ کے محافظ فرشتے انیس ہیں تو کچھ لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت

کی تصدیق کر دی اور کچھ لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت کی تکذیب کر دی جن لوگوں نے اس آیت کی اپنے اختیار سے تصدیق کی ان میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کر دیا اور جن لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت کی تکذیب کی ان میں اللہ تعالیٰ نے گم راہی پیدا کر دی پس ہدایت اور گم راہی دونوں کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور دنیا میں انسان کی تحسین یا مذمت اور آخرت میں اس کو ثواب یا عذاب اس کے اختیار اور کسب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲) معتزلہ نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار کو گم راہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر الطاف اور عنایات نہیں کرتا۔

(۳) معتزلہ نے ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ کفار کو گم راہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دے گا۔

اس شبہ کا ازالہ کہ صرف انیس فرشتے تمام دوزخیوں کو کس طرح عذاب پہنچا سکتے ہیں؟

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت کے اس حصہ میں اس شبہ کا ازالہ ہے کہ فقط انیس فرشتے بے شمار کافر جنات اور کافر انسانوں کو عذاب دینے کے لیے کیسے کافی ہوں گے؟ اور اس کا ازالہ اس طرح ہے کہ ان انیس محافظوں کے ماتحت کس قدر فرشتے ہیں ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ انیس کا عدد مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں عذاب دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی دوزخ میں کفار اور مشرکین کے اندر درد اور الم کو پیدا فرمائے گا۔

اللہ کے لشکر کا بیان

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے کہ خشکی کی مخلوقات سمندری مخلوقات کا دسواں حصہ ہیں اور ان کا مجموعہ فضائی مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اسی طرح ساتویں آسمان تک کے فرشتوں کی تعداد ہے اور اس کا مجموعہ کرسی کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ حاملینِ عرش کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماسوا کتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔

یہ آیت اور اس کی مثل دیگر آیات اور احادیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اجسامِ علویہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں اور ان کے حقائق اور احوال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ عزوجل کی سلطنت کے دائرہ کا کامل احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے مرکز کی طرف طائرِ فکر کی پرواز پہنچ سکتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۲۱ دار الفکر ۱۴۱۷ھ)

''اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے'' کے مرجع کی تعیین

اس آیت کا آخری جملہ یہ ہے: اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے O

اس میں اختلاف ہے کہ یہ ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے بعض مفسرین نے کہا: یہ سقر (دوزخ) کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس سے پہلے دوزخ اور اس کی صفات کا جو ذکر فرمایا ہے وہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے تا کہ بشر ایسے کام نہ کرے جو دوزخ میں پہنچانے کا موجب ہوں اور بعض مفسرین نے کہا: یہ ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے جن میں ان متشابہات کا ذکر کیا

گیا ہے اور دوزخ کے احوال میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے اور یہ آیات تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہیں لیکن ان سے فائدہ صرف مؤمنین حاصل کرتے ہیں۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ 25

ہرگز نہیں! چاند کی قسم O اور رات کی جب وہ جانے لگے O اور صبح کی جب وہ روشن ہو O

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ

بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے O بشر کو ڈرانے والی ہے O تم میں سے ہر اس شخص

مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ

کے لیے (ڈرانے والی) ہے جو (نیکی میں) آگے بڑھے یا (بُرائی کی وجہ سے) پیچھے رہ جائے O ہر شخص اپنے عمل کے

مع عند المتقدمين

رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾

بدلے میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے O

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ

مجرموں کے متعلق O (وہ مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ O وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے

مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا

والوں میں سے نہ تھے O اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے O اور ہم لغو

نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾

کاموں میں مشغول رہتے تھے O اور ہم یوم جزا کی تکذیب کرتے تھے O

حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی O پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی O

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ

پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں O گویا وہ بدکے ہوئے

25

مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ

وحشی گدھے ہیں O جو شیر سے بھاگ رہے ہیں O بلکہ ان میں سے ہر شخص

امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ

یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں O ہرگز نہیں! بلکہ

لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَاءَ

یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے O ہرگز نہیں! بے شک یہ نصیحت ہے O سو جو چاہے

ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ

اس نصیحت کو قبول کرے O اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی نصیحت کو قبول کریں گے' وہی اس کا

التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾ ع ۲ ۲۵ ۱۶

مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا اسی کی شان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! چاند کی قسم O اور رات کی جب وہ جانے لگے O اور صبح کی جب وہ روشن ہو O بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے O (المدثر: ۳۵-۳۲)

دوزخ کی مزید صفات کا تذکرہ

المدثر: ۳۲ میں لفظ "کلا" ہے' یہ لفظ انکار کے لیے آتا ہے' اس سے پہلے فرمایا: یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہیں' یعنی دوزخ کے متعلق آیاتِ نصیحت ہیں' اس سے اگر کوئی شخص یہ گمان کرلے کہ پھر کفارِ مکہ نے بھی ان آیات سے ہدایت حاصل کر لی؟ تو اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا' ہرگز نہیں یعنی انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی' یا اس سے اس شخص پر انکار کیا جو یہ کہتا تھا کہ وہ دوزخ کے فرشتوں سے مقابلہ پر قادر ہے یا ان لوگوں پر انکار فرمایا ہے جو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کا مذاق اڑاتے تھے' پھر چاند کی اور رات کی اور روشن صبح کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بشر کو ڈرانے والی ہے O تم میں سے ہر اس شخص کے لیے (ڈرانے والی ہے) جو (نیکی میں) آگے بڑھے یا (برائی کی وجہ سے) پیچھے رہ جائے O ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O (المدثر: ۳۹-۳۶)

یعنی دوزخ ان بہت بڑے مصائب میں سے ایک ہے' جن سے ڈرایا جاتا ہے۔

المدثر: ۳۷ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص نیکی میں آگے بڑھنا چاہے' اس کے حق میں دوزخ ڈرانے والی ہے اور جو شخص برائی میں مبتلا ہو کر پیچھے رہنا چاہے' اس کو بھی دوزخ ڈرانے والی ہے۔

امام رازی کا جبریہ کی تائید کرنا

معتزلہ نے اس آیت سے جبریہ کے خلاف استدلال کیا ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر ہے' مجبور نہیں ہے۔امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کے افعال اس کی مشیت (اس کے چاہنے) پر موقوف ہیں اور بندہ کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ. (الدھر:٣٠) تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔

(اس آیت کی تحقیق ہم ان شاء اللہ سورۃ الدھر میں کریں گے) امام رازی فرماتے ہیں: اس صورت میں یہ آیت معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے اور اصحاب نے اس آیت کے دو اور جواب بھی دیئے ہیں:

(١) اس آیت میں دھمکانے کے لیے مخاطبین کی مشیت کی طرف نسبت کی ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:٢٩) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(٢) اس آیت میں بندوں کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے جس شخص کو آگے بڑھانا چاہے گا یا اللہ تعالیٰ جس شخص کو پیچھے رکھنا چاہے گا' اس کے لیے دوزخ ڈرانے والی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٧١٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام رازی کی جبریہ کی تائید پر مصنف کا تبصرہ

جس طرح اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے جبریہ کی تائید کی ہے' اسی طرح قرآن مجید کی اور متعدد آیات میں امام رازی نے جبریہ کی تائید اور تقویت کی ہے' لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک قدر اور جبر دونوں نظریات باطل ہیں' معتزلہ اور قدریہ کا نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' اور جبریہ کا مؤقف یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے' انسان وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور انسان وہی فعل کرتا ہے جو اس میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے افعال کو خلق' اللہ تعالیٰ کرتا ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور ان افعال کا کسب بندہ کرتا ہے اور کسب کا معنیٰ ہے: فعل کا ارادہ کرنا' بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کرتا ہے اور بندہ کو جو جزاء اور سزا ملتی ہے وہ بندے کے کسب اور ارادہ کی بناء پر ملتی ہے' اور جبریہ کا مؤقف اس وجہ سے باطل ہے کہ اگر انسان کا اپنے افعال میں کوئی اختیار اور ارادہ نہ ہو تو پھر قیامت' جزاء اور سزا' جنت اور دوزخ سب بے معنیٰ اور عبث ہو جائیں گے' کیونکہ جب بندہ کا کسی فعل میں کوئی اختیار نہ ہو' اور وہ نیک کام کرے یا بد کام کرے' وہ کام اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے پیدا کرنے سے اس سے صادر ہو رہے ہوں تو اسے نیک کاموں پر کس وجہ سے جزاء ملے گی اور بُرے کاموں پر کس وجہ سے سزا ملے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ کا نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں ہدایت کے لیے بھیجنا بھی بے معنیٰ اور عبث ہوگا' کیونکہ جب انسان کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے' تو پھر نبیوں اور رسولوں کا اسے نیکی کی تلقین کرنا اور بُرائیوں سے روکنا کس وجہ سے ہوگا؟ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہو' اس کے ہاتھ اس کے اختیار اور اس کے ارادہ کے بغیر حرکت کرتے رہتے ہیں اور جو آدمی صحیح اور تندرست ہو وہ جب چاہے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے اور جب چاہے حرکت نہیں دیتا اور ان دونوں کی حرکتوں میں بداہۃً فرق ہے' مرتعش کی حرکات اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر صادر ہوتی ہیں' اور تندرست آدمی کی حرکات اس کے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتی ہیں' لہٰذا جبریہ کا یہ کہنا کہ انسان جمادات کی طرح بے اختیار اور مجبور ہے اور

امام رازی ایسے عقلیات کے امام کا جبریہ کی تائید کرنا ہماری عقل سے بالاتر ہے' ممکن ہے اس کی کوئی وجہ وجیہ ہو' جس تک ہم نہ پہنچ سکے ہوں۔

المدثر: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O

وہ کون سے نفوس ہیں جو قیامت کے دن اپنے اعمال کے عوض گروی ہوں گے اور وہ کون سے نفوس ہیں جو گروی نہیں ہوں گے؟

اس آیت کا معنیٰ ہے: ہر نفس نے اپنے آپ کو اللہ کے پاس اپنے عمل کے بدلہ میں رہن اور گروی رکھا ہوا ہے' اور اس کے عمل کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا' اگر اس کے اعمال نیک ہیں تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لے گا اور اگر اس کے اعمال بد ہیں تو اپنے نفس کو ہلاکت سے نہیں بچا سکے گا۔

ماسوا دائیں طرف والوں کے' کیونکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے گروی نہیں ہوں گے' ان کے مصداق اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ملائکہ ہیں' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مسلمانوں کی اولاد ہیں' وہ مکلف نہیں تھے۔ انہوں نے کوئی کسب نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ گروی ہوں' ابن جریج نے کہا: ہر شخص سے حساب لیا جائے گا ماسوا دائیں طرف والوں کے اور وہ اہل جنت ہیں' پس بے شک ان سے حساب نہیں لیا جائے گا' اور اسی طرح مقاتل نے بھی کہا ہے کہ یہ وہ اصحاب الجنۃ ہیں جو یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ جنتی ہیں اور مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' الحسن اور ابن کیسان نے کہا: یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جن کے نفوس کو گروی نہیں رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے اپنے حقوق ادا کر دیئے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صحائف اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے' امام ابوجعفر نے کہا: ہم اور ہمارے شیعہ دائیں طرف والے ہیں (اس قول میں شیعہ سے مراد ان کے محبین ہیں' آج کل کے شیعہ اور رافضی مراد نہیں ہیں) اور ہم اہل بیت سے جس نے بغض رکھا ان کے نفوس قیامت کے دن گروی ہوں گے' الحکم نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لیے چن لیا' یہ گروی نہیں ہوں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خدام اور اس کے چنے ہوئے بندے ہیں اور ان کو ان کا کسب ضرر نہیں دے گا' القاسم نے کہا: ہر شخص سے اس کے عمل پر محاسبہ کیا جائے گا خواہ اس کا عمل نیک ہو یا بد ہو' ماسوا اس کے جس کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہو نہ کہ اپنے اعمال پر اور جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کیا اس کا نفس گروی نہیں ہو گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۸۰۔۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے O مجرموں کے متعلق O (وہ مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ O وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے O اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے O اور ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے O اور ہم یوم جزا کی تکذیب کرتے تھے O حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی O (المدثر: ۴۷۔۴۰)

اس کی تحقیق کہ کفار احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب ہیں یا نہیں

ان آیتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ دائیں طرف والے ایک دوسرے سے مجرمین کے متعلق سوال کریں گے اور یہ کہیں گے کہ مجرمین کہاں ہیں؟ اور جب ان کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے: تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں نماز سے مراد فرض نماز ہو اور زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجبہ ہو' کیونکہ واجب کے ترک پر ہی عذاب ہوتا ہے اور انہوں نے کہا: ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے' اس سے مراد ہے: ہم باطل کاموں میں مشغول رہتے تھے اور انہوں نے کہا: ہم یوم جزاء یعنی قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے' حتیٰ کہ ہم پر موت آ گئی۔
امام رازی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ کفار کو احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا' اس کی مکمل بحث ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقه'' میں کی ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ سورۃ المدثر انتیس ویں پارہ کی آخری چار سورتوں میں سے ہے اور یہاں تک کی تفسیر امام رازی ہی کی' کی ہوئی ہے جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار احکام فرعیہ کے مکلف ہیں اور اس کی پوری تحقیق ہم نے اپنی کتاب المحصول میں کی ہے۔

المحصول میں امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:
ہمارے اکثر اصحاب اور اکثر معتزلہ کا مؤقف یہ ہے کہ احکام شرعیہ فرعیہ میں اللہ تعالیٰ کا امر (حکم) حصولِ ایمان پر موقوف نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے جمہور اصحاب نے کہا ہے کہ احکام شرعیہ فرعیہ میں امر (حکم) حصولِ ایمان پر موقوف ہے اور ہمارے فقہاء میں سے ابوحامد اسفرائنی کا بھی یہی قول ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کفار نواہی (ممنوعات) کے مخاطب ہیں اور اوامر (احکام) کے مخاطب نہیں ہیں۔
واضح رہے کہ اس اختلاف کا دنیاوی احکام میں کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا' کیونکہ کافر جب تک اپنے کفر پر قائم ہے' اس کا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور جب وہ اسلام قبول کر لے تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے' اس اختلاف کا ثمرہ آخرت میں مرتب ہوتا ہے' کیونکہ کافر جب اپنے کفر پر مر جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو اپنے کفر پر عذاب ہو گا' رہا یہ کہ اس کو نماز' زکوٰۃ اور دیگر احکام شرعیہ کے ترک پر بھی عذاب ہو گا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ جس طرح کافر کو ایمان نہ لانے پر عذاب ہو گا' اسی طرح اس کو عبادت کے ترک کرنے پر بھی عذاب ہو گا اور دوسرے فریق نے یہ کہا کہ کافر کو صرف ایمان نہ لانے پر عذاب ہو گا۔ اس مسئلہ میں ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:
(۱) کافر کے لیے ان عبادات کے وجوب کا سبب قائم ہے اور کفر ان عبادات کو کرنے سے مانع نہیں ہے' لہٰذا کافر کو ان عبادات کے ترک کرنے پر عذاب ہو گا۔
ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کافر کے لیے ان عبادات کو کرنے کا سبب قائم ہے' اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ . (البقرہ:۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط . (آل عمران:۹۷) اور اللہ کے لیے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں' جو لوگ سفر حج کی طاقت رکھتے ہوں۔
ان دونوں آیتوں میں عبادت اور حج کرنے کا حکم عام لوگوں کو دیا ہے جس میں مؤمن اور کافر دونوں شامل ہیں۔
ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کفر عبادت کرنے سے مانع نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر اس پر قادر ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے'

پھر نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے' جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ بے وضو شخص کو بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے وضو کرے پھر نماز پڑھے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کافروں کو نماز نہ پڑھنے اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے عذاب ہوگا:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ (مؤمن مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ ۝ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے ۝ (المدثر: ۴۳-۴۲)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تو کافروں کا قول ہے' ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ قول باطل ہو اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اگر ان کا یہ قول باطل ہوتا تو اللہ فرما دیتا کہ ان کا یہ جواب باطل ہے' معترض کہتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تکذیب نہیں کی' پس معلوم ہوا کہ مشرکین کے غلط اور جھوٹے قول کی تکذیب ضروری نہیں' پس ہوسکتا ہے کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ ہم کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے یہ بھی جھوٹا قول ہو۔

معترض کہتا ہے کہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار کو صرف تکذیب کی بناء پر عذاب ہو رہا ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ (المدثر: ۴۶) اور ہم یوم جزاء کی تکذیب کرتے تھے ۝

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن کی تکذیب کرنا' دوزخ میں دخول کا مستقل سبب ہے اور جب دوزخ میں دخول کا مستقل سبب موجود تھا تو کسی اور سبب کی ضرورت نہیں تھی۔

معترض کہتا ہے: اگر ہم یہ تمام باتیں مان لیں' پھر بھی یہ تو ہوسکتا ہے کہ "لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝" (المدثر: ۴۳) کا معنی ہو "لم نك من المومنين" یعنی ہم کو عذاب اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم مؤمن نہ تھے' اور "مصلین" کا معنی مؤمنین ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث کو لایا گیا' جس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگائی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ پس بتایا گیا: یارسول اللہ! یہ شخص عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے' پھر آپ کے حکم سے اس کو مدینہ بدر کر دیا گیا' صحابہ نے پوچھا' یارسول اللہ! آپ اس کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے "مصلین" (نماز پڑھنے والوں) کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۸)

اس حدیث میں بھی "مصلین" سے مراد مؤمنین ہیں۔

معترض کہتا ہے: چلو اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ ان کفار کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا تو یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان کفار سے مراد وہ لوگ ہوں جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے' پس انہوں نے اپنے زمانۂ اسلام میں نمازیں پڑھی تھیں' لیکن ان کو اس وجہ سے عذاب ہو رہا تھا کہ وہ آخر وقت تک نمازیوں کے ساتھ شامل نہیں رہے تھے۔

امام رازی ان تمام اعتراضات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ ان کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا تو ضروری ہے کہ کفار کا یہ کلام صادق ہو کیونکہ اگر ان کا یہ کلام کاذب ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے کذب کو بیان فرما دیتا' ورنہ ان کے اس کلام کو نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ کفار نے

قیامت کے دن یہ بھی کہا تھا کہ اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہ تھے اور ان کا یہ کلام بداہۃً جھوٹ تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ردنہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد اس لیے نہیں فرمایا کہ عقل ان کے اس کلام کو باطل سمجھنے کے لیے کافی تھی اور ان کے اس کلام کو نقل اس لیے فرمایا تا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا عناد اور ان کی ہٹ دھرمی واضح ہو جائے' اور المدثر: ۴۳ میں ان کے کلام کے کذب کو سمجھنے کے لیے عقل کافی نہیں تھی' اس لیے اس کلام کا رد نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ کفار کا یہ کلام صادق ہے' ورنہ اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کو عذاب اس وجہ سے ہوا ہو کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے جیسا کہ المدثر: ۴۶ میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ''قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝'' (المدثر: ۴۴۔۴۳) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ اور بلا فائدہ کیا ہو' اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ قیامت کی تکذیب کرنا کفار کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب مستقل ہے' پھر دوسرے اسباب کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں اضافہ کرنے کے لیے ان اسباب کی بھی ضرورت ہے۔

معترض نے یہ کہا کہ ہوسکتا ہے ''مصلین'' سے مراد مؤمنین ہوں' ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل اس آیت میں جاری نہیں ہو سکتی: ''وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝'' (المدثر: ۴۴) اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' معترض نے جو معارضہ کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی مجرمین میں داخل ہیں۔

(۳) ہمارے مؤقف پر تیسری دلیل یہ ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ (القیامہ: ۳۱) — نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی ۝

اس کے بعد فرمایا:

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ (القیامہ: ۳۵۔۳۴) — تیری موت کے وقت عذاب لائق ہے پھر قبر میں عذاب لائق ہے ۝ پھر حشر میں تیرے لیے عذاب لائق ہے' پھر دوزخ میں تیرے لیے عذاب لائق ہے ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (حٰم السجدہ: ۷۔۶) — ان مشرکین کے لیے عذاب ہے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

(۴) اس مؤقف پر چوتھی دلیل یہ ہے کہ کفار نہی کے بالاتفاق مخاطب اور مکلف ہیں' سو ضروری ہے کہ وہ امر کے بھی بالاتفاق مکلف ہوں' وہ نہی کے اس لیے مکلف ہیں تا کہ اس خرابی سے احتراز حاصل ہو' جو امر ممنوع کے ارتکاب سے پیدا ہوتی ہے' پس ضروری ہوا کہ وہ امر کے بھی مخاطب اور مکلف ہوں تا کہ وہ مصلحت حاصل ہو جو مامور بہ پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (المحصول ج ۲ ص ۴۱۳۔۴۰۸ ملخصاً ومخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا مؤقف اور ان کے دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ جن افعال کے کرنے کے جواز کا تعلق مؤمنین کے ساتھ ہے' جب ان کی نسبت کفار کی طرف کی جائے تو اس سے مراد ان افعال کا قبول کرنا ہوتا ہے اور جب ان افعال کی نسبت مؤمنوں کی طرف کی جائے تو خود وہ افعال مراد ہوتے

ہیں' لہٰذا اب یہ سوال نہیں ہوگا کہ کفار کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب کیوں دیا جائے گا' کفار تو نماز پڑھنے کے مکلف ہی نہیں ہیں کیونکہ بغیر ایمان کے نماز قبول نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ انہوں نے نماز پڑھنے کے حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کفار کو عذاب اس وجہ سے دیا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے' اور اگر وہ نماز پڑھتے اور مسکین کو کھانا کھلاتے' تب بھی ان کو اس عمل سے فائدہ نہ ہوتا کیونکہ ان کا اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۲۵' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

صدر الشریعۃ الفقیہ عبید اللہ بن مسعود حنفی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

آیا کفار احکامِ شرعیہ کے مخاطب ہیں یا نہیں' یہ مسئلہ امام فخر الاسلام کی کتاب الاصول میں نہیں ہے' لیکن جب کہ یہ مسئلہ امام شمس الائمۃ کی کتاب الاصول میں مذکور ہے تو اس کا امام سرخسی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے:

کفار ایمان کے اور عقوبات (حدود) اور معاملات اور عبادات کے آخرت میں مواخذہ کے حق میں مخاطب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ○ (المدثر: ۴۴۔۴۲)

(مؤمنین' مجرمین سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے ○ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○

کفار ایمان' عقوبات اور معاملات کے تو بالاتفاق مکلّف ہیں اور مواخذہ آخرت کے حق میں وہ عبادات کے بھی بالاجماع مکلف ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے' باقی رہا دنیا میں عبادات کو ادا کرنا تو اس میں اختلاف ہے' مشائخ عراق کے نزدیک ان پر دنیا میں عبادات کو ادا کرنا واجب ہے' کیونکہ اگر ان پر عبادات کو ادا کرنا واجب نہ ہوتا تو ان عبادات کو ترک کرنے پر ان سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوتا' اور ہمارے شہروں کے مشائخ (مشائخ سمرقند) کے نزدیک کفارِ عبادات کے مخاطب نہیں ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی شہادت دینے کی دعوت دو' پھر اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو ان کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۳)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر پانچ نمازیں اس وقت فرض ہوں گی جب وہ توحید کی شہادت ادا کر دیں' ورنہ نہیں' جو فقہاء مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل ہیں' ان کے اعتبار سے تو یہ دلیل بالکل ظاہر ہے' ہمارے نزدیک اس وجہ سے کہ کفار پر عبادت کی فرضیت کی کوئی دلیل نہیں ہے' نیز اس لیے کہ عبادت کرنے کا حکم حصولِ ثواب کے لیے دیا جاتا ہے اور کفار حصولِ ثواب کے اہل نہیں ہیں اور ان سے عبادت کا ساقط ہونا ان کے حق میں تخفیف نہیں ہے' بلکہ یہ ان پر تغلیظ ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب جب مریض کی شفاء سے مایوس ہو جائے تو اس کو دوا پینے کا حکم نہیں دیتا کیونکہ دوا اس کے لیے غیر مفید ہے' اسی طرح یہاں ہے' اور امام شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا کہ ہمارے علماء نے اس مسئلہ میں کوئی تصریح نہیں کی بلکہ بعض متاخرین نے حنفی شافعی اختلافی مسائل سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض متاخرین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جب مرتد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس پر ایام ردّت کی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک قضاء لازم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک مرتد نماز کے حکم کا مخاطب نہیں ہے' اور امام شافعی کے

نزدیک مخاطب ہے' اور بعض متاخرین نے اس مسئلہ سے استنباط کیا ہے کہ جب ایک شخص نے اوّل وقت میں نماز پڑھی' پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہو گیا پھر وہ دوبارہ اسلام لے آیا اور ابھی وقت باقی تھا تو ہمارے نزدیک اس پر لازم ہے کہ اس نماز کو ادا کرے اور امام شافعی کے نزدیک لازم نہیں ہے' کیونکہ اس کے مرتد ہونے سے وہ خطاب معدوم ہو گیا' وہ نماز اس سے خطاب کی بناء پر صحیح تھی اور جب خطاب معدوم ہو گیا تو وہ ادا باطل ہو گئی اور جب وہ دوبارہ مسلمان ہوا اور وقت باقی تھا تو اس پر وہ نماز ابتداءً واجب ہو گئی اور امام شافعی کے نزدیک مرتد بھی حکمِ شرعی کا مخاطب ہے' لہٰذا اس کی ادا باطل نہیں ہوئی' اور یہ تمام دلائل ضعیف ہیں۔

پہلی دلیل کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس پر ہمارے نزدیک ایام ردّت کی قضا لازم نہیں ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ (الانفال:۳۸) آپ کافروں سے کہیے کہ اگر یہ باز آ جائیں تو ان کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

پس مرتد پر ایام ردّت کی نمازوں کی قضاء لازم نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ کفار ہمارے نزدیک احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف کیے جا چکے ہیں' خواہ وہ احکام شرعیہ کے مخاطب رہے ہوں۔
اور دوسری دلیل کی وجہ ضعف یہ ہے کہ جس شخص نے اوّل وقت میں نماز پڑھی پھر مرتد ہو گیا اور ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ وہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کی اوّل وقت میں پڑھی ہوئی نماز اس لیے باطل ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ (المائدہ:۵) جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا۔

پس اس کی اوّل وقت میں پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی اور جب وہ دوبارہ مسلمان ہوا اور ابھی اس نماز کا وقت ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے' اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے نزدیک مرتد ہونے کے وقت میں حکم شرعی کا مخاطب نہیں رہا تھا۔ (توضیح ج ا ص ۳۹۳۔۳۹۰' اصح المطابع' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ۱۴۰۰ھ)
علامہ عبید اللہ کی یہ پوری تقریر علامہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی اصول السرخسی ج ا ص ۹۱۔۸۸' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ کا خلاصہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ''توضیح'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:
کفار پر دنیا میں عبادات کے واجب ہونے کے متعلق عراق کے مشائخ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ کفار پر دنیا میں عبادات کا ادا کرنا واجب ہے اور وہ عبادات کے حکم کے مخاطب ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے' اور ماوراء النہر کے شہروں کے عام مشائخ (سمرقند کے فقہاء) کا قول یہ ہے کہ کفار عبادات کے حکم کے مخاطب نہیں ہیں' قاضی ابوزید' امام سرخسی' فخر الاسلام بزدوی اور عام متاخرین کا بھی یہی مختار ہے۔ (تلویح ج ا ص ۳۹۱' اصح المطابع' کراچی' ۱۴۰۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:
''توضیح'' میں المدثر: ۴۳ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ کفار عبادات کے مخاطب ہیں اور یہ امام شافعی اور عراق کے مشائخ حنفیہ کے موافق ہے' اور صاحب توضیح اہل سمرقند کے قول کو ثابت کرنے کے درپے نہیں ہوئے اور اہل سمرقند نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت کی یہ تاویل ہے کہ وہ کفار نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے' ان کا یہ جواب مردود ہے کہ یہ

مجاز ہے اور مجاز بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا' اور اس مسئلہ میں معتمد قول مشائخ عراق کا ہے' جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ کفار کو عبادات نہ کرنے پر عذاب ہوگا اور ظاہر نصوص مشائخ عراق کی تائید کرتی ہیں' اور اس کی مخالفت محض تاویل سے ہے اور حضرت معاذ کی حدیث میں مذکور ترتیب سے ہے کہ پہلے کفار کو ایمان کی دعوت دو' پھر بتاؤ کہ ان پر پانچ نمازیں فرض ہیں' اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفار عبادت کے حکم کے مخاطب نہیں ہیں' البتہ ان کی عبادت بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوگی' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی طرف سے اس مسئلہ میں کوئی قول منقول نہیں ہے حتیٰ کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے''۔

(نسمات الاسحار شرح المنار ص ۱۶۱۔۱۶۰' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ' البقرہ: ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ''(البقرہ: ۲۱) علقمہ اور الحسن نے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں ''یایہا الناس '' نازل ہوئی ہے وہ مکی آیت ہے اور ہر وہ چیز جس میں ''یایہا الذین امنوا'' نازل ہوئی ہے وہ مدنی آیت ہے' اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تب بھی اس آیت کی کفار کے ساتھ تخصیص واجب نہیں ہے' اور نہ ان کو خصوصیت کے ساتھ عبادت کا حکم دینا واجب ہے کیونکہ جو حکم دیا گیا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو' یہ عبادت کی ابتداء کرنے میں اور عبادت میں زیادتی اور اس کے دوام میں عام ہے' پس کفار سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبادت کی ابتداء کریں کیونکہ ایمان لانا عبادت کے مقبول ہونے کی شرط ہے اور جس طرح کسی شخص کا بے وضو ہونا اس پر نماز کے وجوب کے منافی نہیں ہے' اسی طرح کسی شخص کا کفر بھی اس پر عبادت کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ کفر کو زائل کرکے اور اللہ پر ایمان لا کر عبادت میں مشغول ہو اور اس حکم میں (اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو) مؤمنین سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کو زیادہ کریں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔

علامہ خفاجی فرماتے ہیں: اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ کفار احکام فرعیہ (مثلاً نماز اور زکوٰۃ) کے مکلف ہیں یا نہیں؟ علامہ ابن ہمام حنفی نے ''التحریر'' میں اور قاضی بیضاوی شافعی نے ''المنہاج'' میں یہ تصریح کی ہے کہ شرعی شرط کا حصول مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کا بے وضو ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو نماز کا مکلف نہ کیا جائے' اسی طرح کسی شخص کا کفر بھی اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو عبادت کا مکلف نہ کیا جائے' سمرقند کے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ نماز کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے ایمان کو حاصل کیا جائے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شرعی شرط کا حصول مکلف ہونے کی شرط ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز سب سے عظیم عبادت ہے اور تمام طاعات کی اصل ہے' لہٰذا جو اس سے کم درجہ کی عبادت ہے اس کی شرط کو مکلف ہونے کے لیے ضروری نہیں قرار دیا جائے گا' اور مشائخ سمرقند کے ماسوا شرعی شرط کے حصول کے بغیر بھی مکلف ہونے پر متفق ہیں اور ان کا اختلاف اس میں ہے کہ شرعی شرط کا حصول عبادت کی ادائیگی اور اعتقاد دونوں میں ضروری ہے یا صرف اعتقاد میں ضروری ہے' پس مشائخ عراق اور شافعیہ کے نزدیک شرعی شرط کا حصول عبادت کی ادائیگی اور اس کے اعتقاد دونوں میں ضروری ہے' پس ان کے نزدیک جو کفار نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھیں گے یا نماز اور زکوٰۃ کو ادا نہیں کریں گے ان کو عذاب دیا جائے گا' اور مشائخ بخارا اور سمرقند کے نزدیک شرعی شرط کا حصول صرف اعتقاد میں ضروری ہے' اس لیے جو کفار نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھیں گے' ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان کو ادا نہ کرنے پر عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک وہ نماز اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کے مکلف نہیں ہیں' صرف ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنے کے مکلف ہیں' اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی چیز کی تصریح نہیں کی ہے لیکن امام محمد کے

قول میں مشائخ عراق اور شافعیہ کے قول کی تایید کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ○ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ. ان مشرکین کے لیے ہلاکت ہو○ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

(حٰمٓ السجدہ: ۷۔۶)

(عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت (المدثر: ۴۴۔۴۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کفار فرعی عبادات کے مکلّف ہیں کیونکہ کفار نے اپنے عذاب کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے پس اگر وہ نماز پڑھنے کے مخاطب نہ ہوتے تو ان کو عذاب نہ دیا جاتا اور اس استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان کو اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور وہ بھی فرضیتِ نماز کا اعتقاد رکھنے کے مخاطب ہیں نیز یہ ہوسکتا ہے کہ ''لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ۙ○ '' (المدثر: ۴۳) سے مراد ''لم نك من المومنين '' ہو یعنی ہم مؤمنین میں سے نہ تھے علاوہ ازیں یہ تو کافروں کا کلام ہے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے عذاب کی وجہ بیان کرنے میں جھوٹ بولا ہو یا ان کو عذاب کی وجہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو اور ان جوابات کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ جوابات ظاہر قرآن کے خلاف ہیں اور کفار سے اس سوال اور جواب سے مقصود تو مسلمانوں کو نماز نہ پڑھنے سے ڈرانا ہے اور اگر کفار کا جواب جھوٹا ہو یا خطا پر مبنی ہو تو اس کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۲۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

زیر بحث مسئلہ میں مصنف کا مؤقف

مصنف کے نزدیک قرآن کی یہ آیات اور حٰمٓ السجدہ: ۶ اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور قرآن مجید کے کسی لفظ کو خلافِ ظاہر پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب وہاں حقیقی معنیٰ کا ارادہ کرنا محال عقلی ہو یا محال عادی ہو یا شرعاً متعذر ہو اور جب ان آیات میں حقیقت کا ارادہ کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے تو ان آیات کو خلافِ ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار احکامِ فرعیہ کے مخاطب ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ مشائخ عراق کا بھی یہی مؤقف ہے اور امام محمد نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر اس مسئلہ میں مشائخ سمرقند کی مخالفت ہوتی ہے تو ہوتی رہے مشائخ سمرقند کی موافقت کے لیے بہر حال ظاہر قرآن کی مخالفت تو نہیں کرنی چاہیے جب کہ ہم مشائخ سمرقند کے مقلد بھی نہیں ہیں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح منقول نہیں ہے۔

المدثر: ۴۵ میں فرمایا: اور ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

لغو کاموں کی وضاحت

لغو کاموں سے مراد ایسے کام ہیں جن کا کوئی قابلِ ذکر فائدہ نہ ہو قرآن مجید کی اصطلاح میں لغو کاموں سے مراد ایسے کام ہیں جو شرعاً مذموم ہیں اور ایسے اقوال اور افعال ہیں جو فی نفسہٖ باطل ہوں شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جو خلوت میں باتیں ہوتی ہیں اور جو امورِ عملِ زوجیت سے متعلق ہوتے ہیں اسی طرح اور بے شرمی کی باتیں بھی لغو باتوں میں داخل ہیں قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث کی شروح میں فلسفہ کی دور از کار بحثیں کرنا اور قرآن اور حدیث کو یونانی فلسفہ کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بھی اسی میں داخل ہیں صحابہ کرام کی خانہ جنگیوں کا طویل طویل ذکر کرنا اور کسی ایک فریق کی حمایت اور دوسرے کی مذمت کرنا بھی لغو کاموں میں داخل ہے۔

یقینی چیز کی وضاحت

المدثر: ۴۷۔۴۶ میں فرمایا: اور ہم یوم جزاء کی تکذیب کرتے تھے O حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی O
قیامت کے انکار کو سب سے آخر میں ذکر کیا کیونکہ یہ کافروں کا سب سے بڑا جرم تھا' پھر کہا کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی' مفسرین نے اس سے مراد موت لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کفار موت کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور وہ اپنی زندگی میں اس کا انکار کرتے رہے حتیٰ کہ آخرت میں ان پر منکشف ہو گیا کہ جزا اور سزا برحق ہے اور انہوں نے اس چیز کو یقین سے جان لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی O پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں O گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیں O جو شیر سے بھاگ رہے ہیں O بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں O ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے O
(المدثر: ۵۳۔۴۸)

فساق مؤمنین کے لیے شفاعت کا ثبوت

المدثر: ۴۸ سے ہمارے متکلمین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مؤمنین فساق کے لیے شفاعت ہوگی اور ان کو فائدہ دے گی کیونکہ جس طرح کفار کو شفاعت سے فائدہ نہیں ہوگا' اگر مؤمنین فساق کو بھی شفاعت سے فائدہ نہ ہو تو پھر کفار کے متعلق خصوصیت سے یہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی: پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی' اور اس کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

مشرکین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر ہونا اور اعراض کرنا

المدثر: ۴۹ میں فرمایا: پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں O
اس نصیحت سے مراد قرآن کریم ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام تبلیغی مواعظ ہیں۔
المدثر: ۵۱۔۵۰ میں فرمایا: گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیں O جو شیر سے بھاگ رہے ہیں O
اس آیت میں ''حمر مستنفرۃ'' کے الفاظ ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حمر'' سے مراد جنگلی گدھے ہیں اور ''مستنفرۃ'' کا معنیٰ بدکنا' بھڑکنا اور بھاگنا ہے' جنگلی گدھے انسانوں سے متوحش اور نامانوس ہوتے ہیں' اس لیے ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں۔

المدثر: ۵۱ میں ''قسورۃ'' کا لفظ ہے' اس کا اطلاق شیر پر کیا جاتا ہے' ''قسر'' کا معنیٰ قہر اور غلبہ ہے اور شیر دوسرے جنگلی جانوروں پر قہر اور غلبہ کرتا ہے' اس لیے اس کو ''قسورۃ'' کہا جاتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب جنگلی گدھا شیر کو دیکھ لیتا ہے تو بہت تیز بھاگتا ہے' اسی طرح جب مشرکین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو بھاگتے ہیں۔
''القسورۃ'' تیر اندازوں کی اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو شکار کے لیے نکلتی ہے' لوگوں کے ٹھہرنے اور ان کے شور و غل کو بھی کہتے ہیں اور رات کے اندھیرے کو بھی کہتے ہیں۔
علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ مشرکین کو گدھوں سے جو تشبیہ دی اس میں ان کی حماقت پر متنبہ فرمایا ہے اور جب کوئی شخص کسی

دشمن سے ڈر کر بھاگتا ہے تو اس کی واضح ترین مثال جنگلی گدھوں کا شیر سے ڈر کر بھاگنا ہے۔

المدثر: ۵۲ میں فرمایا: بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں O

مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ ہم میں سے کوئی شخص آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائے گا حتیٰ کہ ہم میں سے ہر شخص کے پاس آسمان سے ایک کتاب نہ آ جائے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ یہ رب العلمین کی جانب سے فلاں بن فلاں کے نام ہے اور اس میں یہ تحریر ہو کہ ہم تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیتے ہیں' اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ . ہم اس وقت تک ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نازل نہ کریں جس کو ہم خود پڑھیں۔ (بنی اسرائیل: ۹۳)

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو ایک صحیفہ لا کر دیں' جس میں اس شخص کے نجات یافتہ ہونے کی تصریح ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ہر شخص جب صبح کو اٹھتا تھا تو اس کی پیشانی پر اس کا گناہ اور اس کا کفارہ' لکھا ہوا ہوتا تھا' اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔

المدثر: ۵۳ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے O

اس آیت میں ان کو ان فرمائشی معجزات کے طلب کرنے سے منع فرمایا ہے' اور فرمایا ہے: یہ آخرت سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات میں غور و فکر نہیں کرتے' اگر کسی معجزہ کو طلب کرنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ان کو ہدایت حاصل ہو جائے تو اس کے لیے ایک ہی معجزہ کافی ہے' یہ بار بار فرمائشی معجزات کیوں طلب کرتے ہیں' کیا ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کی آیات کافی نہیں ہیں؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونے کے باوجود ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا کافی نہیں ہے جس کی نظیر آج تک کوئی نہیں لا سکا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! بے شک یہ نصیحت ہے O سو جو چاہے اس نصیحت کو قبول کرے O اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی اس نصیحت کو قبول کریں گے' وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا اسی کی شان ہے O (المدثر: ۵۶-۵۴)

معتزلہ اور جبریہ کا رد

المدثر: ۵۵-۵۴ میں کفار کے نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اور قرآن مجید کے متعلق ان کے بے ہودہ خیالات کی نفی فرمائی ہے۔

المدثر: ۵۶ میں فرمایا: اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی اس نصیحت کو قبول کریں گے۔

امام رازی لکھتے ہیں: معتزلہ نے کہا ہے کہ وہ نصیحت کو صرف اس وقت قبول کریں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو نصیحت کے قبول کرنے پر مجبور کر دے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیحت قبول کرنے کی مطلقاً نفی کی ہے' پھر اس حالت کا استثناء فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ یہ چاہے کہ وہ نصیحت کو قبول کریں' اور جب کفار نے نصیحت کو قبول نہیں کیا تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا کہ وہ نصیحت کو قبول کریں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر

موقوف ہیں' خواہ وہ مشیت بالذات ہو یا بالواسطہ ہو۔ (روح المعانی جز ۲۹ص ۲۳۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت سے بہ ظاہر جبریہ کی تائید معلوم ہوتی ہے کہ انسان وہی کام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور انسان کے افعال میں انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے' ہمارے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ انسان جو کام کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی کام کو پیدا کرنا اسی کی مشیت پر موقوف ہے اور اس اعتبار سے یہ کہنا درست ہے کہ انسان وہی کام کرتا ہے جس کام کو اللہ چاہتا ہے یعنی جس کام کے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا بھی اسی کی شان ہے O

یعنی وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کے بندے صرف اسی سے ڈریں اور اس کے عذاب سے خوف کھا کر اس پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کر دے' جب اس کے بندے اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے' سو جو شخص مجھ سے ڈرا اور اس نے میرا کوئی شریک نہیں قرار دیا تو میں اس کا اہل ہوں کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۹)

سورۃ المدثر کا اختتام

آج ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ جون ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات بعد از نمازِ ظہر سورۃ المدثر کا اختتام ہو گیا' ۵ جون کو سورۃ المدثر کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح گیارہ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں اور مجھے صحت اور توانائی کے ساتھ تاحیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے تمام احکام پر عامل رکھیں' اس تفسیر کو قبول فرمائیں اور تا روزِ قیامت اس کو فیض آفریں رکھیں' میری اور میرے والدین کی اور میرے اساتذہ کی اور میرے احباب' تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ القیامۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور وہ یہ ہے:

لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ۙ○ (القیامہ:۱) میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں○

قیامت کے مباحث بہت زیادہ اہم تھے کیونکہ کفار اور مشرکین قیامت کے وقوع کا بہت شدت سے انکار کرتے تھے' اس لیے اس سورت کا نام القیامۃ رکھا گیا کیونکہ اس سورت میں قیامت کے وقوع پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور ان کے شبہات کا ازالہ فرمایا گیا ہے۔

اس سورت کی المدثر سے مناسبت یہ ہے کہ المدثر: ۴۴۔۴۳ میں یہ بتایا گیا تھا کہ نماز نہ پڑھنے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے مشرکین کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا اور صراحۃً آخرت کا ذکر اس آیت میں فرمایا تھا:

كَلَّا ؕ بَلۡ لَّا یَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ ؕ○ (المدثر: ۵۳) ہرگز نہیں' بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے○

اور قیامت کے بعد آخرت کا وقوع ہوگا' اور اس سورت میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا ذکر فرمایا ہے' اور قیامت کے اوصاف' اھوال اور احوال کا ذکر فرمایا ہے' پھر قیامت کے مقدمات اور اس سے پہلے پیش آنے والے اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کے بدن سے روح کس طرح نکلے گی اور انسان کی ابتدا کی تخلیق کس طرح کی گئی تھی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۱ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۵ ہے۔

سورت القیامۃ کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی دین اور ایمان کے مبادیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے اور جزاء اور سزا کے معاملات ہیں' اور انسان کی تخلیق کی ابتداء کا ذکر ہے۔

☆ سورت کی ابتداء قیامت کی قسم کھا کر فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے تا کہ ان مشرکین کا رد ہو جو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کے قائل نہیں تھے۔

☆ آیت ۱۵۔۷ تک قیامت کی علامات کا ذکر فرمایا ہے کہ جب چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے وغیرہا۔

☆ آیت ۱۹۔۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے اثناء وحی میں وحی کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلایا ہے

کہ اللہ سبحانہ اس بات کا کفیل اور ضامن ہے کہ وہ آپ کے دل میں اور دماغ میں اس وحی کو محفوظ اور ثابت رکھے گا اور اس کے معانی کو بیان فرمائے گا' لہٰذا از خود آپ قرآن مجید میں نازل ہونے والے الفاظ کو بار بار دہرانے اور یاد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

☆ آیت: ۲۵۔۲۰ میں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی محبت کی مذمت فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ بعض انسان نیک فطرت ہیں' جن کے چہرے ایمان کے انوار سے منور رہتے ہیں اور بعض انسان بدفطرت ہیں' جن کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆ آیت: ۳۵۔۲۶ میں موت کے وقت انسان کی حالت کو بیان فرمایا ہے اور جب جسم سے روح نکلتی ہے تو اس پر کیسی تنگی اور سختی ہوتی ہے۔

☆ آیت ۴۰۔۳۶ میں حشر اور معاد جسمانی پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ دوسری بار پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں ہے۔

سورۃ القیامۃ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بارِ الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ جون ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

اٰیاتہا ۴۰ رکوعاتہا ۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | (۷۵) سورۃ القیٰمۃ مکیۃ (۳۱)

سورۃ القیامۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ 26

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں ○ اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ○

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے؟ ○ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر

عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں ○ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی برے

اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷

کام کرتا رہے ○ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟ ○ پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی ○

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ

اور چاند بے نور ہو جائے گا ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے ○ اس دن

الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى

انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ ○ ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہو گی ○ اس دن

رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہو گی ○ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے

بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴

اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی ○ بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہو گی ○

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ

خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو ○ آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ

بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ

دیں O بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں

26 قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ

تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O پھر اس کا (معنی) بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی

الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

چیز سے محبت رکھتے ہو O اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو O اس دن بہت چہرے

نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے O

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا O یقیناً جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی O

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ

اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہے؟ O اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے O اور پنڈلی

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع ۱ ۳۰ ۱۷

پنڈلی سے لپٹ جائے گی O اس دن آپ کے رب کی طرف لے جایا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں O اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں O کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے O کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں O بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی برے کام کرتا رہے O (القیامہ: ۵۔۱)

قسم سے پہلے حرف ''لا'' کے دو محمل

القیامہ: ۱ میں فرمایا: ''لا اقسم بیوم القیامۃ'' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ''لا اقسم'' میں ''لا'' زائدہ ہے یا نفی کے معنی میں ہے' اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ یہ ''لا'' زائدہ ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہو سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ بے معنی نہیں ہے' البتہ یہ نفی کے معنی میں نہیں ہے' اس کو کلام میں قسم سے پہلے زینت کے لیے ذکر کیا جاتا ہے' اور کلام عرب میں اسی طرح ہوتا ہے اور قرآن مجید لغت عرب اور اسلوب عرب پر نازل ہوا ہے اور قرآن مجید میں اس کی بہت نظائر ہیں' جیسے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (النساء:۶۵) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے۔

اور تحسین کلام کے لیے لفظ ''لا'' کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے نفی کا معنیٰ مقصود نہیں ہوتا' جیسے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ. (الاعراف:۱۲) تجھے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔

اور قسم میں جب لفظ ''لا'' کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا فائدہ قسم کی تاکید ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ لفظ ''لا'' نفی کے لیے ہے یعنی جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے' اس کی مخالف چیز کی نفی کے لیے ہے' گویا کہ مشرکین نے قیامت کے وقوع کی نفی کی اور شد و مد سے قیامت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں ہے کہ قیامت واقع نہیں ہوگی' میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں یعنی قیامت ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ بہت عظیم دن ہوگا اور تمام نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال کا ثمرہ اس دن ظاہر ہو جائے گا۔

القیامہ:۲ میں فرمایا: اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں O

نفس لوّامہ کے مصداق میں متعدد اقوال

ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا' خواہ وہ نیک ہو یا بد' نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا؟

(۲) نفس لوامہ سے مراد نفوسِ متقیہ ہیں' یعنی متقی لوگ' وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیز گاری کو کیوں اختیار نہیں کیا؟

(۳) نفس لوامہ سے مراد نفوسِ شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ہوں' حسن بصری نے کہا: تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل بُرے کاموں میں مشغول ہو' پھر بھی اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

(۴) نفس لوامہ سے مراد بدفطرت نفوس ہیں' جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں مبتلا رہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ. (الزمر:۵۶) ایسا نہ ہو کہ کوئی نفس یہ کہے: ہائے افسوس! میں نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی برتی۔

(۶) انسان کو افسوس کرنے والا تخلیق کیا گیا ہے' انسان پہلے کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور جب وہ چیز اسے مل جاتی ہے تو پھر وہ اس پر افسوس کرتا ہے اور اس کو طلب کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے اس چیز کو کیوں طلب کیا تھا' مثلاً شوگر کا مریض شوگر فری بسکٹ یا شوگر فری مربّہ منگواتا ہے اور جب اس کو کھانے سے اس کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے کیوں یہ چیزیں منگوائیں اور چونکہ اس کے ساتھ یہ عمل بار بار ہوتا ہے' اس لیے اس کا نفس لوامہ ہو جاتا ہے' اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ (المعارج:۲۱۔۱۹) بے شک انسان بہت کم زور دل کا پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے O اور جب اس کو

کوئی خیر ملتی ہے تو وہ شکر ادا نہیں کرتا○

قیامت اور نفس لوّامہ کی مناسبت

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے ذکر میں اور نفس لوامہ میں کیا مناسبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں کو قسم میں جمع فرمایا ہے اور دونوں لفظوں کی قسم کھائی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے احوال بہت خوف ناک اور بہت دہشت ناک ہوں گے اور جب قیامت قائم ہوگی تو نفوس لوامہ کے احوال ظاہر ہوں گے' بعض نفوس کے نیک اعمال اور ان پر انعامات کا اظہار ہوگا' اس وقت وہ تمنا کریں گے: کاش! ہم نے زیادہ نیک عمل کیے ہوتے تو ہم کو زیادہ انعامات ملتے اور بعض نفوس کے بُرے اعمال اور ان کے نتائج کا اظہار ہوگا' اس وقت وہ شرم سار ہوں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ کاش! ہم نے یہ بُرے کام نہ کیے ہوتے' سو اس طرح نفس لوامہ کی احوالِ قیامت کے ساتھ بہت قوی مناسبت ہے' قیامت کے عجیب وغریب احوال اور ان کے ساتھ نفس لوامہ کی مناسبت ان آیات میں غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ○ (الذاریات:۵۶)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں○

قیامت کے دن جب اکثر انسان اپنے نامہ اعمال کو اور میزان کو دیکھیں گے اور ان کو اپنے نیک اعمال کم دکھائی دیں گے تو وہ اپنے اوپر افسوس اور ملامت کریں گے کہ ہم کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا اور ہم نے لھوولعب اور لایعنی کاموں میں زندگی گزار دی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ○ (الاحزاب:۷۲)

ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر اپنی امانت (احکام) کو پیش کیا' انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت جاہل ہے○

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی امانت میں خیانت کرنے کے نتائج اور عواقب دیکھے گا تو اس کو اپنی خیانت پر بہت افسوس ہوگا اور وہ اپنے آپ کو بہت ملامت کرے گا۔

اور ایسی بہت آیات ہیں جن میں غور کرنے سے قیامت اور نفس لوامہ میں مناسبت کا پتا چلتا ہے۔

نفس انسان کی تین قسمیں

نفس کی تین قسمیں ہیں: نفس امّارہ' نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ۔

نفس امارہ کی یہ تعریف ہے کہ وہ طبیعت بدنیہ اور اس کے تقاضوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور لذات اور شہوات حسیہ کے حصول کا حکم دیتا ہے اور دل کو گھٹیا اور خسیس چیزوں کی طرف کھینچتا ہے اور یہ نفس' اخلاق مذمومہ' شرور اور خبائث کا معدن اور منبع ہوتا ہے۔

نفس لوّامہ وہ ہے جو دل کے نور سے روشن ہوتا اور جب انسان پر غفلت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی جبلّت ظلمانیہ کے تقاضے سے کسی برائی یا گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کا وہ نفس اس کو ملامت کرتا ہے اور اس سے متنفر ہوتا ہے۔

اور نفس مطمئنہ وہ ہے جو دل کے نور سے مکمل منور ہوتا ہے اور وہ مذموم صفات سے عاری اور خالی ہوتا ہے اور اوصافِ محمودہ سے متصف ہوتا ہے اور اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوتا ہے اور اس انسان کی جبلت ظلمانیہ اسے بُرائی پر نہیں اکساتی اور نیکی

کے خلاف مزاحمت نہیں کرتی۔
بعض صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ نفس لوامہ ہی نفس مطمئنہ ہے جو نفس امارہ کو ملامت کرتا رہتا ہے اور بعض صوفیاء نے کہا: نفس لوامہ کا نفس مطمئنہ سے اوپر درجہ ہے کیونکہ نفس مطمئنہ خود کامل ہوتا ہے اور نفس لوامہ ملامت کر کے دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔
(المفردات ج ۲ ص ۵۸۸ روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۳۶-۲۳۵)

نفس کی تعریف اور اس کا مصداق

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:
لغت میں نفس کا معنیٰ کسی شی کا وجود ہے اور عرف میں نفس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کے اوصاف کا معلول ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد وہ لطیف چیز ہو جو اس جسم میں موجود ہے' اور وہی انسان کے اخلاقِ مذمومہ کا محل ہے' جیسا کہ روح ایک لطیف چیز ہے جو اس جسم میں رکھی گئی ہے اور وہی اخلاقِ محمودہ کا محل ہے اور ان میں سے بعض' بعض کے تابع ہیں اور ان کا مجموع انسان ہے۔
روح اور نفس کا صورت میں اجسامِ لطیفہ سے ہونا ایسے ہے جیسے ملائکہ اور شیاطین کا لطیف صورت میں ہونا ہے اور جس طرح آنکھ دیکھنے کا محل ہے' اور کان سننے کا محل ہے اور ناک سونگھنے کا محل ہے اور موتھ (منہ) چکھنے کا محل ہے اور جو سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے اور سونگھنے والا ہے اور چکھنے والا ہے' اس کا مجموع انسان ہے' اسی طرح اوصافِ محمودہ کا محل قلب اور روح ہے اور اوصافِ مذمومہ کا محل نفس ہے اور نفس بھی اس مجموع کا جز ہے اور قلب بھی اس مجموع کا جز ہے۔
(الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صوفیاء اور علامہ قشیری کی تعریفوں میں تطبیق

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء اور علامہ قشیری نے جو نفس کی تعریفیں کی ہیں' ان میں کوئی تخالف اور اضطراب نہیں ہے' علامہ قشیری کے نزدیک فی نفسہٖ اپنی وضع اور تخلیق کے اعتبار سے نفس صفاتِ مذمومہ کا محل ہے اور صوفیاء اسی کو نفس امارہ کہتے ہیں' لیکن بعض نیک مسلمان نفس کے جبلی تقاضوں اور اس کے احکام کو مسترد کر کے اس کو صیقل کر لیتے ہیں اور جب ان کا نفس انہیں بُرے کاموں پر اکساتا ہے تو وہ اس کو ملامت اور سرزنش کرتے ہیں اور اس کو وہ نفس لوامہ کہتے ہیں اور بعض نفوسِ قدسیہ قلب کے نور سے مکمل منور ہو جاتے ہیں' وہ مذموم صفات سے بالکل عاری اور خالی ہوتے ہیں' وہ اوصافِ محمودہ سے متصف اور اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوتے ہیں اور وہ بُرے کاموں پر نہیں اُکساتے اور نہ نیک کاموں کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کے نفوس ہوتے ہیں۔ اللھم ارزقنا شیئا من فیوضاتھم.
القیامہ: ۴-۳ میں فرمایا: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے؟○ کیوں نہیں! ہم اس پر ضرور قادر ہیں○ الآیۃ

القیامہ: ۲-۱ کی قسموں کا جواب

اس سے پہلے القیامہ: ۲-۱ میں جن قسموں کا ذکر فرمایا ہے' ان قسموں کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے' جمہور مفسرین نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو ضرور مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور یہ جواب محذوف ہے' اس پر قرینہ القیامہ: ۴-۳ ہے' جن میں فرمایا ہے: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے○ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں○ حسن بصری نے کہا: اس کے جواب پر دلیل القیامہ: ۴ ہے' یعنی کیوں نہیں!

ہم اس پر قادر ہیں۔

القیامہ: ۳ کا شانِ نزول

مشہور یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد معین انسان ہے' مفسرین نے بغیر سند کے یہ روایت بیان کی ہے کہ عدی بن ربیعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے بتایئے کہ قیامت کب آئے گی اور اس کا معاملہ کس طرح ہوگا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیامت کے احوال کی خبر دی' وہ کہنے لگا: اگر میں قیامت کے دن کو دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا' کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کی ہڈیوں کو جمع فرمائے گا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت عدی بن ربیعہ اور اخنس بن شریک کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان دونوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! ان دو بُرے پڑوسیوں سے تو مجھے کفایت فرما' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ: الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۸۲' امام ابوالحسن الواحدی متوفی ۴۶۱ھ: اسباب النزول ص ۴۶۹' امام بغوی متوفی ۵۱۲ھ: معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۸۲' علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ: الکشاف ج ۴ ص ۶۶۰' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ: تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۲' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ: الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۸۶' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ: روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۳۶)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کا شبہ اور اس کا جواب

کفار جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ جب انسان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مٹی کے ذرات سے مختلط ہو جائیں گی' پھر عرصہ گزرنے کے بعد آندھیوں اور تیز ہواؤں سے ان کے ذرات اُڑ کر دوسری ہڈیوں کے ذرات سے خلط ملط ہو جائیں گے' پھر ایک انسان کے ذرات دوسرے انسان کے ذرات سے کیسے ممیز اور ممتاز ہوں گے' پھر ان مختلف اور مختلط ذرات کو دوبارہ کس طرح انسانی پیکر میں ڈھالا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان مختلف اور مختلط ذرات کو باہم ممتاز کرنا اور انسانی پیکر میں ڈھالنا اس شخص کے لیے مشکل ہوگا جس کا علم ناقص ہو اور اس کی قدرت ناقص ہو' اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کیوں مشکل ہوگا جس کا علم بھی کامل اور محیط ہے اور اس کی قدرت بھی کامل اور محیط ہے۔

نیز اس آیت کی تفسیر اس طرح ہے کہ ہم انسان کی انگلیوں کے پوروں کو دوبارہ بنانے پر کیوں قادر نہیں ہوں گے جب کہ ہم ان کو پہلی بار بنا چکے ہیں اور دوسری بار بنانا تو پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہے اور انگلیوں کی ہڈیوں کا ذکر فرما کر اس پر تنبیہ کی کہ جب ہم انسان کے جسم کی ان چھوٹی ہڈیوں کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں تو بڑی ہڈیوں کے بنانے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہیں۔

القیامہ: ۵ میں فرمایا: بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی بُرے کام کرتا رہے O

توبہ نہ کرنا اور روزِ قیامت کی تکذیب کرنا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) یعنی وہ شخص مستقبل میں بھی بُرے کام کرتا رہے اور بُرے کاموں کو بالکل ترک نہ کرے' سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ شخص تسلسل کے ساتھ گناہ کرتا رہے اور توبہ کو مؤخر کرتا رہے اور یہ کہتا رہے کہ میں عنقریب توبہ کر لوں گا حتیٰ کہ وہ بُرے کاموں اور گناہوں میں مشغول ہو اور اسی حال میں اس کو موت آ جائے۔

(۲) ''لیفجر امامہ'' کا معنیٰ ہے: اس کو آگے جو اُمور پیش آنے ہیں یعنی آخرت میں ان کی تکذیب کرتا رہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے اور آخرت میں حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب کی تکذیب کرتا رہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ القیامہ:٦ میں فرمایا: وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ یعنی اس کے آگے جو قیامت کا دن آنے والا ہے' اس کی تکذیب کرتا رہے اور گویا وہ قیامت کو جھٹلاتے ہوئے کہتا ہے: وہ دن کب آئے گا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی O اور چاند بے نور ہو جائے گا O اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے O اس دن انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ O (القیامہ:١٠۔٦)

یعنی سوال کرنے والا انکاراً اور استہزاءً کہے گا کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ وہ قیامت کے دن کو بہت بعید سمجھے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ O فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ O (الملک:٢٧۔٢٥)

کافر کہتے ہیں: قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) O آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے' میں تو تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O پھر جب یہ لوگ اس وعدہ کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرتے تھے O

القیامہ:٩۔٧ میں فرمایا: پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی O اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے O

قیامت کی تین علامتیں اور ان پر اعتراضات کے جوابات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں' پہلی علامت یہ ہے کہ جب بجلی چمکے گی اور بہت تیز روشنی کو دیکھنے سے' دیکھنے والے کی نظر خیرہ ہو جائے گی اور اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا جیسا کہ بہت روشنی پڑنے سے ایسا عموماً ہو جاتا ہے۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ انسان کو ایسی حالت کا کب سامنا ہوگا' ایک قول یہ ہے کہ موت کے وقت' دوسرا قول یہ ہے کہ جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو دوزخ کو دیکھ کر اس کی نظر چکا چوند ہو جائے گی اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ کیفیت موت کے وقت ہوگی' انہوں نے کہا: جب قیامت کے منکر نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کو جواب دیا گیا کہ جب اس کی موت قریب آئے تو عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر اس کی نظر خیرہ ہو جائے گی اور اس کے شکوک زائل ہو جائیں گے اور اس کو قیامت پر یقین آ جائے گا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ چاند بے نور ہو جائے گا یعنی اس کو گہن لگ جائے گا' اس پر ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ چاند کو اس وقت گہن لگتا ہے' جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے اور جب سورج اور چاند جمع ہوں گے اس وقت تو یہ حالت پیدا نہیں ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ چاند کو گہن لگنے کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور وہ اس نظام کا پابند نہیں ہے کہ اس کے بغیر چاند کو گہن نہ لگ سکے' جیسے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے اختلاط جنسی کو انسان کی پیدائش کا سبب بنایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس نظام کا پابند نہیں ہے کہ اس کے بغیر انسان کو پیدا نہ کر سکے' اس نے عورت کے بغیر حضرت حواء کو پیدا کر دیا اور

مرد کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا اور مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا' اسی طرح اس نے چاند اور سورج کے درمیان زمین کے حائل ہونے کو چاند کے گہن کا سبب بنایا ہے لیکن قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ براہِ راست زمین کے حائل ہونے کے بغیر چاند کو گہنا دے گا اور اس کو بے نور کر دے گا۔

تیسری علامت میں فرمایا: سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ ۔ سورج میں یہ طاقت نہیں کہ وہ چاند کو پا سکے۔

(یٰسٓ: ۴۰)

جب سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا تو وہ دونوں جمع کس طرح ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب قیامت کے وقوع سے پہلے وہ معمولی کی گردش کرتے رہیں گے' لیکن جب قیامت آئے گی تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کے جمع ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ دونوں بے نور ہونے میں جمع ہو جائیں گے۔

القیامہ: ۱۰ میں فرمایا: اس دن انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟O

یعنی جو انسان قیامت کے وقوع کا منکر ہے' جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھے گا تو وہ گھبرا کر پوچھے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہوگی O اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی O اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی O بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی O خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو O (القیامہ: ۱۵۔۱۱)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی

القیامہ: ۱۱ میں اس سے جھڑک کر منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ سے فرار کی جگہ ڈھونڈے' اور اس آیت کا معنیٰ ہے: اس دن کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی' "وزر" کا معنیٰ ہے: روکنے والا پہاڑ یا پناہ کی جگہ۔

القیامہ: ۱۲ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی O

اس آیت میں "المستقر" کا لفظ ہے' یہ استقرار سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: ٹھہرنا' اس دن تم اللہ عزوجل کو چھوڑ کر کسی اور کے پاس ٹھکانا نہیں بنا سکو گے' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰىؕ (العلق: ۸) بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنے کی جگہ ہے O

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُO (النور: ۴۲) اور اللہ ہی کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہے O

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُO (الشوریٰ: ۵۳) سنو تمام اُمور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں O

ان آیات کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانا تمہارے رب ہی کے پاس ہے' خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ ہو' یعنی تمہارا ٹھکانا اللہ سبحانہ کی مشیت کی طرف مفوض ہے' وہ جس کو چاہے گا اپنے وعدہ کے مطابق یا اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا اپنی وعید کے مطابق یا اپنے عدل سے دوزخ میں داخل کر دے گا۔

القیامہ: ۱۳ میں فرمایا: اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی O

بندوں کو ان کے اعمال کی خبر دینا

یعنی انسان کو اس کے ان کاموں کی خبر دی جائے گی جو اس نے کیے ہیں اور ان کاموں کی خبر دی جائے گی جو اس نے

نہیں کیے' یا جو کام اس نے خود کیے مثلاً جو صدقات دیئے یا وہ کام جس کا اس نے اپنے مرنے کے بعد کرنے کا حکم دیا کہ اس کے مال سے اتنا صدقہ دے دیا جائے' یا اس نے جو نیک کام ایجاد کیے' جن پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہوتا رہا' یا اس نے جو بُرے کام ایجاد کیے جن پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہوتا رہا' مجاہد نے کہا: اس سے مراد اس کے پہلے عمل ہیں اور آخری عمل ہیں' اس آیت کی نظیر یہ آیات ہیں:

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ. اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے تمام اعمال کی خبر دے گا جن کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور وہ بھول چکے ہیں۔ (المجادلہ:۶)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ. (یٰس:۱۲) اور ہم ان کے وہ اعمال لکھ رہے ہیں جن کو وہ آخرت کے لیے بھیج رہے ہیں۔

انسان کو جو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اس پر اس کا حساب پیش کیا جائے گا یا میزان کے وقت اس کو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی' حسب ذیل احادیث میں بھی اس کا ثبوت ہے:

قیامت کے دن بندہ کے نیک اعمال ملنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی موت کے بعد جو نیک اعمال آ کر اس کو ملتے ہیں' ان میں سے وہ علم ہے جس کی اس نے تعلیم دی اور اس کی اشاعت کی اور وہ نیک اولاد ہے جس کو اس نے ترک کیا یا وہ قرآن مجید کا نسخہ ہے' جس کا اس نے وارث کیا یا وہ مسجد ہے' جس کو اس نے بنایا یا اس نے کسی مسافر کے لیے جو گھر بنایا یا وہ نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا یا اس نے اپنی زندگی میں اپنی صحت کے ایام میں جو صدقہ دیا یہ وہ نیکیاں ہیں جو اس کی موت کے بعد اس کو آ کر ملیں گی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۴۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۴۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات نیک اعمال ایسے ہیں جن کا اجر بندے کی موت کے بعد اس کی قبر میں بھی جاری رہتا ہے' جس شخص نے کسی علم کی تعلیم دی یا اس نے کوئی نہر جاری کی یا اس نے کوئی کنواں کھودا' یا اس نے کوئی درخت اگایا' یا اس نے کوئی مسجد بنائی یا اس نے قرآن مجید کے نسخہ کا کسی کو وارث بنایا یا اس نے (نیک) اولاد چھوڑی' جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴۳۔۳۴۴' اس حدیث کی سند میں محمد بن عبید اللہ العرزمی نام کا راوی متروک الحدیث ہے)

ان دونوں حدیثوں میں موت کے بعد ان نیک اعمال کے ملنے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت ان اعمال کی خبر نہیں دی جائے گی بلکہ قیامت کے دن حساب پیش کرتے وقت یا میزان کے پاس ان نیک اعمال کی خبر دی جائے گی' اس سلسلہ میں دیگر احادیث یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' (وہ تین اعمال یہ ہیں:) صدقۂ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۶۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۳۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو نکالا' اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس نیکی پر عمل کریں گے' ان کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا

اور ان بعد والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالا' اس پر اپنی برائی کا گناہ ہوگا اور بعد کے لوگوں کی برائیوں کا بھی گناہ ہوگا اور ان بعد والوں کے گناہوں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۹)

القیامہ: ۱۴ میں فرمایا: بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی O

انسان کی اپنے اوپر بصیرت کے دو محمل

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی اور اس آیت میں گویا ترقی کر کے فرمایا: بلکہ اس کو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ کوئی اور اس کو خبر دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس خود مشاہدہ کر رہا ہوگا کہ وہ خود ان افعال کا فاعل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی' اس کے دو محمل ہیں:

(۱) انسان اپنی بداہت عقل سے جانتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے سے اس کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی میں سعادت ہے' اور جو کام اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے دور کرتے ہوں اور دنیا کی زینت اور اس کی لذتوں میں مشغول رکھتے ہوں اور ان ہی میں معصیت اور شقاوت ہے' خواہ وہ اپنی چرب زبانی سے ملمع کاری کرتا رہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتا رہے لیکن وہ اپنی عقل سلیم سے جانتا ہے کہ دراصل حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اسی لیے فرمایا ہے کہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا کہ انسان کے اعضاء خود اس کے کاموں پر گواہی دیں گے' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ۲۴)

جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے O

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یٰس: ۶۵)

آج ہم ان کے موُنھوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پیر ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے O

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدہ: ۲۰)

حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کے پاس آ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے O

امام واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیات کفار پر محمول ہیں کیونکہ وہ اپنے اعمال کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا پھر ان کے اعضاء ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔

القیامہ: ۱۵ میں فرمایا: خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو O

''معاذیر'' ''معذرۃ'' کی جمع ہے' اس آیت کا معنی ہے کہ انسان ہر چند کہ اپنے کاموں کا عذر پیش کرے گا اور اپنی مدافعت میں دلائل لائے گا اور ہر ممکن طریقہ سے بحث کرے گا لیکن اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اعضا خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O پھر اس کا معنیٰ بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O (القیامہ: ۱۹۔۱۶)

دورانِ وحی قرآن مجید کو یاد کرنے کے لیے عجلت سے قرآن مجید کو دہرانے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے' آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس آیت کو دہراتے رہتے تھے' آپ کا ارادہ یہ ہوتا تھا کہ آپ اس آیت کو حفظ کر لیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے' سفیان نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھایا' امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تنزیل سے بہت مشقت اٹھاتے تھے' اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اپنے ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرکت دیتے تھے' سعید بن جبیر نے کہا: میں اپنے ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حرکت دیتے تھے' پھر انہوں نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۲۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹' مسند احمد ج ا ص ۳۴۳)

القیامہ: ۱۷ میں فرمایا: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں قرآن مجید کو محفوظ کرنا اللہ سبحانہ کے ذمہ ہے

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں' پس جب ہم قرآن کی کوئی آیت نازل کریں تو آپ غور سے سنیں' پھر یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کی زبان سے پڑھوائیں' اس کے بعد جب حضرت جبریل آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے' پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ قرآن مجید کی ان آیتوں کو اس طرح پڑھ لیتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۹)

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل دوبارہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کے سامنے دوبارہ ان آیات کو پڑھیں اور آپ سن کر ان کو دہرائیں حتیٰ کہ آپ کو وہ آیات حفظ ہو جائیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! ہم یہ آیات آپ سے اس طرح پڑھوائیں گے کہ آپ ان کو نہیں بھولیں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ O (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے سو آپ نہیں بھولیں گے O

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اس آیت کی جو پہلی تفسیر ذکر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' اس آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے۔

القیامہ:۱۸میں فرمایا: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O

حضرت جبریل کے فعل کو اللہ سبحانہ کا فعل قرار دینے کی ایک مثال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کئی مثالیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے اور یہ آیت حضرت جبریل علیہ السلام کے شرف عظیم پر دلالت کرتی ہے‘ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا تھا‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح:۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کر رہے ہیں‘ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

حالانکہ ان کے ہاتھوں پر آپ کا ہاتھ ہے۔ اسی طرح فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:۱۷)

آپ نے (حقیقت میں) کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے (بہ ظاہر) کنکریاں ماری تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے ماری تھیں۔

اسی طرح یہ آیت ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کر لی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

حضرت جبریل کے پڑھنے کی اتباع کا معنیٰ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب حضرت جبریل قرآن پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کا پڑھنا حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ نہیں ہونا چاہیے بلکہ واجب یہ ہے کہ جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں‘ آپ خاموشی سے ان کے پڑھنے کو سنتے رہیں‘ حتیٰ کہ جب حضرت جبریل اپنے پڑھنے سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد آپ پڑھنا شروع کریں اور پڑھنے کی اتباع کا یہی معنیٰ ہے اور حلال اور حرام میں قرآن مجید کی اتباع کا یہ کوئی مقام نہیں ہے‘ جیسا کہ اس سے پہلے صحیح بخاری کی روایت سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی کسی آیت کو لے کر نازل ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر سنتے رہتے تھے اور جب حضرت جبریل چلے جاتے تو پھر آپ پڑھنا شروع کرتے تھے۔

القیامہ:۱۹میں فرمایا: پھر اس کا معنیٰ بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O

حضرت جبریل سے قرآن مجید کے معانی پوچھنے کی ممانعت

امام رازی فرماتے ہیں: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور ان کے پڑھنے کے درمیان میں قرآن مجید کے مشکل مباحث اور اس کے معانی کے متعلق حضرت جبریل سے پوچھتے رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں باتوں سے منع فرمایا اور فرمایا: آپ حضرت جبریل کے ساتھ ساتھ نہ پڑھیں بلکہ ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیں اور قرآن مجید کے معانی کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں اور حضرت جبریل سے اس کے معنیٰ کے متعلق نہ پوچھیں' اس کا معنیٰ بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

بیان کے خطاب سے مؤخر ہونے کے متعلق امام ماتریدی کی تحقیق

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی آیت میں جو خطاب ہو اس کا فوراً بیان کرنا ضروری نہیں ہے اور خطاب کے وقت سے اس کے بیان کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے' اور علامہ ابوالحسن نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وقت خطاب سے بیان کی تاخیر واجب ہے اور تم اس کے قائل نہیں ہو۔

(۲) ہمارا مؤقف یہ ہے کہ خطاب کا اجمالی بیان تو فوراً لازم ہے اور تفصیلی بیان میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

قفال نے ایک تیسرا بیان بھی دیا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: پھر ہم آپ کو خبر دیں گے کہ ہم پر اس کا بیان لازم ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: آیت میں مطلقاً بیان کا ذکر ہے خواہ اجمالی ہو یا تفصیلی' سو ہر قسم کا بیان خطاب سے مؤخر ہو سکتا ہے اور قفال کا سوال ضعیف ہے' کیونکہ اس میں بغیر کسی دلیل کے ظاہر کو ترک کر دیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنیٰ ہے: جن آیات کو ہم نے اجمالاً نازل کیا ہے' ان کا بیان کرنا ہم پر لازم ہے' پس اس کے بیان سے اس کا اتمام کر دیا جائے گا' اور یہ بتایا جائے گا کہ وہ کام جائز ہے یا مستحسن ہے کیونکہ فرائض کی کئی شاخیں ہوتی ہیں' اس میں ارکان' لوازم اور آداب ہوتے ہیں' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے اور فرمایا: ہم پر بیان کرنا لازم ہے' یعنی اس میں کنایہ ہے یا اس کا تعلق اصول کے ساتھ ہے یا فروع کے ساتھ ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصول اور کنایات کو بیان کیا جائے گا اور بعد میں جو مجتہدین ان آیات میں غور و فکر کریں گے ان پر ان آیات کے مقاصد کھول دیئے جائیں گے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

بیان کے خطاب سے مؤخر ہونے کے متعلق امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قدیم روافض کی قوم کا یہ زعم ہے کہ اس قرآن میں تغیر و تبدل اور تحریف کی گئی ہے اور اس میں زیادتی اور کمی بھی کی گئی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجلت سے اور زبان کو حرکت دینے سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ آپ حضرت جبریل کے پڑھنے کے دوران نہ پڑھیں اور ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیں اور ان کے معنیٰ کے متعلق آپ حضرت جبریل سے نہ پوچھیں' ان کے معنیٰ کا بیان کرنا ہم پر لازم ہے' روافض کہتے ہیں کہ القیامہ: ۱۹-۱۶ کی یہ آیات اس سے پہلے کی آیات سے اور اس کے بعد کی آیات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں' اس سے معلوم ہوا کہ یہ حصہ قرآن نہیں ہے' اور غیر قرآن کو قرآن میں شامل کر دیا گیا ہے' اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ ہم ان آیات کی اس سے پہلی اور بعد کی

آیات کے ساتھ مناسبت بیان کریں' سو ہم کہتے ہیں کہ یہ مناسبت متعدد وجوہ سے ہے:

(۱) ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھنے میں جو عجلت کرنے سے منع فرمایا' یہ عجلت کا واقعہ سورۃ القیامہ کی ان ہی آیات کے درمیان پیش آیا ہو' تو اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو ان ہی آیات کے درمیان عجلت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

(۲) اس سے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ کفار سعادتِ عاجلہ کو پسند کرتے تھے' ارشاد فرمایا:

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی بُرے کام کرتا رہے ۝ (القیامہ:۵)

پھر اس کے بعد بیان فرمایا کہ عجلت کرنا مطلقاً مذموم ہے حتیٰ کہ نیک کاموں میں بھی عجلت نہیں کرنی چاہیے' اس لیے فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ (القیامہ:۱۶)

اور ان آیات کے اخیر میں فرمایا:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ (القیامہ:۲۰) ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہو ۝

(۳) گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! اس تعجیل سے آپ کی غرض یہ ہے کہ آپ قرآن کو حفظ کر لیں اور مشرکینِ مکہ کو قرآن مجید کی تبلیغ کریں لیکن اس میں آپ کو تعجیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے' اور وہ اپنے دلوں سے یہ بات جانتے ہیں کہ انہوں نے کفر' بت پرستی اور انکارِ قیامت کو جو اختیار کیا ہوا ہے وہ باطل ہے اور بدترین عقیدہ ہے' پس اگر قرآن مجید کو عجلت سے پڑھنے میں آپ کی غرض یہ تھی کہ ان کو ان کے عقیدہ کی خرابی پر مطلع کریں لیکن یہ چیز تو وہ از خود جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے ان کو جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک اور سورت میں بھی بیان فرمایا ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ اس سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں حتیٰ کہ آپ کی طرف وحی پوری کی جائے اور یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما ۝

یعنی قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے اس کو بار بار دہرانے سے مدد طلب نہ کریں' بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

قفال نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے' جس طرح عام انسان سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے:

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی۔ (القیامہ:۱۳)

جب انسان کو اس کے اعمال نامہ میں تمام بُرے کام دکھائے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ۝ آج اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لے' آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہے ۝ (بنی اسرائیل:۱۴)

پھر جب وہ اپنا اعمال نامہ پڑھنے لگے گا تو خوف کی شدت سے اس کی زبان کپکپانے لگے گی اور وہ عجلت سے پڑھنے کی کوشش کرے گا' تب اس سے کہا جائے گا: تم عجلت سے پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو کیونکہ ہم پر ہماری وعید کے اعتبار سے یا ہماری حکمت کے اعتبار سے واجب ہے کہ ہم تمہارے تمام اعمال کو تمہارے سامنے جمع کریں اور تمہارے سامنے تمہارے اعمال کو پڑھیں' پس جب ہم تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پڑھیں تو تم ہمارے پڑھنے کی اتباع کرو اور یہ اقرار کرو کہ تم نے یہ اعمال کیے ہیں' پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے احکام کا بیان کریں اور ان پر عمل نہ کرنے کی سزاؤں کا بیان کریں اور اس آیت کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے تمام اعمال کو اس کے سامنے تفصیل سے بیان فرمائے گا' اور ان آیات میں اس کے لیے دنیا میں شدید وعید ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے' پھر قفال نے یہ کہا کہ یہ ان آیات کی بہت حسین توجیہ ہے اور عقلی طور پر اس میں کوئی خرابی نہیں ہے' اگرچہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہو O اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو O اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے O وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا O (القیامہ: ۲۵۔۲۰)

القیامہ: ۲۱۔۲۰ میں کفارِ مکہ سے خطاب ہے اور جلد ملنے والی چیز سے مراد دنیا اور اس کی زیب و زینت ہے' اس آیت میں کفار کی دنیا سے محبت کرنے پر مذمت کی ہے اور ان کو اس لیے زجر و توبیخ کی ہے تاکہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں' اور آخرت سے مراد جنت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تبلیغ فرماتے تھے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے ڈراتے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت پر ایمان لے آؤ اور نیک کام کرو اور بُرے کام چھوڑ دو تو نہ تم صرف عذابِ نار سے محفوظ رہو گے بلکہ جنت اور آخرت کی دیگر دائمی نعمتوں کے مستحق ہو جاؤ گے لیکن وہ شرک اور کفر اور دنیا کے عارضی مفاد کی خاطر جنت اور آخرت کی دیگر دائمی نعمتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

القیامہ: ۲۳۔۲۲ میں فرمایا: اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے O

''ناضرۃ'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''ناضرۃ'' کا لفظ ہے' ''نضر'' کا معنیٰ ہے: سونا' چاندی' اور ''نضرۃ'' کا معنیٰ ہے: تروتازگی' زندگی کی رونق' ''نضیر'' کا معنیٰ ہے: تروتازہ پر رونق پانی' سونے چاندی والا' ''نضر اللہ وجھہ'' کا معنیٰ ہے: اللہ اس کا چہرہ تروتازہ اور خوش و خرم رکھے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۴۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عمر اور مجاہد نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' اس کا معنیٰ ہے: اللہ سبحانہ نے ان کے لیے جو ثواب رکھا ہے وہ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی جنت میں رؤیت کی نفی پر معتزلہ کا استدلال اور اس کے جوابات

معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کا انکار کیا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۚ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے یعنی انہیں دیکھتا ہے۔

(الانعام: ۱۰۳)

معتزلہ کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کفار کی آنکھیں مراد ہیں یعنی کفار قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے‘ جیسا کہ اس آیت میں اس کی تصریح ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ (المطففین: ١٥) ہرگز نہیں! یہ کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے ۝

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ الانعام کی اس آیت میں مؤمنوں اور کافروں سب کی آنکھیں مراد ہیں تو ہم کہیں گے کہ المطففین: ١٥ کی بناء پر اس میں تخصیص کر لی گئی اور اس سے مراد صرف کافروں کی آنکھیں ہیں اور اگر الانعام: ١٠٣ کے عموم پر اصرار کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ آیت دنیا کے ساتھ خاص ہے یعنی دنیا میں کوئی اللہ سبحانہ کو نہیں دیکھ سکتا اور اگر اس آیت کو روزِ قیامت کے ساتھ خاص کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ روزِ قیامت میں کئی احوال ہوں گے۔ بعض احوال میں اللہ سبحانہ جلال اور غضب میں ہوگا‘ اس وقت اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور جب اللہ رحم اور کرم فرمائے گا تو اس وقت مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور ان سب جوابات کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ الانعام: ١٠٣ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہ طور احاطہ کوئی نہیں دیکھ سکے گا‘ کیونکہ دیکھنے کو یہ لازم نہیں ہے کہ انسان جس چیز کو دیکھے اس کا احاطہ بھی کرے‘ ہم آسمان کو دیکھتے ہیں اور اس کا احاطہ نہیں کرتے جب کہ آسمان متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے یہ کیسے لازم آئے گا کہ ہم اس کا احاطہ کر لیں‘ جب کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی ہے‘ نیز ہم کہتے ہیں کہ المطففین: ١٥ میں بھی یہ دلیل ہے کہ مؤمنین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے‘ پس اگر مؤمنین بھی اس دن حجاب میں رکھے جائیں تو مؤمنوں اور کافروں میں کیا فرق رہے گا اور یہ آیت خصوصیت سے کفار کی محرومی کی کیسے دلیل ہوگی۔

قیامت اور جنت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور دیدار کے معانی

مؤمنین قیامت کے دن اور جنت میں اپنے رب کو دیکھیں گے‘ اس پر حسبِ ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے ادنیٰ شخص کا یہ مقام ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی کنیزوں کی طرف‘ ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف صبح اور شام دیکھے گا‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں: ”وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝“ (القیامۃ: ٢٣-٢٢)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٣٢٧-٢٥٥٦‘ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں‘ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ سونے کا ہے اور مسلمانوں اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہوگی‘ جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہو گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٨٨٠-٤٨٧٨‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٠‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٥٢٨‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٣٨٦‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ص ١٤٨‘ مسند احمد ج ٤ص ٤١١)

حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے‘ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: بے شک تم لوگ اپنے رب کو بالکل ظاہر دیکھو گے جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو‘ تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی‘ پس اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے کی نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو (یعنی فجر اور عصر کی نمازوں کو دوام کے ساتھ پڑھو) تو ایسا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۱-۵۵۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۹۹ مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰)

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم میں سے ہر شخص اپنے رب کو دیکھے گا؟ (راوی عبید اللہ بن معاذ نے کہا: یعنی وہ قیامت کے دن تنہا اپنے رب کو دیکھے گا) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابو رزین! انہوں نے پوچھا: اللہ کی مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابورزین! کیا تم میں سے ہر شخص چاند کو نہیں دیکھتا؟ (ابن معاذ راوی نے کہا: یعنی چودھویں رات میں کیا ہر شخص اکیلا چاند کو نہیں دیکھتا) ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پس اللہ سبحانہ تو سب سے زیادہ عظیم ہے (ابن معاذ نے کہا: چاند تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ عزوجل تو بہت عظیم اور بہت بزرگ ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۱ حافظ ابن حجر نے کہا: اس حدیث کی سند مقبول ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جب حجاب کھول دیا جائے گا تو سب اللہ سبحانہ کی طرف دیکھیں گے سو اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی رؤیت اور اپنے دیدار سے بڑھ کر زیادہ پسندیدہ کوئی چیز ان کو عطا نہیں کی اور نہ اس سے زیادہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کوئی چیز عطا کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب عزوجل تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر سجدے میں گر جائیں گے پھر اللہ سبحانہ فرمائے گا: اپنے سر اٹھاؤ کیونکہ یہ دن عبادت کرنے کا دن نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی کتاب الرؤیۃ رقم الحدیث: ۶۲)

27 القیامہ: ۲۵-۲۴ میں فرمایا: اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے○ وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا○

''باسرۃ'' اور ''فاقرۃ'' کے معانی

القیامہ: ۲۴ میں ''باسرۃ'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: اداس بے رونق اور پریشان ''بسر'' کا معنیٰ ہے: وقت سے پہلے کسی کام میں جلدی کرنا اور یہاں مراد ہے وقت سے پہلے اداس ہونا اور تیور بگڑ جانا' مجازاً اس کا معنیٰ ترش رُو ہونا اور منہ بگاڑنا بھی ہے۔

القیامہ: ۲۵ میں ''فاقرۃ'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: مصیبت اور سختی' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: پشت کے مہرے کو توڑنے والی مصیبت۔

یعنی کفار کے چہرے قیامت کے دن بہت بگڑے ہوئے' اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے۔

مجاہد وغیرہ نے کہا: ''فاقرۃ'' کا معنیٰ ہے: ایسی مصیبت جو آدمی کی کمر توڑ دے' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: شر' سدی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: ہلاکت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد ہے: دوزخ میں داخل ہونا اور یہ سب متقارب معانی ہیں۔

اصل میں اس کا معنیٰ ہے: لوہا گرم کر کے اونٹ کی ناک پر ایسا گرم نشان لگانا جو اس کی ہڈی تک پہنچ جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۰۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی○ اور کہا جائے گا کہ کوئی دم کرنے والا ہے؟○ اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے○ اور پنڈلی' پنڈلی سے لپٹ جائے گی○ اس دن آپ کے رب کی طرف لے

جایا جائے گاO(القیامہ: ۳۰۔۲۶)

''کلا'' اور ''تراقی'' کا معنیٰ

القیامہ: ۲۶ میں ''کلاّ'' کا لفظ ہے اس کے دو معنیٰ ہیں' یہ کسی کو کسی کام سے روکنے اور باز رکھنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے
اور تحقیق اور یقین کے اظہار کے بھی لیے آتا ہے۔ 27

الزجاج نے کہا: ''کلاّ'' یہاں پر دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے روکنے اور منع کرنے کے لیے ہے' گویا کہ یوں کہا گیا کہ جب تم نے جان لیا کہ ایمان لانے والے اور اعمالِ صالحہ کرنے والے آخرت میں کامیاب ہیں' اور کفر کرنے والے اور بُرے کام کرنے والے آخرت میں ناکام ہیں' اوّل الذکر دائمی نعمتیں پائیں گے اور ثانی الذکر ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے اور تم کو معلوم ہو گیا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو پھر تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے باز آجاؤ اور یاد رکھو کہ تمہارے سامنے موت آنے والی ہے اور پھر دنیا کی یہ عارضی راحتیں تم سے منقطع ہو جائیں گی اور پھر بعد کی زندگی شروع ہوگی جو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

دوسرے مفسرین نے کہا: ''کلاّ'' اس آیت میں تحقیق اور یقین کے معنیٰ میں ہے' یعنی جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی۔ اس آیت میں ''التراقی'' کا لفظ ہے' یہ ''الترقوہ'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: ہنسلی ''بلغت روحہ التراقی'' اس کا معنیٰ ہے: وہ جاں بلب ہو گیا' ہنسلی کا معنیٰ ہے: گردن کے نیچے اور سینہ کے اوپر کی ہڈی' یعنی جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر اس کے گلے تک پہنچ جائے گی اور اب وہ کسی لمحہ بھی مرا چاہتا ہوگا۔

مقاتل نے کہا: قیامت کے دہشت ناک احوال سننے کے بعد بھی کافر ایمان نہیں لائے گا' لیکن وہ اپنے آپ سے موت کو دور نہیں کر سکے گا اور گھونٹ گھونٹ کر کے موت کو پیتا رہے گا' لیکن بالآخر اس کو مرنا ہے۔

القیامہ: ۲۷ میں فرمایا: اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہے؟O

''راق'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''راق'' کا لفظ ہے' اس کے دو معنیٰ ہیں: ایک یہ کہ یہ ''رقیۃ'' کا اسم فاعل ہے' یعنی دم کرنے والا' کچھ کلمات پڑھ کر پھونک مارنے والا' اور اس کا دوسرا معنیٰ ہے: یہ ''رَقیٌ'' کا اسم فاعل ہے' اس کا معنیٰ ہے: اوپر چڑھنے والا' قرآن مجید میں ہے:

اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗؕ. (بنی اسرائیل: ۹۳)

(کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:) یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک آپ ہم پر کوئی کتاب نازل نہ کریں جس کو ہم خود پڑھ لیں۔

اگر ''راق'' سے مراد دم کرنے والا ہو تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب موت انسان کے گلے تک پہنچ جائے تو وہ انسان خود یا اس کے رشتہ دار اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی طبیب یا دم کرنے والے اور جھاڑ پھونک کرنے والے کو طلب کرتے ہیں۔

اور اگر ''راق'' کا معنیٰ اوپر چڑھنے والا ہو تو اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس کافر کی روح کو اوپر لے جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فرشتے کافر کے قرب کو ناپسند کرتے ہیں تو ملک الموت فرشتوں سے کہیں گے: تم میں سے کون

اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھے گا؟ الکلبی نے کہا: بندہ کی موت کے وقت رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اور جب بندہ کی روح اس کے گلے کی ہڈی تک پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں: اس کی روح کو کون اوپر لے جائے گا؟

القیامہ: ۲۸ میں فرمایا: اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے O

اس آیت میں ''ظـــن'' کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے: گمان' اور بسا اوقات ظن کا لفظ یقین کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور اس آیت میں بھی ظن کا لفظ یقین کے معنیٰ میں ہے' یعنی جب تک انسان کی روح اس کے بدن کے ساتھ متعلق رہتی ہے تو وہ دنیا سے شدید محبت کی وجہ سے دنیا کی زندگی سے محبت کرتا رہتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ (القیامہ: ۲۰) ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہو O

اور انسان کی امید دنیا سے منقطع نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی روح اس کے گلے تک نہ پہنچ جائے' پھر اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح ایسا جوہر ہے جو قائم بنفسہٖ ہے اور بدن کی موت کے بعد باقی رہتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روح کے فراق اور اس کی جدائی کو موت فرمایا ہے اور روح کی صفت باقی رہنا ہے اور صفت اپنے موصوف کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔

القیامہ: ۲۹ میں فرمایا: اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی O

پنڈلی سے پنڈلی لپٹنے کے دو محمل

اس آیت میں ''الساق'' کا لفظ ہے' ''الساق'' کا حقیقی معنیٰ ہے: پنڈلی جو کہ مخصوص عضو ہے' اور اس کا مجازی معنیٰ ہے: کسی کام یا کسی چیز کی شدت' کیونکہ جب انسان کوئی بہت سخت اور مشکل کام کرتا ہے تو اپنی پنڈلی سے پائنچے اوپر اٹھا لیتا ہے اور جب انسان دنیا سے رخصت ہونے لگتا ہے تو اس کے لیے یہ بہت سخت اور مشکل وقت ہوتا ہے' اب اس کی دو مشکلیں اور دو سختیاں ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں' ایک دنیا سے انتقال کی سختی' دوسرے اپنے مال اور اولاد سے جدائی کی سختی' اسی طرح اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے جدائی کی پریشانی اور دوسری یہ پریشانی کہ اس دنیا میں اس کا دل لگا ہوا تھا' اب وہ ایسی جگہ قبر میں جانے والا ہے' اس اجنبی جگہ وہ کیسے رہے گا؟ یہاں پر ایک آدمی کے لیے کئی کمرے ہوتے ہیں' ایک کمرہ مطالعہ کا ہوتا ہے اور ایک کمرا کھانے پینے اور آرام کا ہوتا ہے' یہاں اس کو بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھے میسر ہوتے ہیں' باتیں کرنے اور دل بہلانے کے لیے دوست اور احباب ہوتے ہیں' پھر اس کو قبر میں رکھ دیا جائے گا اور وہ بہت تنگ جگہ ہوگی' نہ وہاں روشنی ہوگی نہ ہوا ہوگی' نہ اس سے کوئی باتیں کرنے والا ہوگا' نہ وہ سیر اور تفریح کے لیے کہیں جا سکے گا' اس چھوٹی سی تنگ اور تاریک جگہ میں اس کا کیسے گذارا ہوگا' پس ایک مشکل سے کئی مشکلات اور ایک سختی کے ساتھ کئی سختیاں اور ایک پریشانی سے کئی پریشانیاں وابستہ ہوتی ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''الســاق'' سے اس کا حقیقی معنیٰ مراد ہو یعنی پنڈلی' الشعبی اور قتادہ نے کہا: جب انسان پر نزع روح کا وقت آتا ہے تو وہ تکلیف کی شدت میں بے قراری سے ایک ٹانگ کے اوپر دوسری ٹانگ مارتا ہے' اس طرح ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ چمٹ جاتی ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی پنڈلیاں مرنے کے بعد سوکھی ہوئی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

القیامہ: ٣٠ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کی طرف لے جایا جائے گاO

اس آیت میں ''المساق'' کا لفظ ہے یہ ''ساق یسوق'' کا مصدر ''مساق'' ہے جیسے ''قال یقول'' کا مصدر ''مقال'' ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے رب کی طرف لے جایا جائے گا' دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوگوں کو ان کا رب ہنکا کر اپنی طرف لے جائے گا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾

نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی O لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کی O

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ

پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیاO تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی ہوO پھر

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾

تیرے لیے (حشر) میں خرابی ہو پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہوO کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟O

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً

کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟ O پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا

فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایا O پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد

وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

اور عورت O کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ

يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾ ع ٢ ١٠ ١٨

مُردوں کو زندہ کرے؟O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھیO لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کیO پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیاO تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر (قبر میں) تیرے لیے خرابی ہوO پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہوO (القیامہ ۳۵-۳۱)

''اولٰی لک فاولٰی'' کا شانِ نزول اور اس کے معانی

یہ آیات ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں' یعنی ابوجہل نے نہ تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی تصدیق

کی اور نہ آپ کے پیغام پر عمل کرتے ہوئے نماز پڑھی' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔قتادہ نے کہا: اس نے نہ اللہ کی کتاب کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی' اور ایک قول ہے: نہ اس نے اللہ کے پاس اپنے اجر کا ذخیرہ کرنے کے لیے صدقہ دیا اور نہ وہ نمازیں پڑھیں جن کے پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' اور ایک قول ہے: نہ وہ دل سے ایمان لایا اور نہ اس نے بدن سے نماز پڑھی۔

اس کے بعد فرمایا: اس نے قرآن کی تکذیب کی اور ایمان لانے سے اعراض کیا' پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔

القیامہ: ۳۳ میں 'یتمطّٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: غرور سے اکڑتا ہوا' ناز سے مٹکتا ہوا'' مطا'' کا معنیٰ ہے: پشت' ان کی جمع ''امطاء'' ہے' ''مطیّة'' کا معنیٰ ہے: سواری اور بوجھ' اس کی جمع ''مطایا'' ہے' ''مطو'' اور ''مطاء'' کا معنیٰ ہے: اکڑنا' تیز تیز چلنا' ''امطاء'' کا معنیٰ ہے: جانور پر بوجھ لادنا' ''تمطّی'' کا معنیٰ ہے: اکڑنا' مٹک مٹک کر چلنا۔

القیامہ: ۳۵۔۳۴ میں فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝'' یعنی تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر (قبر میں) تیرے لیے خرابی ہو ۝ پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو پھر (دوزخ میں) تیرے لیے خرابی ہو ۝ ان آیتوں میں ایک دھمکی کے بعد دوسری دھمکی ہے اور ایک وعید کے بعد دوسری وعید ہے' پس ان آیتوں میں اس کی چار بُرائیوں کے مقابلہ میں چار وعیدیں ہیں' پہلی تین آیتوں میں اس کی چار بُرائیوں کا ذکر فرمایا: (۱) اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تصدیق نہیں کی (۲) نماز نہیں پڑھی (۳) اس نے قرآن مجید کی تکذیب کی (۴) اس نے ایمان لانے سے اعراض کیا اور اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا' پھر ان چار بُرائیوں کے مقابلے میں چار سزاؤں اور چار وعیدوں کا ذکر فرمایا: (۱) اس کے لیے مرتے وقت خرابی ہوگی (۲) قبر میں خرابی ہوگی (۳) حشر میں خرابی ہوگی (۴) دوزخ میں خرابی ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلے تو وہ سامنے بنومخزوم کے دروازہ سے آ رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار یا دو بار جھٹکا دیا' پھر فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝'' (القیامہ: ۴۰) پس ابوجہل نے کہا: کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ پس اللہ کی قسم! میں اس وادی میں سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں' پھر آپ کے اوپر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۴۲۰۔۳۴۱۹)

قتادہ نے کہا: ابوجہل اکڑ اکڑ کر جا رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝'' (القیامہ: ۳۵۔۳۴) تب ابوجہل نے کہا: میرا نہ تم کچھ بگاڑ سکتے ہو' نہ تمہارا رب کچھ بگاڑ سکتا ہے' پس بے شک میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں' پھر جنگ بدر کے دن اس نے مسلمانوں کی طرف سر بلند کر کے دیکھا اور کہا: آج کے بعد کبھی اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی' پھر اللہ سبحانہ نے اس کی گردن ماردی اور وہ بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

اس آیت میں ''اولٰی لك'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ 'اولٰی'' کا معنیٰ قریب ہے' یعنی تیرے لیے ہلاکت اور عذاب قریب ہے پھر اس کو تاکید کے لیے چار بار مکرر ذکر فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تکرار اس لیے ہے کہ اس عذاب کو تو اپنے پہلے بُرے کام کے لیے لازم سمجھ لے' پھر دوسرے بُرے کام کے لیے' پھر تیسرے بُرے کام کے لیے' پھر چوتھے بُرے کام کے لیے' جن کا ذکر القیامہ: ۳۳۔۳۱ میں مذکور ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ 'اولٰی'' کا معنیٰ 'ویل'' ہے یعنی ہلاکت' اور چار بار 'ویل'' کے ذکر کا معنیٰ یہ ہے: تیرے لیے

زندگی میں ویل ہو اور مرتے وقت ویل ہو اور حشر کے دن ویل ہو اور دوزخ میں دخول کے دن ویل ہو۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ تیرے لیے ہلاکت ہو اور عذاب ہو اور اس کو تاکید کے لیے چار بار مکرر فرمایا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۰۴۔۱۰۳ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ان آیات میں ابوجہل کے خلاف ہلاکت اور عذاب کی دعا ہے یعنی دنیا اور آخرت میں تجھ پر بار بار ہلاکت اور عذاب آتا ہے قفال نے کہا: اس آیت کے تین محمل ہیں: (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کے لیے وعید ہے (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن اسلام سے ایک بات کہی اس دشمن اسلام کو وہ بات ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی بات کی مثل یہ آیتیں نازل فرمادیں (۳) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اللہ کے دشمن سے یہ کلمات کہیں گویا کہ جب ابوجہل اکڑ کر اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اس کے خلاف یہ دعائیہ کلمات کہیں: سن تیرے قریب اب وہ عذاب آ پہنچا ہے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہ تھی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۳۷۔۷۳۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا O کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟O پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایاO پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت O کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے؟O (القیامہ: ۴۰۔۳۶)

انسان کو عبث پیدا نہ فرمانا اور اس کے ضمن میں وقوعِ قیامت کی دلیل

القیامہ: ۳۶ میں ''سدی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: مہمل یعنی کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اس کو نہ کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا' نہ اس کو دنیا میں مکلف کیا جائے نہ آخرت میں اس سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کیا انسان کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہیں کریں گے؟ (القیامہ: ۳) اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع اور انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر دو دلیلیں قائم فرمائیں ان میں سے ایک دلیل یہ آیت ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں تصرف کرنے کے لیے اعصاب اور آلات دیئے ہیں اور صحیح اور غلط کا ادراک کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے' اب اگر اس نے انسان کو اپنی اطاعت اور عبادت کے حکم کا مکلف نہیں کیا اور اس کو بُرے کاموں سے باز رہنے کا مکلّف نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اطاعت اور عبادت نہ کرنے اور بُرے کاموں کے کرنے سے راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلّف مانا جائے' پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ قیامت کے بعد حشر کے دن اطاعت گزاروں کو جزا دی جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے تو دوسری بار اسی کائنات کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کب مشکل ہے' جب کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے' وہ جانتا ہے کہ انسان کے مرنے اور اس کے جسم کے بوسیدہ ہونے کے بعد اس کے جسم کے مختلف اور منتشر ذرات کہاں کہاں ہیں اور وہ ان ذرات کو جمع کر کے ان سے اسی جیسا انسان کھڑا کرنے پر

قادر ہے اور اس دلیل کی طرف اشارہ اس سے اگلی آیت میں کیا ہے۔

القیامہ: ۳۸۔۳۷ میں فرمایا: کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟O پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایاO

نطفہ کا معنیٰ اور اس کے ضمن میں وقوعِ قیامت کی دلیل

نطفہ اس قلیل پانی کو کہتے ہیں جو مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کی پسلی کے درمیان ہوتا ہے' اور اس کو مرد عورت کے رحم میں ڈال دیتا ہے' اس آیت میں انسان کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے گویا انسان اس منی سے پیدا کیا گیا ہے جو نجاست کے مخرج سے نکلتی ہے' جو اگر انسان کے جسم پر لگ جائے تو جسم ناپاک اور اگر اس کے کپڑے پر لگ جائے تو وہ کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے' سو جب انسان ایسی حقیر چیز سے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے اکڑنا اور اس کی عبادت کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے اور اس آیت میں اشارہ اور کنایہ سے یہ بتایا ہے کہ انسان کو پہلی بار اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو دوسری بار اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کب مشکل ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ اور کنایہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدہ مریم کی الوہیت اور ان کے خدا ہونے کا درج ذیل آیت میں رد فرمایا ہے:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ (المائدہ: ۷۵)

مسیح ابن مریم (خدا نہیں ہیں) صرف اللہ کے رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں نیک اور سچی بندی تھیں اور وہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم دونوں کھانا کھاتے تھے' گویا ان دونوں کو اپنی بقا کے لیے کھانے کی احتیاج تھی اور جو اپنی بقا کے لیے کھانے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جو کھانا کھاتا ہے وہ قضاء حاجت بھی کرتا ہے اور جو قضاء حاجت کرتا ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس طرح لطیف پیرائے سے اشارہ اور کنایہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی الوہیت کا رد فرما دیا' اسی طرح زیر بحث آیت میں لطیف پیرائے اور کنائے سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم کرنے اور انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دلیل قائم فرما دی۔

القیامہ: ۴۰۔۳۹ میں فرمایا: پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورتO کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے؟O

انسان کی صرف دو صنفوں پر ایک اعتراض کا جواب

یعنی پھر انسان کی دو قسمیں بنا دیں' مرد اور عورت تو جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً پیدا فرمایا تو وہ اس کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا فرما سکتا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں انسان کی صرف دو قسمیں بیان فرمائی ہیں' حالانکہ انسان کی ایک تیسری قسم ہے اور وہ خنثیٰ (مخنث) ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انسان کی اعم اور اغلب اقسام بیان فرمائی ہیں اور چونکہ مرد اور عورت کے مقابلہ میں مخنث کی تعداد بہت کم ہے' اس لیے اس کا ذکر نہیں فرمایا' دوسرا جواب یہ ہے کہ مخنث کو تغلیباً مردوں کی صنف میں داخل فرما دیا۔

امام عبدالرزاق اور امام ابن جریر نے اپنی اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیتوں

کو پڑھتے تو آپ فرماتے: "سبحانك اللھم بلٰی" " کیوں نہیں اے اللہ! تو ایسا نہ کرنے سے یا اس پر قادر نہ ہونے سے پاک ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۴۲۲، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۶۸۸)

سورۃ القیامہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ جون ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار بعد از نمازِ ظہر سورۃ القیامہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' اس سورت کی تفسیر ۱۷ جون ۲۰۰۵ء کو شروع کی تھی اور نو دن میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' حالانکہ بیچ میں ایک دن مجھے بخار بھی آیا' آج کل پورا پاکستان شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے' کراچی میں بھی درجہ حرارت 42c تک پہنچ گیا تھا' اب الحمد للہ کم ہو کر 35c-36c تک رہ گیا ہے۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کو تا روزِ قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی اور تبیان القرآن کے تمام معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہٖ واصحابہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الدھر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الانسان بھی ہے اور الدھر بھی ہے' برصغیر پاک و ہند میں اس سورت کا نام الدھر معروف ہے اور دوسرے علاقوں میں اس کا نام الانسان مشہور ہے' زیادہ تر عربی تفاسیر میں اس سورت کا نام الانسان لکھا ہوا ہے اور برصغیر میں قرآن مجید کے جو نسخے چھپے ہوئے ہیں ان میں اس سورت کا نام الدھر لکھا ہوا ہے اور یہ دونوں نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہیں:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدھر:۱)

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۝

سورت الدھر اور سورۃ القیامہ کی مناسبت

اس سے پہلے سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء نطفہ سے کی گئی ہے' پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت اور اس سورت کی ابتداء میں بتایا کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا کیا اور ان کو سمیع و بصیر بنا دیا' پھر بشر کی دو قسمیں ہیں: بعض شکر گزار ہیں اور بعض ناشکرے ہیں۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی سورت میں جنت اور دوزخ کا حال اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور اس سورت میں جنت اور دوزخ کے اوصاف کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے' خصوصاً جنت کے اوصاف کا بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ تیسری مناسبت یہ ہے کہ سورۃ القیامہ میں کفار اور فجار کو قیامت کے دن جو دہشت ناک اُمور پیش آئیں گے ان کا ذکر فرمایا ہے اور اس سورت میں قیامت کے دن نیک مسلمانوں کو جو نعمتیں ملیں گی' ان کا ذکر فرمایا ہے۔

سورت الدھر کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض آیات مدنی ہیں' حضرت ابن عباس' ابن ابی طلحہ' قتادہ اور مقاتل کا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہی جابر بن زید کا قول ہے اور قتادہ سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے اور حسن' عکرمہ اور کلبی نے کہا کہ ایک آیت کے سوا یہ مدنی ہے' وہ آیت یہ ہے: "فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝" (الدھر:۲۴) اور انہوں نے یہ معین نہیں کیا کہ یہ آیت کس سورت کی ہے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ سورۃ الدھر مکی ہے' کیونکہ اس سورت کا اسلوب اور اس کا طرزِ بیان دیگر مکی سورتوں کے موافق ہے' البتہ

ایک آیت ایسی ہے جس کا مضمون مکی سورتوں کے بجائے مدنی سورتوں کے موافق ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ○ (الدھر: ۸) اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں○

یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے مدینہ میں ایک رات ایک مسکین کو کھانا کھلایا اور دوسری رات ایک یتیم کو کھانا کھلایا اور تیسری رات ایک قیدی کو کھانا کھلایا' کیونکہ اس وقت مکہ میں مسلمانوں کے قیدی نہیں تھے اور قیدی سے متبادر یہ ہے کہ جس مشرک کو دارالحرب سے قید کیا گیا ہو۔

جابر بن زید نے کہا ہے کہ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۸ ہے' یہ سورت سورۃ الرحمان کے بعد اور سورۃ الطلاق سے پہلے نازل ہوئی ہے اور یہ نمبر ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو اس سورت کو مدنی قرار دیتے ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس اعتبار سے اس کے نزول کا نمبر ۳۰ یا ۳۱ ہے اور یہ سورۃ القیامہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۶ ہے اور اس میں بالاتفاق ۳۱ آیات ہیں۔ (التحریر والتنویر جز ۲۹ ص ۳۷۰' تیونس)

سورت الدھر کے مشمولات

☆ الدھر ۶۔۱ میں تخلیق انسان کی ابتداء کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو سننے اور دیکھنے کی طاقت عطا کی ہے اور اس کو دنیا میں سیدھا راستہ دکھایا ہے اور انسانوں کی دو قسمیں ہیں: بعض شکر گزار ہیں اور بعض ناشکرے ہیں' پھر بتایا کہ شکر گزاروں کی جزا جنت ہے اور ناشکروں کی سزا دوزخ ہے۔

☆ الدھر: ۱۱۔۷ میں یہ بتایا ہے کہ شکر گزار اپنی مانی ہوئی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔

☆ الدھر: ۲۲۔۱۲ میں بتایا ہے کہ شکر کرنے والوں کو جنت میں بہت ثواب ہوگا اور ان کی بہت عزت افزائی ہوگی۔

☆ الدھر: ۲۶۔۲۳ میں بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور آپ کو عمدہ طریقہ سے صبر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا اور اس کے لیے قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ الدھر: ۲۸۔۲۷ میں دنیا کی جلد ملنے والی عارضی چیزوں کی محبت اور آخرت کی نعمتوں کو ترک کرنے کی مذمت کی ہے اور کفر اور عناد پر وعید فرمائی ہے۔

☆ الدھر: ۳۱۔۲۹ میں بتایا ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نصیحت ہے اور ان کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دعوت دی ہے۔

سورۃ الدھر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں سورۃ الدھر کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے اللہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور اسلام کی صحیح ترجمانی پر قائم رکھنا اور زلات سے محفوظ اور مامون رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

آیاتہا ۳۱ رکوعاتہا ۲ | بسم اللہ الرحمن الرحیم | سورۃ الدھر مکیۃ ۷۶

سورۃ الدھر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی

شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

قابل ذکر چیز نہ تھا ○ بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے

اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ

ہم اس کو آزماتے ہیں سو ہم نے اس کو سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا ○ ہم نے اس کو (سیدھا)

السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

راستہ دکھا دیا، اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا ○ بے شک ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ

کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ بے شک نیکوکار

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ ⑤ عَيْنًا

ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے ○ اس چشمے

يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ

سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے ○ وہ نذر پوری

بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَ

کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے ○ وہ

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ

اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے

أَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ

ہیں O (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے اس کے

جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا

عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں

عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ

جو بے حد ترش اور سخت ہے O سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا

وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا

اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی O اور ان کے صبر کی جزا میں

جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا

ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا O وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ جنت میں

يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے اور نہ سردی کی ٹھنڈک O اور درختوں کے سائے ان پر

ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِم

جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے O اور ان کے لیے چاندی

بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا

کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے O یہ شیشہ کی مثل

مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا

برتن چاندی کے ہوں گے (پلانے والے) ان کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے O وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے

كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾

جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمہ کی آمیزش ہو گی O اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے O

قرأ حفص بغیر الالف فی الوصل فیهما ووقف علی الاولی بالالف وعلی الثانی بغیر الالف ۱۲

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ

اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿۱۹﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ

وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں O تم وہاں جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر

نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ

نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے O اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے

خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقَاهُمْ

اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب

رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّكَانَ

انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا O (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری

ع ۱ ۲۲ ۱۹ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴿۲۲﴾

کوششیں بارآور ہوئیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا O بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے ہم اس کو آزماتے ہیں سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا O ہم نے اس کو (سیدھا) راستہ دکھا دیا اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا O (الدھر: ۳-۱)

''ھل'' کا معنی

اس آیت کے شروع میں ''ھل'' کا لفظ ہے اور یہ استفہام کے لیے آتا ہے اس کا معنی ہے: ''کیا'' اس صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا: کیا انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا اور یہ معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سوال کر رہا ہے: کیا انسان پر ایسا وقت آچکا ہے اور سوال کرنا عدم علم پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ جاننا محال ہے اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں لفظ ''ھل'' ''قد'' کے معنی میں ہے یعنی بے شک یا بالیقین انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ (الغاشیہ: ۱) بے شک آپ کے پاس قیامت کی خبر آچکی ہے O

اس آیت میں ''انسان'' کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں ''انسان'' کا لفظ ہے علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے: انسان کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) قتادہ' السدّی اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اس میں پہاڑ اتوار کے دن نصب کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور مکروہ چیزیں منگل کے دن پیدا کیں اور نور بدھ کے دن پیدا کیا' اور جمعرات کے دن اس میں چوپاؤں کو پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا' وہ جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعت تھی' عصر سے لے کر رات کے وقت تک۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۴۳)

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد ہر انسان ہے۔
(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ . بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔
(الدھر: ۲)

اس دوسری آیت میں ''انسان'' سے مراد عام بنو آدم اور عام انسان ہیں اور دونوں آیتوں میں لفظ ''انسان'' معرفہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو دوسرا معرفہ پہلے معرفہ کا عین ہوتا ہے اور جب دوسری آیت میں انسان سے مراد عام بنو آدم ہیں تو پہلی آیت میں ''انسان'' سے مراد عام بنو آدم ہونے چاہئیں' نیز اس لیے بھی تاکہ نظم قرآن میں خلل نہ آئے۔
اس آیت میں ''حین من الدھر'' فرمایا ہے' علامہ الماوردی نے کہا ہے: اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

جس مدت میں انسان قابل ذکر نہ تھا' اس مدت کے متعلق متعدد اقوال

(۱) اس سے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح پھونکے جانے سے چالیس سال پہلے کا زمانہ مراد ہے' اس وقت ان کا جسم مکہ اور طائف کے درمیان افتادہ تھا' ابو صالح کی روایت کے مطابق یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔
(۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو گارے والی گیلی مٹی (طین) سے پیدا کیا گیا' اور ان کا جسم چالیس سال اس حالت میں رہا' پھر چالیس سال وہ سڑی ہوئی کیچڑ (حمأ مسنون) کی حالت میں رہے' پھر چالیس سال وہ خشک بجتی ہوئی مٹی (صلصال) کی حالت میں رہے' پھر ایک سو بیس سال بعد ان کے جسم کی تخلیق مکمل ہوگئی' پھر ان میں روح پھونک دی گئی۔
(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد غیر معین مدت اور غیر محدود زمانہ ہے۔
اس کے بعد فرمایا: جب وہ (انسان) کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا' اس ارشاد کے بھی دو محمل ہیں:
(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ (انسان) خلقت میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابل ذکر چیز تھا۔
(۲) اس وقت انسان مٹی کا ایک جسم تھا جس کی صورت بنی ہوئی تھی' اس وقت اس کا نہ ذکر کیا جاتا تھا نہ وہ معروف تھا' اس وقت اس کا کوئی نام نہ تھا' پھر اس میں روح پھونک دی گئی تو وہ قابل ذکر ہو گیا' یہ فراء اور قطرب اور ثعلب کا قول ہے۔
(النکت والعیون ج ۶ ص ۱۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الدھر: ۲ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے' ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا

دیکھنے والا بنا دیاO

’’نطفه‘‘ اور ’’امشاج‘‘ کا معنیٰ

اس آیت میں ’’نــطــفة‘‘ کا لفظ ہے‘ نطفہ منی کے قطرہ کو کہتے ہیں‘ قلیل پانی جو کسی جگہ محفوظ ہو اس کو نطفہ کہتے ہیں‘ اور ’’امشاج‘‘ کا معنیٰ اخلاط ہے‘ ’’امشاج‘‘ کا واحد ’’مشج‘‘ اور ’’مشیج‘‘ ہے‘ یعنی دو چیزوں کا ایک دوسرے سے مل جانا‘ فراء نے کہا: ’’امشاج‘‘ سے مراد ہے: مرد کے پانی اور عورت کے پانی کا مختلط ہونا‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ’’امشاج‘‘ کا معنیٰ ہے: سفیدی میں سرخی یا سرخی میں سفیدی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا پیلا ہوتا ہے‘ ان میں سے جس کا پانی بھی غالب یا سابق ہو‘ بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۱‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۹۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے‘ وہ عورت کے پانی سے مختلط ہو جاتا ہے جو پیلا پتلا ہوتا ہے‘ ان دونوں پانیوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے‘ بچے کے پٹھے‘ ہڈی اور اس کی قوت مرد کے پانی سے ہوتی ہے‘ اور اس کا خون‘ گوشت اور بال عورت کے پانی سے بنتے ہیں۔

نطفہ کے اختلاط میں متعدد اقوال

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: نطفہ حیض کے خون کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے کیونکہ جب عورت کے رحم میں مرد کا پانی داخل ہوتا ہے اور عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس کا حیض آنا بند ہو جاتا ہے‘ تو پھر مرد کا نطفہ حیض کے خون کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ’’امشاج‘‘ کا معنیٰ یہ ہے کہ پہلے پانی اور خون مختلط ہوتا ہے‘ پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے‘ پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ کے اختلاط سے مراد یہ ہے کہ نطفہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ہم اس کو آزماتے ہیں‘ سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا۔

اس کا معنیٰ ہے: جب ہم نے انسان کو پیدا کیا تھا تو ہم اس کو آزمائش میں ڈالنے کا ارادہ کرنے والے تھے‘ سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں سننے اور دیکھنے کا معنیٰ سمجھنا ہو‘ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے فرمایا تھا:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ . (مریم: ۴۲) تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے؟

یعنی جو کسی چیز کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

الدھر: ۳ میں فرمایا: ہم نے اس کو (سیدھا) راستہ دکھا دیا اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو چاہے ناشکراO

’’سبیل‘‘ سے مراد عام راستہ ہے یا ہدایت کا مخصوص راستہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ ظاہرہ‘ حواسِ باطنہ اور عقل سلیم عطا کی ہے‘ جن کی مدد سے انسان سیدھے راستہ کو پا سکتا ہے۔

انسان اپنی تخلیق کی ابتداء میں تمام اشیاء کی معرفت سے خالی ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل اور حواس عطا فرمائے' جن کی وجہ سے وہ اشیاء کی معرفت حاصل کرتا ہے' اس آیت میں ''سبیل'' سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد عام راستہ ہو خواہ وہ خیر کا راستہ ہو یا شر کا' نجات کا راستہ ہو یا ہلاکت کا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد:١٠) اور ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ۝

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہدایت کا راستہ ہو اور یہی وہ معروف راستہ ہے جس کی تمام نبیوں اور رسولوں نے ہدایت دی ہے اور قرآن مجید نے اس راستہ پر سبیل کا اطلاق کیا ہے' مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ (الاحزاب:٦٧) اور مشرکین کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی' جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا ۝

راستہ کی ہدایت دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ایسی نشانیاں رکھی ہیں کہ ان نشانیوں سے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور اس کی توحید تک پہنچ سکتا ہے' اور انسان کو عقل عطا کی ہے جس کے ذریعہ وہ جان سکتا ہے کہ کوئی چیز بھی کسی موجد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تو اتنی بڑی کائنات کسی موجد کے بغیر کیسے وجود میں آسکتی ہے اور اس کائنات کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ اس کا موجد واحد ہے کیونکہ اس کائنات کا طبعی اور فطری نظام واحد ہے اور نظام کی وحدت ناظم کی وحدت کا تقاضا کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مراد یہ بھی ہے کہ اس نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے۔

انسان کو اختیار دیا ہے خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا

اس کے بعد فرمایا: اب وہ (انسان) چاہے شکر کرنے والا ہو چاہے ناشکرا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو خیر اور شر اور نجات اور ہلاکت کے دونوں راستے دکھا دیئے' کائنات میں اپنی ذات اور توحید پر دلائل رکھے اور انسان کو عقل دی کہ ہم تک پہنچ سکے' پھر مزید تنبیہ کے لیے نبیوں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل کیا' اب انسان کا اختیار ہے وہ چاہے تو نجات کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بن جائے اور چاہے تو ہلاکت کا راستہ اختیار کر کے ناشکرا بن جائے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (الکہف:٢٩) اور آپ کہیے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے' سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۝ بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پییں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے ۝ اس چشمے سے اللہ کے بندے پییں گے' وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے ۝ (الدھر:٦۔٤)

ربط آیات اور مشکل الفاظ کے معانی

اس سے پہلی آیت میں شکر کرنے والوں اور ناشکروں کا ذکر فرمایا تھا' اب اس کے بعد کی دو آیتوں میں ان دونوں کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے' اور لف ونشر غیر مرتب کے طور پر پہلے ناشکروں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ناشکروں اور ان کی سزا کا ذکر متصل ہو جائے' اس کے بعد شکر کرنے والوں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔

الدھر:۴ میں ''اعتدنا'' کا ذکر ہے' ''اعتداد'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو تیار کرنا حتیٰ کہ جب اس چیز کی ضرورت ہو وہ چیز حاضر اور موجود ہو' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ (قٓ:۲۳) اور اس کے ساتھ رہنے والا فرشتہ کہے گا: یہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا۔

28

اور اس آیت میں ''سلا سلاً'' کا ذکر ہے' اس کا معنیٰ ہے: زنجیریں' جن سے مجرموں کے پیر باندھے جائیں گے اور اس میں ''اغـلالاً'' کا ذکر ہے' اس سے مراد طوق ہیں جن سے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ جوڑ کر باندھ دیا جائے گا اور ''سعیر'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دوزخ ان صفات کے ساتھ بنائی جا چکی ہے' معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ ابھی بنائی نہیں گئی اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی دوزخ ضرور بنائے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس توجیہ میں بلا ضرورت قرآن مجید کی آیات کو مجاز پر محمول کرنا ہے۔

الدھر:۵ میں فرمایا: بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے ۝

دنیا کے کافور اور جنت کے کافور کا فرق

اس آیت میں ''ابرار'' کا لفظ ہے' یہ ''بر'' کی جمع ہے' جیسے ''رب'' کی جمع ''ارباب'' ہے' ''بر'' کا معنیٰ ہے: نیک کام کرنے والا' اور اس میں ''کاس'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: گلاس' جام' آب خورہ۔

اس آیت پر ایک یہ سوال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا ہے کہ جنت کا مشروب کافور کے ساتھ ملا ہوا ہوگا حالانکہ کافور کا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہوتا ہے تو جس مشروب میں کافور ملا ہوگا وہ لذیذ نہیں ہوگا' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کافور نام کا جنت میں ایک چشمہ ہے' جس کا پانی کافور کی طرح سفید ہوگا اور اس کی تاثیر کافور کی طرح ٹھنڈی ہوگی لیکن اس کا ذائقہ تلخ نہیں ہوگا بلکہ شیریں ہوگا' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جنت میں نیک لوگوں کو ایسا مشروب پلایا جائے گا جس میں کافور کے چشمہ کا پانی ملا ہوا ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جنت کے چشمہ میں کافور کی خوشبو پیدا کر دے گا اور اس کا ذائقہ شیریں اور لذیذ ہوگا اور کافور کی خوشبو کی وجہ سے اس چشمہ کا نام کافور ہوگا۔

الدھر:۶ میں فرمایا: اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے' وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے ۝

''عباد الله'' کا لفظ کفار کو شامل نہیں ہے

پہلی آیت میں اور اس آیت میں فرق یہ ہے کہ ان بندوں کی اپنے مشروب پینے کی ابتداء ان کے گلاسوں سے ہوگی' پھر وہ کافور کے چشمہ سے پانی نکال کر اس میں شراب طہور ملا کر پئیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ کے بندے اس چشمہ سے پئیں گے اور اس میں ''عباد صالحین'' نہیں فرمایا' اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس چشمے سے پئیں گے خواہ وہ دنیا میں نیک رہے ہوں یا نہ رہے ہوں' البتہ کفار اس چشمہ سے بالاتفاق نہیں پئیں گے' اس سے واضح ہوا کہ ''عباد الله'' کا لفظ مؤمنین کے ساتھ خاص ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جو ارشاد ہے: ''وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ'' (الزمر:۷) اس آیت میں بھی ''عباد الله'' کا لفظ کفار کو شامل نہیں ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے کفر کے صدور پر راضی نہیں ہوتا۔

28

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہےO وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیںO (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائشO بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہےO (الدھر:۱۰۔۷)

''نذر'' کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور نذر کے شرعی احکام

''نذر'' کا لغوی معنیٰ ہے: وعدہ کرنا اور اس کا شرعی معنیٰ ہے: بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی عبادت کے کرنے کا وعدہ کرے' خواہ مطلقاً' جیسے کہے: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجھ پر اتنا صدقہ کرنا لازم ہے' خواہ معلقاً' جیسے کہے: اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو مجھ سے ملا دیا تو میں اس کی رضا کے لیے اپنے مال میں سے اتنا صدقہ کروں گا' یا اس کی رضا کے لیے اتنی نفل نمازیں پڑھوں گا۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت غیر مشروط طور پر کرنی چاہیے اور اپنے کسی کام کی شرط لگا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا مکروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر نہیں ماننی چاہیے اور اس کی عبادت کی جو نذر مانی جائے' اس کا پورا کرنا واجب ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔

عبادت کی نذر ماننے کی کراہت پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی' (یعنی جو کام نہیں ہونا وہ نہیں ہوگا خواہ تم اس کام کے لیے نذر مانو یا نہ مانو) نذر کے ذریعہ عبادت کا حصول صرف بخیل سے ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۵۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل:۴۲۱۷)

اور معصیت کی نذر کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۹۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۵۲۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۸۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۲۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۷)

اور عبادت کی نذر کا پورا کرنا واجب ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی' اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۵۲۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۸۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۲۶' مسند احمد ج ۶ ص ۳۶)

غیر اللہ کی نذر ماننے کے عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے' جاہل عوام یوں نذر مانتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی! اگر آپ نے میرے فلاں بیمار کو تندرست کر دیا یا میرے فلاں گم شدہ شخص کو مجھ سے ملا دیا تو میں آپ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا بریانی کی دیگ پیش کروں گا' یہ طریقہ ناجائز ہے' اگر اولیاء اللہ سے مدد مانگنی ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ کے ولی! آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ میرے فلاں بیمار کو تندرست کر دے' اگر آپ کی دعا سے میرا بیمار تندرست ہو گیا تو میں ایک دیگ کا صدقہ کر کے اس کا ثواب آپ کی نذر کروں گا اور آپ کو ہدیہ

The method is right, only the writer is unable to understand due to his mental confusion, and he is generally confused about the issues.

کروں گا اور اس دیگ کو آپ کے مزار کے فقراء کے کھانے کے لیے پیش کروں گا۔ اس طریقہ سے جب وہ اولیاء اللہ سے مدد کی درخواست کرے گا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور اس درخواست میں ''نذر'' کا لفظ ہدیہ اور تحفہ کے معنیٰ میں ہے۔

ہم نے نذر کے موضوع پر مفصل گفتگو الحج: ۲۹ میں کی ہے' تبیان القرآن ج ۷ ص ۷۴۵۔ ۷۴۰ میں مطالعہ فرمائیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ابرار (نیک بندوں) کے اخروی اجر وثواب کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ نیک اعمال کون سے ہیں جن کی وجہ سے ابرار کو آخرت میں ایسا اجر وثواب ملتا ہے' سو فرمایا: وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔

قیامت کے اھوال کو شر کہنے کی توجیہ اور اولیاء اللہ کا اس دن کے شر سے محفوظ رہنا

نذر پوری کرنے کے بعد یہ ذکر فرمایا ہے: وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل اس وقت مقبول ہوتا ہے جب اس عمل سے عبادت کی نیت کی جائے' سو بتایا کہ ان کا نذر پوری کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہے' وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔ اسی پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس کا شر تو قیامت کے دن پھیلے گا' ابھی تو نہیں پھیلا ہوا' حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس کا شر پھیلا ہوا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام مستقبل میں یقیناً ہونا ہو' اس کو تحقق وقوع کے لیے ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قیامت کے جس قدر دہشت ناک احوال ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت اور صواب ہوتے ہیں' پھر ان کو شر کہنا کس طرح درست ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس حیثیت سے شر نہیں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں' بلکہ قیامت کے دن جن لوگوں پر وہ دہشت ناک احوال طاری ہوں گے' ان کے حق میں وہ شر ہوں گے' جس طرح امراضِ مہلکہ اور شدید مصائب کو شر کہا جاتا ہے' حالانکہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور نفوسِ قدسیہ کے متعلق فرمایا ہے:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ . (الانبیاء: ۱۰۳) قیامت کی بڑی دہشت بھی انہیں غم گین نہ کر سکے گی۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت کا ہول اور اس کا خوف بہت شدید ہو گا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیں گے اور ستارے جھڑ جائیں گے اور سورج اور چاند کو لپیٹ دیا جائے گا' یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی' پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ رہے ہوں گے اور سمندروں میں آگ لگی ہوئی ہو گی اور ان چیزوں کو دیکھ کر تمام مکلفین کو ہول اور خوف ہو گا اور سب پر دہشت طاری ہو گی' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○ (الحج: ۲)

جس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی' اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تمہیں لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ واقع میں وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت' ہے ○

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ○ (المزمل: ۱۷)

وہ دن جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا ○

فی نفسہٖ اس دن کا ھول اور خوف بہت شدید ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے اولیاء کو اس دن کے دہشت ناک احوال اور خوف سے محفوظ رکھے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا شر فساق' فجار اور کفار میں پھیلا ہوا ہو گا اور مؤمنین اس دن کے شر سے مامون اور محفوظ ہوں گے اور اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ . (الانبیاء:۱۰۳) قیامت کی بڑی دہشت بھی انہیں غم گین نہ کر سکے گی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ (الزخرف:۶۸) اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غم گین ہو گے ۝

جنات عدن میں داخل ہوتے وقت مؤمنین کہیں گے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ (فاطر:۳۴) اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور شکر کرنے کی اچھی جزا دینے والا ہے ۝

الدھر:۸ میں فرمایا: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۝

ایثار کی فضیلت میں احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اللہ کی محبت میں' اس کا معنی ہے: ہر چند کہ انہیں خود کھانے کی خواہش ہوتی ہے اور کھانے کی ضرورت ہوتی ہے' پھر بھی وہ اپنے اوپر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے لیے ایثار کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ سب سے زیادہ عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں خود مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ دینے میں اتنی تاخیر نہ کرو حتیٰ کہ تمہاری روح تمہارے حلقوم تک پہنچ جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان نے ضرورت کے باوجود کسی برہنہ مؤمن کو کپڑے پہنائے تو اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا' اور جس مسلمانوں نے اپنی بھوک کے باوجود کسی مسلمان کو کھانا کھلایا' اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا' اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۴۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۱۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۔۱۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۱۶۷۔۱۶۶۔ رقم الحدیث:۱۱۱۰۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الدھر: ۸ حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے یا ایک انصاری کے متعلق؟

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے ایک دن روزہ رکھا' جب افطار کا ارادہ کیا تو ایک سائل نے نداء کی: تمہارے پاس جو طعام ہے وہ مجھے کھلا دو' کیونکہ میں نے آج سارے دن سے کچھ نہیں کھایا' حضرت ابوالدحداح یا حضرت علی نے اپنی اہلیہ سے کہا: اٹھو! اس کو ایک روٹی اور سالن دے دو' اور اس کو کھانا کھلا دو' تھوڑی دیر بعد ایک یتیم لڑکی نے آ کر صدا دی اور کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' میں بہت کم زور ہوں اور میں نے سارے دن سے کچھ نہیں کھایا' حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے ام الدحداح! اس کو ایک روٹی اور سالن دو اور اس کو کھانا کھلاؤ' کیونکہ اللہ کی قسم! یہ اس مسکین سے زیادہ مستحق ہے' وہ ابھی اس کو

کھلانے میں مشغول تھے کہ دروازہ پر ایک قیدی نے آ کر سوال کیا: تمہارے شہر میں ایک اجنبی مسافر آیا ہے' اس کو کھانا کھلاؤ' پس میں تمہارے ہاں قیدی ہوں اور مجھے بھوک نے بہت ستا رکھا ہے' پس اس ذات کی رضا کے لیے جس نے تمہیں عزت دی ہے اور مجھے ذلت میں مبتلا کیا ہے تم مجھے کھانا کھلا دو' پھر حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے ام الدحداح! اٹھو اور اس مسافر قیدی کو ایک روٹی اور سالن کھلا دو' یہ ان دونوں سائلوں سے زیادہ مستحق ہے' پھر انہوں نے ان کو تین روٹیاں کھلا دیں اور ان کے لیے صرف ایک روٹی رہ گئی' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مدح میں یہ آیتیں نازل کیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (وہ کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے O (الدھر: ۱۰۔۸)

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت علی کا اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو تین دن بھوکا رکھ کر مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے' مقاتل نے کہا: یہ آیت ایک انصاری کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک دن میں ایک مسکین' ایک یتیم اور ایک قیدی کو کھانا کھلایا' اس کے بعد امام ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ اس انصاری کے قصہ کو بیان کیا ہے' وہ کہتے ہیں: ہمیں علی بن ابی حمزہ نے بیان کیا ہے' انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک مسکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلائیں' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے' لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ شخص ایک انصاری کے پاس گیا' وہ اپنی بیوی کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا' اس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تھا' میں نے آپ سے کہا: مجھے کھانا کھلائیں' آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' اس انصاری نے اپنی بیوی سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھلاؤ اور پلاؤ' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یتیم گیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلایئے' آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ یتیم اس انصاری کے پاس گیا جس کے پاس مسکین گیا تھا اور اس نے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ' پس انہوں نے اس کو کھانا کھلایا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیدی گیا اور کہا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلایئے' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تمہیں کھلانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ قیدی اس انصاری کے پاس گیا اور اس سے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ' ان تینوں کو کھانا کھلانے کے واقعات ایک ہی وقت میں ہوئے' تب اللہ تعالیٰ نے اس انصاری کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (الدھر: ۸) (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۹۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی نے بھی امام ثعلبی سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۱۶۔۱۱۵)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ثعلبی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' ان کے نانا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان کی عیادت کے لیے گئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالحسن! کاش تم اپنے بچوں کے لیے نذر مان لیتے

اور جو نذر پوری نہ کی جائے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میرے دونوں بیٹے تندرست ہو گئے تو میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے تین دن کے روزے رکھوں گا' پھر حضرت علی خیبر کے یہودی شمعون کے پاس گئے اور اس سے تین صاع (بارہ کلوگرام) جَو قرض لیے' اس یہودی نے کہا: کیا خیال ہے اگر تم ان تین صاع جَو کے عوض مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سے کچھ اُون کے دھاگے بنوا کر دے دو' آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا' انہوں نے اس کی موافقت کی' حضرت علی بازار سے جَو لے آئے' حضرت فاطمہ نے وہ جَو پیسے' آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں تا کہ بہ شمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے لیے ایک ایک روٹی ہو جائے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر گھر آئے اور اپنے آگے کھانا رکھا' اتنے میں ایک مسکین آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مسلمان مسکینوں میں سے ایک مسکین ہوں' آپ مجھے کھانا کھلائیں' اللہ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' حضرت علی نے فرمایا: اس کو کھانا کھلا دو اور انہوں نے ایک دن اور ایک رات کچھ کھائے بغیر گزارا اور سوا خالص پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا' دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ نے ایک صاع (چار کلوگرام) گندم کو پیسا اور آٹا گوندھ کر اس کی روٹیاں پکائیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' پھر گھر آئے' ان کے سامنے کھانا رکھا گیا' اتنے میں ایک یتیم دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مہاجرین کی اولاد سے ایک یتیم ہوں' میرے والدین شہید ہو گئے' آپ مجھے کھانا کھلائیں' اللہ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' پھر حضرت علی نے اس کو کھانا کھلا دیا اور دو دن بھوکے گزارے' اور پانی کے سوا کسی چیز کو تناول نہیں کیا' تیسرے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے باقی ایک صاع جَو کو پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' پھر گھر آئے' ان کے سامنے کھانا رکھا گیا' اتنے میں ایک قیدی آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! آپ ہمیں گرفتار کرتے ہیں اور کھانا نہیں کھلاتے' آپ مجھے کھانا کھلائیں کیونکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدی ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' پھر انہوں نے اس کو کھانا کھلا دیا' اور تین دن اور تین راتیں انہوں نے کچھ نہیں کھایا' اور سوائے پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا' اور چوتھا دن آیا تو وہ اپنی نذر پوری کر چکے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت حسن کو پکڑا اور بائیں ہاتھ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو پکڑا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' بھوک کی شدت سے ان کے جسم بے حد دبلے ہو چکے تھے اور ان کے جسموں پر کپکپی طاری تھی' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھی تو فرمایا: اے ابوالحسن! یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے' میری بیٹی فاطمہ کے پاس چلو' وہ سب ان کے پاس گئے' وہ اس وقت محراب میں تھیں اور بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ ان کی کمر سے چپکا ہوا تھا اور ان کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے اللہ مدد فرما! محمد کے اہل بیت تو بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں' پھر حضرت جبریل علیہ السلام آسمان سے اترے اور کہا: اے محمد! آپ یہ لیں! اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے متعلق خوش خبری دیتا ہے' آپ نے فرمایا: اے جبریل! ہم کیا لیں؟ تو حضرت جبریل نے آپ کو یہ آیات پڑھائیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ الآیات (الدھر: ۱۰۔۸)

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۰۱۔۹۸ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت علی کے مذکور ایثار کی روایت کو نقل کرنے والے مفسرین

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ ھ: الوسیط ج ۴ ص ۴۰۱۔ ۴۰۰، بیروت، ۱۴۱۵ ھ۔ امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ: معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۹۱، بیروت، ۱۴۲۰ ھ۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ: زاد المسیر ج ۸ ص ۴۳۲، بیروت، ۱۴۰۷ ھ۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ: الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۱۶۔ ۱۱۵، بیروت، ۱۴۱۵ ھ۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ: تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۶، بیروت، ۱۴۱۵ ھ۔

مشہور شیعہ مفسر ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ لکھتے ہیں:

عام اور خاص علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام اور فاطمہ اور الحسن اور الحسین علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہیں کیونکہ انہوں نے مسکین، یتیم اور قیدی کو تین راتیں اپنے افطار پر ترجیح دی اور خود وہ علیہم السلام بھوکے رہے اور کھانے پینے کی کسی چیز سے افطار نہیں کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت عمدہ تعریف کی اور ان کے متعلق یہ سورت نازل کی اور ان کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ قیامت تک ان کی عظمت میں اس سورت کی تلاوت ہوتی رہے گی اور یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (التبیان ج ۱۰ ص ۲۱۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

محققین مفسرین کا حضرت علی کے اس ایثار کی روایت کو مسترد کرنا

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جاہل شخص یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کا ایثار کرنا مذموم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔ (البقرہ: ۲۱۹)

یعنی جو تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس میں افضل دینار وہ ہے جس کو وہ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۴، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے غلام پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو ان میں سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جس کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۸۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ان کا کارمختار (سیکرٹری) آیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے غلاموں کو ان کی روزی دے دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ ان کو ان کی روزی دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس کو روزی دینے کا وہ مالک ہے اس کو روزی نہ دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خرچ کرنے میں) سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو' پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو' پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو' پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۶)

کیا کوئی صاحب عقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان احادیث اور ان احکام سے ناواقف تھے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پانچ اور چھ سال کے بچوں کو تین دن اور تین راتیں بھوکا رکھا' حتیٰ کہ وہ بھوک کی شدت سے بے حال ہو گئے' ان کی آنکھیں اندر دھنس گئیں اور ان کے پیٹ ان کی کمر سے چپک گئے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ حال دیکھ کر رو پڑے' چلو مان لیا کہ حضرت علی نے اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی تو کیا ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو بھی اس ایثار پر برانگیختہ کرتے' چلو مان لیا کہ ان کی اہلیہ نے بھی حضرت علی کی طرح اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی' تو کیا حضرت علی کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تین دن اور تین راتیں بھوکا رہنے کی ترغیب دیتے' نیز حضرت علی کے لیے یہ کب ضروری تھا کہ وہ سائل کو پانچوں روٹیاں دے دیتے' وہ سائل کو ایک روٹی دے دیتے' باقی روٹیاں وہ خود اور ان کے اہل و عیال کھاتے' کوئی احمق اور جاہل ہی ایسا کام کر سکتا ہے' جو دل حق آگاہ ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے کام کا گمان نہیں کر سکتے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ قید خانوں میں بیٹھے ہوئے ایسی احادیث گھڑتے رہتے ہیں اور جب ماہر علماء کے پاس یہ احادیث پہنچتی ہیں تو وہ ان کو مسترد کر دیتے ہیں اور ہر چیز کے لیے آفت اور سازش ہوتی ہے اور دین کی آفت اور سازش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۱۱۹۔۱۱۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس قصہ پر تعقب کیا گیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے' جیسا کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے ذکر کیا ہے' موضوع ہونے کے لفظی اور معنوی دلائل خود اس حدیث میں موجود ہیں' پھر اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہو کیونکہ حضرت علی کی حضرت فاطمہ سے شادی مدینہ میں ہوئی تھی اور وہیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تھے حالانکہ النحاس نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی جمہور کا مؤقف ہے' اور یہ کہنے سے کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی' ان کی شان اور فضیلت کم نہیں ہوتی اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ ابرار میں داخل نہ ہوں بلکہ اور مسلمانوں کی بہ نسبت وہ ابرار میں پہلے داخل ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے مولیٰ اور محبوب ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رَوح اور رَیحان (خوشی اور خوش بو) ہیں اور جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور وہ اپنی فضیلت کے ثبوت میں اس من گھڑت روایت سے مستغنی ہیں۔ (روح المعانی جز۲۹ص۲۷۱۔۲۷۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے' کلبی نے اس حدیث کو از ابو صالح از حضرت ابن عباس روایت کیا ہے اور امام ثعلبی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج۴ص۶۷۰) اور امام ابن جوزی نے لکھا ہے: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج۱ص۳۹۰) اور حکیم ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث ان

احادیث میں سے ہے جن کو محققین کے قلوب مسترد کر دیتے ہیں' اس حدیث میں اس طرح ملمع کاری کی گئی ہے اور اس کو ایسا مزین اور پُر اثر بنایا گیا ہے کہ جاہل آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش! وہ بھی ایسا کام کرے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ ایسا کام کرنے والا قابل مذمت ہے۔ (نوادر الاصول ج ۱ ص ۱۵۵۔۱۵۴)

الدھر: ۸ صرف حضرت علی کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا تعلق تمام ابرار کے ساتھ ہے

ہر چند کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے' لیکن ان میں سے محققین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت کو حضرت علی کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ آیت تمام ابرار اور نیک کام کرنے والوں کے لیے عام ہے اور اس آیت کی بشارت میں تمام مؤمنین داخل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے سب کو ہدایت دی ہے اور ان کے اعذار اور شبہات کو زائل فرما دیا ہے' پھر مخلوق کی دو قسمیں بن گئیں' ایک گروہ شاکرین کا ہے اور ایک گروہ کافرین کا ہے' پھر کافروں کے لیے عذاب کی وعید کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد شاکرین کے لیے وعد کا ذکر فرمایا' پس فرمایا: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ'' (الدھر:۵) بے شک نیکوکار مشروب کے جام پئیں گے' یہ جمع کا صیغہ ہے جو تمام شکر گزاروں اور نیکوکاروں کو شامل ہے اور ایسی عام آیت کی ایک شخص کے ساتھ تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ سورت شروع سے اس آیت تک یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس میں تمام اطاعت کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کے حال کا بیان ہے' پس اگر ہم اس آیت کو کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص کر دیں تو اس سورت کا نظم خراب ہو جائے گا' اور اس کی ترتیب فاسد ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں' سو فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ. (الدھر:۵) نیکوکار مشروب کے جام پئیں گے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا. (الدھر:۷) وہ نذر پوری کرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا○ (الدھر:۸) وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں○

اسی طرح اس کے بعد بشارتوں کی تمام آیات بھی جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں' اور ان آیات کے عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دخول کا انکار نہیں ہے اور وہ اطاعت کرنے والوں کے اخروی انعام کی تمام بشارتوں میں داخل ہیں' جیسا کہ ان آیات کے عموم میں دوسرے متقی صحابہ اور تابعین اور بعد کے نیک مسلمان داخل ہیں' سو اب اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام ابرار (نیکوکاروں) کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور ہر اس شخص کے متعلق جس نے کوئی نیک کام کیا' سو یہ آیت تمام مؤمنین کے لیے عام ہے' اور نقاش' ثعلبی' قشیری اور متعدد مفسرین نے حضرت علی' حضرت فاطمہ اور ان کی باندی فضہ کے قصہ میں ایک حدیث ذکر کی ہے' جو صحیح ہے نہ ثابت ہے' جس کو لیث نے از مجاہد از حضرت ابن عباس' الدھر:۷ کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۱۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت میں ''ابــرار'' سے مراد فقط اہل بیت ہوں کیونکہ خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے' لہٰذا اس آیت میں دوسرے نیک مسلمان بھی داخل ہیں جو مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلائیں اور یہ قصہ راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے' مگر یہ قصہ علماء کے درمیان مشہور ہے اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے' حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ قصہ من گھڑت ہے' اس کو جاہل احمق کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا' ابن جوزی نے اس کا موضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' نیز اس قصہ کی بناء پر لازم آئے گا کہ یہ سورت مدنی ہو حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے' اور حضرت علی کے ساتھ حضرت فاطمہ کا نکاح جنگ اُحد کے بعد مدینہ میں ہوا تھا۔ (روح البیان ج ١٠ ص ٣١٨' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

الدھر: ٨ میں ''عـلـٰی حبـه'' کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: یعنی اللہ کی محبت میں کھانا کھلانا یا اپنے نفس کی خواہش کے باوجود کھانا کھلانا

اس آیت میں فرمایا ہے: ''عـلـٰی حبـه'' اس کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ کہ ''حبـه'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے' فضیل بن عیاض نے کہا: وہ اللہ سے محبت کی وجہ سے مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں' الدارانی نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''حبـــه'' کی ضمیر طعام کی طرف راجع ہے یعنی اس کے باوجود کہ اس شخص کو طعام کی خواہش ہو اور اسے کھانے کی ضرورت ہو' پھر بھی وہ مسکین' یتیم اور قیدی کی ضرورت کو اپنی محبت اور خواہش پر ترجیح دے اور ایثار کرے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ (البقرہ: ١٧٧)

نیک وہ شخص ہے جو مال سے اپنی محبت کے باوجود وہ مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' مسکینوں کو' مسافروں کو' سوال کرنے والوں اور غلاموں کو ان کے آزاد کرنے کے لیے دے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران: ٩٢)

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی ہے جو ایثار کرتے ہیں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' سو فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (الحشر: ٩)

اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود بھی شدید خواہش ہو۔

اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دینے کی آیات اور احادیث کا محمل اور ایثار کا معیار

ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے کھانے' کپڑے' دواؤں کے لیے کچھ نہ رکھے اور نہ اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کے لیے کچھ رکھے اور دوسرے ضرورت مندوں میں اپنا مال تقسیم کرتا پھرے خواہ وہ خود' اس کے ماں باپ اور اہل وعیال فاقوں سے مرتے رہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ایک موضوع پر قرآن مجید اور احادیث کی تمام تصریحات کو سامنے رکھ کر کوئی حکم نکالا جاتا ہے' ان آیات میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو صدقہ کرنے کی فضیلت ہے اور ایثار کا بیان ہے' لیکن دوسری آیت میں فرمایا ہے:

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ . (البقرہ:۲۱۹)
لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو' پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو' پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو' پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۶)

اس لیے الدھر:۷ کا محمل یہ ہے کہ اپنی' اپنے ماں باپ کی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو مال زائد ہو یا جو طعام زائد ہو اور تمہیں اس مال اور طعام کی شدید خواہش بھی ہو تو تم اس میں سے مسکین' یتیم اور قیدی کو کھلاؤ' اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ۬ (آل عمران:۹۲)
تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ۬'' (آل عمران:۹۲) اور میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے' اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے' میں اللہ کے پاس اس نیکی کے ذخیرہ ہونے کی توقع کرتا ہوں' یا رسول اللہ! آپ اس باغ کو جہاں چاہیں خرچ کریں' آپ نے فرمایا: رہنے دو' یہ نفع آور مال ہے' یہ نفع آور مال ہے (دوبار فرمایا) تم نے اس کے متعلق جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو' پھر حضرت ابو طلحہ نے اس باغ کو اپنے قرابت داروں میں اور اپنے عم زاد میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۰۶۶)

''مسکین'' اور ''یتیم'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''مسکین'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: جو خود کمانے پر قادر نہ ہو' ایک قول یہ ہے کہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو وہ مسکین ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ۝ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ۝ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ۝ (البلد:۱۶۔۱۴)
یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ○ کسی رشتہ دار یتیم کو ○ یا کسی خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ○

اور اس آیت میں ''یتیم'' کا لفظ ہے' یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو چکا ہو' ہر وہ چیز جو یکتا اور منفرد ہو' اس کو بھی یتیم کہتے ہیں' جو موتی سیپی میں اکیلا ہو اس کو دریتیم کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۷۱۵) امام رازی نے کہا: جو اپنی کم عمری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہو اور اس کا کمانے والا فوت ہو چکا ہو' اس کو یتیم کہتے ہیں۔

اسیر کے معنیٰ اور مصداق میں مفسرین کے متعدد اقوال اور مسلمان قیدیوں اور مشرک قیدیوں کو کھانا کھلانے اور ان پر صدقہ کرنے کے احکام

اور اس آیت میں ''اسیر'' (قیدی) کا لفظ ہے' اس کے معنیٰ اور مصداق میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اسیر مشرکین میں سے ہوتا ہے' روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم مشرک قیدیوں کو بھیجتے تاکہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان کے حق کو قائم رکھا جائے کیونکہ اس وقت تک ان کو کھانا کھلانا واجب ہے حتیٰ کہ امام ان کے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ ان کو قتل کیا جائے گا یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے گا یا ان کو غلام بنایا جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قیدی کافر ہو یا مسلمان ہو' کیونکہ جب اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا کھلانا واجب ہے تو اگر وہ مسلمان ہوگا تو بہ طریق اولیٰ اس کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب اس کو قتل کرنا واجب ہوگا تو اس کو کھانا کھلانا کیوں واجب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حال میں اس کو قتل کرنے کا وجوب' دوسرے حال میں اس کو کھانا کھلانے کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور یہ واجب نہیں ہے کہ جب اس کو ایک وجہ سے سزا دی جائے تو اس کو دوسری وجہ سے بھی سزا دی جائے' یہی وجہ ہے کہ جس شخص پر قصاص لازم ہو اور اس پر قتل سے کم سزا بھی ہو تو اس کو قتل سے کم سزا دینا مستحسن نہیں ہے' پھر یہ سوال ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا کس پر واجب ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ سربراہِ مملکت پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائے اور اگر وہ نہ کھلائے تو پھر عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائیں۔

(۲) السدی نے کہا: اسیر سے مراد غلام ہے۔

(۳) اسیر سے مراد مقروض ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا مقروض تمہارا قیدی ہے' سو تم اپنے مقروض کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (الکشاف ج ۴ ص ۶۶۹)

(۴) اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جس کو کسی جرم کی وجہ سے قید میں رکھا گیا ہو' یہ مجاہد' عطا اور سعید بن جبیر کا قول ہے' اور حضرت ابوسعید خدری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی روایت کی ہے۔

(۵) اسیر سے مراد بیوی ہے کیونکہ وہ بھی خاوند کی قید میں ہوتی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو' کیونکہ وہ تمہاری مددگار ہیں۔ (مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۳)

قفال نے کہا ہے کہ ''اسیر'' کا لفظ ان تمام معانی کا محتمل ہے کیونکہ ''اسر'' کا معنیٰ ہے: کسی کو تسمہ کے ساتھ باندھنا اور اسیر کو بند کرنے کے لیے تسمہ کے ساتھ باندھا جاتا ہے' پھر اسیر کو قیدی کے معنیٰ میں استعمال کیا جانے لگا' خواہ اس کو باندھا جائے یا نہ اور اس کا رجوع اس کی طرف ہو گیا' جس کو بند کیا گیا ہو اور قید میں رکھا گیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قیدی صرف مشرکین ہوتے تھے۔

امام سعید بن منصور' امام ابن شیبہ اور امام ابن مردویہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی' اس وقت قیدی صرف مشرکین تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس وقت قیدی مشرکین تھے' پس اللہ کی قسم! تمہارے مسلمان بھائی کا تم پر حق اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے۔

امام ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو قید نہیں کرتے تھے' لیکن یہ آیت ان قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مشرکین تھے' ان سے فدیہ لینے کے لیے انہیں گرفتار کیا جاتا تھا' سو یہ

آیت ان کے متعلق نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کرنے کا حکم دیتے تھے۔
امام عبد بن حمید نے عکرمہ سے ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ عرب ہند اور دیگر علاقوں سے جن کو گرفتار کریں' تم پر لازم ہے کہ تم ان کو کھلاؤ اور پلاؤ حتیٰ کہ تم ان کو قتل کردیا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کردو۔
امام ابوشیبہ نے ابورزین سے روایت کیا ہے کہ میں شقیق بن سلمہ کے ساتھ تھا' ان کے پاس سے کچھ مشرکین قیدی گزرے' انہوں نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور پھر اس آیت کو تلاوت کیا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)
امام ابن شیبہ نے سعید بن جبیر اور عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل قبلہ وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۴۰۵' الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۴۳۔۳۴۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)
علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ایک قول یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی اسیر ہو' کیونکہ حسن بصری سے روایت ہے کہ نبی صلی للہ علیہ وسلم کے پاس کوئی اسیر لایا جاتا تو آپ اس کو کسی مسلمان کے سپرد کردیتے اور فرماتے: اس کے ساتھ نیک سلوک کرو' اس کے پاس وہ قیدی دو یا تین دن رہتا تو وہ اس کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا' قتادہ نے کہا: ان دنوں قیدی مشرک ہوتا تھا تو تمہارا مسلمان بھائی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کو کھانا کھلاؤ۔
امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں قیدیوں کو گرفتار کیا تو سات مہاجرین نے ان قیدیوں پر خرچ کیا: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمان' حضرت سعد' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' انصار نے کہا: ہم نے ان مشرکین کو اللہ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے قتل کیا ہے اور تم ان پر خرچ کرکے ان کی مدد کررہے ہو' تب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کے متعلق ۱۹ آیات نازل کیں ''ان الابرار یشربون'' سے لے کر ''عینا فیھا تسمی سلسبیلا'' تک اور ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ قیدی خواہ مشرک ہوں ان کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس میں ثواب کی توقع ہے۔
پہلی حدیث (حضور قیدی کو کسی مسلمان کے حوالے کردیتے تھے) حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق کہا ہے کہ کسی قابل ذکر محدث نے اس کو روایت نہیں کیا اور ابن العراقی نے کہا: میں اس سے واقف نہیں ہوں' اور دوسری حدیث کو امام ابن عساکر کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا اور مجھے اس کی صحت پر اعتماد نہیں ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یہ آیات مدنیہ ہوں اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔
ہاں عامۃ العلماء کے نزدیک دارالاسلام میں کفار کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے اور ان پر صدقات واجبہ کو صرف نہیں کیا جائے گا' ابن جبیر اور عطاء نے کہا ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ ہے جو اہل قبلہ سے ہو' علامہ طیبی نے کہا: اس قول کا محمل یہ ہے کہ جب دارالحرب میں کوئی مسلمان کفار کی قید میں ہو تو اس کو کھانا کھلانا مستحسن ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالحرب میں کفار کی قید میں ہو اور اس کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ کی ضرورت ہو' اور وہ فدیہ کو طلب کرنے کے لیے نکلے' محی السنۃ نے مجاہد' ابن جبیر اور عطا سے نقل کیا ہے کہ اس اسیر سے وہ مراد ہے جو اہل قبلہ سے ہو' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو مسلمان مال دار ہو اور اس پر کسی کا قرض ہو جس کو ادا کرنے پر وہ قادر ہو اور وہ عناداً قرض ادا نہ کرتا ہو یا کسی اور نفسانی غرض سے اور اس وجہ سے اس کو قید کرلیا گیا ہو تو اس

کو کھانا کھلانا مستحسن نہیں ہے' حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اسیر سے مراد غلام ہے کیونکہ وہ بھی مالک کی قید میں ہوتا ہے اور وہ اپنی خواہش سے کوئی کام نہیں کر سکتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقروض بھی تمہارا قیدی ہے' اس لیے اس آیت میں اسیر سے مراد مقروض بھی ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۶۸۔۲۶۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الدھر: ۹ میں فرمایا: (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O

ابرار کا محتاجوں کے ساتھ نیکی کر کے صلہ اور ستائش سے منع کرنا اور اس کی وجوہ

اس سے پہلی آیات میں ذکر فرمایا تھا کہ ابرار (نیک لوگ) مسکین' یتیم اور قیدی کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے اس حسن سلوک کی دو غرضیں تھیں' ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول' جس کو انہوں نے اپنے اس قول سے ظاہر کیا: ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں اور دوسری قیامت کے دن کا خوف جس کا انہوں نے اس قول سے اظہار کیا: بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے۔ (الدھر: ۱۰)

ہو سکتا ہے کہ ان ابرار نے اپنی زبان سے یہ کہا ہو کہ ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں تا کہ ان کا یہ کہنا اس پر دلیل ہو کہ وہ ان ضرورت مندوں سے اپنے اس احسان کا بدلہ نہیں چاہتے' نہ اپنے متعلق کلماتِ تحسین سننا چاہتے ہیں' اور انہوں نے اپنی زبان سے اس لیے یہ کہا ہو کہ دوسرے احسان کرنے والے بھی سن لیں کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے نہ اس سے اس نیکی کا معاوضہ طلب کرنا چاہیے نہ اس کی تعریف و توصیف کا منتظر رہنا چاہیے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں کہی ہو اور ان کی نیت صلہ اور ستائش کی نہ ہو اور زبان سے انہوں نے کچھ نہ کہا ہو' مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کے حال کا پتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

انسان جب کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو کبھی تو وہ نیکی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور ان ابرار کی یہ نیکی ایسی ہی تھی اور کبھی یہ نیکی کسی صلہ کی طلب اور ستائش کی چاہت کے لیے ہوتی ہے' اوّل الذکر نیت محمود ہے اور ثانی الذکر نیت مذموم ہے اور اس کے مذموم ہونے پر دلیل یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰیۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ. اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور (طعنہ کی) ایذاء سے باطل نہ کرو' مثل اس شخص کے جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶۴)

اس لیے ابرار نے صراحت کے ساتھ کہا: ہم تم سے صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش۔

الدھر: ۱۰ میں فرمایا: (ابرار نے کہا:) بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور سخت ہے O

''عبوس'' اور ''قمطریر'' کا معنیٰ

اس آیت میں دو مشکل لفظ ہیں: ''عبوسا'' اور ''قمطریرا''۔

''عبوسا'' کے معنیٰ ہے: منہ بنانے والا' تیوری چڑھانے والا' ترش رُو' سخت منہ بگاڑنے والا' اس آیت میں ''عبوسا'' ''یوم'' کی صفت ہے' اس کا معنیٰ ہے: ایسا دن جو لوگوں پر بہت سخت اور دشوار ہو' قاموس میں لکھا ہے: ایسا مکروہ دن جس سے لوگوں کے منہ بگڑ جائیں۔ (القاموس ص ۵۵۵' مؤسسة الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ) امام رازی نے لکھا ہے کہ ''یوم'' کی صفت جو ''عبوس''

لائی گئی ہے یہ مجاز ہے یعنی وہ دن منہ بنانے یا بگاڑنے والا نہیں ہے بلکہ اس دن کی سختی اور شدت سے لوگوں کے منہ بگڑ جاتے ہیں جیسے کہتے ہیں: ''نھارہ صائم'' اس کا حقیقی معنیٰ ہے: اس کا دن روزہ دار ہے حالانکہ اس سے مراد ہوتا ہے: اس دن میں وہ روزہ دار ہے اس طرح ''یوماً عبوساً'' کا معنیٰ ہے: اس دن کے ہول اور اس کی شدت سے لوگوں کے منہ بگڑ جائیں گے' روایت ہے کہ کافر کی آنکھوں کے درمیان سے اس دن پسینہ تیل کی طرح بہ رہا ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۹)

''قمطرت الناقة'' کے الفاظ اس وقت بولے جاتے ہیں جب اونٹنی دُم اٹھائے' ناک چڑھا کر اور منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کرے' اس مناسبت سے ہر مکروہ اور رنج میں مبتلا کرنے والے دن کو ''قمطریر'' کہا جانے لگا' اور جس دن میں بہت مصائب اور آلام نازل ہوں' اس دن کو ''قمطریر'' کہتے ہیں اور چونکہ قیامت کا دن بہت ہولناک ہوگا' اس لیے قیامت کے دن کو ''قمطریر'' کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچالیا اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی O اور ان کے صبر کی جزاء میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا O وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ جنت میں نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے اور نہ سردی کی ٹھنڈک O اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے O اور ان کے لیے چاندی کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے O یہ شیشے کی مثل برتن چاندی کے ہوں گے (پلانے والے) ان کو ٹھیک ٹھیک اندازے پر رکھیں گے O وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی O اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے O اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے' تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں O تم وہاں جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے O اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے' اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا O (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں O (الدھر: ۲۲۔۱۱)

جنت میں ابرار کو ملنے والی نعمتیں

الدھر: ۱۱ سے الدھر: ۲۲ تک اللہ تعالیٰ نے جنت کی وہ نعمتیں بیان کی ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے ابرار کو آخرت میں عطا فرمائی ہیں۔

اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ ابرار نے محض اللہ کی رضا کے لیے اور قیامت کے خوف سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلایا تھا اور ان پر صدقہ کیا تھا' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان دونوں غرضوں کو پورا کر دیا' ان کو قیامت کے دن کے ہول سے بھی بچالیا اور چونکہ ان سے راضی ہو گیا' اس لیے ان کو تروتازگی اور خوشی عطا فرمائی' اس کی مزید تفصیل اس کے بعد کی آیات میں ہے۔

الدھر: ۱۳۔۱۲ میں فرمایا: اور ان کے صبر کی جزا میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا O وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ جنت میں نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے نہ سردی کی ٹھنڈک O

صبر کی اقسام

اس آیت میں صبر سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے غرباء اور مساکین پر صدقہ کرنے سے جو مال میں کمی ہوتی ہے' وہ اس پر صبر کرتے ہیں یا نماز روزے' حج اور دیگر عبادات میں جو جسمانی مشقت اٹھانی پڑتی ہے وہ اس پر صبر کرتے ہیں یا ناجائز

خواہشوں پر صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے‘ صبر کی چار قسمیں ہیں: (۱) کسی مصیبت پر جب پہلی بار صدمہ پہنچے تو اس پر صبر کرے (۲) فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی مشقت پر صبر کرے (۳) اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرنے پر صبر کرے (۴) دنیاوی مصائب پر اپنے نفس کو رونے پیٹنے اور شکوہ شکایت کرنے سے روکے اور صبر کرے۔

وہ مسہریوں پر یا مسندوں پر ٹیک لگائے ہوئے جنت میں بیٹھے ہوں گے‘ وہاں کی ہوا معتدل ہوگی‘ سرد ہوگی نہ گرم۔ ’’زمھریر‘‘ کا معنیٰ بنوطے کی لغت میں چاند ہے‘ سو اس آیت کا معنیٰ ہے: جنت میں خود بہ خود روشنی ہوگی اس لیے وہاں نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی۔

الدھر:۱۴ میں فرمایا: اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے ○

ابرار کو دو قسم کی جنتیں ملنا اور سورج اور چاند کے بغیر درختوں کے سائے کی توجیہات

پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ابرار کو ایک جنت وہ دی جائے گی جس میں ان کو ریشمی لباس پہنایا جائے گا اور اس جنت میں ان کو گرمی اور سردی سے بھی محفوظ رکھا جائے گا اور دوسری جنت ایسی دی جائے گی جس میں درختوں کے سائے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے‘ کیونکہ ان ابرار نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (الدھر:۱۰) اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اللہ تعالیٰ اسے دو جنتیں عطا فرماتا ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ○ (الرحمٰن:۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○

سو ان ابرار کو بھی دو جنتیں دی جائیں گی۔

اس جگہ ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ سایا وہاں ہوتا ہے جہاں سورج ہو‘ پس جب جنت میں سورج نہیں ہوگا تو وہاں سایا بھی نہیں ہونا چاہیے‘ پھر درختوں کے سائے کیسے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درختوں کے سائے سے مراد یہ ہے کہ اگر وہاں سورج ہوتا تو وہاں جو سائے ہوتے ان کو اہل جنت کے قریب کر دیا جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت میں دوسرے اجسام نورانیہ کی روشنی ہو جس کی وجہ سے درختوں کا سایہ ہو کیونکہ جنت میں بہرحال اندھیرا تو نہیں ہوگا‘ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درختوں کے سائے سے مراد خود درخت ہوں‘ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کے بغیر وہاں سایا پیدا کر دے‘ کیونکہ انسان سائے میں بھی تلذذ حاصل کرتا ہے‘ جیسے جنت میں سونے اور چاندی کی کنگھیاں ہوں گی حالانکہ جنت میں بالوں کے اندر نہ میل کچیل ہوگا اور نہ بال اُلجھے ہوئے ہوں گے‘ جنہیں سنوارنے کے لیے کنگھی کرنے کی ضرورت ہو اور جیسے پیاس کے بغیر جنت میں تلذذ کے لیے مشروب پلائے جائیں گے۔

نیز فرمایا: اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے‘ یعنی اگر وہ کھڑے ہوں تب بھی خوشوں سے پھل توڑ سکیں گے اور اگر اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوں یا مسہریوں پر لیٹے ہوں تب بھی خوشوں سے پھل توڑ سکیں گے۔

الدھر:۱۶۔۱۵ میں فرمایا: اور ان کے لیے چاندی کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے ○ یہ شیشہ کی مثل برتن چاندی کے ہوں گے‘ (پلانے والے) ان کو ٹھیک ٹھیک اندازے پر رکھیں گے ○

جنت میں چاندی اور سونے کے برتنوں کے استعمال میں تعارض کے جوابات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شفاف چاندی کے برتنوں اور گلاسوں کا ذکر فرمایا ہے اور ایک اور آیت میں سونے کے

پیالوں اور گلاسوں کا ذکر فرمایا ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ ان پر سونے کے پیالوں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا

(الزخرف:۷۱) جائے گا۔

29 اور بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں سونے اور چاندی دونوں کے برتن ہوں گے اور جنت کے تنعم اور تعیش کے لیے کبھی ان کو سونے کے برتنوں میں کھلایا اور پلایا جائے گا اور کبھی چاندی کے برتنوں میں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ان کے لیے شفاف چاندی کے برتن ہوں گے' شفاف وہ چیز ہوتی ہے جس کے آر پار دیکھا جا سکے اور چاندی کثیف ہوتی ہے' اس کے آر پار نہیں دیکھا جا سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کی چاندی ایسی ہی ہوتی ہے لیکن جنت کی چاندی اور جنس کی ہوگی' اس کے آر پار دیکھا جا سکے گا' نیز شیشہ بھی پتھر کی جنس سے ہے اور وہ فی نفسہ کثیف ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کثیف پتھر کو شفاف اور لطیف بنا سکتا ہے تو وہ کثیف چاندی کو بھی لطیف اور شفاف بنا سکتا ہے' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت کی کسی چیز کی دنیا کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے' ان میں صرف نام کا اشتراک ہے' ورنہ جس نام کی چیز دنیا میں ہے' جنت میں اس نام کی چیز اس سے بہت مختلف ہوگی۔

نیز فرمایا: (پلانے والے) ان کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے O

یعنی ان گلاسوں میں اتنی مقدار میں مشروب ڈالا جائے گا' جس سے پینے والے سیر ہو سکیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پینے والے اور مشروب پینا چاہیں گے تو پلانے والے ان کو اور مشروب لا کر پلائیں گے۔

سونٹھ کے پانی کی توجیہ

الدھر: ۱۷ میں فرمایا: وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی O

اس سے پہلی آیتوں میں مشروب کے برتنوں کی تفصیل بیان فرمائی تھی اور مشروب کی مقدار کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں مشروب کی کیفیت کا بیان فرمایا ہے کہ اس میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کھانے کے بعد ہاضمے کے لیے سونٹھ کا پانی پیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جنت میں کھانے پینے کے بعد الگ سے سونٹھ کا پانی پینے کی ضرورت نہیں ہوگی' جنت کے مشروبات میں از خود سونٹھ کا پانی ملا ہوا ہوگا۔

سلسبیل کا معنیٰ

الدھر: ۱۸ میں فرمایا: اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے O

ابن الاعرابی نے کہا: ''سلسبیل'' کا لفظ صرف قرآن میں آیا ہے' عربی زبان میں یہ لفظ نہیں ہے' اس لیے یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ ''سلسبیل'' کا مادہ کیا ہے اور یہ کس لفظ سے ماخوذ ہے' اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ جو مشروب میٹھا ہو اور آسانی سے حلق سے اتر جائے اس کو مشروب ''سلسال'' یا ''سلسبیل'' کہا جاتا ہے۔ زجاج نے کہا: لغت میں ''سلسبیل'' اس چیز کی صفت ہے جو انتہائی سلاست میں ہو یعنی جو چیز انتہائی آسان اور رواں ہو' اس چشمہ کا پانی سونٹھ کے چشمہ کی طرح ہوگا اور آسانی اور روانی سے حلق سے اترے گا۔

جنتی لڑکوں کے دائمی ہونے کی توجیہ

الدھر: ۱۹ میں فرمایا: اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے' تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں O

29 بچپن میں انسان کے چہرے پر بھولپن اور معصومیت ہوتی ہے' جس کی وجہ سے اس کا چہرہ پُر بہار اور پُر کشش ہوتا ہے اور اسے دیکھنے سے طبیعت خوش ہوتی ہے' اور جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھتی ہے اس کے چہرے پر پکا پن آ جاتا ہے' چہرے پر مسّے اور دانے نکل آتے ہیں' اس کے چہرے کی خوب صورتی' رونق اور کشش جاتی رہتی ہے اور وہ چہرہ جو بچپن میں بھولا بھالا اور معصوم لگتا تھا' جوان ہونے کے بعد خرانٹ لگنے لگتا ہے' اس کے برعکس جنت میں جو اہل جنت کی خدمت پر مامور لڑکے ہوں گے' ان کے چہروں پر ہمیشہ اسی طرح بھولپن' معصویت' رونق اور رعنائی رہے گی جو دنیا میں بالغ ہونے سے پہلے لڑکوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔

اس لیے فرمایا: اور دائمی جنتی لڑکے' یعنی ان لڑکوں کی صورتوں پر جو بھولپن اور معصومیت ہوگی وہ دائمی ہوگی' اس کے برخلاف دنیا میں لڑکوں کے چہرے پر یہ کیفیت بالغ ہونے سے پہلے تک رہتی ہے' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ وہ لڑکے دائمی ہیں یعنی ان کو موت نہیں آئے گی لیکن پہلی تفسیر راجح ہے' اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ''مخلدون'' کا معنیٰ ہے: ''محلون'' یعنی وہ زیورات سے آراستہ ہوں گے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

یعنی وہ حسین وجمیل اور صبیح اور ملیح لڑکے جب مجلس میں متفرق جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے تو تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

الدھر: ۲۰ میں فرمایا: تم وہاں' جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے O

جنتیوں کی سلطنت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی بیان کرنے والا جنت کی نعمتوں کے حسن اور ان کی پاکیزگی کو کماحقہٗ بیان نہیں کر سکتا' اہل جنت میں سے جو شخص ادنیٰ درجہ کا ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا ملک ایک ہزار سال کی مسافت کو محیط ہے اور دور والے کو اسی طرح دیکھے گا جیسے وہ قریب والے کو دیکھ رہا ہوگا اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ کریں گے تو وہ ان کو فوراً حاصل ہو جائے گی' نیز اس آیت میں فرمایا: ان کی عظیم سلطنت ہوگی' کلبی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اللہ کا ولی اپنے گھر میں آرام کر رہا ہوگا' پھر اللہ کا فرستادہ اس کے پاس عمدہ پوشاک' لذیذ کھانے اور مرغوب مشروبات لے کر آئے گا اور اس کی اجازت سے اس کے گھر میں داخل ہوگا' اور اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مکرم فرشتے بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں نہیں آ سکیں گے' اس سے بڑھ کر ان کی نعمتیں اور ان کی عظیم سلطنت اور کیا ہوگی۔

الدھر: ۲۱ میں فرمایا: اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا O

''سندس'' اور ''استبرق'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''سندس'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: باریک ریشم' باریک دیبا' علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں لکھا ہے کہ جوالیقی نے کہا ہے کہ فارسی میں اس کا معنیٰ ہے: باریک دیبا' اور لیث نے کہا ہے کہ ارباب لغت اور مفسرین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ لفظ معرب ہے' یعنی اصل میں یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کو عربی لفظ بنایا گیا ہے' شیدلہ نے کہا: اصل میں یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ (لغات القرآن ج ۳ ص ۲۳٦' کراچی)

اور ''استبرق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ریشم کا زریں کپڑا۔ (لغات القرآن ج ۱ ص ۷۷' کراچی)

سونے اور چاندی کے کنگن میں تعارض اور اس کے جواب

نیز فرمایا: اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔
ایک اور سورت میں ان کو سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ. (الکہف: ۳۱) ان کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں' وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے' اہل جنت کو سونے اور چاندی دونوں کے کنگن بہ یک وقت پہنائے جائیں گے یا کبھی سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور کبھی چاندی کے' دوسرا جواب یہ ہے کہ انسانوں کی طبیعتیں اور مزاج مختلف ہوتے ہیں' بعض لوگ چاندی پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ سونا پسند کرتے ہیں' جنت میں دونوں قسم کے کنگن ہوں گے جن کو سونا پسند ہوگا وہ سونے کے کنگن پہنیں گے اور جن کو چاندی پسند ہوگی وہ چاندی کے کنگن پہنیں گے' تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جنت کے ''ولدان'' اور ''غلمان'' (نوخیز' بے ریش لڑکوں) کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے اور الکہف: ۳۱ میں جنت کے مردوں کا ذکر ہے کہ وہ سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے۔

''شراب طہور'' کا معنیٰ

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گاO

''طہور'' ''طاہر'' کا مبالغہ ہے یعنی جنت کی شراب بہت زیادہ پاکیزہ ہوگی' اور وہ دنیا کی خمر (انگور کی شراب) کی طرح نجس نہیں ہوگی' اور اس کو بنانے میں ناپاک اور نجس ہاتھوں کا استعمال نہیں ہوا ہوگا' اور جسم کے مسامات سے جو پسینہ نکلے گا اس میں بھی نجس شراب کی بو نہیں ہوگی بلکہ مشک کے پسینہ کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

مقاتل نے کہا: جنت کے دروازے پر ایک چشمہ ہے جو ایک درخت کے تنے سے نکلتا ہے' جو شخص اس مشروب کو پیتا ہے اس کا دل کینہ اور حسد سے اور اس کے پیٹ میں جو بھی گندگی ہوتی ہے اس سے صاف ہو جاتا ہے اور یہی ''شراب طہور'' کا معنیٰ ہے کیونکہ ''طہور'' کا معنیٰ ہے: پاک کرنے والا۔

ابوقلابہ نے کہا: اہل جنت کو کھانے اور پینے کے بعد شراب طہور پلائی جائے گی' اس سے ان کے جسم کا باطن پاک ہو جائے گا' اور ان کی کھالوں سے پسینہ نکلے گا جس سے مُشک کی خوشبو آئے گی اور ان دونوں قولوں کی بناء پر ''طہور'' کا معنیٰ ''مطہر'' ہے اور یہ شراب ان کے باطن سے اخلاقِ مذمومہ اور اشیاء موذیہ خارج کر دے گی۔

روح بشری ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتی رہتی ہے اور ایک نور سے دوسرے نور کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے' حتیٰ کہ جب وہ روح تمام مقامات اور انوار طے کرتی ہوئی اللہ عزوجل کے قریب پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نور' اس کی کبریائی اور عظمت کے مقابلہ میں تمام انوار مضمحل ہو جاتے ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابرار کے ثواب اور ان کے درجات کو اس آیت پر ختم کیا کہ: اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا۔

الدھر: ۲۲ میں فرمایا: (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزاء اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیںO

ابرار کا جنت میں کلماتِ تحسین سے استقبال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کر لیں گے' اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے لیے تمہارے واسطے

تیار کیا تھا' باوجود اس کے کہ تمہارے اعمال کم تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو تمہارے اعمال کی جزاء میں تیار فرمایا ہے' اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی زبان سے یہ کہلوائے گا کہ وہ اہل جنت سے کہیں:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ تم پر سلام ہو تم نے جو صبر کیا تھا آخرت کا یہ گھر اس کی کیسی اچھی جزا ہے ۝ (الرعد: ۲۴)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ (الحاقہ: ۲۴) جو اعمال تم نے گزشتہ زمانہ میں کیے تھے ان کے بدلہ میں خوشی سے کھانا پینا تمہیں مبارک ہو ۝

اہل جنت سے فرشتوں کے اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اہل جنت کو مزید خوش اور مسرور کیا جائے کیونکہ جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے: یہ تیری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے تاکہ اس کے غم اور افسوس میں اور اضافہ ہو' اسی طرح ابرار اور نیک لوگوں کو انعامات دے کر یہ بتایا جائے گا کہ یہ تمہاری اطاعت اور عبادات کا صلہ ہے تاکہ ان کی مسرت اور شادمانی میں اور زیادتی ہو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو یعنی میرے علم میں تمہارے لیے یہ انعامات مقدر تھے' اسی لیے میں نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے یہ انعامات تیار کیے۔

بندوں کی نیکیوں کے مشکور ہونے اور اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہاری سعی (نیک اعمال) مشکور ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابرار اور نیک بندوں کے نیک اعمال پر ان کا شکر ادا کیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لائق یہ ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کریں' نہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر ادا کرے۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) شکر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ مشکور کی حمد و ثناء اور تعریف اور تحسین کی جائے' آخرت میں اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک اعمال کی تحسین فرمائے گا اور بتائے گا کہ ان نیک اعمال کی وجہ ہی سے ان کو جنت میں ان بلند مقامات پر رکھا گیا ہے اور ان کو یہ انعامات دیئے گئے اور یہی ان کے نیک اعمال کا مشکور ہونا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے' ان کے نیک اعمال کی اچھی جزاء عطا فرماتا ہے اور ان کے نیک اعمال کی قدردانی اور قدر افزائی فرماتا ہے۔

(۳) جو شخص تھوڑی سی چیز سے راضی ہو جائے اس کو شکور کہا جاتا ہے یعنی وہ بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تھوڑی سی عبادت سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کی کم عبادت پر ان کو بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ جس نے خوشی سے کوئی نیکی کی تو بے شک اللہ (اس کا) قدردان بہت جاننے والا ہے ۝ (البقرہ: ۱۵۸)

(۴) بندے کے اللہ سے قرب کا آخری درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے راضی بھی ہو اور مرضی بھی ہو یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر: ۲۸۔۲۷) اے مطمئن روح! ۝ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہو' وہ تجھ سے راضی ہو ۝

سو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (انعامات) تمہاری جزاء ہیں تو یہ بندے کے راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور جب

فرمایا: تمہاری سعی مشکور ہے یعنی تمہاری اطاعات اور عبادات کی تحسین کی گئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے امام رازی نے فرمایا: یہ بندے کے قرب کا آخری درجہ ہے تو ابرار کے ثواب کے ذکر میں اس کو سب سے آخر میں ہی ذکر کرنا مناسب تھا اس لیے ابرار کے ثواب کے بیان کے آخر میں فرمایا: یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۚ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہے ○ آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے

رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۚ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا ○ اور آپ اپنے رب کے نام

رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ۖۚ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ

کا صبح اور پچھلے پہر ذکر کریں ○ اور رات کے کچھ وقت میں اس کے لیے سجدہ کریں اور رات کے طویل حصہ میں

لَیْلًا طَوِیْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ

اس کی تسبیح کریں ○ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں اور بھاری دن (قیامت)

وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَاۤ

اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں ○ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ

اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

مضبوط بنائے ہیں اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلے میں اور لوگ لے آئیں گے ○ بے شک یہ (آیات)

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا

نصیحت ہیں سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کر لے ○ اور اللہ تعالیٰ

تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۖۗ﴿۳۰﴾

کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے بے شک اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○

ع ۲ ۹ ۲ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ع ﴿۳۱﴾

وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہے O آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا O (الدھر: ۲۴۔۲۳)

ربط آیات اور تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل کرنے کی حکمت

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ انسان حادث ہے' پہلے وہ موجود نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ اس کو عدم سے وجود میں لایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا O (الانسان:۱)

یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے' جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا O

پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا' پھر فرمایا ''نَّبْتَلِیْهِ '' (الانسان:۲) ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا' پھر ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھا دیا' پھر بتایا کہ انسان اپنے اختیار سے دو فرقوں میں بٹ گئے' ان میں سے بعض شکر گزار تھے اور بعض ناشکرے' پھر اختصار کے ساتھ کفار کے عذاب کو بیان فرمایا اور اس کے بعد تفصیل کے ساتھ ابرار اور اطاعت کرنے والوں کے اجر و ثواب کو بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا: ''وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا O'' (الانسان:۲۲) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احوالِ دنیا بیان فرمائے اور اطاعت کرنے والوں کے احوال کو نافرمانی کرنے والوں کے احوال پر مقدم رکھا' اطاعت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی امت ہے' سو الانسان: ۲۳ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا O (الانسان: ۲۳)

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہے O

اس آیت سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنا ہے اور آپ کو تسلی دینا ہے' کیونکہ قریشِ مکہ آپ پر تہمت لگاتے تھے کہ آپ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ کہانت اور جادو ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے جو نازل فرمایا ہے' اس میں بھی حکمت بالغہ ہے کہ جس وقت کے لیے جو حکم مقرر ہے اس وقت میں وہ حکم دیا جائے' یہی وجہ ہے کہ کفار سے قتال کا حکم ہجرت کے بعد دیا گیا اور ہجرت سے پہلے کفار کی ایذاء کے مقابلہ میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔

الدھر: ۲۴ میں فرمایا: آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا O

کفار کا آپ کو لالچ دے کر اور دھمکا کر تبلیغ اسلام سے روکنا اور آپ کی استقامت

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ صبر کیجئے حتیٰ کہ آپ کے اور اہل مکہ کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے' اور جب یہ آپ کو بُرا کہیں تو آپ جواب میں ان کو بُرا نہ کہیں اور جب یہ آپ کو ایذاء پہنچائیں تو آپ جواب میں ان کو ایذاء نہ پہنچائیں۔

اور فرمایا: آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں' اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے' وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا' ناشکرے سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کفار دار الندوۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' ان میں عمرو بن عمیر بن مسعود الثقفی بھی تھا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ بتاؤ کہ تم

نے اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑ دیا؟ ولید بن مغیرہ نے کہا: اگر تم مال کے طلب گار ہو تو میں تمہیں اپنا آدھا مال دے دیتا ہوں بہ شرطیکہ تم اپنے دین کا پیغام سنانا چھوڑ دو اور ابوالبختری بن ہشام نے کہا: لات اور عزیٰ کی قسم! اگر یہ اپنے دین سے پھر گئے تو میں اپنی بیٹی کی ان کے ساتھ شادی کر دوں گا۔ وہ عرب کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین و جمیل ہے اور وہ گفتگو میں بھی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ باتیں سن کر خاموش رہے اور آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا' پھر ابن مسعود ثقفی نے کہا: کیا بات ہے تم ہمیں جواب کیوں نہیں دیتے؟' اگر تمہیں اپنے رب کے عذاب کا خوف ہے تو میں تم کو اس عذاب سے پناہ میں رکھوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر ہنسی آ گئی' پھر آپ نے اپنے کپڑے سمیٹے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گنہ گار ہو یا ناشکرا' یعنی ولید بن مغیرہ اور ابوالبختری کی اطاعت نہ کریں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ص ۴۳۳-۴۳۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ کہتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابوجہل نے یہ کہا تھا: اگر میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا۔

(تفسیر القرآن العزیز رقم الحدیث: ۳۴۴۲' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۱ھ' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۷۹۷)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے آزمائش اور امتحان کے لیے نازل کیا ہے' سو آپ اپنی رسالت کی تبلیغ اور اپنے رب کے نازل کردہ فرائض کے امتحان اور آزمائش میں صبر کیجئے اور جن کاموں کا آپ کو حکم دیا ہے' ان پر عمل کرتے رہیے اور ان کافروں میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہوں یا ناشکرے' اس ارشاد کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں اپنی قوم کے گناہ گار مشرکوں کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو معصیت پر سوار کرنا چاہتے ہیں اور نہ ناشکروں کی بات مانیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ (جامع البیان جز ۲۹ص ۲۷۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں میں سے کسی کی اطاعت نہیں کرتے تھے' پھر اس ممانعت کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ ہدایت' ارشاد اور متنبہ ہونے کے محتاج ہیں کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شہوات اور ناجائز خواہشیں ہیں جو ان کو فتنہ اور فساد پر اُبھارتی ہیں' اور اگر لوگوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق سے مستغنی ہوتا تو لوگوں میں اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو معصوم ہیں اور جب آپ بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق سے مستغنی نہیں ہیں تو ہر مسلمان پر یہ منکشف ہو جائے گا کہ وہ ناجائز خواہشوں اور شہواتِ باطلہ اور تمام معاصی سے بچنے اور باز رہنے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق کا محتاج ہے' سو وہ اسی کی طرف راغب ہو اور اسی سے گڑگڑا کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بُرے کاموں سے بچائے اور نیک کاموں پر لگائے رکھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۷۵۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

امام رازی کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر مفسر اس آیت کی تفسیر میں اس سوال کی طرف متوجہ ہوا اور نہ اس کا جواب ذکر کیا'

البتہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے امام رازی ہی کی مذکور الصدر تفسیر کو اپنی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔

(روح البیان ج ۱۰ص ۳۲۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق مصنف کی توجیہ

ہماری رائے یہ ہے کہ امام رازی نے جو اس سوال کا جواب ذکر کیا ہے' اس کی متانت اور اس کے حسن اور خوبی اور اس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی ثانی نہیں ہے' تاہم مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب بہ ظاہر آپ سے ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد آپ کی امت ہے اور اس آیت میں صنعت تعریض ہے' فرمایا آپ سے ہے اور سنایا آپ کی امت کو ہے یعنی اے مسلمانو! جب تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت سے منع کیا ہے تو سوچو کہ تمہارے لیے یہ ممانعت کس قدر سخت اور قوی ہے اور اس آیت میں خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد نہیں ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اس شخص کو کسی کام سے منع کیا جاتا ہے جس کے لیے وہ کام کرنا ممکن ہو' اور جس شخص کے لیے کوئی کام کرنا ممکن ہی نہیں ہے اس کو اس کام سے منع نہیں کیا جاتا مثلاً گونگے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم فحش گفتگو نہ کرو کیونکہ اس کے لیے گفتگو کرنا ممکن ہی نہیں ہے' اسی طریقہ پر ہم کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے داعی ہیں' اس وجہ سے آپ کے لیے گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں ہے' اس لیے ہمارے نزدیک اس آیت میں اسناد مجاز عقلی ہے اور اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے' آپ گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت نہ کریں لیکن حقیقت میں یہ خطاب آپ کی امت سے ہے کہ وہ گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت نہ کریں کیونکہ آپ کے لیے تو ان کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ہمارے جواب کو مزید تفصیل سے سمجھنے کے لیے ''وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ'' (المدثر: ٦) کا مطالعہ کریں۔

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق سید مودودی کی تقریر

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہوئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی ان میں سے کسی سے دب کر دین حق کی تبلیغ سے باز نہ آؤ' اور کسی بدعمل کی خاطر دین کی اخلاقی تعلیمات میں' یا کسی منکر حق کی خاطر دین کے عقائد میں ذرہ برابر بھی ترمیم وتغیر کرنے کے لیے تیار نہ ہو' جو کچھ حرام وناجائز ہے اسے برملا حرام و ناجائز کہو' خواہ کوئی بدکار کتنا ہی زور لگائے کہ تم اس کی مذمت میں ذرا سی نرمی ہی برت لو اور جو عقائد باطل ہیں انہیں کھلم کھلا باطل اور جو حق ہیں انہیں علانیہ حق کہو' چاہے کفار تمہارا منہ بند کرنے یا اس معاملہ میں کچھ نرمی اختیار کر لینے کے لیے تم پر کتنا ہی دباؤ ڈالیں۔ (تفہیم القرآن ج ٦ص ٢٠٢' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور آپ سے عقیدت کی رمق بھی نہیں ہے اور نہیں لگتا کہ یہ آپ کے کسی امتی کا کلام ہے اور کیا کسی بندے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ بن کر جو چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتا پھرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنے رب کے نام کا صبح اور پچھلے پہر ذکر کریں O اور رات کے کچھ وقت میں اس کے لیے سجدہ کریں' اور رات کے طویل حصہ میں اس کے لیے تسبیح کریں O بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں' اور بھاری دن اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں O ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلے میں اور لوگ لے آئیں گے O (الدھر: ۲۸۔۲۵)

صبح اور پچھلے پہر اللہ کے ذکر کرنے سے مراد پانچ نمازیں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا

الدھر:۲۵ کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ صبح اور پچھلے پہر اپنے رب کے نام کے ذکر سے مراد نماز پڑھنا ہے اور ''بکرۃ'' سے مراد فجر کی نماز ہے اور ''اصیلا'' (پچھلے پہر) سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں اور ''وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ'' (الدھر:۲۶) سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ''سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ○'' (الدھر:۲۶) سے مراد تہجد کی نماز ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد ہمیشہ فرض رہی یا ابتداء میں یہ نماز فرض تھی' بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی' اس کی تفصیل سورۃ المزمل میں بیان ہو چکی ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کے ذکر سے مراد نماز نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا ہے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ دن اور رات کے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے' خواہ وہ زبان سے ذکر کرے یا دل سے ذکر کرے۔

قرآن مجید اور احادیث سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (الاحزاب:۴۲-۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو○ اور صبح کو اور پچھلے پہر اس کی پاکیزگی بیان کرو○

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہیں' پس آپ مجھے ایسی چیز بتایئے جس کو میں پلّے باندھ لوں' آپ نے فرمایا: تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر وقت تر رہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۳)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: قیامت کے دن کس بندہ کا درجہ سب سے افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے مردوں کا اور زیادہ ذکر کرنے والی عورتوں کا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اس کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین سے جہاد کرے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے اس عمل کے متعلق نہ بتاؤں جو تمہارے رب کے نزدیک سب سے زیادہ افضل' سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ بلند درجے والا ہے اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور وہ تمہارے لیے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تمہارا اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو' تم ان کی گردنوں پر وار کرو' وہ تمہاری گردنوں پر وار کریں' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں' رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر طمانیت نازل ہوتی ہے اور اللہ

تعالیٰ ان کا اپنے پاس والوں میں ذکر فرماتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: تم یہاں کس لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس نعمت پر اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور ہم پر اسلام کا احسان فرمایا' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم صرف اس لیے بیٹھے ہو' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اس لیے بیٹھے ہیں' آپ نے فرمایا: میں نے تم پر کسی جھوٹ کی تہمت کی بناء پر تم سے حلف نہیں لیا تھا لیکن ابھی میرے پاس حضرت جبریل آئے ہیں اور انہوں نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھیں تو وہ مجلس ان کے لیے ہلاکت ہوگی' اگر اللہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۰)

قیامت کے دن کو پس پشت ڈالنے اور اس دن کے بھاری ہونے کی توجیہ

الدھر: ۲۷ میں فرمایا: بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں اور بھاری دن اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں O

اس سے پہلی آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا اور مؤمنین کے لیے ہدایت تھی اور اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق بتایا کہ یہ کفار کفر پر ڈٹے رہنے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی ناجائز نفسانی خواہشیں کفر پر قائم رہنے سے ہی پوری ہوتی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید اور رسالت کی جو دعوت دی ہے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے' اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جن چیزوں پر ایمان اور عمل ان کو آخرت کے عذاب سے نجات دے اس سے اعراض کرتے ہیں' رہا یہ کہ ان کے متعلق فرمایا: وہ بھاری دن یعنی قیامت کے دن کو پس پشت ڈال دیتے ہیں' اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے قیامت کے دن کے محاسبہ اور اس دن کے عذاب سے بچنے کی کوئی تیاری نہیں کی بلکہ اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کی تو گویا انہوں نے قیامت کے دن کے عذاب کی وعید کو پس پشت ڈال دیا اور قیامت کے دن کو بھاری دن فرمانے کی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ اس دن بہت سخت ہولناک اُمور پیش آئیں گے تو گویا وہ بہت بھاری دن ہوگا یعنی اس کی ہولناکیاں کفار اور فساق پر بہت بھاری ہوں گی۔

الدھر: ۲۸ میں فرمایا: ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں' اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلہ میں اور لوگ لے آئیں گے۔

دنیا کی جلد ملنے والی چیزوں کی محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار دنیا میں جلد ملنے والی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں' سو دنیاوی نعمتوں سے محبت کرنے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانیں اور اس کی اطاعت کریں کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور ان کا مضبوط جسم بنایا' ان کے جوڑ بند پختہ کیے اور ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ساتھ مضبوطی سے باندھا۔ اس کے علاوہ ان کو دنیا میں زندہ رہنے کے تمام اسباب عطا کیے' سو اگر وہ ان دنیاوی نعمتوں سے محبت

کرتے ہیں تو اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے سے محبت کریں' اس کا شکر ادا کریں اور اس کی اطاعت وعبادت کریں' نیز ان کو اس سے بھی ڈرنا چاہیے' جو ان نعمتوں کو عطا کرسکتا ہے وہ ان نعمتوں کو چھین بھی سکتا ہے' تو ان نعمتوں کے زائل ہو جانے کے خوف کا بھی یہ تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں' خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو ان لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں سے محبت کرنی چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے اور اگر وہ دنیا کی جلد ملنے والی عارضی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں تو ان نعمتوں کے زوال کے خطرہ سے بچنے کے لیے اور ان نعمتوں کی بقاء کے لیے اور ان نعمتوں کے پیدا کرنے اور عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔

''اسر'' کا معنیٰ اور کافروں کو فنا کر کے دوسری قوم کو پیدا کرنے کی قدرت

اس آیت میں ''اسر'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: انسان کے جوڑوں کی بندش' امام رازی نے لکھا ہے: ''اسر'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو رسی سے باندھنا' کسی قیدی کو یا گھوڑے کو مضبوطی سے باندھنا اور اسی آیت میں یہ معنیٰ ہے کہ ہم نے ان کے اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا ہوا ہے اور ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ساتھ پختگی کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلہ میں اور لوگ لے آئیں گے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان لوگوں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بدلہ میں اور لوگ پیدا کر دیں گے' اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے:

اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ۝ (النساء: ١٣٣)

اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تو وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۝

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۝ (ابراہیم: ١٩)

(اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ۝

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَـكُمۡ ۝ (محمد: ٣٨)

اگر تم نے روگردانی کی تو وہ تمہارے بدلہ میں اور لوگوں کو لے آئے گا' جو تمہاری طرح نہ ہوں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے ۝ اور اللہ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے' بے شک اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے ۝ وہ جس چیز کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے' اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ (الدھر: ٣١۔٢٩)

جبر وقدر کے مسئلہ میں مفسرین اور محدثین کی تقاریر

اللہ تعالیٰ نے پہلے نیک لوگوں کے احوال بیان فرمائے' پھر بدکار لوگوں کے احوال بیان فرمائے' اس کے بعد فرمایا: یہ (آیات) نصیحت ہیں یعنی اس سورت کی آیات میں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے اور کفر وشرک کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے پس ان پر غور کر کے جو شخص اپنی آخرت اور عاقبت کو سنوارنا چاہتا ہے تو وہ اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے۔

اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔ اس آیت میں انسان کے چاہنے اور اللہ کے چاہنے کا ذکر ہے اور یہاں جبر وقدر کی بحث چھڑ گئی۔

امام رازی کی جبریہ کی تائید میں تقریر

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ہے جس سے استدلال کرتے ہوئے جبر وقدر کے استدلال کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں، پس قدری جو کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے وہ اس سے استدلال کرتا ہے:

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (الدھر:۲۹) سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے ○

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کے افعال اس کے چاہنے اور اس کے اختیار پر موقوف ہیں اور یہ صریح میرا مذہب ہے، اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ سو جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کرے۔

(الکہف:۲۹)

اور جبری جو کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور ہے، وہ کہتا ہے کہ جب اس آیت کو اس کے بعد والی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس سے جبریہ کا مذہب واضح طور پر نکل آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے، اس کا تقاضا ہے کہ بندہ کی مشیت اس وقت خالص ہوگی جب وہ فعل کو مستلزم ہوگی اور اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے، اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور مستلزم کا مستلزم، مستلزم ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور یہی جبر ہے، اسی طرح الکہف: ۲۹ سے بھی جبر پر استدلال ہوتا ہے کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ مشیت فعل کو مستلزم ہوتی ہے اور اللہ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور مستلزم کا مستلزم، مستلزم ہوتا ہے پس واضح ہوا کہ بندہ کا ایمان لانا یا کفر کرنا اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے اور یہی جبر ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: قاضی معتزلی نے جبریہ کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں اللہ کی طرف راستہ اختیار کرنے کا ذکر ہے، اور ہم مانتے ہیں کہ اللہ اس راستہ کو چاہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس راستہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ اس راستہ کو چاہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بہ طور عموم کہہ دیا جائے کہ بندہ اسی چیز کو چاہتا ہے جس کو اللہ چاہتا ہے، کیونکہ اس خاص چیز کے متعلق مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا اور اس کا ارادہ کیا۔

امام رازی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قاضی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں اس خاص چیز کے متعلق یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا اور اس کا ارادہ فرمایا اور یہ عام قاعدہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ اس خاص صورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو اور اسی جیسی اور صورتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۶۲۔۷۶۱، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی کی اہل سنت کی تائید میں تقریر اور امام رازی کا رد

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ امام رازی کی تقریر کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس آیت سے جبریہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، جس میں بندہ کے اختیار کی بالکل نفی ہو جاتی ہے اور بندہ مجبور محض ہو جاتا ہے اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کا راستہ اختیار کرنے کے لیے صرف بندہ کا چاہنا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

بھی بندہ کے لیے اس چیز کو چاہا ہو' تاہم بندہ کا چاہنا بہ طور کسب ہے اور اللہ کا چاہنا بہ طور خلق ہے۔

ہاں! اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں جو فرمایا ہے: ''فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۝'' (الدھر: ٢٩) سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے' اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا مطلقاً چاہنا فعل کو مستلزم ہوتا ہے یعنی بندہ جب بھی کسی فعل کو چاہے گا وہ اس فعل کو کرے گا' حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے' کیونکہ بندہ کئی مرتبہ کسی فعل کو کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس فعل کو نہیں کر پاتا' اس لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت کو تحقیق کے لیے مانا جائے یعنی ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط'' (الدھر: ٣٠) اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا چاہنا فعل کو مستلزم ہے اور دوسری آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کی چاہت اس وقت فعل کو مستلزم ہوگی جب اللہ تعالیٰ بھی بندہ کی چاہت کو چاہے گا' سو اس کو غور و فکر سے پڑھو۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں عقلیں حیران ہیں اور اس میں علماء کے قدم پھسل گئے ہیں' جبریہ کا سب سے قوی شبہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا وجود واجب نہ ہو وہ موجود نہیں ہوتی' پس جب کسی فعل کی علت تامہ متحقق ہو جائے تو اس فعل کا وجود لازم اور واجب ہوگا اور اس سے اضطرار اور بندہ کا مجبور ہونا لازم آئے گا اور اگر اس فعل کا وجود لازم نہ ہو تو معلول کا اپنی علت تامہ سے تخلف لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ فعل کے صدور کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس کا وجود واجب ہو تو پھر اس کے صدور میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

تحقیق یہ ہے کہ نہ مطلقاً معتزلہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے نہ مطلقاً جبریہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ مجبور محض ہے بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے اور بندہ کا چاہنا اور اللہ کا چاہنا دونوں امر ثابت ہیں' علامہ کورانی نے کہا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں غیر مختار ہے یعنی بندہ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کو پیدا کرتا ہے لیکن وہ اپنے چاہنے میں مختار نہیں ہے' وہ اسی فعل کو چاہتا ہے جس کو اللہ چاہتا ہے اور اس کو جو ثواب اور عذاب ہوتا ہے وہ اس کی نیک صلاحیت واقعیہ کی وجہ سے یا اس کی بدصلاحیت واقعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی فطرت اور اپنے مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے اور سبحان ہے وہ جس نے ہر چیز کی تخلیق کی' اس کو بھلائی اور برائی کا ادراک کرایا اور پھر اس کو ہدایت دی۔

(روح المعانی جز ٢٩ ص ٢٨٨۔ ٢٨٧ ملخصاً و موضحاً' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

حافظ سیوطی کی قدریہ کے ردّ میں اس آیت کی تقریر

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے قدریہ پر لعنت کی اور پھر لعنت کی' آپ نے تین بار اس طرح فرمایا (قدریہ اور معتزلہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) قدریہ کا قول نہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق ہے اور نہ فرشتوں کے قول کے موافق ہے اور نہ شیطان کے قول کے موافق ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط (الدھر: ٣٠) — تم وہی چاہتے ہو جس کو اللہ چاہتا ہے۔

فرشتوں نے کہا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط (البقرہ: ٣٢) — ہمیں صرف اسی چیز کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم عطا فرمایا ہے۔

اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ۭ (ھود: ۳۴)

میری نصیحت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا خواہ میں تمہاری خیر خواہی چاہوں اگر اللہ تمہیں گم راہی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہو‘ وہی تمہارا رب ہے‘ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

اور اہل جنت نے کہا:

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ. (الاعراف: ۴۳)

اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم خود سے ہدایت پانے والے نہ تھے۔

اور اہل دوزخ نے کہا:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا. (المومنون: ۱۰۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی۔

اور شیطان نے کہا:

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ. (الحجر: ۳۹)

اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔

نیز حافظ سیوطی لکھتے ہیں: امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو فرماتے: ہر آنے والی چیز قریب ہے‘ آنے والی چیز دور نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کسی عجلت کی وجہ سے کسی کام کو جلدی نہیں کرتا‘ جو اللہ چاہتا ہے نہ کہ وہ جو لوگ چاہتے ہیں‘ لوگ ایک چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کسی اور چیز کا ارادہ کرتا ہے‘ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے خواہ لوگ ناپسند کریں‘ جس چیز کو اللہ قریب کر دے اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو اللہ دور کر دے اس کو کوئی قریب کرنے والا نہیں ہے اور اللہ کے اذن کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۳۴۹‘ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

قدریہ کے رد میں احادیث اور آثار

اس مؤقف کی تائید میں درج ذیل احادیث اور آثار ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان قلب واحد کی طرح ہیں‘ وہ اس قلب کو جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴‘ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸ قدیم‘ مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۳۰‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قہر اور غلبہ اور دلوں پر تصرف کرنا اس طرح آسان ہے جس طرح کسی شخص کے لیے اس چیز پر تصرف کرنا آسان ہے جو اس کے ہاتھ میں ہو اور اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور مشیت کے اعتبار سے تصرف فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے تصرف میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۴۲‘ دارالوفاء‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابی مالکی اندلسی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی اس حدیث کی یہی شرح لکھی ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۲۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہات ہیں' آپ مجھے ایسی حدیث بیان کیجئے جس سے اللہ تعالیٰ میرے دل سے ان شبہات کو زائل کر دے' حضرت ابی بن کعب نے کہا: اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا' جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک کہ تم کو یہ یقین نہ ہو کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۹۶۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۶۴' المستدرک ج ۲ ص ۵۴۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳ قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۴۶۶۔ رقم الحدیث: ۲۱۵۸۹' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ میں تھے جو بقیع الغرقد میں تھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر بیٹھ گئے' آپ کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کریدنے لگے' پھر آپ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہے یا جنت میں ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ شخص بدبخت ہے یا نیک بخت ہے' لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی! پس کیوں نہ ہم اس لکھے ہوئے پر قناعت کر لیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں' پس جو شخص نیک بختوں میں سے ہوگا وہ نیکوں میں سے ہو جائے گا اور جو شخص بدبختوں میں سے ہوگا وہ بدوں میں سے ہو جائے گا' آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو' ہر ایک کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا جائے گا' جو نیک بختوں میں سے ہوگا اس کے لیے نیکی کو آسان کر دیا جائے گا اور جو بدبختوں میں سے ہوگا اس کے لیے بدی کو آسان کر دیا جائے گا' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىۙ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىؕ ○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىۙ ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىۙ ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ ○ (اللیل: ۱۰۔۵)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے) ڈرا ○ اور نیک بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے نیک راستہ کو آسان کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور لاپرواہی کی ○ اور نیک بات کی تکذیب کی ○ تو ہم اس کے لیے (آخرت کی) تنگی کو آسان کر دیں گے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ خطابی کی تقریر

علامہ ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو یہ خبر دی کہ اس باب میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا' اور یہ ایسی چیز ہے جو ان چیزوں

کے مشابہ نہیں ہے جن کا تمہیں علم ہے اور آپ نے لوگوں کو یہ خبر دی کہ ان کے دنیا میں اعمال آخرت کے انجام کی علامت ہیں پس جس شخص کے لیے نیک اعمال آسان کر دیئے گئے تو اس کے لیے آخرت میں کامیابی کی توقع ہے اور جس کے لیے بُرے کام آسان کر دیئے گئے اس کے لیے آخرت میں ہلاکت کا خطرہ ہے اور یہ علم ظاہر کے اعتبار سے علامات ہیں اور یہ کسی انجام کو واجب نہیں کرتیں کیونکہ اللہ سبحانہ نے غیب کے علم کو اپنی مخلوق سے مخفی رکھا ہے جس طرح اس نے وقت وقوعِ قیامت کو مخلوق سے مخفی رکھا ہے پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کی بعض علامات بیان فرمائیں کہ اس زمانہ میں باندیوں سے ان کے مالک پیدا ہوں گے اور تم دیکھو گے کہ ننگے پیر ننگے بدن فقراء بکریوں کو چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے اسی طرح اس نے ظاہری اعمال کو اخروی انجام کی علامت بنا دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ص ۶۳۔۶۲ دار المعرفہ بیروت)

نیز علامہ ابوسلیمان الخطابی لکھتے ہیں:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ قضاء وقدر اللہ کی جانب سے ہیں تو لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہیں اور ان کا اپنے افعال میں کوئی اختیار نہیں ہے لیکن ان کا یہ گمان صحیح نہیں ہے کیونکہ تقدیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے عمل اور ان کے کسب کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور خیر اور شر ہر چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور جن افعال کو بندے اختیار کرتے ہیں ان کو بھی پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ص ۶۹)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ ابن بطال کی تقریر

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اہل سنت کے اس مؤقف کی دلیل ہے کہ سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اس کے برخلاف قدریہ یہ کہتے ہیں کہ شر کو اللہ نے پیدا نہیں کیا اور اس حدیث میں جبریہ کا بھی رد ہے کیونکہ مجبور وہ شخص ہوتا ہے جس سے کوئی فعل اس کی مرضی اور اس کی خواہش کے بغیر جبراً کرایا جائے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نیک بخت کے لیے نیک کام آسان کر دیئے جائیں گے اور بدبخت کے لیے بُرے کام آسان کر دیئے جائیں گے اور کسی کام کو آسان کرنا اس کام پر مجبور کرنے کی ضد ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف فرما دیا جن کاموں پر ان کو مجبور کیا گیا تھا۔(المستدرک ج ۲ص ۱۹۸ تلخیص الحبیر ج ۱ص ۲۸۲) اور کسی کام کو آسان کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان اس کام کو اپنی پسند اور اپنی خواہش کے موافق کرے۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۳ص ۳۴۹ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ عینی کی تقریر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سائل سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں یا کوئی اور صحابی سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ہر پیدا ہونے والے کے لیے جنت یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو پھر ہم عمل کی مشقت کیوں اٹھائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہے کیونکہ جو شخص جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اس ٹھکانے کا عمل آسان کر دیا گیا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب قضاء ازلی کا یہ تقاضا ہے تو پھر نیک کاموں پر تحسین اور ثواب اور بُرے کاموں کی مذمت اور ان پر عذاب کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تحسین اور مذمت اچھائی اور بُرائی کے محل ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے اچھائی اور بُرائی کے فاعل ہونے کے اعتبار سے نہیں ہوتی جیسے کسی اچھی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اور بُری

چیز کی مذمت کی جاتی ہے اور رہا ثواب اور عقاب تو وہ باقی اُمور عادیہ کی طرح ہے اور جس طرح یہ کہنا درست نہیں ہے کہ لکڑی آگ میں ڈالنے سے کیوں جلتی ہے اور ابتداءً کیوں نہیں جلتی' اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ بندہ کو بُرے کام کرنے پر عذاب کیوں ہوتا ہے اور ابتداءً عذاب کیوں نہیں ہوتا۔

30 علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ اسلوب سے جواب دیا ہے اور لوگوں کو تقدیر پر تکیہ کرنے اور عمل ترک کرنے سے منع کیا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ عبودیت کے تقاضے سے ان پر جو عبادات لازم ہیں ان عبادات کو ادا کریں اور اُمور الٰہیہ میں تصرف نہ کریں اور عبادت کرنے اور عبادت ترک کرنے کو جنت اور دوزخ میں دخول کا سبب مستقل نہ قرار دیں' بلکہ ان کو فقط جنتی اور دوزخی ہونے کی علامت قرار دیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لوگوں کے جنتی یا دوزخی ہونے کو لکھ دیا ہے تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس لکھے ہوئے کو عمل ترک کرنے کی حجت بنا لیا جائے تو آپ نے انہیں یہ بتایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں' اور ایک چیز دوسری چیز کو باطل نہیں کرتی' ایک چیز باطنی ہے اور وہ علت موجبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسری چیز علامت ظاہرہ ہے یعنی نیک اعمال کسی انسان کے جنتی ہونے کی ظاہری علامت ہیں اور آپ نے بتایا کہ ہر انسان کو جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس ٹھکانے کا عمل آسان کر دیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل اس کے آخرت کے ٹھکانے کی علامت ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق مقدر کر دیا ہے' اس کے باوجود اُس کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے حصول کے لیے کسب کرے اور کوشش کرے' اسی طرح ہر انسان کی مدت حیات مقدر کر دی ہے اس کے باوجود اس کو بیماریوں میں علاج کرنے کا حکم دیا ہے' اسی طرح قدرتی آفات اور مصائب بھی مقدر ہیں' اس کے باوجود ان کے ازالہ کے لیے دعا کرنے کا حکم ہے' پس جس طرح رزق کے مقدر ہونے کے باوجود اس کے حصول کے لیے کسب اور کوشش کو ترک نہیں کیا جاتا' اور موت کا وقت مقرر ہونے کے باوجود علاج کو ترک نہیں کیا جاتا اور مصائب کے مقدر ہونے کے باوجود ان کو دور کرنے کی دعاؤں کو ترک نہیں کیا جاتا' اسی طرح جنت یا دوزخ کے پیشگی مقدر ہونے کے باوجود ان کے حصول یا ان سے بچنے کی کوشش اور کسب کو ترک نہیں کیا جائے گا' خلاصہ یہ ہے کہ باطنی علت موجبہ کی وجہ سے ظاہری علامت کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۷۳۔۲۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ ابی مالکی کی تقریر

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی اندلسی متوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سائل کے سوال کی تقریر یہ ہے کہ جب ہر شخص کے آخرت کے ٹھکانے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے اور جس چیز کی قضاء ازل میں ہو چکی ہے' اس کا نافذ ہونا ضروری ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ ہم عمل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں' علامہ مازری نے کہا: اس شخص کو جو شبہ ہوا تھا وہی شبہ معتزلہ کو بھی ہوا اور انہوں نے کہا کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے' انہوں نے کہا: بندہ کی معصیت اور نافرمانی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی قضاء سے ہو تو بندہ کو اس معصیت پر عذاب دینا کس طرح درست ہو گا اور جب بندہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کا فعل ہو اور اس کے پیدا کرنے سے ہو تو پھر بندہ سے اس کی اطاعت کو کیوں کر طلب کیا جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے شبہ کو زائل کیا اور اس شخص کے گمان کے برخلاف اس کو عمل کرنے کا حکم دیا اور اس کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے لیے نیک اعمال کو آسان کر دیا ہے اور بدکار لوگوں کے لیے بُرے اعمال کو آسان کر دیا ہے اور ہمارے نزدیک انسان اپنے افعال کا کسب کرتا ہے اور وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے' یعنی بندہ جس فعل

کو اختیار کرتا ہے اور اس کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اعمال کو آخرت میں اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کی علامت بنا دے۔ اس تقریر سے جس طرح اس شخص کا شبہ زائل ہوتا ہے' اسی طرح معتزلہ کا شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج۹ص ۱۵۔۱۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ نواوی کی تقریر

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اہل سنت کے مذہب پر واضح دلیل ہے کہ تقدیر ثابت ہے اور تمام افعال خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں' نافع ہوں یا مضر ہوں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے واقع ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ اللہ سے (اس کے فعل کے متعلق) سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے (ان کے افعال کے متعلق) سوال کیا جائے گا ○ (الانبیاء:۲۳)

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی علت اور سبب نہیں ہے۔

امام ابو المظفر السمعانی المتوفی ۴۸۹ھ نے کہا ہے کہ اس باب کی معرفت کا طریقہ کتاب اور سنت پر موقوف ہے' اس کو قیاس اور محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا' پس جو شخص کتاب اور سنت سے عدول کرے گا وہ گم راہ ہو جائے گا اور حیرت کے سمندر میں غرق ہو جائے گا اور وہ کسی ایسی چیز تک نہیں پہنچے گا جس سے اس کا دل مطمئن ہو کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے' ایک سر اور راز ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مخلوق سے مخفی رکھا ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو ان پر تقدیر کا مسئلہ منکشف ہو جائے گا اور اس سے پہلے منکشف نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تقدیر پر تکیہ کر کے عمل ترک کرنے سے منع فرمایا ہے' بلکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا واجب ہے اور ہر شخص آخرت میں جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس پر آسان کر دیا جائے گا' قلم تقدیر کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے اور یہ لکھا ہوا لوحِ محفوظ میں ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت اور صفت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج۱۰ص ۶۷۰۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ قاضی عیاض کی تقریر

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عمل کرو' ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور آپ کا استدلال اس آیت سے ہے: ''فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○'' (اللیل:۷) تو ہم اس کے لیے نیکی کو آسان کر دیں گے' اس حدیث اور اس آیت میں جبریہ کے خلاف حجت قاطعہ ہے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا جنت یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: بلکہ ان کی قضاء کر دی گئی اور اس کو ان میں نافذ کر دیا گیا ہے۔

ہمارے ائمہ محققین نے کہا ہے کہ ان احادیث کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کا جاننے والا ہے کہ کون اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور کون اس کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا' اور جو شخص جنت یا دوزخ کا مستحق ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے علم میں جنتی تھا تو وہ جنت کا مستحق ہو گیا یا وہ اللہ کے علم

میں دوزخی تھا تو وہ دوزخ کا مستحق ہو گیا اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کی وجہ سے کسی شخص کو اپنی اطاعت یا معصیت پر مجبور کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے یا اس کی معصیت کریں گے اور ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق یہ علم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق فرمایا:

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاحقاف:۱۴) یہ ان کے ان کاموں کی جزاء ہے جن کو وہ دنیا میں کرتے تھے ○

اور اہل دوزخ کے متعلق فرمایا:

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ (حم السجدہ:۲۸) یہ اس کی سزا ہے کہ وہ دنیا میں ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ (النجم:۳۱) تا کہ اللہ بُرے لوگوں کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دے اور جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو ان کی نیکیوں کی جزا دے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب سے ثواب اور عذاب دیتا ہے اور سب چیزوں کا اس کو پہلے سے علم ہوتا ہے، پس وہ جس پر رحم فرماتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور اس کے لیے نیک عمل آسان کر دیتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور کفر کرتا ہے وہ اس کو رسوا اور ناکام کر دیتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کا حکم دیا اور بُرائیوں سے روکا تا کہ اس کی اطاعت کرنے والا اس کی اطاعت کر کے جنت میں داخل ہو جائے اور اس کی نافرمانی کرنے والا اس کی نافرمانی کر کے دوزخ میں داخل ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کی آزمائش ہے تا کہ وہ دیکھے کہ بندے کیسا عمل کرتے ہیں اور یہ دیکھے کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے اور تا کہ حکم دینے اور منع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت پوری ہو جائے اور بندوں کے لیے ان کی ہدایت کا راستہ یا گم راہی کا راستہ آسان ہو جائے اور مزین ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۭ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۭ (اللیل:۱۰۔۵)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے) ڈرا ○ اور نیک بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے نیک راستہ آسان کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور لاپرواہی کی ○ اور نیک بات کی تکذیب کی ○ تو ہم اس کے لیے (آخرت کی) تنگی کو آسان کر دیں گے ○

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے متعلق فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ (الحجرات:۸۔۷)

لیکن اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو پسندیدہ بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کو تمہارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○ اللہ کے فضل اور اس کے انعام سے۔

اور کفار اور بدبختوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ؕ (النمل:٤)

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا ہے' پس وہ بھٹک رہے ہیں ۝

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ (فاطر:٨)

پس کیا جس شخص کے لیے اس کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں وہ ان (بُرے اعمال) کو اچھا سمجھنے لگتا ہے' سو بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گم راہی میں رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

پس ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے عمل میں مجبور نہیں ہے' جیسے جبریہ کہتے ہیں اور نہ ہی قدریہ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان جو چاہے وہ کرسکتا ہے خواہ اللہ چاہے یا نہ چاہے۔

جبر وقدر کے مسئلہ میں مصنف کی تقریر

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے' انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے اعمال کا بھی خالق ہے اور وہ انسان کے اسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے' اب سوال یہ ہے کہ انسان کے اختیار اور ارادہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اگر اس کے اختیار کو انسان پیدا کرتا ہے تو یہ قدریہ کا مذہب ہے اور اگر انسان کے اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے تو پھر یہ جبریہ کا مذہب ہے' متکلمین نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ اختیار اور ارادہ حال ہے اور حال ان کی اصطلاح میں بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے اور ایسی چیز خلق کے تحت نہیں آتی' احداث کے تحت آتی ہے' لہٰذا اختیار اور ارادہ کا خلق نہیں ہوتا کہ جبر لازم آئے بلکہ اس کا احداث ہوتا ہے اور اختیار اور ارادہ کا محدث خود انسان ہے اور بعض متکلمین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اختیار اور ارادہ کے سوا اس کے تمام افعال کا خالق ہے اور قرآن مجید میں ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ . (الرعد:١٦) آپ کہیے: اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

اس آیت میں ہر چیز کے عموم سے انسان کا اختیار اور ارادہ مستثنیٰ ہے' یعنی انسان کے اختیار کے سوا اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن یہ دونوں جواب اقناعی ہیں تحقیقی نہیں ہیں' ان سے اصل اشکال کی گرہ نہیں کھلتی لیکن اگر ان جوابوں کو نہ مانا جائے تو پھر جبر لازم آئے گا' اور اگر جبر کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان کے ارادہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور انسان مجبور محض ہے تو پھر سوال ہوگا کہ جب انسان کو نیکی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی کرنے اور بُرائی ترک کرنے کا حکم کیوں دیا اور اس حکم کو پہنچانے کے لیے نبی اور رسول کیوں بھیجے' کتابیں کیوں نازل کیں' جنت اور دوزخ کیوں بنائی' حساب اور کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ نیز ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کرتے ہیں حالانکہ جبر میں تو زبردستی کرایا جاتا ہے' پھر جب اہل قدر کی بات صحیح ہے نہ اہل جبر کی تو پھر ہمیں اس اشکال کو حل کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے' جیسا کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ عقدہ ہم سے دنیا میں حل نہیں ہوگا' آخرت میں ہم پر یہ مسئلہ منکشف ہو جائے گا' تاہم یہ سوال پھر بھی ہوگا کہ اس مسئلہ میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ تو ہمارے لیے اجمالی طور پر اتنا مان لینا کافی ہے کہ ہمارا اور ہمارے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہم احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں مجبور نہیں ہیں' ہم اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔ ہم چونکہ تمام کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں اس لیے جبر نہیں ہے اور چونکہ ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے' اس لیے قدر نہیں ہے۔ ہم ان دقیق

ابحاث میں نہیں پڑتے کہ اس اختیار کی کیا صفت ہے اور کیا کیفیت ہے؟ ہم نے اس مسئلہ میں جن مشاہیر مفسرین اور محدثین کی تحقیقات پیش کی ہیں' ان کا بھی یہی مآل ہے۔

الدھر: ۳۱ میں فرمایا: وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

جنت میں دخول کا ظاہری اور حقیقی سبب

اس آیت میں رحمت سے مراد ایمان ہے یا جنت ہے' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: وہ جس کو چاہتا ہے ایمان میں داخل فرماتا ہے' یعنی ازل میں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اس کو ایمان میں داخل فرمائے گا' یا رحمت سے مراد جنت ہے' سو اس کا معنیٰ ہے: جنت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے' اور اس کے فضل اور احسان سے ہے' بندے کے نیک اعمال کے سبب سے اور اس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل جنت میں دخول کا سبب حقیقی ہے اور جن آیات میں جنت کا دخول اعمال کے سبب سے فرمایا ہے' اس سے مراد سبب ظاہری اور سبب صوری ہے۔

اور فرمایا ہے: اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے لوگوں کے لیے فیصلہ فرما دیا ہے' نیکوکاروں کے لیے جنت میں دخول مقدر کر دیا ہے اور کفار اور فجار کے لیے دوزخ تیار کر دی ہے۔

سورۃ الدھر کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ جولائی ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ بعد از نمازِ ظہر سورۃ الدھر کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲۷ جون کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح انیس دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور شرح صحیح مسلم اور تفسیر تبیان القرآن کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرمائیں۔

آج آٹھ ربیع الثانی ہے' آج ہی کی تاریخ کو دو سال پہلے میری والدہ محترمہ کی وفات ہوئی تھی' آج ان کی دوسری برسی ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری امی کو پہنچا دیں۔

وٰاخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین و الصلٰوۃ و السلام علٰی سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریتہٖ وامتہٖ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم

سورة المرسلات

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المرسلات ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ہے اور اس سورت کا نام اس کے ایک جز پر رکھ دیا ہے اس سورت کی ابتدائی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مختلف النوع ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھائی ہے:

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ (المرسلات: ۴۔۱) ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں○

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں عکرمہ اور الحسن سے روایت کیا ہے کہ سورۃ المرسلات مکہ میں نازل ہوئی' حافظ سیوطی نے بھی ''الاتقان'' میں اسی طرح لکھا ہے' جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو ابتداء میں مکہ میں نازل ہوئیں تھیں' کیونکہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں چھپے ہوئے تھے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۷ ہے۔ اس سورت کی ایک آیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ○ (المرسلات: ۴۸) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے○

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے مشرکین کا ذکر ہے اور مشرکین سے نماز پڑھنے کے لیے نہیں کہا جاتا تھا' بلکہ ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا' لیکن اس بنیاد پر اس سورت کو مدنی قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی توجیہ یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اور پھر نماز پڑھو اس کی پوری بحث المدثر: ۴۴۔۴۳ میں گزر چکی ہے۔ (التحریر والتنویر جز ۲۹ ص ۴۱۸ تیونس)

سورت المرسلات کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت سورۃ المرسلات نازل ہوئی' اس وقت ہم آپ کے ساتھ تھے اور ہم آپ کے منہ سے سن کر اس سورت کو یاد کر رہے تھے' اس وقت ایک سانپ نکلا' ہم اس کو مارنے کے لیے دوڑے' وہ جلدی سے ایک سوراخ میں گھس گیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۴)

حضرت عمر نے فرمایا: یہ واقعہ منیٰ کے ایک غار میں پیش آیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۳۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے' اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی' ہم نے آپ کے منہ سے اس سورت کو سن کر یاد کیا' اس وقت آپ کا منہ اس سورت کی تلاوت سے تر تھا' پھر اچانک ایک سانپ نکل آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس سانپ کو مار ڈالو' ہم اس کی طرف جھپٹے' وہ ہم سے نکل گیا' آپ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ان سے سنا: وہ ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' پڑھ رہے تھے' وہ کہنے لگیں: اے میرے بیٹے! اللہ کی قسم! تمہارے اس سورت کی تلاوت کرنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ یہ وہ آخری سورت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۳۱)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن مردویہ عمرو بن شعیب سے' وہ اپنے والد محمد اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہواؤں کی آٹھ اقسام ہیں' ان میں سے چار قسمیں عذاب کی ہیں اور چار قسمیں رحمت کی ہیں' پس جو ہوائیں عذاب کی ہیں' وہ یہ ہیں: (۱) العاصف (۲) الصرصر (۳) العقیم (۴) القاصف اور جو ان میں سے رحمت کی ہیں' وہ یہ ہیں: (۱) الناشرات (۲) المبشرات (۳) المرسلات (۴) الذاریات۔ اللہ تعالیٰ مرسلات کو بھیجتا ہے' وہ بادل کو پھیلا دیتی ہے' پھر مبشرات کو بھیجتا ہے' وہ بادلوں میں پانی داخل کرتی ہیں' پھر ذاریات کو بھیجتا ہے' وہ بادل کو اٹھاتی ہیں اور اس سے پانی ٹپکاتی ہیں' پھر بارش ہوتی ہے پھر ناشرات کو بھیجتا ہے' وہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہاں بادل کو لے جاتی ہیں۔

(الدر المنثور ج ۸ص ۳۵۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

جو چار عذاب کی ہوائیں ہیں' ان کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) العاصفات کا معنیٰ ہے: بہت تیز چلنے والی ہوائیں' آندھیاں (۲) الصرصر' بہت تیز چلنے والی آندھی یا بہت سرد ہوا (۳) العقیم' وہ ہوا جو بے برکت اور بے فیض ہو (۴) القاصف' نہایت تیز اور شدید گرج دار ہوا۔

سورۃ المرسلات کے مشمولات

☆ جس طرح عموماً مکی سورتوں میں قیامت' حشر ونشر اور احوالِ آخرت بیان کیے جاتے ہیں' اسی طرح المرسلات میں بھی ان مضامین کو بیان کیا گیا ہے' اور مرنے کے بعد زندہ کرنے پر دلائل قائم کیے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دلائل قائم کیے ہیں' کفار اور مؤمنین کے اخروی انجام کو بیان فرمایا ہے' کفار کو ان کے بعض اعمال پر ملامت کی ہے اور بعض اُمورِ غیبیہ بیان فرمائے ہیں۔

☆ المرسلات: ۷۔۱ میں ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر قیامت کا واقع ہونا بیان کیا ہے۔

☆ المرسلات: ۱۵۔۸ میں وقت وقوعِ قیامت کی علامات بیان فرمائی ہیں۔

☆ المرسلات: ۲۸۔۱۶ میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کو دلائل سے بیان فرمایا ہے اور گزشتہ اُمتوں کی ہلاکت کو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار پر کفار کو ڈرایا اور دھمکایا ہے۔

☆ المرسلات: ۴۰-۲۹ میں مجرمین کا ٹھکانا اور کافروں کا عذاب بیان فرمایا ہے۔

☆ المرسلات: ۴۵-۴۱ میں مؤمنین متقین کی نعمتوں کا بیان فرمایا ہے اور دائمی جنتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو متعدد انواع سے اپنا فضل اور احسان فرمایا ہے اور ان کی تکریم کی ہے اس کا بیان فرمایا ہے۔

☆ المرسلات: ۵۰-۴۶ میں کفار کے بعض اعمال پر ان کو سرزنش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ محض اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

سورۃ المرسلات کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المرسلات کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صداقت پر قائم رکھنا اور باطل اور ناحق سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ جولائی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۷۷ — ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰيَاتُهَا ۵۰ — رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ المرسلات مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ

ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو)

نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ

پھیلاتی ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں O

نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾

حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے O بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے O پس

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا

جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O اور آسمان کو چیر دیا جائے گا O اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے O اور جب

الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾

رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا O کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی؟ O فیصلہ کے دن کے لیے O

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟ O پھر ہم ان کے بعد والے لوگوں کو لاتے رہے O

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O اس دن تکذیب

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾

کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ O

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا ق

پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا O ایک مدت معین تک O پھر ہم نے اندازہ کیا،

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ

سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O کیا ہم نے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا

زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا O زندوں اور مُردوں کے لیے O اور ہم نے

فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾

اس میں بلند اور بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا O

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ

اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O چلو اس (دوزخ) کی طرف جس کو تم

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

جھٹلاتے تھے O چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ

والا ہے O وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے نہ شعلہ سے بچاتا ہے O بے شک دوزخ محل

بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کے برابر انگارے پھینکتی ہے O گویا وہ زرد اونٹ ہیں O اس دن تکذیب کرنے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ

والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے O اور نہ انہیں عذر پیش

فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ

کرنے کی اجازت دی جائے گی O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلہ کا

الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ

دن ہے' جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے O اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو

فَكِیْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۰﴾ ع

میرے خلاف چال چلو O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

ع ۱ ۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں O حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے O بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے O (المرسلات: ۷۔۱)

جن پانچ چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ جس قیامت کے واقع ہونے کا اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے' وہ ضرور آنے والی ہے' ان پانچ چیزوں کے ناموں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا' لیکن ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے' اور ان کے موصوف کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: ان کا موصوف ہوائیں ہیں' بعض نے کہا: ان کا موصوف فرشتے ہیں' بعض نے کہا: ان کا موصوف قرآن مجید ہے' بعض نے کہا: ان کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہیں اور جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ پہلی تین صفات کا موصوف ہوائیں ہیں اور بعد کی دو صفات کا موصوف فرشتے ہیں' امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کا یہی مختار ہے اور ہم نے بھی اسی کے موافق ان آیات کا ترجمہ کیا ہے' ہم پہلے ان صفات کے معانی ذکر کریں گے' پھر ہر احتمال کے موافق ان آیات کا محمل بیان کریں گے۔

المرسلات: ۵۔۱ کے الگ الگ محامل

المرسلات: انہیں فرمایا: ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' ''المرسلات'' کا معنیٰ ہے: جن کو بھیجا گیا ہو' خواہ وہ ہوائیں ہوں یا فرشتے ہوں یا قرآن مجید ہو یا انبیاء علیہم السلام ہوں اور ''عرفًا'' کے دو معنیٰ ہیں: نیکی اور تواتر اور تسلسل۔ اب اگر اس کا معنیٰ نیکی اور بھلائی ہو اور اس صفت کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: جو ہوائیں نیکی اور بھلائی کے ساتھ چلتی ہیں' اور اگر اس صفت کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ فرشتے جو مسلمانوں کے پاس اللہ کی رحمت لے کر پہنچے' اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنیٰ ہے: قرآن مجید جو رحمت کے ساتھ نازل کیا گیا' اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو وہ رحمت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور وہ ''عرفًا'' یعنی معروف کاموں کی تلقین اور تبلیغ کرتے ہیں۔

اور اگر ''عرفًا'' کا معنیٰ تواتر اور تسلسل ہو اور اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ ہوائیں جو مسلسل چلائی جاتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ فرشتے جن کو مسلسل بھیجا گیا اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنیٰ ہے: قرآن مجید کی آیات جو تواتر کے ساتھ نازل کی گئیں اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ انبیاء علیہم السلام جو مسلسل ہدایت دینے کے لیے آتے رہے۔

المرسلات:۲ میں فرمایا: ''فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا''۔ ''عاصف'' کا معنیٰ تند و تیز ہوا' آندھی' اگر اس کا موصوف ہوا ہو تو پھر اس کا معنیٰ ظاہر ہے کہ سخت آندھی چیزوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے' جیسے سخت اور تیز آندھی نے قومِ عاد کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ فرشتے جو تیزی کے ساتھ آندھی کی طرح آئے یا وہ آندھی کی طرح تیزی سے کفار کی روحوں کو لے گئے' اور اگر اس کا موصوف قرآن ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر چہ ابتداء میں قرآن کا نظام ضعیف ہوتا ہے لیکن وہ بہ تدریج آندھی کی طرح شدید ہو جاتا ہے اور باطل کے تمام مکر اور سازشوں کو اُڑا کر لے جاتا ہے اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: ابتداء میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ میں نرمی ہوتی ہے' پھر بہ تدریج ان کی تعلیم اور تبلیغ میں شدت اور سختی آتی جاتی ہے۔

المرسلات:۳ میں فرمایا: ''وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا''۔ ''نشر'' کا معنیٰ پھیلانا ہے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھیلا کر بارش لاتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ فرشتے جو زمین پر اترنے کے لیے اپنے پر پھیلاتے ہیں یا احکامِ شرعیہ کو زمین میں پھیلاتے ہیں یا وہ فرشتے جو قیامت کے دن لوگوں کے صحائف اعمال کو پھیلائیں گے اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنیٰ ہے: قرآن مجید کی آیات نے حکمت' ہدایت اور نصیحت کو تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں پھیلا دیا اور اگر اس کا موصوف انبیاء ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: انبیاء علیہم السلام نے اپنے دین اور اپنی شریعت کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔

المرسلات:۴ میں فرمایا: ''فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا''۔ ''الفارقات'' کا معنیٰ ہے: فرق کرنے والے اور جدا جدا کرنے والے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھاڑ کر اس کے ٹکڑے جدا جدا کر دیتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: وہ فرشتے جو حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیتے ہیں' اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو قرآن مجید کی آیات بھی حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیتی ہیں اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو وہ بھی حق اور باطل اور توحید اور الحاد کے درمیان فرق کر دیتے ہیں۔

المرسلات:۵ میں فرمایا: ''فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا''۔ ''الملقیٰت'' کا معنیٰ ہے: پیش کرنے والے' پہنچانے والے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عقل والا یہ دیکھے گا کہ جب زور کی آندھی چلتی ہے تو وہ بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کو منہدم کر دیتی ہے' مضبوط اور تناور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے' سمندر میں موجوں کو اٹھا کر طوفان لے آتی ہے' سو ان اُمور کا مشاہدہ کر کے وہ خوف زدہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس کے ذکر کی پناہ میں آئے گا اور اس طرح یہ معنیٰ صادق آئے گا کہ ہوائیں دلوں میں اللہ کے ذکر کو ڈالتی ہیں' اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنیٰ ہے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے ذکر کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو پھر اس کا معنیٰ ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہیں' اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی طرف راغب کرتے ہیں۔

المرسلات:۶ میں فرمایا: حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے O

رسولوں کو مبعوث فرمانے کی حکمت

یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے پیغام کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں یا انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ

کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں' وہ اس لیے ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے تا کہ کل قیامت کے دن جب کسی شخص سے پوچھا جائے: تم اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لاتے یا تم نے بُرے اعمال ترک کیوں نہیں کیے یا نیک اعمال کیوں نہیں کیے؟ تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچے ہی نہیں تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ. (النساء:۱۶۵)

ہم نے ثواب کی بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔

یا رسولوں کو اس لیے احکام دے کر لوگوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو عذاب سے ڈرا کر بُرے اعمال ترک کرنے اور نیک اعمال کرنے پر آمادہ کریں۔

المرسلات: ۷ میں فرمایا: بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے O

اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ کا پورا ہونا

یہ اس سے پہلی کھائی ہوئی قسموں کا جواب ہے' یعنی ہواؤں' فرشتوں' قرآن اور نبیوں کی قسم! تم سے جس قیامت کے وقوع کا وعدہ کیا گیا وہ ضرور واقع ہونے والی ہے' یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا' اگر تم اللہ پر ایمان نہ لائے تو وہ عذاب تم پر ضرور واقع ہوگا' یا تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا کہ تم کو مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا' سو تم سے کیا ہوا وہ وعدہ ضرور پورا کیا جائے گا' اس کے بعد کی آیتوں میں قیامت کے وقوع کی علامات بیان فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O اور آسمان کو چیر دیا جائے گا O اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گے O اور جب رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا O کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی O فیصلہ کے دن کے لیے O اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۱۵۔۸)

قیامت کے وقوع کی علامات

اس سے پہلی آیت میں قیامت کے وقوع کا بیان فرمایا تھا اور ان آیات میں قیامت کے وقوع کی علامات بیان فرمائی ہیں:

المرسلات: ۸ میں ''طمست'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: مٹا دینا اور نیست و نابود کر دینا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ (الانفطار:۲) — اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

اور اس کا معنیٰ مٹانا اور بے نور کرنا بھی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۙ (التکویر:۲) — اور جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O

المرسلات: ۹ میں فرمایا: اور آسمان کو چیر دیا جائے گا O

اس آیت میں ''فرجت'' کا لفظ ہے' ''فرج'' کا معنیٰ پھاڑنا اور شق کرنا ہے' قرآن مجید میں آسمانوں کے پھٹنے کا ذکر ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ (الانشقاق:۱) — اور جب آسمان شق ہو جائے گا O

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ. (الفرقان:۲۵) — اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا۔

المرسلات: ۱۰ میں فرمایا: اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گے O

اس آیت میں ''نسفت'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دینا' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ (طٰہٰ:۱۰۵)

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں پس آپ کہیے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ۝

المرسلات:۱۱ میں فرمایا: اور جب رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا ۝

اس آیت میں ''اقتت'' کا لفظ ہے' یہ اصل میں ''وقتت'' ہے اور ''وقت'' سے بنا ہے' مجاہد اور زجاج نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہے جس میں رسول اپنی امت کے لیے گواہی پر پیش ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہو جب انبیاء علیہم السلام حصولِ ثواب کے لیے جمع ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہو جب رسولوں کی امتوں سے پوچھا جائے گا کہ جب انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ اور رسولوں سے بھی سوال کیا جائے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف:۶)

پس ہم ان سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے ۝

اور یہ وہ وقت ہو گا جب نبی علیہ السلام جنت' اور دوزخ کا' صحائف اعمال کے پیش کرنے کا' حساب کا' میزان پر اعمال کے وزن کا اور قیامت کے تمام اُمور کا مشاہدہ کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (الزمر:۶۰)

اور قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ ۝

کفارِ قریش کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا

المرسلات:۱۲ میں فرمایا: کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی؟ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی عظمت کو بیان فرمایا ہے' اس دن کو اللہ تعالیٰ نے کیوں مؤخر فرمایا' تا کہ تمام لوگوں کے اعمال اور ان کے اعمال کے ذرائع اور وسائل منقطع ہو جائیں اور پھر لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء اور سزا دی جائے' جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کی' ان کو سزا دی جائے اور جن لوگوں نے اس کی توحید کی تصدیق کی ان کو جزا دی جائے' اس دن قیامت کی ہولناکیاں ظاہر ہوں گی اور لوگوں کے سامنے ان کے صحائف اعمال میزان پر پیش کیے جائیں گے۔

المرسلات:۱۳ میں فرمایا: فیصلہ کے دن کے لیے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دن رحمٰن مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الدخان:۴۰)

بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر کر لیا گیا ہے ۝

المرسلات:۱۴ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ ۝

یعنی آپ کو فیصلہ کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کو کس نے بتایا ہے؟

المرسلات:۱۵ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ۝

''ویل'' کا معنیٰ

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی تکذیب کرتے تھے اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام اور ان کی دی ہوئی خبروں کی تکذیب کرتے تھے اور قیامت کی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرتے تھے ان کے لیے ''ویل'' ہے یعنی عذاب' ہلاکت اور رسوائی ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ ''ویل'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر نے کہا کہ ''ویل'' جہنم میں ایک وادی ہے جس میں انواع واقسام کا عذاب ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب دوزخ کی آگ شکستہ ہوگی تو دوزخ کا ایک انگارہ لے کر اس پر مارا جائے گا اور پھر دوزخ کی آگ ایک دوسرے کو کھا جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا تو میں نے ویل سے بڑی اس میں کوئی وادی نہیں دیکھی' اور یہ بھی روایت ہے کہ ویل وہ جگہ ہے جس میں تمام دوزخیوں کی قے اور ان کی پیپ کو جمع کیا جائے گا' اور اس میں سے تھوڑی تھوڑی پیپ بہتی رہے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۸۴۵) اور لوگوں کو معلوم ہے کہ سب سے بُری اور گندی جگہ وہ ہوتی ہے جہاں پر بدبودار نجاست اور غلاظت اور بول اور براز کو ڈالا جائے' سو تمام دوزخیوں کی بدبودار نجاستوں اور غلاظتوں کو دوزخ کی اس وادی میں ڈالا جائے گا' جس کا نام ویل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۲۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟O پھر ہم ان کے بعد والے لوگوں کو لاتے رہےO ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیںO اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہےO کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟O پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ پر رکھاO ایک مدت معین تکO پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیںO اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہےO (المرسلات: ۲۴۔۱۶)

کفارِ قریش کو گزشتہ کافروں کی ہلاکت اور عذاب سے ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہلی امتوں میں جتنے بھی کفار تھے ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا' پھر ان کے بعد جو کفار آئیں گے ان کو بھی ہم پہلوں کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں' جیسا کہ جنگ بدر میں ستر مشرکین قتل کر دیئے گئے اور بعد میں جو لوگ کفر پر مر گئے' ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا اور یہ کفار اگرچہ دنیا میں ہلاک کر دیئے گئے یا ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا' لیکن سب سے بڑا عذاب ان کو قیامت کے دن ہوگا' اسی لیے المرسلات: ۱۹ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلات: ۲۴۔۲۰ میں فرمایا: کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟O پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھاO ایک مدت معین تکO پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیںO اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہےO

کفارِ قریش کو حیات بعد الموت پر قدرت سے ڈرانا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس نے تم کو ابتداءً پیدا فرمایا ہے' سو وہ تم کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے' سو جب وہ تم کو دوبارہ پیدا کرے گا پھر اس نے تم کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' ان کے مقابلہ میں تمہاری اطاعتوں اور عبادتوں کا حساب لے گا۔

اس نے تم کو حقیر پانی کی بوند سے پیدا فرمایا' پھر اس نے تم کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا اور وہ جگہ رحم ہے کیونکہ جس پانی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پانی رحم میں رہتا ہے اور جس پانی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا وہ رحم سے خارج ہو جاتا ہے' اور رحم میں وہ ایک معین مدت تک رہتا ہے اور وہ مدت وقت ولادت ہے اور کتنی مدت میں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے' پھر فرمایا: پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ بچہ کی پیدائش کے لیے جس مدت کا اندازہ فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بہت بڑا احسان ہے' عام طور پر حمل کی مدت نو ماہ ہوتی ہے' اس مدت میں پیٹ میں بچہ بہ تدریج نشو و نما کے مراحل طے کرتا ہے اور اس کی ماں بہ تدریج اس کا بوجھ اٹھانے کی عادی ہو جاتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے' ورنہ اگر استقرار نطفہ کے فوراً بعد ۴ پونڈ کا بچہ بن جاتا تو عورت کو اچانک اس بوجھ کو اٹھانے میں بھی بڑی تکلیف ہوتی اور وضع حمل کے وقت بھی بہت تکلیف ہوتی' اخیر میں پھر فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہ تدریج پیدائش کی جو نعمت عطا کی ہے' اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا O زندوں اور مردوں کے لیے O اور ہم نے اس میں بلند اور بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلٰت: ۲۸۔۲۵)

کفارِ قریش کو ان کے اندر رکھی ہوئی نعمتوں اور ان کے باہر رکھی ہوئی نعمتوں کے شکر ادا نہ کرنے کے عذاب سے ڈرانا

المرسلٰت: ۲۵ میں ''کفاتا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: سب کو سمیٹنے کی جگہ' زمین زندہ انسانوں کو اپنے اوپر سمیٹے ہوئے ہے اور مردہ انسانوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے' مکان زندہ انسانوں کو سمیٹتے ہیں اور قبریں مردہ انسانوں کو سمیٹتی ہیں' ''کفت'' کا معنیٰ ہے: ظرف اور زمین زندہ اور مردہ انسانوں کا ظرف ہے' ''کفات'' جمع کرنے کے مقام کو بھی کہتے ہیں اور زمین زندہ اور مردہ انسانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ لغت میں ''کفت'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا رخ پھیر دینا' پنجے میں دبوچ لینا' جمع کرنا' حفاظت کرنا' اڑنے کے ارادہ سے پرندہ کا بازو سمیٹنا' روک کے رکھنا' حدیث میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خمروا الانية واوكئوا الاسقية واجيفوا الابواب واكفتوا صبيانكم بالليل. — برتن ڈھانپ کر رکھو' مشکوں کا منہ باندھ کر رکھو' دروازے بند رکھو اور رات کو بچوں کو روک کے رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۱۶) (المفردات ج ۲ ص ۵۵۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کا ذکر فرمایا کیونکہ ہمارے باہر کی چیزوں میں جو چیز ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ زمین ہے' اور ''کفاتا'' کا معنیٰ ہے: سمیٹنا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندوں اور مُردوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی زمین نے تمام زندوں اور مردوں کو سمیٹ رکھا ہے' یعنی زندہ انسان زمین پر گھروں میں رہتے ہیں اور مردہ انسان زمین میں بنائی ہوئی قبروں میں رہتے ہیں اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان کے جو فضلات ہوتے ہیں اور گندی بدبودار چیزیں ہوتی ہیں ان سب کو زمین سمیٹ لیتی ہے اور انسان کو زندہ رہنے کے لیے جس قدر خوراک کی ضرورت ہوتی ہے' خواہ وہ غلہ ہو یا پھل ہوں وہ سب زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور زمین بے شمار زندوں اور لاتعداد مُردوں کی کفیل ہے۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو مُردے زمین میں مدفون ہیں' وہ زمین میں محفوظ ہیں اور جو چیز محفوظ ہو اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' لہٰذا جو شخص کسی مردے کا کفن چرائے اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔

آیت کی تفسیر الفرقان: ۵۳ میں گذر چکی ہے' سوانسانوں پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور جن لوگوں نے اپنے منعم کو نہیں پہچانا اور اس کی تکذیب کی ان کے لیے قیامت کے دن ہلاکت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چلو اس (دوزخ) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھےO چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہےO وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے نہ شعلہ سے بچاتا ہےO بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہےO گویا وہ زرد اونٹ ہیںO اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہےO (المرسلات: ۳۴۔۲۹) 31

کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا

ان آیات سے بھی کفارِ قریش کو ڈرایا گیا ہے' سو ان آیتوں میں ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے' دنیا میں کفار آخرت کے عذاب کا انکار کرتے تھے' اس لیے آخرت میں دوزخ کے محافظ ان سے کہیں گے: چلو اس عذاب کی طرف جس کا تم انکار کرتے تھے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے سروں کے قریب ہو گا' اور اس دن لوگوں کے جسموں پر لباس نہیں ہو گا اور سورج کی گرمی سے ان کے بدن جھلس رہے ہوں گے' پھر جس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا' اس کو اپنے سائے میں رکھے گا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِO (الطور: ۲۷)

(جنتی لوگ کہیں گے:) سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا اور ہمیں تند و تیز گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیاO

دوزخ کے دھوئیں کی تین شاخوں کے محامل

کفار اور مکذبین سے کہا جائے گا: اب چلو اللہ کے اس عذاب کی طرف جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے اور دوزخ کے دھوئیں کی طرف چلو' اللہ تعالیٰ نے اس دھوئیں کے سائے کی کئی صفات بیان فرمائی ہیں' یہاں فرمایا ہے: ''الٰی ظل ذی ثلاث شعب'' اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔

دھوئیں کی تین شاخوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر بھی آگ ہو گی اور ان کے نیچے بھی آگ ہو گی اور آگ ان کو محیط بھی ہو گی اور اس آیت میں آگ کو مجازاً سایا فرمایا ہے کیونکہ آگ ان کو ہر طرف سے محیط ہو گی' قرآن مجید میں ہے:

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِO (الزمر: ۱۶)

کفار کے لیے اوپر سے بھی آگ کے سائے (سائبان) اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائے ہوں گے' یہی عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے' اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہوO

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ. (العنکبوت: ۵۵)

جس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے بھی ڈھانپ لے گا اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی۔

(۲) قتادہ نے کہا: تین شاخوں سے مراد دھوئیں کی تین جانبیں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ. (الکہف: ۲۹)

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گے۔

31

آ گ کی کی قناتوں سے مراد دھواں ہے' پھر اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کی دائیں جانب ہوگی اور دوسری شاخ ان کی بائیں جانب ہوگی اور تیسری شاخ ان کے سروں پر ہوگی۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ اس لیے ہے کہ غضب انسان کی دائیں جانب سے ہوتا ہے اور شہوت انسان کی بائیں جانب ہوتی ہے' اور قوتِ شیطانیہ اس کے دماغ میں ہوتی ہے' اور تمام افعال جو انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کا منبع اس کے عقائد میں ہوتا ہے اور اس کے اعمال ان ہی تین قسموں پر مشتمل ہوتے ہیں' پھر ان تین مصادر سے تین ظلمات پیدا ہوتی ہیں اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہاں پر تین درجات ہیں: حس' خیال اور وہم اور یہ عالم قدس سے روح کے استفادہ نور سے مانع ہوتے ہیں اور ان تین درجات میں سے ہر درجہ کے لیے ایک خاص قسم کی ظلمت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۷۴)

(۳) بعض علماء نے یہ کہا کہ دھوئیں کی تین شاخوں سے مراد یہ ہے کہ وہ دھواں بہت عظیم ہوگا اور چونکہ وہ دھواں بہت عظیم ہو گا' اس لیے وہ تین شاخوں میں منقسم ہو جائے گا۔

المرسلات: ۳۱ میں فرمایا: وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے اور نہ شعلے سے بچانے والا ہے O

دھوئیں کے سائے کی صفات

یعنی اس دھوئیں کا سایا ایسا نہیں ہوگا جیسا سایا قیامت کے دن مؤمنین کے لیے ہوگا' اس دھوئیں کے سائے سے شعلے اور چنگاریاں نکل رہی ہوں گی۔

یہ سایا جہنم میں ہوگا' یہ جہنم کی گرمی سے ٹھنڈک کا سایا فراہم نہیں کرے گا' اور نہ اس کے شعلوں سے بچائے گا' قرآن مجید میں اس سائے کی صفت بیان فرمائی ہے:

فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ۙ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ O (الواقعہ: ۴۴۔۴۲)

دوزخی گرم ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں O وہ سایا نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش O

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے جب انہیں محشر میں حساب کتاب کے لیے ٹھہرایا ہوا ہو اس وقت ان کے لیے دھوئیں کا سایا فراہم کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ سایا تم کو سورج کی گرمی سے نہیں بچائے گا اور نہ تم سے دوزخ کی آگ کے شعلے کو دور کرے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوزخ کے شعلہ سے مراد پیاس ہو' یعنی یہ سایا تمہاری پیاس کو دور نہیں کرے گا۔

المرسلات: ۳۲ میں فرمایا: بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے O

''شرر' قصر' جمالة'' اور ''صفر'' کے معانی اور محل کی مثل انگاروں کی توجیہ

اس آیت میں ''شرر'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: چنگاریاں' جب آگ جلتی ہے تو اس آگ سے چنگاریاں اڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اس کا دھواں اس کا سایا ہوگا' بایں طور کہ وہ آگ بہت بڑے بڑے انگارے اڑا رہی ہوگی' اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں بہت عظیم ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس آگ کے انگارے ''قصر'' کی مثل ہوں گے اور ''قصر'' کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد بڑے بڑے محلات ہیں۔

(۲) مبرد نے کہا: بہت بڑی لکڑی کو ''قصرة'' کہا جاتا ہے اور اس کی جمع ''قصر'' ہے' عبد الرحمان بن عباس نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''قصر'' کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ایک لکڑی ہے جس کو ہم سردیوں

میں جلانے کے لیے اکٹھا کرتے تھے' اس لکڑی کو ہم کاٹتے تھے اور اس کا نام ہم نے ''قصر'' رکھا تھا' سعید بن جبیر' مقاتل اور ضحاک وغیرہ نے کہا: یہ کھجور کے درخت اور بڑے بڑے درختوں کے تنے ہیں۔

المرسلات: ۳۳ میں فرمایا: گویا وہ زرد اونٹ ہیں O

اس آیت میں ''جمالات'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''جمال'' کی جمع ہے' جیسے ''رحال'' کی جمع ''رحالات'' ہے اور ''بیوت'' کی جمع ''بیوتات'' ہے' ''جمالات'' کی صفت ''صفر'' ہے' اس کا معنیٰ زرد ہے اور اس سے مراد سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں جو زردی کی طرف مائل ہوں' دوزخ کی آگ کے انگاروں کو دو چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ انگارے محل کے برابر ہوں گے اور زرد اونٹ کی مثل ہوں گے' اس سے مقصود یہ ہے کہ جس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے وہ آگ کتنی عظیم ہوگی اور وہ انگارے اڑ کر دوزخیوں پر گریں گے اور جس شخص کے اوپر بلندی سے محل کے برابر یا اونٹ کے برابر کوئی چیز آ کر گرے' اس کا کیا حال ہوگا؟ سو دوزخیوں کے اوپر جب اتنے بڑے انگارے گریں گے تو ان کا کس طرح کچومر نکل جائے گا' پھر ان لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں' ان کو ایسے عذاب کا سامنا ہوگا' پس ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں' اور اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے O اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے O اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو میرے خلاف چال چلو O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

(المرسلات: ۴۰۔۳۵)

متعدد وجوہ سے کفار کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا

المرسلات: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل وجوہ سے کفار کو قیامت کے دن اور اس دن کے عذاب سے ڈرایا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنی بدعقیدگیوں اور بُرے اعمال پر کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے اور نہ مذموم عقائد اور مذموم افعال کی توجیہ میں کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔

(۲) تمام لوگوں کے سامنے ان کے قبیح اور بُرے افعال پیش کیے جائیں گے اور جن لوگوں کے سامنے وہ عزت دار بنتے تھے' ان کے سامنے ان کو رسوا اور ذلیل کیا جائے گا اور شرمندگی اور رسوائی کا عذاب' تلوار کے ساتھ قتل کرنے اور آگ میں جلانے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) جو غلام بھاگا ہوا ہو' اس کو اس کے آقا کے سامنے پکڑ کر پیش کرنا' اس کے لیے سخت عذاب اور ذلت کا موجب ہوتا ہے۔

(۴) جن لوگوں کو وہ دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتا تھا' وہ قیامت کے دن اس کے سامنے عزت اور سرفرازی سے نوازے جائیں گے اور وہ خود کو جن کے مقابلہ میں بہت عزت دار اور کامیاب سمجھتا تھا وہ ان کے سامنے ذلت اور خواری میں مبتلا کیا جائے گا اور یہ اُمور کفار کے لیے شدید اذیت کا باعث ہوں گے اور یہ چاروں وجوہ ان کے لیے روحانی عذاب کا باعث ہوں گی۔

(۵) اور پانچواں عذاب جسمانی ہے' وہ قیامت کے دن دوزخ کے عذاب اور اس کی شدید ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے اور جب ان کو اتنے شدید قسم کے عذاب کا مشاہدہ کرایا جائے گا' (اللہ تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے پناہ میں رکھے) جس کی تمام

کیفیات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا' تو پھر ضرور ان لوگوں کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ متعدد آیات سے ثابت ہے کہ کفار قیامت کے دن باتیں کریں گے پھر یہاں کیوں فرمایا: وہ اس دن بات نہ کرسکیں گے؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اس دن کوئی بات نہ کرسکیں گے' حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے دن بات کریں گے' وہ آیات یہ ہیں:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ○ (الزمر: ۳۱) پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے ○

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام: ۲۳) پھر ان کے شرک کا مآل صرف یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ (النساء: ۴۲) جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی' وہ یہ چاہیں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جائے' اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے ○

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: اس آیت میں ایک عبارت مقدر ہے اور پوری عبارت اس طرح ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کرسکیں گے' یعنی اپنے کفر و شرک کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے اور نہ انہیں اس کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنا کوئی عذر پیش کرسکیں' کیونکہ انہوں نے جو کفر اور شرک کیا تھا' اس کا نہ کوئی عذر صحیح ہے نہ کوئی صحیح جواب ہے' پس جب وہ اپنے حق میں کوئی دلیل پیش کرسکیں گے اور نہ کوئی معقول توجیہ کرسکیں گے تو گویا انہوں نے کوئی بات نہیں کی' کیونکہ جو شخص کوئی مفید اور نفع آور بات نہ کر سکے گویا اس نے کوئی بات نہیں کی' جیسے اگر کوئی شخص کوئی مفید بات نہ کرے تو آپ اس سے کہیں کہ تم نے کوئی بات نہیں کی یا تم نے کچھ نہیں کیا۔

(۲) الفراء نے اس کے جواب میں کہا: یعنی وہ اس وقت کوئی بات نہیں کرسکیں گے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ پورے قیامت کے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے' اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کسی شخص سے کہیں: جس دن فلاں شخص کراچی پہنچے گا میں اس دن آپ کے پاس آؤں گا' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس پورے دن میں آپ کے پاس آؤں گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت وہ کراچی پہنچے گا میں اس وقت آپ کے پاس آؤں گا۔

(۳) اس آیت میں یہ فرمایا ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔ یہ جملہ مطلق ہے اور مطلق عموم کا فائدہ نہیں دیتا نہ انواع میں نہ اوقات میں' سو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کفر اور شرک کیا؟ تو وہ اپنی مدافعت میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔

(۴) یہ آیت دوزخ کے محافظوں کے اس قول کے بعد ہے: چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے ○ (المرسلات: ۳۰) اس وقت وہ دوزخ کے محافظوں کا حکم مانتے ہوئے دوزخ کے دھوئیں کی طرف چل پڑیں گے' جب دنیا

میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے کا حکم دیا جاتا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور اس وقت وہ دوزخ کے محافظوں کے حکم کے اوپر بے چون و چرا عمل کریں گے حالانکہ دنیا میں انہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے جاتے تھے ان پر عمل کرنے کی بہ نسبت قیامت کے دن دوزخ کے محافظوں کے حکم پر عمل کرنا سخت مشکل دشوار اور عذاب اور ہلاکت کا موجب ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے سے انکار نہ کرتے اور عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو انہیں قیامت کے دن اس ہلاکت آفریں حکم پر عمل نہ کرنا پڑتا' خلاصہ یہ ہے کہ المرسلات: ۳۵ میں جو فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوزخ کے محافظ ان سے یہ کہیں گے: چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے' تو وہ اس وقت دوزخ کے محافظوں کے سامنے کوئی بات نہ کرسکیں گے اور بے چون و چرا ان کے حکم پر عمل کریں گے' اور اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند سے لڑائی کے دوران کہتی ہے: میں اسی وقت تمہارے گھر سے جا رہی ہوں' اس کا خاوند اس سے کہتا ہے: اگر تو گئی تو تجھے طلاق' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسی وقت اس کے گھر سے گئی تو اس کو طلاق ہو گی' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بعد میں جب بھی اس کے گھر سے گئی تو اس کو طلاق ہو جائے گی بلکہ اس کا جانا اسی وقت کے ساتھ مقید ہوگا' اسی طرح اس آیت میں جو فرمایا ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے' یہ بھی اسی وقت کے ساتھ مقید ہے جب دوزخ کے محافظ انہیں دوزخ کے دھوئیں کی طرف جانے کا حکم دیں گے' نہ کہ یہ معنیٰ ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن بات نہ کرسکیں گے۔

المرسلات: ۳۶ میں فرمایا: اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی O

امام رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب کہ کفار کو اپنا عذر پیش کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟

اس آیت سے بہ ظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین کا عذر تو ہوگا لیکن ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور یہ حکمت کے خلاف ہے۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حقیقت میں کفار اور مشرکین کا کوئی عذر نہیں ہوگا' لیکن بعض اوقات ان کے دماغ میں یہ فاسد خیال آئے گا کہ ان کا کوئی ٹوٹا پھوٹا عذر ہے تو ان کو اس فاسد عذر کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی' اور ہوسکتا ہے کہ ان کا فاسد عذر یہ ہو کہ جب بندوں کے تمام افعال اور اعمال تیرے علم' تیری مشیت' تیری قضاء اور تیری تخلیق سے ہوتے ہیں تو پھر تو میرے ان اعمال پر مجھے سزا کیوں دے رہا ہے؟ اور کفار کا یہ عذر فاسد ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے' کسی کو اس کے تصرف پر کسی قسم کے اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے' اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء: ۱۶۵)

ہم نے خوش خبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر لوگوں کی کوئی حجت اور الزام باقی نہ رہے۔

اور فرمایا:

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم اپنے رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب دے کر ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے: اے ہمارے رب! اگر تو ہماری طرف اپنے رسول کو بھیج دیتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کرتے' اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے ○

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اسی لیے بھیجا تھا تا کہ کفار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر اور حجت نہ پیش کر سکیں' اور رسولوں کے بھیجنے کے بعد اگر چہ یہ عذر ختم ہو گیا کہ بغیر احکام کی تبلیغ کے ان کو عذاب کیوں دیا جا رہا ہے' تاہم یہ عذر تو بہر حال باقی ہے کہ جب ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہنے سے پیدا کیا ہے تو پھر ان کو کیوں عذاب دیا جا رہا ہے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو عذاب سے ڈرا کر ان کے عذر کو پہلے ہی زائل فرما دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ○ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ○ (المرسلات: ۷-۶)

پھر ان فرشتوں کی قسم جو دلوں میں ذکر ڈالنے والے ہیں ○ حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے ○

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

مصنف کی طرف سے اس اعتراض کا جواب کہ کفار کو اپنا عذر پیش کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟

میں کہتا ہوں: اس آیت سے کفار اور مشرکین کا یہ عذر ساقط نہیں ہوگا' وہ کہیں گے کہ بے شک تو نے عذاب سے ڈرانے کے لیے رسول بھیجے تھے اور اپنی حجت قائم کی تھی لیکن ہمارے دلوں میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوا' اس لیے ہم نے شرک اور کفر کو ترک نہیں کیا' تو اگر چاہتا تو ہمارے دلوں کو بدل ڈالتا اور ہمارے دلوں میں اپنا خوف پیدا کر دیتا' پھر ہم رسولوں کے پیغام پر عمل کرتے۔ امام رازی چونکہ جبریہ کی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے کفار کے اس شبہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ جبریہ کے اصول پر اس کا کوئی معقول جواب دیا جا سکتا ہے' البتہ اہل سنت کے اصول پر اس شبہ کا جواب اس طرح دیا جائے گا کہ بے شک کفار کے اعمال اور افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن کفار کے ان ہی افعال کو پیدا کیا ہے جن افعال کو انھوں نے چاہا اور ان کا ارادہ کیا' اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس کی اطاعت کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس کو پیدا کر دیتا' لیکن انھوں نے کفر اور شرک کا ارادہ کیا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں کفر اور شرک کو پیدا کر دیا اور اسی ارادہ اور اختیار کی بناء پر ان کو عذاب دیا جا رہا ہے' لہٰذا کفار اور مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی صحیح عذر نہیں ہوگا اور اس فاسد عذر کو پیش کرنے کی انہیں اجازت نہیں دی جائے گی۔

اب رہا یہ اعتراض کہ مان لیا کہ کفار کا عذر فاسد تھا لیکن اس کے باوجود انہیں موقع تو دینا چاہیے تھا تا کہ وہ اپنا عذر بیان کرتے' پھر ان کے عذر کے فساد کو بیان کر دیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیجے اور ان رسولوں نے انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا' اور رسولوں کا انہیں اطاعت اور عبادت کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا ہے اور وہ مجبور محض نہیں ہیں' لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے رسولوں کی اطاعت کرنے کے بجائے شیطان کی اطاعت کرنے کو اختیار کیا' سو اب اگر آخرت میں وہ اس عذر کو پیش کرتے بھی تو کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ اس کا جواب تو ان پر دنیا میں ہی واضح ہو چکا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس خاص موقع پر جب دوزخ کے محافظ ان سے کہیں گے کہ چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے' اس وقت وہ

بات نہیں کرسکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی کیونکہ یہ وقت ان کی سزا کے نفاذ کا ہوگا لیکن اس سے پہلے پورے روزِ قیامت میں تو وہ باتیں کریں گے اور اپنے متعدد عذر بھی پیش کریں گے حتیٰ کہ حساب کے وقت وہ یہ بھی کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام:٢٣) اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○

اس کے بعد فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، یعنی اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کر دیتے تو قیامت کے دن انہیں دوزخ کے تین شاخوں والے دھوئیں کی طرف نہ جانا پڑتا' سو اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلٰت: ٣٨ میں فرمایا: یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے ○

کفار کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے عذاب سے ڈرانا

اس آیت میں بھی کفار کو قیامت کے دن کے عذاب اور ان کو ہونے والی شرمندگی سے ڈرایا ہے' اور اس دن کفار کے درمیان دو قسم کے فیصلے کیے جائیں گے' ایک وہ فیصلے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوگا اور دوسرے وہ فیصلے ہوں گے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہوگا' جن اُمور کا فیصلہ حقوق اللہ سے ہوگا ان میں کفار کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار کرنے کی سزا کا فیصلہ ہوگا اور نیک اعمال نہ کرنے اور بُرے کام کرنے پر سزا کا فیصلہ ہوگا۔

اور جب امور کا تعلق حقوق العباد سے ہوگا' مثلاً کسی شخص پر انہوں نے ظلم کیا ہوگا' کسی کو ناحق مارا پیٹا ہوگا یا کسی کو ناحق قتل کیا ہوگا یا کسی کا مال چھینا ہوگا یا کسی کی آبروریزی کی ہوگی تو ان مظالم کی ان کو الگ سزا دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن مشرکوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی اور جنہوں نے آپ سے پہلے نبیوں کی تکذیب کی تھی' ان سب کو جمع کیا جائے گا اور ان کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان کو سزا سنائی جائے گی۔

المرسلٰت: ٣٩ میں فرمایا: اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو میرے خلاف چال چلو ○

کفار کا اللہ کے سامنے مکر کرنے سے عاجز ہونا

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ کفار اور مشرکین مختلف حیلوں اور مکر سے لوگوں کے حقوق کو اپنی ذات سے دور کریں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ میرے حقوق کو بھی اپنی ذات سے مکر اور حیلے سے دور کرسکو تو کرو' اور یہ امر تعجیز کے لیے ہے یعنی تم اس سے عاجز ہو کہ مکر اور حیلے سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنی ذات سے دور کر دو' جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے مقرب بندے پر جو کلام نازل کیا ہے اگر تم کو اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے' سو تم اس کلام کی مثل کوئی سورت بنا کر لے آؤ۔ (البقرہ:٢٣) حالانکہ کفار قرآن کی مثل کسی سورت کو لانے سے عاجز تھے تو جس طرح اس آیت میں ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے حکم دیا تھا' اسی طرح اس آیت میں بھی ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ ہے: تم دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مجھ سے جنگ کرتے تھے' آؤ! آج مجھ سے جنگ کرو' ایک قول یہ ہے کہ تم دنیا میں میری نافرمانی کرتے تھے' آج تم میری نافرمانی نہیں کرسکتے اور نہ اپنے آپ کو نافرمانی سے بَری کرسکتے ہو۔

قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ○ آپ کہیے کہ تم اپنے تمام شرکاء کو بلالو پھر تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کا حیلہ کرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو○ (الاعراف:۱۹۵)

پھر المرسلات: ۴۰ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

یعنی اگر تم نے دنیا میں میری توحید کی تصدیق نہ کی تو پھر آخرت میں تمہیں اس چیلنج کا سامنا کرنا ہوگا اور تم اس چیلنج کو پورا نہ کرسکو گے۔

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾

بے شک متقین (ٹھنڈے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے○ اور لذیذ پھلوں میں سے جن کو وہ چاہیں گے○

كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا ۢبِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

(ان سے کہا جائے گا:) خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جن کو تم کرتے تھے○ ہم نیک کام کرنے

نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوۡا

والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ تم کچھ دن

وَتَمَتَّعُوۡا قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۷﴾

تک کھاؤ اور فائدہ اٹھا لو بے شک تم مجرم ہو○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ ارۡكَعُوۡا لَا يَرۡكَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲ / ۲۲

اس (قرآن) کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین (ٹھنڈے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے○ اور لذیذ پھلوں میں سے جن کو وہ چاہیں گے○ (ان سے کہا جائے گا:) خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جن کو تم کرتے تھے○ ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ (المرسلات: ۴۵-۴۱)

متقین کو اجر و ثواب عطا کرنے سے جو مشرکین کو عذاب ہوگا اس سے ان کو ڈرانا

جس طرح کسی شخص کے لیے اس کی سزا باعث رنج اور ذلت ہوتی ہے اسی طرح اس شخص کے لیے اس کے مخالفوں اور دشمنوں پر انعام و اکرام بھی رنج اور ذلت کا سبب ہوتا ہے کفار کو قیامت کے دن جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کے لیے رنج اور ذلت کا باعث ہوگا اسی طرح مؤمنین پر جو آخرت میں انعام اور اکرام ہوگا وہ بھی ان کے لیے رنج اور ذلت کا باعث ہوگا' اس

سے پہلی آیتوں میں قیامت کے دن کفار کا عذاب بیان فرمایا تھا اور اب اس رکوع کی آیتوں میں قیامت کے دن مؤمنوں پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا ذکر ہے اور یہ بھی کفار کے لیے سوہان روح ہے' جس طرح ان کے لیے عذاب تکلیف اور رنج کا باعث ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر انعام و اکرام کے ذکر کے بعد فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

متقین کے مصداق میں اللہ کی اطاعت اور عبادت کو نہ داخل کرنے پر امام رازی کے دلائل

المرسلات: ٤١ میں ''متقین'' کا لفظ ہے اور امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ متقی کا مصداق وہ شخص ہے جو صرف شرک اور کفر کی تمام اقسام کو ترک کرنے والا ہو اور اس کے مصداق میں ہر قسم کے گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ کی اطاعت کرنا داخل نہیں ہے' امام رازی کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص شرک اور کفر کو ترک کرنے والا ہو' اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا۔ امام رازی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ المرسلات میں شروع سے لے کر یہاں تک صرف شرک اور کفر کی مذمت کی ہے' اس لیے اس آیت میں جو متقین پر انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے' اس کی وجہ بھی صرف متقین کا ایمان ہونا چاہیے اور اگر اس آیت میں متقین سے مراد شرک اور کفر کے ترک کے علاوہ معاصی کے ترک کرنے اور اطاعت اور عبادت کو بھی مراد لیا جائے تو اس سورت کی نظم اور ترتیب میں خلل ہو جائے گا' پس ثابت ہو گیا کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف کفر اور شرک کو ترک کرنے والے ہوں۔ امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے کامل مصداق پر محمول کرنا چاہیے اور متقین کا کامل مصداق وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر کو ترک کرنے والے ہوں' لہٰذا متقین کے لفظ کو ان ہی لوگوں پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٧٨٠' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

متقین کے مصداق میں اللہ کی اطاعت اور گناہوں سے اجتناب کو داخل کرنے پر مصنف کے دلائل

ہمارے نزدیک متقی کا مصداق وہ شخص ہے جو کفر و شرک کے علاوہ گناہ ہائے کبیرہ کو بھی ترک کرنے والا ہو' اور اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کی جو بشارتیں دی ہیں وہ ان ہی متقین کے لیے ہیں اور صرف کفر و شرک کو ترک کرنے سے اور گناہوں کا ارتکاب کرتے رہنے سے انسان ان بشارتوں کا مستحق نہیں ہوتا' الا یہ کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے یا اللہ اس کو اپنے فضل محض سے معاف فرما دے۔ گناہوں کو ترک کیے بغیر ان بشارتوں کا مستحق ماننا مرجئہ کا مذہب ہے اور امام رازی بھی مرجئہ کے مخالف ہیں اور ان کا رد کرتے ہیں' ہمارے نزدیک متقین کے مصداق میں گناہوں کا ترک کرنا داخل ہے' اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ (النّٰزعٰت: ٤١-٣٧)

سو جس شخص نے سرکشی کی ○ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ○ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ○ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے رکھا ○ تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جنت کے انعام کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کو خواہشات سے روکے اور جو شخص اپنے نفس کی خواہشوں پر عمل کر کے گناہ کبیرہ کرتا رہا اور بغیر توبہ کیے مر گیا' وہ جنت کے انعام کا مستحق نہیں ہو گا' اس لیے ضروری ہے کہ متقین کے مصداق میں گناہ ہائے کبیرہ کا ترک کرنا بھی مراد لیا جائے۔ ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا ۝ اور جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بھی برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا ۝

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کفر اور شرک سے مجتنب رہا' اس کے باوجود وہ گناہوں میں ملوث رہا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا اور اس کے لیے جنت کی بشارتیں نہیں ہیں' الایہ کہ وہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے یا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل محض سے معاف فرما دے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرما دیں' کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: میں اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

لیکن ایسا شخص بہر حال گناہ ہائے کبیرہ کا مرتکب ہوگا متقی نہیں ہوگا' متقی وہ شخص ہوتا ہے جو کفر اور شرک کو ترک کرنے والا ہو اور اس کے علاوہ نیک اعمال سے متصف ہو اور کبائر سے مجتنب ہو اور اس پر واضح دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۷۷)

(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو' لیکن (اصل) نیکی اس شخص کی ہے' جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں اور یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرے' اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں' اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے' یہی لوگ سچے (مؤمن) ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ ۝ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ متقی ہیں جب شیطان ان کو برائی پر اکساتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

البقرہ: ۱۷۷ سے معلوم ہوا کہ متقین وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد نیک کام کرتے ہیں اور الاعراف: ۲۰۱ سے معلوم ہوا کہ متقین گناہوں سے باز رہتے ہیں۔

متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کو داخل نہ کرنے پر امام رازی کے دلائل کے جوابات

امام رازی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جو شرک اور کفر کو ترک کرنے والا ہو' اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا' ہم کہتے ہیں کہ بے شک لغوی طور سے اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا لیکن قرآن کی اصطلاح میں اس پر متقی کا لفظ صادق نہیں آئے گا کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں متقی وہ شخص ہے جو ایمان کے ساتھ ساتھ اطاعت اور عبادت بھی کرے اور کبیرہ گناہوں سے باز رہے' جیسا کہ البقرہ: ۱۷۷ اور الاعراف: ۲۰۱ سے واضح ہو چکا ہے اور قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں تعارض نہیں ہے کہ ایک سورت میں متقی سے مراد ایمان مع اطاعت ہو اور دوسری سورت میں متقی سے مراد مجرد ایمان ہو' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا یہ معیار بتایا ہے کہ اس میں اختلاف اور تعارض نہیں ہے' ارشاد فرمایا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے' اگر یہ قرآن اللہ کے

اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝ (النساء:٨٢) سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف (اور تعارض) پاتے۝

امام رازی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سورۃ المرسلات کی اس سے پہلے کی تمام آیات میں فرمایا ہے کہ کفار کو صرف تکذیب کرنے کی وجہ سے عذاب ہوگا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ متقین کو صرف تصدیق کرنے کی وجہ سے جنت دی جائے' ہم کہتے ہیں کہ کفار کو عذاب صرف توحید کی تکذیب کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ عبادات نہ کرنے کی وجہ سے بھی عذاب ہوگا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ۝ۙ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ۝ۙ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۝ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۝ۙ (المدثر:٤٤۔٤٠)

جنتی جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے۝ مجرموں کے متعلق۝ تم کو دوزخ میں کس جرم نے داخل کیا؟۝ وہ کہیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۝ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۝

اس لیے کفار کی تکذیب کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہیں کرتے تھے' بلکہ اس کا معنی ہے: وہ اس کی توحید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور اس کے احکام کی بھی عملاً تکذیب کرتے تھے اور جب اس کے مقابلہ میں متقین کو جنت کی نعمتیں دینے کا ارشاد ہوگا تو اس آیت میں متقین سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی قولاً تصدیق کرتے ہوں اور اس کے احکام کی عملاً تصدیق کرتے ہوں یعنی متقین وہ ہیں جو کفر و شرک کو ترک کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے ہوں اور اس کی نافرمانی کرنے سے باز رہنے والے ہوں' امام رازی نے فرمایا ہے: اگر مؤمن سے ثواب کے وعدہ کو اس کی اطاعت کے ساتھ مقید کیا جائے تو وہ اس سورت کی نظم کے موافق نہیں ہے' کیونکہ اس سورت میں اس سے پہلے کفار کے کفر پر مذمت کی گئی' لہٰذا متقین کا ثواب بھی صرف ایمان کی وجہ سے ہونا چاہیے' ہم کہتے ہیں کہ خواہ ظاہری طور پر ایسا ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے' ہم بتا چکے ہیں البقرہ: ۱۷۷ میں فرمایا جا چکا ہے: جو نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' اپنے وعدہ کو پورا کریں اور تکلیف اور سختی میں صبر کریں' یہی لوگ سچے (مؤمن) ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں اور قرآن مجید میں اختلاف اور تعارض نہیں ہے کہ کہیں کچھ مراد ہو اور کہیں کچھ اور مراد ہو' جب کہ ہم کہتے ہیں کہ سورۃ المرسلات میں کفار کے صرف کفر پر مذمت نہیں ہے بلکہ ان کی تکذیب کی مذمت ہے اور کفار قولاً اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرتے تھے اور عملاً اس کے احکام کی تکذیب کرتے تھے' لہٰذا مؤمن سے وعدہ ثواب کو ایمان کے ساتھ اطاعت سے بھی مقید کیا جائے تو یہ اس سورت کی نظم کے بھی مطابق ہے مخالف نہیں ہے۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے کامل مصداق پر محمول کرنا چاہیے اور متقی کا کامل مصداق وہ شخص ہے جو کفر اور شرک کو ترک کرنے والا ہو' لہٰذا متقی سے مراد کفر و شرک کو ترک کرنے والا مراد لینا اولیٰ ہے۔

ہم کہتے ہیں: نہیں متقی کا کامل مصداق وہ شخص ہے جو کفر و شرک کو بھی ترک کرنے والا ہو اور گناہ ہائے کبیرہ کو بھی ترک کرنے والا ہو اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنے والا ہو اور اس کی تمام عبادات کو بجالانے والا ہو اور ایسے متقی کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے جنت کی تمام نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' نیز اگر صرف کفر اور شرک کو ترک کرنے کی وجہ سے جنت کی نعمتیں مل جائیں' وہ ٹھنڈے سایوں اور چشموں میں ہوں' وہ حسب منشا لذیذ پھل حاصل کریں' خوشی کے ساتھ کھائیں اور پئیں تو جو متقین شرک اور کفر کو ترک کرنے کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت بھی کرتے ہوں اور اس کی نافرمانی سے باز رہتے ہوں' ان کے لیے کیا انعام ہوگا؟ جن نعمتوں کا یہاں ذکر ہے انسان کو ان سے بڑھ کر اور کیا نعمت چاہیے' پھر وہ کیوں مشکل احکام کی

اطاعت کرے اور عبادت کی مشقت میں پڑے اور کیوں اپنی نفسانی خواہشوں کی مخالفت کرے جنت کی نعمتیں تو اس کو اس مشقت کے بغیر بھی مل جائیں گی۔

المرسلات: ۴۳اور ۴۴ سے متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کے دخول کا ثبوت

اگر امام رازی المرسلات: ۴۳ پر غور فرمالیتے تو کبھی یہ بات نہ کہتے اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ آیت ہے کہ متقین سے فرمایا جائے گا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (المرسلات: ۴۳) خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○

اس آیت میں صراحۃً نیک اعمال کا ذکر ہے کہ متقین کو یہ نعمتیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملیں گی لہٰذا ضروری ہوا کہ متقی کے مصداق میں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا بھی اعتبار کیا جائے۔

اسی طرح المرسلات: ۴۴ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ متقین سے مراد وہ مؤمنین ہیں جو نیک عمل کرتے تھے متقین کے متعلق کہا جائے گا:

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (المرسلات: ۴۴) ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں ○

اس آیت میں متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ محسنین ہیں یعنی احسان کرنے والے اور احسان کرنے والوں کی تفسیر حدیث میں اس طرح ہے:

حضرت جبریل نے کہا: مجھے بتایئے احسان کی کیا تعریف ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك. تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۔۹۔۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ان متقین کو ایسی جزا دیں گے جیسا کہ ان کی اطاعت کی جزاء کو ہم نے دنیا میں بیان فرمایا تھا اسی طرح اہل احسان نے جو ہماری اطاعت کی ہے ہم ان کو جزاء اور ثواب دیں گے اور انہوں نے دنیا میں جو ہماری بہ طریق احسان (یعنی خوب اچھی) عبادت کی ہے ہم ان کو ایسی جزا دیں گے اور آخرت میں ان کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے۔

(جامع البیان جز ۲۹ ص ۳۰۳ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے متقی کو محسن فرمایا کیونکہ اس نے متقین کے ذکر سے ابتداء کی تھی اور یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا نعمتیں تیار کی ہیں پھر یہ خبر دی کہ یہ ان کے احسان یعنی خوب اچھی عبادت کرنے کی جزا دی گئی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب متقی کے لفظ کو بغیر کسی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے: محاسن کرنے والے یعنی خوب اچھی عبادت کرنے والے۔ اور "مهالك" یعنی کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے والے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۶۲ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون ۱۴۲۵ھ)

ان عبارات سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ متقین کے مصداق وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کو اور گناہ ہائے کبیرہ کو ترک کریں اور نہایت اچھے طریقہ سے عبادت کریں' نہ وہ جو صرف کفر اور شرک کو ترک کریں خواہ کبیرہ گناہوں کو ترک نہ کریں اور اطاعت اور عبادت نہ کریں۔

امام رازی بہت بڑے نکتہ آفریں مفسر ہیں' ہم ان کے تفسیری نکات سے بہت استفادہ کرتے ہیں لیکن اس جگہ ہم خود کو ان سے متفق نہ کر سکے' اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے یقیناً اس نکتہ آفرینی سے ان کی مراد مرجئہ کے مذہب کی تائید نہیں تھی اور وہ مرجئہ کے اس قول کے مخالف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرنے کی ضرورت ہے نہ بُرے اعمال کو ترک کرنے کی۔

متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کے دخول پر دیگر مفسرین کی تصریحات

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ المرسلات: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ دنیا میں فرائض ادا کر کے اور گناہوں سے اجتناب کر کے اللہ کے عذاب سے بچتے ہیں (یعنی متقین) وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایوں میں ہوں گے' ان کو اس دن کی گرمی اور تکلیف نہیں پہنچے گی' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والے ہیں وہ تین شاخوں والے دھویں میں ہوں گے اور متقین ایسے چشموں میں ہوں گے جو جنت کے درختوں کے نیچے بہ رہے ہوں گے اور ان کا جب دل چاہے گا وہ جنت کے درختوں کے پھل کھائیں گے اور ان کو ان پھلوں کے کھانے سے کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہوگا۔

اور المرسلات: ۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان متقین سے کہا جائے گا: تمہارا جب دل چاہے ان پھلوں میں سے کھاؤ اور ان چشموں سے پیو اور ان چیزوں کو کھانے اور پینے سے تمہیں نہ کوئی تکدر اور اکتاہٹ ہوگی نہ رکاوٹ ہوگی اور تم ہمیشہ ان کو کھاتے رہو گے اور ان کو کھانے اور پینے سے تم کو کبھی کوئی ضرر نہیں ہوگا' تم کو یہ جزا اس لیے دی گئی ہے کہ تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بہت جدوجہد کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۳۰۳۔۳۰۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ المرسلات: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

متقین کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اقوال کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں اور اعمال سے ان اقوال کو یقینی بناتے ہیں' پس متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بُری صحبت سے بچاتا ہے' سو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء میں اس کو قیامت کے دن کے شر سے بچائے گا اور محسن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ خوب اچھی مصاحبت کرتا ہے تو اللہ اس کی آخرت کو خوب اچھا کرتا ہے اور اس کو سایوں' چشموں اور پھلوں کے عزت و کرامت والے مقام میں ٹھہراتا ہے اور متقی وہ ہے جو اپنے نفس کو (گناہوں کی) ہلاکت سے بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے عذاب سے بچاتا ہے اور محسن وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اس پر سایوں اور چشموں کا انعام فرماتا ہے (اللہ تعالیٰ نے متقین کو المرسلات: ۴۴ میں محسنین بھی فرمایا ہے)۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ متقین کی تعریف میں لکھتے ہیں:

يعني ان الذين يتقون الشرك والفواحش.

یعنی جو لوگ شرک اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

(بحر العلوم ج ۳ ص ۴۳۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ المرسلات: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقین بندوں کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: جنہوں نے واجبات کو ادا کر کے اور محرمات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ وہ قیامت کے دن جنتوں اور چشموں میں ہوں گے اس کے برخلاف مشرکین سیاہ اور بدبودار دھوئیں میں ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۰۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ المرسلات: ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں نے احسان کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور دنیا میں نیک اعمال کیے، ہم ان کو ثواب عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۴۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ المرسلات: ۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو متقین سایوں اور چشموں میں تھے ان سے کہا گیا کہ تم خوشی سے کھاؤ اور پیو کیونکہ تم دنیا میں ایمان کے ساتھ صالح عمل کرتے تھے۔

علامہ آلوسی المرسلات: ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''المحسنین'' سے مراد ''المتقین'' ہیں جن کا المرسلات: ۴۱ میں ذکر آ چکا ہے، صفت احسان کے ساتھ ان کی مدح کی وجہ سے ان کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی بلکہ صراحةً محسنین کا ذکر فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کو یہ انعام واکرام ان کے نیک کاموں کی وجہ سے دیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ متقین اور محسنین سے مراد مؤمنین صالحین ہوں اور اس آیت میں معتزلہ کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ آلوسی المرسلات: ۴۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ کیونکہ ان کے دشمن اور مخالف اس ثواب عظیم کو پائیں گے اور وہ عذاب الیم میں برقرار رہیں گے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۳۰۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

جن مفسرین نے بغیر غور و فکر کے امام رازی کی تقلید میں متقین کے مصداق سے اطاعت اور عبادت کو خارج کیا

علامہ اسماعیل حقی البروسوی المتوفی ۱۱۳۷ ھ المرسلات: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المتقین سے مراد ہے: جو کفر اور تکذیب سے اجتناب کرنے والے ہوں کیونکہ یہ لفظ مکذبین کے مقابلہ میں ہے۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی القونوی المتوفی ۱۱۹۵ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تقویٰ کا پہلا مرتبہ مراد ہے اور وہ شرک سے اجتناب کرنا ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ المتقین، المکذبین کے مقابلہ میں ہے، پس متقین کا مصداق نافرمان موحدین کو بھی شامل ہے اگرچہ ان کے درجات میں فرق ہے اور ان متقین کا ثواب سایوں میں ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۵۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی المرسلات: ۴۱ میں متقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

چونکہ یہ لفظ یہاں مکذبین (جھٹلانے والوں) کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، اس لیے متقیوں سے مراد اس جگہ وہ لوگ

ہیں جنہوں نے آخرت کو جھٹلانے سے پرہیز کیا اور اس کو مان کر دنیا میں یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کی کہ ہمیں آخرت میں اپنے اقوال وافعال اور اپنے اخلاق وکردار کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ (تفہیم القرآن ج ٦ ص ٢١٦ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ١٤١١ھ)

ہر چند کہ سیّد مودودی نے اخیر میں یہ قید لگا دی ہے کہ انہوں نے دنیا میں اس انداز سے زندگی بسر کی (الخ) لیکن انہوں نے متقین کو بہ ہر حال مکذبین کا مقابل قرار دیا ہے اور اس میں نیک اعمال کی قید نہیں لگائی۔

ان مفسرین کے رد کے وہی دلائل ہیں جو ہم امام رازی کے دلائل کے جواب میں پیش کر چکے ہیں۔

متقین کے مصداق کے بارے میں مصنف کے مؤقف پر ایک اعتراض کا جواب

ہوسکتا ہے ہماری تقریر پر یہ اعتراض ہو کہ امام رازی نے جو متقین کے مصداق سے گناہوں سے احتراز اور اطاعت کو خارج کیا ہے یہ صحیح ہے کیونکہ جو مؤمن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اس نے اطاعت اور عبادت نہ کی ہو وہ بھی ابتداءً بخشا جائے اور جنت میں چلا جائے اور وہ سایوں اور چشموں میں ہو اور اپنے پسندیدہ پھلوں میں ہو اور اس سے کہا جائے کہ خوشی سے کھاؤ اور پیو تو اس میں امام رازی نے کوئی غلط بات نہیں کہی' یہ تو عین اہل سنت وجماعت کے مذہب کے مطابق ہے' کیونکہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ جو مؤمن مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مر گیا' وہ لازماً دوزخ میں داخل ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اس کے مقابلہ میں اہل سنت وجماعت یہ کہتے ہیں کہ مؤمن مرتکب کبیرہ کو بخش دیا جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو ابتداءً اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دے گا اور ان کا استدلال قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ٤٨) بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ شرک سے کم گناہ کو وہ اس کے لیے بخشے گا جو اس پر مرنے سے پہلے توبہ کر لے گا' اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ خواہ توبہ نہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو چاہے گا تو بخش دے گا' اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الرعد: ٦) اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے گناہوں کے باوجود بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا ہے ۝

اس آیت کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عین حالت معصیت میں بھی بخش دیتا ہے' تو پھر امام رازی نے متقین کے مصداق میں اگر گناہوں سے اجتناب اور اطاعت وعبادت کرنے کی قید نہیں لگائی تو وہ ان آیاتِ مبارکہ اور اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو مرتکب کبیرہ کو اس کے گناہوں کے باوجود اور اس کی توبہ کے بغیر بخش دے گا اور وہ ابتداءً جنت میں چلا جائے گا اور سایوں' چشموں اور پسندیدہ پھلوں میں رہے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ خوشی سے کھاؤ اور پیو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو گناہوں کے باوجود اس کی توبہ کے بغیر بخش دے گا اور جنت میں بھیج دے گا' لیکن وہ بہ ہر حال مرتکب کبیرہ ہوگا اور غیر تائب ہوگا' متقی نہیں ہوگا' نیز اس آیت میں اس کی مغفرت کا ذکر ہے' یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ اس کی ابتداءً مغفرت فرما دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی مغفرت اس کی سزا بھگتنے کے بعد ہو یا لمبے عرصہ تک میدانِ محشر میں کھڑے رکھنے کے بعد ہو۔ بھلا جن لوگوں نے بے خوفی اور دلیری سے کبیرہ گناہ کیے ہوں' وہ ان لوگوں

کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جو ہر وقت اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے رہتے ہیں اور گناہوں سے باز رہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (الجاثیہ:٢١)

جن لوگوں نے گناہ کیے ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو ان ایمان والوں کی مثل کر دیں گے جنہوں نے نیک اعمال کیے اور ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہو جائے' وہ یہ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں ○

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ گناہ گار مسلمان تو مؤمنین صالحین کے برابر بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ متقین کے برابر ہوں' ہم گناہ گار مسلمانوں کی مغفرت کا انکار نہیں کرتے' ہمارا انکار ان کو متقین قرار دینے سے ہے۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے تبیان القرآن ج ٦ ص ٤٠٧۔٤٠٦ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم کچھ دن تک کھاؤ اور فائدہ اٹھا لو' بے شک تم مجرم ہو ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ اس قرآن کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے ○ (المرسلات: ٥٠۔٤٦)

کفار کو نعمتوں کے شکر نہ ادا کرنے پر عذاب سے ڈرانا

المرسلات: ٤١ سے پہلے جو کفار اور مشرکین کی مذمت کی گئی تھی' یہ آیت بھی اسی کی طرف راجع ہے یعنی ان مکذبین سے کہا جائے گا: تم دنیا میں چند روزہ زندگی گزار کر کھانے پینے کا عارضی نفع اٹھا لو' بے شک تم مجرم ہو یعنی کافر ہو' تم نے دنیا میں جو شرک کیا ہے اور دیگر گناہ کبیرہ کیے ہیں تم کو آخرت میں ان کی سزا بھگتنی ہو گی۔

اس آیت میں اگرچہ دنیا کی چیزوں کو کھانے پینے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا ہے' لیکن درحقیقت ان چیزوں سے ڈرایا ہے کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور ان کا شکر ادا نہیں کرے گا تو آخرت میں اس کو عذاب کا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ ہر چند کہ دنیا کا عیش و آرام' لذیذ اور مرغوب چیزوں کو کھانا اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنا بہت خوش گوار ہے' لیکن یہ اس وقت ہے جب انسان اللہ پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے تو اس کی دنیا بھی آرام دہ ہو گی اور آخرت بھی اور اگر وہ اللہ کی توحید اور اس کے احکام کی تصدیق نہ کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہو گا اور وہ دردناک عذاب کبھی منقطع نہیں ہو گا تو اس کے مقابلہ میں دنیا کی یہ عارضی خوشیاں بہت کم ہیں اور اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان عارضی لذائذ کے مقابلہ میں اس کو کتنا طویل اور سخت عذاب بھگتنا ہو گا تو وہ ان چیزوں کی طرف کبھی رغبت نہ کرے۔

المرسلات: ٤٧ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○

یعنی اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا جرم نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی تصدیق کرتے اور ان پر عمل کرتے تو ان کو قیامت کے دن ہلاکت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

المرسلات: ٤٨ میں فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے ○

کفار کو نماز نہ پڑھنے پر عذاب سے ڈرانا

اس آیت میں بھی کفار کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے' گویا کہ ان سے کہا گیا: چلو مان لیا تم دنیا سے اور اس کے عیش سے محبت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت سے مکمل اعراض نہ کرو بلکہ اس کی عبادت کرتے رہو' اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے اور

اس کے احکام پر عمل کرتے رہے اور نماز پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ دنیا کی لذتیں بھی حاصل کرتے رہے تو تمہاری مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے' پھر یہ کفار ایسا نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے اور اپنے جہل اور کفر پر اصرار کرتے تھے اور اپنے آپ کو دائمی عذاب کے لیے تیار رکھتے تھے۔

کفار کو نماز پڑھنے کا حکم دینے کی متعدد تفاسیر

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: یہ آیت ثقیف کے متعلق نازل ہوئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اسلام لے آؤ اور نماز پڑھو' انہوں نے کہا: ہم جھکیں گے نہیں یعنی رکوع نہیں کریں گے' یہ ہمارے لیے عیب ہے' آپ نے فرمایا: اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں رکوع اور سجود نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے آخرت میں کہا جائے گا: نماز پڑھو' جب ان کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے گا اور قیامت دارِ تکلیف نہیں ہے کہ ان کو کسی عبادت کا حکم دیا جائے اور اس کے نہ کرنے سے ان کو عذاب ہو' ان کو سجدہ کرنے کے لیے اس وجہ سے بلایا جائے گا کہ دنیا میں ان کی عبادت کرنے کا حال منکشف ہو جائے' پس جو شخص دنیا میں اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہوگا وہ قیامت کے دن آسانی سے سجدہ کرے گا اور جو دنیا میں ریا کاری سے سجدہ کرتا ہوگا وہ قیامت کے دن سجدہ نہیں کرسکے گا اور اس کی کمر تختے کی طرح ہو جائے گی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ان سے کہا جائے گا: تواضع اور عاجزی کرو تو وہ تواضع نہیں کرسکیں گے اور یہ نماز اور غیر نماز ہر حالت میں عام ہے اور نماز کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ توحید کے بعد تمام احکامِ شرعیہ کی اصل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱۴۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المرسلات: ۴۹ میں فرمایا: اور اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

یعنی جن کافروں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے اس حکم کی تکذیب کی ان کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلات: ۵۰ میں فرمایا: اس قرآن کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟○

اس سورت کے شروع سے اس آیت تک اللہ تعالیٰ نے دس وجوہ سے کفار کو ایمان نہ لانے پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کی مذمت کی ہے اور ان کو قرآن کی آیات میں اور کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے حال پر تعجب ظاہر فرمایا کہ اس قرآن کے بعد اور کوئی ہدایت کی کتاب آئے گی نہیں اور نہ اس نبی کے بعد اور کوئی ہدایت دینے والا نبی آئے گا تو پھر کفار کس بات کا انتظار کر رہے ہیں' وہ ایمان کیوں نہیں لے آتے؟

سورۃ المرسلات کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۲۴ جولائی ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار بعد از نمازِ عصر سورۃ المرسلات کی تفسیر ختم ہوگئی' ۱۷ جولائی کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح ۷ روز میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک ۲۹ پاروں کی تفسیر مکمل کرادی ہے' اسی طرح اپنے فضل و کرم سے آخری عمّ پارے کی تفسیر مکمل کرادیں' میری صحت اور توانائی کو اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو قائم رکھیں اور میری اور میرے والدین

32

کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرمادیں اور ایمان پر عزت اور کرامت کے ساتھ خاتمہ فرمادیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ النبا

سورت کا نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام النبا ہے' اور یہ نام اس سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ

یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ عظیم خبر کے متعلق (النبا:۲۔۱)

وہ خبر وقوعِ قیامت کی خبر ہے' اور وہ لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے زندہ ہونے کی خبر ہے' لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی اور ان کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا!

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورت ''عما یتساء لون ''، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں عبدالعزیز بن قیس سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کتنی قرأت کرتے تھے' حضرت انس نے اپنے ایک بیٹے سے کہا: انہوں نے ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی اور اس نماز میں ''المرسلات'' اور ''عم یتساء لون'' پڑھیں۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۳۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

المرسلات اور النبا میں مناسبت

(۱) سورۃ المرسلات اور سورۃ النبا دونوں میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو بتایا ہے اور ان دونوں میں اس چیز کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا ہے' سورۃ المرسلات میں فرمایا:

اَلَمۡ نُہۡلِکِ الۡاَوَّلِیۡنَ ؕ ثُمَّ نُتۡبِعُہُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ ○ کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ○ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ○ اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ ۙ فَجَعَلۡنٰہُ فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ۙ اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ فَقَدَرۡنَا ٭ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ○ (المرسلات:۲۳۔۱۶)

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟○ پھر ہم ان کے بعد دوسری قوموں کو لاتے ہیں○ ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں○ اس دن مکذبین کے لیے ہلاکت ہے○ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟○ پھر ہم نے اس پانی کو محفوظ جگہ میں رکھا○ ایک مقرر اندازے تک○ پھر ہم نے اندازہ کیا' سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں○

اور سورۃ النبا میں فرمایا:

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ۙ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟○ اور پہاڑوں کو میخیں○ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا○ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت

لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ۝ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۝ (النبا:۱۷۔۶)

بنایا○اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا○اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا○اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے○اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا○اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور کی بارش نازل کی○ تا کہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ نکالیں○ اور گھنے باغات○ بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے○

(۲) ان دونوں سورتوں میں جنت اور دوزخ کی صفات بیان کی گئی ہیں' قیامت کے ہولناک مناظر بیان کیے گئے' کفار اور مشرکین کو دوزخ میں جو عذاب دیا جائے گا' اس کا بیان کیا گیا ہے اور متقین کو جنت میں جن انعامات اور اکرامات سے نوازا جائے گا' ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) سورۃ المرسلات میں اجمالاً فرمایا تھا:

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝ (المرسلات:۱۴) آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے○

اور النبا میں اس کی تفصیل فرمائی ہے:

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۝ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۝ (النبا:۱۸۔۱۷)

بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے○ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے○

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۰ اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۸ ہے۔

سورت النبا کے مشمولات

☆ النبا:۵۔۱ میں قیامت کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور قیامت کے وقوع پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

☆ النبا:۱۶۔۶ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعدد مظاہر سے انسان کے مرنے کے بعد اس کو زندہ کرنے پر متعدد دلائل دیئے گئے ہیں۔

☆ النبا:۲۰۔۱۷ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا کون سا وقت ہے اور یہ وہ وقت ہے جس میں اوّلین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا۔

☆ النبا:۳۸۔۲۱ میں کافروں کے عذاب کی مختلف اقسام اور مؤمنوں کے ثواب کی مختلف انواع بیان کی گئی ہیں۔

☆ اور اس سورت کو اس خبر پر ختم کیا گیا ہے کہ یہ دن برحق ہے اور کفار کو اس عذاب سے ڈرایا گیا جس کی شدت کو دیکھ کر وہ کہیں گے: کاش! ان کو مٹی بنا دیا جاتا۔

سورۃ النبا کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۲۷ جولائی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورة النبا مكية | بسم الله الرحمن الرحيم | اٰياتها ٤٠ ركوعاتها ٢

سورۃ النبا مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ (١) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ (٢) الَّذِيْ هُمْ

یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ○ عظیم خبر کے متعلق ○ جس میں یہ اختلاف

فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ (٣) كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۙ (٤) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (٥) اَلَمْ

کر رہے ہیں ○ ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ کیا ہم نے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ (٦) وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ (٧) وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ (٨)

زمین کو فرش نہیں بنایا؟ ○ اور پہاڑوں کو میخیں ○ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ○

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ (٩) وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ (١٠) وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا ○ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ○ اور ہم نے دن کو روزی کمانے

مَعَاشًا ۠ (١١) وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ (١٢) وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا

کا وقت بنایا ○ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے ○ اور ہم نے سورج کو چمکتا

وَّهَّاجًا ۠ (١٣) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ (١٤) لِّنُخْرِجَ

ہوا چراغ بنایا ○ اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور دار بارش نازل کی ○ تاکہ ہم اس کے سبب

بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (١٥) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ؕ (١٦) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ

سے غلہ اور سبزہ اگائیں ○ اور گھنے باغات ○ بے شک فیصلہ کا دن

مِيْقَاتًا ۙ (١٧) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ (١٨) وَّ

مقرر شدہ وقت ہے ○ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے ○ اور

فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ (١٩) وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ

آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ

سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾

سراب بن جائیں گے ○ بے شک دوزخ گھات میں ہے ○ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ○

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا

جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے ○ اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی

شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ

مشروب ○ سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے ○ یہ ان کے موافق بدلہ ہے ○ بے شک

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾

وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے ○ اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی ○

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ

اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے ○ اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے

اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ (ع ۱)

ہی رہیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ○ عظیم خبر کے متعلق ○ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ○ ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ (النبا: ۵۔۱)

”عمّ یتساء لون“ کی لفظی تحقیق

النبا: ا میں پہلا لفظ ہے: ”عمّ“ یہ لفظ اصل میں ”عن ما“ تھا ”ن“ اور ”م“ قریب المخرج ہیں اس لیے ”ن“ کا ”م“ میں ادغام کر دیا گیا تو یہ ”عما“ ہو گیا پھر کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف کی گئی اور اس کے آخر میں الف کو حذف کر دیا گیا تو یہ ”عمّ“ ہو گیا جیسے ”لم‘ بم“ اور ”فیم“ میں تخفیف کی وجہ سے ان الفاظ کے اخیر میں الف کو حذف کیا گیا ہے‘ کیونکہ یہ الفاظ بھی اصل میں ”لما‘ بما“ اور ”فیما“ تھے۔

کلامِ عرب میں لفظ ”مـا“ کسی مجہول چیز کی ماہیت اور حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے‘ جیسے کہا جاتا ہے: ”مـا الروح“ روح کی حقیقت کیا ہے؟ اور ”مـا الجن“ جن کی حقیقت کیا ہے؟ پھر جس عظیم چیز کی ماہیت اور حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے کفار ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے‘ اس کی حقیقت اور اس کی صفات کا ادراک کرنے سے ان کی عقل عاجز تھی‘ اس لیے اس عظیم چیز کی ذات اور صفات ان کے نزدیک مجہول تھیں‘ اس لیے انہوں نے لفظ ”مـا“ سے سوال کیا کہ وہ کیا چیز ہے؟ اور اس کی کیا صفات ہیں؟ اور اس پر لفظ ”ما“ کا دخول اس چیز کے مرتبہ کے بلند ہونے اور اس چیز کے عظیم ہونے

کی دلیل ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۞ (المطففین: ۸) آپ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟O

''سجن'' کا معنی قید خانہ ہے'' سجین'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ قید خانہ کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصہ میں ایک جگہ ہے جہاں کافروں مشرکوں اور ظالموں کی روحوں کو رکھا جاتا ہے اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کافروں مشرکوں اور ظالموں کے صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''سجین'' بہت عظیم چیز ہے جس کا کافروں کی روحوں اور ان کے صحائف اعمال کے مستقر سے تعلق ہے۔

''ما'' کا مدخول کوئی عظیم مجہول چیز ہوتی ہے جس کی حقیقت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اس کی دوسری مثال یہ ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞ (البلد: ۱۲) اور آپ کیا سمجھے کہ العقبة کیا ہے O

''العقبة'' گھاٹی کو کہتے ہیں یعنی جو پہاڑ میں چڑھائی کا راستہ ہو یہ راستہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے یعنی جب انسان کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہو تو اس کو شیطان اس نیکی سے روکنے کے لیے بہت وسوسے ڈالتا ہے اور اس کا نفس بھی اس محنت اور مشقت سے جان چھڑانے کے لیے اس کو متعدد طریقوں سے روکتا ہے اسی طرح جب انسان کا نفس اس کو کسی بُرے کام کی طرف مائل کرتا ہے اور اس بُرائی پر اُبھارتا ہے تو انسان کو نیکی کرنے کے لیے یا بُرائی سے بچنے کے لیے شیطان سے اور اپنے نفس سے سخت جنگ کرنا پڑتی ہے اور جس طرح پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنا سخت دشوار ہوتا ہے اس طرح ایسے مواقع پر نیک عمل کرنا اور بُرے کام کو ترک کرنا بھی بہت دشوار ہوتا ہے سو یہ وہ عظیم گھاٹی ہے جس کو سمجھنا اور جاننا مطلوب ہے۔

سوال کرنے والوں کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟O

یہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یہ سوال کرنے والے کفار تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے لیے فرمایا:

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۞ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ O هرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گےO پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب یہ جان لیں گےO (النبا: ۵۔۴)

اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے اس سے معلوم ہوا یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔

(۲) کفار اور مؤمنین دونوں سوال کرتے تھے رہے مؤمنین تو وہ اس لیے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہو جائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔

(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں وہ کب آئے گی۔

النبا: ۲ میں فرمایا: عظیم خبر کے متعلق O

پہلی تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد قرآن مجید کی خبر ہے

جس عظیم خبر کے متعلق کفار سوال کرتے تھے وہ کس چیز کی خبر تھی؟ آیا قرآن کی یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی یا

قیامت کی'ان تینوں احتمالات کی طرف مفسرین گئے ہیں' پہلا قول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی خبر ہے۔
(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مجاہد نے کہا: ''النبأ العظیم'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۸۹۰)
اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ (النبا: ۳)
اور قرآن مجید کے متعلق کفارِ مکہ اختلاف کر رہے تھے' بعض کہتے تھے کہ قرآن مجید جادو ہے' اور بعض کہتے تھے کہ وہ شعر ہے اور بعض کہتے تھے کہ وہ ''اساطیر الاولین'' ہے یعنی پچھلی قوموں کے افسانے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کے انکار پر وہ متفق تھے' نیز النبا: ۲ میں فرمایا: وہ عظیم خبر کے متعلق سوال کرتے تھے' اور خبر کا مصداق صرف قرآن مجید ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خبر نہیں ہے بلکہ آپ کی نبوت کی خبر دی گئی ہے' اسی طرح قیامت بھی خبر نہیں ہے بلکہ قیامت کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔

دوسری تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد آپ کی بعثت کی خبر ہے

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ہے۔
علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
زجاج نے کہا ہے: اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور آپ کا دعویٔ نبوت مراد ہے۔
(زاد المسیر ج ۹ ص ۴' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے: یہ کیا نیا پیغام لائے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ کس چیز کے متعلق سوال کر رہے ہیں؟ کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے پر وہ بہت تعجب کر رہے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ (قٓ: ۲)
بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ تو بہت عجیب بات ہے ۝

نیز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید کا پیغام سنایا تو ان کو اس پر بھی بہت تعجب ہوا' قرآن مجید نے ان کا قول نقل فرمایا ہے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (صٓ: ۵)
کیا اس نے اتنے بہت معبودوں کو ایک مستحق عبادت بنا دیا ہے؟ بے شک یہ بہت تعجب کی بات ہے ۝

پس مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق تعجب کا اظہار کرتے تھے اور اس کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے' اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ۝ عظیم خبر کے متعلق ۝ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ۝
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کا اختلاف یہ تھا کہ بعض آپ کو شاعر کہتے تھے' بعض مجنون کہتے تھے اور بعض ساحر کہتے تھے۔

تیسری تفسیر عظیم خبر سے مراد حیات بعد الموت کی خبر ہے

(۳) اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ وہ قیامت اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
قتادہ نے ''النبأ العظیم'' کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۸۹۱)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس خبر سے مراد قیامت کا دن ہے' کفار نے کہا: اس دن کے متعلق تم یہ زعم کرتے ہو کہ ہم اور ہمارے آباء کو اس دن میں زندہ کیا جائے گا اور ان کا اس میں اختلاف تھا اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے بتایا: بلکہ وہ عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو' وہ قیامت کا دن ہے جس پر تم ایمان نہیں لاتے۔

قتادہ نے کہا: موت کے بعد زندہ کیے جانے میں ان کے دو فرقے تھے: بعض تصدیق کرتے تھے اور بعض تکذیب کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معاد جسمانی کے متعلق کفار اور مشرکین کی آراء

معاد کے متعلق کفار اور مشرکین کی حسب ذیل آراء تھیں:
بعض مشرکین معاد جسمانی میں شک کرتے تھے' وہ کہتے تھے:

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ (حٰم السجدہ: ۵۰)
میرا یہ گمان نہیں ہے کہ قیامت قائم ہوگی' اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس اچھا انعام ہوگا۔

اور بعض ان میں سے وہ تھے جو دہریوں کے عقائد کے حامل تھے' وہ کہتے تھے:

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ۙ (المؤمنون: ۳۷)
ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا ۝

اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منکر تھے اور مردہ انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھتے تھے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (یٰس: ۷۸)
اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی' اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ ۝

اور بعض مرنے کے بعد زندہ ہونے کو مانتے تھے مگر وہ یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کی بدعقیدگیوں اور بداعمالیوں سے حشر کے دن کوئی ضرر نہیں ہوگا' وہ کہتے: ہمارے یہ بت ہم کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ (یونس: ۱۸)
اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) قیامت کے دن اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی سوال کیا: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ۝ پھر خود ہی جواب دیا: عظیم خبر کے متعلق ۝ اس کی توجیہ یہ ہے کہ کسی چیز کو سوال اور جواب کے طریقہ پر بیان کرنا اس چیز کو فہم اور وضاحت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝
آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی ۝

(المؤمن:۱۶)

النبا: ۵۔۴ میں فرمایا: ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O

''کلا'' کا لفظی اور مرادی معنیٰ

ان دونوں آیتوں کے شروع میں ''کلا'' ہے''کلا'' کے لفظ کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ جو چیز پہلے مذکور ہے اس کا رد کیا جائے' یعنی واقع اس طرح نہیں ہے' جس طرح یہ کفار اور مشرکین کہتے ہیں کہ یہ خبر عظیم باطل ہے' وہ حیات بعد الموت کو باطل کہتے ہیں' ہرگز نہیں! حیات بعد الموت باطل نہیں ہے' ان کو جب عنقریب ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو عین الیقین کے ساتھ جان لیں گے' پھر ہرگز نہیں! ان کو جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو حق الیقین کے ساتھ جان لیں گے۔

عین الیقین کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا مشاہدہ سے علم ہونا' اور حق الیقین کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا تجربہ سے یقین ہونا' جب مشرکین قبروں سے نکلیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ لوگ قبروں سے زندہ ہو کر نکل رہے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر علم الیقین ہو گا' پھر جب وہ اس پر توجہ کریں گے کہ وہ خود بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر حق الیقین ہو جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کلا'' کا لفظ ''حقا'' کے معنیٰ میں ہے یعنی یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے O پھر یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے O اور یہ جو فرمایا ہے: یہ عنقریب جان لیں گے' اس میں ان کے لیے وعید اور عذاب کی دھمکی ہے کہ یہ جس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں اور جس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں' وہ برحق ہے' اس کو کوئی ٹالنے والا یا مسترد کرنے والا نہیں ہے اور لاریب وہ چیز ضرور واقع ہو گی اور دوبارہ جو اس جملہ کا ذکر کیا ہے' اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسری دھمکی پہلی دھمکی سے زیادہ شدید ہے۔

''کلا سیعلمون'' کو دوبار ذکر کرنے کے فوائد

اس جملہ کو جو دوبار ذکر فرمایا ہے' اس کی مفسرین نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) پہلی آیت کا تعلق کفار سے ہے اور دوسری آیت کا تعلق مؤمنین سے ہے' یعنی عنقریب کفار کو اس عظیم خبر کی تکذیب کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا' اور عنقریب مؤمنین کو اس عظیم خبر کی تصدیق کا انجام اور اس کی جزاء کا علم ہو جائے گا۔

(۲) پہلے جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب کفار میدانِ حشر کا مشاہدہ کر لیں گے اور دوسرے جملہ کا معنیٰ ہے: عنقریب کفار اس تکذیب کے عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے۔

(۳) پہلے جملہ کا معنیٰ ہے: عنقریب کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے اور دوسرے جملہ کا معنیٰ ہے: عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہ گمان اور وہم صحیح نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

(۴) پہلے جملہ میں جو وعید ہے' اس کا تعلق دنیا کی وعید سے ہے جیسے کفارِ مکہ کو جنگ بدر میں شکست اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے اور دوسرے جملہ میں جو وعید ہے اس کا تعلق آخرت کی سزا سے ہے۔

(۵) پہلے جملہ میں جو وعید ہے' اس کا تعلق کافروں کی موت' نزع کی سختی اور سکرات الموت سے ہے اور دوسرے جملہ میں وعید کا

تعلق دوزخ کی سزا سے ہے۔
(۶) پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے اور دوسرے جملہ میں احکامِ شرعیہ فرعیہ پر عمل نہ کرنے کی بناء پر وعید ہے۔
(۷) پہلے جملہ میں جسمانی عذاب کی وعید ہے جو عذاب ان کو دوزخ میں دیا جائے گا اور دوسرے جملہ میں روحانی عذاب کی وعید ہے جو مؤمنوں پر انعام واکرام اور ان کی تعظیم وتکریم کو دیکھ کر انہیں ہوگا اور دنیا میں جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے آخرت میں ان کی توقیر دیکھ کر ان کے دل جلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟O اور پہاڑوں کو میخیں O اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا O اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا O اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا O اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا O اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے O اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا O اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی O تاکہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ اگائیں O اور گھنے باغات O بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے O (النبا: ۱۷۔۶)

حیات بعد الموت پر اجمالی شواہد اور دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا تھا کہ کفار حیات بعد الموت کا اور حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں' ان کے انکار کی بنیاد یہ تھی کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائے گا' اور ایک مردہ کی مٹی دوسرے مردے کی مٹی میں مل جائے گی اور تیز ہواؤں اور آندھیوں سے ان کے ذرات دور دراز علاقوں میں پہنچ جائیں گے تو کیسے معلوم ہوگا کہ کون سا ذرہ کس انسان کا ہے اور کون سا ذرہ دوسرے انسان کا ہے؟' ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس کا علم ناقص ہو وہ ان مختلط ذرات کو باہم ممتاز نہیں کر سکتا اور جس کی قدرت ناقص ہو وہ ان بکھرے ہوئے ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنا کر کھڑا نہیں کر سکتا' اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے کمال پر النبا: ۱۶۔۶ تک شواہد پیش کیے کہ اس نے زمین کو فرش بنایا' اس میں پہاڑوں کی میخیں لگائیں' انسانوں کو پیدا کیا' دن اور رات کا نظام بنایا' سات مضبوط آسمان بنائے' سورج اور بادلوں کو پیدا کیا' زمین سے غلہ اور سبزہ اور گھنے باغات اگائے' کیا جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اور آخرت میں تمہارا محاسبہ نہیں کر سکتا اور نیکوکاروں کو ثواب اور گناہ گاروں کو عذاب نہیں دے سکتا؟

النبا: ۷ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو میخیں O

صوفیاء کی اصطلاح میں ''اوتاد'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''اوتاد'' کا لفظ ہے' یہ ''وتد'' کی جمع ہے' ''وتد'' کا معنیٰ ہے: میخ اور کیل' اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش بنا کر اس میں پہاڑوں کی میخیں لگا دیں تاکہ زمین اپنی جگہ قائم رہے' اس آیت میں پہاڑوں کو میخوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح میخ کو جب کسی چیز میں گاڑ دیا جائے تو وہ اس چیز کو قائم رکھتی ہے' اسی طرح جب پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا گیا تو پہاڑ زمین کو اپنے محور پر قائم رکھتے ہیں اور زمین کو محور سے متجاوز نہیں ہونے دیتے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''اوتاد'' حقیقت میں اکابر اولیاء اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص اہل صفا ہیں' وہ ان پہاڑوں کی طرح ہیں جن کو زمین میں نصب کیا ہوا ہے' ابوسعید خراز سے یہ سوال کیا گیا کہ اوتاد اور ابدال میں کون افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: اوتاد افضل ہیں' سائل نے سوال کیا: کیسے؟ ابوسعید خراز نے کہا: کیونکہ ابدال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹتے رہتے ہیں اور

ایک مقام سے دوسرے مقام میں ان کا بدل چھوڑ دیا جاتا ہے اور اوتاد انتہائی بڑے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں وہ اپنے مقام سے نہیں ہٹتے اور اپنے مقام پر اس طرح قائم رہتے ہیں جیسے کسی جگہ میخ کو گاڑ دیا گیا ہو اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے مخلوق کا نظام اور قوام قائم رہتا ہے' ابن عطاء نے کہا: اوتاد ہی اہل استقامت اور اہل صدق ہیں' ان کے احوال متغیر نہیں ہوتے اور وہ مقام تمکین پر فائز ہیں۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

النبا: ۸ میں فرمایا: اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیاO

''زوج'' کے معنیٰ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس آیت میں ''زوج'' کا لفظ ہے' علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ ''زوج'' کے معنیٰ میں لکھتے ہیں:

''زوج'': شوہر' بیوی' طاق (فرد کے خلاف) یعنی جفت کو کہا جاتا ہے' دو چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ''زوج'' ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۹۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس آیت میں ''زوج'' سے یہی آخری معنیٰ مراد ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں پیدا کیا ہے کہ تمہاری دو صنفیں ہیں اور تم دونوں کی وجہ سے نسل انسانی کا فروغ ہو رہا ہے اور زوج کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی دو مثلیں ہوں' عام ازیں کہ وہ جان دار چیزیں ہوں یا بے جان چیزیں ہوں' جیسے میاں بیوی' جرابیں' موزے اور جوتے وغیرہ' اسی طرح دو متقابل چیزوں پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسے فقر اور غنا' صحت اور مرض' علم اور جہل اور قوت اور ضعف وغیرہ' اسی طرح قبیح اور حسین' طویل القامت اور قصیر القامت وغیرہ اضداد پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور انتہائی حکمت پر واضح دلیل ہے کہ اس نے غنی اور فقیر' صحت مند اور بیمار اور توانا اور کمزور متضاد صفات کے حامل انسان پیدا کیے تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو سکے اور یہ دیکھا جائے کہ غنی اور صحت مند' صحت اور خوش حالی پر شکر کرتا ہے یا نہیں اور فقیر اور بیمار اپنے فقر اور مرض پر صبر کرتا ہے یا نہیں' کیونکہ انسان بیماری کی حالت میں صحت کی قدر کرتا ہے اور فقر کی حالت میں خوش حالی کی قدر کرتا ہے۔

النبا: ۹ میں فرمایا: اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایاO

''نوم'' اور ''سبات'' کے معانی اور نیند کو ''سبات'' فرمانے کی وجوہ

اس آیت میں دو لفظ ہیں: ''نوم'' اور ''سبات''' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ''نوم'' کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نوم'' کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں:

(۱) رطب (تر) بخارات کے دماغ کی طرف چڑھنے کی وجہ سے دماغ کے پٹھوں کا ڈھیلا پڑ جانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نفس کو بغیر موت کے وفات دے دے' قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض فرماتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو نیند کے وقت قبض فرماتا ہے۔

(۳) نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۶۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''سبت'' کے اصل معنیٰ ہیں: ''القطع'' یعنی کسی کام کو منقطع کرنا' ہفتہ کے دن کو ''یوم السبت'' کہا جاتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اتوار کے دن سے شروع کی اور چھ دنوں میں اس تخلیق کو مکمل کر لیا' پھر ہفتہ کے دن اس

نے اپنے عمل کو منقطع کر دیا تو اس لیے اس کا نام ''یوم السبت'' ہوا یعنی کام منقطع کرنے کا دن قرآن مجید میں ہے:

إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ (الاعراف:۱۶۳)

جب وہ (بنو اسرائیل) ہفتہ کے دن تجاوز کرتے تھے جب ان کے کام کے انقطاع کے دن مچھلیاں ظاہراً سامنے آتی تھیں اور جس دن وہ کام منقطع کرتے تھے (ہفتہ کے دن) اس دن وہ ان کے سامنے نہیں آتی تھیں۔

اور فرمایا:

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ (النبا:۹)

اور ہم نے تمہاری نیند کو کام کاج کے انقطاع کا ذریعہ بنا دیا یعنی راحت ○

(المفردات ج۱ ص۲۹۲۔۲۹۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو ''سبات'' فرمایا یعنی قطع کا ذریعہ اور سبب سو اس کی علماء نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: نیند انسان کے اعمال اور اس کی حرکات کے منقطع ہونے کا سبب ہے اس لیے اس کو ''سبات'' فرمایا۔

(۲) قرآن مجید میں نیند کو موت فرمایا ہے (الزمر:۴۲) اس لیے بیداری کو حیات اور معاش یعنی روزی کمانے کا ذریعہ فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۖ (النبا:۱۱) اور ہم نے دن کو کام کاج اور حصول رزق کا ذریعہ بنا دیا ○

(۳) لیث نے کہا: ''السبات'' ایسی نیند ہے جو بے ہوشی کے مشابہ ہے اگر چہ ہر نیند ایسی نہیں ہوتی لیکن وجہ تسمیہ کے لیے جامع ہونا ضروری نہیں ہے جیسے پاجامہ کو پاجامہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پیروں کا لباس ہے حالانکہ پیروں کا ہر لباس پاجامہ نہیں ہوتا شلوار تہ بند اور پتلون بھی پیروں کا لباس ہے اس لیے اس سے امام رازی کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ اگر چہ ''سبات'' بے ہوشی کو کہتے ہیں لیکن اس وجہ سے نیند کو ''سبات'' کہنا درست نہیں کیونکہ ہر نیند اتنی گہری نہیں ہوتی کہ وہ بے ہوشی کے مشابہ ہو۔

(۴) ''سبات'' کا معنیٰ قطع ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے اور انسان کو نیند بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور قسط وار آتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ انسان مسلسل کئی کئی دن سوتا رہے وہ چند گھنٹے سو جاتا ہے پھر جاگ کر کام کاج کرتا ہے پھر سو جاتا ہے تو اس کو نیند قطعات کی صورت میں آتی ہے۔

(۵) انسان جب کام کرنے سے تھک جاتا ہے تو کام منقطع کر کے سو جاتا ہے اور یہ نیند اس کی تھکاوٹ کو زائل کر دیتی ہے پس اس تھکاوٹ کے ازالہ کو ''سبات'' اور قطع فرمایا یعنی تھکاوٹ کو قطع کرنا۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیند کو راحت بنا دیا۔

(۶) مبرد نے کہا: جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور انسان اس نیند کو دور کرنے اور منقطع کرنے کی کوشش کرے تو عرب اس کو بھی ''سبات'' کہتے ہیں اس صورت میں اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو خفیف اور ہلکی بنایا ہے تاکہ تمہارے لیے اس نیند کو منقطع کرنا آسان ہو گویا کہ یوں کہا گیا کہ ہم نے تمہاری نیند کو لطیف نیند بنایا ہے اور اس کو ایسی گہری اور ثقیل نہیں بنایا کیونکہ وہ بیماری ہے صحت نہیں ہے۔

النبا:۱۰ میں فرمایا: اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ○

لباس کا معنیٰ اور رات کو لباس فرمانے اور اس کے نعمت ہونے کی وجوہ

اس آیت میں "لباس" کا لفظ ہے علامہ محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ ھ لکھتے ہیں:

"لباس" کا ایک معنیٰ ہے: اشتباہ یعنی کسی شخص پر کوئی معاملہ خلط ملط کر دینا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْجَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ○ (الانعام:۹) اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ہم اس کو انسان ہی بناتے اور ہم ان پر اسی چیز کا التباس اور اشتباہ ڈال دیتے جس کا التباس اور اشتباہ انہیں اب ہو رہا ہے○

اور لباس اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پہنا جائے' مرد عورت کا لباس ہے اور عورت مرد کا لباس ہے' قرآن مجید میں ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ (البقرہ:۱۸۷) وہ (بیویاں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۶) اور تقویٰ کا لباس یہی زیادہ بہتر ہے۔

تقویٰ کے لباس سے مراد حیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے یا عذاب کے ڈر سے فحش کاموں اور دیگر برائیوں کو ترک کر دینا)۔ (مختار الصحاح ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیزوں کو ڈھانپ لے اس کو لباس کہتے ہیں' شوہر بیوی کا لباس ہے کیونکہ بیوی کی ضروریات اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ بیوی کو فحش اور غلط کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے' اسی طرح بیوی شوہر کا لباس ہے کیونکہ اس کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنے کی وجہ سے وہ شوہر کو غلط راہوں پر جانے سے روکتی ہے۔

قفال نے کہا: اصل میں لباس ڈھانپنے والی چیز کو کہتے ہیں اور چونکہ رات اپنی ظلمت اور اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے' اس لیے رات کو لباس فرمایا ہے' اور رات انسان کے حق میں اس لیے نعمت ہے کہ جب انسان اپنے دشمن سے چھپنا چاہے تو رات اس کے لیے ساتر ہو جاتی ہے اور جس طرح لباس کی وجہ سے انسان کا جمال زیادہ اور کامل ہوتا ہے اور لباس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی کے ضرر کو دور کرتا ہے' اسی طرح رات کو نیند کی وجہ سے انسان کا حسن و جمال زیادہ ہو جاتا ہے' اس کی تھکاوٹ کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے سے اضمحلال دور ہو جاتا ہے اور وہ تروتازہ اور شاداب ہو جاتا ہے اور اس کے دماغ سے تفکرات کا ہجوم نکل جاتا ہے اور وہ پُرسکون ہو جاتا ہے۔

النبا: ۱۱ میں فرمایا: اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا○

"معاش" کا معنیٰ اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ

اس آیت میں "معاش" کا لفظ ہے' "معاش" "عیش" سے بنا ہے' "عیش" کا معنیٰ ہے: وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ مطلقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے' اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۵۸)

معیشت کا معنیٰ ہے: حیات کے ذرائع اور وسائل یعنی زندگی گزارنے کے اسباب۔

دن کو معاش فرمایا یعنی یہ زندگی گزارنے کا وقت ہے' اس وقت میں تم کو نیند سے بیدار کیا جاتا ہے اور نیند موت کی بہن ہے گویا اس وقت میں تم کو از سرِ نو زندہ کیا جاتا ہے' اس وجہ سے دن کا معاش ہونا بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

علامہ علاء الدولہ محمد بن احمد سمنانی متوفی ۶۵۹ ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا ہم نے بشریت کی زمین کو تمہاری استراحت کا پالنا نہیں بنایا' اور بشریت کے منافع کی انواع کے پھیلنے کا ذریعہ نہیں

بنایا اور تمہارے نفوس کی شقاوت اور دلوں کی سختیوں کے پہاڑوں کو بشریت کی سرزمین کے قیام کے ستون اور پائے نہیں بنایا اور تم کو جوڑے جوڑے بنایا' روح کا جوڑا اور نفس کا جوڑا یا دل کو مذکر اور نفس کو مؤنث بنایا اور تمہاری نیند کی غفلت کو راحت بنایا' تاکہ تم لذتوں اور شہوتوں کو پوری پوری حاصل کر کے استراحت کر سکو اور تمہاری طبیعتوں کی رات کو تمہارے دن کی روحانیت کے لیے پردہ بنایا اور تمہارے دن کی روحانیت کو معاش بنایا' جس میں تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر سکو۔

(مخطوطہ تکملۃ التاویلات النجمیہ بہ حوالہ روح البیان ج ۱۰ص ۲۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

التاویلات النجمیہ کا تعارف

شیخ نجم الدین ابوبکر بن عبد اللہ رازی متوفی ۶۵۴ھ دایہ کے لقب سے معروف تھے' انہوں نے صوفیانہ اصطلاحات پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی' لیکن سورۃ الذاریات تک مکمل کر سکے' بعد ازاں الطّور سے آخر قرآن تک شیخ علاء الدولہ سمنانی نے اس کا تلملہ لکھا' یہ تفسیر پانچ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے' ہنوز طبع نہیں ہوئی' اس کا قلمی نسخہ دارالکتب' قاہرہ میں موجود ہے۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان میں کہیں کہیں اس کا اقتباس نقل کرتے رہتے ہیں۔

النبا:۱۲ میں فرمایا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے O

لفظ ''بنینا'' لانے کی حکمت

''شداد'' کا لفظ ''شدیدۃ'' کی جمع ہے یعنی جس کی تخلیق مضبوط اور محکم ہو اور وقت کے گزرنے سے اس میں کوئی تغیر نہ ہو سکے اور اس میں نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو سکے اور نہ اس میں کوئی شگاف پڑ سکے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ (الانبیاء:۳۲) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔

اس آیت میں ''بنینا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ہم نے بنیاد رکھی اور بنیاد مکان کے نیچے ہوتی ہے اور چھت اوپر ہوتی ہے تو چھت بنانے کے لیے لفظ ''بنینا'' کو لانے کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنیاد ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوتی ہے' جب کہ چھت میں ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ ہوتا ہے' تو ''بنینا'' کا لفظ لا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ چھت بھی بنیاد کی طرح مضبوط ہے اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرہ سے محفوظ ہے۔

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں' اسی طرح قلب کے بھی سات طبقات ہیں: (۱) طبقۃ الصدور اور یہ جوہر اسلام کا معدن ہے (۲) طبقۃ القلب اور یہ جوہر ایمان کا محل ہے (۳) الشغاف' یہ عشق' محبت اور شفقت کا معدن ہے (۴) الفواد' یہ مکاشفہ اور مشاہدہ کا معدن ہے (۵) حبۃ القلب' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ مخصوص ہے' اس طبقہ میں دونوں جہان میں سے کسی کی محبت نہیں ہوتی (۶) السویدا' یہ علم لدنی کا معدن ہے اور بیت الحکمۃ ہے (۷) بیت المعزۃ' یہ اکملین کا قلب ہے' اس بیت میں اسرار الٰہیہ ہیں' یہ باطن سے ظاہر کی طرف بالکل نہیں نکلتے اور نہ کبھی ان کا کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ص ۳۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

النبا:۱۳ میں فرمایا: اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا O

''وھاج'' اور ''ثجاج'' کے معانی

اس آیت میں ''وھاج'' کا لفظ ہے' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ ''وھج'' سے بنا ہے' ''وھج'' کا معنیٰ ہے: روشن ہونا' چمکنا اور بھڑکنا' سو اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ روشن۔

بعض علماء نے کہا: ''الوھج'' کا معنیٰ ہے: ''مجمع النور والحرارۃ'' گویا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ سورج انتہائی

درجہ کا روشن اور انتہائی درجہ کا گرم ہے' کلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''الوھاج'' صرف نور کا مبالغہ ہے' اور الخلیل کی کتاب میں لکھا ہے کہ ''الوھج'' آگ اور سورج کی گرمی ہے۔

اس کا تقاضا ہے کہ ''الوھاج'' حرارت کا مبالغہ ہو یعنی انتہائی گرم اور روشن۔

النبا:۱۴ میں فرمایا: اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی O

اس آیت میں ''المعصرات'' کا لفظ ہے' اس کا واحد ''المعصرۃ'' ہے' اس کا لغوی معنیٰ ہے: نچوڑنے والی' یعنی بادلوں کو نچوڑنے والی ہوائیں۔

''المعصرات'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں' اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔

مجاہد' مقاتل' کلبی اور قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ''المعصرات'' سے مراد وہ تند و تیز ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا. اللہ ہوائیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں۔

(الروم:۴۸)

ابوالعالیہ' الربیع اور الضحاک نے کہا: ''المعصرات'' سے مراد بادل ہیں اور انہوں نے بادلوں کو ''المعصرات'' کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) المؤرج نے کہا: لغت قریش میں ''المعصرات'' کا معنیٰ بادل ہے۔

(۲) المازنی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ ''المعصرات'' ہی بادل ہوں' جو نچڑتے ہیں کیونکہ جب نچوڑنے والی چیزیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو ان سے پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے۔

(۳) ''المعصرات'' سے مراد وہ بادل ہیں جو نچڑنے کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ جب ہوائیں ان بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو وہ برسنے لگتے ہیں' جس طرح جب فصل کٹنے کے قریب ہو تو کہا جاتا ہے فصل کٹ گئی' اس طرح جب لڑکی کے حیض آنے کا وقت قریب ہو تو کہا جاتا ہے: لڑکی نچڑ گئی۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے: ''ماءً ثجاجاً''۔ ''ثجاج'' کا معنیٰ ہے: زور و شور کے ساتھ برسنے والا' اس کا معنیٰ ہے: پانی برسنا اور بہنا' ''ثج'' کا مصدر لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی ہوتا ہے' گویا اس کا معنیٰ بہنا بھی ہے اور بہانا بھی ہے' حدیث میں بھی ''الثج'' کا لفظ ہے:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل الحج العج والثج'' یعنی سب سے افضل حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے تلبیہ کہا جائے اور قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۲۷' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۷۹۷)

النبا:۱۵۔۱۴ میں فرمایا: تا کہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ اگائیں O اور گھنے باغات O

غلہ اور سبزہ اگانے کی ظاہری اور صوفیانہ تفسیر

جب یہ پانی زمین تک پہنچ جائے گا اور مٹی اور بیج سے مختلط ہو جائے گا تو ہم اس سے غلہ اور سبزہ اگائیں گے' غلہ سے مراد وہ زرعی پیداوار ہے' جو انسان کی خوراک بنتی ہے جیسے گندم' جو' چاول اور مختلف دالیں' اور سبزہ سے مراد وہ مختلف اقسام کا چارہ ہے

جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں دونوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ (طٰہٰ: ٥٤) — تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔

نیز النبا: ١٦ میں فرمایا: اور گھنے باغات O

تا کہ انسان باغات کے پھلوں سے نئے نئے ذائقوں کی لذت حاصل کرے' جنت کا اصل معنیٰ ستر اور چھپانا ہے' ڈھال کو ''جُنة'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے وار کے لیے ستر ہوتی ہے' گھنے باغات سے مراد کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغات ہیں اور ''الفافا'' کے معنیٰ ہیں: ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے یعنی گھنے۔ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت گھنی اور سایا دار شاخیں ہوتی ہیں' درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ گھنا ہوتا ہے اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

علامہ علاء الدولہ سمنانی متوفی ٦٥٩ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے ارواح کے آسمان سے الطاف کی ہواؤں سے علومِ ذاتیہ اور حکمت ہائے ربانیہ کو قطرہ' قطرہ تمہارے دلوں کی سرزمین پر ٹپکایا ہے تا کہ ہم اس سے محبتِ ذاتیہ کا غلہ اور شوق اور اشتیاق کا غلہ اگائیں اور محبتِ الٰہی کے گھنے باغات پیدا کریں۔ (التاویلات النجمیہ ج ٥ مخطوطہ)

النبا: ١٧ میں فرمایا: بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے O

حیات بعد الموت پر دلائل اور شواہد کا خلاصہ

اس سورت کے شروع میں عظیم خبر کا ذکر فرمایا تھا اور اس سے مراد حیات بعد الموت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے النبا: ٦ سے النبا: ١٦ تک حیات بعد الموت پر دس آیتوں میں دس دلائل پیش فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں بنایا اور لوگوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا' نیند کو راحت' رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش بنایا الخ۔

اور ان دس چیزوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو اس ساری کائنات کا علم ہے اور وہ ان کی تخلیق پر قادر ہے' پس وہ عالم اور قادر ہے اور واجب ہے کیونکہ ممکن تو خود اپنی تخلیق میں محتاج ہے اور جب وہ واجب ہے تو ضروری ہے کہ وہ واحد ہو' کیونکہ تعدد وجباء محال ہے اور جب وہ اس تمام کائنات کو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ اس کائنات کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے: بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے O اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے' اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ایک دن مقرر فرما دیا ہے جس میں قیامت قائم ہوگی' اس دن تمام لوگ ختم ہو جائیں گے اور ان کے اعمال بھی منقطع ہو جائیں گے' پھر ایک اور دن مقرر فرما دیا ہے جس میں صور پھونکا جائے گا تو تمام مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے' پھر سب لوگوں کو جمع کر کے ان کا حساب لیا جائے گا' نیکوں کو ثواب دیا جائے گا اور بدکاروں کو عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے O اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے O اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے O بے شک دوزخ گھات میں ہے O سرکشوں کا ٹھکانا ہے O جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے O اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب O سوا کھولتے

ہوئے پانی اور پیپ کے O یہ ان کے موافق بدلہ ہے O بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی O اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے O اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے O (النبا: ۳۰۔۱۸)

33

حشر کے دن لوگوں کے فوج درفوج آنے کے متعلق ایک روایت کی تحقیق

صور سے مراد سینگھ کی شکل کی ایک چیز ہے جس کو بگل کہتے ہیں' اس میں پھونک مارنے سے بہت ہیبت ناک آواز نکلے گی' صور کی پوری تفصیل (الزمر: ۶۸) میں بیان کی جا چکی ہے۔

جس جگہ میدانِ حشر قائم کیا جائے گا' تمام مُردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر وہاں فوج درفوج پہنچیں گے' عطاء نے کہا: ہر نبی اپنی امت کے ساتھ آئے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ (بنی اسرائیل: ۷۱) جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بغیر سند کے ایک حدیث ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم نے بہت بڑی چیز کے متعلق سوال کیا ہے' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' پھر فرمایا: میری امت سے دس قسم کے لوگوں کا حشر کیا جائے گا' بعض بندروں کی صورتوں میں ہوں گے' بعض خنزیروں کی صورتوں میں ہوں گے' بعض منہ کے بل اوندھے گھسٹ کر آرہے ہوں گے' بعض اندھے ہوں گے' بعض بہرے اور گونگے ہوں گے' بعض لوگوں کی زبانیں ان کے سینوں تک لٹکی ہوئی ہوں گی' ان کے مونہوں سے قے بہ رہی ہوگی' جس سے تمام اہل محشر کو گھن آ رہی ہوگی' بعض لوگوں کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے' بعض لوگ آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی پر چڑھے ہوئے ہوں گے' بعض لوگوں سے مردار سے زیادہ بُری بدبو آ رہی ہوگی' بعض لوگ تیل کے جبّے پہنے ہوئے ہوں گے جو ان کے بدن سے چپکے ہوئے ہوں گے۔

رہے وہ لوگ جو بندروں کی صورتوں پر ہوں گے وہ چغل خور ہوں گے' اور جو لوگ خنزیروں کی صورتوں پر ہوں گے وہ حرام کھانے والے ہوں گے' اور جو لوگ منہ کے بل چل رہے ہوں گے وہ سود کھانے والے ہوں گے' اور جو لوگ اندھے ہوں گے وہ ظالمانہ فیصلے کرنے والے ہوں گے' اور جو بہرے اور گونگے ہوں گے وہ اپنے اعمال پر اترانے والے ہوں گے' اور جن کی زبانیں لٹکی ہوئی ہوں گی یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو اپنے قول کے خلاف عمل کریں گے' اور جن لوگوں کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو ستاتے ہیں اور جن کو آگ کے درختوں پر سولی دی ہوئی ہوگی یہ وہ سپاہی ہیں جو لوگوں کو (ظلماً) حاکم کے پاس لے جائیں گے' اور جن سے مردار سے زیادہ سخت بدبو آ رہی ہوگی یہ وہ ہیں جو اپنی لذتوں اور شہوتوں کی اتباع کریں گے اور اپنے مالوں میں سے اللہ کے حقوق ادا نہیں کریں گے اور جو لوگ تیل کے جبے پہنے ہوئے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو فخر اور تکبر کرنے والے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۱۵' الکشاف ج ۴ ص ۶۸۷' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۔۱۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۵۳۔۱۵۲' الدر المنثور ج ۸ ص ۳۶۱' روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۳' روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۰۔۱۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کو امام ابن مردویہ اور امام ثعلبی نے بیان کیا ہے' اس کو محمد بن زہیر از محمد بن ہندی از حنظلہ سدوسی از والد خود از براء بن عازب روایت کیا ہے' اس کی سند میں حنظلہ سدوسی بہت ضعیف ہے' امام احمد نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے اور بہت عجیب چیزیں روایت کرتا ہے' امام ذہبی نے اس کا میزان میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (تخریج الکشاف ج ۴ ص ۶۸۷)

النبا: ۱۹ میں فرمایا: اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے O

آسمان کے دروازوں کا ثبوت

اس آیت کا معنیٰ ہے: فرشتوں کے نزول کے لیے آسمان میں دروازے بن جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا O (الفرقان: ۲۵) جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اتارا جائے گا O

ایک قول یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دروازوں کی مثل ہو جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ دروازوں سے مراد آسمان کے راستے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ آسمان بکھر جائے گا اور اس میں دروازے بن جائیں گے' ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں' ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے' اور جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان کے درووازے کھول دیئے جائیں گے' آسمان کے دروازوں کا اس حدیث میں ذکر ہے:

شب معراج کی حدیث میں ہے: پھر ہم کو آسمان کی طرف لے جایا گیا' حضرت جبریل نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں جبریل ہوں' کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں! ان کو بلایا گیا ہے' پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۱۴)

قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں آسمان کے دروازوں کا صراحۃً ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف: ۴۰) جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

النبا: ۲۰ میں فرمایا: اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے O

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال

اس آیت میں ''سراب'' کا لفظ ہے' شدید گرمی میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے ریگستان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہہ رہا ہے اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے اس کو سراب کہتے ہیں کیونکہ اس چمکتی ہوئی ریت پر نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے' اس لیے دھوکے اور فریب کے لیے سراب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں ''سیّرت'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا یا کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہاڑوں کے حسب ذیل احوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) پہلا حال یہ ہے کہ پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً O (الحاقہ: ۱۴) اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا O

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اُڑ رہے ہوں گے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے ○ (القارعہ:۵)

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہو جائیں گے:

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝ (الواقعہ:۶۔۵) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے ○

(۴) چوتھا حال یہ ہے کہ پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پڑے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ (طٰہٰ:۲۰) وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' سو آپ کہیے کہ میرا رب ان کو دھنک ڈالے گا (یعنی ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا) ○

(۵) پانچواں حال یہ ہے کہ جس طرح کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعائیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اُڑائیں گی اور وہ شعاؤں میں باریک ذرات کے منتشر غبار کی طرح دکھائی دیں گے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ (الکہف:۴۷) اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ (النمل:۸۸) اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔

(۶) پہاڑوں کا چھٹا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہو جائیں گے اور حقیقت میں لاشی اور معدوم ہو جائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ (النبا:۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے ○

قیامت کے دہشت ناک مناظر بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ دوزخ کے ہولناک احوال بیان فرما رہا ہے۔

النبا:۲۱ میں فرمایا: بے شک دوزخ گھات میں ہے ○

''مرصاد'' کا معنیٰ اور مصداق

دوزخ گھات میں ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دوزخ منتظر ہے یعنی جب سے دوزخ بنائی گئی ہے' وہ مجرموں کا انتظار کر رہی ہے کہ ان کو کب دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

''مرصاد'' کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ''مرصاد'' اسم ظرف ہے اور یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں سے گھات لگائی جاتی ہے' جیسے ''مضمار'' اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو ''اضمار'' کیا جاتا ہے یعنی پہلے انہیں کچھ دن خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور بعد میں انہیں کچھ دن بھوکا رکھتے ہیں تاکہ ان کا جسم مضبوط ہو جائے اور مشقت برداشت کرنے کا عادی

ہو جائے۔ اس اعتبار سے اس میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دوزخ کے محافظ مجرموں کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں' دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مؤمنین دوزخ کے اوپر سے گزریں گے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ. (مریم:۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں سے گزرے گا۔

پس جنت کے محافظین دوزخ کے پاس مؤمنین کے استقبال کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔

''مرصاد'' کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''رصد'' کا مبالغہ ہے' ''رصد'' کا معنیٰ ہے: انتظار کرنا اور ''مرصاد'' کا معنیٰ ہے: بہت شدید انتظار کرنا' گویا کہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کا بہت شدید انتظار کر رہی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ. (الملک:۸) قریب ہے کہ دوزخ مارے غیظ وغضب کے پھٹ جائے۔

اور دوزخ ہر کافر اور منافق کا انتظار کر رہی ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک دوزخ گھات میں ہے یعنی وہ ابتداء سے مجرموں کا انتظار کر رہی ہے اور جب دوزخ کی تخلیق کی جا چکی ہے تو جنت کی بھی تخلیق کی جا چکی ہے کیونکہ دونوں کی تخلیق میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

النبا:۲۲ میں فرمایا: سرکشوں کا ٹھکانا ہے O

یعنی دوزخ تمام مجرموں کی گھات میں ہے' خواہ وہ کفار ہوں یا مؤمنین فساق ہوں' وہ انتظار تو تمام مجرموں کا کر رہی ہے لیکن ٹھکانا صرف سرکشوں کا ہے' اور سرکشوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں اور اس کی مخالفت اور اس سے معارضہ کرنے میں حد سے بڑھتے ہیں۔

النبا:۲۳ میں فرمایا: جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے O

''احقاب'' کا معنیٰ دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں ''احقابا'' کا لفظ ہے' یہ ''حقب'' کی جمع ہے' ''حقب'' کا معنیٰ ہے: زمانہ کی ایک مقرر مدت' اس مدت کے تعین میں اہل لغت کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: یہ مدت اسّی برس ہے' بعض نے کہا: تین سو برس اور بعض نے کہا: تین ہزار برس' قتادہ نے کہا: ''احقاب'' سے مراد ہے: غیر متناہی زمانہ۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ ''احقاب'' کی تفسیر میں مفسرین سے حسب ذیل وجوہ منقول ہیں:

(۱) کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''احقاب'' کا واحد ''حقب'' ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اسّی اور کچھ سال اور سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے اور ایک دن دنیا کے ہزار سالوں کے برابر ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی روایت کی ہے۔

(۲) ھلال ہجری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''احقاب'' کے متعلق سوال کیا تو حضرت علی نے فرمایا: ''احقاب'' کا واحد ''حقب'' ہے' اور اس کا معنیٰ سو سال ہیں' اور ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور ایک مہینہ میں تیس دن ہیں اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: ''احقاب'' کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اس سے کتنی مدت مراد ہے لیکن اس کا واحد ''حقب'' ہے اور اس کی مدت ستر سال ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''احقاب'' خواہ کتنا طویل ہو مگر اس کی مدت ہے تو متناہی اور اہل دوزخ کے عذاب کی مدت غیر متناہی ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ''احقاب'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل دوزخ کو کئی ''حقب'' تک عذاب دیا جائے گا' ایک ''حقب'' ختم ہونے کے بعد دوسرا ''حقب'' شروع ہو جائے گا اور یوں ان کو غیر متناہی ''حقب'' تک عذاب ہوتا رہے گا۔

(تفسیر مجاہد ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۲) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ''احقاب'' یعنی مدت طویل تک عذاب میں مبتلا رہیں گے' ان کو ٹھنڈک حاصل ہوگی نہ کوئی مشروب' پس ''احقاب'' کی مدت میں انہیں ایک خاص قسم کا عذاب ہوتا رہے گا اور اس مدت میں ان کو پینے کے لیے صرف گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ دی جائے گی' پھر جب اس ''احقاب'' کی مدت گزر جائے گی تو ان کو دوسری قسم کا عذاب دیا جائے گا اور یوں ہر ''احقاب'' کے بعد عذاب کی جنس بدلتی رہے گی اور ان کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوتا رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۳) اگرچہ اس آیت میں مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''احقاب'' کی مدت گزرنے کے بعد اہل دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے گا لیکن اس کے مقابلہ میں صریح قرآن میں یہ مذکور ہے کہ اہل دوزخ کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوگا اور صریح دلیل مفہوم مخالف والی دلیل پر مقدم ہوتی ہے اور عذاب ختم نہ ہونے کا صریح ذکر اس آیت میں ہے:

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ○ (المائدہ: ۳۷)

کفار دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے حالانکہ وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا○

(۴) علامہ زمخشری صاحب کشاف نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ''حقب'' کے معنی ہیں: بارش کا نہ ہونا اور خیر سے منقطع ہونا' یعنی کفار دوزخ میں اس حال میں رہیں گے کہ وہ خیر سے منقطع رہیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۔۱۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ کس وقت کفار دوزخ سے نکل جائیں گے اور وہ دوزخ میں خلود اور دوام کے ساتھ نہیں رہیں گے' کیونکہ ہر چند کہ ''احقاب'' کا معنی متناہی زمانہ ہے لیکن دوزخ میں کفار کے لیے ایک ''احقاب'' نہیں ہوگا بلکہ احقاب کثیرہ غیر متناہیہ ہوں گے' اور اگر بالفرض یہ آیت مفہوم مخالف کے اعتبار سے دوزخ میں کفار کے عدم خلود پر دلالت کرتی ہے تو قرآن مجید کی بہت آیتیں دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام پر مفہوم صریح سے دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت ہے:

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ○ (المائدہ: ۳۷)

اور کفار دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے اس میں دائمی عذاب ہوگا○

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵۔۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

بعض علماء کے نزدیک کفار کا عذاب دائمی نہیں ہے

شیخ ابن قیم اور بعض دوسرے فقہاء اسلام نے زیر تفسیر آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار محدود اور متناہی زمانہ تک دوزخ میں رہیں گے' پھر ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (شفاء العلیل ص ۲۶۴۔۲۵۲' مصر' حادی الارواح ج ۲ ص ۲۳۵۔۱۶۷)

لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے اور جمہور فقہاء اسلام کے خلاف ہے' ان کے استدلال کا جواب ہم امام رازی اور

علامہ آلوسی کی عبارات سے واضح کر چکے ہیں، ان علماء نے قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے، ہم ان آیات کو مع ان کے جوابات کے پیش کر رہے ہیں۔

ھود: ۱۰۷ سے کفار کے دائمی عذاب نہ ہونے پر استدلال

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ (ھود: ۱۰۷-۱۰۶)

رہے وہ لوگ جو بد بخت ہیں سو وہ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ میں زور زور سے چیخیں گے اور چلائیں گے ۝ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے، ماسوا اس مدت کے جس کو آپ کا رب چاہے گا، بے شک آپ کا رب جس چیز کا ارادہ کرے اس کو خوب کرنے والا ہے ۝

''وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے'' آیت کے اس حصہ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا قائم رہنا تو دائمی اور ابدی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے دوزخ میں قیام کو آسمانوں اور زمینوں کے قیام پر معلق کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کا دوزخ میں قیام بھی دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ وقتی اور عارضی ہے۔

قرآنِ مجید کی دیگر نصوصِ قطعیہ اور بہ کثرت احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اس لیے مفسرین نے اس آیت کی متعدد تاویلات کی ہیں، بعض از اں یہ ہیں:

استدلال مذکور کے جوابات

(۱) ان آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (ھود: ۱۰۸)

رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے ماسوا اس مدت کے جس کو آپ کا رب چاہے گا، یہ غیر منقطع عطا ہے ۝

اگر جب تک آسمان اور زمین قائم رہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ آسمان اور زمین کے فنا ہونے کے بعد دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے تو پھر ھود: ۱۰۸ سے یہ لازم آئے گا کہ آسمان اور زمین کے فنا ہونے کے بعد جنت کا اجر وثواب بھی منقطع ہو جائے حالانکہ اس بات کے شیخ ابن قیم بھی قائل نہیں، سو یہ لوگ اس آیت کا جو جواب دیں گے جمہور علماء کی طرف سے وہی جواب ھود: ۱۰۸ کا بھی تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) اس آیت میں: آسمان اور زمین سے مراد دنیا کے آسمان اور زمین نہیں ہیں بلکہ جنت اور دوزخ کے آسمان اور زمین مراد ہیں کیونکہ جنت اور دوزخ فضا اور خلا میں تو نہیں ہیں، ان میں فرش ہوگا جس پر لوگ بیٹھے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے ہوں گے، اور ان کے لیے کوئی سائبان بھی ہوگا جس کے سائے میں وہ لوگ ہوں گے اور عربی میں ہر سایا کرنے والی چیز پر سماء کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جنت میں زمین کے وجود پر یہ آیت دلیل ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ (الزمر: ۷۴)

اور (جنتی) کہیں گے: اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو (اس) زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس نیک عمل کرنے والوں کا ثواب کیسا اچھا ہے ۝

آخرت کے زمین و آسمان دنیا کے زمین و آسمان سے مختلف ہیں' اس پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔ (ابراہیم:۴۸)

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ جنت اور دوزخ کے زمین و آسمان اس دنیا کے زمین و آسمان کے مغائر ہیں اور جب جنت اور دوزخ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے تو ان کے زمین اور آسمان بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جنت اور دوزخ میں رہنے والے بھی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

(۳) اگر زمین و آسمان سے مراد اس دنیا کے زمین و آسمان ہوں تب بھی یہ آیت جنت اور دوزخ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام کے منافی نہیں ہے' کیونکہ عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے تو فلاں چیز رہے گی اور قرآنِ مجید چونکہ عربوں کے اسلوب کے موافق نازل ہوا ہے' اس لیے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے' اس سے مراد دوام اور خلود ہی ہے' اور معنیٰ یہی ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۴) مقدم کے ثبوت سے تالی کا ثبوت ہوتا ہے لیکن مقدم کی نفی سے تالی کی نفی نہیں ہوتی' مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ انسان ہے تو پھر یہ حیوان ہے' یہ درست ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کہ اگر یہ انسان نہیں ہے تو پھر یہ حیوان نہیں ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ انسان نہ ہو گھوڑا ہو اور حیوان ہو' اسی طرح جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ دوزخ میں رہیں گے' اس سے یہ لازم نہیں ہوگا کہ جب آسمان اور زمین نہ ہوں تو وہ دوزخ میں نہ ہوں۔

الانعام: ۱۲۸ سے کفار کے دائمی عذاب نہ ہونے پر استدلال اور اس کے جوابات

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ (الانعام:۱۲۸) اللہ فرمائے گا: دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے' تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' مگر جتنی مدت اللہ چاہے' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا اخوب جاننے والا ہے ۝

اس استثناء کی دو توجیہیں ہیں: (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں: ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدانِ حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۲) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکال کر زمہریر (سخت ٹھنڈا اور برفانی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے' تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ الغرض! وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کس مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔ (جامع البیان جز ۷ ص ۴۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن آیات سے مخالفین نے یہ استدلال کیا تھا کہ کفار کو دائمی عذاب نہیں ہوگا' ان کے جوابات ذکر کرنے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی وہ آیات پیش کر رہے ہیں جن میں کفار کے لیے دوزخ کے دائمی عذاب کی تصریح ہے' قرآن مجید میں ایسی ۳۷ آیات ہیں۔

کفار کے لیے دوزخ کے دائمی عذاب کی تصریح کی آیات

جن آیات میں کفار کے لیے دوزخ میں خلود اور خالدین کی تصریح ہے' ان کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(۱) الفرقان:۶۹ (۲) یونس:۵۲ (۳) السجدہ:۱۴ (۴) حم السجدہ:۲۸ (۵) محمد:۱۵ (۶) النساء:۱۴ (۷) التوبہ:۶۳ (۸) الحشر:۱۷ (۹) البقرہ:۳۹ (۱۰) البقرہ:۸۱ (۱۱) البقرہ:۲۱۷ (۱۲) البقرہ:۲۵۷ (۱۳) البقرہ:۲۷۵ (۱۴) آل عمران:۱۱۶ (۱۵) المائدہ:۳۷ (۱۶) المائدہ:۸۰ (۱۷) التوبہ:۱۷ (۱۸) یونس:۲۷ (۱۹) ھود:۲۳ (۲۰) الرعد:۵ (۲۱) الانبیاء:۹۹ (۲۲) المؤمنون:۱۰۳ (۲۳) الزخرف:۷۴ (۲۴) المجادلہ:۱۷ (۲۵) البقرہ:۱۶۲ (۲۶) آل عمران:۸۸ (۲۷) النساء:۱۶۹ (۲۸) التوبہ:۶۸ (۲۹) ھود:۱۰۷ (۳۰) النمل:۲۹ (۳۱) طٰہٰ:۱۰۱ (۳۲) الاحزاب:۶۵ (۳۳) الزمر:۷۲ (۳۴) المؤمن:۷۶ (۳۵) التغابن:۱۰ (۳۶) الجن:۲۳ (۳۷) البینہ:۶۔

ان آیات میں تین آیات ایسی ہیں جن میں ''خالدین'' کی تاکید ''ابداً'' کے ساتھ ہے' وہ آیات حسب ذیل ہیں:

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (النساء:۱۶۹۔۱۶۸)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو کوئی راستہ دکھائے گا ۝ سوائے دوزخ کے راستے کے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہ کام اللہ پر آسان ہے ۝

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (الاحزاب:۶۵۔۶۴)

بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۝ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' وہ کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے ۝

(۳) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝ (الجن:۲۳)

اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسول کی' اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۝

ان ۳۷ آیات کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات میں جن میں یہ دلیل ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور وہ کبھی دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء:۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کسی کافر یا مشرک کی سزا معاف کر کے اس کو بخش دے تو اس کی اس خبر کے خلاف لازم آئے گا اور یہ محال ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں فرمائے گا' اب اگر وہ کسی کافر کی سزا معاف کر دے تو اس آیت کے خلاف ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (الاعراف:۴۰)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (پر ایمان لانے) سے تکبر کیا' ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے' اور ہم اسی طرح مجرموں کو

سزا دیتے ہیں○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک واضح مثال سے یہ بتایا ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے اب کفار کی مغفرت اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے امکان کو ظاہر کرنا اس آیت کی تکذیب کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ. (النساء: ۵۶)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' ہم عنقریب ان کو آگ میں داخل کر دیں گے' جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کو چکھیں۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کافروں پر عذاب کا سلسلہ تا ابد جاری رہے گا' ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید اور بغیر کسی استثناء کے یہ کلی حکم لگایا ہے کہ کافروں کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہو گا اور اب یہ امکان پیدا کرنا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو ایک مدت تک عذاب دے کر ان کو معاف فرما دے گا' ان تمام آیتوں کی تکذیب کے مترادف ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان کو معاف نہیں کرے گا' ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی' ان کو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور جب بھی ان کی کھال جل جائے گی اس کو دوسری کھال سے بدل دیا جائے گا اور ان کے علاوہ بہ کثرت آیات ہیں' جن میں فرمایا ہے کہ کافروں کو دائمی اور ابدی عذاب ہو گا۔

کفار کے دائمی عذاب سے استثناء کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' یہ دوزخی کون ہیں؟ تحقیق یہ ہے کہ ان دوزخیوں سے مراد موحدین ہیں جن کو ان کے گناہوں کے سبب سے تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا' پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۱) قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ یہ استثناء ان موحدین کی طرف راجع ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو دوزخ میں رکھے گا' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۳۱۴ـ۱۴۳۱۳ـ۱۴۳۱۲ـ۱۴۳۱۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۲۳۷ـ۱۱۲۳۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں داخل کر دے گا' وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا' اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دے گا' پھر فرمائے گا: تم دیکھو کہ جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو' پھر وہ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے' پھر ان کو حیات کے دریا میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس طرح نشو و نما پانے لگیں گے جس طرح دریا کے کنارے اُگا ہوا دانہ نشو و نما پاتا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۰ـ۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴)

(۲) اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' سوا ان اوقات کے جب وہ دنیا میں تھے یا برزخ میں تھے یا میدانِ حشر میں حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوئے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ دوزخیوں کا دوزخ کے عذاب سے

استثناء ان تین اوقات اور احوال کی طرف راجع ہے۔

(۳) اس آیت کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ استثناء ان کے چیخنے اور چلانے کی طرف راجع ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ چیختے اور چلاتے رہیں گے' لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی چیخ و پکار نہیں ہو گی۔

(۴) اس آیت کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ دوزخ میں آگ کا عذاب بھی ہو گا اور زمہریر کا عذاب بھی ہو گا جس میں بہت سخت ٹھنڈک ہو گی اور یہ استثناء آگ کے عذاب کی طرف راجع ہے' یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں رہیں گے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو آگ کے عذاب سے نکال کر ٹھنڈک کے عذاب میں ڈال دے گا۔

(۵) اس آیت کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ فتح کی اس آیت کی طرح ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا' اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے (بعض) اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور (بعض) اپنے سروں کو کترواتے ہوئے۔

بظاہر اس آیت کا یہ معنیٰ ہے: اگر اللہ چاہے گا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے اور اگر اللہ چاہے گا تو نہیں داخل ہو گے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہونا واجب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم معاذ اللہ جہل سے بدل جائے گا' سو جس طرح اس آیت میں ''اللہ چاہے گا'' کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مسجد حرام میں داخل نہ ہونا بھی ممکن ہے' اسی طرح زیر تفسیر آیت میں بھی ''مگر جتنا آپ کا رب چاہے'' کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ایک محدود مدت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

اہلِ جنت کے جنت میں اور اہلِ نار کے نار میں دوام کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت میں جو استثناء ہے اس کی بھی وہی توجیہات ہیں جو اس سے پہلی آیت میں بیان کی جا چکی ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ان اہلِ جنت پر محمول کیا جائے جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اب اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہو گا کہ نیک بخت لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے' سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ غیر منقطع عطاء ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ اس لیے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ اہلِ جنت کا جنت میں قیام منقطع ہو جائے گا بلکہ ان کا جنت میں قیام حتمی اور یقینی طور پر دائمی اور غیر منقطع ہے اور حدیث صحیح میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو ایک سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا' پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا: اے اہلِ جنت! پھر وہ سر اٹھا کر منادی کی طرف دیکھیں گے' منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر وہ منادی ندا کرے گا: اے اہلِ نار! وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے' منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر اس مینڈھے کو ذبح کر

دیا جائے گا' پھر وہ منادی کہے گا: اے اہلِ جنت! اب ہمیشہ رہنا ہے' موت نہیں ہے اور اے اہلِ نار! اب ہمیشہ رہنا ہے اور موت نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۷' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۷)

قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۚ وہ جنت میں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے سوا اس پہلی موت کے۔ (الدخان: ۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا: (اے اہلِ جنت!) تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے' اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہیں آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۶۳)

خلودِ عذاب کے منکرین کا بعض احادیث سے استدلال اور اس کا جواب

عذاب دوزخ کے خلود اور دوام کے منکرین نے اپنے مؤقف پر بعض احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے پاس عرش کے اوپر لکھ دیا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں' ایک رحمت تمام مخلوق میں رکھ دی اور ننانوے (۹۹) رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں' امام مسلم نے اس کے بعد دوسری روایت میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے سو رحمتیں ہیں' ان میں سے ایک رحمت جنات' انسانوں' جانوروں اور حشرات الارض میں نازل کی ہے جس سے وہ ایک دوسرے پر نرمی اور رحم کرتے ہیں اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتیں مؤخر کر لی ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۴' باب سعۃ رحمۃ اللہ رقم الحدیث: ۱۹۔۱۸)

منکرین خلود کہتے ہیں کہ دوزخ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے اور جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے' اب اگر دوزخ کا عذاب بھی جنت کے ثواب کی طرح دائمی ہو تو پھر اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت نہیں لے جا سکے گی' اس لیے ماننا پڑے گا کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب گناہ گار مسلمانوں پر دائمی نہیں ہوگا اور کفار پر دائمی عذاب ہوگا جیسا کہ بہ کثرت قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے واضح ہو چکا ہے۔

سید سلیمان ندوی نے منکرین خلود کی طرف سے درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

(۱) طبرانی میں حضرت ابوامامہ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جب خزاں رسیدہ پتے کی مانند ہو جائے گا اور اس کے دروازے کھل جائیں گے۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جس میں اس کے دروازے کھل جائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم میں ایک دن ایسا آئے گا' جب اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۴) تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اہلِ دوزخ ریگستانِ عالج کے ذرّات کے شمار کے بقدر بھی دوزخ میں رہیں' پھر بھی ایک دن آئے گا جب وہ اس سے نکلیں گے۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جب اس کے خالی دروازے بھڑ بھڑائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ اس میں صدہا ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کر لیں گے۔

(۶) عبدالرزاق' ابن منذر' طبرانی اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ "الا ماشاء ربك" کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے' یعنی جہاں جہاں قرآن میں "خالدين فيها" (سدا اس میں رہیں گے) ہے' وہاں مشیت الٰہی کا استثناء قائم ہے۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئے گا جب اس کے خالی دروازے کھڑکھڑائیں گے۔ (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۰۹۔۴۰۸' دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۸۵ء)

یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان میں سے بعض بلاسند مذکور ہیں' لہٰذا یہ روایات قرآن مجید کی آیاتِ قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ کے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب دوزخی دوزخ کے عادی ہو جائیں گے تو پھر ان کو تکلیف نہیں ہوگی

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلودِ نار کا حکم ہے' وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائیں گے کہ ان کو اسی دوزخ میں راحت و لذت معلوم ہونے لگے گی' جیسے بعض کیڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور ان ہی میں لطف اٹھاتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۰۶' دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۸۵ء)

قرآن مجید میں صرف یہ مذکور نہیں ہے کہ مشرکین ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ قرآن مجید میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور عذاب کا معنیٰ ہے: درد اور اذیت میں مبتلا ہونا اور یہ لطف اٹھانے کے منافی ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ (الفرقان:۶۹)

مشرک کے لیے قیامت کے دن دگنا عذاب کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ مبتلا رہے گا ۝

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ (یونس:۵۲)

پھر ظالموں سے کہا جائے گا: دائمی عذاب کو چکھو۔

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۴)

تم اپنے کرتوتوں کے سبب دائمی عذاب کو چکھو ۝

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ کفار اور مشرکین ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

دائمی عذاب پر امام رازی کے دو اعتراضوں کا جواب

امام رازی نے لوگوں کی طرف سے ایک اعتراض اس طرح نقل کیا ہے کہ کافر نے زمانہ متناہی میں جرم کیا ہے اور اس کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دینا ظلم ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافر کی نیت کے اعتبار سے ہے' اس کی نیت دائماً کفر کرنے کی ہوتی ہے' اگر بالفرض وہ غیر متناہی زمانہ تک زندہ رہتا تو غیر متناہی زمانہ تک کفر کرتا' اس وجہ سے اس کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب دیا جائے گا۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جتنے وقت میں جرم کیا جائے' اس کو سزا بھی اتنے ہی وقت میں دی جائے' انسان ایک منٹ میں کسی کو گولی مار کر قتل کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس کی سزا عمر قید ہوتی ہے' شوگر یا ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھوڑے سے وقت میں بد پرہیزی کرتا ہے اور اس کی وجہ سے عمر بھر کے لیے فالج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

امام رازی نے دوسرا اعتراض یہ ذکر کیا ہے کہ یہ عذاب نفع سے خالی ہے اس لیے یہ قبیح ہے' یہ نفع سے اس لیے خالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا نفع ہو نہیں سکتا' کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے مستغنی اور بلند ہے' اور دوزخی کافر کو بھی اس عذاب سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے حق میں یہ عذاب ضرر محض ہے' اور جنتی مسلمانوں کو بھی کافر کے عذاب سے کوئی نفع نہیں ہوگا' کیونکہ وہ اپنی لذتوں میں منہمک اور مشغول ہوں گے تو کسی کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ امام رازی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے اعتبار سے تو کافر کو مطلقاً عذاب ہونا ہی نہیں چاہیے اور اس دلیل کو دائمی عذاب کے ساتھ مخصوص کرنا باطل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب دینا ان کے جرم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل ہے' اس میں لحاظ نہیں کیا گیا کہ اس سے کسی کو نفع پہنچے گا یا نہیں۔ یہ دو اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۰۴ میں ذکر کیے ہیں۔

کفار اور مشرکین کے دوزخ میں دائمی عذاب کے منکرین کے ہم نے تمام اعتراضات کے چن چن کر جواب لکھ دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ مشہور اسکالر حضرت مولانا عبد المجید زید حبہٗ (برسٹل' برطانیہ) کو جزائے خیر عطا فرمائے' انہوں نے برطانیہ سے فون کر کے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کروں اور اس سلسلہ میں سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی'' کی چوتھی جلد کا بھی جائزہ لوں' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج ان کی یہ فرمائش بہ احسن وجوہ پوری ہوگئی ہے' والحمد للہ رب العالمین ۔ ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۶ اگست ۲۰۰۵ء۔

النبا: ۲۶۔۲۴ میں فرمایا: اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب ○ سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے ○ یہ ان کے موافق بدلہ ہے ○

''برد'' کی دو تفسیریں

یعنی کفار اور مشرکین بار بار مدتوں تک جس عذاب میں مبتلا رہیں گے' اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب' شدید گرمی اور تپش میں رہنے کے باوجود انہیں ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نصیب نہیں ہوگا' اور نہ کوئی سایا ملے گا جو انہیں دوزخ کی گرمی سے بچا سکے' اور نہ انہیں کوئی مشروب ملے گا جس سے انہیں پیاس میں تسکین حاصل ہو' اور ان کے باطن کی گرمی کو زائل کر دے۔

اخفش' کسائی' فرّا اور قطرب اور عتبی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں ''برد'' (ٹھنڈک) سے مراد نیند ہے' کیونکہ نیند سونے والے کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور پیاسا آدمی جب سو جائے تو وہ سونے کے بعد ٹھنڈا اور تروتازہ ہو جاتا ہے' لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ ''برد'' سے نیند مراد لینا مجاز ہے اور جب ''برد'' کا حقیقی معنی ٹھنڈک مراد لینا یہاں ممکن ہے تو بلاوجہ اس آیت کو مجاز پر

محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

النبا: ۲۵ میں کہا گیا ہے کہ ''حمیم'' سے مراد پگھلا ہوا پیتل ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ ''حمیم'' کا معنیٰ بہت گرم اور ابلتا ہوا پانی ہے۔

غساق کا معنیٰ

نیز اس آیت میں ''غساق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ٹھنڈا ٹخ بدبودار پانی۔ (غریب القرآن) دوزخیوں سے بہنے والا لہو۔ (جلالین' المفردات) حدیث میں ہے کہ اگر ''غساق'' کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کے دماغ سڑ جائیں۔ (مجمع بحار الانوار)

علامہ پٹنی نے لکھا ہے: ''غساق'' کا معنیٰ ہے: دوزخیوں کا بہنے والا لہو یا ان کا دھوون یا آنسو یا زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک۔

''قاموس'' اور ''تاج العروس'' میں بھی اس کا معنیٰ زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک لکھا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے ''غساق'' کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

(۱) ابو معاذ نے کہا: ''غساق'' فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنا لیا ہے' فارس کے لوگ جب کسی چیز سے گھن کھاتے تھے تو اس کو خاشاک کہتے تھے۔

(۲) جس چیز کی ٹھنڈک نا قابل برداشت ہو' اس کو ''غساق'' کہتے ہیں' زمہریر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہیں گے اور ان کی کھالوں سے جو خون اور پیپ بہے گا اور ان کی رگوں سے جو گھناؤنی رطوبات نکلیں گی' اس کو ''غساق'' کہتے ہیں۔

(۴) ''غساق'' کا معنیٰ ہے: سخت بدبودار چیز' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ''غساق'' کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا بدبودار ہو جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۸۳' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۷۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

(۵) ''غاسق'' کا معنیٰ ہے: اندھیری رات کی تاریکی' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ (الفلق: ۳) (میں پناہ میں آتا ہوں) اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ پھیل جائے ۝

اس اعتبار سے ''غساق'' ایسا مشروب ہے جو سخت سیاہ اور مکروہ ہوگا اور آدمی اس کو دیکھ کر اس طرح گھبرائے گا جس طرح اندھیری رات کی تاریکی کو دیکھ کر گھبراتا ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے اس آیت کا معنیٰ ہے کہ دوزخی سخت کھولتے ہوئے پانی کو پیئے گا یا بدبودار پیپ کو پیئے گا۔

النبا: ۲۶ میں فرمایا: یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

اس اعتراض کا جواب کہ ان کی سزا جرم کے کیسے موافق ہوگی جب کہ متناہی زمانہ کے جرم کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دی جائے گی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی سزاؤں کی انواع اور اقسام کو بیان فرمایا اور اب یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے جرائم کی مکمل سزا ہے' کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا' اس لیے ان کو سزا بھی بہت بڑی دی ہے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہے' ہر چند کہ ان کا جرم متناہی زمانہ میں تھا لیکن چونکہ ان کی نیت ہمیشہ کفر اور شرک پر قائم رہنے کی تھی' اس لیے ان کو اتنا

شدید عذاب غیر متناہی زمانہ تک دیا گیا' اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہ سزا ان کے جرم کے موافق کیسے ہوگی جب کہ ان کا جرم متناہی زمانہ میں تھا اور ان کو سزا غیر متناہی زمانہ میں دی جا رہی ہے' امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے وہ فیصلہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۸)

النبا: ۲۷ میں فرمایا: بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے O

حساب کی امید نہ رکھنے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انسان اس چیز کی امید رکھتا ہے جس میں اس کے لیے کوئی منفعت ہوتی ہے اور کوئی خیر ہوتی ہے اور کفار اور مشرکین کے لیے ان کے محاسبہ میں کون سی خیر اور کون سی منفعت ہے' جس وجہ سے وہ اس کی امید رکھیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ''رجاء'' کے لفظ کا معنیٰ امید نہیں ہے بلکہ توقع ہے' یعنی ان کو یہ توقع نہیں تھی کہ ان کا حساب لیا جائے گا' پھر اچانک قیامت کے دن ان کا محاسبہ شروع ہو جائے گا اور جو آفت اور مصیبت خلافِ توقع پیش آ جائے وہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں امید کا معنیٰ خوف ہے یعنی کفار اور مشرکین قیامت کے دن کے حساب اور محاسبہ سے ڈرتے نہ تھے اور بے دھڑک فحاشی اور منکرات کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔

نیز اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ مؤمن نہ تھے کیونکہ مؤمن تو ہر آن آخرت کے محاسبہ سے ڈرتا رہتا ہے۔

النبا: ۲۸ میں فرمایا: اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی O

قوتِ عملیہ کے تین شعبے

اس سے پہلی آیت میں کفار کی قوتِ عملیہ کا فساد بتایا تھا کہ وہ بڑی بے خوفی سے اور دیدہ دلیری سے کفر اور شرک کرتے تھے' اور منکرات اور فواحش اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے تھے' یعنی انہوں نے اپنی قوتِ عملیہ کو فاسد کر لیا تھا اور اس آیت میں ان کی قوتِ نظریہ کا فساد بتایا ہے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے اور باطل پر اصرار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے' قیامت' حیات بعد الموت اور جزاء اور سزا کی نہ صرف تکذیب کرتے تھے بلکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے' قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے تھے' اس کو شعر اور سحر کہتے تھے اور اس پر پھبتیاں کستے تھے' اور دوسرے احکامِ شرعیہ کی بھی تکذیب کرتے تھے اور جس طرح ان کی قوتِ عملیہ فاسد تھی اسی طرح ان کی قوتِ نظریہ بھی فاسد تھی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں دی ہیں: ایک قوتِ نظریہ ہے اور دوسری قوتِ عملیہ ہے' قوتِ نظریہ سے وہ غور و فکر کرتا ہے اور غلط اور صحیح میں' شرک اور توحید میں اور کفر اور ایمان میں امتیاز کرتا ہے اور غلط افکار اور عقائد کو ترک کر کے صحیح افکار اور عقائد کو اپناتا ہے اور قوتِ عملیہ سے بُرے کاموں کو ترک کرتا ہے اور اچھے کاموں کو اختیار کرتا ہے اور یہ تہذیب نفس ہے' اور اپنی اصلاح کرنے کے بعد اپنے ماتحت اور زیر کفالت لوگوں کی اصلاح کرتا ہے' اس کو تدبیر منزل کہتے ہیں اور اپنے نفس اور اپنے گھر اور دفتر کی اصلاح کے بعد اپنے شہر اور اپنے ملک کی اصلاح کے لیے اپنے حصہ کی مساعی کو بروئے کار لاتا ہے' قرآن مجید میں قوتِ عملیہ کے ان تینوں شعبوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:۶) اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس آیت میں تہذیبِ نفس اور تدبیر منزل کا حکم ہے یعنی اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ. (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ 34

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ. (الحج:۴۱) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو یہ نماز (کا نظام) قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔

مؤخر الذکر دونوں آیتوں میں سیاست مدنیہ کا حکم دیا ہے یعنی اپنے نفس اور اپنے گھر کی اصلاح کے بعد اپنے ملک اور اپنی قوم کی اصلاح کریں۔

کفار اور مشرکین نے قوتِ نظریہ کو بھی فاسد کر لیا تھا اور قوتِ عملیہ کے ان تینوں شعبوں کو بھی فاسد کر لیا تھا۔

النبا:۲۹ میں فرمایا: اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے O

اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا ثبوت اور فلاسفہ کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور اس نے اپنے علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اور اس کے فرشتوں نے بندوں کے صحائف اعمال میں بندوں کے تمام اعمال کو لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار سے کیا عمل کریں گے اور اس کو ان کے ہر ہر جزی عمل کا تفصیلی علم تھا اور اس کا علم غیر متبدل اور غیر فانی ہے ورنہ اس کا جہل لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ O (المجادلہ:۶) جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے عملوں کی خبر دے گا' جن کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جن کو یہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے O

بندوں نے اپنے اختیار سے جو عمل کیے ان ہی اعمال کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں پیشگی علم تھا' جس کو اس نے گن گن کر لوحِ محفوظ میں لکھ لیا تھا' اور بعد میں فرشتوں نے ان کے ہر ہر عمل کو لکھ لیا' ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام جزئیات کا علم ہے اس کے برخلاف فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے اور جزئیات کا علم نہیں ہے کیونکہ جزئیات تو متغیر ہوتی رہتی ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کا علم مانا جائے تو اس کے علم میں تغیر اور حدوث لازم آئے گا اور یہ محال ہے' کیونکہ مثلاً اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ فرعون غرق ہو گا' اور جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو پہلا علم متغیر ہو کر اس طرح ہو گا کہ فرعون غرق ہو رہا ہے' اور اب جب کہ فرعون غرق ہو چکا ہے اگر وہی پہلا علم اپنے حال پر ہو کہ فرعون غرق ہو گا یا غرق ہو رہا ہے تو یہ علم واقع کے خلاف ہو گا اور جو علم واقع کے خلاف ہو وہ جہل ہوتا ہے' اس لیے لامحالہ وہ علم متغیر ہو جائیں گے اور اب اس کا علم اس طرح ہو گا کہ فرعون غرق ہو چکا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم ہو تو اس کا علم متغیر ہو جائے گا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور یہ محال ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے۔

34

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے علم کی کیفیت کا علم نہیں ہے' ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہمیشہ سے ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے' یہ جاہل فلاسفہ اتنا نہیں سمجھتے کہ مخلوق کو تو جزئیات کا علم ہوتا ہے اگر خالق کو جزئیات کا علم نہ ہو تو مخلوق کا علم خالق سے بڑھ جائے گا اور یہ محال ہے' باقی رہا اس کا علم کس کیفیت سے ہے' اس کا علم ہمیں کیسے ہو سکتا ہے' کیا ہم کو یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے تو وہ کیسے سنتا ہے؟ وہ بصیر ہے تو وہ کیسے دیکھتا ہے؟ وہ کیسے کلام کرتا ہے؟ وہ زندہ ہے تو کیسے زندہ ہے؟ ہم اس کی کسی صفت کی کیفیت کو نہیں جانتے تو اس کے علم کی کیفیت کو کیسے جان سکتے ہیں' تاہم فلاسفہ کے اطمینان کے لیے متکلمین نے یہ کہا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم مطلق ہے اور لابشرط شی کے مرتبہ میں ہے' فرعون کے غرق ہونے سے پہلے اس علم کی تعبیر اس طرح تھی کہ فرعون غرق ہوگا اور غرق کے وقت اس کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ وہ غرق ہو رہا ہے' اور غرق ہونے کے بعد اس کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ وہ غرق ہو چکا ہے۔

النبا: ٣٠ میں فرمایا: اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے O

کفار سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے فحش اقوال اور افعال بیان فرمائے تھے اور پھر ان کے عذاب کی اقسام اور انواع کو بیان فرمایا' اس کے بعد مکرر بیان فرمایا کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے اور اب اس رکوع کے آخر میں فرمایا: اب چکھو' ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے' یہ آیت ان کے عذاب میں مبالغہ پر کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے:

(۱) اس آیت میں تاکید کے ساتھ فرمایا: ''فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا'' (النبا: ٣٠) ہم تم میں ہرگز زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب۔

(۲) پہلے غائب کے صیغہ کے ساتھ فرمایا تھا: وہ محاسبہ سے نہیں ڈرتے (النباء: ٢٧) اور اب بالمشافہ فرمایا: اب عذاب کو چکھو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دوزخیوں کے اوپر اس سے زیادہ شدید عذاب کی اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٢٧٩٦٦' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡہِمۡ ۔ اور اللہ نہ ان سے کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔

(آل عمران: ٧٧)

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: پس چکھو' تو ان سے کلام تو فرما لیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وہ ان سے لطف اور کرم سے کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام ان کے ساتھ نہایت غضب سے ہے۔

نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفار پر ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور ان کو ہر آن اور ہر لمحہ پہلے سے زیادہ عذاب ہوگا۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعۡنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ کَوَاعِبَ

بے شک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے O باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں O اور نوجوان

أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا

ہم عمر بیویاں ہیں O اور چھلکتے ہوئے جام ہیں O اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ

كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

ایک دوسرے کی تکذیب O آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی O جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' نہایت رحم فرمانے والا ہے اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا O

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا

جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا سوا

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کی O وہ دن

الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ

برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے O بے شک ہم نے تمہیں

عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ

عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے

الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾ ع ۲

اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے O باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں O اور نو جوان ہم عمر بیویاں ہیں O اور چھلکتے ہوئے جام ہیں O وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب O آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی O جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' نہایت رحم فرمانے والا ہے' اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا O (النبا: ۳۷-۳۱)

اہل جنت پر نوازشیں

اس سے پہلی آیتوں میں کفار اور مشرکین کے عذاب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی تھیں اور ان آیتوں میں متقین کے

اجر وثواب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی ہیں اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد اس کی دوسری ضد کا ذکر فرماتا ہے اور کفار اور ان کے عذاب کے بعد مؤمنین اور ان کے ثواب کا ذکر فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے' متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ان کے لیے کامیابی کی جگہ ہے' اس جگہ سے مراد جنت ہے۔

النبا: ۳۲ میں فرمایا: باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں O

اس آیت میں ''حدائق'' کا لفظ ہے' یہ ''حديقة'' کی جمع ہے' ''حديقة'' اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو اور ''اعنابا'' سے مراد ہے: انگوروں کی بیلیں۔

النبا: ۳۳ میں فرمایا: اور نوجوان ہم عمر بیویاں O

''کواعب'' ان دوشیزاؤں کو کہتے ہیں جن کے سینے خوب اُبھرے ہوئے ہوں' اور ''اتراب'' کا معنیٰ ہے: ہم عمر اور ہم سن۔

النبا: ۳۴ میں فرمایا: اور چھلکتے ہوئے جام ہیں O

اس آیت میں ''کاسا دهاقا'' کے الفاظ ہیں' ''کاسا'' کا معنیٰ ہے: جام اور ''دهاقا'' کا معنیٰ ہے: چھلکتا ہوا' اس سے مراد ہے: شراب کے چھلکتے ہوئے جام لیکن جنت کی شراب نشہ آور نہیں ہوگی۔

النبا: ۳۵ میں فرمایا: وہ اس میں نہ کوئی لغویات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب O

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اس میں نہ کوئی لغویات سنیں گے' اس آیت میں ''اس میں'' سے کیا مراد ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ اس شراب کے جام میں کوئی لغویات نہیں سنیں گے' اس کے برخلاف دنیاوی شراب کے گلاسوں کو پینے سے انسان کو نشہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں اور اس کو صحیح اور غلط میں تمیز نہیں رہتی اور جنت میں جو ان کو شراب کے جام دیئے جائیں گے' اس کو پینے سے ان میں ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات نہیں کریں گے۔

اس آیت میں ''کذابا'' کا لفظ ہے' یہ ''کذب'' کا مبالغہ ہے یعنی وہ جنت میں بہت بڑی جھوٹی بات نہیں سنیں گے' بہت بڑی جھوٹی بات سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے یا اس کا بیٹا یا بیوی ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہیں سنیں گے۔

النبا: ۳۶ میں فرمایا: آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی O

جزا اور عطا میں بہ ظاہر تعارض کے جوابات

اس آیت میں جزاء اور عطا کے دو لفظ ہیں' جزا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے تھے' اس کی وجہ سے وہ اس اجر وثواب کے مستحق ہیں اور عطا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل وکرم سے ان کو اجر وثواب عطا فرما رہا ہے اور یہ تناقض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بندے جو اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ وہ اس وجہ سے اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمالیا ہے اور اللہ تعالیٰ کریم ہے' وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اوراس آیت میں ''حساب'' کالفظ ہے' ''حساب'' کے دو معنی ہیں' ایک معنی ہے: کفایت' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو اجر وثواب عطا فرمائے گا وہ ان کو کافی ہوگا اور حساب کا دوسرا معنی ہے: گنتی کرنا' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گنتی کے موافق اجر وثواب عطا فرمائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزاء کے تین درجات بیان فرمائے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطا فرمائے گا (۲) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا (۳) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا' اور ان تین درجات کا ذکر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں ہے۔

(۱) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ (الانعام:۱۶۰) — جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس کی دس مثل اجر ملے گا۔

(۲) مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ (البقرہ:۲۶۱) — جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی مثل ہے جو سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔

(۳) اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر:۱۰) — صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا ○

النبا: ۳۷ میں فرمایا: جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' نہایت رحم فرمانے والا ہے' اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا ○

بلا اذن شفاعت نہ کرنے کی تحقیق

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اس سے بات کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا' اس کی تین تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے' رہے مؤمنین تو وہ گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

(۲) قاضی نے کہا: اس سے مراد مؤمنین ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے' کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تو ثابت ہوا کہ وہ کفار کو جو عذاب پہنچائے گا وہ اس کا عدل ہے' اور مؤمنین کو جو ثواب عطا فرمائے گا وہ بھی اس کا عدل ہے اور وہ کسی کے حق میں کمی نہیں کرے گا۔ امام رازی فرماتے ہیں: یہ قول بھی پہلے قول کی بہ نسبت زیادہ حق کے قریب ہے کیونکہ اس سے پہلے اس آیت میں مؤمنین کا ذکر ہے' مشرکین کا ذکر نہیں ہے۔

مصنف کے نزدیک یہ دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ مؤمنین کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے حالانکہ دلائل سے ثابت ہے کہ صالحین مؤمنین گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اس آیت کا محمل یہ ہے کہ کوئی مؤمن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔

(۳) اس سے مراد تمام آسمان اور زمین والے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کلام اور خطاب کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور جو شفاعات کی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے کی جائیں گی اور ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملکیت کی نفی کی ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے یا خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور احسان سے جس کو شفاعت کرنے کا موقع عطا

فرمائے گا وہ اس شفاعت کا مالک نہیں ہوگا' البتہ ماذون ہوگا۔
باقی رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے؟ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:
(۱) اللہ کے ماسوا ہر چیز اللہ کی مملوک ہے اور مملوک اپنے مالک سے کلام کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔
(۲) اگر یہ کہا جائے کہ مملوک اپنے مالک سے کلام کرنے کا مستحق ہے اور اس کا اللہ پر حق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا' سوا اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی' اور اس نے صحیح بات کی O وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے O بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O (النبا: ۴۰۔۳۸)

النبا: ۳۸ میں ''روح'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

النبا: ۳۸ میں ''روح'' کا لفظ ہے' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:
ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بنو آدم کی صورتوں پر بنایا ہے اور آسمان سے جو بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے' اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔
(تفسیر مجاہد ص ۶۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی ۱۵۰ھ روایت کرتے ہیں:
اس روح کا چہرہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے' اس کا نصف آگ ہے اور اس کا نصف برف ہے' وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! جس طرح تو نے اس آگ اور اس برف میں الفت ڈال دی ہے' یہ آگ اس برف کو نہیں پگھلاتی اور نہ یہ برف اس آگ کو بجھاتی ہے' اسی طرح اپنے ایمان والے بندوں کے درمیان الفت ڈال دے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اس روح کو اختیار کر لیا اور فرمایا: جس دن روح اور اس کے تمام فرشتے کھڑے ہوں گے۔
(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
روح کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مسلمانوں کی روح ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد فرشتوں کے محافظ ہیں' وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح سے مراد وہ کتابیں ہوں جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ. (النحل: ۲) وہ فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی (آسمانی کتاب) دے کر جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔

پھر یہ آسمانی کتابیں اس شخص سے مناقشہ کریں گی جس نے ان کے حق کو ضائع کر دیا' یا جس نے ان کتابوں کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس شخص کے حق میں شفاعت کریں گی جس نے ان کا حق ادا کیا اور ان کے احکام پر عمل کیا اور بعض نے کہا: اس سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جا سکتی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے: روح میرے رب کے امر سے ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۵)

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۱۷۲۳٬ موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں روح کی تفسیر میں آٹھ قول ہیں:

(۱) ابو صالح نے کہا: روح انسانوں کی طرح اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور انسان نہیں ہے اور وہ اللہ سبحانہ کا لشکر ہے۔

(۲) مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ملائکہ میں سب سے اشرف ہیں۔

(۳) ابن ابی نجیح نے کہا: وہ ملائکہ کے محافظ ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے عظیم فرشتہ ہے۔

(۵) سعید بن جبیر نے کہا: وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

(۶) حسن بصری نے کہا: وہ بنو آدم کی ارواح ہیں' وہ صف باندھے کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

(۷) قتادہ نے کہا: وہ بنو آدم ہیں۔

(۸) زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

مصنف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں روح سے مراد حضرت جبریل ہیں اور مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کا فرشتوں کے ساتھ ذکر ہے۔

روح اور فرشتوں کے صحیح بات کہنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے: روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح اور سب فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سب الگ الگ صفوں میں کھڑے ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح (خواہ اس کا جو بھی مصداق ہو) اور فرشتے جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے' اس کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی شفاعت میں صحیح بات کہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب وہ رحمٰن کی اجازت سے شفاعت کرے گا تو وہ لامحالہ صحیح بات کہے گا' پھر یہ شرط کیوں عائد کی ہے کہ وہ صحیح بات کہے؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلقاً کلام کرنے کی اجازت دی' پھر وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کلام کریں گے جو بالکل صواب اور صحیح ہو اور شفاعت میں اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی حدود کے موافق ہو اور یہ ان کی انتہائی اطاعت اور عبادت کی دلیل ہے۔

(۲) اس سے مراد حضرت جبریل اور دیگر فرشتوں کی شفاعت نہیں ہے' بلکہ شفاعت کے دیگر مصادیق مراد ہیں' لیکن پہلا جواب راجح ہے۔

النبا: ۳۹ میں فرمایا: وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے O

حصولِ شفاعت کی دعا پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور اس دن کو حسب ذیل وجوہ سے حق فرمایا ہے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک کم عقل عورت کے پاس سے گزرے وہ یہ دعا کر رہی تھی: اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اہل لوگوں میں سے بنا دے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوں دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے جنت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء سے بنا دے کیونکہ آپ کی شفاعت تو آپ کی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

اس پر معتزلہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تم یہ دعا کرتے ہو کہ اے اللہ! ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم یہ دعا کرتے ہو کہ اے اللہ! ہمیں گناہ کبیرہ کرنے والوں میں سے بنا کیونکہ آپ کی شفاعت تو گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے شرک سے اجتناب کیا اور اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گئے تو چونکہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی تو اس کے یہ محاسن اس کو شفاعت کا اہل بنا دیتے ہیں' اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنے نبی کی شفاعت سے حصہ عطا فرما تو گویا وہ یوں کہتا ہے: اے اللہ! مجھے نیک کاموں کی توفیق عطا فرما اور مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری تعظیم کرتے ہیں اور تیری اطاعت اور عبادت سے تیرا تقرب حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ میں شفاعت کو حاصل کر لوں اور اس کا اپنی دعا سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اللہ اس کو کبیرہ گناہ کرنے والوں میں سے کر دے۔

ہمارے اس قول کے صحیح ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۴-۱۴۳)

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ۝ تو وہ حشر تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان کی تسبیح نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی' اور اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تو وہ مچھلی کے پیٹ سے نجات کے مستحق نہ ہوتے' اسی طرح مرتکب کبیرہ اپنے سابقہ نیک کاموں کی وجہ سے شفاعت کا مستحق ہوگا اور اس کی دوزخ سے نجات کی امید کی جائے گی' وہ اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا' نیز معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ صغیرہ کا مرتکب اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنی مغفرت کا سوال کیا تو تمہارے اعتراض کے طور پر اس کی دعا کا یہ معنیٰ ہوگا کہ اے اللہ! مجھے صغیرہ گناہوں میں مبتلا رکھ تاکہ تو میری مغفرت کر دے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کے طلب کرنے کی دعا کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور تم جو اس اعتراض کا جواب دو گے ہماری طرف سے شفاعت کی دعا پر تمہارے اعتراض کا وہی جواب ہو گا۔

اگر معتزلہ ہمارے معارضہ کے جواب میں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مرتکب صغیرہ ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ جو شخص یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس دعا کا بھی یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مرتکب کبیرہ ہونے کی دعا کر رہا ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۷۲-۳۷۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

میں نے اپنے تلمیذ رشید مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ وجہٗ کے سامنے جب معتزلہ کا یہ اعتراض ذکر کیا کہ حصولِ شفاعت کی دعا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہ کبیرہ کا مرتکب کر دے' کیونکہ حدیث میں ہے: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۳۹) تو انہوں نے برجستہ کہا: یہ اعتراض تو اس وقت ہوتا جب حدیث میں کوئی حصر کا لفظ ہوتا کہ میری شفاعت صرف مرتکب کبائر کے لیے ہو گی حالانکہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی متعدد اقسام ہیں: (۱) آپ کی شفاعتِ کبریٰ تمام اہل محشر کے لیے ہو گی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب لینا شروع کر دے (۲) اور آپ صالحین کے لیے ترقی درجات کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۳) جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے آپ ان کی نجات کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۴) آپ اپنے اہل بیت کے لیے خصوصی شفاعت فرمائیں گے (۵) آپ ستر ہزار در ستر ہزار مؤمنوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر حساب اور کتاب کے جنت میں داخل فرما دے (۶) اذان کے بعد آپ پر درود پڑھ کر آپ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے والوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۷) جو مسلمان آپ کی قبر انور کی زیارت کریں گے ان کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۸) جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۹) اہل مدینہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے (۱۰) اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھوں کو چومنے والوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

ان دس قسموں کے علاوہ ایک قسم یہ ہے کہ آپ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے بھی شفاعت فرمائیں گے' سو حصولِ شفاعت کی دعا کرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دعا کرنے والے کو کبیرہ گناہ کرنے والوں سے کر دیا جائے؟ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس کو باقی دس قسموں میں سے کسی قسم میں کر دیا جائے' سو یہ جواب سن کر میں نے مفتی اسماعیل کی بہت تحسین کی اور ان کو دعا دی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے شاگرد کو ایسا ذہن عطا فرمایا ہے اور حاضر جواب بنایا ہے' وللّٰه الحمد علٰى ذالك۔

النبا: ۳۹ میں فرمایا: وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے O

روزِ قیامت کے حق ہونے کی توجیہ

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن سو احق کے اور کوئی بات نہیں کہی جائے گی اور اس کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے' وہ ضرور واقع ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا: سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے گم راہی اور ہدایت کے دونوں راستے وضاحت سے دکھا دیئے ہیں اور کسی کو ہدایت یا گم راہی اختیار کرنے سے نہیں روکا اور جس نے رشد اور ہدایت کے راستہ کو اختیار کیا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہے اور یہی راستہ اس کے رب کی طرف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرے گا' اس کو ہدایت دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عطاء نے کہا: اپنے رب کی اطاعت کر کے اور اس کا قرب حاصل کر کے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بناؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۰۱۲)

النبا: ۴۰ میں فرمایا: بے شک ہم نے تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O

النبا: ۴۰ میں آدمی کے متعلق مفسرین کے اقوال

یعنی جس عذاب سے تم کو ڈرایا گیا ہے اس کا آنا بہت قریب ہے' اگرچہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کا آنا بہت دور ہے' جیسا

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۔ (النحل:۱) اللہ تعالیٰ کا (قیامت کے متعلق) حکم آ پہنچا ہے اب جلدی نہ مچاؤ۔

اس کے بعد فرمایا: اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اس آیت میں آدمی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر' ہاتھوں کے بھیجنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ انسان کے اکثر اعمال اس کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال بھی اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا' اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو نیک یا بد کام کیے ہیں' ان میں اس کے ہاتھوں کا دخل نہ ہو' جیسا کہ بارش کو رحمت کہا جاتا ہے اگر چہ فی نفسہٖ بارش رحمت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے۔

(۲) عطاء نے کہا: آدمی سے مراد اس آیت میں کافر ہے' کیونکہ مؤمن جس طرح اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے کاموں کو دیکھے گا' اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عفو اور اس کی رحمت کی طرف دیکھے گا اور رہا کافر تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھے گا تو وہ صرف اپنے ہاتھوں سے بھیجے ہوئے گناہوں کو دیکھے گا۔

(۳) حسن اور قتادہ نے کہا: اس آیت میں آدمی سے مراد مؤمن ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا' پس جب اس آیت کے دوسرے حصہ میں کافر مراد ہے تو ضروری ہوا کہ پہلے حصہ میں مؤمن مراد ہو' نیز اس لیے کہ جب مؤمن نے اپنے ہاتھوں سے نیک کام بھی بھیجے اور بُرے کام بھی تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور اس کی رحمت اور مغفرت کی امید بھی ہوگی' پس وہ منتظر ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا' رہا کافر تو اس کو یقین ہوگا کہ اس کو عذاب ہوگا' اس کو نہ کوئی تجسس ہوگا نہ انتظار۔

کافر کے قول ''کاش! میں مٹی ہو جاتا'' کے متعلق روایات

کافر قیامت کے دن زندہ کیے جانے سے پہلے مٹی تھا' اب جب وہ اپنا انجام دیکھ لے گا تو کہے گا: کاش! وہ اسی طرح مٹی ہو جاتا اور اب اس کو عذاب نہ دیا جاتا' جیسا کہ ان آیات میں ہے: قیامت کے دن کافر کہے گا:

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ (الحاقہ:۲۷) کاش کہ موت ہی میرا کام تمام کر دیتی ۝

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ (النساء:۴۲) جس دن کفار اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے ۝

امام ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کو امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی ان سے نقل کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قیامت کے دن روئے زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور تمام جانوروں' حیوانوں اور حشرات الارض کو اکٹھا کیا جائے گا' پھر جانوروں سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ اگر سینگھ والی بکری نے بغیر سینگھ والی بکری کے سینگھ مارا تو اُس سے قصاص لیا جائے گا' پھر جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم مٹی ہو جاؤ' یہ منظر دیکھ کر کافر کہے گا: کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔

مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ وحشی جانوروں کو حشرات الارض کو اور پرندوں کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگھ کی بکری کا سینگھ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: میں نے تم کو پیدا کیا اور تم کو بنو آدم کے لیے مسخر کیا اور تم اپنی پوری زندگی ان کی اطاعت کرتے رہے' اب تم اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ جاؤ اور مٹی ہو جاؤ' پس جب کافر ان کی طرف دیکھے گا جو مٹی ہو گئے تو تمنا کرے گا اور یہ کہے گا: کاش! میں دنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور آج مٹی ہو جاتا۔

ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان بیان کرتے ہیں: جب اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا تو اس وقت سب جانوروں سے اور مؤمنین جنات سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ' پھر وہ سب مٹی ہو جائیں گے' اس وقت کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس نے حضرت آدم کی مذمت کی تھی کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فخر کیا تھا کہ اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے' پس جب وہ قیامت کے دن یہ دیکھے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے مؤمنوں کو کس قدر ثواب عطا کیا جا رہا ہے اور وہ کس قدر سختی اور عذاب میں ہے تو ابلیس کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۲۱۔۱۲۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۴۔۱۶۳)

سورۃ النبا کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۴ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ اگست ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ بعد نمازِ عصر سورۃ النبا کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے سورۃ النبا کی تفسیر مکمل کرا دی' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اپنی رحمت سے شرح صحیح مسلم کو اور اس تفسیر تبیان القرآن کو قیامت تک باقی' مقبول اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین اور اس کتاب کے ناشر اور قارئین کی محض اپنے کرم سے مغفرت فرما دیں' دارین کی سختیوں سے مامون رکھیں اور دارین کی خوشیاں اور کامرانیاں عطا فرمائیں۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ النّٰزِعٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اس آیت میں مذکور پہلے لفظ سے ماخوذ ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ (النّزعٰت:۱) ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں۔

امام ابن الضریس النحاس ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ النّزعٰت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج۸ص ۳۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۱ ہے یہ سورۃ النبا کے بعد نازل ہوئی ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے بھی اس سورت کا نمبر ۸۱ ہے۔

النّزعٰت اور النبا میں مناسبت

سورۃ النّزعٰت اور سورۃ النبا دونوں میں قیامت کے مناظر اور متقین اور مجرمین کے اخروی احوال بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں قیامت کے مناظر اور حیات بعد الموت پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور حساب اور جزاء اور سزا کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں النبا کے آخر میں قیامت کے عذاب کے قریب آنے سے ڈرایا ہے اور النّزعٰت کے آخر میں حشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

النّزعٰت کے مشمولات

☆ النّزعٰت: ۵۔۱ میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو کافروں کے جسموں سے ان کی روحوں کو نہایت سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالیں گے اور مؤمنوں کے جسموں سے ان کی روح کو نہایت نرمی سے نکالیں گے اور اس قسم کا جواب محذوف ہے یعنی تم کو ضرور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

☆ النّزعٰت: ۱۰۔۶ میں قیامت کا ذکر ہے اور کفار کے انکارِ قیامت کا ذکر ہے۔

☆ النّزعٰت: ۱۴۔۱۱ میں کفار کے انکارِ قیامت کی تفصیل ہے اور ان کا رد کیا گیا ہے۔

☆ النّزعٰت: ۲۶۔۱۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ معرکہ آرائی کا ذکر ہے جو اپنی حکومت کے غرور میں خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا تاکہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سبب ہو۔

☆ النّٰزِعٰت: ۳۲۔۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے حیات بعد الموت کے منکرین سے خطاب فرمایا ہے اور بعض محسوس دلائل سے مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کو ثابت فرمایا ہے اور ان کو بتایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے زیادہ قوی تو نہیں ہیں، جب اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کر سکتا ہے تو ان منکرین کو کیوں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا!

☆ النّٰزِعٰت: ۴۶۔۳۴ کی آخری آیتوں میں قیامت کے ہولناک اُمور بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: بعض سعید ہیں اور بعض شقی ہیں اور یہ کہ مشرکین یہ سوال کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت آئے گی، اور اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کے وقت کو اپنی عقل سے کوئی نہیں جان سکتا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی عقل سے نہیں معلوم کر سکتے کہ قیامت کس وقت آئے گی البتہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم عطا فرمایا ہے، اور یہ کہ مشرکین کا دنیا میں رہنا چند روز ہے اور جب قیامت اچانک آئے گی تو ان کے ہوش اُڑ جائیں گے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر توکل کرتے ہوئے سورۃ النّٰزِعٰت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا اور مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور غلط اور باطل سے مجھے مجتنب رکھنا اور اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا اور اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما اور مجھے بُرے کاموں سے مجتنب اور نیک کاموں سے متصف رکھنا اور انجام کار میری مغفرت فرما دینا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۵ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ اگست ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۷۹) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۴۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ النّٰزعٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے اس میں چھیالیس آیات اور دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (۱) وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (۲) وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (۳)

ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں ○ اور ان کی قسم جو نہایت نرمی سے (مؤمن کی جان

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (۴) فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (۵) يَوْمَ تَرْجُفُ

کے) بند کھولتے ہیں ○ اور ان کی قسم جو (زمین وآسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں ○ پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں ○

الرَّاجِفَةُ (۶) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (۷) قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (۸)

پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں ○ (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی لرزانے والی ○

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (۹) يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (۱۰)

پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○ اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے ○ (دہشت سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ○

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (۱۱) قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (۱۲)

وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ○ کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ ○ وہ کہتے ہیں: پھر

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۱۴) هَلْ

تو یہ بڑے خسارے کی واپسی ہوگی ○ وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ○ پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے میدان میں ہوں گے ○ کیا آپ

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (۱۵) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ○ جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں

طُوًى (۱۶) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۱۷) فَقُلْ هَلْ لَّكَ

ندا فرمائی ○ کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے ○ آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک

اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى (۱۸) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (۱۹) فَاَرٰىهُ

ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ ○ اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے ○ پھر انہوں نے

وقف لازم
وقف لازم
وقف لازم
وقف لازم

الْاٰیَةَ الْکُبْرٰی ﴿۲۰﴾ فَکَذَّبَ وَعَصٰی ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ﴿۲۲﴾

اسے بہت بڑی نشانی دکھائی O سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی O پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی O

فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ

اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیا O پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں O پس اللہ

اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیا O بے شک اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور

یَّخْشٰی ﴿۲۶﴾

عبرت ہے O

ع ۱ ۲۶ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں O اور ان کی قسم جو نہایت نرمی سے (مؤمن کی جان کے) بند کھولتے ہیں O اور اُن کی قسم جو (زمین اور آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں O پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں O پھر ان کی قسم جو (نظامِ کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں O (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا)۔ (النّٰزعٰت: ۵-۱)

کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت اور کافر کی روح کا سختی کے ساتھ جسم سے نکالنا

النّٰزعٰت: میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو بنو آدم کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں' اور جب وہ کفار کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں تو ان کے جسموں میں ڈوب کر نہایت سختی سے ان کی روحوں کو کھینچتے ہیں' جیسے کوئی کانٹوں والی شاخ کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

جب کوئی پرندہ کسی پنجرہ میں بند ہو اور اس کے چاروں طرف خون خوار بلیاں اس کو نوچنے کے لیے تیار ہوں تو وہ اس پنجرہ میں دبکا رہتا ہے کیونکہ اس کو پتا ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت تک محفوظ ہے جب تک اس پنجرہ میں ہے' اگر کوئی پنجرہ کی کھڑکی کھول کے اس کو نکالے تو وہ پنجرہ میں ہی سکڑا بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں اور امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ملک الموت کافر کی روح کو ہر بال' ہر ناخن اور قدموں کی جڑوں کے نیچے سے کھینچتا ہے اور اس کو اس کے جسم میں بار بار لوٹا کر نکالتا ہے اور مقاتل نے کہا: ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے کفار کی روحوں کو اس طرح سختی سے کھینچتے ہیں' جیسے لوہے کی سیخ میں بہت کانٹے ہوں اور ان میں گیلا اُون پھنسا ہوا ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جائے پھر اس کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا شخص نکلتا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ص ۱۲۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۵ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمان بن محمد رازی، ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ کفار کی روحیں ہیں جن کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' پھر آگ میں غرق کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۱۱۰' الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۷۰)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم کھائی ہے اور کھینچنے والوں کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا' اس لیے یہ عام ہے خواہ فرشتہ ہو یا موت ہو یا ستارہ ہو یا کمان ہو۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ فرمایا ہے کہ النّٰزعٰت سے مراد وہ فرشتے ہیں جو سختی سے کافر کی روح کو اس کے جسم سے کھینچتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۶۵) اور ظاہر ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام کی یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے' کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو اپنی عقل اور قیاس سے متعین کیا جاسکے۔

النّٰزعٰت: ۲ میں فرمایا: اور ان (فرشتوں) کی قسم جو نہایت نرمی سے (مومن کی جان کے) بند کھولتے ہیں O

''ناشطات'' کا معنیٰ اور مؤمن کی روح کا آسانی کے ساتھ جسم سے نکلنا

اس آیت میں ''ناشطات'' کا لفظ ہے' یہ ''ناشطة'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: گرہ یا بند کھولنے والے' فراء نے کہا: اس سے مراد ہے: مؤمنوں کی روحوں کو آسانی سے ان کے جسموں سے نکالنے والے فرشتے' ''انشطت العقال'' کا معنیٰ ہے: میں نے اونٹ کے زانو بند کی گرہ کھول دی' ''نشط'' کا معنیٰ ہے: گرہ لگانا اور ''انشط'' کا معنیٰ ہے: گرہ کھولنا' نیز ''نشاط'' کا معنیٰ خوش ہونا بھی ہے' اس صورت میں معنیٰ ہوگا: مؤمنوں کی خوش ہونے والی روحیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں کیونکہ ان کے نکلنے سے پہلے ہی ان کے سامنے جنت کر دی جاتی ہے۔ (لغات القرآن ج ۶ ص ۱۳۔۱۲)

امام ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی فرشتے مؤمن کے جسم سے اس کی گرہ یا اس کا بند کھول دیتے ہیں جس طرح جب اونٹ کی ٹانگ سے بندھی ہوئی رسی کو کھول دیا جائے تو کہتے ہیں: ''نشطت العقال من ید البعیر'' یہ فراء کا قول ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں' کیونکہ جو مومن بھی فوت ہوتا ہے' مرنے سے پہلے اس کو جنت پیش کی جاتی ہے اور وہ اس میں اپنی ان ازواج کو دیکھتا ہے جو بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۲۳' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمنین کی روحیں جب ملک الموت کو دیکھیں گی تو ملک الموت کہے گا: اے نفس مطمئنہ! چلو روح اور ریحان (خوشی اور خوشبو) کی طرف اور رب کی طرف جو ناراض نہیں ہے اور خوشی خوشی کرامت کے ساتھ جنت کی طرف چلو۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۷۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حارث بن خزرج کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کھڑا ہوا تھا' میں نے کہا: اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مؤمن ہے' ملک الموت نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ خوش ہوں اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھیں' بے شک میں ہر

مؤمن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۷۸۴'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۸۸)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی موت کے وقت پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۸۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰) 35

اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ موت کی شدت سے کنایہ ہے' دوسرا یہ کہ یہ موت کے وقت خیر کی علامت ہے۔

مؤمن کی روح کھینچنے کی کیفیت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ مؤمن دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جنت کے کفن ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس مؤمن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے' اور اس سے کہتا ہے: اے نفسِ مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل' پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے' پھر فرشتہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتا اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں رکھ دیتا ہے اور اس سے روئے زمین کی سب سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آتی ہے' فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: یہ کیسی پاکیزہ معطر روح ہے؟ وہ بتائیں گے: یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام بتائیں گے جو اس کا دنیا میں سب سے اچھا نام تھا' حتیٰ کہ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمانِ دنیا پر پہنچیں گے اور اس کے لیے آسمان کو کھلوائیں گے تو آسمان کھول دیا جائے گا' پھر آسمانِ دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک اس کا ہر آسمان پر استقبال کیا جائے گا' پس اللہ عزوجل فرمائے گا: میرے بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لے جاؤ' میں نے اسی زمین سے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی زمین میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی زمین سے ان کو دوبارہ نکالوں گا' پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا' پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' وہ پھر پوچھیں گے: تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' وہ پھر پوچھیں گے: یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب اللہ کو پڑھا' پس میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت سے ایک کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور حد نگاہ تک اس کی قبر میں توسیع کر دی جائے گی' پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص آئے گا' جس کا لباس بھی حسین ہو گا اور اس کی خوشبو بھی بہت اچھی ہو گی' وہ کہے گا: تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت حسین ہے اور خیر انگیز ہے' وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں' تو وہ کہے گا: اے میرے رب! قیامت کو قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندۂ کافر دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں' ان کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کافر کے

سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! اللہ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل' وہ روح اس کافر کے جسم میں پھیل جاتی ہے' وہ اس روح کو اس طرح گھسیٹ کر نکالتے ہیں جس طرح کانٹوں والی سلاخ میں پھنسے ہوئے گیلے اُون کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کی روح کو اس ٹاٹ
35 میں لپیٹ دیتے ہیں' اس سے مردار کی طرح سخت بدبو نکلتی ہے' وہ اس روح کو لے کر چڑھتے ہوئے فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' وہ پوچھتے ہیں: یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ بتاتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں اس کے بدترین نام کو بتاتے ہیں' حتیٰ کہ آسمانِ دنیا میں پہنچتے ہیں' آسمان کو کھلواتے ہیں تو آسمان کو نہیں کھولا جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ . (الاعراف: ۴۰)

ان (کافروں کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کو سب سے نچلی زمین سجین میں داخل کر دو' پھر اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج: ۳۱)

جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گویا آسمان سے گر پڑا' اب یا تو اسے پرندے اُچک کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو دور دراز کی جگہ پر پھینک دے گی ۝

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی' پھر دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا' وہ پوچھیں گے: یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو' اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کی اس کی اِدھر کی پسلیاں اُدھر نکل جائیں گی اور اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا جس کا لباس بھی بہت بُرا ہو گا اور اس سے سخت بدبو آ رہی ہو گی' پس وہ کہے گا: تمہیں بُری چیزوں کی بشارت ہو' یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا' وہ کافر کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت خوفناک ہے جو شر انگیز ہے' وہ شخص کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں' تب وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔

علامہ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۳)

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۴۹۹۔ رقم الحدیث: ۱۸۵۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۰۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۰' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۷۵ طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' المستدرک ج ۱ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۲۱۹' کتاب الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۲۔ ص ۳۰۲' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۲۲۱۔ ج ۴ ص ۲۷۱۔ ۲۷۰' حافظ منذری نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔ ۴۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۶۳۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۴۹۵' شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی المتوفی ۴۱۸ھ۔ ج ۲ ص ۱۵۲۔ رقم الحدیث: ۲۱۴۰' شرح الصدور ص ۵۵۔ ۵۴' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام

ابن ابی حاتم اور امام ابن جریر کے حوالہ سے بھی لکھا ہے لیکن بسیار تلاش کے بعد مجھے ان کی تفسیروں میں یہ حدیث نہیں ملی)

میں نے اس حدیث کے متعدد حوالہ جات اس لیے جمع کیے ہیں تا کہ قارئین کو یہ اطمینان ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس حدیث میں بندہ مومن کے خاتمہ کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہم کو عطا کر دے' اے میرے رب! میرے لیے میری موت کو سہل اور آسان کر دے اور موت کے وقت میرے جسم سے میری روح کو اس طرح نکالنا جس طرح پانی کی مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے اور موت کے بعد بندہ مؤمن کو جن نعمتوں سے نوازنے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ تمام نعمتیں مجھے اور میرے قارئین اور محبین کو عطا فرمانا' میں نے اپنے قارئین کے لیے حسن خاتمہ کی دعا کی ہے' سو قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ بھی میرے لیے حسن خاتمہ کی دعا کریں' خصوصاً ایسے خاتمہ کی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور حدیث ہے' جس کو حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے ذکر کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک ریشم کے ٹکڑے میں مشک اور مختلف پھول لے کر آتے ہیں' پھر اس کے جسم سے روح کو اس طرح نکالا جاتا ہے' جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکالا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح! اس حال میں کہ تو راضی ہو اور تجھے راضی کیا گیا ہو' تو اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف نکل اور جب وہ روح نکلتی ہے تو اس کو اس مشک اور پھولوں پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس ریشم کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو علیین کی طرف لے جایا جاتا ہے اور بے شک جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ میں انگارے رکھ کر لاتے ہیں' پھر اس کی روح کو نہایت سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اے خبیث روح! اس حال میں کہ تو ناراض ہو اور تجھ پر اللہ ناراض ہو' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف نکل اور جب وہ روح نکل آتی ہے تو اس کو ان انگاروں پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس ٹاٹ کو اس کے اوپر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو سجین کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

(شرح الصدور ص ۶۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۵۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''النشطت'' سے وہ فرشتے مراد ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو آسانی کے ساتھ ان کے جسموں سے نکالتے ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: یہ ستارے ہیں جن کو ان کی طلوع ہونے کی جگہوں سے غروب ہونے کی جگہوں کی طرف نکالا جاتا ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: یہ روح ہے' جو انسان کی روح کا بند کھول دیتی ہے۔

(۴) سدی نے کہا: یہ روح ہے' جس کا موت سے بند کھل جاتا ہے۔

(۵) عطاء نے کہا: یہ جانوروں کی گردنوں میں ڈالی جانے والی رسیاں ہیں۔

(۶) ابوعبیدہ نے کہا: یہ وحشی جانور ہیں جن کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کھول دیا جاتا ہے' جیسے تفکرات انسان کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

النّٰزِعٰت: ۳ میں فرمایا: اور ان کی قسم (جو زمین اور آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں O

''السابحات'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''السابحات'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں' الکلبی نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو قبض کرتے ہیں' جیسے کوئی شخص پانی میں تیرتا ہے تو کبھی پانی میں ڈبکی لگاتا ہے اور کبھی سطح آب پر اُبھر آتا ہے اور مجاہد اور ابو صالح نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو بہت تیز رفتار گھوڑے کی طرح تیزی سے آسمان سے اترتے ہیں جیسے تیز رفتار گھوڑے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تیرنے والا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں' قتادہ نے کہا: اس سے مراد ستارے' سورج اور چاند ہیں' اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (یٰس: ۴۰) ہر ستارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○

عطاء نے کہا: اس سے مراد کشتیاں ہیں۔

(الکشف والخفاء ج ۱۰ص ۱۲۴' النکت والعیون ج ٦ص ۱۹۳' معالم التنزیل ج ۵ص ۲۰۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱٦۷)

''السابقات'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

النّٰزعٰت: ۴ میں فرمایا: پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں ○

مجاہد اور ابو روق نے کہا: جو ابن آدم کی خیر اور عمل صالح کو پہنچانے میں سبقت کرتے ہیں' مقاتل نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو ارواحِ مؤمنین کو جنت میں لے جانے میں سبقت کرتے ہیں' حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ مؤمنین کی روحیں ہیں جو فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں' یہ اللہ کی ملاقات اور اس کی رحمت اور کرامت کے شوق میں آگے بڑھتی ہیں' عطاء نے کہا: یہ گھوڑے ہیں' قتادہ نے کہا: یہ ستارے ہیں' بعض بعض سے چلنے میں سبقت کرتے ہیں۔ (الکشف والخفاء ج ۱۰ص ۱۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت کرتے ہیں' ایک قول یہ کہ بنو آدم نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں تو یہ ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱٦۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''السابقات'' سے مراد مؤمنین کی ارواح ہیں' ان کو 'سابقات'' اس لیے فرمایا کہ جب وہ روحیں یہ دیکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا کیا تکریم اور خیر تیار کی ہے تو وہ اپنے مقرر وقت سے پہلے اپنے اجسام سے نکلنا چاہتی ہیں تا کہ وہ اجسام سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی تیار کی ہوئی کرامت تک پہنچ جائیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵٦)

ایک قول یہ ہے کہ یہ سبقت موت کے وقت ہوگی' جب مؤمن کو موت آئے گی تو وہ اس وقت میں اس قیدی کی طرح ہوگا جو قید سے رہائی اور راحت چاہتا ہو کیونکہ اس وقت مؤمن دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا ثواب تیار کیا گیا ہے' پس اس وقت اس کی خواہش ہوگی کہ وہ اس جسم سے نکل کر اس ثواب تک پہنچ جائے اور کافر جب دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا عذاب تیار کیا گیا ہے تو اس کی رُوح اس جسم سے نکلنا ناپسند کرے گی اور اس وقت اس کے لیے یہی دنیا جنت ہوگی اور وہ اپنے عذاب کو دیکھ کر اس جسم سے جدا ہونا نہیں چاہے گی اور اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے' اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦۵۰۸ ـ ٦۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲٦۸۳)

کیونکہ جب مؤمن موت کے وقت جنت میں اپنے ثواب کو دیکھے گا' تو اس وقت اس کی روح جسم سے نکل کر جنت میں جانا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے گی اور جب موت کے وقت اپنے عذاب کو دیکھے گا تو اس کی روح جسم سے نکل کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرے گی۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۷۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

النّزعٰت: ۵ میں فرمایا: پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرتے ہیں○

''المدبرات'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

امام الحسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''المدبرات امرا'' سے مراد فرشتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے چند اُمور ان کے سپرد کر دیئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو حکم دیا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' عبد الرحمان بن سابط نے کہا: دنیا میں نظام عالم کی تدبیر چار فرشتے کرتے ہیں: حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام۔

حضرت جبریل کے سپرد وحی لانا اور ہوائیں اور لشکر ہیں' حضرت میکائیل کے سپرد بارش اور زمین کی پیداوار کا نظام ہے اور حضرت ملک الموت کے سپرد روحوں کو قبض کرنا ہے اور حضرت اسرافیل کے سپرد صور پھونکنا ہے اور وہ بغیر کسی اہم امر کے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اولیاء اللہ کی ارواح کا ''المدبرات'' کا مصداق ہونا اور لوگوں کے کام آنا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الناشطات'' سے مراد مؤمنین کی ارواح ہیں جو نہایت نرمی اور آسانی سے اپنے جسموں سے نکل جاتی ہیں' پھر وہ ارواحِ بشریہ جو تعلق جسمانی سے خالی ہوتی ہیں اور عالم بالا کے ساتھ اتصال کی مشتاق ہوتی ہیں جب وہ اجسام کی ظلمت سے نکل جاتی ہیں تو وہ عالم ملائکہ اور منازل قدس کی طرف مسرت اور شادمانی سے بہت سرعت کے ساتھ جاتی ہیں اور ان کے تیزی سے روانہ ہونے کو ''سابحات'' (تیرنے والیاں) سے تعبیر فرمایا ہے' پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا سے متنفر ہونے میں اور عالم علوی کے ساتھ اتصال کی محبت میں ان ارواح کے درجات مختلف ہوتے ہیں' پس جن ارواح کے یہ احوال زیادہ کامل ہوتے ہیں ان کی عالم قدس کی طرف روانگی اتنی سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جن کے یہ احوال کم زور ہوتے ہیں ان کی روانگی اسی قدر آہستہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو ارواح ''سابقات'' ہوتی ہیں یعنی جو عالم قدس سے محبت کی وجہ سے بہت تیزی سے عالم قدس کی طرف سبقت کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان ہی ارواح کی قسم کھائی ہے یعنی ان ارواح کی قسم جو عالم قدس کی طرف سبقت کرتی ہیں تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے' پھر یہ مستبعد نہیں ہے کہ ان ارواحِ شریفہ عالیہ میں جو قوت اور شرف ہے ان ہی کے آثار سے اس عالم کے احوال ظہور میں آتے ہوں' لہٰذا وہی ارواحِ شریفہ ''فالمدبرات امرا'' کی مصداق ہیں' کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انسان خواب میں اپنے استاذ کو دیکھتا ہے اور اس کو جو مشکل پیش آتی ہے اس کا اپنے استاذ سے ذکر کرتا ہے اور اس کا استاذ اس کو اس مشکل کے حل کی طرف رہ نمائی کرتا ہے اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بیٹا خواب میں اپنے باپ کو دیکھتا ہے اور اس کا باپ اس کو کسی مدفون خزانے کی رہ نمائی کرتا ہے اور کیا جالینوس نے یہ نہیں کہا کہ وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گیا اور اپنے علاج سے عاجز ہو گیا' اس نے کہا: میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے علاج کی کیفیت بتائی اور کیا امام غزالی نے یہ نہیں کہا کہ ارواحِ شریفہ (یعنی نیک لوگوں کی روحیں) جب اپنے بدنوں سے جدا ہو جاتی ہیں' پھر اتفاق سے کوئی

انسان ان کے پہلے جسم اور روح کے مشابہ ہوتا ہے تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس نیک روح کا اس بدن کے ساتھ تعلق ہو اور وہ نیک کاموں میں اس کی مدد کرے اور اس معاونت کا نام الہام ہے اور اس کی نظیر کفار اور فجار کی روحوں میں یہ ہے کہ وہ اپنے مناسب بدن میں بُرائی کو ڈالتی ہیں اور اس کو وسوسہ کہتے ہیں اور یہ تفسیر اگرچہ مفسرین سے منقول نہیں ہے لیکن لفظ اس کا بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ١١ص ٣١' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٥ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنا جہالت ہے کہ اولیاء اللہ اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں' مثلاً بیمار کو شفا دیتے ہیں' ڈوبے ہوئے کو غرق سے نجات دیتے ہیں' دشمن کے خلاف مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے سپرد کر دیئے ہیں' ہاں! اس میں توقف نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کی وفات کے بعد ان کو کرامت عطا کرتا ہے' جیسا کہ ان کی وفات سے پہلے ان کو کرامت عطا کی تھی (پس ان کی دعا سے) اللہ تعالیٰ بیمار کو شفا عطا فرماتا ہے اور ڈوبنے والے کو غرق سے نجات دیتا ہے اور دشمن کے خلاف مدد فرماتا ہے اور بارش نازل فرماتا ہے اور ایسے ہی اُمور ان کی کرامت ہیں اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ظاہر فرماتا ہے جو صورت میں ان کے مشابہ ہوتا ہے' پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کا سوال کرے جو گناہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت اور وجاہت کی وجہ سے اس کے سوال کو پورا فرما دیتا ہے اور اگر کوئی سوال کرنے والا کسی گناہ کا سوال کرے اور اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کر دے تو یہ اس سائل کے لیے مکر اور استدراج ہے۔ (روح المعانی جز ٣٠ص ٤٣' دارالفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

نیک روحیں بدن سے جدا ہونے کے بعد ''المدبرات'' کا مصداق ہیں (الیٰ قولہ) پس جب تدبیر کرنا روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس جہان میں تدبیر کرتی ہے' پس جب وہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد اس جہان سے برزخ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو اس کی تدبیر اور تاثیر بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کا جسم روح کے لیے حجاب ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سورج کے لیے بادل حجاب نہ ہوں تو اس کی دھوپ بہت تیز اور سخت ہوتی ہے۔

(روح البیان ج ١٠ص ٣٧٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن لرزائے گی لرزانے والی○ پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی○ اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے○ دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی○ وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟○ کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟○ وہ کہتے ہیں: پھر تو یہ بڑے خسارے کی واپسی ہوگی○ وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی○ پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے میدان میں ہوں گے○ (النّزِعٰت: ١٤۔٦)

قیامت کے احوال اور ''راجفة'' کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: ''یوم ترجف الراجفة'' اور یوم پر زبر اس لیے ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور وہ فعل ہے ''لتبعثن'' یعنی تم ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے' جس دن لرزائے گی لرزانے والی○

اس پر یہ اعتراض ہے کہ لرزائے گی لرزانے والی' اس سے مراد پہلا صور پھونکنا مراد ہے حالانکہ لوگوں کو دوسرے صور کے پھونکنے کے وقت زندہ کیا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ النّزِعٰت: ٧ میں دوسرے صور کے پھونکنے کا ذکر ہے:

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ (النّزِعٰت: ٧) پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی○

''راجفة'' کے لغت میں دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ حرکت ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ . (المزمل:۱۴) جس دن زمین اور پہاڑ تھرائیں گے۔
اس کا دوسرا معنیٰ ہے: گرج دار آواز یا ہولناک آواز یا کڑک' قرآن مجید میں ہے:
فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ . (الاعراف:۹۱) پس ان کو ہولناک کڑک نے پکڑ لیا۔
ان آیات میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں' ''الراجفة'' سے مراد پہلی بار صور میں پھونکنا اور اس کو'' راجفة'' (لرزانے والی) اس لیے فرمایا ہے کہ پہلے صور کے پھونکنے سے دنیا لرزنے لگے گی اور اس میں زلزلہ آ جائے گا' پھر اس کے بعد جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے تو زمین مردوں کو زندہ کرنے کے لیے دوبارہ لرزے گی۔
اس کے بعد فرمایا: اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے O دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی O (النّٰزعٰت:۹۔۸)
یعنی مشرکین کے دل لرز رہے ہوں گے اور منافقین کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی' قرآن مجید میں ہے:
الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ . (محمد:۲۰) جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔
اس کے بعد فرمایا: وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ O (النّٰزعٰت:۱۰)

''حافرة'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''حافرة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: پہلی حالت الٹے پاؤں'' حافرة'' ''حفر'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: زمین کھودنا' ''حافرة'' کا لفظ الٹے پاؤں لوٹنے اور پہلی حالت پر پلٹنے کے لیے ضرب المثل ہو گیا ہے' انسان جس راستہ آیا' الٹے پاؤں اسی راستہ پر پلٹا تو چلنے کی وجہ سے قدموں کے نشانات سے جو زمین کھدی' اس نسبت سے وہ حالت ''حافرة'' کہلائی اور بعض کا قول ہے کہ ''حافرة'' اس زمین کو کہتے ہیں جس میں ان کی قبریں کھدی ہوتی ہیں اور'' حافرة'' بہ معنیٰ'' محفورة'' ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام'' حافرة'' اس وجہ سے ہے کہ وہ'' حوافر'' کا مستقر ہے یعنی کھروں اور سموں کے ٹکنے کی جگہ ہے۔
اس آیت میں اس کا معنیٰ ہے: پہلی حالت پر پلٹنے کی جگہ' گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پھر پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے؟
النّٰزعٰت:۱۱ میں فرمایا: کیا ہم جب گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ O
اس آیت میں ''نخرة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بوسیدہ چورا' چور چور ہڈیاں' بوسیدہ ہونا' ریزہ ریزہ ہونا۔
النّٰزعٰت:۱۲ میں فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ پھر تو بڑے خسارے کی واپسی ہوگی۔

''نخرة'' کا معنیٰ اور خسارہ کی تفسیر میں دو قول

حسن بصری نے کہا: اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کیا ہے' یعنی ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا اور دوسرے مفسرین نے کہا: مشرکین کے قول کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں کا گمان ہے اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگی کیونکہ مشرکین کا گمان یہ تھا کہ جس طرح وہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں' آخرت میں بھی اسی طرح عیش و عشرت میں ہوں گے اور مسلمان جس طرح دنیا میں تنگی سے گزر بسر کر رہے ہیں' اس

سے دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے خسارہ کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک کافر کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ (الکہف: ۳۶) اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں اس (دنیا) سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا ۝

پس مشرکین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں دنیا کی جن نعمتوں سے نوازا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور مرتبہ مسلمانوں میں بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر تو معیشت تنگ کر دے اور اپنے دشمنوں پر معیشت کو وسیع کر دے اور جب ان پر دنیا میں معیشت کشادہ کی گئی تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہی دنیا اور آخرت میں فضیلت والے ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہی خسارے والے ہیں۔

النّٰزِعٰت: ۱۳ میں فرمایا: وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ۝

''زجرۃ'' کا معنیٰ

اس میں یہ بتایا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا بہت سرعت سے ہوگا اور اس کو قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اور اس سے دوسری بار صور میں پھونکنا مراد ہے اور یہ حضرت اسرافیل کی چیخ ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے نیچے سے زندہ کرے گا' وہ اس ہولناک آواز کو سن کر اٹھ کھڑے ہوں گے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (صٓ: ۱۵) انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے ۝

النّٰزِعٰت: ۱۴ میں فرمایا: پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے ہوئے میدان میں ہوں گے ۝

''ساھرۃ'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''ساھرۃ'' کا لفظ ہے' ''ساھرۃ'' کا معنیٰ ہے: میدان' ''سھر'' کا معنیٰ: نیند اُڑ جانا بھی ہے' لیکن اس کا زیادہ استعمال روئے زمین کے متعلق ہوتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: ''ساھرۃ'' سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں' اس نام سے اس کو موسوم کرنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) اس پر چلنے والا خوف سے سوتا نہیں (۲) اس زمین میں سراب رواں ہوتا ہے' عربوں کا محاورہ ہے: ''عین ساھرۃ'' (جاری چشمہ) اور میرے نزدیک اس کی تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمین پر چلنے والے کی خوف سے نیند اُڑ جاتی ہے' تو جس زمین پر حشر برپا ہوگا' وہاں کافر بہت زیادہ خوف زدہ ہوں گے' علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ''ساھرۃ'' یہی دنیا کی زمین ہوگی یا آخرت کی زمین ہوگی کیونکہ دوسرے صور میں پھونکنے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی جس کو اس سے پہلی آیت میں ''زجرۃ'' (جھڑکی) فرمایا ہے' اس وقت لوگ جوق در جوق آخرت کی زمین میں منتقل ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ۝ جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں ندا فرمائی ۝ کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے ۝ آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ ۝ اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے ۝ پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ۝ سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی ۝ پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی ۝ اس نے لوگوں کو جمع

کر کے یہ اعلان کیاO پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوںO پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیاO بے شک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہےO (النّزعٰت:۲۶۔۱۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ معرکہ کا قصہ اور اس سے کفارِ مکہ کو ڈرانا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے انکار پر بہت اصرار کر رہے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ'' (النّزعٰت:۱۲) پھر تو آخرت کی طرف لوٹنا بہت خسارہ والا ہوگا اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا یہ مسلسل انکار بہت شاق گزرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تاکہ آپ کو تسلی دی جائے کہ فرعون کو دعوت دینے میں موسیٰ علیہ السلام نے بھی مشقت اٹھائی تھی اور فرعون بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جما رہا تھا' سو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں' انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ فرعون کفارِ مکہ سے زیادہ قوی اور جابر حکمران تھا' اس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا اور اس کی بہت بڑی سلطنت تھی اور جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اس کا جاہ وحشم' اس کی بڑی سلطنت اور اس کا لشکر اس کے کچھ کام نہ آیا' اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور اس کو دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دیا اور فرعون کی قوت اور حشمت کے مقابلہ میں یہ کفارِ مکہ کیا چیز ہیں' اگر یہ بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جمے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دے گا۔

النّزعٰت:۱۶۔۱۵ میں فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟O جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں ندا فرمائیO

النّزعٰت:۱۶ میں ''طـوی'' کا لفظ ہے' طویٰ شام کی ایک وادی کا نام ہے جو پہاڑ طور کے پاس ہے' جب رات کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی تھی کہ آپ فرعون کے پاس جائیں' طویٰ وادیٔ مقدس ہے جس میں دو مرتبہ برکت ڈالی گئی ہے۔

فراء نے یہ کہا ہے کہ طویٰ مدینہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے۔

النّزعٰت:۱۷ میں فرمایا: کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہےO

اس آیت میں ''طغی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ حد سے تجاوز کرنا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ اس نے کس چیز میں حد سے تجاوز کیا تھا' اس لیے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کیا اور کافر ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حد سے تجاوز کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے خالق اور مخلوق دونوں کے معاملہ میں حد سے تجاوز کیا ہو' خالق کے معاملہ میں تجاوز یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا اور لوگوں سے کہا: ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ'' (النّزعٰت:۲۴) (تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں) اور مخلوق کے سامنے تکبر یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا' ان سے بے گار کے کام لیتا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو تلقین کی کہ وہ ان سے کہیں:

النّزعٰت:۱۸ میں فرمایا: آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟O

اس آیت میں ''تـزکّی'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''زکی'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: عیوب سے بری ہونا اور قبائح سے پاک

ہونا' قرآن مجید میں ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس:۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ پاک ہوگیا ۝

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو تلقین کی تھی کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں' فرمایا:

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا . (طٰہٰ:۴۴) پس تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینی ہو تو اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیے اور نرمی سے بات کرنی چاہیے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ (آل عمران:۱۵۹) اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مبلغین لوگوں کے ساتھ سختی کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور بہت زیادہ تعصب سے کام لیتے ہیں وہ تبلیغ کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر نہیں ہیں۔

النّٰزِعٰت: ۱۹ میں فرمایا: اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے ۝

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اور اس پر ایمان لانا' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر مقدم ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت کو پہلے ذکر کیا اور اللہ سے ڈرنے کا ذکر بعد میں کیا' اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّنِيۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِيۡ (طٰہٰ:۱۴) بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تو آپ میری عبادت کیجیے۔

اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کا خوف اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے' اسی لیے فرمایا:

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸) اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

النّٰزِعٰت: ۲۰ میں فرمایا: پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ۝

اس آیت میں جس بہت بڑی نشانی کا ذکر فرمایا ہے' اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

بہت بڑی نشانی کے متعلق متعدد اقوال

(۱) اس سے مراد ید بیضاء ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَدۡخِلۡ يَدَكَ فِيۡ جَيۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ . (النمل:۱۲) آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (بغل) میں ڈالیں آپ کا ہاتھ سفید چمک دار بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔

وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ۝ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ۝ (طٰہٰ:۲۳-۲۲) اور آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبایئے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا' یہ دوسری نشانی ہے ۝ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بہت بڑی نشانیاں دکھائیں ۝

(۲) اس سے مراد عصا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ جب عصا کو زمین پر ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا' اس کے اجزاء اور اس کا جسم بڑھ جاتا تھا اور اس سے حضرت موسیٰ کو بہت بڑی قدرت اور بہت شدید طاقت حاصل ہوتی تھی' اور وہ اژدھا بہت ساری چیزوں کو نگل جاتا تھا اور وہ چیزیں فنا ہو جاتی تھی اور بڑی بڑی چیزوں کے اجزاء فنا ہو جاتے تھے اور چیزوں کے

رنگ اوران کی صورتیں زائل ہو جاتی تھیں اوران چیزوں میں سے ہر چیز ایک مستقل معجزہ ہے لہٰذا عصا بہت بڑی نشانی ہوا۔

(۳) بہت بڑی نشانی سے مراد ید بیضاء اور عصا کا مجموعہ ہے۔

النّٰزعٰت :۲۱ میں فرمایا: سواس نے تکذیب کی اور نافرمانی کیO

یعنی اس کی تکذیب کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ان کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت نہیں کرتے' اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے معارضہ کرنے کے لیے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کیا' قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۞ (الشعراء:۵۳) — پھر فرعون نے شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیاO

النّٰزعٰت :۲۲ میں فرمایا: پھر اس نے پیٹھ پھیری اوران کے خلاف کارروائی کیO

اس آیت میں ''یسعی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''سعی'' ہے' اس کا معنیٰ جدوجہد کرنا بھی ہے اور بھاگنا بھی اور اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) جب فرعون نے اژدھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔

(۲) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیٹھ پھیری اوران کے خلاف کارروائی کرنے میں مشغول ہو گیا۔

النّٰزعٰت :۲۴۔۲۳ میں فرمایا: اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیاO پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوںO

فرعون نے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو بلوا کر جمع کیا۔ (الشعراء:۵۳) پھر جس مقام پر تمام جادوگر جمع ہوئے تھے' اس میدان میں اس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

'سب سے بڑا رب ہوں' کا معنیٰ

اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں' اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور سمندروں اور دریاؤں کو میں نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ تو ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا' بلکہ فرعون دہریہ تھا' وہ اس جہان کا کوئی صانع نہیں مانتا تھا' نہ نبی اور رسول کو مانتا تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا مربی اور محسن ہوں' لہٰذا تم میرا شکر ادا کرو اور میری تعظیم کرو اور مجھے سجدہ کرو اور میرے احکام مانو اور میری اطاعت کرو' وہ قیامت' حشر ونشر اور جزاء اور سزا کا بھی منکر تھا۔

النّٰزعٰت :۲۶۔۲۵ میں فرمایا: پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیاO بے شک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہےO

''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' کی متعدد تفاسیر

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ نے اس کو ''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' کے عذاب کی گرفت میں لے لیا' مجاہد' شعبی' سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا: ''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' سے مراد فرعون کے دو دعوے ہیں' جو حسب ذیل ہیں:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ (القصص:۳۸) — مجھے اپنے سوا تمہارے اور کسی معبود کا علم نہیں ہے۔

اس دعویٰ کے چالیس سال بعد اس نے یہ دعویٰ کیا:

أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ۝ (النّٰزعٰت: ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ۝

یعنی فرعون کے ان دو دعووں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ جب فرعون نے پہلا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کو چالیس سال تک مہلت دی اور جب اس نے چالیس سال تک رجوع نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر دعویٰ کیا تو پھر اس کو اپنے عبرت ناک عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حسن اور قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ''اخرة'' اور ''اولی'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے آخرت اور دنیا کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' دنیا میں اس کو سمندر میں غرق کر دیا اور آخرت میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قفال نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ فرعون کے دو جرم تھے' اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' سو اس کو ان دو وجہوں سے عذاب ہوگا اور ''اخرة'' اور ''اولی'' سے یہی مراد ہے۔

پھر فرمایا: اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جو قصہ بیان فرمایا ہے اور فرعون کو جو رسوا کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو عزت دی ہے اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کرے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرے' وہ فرعون کے انجام سے دوچار ہوگا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۝۲۷ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝۲۸

آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے ۝ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا ۝

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝۲۹ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ

اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا ۝ اور اس کے بعد زمین کو

دَحٰهَا ۝۳۰ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝۳۱ وَالْجِبَالَ

پھیلا دیا ۝ اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا ۝ اور پہاڑوں کو

اَرْسٰهَا ۝۳۲ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۳ ؕ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ

اس زمین میں نصب کر دیا ۝ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ۝ پس جب بڑی مصیبت آ

الْكُبْرٰى ۝۳۴ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝۳۵ وَبُرِّزَتِ

جائے گی ۝ اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا ۝ اور ہر دیکھنے

الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝۳۶ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝۳۷ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۳۸

والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ۝ سو جس نے سرکشی کی ۝ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ۝

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے O اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ O آپ کا اس کا ذکر کرنے سے کیا

ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ

تعلق ہے O آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہا ہے O آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے

يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً

ڈرتا ہے O گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے

اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲

تھے یا دن کے اوّل حصے میں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے O اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا O اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا O اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا O اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا O اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصب کر دیا O تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O (النّٰزعٰت: ۳۳-۲۷)

النّٰزعٰت: ۲۸-۲۷ میں فرمایا: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے O اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنا دیا O

آسمانوں کی تخلیق سے حیات بعد الموت پر استدلال

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ کلام کو پھر حیات بعد الموت کے منکرین کی طرف راجع فرمایا اور یہ استدلال کیا کہ اے منکرو! تمہارے مقابلہ میں آسمان بہت بڑی مخلوق ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم آسمان طبق در طبق بنا دیئے ہیں تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے؟ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ (یٰس: ۸۱)

کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان کی مثل پیدا فرمائے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ. آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے۔ (المؤمن: ٥٧)

خلاصہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کے منکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ. (لقمان: ٢٥) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور ہر صاحبِ عقل اس بات کو مانے گا کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے اور جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرما چکا ہے تو اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کب مشکل اور دشوار ہے تو پھر انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو!

آسمان بہت عظیم مخلوق ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام پر عمل کرنے کی جو امانت سونپی ہے اس نے اس امانت میں خیانت نہیں کی اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرا اور آسمان کے مقابلہ میں انسان اس قدر ضعیف اور ناتواں ہے وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں خیانت کرنے سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو صرف انسانوں کے لیے پیدا فرمایا' سو اللہ تعالیٰ ان کو نصیحت کرتا ہے کہ ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائے اور لوگ اپنی سرکشی کو ترک کر کے اس دعوت پر ایمان لے آئیں جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے پیش فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا' پھر اس کو بنانے کی کیفیت بیان فرمائی کہ اس نے اس کی چھت کو بلند کیا' پھر اس کو ہموار کیا' ہموار بنانے سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں شکنیں اور سلوٹیں نہیں ہیں' وہ کہیں سے اونچا نیچا نہیں ہے' جیسے اس نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ. تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔ (الملک: ٣)

النّزٰعٰت: ٢٩ میں فرمایا: اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا O

''اغطش'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''اغطش'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: رات کا تاریک ہونا' یا رات کو تاریک کرنا' اس کا مادہ ''غطش'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: کمزور نظر یا دھندلی نظر والا' ''تغاطش'' کا معنیٰ ہے: جان بوجھ کر اندھا یا غافل بننا۔

(المفردات ج ٢ ص ٤٦٩' بیروت' مختار الصحاح ص ٢٨٢' بیروت)

اور اس آیت میں ''ضحٰی'' کا لفظ ہے' ''ضحٰی'' چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جیسے ہمارے ہاں دن کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوتا ہے' اس آیت میں اس سے مراد دن ہے اور دن کو ''ضحٰی'' سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس وقت میں خوب دھوپ نکل آتی ہے اور دن مکمل طور پر روشن ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ''لیلها وضحاها'' کی ضمیریں آسمان کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی آسمان کی رات تاریک کر دی اور آسمان کے دن کو روشن کر دیا کیونکہ رات اور دن کا وجود سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور سورج کا تعلق آسمان سے ہے۔

النّزٰعٰت: ٣٠ میں فرمایا: اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا O

''دحٰھا'' کا معنیٰ اور زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کی تحقیق

اس آیت میں ''دحٰھا'' کا لفظ ہے''دحی'' ''دحو'' سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو ہموار کر دیا' بچھا دیا' پھیلا دیا' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آسمان کو بنایا' اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا' دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین کو بنایا' اس کے بعد آسمان کو بنایا' وہ آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ . (البقرہ:٢٩) وہی (اللہ ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا' پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔

اس تعارض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا یا نفس زمین کو پیدا کیا' پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد پھر زمین کو پھیلایا اور اس کو موجودہ شکل دی۔ البقرہ:٢٩ میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے اور النّٰزعٰت:٣٠ میں زمین کو پھیلانے اور اس کو موجودہ شکل دینے کا ذکر ہے۔

(٢) اس آیت سے مراد صرف زمین کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ زمین کو قابل کاشت بنانا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔ (النّٰزعٰت:٣١) کیونکہ زمین میں کھیتی باڑی اور روئیدگی کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آسمان سے بارشیں ہوں اور زمین میں دریا اور چشمے بھی اسی وقت وجود میں آتے ہیں' جب آسمان سے پانی برسے' اس لیے پہلے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو قابل کاشت بنانے کا اور البقرہ:٢٩ میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے۔

(٣) ''بعد ذالك '' کا معنیٰ حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ یعنی آسمانوں کے بنانے کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا' جیسے فرمایا ہے:'' عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ۝'' (القلم:١٣) یعنی ولید بن مغیرہ ان عیوب کے ساتھ بے نسب بھی ہے۔

النّٰزعٰت:٣١ میں فرمایا: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا ۝

''مرعاھا'' کا معنیٰ اور زمین کے منافع اور فوائد

اس آیت میں فرمایا ہے: زمین سے اس کا پانی نکالا' اس سے مراد ہے: زمین کے چشموں سے پھوٹ کر نکلنے والا پانی' اور اس میں ''مرعاھا'' کا لفظ ہے''المرعٰی'' کا معنیٰ ہے: چراگاہ' یہ ظرف مکان ہے' جانوروں اور انسانوں کی خوراک یعنی گھاس' غلہ' پھل وغیرہ' اصل میں ''رعی'' کا معنیٰ ہے: جاندار کی حفاظت رکھنا اور اس کو باقی رکھنا' حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (١) خوراک کے ذریعہ (٢) دشمنوں سے بچانا (٣) مناسب انتظام سے حق دار کو اس کا حق دلانا۔ ''راعی'' چرواہے کو بھی کہتے ہیں اور حاکم اور نگران کو بھی راعی کہتے ہیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر شخص راعی (محافظ) ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا' امام (ملک کا سربراہ) راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (عوام) کے متعلق سوال ہوگا' مرد اپنے گھر میں راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر والوں) کے متعلق سوال ہوگا' عورت اپنے خاوند کے گھر میں راعیہ ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر کے مال و متاع) کے متعلق سوال کیا جائے گا' خادم اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (مالک کے مال) کے متعلق سوال کیا

جائے گا' اور مرد اپنے باپ کے مال کا راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت (اس کے زیر انتظام لوگوں) کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مسند احمد ج ۲ ص ۵)

اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین سے انسانوں اور ان کے جانوروں کی خوراک نکالی' سبزہ اور غلہ پیدا کیا' طرح طرح کے پھل پیدا کیے' جڑی بوٹیاں پیدا کیں' جن سے انسان علاج کرتے ہیں' روئی پیدا کی جس سے لباس بنایا جاتا ہے' درخت پیدا کیے جن سے فرنیچر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بنائی جاتی ہیں' زمین میں معدنیات رکھے' جن میں لوہا ہے جس سے مشینیں اور اسلحہ بنایا جاتا ہے' تانبا اور پیتل ہے جن سے برتن بنائے جاتے ہیں' سونا اور چاندی ہے جن سے زیورات بنائے جاتے ہیں' تیل اور قدرتی گیس ہے' جن سے ایندھن حاصل کیا جاتا ہے' دریا پیدا کیے' جن سے کاشت کاری کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور بجلی بنائی جاتی ہے۔

النّٰزعٰت: ۳۳۔۳۲ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصب کر دیا O تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O

''ارساھا'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''ارسٰی'' کا لفظ ہے' یہ ''رسو'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: لنگر باندھنا' ثابت رکھنا اور میخ ٹھوکنا۔

یعنی پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ پہاڑوں کا اپنی جگہ قائم رہنا ان کی اپنی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

دوسری آیت میں ''اَنعام'' کا لفظ ہے' یہ ''نَعَم'' کی جمع ہے' صحاح میں مذکور ہے کہ اس لفظ کا اطلاق زیادہ تر اونٹ' گائے اور بکریوں اور دنبوں پر کیا جاتا ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۸۵) یعنی ''المرعٰی'' میں جو نباتات ہیں وہ تمہارے لیے بھی ہیں اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی ہیں یعنی زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس میں سب کے لیے منافع ہیں اور سب کی خوراک ہے' خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب بڑی مصیبت آ جائے گی O اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا O اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی O سو جس نے سرکشی کی O اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی O تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے O اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O (النّٰزعٰت: ۴۱۔۳۴)

''طامۃ'' کا معنیٰ

النّٰزعٰت: ۳۴ میں فرمایا: پس جب بڑی مصیبت آ جائے گی O

اس آیت میں ''طامۃ'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''طمّ'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا اتنا زیادہ ہونا کہ وہ چھا جائے اور سب پر غالب آ جائے' اس آیت میں اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ ہنگامہ قیامت ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا O

(مختار الصحاح ص ۲۳۹)

النّٰزعٰت: ۳۶۔۳۵ میں فرمایا: اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا O اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی O

اس آیت میں کوشش سے مراد انسان کے کیے ہوئے اعمال ہیں' قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں اس کا صحیفہ اعمال دے دیا جائے گا اور جن کیے ہوئے کاموں کو وہ بھول چکا تھا اس کو وہ سب یاد آ جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (المجادلہ: ۶) 36

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن اعمال کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور یہ بھول چکے تھے' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے ۝

دوزخ کو ظاہر کرنا

دوسری آیت میں فرمایا ہے: اور دوزخ کو بالکل ظاہر کر دیا جائے گا' اس میں ''بـرّزت'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''بـروز'' ہے' اس کا معنی ظہور ہے' دوزخ کے ظہور کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ (مریم: ۷۲۔۷۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا' یہ آپ کے رب کا قطعی فیصلہ ہے ۝ پھر ہم متقین کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے ۝

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝ (الشعراء: ۹۱۔۹۰)

اور جنت کو متقین کے قریب کر دیا جائے گا ۝ اور گم راہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا ۝

النّٰزعٰت: ۳۹۔۳۷ میں فرمایا: سو جس نے سرکشی کی ۝ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ۝ تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے ۝

قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کا کمال اور فساد

انسان کی دو قوتیں ہیں: قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ' قوتِ نظریہ کا کمال یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور وہ اس کی توحید کی تصدیق کرے اور یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس پر غالب ہے' پھر وہ اپنے آپ کو حقیر جانے گا اور انکسار اور تواضع کرے گا' پھر وہ سرکشی اور تکبر نہیں کرے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا اور اس کی توحید کی تصدیق نہیں کرے گا تو پھر وہ سرکشی اور تکبر کرے گا' اور قوتِ عملیہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین پر عمل کرے اور دنیا کی عیش و عشرت پر آخرت کو ترجیح دے اور قوتِ عملیہ کا فساد یہ ہے کہ انسان دنیا کے لھو و لعب اور عیش و عشرت میں مستغرق ہو اور آخرت کو فراموش کر دے' پس النّٰزعٰت: ۳۷ میں قوتِ نظریہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوتِ نظریہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان سرکشی کرتا ہے اور النّٰزعٰت: ۳۸ میں قوتِ عملیہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوتِ عملیہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث

النّٰزعٰت: ۳۸ میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا کو حلال طریقہ سے سوال سے بچتے ہوئے طلب کیا' اور اپنے اہل و عیال کی کفالت اور اپنے پڑوسی پر شفقت کرنے کے لیے حاصل کیا' وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے دنیا کو حرام طریقہ سے طلب کیا تا کہ وہ مال دار ہو اور لوگوں پر فخر کرے اور ان کو اپنی شان دکھائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ

36

اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵ ٬حلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۲۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہ ہو اور دنیا کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس میں کوئی عقل نہ ہو۔ (مسند احمد ج ۶ص ۷۱ ٬شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۶۳۸)

حسن نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔ (شعب الایمان ج ۷ص ۳۸۸۔ رقم الحدیث: ۱۰۵۰۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں٬ سو تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو٬ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہو گا۔ (صحیح البخاری٬ کتاب الرقاق٬ باب فی الامل وطولہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو یا راستہ عبور کرنے والے کی طرح اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کو اٹھو تو شام کا انتظار نہ کرو٬ اور تم اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کے لیے عمل کرو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶ ٬سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴ ٬مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۲۱۷ ٬مسند احمد ج ۲ص ۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام دیکھو تو اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ اس کو حکمت عطا کی گئی ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ص ۳۵۲۔ رقم الحدیث: ۱۰۵۵۲)

النّٰزعٰت: ۳۹ میں فرمایا: تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے O

دوزخ کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵ ٬صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳ ٬سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹ ٬سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸ ٬مسند احمد ج ۲ص ۳۱۳ ٬سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کی دو جوتیاں اور دو تسمے پہنائے جائیں گے٬ اس سے اُس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح چولہے پر رکھی ہوئی دیگچی کھولتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۱ ٬سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۴ ٬سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۸ ٬مسند احمد ج ۳ص ۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی٬ پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی٬ پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی٬ پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰ ٬سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا٬ آپ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! شقی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے کوئی اطاعت نہیں کی اور اس کی کسی معصیت کو ترک نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸ ٬مسند احمد ج ۲ص ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو جبریل سے فرمایا: جاؤ جنت کو دیکھو حضرت جبریل نے جنت کو دیکھا اور نعمتوں کو دیکھا جو اہل جنت کے لیے بنائی ہیں' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل ہو گا' پھر جنت کو مشقت والی چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا' پھر فرمایا: اے جبریل! اب جا کر جنت کو دیکھو حضرت جبریل گئے اور انہوں نے جا کر جنت کو دیکھا' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ اب اس میں کوئی بھی نہیں داخل ہو گا' پھر جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا تو فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کو دیکھو حضرت جبریل گئے اور دوزخ کو دیکھا' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! جو بھی دوزخ کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل نہیں ہو گا' پھر دوزخ کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا' پھر فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کو دیکھو حضرت جبریل گئے اور دوزخ کو دیکھا' پھر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۶۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲)

النّٰزعٰت: ۴۱-۴۰ میں فرمایا: اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O

خوفِ خدا سے گناہ ترک کرنے والوں کی دو قسمیں

النّٰزعٰت: ۴۰ میں فرمایا: اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا' اس سے مراد یا تو مطلقاً میدانِ حشر میں کھڑا ہونا ہے یا اس سے مراد حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معصیت کے جس حال میں کھڑا ہوا ہو وہ اس حال میں ڈر رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا اور میں اس کام کو کر رہا ہوں' پھر اس نے اپنے آپ کو گناہ کی اس لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے سے روکا ہو اور اس کو آخرت کے عذاب کا خوف دامن گیر ہوا ہو اور جب اس پر یہ کیفیت طاری ہو گئی تو اس پر اپنی شہوت کے تقاضے کو ترک کرنا آسان ہو جائے گا اور آخرت کے لیے نیک کام کرنا سہل ہو جائے گا۔

جو لوگ آخرت کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیتے ہیں' ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمیشہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور کبھی شہوت سے مغلوب ہو کر گناہ کی وادی میں نہیں اترتے اور بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو آخرت کا عذاب یاد دلاتے ہیں اور اس کو اس اجر و ثواب کی طرف راغب کرتے ہیں' جو اہل اطاعت کے لیے تیار کیا گیا ہے' پھر گویا وہ آخرت کے عذاب اور ثواب کا مشاہدہ کر لیتے ہیں' پھر وہ آخرت کی لذتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں' کیونکہ وہ دنیا سے زیادہ لذیذ ہیں اور دائمی ہیں' پھر اس پر آخرت کے لیے عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ''ھوی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: نفس کا اپنی شہوت اور لذت کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہونا اور نفس کی فطرت میں شہوت اور لذت سے محبت ہے اور نفس کو اپنی شہوت کے حصول سے اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ وہ نفس کو ارتکاب معصیت پر عذاب سے ڈرائے اور ترکِ معصیت کے ثواب کی طرف اس کو راغب کرے۔

اس کے بعد فرمایا: ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہی ہے O

جنت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

جنت کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے

اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَہُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ . سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا رکھا ہے۔ (السجدہ:۱۷)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۴۴ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۲۴ سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۲۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۸ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہو گا وہ جنت کی نعمتوں میں رہے گا' وہ خوف زدہ نہیں ہو گا' اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہو گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۳۶ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۲۶ سنن دارمی رقم الحدیث:۲۸۱۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں' ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے' اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۹۰ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا O آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ O آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے O آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے O گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہو گا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اوّل حصے میں O (النّزعٰت:۴۶-۴۲)

کفار وقوعِ قیامت کا کیوں سوال کرتے تھے؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کی خبر دی' پھر قیامت کے دن رونما ہونے والے ہولناک اور دہشت ناک مناظر بیان فرمائے' پھر قیامت کے دن مؤمنوں اور کافروں کے انجام کی خبر دی اور اس کے بعد اب النّزعٰت :۴۲ میں فرمایا ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟

مشرکین قیامت کے وقوع کی خبر اور اس کے ہولناک مناظر کی خبریں سنتے تھے اور قیامت کے یہ نام بتائے گئے کہ وہ ''الطامة'' (بہت بڑی مصیبت) ہے' ''الصاخة'' (ایسی زبردست چیخ جو کانوں کو بہرا کر دے) ہے' ''الغاشية'' (جس کی ہولناکیاں سب پر چھا جائیں گی) ہے' ''الحاقة'' (ثابت شدہ حقیقت) ہے' ''الواقعة'' (ضرور واقع ہونے والی) ہے' ''القارعة'' (کھٹکھٹا کر خبردار کرنے والی) ہے اور ''الساعة'' وغیرہا ہیں' اس لیے وہ تجسس سے پوچھتے تھے کہ وہ کب واقع ہو گی؟ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت کے متعلق اس لیے سوال کرتے ہوں کہ وہ اس کو جلد طلب کرنا چاہتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

یَسْتَعْجِلُ بِہَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہَا ۚ . قیامت کے وقوع کی جلدی ان لوگوں کو ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ (الشوریٰ:۱۸)

کفار کا وقوع قیامت کا سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب

النّٰزعٰت: ۴۳ میں فرمایا: آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتائیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

النّٰزعٰت: ۴۴ میں فرمایا: آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے O

یعنی قیامت کے وقوع کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس کے وقوع کا علم نہیں دیا؛ واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے وقوع کا علم عطا فرمادیا اور اس آیت کا معنیٰ ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم سورۃ الجن میں بیان کر چکے ہیں۔

النّٰزعٰت: ۴۵ میں فرمایا: آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے O

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور آپ کا عذاب سے ڈرانا اس پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم ہو باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت میں فرمایا ہے: آپ اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے حالانکہ آپ سب کو ڈرانے والے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ واقع میں سب کو ڈرانے والے ہیں اور قیامت سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ وہی لوگ آپ کے ڈرانے سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

النّٰزعٰت: ۴۶ میں فرمایا: گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اوّل حصے میں O

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ (الاحقاف: ۳۵)

یہ (کفار) جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو (ان کو یوں لگے گا) کہ وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس عذاب کا کافروں نے انکار کیا تھا جب ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو ان کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ہمیشہ سے اس عذاب میں رہے ہیں اور دنیا میں تو انہوں نے صرف دن کا تھوڑا سا وقت گزارا تھا۔

سورۃ النّٰزعٰت کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ! آج ۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲۴ اگست ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ سورۃ النّٰزعٰت کی تفسیر مکمل ہوگئی ۱۱ اگست ۲۰۰۵ء کو اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی تھی اس طرح تیرہ دنوں میں اس کی تفسیر اپنے اختتام کو پہنچی۔ اے بارِ الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری مغفرت فرمادیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۂ عبس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام عبس ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ (عبس:۱) (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا ○

یہ سورت حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے' جو نابینا تھے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھے ہدایت دیجئے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سردار بیٹھے ہوئے تھے (اور آپ ان کو تبلیغ فرما رہے تھے' آپ کو طبعی طور پر حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی ناگوار گزری) آپ نے حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کیا اور دوسروں کی طرف متوجہ رہے' حضرت ابن ام مکتوم نے کہا: کیا آپ کے خیال میں میری بات میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۳۱)

اس سورت کے نزول کا تعین اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے تھے۔

حضرت عمرو بن ام مکتوم کا تذکرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان کے نام میں اختلاف ہے' ایک قول ہے: ان کا نام عبداللہ ہے اور اکثر مؤرخین نے کہا ہے کہ ان کا نام عمرو بن قیس بن زائدہ ہے' ان کی ماں کا نام ام مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ ہے' یہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے' یہ بہت پہلے اسلام لے آئے تھے اور مہاجرین اوّلین میں سے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مدینہ میں آ گئے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے تھوڑے عرصہ بعد آئے تھے' پہلا قول زیادہ صحیح ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عام غزوات میں مدینہ میں اپنا خلیفہ بناتے تھے اور یہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے' یہ جنگ قادسیہ میں گئے اور وہیں شہید ہو گئے' ایک قول ہے: وہاں سے آ کر وفات پائی۔

امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیرہ غزوات میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(الاصابہ رقم الحدیث:۵۷۸۰' الاستیعاب رقم الحدیث:۱۹۶۹' اسد الغابہ رقم الحدیث:۴۰۱۱)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۴ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۰ ہے' یہ سورۃ النجم کے بعد اور سورۃ القدر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورتِ عبس کے مشمولات

☆ اس سورت کا موضوع دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے عقائد پر زور دینا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' اس کے ساتھ اخلاق کی تعلیم ہے کہ تمام لوگوں کے درمیان مساوات رکھنی چاہیے اور امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق نہیں رکھنا چاہیے۔

☆ عبس: ۱۶۔۱ میں حضرت عمرو بن ام مکتوم کا قصہ ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ معلوم کرنے آئے' اس وقت آپ کفارِ قریش کو ایمان کی دعوت دے رہے تھے' درمیان میں حضرت ابن مکتوم کی دخل اندازی آپ کو ناگوار گزری اور آپ کا چہرۂ انور متغیر ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابن مکتوم کی طرف متوجہ کیا کہ آپ ان صنادید قریش کو چھوڑ دیں' یہ بے پرواہی سے آپ کی بات سن رہے ہیں' آپ اپنے غلام ابن مکتوم کی طرف متوجہ ہوں جو نہایت محبت اور اشتیاق سے آپ سے مسئلہ سمجھنے کے لیے آیا ہے۔

☆ عبس: ۲۳۔۱۷ میں بتایا: جو اپنے رب کی نعمتوں کا کفر کرتے ہیں اور اس کی ہدایت سے اعراض کرتے ہیں' اس میں کفار کے احوال کا ذکر ہے۔

☆ عبس: ۳۲۔۲۴ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل دیئے ہیں کہ اس نے کھانے اور پینے کے لیے سبزہ اور غلہ پیدا کیا اور پانی مہیا کیا اور جس طرح اس کو ان چیزوں پر قدرت ہے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرے۔

☆ عبس: ۴۲۔۳۳ میں قیامت کے دہشت ناک مناظر بیان فرمائے ہیں اور مؤمنین صالحین اور کفار اور فجار کے ثواب اور عذاب کو بیان فرمایا ہے۔

سورۂ عبس کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۰ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ اگست ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

سورۃ عبس ۸۰ — آیاتہا ۴۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ترتیبہا ۲۴ — رکوعہا ۱

سورت عبس مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیالیس آیات اور ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی

يَزَّكّٰىٓ ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ

حاصل کرتا O یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی O جس نے بے پرواہی کی O تو آپ اس کے

لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾

درپے ہیں O اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا O اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے O

وَهُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ

اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے O تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے O سو جو چاہے اس

ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ وقف لازم

سے نصیحت حاصل کرے O یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O

كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ؕ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

جو عزت والے نیک ہیں O (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے O اسے کس چیز سے پیدا

خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾

کیا ہے؟ O اس کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا O پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا O

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ

پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا O پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا O بے شک اس نے اللہ کے حکم

مَآ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۙ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ

پر ابھی تک عمل نہیں کیا O انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے O ہم نے خوب پانی

صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ

بہایا O پھر ہم نے زمین کو شق کیا O سو اس میں غلہ اگایا O اور

عِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً

انگور اور سبزی O اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O اور میوے اور (مویشیوں)

وَّأَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿۳۳﴾

کا چارا O تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی O

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَ

اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور

بَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾

بیٹوں سے O اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہو گی جو اس کو (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی O

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ

اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O اور

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ

اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہو گی O وہی

هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

لوگ کافر بدکار ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا O یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی O اور جس نے بے پرواہی کی تو آپ اس کے درپے ہیں O اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا O اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے O اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے O تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O (عبس: ۱۰-۱)

''عبس'' کا معنیٰ اور اس آیت کا شانِ نزول

عبس: ۲-۱ میں فرمایا: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O

اس آیت میں "عبس" کا لفظ ہے' امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

دل کی تنگی سے ماتھے پر بل آجانے کا نام "عبــوس" ہے' سو اس کا معنی ہے: اس نے تیوری چڑھائی' وہ ترش رُو ہوا' وہ چین بہ جبیں ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

عبس: ۲ میں فرمایا: کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبد المطلب وغیرہم کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کے درپے تھے اور اس پر بہت حریص تھے کہ وہ ایمان لے آئیں تاکہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کے پیروکار بھی اسلام لے آئیں' اس وقت ایک نابینا شخص عبداللہ بن ام مکتوم (صحیح نام عمرو بن ام مکتوم) آئے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھانے کا سوال کر رہے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ نے آپ کو جو علم دیا ہے اس میں سے مجھے تعلیم دیجئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا اور آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات آئے' اور آپ دوسروں کی طرف متوجہ رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۶۵۔ رقم الحدیث: ۲۸۱۴۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور ماتریدی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی سے ناگواری ہوئی تھی' اس کا اگر تمام روئے زمین کے لوگوں کی نیکیوں کے ساتھ وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کافر سرداروں کو نصیحت کر رہے تھے اور ان کو اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے' اس توقع پر کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور ان کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بہت لوگوں کے اسلام لانے کی توقع تھی اور جب وہ لوگ اسلام لے آتے تو اسلام کی بہت زیادہ تقویت ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اجر و ثواب ہوتا' اور جب حضرت عمرو ابن ام مکتوم کے درمیان میں سوال کرنے سے آپ کی وہ نصیحت منقطع ہو گئی تو جس اجر و ثواب کی آپ کو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی' سو اس وجہ سے اس موقع پر آپ کا منقبض اور تنگ دل ہونا کوئی بعید چیز نہیں ہے' نیز آپ کے چہرے پر جو ناگواری کے تاثرات آئے اور ماتھے پر بل ظاہر ہوئے اور آپ نے پیٹھ موڑی' یہ ایسے اُمور ہیں جن کا تعلق مشاہدہ کرنے اور دیکھنے سے ہے' اور حضرت عمرو بن ام مکتوم نابینا تھے' انہوں نے آپ کے یہ تاثرات نہیں دیکھے' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے ان سے سرد مہری کا سلوک کیا' اور آپ کافر سرداروں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے متوجہ تھے اور اگر آپ ان سے بے رخی اختیار کرتے تو نہ صرف ان کے اسلام لانے کی توقع نہ رہتی بلکہ ان کی وجہ سے ان کی قوم کے اور دیگر لوگوں کے اسلام لانے کی توقع بھی ختم ہو جاتی اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کفار کو اسلام کی دعوت دیں خواہ اس کوشش میں ہماری جانیں چلی جائیں اور ہمارا تمام مال خرچ ہو جائے اور اس کوشش میں اگر ہم کسی مسلمان کی طرف توجہ نہ کریں یا اس سے بے رخی برتیں تو اس عظیم مقصد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تبلیغ اسلام کے بلند پایہ کام کے مقابلہ میں یہ کوئی قابل ملامت چیز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا منصب عطا فرمایا ہے' اور انبیاء علیہم السلام بعض اوقات اپنے اجتہاد سے کوئی

کام اللہ تعالیٰ سے اذن لیے بغیر کر لیتے ہیں' وہ کام اپنی جگہ پر صحیح ہوتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ سے اس کام کی اجازت نہیں لی ہوتی' اس لیے اللہ تعالیٰ اس کام پر عتاب فرماتا ہے' جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر اپنی قوم سے ناراض ہو کر ان کے علاقہ سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا' اگرچہ یہ کام حضرت یونس علیہ السلام کے بجائے کوئی عام شخص کرتا تو اس کی حمد وثناء کی جاتی اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ کافر تھے اور حضرت یونس علیہ السلام کے دین کی وجہ سے ان کے دشمن تھے' سو یونس علیہ السلام ان سے اس لیے علیحدہ ہو گئے کہ ان سے نجات پا جائیں اور اپنے دین کو سلامت رکھیں اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی عام شخص ایسا کام کرتا تو اس کی بہت مدح سرائی کی جاتی۔

(۲) جب حضرت یونس علیہ السلام ان کے کفر اور ان کی گم راہی کی وجہ سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کا چلا جانا ان کی گم راہی اور کفر کو ترک کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے لیے انجامِ کار بہت مؤثر ہوا' سو حضرت یونس علیہ السلام کا یہ اقدام ان کو نصیحت کرنے میں بہت مؤثر ثابت ہوا۔

(۳) حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے پاس سے اس لیے چلے گئے کہ دوسرے لوگوں سے اپنے دین کی حمایت اور نصرت حاصل کریں اور جب خود ان کی قوم دین کے معاملہ میں ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی تو دوسرے لوگوں سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا بہت مناسب اور مستحسن تھا۔

ان تین وجوہات کے پیش نظر اگر کوئی عام آدمی قوم کے پاس سے چلا جاتا تو ضرور مستحسن ہوتا لیکن نبی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے' اس کا اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رابطہ رہتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی اہم فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ کرے اور چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر قوم کے پاس سے چلے گئے تھے' اس لیے ان پر عتاب فرمایا گیا' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ کر کے سردارانِ قریش کو تبلیغ اسلام میں مشغول رہنا اپنی جگہ پر بہت عظیم عبادت اور بہت بڑی نیکی تھی اور اگر کوئی عام آدمی یہ کام کرتا تو اس کے لیے یہ تمام روئے زمین کی نیکیوں سے بڑھ کر عظیم کام تھا لیکن چونکہ آپ نبی تھے اور آپ کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ تھا اور آپ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر حضرت ابن مکتوم کی طرف توجہ نہ کر کے سردارانِ قریش کی طرف تبلیغ میں مشغول رہے' اس لیے آپ پر ان آیات میں عتاب فرمایا۔

ثوری نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا اور فرماتے: کیا تم کو کوئی کام ہے؟ اور آپ نے ان کو دو مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص ۱۸۳' الکشف والبیان ج ۱۰ص ۱۳۱' الکشاف ج ۴ص ۷۰۱' معالم التنزیل ج ۵ص ۲۱۰' روح المعانی جز ۳۰ص ۶۹)

ان آیات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تمام جہان والوں کے لیے شفقت اور رحمت رکھی تھی اور آپ کی شفقت یہاں تک تھی کہ جو کفار اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تھے' آپ کو ان کا اس قدر غم ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء: ۳)

شاید آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے○

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ (النمل: ۷۰)

آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور نہ ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۔ (فاطر: ۸)

سو آپ ان کے غم میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

اور ان آیات کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۔ (التحریم: ۱)

اے نبی! جو چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال کر رکھی ہیں آپ ان کے نفع سے اپنے آپ کو کیوں روک رہے ہیں' آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں۔

اس آیت میں آپ کو اپنی بیویوں کی رضا جوئی سے منع نہیں فرمایا کیونکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۔ (الاحزاب: ۵۱)

آپ ان ازواج میں سے جن کو چاہیں دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں' اور آپ جن کو الگ کر چکے ہیں ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلالیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے' اس (حکم) میں اس کی زیادہ توقع ہے کہ ان ازواج کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم گین نہ ہوں اور آپ جو کچھ بھی ان کو دیں اس پر وہ سب راضی رہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ التحریم میں آپ کو ازواج کی رضا جوئی سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ آپ اس قدر مشقت نہ اٹھائیں کہ ازواج کی رضا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کے نفع سے اپنے آپ کو روک لیں۔

اس لیے سورۂ عبس کی ان آیات کا محمل یہ ہے کہ سردارانِ قریش کا ایمان سے اعراض کرنا آپ پر اس قدر گراں گزرتا تھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى'' (عبس: ۱) (آپ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیری) اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کے چہرے پر کس قدر شدید ناگواری ہوتی تھی' نہ یہ کہ اس آیت میں آپ کو ملامت کی گئی ہے یا آپ پر عتاب کیا گیا ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۸۲۔۳۸۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

یہ توجیہ اس لیے محل اعتراض ہے کہ بعد کی آیات اس کے موافق نہیں ہیں۔

امام رازی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ان آیات پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم تادیب اور ملامت کے مستحق تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن ام مکتوم کو ملامت کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا' رہا یہ کہ حضرت ابن ام مکتوم ملامت کے مستحق تھے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ دیکھ نہیں رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے ہیں' لیکن ان کی سماعت تو صحیح تھی' وہ کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی آواز سن رہے تھے' پس ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو منقطع کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض پوری ہونے سے پہلے اپنی غرض پوری

کرنے کی کوشش کرنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے اور یہ عظیم معصیت ہے۔

(۲) اہم کام کو مقدم کیا جاتا ہے' حضرت ابن ام مکتوم اسلام لا چکے تھے اور دین کی تعلیم حاصل کر چکے تھے اور سردارانِ قریش ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور ان کا اسلام لانا ایک عظیم جماعت کے اسلام لانے کا سبب تھا اور حضرت ابن ام مکتوم کا اس اہم کام میں مداخلت کرنا ایک معمولی کام کی خاطر ایک عظیم خیر کو منقطع کرنے کا سبب تھا' اس لیے ان کا یہ اقدام حرام تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (الحجرات:۴)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نداء کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابن مکتوم کی نداء کفار کے ایمان قبول کرنے سے قطع کرنے کے حکم میں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہم کے بہ ظاہر خلاف تھی' لہٰذا اس کا ذنب اور معصیت ہونا زیادہ اولیٰ ہے' سو حضرت ابن ام مکتوم کا فعل گناہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل واجب تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بہ ظاہر ایسا ہی تھا' لیکن اغنیاء کو فقراء پر اور سرداروں کو کمزوروں پر مقدم کرنے سے فقراء کے دل ٹوٹ جاتے' اس وجہ سے آپ پر عتاب کیا گیا جب کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ فقراء کو نہ دھتکاریں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ. (الانعام:۵۲)

اور ان لوگوں کو نہ دھتکاریں جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔

امام رازی کا دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ شاید یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فعل پر نہیں کیا گیا بلکہ جو چیز آپ کے دل میں تھی اس پر عتاب کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سردارانِ قریش سے قرابت' ان کے شرف اور ان کے بڑے مرتبہ کی وجہ سے آپ کے دل میں ان کی طرف میلان تھا اور آپ طبعی طور پر نابینا شخص سے اس کے نابینا ہونے کی وجہ سے اور اس سے قرابت نہ ہونے کی وجہ سے اور اس کے معزز نہ ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے اور جب اس وجہ سے آپ نے اس کے آنے پر تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیری تو آپ پر عتاب کیا گیا نہ کہ اس کے بے موقع سوال کرنے کی وجہ سے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دوسرے جواب پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی کا یہ دوسرا جواب بالکل صحیح نہیں ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ امام رازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے حال پر کیسے مطلع ہو گئے کہ آپ کے دل میں سردارانِ قریش کی قرابت' ان کے شرف اور مرتبہ کی وجہ سے ان کی طرف میلان تھا اور نابینا شخص کے نابینا ہونے' اس سے عدم قرابت اور اس کے غیر معزز ہونے کی وجہ سے آپ اس سے متنفر تھے' یہ قول آپ کی سیرتِ طیبہ کے سراسر خلاف ہے' مزید یہ کہ دلوں کے حالات جاننا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ابوجہل اور ابولہب کا تعلق سرزمین مکہ سے تھا اور وہ آپ کے قرابت دار تھے لیکن آپ ان سے متنفر تھے' حضرت بلال حبش کے تھے' حضرت صہیب روم کے تھے اور حضرت سلمان فارسی فارس کے تھے اور یہ سب فقراء اور مساکین تھے اور آپ کے قرابت دار نہ تھے اور آپ ان سے بے حد

محبت کرتے تھے اور ان کی تکریم کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھنا اور مجھے مسکینی میں موت عطا کرنا اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر کرنا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے' اے عائشہ! تم کسی مسکین کو نہ مسترد کرنا خواہ ایک کھجور کا ٹکڑا دو' اے عائشہ! مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو قریب رکھو' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم کو قریب رکھے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۲۶' المستدرک ج ۴ص ۳۲۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ص ۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۹۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۲۶۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۴۵)

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کی عیادت کرتے تھے اور ان کے متعلق سوال کرتے تھے۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

ان احادیث سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں امیر کافروں کی محبت تھی نہ غریب مسلمانوں سے نفرت تھی' اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے' وہ اس دوسرے جواب کو ذکر نہ کرتے تو بہتر تھا۔

امام رازی نے ان آیات پر دوسرا سوال یہ وارد کیا ہے:

جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف تیوری چڑھانے پر عتاب کیا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابن ام مکتوم کی بہت تعظیم ظاہر ہوتی ہے اور جب ایسا ہے تو پھر حضرت ابن ام مکتوم کو نابینا کے وصف سے کیوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ نابینا کا وصف تو تحقیر کے لیے ذکر کیا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نابینا کا وصف حضرت ابن ام مکتوم کی تحقیر شان کے لیے نہیں ذکر کیا گیا بلکہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے مزید شفقت اور رعایت کے مستحق تھے' تو اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کے یہ کیسے مناسب تھا کہ آپ ان پر سختی کرتے۔

اور ان آیات پر تیسرا سوال یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت تھی کہ آپ حسبِ مصلحت اپنے اصحاب کے ساتھ سلوک کریں اور کئی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تادیب کرتے تھے اور بعض کاموں پر ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو محاسن آداب کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور کسی نامناسب کام پر تیوری چڑھانا بھی ان کی تادیب میں داخل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں مداخلت کرنا بھی نامناسب کام ہے تو اس پر تیوری چڑھانے پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیوں عتاب فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تادیب میں ماذون تھے لیکن اس موقع پر اغنیاء کو فقراء پر ترجیح دینے سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ دنیا کو دین پر ترجیح دیتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۵۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر حضرت ابن ام مکتوم کو یہ علم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردارانِ قریش کو تبلیغ فرما رہے ہیں اور آپ کو ان کے اسلام کی توقع ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت کرتے تو ان کا یہ فعل بے ادبی ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی آپ پر عتاب فرمایا

تاکہ اہل صفہ (فقراء صحابہ) کے دل نہ ٹوٹ جائیں یا اس لیے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مؤمن فقیر کافرغنی سے بہتر ہے اور یہ کہ مؤمن کی رعایت کرنا کافرغنی سے زیادہ لائق ہے خواہ کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابن ام مکتوم پر اعتماد ہو کہ اگر آپ ان کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو ان کو ملال نہیں ہوگا اور دوسری جانب کفار کے مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ ایک موقع پر آپ کچھ صحابہ کو عطا فرما رہے تھے اور جس کی حضرت سعد بن وقاص نے سفارش کی تھی اس کو عطا نہیں فرمایا اور آخر میں بہ طور عذر یہ فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ اس کو دوزخ میں منہ کے بل گرا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۶)

ابن زید نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کے سوال پر اس لیے تیوری چڑھائی تھی اور ان سے اعراض کیا تھا کہ جو شخص حضرت ابن ام مکتوم کو لے کر آ رہا تھا' آپ نے اس کو اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کو روکے' لیکن حضرت ابن ام مکتوم نے اس کو دھکا دیا اور انکار کیا اور کہا کہ وہ ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کریں گے اور یہ ان کی طرف سے ایک قسم کا سخت رویہ تھا' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰى'' (عبس: ۱) انہوں نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اور غائب کے صیغہ سے کلام فرمایا اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا: آپ نے تیوری چڑھائی اور آپ نے منہ پھیرا' پھر آپ سے انس فرمانے کے لیے بالمشافہ فرمایا:

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ (عبس: ۳) — آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا ۞

یعنی حضرت ابن ام مکتوم جو آپ سے قرآن اور دین کی تعلیم کا سوال کر رہے تھے' وہ اس تعلیم پر عمل کرتے اور دین میں زیادہ تقویٰ اور پاکیزگی حاصل کرتے اور ان سے ناواقفیت کی ظلمت زائل ہو جاتی' اور ایک قول یہ ہے کہ ''لعله'' کی ضمیر کافر کی طرف لوٹ رہی ہے' یعنی آپ جن کافروں کے اسلام قبول کرنے کی خواہش کر رہے ہیں' آپ کو کیا پتا کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر ہوگا اور وہ پاکیزگی حاصل کر لیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۴۔۱۸۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے کی توجیہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن ام مکتوم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے دوران مداخلت کرنا بہ ظاہر ذنب اور معصیت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا تیوری چڑھانا برحق تھا لیکن آپ کے اس فعل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرتے ہیں اور فقراء کی دل آزاری کی کوئی پرواہ نہیں کرتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اور اس پر متنبہ کیا کہ آپ کا یہ فعل منصب نبوت کے شایانِ شان نہیں ہے اور آپ کا یہ فعل ترک اولیٰ اور ترک افضل کے قبیل سے ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۴۹۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''عتاب'' کے معنیٰ کی تحقیق

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

العتب والعتبان لذمك الرجل على اساءة كانت له اليك. — عتاب کا معنیٰ یہ ہے کہ تم کسی شخص کے ساتھ برا سلوک کرو تو وہ تم کو اس برے سلوک پر ملامت کرے۔

نیز لکھتے ہیں: کسی شخص کو نیک کام کی طرف لوٹانے کی رہ نمائی کرنے کو عتاب کہتے ہیں' اور لکھتے ہیں:

الرجل الذی یعاتب صاحبه او صدیقه فی کل شیء اشفاقا علیه و نصیحة له.	کسی شخص کا اپنے شاگرد یا اپنے دوست پر شفقت کرتے ہوئے ہر چیز میں نصیحت کرنا۔

(لسان العرب ج ۱۰ص ۲۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

''عتـــاب'' کا معنیٰ ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا' عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنیٰ ہوگا: ان کے کسی غلط یا بُرے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں عتاب کا معنیٰ ہوگا: ان کے کسی خلاف اولیٰ کام پر لطف و محبت سے ان کو متنبہ فرمانا گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے' جیسا اس آیت میں ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ . (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے (منافقین کو ان کے صدق کے ظہور سے پہلے) کیوں اجازت دے دی؟

کسی صحیح یا مستند حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا گیا' البتہ علامہ قرطبی نے ثوری کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا یہی محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تیوری چڑھانے پر لطف و محبت کے ساتھ تنبیہ فرمائی تا کہ مخالفینِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ پیغمبر اسلام امیر کافروں کو غریب مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنے کی وجہ سے آپ پر عتاب کرنے کی آیات

عبس: ۳ میں فرمایا: آپ کو کیا پتا کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا O

جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ''لـعـل'' (شاید) کا لفظ آئے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے: واجب ہے۔ اس آیت میں ''یزکّی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ''یتزکّی'' یعنی وہ آپ کی تعلیم پر عمل کر کے پاکیزگی حاصل کرتا۔

عبس: ۴ میں فرمایا: یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی O

یعنی آپ اس کو نصیحت کرتے اور وہ آپ کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کو فائدہ ہوتا۔

عبس: ۶۔۵ میں فرمایا: اور جس نے بے پرواہی برتی O تو آپ اس کے درپے ہیں O

یعنی آپ اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے ہیں وہ اس کو چھوڑ کر اس طریقہ کو اختیار کر رہا ہے جو شیطان نے اس کے لیے مزین کر دیا ہے یا ''استغنی'' کا معنیٰ ہے: مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کر لیں گے' آپ ان کے درپے ہیں' اس کا معنیٰ ہے: آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

عبس: ۷ میں فرمایا: اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا O

یعنی آپ کا کام تو صرف نصیحت کرنا ہے' اگر یہ سردارانِ قریش آپ کی نصیحت قبول نہ کریں' آپ سے اعراض کریں اور آپ سے عداوت رکھیں تو آپ کو ان سے ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ سے ان کے شر کو دور کرے گا۔

عبس: ۹۔۸ میں فرمایا: اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے O اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے O

ان آیتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شخص محض اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔

عبس: ۱۰ میں فرمایا: تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O

حسن بصری نے کہا: آپ نے جو مؤمن سے پیٹھ پھیری اور کافروں کی طرف توجہ کی یہ میرا حکم نہ تھا' ابوبکر اصم نے کہا: جب مذکورہ دس آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے' پھر بعد کی آیت سے آپ کو اطمینان ہوا۔ اس آیت میں "تلھی" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ایک سے اعراض کر کے دوسرے کے ساتھ مشغول ہونا۔ 37

آپ کو جو یہ خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے' آپ کو خیال ہوا کہ میرا مومن سے پیٹھ پھیرنا شاید اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے' بعد کی آیات سے آپ کو تسلی ہوئی' پھر آپ کا یہ خوف زائل ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن نصیحت ہے O سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے O یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O جو عزت والے نیک ہیں O (عبس: ۱۶-۱۱)

قرآن مجید کا پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہونا

عبس: ۱۱ میں فرمایا: بے شک یہ قرآن نصیحت ہے O

"کلا" حرف زجر ہے' اس کا معنی ہے: جس پر عتاب کیا گیا ہے وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے جو مستوجب عتاب ہو' حسن بصری نے کہا: جب حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان آیات کو پڑھا تو آپ بہت متاسف ہوئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ سے غم کی کیفیت دور ہو گئی' کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ کا حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنا صرف ترک اولیٰ تھا۔

اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس آیت کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ کافر دنیا داروں کو مؤخر کریں اور مسلمان فقراء کو مقدم رکھیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نصیحت ہے' آپ پر مواخذہ یا گرفت نہیں ہے' اسلام پوری طرح واضح ہو چکا ہے خواہ کوئی دنیا دار اس کو قبول کرے یا نہ کرے' سو آپ کو ان کی طرف زیادہ التفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عبس: ۱۴-۱۲ میں فرمایا: سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے O یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O

قرآن مجید واضح نصیحت ہے' سو جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہے' یہ نصیحت صحائف میں مذکور ہے یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے' وہ لوح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت یافتہ ہے اور ساتویں آسمان کی بلند جگہ پر ہے اور اس لوح کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا اور شیاطین کے ناپاک ہاتھوں کے مَس سے وہ محفوظ ہے۔

عبس: ۱۶-۱۵ میں فرمایا: اور ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O جو عزت والے نیک ہیں O

"سفرة" اور "کرام" کا معنی اور فرشتوں کا انسان سے اس کی بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت اور قضاء حاجت کے وقت دور رہنا

اس آیت میں "سفرة" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کاتبین یعنی لکھنے والے' "سفر" کا اصل معنی ہے: کشف اور بیان' مسافر کو اس لیے مسافر کہتے ہیں کہ سفر کے ذریعہ اس پر نیا علاقہ اور نئے لوگ منکشف ہو جاتے ہیں' اسی طرح کسی چیز کو لکھ کر

منکشف اور واضح کر دیا جاتا ہے ''سفرۃ'' سے مراد یہاں پر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام رسولوں تک پہنچاتے ہیں' اسی طرح ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان وسائط ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کا علم بندوں تک پہنچانے کے ذرائع ہیں۔

37 دوسری آیت میں ''بررۃ'' کا لفظ ہے' یہ ''بار'' کی جمع ہے ''بار'' کا معنی ہے: نیکی کرنے والا' جیسے ''کافر'' کی جمع ''کفرۃ'' اور ''فاجر'' کی جمع ''فجرۃ'' ہے۔

صحائف کی دوسری تفسیر یہ ہے: صحائف انبیاء' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۸) بے شک یہ نصیحت انبیاء متقدمین کے صحیفوں میں ہے ۝

اور ''سفرۃ کرام'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کے قاری ہیں۔ قفال نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: ان صحائف کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا۔

سفیر رسول کو' اور قوم کے درمیان صلح کرانے والے کو کہتے ہیں' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اور وہ حافظ ہو وہ ''السفرۃ الکرام البررۃ'' (نیک پاکیزہ فرشتوں) کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی طرح وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو حفظ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۸)

اس آیت میں ''کرام'' کا لفظ ہے یعنی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں' حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھتے ہیں' الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کرام کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ فرشتے اس بات سے مکرم ہیں کہ وہ ابن آدم کے ساتھ اس وقت ہوں جب وہ اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے' یا بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ۝ اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ ۝ اس کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا ۝ پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا ۝ پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا ۝ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا ۝ بے شک اس نے اللہ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا ۝ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے ۝ ہم نے خوب پانی بہایا ۝ پھر ہم نے زمین کو شق کیا ۝ سو اس میں غلہ اگایا ۝ اور انگور اور سبزی ۝ اور زیتون اور کھجور ۝ اور گھنے باغات ۝ اور میوے اور (مویشیوں کا) چارا ۝ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ۝ (عبس: ۳۲۔۱۷)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل نفسیہ

عبس: ۱۷ میں فرمایا: (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ۝

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قریش کے کافر سردار اپنے آپ کو فقراء مسلمین سے بلند اور برتر سمجھتے تھے' ان آیات میں ان کے تکبر کا رد فرمایا ہے کہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے' یہ ابتداء میں نطفہ تھا' ناپاک پانی کا قطرہ اور آخر میں یہ بدبودار مردار ہو جائے گا۔

اس آیت میں ''قتل'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کافر انسان مار دیا جائے' یا اس کو عذاب دیا جائے یا اس کو ہلاک کر دیا جائے' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ

ایمان لا چکا تھا اور جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو مرتد ہو گیا اور کہنے لگا: میں النجم کے سوا پورے قرآن پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ عزوجل نے عتبہ بن ابی لہب کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی اور "قتل الانسان" سے مراد ہے: عتبہ پر لعنت کی جائے کہ اس نے قرآن کا انکار کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف یہ دعا کی:

اللھم سلط علیہ کلبك اسد الغاضرۃ. اے اللہ! اس کے اوپر زرخیز زمین میں اپنے کتے کو مسلط کر دے جو پھاڑنے والے شیر کی طرح ہو۔

وہ فوراً شام کی طرف نکل گیا' جب زرخیز زمین میں پہنچا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد آئی' پھر ایک رات کو شیر آیا' اس نے عتبہ بن ابی لہب کا منہ سونگھا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' اس کا باپ اس پر رونے لگا اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو بھی کہا وہ ہو کر رہا۔ (یہ روایت علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۷ میں درج کی ہے' مگر اس پر اعتراض کیا گیا کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے اور علامہ قرطبی نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا' البتہ اس سے ملتی جلتی ایک حدیث حاکم نے روایت کی ہے' وہ یہ ہے:)

نوفل بن ابی عقرب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لہب بن ابی لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کیا کرتا تھا' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے' وہ شام جانے کے ارادہ سے ایک قافلہ کے ساتھ گیا' پھر ایک جگہ قیام کیا' وہ کہنے لگا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا سے ڈر لگ رہا ہے' قافلہ والوں نے کہا: ہرگز نہیں! انہوں نے اس کا سامان اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے بیٹھ گئے' پھر شیر آیا اور اس کو جھپٹ کر لے گیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳۹ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۸۴' علامہ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے)

عبس: ۱۸ میں فرمایا: اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟O

یہ استفہام تعجب ہے' یعنی یہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے' یہ سوچے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

عبس: ۱۹ میں فرمایا: اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھاO

حسن بصری نے کہا: وہ شخص کیسے تکبر کرتا ہے جو دن میں کئی بار بول و براز کے لیے بیت الخلاء جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۞ (الکہف: ۳۷) کیا تو اس ذات کا کفر کر رہا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر تجھے مکمل مرد بنا دیاO

اللہ تعالیٰ انسان کو تخلیق کے کئی ادوار میں لاتا رہا' پہلے وہ نطفہ تھا' پھر وہ جما ہوا خون ہو گیا' پھر گوشت کا ٹکڑا بن گیا' پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں' پھر اس میں روح پھونک دی۔

عبس: ۲۰ میں فرمایا: پھر اس کے لیے راستہ آسان کیاO

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنا آسان کر دیا' ماں کے پیٹ میں ولادت کے وقت مولود کا سر نیچے اور اس کی ٹانگیں اوپر ہوتی ہیں اور تنگ راستہ سے زندہ مولود کا نکل آنا اللہ تعالیٰ کی نہایت عجیب قدرت کا ظہور ہے۔

(۲) ابو مسلم نے کہا: اس سے مراد ہے: "وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" (البلد: ۱۰) ہم نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے' یعنی انسان کو دنیا اور آخرت کی ہر خیر اور شر کے راستے دکھا دیئے ہیں اور اس کو یہ قدرت عطا کر دی ہے کہ وہ چاہے تو خیر کے راستے پر چلے اور چاہے تو شر کے راستے پر چلے اور خیر اور شر کی راہ نمائی اس کے حواس' اس کی عقل' علماء' انبیاء

علیہم السلام اور آسمانی کتابیں اور صحائف کرتے ہیں۔

عبس: ۲۲۔۲۱ میں فرمایا: پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا O پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا O

انسان کی تخلیق کا پہلا مرتبہ یہ تھا کہ اس کو نطفہ سے بہ تدریج مکمل انسان بنایا اور دوسرا مرتبہ یہ تھا کہ اس کے لیے اللہ تک پہنچنا آسان کر دیا اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی روح قبض کی اور اس کو قبر میں پہنچا دیا اور پھر قیامت کے دن اس کو میدانِ حشر میں لا کھڑا کیا۔ انسان کی موت بھی اس کے لیے نعمت ہے کیونکہ موت کی وجہ سے اس کی جزاء کا دروازہ کھلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے نیک اعمال پر جو نعمتیں مقدر کی ہیں ان کے حصول کا وقت آتا ہے' اور اس کے قبر میں دفن ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں کیونکہ اگر وہ دفن نہ ہوتا تو درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے اور زمین پر اس کے اعضاء بکھرے ہوئے ہوتے' اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کو میدانِ حشر میں لے آئے گا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حشر کا وقت معین اور معلوم نہیں ہے' جس طرح انسان کو اس کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔

عبس: ۲۳ میں فرمایا: بے شک اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا O

اس آیت کے شروع میں ''کلا'' کا لفظ ہے' اور یہ لفظ زجر اور ڈانٹنے کے لیے آتا ہے اور کسی کام سے روکنے اور ہٹانے کے لیے آتا ہے' پس اس لفظ سے کافر انسان کو اس کے تکبر سے' اس کے کفر سے اور توحید کے انکار پر اصرار سے روکا گیا ہے کہ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا اور اپنے کفر اور تکبر سے ابھی تک باز نہیں آیا۔

عبس: ۲۴ میں فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے O

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل خارجیہ

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں یہ اسلوب ہے کہ وہ دو قسم کے دلائل ذکر فرماتا ہے' ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اور دوسرے وہ دلائل جو انسان کے نفس سے باہر آفاق میں ہیں تاکہ انسان اپنے اندر غور کرے تو اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کر لے اور اپنے باہر غور کرے تو اللہ کی فرماں برداری کی طرف پلٹ آئے' سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے طعام کی طرف متوجہ کیا' اس کا طعام زمین کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تخلیق سے حاصل ہوتی ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اس کی اپنی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا' یہ دلائل نفسیہ تھے' اب اس کو طعام کی طرف متوجہ فرمایا ہے' یہ دلائل آفاق ہیں۔

عبس: ۲۵ میں فرمایا: ہم نے خوب پانی بہایا O

اس سے مراد ہے: ہم نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔

عبس: ۲۶ میں فرمایا: پھر ہم نے زمین کو شق کیا O

یعنی ہم نے زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہل چلایا جا سکے اور کاشت کاری کی جا سکے' اگر وہ زمین بہت سخت اور پتھریلی ہوتی تو اس میں کسی چیز کی کاشت نہ ہو سکتی۔

عبس: ۲۷ میں فرمایا: سو اس میں غلہ اگایا O

اس سے مراد گندم' جو' مکئی' باجرہ وغیرہ ہیں اور مختلف قسم کی دالیں اور چاول جن سے غذا حاصل ہوتی ہے۔

عبس: ۲۸ میں فرمایا: اور انگور اور سبزی O

غلہ کے بعد انگور کا ذکر کیا' کیونکہ انسان کھانے کے بعد پھل کھاتا ہے' اس کے بعد ''قضبا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی کھیرا

ہے یا عام سبزی۔

عبس:۲۹ میں فرمایا: اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O

زیتون کے پھل کے بہت فوائد ہیں' زیتون کا پھل کھایا بھی جاتا ہے اور اس کا تیل بھی نکالا جاتا ہے' زیتون کا تیل بہت مقوی ہوتا ہے' اس میں کولیسٹرول بالکل نہیں ہوتا اور اس کو کھانے سے بدن اور اعصاب میں بہت قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح کھجور میں بھی بہت غذائیت اور بہت قوت ہے اور ہم اس سے پہلے اس کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

عبس:۳۰ میں فرمایا: اور گھنے باغات O

''حدائق'' ''حديقة'' کی جمع ہے' ''حديقة'' اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو' ''غلب'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی گردن موٹی ہو اور اس سے مراد وہ باغ ہیں جن میں بہت گھنے درخت ہوں۔

عبس:۳۲۔۳۱ میں فرمایا: اور میوے اور (مویشیوں کا) چارا O تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O

اس آیت میں ''فاكهة'' کا عطف ''عنب'' پر ہے' اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور اور کھجور اور زیتون ''فاكهة'' یعنی میووں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ''فاكهة'' سے مراد خشک پھل ہوں جیسے پستہ' بادام اور اخروٹ وغیرہ۔

''ابا'' کا معنیٰ ہے: چراگاہ اور چارا انسان کے جانوروں کی غذا ہے۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل ہیں کیونکہ ان چیزوں کی پیدائش طرزِ واحد پر ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا واحد ہے' نیز جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں' وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے انسان پر انعام اور احسان کیا ہے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کو خالق اور واحد مستحق عبادت مانے اور اس کے سامنے سرکشی نہ کرے اور تکبر اور کفر نہ کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آ جائے گی O اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے O اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی جو اس کو (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی O اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں O (عبس:۴۲۔۳۳)

قیامت کے دن نفسی نفسی کا عالم

عبس:۳۳ میں فرمایا: پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آ جائے گی O

''صاخة'' کا معنیٰ ہے: اس قدر شدید آواز جو کانوں کو بہرا کر دے' اور اس سے مراد دوسرا صور پھونکنا ہے جس کی ہیبت ناک آواز سن کو تمام مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلی آیات میں انسان کے مرنے اور اس کے دفن ہونے کا ذکر فرمایا تھا' اور قبر میں مدفون ہونے کے بعد دوسرے صور کی آواز سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور پھر حشر برپا ہوگا۔

عبس:۳۶۔۳۴ میں فرمایا: اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے O

ہوسکتا ہے کہ بھاگنے سے اس کا ظاہری معنیٰ مراد ہو' یعنی ایک دوسرے کا مطالبہ سے پیچھا چھڑانا اور اس سے دور ہونا' مثلاً

ایک شخص اپنے بھائی سے کہے گا: تم نے میرے مال کو انصاف سے خرچ نہیں کیا اور ماں باپ کہیں گے: تم نے ہمارے ساتھ نیکی کرنے میں کوتاہی کی اور بیوی کہے گی: تم نے مجھے حرام مال کھلایا' بیٹے کہیں گے: تم نے ہم کو تعلیم نہیں دی اور ہماری تربیت نہیں کی۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ قابیل ہوگا جو ہابیل سے بھاگے گا اور جو شخص اپنی بیوی سے بھاگے گا وہ حضرت نوح اور حضرت لوط ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرار سے مراد دور جانا نہ ہو بلکہ اس سے مراد نصرت اور حمایت نہ کرنا ہو اور بے زار ہونا مراد ہو' جیسے یہ آیات ہیں:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا. (البقرہ:۱۶۶) جن کافر سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ ان سے بے زار ہو جائیں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْـًٔا. (الدخان:۴۱) اس دن کوئی دوست کسی دوست کے بالکل کام نہیں آئے گا۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

قیامت کے دن نفسی نفسی کی وجہ یہ ہوگی کہ جتنے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہوں گے اُن کا مکمل طور پر ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا تو قرابت داروں کو اُس دن یہ خوف ہوگا کہ حقوق میں تقصیر کی وجہ سے اُن پر گرفت کی جائے گی' اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے اور اُن میں سے ہر ایک اس وجہ سے بھاگے گا کہ اُس کے اوپر اپنے قرابت داروں کا بوجھ نہ ڈال دیا جائے' جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ. (فاطر:۱۸) اگر کوئی بوجھل شخص اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو اس کا بوجھ بالکل نہیں اُٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابت دار ہو۔

قرابت دار دُنیا میں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے سے تعاون نہیں کریں گے بلکہ بھاگیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیر بحث آیت کفار کے متعلق ہو۔ رہے مسلمان تو ہوسکتا ہے کہ اُن کے درمیان قرابت کے حقوق برقرار رہیں' جیسا کہ مسلمان دوستوں کے درمیان محبت باقی رہے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ؕ○ (الزخرف:۶۷) تمام دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے○

اور اگر زیر بحث آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ متعلق ہو تو ہوسکتا ہے کہ قیامت کے بعض احوال ایسے ہوں جن میں مسلمان قرابت دار ایک دوسرے سے بھاگیں گے' یہی نفسی نفسی کا موقع ہوگا' پھر جب انہیں امن ہو جائے گا اور ان کے پاس اجازتِ شفاعت کی بشارت آ جائے گی تو وہ شفاعت کریں گے' ایک دوسرے کا حال معلوم کریں گے اور ایک دوسرے سے نہیں بھاگیں گے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۳۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

عبس: ۳۷ میں فرمایا: اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی' جو اس کو دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی○

اس آیت میں اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ کیوں کوئی شخص اپنے بھائی سے اور کوئی شخص اپنے بیٹوں سے بھاگے گا کیونکہ اس دن ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی' یعنی اس کا دل و دماغ صرف اپنے تفکرات سے بھرا ہوا ہوگا اور اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہوگی اور وہ اس شخص کے مشابہ ہوگا جس کے پاس بہت غلام ہوں اور وہ مزید کسی غلام کو رکھنے کی گنجائش نہ رکھتا ہو۔

عبس: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے○ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش○

مؤمنوں اور کافروں کے چہروں کی آخرت میں کیفیات

اس آیت میں "مسفرۃ" کا لفظ ہے "اسفار" اس وقت کو کہتے ہیں جب صبح روشن ہو جائے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص رات کو بہت نماز پڑھتا ہے صبح اس کا چہرہ روشن اور حسین ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مؤمن دنیا سے منقطع ہو کر جب عالم قدس سے واصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت اور رضا اس پر سایا افگن ہوتی ہے' یعنی جس وقت میزان کے وزن اور حساب سے فارغ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور سرفرازی سے بہت خوش ہوتا ہے تو اس وقت کی اس کی خوشی کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

عبس: ۴۲۔۴۰ میں فرمایا: اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہو گی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں O

غبار کا معنیٰ ظاہر ہے جیسے انسان پر سفر میں گرد و غبار چھا جاتا ہے' اور ان آیات میں "ترھق" کا لفظ ہے "رھق" کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا جلدی سے عارض ہونا' کسی چیز کا دوسری چیز پر زبردستی چھا جانا "قترۃ" کا معنیٰ ہے: دھوئیں کی سیاہی' اللہ تعالیٰ کفار کے چہروں میں سیاہی اور غبار کو جمع فرما دے گا جیسا کہ انہوں نے اپنے اندر دنیا میں کفر اور بُرے اعمال کو جمع کر لیا تھا۔

ان آیات سے خوارج نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کاملین اور کفار کا ذکر فرمایا ہے اور مؤمن مرتکب کبیرہ کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ وہ کفار میں داخل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ذکر دوسری آیات میں ہے' اسی طرح مرجئہ نے کہا کہ مرتکب کبیرہ کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ وہ مؤمنین کاملین میں داخل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ضرر نہیں ہوتا' اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دوسری آیات میں ان کا ذکر آ چکا ہے۔

سورۂ عبس کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۶ رجب ۱۴۲۶ھ/ یکم ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات بعد از نمازِ عصر سورۂ عبس کی تکمیل ہو گئی' ۲۰ رجب کو اس تفسیر کا آغاز کیا تھا' اس طرح چھ دنوں میں اس تفسیر کی تکمیل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی بھی تفسیر مکمل کرا دے۔ مجھ کو صحت اور توانائی کے ساتھ ایمان پر قائم رکھے اور تاحیات اسلام کے احکام پر عامل رکھے۔

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین
سید المرسلین قائد الغر المحجلین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التکویر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اس کے متعلق احادیث اور اس کے مشمولات

اس سورت کا نام التکویر ہے اور یہ "کوّرت" کا مصدر ہے قرآن کی اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے:

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝ (التکویر:۱) جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ۝

ابن یزید الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ وہ قیامت کے دن اس طرح دیکھے جیسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اس کو چاہیے کہ وہ یہ سورتیں پڑھے: "اذا الشمس کورت" اور "اذا السماء انفطرت" اور "اذا السماء انشقت"۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورج اور چاند کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ ان دونوں کو لپیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تا کہ وہ مشرکین مزید ذلیل وخوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔

اس سے پہلے سورۂ عبس میں بھی قیامت کے ہولناک واقعات بیان کیے گئے تھے جیسے فرمایا تھا: جب کانوں کو بہرا کرنے والی قیامت آ جائے گی تو اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا الخ یا اس لیے کہ اس کا بھائی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھ سکے جس میں وہ مبتلا ہے اور یا اس لیے کہ اسے علم ہو گا کہ وہ اپنے بھائی سے کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکے گا اور اس سورت میں بھی قیامت کے ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں جیسے فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر: ۷ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر: ۸۱ ہے۔

اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں مثلاً توحید رسالت قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہونا اور قیامت کے دن ہولناک اُمور کا واقع ہونا انسان دنیا میں جن چیزوں کو بہت عظیم اور بہت عجیب سمجھتا ہے ان کا ٹوٹ پھوٹ جانا جیسے زمین پہاڑ آسمان سورج چاند اور ستاروں کا متغیر ہو کر فنا ہو جانا۔

اس مختصر تعارف کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے میں اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں ہر ہر قدم پر مجھے لغزشوں سے محفوظ رکھنا اور اس سورت کے اسرار اور عجائب کو مجھ پر کھول دینا۔ (آمین) غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲ ستمبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/ ۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ التکویر مکیۃ ۸۱ آیاتہا ۲۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعہا ۱

سورۃ التکویر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انتیس آیات اور ایک رکوع ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَإِذَا
جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب
الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَإِذَا الْوُحُوشُ
پہاڑ چلائے جائیں گے ○ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ○ اور جب وحشی جانور
حُشِرَتْ ۝۵ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَإِذَا النُّفُوسُ
جمع کیے جائیں گے ○ اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے ○ اور جب جانیں
زُوِّجَتْ ۝۷ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝۹
ملا دی جائیں گی ○ اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا ○ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ ○
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَإِذَا
اور جب صحائف اعمال پھیلا دیئے جائیں گے ○ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا ○ اور جب
الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ
دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا ○ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی ○ تو ہر شخص جان لے گا
مَّا أَحْضَرَتْ ۝۱۴ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶
جو کام اس نے پیش کیا ہے ○ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی ○ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی ○
وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ إِنَّهُ لَقَوْلُ
اور رات کی جب جانے لگے ○ اور صبح کی جب چمکنے لگے ○ بے شک یہ معزز
رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝۱۹ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝۲۰ مُطَاعٍ
رسول کا قول ہے ○ جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے ○ جس کی

ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ
آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے وہاں امانت دار ہے O اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن
الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ
کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O اور یہ (قرآن) شیطان مردود
شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O بے شک وہ تمام جہان والوں
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ
کے لیے نصیحت ہے O تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O اور تم صرف
اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾
وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العلمین چاہتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا O اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے O اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی O اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے O اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے O اور جب جانیں ملا دی جائیں گی O اور جب زندہ در گور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا O وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ O اور جب صحائف اعمال پھیلا دیئے جائیں گے O اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا O اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا O اور جب جنت قریب کر دی جائے گی O تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے O (التکویر: ۱۴۔۱)

''کوّرت'' کا معنیٰ

ابتدائی تیرہ آیات میں بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بارہ چیزیں قیامت کی علامات ہیں اور ان تیرہ آیات کا پہلی آیت پر عطف ہے اور معطوف اور معطوف علیہ مل کر شرط ہیں اور آیت: ۱۴ اس کی جزاء ہے خلاصہ کلام اس طرح ہے کہ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور باقی مذکور علامات بھی واقع ہو جائیں گے تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے یعنی جو عمل اس نے آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے وہ کیا ہے۔

التکویر: ۱ میں فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا O

اس آیت میں ''کوّرت'' کا لفظ ہے اس کا مصدر ''تکویر'' ہے حسن بصری نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: جب سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس میں کوئی روشنی نہیں ہو گی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جب اس کی روشنی نہیں رہے گی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ مذکور الصدر تفسیر روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
ابوصالح اور ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں: جب سورج کو پھینک دیا جائے گا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۲۱۸۔۲۸۲۱۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پھر امام ابن جریر اپنا مختار لکھتے ہیں:
ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ کلام عرب میں ''تکویر'' کا معنیٰ ہے: ایک چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا، جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا ہے یا جیسے بڑی چادر میں کپڑے جمع کر کے اس چادر کو کپڑوں کے اوپر لپیٹا جاتا ہے، اسی طرح سورج کو لپیٹنے کا معنیٰ یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو بعض پر لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۸۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ سورج اور چاند کو کس گناہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۰) امام بزار اور دوسرے ائمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان کو لپیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، حسن بصری نے کہا: ان دونوں کا کیا گناہ ہے جو ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا؟ ابوسلمہ نے کہا: میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اعتراض کر رہے ہو کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ امام بزار نے کہا: حضرت ابوہریرہ سے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔
امام ابویعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: سورج اور چاند کو دوزخ میں اس لیے پھینکا جائے گا تاکہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے والے ان کا انجام دیکھ لیں۔
امام ابن وہب نے ''جمع الشمس والقمر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جمع کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے۔
علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سورج اور چاند کے دوزخ میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہو، لیکن اس سے ان لوگوں کو ذلیل کرنا مقصود ہے جو دنیا میں سورج اور چاند کی عبادت کرتے تھے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی وہ عبادت باطل تھی، ایک قول یہ ہے کہ سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، پھر ان کو آگ میں لوٹا دیا گیا ہے، اور اسماعیلی نے کہا: ان کو دوزخ میں ڈالنے سے ان کو عذاب دینا لازم نہیں آتا کیونکہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی ہوں گے، پتھر بھی ہوں گے اور بھی کئی چیزیں ہوں گی اور اہل دوزخ کو عذاب دینے کے لیے عذاب کے کئی آلات ہوں گے، لہٰذا سورج اور چاند کا عذاب یافتہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

التکویر: ۲ میں فرمایا: اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

''انکدرت'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''انکدرت'' کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''انکدار'' ہے، اس کا معنیٰ ہے: میلا ہونا لیکن پراگندہ ہو کر بکھر جانے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، اس آیت کا معنیٰ ہے: جب ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے، اسی طرح ''انفطرت'' ہے، اس کا مصدر ''انفطار'' ہے، اس کا معنیٰ ہے: چرنا اور پھٹنا اور ''اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ'' (الانفطار: ۱) کا معنیٰ ہے: جب آسمان

پھٹ جائے گا۔

عطاء نے کہا: ستارے آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے معلق ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اور جب آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی۔

التکویر: ۳ میں فرمایا: اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے O

اس کا معنیٰ ہے: جب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے فضا میں اُڑا دیا جائے گا اس کی تفسیر النبا: ۲۰ اور النمل: ۸۸ میں گزر چکی ہے۔

التکویر: ۴ میں فرمایا: اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی O

''العشار'' کا معنیٰ اور ان کے معطل کیے جانے کی توجیہ

عربوں کے نزدیک حاملہ اونٹنیاں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور جب ان کو معطل کر کے چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کسی غیر معمولی چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے' جس کی وجہ سے ان اونٹنیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں رہی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۵۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے اور اچانک قیامت آ جائے گی اور ان کے اموال اور املاک ضائع ہو جائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''العشار'' سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں' جب اچانک قیامت آ جائے گی تو بادل اس پانی کو برسا نہیں سکیں گے۔

التکویر: ۵ میں فرمایا: اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے O

''وحوش'' کا معنیٰ اور ''وحوش'' سے قصاص لینے کے فوائد

خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو ''وحوش'' کہا جاتا ہے' ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا' ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے' اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذاء پہنچائی ہوگی' ان سے قصاص لیا جائے گا' پھر ان سے کہا جائے گا: مر جاؤ تو وہ تمام وحشی جانور مر جائیں گے اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع کرے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کرنے کے لیے جمع نہ کرے۔

(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں' اس کے باوجود وہ سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔

(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذا ہوتے ہیں' جیسے شیر اور بکری' لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔

التکویر: ۶ میں فرمایا: اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے O

’’تسجیر‘‘ کا معنیٰ

امام مجاہد بن جبر مخزومی متوفی ۱۰۴ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب سمندر کو گرم کیا جائے گا' حتیٰ کہ وہ آگ ہو جائے گا' اور مجاہد نے کہا: سمندر میں آگ لگائی جائے گی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
’’تسجیر‘‘ کا معنیٰ ہے: تنور میں آگ جلا کر اس کو گرم کرنا' اور جب سمندروں میں آگ لگا دی جائے گی تو ان میں پانی بالکل نہیں رہے گا اور پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تمام سمندر اور زمینیں ایک چیز ہو جائیں گی' جو انتہائی گرم اور جلانے والے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین تمام سمندروں کا پانی چوس لے اور بلند ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں اور تمام زمینیں سمندر کی سطح کے مساوی ہو جائیں اور یہ سب کا سب گرم یا بھڑکایا ہوا سمندر بن جائے۔

قفال نے کہا: اس آیت کی تین وجوہ سے تاویل ہو سکتی ہے:

(۱) جہنم سمندر کی تہوں میں ہو اور دنیا کو قائم کرنے کے لیے اس وقت وہ گرم نہیں ہے اور جب دنیا کی مدت ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس آگ کی تاثیر سمندر تک پہنچا دے گا' پھر اس سبب سے تمام سمندر بھڑکائی ہوئی آگ بن جائے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ سورج' چاند اور ستاروں کو سمندر میں ڈال دے گا' اس سبب سے سمندر بھڑکائی ہوئی آگ بن جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ سمندر میں بہت عظیم آگ پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے سمندر بہت گرم ہو جائے گا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ ان تاویلات کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو دنیا کو تباہ کرنے اور قیامت کو قائم کرنے پر قادر ہے' وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ سمندروں کو گرم کر دے اور اس کے پانی کو آگ لگا دے اور اس کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ سمندر میں سورج اور چاند کو ڈالے یا اس کی تہوں میں جہنم ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ چھ علامتیں جن کا ذکر آ چکا ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا وقوع دنیا کو تباہ کرنے کے شروع میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا وقوع قیامت کے بعد ہو لیکن باقی چھ علامتیں' ان کا وقوع قیامت کے ساتھ مختص ہے۔

دوزخ کا مصداق کس جگہ پر ہے؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا: جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا: سمندر میں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ وہ صادق ہے' قرآن مجید میں ہے: ’’وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝‘‘ (الطور: ۶) اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم! اور قرآن مجید میں ہے: ’’وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝‘‘ (التکویر: ۶) اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۲۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شمر بن عطیہ نے کہا: ’’وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝‘‘ (الطور: ۶) بھڑکائے ہوئے تنور کے قائم مقام ہے اور ’’وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ‘‘ (التکویر: ۶) بھی اس کی مثل ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۲۴۱)

علامہ آلوسی نے امام رازی کی تفسیر کا بعض حصہ نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۹۱)

اس آیت کی جو تفسیر کی گئی ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن یہ سمندر آگ بن جائے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی سمندر وہ جہنم ہو' جس کا قرآن مجید اور احادیث میں تذکرہ ہے کیونکہ جہنم کو پیدا کیا جا چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہے اور اس کے بعض احوال بیان فرمائے ہیں اور جن کفار کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہے' ان میں سے بھی بعض کا ذکر فرمایا ہے' نیز قرآن مجید میں ہے:

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬. (نوح:۲۵)

قوم نوح کو ان کے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیا گیا پھر فوراً ان کو جہنم کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس سمندر کے علاوہ کوئی اور چیز جہنم ہے جس کی آگ میں قوم نوح کو داخل کیا گیا اور جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور ان لوگوں کو دیکھا جن کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہے' رہا یہ سمندر تو اس کو قیامت میں بھڑکایا جائے گا اور اس کے پانی کو آگ بنایا جائے گا' سو یہ سمندر جہنم کا مصداق نہیں ہے اور قرآن اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ جہنم کہاں پر ہے' اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اثر منقول ہے وہ اس باب میں قطعی الثبوت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

التکویر: ۷ میں فرمایا: اور جب جانیں ملا دی جائیں گی ○

روحوں کو جسموں کے ساتھ ملانے کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۲) قیامت کے دن تین جوڑے بن جائیں گے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ؕ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ؕ وَاَصْحٰبُ الْمَشْــَٔمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْــَٔمَةِ ۝ؕ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ۙ (الواقعہ:۱۰۔۷)

اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے ○ اور دائیں ہاتھ والے پس کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے ○ اور بائیں ہاتھ والے پس کیسے ہیں بائیں ہاتھ والے ○ اور جو سبقت کرنے والے ہیں وہ تو سبقت کرنے والے ہی ہیں ○

(۳) زیادہ عبادت کرنے والوں کا ایک گروہ بنایا' درمیانی عبادت کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دوسرا گروہ بنایا جائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تیسرا گروہ بنایا جائے گا۔

(۴) مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۵) ہر نظریاتی گروہ کو اس کے افراد کے ساتھ ملا دیا جائے گا' یہودی کو یہودیوں کے ساتھ' عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ اور مسلمان کو مسلمانوں کے ساتھ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جنت میں نیک آدمی کو نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا' اور دوزخ میں بدکار کو بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ہر شخص کو اس کی جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا' یہودی کو یہودی کے ساتھ اور نصرانی کو نصرانی کے ساتھ' الربیع بن خیثم نے کہا: ہر شخص کو اس کے عمل کے ساتھ ملا دیا جائے گا' عطاء اور مقاتل نے کہا: مؤمنین کی روحوں

کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا' عکرمہ نے اس آیت کا معنیٰ اس طرح کیا ہے کہ روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ۵ص ۲۱۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

التکویر: ۹۔۸ میں فرمایا: اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا O وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ O

زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''موء ودۃ'' اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا ہے' عربوں کے ہاں جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اُون کا جبہ پہنا کر جنگل میں بکریوں اور اونٹوں کو چرانے کے لیے چھوڑ دیتا اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہتا تو اس کو چھوڑ دیتا حتیٰ کہ جب اس کا قد چھ بالشت کا ہو جاتا تو اس کا باپ اس کی ماں سے کہتا: اس کو خوب صورت کپڑے پہناؤ حتیٰ کہ میں اس کو اس کے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جاؤں اور اس نے صحرا میں ایک کنواں کھودا ہوا ہوتا تھا' وہ اس لڑکی کو وہاں لے جا کر اس سے کہتا: اس کنویں میں جھانک کر دیکھو' پھر اس کو پیچھے سے دھکا دے کر کنویں میں گرا دیتا اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر اس کو زمین کی تہ کے ساتھ ملا دیتا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ص ۱۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

زندہ درگور کرنے کا سبب اور اس لڑکی سے سوال کرنے کی توجیہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ عرب اپنی بیٹیوں کو اس لیے زندہ درگور کرتے تھے کہ ان کو بیٹی کا باپ کہلانے سے عار آتا تھا یا وہ تنگی رزق کے خطرے سے بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے' وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ بیٹیوں کو بیٹیوں کے ساتھ ملا دیتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس کو زندہ درگور کیا گیا ہے' اس سے سوال کیا جائے گا' بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ درگور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس کے قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا' جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ . (المائدہ: ۱۱۶)

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ عیسیٰ کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زندہ درگور کرنے کی ممانعت میں احادیث

زندہ درگور کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن زید الجعفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زمانۂ جاہلیت میں) زندہ درگور کرنے والا اور جس کو زندہ درگور کیا گیا' دونوں دوزخ میں ہیں ماسوا اس کے کہ زندہ درگور کرنے والا اسلام کا زمانہ پا لے اور پھر اللہ اس سے درگزر فرمائے (زمانۂ جاہلیت میں مرنے والی نابالغ لڑکی کا دوزخ میں ہونا محل اشکال ہے)۔

(مسند احمد ج ۳ص ۴۷۸۔ رقم الحدیث: ۱۵۹۲۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا تھا' آپ نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرو' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اونٹوں والا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ان میں سے ہر ایک کے بدلہ میں ایک اونٹ کی قربانی دو۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۰' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۳۷' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۴)

التکویر: ۱۰ میں فرمایا: اور جب صحائف (اعمال) پھیلا دیئے جائیں گے O

انسان کی موت کے وقت اس کے صحائف اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور حساب کے وقت اس کے صحائف اعمال کو کھول کر پھیلا دیا جائے گا۔

التکویر: ۱۱ میں فرمایا: اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا O

آسمان کے اوپر جنت اور اللہ تعالیٰ کا عرش ہے' آسمان کو ان سے الگ کر لیا جائے گا جس طرح ذبیحہ کی کھال کھینچ کر اس کو ذبیحہ سے الگ کر لیتے ہیں۔

التکویر: ۱۲ میں فرمایا: اور جب دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا O

بنو آدم کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا' معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابھی جہنم کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ قیامت کے دن اس کو بھڑکایا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم کو پیدا کیا جا چکا ہے' لیکن اس کی آگ کو قیامت کے دن بھڑکایا جائے گا۔

التکویر: ۱۳ میں فرمایا: اور جب جنت قریب کر دی جائے گی O

جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O (الشعراء: ۹۰) اور جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی O

التکویر: ۱۴ میں فرمایا: تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے O

اس سے پہلے بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' ان کا مجموعہ شرط ہے یعنی جب قیامت کے دن ان بارہ چیزوں کا وقوع ہوگا تو ہر شخص جان لے گا کہ اس کے صحائف اعمال میں کن کاموں کو حاضر کیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ وہ اعمال تو حاضر نہیں کیے جائیں گے' بلکہ جن صحائف میں وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں' ان کو حاضر کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اس سے حساب لیا جائے گا یا جب میزان پر اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی O اور رات کی جب جانے لگے O اور صبح کی جب چمکنے لگے O بے شک یہ معزز رسول کا قول ہے O جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے O جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے وہاں امانت دار ہے O اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O بے شک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العلمین چاہتا ہے O (التکویر: ۲۹۔۱۵)

التکویر: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی O

''الخنّس'' اور ''الکنّس'' کے معانی

اس آیت میں ''الخنّس'' کا لفظ ہے' یہ ''خانس'' اسم فاعل کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے' پھر جانے والے' رُک جانے والے' چھپ جانے والے' بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ستارے مراد ہیں کیونکہ وہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج کے علاوہ پانچوں سیارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی مریخ' زحل' عطارد' زہرہ اور مشتری کیونکہ ان کی چال اس طرح ہے کہ کبھی یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس چلتے ہیں اور کبھی سورج کے نزدیک آ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نیل گائے ہے کیونکہ اس میں بھی پیچھے ہٹنے' پھر جانے' رُکنے اور چھپنے کی صفت ہے۔ 38

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فرّاء نے کہا: اس سے مراد ستارے ہیں اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق نے سند صحیح کے ساتھ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ الخنس کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: میرا گمان ہے کہ وہ نیل گائے ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میرا بھی یہی گمان ہے' اور حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں۔

التکویر: ۱۶ میں ''الکنس'' کا لفظ ہے' یہ ''کانس'' اسم فاعل کی جمع ہے' ''کناس'' ہرن کے رہنے کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں ہرن کے چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''الکنس'' وہ ستارے ہیں جو چھپ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض نے کہا: ''الکنس'' سے مراد ہرن ہیں' امام سعید بن منصور نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''الکنس'' سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے' مجاہد سے ''الکنس'' کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے پتا نہیں' ابراہیم نے کہا: آپ کو کیوں پتا نہیں تو انہوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد نیل گائے ہے اور یہ لوگ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں' ابراہیم نے کہا: یہ لوگ حضرت علی کے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۷۰۶۔۷۰۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری نے کہا: ''الخنس'' کا معنی ہے: وہ ستارے جو اپنے مدار میں لوٹ جاتے ہیں اور ''الکنس'' کا معنی ہے: وہ ستارے جو ہرن کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر ''اذا الشمس کورت'')

امام رازی نے کہا ہے کہ ''الخنس'' اور ''الکنس'' سے ستاروں کا مراد لینا زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ستاروں کی قسم کھانا ہرن کی قسم کھانے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

التکویر: ۱۷ میں فرمایا: اور رات کی جب جانے لگے O

اس آیت میں ''عسعس'' کا لفظ ہے' یہ لغت اضداد سے ہے' ''عسعس'' کا لفظ رات کے آنے اور رات کے جانے' دونوں میں مستعمل ہے۔

التکویر: ۱۸ میں فرمایا: اور صبح کی جب چمکنے لگے O

اس سے مراد ہے: جب صبح کی روشنی مکمل طور سے پھیل جائے۔

38

التکویر: ۱۹ میں فرمایا: بے شک یہ معزز رسول کا قول ہےO

حضرت جبریل علیہ السلام کی چھ صفات کا تذکرہ اور امام رازی کا تمام رسولوں کو حضرت جبریل کی امت قرار دینا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت جبریل کی چھ صفات ذکر کی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ رسول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام انبیاء کی طرف اللہ کے رسول ہیں' سو وہ رسول ہیں اور تمام انبیاء ان کی امت ہیں۔ درج ذیل آیتوں سے بھی یہی مراد ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ. (النحل: ۲)

وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ (الشعراء: ۱۹۵۔۱۹۴)

جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیںO آپ کے قلب کے اوپر تا کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیںO

اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کریم ہیں اور ان کا کرم یہ ہے کہ وہ افضل چیز عطا کرتے ہیں اور وہ معرفت اور ہدایت ہے۔

تیسری اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ قوی ہیں اور عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ (التکویر: ۲۰) ان کی قوت یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت کا ذکر فرمایا ہے' تو آپ کی قوت کا کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیوں کو اپنے ایک پَر کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا' حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مُرغیوں کی آوازیں سُنیں اور مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ ابیض نامی شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبریل نے اُس کو معمولی سی ضرب لگائی' جس کے نتیجہ میں وہ مکہ سے ہند کے پرلے سرے میں جا پڑا اور بعض مفسرین نے کہا: اس قوت سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس میں خلل نہ آنے دینا' اُن کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر آخرت تک اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال ذات کے مشاہدہ کی جو قدرت ہے وہ یہاں مراد ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز اور بہت مکرم ہیں۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے' (عرش والے کے نزدیک) امانت دار ہیں (التکویر: ۲۱)۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں میں واجب الاطاعت ہیں' وہ ان ہی کے حکم سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہیں' اللہ تعالیٰ نے اُن کو خیانت کرنے سے اور لغزش کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۰۷۔ ۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام رازی نے یہی تقریر البقرہ: ۳۰ کی تفسیر میں بھی کی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۸۶)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے اور علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ ھ' علامہ شمس الدین

ذہبی متوفی ۷۴۸ھ حاجی خلیفہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے جو یہ لکھا ہے کہ امام رازی تفسیر کبیر کو مکمل نہیں کر سکے' یہ خلاف تحقیق ہے۔ دراصل ان علماء کرام نے پوری تفسیر کبیر کا مطالعہ نہیں فرمایا' ورنہ یہ حضرات یہ بات نہ کہتے کہ امام رازی کی وفات کے بعد تفسیر کبیر کو علامہ احمد قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے' انہوں نے انجانے میں امام رازی کے کمالات علامہ قمولی سے منسوب کر دیئے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہونا۔۔۔۔

اور امام رازی کا ردّ

امام رازی نے حضرت جبریل علیہ السلام کی جو چھ صفات ذکر فرمائی ہیں' ہم کو صرف پہلی صفت کی تفسیر میں ان سے اختلاف ہے' کیونکہ اس پہلی صفت کی تفسیر میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام انبیاء کی طرف رسول ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام ان کی امت ہیں اور چونکہ رسول اپنی امت سے افضل ہوتا ہے' اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام رسولوں سے افضل ہوں' جب کہ اس کے برخلاف دلائل سے یہ ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل سے افضل ہیں اور جبریل علیہ السلام ان سے مفضول ہیں' اور ان کی خدمت کرنے پر مامور ہیں۔ اس سلسلہ میں دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳) بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر بزرگی دی ۝

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح کو اور آل ابراہیم (حضرت اسحٰق' حضرت اسماعیل اور تمام انبیاء بنی اسرائیل) اور آل عمران (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آل ابراہیم میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام جہانوں میں بہ شمول حضرت جبریل علیہ السلام تمام ملائکہ مقربین اور دیگر تمام ملائکہ شامل ہیں۔

(۲) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا ۝

(الحجر: ۳۰' ص: ۷۳)

اس آیت میں تمام فرشتوں کے معنیٰ کو مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین الفاظ ذکر فرمائے ہیں: (۱) ''الملائكة'' یہ جمع معرف بلام الاستغراق ہے (۲) ''كلهم'' (۳) ''اجمعون''۔

امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ خلیل اور سیبویہ نے کہا ہے کہ ''كلهم اجمعون'' میں ایک تاکید کے بعد دوسری تاکید ہے۔ مُبرّد سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو اُس نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتا کہ فرشتوں نے سجدہ کیا تو یہ احتمال ہوتا کہ بعض فرشتوں نے سجدہ کیا' جب ''كلهم'' فرمایا تو یہ احتمال زائل ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' پھر یہ احتمال رہا کہ انہوں نے مختلف اوقات میں سجدہ کیا' سو جب ''اجمعون'' فرمایا تو یہ احتمال بھی زائل ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۴۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی سورۂ ص میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رہا یہ کہ زمین کے تمام فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یا اس میں آسمانوں کے فرشتے بھی داخل ہیں جیسے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور الروح الاعظم جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ جس دن حضرت جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (النبا: ۳۸)

سو اس میں بہت دقیق مباحث ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۰)

امام رازی کچھ بھی کہیں' بہ ہرحال قرآن مجید کی اس نص قطعی سے یہ ثابت ہو گیا کہ بلا استثناء تمام فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا اور اس میں واضح طور پر حضرت جبریل بھی شامل ہیں اور اس سجدہ کا حکم جبھی دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علمی تمام فرشتوں پر ثابت کر دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اُن تمام چیزوں کے نام بتا دیئے جن کے نام فرشتے نہ بتا سکے تھے اور اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اور یہ بات معروف اور ثابت ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے' وہ اُس سے افضل ہوتا ہے جو اس کو سجدہ کرے' لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتوں سے افضل قرار پائے۔

(۳) وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۭ (البقرہ: ۳۰) اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔

يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (صٓ: ۲۶) اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے' تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت داؤد (علیہما السلام) کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور خلیفہ کا معنی ہے: نائب اور قائم مقام' سو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے' جب کہ کسی فرشتے کو اپنا نائب اور خلیفہ نہیں بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(۴) تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۙ (الفرقان: ۱) وہ ذات بہت بابرکت ہے جس نے (حق اور باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی کتاب کو اپنے مقرب بندہ پر بہ تدریج نازل فرمایا' تاکہ وہ (بندہ خاص) تمام جہان والوں کے لیے (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ○

تمام جہانوں میں حضرت جبریل بھی شامل ہیں' سو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں۔

(۵) وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

اس آیت سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتوں کے لیے رحمت ہیں' کیونکہ وہ بھی تمام جہانوں کے عموم میں داخل ہیں اور جو رحمت ہو وہ اُس سے افضل ہوتا ہے جس کے لیے وہ رحمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں۔

(۶) فرشتوں کے افضل ہونے کی معتزلہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت بہت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور اس پر درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (النحل: ۵۰) اور وہ (فرشتے) وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے○

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم: ۶) وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے○

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہے۔ اُن میں نہ بھوک اور پیاس ہے نہ شہوت اور غضب' جب کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے بھوک و پیاس بھی رکھی' شہوت' غضب اور نیند بھی رکھی ہے' تو انسان کی عبادت کے لیے یہ چیزیں موانع اور رکاوٹیں ہیں۔ ان موانع اور رکاوٹوں کے باوجود انسان کا اللہ عزوجل کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے' لہٰذا عام فرشتوں کی عبادتوں سے عام مؤمنین کی اطاعت اور عبادت افضل ہے اور خاص فرشتوں (مثلاً حضرت جبریل' حضرت میکائیل علیہما السلام وغیرہما) کی عبادت و اطاعت سے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت و عبادت افضل ہے' لہٰذا واضح ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(۷) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ (الانفطار: ۱۱-۱۰) بے شک تمہارے اوپر محافظ فرشتے مقرر ہیں○ (جو) معزز لکھنے والے (ہیں)○

سو مؤمنین محفوظ ہیں اور فرشتے اُن کے محافظ' اسی طرح فرشتے انبیاء علیہم السلام کی بھی حفاظت کرتے ہیں' جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○ (الجن: ۲۷) پس بے شک اُس رسول کے آگے اور پیچھے (ہر طرف) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے○

یہ قاعدہ ہے کہ جس کی حفاظت کی جائے وہ اپنے محافظ سے افضل ہوتا ہے۔ عام مؤمنین کے محافظ عام ملائکہ ہیں اور خواص انبیاء کرام کے محافظ رُسل ملائکہ ہیں' لہٰذا عام مؤمنین عام ملائکہ سے افضل ہیں اور انبیاء علیہم السلام رُسل ملائکہ سے افضل ہیں۔

التکویر: ۱۹ میں ''رسول کریم'' کی صفت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

التکویر: ۲۱-۱۹ میں جو چھ صفات ذکر کی گئی ہیں اور اُن کے متعلق امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت جبریل کی چھ صفات ہیں' اس کے متعلق مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ صفات ہیں۔

ان آیات کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں' یہ ایسی تفسیر ہے جس سے حضرت جبریل علیہ السلام بھی راضی نہیں ہوں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے یہ کہتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے' مفسرین کا جم غفیر اس طرف گیا ہے کہ اس آیت میں ''رسول کریم'' سے لے کر باقی صفات تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ''انه لقول رسول کریم'' سے مراد حضرت جبریل ہیں تو اُس کے خلاف یہ آیات ہیں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الحاقۃ: ۴۲-۴۰) بے شک یہ ضرور رسول کریم کا قول ہے○ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم ایمان لاتے ہو○ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت ہی کم سمجھتے ہو○

ان آیات سے یہ متعین ہوگیا کہ سورۃ الحاقہ میں ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' سو اسی طرح التکویر: ۱۹ میں بھی ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

التکویر: ۲۰ میں ''ذی قوۃ'' کی صفت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

''ذی قوۃ'' سے مراد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کیونکہ جس قرآن کے نزول کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے کہ اگر وہ قرآن پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' آپ پر وہ کلام پورا نازل ہوا اور آپ کی طمانیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اللہ عزوجل کی جس تجلی کو پہاڑ طور سہار نہ سکا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے' آپ نے اس ذات کو بھی بلا حجاب جاگتے ہوئے اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی کہ ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○'' (النجم: ۱۷) نہ آپ کی نظر کج ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی' سو آپ کی قوت کا کیا ٹھکانا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے سے حضرت جبریل کے پر جلتے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے اُس سے آگے گئے اور آپ کی طاقت کا کیا کہنا کہ آپ نے وہ کلام سُنا جس کو کوئی مخلوق سُن نہیں سکتی اور اُس ذات کو بے حجاب دیکھا جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت جبریل کا چند بستیوں کو پلٹ دینا کیا نسبت رکھتا ہے۔

التکویر: ۲۰ میں چوتھی صفت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور وجیہ ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

حضرت جبریل کی چوتھی صفت یہ تھی کہ وہ عرش والے کے نزدیک مکرم اور معزز ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ عزوجل کے نزدیک مکرم اور معزز ہیں' اس کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آیات اور احادیث حسب ذیل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ○ (طٰہٰ: ۱۳۰)

آپ رات اور دن کے اوقات میں اللہ کی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○ (الضحیٰ: ۵)

اور عنقریب آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ . (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف مڑنا دیکھ رہے ہیں' سو ہم آپ کو اُس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے' جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر آپ راضی ہیں۔

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و وجاہت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں صرف یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری فرمانے میں بہت جلدی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۱۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور آدم اور ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی سب سے پہلے زمین سے اٹھوں گا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوں گا جس کے تحت حضرت آدم اور اُن کے ماسوا سب ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا' تو اس جنت میں میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں تمام اوّلین اور آخرین سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مکرم ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۶' سنن دارمی رقم الحدیث:۴۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں خاتم النبیین ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث:۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم (جامع مانع باتیں) دی گئی ہیں (۲) رُعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنا دیا گیا ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) مجھ پر انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۳)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں اور بہ شمول حضرت جبریل تمام ملائکہ بھی مخلوق میں داخل ہیں' لہٰذا آپ اُن کے بھی رسول ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے دو وزیر آسمان کے ہیں: جبریل اور میکائیل' اور میرے دو وزیر زمین کے ہیں: ابوبکر اور عمر۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۶۷۹)

جس نے اپنے وزیر بنائے ہوں وہ اُن وزیروں سے افضل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل اور حضرت میکائیل سے افضل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تمام روئے زمین کے مشارق اور مغارب کو اُلٹ پلٹ کر کے دیکھا' مجھے کوئی شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ملا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۲۸۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷' الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

اس حدیث میں خود حضرت جبریل نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ پوری کائنات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ پوری کائنات میں بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتے بھی ہیں' لہٰذا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں۔ اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل کی امت ہوتے تو حضرت جبریل سب سے افضل ہوتے' حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں' تو آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ امام رازی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام انبیاء کے رسول ہیں اور تمام انبیاء اُن کی امت ہیں۔

کیا کوئی ہمیں بتا سکتا ہے کہ ان احادیث و آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے نبی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عزت و وجاہت اور قدر و منزلت بیان کی گئی ہے' اس کے مقابلہ کی کوئی عظمت' حضرت جبریل کے لیے بھی قرآن اور حدیث میں ہے؟

التکویر: ۲۱ میں ''مُطَاعٍ'' کی صفت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

ان آیتوں میں پانچویں صفت ''مُطَاعٍ'' ہے' جس کا معنیٰ ہے: وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''مُطاع'' ہونے کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ (آل عمران: ۳۲) آپ کہہ دیجئے: اللہ کی اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔

کیا حضرت جبریل کے لیے بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اُن کی اطاعت کی اُس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کر لی؟ تو معلوم ہوا کہ اصل مُطاع تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

التکویر: ۲۱ میں ''امینٍ'' کی صفت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

ان آیتوں میں چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ امانت دار ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وحی پہنچانے میں امانت دار ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندوں تک وحی پہنچانے میں بھی امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسرار اور اس کی حکمتوں کے رکھنے میں بھی امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیوب پر بھی امانت دار ہیں اور مخلوق کی امانتیں رکھنے میں بھی امانت دار ہیں' حتیٰ کہ جان کے دشمن بھی آپ ہی کے پاس امانتیں رکھواتے تھے' تو کیوں نہ کہا جائے کہ اس آیت میں ''امین'' سے مراد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی پہلی صفت ''رسول'' ہے' سو آپ رسول ہیں۔ دوسری صفت ''کریم'' ہے' سو آپ اللہ عزوجل کے نزدیک مکرم ہیں۔ تیسری صفت ''ذِی قُوَّةٍ'' ہے اور آپ کائنات میں سب سے بڑھ کر قوی ہیں۔ چوتھی صفت عرش والے کے نزدیک معزز ہونا ہے' سو آپ اللہ عزوجل کے نزدیک عزت اور وجاہت والے ہیں' پانچویں صفت ''مُطَاع'' ہے' تو آپ کی سب سے زیادہ اطاعت کی گئی' اور چھٹی صفت امانت دار ہونا ہے' سو آپ سب سے بڑھ کر امانت دار ہیں' لہٰذا ان چھ صفات کے اعلیٰ مصداق حضرت جبریل علیہ السلام کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جن مفسرین نے التکویر: ۱۹ میں ''رسول کریم'' سے حضرت جبریل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مُراد لیا ہے

اب ہم یہ بتائیں گے کہ کن مفسرین نے حضرت جبریل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات کا مصداق قرار دیا ہے:

علامہ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ ھ لکھتے ہیں:

''انہ لقول رسول کریم'' کی تفسیر میں یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ جبریل کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور قول اوّل مشہور ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۶ ص ۱۶۹' دارالوطن' ریاض' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: حسن بصری' قتادہ اور ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد جبریل ہیں' ابن عیسیٰ نے کہا کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۲۱۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور حسن بصری نے کہا کہ ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور انہوں نے کہا کہ یہ بھی صحیح ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ ھ لکھتے ہیں:

جمہور متاوّلین کے نزدیک ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (المحرر الوجیز ج ۱۶ ص ۲۴۲' المکتبۃ التجاریہ' ۱۴۱۱ ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

جمہور نے کہا کہ ''رسول کریم'' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۴۱۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی المالکی المتوفی ۸۷۵ ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کل آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں فرمایا کہ ''مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ'' (التکویر: ۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۵۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' سے مراد جبریل ہیں یا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۷۹' مکتبہ عثمانیہ' کوئٹہ' ۱۴۲۵ ھ)

نواب صدیق بن حسن بھوپالی القنوجی المتوفی ۱۳۰۷ ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' سے مراد جبریل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(فتح البیان ج ۷ ص ۳۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اُس میں دو واسطے ہیں: ایک وحی لانے والا فرشتہ جبریل علیہ السلام اور دوسرا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ جبریل بھی اللہ کے رسول ہیں اور حضور بھی' لیکن ان کی رسالتوں میں کئی فرق ہیں' ایک یہ کہ حضرت جبریل صرف نبیوں کے لیے رسول ہیں اور حضور ساری مخلوق کے لیے' دوسرا یہ کہ حضرت جبریل کی رسالت حضور کی وفات سے ختم ہوگئی مگر حضور کی رسالت ابد الآباد تک قائم رہے گی' تیسرا یہ کہ حضور با اختیار رسول ہیں' حضرت جبریل بے اختیار جیسے ڈاکیہ اور سفیر اس لیے حضرت جبریل حضور کی امت ہیں' نہ کہ اس کے برعکس۔ (نور العرفان ص ۹۳۷-۹۳۶' ادارہ کتب اسلامیہ' گجرات)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ''رسول کریم'' سے مراد (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور صفاتِ مذکورہ کو کسی قدر تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۴' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

اس طویل ترین بحث سے قارئین پر جہاں یہ واضح ہوا کہ التکویر میں ذکر کردہ صفات کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں' وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا تمام رسولوں کو حضرت جبریل کی امت قرار دینا صحیح نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ بہ شمولِ حضرت جبریل تمام فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں۔

التکویر: ۲۴-۲۲ میں فرمایا: اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور ''ضنین'' کا معنیٰ

بعض اہل مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے' التکویر: ۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہارے پیغمبر مجنون نہیں ہیں O اور التکویر: ۲۳ میں فرمایا: انہوں نے حضرت جبریل کو آسمان کے روشن کنارے پر دیکھا۔

ابو الاحوص اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا' ان کے چھ سو پَر تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۱)

عامر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے' حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت دحیہ کی صورت میں آتے تھے' ایک دن وہ آپ کے پاس ایسی صورت میں آئے جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا' ان پر سبز ریشم کا لباس تھا' جس پر موتی لٹک رہے تھے اور یہ اس آیت کا مصداق ہے: ''وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ'' (التکویر: ۲۳)۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۲)

زر بیان کرتے ہیں کہ ''الضنین'' کا معنیٰ بخیل ہے اور غیب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن غیب ہے' پس اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا کیا' آپ نے اس کی تعلیم دی اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بخل نہیں کیا۔

ابن زید نے کہا: ''الغیب'' القرآن ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بخل نہیں کیا' لوگوں تک اس کو پہنچایا اور اس کی تبلیغ کی' اللہ تعالیٰ نے الروح الامین جبریل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور جبریل نے اس کو پہنچایا' جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امانت دی تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا' ان

میں سے کسی نے بخل کیا نہ چھپایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۸)

التکویر: ۲۵ میں فرمایا: اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O

کفارِ مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان آپ کے پاس اس قرآن کو لے کر آتا ہے اور آپ کی زبان پر ان کلمات کو القاء کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس قول کا رڈ فرمایا ہے۔

التکویر: ۲۶ میں فرمایا: سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O

اس آیت کا معنیٰ ہے: اسلام کے اس سیدھے اور واضح راستہ کو چھوڑ کر تم کہاں جا رہے ہو؟

التکویر: ۲۷ میں فرمایا: بے شک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O

یعنی قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے۔

التکویر: ۲۸ میں فرمایا: تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اپنی ذات میں تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جو خود بھی سیدھے راستہ پر چلنا چاہتے ہوں۔

التکویر: ۲۹ میں فرمایا: اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العٰلمین چاہتا ہے O

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ استقامت کا فعل استقامت کے ارادہ پر موقوف ہے اور یہ ارادہ اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ عطا فرمائے' خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں' امام رازی فرماتے ہیں: یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے' اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ بندہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا فرما دیتا ہے' بندہ کے اختیار کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں' بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے' اس کی تفصیل الدھر: ۳۰ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ التکویر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۹ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ التکویر کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲ ستمبر کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین روز میں اس کی تفسیر مکمل ہوئی۔

اے میرے رب! آپ اس تفسیر کو مکمل کرا دیں اور میری مغفرت فرما دیں۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین
وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الانفطار

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الانفطار ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''انفطرت'' کا لفظ ہے اور اس کا مصدر ''الانفطار'' ہے وہ آیت یہ ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ (الانفطار:۱) جب آسمان پھٹ جائے گا

ترتیبِ مصحف اور ترتیبِ نزول دونوں اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۲ ہے۔

اس سورت میں حیات بعد الموت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر کیا گیا ہے اور مشرکین کو دلائل توحید کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کے اعمال کا شمار کیا جا رہا ہے اور اس کے نیک اور بد اعمال کی جزا دی جائے گی اور لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اپنے بُرے اعمال کے باوجود اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

الٰہ العٰلمین! اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں مجھے خطاء سے محفوظ رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۹ رجب ۱۴۲۶ھ/۴ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

(۸۲) سُورَةُ الانفطار مَكِّيَّةٌ (۸۲) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتها ۱۹ رکوعها ۱

سورۃ الانفطار مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَإِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا O اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O اور جب سمندر (اپنی جگہ سے)

فُجِّرَتْ ۝۳ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

بہا دیئے جائیں گے O اور جب قبریں شق کردی جائیں گی O تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا

وَأَخَّرَتْ ۝۵ يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝۶ الَّذِي

کیا تھا O اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ O جس نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸

تجھے پیدا کیا، پھر درست کیا، پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا O پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا O

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝۹ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۝۱۰ كِرَامًا

بے شک تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو O اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں O معزز

كَاتِبِينَ ۝۱۱ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝۱۲ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝۱۳

لکھنے والے O وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو O بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۴ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا

اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں O وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے O اور وہ اس سے

بِغَآئِبِينَ ۝۱۶ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝۱۷ ثُمَّ مَآ أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

چھپ نہیں سکیں گے O اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزا کیا ہے؟ O پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء

ع ۱ ۱۹ الدِّينِ ۝۱۸ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹

کیا ہے؟ O جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے○ اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے○ اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی○ تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا کیا تھا○ (الانفطار: ۵۔۱)

قیامت کے احوال اور آثار کے ذکر سے مقصود انسان کو ڈرانا ہے

الانفطار: ۱ میں فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گا○

آسمان کے پھٹنے کا قرآن مجید کی متعدد آیات میں ذکر ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا○ (الفرقان: ۲۵) اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اتارا جائے گا○

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ○ (الرحمٰن: ۳۷) پس جب آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا○

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ○ (الانشقاق: ۱) اور جب آسمان پھٹ جائے گا○

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

سورۃ الانفطار میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے اور دوسری سورت میں آسمان کے کھولنے کا ذکر ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا○ (النبا: ۱۹) اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہو جائیں گے○

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان کے پھٹنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس میں دروازے بن جائیں گے اور بعض نے کہا: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی تو فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گا اور یہ تفسیر زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ آیت ڈرانے اور دہلانے کے لیے ہے اور آسمان کے دروازے کھلنے سے وہ ڈر اور خوف نہیں ہوتا جو آسمان کے پھٹنے سے ہوتا ہے۔

پھر آسمان کے پھٹنے ستاروں کے جھڑنے سمندروں کے بہانے پہاڑوں کو چلانے اور زمین کو ہموار میدان بنانے کے ذکر میں قیامت کے آثار اور احوال کا بیان ہے اور اس میں یہ اشارہ نہیں ہے کہ ایسا کس وقت ہوگا کیونکہ اس کے وقوع کے وقت پر مطلع ہونے سے ڈر اور خوف پیدا نہیں ہوگا اور اس کے آثار کے ذکر کرنے سے ڈر اور خوف پیدا ہوگا اور وہ ایسا شدید ہولناک دن ہوگا کہ قوی اور غالب چیزیں بھی اپنی جگہ برقرار نہیں رہیں گی پہاڑوں زمینوں اور آسمانوں میں تغیرات برپا ہو جائیں گے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ○ (القارعہ: ۵) اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے○

سو جب پہاڑوں زمینوں اور آسمانوں کا یہ حال ہوگا تو ضعیف جسامت والے انسان کا کیا حال ہوگا!

آسمان زمین اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں اور سرمو نافرمانی نہیں کرتے وہ قیامت کے دن ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو انسان جو ان کے مقابلہ میں کمزور جسامت کا ہے اس کے اعمال خبیث ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانیاں کی ہیں اس کا کیا حال ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے یہ احوال اور آثار بیان فرمائے تا کہ انسان ان ہولناک آثار پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کرنے اور گناہوں سے باز آ جائے اس وجہ سے ان

اُمور کو بیان فرمایا۔

قیامت کے ان احوال کو بیان فرمایا اور یہ نہیں بتایا کہ قیامت کے وقوع کا وقت کیا ہے' اسی وجہ سے انسان کی عمر کی انتہا نہیں بیان کی گئی تا کہ انسان ہر وقت ڈرتا رہے' کہیں اسی وقت اس کی موت نہ آ جائے اور ہر وقت گناہوں سے باز رہے کہ کہیں گناہ کی حالت میں اسے موت نہ آ جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان فرمائے ہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) انسان کے دل کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں' بعض اوقات وہ ایک مرتبہ کسی چیز کا ذکر سن کر اثر نہیں لیتا لیکن جب بار بار کسی چیز کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے' بعض دفعہ وہ کسی چیز کا ذکر سرسری طور پر سنتا ہے اور بعض دفعہ وہ اس چیز کو بہت توجہ اور غور سے سنتا ہے اور اثر پذیر ہوتا ہے۔

(۲) اس زمانہ میں لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اور بار بار وعظ اور نصیحت کے ذکر سے ان کے دل نرم ہوتے تھے اور ان کا ایمان قوی ہوتا تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸۔۳۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

الانفطار: ۲ میں فرمایا: اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

ستاروں کے جھڑنے کی توجیہ

ستاروں کا جھڑنا یا اس وجہ سے ہوگا کہ ستاروں کی تخلیق مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے کی گئی تھی' سو جب قیامت کے بعد مخلوق ہی نہیں رہے گی تو ستاروں کی بھی ضرورت نہیں ہو گی کیونکہ اب اندھیری راتوں میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرنے والا کوئی نہیں ہو گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ستاروں کو آسمان کی زینت کے لیے بنایا گیا ہے تو جب آسمان ہی پھٹ جائیں گے تو ان کی زینت کے لیے ستاروں کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

الانفطار: ۳ میں فرمایا: اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے O

سمندروں کو بہانے کے محامل

بعض مفسرین نے کہا: تمام سمندروں کا پانی ایک سمندر میں بہا دیا جائے گا' پھر اس سمندر کے پانی کو زمین جذب کر لے گی' پھر اللہ تعالیٰ تمام زمین کو ہموار کر دے گا حتیٰ کہ اس میں کوئی اونچی نیچی جگہ نہیں رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں سے یا کسی اور چیز سے زمین کو خشک کر دے گا اور بعض مفسرین نے کہا: ہر سمندر کا پانی اپنی جگہ جوش مارے گا اور یہ نہیں ہو گا کہ تمام سمندروں کا پانی کسی ایک سمندر میں جمع ہو جائے۔

امام رازی نے لکھا ہے: اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) سمندروں کے درمیان جو اللہ تعالیٰ نے حاجب اور رکاوٹ بنائی ہے جو بعض سمندروں کو بعض سے ملنے نہیں دیتی' اللہ تعالیٰ وہ رکاوٹ اٹھا لے گا حتیٰ کہ تمام سمندر مل کر ایک سمندر بن جائیں گے اور یہ رکاوٹ زمین میں زلزلہ آنے سے زائل ہو جائے گی (۲) اس وقت سمندر کا پانی ٹھہرا ہوا اور مجتمع ہے' پس جب سمندروں کو بہا دیا جائے گا تو یہ پانی متفرق ہو کر چلا جائے گا (۳) حسن بصری نے کہا: ''فجرت'' کا معنیٰ ہے: سمندر کو خشک کر دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۳)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ (۱) سمندروں کے درمیان جو رکاوٹیں ہیں ان کو زائل کر دیا جائے گا' پھر میٹھا پانی کڑوے پانی کے ساتھ مل کر ایک سمندر بن جائے گا (۲) زمین تمام سمندروں کے پانی کو جذب کر لے گی اور ہموار ہو جائے گی اور تمام زمینیں اس میں برابر ہوں گی کہ اس میں پانی نہیں ہو گا اور زمین کا ہموار ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷) آپ اس زمین میں نہ کہیں موڑ دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۝

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۱۱۔۱۱۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس آیت سے علامہ آلوسی کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ سمندروں کے بہانے سے زمین ہموار ہو جائے گی بلکہ اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے زمین ہموار ہو جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷۔۱۰۵) اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ۝ اور زمین کو ہموار اور صاف میدان کر کے چھوڑ دے گا ۝ آپ اس زمین میں نہ کہیں موڑ دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۝

الانفطار: ۴ میں فرمایا: اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی ۝

''بعثرت'' کا معنیٰ ہے: الٹ پلٹ کر دینا یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دینا' یعنی قبروں کو شق کر کے ان میں سے مُردوں کو زندہ کر کے نکال لیا جائے گا' جیسے یہ آیت ہے:

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ (الزلزال: ۲) اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی ۝

الانفطار: ۵ میں فرمایا: تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا کیا تھا ۝

انسان کے مقدم اور مؤخر اعمال کے محامل

یعنی تمام لوگ جان لیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اوّل سے لے کر آخر تک کیا عمل کیے تھے اور ان کے اوپر اپنا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا اور بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں جو بھی نیک کام کیے تھے یا بُرے کام کیے تھے' قیامت کے دن وہ ان سب کاموں کو جان لے گا اور بعض مفسرین نے کہا کہ اس کے پہلے مقدم کاموں سے وہ کام مراد ہیں جو اس نے خود کیے اور مؤخر کاموں سے وہ کام مراد ہیں جو اس کے نکالے ہوئے طریقہ کے مطابق لوگوں نے اس کے مرنے کے بعد کیے' خواہ وہ نیک کام ہوں یا بُرے کام ہوں۔

ضحاک نے کہا: جن کاموں کو اس نے مقدم کیا' اس سے مراد فرائض ہیں اور جن کو اس نے مؤخر کیا اس سے مراد ہے: جن فرائض کو اس نے ضائع کر دیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کو اس کے ان کاموں کا کب علم ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو ان کاموں کا علم اجمالی تو حشر کے شروع میں ہو جائے گا کیونکہ نیکوکار سعادت کے آثار اور بدکار شقاوت کے آثار اوّل امر میں ہی دیکھ لے گا اور اس کو علم تفصیلی اس وقت ہوگا جب اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا اور جب اس سے حساب لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ ۝ جس نے تجھے پیدا کیا' پھر درست کیا' پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا ۝ پھر جس صورت میں تجھے چاہا بنا دیا ۝ بے شک تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو ۝ اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں ۝ معزز لکھنے والے ۝ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو ۝ (الانفطار: ۱۲۔۶)

الانفطار: ۶ میں فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ ۝

اللہ تعالیٰ کا اپنی کریمی کے تقاضے سے فوراً گناہوں پر سزا نہ دینا اور اس سے انسان کا دھوکا کھانا

تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا کہ تو نے اپنے رب کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا اور تو گناہوں کے

ارتکاب میں مشغول رہا۔

اس آیت میں رب کے ساتھ اس کی صفت کریم کا ذکر فرمایا ہے اور یہی انسان کو دھوکے میں رکھنے کی علت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا اور اس سے درگزر فرماتا ہے یا اپنی گرفت کو مؤخر فرما دیتا ہے اور اس سے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کے گناہوں کو معاف فرماتا رہے گا' ورنہ گناہ کے ارتکاب کے فوراً بعد ہی 39
اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے دیتا تو پھر وہ دوبارہ یا بار بار گناہ نہ کرتا' پس اس کا عذر یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ مجھے بار بار گناہ کرنے پر تیرے کرم نے اُبھارا یا میری جہالت نے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے: اے میرے رب! جہالت' یعنی انسان اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے جہالت کی وجہ سے گناہوں میں مشغول رہتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق ہے یعنی اے مشرک! تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا حتیٰ کہ تو نے کہا: اللہ نے تجھ کو تیرے باپ دادا کی تقلید میں بت پرستی کا حکم دیا ہے کیونکہ جب وہ بے حیائی کا کام کرتے تھے تو کہتے تھے: انہیں اللہ نے اس بے حیائی کا حکم دیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ (الاعراف: ۲۸)

جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔

اے مشرک! کیا تیری طرف رسول کو نہیں بھیجا گیا تھا' کیا تیری طرف کتاب نہیں نازل کی گئی تھی' تجھ پر واضح نہیں ہو گیا کہ اللہ نے تجھے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے تجھے روکا ہے؟

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

الانفطار: ۷ میں فرمایا: جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا' پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا O

انسان کی تخلیق کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ کے تین اندھیروں میں انسان کی تخلیق کی' جہاں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا اور انسان پر اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی مخالفت اور اس کی نافرمانی سے باز آئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا بیان ہے تا کہ اس سے انسان جان لیں کہ ان کو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ جو اپنی حکمت اور قدرت سے انسان کو پیٹ کے تین اندھیروں میں پیدا فرماتا ہے وہ اپنی مخلوق کو عبث اور فضول پیدا نہیں فرما سکتا بلکہ اس نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کو نیک باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے روکے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجے اور ان پر آسمانی کتابوں کو نازل کرے' جن کی اتباع کرنے کو ان پر لازم کرے اور جب لوگ ان کی اتباع کرنے سے اعراض کریں اور ان کی پیروی کو ترک کریں تو ان کو سزا دے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا یعنی تجھے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا کیونکہ انسان اصل میں اپنے باپ کی پشت میں ایک گندہ قطرہ تھا' پھر اس گندے قطرہ کو اس کی ماں کے رحم میں منتقل کیا' پھر اس کو نطفہ بنایا' پھر اس کو جمے ہوئے خون کی طرف منتقل کیا' پھر اس کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور اس کو ہڈیاں پہنائیں اور اس کے تمام اعضاء بنائے اور اس کی بہترین صورت بنائی اور یہ نعمت ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا عظیم

احسان فرمایا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

الانفطار: ۸ میں فرمایا: پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا انسان کو معتدل صورت بنانا

39 یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس صورت میں بنا دیا' جس صورت میں تو اب ہے' اس نے تجھے کسی حیوان کی صورت میں نہیں بنایا' اس میں عقل اور تمیز رکھی جس سے وہ نفع اور نقصان کو پہچان سکتا ہے اور اس کو ایسی صورت میں بنایا کہ آسمانوں اور زمینوں اور حیوانوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ (لقمان: ۲۰)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو وافر مقدار میں دے رکھی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا O (بنی اسرائیل: ۷۰)

ہم نے اولادِ آدم کو بہت عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریوں میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہت ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی O

سب چیزیں انسان کے لیے مسخر کی ہیں اور انسان کو کسی چیز کے لیے مسخر نہیں کیا اور اس کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلائی ہیں کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔

امام رازی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے' ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہوتا' یا ایک ٹانگ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی' اسی طرح ایک آنکھ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی' اسی طرح اس کی ہڈیاں' اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف سبقت کرے۔

الانفطار: ۹ میں فرمایا: بے شک تم روزِ جزا کو جھٹلاتے ہو O

روزِ جزاء کی تکذیب کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) میں نے تم کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' تم ان نعمتوں کو ان کے مقاصد میں میری ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتے' بلکہ تم روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ کے کرم سے دھوکا نہ کھاؤ' حالانکہ تم گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو۔

(۳) جیسے تمہارا گمان ہے کہ نہ کوئی مرنے کے بعد زندہ ہوگا نہ کسی کو حساب و کتاب کے لیے محشر میں لایا جائے گا' اس طرح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبث اور بے کار پیدا کیا ہے اور تم اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے' بلکہ تم اس کو جھٹلاتے ہو۔

اس آیت میں ''دین'' کا لفظ ذکر فرمایا ہے' اس جگہ ''دین'' سے مراد حساب بھی ہے یعنی تم روزِ حساب کی تکذیب کرتے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''دین'' سے مراد دینِ اسلام ہو۔

الانفطار: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں O معزز لکھنے والے O وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے

ہو O

''کراماً کاتبین'' کے اعمال بنی آدم لکھنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کے ذمہ مختلف کام لگائے ہوئے ہیں' جیسے حضرت عزرائیل کے ذمہ روح قبض کرنا لگایا ہے اور حضرت میکائیل کے ذمہ رزق پہنچانا ہے اور بعض فرشتوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ کہاں اللہ کے بندے اس کا ذکر کر رہے ہیں' ان کو ملائکہ سیاحین کہا جاتا ہے اور اسی طرح بعض فرشتوں کو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور کیا ہے ان کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے' ان فرشتوں کو انسانوں کے اعمال لکھنے پر اس لیے مامور کیا ہے تاکہ ان کا لکھا ہوا قیامت کے دن انسان پر حجت ہو جائے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کفار کے اعمال کو بھی فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ تو صرف بُرے کام کرتے ہیں نیک کام نہیں کرتے' اس لیے بعض علماء نے کہا: ان کے اعمال کو لکھنے والے فرشتے نہیں ہیں' اور بعض نے کہا: ان کے لیے بھی لکھنے والے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ (الحاقہ: ۲۵)

اور رہا وہ شخص جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' پس وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو یہ صحیفہ نہ دیا جاتا O

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ (الانشقاق: ۱۰۔۱۱)

اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا O تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا O

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو فرشتہ کافر کی دائیں جانب ہوتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بائیں جانب کے لکھے ہوئے پر گواہ ہوتا ہے۔

سفیان سے سوال کیا گیا کہ جب بندہ نیک یا بدعمل کرتا ہے' اس کا فرشتوں کو علم ہونا تو ظاہر ہے لیکن جب نیک یا بدعمل کا ارادہ کرتا ہے' اس کا فرشتوں کو کیسے علم ہوتا ہے؟ سفیان نے جواب دیا: جب بندہ نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور جب وہ بُرے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے سخت ناگوار بدبو آتی ہے۔

مسلمانوں کا بُرے کام کرنا کفار کے بُرے کام کرنے سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ مسلمانوں کو علم ہے کہ ان کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو ان کے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں' اس کے باوجود جب وہ بُرے کام کریں تو یہ زیادہ قابل ملامت ہے کیونکہ کفار کو تو اس پر ایمان نہیں ہے کہ ان کے تمام اعمال کو فرشتے لکھ رہے ہیں۔

کراماً کاتبین قضاء حاجت اور جماع کے وقت انسان سے الگ ہو جاتے ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ برہنہ ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے رہتے ہیں جو صرف قضاء حاجت کے وقت تم سے جدا ہوتے ہیں اور جس وقت مرد اپنی بیوی کے ساتھ عمل تزویج کرتا ہے' سو تم فرشتوں سے حیاء کرو اور ان کی تکریم کرو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۰۰)

امام بزار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو برہنہ ہونے سے منع فرماتا ہے' سو تم ان فرشتوں سے حیا کرو' جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں' وہ کراماً کاتبین ہیں جو تین اوقات کے سوا تم سے جدا نہیں ہوتے' قضاء حاجت کے وقت' جنابت کے وقت اور غسل کے وقت۔

امام ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت باہر

نکلے' آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو جنگل میں نہار ہا تھا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور کراماً کاتبین کا اکرام کرو' جو دو حالتوں کے سوا ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں' جب انسان بیت الخلاء میں ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ ہو' کیونکہ اللہ نے ان کا نام کرام رکھا ہے' وہ ایسی حالتوں میں دیوار یا اوٹ کے پیچھے جاتے ہیں اور انسان کی طرف نہیں دیکھتے۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے جب ایسا صحیفہ اللہ کے پاس لے کر جائیں جس کے اوّل اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان میں لکھی ہوئی چیزوں کو بخش دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۳۔۴۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں ○ اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں ○ وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے ○ اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے ○ اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا' اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے ہوں گے ○ (الانفطار: ۱۹۔۱۳)

الانفطار: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں ○ اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں ○

''ابرار'' کا معنیٰ اور مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب نہ ہونا

اس سے پہلی آیات میں بتایا تھا کہ کراماً کاتبین بنو آدم کے تمام اعمال لکھ رہے ہیں اور ان آیتوں میں ان عمل کرنے والوں کے اُخروی اعمال کو بیان فرمایا ہے۔

ان آیتوں میں ''ابرار'' کا ذکر فرمایا ہے اور ''ابرار'' کا معنیٰ ہے: بر (نیکی) کرنے والے اور ''بر'' کا بیان اس آیت میں ہے:

بر (نیکی) صرف یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ حقیقت میں نیکوکار وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یومِ آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان لائے' اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دے اور غلاموں کو آزاد کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کرے تو اس کو پورا کرے' تنگ دستی' دکھ درد اور جنگ کے وقت صبر کرے یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں اور یہی متقی ہیں ○ (البقرہ: ۱۷۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بر اور تقویٰ اور ابرار اور متقین دونوں سے مراد واحد ہے اور جو ان تمام اوصاف سے متصف ہو وہ نیکوکار اور متقی ہے۔

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ: اور بدکار ضرور دوزخ میں ہیں (الانفطار: ۱۴) اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے (الانفطار: ۱۶)۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتکب گناہِ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' کیونکہ مرتکب کبیرہ فاجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فجار ضرور دوزخ میں ہیں اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے' لیکن ہمارے نزدیک مؤمن مرتکبِ کبیرہ فاجر نہیں ہے' فاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُكَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ○

بے شک فجار کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے ○ اور آپ کیا سمجھے کہ سجین کیا ہے؟ ○ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے ○ وہ لوگ جو روزِ جزاء کی

تکذیب کرتے ہیں O (المطففین: ۱۱۔۷)

پس فجار کے عموم میں مؤمنین مرتکبین کبائر داخل نہیں ہیں اور اگر بالفرض مؤمن مرتکبِ کبیرہ کو دوزخ میں داخل کیا جائے تو وہ تھوڑا عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا' بعد میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

الانفطار: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے O اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے O

جنت کا ثواب اور دوزخ کا عذاب غیر منقطع ہے

یہ آیت اہلِ نار اور اہلِ جنت دونوں کی طرف راجع ہے' پس اہلِ جنت' جنت سے غائب نہیں ہوں گے اور اہل دوزخ' دوزخ سے غائب نہیں ہوں گے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن جنت کا ثواب ختم ہو جائے گا اور اسی طرح ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے گا' ہم کہتے ہیں کہ اگر جنت کا ثواب ایک دن ختم ہو جائے تو جنتی جنت میں خوش اور راضی نہیں رہیں گے کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ ایک دن یہ عیش ختم ہونے والا ہے' اسی طرح اگر ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے تو دوزخی دوزخ میں مطمئن اور خوش رہیں گے کہ ایک دن یہ عذاب ختم ہونے والا ہے اور یہ چیز قرآن مجید کی بہت آیتوں کے خلاف ہے۔

الانفطار: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ O پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ O

روزِ جزاء کے ادراک کی نفی کا محمل

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

آپ اپنی عقل سے یومِ جزاء کو نہیں جانتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا' اور بعض مفسرین نے کہا: یہ اس دن کی تعظیم اور اس کے ہول ناک ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۰۲)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے خطاب میں اختلاف ہے' بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں کافر سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے خطاب ہے اور اکثر مفسرین نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ سے یہ خطاب اس لیے فرمایا کہ نزولِ وحی سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ یومِ جزاء کیا ہے۔

اس آیت میں دوبارہ فرمایا ہے: آپ نے کیا سمجھا کہ روزِ جزاء کیا ہے' کیونکہ پہلی بار کا خطاب اہلِ دوزخ کے لیے ہے اور دوسری بار کا خطاب اہلِ جنت کے لیے ہے' گویا کہ فرمایا: آپ نے کیا سمجھا کہ فجار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ابرار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ''یوم الدین'' کا دوبار ذکر اس کی اہمیت اور تعظیم کی وجہ سے کیا گیا۔

الانفطار: ۱۹ میں فرمایا: جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کی ممانعت

یہ وہ دن ہے جس میں شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی اور انبیاء علیہم السلام بہت لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور جب ایسا ہوگا تو ایک شخص دوسرے شخص کے لیے کسی چیز کا مالک ہوگا اور وہ شفاعت ہے تو پھر اس آیت کیا توجیہ ہوگی؟ اس

کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) کفار اپنے بتوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ مصائب میں ان کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے ردّ میں فرمائی ہے' کفار جو اپنے بتوں سے مصائب دور کرنے کی توقع رکھتے تھے' اس کے متعلق یہ آیت ہے:

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ۙ (العنکبوت: ۲۵)

(ابراہیم نے کہا:) تم نے اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش کی ہے تم نے اس کو آپس میں دنیاوی دوستی کی بنیاد بنالیا ہے' پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا ○

(۲) اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا مگر جب اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا تو پھر وہ شفاعت کریں گے' جس طرح اس آیت میں ارشاد ہے:

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ (النبا: ۳۸)

رحمان کے اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کرسکے گا اور وہ درست بات کرے گا ○

(۳) اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مالک بنائے بغیر کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

نیز فرمایا: اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے' یعنی بغیر کسی تنازع کے' اور ہر وقت میں تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ظالم لوگ اس میں تنازع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام چلاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے لھوولعب' خواتین کے لیے بے حجاب نکلنے اور مردوزن کے مخلوط اجتماعات اور رقص اور فحاشی کی ممانعت اور مذمت کی ہے اور اس دور کے حکم ران ترقی کے نام پر اس کو رواج دے رہے ہیں اور عوام کو اس کی ترغیب دے رہے ہیں اور میوزک کو عام کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام کو جاری کرنا ہے' علم' سائنس اور تکنیکی مہارت کے حصول کے بجائے بسنت منانے' میراتھن دوڑ اور فحش کام منانے کی ترویج اور اشاعت پر زور دے رہے ہیں۔

سورۃ الانفطار کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج یکم شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۷ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ بعد از نمازِ عصر الانفطار کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! اس تفسیر کو مکمل کرادے اور اس کو قیامت تک کے لیے مرغوب اور فیض آفریں بنادے اور میری مغفرت فرمادے۔

الحمد للّٰه رب العلمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا محمد خاتم النبيين
وعلىٰ آله واصحابه وازواجه وذريته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ المطففین

سورت کا نام' وجہ تسمیہ اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف

اس سورت کا نام المطففین ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ (المطففین:۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے○

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ اس میں ''اساطیر'' کا ذکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اہل مدینہ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کے سوا اس کی باقی آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور ایک قوم نے کہا: یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں نازل ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام نسائی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خراب تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ'' (المطففین:۱) تو پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ طول کرنے لگے۔ (الاتقان ج۱ص ۶۷' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۹۱۹' المستدرک ج۲ص ۳۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج۶ص ۳۲)

تاہم ہمارے مصاحف میں اس سورت کو مکی لکھا گیا ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۶ ہے' یہ سورۃ العنکبوت کے بعد اور سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المطففین کی سورۃ الانفطار کے ساتھ مناسبت

(۱) سورۃ الانفطار کے آخر میں فرمایا تھا:

یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ (الانفطار:۱۹) جس دن کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔

اس آیت میں نافرمانی کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ کوئی شخص ان کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور سورۃ المطففین میں بھی نافرمانی کرنے والوں کے لیے وعید ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ (المطففین:۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے○

(۲) ان دونوں سورتوں میں قیامت کے دہشت ناک اُمور اور اس کی علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۳) سورۃ الانفطار میں بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں (کراماً کاتبین) کا ذکر فرمایا تھا۔(الانفطار:۱۱۔۱۰) اور اس سورت میں فرمایا ہے: "کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ" (المطففین:۲۰) وہ ایک لکھا ہوا صحیفہ ہے۔

سورۃ المطففین کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر کیا گیا ہے' خصوصاً قیامت کے احوال اور اھوال کا ذکر فرمایا ہے اور ناپ تول میں کمی کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

☆ المطففین:۶۔۱میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید وعید کا ذکر فرمایا ہے۔

☆ المطففین:۱۷۔۷میں بتایا ہے کہ فساق اور فجار کا اعمال نامہ سجین میں لکھا ہوا ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔

☆ المطففین:۲۸۔۱۸میں بتایا ہے کہ ابرار اور نیکوکار کے صحائف اعلیٰ علیین میں لکھے ہوئے اور وہ فساق اور فجار کے صحائف سے ممتاز ہیں۔

☆ المطففین:۳۶۔۲۹میں بتایا ہے کہ دنیا میں کفار مؤمنین کے ایمان لانے کا مذاق اُڑاتے تھے اور ان پر ہنستے تھے اور آخرت میں جب مؤمنین کفار کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار دیکھیں گے تو وہ ان کو دیکھ کر ہنسیں گے۔

سورۃ المطففین کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المطففین کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۸ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورة المطففين ٨٣ مكية ٨٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آياتها ٣٦ ركوعها ١

سورۃ المطففین مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھتیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے○ وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں○

وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ

اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں○ کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ

أَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ

ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا؟○ بہت بڑے دن میں○ جب سب لوگ رب العلمین

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾

کے سامنے کھڑے ہوں گے○ بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے○

وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے؟○ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے○ تکذیب کرنے والوں کے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا

لیے شدید عذاب ہے○ جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیں○ اس دن

يُكَذِّبُ بِهٖٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا

کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے○ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو

قَالَ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں○ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے (برے) کاموں نے

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا○ بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار)

لَمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ
سے محروم ہوں گے O پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے O پھر (ان سے) کہا جائے گا:
هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ
یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے O بے شک نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال
لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳
ضرور علیین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O
يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒ عَلَى الْاَرَآئِكِ
جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں O بے شک نیکو کار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے
يَنْظُرُوْنَ ㉓ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ㉔ يُسْقَوْنَ
دیکھ رہے ہیں O آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچان لیں گے O ان کو مہر لگی ہوئی
مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ㉕ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
شفاف شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہے اور اسی میں رغبت کرنے والوں
الْمُتَنَافِسُوْنَ ㉖ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ㉗ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا
کو رغبت کرنی چاہیے O اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے O اس چشمہ سے مقربین
الْمُقَرَّبُوْنَ ㉘ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
پیتے ہیں O بے شک مجرمین (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے
يَضْحَكُوْنَ ㉙ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ㉚ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا
تھے O اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے تھے O اور جب اپنے
اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ㉛ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے O اور جب وہ (کفار) مومنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ

لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ

ضرور گم راہ ہیں O حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگہبان نہیں بنائے گئے O پس آج مؤمنین

اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

ع ۱ ۳۶ ۸

کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے؟O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے O وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں O اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں O (المطففین: ۳۔۱)

''مطففین'' کا معنیٰ اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے متعلق احادیث

المطففین: ۱ میں ''ویل'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ان کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جہنم میں ''ویل'' نام کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہ کر آئے گی۔

''المطففون'' کا معنیٰ ہے: وہ لوگ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں' بعض علماء نے کہا: ''تطفیف'' پیمائش اور وزن میں بھی ہوتی ہے اور وضو اور نماز اور حدیث بھی ہوتی ہے۔ امام مالک نے کہا: ہر چیز میں پورا پورا دینا بھی ہے اور کم کر کے دینا بھی ہے۔

اہل لغت نے کہا ہے: ''المطفف'' ''تطفیف'' سے ماخوذ ہے اور ''طفیف'' کا معنیٰ ہے: قلیل اور ''مطفف'' وہ شخص ہے جو اپنے صاحب کو وزن یا پیمائش میں اس کے حق سے کم دے۔

ناپ تول میں کمی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ'' (المطففین: ۱) پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح ابن عباس رقم الحدیث: ۴۹۱۹' المستدرک ج ۲ ص ۳۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲)

امام ابن سعد' امام بزار اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا عامل بنایا' جب وہ خیبر کی طرف گئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ'' تو میں نے کہا: فلاں شخص ہلاک ہو گیا' اس کے پاس ایک صاع (چار کلو اناج کا پیمانہ) ہے' جس سے وہ ناپ کر دیتا ہے اور ایک دوسرا صاع ہے جس سے وہ ناپ کر لیتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک شخص کسی ناپ تول کرنے والے کو ملازم رکھے اور اس کو علم ہو کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۰۷' طبع جدید)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اے مہاجرین کے گروہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو: (۱) جس قوم میں بھی بے حیائی ظاہر ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ برسر عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ بیماریاں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں (۲) اور جو قوم بھی ناپ طول میں کمی کرتی ہے' اس پر قحط آ جاتا ہے اور افلاس چھا جاتا ہے اور ان پر ظالم حکم ران مسلط کر دیئے جاتے ہیں (۳) اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے' وہ آسمان کی بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر حیوانات نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ ہوتی (۴) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتے ہیں' ان کے اوپر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا ہے (۵) اور جو ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو ترجیح نہیں دیتے' اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۹' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳۶' الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ انہیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا O بہت بڑے دن میں O جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے O بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے O جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیں O اس دن کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے O (المطففین: ۱۲۔۴)

المطففین: ۶۔۴ میں فرمایا: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا O بہت بڑے دن میں O جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے O

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ملامت

المطففین: ۴ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کس قدر دیدہ دلیری سے ناپ تول میں کمی کر رہے ہیں' گویا ان کے دلوں میں ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق کوئی خطرہ اور کوئی کھٹکا نہیں ہے اور ان کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا' یعنی ان کو ناپ تول میں کمی کرنے پر عذاب کا یقین ہی نہیں ہے' اگر انہیں اس پر عذاب کا یقین ہوتا تو وہ اس فعل سے باز آ جاتے۔

المطففین: ۵ میں جو ''یوم عظیم'' فرمایا ہے' اس سے مراد قیامت کا دن ہے یا یوم جزاء ہے۔

المطففین: ۶ میں فرمایا ہے: جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے O اس دن کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قیامت کے دن گرمی کی شدت سے پسینہ آنے کے مختلف احوال

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المطففین: ۶ کی تفسیر میں فرمایا: حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۸)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہو گا (سلیم بن عامر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس میل سے کیا مراد ہے) پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے' کسی کے ٹخنوں تک

پسینہ ہوگا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کی کوکھوں تک پسینہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۴۔۳' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۶۰۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمن پر قیامت کا دن فرض نماز کے وقت کی مقدار آسان کر دیا جائے گا۔

اور اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (یونس: ۶۳۔۶۲)

سنو! اولیاء اللہ پر (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے ۝ جو لوگ ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے جود اور لطف سے ہمیں بھی ان مقرب لوگوں کے گروہ میں شامل کر لے۔

اس سے پہلے صحیح البخاری (۴۹۳۸) کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے' دوسرا قول یہ ہے: لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے لیے کھڑے ہوں گے۔

مخلوق کی تعظیم کے لیے قیام کی ممانعت میں احادیث اور آثار

اللہ کے سامنے جو بندے کھڑے ہوں گے وہ تعظیم عبودیت کے لیے کھڑے ہوں گے' رہا بندوں کا بندوں کے سامنے کھڑا ہونا' سو اس میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے' عدم جواز کی احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو علم تھا کہ آپ کو یہ پسند نہیں ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر آئے' ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض عجمیوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۳)

قیام تعظیم کی ممانعت کے محامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو قیام کو ناپسند فرماتے تھے' اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم متکبرین اور جابروں کی عادت کی مخالفت کرنے کے لیے اپنے لیے قیام کو ناپسند فرماتے تھے' بلکہ آپ

نے عام عربوں کی عادت پر قائم رہنے کو اختیار فرمایا کہ وہ اپنے کھڑے ہونے' بیٹھنے' کھانے پینے' لباس پہننے' چلنے اور باقی کاموں میں تکلف نہیں کرتے تھے کیونکہ روایت ہے' آپ نے فرمایا: میں اور میری امت کے متقین تکلف سے بَری ہیں۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۷۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ العراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام دار قطنی نے ''الافراد'' میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۴۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۵)

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کراہیت کی وجہ یہ ہو کہ آپ کی محبت کا تقاضا اتحاد تھا' جو تکلف نہ کرنے کا موجب ہے اور امام ابو حامد نے کہا ہے کہ جب اتحاد مکمل ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان صحبت کے حقوق میں تخفیف ہو جاتی ہے اور قیام اور عذر پیش کرنا اور حمد و ثنا کرنا' ہر چند کہ صحبت کے حقوق میں سے ہیں لیکن ان کے ضمن میں ایک قسم کی اجنبیت اور تکلف ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کے لیے قیام کرنے یا قیام نہ کرنے کا حکم' زمانہ' اشخاص اور احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔
سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں یہ ارشاد ہے: جو شخص اس سے خوش ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں' اس کو چاہیے کہ وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنا لے' یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو اپنی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لیے یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں' لیکن جب وہ اپنی بڑائی کو طلب نہ کرے اور لوگ از خود طلب ثواب کے لیے اس کے سامنے کھڑے ہوں یا اپنی تواضع کے اظہار کے لیے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
نیز سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر آئے تو ہم آپ (کی تعظیم) کے لیے کھڑے ہو گئے' آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' یعنی لوگ ان کے مال اور ان کے منصب کی وجہ سے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تھے' جب کہ صرف علم اور تقویٰ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۴۷۷-۴۷۵' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام کے استحسان میں احادیث اور آثار

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ماننے پر تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوایا' وہ قریب سے ایک دراز گوش پر سوار ہو کر آئے' جب وہ قریب آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۲-۴۱۲۱-۳۸۰۴-۳۰۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان کر دیا (الیٰ قولہ) تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے حتیٰ کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی اور اللہ کی قسم! حضرت طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے اور کوئی کھڑا نہیں ہوا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب التوبہ۔ باب: ۹۔ رقم حدیث الباب: ۵۳۔ رقم بلا تکرار: ۲۷۶۹۔ الرقم المسلسل: ۶۸۸۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۹۲۸)

حضرت عمر بن السائب بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اسی اثناء میں آپ کے رضاعی والد آ گئے' آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنا کپڑا بچھایا' سو وہ اس پر بیٹھ گئے' پھر آپ کی رضاعی والدہ آ گئیں تو آپ نے اس کپڑے کو دوسری جانب سے ان کے لیے پھاڑ دیا' وہ اس پر بیٹھ گئیں' پھر آپ کے رضاعی بھائی آ گئے'

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن میرے حجرے میں تھے' انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف برہنہ پشت کھڑے ہو گئے اور چادر گھسیٹتے ہوئے گئے' اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہلے نہ اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ پشت دیکھا' آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۲' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۲۸)

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں اور آپ کی سیرت میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر آپ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسا دیتے اور ان کو اپنی مجلس میں بٹھاتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی مجلس سے کھڑی ہو جاتیں' آپ کو بوسا دیتیں اور آپ کو اپنی مجلس میں بٹھاتیں۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷' الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۹۹۹' مسند احمد ج ۸ ص ۲۸۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۹۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے کلام فرماتے تھے پس جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ ہم دیکھتے کہ آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۴۶۷۔ رقم الحدیث: ۸۹۳۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نیک مسلمانوں سے تھے' جب وہ یمن سے لوٹ کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کھڑے ہو گئے' ان کو گلے لگایا اور فرمایا: مہاجر سوار کو خوش آمدید ہو۔

(اسد الغابہ ج ۴ ص ۶۸۔ رقم الحدیث: ۳۷۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی' آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسا دیا۔

(اسد الغابہ ج ۱ ص ۵۴۲' بیروت' الاصابہ ج ۱ ص ۵۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اجلال اور تعظیم سے یہ ہے کہ جس مسلمان کے سفید بال ہوں اس کا اکرام کیا جائے (بزرگوں کی تعظیم کی جائے) اور جو قرآن کا حافظ عالم ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس سے بے وفائی نہ کرتا ہو (عالم باعمل ہو)' اس کی تعظیم کی جائے اور سلطان عادل کی تعظیم کی جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۳)

عالم باعمل یا کسی بزرگ متقی کی آمد پر کھڑے ہو جانا بھی اس کی تعظیم ہے' اسی طرح کسی عادل حاکم کے لیے کھڑے ہونا بھی اس کی تعظیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے ان کے حسب مراتب سلوک کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۲)

یعنی فساق فجار کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو اور علماء دین اور مشائخ عظام اور اپنے والدین کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو۔

حضرت ابن السرح رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے ہمارے چھوٹوں

پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانا پس وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۳ 'مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲ 'المستدرک ج ۴ ص ۱۷۸ 'کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۰)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہیں کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۰۹۸ 'المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل' پاکستان)
ان احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بڑا ہو اس کی تعظیم اور توقیر کرنی چاہیے' خواہ وہ عمر کے اعتبار سے بڑا ہو یا علم و فضل کے اعتبار سے بڑا ہو یا زہد و تقویٰ کے لحاظ سے بڑا ہو اور اس کے آنے پر کھڑے ہو جانا بھی اس کی تعظیم و توقیر ہے۔

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء مالکیہ کا موقف

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:
جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ متکبر شخص ہے اور اس کے لیے قیام کیا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے' اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے یا وہ اپنے دل میں اس کا بڑا مرتبہ سمجھتا ہے تو اس کے لیے تعظیماً قیام کرنا مکروہ ہے' البتہ اولاد کا والد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا' یا شاگرد کا استاذ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا یا کسی نیک دوست یا منعم کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا صحیح ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو بلوا کر فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے مرتبہ کے اظہار کے لیے تھا اور حضرت معاذ خود کو بڑا نہیں سمجھتے تھے' اس لیے یہ قیام جائز اور مستحسن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی شخص سے جائز امید ہو یا آنے والا شخص اس کی کسی پریشانی کو دور کر دے تو اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۵ ص ۱۵۶ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
قیام تعظیمی میں اختلاف ہے' اگر کوئی شخص اپنے آپ کو تعظیم کا مستحق سمجھتا ہو اور اس کا منتظر ہو کہ اس کے لیے قیام کیا جائے تو اس کے لیے قیام کرنا ممنوع ہے اور اگر کسی کے آنے سے خوشی ہو یا اور دیگر صحیح اسباب کی وجہ سے قیام کیا جائے تو پھر جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۰ 'دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے لیے فرمایا: ''اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو'' اس ارشاد میں اصحابِ فضیلت کی تکریم ہے' اور جب وہ آئیں تو ان کے آنے پر کھڑے ہونے کی تعلیم اور تلقین ہے' جمہور علماء نے اس حدیث سے قیام تعظیم کو ثابت کیا ہے۔ قاضی عیاض' مالکی نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جو ممنوع ہے' جو قیام ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور جب تک وہ بیٹھا رہے لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اصحابِ فضیلت جب آئیں تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے' اس کے ثبوت میں بہت احادیث ہیں اور اس کی ممانعت میں کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں ہے اور میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں احادیث اور عباراتِ علماء کو جمع کیا ہے اور مانعین کے توہمات کا ازالہ کیا ہے۔
(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۴۸۸۸ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ 'الاذکار ج ۱ ص ۳۰۹-۳۰۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت سعد کی حدیث سے ثابت ہوا کہ سربراہ مملکت کو مسلمان بزرگ کی تعظیم کا حکم دینا چاہیے اور سربراہِ مملکت کی مجلس میں اربابِ فضیلت کی تکریم کرنا اور ان کے لیے قیام کرنا مشروع ہے اور تمام لوگوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنے بزرگ کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ علامہ ابن الحاج مالکی قیامِ تعظیم کا انکار کرتے ہیں' اور علامہ نواوی کے دلائل کا رد کرتے ہیں' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس طویل بحث کو نقل کیا ہے اور آخر میں ان کے درمیان محاکمہ 40 کر کے یہ لکھا ہے:

اگر قیام کے ترک کرنے پر کوئی خرابی یا شر مرتب ہو تو قیام کو ترک کرنا ممنوع ہے یا اس سے کسی کی توہین ہوتی ہو تو بھی قیام کو ترک کرنا ممنوع ہے اور علامہ عبد السلام نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر عجمیوں کی طرح قیام کی عادت بنالی جائے (کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں) تو پھر یہ قیام ممنوع ہے' اور اگر کوئی شخص سفر سے آئے یا حاکم کے لیے اس کی حکومت کی مجلس میں قیام کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' میں کہتا ہوں کہ اسی کے ساتھ علامہ ابن الحاج کی توجیہات کو بھی ملالیا جائے کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی ہو تو اس کو مبارک باد دینے کے لیے قیام کرنا' یا کسی عاجز کی مدد کے لیے کھڑے ہونا یا مجلس میں توسیع کے لیے کھڑے ہونا' سو قیام کی یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۳۔ ۳۱۸ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء احناف کا موقف

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سربراہِ مملکت یا حاکم کو کسی مسلمان بزرگ کی تعظیم کا حکم دینا چاہیے' اور سربراہ ملک کی مجلس میں ارباب فضیلت کی تکریم کرنی چاہیے اور ان کے لیے تعظیماً قیام کرنا چاہیے اور عام لوگوں کو ان کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دینا چاہیے اور حضرت معاویہ کی حدیث میں جو ارشاد ہے کہ جس کو اپنے لیے قیام سے خوشی ہو' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے' یہ وعید متکبرین کی طرف راجع ہے یا ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو اپنے لیے نہ اٹھنے پر ناراض ہوتے ہوں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۲ میں ہے کہ اپنے سردار حضرت سعد کی طرف کھڑے ہو اور اس کو سواری سے اتارو اور اس حدیث کی سند حسن ہے۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۱۹) علامہ عینی ان کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت سعد کی طرف کھڑے ہونے کا حکم ان کو سواری سے اتارنے کے لیے دیا تھا کیونکہ وہ بیمار تھے' بعض علماء کا قول بعید ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۴۰۱۔ ۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے اس روایت کو اس لیے بعید کہا ہے کہ مسند احمد کی حدیث کی سند ضعیف ہے اور حافظ ابن حجر کا اس کی سند کو حسن کہنا ان کا تسامح ہے' اس حدیث کی سند کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شعیب الارنؤوط لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ضعف ہے' اس حدیث کی سند میں عمرو بن علقمہ ہے' اس سے اس کے بیٹے محمد کے سوا اور کسی نے حدیث روایت نہیں کی' اور ابن حبان کے سوا اور کسی نے اس کی توثیق نہیں کی' سو وہ مجہول راوی ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۴۲ ص ۳۰' رقم الحدیث: ۲۵۰۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

تاہم اگر اس حدیث کی سند حسن بھی ہو پھر بھی اس حدیث میں جو قید ہے (اس کو سواری سے اتارو) وہ صحیح بخاری کے اطلاق کے معارض نہیں ہو سکتی' کیونکہ تعارض اس وقت ہوتا ہے جب دو حدیثیں ایک درجہ کی ہوں اور صحیح اور حسن ایک درجہ کی حدیثیں نہیں ہیں۔

علامہ محمود اوز جندی المعروف بہ قاضی خاں حنفی المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

کچھ لوگ مصاحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہے تھے یا ایک شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا' پھر ان کے پاس اصحاب فضیلت بزرگوں میں سے کوئی شخص آیا تو قرآن مجید پڑھنے والوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا' فقہاء نے کہا ہے کہ اگر آنے والا عالم ہے یا اس کا والد ہے یا اس کا وہ استاذ ہے جس نے اس کو علم سکھایا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا قیام کرنا جائز ہے' اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۴۲۲ علی ہامش الہندیہ' مصر' فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۱۶' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ) 40

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہو یا جو شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس حال میں اس کے پاس ایسا شخص آئے جو تعظیم کا مستحق ہو تو اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن وھبان نے کہا: بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قیام مستحب ہے' کیونکہ اس قیام کو ترک کرنے سے کینہ' بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے' خصوصاً اس جگہ جہاں قیام کرنے کا معمول ہو' اور اس پر جو وعید ہے اس کا محل ترکوں اور عجمیوں کا قیام ہے (جس میں ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں)۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ''عنایۃ'' وغیرہا میں شیخ حکیم ابوالقاسم سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس کوئی غنی آتا تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور جب ان کے پاس فقراء اور طالب علم آتے تو وہ ان کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے' ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے' اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو ضرر ہو گا اور فقراء اور طلبہ مجھ سے صرف سلام کا جواب چاہتے ہیں اور یہ کہ میں ان سے علمی باتیں کروں' اس کی پوری تفصیل علامہ شرنبلالی کے رسالہ میں ہے۔

البتہ دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرنا حرام ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے کسی دولت مند شخص کے لیے عاجزی کی اور اپنے آپ کو ذلیل کیا اور اس کی تعظیم اس سے طمع کی وجہ سے کی' اس کی دو تہائی مروّت اور نصف دین جاتا رہے گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۲۹۹۔ رقم الحدیث: ۸۲۳۲)

والدین پر رحمت کے لیے ان کے سر پر بوسا دیا جائے' اپنے بھائی پر شفقت کے لیے اس کی پیشانی پر بوسا دیا جائے' مؤمنین کی تعظیم کے لیے ان کے ہاتھ پر بوسا دیا جائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح اور شام مصحف کو بوسا دیتے تھے۔ (درمختار) کسی کی تعظیم کے لیے زمین کو بوسا دینا حرام ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۹ ص ۴۶۹۔ ۴۶۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

المطففین: ۹۔ ۷ میں فرمایا: بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے؟ O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O

''سجین'' کا معنیٰ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فجار کی ارواح اور ان کے اعمال سجین میں ہیں' مجاہد نے کہا: سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے' اس کے نیچے فجار کا صحیفہ اعمال ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کافر کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو وہ اس کا وقت آنے پر اس کو بالکل مہلت نہیں دیتے اور فوراً اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اس کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کو وہ شر دکھاتے ہیں جو اللہ دکھانا چاہتا ہے' پھر اس کو ساتویں زمین تک اتارتے ہیں اور وہی سجین ہے اور وہیں فرشتے اس کا صحیفہ اعمال رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجین جہنم میں ایک کھلا ہوا کنواں ہے۔
(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۲۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

المطففین: ۸ میں ''کتاب مرقوم'' کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے اعمال لکھ کر مہر لگا دی گئی ہے' اب اس میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ اس سے کوئی کمی ہو سکتی ہے۔

المطففین: ۹ میں فرمایا: آپ کیا سمجھے کہ سجین کیا ہے؟O یہ سجین کی تعظیم کے لیے فرمایا ہے۔

المطففین: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہےO جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیںO اس دن کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہےO

روزِ جزاء کی تکذیب کرنے والے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مکذبین کے لیے قیامت کے دن شدید عذاب ہے' پھر بتایا کہ یہ وہ مکذبین ہیں جو یومِ جزاء' یومِ حساب اور فیصلہ کے دن کی تکذیب کرتے ہیں اور فرمایا: اس دن کی تکذیب تو صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے جو حق سے تجاوز کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات میں ظلم کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت الولید بن مغیرہ' ابوجہل اور ان ایسے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیںO ہرگز نہیں! بلکہ ان کے (بُرے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیاO بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گےO پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گےO پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھےO بے شک نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علیین میں ہےO اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہےO جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیںO (المطففین: ۲۱۔۱۳)

''اساطیر'' کا معنیٰ

المطففین: ۱۳ میں ''اساطیر'' کا لفظ ہے' یہ ''اسطورۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: من گھڑت لکھی ہوئی کہانیاں' وہ جھوٹی خبر جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹ گھڑ کر لکھی ہوئی ہے۔

المطففین: ۱۴ میں فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ ان کے (بُرے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیاO

دل پر زنگ لگنا

لفظ ''کلا'' سے کفار کے قول کا رد فرمایا ہے یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے نہیں ہیں۔

اس آیت میں ''رَان'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''رین'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا زنگ آلود ہونا اور میلا ہونا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ کی تلافی کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ اس گناہ کو کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ زیادہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہ وہ ''رَان'' ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ''كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO'' (المطففین: ۱۴) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۴)

اسی طرح مفسرین نے کہا ہے کہ مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے‘ فرّا نے کہا: جس شخص کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ اس کے دل کا احاطہ کر لیتے ہیں اور یہی دل کا زنگ ہے‘ مجاہد نے کہا: جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے‘ انہوں نے اپنی ہتھیلی کی ایک انگلی بند کر لی اور جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے‘ انہوں نے دوسری انگلی بند کر لی‘ پھر جب بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے‘ انہوں نے ساری انگلیاں بند کر کے مٹھی بند کر لی حتیٰ کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

المطففین: ۱۵ میں فرمایا: بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے ○

قیامت کے دن کافروں کا اپنے رب کے دیدار سے محروم ہونا اور مؤمنوں کا اپنے رب کے دیدار سے شادکام ہونا

اس آیت میں ”کلّا“ کا لفظ تحقیق کے لیے ہے یا کفار کے قول کو رد کرنے کے لیے ہے‘ یعنی بے شک کفار قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

زجاج نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھائی دے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ پھر اس میں کفار کی کوئی تخصیص اور تنقیص ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو نہیں دیکھ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ○ (القیامہ: ۲۳-۲۲)

اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور مؤمنین کو قیامت کے دن جو اپنے دیدار سے شادکام کرے گا‘ کفار کو اس سے محروم رکھے گا کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے رب کی توحید پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اعراض‘ انکار اور انحراف کیا تھا‘ اس لیے قیامت کے دن ان کو اس کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا‘ قیامت کے دن جو ہولناک اُمور ہوں گے اور سب پر اس دن کے واقعات سے دہشت چھائی ہوئی ہوگی تو مؤمنین جب اپنے رب کا دیدار کریں گے تو ان کی ساری وحشت اور کلفت زائل ہو جائے گی‘ دنیا میں مؤمنین کاملین اس طرح اپنے رب کی عبادت کرتے تھے گویا اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں‘ یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کی مسجد میں چھت سے سانپ گر پڑا تو مسجد میں بھگدڑ مچ گئی‘ ایک ہنگامہ مچ گیا لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اسی طرح صبر و سکون سے نماز پڑھتے رہے‘ ان کے خضوع اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ وہ اس طرح اپنے رب کی عبادت کر رہے تھے گویا کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں‘ سو قیامت کے دن ان کاملین کو ان کی اس عبادت کا انعام اس طرح دیا جائے گا کہ وہ بالیقین فی الواقع اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے‘ قیامت کے دہشت ناک واقعات سے ایک ہنگامہ بپا ہوگا اور ان کاملین کو کچھ خبر نہیں ہوگی‘ یہ اطمینان اور سکون سے اپنے رب کے دیدار کے جلووں میں مست اور بے خود ہوں گے‘ رہے ہم ایسے عام مؤمنین تو ہمارے شب و روز ایسی غفلت اور معصیت میں گزرتے ہیں کہ ہم اپنے اعمال اور اپنی ناقص عبادات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کے بھی مستحق نہیں ہیں‘ ہوا‘ پانی‘ خوراک اور دنیا کی جو نعمتیں ہمیں ملتی ہیں‘ وہ ان کاملین کے توسل اور تصدق سے ملتی ہیں‘ سو آخرت میں بھی ہمیں اُمید ہے کہ ان ہی کاملین کے توسل سے ہمیں آخرت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی عبادتوں کی برکت سے ہمیں بھی اپنے رب کا دیدار حاصل ہوگا اور ان شاء اللہ ہماری یہ امید پوری ہوگی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے اپنے دیدار کی تجلی فرمائے گا اور وہ اس کو دیکھ لیں گے' امام شافعی نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کفار پر ناراضگی کی وجہ سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا تو جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہے تو ان کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا' سنو! اللہ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا' الحسین بن الفضل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیا میں اپنی توحید پر ایمان کے نور سے محروم رکھا اور آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المطففین: ۱۶ میں فرمایا: پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے O

یعنی دوزخ میں وہ لازم رہیں گے اور اس سے باہر نہیں آ سکیں گے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا. جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں کے ساتھ بدل دیں گے۔ (النساء: ۵۶)

المطففین: ۱۷ میں فرمایا: پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے O

یعنی ان سے جہنم کے محافظ کہیں گے: یہ وہ عذاب ہے جس کی خبر تم کو رسولوں نے دی تھی اور تم اس کی تکذیب کرتے تھے۔

المطففین: ۲۱۔۱۸ میں فرمایا: بے شک نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علیین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟ O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں O

علیین اور مؤمنوں کے صحائف کے متعلق احادیث اور آثار

نیکو کاروں کا صحیفہ علیین میں بلند جگہ رکھا ہوا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ صحیفۂ اعمال جنت میں ہے' ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آسمان میں اللہ کی کتاب میں ہے' مجاہد اور قتادہ نے کہا: ساتویں آسمان میں مؤمنین کی روحیں ہیں' ضحاک سے ایک روایت ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ہے' جس پر اللہ کے تمام احکام ختم ہو جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک قول یہ ہے کہ علیین فرشتوں کی صفت ہے اور اس سے مراد ملائکہ مقربین ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیین والے ضرور جنت کو فلاں مقام سے دیکھ رہے ہیں' پس جب اہل علیین میں سے کوئی شخص جھانکتا ہے تو اس کے چہرے کی روشنی سے جنت روشن ہو جاتی ہے' پس جنتی کہتے ہیں: یہ کیسا نور ہے؟ تو کہا جائے گا: علیین والوں میں سے ایک شخص نے جھانکا تھا اور وہ لوگ ابرار' اطاعت گزار اور اصحاب صدق ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت اہل علیین کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح چمکتے ہوئے ستارہ کو آسمان کے کنارے میں دیکھا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱۔۲۸۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟ O یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو علیین کے متعلق کس

نے خبر دی اس میں علیین کے بلند مرتبہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O

علامہ قرطبی نے یہ روایت ذکر کی ہے:

فرشتے بندوں کے اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اپنے بندے کے دل کا نگہبان ہوں اور اس نے اخلاص سے میرے لیے عمل کیا ہے اس کے اس عمل کو علیین میں رکھ دو بے شک میں نے اس کو بخش دیا ہے اور فرشتے کسی اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں اس نے یہ عمل اخلاص سے میرے لیے نہیں کیا اس عمل کو سجین میں رکھ دو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۲۲۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں O

یعنی ابرار کے نیک اعمال پر ہر آسمان سے مقرب فرشتے گواہ ہیں۔ وہب بن منبہ اور امام ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ مقربین سے مراد یہاں پر حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں پس جب مؤمن کوئی نیک عمل کرتا ہے تو فرشتہ اس کو صحیفہ میں لکھ کر آسمان پر چڑھتا ہے اور اس کا نور آسمانوں میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح سورج کا نور زمین پر چمکتا ہے حتیٰ کہ وہ فرشتہ اس کو لے کر حضرت اسرافیل تک پہنچتا ہے پھر وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے اور حضرت اسرافیل اس پر گواہ ہوتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۲۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچان لیں گے O ان کو مہر لگی ہوئی شفاف شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہے اور اسی میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے O اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے O اس چشمہ سے مقربین پیتے ہیں O

(المطففین: ۲۸۔۲۲)

جنت میں ابرار کی نعمتیں ''رحیق مختوم'' اور ''تسنیم'' کے معانی

ابرار یعنی نیکوکار جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں گے اور وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کرامات کو دیکھ رہے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی ہیں مقاتل نے کہا: وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

ان نعمتوں کے ملنے سے ان کو جو خوشی ہوگی اور ان کے چہروں پر جو رونق اور تر و تازگی ہوگی اس کو دیکھ کر آپ انہیں پہچان لیں گے ان کو شرابِ طہور پلائی جائے گی جس میں کوئی تلخی ہوگی نہ کوئی نشہ ہوگا اس آیت میں ''رحیق'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: صاف اور شفاف شراب اس شراب پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی حضرت ابن مسعود نے فرمایا: شراب پینے کے بعد ان کو مشک کا ذائقہ آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا اللہ اس کو ''رحیق مختوم'' (مشک کے ذائقہ والی شراب) سے پلائے گا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۲)

المطففین: ۲۶ میں "فلیتنافس" کا لفظ ہے اس کا مصدر "تنافس" ہے اس کا معنیٰ ہے: رغبت کرنا یعنی ان نعمتوں میں رغبت کرنا چاہیے اوران نعمتوں کے حصول کے لیے اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں۔

اور اس (شراب) میں چشمہ تسنیم کی آمیزش ہے۔ تسنیم وہ مشروب ہے جس کو اوپر سے انڈیلا جائے گا' اور یہ جنت کی سب سے افضل شراب ہے۔لغت میں تسنیم کا معنیٰ ہے: بلندی' اونٹ کے کوہان کو سنام کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ بھی اونٹ کی پیٹھ پر بلند ہوتا ہے' اسی طرح "تسنیم القبور" اس قبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنائی جائے' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے صرف مقربین کو پلایا جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ تسنیم ہوا میں ایک چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بہ رہا ہے اوراس سے اہل جنت کے برتنوں میں صاف شراب انڈیلی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مجرمین (دنیا میں) مؤمنوں پر ہنستے تھے O اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے تھے O اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے O اور جب مؤمنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ ضرور گم راہ ہیں O حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگران نہیں بنائے گئے O پس آج مؤمنین کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے؟ O (المطففین: ۳۶۔۲۹)

دنیا میں کفار کا مؤمنوں پر ہنسنا اوران کا مذاق اُڑانا اور آخرت میں مؤمنوں کا کفار سے بدلہ لینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ آخرت میں ابرار اور نیکوں کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی اوران آیات میں یہ بتایا ہے کہ کفار دنیا میں مؤمنوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے اوران کی تحقیر کرتے تھے اور آخرت میں معاملہ الٹ ہو جائے گا اور اب مؤمنین کفار کو عذاب میں مبتلا دیکھ کران پر ہنسیں گے' ان آیات سے مقصود مؤمنین کو تسلی دینا ہے اور ان کے دلوں کو تقویت پہنچانا ہے۔

المطففین: ۲۹ میں فرمایا: بے شک مجرمین (دنیا میں) مؤمنوں پر ہنستے تھے O

صنادید کفار مثلاً ابوجہل' الولید بن مغیرہ اور العاص بن وائل سہمی وغیرہ' حضرت عمار' حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پر ہنستے تھے اور دیگر فقراء مسلمین کا مذاق اڑاتے تھے' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے شانِ نزول میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ جا رہے تھے' منافقین ان کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور ایک دوسرے کو آنکھیں ماریں' پھر اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر کہا: ہم نے آج ایک گنجے کو دیکھا ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

المطففین: ۳۰ میں "یتغامزون" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: پلکوں اور بھوؤں سے اشارے کرنا اوراس کا معنیٰ عیب بیان کرنا بھی ہے' اس آیت کا معنیٰ ہے: وہ آنکھوں سے اشارے کر کے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ کہتے تھے: ان لوگوں کو دیکھو' یہ مشقت اٹھا رہے ہیں اور دنیا کی لذتوں سے منہ موڑ رہے ہیں اوران کا خیال ہے کہ ان کو اس سے ثواب ملے گا۔

المطففین: ۳۱ میں فرمایا: اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے O

وہ اپنے شرک کرنے اور دیگر معصیت کے کام کرنے اور دنیا کی لذتوں کو حاصل کرنے پر خوش ہوتے تھے اور مسلمانوں کی مذمت کر کے مزے لیتے تھے۔

المطففین: ۳۲ میں فرمایا: اور جب وہ (کفار) مؤمنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ ضرور گم راہ ہیں O

یعنی کفار کے نزدیک مسلمانوں کی گم راہی یہ تھی کہ وہ دُنیا کی نقد لذتوں کو چھوڑ کر آخرت کی اُدھار لذتوں کا سودا کر رہے

تھے۔

المطففین: ۳۴ میں فرمایا: حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگران نہیں بنائے گئے O

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو مسلمانوں پر نگران اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کی نگرانی کرتے رہیں کہ آیا ان کے اعمال حق ہیں یا باطل اور ان پر یہ عیب لگائیں کہ وہ گم راہ ہیں بلکہ ان کافروں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔

المطففین: ۳۵۔۳۴ میں فرمایا: پس آج مسلمان کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O

مسلمانوں کے کفار پر آخرت میں ہنسنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) دنیا میں کفار مسلمانوں کی تنگ دستی اور زبوں حالی دیکھ کر ان پر ہنستے تھے اور آخرت میں مسلمان کفار کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے اور اس پر ہنسیں گے کہ کفار نے باقی لذتوں کے بدلہ میں فانی لذتوں کا سودا کر لیا اور ان کو اس تجارت میں خسارا ہوا۔

(۲) کفار دوزخ میں دیکھیں گے کہ دوزخ سے باہر نکلنے کا دروازہ کھل گیا ہے جب وہ دوڑ کر اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور مؤمنین جنت میں عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے اور یہ منظر دیکھ کر ہنس رہے ہوں گے۔ مؤمنین عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے کہ کفار دنیا کی عزت اور تکبر کے بعد آج کتنی ذلت اور رسوائی میں ہیں۔

المطففین: ۳۶ میں فرمایا: کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے O

اس آیت میں "ثواب" کا لفظ ہے یعنی کفار کو اپنے مذاق اڑانے کا کیسا ثواب ملا ہے اور ان کے بدلہ کو استہزاءً ثواب فرمایا ہے۔

سورۃ المطففین کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز سنیچر سورۃ المطففین کی تفسیر مکمل ہوگئی، رب العلمین تبیان القرآن کو مکمل فرمادے اور میری مغفرت فرمائے۔

والصلوٰة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والاٰخرین وعلٰی آلہٖ واصحابہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورة الانشقاق

سورت کا نام' وجہ تسمیہ اور دیگر اُمور

اس سورت کا نام الانشقاق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''انشقت'' کا لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ (الانشقاق:۱) جب آسمان پھٹ جائے گا○

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۳ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۴ ہے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی' انہوں نے نماز میں '' اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ '' کی تلاوت کی اور سجدۂ تلاوت ادا کیا' میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس سورت پر سجدہ تلاوت ادا کیا ہے' سو میں ہمیشہ اس سورت پر سجدہ تلاوت ادا کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں آپ سے جاملوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۶۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ '' اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ '' اور '' اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ '' میں سجدہ تلاوت ادا کیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث:۵۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۰۵۸)

سورۃ التکویر' سورۃ الانفطار' سورۃ المطففین اور سورۃ الانشقاق ان چاروں سورتوں میں قیامت کے دن کی صفات بیان کی گئی ہیں' سورۃ التکویر میں سب سے زیادہ قیامت کی صفات کا ذکر ہے' سورۃ الانفطار میں قیامت کے دن کی ابتدائی صفات کا ذکر فرمایا ہے' سورۃ المطففین میں فجار اور ابرار کے انجام کا زیادہ تذکرہ ہے' سورۃ الانشقاق میں قیامت کے ہولناک اُمور کا ذکر ہے اور نیکوکاروں کے حساب میں آسانی اور بدکاروں کے حساب میں سختی کا ذکر ہے' سورۃ المطففین میں صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا ذکر ہے اور سورۃ الانشقاق میں صحیفہ اعمال کے پیش کرنے کا ذکر ہے۔

سورۃ الانشقاق کے مشمولات

☆ الانشقاق: ۵۔۱ میں دیگر مکی سورتوں کی طرح ضروری عقائد کا ذکر ہے اور قیامت کے دن واقع ہونے والے ہولناک مناظر کا بیان ہے اور اس کی ابتداء قیامت کے دن تکوینی تبدیلیوں سے کی گئی ہے۔

☆ الانشقاق: ۱۵۔۶ میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن جب حساب لیا جائے گا اور انسان کا صحیفہ اعمال پیش کیا جائے گا تو اس کا کیا حال ہوگا اور جب انسان کو دو قسموں میں بانٹ دیا جائے گا' ایک وہ ہوں گے جن کا صحیفہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ

میں ہوگا اور ایک وہ ہوں گے جن کا صحیفہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔

☆ الانشقاق: ۱۹۔۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے شفق کی' رات کی اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین سخت ہولناک اُمور کا سامنا کریں گے۔

☆ الانشقاق: ۲۵۔۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین' کفار' ملحدین اور دہریوں کی ایمان نہ لانے پر مذمت کی ہے اور ان کو درد ناک عذاب سے ڈرایا ہے اور ان مؤمنین کی نجات کی بشارت دی ہے جو اعمالِ صالحہ سے متصف ہیں اور ان کو دائمی اور مستمر ثواب عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جو کم ہوگا نہ منقطع ہوگا۔

☆ بہر حال یہ سورت دو مقصدوں پر مشتمل ہے: ایک یہ کہ انسان قیامت کے دن اپنے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتائج کو حاصل کرے گا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں دو ٹھکانے ہیں یا جنات النعیم اور یا دوزخ کی آگ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جنات النعیم عطا فرمائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

سورۃ الانشقاق کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ کریم کے فیضان پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العٰلمین! ان مقاصد میں مجھے حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور غلط سے بچانا۔

(آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/۱۲ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

(۸۴) سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ (۸۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیَاتُہَا ۲۵ رُکُوْعُہَا ۱

سورۃ الانشقاق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پچیس آیات اور ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ② وَاِذَا الْاَرْضُ

جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے

مُدَّتْ ③ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤

گی ○ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ○ اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی اور یہی

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥

اس پر حق ہے ○ اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے سو تو اس سے ملنے والا ہے ○

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ⑦ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب

يَّسِيْرًا ⑧ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا ○ اور جس شخص کا صحیفہ اعمال

كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّيَصْلٰى

اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○ تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا ○ اور بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ

میں پہنچے گا ○ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا ○ اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں

يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰۤى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯

لوٹے گا ○ کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا ○ پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں ○

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ⑱ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا

اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے ○ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے ○ تم ضرور درجہ بہ درجہ

معانقۃ ۱۶ عند المتاخرین ۱۲

عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

چڑھو گے O تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟ O اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدۃ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں O

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا

اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں O سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے O

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا O اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے O اور جب زمین پھیلا دی جائے گی O اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی O اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی اور یہی اس پر حق ہے O (الانشقاق: ۵۔۱)

الانشقاق: ۱ میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا اور بادلوں سمیت اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔

''اذنت'' کا معنیٰ

الانشقاق: ۲ میں ''اذنت'' کا لفظ ہے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے لکھا ہے: اس کا معنیٰ ہے: کسی بات کو سن کر اس کا علم حاصل کیا جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے فرمایا ہے کہ درج ذیل حدیث میں بھی ''اذن'' کا معنیٰ سنا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما اذن اللہ لشیء کاذنہ لنبی یتغنی بالقرآن.

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنا نہیں سنا جتنا اس نے اپنے نبی سے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو سنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ''وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا'' کا معنیٰ ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا۔

قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ اس کا معنیٰ ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۱۴۲۔۱۴۱ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ ھ)

الانشقاق: ۴۔۳ میں فرمایا: اور جب زمین پھیلا دی جائے گی O اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی

ہو جائے گی O

زمین کو پھیلانے کے متعلق احادیث

زمین کو کھینچ کر پھیلانے کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے قیامت کا تذکرہ کیا' پہلے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا تو حضرت ابراہیم کو اس کا علم نہیں تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا' ان کو بھی علم نہ تھا' پھر سب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا' حضرت عیسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت سے پہلے مجھ کو زمین پر نازل فرمائے گا بہرحال قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' پھر انہوں نے خروجِ دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اس کو قتل کروں گا' لوگ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے اور یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ان کے سامنے آئیں گے' وہ جس پانی کے پاس سے گزریں گے اس کو پی جائیں گے اور جس چیز کے پاس سے گزریں اس کو خراب کر دیں گے' پھر لوگ اللہ سے فریاد کریں گے' پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے' پھر روئے زمین میں ان کی لاشوں سے بدبو پھیل جائے گی' پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا' وہ بارش ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دے گی' پھر پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور مجھے بتایا گیا کہ جب یہ ہوگا تو قیامت اس طرح اچانک آ جائے گی جس طرح گھر والوں کو پتا نہیں چلتا کہ حاملہ عورت کے کب بچہ ہو جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۸۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ زمین کو پھیلا دے گا حتیٰ کہ لوگوں کے لیے صرف اپنے قدموں کی جگہ ہو گی' پس سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا اور جبریل رحمٰن کی دائیں طرف ہوں گے' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے مجھے خبر دی تھی کہ تو نے ان کو میری طرف بھیجا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سچ ہے' پھر میں شفاعت کروں گا' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! تیرے بندوں نے اطرافِ زمین میں تیری عبادت کی ہے' علی بن حسین نے کہا: یہی مقامِ محمود ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۴۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مجاہد نے کہا: زمین اپنے مُردوں کو باہر نکال دے گی۔ قتادہ نے کہا: زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال کر پھینک دے گی۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۱۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام رازی فرماتے ہیں: زمین کی وسعت میں قیامت کے دن اضافہ کیا جائے گا کیونکہ اس دن اس میں تمام مخلوق حساب کے لیے کھڑی ہو گی' اور زمین میں اس دن اضافہ کرنا ضروری ہے خواہ زمین کو پھیلا کر اس میں اضافہ کیا جائے یا زمین کے طول وعرض میں زیادتی کر کے اس میں اضافہ کیا جائے۔

اور اس دن زمین اپنے پیٹ سے تمام مُردوں اور خزانوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے باطن میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

اس سے پہلے آسمان کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور اب زمین کے لیے فرمایا: وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے سو تو اس سے ملنے والا ہے O سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا O تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا O اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا O بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا O اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا O (الانشقاق: ۱۵۔۶)

''کادح'' کا معنیٰ اور آسان حساب کا معنیٰ

اس آیت میں ''کادح'' کا لفظ ہے''کادح'' کا معنیٰ ہے: کوشش کرنے والا اور جدوجہد کرنے والا' اس کے بعد فرمایا ہے: ''الی ربك '' یعنی تو اپنے رب کی طرف بہت کوشش کرنے والا ہے' اس کا معنیٰ ہے:

تو اپنے رب سے ملاقات کے لیے کوشش کر رہا ہے' اور رب سے ملاقات کا معنیٰ ہے: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا۔

اس کے بعد فرمایا: سو تو اس سے ملنے والا ہے یعنی تو اپنے رب کے حکم سے ملاقات کرنے والا ہے یعنی جب تو حساب کے لیے پیش ہوگا۔

الانشقاق: ۹۔۷ میں فرمایا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O

آسان حساب کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے اوپر اس کے اعمال پیش کیے جائیں اور وہ جان لے کہ ان اعمال میں یہ طاعت ہے اور یہ معصیت ہے' پھر اس کو طاعت کے اوپر ثواب دیا جائے اور اس کی معصیت سے درگزر کر لیا جائے تو یہ آسان حساب ہے' اس میں اس شخص پر کوئی سختی ہے نہ اس سے کوئی مناقشہ ہے' اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ اگر اس سے کوئی عذر پوچھا جائے اور وہ عذر پیش نہ کر سکے تو وہ رسوا ہوگا' پھر جب اس سے یہ آسان حساب لیا جائے گا تو وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا اور وہ ثواب کو حاصل کرنے والا ہوگا اور عذاب سے نجات پانے والا ہوگا اور اس کے اہل سے مراد اس کو ملی ہوئی بڑی آنکھوں والی حوریں' اس کی بیویاں اور اس کی اولاد ہیں' بہ شرطیکہ وہ مؤمن اور اہل جنت سے ہوں۔

آسان حساب کے متعلق احادیث

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی ایسی بات سنتیں' جس کو انہوں نے نہ سمجھا ہوتا تو وہ اس کے متعلق سوال کرتیں' حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ (الانشقاق: ۸) تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O

آپ نے فرمایا: اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۷' مسند احمد ج ۶ ص ۴۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا' میں نے کہا: یا نبی اللہ! آسان حساب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے

کے صحیفہ اعمال کو دیکھے اور اس سے درگزر فرمائے اور جس سے اس دن حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اور مؤمن پر دنیا میں جو بھی مصیبت آتی ہے اللہ عزوجل اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اسے جو کانٹا چبھتا ہے۔ (المستدرک ج ا ص ۲۵۵۔ ۵۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۷۰ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۲۔ ۸۴۹ مسند احمد ج ۶ ص ۴۸)

الانشقاق: ۱۲۔ ۱۰ میں فرمایا: اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گاO تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گاO اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گاO

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اسود بن عبد الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ہر مومن اور کافر کے متعلق عام ہے وہ اپنا دایاں ہاتھ کتاب کو لینے کے لیے بڑھائے گا تو فرشتہ اس کے بائیں ہاتھ میں کتاب پکڑا کر اس ہاتھ کو موڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دے گا مقاتل نے کہا: اس کے سینہ کی ہڈیوں کو توڑ کر اس کے بائیں ہاتھ کو اس میں باندھا جائے گا پھر اس کا ہاتھ اس کے پیچھے سے نکال کر اس میں اس کا صحیفہ اعمال پکڑا دیا جائے گا۔

وہ اپنی موت کو طلب کرے گا اور کہے گا: ہائے میرا عذاب! اور ہائے میری موت!

پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

کافر کا دنیا کی خوش حالی کے بعد آخرت کی تنگی کی طرف لوٹنا اور ''یحور'' کا معنیٰ

الانشقاق: ۱۵۔ ۱۳ میں فرمایا: بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھاO اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گاO کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھاO

دنیا میں اہل جنت غم اور خوف میں مبتلا رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت میں نعمتیں اور خوشی عطا فرمائی۔

جیسا کہ ان آیات میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَO فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِO (الطور: ۲۷۔ ۲۶)

(اہل جنت کہیں گے:) ہم اس سے پہلے اپنے اہل کے درمیان بہت ڈرتے رہتے تھےO سو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو دوزخ کی گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیاO

اور اہل دوزخ کے متعلق یہ بتایا کہ وہ دنیا میں بہت خوش تھے پھر ان کو آخرت میں دوزخ کے عذاب میں جھونک دیا گیا۔

الانشقاق: ۱۴ میں ''یحور'' کا لفظ ہے اس کا مصدر ''حور'' ہے۔ ''حور'' کا مشہور معنیٰ سفیدی ہے ''الخبز الحواری'' کا معنیٰ ہے: سفید روٹی اور اسی وجہ سے جنت کی گوری خواتین کو قرآن مجید میں حور فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے ''یَحُوْرَ'' کے معنیٰ کا اس وقت تک نہیں پتا چلا حتیٰ کہ میں نے سنا: ایک اعرابی اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا: ''حوری ارجعی الی'' اے گوری بچی! میری طرف لوٹ آ' اور اس آیت کا معنیٰ ہے: اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب والحور بعد الکور. الحدیث

اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور واپسی کے غم سے اور زیادتی کے بعد کمی کی طرف لوٹنے سے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۵۰۸ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۸۰۴)

اس کے بعد فرمایا: کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھاO

یعنی جس طرح اس نے گمان کیا ہے واقع میں اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ ضرور ہماری طرف لوٹ کر آئے گا' بے شک اس کا رب اس کو پیدا کرنے سے پہلے بھی یہ جاننے والا تھا کہ اس نے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں O اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے O اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے O تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے O تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟ O اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں O اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں O سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O (الانشقاق: ۲۵۔۱۶)

''شفق'' کا معنیٰ

الانشقاق: ۱۶ میں ''شفق'' کا لفظ ہے۔

''شفق'' کے معنیٰ میں اختلاف ہے' فقہاء شافعیہ کے نزدیک غروبِ آفتاب کے بعد جو سرخی آسمان کے کناروں میں دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے۔

محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

شفق کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا: شفق آسمان کے کناروں میں وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے' حضرت ابوبکر' حضرت معاذ' حضرت انس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے' اور امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا کہ شفق سرخی ہے' اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے' یہ حضرت ابن عمر' حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفق سرخی ہے۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۳۹' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۶۹) اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کناروں میں سیاہی پھیل جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۵۷' اسلام آباد)

اور آسمان کے کناروں میں سیاہی اسی وقت پھیلتی ہے جب سفیدی زائل ہو جائے اور امام شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے کہ شفق سرخی ہے' وہ دراصل حدیث موقوف ہے۔ (عنایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۴۔۲۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الانشقاق: ۱۷ میں فرمایا: اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے O

''وسق'' اور ''اتساق'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''وسق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: جمع کرنا' اسی اعتبار سے فقہاء غلہ کے اس پیمانے کو وسق کہتے ہیں جس میں ساٹھ صاع طعام (غلہ یا اناج) جمع کیا جا سکے (ایک صاع چار کلوگرام کا ہوتا ہے) اور ''وما وسق'' سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کو رات جمع کر لیتی ہے' جیسے چاند اور ستارے اور انسانوں' حیوانوں اور حشرات الارض کا حرکات' کام کاج اور انتشار سے سکون کی طرف رجوع کرنا۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: رات میں انسان جو کام کرتے ہیں' قفال نے کہا: ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کا تہجد پڑھنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان بندوں کی تحسین فرمائی ہے جو سحری کے وقت اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔

الانشقاق: ۱۸ میں فرمایا: اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے O
اس آیت میں ''اتسق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا تام اور مکمل ہونا' اس کے اجزا کا مجتمع ہونا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: جب چاند مستوی ہو جائے' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: جب چاند گول ہو جائے۔

الانشقاق: ۱۹ میں فرمایا: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے O 41

انسانوں کا مختلف احوال اور منازل میں منتقل ہونا

اس آیت میں عام انسانوں اور کفار سے خطاب ہے اور اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) انسان پہلے مرحلہ میں گندے پانی کا قطرہ تھا' پھر اپنی تخلیق کے مراحل طے کرتا ہوا مکمل انسان بنا' پھر جوان ہوا' پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا' پھر بوڑھا ہوا' پھر مر گیا اور قبر میں دفن ہو گیا' پھر برزخ میں آ گیا' پھر حشر میں پہنچا' پھر اپنے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے جنت میں گیا یا دوزخ میں جھونک دیا گیا' یوں انسان متعدد اُمور اور احوال میں منتقل ہوتا رہا' ایک امر کے بعد دوسرے اُمر کی طرف اور ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ایک منزل کے بعد دوسری منزل میں پہنچتا رہا اور پھر اس کو دارِ ثواب یا دارِ عذاب میں خلود اور دوام حاصل ہو گیا۔

(۲) لوگ قیامت کے دن مختلف احوال اور شدائد کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے' ایک شدت سے دوسری شدت کی طرف اور ایک ہول سے دوسرے ہول کی طرف' گویا کہ جب لوگوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت اور حشر کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے رات کی اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا: قیامت ضرور واقع ہو گی اور تم ضرور میدانِ حشر میں جمع کیے جاؤ گے اور حشر کے ہولناک مناظر اور شدتوں کا سامنا کرو گے' حتیٰ کہ تمہارے حساب اور کتاب کے بعد تم کو جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ (التغابن: ۷)
آپ کہیے: کیوں نہیں اور میرے رب کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے' پھر تم کو تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی۔

(۳) قیامت کے دن لوگ دنیاوی احوال کے برعکس احوال میں منتقل ہوتے رہیں گے' جو شخص دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا وہ آخرت میں عزت اور وجاہت والا ہو گا اور جو دنیا میں عزت اور وجاہت والا تھا وہ آخرت میں ذلیل اور حقیر ہو گا' جو دنیا میں عیش و عشرت میں تھے وہ آخرت میں تنگ دست اور قلاش ہوں گے اور جو دنیا میں تہی دست اور قلاش تھے وہ آخرت میں نعمتوں میں ہوں گے' قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ (الواقعہ: ۳)
وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے O

اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند کرنے والی ہے اور فساق فجار اور کفار کو یہ پست کرنے والی ہے' دنیا میں اہل ایمان ضعیف اور حقیر سمجھے جاتے تھے' وہ آخرت میں قوی اور معزز ہوں گے اور کفار دنیا میں قوی اور معزز سمجھے جاتے تھے' وہ آخرت میں ضعیف اور حقیر ہوں گے' اور اس سورت کی اس سے پہلے والی آیات کا بھی یہی مضمون ہے' ان آیات میں فرمایا ہے:

سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا O تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا O اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا O بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا O اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O (الانشقاق: ۱۴۔۷)

41

(۴) تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقہ پر چلو گے' جس طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کی تکذیب کرتے تھے' اسی طرح تم بھی تکذیب کرو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہ درجہ ترقی کرنا

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس اعتبار سے اس کے حسبِ ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشرکین اور منکرین قیامت پر فتح اور غلبہ کی بشارت ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا: اے رسول مکرم! ہم آپ کو ایک حالت سے دوسری حالت تک سوار کرتے رہیں گے اور آپ کو تدریجاً غلبہ اور فتح سے ہم کنار کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ اپنے مقصد میں سرخ رُو ہو جائیں گے۔

(۲) ابتداء میں آپ پر فقر' شدت اور خوف کا جو حال تھا' بعد میں ہم آپ کو اس حال سے خوش حالی' عافیت اور امن کے حال کی طرف منتقل کر دیں گے۔

(۳) ابتداء میں جو مشرکین آپ کے مخالف تھے ہم بعد میں ان کو آپ کے حامی اور انصار بنا دیں گے۔

(۴) ہم آپ کو زمین کے طبقات سے آسمان کے طبقات پر سوار کریں گے تا کہ آپ ہماری نشانیوں کا مشاہدہ کریں اور جنت اور دوزخ کو ملاحظہ کریں۔

(۵) آپ درجہ بہ درجہ بلند منازل اور رفیع مراتب پر سوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات کو حاصل کرتے رہیں گے۔

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں سوار ہونے کے متعلق احادیث اور اقوالِ مفسرین

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ کی اتباع کرو گے' بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ' حتیٰ کہ اگر پہلے لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی داخل ہو گے' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر؟ آپ نے فرمایا: اور کس کے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر وہ احوال اور افعال ضرور طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے' برابر سرابر' حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ برسرِ عام بدکاری کی تو میری امت میں بھی کچھ لوگ ایسا کریں گے۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۱' المستدرک ج ۱ ص ۱۲۹)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے ''لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ'' (الانشقاق: ۱۹) کی تفسیر میں مکحول سے روایت کیا ہے کہ ہر بیس سال بعد تم میں وہ کیفیات ہوں گی جو تم میں پہلے نہیں تھیں۔

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے احوال بدلتے رہیں گے' وہ پہلے تنگ دست ہوں گے' پھر خوش حال ہو جائیں گے اور پہلے خوش حال ہوں گے پھر تنگ دست ہو جائیں گے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں گھٹیا اور پست سمجھے جاتے تھے' وہ آخرت میں معزز ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں معزز تھے وہ آخرت میں حقیر ہوں گے۔

(الدر المنثور ج ٨ ص ٤٢٢' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ ھ)

الانشقاق: ٢٠ میں فرمایا: تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟O
یہ کفار قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اور کفار کے شبہات زائل کیے جا چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ افلاک اور عناصر میں تغیرات واقع ہو رہے ہیں' شفق کے ظہور سے پہلے دن کی روشنی ہوتی ہے اور اس کے بعد رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور رات کی ظلمت سے پہلے دن کا نور ہوتا ہے اور چاند کی جسامت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ افلاک اور عناصر میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ تمام مخلوق میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ قیامت قائم کر کے سب کو فنا کر دے اور پھر دوبارہ سب کو زندہ کر دے' پھر مشرکین اس پر کیوں ایمان نہیں لاتے!

الانشقاق: ٢١ میں فرمایا: اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتےO
اگر انسان بہ غور قرآن مجید کو سنے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور جب قرآن مجید معجز کلام ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صدق واجب ہے' لہٰذا آپ کے احکام کی اطاعت کرنا واجب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بعید قرار دیا کہ کفار قرآن مجید کو سن کر سجدہ نہیں کرتے۔
امام رازی فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ O" (العلق: ١٩) سجدہ کر اور اللہ کے قریب ہو' پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مؤمنین نے سجدہ کیا' اور کفار اپنے سروں کے اوپر تالیاں بجاتے رہے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے سجدہ تلاوت کے وجوب پر دو وجہ سے استدلال کیا ہے' اول اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع کو واجب قرار دیا' فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ. (الاعراف: ١٥٨)
پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآن مجید سن کر سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرتے' اور جب کسی فعل کے ترک پر مذمت کی جائے تو اس فعل کا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ١٠٤' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ ھ)

الانشقاق: ٢٢ میں فرمایا: بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیںO
یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے دلائل بالکل واضح ہیں لیکن کفار اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے اور ضد اور عناد کی وجہ سے ان دلائل کو جھٹلا رہے ہیں۔

الانشقاق: ٢٣ میں فرمایا: اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیںO
اس آیت میں "یوعون" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "الوعا" ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو جمع کر کے تھیلی میں رکھنا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَمَعَ فَاَوْعٰىO (المعارج: ١٨)
اس نے جمع کیا اور سنبھال کر رکھاO

انہوں نے اپنے دلوں میں جو شرک اور تکذیب کو جمع کر کے رکھا ہوا ہے' اللہ کو اس کا خوب علم ہے اور وہ ان کو اس کی دنیا

میں اور آخرت میں سزا دینے والا ہے۔

الانشقاق: ۲۴ میں فرمایا: سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے O

یعنی یہ کفار اپنے شرک اور تکذیب کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں۔

الانشقاق: ۲۵ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کفار میں سے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے' ان کو عظیم ثواب ہوگا۔

اس آیت میں ''غیر ممنون'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو جو ثواب ملے گا اس پر نہ کوئی احسان رکھا جائے گا اور نہ طعنہ دے کر ان کو اذیت پہنچائی جائے گی' اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ثواب نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور یہ عبادات کی ترغیب میں بہت عظیم بشارت ہے' جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں میں کفر اور معصیت سے بہت زیادہ زجر و توبیخ کی گئی ہے۔

سورۃ الانشقاق کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات سورۃ الانشقاق کی تفسیر مکمل ہوگئی' رب العٰلمین! اس تفسیر کو مکمل کرا دینا اور اس کو قیامت تک کے لیے فیض آفریں اور مقبول بنا دینا اور محض اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرما دینا۔

والصلٰوة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلٰی آلہٖ
واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ البروج

سورت کا نام' وجہ تسمیہ اور دیگر اُمور

اس سورت کا نام البروج ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے البروج والے آسمان کی قسم کھائی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ (البروج:۱) برجوں والے آسمان کی قسم!۝

(۱) یہ سورت اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس چیز میں مشابہ ہے کہ ان چاروں سورتوں میں آسمان کے ذکر سے ابتداء کی گئی ہے' وہ سورتیں یہ ہیں: الانفطار' الانشقاق' البروج اور الطارق' الانفطار اور الانشقاق' البروج سے پہلے ہیں اور الطارق' البروج کے بعد ہے۔

(۲) ان دونوں سورتوں میں مؤمنین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے وعید ہے اور قرآن مجید کی تعظیم ہے۔

(۳) اس سے پہلی سورت میں یہ بتایا تھا کہ مشرکین نے اپنے سینوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے خلاف جو بغض اور عناد چھپایا ہوا ہے' اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اس سورت میں یہ بتایا کہ اس سے پہلی امتوں کے کافروں کا بھی یہی طریقہ تھا' اس میں مشرکین کے لیے نصیحت ہے اور مؤمنوں کے دلوں کو مطمئن اور مضبوط رکھنا ہے۔

سورت البروج کے مشمولات

☆ البروج:۹۔۱ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی' قیامت کے دن کی' اور اپنی امتوں پر گواہی دینے والے نبیوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے: وہ ایک ایندھن والی آگ تھی جس نے مؤمنوں اور مؤمنات کو جلا ڈالا تھا تاکہ انہیں ان کے دین کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے۔

☆ البروج:۱۱۔۱۰ میں ان سرکش کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب کی وعید ہے اور مؤمنین کے لیے جنتوں کی بشارت ہے۔

☆ البروج:۲۲۔۱۲ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی عظمت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اعداد سے اس کے انتقام لینے کی قدرت بیان فرمائی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۷ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۵ ہے۔

سورت البروج کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں ''والسماء ذات البروج''

اور ''والسماء والطارق'' کی تلاوت کرتے تھے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عشاء کی نماز میں ان سورتوں کی تلاوت کی جائے جن کے شروع میں ''والسماء'' کا ذکر ہے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں ''والسماء والطارق'' اور ''والسماء ذات البروج'' پڑھتے تھے۔(مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۳)

سورۃ البروج سے مقصود

اس سورت کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو تسلی دی جائے کہ وہ کفار کی ایذا رسانیوں سے ہراساں اور پریشان نہ ہوں' کیونکہ سابقہ امتوں کے کفار بھی کفارِ مکہ کی طرح تھے' وہ نبیوں اور لوگوں کو ایذا پہنچاتے تھے جیسے ثمود' نمرود اور فرعون تھے' اور نجران یمن میں ایک ظالم بادشاہ تھا' جس نے ایک نیک لڑکے کو ہلاک کروا دیا اور جو لوگ اس بادشاہ کی خدائی پر ایمان نہیں لائے ان کو زندہ آگ میں جلوا دیا۔ اس کا مفصل قصہ ان شاء اللہ! ہم البروج ۸۔۴ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

سورۃ البروج کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۱ شعبان ۱۴۲۶ھ/۱۶ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ البروج ۸۵ مکیۃ ۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٰیاتہا ۲۲ رکوعہا ۱

سورۃ البروج مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بائیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّ

برجوں والے آسمان کی قسم ○ اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے ○ اور حاضر کی (قسم) اور

مَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾

جس کو حاضر کیا جائے گا ○ خندقوں والے ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

جب وہ ان کے کنارے بیٹھے تھے ○ اور وہ مومنوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کا مشاہدہ

شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

کر رہے تھے ○ اور ان کو ان مومنوں کی صرف یہ بات ناگوار گزری کہ وہ اللہ پر ایمان لائے، جو غالب

الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

حمد کیا ہوا ہے ○ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے، اور اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

چیز پر نگہبان ہے ○ بے شک جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو (آگ کی)

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ ﴿۱۰﴾

مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ

جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○ بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت

لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾

سخت ہےO بے شک وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گاO وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہےO

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتٰىكَ

عظمت والے عرش کا مالک ہے O جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O کیا آپ کے پاس

حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لشکروں کی خبر پہنچی؟ O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب

فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ

کے درپے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ قرآن

قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ ع ۱ ۲۲ ۱۰

بہت عظمت والا ہےO لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: برجوں والے آسمان کی قسمO اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہےO اور حاضر کی اور جس کو حاضر کیا جائے گاO (البروج: ۳۔۱)

البروج: ا میں اللہ تعالیٰ نے برجوں والے آسمان کی قسم کھائی''بروج'' ''برج'' کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ درج ذیل ہے:

''بروج'' کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

''بروج'' ''برج'' کی جمع ہے۔اس کے معنیٰ بلند عمارت اور محل ہیں۔گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے اس کو برج کہتے ہیں۔علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے۔سات سیارگان یہ ہیں: قمر' زحل' عطارد' شمس' مشتری' مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں' وہ سادہ ہے' اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں' وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔کہیں یہ شکل شیر کی سی بنی جاتی ہے' اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے' اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے' اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔یہ کل بارہ برج ہیں' حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت۔سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔گرمی' سردی' بہار اور خزاں' یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۳۔۳۲ ملخصاً وموضحاً)

ترقی اردو بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں لکھا ہے:

سیارہ کا دائرہ گردش جسے اس کا گھر' مقام یا منزل کہتے ہیں' آسمانی دائرہ کے بارہ حصوں میں سے ہر ایک راس ہے۔ قدیم ہیئت دانوں نے ستاروں کے مقامات سمجھنے کے لیے منطقہ یا راس منڈل (فضا) کے بارہ حصے کیے ہیں۔ ہر حصہ میں جو ستارے واقع ہیں ان کی اجتماعی صورت سے جو شکل بنتی ہے' اس حصہ کا نام اسی شکل پر رکھ دیا گیا ہے' مثلاً چند ستارے مل کر شیر کی سی شکل بناتے ہیں' اس حصہ کا نام برج اسد رکھ لیا گیا ہے۔ (اُردو لغت ج ۲ ص ۹۹۵' مطبوعہ محیط اُردو پریس' کراچی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں' اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔ مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔ (تفسیر منیر ج ۱۴ ص ۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

''بروج'' کے مصادیق میں اقوالِ مفسرین

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

کسی عمارت کو مضبوط بنانے کے لیے اس کی ایک طرف پر جو گنبد بنایا جاتا ہے اس کو برج کہتے ہیں' اور بعض نے کہا: برج کا معنی محل ہے اور بعض نے کہا: برج کا معنی ستارے ہیں اور بعض نے کہا: یہ سورج' چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہیں اور ان کی منازل بروج ہیں۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۲۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بروج کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) یہ مشہور بارہ برج ہیں' ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں بہت عجیب حکمت ہے کیونکہ ان بروج میں سورج حرکت اور دورہ کرتا ہے اور اس جہان کے فوائد سورج کے دورہ پر موقوف ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان بروج کا خالق زبردست حکیم ہے۔

(۲) بروج چاند کی منازل ہیں اور ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان بروج میں چاند دورہ کرتا ہے اور چاند کی حرکت سے آثارِ عجیبہ وجود میں آتے ہیں۔

(۳) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور ان کو ان کے ظہور کی وجہ سے بروج فرمایا ہے کیونکہ بروج کا لغوی معنیٰ ہے: ظہور۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۰۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: بروج کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) الحسن' قتادہ' مجاہد اور ضحاک نے کہا: بروج سے مراد ستارے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' عکرمہ اور مجاہد نے کہا: بروج سے مراد محلات یا قلعے ہیں' عکرمہ نے کہا: یہ محل آسمان میں ہیں' مجاہد نے کہا: بروج میں محافظ ہیں۔

(۳) المنہال بن عمرو نے کہا: وہ کوئی خوب صورت مخلوق ہے۔

(۴) ابو عبیدہ اور یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ منازل ہیں' اور یہ بارہ برج ہیں جو ستاروں' سورج اور چاند کی منازل ہیں' قمر ہر برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے اور یہ اٹھائیس دن ہیں اور دو راتیں چھپا رہتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ

چلتا رہتا ہے اور ان بارہ برجوں کے یہ اسماء ہیں: (۱) الحمل (۲) الثور (۳) الجوزاء (۴) السرطان (۵) الاسد (۶) السنبلۃ (۷) المیزان (۸) العقرب (۹) القوس (۱۰) الجدی (۱۱) الدلو (۱۲) الحوت۔

کلام عرب میں ''البروج'' کا معنیٰ ہے: ''القصور'' یعنی محلات یا قلعے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۲۴۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بارہ برجوں کے معانی

(۱) الحمل کا معنیٰ ہے: بکری کا بچہ موسم بہار کے برجوں میں سے ایک برج (۲) ثور کا معنیٰ ہے: بیل (۳) الجوزاء کا معنیٰ ہے: سیاہ بکری جس کے درمیان میں سفیدی ہو (۴) السرطان کا معنیٰ ہے: کیکڑا ایسا پھوڑا جس کی رگیں کیکڑے کے پاؤں کی طرح دکھائی دیتی ہیں کینسر (۵) الاسد کا معنیٰ ہے: شیر (۶) السنبلہ کا معنیٰ ہے: گندم کا خوشا یا گچھا (۷) المیزان کا معنیٰ ہے: ترازو (۸) العقرب کا معنیٰ ہے: بچھو (۹) القوس کا معنیٰ ہے: کمان (۱۰) الجدی کا معنیٰ ہے: پہلے سال کا بکری کا بچہ یہ برج الدلو کے متصل ہے (۱۱) الدلو کا معنیٰ ہے: ڈول (۱۲) الحوت کا معنیٰ ہے: مچھلی۔

یعنی آسمان پر بعض جگہ ستاروں کے اجتماع سے بکری کے بچہ کی شکل بن جاتی ہے کہیں بیل کی شکل بن جاتی ہے کہیں بکری کی شکل بن جاتی ہے اور کہیں کیکڑے کی شکل بن جاتی ہے علیٰ ہٰذا القیاس یہ شکلیں رصدگاہ میں قوی دوربین سے نظر آتی ہیں علماء ہیئت نے اپنی آسانی کے لیے ان شکلوں کے یہ نام رکھ لیے ہیں۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے الجوزاء اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے السرطان قمر کی منزل ہے الاسد شمس کی منزل ہے القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے اور الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج۳ص۲۵۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

ستاروں کی بروج میں انگریزی مہینوں کے اعتبار سے گردش

ماہرین علم نجوم کے اعتبار سے درج ذیل مہینوں میں ستارے ان بروج میں گردش کرتے ہیں تاہم یہ کوئی شرعی اور حتمی چیز نہیں ہے:

(۱) اپریل: الحمل	ARIES	(۲) مئی: الثور	TAURUS
(۳) جون: الجوزاء	GEMINI	(۴) جولائی: السرطان	CANCER
(۵) اگست: الاسد	LEO	(۶) ستمبر: السنبلہ	VIRGO
(۷) اکتوبر: المیزان	LIBRA	(۸) نومبر: العقرب	SCORPIO
(۹) دسمبر: القوس	SAGITTARIUS	(۱۰) جنوری: الجدی	CAPRICORN
(۱۱) فروری: الدلو	AQUARIUS	(۱۲) مارچ: الحوت	PISCES

البروج:۲ میں فرمایا: اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے O

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے آسمان والوں اور زمین والوں سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ان سب کو جمع کیا جائے گا۔

البروج:۳ میں فرمایا: اور حاضر کی (قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا O

''شاھد'' اور ''مشھود'' کے مصادیق کا قرآن مجید' احادیث اور آثار سے تعین

اس آیت میں ''شاھد'' کا لفظ ہے' جس کا معنیٰ ہے: حاضر اور ''مشھود'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: جس کو حاضر کیا گیا ہو۔

''شـاهـد'' اور ''مشهـود'' کے مصداق میں اختلاف ہے' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''شاھد'' سے مراد جمعہ کا دن ہے اور ''مشھود'' سے مراد عرفہ کا دن ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن کا وعدہ کیا ہوا ہے وہ قیامت کا دن ہے اور ''یومِ مشھود'' یومِ عرفہ ہے اور ''شاھد'' یوم جمعہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دن اور ہر رات شاہد ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دن بھی بندے پر گزرتا ہے وہ اس سے ندا کر کے یہ کہتا ہے: اے ابن آدم! میں نو پیدا شدہ ہوں اور آج تم مجھ میں جو بھی عمل کرو گے میں اس پر شہید (گواہ) ہوں' سو تم مجھ میں نیک کام کرو کل میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا' سو اگر میں گزر گیا تو پھر تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گے اور رات بھی آنے کے بعد اسی طرح ندا کرتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۰۳' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۱۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ''شـاهـد'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۷۹) اور اللہ کافی شاہد (گواہ) ہے ۝

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۗ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ (الانعام: ۱۹) آپ کہیے کہ سب سے بڑی شہادت کس کی ہے؟ آپ کہیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ شہید (گواہ) ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور قول یہ ہے کہ ''شـاهـد'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ؕ (النساء: ۴۱) (اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید (گواہ) بنائیں گے ۝

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ۙ (الاحزاب: ۴۵) اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ۝

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ. (البقرہ: ۱۴۳) اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر شاہد ہوں گے' اور ان کی امت مشہود ہو گی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ. (النساء: ۴۱) اس وقت آپ کی کیا شان ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اس کے اوپر شاہد ہیں:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ٢٤)
جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ○

انسان کا مال بھی اس کے خلاف شاہد ہوگا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے اور وہ مسلمان کیسا اچھا ہے جو اس مال سے مسکین کو یتیم کو اور مسافر کو دیتا ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس مال کو ناحق طریقہ سے لیتا ہے وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور وہ مال اس شخص کے خلاف گواہ ہوگا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٦٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٥٢' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ٦٤٢٧' مسند احمد ج ٣ ص ٩١)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن مشہود ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ (درود) پڑھا کرو کیونکہ یہ دن مشہود ہے' اس دن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٦٣٧)

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام شاہد ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فرمایا:

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ٨١)
فرمایا: پس تم سب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر) گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خندقوں والے ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○ جب وہ ان کے کنارے بیٹھے تھے ○ اور وہ مؤمنوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے ○ (البروج: ٧۔٤)

''اخدود'' کا معنیٰ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی' قیامت کے دن کی اور شاہد اور مشہود کی قسم کھائی ہے' اس کا جواب محذوف ہے یعنی ان چیزوں کی قسم! تم ضرور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جاؤ گے۔

البروج: ٤ میں ''اخدود'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زمین میں لمبا چوڑا گڑھا جیسے خندق' اس کی جمع ''اخادید'' ہے۔

البروج: ٥ کا معنیٰ ہے: اس خندق میں ایندھن ڈال کر آگ بھڑکائی گئی۔

البروج: ٦ کا معنیٰ ہے: جن لوگوں نے اس خندق میں آگ بھڑکائی تھی وہ اس خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اس میں مؤمنوں کو ڈال رہے تھے۔

نجران یمن کے شمال میں ایک شہر ہے' جو نجران بن زیدان کی طرف منسوب تھا' اس شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت میں یہ واقعہ پیش آیا' اس واقعہ کو امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ ھ نے اس طرح روایت کیا ہے:

اصحاب اخدود کے واقعہ کی تفصیل میں صحیح حدیث

امام مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک جادوگر تھا' جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں' آپ میرے

پاس کوئی لڑکا بھیج دیجئے' میں اس کو جادو کی تعلیم دے دوں' بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے ایک لڑکا بھیج دیا' جب وہ جاتا تو اس کے راستے میں ایک راہب پڑتا تھا' وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سنتا تھا اور اسے اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور جب وہ جادوگر کے پاس پہنچتا تو (تاخیر کے سبب) جادوگر اس کو مارتا' لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی' راہب نے اس سے کہا: جب تم کو ساحر سے خوف ہو تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے خوف ہو تو کہہ دینا ساحر نے مجھے روک لیا تھا' یہ سلسلہ یونہی تھا کہ اسی اثناء میں ایک بڑے درندے نے لوگوں کا راستہ بند کر لیا' لڑکے نے سوچا کہ آج میں آزماؤں گا کہ آیا ساحر افضل ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! اگر تجھ کو راہب کے کام ساحر سے زیادہ پسند ہیں تو اس جانور کو قتل کر دے تاکہ لوگ گزرنے لگیں' اس نے پتھر مار کر اس جانور کو قتل کر ڈالا اور لوگ گزرنے لگے' پھر اس نے راہب کے پاس جا کر اس کو خبر دی' راہب نے اس سے کہا: اے بیٹے! آج تم مجھ سے افضل ہو گئے ہو' تمہارا مرتبہ وہاں تک پہنچ گیا جس کو میں دیکھ رہا ہوں' عنقریب تم مصیبت میں گرفتار ہو گے' جب تم مصیبت میں گرفتار ہو تو کسی کو میرا پتا نہ دینا' یہ لڑکا مادرزاد اندھے اور برص والے کو ٹھیک کر دیتا تھا' اور لوگوں کی تمام بیماریوں کا علاج کرتا تھا' بادشاہ کا ایک مصاحب اندھا تھا' اس نے یہ خبر سنی تو وہ اس کے پاس بہت سے ہدیے لے کر آیا' اور کہا: اگر تم نے مجھے شفا دے دی تو میں یہ سب چیزیں تم کو دے دوں گا' لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا تو اللہ دیتا ہے' اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ تم کو شفا دے گا' وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اللہ نے اس کو شفا دے دی' وہ بادشاہ کے پاس گیا اور پہلے کی طرح اس کے پاس بیٹھا' بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمہاری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے' بادشاہ نے کہا: کیا میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا: میرا اور تمہارا رب اللہ ہے' بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس وقت تک اس کو اذیت دیتا رہا جب تک کہ اس نے اس لڑکے کا پتا نہ بتا دیا' پھر اس لڑکے کو لایا گیا' بادشاہ نے اس سے کہا: اے بیٹے! تمہارا جادو یہاں تک پہنچ گیا کہ تم مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرتے ہو' برص والوں کو تندرست کرتے ہو اور بہت کچھ کرتے ہو' اس لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا تو صرف اللہ دیتا ہے' بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کو اس وقت تک اذیت دیتا رہا جب تک کہ اس نے راہب کا پتا نہ بتا دیا' پھر راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ' راہب نے انکار کیا' اس نے آرا منگوایا اور اس کے سر کے درمیان میں رکھا اور اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے' پھر اس مصاحب کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ' اس نے انکار کیا' اس نے اس کے سر پر بھی آرا رکھا اور چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے' پھر اس لڑکے کو بلایا' اور اس سے کہا اپنے دین سے پھر جاؤ' اس لڑکے نے انکار کیا' بادشاہ نے اس لڑکے کو چند اصحاب کے حوالے کیا اور کہا: اس لڑکے کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ' اس کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھو' اگر یہ اپنے دین سے پلٹ جائے تو فبہا ورنہ اس کو اس چوٹی سے پھینک دینا' وہ لوگ اس لڑکے کو لے گئے اور پہاڑ پر چڑھ گئے' اس لڑکے نے دعا کی: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لے' اسی وقت ایک زلزلہ آیا اور وہ سب پہاڑ پر سے گر گئے' وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا گیا' بادشاہ نے پوچھا: جو تمہارے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا' بادشاہ نے اس کو پھر اپنے چند اصحاب کے حوالے کیا اور کہا: اس کو ایک کشتی میں سوار کرو' جب کشتی سمندر کے وسط میں پہنچ جائے تو اگر یہ اپنے دین سے لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اس کو سمندر میں پھینک دینا' وہ لوگ اس کو لے گئے' اس نے دعا کی: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لینا' وہ کشتی فوراً الٹ گئی' وہ سب غرق ہو گئے' اور وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا گیا' بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ جو گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا' پھر اس نے بادشاہ سے کہا: تم اس وقت تک مجھے قتل نہیں کر سکو گے جب تک کہ میرے کہنے کے

مطابق عمل نہ کرو' بادشاہ نے کہا: وہ کیا عمل ہے؟ لڑکے نے کہا: تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو' اور مجھے ایک درخت پر سولی کے لیے لٹکاؤ' پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالو' ایک تیر کو کمان کے چلّہ میں رکھ کر کہو: اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے' پھر مجھے تیر مارو' جب تم نے ایسا کر لیا تو وہ تیر مجھے ہلاک کر دے گا' سو بادشاہ نے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس کو ایک درخت کے تنے پر لٹکایا' پھر اس کے ترکش سے ایک تیر لیا' پھر اس تیر کو کمان کے چلّہ میں رکھا' پھر کہا: اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے' تب وہ تیر اس لڑکے کی کنپٹی میں پیوست ہو گیا' اس لڑکے نے تیر کی جگہ کنپٹی پر اپنا ہاتھ رکھا اور مر گیا' تمام لوگوں نے کہا: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' یہ خبر بادشاہ کو پہنچی اور اس سے کہا گیا: کیا تم نے دیکھا جس بات سے تم ڈرتے تھے' اللہ نے وہی تمہارے ساتھ کر دیا' تمام لوگ ایمان لے آئے' بادشاہ نے گلیوں کے دہانوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا' سو وہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ لگائی گئی اور کہا: جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو اس خندق میں ڈال دو یا اس سے کہا گیا کہ آگ میں داخل ہو جا' سو لوگ آگ کی خندقوں میں داخل ہو گئے' اخیر میں ایک عورت آئی' اس کے ساتھ ایک بچہ تھا' وہ اس میں گرنے سے جھجکی' اس کے بچہ نے کہا: اے ماں! ثابت قدم رہو' تم حق پر ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۵' الرقم المسلسل: ۷۳۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۶۱)

اصحاب الاخدود کے واقعہ کی تشریح

علامہ ابی مالکی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ راہب نے لڑکے سے کہا: جب تم کو ساحر سے خوف ہو تو کہنا: مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے خوف ہو تو کہنا: مجھے ساحر نے روک لیا تھا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ راہب نے اس کو جھوٹ کی تلقین کی' قاضی عیاض نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے جھوٹ بولنا جائز ہے' خصوصاً اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے اور جب کوئی شخص کسی کو دین سے روک رہا ہو تو اس موقع پر بھی جھوٹ بولنا جائز ہے' علامہ خطابی نے کہا: اس جواز کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راہب اور اس لڑکے کا یہ واقعہ ان کی مدح و ثنا کے طور پر بیان کیا ہے اور ان کے اسی فعل کو مقرر رکھا ہے' اگر یہ فعل غلط ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا غلط ہونا بیان کر دیتے۔

اس حدیث میں ہے کہ جب اس لڑکے کو اذیت دی گئی تو اس نے راہب کا پتا بتا دیا' علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس لڑکے نے راہب کے قتل کی رہنمائی کیسے کی' جبکہ راہب نے اس سے یہ کہا بھی تھا کہ اگر تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ' پھر بھی میرا پتا نہ بتانا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لڑکا نابالغ تھا' اگر اس کو بالغ مان لیا جائے تو جواب یہ ہے کہ لڑکے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس راہب کو قتل کر دیا جائے گا اور راہب نے اپنا پتا بتانے سے منع کیا تھا لیکن لڑکے نے اس سے وعدہ نہیں کیا تھا' علاوہ ازیں لڑکا اذیت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ لڑکے نے بادشاہ کو یہ بتایا کہ وہ اس کو کس طریقہ سے قتل کر سکتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس لڑکے نے اپنے قتل پر معاونت کی اور یہ جائز نہیں ہے' قاضی عیاض نے کہا: لڑکے نے یہ رہنمائی اس لیے کی تھی کہ تمام لوگوں میں اللہ پر ایمان لانے کی حقانیت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس دلیل کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لے آئیں' اور ایسا ہی ہوا' علامہ خطابی نے اس کے جواب میں کہا: وہ لڑکا نابالغ تھا یا اس نے اس وجہ سے رہنمائی کی کہ اس کو یقین تھا کہ وہ مآل کار قتل کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں اس بچہ کا ذکر ہے جس نے طفولیت میں کلام کیا' اور یہ اس قسم کے چھ بچوں میں سے ایک ہے۔ قاضی

عیاض نے کہا: اس حدیث میں مصائب پر اولیاء اللہ کے صبر کا بیان ہے اور یہ کہ دین کی تبلیغ میں اللہ کے نیک بندوں پر مصائب آتے ہیں اور یہ کہ خطرہ کے وقت بھی اپنے دین کا اظہار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس سے دعا کرنی چاہیے اور اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامات کا بیان ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۴۷۰-۴۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

جان جانے کے خوف کے باوجود کلمہ کفر نہ کہنے کی عزیمت

اللہ عزوجل نے اس آیت میں اس امت کے مؤمنین کو یہ بتایا ہے کہ ان سے پہلے موحدین کو اللہ کی راہ میں کتنی مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس لڑکے کا ذکر کیا تا کہ اگر ان کو دین کی راہ میں تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنا پڑے تو وہ ان پر صبر کریں اور ان کے اندر حوصلہ پیدا ہو اور وہ اس لڑکے کو اپنے لیے اسوہ' نمونہ اور اپنا آئیڈیل بنائیں' اور دین حق پر مضبوطی سے جمے اور ڈٹے رہیں اور دین حق کی تبلیغ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کریں اور جس طرح اس لڑکے نے اپنی کم سنی کے باوجود حق کی راہ میں صبر کیا' اسی طرح اس راہب نے بھی صبر کیا' حتیٰ کہ اس کو آری سے کاٹ ڈالا گیا' اسی طرح اور بہت لوگ جو اللہ پر ایمان لائے تھے اور ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا' انہوں نے عزم اور ہمت سے کام لیا' حتیٰ کہ ان کو آگ میں ڈال دیا گیا اور ان کے پائے استقلال میں جنبش نہیں آئی۔

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے کہ ایمان بچانے کے لیے جان دینے کا عمل اب منسوخ ہو چکا ہے (دل میں ایمان رکھ کر زبان سے کلمۂ کفر کہہ دینا چاہیے تا کہ جان بچائی جا سکے)۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۳۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور جس شخص میں حوصلہ اور ہمت ہو اور وہ جان جانے کی پرواہ کیے بغیر دین حق پر جم سکے اور ڈٹ سکے' اس کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ ہے اور یہی عزیمت ہے کہ وہ کلمۂ کفر نہ کہے خواہ اس کی جان چلی جائے۔

قرآن مجید میں ہے' حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ (لقمان: ۱۷)

اے میرے پیارے بیٹے! تم نماز قائم رکھنا اور نیک کاموں کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور (اس معاملہ میں) تم پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱)

محمد بن سنجر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی' آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرنا' خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۴، امام طبرانی کی سند میں ایک راوی یزید بن سنان رہاوی ہے' امام بخاری وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور اکثر نے اس کی تضعیف کی ہے)

جان جانے کے خطرہ سے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت، جب کہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو

ہاں! اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہہ دے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس کو جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت ہے البتہ عزیمت پہلی صورت ہے، قرآن مجید میں ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا، سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، ہاں! جو لوگ کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۝

اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہے:

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو ان کے والد یاسر کو اور ان کی ماں سمیہ کو اور حضرت صہیب کو، حضرت بلال کو، حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کی اندام نہانی کے آر پار کر دیا اور ان سے کہا: تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو، سو ان کو قتل کر دیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کر دیا، یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا اور رہے عمار تو ان سے انہوں نے جبریہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا ہے تو آپ نے فرمایا: بے شک عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے، اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے، پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اگر وہ دوبارہ تم سے جبراً کلمہ کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث:۵۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷، تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۱۹۴۶)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا، تب ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت عمار نے کہا: بہت برا ہوا، یا رسول اللہ! انہوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ میں آپ کو برا کہوں اور ان کے بتوں کو اچھا کہوں۔ آپ نے پوچھا: تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ تمہیں دوبارہ مجبور کریں تو دوبارہ کہہ دینا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۳۳۶۲ طبع جدید، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا، وہ سات افراد تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت سمیہ (حضرت عمار کی والدہ) اور حضرت صہیب۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا نے کیا۔ حضرت ابوبکر کا دفاع ان کی قوم نے کیا، باقی پانچوں کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں تپانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی

پوری کوشش سے ان کو عذاب پہنچایا' پھر حضرت بلال کے سوا سب نے جان بچانے کے لیے ان کی موافقت کر لی پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک قوم آئی اور ان کو ایک چمڑے پر ڈال کر لے گئی' پھر شام کو ابوجہل آیا اور حضرت سمیہ کو گالیاں دینے لگا' پھر اس نے ان کی اندام نہانی میں نیزہ مارا جو ان کے منہ کے پار ہو گیا۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی سب سے پہلی
خاتون تھیں۔ حضرت بلال نے کفار کی موافقت کرنے کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کو آسان سمجھا' کفار نے ان کے 42
گلے میں رسی ڈال کر بچوں کو تھما دی' وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد' احد (اللہ ایک ہے) پکارتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۴۸۔۴۷' مسند احمد ج ۱ص ۴۰۴' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۳۲' طبع جدید' عالم الکتب' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۲۸۲۔۲۸۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میرے پاس سے منتشر ہو جاؤ' پس جس شخص کے پاس طاقت ہے وہ آخر رات تک ٹھہر جائے اور جس کے پاس طاقت نہیں ہے وہ رات کے پہلے حصہ میں چلا جائے اور جب تم یہ سن لو کہ میں اس جگہ ٹھہر گیا ہوں تو مجھ سے آکر مل جانا۔ جب صبح ہوئی حضرت بلال' حضرت خباب' حضرت عمار اور قریش کی ایک کنیز جو اسلام لا چکی تھی' ان سب کو ابوجہل اور دوسرے مشرکین نے پکڑ لیا۔ انہوں نے حضرت بلال سے کہا: تم کفر کرو۔ انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں دھوپ میں تپایا' وہ ان کو گھسیٹ رہے تھے اور وہ احد' احد کہہ رہے تھے۔ حضرت خباب کو وہ کانٹوں میں گھسیٹ رہے تھے اور رہے حضرت عمار تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ لیا اور قریش کی اس کنیز کے جسم میں ابوجہل نے چار کیلیں ٹھونکیں' پھر اس کو گھسیٹا' پھر ان کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا' پھر حضرت بلال' حضرت خباب اور حضرت عمار' رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے حضرت عمار سے پوچھا: جب تم نے کلمہ کفر کہا تھا تو تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کیا تم نے کھلے دل سے کلمہ کفر کہا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ'' (النحل: ۱۰۶)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۶۶' الدر المنثور ج ۵ص ۱۷۱۔۱۷۰)

البروج: ۴ میں فرمایا ہے: خندقوں والے ہلاک کیے جائیں O

خندق کھودنے والوں کا انجام

یہ دعائیہ کلمہ ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ دعا تو عاجز انسان کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ عاجز نہیں ہے' ہر چیز پر قادر ہے' پھر اس کا یہ فرمانا کس طرح صحیح ہوگا کہ خندقوں والے ہلاک کر دیئے جائیں یا ان کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مؤمنوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ انہیں اصحاب الاخدود کے متعلق یہ دعا کرنی چاہیے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اصحاب الاخدود سے مراد خندقیں جلانے والے نہیں ہیں' بلکہ خندقوں میں جلنے والے مؤمنین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ ان کو قتل کر دیا گیا یعنی آگ میں جلا دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ان ظالموں کے انجام کی خبر دی ہے' کیونکہ روایت ہے کہ جن مؤمنوں کو خندق میں ڈالا گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی روحوں کو آگ میں پہنچنے سے پہلے قبض فرما لیا اور آگ نے خندق سے نکل کر ان لوگوں کو جلا ڈالا' جو خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے' ایک قول یہ ہے کہ مؤمنین نجات پا گئے اور خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے کفار جل گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۲۵۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

42

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو ان مؤمنوں کی صرف یہ بات ناگوار گزری کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو غالب' حمد کیا ہوا ہے O جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O بے شک جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے O (البروج: ۱۱۔۸)

خندق میں ڈالنے والے کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب اور جلنے کی وعید اور مؤمنوں کے لیے جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت

نجران کے بادشاہ اور اس کے جن کارندوں نے مؤمنوں کو جلایا تھا' ان کو صرف یہ بات بُری لگی کہ ان کے ملک کے مؤمنین اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق پر قائم رہے اور ان کو ڈرانے اور دھمکانے سے توحید کی تصدیق سے دست کش نہیں ہوئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''العزیز'' ذکر فرمائی ہے' ''العزیز'' کا معنیٰ ہے: ایسا غالب جو کبھی مغلوب نہ ہو اور ایسا قاہر جس کے قہر کو ٹالا نہ جاسکے اور دوسری صفت ''الحمید'' ذکر کی ہے' ''حمید'' کا معنیٰ ہے: جو اپنے مؤمن بندوں کی زبانوں سے حمد اور ثنا کا مستحق ہو' ہر چند کہ بعض چیزوں کی تسبیح عام لوگوں کو سنائی نہیں دیتی لیکن اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ان چیزوں کی تسبیح بھی سنتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ. ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۴۴)

البروج: ۹ میں فرمایا: جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O

اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور وہی ان کا خالق اور مدبر ہے اور اگر وہ چاہے تو ان کو فنا کر دے اور جب اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ متصف ہے تو وہی اس لائق اور مستحق ہے کہ اس کے اوپر ایمان لایا جائے تو کفار کا اس پر ایمان لانے کو قابل سزا جرم قرار دینا اور مؤمنوں کو آگ کی خندق میں ڈالنا قطعاً باطل اور ظلم عظیم ہے۔

البروج: ۱۰ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی' ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O

اس آیت میں ''فتنة'' کا لفظ ہے' ''فتنة'' کا معنیٰ ہے: ابتلاء اور امتحان' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کفار نے مؤمنوں کو امتحان میں مبتلا کیا اور کفر نہ کرنے پر آگ کی خندق میں ڈال دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ ''فتنة'' کا معنیٰ آگ میں جلانا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: جن لوگوں نے مؤمنوں کو آگ میں جلا دیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا: پھر انہوں نے توبہ نہیں کی' یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیتے تو وہ اس وعید سے نکل آتے اور ان کو آخرت میں دوزخ کا عذاب نہ ہوتا' اور اس آیت میں یہ قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے' حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو اسلام اور شرف صحابیت سے مشرف کر دیا۔

اس آیت میں خندق میں مؤمنوں کو ڈالنے والے ظالموں کے لیے دو عذابوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک دوزخ کا عذاب ہے

اور ایک جلنے کا عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دو جرم تھے: ایک کفر تھا اور دوسرا مؤمنوں کو جلانے کا تھا' ہر چند کہ دوزخ میں بھی جلانے کا عذاب ہے لیکن ان کو اس عذاب کے علاوہ شدید نوعیت کے جلانے کا عذاب بھی دیا جائے گا۔

البروج: ۱۱ میں فرمایا: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے O

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں مؤمنوں کے لیے جنت کے ثواب کی بشارت سنا رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی اور ''الفوز الکبیر'' (بہت بڑی کامیابی) کی بھی بشارت دی ہے' اور بہت بڑی کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو جنت میں جانے کے بعد حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے O بے شک وہ ہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا O وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے O عظمت والے عرش کا مالک ہے O جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی؟ O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب کے درپے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے O لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے O (البروج: ۲۲۔۱۲)

اللہ تعالیٰ کی عظیم اور منفرد صفات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید اور مؤمنوں کے لیے جنت کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا اور اب تاکید کے لیے دوبارہ وعد اور وعید کا ذکر فرما رہا ہے۔

البروج: ۱۲ میں یہ ذکر ہے کہ آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے' اس آیت میں ''بطش'' کا لفظ ہے' ''بطش'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو شدت کے ساتھ پکڑنا اور جب اس کی صفت شدت ہوگی تو اس کا معنیٰ ہے: کسی کو بہت زیادہ ملامت کرنا اور اس کو بہت سختی کے ساتھ پکڑنا۔

البروج: ۱۳ میں فرمایا: بے شک وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا O

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر ان کو فنا کر دے گا' پھر ان کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع فرمائے گا تا کہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دوزخ والوں کو آگ کھا لے گی حتیٰ کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو نئے سرے سے پیدا فرما دے گا اور اس آیت سے یہی معنیٰ مراد ہے۔

البروج: ۱۴ میں فرمایا: وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے O

معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے لیے غفور ہے' جو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ پر توبہ کرے اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً غفور ہے' جو اپنے گناہوں پر توبہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے اور جو توبہ نہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے' کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

شرک سے کم گناہ کو بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قید نہیں لگائی' اس سے معلوم ہوا کہ شرک سے کم گناہ (گناہ کبیرہ) کی بخشش عام ہے خواہ توبہ کے ساتھ ہو خواہ بغیر توبہ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے: کیونکہ توبہ کرنے والے کی مغفرت واجب ہے اور جو کام واجب ہو اس پر مدح نہیں کی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کو بہ طور مدح ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بہت بخشنے والے سے مراد ہے: وہ بغیر توبہ کے بخشنے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۱۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے توبہ کو قبول کرنا محض اس کا فضل و کرم ہے اگر وہ کسی کی توبہ قبول نہ کرے تو اس سے کون باز پرس کر سکتا ہے اس کا بخش دینا بہرحال اس کا فضل ہے خواہ وہ توبہ سے بخشے یا بغیر توبہ کے۔

''الـودود'' کے معنیٰ میں کئی اقوال ہیں اکثر مفسرین نے کہا: ''الـودود'' کا معنیٰ ہے: محبت کرنے والا کلبی نے کہا: ''الـودود'' کا معنیٰ ہے: جو اپنے دوستوں کی مغفرت کر کے ان سے محبت کرے ازہری نے کہا: اللہ کے نیک بندوں سے اللہ محبت کرتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے قفال نے کہا: ''الودود'' کا معنیٰ حلیم ہے۔

البروج: ۱۵ میں فرمایا: عظمت والے عرش کا مالک ہے O

اس آیت میں ''عـرش'' کا لفظ ہے بادشاہ کا تخت اس کی سلطنت اور اقتدار سے کنایہ ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عرش مراد ہو اور اللہ عزوجل نے آسمانوں کے اوپر اپنا بہت عظیم تخت بنایا ہو جس کی عظمت اور جلالت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو۔

اس آیت میں ''مـجـیـد'' کا لفظ ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ تعالیٰ مجد اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہو جس طرح قرآن مجید (البروج: ۲۱) میں ''مجید'' قرآن کی صفت ہے۔

البروج: ۱۶ میں فرمایا: جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ جس کام کو مناسب جانتا ہے اس کو کرنے والا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور اس کے کام میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا وہ اپنے مؤمن بندوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کوئی اس کو اس سے روک نہیں سکتا اور وہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کوئی ان کو دوزخ سے بچا نہیں سکتا اور وہ گناہ گار مؤمنوں میں سے جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے کر اس کو معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا اس کے اوپر دنیا میں کوئی مصیبت ڈال کر اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں عذاب دے گا اور پھر جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو اپنے مقربین میں سے کسی کی شفاعت سے معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو محض اپنے فضل سے معاف فرما دے گا غرض دنیا اور آخرت میں وہ مالک اور مختار ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ کرے گا۔

عہد رسالت اور اس سے پہلے کے مکذبین کی سرشت

البروج: ۲۰۔۱۷ میں فرمایا: کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی؟O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب کے در پے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار نے خندق کھود کر آگ جلائی اور اس میں مؤمنوں کو ڈال دیا اب یہ بتایا کہ ان سے پہلے جو کفار تھے وہ بھی اسی طرح مؤمنوں پر ظلم کرنے والے تھے اپنے اپنے زمانے میں فرعون اور ثمود بھی مؤمنوں پر ظلم کرتے تھے اس سے پہلی سورتوں میں قوم فرعون اور ثمود کے واقعات گزر چکے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں کفار مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ کارروائی کرتے رہے ہیں۔

اور فرمایا: اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کا اقتدار تمام کفار کو محیط ہے' کوئی کافر اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو فوراً ہلاک کر دے اور آپ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر فوراً عذاب نازل کر دے' سو آپ ان کی تکذیب کی وجہ سے نہ گھبرائیں' جب اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہے گا تو اس کو ایک پل بھی دیر نہیں لگے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب آ پہنچی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

البروج: ۲۱ میں فرمایا: بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے O

قرآن مجید کی فضیلت

یہ قرآن تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سعادت اور دوسری قوم کی شقاوت کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ فلاں قوم کو فلاں قوم سے ضرر پہنچے گا' یہ قرآن شرف' کرم اور برکت میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا کی بھلائی میں جن احکام کی ضرورت ہوتی ہے' وہ تمام احکام اور ہدایات اس میں مذکور ہیں' یہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے اسی زبان میں اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک اسی زبان میں محفوظ رہے گی' اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی اور نہ اس کی کسی سورت یا آیت کی اب تک کوئی نظیر لائی جا سکی اور نہ قیامت تک لائی جا سکے گی' قرآن مجید کے سوا اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہو اور اس کو حفظ کیا جاتا ہو اور ہر سال اس کو نماز (تراویح) میں ذوق وشوق سے سنا اور سنایا جاتا ہو۔

البروج: ۲۲ میں فرمایا: لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے O

لوحِ محفوظ کی تعریف میں اقوالِ مفسرین

قرآن مجید لوح میں مکتوب ہے اور شیاطین کی دسترس سے محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوح سرخ یاقوت کی تختی ہے' اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے' اس کی کتابت نور ہے' اس کا قلم نور ہے' اللہ عزوجل ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے' اور ہر نظر سے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے' ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے' یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی بنا دیتا ہے' کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطا کرتا ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: لوحِ محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور ان کے متعلق تمام اُمور کا ذکر ہے' اس میں ان کی موت کا' حیات کا' ان کے رزق کا' ان کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے اُمور کا ذکر ہے' اور ان کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی اُمّ الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوحِ محفوظ میں لکھی' وہ یہ ہے: میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' محمد میرے رسول ہیں' جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا' میں نے اس کو صدیق لکھا ہے اور اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے

میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا' وہ مجھے چھوڑ کر جس کو چاہے اپنا معبود بنا لے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص ۲۵۷۔۲۵۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے: قرآن مجید لوحِ محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌۙ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍۙ۝ یہ قرآن کریم ہے○ جو پوشیدہ کتاب میں ہے○

(الواقعہ: ۷۸۔۷۷)

ہوسکتا ہے کہ لوحِ محفوظ اور کتابِ مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ ہو کہ یہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ۝ (الواقعہ: ۷۹) اس کو مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا○

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ ملائکہ مقربین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے' کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تغیر اور تبدل سے محفوظ ہو۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ لوح وہ چیز ہے جو فرشتوں کے لیے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس کو پڑھتے ہیں اور جب کہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد ہیں تو ان کی تصدیق واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ص ۱۱۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ البروج کا اختتام

آج تیرہ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار بعد از نمازِ عصر سورۂ بروج کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم

سورة الطارق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الطارق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں "الطارق" کا لفظ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ (الطارق:۱) آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے کی قسم ۝

"الطارق" اس روشن ستارے کو کہتے ہیں جو رات کو طلوع ہوتا ہے یہ ستارہ دن میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور رات کو ظاہر ہوتا ہے اسی طرح لغت میں رات میں آنے والے کو طارق کہتے ہیں۔

سورۃ الطارق کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۶ ہے اور تلاوت کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۶ ہے۔

سورۃ الطارق کے متعلق احادیث

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف کے بازار میں دیکھا' اس وقت آپ ایک لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوئے تھے' آپ ثقیف کے پاس گئے اور ان سے مدد طلب کی' حضرت خالد بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپ اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے: "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر لیا' میں نے اس سورت کو زمانۂ جاہلیت میں یاد رکھا' پھر اسلام لانے کے بعد اس کو پڑھا۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرۃ اور سورۂ نساء پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم لوگوں کو فتنہ میں ڈال رہے ہو! کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تم "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" پڑھو اور "والشمس وضحاھا" پڑھو یا ان کی مثل کوئی سورت پڑھو۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۰)

امام ابن مردویہ نے "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رات میں طلوع ہونے والے کی قسم کھائی ہے اور ہر وہ چیز جو رات میں آئے وہ "الطارق" ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۳۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الطارق کی سورۃ البروج کے ساتھ مناسبت

(۱) سورۃ الطارق اور سورۃ البروج دونوں کی ابتداء میں آسمان کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۲) دونوں سورتوں میں انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا ذکر ہے' سورۃ البروج میں فرمایا: "اِنَّهٗ هُوَ یُبۡدِئُ وَیُعِیۡدُ ۝" (البروج:۱۳) وہی ابتداءً پیدا فرماتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا اور سورۃ الطارق میں فرمایا: "اِنَّهٗ عَلٰی رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ۝" (الطارق:۸) بے شک اللہ اس کو دوبارہ لوٹانے پر ضرور قادر ہے۔

(۳) سورۃ البروج میں ہے: "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝" (البروج:۲۲۔۲۱) بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے اور اس سورت میں فرمایا ہے: "اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝" (الطارق:۱۳) یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔

سورۃ الطارق کے مشمولات

☆ سورۃ الطارق مکی ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں' مثلاً قیامت' لوگوں کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا' حساب کتاب' جزاء سزاء اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور جو ابتداءً کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہو وہ اس کو دوبارہ بھی پیدا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

☆ الطارق:۴۔۱ میں آسمان اور رات کو طلوع ہونے والے روشن ستاروں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے: ہر نفس کے اوپر فرشتے نگہبان ہیں۔

☆ الطارق:۸۔۵ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی موت کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً نطفہ سے پیدا کیا ہے اور جب وہ انسان کو ابتداءً پیدا کرسکتا ہے تو انتہاءً بھی پیدا کرسکتا ہے۔

☆ الطارق:۱۰۔۹ میں انسان کے حشر کا حال بیان فرمایا ہے کہ اس دن اللہ انسان کے دل کی پوشیدہ باتوں کا بھی حساب لے گا اور اس دن انسان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

☆ الطارق:۱۷۔۱۱ میں زمین اور آسمان کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید صادق ہے اور یہ حق اور باطل کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے والا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تکذیب کرنے والے کفار کو زجر و توبیخ کی اور شدید وعید سنائی ہے۔

سورۃ الطارق کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الطارق کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رَبّ العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۴ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

سورۃ الطارق ۸۶ — مکیۃ ۳۶ — آیاتہا ۱۷ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ الطارق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں سترہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجۡمُ

آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ۞ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟ ۞ (وہ) نہایت

الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ

روشن ستارہ (ہے) ۞ بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے ۞ سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ

مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ

وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ۞ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ۞ جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان

وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾

سے نکلتا ہے ۞ بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے ۞ جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ۞

فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿۱۱﴾

سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہو گی نہ اس کا کوئی مددگار ہو گا ۞ بارش والے آسمان کی قسم ۞

وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ

اور پھٹنے والی زمین کی قسم ۞ بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ۞ اور یہ کوئی

بِالۡهَزۡلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ۚۖ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ

مذاق نہیں ہے ۞ بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں ۞ اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں ۞ سو آپ

ع ۱۷ ۱۱ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ࣖ﴿۱۷﴾

کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں ۞

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ۞ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟ ۞ (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے) ۞ بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے ۞ (الطارق: ۴۔۱)

''طارق'' کا معنیٰ اور اس کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آسمان' سورج' چاند اور ستاروں کا ذکر بہت زیادہ کیا ہے' کیونکہ ان کی گردش میں' ان کے طلوع اور غروب میں اور دیگر احوال میں بہت عجائب اور غرائب ہیں اور دوسری مخلوقات کے لیے اس میں بہت منافع ہیں۔

''طارق'' کا معنیٰ ہے: رات کو آنے والا خواہ وہ ستارہ ہو یا کوئی اور چیز' ہو' دن میں آنے والے کو طارق نہیں کہتے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ستارے کو طارق اس لیے فرمایا ہے کہ وہ رات میں طلوع ہونے کے ساتھ مختص ہے اور عرب ہر اس شخص کو طارق کہتے ہیں جو رات کا قصد کرے۔ ''طرق'' کا اصل معنیٰ ہے: کوٹنا' اسی وجہ سے ہتھوڑے کو 'مطرقة'' کہتے ہیں اور رات میں آنے والے کو بھی اسی لیے 'طارق'' کہتے ہیں کہ وہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ کو کوٹنے اور کھٹکھٹانے کا محتاج ہوتا ہے۔

رات کو گھر میں داخل ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات میں آؤ تو فوراً گھر داخل نہ ہو' حتیٰ کہ تمہاری بیوی زیر ناف بال صاف کرے اور سر کے بکھرے ہوئے بال سنوارے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸)

نیز طارق کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

ابوالتیاح بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن خنبش التمیمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا' اس وقت وہ بوڑھے ہو چکے تھے: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں' میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں کیا کرتے تھے' جس رات میں شیاطین نے آپ کے خلاف سازش کی تھی اور مکر کیا تھا' یعنی آپ کو ایذاء پہنچانے کا حیلہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: اس رات شیاطین آپ کے پاس وادیوں اور گھاٹیوں سے نازل ہوئے' ان میں سے ایک شیطان تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا اور وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ جلانا چاہتا تھا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ پڑھیے' آپ نے پوچھا: میں کیا پڑھوں؟ حضرت جبریل نے کہا: آپ پڑھیے:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ینزل من السماء ومن شر ما یعرج فیھا ومن شر فتن اللیل والنھار ومن شر کل طارق الا طارقا یطرق بخیر' یا رحمٰن.

میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں' ہر اس شر سے جس کو اس نے پیدا کیا اور زمین میں منتشر کر دیا اور ہر اس شر سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ہر اس شر سے جو آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور ہر طارق (رات میں آنے والے) کے شر سے' سوا اس طارق کے جو خیر کے ساتھ آئے یا رحمٰن۔

پھر ان شیاطین کی آگ بجھ گئی اور ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکست دے دی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۴ ص ۲۰۰' رقم الحدیث: ۱۵۴۶۰' مؤسسة الرسالة' بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۸۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۴۴' اس حدیث کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس روایت میں جعفر بن سلیمان متفرد ہے اور اس کی روایات منکر ہیں)

الطارق: ۲ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟ ○

امام رازی فرماتے ہیں: ہر سننے والا یہ جانتا ہے کہ طارق سے مراد کیا ہے' سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے متعلق قرآن میں ہو'' وما ادرٰك '' اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی ہے اور ہر وہ چیز جس کے متعلق '' وما یدریك '' ہو اس کی خبر نہیں دی گئی جیسے یہ آیت ہے:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ○ اے مخاطب! تو کیا جانے ہوسکتا ہے کہ قیامت قریب ہو ○

(الشوریٰ:۱۷)

الطارق:۳ میں فرمایا: '' النَّجْمُ الثَّاقِبُ '' یعنی (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے) ○

'' النجم الثاقب '' کا معنیٰ اور مصداق اور سورۃ الطارق کا شانِ نزول

وہ ستارہ بہت بلند مرتبہ والا ہے' یہ وہ ستارہ ہے جس سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے' اس ستارے کو نہایت روشن ان وجوہ سے فرمایا ہے: (۱) ثاقب کا معنیٰ ہے: سوراخ کرنے والا اور یہ ستارہ اپنی روشنی سے اندھیرے میں سوراخ کر دیتا ہے' پھر اس میں نافذ ہو جاتا ہے اس کو '' دری '' بھی کہتے ہیں یعنی یہ اندھیرے کو دور کر دیتا ہے (۲) یہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اس کی روشنی ہوا میں اس طرح نفوذ کر جاتی ہے جیسے کوئی چیز کسی چیز میں سوراخ کر دیتی ہے اور ثاقب کا معنیٰ ہے: سوراخ کرنے والا (۳) یہی وہ ستارہ ہے کہ جب شیطان اس کو دیکھتا ہے تو یہ شیطان میں سوراخ کر دیتا ہے یعنی شیطان میں نفوذ کر کے اس کو جلا دیتا ہے (۴) الفراء نے کہا: '' النجم الثاقب '' کا معنیٰ ہے: وہ ستارہ جو تمام ستاروں سے بلند ہے کیونکہ جو پرندہ بہت اونچی پرواز کر کے آسمان کے قریب جا پہنچے' عرب اس کو '' ثاقب '' کہتے ہیں۔

اس ستارے کو '' الطارق '' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ رات میں طلوع ہوتا ہے اور رات میں آنے والے کو طارق کہتے ہیں اور یہ رات میں طلوع ہو کر جنات کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے یعنی جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں' ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ '' النجم الثاقب '' سے مراد کئی ستاروں کا مجموعہ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ○ '' (العصر:۲) بے شک انسان ضرور خسارے میں ہے' یا اس سے کوئی ایک معین ستارہ مراد ہے' ابن زید نے کہا: '' النجم الثاقب '' سے مراد ثریا ہے' الفراء نے کہا: اس سے مراد زحل ہے کیونکہ وہ اپنے نور سے سات آسمانوں میں سوراخ کر دیتا ہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد وہ شہاب ثاقب ہیں جن سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○ مگر جو شیطان (فرشتوں کی) کوئی بات اُچک کر بھاگے تو شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرتا ہے ○

(الصّٰفّٰت:۱۰)

آسمان دنیا پر زینت کے علاوہ ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے اس کی حفاظت کی جائے' پس جب شیطان آسمان پر فرشتوں کی کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں' جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی بہت آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روٹی اور دودھ دیا' جس وقت وہ بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے تو ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور پھر وہ آگ ہو گیا' ابو طالب نے گھبرا کر کہا: یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ستارے سے شیطان کو مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تو ابو طالب کو سخت تعجب ہوا' پھر یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الطارق: ۴ میں فرمایا: بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے O

انسان کے محافظ اور نگہبان کی تحقیق

اس آیت میں یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ محافظ کون ہے اور وہ کس چیز کی حفاظت کرتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل تفصیل ہے:

بعض مفسرین نے کہا کہ وہ محافظ اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے' اور ہر چیز کی بقا کا انتظام بھی اسی نے کیا ہے' اس نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی' بادلوں سے پانی برسایا' سورج کی تپش سے غلہ کو پکایا اور چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ پیدا کیا' اس نے انسان کی ہدایت کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابوں کو نازل فرمایا اور یوں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت اور اس کی حفاظت کا نظام وضع فرمایا' نیز زمین میں ایسی جڑی بوٹیاں پیدا فرمائیں جن سے انسان اپنی بیماریوں کا علاج کر سکے اور سورج اور چاند کی روشنی سے جنگلوں' صحراؤں اور سمندروں کے اندھیروں کو دور فرمایا' قرآن مجید میں ہے:

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۔ (یوسف: ۶۴) اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ محافظ فرشتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں فرشتوں کو انسان کا محافظ فرمایا ہے' وہ آیات درج ذیل ہیں:

فرشتوں کے اعمالِ بنی آدم لکھنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ (الانعام: ۶۱) اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ (الرعد: ۱۱) اس کے محافظ اور نگہبان انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں' جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ O مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ O (قٓ: ۱۸۔۱۷) جب (انسان کے ہر قول اور فعل) دو فرشتے لے لیتے ہیں ایک (اس کی) دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے O وہ جو بات بھی کرتا ہے اس کا محافظ فرشتہ اس کو لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے O

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ O كِرَامًا كَاتِبِيْنَ O يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ O (الانفطار: ۱۲۔۱۰) اور بے شک تم پر ضرور محافظ (فرشتے) مقرر ہیں O معزز لکھنے والے O وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو O

فرشتوں کے اعمالِ بنی آدم لکھنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک کاموں کا لکھنے والا مرد کی دائیں طرف ہوتا ہے اور بُرے کاموں کا لکھنے والا مرد کی بائیں طرف ہوتا ہے اور نیک کاموں کا لکھنے والا بُرے کاموں کے لکھنے والے پر امین (امیر) ہوتا ہے۔ جب انسان کوئی نیک کام کرتا ہے تو نیک کام لکھنے والا اس کو دس کام لکھتا ہے اور جب وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو نیک کام لکھنے والا فرشتہ بُرے کام لکھنے والے فرشتہ سے کہتا ہے: سات گھنٹوں تک اس کے بُرے کام کو نہ لکھو' شاید یہ تسبیح پڑھ لے یا استغفار کر لے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۷۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۵۰۔۷۰۴۹' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۴'

مجمع الزوائد ج ١٠ص ٢٠٨' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ١٢٠٩' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور ایک سند کی توثیق کی گئی ہے اور البانی نے کہا ہے: اس کی سند حسن ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ بُرے کام کا قصد کرے تو اس کو مت لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کی ایک بُرائی لکھو اور جب وہ نیک کام کا قصد کرے اور اس نیک کام کو نہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو' اور جب وہ نیک کام کرے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٢٨' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٠٧٣' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١١٨١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیک کام کرنے کا دل میں منصوبہ بناتا ہے تو جب تک وہ نیک کام نہیں کرتا' میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس نیک کام کو کر لیتا ہے تو میں اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جب وہ بُرے کام کا منصوبہ بناتا ہے تو جب تک وہ اس بُرے کام کو نہ کرے میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور جب وہ اس بُرے کام کو کرے تو میں اس کی ایک بُرائی لکھ دیتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: اے میرے رب! تیرا یہ بندہ بُرا کام کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس بندہ کو اس کی بُرائی پر خوب بصیرت ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انتظار کرو' اگر وہ بندہ اس بُرے کام کو کر لے تو اس کی ایک بُرائی لکھ دو اور اگر وہ اس بُرائی کو ترک کر دے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو' اس نے اس بُرائی کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اسلام میں نیک عمل کرے تو ہر نیک کام جو وہ کرتا ہے' اس کو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور ہر بُرے کام کو جو وہ کرتا ہے' اس کی صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٢٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نیک کام کا قصد کیا اور اس کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس نے نیک کام کا قصد کیا اور اس نیک کام کو کر لیا تو اس کا وہ نیک کام دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور جس نے بُرائی کا قصد کیا اور اس کو کیا نہیں تو اس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی اور اگر اس بُرے کام کو کر لیا تو اس کی ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٠' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٠٧٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیکیوں اور بُرائیوں کو لکھتا ہے' پھر بیان فرمایا: جس نے نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ نیکی کے قصد کے بعد اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک بلکہ سات سو کو بھی دگنا چوگنا کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص بُرائی کا قصد کرے اور وہ بُرائی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ اس بُرے کام کا قصد کر کے اس بُرے کام کو کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی صرف ایک بُرائی لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٩١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣١)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بُرائی کے لکھنے کا اسناد اپنی طرف کیا ہے اور دوسری احادیث میں فرشتوں کی طرف اسناد فرمایا ہے اور حقیقت میں لکھتے فرشتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور دیگر احادیث میں اس کی تصریح ہے لیکن چونکہ انہیں لکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے' اس لیے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا اسناد اپنی ذات کی طرف فرمایا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اس طرح لکھنے کا حکم دیتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ لکھنے والے فرشتوں کو اس

مقدار پر مطلع فرمادیتا ہے۔

ان احادیث میں معصیت کے قصد یا معصیت کے منصوبہ کا ذکر آیا ہے' اس سے مراد "ھم" ہے اور وہ عزم اور نیت سے کم درجہ کی چیز ہے یعنی اس میں گناہ کرنے کا راجح ارادہ ہے اور مرجوح جانب گناہ نہ کرنے کی ہے لیکن اگر وہ گناہ کرنے کا عزم اور اس کی نیت کرلے تو پھر اس کا گناہ لکھ دیا جاتا ہے کیونکہ گناہ کا عزم کرنا بھی گناہ ہے۔

علامہ طبری نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا قول صحیح ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتے جانتے ہیں کہ بندہ کے دل میں نیکی کا ھم اور قصد ہے یا بُرائی کا ھم اور قصد ہے اور وہ اسی طرح بندہ کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا ردّ ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے بندے کے صرف اس عمل کو لکھتے ہیں جو ظاہر ہوتا ہے یا جس بات کو وہ سنتے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا' پھر انہیں بندے کے ھم اور اس کے قصد کا کیسے علم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے تو اس سے اچھی خوشبو آتی ہے اور جب بندہ بُرائی کا قصد کرتا ہے تو اس سے بدبو آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبری نے ابو معشر مدنی سے روایت کیا ہے اور عنقریب کتاب التوحید میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت آئے گی کہ جب میرا بندہ بُرا کام کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس بُرائی پر عمل کرلے۔

(صحیح البخاری: ۷۵۰۱)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرشتہ انسان کے ظاہر اور باطن پر مطلع ہوتا ہے' یا تو اللہ تعالیٰ اس کو مطلع فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس میں ایسا علم پیدا فرماتا ہے جس سے فرشتہ اس کا ادراک کرلیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بخاری کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ بُرائی کا ارادہ کرے تو اس کو مت لکھو حتیٰ کہ وہ اس بُرے کام کو کرے' اگر وہ بُرا کام کرے تو اس کی ایک بُرائی لکھ لو اور اگر وہ میری وجہ سے اس بُرے کام کو ترک کردے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو نہ کرسکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ اس نیک کام کو کرے تو اس کے لیے وہ نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک لکھ دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۱)

حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کوئی بات کہتا ہے' جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ بات کہاں تک پہنچے گی' اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے واسطے اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور ایک شخص کوئی بات کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کی وہ بات کہاں تک پہنچے گی' پھر اللہ تعالیٰ اس کے واسطے قیامت تک اپنی ناراضگی لکھ دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۱۸۰۔ رقم الحدیث: ۱۵۸۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۱۰۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۵۷)

اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے لکھنے کا یہ محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے جسم میں بھی کوئی بیماری ہوتی ہے تو اللہ عزوجل اس کی حفاظت کرنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندہ کے لیے ہر دن اور رات کو وہی نیک عمل لکھتے رہو جو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا' جب تک کہ وہ میری اس بیماری کی قید میں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۰' کراچی' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۹۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں' پس جب وہ بندہ مر جاتا ہے تو جو فرشتے اس کا عمل لکھتے تھے' وہ عرض کرتے ہیں کہ اب تو ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان پر چلے جائیں' اللہ عزوجل فرمائے گا: میرا آسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے' جو میری تسبیح کرتے رہتے ہیں' وہ عرض کریں گے: پھر ہم زمین میں قیام کریں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کرتی رہتی ہے' وہ عرض کریں گے: پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کی قبر پر قیام کرو' میری تسبیح پڑھو' میری حمد پڑھو' میری تکبیر پڑھو اور ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھو اور قیامت تک ان کلمات کو میرے بندے کے صحیفہ اعمال میں لکھتے رہو۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں عثمان بن مطر ہے اور وہ قوی نہیں ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۹۳۱' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۱۴۰' الدر المنثور ج ۷ ص ۴۲۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۹۶۷)

فرشتے انسان کی کس چیز کی حفاظت کرتے ہیں؟

فرشتے انسان کی کس چیز کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر نفس کے اوپر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں۔

قتادہ نے کہا: وہ فرشتے تمہارے عمل کی اور تمہارے رزق کی اور تمہاری موت اور حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب تمہاری زندگی پوری ہو جائے' اے ابن آدم! تو تمہاری روح قبض کر کے تمہیں تمہارے رب کے پاس لے جاتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۵۸۵۔۲۸۵۸۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر نفس کے اوپر اس کے رب کی طرف سے ایک نگران ہے' جو اس کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جو بھی اچھے اور بُرے کام کرتا ہے' ان کو شمار کرتا رہتا ہے۔

الکلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حفاظت کرنے والا مقرر ہے' جو اس کے اقوال اور افعال کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اس کو اس کی تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۳۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز امام بغوی لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: فرشتے انسانوں سے دو حالوں میں مجتنب رہتے ہیں: قضاء حاجت کے وقت اور جماع کے وقت' مجاہد نے کہا: وہ اس کی ہر بات کی حفاظت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ بیماری کی حالت میں جو کراہتا ہے اس کو بھی لکھتے ہیں' عکرمہ نے کہا: وہ اس کی صرف وہی بات لکھتے ہیں جس پر اس کو ثواب یا عذاب ہو' ضحاک نے کہا: انسان کی ٹھوڑی کے نیچے جو بال ہیں وہ ان بالوں پر بیٹھتے ہیں' حسن بصری سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۲۷۲' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حفاظت کرنے والے فرشتے انسان کے تمام اعمال کو لکھتے ہیں' خواہ وہ اعمال ظاہر ہوں یا باطن اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال پیش کر دیں گے۔

(۲) فرشتے انسان کے عمل کی' اس کے رزق کی اور اس کی مدتِ حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب انسان اپنی مدت حیات کو اور اپنے رزق کو پورا کر لیتا ہے تو وہ اس کی روح کو قبض کر کے اس کے رب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

(۳) وہ انسان کی آفتوں اور مصیبتوں سے حفاظت کرتے ہیں' اور انسان کو صرف وہی آفت پہنچتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔

(۴) الکلبی نے کہا: وہ انسان کی قبر میں پہنچنے تک حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے O وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے O جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے O بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے O جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی O سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا O (الطارق: ۱۰۔۵)

''دافق' صلب'' اور ''ترائب'' کا معنیٰ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہر نفس کے لیے ایک محافظ ہے' جو اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اس کے اعمال کو لکھتا رہتا ہے' اس کو جاننے کے بعد انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اہم مقاصد کے حصول کی کوشش کرے اور شرع اور عقل اس پر متفق ہیں کہ سب سے اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کو ماننا ہے اور اس کو ماننا ہے کہ اس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے' جہاں اس سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت آخرت کی معرفت پر مقدم ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسان کو اس کے خالق کی طرف متوجہ کیا۔

الطارق: ۶۔۵ میں فرمایا: سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے O وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے O

الطارق: ۶ میں ''دافق'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اچھل کر بہنے والا۔

جو لوگ مر کر دوبارہ اٹھنے کا اور رسول کے بھیجنے کا انکار کرتے ہیں' وہ اس پر غور کریں کہ وہ نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر اس میں ہڈیاں بن جاتی ہیں' اور پھر اس سے انسان کی صورت بن جاتی ہے' اگر اس نطفہ کو ایک طباق میں رکھ دیا جائے اور تمام جن اور انسان مل کر یہ کوشش کریں کہ وہ اس نطفہ سے انسان کا کوئی ایک عضو بنا لیں تو نہیں بنا سکتے' اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جو قدرتی نظام بنایا ہے' اس نظام سے ہٹ کر انسان کی پیدائش عمل میں نہیں آسکتی۔

الطارق: ۷ میں فرمایا: جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے O

اس آیت میں ''صلب'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: مرد کی پیٹھ' اور ''ترائب'' کا لفظ ہے' اس سے مراد عورت کے سینہ کی درمیانی جگہ ہے' یعنی اس کے پستانوں کے درمیانی جگہ' جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کی پیٹھ سے پانی نکل کر رحم میں داخل ہوتا ہے اور عورت کے سینہ سے نکل کر پانی وہاں پہنچتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ہم مانتے ہیں کہ نطفہ بدن کے تمام اجزاء سے نکلتا ہے' اسی وجہ سے انسان اپنے والدین کے بہت مشابہ ہوتا ہے' اور خروج

منی کے بعد تمام جسم کے غسل کی بھی یہی حکمت ہے اور جو آدمی بہت زیادہ جماع کرتا ہے اسی وجہ سے اس کی کمر میں بہت درد ہوتا ہے اور یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو پانی کمر میں جمع ہوتا ہے وہ بہت زیادہ نکل جاتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

''صُلْب'' کہتے ہیں: ریڑھ کی ہڈی کو''ترائب'''' تریبة'' کی جمع ہے''هی موضع القلادة من الصدر''۔(قرطبی عن ابن عباس) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو''ترائب'' کہتے ہیں۔بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ مادۂ منویہ مرد کی پُشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے' لیکن دوسرے مفسرین جن کے سرخیل حسن بصری ہیں' وہ کہتے ہیں:''وقال الحسن المعنی: یخرج من صُلب الرجل وترائب الرجل ومن صُلب المرأة وترائب المرأة''(قرطبی) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے' اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے نکلتا ہے' یہی قول طبی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادۂ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے؟ خروج کا مطلب اگر جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو بداہۃً غلط ہے' کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔اگر خروج کا معنیٰ اس کا مقر ہے جہاں وہ جمع ہوتی ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ''اوعیة المنی: خُصْیَتَیْن''ہیں نہ کہ پشت وسینہ' اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو بھی درست نہیں' کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صُلب وترائب کا۔

جن لوگوں نے ان اُمور کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے' ان کے نزدیک معترض کا یہ اعتراض اس کی جہالت اور اس کے الحاد کی دلیل ہے۔قرآن کریم نے''بین الصُّلب والترائب'' کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے' اس سے بہتر ناممکن ہے۔جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادۂ تولید کو بناتا ہو' بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔دماغ' دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔دل اور جگر کا مقام تو بلاشبہ''بین الصُّلب والترائب'' ہے۔باقی رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نُخاع (وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے سارے موہروں سے ہوتی ہوئی کمر تک پہنچتی ہے) اس مادہ کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔یہاں اس کے اصلی عناصر تیار ہو کر کیسۂ منی میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر کئی نالیوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلتے ہیں' چنانچہ علامہ آلوسی نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل سطور میں بیان فرمایا ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ' دماغی' قلبی اور جگری قوتیں سب اس مادہ کو اس قابل بنانے میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں' یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدأ بن جاتا ہے۔''من بین الصلب والترائب'' کی مختصر اور جامع عبارت اس امر کی طرف اشارہ کررہی ہے۔''ترائب'' قلب اور جگر کو شامل ہے''صُلْب'' سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں مادۂ منویہ اگرچہ خصیتین پیدا کرتے ہیں اور کیسۂ منویہ میں جمع ہو جاتا ہے' مگر اس کے اخراج کا مرکزِ تحریک صُلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رَو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءِ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔قرآنِ کریم کا بیان علمِ طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق

43

ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۳۷۔۵۳۶)

الطارق: ۸ میں فرمایا: بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے O

انسان کو لوٹانے کے دو محمل ٗ آخرت کی طرف یا باپ کی صلب کی طرف

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ٗ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو اس کے باپ کی صلب کی طرف لوٹانے پر ضرور قادر ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں اٹھانے پر ضرور قادر ہے اور یہ تفسیر زیادہ قریب اور واضح ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیات حشر کے احوال اور کوائف سے متعلق ہیں ٗ اور اس سے پہلے یا بعد اس چیز میں کفار کا اختلاف ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ اس کے باپ کی پشت میں لوٹانے پر قادر ہے یا نہیں ہے ٗ جب کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کفار شک کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس کا رد فرمایا ہے ٗ اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداءً انسان کو پیدا فرمایا ہے اور نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کر دے۔

پہلی تفسیر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پانچ چھ فٹ کے انسان کو اس کے باپ کی پشت میں لوٹانا کس طرح ممکن ہے ٗ جب کہ اس کا باپ بھی پانچ چھ فٹ ہی کا ہوتا ہے؟ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹائے اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹائے ٗ پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بنا دے ٗ پھر اس کو جما ہوا خون بنا دے ٗ پھر اس کو نطفہ بنا دے ٗ پھر اس نطفہ کو اس کے باپ کی صلب کی طرف لوٹا دے تو وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ (اس پر بھی یہ اشکال ہے کہ اس نطفہ کو باپ کی صلب کی طرف لوٹانا غیر معروف اور غیر مشاہد ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (تاویلات ماتریدیہ ج ۵ ص ۴۳۳ ٗ مؤسسۃ الرسالۃ ٗ ناشرون ٗ ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: جس ذات نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا ہے ٗ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے ٗ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (یٰس: ۷۹)

آپ کہیے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ (الروم: ۲۷)

وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے ٗ پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو دوبارہ آلے میں لوٹا دے ٗ عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو پشت مین لوٹا دے ٗ ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ نطفہ بنا دے ٗ مقاتل بن حیان نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اگر میں چاہوں تو انسان کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹا دوں اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹا دوں اور بچپن سے پھر نطفہ کی طرف لوٹا دوں ٗ تاہم اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ

دونوں قول لکھے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ) (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۲۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس دوسری تفسیر کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اور صحیح تفسیر پہلی ہے اور حضرت علامہ آلوسی نے جو کچھ لکھا ہے' وہی صحیح اور معقول ہے اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے اقوال صحیح نہیں ہیں۔

آیا اللہ تعالیٰ پوری دنیا کو ایک انڈے میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے فرمایا: اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں داخل کر دے؟ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ پوری دنیا کو تنگ کر کے اور سکیڑ کر انڈے میں داخل کر دے یا انڈے کو اس قدر وسیع کر دے اور پھیلا دے کہ پوری دنیا اس میں آ جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ انڈا اپنے حال پر رہے اور دنیا اپنے حال پر رہے اور پھر پوری دنیا انڈے میں سما جائے تو یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ جز کل ہو جائے اور کل جز ہو جائے' اسی طرح انسان اپنی جسامت میں رہتے ہوئے اپنے باپ کی پشت میں آ جائے تو یہ محال ہے لیکن اگر انسان کی جسامت بہ تدریج کم ہو کر نطفہ کے برابر ہو جائے تو پھر اس کا اپنے باپ کی پشت میں منتقل ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اہل جنت کی حرکت اور سکون کی کوئی انتہاء ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہے' پھر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان کی حرکت کی انتہاء اور حرکت کے عدد کا علم ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ یہ حرکت کبھی منقطع نہیں ہو گی اور اس کو ان حرکات کے انقطاع کا علم نہیں ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اہل جنت کی حرکات کے انقطاع کا علم نہیں ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہل کا اثبات نہیں ہے' بلکہ جہل کا اثبات اس وقت ہوتا جب یہ کہا جاتا کہ اس کو غیر منقطع حرکات کے انقطاع کا علم ہے۔

(تاویلات ماتریدیہ ج ۵ ص ۴۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

الطارق: ۱۰۔۹ میں فرمایا: جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی O سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہو گی نہ اس کا کوئی مددگار ہو گا O

''سرائر'' اور ''ابتلاء'' کا معنیٰ

الطارق: ۹ میں ''السرائر'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: دل میں جو عقائد اور نیات چھپی ہوئی ہیں اور جو اعمال پوشیدہ طور پر کیے ہیں' اور اس آیت میں ''تبلی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ابتلاء اور آزمائش' اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے' نیز اس کے صحیفۂ اعمال میں غور کیا جائے گا جس میں فرشتوں نے اس کے اعمال کی تفصیل لکھی ہے' آیا فرشتوں کا لکھا ہوا اس کے پیش کردہ اعمال کے مطابق ہے یا نہیں' ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے لیکن اتمامِ حجت کے لیے اس کیفیت سے حساب لیا جائے گا۔

اس کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ بعض افعال کا ظاہر تو حسین ہوتا ہے اور ان کا باطن قبیح ہوتا ہے اور بعض افعال کا ظاہر قبیح ہوتا ہے اور ان کا باطن حسین ہوتا ہے اور اس دن اعمال کی آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ جن افعال کا ظاہر حسین ہے اور باطن قبیح ہے' ان افعال کے قبیح ہونے کی وجوہ پیش کی جائیں گی اور جن افعال کا ظاہر قبیح ہے اور باطن حسین ہے' ان افعال کی تحسین کی وجوہ پیش کی جائیں گی۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان راز ہیں' ان کو قیامت کے دن ظاہر کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس اظہار کی وجہ سے بعض چہرے خوش ہوں گے اور بعض چہرے

مرجھائے ہوئے ہوں گے۔

الطارق: ١٠ میں فرمایا: سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا O

اس کی طاقت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت نہیں ہوگی جس کی وجہ سے وہ ازخود اپنی ذات سے عذاب کو دور کر سکے' اور ناصر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بارش والے آسمان کی قسم O اور پھٹنے والی زمین کی قسم O بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے O اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے O بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں O اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں O سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں O (الطارق: ١٧۔١١)

آسمان کو ''ذات الرجع'' فرمانے کی توجیہات

اللہ سبحانہٗ نے توحید اور حشر کے ثبوت پر دلائل دینے کے بعد ایک اور قسم کھائی' اس قسم میں آسمان کو ''ذات الرجع'' فرمایا ہے ''ذات الرجع'' کا معنیٰ ہے: بار بار لوٹنے والا۔ زجاج وغیرہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: بارش کو برسانے والا' کیونکہ بارش بار بار لوٹ کر آتی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین کے سمندروں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے' پھر بارش کی صورت میں وہی پانی زمین کی طرف لوٹ جاتا ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ عرب نیک فال کے طور پر بارش کو ''ذات الرجع'' یعنی لوٹ کر آنے والی کہتے ہیں کہ بارش دوبارہ پھر لوٹ کر آئے' جیسے عید کے دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی زندگی میں پھر لوٹ کر آتا ہے' کیونکہ عید کا لفظ عود سے بنا ہے' جس کا معنیٰ ہے: لوٹنا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ بارش ہر سال لوٹ کر آتی ہے بلکہ ایک سال میں متعدد بار آتی ہے' اس لیے بارش کو ''ذات الرجع'' کہتے ہیں' یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی اور کیونکہ بارش کا نزول آسمان کی جانب سے ہوتا ہے' اس لیے آسمان کو بھی ''ذات الرجع'' فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ'' (الطارق: ١١) کا معنیٰ ہے: بار بار بارش برسانے والا آسمان' کیونکہ آسمان سے بار بار بارش نازل ہوتی ہے یا جو خیر آسمان کی طرف سے آتی ہے' وہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

ابن زید نے کہا: آسمان اپنے سورج اور اپنے چاند کو غروب ہونے کے بعد بار بار طلوع کی طرف لوٹاتا ہے۔

الطارق: ١٢ میں فرمایا: اور پھٹنے والی زمین کی قسم O

زمین کو ''ذات الصدع'' فرمانے کی توجیہات

اس آیت میں زمین کو ''ذات الصدع'' فرمایا ہے ''الصدع'' کا معنیٰ ہے: ''الشق'' یعنی پھٹنا' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ O (الروم: ٤٣) اس دن سب پھٹ کر بکھر جائیں گے O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: زمین پھٹتی ہے اور اس سے پودے اور کونپلیں نکل آتی ہیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان شق اور شگاف ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا. (الانبیاء: ٣١) اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنا دیئے۔

لیث نے کہا: ''الصدع'' سے مراد زمین کی پیداوار ہیں کیونکہ زمین کی پیداوار زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہیں اور اسی اعتبار سے زمین کی پیداوار کو ''الصدع'' فرمایا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ نے جان داروں کی تخلیق کو اپنی توحید اور حشر کی معرفت کی دلیل بنایا ہے' اسی طرح اس نے اس قسم میں زمین کی پیداوار کی تخلیق کو اس کی معرفت کی دلیل بنایا ہے' پس بارش برسانے والا آسمان بہ منزلہ باپ

ہے اور پھٹ کر غلہ نکالنے والی زمین بہ منزلہ ماں ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اس پر موقوف ہیں کہ آسمان کی جانب سے بار بار بارشیں نازل ہوتی رہیں اور زمین پھٹ کر بار بار غلہ اور پھل اُگاتی رہے۔

آسمان اور زمین کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے جوابِ قسم کا ذکر کیا۔

الطارق: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے O

''قول فصل'' کی دو تفسیریں' فیصلہ کرنے والی کتاب یا مفصل کتاب

حارث اعور' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس کتاب میں تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں کے لیے حکم ہے اور یہ فیصلہ پر مشتمل کتاب ہے' کوئی مذاق نہیں ہے' جس کسی جبار نے اس کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کتاب کے غیر میں ہدایت کو تلاش کیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۶)

''قول فصل'' کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا قول ہے اور اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے: یہ مفصل قول ہے' اس میں حلال اور حرام کو بیان فرما دیا ہے اور یہ بیان فرما دیا ہے کہ کن کاموں سے بچنا چاہیے اور کن کاموں کو کرنا چاہیے اور اس میں حق اور باطل اور صحیح اور غلط کو بیان فرما دیا ہے اور اس میں مؤمنوں کے لیے ثواب کی بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید کو بیان فرما دیا ہے' انبیاء سابقین اور مؤمنین صالحین کا ذکر ہے اور سابقہ امتوں کے کافروں اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور قیامت تک پیش آنے والے اُمور کے لیے جامع ہدایت ہے اور مکمل دستور العمل ہے۔

''قول فصل'' کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے جو ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم کو اس دن زندہ کرے گا' جس دن تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہاری خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا' یہ برحق قول ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔

الطارق: ۱۵۔۱۴ میں فرمایا: بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں O اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں O

کافروں کی سازش اور ان کا مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے تاکہ وہ اسلام نہ لائیں' مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا' تو جب انسانوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور وہ مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اور ان کے اجزاء دوسرے مردوں کے اجزاء سے خلط ملط ہو جائیں گے تو ان کو باہم کس طرح تمیز دی جائے گی؟ اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو یہ کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اور وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کو مسلمان اللہ کے نام سے ذبح کریں وہ حلال ہے' سو یہ کیسی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور بندے کا مارا ہوا جانور حلال ہو؟ اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کرتے تھے اور کہتے تھے: وہ ساحر ہیں یا شاعر ہیں یا مجنون ہیں اور انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور ان کے تمام شبہات کو زائل کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور مدد فرمائی اور آپ کے لائے ہوئے دین کو سربلند اور غالب کر دیا۔

کفار کے ''کید'' اور اللہ تعالیٰ کے ''کید'' کا فرق

اس آیت میں کفار کی سازش کو بھی ''کید'' فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر فرمائی' اس کو بھی ''کید'' فرمایا ہے

حالانکہ ان کی سازش باطل تھی اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق ہے' صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے ایک لفظ ''کید'' فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ. (الشوریٰ:۴۰) بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے۔

حالانکہ بُرائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے' جیسے کوئی کسی کو ظلماً قتل کر دے' پھر اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے تو پہلا قتل ظلم ہے اور دوسرا قتل عدل ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ. (الحشر:۱۹) کافروں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

کافروں کا بھلانا گناہ اور اللہ کا بھلانا یعنی ان پر رحم نہ فرمانا ان کے گناہ کی سزا ہے' لیکن صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے بھلانے کا لفظ استعمال فرمایا۔

اس طرح کی اور بہت آیات ہیں' جیسے فرمایا:

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ. (النساء:۱۴۲) منافقین اپنے (زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالانکہ اللہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔

زیرِ تفسیر آیت میں کافروں کا ''کید'' (سازش) یہ تھا کہ اللہ کے دین سے لوگوں کو متنفر کیا جائے' اور اللہ تعالیٰ کا ''کید'' یہ تھا کہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی جائے' پھر اچانک ان پر گرفت کی جائے۔

الطارق: ۱۷ میں فرمایا: سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہلت دینے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں ''رُوَیْد'' کا لفظ ہے' یہ اسماء افعال میں سے ہے' اس کا معنیٰ ہے: ان کو مہلت دیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں۔ اس آیت میں پہلے ''فمھل'' فرمایا' اس کے بعد ''امھلھم'' فرمایا' دونوں کا معنیٰ ہے: ان کو مہلت دیں اور ''رُوَیْد'' کا بھی یہی معنیٰ ہے' غرضیکہ متعدد تاکیدات کے ساتھ فرمایا ہے: ان کو مہلت دیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ جس طرح آپ کو تنگ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو مشتعل کر رہے تھے' اس کا تقاضا تھا کہ ان کافروں سے فوری انتقام لیا جائے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے آپ کو صبر وضبط کی تلقین فرماتا رہا' دوسری وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ کے مسلسل مظالم کا تقاضا یہ تھا اور حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ آپ ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے' اس لیے فرمایا: آپ ان کو تھوڑی مہلت دیں' کیونکہ عنقریب غزوۂ بدر میں یا آخرت میں ان سے انتقام کا موقع آئے گا' اگرچہ آپ نے ان کی ہلاکت کی ایسی کوئی دعا نہیں کی تھی' بلکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے' آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے آپ سے پوچھا: آپ پر کون سا ایسا دن آیا ہے جو اُحد کے دن سے زیادہ آپ پر سخت تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی جس بدسلوکی کا سامنا کیا ہے' سو کیا ہے اور ان کی سب سے زیادہ بدسلوکی کا دن یوم عقبہ تھا' میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا' اس نے میری امید کے مطابق جواب نہیں دیا' پھر میں نہایت غمگین ہو کر چلا گیا' پھر قرن الثعالب پر پہنچ کر میں سنبھلا' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایا کیا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبریل تھے' انہوں نے مجھ کو ندا کر کے کہا: آپ کی قوم نے جو آپ کو جواب دیا ہے' وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ

ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں' پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو ندا کر کے آپ کو سلام کیا' پھر کہا: یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں' آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا' جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۷۰۶)

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی سرشت اور مزاج کے موافق فرمایا' ان کو تھوڑی مہلت دیں' عنقریب جنگ بدر میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے گی' پھر ان سے انتقام لے لیں یا پھر آخرت میں ان سے انتقام لیا جائے گا۔

سورۃ الطارق کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۸ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الطارق کی تفسیر ختم ہو گئی۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الاعلیٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الاعلیٰ ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الاعلیٰ'' کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝

یہ بیان کیجئے کہ آپ کے رب کا نام ہر نقص اور ہر عیب سے بَری ہے اور ہر حسن اور کمال سے متصف ہے یہ سورت مکی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۷ ہے اور اس کے فضائل میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام ابن الضریس امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' مکہ میں نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۳۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ) آئے وہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تھے وہ دونوں ہم کو قرآن پڑھاتے تھے پھر حضرت عمار حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آئے پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیس اصحاب کے ساتھ آئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز سے اس قدر خوش ہوئے ہوں جس قدر آپ کے تشریف لانے سے خوش ہوئے حتیٰ کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تشریف لے آئے پس جب آپ آئے تو میں نے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور اس کی مثل سورتیں پڑھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۱)

امام احمد امام بزار اور امام ابن مردویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' سے محبت کرتے تھے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۹۶)

امام مسلم امام ابوداؤد امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اسانید سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ'' اور اگر عید جمعہ کے دن ہوتی تو ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۳۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ

الْاَعْلٰی ''اور سورۃ ''هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' پڑھا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۵۷۶)

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۰)

امام ابوداؤد امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' سورۃ ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور سورۃ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھا کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷۱)

امام ابوداؤد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' پڑھتے تھے اور تیسری رکعت میں سورۃ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۶۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

سورۃ الاعلیٰ کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کا اثبات ہے' اور قرآن مجید کو حفظ کرنے کی ترغیب ہے' اور انسان کے نفس کی تہذیب کی تلقین ہے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ ۵۔۱ میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح پڑھنے کا حکم ہے اور اس کی حمد اور تمجید کا حکم ہے کیونکہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا' اس کو ہدایت دی اور اس کے نفع کی چیزوں کو پیدا کیا۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۷۔۶ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان بنا دیا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ آپ قرآن مجید کو کبھی نہیں بھولیں گے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۱۳۔۸ میں نفوسِ انسانیہ کی اصلاح اور تہذیب کی تلقین فرمائی ہے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۱۹۔۱۴ میں یہ بتایا ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو کفر' شرک اور کبیرہ گناہوں سے پاک کر لیا اور وہ ہمیشہ اللہ عزوجل کے جلال اور اس کی عظمت کو یاد کرتا رہا اور اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دی تو اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے گا اور وہ آخرت میں کامیاب ہو جائے گا۔

سورۃ الاعلیٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الاعلیٰ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ٨٧ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتہا ١٩ رکوعہا ١

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ ١ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ ٢ وَالَّذِىْ

اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا O اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ ٣ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ ٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ ٥

(صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی O اور جس نے چراگاہ بنائی O پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا O

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ ٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ

وَمَا يَخْفٰى ؕ ٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ ٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ ٩

کو جانتا ہے O اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے O سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے O

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ ١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ ١١ الَّذِىْ يَصْلَى

عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے O اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گا O جو بڑی آگ

النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ ١٣ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

میں جائے گا O پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا O بے شک جس نے اپنا باطن صاف کر لیا وہ

تَزَكّٰى ۙ ١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ ١٥ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

کامیاب ہو گیا O اور جس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا، پھر وہ نماز پڑھتا رہا O بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح

الدُّنْيَا ۖ ١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ ١٧ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ

دیتے ہو O اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے O بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف

الْاُوْلٰى ۙ ١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ع ١٩ ع ١ ١٩ ١٢

میں بھی (مذکور) ہے O ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہےO جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایاO اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دیO اور جس نے چراگاہ بنائیO پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیاO (الاعلیٰ: ۵۔۱)

تسبیح کا معنیٰ اور اللہ کے نام کی نقص اور عیب سے بَری ہونے کی وجوہ

الاعلیٰ: ا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی تسبیح پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

تسبیح کا معنیٰ ہے تقدیس اور تنزیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کو ان چیزوں سے بَری کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور وہ حسبِ ذیل چیزیں ہو سکتی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام اللہ کے نام پر رکھنا' جیسے مشرکین نے اپنے بت کا نام لات رکھا تھا' اور مسیلمہ کا نام یمامہ کا رحمان رکھا تھا' ہمارے ہاں کسی کا نام عبد الرحمان یا عبد الغفار ہوتا ہے' پھر لوگ تخفیف کے لیے اس کو رحمان صاحب یا غفار صاحب کہتے ہیں' یہ بھی اسی حکم میں ہے' اس سے بھی سختی کے ساتھ اجتناب کرنا لازم ہے' بعض لوگ کہتے ہیں: اے رحمان بھائی! اے غفار بھائی!' یہ اور بھی معیوب ہے' اللہ تعالیٰ کے اسماء ذات ہوں یا اسماء صفات' ان کا احترام کرنا لازم ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء کی ایسی تفسیر نہ کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' مثلاً اس کی صفت اعلیٰ ہے تو اس کی ایسی تفسیر کی جائے کہ وہ کسی بلند جگہ پر قائم ہے' بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ قہر کرنے میں اور غلبہ میں سب سے زیادہ بلند ہے یا اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا نام بغیر اس کے خوف اور اس کی تعظیم کے نہ لیا جائے' مثلاً غفلت اور بے دھیانی سے اس کا نام نہ لیا جائے' کوئی ناجائز اور معیوب کام کرتے وقت اس کا نام نہ لیا جائے' کسی ناپاک حالت اور ناپاک جگہ اس کا نام نہ لیا جائے' مثلاً غسل خانے یا واش روم میں اس کا نام نہ لیا جائے' جنابت کی حالت میں یا برہنہ بدن اس کا نام نہ لیا جائے' اس کے معنیٰ پر توجہ کے بغیر اس کا نام نہ لیا جائے' کھیل کود میں اور مشغلہ کے طور پر تالی بجاتے ہوئے اس کا نام نہ لیا جائے' جیسے مشرکین تالیاں بجاتے ہوئے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سماع شرع پر موقوف ہیں' یعنی کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہو چکی ہیں' ان ہی صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' ہمارے ہاں عام لوگ اللہ میاں کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو میاں کہنا جائز نہیں ہے' میاں شوہر کو کہا جاتا ہے' بعض لوگ بوڑھے آدمی کو میاں جی کہتے ہیں' بعض لوگ اللہ سائیں کہتے ہیں' سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے' یہ تو اردو کے الفاظ ہیں' عربی کے الفاظ میں سے بھی اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء کا اطلاق جائز ہے جو قرآن اور حدیث میں وارد ہو چکے ہوں' اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق ہے' علامۃ کے لفظ میں اگر چہ زیادہ مبالغہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ ہر چند کہ تاء کے متعدد معانی ہیں لیکن تاء تانیث کے لیے بھی آتی ہے' اسی طرح قرآن اور حدیث میں اگر افعال کا اطلاق ہو تو اپنی طرف سے ان سے اسم مشتق کر کے اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے مثلاً قرآن مجید میں ''یُعَلِّمُ'' کا لفظ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ معلم اس کو کہتے ہیں جو فیس لے کر بچوں کو پڑھاتا ہو' غرض جس لفظ میں کسی اعتبار سے بھی نقص اور عیب کا معنیٰ ہو' اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں اور نہ یہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ میں بھی کسی عمدگی اور خوبی کا معنیٰ ہو' اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر دیا جائے بلکہ یہ دیکھا

جائے کہ اس لفظ کا اطلاق قرآن اور حدیث میں آیا ہے یا نہیں' اسی طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خنزیروں' بندروں اور کیڑوں مکوڑوں کا خالق ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۪ اور اللہ کے لیے سب اچھے نام ہیں سو ان ناموں سے اللہ کو پکارو۔ (الاعراف:۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات' اس کے افعال' اس کے اسماء اور اس کے احکام میں سے کسی کے ساتھ بھی اس چیز کو ذکر نہ کیا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' مثلاً اس کی ذات کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ وہ جسم ہے یا باپ ہے یا شوہر ہے اور اس کی صفات کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ حادث ہیں یا محدود ہیں یا ناقص ہیں' اور اس کے افعال کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ اس کا فلاں کام ظلم ہے یا درست نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے' ہر کام اس کی قدرت اور اس کے چاہنے اور اس کی تخلیق سے ہوتا ہے لیکن وہ ہر کام پر راضی نہیں ہوتا اور اس کے احکام کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس نے ہمیں جس کام کا بھی حکم دیا ہے اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں ہمارا فائدہ ہے بلکہ اس نے ہم کو اس لیے احکام دیئے ہیں کہ وہ ہمارا خالق اور مالک ہے' ہم اس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں اور مالک جو چاہے اپنی مملوک کو حکم دے سکتا ہے۔

''سبحان ربی الاعلیٰ'' کے متعلق احادیث

حضرت عقبہ بن عامر جہنی بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ'' (الواقعہ:۷۴) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تم رکوع میں پڑھا کرو' اور جب یہ آیت نازل ہوئی: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ'' تو آپ نے فرمایا: اس کو تم سجدہ میں پڑھا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ'' (الاعلیٰ:۱) تو آپ پڑھتے: ''سبحان ربی الاعلیٰ''۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۸۳' کنز العمال رقم الحدیث:۴۱۳۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو تین مرتبہ کہے: ''سبحان ربی العظیم'' اور یہ کم سے کم تین مرتبہ ہے اور جب سجدہ کرے تو تین مرتبہ پڑھے ''سبحان ربی الاعلیٰ'' اور یہ کم سے کم تین مرتبہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۹۰)

اللہ تعالیٰ کی صفت ''الاعلیٰ'' ذکر کرنے کی وجوہ

اس آیت میں رب کی صفت ''الاعلیٰ'' بیان فرمائی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حمد وثنا کرنے والے کی حمد وثنا سے اعلیٰ' اجل اور اعظم ہے اور ہر ذکر کرنے والے کے ذکر سے بلند و بالا ہے' اس کا جلال اور اس کی کبریائی ہمارے ادراک اور ہمارے تصور اور ہمارے علوم اور معارف سے بہت بلند ہے اور اس کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہماری حمد اور شکر سے بہت بلند اور برتر ہیں اور اس کے حقوق ہماری اطاعت اور عبادت اور ہمارے تمام نیک اعمال سے بہت زیادہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں تیری ایسی حمد وثناء نہیں کر سکتا

جیسی حمد وثنا خود تو نے اپنی کی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۶ مسند احمد ج ۱ ص ۹۶ طبع قدیم مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۷۔ رقم الحدیث: ۷۵۱ اس حدیث کی سند قوی ہے)

اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ تو نے اپنی ذات کی ایسی حمد وثناء کی جو تیری ذات کے لائق ہے سو تیری ایسی حمد وثناء کون کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رب کی صفت ''الاعلیٰ'' ذکر کی ہے اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ ہر نقص اور عیب سے اس کا بری ہونا بیان کیا جائے یعنی وہ اپنے ملک اپنی سلطنت اور اپنی قدرت کی وجہ سے ہر چیز سے اعلیٰ اور بلند ہے۔

الاعلیٰ: ۳۔۲ میں فرمایا: جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا ○ اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی ○

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ہدایت سے اس کی الوہیت اور اس کی توحید پر استدلال

چونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول پر موقوف ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تسبیح کا حکم دینے کے بعد اپنے وجود اور اپنی الوہیت کا ذکر فرمایا کہ اسی نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی نے ہدایت دی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر یہ دلیل قائم کی:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ○ (الشعراء: ۷۸) جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس وہی مجھے ہدایت دیتا ہے ○

اور جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پوچھا: تم دونوں کا رب کون ہے یا موسیٰ! (طٰہٰ: ۴۹) تو انہوں نے جواب دیا:

رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ (طٰہٰ: ۵۰) ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی مخصوص بناوٹ عطا کی پھر ہدایت دی ○

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ابتدائی آیات نازل کیں ان میں بھی اپنی تخلیق اور ہدایت کا ذکر فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ○ (العلق: ۵۔۱) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ○ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ○ پڑھیے اور آپ کا رب بہت کریم ہے ○ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا ○ انسان کو وہ سب سکھا دیا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ○

اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایسی واضح دلیل ہے جس کا مشرکین بھی اعتراف کرتے تھے قرآن مجید میں ہے:

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ. (لقمان: ۲۵) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان کو پیدا کیا ہے)۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ (العنکبوت: ۶۳) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل کیا اور اس پانی سے زمین کے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد کس نے اس کو زندہ کیا (زرخیز بنایا) تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور چونکہ تمام روئے زمین کو زرخیز بنانے کا یہی واحد نظام ہے کہ آسمان سے بارش برسائی جائے تو معلوم ہوا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے تو اسی طرح یہ آیت اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ربوبیت' اس کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے' جس کا کفار اور مشرکین بھی اعتراف کرتے تھے اور العلق: ۵ میں فرمایا: انسان کو وہ سب سکھا دیا جس کو وہ نہیں جانتا تھا' اس میں اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا عام اور ہمہ گیر ذریعہ اس کی تخلیق اور اس کی ہدایت ہے اور جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل ہو جائے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور یہ کہے کہ وہ خود تو ممکن اور حادث ہے لیکن اس کا خالق اور اس کو راہِ راست کی ہدایت دینے والا مخلوق ہونے اور امکان اور حدوث سے پاک ہے' بلکہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور ہر حسن اور کمال سے متصف ہے۔

عام مخلوق اور خصوصاً انسان کی درست تخلیق کا معنیٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' اور بالخصوص انسان کو پیدا کیا اور اس کو درست بنایا یعنی اس کو حسین بناوٹ پر پیدا فرمایا' جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (التین: ۴) بے شک ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ۝

انسان کو اس نے تمام عبادات ادا کرنے کے قابل بنایا' اور زمینوں اور آسمانوں کو تمام جمادات' نباتات اور حیوانات کو اس کے نفع کے لیے مسخر کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں ہر قسم کا تصرف اور عمل کرنے کا مالک اور قادر ہے۔

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی ۝

اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور ستاروں اور عناصر' اور معادن اور نباتات اور حیوانات اور انسانوں کی جسامتِ مخصوصہ اور ان کی صورتوں کا اور ان کی صلاحیتوں کا اور ان کی کارکردگی کا اور مدتِ معلومہ تک ان کی بقاء کا اور ان کی صفات میں سے ان کے رنگوں' ان کی خوشبوؤں' ان کے حسن اور قبح' ان کی سعادت اور ان کی شقاوت' اور ان کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا اور اس کے مطابق ان کو پیدا کیا۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ (الفرقان: ۲) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا مناسب اندازہ قرار دیا ۝

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۝ (الاحزاب: ۳۸) اور اللہ کے تمام کام تقدیر (صحیح اندازے) پر مبنی ہیں ۝

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! ماسوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں' آپ نے اس کتاب کے موافق فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی' یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اور ان کے آباء اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی' کبھی بھی' پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی: یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل دوزخ کے اور ان کے آباء کے اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی' کبھی بھی' آپ کے اصحاب نے

کہا: یارسول اللہ! پھر اگر تمام کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس لیے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: تم ٹھیک ٹھیک اور صحیح کام کرتے رہو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ اس نے کوئی عمل کیا ہو اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ اس نے کوئی عمل کیا ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے' پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے' ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے کے ساتھ نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو نیکی میں استعمال فرماتا ہے' آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! وہ اس کو کیسے استعمال فرماتا ہے؟ فرمایا: وہ اس کو موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر ایمان نہ لائے کہ ہر خیر اور شر تقدیر سے وابستہ ہے' اور اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۴)

ابن ابی خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو دَم کراتے ہیں یا دوا دارو کرتے ہیں اور جس ڈھال کے ذریعہ حملے سے بچتے ہیں کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی نے لعنت کی ہے' (بعض روایات میں ہے: اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے) (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا (۳) طاقت اور جبر سے اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے (۴) اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے والا (۵) میری اولاد میں جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کو حلال کرنے والا (۶) میری سنت کو (اہانۃً) ترک کرنے والا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۴)

الولید بن عبادۃ بن الصامت بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ وصیت کی: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرتے رہو اور تم ہرگز تقویٰ حاصل نہیں کر سکو گے' جب تک اللہ پر ایمان نہ لاؤ اور اس پر ایمان نہ لاؤ کہ ہر خیر اور شر اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے' اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرو گے تو دوزخ میں داخل ہو گے' اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر (اس سے) فرمایا: لکھ' اس نے کہا: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو' اور جو کچھ ہو چکا ہے اور ابد تک جو ہونے والا ہے' وہ لکھو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۱۹)

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کے متعدد معانی اور محامل

اور اس آیت میں فرمایا: پھر اللہ نے ہدایت دی۔

ہر مزاج مخصوص قوت کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر قوت میں مخصوص فعل کی صلاحیت ہے اور مخلوق کو درست بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کے اجزاء جسمانیہ کو مخصوص طریقہ سے بنانا اور ان میں مخصوص قوت کی صلاحیت رکھنا اور یہی تقدیر ہے اور انسان کو

ہدایت دینے کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان کے اعضاء میں ایسی قوتوں کو تخلیق کرنا کہ ہر قوت افعال مخصوصہ کا مبدأ' مصدر اور معدن بن سکے اور اس کے مجموعہ سے مکمل مصلحت حاصل ہو جائے' پھر مفسرین نے اس ہدایت کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

مقاتل نے کہا: مذکر کو ہدایت دی کہ وہ مؤنث سے کس طرح اپنی خواہش پوری کرے' یہ فطری ہدایت ہے جو ہر جاندار میں ہے۔

بعض علماء نے کہا: ہر جاندار کو اور ہر انسان کو اس کی غذا حاصل کرنے کا طریقہ سکھایا' خواہ وہ چرنے' چگنے سے ہو یا دوسرے جانوروں کو شکار کر کے اور ان کو چیرنے' پھاڑنے سے ہو یا سبزیاں اور گوشت کھانے سے ہو' یہ بھی فطری ہدایت ہے۔

بعض علماء نے کہا: انسان کو اچھا اور بُرا اور نیک اور بد راستہ سمجھایا' کیونکہ انسان کو حساس اور عقل سے کام لینے والا بنایا ہے اور اس کو اس پر قادر بنایا ہے کہ وہ مفید چیزوں کو حاصل کرے اور نقصان دہ چیزوں سے دور رہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰-۷)

نفس (انسان) کی اور اس کو درست بنانے کی قسم ۝ پس اللہ نے اس کو بُرے کاموں اور ان سے بچنے کی سمجھ عطا کر دی ۝ جس نے اپنے باطن کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے اپنے نفس کو بُرے کاموں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا ۝

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)

اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے ۝

بعض علماء نے کہا: ہدایت دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے افعال سے اپنی الوہیت پر' اپنی ذات اور صفات پر' اپنی توحید پر اور اپنی قدرت پر مطلع فرمایا کیونکہ ہر عقل والا دیکھتا ہے کہ اس جہان میں ایسی چیزیں ہیں جو از خود وجود میں نہیں آ سکتیں اور یہ چیزیں ایسی مربوط' منظم اور دائمی ہیں کہ ان کو اتفاقی حادثہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور یہ تمام چیزیں اس جہان میں نظام واحد کے ساتھ منسلک ہیں' کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سورج یا چاند ایک دن ایک جانب سے طلوع ہوں اور دوسرے دن دوسری جانب سے' اسی طرح ہر چیز میں یکسانیت' نظم اور تسلسل ہے' اس لیے اس نظام کو بنانے اور چلانے والے متعدد نہیں ہو سکتے' اس لیے نظام کا خالق ضرور واحد اور صرف واحد ہے۔

قتادہ نے کہا: ہدایت دینے کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ سے زبردستی اور جبراً گناہ نہیں کرایا اور نہ کسی کو جبراً گم راہ کیا اور نہ کسی کو گناہ کرنے اور گم راہی کا حکم دیا لیکن وہ اپنے بندوں کی اطاعت اور عبادت سے راضی ہے اور اس نے اپنے بندوں کو اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' اور ان کو کفر اور معصیت سے منع فرمایا ہے۔

ہر چند کہ ہدایت دینے کے متعدد معانی اور محامل ہیں' لیکن ان سب کا مآل دو معنیٰ کی طرف ہے' ایک دنیاوی اُمور کی فطری ہدایت کہ کس طرح کوئی جاندار اپنی خوراک حاصل کرے اور کس طرح اپنی نسل بڑھائے' اور کس طرح اپنا سر چھپائے اور بسیرا کرے اور اپنے آپ کو گرمی' سردی اور برسات سے بچائے' اور دوسرا معنیٰ ہے: دینی اُمور کی ہدایت کہ کس طرح اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اور مانے اور اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کن کاموں کو کرے اور کن کاموں سے باز رہے' اس ہدایت کا داعیہ' باعثہ اور محرک انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں رکھا گیا ہے' لیکن یہ ہدایت عقل سے' رسولوں سے' آسمانی کتابوں سے اور دینی رہنماؤں سے حاصل ہوتی ہے۔

"المرعٰی" کا معنیٰ

الاعلیٰ: ۴ میں فرمایا: اور جس نے چراگاہ بنائی ۝

اس آیت میں ''المرعٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چراگاہ' جانوروں اور انسانوں کی خوراک' یعنی قدرتی گھاس' سبزہ' غلہ اور پھل وغیرہ' یہ لفظ اصل میں ''رعی'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا' حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (۱) خوراک مہیا کرنا (۲) جان داروں کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا اور ان کو بچانا' ان کی بیماریوں کا حسب مقدور علاج کرنا (۳) زیر کفالت افراد کا مناسب انتظام کرنا اور ان کو دنیا اور آخرت کے ضرر سے بچانے کی تلقین اور تگ ودو کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور پھر اس کی تین قسمیں ہیں' اگر ایک فرد کو بُرائی سے بچانا اور نیکی سے متصف کرنا ہو تو اس کو تہذیب نفس کہتے ہیں اور اگر ایک گھر اور ایک خاندان کو بُرائیوں سے دور رکھنا اور نیکیوں سے متصف کرنا ہو تو اس کو تدبیر منزل کہتے ہیں اور اگر ایک شہر اور ایک ملک کی اصلاح کرنی ہو تو اس کو سیاستِ مدنیہ کہتے ہیں یعنی ایک شہر یا ملک کی اندرونی خرابیوں مثلاً چوری کی وارداتوں' ڈاکوں' بھتوں' لسانی اور مذہبی فسادات' سمگلنگ' چور بازاری' نقلی اور ملاوٹ والی اشیاء' نشہ آور چیزوں اور مخرب اخلاق کاموں کو روکنا اور شہر یا ملک کی خوش حالی' روزگاری کے مواقع اور عام ضروری اشیاء کو فراہم کرنا اسی طرح ملک کے خارجی اور بیرونی معاملات کو صحیح طور پر چلانا' تجارت اور دفاع کے شعبوں کو مضبوط اور منظم کرنا یہ سیاستِ مدنیہ ہے' ''راعی'' چرواہے اور محافظ کو بھی کہتے ہیں اور حاکم کو بھی کہتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال ہوگا' سربراہ ملک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا اور ایک شخص اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے گھر کے لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس سے گھر کے متعلق سوال ہوگا' خادم اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹' مسند احمد ج ۲ ص ۵)

الاعلیٰ: ۵ میں فرمایا: پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا O

''غثاء'' اور ''احوٰی'' کا معنی

اس آیت میں ''غثــاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: خشک گھاس' سیلاب کا کوڑا اور جھاگ' سوکھے گلے سڑے پتے اور ''احوٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کالا سیاہ مائل بہ سبز' سرخ مائل بہ سیاہ' یہ لفظ ''حوۃٌ'' سے بنا ہے' ''حوۃ'' اس سیاہی کو کہتے ہیں جو مائل بہ سبز ہو یا وہ سرخی جو مائل بہ سیاہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O مگر جو اللہ چاہے' بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے O اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے O سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے O عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے O اور اس نصیحت سے بڑا بد بخت دور رہے گا O جو بڑی آگ میں جائے گا O پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا O (الاعلیٰ: ۱۳۔۶)

اللہ تعالیٰ کے یاد کرانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید نہ بھولنا اور اس کے ضمن میں آپ کی نبوت کی دلیلیں

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تھا' اور آپ کو معلوم تھا کہ کامل تسبیح جب ہوگی جب

آپ قرآن کے موافق تسبیح پڑھیں' اس لیے آپ قرآن مجید کو یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے' مبادا آپ قرآن مجید بھول جائیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا: ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت جبریل آپ پر قرآن نازل کرتے تو آپ جلدی جلدی دہرانے کی کوشش کرتے کہ آپ بھول نہ جائیں' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا: ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے' اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا 44
ہے' ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت جبریل آپ کے سامنے متعدد بار قرآن مجید پڑھیں گے تو اس کو بار بار سن کر آپ کو خوب حفظ ہو جائے گا' پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

(۲) ہم آپ کا سینہ کھول دیں گے اور آپ کی قوتِ حافظہ کو اس قدر قوی کر دیں گے کہ آپ کو پکا حفظ ہو جائے گا' پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

(۳) آپ ہمیشہ تسبیح پڑھتے رہیے' ہم آپ کو عنقریب قرآن مجید پڑھائیں گے' جو تمام اوّلین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے' اس میں آپ کی اور آپ کی قوم کا ذکر ہے' ہم اس کو آپ کے دل میں جمع کر دیں گے اور اس پر عمل کرنا ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دو وجہوں سے دلالت کرتی ہے' ایک اس وجہ سے کہ آپ اُمی شخص تھے اور آپ کا اس ضخیم کتاب کو بغیر درس اور تکرار اور بغیر لکھنے کے یاد کرنا خلاف عادت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت جبریل کے سامنے دہرانے سے منع فرما دیا تھا تو صرف ایک مرتبہ حضرت جبریل سے سن کر اس قدر ضخیم کتاب کو حفظ کر لینا غیر معمولی اور خلافِ عادت کام ہے' اور یہ آپ کا زبردست معجزہ ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورت الاعلیٰ مکہ میں نازل ہونے والی اوائل سورتوں میں سے ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے یہ آٹھویں سورت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرمادی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو نہیں بھولیں گے اور یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ باقی کسی موقع پر کسی ایک لفظ کی طرف توجہ کا مبذول نہ ہونا قرآن مجید بھولنے کو مستلزم نہیں ہے۔

الاعلیٰ: ۷ میں فرمایا: مگر جو اللہ چاہے' بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہےO

بعض آیات کے بھولنے کے متعلق احادیث اور ان کی توجیہ

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں بعض الفاظ کو پڑھنا بھول گئے تھے۔

مسور بن یزید الاسدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا' آپ نے کچھ چھوڑ دیا اور اس کو نہیں پڑھا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھ کو یاد کیوں نہیں دلایا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی' آپ کی قرأت میں آپ پر کچھ اشتباہ ہو گیا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم کو کس نے منع کیا؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۷)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ

نے قرآن مجید کی ایک سورت سے کچھ ترک کر دیا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اُبی نے کہا: یارسول اللہ! کیا فلاں فلاں آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت اُبی نے کہا: آپ نے اس آیت کو نہیں پڑھا تھا' آپ نے فرمایا: تم نے مجھے تلقین کیوں نہیں کی (تم نے مجھے بروقت لقمہ کیوں نہیں دیا)؟ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۶)

مصنف کے نزدیک ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو بھولے نہیں تھے' حتیٰ کہ یہ احادیث زیر تفسیر آیت کے معارض ہوں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیے اس آیت کی قرأت کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹا دی تھی اور وہ حکمت یہ ہے کہ اگر امام نماز میں قرأت کے درمیان کہیں بھول جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ امام کو لقمہ دے اور قرأت کے علاوہ اگر امام نماز کے کسی رکن کو بھول جائے تو اس کو لقمہ دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ امام کو ازخود یاد آ جائے اور وہ اس رکن کو ادا کر کے سجدہ سہو ادا کرے' الایہ کہ امام نماز ختم کرنے والا ہو تو پھر اس کو لقمہ دے دے' اس کی تفصیل فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت اور فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۲۵۔۴۲۲' لائل پور میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام ماتریدی کی تقریر

امام ابو منصور محمد بن محمد متوفی ۳۳۳ھ الاعلیٰ: ۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر جو اللہ چاہے' بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: مگر اللہ جو چاہے گا' وہ آپ کو قرآنِ مجید سے بھلا دے گا' لیکن میری رائے میں یہ معنیٰ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پڑھانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن میں سے کچھ نہ بھولنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے' اگر آپ قرآن میں سے کچھ بھول گئے تو یہ آپ کی نبوت میں طعن ہوگا' اور بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ آپ نماز میں ایک آیت بھول گئے تھے' لیکن یہ اخبار احاد ہیں جو علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتیں' البتہ ان کے تقاضے پر عمل کرنا واجب ہے' ہمارے نزدیک اس آیت میں استثناء کے تین محامل ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام اپنی عصمت میں زلّات (لغزشوں' اجتہادی خطاء' مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کا ارتکاب) سے مامون نہیں ہوتے کہ ان پر جو انعام کیا گیا ہے وہ ان سے زائل نہ ہو جائے' اگرچہ اب ہم پر ان کی عصمت ظاہر ہو چکی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے دلائل کے جواب میں فرمایا:

اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ (الانعام: ۸۰)

کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے بحث کر رہے ہو حالانکہ وہ مجھے (کامل) ہدایت دے چکا ہے' اور تم جن چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا' ماسوا اس کے کہ میرا رب ہی کوئی چیز چاہے۔

مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈراتے تھے کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی مخالفت نہیں چھوڑی تو وہ آپ پر کوئی آفت یا مصیبت نازل کر دیں گے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا' تمہارے بت مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' ہاں! اگر میرا رب ہی مجھ پر کوئی آفت نازل کرنا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے' پس جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں یہ استثناء ہے' اسی طرح زیر تفسیر آیت میں استثناء ہے کہ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' پھر آپ نہیں بھولیں گے' ہاں! اگر اللہ خود ہی چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ

اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں تو پھر ہم اللہ پر جھوٹی

اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ . (الاعراف:٨٩)

تہمت لگانے والے ہوں گے اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں تمہارے دین سے بچا کر رکھا ہے اور تمہارے دین میں داخل ہونا ہمارے لیے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ جو چاہے وہ ہمارا رب ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ . (یوسف:٧٦)

اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے خفیہ تدبیر کی تھی وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کی رو سے نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

جس طرح مذکور الصدر انبیاء علیہم السلام کے عام اور کلی معاملات میں عادۃً کوئی استثناء نہیں ہوسکتا تھا' مگر یہ کہ اللہ چاہے کیونکہ وہ ہر ممکن پر قادر ہے' اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھا دیا تو آپ عادۃً اس کو نہیں بھول سکتے تھے لیکن اگر اللہ چاہے تو ایسا ہوسکتا تھا' مگر ایسا ہوا نہیں جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملات میں ایسا نہیں ہوا' اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی قدرت اور سلطنت کے اظہار کے لیے ایسا فرمایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی حکم کو منسوخ فرما دے گا اور اس حکم کی آیت کو آپ کے دل سے بھلا دے گا اور یہاں حقیقت میں آپ کا کسی آیت کو بھولنا نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تلاوت کو منسوخ کرنا ہوگا' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ . (البقرہ:١٠٦)

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیں یا اس کو بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔

(۳) اس آیت کے استثناء میں آپ کے بھولنے سے مراد آپ کی توجہ ہٹ جانا ہے' اور توجہ کے بعد وہ آیت آپ کو یاد آ جاتی ہے' جیسے قرآن کے پکے اور ماہر حافظ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی کسی آیت کی طرف توجہ نہیں رہتی لیکن جب وہ بہ غور توجہ کرتا ہے تو اس کو وہ آیت یاد آ جاتی ہے اور ان تین جوابات سے اس آیت میں استثناء کا معنیٰ واضح ہو جاتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام ابن جوزی کی تقریر

امام عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

(۱) حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ جس حکم کو منسوخ کرنا چاہے گا اس کی آیت کو آپ کے دل سے بھلا دے گا۔

(۲) اس آیت میں استثناء اس آیت کی مثل ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ . (ھود:١٠٧۔١٠٦)

بدبخت لوگ دوزخ میں رہیں گے' وہاں چیخیں گے اور چلائیں گے ○ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین برقرار ہیں' ماسوا اس وقت کے' جس وقت کو آپ کا رب چاہے۔

یعنی اگر کسی وقت میں اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو دوزخ سے نکال لے گا لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا' اسی طرح اگر اللہ چاہے گا تو آپ قرآن مجید بھول جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا۔

(زاد المسیر ج ۹ ص ۹۰۔۸۹' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام رازی کی تقریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مذکور استثناء کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ استثناء حقیقت میں حاصل نہیں ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولے' اس اعتبار سے اس استثناء کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت میں تبرک کے لیے ''الا ماشاء اللہ'' فرمایا ہے (جیسے ہم ان شاء اللہ کہتے ہیں:) اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ. (الکہف: ۲۴۔۲۳)

آپ کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہیں کہ میں اس کو کل کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: میں تمام معلومات کو جاننے والا اور ہر چیز کے انجام کو تفصیلاً جاننے والا ہوں' اس کے باوجود میں مستقبل میں وقوع کی خبر نہیں دے رہا تو آپ کو اور آپ کی امت کو بہ طریق اولیٰ نہیں چاہیے کہ وہ مستقبل میں کسی کام کے وقوع کی خبر دیں۔

(۲) الفراء نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ جو چاہے گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلا دے گا' مگر اس استثناء کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر اللہ یہ ارادہ کرے کہ وہ آپ کو بھولنے والا بنا دے تو وہ اس پر قادر ہے' جیسے اس نے فرمایا ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ. (بنی اسرائیل: ۸۶)

اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ پر نازل کی ہے ہم اس کو سلب کرلیں۔

حالانکہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا' اور اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے رب کی قدرت بتانا چاہتا ہے حتیٰ کہ آپ یہ جان لیں کہ آپ کا نہ بھولنا آپ کے رب کے فضل اور اس کے احسان کے سبب سے ہے' آپ کی اپنی قوت حفظ کے سبب سے نہیں ہے۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے اس استثناء کا ذکر فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ہوسکتا تھا کہ آپ پر جو بھی وحی نازل ہوئی ہے' خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر' اس کو آپ بھول جائیں' اس لیے آپ ہر وقت اور ہر حال میں قرآن مجید کی طرف بھرپور توجہ رکھتے تھے۔

(۴) اس استثناء سے مقصود یہ ہے کہ آپ بالکل نہیں بھولیں گے' جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے: تم میرے مال میں حصہ دار ہو مگر جو اللہ چاہے' حالانکہ وہ استثناء کا بالکل ارادہ نہیں کرتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ استثناء حقیقت میں واقع ہوا ہے اور اس تقدیر پر حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: مگر اللہ جو چاہے گا وہ آپ بھول جائیں گے' کیونکہ آپ بھول جاتے تھے' پھر اس کے بعد آپ اس کو یاد کرتے تھے' لیکن آپ دائماً اور کلی طور پر کبھی کسی آیت کو نہیں بھولتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ نماز میں ایک آیت کو پڑھنا بھول گئے اور حضرت اُبی بن کعب نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت منسوخ ہوگئی ہے' انہوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو بھول گیا تھا۔

(۲) مقاتل نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ جو چاہے گا آپ کو بھلا دے گا اور اس بھلانے سے مراد منسوخ کرنا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

ہم جس آیت کو منسوخ کردیں یا اس کو بھلا دیں تو ہم اس

مِثْلِهَا ؕ . (البقرہ:۱۰۶) سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں۔

اور اب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا: اللہ تعالیٰ جس آیت کو چاہے کہ تمام اوقات میں آپ کو وہ بھلا دے تو وہ آپ کو حکم دے گا کہ آپ اس کو نہ پڑھیں اور یہ آپ کے نسیان کا اور آپ کے سینہ سے اس آیت کے زوال کا سبب ہوگا۔

(۳) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ قلیل اور نادر طور پر ان چیزوں کو بھولیں گے، جن کا تعلق سنن اور آداب سے ہے نہ ان چیزوں کو جن کا تعلق فرائض اور واجبات سے ہے کیونکہ ان کا بھولنا دین اور شریعت میں خلل کا موجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے O

ظاہر سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ جو قرآن مجید پڑھتے تھے، اور پوشیدہ سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں جو اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھولنے کے خطرہ سے قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتایا: آپ خوف نہ کریں میں اس کا ضامن ہوں کہ آپ قرآن نہیں بھولیں گے، دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے، جس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے دشوار ہوگا، وہ اس حکم کو منسوخ کر دے گا اور اس آیت کی قرأت آپ سے بھلا دے گا کیونکہ وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔

الاعلیٰ: ۸ میں فرمایا: اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے لیے دین کا آسان ہونا

سہولت سے مراد ہے: وہ نیک اعمال جو سہولت مہیا کرتے ہیں، اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) ہم آپ کو قرآن مجید کے حفظ کرنے کے آسان اور سہل طریقہ کی توفیق دیں گے۔

(۲) ہم آپ کو ایسے نیک اعمال کی توفیق دیں گے، جس سے آپ کے لیے جنت کا راستہ آسان اور سہل ہو جائے گا۔

(۳) ہم آپ پر نزولِ وحی کو آسان کر دیں گے تاکہ آپ سہولت سے وحی کو حفظ کر سکیں، جان سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔

(۴) ہم آپ پر ایسے شرعی احکام نازل کریں گے، جن پر عمل کرنا آسان ہوگا اور لوگوں کے لیے شرعی احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ؕ . (الحج:۷۸)
اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ . (الاعراف:۲)
یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ آپ اس سے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں سو آپ کے سینہ میں اس سے تنگی نہ ہو۔

اور احادیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹، مسند احمد ج ۵ ص ۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور لوگوں کو بددل اور متنفر نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۴' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کی طرف جھپٹے' تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس جگہ کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو' کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سہولت اور آسانی کے اس قدر دروازے کھولے ہیں کہ کسی اور پر اس قدر دروازے نہیں کھولے' آپ کو جاہلیت کے معاشرہ میں پیدا کیا' والد رحمہ اللہ پہلے فوت ہو چکے تھے' پھر والدہ رحمہا اللہ بھی فوت ہو گئیں اور چند سال بعد دادا کا سایا بھی سر سے اٹھ گیا' کسی مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں گئے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال اور افعال کو تمام جہانوں کے لیے نمونہ بنا دیا اور آپ کو تمام مخلوق کا ھادی بنا دیا' حضرت سعدی فرماتے ہیں

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست — کتب خانہ چند ملت بشست

وہ یتیم شخص جو پڑھنے کے لیے مکتب میں داخل نہیں ہوا' اس کی تعلیمات نے کتنی ہی لائبریریوں کی پہلی کتابوں کو بھلا دیا۔

الاعلیٰ: ۹ میں فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے O

اس اعتراض کا جواب کہ آپ کا منصب تو ہر شخص کو نصیحت کرنا ہے نہ کہ صرف ان کو جن کو نصیحت نفع دے

اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ہم نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے دین آسان کر دیا ہے' اب اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ جب دین آسان ہے تو لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور نصیحت کریں' اگر ان کو نصیحت فائدہ دے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ آپ کا منصب تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرماتے رہیں' خواہ ان کو فائدہ ہو یا نہ ہو' پھر یہ شرط کیوں عائد کی ہے کہ اگر ان کو نصیحت فائدہ دے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اگر کوئی حکم کسی شرط پر موقوف ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ شرط نہ پائی جائے تو اس حکم پر عمل نہ کیا جائے یعنی یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور یہ چیز حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا. (النور: ۳۳)

اور تم اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکیزہ رہنے کا ارادہ کریں۔

اس ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تمہاری باندیاں پاکیزہ رہنے کا ارادہ نہ کریں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کرو۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ (النساء: ۱۰۱)

تم پر (سفر میں) نمازوں کو قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں بہ شرطیکہ تم کو یہ خطرہ ہو کہ کفار (دورانِ نماز) تم پر حملہ کر دیں گے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم صرف حالت جنگ میں نمازوں کو قصر کر سکتے ہو اور حالت امن میں نمازوں کو قصر نہیں

کر سکتے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ (البقرہ:۲۸۳) اگر تم سفر میں ہو اور تم کو (قرض کی دستاویز) لکھنے والا نہ ملے تو تم (قرض کے عوض) رہن کو رکھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قرض کی رقم کو لکھنے والا مل جائے تو پھر قرض کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

ان مثالوں سے جہاں اعتراض مذکور کا جواب ہوا' وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کا یہ مؤقف صحیح ہے کہ احکامِ شرعیہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

نصیحت کے نفع آور ہونے کی شرط عائد کرنے کے فوائد

باقی یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ اگر نصیحت ان کو فائدہ دے تو ان کو نصیحت کریں' اس کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) اگر کوئی مقصود کسی شرط کو عائد کرنے سے زیادہ بہتر طور پر پورا ہوتا ہو تو شرط کا عائد کرنا مناسب ہے' لہٰذا جن کو نصیحت فائدہ دے' ان کو نصیحت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

(۲) اس آیت میں صراحۃً یہ فرمایا ہے: ان کو نصیحت کریں جن کو نصیحت فائدہ دے' اور یہ حکم التزاماً اس کو بھی متضمن ہے کہ جن کو نصیحت فائدہ نہ دے' ان کو بھی نصیحت کریں تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور آپ کے مطلقاً ہادی ہونے کا تقاضا پورا ہو۔

(۳) اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر مطلع فرمایا ہے کہ کفار کو آپ کی نصیحت فائدہ نہیں دے گی' وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کریں گے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو کئی بار نصیحت کی مگر انہوں نے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کیا حتیٰ کہ آپ بہت غم گین اور افسردہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ (قٓ:۴۵) اور آپ ان کو جبراً مؤمن بنانے والے نہیں ہیں' لہٰذا آپ صرف ان ہی لوگوں کو قرآن مجید سے نصیحت کیجئے جو (عذاب آخرت کی) وعید سے ڈرتے ہوں ○

یعنی عام لوگوں کو نصیحت کرنا ابتداءً تو ضروری ہے لیکن بار بار اور پیہم صرف ان ہی لوگوں کو نصیحت کرنا ضروری ہے' جن کے حق میں نصیحت کرنا مفید ہو۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کسی حکم کے ساتھ کسی شرط کو عائد کرنا' اس کے حق میں تو درست ہے جس کو انجام کا پتا نہ ہو' اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے' اس کو علم ہے کہ کفار کو یہ نصیحت فائدہ نہیں دے گی' پھر اس نے یہ شرط کیوں عائد کی کہ اگر نصیحت فائدہ دے' اس کو تو معلوم ہے کہ کفار کو نصیحت سے فائدہ ہو گا یا نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغ اور پیغام بھیجنے کا حکم اور چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو عواقب اُمور اور مغیبات کا علم ہونا دوسری چیز ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر مبنی نہیں ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○ (طٰہٰ:۴۴) آپ دونوں فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں' شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے ○

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا کہ فرعون نصیحت حاصل کرے گا نہ ڈرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا یہ امر منضبط ہے کہ آپ کتنی بار عام لوگوں کو نصیحت کریں تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو

جائیں گے۔

امام رازی نے فرمایا: اس کا انضباط عرف پر مبنی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۳۳)

مصنف کے نزدیک عام تبلیغ کا حکم اس وقت تک تھا' جب تک یہ آیت اورق: ۴۵ نازل نہیں ہوئی تھی اور جب یہ آیات نازل ہو گئیں تو اب آپ پر صرف ان ہی لوگوں کے لیے نصیحت کرنا ضروری ہے' جن کو نصیحت فائدہ دے یا جو آخرت کی وعید سے ڈرتے ہوں۔

الاعلیٰ: ۱۰ میں فرمایا: عنقریب وہ شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہےO

اللہ سے ڈرنے والے کا مصداق

وہی شخص آپ کی نصیحت کو قبول کرے گا' جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا روزِ آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کی توحید پر' آپ کی رسالت پر اور قرآن کے کتاب ہدایت ہونے پر ایمان لاتے ہیں' بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور یہ ایمان ہی ان کو آپ کی نصیحت کے قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کبھی اس شخص کو بھی نصیحت کی جاتی ہے جو آخرت کی امید رکھتا ہے' مگر آخرت سے ڈرنے والے کے لیے نصیحت زیادہ مفید ہے' قشیری نے کہا: ان آیتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ بالعموم نصیحت کیجئے' اگرچہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت زیادہ مفید ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف دلوں میں ہوتا ہے اور دلوں کے حال پر صرف اللہ تعالیٰ مطلع ہوتا ہے' اس لیے آپ کے لیے افضل یہ ہے کہ آپ ہر شخص کو نصیحت کرتے رہیں' کیونکہ کوئی شخص نصیحت کو قبول کرے یا نہ کرے' آپ کو تو بہر حال نصیحت کرنے سے اجر و ثواب ملے گا۔

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابن ام مکتوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

الاعلیٰ: ۱۳۔۱۱ میں فرمایا: اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گاO جو بڑی آگ میں جائے گاO پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گاO

بڑی آگ کا مصداق

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں: مؤمنین اور کافرین' اور مؤمنین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں' سو جو شخص آپ کی نصیحت کو مسترد کر دے' وہ کافر ہوگا اور بہت بڑا بدبخت ہوگا اور وہی بہت بڑی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

بہت بڑی آگ کی تفسیر میں کئی قول ہیں: حسن بصری نے کہا: بہت بڑی آگ دوزخ کی آگ ہے اور چھوٹی آگ دنیا کی آگ ہے' ایک قول یہ ہے کہ جیسے گناہوں کے مختلف درجات ہوتے ہیں' سب سے بڑا گناہ شرک اکبر ہے' اس کے بعد شرک اصغر ہے یعنی ریاکاری' اس کے بعد ماں باپ کی نافرمانی ہے' اس کے بعد قطع رحم ہے' پھر دیگر گناہ کبیرہ ہیں' اسی اعتبار سے دوزخ کے بھی مختلف درجات ہیں اور سب سے بڑا درجہ کفر اور شرک کرنے والوں کے لیے ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ — بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''اشقی'' یعنی بہت بڑا بدبخت دوزخ میں ہوگا تو جو شخص بہت بڑا بدبخت

اور بہت بڑا مجرم نہ ہو' کیا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''اشقی'' بہ معنیٰ ''شقی'' ہے یعنی جو شخص کافر ہے' وہ دوزخ میں داخل ہوگا خواہ بڑا کافر ہو یا چھوٹا۔

پھر فرمایا: پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا○

یعنی اس پر موت نہیں آئے گی تا کہ اس کو عذاب سے نجات مل جائے اور نہ وہ اس طرح زندہ رہے گا کہ زندگی سے لطف اٹھا سکے' جیسے فرمایا:

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ط (فاطر:۳۶) — نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے کم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس نے اپنا باطن صاف کرلیا وہ کامیاب ہوگیا○ اور جس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا' پھر وہ نماز پڑھتا رہا○ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو○ اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے○ بے شک یہ نصیحت پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے○ ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں○ (الاعلیٰ:۱۹۔۱۴)

تزکیہ نفس کا معنیٰ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا' اور جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے بعد مؤمنین کا ذکر فرماتا ہے اور وعید کے بعد اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے' اس لیے ان مؤمنوں کا ذکر فرما رہا ہے' جنہوں نے اپنا تزکیہ کرلیا اور اپنا باطن صاف کرلیا۔

اب یہ بحث ہے کہ تزکیہ سے کیا مراد ہے؟ امام رازی کی رائے یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک کو ترک کر کے اپنے باطن کو صاف کرنا اور کفر کی تاریکی کو اپنے قلب سے زائل کر کے اس کو ایمان کے نور سے روشن کرنا' کیونکہ اس آیت میں مطلق تزکیہ کا ذکر ہے اور جب کسی چیز کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اس کا کامل فرد ہوتا ہے اور تزکیہ کا کامل فرد کفر اور شرک کو زائل کرنا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تزکی'' کا معنیٰ ہے: ''لا اله الا الله'' پڑھنا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى'' کی تفسیر میں فرمایا: جس نے ''لا اله الا الله'' کی شہادت دی اور یہ شہادت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ''وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى'' کی تفسیر میں فرمایا: یہ پانچ نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۲۲۸۴' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں عباد بن احمد العرزمی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۷)

دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک اور ہر قسم کے کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے قلب کو صاف کر دینا اور اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ○ وَالَّذِيْنَ

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی○ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں○ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں○ سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں

هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ○ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ○ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○ (المؤمنون: ۱۱۔۱)

ہیں ○ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○ وہی لوگ وارث ہیں ○ جو جنت الفردوس کی وراثت پائیں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاعلیٰ: ۱۵۔۱۴ کی تفسیر میں حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: جس نے شرک کو ترک کیا' توحید کا اقرار کیا اور پانچوں نمازیں پڑھیں۔

امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں عکرمہ سے روایت کیا ہے: جس نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے عطاء سے روایت کیا ہے' جس نے بہ کثرت استغفار کیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۲۳۱)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے' جس نے نیک عمل کیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۲۳۲)

تزکیہ کی تفسیر صدقہ فطر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار

امام بزار' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے سند ضعیف سے عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے: ''قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○'' (الاعلیٰ: ۱۵۔۱۴) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ فطر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ○'' سے مراد صدقہ فطر ہے۔ (تفسیر امام ابن حاتم رقم الحدیث: ۱۹۲۳۳)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نمازِ عید پڑھنے کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرتے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کیا جائے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: جس شخص نے اپنے مال کو پاک کیا اور جس شخص نے اپنے اخلاق سے اپنے باطن کو پاکیزہ کیا۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے صدقہ کیا' پھر نماز پڑھی' پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۲۴۰)

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

تزکیہ کا معنیٰ ہے: اپنے قلب سے عقائد باطلہ اور گناہ ہائے کبیرہ کی طرف میلان کو زائل کرنا اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا معنیٰ یہ ہے: جو شخص اپنے رب کے سامنے منکسر اور متواضع ہوتا ہے' اس کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے منور ہو جاتا ہے' پھر اس نور کی وجہ سے اس کے تمام اعضاء سے خضوع اور خشوع ظاہر ہوتا ہے۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نماز کی "تکبیرۃ الافتتاح" میں اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں ہے' اگر اس نے اللہ اعظم کہہ دیا' پھر بھی نماز کو شروع کرنا صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾" (الاعلیٰ:۱۴) اس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا' پھر نماز پڑھی۔

الاعلیٰ:۱۶ میں فرمایا: بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

دنیا کی لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث اور آثار

اس آیت کا معنی ہے کہ تم دنیا کے مشاغل اور دنیا کی لذات کو آخرت کے مشاغل اور آخرت کی لذات پر ترجیح دیتے ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک خطبہ دیا' ہم میں سے جس نے اس کو یاد رکھا' اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اس خطبہ میں آپ نے قیامت تک ہونے والے اُمور کو بیان فرمادیا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے' سو دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو' سنو! تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۷۔ رقم الحدیث: ۱۱۱۴۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: بے شک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں رغبت کی اور اس کی دنیا میں رغبت زیادہ ہوگئی تو جس قدر اس کی دنیا میں رغبت ہوگی' اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتنا اندھا کر دے گا اور جو دنیا میں بے رغبتی کرے گا اور اس کی امید کم کرے گا' اللہ اس کو پڑھنے کے بغیر علم عطا فرمائے گا اور بغیر حصول ہدایت کے ہدایت عطا فرمائے گا' نیز فرمایا: سنو! تمہارے بعد ایسی قوم آئے گی جس کو بغیر قتل اور جبر کے حکومت حاصل نہیں ہوگی اور بغیر بخل اور عجز کے خوش حالی حاصل نہیں ہوگی اور بغیر دین سے نکلنے اور خواہش کی پیروی کے محبت حاصل نہیں ہوگی' سنو! جس شخص نے ایسے زمانہ کو پایا اور حصولِ مال پر قدرت کے باوجود فقر پر صبر کیا اور حصولِ عزت پر قدرت کے باوجود ذلت پر صبر کیا اور حصولِ محبت پر قدرت کے باوجود بغض پر صبر کیا اور یہ صرف اللہ عزوجل کی رضاجوئی کے لیے کیا تو اللہ اس کو پچاس صدیقوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۵ ملخصاً' حسن بصری نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! یہ دنیا ہلاکت کا گھر ہے' ٹھہرنے کا گھر نہیں ہے' یہ غم کا گھر ہے' خوشی کا گھر نہیں ہے' جس نے دنیا کو پہچان لیا وہ دنیا کی کشادگی سے خوش نہیں ہوگا اور دنیا کی شدت سے غم گین نہیں ہوگا' سنو! اللہ نے دنیا کو آزمائش کا گھر بنایا ہے اور آخرت کو انجام کا گھر بنایا ہے' پس دنیا کی آزمائش کو آخرت کا ثواب بنا دیا' اور آخرت کا ثواب دنیا کی آزمائش کا عوض ہے' پس اللہ تعالیٰ اچھی جزاء دینے کے لیے آزمائش کرتا ہے' پس تم دنیا کے میٹھے گھونٹ سے آخرت کی کڑواہٹ کی وجہ سے بچو اور اس کی لذتوں سے آخرت کے مصائب کی وجہ سے بچو' اور اس گھر کو آباد کرنے کی کوشش نہ کرو' جس کو ویران کرنے کا اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے اور تم دنیا سے میلان نہ رکھو' جس سے

اجتناب کا اللہ نے ارادہ فرمایا ہے ورنہ تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے اور اس کی سزا کے مستحق ہو گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۸۱۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سب سے برے لوگ وہ ہیں جن کو نعمتوں سے غذا دی گئی' جو بہت لذیذ کھانا کھاتے ہیں اور بہت عمدہ کپڑے پہنتے ہیں' وہی یقیناً میری امت کے سب سے بُرے لوگ ہیں اور جو شخص کسی ظالم سربراہ کی وجہ سے ملک سے بھاگے وہ نافرمان نہیں ہے بلکہ ظالم سربراہ ملک نافرمان ہے' سنو! خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۳۶۴۷)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی' جب وہ اس آیت پر پہنچے: "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا" (الاعلیٰ:۱۶) تو انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہم نے آخرت کے اوپر دنیا کو ترجیح دے دی ہے' پھر انہوں نے کہا: ہم نے دنیا کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ہم نے دنیا کی خوش نما چیزوں کو' دنیا کی (حسین) عورتوں کو اور دنیا کی کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو دیکھا اور آخرت کی نعمتیں ہم سے غائب تھیں' اور ہم نے جلد ملنے والی چیزوں کو تاخیر سے ملنے والی نعمتوں پر ترجیح دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۸۶۵۸)

الاعلیٰ:۱۷ میں فرمایا: اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے O

اُخروی نعمتوں کے افضل ہونے کی وجوہ

آخرت حسب ذیل وجوہ سے دنیا سے بہتر ہے:

(۱) آخرت جسمانی اور روحانی سعادتوں پر مشتمل ہے جب کہ دنیا میں صرف دنیاوی لذتیں ہیں۔

(۲) دنیا کی لذتیں مصیبت اٹھانے کے بعد ملتی ہیں اور آخرت کی لذتیں ابتداءً ملتی ہیں۔

(۳) دنیا کی لذتوں کے ساتھ یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ یہ لذتیں کسی وقت بھی زائل ہو سکتی ہیں۔

(۴) دنیا کی لذتیں فانی ہیں اور آخرت کی لذتیں باقی ہیں۔

الاعلیٰ:۱۸ میں فرمایا: بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے O

کون سی نصیحت سابقہ صحائف میں مذکور ہے

اس میں اختلاف ہے کہ اس نصیحت کا اشارہ کس طرف ہے' بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی توحید' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' کفار کو عذاب کی وعید اور مؤمنین کو ثواب کی بشارت کی طرف ہے۔

بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" (الاعلیٰ:۱۴) کی طرف ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر نامناسب کام سے پاک اور صاف کرے' قوتِ نظریہ کو تمام عقائد باطلہ سے پاک کرے اور قوتِ عملیہ کو تمام مذموم اخلاق سے پاک کرے۔

"وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ" (الاعلیٰ:۱۵) میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے منور کرے اور "فصلّٰی" میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین کرے۔

"بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا" (الاعلیٰ:۱۶) میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زیب و زینت میں غافل ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کو فراموش نہ کرے۔

"وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" (الاعلیٰ:۱۷) میں یہ رہ نمائی کی ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے

ثواب کی طرف رغبت کرے اور اُخروی انعامات کی طرف۔
اور چونکہ اشارہ اس کی طرف کیا جاتا ہے جو زیادہ قریب مذکور ہو اس لیے متبادر یہ ہے کہ یہ اشارہ الاعلیٰ: ۱۷ کی طرف ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:
وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء: ۱۹۶) بے شک یہ (قرآن) انبیاء سابقین کے صحائف میں بھی مذکور ہے ○
الاعلیٰ: ۱۹ میں فرمایا: ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں ○
اس آیت میں الاعلیٰ: ۱۸ کا بیان ہے' الاعلیٰ: ۱۸ میں فرمایا تھا: بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے اور الاعلیٰ: ۱۹ میں ان صحائف کا بیان ہے کہ ان صحائف سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحائف ہیں۔
انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحائف کے متعلق تفصیل حسبِ ذیل حدیث میں ہے:

نبیوں' رسولوں' کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے' اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جمِ غفیر ہیں' میں نے کہا: بہت اچھے ہیں' میں نے کہا: یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' پھر ان کو اپنے سامنے بنایا' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم' شیث اور خنوخ' یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح' اور چار نبی عرب ہیں: ھود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی' اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں' شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے' خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے' ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات' انجیل' زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔
(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)
اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
(موارد الظمآن ص ۵۴۔۵۲' مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ' بیروت)
امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶ ـ ۱۷۹' مطبوعہ مکتبہ اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)
امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷۔۳۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)
حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی' رب العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں' میں جن امراض میں مبتلا ہوں مجھے ان سے شفاء عطا فرمائیں' مجھے مزید توانائی عطا فرمائیں' صاحب زادہ حبیب الرحمان (بریڈفورڈ)' مولانا عبدالمجید (برسٹل)' ثمینہ بہن (برسٹل)' مولانا اسماعیل نورانی (کراچی)' شیخ نجیب الدین (کراچی)' شفیق بھائی' شمیم بھائی' سید عمیر (کراچی)' اور مفتی منیب الرحمان (کراچی)' سید محسن اعجاز (لاہور) اور فوزیہ بہن (لاہور) اور میرے تمام محسنین اور احباب کو اور مجھ کو دنیا اور آخرت کی مشکلات اور آفات و بلیات سے محفوظ اور مامون رکھیں اور آخرت کی دائمی نعمتیں اور جنت الفردوس عطا فرمائیں' میری والدہ ماجدہ' میرے والد گرامی اور میرے تمام اساتذہ کی اور تمام تلامذہ اور جملہ قارئین کی مغفرت فرمائیں اور میری تمام تصانیف کو تا قیام قیامت باقی' مرغوب اور فیض آفریں رکھیں۔ آمین یا رب العلمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریاته وامته اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الغاشیة

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس کے متعلق احادیث

اس سورت کا نام الغاشیۃ ہے کیونکہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں ''الغاشیة'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِؕ (الغاشیہ:۱) بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے○

اس آیت میں ''هل'' بہ معنی ''قد'' ہے یعنی تحقیق ''الغاشية'' کا معنی: ڈھانپنے والی اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ قیامت کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیں گی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الغاشیۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۹، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ کے ساتھ سورۃ الغاشیۃ پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱۹)

سورۃ الغاشیۃ کا ترتیب مصحف کے اعتبار سے نمبر ۸۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۶۸ ہے۔

سورۃ الغاشیۃ کی سورۃ الاعلیٰ کے ساتھ مناسبت

سورۃ الاعلیٰ میں مؤمنین اور کافروں اور جنت اور دوزخ کے اوصاف اجمالاً بیان کیے گئے تھے:

سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰىۙ وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَىۙ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰىۚ (الاعلیٰ: ۱۲-۱۰) عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے○ اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گا○ جو بڑی آگ میں جائے گا○

اور الغاشیۃ میں ان کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، دوزخ اور اہل دوزخ کی صفات میں ہے:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌۙ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةًۙ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍؕ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍۙ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍؕ (الغاشیہ: ۷-۲) اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے○ کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے○ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے○ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا○ ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہو گا○ جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا○

سورۃ الغاشیۃ کے مشمولات

☆ سورۃ الغاشیۃ میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں۔

☆ اس سورت میں قیامت کے دہشت ناک احوال بیان فرمائے ہیں' اور مؤمنین اور کافرین کے اعمال کی جزاء اور سزا بیان فرمائی ہے اور اہل جنت اور اہل دوزخ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ 45

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی قدرت' اس کی حکمت اور اس کے علم پر آسمانوں' اونٹوں' پہاڑوں اور زمینوں وغیرہا کی تخلیق سے استدلال فرمایا ہے۔

☆ اس سورت کے آخر میں لوگوں کو یہ یاد دلایا ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف لوٹ کر جانا ہے' جہاں ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ پر جو احکامِ شرعیہ نازل کیے گئے ہیں' وہ لوگوں کو یاد دلائیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الغاشیۃ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے اس مہم میں ہدایت اور استقامت پر قائم رکھیں۔ آمین یا رب العٰلمین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۸۸ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۶ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھبیس آیات اور ایک رکوع ہے

45 هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲

بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے O اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے O وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے O انہیں کھولتے ہوئے چشمہ

اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا

(کے پانی) سے پلایا جائے گا O ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہو گا O جو نہ فربہ کرے گا نہ

يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹

بھوک دور کرے گا O بہت چہرے اس دن خوش و خرم ہوں گے O اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے O

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲

بلند جنت میں O جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا O اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ

اس میں بلند مسندیں ہوں گی O اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے O اور صف بہ صف گاؤ تکیے

مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ

رکھے ہوں گے O اور بہترین فرش بچھے ہوں گے O کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے

كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ

بنایا گیا ہے O اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O اور پہاڑوں کو کہ

كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ

وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O سو آپ نصیحت کرتے رہیں

إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ

آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O مگر جو حق سے پشت پھیرے

وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ ٱللَّهُ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

اور کفر کرے O تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے O

ع ۲۶ ۱۳ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے O اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے O وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے O انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا O ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا O جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا O

(الغاشیہ: ۷۔۱)

قیامت کے دن کو ''الغاشیۃ'' فرمانے کی وجوہ

الغاشیہ: ۱ میں ''الغاشیۃ'' (ڈھانپنے والی چیز) قیامت کو کہا گیا ہے اور اس کو ''الغاشیۃ'' کہنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) قرآن مجید میں ہے: ''یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ'' (العنکبوت: ۵۵) وہ دن جو ان کو عذاب سے ڈھانپ لے گا۔

(۲) قیامت کو ''الغاشیۃ'' اس لیے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کا تمام اطراف سے احاطہ کر لے اس کو غاشیہ کہتے ہیں۔

(۳) قیامت اچانک آ کر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈھانپ لے گی' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ. کیا یہ لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب سے ڈھانپنے والی چیز آ جائے۔ (یوسف: ۱۰۷)

(۴) قیامت تمام اوّلین اور آخرین لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔

(۵) قیامت کے ہولناک مناظر اور اس کے دہشت ناک احوال اور شدائد لوگوں کو ڈھانپ لیں گے۔

(۶) ''الغاشیۃ'' دوزخ کی آگ ہے' جو کفار اور اہل دوزخ کے چہروں کو ڈھانپ لے گی' قرآن مجید میں ہے:

تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم: ۵۰) ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ ڈھانپ لے گی O

الغاشیہ: ۲ میں فرمایا: اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O

اس آیت میں ''خاشعة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: ذلیل وخوار ہونے والے' دبنے والے' عاجزی کرنے والے۔

اس آیت کا لفظی معنیٰ ہے: کفار کے چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے اور اس سے مراد ہے: خود کفار اس دن ذلیل و خوار ہوں گے' چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی ذلت اور خواری کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گے' قرآن مجید کی دیگر آیتوں میں بھی کفار کی ذلت اور خواری کا ذکر فرمایا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. کاش کہ آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے

(السجدہ:۱۲) سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ اور آپ انہیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور وہ ذلت سے جھک رہے ہوں گے۔ (الشوریٰ:۴۵)

الغاشیہ:۳ میں فرمایا: کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے O

کفار پر شدتِ عذاب

آخرت کے دن کفار کے چہروں پر مشقت ہوگی' کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے تھے' وہ دوزخ میں مشقت والے عمل کریں گے' وہ زنجیروں اور بھاری اور وزنی طوق گلے میں ڈالے ہوئے گھسٹ رہے ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اس کو پکڑو' پھر اس کو طوق پہنا دو O پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو O پھر اس کو ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے O (الحاقہ:۳۲۔۳۰)

ان کی مشقت والا عمل یہ ہوگا کہ وہ زنجیروں اور طوق میں جکڑے ہوئے دوزخ کے شعلوں کی لپٹ سے کبھی اوپر اُٹھیں گے اور کبھی نیچے جائیں گے' نیز دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے وہ میدانِ محشر میں ایک ہزار سال کے دن میں ننگے' بھوکے پیاسے کھڑے ہوں گے اور یہ ان کا بہت مشقت والا عمل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا: ان کو یہ ذلت اور مشقت دنیا میں حاصل ہوگی اور یہ لوگ یہود' نصاریٰ' بت پرست اور مجوس ہیں' انہوں نے اپنے ذہنوں اور دماغوں میں اللہ تعالیٰ کا جو تصور بنا رکھا تھا' یہ اس کے مطابق دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کرتے رہے' روزے رکھتے اور مشقت والی ریاضتیں کرتے' لیکن ان کی یہ ریاضتیں آخرت میں کسی کام نہ آئیں' اس لیے یہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

الغاشیہ:۴ میں فرمایا: وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے O

اس آیت میں ''تصلٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی جگہ داخل ہونا اور کسی جگہ پہنچنا۔

اور اس آیت میں ''حامیة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: دہکتی ہوئی جلتی ہوئی آگ' یہ لفظ ''حمیٌ'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: دہکنا اور گرم ہونا۔ (مختار الصحاح ص ۱۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت) اور ''تصلی'' کا لفظ ''صلی'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: داخل ہونا' اس سے مراد ہے: وہ دوزخ میں جھونکے گئے اور جل رہے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۳۴۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

الغاشیہ:۵ میں فرمایا: انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا O

اس آیت میں ''انية'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''انیٌ'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: سخت کھولنا اور پکنا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ پانی اس قدر گرم ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل جائیں گے۔

الغاشیہ:۶ میں فرمایا: ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا O

اس آیت میں ''ضریع'' کا لفظ ہے' ''ضریع'' کا معنیٰ ہے: خاردار جھاڑی' حدیث میں ہے:

''الضریع'' ایک گھاس ہے' جس کو شبرق کہا جاتا ہے' اہل حجاز ''الضریع'' سوکھی ہوئی گھاس کو کہتے ہیں اور یہ زہریلی گھاس ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الغاشیہ' باب:۸۸)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عذاب کی متعدد اقسام ہیں' اسی طرح معذبین کے بھی کئی طبقات ہیں' بعض معذبین تھوہر کے درخت کو کھائیں گے' اور بعض ''غسلین'' کو کھائیں گے اور بعض ''الضریع'' کو کھائیں گے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''الضریع'' آگ کا درخت ہے اور خلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار گھاس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الغاشیہ: ۷ میں فرمایا: جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا O

کفارِ قریش نے کہا: ہمارے اونٹ ضریع (خشک گھاس) کھاتے ہیں اور خوب فربہ ہو جاتے ہیں تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہت چہرے اس دن خوش و خرم ہوں گے O اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے O بلند جنت میں O جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا O اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O اس میں بلند مسندیں ہوں گی O اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے O اور صف بہ صف گاؤ تکیے رکھے ہوں گے O اور بہترین فرش بچھے ہوں گے O (الغاشیہ: ۱۶۔۸)

مؤمنین کا آخرت میں اجر و ثواب اور مشکل الفاظ کے معانی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کفار کے عذاب کی شدتوں کا ذکر فرمایا اور اب قرآن مجید کے اسلوب کے مطابق آخرت میں مؤمنین کے ثواب کی فرحتوں اور نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے۔

الغاشیہ: ۸ میں بتایا کہ مؤمنین کے چہرے بہت بارونق اور حسین ہوں گے' جیسے اس آیت میں ہے:

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ۚ‎ O تم ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی اور رونق کو پہچان لو گے O (المطففین: ۲۴)

الغاشیہ: ۹ میں فرمایا: اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کرنے کی جو کوشش اور جدوجہد کی تھی' اس پر ان کی حمد کی جائے گی' کیونکہ ان ہی نیک اعمال کی وجہ سے ان کو آخرت میں اچھی جزا حاصل ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے کیا خوب عمل کیے تھے اور جب ان کے نیک اعمال کی تعریف کی جائے گی تو وہ خوش اور راضی ہوں گے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب وہ اپنے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتیجے میں بہت عظیم ثواب کا مشاہدہ کریں گے تو وہ بہت خوش اور راضی ہوں گے' اس عظیم ثواب کی تفصیل درج ذیل آیتوں میں آ رہی ہے۔

الغاشیہ: ۱۰ میں فرمایا: بلند جنت میں O

اس بلندی سے بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت مسافت میں بلند ہوگی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت شرف اور مرتبہ میں بلند ہوگی' کیونکہ جنت کے بعض درجات بعض دوسرے درجات سے اعلیٰ ہوں گے' عطاء نے کہا: دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

الغاشیہ: ۱۱ میں فرمایا: جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا O

لغوبات سے مراد ہے: فضول' عبث اور بے کار بات' قرآن مجید میں ہے:

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا . (مریم:۶۲) وہ جنت میں فضول بات نہیں سنیں گے۔

جنت میں لغو بات نہ سننے کی وجوہ

جنت میں لغو بات نہ سننے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جنت لغو باتوں سے پاک ہے کیونکہ جنتی گویا کہ اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں اور انہوں نے جنت کو نیکی اور حق سے حاصل کیا ہے نہ کہ لغو اور باطل سے' اسی طرح دنیا کی ہر وہ مجلس جو شریف اور معزز ہو وہ لغو باتوں سے پاک ہوتی ہے اور جس مجلس میں لغو باتیں نہ ہوں اور وقار جس قدر زیادہ ہو اس کی عزت اور جلالت اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) زجاج نے کہا: اہل جنت صرف حکمت کی باتیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے۔

(۳) مقاتل نے کہا: جس طرح دنیا میں لوگ شراب پیتے وقت ہلڑ مچاتے ہیں' جنت میں شراب پیتے وقت ایسا نہیں ہوگا۔

(۴) جنت میں لوگ ایسی باتیں نہیں کریں گے' جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو یا ان کو ایذاء پہنچے۔

الغاشیہ: ۱۲ میں فرمایا: اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O

جنت کے چشمے' گلاس' فرش اور تکیے

اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں انواع واقسام کے بہت زیادہ چشمے ہوں گے۔

الغاشیہ: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: اس میں بلند مسندیں ہوں گی O اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے O

ان کی مسندیں فضاء میں بلند ہوں گی' کیونکہ جب مؤمن مسند پر بیٹھے گا تو وہ اپنے رب کی عطا کی ہوئی تمام نعمتوں کو دیکھے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی مسندیں زمرد' موتیوں اور یاقوت سے مزین ہوں گی اور آسمانوں میں بلند ہوں گی۔

ترتیب شدہ جام سے مراد یہ ہے کہ ان چشموں کے کنارے گلاس قطار در قطار رکھے ہوئے ہوں گے' اور جب کوئی شخص چشمہ سے پینا چاہے گا تو گلاس بھر کر پی لے گا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ چشمہ سے پینا چاہے گا تو گلاس خود بہ خود بھر جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ گلاس چاندی اور سونے کے ہوں اور ان پر ہیرے اور جواہر جڑے ہوئے ہوں۔

الغاشیہ: ۱۵ میں فرمایا: اور صف بہ صف گاؤ تکیے رکھے ہوں گے O

اس آیت میں ''نمارق'' کا لفظ ہے' یہ ''نمرقۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: بڑا تکیہ' گدا' زین یا پالان' اور ''نمروقۃ'' کا معنیٰ ہے: چھوٹا تکیہ۔ (القاموس المحیط ص ۹۲۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

الغاشیہ: ۱۶ میں فرمایا: اور بہترین فرش بچھے ہوں گے O

اس آیت میں ''زرابی'' کا لفظ ہے' یہ ''زربی'' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: غالیچے اور فرش یا ہر وہ چیز جس کو زینت کے لیے بچھایا جائے اور اس پر تکیہ لگایا جائے۔ (القاموس المحیط ص ۹۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا گیا ہے O اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O سو آپ نصیحت کرتے رہیں' آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O آپ ان کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے O تو اللہ اس

کو بہت بڑا عذاب دے گا○ بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے○ پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے○
(الغاشیہ:۲۶۔۱۷)

اونٹ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ اہل قیامت کی دو قسمیں ہیں: ایک مؤمنین ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور دوسرے کافرین ہیں جو عذاب یافتہ ہیں' اور قیامت کے دن پر اور عذاب اور ثواب پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا واحد خالق اور مدبر اور حکیم مانا جائے' اس لیے اب درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

الغاشیہ:۱۷ میں اونٹ کی تخلیق کا ذکر فرمایا' اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے تمام حیوانات اس کی تخلیق اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تمام حیوانات کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا طریقہ واحد ہے اور ان کی تخلیق کی طرز اور نظم واحد ہے اور تخلیق کی طرز کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی واحد ہے' پھر ان تمام حیوانات اور چوپایوں میں سے اونٹ کی تخصیص کی وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حیوانات میں جو منافع اور فوائد رکھے ہیں' وہ یہ ہیں: انسان بعض جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور بعض جانوروں کا دودھ پیتا ہے' بعض جانوروں پر اپنا سامان لادتا ہے اور بعض جانوروں پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے' اور بعض جانوروں کو صرف ان کی خوب صورتی اور ان کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ○ (یٰس:۷۲۔۷۱)	کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو مخلوق بنائی ہے' ان میں سے ہم نے ان کے فائدہ کے لیے چوپائے بھی بنائے ہیں' جن کے یہ مالک ہیں○ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا ہے' سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں○
وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ۭ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل:۸۔۵)	اور اللہ نے تمہارے نفع کے لیے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت منافع ہیں اور بعض چوپائے تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں○ اور ان چوپاؤں میں تمہارے لیے حسن و جمال ہے جب تم شام کو چرا کر لاؤ اور جب صبح چرانے لے جاؤ○ اور وہ تمہارا سامان ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت برداشت کیے خود نہیں جا سکتے تھے بے شک تمہارا رب بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے○ اور اس نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سوار ہو' اور وہ باعثِ زینت ہوں' اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن کو تم نہیں جانتے○

ان آیات میں مویشی کو پیدا کرنے کے یہ فوائد بیان فرمائے ہیں کہ تم ان پر سواری کرتے ہو' ان کا گوشت کھاتے ہو' ان کی اُون اور بالوں سے لباس اور ٹوپیاں بناتے ہو' ان کا حسن و جمال دیکھ کر تمہیں خوشی ہوتی ہے اور وہ تمہارے بار برداری کے کام آتے ہیں اور ان میں سے بعض کا تم دودھ پیتے ہو' اور یہ تمام فوائد اونٹ کے اندر باقی تمام جانوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں کیونکہ اگر حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر دودھ پینے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر جانوروں پر سوار ہو کر قطع مسافت کو دیکھا جائے تو ریگستانی علاقوں میں اونٹ سب سے زیادہ مسافت قطع کرتا ہے بلکہ ان علاقوں میں صرف اونٹ ہی کے ذریعہ سفر کیا جاتا ہے' اور بار برداری کے لحاظ سے اونٹ تمام جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے' اور عربوں کے دلوں میں تمام جانوروں سے زیادہ اونٹ کی وقعت اور اہمیت ہوتی ہے' اسی وجہ سے انہوں نے کسی انسان کو خطاً قتل کرنے کی دیت سو اونٹ مقرر کی ہے' نیز اونٹ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت کئی کئی دن کی خوراک کو اپنے اندر ذخیرہ کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے لمبے عرصہ تک سفر کرتا رہتا ہے' اسی لیے اس کو صحرائی جہاز کہا جاتا ہے' نیز یہ بہت آسانی سے سدھایا جاتا ہے اور بہت اطاعت گزار ہے' اس کی نکیل کی رسی کو پکڑ کر ایک بچہ بھی اسے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے' اونٹ میں اس قدر حیران کن صفات ہیں جو عقل والے کو اس پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس کی تخلیق پر غور کرے اور اس کی حکمتوں سے یہ قیاس کرے کہ اس کا خالق کس قدر زبردست قدرت اور حکمت والا ہے اور بے ساختہ یہ کہے کہ ''سبحان اللّٰہ ما خلق باطلا'' اللہ سبحانٗ ہے اس نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی۔

الغاشیہ: ۱۸ میں فرمایا: اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O

آسمان' پہاڑ اور زمین میں نشانیاں

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اتنی عظیم چھت بنا دی ہے جو پوری روئے زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس میں بے شمار ستاروں کی قندیلیں روشن کر دی ہیں' جو صحراؤں' بیابانوں اور سمندروں میں اندھیری رات کے مسافروں کی رہ نمائی کرتی ہیں' برسہا برس سے یہ نظام یونہی طرزِ واحد پر قائم ہے' کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایک روشن دلیل نہیں ہے۔

الغاشیہ: ۱۹ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O

زمین میں ان پہاڑوں کو نصب کیا گیا' یہ نہ ادھر اُدھر ہلتے ہیں نہ جھکتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر رکھے ہیں' ان میں سونا اور چاندی ہے' لوہا اور تانبا ہے' کوئلہ ہے اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔

الغاشیہ: ۲۰ میں فرمایا: اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O

ان مذکور نشانیوں میں باہمی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور اپنی توحید پر دلائل کا ذکر کرتے ہوئے اونٹ' آسمان' پہاڑوں اور زمین کا ذکر فرمایا ہے اور چاروں کے ذکر میں کوئی مناسبت ضروری ہے۔

اس مناسبت کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید لغتِ عرب پر نازل ہوا ہے اور عرب عموماً صحراؤں میں سفر کرتے تھے اور صحرا میں بالکل تنہا ہوتے تھے اور جب انسان تنہا ہوتا ہے تو وہ اردگرد کی چیزوں پر غور و فکر کرتا ہے' سب سے پہلے وہ اپنی سواری اونٹ کی طرف دیکھتے تو ان کو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب اور اسرار دکھائی دیتے' وہ اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور منافع پر غور کرتے اور جب وہ اوپر نظر اٹھاتے تو ان کو آسمان کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ اس بے ستون وسیع وعریض بلند نیلی چھت کو دیکھ کر حیران ہوتے' اور جب وہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھتے تو ان کو پہاڑ نظر آتے اور جب وہ اپنے نیچے دیکھتے تو ان

کو پھیلی ہوئی زمین نظر آتی اور یہی وہ موقع تھا کہ جب وہ ان چیزوں کے اسرار اور منافع پر غور وفکر کرتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ اس غور وفکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایمان لے آتے' سو اللہ تعالیٰ نے انسان کے غور وفکر کرنے کے لیے ان چاروں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے خوب صورت چیزوں سے اپنی تخلیق اور توحید پر کیوں استدلال نہیں فرمایا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کے حسن و جمال اور سونے اور چاندی سے اپنی تخلیق اور توحید پر استدلال نہیں کیا کیونکہ جب انسان کسی حسین وجمیل خاتون کو یا کسی خوب صورت مرد کو دیکھتا ہے تو اس کی توجہ اس کے فوائد اور منافع اور اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں کی طرف نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ اس کے حسن سے متاثر ہو کر اپنی جنسی تسکین کے متعلق سوچنے لگتا ہے اور اس پر شہوانی جذبات غالب آ جاتے ہیں' اسی طرح جب وہ سونے چاندی کی دھاتوں اور لہلہاتے ہوئے سرسبز اور شاداب باغات کی طرف دیکھتا ہے تو وہ سونے چاندی کے زیورات بنانے کے متعلق سوچتا ہے اور باغوں میں خوش ذائقہ اور خوش رنگ اور خوش بودار پھلوں کو دیکھ کر ان کو کھانے کے متعلق تجویزیں بناتا ہے اور اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے خالق نے ان چیزوں میں کیسے اسرار اور حکمتیں رکھی ہوئی ہیں' اس کے برخلاف جب انسان اونٹ' آسمان' پہاڑوں اور زمین کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں شہوانی خیالات نہیں آتے' وہ اونٹ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ اس بہ ظاہر بے ڈھنگے جانور میں کتنے منافع اور فوائد ہیں' اگر اللہ تعالیٰ نے اس صحرائی جہاز کو پیدا نہ کیا ہوتا تو وہ اس بے آب وگیاہ صحرا کو کیسے عبور کرتا' پھر اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھتی ہے تو وہ اس کی وسعت پر حیران ہوتا ہے' پہاڑوں کی ہیبت سے متاثر ہوتا ہے' اس پھیلی ہوئی زمین کی وسعتوں پر غور کرتا ہے' غرض ان چاروں چیزوں سے اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید کے آثار نظر آتے ہیں۔

الغاشیہ: ۲۱ میں فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے' آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق' توحید اور قیامت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا' سو آپ نصیحت کرتے رہیے' آپ ایمان لانے کی ترغیب پر ثواب کی بشارت دیں گے اور جو کفر پر اصرار کرے گا' اس کو عذاب سے ڈرائیں گے اور اگر کفار آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ کو ایذاء پہنچاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کریں' اب آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں کیونکہ اب آپ کے بعد کوئی اور نبی تو مبعوث نہیں کیا جائے گا' نبوت اور رسالت آپ پر ختم ہو چکی ہے۔

الغاشیہ: ۲۲ میں فرمایا: آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O

جبریہ کے نظریہ کا باطل ہونا

اس مضمون کی دیگر آیات یہ ہیں:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ (قٓ: ۴۵) — اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (یونس: ۹۹) — اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ سب کے سب ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ سب مؤمن ہو جائیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ تمام مشرکین مؤمن اور مؤحد ہو جائیں اور آپ کی ان تھک تبلیغ کرنے کے باوجود ان کے ایمان نہ لانے سے آپ بہت رنجیدہ اور غم گین ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کے ازالہ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے' لیکن اللہ سبحانہ

نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ سب لوگوں کو جبراً مؤمن بنا دینا' اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے عقل دی ہے اور اس کو اختیار عطا فرمایا ہے' وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے کھوٹے کھرے کو پرکھ کر اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کی تخلیق' اس کی توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان لائے۔اس آیت میں فرقہ جبریہ کا رد ہے' جو یہ کہتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' انسان کا مؤمن ہونا یا انسان کا کافر ہونا' یا انسان کا نیک اور صالح ہونا' یا اس کا فاسق اور فاجر ہونا' سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور انسان اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے۔ان کا یہ نظریہ بداہۃً باطل ہے' اگر ایسا ہو تو دنیا میں رسولوں کو ہدایت کے لیے بھیجنا اور جنت اور دوزخ کو پیدا کرنا اور جزاء اور سزا کا نظام بنانا یہ سب عبث اور بے فائدہ ہو جائے گا۔

الغاشیہ: ۲۴۔۲۳ میں فرمایا: مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے O تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O

بہت بڑے عذاب کا محمل

اگر آپ کی پرزور تبلیغ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ سے ان کے ایمان نہ لانے پر سوال نہیں کیا جائے گا' لیکن جو ان میں سے پشت پھیرے گا تو اللہ سبحانہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے' دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب اس وجہ سے فرمایا ہے کہ کفر کا عذاب مجرد فسق کے عذاب سے بہت بڑا ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ O (السجدہ: ۲۱)

ہم ان کو (دنیا میں) بڑے عذاب کے علاوہ ضرور کم درجہ کا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ (کفر سے) پلٹ آئیں O

بڑے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے اور اس سے کم درجہ کے عذاب سے مراد ہے: دنیا کا عذاب' جیسے دنیا میں جنگ کے اندر شکست سے دوچار ہونا' سمندری طوفان اور دریاؤں میں سیلاب آنا' زلزلے' قحط اور موذی بیماریوں میں مبتلا ہونا۔

دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: دوزخ کی آگ کا سب سے نچلا طبقہ۔

الغاشیہ: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے O پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے O

کفار اور مشرکین کو عذاب دینا کیوں ضروری ہے؟

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ہرچند کہ مشرکینِ مکہ آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں' آپ کا مذاق اڑاتے ہیں' آپ پر آوازیں کستے ہیں اور آپ پر طعن اور تشنیع کرتے ہیں اور آپ کو طرح طرح کی ایذاء پہنچاتے ہیں لیکن بالآخر یہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے' پھر ہم ان کا حساب لیں گے اور ان کو قرار واقعی سزا دیں گے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا' اللہ تعالیٰ کا حق ہے' لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ مالک اپنا حق وصول کرے' مالک اپنے حق کو معاف بھی تو کر سکتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سزا کو معاف کرنا صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے' اللہ تعالیٰ آخرت میں کفار اور مشرکین کی سزا کو نہ معاف فرمائے گا اور نہ ان کی سزا میں تخفیف فرمائے گا' کیونکہ دنیا میں وہ ان کو دائمی سزا کی خبر دے چکا ہے' اب اگر اس سزا کے خلاف ہو تو اس کی خبر کذب اور جھوٹ ہو گی اور کذب اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے' اس لیے کفار اور مشرکین کی سزا میں تخفیف ہونا یا ان کی سزا کا ساقط ہونا بھی محال ہے۔

نیز کفار سے حساب لینا اور ان کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء

علیہم السلام کی عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمائے گا کہ جن کافروں اور مشرکوں نے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے پیغام کو مسترد کر دیا تھا اور ان کی نبوت اور رسالت کی تکذیب کی تھی' وہ آج کس قدر ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا ہیں' سو قیامت کے دن اللہ سبحانہ کفار کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء علیہم السلام کے مقام کو بلند فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کافروں اور مشرکوں سے انتقام لے گا' جو دنیا میں اپنے خود ساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے استحقاق عبادت میں شریک کرتے رہے تھے۔

رب العلمین! ہم کو اس حساب اور عذاب سے محفوظ رکھنا اور ہمیں اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بلاحساب و کتاب جنت الفردوس عطا فرما دینا' ہم اس انعام کے لائق تو نہیں لیکن آپ بہت کریم ہیں اور یہ آپ کے کرم سے کچھ بعید نہیں ہے۔ آمین یارب العلمین

سورۃ الغاشیہ کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۳۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ سورۃ الغاشیہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! اپنے کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک شائع' مرغوب اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین کی' میرے قرابت داروں کی' میرے اساتذہ' احباب اور تلامذہ کی' اس کتاب کے ناشر اور معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ آمین یارب العلمین

والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین
وعلٰی آلہ واصحابہ وعلٰی ازواجہ وذریاتہ واُمتہ اجمعین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده ونصلي ونسلم علٰى رسوله الكريم

سورۃ الفجر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفجر ہے‘ کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ’’الفجر ‘‘ کا لفظ مذکور ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالْفَجْرِ ۙ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ○ (الفجر:۲۔۱) فجر کی قسم○ اور دس راتوں کی (قسم)○

اس سورت کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۹ ہے۔

حضرت ابن عباس‘ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سورۃ الفجر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی‘ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم فتنہ ڈالنے والے ہو‘ تم کو ان سورتوں کا پتا نہیں ’’سبح اسم ربك الاعلٰى‘ والشمس وضحاها‘ والفجر ‘‘اور’’ والليل اذا يغشٰى ‘‘؟۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۹۹۷)

سورۃ الغاشیہ کے ساتھ الفجر کی مناسبت

سورۃ الغاشیہ میں لوگوں کی دو قسمیں بیان فرمائی تھیں: مؤمنین اور کافرین‘ وہ لوگ جن کے چہرے ذلیل ہوں گے اور وہ لوگ جن کے چہرے خوش وخرم اور بارونق ہوں گے‘ اور اس سورت میں متعدد گم راہ فرقے بیان فرمائے ہیں‘ گم راہ اور کفار میں سے عاد اور ثمود اور فرعون کا ذکر فرمایا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے مؤمنین شاکرین کا ذکر فرمایا ہے‘ گویا کہ دونوں سورتوں میں وعد اور وعید کا ذکر ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ سورۃ الغاشیہ میں اپنی تخلیق اور توحید پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ (الغاشیہ:۱۷) کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسے بنایا گیا ہے○

اور اس سورت میں اس طرح استدلال فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ○ (الفجر:۶) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟○

سورۃ الفجر کے مشمولات

☆ الفجر:۵۔۱ میں اللہ نے فجر کی ذوالحجہ کی دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کفار کو ضرور بہ ضرور عذاب

ہو گا۔

☆ الفجر ۱۴۔۶ میں کفار کی بعض ظالم قوموں کا ذکر فرمایا ہے جیسے عاد ثمود اور قوم فرعون اور یہ بتایا ہے کہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

☆ الفجر: ۲۰۔۱۵ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی میں خیر اور شر اور تنگی اور کشادگی میں مبتلا کیا ہے اور کسی انسان کے پاس زیادہ نعمتوں کا ہونا اس پر دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مقبول اور معزز ہے اور نہ کسی انسان کا فقر و فاقہ میں مبتلا ہونا اس پر دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور مبغوض ہے۔

☆ الفجر: ۲۳۔۲۱ میں قیامت کے ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں۔

☆ الفجر: ۲۶۔۲۴ میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے دو فرقے ہوں گے: کامیاب اور ناکام بدبخت اور نیک بخت۔

☆ الفجر: ۳۰۔۲۷ میں بتایا ہے کہ مؤمن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو جنت میں حاصل کر رہے ہوں گے۔

سورۃ الفجر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

رب العلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۳۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الفجر مکیۃ ۸۹ (۱۰) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۳۰ رکوعہا ۱

سورۃ الفجر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾

اور فجر کی قسم ○ اور دس راتوں کی ○ اور جفت اور طاق کی ○ اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے ○

هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ

بے شک اس میں صاحبِ عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ

بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾

کیسا معاملہ کیا؟ ○ وہ ارم کے لوگ تھے' ستونوں جیسے لمبے قد والے○ ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا○

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾

اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں ○ اور میخوں والا فرعون تھا ○

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾

ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی ○ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی ○

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا○ بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے ○

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ

پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو

فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ

وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی○ اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق

رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ

تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا○ یہ بات نہیں ہے' بلکہ تم یتیم کی عزت

الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ

نہیں کرتے ہو ○ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو ○ اور تم وراثت

التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا

کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ○ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو ○ بے شک جب

دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی ○ اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے ○

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا' اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے

الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا

کا وقت ہے ○ وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی ○ سو اس دن اس کے

يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا

عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا ○ اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا ○ اے نفس

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾

مطمئنہ! ○ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ○

فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾ ع ۱/۱۴

پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فجر کی قسم ○ اور دس راتوں کی ○ اور جفت اور طاق کی ○ اور رات کی جب وہ گزرے ○ بے شک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے ○ (الفجر: ۱-۵)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فجر' دس راتوں' جفت اور طاق اور گزرنے والی رات کی قسم کھائی ہے' عرب ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جو ان کے نزدیک عظمت والی ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت والی ہیں' اور یہ چیزیں اس لیے عظیم ہیں کہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید پر دلائل ہیں اور مخلوق پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اس آیت میں فجر سے کون سی فجر مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں' امام رازی نے ان تمام اقوال کو جمع کر لیا ہے' ہم یہاں پر ان اقوال کا تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں:

الفجر سے مراد معروف صبح ہے اور اس کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ فجر سے مراد معروف صبح ہے' اور وہ صبح صادق کا صبح کاذب سے پھٹ کر نمودار ہونا ہے' اس وقت رات ختم ہو جاتی ہے اور روشنی پھیل جاتی ہے اور انسان' حیوان' پرندے اور وحشی جانور سب اپنے اپنے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں' اور اس میں اس کی مثال ہے جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے' سو اس میں غور و فکر کر کے اس وقت کو یاد کرنا چاہیے' صبح کے وقت کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں صبح کا ذکر فرمایا ہے:

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ (المدثر: ۳۴) اور صبح کی قسم! جب روشن ہو جائے ۝

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ (التکویر: ۱۸) اور صبح کی قسم! جب وہ طلوع ہو جائے ۝

اللہ تعالیٰ نے صبح کے خالق ہونے پر اپنی مدح فرمائی ہے:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ (الانعام: ۹۶) وہ صبح کو نکالنے والا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الفجر سے مراد نمازِ فجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے نمازِ فجر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ وہ دن کے شروع میں پڑھی جاتی ہے اور اس میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۸) بے شک فجر میں قرآن پڑھنے پر (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں' پھر جو فرشتے ساری رات تمہارے ساتھ رہے تھے' وہ فجر کے وقت آسمان پر جاتے ہیں' ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ جاننے والا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۸۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

تیسرا قول یہ ہے کہ فجر سے مراد معین فجر ہے' پھر اس کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں' وہ حسبِ ذیل ہیں:

''والفجر'' سے مراد یوم نحر کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سے مراد یوم نحر یعنی دس ذوالحج کی فجر ہے' کیونکہ مناسکِ حج ملتِ ابراہیم کے خصائص میں سے ہیں اور عرب حج کو ترک نہیں کرتے تھے' اور وہ عظیم دن ہے جس میں مسلمان اپنی قربانی ادا کرتے ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰۷) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا ۝

یوم نحر کی فضیلت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم اس دن سب سے عمدہ لباس پہنیں اور سب سے اچھی خوشبو لگائیں اور سب سے فربہ قربانی کریں جو ہمیں میسر ہو گائے سات افراد کی طرف سے

اور اونٹ سات افراد کی طرف سے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھیں اور ہم طمانیت اور وقار سے رہیں۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۹۳' المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰' شعب الایمان ج ۲ ص ۱۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰' کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمئی رنگ کے سینگھوں والے دو بڑے بڑے خصی مینڈھے تھے' آپ نے ان میں سے ایک کو لٹا کر عرض کیا: "بسم اللہ و اللہ اکبر" "اے اللہ! یہ محمد کی طرف سے ہے' پھر دوسرے کو لٹا کر عرض کیا: "بسم اللہ و اللہ اکبر" "یہ محمد اور اس کی اس امت کی طرف سے ہے' جس نے تیری توحید کی گواہی دی اور میرے تبلیغ کرنے کی گواہی دی۔ 46

(مسند ابویعلیٰ ج ۳ ص ۳۲۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۲' المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۸۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! کھڑی ہو اور اپنی قربانی کے سامنے حاضر رہو کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ تمہارے کیے ہوئے ہر گناہ کی مغفرت کر دی جائے گی' اور یہ آیات پڑھو:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (الانعام: ۱۶۳-۱۶۲)

بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے ۝ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے پہلا ہوں ۝

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بشارت صرف آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے' اس کے مصداق آپ ہیں یا تمام مسلمان ہیں؟ آپ نے فرمایا: بلکہ یہ بشارت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۴۹۲' کتاب الدعا للطبرانی ج ۲ ص ۱۲۴۴' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۲' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۸۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن چونکہ فضائل اعمال میں سند ضعیف کے بھی ساتھ بھی احادیث معتبر ہوتی ہیں' اس لیے ہم نے ان احادیث کو درج کیا ہے۔

"الفجر" سے مراد ذوالحجہ کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

معین فجر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس فجر سے مراد ذوالحجہ کی صبح ہے' کیونکہ اس کے ساتھ ہی دس راتوں کا ذکر ہے اور یہ اس عظیم عبادت کے مہینہ کا پہلا دن ہے' ذوالحجہ کے مہینہ کے فضائل میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنوں اور مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور سب سے زیادہ عزت والا مہینہ ذوالحجہ ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۴۰' کنز العمال ج ۸ ص ۸۶۳)

"الفجر" سے مراد ماہِ محرم کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ماہِ محرم کی صبح ہے کیونکہ وہ ہر سال کا پہلا دن ہے' ماہِ محرم کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "وَالْفَجْرِ ۝ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۝" (الفجر: ۲-۱) کی تفسیر میں فرماتے تھے: فجر سے مراد محرم کی صبح ہے جو سال کی پہلی فجر ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶' فضائل الاوقات ص ۴۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے مہینہ کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۴۲)

46

''ولیال عشر'' سے مراد ذوالحج کے دس دن اور ان کی فضیلت میں احادیث

دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں' کیونکہ ان دنوں میں مسلمان حج کے افعال میں مشغول ہوتے ہیں اور ان دس دنوں میں نیک اعمال کی فضیلت میں بہ کثرت احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن دس راتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے' اس سے مراد ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں اور جفت سے مراد قربانی کا دن ہے اور طاق سے مراد یوم عرفہ ہے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۱۵' فضائل الاوقات ص ۳۴۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عشر (لیال)'' قربانی کے (مہینہ کے) دس دن ہیں اور ''الوتر'' یوم عرفہ ہے اور ''الشفع'' یوم النحر ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے دس دنوں میں نیک عمل کرنے سے زیادہ اور کسی دن میں نیک عمل کرنا اللہ کو محبوب نہیں ہے' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں' ماسوا اس کے کہ کوئی شخص جہاد کے لیے جائے اور اس کی جان بھی شہید ہو جائے اور اس راہ میں اس کا مال بھی خرچ ہو جائے اور اس کی جان اور مال میں سے کوئی چیز نہ لوٹے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۶۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۴۔ ج ۳ ص ۴۱۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۴۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۳۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل کرنا جتنا پسند ہے اور جتنا اس کے نزدیک ان دنوں میں نیک عمل افضل ہے اور کسی دن میں نہیں ہے' تم ان دنوں میں بہ کثرت ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھو اور ''اللّٰہ اکبر'' پڑھو' کیونکہ یہ تہلیل' تکبیر اور اللہ کے ذکر کے ایام ہیں اور ان ایام میں نیک عمل کا سات سو گنا اجر دیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے دس دنوں سے زیادہ کسی اور دن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند نہیں ہے' ان میں سے ہر دن میں روزہ رکھنا ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی راتوں میں سے ہر رات میں قیام کرنا لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان دس دنوں کے علاوہ کبھی دس دن (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۵۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۹۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۴۔۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دس دنوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دن زیادہ عظیم اور زیادہ محبوب نہیں ہے' سو تم ان دس دنوں میں زیادہ سے زیادہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ' اللّٰہ اکبر'' اور ''الحمد للّٰہ'' پڑھو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۱۔۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۳۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

ان احادیث میں ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی فضیلت ہے' اس کی تائید اس آیت میں

ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ. اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔

(الحج: ۲۸)

''ایام معلومات'' سے مراد ذبح کے ایام یعنی ایام تشریق ہیں جو یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہیں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ عام طور پر ''ایام معلومات'' سے عشرہ ذوالحجہ اور ''ایام معدودات'' سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ. (البقرہ: ۲۰۳) اور ان گنتی کے چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں بہ آواز بلند تکبیرات پڑھی جائیں یعنی ''اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد''۔

''ولیال عشر'' سے مراد محرم کے دس دن اور ان کی فضیلت میں احادیث

دس راتوں کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد محرم کے ابتدائی دس دن ہیں، جن میں دس محرم یوم عاشوراء بھی شامل ہے اور ان دنوں کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر میں رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھوں تو کس مہینہ میں روزے رکھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھنا چاہتے ہو تو محرم کے مہینہ میں روزے رکھو کیونکہ وہ اللہ کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور وہ اس مہینہ میں دوسروں کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۵۔۱۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے یوم عاشوراء (دس محرم) کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عاشوراء کے سوا روزہ رکھنے کے لیے کسی ایسے دن کو تلاش کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کی اور دنوں پر فضیلت ہو اور یوم عاشوراء کے علاوہ رمضان کا مہینہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۰۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشوراء کے دن انبیاء سابقین روزہ رکھتے تھے، سو تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۱، اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم الہجری منکر الحدیث ہے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس دن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے نجات دی تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ نے اس دن شکر کا روزہ رکھا، پس ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار اور زیادہ قریب ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۴۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳۴)

عاشوراء کی فضیلت میں احادیث

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل نے ہمیں عاشوراء کے دن فضیلت دی ہے آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ عزوجل نے آسمانوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح زمینوں کو بھی اور عرش کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح کرسی کو بھی اور پہاڑوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح ستاروں کو بھی' اور قلم کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح لوح کو بھی' اور حضرت جبریل علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور فرشتوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا' اور حضرت آدم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا' اور اسی طرح حوا کو بھی اور جنت کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور یوم عاشوراء میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا' حضرت ابراہیم خلیل الرحمان یوم عاشوراء میں پیدا ہوئے اور یوم عاشوراء میں ان کو اللہ نے آگ سے نجات دی' اور یوم عاشوراء میں اللہ نے ان سے فدیہ قبول فرمایا' اور یوم عاشوراء میں فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوم عاشوراء میں آسمان پر اٹھا لیا' حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشوراء میں ہوئی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں حکومت دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء میں ہوئی (صحیح روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے) رب عزوجل عرش پر یوم عاشوراء میں مستوی ہوا اور قیامت کا دن بھی یوم عاشوراء میں ہوگا۔ (فضائل الاوقات ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۲۰۲ میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس کی سند میں محمد بن عبد اللہ بن فھز ار از حبیب بن ابی حبیب ہے اور کہا کہ یہ حدیث بلاشک موضوع ہے' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو درج کر کے کہا: اس کی سند میں آفت حبیب ہے۔

(اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۹۲' علامہ علی بن محمد الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے بھی اس کو موضوع قرار دیا ہے' تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۲ ص ۱۴۸)

امام ابن عدی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یوم عاشوراء میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کی' اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر وسعت رکھے گا۔

(الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۵۴' امام عقیلی نے کہا: اس کی سند میں سلیمان مجہول ہے اور یہ حدیث غیر محفوظ ہے)

حافظ جلال الدین سیوطی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں:

حافظ ابو الفضل العراقی نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور ان میں سے بعض اسانید کو حافظ ابو الفضل بن ناصر نے صحیح قرار دیا ہے' اور اس حدیث کی سند میں جو سلیمان ہے اس کو امام ابن حبان نے ثقات میں قرار دیا ہے' پس یہ حدیث ان کی رائے میں صحیح ہے' اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث امام دارقطنی نے الافراد میں روایت کی ہے اور حضرت جابر کی حدیث امام بیہقی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' امام بیہقی نے کہا: ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن جب بعض سندوں کو بعض سے ملایا جائے تو ان میں قوت آجاتی ہے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۳۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

(اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۹۵۔۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عاشوراء کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو' اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھو اور اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۷۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نو محرم اور دس محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۷۸۸)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا' اس نے گویا ایک سال کے روزے رکھے اور جس نے یوم عاشوراء کو صدقہ کیا اس نے گویا ایک سال صدقہ کیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی' تم اس دن نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' وہب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ عشرہ محرم کے پہلے دن سے میرا قرب حاصل کریں۔ (لطائف علیہ ج اص ۸۱۔۸۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''ولیال عشر'' سے مراد رمضان کا آخری عشرہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس میں تیسرا قول یہ ہے کہ ان دس راتوں سے مراد رمضان کا آخری عشرہ ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے آخری عشرہ (دس دنوں) کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا' پھر آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے' پس ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی' پھر مجھے بھلا دی گئی' تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو' اور میں نے خواب دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں' پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ واپس جائے' ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان پر کوئی بادل نہیں دیکھ رہے تھے' پھر بادل آ گئے اور بارش ہونے لگی' حتیٰ کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور وہ چھت کھجور کے شہتیروں کی تھی' اور نماز قائم کی گئی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے' حتیٰ کہ میں نے مٹی کا نشان آپ کی پیشانی میں دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۸۶)

''الشفع'' سے مراد یوم نحر اور ''الوتر'' سے مراد یوم عرفہ اور ان کی فضیلت میں احادیث

''الشفع'' (جفت) اور ''الوتر'' (طاق) کی متعدد تفسیریں ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ طاق سے مراد یوم عرفہ ہے اور جفت سے مراد یوم نحر ہے اور ان کی فضیلت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے۔

(اتحاف ج ۴ ص ۲۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی دن دوزخ سے اتنے بندوں کو

آزاد نہیں کرتا جتنے یومِ عرفہ کو کرتا ہے اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے پھر فرماتا ہے: ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۴، المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۶۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یوم عرفہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ حجاج کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کی طرف دیکھو ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور یہ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے ہیں' یہ دور دراز سے فریاد کرتے ہوئے میرے پاس آئے ہیں' میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ان سب کو بخش دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن دوزخ سے لوگ آزاد نہیں کیے جاتے۔

(فضائل الاوقات للبیہقی ص ۳۵۵، صحیح ابن خزیمہ ج ۴ ص ۲۶۳، شعب الایمان ج ۳ ص ۳۶، کنز العمال ج ۵ ص ۷۱)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ سے زیادہ کسی اور دن شیطان کو اس قدر غم اور غصہ میں نہیں دیکھا گیا ماسوا یوم بدر کے' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما رہا ہے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۹۸۲، مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۱۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶، کنز العمال ج ۵ ص ۷۲)

جفت سے مراد یوم نحر ہے یعنی دس ذوالحجہ کا دن' عید الاضحیٰ' اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ' یوم النحر اور ایامِ تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ کھانے اور پینے کے ایام ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۱۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں' آپ سے پوچھا گیا: ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' آپ سے پوچھا گیا: اور اُون کے بدلہ میں؟ آپ نے فرمایا: ہر اُون کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷، المستدرک ج ۲ ص ۳۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۳۲۷)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے بغیر عید گاہ نہیں جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ سے واپس آئے بغیر نہیں کھاتے تھے' پھر آ کر آپ اپنی قربانی کی کلیجی سے کھاتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۶، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے دن کسی آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب نہیں ہے کہ وہ (قربانی کے جانور کا) خون بہائے' بے شک قربانی کا وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگھوں اور اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے' سو تم خوشی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا قربانی کرنا واجب ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی' اس نے پھر سوال کیا تو انہوں نے کہا: کیا تم میں عقل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر ہے، پھر اس کے بعد دوسرا دن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں، ان میں سے ہر ایک بڑھ کر آپ کے قریب آ رہی تھی کہ آپ اس سے قربانی کی ابتداء کریں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حیوانات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو پہچانتے تھے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے:

حضرت یعلیٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی چیزیں دیکھیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا، ان میں سے دوسری چیز یہ تھی کہ آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا، وہ اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑانے لگا، آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ، پس وہ آ گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: یہ اونٹ تمہاری شکایت کر رہا ہے کہ یہ اونٹ تمہارے ہاں پیدا ہوا، تم نے اس سے کام لیا، حتیٰ کہ اب وہ بوڑھا ہو گیا تو تم اس کو ذبح کرنا چاہتے ہو، اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شییء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة او فسقة الجن والانس۔ ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے جنات اور انسانوں میں سے کافروں اور فاسقوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۱ رقم الحدیث: ۶۷۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳ قدیم، مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۰۹۔ رقم الحدیث: ۱۷۵۶۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۲۔ ۲۱۔ ۲۰، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۳۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

''الشفع'' (جفت، جوڑا) اور ''الوتر'' (طاق) میں مزید عقلی احتمالات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے جفت اور طاق کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) ''الشفع'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہیں اور ''الوتر'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) ''الشفع'' سے مراد وہ نمازیں ہیں جو جفت ہیں، جیسے فجر، ظہر، عصر اور عشاء اور ''الوتر'' سے مراد وہ نماز ہے جو طاق ہے، جیسے مغرب، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض نمازیں جفت ہیں اور بعض طاق ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ ایمان کے بعد نماز کا مرتبہ ہے اور عبادات میں نماز کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) ''الشفع'' سے مراد کل مخلوق ہے کیونکہ فرمایا: ''وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا'' (النباء: ۸) ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ وتر ہے اور وتر سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۱۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۵۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۷۴)

(۴) دنیا کی ہر چیز یا زوج ہے یا فرد ہے، گویا کہ میں زوج اور فرد کے رب کی قسم کھاتا ہوں، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ پس مجھے ان چیزوں کی قسم ہے جنہیں تم دیکھتے ہو ۝ اور جن کو تم نہیں دیکھتے ۝ (الحاقہ: ۳۹۔ ۳۸)

(۵) ''الشفع'' سے مراد جنت کے درجات ہیں'ان کی تعداد آٹھ ہے اور''الوتر'' سے مراد دوزخ کے طبقات ہیں اور وہ سات ہیں۔
(۶) ''الشفع'' سے مراد دن اور رات ہیں اور''الوتر'' سے مراد وہ دن ہے جس کے بعد رات نہیں اور وہ روزِ قیامت ہے۔
(۷) ''الشفع'' سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بن گئے اور''الوتر'' سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات ہیں۔
(۸) ''الشفع'' سے مراد قومِ عاد کے عذاب کے ایام ہیں'ان کی تعداد آٹھ تھی اور''الوتر'' سے مراد ان کی راتیں ہیں ان کی تعداد سات تھی' قرآن مجید میں ہے:
سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا. (الحاقہ:۷) سات راتیں اور آٹھ دن پے درپے۔
(۹) ''الشفع'' سے مراد بارہ برج ہیں اور''الوتر'' سے مراد سات سیارے ہیں۔
(۱۰) ''الشفع'' سے مراد تیس دن کا مہینہ ہے اور''الوتر'' سے مراد ۲۹ دن کا مہینہ ہے۔
(۱۱) ''الشفع'' سے مراد دو ہونٹ ہیں اور''الوتر'' سے مراد زبان ہے' قرآن مجید میں ہے:
وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ (البلد:۹) ایک زبان اور دو ہونٹ ۝
(۱۲) ''الشفع'' سے مراد نماز کے دو سجدے ہیں اور''الوتر'' سے مراد نماز کا رکوع ہے۔

واضح رہے کہ''الشفع'' اور''الوتر'' سے مراد یا دو معزز چیزیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور ہم نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے'وہ سب''الشفع'' اور''الوتر'' سے مراد ہو سکتی ہیں اور قرآن مجید میں ان میں سے کسی چیز کی تعیین کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا' اگر ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے یا اہل علم کے اجماع سے ثابت ہو جائے تو پھر وہی مراد ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چیز مراد ہو سکتی ہے' لیکن اس کا ثبوت ظنی ہوگا قطعی نہیں ہوگا' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام چیزیں مراد ہیں کیونکہ''الشفع'' اور''الوتر'' میں الف لام استغراق کا ہے' یعنی تمام جفت اور تمام طاق۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۵۰۔۱۴۹ ملخصا' دار احیاء التراث العربی بیروت'۱۴۱۵ھ)

''والشفع والوتر'' کی تفسیر میں مصنف کا صحیح اور صریح حدیث سے استدلال

امام رازی نے فرمایا ہے کہ اگر''ولیال عشر'' اور''والشفع والوتر'' کی تفسیر میں کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے ثابت ہو تو پھر وہی مراد ہے اور ہم کو اس کی تفسیر میں یہ حدیث مل گئی ہے' سو ان کی تفسیر میں اس حدیث پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''(ولیال)عشر'' سے مراد قربانی کے (مہینہ کے) دس دن ہیں اور''الوتر''''یوم عرفہ'' ہے اور''الشفع''''یوم النحر'' (قربانی کا دن) ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۳۸۹۔رقم الحدیث:۱۴۵۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت'۱۴۱۹ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۱۰۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۷۵۱۷' ۸ المکتبۃ العصریہ بیروت'۱۴۲۰ھ' کنز العمال رقم الحدیث:۲۹۴۴)

شیخ شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے' اور امام حاکم کی سند امام مسلم کی شرط کے موافق ہے' اور امام ذہبی نے بھی امام مسلم کی موافقت کی ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۲۲ ص ۳۸۹)

امام رازی پر چونکہ عقلیات کا غلبہ ہے' اس لیے وہ اس حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے' دوسری بات یہ ہے کہ احادیث

تک رسائی کے جتنے وسائل اب میسر ہیں' وہ امام رازی کے دور میں حاصل نہ تھے' اس لیے امام رازی اس حدیث تک نہ پہنچ سکے۔

الفجر: ۴ میں فرمایا: اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے O

رات کی قسم کھانے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم اور بھی کئی آیات میں کھائی ہے:

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ O (المدثر: ۳۳) اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرے O

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ O (التکویر: ۱۷) اور رات کی قسم جب وہ جانے لگے O

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس رات سے مراد کوئی مخصوص رات نہیں ہے کیونکہ رات اور دن کے متواتر آنے جانے میں اور ان کی مقدار کے مختلف ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بہت عظیم نعمت ہے' اس لیے رات کی قسم کھانا ممکن ہے اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ رات اور دن کا متواتر ایک دوسرے کے بعد آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تدبیر پر مبنی ہے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد عید الاضحیٰ کی رات ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۸۱)

اور امام رازی نے مقاتل بن حیان سے نقل کیا کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے' کیونکہ اس رات کے اوّل میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے اور اس کے آخر میں بھی گزرنا ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کمزور لوگوں کو اس رات میں پہلے بھیج دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر کے کم زور افراد کو پہلے بھیج دیتے تھے' اور وہ مزدلفہ میں رات کو مشعر حرام کے پاس وقوف کرتے تھے' پھر وہ جب تک چاہتے اللہ کا ذکر کرتے' حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹۵)

الفجر: ۵ میں فرمایا: بے شک اس میں صاحبِ عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے O

''ذی حجر'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''ذی حجر'' کا لفظ ہے' ''حجر'' عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو غلط اور نامناسب کام کرنے سے روکتی ہے' اور ''حجر'' کا معنیٰ ہے: کسی کام سے منع کرنا اور روکنا' الفراء نے کہا ہے: جو شخص اپنے نفس پر قاہر ہو اور اپنے نفس پر ضبط کرنے والا ہو' اس کو عرب ''ذو حجر'' کہتے ہیں۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص صاحبِ عقل ہو' وہ جان لے گا' یہ مذکورہ چیزیں بہت عجیب و غریب ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت پر بہت دلائل ہیں اور یہ چیزیں خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں' اس لیے یہ چیزیں اس لائق ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O وہ اِرم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لمبے قد والے O ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا O اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں O اور میخوں والا فرعون تھا O ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی O پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی O پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا O بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے O

(الفجر: ۱۴-۶)

عاد ثمود اور قومِ فرعون کا عذاب

امام رازی فرماتے ہیں: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ''والفجر'' وغیرہ کی قسم کھائی ہے اس کے جواب کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ بے شک آپ کا رب گھات میں ہے اور دوسرا یہ کہ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا' لیکن پہلا محمل اولیٰ ہے۔

الفجر: ۶ میں فرمایا ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ اس کا معنیٰ ہے: کیا آپ کو نہیں معلوم؟ اس لیے کہ عاد اور ثمود اور فرعون کی خبریں' عرب میں تواتر کے ساتھ منقول تھیں' ان آیتوں میں بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے' لیکن یہ خطاب ہر شخص کو عام ہے' اور اس سے مقصود کفارِ مکہ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر وہ اسی طرح کفر اور شرک پر اڑے رہے تو یہ خطرہ ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب آ جائے جو عاد اور ثمود اور قومِ فرعون پر آ چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کفار کی تین قوموں کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا لیکن ان کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں فرمائی' البتہ سورۃ الحاقہ میں ان قوموں کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

قوم ثمود کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○ (الحاقہ: ۵)

رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا○

اور قوم عاد کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ (الحاقہ: ۶)

اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا○

اور فرعون کے عذاب کے متعلق فرمایا:

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ○ (الحاقہ: ۹)

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور وہ جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے○

فرعون اور اس کی قوم کے عذاب کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○ (یونس: ۹۲۔۹۰)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزار دیا' پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے ان کا تعاقب کیا' حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں○ (جواب آیا:) اب ایمان لایا ہے اور اس سے پہلے تو سرکشی کرنے والوں میں سے تھا○ پس آج ہم صرف تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت ہو جائے' اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں○

قومِ عاد کا تعارف

عاد کا نام ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح' پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا' پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ''وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا۟ ۨالۡاُوۡلٰى ۙ'' (النجم: ۵۰) بے شک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا' اور متاخرین کو عاد الاخیرۃ کہا جاتا ہے' اور رہا ارم تو وہ عاد کے دادا کا نام ہے اور اس آیت میں ارم سے کون مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد قبیلہ عاد کے متقدمین ہیں' جن کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ان کے دادا کے نام پر ارم کہتے ہیں۔

(۲) جس شہر میں یہ لوگ رہتے تھے اس کا نام ارم تھا اور یہ اسکندریہ تھا اور ایک قول ہے کہ یہ شہر دمشق تھا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ قومِ عاد ریگستان کے بلند ٹیلوں میں رہتی تھی اور اسکندریہ اور دمشق میں ریگستان کے بلند ٹیلے نہیں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍؕ اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ. (الاحقاف: ۲۱) اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو ریگستان میں ڈرایا۔

(۳) ارم اس قوم کا نام ہے جو میناروں کی شکل میں یا قبروں کی شکل میں پہاڑوں کے اندر اپنے گھر بناتی تھی۔

الفجر: ۷ میں فرمایا: وہ ارم کے لوگ تھے' ستونوں جیسے لمبے قد والے O

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں سے لمبے قد کا آدمی پانچ سو ذراع کا ہوتا تھا (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) اور ان میں سے چھوٹے قد کا آدمی تین سو ذراع کا ہوتا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کا قد ستر (۷۰) ذراع کا ہوتا تھا' علامہ ابن العربی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے' کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کا طول ہوا میں ساٹھ ذراع تھا' پھر اب تک مخلوق کا قد بہ تدریج کم ہوتا رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱)

قتادہ نے کہا: ان میں سے ایک آدمی کا طول بارہ ذراع کا ہوتا تھا۔

یہ لوگ ستون کھڑے کر کے ان کے اوپر مکان بناتے تھے' اس لیے ان کو ستون والے فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے لمبے قد کی وجہ سے ان کو ستون والے فرمایا۔ ضحاک نے کہا کہ ستون والے سے مراد ہے: وہ بہت زیادہ قوت والے تھے' اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ. (حٰمٓ السجدۃ: ۱۵) انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟

الفجر: ۸ میں فرمایا: ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا O

قومِ عاد جتنے لمبے قد' عظیم جسامت اور شدید قوت والی تھی' اس زمانہ میں ایسی قوم کہیں بھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔

الفجر: ۹ میں فرمایا: اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں O

ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر مکان بنانا

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی' مفسرین نے کہا ہے: انہوں نے سب سے پہلے پہاڑوں اور چٹانوں کو تراش کر مکان بنائے' انہوں نے مدائن میں ہزاروں کی تعداد میں پہاڑوں کو تراش کر مکان بنائے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ○ یہ لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے ○

(الحجر: ۸۲)

۹ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی سے گزرے تو آپ نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا: اس جگہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گزرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۵)

یہ وادی پہاڑوں کے درمیان تھی وہ ان پہاڑوں کو تراش کر ان میں حویلیاں اور گھر بناتے تھے' جن میں حوض بھی ہوتے تھے۔

الفجر: ۱۰ میں فرمایا: اور میخوں والا فرعون تھا○

میخوں والے کا معنی

میخوں والے سے مراد فرعون کا لشکر ہے' جو فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کو مضبوط کرتا تھا' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو میخوں سے عذاب دیا کرتا تھا' ان کو باندھ کر ان میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا' حتیٰ کہ وہ مر جاتے تھے' اس نے اپنی بیوی آسیہ اور اپنی بیٹی ماشطہ کے ساتھ بھی یہی کیا تھا' ص: ۱۲ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل لکھی ہے۔

الفجر: ۱۳۔۱۱ میں فرمایا: ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی○ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی○ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا○

عذاب کے کوڑے کا معنی

ان لوگوں سے مراد عاد' ثمود اور فرعون ہیں' انہوں نے ظلم ڈھانے اور سرکشی کرنے میں حد سے تجاوز کیا' پھر انہوں نے بہت دہشت گردی کی اور حد سے زیادہ لوگوں کو اذیت پہنچائی' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا' عذاب کے کوڑے سے مراد ہے: ان پر بہت شدید عذاب نازل کیا' کیونکہ ان کے نزدیک کوڑے مارنا بہت سخت سزا ہوتی تھی۔

الفجر: ۱۴ میں فرمایا: بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے○

''مرصاد'' کا معنی

''مرصاد'' کا معنی ہے: گھات لگانے کی جگہ یعنی کسی کا انتظار کرنے کا مقام' جو شخص گھات لگا کر کسی پوشیدہ مقام میں بیٹھا ہو اس کے پاس سے گزرنے والا دشمن اس سے بچ کر گزر نہیں سکتا اور اس کا دشمن اس سے چھپا نہیں رہ سکتا' اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ذرہ ذرہ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے' اس سے بچ کر یا اس سے چھپ کر کوئی بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا' گھات لگانے کے چار اجزاء ہیں: (۱) گھات لگانے کا مقام دشمن سے مخفی ہو (۲) دشمن کی گزرگاہ ہو (۳) جہاں گھات لگا کر بیٹھنے والے کو دشمن کے احوال کی خبر ہو جائے (۴) دشمن گھات لگانے والے کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ جو گھات لگاتا ہے اس میں یہ چاروں امور متحقق ہیں' بندوں کو نہیں معلوم کہ اللہ کے علم کا کیا ذریعہ ہے اور وہ کس طرح ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کہاں

سے دیکھ رہا ہے' زندگی کا راستہ سب کو طے کرنا ہے' سب اس راستہ سے گزر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اقوال اور اعمال اور احوال کا' کامل علم ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

حسن اور عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تا کہ اس کے مطابق اس کو جزا دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنم کے اوپر سات پل ہیں' پہلے پل پر انسان سے اس کے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے نجات ہو گئی تو پھر وہ دوسرے پل پر آئے گا' وہاں اس سے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر اس سے نجات ہو گئی تو تیسرے پل پر آئے گا' پھر اس سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر وہ چوتھے پل پر آئے گا' پھر اس سے ماہِ رمضان کے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر روزے پورے تھے تو پھر وہ پانچویں پل پر آئے گا' وہاں اس سے حج اور عمرہ کے متعلق سوال کی جائے گا' اگر اس کا حساب مکمل تھا تو پھر وہ چھٹے پل پر آئے گا' وہاں اس سے رشتہ داروں سے میل جول کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر ساتویں پل پر آئے گا' وہاں اس سے لوگوں کے حقوق کے متعلق سوال کیا جائے گا' ایک منادی ندا کرے گا: جس کسی کا اس پر حق ہے وہ آ کر اس سے وصول کر لے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنیٰ ہے: بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہےO ثوری نے کہا: جہنم پر تین پل ہیں' ایک پل میں رحم ہے' دوسرے میں امانت ہے اور تیسرے میں رب تبارک و تعالیٰ ہے' یعنی اس کی حکمت' اس کا ارادہ اور اس کا امر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کا رب ان کی گھات میں ہے' یعنی ان کی باتیں سن رہا ہے اور ان کے اعمال دیکھ رہا ہے' ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور ان کے پوشیدہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اور سب کو ان کے اعمال کے موافق جزا دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۴۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دیO اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیاO یہ بات نہیں ہے' بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہوO اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہوO اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہوO اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہوO (الفجر: ۲۰۔۱۵)

دنیا کی نعمتیں ملنے کو عزت اور کرامت اور ان سے محرومی کو بے عزتی نہیں سمجھنا چاہیے

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: بے شک آپ کا رب ان کی گھات میں ہے' یعنی آپ کا رب دیکھ رہا ہے کہ اس کے بندے آخرت کے لیے کیا عمل کر رہے ہیں' سو اس کی نظر صرف آخرت کی طرف ہے' اور انسان کا یہ حال ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی طرف ہے' اس کے نزدیک اہم چیز صرف دنیا کی لذتیں اور شہوتیں ہیں' اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہو جائیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری نہ ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا' اس کی نظیر وہ آیات ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں:

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَO (الروم: ۷)	وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیںO
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ	اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اگر ان کو کوئی فائدہ ہوا تو وہ اس سے مطمئن ہوتے ہیں' اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ گئی تو وہ اسی وقت

الْمُبِیْنُ○ (الحج:۱۱) پلٹ جاتے ہیں انہوں نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا' یہی کھلا ہوا نقصان ہے○

صرف دنیا کو مطمع نظر بنانا اور آخرت کی طرف توجہ نہ کرنا حسبِ ذیل وجوہ سے باطل ہے:

دنیاوی عیش و عشرت کی مذمت کی وجوہ

(۱) دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہو' بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے' کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور دنیا کی آخرت کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے' دنیا کی نعمتیں متناہی اور محدود ہیں اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی اور لامحدود ہیں' پس اگر کسی شخص کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ آخرت کی نعمتیں حاصل نہ کر سکے تو یہ سراسر خسارہ ہے اور جو دنیا کی نعمتیں حاصل نہ کر سکا بلکہ مصائب اور آفات میں مبتلا رہا اور آخرت میں اس کو جنت اور اس کی نعمتیں مل گئیں تو وہ کامیاب اور بامراد ہے' اس کا اپنے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کے رب نے اس کو ذلیل کر دیا بلکہ اس کے رب نے اس کو عزت والا بنایا اور کامیاب کر دیا۔

(۲) جب بھی کسی انسان پر کوئی مصیبت آئے یا اس کو کوئی نعمت ملے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے' بعض اوقات اس کے نیک بندوں پر دنیا میں مصائب آتے ہیں جیسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر مصائب آئے اور بعض اوقات فساق اور فجار بہت عیش و آرام اور نعمتوں میں ہوتے ہیں جیسے یزید اور اس کے دیگر رفقاء' اور عمومی طور پر کفار بہت دولت مند' قوی اور مستحکم ہیں اور مسلمان بہت پس ماندہ' کمزور اور دبے ہوئے ہیں کیونکہ دنیا میں کفار کی شوکت اور عزت بہ طور استدراج' مکر اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہوتی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی ان کی آزمائش اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) جو شخص مال دار اور خوش حال ہو' اس کو اپنی زندگی کے خاتمہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اعتبار انسان کے خاتمہ کا ہوتا ہے اور جو شخص فقیر اور محتاج ہو' اس کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و زر نہیں دیا' تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بے شمار نعمتیں دی ہیں' اس کا بدن صحیح و سالم ہے' اس کی عقل کام کر رہی ہے' وہ صاحبِ ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ پر قادر ہے' سانس لینے کے لیے ہوا' پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے غذا اس کو میسر ہے' وہ ناگہانی آفات مثلاً زلزلوں اور سونامی ایسے سمندری طوفانوں سے محفوظ ہے اور مہلک اور موذی امراض مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ سے بچا ہوا ہے۔

(۴) جب انسان کو اپنی لذتوں کے حصول اور شہوتوں کے اسباب میسر ہوتے ہیں تو وہ اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے اور ان لذتوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور جب انسان کے پاس عیش و عشرت کے سامان نہ ہوں' اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی اور معصیت پر ابھارنے والی چیزیں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے لیے سہل اور آسان ہو جاتا ہے' سو جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو عیش و طرب دے کر واپس لے لے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دینے کے بعد ذلت میں مبتلا کر دیا' بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کا ایک اور موقع عنایت فرما دیا ہے۔

(۵) انسان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے جتنا زیادہ بہرہ اندوز ہوگا' وہ اس قدر زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہوگا اور موت کے وقت جب ان چیزوں سے اس کی جدائی ہوگی تو اس کو اتنا زیادہ قلق ہوگا اور دنیاوی عیش وعشرت سے اس کا جس قدر کم تعلق ہوگا' موت کے وقت ان چیزوں کی جدائی سے اسی قدر کم قلق ہوگا' اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی نعمتوں کا حصول عزت کا سبب ہے اور ان نعمتوں کا نہ ملنا ذلت کا سبب ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص اس دنیا کے بعد آخرت کا قائل ہو' اسے دنیاوی نعمتوں کے ملنے اور نہ ملنے کو عزت اور ذلت کا معیار نہیں بنانا چاہیے لیکن جو شخص دہریہ ہو اور آخرت کا قائل ہی نہ ہو' اس کے لیے یہ وجوہ اس پر دلیل نہیں ہیں کہ مال دنیا کا ملنا اور نہ ملنا عزت اور ذلت کا معیار نہیں ہے' تو ہم کہیں گے کہ دہریہ کو بھی کم از کم یہ تو ماننا پڑے گا کہ جس کے پاس جتنا زیادہ مال ہوگا' اس کے لیے چوری' ڈاکے' لوٹ مار اور قتل اور دہشت گردی کے خطرات اس قدر زیادہ ہوں گے اور جس کے پاس مالِ دنیا جس قدر کم ہوگا وہ اس قدر زیادہ امن اور سکون کے ساتھ رہے گا۔

یاد رہے کہ میں نے چوری کا لفظ یونہی عبارت آرائی کے لیے لکھ دیا ہے' ورنہ ہم جس دور میں ہیں (۲۰۰۵ء) اس میں چوریاں نہیں ہوتیں' ڈاکو دن اور رات کے کسی بھی وقت عام راستوں' بازاروں اور چوراہوں پر ٹی۔ٹی کے زور پر موبائل فون' نقد رقم اور گھڑیاں چھین لیتے ہیں اور عورتوں کے زیورات اتروا لیتے ہیں' اسلحہ کے زور پر گاڑیاں چھین لیتے ہیں اور مزاحمت کرنے پر بے دریغ گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں اور آئے دن یہ خبریں تواتر سے اخبارات میں آتی رہتی ہیں' میں نے پندرہ بیس سال سے کسی علاقہ میں کہیں بھی چوری کی خبر نہیں پڑھی' اب صرف برسرِ عام ڈاکے پڑتے ہیں۔

آیا دنیاوی مال کے حصول پر اترانے والا عام انسان ہے یا مخصوص انسان ہے؟

الفجر: ۱۵ میں ''الانسان'' کا ذکر ہے' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس انسان سے عام انسان مراد ہے یا کوئی خاص انسان مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس سے عتبہ بن ربیعہ اور ابوحذیفہ بن المغیرہ مراد ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے امیہ بن خلف مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔

مال اور نعمت ملنے پر خوش ہونا' اترانا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنا' اور رزق کی تنگی اور فقر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہانت سمجھنا ان کافروں کا شیوہ ہے' جو قیامت اور حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتے' رہا مؤمن تو جب اس پر رزق کی کشادگی کی جائے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر رزق کی تنگی کر دی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قضا وقدر سے متعلق ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا' البتہ بعض مسلمان بھی اپنی جہالت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی نعمت ملے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کسی عبادت کی فضیلت کی وجہ سے اس نعمت کے مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وجہ سے عزت دی ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کر دیا' سو ایسے مسلمانوں کو اپنے اس گمان پر توبہ کرنا چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ یہ کافروں کی صفت ہے' مسلمانوں میں یہ صفت نہیں ہونی چاہیے۔

الفجر: ۲۰۔۱۷ میں فرمایا: یہ بات نہیں ہے' بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو○ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو○ اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو○ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو○

''کلا'' کا معنی

الفجر: ۱۷ میں ''کلا'' کا لفظ ان کے گمان کو مسترد کرنے کے لیے ہے' پس کسی شخص کا خوش حال اور مال دار ہونا اس کی

فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تنگ دست ہونا اس کی ذلت کی وجہ ہے' سو بندے کو تنگی ہو یا کشادگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا: بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو O

یتیم کی تکریم کی وجوہ

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے یتیم کی تکریم کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) یتیم کے مال کی حفاظت کرے تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور اس کی عمدہ تربیت کرے اور اس کو نیک اخلاق اور آداب سکھائے اور اس کو بُری صحبتوں اور بُری عادتوں سے بچائے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز اور مکرم ہو۔

(۲) اس کو احکامِ شرعیہ کی تعلیم دے' اس سے نماز پڑھوائے' روزے رکھوائے اور دیگر مستحب کاموں کی تلقین کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معزز اور مکرم ہو۔

(۳) اس کے مال کو اپنی ضروریات پر بہ قدر حاجت خرچ کرے اور اس کے مال کو نفع بخش تجارت یا کسی عمدہ صنعت پر لگائے تاکہ اس کا مال ختم ہونے یا ضائع ہونے سے بچے' یہ اس کے مال کی تکریم ہے۔

یتیم کی دل داری نہ کرنے کی مذمت

الفجر: ۱۸ میں فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو O

یعنی تم لوگوں سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یتیم کو کھلاؤ' اور اس طرح نیکی کا حکم دینے کو ترک کرتے ہو۔

القمر: ۱۹ میں فرمایا: اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو O

اس آیت میں ''تراث'' کا لفظ ہے' یہ اصل میں ''وراث'' تھا' واؤ کو تاء سے تبدیل کر دیا' جیسے 'وجاہ'' کو 'تجاہ'' کر دیا۔

اور اس آیت میں ''لما'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ جمع کرنا یعنی تم وراثت کا بہت زیادہ مال کھا جاتے ہو' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: وہ یتیم کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے اس کے مال کو جلدی جلدی فضول کاموں میں خرچ کر کے ختم کر دیتے تھے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: وہ یتیم کا مال بھی کھا جاتے اور اس کے ساتھی کا مال بھی کھا جاتے تھے۔

(۳) میت کے مال میں سے بعض مال حلال ہوتا تھا' بعض مال مشتبہ ہوتا تھا اور بعض مال حرام ہوتا تھا' وہ بغیر تمیز کے سارا مال کھا جاتے تھے۔

الفجر: ۲۰ میں فرمایا: اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو O

اس آیت میں ''جمًّا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کثیر' یعنی تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو اور تم مال کو جمع کرنا چاہتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مال حلال ذرائع سے آ رہا ہے یا حرام ذرائع سے آ رہا ہے' تمہاری نظر صرف دنیا پر ہے اور آخرت کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جب زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی O اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے O اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا' اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی O سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی

عذاب نہ دے گاO اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گاO (الفجر: ۲۶۔۲۱)

قیامت کے دن کفار اور فساق فجار کا کف افسوس ملنا

الفجر: ۲۱ میں بھی پہلے ''کلّا'' کا لفظ ہے اور یہ لفظ کافروں کے گمان اور ان کے زعم کو مسترد کرنے کے لیے ہے کہ کافر دنیا کی حرص کر رہے ہیں اور یتیم کا مال ہڑپ کر رہے ہیں اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کر رہے اور اس کی تادیب' تربیت اور تکریم 47 نہیں کر رہے ہیں اور اپنے ان کاموں کو اچھا سمجھ کر ان کاموں پر خوش ہو رہے ہیں' سو ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل ہے' ان کو ان کاموں سے باز آنا چاہیے' وہ ہر طرح کا مال جمع کر رہے ہیں خواہ وہ حلال ہو یا حرام ہو اور ان کا یہ وہم ہے کہ آگے چل کر آخرت میں اس کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ان کے بُرے اعمال پر کوئی گرفت نہیں ہوگی' سو ایسا نہیں ہوگا' جن لوگوں کا یہ حال ہے وہ قیامت کے دن نادم ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہوں نے اپنی ساری عمر نیک کاموں میں صرف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہوتا اور یتیموں' غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کیا ہوتا اور لوٹ مار' ڈاکا زنی' چھین جھپٹ' بھتہ خوری اور دیگر حرام ذرائع سے مال جمع نہ کیا ہوتا' نقلی دوائیں نہ بنائی ہوتیں' کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کی ہوتی' ذخیرہ اندوزی نہ کی ہوتی' منشیات کا دھندا نہ کیا ہوتا' سود نہ لیا ہوتا' رشوت نہ لی ہوتی اور دیگر حرام کام نہ کیے ہوتے' لیکن اس دن ان کاموں پر ندامت کسی کام نہ آئے گی اور ایسا انسان صرف کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔

''دکّا دکّا'' کا معنیٰ

اور اس آیت میں ''دکّا دکّا'' کے الفاظ ہیں' ''دکّا'' کا معنیٰ ہے: ریزہ ریزہ کرنا' کسی چیز کو ڈھا کر برابر کرنا' کوٹ کر ہموار کرنا' ''دکّ'' نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ نرم اور ہموار زمین ریزہ ریزہ ہوتی ہے' اس لیے اس مناسبت سے اس کے مصدر کا معنیٰ ہے: ریزہ ریزہ کرنا اور اس آیت میں ''دکت'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: وہ توڑی گئی' وہ ریزہ ریزہ کی گئی۔

خلیل نے کہا: ''دك'' کا معنیٰ ہے: دیوار یا پہاڑ کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا یعنی جب روئے زمین کی ہر چیز ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی خواہ وہ پہاڑ ہوں یا درخت اور جب زمین پر زلزلہ آئے گا تو اس پر کوئی چیز صحیح اور سالم نہیں رہے گی۔

الفجر: ۲۲ میں فرمایا: اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گےO

قیامت کے دن آپ کے رب کے آنے کی توجیہات

یہ قیامت کے دن کی دوسری صفت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''وجاء ربك'' اس کا لفظی معنیٰ ہے: آپ کا رب آئے گا' واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حرکت کرنا اور آنا جانا محال ہے کیونکہ حرکت کرنا اور آنا جانا جسم کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے منزہ اور مبرا ہے' متقدمین اس آیت کی تقریر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آتا جاتا بھی ہے اور آسمانوں پر اترتا بھی ہے اور وہ بھاگتا بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں ہے' لیکن اس کا آنا جانا' اترنا اور بھاگنا مخلوق کی طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے' وہ اپنی شان کے مطابق آتا جاتا ہے اور اترتا چڑھتا ہے' ہم نہیں جانتے کہ اس کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کی کیا کیفیت ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بدمذہب لوگ اللہ تعالیٰ کے آنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنا جانا تو جسم کی صفت ہے اور اگر اللہ آئے گا تو العیاذ باللہ وہ جسم ہوگا اور جسم ممکن اور حادث ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے آنے کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ حساب لینے اور جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔

(۲) اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کا قہر اور اس کا عذاب آئے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں آئیں گی کیونکہ یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان آیات کا ظہور ہوگا' پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے آنے کو اللہ تعالیٰ کا آنا فرمایا' تاکہ ان نشانیوں کی عظمت معلوم ہو۔

(۴) اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور تام ہوگا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں جس قدر شکوک اور 47
شبہات تھے' وہ سب زائل ہو جائیں گے اور سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ظہور ہو جائے گا' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی واضح تجلی فرمائے گا۔

(۵) اس آیت میں جو فرمایا ہے: آپ کا رب آیا' اس میں آپ کے رب کے قہر اور سلطنت کے آثار کے ظہور کا بیان ہے اور اس کی نشانیوں کے ظہور کی تمثیل ہے' جب بادشاہ خود دربار میں آتا ہے تو اس کے آنے سے جو اس کے رعب' اس کی ہیبت اور اس کے جلال کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ظاہر ہو گئے اور آپ کے رب کے آنے سے آپ کے رب کے جلال کے آثار کا ظہور مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہے: اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے' اس کا معنیٰ ہے: ہر آسمان سے فرشتے نازل ہو کر صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور وہ جنات اور انسانوں کو گھیر لیں گے۔

الفجر: ۲۳ میں فرمایا: اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا' اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O

دوزخ کو لانے والے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مقاتل نے کہا: ستر ہزار فرشتے جہنم کو ہانکتے ہوئے لائیں گے اور ان فرشتوں کے ہاتھوں میں اس کی لگام ہوگی اور دوزخ غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس کو لا کر عرش کی بائیں جانب گاڑ دیا جائے گا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جہنم کو لایا جائے گا' اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی' ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو گھسیٹ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۲)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اور امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا' حتیٰ کہ آپ کے اصحاب پر یہ اثر بہت شاق گزرا' پھر آپ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھے حضرت جبریل نے یہ آیات پڑھائی ہیں: ''كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ'' (الفجر: ۲۳۔۲۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جہنم کو کس طرح لایا جائے گا؟ فرمایا: اس کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا' ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے' وہ اس طرح بدک رہی ہوگی کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ تمام اہل محشر کو جلا ڈالے' پس وہ کہے گی: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کو مجھ سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت کو مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ اس وقت ہر شخص نفسی نفسی (مجھے اپنی جان کی فکر ہے) کہہ رہا ہوگا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے' آپ کہہ رہے ہوں گے: اے میرے رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت!

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۰۲۔۲۰۱' الوسیط ج ۴ ص ۴۸۵' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۴۹)

پھر فرمایا: اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O

آخرت میں ندامت اور توبہ کام نہیں دے گی

اس دن کافر اپنے شرک اور کفر پر نادم ہوگا اور توبہ کرے گا اور اس سے کہا جائے گا: اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے! وہ دنیا میں نصیحت قبول نہیں کرتا تھا اور اپنے کفر اور شرک سے رجوع نہیں کرتا تھا' اب دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ کر کفر اور شرک سے رجوع کرے گا اور توبہ کرے گا' مگر اب توبہ کہاں قبول ہوگی' آخرت کے عذاب کو دیکھنے اور غیب کا مشاہدہ کرنے کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان قبول ہوتا ہے۔ کافر کے نادم ہونے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O (الانعام: ۲۷)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' پھر کہیں گے: ہائے ہائے! کاش! ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے' پھر ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے O

الفجر: ۲۴ میں فرمایا: وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی O

یعنی وہ کہے گا: کاش! میں نے دنیا کی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہوتا یا کاش! میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل کیا ہوتا' جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ سے نجات مل جاتی۔

الفجر: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری نے کہا: اللہ کے عذاب کی طرح اس کو کوئی عذاب نہیں دے گا' اور جس طرح اللہ نے اس کو جکڑا ہے اس طرح اس کو کوئی نہیں جکڑے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح عذاب نہیں دے گا جس طرح اللہ عزوجل آخرت میں کافر کو عذاب دے گا' یعنی جس طرح کافر کو زنجیروں اور طوق سے جکڑا جائے گا' اس طرح کوئی دنیا میں کسی کو نہیں جکڑے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد ابلیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد امیہ بن خلف ہے۔

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب دینے کا مالک نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نفس مطمئنہ! O تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی O پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O (الفجر: ۳۰۔۲۷)

نفس مطمئنہ کو ندا کرنے والوں کے مصداق میں مفسرین کے اقوال

ایک سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن نفس مطمئنہ کو کون ندا کرے گا: اے نفس مطمئنہ!؟ مفسرین نے کہا: یہ نداء اور خطاب فرشتے کریں گے اور اولیاء اللہ سے کہیں گے: اے نفس مطمئنہ! اور بعض صوفیاء نے کہا: یہ نداء اور خطاب خود اللہ عزوجل کرے گا کیونکہ دنیا میں اللہ کے نیک بندے یا اللہ یا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے تو قیامت کے دن اس کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو پکارے گا اور فرمائے گا: اے نفس مطمئنہ!

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس نداء اور خطاب کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ کتنا خوب صورت خطاب ہے' آپ نے فرمایا: عنقریب یہ خطاب تم سے کیا جائے گا (یعنی موت کے وقت)' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: رومۃ کے کنویں کو کون خریدے گا کہ ہم اس کا میٹھا پانی پئیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو خرید لیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کنویں کو لوگوں کے پینے کے لیے وقف کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ'' الآیۃ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت میں نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس مراد ہے۔

مجاہد نے کہا: نفس مطمئنہ سے وہ نفس مراد ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔

الحسن نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا نفس اس سے مطمئن ہوتا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتا ہے' تب اللہ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۳۱-۳۴۲۹ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نفس انسان کی اقسام

انسان کے نفس کی تین قسمیں ہیں: (۱) نفس امارہ' وہ نفس جو انسان کو بُرے کام کرنے کا حکم دیتا ہے (۲) نفس لوامہ' وہ نفس جو انسان کو بُرے کام کرنے پر ملامت کرتا ہے (۳) نفس مطمئنہ' وہ نفس جو ہمیشہ نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنی کارکردگی پر مطمئن رہتا ہے' یہ نفس انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے' نفس امارہ فساق فجار کا نفس ہے اور نفس لوامہ عام مؤمنین کا نفس ہے جو شیطان کے بہکانے سے اور نفس امارہ کی ترغیبات سے بُرے کام کر لیتے ہیں' پھر ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے' وہ ان بُرے کاموں پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور آئندہ ان بُرے کاموں سے بچنے کا عہد کرتے اور ان بُرے کاموں کی تلافی اور تدارک کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر ہے' نفس امارہ کا ذکر اس آیت میں ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (یوسف: ۵۳)

میں اپنے نفس کو بُرائی سے بَری نہیں کرتا' بے شک نفس بُرائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سوا اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اور نفس لوامہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ○ (القیامہ: ۲)

اور میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو ملامت کرنے والا ہے ○

اور نفس مطمئنہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۗ○ (الفجر: ۲۷)

اے نفس مطمئنہ! ○

نفسِ مطمئنہ کے مصداق میں مفسرین کے اقوال

مفسرین نے نفسِ مطمئنہ کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) مجاہد وغیرہ نے کہا: جس نفس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور وہ اس کے سامنے عاجز ہے (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ نفس جو اللہ کے ثواب پر مطمئن ہو‘ ان سے ایک روایت ہے: وہ نفس جو مؤمنہ ہو (۳) مجاہد سے دوسری روایت ہے: جو نفس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو مصیبت اس سے ٹل چکی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس پر آ گئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی (۴) مقاتل نے کہا: جو نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو (۵) ایک قول ہے: جس کو اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ پر یقین ہو (۶) ابن کیسان نے کہا: مطمئنہ سے مراد ہے: جو مخلصہ ہو (۷) ایک قول ہے: جو اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو اور قیامت کی اور ثواب کی تصدیق کرتا ہو (۸) عبد اللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ کا نفس ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مؤمن کا نفس ہے جو مخلص ہو اور اطاعت گزار ہو (۹) ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ نفس ہے جس کو موت کے وقت اور قبر سے اٹھتے وقت اور میدانِ حشر میں ثواب کی بشارت دی گئی ہو (۱۰) حسن بصری نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مؤمن کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے مطمئن ہوتا ہے (۱۱) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جب مؤمن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ جنت کا ایک تحفہ بھیجتا ہے‘ وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں: اے نفسِ مطمئنہ! اپنے جسم سے اس حال میں باہر نکل کہ تو خود بھی راضی ہو اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہو‘ تو خوشی اور خوشبو کی طرف نکل اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے ناراض نہیں ہے‘ پھر وہ نفس اس مُشک سے زیادہ خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جس کو کسی انسان نے روئے زمین پر سونگھا ہو۔ الحدیث (۱۲) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں فوت ہو گئے‘ پھر ایک ایسا پرندہ آیا‘ جیسا پرندہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا‘ وہ ان کی نعش میں داخل ہو گیا‘ پھر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا‘ پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو کوئی ان کی قبر پر ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا: ”یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً“ (الفجر: ۲۸۔۲۷) اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کون تلاوت کر رہا تھا (۱۳) ضحاک نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رومہ کے کنویں کو مسلمانوں کے لیے وقف کیا (۱۴) ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی‘ جب ان کو کفارِ مکہ نے سولی پر لٹکایا‘ کفار نے ان کا چہرہ مدینہ کی طرف کیا تھا‘ حضرت خبیب نے اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر لیا (۱۵) سعید بن زائد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت پڑھی: ”یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ“ (الفجر: ۲۷) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کتنی اچھی آیت ہے‘ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فرشتہ تمہارے سامنے یہ آیت پڑھے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۵۱‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

نفسِ مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر امام ابو منصور ماتریدی سے

الفجر: ۳۰۔۲۸ میں فرمایا: تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ○ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو پر سکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعد‘ وعید‘ امر‘ نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو‘

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ جہاں تجھے تیرے رب نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید پر مطمئن ہو کر وہاں لوٹ جا' پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے' وہ اس کو عطا فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہو جائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہو گی' اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہوگا' اس سے کہا جائے گا: تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور تو ان میں داخل ہو جا' جو جنت کے مستحق ہیں۔

اور یہ بھی وہ سکتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے کہ اے نفس! تو دنیا میں اللہ کے وعد اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی' اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا' اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا' جن کو اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا' جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو جائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ثواب سے راضی ہو جائے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۵۶' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" (الفجر: ۲۸) کا معنیٰ ہے: تو ثواب سے راضی ہے اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں' ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے اور "فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ" (الفجر: ۲۹) کا معنیٰ ہے: تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواحِ شریفہ قدسیہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی روحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکوس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے اور "وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ" (الفجر: ۳۰) کا معنیٰ ہے کہ نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہو جاتی ہے' اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہو گی' اس لیے "وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ" کو واؤ کے ساتھ فرمایا ہے' فاء کے ساتھ نہیں فرمایا کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل نہیں ہو گی اور "فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ" کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی ارواح میں شامل ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۳-۱۶۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ کہ "ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ" (الفجر: ۲۸) سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کی کرامت کی طرف رجوع کر اور میرے نیک بندوں میں اور دار ثواب میں داخل ہو جا' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قول موت کے وقت کہا جائے یا محشر میں حساب سے پہلے' اور دخول سے مراد جنت میں دخول ہے' لیکن دائمی قیام کے لیے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں سے ایک قسم کا تمتع حاصل کرنے کے لیے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے' کیونکہ حدیث میں ہے کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی اور

بعض آثار میں ہے کہ جب مؤمن مر جاتا ہے تو اس کو نصف جنت عطا کی جاتی ہے‘ یعنی اس جنت کا نصف جس کا اس سے قیامت کے دن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

امام ابن جریر‘ امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے ابو صالح سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے‘ یہ موت کا عنوان ہے اور دنیا سے نکل کر اپنے رب کی طرف رجوع کا ذکر ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے کہا جائے گا: میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے نفس مطمئنہ سے یہ کہا جائے گا اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جا تاکہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے‘ امام ابن منذر نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ جب مؤمن مر جاتا ہے تو اس کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے‘ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا‘ جس سے تو راضی ہو کر نکلی تھی کیونکہ تو نے میرے پسندیدہ اور مرضیہ ثواب کو دیکھ لیا تھا حتیٰ کہ تجھ سے منکر اور نکیر سوال کریں۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نفس مطمئنہ کو موت کے وقت‘ قبر سے نکلنے کے وقت اور میدانِ محشر میں جنت کی بشارت دی جائے گی۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافر کے نفس کے متعلق بتایا تھا‘ وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی O سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا O (الفجر: ۲۶۔۲۴)

اور ان آیتوں میں مؤمن کے نفس کے لیے یہ بشارت دی ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی O پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O (الفجر: ۳۰۔۲۷)

صوفیاء نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے نفس کے تین مراتب ہیں: مطمئنہ‘ راضیہ اور مرضیہ۔

امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا: (یہ دعا کرو کہ) اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر یقین رکھتا ہو‘ تیری قضاء پر راضی ہو اور تیری عطا پر قانع ہو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۹۰‘ مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۵۹۸)

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۳۸۔۲۳۶ ملخصاً‘ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

سورۃ الفجر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الفجر کی تفسیر مکمل ہوگئی‘ رب العلمین! باقی سورتوں کی تفسیر مکمل فرمادیں‘ اور میری‘ میرے والدین‘ اس کتاب کے معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمادیں اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین
وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

سورۃ البلد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام البلد ہے''البلد'' کا معنی ہے: شہر'اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے''البلد الحرام''یعنی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے'اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے''البیت العتیق''یعنی خانہ کعبہ کے ساتھ مشرف کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کے لیے قبلہ بنا دیا ہے'وہ آیت یہ ہے:

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ (البلد:۱) میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں○

سورت البلد کی سورت الفجر کے ساتھ مناسبت

سورۃ الفجر میں اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت اور وراثت کا سارا مال کھانے کی مذمت فرمائی تھی اور مسکین کو کھانا کھلانے پر راغب نہ کرنے کی مذمت فرمائی تھی (الفجر:۲۰۔۱۷) اور سورۃ البلد میں یہ بتایا ہے کہ مال دار کو اپنا مال کن اُمور میں خرچ کرنا چاہیے' پس فرمایا:

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ (البلد:۱۶۔۱۲) اور آپ کیا سمجھے وہ دشوار گھاٹی کیا ہے○ (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا○ یا بھوک کے دن کھلانا○ ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو○ یا خاک نشین مسکین کو○

سورۃ الفجر کے آخر میں نفس مطمئنہ کی حالت بتائی تھی (الفجر:۳۰۔۲۷) اور سورۃ البلد کے آخر میں اس کی ضد کی حالت بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنا:

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ؕ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ○ (البلد:۲۰۔۱۹) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا وہ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں○ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی○

سورت البلد کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۵ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۹۰ ہے۔

سورت البلد کے مشمولات

☆ اس سورت میں بنیادی طور پر انسان کی نیک بختی اور بدبختی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

☆ البلد:۴۔۱ میں''البلد الحرام''اور''ام القری''یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے'جس میں داخل ہونے والوں کو امن حاصل ہوتا ہے' خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم' اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلالت کا بیان ہے کہ اس شہر کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں چلتے ہیں' پھر بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں انسان کا حال مشقت اور تھکاوٹ ہے۔

☆ البلد: ۷۔۵ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان دھوکے میں مبتلا ہے' وہ فضولیات میں پیسہ خرچ کرتا ہے' پھر فخر سے لوگوں میں بیان کرتا ہے' وہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

☆ البلد: ۱۰۔۸ میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھوں' زبان اور ہونٹوں کی نعمتیں دی ہیں اور اس کے لیے خیر اور شر کے راستے واضح کر دیئے ہیں اور اس کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کسی ایک راستہ کو اختیار کر لے۔

☆ البلد: ۱۸۔۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو کیسی مشکلات پیش آئیں گی اور کیسے ہولناک مناظر کا سامنا ہو گا اور ان سے محفوظ اور مامون رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور نیکی کے راستوں میں مال کو خرچ کرے تاکہ وہ ان نیک بخت لوگوں میں سے ہو جائے جو قیامت کے دن دائیں طرف ہوں گے۔

☆ البلد: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کریں گے اور فسق و فجور کریں گے' وہ بائیں طرف ہوں گے' پس مؤمنین کفار سے ممتاز ہو جائیں گے اور دونوں فریقوں کے ٹھکانے اللہ تعالیٰ نے بنا دیئے' ایک فریق کا ٹھکانا جنت ہے اور دوسرے فریق کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

سورۃ البلد کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ البلد کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العلمین! اور اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور ضلالت اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

(۹۰) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵) آیاتها ۲۰ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ البلد مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیس آیات اور ایک رکوع ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں ○ اور (انسان کے) والد کی قسم اور

وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ

اس کی اولاد کی ○ بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا ○ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی

عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ

قادر نہ ہو سکے گا؟ ○ وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے ○ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو

اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ

کسی نے نہیں دیکھا؟ ○ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور ہم نے اس کو (خیر اور شر

النَّجْدَيْنِ ۝۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲

کے) دونوں راستے دکھا دیئے ○ پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا ○ اور آپ کیا سمجھے وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ ○

فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵

(قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا ○ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ○ ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو ○

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

یا خاک نشیں مسکین کو ○ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو (توحید پر) ایمان لائے اور انہوں نے ایک

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ

دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی ○ وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں ○ اور جن لوگوں

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰ ع ۱ / ۲۰ / ۱۵

نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں ○ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں O اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں O اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی O بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا O (البلد: ۴۔۱)

''لا اقسم'' میں لفظ ''لا'' کے دو محمل

البلد: ۱ کے شروع میں ہے: ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ'' اس کا لفظی ترجمہ ہے: میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا' اس میں جو لفظ ''لا'' ہے' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ لفظ ''لا'' کے ساتھ مشرکین مکہ کے زعم کی نفی فرمائی ہے' ان کا زعم یہ تھا کہ قیامت آئے گی نہ مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ قیامت نہیں آئے گی اور نہ ایسا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوگا' یا جو انسان دنیا کی زندگی پر مغرور تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کے اوپر کوئی قادر نہیں ہوگا' اس کے اس زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ انسان پر کوئی قادر نہیں ہوگا' کیوں نہیں! اس شہر کی قسم! اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہوگا' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ میں اس شہر کی اس وقت قسم نہیں کھاتا جب آپ اس شہر میں نہ ہوں' بلکہ میں اس شہر کی اس وقت قسم کھاتا ہوں جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔

(۲) لفظ ''لا'' کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ''لا'' زائد ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا' کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے' فرمایا:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ (التین: ۳) — اور اس امن والے شہر کی قسم! O

اور جب اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم کھا چکا ہے تو پھر اس شہر کے قسم کھانے کی نفی کس طرح صحیح ہوگی' اس کی نظیر یہ آیت ہے' اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ. (الاعراف: ۱۲) — (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ. (ص: ۷۵) — تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

پس معلوم ہوا کہ الاعراف: ۱۲ میں لفظ ''لا'' زائد ہے' اسی طرح ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ'' میں بھی لفظ ''لا'' زائد ہے۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت میں آیات اور احادیث

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ کی فضیلت میں حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ O (آل عمران: ۹۷۔۹۶)

بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے' وہ تمام جہانوں کے لیے برکت والا اور ہدایت والا ہے O اس میں واضح نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے' جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا' اور اللہ کے لیے ان لوگوں کے اوپر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس گھر کے راستہ پر جانے کی قدرت رکھتے ہوں' اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآٮِٕفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ○ (البقرہ:۱۲۵)

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی جگہ بنا دیا اور امن کی جگہ بنا دیا' اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو' اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں' سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو○

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ○ (الحج:۲۷)

اور (اے ابراہیم!) آپ لوگوں میں حج کی منادی کر دیں' لوگ آپ کے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز کے راستوں سے سوار ہو کر بھی○

وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ○ (الحج:۲۹)

اور (وہ لوگ) اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں○

اور بیت اللہ کی فضیلت میں حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' جو شخص بھی اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے' اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ مکہ کے کسی درخت کو کاٹے' اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کرنے سے معارضہ کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے اور مجھے دن کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ) میں قتال کی اجازت دی تھی' پھر اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۸۷۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک یہ یومِ حرام ہے (عزت اور حرمت والا دن ہے)' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بلد حرام ہے (حرمت والا شہر ہے)' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ عزت اور حرمت والا مہینہ ہے' پھر آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے' جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اور آج کے مہینہ کی حرمت ہے اور جس طرح تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۷۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۸۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۹۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۹)

البلد:۲ میں فرمایا: اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں○

''وانت حل بھٰذا البلد'' کی تفسیر علامہ قرطبی سے

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ مکرم ہیں اور اللہ کو آپ سے بہت محبت ہے' علامہ واسطی نے کہا:

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس شہر کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ کے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے جب تک آپ حیات ہوں' یہ شہر مکرم ہے اور جب آپ کی وفات ہو تو یہ شہر برکت والا ہے' یعنی مدینہ منورہ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''وانت حل'' یعنی اس شہر میں آپ جو کام بھی کریں وہ آپ کے لیے حلال ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں' سو آپ نے ابن خطل' مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کر دیا اور آپ کے بعد اور کسی شخص کے لیے مکہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں مکہ میں قتال کرنا حلال ہوا تھا اور یہ فتح مکہ کا دن تھا' پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس کی حرمت لوٹ آئی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے جب آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا' اس وقت اس نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا پس وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے' نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۳)

''انت حل'' کا دوسرا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں اور یہ آپ کا محل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ اس میں محسن ہیں یعنی آپ اس شہر میں نیک کام کرنے والے ہیں اور میں اس شہر میں آپ سے راضی ہوں۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اس میں حلال ہیں یعنی آپ اس میں گنہ گار نہیں ہیں۔ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حِل ہے اور حلال ہے اور مُحِل ہے' اس کا معنیٰ گرہ کھولنا' حلال ہونا اور نازل ہونا' اترنا اور ٹھہرنا ہے یعنی آپ مکہ میں نازل ہونے والے اور ٹھہرنے والے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور تحسین ہے یعنی آپ اس شہر میں کوئی ایسا کام کرنے والے نہیں ہیں' جس کا ارتکاب آپ پر حرام ہو' کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے کیا حقوق ہیں' نہ کہ ان مشرکین کی طرح جو اس شہر میں کفر اور معصیت کے کام کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنیٰ اس طرح ہے کہ میں اس بیت معظم کی قسم کھاتا ہوں جس کی عزت اور حرمت کو آپ جانتے ہیں' سو آپ اس بیت کی تعظیم کرتے ہوئے اس میں مقیم ہیں اور اس شہر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو آپ پر حرام ہو۔ شرحبیل بن سعد نے کہا: آپ اس شہر میں حلال ہیں اور کفار مکہ میں قتل کرنے کو اور شکار کرنے کو اور اس کے درختوں کو کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں' اس کے باوجود وہ مکہ سے آپ کے نکالنے کو اور آپ کے قتل کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۵۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''وانت حل بھٰذا البلد'' کی تفسیر امام رازی سے

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

''اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝'' (البلد: ۲) سے مراد حسب ذیل اُمور ہیں:

(۱) آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس وجہ سے مکرم قرار دیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں۔

(۲) کفار اس شہر کے احترام میں اس شہر میں قتل کرنے کو' یہاں شکار کرنے کو اور یہاں کے درختوں کے کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں' اس کے باوجود ان کے نزدیک اس شہر میں آپ کو قتل کرنا حلال ہے' وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھے تھے لیکن آپ ان کے درمیان سے سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے نکل گئے اور ان کو پتا نہیں چلا' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

اپنی مہم میں ثابت قدم رکھنا ہے اور کفار کی عداوت پر تعجب کا اظہار ہے۔

(۳) قتادہ نے کہا: ''وانت حل'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ گنہ گار نہیں ہیں اور آپ کے لیے حلال ہے کہ آپ مکہ میں جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مکہ کو فتح کر دیا اور اس کو آپ کے لیے حلال کر دیا' پھر آپ نے جس چیز کو چاہا حلال کر دیا اور جس چیز کو چاہا حرام کر دیا اور جو چاہا آپ نے کیا' آپ نے عبد اللہ بن خطل کو قتل کر دیا' جس وقت وہ کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور مقیس بن صبابۃ کو اور ان کے سوا کو بھی اور ابوسفیان کے گھر کو حرم قرار دیا' اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے کسی کے لیے مکہ میں قتال کو حلال نہیں کیا' صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے اس میں قتال کو حلال کیا تھا' پھر قیامت تک کے لیے اس کو حرم بنا دیا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا' نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ سورت تو مکی ہے اور تم نے جو حدیثیں بیان کی ہیں' یہ مدینہ میں ہجرت کے بعد اخیر کی ہیں تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایک لفظ حال کے لیے ہوتا ہے اور اس کا معنیٰ مستقبل کے لیے ہوتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ. (الزمر:۳۰) بے شک آپ وفات پانے والے ہیں۔

اسی طرح اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے لیے مکہ میں سب اُمور حلال ہونے والے ہیں۔

(۴) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ مکہ میں حلال کام کرنے والے ہیں' مشرکین کے برخلاف جو مکہ میں اللہ کی توحید کا اور آپ کی رسالت کا کفر کر کے حرام کام کرتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم کھا کر اس کی انتہائی فضیلت بیان فرمائی اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے نسب کو اور آپ کے خاندان کی عظمت' شرافت اور طہارت کو پہچانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اپنی عمر کے اس طویل حصہ میں ہر قسم کے بُرے افعال سے پاک اور صاف رہے ہیں' جیسا کہ ان آیات سے بھی ظاہر ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (الجمعہ:۲) (اللہ) وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی کی نوع سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. (التوبہ:۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط. (یونس:۱۶) پس بے شک میں تم میں اس سے پہلے ایک طویل عمر گزار چکا ہوں۔

لہٰذا اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں' اس سے غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم منصب کو واضح کرنا ہے۔

''وانت حل بھذا البلد'' کی تفسیر مصنف سے

البلد:۲ میں ''وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' حال ہے اور ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (البلد:۱) ذوالحال ہے اور حال' ذوالحال کی قید ہوتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شہر مکہ کی قسم کھانا اس حال کے ساتھ مقید ہے' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم ہوں گویا شہر مکہ اسی وقت معظم اور مکرم ہے جب آپ شہر مکہ میں مقیم ہوں' معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز کی تعظیم اور تکریم کا مدار اس پر ہے جب وہ چیز آپ کے ساتھ متلبس اور مقارن ہو' سو جب آپ مکہ میں تھے تو مکہ مکرم تھا اور جب آپ مدینہ میں آ گئے تو مدینہ مکرم

ہو گیا‘ جیسے دس کروڑ کا کوئی قیمتی ہیرا‘ اگر تجوری میں رکھا ہو تو وہ تجوری دس کروڑ کی ہے‘ اگر وہ ہیرا کسی انگوٹھی میں جڑا ہو تو وہ انگوٹھی دس کروڑ کی ہے اور اگر وہ ہیرا کسی ہار میں لگا ہو تو وہ ہار دس کروڑ کا ہے‘ سو اس کائنات میں سب سے افضل مخلوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے‘ جیسا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے کہا:

قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد.
میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو کھنگال ڈالا‘ پس میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۲۸۱‘ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۶)

سو جب آپ آسمانوں پر تھے تو آسمان سب سے افضل تھے اور جب آپ زمین پر آئے تو زمین سب سے افضل تھی‘ مکہ میں تھے تو مکہ سب سے افضل تھا‘ مدینہ میں آئے تو مدینہ سب سے افضل تھا‘ وادئ بدر میں تھے تو وہ سب سے افضل تھی‘ جبل اُحد پر آئے تو وہ سب سے افضل تھا‘ جب غارِ حرا میں تھے تو وہ افضل تھا اور جب غارِ ثور میں گئے تو وہ افضل تھا‘ شبِ ہجرت جب حضرت ابوبکر کے کاندھوں پر تھے تو حضرت ابوبکر سب سے افضل تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر اقدس تھا تو وہ سب سے افضل تھیں‘ جب عرش پر پہنچے تو وہ سب سے افضل تھا اور اب جب کہ قبر انور کے فرش پر محو آرام ہیں تو وہ فرش سب سے افضل ہے‘ غرض عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز کی تعظیم اور تکریم کا مدار آپ کی ذات ہے اور ہر چیز کی فضیلت آپ کے دامن سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ. (النساء:۶۵) آپ کے رب کی قسم!

اللہ تعالیٰ کعبہ کا بھی رب ہے‘ بیت المعمور کا بھی رب ہے‘ عرش عظیم کا بھی رب ہے‘ لیکن یوں قسم نہیں کھائی کہ رب کعبہ کی قسم! یا رب بیت المعمور کی قسم! یا عرشِ عظیم کے رب کی قسم! بلکہ یوں قسم کھائی: آپ کے رب کی قسم!

اس میں یہ اشارہ ہے: ہونے کو تو میں کعبہ کا بھی رب ہوں‘ بیت المعمور کا بھی رب ہوں‘ عرشِ عظیم کا بھی رب ہوں‘ مگر مجھے نہ کعبہ کے رب ہونے پر ناز ہے‘ نہ بیت المعمور کے رب ہونے پر ناز ہے‘ نہ مجھے عرش کے رب ہونے پر ناز ہے‘ اگر مجھے ناز ہے تو اے محمد مصطفیٰ! مجھے تمہارے رب ہونے پر ناز ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یونہی تو نہیں فرمایا: میں خدائے عزوجل کی صرف اس وجہ سے پرستش کرتا ہوں کہ وہ رب محمد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ“ (الفیل:۱) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ”اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ“ (الفرقان:۴۵) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا؟

اللہ تعالیٰ نے جب اپنا ذکر فرمایا تو آپ کی طرف اپنی نسبت کی اور جب آپ کا ذکر فرمایا تو اپنی طرف آپ کی نسبت کی:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ. (بنی اسرائیل:۱) سبحان ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے عبد مقدس کو لے گئی۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ. (الفرقان:۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے الفرقان کو اپنے عبد مکرم پر نازل فرمایا۔

یعنی اللہ اپنی نسبت آپ کی طرف کرتا ہے اور آپ کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے گویا تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا. (البقرہ:١٤٨) ہر ایک کے لیے ایک جہت (قبلہ) ہے جس کی طرف وہ منہ کر رہا ہے۔

علامہ آلوسی نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کا اپنا قبلہ ہے مقربین کا قبلہ عرش ہے روحانیین کا قبلہ کرسی ہے اور کروبیین کا قبلہ بیت المعمور ہے اور انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے اور وہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور رہا آپ کی روح کا قبلہ تو وہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ کی ذات ہے جیسا کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میرے خوف کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ (اتحاف ج٦ ص٩٠)

(روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٣ دار الفکر بیروت)

اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے آپ نے فرمایا:

ان اتقاکم و اعلمکم باللّٰہ انا. بے شک تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٠ سنن نسائی رقم الحدیث:٣٢١٦)

اما واللّٰہ انی لاتقاکم للّٰہ واخشاکم لہ. سنو! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف کرنے والا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:١١٠٨)

اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور سب سے زیادہ آپ اللہ سے ڈرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اللہ آپ کے پاس ہے اور یہی اس قول کا معنیٰ ہے کہ اللہ کا قبلہ آپ کی ذات ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کی روح کا قبلہ اللہ کی ذات ہے یہ تو صحیح ہے لیکن یہ کیسے صحیح ہوگا کہ اللہ کا قبلہ آپ کی ذات ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ کا معنیٰ عبادت کی سمت نہیں ہے بلکہ قبلہ کا معنیٰ توجہ اور التفات کی سمت ہے سو آپ کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توجہ آپ کی طرف رہتی ہے آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں تو وہ فرماتا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

(البقرہ:١٤٤)

اور جب آپ نماز کے قیام اور سجدہ میں ہوں تو وہ آپ کی طرف دیکھتا رہتا ہے:

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں ○ اور جب آپ سجدہ کرنے والوں میں مڑتے ہیں ○

(الشعراء:٢١٨)

سو جب اللہ تعالیٰ کا مرکز التفات اور محور توجہ آپ کی ذات ہے تو وہ آپ کی عظمتوں کو بھی ظاہر فرماتا ہے اور آپ کی نسبتوں کی عظمتوں کو بھی واضح فرماتا ہے آپ مکہ اور مسجد حرام میں ہوں تو اس کی قسم کھاتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ہوں تو اس کا ذکر فرماتا ہے۔

البلد:٣ میں فرمایا: اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی ○

والد اور اولاد کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

مجاہد اور قتادہ اور حسن اور ابوصالح نے کہا: والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اس کی اولاد سے مراد ان کی نسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عمدہ مخلوق ہیں' اس میں انبیاء علیہم السلام بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیگر دعوت دینے والے بھی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے نیک لوگوں کی قسم ہے اور جو کفار اور فساق اور فجار ہیں وہ گویا کہ حیوانات ہیں' ایک قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اولاد سے مراد ان کی ذریت ہے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ان کی تمام ذریت ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ان کی ذریت میں سے مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام والد اور اس کی اولاد ہے۔ الماوردی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والد سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کا ذکر ہے اور اولاد سے مراد آپ کی امت ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں' تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰) (النکت والعیون للماوردی ج ۶ ص ۲۷۵' دار الکتب العلمیہ بیروت)

البلد: ۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا O

''کبد'' کا معنیٰ اور انسان کی دشواری کے محامل

اس آیت میں ''کبد'' کا لفظ ہے ''کَبَد'' کا معنیٰ ہے: دشواری' سختی' مشقت ''کَبِد'' یا ''کِبْد'' کا معنیٰ ہے: جگر' کلیجی' جگر کا درد ہونا ''کابد'' کا معنیٰ ہے: محنت کش' مشقت اٹھانے والا۔ (القاموس المحیط ص ۳۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس آیت میں ''کبد'' یعنی شدت اور مشقت کے حسب ذیل محامل ہوسکتے ہیں:

(۱) ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے' ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں' پھر اس کے دودھ پینے کی مدت میں' پھر جب وہ بالغ ہوگیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہوگیا' پھر اس کے بعد موت کی شدت میں۔

(۲) اس سے مراد دین کی مشقت اٹھانا ہے' وہ نعمت ملنے پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے اور عبادات کی ادائیگی میں مشقت اٹھاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد آخرت کی مشقت ہے' پہلے سکرات موت کی شدت ہے' پھر قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جواب کی مشقت ہے' پھر قبر کے اندھیرے کا سامنا ہے' پھر قبر سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف جانا ہے' پھر اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہونا ہے' اور پھر آخرت کے انجام کا پیش آنا ہے' جو جنت ہوگا یا دوزخ۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے' انسان جس کو بہ ظاہر لذت سمجھتا ہے اس میں بھی درد اور تکلیف کی آمیزش ہے' کھانا کھانے سے پہلے انسان بھوک کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور کھانے کے بعد غذا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے انسان مختلف بیماریوں کا سامنا کرتا ہے' جن میں قبض' اسہال' شوگر' ہائی بلڈ پریشر' کولیسٹرول اور دیگر موذی امراض ہیں' بیوی سے عمل زوجیت میں لذت ہے' مگر اس کے نتیجہ میں اولاد کو پالنے پوسنے اور ان کی تربیت کی مشقت ہے' بعض دفعہ اولاد نالائق اور ناخلف ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان ساری زندگی اذیت میں مبتلا رہتا ہے' مال اور دولت میں لذت ہے مگر اس مال کی وجہ سے انسان لوٹ مار' ڈکیتی' دہشت گردی کے خطرات اور خوف وہراس میں مبتلا رہتا ہے' خوب صورت مکانوں میں لذت ہے مگر پہلے ان کو بنانے کی مشقت ہے' پھر ان کے قرض کی ادائیگی' ٹیکس کی ادائیگی کی مصیبت ہے اور ان کو قدرتی آفات مثلاً سیلاب اور زلزلوں سے محفوظ رکھنے کی مشقت ہے۔

48

غرض انسان کو محنت، مشقت، شدت اور مصیبت میں پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہونا چاہیے تا کہ وہ جہان اس کے لیے لذات، سعادات اور کرامات کے حصول کا جہان ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہ ہو سکے گا؟O وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہےO کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟O کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیںO اور زبان اور دو ہونٹO اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO (البلد: ۱۰۔۵)

کیا ابن آدم یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کے کفر و شرک اور اس کے فسق و فجور پر اس کی گرفت نہیں کر سکیں گے یا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ہم اس کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے یا انسان اپنی امارت اور دولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس پر عجز اور فقر کو طاری نہیں کر سکیں گے یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کو جزا یا سزا دینے پر اور اس سے حساب لینے پر قادر نہیں ہیں۔

البلد: ۶ میں فرمایا: وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہےO

''لبداً'' کا معنیٰ

اس آیت میں 'لبداً'' کا لفظ ہے ''لبد'' کا معنیٰ مال کثیر''لابد'' کا بھی یہی معنیٰ ہے اصل میں 'لبد'' اور 'لبدۃ'' کا معنیٰ ہے: نمدہ اور گوند سے چپکایا ہوا اون نمدہ ہو یا چپکایا ہوا اون ان سب میں تہ بر تہ جمائی جاتی ہے وسعت استعمال کی وجہ سے مال کثیر کو بھی 'لبد'' کہتے ہیں گویا اس میں بھی مال کی تہ بر تہ جمائی جاتی ہے''لبد'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گھر میں بیٹھا رہے اور کمائی کے لیے باہر نہ نکلے۔ (القاموس المحیط ص ۳۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۴ھ)

لیث نے کہا: ''مال لبد'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ مال ہو کہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے فنا ہونے کا خوف نہ ہو اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کافر یہ کہتا ہے کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں مالِ کثیر خرچ کیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار اپنی بڑائی اور فخر کو ظاہر کرنے کے لیے مال کثیر خرچ کرتے تھے اس کے متعلق ان میں سے کسی نے کہا: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

البلد: ۷ میں فرمایا: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟O

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں قتادہ نے کہا: وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نہیں دیکھا اور وہ اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ الکلبی نے کہا: وہ جھوٹا ہے اس نے کچھ خرچ نہیں کیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا خرچ کر رہا ہے اور کیا خرچ نہیں کر رہا وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۲۴۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

البلد: ۱۰۔۸ میں فرمایا: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیںO اور زبان اور دو ہونٹO اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اور خیر اور شر کے دو راستے

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! اگر تیری زبان اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کے کرنے کے متعلق تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے اور اگر تیری آنکھ حرام کاموں کے کرنے میں تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی

ہے تو ان کو منطبق کر دے اور اگر تیری شرم گاہ تجھ سے حرام کاموں میں جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۴۰۷۔ج ۱۵ ص ۸۵۶)

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے البلد: ۸ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیں دو آنکھیں عطا فرمانا اس کی دو ظاہری نعمتیں ہیں جو ہم کو اس کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

امام ابن عساکر نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطا کی ہیں' جو عدد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا' اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں' وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنا دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لیے پردے (پلکیں) بنا دی ہیں' تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا ہے تو ان پردوں (پلکوں) کو منطبق کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لیے غلاف بنا دیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول' جو باتیں تیرے لیے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حرام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے' اور میں نے تیرے لیے شرم گاہ بنائی ہے اور اس کے لیے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے لیے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے' اے ابن آدم! میری ناراضگی کو نہ اٹھا اور تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

مجاہد نے کہا: "هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" کا معنی ہے: ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرا دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہدایت اور گم راہی کے راستوں کی۔

امام ابن مردویہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے لوگو! یہ دو راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شر کا راستہ خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۷۸۔۴۷۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان آیات میں اس پر واضح دلیل ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے' اس کو حواس عطا کیے ہیں اور عقل سلیم دی ہے' اس کو نیکی اور بدی کے راستے دکھا دیئے ہیں اور سمجھا دیئے ہیں' اس پر لازم ہے کہ وہ نیکی کے راستے کو اختیار کرے اور بُرائی کے راستے کو ترک کر دے اور اگر اس نے اختیار کے باوجود نیک عمل نہیں کیے اور بُرے عمل کرتا رہا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے دوزخ بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا O اور آپ کیا سمجھے کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے O (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا O یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو O یا خاک نشین مسکین کو O (البلد: ۱۶۔۱۱)

"اقتحم" اور "العقبۃ" کا معنی اور دشوار گھاٹی کا مصداق

البلد: ۱۱ میں "اقتحم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چڑھا' گھس پڑا' اس کا مصدر "اقتحام" ہے' اس کا معنی ہے: بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی چیز میں جھونک دینا۔ (القاموس المحیط ص ۱۱۴۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اور اس آیت میں "العقبۃ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گھاٹی' پہاڑ میں چڑھائی کا جو دشوار گزار راستہ ہوتا ہے' اس کو "عقبہ" کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۱۱۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

"عقبہ" سے مراد یہاں آخرت ہے' عطاء نے کہا: "عقبہ" سے مراد یہاں جہنم کی گھاٹی ہے' الکلبی نے کہا: یہ جنت اور

دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے' حضرت ابن عمر نے کہا: یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے' علامہ واحدی نے کہا: اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ کوئی انسان جہنم کے پہاڑ پر نہیں چڑھا اور نہ اس سے گزرا' نیز البلد: ۱۳ میں ''عقبة'' کی تفسیر مقروض کی گردن چھڑانے اور اس کو کھانا کھلانے کے ساتھ کی گئی ہے۔

حسن اور مقاتل نے کہا ہے کہ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کے ذکر میں یہ مثال دی ہے کہ انسان نے اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کی اور غلط نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا اور نیکی کرنے میں شیطان کے بہکانے سے جہاد کیوں نہیں کیا' الحسن نے کہا: اللہ کی گھاٹی بہت شدید ہے' اور یہ انسان کا اپنی ناجائز خواہشوں سے اور شیاطین انس اور جن سے جہاد کرنا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: یہی تفسیر برحق ہے کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ محسوسات کے عالم سے نکل کر انوار الٰہیہ کے عالم میں پہنچ جائے اور اس مادی عالم اور عالم قدس کے درمیان بے شمار دشوار گزار گھاٹیاں اور پرخطر وادیاں ہیں جن کو عبور کرنا بے حد مشکل اور دشوار ہے۔

البلد: ۱۳ میں فرمایا: (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا O

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث

''الفك'' کا معنی ہے: طوق اور بیڑیوں کو کاٹ دینا اور یہاں اس سے مراد ہے: کسی انسان کے گلے سے غلامی یا قرض کا طوق اتار دینا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا' اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا' حتیٰ کہ اس کی شرم گاہ کو اس کی شرم گاہ کے بدلہ میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۱)

حضرت ابوامامہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اصحاب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا' اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا اور جس مسلمان عورت نے کسی مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا اور اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۱' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۹۵)

غلام کو آزاد کرنا اور صدقہ کرنا دونوں افضل عمل ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک غلام کو آزاد کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک صدقہ کرنا' غلام آزاد کرنے سے افضل ہے' اور اس آیت میں امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام کو آزاد کرنے کا ذکر صدقہ دینے سے پہلے کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غلام کی گردن چھڑائی' اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۶۶)

البلد: ۱۴ میں فرمایا: یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O

بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں آیات اور احادیث

اس آیت میں ''مسغبة'' کا لفظ ہے' یہ اسم مصدر ہے' اس کا معنی ہے: بھوک' بھوکا ہونا' ''سغب'' کا معنی ہے: ایسی بھوک یا پیاس جس میں تھکان سی محسوس ہو' جیسے جب جسم میں گلوکوز کم ہونے کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

(القاموس المحیط ص ۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

قحط' تنگ دستی اور شدید ضرورت کے وقت مال نکالنا انسان کے نفس پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ (البقرہ:۱۷۷)

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور گردن چھڑانے کے لیے مال دے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ (الدھر:۸)

اور وہ کھانے کی ضرورت کے باوجود مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ○

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: تم جس شخص کو پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو' اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۹۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۰۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۵۳)

کھانا کھلانے میں فضیلت ہے' لیکن جب انسان خود بھوکا ہونے کے باوجود دوسروں کو کھلائے تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

حبان بن ابی جبلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے' وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۲۴' رقم الحدیث:۱۶۳۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۶۳۴۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۰' شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۷)

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغفرت کے موجبات سے یہ ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۴' کنز الایمان رقم الحدیث:۱۶۳۷۲' المستدرک ج ۲ ص ۵۲۴' رقم الحدیث:۳۹۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھلائی حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا' اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کر دے گا' ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۳)

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا' اللہ تعالیٰ اس کو رحیق (شرابِ طہور) سے پلائے گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۷۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے میں داخل کرے گا' جس میں سے صرف اس جیسے مسلمان داخل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰۔ رقم الحدیث:۱۶۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے گناہ زیادہ ہوں تو پانی

کے گھاٹ پر لوگوں کو پانی پلاؤ' تمہارے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح تیز آندھی سے درخت کے پتے گرتے ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۶ ص ۴۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۷۷)

ابوجنیدہ الفہری اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی پیاسے کو پانی پلا کر اس کو سیر کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دے گا اور اس سے کہا جائے گا: اس دروازے سے داخل ہو اور جس نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر اس کو سیر کر دیا' اس کے لیے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ۔ رقم الحدیث: ۹۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۸۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

البلد: ۱۵ میں فرمایا: ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو O

یتیم کا معنی

انسانوں میں یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بچپن میں باپ فوت ہو گیا ہو اور حیوانات میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی بچپن میں ماں فوت ہو گئی ہو اور بعض اہل لغت یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ دونوں فوت ہو گئے ہوں۔

جو یتیم رشتہ دار نہ ہو اس پر بھی صدقہ کرنے میں فضیلت ہے لیکن جو یتیم رشتہ دار بھی ہو' اس پر صدقہ کرنے میں زیادہ فضیلت ہے' جس طرح جس یتیم کے کفالت کرنے والے ہوں' اس پر صدقہ کرنے میں بھی فضیلت ہے لیکن جس یتیم کا کوئی کفیل نہ ہو' اس پر صدقہ کرنے میں بہت فضیلت ہے۔

یتیموں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو رکھا اور اس کو اپنے کھانے پینے میں شامل کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' سوا اس کے کہ اس کا کوئی ایسا گناہ ہو جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے' آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے' اس کی اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکا ہو اور وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہو گا اور آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۴۷۴ ۔ رقم الحدیث: ۲۲۱۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۵۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۲۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۹۰)

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کس کو صدقہ دینا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس قرابت دار کو جو پہلو تہی کرتا ہو۔

(سنن دارمی رقم الحدیث:١٦٧٩، مسند احمد رقم الحدیث:١٨٩٦، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ام المؤمنین نے اپنی ایک باندی کو آزاد کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ باندی اپنے کسی ماموں کو دے دیتیں تو تم کو زیادہ اجر ملتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٦٩٠، مسند احمد رقم الحدیث:٢٦٢٨٣، داراحیاء التراث العربی بیروت)

سلیمان بن عامر الضبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنا دو صدقے ہیں' ایک صدقہ ہے اور ایک صلہ رحم ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث:٢٥٨٢، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٨٤٤، مسند احمد رقم الحدیث:١٥٧٩٤، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کے لیے یہ صدقہ کافی ہوگا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنی گود کے بچوں کو صدقہ دے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے' ایک اجر صدقہ کا ہوگا اور ایک اجر قرابت داری کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:١٤٦٦، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٠٠، سنن نسائی رقم الحدیث:٢٥٨٣، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٨٣٤، مسند احمد رقم الحدیث:٢٦٥٠٨، داراحیاء التراث العربی بیروت)

البلد:١٦ میں فرمایا: یا خاک نشین مسکین کو O

خاک نشین کے مصادیق

خاک نشین سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو' حتیٰ کہ فقر کی وجہ سے وہ مٹی سے آلودہ ہے اور سوائے خاک اور مٹی کے اس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو راستہ (فٹ پاتھ) پر پڑا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو' مجاہد نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو اپنے جسم اور لباس کو مٹی سے نہ بچا سکے' قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ عیال دار ہو' عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ مقروض ہو' ابو سنان نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ اپاہج ہو' ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ٦٢' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو (توحید پر) ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی O وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں O ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی O (البلد: ٢٠-١٧)

مؤمنین صالحین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید

یعنی جو لوگ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھیں اور نفس کے ناجائز تقاضوں سے جنگ اور جہاد کریں' ان کا یہ جہاد اس وقت قابلِ تحسین اور لائقِ اجر ہوگا' جب وہ مؤمن ہوں اور اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کا یہ سارا جہاد رائیگاں جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا' کھانا کھلاتا تھا' قیدیوں کو چھڑاتا تھا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا اور اللہ کی راہ میں لوگوں کو اونٹوں پر سوار کرتا تھا' کیا ان اعمال سے اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢١٤)

نیز فرمایا: انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو ایمان کی راہ میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ہر امتحان میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر

قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ مظلوم اور فقیر پر رحم کریں یا جو شخص بُرے کام کر رہا ہو اس کو بُرائی سے روکیں کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں رحم کرنا ہے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو نیکی کا راستہ دکھائے اور اس کو بدی کے راستہ پر چلنے سے روکے۔

اور جو مؤمنین اس دشوار گھاٹی پر چڑھے اور جنہوں نے ہر آزمائش میں صبر کیا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کی اس گروہ کے سرخیل اکابر صحابہ مثلاً خلفاء راشدین اور ان کے موافقین اور بعد کے اخیار تابعین ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبر کی وصیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور رحم کی وصیت سے مراد مخلوق پر شفقت ہے اور اسلام کے تمام احکام کا مدار اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق کی شفقت پر ہے۔

البلد: ۱۸ میں فرمایا: وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں O

''اصحاب المیمنة'' کی تفسیر الواقعہ: ۲۹۔۲۸ میں گزر چکی ہے۔

البلد: ۱۹ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں O

اس آیت کی تفسیر الواقعہ: ۴۲ میں گزر چکی ہے۔

البلد: ۲۰ میں فرمایا: ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی O

اس آیت میں ''مؤصدة'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''ایصاد'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: دروازہ بند کرنا' قفل لگانا' ''مؤصدة'' کا معنیٰ ہے: بند کی ہوئی۔

اس آیت کا معنیٰ ہے: کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور کسی دروازے کو کھولا نہیں جائے گا' نہ دوزخ سے ان کا کوئی غم باہر نکلے گا اور نہ باہر سے کوئی خوشی دوزخ کے اندر داخل ہوگی' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کا مکمل احاطہ کرلے گی۔

سورۃ البلد کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۱ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ البلد کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' اسی طرح قرآن کریم کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دینا' اور اس تفسیر کو قیامت تک باقی اور فیض رساں رکھنا اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی' میرے تلامذہ اور قارئین اور اس کتاب کے ناشرین اور معاونین کی مغفرت فرما دینا۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین افضل الانبیاء والمرسلین

وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الشمس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سورت کا نام الشمس ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ''والشمس'' ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ (الشمس:۱) سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورۃ ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۸۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝'' اور اس کے مشابہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۹۹' مسند احمد رقم الحدیث:۲۲۴۸۵' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی اور اس میں ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝'' اور ''والسماء والطارق'' پڑھی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۹۵۸' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تم سے یہ حدیث بیان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو خطبہ دیتے تھے اس کو جھوٹا کہو' میں اس کا گواہ ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے' پھر بیٹھتے' پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے' راوی نے پوچھا: آپ کا خطبہ کیسا ہوتا تھا؟ حضرت جابر نے کہا: آپ اپنے کلام سے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے اور کتاب اللہ سے آیات پڑھتے تھے' آپ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا اور آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی' آپ نماز میں ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝'' اور ''وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ'' پڑھا کرتے تھے' سو فجر کی نماز کے اور ظہر کی نماز کے۔ الحدیث

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۵۰' دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم چاشت کی دو رکعتوں میں ان دو سورتوں کو پڑھیں: ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝'' اور ''والضحٰی''۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۸۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورت الشمس اور سورۃ البلد کی مناسبت

(۱) سورۃ البلد کے آخر میں ''اصحاب میمنة'' اور ''اصحاب مشئمة'' کا ذکر فرمایا تھا اور سورۃ الشمس میں ان کے مصداق کو ذکر فرمایا' سو بتایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس: ۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیا ۝

اور یہی لوگ ''اصحاب میمنة'' ہیں۔

وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰) اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیا ۝

اور یہی لوگ ''اصحاب مشئمة'' ہیں۔

(۲) سورت البلد کے آخر میں بتایا تھا کہ کفار کو آخرت میں دوزخ کی سزا دی جائے گی اور اس سورت کے آخر میں بتایا ہے کہ بعض کفار کو دنیا میں بھی سزا دی گئی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۱ ہے۔

سورت الشّمس کے مشمولات

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بلند چیزوں کی قسم کھائی ہے' جیسے سورج اور چاند کی' دن اور رات کی اور آسمان کی اور پست چیزوں کی بھی قسم کھائی ہے' جیسے زمین کی اور نفس انسان کی۔

(۲) اس میں انسان کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے اور اس سے ڈرایا ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرے۔

(۳) قومِ ثمود کی مثال دی ہے' ان کے ایک شخص نے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کر کے مقدس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' جس کی سزا میں ان پر دنیا میں عذاب آ گیا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر قائم رکھنا' فکری' نظری' اعتقادی اور فقہی غلطیوں سے محفوظ اور مامون رکھنا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور آپ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہو اور مجھے گناہوں سے بچانا اور نیکیوں پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۲ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۵ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الشمس مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پندرہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳

سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کیO اور چاند کی قسم! جب وہ اس کے پیچھے آئےO اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرےO

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائےO اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایاO اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو

طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

پھیلایاO اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایاO پھر اس (نفس) کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیاO

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیاO اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیاO قوم ثمود

بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

نے اپنی سرکشی کے سبب (اپنے رسول کو) جھٹلایاO جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھاO سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ

اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کروO انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب

ع ۱ ۱۵ ۱۶

بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیاO اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کیO اور چاند کی قسم! جب وہ اس کے پیچھے آئےO اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرےO اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائےO اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایاO اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلایاO اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایاO پھر اس کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیاO جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیاO اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیاO (الشمس: ۱۰۔۱)

قسم اور جوابِ قسم

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے: (۱) سورج (۲) چاند (۳) دن (۴) رات (۵) آسمان (۶) زمین (۷) نفسِ انسان اور ان سات چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہوگیا' سو یہ اس سورت کی قسم اور جوابِ قسم کی تفصیل ہے' اب ہم جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ان میں سے ہر ایک کی وضاحت کریں گے۔

سورج کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں' برکتیں اور نشانیاں

الشمس: ۱ میں فرمایا: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی O

اس آیت میں ''ضُحٰی'' کا لفظ ہے' مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی حرارت ہے' اللہ تعالیٰ نے سورج میں ایسے اثرات رکھے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمتوں اور اس کی تدبیر کی باریکیوں اور برکتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) سورج میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ سورج کا نور سائے کو ختم کر دیتا ہے اور چاند کے نور سے چھپ جاتا ہے اور ستارے نظر نہیں آتے اور ہوا میں سورج کے نور کے چمکیلے ذرات غبار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

(۲) پھر سورج کی حرارت سے کھیتوں میں سبزیاں' اور دانے پکتے ہیں اور باغوں میں پھل تیار ہوتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں اور انسانوں اور حیوانوں کے لیے صالح غذا تیار ہوتی ہے۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ تدبیر سے سورج کو زمین سے مناسب فاصلہ پر رکھا ہے' اگر یہ فاصلہ کم ہوتا تو تمام کھیت اور باغات جل جاتے اور اس کی حرارت کی شدت سے تمام انسان اور حیوان جل کر راکھ ہو جاتے۔

(۴) پھر سورج میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی یہ ہے کہ سورج کئی ہزار میل کی مسافت قطع کرتا ہے اور پوری زمین کے گرد ایک چکر لگاتا ہے' پھر سورج سے اللہ تعالیٰ اپنے جود و کرم کا اظہار فرماتا ہے کیونکہ اس کی روشنی اور حرارت ہر ذی روح کو پہنچ رہی ہے' خواہ وہ اللہ کو ماننے والا ہو یا اس کا منکر ہو' اس کا شکر گزار ہو یا ناشکرا ہو' اس کا دوست ہو یا اس کا دشمن ہو۔

(۵) سورج کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ سورج کا ایک مخصوص جسم ہے' اور وہ ایک خاص جگہ سے اور خاص وقت میں طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور اس کے اس نظام میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' پس ضروری ہوا کہ سورج کو اس مخصوص جسامت میں رکھنے کے لیے اور اس مخصوص نظام کا پابند کرنے کے لیے کوئی خالق ہو اور وہ خالق واجب اور قدیم ہو' ورنہ پھر اس کا بھی کوئی خالق ہوگا اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو' ورنہ اس کے طلوع اور غروب اور اس کی مخصوص حرکت کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور اس کے نظام کی وحدت' اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

الشمس: ۲ میں فرمایا: اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے O

چاند کن چیزوں میں سورج کے تابع ہے؟

اس آیت میں ''تلاھا'' کا لفظ ہے' ''تلا یتلوا'' کا معنیٰ ہے: ایک چیز کا دوسری چیز کے تابع ہونا اور چاند' سورج کے حسبِ ذیل امور میں تابع ہے:

(۱) مہینہ کے نصف اوّل میں سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی میں چاند کے تابع ہوتا ہے۔

(۲) سورج جب غروب ہوجاتا ہے تو پہلی رات کا چاند سورج کے غروب کے فوراً بعد نظر آتا ہے۔

(۳) چاند کے تابع ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

(۴) چودھویں رات کو جب چاند پورا نظر آتا ہے تو اس وقت وہ روشن ہونے میں سورج کے قائم مقام ہوتا ہے۔

(۵) سورج کے جو منافع ذکر کیے گئے ہیں وہ چاند میں بھی موجود ہیں' غذا سورج سے پکتی ہے اور اس میں ذائقہ چاند کی کرنوں سے آتا ہے۔

(۶) سورج اور چاند کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا خالق واحد ہے' کیونکہ اگر ان کے خالق متعدد ہوتے تو ان کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل نہ ہوتے بلکہ ہر خالق صرف اپنی مخلوق کو ان کے فوائد پہنچاتا۔

الشمس:۳ میں فرمایا: اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے O

دن کن چیزوں کو ظاہر کرتا ہے

اس آیت میں ''جلّاھا'' کا لفظ ہے' یہ ''تجلیۃ'' سے بنا ہے' اس کا معنیٰ کشف اور اعجاز ہے' زجاج نے کہا: اس کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور اس کا معنیٰ ہے: جب دن نے سورج کو ظاہر کر دیا' دن سورج کی روشنی کو کہتے ہیں پس جب دن زیادہ روشن ہوگا تو سورج زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ اثر کی قوت مؤثر کی قوت کو ظاہر کرتی ہے' لہٰذا دن سورج کو ظاہر کرتا ہے' اور جمہور نے کہا: یہ ضمیر دنیا یا زمین کی طرف راجع ہے' اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے اور اس کا معنیٰ ہے: دن نے دنیا کو یا زمین کو ظاہر کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۴)

امام ابو منصور ماتریدی نے کہا: اس آیت کے کئی محمل ہیں: دن نے دنیا کو ظاہر کر دیا' دن نے زمین کو ظاہر کر دیا' دن نے سورج کو ظاہر کر دیا' رات کی ظلمت نے جن چیزوں کو چھپا لیا تھا' دن کے نور نے آنکھوں کے ذریعہ ان چیزوں کو ظاہر کر دیا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۳)

الشمس:۴ میں فرمایا: اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے O

رات اور دن کی سلطنت کا سورج اور چاند سے زیادہ ہونا

اس کا محمل یہ ہے کہ رات دنیا کو چھپا لیتی ہے' یا روئے زمین کو چھپا لیتی ہے یا سورج کو چھپا لیتی ہے یا اپنی ظلمت سے مخلوق کو آنکھوں سے چھپا لیتی ہے' سورج اور چاند کی بہ نسبت رات اور دن کے توارد میں زیادہ سلطنت اور زیادہ تصرف ہے' کیونکہ رات اور دن کے تعاقب اور آنے جانے سے مدتیں پوری ہوتی ہیں اور عمریں تمام ہوتی ہیں اور کوئی شخص اپنے آپ کو ان کی زد سے بچا نہیں سکتا' سورج کی حدت اور تیز روشنی کی زد سے انسان خود کو بچا سکتا ہے کہ وہ ایسے حجاب میں چلا جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے' اسی طرح اگر کسی انسان کو چاند کی روشنی اچھی نہ لگے تو وہ کسی اوٹ میں رہ کر چاند سے چھپ سکتا ہے لیکن دن اور رات کی گردش کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دن کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں جب خوب روشنی پھیل جاتی ہے تو انسان اور حیوان سب اپنے معاش اور روزی کے حصول کے لیے نکلتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اور رات کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں کی ہوئی جدوجہد سے اعصاب تھک جاتے ہیں تو رات کی نیند اس تھکاوٹ کو اتارتی ہے۔

الشمس: ۵ میں فرمایا: اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایاO

''وما بناھا'' میں ''ما'' سے مراد ''من'' ہونے کی توجیہ

زجاج نے کہا: اس آیت میں لفظ ''ما'' ''الذی'' کے معنیٰ میں ہے' ہر چند کہ ''ما'' کی وضع غیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن کبھی اس کا مجازاً استعمال ذوی العقول کے لیے بھی ہوتا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''ما'' ''من'' کے معنیٰ میں ہے اور دونوں تاویلوں کے اعتبار سے یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے' پہلی تاویل کے اعتبار سے معنیٰ اس طرح ہے: سورج' چاند' دن' رات اور آسمان بنانے والے کی قسم! اور دوسری تاویل کے اعتبار سے معنیٰ اس طرح ہے: اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۴)

اس آیت میں لفظ ''ما'' ''من'' کے معنیٰ میں ہے' اس کی دوسری مثال اس آیت میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ. (النساء: ۲۲) اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ ''ما'' کو کیوں استعمال فرمایا اور لفظ ''من'' کو کیوں استعمال نہیں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل لفظ ''من'' استعمال فرماتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہوتی یعنی آسمان کی قسم! اور جس ذات نے آسمان کو بنایا اور لفظ ''ما'' سے اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرف اشارہ ہے' یعنی آسمان کی قسم! اور اس عظیم چیز کی قسم جو اس آسمان کو بنانے پر قادر ہے۔

الشمس: ۶ میں فرمایا: اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلایاO

اس آیت میں ''طحٰھا'' کا لفظ ہے' یہ ''الطحو'' سے بنا ہے' اور یہ ''الدحو'' کی مثل ہے' اس کا معنیٰ بھی پھیلانا ہے' جیسے اس آیت میں فرمایا:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ (النّٰزعٰت: ۳۰) اور آسمان کو بنانے کے بعد زمین کو پھیلایاO

یعنی زمین کا مادہ پہلے بنایا' پھر آسمانوں کو بنایا اور ان کو ہموار کیا' اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔

الشمس: ۷ میں فرمایا: اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایاO

نفس انسان کی قسم سے مراد انسان کامل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے

اس سے پہلے مفرد چیزوں کی قسم کھائی تھی' جیسے سورج' چاند' آسمان اور زمین' اور اب اس چیز کی قسم کھائی جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور وہ نفس انسان ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد انسان کا جسم ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد نفس ناطقہ یا قوت مدبرہ ہو' اگر اس سے مراد انسان کا جسم ہے تو اس کو درست بنانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو معتدل اور متوسط بنایا اور ہر عضو کو اس کی مناسب جگہ میں رکھا' مثلاً دماغ جو پورے جسم کا حاکم ہے' اس کو سر میں رکھا' جو جسم میں سب سے اوپر ہے اور دل جس پر حیات کا مدار ہوتا ہے اس کو جسم کے وسط اور سینہ میں رکھا' اور بول و براز کو مثانہ اور بڑی آنت میں رکھا جو پیٹ کے نچلے حصہ میں ہے اور یہ بہت حکیمانہ تدبیر ہے۔

اس آیت میں نفس کو نکرہ ذکر کیا ہے' اس کے دو محمل ہیں: یا تو اس سے نفس کامل مراد ہے یا عام نفس مراد ہے' اگر نفس کامل مراد ہے تو وہ نفس قدسیہ نبویہ ہے' کیونکہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور وہ فرد واحد ان کثیر کا رئیس ہوتا ہے اور عناصر مرکبہ کے تحت کئی انواع اور اقسام ہیں اور ان کا رئیس حیوان ہے اور حیوان کے تحت کئی انواع ہیں اور ان کا رئیس انسان ہے اور

انسان کے بہت افراد ہیں اور ان کا رئیس نبی ہے اور نبی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد ہیں اور ان کے رئیس نبی الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں‘ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے مفردات اور عناصر کی قسم کھانے کے بعد مقصود کائنات اور خلاصہ موجودات‘ فخر آدم و بنی آدم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے۔

نفس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے عام نفس مراد ہو اور اس سے مراد نفس انسان ہے‘ کیونکہ تمام نفوس میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور نفس انسان کے عموم کی مراد ہونے پر یہ آیت قرینہ ہے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ؕ (التکویر:۱۴) اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہے○

الشمس:۸ میں فرمایا: پھر اس (نفس) کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا○

’’الہام‘‘ کا معنیٰ اور انسان کے اچھے اور بُرے کاموں کے متعلق اہل سنت کا موقف

اس آیت میں ’’الہام‘‘ کا لفظ ہے‘ اس کا اصل معنیٰ ابلاغ اور پہنچانا ہے‘ اور عرف میں اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بندے کے دل میں ڈالنا‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ فلاں فلاں کام بُرا ہے اور اس کے دل میں یہ بھی ڈال دیا کہ ان بُرے کاموں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے اور یہی ’’الفجور‘‘ اور ’’الطغوی‘‘ کا معنیٰ ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (البلد:۱۰) ہم نے انسان کو نیک اور بد دونوں راستے دکھا دیئے○

پھر فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ؕ (الشمس:۱۰۔۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا○ اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا○

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اس کو یہ اختیار دیا کہ وہ خیر اور شر میں جس راستے کو پسند کرے‘ اس کو اختیار کرے‘ پھر وہ جس فعل کو اختیار کرے‘ اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے‘ اس کے برخلاف معتزلہ کا یہ مسلک ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے‘ اور جبریہ کا یہ مسلک ہے کہ انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے‘ وہ مجبور محض ہے‘ اللہ تعالیٰ جو فعل چاہتا ہے وہ اس میں پیدا کر دیتا ہے‘ جبریہ کا مسلک اس لیے باطل ہے کہ اگر انسان مجبور محض ہو تو پھر اس کو مکلف کرنا صحیح نہ ہو گا اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا اور میدان حشر میں حساب لینا‘ میزان قائم کرنا اور جنت اور دوزخ اور جزاء اور سزا کا سارا نظام بے معنیٰ اور عبث ہو جائے گا‘ اور معتزلہ کا مسلک اس لیے باطل ہے کہ انسان کو اپنے افعال کا خالق ماننا‘ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت:۹۶) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی○

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

اچھے اور بُرے کاموں کا علم غور و فکر کرنے سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے سے حاصل ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا فجور اور تقویٰ بیان فرما دیا اور اس کی تعلیم دے دی‘ بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ تمام نیکیاں

خلقۃً بدیہی ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی ہے کہ اس نے انسان کو اس کے فجور اور اس کے تقویٰ کی تعلیم دے دی ہے اور اس کی عقل میں ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے وہ بُری چیز کی برائی اور ہر اچھی چیز کی اچھائی کو پہچان لیتا ہے۔

ہمارے (اہل سنت و جماعت) کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ انسان تمام چیزوں کی اچھائی اور بُرائی کو بداہت عقل سے پہچانتا ہے' لیکن عقول ہر چیز کی اچھائی اور بُرائی کو نہیں پہچان سکتیں اور اس کی پہچان انسان کو غور اور فکر کرنے سے ہوتی ہے اور بعض چیزوں کی اچھائی اور بُرائی صرف غور وفکر سے بھی نہیں ہوتی' اس کی معرفت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی تبلیغ سے ہوتی ہے' مثلاً صرف عقل کے غور وفکر سے ہمیں کیسے پتا چل سکتا ہے کہ جب سورج طلوع ہو رہا ہو یا سورج سر پر ہو تو اس وقت نماز پڑھنا حرام ہے یا جب انسان پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو اس وقت تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے یا ہم عقل سے کیسے جان سکتے ہیں کہ فجر کی نماز کی دو رکعات ہیں اور ظہر' عصر اور عشاء کی چار رکعات ہیں اور مغرب کی تین رکعات اور اسی طرح نماز پڑھنے میں حسن اور اس کے خلاف نماز پڑھنا قبیح ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم اپنی طبیعت سے لذیذ اور نفع بخش چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہو اور تکلیف دہ اور درد انگیز چیزوں سے متنفر ہوتے ہو' اس طرح تم حسین اور خوب صورت چیزوں کو پسند کرتے ہو اور قبیح اور بدصورت چیزوں کو ناپسند کرتے ہو' بلکہ عقل سے ہی ان کے درمیان فیصلہ کرتے ہو' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے حسن اور قبح کو جاننے کے لیے عقل میں صلاحیت اور تمیز رکھ دی ہے' لہٰذا '' فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ○ '' (الشمس:۸) کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل میں ایسی قوت رکھ دی ہے' جو بُری چیز کو اچھی چیز سے ممتاز کرتی ہے اور خبیث چیزوں کو طیب چیزوں سے اور گناہوں کی بُرائی کو اور عبادات کے حُسن کو بیان کرتی ہے اور اس کی معرفت غور وفکر سے ہوتی ہے یا رسولوں کی تعلیم اور تبلیغ سے اور اسی بناء پر انسان کو مکلّف کیا جاتا ہے۔

نیک کاموں کا الہام ان ہی لوگوں کو کیا جاتا ہے جو نیکی کی جدوجہد کرتے ہیں

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تقویٰ کا الہام کر دیتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت:۶۹) جو لوگ ہمارے راستہ پر چلنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں' ہم ان کو اپنے راستوں پر چلا دیتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے نیکی کی کوشش کرنے والوں سے ہدایت پر پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے' نیز ارشاد فرمایا:

وَإِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۙ (البقرہ:۱۸۶) جب آپ سے میرے بندے میرا پوچھیں تو (آپ کہیں:) میں قریب ہوں' میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں وہ جب دعا کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرنے کی اس شرط کو بیان فرمایا:

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ. (البقرہ:۱۸۶) پس یہ بھی تو میرے حکم پر عمل کیا کریں۔

نیز فرمایا:

وَأَوْفُوْا بِعَهْدِيْ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ (البقرہ:۴۰) تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو' میں تم سے کیا ہوا عہد پورا

کروں گا۔

اِنِّیْ مَعَكُمْؕ لَىٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ. بے شک میں تمہاری معاونت کے لیے ساتھ ہوں بہ شرطیکہ تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ (المائدہ:۱۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو ذات تقویٰ کا الہام کرتی ہے' وہی اپنے عہد کو پورا کرتی ہے' پس جب بندہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اللہ عزوجل اس کو عبادات کے طریقے اور گناہوں سے بچنے کے راستے القاء اور الہام کر دیتا ہے اور اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ 49

الہام سے مراد اچھے اور بُرے کاموں کا لزوم ہے

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ انسان کے لیے تقویٰ اور فجور کو لازم کر دیتا ہے' پس اس کو تقویٰ کا ثواب ہو گا اور فجور کے ارتکاب سے عذاب ہو گا اور کسی شخص کی دوسرے شخص کے فجور سے گرفت نہیں کی جائے گی' اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب مجرد تقویٰ کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد تمام نیکیاں ہوتی ہیں اور جب تقویٰ کے ساتھ بر اور عطاء کے لفظ کا بھی ذکر کیا جائے تو پھر تقویٰ سے مراد ہوتا ہے: تمام حرام کاموں سے بچنا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىۙ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ۝ اور جس نے اللہ کی راہ میں دیا۝ اور گناہ کرنے سے ڈرا اور نیک باتوں کی تصدیق کی۝ (اللیل:۶۔۵)

ان آیات کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے ان تمام نیک کاموں کو کیا جن کی دنیا اور آخرت میں تحسین کی جاتی ہے اور ان تمام کاموں سے بچا' جن کی دنیا اور آخرت میں مذمت کی جاتی ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ص ۴۶۵۔۴۶۴' مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

نیکی اور بدی کے الہام کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مؤمن متقی کے دل میں اس کا تقویٰ ڈال دیا اور فاجر کے دل میں اس کا فجور ڈال دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ص ۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۝ٙ'' (الشمس:۸) تو آپ نے یہ دعا کی:

اللھم ات نفسی تقواھا و زکھا انت خیر من زکّاھا انت ولیّھا و مولاھا. اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک کر دے' تو سب سے عمدہ پاک کرنے والا ہے' تو اس کا ولی اور اس کا مولا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۲' السنۃ رقم الحدیث: ۳۱۹)

ابو الاسود الدولی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج کل جو لوگ عمل کر رہے ہیں اور اس میں مشقت اٹھا رہے ہیں' کیا یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لیے مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ ہو چکا ہے یا یہ از سر نو یہ کام کر رہے ہیں جس طرح ان کے نبی نے فرمایا ہے اور اس کی نبوت ان کے نزدیک دلیل سے ثابت ہو چکی ہے' میں نے کہا: نہیں! یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لیے مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ ہو چکا ہے' حضرت عمران نے کہا: تو پھر کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ ابو الاسود نے کہا: پھر میں بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا' میں نے کہا: ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی مملوک ہے اور اس کے زیر تصرف ہے' وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں اور لوگوں سے ان کے ہر فعل کے متعلق سوال کیا جائے گا' پھر حضرت عمران نے

49

مجھ سے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، میں نے تم سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ میں تمہاری عقل کو آزماؤں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۰، مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۸، السنۃ رقم الحدیث: ۱۷۴)

الشمس: ۱۰۔۹ میں فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیاO اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیاO

''تزکیۃ'' اور ''تدسیۃ'' کا معنیٰ اور ''تدسیۃ'' کے محامل

زکوٰۃ کا اصل معنیٰ ہے: نمو اور زیادتی' جب کھیت لہلہانے لگتا ہے تو کہتے ہیں: ''زکا الزرع'' اور زکوٰۃ کا معنیٰ ہے: تطہیر اور پاک کرنا' سو جو شخص گناہوں سے مجتنب رہا اور اس نے نیک کام کر کے اپنے صغائر معاف کرالیے اور توبہ کر کے اپنے کبائر معاف کرالیے' اس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور اس کا تزکیہ کرلیا۔

دوسری آیت میں ''دسّاھا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپانا' کسی چیز کو زمین میں دفن کر دینا' چھپانا' گم نام کر دینا اور اس آیت میں اس کے حسبِ ذیل محامل ہیں:

(۱) جب لوگوں میں تنگی یا ضرورت ہو تو نیک لوگ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ فقراء ان کی طرف رجوع کریں اور بخیل خود کو چھپاتے ہیں تاکہ کوئی ضرورت مند ان سے سوال نہ کر سکے' گویا جس نے حق داروں کو ان کا حق نہیں پہنچایا' اس نے اپنے آپ کو گناہوں سے آلودہ کرلیا۔

(۲) جو شخص فاسق اور بدکار تھا' اس نے اپنے آپ کو صالحین میں شامل کرلیا تاکہ لوگ اس کو بھی نیک اور صالح سمجھیں۔

(۳) جس شخص نے اپنے آپ کو بدکاریوں اور فسق و فجور میں چھپالیا اور معصیت میں دفن کرلیا یا جس نے اپنے آپ کو گناہوں میں غرق کرلیا اور سرکشی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

(۴) جو شخص دائماً گناہ کرتا رہا اور گناہ گاروں کی مجلس میں شریک رہا اور ان کا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا رہا۔

(۵) جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کرتا رہا اور گناہ کرتا رہا حتیٰ کہ وہ بھولا بسرا اور گم نام ہو گیا۔

جبر کی تقویت میں امام رازی کے دلائل

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے جبریہ کی تائید میں لکھا ہے:

ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے گم راہ کر دیا اور اس کو فسق و فجور میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا' اس کا نفس ناکام ہو گیا اور گم نام ہو گیا (امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے لیے اضلال' اغواء اور افجار کے الفاظ لکھے ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف ان الفاظ کی نسبت کرنے سے سخت اذیت اور تکلیف پہنچی ہے کیونکہ اغواء کی نسبت تو ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی تھی' جب اس نے کہا: ''قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ'' (الاعراف: ۱۶) چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے' وہ معتزلہ کا رد کرتے کرتے کہاں پہنچ گئے)۔

پھر امام رازی لکھتے ہیں: الواحدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ گویا اللہ سبحانہ نے اپنی سب سے افضل مخلوق کی قسم کھا کر یہ فرمایا: جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا' وہ آخرت میں کامیاب ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو رسوا کرلیا اس نے نقصان اٹھایا تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ انسان ہی اپنے نفس کی تطہیر کا خالق ہے اور وہی اپنے نفس کو گناہوں سے ہلاک کرتا ہے اور اس سے پہلے کوئی تقدیر نہیں ہے اور نہ کوئی قضاء ہے' یعنی اس سے پہلے اللہ کو کسی چیز کا علم تھا اور نہ اس نے اس کے موافق کسی حکم کو نافذ کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ تقدیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان کو جب اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا گناہ کرے گا' پھر وہ جس کام کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور شقی یا سعید ہونے کے متعلق اپنے حکم کو نافذ کر دیتا ہے اور یہی قضا و قدر ہے' اس کا علم سابق قدر اور تقدیر ہے اور اس کے مطابق حکم کو نافذ کرنا قضاء ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ایک شخص کی مدتِ حیات بیس سال ہے' یہ تقدیر ہے اور بیس سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کی موت کا حکم نافذ فرما دیتا ہے یہ اس کی قضاء ہے۔

امام رازی نے یہ کہا ہے کہ انسان کے اختیار کا کوئی خالق ہے یا نہیں' اگر اس کا کوئی خالق نہیں ہے تو پھر یہ دہریوں کا نظریہ ہے اور اگر اس اختیار کا خالق انسان ہے تو یہ اس لیے باطل ہے کہ خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو' ممکن اور حادث کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا اور اگر انسان کے اختیار کا خالق اللہ ہے تو پھر ہمارا مقصود ثابت ہو گیا کہ انسان کو نیک یا بد اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور یہی جبر ہے۔ صاحبِ عقل اپنا تجربہ کر کے دیکھ لے' کیونکہ انسان بعض اوقات کسی چیز سے بالکل غافل ہوتا ہے' پھر اچانک اس کے دل میں کسی کام کی صورت آتی ہے' پھر اس کام کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے' پھر اس کام کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں اور پھر انسان اس فعل کو حاصل کر لیتا ہے' پس انسان کا کسی بھی فعل کو کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بد' اس تحریک اور شوق کے بعد ہوتا ہے' جو اس کے دل میں اچانک پیدا ہوتی ہے اور اس تحریک اور شوق میں اس کا کوئی اختیار اور دخل نہیں ہوتا اور یہی جبر ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دلائل کے جوابات عقلی دلائل سے

جبر کی تائید میں امام رازی کی یہ دلیل بہت قوی ہے' میں آج صبح نمازِ فجر کے بعد اس پر غور کرتا رہا' پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اختیار کی دو قسمیں ہیں: ایک تو مطلق اور کلی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمایا بلاشبہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اس سے جبر لازم نہیں آتا اور ایک کسی مخصوص اور جزی کام کو کرنے کا اختیار ہے' مثلاً آج ظہر کی نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا' اس اختیار کو انسان صادر کرتا ہے اور اس سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل سے غور و فکر اور سوچ و بچار کرتا ہے اور اس کے بعد نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں سے کسی ایک جانب کو اختیار کرتا ہے اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل کا ثمرہ ہے' اس لیے اس اختیار کے صدور سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا۔

امام رازی نے فرمایا ہے: انسان بالکل غافل ہوتا ہے' پھر اچانک اس کے دل میں کسی اچھے یا بُرے کام کی صورت آتی ہے اور اس صورت کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے حصول کے لیے انسان کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس صورت کو حاصل کر لیتا ہے اور یہی جبر ہے۔ امام رازی نے جبر کی اس تقریر میں ایک اہم مقدمہ کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کو مثلاً کسی گناہ کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے تو فوراً ہی اس گناہ کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں نہیں آتے بلکہ اس سے پہلے ایک مرتبہ عقل کے غور اور فکر کا ہے' انسان اُس بُرائی کی دنیاوی خرابی اور اُخروی عذاب پر غور کرتا ہے اور اس کی عقل اس کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے' اگر انسان اپنی عقل سلیم کے منع کرنے اور ضمیر کی ملامت سے باز آ جاتا ہے تو یہ اس کا تقویٰ ہے اور اگر وہ اپنی عقل اور ضمیر کی آواز کو نہیں مانتا اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکا دیتا ہے تو یہ اس کا "الفجور" ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُرائی سے روکنے کے لیے عقل دی تھی' اس لیے عقل کے روکنے کے باوجود اس کا معصیت اور گناہ کا ارتکاب کر لینا' کسی طرح بھی جبر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس تہمت سے

پاک ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور بھی کرے پھر اس گناہ پر اس کو سزا بھی دے۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس کی عقل اس کو اس گناہ سے روکتی ہے اس کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے حسب ذیل دلائل ہیں:

امام رازی کے دلائل کے جوابات' قرآن مجید کی آیات سے

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ﴿۱۱﴾ (البلد: ۱۱۔۸)

کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں○ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے○ اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دو راستے دکھا دیئے○ پھر وہ (گناہ کو ترک کرنے اور نیکی کرنے کی) دشوار گھاٹی پر نہیں چڑھا○

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ (القیامہ: ۱۵۔۱۴)

بلکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے○ خواہ اپنے کتنے ہی عذر پیش کرے○

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ﴿۲۰۱﴾ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جب متقی لوگوں کو شیطان گناہ کی صورت دکھاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں○

یعنی وہ گناہ کی صورت کی ترغیب پر فوراً اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتے بلکہ اس گناہ کے عواقب اور نتائج پر غور کرتے ہیں' پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾ (الاعراف: ۲۰۰)

(اے مخاطب!) جب شیطان تم کو کوئی وسوسہ ڈالے (تمہارے دل میں گناہ کی صورت القاء کر کے اس کی طرف مائل اور راغب کرے) تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو (''اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم'' پڑھو) بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے○

اس آیت میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جب تمہارے دل میں گناہ کرنے کا شوق پیدا ہو اور اس کی تحریک ہو تو فوراً اس کے حصول کے درپے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے کام لو' غور و فکر کرو اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسہ اور گناہ کی صورت کو دل سے نکالنے کے لیے ''اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم'' پڑھو' اس طرح گناہ کی طرف سے تمہاری توجہ ہٹے گی اور تم گناہ سے باز آ جاؤ گے۔

امام رازی کے دلائل کے جوابات احادیث سے

احادیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں جیسے ہی گناہ کی صورت آتی ہے اور اس کا شوق اور اس کی تحریک ہوتی ہے تو وہ فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ غور و فکر کر کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا اس کو ترک کر دیتا ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی مرتبہ ہمارے دل میں برے وسوسے آتے ہیں اور ہم ان پر عمل نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سینوں میں جو وسوسے آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرما لیا ہے بہ شرطیکہ وہ اس وسوسہ کے موافق عمل نہ کریں یا کلام نہ کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲ ـ ۱۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۳)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے دل میں اچانک جن کاموں کی صورتیں آتی ہیں' اگر وہ رذائل اور معاصی کی طرف راغب کریں تو وہ وسوسہ ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب کریں تو وہ الہام ہے۔

واضح رہے کہ ایک وسوسہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور دوسرا اختیاری ہوتا ہے' غیر اختیاری وہ ہے جو انسان کے دل میں ابتداءً اور اچانک آئے اور انسان اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو' اس قسم کا وسوسہ تمام امتوں سے معاف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ. (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

اور وسوسہ اختیاری وہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی ناجائز کام کی صورت آئے اور وہ اس کو اپنے دل میں جمالے اور اس کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس کام کے تصور سے لذت حاصل کرے' جیسے انسان کے دل میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز خواہش کی صورت آئے اور وہ اس کو دل میں جمالے اور اس کام کو کرنے کا منصوبہ بنائے' اسی طرح اور گناہوں کی صورتیں ہیں' تو جب تک وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے تو یہ وسوسہ خصوصاً اس امت کے لیے معاف ہے' علامہ نواوی نے کہا: جب کوئی انسان اپنے دل میں گناہ کا عزم کرے اور اس کو کرنے کا پکا ارادہ کرے تو وہ اپنے اعتقاد اور عزم میں گناہ گار ہوگا' جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے: جب میرا بندہ گناہ کا ھم (غیر پختہ ارادہ) کرے تو اس کے گناہ کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸)

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۲۰۰ ـ ۱۹۹' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث اور اس کی شرح سے واضح ہو گیا کہ انسان وسوسہ آتے ہی فوراً گناہ نہیں کرتا بلکہ کبھی اس پر عمل کرتا ہے اور کبھی اس پر عمل نہیں کرتا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: نیکی عمدہ خُلق ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ لوگ اس کام پر مطلع ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

دل میں کھٹکنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان اس کام کے متعلق متردد ہو اور اس کام کے درست ہونے کے متعلق اس کو شرح صدر نہ ہو اور اس کے دل میں شک ہو اور اس کو یہ خوف ہو کہ یہ کام گناہ ہوگا۔ اس حدیث سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ دل میں کسی بُرے کام کی صورت آتے ہی انسان فوراً اس پر عمل نہیں کرتا' بلکہ اس پر غور و فکر کرتا ہے' اگر اس پر منکشف ہو جائے کہ یہ کام گناہ ہے اور اس پر خوفِ خدا کا غلبہ ہو تو وہ اس کام کو ترک کر دیتا ہے اور اگر وہ شہوت میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ اس گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور یہی اس آیت کا معنیٰ ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۸) پس انسان کے نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا ۝

الحمد للہ! ہماری اس تقریر سے وہ دلیل ساقط ہو گئی' جس سے امام رازی نے یہ ثابت کیا تھا کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ

میں مجبور ہے اور اس کا معاذ اللہ یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو گناہ پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی اس کو سزا دیتا ہے' سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اس ظلم سے پاک اور مبرا اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (اپنے رسول کو) جھٹلایا○ جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا○ سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو○ انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں' تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا○ اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے○ (الشمس: ۱۵۔۱۱)

قومِ ثمود کی سرکشی اور اس کا عذاب

اس آیت میں ''طغویٰ'' کا لفظ ہے' ''طغویٰ'' کا معنیٰ ہے: معصیت میں حد سے تجاوز کرنا' یعنی انہوں نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے رسول کی سرکشی کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طغویٰ'' سے مراد ہے: ان کا عذاب یعنی ان کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا' انہوں نے اس عذاب کی تکذیب کی' درج ذیل آیتوں میں عذاب پر طغیان کا اطلاق فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ○ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ○ (الحاقہ: ۵۔۴)

ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی کو جھٹلایا تھا○ رہے ثمود تو وہ بہت خوف ناک آواز (طاغیہ) سے ہلاک کر دیئے گئے○

الشمس: ۱۲ میں فرمایا: جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا○

اس شخص کا نام قدار بن سالف تھا' اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں' اس واقعہ کی پوری تفصیل الاعراف: ۷۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں اونٹنی کا ذکر فرما رہے تھے اور اس کا ذکر فرما رہے تھے' جس نے اس کو ذبح کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا'' (الشمس: ۱۲) آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کے لیے ایک آدمی اٹھا' اس کا نام عزیز عارم تھا' وہ اپنے قبیلہ کا بڑا تھا جیسے ابو زمعہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۵)

الشمس: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو○ انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔ الآیۃ

اللہ کے رسول سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں' ان کے ارشاد کا معنیٰ' یہ تھا کہ اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے ڈرو اور اس اونٹنی کو چھوڑ دو' جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ (الاعراف: ۷۳)

یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے بہ طور نشانی ہے' اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے' اس کو نقصان پہنچانے کے لیے مت چھوؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا○

اس کا قصہ سورۃ الشعراء میں تفصیل سے گزر چکا ہے' قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نبوت کا معجزہ پیش کرنے کے لیے چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے اونٹنی نکال دی اور ایک دن قوم کے لیے مقرر کیا کہ وہ اس دن کنویں سے پانی پئیں اور ایک دن اونٹنی کے لیے مقرر کیا' یہ بات ان کو ناگوار گزری' پھر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' اس اونٹنی کے ٹخنوں کے اوپر جو پٹھے تھے ان کو تلوار کے وار سے کاٹ ڈالا' اس اونٹنی

کی کونچوں کو قدار بن سالف نے کاٹا تھا لیکن اس آیت میں ان کی پوری قوم کی طرف اس فعل کی اضافت کی ہے کیونکہ پوری قوم اس کے فعل پر راضی تھی' انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس قول کی تکذیب کی تھی کہ اگر تم نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو تم پر عذاب آئے گا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ قدار اس وقت تک اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر راضی نہیں ہوا' جب تک کہ اس قوم کے تمام مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے اس کے تابع نہیں ہوئے۔

اس کے بعد فرمایا: تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا○

ان کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کیا' حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس آیت میں ''دمدم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اس نے تباہ کر دیا اور اس نے ہلاک کر دیا' ''دمدم'' کا حقیقی معنیٰ ہے: عذاب کو دگنا اور چوگنا کرنا اور اس کو بار بار لوٹانا' اور کسی چیز کو دوسری چیز پر منطبق کرنا یعنی عذاب کو ان پر منطبق کر دیا' اور اس کا معنیٰ ہے: کسی بستی کو ہلاک کر کے اس کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔

اور فرمایا: اس کو ہموار کر دیا' یعنی ان کو پیوند زمین کر کے زمین کو ان پر ہموار کر دیا' ان پر ایک خوف ناک چنگھاڑ آئی تھی' جس سے ان کے چھوٹے اور بڑے سب ہلاک ہو گئے' اس کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ نزولِ عذاب میں اس پوری امت کو برابر رکھا' چھوٹوں اور بڑوں' مردوں اور عورتوں' امیروں اور غریبوں سب پر عذاب آیا۔

الشمس: ۱۵ میں فرمایا: اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے○

اس آیت کے دو اور محمل ہیں:

(۱) اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی قوم کے ہلاک ہونے کا کوئی خوف نہیں تھا اور نہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اس قوم پر عذاب آنے سے ان کو کوئی نقصان پہنچے گا' کیونکہ وہ اپنی قوم کو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکے تھے اور عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دے دی تھی۔

(۲) جب قوم کا سب سے بدبخت قدار بن سالف اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے اٹھا اور اس کو اپنے انجام کا کوئی خوف نہیں تھا۔

یہ دونوں معنیٰ بھی تقدیم' تاخیر سے ہو سکتے ہیں لیکن مربوط معنیٰ پہلا ہے کہ اللہ نے قوم ثمود سے انتقام لیا اور اس کو ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

سورۃ الشمس کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج پندرہ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات بہ وقت سحر سورۃ الشمس کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! آپ نے اپنے فضل اور احسان سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' اپنے کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' میرے تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیں اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب' میرے تلامذہ' میرے قارئین اور اس کتاب کے معاونین کی اور میرے مخلص اور محبّ معاونین کی خصوصاً شیخ نجیب الدین صاحب کی مغفرت فرمائیں اور مجھے اور ان سب کو دنیا اور آخرت میں سرخ رو رکھیں' عزت کے ساتھ زندہ رکھیں اور عزت کی موت عطا فرمائیں اور اس کتاب کو قیامت تک فیض آفریں اور مقبول رکھیں۔

امین یا رب العٰلمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا ومولانا وملجانا وشفیعنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورة اللیل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اللیل ہے کیونکہ اس سورت کی ابتداء میں ''اللیل'' کا ذکر ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰیۙ ○ (اللیل:۱) اور رات کی قسم! جب وہ (دن کو) چھپا لے ○

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورت ''وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰیۙ ○ '' (اللیل:۱) مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں ''و اللیل اذا یغشٰی'' سورت پڑھا کرتے تھے۔ (الدر المنثور ج۸ ص۴۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورة الشمس میں وہ کام بتائے گئے تھے جن سے اخروی فلاح حاصل ہوتی ہے اور وہ کام بتائے تھے جن سے اخروی نقصان ہوتا ہے پس فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰہَا ۙ○ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰہَا ؕ○ (الشمس:۱۰۔۹) بے شک جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ○ اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا ○

اور سورة اللیل میں فرمایا:

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰیۙ ○ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰیۙ ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰیؕ ○ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰیۙ ○ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰیۙ ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰیؕ ○ (اللیل:۱۰۔۶) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کر دیں گے ○

اور چونکہ یہ سورت بخیل کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اس لیے اس کی ابتداء میں ''اللیل'' (رات) کا ذکر مناسب تھا جو ظلمت پر دلالت کرتا ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۲ ہے۔

سورۃ اللیل کے مشمولات

☆ اللیل: ۴۔۱ میں رات اور دن کی اور مذکر اور مؤنث کے خالق کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے: لوگوں کے اعمال مختلف ہیں' بعض نیکو کار ہیں اور بعض بدکار ہیں اور بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں۔

☆ اللیل: ۱۰۔۵ میں بتایا ہے کہ لوگوں کے دو گروہ ہیں' اور ہر گروہ کا طریق کار مختلف ہے اور ہر گروہ کی اخروی جزا بھی مختلف ہے' مؤمنین اور نیک عمل کرنے والوں کی جزاء جنت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی' آخرت کی اور جزاء اور سزا کی تصدیق کی اور کافروں کی اور بدکاروں کی سزا دوزخ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اور اپنے رب عزوجل سے بے پرواہی کرتے تھے اور انہوں نے وعد اور وعید کی تکذیب کی تھی۔

☆ اللیل: ۱۳۔۱۱ میں بتایا ہے کہ آخرت میں مال کام نہیں آئے گا اور اللہ ہی ہدایت کا منشور بنانے والا ہے اور وہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

☆ اللیل: ۱۶۔۱۴ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ عذاب ہر اس شخص کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تکذیب کرے گا۔

☆ اللیل: ۲۱۔۱۷ میں بتایا: جس شخص نے اپنا مال کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں خرچ کیا بلکہ محض اخلاص سے اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا' وہ عنقریب دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اس آیت کا مصداق صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی امداد اور اسی کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اب میں سورۃ اللیل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس کام میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے بچائے رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ اللیل مکیۃ ۹۲ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۲۱ رکوعہا ۱

سورۃ اللیل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اکیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے O اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو O اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور

الْأُنْثٰى ﴿٣﴾ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿٥﴾ وَ

مادہ کو پیدا کیا O بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے O پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O

صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾

اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے O اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ

اور نیک باتوں کی تکذیب کی O پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے O اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا

إِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْأُوْلٰى ﴿١٣﴾

مال اس کے کسی کام نہ آئے گا O بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے O بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں O

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰىهَآ إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ

پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں O اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا O جس نے حق کی تکذیب

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ

کی اور اس سے پیٹھ پھیری O اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا O جو اپنا مال اپنے باطن کو

يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَآءَ

پاک کرنے کے لیے دیتا ہے O اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے O مگر اس کا مال

وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ ع ۲۱ ۱۷

دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے O اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے O اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو O اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے O بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے O (اللیل: ۴۔۱)

رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلائل

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور اپنی تخلیق کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ ہر انسان کی دنیا میں کوشش دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اس وجہ سے ہر انسان کا انجام بھی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اللیل: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی' جس میں ہر جاندار اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کرتا ہے اور اپنی تھکاوٹ اتارتا ہے' پھر نینداس کو ڈھانپ لیتی ہے' جس سے اس کے بدن کو راحت پہنچتی ہے اور اللیل: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی کیونکہ جب دن نکلتا ہے تو اس کی روشنی سے ہر وہ چیز منکشف ہو جاتی ہے جس کو رات کے اندھیرے نے چھپا لیا تھا' اور اس وقت تمام لوگ اپنے معاش اور روزی کو حاصل کرنے کے لیے حرکت میں آتے ہیں' پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل آتے ہیں اور حشرات الارض اپنے اپنے بلوں سے نکل آتے ہیں' اگر رات ہی مستقل طور پر رہتی تو لوگوں کے لیے معاش کا حصول مشکل ہو جاتا' اور اگر دن ہی مستقل طور پر رہتا تو لوگ راحت اور آرام حاصل نہ کر سکتے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا سلسلہ لگاتار جاری رکھا جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان ۶۲)

وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کر دیا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ O قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (القصص: ۷۲۔۷۱)

آپ کہیے: تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے رات کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے دن کی روشنی لاتا' کیا تم نہیں سنتے O آپ کہیے: تم یہ (بھی) بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے دن کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لاتا' جس میں تم راحت حاصل کرتے' کیا تم دیکھتے نہیں ہو O

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور رات کی قسم جب وہ چھپائے' اس کا مفعول نہیں ذکر کیا کہ وہ کس کو چھپائے' بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ سورج کو چھپائے اور بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ دن کو چھپائے اور بعض نے کہا: وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو چھپالے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

رات اور دن جس کا مخلوق پر بار بار آنا جانا ہوتا ہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دو عظیم نشانیاں بنایا ہے' ان کو ہر شخص مانتا ہے' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا دہریہ ہو۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۹)

ان کی اللہ کی الوہیت اور توحید پر اس طرح دلالت ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے کا سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رات نہ آئے یا کبھی دن نہ آئے' اور ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی ہوتی ہیں اور دن چھوٹے ہوتے ہیں' عموماً گرمیوں میں چودہ گھنٹے کا دن اور دس گھنٹے کی

رات ہوتی ہے اور سردیوں میں چودہ گھنٹوں کی رات اور دس گھنٹوں کا دن ہوتا ہے' پھر ایسا نہیں ہوتا کہ چودہ گھنٹوں کی رات کے بعد فوراً دس گھنٹے کا دن ہو جائے بلکہ دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بہ تدریج ایک ایک منٹ سے ہوتا رہتا ہے' جس طرح سردی کے بعد گرمی فوراً نہیں آتی یہ تدریج آتی ہے' اسی طرح دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بھی تدریجاً ہوتا ہے اور یہ نظام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے کیونکہ گرمی کے بعد فوراً سردی آ جاتی تو لوگ برداشت نہ کر سکتے' اس لیے درجہ حرارت درجہ بہ درجہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور رات اور دن اور موسموں کے تغیر کا یہ نظام ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

اللیل: ۳ میں فرمایا: اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے O

نر اور مادہ کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانی

اس آیت میں تمام مخلوق کی قسم ہے' کیونکہ کوئی مخلوق نر اور مادہ سے خارج نہیں ہے' اور رہے مخنث تو وہ بھی نر کے ساتھ لاحق ہیں' یہ اور بات ہے کہ ہمارے دور میں یہ لوگ زنانہ وضع کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مخصوص پانی (منی) سے پیدا کیا ہے اور ہمیشہ سے انسان اسی طرح پیدا ہو رہے ہیں' اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کے پیدا کرنے کے طریقوں میں اختلاف ہوتا اور جب صدیوں سے انسان اس طریق واحد سے پیدا ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے۔

اس کی تحقیق کہ حضرت ابن مسعود ''وما خلق الذکر والانثی'' کے بجائے ''والذکر والانثی'' پڑھا کرتے تھے

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قرأت متواترہ میں یہ آیت اسی طرح ہے: ''وما خلق الذکر والانثی'' اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: ''والذکر والانثی'' اور اس سے پہلے ''وما خلق'' نہیں پڑھتے تھے' حدیث میں ہے:

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شام میں گئے تو ہمارے پاس حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے کہا: تم میں سے کوئی ہے جو اس آیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے موافق پڑھتا ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! میں ہوں' انہوں نے کہا: تم نے حضرت ابن مسعود سے آیت کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود اس طرح پڑھتے تھے: ''وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۝'' حضرت ابوالدرداء نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے' لیکن یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں: ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى'' اور میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲۴)

ابوبکر الانباری نے کہا: اس قسم کی ہر حدیث مردود ہے اور اجماع کے خلاف ہے اور امام حمزہ اور امام عاصم نے حضرت ابن مسعود سے اس آیت کی ایسی قرأت روایت کی ہے جو اجماع کے موافق ہے اور جو سند اجماع کے موافق ہو' اس کو قبول کرنا اس سند سے اولیٰ ہے جو اجماع کے مخالف ہو' اور جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے' ہو سکتا ہے وہ بھول گیا ہو یا غافل ہو' اور اگر حضرت ابوالدرداء کی حدیث صحیح ہو اور اس کی سند مقبول اور معروف ہو' تب بھی حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی

اللہ عنہم اس کی مخالفت کرتے تھے' لہٰذا اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے' جو صحابہ کی کثیر جماعت سے ثابت ہو اور اس کو چھوڑ دینا چاہیے جو کسی ایک صحابی کی روایت ہو کیونکہ ایک شخص کو تو نسیان ہو سکتا ہے لیکن پوری جماعت اور پوری ملت کو نسیان نہیں ہو سکتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۷۳-۷۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ قرأت صرف علقمہ اور حضرت ابو الدرداء سے منقول ہے' اور ان کے علاوہ لوگوں نے ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى'' کی تلاوت کی ہے' اور اسی پر سب کا اتفاق ہے' حالانکہ حضرت ابو الدرداء تک سند بہت قوی ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ''والذکر والانثی'' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو' اور یہ نسخ حضرت ابو الدرداء اور علقمہ تک نہ پہنچا ہو' تعجب اس پر ہے کہ حفاظ نے اس حدیث کی حضرت ابو الدرداء سے روایت کی لیکن کسی نے بھی اس کے موافق قرأت نہیں کی اور نہ اہل شام نے' اس سے بھی یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ ''والذکر والانثی'' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۴' ۷ دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا ہے کہ اس معاملہ میں اور ایسے دوسرے اُمور میں یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ پہلے یہ قرأت تھی' پھر منسوخ ہو گئی' اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی' ان کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو الدرداء نے ''والذکر والانثی'' کی قرأت اس وقت کی ہو جب ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف نہیں پہنچا تھا' اور اس پر اجماع ہے کہ اس میں سے ہر منسوخ التلاوت آیت کو حذف کر دیا گیا ہے' اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف ظاہر ہو گیا تو پھر کسی کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کا موجودہ قرآن مجید کے خلاف پڑھنا اور ان کی توجیہات

میں کہتا ہوں کہ علامہ المازری کے اس مؤخر الذکر جواب سے اور بھی کئی اشکال دور ہو جاتے ہیں' مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے' اسی طرح حافظ سیوطی نے متعدد روایات کے حوالوں سے یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں دو اور سورتیں بھی تھیں' سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد اور ان کو وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت ملانے کے بعد پڑھا جاتا تھا۔

امام محمد بن نصر اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قنوت میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے: ''اللهم اياك نعبد'' اور ''اللهم انا نستعينك''۔

قنوت کے جس حصہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے' اس کو سورۃ الحمد اور جس حصہ میں کفار کے لیے بددعا ہے اس کو سورۃ الخلع کہا جاتا تھا۔

امام ابن ابی شیبہ نے عبد الملک بن سوید الکاہلی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قنوتِ فجر میں ان دو سورتوں کی تلاوت کرتے تھے: ''اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونثنى عليك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعٰى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك ان عذابك بالكفار ملحق''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷' رقم الحدیث: ۷۰۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اسی طرح متعدد روایات میں حضرت ابن عباس‘ حضرت ابی بن کعب‘ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وتر میں ان سورتوں کی تلاوت کرنا منقول ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۶۳۷۔۶۳۴‘ داراحیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

حالانکہ ہمارے پاس جو قرأت متواترہ سے ثابت قرآن مجید کا نسخہ ہے‘ اس میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ان میں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد نہیں ہیں‘ اس کا جواب یہ ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور جو صحابہ ان کی تلاوت کرتے تھے‘ ان کو اس کے نسخ کا علم نہیں تھا یا ان کا پڑھنا حضرت عثمان کے مصحف کے معلوم ہونے سے پہلے تھا یا وہ ان سورتوں کو قرآن مجید کی سورت کے لحاظ سے نہیں پڑھتے تھے بلکہ دعا کے اعتبار سے پڑھتے تھے اور رہا حضرت ابن مسعود کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کرنا تو اوّل تو وہ صحت کے ساتھ ثابت نہیں اور ثانی یہ کہ وہ بھی حضرت عثمان کے مصحف کے معلوم ہونے سے پہلے تھا اور جب وہ مصحف معلوم اور مشہور ہو گیا تو پھر کسی کا اس سے اختلاف نہ رہا۔

یہ تحقیق مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات میں سے ہے‘ معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ سورۃ الفلق کی تفسیر میں آئے گی۔

اللیل: ۴ میں فرمایا: بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے O

تمام لوگوں کے اعمال کا برابر نہ ہونا

اس آیت میں جواب قسم مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات‘ دن اور نر اور مادہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے بندوں کے اعمال مختلف ہیں۔ اس آیت میں ’’شتّٰی‘‘ کا لفظ ہے‘ یہ ’’شتیت‘‘ کی جمع ہے‘ جیسے مریض کی جمع ’’مرضٰی‘‘ ہے‘ ’’شتات‘‘ کا معنی تباعد اور افتراق ہے‘ یعنی تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بعید اور مختلف ہیں‘ بعض لوگوں کے اعمال گم راہی ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ہدایت ہیں‘ بعض لوگوں کے اعمال ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ان کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں‘ اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں‘ جیسا کہ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ (الحشر: ۲۰)
دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ O (السجدہ: ۱۸)
آیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے‘ یہ دونوں برابر نہیں ہیں O

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ O (الجاثیہ: ۲۱)
کیا جو لوگ بدکاری کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو مؤمنوں اور نیکوکاروں کی مثل کر دیں گے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے‘ یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جس نے (اللہ کی راہ میں دیا) اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس ہم عنقریب اس کو آسانی مہیا کریں گے O اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O اور نیک باتوں کی تکذیب کی O پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے O اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا O (اللیل: ۱۱۔۵)

اللیل: ۱۰۔۵ کا خلاصہ

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے احکام پر عمل کیا اور اس کی نافرمانی اور ناشکری کرنے سے ڈر کر اس سے بچتا

رہا' یا جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا اور شرک اور ناشکری کرنے سے بچتا رہاO اور اس نے اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید یعنی ثواب اور عذاب کی خبر کی تصدیق کیO تو ہم اس کے لیے احکامِ شرعیہ پر عمل کرنا آسان کر دیں گے اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھول دیں گےO اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ثواب کی خبر سے بے پرواہ رہاO اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی تکذیب کیO تو ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کو اس شخص کے لیے آسان کر دیں گےO حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں تھے' آپ ایک تنکے سے زمین کریدنے لگے' پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو' ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کر دیا گیا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے' سو جو شخص اہل سعادت سے ہے' اس کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت سے ہے' اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی: ''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰیۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰیۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰیؕ'' (اللیل: ۷۔۵)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۷۸)

اللہ کی راہ میں دینے کے محامل

اللیل: ۵ میں فرمایا ہے: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO

اللہ کی راہ میں دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے نیکی کے تمام راستوں میں اپنا مال خرچ کیا' مقروض لوگوں کا قرض ادا کیا' غلاموں کو آزاد کیا' جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت گراں قیمت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے مال کے حقوق بھی ادا کیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر کے اپنی جان کے حقوق بھی ادا کیے اور فرمایا: وہ اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا' یعنی ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا۔

اللیل: ۶ میں فرمایا: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہاO

''حسنٰی'' کے متعدد مصداق

اس آیت میں ''حسنٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حسن اور خوبی' اچھائی' عمدگی' نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ''حسنٰی'' سے مراد ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی تصدیق ہے یعنی جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور توحید اور رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) ''حسنٰی'' سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکامِ شرعیہ کی تصدیق کی۔

(۳) ''حسنٰی'' سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس مال کا عوض اور بدل عطا فرماتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ (سبا:۳۹) اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اللہ اس کا پورا بدل عطا فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۹۱۷۸)

اس کی تائید اس آیت میں ہے:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ (البقرہ:۲۶۱)

جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اُگائے اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کو اس کے خرچ کیے ہوئے مال سے زیادہ بدل عطا فرمایا تو پھر وہ ''حسنیٰ'' ہے۔

(۴) ''حسنیٰ'' سے مراد ثواب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے' ایک قول یہ ہے کہ ''حسنیٰ'' ایسا لفظ ہے جو ہر اچھی خصلت کی گنجائش رکھتا ہے۔

اللیل:۷ میں فرمایا: پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے ○

''یسریٰ'' کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں ''یسریٰ'' کا لفظ ہے' اور اس کا معنیٰ ہے: آسانی اور سہولت اور یہاں ''یسریٰ'' کے مصداق میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) ہم اس کو نیک اعمال کا طریقہ اور اچھے اور عمدہ اوصاف سے متصف ہونا سہولت سے عطا فرمائیں گے۔

(۲) بعض عبادات کو انجام دینے میں بہت مشکل اور دشواری ہوتی ہے' لیکن جب انسان کو یہ یقین ہو کہ یہ عبادات اس کو جنت کی طرف لے جائیں گی تو اس کے لیے ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دینا آسان ہو جاتا ہے۔

(۳) جب انسان کو مال کی ضرورت ہو اور اس کو مالِ حرام آسانی سے مثلاً رشوت سے مل رہا ہو تو اس کے لیے اس مالِ حرام سے دامن کش ہونا بہت مشکل ہوتا ہے' اسی طرح جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور کوئی عورت اس کو حرام کام پر ترغیب دے رہی ہو تو اس وقت اس حرام کام سے اجتناب کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے' اور جب وہ دشمن سے انتقام لینے کے لیے سخت بے چین ہو اور اس کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع آسانی سے میسر ہو' اس وقت اپنے غیظ وغضب پر قابو رکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے' لیکن جس مسلمان کے دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان تمام مشکل کاموں کو آسان فرما دیتا ہے۔

اللیل:۱۰۔۸ میں فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے ○

امام رازی کے جبر پر دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے جبر کی صحت پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم عنقریب اس کو آسانی مہیا کریں گے۔(اللیل: ۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو نیک اعمال کی توفیق کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور 50
اس کے لیے اطاعت اور عبادت کو معصیت اور گناہ کے مقابلہ میں راجح کر دیا ہے اور فرمایا: پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے۔(اللیل: ۱۰) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو معصیت کی رسوائی کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس کے نزدیک معصیت اور گناہ کو اطاعت اور عبادت کے مقابلہ میں راجح کر دیا ہے اور جب تک رجحان بہ منزلہ وجوب نہ ہو تو کوئی فعل صادر نہیں ہوتا' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مؤمن کے لیے نیک کام کرنا واجب ہے اور کافر کے لیے گناہ کرنا واجب ہے اور یہی جبر ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: قفال نے اس دلیل کے حسبِ ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لیے نیک کاموں کی آسانی مہیا کرنے اور کافر کے لیے نیک کاموں کی دشواری مہیا کرنے کا جو ذکر فرمایا ہے' اس سے مجازاً مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن پر اپنا لطف و کرم فرماتا ہے اور وہ لطف اس کو نیک کاموں کی طرف مائل کرتا ہے اور کافر پر اس کے کفر اور تکبر کی وجہ سے وہ لطف و کرم نہیں فرماتا۔

(۲) مؤمن کے لیے نیک کاموں کی آسانی کرنے اور کافر کے لیے نیک کاموں کو دشوار کرنے کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد ہے وہ اسناد مجازِ عقلی ہے' جیسے درج ذیل آیت میں بتوں کی طرف گمراہ کرنے کا اسناد مجاز عقلی ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)

(۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ واقع میں مؤمنوں کے لیے نیک کام کرنا آسان ہوتا ہے اور کافروں کے لیے مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے نیک کام آسان کرتا ہے اور کافروں کے لیے مشکل بنا دیتا ہے۔

امام رازی ان تینوں جوابوں کا یہ کہہ کر رد فرماتے ہیں کہ ان آیتوں کو مجاز پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے' خصوصاً اس لیے کہ ہم نے دلیل عقلی قطعی سے یہ ثابت کر دیا کہ جب تک کسی فعل کا صدور واجب نہ ہو وہ صادر نہیں ہوسکتا' پس مؤمن کا نیکی کو صادر کرنا اس وقت ہوگا' جب یہ صدور واجب ہو اور جب مؤمن سے نیکیوں کا صدور واجب ہو اور کافر سے ممتنع ہو تو یہی جبر ہے اور ہم نے اس صدور کو واجب اس لیے کہا ہے کہ مثلاً اگر مؤمن سے نیکیوں کا صدور ممکن ہو تو ممکن میں تو وجود اور عدم برابر ہوتے ہیں تو پھر اس کے وجود کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہوگی' پھر ہم اس مرجح میں کلام کریں گے کہ وہ واجب ہے یا ممکن ہے' پھر یا تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو پھر تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے یا پھر ماننا پڑے گا کہ وہ مرجح واجب ہے اور واجب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مؤمنوں کے لیے نیک اعمال کے صدور کی آسانی کو واجب کرتا ہے اور کافر کے لیے نیک اعمال کی دشواری کو واجب کرتا ہے اور یہی جبر ہے۔

پھر ہمارے اصحاب نے اس آیت کے ظاہر کو اس لیے مؤکد قرار دیا ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کا ٹھکانا معلوم ہے کہ اس کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں ہم نے کہا: کیا ہم اس پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تم عمل کرتے رہو ہر شخص کو اسی عمل کی توفیق دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶)

امام رازی فرماتے ہیں: قفال نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ۝ (الذاریات: ۵۶)

امام رازی قفال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جواب میں فرمایا: تم عمل کرتے رہو یعنی ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جائے گی جو اللہ کے علم میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۸۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی طرف سے امام رازی کے دلائل کے جوابات

قفال نے اللیل: ۷ میں آسانی مہیا کرنے کو اور اللیل: ۱۰ میں دشواری مہیا کرنے کو مجاز پر محمول کیا اور کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم مؤمن پر اپنا لطف وکرم کریں گے تو اس کے لیے نیک کام آسان کردیں گے اور کافر پر اپنا لطف نہیں کریں گے تو اس کے لیے نیک کام مشکل ہوں گے امام رازی نے اس جواب کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ ان آیات کو مجاز پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ رد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ظاہر آیت پر کوئی اشکال ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں ظاہر معنیٰ پر یہ اشکال ہے کہ اگر مؤمن کے نیک کام بھی اللہ نے پیدا کیے اور کافر کے بُرے کام بھی اللہ نے پیدا کیے تو پھر مؤمن کی نیک کاموں پر تحسین کیوں کی جاتی ہے اور کافر کی بُرے کاموں پر مذمت کیوں کی جاتی ہے؟ پھر حساب میزان جنت دوزخ سب باطل ہو جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ کے لیے بھیجنا بھی عبث قرار پائے گا اس وجہ سے ان آیات کو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

امام رازی نے فرمایا ہے کہ دلیل عقلی قطعی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا خالق ہے لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے ان ہی افعال کو پیدا فرماتا ہے جن کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی تحسین اور مذمت کی جاتی ہے اور ان کو جزا اور سزا دی جاتی ہے۔

امام رازی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے جبر ثابت نہیں اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کچھ نہیں ہوتا ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کو اختیار دے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کریں گے یا گناہ کریں گے اور جو کام وہ اپنے اختیار سے کریں گے اسی کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسان کردے گا سو اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے جنتی یا دوزخی ہونے کا علم ہے لیکن تم اس کے علم کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کرو کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم اپنے اختیار سے کیا کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان ہی کاموں کو آسان فرما چکا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

اللیل: ۱۱ میں فرمایا: اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گاO

''تردّی'' کا معنیٰ اور اس کا مصداق

اس آیت میں ''تــردّی'' کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: پہاڑ سے نیچے گرا' یا گڑھے میں گرا اور خود کو ہلاکت کے لیے پیش کیا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ ''تردّی'' کا معنیٰ ہے: پہاڑ سے گرنا' اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ . (المائدہ: ۳) اور جو جانور اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگھ مارنے سے مرا ہو۔

اور اللیل: ۱۱ میں مراد یہ ہے کہ اس کو تدفین کے وقت قبر میں گرا دیا گیا ہو یا اس کو جہنم کے گڑھے میں جھونک دیا گیا ہو' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ہم نے کافر کے لیے ''العســریٰ'' کو مہیا کر دیا اور وہ دوزخ ہے تو پھر وہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا' جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ بخل کرتا تھا اور اس مال کو اپنے وارث کے لیے چھوڑتا تھا اور اپنی آخرت کے لیے اس کو نہیں رکھتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ . (الانعام: ۹۴) اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو' جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسان اجر آخرت کے لیے جو نیک اعمال آگے بھیجتا ہے وہی اس کو نفع دیتے ہیں مثلاً وہ ایمان لا کر اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اللہ نے اس کے مال میں مسکینوں اور سائلوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان کے وہ حقوق ادا کرے' نہ کہ وہ اپنے مال کو بچا بچا کر رکھے اور اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سورۃ اللیل کا نزول

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے' انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا' پھر ان کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالےO اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوO اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیاO بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہےO (اللیل: ۴۔۱) یعنی امیہ بن خلف اور حضرت ابوبکر کی کوشش ضرور مختلف ہے' امیہ اور ابی ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور حضرت ابوبکر ایمان والوں کو عذاب سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں' پھر فرمایا: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہاO پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گےO یعنی حضرت ابوبکر کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کیا' ان کو ہم جنت عطا فرمائیں گے' پھر فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہاO اور نیک باتوں کی تکذیب کیO پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گےO یعنی امیہ بن خلف اور ابی بن خلف کو دوزخ میں جھونک دیں گے' یہ تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے منقول ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۱۷۱، ۴۷ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون ۱۴۲۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے O بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں O پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں O اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا O جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری O اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا O جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے O اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے O مگر اس کا مال دنیا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے O اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا O (اللیل: ۲۱۔۱۲)

اللیل: ۱۲ میں فرمایا: بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے O

اس آیت کی توجیہات کہ اللہ پر ہدایت دینا واجب ہے

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی ۝ۖ'' (اللیل: ۱۲) اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ہم پر ہدایت دینا واجب ہے کیونکہ ''علیٰ'' وجوب کے لیے آتا ہے اور اس سے معتزلہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندوں کے فائدہ کے لیے کام کرے اور اس پر واجب ہے کہ جو کام بندوں کے لیے نقصان دہ ہو اس کو نہ کرے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے، بندوں کو ہدایت دینا اور ان کے فائدہ کے کام کرنا اس پر واجب نہیں، یہ محض اس کا لطف و کرم ہے اسی طرح نیک مؤمنین کو جنت عطا فرمانا اس کا فضل ہے اور بدکار کافروں کو دوزخ میں جھونکنا اس کا عدل ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ ''علیٰ'' وجوب کے لیے آتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، قرآن مجید میں بہت مقامات پر ''علیٰ'' وجوب کے لیے نہیں ہے، مثلاً ان آیات میں:

وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ . (المائدہ: ۳) — اور جو جانور بتوں کے لیے ذبح کیے گئے ہوں۔

وَعَلَی اللّٰهِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ . (النحل: ۹) — اور سیدھی راہ پر چلانا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلٰی رَبِّهِمۡ ؕ . (الانعام: ۳۰) — اور کاش آپ دیکھتے جب وہ اپنے رب کے لیے کھڑے ہوں گے۔

لہٰذا اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہوگا: بے شک ہماری عبادت کے لیے ضرور بندوں کو ہدایت دینا ہے، یا بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے یا جو شخص ہم سے ہدایت طلب کرے، اس کو ہدایت دینا ہمارا لطف و کرم ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت: ۶۹) — اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

اور اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے جس شخص سے ہدایت پر چلنے کے انعام کا وعدہ کیا ہے، اس وعدہ کو پورا کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

اللیل: ۱۳ میں فرمایا: بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں O

اللہ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دینے کی مذمت

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ دنیا اور آخرت ہماری ملک میں ہے اور بتوں کی ملک میں نہیں ہے، پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو، جو دنیا اور

آخرت کے مالک نہیں ہیں' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیوں بخل کرتے ہو اور بے پرواہی برت رہے ہو' حالانکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہی تم کو دنیا اور آخرت میں اس کا نفع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

اللیل: ۱۴ میں فرمایا: پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں O

اس آیت میں ''تـلـظّٰـی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تـلـظّـی'' ہے' اس کا معنی ہے: آگ کا لپٹیں مارنا' شعلے بلند کرنا اور بھڑکنا۔

اس آیت میں کفار کو بھی ڈرایا گیا ہے اور مؤمنین فساق کو بھی۔

اللیل: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا O جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری O

اللیل: ۱۶ سے معتزلہ اور مرجئہ کا اپنے اپنے مذہب پر استدلال اور ان کے جوابات

یہ آیت اہل سنت و جماعت کے مؤقف کے موافق ہے کہ دوزخ میں دائمی عذاب کے لیے کفار ہی کو جھونکا جائے گا اور فساق مؤمنین اور مرتکب کبائر دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور چونکہ یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف تھی' اس لیے انہوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں تکذیب کی حقیقت مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے' ان کا ارتکاب کرتے ہیں' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عملاً تکذیب کرتے ہیں' لہٰذا جو مؤمنین مرتکبین کبائر ہیں' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ہیں اور اس سے روگردانی کرنے والے ہیں' کیونکہ ابتداء میں تو وہ توحید پر ایمان لائے اور بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنے لگے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا کیونکہ بہت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فاسق مومن کو مکذب نہیں قرار دیا بلکہ اس پر مؤمن کا اطلاق کیا ہے' مثلاً فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰىؕ . (البقرہ: ۱۷۸) — اے ایمان والو! تم پر مقتولین میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور قاتل مرتکبِ کبیرہ ہوتا ہے اور اس آیت میں اس پر مؤمن کا اطلاق فرمایا ہے' لہٰذا واضح ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا۔

اس آیت سے مرجئہ نے بھی استدلال کیا ہے' مرجئہ کا مؤقف یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی معصیت اور گناہ سے مؤمن کی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی' ان کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے اور اس کے حکم سے پیٹھ پھیرے اور مؤمن خواہ گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ' وہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا ہے نہ اس کے حکم سے پیٹھ پھیرنے والا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کے متعدد طبقات ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِۚ (النساء: ۱۴۵) — بے شک منافقین دوزخ کی آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ جن کفار اور منافقین نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی اور اس کے احکام سے روگردانی کی' وہ دوزخ کی زیادہ بھڑکتی ہوئی آگ کے طبقہ میں ہوں' اور جن مؤمنین نے صرف گناہ کبیرہ کیا' ان کو تطہیر کے لیے اس سے کم درجہ کے آگ کے طبقہ میں ڈالا جائے' اور مؤمن مرتکب کبیرہ کے عذاب کی دلیل یہ آیات ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۷۔۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل نامی دوزخ کی وادی کا عذاب ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ۝ جو دکھاوے کے لیے عبادت کرتے ہیں ۝ اور معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ۝

اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ دوزخ کے اس خاص طبقہ میں صرف مکذب داخل ہوں اور مؤمن مرتکب کبیرہ کے لیے دوزخ کا کوئی اور طبقہ ہو۔

فساق مؤمنین کے متعلق اہل سنت و جماعت کا مؤقف

جن مؤمنین مرتکبین کبائر کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے' مثلاً سود خوروں' زانیوں' یتیم کا مال کھانے والوں' شرابیوں' جھوٹوں اور بے نمازیوں کو' ہم ان کو دی ہوئی وعیدوں کا انکار نہیں کرتے' اگر انہوں نے مرنے سے پہلے توبہ صحیحہ نہیں کی اور گناہوں کی تلافی نہیں کی تو وہ ضرور عذاب کی ان وعیدوں کے مستحق ہیں الا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرما دیں اور یا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل محض سے معاف فرما دے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے مگر یہ عذاب کفار اور مکذبین کے عذاب سے کم ہوگا' کیفیت میں بھی کم ہوگا اور مقدار میں بھی کم ہوگا' کفار کا عذاب ان کی توہین کے لیے ہوگا اور مؤمنین مرتکبین کبائر کا عذاب تطہیر کے لیے ہوگا۔

الليل: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا ۝ جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے ۝

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے' وہ اپنے تقویٰ' اپنے نیک اعمال اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا۔

کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے صدقہ کا جواز اور محض اخلاص سے صدقہ دینے کا افضل ہونا

الليل: ۱۹ تا ۲۱ میں فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۝ مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے ۝ اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا ۝

یعنی وہ شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے زکوٰۃ اور صدقات دیتا ہے' کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات نہیں دیتا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کی نیکی کا بدلہ دینے کے لیے اس کا زکوٰۃ اور صدقات دینا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ بھی جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن: ۶۰)

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے ۝

لیکن اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو صدقہ دیا جائے' اس کے بعد فرمایا: اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس شخص کو اس کا رب اتنی جزا دے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر کے حضرت بلال اور دیگر چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے متعلق روایات

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے چھ یا سات غلاموں کو آزاد کیا تھا' ان غلاموں کا حضرت ابوبکر پر کوئی احسان نہیں تھا کہ یہ کہا جائے کہ ان کا بدلہ اتارنے کے لیے ان کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کیا تھا' ان کے آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۳۴۔ جز ۳۰ ص ۲۸۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام عبدالرحمان بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا' جنہیں اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا' وہ یہ ہیں: (۱) حضرت بلال (۲) حضرت عامر بن فہیرہ (۳) حضرت نہدیہ (۴) اور ان کی بیٹی (۵) زنیرہ (۶) ام عیسیٰ (۷) بنومؤمل کی باندی اور ان کے غلام خرید کر آزاد کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۴۱۔ رقم الحدیث: ۱۹۳۶۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۸ ھ اور امام الحسین بن مسعود التوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال کا نام بلال بن رباح ہے' ان کی والدہ کا نام حمامۃ تھا' حضرت بلال صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے' یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے' جب خوب دھوپ گرم ہو جاتی تو امیہ ان کو باہر نکالتا اور ان کو مکہ کی پتھریلی زمین پر لٹا کر گھسیٹتا' پھر بہت وزنی پتھر کو ان کے سینہ پر رکھنے کا حکم دیتا' پھر کہتا: تم جب تک مر و گے نہیں میں تم کو یونہی عذاب دیتا رہوں گا' ورنہ تم محمد کے رسول ہونے کا انکار کرو' اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی آزمائش کی حالت میں پکارتے: ''احد احد'' (اللہ واحد ہے' اللہ واحد ہے)۔ امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اسی طرح حضرت بلال کو عذاب دیا جارہا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا' آپ نے امیہ سے کہا: تمہیں اس مسکین کو عذاب دینے سے خدا کا خوف نہیں آتا؟ امیہ نے کہا: تم نے ہی اس کا دین فاسد کیا ہے' اب تم جس طرح چاہو اس کو چھڑا لو' حضرت ابوبکر نے فرمایا: میرے پاس ایک حبشی غلام ہے جو اس سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے اور وہ تمہارے دین پر ہے (یعنی مشرک ہے)' میں تم کو حضرت بلال کے بدلہ میں اس کو دے دیتا ہوں' امیہ نے کہا: مجھے منظور ہے' پھر حضرت ابوبکر نے اپنا غلام امیہ کو دے کر اس سے حضرت بلال کو لے لیا اور ان کو آزاد کر دیا' پھر ان کے ساتھ اور چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کیا' جن کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا' ان کے نام یہ ہیں: (۱) عامر بن فہیرہ' یہ غزوۂ بدر اور احد میں حاضر ہوئے اور بیر معونہ کے دن شہید ہوئے (۲) ام عمیس (۳) زنیرہ' ان کی بینائی چلی گئی تھی' حضرت ابوبکر نے ان کو آزاد کر دیا' قریش نے کہا: ان کی بینائی لات اور عزیٰ نے سلب کی ہے' حضرت زنیرہ نے کہا: یہ جھوٹ بولتے ہیں' لات اور عزیٰ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی (۵۔۴) اور حضرت ابوبکر نے نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کر دیا' یہ دونوں بنو عبد الدار کی ایک عورت کی باندیاں تھیں' حضرت ابوبکر ان کے پاس سے گزرے' ان کو ان کی مالکہ نے لکڑیاں چننے کے لیے بھیجا تھا' اور وہ کہہ رہی تھی: اللہ کی قسم! میں تم دونوں کو کبھی آزاد نہیں کروں گی' حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے ام فلاں! ایسا نہ کہو' وہ کہنے لگی: ہرگز نہیں! تم نے ہی ان کو خراب کیا ہے' تم ان دونوں کو آزاد کر دو' حضرت ابوبکر نے پوچھا: کتنے میں؟ اس نے کہا: اتنے اور اتنے میں' حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں نے ان کو خرید لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں (۶) اور حضرت ابوبکر بنو المؤمل کی باندی کے پاس سے

گزرے اس کو عذاب دیا جا رہا تھا' آپ نے اس کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

سعید بن المسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت بلال کو خریدنے کے وقت حضرت ابوبکر نے امیہ سے کہا: تم اس کو فروخت کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں اس کو نسطاس کے عوض فروخت کرتا ہوں' اور نسطاس حضرت ابوبکر کا غلام تھا' اور اس کی ملکیت میں دس ہزار دینار اور غلام اور باندیاں اور مویشی تھے' حضرت ابوبکر نے اس سے کہا: تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ سب مال تمہارا ہو جائے گا' اس نے انکار کر دیا' جس وجہ سے حضرت ابوبکر اس سے ناراض ہو گئے اور جب امیہ نے کہا: میں بلال کو نسطاس کے عوض بیچتا ہوں تو حضرت ابوبکر نے اس کو غنیمت جانا اور نسطاس کے عوض حضرت بلال کو خرید لیا۔ اس وقت مشرکین نے کہا: ابوبکر نے جو بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے تو ضرور بلال نے ابوبکر پر کوئی احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابوبکر نے بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۟ (اللیل: ٢١۔١٩)

اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ○ انہوں نے کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے یہ نیکی نہیں کی ○ لیکن اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہے ○

اور عنقریب ان کا رب ان کو آخرت میں جنت میں اتنی عزت اور کرامت عطا فرمائے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائیں گے۔

(السیرۃ النبویہ ج ١ ص ٣٥٥۔٣٥٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ' معالم التنزیل ج ٥ ص ٢٦٤' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر ہیں' اس پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور شیعہ اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ○ (المائدہ: ٥٥)

اور وہ حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں ○

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

الْاَتْقَى ○ الَّذِىْ یُؤْتِىْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ (اللیل: ١٨۔١٧)

سب سے زیادہ متقی ہے ○ جو اپنا مال زکوٰۃ (پاکیزگی) کے لیے خرچ کرتا ہے ○

اور اس آیت میں زکوٰۃ دینے سے حضرت علی کے حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے کی طرف اشارہ ہے اور جب بعض شیعہ علماء نے میرے سامنے یہ دلیل پیش کی تو میں نے کہا: میں اس پر عقلی دلیل قائم کرتا ہوں کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اس ''اتقی'' سے مراد وہ ہے جو افضل الخلق ہو' اور جب اس طرح ہو تو پھر واجب ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر ہیں' ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ''الاتقی'' سے مراد افضل الخلق ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ١٣)

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی سب سے زیادہ افضل ہے' پس اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق حضرت ابوبکر ہیں یا حضرت علی ہیں' اور اس آیت کو حضرت علی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''الاتقٰی'' وہ ہے جس پر کسی کا دنیاوی احسان نہ ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دنیاوی احسان ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ان کے والد سے لے کر ان کی پرورش کی' ان کو کھلایا اور پلایا اور پہنایا' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دنیاوی احسان کرنے والے تھے' جس کی جزا ان پر واجب تھی' اور رہے حضرت ابوبکر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر کوئی دنیاوی احسان نہیں تھا' بلکہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرتے تھے' ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر پر ہدایت دینے اور دین کی تعلیم دینے کے دینی احسانات تھے لیکن ان احسانات کا کوئی امتی بدلہ نہیں دے سکتا' نہ ان کا بدلہ دیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ آپ کہیے: میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ (الفرقان: ۵۷)

پس واضح ہو گیا کہ اس آیت میں احسان سے مراد دنیاوی احسان ہے اور صرف حضرت ابوبکر ہی ایسے شخص ہیں جن پر کسی کا کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے' اس کے برخلاف حضرت علی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دنیاوی احسان ہیں اور جب اس آیت میں ''الاتقٰی'' سے مراد حضرت علی نہیں ہیں تو پھر متعین ہو گیا کہ اس آیت میں ''الاتقٰی'' سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۸۸' داراحیاء التراث العربی' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور افضلیت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش خبری سنو! تم دوزخ سے اللہ کے عتیق (آزاد کردہ ہو)' میں کہتی ہوں: اس دن سے حضرت ابوبکر کا نام عتیق پڑ گیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۰۳)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ابھی ابھی حضرت جبریل آئے' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہو گی' پھر حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں' حتیٰ کہ میں بھی اس دروازہ کو دیکھوں' تب آپ نے فرمایا: سنو اے ابوبکر! تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۲' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۰۴)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: اللہ عزوجل نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ دنیا میں رہے یا اس کے پاس رہے تو اس بندہ نے اللہ کے پاس رہنے کو اختیار کر لیا' پس حضرت ابوبکر رونے لگے تو ہم کو ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ ایک بندہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے متعلق یہ کیوں رو رہے ہیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ بندے تھے جن کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اپنے مال اور اپنی رفاقت سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ان کے ساتھ

اسلام کی اخوت اور محبت ہے' مسجد کے ہر دروازے کو بند کر دیا جائے' سوائے ابوبکر کے دروازہ کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۸)

(۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا' میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں حضرت ابوبکر سے بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ سکتا ہوں' میں اپنا آدھا مال لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا بچایا ہے؟ میں نے کہا: اتنا ہی' اور حضرت ابوبکر اپنا کل مال لے کر آگئے' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے' تب میں نے دل میں کہا: میں حضرت ابوبکر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۷)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: حضرت ابوبکر ہمارے سردار ہیں' ہم میں سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۶' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۱۳)

(۶) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنے کپڑے کو ایک طرف سے پکڑے ہوئے آئے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے گھٹنے سے اپنا کپڑا اٹھایا' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا صاحب کسی سے جھگڑ کر آ رہا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے سلام کر کے کہا: میرے اور عمر بن الخطاب کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی' پس میں نے جلدی کی' میں نادم ہوا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ وہ مجھے معاف کر دیں' انہوں نے مجھے اس کا انکار کیا تو میں آپ کے پاس آ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں اللہ معاف فرمائے' پھر حضرت عمر نادم ہوئے اور حضرت ابوبکر کے گھر گئے' پھر پوچھا: کیا یہاں ابوبکر ہیں؟ گھر والوں نے کہا: نہیں' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا' حتیٰ کہ حضرت ابوبکر ڈر گئے اور وہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ کر کہنے لگے: یارسول اللہ! میں ہی ظلم کرنے والا تھا' انہوں نے یہ جملہ دوبار کہا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا' تم لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا اور ابوبکر نے کہا: آپ نے سچ کہا اور اپنے مال اور اپنی جان سے میری مدد کی' پھر دوبار فرمایا: کیا تم میرے لیے میرے صاحب کو چھوڑنے والے ہو' اس کے بعد حضرت ابوبکر کو ایذاء نہیں دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۴۰۔ ۳۶۶۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۱۴)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جن لوگوں میں ابوبکر ہوں' ان میں ان کے سوا اور کسی کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۳' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۱۵)

(۸) حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدید ہو گیا اور میں بھی لوگوں کی جماعت میں آپ کے پاس تھا' آپ کو حضرت بلال نے نماز کے لیے بلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' سو ہم گئے' اس وقت حضرت عمر لوگوں میں تھے اور حضرت ابوبکر حاضر نہ تھے' میں نے کہا: اے عمر! آپ کھڑے ہوں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عمر نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی تو فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان انکار کریں

گئے' یہ آپ نے دوبار فرمایا' وہ اس وقت آئے جب حضرت عمر نماز پڑھا چکے تھے' پھر حضرت ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجرہ سے سر باہر نکال کر غصہ سے فرمایا: نہیں' نہیں! لوگوں کو ابوقحافہ کا بیٹا نماز پڑھائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۱۶)

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے' پھر ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا' پس تم میں سے کون خوشی سے چاہتا ہے کہ وہ ابوبکر پر مقدم ہو' مسلمانوں نے کہا: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ابوبکر پر مقدم ہوں۔
(مسند احمد ج ا ص ۲۱' سنن نسائی ج ۲ ص ۷۴' بیروت' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۴)

(۱۰) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے اور آپ کا مرض شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! ابوبکر نرم دل آدمی ہیں' جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے' آپ نے فرمایا: تم ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے دوبارہ یہی کہا' آپ نے پھر فرمایا: تم ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' تم یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو' پھر حضرت ابوبکر کے پاس بلانے والا گیا اور حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۲)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایام میں پیر کے دن حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور مسلمان صف باندھے ان کے پیچھے کھڑے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا' آپ نے کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھا' گویا آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح تھا' پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خوشی میں لگتا تھا کہ ہم نماز توڑ دیں گے' پھر حضرت ابوبکر اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے آئے تاکہ آپ صف سے مل جائیں' ان کا گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے باہر آرہے ہیں' پھر ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ تم نماز مکمل کرو اور آپ نے حجرہ کا پردہ گرا دیا اور اسی دن آپ کی وفات ہوگئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۴' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم حوض پر میرے صاحب ہوگے اور تم غار میں میرے صاحب تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۷)

(۱۳) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ بُرا سلوک کب کیا تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ عقبہ بن ابی معیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے' اس نے اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کیا اور بہت زور سے گلا گھونٹنے لگا' پھر حضرت ابوبکر آ گئے اور انہوں نے اس کو دھکا دے کر دفع کیا اور کہا: تم اس شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' حالانکہ یہ اپنے رب کے پاس سے معجزات لے کر آیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۴)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے' اس وقت آپ کے اصحاب میں کسی کے بھی

کھچڑی بال (سیاہ اور سفید ملے جلے بال) نہیں تھے' سوا حضرت ابوبکر کے' انہوں نے ان بالوں کو مہندی اور سیاہ رنگ سے رنگ کر چھپا لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۱۹)

(۱۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور کہا: میں یہ چاہتا تھا کہ میرے تمام اعمال مل کر حضرت ابوبکر کے ایک دن کے عمل کی طرح ہو جاتے اور ان کی ایک رات کے عمل کی مثل ہو جاتے' رہی رات تو یہ وہ رات تھی جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں گئے' جب وہ دونوں غار تک پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! آپ اس میں نہ داخل ہوں' حتیٰ کہ آپ سے پہلے میں داخل ہوں' پھر حضرت ابوبکر نے غار میں داخل ہو کر دیکھا تو اس میں ایک جانب سوراخ تھے' انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کر دیا' دو سوراخ باقی رہ گئے' ان میں حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں پیر داخل کر دیئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اب آپ آ جائیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے' حضرت ابوبکر کے پیر میں ڈنک لگا' لیکن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار ہونے کے خدشہ سے بالکل حرکت نہیں کی' پھر درد کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر کیا ہوا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے ڈنک لگا ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب دہن ڈالا تو حضرت ابوبکر کا درد جاتا رہا' بعد میں وہ درد پھر لوٹ آیا اور وہی ان کی موت کا سبب بن گیا اور رہا ان کا دن تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور عرب کے لوگ مرتد ہو گئے اور کہا: ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے تو حضرت ابوبکر نے کہا: اگر یہ زکوٰۃ میں ایک بکری کا بچہ (یا رسی) دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا' پس میں نے کہا: اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں' حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا: کیا تم زمانۂ جاہلیت میں قوی اور سخت تھے اور اسلام میں کمزور اور نرم ہو گئے ہو؟ بے شک اب وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے' کیا میری زندگی میں دین کی مخالفت کی جائے گی!

(جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۲۶' الریاض النضرۃ ص ۱۰۵۔۱۰۴)

(۱۶) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہجرت کا واقعہ سنایا اور کہا: ہم مکہ سے روانہ ہوئے اور ایک رات اور ایک دن سفر کرتے رہے' حتیٰ کہ ہم کو دوپہر کا وقت ہو گیا' پھر میں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں مجھے سائے کی جگہ نظر آئے' پھر مجھے ایک چٹان نظر آئی' میں نے دیکھا تو اس کا سایہ تھا' میں نے اس جگہ کو صاف کیا اور اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھایا' پھر میں نے آپ سے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ یہاں لیٹ جائیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے' پھر میں اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی ہمیں تلاش تو نہیں کر رہا' پھر میں نے ایک بکریاں چرانے والے کو دیکھا' وہ اپنی بکریوں کو چرا کر اس چٹان کی طرف لا رہا تھا' وہ بھی اسی چٹان کے سائے کی جستجو میں تھا' جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا' جس کو میں پہچانتا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں' میں نے اس سے پوچھا: آیا تم ہمارے لیے دودھ دوہو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے اس کو ایک بکری باندھنے کے لیے کہا' پھر میں نے اس سے کہا: اپنے ہاتھ صاف کر لو' پھر اس نے میرے لیے دودھ دوہا' میں نے اسی دودھ کو چمڑے کے ایک مشکیزے میں ڈالا' پھر دودھ میں کچھ پانی ڈال کر اس کو ٹھنڈا کیا' پھر میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' اس وقت آپ

بیدار ہو چکے تھے' میں نے کہا: یارسول اللہ! دودھ پئیں' آپ نے اتنا دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا' پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اب کوچ کریں' آپ نے فرمایا: ہاں' ہم روانہ ہوئے اور لوگ ہمارا پیچھا کر رہے تھے' ان میں سے کوئی ہم تک نہیں پہنچ سکا' سوائے سراقہ بن مالک کے' وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا' میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو ہم تک آ پہنچا ہے' آپ نے فرمایا: تم خوف نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹)

(۱۷) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں غار میں تھا' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا' آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن میں کا تیسرا اللہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶)

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے افضل قرار دیتے تھے' پس ہم سب سے افضل حضرت ابوبکر کو قرار دیتے' پھر حضرت عمر بن الخطاب کو' پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۵)

(۱۹) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی' آپ نے اس سے فرمایا: تم پھر آنا' اس نے کہا: یہ فرمائیں' اگر میں پھر آپ کو نہ پاؤں؟ گویا کہ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کی وفات ہو چکی ہو' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو پھر ابوبکر کے پاس آنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۶)

(۲۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل کے لشکر میں امیر بنا کر بھیجا' میں آپ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ' پھر میں نے پوچھا: اور مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: عمر بن الخطاب' پھر انہوں نے کئی آدمیوں کو گنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۵)

(۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں میں تھا' ان پر ایک بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری کو پکڑ لیا' چرواہے نے اس سے وہ بکری چھینی تو بھیڑیا اس چرواہے کی طرف مڑ کر کہنے لگا' درندوں کے دن میں ان بکریوں کا کون محافظ ہوگا؟ جس دن میرے سوا بکریوں کا کوئی محافظ نہیں ہوگا' اور ایک آدمی ایک بیل کو لے جا رہا تھا اور اس نے اس پر سامان لادا ہوا تھا' بیل اس کی طرف مڑ کر کہنے لگا: میں اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں' بلکہ میں ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں' لوگوں نے کہا سبحان اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر میں ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸)

(۲۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں کے اوپر ڈول ہے' میں نے اس ڈول کے ساتھ اس کنویں سے جتنا اللہ نے چاہا پانی نکالا' پھر اس ڈول کو ابوقحافہ کے بیٹے نے لے لیا' اور اس سے ایک یا دو ڈول پانی نکالا اور ان کے پانی

نکالنے میں کچھ ضعف تھا اور اللہ ان کے ضعف کی مغفرت فرمائے' پھر ڈول وہیں آ گیا' پھر اس ڈول کو عمر بن الخطاب نے پکڑا اور میں نے اس کنویں سے پانی نکالنے میں عمر کی طرح غیر معمولی قوی شخص کوئی اور نہیں دیکھا' حتیٰ کہ پھر اور لوگ پانی نکالنے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٣٦٦٤' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٣٩٢' مسند احمد ج ٢ ص ٣١٩)

(٢٣) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا تہبند (تکبر سے) ٹخنوں کے نیچے لٹکایا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' حضرت ابوبکر نے کہا: میرے تہبند کی ایک جانب لٹک جاتی ہے' الا یہ کہ میں اس کی حفاظت کروں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو تکبر کی وجہ سے نہیں لٹکاتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٧٨٤)

(٢٤) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے ایک قسم کی دو چیزیں (جوڑا) اللہ کی راہ میں خرچ کیں' اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا' (کہا جائے گا:) اے عبداللہ! یہ نیکی ہے' سو جو نمازیوں سے ہوگا' اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا' اور جو مجاہدوں سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صدقہ سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا' اور جو روزہ داروں سے ہوگا اس کو باب الصیام اور باب الریان سے بلایا جائے گا' پھر حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے وہ شخص تم ہو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٣٦٦٦' سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٦٧٤' سنن نسائی رقم الحدیث:٢٤٢٩' مسند احمد ج ٢ ص ٢٦٨)

(٢٥) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی' اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کی بالائی بستیوں میں تھے' حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے' حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آئی تھی' اور اللہ آپ کو ضرور اٹھائے گا اور آپ (چوروں اور ڈاکوؤں کے) ضرور ہاتھ پیر کاٹ دیں گے' پھر حضرت ابوبکر آ گئے' انہوں نے آپ کے چہرے سے چادر ہٹائی اور آپ کو بوسا دیا' اور کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' آپ پاکیزگی کے ساتھ زندہ رہے اور پاکیزگی کے ساتھ فوت ہوئے' اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں ہرگز نہیں چکھائے گا' پھر باہر آئے اور کہا: اے قسم کھانے والے! ٹھہر جاؤ' جب حضرت ابوبکر نے یہ کہا تو حضرت عمر بیٹھ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٣٦٦٧' صحیح مسلم رقم الحدیث:٩٤٢' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:٧١١٣)

(٢٦) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: پھر حضرت ابوبکر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: سنو! جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور یہ آیت پڑھی:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر:٣٠) آپ بھی جان بہ حق ہونے والے اور یہ مشرکین بھی مرنے والے ہیں ۝

اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران:١٤٤)

اور محمد (خدا) نہیں ہیں صرف رسول ہیں' ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں' کیا پس اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم (دین اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے' اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑ سکے گا'

اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا دے گاO

پس لوگ رونے لگے اور انصار بنو ساعدہ کے چبوترے میں حضرت سعد بن عبادہ کی طرف جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا' پھر حضرت ابوبکر' حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے اور پھر حضرت عمر بات کرنے لگے' حضرت ابوبکر نے ان کو خاموش کر دیا' حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے کلام سے اپنے نزدیک نہایت عمدہ بات کہہ رہا ہوں' مجھے خوف ہے کہ حضرت ابوبکر اس بات تک نہیں پہنچیں گے' پھر حضرت ابوبکر نے نہایت بلیغ کلام کیا اور اپنے اثناء کلام میں کہا: ہم امراء ہیں اور تم وزراء ہو' حباب بن المنذر نے کہا: نہیں' اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے' ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا' حضرت ابوبکر نے کہا: نہیں لیکن ہم امراء ہوں گے اور تم وزراء ہوگے' تم عمر سے بیعت کر لو یا ابوعبیدہ سے بیعت کر لو' حضرت عمر نے کہا: نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کریں گے' آپ ہمارے سید ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں' پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کر لی اور پھر لوگوں نے بیعت کرنی شروع کر دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۸' مسند احمد ج ۱ ص ۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۱۳)

(۲۷) محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون سب سے افضل تھا؟ انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر' میں نے پوچھا: پھر کون تھا؟ انہوں نے کہا: حضرت عمر' مجھے یہ ڈر لگا کہ وہ کہیں گے: حضرت عثمان' میں نے پوچھا: پھر آپ سب سے افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

(۲۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا' پھر میں باہر نکلا اور میں نے سوچا' آج میں سارا دن لازماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں گا' پھر حضرت ابوموسیٰ مسجد میں آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا' لوگوں نے کہا: آپ مسجد سے نکل کر وہاں گئے اور ایک جگہ اشارہ کیا' پھر میں پوچھتے پوچھتے بیر اریس تک پہنچا اور میں وہاں دروازے پر بیٹھ گیا' وہ دروازہ درخت کی شاخوں کا بنا ہوا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے اور آپ نے وضو کیا' میں آپ کے پاس گیا' اس وقت آپ بیر اریس (ایک کنویں) کی منڈیر کے وسط میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے کنویں میں ٹانگیں لٹکائی ہوئی تھیں اور پنڈلیاں کھولی ہوئی تھیں' میں نے آپ کو سلام کیا' پھر دروازہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچا' آج میں آپ کا دربان بنوں گا' پھر حضرت ابوبکر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا' میں نے کہا: کون ہے؟ کہا: ابوبکر' میں نے کہا: ٹھہریں' پھر میں نے آپ کے پاس جا کر کہا: یارسول اللہ! حضرت ابوبکر اجازت طلب کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دو اور ان کو جنت کی بشارت دو' پھر میں نے آ کر حضرت ابوبکر سے کہا: آپ آ جائیں اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے' پھر حضرت ابوبکر آئے اور کنویں کی منڈیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اسی طرح ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے اور اپنی پنڈلیاں کھول لیں' اس کے بعد اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے آنے اور انہیں جنت کی بشارت دینے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۳)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان اُحد

پہاڑ پر چڑھے تو اُحد لرزنے لگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُحد ٹھہر جا' تجھ پر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۱)

(۳۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا' پس لوگ حضرت عمر بن الخطاب کے لیے دعا کر رہے تھے اور حضرت عمر کا جنازہ ان کے تخت پر رکھا ہوا تھا' اس وقت ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ آپ پر رحم کرے' میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مقام آپ کے دو صاحبوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ کر دے گا' کیونکہ میں نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں اور ابوبکر اور عمر تھے' اور میں نے اور ابوبکر اور عمر نے کیا' اور میں اور ابوبکر اور عمر گئے' پس بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں صاحبوں کے ساتھ رکھے گا' میں نے مڑ کر دیکھا تو یہ کہنے والے حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸' مسند احمد ج ا ص ۱۱۴)

(۳۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: تم میرے لیے اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی (عبد الرحمان) کو بلاؤ' حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں ہی سب سے زیادہ (خلافت کا) مستحق ہوں اور کوئی نہیں ہے' اور اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۲)

(۳۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج صبح تم میں سے کون شخص روزے سے اٹھا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ گیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں' آپ نے فرمایا: آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے' آپ نے فرمایا: آج تم میں سے کس شخص نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں بھی یہ اوصاف ہوں گے' وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۰۷)

(۳۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے' پھر حضرت عمر کو' پھر حضرت عثمان کو' پھر اس کے بعد ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۷)

امام ابوداؤد کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سے افضل حضرت ابوبکر ہیں' پھر حضرت عمر ہیں اور پھر حضرت عثمان ہیں۔

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی' ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا ہے سوائے ابوبکر کے' انہوں نے ہمارے ساتھ ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا' اور مجھے کسی کے مال سے وہ فائدہ نہیں پہنچا جو ابوبکر کے مال سے پہنچا ہے اور اگر میں دنیا میں

کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا' سنو! تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۳)

(۳۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا' پھر ابوبکر' پھر عمر۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۲) 51

(۳۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم غار میں بھی میرے صاحب تھے اور حوض پر بھی میرے صاحب ہو گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۰)

(۳۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک بڑا پیالہ دیا گیا ہے' جو دودھ سے بھرا ہوا تھا' میں نے اس پیالے سے پیا' حتیٰ کہ میں سیر ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ دودھ میری کھال اور گوشت کے درمیان رگوں میں جاری ہو گیا' میں نے اس پیالے میں دودھ بچا دیا اور وہ دودھ ابوبکر کو دیا' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ علم ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا حتیٰ کہ جب آپ اس سے سیر ہو گئے تو آپ نے اپنا بچا ہوا علم ابوبکر کو دیا' آپ نے فرمایا: تم نے اس کی صحیح تعبیر کی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۵۴' المستدرک ج ۳ ص ۸۵' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۹)

(۳۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہو گا' جس سے ہر گھر والے اور ہر بالا خانے والے کہیں گے: مرحبا' مرحبا' ہمارے پاس آئیں' ہمارے پاس آئیں' حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! یہ شخص کتنا کامیاب اور سرخ رو ہو گا' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں اور وہ تم ہو گے اے ابوبکر۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۶۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۸۵)

(۳۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا میرے ماں باپ دینِ اسلام کے مطابق عبادت کرتے تھے' اور ہر روز صبح یا شام کو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے تھے' جب مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوئے تو ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانے لگے' حتیٰ کہ جب وہ برک الغماد پر پہنچے تو ان کو ابن الدغنہ ملا اور وہ ایک بستی کا سردار تھا' اس نے کہا: اے ابوبکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے' اب میں چاہتا ہوں کہ زمین میں سفر کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں' ابن الدغنہ نے کہا: آپ ایسا شخص خود جائے گا نہ اس کو جانے دیا جائے گا' جس کے پاس مال نہ ہو' آپ اس کے لیے مال کماتے ہیں' رشتہ داروں سے مل کر رہتے ہیں' ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کے راستے میں جو مشکلات آتی ہیں' ان میں مدد کرتے ہیں' میں آپ کا ضامن ہوں' آپ لوٹ آئیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۷۷' مسند احمد ج ۶ ص ۹۸)

(۴۰) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے مشورہ کیا' انہوں نے آپ کو مشورہ دیا' پس حضرت ابوبکر کا مشورہ صحیح تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر کو خطاء پر قرار دیا جائے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۶۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۳۲۸)

51

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور افضلیت میں کتب شیعہ کی تصریحات

محمد بن المنکدر ربیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا' وہ کوفہ میں منبر پر فرما رہے تھے: اگر تم میرے پاس کسی ایسے شخص کو لائے جو مجھ کو ابوبکر اور عمر سے افضل کہتا ہو تو میں اس کو اتنے کوڑے ماروں گا' جو بہتان لگانے والے پر مارے جاتے ہیں۔ (رجال الکشی ص ۳۳۸' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوت' کربلا)

ایام فتنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ اولیٰ نہیں تھے۔

(نہج البلاغۃ ص ۵۶۶' خطبہ نمبر ۱۶۴' انتشارات زرین' ایران)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی من اکابر الامامیہ فی القرن السادس ''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ'' (الزمر: ۳۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ''والذی جاء بالصدق'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' وصدق بہ'' سے مراد ابوبکر ہیں۔ (مجمع البیان جز ۸ ص ۷۷۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچا دین لے کر آئے اور حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کی تصدیق کی۔

سورۃ اللیل کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۱ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء' بہ روز بدھ بعد نماز فجر سورۃ اللیل کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العٰلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر اور میری جملہ تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے قارئین کی اور سب مؤمنین کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ
وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلي و نسلم علىٰ رسوله الكريم

سورة الضحٰی

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور سورۃ اللیل سے مناسبت

اس سورت کا نام الضحٰی ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے: ''والضحٰی'' چاشت کے وقت کی قسم!

چاشت کا وقت دن کی ابتداء کو کہتے ہیں جب سورج بلند ہو چکا ہوتا ہے جیسے ہمارے برصغیر میں نو بجے سے گیارہ بجے تک کا وقت ہوتا ہے یہ سورت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے بلند مقام کو ظاہر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اللیل کے بعد سورۃ الضحٰی شروع ہوئی ہے جیسے رات کے اندھیرے کے بعد دن کا اجالا شروع ہوتا ہے یا جیسے کفر اور شرک کی تاریکیوں کے بعد آفتاب نبوت کی سحر طلوع ہوئی جس سے کفر و شرک کی ظلمت کے آثار مٹ گئے سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت پر ختم ہوئی ہے اور سورۃ الضحٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت سے شروع ہوئی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ صدیقیت کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح سورۃ اللیل اور سورۃ الضحٰی کے درمیان کوئی سورت حائل نہیں ہے اسی طرح حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی تیسرا حائل نہیں ہے ایمان لانے میں اسلام کی تبلیغ اور نصرت کرنے میں جہاد میں ہجرت میں امامت اور خلافت میں قبر میں حشر میں اور دخولِ جنت میں ہر جگہ اور ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے بعد ہیں۔

سورۃ اللیل اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر ختم ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ متقی کو آخرت میں راضی فرمائے گا اور سورۃ الضحٰی میں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور فرمایا:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ (الضحٰی: ۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

سورۃ اللیل میں اللہ تعالیٰ نے ''الاتقٰی'' کا ذکر فرمایا تھا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۃ الضحٰی میں اللہ تعالیٰ نے ''سید الاتقٰی'' کا ذکر فرمایا ہے اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سورۃ الضحٰی کے مشمولات

☆ سورۃ الضحٰی کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کے احوالِ مبارکہ ہیں۔

☆ الضحٰی: ۴۔ا میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ناراض ہوا نہ اس نے آپ کو چھوڑا اور آپ پر اللہ تعالیٰ مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش فرماتا ہے حتیٰ کہ آپ پر ہر ہر بعد والی گھڑی میں پہلے سے زیادہ انعام فرماتا ہے۔

☆ الضحیٰ: ۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی ہے کہ آخرت میں آپ کو شفاعت کی اتنی بڑی دولت عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

☆ الضحیٰ: ۸۔۶ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صغرسن سے نوازتا رہا ہے' جب آپ کے والدین فوت ہو گئے اور آپ یتیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی پناہ میں رکھا' اور جب آپ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق تھے تو اس نے آپ کو مخلوق کی طرف متوجہ کیا' اور جب آپ کے پاس دنیاوی مال زیادہ نہ تھا تو اس نے آپ کو مالِ دنیا سے مستغنی رکھا۔

☆ الضحیٰ: ۱۱۔۹ میں یہ بتایا کہ یتیم پر شفقت کرنی چاہیے اور مسکین کی مدد کرنی چاہیے' اور یتیم کو ڈانٹنا اور دھمکانا نہیں چاہیے اور کسی سوال کرنے والے کو دھتکارنا نہیں چاہیے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کی جہت سے جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' آپ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین بنایا ہے اور آپ کو سراپا رحمت بنا کر قیامت تک کی تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے' سو آپ اپنے رب کی ان عظیم نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان فرمائیے۔

سورۃ الضحیٰ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے پروردگار! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور اس سورت کے حقائق اور معارف پر مجھے مطلع فرمانا اور اس کے اسرار کو مجھ پر کھول دینا۔ وما ذلك على الله بعزيز

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۲ رمضان ۱۴۲۶ھ / ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

(۹۳) سُورَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱) | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾ وَ

چاشت کے وقت کی قسم O اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے O آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O

لَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ

اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے O اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ

فَتَرۡضٰى ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾

راضی ہو جائیں گے O کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا؟ پھر آپ کو ٹھکانا دیا O اور آپ کو حُبِ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا

متوجہ کیا O اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا O سو آپ یتیم پر شدت نہ کریں O اور

ع ۱ | ۱۱ | ۱۸ السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ ع

مانگنے والے کو نہ جھڑکیں O اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چاشت کے وقت کی قسم O اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے O آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے O اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O (الضحیٰ: ۵۔۱)

''ضحٰی'' اور ''سجٰی'' کا معنی

الضحیٰ: ۱ میں ''ضحٰی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: چاشت کا وقت جب دن نکل آئے جس وقت دھوپ چڑھ جائے ''ضحٰی'' کا معنی ہے: دن چڑھنا اور دھوپ پھیلنا۔ (القاموس المحیط ص ۱۳۰۴، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۴ھ) قرآن مجید میں ہے:

اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى — کیا بستیوں والوں کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ دن چڑھے ان پر

وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ O (الاعراف: ۹۸) — ہمارا عذاب آ جائے اور وہ اس وقت کھیل رہے ہوں O

الضحیٰ: ۲ میں ''سجٰی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: وہ چھا گیا اس نے آرام کر لیا اس نے قرار حاصل کر لیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

سورۃ اللیل کو سورۃ الضحیٰ پر مقدم کرنے کی وجوہ

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھائی ہے اور سورۃ اللیل میں اللہ عزوجل نے رات اور دن کی قسم کھائی تھی

وہاں رات کا ذکر مقدم فرمایا اور اس سورت میں دن کا ذکر مقدم فرمایا' اس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) انسان کو اپنی زندگی میں رات اور دن دونوں کی ضرورت ہے' دن میں وہ کسبِ معاش کرتا ہے اور رات کو تھکاوٹ اتار کر آرام کرتا ہے' لیکن رات کی فضیلت یہ ہے کہ وہ دن پر مقدم ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ . (الانعام:۱) اللہ نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا فرمایا۔

اس لیے سورۃ اللیل کو پہلے ذکر فرمایا اور دن کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نور' ضیاء اور روشنی ہے۔

(۲) سورۃ اللیل میں حضرت ابوبکر کا ذکر ہے اور سورۃ الضحیٰ میں ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ہیں اور حضرت ابوبکر کے ایمان سے پہلے ان کے کفر کا زمانہ ہے اور وہ رات کی تاریکی کے مشابہ ہے اور سورۃ الضحیٰ میں آپ کا ذکر ہے اور آپ ابتداء سے مؤمن اور سیرتِ کاملہ کے حامل ہیں اور وہ نور اور ضیا ہے' اس لیے اس سورت کو والضحیٰ سے شروع فرمایا۔

(۳) سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق کی سورت ہے اور سورۃ الضحیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے اور سورۃ اللیل کے متصل بعد سورۃ الضحیٰ کو ذکر کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ صدیقیت کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی تیسرا فرد حائل نہیں ہے۔

دن اور رات کی قسم کھانے کی توجیہات

اس سورت میں دن اور رات کی قسم کھانے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اس میں یہ تنبیہ ہے کہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتیں ہیں' ایک پل میں دن طلوع ہو جاتا ہے اور ایک آن میں رات آ جاتی ہے' کسی شخص کو دن آنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ رات آنے سے کوئی ملال ہوتا ہے۔

(۲) کبھی راتیں بڑی ہوتی ہیں اور کبھی دن بڑے ہوتے ہیں' نہ رات ہمیشہ بڑی رہتی ہے نہ دن ہمیشہ بڑا رہتا ہے' اس جہان میں کسی کو دائمی بڑائی حاصل نہیں ہے' دائمی اور مطلقاً بڑائی اور کبریائی صرف اللہ عزوجل کے لیے ہے۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

الضحیٰ:۳ میں فرمایا ہے: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام چالیس روز تک آپ پر نازل نہیں ہوئے اور ایک قول ہے کہ تین روز تک آپ پر نازل نہیں ہوئے تو مشرکین مکہ نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تو ان پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی' جیسے ان سے پہلے نبیوں پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہی تھی' اب اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا ہے' اس لیے ان پر وحی نازل نہیں ہو رہی' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۹۴ ملخصاً دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۴۵' دارالفکر)

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بے زار ہو گیا' اب ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتے' اور جب وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکے تو قاعدہ کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے' پس قسم آپ پر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے' نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے' اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے' آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے' آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے' آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے' اسی طرح جو

قسم آپ پر لازم آتی ہے وہ اللہ پر قسم ہے اسی لیے فرمایا: دن کی قسم اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چند دن وحی نہیں نازل کی گئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں نزولِ وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند دن کے لیے آپ سے سلسلہ نزولِ وحی کو موقوف کر دیا' تا کہ آپ وحی کا انتظار کریں اور آپ کے دل میں اس کا اشتیاق پیدا ہو حتیٰ کہ جب حضرت جبریل آپ پر سورۃ الضحٰی لے کر نازل ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم اب تک نہیں آئے حتیٰ کہ میں تمہارا مشتاق ہو گیا تھا' حضرت جبریل نے کہا: میں آپ سے زیادہ آپ کا مشتاق تھا کیونکہ آپ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت مکرم ہیں لیکن میں وحی لانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔ (تفسیر مقاتل ج ۳ ص ۴۹۴)

''والضحٰی واللیل'' (دن اور رات) کی قسم کے محامل

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی جو قسم کھائی ہے' اس میں دن اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

علامہ عبدالکریم بن ہوازن قشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: چاشت کے وقت کی نماز کی قسم یا دن کی اس ساعت کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف کیا تھا۔

(۲) رات سے مراد ہے: اس رات کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے شب معراج آپ کو اپنے دیدار کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم۔ الذکر: ۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰۔ ۲۱۱) سو رات کے پھیل جانے کی قسم سے مراد ہے: کثرتِ مشاغل کی بناء پر اللہ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے آپ کے دل پر ابر کا چھا جانا اور دن کی قسم سے مراد ہے: کثرتِ استغفار کی وجہ سے آپ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا منعکس ہونا' خلاصہ یہ ہے کہ اس رات کی قسم جب آپ کے دل پر ابر چھا گیا اور اس دن کی قسم جب اللہ کے جلووں سے آپ کا دل روشن ہو گیا۔

(۴) رات کی قسم سے مراد ہے: اس رات کی قسم! جب تہائی رات کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

(۵) دن کی قسم سے مراد وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کرنے کے لیے بیت اللہ کو آپ کی نمازوں کا قبلہ بنا دیا۔

(لطائف الاشارات ج ۳ ص ۴۲۹' مزیداً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

(۶) بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے روشن چہرے کی قسم (اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم)۔

(۷) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے اہل بیت کے مردوں کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کے اہل بیت کی خواتین کی قسم۔

(۸) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: نزولِ وحی کے ایام کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: اس زمانہ کی قسم! جب آپ سے نزولِ وحی کو روک لیا گیا۔

(۹) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کے اس نورِ علم کی قسم جس سے مخفی غیب منکشف ہو جاتا ہے اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کے وہ غیوب جو مستتر ہیں۔

(۱۰) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: ابتداء میں اسلام کے ظہور کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: قربِ قیامت میں اسلام کے خفا کی قسم' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۷۳)

(۱۱) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: کمال عقل کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: حالتِ وفات کی قسم۔

(۱۲) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کی ظاہر حیات کی قسم جس میں مخلوق نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کی حیات کے باطن کی قسم جس میں عالم الغیب نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں:

(۱۳) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کے یومِ ولادت کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کی شبِ معراج کی قسم یا آپ کی وفات کی شب کی قسم۔

(۱۴) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کی امت کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کے امت کے عیوب کو چھپانے کی قسم۔

(۱۵) آپ کی صفاتِ ظاہرہ کی قسم جو سب مخلوق کو معلوم ہیں اور آپ کی صفاتِ باطنہ کی قسم جن کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

(۱۶) زندگی کی قسم اور قبر میں آنے والی شب کی قسم۔ (تفسیر عزیزی پارہ عمّ ص ۲۱۷' حاجی عبدالمجید و برادران' تاجران کتب' کابل' افغانستان)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

(۱۷) علامہ طیبی قدس سرہ نے کہا ہے: دن اور رات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں' جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں' دن کی نماز کے متعلق آپ نے فرمایا: مجھ کو چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا اور رات کی نماز کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ اور آپ رات کو تہجد کی نماز پڑھیے' وہ خصوصیت سے آپ کے لیے زائد ہے۔ (بنی اسرائیل: ۷۹)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نمازِ چاشت کی قسم اور آپ کی نمازِ تہجد کی قسم۔

(۱۸) رات کا وقت غم اور وحشت کا وقت ہے اور دن کا وقت سرور اور خوشی کا وقت ہے' گویا آپ کی خوشی کی قسم اور آپ کے غم کی قسم۔

(۱۹) دن کا وقت لوگوں کے ہجوم کا وقت ہے اور رات کا وقت محبوب سے ملاقات کا وقت ہے' گویا دن میں آپ کے لوگوں کے ساتھ مشغول ہونے کی قسم اور رات میں اپنے رب کے ساتھ تنہائی اور راز و نیاز کی قسم۔

(۴۰) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے کہا ہے کہ دن کی ایک ساعت رات کی تمام ساعات پر غالب ہے' جس طرح تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور معجزات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات اور معجزات پر غالب ہیں' گویا کہ دن کی اس ساعت کی قسم جو رات کی تمام ساعات پر اس طرح غالب ہے' جس طرح تنہا آپ کے کمالات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات پر غالب ہیں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الضحیٰ: ۳ میں فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O

الضحیٰ: ۳ کے شانِ نزول میں متعدد اقوال

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں یہ کہا ہے کہ لوگ آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھتے تو آپ فرماتے: میں کل بتا دوں گا' مثلاً آپ سے قیامت' اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس اعتماد پر فرمایا کہ آج مجھ پر وحی نازل ہو جائے گی تو میں کل بتا دوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا تھا تو کئی دن تک وحی نازل نہیں ہوئی' اس پر مشرکین نے خوش ہو کر کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا' اور نہ آپ سے بے زار ہوا' اور بعض نے یہ کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کو پہلی وحی کے بعد بہت گھبرائے ہوئے دیکھا تو کہا: آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ سے بے زار ہو گیا' لیکن یہ قول بداہۃً باطل ہے' صحیح بخاری میں ہے کہ جب آپ گھبرائے ہوئے غارِ حرا سے آئے تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ہرگز نہیں' اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں سے ملاپ رکھتے ہیں' لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کے لیے کماتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۲) حضرت خدیجہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا مقام تو بہت بلند ہے' کوئی مسلمان کسی نبی کے متعلق ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

امام ابو منصور ماتریدی نے اپنے طور پر اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ آپ کے پاس شروع میں کوئی مادی طاقت نہ تھی اور نہ مال و دولت تھی' اس کے برخلاف آپ کے مخالفین قریشِ مکہ بہت رئیس تھے' مادی طاقت اور عددی برتری رکھتے تھے' اس لیے آپ کے متعلق انہوں نے کہا کہ آپ کو رب نے چھوڑ دیا اور آپ سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۷۶۔۴۷۵' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ جب چند دن کے لیے آپ پر وحی کا آنا رک گیا تو ابولہب کی بیوی نے یہ کہا تھا: اے محمد! میرا گمان ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' دوسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ جب وحی آنے میں دیر ہو گئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا: میرے رب نے مجھ کو چھوڑ دیا اور مجھ سے بے زار ہو گیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی کہ ایسا نہیں ہو گا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتداء میں جو عزت دی ہے' اللہ اس کو پورا کرے گا' لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بھی بداہۃً باطل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان نہیں فرما سکتے' تیسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کے گھر میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا کتے کا بچہ تھا' اس وجہ سے آپ پر وحی کا آنا رک گیا تھا' یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی اور یہ سورت

مکی ہے' چوتھا قول یہ ذکر کیا ہے کہ بعض مسلمان ناخن نہیں کاٹتے تھے' اس لیے آپ پر وحی کا آنا رُک گیا تھا' اس قول کا باطل ہونا بالکل واضح ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کائنات میں سب سے زیادہ مکرم اور معظم ہیں' پھر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا کس طرح مناسب ہوگا کہ میں نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ میں آپ سے بے زار ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس طرح نہیں فرمایا' بلکہ جب مشرکین نے یہ کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ آپ سے بے زار ہوا۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں: یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے' کیونکہ اگر یہ آپ کی اپنی تصنیف ہوتا اور آپ کا کلام ہوتا تو آپ کے سلسلہ کلام میں وقفہ نہ آتا اور مشرکین کو اس اعتراض کا موقع نہ ملتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بے زار ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۳۔۱۹۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وجاہت

عیسائیوں کی مزعوم آسمانی کتاب انجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا تو انہوں نے کہا:

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: "ایلی' ایلی لما شبقتنی؟ "یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ ○ (متی کی انجیل ص ۳۳' باب: ۲۸' آیت: ۴۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

ہمارے نزدیک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دی گئی اور نہ انہوں نے مذکور الصدر جملہ کہا' لیکن عیسائیوں کی اپنی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اور ہماری کتاب قرآن مجید میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (الضحیٰ: ۳۔۱)

چاشت کے وقت کی قسم ○ اور رات کی قسم جب وہ چھیل جائے ○ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا ○

دن اور رات کی قسم کھانے میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر مسلسل دن کی روشنی رہے تو انسان تھک جائیں' اس لیے انسان کو سکون اور آرام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رات بنائی' اسی طرح اگر آپ پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی تو آپ تھک جاتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکون اور آرام پہنچانے کے لیے چند دن وحی نازل نہیں کی اور اس سے جاہل اور معاند مشرکین نے یہ سمجھا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرنے کے لیے اور آپ کی عزت اور وجاہت ظاہر کرنے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ دن اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

الضحیٰ: ۴ میں فرمایا: اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے ○

دن بہ دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور کرامت کا زیادہ ہونا

یعنی اللہ تعالیٰ دن بہ دن آپ کی عزت اور وجاہت میں اضافہ فرماتا رہے گا اور فراز نہ وقت اور منکروں اور معاندوں پر آپ کو غلبہ عطا فرماتا رہے گا اور آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرماتا رہے گا اور آپ کے متبعین اور پیروکار بڑھاتا رہے گا اور آپ کے علوم اور معارف اور درجات میں ترقی عطا فرماتا رہے گا اور آپ کا ہر بعد والا زمانہ پہلے زمانہ سے بڑھ چڑھ کر اور

افضل اور اعلیٰ ہوگا اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مہمات کے مقابلہ میں اخروی درجات کی ترقی میں کوشش کرنا آپ کے زیادہ لائق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے عزت اور وجاہت حاصل ہوئی اور آپ کو اس سے خوشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ مرتبہ اگرچہ عظیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے آخرت میں اس سے بھی بڑا مرتبہ ہے' نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہر روز بلکہ ہر ساعت اللہ تعالیٰ آپ کو گزری ہوئی ساعت سے بڑھ کر عزت اور بلندی عطا فرمائے گا' آپ یہ نہ گمان کریں کہ میں آپ سے ناراض ہوں بلکہ میں ہر روز آپ کو پہلے سے زیادہ سعادت اور کرامت عطا فرماؤں گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخرت دنیا سے کس وجہ سے افضل ہوگی اور کس اعتبار سے فزوں تر ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسب ذیل وجوہ سے آپ کے لیے آخرت' دنیا سے افضل اور اعلیٰ ہوگی۔

آپ کی آخرت کا آپ کی دنیا سے افضل ہونا

(۱) آپ کی امت آپ کے لیے بہ منزلہ اولاد ہے اور آخرت میں آپ کی امت جنت میں ہوگی اور اولاد پر نعمت دیکھ کر اس کے باپ کو خوشی ہوتی ہے۔

(۲) آپ نے اللہ تعالیٰ سے جنت کو خرید لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

سو آخرت اور جنت آپ کی مملوک ہے اور دنیا آپ کی مملوک نہیں ہے' سو مملوک میں رہنا غیر مملوک میں رہنے سے افضل ہے۔

(۳) دنیا میں کفار آپ کو تنگ کرتے ہیں اور ستاتے ہیں اور آخرت میں آپ کی امت تمام امتوں پر گواہ ہوگی اور آپ تمام نبیوں اور رسولوں پر گواہ ہوں گے اور اللہ کی ذات آپ پر گواہ ہوگی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (الفتح:۲۸)

اور اللہ کی گواہی کافی ہے ۝

یہ بہت بڑی عظمت اور فضیلت ہے' جو آپ کو آخرت میں حاصل ہوگی۔

(۴) دنیا کی حسنات اور لذات' آفات اور پریشانیوں سے گھری ہوئی ہیں اور قلیل اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں' پریشانیوں اور افکار سے خالی ہیں اور بہت زیادہ ہیں اور دائمی اور غیر منقطع ہیں۔

الضحیٰ: ۵ میں فرمایا: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۝

قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۰۳ھ لکھتے ہیں:

دنیا میں اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر اور شرف کو بلند کرے گا اور آپ کو دشمنوں پر غلبہ اور فتح اور نصرت عطا فرمائے گا اور آپ کا دین اطراف عالم میں پھیل جائے گا اور آخرت میں آپ کو تمام نبیوں پر فضیلت اور برتری عطا فرمائے گا' آپ سے پہلے کوئی شفاعت کے لیے لب کشائی نہیں کرے گا' حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور مقامِ محمود پر آپ ہی فائز ہوں گے' آپ سے پہلے کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا' نہ آپ کی امت سے پہلے کوئی امت جنت میں داخل ہو سکے گی' حوضِ کوثر آپ کے

والے ہوگا اور اس دن آپ کی عزت اور عظمت دیکھنے والی ہوگی۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ سب سے امید افزا آیت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا' اور آپ اس سے راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کی امت دوزخ میں جائے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے امید افزا یہ آیت ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۰)

جس نے کوئی گناہ کیا یا اپنی جان پر ظلم کیا' پھر اللہ سے مغفرت طلب کی تو وہ اللہ کو بے حد بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا پائے گا ○

اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیات وہ ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اور فرشتوں کو مؤمنین کے لیے استغفار کا حکم دیا اور انہوں نے مؤمنین کے لیے استغفار کیا' جیسے درج ذیل آیات ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (ابراہیم: ۳۶)

سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ محمودہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میری والدین کی اور تمام مؤمنین کی جس دن حساب قائم ہو ○

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ (محمد: ۱۹)

(اے نبی مکرم!) آپ اپنے تمام بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی مغفرت طلب کیجئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے جو استغفار کیا' اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی' جس میں حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے: اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے' سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ محمودہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶) اور اس آیت کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۸) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور دعا کی: اے اللہ! میری امت' میری امت اور روتے رہے' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے پس ان سے پوچھو: انہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ سو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور آپ سے پوچھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قول کی خبر دی' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پس ان سے کہو: بے شک ہم عنقریب آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے تو اس کے بعد یہ کیوں فرمایا: اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کے زیادہ امتی جنت میں چلے جاتے اور کچھ دوزخ میں جاتے تو آپ راضی ہو جاتے لیکن بعض امتیوں کے دوزخ میں جانے سے آپ رنجیدہ ہوتے' اس لیے فرمایا: ہم آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے' بلکہ ہم آپ کی تمام امت کو دوزخ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ص ۱۰۷۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کا بیان کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: آپ کی بعد والی ساعت آپ کی پہلی ساعت سے افضل ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ تفاوت کہاں تک ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس کی انتہاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور آپ کی رضا پر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا کرے گا' جس کا آپ ارادہ کریں گے اور دنیا اپنی وسعت کے باوجود آپ کے ہر ارادہ کو پورا کرنے کی گنجائش نہیں رکھتی' اس لیے آخرت دنیا سے افضل ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اس آیت سے مراد آپ کو آپ کی امت کی شفاعت کا منصب عطا فرمانا ہے' روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۹۴)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ص ۲۲۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل بیت نے یہ کہا ہے کہ کتاب اللہ میں یہ سب سے زیادہ امید افزاء آیت ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' کیونکہ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (المحرر الوجیز ج ۱۶ص ۳۲۱' مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل عراق سے فرمایا: تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اہل عراق نے کہا: ہاں! ہم یہی کہتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ

میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" اور حدیث میں ہے' جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوگا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸۵)

علامہ عبدالرحمان بن محمد الثعالبی مالکی متوفی ۸۷۵ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا' پھر اس کی تائید میں وہ حدیث ذکر کی ہے' جس میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: اے محمد! ہم عنقریب آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲) علامہ قرطبی نے بھی اس روایت کی تائید میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۶۰۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الضحیٰ: ۵ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو۔

(الجامع لشعب الایمان ج ۳ ص ۴۴۔ رقم الحدیث: ۱۴۷۴' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۳ھ)

خطیب بغدادی نے "تلخیص المتشابہ" میں ایک اور سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے' اگر ان کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں داخل ہوا۔

امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ میں حضرت ابراہیم کا یہ قول پڑھا: "فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي" (ابراہیم: ۳۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول پڑھا: "إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ" (المائدہ: ۱۱۸) پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲)

امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام ابونعیم نے حلیہ میں حرب بن شریح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین سے کہا: یہ بتایئے کہ جو شفاعت اہل عراق بیان کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! خدا کی قسم! مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کی شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرا رب ندا فرمائے گا: اے محمد! آیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا: ہاں! اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۷۵۸) پھر حضرت علی نے متوجہ ہو کر فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ کہتے ہو کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: "قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" (الزمر: ۵۳) اور ہم تمام اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝" (الضحیٰ: ۵) اور یہی آیت شفاعت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۹۔ رقم الحدیث: ۳۷۲۵' طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن ابی حاتم نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ" (الضحیٰ: ۵) شفاعت کی آیت ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۹۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام باقر رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں آ کر فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ کہتے ہو کہ کتاب اللہ میں سب سے امید افزا یہ آیت ہے:

''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط'' (الزمر: ۵۳) اور ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت ہے: ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞'' (الضحیٰ: ۵) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو آپ راضی نہیں ہوں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کرتا رہوں گا' حتیٰ کہ میرے لیے ندا کی جائے گی: اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۸۳)

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: آپ کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو جائے (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۷۴) اور امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہ ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳) اور خطیب نے تلخیص میں ایک اور سند سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے' اگر آپ کی امت سے ایک شخص بھی دوزخ میں ہوا اور اس تفسیر پر یہ صحیح حدیث دلالت کرتی ہے' حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کی دعا کی' یہ آیت پڑھی: ''فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ج'' (ابراہیم: ۳۶) اور حضرت عیسیٰ کی دعا کی' یہ آیت پڑھی: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج'' (المائدہ: ۱۱۸) پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲)

(فتح القدیر ج ۵ ص ۶۱۴' دار الوفاء' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ حافظ سیوطی کی مکمل عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ آپ کی پوری امت کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۳ ص ۴۴۔ رقم الحدیث: ۱۳۷۴' مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۳ھ) اور خطیب بغدادی نے ''تلخیص المتشابہ'' میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی علیہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر عظیم شفقت کا تقاضا ہے' آپ اپنی امت کی آسانی اور مغفرت پر حریص ہیں' پھر علامہ آلوسی نے اس کی تائید میں امام مسلم کی وہ روایت ذکر کی ہے' جس کے آخر میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اے محمد! ہم عنقریب آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲) اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لطف و کرم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کی رضا اس میں ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو اور خطیب نے تلخیص میں اس آیت کی تفسیر میں کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے اگر آپ کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں گیا' پھر اس کی دلیل میں صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲ کی حدیث نقل کی اور اس کی تائید میں ''حلیۃ الاولیاء'' کے حوالے سے وہ حدیث ذکر کی' جس کو حافظ سیوطی نے الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۹۸ میں ذکر کیا ہے۔

(فتح البیان ج ۷ ص ۴۸۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کا قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیثِ صحیحہ سے تعارض

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو جائے اور خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں داخل ہوا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' اور ان حدیثوں کو مفسرین میں سے علامہ ثعلبی' علامہ ابن عطیہ اندلسی' امام رازی' علامہ قرطبی' علامہ الثعالبی' حافظ سیوطی' علامہ اسماعیل حقی' علامہ آلوسی' نواب صدیق حسن بھوپالی وغیرہم نے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو دیگر احادیث سے تقویت پہنچائی ہے' لیکن اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض گنہ گار مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے اور گناہوں سے پاک کرنے کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۷۴ کی یہ حدیث اور مفسرین کی نقول ان سب کے خلاف ہیں۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں تصریح ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (الماعون: ۷۔۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل (دوزخ کی وادی) ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں ۝ جو لوگ ریاکاری کرتے ہیں ۝ اور عاریۃً چیز دینے سے منع کرتے ہیں ۝

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (التوبہ: ۳۴)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاجاتے ہیں' وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں' اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے ۝

اور حسب ذیل احادیثِ صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور تطہیر کے بعد نکال لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں جَو کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں گندم کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' اور جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں جوار کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاعت کے سبب دوزخ سے لوگوں کو اس

حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جلی ہوئی لکڑی کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۵۸‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والوں میں سے وہ لوگ جو دوزخ کے اہل ہیں‘ وہ دوزخ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے‘ لیکن کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا‘ اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کردے گا حتیٰ کہ جب وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کی اجازت دی جائے گی‘ پھر 52
ان کو گروہ در گروہ لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا‘ پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ‘ پھر وہ اس طرح نشوونما پائیں گے‘ جس طرح دانہ سیلاب کی مٹی میں اُگ کر سرسبز ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا‘ یہ گناہ گار مسلمان ہوں گے‘ ان پر اللہ تعالیٰ موت طاری کرے گا‘ اس موت کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے کے بعد ان پر حقیقۃً موت طاری کردے گا اور ان کے عذاب کی مدت‘ ان کے گناہوں کے اعتبار سے ہوگی‘ پھر ان پر موت طاری کردے گا اور جب تک اللہ چاہے گا‘ ان کو دوزخ میں محبوس رکھے گا اور موت کی وجہ سے ان کو اس مدت کا احساس نہیں ہوگا‘ پھر ان کو اس حال میں دوزخ سے نکالا جائے گا کہ وہ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے‘ پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا اور ان پر آبِ حیات بہایا جائے گا‘ پھر وہ زندہ ہو جائیں گے اور اس قدر سرعت کے ساتھ نشوونما پائیں گے جس طرح سیلاب کی مٹی میں پڑا ہوا دانہ سرعت کے ساتھ اُگ کر سرسبز ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس موت سے مراد حقیقی موت نہیں ہے‘ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا احساس اور شعور سلب کرلیا جائے گا‘ اس وجہ سے ان کو دوزخ کے عذاب کا بالکل احساس نہیں ہوگا (جیسے کسی انسان کو بے ہوش کر کے اس کی سرجری کی جاتی ہے تو اس کو چیر پھاڑ کا بالکل احساس نہیں ہوتا) علامہ نووی فرماتے ہیں: لیکن میرے نزدیک راجح پہلا قول ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۱۰۲۷۔۱۰۲۶‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز‘ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

حدیث مذکور پر تعارض کے اشکال کا جواب

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مکافاتِ عمل کے قانون کو پورا کرنے کے لیے اور اپنی وعید کے تقاضے کو مکمل کرنے کے لیے‘ بعض گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں ضرور ڈالے گا‘ لیکن اللہ تعالیٰ کی مؤمنین پر جو رحمت اور شفقت ہے‘ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں ڈالنے کے بعد ان کو حقیقۃً عذاب نہیں ہوگا‘ بلکہ ان کو صرف صورۃً عذاب ہوگا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے لیکن ان کو کوئی درد محسوس نہیں ہوگا کیونکہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان پر صورۃً موت طاری کردے گا‘ جس سے ان کے حواس اور مشاعر معطل ہو جائیں گے اور ان کو درد اور عذاب کا بالکل احساس نہیں ہوگا‘ جیسے سرجری سے پہلے انسان کے حواس کو معطل کر دیا جاتا ہے۔

اور اس تقریر پر شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۷۴ کی حدیث سے اشکال دور ہو جاتا ہے‘ آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا‘ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو راضی کرے گا اور آپ کے کسی ایک امتی کو بھی دوزخ میں حقیقۃً عذاب نہیں دے گا اور جن مؤمنین نے گناہ کیے اور بغیر توبہ کے مر گئے‘ اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے فضل محض

52

سے محروم رہے' ان بعض گناہ گار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے مکافاتِ عمل کے قانون اور اپنی وعید کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے اپنی رحمت سے ان کے حواس اور مشاعر کو سلب کر لے گا' حتیٰ کہ ان کو دوزخ کے عذاب کا بالکل احساس نہیں ہو گا اور یہی اس حدیث کا محمل ہے کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا یعنی اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں راضی کرے گا اور آپ کے کسی امتی کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا' پھر جو مسلمان دوزخ میں صورۃً جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کو دوزخ سے نکال لے گا' پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈالا جائے گا اور اہل جنت ان پر آبِ حیات بہائیں گے اور وہ پھر زندہ ہو کر تروتازہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

میں نے جو اس حدیث کی تقریر کی ہے' اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا' مجھ سے پہلے کسی مفسر یا محدث نے اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی' یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور انعام ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت ہے۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ سے یہ کریمانہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے نفس کو کمال عطا فرمائے گا اور آپ کو اوّلین اور آخرین کے علوم عطا فرمائے گا' آپ کی نبوت کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے زمانہ میں آپ کو فتوحات عطا فرما کر اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے زمانہ میں فتوحات عطا فرما کر آپ کے دین کو سربلند فرمائے گا اور زمین کے تمام مشارق اور مغارب میں آپ کا پیغام پہنچ جائے گا۔ علامہ ابو حیان نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا اور نوال دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے' ہاں! آخرت میں آپ کو جو عطا حاصل ہو گی' وہ دنیا کی عطا سے بہت زیادہ ہے' حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کو موتیوں کے ایک ہزار محل عطا فرمائے گا' جن کی مٹی مشک ہو گی اور ہر محل میں بہ کثرت حوریں اور خدام ہوں گے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۴۳' المکتبۃ العصریہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ) (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۸۔۲۸۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آخرت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و کرامت عطا کرنے کے متعلق احادیث

آخرت میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کو ظاہر فرمائے گا' اللہ تعالیٰ جلال میں ہو گا اور فرمائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ آج کس کی بادشاہی ہے؟ (خود ہی فرمائے گا:) اللہ کی بادشاہی ہے جو واحد قہار ہے ○ (المؤمن: ۱۶)

اور جب اللہ تعالیٰ جلال میں ہو گا تو کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہو گی' لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حصولِ شفاعت کے لیے جائیں گے' لیکن سب نفسی نفسی کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور اس سے کلام کرنے سے ڈریں گے' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے تو آپ ان کی شفاعت کی حامی بھریں گے' حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنهما یقول ان الناس یصیرون یوم القیامة جثاً کل امة تتبع نبیها یقولون یا فلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فذالك یوم یبعثه الله المقام المحمود. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دو زانو بیٹھے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پاس جائے گی' وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے' حتیٰ کہ یہ (طلب شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہوگی' پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ موج در موج پھر رہے ہوں گے' پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے: اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ' وہ خلیل الرحمان ہیں' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' وہ کلیم اللہ ہیں' پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ' وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں' پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پھر لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا: میں ہی شفاعت کے لیے ہوں' میں اپنے رب سے اجازت طلب کرتا ہوں' پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے کلمات الہام کیے جائیں گے' جن سے میں اللہ کی حمد کروں گا' وہ حمد کے کلمات اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں' پھر میں ان کلمات سے اللہ کی حمد کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں تو کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت! میری امت! پھر کہا جائے گا: آپ جائیے' جس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لیجئے۔ (الحدیث) یہ مکالمہ اور دوزخ سے امت کو نکالنا چار بار ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳)

غور کیجئے جب کسی نبی کو اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی ہمت نہیں ہوگی' اس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے اور جب کوئی اللہ عزوجل سے شفاعت نہ کر سکے گا' اس وقت آپ شفاعت کریں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا: آپ مانگیے آپ کو ملے گا' آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی اور یہی وہ عطا ہے جس کا آپ سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝'' (الضحیٰ: ۵) آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عزت اور فضیلت عطا کی جائے گی' اس کا بیان ان احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا' اور قیامت کے دن جب لوگوں کا وفد آئے گا تو میں ان سے کلام کروں گا' اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا' اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا' اپنے رب کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم میں ہوں گا اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۰' مسند احمد ج ۵ ص ۵۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت کے حلوں میں سے حلہ

پہنایا جائے گا' پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا' اور اس مقام پر میرے علاوہ مخلوق میں سے اور کوئی کھڑا نہیں ہو گا۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرو' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت کا سب سے بلند درجہ ہے' جو صرف کسی ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے وہ شخص میں ہوں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور اس دن حضرت آدم ہوں یا ان کے سوا جو نبی بھی ہو' وہ میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہو گا اور سب سے پہلے مجھ سے ہی زمین شق ہو گی اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپس میں کہہ رہے تھے: کس قدر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو بنایا' دوسرے نے کہا: اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا اور کسی نے کہا: حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اور کسی نے کہا: حضرت آدم صفی اللہ ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا: میں تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سن رہا تھا' بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت آدم صفی اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ ہوں' جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور میں ہی سب سے پہلے جنت کو کھلواؤں گا اور اللہ میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور مجھ کو اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں تمام اوّلین اور آخرین سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۶' سنن دارمی رقم الحدیث:۴۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں خاتم النبیین ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۵۰' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

یعنی یہ میرے فخر کی چیز نہیں ہے کہ میں رسولوں کا قائد ہوں' فخر تو ان رسولوں کو کرنا چاہیے جنہیں مجھ جیسا قائد مل گیا۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اپنے پَروں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا احاطہ کر لیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ (درود) پڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب شام ہو جاتی ہے تو وہ آسمانوں پر چڑھ

جاتے ہیں اور اتنے ہی اور فرشتے نازل ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح آپ پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' یہ معمول اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ زمین آپ سے شق ہو گی اور آپ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں قبر سے باہر آئیں گے۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ٩٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر آپ کو ٹھکانا دیا O اور آپ کو جب کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا O اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا O سو آپ یتیم پر شدت نہ کریں O اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیں O اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں O (الضحیٰ: ١١۔٦)

یتیم کا معنیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے کی کیفیت

الضحیٰ: ٦ میں ''یتیم'' کا لفظ ہے' یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا والد فوت ہو جائے' اور اس آیت میں ''اوی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''ایواء'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا' اس آیت کا یہ معنیٰ ہے: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کم سن بچے تھے' آپ کے والد نہیں تھے تو اللہ عزوجل نے آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا جنہوں نے آپ کی پرورش اور نگہداشت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تھے تو آپ کے والد ماجد سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' ولادت کے بعد آپ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور اپنے دادا سیدنا عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت میں رہے' پھر جب آپ کی عمر شریف چھ سال تھی تو آپ کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں اور جب آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے دادا رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' اور حضرت عبد المطلب نے آپ کے چچا جناب ابو طالب کو وصیت کی کہ وہ آپ کی کفالت کریں اور انہوں نے نہایت شفقت سے آپ کی کفالت کی' ان کا نام عبد مناف تھا' پھر ابو طالب آپ کی کفالت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا' اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک آپ کی نصرت اور حمایت کرتے رہے' حتیٰ کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب کی وفات ہو گئی۔ (الکشاف ج ٤ ص ٢٧٠' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٧ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ایک دن ابو طالب نے اپنے بھائی عباس سے کہا: کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا عجیب وغریب چیزیں دیکھی ہیں؟ ابو طالب نے کہا: میں دن رات کے کسی وقت میں بھی ان کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتا تھا' حتیٰ کہ رات کو بھی اپنے پاس سلاتا تھا' ان کا جسم بہت نرم' ملائم اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا' بہت دفعہ میں ان کو اپنے بستر سے گم پاتا' میں ان کو ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلتا تو وہ مجھے آواز دیتے: اے چچا! میں یہاں ہوں! پھر میں لوٹ آتا' بہت مرتبہ آدھی رات کو میں ان سے ایسا کلام سنتا' جس سے مجھے بہت تعجب ہوتا' ہم کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے اور نہ کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھتے اور وہ کھانے سے پہلے کہتے تھے: ''بسم اللّٰہ الاحد'' اور کھانے کے بعد کہتے تھے: ''الحمد للّٰہ'' مجھے اس پر بہت تعجب ہوتا تھا' میں نے ان کو کبھی جھوٹ بولتے دیکھا' نہ جاہلیت کی طرح ہنستے دیکھا اور نہ بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ (تفسیر کبیر ج ١١ ص ١٩٦' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ' روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٩٠' دارالفکر' بیروت)

آپ کو یتیم رکھا اور آپ کے والدین کو اٹھا لیا تاکہ آپ پر کسی کی تعظیم کرنے کا حق نہ ہو' دودھ پلانے والی حلیمہ کا بھی آپ پر کوئی احسان نہ تھا' کیونکہ آپ کی برکت سے اس پر خوش حالی آ گئی' ایک قول یہ ہے کہ آپ کو یتیم اس طرح فرمایا ہے' جس طرح دریتیم اس موتی کو کہا جاتا ہے جو اپنی سیپی میں تنہا اور منفرد ہوتا ہے' آپ بھی اپنی پاکیزہ صفات اور حیرت انگیز کمالات

میں متفرد تھے اور اس آیت کا معنیٰ ہے: کیا اللہ نے آپ کو قریش میں منفرد صفات کا حامل نہیں پایا' پھر آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا' یا ہم نے آپ کو دریتیم کی طرح بے نظیر صفات کا حامل پایا تو آپ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ کو برگزیدہ بنا لیا۔

الضحیٰ: ۷ میں فرمایا: اور آپ کو حُبِّ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیاO

لفظ ''ضال'' کے معنیٰ کی تحقیق اور ائمہ لغت کی تصریحات

اس آیت میں ''ضال'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنیٰ میں لکھتے ہیں:

''ضلال'' کا معنیٰ ہے: سیدھے راستے سے منحرف ہونا' اس کی ضد ہدایت ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ. (یونس:۱۰۸) — سو جو سیدھے راستے پر چلتا ہے تو اس کا سیدھے راستہ پر چلنا اپنے نفع کے لیے ہے اور جو سیدھے راستہ سے انحراف کرتا ہے تو اس کے انحراف کا ضرر اسی پر ہے۔

''ضلال'' سیدھے راستہ سے انحراف کو کہتے ہیں خواہ یہ انحراف عمداً ہو یا سہواً ہو' کم ہو یا زیادہ ہو' کیونکہ وہ سیدھا راستہ جو اللہ اور اس کے رسول کا پسندیدہ ہے' اس پر چلنا سخت مشکل ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد:۱۱) — (انسان نیکی کرنے اور بُرائی ترک کرنے کی) دشوار گزار گھاٹی پر نہیں چڑھا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استقیموا ولن تحصوا. — یعنی تم مکمل طور پر صراطِ مستقیم پر نہیں چل سکو گے بہر حال کوشش کرتے رہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۶۔ رقم الحدیث: ۶۲۷۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۸۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۹۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۲)

حکماء نے کہا ہے کہ کوئی انسان مکمل ہدایت پر نہیں ہوتا' کسی وجہ سے ہدایت پر ہوتا ہے اور کسی وجہ سے ضلالت پر ہوتا ہے' اور جب ''ضلال'' کا معنیٰ ہے: سیدھے راستہ کو ترک کرنا' خواہ یہ ترک کرنا عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ' تو کسی شخص سے کوئی بھی کسی قسم کی خطا ہو جائے تو اس کے لیے ''ضلال'' کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے' اس لیے لفظ ''ضلال'' کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی ہوتی ہے اور شیطان کی طرف بھی ہوتی ہے' اگرچہ دونوں کے ضلال میں بہت زیادہ فرق ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى'' (الضحیٰ:۷) یعنی جب آپ کو نبوت پر فائز کیا گیا تو آپ مکمل شریعت سے آگاہ نہ تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے بیٹوں کا یہ قول نقل فرمایا: ''اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ'' (یوسف:۹۵) آپ اپنی اسی پرانی والہانہ محبت اور وارفتگی میں ہیں' اور ان کے بیٹوں نے کہا: ''اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' (یوسف:۸) (یوسف اور بنیامین کو محبت میں ترجیح دے کر) ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے اور مصر کی عورتوں نے زلیخا کے متعلق کہا:

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یوسف:۳۰) — اس کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہم اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیںO

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ. (البقرہ:۲۸۲) — تاکہ ان میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے دوسری اسے یاد دلا دے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ (الشعراء:۲۰) موسیٰ نے کہا: جس وقت میں نے یہ کام کیا (قبطی کو تادیباً گھونسا مارا) اس وقت میں سہو کرنے والوں میں سے تھا ○

لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ (طٰہٰ:۵۲) میرا رب نہ غفلت کرتا ہے نہ بھولتا ہے ○

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ (الفیل:۲) کیا اللہ نے ان کی سازش کو معطل اور باطل نہیں کر دیا ○

(المفردات ج۲ ص۳۸۹۔۳۸۸ ملخصاً وموضحاً، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ''ضال'' کا معنیٰ ہے: (۱) گم راہ (۲) ناواقف (۳) بھولنے والا (۴) محبت میں وارفتہ (۵) غافل (۶) سہو کرنے والا (۷) اور معطل اور باطل۔

علامہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ نے ''ضال'' کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

(۱) گم راہ (۲) ضائع ہونے والا (۳) ہلاک ہونے والا (۴) راستہ گم کرنے والا (۵) راستہ نہ جاننے والا۔

(مختار الصحاح ص۲۳۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

''ضال'' ہدایت یافتہ کی ضد ہے یعنی (۱) گم راہ (۲) کسی چیز کو گم کرنے والا (۳) کسی چیز کو نہ پہچاننے والا (۴) کسی چیز کو گرانے والا (۵) ضائع ہونے والا (۶) گم شدہ چیز (۷) زائل ہونے والا (۸) بھولنے والا (۹) ہلاک ہونے والا (۱۰) باطل (۱۱) کسی چیز میں گم یا غائب ہونے والا۔ (لسان العرب ج۹ ص۵۸۔۵۶ ملخصاً، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''ضال'' کا معنیٰ ہے: ہدایت یافتہ کی ضد یعنی گم راہ، گم ہونے والا، غائب ہونے والا، ضائع ہونے والا، چھپ جانے والا، باطل۔ (قاموس ص۱۰۲۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ نے ''قاموس'' کی شرح میں مزید یہ معنیٰ لکھتے ہیں:

محبت میں وارفتہ، سہو کرنے والا، بھولنے والا۔ (تاج العروس ج۷ ص۱۱۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ان معانی میں سے بعض معانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت اور آپ کی شان کے لائق نہیں ہیں جیسے گم راہ، ضائع ہونے والا، ہلاک ہونے والا، معطل اور باطل، اور دوسرے معانی مثلاً محبت میں وارفتہ، ناواقف، غافل، سہو کرنے والا، بھولنے والا، راستہ گم کرنے والا، راستہ نہ جاننے والا، کسی چیز میں گم ہونے والا اور غائب ہونے والا، ان معانی کو مفسرین نے متعدد تاویلات کے ساتھ اختیار کیا ہے اور ان معانی کے علاوہ کچھ اور معانی کو بھی محاوراتِ عرب سے مستنبط کر کے اختیار کیا ہے، ہم نے اس بحث میں امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ، علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ، امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ کے اختیار کردہ معانی ذکر کیے ہیں۔

امام ابومنصور ماتریدی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں:

(۱) اگر (بہ فرض محال) اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی ہدایت نہ دیتا اور آپ کو اس کی توفیق نہ دیتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا، کیونکہ آپ گمراہ قوم میں پیدا ہوئے تھے، اس قوم کو کسی نے ہدایت نہیں دی تھی اور کسی نے اس کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت نہیں دی تھی، لیکن اللہ نے آپ کو ہدایت دی اور توحید کی رہ نمائی کی، سو اس نے آپ کو گم راہ اور غیر ہدایت یافتہ

نہیں بنایا' اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ (آل عمران: ۱۰۳)

اور تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے' سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۞ۙ (بنی اسرائیل: ۷۴)

اگر بالفرض ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو ممکن تھا کہ آپ ان مشرکین کی طرف قدرے مائل ہو جاتے ۞

کیونکہ انسان اور بشر کی طبیعت میں جلد اور آسانی سے ملنے والی دنیا کی لذتوں اور راحتوں کی طرف میلان ہے' اس لیے ہوسکتا تھا کہ آپ دنیا کی طرف مائل ہو جاتے لیکن اللہ عزوجل نے اپنے فضل اور لطف سے آپ کو معصوم بنایا اور آخرت کی نعمتوں پر آپ کو ثابت قدم رکھا اور دنیا کی عارضی لذتوں سے متنفر بنایا۔ اس بناء پر اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ آپ کو ہدایت نہ دیتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا لیکن اس نے آپ کو ہدایت دی اور آپ کو گم راہ نہیں پایا۔

(۲) ''ضـال'' کا معنیٰ ہے: ناواقف۔ اللہ نے آپ کو ہدایت سے ناواقف پایا اور یہ ناواقفیت آپ کے کسب اور اختیار سے نہیں تھی' لیکن انسان اپنی اصل خلقت میں ناواقف ہے اور اس آیت میں ''ضـلال'' کا معنیٰ ناواقفیت ہے کیونکہ مخلوق اپنے ابتدائی احوال میں ناواقف ہوتی ہے' وہ اپنے کسب اور اختیار سے ناواقف نہیں ہوتی کہ اس کی مذمت کی جائے اور نہ وہ اپنے اختیار سے عالم ہوتی ہے کہ اس کی تحسین کی جائے لیکن وہ اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے ناواقف ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس کے پاس حصول علم کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور اس ناواقفیت میں اس کے کسب اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے' لیکن جب اس کو حصولِ علم کے آلات میسر ہو جائیں' پھر بھی وہ اپنے اختیار سے علم حاصل نہ کرے تو پھر اس کی مذمت کی جاتی ہے اور علم حاصل کرے تو پھر اس کی تحسین کی جاتی ہے۔

اس تقریر کی بناء پر اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: اللہ نے آپ کو اصل خلقت کے اعتبار سے حالتِ صغر میں ناواقف پایا' سو آپ کو آپ کے علم کی طرف ہدایت دی اور اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ ۔ (الشوریٰ: ۵۲)

(ہمارے وحی کرنے سے پہلے) آپ ازخود اپنی عقل سے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کی تفصیل کیا ہے' لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں جس کو چاہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۞ (العنکبوت: ۴۸)

نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ یہ باطل پرست لوگ شکوک اور شبہات میں پڑ جاتے ۞ ۔

یعنی ہمارے وحی کرنے اور ہمارے علم عطا کرنے سے پہلے ازخود اپنی عقل سے دین کا اور شریعت کے احکام کا علم نہ تھا اور جب ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور آپ کو علم عطا فرمایا تو آپ کو ایمان کی اور کتاب کی تفصیلات کا علم ہوا۔

(۳) ''ضـال'' کا معنیٰ ہے: غافل۔ اس آیت کا معنیٰ ہے کہ اللہ نے آپ کو انبیاء متقدمین اور صالحین کی خبروں سے غافل پایا تو اللہ نے آپ کو ان کی خبروں سے مطلع فرمایا' جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (یوسف: ۳) ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں جس کی ہم نے آپ کی طرف اس قرآن سے وحی کی ہے اور بے شک آپ اس وحی سے پہلے اس قصہ سے غافل تھے ○

(۴) آپ کو قرآن مجید اور اس کے مضامین سے ناواقف پایا تو آپ کو ان کا علم عطا فرمایا۔
بعض علماء نے کہا: آپ کو گم راہ قوم میں پایا تو آپ کو ہدایت دی یعنی ان گم راہ لوگوں میں سے آپ کو باہر نکالا' اگر آپ کو ان لوگوں سے باہر نہ نکالتا تو وہ آپ کو اپنی گم راہی کی طرف دعوت دیتے اور آپ کو اس پر مجبور کرتے اور اس گم راہی کے سوا آپ سے راضی نہ ہوتے۔
(۵) آپ کو فرائضِ نبوت سے ناواقف پایا تو آپ کو ان کی ہدایت دی۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۷۸۔۴۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ الماوردی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:
(۱) ''ضلال'' کا معنیٰ ہے: معرفت کا نہ ہونا' ابن عیسیٰ نے کہا کہ آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کو حق کی معرفت نہ تھی تو آپ کو حق کی ہدایت دی۔
(۲) امام طبری نے کہا کہ ''ضال'' کا معنیٰ ہے: ناواقف' یعنی آپ کو نبوت سے ناواقف پایا تو آپ کو نبوت کی طرف ہدایت دی۔
(۳) سُدّی نے کہا کہ ''ضلال'' کی نسبت قوم کی طرف ہے' یعنی آپ کو گمراہ قوم میں پایا تو اُن کو ہدایت دینے کی آپ کو رہنمائی فرمائی۔
(۴) آپ کو ہجرت سے ناواقف پایا تو آپ کو ہجرت کی طرف ہدایت دی۔
(۵) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: طالب' یعنی آپ کو قبلہ کا طالب پایا تو آپ کو قبلہ کی طرف ہدایت دی۔
(۶) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: متحیّر' یعنی آپ کو کتاب کے بیان کرنے میں متحیّر پایا تو آپ کو اس کے بیان کی ہدایت دی۔
(۷) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: بھولنے والا' یعنی آپ کو بھولنے والا پایا تو آپ کو یاد رکھنے کی ہدایت دی۔
(۸) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: محبت رکھنے والا' یعنی آپ کو ہدایت سے محبت رکھنے والا پایا تو آپ کو ہدایت دی۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۹۴)

امام رازی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
جمہور کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لحظہ کے لیے بھی کفر نہیں کیا' قرآن مجید میں ہے:
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ (النجم: ۲) تمہارے پیغمبر نے نہ راہِ حق کو گم کیا نہ وہ ٹیڑھے راستہ پر چلے ○
اور انہوں نے اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:
(۱) ''ضال'' کا معنیٰ غافل ہے۔ حضرت ابن عباس' حسن بصری' ضحاک اور شہر بن حوشب نے کہا: آپ کو احکامِ شریعت

(کی تفصیل) سے غافل پایا تو آپ کو ان کی ہدایت دی اور اس کی تائید ان آیات میں ہیں: ''مَاكُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ '' (الشوریٰ:۵۲) ''وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ '' (یوسف:۳)۔

(۲) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: گم شدہ۔ آپ کی دائی حلیمہ آپ کو آپ کے دادا کی طرف واپس لے جانے لگیں تو انہوں نے آپ کو گم پایا حتیٰ کہ وہ ھبل نامی بت کے پاس گئیں اور اس سے شکایت کی تو وہ سب بت گر پڑے اور یہ آواز سنائی دی: اس بچے کے ہاتھوں ہماری ہلاکت ہوگی۔

(۳) آپ اپنے دادا عبد المطلب سے گم ہو گئے تھے تو ابوجہل آپ کو ان کے پاس لایا' جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون کے گھر پرورش پائی۔

(۴) آپ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ جا رہے تھے' ایک کافر نے آپ کے اونٹ کی مہار پکڑی اور آپ سے راستہ گم ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا اور آپ کو قافلہ کے ساتھ ملا دیا۔

(۵) جب دودھ پانی میں مخلوط ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں: ''ضلّ الماء فی اللبن '' (پانی دودھ میں گم ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر کے معاشرہ میں مخلوط پایا تو آپ کو قوت دے دی اور آپ کے دین کو غالب کر دیا۔

(۶) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: منفرد اور یکتا۔ جنگل میں جو درخت تنہا اور منفرد ہو' اہل عرب اس کو 'شجرۃ ضالۃ'' کہتے ہیں' اس اعتبار سے اس آیت میں آپ کو 'ضال'' فرمایا ہے یعنی دنیا کے یہ تمام شہر ایسے جنگل کی طرح ہیں جس میں سوائے آپ کے کوئی ایسا درخت نہ تھا جس میں توحید کے پھول کھل رہے ہوں اور معرفتِ الٰہی کے پھل بہار دے رہے ہوں' سو اس جہل اور کفر کے جنگل میں آپ ہی منفرد درخت تھے تو میں نے آپ سے مخلوق کو ہدایت دی' اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

الحکمۃ ضالۃ الحکیم. حکمت حکیم کا منفرد ثمر بار درخت ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۷)

(۷) ''ضال'' کا معنیٰ ہے: معرفت سے عاری۔ جب آپ ایامِ طفولیت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو 'ضال'' پایا یعنی علوم اور معارف سے خالی پایا' نہ کہ گمراہانہ عقائد کا حامل' تو آپ میں عقل' معرفت اور ہدایت پیدا فرمائی' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (النحل: ۷۸)

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو○

(۸) اس آیت میں 'ضال'' کا اسناد آپ کی قوم کی طرف ہے۔ بعض اوقات قوم کے سردار سے خطاب ہوتا ہے اور اس سے مراد اس کی قوم ہوتی ہے' پس اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ کی قوم کو گمراہ پایا تو اس کو ہدایت دی۔

(۹) ''ضال'' سے مراد ہے: تنہا اور الگ تھلگ۔ آپ کو اپنی قوم سے الگ تھلگ اور غیر مخلوط پایا تو آپ کو ان کے ساتھ میل جول کی طرف متوجہ کیا تاکہ آپ ان کو ہدایت پر لائیں۔

(۱۰) ''ضال'' کا معنیٰ متحیر ہے' آپ مکہ سے ہجرت کرنے کے معاملہ میں متحیر تھے اور اپنے رب کے اذن کے منتظر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت دی اور مدینہ کی طرف ہجرت کی ہدایت دی۔

(۱۱) آپ نماز کے قبلہ کے معاملہ میں متحیر اور مضطرب تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ بیت اللہ کو آپ کا قبلہ بنایا جائے گا یا نہیں' تو

اللہ نے فرمایا:

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا ۔ (البقرہ:۱۴۴) پس ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے' جس کی طرف منہ کرنے پر آپ راضی ہیں۔

(۱۲) ''ضـــال'' کا معنیٰ محبت ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت کرنے والا پایا تو اس نے آپ کو احکامِ شرعیہ کی ہدایت دی تا کہ آپ ان احکام پر عمل کر کے اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

(۱۳) ''ضـال'' کا معنیٰ ناواقف ہے۔آپ دنیاوی اُمور سے ناواقف تھے اور صرف دین سے واقف تھے' تو اللہ نے دین کے ساتھ ساتھ آپ کو دنیاوی اُمور سے بھی واقف کیا اور آپ نے تجارت میں نفع حاصل کیا۔

(۱۴) ''ضـــال'' سے مراد ہے: مظلوم۔آپ اپنی قوم کا ظلم برداشت کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی کر دیا اور آپ کو ہدایت دی حتیٰ کہ آپ ان پر حاکم ہو گئے۔

(۱۵) آپ آسمانوں کے راستوں سے ناواقف تھے' شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان راستوں کی ہدایت دی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۹۸۔۱۹۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ قرطبی کی لفظ ''ضال'' کے بارے میں توجیہات

(۱) ''ضـــال'' کا معنیٰ ناواقف ہے' شب معراج جب جبریل آپ کا ساتھ چھوڑ گئے اور آپ آگے کے راستے سے ناواقف تھے تو اللہ عزوجل نے آپ کو عرش کی طرف ہدایت دی۔

(۲) ''ضـــال'' کا معنیٰ ناواقف ہے' یعنی آپ کو اپنے نفس کی معرفت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نفس اور احوال کی دعوت دی۔

(۳) ''ضـــال'' کا معنیٰ ہے: تنہا۔آپ تنہا دین اسلام پر تھے' آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا تو اللہ عزوجل نے آپ کے سبب سے مخلوق کو اپنی طرف ہدایت دی۔

(۴) آپ کی قوم آپ کے مرتبہ سے ناواقف تھی' تو اللہ عزوجل نے آپ کی قوم کو آپ کے مرتبہ کی طرف ہدایت دی۔

(۵) ''ضـال'' کا معنیٰ ہے: متحیّر۔آپ اللہ کی ذات کی معرفت میں متحیّر اور سرگرداں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی معرفت کی طرف ہدایت دی۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۲۰ص ۸۷۔۸۵' دارالفکر' بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الافاضل کی توجیہات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی:

غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ما کان و ما یکون عطا کیے' اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔

مفسرین نے ایک معنیٰ اس آیت کے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی۔

(خزائن العرفان حاشیہ کنز الایمان ص ۹۵۴۔۹۵۳' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

مصنف کی توجیہ

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:
اور آپ کو حُبِّ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا۔
محبت کا کمال یہ ہے کہ محبّ محبوب کے جلووں میں اس طرح کھو جائے کہ وہ محبوب کی ذات کے سوا ہر چیز کو فراموش کر دے، حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے اور سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے اور محبت میں سرشاری اور وارفتگی کے عالم میں سوا ذات محبوب کے اور کوئی چیز پیش نظر نہ ہو اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں آپ ایسے محو تھے کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا' بھلا کائنات کی طرف کیا توجہ ہوتی' پس اللہ تعالیٰ نے ہم بے کسوں پر کرم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا' تاکہ آپ مخلوق کو تبلیغِ دین کریں اور انہیں گم راہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنیوں میں لائیں' بے کسوں کا کس اور بے سہاروں کا سہارا بنیں' گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت کا مینار بنائیں اور تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو اوج ثریا تک پہنچا دیں۔
الضحیٰ: ۸ میں فرمایا: اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیاO

''عائل'' کا معنیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کرنے کے محامل

اس آیت میں ''عائل'' کا لفظ ہے''عائل'' کا معنیٰ ہے: مفتقر اور فقیر' یعنی آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کے پاس ضرورت کی چیزیں نہ تھیں تو آپ کو تجارت کے نفع کے ذریعہ غنی کر دیا' یہ اس وقت ہوا جب آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے سفر پر شام کی طرف روانہ ہوئے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کی مال دار خاتون تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد نکاح کر لیا اور انہوں نے اپنا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا' پھر اسلام کی فتوحات کے ذریعہ آپ کو بہ کثرت مالِ غنیمت اور مالِ فے حاصل ہوا اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ دنیا سے غنی کر دیا۔
اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے مال پر آپ کو قناعت کرنے والا بنا دیا اور آپ کے دل کو غنی کر دیا اور ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی وجہ سے آپ کو اپنے ماسوا سے غنی کر دیا' آپ صرف اللہ عزوجل کی طرف مفتقر تھے تو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم سے آپ کو غنی کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی تعلیم دی ہے:

اللهم اغننی من الفقر. اے اللہ! مجھے فقر سے غنی کر دے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۳۳۲' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۱۵)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے لحاظ سے فقیر پایا تو آپ کو آخرت کی نعمتیں دکھا کر دنیا سے غنی کر دیا اور جب آپ نے وہ نعمتیں دیکھیں جن کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے اور آخرت کی عزتیں اور وجاہتیں دیکھیں تو پھر آپ کی نظر میں دنیا حقیر ہو گئی' حتیٰ کہ آپ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ تھی' حدیث میں ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو گئے' جب آپ اٹھے تو آپ کے پہلوؤں میں چٹائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں' آپ نے

فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے! میں اس دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں آتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷‘ مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف سے آپ کو غنی کر دیا ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا‘ آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں‘ بے شک میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۵)

پس اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف سے آپ کو غنی کر دیا ہو اور ہمیں آپ نے اس سے مطلع نہ فرمایا ہو۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۴۷۸‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ ناشرون‘ ۱۴۲۵ھ)

الضحیٰ: ۹ میں فرمایا: سو آپ یتیم پر شدت نہ کریں O

آپ کو یتیم بنانے کی حکمتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ یتیم کا حق نہ روکیں اور اس کا حق اور اس کا مال اس کو ادا کر دیں‘ کیونکہ آپ یتیم رہ چکے ہیں اور یتیم کے حال سے اچھی طرح واقف ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یتیمی کو اختیار فرمایا‘ اس کی مفسرین نے حسب ذیل حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) آپ کو یتیموں کا حال معلوم ہو تا کہ آپ یتیموں کے حقوق ادا کریں اور ان کی آسودگی اور ان کے لیے خیر کے حصول کی کوشش کریں‘ حضرت یوسف علیہ السلام ایامِ قحط میں اس لیے سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے تا کہ وہ بھوکے لوگوں کی بھوک کو بھول نہ جائیں۔

(۲) آپ کو یتیم رکھا تا کہ یتیم اس وصف میں آپ کا شریک ہو جائے اور یتیم کی اس لیے تکریم کی جائے کہ آپ بھی یتیم تھے۔

(۳) جس شخص کے ماں اور باپ دونوں زندہ ہوتے ہیں‘ اس کا اعتماد اپنے ماں اور باپ پر ہوتا ہے‘ آپ کے ماں اور باپ دونوں کو اٹھا لیا تا کہ بچپن سے آپ کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رہے۔

(۴) عموماً یتیم کی تربیت اور تادیب نہیں ہو پاتی‘ اس لیے لوگ یتیم کے عیب بہت تلاش کرتے ہیں‘ سو لوگوں نے آپ کے احوال کو بھی بہت گہری نظر سے دیکھا‘ لیکن سوائے پاکیزگی اور پاک دامنی کے ان کو کوئی چیز نظر نہیں آئی حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو آپ کی ذات میں طعن کرنے کی کوئی وجہ نہیں ملی۔

(۵) جس کا باپ ہوتا ہے وہ اس کو تعلیم دیتا ہے اور اس کی تادیب کرتا ہے‘ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے سر سے باپ کا سایا اٹھا لیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی تعلیم اور تادیب کا کفیل اور متولی صرف اللہ تعالیٰ تھا‘ سند ضعیف سے روایت ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی. مجھے میرے رب نے ادب سکھایا‘ سو بہت اچھا ادب سکھایا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۵)

(۶) اگر آپ کے ماں باپ زندہ رہتے تو آپ کو ان کی بروقت تعظیم کرنی پڑتی‘ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ آپ صرف اللہ عز وجل کی تعظیم کریں اور مخلوق میں سے کسی کی تعظیم نہ کریں۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی احادیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک گھر ہے' جس کا نام دار الفرج ہے' اس میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے مؤمنین یتیموں کو خوش کیا ہوگا۔

(اللئالی المصنوعۃ ج ٢ ص ١٧١' التنزیہ ج ٢ ص ١٣٦۔١٣٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو رحمٰن کی ہتھیلیوں میں گرتے ہیں اور وہ فرماتا ہے: اس یتیم کو کس نے رُلایا ہے' جس کے ماں باپ قبر میں غائب ہو چکے ہیں اور جو اس یتیم کو چپ کرائے اس کے لیے جنت ہے۔ (تاریخ بغداد ج ١٣ ص ٢٤٢' التنزیہ ج ٢ ص ١٣٦' الفوائد رقم الحدیث: ٢٠٧' التذکرہ رقم الحدیث: ١٢٣)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے کی وجہ سے عرش ہل جاتا ہے اور رحمٰن فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے اس بندہ کو کس نے رُلایا' حالانکہ میں اس کے باپ کی روح قبض کر چکا ہوں اور اس کو مٹی میں چھپا چکا ہوں' فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں کوئی علم نہیں ہے' پس رحمان فرمائے گا: اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ' جس نے اس کو راضی کیا میں اس کو قیامت کے دن راضی کروں گا۔

(اللئالی المصنوعۃ ج ٢ ص ١٧١' التنزیہ ج ٢ ص ١٣٦)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم کی تکریم کی جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٤٣٤' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پانی کے ساتھ ملایا حتیٰ کہ اس کو سیر کر دیا' اس کے لیے یقیناً جنت واجب ہو جائے گی۔

(مسند احمد ج ٤ ص ٣٤٤۔ ج ٥ ص ٢٩' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٩٢٦)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے' آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٠٥' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥١٥٠' سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٩١٨' مسند احمد ج ٥ ص ٣٣٣)

ان احادیث کو علامہ آلوسی نے بھی بغیر تخریج کے ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٩٤۔٢٩٣)

الضحیٰ: ١٠ میں فرمایا: اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیں O

ربط آیات

اس سے پہلے فرمایا تھا: آپ یتیم تھے تو آپ کو ٹھکانا دیا' آپ طالبِ ہدایت تھے تو آپ کو ہدایت دی اور آپ ضرورت مند تھے تو اللہ نے آپ کو غنی کیا تو آپ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو نہ بھولیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور یتیم پر شفقت کریں اور سائل پر رحم کریں کیونکہ آپ یتیمی اور تنگ دستی کو گزار چکے ہیں۔

صحیح سائل کا معیار اور غیر مستحق سائل کے لیے عذاب کی وعید کے متعلق احادیث

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کی طرف سے حقوق ادا کر رہا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس سلسلہ میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے' پھر ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم دیں گے' پھر آپ نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں سوال کرنا

جائز نہیں ہے: (۱) ایک وہ شخص ہے جس نے کسی کی طرف کسی حق کو ادا کرنے کا ذمہ لیا ہو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اس کو مطلوبہ مال مل جائے پھر وہ سوال سے رُک جائے (۲) دوسرا وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آ گئی ہو اور اس کا سب مال ضائع ہو گیا ہو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتیٰ کہ اس کو گزر اوقات کے لیے مل جائے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فاقوں میں مبتلا ہو حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقوں میں مبتلا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے (تین آدمیوں کی گواہی استحباب کی شرط ہے اگر وہ واقعی فاقے کر رہا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے) اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے سوا جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۰ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۸ مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کیا وہ آگ کے انگاروں کا سوال کر رہا ہے کم سوال کرے یا زیادہ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے وہ قیامت کے دن ایسے چہرے کے ساتھ آئے گا جس پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵ مسند احمد ج ۲ ص ۱۵)

سہل ابن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنی چیزیں تھیں جو اس کو سوال سے غنی کر سکتی تھیں وہ صرف آگ کو زیادہ کر رہا ہے نفیلی نے پوچھا: اس چیز کی کتنی مقدار ہے جو اس کو سوال سے غنی کر دے اور اس مقدار کے ہوتے ہوئے اس کو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: اس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو یا ایک دن اور ایک رات کا کھانا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۲۹ مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۰)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی (مالک نصاب زکوٰۃ) کے لیے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ تندرست آدمی کے لیے سوال کرنا صرف اس کے لیے جائز ہے جس کو فقر ہلاک کر رہا ہو یا جو قرض کے بوجھ سے گھبرا رہا ہو اور جس نے اپنے مال میں اضافے کے لیے سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور وہ دوزخ کے گرم پتھر کھا رہا ہو گا پس جو چاہے (اس عذاب کو) کم کرے اور جو چاہے زیادہ کرے۔ (اگر کسی شخص کو علم ہو کہ اس سائل کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو نرمی سے مسترد کر دے اور اگر وہ اس کو دے گا تو وہ گنہ گار ہو گا) (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۵۳)

سائل کو دینے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو (لوگوں پر) خرچ کر میں (تجھ پر) خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کر دے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے بُرا ہے اور اگر تیرے پاس بہ قدر ضرورت مال ہو تو تجھ کو ملامت نہیں کی جائے گی اور دینے کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۶)

حضرت ام بجیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیاء آتی ہے اور میرے پاس اسے دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے اسے دے دو' خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت ہدیہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا' انہوں نے خادمہ سے کہا: اس کو گھر میں رکھ دو شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول فرمائیں' خادمہ نے اس کو گھر کے طاق میں رکھ دیا' اس اثناء میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: صدقہ دو' اللہ تمہارے مال میں برکت دے' گھر والوں نے کہا: اللہ تمہیں برکت دے' وہ سائل چلا گیا' بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اے ام سلمہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ اور انہوں نے خادمہ سے کہا: جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گوشت لا کر دو' وہ گئی تو اس طاق میں گوشت نہیں تھا' ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی گوشت ہے جو اب پتھر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے' کیونکہ تم نے سائل کو یہ گوشت نہیں دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰۰' اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ حضرت عثمان کا غلام مجہول ہے)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مساکین جھوٹ نہ بولیں تو ان کو رد کرنے والا فلاح نہ پائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۶۷' اس حدیث کا ایک راوی جعفر بن الزبیر ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سائل کے لیے حق ہے' خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

شعیب الارنؤوط نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے کیونکہ اس کی سند میں یعلیٰ بن ابی یحییٰ مجہول ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۴۔ رقم الحدیث: ۱۷۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۹۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳' الموطأ ج ۲۔ رقم الحدیث: ۱۹۲۷' دار المعرفہ بیروت)

موطأ امام مالک میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے: سائل کو عطا کرو خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سائل کو عطا کرنے کی ترغیب ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جس شخص کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو' اس کا سوال کرنا مکروہ ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی کا اور تندرست شخص کا جو کمانے پر قادر ہو' سوال کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سائل سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا سائل ہے کہ بغیر سواری کے اس کے لیے کہیں جانا مشکل ہو اور اس کے پاس ایک دن سے زیادہ کھانے پینے کی چیز نہ ہو اور وہ کمزور اور بیمار ہو' اس وجہ سے محنت مزدوری نہ کر سکتا ہو' اس لیے اس کا سوال کرنا صحیح ہے' علاوہ ازیں اس حدیث کی سند قطعی الثبوت نہیں ہے۔

(الاستذکار ج ۲۷ ص ۳۰۳-۴۰۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر اپنی دوسری شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص کے پاس اس کا گھوڑا اس کی ضرورت کے لیے ہو تو وہ اس گھوڑے کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا' کیونکہ وہ اپنی

ضروریات کے لیے پیدل نہیں جا سکتا' اور اس گھوڑے کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ فقر کی حد سے نہیں نکلتا اور ان اغنیاء کے حکم
میں داخل نہیں ہوتا' جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے: سائل کو عطا کرو' یہ نہیں
فرمایا: اس کو زکوٰۃ دو یا نفلی صدقہ دو' پس اس کو ہر قسم کے صدقہ سے دینا جائز ہے' نیز اس حدیث میں یہ ترغیب دی ہے کہ سائل جو
بھی ہو' اس کو عطا کرنا چاہیے' کیونکہ مسلمان کے حال سے اغلب یہ ہے کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے' جب ہی سوال کر رہا ہے' 53
ہاں! اگر دینے والے کو کسی دلیل سے معلوم ہو کہ یہ ضرورت مند یا مقروض نہیں ہے یا یہ صحت مند ہے اور کمانے پر قادر ہے تو پھر
اس کو نہیں دینا چاہیے۔ (التمہید ج ٢ ص ٦٢١' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٩ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے' حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی جب مرنے لگا تو اس کے بیٹے نے آپ سے آپ کی قمیص مانگی تاکہ وہ اس قمیص کو اپنے باپ کا کفن بنا دے تو آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٢٦٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٧٤' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٠٩٨)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی ایک چادر بُن کر آپ کے پاس لائی' اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی' آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے' آپ مجھے یہ چادر دے دیجئے' حاضرین نے کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا' اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی' پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے' اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے' حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٢٧٧)

امام عبد الرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ روایت کرتے ہیں:

منہال بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' اس عورت نے کہا: آپ سے کہنا کہ مجھے کوئی کپڑا پہنا دیجئے' آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے' اس عورت نے کہا: آپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی ہے وہی دے دیجئے' اس کا بیٹا آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی قمیص اُتار کر اس کو دے دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٧ ص ٢٣٢٧۔ رقم الحدیث: ١٣٢٥٦' الدر المنثور ج ٥ ص ٢٤١)

اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو نرمی سے جواب دینا چاہیے

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ سائل کو سختی کے ساتھ جواب نہ دیں' اگر آپ کے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کو نرمی اور رحمت کے ساتھ لوٹا دیں' ایک تفسیر یہ بھی ہے' جو آپ سے دین کا کوئی مسئلہ معلوم کر رہا ہو' اس کو نہایت نرمی اور آسانی سے مسئلہ بتائیں اور اگر دنیا کی کسی چیز کا سوال کرے تو اگر آپ کے پاس وہ چیز ہو تو دے دیں ورنہ اس کو نرمی کے ساتھ لوٹا دیں' اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ٢٨)

اور اگر آپ کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دیں ○

امام عبد الرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: یعنی اگر آپ کو اللہ کے رزق کا انتظار ہو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٣٢٥١)

حسن بصری نے کہا: آپ اس صورت میں نرمی اور شفقت سے کہیں: عنقریب ان شاء اللہ ہم کو کوئی چیز ملے گی تو ہم تم کو عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٣٢٥٢)

53 سدی نے "قول میسور" کی تفسیر میں کہا: آپ ان سے کہیں کہ اس وقت ہمارے پاس وہ چیز نہیں ہے' جب وہ چیز ہمارے پاس آئے گی تو ہم عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٣٢٥٣)

ابن زید نے "قول میسور" کی تفسیر میں کہا: آپ خوب صورت بات کہیں' اللہ تعالیٰ ہم کو بھی عطا فرمائے اور تم کو بھی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں برکت دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٣٢٥٤)

مخلوق سے گڑگڑا کر سوال نہ کیا جائے' صرف اللہ سے گڑگڑا کر سوال کیا جائے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت میں جھڑکنے سے ممانعت اس صورت میں ہے' جب سائل گڑگڑا کر سوال نہ کرے لیکن اگر وہ گڑگڑا کر سوال کرے اور نرمی سے منع کرنے کے باوجود واپس نہ جائے تو پھر اس سائل کو ڈانٹنے اور جھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٩٤' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ آلوسی نے یہ صحیح نہیں لکھا' اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ گڑگڑا کر سوال کرے یا نہ کرے اور منع کرنے سے واپس جائے یا نہ جائے اور ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہم نے گنجائش کے باوجود اس سائل کو نہ دیا اور اس کو اپنے دروازہ سے لوٹا دیا تو وہ تو کسی اور دروازہ پر چلا جائے گا لیکن جب ہم اللہ سے سوال کریں گے اور اس کی سزا میں اس نے ہمیں لوٹا دیا تو ہمارے لیے تو اس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی سوال کرے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مستحق ہے یا نہیں' مستحق کو دینا چاہیے اور غیر مستحق کو نہیں دینا' میں کہتا ہوں کہ جس کو ہم نے غیر مستحق سمجھ کر مسترد کر دیا وہ کسی اور دروازے پر جا کر گدا کرے گا لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے' اگر اس نے بھی ہمیں اس بناء پر غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو ہم اس کے بعد کس دردازہ پر جا کر سوال کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے:

لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ. (البقرہ: ٢٧٣) وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر سوال کرنے کا حکم دیا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ. (الاعراف: ٥٥) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر بے توجہی سے سرسری طور پر چند کلمات پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً رمضان کے مہینہ میں لوگ مسجد میں آ کر نمازیوں کے سامنے اپنے مصائب بیان کر کے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں اور کوشش کر کے آنسو نکالتے ہیں اور روتے ہیں' پس جس کے سامنے گڑگڑانا چاہیے' اس کے سامنے نہیں گڑگڑاتے اور مخلوق کے سامنے روتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں۔

الضحیٰ: ١١ میں فرمایا: اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں O

اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہیے اور یہی اس کا شکر ہے

مجاہد بن القرشی المخزومی المتوفی ١٠٤ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انسان جو نیک عمل کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے معتمد مسلمان بھائیوں کو وہ عمل بتائے تاکہ وہ بھی اس کی اقتداء کریں اور اس کی مثل عمل کریں۔ (تفسیر مجاہد رقم الحدیث: ۲۰۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان کا شکر ادا کیجئے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۹۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: اس نعمت سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن مجید کی تبلیغ کیجئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۳۸۴)

مقسم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: جب مؤمن شخص کوئی نیک عمل کرے تو وہ اپنے گھر والوں کو اس کی خبر دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۳۸۵)

نیز حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تمہیں کوئی خیر حاصل ہو تو تم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس کا ذکر کرو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۳۸۶)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: جس نے کم نعمت کا شکر ادا نہیں کیا تو اس نے زیادہ نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کیا' اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کا بیان نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے' اور جماعت رحمت ہے اور اس سے علیحدہ ہونا عذاب ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۵ طبع قدیم' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۹)

زاذان کندی بیان کرتے ہیں: ہماری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' ہم نے کہا: اپنے اصحاب کا حال بتایئے؟ آپ نے پوچھا: میرے کون سے اصحاب کا؟ اس نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا' آپ نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب میرے اصحاب ہیں' تم کن کے متعلق دریافت کرتے ہو؟ اس نے کہا: جن کا آپ محبت سے ذکر کرتے ہیں اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں' آپ نے پوچھا: ان میں سے کس کا؟ لوگوں نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا' آپ نے فرمایا: انہوں نے قرآن اور سنت کا علم حاصل کیا اور وہ ان کے لیے کافی ہے' پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: وہ بہت سوال کرتے تھے' ان کو دیا بھی جاتا اور منع بھی کیا جاتا ہے' وہ دین کا علم حاصل کرنے پر بہت حریص تھے' ان کو ایک برتن میں علم دیا گیا سو وہ بھر گیا' لوگوں نے کہا: پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: ان کو منافقین کے ناموں کا علم دیا گیا' وہ مشکل مسائل کے عالم ہیں' لوگوں نے کہا: حضرت سلمان کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: وہ حکیم لقمان کی مثل ہیں' وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں' انہوں نے علم اوّل اور علم آخر کو حاصل کیا' لوگوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے گوشت' ان کے خون اور ان کے بالوں میں ایمان رچا بسا ہوا ہے' آگ ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی' لوگوں نے کہا: آپ اپنے متعلق بتایئے' آپ نے فرمایا: ٹھہرو! اللہ تعالیٰ نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے' ایک شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ: ۱۱) آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتا ہوں' میں جب سوال کرتا ہوں تو مجھے عطا کیا جاتا ہے اور جب میں چپ رہتا ہوں تو مجھے ابتداءً نعمت دی جاتی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۱۴۔ رقم الحدیث: ۶۰۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کچھ عطا کیا گیا'

پس وہ اس کی خبر دے اور اگر کوئی نہ ملے تو وہ اللہ کی حمد وثناء کرے‘ اگر اس نے اللہ کی حمد وثناء کی تو اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اس کی عطا کو چھپایا تو اس نے کفرانِ نعمت کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے کوئی نیکی کی ہے‘ اس کا صلہ دینا چاہیے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کی نیکی کا ذکر کرنا چاہیے‘ پس جس نے اس نیکی کا ذکر کیا‘ اس نے اس کا شکر ادا کر دیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۹۰ طبع قدیم)

حسن بصری نے کہا: اس کی نعمت کا زیادہ ذکر کرو کیونکہ نعمت کا ذکر شکر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۲۱)

ابوحازم نے کہا: اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۸۹۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس پر نظر آئے اور اس کی خستہ حالی کو ناپسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۸ طبع قدیم)

ابونضرۃ نے کہا: مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کا بیان کیا جائے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۲۹۴‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

اگر ریا کاری اور اپنی بڑائی کا خطرہ نہ ہو تو اپنے نیک اعمال کا اسی نیت سے اظہار کرنا افضل ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی اقتداء کریں اور اگر یہ خطرہ ہو تو ان کو چھپانا افضل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نعمت کے بیان کا حکم دیا گیا ہے؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس نعمت سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سب سے عظیم نعمت عطا کی ہے‘ وہ قرآن مجید ہے اور اس نعمت کو بیان کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ خود بھی قرآن کریم پڑھیں اور لوگوں کو بھی پڑھائیں اور لوگوں سے اس کے حقائق اور معارف بیان کریں۔

(۲) مجاہد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس نعمت سے مراد نبوت ہے یعنی آپ پر جو آیات نازل ہوئی ہیں‘ ان کا بیان کریں۔

(۳) آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یتیم اور سائل کے حقوق ادا کیے‘ سو آپ یہ لوگوں کے سامنے بیان کیجئے تاکہ لوگ آپ کی اقتداء کریں۔

(۴) تمام اطاعات اور عبادات سے مقصود یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہو جائے‘ اس سورت میں جن عبادات کا حکم دیا ہے‘ اس کے بعد یہ حکم دیا کہ دل اور زبان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہو اور انسان بار بار اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرتا رہے اور ان کو دہراتا رہے تاکہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول نہ سکے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۱‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے والی چند نعمتوں کے متعلق احادیث

حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ”وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (الضحیٰ: ۱۱) کے تحت یہ احادیث ذکر کی ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین وجمیل مکان بنایا اور اس کے کسی کونے

میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' پس جو شخص اس کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے' وہ تعجب سے یہ کہتا ہے کہ اس مکان میں اس ایک اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا؟ آپ نے فرمایا: میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۶۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۹' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۰۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
رُعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۴۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۲' شرح السنہ ج ۱ ص ۲۶۶)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا' اور میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۵)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں وہ ہوں جس سے قیامت کے دن سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور مجھ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن ترمذی ۳۱۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۶۵)

(۵) ابوالجوزاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوب مخلوق کوئی نہیں پیدا کی اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو' پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" (الحجر: ۷۲) آپ کی زندگی کی قسم! بے شک یہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ میں جنت میں سیر کر رہا ہوں' اس وقت میں نے ایک دریا دیکھا' جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے' پھر فرشتہ نے اپنا ہاتھ لگایا تو اس کی مٹی میں مشک کی خوشبو تھی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۸۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۱)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعاء اور ایلہ میں فاصلہ ہے اور اس میں ستاروں کے عدد کے برابر کوزے ہیں۔

(التاریخ الکبیر للامام البخاری ج ۳ ص ۳۲۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۵)

(۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ ادا کی' پھر منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دینے والا ہوں اور میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جب کہ میں اس مقام میں ہوں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے' لیکن مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم اُس میں رغبت کرو گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۶۴)

(۹) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ کا حوض کتنا وسیع ہے؟ آپ نے فرمایا: عدن اور عمان سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں سونے اور چاندی کے دو پرنالے ہیں' اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید' شہد سے زیادہ میٹھا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے' جس نے اس کو پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا اور اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہو گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۶۷۲' البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث:۱۳۴)

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکوثر جنت میں ایک دریا ہے' جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں' اس کے پانی کا بہاؤ موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کی مٹی مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۶۷' المستدرک ج ۳ ص ۱۷۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۳۲۷)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: الکوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمائی ہے اور سعید بن جُبیر نے کہا کہ یہ جنت میں ایک دریا ہے' جس میں خیر کثیر ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۶۵۷۸' المستدرک ج ۲ ص ۵۳۷)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۳۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۴' شرح السنہ ج ۱۵ ص ۱۶۶' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰۳)

(۱۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر (یا یہ فرمایا کہ) میری امت کو تمام امتوں پر چار خصوصیات کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی ہے: مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' پوری زمین کو میرے لیے اور میری امت کے لیے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے' سو میرا امتی جہاں نماز کا موقع پائے' وہی جگہ اس کے لیے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے جو کہ میرے آگے ایک ماہ کی مسافت تک قائم ہوتا ہے اور میرے دشمنوں کے دلوں میں میری دھاک بٹھاتا ہے اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' جمع الجوامع للسیوطی رقم الحدیث:۴۸۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۰۰۱)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چار چیزوں کے ذریعہ لوگوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے: بہادری' سخاوت' کثرتِ جماع اور شدتِ ضبط۔

(مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۶۹' تاریخ بغداد ج ۸ص ۷۰' تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ص ۳۴۷)

(۱۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کیے گئے ہیں' جن کی مثل پر کوئی بشر ایمان لاسکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ کی وحی ہے' جو اُس نے میری طرف فرمائی' سو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۲۹)

یہ تمام احادیث حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے اللہ کی نعمتوں کی تفسیر میں بیان کی ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ص ۴۱۶۔۴۱۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ والضحیٰ ختم کر لیتے تو اس کے بعد اللہ اکبر پڑھتے' پھر آخر قرآن تک ہر سورت کے درمیان اللہ اکبر پڑھتے اور سورت کے آخر کو تکبیر کے ساتھ نہیں ملاتے تھے بلکہ ان کے درمیان فصل کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کئی دنوں تک وحی نہیں آئی اور مشرکین طعنہ دینے لگے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: ''مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰی'' (الضحیٰ: ۳) اور پھر لگاتار وحی نازل ہونے لگی تو آپ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے اس طرح اللہ اکبر پڑھتے'' و الضحٰی'' کو ختم کرنے کے بعد آخر قرآن تک ہر سورت کے آخر میں اللہ اکبر پڑھنا مستحب ہے' اگر کوئی نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ص ۹۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۴ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۷ نومبر ۲۰۰۵ھ بعد از نمازِ ظہر سورۃ الضحیٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی' میں نے تھکاوٹ' کمزوری اور بیماری کے باوجود'' الضحٰی '' کی تفسیر کے لیے بہت مطالعہ کیا' بہ کثرت احادیث کو تلاش کیا اور بسیار غور و فکر کے بعد بہت سے نکات کا استخراج کیا' اللہ تعالیٰ اس عاجز کی سعی کو قبول فرمائے' ۲۷ اکتوبر کو اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی تھی' اس طرح گیارہ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

یارب العٰلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری مغفرت فرمادیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورة الانشراح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کے تین نام منقول ہیں: سورۃ الانشراح' سورۃ الشرح اور سورۃ الم نشرح اور یہ تینوں نام اس سورت کی ابتدائی آیت سے ماخوذ ہیں اور وہ یہ ہے:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ (الانشراح:۱) (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا ○

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کے انوار' علوم اور معارف اور اسرار اور حکمتوں کے حصول کے لیے آپ کا سینہ بے کینہ' کشادہ اور وسیع کر دیا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ (الانعام:۱۲۵) پس جس کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۴ ہے۔

سورۃ الضحیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس سورت میں بھی آپ پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

سورۃ الضحیٰ کی طرح سورۃ الانشراح کا موضوع بھی آپ کی شخصیت مبارکہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ ہے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان کا بیان ہے' اور یہ سورت چار اُمور پر مشتمل ہے:

(۱) الانشراح:۴۔۱ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایمان اور حکمت کے انوار کے ساتھ آپ کا سینہ کھول دیا' آپ سے پُر مشقت کاموں کا بوجھ اتار دیا اور آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

(۲) الانشراح:۶۔۵ میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ تبلیغ کی راہ میں آپ کو مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوگا' لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائے گا۔

(۳) الانشراح:۷ میں آپ کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے بعد آپ عبادت پر کمربستہ ہو جائیں۔

(۴) الانشراح:۸ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور مہمات میں اس پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ الانشراح کے اس تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' ربّ العٰلمین! اس مہم میں میری مدد فرمانا اور مجھے کامیاب کرنا۔ علیک توکلت والیک انیب (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ ۵ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۸ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الانشراح مکی ہے | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتھا ۸ رکوعھا ۱

سورۃ الانشراح مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِیْٓ

(اے رسولِ مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور آپ سے (پُرمشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیاO جس

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھاO اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیاO پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ

یُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ وَ

آسانی ہےO بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہےO پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمربستہ ہوںO اور

ع ۱ ۸ ۱۹ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧

اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوںO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور آپ سے (پُرمشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیاO جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھاO اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیاO (الانشراح: ۴۔۱)

شرح صدر کا معنیٰ

اس سے پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو غائب کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا تھا' کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر آپ کو ٹھکانا دیا' اور اس سورت میں متکلم کے صیغہ کے ساتھ آپ سے خطاب فرمایا ہے: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO

اس آیت میں ''نشرح'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''شرح'' ہے' ''شرح'' کا معنیٰ ہے: نرم کرنا' وسیع کرنا اور کھولنا' یعنی کیا ہم نے آپ کا سینہ وسیع نہیں کر دیا' یا کیا ہم نے اسلام کے لیے آپ کا سینہ نرم نہیں کر دیا۔

کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے آپ کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (الانعام: ۱۲۵) پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سینہ میں نور داخل ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سینہ کو فراخ کر دیتا ہے' آپ سے

پوچھا گیا: یارسول اللہ! سینہ کے فراخ ہونے کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر انسان دھوکے کے گھر سے نکل کر دائمی راحت کے گھر میں آ جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۱۱ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۷۸۶۳ کنز العمال ج ۱ ص ۶۷ حافظ ذہبی نے کہا: اس کی سند کا ایک راوی عدی بن الفضل ساقط ہے)

شرح صدر کے متعلق احادیث اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کیا جانا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنوسعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا' میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے' ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا' میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ' میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا' پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے' ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں' پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے' ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا' پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ' پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا' پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ' پھر کہا: چھری لاؤ' پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا' پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو' پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے' پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا' پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی' ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی' انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں' وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا' حتیٰ کہ ہم میری والدہ (رضی اللہ عنہا) تک پہنچ گئے' میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا' میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵۔۱۸۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۹۶۔۱۹۵ رقم الحدیث: ۱۷۶۴۸' المعجم الکبیر ج ۱۷۔ رقم الحدیث: ۳۴۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۳' الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۳۶۹' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷۔۶۱۶' تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۷۶' الوفاء لابن الجوزی ص ۱۰۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۸۴۱' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس واقعہ سے اپنی نبوت کو پہچانا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا' اس کی زیادہ وضاحت اس حدیث میں ہے:

امام ابونعیم الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے' وہ آپ سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو!

میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا' میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی' ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا: ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا' پھر میرا پیٹ شق کیا' حضرت جبریل سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل میرے پیٹ کو دھو رہے تھے' پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ان کا سینہ چیر دو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا (ایک روایت میں ہے: ''بلا دم ولا وجع'' نہ میرا خون نکلا اور نہ مجھے درد ہوا۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۸۴۳) پھر کہا: ان کا دل چیرو' پھر میرا دل چیرا گیا' پھر کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو' پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی' پھر کہا: ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو' پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی' ان کے پاس کوئی سفوف تھا' اس کو چھڑکا' پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا: اب آپ جائیں' پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لیے بہت رحمت اور بڑوں کے لیے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۶۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۵۴۳'

حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو عبداللہ بن احمد نے ''زوائد المسند'' میں روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں' امام ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳) الوفا باحوال المصطفیٰ لابن الجوزی رقم الحدیث: ۱۲۹' ص ۱۱۲۔۱۱۱' دار الکتب العربیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۰۰۔۲۹۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تنبیہ: امام ابونعیم اور امام ابن الجوزی نے شق صدر کے وقت آپ کی عمر دس سال لکھی ہے اور حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے اس وقت آپ کی عمر بیس سال لکھی ہے اور علامہ آلوسی نے دونوں روایتیں لکھی ہیں اور اس سے شق صدر کے تعدد پر استدلال کیا ہے۔

ان دونوں صحیح حدیثوں میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا' سو آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی' البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا۔

امام ابونعیم کی روایت کردہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبریل کو دیکھے' وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' وہ آپ کے پیچھے سو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟ انہوں نے کہا: ایک ساعت ہوئی' آپ نے پوچھا: کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا' آپ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔

ولم یرہ خلق الاعمی الا ان یکون نبیا ولکن ان یجعل ذلک فی اخر عمرك. | اور جبریل کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا' سوا اس کے کہ وہ نبی ہو' لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔

پھر آپ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۶ ۳ طبع قدیم' المستدرک ج ۶۔ رقم الحدیث: ۶۲۸۷' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ)

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبریل کو دیکھنے میں منفرد ہو تو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۹۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبریل کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت بچپن میں آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ نبی تھے' نیز آپ کا سینہ چیرا گیا' تو نہ آپ کو درد ہوا نہ آپ کا خون نکلا' اور آپ کے دل کو چیرا گیا اور آپ یہ تمام اُمور ملاحظہ فرما رہے تھے جب کہ عام بشر اور انسان کے لیے یہ اُمور متصور نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر سے اپنی نبوت پر استدلال فرمانا اور بچپن میں حضرت جبریل کو دیکھنے کے باوجود آپ کا نابینا نہ ہونا' اس امر پر واضح دلیل ہیں کہ اس وقت آپ نبی تھے۔

بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں نبوت کا عطا فرمایا جانا

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے' لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے' بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی ہے' جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿ۙ۱۲﴾ اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی ○ (مریم: ۱۲)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے' اس آیت میں ان کا ردّ ہے کیونکہ حضرت یحییٰ کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا کی گئی' اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا' ان کا استحقاق نہ تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۳ ص ۲۶۰' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: اس آیت میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۲۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ (۲) عقل (۳) اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بچپن مین اعلانِ نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں:

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی صفاتِ شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقامِ مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے' لہٰذا اس آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

(۲) حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔

اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ مستبعد نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۱۷۔۵۱۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۰۵ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز یہی سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

جب بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ کو بھی بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ اللہ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو مستبعد نہیں قرار دے گا۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۹۲ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی تھے اور آپ نے چالیس سال تک تبلیغ نہیں کی تو آپ کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا اس لیے آپ پیدائش کے بعد چالیس سال تک نبی نہ تھے بلکہ ولی تھے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے چالیس سال تک تبلیغ اس لیے نہیں کی کہ اس وقت تک آپ کو تبلیغ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا' آپ کو تبلیغ کرنے کا سب سے پہلا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ (المدثر: ۲۔۱) اے کپڑا لپیٹنے والے ○ اٹھیں اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں ○

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابوسلمہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت "یاایها المدثر" ہے (الیٰ قولہ) اور اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت "اقراء باسم ربك الذی خلق" سے پہلے نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "اقراء باسم ربك الذی خلق" پہلے نازل ہوئی ہے اور اکثر امت کا یہی مختار ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۹)

ہر چند کہ امام احمد اور امام ابونعیم کی روایت کردہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی تھی لیکن ملا علی قاری کی ایک عبارت اس کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت سے پہلے ولی قرار دینا

قال السید نقلا عن الازهار اختلف العلماء فی أن نبینا صلی اللہ علیه وسلم قبل النبوة هل کان متعبدا بشرع قیل کان علی شریعة ابراهیم

سید نے الازہار سے نقل کر کے یہ کہا ہے: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اعلان) نبوت سے پہلے آیا کسی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے؟ کہا گیا ہے کہ

وقيل موسى و قيل عيسى والصحيح انه لم يكن متعبدا بشرع لنسخ الكل بشريعة عيسى وشرعه كان قد حرف وبدل قال تعالى ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان اى شرائعه واحكامه وفيه أن عيسى كان مبعوثا لبنى اسرائيل فلا يكون ناسخا لاولاد ابراهيم من اسمعيل قال العلماء وكان مؤمنا بالله ولم يعبد صنما قط اجماعا وكانت عبادته غير معلومة لنا قال ابن برهان ولعل الله عزوجل جعل خفاء ذلك وكتمانه من جملة معجزاته قلت فيه بحث ثم قال وقد يكون قبل بعثة النبى صلى الله عليه وسلم يظهر شئى يشبه المعجزات يعنى التى تسمى ارهاصا ويحتمل أن يكون نبيا قبل أربعين غير مرسل وأما بعد النبوة فلم يكن على شرع سوى شريعته اجماعا والاظهر أنه كان قبل الاربعين وليا ثم بعدها صار نبيا ثم صار رسولا.

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۳۰۸ ملتان' مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۵۶۸' پشاور)

آپ شریعتِ ابراہیم پر تھے' ایک قول یہ ہے کہ شریعتِ موسیٰ پر تھے' ایک قول یہ ہے کہ شریعتِ عیسیٰ پر تھے اور صحیح یہ ہے کہ آپ کسی شریعت کے موافق عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ تمام شرائع حضرت عیسیٰ کی شریعت سے منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ کی شریعت محرّف اور مبدّل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان'' آپ ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے' یعنی آپ سابقہ شرائع اور احکام کو نہیں جانتے تھے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے' اس لیے وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کے لیے ناسخ نہیں تھے' علماء نے کہا ہے کہ ہمارے نبی اعلانِ نبوت سے پہلے اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر اجماع ہے کہ آپ نے کسی بت کی عبادت نہیں کی اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ اس وقت کس طرح عبادت کرتے تھے۔ ابن برہان نے کہا: شاید اللہ عزوجل نے اس کو مخفی رکھا ہے اور اس کو چھپانا آپ کے معجزات میں سے ہے' میں کہتا ہوں: اس میں بحث ہے' پھر سید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (اعلانِ نبوت) سے پہلے کچھ ایسی چیزیں ظاہر ہوتی تھیں جو معجزات کے مشابہ ہوتی تھیں' جن کو ارہاص کہا جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے نبی ہوں (رسول نہ ہوں) اور اس پر اجماع ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ اپنی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر نہ تھے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے ولی تھے' پھر اس کے بعد نبی ہوئے' پھر اس کے بعد رسول ہوئے۔

ملا علی قاری کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

ملا علی قاری کی مذکور الصدر عبارت میں حسب ذیل اُمور قابل توجہ ہیں:

(۱) ملا علی قاری نے یہ نہیں لکھا کہ آپ لازماً اعلانِ نبوت سے چالیس سال پہلے ولی تھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے ولی تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی نبی تھے' البتہ یہ زیادہ ظاہر نہیں ہے۔

(۲) ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ چالیس سال پہلے نبی ہوں' رسول نہ ہوں' اور ملا علی قاری نے کسی دلیل سے اس احتمال کو رد نہیں کیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ ملا علی قاری کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اعلانِ نبوت سے

چالیس سال پہلے آپ نبی ہوں۔

(۳) ملا علی قاری نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ پہلے نبی ہوئے' پھر اس کے بعد رسول ہوئے' ملا علی قاری نے بغیر کسی دلیل کے یہ لکھا ہے کہ پہلے آپ کو نبوت ملی' پھر رسالت ملی' اس لیے ان کا یہ قول مردود ہے' علماء امت میں سے کوئی بھی آپ کے حق میں نزولِ قرآن کے بعد نبوت اور رسالت کے فصل کا قائل نہیں ہے' جب آپ پر قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی تو آپ صاحبِ کتاب ہو گئے اور رسول وہی ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب ہو' اور ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے' نیز نبی تو آپ پہلے سے تھے' نزولِ قرآن کے بعد رسول بھی ہو گئے اور جب المدثر: ۲ نازل ہوئی تو آپ کو تبلیغ کا اور اعلانِ نبوت اور رسالت کا حکم دیا گیا۔

(۴) ہم متعدد احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور ملا علی قاری کے قول میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ ان احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکے۔

عالم ارواح میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کیا جانا

عالم ارواح میں آپ کے لیے نبوت کا ثبوت متعدد احادیث سے ہے' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۵۸)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی' جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔

اس حدیث کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ) امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں میسرۃ الفخر سے روایت کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲' دارالکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ) اور امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد. میں اس حال میں نبی تھا' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ۔ رقم الحدیث: ۸۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

اسی طرح جامع الاصول (ج ۸ ص ۴۱۲ ۔ رقم الحدیث: ۶۳۵۰) میں ہے۔ ابن ربیع نے کہا: اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۴ ص ۲۰۲ ۔ رقم الحدیث: ۲۰۵۹۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت) اور امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۲۵۱ ۔ رقم الحدیث: ۱۰۹۴۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ) اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۰۹' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ' حافظ ذہبی نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے) اور امام ابونعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث. میں تخلیق میں تمام نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب کے آخر ہوں۔ (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۳' دارالنفائس)

ملا علی قاری نے یہاں تک اس حدیث کے حوالہ جات ذکر کیے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ١٠ص ٢٨' مکتبہ حقانیہ پشاور' مرقاۃ المفاتیح ج ١١ص ٥٨' ملتان)

حدیث مذکور کی تخریج مصنف کی طرف سے

ہم نے ملا علی قاری کی عبارت کے ضمن میں اس حدیث کی تخریج کی ہے' اب ہم ازخود اس حدیث کی تخریج پیش کر رہے ہیں:

مسند احمد ج ٥ص ١٢٨۔١٢٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٠٩٣' المستدرک ج ٢ص ٦٠٠' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ٤١٠' الشریعۃ للآجری ص ٤٢١۔٤١٦' مشکل الآثار للطحاوی رقم الحدیث: ٥٩٧٧' الکامل لابن عدی ج ٤ص ١٤٨٦' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ١ص ٨٥۔٨٤' اسد الغابۃ لابن الاثیر ج ٥ص ٢٨٥' تہذیب الکمال للمزی ج ١٤ص ٣٦٠' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ٢٩١٨' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٤ص ٢٩٢' مسند البزار رقم الحدیث: ٢٣٦٤' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٢٦٤٦۔١٢٥٧١' حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی کی سند سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٢٤' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٦٤٢٤' علامہ سیوطی نے حدیث صحیح کی رمز کی ہے' المداوی رقم الحدیث: ٢٥٨٣' المعجم الصغیر ج ١۔رقم الحدیث: ٣٥۔

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ نے اس حدیث کو حسب ذیل متعدد طرق سے روایت کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ کب نبی تھے؟ لوگوں نے کہا: چپ کر' چپ کر' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ ابو الجدعا بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: جس وقت حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔

مطرف بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آپ کب نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: جب آدم روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کو کب نبی بنایا گیا؟ آپ نے فرمایا: جب مجھ سے میثاق لیا گیا' اس وقت حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ١ص ١١٨' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٨ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عالم ارواح میں آپ کو نبی بنانے سے مراد یہ ہے کہ آپ اس وقت اللہ کے علم میں نبی تھے

بعض علماء نے کہا کہ چالیس سال سے پہلے کسی کو نبی نہیں بنایا جاتا' اس لیے ان احادیث کی تاویل یہ ہے کہ آپ اللہ کے علم میں اس وقت نبی تھے' جب ہنوز حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے' یا آپ کو اس وقت نبی بنانا مقدر کر دیا گیا تھا' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم یا تقدیر اس وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ازل میں تھا' اور تقدیر بھی ازل میں تھی' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ کیا تخصیص ہے' تمام انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں اور اس کی تقدیر میں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کرنے سے کون سا محال لازم آتا ہے' جو اس کو مجاز پر محمول کیا جائے اور چالیس سال کی عمر

میں نبی بنانا قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی تھی' جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا ہوتے ہی نبی بنا دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے' جب کہ اس کے وقوع پر احادیث شاہد عادل ہیں۔ ہاں! اعلانِ نبوت اور تبلیغ کا حکم چالیس سال کی عمر میں دیا جاتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: 54

ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اعم اور اغلب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کا حکم چالیس سال کی عمر میں دیا جاتا ہے' جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واقع ہوا۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مصنف کے جواب کی تائید دیگر اکابر علماء سے

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ'' (آل عمران: ۸۱) کی تقریر میں لکھا ہے:

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ کے رتبۂ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے' اور اس کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اُن کے زمانے میں ہوتی تو آپ ان سب کی طرف رسول ہوتے' سو آپ کی نبوت اور رسالت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتیں آپ کی امت ہیں' لہٰذا آپ کا فرمان ''بعثت الی الناس کافۃ'' (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے' اور اس سے آپ کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی ''کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد'' (میں نبی تھا اور ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے) اور جس شخص نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ علمِ الٰہی میں نبی تھے یعنی آپ مستقبل میں نبی ہوں گے' اُس کی اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ کی نبوت اُس وقت میں ثابت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے نامِ اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث کا یہ معنیٰ ہو کہ اُس وقت آپ کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ ''میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اُس وقت اور اُس سے پہلے جانتا ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے' اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کے اُس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے' پھر اُنہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔

پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لیے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ کے وجود سے اور آپ کو بھیجنے سے قبل آپ کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ کے لیے صحیح ہے تو آپ کے غیر کے لیے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔ ہم کہتے ہیں: بے شک احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے' لہٰذا ''کنت نبیا'' (میں نبی تھا) کے الفاظ سے آپ نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا' یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور

حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوسِ مبارکہ جانتے ہیں' نورِ الٰہی جن کی مدد کرتا ہے' پھر اُن حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کو وصفِ نبوت عطا فرمایا اور اُسی وقت اُس کو فیض عطا
54 فرمایا تو آپ نبی ہو گئے' اور باری تعالیٰ نے آپ کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ ہے' وہ اسے پہچان لیں' سو آپ کی حقیقت اُسی وقت موجود تھی' اگرچہ آپ کے جسدِ اطہر کا ظہور بعد میں ہوا' فی الجملہ آپ کی حقیقت اُسی وقت سے بارگاہِ الٰہیہ سے اوصافِ شریفہ سے متصف ہے' صرف آپ کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا' حتیٰ کہ آپ کا جسم اطہر اُس کمال کو پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا' اسی طرح بارگاہِ الٰہی سے پہنچنے والی ہر وہ چیز مؤخر رکھی گئی' جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا' لیکن آپ کی حقیقت معجّل ہے' اس میں کوئی تأخر نہیں اور اسی طرح آپ کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب وحکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تأخر نہیں ہے' تأخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۔ ۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

شیخ تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ کی یہ عبارت درج ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۲۔ ۳۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۸۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۴۲۔ ۲۴۱' دارالفکر' بیروت' طبع قدیم' زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۷۔ ۲۷' دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ' انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۲۰۵۔ ۲۰۳۔

عالم ارواح میں آپ کو نبوت عطا کرنے کے متعلق اکابر علماء کی تصریحات

علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی' جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو اس وقت نبوت عطا کی گئی' دیگر انبیاء علیہم السلام اپنے ایامِ رسالت محسوسہ میں نبی بنائے گئے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ نے یہ کیوں فرمایا: میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم پانی اور مٹی میں تھے' آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: میں اس وقت انسان تھا یا موجود تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے خصوصیت سے نبوت کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی' کیونکہ نبوت اسی وقت متحقق ہوتی ہے' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کی ہوئی شریعت کی معرفت ہو جائے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا:

اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب العٰلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رُو اور روشن دست و پا والوں کے پیشوا' تمام انبیاء و مرسلین کے سردار نبی ہوئے' جب کہ آدم آب و گِل میں تھے۔

(تجلی الیقین ص ۸ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱ھ)

اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی لکھتے ہیں:

محبوب کریم علیہ السلام خارج میں بالفعل نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام اس دیس میں آپ سے استفادہ فرماتے تھے' انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود و متحقق نہیں تھی' صرف علم الٰہی میں نبی تھے' جب کہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء و رسل اور ملائکہ کے مربی اور فیض رساں تھے' جیسے کہ ''کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث'' اور ''قالوا متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد'' سے ظاہر ہے۔

(ہدایۃ المتذبذب الحیران ص ۳۰۲۔۳۰۱' جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام' سرگودھا)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کرنے کی ایک اور دلیل

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ بھی فرمارہے تھے' صاحب الازھار اور ملا علی قاری وغیرھم کے نزدیک آپ اس عالم عناصر اور جہان بشریت میں نبی نہیں تھے' سوال یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت کیوں سلب فرمالی' جب کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کی نعمت پر شکر ادا کیا جائے تو وہ اس نعمت میں اضافہ فرماتا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں نعمت نبوت کا شکر ادا کر رہے تھے' کیونکہ آپ ارواح انبیاء کو تبلیغ فرما رہے تھے اور نعمت کا شکر یہی ہے کہ جس مقصد کے لیے نعمت دی ہے' اس کو پورا کیا جائے' سو جب آپ عالم ارواح میں نعمت نبوت کے شکر گزار تھے تو اس عالم بشریت میں آپ نبوت کے اور زیادہ مستحق تھے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کیے جانے کے دلائل ظنی ہیں' قطعی نہیں ہیں' اس طرح اس کے انکار کے دلائل بھی ظنی ہیں اور کسی جانب قطعیت نہیں ہے' جن علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر بچپن میں آپ کو نبوت عطا کیے جانے کا انکار کیا ہے' ان پر کسی قسم کی بدعقیدگی کا حکم لاگو نہیں ہوگا' تاہم ہمارے نزدیک ''مسند احمد'' اور ''دلائل النبوۃ'' کی احادیث کی بناء پر آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور آپ کا بچپن میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا بھی آپ کے نبی ہونے کو مستلزم ہے اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (الضحیٰ: ۴) آپ کی ہر بعد والی ساعت' پہلی ساعت سے افضل ہے ۝

اس آیت کا عموم بھی عالم ارواح کے بعد عالم بشریت میں آپ کی افضل نبوت کا متقاضی ہے اور جب حضرت یحییٰ کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی تو آپ جو رحمۃ للعلمین اور خاتم النبیین ہیں' قائد المرسلین اور محبوب رب العلمین ہیں' وہ کیوں کر اس نعمت سے محروم ہوں گے!

معراج کے موقع پر شق صدر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے' پھر میرے سینہ کو کھولا گیا' پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا' پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا' جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر اس میں جو کچھ تھا' اس کو میرے سینہ میں ڈال دیا گیا' پھر میرے سینہ کو بند کر دیا گیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حدیث بیان کی کہ جس وقت میں حطیم میں یا حجر میں لیٹا ہوا تھا' میرے پاس ایک آنے والا آیا' پھر اس نے میرے حلقوم سے میری ناف تک سینہ کو چاک کردیا' پھر میرے دل کو نکالا گیا' پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا' جو ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر میرے دل کو دھویا گیا' پھر میرے سینہ کو بھر دیا گیا' پھر براق کو لایا گیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۸)

آپ کا شقِ صدر کتنی بار ہوا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے معراج کی شب شق صدر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شق صدر صرف آپ کے بچپن میں (چار یا پانچ سال کی عمر میں) ہوا ہے' جب آپ بنو سعد میں تھے اور یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ آپ کا شق صدر بعثت (اعلانِ نبوت) کے وقت بھی ہوا ہے اور معراج کی شب بھی ہوا ہے' اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ خلافِ عادت اُمور سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے' اور اس میں معجزہ کا اظہار ہے' اور شق صدر کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) بچپن میں آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کی نشو و نما کامل ترین احوال میں ہو اور آپ شیطان سے معصوم رہیں' یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے سینہ سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا اور کہا: یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا۔

(۲) بعثت کے وقت آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کے قلب میں وہ چیز ڈالی جائے' جس سے آپ کا قلب قوی ہو جائے اور وحی کو قبول کر سکے۔

(۳) معراج کے موقع پر آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی صلاحیت حاصل ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۱۔۳۰' فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۵۔۶۰۴)

مصنف کے نزدیک تین مرتبہ شق صدر کی حکمت یہ ہے: پہلی بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت کے علم الیقین کی استعداد رکھی جائے اور دوسری بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت کے عین الیقین کی استعداد رکھی جائے اور تیسری بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت پر حق الیقین کی استعداد رکھی جائے۔

آپ کے قلب کو سونے کے طشت میں رکھنے' اس کو زمزم سے دھونے اور اس میں ایمان ---- اور حکمت رکھنے کی تشریح

حافظ بدر الدین عینی اور حافظ شہاب الدین عسقلانی لکھتے ہیں:

آپ کے قلب کو سونے کے طشت میں رکھا گیا حالانکہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال ممنوع ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) آپ کا قلب قلوب میں سے افضل ہے' اس لیے اس کو رکھنے کے لیے سب سے افضل دھات کا برتن منتخب کیا گیا (۲) سونے کو آگ نہیں کھاتی جس طرح آپ کے جسم کو آگ نہیں جلا سکتی (۳) سونے کو مٹی نہیں کھا سکتی' جس طرح آپ کے جسم کو مٹی نہیں کھا سکتی (۴) سونے کو زنگ نہیں لگتا (۵) سونے میں تمام جواہر کی بہ نسبت زیادہ ثقل ہے جیسے وحی میں ثقل ہوتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تحریم سے پہلے کا واقعہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تحریم دنیا کے احوال کے ساتھ مخصوص ہے اور معراج کے غالب احوال کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے اکثر احوال کا تعلق غیب سے ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس طشت میں ایمان اور حکمت تھے اس پر اعتراض ہے کہ ایمان اور حکمت از قبیل معانی ہیں وہ طشت میں کیسے ہو سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور حکمت کے معانی کو جسم کی شکل دے دی گئی تھی جس طرح اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

نیز اس حدیث میں آپ کے قلب کو پانی سے دھونے کا ذکر ہے اس پانی سے مراد زمزم کا پانی ہے اور اس سے مقصود زمزم کو آپ کے قلب کی برکت پہنچانا ہے۔ ایمان سے مراد ایمان کی قوت ہے اور حکمت سے مراد معانی قرآن کی فہم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ اص ۱۳۱ فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۵)

شق صدر پر اعتراضات اور ان کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ نے شق صدر کی احادیث پر اعتراضات کیے ہیں وہ اعتراضات اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) شق صدر کی روایات کا تعلق آپ کے بچپن سے ہے اور وہ معجزات ہیں اس وقت تک آپ نے اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا تو اعلانِ نبوت سے پہلے معجزات کیسے صادر ہوئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے نبی سے جو خلاف عادت اُمور ظاہر ہوں ان کو ارہاص کہتے ہیں اور یہ بہ کثرت انبیاء سے ثابت ہیں۔

(۲) قلب کو دھونے سے لازم آتا ہے کہ اس میں گناہ ہوں یا میل ہو نیز دھویا جسم کو جاتا ہے اور گناہ اور میل از قبیل معانی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے گناہ ہوں بلکہ زمزم کے پانی کو برکت پہنچانے کے لیے آپ کے قلب اطہر کو دھویا گیا۔

(۳) آپ کے قلب سے جو جما ہوا خون نکالا گیا اس کے متعلق حدیث میں ہے: یہ آپ کے قلب میں شیطان کا حصہ ہے یہ آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جمے ہوئے خون سے مراد وہ چیز ہے جو ہر انسان کے قلب میں ہوتی ہے اسی کی وجہ سے انسان گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور عبادات کو ترک کرتا ہے اور جب آپ کے قلب سے اس چیز کو زائل کر دیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ہمیشہ اطاعت اور عبادت کرتے رہیں گے اور گناہوں سے مجتنب رہیں گے اور اس سے آپ کے قلب میں فرشتوں کے لیے یہ علامت ہو جائے گی کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق پر جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۶-۲۰۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ ھ)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر کے لیے دعا کی تھی:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ (طٰہٰ: ۲۵) اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ۝

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر طلب اور بغیر دعا کے فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ﴿۱﴾ (الانشراح:۱) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO
اس سے معلوم ہوا کہ جو نعمتیں دوسرے نبیوں کو مانگنے سے ملتی تھیں' آپ کو وہ نعمتیں بن مانگے عطا کی جاتی تھیں۔
الانشراح:۳۔۲ میں فرمایا: اور آپ سے (پُر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیاO جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھاO

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ''وزر'' کے محامل

اس آیت میں ''وزر'' کا لفظ ہے' بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ گناہ کیا ہے' لیکن چونکہ ''وزر'' کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے' اس لیے اس کا معنیٰ گناہ کرنا صحیح نہیں ہے' سو یہاں اس کا معنیٰ ہے: پُر مشقت کاموں کا بوجھ۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن یحییٰ اور ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں تخفیف کر دی تا کہ فرائض نبوت کو ادا کرنا آپ پر دشوار نہ ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابتداء میں آپ پر وحی کا نزول بہت شدید ثقیل ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے' پھر حضرت جبریل آپ کو بچا لیتے تھے' پھر آپ سے اس بوجھ کو زائل کر دیا' جس سے آپ کی عقل کے متغیر ہونے کا خطرہ تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو پہاڑ سے گرا دینے کے ارادہ کی روایت صحیح نہیں

مصنف کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ثقل سے گھبرا کر کبھی خود کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ نہیں کیا' اس کے برخلاف حدیث میں یہ ذکر ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے ایام میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸)

اور پہاڑ سے خود کو گرا دینے کے قصد کی حسب ذیل روایت صحیح نہیں ہے' اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں' ورقہ بن نوفل نے آپ کو تسلی دی اور کہا: آپ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا۔۔۔ پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی کا آنا رک گیا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت غم گین ہوئے' (امام زہری فرماتے ہیں:) ہمیں جو حدیث پہنچی ہے' اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ پر غم کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ آپ نے کئی بار خود کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ کیا' اور ہر بار جب بھی آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تو آپ کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام آ جاتے اور کہتے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! بے شک آپ رسول برحق ہیں' پھر آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ کا دل ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ واپس چلے جاتے' پھر جب کافی دنوں تک وحی نہ آتی تو پھر آپ اسی طرح پہاڑ پر جاتے اور پہاڑ کی بلندی سے خود کو گرانے کا ارادہ کرتے اور جبریل آپ کے سامنے نمودار ہو کر اسی طرح کہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۸۲)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے' امام ابونعیم نے اپنی مستخرج میں شیخ بخاری یحییٰ بن بکیر سے

اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے' اسماعیلی نے بھی کہا ہے کہ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے' امام مسلم' امام احمد' امام اسماعیلی اور امام ابونعیم نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے اور یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اور متصل نہیں ہے (لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور چونکہ امام بخاری کے شیخ یحییٰ بن بکیر اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے' اس لیے یہ حدیث شاذ ہے اور کیونکہ اس حدیث کا متن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موجب طعن ہے' اس لیے یہ حدیث نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ سعیدی غفرلہٗ) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اس روایت کا متصل نہ ہونا ہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۳۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ''وزر'' کے بعض دیگر محامل

ہم نے آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کو نامناسب کاموں سے محفوظ رکھا' حتیٰ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ بالکل معصوم تھے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

عام اہل تاویل نے کہا ہے کہ ''وزر'' کا معنیٰ گناہ ہے' وہ کہتے ہیں: پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ''وزر'' اور ''ذنب'' کو ثابت کیا' پھر ''ذنب'' کو آپ سے ساقط اور زائل کر دیا' اس قول سے ہم کو وحشت ہوتی ہے' ہم کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے: آپ کے اوپر جو نبوت کا ثقل تھا' ہم نے اس میں تخفیف کر دی' اگر ہم یہ تخفیف نہ کرتے تو نبوت کا بوجھ آپ کی کمر توڑ کر رکھ دیتا۔

اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے آپ کو گناہوں سے محفوظ اور معصوم بنایا اور اگر آپ کی حفاظت اور عصمت نہ ہوتی تو آپ کے ''اوزار'' اور ''ذنوب'' ہوتے' جیسے ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾'' (الضحیٰ: ۷) میں فرمایا تھا: اگر اللہ آپ کو ہدایت پر ثابت قدم اور برقرار نہ رکھتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا کیونکہ آپ گم راہ قوم کے درمیان تھے' لیکن آپ کو ہدایت پر ثابت قدم اور برقرار رکھا تو آپ کو غیر ہدایت یافتہ نہیں پایا' اسی طرح اس آیت کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا اور آپ میں گناہوں کے بوجھ کو داخل ہونے نہیں دیا اور اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ پہلے آپ نے گناہوں کا بوجھ اٹھایا اور پھر آپ سے اس بوجھ کو اتار دیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۸۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے اس آیت کے نو محمل ذکر کیے ہیں' جن میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب اور آپ کی شان کے لائق نہیں ہیں' ہم قوسین میں ان نامناسب اور باطل محامل کی نشان دہی کر دیں گے۔

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد زمانۂ جاہلیت میں آپ کے گناہ ہیں' جن کا آپ پر بوجھ تھا' اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کو اتار دیا یعنی آپ کو معاف کر دیا۔ (یہ قول باطل ہے کیونکہ آپ اعلانِ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں' خواہ ان گناہوں کا صدور آپ سے سہواً ہو یا عمداً' صورۃً ہو یا حقیقۃً۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

(۲) ''وزر'' سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے خلاف جو کام کرتی تھی' آپ ان کاموں کو مکروہ جانتے تھے اور ان کی وجہ سے آپ کی طبیعت پر بوجھ تھا اور آپ خود ان میں تغیر کرنے پر قادر نہ تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ (آل عمران: ۹۵) تم لوگ ملت ابراہیم کی پیروی کرو' جو باطل ادیان سے الگ ہیں۔

اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۳) نبوت کے فرائضِ منصبی کا جو آپ پر ثقل تھا' اس بوجھ کو اتار کر آپ کے فرائضِ منصبی میں تخفیف کر دی۔

(۴) امت کے گناہ بھی آپ کی طبیعت پر بوجھ تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ سے شفاعت کا وعدہ فرما کر اور ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ''(الضحیٰ:۵) نازل فرما کر اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۵) اگر آپ کے گناہ ہوتے تو ان کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اس بوجھ سے معصوم اور مامون کر دیا۔

(۶) ''وزر'' سے مراد وہ ہیبت اور خوف ہے' جو حضرت جبریل سے پہلی ملاقات کے وقت آپ پر طاری ہوا تھا اور آپ پر یہ حالت طاری ہوئی کہ آپ شدتِ اشتیاق سے خود کو پہاڑ سے گرا دینا چاہتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو قوی کر دیا۔(ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ صحت سے ثابت نہیں۔سعیدی غفرلہٗ)

(۷) کفارِ قریش کے ظلم وستم سے آپ کے دل پر بوجھ طاری تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو قوی کر کے وہ بوجھ اتار دیا' حتیٰ کہ ایک موقع پر کفار نے آپ کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا تب بھی آپ یہی فرما رہے تھے:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون. اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھ کو نہیں جانتے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''اللھم اھد لقومی فانھم لا یعلمون ''یہ دعا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی' کسی اور نبی نے کی ہے

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب کفار نے آپ کا دانت شہید کر دیا اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تو آپ کے اصحاب کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے آپ سے کہا: آپ ان کے خلاف دعا کریں' تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا' بلکہ مجھے دعا کرنے والا اور رحمت بنا کر بھیجا ہے' اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے' یا فرمایا:''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔

(اشرف الوسائل الی فہم الشمائل ص ۵۰۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی اپنے استاد علامہ ابن حجر کی اتباع میں اسی طرح لکھا ہے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۱۹۴' مطبع نور محمد' کراچی)

میں کہتا ہوں کہ''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نہیں ہے' کسی اور نبی کی دعا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' جن کو ان کی قوم نے زخمی کر دیا تھا' وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون ''اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۲۵' سنن دارمی رقم الحدیث:۲۴۷۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب غزوۂ اُحد میں کفار نے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تھا' تو آپ نے یہ فرمایا تھا:

کیف یفلح قوم شجوا نبیھم و کسروا رباعیته. وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا اوران کا دانت شہید کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۱)

ہو سکتا ہے کہ جب غزوۂ اُحد میں کفار نے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا اور صحابہ غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نبی کا واقعہ یاد آ گیا اور آپ نے صحابہ کی دلجوئی کے لیے اس نبی علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ مسلم: ۱۷۹۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' جن کی قوم نے ان کا چہرہ خون آلود کر دیا تھا' ''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون '' اس نبی سے آپ کی مراد خود اپنی ذاتِ مبارکہ تھی' گویا غزوۂ اُحد سے پہلے آپ کی طرف یہ وحی کی گئی تھی اور آپ کے لیے اس نبی کا تعین نہیں کیا گیا تھا اور جب غزوۂ اُحد پیش آیا تو متعین ہو گیا کہ اس نبی سے مراد آپ خود تھے۔ (المفہم ج ۳ ص ۶۵۱' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی کے اس قول کا فساد درج ذیل حدیث سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۵۔۲۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں تو آپ پر بہت رش ہو گیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا' ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کا چہرہ زخمی کر دیا' پس وہ نبی اپنی پیشانی سے اپنا خون صاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما' پس بے شک یہ نہیں جانتے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ اس نبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی پیشانی صاف کر رہے تھے۔

(شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ ''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون '' یہ دعا کسی اور نبی علیہ السلام کی ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو نقل فرمایا ہے' خود یہ دعا نہیں کی اور اس دعا کی نسبت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے میں امام رازی' علامہ ابن حجر مکی' ملا علی قاری اور علامہ قرطبی نے خطا کی ہے۔ ہم نے اس کی زیادہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں علماء' مقررین اور مصنفین اس دعا کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کی نسبت کریں' جو آپ نے نہ فرمایا ہو' حدیث میں ہے:

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کی' وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۹' مسند احمد ج ۴ ص ۵۰۲)

(۸) اگر یہ سورت ابو طالب کی موت کے بعد نازل ہوئی ہے تو ان کی موت سے جو آپ کو شدید قلق ہوا تھا' اس بوجھ سے مراد وہ قلق ہے اور جب شبِ معراج سب نبیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی تحسین کی اور آپ کا ذکر بلند فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۹) ''وزر'' سے مراد وہ ثقل اور حیرت ہے' جو اعلانِ نبوت سے پہلے آپ پر طاری تھی' کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کامل عقل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عدم سے وجود میں لایا اور آپ کو حیات' عقل اور دیگر بہت نعمتیں عطا کیں تو آپ پر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا بہت ثقل اور بوجھ ہوا اور قریب تھا کہ شدتِ حیا سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی' کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور آپ حیران تھے کہ کس طرح اپنے رب کی اطاعت کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور آپ کو شریعت عطا کی اور اعلانِ نبوت کا حکم دیا اور آپ کو مکلف کیا' تب آپ کو معلوم ہوا کہ اپنے رب کی کیسے اطاعت کریں' پھر آپ کا بوجھ کم ہو گیا اور آپ پر معاملات آسان ہو گئے' کیونکہ لئیم النفس کو زیادہ نعمتیں ملیں اور وہ منعم کی خدمت نہ کرے تو اس کو حیاء نہیں آتی اور جو کریم النفس ہو اور اس پر زیادہ انعام کیا جائے اور وہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں منعم کی خدمت نہ کر سکے تو اس کو بہت حیاء آتی ہے اور اس کی طبیعت پر بہت بوجھ پڑتا ہے اور جب منعم اس کو اپنی خدمت کا مکلف کر دے تو اس کا بوجھ اتر جاتا ہے اور اس پر معاملہ سہل ہو جاتا ہے اور وہ خوش ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۸۔۲۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الانشراح: ۴ میں فرمایا: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق امام ماتریدی' امام رازی اور علامہ قرطبی کی تقاریر

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تین تقریریں ہیں:

(۱) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر لازم کر دیا ہے کہ وہ آپ کے اوپر ایمان لائے' حتیٰ کہ کسی شخص کا اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان لانا' اس وقت تک قبول نہیں ہو گا جب تک کہ وہ آپ کے اوپر ایمان نہ لائے اور نہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقبول ہو گی' جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی پس بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (النساء: ۶۵)

پس آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے' جب تک کہ یہ باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' اس کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں' ...س کو مکمل تسلیم کر لیں ○

(۲) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے' اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اذان میں' اقامت میں' نماز میں' تشہد میں' غرض ہر مقام پر اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر رکھا ہے۔

(۳) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی اضافت آپ کے نام کی طرف کی ہے' جیسے رسول اللہ' نبی اللہ اور بغیر رسالت اور نبوت کے آپ کا ذکر نہیں کیا' پس فرمایا: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ'' (الفتح: ۲۹) اور فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ'' (المائدہ: ۶۷) اور فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ'' (التحریم: ۱) اور اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے وصف کے ساتھ صرف آپ کا ذکر کیا ہے اور انبیاء سابقین

کا ذکر صرف ان کے اسماء کے ساتھ کیا ہے، جیسے فرمایا: "وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ" (الانعام: ۸۳) "وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝" (الانعام: ۸۶) اور آپ کے ذکر کو عظمت اور شرف کے ساتھ کرنا لازم کردیا، حتیٰ کہ جس نے آپ کے نام کا تخفیف کے ساتھ ذکر کیا اس کا ایمان جاتا رہا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۸۲، موسسۃ الرسالۃ، ناشرون، ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے اور آپ کے نام کی شہرت تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اور آپ کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے اور کلمۂ شہادت اور تشہد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے، اور سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر ہے اور تمام آفاق میں آپ کا ذکر پھیلا ہوا ہے، خطبوں میں اور اذان میں آپ کا ذکر کیا جاتا ہے، دینی کتب کے شروع اور آخر میں آپ کا ذکر ہوتا ہے، قرآن مجید میں بہت جگہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر ہے، مثلاً: "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ" (التوبہ: ۶۲) "مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (النساء: ۱۳) "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" (النور: ۵۴) اور اللہ تعالیٰ آپ کو رسول اور نبی کے عنوان سے ندا فرماتا ہے اور دیگر انبیاء کو ان کے ناموں سے ندا فرماتا ہے، مثلاً یا موسیٰ، یا عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت رکھ دی ہے، آپ کے متبعین آپ کی نعت پڑھتے ہیں اور آپ کے فضائل بیان کرتے ہیں، آپ پر درود پڑھتے ہیں اور آپ کی سنتوں کی حفاظت کرتے ہیں، بلکہ ہر فرض نماز کے ساتھ آپ کی سنت میں زائد نماز پڑھتے ہیں، وہ فرض میں اللہ کے حکم پر عمل کرتے اور سنت میں آپ کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کرلی، اور آپ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ" (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کررہے ہیں، بادشاہ آپ کی اطاعت کرنے میں عار نہیں سمجھتے، قراء آپ کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقہ کی حفاظت کرتے ہیں، اور مفسرین آپ کی کتاب کی آیات کی تفسیر کرتے ہیں، واعظین آپ کی احادیث کی تبلیغ کرتے ہیں، علماء اور سلاطین آپ کے روضہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور آپ کے روضہ کی خاک سے اپنے چہروں کو سجاتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں، سو آپ کا شرف روزِ قیامت تک باقی رہے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اذان، اقامت، تشہد اور جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ میں منبروں پر اور ایام تشریق، یوم عرفہ اور رمی جمار کے وقت اور صفا اور مروہ پر، اور خطبۂ نکاح میں اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرے اور جنت اور دوزخ اور تمام مغیبات کی تصدیق کرے اور یہ شہادت نہ دے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس کی عبادت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کافر رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کردیا اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا اور پہلے رسولوں کو آپ کی بشارت دینے کا حکم دیا اور ہر دین پر آپ کے دین کو غالب کردیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمان کے فرشتوں میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور زمین پر مؤمنین میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور ہم آخرت میں آپ کے

ذکر کو بلند کریں گے اور آپ کو مقام محمود اور بلند درجات عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ درج ذیل احادیث اور آثار کو روایت کیا ہے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا جب بھی ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا: ''اشهد ان لا اِلٰه الا الله واشهد ان محمدا رسول الله''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۶۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا: میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے: میں نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا: اللہ ہی کو علم ہے' فرمایا: جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۶۸)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ایک چیز کا سوال کیا' کاش! میں نے وہ سوال نہ کیا ہوتا' میں نے کہا: اے میرے رب! آپ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو آپ کو ٹھکانا دیا' اور آپ کو حبِ کبریا میں سرشار پایا تو مخلوق کی طرف ہدایت دی اور آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا اور آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ کا بوجھ اتار دیا اور آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا' پس جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا اور آپ کو خلیل بنایا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۴۶ رقم الحدیث: ۱۹۳۹۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر ایمان کی تکمیل آپ کے ذکر کے ساتھ کر دی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ میں نے آسمان کے فرشتوں میں آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے' اور قیامت کے دن تمام مخلوق آپ کی پناہ میں آئے گی' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی کس قدر وجاہت اور قدر و منزلت ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۳۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر آپ ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے پاس گئے' ان سب نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے ابراہیم کو خلیل بنایا' اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور میری امت کو اللہ کے لیے قیام کرنے والا بنایا' جو میری اتباع کرتی ہے اور مجھے نمرود کی آگ سے نجات دی اور اس آگ کو مجھ پر ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کہا: تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لیے ہیں' جس نے مجھے کلیم بنایا اور مجھے اپنی رسالت اور کلام کے لیے چن لیا' اور مجھے سرگوشی کرنے کے لیے قریب کیا اور مجھ پر تورات نازل کی' اور میرے ہاتھوں سے آلِ فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو میرے ہاتھوں نجات دی۔

پھر حضرت داؤد نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے ملک عطا کیا اور مجھ پر زبور نازل کی اور میرے لیے لوہا نرم کر دیا' اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا' اور مجھے حکمت اور فصلِ خطاب عطا

کیا۔

پھر حضرت سلیمان نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے میرے لیے ہواؤں کو' جنات کو اور انسانوں کو مسخر کر دیا اور سرکش جنات کو میرا تابع کر دیا' جو میرے لیے قلعے اور مجسمے بناتے ہیں اور مجھے پرندوں کی بولی سکھائی اور میرے لیے تانبے کا چشمہ بہایا اور مجھے ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور مجھے ایسا بنایا کہ میں مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرتا ہوں' اور کوڑھیوں کو تندرست کرتا ہوں اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور مجھے آسمان کے اوپر اٹھا لیا اور مجھے کفار سے پاک رکھا اور مجھے اور میری ماں کو شیطان رجیم سے پاک رکھا۔

پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور فرمایا: آپ سب نے اپنے رب کی حمد وثناء کی' اب میں اپنے رب کی حمد وثناء کرتا ہوں' سو آپ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا' اور مجھ پر فرقان کو نازل کیا' جس میں (ہدایت سے متعلق) ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور میری امت کو امت وسط (کامل) بنایا اور میری امت کو اوّل اور آخر بنایا' اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میری خاطر میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور نبوت کا اختتام کرنے والا بنایا۔

پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا: انہی وجوہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم سب پر فضیلت دی ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۱۔۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا' وہاں حضرت موسیٰ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کا بیان کیا' پھر فرمایا کہ پس جب نماز کا وقت آیا تو میں نے ان سب کی امامت کی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق مصنف کی تقریر

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سب سے پہلے عالم ارواح میں بلند کیا گیا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲۔۸۱)

اور (اے رسولِ مکرم!) یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں' جو تمہارے ساتھ ہے تو تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا' فرمایا: پس تم گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہ ہوں ۝ سو جو اس عہد کے بعد پھر گیا وہی لوگ نافرمان ہوں گے ۝

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے جس نبی کو بھی بھیجا خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے بعد کا نبی ہو اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو

وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائے اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کرے اور اپنی امت کو بھی یہ حکم دے گا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ (جامع البیان جز ۳ص ۴۵۰۔رقم الحدیث: ۵۷۹۰ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور ان کے بعد جو نبی بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کرے گا اور اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث نہیں ہوئے تو وہ اپنی امت سے یہ عہد لے گا کہ اگر ان کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائیں اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کریں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۵۷۹۲)

اس عہد کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی: "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب! اہل مکہ میں ان ہی میں سے عظیم رسول مبعوث فرما اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ (الصف: ۶) — میں اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ عزوجل خود اور اس کے سب فرشتے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (الاحزاب: ۵۶) — بے شک اللہ اور اس کے سب فرشتے اس نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر صلوٰۃ بھیجو اور خوب صلوٰۃ بھیجو ○

اس آیت میں بتایا ہے: اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے، امام بخاری نے صلوٰۃ کا معنیٰ بیان کیا:

ابوالعالیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنیٰ ہے: وہ فرشتوں کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء اور مدح فرماتا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ آپ کے لیے دعا ہے اور مؤمنین کی صلوٰۃ کے متعلق یہ حدیث روایت کی:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یارسول اللہ! یہ سلام تو معلوم ہے، ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم پڑھو: "اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم"۔

(صحیح البخاری ص ۱۰۳۵۔۱۰۳۴۔رقم الحدیث: ۴۷۹۸ شرکۃ دارالارقم، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء مخلوق کے ذمہ نہیں لگائی کیونکہ مخلوق محدود ہے تو آپ کی مدح و ثناء بھی محدود ہو جاتی، نیز مخلوق کی ابتداء اور انتہا ہے تو آپ کی مدح و ثناء بھی ابتداء اور انتہا میں مقید ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح و ثناء خود کی ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ آپ کی مدح و ثناء کی کوئی حد ہوگی، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور انتہا ہے، نہ آپ کی مدح و ثناء کی کوئی ابتداء اور انتہا ہوگی، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تو آپ کی مدح و ثناء بھی ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہوتی رہے گی، مؤمنوں کو حکم دیا تم بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھو، اس کے ساتھ یہ بتایا کہ فرشتے بھی آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں، یعنی اگر تم ان پر صلوٰۃ و سلام نہ پڑھو تو ان کو کیا کمی ہوگی، جن پر فرشتے ہر وقت صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں، بعض لوگ اذان کے بعد اور جمعہ کے بعد

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اور سلام پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں' میں کہتا ہوں کہ ان کے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے' آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کی قبر انور پر صبح اور شام فرشتے صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' حدیث میں ہے:

کعب نے بیان کیا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اپنے پروں سے آپ کی قبر انور کا احاطہ کر لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور شام کو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور آپ پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' یہ اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ (قیامت کے دن) آپ کی قبر انور سے زمین پھٹ جائے گی اور آپ قبر مبارک سے نکلیں گے اور ستر ہزار فرشتے آپ کا احاطہ کیے ہوئے ہوں گے۔

(سنن دارمی رقم الحدیث:٩٥' مشکوٰۃ رقم الحدیث:٥٩٥٥)

نیز میں کہتا ہوں کہ ان منکرین کے آپ پر سلام نہ پڑھنے سے آپ کو کیا کمی ہوگی' آپ کی شان یہ ہے کہ آپ پر تو شجر و حجر بھی سلام پڑھتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو ضرور پہچانتا ہوں' جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا' میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٢٧٧' سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٦٢٤' مسند احمد ج ٥ ص ٨٩)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا' ہم مکہ کی کسی جانب گئے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا' وہ کہتا: السلام علیك یا رسول اللّٰہ ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٦٢٦)

سو یہ آپ کے ذکر کی بلندی ہے کہ شجر و حجر آپ پر سلام عرض کرتے ہیں' فرشتے آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور خود رب کائنات آپ کی مدح و ثناء کرتا ہے۔

(٣) زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح:٤) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ۝

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کی بلندی اپنے ذمہ رکھی' مخلوق کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ آپ کا ذکر بلند کرے کیونکہ اگر مخلوق آپ کا ذکر بلند کرتی تو مخلوق کی ایک حد ہے' وہ اپنی حد تک آپ کا ذکر بلند کرتی' اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو خود بلند کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے اور نہ آپ کے ذکر کی بلندی کی کوئی حد ہوگی' اللہ عزوجل لامحدود ہے تو آپ کے ذکر کی بلندی بھی لامحدود ہوگی' نیز مخلوق کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے' اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے' سو آپ کے ذکر کی بلندی بھی ازلی ابدی ہوگی' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا اندازہ اس حدیث سے کریں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطاء ہوگئی تو انہوں نے کہا: اے رب! میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانا' حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' لکھا ہوا تھا۔ الحدیث

(دلائل النبوۃ ج ٥ ص ٤٨٩' المعجم الصغیر ج ٢ ص ٨٣۔٨٢' الوفاء ص ٣٣' مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ' دار الجلیل' ریاض)

اس کائنات میں سب سے بلند عرش عظیم ہے اور عرش عظیم پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے اور یہ آپ کے ذکر کی بلندی کی واضح مثال ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط (البقرہ: ۲۵۳) یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کو درجات میں بلندی عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ کتنے درجات بلندی عطا فرمائی' کیونکہ عالم عدد میں کوئی ایسا عدد نہیں ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی تعیین کر سکے' سو آپ کے درجات غیر متناہی ہیں' امام بوصیری فرماتے ہیں:

فان فضل رسول اللّٰه ليس له حد فيعرب عنه ناطق بفم

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وکمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں' جس کو کوئی بتانے والا بتا سکے''

اس آیت میں آپ کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا: ان میں سے بعض کو (غیر متناہی) درجات عطا فرمائے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منفرد اور مخصوص ہیں کہ آپ کے سوا ذہن اور کسی کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مؤذن سے اذان سنو تو وہی کلمات کہو' جو اس نے کہے ہیں' پھر مجھ پر صلوٰۃ (درود) پڑھو' بے شک جو مجھ پر ایک صلوٰۃ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰت نازل فرماتا ہے' پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷۸)

وسیلہ جنت کا عظیم ترین درجہ ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ منفرد اور مخصوص ہیں' اسی طرح غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ بھی آپ منفرد اور مخصوص ہیں۔

(۵) دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سورج غروب ہو رہا ہے اور جہاں سورج غروب ہو رہا ہے' وہاں مغرب کی اذان ہو رہی ہے' اور جہاں اذان ہو رہی ہے' وہاں ''اشهد ان لا اله الا الله'' کے ساتھ بلند آواز سے ''اشهد ان محمدا رسول الله'' پڑھا جا رہا ہے' سو دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ آپ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور یہ بھی آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۶) پہلے مسلمان سال میں ایک مرتبہ یوم میلاد کو آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے' مخالفین نے اس کو بدعت کہا اور اس کی مخالفت کی تو اس کے رد عمل میں مسلمان سال میں متعدد بار محافل میلاد منعقد کرتے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے' مخالفین نے پھر اس کو منع کیا تو مسلمان ہر جمعہ کی نماز کے بعد آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے لگے' اور جب اس سے بھی منع کیا گیا تو مسلمان ہر نماز کے بعد پڑھنے لگے: ''الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله'' اور جب اس کی بھی مخالفت ہوئی تو مسلمان جمعہ اور مغرب کی اذان کے علاوہ ہر اذان کے بعد وقفہ کر کے پڑھنے لگے: ''الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله'' پھر جب اس کے خلاف آوازیں اٹھیں تو مسلمان اذان سے پہلے بھی وقفہ کر کے آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے لگے' اور یوں یوماً فیوماً اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر کو بڑھا رہا ہے اور بلند فرما رہا ہے' اسی لیے فرمایا: ''وَرَفَعْنَا لَكَ

ذِكْرَكَ O ''(الم نشرح:۴)اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے O بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے O پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمربستہ ہوں O اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوں O (الانشراح: ۸۔۵)

ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں 55

الانشراح: ۵ اور الانشراح: ۶ میں لفظ ''العسر'' مکرر ہے اور یہ معرفہ ہے اور لفظ ''یسر'' بھی مکرر ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا عین ہوتا ہے او جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا غیر ہوتا ہے یعنی ''العسر'' ایک ہے اور ''یسر'' دو ہیں' اور ''العسر'' کا معنیٰ ہے: مشکل اور ''یسر'' کا معنیٰ ہے: آسانی' سو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں' پس جب کسی انسان کو اپنی مہم میں مشکلات درپیش ہوں تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان آیتوں میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں رکھی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکے گی۔ حافظ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے خوش خوش باہر آئے' آپ نے فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی' پھر آپ نے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۸ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۵۰' المکتبۃ العصریہ' کنز العمال ج ۲ ص ۱۴)

اس آیت میں دو آسانیوں سے مراد اسلام اور دین ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آسانی سے مراد دنیا کی فتوحات ہوں اور دوسری آسانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہوں۔

کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کی وجہ سے آپ کو عار دلاتے تھے کہ آپ کا دین قبول کرنے سے ہمیں یہ چیز مانع ہے کہ آپ تنگ دست اور نادار ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ تنگ دستی کی یہ مشکل عنقریب زائل ہو جائے گی اور آپ کو فتوحات اور غنیمتوں کی آسانیاں حاصل ہوں گی۔

الانشراح: ۷ میں فرمایا: پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمربستہ ہوں O

تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرنا

قتادہ' ضحاک اور مقاتل نے کہا: جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو پھر کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ دعا کریں' آپ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ سوال کریں تو وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

شعبی نے کہا: جب آپ نماز میں تشہد پڑھنے سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے دعا کریں۔

علی بن طلحہ نے کہا: اپنی فراغت کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادات کے ساتھ خاص کر لیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو اس کے متصل دوسری عبادت شروع کر دیں' حتیٰ کہ آپ کا کوئی وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہ گزرے۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور کارِ تبلیغ سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کمربستہ ہوں۔

55

اسی طرح ہمارے خطباء اور واعظین جو ہر روز رات گئے تک جلسوں میں عوام سے خطاب کرتے ہیں' ان پر بھی لازم ہے کہ وہ تبلیغی خطابات سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کریں' لیکن ہمارے زمانہ میں کم علماء ایسے ہیں' عام طور پر مقررین اور واعظین تبلیغی اجتماعات اور خطابات سے فارغ ہو کر آدھی رات کے بعد گھر لوٹتے ہیں' پھر سو جاتے ہیں اور فجر کی نماز نکل جاتی ہے اور باقی فرض نمازوں میں بھی تساہل کرتے ہیں' میں نے ایسے علماء کو دیکھا ہے جو دینی مدارس کی پُرشکوہ عمارات بناتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے' اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین' مقررین اور مہتممین کو عبادت کی طرف راغب کرے اور ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے' آمین۔ قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ اللہ کے نزدیک یہ بہت موجبِ غضب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ○ (الصف: ۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبِ معراج میں نے ایسے مردوں کو دیکھا' جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں' جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے' حالانکہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے' کیا وہ عقل نہیں رکھتے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۱ ص ۱۵۸۔ رقم الحدیث: ۱۳۵۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۲۲۲' شعیب الارنؤوط نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۵۱۵)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا' پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں آگ میں نکل آئیں گی اور وہ اس طرح چکر لگا رہا ہوگا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے' پھر دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں شخص! تم کو کیا ہوا؟ کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا: میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا' اور میں تم کو بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دے اور ہمیں ایسے انجام سے محفوظ رکھے اور ہمیں حُسنِ خاتمہ عطا فرمائے۔ (آمین)

صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سوال کرنے میں رغبت کی جائے

یعنی صرف اللہ سے اس کے فضل کا سوال کریں اور اسی پر اعتماد رکھیں اور اسی پر توکل کریں' ظاہر ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ سے ہی سوال کرتے تھے اور صرف اللہ پر ہی توکل کرتے تھے' تو آپ کو جو یہ حکم دیا گیا ہے وہ تقریر اور تاکید کے لیے ہے یعنی جس طرف آپ صرف اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں' اسی طریقہ پر قائم رہیں اور اسی طریقہ کو ہمیشہ برقرار رکھے رہیں اور یا پھر اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

اور اس آیت میں آپ کی امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے اور یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات میں صرف اللہ عزوجل سے سوال کیا کریں اور صرف اسی سے گڑگڑا کر سوال کیا کریں' ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ سے اس قدر گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے تھے' جس قدر مخلوق سے گڑگڑا کر اور رونکھی آواز بنا کر سوال کرتے ہیں' یا پیروں اور فقیروں کے پاس جا کر سوال کرتے ہیں یا مزارات پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور منتیں اور مرادیں مانتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت نہیں کرتے' حالانکہ چاہیے یہ کہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں' اسی سے اپنی حاجات طلب کریں' اس کے سامنے رو رو کر اور

گڑگڑا کر دعا کریں اور اپنی دعاؤں میں مقربین بارگاہ ناز کا وسیلہ پیش کریں' کیونکہ اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے جو دعا کی جائے اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

سورۃ الانشراح کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۶ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء' بہ روز ہفتہ بعد از نماز ظہر سورۃ الانشراح کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۸ نومبر کو اس تفسیر کو شروع کیا تھا' اس طرح گیارہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے رب! جس طرح آپ نے کرم فرمایا اور سورۃ الانشراح تک تفسیر لکھوا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی لکھوا دیں اور اس تفسیر کو اور میری باقی کتابوں کو تا روزِ قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں' اور میری' میرے والدین کی' اس کتاب کے ناشر' معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلى الله تعالٰى علٰى حبيبه سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين
وعلٰى آله واصحابه وازواجه وذريته وامته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ التین

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام التین ہے کیونکہ اس سورت کے مطلع میں ''التین'' کا ذکر ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ○ (التین:۱) انجیر اور زیتون کی قسم ○

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۵۰۷)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے' آپ نے عشاء کی ایک رکعت میں سورۃ ''والتین والزیتون'' پڑھی' میں نے آپ سے زیادہ خوش آواز کے ساتھ پڑھنے والا کسی کو نہیں سنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۲۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۳۵)

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۵ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۸ ہے۔

سورۃ التین کے مشمولات

☆ التین:۴۔۱ میں نوعِ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت اور قامت میں پیدا فرمایا ہے۔

☆ التین:۶۔۵ میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اس کے رسول کی تصدیق نہیں کی تو وہ اس کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دے گا' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ انہیں غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا۔

☆ التین:۸۔۷ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے کفار کو عذاب دے گا اور اپنے فضل سے مؤمنین کو ثواب عطا فرمائے گا۔

سورت التین کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے بچانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۶ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ التین ۹۵ — مکیۃ — آیاتہا ۸ — رکوعہا ۱

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التین مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ﴿۳﴾

انجیر اور زیتون کی قسم O اور طور سینین کی O اور اس امن والے شہر (مکہ) کی O

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ

سٰفِلِيْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

میں لوٹا دیا O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے سو ان کے

اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۭ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۭ﴿۷﴾ اَلَيْسَ

لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے O کیا اللہ

اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۧ﴿۸﴾ ع ۱ / ۸ / ۲۰

تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انجیر اور زیتون کی قسم O اور طور سینین کی O اور اس امن والے شہر (مکہ) کی O بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O (التین: ۴۔۱)

''التین'' کا معنیٰ اور اس کے طبی فوائد

التین: اس میں ''تین'' اور ''زیتون'' کے الفاظ ہیں۔ ''تین'' کا معنیٰ ہے انجیر' انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں' انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے' اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا' اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے' یہ زود ہضم ہے' نفع آور دوا ہے' طبیعت کو نرم کرتا ہے' بلغم کو تحلیل کرتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے' مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے' جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے' اور حدیث میں ہے: یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔

(بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۵۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انجیر یونان' ترکی' اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ انجیر قبض کشاء ہے' انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے' اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بہ خود دور ہو جاتا ہے اور مسا جھڑ جاتا ہے' بلغم کو پکا کر خارج کرتا ہے' اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے' پسینہ آور ہے' اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے' چونکہ یہ پیشاب آور ہے اس لیے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا ہے۔

سو گرام انجیر میں ۲۱۴ حرارے' ۴ گرام پروٹین' ۶۹ گرام نشاستہ' ا گرام چکنائی اور ۱۹ گرام ریشہ (پھوک) پایا جاتا ہے۔
(مفید دوائیں' مفید غذائیں ص ۴۹۔۴۸' بیت الحکمۃ' کراچی)

انجیر کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انجیر کا ایک طباق ہدیہ کیا گیا' آپ نے اس میں سے انجیر کھائیں اور اپنے اصحاب سے فرمایا: کھاؤ' پھر آپ نے فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ یہ پھل جنت سے نازل ہوا ہے تو کہہ سکتا ہوں' کیونکہ جنت کے پھل بغیر گٹھلی کے ہوتے ہیں' اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کو امام ابونعیم نے ''الطب'' میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔
(حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۷۷۸)

''زیتون'' کا معنیٰ اور اس کے طبی فوائد

زیتون مشہور پھل ہے' یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے' مثلاً یونان' فلسطین اور اسپین وغیرہ' اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے' اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں' روغن زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا' اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ○ (المؤمنون: ۲۰)
اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے' جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے○

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے' سالن پر ''صبغ'' کا اطلاق فرمایا ہے' ''صبغ'' کا معنیٰ رنگ ہے اور روٹی سالن کے ڈبونے سے رنگین ہو جاتی ہے' طور سیناء اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔

زیتون کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: زیتون کی مسواک کیا خوب ہے' وہ مبارک درخت کی ہے' وہ بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوش بودار کرتی ہے' یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۸۲' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۷۷۳)

''والتین والزیتون'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''التین'' سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے' جو جودی پر بنی ہوئی تھی' اور زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ ضحاک نے کہا: ''التین'' مسجد حرام ہے اور ''الزیتون'' مسجد اقصیٰ ہے۔ ابن زید نے کہا: ''التین'' مسجد دمشق ہے اور ''الزیتون'' مسجد بیت المقدس ہے' قتادہ نے کہا: ''التین'' دمشق کا پہاڑ ہے اور ''الزیتون'' بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور محمد بن کعب نے کہا: ''التین'' اصحاب الکہف کی مسجد ہے اور ''الزیتون'' مسجد ایلیاء

ہے' کعب الاحبار اور عکرمہ نے کہا: ''التین'' دمشق ہے اور ''الزیتون'' بیت المقدس ہے' الفراء نے کہا: ''التین'' حلوان سے ھمذان تک کے پہاڑ ہیں اور ''الزیتون'' شام کے پہاڑ ہیں' ان کو طور زینا اور طور تینا کہا جاتا ہے' عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ ''التین'' اور ''الزیتون'' شام کے دو پہاڑ ہیں۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''التین'' اور ''الزیتون'' سے مراد انجیر اور زیتون کے درخت ہیں اور ان سے مسجد یا شہر مراد لینا مجاز ہے اور بغیر ضرورت کے قرآن مجید کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' انجیر کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اس درخت کے پتوں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بدن کو ڈھانپا تھا' قرآن مجید میں ہے:

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ (الاعراف: ٢٢) وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے درخت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔

اور وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ انجیر کا درخت بہت خوب صورت ہے اور اس کا پھل لذیذ اور خوش ذائقہ ہے۔

زیتون کے درخت کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ . (النور: ٣٥) وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم کو زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے:

اکثر شام کے لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں' اور اسی سے سالن پکاتے ہیں اور پیٹ کے امراض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ وہ مبارک درخت سے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٨٥١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٣٢٠)

(الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ١٠٠۔٩٩' دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

التین: ٢ میں فرمایا: اور طور سینین کی O

''طور سینین'' کا مصداق

مجاہد نے کہا: ''طور'' سے مراد پہاڑ ہے اور ''سینین'' سریانی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: مبارک' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: خوب صورت اور مبارک' نیز عکرمہ نے کہا: ''طور'' وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی تھی۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: ''سینین'' ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں' یہ اہل نبط کی لغت ہے' اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارضِ مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ برکت دی ہے' قرآن مجید میں ہے:

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ . (بنی اسرائیل: ١) وہ مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے۔

التین: ٣ میں فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی O

شہر مکہ کی قسم کھانے کی توجیہ

اس آیت میں مکہ کو''امین ''فرمایا ہے' کیونکہ جو جانور یا انسان مکہ میں داخل ہو وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دمشق کے پہاڑ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے قیام کی جگہ ہے' کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے اور شہر مکہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ السلام کا مولد اور مہبط وحی ہے۔

التین :۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیاO

''انسان'' کے مصداق میں اقوال اور اس کے بہترین ساخت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں''انسان'' کا لفظ ہے اور اس کے مصداق میں متعدد اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ''انســـان'' سے مراد کافر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلدۃ بن اسید ہے' ان اقوال کی بناء پر یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔

بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انس کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے' کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے' اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے' وہ اپنے ساتھیوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے' منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم' قدرت' ارادہ کرنے' باتیں کرنے' سننے' دیکھنے' تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی اور یہ تمام رب تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں' گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله خلق آدم علی صورته. بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۴۱)

علماء نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنیٰ صفت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنیٰ سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں ہے' انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کی ہر نشانی اس عالم صغیر میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لوٹا دیاO سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہےO سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرےO کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہےO (التین:۸۔۵)

مؤمنین کاملین کا ارذل عمر سے محفوظ رہنا

سب سے نچلے طبقہ میں لوٹانے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) سب سے نچلے طبقہ سے مراد دوزخ ہے' یعنی کافر کو ہم نے دوزخ میں لوٹا دیا اور مؤمن کو جنت کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ دوسری آیت کے استثناء سے ظاہر ہے۔

(۲) کافر کو ہم نے اس کے اختیار کیے ہوئے سب سے نچلے افعال اور اعمال کی طرف لوٹا دیا' جو شرک اور کفر ہیں اور مؤمن کو

ہم نے اس کے اختیار کیے ہوئے سب سے بلند اور بالا اعمال کی طرف لوٹا دیا' جو توحید و رسالت پر ایمان اور صالحات ہیں۔

(۳) انسان کو ہم نے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا' جب اس کی قویٰ کمزور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

التین: ۶ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O

یعنی ہر انسان کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے' ماسوا مؤمنین صالحین کے۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب بندہ اپنی جوانی میں زیادہ نمازیں پڑھتا ہے اور زیادہ روزے رکھتا ہے اور زیادہ صدقات کرتا ہے' پھر جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور جوانی کی طرح نیک اعمال نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جوانی کے نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ سفر کرتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی اقامت اور صحت کے ایام کے کیے ہوئے نیک اعمال کا اجر لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۶)

عکرمہ نے بیان کیا: جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہے' وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹے گا (تاہم یہ کلیہ نہیں ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کو مبارک ہو جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے نیک اعمال زیادہ ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۱۱' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۸)

التین: ۷ میں فرمایا: سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے O

یعنی ان دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد اے رسولِ مکرم! آپ کی کون تکذیب کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک بوند سے تدریجاً مکمل انسان بنا دیا' پھر اس کو جوان مرد بنایا' پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا' پھر تدریجاً اس کو کمزور کرتا رہا' حتیٰ کہ اسے ناکارہ عمر تک پہنچا دیا اور اس جسمانی تغیر میں اس پر واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے اور میدانِ حشر میں جمع کرنے پر قادر ہے۔

التین: ۸ میں فرمایا: کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے O

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت پڑھتے: ''اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ'' (التین: ۸) تو کہتے: ''بلی وانا علی ذالک من الشاهدین'' کیوں نہیں! میں بھی اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے سورۃ التین پڑھی اور یہ آیت پڑھی: ''اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ'' اس کو چاہیے کہ یہ پڑھے: ''بلی وانا علی ذالک من الشاهدین''۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۷)

سورۃ التین کی تفسیر کی تکمیل

آج ۱۸ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ التین کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! اس کو قبول فرما اور اس تفسیر کو مکمل کرا دے' اور میری اور میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دے۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ العلق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام العلق ہے' کیونکہ اس سورت کی دوسری آیت میں ''العلق'' کا لفظ ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ۝ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ۝ (العلق: ۱۔۲) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جو مکہ میں نازل ہوئی' وہ ''اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ'' ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۱۳)

امام ابن شیبہ' امام طبرانی' امام حاکم اور امام ابونعیم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ''اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ'' پہلی سورت ہے' جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۲۳۴' الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۱۳)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۶ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱ ہے۔

اس سے پہلی سورت میں انسان کی تخلیق کی صورت بیان کی گئی تھی کہ اس کو سب سے عمدہ ساخت میں پیدا فرمایا اور اس سورت میں انسان کی تخلیق کا مادہ بتاتا ہے کہ اس کو جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا ہے۔

العلق کے مشمولات

☆ العلق: ۵۔۱ میں انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس کو ضعف سے قوت کی طرف منتقل فرمایا اور اس میں قرأت اور کتابت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

☆ العلق: ۸۔۶ میں یہ بتایا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور اپنے مال و دولت کی بناء پر تکبر کرتا ہے۔

☆ العلق: ۱۹۔۹ میں ابوجہل کی مذمت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا اور اپنے زعم میں اپنے بتوں کی مدد کرتا تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ کی ہے کہ وہ ابوجہل کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کریں۔

سورۃ العلق کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ یارب العلمین! مجھے اس ترجمہ میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور اس سورت کے اسرار اور معارف کو مجھ پر کھول دینا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۸ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰/۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

(٩٦) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (١)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ١٩ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ العلق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴿۲﴾

(اے رسولِ مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہےO انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہےO

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا

پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہےO جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایاO انسان کو وہ سکھایا جس کو

لَمْ یَعْلَمْ ؕ ﴿۵﴾ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۙ ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ ﴿۷﴾ اِنَّ

وہ نہیں جانتا تھاO بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہےO اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہےO بے شک

اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ؕ ﴿۸﴾ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ ﴿۱۰﴾

آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہےO کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہےO ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھےO

اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۙ ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ؕ ﴿۱۲﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ

آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتاO یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتاO آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے

كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ؕ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ؕ ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬

اور پیٹھ پھیرےO کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہےO بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۙ ﴿۱۵﴾ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ ﴿۱۶﴾ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۙ ﴿۱۷﴾

پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گےO وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہےO اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائےO

ع ۱۹ ۲۱ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ۙ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾ ع السجدة

ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گےO ہرگز نہیں آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں، آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوںO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسولِ مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیاO انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہےO پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہےO (العلق: ۳۔۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتداء

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے' اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے' کئی کئی راتیں غار میں رہتے اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں) تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آ کر اور چیزیں لے جاتے۔ اسی دوران غارِ حرا میں آپ پر اچانک وحی نازل ہوئی۔ فرشتے نے آ کر آپ سے کہا: پڑھیے' آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے دبایا حتیٰ کہ اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کر دی' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ دوبارہ مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا' حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتہ تیسری بار مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: '' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ '' (اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے ۝ پڑھیے اور آپ کا رب ہی زیادہ کریم ہے ۝ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ۝ انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ۝) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو لے کر حضرت خدیجہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ' گھر والوں نے آپ کو کپڑے اڑھائے' حتیٰ کہ آپ کا خوف دُور ہو گیا' پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو تمام واقعہ سنایا اور فرمایا: اب میرے ساتھ کیا ہو گا؟ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی: ہرگز نہیں! آپ کو یہ نوید مبارک ہو' اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا' خدا گواہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں' اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں' پھر حضرت خدیجہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں' جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے' اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے' بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی جاتی رہی تھی' حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سُنیے' ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی ملنے کا تمام واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آیا تھا' کاش! میں جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی' لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے' اگر وقت نے مجھ کو مہلت دی تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ---------- اس کے بعد حدیث مثل سابق ہے اور اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز شرمندہ نہیں کرے گا اور حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا: اے میرے چچا زاد! اپنے بھتیجے کی بات سُن لیجئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۲)

وحی کا لغوی معنیٰ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی کا معنیٰ ہے: اشارہ' کتابت' مکتوب' رسالۃ' الہام' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف القاء کرو۔

وحی میں اصل یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے آہستہ کلام کریں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ (''شیاطین الانس والجن '') ایک دوسرے کو خفیہ طریقے سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) فریب دینے کے لیے پہنچاتے ہیں۔ (الانعام: ١١٢)

یہ اس لفظ کا اصل معنیٰ ہے' پھر یہ الہام کے معنیٰ میں مقتصر ہو گیا' ابو اسحٰق نے کہا: وحی کا لغت میں اصل معنیٰ ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا' اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں' اسی طرح اشارہ اور کتابت کو بھی وحی کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے۔ (الشوریٰ: ٥١)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر کو الہام یا خواب کی صورت میں خفیہ طریقہ سے خبر دیتا ہے' یا بشر پر کتاب نازل کرتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ پر کتاب نازل کی یا قرآن نازل فرماتا ہے' جس کی تلاوت کی جاتی ہے' جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔ ان میں سے ہر صورت اعلام (خبر دینے) کی ہے' اگر چہ ان کے اسباب اور کلام کی نوعیت مختلف ہے۔

(تاج العروس ج ١٠ ص ٣٨٥' المطبعۃ الخیریہ' مصر' ١٣٠٦ھ)

وحی کا شرعی معنیٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وشرعا الاعلام بالشرع وقد يطلق الوحی ويراد به الموحى وهو كلام الله المنزل على النبى صلى الله عليه وسلم.

شریعت کی خبر دینا وحی ہے اور کبھی وحی سے اس کلام کو مراد لیا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ١ ص ٩' لاہور)

نزول وحی کی صورتیں اور اقسام

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کی حسب ذیل اقسام اور صورتیں بیان کی ہیں:

(١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام قدیم کو سننا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قدیم سننا' جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں ہے۔

(٢) فرشتے کے واسطہ سے وحی کا نازل ہونا۔

(٣) دل میں کسی معنیٰ کا القاء کیا جانا۔

(٤) ''صلصلة الجرس '' (گھنٹی کی آواز) کی صورت میں وحی کا نازل ہونا۔

(۵) حضرت جبرائیل کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں آ کر بات کریں' جیسے ایک اعرابی کی شکل میں آئے۔
(۶) حضرت جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آئیں جیسے حضرت جبرائیل چھ سو پروں کے ساتھ آئے' جن سے یاقوت اور موتی جھڑ رہے تھے۔
(۷) حضرت جبرائیل کسی معروف آدمی کی شکل میں آئیں' جیسے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آئے۔
(۸) اللہ تعالیٰ براہِ راست بیداری میں آپ سے ہم کلام ہو' جیسے شب معراج میں پردے کی اوٹ سے کلام فرمایا۔
(۹) اللہ تعالیٰ آپ سے نیند میں ہم کلام ہو' جیسے جامع ترمذی میں حدیث مرفوع ہے' آپ نے فرمایا: میں نے اللہ عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملأ اعلیٰ! کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟
(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کوئی واقعہ دکھایا جائے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔
(۱۱) وحی اسرافیل جیسا کہ مسند احمد میں ہے: تین سال حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کے ساتھ مؤکل رہے۔
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' طبع مصر)

خواب کی تعریف اور اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
انسان نیند میں جو کچھ دیکھتا ہے' اس کو خواب کہتے ہیں' اور قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: خواب ان ادراکات کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں پیدا کرتا ہے' جس طرح بیداری میں اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے' خواب میں جو ادراکات ہوتے ہیں وہ دوسرے اُمور کے لیے علامات بن جاتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ بعد میں پیدا فرمائے گا' اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کے لیے علامت بنایا ہے' لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔
نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
خواب کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم رؤیا صادقہ' یہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے خواب ہیں' جو کچھ وہ خواب میں دیکھتے ہیں' اس کے موافق بیداری میں واقع ہو جاتا ہے' اور دوسری قسم ہے: اضغاث' اور اس کی تین قسمیں ہیں:
(۱) خواب میں دیکھنے والے کے ساتھ شیطان مذاق کرتا ہے تاکہ خواب دیکھنے والا خوف زدہ اور غمگین ہو' مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے (۲) وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتے اس کو کسی حرام کام کو کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں (۳) انسان دن میں جو باتیں کرتا ہے اور اس کے دل میں جو تمنائیں واقع ہوتی ہیں' وہ انھی چیزوں کو خواب میں دیکھتا ہے' یا جن چیزوں کو وہ بیداری میں زیادہ دیکھتا ہے' انھی کو خواب میں دیکھتا ہے یا جو چیزیں اس کے مزاج پر غالب ہوتی ہیں' وہی اس کو خواب میں نظر آتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۵۴۔۳۵۳' طبع لاہور)

ابتداء نبوت میں غارِ حرا جانے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ابتداء سچے خوابوں سے کی گئی' تاکہ فرشتے کا آپ کے پاس آنا جانا کوئی اچانک حادثہ نہ ہو' اس لیے پہلے آپ میں خصال نبوت پیدا کیے گئے' آپ کو سچے خواب دکھائے گئے' حجر اور شجر آپ کو دیکھ کر سلام عرض کرتے اور آپ کو نبی کہہ کر مخاطب کرتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ کے پاس فرشتہ بھیجا۔
آپ کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی' تاکہ آپ کا دل دنیا اور اس کے تفکرات سے فارغ ہو' کیونکہ جب تک انسان

کٹھن ریاضت نہ کرے، وہ اپنی طبیعت سے منتقل نہیں ہوتا' اس لیے آپ کے دل میں خلوت گزینی پیدا کی گئی' تا کہ آپ لوگوں کے ساتھ میل جول سے منقطع ہوں اور آپ کے لیے وحی کا حصول سہل اور آسان ہو' فرشتے کا آپ سے بار بار یہ کہنا: پڑھیے اور اپنے سینہ سے لگا کر بھینچنا بھی اسی لیے تھا' تا کہ آپ کو فرشتے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا کی تنہائیوں میں بیٹھنا اسی طرح تھا' جس طرح ابتداء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی عبادت کرنے کے طریقہ پر غور و فکر کر رہے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں کئی کئی دنوں تک ٹھہرنے کے لیے اپنے ساتھ کئی کئی دنوں کا کھانا لے جاتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست کرنا اور اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشتہ کو پہچاننے کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فرشتہ آپ کے پاس حراء میں سترہ رمضان کو پیر کے دن آیا تھا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب ابتداء میں فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آیا تو آپ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے' علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے ثبوت میں امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے' اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کے ثبوت میں معجزہ پیش کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۶۲' طبع مصر)

تحقیق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک صفت دی ہے جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں' اسی طرح اللہ نے نبی کو ایک اور صفت دی ہے' جس سے وہ فرشتوں اور شیطان کے درمیان امتیاز کر لیتا ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

ان لہ صفۃ بھا یبصر الملائکۃ ویشاھدھم کما ان للبصیر صفۃ بھا یفارق الاعمٰی حتی یدرک بھا المبصرات.

نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے' جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے' جس طرح بینا آدمی کو ایک ایسی صفت حاصل ہے جس سے وہ اندھوں میں ممتاز ہے اور مبصرات کا ادراک کرتا ہے۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۹۰' بیروت)

اس بحث کو زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے شرح صحیح مسلم جلد خامس ص ۱۰۸۔۸۸ کا مطالعہ کریں۔

''ما انا بقارئٍ'' کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جبرائیل نے آپ سے کہا: ''اقرأ'' پڑھیے' آپ نے فرمایا: ''ما انا بقارئٍ'' میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا' اور جب تین بار آپ نے یہی فرمایا تو جبرائیل نے کہا: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' یعنی آپ اپنی قوت اور اپنی معرفت سے نہ پڑھیں بلکہ آپ اپنے رب کی طاقت اور اس کی اعانت سے پڑھیں' اس نے جس طرح آپ کو پیدا کیا ہے وہ آپ کو پڑھنا سکھائے گا' یہ علامہ سہیلی کی تقریر ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا کہ ''ما انا بقارئٍ'' کی ترکیب اختصاص کا تقاضا کرتی ہے' کیونکہ جب مسند الیہ سے پہلے

حرف نفی ہو مسند الیہ مسند پر مقدم ہو اور مسند فعل یا شبہ فعل ہو تو اس ترکیب میں مسند مسند الیہ کے ساتھ مختص ہوتا ہے جیسے "ما انا قلت هذا" یعنی یہ بات صرف میں نے نہیں کہی اس کا مطلب ہے: میرے علاوہ دوسروں نے یہ بات کہی ہے یعنی صرف میں قرأت نہیں کرسکتا میرے علاوہ دوسرے قرأت کر سکتے ہیں علامہ طیبی نے اس تقریر کو مسترد کر دیا ہے اور کہا: یہ ترکیب تقویت اور تاکید کا تقاضا کرتی ہے اور اس کا معنیٰ ہے: میں یقیناً قرأت کرنے والا (پڑھنے والا) نہیں ہوں اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے تین بار "ما انا بقارئ" کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کا معنیٰ یہ ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا دوسری بار کا معنیٰ یہ ہے: میں پڑھتا نہیں ہوں اور تیسری بار کا معنیٰ ہے: میں کیا پڑھوں؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوالاسود نے مغازی میں عروہ سے روایت کیا ہے: "کیف اقرء" میں کیسے پڑھوں اور سیرت ابن اسحاق میں عبید بن عمیر سے روایت ہے: "ماذا اقرء" میں کیا پڑھوں؟ اور دلائل بیہقی میں زہری سے مرسلاً روایت ہے: "کیف اقرء" میں کیسے پڑھوں؟ اور ان تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ "ما" استفہامیہ ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۔۲۳ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لیے مجھ سے پڑھا نہیں جا سکتا ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو سخت دہشت اور خوف لاحق ہوا ہو اور اس خوف اور دہشت کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا کیونکہ جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا اُمیّت کے منافی نہیں ہے خصوصاً جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے ہاں! کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا اُمیّت کے منافی ہے قاموس میں لکھا ہے کہ اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں: جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو اور بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل جواہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا: پڑھیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے پڑھوں؟ یہ معنیٰ زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۰۷۔۵۰۶ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا O انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا O بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے O کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا O یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا O آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے O (العلق: ۱۳۔۴)

لکھنے کی فضیلت اور لکھنے کے متعلق احادیث

قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی کی طرف لایا اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا اور نہ اوّلین اور آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثارِ صحابہ اور اقوالِ مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصولِ علم کا دروازہ بند رہتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی سنتا تھا اس کو یاد رکھنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر بات سن کر لکھ لیتے ہو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، پھر میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس واقعہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٦٤٦) 56

حضرت الشفاء بنت عبد اللہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، آپ نے فرمایا: تم ان کو پھوڑے کا دَم کیوں نہیں سکھاتیں، جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٨٨٧، مسند احمد رقم الحدیث: ٢٧١٦٣، دارالفکر)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے تو آپ نے فرمایا: میری حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ سے بہت احادیث سنتے ہیں، پھر ان کو لکھ لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: لکھتے رہو، کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٤٤١٠، مسند الشامیین رقم الحدیث: ٢٢٧، مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا، وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے، میں نے صحابہ سے کہا: آپ لوگ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن چکے ہیں اور آپ لوگ احادیث بیان کرنے میں منہمک رہتے ہیں تو صحابہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے بھتیجے! ہم نے جو کچھ آپ سے سنا ہے، وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی متروک ہے)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو قید کرو، میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: لکھنا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٨٥٢، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن المؤمل ہے، ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا، اور امام احمد نے کہا: اس کی احادیث منکر ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۲)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: علم کو لکھ کر قید کرلو۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھ، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ اَبد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢١٥٥، مسند احمد ج ۵ص ۳۱۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، پھر اس کی تصویر بناتا ہے اور اس میں اس کی سماعت، اس کی بصارت، اس کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں پیدا فرماتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کی زندگی کتنی ہے؟ پس تمہارا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ اس صحیفہ کو لے کر نکل

56

جاتا ہے' پس اللہ کے حکم پر کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴۵)

دیگر احادیث میں اس طرح ہے: چالیس دن نطفہ رہتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے' پھر اس میں چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' پھر فرشتہ اس کا رزق' اس کی مدتِ حیات' اس کا عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۰۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۴۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اصل میں اقلام تین ہیں: (۱) قلم اوّل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا (۲) قلم ثانی فرشتوں کے اقلام ہیں' وہ قلم اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے ہیں' وہ ان قلموں سے تقدیر' مستقبل میں ہونے والے اُمور اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (۳) قلم ثالث لوگوں کے قلم ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے ہیں' جن سے وہ اپنی باتیں لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو تحریر میں لاتے ہیں اور کتابیں اور رسائل لکھتے ہیں۔

العلق: ۵ میں فرمایا: انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھاO

العلق: ۵ میں ''الانسان'' کے متعلق متعدد اقوال

اس آیت میں انسان کے مصداق میں کئی اقوال ہیں:

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا O (النساء:۱۱۳)

اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے' اور اللہ کا آپ پر عظیم فضل ہےO

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ (ھود:۴۹)

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' ان چیزوں کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد ہر انسان ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O (النحل:۷۸)

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا' اس وقت تم کو کچھ علم نہ تھا اور اسی نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کروO

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۹۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ ھ)

علامہ الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا. (البقرہ:۳۱) آدم کو تمام اسماء کا علم دے دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط. (النساء:۱۱۳) اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۸۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی التوفی ۵۹۷ ھ نے لکھا ہے:

''انسان'' سے مراد اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (زادالمسیر ج ۹ ص ۱۷۶' المکتب الاسلامی' بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں ''انسان'' کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (۲) اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۳) اس سے مراد عام انسان ہے اور ہر قول پر وہی دلائل دیئے ہیں جو دوسرے مفسرین نے ذکر کیے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۰۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی ''انسان'' کے مصداق میں یہی تین قول نقل کیے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۶۲۸' فتح البیان ج ۷ ص ۵۰۴):

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ساتھ اور بغیر قلم کے ایسے اُمور کلیہ اور جزئیہ اور ظاہر اور خفی سکھا دیئے' جن کا دل میں خطرہ بھی نہیں گزرتا' یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال کرم ہے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے علوم سکھا رہا ہے' جن کا عقلیں احاطہ نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

العلق: ۷۔۶ میں فرمایا: بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

''طغیان'' کا معنیٰ

مفسرین نے کہا: العلق: ۶ سے لے کر آخر سورت تک تمام آیات ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں' اس آیت میں ''لیطغی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''طغیان'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مشرکین نے ان کو سنا تو ابوجہل نے آپ کے پاس آ کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کا یہ زعم ہے کہ جو مستغنی ہوتا ہے' وہ سرکشی کرتا ہے تو آپ ہمارے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیں' شاید ہم اس سے کچھ سونا لے لیں' پھر ہم اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کی پیروی کریں گے' تب آپ کے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ان کو اختیار دیں' اگر یہ چاہیں تو ہم پہاڑ کو سونا بنا دیں' اس کے باوجود اگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہم ان پر وہ عذاب نازل کریں گے' جو اصحابِ مائدہ پر نازل کیا تھا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے' اس لیے آپ نے ان کو ان کے اسی حال پر باقی رکھا۔

العلق: ۷ میں فرمایا: اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O یعنی اپنے قبیلہ اور دیگر مددگاروں کے ہونے کی بناء پر اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیتا ہے اور اس کو جب مل جاتا ہے تو وہ اپنے کھانے' پینے' لباس اور سواریوں میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

العلق: ۸ میں فرمایا: بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے O
یعنی جب ابوجہل آخرت میں پہنچے گا تو اسے اپنے تکبر اور سرکشی کی سزا مل جائے گی۔

ابوجہل کی مذمت اور ادب کی وجہ سے مکروہ وقت میں نماز سے منع نہ کرنا

العلق: ۱۰۔۹ میں فرمایا: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں تمہارے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منہ خاک آلود کروں؟ لوگوں نے کہا: ہاں' اس نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا' اسے بتایا گیا کہ دیکھو وہ سامنے نماز پڑھ رہے ہیں' وہ آپ کی گردن کو روندنے کے لیے آگے بڑھا' پھر فوراً الٹے پاؤں لوٹ آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا تھا' لوگوں نے اس سے پوچھا: اے ابوالحکم! کیا ہوا' کیوں واپس آگئے؟ اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق ہے اور اس میں ہولناک چیزیں ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ ذرا بھی میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O

(الوسیط ج ۴ ص ۵۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: اس آیت میں ہر اس شخص کے لیے وعید ہے جو کسی کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے' روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ نے ان کو منع کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ڈرتا تھا کہ میں اس آیت کی وعید میں داخل ہو جاؤں گا' کیا آپ نے اس کو دیکھا جو ہمارے بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھے' امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے بہت خوب صورت ادب کو مستنبط کیا' امام ابو یوسف نے ان سے پوچھا: جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو یہ کہہ سکتا ہے: ''اللھم اغفرلی؟'' ابوحنیفہ نے کہا: وہ ''ربنا لك الحمد'' کہے اور سجدہ میں چلا جائے اور ''اللھم اغفرلی'' کہنے سے منع نہیں کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۲۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب یا استواءِ آفتاب کے وقت نماز پڑھ رہا ہو' جب سجدہ کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے بلکہ بعد میں مسئلہ بتا دیا جائے کہ اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح گاؤں کی مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا' لیکن ان کو صراحۃً جمعہ پڑھنے سے منع نہ کیا جائے بلکہ ان سے کہا جائے کہ آپ پر ظہر کی نماز فرض ہے اور اس کی جماعت واجب ہے اور ظہر با جماعت کو ترک کرنے سے آپ لوگ گنہ گار ہوں گے' اس لیے ظہر کی نماز با جماعت پڑھیں' مجھ سے ایک دفعہ ایک عالم نے پوچھا کہ جب طلوعِ آفتاب کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے تو اس حرام کام سے منع کیوں نہیں کیا جائے گا؟ میں نے کہا: یہ قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے' اس وقت نماز پڑھنا قبیح لذاتہ ہے' اس لیے حرام ہے اور نماز فی نفسہ حسن لغیرہ ہے' اس لیے اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔

العلق: ۱۲۔۱۱ میں فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا O یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر سے خطاب فرمایا ہے کہ اے کافر! یہ بتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز پڑھ رہے

ہیں' ان کا نماز پڑھنا عین ہدایت ہے اور وہ جو دین کی تبلیغ کر رہے ہیں اور لوگوں کو عذاب سے ڈرا رہے ہیں اور خوفِ خدا کا حکم دے رہے ہیں اور تو ان کو ان نیک کاموں سے ڈرا رہا ہے۔

العلق:۱۳ میں فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے O

یعنی ابوجہل اللہ عزوجل کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان لانے سے اعراض کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے O بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے O وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے O اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے O ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے O ہرگز نہیں' آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں O (العلق: ۱۹۔۱۴)

ابوجہل کے لیے عذاب کی وعید

یعنی کیا ابوجہل نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے' اور اس کو اس کی شرارتوں اور خباثتوں کا علم ہے۔

العلق:۱۶۔۱۵ میں فرمایا: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے O وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے O

یعنی اگر ابوجہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے باز نہ آیا تو ہم قیامت کے دن اس کو ضرور پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے' پھر اس کو اس کے قدموں کے ساتھ باندھ کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

یہ آیت ہر چند کہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن یہ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور اس آیت سے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتے اور اس کے سامنے سرکشی کرتے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اس آیت میں ''لنسفعا'' کا لفظ ہے''سفع'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا اور ''ناصیة'' کا معنیٰ ہے: پیشانی کے اوپر سر کے بال۔

العلق:۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے O ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے' ابوجہل کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو ابوجہل کہنے لگا: اے محمد! آپ مجھے کس چیز سے ڈرا رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! اس وادی کے اکثر لوگ میری مجلس میں بیٹھنے والے ہیں' تب اللہ سبحانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ تم اپنی مجلس کے مددگاروں کو بلاؤ' ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے

سجدہ سے اللہ سبحانہ کے قرب کا حصول

العلق:۱۹ میں فرمایا: ہرگز نہیں' آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں O

یعنی ابوجہل جو آپ کو نماز پڑھنے سے منع کر رہا ہے' آپ ہرگز اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ اللہ کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کریں' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ سجدہ کریں تو اللہ سے دعا کر

کے اس کا قرب حاصل کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کا اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ محبت اس وقت ہوتی ہے' جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲)

عبارت کا خلاصہ ہے: اللہ سبحانہ کے سامنے ذلت اختیار کرنا اور غایت تذلل سجدہ میں ہے کیونکہ انسان سجدہ میں اپنے مشرف ترین عضو کو اللہ کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکوع میں رب کی تعظیم کرو اور رہا سجود تو اس میں دعا کی خوب کوشش کرو کیونکہ اس میں تمہاری دعا کا قبول ہونا متوقع ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۶)

زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اے محمد! آپ نماز سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں اور اے ابوجہل! تو دوزخ کے قریب ہوتا رہ۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ اس سے سجدۂ تلاوت مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ '' اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ '' (الانشقاق: ۱) میں سجدہ کیا اور '' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ '' (العلق: ۱) میں سجدہ کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۷۳)

اور یہ حدیث نص صریح ہے کہ اس آیت میں سجدہ سے مراد سجدۂ تلاوت ہے۔

ہم دنیا کے مقتدر لوگ مثلاً صدر اور گورنر وغیرہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کا قرب حاصل کرنے کی ہمیں کتنی کوشش کرنی چاہیے اور اس کا قرب حاصل کرنا کتنا آسان ہے' سجدہ کرو اور اس کے قریب ہو جاؤ۔

سورۃ العلق کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۲ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۵ نومبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعہ بہ وقت فجر سورۃ العلق کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! اس تفسیر کو قبول فرمالیں اور قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری' میرے والدین اور میرے اساتذہ اور تبیان القرآن کے قارئین کی مغفرت فرمادیں۔ (آمین یارب العلمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلي و نسلم علٰى رسوله الكريم

سورة القدر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام القدر ہے' کیونکہ اس سورت میں ''لیلة القدر'' کا تین بار ذکر ہے اور اس سورت کی پہلی آیت میں ''القدر'' کا لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ (القدر:۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے ۝

''القدر'' کے کئی معانی ہیں' مگر یہاں عظمت اور شرف مراد ہے' یعنی یہ بہت عظمت اور شرف والی رات ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے القدر:۱ کی تفسیر میں فرمایا: پورا قرآن مجید رب العزۃ کے پاس سے لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور اس کو آسمانِ دنیا میں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس کو لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حرا میں نازل ہوئے اور بندوں کے سوالات کے جوابات میں اور ان کے اعمال سے متعلق آیات لے کر نازل ہوئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۴۲۵' المستدرک ج ۲ ص ۵۳۰۔ رقم الحدیث:۳۹۵۸' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۱۹)

اس سے پہلے سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا: آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۔

اور اس سورت میں بتایا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء لیلۃ القدر میں ہوئی' جو بہت بڑے مرتبہ اور بہت عظمت والی رات ہے' کیونکہ اس رات میں آسمان سے فرشتے اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں اور طلوعِ فجر تک اس رات میں عبادت کرنے والوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں بہت انوار اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ . رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

(البقرہ:۱۸۵)

اور اس سورت میں بتایا ہے کہ لیلۃ القدر میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان کے مہینہ میں ہے' رہا یہ کہ رمضان کی کون سی شب لیلۃ القدر ہے تو احادیثِ صحیحہ سے واضح ہوا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر ہے اور جمہور علماء کا مختار یہ ہے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔

سورۃ القدر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ

اوراس کی تفسیر شروع کررہا ہوں، رب العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۲ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۵ نومبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ القدر ۹۷ مکیۃ ۲۵ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ

بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟ O شبِ قدر

ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا

ہزار مہینوں سے بہتر ہے O اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے

بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ﴿۵﴾ ع

حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں O یہ رات طلوعِ فجر ہونے تک سلامتی ہے O

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۵ — ۱ / ۲۲ المنزل السابع

معانقۃ ۱۸ عند المتاخرین ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟ O شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے O (القدر: ۳۔۱)

”لیلۃ القدر“ میں قرآن مجید کا آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہونا

القدر: ۱ میں ”انزلناہ“ کی ضمیر منسوب قرآن مجید کی طرف راجع ہے‘ ہرچند کہ اس سورت میں اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے‘ کیونکہ قرآن مجید کا معنیٰ ہر پڑھنے والے کو معلوم ہے اور اس کا ذکر اس کے ذہن میں مرتکز ہے‘ درج ذیل آیات میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ. رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔

(البقرہ: ۱۸۵)

حمٓ ﴿۱﴾ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُبِينِ ﴿۲﴾ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ. حامیم O کتاب مبین کی قسم O ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔

(الدخان: ۳۔۱)

اس آیت میں ”لیلۃ مبارکۃ“ سے مراد ”لیلۃ القدر“ ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء ”لیلۃ القدر“ میں کی ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے پورے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف بیت العزۃ میں نازل کیا‘ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے اور یہ مدت تیئس (۲۳) سال ہے۔

الماوردی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن مجید رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ میں اللہ کی طرف سے آسمانِ دنیا میں مکمل نازل ہوا‘ پھر مکرم فرشتوں نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے بیس راتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام پر نازل کیا‘ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور حضرت جبریل مختلف مہینوں اور مختلف ایام میں حسب ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے تھے۔

(النکت والعیون ج ٦ ص ٣١١ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن العربی نے کہا: یہ قول باطل ہے حضرت جبریل علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی فرشتے کا واسطہ نہیں ہے اور نہ حضرت جبریل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہے۔

(احکام القرآن ج ٤ ص ٣٢٨ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤٠٨ھ)

صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف مکمل نازل ہوا پھر امر اور نہی اور حلال اور حرام اور مواعظ اور قصص اور لوگوں کے سوالات کے جوابات میں حسب ضرورت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس (٢٣) سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے حضرت جبریل کے واسطے سے نازل ہوتا رہا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پورا قرآن ساتویں آسمان سے آسمانِ دنیا کی طرف رمضان میں نازل ہوا پھر اللہ تعالیٰ جس چیز کو نازل فرمانا چاہتا نازل فرما دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ١٤٤۔ رقم الحدیث: ٣٠١٧٨ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٦ھ)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ آسمانی کتابیں چوبیس رمضان کو نازل ہوئی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٠١٨٠)

ابوالعالیہ ابوالجلد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے یکم رمضان کی شب میں نازل ہوئے اور زبور چھ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٠١٨٢)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ تورات اس دن نازل ہوئی جب رمضان میں چھ دن رہتے تھے اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٠١٧٩)

بعض مقامات اور بعض اوقات میں عبادت کے اجر میں اضافہ

اس رات میں جو فضیلت رکھی گئی ہے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ اس رات میں عبادت کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں فرشتوں کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں طلوعِ فجر تک سلامتی کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں قرآن مجید کے نزول کی ابتداء کی وجہ سے فضیلت ہے یا فی نفسہ اس رات میں فضیلت رکھی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر عبادت کرنے کی فضیلت رکھی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے برابر ہے اور میری مسجد' مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا' دوسری جگہ سوا مسجد حرام کے ایک ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٤٠٦) ان مقامات اور جگہوں کو عبادات کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان مقامات پر عبادات کرنے کے ثواب کو بڑھا دیا گیا اسی طرح بعض اوقات کو بھی عبادات کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان اوقات میں عبادات کے اجر و ثواب کو بڑھا دیا گیا' جیسے رمضان کے مہینہ میں نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ہے اور فرائض کے ثواب کو ستر درجہ بڑھا دیا گیا' اسی طرح لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ کر دیا گیا۔

لیلۃ القدر میں ''قدر'' کے معانی

اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ ''قدر'' کا معنیٰ تقدیر ہے: ''خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا'' (الفرقان: ٢)

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا مناسب اندازہ کیا' اس رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے لیے جو امور چاہتا ہے وہ مقدر فرما

دیتا کہ اس سال میں کتنے لوگوں پر موت آئے گی' کتنے لوگ پیدا ہوں گے اور لوگوں کو کتنا رزق دیا جائے گا' پھر یہ اُمور اس جہان کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کو سونپ دیئے جاتے ہیں اور وہ چار فرشتے ہیں: اسرافیل' مکائیل' عزرائیل اور جبریل علیہم السلام' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوحِ محفوظ سے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال کتنا رزق دیا جائے گا اور کتنی بارشیں ہوں گی' کتنے لوگ زندہ رہیں گے اور کتنے مرجائیں گے' عکرمہ نے کہا: لیلۃ القدر میں بیت اللہ کا حج کرنے والوں کے نام اور ان کے آباء کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں' ان میں سے کسی نام کی کمی کی جاتی ہے اور نہ کسی نام کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں مستقبل میں ہونے والے اُمور کے متعلق فیصلے فرماتا ہے اور ان فیصلوں کو ان فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے جو ان کو نافذ کرتے ہیں۔

اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ''قــــدر'' کا معنیٰ عظمت اور شرف ہے'' وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ '' (الانعام:۹۱) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی' جیسے کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی بہت قدر و منزلت ہے' زہری نے کہا: اس رات میں عبادت کرنے کی بہت قدر و منزلت ہے اور اس کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے' ابوبکر وراق نے کہا: جس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو' جب وہ اس رات کو عبادت کرتا ہے تو وہ بہت قدر اور عظمت والا ہو جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والی کتاب' بہت عظیم الشان رسول پر' بہت عظمت والی امت کے لیے نازل کی گئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت خیر اور برکت اور مغفرت نازل فرماتا ہے' سہل نے کہا: اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لیے رحمت کو مقدر کر دیا ہے۔

خلیل نے کہا: ''قدر'' کا معنیٰ تنگی بھی ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ . (الطلاق:۷) جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔

اس رات میں اتنی کثرت سے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ زمین ان سے تنگ ہو جاتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۱۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

القدر: ۳۔۲ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟ O شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے O

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن عیینہ نے کہا: قرآن مجید کی جس آیت میں کسی چیز کے متعلق فرمایا: ''وما ادراك'' اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا ہے اور جس کے متعلق فرمایا ہے: ''وما یدریك'' اس کا علم آپ کو نہیں دیا۔

(صحیح البخاری ص ۴۱۸' شرکۃ دار الارقم' بیروت' لبنان)

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے لیلۃ القدر کے متعلق سوال کیا' جو میرے دوست تھے' انہوں نے کہا: ہم نے رمضان کے متوسط عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا' آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے اور آپ نے ہمیں خطبہ دیا' اور آپ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی' پھر بھلا دی گئی' اب تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو' میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں' پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ جائے' ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان میں کوئی بادل نہیں دیکھتے تھے' پھر

اچانک بادل آیا اور بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور اس کی چھت میں کھجور کی شاخیں تھیں‘ اور نماز کی اقامت کہی گئی‘ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے‘ حتیٰ کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا نشان دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۶‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۲‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۶‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۴۲‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے باہر آئے‘ اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے‘ آپ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے آیا تھا‘ پس فلاں اور فلاں آپس میں لڑ پڑے تو لیلۃ القدر کی تعیین اٹھالی گئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو‘ پس تم اس کو انتیسویں شب‘ ستائیسویں شب اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۲۳)

شارحین نے کہا ہے کہ صرف اس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھالیا گیا تھا اور دوسرے سال آپ کو پھر اس کا علم عطا کر دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۸۷‘ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۷‘ فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۳)

میں کہتا ہوں کہ اس سال شب قدر کی تعیین کے علم کو اٹھانے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کے لیے لیلۃ القدر کی تعیین کو مخفی رکھنے کا عذر ہو جائے کیونکہ اگر آپ کو علم ہوتا اور آپ نہ بتاتے تو یہ آپ کی رحمت کے خلاف تھا اور اگر بتا دیتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ لیلۃ القدر کی تعیین کو مخفی رکھا جائے تاکہ اللہ کے بندے لیلۃ القدر کی تلاش میں رمضان کے آخری عشرہ کی ہر طاق رات جاگ کر عبادت میں گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا عبادت میں جاگنا پسند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی چیزوں کو مخفی رکھا ہے‘ مثلاً اللہ کے ولی کو مخفی رکھا ہے تاکہ لوگ ہر شخص کے متعلق یہ گمان کر کے کہ ممکن ہے یہی اللہ کا ولی ہو‘ اس کی تعظیم اور تکریم کریں‘ جمعہ کی جس ساعت میں دعا قبول ہوتی ہے‘ اس کو مخفی رکھا تاکہ مسلمان جمعہ کی ہر ساعت میں دعا کرتے رہیں کہ ممکن ہے یہی قبولیت کی ساعت ہو‘ موت کے وقت کو مخفی رکھا تاکہ انسان ہر وقت نیک کاموں میں مشغول رہے اور بُرے کاموں سے مجتنب رہے تاکہ اس کو موت آئے تو نیک کام کرتے ہوئے آئے‘ نہ کہ خدا نخواستہ بُرے کام کرتے ہوئے اس کو موت آئے‘ اسی طرح قیامت کے وقت کو بھی مخفی رکھا‘ تاکہ ہر لمحہ لوگ ڈرتے رہیں کہ کہیں اسی وقت قیامت نہ آجائے اور لیلۃ القدر کو بھی مخفی رکھا تاکہ کوئی عادی مجرم اس رات کو بھی گناہوں میں گزار دے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ نہ لکھا جائے کہ اس نے اس عظیم رات کی دانستہ بے توقیری کی ہے۔

لیلۃ القدر کے فضائل

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے معتمد اہل علم سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں تو آپ نے اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ کہ وہ اتنے عمل نہیں کر سکیں گے جتنے لمبی عمر والے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا کی‘ جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۷۲۱‘ باب لیلۃ القدر)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا‘ جو اللہ کی راہ میں ایک ہزار سال تک ہتھیار پہنے رہا‘ مسلمانوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ”اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ؕ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ“ (القدر: ۱-۳)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۲۴‘ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹۳)

علی بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ بنی اسرائیل کے چار شخصوں نے اسّی (۸۰) سال تک اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی' اور ان کے نام بتائے: حضرت ایوب' حضرت زکریا' حضرت حزقیل بن العجوز اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو تعجب ہوا' تب آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کی امت کو اس پر تعجب ہے کہ ان لوگوں نے اسّی سال عبادت کی اور پلک جھپکنے کی مقدار بھی نافرمانی نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز نازل کی ہے' پھر آپ کے سامنے سورۃ القدر: ۳۔ ۱ آیات تلاوت کیں اور کہا: یہ اس سے افضل ہے جس پر آپ کو اور آپ کی امت کو تعجب ہوا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب خوش ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۲۶' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹۳)

امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو لیلۃ القدر عطا کی ہے اور اس سے پہلی امتوں کو عطا نہیں کی۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۲۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے' اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا تو اللہ سبحانہ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۲۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۳)

رمضان کی ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے پر دلائل

زر بن جیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا: اے ابو المنذر! ہمیں لیلۃ القدر کے متعلق بتایئے کیونکہ حضرت ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ جو شخص پورا سال قیام کرے گا' وہ لیلۃ القدر کو پالے گا' حضرت ابی بن کعب نے کہا: اللہ ابو عبد الرحمان پر رحم فرمائے' ان کو خوب معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے' لیکن انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ تم کو اس کی تعیین بتلائیں اور تم اس پر تکیہ کر لو' اور اس ذات کی قسم جس نے قرآن کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے' لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے' ہم نے پوچھا: اے ابو المنذر! آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا: اس علامت سے جس کی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے' ہم نے اس کو یاد رکھا اور اس کا شمار کیا' ہم نے پوچھا: وہ کیا علامت ہے؟ انہوں نے کہا: اس کی صبح کو سورج بغیر شعاعوں کے طلوع ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۹۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۱۲)

حضرت ابی بن کعب' امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کا یہ نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام ابو حنیفہ اور بعض شافعیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے' سات اعضاء پر سجدہ مشروع کیا' طواف کے سات پھیرے مقرر کیے اور ہفتہ کے سات دن بنائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجر اور امام رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ استدلال بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حرف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین بار ذکر کیا گیا ہے' جن کا حاصل

ضرب ستائیس ہے' اس لیے یہ رات ستائیسویں ہونی چاہیے۔امام رازی نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی اس سورۃ مبارکہ میں ''هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ '' (القدر: ۵) میں ''ھــی ''ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے' اس اشارے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔

لیلۃ القدر میں عبادت کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من قام لیلۃ القدر ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه ''جس شخص نے شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے قیام کیا' اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔اس حدیث کی روشنی میں لیلۃ القدر کی اصل عبادت قیام نماز ہے' اس لیے اس رات زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے اور توبہ واستغفار میں کوشش کرنی چاہیے' بندہ خضوع وخشوع اور سوز گداز سے نماز پڑھے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں' تقصیروں اور گناہوں کو یاد کر کے روئے اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور بار بار استغفار کرے۔

بعض صالحین نے اس رات کی عبادت کے مخصوص طریقے بتائے ہیں۔علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بعض صالحین لیلۃ القدر میں لیلۃ القدر کے قیام کی نیت سے دس دوگانے پڑھتے تھے۔بعض اکابر سے یہ بھی منقول ہے: جس شخص نے ہر رات لیلۃ القدر کی نیت سے دس آیات تلاوت کیں' وہ لیلۃ القدر کی برکات سے محروم نہیں ہوگا۔امام ابو اللیث نے بیان کیا کہ لیلۃ القدر کی کم از کم نماز دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ ہزار رکعات ہیں اور متوسط سو رکعات ہیں اور ہر رکعت میں متوسط قراءت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ ''اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ '' کی سورت پڑھے' اس کے بعد تین بار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' کی سورت پڑھے' پھر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے اور درود شریف پڑھ کر دوسرے دوگانے کے لیے اُٹھے' اس طرح جتنے نفل چاہے پڑھے' علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت بلا کراہیت جائز ہے بشرطیکہ فرائض کی طرح اذان اور اقامت نہ کریں۔''شرح نقایہ'' وغیرہ میں ''محیط'' کے حوالے سے یہ عبارت ہے: ''لیلۃ القدر صلٰوۃ الرغائب '' اور شعبان کی پندرھویں شب میں نوافل میں امام کی اقتداء کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے کیونکہ جو چیز مؤمنوں کے نزدیک حسن ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہوتی ہے' اس لیے اس پر اعتراض کرنے والے ان لوگوں کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کرو' جن کو عبادت کا ذوق ہے نہ دعاؤں کا شوق ہے۔(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۸۱۔۵۸۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عامر بیان کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر کا دن اس کی شب کی مثل ہے اور اس کی شب اس کے دن کی مثل ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۳۔رقم الحدیث: ۸۶۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ہمارے ملک میں جس تاریخ کو شب قدر ہوتی' سعودی عرب میں اس سے ایک دن یا دو دن پہلے شب قدر ہوتی ہے' میرا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ملک کے رہنے والوں کو ان کے حساب سے شب قدر کی عبادت کا اجر عطا فرمائے گا۔

ابن المسیب نے کہا: جس شخص نے لیلۃ القدر میں مغرب اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی' اس نے لیلۃ القدر سے اپنا حصہ پالیا۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۶۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ثواب میں اضافہ

شب قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادتوں سے زیادہ دیا جاتا ہے' اس سلسلہ میں یہ سوال کیا جاتا ہے: کیا اس ایک رات میں عبادت کرنے کے بعد انسان ایک ہزار ماہ کی عبادتوں سے آزاد ہو جاتا ہے؟ اسی طرح ایک نماز کا ثواب دس نمازوں

کے برابر ہے اور کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے تو کیا کعبہ میں ایک نماز پڑھنے سے ایک کم ایک لاکھ نمازیں انسان سے ساقط ہو جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر کی عبادت نفلی ہے اور ہزار ماہ میں جو فرائض اور واجبات ہیں' یہ نفلی عبادت ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی' رہا یہ کہ ایک فرض کا ثواب اس فرض کی دس مثلوں کے برابر ہوتا ہے یا کعبہ کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے مساوی ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس فرض کے ادا کرنے کا مکلف ہے جو دس مثلوں کے یا ایک لاکھ مثلوں کے مساوی ہے' ان مثلوں میں سے کوئی ایک مثل اس فرض کے مساوی نہیں' جو دس یا ایک لاکھ مثلوں کے برابر ہے' لہٰذا ان مثلوں سے فرض کی تکلیف ساقط نہیں ہو سکتی' اس لیے ایک نماز پڑھ کر انسان دس نمازوں سے بری ہو سکتا ہے' نہ شب قدر کی عبادت سے ہزار ماہ کی عبادتوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

گناہ میں اضافہ

ایک بحث یہ بھی غور طلب ہے کہ جس طرح شب قدر میں عبادت کرنے سے ثواب بڑھ جاتا ہے' کیا اس طرح شب قدر میں گناہ کرنے سے سزا بھی زیادہ ہوتی ہے' اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو قطعی طور پر شب قدر کا علم ہو جائے اور پھر وہ اس رات میں قصداً گناہ کرے تو یقیناً اس کا یہ گناہ اور راتوں کے گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور وہ زیادہ سزا کا مستحق ہے' اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ: "مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا" (الانعام:۱۶۰) جو شخص جتنی برائی کرے گا اسے اتنی برائی ہی کی سزا ملے گی' پھر اس رات میں قصداً گناہ کرنے والا کیوں زیادہ سزا کا مستحق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں گناہ کرنے والے کی دو زیادتیاں ہیں' ایک گناہ کی اور ایک شب قدر کے تقدس کو پامال کرنے کی' جس طرح گھر میں گناہ کی بہ نسبت حرم کعبہ میں وہ گناہ کرنا زیادہ بڑا ہے' اس لیے جو شخص شب قدر میں گناہ کرے گا' اس کو اسی گناہ کی سزا ملے گی' لیکن ظاہر ہے کہ اس رات کا جرم اور راتوں کے جرم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

شب قدر کو مخفی رکھنے کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو اپنی حکمتوں سے مخفی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کس عبادت سے راضی ہوتا ہے' اس کو مخفی رکھا تاکہ بندہ تمام عبادات میں کوشش کرے' کس گناہ سے ناراض ہوتا ہے' اس کو مخفی رکھا تاکہ بندہ ہر گناہ سے باز رہے۔ ولی کی کوئی علامت مقرر نہیں کی اور اسے لوگوں کے درمیان مخفی رکھا تاکہ لوگ ولی کے شائبہ میں ہر انسان کی تعظیم کریں۔ قبولیت توبہ کو مخفی رکھا تاکہ بندے مسلسل توبہ کرتے رہیں۔ موت اور قیامت کے وقت کو مخفی رکھا تاکہ بندے ہر ساعت میں گناہوں سے باز رہیں اور نیکی کی جدوجہد میں مصروف رہیں۔ اسی طرح لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ رمضان کی ہر رات کو لیلۃ القدر سمجھ کر اس کی تعظیم کریں اور اس کی ہر رات میں جاگ کر عبادت کریں۔

امام رازی تحریر فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ اس رات کو معین کر کے بتا دیتا تو نیک لوگ تو اس رات میں جاگ کر عبادت کر کے ہزار ماہ کی عبادتوں کا اجر حاصل کر لیتے اور عادی گنہگار اگر شامتِ نفس اور اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس رات بھی کوئی گناہ کر لیتا تو وہ ہزار ماہ کے گناہوں کی سزا کا مستحق ہوتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس رات کو مخفی رکھا تاکہ اگر کوئی عادی گنہگار اس رات بھی کوئی گناہ کر بیٹھے تو لیلۃ القدر سے لاعلمی کی بناء پر اس کے ذمہ لیلۃ القدر کی احترام شکنی اور ہزار ماہ کے گناہ نہ لازم آئیں' کیونکہ علم کے باوجود گناہ کرنا لاعلمی سے گناہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے' وہاں ایک شخص کو سوئے ہوئے دیکھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسے وضو کے لیے اٹھا دو' انہوں نے اٹھا دیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ تو نیکی کرنے میں خود پہل کرتے ہیں' آپ

نے اس کو خود کیوں نہیں جگا دیا؟ آپ نے فرمایا: اگر میرے اٹھانے پر یہ انکار کر دیتا تو یہ کفر ہوتا اور تمہارے اٹھانے پر انکار کرنا کفر نہیں ہے' تو میں نے تم کو اٹھانے کا اس لیے حکم دیا کہ اگر یہ انکار کر دے تو اس کا قصور کم ہو' غور کرو! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گنہگاروں پر رحمت کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا عالم ہوگا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آسان ہے کہ نیکو کار لیلۃ القدر کی جستجو میں رمضان کی متعدد راتیں جاگ کر کھنگال ڈالیں' یہ بھی گوارا ہے کہ اس تلاش میں ان سے لیلۃ القدر چوک جائے' لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ لیلۃ القدر بتلا دینے سے کوئی گنہگار بندہ اپنے گناہ کی ہزار گنا زیادہ سزا پائے' اللہ! اللہ! وہ اپنے بندوں کا کتنا خیال رکھتا ہے' پھر گنہگار بندوں کا!

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب لیلۃ القدر کا علم نہیں ہوگا اور بندے رمضان کی ہر رات کو لیلۃ القدر کے گمان میں جاگ کر گزاریں گے اور رمضان کی ہر رات میں عبادت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اسی ابن آدم کے متعلق تم نے کہا تھا کہ یہ زمین کو خونریزی اور گناہوں سے بھر دے گا' ابھی تو اس کو لیلۃ القدر کا قطعی علم نہیں ہے' پھر بھی عبادت میں اس قدر کوشش کر رہا ہے' اگر اسے لیلۃ القدر کا علم قطعی ہوتا کہ کون سی رات ہے' پھر اس کی عبادتوں کا کیا عالم ہوتا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں O یہ رات طلوع فجر ہونے تک سلامتی ہے O (القدر: ۵۔۴)

فرشتوں کے نزول کی تفصیل

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

کعب بیان کرتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اس کنارے پر ہے' جو جنت کے قریب ہے' پس اس کے نیچے دنیا ہے اور اس کے اوپر جنت ہے اور جنت کرسی کے نیچے ہے' اس میں فرشتے ہیں جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور سدرہ کی ہر شاخ پر فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کا مقام اس کے وسط میں ہے' اللہ تعالیٰ ہر لیلۃ القدر میں حضرت جبریل کو ندا کرتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتوں کے ساتھ زمین پر نازل ہوں' اور ان میں سے ہر فرشتے کو مؤمنین کے لیے شفقت اور رحمت دی جاتی ہے' پھر وہ غروب آفتاب کے وقت حضرت جبریل کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں' پھر زمین کے ہر حصہ پر فرشتے سجدہ اور قیام میں مؤمنین اور مؤمنات کے لیے دعا کرتے ہیں' سوا ان مقامات کے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا معبد ہو یا آتش کدہ ہو یا بت خانہ ہو یا کچرا کنڈی ہو یا جس گھر میں کوئی نشہ کرنے والا ہو یا جس گھر میں گھنٹی ہو یا بیت الخلاء ہو' ان جگہوں کے علاوہ ہر جگہ فرشتے تمام رات مؤمنوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور حضرت جبریل ہر مؤمن سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس وقت ہر مؤمن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کا دل بہت نرم ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس وقت حضرت جبریل اس سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۵۳۔ رقم الحدیث: ۱۹۴۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

لیلۃ القدر میں فرشتوں کا زمین پر نازل ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں' اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں' بعض مفسرین نے کہا: وہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں' لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ وہ زمین پر نازل ہوتے ہیں' کیونکہ بہت احادیث میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں' پس جب عام ایام میں فرشتے

زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریقِ اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتے کس لیے زمین پر نازل ہوتے ہیں' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) بعض نے کہا: فرشتے اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔

(۲) فرشتوں نے کہا تھا: 57

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ (مریم:۶۴) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے:

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:۲۴-۲۳) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے ۝ اور کہیں گے: تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمایا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی' اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لیے آئیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرشتے اس رات کو اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں' سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

روح کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں' روح کے متعلق حسبِ ذیل اقوال امام رازی نے ذکر کیے ہیں:

(۱) روح بہت بڑا فرشتہ ہے' وہ اتنا بڑا ہے کہ تمام آسمان اور زمینیں اس کے سامنے ایک لقمہ کی طرح ہیں۔

(۲) روح سے مراد مخصوص فرشتوں کی ایک جماعت ہے' جس کو عام فرشتے صرف لیلۃ القدر کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔

(۳) وہ اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے جو نہ فرشتوں کی جنس سے ہے' نہ انسانوں کی جنس سے ہے' ہوسکتا ہے وہ اہل جنت کے خادم ہوں۔

(۴) اس سے مراد خاص رحمت ہے' کیونکہ رحمت کو بھی روح فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۔ (یوسف:۸۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(۵) اس سے مراد بہت بزرگ اور مکرم فرشتہ ہے۔

(۶) ابونجیح نے کہا: اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں' جو مؤمن کے نیک کام لکھتے ہیں اور بُرے کاموں کے ترک کرنے کو لکھتے ہیں۔

(۷) زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام فرشتوں سے الگ ذکر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

القطب الربانی الشیخ عبد القادر الجیلانی ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل کو حکم دیتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ سے ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جائیں' ان کے ساتھ نور کے

جھنڈے ہوتے ہیں' جب وہ زمین پر اترتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام اور باقی فرشتے چار جگہوں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں' کعبہ پر' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر' بیت المقدس کی مسجد پر اور طور سیناء کی مسجد پر' پھر جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ زمین پر پھیل جاؤ' پھر فرشتے تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جس مکان یا خیمے یا پتھر پر یا کسی کشتی میں غرض جہاں بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت ہو' وہاں فرشتے پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں! جس گھر میں کتا یا خنزیر یا شراب ہو یا تصویروں کے مجسمے ہوں' یا 57
کوئی شخص زنا کاری سے جنبی ہو' وہاں نہیں جاتے۔ وہاں پہنچ کر فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں' کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جب فجر ہوتی ہے تو آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور جب پہلے آسمان سے فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے' تو وہ پوچھتے ہیں: تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں تھے کیونکہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی لیلۃ القدر تھی۔ آسمانِ دنیا کے فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجات کے سلسلے میں کیا کیا؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیک لوگوں کو بخش دیا اور بدکاروں کی شفاعت قبول کر لی' پھر آسمانِ دنیا کے فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو امت محمدیہ کی مغفرت فرمائی ہے' اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرشتے دوسرے آسمان پر جاتے ہیں اور وہاں اسی طرح گفتگو ہوتی ہے' علیٰ ہذا القیاس' سدرۃ المنتہیٰ' جنت الماویٰ' جنت نعیم' جنت عدن اور جنت الفردوس سے ہوتے ہوئے وہ فرشتے عرشِ الٰہی پر پہنچیں گے' وہاں عرشِ الٰہی آپ کی امت کی مغفرت پر شکریہ ادا کرے گا اور کہے گا: اے اللہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ گزشتہ رات تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صالحین کو بخش دیا اور گنہگاروں کے حق میں نیکوکاروں کی شفاعت قبول کر لی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عرش! تم نے سچ کہا' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے میرے پاس بڑی عزت اور کرامت ہے اور ایسی نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا کبھی خیال آیا۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۵۰۔۳۴۹' دار الفکر' بیروت)

فرشتوں کو زمین پر نازل کرنے کی حکمتیں

فرشتوں کے زمین پر نزول کے بارے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ زمین پر انسانوں کی عبادات کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے: "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ" فرشتے اور جبریل امین اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشمول جبرائیل تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے زمین پر آنے کی پہلے اجازت طلب کرتے ہیں' پھر اس کے بعد زمین پر اترتے ہیں اور یہ چیز انتہائی محبت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ پہلے وہ ہماری طرف راغب اور مائل تھے اور ہم سے ملاقات کی تمنا کرتے تھے' لیکن اجازت کے منتظر تھے اور جب اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی تو قطار در قطار صف باندھے زمین پر اُتر آئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود فرشتے ہم سے ملاقات کی تمنا کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو ہمارے گناہوں کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عبادات کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب گناہوں پر پہنچتے ہیں تو لوحِ محفوظ پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس وقت فرشتوں کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلتے ہیں: سبحان ہے وہ ذات جس نے نیکیوں کو ظاہر کیا اور گناہوں کو چھپا لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۵۔۲۳۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے خود عبادات سے مال مال ہیں' تسبیح' تقدیس اور تہلیل کے تونگر ہیں' قیام' رکوع اور سجود کون سی عبادت ہے جو ان کی جھولی میں نہیں ہے' پھر انسانوں کی وہ کون سی عبادت ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ انسانوں سے ملاقات

کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص خود بھوکا رہ کر اپنا کھانا کسی اور ضرورت مند کو کھلا دے یہ وہ نادر عبادت ہے جو فرشتوں میں نہیں ہوتی' گناہوں پر توبہ اور ندامت کے آنسو بہانا اور گڑگڑانا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا' اپنی طبعی نیند چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے رات کے پچھلے پہر اُٹھنا اور خوف خدا سے ہچکیاں لے لے کر رونا' یہ وہ عبادت ہے جس کا فرشتوں کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: گناہ گاروں کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز اللہ تعالیٰ کو تسبیح اور تہلیل کی آوازوں سے زیادہ پسند ہے' اس لیے فرشتے یادِ خدا میں آنسو بہانے والی آنکھوں کے دیکھنے اور خوفِ خدا سے نکلنے والی آہوں کے سننے کے لیے زمین پر اترتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں فرشتے مسلمانوں کی زیارت کریں گے اور آ کر سلام عرض کریں گے "الملائکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم "فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور آ کر سلام کریں گے' اور لیلۃ القدر میں یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ تو آخرت تو الگ رہی دنیا میں بھی فرشتے تمہاری زیارت کو آئیں گے اور آ کر دنیا میں بھی تم کو سلام کریں گے۔ امام رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ علماء اور صالحین کے سامنے زیادہ اچھی اور زیادہ خضوع وخشوع سے عبادت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ اے انسانو! تم عبادت گذاروں کی مجلس میں زیادہ عبادت کرتے ہو' آؤ! اب ملائکہ کی مجلس میں خضوع اور خشوع سے عبادت کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۲۳۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے اعتراض کی صورت میں کہا تھا کہ اُسے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جو زمین میں فسق وفجور اور خون ریزی کرے گا؟ اس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی اُمیدوں سے بڑھ کر اجر وثواب کا وعدہ کیا' اس رات کے عبادت گزاروں کو زبانِ رسالت سے مغفرت کی نوید سنائی' فرشتوں کی آمد اور ان کی زیارت اور سلام کرنے کی بشارت دی' تا کہ اس کے بندے یہ رات جاگ کر گزاریں' تھکاوٹ اور نیند کے باوجود اپنے آپ کو بستروں اور آرام سے دُور رکھیں' تا کہ جب فرشتے آسمان سے اتریں تو ان سے کہا جا سکے: یہی وہ ابن آدم ہے' جس کی خونریزیوں کی تم نے خبر دی تھی' یہی وہ شر خاکی ہے' جس کے فسق وفجور کا تم نے ذکر کیا تھا' اس کی طبیعت اور خلقت میں ہم نے رات کی نیند رکھی ہے' لیکن یہ اپنے طبعی اور خلقی تقاضوں کو چھوڑ کر ہماری رضا جوئی کے لیے یہ رات سجدوں اور قیام میں گزار رہا ہے' تم نے فسق وفجور اور خون ریزی دیکھی تھی' ہماری خاطر راتوں کو جاگ کر سجدہ کرنے والی جبینیں نہیں دیکھی تھیں' ہماری یاد کے سبب آنکھوں میں مچلنے والے آنسو نہیں دیکھے تھے' دیکھو! اللہ تعالیٰ بڑے مان سے تمہاری عبادت دکھانے کے لیے آسمان سے فرشتے اتارتا ہے' کہیں تم یہ رات گناہوں میں گزار کر اس کا مان نہ توڑ دینا۔

فرشتوں کا سلام

مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر میں عبادت کرنے والے انسان کو جس وقت روح الامین آ کر سلام کرتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس پر خوفِ خدا کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے' یادِ خدا سے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور خشیت الٰہی سے بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے' امام رازی فرماتے ہیں: فرشتوں کا سلام کرنا' سلامتی کا ضامن ہے۔ سات فرشتوں نے آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا تھا تو ان پر نمرود کی جلائی ہوئی آگ سلامتی کا باغ بن گئی تھی۔ شب قدر کے عابدوں پر جب اس رات لاتعداد فرشتے آ کر سلام کرتے ہیں تو کیونکر نہ یہ امید کی جائے کہ جہنم کی آگ ان پر سلامتی کا باغ بن جائے گی۔

سورۃ القدر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۶ شوال ۱۴۲۶ھ/۲۹ نومبر ۲۰۰۵ء بہ روز منگل بہ وقت سحر سورۃ القدر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے رب! اپنے لطف وکرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' میری تمام تصانیف کو تا روز قیامت شائع' مقبول ومرغوب اور فیض آفریں رکھیں اور میری مغفرت فرما دیں۔ آمین یا رب العٰلمین

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وشفیع المذنبین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ البیّنۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام البیّنۃ ہے۔''البیّنۃ'' کا معنیٰ ہے:''الحجۃ الواضحۃ ''یعنی بہت صاف اور واضح دلیل اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''البیّنۃ'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾ (البینۃ:۱) اہل کتاب میں سے کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے○

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے یہ سورت پڑھوں:''لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا'' (البینۃ:۱) حضرت ابی نے پوچھا: اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو حضرت ابی رونے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۹)

دوسری روایت میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے وہ سورت پڑھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:''یا خیر البریۃ!'' آپ نے فرمایا: اس کے مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۵۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، پھر آپ نے پڑھا:''لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا'' (البینۃ:۱) اور اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دین معتبر ہے، جو حنیفہ اور مسلمہ ہو نہ کہ یہودیہ اور نصرانیہ اور مجوسیہ، جس نے نیکی کی وہ ہرگز اس کا کفر نہیں کرے گا اور آپ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس مال کی ایک وادی ہو تو وہ ضرور دوسری وادی کو تلاش کرے گا، اور اگر اس کو دوسری وادی مل جائے تو وہ ضرور تیسری وادی تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے تو اللہ ضرور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۸۹۸، مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۱)

البیّنۃ :۴۔۱ میں یہود، نصاریٰ اور مجوس کے مذاہب کا بطلان بیان فرمایا ہے۔

البیّنۃ :۵ میں یہ بتایا ہے کہ تمام اعمال میں اخلاص ضروری ہے۔

البینۃ:۸۔۶ میں کفار کو مخلوق کا بدترین گروہ فرمایا اور مؤمنین کو مخلوق کا بہترین گروہ فرمایا۔

اس مختصر تعارف کے بعد میں اب سورۃ البیّنۃ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں، رب العٰلمین! اس میں میری مدد فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ ۲۷ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۳۰ نومبر ۲۰۰۵ء

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ ۹۸ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۸ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ البینہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

اہلِ کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲

حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے O وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ

ان میں معتدل احکام ہیں O اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا جب ان کے پاس

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

واضح دلیل آ چکی تھی O اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ

اللہ کی عبادت کریں، ملتِ حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

دین مستقیم ہے O بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین ہیں

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ

وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں، وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں O بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں O

جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ

سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے'

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾ ع

۱ ع ۸ ۲۳

یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے O وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O ان میں معتدل احکام ہیں O اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا جب ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی O (البیّنۃ: ۴-۱)

امام ابو منصور ماتریدی کی تقریر

ان آیات کی مفسرین نے کئی تقریریں کی ہیں۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

البیّنۃ: ۱ میں اہل کتاب سے پہلے ''مـــن'' تبعیضیہ کا ذکر ہے اور مشرکین سے پہلے نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے متعدد فرقے تھے' ان میں سے بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے اور مشرکین تمام کے تمام کافر تھے۔

اہل کتاب میں سے بعض وہ تھے' جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو پھر بھی وہ آپ پر ایمان لے آئے' اور بعض وہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہیں لائے اور بعض وہ تھے جو پہلے بھی کافر تھے اور بعد میں بھی کافر رہے' اور جب ان کے متعدد فرقے تھے تو اہل کتاب سے پہلے ''مـــن'' تبعیضیہ کا ذکر کیا یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رہے مشرکین تو ان کی ایک ہی قسم تھی اور وہ سب کافر تھے۔

اس آیت میں ''بیـــنـــة'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جیسا کہ البیّنۃ: ۲ میں فرمایا: وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''بیـــنـــة'' اس لیے فرمایا ہے کہ حق اور باطل کو آپ نے ہی بیان فرمایا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر اہم چیز آپ نے بیان فرمائی اور اپنی نبوت اور اسلام کی صداقت پر آپ نے ہی معجزات پیش کیے' سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے' اس کو بھی آپ نے پڑھ کر سنایا' سو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر حجت قاطعہ اور واضح دلیل آپ کی ذات گرامی ہے' اس لیے ان دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جن بعض لوگوں نے کفر کیا' وہ اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں ہیں' حتیٰ کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں اور آپ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں' جس میں معتدل احکام ہیں اور اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا' جب آپ مبعوث ہو گئے' ان میں سے بعض آپ پر ایمان لے آئے اور ان میں سے بعض نے عناداً آپ کا انکار کیا اور کافر ہو گئے۔

البیّنۃ: ۱ کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین دنیا سے اس وقت تک نکلنے والے نہیں ہیں' جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آ جائے اور واضح دلیل سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت ان کو عذاب کے فرشتے دکھائے

جائیں گے اور وہ عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور اس وقت دنیا سے نکل جائیں گے۔

البینۃ :۲ میں پہلی تقریر کے مطابق حجت واضحہ کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں' اور دوسری تقریر کے مطابق جب حجت واضحہ سے مراد عذاب کے فرشتے ہوں تو پھر یہاں سے نیا کلام شروع ہو رہا ہے یعنی وہ اللہ کے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں' پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے' قرآن مجید ہر چند کہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے صیغہ سے ذکر فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تمام صحائف سابقہ کے اصول اور عقائد پر مشتمل ہے' اس لیے اس کو صحف مطہرہ فرمایا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ذکر کتب سابقہ میں بھی تھا' جیسا کہ فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء:۱۹۶) کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے ○

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ○ (الاعلیٰ:۱۹۔۱۸) یہ نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی ہے ○ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ○

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید سابقہ صحائف میں ہے اور سابقہ صحائف قرآن مجید میں ہیں' پس جب آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو گویا سابقہ صحائف کی تلاوت کی۔

البینۃ :۳ میں فرمایا: ان میں معتدل احکام ہیں۔

اس آیت میں ''قیّمۃ'' کا لفظ ہے' ''قیمۃ'' کا معنی ہے: صادقہ' صواب پر مبنی' درست' معاش اور معاد کو درست کرنے والی' مراد یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں درست اور مستقیم تھیں' انسان کی زندگی کی اصلاح کرنے والی تھیں' اور قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کے عقائد اور نصائح پر مشتمل ہے' یعنی اس کتاب میں بہت احکامِ شرعیہ ہیں جو معتدل ہیں اور حکمت کے موافق ہیں۔

البینۃ :۴ میں فرمایا: اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا' جب ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی ○

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) بعض اہل کتاب نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اس وقت اختلاف کیا' جب ان کے نزدیک دلیل سے آپ کی نبوت ثابت ہوگئی' حالانکہ اس سے پہلے وہ اس پر متفق تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے' ان کا خیال تھا کہ وہ نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے' لیکن جب وہ نبی بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تو ضد' عناد اور تعصب کی وجہ سے انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

(۲) جس چیز میں انہوں نے اختلاف کیا' وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی خلقت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں ہیں' اگر وہ ان نشانیوں میں غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس جگہ ''البیّنۃ'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن مجید یا انسان کی نفس خلقت ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۵۰۰۔۴۹۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

البینۃ :۱ اور البینۃ :۴ میں تعارض کے امام رازی کی طرف سے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے ان آیات کی تقریر اس طرح کی ہے:

البینۃ :۱ کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے' وہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان کے پاس حجت واضحہ نہ آ جائے اور حجت واضحہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یعنی جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مبعوث ہو جائیں گے تو وہ اپنے کفر کو چھوڑ دیں گے۔
البیّنہ: ۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو ان کا کفر زیادہ ہو گیا اور ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اور یہ ان آیتوں پر قوی اشکال ہے اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) صاحبِ کشاف نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ کفار کے دو فریق تھے: اہل کتاب اور بت پرست' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے اہلِ کتاب یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دین کو ترک نہیں کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی مبعوث ہو جائیں' جن کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ وعدہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور جو نبی مبعوث ہونے والے تھے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی کہ جب وہ رسول آ گئے تو انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک تنگ دست شخص بدکار ہو اس سے کوئی دوسرا شخص کہے: تم بدکاری چھوڑ دو' تو وہ کہے: اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو میں بدکاری چھوڑ دوں گا' پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسے مال دے دیا تو اس نے پھر بھی بدکاری نہیں چھوڑی' خلاصہ یہ ہے کہ البیّنہ: ۱ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ آخری نبی مبعوث نہ ہو جائیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے قول کی حکایت کی ہے اور البیّنہ: ۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ واقع میں اہل کتاب نے اس رسول کے آنے کے بعد بھی اپنے کفر کو نہیں چھوڑا' سو البیّنہ: ۱ میں اہل کتاب کے قول کی حکایت ہے اور البیّنہ: ۴ میں واقع کی حکایت ہے' سو ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام رازی کے جوابات پر مصنف کا تبصرہ اور تجزیہ

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اس جواب کو سب سے عمدہ جواب قرار دیا ہے' لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ البیّنہ: ۱ میں مشرکین کا بھی ذکر ہے اور مشرکین سے اس نبی کی بعثت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور نہ وہ یہ کہتے تھے کہ جب وہ نبی آ جائیں گے تو ہم اپنے کفر کو ترک کر دیں گے' سو امام رازی کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ البیّنہ: ۱ میں مشرکین کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس امام ماتریدی نے ان آیتوں میں یہ فرق نہیں کیا کہ البیّنہ: ۱ میں ان کے قول کی حکایت ہے اور البیّنہ: ۴ میں واقع کی حکایت ہے' بلکہ دونوں میں واقع کا ذکر ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے' جب تک کہ حجت واضحہ نہ آ جائے' لہٰذا البیّنہ: ۴ میں فرمایا کہ جب وہ حجت واضحہ آ گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو اہل کتاب میں تفرقہ ہو گیا کیونکہ بعض اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئے تھے اور بعض آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔

(۲) امام رازی نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ البیّنہ: ۱ کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ کفار اپنے کفر کو ترک نہیں کریں گے خواہ ان کے پاس حجت واضحہ آ جائے' لیکن امام رازی نے اس جواب کو خود یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس آیت میں لفظ "حتّٰی" ہے اور لفظ "حتّٰی" سے یہ معنیٰ نہیں بنتا۔

(۳) امام رازی نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ "منفکین" کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے کفر کو ترک کر دیں گے بلکہ اس سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مناقب کو ترک کرنا' اور البیّنہ: ۱ کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فضائل اور مناقب کے ساتھ ذکر اس وقت تک ترک نہیں کریں گے' جب تک حجت واضحہ نہ آ جائے یعنی پہلے اہل کتاب اور مشرکین آپ کا ذکر فضائل اور مناقب کے ساتھ کرتے تھے' لیکن جب آپ مبعوث ہو گئے

تو انہوں نے عناد کی وجہ سے آپ کے فضائل کا ذکر کرنا ترک کر دیا۔

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب درست ہے۔

(۴) امام رازی کا چوتھا جواب یہ ہے کہ البینہ :۱میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا' حتیٰ کہ حجت واضحہ آ جائے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں اور البینہ :۴ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ مجموعہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہا بلکہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہے اور ان کا تفرقہ ظاہر ہو گیا۔

امام رازی کا یہ جواب بھی درست ہے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کفار کو اپنے کفر میں تردد نہیں تھا بلکہ اپنے کفر پر جزم اور یقین تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو ان کا کفر پر جزم اور یقین زائل ہو گیا اور وہ اپنے کفر میں متردد اور حیران رہ گئے۔

امام رازی کا یہ جواب بھی صحیح ہے۔

البینہ:۱میں ''من'' تبعیضیہ پر ایک اشکال کا جواب

امام رازی فرماتے ہیں: کفار کی دو قسمیں ہے: ایک اہل کتاب ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ' یہ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین میں کفر کو اختیار کر لیا' یہود نے کہا: ''عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبہ:۳۰) اور عیسائیوں نے کہا: ''الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبہ:۳۰) مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' نیز انہوں نے اپنی کتاب میں اور اپنے دین میں تحریف بھی کی ہے' اور مشرکین اپنے آپ کو کسی کتاب کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے' وہ بت پرستی کرنے کی وجہ سے کافر تھے' اس طرح یہ کافروں کی دو جنسیں ہیں' اب البینہ :۱ پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: بعض اہل کتاب اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے تو بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے' اس لیے اہل کتاب پر تو ''من'' تبعیضیہ کا داخل ہونا صحیح ہے اور مشرکین تو تمام کافر ہیں' اس لیے مشرکین پر ''من'' تبعیضیہ کا داخل ہونا صحیح نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''من'' تبعیضیہ اہل کتاب اور مشرکین کے مجموعہ پر داخل ہے اور اس مجموعہ کا بعض کافر ہے نہ کہ کل۔

مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں

اس میں اختلاف ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں' بعض علماء نے کہا کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے: جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک مجلس میں کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میں مجوس کے ساتھ کیا معاملہ کروں' وہ اہل کتاب نہیں ہیں' تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۲۲۴ طبع کراچی' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۰۲۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ص ۱۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۴۹۰)

اور بعض علماء نے کہا کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا ذکر فرمایا ہے' جو بلادِ عرب میں تھے اور وہ یہود اور نصاریٰ ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ (الانعام:۱۵۶)

کہیں تم لوگ یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے دو فرقوں پر نازل ہوئی تھی۔

ان دو فرقوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۹۔ ۲۳۷ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں' ملت حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے○ بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں' اور مشرکین ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں' وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں○ ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے' جو دائمی جنتیں ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا○ (البیّنہ: ۸۔ ۵)

اخلاص کی اہمیت

البیّنہ: ۵ میں فرمایا: اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں' ملت حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے○

یعنی ان کفار کو تورات اور انجیل میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○ (الذاریات: ۵۶)
اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں○

لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ (الزمر: ۳)
اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ○ (الزمر: ۱۱)
آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبات کروں○

''حنفاء'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''حنفاء'' فرمایا ہے' ''حنفاء'' کا معنیٰ ہے: مائل ہوتے ہوئے' یعنی تمام ادیان اور مذاہب سے انحراف کرتے ہوئے دینِ اسلام کی طرف مائل ہوتے ہوئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر' سعید بن جبیر نے کہا: حنیف کا معنیٰ ہے: جو شخص ختنہ کرے اور حج کرے' اہل لغت نے کہا: جو شخص اسلام کی طرف مائل ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے ''حنفاء'' کی تفسیر میں کہا:

مجاہد نے کہا: ''حنفاء'' کا معنیٰ ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہوئے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ (النحل: ۱۲۳)
پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں' اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے○

گویا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم لوگوں کے مزاج میں تقلید کرنے کا عنصر ہے' سو اگر تم نے تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کرو' جن کے متعلق تمام اہل مذاہب کا اجماع ہے کہ وہ اور ان کے اصحاب نیک اور پاکیزہ تھے' قرآن مجید میں ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ (الممتحنہ:۴) تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ تھا۔

سو اگر تمہیں کسی کی پیروی کرنے کا شوق ہے تو حضرت ابراہیم کی کرو' جنہوں نے تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے' بتوں سے بیزاری کی پاداش میں انہیں آگ میں ڈالا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح سنی "سبوحٌ قدوسٌ " تو وہ ان کو بہت اچھی لگی اور اس کو دوبارہ سننے کے لیے انہوں نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں دے دیا' خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی رضا میں اپنی جان' اپنی اولاد اور اپنے مال کو خرچ کر دیا' سو تم اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کرو' اور اگر تم پوری طرح حضرت ابراہیم کی پیروی نہیں کر سکتے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیروی کرو' جنہوں نے کم سنی میں اللہ کی رضا اور اپنے والد کے حکم کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور تم اس مرد کامل کی اتباع بھی نہ کر سکو تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی اتباع کرو' انہوں نے کس طرح اپنے غم اور غصہ کے گھونٹ پیے' اپنے بچہ کی ولادت کی مشقت اور تکلیف برداشت کی' پھر جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں اکیلا چھوڑ کر جانے لگے اور اشارہ سے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں تو وہ اس پر راضی ہو گئیں اور اس مصیبت پر صبر کر لیا' غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام' ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت ہاجر' سب کے سب تسلیم و رضا کے پیکر تھے اور ان سب کی زندگیوں میں ہمارے عمل کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اخلاص اور عبادت کا معنیٰ

اس آیت میں "مخلصین" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "اخلاص" ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرے' اس کا باعث اس فعل کی نیکی ہو اور جو فرض یا واجب ادا کرے' اس کا باعث اس فعل کی فرضیت یا وجوب ہو' وہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے اس فعل کو کرے نہ وہ فعل کسی کو دکھانا مقصود ہو نہ کسی کو سنانا مقصود ہو' اصل مقصود بالذات اللہ عزوجل کی رضا ہو' جنت کا حصول بھی بالتبع مطلوب ہو اور دوزخ سے نجات بھی بالتبع مطلوب ہو۔ تورات میں لکھا ہوا ہے: جس فعل سے میری رضا کا ارادہ کیا گیا وہ فعل کم بھی ہو تو اللہ کے نزدیک بہت ہے اور جس فعل سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا وہ فعل اگر بہت بھی ہو تو میرے نزدیک کم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے والد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے یا اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص نہیں ہے' اسی طرح اگر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص کہاں سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے "مخلصین" کی تفسیر میں کہا: وہ عبادت کا اقرار کرتے ہوئے نیک کام کریں اور بعض مفسرین نے کہا: وہ اپنے دلوں سے عبادت میں اللہ کی رضا کا ارادہ کریں' زجاج نے کہا: وہ صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں' کسی اور کو اس میں شریک نہ کریں' اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ:۳۱) اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔

عبادت کا معنیٰ تذلل ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے لیے انتہائی تعظیم اور اپنی انتہائی عاجزی اور تذلل سے کی ہوئی اطاعت' جس سے اللہ کے کسی حکم پر عمل ہو' بچہ کی نماز کو عبادت نہیں کہتے کیونکہ وہ اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا'

اس لیے اس کے فعل میں انتہائی تعظیم ہو گی' اسی طرح یہودی کی نماز بھی عبادت نہیں ہو گی کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم تو ہے لیکن اس کی نماز اللہ کا حکم نہیں ہے' کیونکہ اسلام کے علاوہ باقی تمام شرائع منسوخ ہو چکی ہیں' اسی طرح جو لوگ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں اور پوری طرح رکوع اور سجود نہیں کرتے' ان کی نماز بھی عبادت نہیں ہے کیونکہ ان کی نماز میں نہ انتہائی تعظیم ہے اور نہ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

وضو میں نیت کی فرضیت کی دلیل اور اس کا جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اخلاص کا معنیٰ ہے: نیت خالصہ اور ہر عبادت میں نیت خالصہ ضروری ہے یعنی وہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جائے اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ عبادت کریں' اس لیے ہر عبادت میں نیت کرنا ضروری ہوا' اس لیے امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ وضو کرنا بھی عبادت ہے' اس لیے وضو میں نیت کرنا فرض ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عبادات میں نیت واجب ہے کیونکہ اخلاص قلب کا عمل ہے' اس سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی متوفی ۳۷۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں عبادت میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے' یعنی عبادت میں اللہ کے غیر کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ اخلاص شرک کی ضد ہے اور اس کا نیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ نیت کے ہونے میں اور نہ نیت کے نہ ہونے میں' اس لیے نیت کو واجب کرنے میں اخلاص سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ جو شخص ایمان لے آیا' اس نے اپنی عبادت میں اخلاص کر لیا اور شرک کی نفی کر دی۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۷۷' سہیل اکیڈمی' لاہور)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

نیت طہارت کی شرائط میں سے ہے' بغیر نیت کے وضو صحیح ہے نہ تیمّم اور نہ غسل' امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے' اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ پانی سے طہارت کے حصول میں نیت شرط نہیں ہے' نیت صرف تیمّم میں شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ. جب تم نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

(المائدہ: ۶)

اس آیت میں وضو کی شرائط کا ذکر کیا ہے اور نیت کا ذکر نہیں کیا' اگر نیت وضو کی شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ذکر فرماتا' کیونکہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کا امر کیا گیا ہے' اس پر عمل کرنے سے مامور بہ حاصل ہو جاتا ہے' لہٰذا چہرہ اور ہاتھوں اور پیروں کو دھونے اور سر کا مسح کرنے سے وضو حاصل ہو جاتا ہے' نیز یہ پانی سے طہارت کو حاصل کرنا ہے اور اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے' جس طرح نجاست کو پانی سے زائل کرنے کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہے' (علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:) ہماری دلیل یہ ہے: حدیث میں ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱) لہٰذا بغیر نیت کے وضو صحیح نہیں ہو گا۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۰۔ ۱۱۹ ملخصاً' دار الفکر' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے' بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال کی فضیلت کا مدار نیت پر ہے کیونکہ بہت سارے اعمال بغیر نیت کے بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوتے ہیں' مثلاً کسی چیز کو خریدنا' بیچنا' واپس کرنا' کسی چیز کو کرائے پر دینا' کسی کو ملازم رکھنا' نکاح کرنا' طلاق دینا' منگنی کرنا' ایلاء کرنا' ظہار کرنا' بیوی بچوں کو خرچ دینا اور اس طرح کے بہت اعمال بغیر نیت کے بھی صحیح ہیں' لہٰذا وضو کرنا بھی بغیر نیت کے صحیح ہے' البتہ فضیلت اسی میں ہے کہ وضو کرنے سے پہلے اس میں طہارت کی نیت کی جائے۔

البیّنہ: ۵ کے لطائف اور نکات

اس آیت میں حسب ذیل لطائف اور نکات ہیں:

(۱) اس آیت سے پہلی چار آیتوں میں کفر کو ترک کرنے اور عقائد صحیحہ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم ہے اور اس آیت میں اخلاص سے عبادت کرنے' نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے' پھر اس مجموعہ کے متعلق فرمایا کہ یہی دین قیمہ ہے یعنی دین مستقیم ہے' اور اس میں یہود اور نصاریٰ اور مرجئہ کا رد ہے' کیونکہ یہود اور نصاریٰ عمل تو بہت کرتے تھے لیکن اللہ عزوجل کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ان کا ایمان نہیں تھا' اور مرجئہ کا عقائد صحیحہ پر ایمان تو تھا مگر وہ اعمالِ صالحہ کو ضروری نہیں مانتے تھے' پس ان میں سے کوئی بھی دین قیمہ اور دین مستقیم کا حامل نہیں ہے' دین قیمہ کے حامل صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔

(۲) اس آیت میں مسلمانوں کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کی گئی ہے کیونکہ فرشتے تسبیحات پڑھتے ہیں' رکوع اور سجود کرتے ہیں لیکن وہ محنت اور مشقت سے مال کما کر اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور مسلمان نماز پڑھتے ہیں' یہ وصف فرشتوں میں بھی ہے اور مسلمان زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور یہ وصف فرشتوں میں نہیں ہے' اس لیے فرشتوں سے آخرت میں کہا جائے گا کہ تم مسلمانوں کی عظمتوں کو سلام کرو کیونکہ انہوں نے محنت اور مشقت سے مال کما کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر صبر کیا اور انہوں نے روزے رکھے اور بھوک اور پیاس کو برداشت کر کے صبر کیا' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۞ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ. (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے داخل ہوں گے ۞ اور کہیں گے: تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔

(۳) نفس کامل تب ہوتا ہے' جب اس کو علم بھی ہو اور قدرت بھی' اگر اس کو علم ہو اور قدرت نہ ہو تو وہ اپاہج کی طرح عاجز اور ناقص ہے' اگر اس کو قدرت اور علم نہ ہو تو وہ مجنون کی طرح ناقص ہے اور نماز دین کے لیے علم کے منزلہ میں ہیں اور زکوٰۃ دین کے لیے قدرت کے مرتبہ میں' پس جس طرح نفس علم اور قدرت سے کامل ہوتا ہے' اسی طرح دین نماز اور زکوٰۃ سے کامل ہوتا ہے اور یہی دین قیمہ ہے۔

(۴) پہلے ''مخلصین'' فرمایا' اس میں دین کے عقائد کی طرف اشارہ ہے' پھر نماز اور زکوٰۃ کا فرمایا اور ان عبادات کی مشقت سے مسلمان علم اور عمل کے لحاظ سے کامل ہو گئے' اور وہ دین قیمہ کے حامل ہو گئے۔

(۵) اس آیت میں عقائد اور اعمال کا ذکر ہے اور ایمان کامل تصدیق اور اعمالِ صالحہ کا مجموعہ ہے' سو اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔

البیّنہ: ۶ میں فرمایا: بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین ہیں' وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں' وہی تمام مخلوق سے بدترین ہیں ۞

کفار اہل کتاب کے عذاب کو مشرکین کے عذاب پر مقدم کرنے کی توجیہ

البیّنۃ :٦ میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور البیّنۃ :٨۔ ٧ میں مؤمنین کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے' پہلے کفار کے عذاب اور پھر مؤمنین کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا تا کہ مؤمنین اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں کو ترک کرتے رہیں' کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اگر کوئی شخص ساری عمر نماز نہ پڑھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' لیکن اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بال کی بھی توہین کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادات اتنی عزیز نہیں ہیں جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور حرمت عزیز ہے اور اہل کتاب میں سے کفار اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے اور اس کی عبادت بھی کرتے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے توقیری کرتے تھے اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے توقیری کرتے تھے' پھر ان کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ موجب غضب یہ چیز ہے کہ اس کے رسول کی بے توقیری کی جائے' اس لیے اہل کتاب میں سے کفار کے عذاب کو پہلے بیان فرمایا اور مشرکین کے عذاب کو بعد میں بیان فرمایا۔

مؤمنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل

البیّنۃ :٧ میں فرمایا: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ○

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مؤمنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں اور تمام مخلوق میں ملائکہ بھی داخل ہیں' لہٰذا مؤمنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں' تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ رسل بشر' رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عام مؤمنین صالحین سے افضل ہیں اور عام مؤمنین صالحین عام ملائکہ سے افضل ہیں اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ رسل ملائکہ' رسل بشر سے افضل ہیں اور عام ملائکہ عام مؤمنین صالحین سے افضل ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے مؤقف پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں کا اللہ کے نزدیک جو مرتبہ ہے' کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' قیامت کے دن بندہ مؤمن کا جو اللہ کے نزدیک مرتبہ ہوگا' وہ فرشتوں کے مرتبہ سے ضرور بہت زیادہ عظیم ہوگا اور تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ (البیّنۃ :٧) — بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں ○

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۴۳۲' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۳۸' روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۷۰)

اس کے علاوہ درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام

مخلوق میں سب سے زیادہ کون مکرم ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتیں؟ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ'' (البینہ: ۷)۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۳۸، روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۷۰)

مؤمنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے مسئلہ میں امام رازی کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس پر حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

(۱) یزید نحوی سے مروی ہے کہ ''بریۃ''، ''برا'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنیٰ ہے: مٹی اور اس سے مراد بنو آدم ہیں، لہٰذا ''بریۃ'' میں فرشتے داخل ہی نہیں ہیں حتیٰ کہ مؤمنین صالحین کا فرشتوں سے افضل ہونا لازم آئے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ ''بریۃ''، ''برا'' سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ ''بَرءَ'' سے ماخوذ ہے، امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن قتیبہ نے کہا کہ ''البریۃ'' کا معنیٰ ہے: ''الخلق''۔ اکثر عرب اور قراء اس کو ترک ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ ''البریٰ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ مٹی ہے یعنی جن کو مٹی سے پیدا کیا گیا، انہوں نے کہا: اسی وجہ سے اس پر ہمزہ نہیں ہے، الزجاج نے کہا: اگر یہ ''البریٰ'' سے ماخوذ ہوتا، جس کا معنیٰ مٹی ہے تو اس پر ہمزہ نہ آتا، یہ لفظ صرف ''بوء اللّٰہ الخلق'' (اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا) سے ماخوذ ہے۔ الخطابی نے کہا کہ ''البریۃ'' کی اصل میں ہمزہ ہے، لیکن اس میں ہمزہ کو ترک کرنے پر اصطلاح ہوگئی۔ (زاد المسیر ج ۹ ص ۱۹۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ ھ)

خود امام رازی البینہ: ۶ میں ''شر البریۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پانچواں سوال یہ ہے کہ لفظ ''البریۃ'' کی قرأت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام نافع نے ''البرئیۃ'' کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے بغیر ہمزہ کے ''البریۃ'' پڑھا ہے، جیسے ''النبی، الذریۃ'' اور ''الخابیۃ'' پڑھا جاتا ہے، جب اس کو اصل کی طرف لوٹایا جائے تو پھر اس پر ہمزہ آتا ہے، جیسا کہ لفظ ''النبی'' میں بھی ہمزہ اسی طرح ہے اور اس میں ہمزہ کو ترک کرنا عمدہ ہے اور اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ''البریۃ''، ''البریٰ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ مٹی ہے، ان کا قول فاسد ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

لیجئے! امام رازی نے خود تصریح کردی ہے کہ ''البریۃ''، ''البریٰ'' سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ قول فاسد ہے، پھر حیرت ہے کہ فرشتوں کی بشر پر فضیلت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ایک صفحہ بعد یہ لکھ دیا کہ ''خیر البریۃ'' میں ''البریۃ''، ''البریٰ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ہے: بنو آدم نہ کہ ''بَرءَ اللّٰہ الخلق'' سے ماخوذ ہے، یعنی مؤمنین صالحین تمام بنو آدم میں افضل ہیں نہ کہ مؤمنین صالحین تمام مخلوق میں افضل ہیں، حتیٰ کہ وہ فرشتوں سے افضل ہوں اور امام رازی جس کی یہاں پیروی کررہے ہیں، وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور ہم جس کی پیروی کررہے ہیں، وہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

(۲) امام رازی کا اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' بشر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۹۔۲۴۸)

میں کہتا ہوں کہ یہ قول قرآن مجید کے اسلوب اور حرف دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' آیا ہے، اس سے مراد بشر ہی ہوتے ہیں، فرشتے مراد نہیں ہوتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امام رازی نے معتزلہ کی تائید میں کیسی عجیب و غریب بات کہی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ○ (البقرہ: ٢٥)

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی بشارت دیجئے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں جب بھی ان کو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہ ہے جو ہم کو اس سے پہلے دیا گیا تھا حالانکہ ان کو اس سے پہلے اس سے مشابہ پھل دیا گیا تھا' اور ان مؤمنین صالحین کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں بھی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں○ 58

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مؤمنین صالحین کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں بھی ہوں گی تو اگر مؤمنین صالحین میں فرشتے بھی داخل ہیں تو کیا فرشتوں کے لیے بھی پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

مؤمنین صالحین پر فرشتوں کی فضیلت کے متعلق امام رازی کے تفصیلی دلائل

امام رازی نے اس استدلال پر تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ فرشتے "البریۃ'' سے خارج ہیں اور اس پر بہت دلائل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت وہبی ہوتی ہے یا کسبی' اگر وہبی فضیلت کی طرف دیکھو تو فرشتوں کی اصل نور ہے اور تمہاری اصل سڑی ہوئی کیچڑ ہے اور ان کا مسکن وہ دار ہے جس میں تمہارے باپ کو لغزش کی وجہ سے رہنے نہیں دیا گیا اور تمہارا مسکن زمین ہے جو شیاطین کی آماجگاہ ہے' نیز ہماری مصلحتوں کا فرشتے انتظام کرتے ہیں اور ہمارا رزق ان میں سے بعض (حضرت میکائیل) کے ہاتھ میں ہے اور ہماری روح بعض دوسرے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے' پھر وہ علماء ہیں اور ہم متعلم ہیں' پھر ان کی عظیم ہمت کو دیکھو' وہ حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے سوائے الوہیت کے دعویٰ کے اور کسی چیز کی حکایت نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ إِنِّيْ إِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانبیاء: ٢٩)

اور ان میں سے جس فرشتے نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا میں مستحق عبادت ہوں تو ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے' ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں○

یعنی اگر فرشتے کسی گناہ کا اقدام کرتے تو ان کی ہمت اس قدر بلند تھی کہ سوائے دعوائے ربوبیت کے اور کوئی گناہ ان کے لائق نہ تھا اور تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو اور جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو وہ نبی سے زیادہ عبادت کرتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عبادت کی اس طرح مدح فرمائی ہے کہ وہ دو تہائی رات میں عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کی عبادت کے متعلق اس طرح فرمایا ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ (الانبیاء: ٢٠)

وہ دن رات تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں○

اور ایک مقام پر اس طرح فرمایا:

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔمُوْنَ ○ (حٰم السجدہ: ٣٨)

پس جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ کبھی نہیں اکتاتے○

(امام رازی فرماتے ہیں:) عنوان پر مفصل گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ص ٢٤٩' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

نبیوں اور مؤمنین صالحین پر فرشتوں کی فضیلت کے مسئلہ میں امام رازی کے تفصیلی دلائل کے جوابات

امام رازی نے فرمایا کہ فرشتوں کی وہبی فضیلت یہ ہے کہ ان کی اصل نور ہے اور انسانوں کی اصل سڑی ہوئی کیچڑ ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ہر مرکب کی چار علتیں ہوتی ہیں: (١) علت مادی (٢) علت صوری (٣) علت فاعلی (۴) علت غائی‘ علت مادی کے اعتبار سے فرشتے افضل ہیں کیونکہ ان کا مادہ تخلیق نور ہے اور بشر کا مادہ تخلیق مٹی‘ لیکن باقی تین علتوں کے اعتبار سے مؤمنین صالحین فرشتوں سے افضل ہیں‘ علت صوری کے لحاظ سے اس لیے افضل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا‘ حدیث میں ہے: 58

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم خلق اللّٰه آدم علی صورته. الحديث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٢٢٧‘ الاستیذان رقم الحدیث: ١‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨۴١‘ مسند احمد ج ٢ ص ٣١۵)

علت فاعلی کے اعتبار سے اس لیے افضل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا‘ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ . (ص: ٧۵)

اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا‘ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

اور علت غائی کے اعتبار سے اس لیے حضرت آدم افضل ہیں کہ ان کا مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہونا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے بشر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ . (بنی اسرائیل: ٧٠)

بے شک ہم نے اولادِ آدم کو ضرور مکرم بنایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۟ (التین: ۴)

بے شک ہم نے انسان کو حسین ترین ساخت میں بنایا ہے ○

مؤمنین صالحین کے فرشتوں سے افضل ہونے پر خصوصی دلیل یہ ہے کہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا‘ نیز اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو بشر اور انسان کی خدمت پر مامور کیا ہے‘ حضرت جبریل انبیاء کرام پر وحی لاتے ہیں‘ حضرت میکائیل انسانوں کے لیے رزق فراہم کرتے ہیں‘ حضرت عزرائیل ان کی روح قبض کرتے ہیں‘ ملائکہ سیاحین ان کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کرتے ہیں‘ کچھ فرشتے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے ہوئے صلوٰۃ وسلام کو روضہ انور میں پہنچاتے ہیں‘ کچھ فرشتے ان کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں‘ کراماً کاتبین ان کے اعمال لکھتے ہیں‘ کچھ فرشتے رحم میں ان کی تصویر بناتے ہیں اور تقدیر کے اُمور لکھتے ہیں اور لیلۃ القدر کے عابدوں پر وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آ کر شب قدر کے عابدوں کی عظمتوں پر طلوع فجر تک سلام پڑھتے رہتے ہیں‘ ان کے علاوہ وہ مؤمنین صالحین کے لیے اور بھی بہت خدمات انجام دیتے ہیں اور ان شواہد سے آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ مؤمنین صالحین فرشتوں سے بدرجہا افضل ہیں۔

امام رازی نے فرمایا: ان کا مسکن وہ دار ہے جس میں تمہارے باپ کو لغزش کی وجہ سے رہنے نہیں دیا گیا اور تمہارا مسکن زمین ہے‘ جو شیاطین کی آماجگاہ ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتے صرف جنت میں نہیں ہیں‘ وہ دوزخ میں بھی بہ طور محافظ ہیں‘ وہ آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین

پر بھی ہیں اور ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کا جنت میں پہلے عارضی قیام تھا' ان کا مقصد تخلیق زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کرنا تھا' وہ اس لیے زمین پر آئے اور اپنا مشن پورا کرنے کے بعد وہ دائمی قیام کے لیے اپنی بے شمار ذریات کے ساتھ جنت میں جائیں گے' اس لیے مؤمنین صالحین کا دائمی گھر جنت ہی ہے اور دنیا تو ان کے امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے' یہاں پر وہ شیاطین سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو رسوا کرتے ہیں اور یہ ان کی فضیلت کی وجہ ہے نہ کہ مذمت کی۔

امام رازی نے فرمایا: ہماری مصلحتوں کا انتظام فرشتے کرتے ہیں اور ہمارا رزق ان میں سے بعض کے ہاتھ میں ہے اور ہماری روح بعض دوسرے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے۔

الجواب: ہمارا رزق اور ہماری روح فرشتوں کے ہاتھ میں ہے' ان کے اختیار میں نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہماری خدمت پر مامور ہیں' یہ ان کی فضیلت نہیں ہے' بلکہ ہماری فضیلت ہے۔

امام رازی نے فرمایا: پھر وہ علماء ہیں اور ہم متعلم ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کا معلم اور ہمارا متعلم ہونا بالکل ثابت نہیں ہے' بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے کیونکہ ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے تمام فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام سکھائے' قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳۳۔۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا' پس فرمایا: مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو ۝ فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے' ہمیں صرف اسی کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے اور کوئی علم نہیں' بے شک تو بہت جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ۝ اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ' پس جب آدم نے ان چیزوں کے نام سکھا دیئے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کو میں ہی جانتا ہوں اور میں ہی جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے تھے ۝

جب ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کی تمام فرشتوں پر فضیلت علمی ثابت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں' پس تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا' قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ سو تمام کے تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر (آدم کو) سجدہ کیا ۝

(الحجر: ۳۰' ص: ۷۳)

اور ظاہر ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے' وہ سجدہ کرنے والوں سے افضل ہوتا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: پھر ان کی عظیم ہمت یہ ہے کہ وہ حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے سوائے الوہیت کے دعویٰ کے اور کسی چیز کی حکایت نہیں کی' اگر فرشتے کسی گناہ کا اقدام کرتے تو ان کی ہمت اس قدر بلند تھی کہ سوائے دعویٰ ربوبیت کے اور کوئی گناہ ان کے لائق نہ تھا اور تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پھر تو فرعون اور نمرود کو بھی بلند ہمت ماننا پڑے گا کیونکہ انہوں نے بالفعل ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا' رہا یہ

کہ فرشتے پیٹ اور شرم گاہ کے حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' سو اس میں ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بھوک' شہوت اور غضب کا مادہ رکھا ہی نہیں ہے' فضیلت تو مؤمنین صالحین کی ہے' جن میں بھوک' شہوت اور غضب کو رکھا گیا ہے' اس کے باوجود وہ حرام کھاتے ہیں نہ حرام طریقوں سے شہوت کو پورا کرتے ہیں اور نہ غضب میں آ کر قتل و غارت گری کرتے ہیں اور امام رازی نے فرمایا ہے: تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمنین صالحین کبھی بھی پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں گناہ نہیں کرتے اور ہم فرشتوں پر ان ہی صالحین کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ (البینہ: ۷) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ۝

اور جو لوگ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں ہمیشہ گناہ کرتے ہیں' وہ کفار اور فساق فجار ہیں' ہم ان کو فرشتوں سے افضل نہیں مانتے بلکہ فرشتے ان سے افضل ہیں' صرف انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین صالحین فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام رازی نے فرمایا: جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو فرشتے نبی سے زیادہ عبادت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عبادت کی اس طرح مدح فرمائی ہے کہ وہ دو تہائی رات میں عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کی عبادت کے متعلق اس طرح فرمایا ہے:

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ (الانبیاء: ۲۰) وہ رات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں او وتھکتے نہیں ہیں ۝

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کے دن رات عبادت کرنے اور نہ تھکنے اور نہ اکتانے میں ان کا کوئی کمال نہیں اور نہ ان کی کوئی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نیند رکھی ہے نہ بھوک اور پیاس رکھی ہے' نہ شہوت اور غضب رکھا ہے' کمال تو انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نیند رکھی ہے' اس کے باوجود وہ نیند کو ترک کر کے دو تہائی رات تک عبادت کرتے تھے علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ہے کہ وہ اپنے اختیار سے نیند کو ترک کر کے دو تہائی رات تک عبادت کرتے تھے' اور فرشتوں کی عبادت اختیاری نہیں ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جس کام پر لگا دیا وہ اس کام کو کسی اختیار کے بغیر کر رہے ہیں' جس طرح سورج کا روشنی پہنچانے میں کوئی اختیار اور کمال نہیں ہے' اسی طرح جن فرشتوں کو دن رات عبادت کرنے کا حکم دیا' ان کا بھی دن رات عبادت کرنے میں کوئی اختیار اور کمال نہیں ہے۔

اس کے بعد امام رازی نے فرمایا: اس عنوان پر مفصل گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سورۃ البقرہ میں امام رازی نے فرشتوں کی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کے جو دلائل دیئے ہیں' ہم نے ان کا جواب سورۃ التکویر: ۲۱۔۱۹ میں لکھ دیا ہے' وہ جوابات بھی اسی جلد میں ہیں' قارئین کرام ان کو نکال کر پڑھ لیں۔

مفتی محمد شفیع کا پوری تفسیر کبیر کو امام رازی کی تفسیر نہ قرار دینا

امام رازی نے چونکہ اس سورت میں سورۃ البقرہ کا حوالہ دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس آخری پارہ کی تفسیر بھی امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے' بعض علماء نے بغیر تحقیق کے لکھ دیا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر کو مکمل نہیں کیا۔ یہ صحیح نہیں ہے' پوری تفسیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے سورۂ فتح تک تفسیر خود لکھی ہے اس کے بعد وہ اسے پورا نہ کر سکے چنانچہ سورۂ فتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین الدمشقی متوفی ۶۳۹ یا شیخ نجم الدین قمولی متوفی ۷۷۷ھ (صحیح ۷۲۷ھ ہے) نے مکمل فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۱ مقدمہ ص ۵۷ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۴ھ)

ابوالکلام آزاد کی تفسیر کبیر پر مبہم تنقید

ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۶۔۸ میں امام رازی پر رد کیا ہے میں نے ان صفحات کو پڑھا ان میں کوئی بات جواب کے قابل نہیں ہے ابوالکلام آزاد نے قدیم تفاسیر پر مبہم تبصرہ اور تنقید کی ہے۔ کسی تفسیر کے متعلق معین بات نہیں لکھی کہ اس تفسیر میں یہ لکھا ہوا ہے اور یہ اس وجہ سے غلط ہے۔

مثلاً وہ لکھتے ہیں:

اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون اخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے ان کا طریق تفسیر ایک رو بہ تنزل معیار فکر کی مسلسل زنجیر ہے جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۹)

آزاد صاحب نے کوئی مثال نہیں دی کوئی دلیل نہیں قائم کی کوئی حوالہ نہیں دیا کہ فلاں کتاب کی فلاں تفسیر رو بہ تنزل معیار کی حامل ہے اور اگر یہ کلیہ ہے تو ان کی تفسیر ترجمان القرآن جو ۱۹۳۰ء میں لکھی گئی ہے وہ تو بہت زیادہ بعد کی تفسیر ہے اس لیے وہ ان کے اپنے کلیہ کے مطابق بہت زیادہ رو بہ تنزل ہے۔

امام رازی پر مبہم تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب امام رازی نے تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۱)

آزاد صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ امام رازی کی فلاں تفسیر وضعی ہے جب دو تہائی تفسیر وضعی ہے تو کم از کم آٹھ دس حوالے تو اس کے ثبوت میں دینے چاہیے تھے شکر ہے کہ انہوں نے امام رازی کی ایک تہائی تفسیر کو غیر وضعی مان لیا ہے اگر وہ اس کا بھی انکار کر دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے خود آزاد صاحب نے جو تفسیر لکھی ہے وہ بھی انہوں نے اپنے مخصوص نظریات کے مطابق لکھی ہے چونکہ آزاد صاحب وہابی فکر کے ترجمان تھے اس لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور بندگی پر بہت زور دیا ہے اور آپ کی عظمت اور تکریم کا کوئی ذکر نہیں کیا آزاد صاحب لکھتے ہیں:

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود کر دینا تا کہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سدباب ہو جائے اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے محتاج بیان نہیں (الی قولہ)۔ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل واساس بن جائے اور اس کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو (الی قولہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے لیکن ان کی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکر نے برسر منبر اعلان کر دیا تھا: جو کوئی تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد نے وفات پائی اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں۔

(ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۶۷۔۱۶۶)

آزاد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے' یہ وہابی نظریہ کے مطابق لکھا ہے اور قرآن مجید کو اپنے نظریہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے' لہٰذا یہ تفسیر وضعی بھی ہے اور تفسیر بالرائے بھی ہے کیونکہ انہوں نے تفسیر بالرائے کے متعلق لکھا ہے:

جب باب عقائد میں ردوکد شروع ہوئی تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے' ہر مذہب کے مناظر نے چاہا' اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالے' وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ بلکہ ساری کاوش اس کی تھی کہ کس طرح اسے اپنے مذہب کا مؤید دکھا دیں' اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے تھی۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۵)

وہابی فکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی فضیلت کی جو آیات ہیں' ان میں آپ کی فضیلت کے پہلو کا ذکر نہیں کرتے اور آپ کی فضیلت کو حذف کر دیتے ہیں' ابوالکلام آزاد نے اسی فکر کے مطابق قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کیا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○'' (الانبیاء: ۱۰۷) کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے' مگر اس لیے کہ تمام جہان کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہے۔

(ترجمان القرآن ج ۱ ص ۸۹)

تمام علماء مفسرین بلکہ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رحمۃ للعٰلمین'' فرمایا ہے' لیکن آزاد صاحب نے اپنے نظریہ میں ڈھال کر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اور ''رحمۃ للعٰلمین'' کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نہیں بنایا اور اجماع مسلمین کی مخالفت کی' اور آزاد صاحب کی تعریف کے مطابق یہی تفسیر بالرائے ہے اور یہی تفسیر وضعی ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو اپنی بدعقیدگی میں ڈھال دیا جائے۔

امام رازی کی تفسیر کبیر کے محاسن

ابوالکلام آزاد نے امام فخر الدین رازی کی دو تہائی تفسیر کو بے کار قرار دیا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ ابوالکلام آزاد میں یہ اہلیت ہی نہیں تھی کہ وہ امام رازی کی تفسیر کے نکات اور دقائق کو سمجھ سکتے' حقیقت یہ ہے کہ امام رازی کی تفسیر کبیر اس قدر عمدہ ہے کہ متقدمین میں اس کی کوئی مثال ہے نہ متاخرین میں اس کی کوئی نظیر ہے' امام رازی سے پہلے کی جو تفاسیر ہیں' ان میں صرف صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اور کہیں کہیں احادیث کا بھی ذکر کیا گیا ہے' اور الماوردی اور ابوبکر بن العربی نے مذاہب کا ذکر کیا ہے اور ابوبکر جصاص نے اپنے مذہب پر دلائل دیئے ہیں' زمخشری نے لغت اور فصاحت و بلاغت کا ذکر کیا ہے' لیکن امام رازی نے ان تمام اُمور کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اسرار اور نکات بیان کیے ہیں' قرآن مجید کی متعدد آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر متعدد آیات سے استنباط کیا ہے' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے' حشر اور نشر کو بہت دلائل سے ثابت کیا ہے' اور قرآن مجید کی کئی آیات سے شفاعت کو ثابت کیا ہے اور منکرین شفاعت کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے پر بہت دلائل پیش کیے ہیں اور قرآن مجید کی متعدد آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا استنباط کیا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو متعدد آیات سے واضح کیا ہے اور روافض کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے ہیں' قیاس اور اجماع کی حجیت کو ثابت کیا ہے' ان کے زمانہ میں معتزلہ کا زور تھا جو کہتے تھے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' وہ جن آیات سے استدلال کرتے تھے' ان آیات کا صحیح محمل بیان فرمایا ہے' اور جگہ جگہ ان کا رد فرمایا ہے' جو مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر جائے' اس کی مغفرت کو بہت آیات سے ثابت کیا ہے' قرآن مجید کے قدیم ہونے کو بہت دلائل سے ثابت کیا ہے' انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کو متعدد آیات سے ثابت کیا ہے اور منکرین عصمت

انبیاء کے شبہات کے وزنی اور تسلی بخش جوابات دیئے ہیں اور تفسیر کبیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام رازی اس میں قرآن مجید کی آیات کا باہمی ربط بیان کرتے ہیں' یوں لگتا ہے کہ پورا قرآن ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات کے بہت لطیف اسرار اور نکات بیان کرتے ہیں' جن سے متقدمین اور متاخرین کی تفاسیر خالی ہیں' امام رازی کی تفسیر زیادہ تر ان ہی عنوانوں پر مشتمل ہے' بتایئے ان میں سے کون سا عنوان ایسا ہے جسے بے کار کہا جا سکتا ہے؟ ابوالکلام آزاد کا امام رازی کی دو تہائی تفسیر کو بے کار کہنا انتہائی ظلم ہے' چاند پر تھوکنے سے چاند کے حسن میں کوئی فرق نہیں پڑتا' صرف تھوکنے والے کی پستی کا اظہار ہوتا ہے۔

بعد کے بعض مفسرین نے امام رازی کے بعض نکات کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے' ان میں قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۴۱ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ شامل ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا تھا: تمام فقہاء عیال ابوحنیفہ ہیں' یعنی بعد کے تمام فقہاء نے امام ابوحنیفہ کی فقہ سے استفادہ کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ امام رازی کے بعد کے تمام مفسرین عیال امام رازی ہیں' سب بعد والوں نے ان کی تفسیر کے نکات اور دلائل سے استفادہ کیا ہے۔

خود راقم الحروف نے امام رازی کی تفسیر سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے' میں نے تقریباً پوری تفسیر کبیر کا مطالعہ کیا ہے اور تفسیر کبیر کو سامنے رکھ کر تبیان القرآن کو لکھا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ جتنا میں نے تفسیر کبیر کو پڑھا ہے' اتنا اس کو کسی نے نہیں پڑھا ہوگا' یہی وجہ ہے کہ بہت علماء نے یہ لکھ دیا کہ امام رازی نے پوری تفسیر کبیر نہیں لکھی' ان میں علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ' علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ' حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ ایسے محقق علماء شامل ہیں' جب کہ میں نے باقاعدہ تفسیر کبیر کے حوالہ جات سے واضح کیا ہے کہ پوری تفسیر حضرت امام رازی قدس سرہٗ کی ہی لکھی ہوئی ہے۔ (دیکھئے: تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۳۴-۳۲)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی ہر بات صحیح یا حجت ہو' اس لیے بعض مقامات پر میں نے امام رازی کی تفسیر سے نہایت ادب اور شائستگی سے اختلاف بھی کیا ہے' اس کے باوجود میرے نزدیک تفسیر میں امام رازی کا جو مقام ہے' وہ کسی اور مفسر کا نہیں ہے۔

البینۃ: ۸ میں فرمایا: ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہے' جو دائمی جنتیں ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

مؤمنین صالحین کو جزا میں دائمی جنت عطا کرنے کی توجیہ

مؤمنین صالحین کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اعمالِ صالحہ کرتے رہیں گے اور اگر وہ دوام اور خلود کی زندگی پاتے تو وہ دائماً ایمان پر قائم رہتے اور اعمالِ صالحہ کرتے رہتے' ان کی اس نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں دوام اور خلود عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مؤمنین صالحین کی جزا دائمی جنتیں ہیں' اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ان کو جنت ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملے گی' جب کہ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ — جس نے اپنے فضل سے ہم کو ہمیشگی کے مقام میں داخل کر دیا۔ (فاطر: ۳۵)

پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے البیّنہ :۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین صالحین کو جنت ان کے اعمال کی وجہ سے ملے گی اور فاطر :۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت اللہ سبحانہ کے فضل کی وجہ سے ملے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کے دو سبب ہیں: حقیقی اور ظاہری' حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب مؤمنین صالحین کے نیک اعمال ہیں' فاطر :۳۵ میں حقیقی سبب کا ذکر ہے اور البیّنہ :۸ میں ظاہری سبب کا ذکر ہے' اس لیے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مؤمنین صالحین اور مؤمنین تائبین کو ایک سے زائد جنتیں عطا فرمانے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مؤمنین صالحین کی جزاء دائمی جنات ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین صالحین کو ایک سے زائد جنتیں ملیں گی' قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ (الرحمٰن:۴۶) جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا' اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○

نیز فرمایا:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ (الرحمٰن:۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ○

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین صالحین کے لیے چار جنتیں ہیں' امام رازی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی چار پلکیں ہیں اور جب وہ خوفِ خدا سے روتا ہے تو ان چار پلکوں سے آنسو گرتے ہیں تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار جنتیں عطا فرماتا ہے' الرحمٰن :۴۶ میں خوفِ خدا کا ذکر مقدم ہے اور البیّنہ :۸ میں خوفِ خدا کا ذکر مؤخر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (جزاء) ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ چار جنتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ان مؤمنین صالحین کے لیے ہے جو اپنی زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ جب انسان کو اس کا نفس یا شیطان کسی گناہ پر اُبھارے تو اسے خدا یاد آ جائے اور وہ خوفِ خدا سے اس گناہ سے باز آ جائے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ (الاعراف:۲۰۱) بے شک جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب شیطان ان کے دلوں میں بُرے کام کا خیال ڈالتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر تو چار جنتیں ان مؤمنین صالحین کو ملیں گی' جو گناہ کرنے سے پہلے اللہ سے ڈریں اور گناہ نہ کریں اور جو لوگ شامت نفس یا اغواء شیطان سے گناہ کر گزریں' ان کا کیا انجام ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ جو مؤمنین گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈر کر توبہ کر لیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں' ان کا بھی اللہ سبحانہ سے ڈرنے والوں میں شمار ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ۥ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اور جو لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں تو فوراً اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہ پر مغفرت طلب کریں' اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشے گا' اور جس گناہ کو وہ کر چکے ہیں' اس پر دانستہ اصرار نہ کریں ○ تو ان کی جزاء ان کے

جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ؕ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے○

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مؤمنین گناہ کرنے کے بعد اللہ سے ڈر کر فوراً توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

عام مسلمانوں کی خدا خوفی کی دلیل

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص پوری زندگی اللہ سے ڈرتا رہے اس کو چار جنتیں ملیں گی تو عام مسلمان کیسے پوری زندگی اللہ سے ڈرنے کے مصداق ہوں گے' میں کہتا ہوں کہ جو مسلمان پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں' وہ اللہ سبحانہ سے ہمیشہ ڈرتے رہنے کے مصداق ہیں' اوّل اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یا اس کے عذاب سے ڈر کر پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں' ثانی اس لیے کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں بے وضو نماز نہیں پڑھتے' سخت سردی میں بھی وہ وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے وضو نماز نہیں پڑھتے' سو جو مؤمنین پانچ وقت وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں' وہ اپنی ساری زندگی میں اللہ سے ڈرنے والوں کے مصداق ہیں اور اللہ کے فضل سے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور ان سے جو گناہ ہو گئے' ان کو بخش دے گا اور اپنے فضل سے انہیں کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت

تاہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا کریں' اگر از خود رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کریں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات اور احسانات کو یاد کریں' پھر اپنے گناہوں کے متعلق سوچیں اور اپنے دل میں نادم ہوں' پھر ندامت کے غلبہ سے آنکھوں میں آنسو لائیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہو گا' جو اللہ کے خوف سے رویا ہو حتیٰ کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہو گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۹)

اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جنت عطا کرنے سے بڑا انعام ہے

نیز مؤمنین صالحین کے متعلق فرمایا: اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

مؤمنین صالحین کو پہلے یہ انعام عطا فرمایا کہ ان کو دائمی جنتیں عطا کیں' اس کے بعد اس سے بڑا انعام یہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مؤمنین پر سب سے بڑا انعام ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے تیار ہیں' ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھوں میں ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم تجھ سے راضی نہ ہوں' اے ہمارے

رب! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے' جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا کیا' اللہ عزوجل فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ سبحانہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کرتا ہوں' میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹)

اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندوں کی رضا کے محامل

اللہ تعالیٰ کے بندوں سے راضی ہونے اور بندوں کے اللہ سے راضی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں نے دنیا میں جو نیک کام کیے اور اللہ سبحانہ کے احکام کی اطاعت کی' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہو گا۔

اور بندوں کے راضی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو نیک اعمال کی توفیق دی اور آخرت میں جو ان پر انعام اور اکرام کیا' بندے اس سے خوش ہو گئے۔

(۲) اللہ کے راضی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں نے اپنی نجات کے لیے جو نیک کام کیے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمالیا اور اس پر ان کو ثواب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ان پر انعام ہے کہ اس نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔

اگر اللہ ان کو معاف فرمادیتا اور ان سے درگزر فرماتا تو یہ بھی اس کا کرم تھا اور اس کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ بندے اس سے راضی ہو گئے یعنی اس کے فضل اور اس کے لطف سے خوش ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پُر مشقت کاموں کا مکلّف کیا اور ان پر آفات اور مصائب ڈالے' اس کے مقابلہ میں جب آخرت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام دیکھا تو دنیا کی تمام سختیاں ان پر آسان ہو گئیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی اور نیک کاموں پر ان کی تحسین کی۔

بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جو ان کے اعمال کی جزاء عطا فرمائی' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رضا کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی قضاء پر دل کا خوش ہونا اور قلم تقدیر پر دل کا مطمئن ہونا۔

بندہ جسم اور روح کا مجموعہ ہے' جسم کی جنت' جنت الفردوس اور جنت عدن ہے اور روح کی جنت اس کے رب کی رضا ہے' بندہ پر ابتدائی انعام جنت ہے اور انتہائی انعام اس کے رب کی رضا ہے' پہلے اللہ کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا' پھر بندے کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ خالق کا ذکر بندوں کے ذکر پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو تفسیریں

اس کے بعد فرمایا: یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب ان کے دل میں کسی گناہ کا خیال آئے تو وہ اللہ کے خوف سے اس گناہ سے باز رہتے ہیں اور بعض عارفین نے کہا: جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' پھر بھی اللہ سبحانہ کے خوف سے لرزہ براندام ہوتے ہیں' پتا نہیں ہماری یہ اطاعت اور عبادت قبول ہو گی یا نہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں (کیا پتا یہ عمل قبول ہو یا نہ ہو)۔ (المؤمنون: ۶۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

آیت کے متعلق سوال کیا: یارسول اللہ! آیا یہ ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کیے جائیں' یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹)

اس آیت کے ساتھ جب درج ذیل آیت ملائی جائے تو اس میں علم اور علماء کی فضیلت پر دلیل ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ . اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُؕ'' (البیّنۃ: ۸)۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ اور اخیار تابعین کے بعد علماء عاملین کے متعلق یہ کہنا جائز ہے: رضی اللہ عنہم' مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ' امام بخاری رضی اللہ عنہ' امام رازی رضی اللہ عنہ' غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور ہم ایسے لوگوں کے متعلق کہنا چاہیے عفی عنہ یا غفرلہٗ مثلاً غلام رسول سعیدی غفرلہٗ۔

کوئی مسلمان اپنے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کرے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی بھی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور اس کو یہ علم ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے' ماسوا انبیاء علیہم السلام کے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اہل جنت سے ہیں' اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں' حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللّٰہ انا. بے شک مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

واللّٰہ انی لارجو ان اکون اخشاکم للّٰہ واعلمکم بما اتقی. اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کا علم رکھنے والا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۰)

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مسئلہ میں یہ حدیث بہت واضح ہے:

خارجہ بن زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ ام العلاء انصاریہ کہتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے' ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا' وہ بیمار ہو گئے اور اس بیماری میں فوت ہو گئے' ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق کہا: میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہارا اکرام کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرا باپ فدا ہو' پھر اللہ کس کا اکرام کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ان کے اوپر تو موت آ چکی ہے اور مجھے ان کے لیے خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے پھر کبھی کسی کی ایسی تعریف نہیں کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳' مسند احمد

ج۶ص۴۳۶)سو کسی مسلمان کا خود کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے۔

آپ کو ازخود اپنا حال معلوم نہیں تھا' تاہم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا اور شفاعتِ کبریٰ عطا کی جائے گی۔

سورۃ البیّنہ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۳ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۶ دسمبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ البیّنہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے ربِ کریم! میری اس تفسیر کو مکمل فرما دے اور میری جملہ تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھ اور میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین
والاٰخرین شفیع المذنبین وعلٰی آله واصحابه
وازواجه وذریاته وامته اجمعین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة الزلزال

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الزلزال ہے' کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ''الزلزال'' کا ذکر ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (الزلزال:۱) جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلا دی جائے گی○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''اذا زلزلت'' مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔(درمنثور ج۸ص۵۳۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! مجھے قرآن پڑھائیے' آپ نے فرمایا: ''ذوات الراء'' (مثلاً ''الٰمر'') سے تین سورتیں پڑھو' اس شخص نے کہا: میری عمر زیادہ ہوگئی' میرا دل سخت ہو گیا اور میری زبان موٹی ہوگئی' آپ نے فرمایا: پھر ''ذوات حٰم'' سے تین سورتیں پڑھو' اس نے پھر پہلی بات دہرائی' آپ نے فرمایا: ''مسبحات'' (جن کے شروع میں ''سبح'' یا ''یسبح'' ہے) میں سے تین سورتیں پڑھو' اس نے پھر پہلی بات دہرائی اور کہا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی سورتِ جامعہ پڑھائیے' تب آپ نے اس کو ''اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا'' پڑھائی' حتیٰ کہ اس کو پڑھا کر فارغ ہو گئے' اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں اس پر کوئی زیادتی نہیں کروں گا' تب آپ نے فرمایا: یہ شخص کامیاب ہو گیا' یہ شخص کامیاب ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۹۹' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۰۲۷' مسند احمد ج۲ص۱۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ''اذا زلزلت'' پڑھی' وہ نصف قرآن کے برابر ہے اور جس نے ''قل ھو اللّٰہ احد'' پڑھی' وہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور جس نے ''قل یایھا الکافرون'' پڑھی' وہ ربع قرآن کے برابر ہے۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا زلزلت'' نصف قرآن کے برابر ہے اور ''قل ھو اللہ احد'' تہائی قرآن کے برابر ہے اور ''قل یایھا الکافرون'' ربع قرآن کے برابر ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۴)

بنوجہینہ کے ایک شخص نے کہا: اس نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں ''اذا زلزلت الارض'' پڑھی' میں نہیں جانتا کہ آپ بھول گئے تھے یا آپ نے عمداً اس طرح پڑھا۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۱۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور اس میں

''اذا زلزلت الارض '' پڑھتے تھے۔(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۰)

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۳ ہے۔

الزلزال: ۵۔ا میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زمین میں شدید زلزلہ آئے گا' اس دن قبر سے مردے نکل پڑیں گے اور زمین کی پشت پر جس نے جو بھی کام کیا ہے وہ اس کی خبر دے گا۔

الزلزال: ۶ میں یہ بیان فرمایا کہ تمام مخلوق حساب کے لیے میدانِ محشر میں جمع ہو گی' پھر لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا' نیکوکار جنت میں جائیں گے اور بدکار دوزخ میں۔

سورۃ الزلزال کی مناسبت سے اب ہم زلزلہ سے متعلق ایک اہم مقالہ نقل کر رہے ہیں:

زلزلہ کی تعریف' اس کے اسباب اور اثرات اور اس کی تاریخ

زلزلے کو قدرتی آفات میں سب سے ہولناک اور تباہ کن تصور کیا جاتا ہے' زمین کے اندر تہوں میں چٹانوں کے درمیان عرصہ سے جاری حرکت کے باعث پیدا ہونے والی توانائی کے اخراج سے سطح زمین پر ہونے والی ہلچل کا نام زلزلہ ہے' جس کے اچانک نمودار ہونے سے پلک جھپکتے میں ہزاروں انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ ہماری زمین کی پرسکون سطح کے نیچے ہر دم تبدیلی اور اتھل پتھل کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور جہاں تحت قشر ارض کی چٹانیں اور لمبی سپاٹ تہیں آپس میں بے پناہ زمینی دباؤ کے تحت جڑی ہوئی ہوتی ہیں' اگر ان کے ان جوڑوں کے نیچے توانائی مجتمع ہونے لگے تو لاکھوں سال بعد توانائی کا دباؤ چٹانوں کے دباؤ سے بڑھ جاتا ہے' جس کے نتیجے میں یہ تہیں اور چٹانیں تھرکنے اور سرکنے لگتی ہیں تاکہ توانائی خارج کر سکیں' ان کی ان حرکت سے سطح زمین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور حرکت کا یہ سلسلہ سطح زمین پہ موجود پہاڑوں' چٹانوں' سمندروں اور رہائشی علاقوں میں عمارات میں منتقل ہو جاتا ہے۔

جتنی شدت سے زیر زمین حرکت ہو گی' اتنی ہی شدت سے سطح زمین پر بھی ہلچل نمودار ہو گی۔ فی زمانہ زلزلے ہمارے لیے ایسی ناقابل پیش گوئی قدرتی آفت کا درجہ رکھتے ہیں' جس سے انسانی جانوں اور املاک کا ناقابل تلافی نقصان وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سائنسدان اس بات پہ تحقیق کر رہے ہیں کہ زمین کے کون سے حصے ایسی پلیٹوں پر مشتمل ہیں جن کی تہہ میں یہ چھپا ہوا خطرہ موجود ہے۔

زلزلہ کی تاریخ

سائنس کی دنیا میں زلزلوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق زیادہ پرانی نہیں ہے' اٹھارویں صدی تک زلزلے کے چند ہی واقعات نوٹ کیے گئے ہیں' جب کہ اس وقت تک زلزلوں پر تحقیق جب کہ ان کے آنے پر ان کی وجوہات کو بھی جاننے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی' البتہ غیر حقیقی روایتی تشریحات پر لوگ یقین رکھتے تھے' مثلاً زمین کو ایک بیل نے اپنے سینگوں پر اٹھا رکھا ہے اور جب اس کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو وہ سینگ بدلتا ہے اور دوسرے سینگ پر زمین کے بوجھ کو لیتا ہے' جس کی وجہ سے زمین ہلتی ہے اور زلزلہ آ جاتا ہے۔

زلزلے کا سب سے پرانا معلوم واقعہ چین کا ہے' جہاں ۱۷۷ ق م کے زلزلے کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے' یورپ کے ۵۸۰ بعد مسیح کے زلزلے کا قصہ سینہ بہ سینہ سولہویں صدی کے وسط اور ۱۷۴۱ء کا پیرو کا زلزلہ بمعہ اپنی ہلاکتوں اور املاک کے نقصان کے تخمینوں کے ساتھ کتابوں میں موجود ہے' مگر تحقیقی اعتبار سے یہ بھی ناکافی ہے' البتہ سترھویں صدی سے زلزلوں کے واقعات کے چند ریکارڈ تحقیقی نقطہ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔ اٹھارویں صدی سے تو باقاعدہ ان پر مطالعہ اور تحقیق شروع ہو گئی' جس کا

نقطۂ آغاز ۱۸۱۲ء۔۱۸۱۱ء کا امریکہ کے علاقے نیومیڈرڈ' مسوری میں زلزلہ تھا' جس کی باقاعدہ ریکٹر اسکیل پر پیمائش کی گئی اور اسے ۸ درجے کا زلزلہ مانا گیا' یہ زلزلہ ۱۶ دسمبر ۱۸۱۱ء کو صبح کے وقت ان علاقوں میں اپنی تباہی پھیلا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۸۱۲ء کو ان ہی علاقوں میں اتنی ہی شدت کا ایک اور زلزلہ آیا اور تباہ حال لوگوں پر قیامت ڈھا گیا اور ۷ فروری ۱۸۱۲ء کو اس زلزلے کے بعد زلزلے کے جھٹکوں نے ان علاقوں کو مکمل قبرستان میں تبدیل کر دیا۔ حالیہ تاریخ کا شمالی امریکہ کے علاقے سان فرانسسکو ۱۹۰۶ء زلزلہ ریکارڈ موجود ہے' جس میں ۷۰۰ افراد لقمۂ اجل بنے' جب کہ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کے الاسکا کے زلزلے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پانچ لاکھ مربع میل کے دائرے میں محسوس کیا گیا اور سان فرانسسکو کے زلزلے سے اس کی شدت دگنی تھی' معلوم انسانی تاریخ کا یہ شدید ترین زلزلہ تھا' مگر الاسکا میں چونکہ انسانی آبادی خال خال ہے' لہٰذا املاک اور جانوں کا اتلاف بہت کم ہوا' زلزلے کے مرکزی حصے میں زمین کی حرکت اتنی شدید تھی کہ کسی درخت پر کوئی پتہ اور کوئی شاخ نہیں بچی۔

زلزلہ کہاں آسکتا ہے؟

ہماری زمین مختلف تہوں پر مشتمل ہے' جن میں ہر تہہ کے الگ طبعی اور کیمیائی خواص ہیں' بیرونی تہہ یا سطح ارض کی موٹائی ۷۰ کلومیٹر ہے' جو تقریباً تہہ در تہہ آپس میں لپٹی ایک درجن ناہموار سطحی تہوں پر مشتمل ہے' جن میں سے ہر تہہ کی بالائی سطح سخت اور ناہموار ہے' جبکہ اس سے اوپر کی تہہ کی زیریں سطح نرم اور پگھلی ہوئی چٹانوں پر مشتمل ہے' زیادہ تر زلزلے ان تہوں کے ان حصوں میں آتے ہیں' جہاں پر آپس میں جڑتی ہیں' ان پلیٹوں کی ان حد بندیوں کو جہاں یہ آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں' باؤنڈریز کہا جاتا ہے۔ ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) اسپریڈنگ زون (Spreadin Zone): وہ جگہ ہوتی ہے' جہاں تہوں کے نیچے پگھلی ہوئی چٹانیں موجود ہوتی ہیں اور وہ باؤنڈریز پھاڑ کر اپنی جگہ بناتی ہیں اور ان باؤنڈریز کے درمیان نئے مادے کو بھر دیتی ہیں' زیادہ تر اسپریڈنگ زون زیر آب پائے جاتے ہیں اور اکثر سمندروں کی تہوں کے نیچے اس طرح کے زون واقع ہیں' اسپریڈنگ زون کے زلزلے زمین کی تہہ کے ۳۰ کلومیٹر نیچے تک کے علاقے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں' انسانوں سے سب سے زیادہ قریب اسپریڈنگ زون کیلی فورنیا اور میکسیکو کے ساحلی علاقے ہیں۔

(۲) ٹرانسفارم فالٹ (Transform Fault): وہ جگہیں ہوتی ہیں' جہاں دو تہوں کے کنارے اوپر تلے واقع ہوتے ہیں' ان میں شمالی امریکا' یوریشین اور مڈ اٹلانٹک پلیٹس شامل ہیں' یہاں زلزلہ نسبتاً ہلکا ہوتا ہے۔

(۳) سب ڈکشن زون (Subduction Zone): کافی خطرناک علاقہ ہوتا ہے' یہاں زیر زمین تہوں میں اوپر کی تہہ بہت وزنی اور دباؤ والی ہوتی ہے' جو اپنی نچلی تہہ کو ایسی گہرائی میں مسلسل دھکیلتی ہے' جہاں اس کی چٹانیں پگھلنے لگتی ہیں اور سطح زمین پر بہت شدت کی حرکت ظہور میں آتی ہے' ایسی جگہوں میں امریکہ' مغربی کینیڈا' الاسکا اور تقریباً تمام پہاڑی علاقے شامل ہیں' خاص کر وہ پہاڑی سلسلے جن میں آتش فشاں موجود ہوں۔

زلزلے ان فالٹس اور زونز کے علاوہ بھی آسکتے ہیں' مگر ان کی شرح ۱۰ فیصد ہے اور یہ زمین کی ان ہی تہوں کے درمیان تبدیلی کی وجہ سے آتے ہیں' جن کے درمیان چٹانیں بڑی مقدار میں پگھل جاتی ہیں یا ان میں سے کسی تہہ کی زیریں سطح اتنی اوپر والی تہہ کا دباؤ برداشت نہیں کر پاتی اور اپنی جگہ چھوڑنے لگتی ہے۔ نیومیڈرڈ امریکہ میں ۱۸۱۲ء۔۱۸۱۱ کے زلزلے ایسی ہی تبدیلی کا شاخسانہ تھے' جہاں چارلسٹن کی پلیٹ نے نارتھ امریکہ کی پلیٹ کو ہلا دیا تھا۔

زلزلے کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں؟

زلزلہ ایک تھرتھراہٹ کا نام ہے' جو سطح زمین میں ہوتی ہے' زمین کی بیرونی سطح پر یہ تھرتھراہٹ اس کے نیچے ہونے والی تبدیلی کا مظہر ہوتی ہے' یہ تبدیلی جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ تہوں کے درمیان چٹانوں کی تبدیلی سے آتی ہے یا قریب ترین آتش فشاں کی جولانیوں کے نتیجے میں ہونے والی زیرزمین ارتعاشی لہروں کی وجہ سے آتی ہے یا پھر حضرت انسان کی زیرزمین دھماکہ کرنے کی کارستانیوں کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے' تینوں وجوہات سے Earths Crust یا قشر ارض مرتعش ہوکر اپنی جگہ چھوڑ کر نئی جگہ پر سیٹ ہوتا ہے یا پھر اس میں شدید ارتعاش سے گہری دراڑیں پڑ جاتی ہیں' بعض اوقات ان دراڑوں میں سطح پر موجود چیزیں ان میں گر جاتی ہیں اور دوسرے ارتعاش سے جب یہ دراڑیں باہم ملتی ہیں تو ان کے درمیان آنے جانے والی سطح زمین کی تمام چیزیں زمین میں میلوں نیچے دفن ہو جاتی ہیں' قشر ارض کی اس تھرتھراہٹ کو Seismic Waves یا بھونچالی لہریں کہا جاتا ہے' سطح کو دیر تک مرتعش رکھتی ہیں' حتیٰ کہ سطحی تہہ کسی مناسب جگہ پر مکمل طور پر سیٹ ہوکر پرسکون نہ ہو جائے' اس کی مثال کسی ٹیوننگ فورک یا بڑی گھنٹی کی طرح ہوتی ہے' جو ایک چوٹ پر دیر تک تھرتھراتے رہتے ہیں۔ فالٹ سطح زمین کے نیچے دو تہوں کے متوازی یا مخالف سروں کے باہم ملنے والی جگہوں کو کہا جاتا ہے' ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) نارمل فالٹ (Normal Faults): میں عموماً دو متوازی یا مخالف زیرزمین تہہ کے سرے ایک دوسرے کا دباؤ برداشت نہ کرتے ہوئے ایسی جگہوں سے باہم ملنے لگتے ہیں' جہاں دباؤ نسبتاً کم ہوتا ہے' ان کی اس حرکت کا سطح زمین پہ اثر پڑتا ہے اور زلزلہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(۲) تھرسٹ فالٹس (Thrust Faults): زمین کے نیچے موجود ان تہوں کے باہم ملنے کی جگہیں ہوتی ہیں' جہاں فالٹس سے کچھ دور اس تہہ کے نیچے تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے اور جس تہہ کے نیچے تبدیلی نہ ہو' وہ اپنے دباؤ سے اس تہہ کو ایک جھٹکے سے دوسری طرف یا مخالف سمت دباتی ہے اور فالٹ کے نیچے تبدیلی نہ آنے کے باوجود وہ جگہ زلزلے کا شکار ہو جاتی ہے' اس میں مرکز کوئی اور جگہ ہوتی ہے' مگر زلزلہ کہیں اور آتا ہے یعنی جہاں فالٹ موجود ہوتا ہے زلزلہ وہاں آتا ہے' بعض اوقات تبدیلی کا مرکز زلزلہ آنے کی جگہ سے میلوں دور واقع ہوتا ہے' مگر اس جگہ سطح ارضی پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی اور جہاں کچھ نہیں ہوتا' وہاں ایک تہہ کے دباؤ کے زوردار جھٹکے سے سطح ارض پہ تباہی پھیل جاتی ہے۔

(۳) اسٹرائیک سلپ فالٹ (Strike-Slip Faults): وہ جگہ ہوتی ہے جہاں زمین کی ایک تہہ دوسری تہہ پر افقی حیثیت میں چڑھ بیٹھتی ہے' اس میں عین فالٹ کی لائن پر دور تک زمین کی ایک تہہ اپنی زیریں سطح کے پگھلنے یا کسی اور وجہ سے بیٹھ جاتی ہے اور اس کے متوازی دوسری تہہ کا کنارہ اس کے رقبے پر چڑھ جاتا ہے' جس سے بیرونی سطح ارض پہ زبردست بھونچال آتا ہے اور بیرونی سطح کا بڑا حصہ تھرکنے اور دراڑیں پڑنے سے خود پر موجود ہر چیز کو تباہ کرتا ہے۔ زیرزمین سطحوں کی یہ تبدیلی اگر ۷۰ کلومیٹر کی گہرائی تک وقوع پذیر ہو تو اسے Shallow زلزلہ یا سطحی زلزلہ کہیں گے جبکہ ۷۱ سے ۳۰۰ کلومیٹر یعنی ۴۳ سے ۱۸۶ میل گہری تہوں میں ہلچل کو Intermediate یا درمیانی گہرائی کا زلزلہ کہا جاتا ہے' جبکہ ۷۰۰ کلومیٹر یعنی ۴۳۵ میل کی گہرائی تک ہونے والی تبدیلیوں کا اثر سطح ارضی پر پڑتا ہے اور اسے Deep زلزلہ کہا جاتا ہے' جبکہ ان تمام تبدیلیوں کا ذکر عمومی طور پر ۶۳۷۰ کلومیٹر نیچے یعنی ۳۹۶۰ میل نیچے مرکز ارض میں ہوتا ہے۔

زلزلہ پیمائی

زلزلہ پیمائی کا آغاز ڈاکٹر چارلس ایف ریکٹر کے ایجاد کردہ آلے سے ہوا' جوانہوں نے کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں طویل تحقیق کے بعد ایجاد کیا' ان کا یہ آلہ فی زمانہ زلزلہ پیمائی کے لیے انتہائی معتبر ہے' یہ آلہ ریاضی کی شاخ ''لاگرتھم'' کے اصولوں پہ کام کرتا ہے' جس میں زمین کے ۱۰ دفعہ کے ارتعاش کو ۶ گنا جاتا ہے' ساڑھے تین منٹ اور ۷ سے اوپر ریڈنگ والے 59
زلزلوں کو تباہ کن زلزلہ قرار دیا جاتا ہے جب کہ ریکٹر اسکیل پر ۲ ریڈنگ کا وہ کم از کم زلزلہ ہے' جسے انسان محسوس کر سکتے ہیں۔ زلزلے کی ابتدائی علامات گڑگڑاہٹ ہوتی ہے' جو تھوڑی ہی دیر میں سطح زمین کی تھرتھراہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے' جس کے ساتھ ہی جھٹکے لگنے شروع ہو جاتے ہیں اور زمین پہ موجود ٹیلے' پہاڑیاں' چٹانیں اور عمارات ان جھٹکوں سے تباہ ہونا شروع ہو جاتی ہے' یہ جھٹکے بہت جلد زمین کے تیزی سے ہلنے میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور سطح زمین پہ موجود چیزوں کی تباہی میں سرعت آ جاتی ہے۔

پاکستان میں اکتوبر کی ۸ تاریخ کو سات اعشاریہ آٹھ اور اس کے بعد چھ اعشاریہ چار کی شدت سے آنے والے دو زلزلوں میں جتنی توانائی خارج ہوئی ہے' وہ ایک میگاٹن کے ساٹھ ہزار ایٹم بموں کے دھماکوں کے برابر تھی' کراچی یونیورسٹی کے جیالوجسٹ ڈاکٹر نیر ضیغم کے مطابق پاکستان کے زیر اہتمام کشمیر اور شمالی علاقوں میں اتنے شدید زلزلے کی وجہ زمین کی سطح سے صرف دس سے بیس کلومیٹر کی گہرائی پر توانائی کی بڑی مقدار کا اخراج تھا۔ انہوں نے کہا کہ اتنے شدید زلزلے نے ایک ڈگری اسکوائر کے علاقے میں دوسری فالٹ لائنز کو بھی متحرک کر دیا ہے اور ماضی میں غیر متحرک یا سوئی ہوئی سالٹ لائنز بھی زلزلوں کے باعث بن رہی ہیں' ڈاکٹر نیر نے کہا کہ پندرہ تاریخ تک اس علاقے میں ۵۷ زلزلے ریکارڈ کیے گئے' جن کو سائنسی اصطلاح ''آفٹر شاک'' یا جھٹکے کہنا ٹھیک نہیں' بلکہ یہ علیحدہ زلزلے تھے' انہوں نے کہا کہ اب تک ماہرین کا خیال بھی تھا کہ یہ بڑے زلزلے کے بعد آنے والے جھٹکے ہیں لیکن ان زلزلوں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ الگ الگ زلزلے تھے اور کسی ایک جگہ نہیں آ رہے' انہوں نے کہا کہ ہمالیہ پہاڑیوں کے ''تھرسٹ سسٹم'' میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔

پاکستان میں آنے والے زلزلوں کا محور زیادہ تر ملک کا شمالی اور مغربی حصہ ہوتا ہے جو کہ انڈین پلیٹ کے علاوہ ایران اور افغان مائکرو پلیٹ کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ چمن فالٹ پاکستان کی مغربی سرحدوں میں افغانستان کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کا آغاز قلات سے ہوتا ہے جو شمالی مکران رینج میں واقع ہے۔ وہاں سے کوئٹہ کی طرف جاتا ہے' پھر کابل جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک اور فالٹ بھی موجود ہے اور یہ اپنی فطرت میں مغربی سرحدوں میں واقع فالٹ جیسا ہے۔ اس کا سلسلہ مہاراشٹر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آنے والا بدترین زلزلہ اسی فالٹ میں واقع تھا۔ یہ زون دراصل عربین اور ایرانی مائیکرو پلیٹس کے درمیان حد بندی کا کام کرتا ہے' تھرسٹ زون (Thrust Zone) کیرتھر کوہ سلیمان اور سالٹ رینجز کے ساتھ ساتھ ہے۔ کراچی کے اردگرد چار عدد فالٹس موجود ہیں' جبکہ کراچی کے علاوہ انڈس ڈیلٹا اور مکران کا ساحل بھی ان فالٹس کی زد میں ہیں۔ ان میں سب سے پہلا فالٹ اللہ بند فالٹ ہے' جو کہ شاہ بندر' جاہ' پاکستان اسٹیل مل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شہر کے مشرقی حصوں سے گزر کر کیپ مانز' ہاکس بے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس فالٹ زون کے باعث گزشتہ صدیوں میں بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ اسی فالٹ زون کے باعث نقصان پہنچا تھا' دوسرا فالٹ بھنبھور تباہ ہو گیا تھا جبکہ ۱۸۹۶ء میں شاہ بندر کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا۔ دوسرا فالٹ زون رن آف کچھ سے شروع ہوتا ہے۔ تیسرا فالٹ زون پب فالٹ (Pubb Fault) کہلاتا ہے جو کہ بحیرہ عرب میں مکران کے ساحل پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری

59

فالٹ زون ڈسٹرکٹ داؤد میں سرجانی کے مقام پر واقع ہے اور کراچی کی حدود میں ختم ہوتا ہے۔ پاکستان کے ساحلی علاقوں کو بلند و بالا سمندری لہروں سے بھی خاصا نقصان پہنچا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آنے والے بدترین زلزلے کے باعث مکران کے ساحل پر ۱۲ کلومیٹر بلند سمندری لہروں نے زبردست تباہی مچائی تھی۔

محکمہ موسمیات، حکومتِ پاکستان کے جاری کردہ ایک نقشے کے مطابق ملک کو چار زون میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ کوئٹہ کے اطراف کا علاقہ اور افغان سرحد کے ساتھ صوبہ سرحد کا کچھ علاقہ زون نمبر ۴ میں شمار کیا جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کا بقیہ علاقہ زون نمبر ۳ میں شامل ہے۔ پاکستان کا بقیہ حصہ کراچی کی حدود تک زون نمبر ۳ میں ہی شامل ہے۔ ملک کا بقیہ حصہ زون نمبر ۲ میں شامل ہے۔ اس زون میں پشاور، راولپنڈی اور اسلام آباد شامل ہیں۔ اس کے باوجود یہ تینوں شہر شمالی علاقوں یا افغانستان میں آنے والے زلزلوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

بلوچستان کا بالائی مغربی حصہ اور بھارت کی سرحدوں کے ساتھ کا علاقہ زلزلے کے فالٹ زون نمبر ۱ میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس زون میں لاہور بھی شامل ہے۔ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (بھارت) میں آنے والا زلزلہ لاہور پر بھی اثر انداز ہوا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں زلزلے، تاریخ کے آئینے میں

(۱) ۸۹۳ء۔ ۸۹۴ء، دیبل (زیریں سندھ) پاکستان۔ ریکٹر اسکیل پر شدت ۷.۵ درجے، ۱۵ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور متعدد بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

(۲) ۲ مئی ۱۶۶۸ء، شاہ بندر (زیریں سندھ) پاکستان۔ ۷.۶ درجے کی شدت۔

(۳) ۱۶ جون ۱۸۱۹ء، اللہ بند (پاک بھارت سرحد پر واقع)، ۷.۵ درجے کی شدت۔

۳۲۰۰ افراد ہلاک ہوئے اور رن کچھ کے علاقے میں درجنوں بستیاں ختم ہوگئیں۔ اس ہولناک زلزلے کے باعث ساحلی علاقے میں تقریباً ۹۰ کلومیٹر کا علاقہ شدید ترین انداز میں متاثر ہوا اور زمین کی سطح ۴ میٹر بلند ہوگئی۔ اس زلزلے کے اثرات پورے برصغیر پاک و ہند میں محسوس کیے گئے، حتیٰ کہ کلکتہ میں بھی اس کے جھٹکے واضح طور پر محسوس ہوئے تھے۔

(۴) ۲۶ ستمبر ۱۸۲۷ء، لاہور، پاکستان۔ اس زلزلے کے باعث لاہور اور قرب و جوار کے تقریباً ایک ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

(۵) ۲۴ جنوری ۱۸۵۲ء، کاہان (بلوچستان)۔ تقریباً ۳۵۰ تا ۱۲۵۰ افراد ہلاک ہوئے۔ انسانی جانوں کے علاوہ ہزاروں مویشی بھی ہلاک ہوئے۔

(۶) ۱۸۶۵ء، کاہان (بلوچستان)۔ کچھ عمارتیں تباہ ہوگئی تھیں۔

(۷) ۱۸۸۳ء، جھالاوان (بلوچستان)۔ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۸) ۱۸۸۹ء، جھالاوان (بلوچستان)۔ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۹) ۲۰ دسمبر ۱۸۹۲ء، چمن (پاک افغان سرحد)۔ ریکٹر اسکیل پر شدت: ۶.۸ درجے، اس زلزلے کے اثرات پورے بلوچستان میں محسوس کیے گئے، اس کا مرکز کھوجک کے علاقے میں تھا۔

(۱۰) ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء، اورالائی اور سبی (بلوچستان) کا درمیانی علاقہ۔ شدت ۷.۰ درجے، ۱۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور متعدد گاؤں نیست و نابود ہوگئے۔

(۱۱) یکم فروری ۱۹۲۹ء، بونیر اور ہزارہ (صوبہ سرحد) میں یہ زلزلہ آیا تھا۔ زلزلے کے نقصانات کی تفصیل دستیاب نہیں ہے، زلزلہ مقامی وقت کے مطابق رات گیارہ بجے ایبٹ آباد کے شمال میں آیا تھا۔

(۱۲) ۲۵ اگست ۱۹۳۱ء شاریگھ (بلوچستان) زلزلے سے متعدد کچے مکانات مسمار ہوگئے۔

(۱۳) ۲۷ اگست ۱۹۳۱ء مچھ (بلوچستان)' کوئٹہ میں اس زلزلے کے باعث متعدد افراد ہلاک ہوئے تھے۔

(۱۴) ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کوئٹہ (پاکستان)' ریکٹر اسکیل پر شدت ۸.۱ درجے' اس خوفناک زلزلے کے باعث کوئٹہ شہر میں ۳۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے اور کوئٹہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا۔

(۱۵) ۲۱ نومبر ۱۹۳۹ء بدخشان (افغانستان)' شمال مشرقی افغانستان' شمالی پاکستان' شمالی بھارت کے علاقوں میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے تھے۔

(۱۶) ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء مکران کا ساحلی علاقہ (بلوچستان) ۷.۹ درجے کی شدت' جنوبی پاکستان اور ایران میں ۲۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ ساحل سمندر پر ۱۲ میٹر اونچی لہریں بلند ہوئی تھیں۔ وسیع پیمانے پر املاک کا نقصان بھی ہوا تھا۔

(۱۷) ۲۸ دسمبر ۱۹۷۴ء شمال مشرقی مالاکنڈ (صوبہ سرحد)۔ ۵۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۱۸) ۱۲ ستمبر ۱۹۸۱ء گلگت (شمالی پاکستان)' اس زلزلے کے باعث ۲۲۰ افراد ہلاک ہوئے اور ۲۵۰۰ افراد زخمی ہوئے تھے۔ زلزلے کے اثرات راولپنڈی' پشاور اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

(۱۹) ۳۰ دسمبر ۱۹۸۳ء کوہ ہندوکش (افغانستان)' اس زلزلے کے باعث کابل اور سمنگان میں ۱۲ افراد ہلاک ہوئے جبکہ پشاور میں ۱۴ افراد ہلاک ہوئے۔ زلزلے کے اثرات تاجکستان' ازبکستان' کرغزستان' شمالی پاکستان اور شمالی بھارت میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

(۲۰) ۲۹ جولائی ۱۹۸۵ء کوہ ہندوکش (افغانستان)۔ شدت ۷.۴ درجے' چترال اور سوات کے علاقوں میں ۵ افراد ہلاک ہوئے' جبکہ تاجکستان کا علاقہ بھی متاثر ہوا تھا۔

(۲۱) ۳۱ جنوری ۱۹۹۱ء کوہ ہندوکش (افغانستان)' شدت ۶.۷ درجے' اس زلزلے میں افغانستان کے علاقے کنز' ننگر ہار اور صوبہ بدخشاں میں ۲۰۰ تا ۴۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے جبکہ مالاکنڈ' چترال اور پشاور کے علاقوں میں ۳۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔ زلزلے کے اثرات نئی دہلی اور تاشقند میں بھی محسوس کیے گئے۔

(۲۲) ۲۷ فروری ۱۹۹۷ء ہرنائی (بلوچستان)' یہ انتہائی طاقتور زلزلہ کہا گیا ہے' اس کی شدت ۷.۳ درجے تھی۔ کوئٹہ' سبی اور ہرنائی میں کم از کم ۵۰ افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے اثرات پورے بلوچستان میں محسوس کیے گئے۔ برفانی تودوں اور لینڈ سلائیڈ کے باعث متعدد سڑکیں اور ریلوے لائن مسمار ہوگئیں۔

(۲۳) ۲۶ جنوری ۲۰۰۱ء بھاشاؤ' گجرات (بھارت)' شدت ۷.۶ درجے' اس زلزلے میں کم از کم ساڑھے گیارہ ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے' جبکہ جنوبی پاکستان میں ۲۰ افراد ہلاک ہوئے۔ احمد آباد اور سورت میں کثیر المنزلہ عمارتیں زمیں بوس ہوگئیں۔ گجرات' مدھیہ پردیش' مہاراشٹر اور راجھستان میں وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی۔ اس کے اثرات بنگلہ دیش تک محسوس کیے گئے۔

(۲۴) ۳ نومبر ۲۰۰۲ء اس زلزلے میں ۱۷ افراد ہلاک اور ۶۵ افراد زخمی ہوئے۔ اس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 5.5 تھی۔ اس کے اثرات اسلام آباد' پشاور اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے۔

(۲۵) ۲۰ نومبر ۲۰۰۲ء گلگت (استور ریجن)' ریکٹر اسکیل پر شدت ۶.۳ درجے' اس زلزلے کے باعث وادی استور میں ۲۳ افراد ہلاک ہوئے۔ علاقے میں وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی تھی' علاقے کے ۱۵ ہزار افراد بے گھر ہوگئے' اس زلزلے کے اثرات

اسلام آباد اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

زلزلے سے متعلق ۱۲۰ اہم سوالات اور ان کے جوابات

(۱) سوال: زلزلے کی تعریف کیا ہے؟

جواب: زمین کی تہہ میں توانائی کے اخراج کے باعث زمینی سطح پر جو انتہائی خوفناک ارضی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اس کے باعث پیدا ہونے والی کیفیت کو زلزلہ کہا جاتا ہے۔

(۲) سوال: زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کی وجوہات کون سی ہیں؟

جواب: زمین کی تہہ (FORCES TECTONIC) پر دباؤ کے باعث معمولی سی مڑ جاتی ہے' لیکن چونکہ زمینی تہہ سخت ہوتی ہے' لہٰذا جب دباؤ بڑھتا ہے تو زمینی تہہ پھٹ جاتی ہے اور وہ ایک نئی پوزیشن اختیار کر لیتی ہے' زمین میں پیدا ہونے والا ارتعاش (SIESMIC WAVES) کہلاتا ہے اور یہ لہریں ارتعاش زمین کی سطح کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں' ان لہروں کے باعث جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو زلزلہ کہا جاتا ہے۔

(۳) سوال: زلزلے کہاں پر آتے ہیں؟

جواب: زمین کی تہہ میں ٹوٹے ہوئے (Frature) مقامات ہوتے ہیں' یہاں پر دو کرسٹل بلاکس ایک دوسرے کے مخالف سفر کرتے ہیں' ایک بلاک اوپر کی جانب سفر کرتا ہے جب کہ دوسرا بلاک نیچے کی جانب سفر کرتا ہے' ماہرین ارضیات اور زلزلے کا مشاہدہ کرنے والے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زلزلے زیادہ تر انہی فالٹس (Faults) پر آتے ہیں جو کہ زمین کی تہہ میں کمزور مقامات شمار کیے جاتے ہیں۔

(۴) سوال: ہر برس کتنے زلزلے آتے ہیں:

جواب: عالمی سطح پر ہر برس دس لاکھ زلزلے آتے ہیں' ان میں وہ زلزلے بھی شامل ہیں جو بہت ہی معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں' مندرجہ ذیل جدول میں مختلف درجوں میں آنے والے زلزلوں کی اوسط فریکونسی دی گئی ہے۔

(۵) سوال: ہر ماہ' دن اور منٹ میں کتنے زلزلے آتے ہیں:

جواب: فی ماہ تقریباً ۸۰ ہزار زلزلے' فی دن تقریباً ۲۶۰۰ زلزلے' فی منٹ دو ہزار زلزلے

۱	بہت شدید	۸.۰+	۱
۲	بہت اہم	۷.۰-۷.۹	۱۸
۳	بہت زیادہ (تباہ کن)	۶.۰-۶.۹	۱۲۰
۴	درمیانہ (تباہیاں پھیلنے کا باعث)	۵.۰-۵.۹	۱,۰۰۰
۵	معمولی نوعیت (معمولی نقصانات)	۴.۰-۴	۶,۰۰
۶	عام طور پر محسوس ہونے والے زلزلے	۳.۰-۳.۹	۴۹,۰۰۰
۷	قابل برداشت	۲.۰-۲.۹	۳,۰۰,۰۰۰
۸	ناقابل محسوس	۲.۰ درجے سے بھی کم	۶۰۰,۰۰۰

ہر تیس سیکنڈ پر ایک زلزلہ محسوس ہوتا ہے' زلزلہ ایک عام قدرتی آفت ہے۔

(۶) سوال: عالمی سطح پر یہ زلزلے کس قدر گہرے ہوتے ہیں؟
جواب: زلزلے عام طور پر زمین کی بالائی سطح سے لے کر زمین کی تہہ میں ۸۰۰ کلومیٹر گہرائی تک ہوتے ہیں۔
(۷) سوال: دنیا بھر میں سب سے زیادہ زلزلے کہاں آتے ہیں؟
جواب: کیلی فورنیا' الاسکا' جاپان' جنوبی امریکہ' فلپائن۔
(۸) سوال: کیا امریکہ میں آنے والے زلزلے کم ہلاکتوں کا باعث بنتے ہیں؟
جواب: ایسا نہیں ہے' مندرجہ ذیل شیڈول میں عالمی سطح پر گزشتہ دو عشروں میں آنے والے زلزلوں کی تفصیل ہے:

سال	تاریخ	علاقہ	اموات	ریکٹر اسکیل پر شدت
۱۹۷۱ء		جنوبی کیلی فورنیا	۶۵	۶.۵
۱۹۷۲ء	۲۳ ستمبر	نکاراگوا	۵,۰۰۰	۶.۲
۱۹۷۶ء	۴ فروری	گوئٹے مالا	۲۲,۰۰۰	۷.۹
۱۹۷۷ء	۲۷ جولائی	چین	۲۵۰,۹۹۹۷	۷.۶
۱۹۸۰ء	۴ مارچ	رومانیہ	۲,۰۰۰	۷.۲
۱۹۸۰ء	۱۰ اکتوبر	الجزائر	۳۵,۰۰۰	۷.۷
۱۹۸۱ء	۲۳ نومبر	جنوبی اٹلی	۳,۰۰۰	۷.۲
۱۹۸۲ء	۱۱ جون	جنوبی ایران	۳,۰۰۰	۶.۹
۱۹۸۳ء	۱۳ دسمبر	یمن	۲۸,۰۰۰	۶.۰
۱۹۸۵ء	۳۰ اکتوبر	ترکی	۱۳,۴۲	۶.۰
۱۹۸۹ء	۱۹ دسمبر	میکسیکو	۱۰,۰۰۰	۷.۰
۱۹۸۹ء	۷ دسمبر	آرمینیا	۲۵,۰۰۰	۶.۹
۱۹۸۹ء	۱۷ اکتوبر	شمالی کیلی فورنیا	۶۷	۷.۱
۱۹۹۰ء	۲۰ جون	ایران	۴۰,۰۰	۷.۷

(۹) سوال: کسی ایک زلزلے میں سب سے زیادہ اموات کہاں ہوئیں؟
جواب: ۱۹۵۶ء میں چین میں آنے والا بدترین زلزلہ آٹھ لاکھ تیس ہزار (۸۳۰,۰۰۰) افراد کی ہلاکت کا باعث بنا تھا۔
(۱۰) سوال: زلزلے کی پیمائش کس طرح کی جاتی ہے؟
جواب: SIESMOMETER نامی آلہ زمین کی تمام تر حرکت کی پیمائش کرتا ہے' ایک عدد سیسموگراف (SIESMO GRAPH) اس آلے کے ساتھ ریکارڈنگ کے آلات کو منسلک کر دیا جاتا ہے' جو زمین کی حرکت کا مستقل ریکارڈ حاصل جمع کرتا رہتا ہے' اس ریکارڈ کی بنیاد پر ہی سائنس دان یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زلزلے کی شدت ریکٹر اسکیل پر کتنی تھی اور زلزلے کے باعث کس قدر توانائی خارج ہوئی' مختلف سیسموگراف کو زلزلے کے مقام سے قریب اور دور دراز جگہوں پر نصب کیا جاتا ہے تاکہ زلزلے کی شدت کا اندازہ کیا جا سکے' مختلف سیسمک اسٹیشنوں اور سیسموگرافکس کو ایک ہی

درجے کی شدت ظاہر کرنی ہوتی ہے' زلزلے کی پیمائش کے لیے سب سے زیادہ مقبول اور مشہور آلہ ریکٹر اسکیل ہے' مگر سائنس دان دیگر آلے بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۱) سوال: ریکٹر اسکیل کس شکل کا ہوتا ہے؟

جواب: ریکٹر اسکیل دراصل کوئی ذکریا انسٹرومنٹ نہیں ہے بلکہ یہ زلزلے سے پیدا ہونے والی لہریں (SIESMIC WAVES) کی وسعت یا ان کی کشادگی کو ناپنے کا ایک پیمانہ ہے اور اس کا تعلق اس توانائی سے ہے جو زلزلے کے باعث خارج ہوتی ہے' اس کا اندازہ کسی بھی زلزلے کے بارے میں سیسموگراف کے ریکارڈ سے کیا جاتا ہے۔

(۱۲) سوال: زلزلے کی پیمائش کے لیے پہلا آلہ کب ایجاد ہوا؟

جواب: ۱۳۲ء میں چینی فلسفی ژانگ ہینگ (ZHANG HENG) نے زلزلے کی نشاندہی کرنے والا آلہ ایجاد کیا تھا۔

(۱۳) سوال: زلزلے کے بارے میں اندازے اور پیش گوئی میں کیا فرق ہے؟

جواب: زلزلے کے بارے میں اندازہ کرتے وقت ایک مخصوص تاریخ' جگہ اور اس کی شدت کا ذکر ہوتا ہے' جب کہ زلزلے کے بارے میں پیش گوئی میں متعدد امکانات اور علاقے کے بارے میں دیگر معلومات ظاہر کی جاتی ہیں' زلزلے کے بارے میں سوفیصد صحیح پیش گوئی کرنا یا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے۔

(۱۴) سوال: کیا زلزلے آنے سے پہلے جانوروں کا رویہ تبدیل ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ بات بالکل درست ہے' زلزلہ آنے سے پہلے کتے' بلی' سانپ اور گھوڑوں کا رویہ غیر معمولی طور پر تبدیل ہو جاتا ہے' پرندے عام طور پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں' بلیوں کا انتہائی تکلیف دہ انداز میں مسلسل رونا ایک عام مشاہدہ ہے۔

(۱۵) سوال: کیا زلزلے آنے پر زمین پھٹ جاتی ہے اور انسانوں کو اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے؟

جواب: یہ زلزلے کے بارے میں صرف کہانی ہے اور حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے' زلزلے کے باعث زمین میں شگاف پڑنا دیکھا گیا ہے' یہ شگاف زیادہ تر نوکیلے اور سطحی نوعیت کے ہوتے ہیں' بدترین زلزلے کے باعث عمارتوں میں شگاف ضرور پڑ جاتے ہیں' زمین کے پھٹنے اور اس میں انسانوں کے سما جانے کی بات کبھی بھی مشاہدے میں نہیں آئی ہے۔

(۱۶) سوال: کیا زلزلے آتش فشاں پیدا کرتے ہیں؟

جواب: جی نہیں' آتش فشاں پیدا ہونے کی مختلف وجوہات ہیں' کسی بھی علاقے میں آتش فشاں پیدا ہونے سے پہلے درمیان میں یا بعد میں زلزلہ آ سکتا ہے۔

(۱۷) سوال: کیا زلزلے موسم سے جڑے ہوتے ہیں؟

جواب: چوتھی صدی قبل مسیح میں مشہور فلسفی ارسطو نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زلزلے زمین کی تہہ میں موجود غاروں میں مقید ہواؤں کے اخراج اور زبردست دباؤ سے آتے ہیں' زلزلہ آنے سے قبل اس علاقے کا موسم گرم ہو جاتا ہے اور اس نظریے کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے کہ زمین کی انتہائی نچلی سطح میں خاصی بڑی مقدار میں ہوا کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے' جو زمین رگڑنے کے باعث خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

(۱۸) سوال: زلزلے کے بارے میں کام کرنے والے سائنس دانوں کو کیا کہا جاتا ہے؟

جواب: سیسمولوجسٹ (SIESMOLOGIST) یہ یونانی زبان کا لفظ ہے اور ایسے شخص کے لیے مخصوص ہے' جو زلزلوں کے بارے میں علم رکھتا ہو اور زمین کی حرکت کے بارے میں مسلسل تحقیق و جستجو میں لگا رہتا ہو۔

(۱۹) سوال: زلزلے کے باعث کس قدر توانائی خارج ہوتی ہے؟

جواب: زلزلے کے باعث بہت بڑی مقدار میں توانائی خارج ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ زلزلے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں' مندرجہ ذیل شیڈول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریکٹر اسکیل پر کس شدت سے آنے والے زلزلے کے لیے عام حالات میں کتنی مقدار میں ٹی این ٹی (TNT) کی ضرورت ہوتی ہے:

ریکٹر اسکیل پر شدت	ٹی این ٹی کی مطلوبہ مقدار
۴.۰	۶ ٹن
۵.۰	۱۹۹ ٹن
۶.۰	۶,۲۷۰ ٹن
۷.۰	۱۹۹,۰۰۰ ٹن
۸.۰	۶۲۷۰۰۰ ٹن
۹.۰	۹۹,۰۰۰,۰۰۰ ٹن

(۲۰) سوال: کیا زلزلوں کو روکا جا سکتا ہے؟

جواب: ابھی تک کوئی ایسا طریقہ یا کوشش کامیاب نہیں ہو سکی ہے' لیکن یہ ممکن ہے کہ زلزلے کی شدت اور اس کی تباہ کاریوں کو کم سے کم کیا جا سکے' فالٹ زون میں واقع عمارتوں کو تعمیر کرتے وقت ایسی ڈیزائن بنائی جائے' جس سے زلزلے کے خلاف قوتِ مدافعت بڑھ جائے' عمارتوں کے اندرونی حصے اس قدر پائیدار بنائے جائیں کہ وہ گرنے والے عمارتی سامان سے محفوظ رہیں' عوام کو بھی زلزلے کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔

زلزلہ سے متعلق اہم نکات

سائنس کی دنیا میں زلزلوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اٹھارویں صدی تک زلزلے کے محض چند واقعات نوٹ کیے گئے' جب کہ اس دوران زلزلوں پر تحقیق کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ زلزلے کا سب سے پرانا معلوم واقعہ ۱۷۷۰ ق م کا ہے' جس میں چین میں آنے والے زلزلے کا ذکر ہے۔ حالیہ تاریخ کا سان فرانسسکو کا ۱۹۰۶ء کا زلزلہ ریکارڈ پر موجود ہے' جس میں ۷۰۰ افراد لقمۂ اجل بنے' جب کہ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کے الاسکا کے زلزلے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پانچ لاکھ مربع میل کے دائرے میں محسوس کیا گیا۔

زلزلہ زمین کی بالائی سطح پر تہہ در تہہ آپس میں لپٹی ایک درجن سے زائد ۷۰ کلومیٹر موٹی موٹی سخت اور ناہموار پلیٹوں اور زیریں سطح پر نرم اور پگھلی ہوئی چٹانوں جنہیں ''باؤنڈریز'' کہا جاتا ہے' کے درمیان زیریں سطح کے نرم ہو جانے پر اوپری تہوں کے باعث آتا ہے' یہ پلیٹیں جہاں آپس میں جڑی ہوتی ہیں' وہ دباؤ برداشت نہیں کر پاتیں اور اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ امریکہ' مغربی کینیڈا' الاسکا اور تقریباً تمام پہاڑی علاقوں میں موجود آتش فشاں بھی زلزلوں کا خاص مرکز ہیں۔

زلزلے کے جھٹکوں سے زمین ہلنے لگتی ہے' زمین پر موجود پہاڑی ٹیلے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں' چٹانیں ٹوٹنے لگتی ہیں اور عمارتوں کے پلر بیموں کا ساتھ چھوڑ کر چھتوں کو ڈھانے لگ جاتے ہیں' اگر زلزلہ شدید ہو تو تباہی ورنہ زمین ہل کر رہ جاتی ہے'

ریکٹر اسکیل پر ۷ کی شدت سے اوپر کو خطرناک اور تباہ کن کہا جاتا ہے۔

ریکٹر اسکیل کیا ہے؟

زلزلے کی شدت کو ناپنے کا آغاز ڈاکٹر چارلس ایف ریکٹر کے ایجاد کردہ آلے سے ہوا' جو انہوں نے کیلیفورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں طویل تحقیق کے بعد ایجاد کیا۔ ان کا یہ آلہ فی زمانہ زلزلہ پیمائی کے لیے انتہائی معتبر ہے۔ یہ آلہ ریاضی کی شاخ ''لاگرتھم'' کے اصولوں پر کام کرتا ہے' جس میں زمین کے ۱۰ دفعہ کے ارتعاش کو ۶ گنا جاتا ہے۔ ساڑھے تین منٹ دورانیے اور ۷ سے اوپر ریڈنگ والے زلزلوں کو تباہ کن زلزلہ قرار دیا جاتا ہے۔ زلزلے کی ابتدائی علامات گڑگڑاہٹ ہوتی ہے' جو تھوڑی ہی دیر میں تھرتھراہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

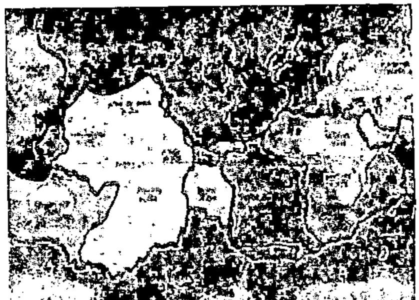

زلزلے کا باعث بننے والی زیر زمین پلیٹس...... یہ پلیٹس دنیا بھر میں پائی جاتی ہیں

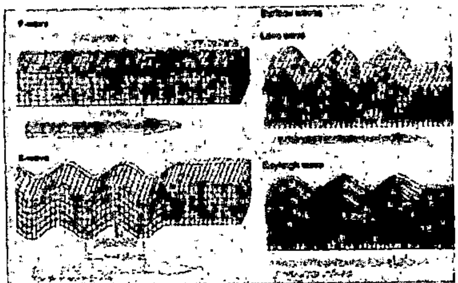

اس خیالی عکس میں زلزلے کی چار مختلف اقسام کی صراحت کی گئی ہے

زلزلے کی شدت کی پیمائش کے لئے استعمال ہونے والا جدید ترین ریکٹر اسکیل

زلزلہ کی تحقیق پر یہ معلومات افزاء مقالہ منظور الحسن ہاشمی اور مسعود صاحب کا لکھا ہوا ہے' جو ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو قومی اخبار میں شائع ہوا' اس کی افادیت کے پیش نظر میں نے اس کو قومی اخبار کے شکریہ کے ساتھ سورۃ الزلزال کے تعارف میں شامل کر لیا ہے۔

سورۃ الزلزال کے اس تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب اس ترجمہ اور تفسیر میں میری مدد فرمائیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۵ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۸ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الزلزال ۹۹ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

سورۃ الزلزال مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾

جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلا دی جائے گی O اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی O

وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ

اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ O اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی O کیونکہ

رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا

آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہے O اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال

أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن

دکھا دیئے جائیں O سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا O اور جو

ع ۱ ۸ ۲۴ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلا دی جائے گی O اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی O اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ O اس دن وہ زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی O (الزلزال: ۴۔۱)

زلزلہ کا لغوی اور عرفی معنیٰ

زلزلہ کا معنیٰ ہے: بھونچال' ہلا ڈالنا' ''زلزال'' کا معنیٰ ہے: بہت زور سے جھڑ جھڑانا' لرزا دینا' ہلا ڈالنا' امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس میں تکرارِ حروف تکرارِ معنیٰ کے لیے ہے یعنی بار بار جھڑ جھڑانا اور ہلا ڈالنا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۸۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

زلزلہ کا عرفی اور اصطلاحی معنیٰ ہم نے اس سورت کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

زمین پر قیامت کے زلزلہ کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس وقت حضرت اسرافیل پہلی بار صور میں پھونکیں گے' اس وقت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا' جس سے ہر چیز تہس نہس اور الٹ پلٹ ہو جائے گی۔

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے کہا ہے: اس آیت میں ایک سوال کا جواب ہے' سوال یہ ہے کہ لوگوں نے کہا: جس قیامت سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے وہ کب آئے گی؟ اس کے جواب میں فرمایا: جب زمین پوری شدت سے ہلا دی

جائے گی' اور اونچے اونچے پہاڑ زمین بوس ہو جائیں گے اور زمین کہیں بھی اونچی نیچی نہیں رہے گی' قرآن مجید میں ہے:

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ پس وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر دے گا ۝ جس میں (اے مخاطب!) نہ تو کوئی کجی دیکھے گا نہ اونچ نیچ ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷۔۱۰۶)

زمین کا اپنا بوجھ باہر نکالنا

الزلزال: ۲ میں فرمایا: اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی ۝

اس کی تفسیر میں یہ آیتیں ہیں:

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ۝ اور اس کے اندر جو کچھ ہے' اس کو باہر نکال دے گی اور خالی رہ جائے گی ۝ (الانشقاق: ۴۔۳)

زمین میں جو سربلند پہاڑ ہیں' ان سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر دیا جائے گا اور اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی' زمین میں جو مردے دفن ہیں' وہ سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے اور زمین میں جو خزانے ہیں' ان کو باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے چاندی کے ستونوں کی مثل زمین اپنے جگر کے ٹکڑے اُگل دے گی' قاتل ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا' رشتے توڑنے والا کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے رشتے توڑے تھے' چور ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا' پھر سب اس مال کو چھوڑ دیں گے اور کوئی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۸)

الزلزال: ۳ میں فرمایا: اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ ۝

ایک قول یہ ہے کہ جب پہلے صور میں پھونکا جائے اور تمام زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا تو ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر' وہ زمین کو لرزتے ہوئے دیکھ کر یہ کہے گا: اس زمین کو کیا ہوا' یہ کیوں لرز رہی ہے؟ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ مؤمن کو تو پہلے سے معلوم تھا کہ قیامت کے وقت زلزلہ آئے گا۔

الزلزال: ۴ میں فرمایا: اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی ۝

زمین کے خبر دینے کی کیفیت

یعنی زمین کے اوپر جو نیک یا بد اعمال کیے گئے ہیں' وہ ان سب کا بیان کر دے گی' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کیا خبر دے گی؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: اس کی خبر یہ ہے کہ وہ ہر بندے اور بندی کے متعلق یہ بتائے گی کہ اس نے فلاں دن زمین کی پشت پر یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام کیا تھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۹)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: زمین کے خبر دینے میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ زمین کو حیوان ناطق بنا دے گا' پھر وہ کلام کرے گی (۲) اللہ تعالیٰ اس میں کلام پیدا کر دے گا (۳) اس سے جو چیز صادر ہوگی وہ کلام کے قائم مقام ہوگی۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۳۲۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیونکہ آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہے ۝ اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تا کہ انہیں ان

کے اعمال دکھا دیئے جائیںO سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گاO اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گاO (الزلزال:۸۔۵)

یعنی زمین جو خبریں دے گی' وہ اللہ کے حکم سے دے گی' ایک قول یہ ہے کہ زمین میں جو زلزلہ آئے گا اور زمین اپنا بوجھ نکالے گی اور زمین جو خبر دے گی کہ اس کی پشت پر فلاں فلاں نیکی کی گئی ہے اور فلاں فلاں بُرائی کی گئی' یہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہوں گے۔

الزلزال:۶ میں فرمایا: اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیںO

یعنی حساب کے بعد دائیں ہاتھ والے جنت کی طرف روانہ ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے دوزخ کی طرف روانہ ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا' جو نیکو کار ہوگا' وہ یہ کہے گا: میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور جو اس کے علاوہ ہوگا' وہ کہے گا: میں نے گناہوں کو ترک کیوں نہیں کیا۔ (فردوس الاخبار رقم الحدیث:۶۵۰۱)

ایک قول یہ ہے کہ جس وقت لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کو حساب کی جگہ پر لایا جائے گا تاکہ وہ اپنے صحائف اعمال میں اپنے اعمال لکھے ہوئے دیکھ لیں اور اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیں اور وہ حساب کی جگہ سے مختلف ٹولیوں میں روانہ ہوں گے۔

الزلزال:۸۔۷ میں فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا' وہ اس کا صلہ دیکھے گاO اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گاO

مؤمن اور کافر کے اعمال کے بدلہ کا ضابطہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کفار میں سے جو شخص بھی ذرہ کے برابر کوئی نیک کام کرے گا' اس کو اس کی نیکی کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جائے گا' اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر کوئی کافر کوئی بُرا کام کرے گا تو آخرت میں اس کو شرک کی سزا کے علاوہ اس بُرائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مؤمنین میں سے جو شخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی بُرائی کرے گا' اس کو دنیا میں ہی اس بُرائی کی سزا دے دی جائے گی اور مرنے کے بعد اس کو آخرت میں اس بُرائی کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی اور اس کی بُرائی سے درگزر کر لیا جائے گا اور اگر مؤمن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کا آخرت میں اجر زیادہ کر دیا جائے گا۔

بعض احادیث میں ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی عمل سے غافل نہیں ہے' خواہ وہ عمل صغیرہ ہو یا کبیرہ' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ (النساء:۴۰) بے شک اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ آدمی زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھائے تو اس کے ہاتھ پر جو خاک لگی ہو وہ ذرہ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ کافر جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا' اس کا ثواب اس کو دنیا میں اس کے نفس' اس کے مال' اس کے اہل اور اس کی اولاد میں دے دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی نیکی نہیں ہو

گی اور مومن نے دنیا میں ذرہ برابر جو بُرائی کی ہوگی اس کی سزا اس کو دنیا میں ملے گی۔ اس کے نفس اس کے مال اس کے اہل اور اس کی اولاد میں اس کو سزا دے دی جائے گی حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی بُرائی نہیں ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابوبکر کھانا کھا رہے تھے وہ کھانے سے رک گئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! کیا ہم کو ہمارے اچھے اور بُرے عملوں کا بدلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم جو ناگوار چیزیں دیکھتے ہو وہ تمہاری ذرہ برابر بُرائی کا بدلہ ہے اور تمہاری ذرّہ برابر نیکی کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۲۲۲' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۲)

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰) تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے' وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

موطأ امام مالک میں ہے: ایک مسکین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھانا طلب کیا' ان کے سامنے انگور رکھے ہوئے تھے' حضرت عائشہ نے ایک انسان سے کہا: اس کو انگور کا ایک دانہ دے دو' اس انسان نے تعجب سے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا' حضرت عائشہ نے اس سے کہا: تم انگور کے ایک دانہ پر تعجب کر رہے ہو' یہ ایک ذرہ برابر نیکی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دو کھجوریں صدقہ کیں تو سائل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت سعد نے سائل سے کہا: اللہ تعالیٰ ہم سے ذرہ برابر نیکی قبول فرما لیتا ہے اور دو کھجوروں میں تو بہت ذرات ہیں۔

المطلب بن حنطب بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا' اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا ایک ذرّہ کے برابر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۳۶۔۱۳۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں معتزلہ کے خلاف اہل سنت و جماعت کے مسلک پر دلیل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں: جو مؤمن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ بغیر توبہ کے مر جائے' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے: جس مؤمن نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو' وہ اس کی جزا پائے گا' تو اس مؤمن کو اس کے ایمان کی جزا ضرور ملے گی' اس لیے اگر اس کو اپنے گناہوں کی سزا دینے کے لیے دوزخ میں ڈالا گیا تو پھر اس کو اس کے ایمان کی جزا دینے کے لیے ضرور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا' لہٰذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اس کو جنت سے نکال کر دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا' لہٰذا مؤمن مرتکب کبیرہ کی اگر شفاعت یا مغفرت نہیں ہوئی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں ضرور جائے گا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جس کے فرائض پورے نہیں ہوئے' اس کے نوافل قبول نہیں ہوں گے' ہم کہتے ہیں کہ اس کے نوافل بہرحال خیر اور نیکی ہیں اور نیکی ذرہ برابر بھی ہو تو بندہ مؤمن اس کی جزا پائے گا' فرائض کے ترک پر وہ عذاب کا مستحق ہو گا اور نوافل کا اس کو ثواب عطا کیا جائے گا۔

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۷ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ الزلزال کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اے رب کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری اور میرے اساتذہ' میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

والصلوٰة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین

وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ العٰدیٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

''العادیات'' کا معنیٰ ہے: وہ گھوڑے جن کو مجاہدین دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے دوڑاتے ہیں' اس سورت کا نام العادیات ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''العادیات'' کا لفظ ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ (العدیت:١) ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیزی سے دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ العٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابوعبید نے حسن بصری سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا زلزلت'' نصف قرآن کے برابر ہے اور ''والعٰدیٰت'' نصف قرآن کے برابر ہے۔ (الدرالمنثور ج ٨ ص ٥٤٧)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ١٤ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ١٠٠ ہے۔

العٰدیٰت: ٧۔١' اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔

العٰدیٰت: ٨' انسان کی طبیعت میں مال و دولت کو حاصل کرنے کی شدید حرص ہے۔

العٰدیٰت: ١١۔٩' انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ نیک اعمال کرے تا کہ قیامت کے دن سرخرو ہو سکے اور اسے بُرے اعمال کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

العٰدیٰت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے ربِ کریم! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

٧ ذوالقعدۃ ١٤٢٦ھ/ ١٠ دسمبر ٢٠٠٥ء

موبائل نمبر: ٠٣٠٠۔٢١٥٦٣٠٩

٠٣٢١۔٢٠٢١٧٤٤

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ (۱۰۰) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۱ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ العٰدیٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ

ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O پھر صبح کے وقت

صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ

دشمن پر حملہ کرتے ہیں O پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں O پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں O بے شک

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ

انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے O اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O اور بے شک

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾

وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے O کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ

اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا O بے شک ان کا رب اس دن

يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾ ع ۱ ۱۱ ۲۵

ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں O پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں O پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں O (العٰدیٰت: ۵۔۱)

''العادیات ضبحا'' کا معنی

''عادیات'' کا لفظی معنی ہے: دوڑنے والیاں، اس سے مراد تیز رفتار گھوڑے یا اونٹنیاں ہیں، ''عادیات''، ''عادیة'' کی جمع ہے اور ''عدو'' سے مشتق ہے، جس کا معنی دوڑنا ہے، یہ اصل میں ''عادِوَات'' تھا، واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا تو ''عادیات'' ہو گیا، جیسے ''غزو'' سے ''غازیات'' ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور مقاتل وغیرہم کا قول ہے کہ یہ مجاہدین کے گھوڑوں کی صفت ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں، محمد بن کعب اور

سدی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے ''العٰدیٰت ضبحا'' کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور سر شام اس وقت واپس آتے ہیں جب لوگ کھانے کے لیے آگ جلاتے ہیں' وہ شخص میرے پاس سے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' اس نے حضرت علی سے بھی یہی سوال کیا اور آپ کو حضرت ابن عباس کا جواب بھی بتایا' آپ نے بتایا: جاؤ حضرت ابن عباس کو میرے پاس لے آؤ' پھر حضرت علی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا: تم لوگوں کو ایسی بات کیوں بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے؟ اللہ کی قسم! اسلام کا سب سے پہلا غزوہ' غزوۂ بدر تھا' اس وقت ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے' ایک حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور دوسرا حضرت مقداد بن الاسود کے پاس تھا' اس صورت میں ''العٰدیٰت ضبحا'' کو گھوڑوں پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوگا' لہٰذا اس سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو عرفات سے مزدلفہ تک دوڑتی ہیں' پھر جب لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں اور ''فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا'' (العٰدیٰت: ۳) سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دوڑتی ہیں اور ''فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا'' (العٰدیٰت: ۴) سے مراد وہ غبار ہے جو ان اونٹنیوں کے قدموں تلے روندنے سے اٹھتا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا: پھر حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر کے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا' اور امام ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے یہ فرمایا کہ غزوۂ بدر میں دو سے زیادہ گھوڑے نہ تھے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد گھوڑوں پر سواروں کا ایک خاص دستہ ہے' جو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تھا' شعبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں غبار اڑنے کا ذکر ہے اور غبار گھوڑوں کے دوڑنے سے ہی اڑتا ہے' نیز امام عبد الرزاق نے کہا ہے کہ اس میں ان کے ہانپنے کا ذکر ہے اور چوپایوں میں سے سوائے کتے اور گھوڑے کے اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ ''ضبحا'' کا معنیٰ ہے: ہانپنا اور چوپایوں میں سے کتوں اور گھوڑوں کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۴۸۔ ۳۴۵ ملخصاً' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۵۷ ملخصاً' تفسیر امام عبد الرزاق ج ۲ ص ۳۱۸۔ ۳۱۷ ملخصاً' فتح الباری ج ۹ ص ۷۵۱۔ ۷۵۰)

''الموریات قدحاً'' کا معنیٰ

''الموریات'' جمع مؤنث اسم فاعل ہے' اس کا مصدر ''ایراء'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: آگ روشن کرنے والے' عکرمہ نے کہا: اس سے مراد مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں' قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن کے سواروں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکتی ہے' سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس سے مراد سواروں کا وہ دستہ ہے جو دن بھر جہاد کرنے کے بعد شام کو واپس آ کر کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتا ہے۔

''قدحاً'' کا معنیٰ ہے: چقماق کو مار کر آگ نکالنا' پتھر پر پتھر یا لوہے کو مار کر آگ نکالنا' ''قدح بالزند'' کا معنیٰ ہے: چقماق کو رگڑ کر آگ نکالی' اور اس سے مراد ہے: گھوڑوں کا نعل دار سموں کو پتھریلی زمین پر مارنا' ''قَدَحَ فیه'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز میں نکتہ چینی کرنا۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۴۹۔ ۳۴۸' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۹۵)

''المغیرات صبحا'' کا معنیٰ

''المغیرات'' 'جمع' مؤنث' اسم فاعل ہے' اس کا مصدر ''اغارۃ'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: مال غنیمت لوٹنے والے' چھاپہ مارنے والے' اکثر مفسرین نے کہا: اس سے مراد ہے: گھوڑوں پر سواروں کے دستے جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔

اور علامہ القرطبی نے کہا: اس سے مراد اونٹوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اپنے سواروں کو لے کر قربانی کے دن صبح کے وقت منیٰ کی طرف تیز تیز جاتی ہیں اور سنت یہی ہے کہ صبح سے پہلے روانہ نہ ہوا جائے' اور ''اغارۃ'' کا معنیٰ ہے: جہت تیزی سے روانہ ہونا۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۹۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

''فاثرن به نقعا'' اور ''فوسطن به جمعا'' کا معنیٰ

''اثرن'' 'جمع' مؤنث' غائب کا صیغہ ہے' اس کا مصدر ''اثارۃ'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: برانگیختہ کرنا اور گرد و غبار اڑانا ''نقعا'' کا معنیٰ ہے: تنگ' کنویں میں جمع شدہ پانی اور گرد و غبار۔

عکرمہ سے اس کا معنیٰ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: گھوڑوں کے دوڑنے سے گرد و غبار اڑا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۲۶۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا'' کا معنیٰ ہے: جماعت میں گھس گئے' بیچ میں آ گئے۔

یعنی مجاہدین اپنے گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی فوجوں میں گھس گئے۔

القرطبی نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۵۲' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے O اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے O کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا O بے شک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے O

''الکنود'' کا معنیٰ اور انسان کا اپنے ''الکنود'' ہونے پر گواہ ہونا

سابقہ پانچ آیتوں میں جو قسم کھائی تھی' العٰدیٰت: ۶ میں اس کا جواب ہے' اس آیت میں ''لکنود'' کا لفظ ہے' اس آیت کا معنیٰ ہے: بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: انسان طبعی طور پر ناشکرا ہے اور ''لکنود'' کا معنیٰ ہے: ''لکفور'' یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا' حسن بصری نے کہا: انسان مصائب کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو خود کھاتا ہے اور اپنے رفقاء کو نہیں کھلاتا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کیا میں تم میں سب سے بُرے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں' یارسول اللہ! فرمایا: جو عطیہ کو صرف اپنے پاس رکھے اور اپنے خادم کو مارے۔ (نوادر الاصول ص ۲۶۷)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کندہ اور حضر موت کی لغت میں ''الکنود'' کا معنیٰ ہے: نافرمان' اور ربیعہ اور مضر کی لغت میں اس کا معنیٰ ہے: ''الکفور'' یعنی بہت ناشکرا' اور کنانہ کی لغت میں اس کا معنیٰ ہے: بہت بخیل' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں اس سے مراد کافر ہے۔

60

ابوبکر الواسطی نے کہا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اور ابوبکر الوراق نے کہا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کو نعمت اس کی اور اس کے دوستوں کی وجہ سے ملی ہے' امام ترمذی نے کہا: ''کنود'' وہ شخص ہے جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے ''ھلوع'' اور ''کنود'' وہ شخص ہے جس پر مصیبت آئے تو گھبرا جائے اور راحت آئے تو ناشکری کرے' ایک قول یہ ہے کہ وہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا ہے' ایک قول ہے کہ وہ تقدیر سے جاہل ہے اور حکمت میں ہے: جو تقدیر سے جاہل ہے اس نے اپنی عزت کا پردہ چاک کر دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ''الکنود'' ناشکرا اور منکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر صفاتِ مذمومہ غیر محمودہ کے ساتھ کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۴۳۔۱۴۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

العٰدیٰت: ۷ میں فرمایا: اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے ○

حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا: انسان اپنے نفس اور اپنے اعمال پر خود گواہ ہے۔

اس کا ایک محمل یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرے ہونے پر خود گواہ ہے' کیونکہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا یا اس لیے کہ آخرت میں وہ خود اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ناشکرے ہونے پر گواہ ہے اور یہ معنیٰ راجح ہے کیونکہ اس کی ضمیر ''لربہ'' کی طرف راجع ہے اور اس کا ذکر انسان کی بہ نسبت قریب ہے' اس آیت میں انسان کو اس کے معاصی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے' کیونکہ آخرت میں اس کے اعمال کا شمار کیا جائے گا۔

العٰدیٰت: ۸ میں فرمایا: اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ○

مال کی محبت کے متعلق احادیث

اس آیت میں ''الخیر'' کا لفظ ہے' یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے اور قرآن مجید میں ''خیر'' کے لفظ سے مال کا بھی ارادہ کیا گیا ہے' جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۨ الْوَصِيَّةُ . (البقرہ: ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے' سو اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ (المعارج: ۲۱)

اور جب اس کو مال ملتا ہے تو وہ بخل کرنے والا ہے ○

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے عرف میں مال کو خیر قرار دیتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عرف کے موافق فرمایا کہ انسان خیر کی یعنی مال کی محبت میں شدید ہے اور شدید سے مراد بخیل ہے۔

انسان کو مال سے جس قدر محبت ہے' اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹' مسند احمد ج ۶ ص ۵۵۔ ج ۳ ص ۲۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا' آپ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اموال آتے تھے' ان میں یہ مال سب سے زیادہ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز

60

پڑھانے گئے اور اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی' نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس بیٹھ گئے' پھر آپ جس شخص کو بھی دیکھتے' اس کو اس مال سے عطا کرتے' اس وقت آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے' پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے مال عطا کیجئے' کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا' آپ نے ان سے فرمایا: آپ اس میں سے مال لے لیں' انہوں نے اپنے کپڑے میں مال ڈالنا شروع کیا اور اس مال کی چوٹی بنا دی اور اس کو اٹھا نہ سکے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے' آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں' انہوں نے کہا: اچھا تو پھر آپ اٹھا کر رکھ دیں' آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے اس گٹھڑی سے مال کم کیا لیکن پھر اس کی چوٹی بن گئی' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو کہیے کہ اس کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے' آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں' آپ نے فرمایا نہیں' آپ خود اٹھائیں' انہوں نے اس میں سے مال کم کیا' پھر اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا' پھر چلے گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کا تعاقب کرتی رہی' حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس وقت اٹھے' جب وہاں پر ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۱)

مال کی محبت کے اثرات

مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(۱) انسان مال کی محبت کی وجہ سے بخیل اور ممسک ہو گیا ہے۔

(۲) انسان مال کی محبت میں اور دنیا کو طلب کرنے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے میں بہت شدید اور قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں بہت خفیف اور ضعیف ہے۔

(۳) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل بہت تنگ ہوتا ہے اور منقبض ہوتا ہے۔

بخیل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے' جنہوں نے لوہے کے دو کوٹ پہنے ہوئے ہوں' جو ان کے پستانوں سے ان کے گلوں تک ہوں' رہا خرچ کرنے والا تو وہ جوں جوں خرچ کرتا ہے' اس کے لوہے کے کڑے ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جسم سے ان کڑوں کے نشان مٹتے جاتے ہیں اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرے تو لوہے کا ہر کڑا اس کے جسم کے ساتھ اور چمٹتا جاتا ہے' وہ اس کوٹ کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (خرچ کیے ہوئے) مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

العٰدیٰت: ۹ میں فرمایا: کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O

''بعثر'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''بعثر'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''بعثرۃ'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو الٹ پلٹ کرنا' ''بعثر'' کا معنیٰ

ہے: وہ اٹھایا گیا' وہ کریدا گیا' وہ الٹ پلٹ کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ۝ (الانفطار: ۴) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ۝

اس آیت میں ''ما فی القبور'' فرمایا ہے اور لفظ ''ما'' غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور قبروں میں جو مردے دفن ہیں' وہ ذوی العقول تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا' اس وقت وہ زندہ اور عقل والے نہ ہوں گے' قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد وہ زندہ کیے جائیں گے اور ان کی عقل لوٹائی جائے گی۔

العٰدیٰت: ۱۰ میں فرمایا: اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا ۝

صحیفوں کے مندرجات کو ظاہر کرنے کے محامل

اس آیت کی حسبِ ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) ان کے صحیفوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے' اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

(۲) جن احکام پر انہوں نے عمل کیا اور جن احکام پر انہوں نے عمل نہیں کیا' ان سب کو بتا دیا جائے گا کہ انہوں نے کتنے فرائض اور واجبات پر عمل کیا اور کتنے فرائض اور واجبات کو ترک کیا۔ اسی طرح کتنے حرام اور مکروہ تحریمی کاموں کو کیا اور کتنوں کو ترک کیا۔

(۳) دنیا میں اکثر اوقات انسان کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے' لیکن قیامت کے دن اس کے سینے کی تمام چھپی ہوئی باتیں اور اس کے پردے چاک کر دیئے جائیں گے۔

اے ربِ کریم! قیامت کے دن ہم مسلمانوں کو رسوا نہ کرنا اور جس طرح دنیا میں ہماری برائیوں کو چھپا کر ہماری عزت اور آبرو کو قائم رکھا ہے' اسی طرح قیامت میں بھی ہماری عزت اور آبرو کو قائم رکھنا۔ (آمین)

ظاہری اعضاء کے مقابلہ میں دل کے افعال کا معیار ہونا

العٰدیٰت: ۱۰ پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا ہے: اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا' اس میں دل کے افعال کا ذکر کیا گیا ہے اور ظاہری اعضاء کے افعال کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہری اعضاء دل کے افعال کے تابع ہیں کیونکہ اس کے دل میں پہلے کسی کام کا شوق ہوتا ہے' پھر اس کام کی تحریک پیدا ہوتی ہے' پھر وہ اس کا ارادہ کرتا ہے' پھر اس کے بعد ظاہری اعضاء حرکت میں آتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے مذمت اور مدح میں دل کے افعال کو اصل قرار دیا ہے۔ مذمت کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ (البقرہ: ۲۸۳) اس کا دل گناہ گار ہے۔

اور مدح کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال: ۲) ان کے دل اللہ سے خوف زدہ ہیں۔

نیز اس آیت میں سینوں کا ذکر فرمایا ہے اور مراد اس سے دل ہیں' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دل سینوں میں ہیں۔

العٰدیٰت: ۱۱ میں فرمایا: بے شک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی خبریں دی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی خبر ہوگی اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خبر رکھنے والا ہے' اس کا یہ

معنیٰ نہیں ہے کہ اس کو از خود خبر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا علم تو ازلی اور ابدی ہے اور انسان کے صحائف اعمال میں جو کچھ فرشتے لکھتے ہیں' وہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کو خبر ہو گی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کو ہر وقت ہر چیز کا علم ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہو گا اور اس دن کسی کے علم کا اظہار نہیں ہو گا' گویا اس دن وہی عالم ہو گا اور اس کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہو گا۔

سورۃ العٰدیٰت کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/۱۲ دسمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز پیر سورۃ العٰدیٰت کی تفسیر کی تکمیل ہو گئی' اے رب کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کی تکمیل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری تمام تصانیف کو قبول فرمائیں اور قیامت تک ان کو فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ' میرے احباب' میرے تلامذہ اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلى و نسلم على رسوله الكريم

سورة القارعة

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام القارعۃ ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾ (القارعۃ: ۲۔۱) ناگہانی مصیبت○ ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ القارعۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن جریر‘ امام ابن المنذر‘ امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ''القارعة'' ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۵۲‘ داراحیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

اس سے پہلی سورت العٰدیٰت: ۹ میں فرمایا تھا: کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھالیے جائیں گے‘ اور یہ امر قیامت کے عوارض میں سے ہے‘ اس لیے اس سورت کے بعد القارعۃ نازل ہوئی‘ جس میں قیامت کے ہولناک اُمور بیان کیے گئے ہیں۔

القارعۃ کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۰ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۱ ہے۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں قیامت میں پیش آنے والے ہولناک اُمور بیان فرمائے اور آخری آیات میں میزان‘ حساب و کتاب اور جزاء اور سزاء کا بیان فرمایا ہے۔

سورت القارعۃ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں‘ اے میرے رب کریم! مجھے اس سورت کے ترجمہ و تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۰ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۳ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ القارعۃ ۱۰۱ — آیاتہا ۱۱ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ القارعۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ

ناگہانی مصیبت O ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟ O آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے؟ O (یہ وہ دن ہے)

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ

جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے O اور پہاڑ دھنی ہوئی

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥ فَهُوَ

رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے O تو وہ

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧ فَاُمُّهٗ

پسندیدہ زندگی میں ہو گا O اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے O تو اس کا

هَاوِيَةٌ ⑨ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪ ع ١١/٢٦

ٹھکانہ ہاویہ ہوگا O اور آپ کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا ہے O وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ناگہانی مصیبت O ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟ O آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے؟ O (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے O اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O

(القارعۃ: ۵۔۱)

''القارعۃ'' کا معنیٰ ہے: کھٹکھٹانا' ''قرع الباب'' کا معنیٰ ہے: دروازہ کھٹکھٹایا' اس کا عرفی معنیٰ ہے: اچانک آنے والی مصیبت' اور بہت بڑا حادثہ' قیامت بھی ناگہانی مصیبت اور بہت بڑا حادثہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ . کفار کے کرتوتوں کے سبب ہمیشہ ان پر کوئی ناگہانی مصیبت آتی رہے گی۔ (الرعد: ۳۱)

''القارعۃ'' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن صور میں پھونکا جائے گا تو ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئے گی' جس سے تمام لوگ دہل کر مر جائیں گے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو سورج' چاند' ستارے اور پہاڑ وغیرہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس سے بہت گرج دار آواز پیدا ہوگی' اس وجہ سے قیامت کو ''قارعۃ'' فرمایا' تیسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا اور سورج اور چاند کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر اڑ رہے ہوں گے تو لوگ

مارے خوف اور دہشت کے دہل رہے ہوں گے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیامت اپنے ہولناک اُمور سے اللہ کے دشمنوں اور کفار کے دلوں کو ضرب شدید سے کھٹکھٹا رہی ہو گی۔

نیز فرمایا ہے: آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے' اس کا معنیٰ ہے: اس کی حقیقت کا آپ کو از خود علم نہیں ہے کیونکہ اس کی شدت اور ہولنا کی کی طرف کسی کی رسائی نہیں ہے' کسی کی عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ وہم پہنچ سکتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دہشت ناک اُمور واقع ہوں گے' ان کا علم سوا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔

القارعۃ: ۴ میں فرمایا: (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے O

قیامت کے دن لوگوں کے احوال

پروانے از قبیل حشرات الارض ہیں' یہ شمع' لیمپ یا بلب وغیرہ کسی روشن چیز پر گرتے ہیں اور مرتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروانے متفرق اور منتشر ہوتے ہیں' اسی طرح اس دن لوگ بھی حیران اور پریشان ادھر اُدھر بھاگ رہے ہوں گے اور تشبیہ اس چیز میں ہے کہ اس دن لوگ روشنی پر گرنے والے پروانوں کی طرح حیران اور مضطرب ہوں گے' قتادہ نے کہا: پروانوں کے ساتھ تشبیہ کثرت اور انتشار میں ہے اور ضعف اور ذلت میں ہے اور کسی مربوط نظام کے بغیر ادھر اُدھر بھاگنے میں ہے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے احوال

القارعۃ: ۵ میں فرمایا: اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ O (فاطر: ۲۷)

اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں' سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ O

قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہو گی' اس کے اثر سے سر بہ فلک پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح ہو جائیں گے تو سوچنا چاہیے کہ اس دل دہلانے والی آواز کو سن کر انسان کا کیا حال ہو گا۔

قیامت کے دن پہاڑوں میں جو تغیرات ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے حسب ذیل احوال بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک حال یہ ہے کہ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً O (الحاقۃ: ۱۴)

اور زمینوں کو اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ایک ضرب میں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے O

(۲) پہاڑ قیامت کے دن بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط (النمل: ۸۸)

(اے مخاطب!) تم پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جما ہوا خیال کرتے ہو' حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔

(۳) قیامت کے دن پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا

قیامت کے دن زمینیں اور پہاڑ تھرتھرائیں گے اور پہاڑ

قَهِيلًا۝ (المزمل:١٤) ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۝

(۴) قیامت کے دن پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے جیسا کہ القارعۃ:۵ میں ہے۔

(۵) قیامت کے دن پہاڑ فریب نظر ہو جائیں گے۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۝ (النبا:٢٠) اور پہاڑ چلائے جائیں گے پھر وہ سراب (فریب نظر) ہو جائیں گے۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے۝ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۝ اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے۝ تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا۝ اور آپ کیا سمجھے کہ ھاویہ کیا ہے؟۝ وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے۝ (القارعۃ:١١-٦)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت میں امام ماتریدی کی تقریر

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ وزن اعمال کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا' وہ تمام مؤمنین ہیں اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا' وہ تمام کفار ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے حق کی تعظیم کرتا ہے' اور وہ اس کی حدود کو قائم کرتا ہے' اس لیے اس کے اعمال کے لیے میزان ہوگی اور اس کے اعمال کی قدر و قیمت ہوگی' اور کافر نیک اعمال نہیں کرتا' اس لیے اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دل کے ان نیک اعمال کا وزن کیا جائے گا' جن پر فرشتے بھی مطلع نہیں ہوتے' جو بنو آدم کے اعمال لکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ نیک اعمال صرف مؤمنین کے ہوتے ہیں نہ کہ کفار کے' ہم اس سے پہلے میزان کے مسئلہ پر لکھ چکے ہیں' اس لیے یہاں ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۵۱۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام ابومنصور ماتریدی نے وزن اعمال کے متعلق زیادہ تفصیل سے الاعراف:۸ کی تفسیر میں لکھا ہے' وہاں ان کی عبارت یہ ہے:

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں' جن میں نیکیوں اور بُرائیوں کا وزن کیا جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں داخل ہوگا' اور دوسرے اہل تاویل نے کہا: "موازین" سے مراد خود نیکیاں اور بُرائیاں ہیں' سو جس کی نیکیاں بُرائیوں پر راجح ہوں گی وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کی بُرائیاں نیکیوں پر راجح ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا (یعنی وزن نہیں ہوگا)۔

امام ابومنصور ماتریدی میزان پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت میں مؤمنین اور کفار دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور مؤمن کے ساتھ ایمان ہوگا تو اس کی کوئی بُرائی نیکی پر راجح نہیں ہوگی اور کافر کے ساتھ جب شرک ہوگا تو اس کی کوئی نیکی بُرائی پر راجح نہیں ہوگی' پھر اعمال کے وزن کا کیا فائدہ ہوگا' تاہم یوں کہا جا سکتا ہے کہ مومن کے اعمال کا جب وزن کیا جائے گا تو ایمان کے بغیر صرف اس کی نیکیوں اور بُرائیوں کا مقابلہ کیا جائے گا' اسی طرح جب کافر کے اعمال کا وزن کیا جائے گا تو اس کے کفر کے بغیر اس کی نیکیوں اور بُرائیوں کا مقابلہ کیا جائے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا کیونکہ دنیا میں جو اس کو نعمتیں دی گئی تھیں' وہی اس کی نیکیوں کا اجر تھا اور رہا مومن تو اس کی بُرائیوں سے درگزر کر لیا جائے گا اور اس کی نیکیوں پر اجر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بہت نیک اعمال تو ہم قبول فرماتے

نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ (الاحقاف:١٦)

ہیں اور ان کے گناہوں سے ہم درگزر فرماتے ہیں' وہ جنتی لوگ ہیں' اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا○

(تاویلات اہل السنۃ ج ۴ ص ۲۰۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت میں امام رازی کی تقریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ القارعۃ :۶ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فراء نے کہا: اس آیت میں ''موازین'' کا لفظ ہے اور یہ ''موزون'' کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہے جس کی اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی اہمیت ہو' دوسرا قول یہ ہے کہ ''موازین'' ''میزان'' کی جمع ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس میں دو پلڑے ہیں' اس میں صرف اعمال کا وزن کیا جائے گا' مؤمن مطیع کی نیکیوں کو حسین صورت میں لایا جائے گا اور جب اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے پر راجح ہو گا تو اس کے لیے جنت ہے' اور کافر کی بُرائیوں کو بہت قبیح صورت میں لایا جائے گا' پھر اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہ جائے گا' پھر وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں' ان کی صفت نہیں کی جا سکتی' متکلمین نے کہا: صرف نیکیوں اور بُرائیوں کا وزن نہیں کیا جا سکتا' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن صحیفوں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں' ان کا وزن کیا جائے گا یا نور کو نیکیوں کی علامت اور ظلمت کو بُرائیوں کی علامت قرار دیا جائے گا یا نیکیوں کے صحیفوں کو حسین صورتوں سے بدل دیا جائے گا اور بُرائیوں کے صحیفوں کو قبیح صورتوں سے بدل دیا جائے گا' پھر جب ان کا وزن کیا جائے گا تو ان کا ہلکا اور بھاری ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اس وزن کا فائدہ یہ ہے کہ نیکیوں والا مومن سرِ محشر مسرور اور سرخ رو ہو گا اور بُرائیوں والا کافر سرِ محشر پژمردہ اور رسوا ہو گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۶۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت کے متعلق مصنف کی تقریر

میزان پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وزن تو کسی ٹھوس چیز کا کیا جاتا ہے' انسان کی نیت تو کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے' پھر انسان کی ریاکاری یا اس کے اخلاص کا وزن کیسے کیا جائے گا؟ اسی طرح نیک کاموں سے محبت یا بغض کا وزن کیسے کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ سائنسی آلات کے ذریعہ بہت سی کیفیات کا وزن کیا جاتا ہے' حالانکہ کیفیات بھی ٹھوس چیز نہیں ہیں' انسان کے جسم میں بخار بھی ایک کیفیت ہے اور تھرمامیٹر کے ذریعہ اس کے جسم کی حرارت کا وزن کیا جاتا ہے اور دیگر آلات کے ذریعہ کمرہ اور فضاء کے درجہ حرارت کی پیمائش کی جاتی ہے' انسان کے خون میں کولیسٹرول اور شوگر کی آلات کے ذریعہ پیمائش کی جاتی ہے' انسان کی تمام بیماریاں اس کے خون میں ہوتی ہیں اور اس کے خون کا تجزیہ کر کے ان بیماریوں کو معلوم کیا جاتا ہے اور وہ بھی کیفیات ہیں' کوئی ٹھوس چیز نہیں ہیں اور جب مخلوق کیفیات کا وزن کر لیتی ہے تو اس کے خالق کے بارے میں یہ گمان کیسے صحیح ہو گا کہ وہ اخلاص اور ریاکاری ایسی کیفیات کا وزن نہیں کر سکتا۔

القارعۃ: ۷۔۶ میں فرمایا: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے ○ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا○
یعنی وہ ایسی زندگی ہو گی جس سے زندگی گزارنے والا راضی ہو گا۔

القارعۃ: ۹۔۸ میں فرمایا: اور جس کی (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوں گے ○ تو اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا○

ھاویہ کے معانی

یعنی جس کی نیکیاں کم ہوں گی اور اس کی بُرائیاں زیادہ ہوں گی' اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا' ھاویہ کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) ھاویہ دوزخ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' یہ دوزخ کا گہرا گڑھا ہے' جس میں اہل دوزخ کو ڈال دیا جائے گا' اس آیت میں ''ام'' کا لفظ ہے' جس سے مراد ٹھکانا ہے کیونکہ ماں کی گود اس کے بچوں کا ٹھکانا ہوتی ہے۔

(۲) ھاویہ سے مراد دوزخ کی جڑ ہے کیونکہ اہل دوزخ کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

القارعۃ: ۱۱۔۱۰ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ ھاویہ کیا ہے؟O وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہےO

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ھاویہ اتنی سخت گرم ہے کہ اس کے مقابلہ میں باقی دوزخ گرم نہیں ہے' میں ھاویہ سے اور دوزخ کے تمام عذاب کی اقسام سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

سورۃ القارعۃ کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۴ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ سورۃ القارعۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل کرادیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کو بھی مکمل کرادیں' میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور میرے احباب کی' اور میرے تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التکاثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام التکاثر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''التکاثر'' کا لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ (التکاثر: ۱) تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا○

''تکاثر'' کا معنی ہے: اپنے مال' اولاد' ارکان اور خدام کی کثرت پر فخر کرنا۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورہ ''اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۵۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر روز ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے؟ صحابہ نے کہا: ہر روز ایک ہزار آیات کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص (ہر روز) ''اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۷۔۵۶۶' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۲۲۸۷' حاکم نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے سامنے سورۃ ''اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' پڑھ رہا ہوں' جو اس کو سن کر رویا' اس کے لیے جنت ہے' آپ نے وہ سورت پڑھی' اس کو سن کر بعض لوگ روئے اور بعض نہیں روئے' جو لوگ نہیں رو رہے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے بہت کوشش کی لیکن ہم رونے پر قادر نہ ہو سکے' آپ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے دوبارہ پڑھتا ہوں' پس جو رویا اس کے لیے جنت ہے' جو رونے پر قادر نہ ہوا وہ کوشش کر کے روئے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۸۹۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۶۳۔۱۶۲' الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۵۶' اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی تھی اور وہ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے تھے' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۳' مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۸)

اس سے پہلے سورۃ القارعۃ میں نیکوکاروں اور بدکاروں کی جزاء اور سزاء بیان فرمائی تھی اور اس سورت میں بتایا ہے کہ انسان کس وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوتا ہے اور وہ ہے دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہونا اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے' آخرت میں اس کے متعلق سوال کیا جائے گا اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ انسان مال اور دولت' اولاد اور خدام کی کثرت پر فخر کرتا ہے اور ان کے حصول میں لگا رہتا ہے' حتیٰ کہ قبر کے کنارے پہنچ جاتا ہے۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن بریدہ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ سورۃ انصار کے دو قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: بنو حارثہ اور بنو حارث' وہ ایک دوسرے پر اپنی کثرت سے فخر کرتے تھے' ایک قبیلہ نے دوسرے قبیلہ سے کہا: تم میں فلاں بن فلاں کی مثل ہے' دوسرے نے بھی اسی طرح کہا' انہوں نے زندوں کے اوپر فخر کیا' پھر انہوں نے کہا: قبرستان میں چلو' پھر ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا' انہوں نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا: تم میں اس کی مثل ہے' دوسری جماعت نے بھی اسی طرح کہا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیاO حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے (التکاثر: ۲۔۱)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۵۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم بنو فلاں سے اکثر ہیں اور بنو فلاں' بنو فلاں سے اکثر ہیں' حتیٰ کہ وہ گم راہی میں مر گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۵۶)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۲ ہے۔

سورۃ التکاثر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے رب کریم! مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

(۱۰۲) سورۃ التکاثر مکیۃ (۱۶) — آیاتہا ۸ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التکاثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ

تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیاO حتیٰ کہ تم (مر کر) قبروں میں پہنچ گئےO یقیناً تم عنقریب

تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ

جان لو گےO پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گےO ہرگز نہیں! کاش! تم علم یقین کے ساتھ

عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ

اپنا انجام جان لیتےO بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گےO پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ

ع ۱ / ۸ / ۲۷ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ٪﴿۸﴾

دوزخ کو دیکھو گےO پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیاO حتیٰ کہ تم (مر کر) قبروں میں پہنچ گئےO یقیناً تم عنقریب جان لو گےO پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گےO (التکاثر: ۴-۱)

مال میں کثرت کی طلب اس وقت ممنوع ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غفلت کی موجب ہو

مال اور اولاد کی کثرت پر فخر نے تم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم مر کر قبروں میں دفن ہو گئے' "الھا" کا مصدر "الھاء" ہے اس کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہو گئے' قتادہ نے کہا: تم قبیلوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ سے غافل ہو گئے' ضحاک نے کہا: تم کو معاش اور تجارت نے غافل کر دیا' "الھا" کا معنی ہے: مشغول کر دیا' مقاتل نے کہا: یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ کہتے تھے: ہم بنوفلاں سے اکثر ہیں' (یہ قول مخدوش ہے کیونکہ یہود مدینہ میں تھے اور یہ سورت مکی ہے) ابن زید نے کہا: یہ آیت انصار کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور انصار مدینہ میں تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت قریش کے دو قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: بنوعبد مناف اور بنوسہم' وہ ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے' وہ اپنی سیادت اور اپنے شرف سے ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے: ہماری اکثریت ہے اور ہمارے سردار زیادہ ہیں' قتادہ نے کہا: وہ کہتے تھے: ہم بنوفلاں سے اکثر ہیں اور ہر دن ان میں سے ایک نہ ایک مر کر کم ہو رہا تھا' حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت کسی خاص گروہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے' جو مال و دولت کو زیادہ

سے زیادہ جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس فکر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' کی تلاوت فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال' اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تو نے کھا لیا اور جس کو فنا کر دیا' یا تو نے جس کو پہن لیا پھر اس کو بوسیدہ کر دیا' یا تو نے اس کا صدقہ کر کے اس کو ختم کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲' ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: اس کے سوا جو بھی مال ہے تم اس کو لوگوں کے لیے چھوڑ کر (دنیا سے) جانے والے ہو)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں اور اس کا منہ مٹی کے سوا ہرگز نہیں بھرے گا اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷' سنن ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا)

اطاعت' عبادت اور حسن اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا محمود اور مستحسن ہے

اس آیت میں کثرت طلب کرنے کی مذمت فرمائی ہے' لیکن مطلقاً کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے' بلکہ اطاعات' عبادات اور محاسن اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا مطلوب ہے' اور مال میں کثرت اگر فسق و فجور کے لیے ہو تو مذموم ہے اور اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس حق کے راستے میں خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵)

اسی طرح اولاد میں کثرت اگر صرف اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہو تو یہ مستحسن نہیں ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے' جس کا خاندان بھی اچھا ہے اور وہ بہت خوب صورت بھی ہے اور اس کی اولاد نہیں ہوتی' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ پھر دوسری بار آیا' آپ نے پھر منع فرمایا' وہ پھر تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے شادی کرو' جو محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً تکاثر مذموم نہیں ہے بلکہ جو تکاثر مذموم ہے' وہ یہ ہے کہ فسق و فجور کے لیے مال و دولت میں کثرت کو طلب کیا جائے اور علم میں زیادتی اور اطاعت اور عبادت میں کثرت اور اخلاقِ حمیدہ میں اضافہ محمود اور مستحسن ہے' لہٰذا ''التکاثر'' میں الف لام استغراق کے لیے نہیں ہے' بلکہ دنیا اور اس کی لذتوں میں ایسی زیادتی کو طلب کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے مانع ہو اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے' ایسا تکاثر ممنوع اور مذموم ہے اور ''التکاثر'' میں الف لام عہد کا ہے اور معہود اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والا تکاثر ہے۔ امام رازی نے فرمایا ہے: سعادات میں ''تفاخر''

غیر مذموم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ اپنے رب کی نعمت بیان کیجئے (الضحیٰ: ۱۱) (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۰) لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اپنے فضائل بیان فرمائے اس کے ساتھ فرمایا: مجھے اس پر فخر نہیں۔

التکاثر: ۲ میں فرمایا: حتیٰ کہ تم نے قبروں کی زیارت کر لی اس سے مراد ہے: حتیٰ کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والا تو کچھ دیر قبر کی زیارت کر کے واپس چلا جاتا ہے اور جو قبر میں دفن ہوتا ہے وہ تو حشر تک قبر میں ہی رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں دفن ہونے والا بھی بالآخر قبر سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

زیارتِ قبور کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

زیارت قبور میں علماء کا اختلاف ہے علامہ حازمی نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مَردوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت ہے علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے کا حکم عام ہے جیسے پہلے قبروں کی زیارت سے ممانعت عام تھی پھر جب یہ عام ممانعت منسوخ ہوگئی تو مردوں اور عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا جائز ہو گیا زیارتِ قبور کی اباحت اور جواز پر بہ کثرت احادیث مروی ہیں:

(۱) امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

(۲) امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی ماں (رضی اللہ عنہا) کی قبر کی اجازت دے دی گئی ہے سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیوں کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا میں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر فرمایا: قبروں کی زیارت کیا کرو اور کوئی بُری بات نہ کہنا۔

(۵) امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی پھر آپ روئے اور جو اصحاب آپ کے گرد تھے وہ بھی روئے پھر آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی تھی مجھے یہ اجازت نہیں دی (تاکہ استغفار کرنے سے کسی کو والدہ ماجدہ کے متعلق ارتکابِ معصیت کا وہم نہ ہو کیونکہ جب غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس سے اس کے ارتکاب معصیت کا شبہ ہوتا ہے) پھر میں نے ان کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۶) امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی اجازت دی ہے۔

(۷) امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت حبان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ

خیبر کو خطبہ دیا اور ان تین چیزوں کو حلال کر دیا' جن سے پہلے آپ نے منع فرمایا تھا' ان کے لیے زیارتِ قبور' قربانی کے گوشت اور برتنوں کی اجازت دے دی۔

(۸) امام حاکم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: قبر کی زیارت کرو' اس سے تم کو آخرت یاد آئے گی۔

(۹) امام احمد نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا' اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تم کو آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۱۰) امام احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف منہ کر کے فرمایا: السلام علیکم۔

(۱۱) امام احمد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قبرستان گئے اور اہل قبور کو سلام کیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں سلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۲) امام ابن عبد البر سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۱۳) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' پھر کہا: بعض اہل علم کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حدیث زیارت قبور کی رخصت دینے سے پہلے کی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی رخصت دی تو اس میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔

(حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۷۰۔۶۹' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

فقہاءِ احناف کے نزدیک عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے' کیونکہ ان میں صبر کم ہوتا ہے اور وہ بے صبری کا اظہار زیادہ کرتی ہیں اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں اور قبروں پر مسجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے' ایک قوم نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ زیارت قبور کی رخصت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا: ممکن ہے' یہ حدیث بھی زیارت قبور کی رخصت سے پہلے کی ہو' جو عورتیں بناؤ سنگھار کرتی ہیں' میرے نزدیک ان کا نہ جانا مستحب ہے اور جوان عورتوں کا قبروں پر جانا فتنہ سے خالی نہیں ہے اور عورتوں کے لیے اپنے گھر کی چار دیواری میں لازم رہنے سے اور کوئی چیز بہتر نہیں ہے' بہت سے علماء نے نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کے جانے کو بھی مکروہ کہا ہے تو قبرستان میں جانا تو بہ طریق اولیٰ مکروہ ہوگا' عورتوں پر جمعہ کا پڑھنا جو فرض نہیں ہے تو میرے خیال میں اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے' جو لوگ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے جواز کے قائل ہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دن قبرستان سے آ رہی تھیں' میں نے پوچھا: اے ام المؤمنین! آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اپنے بھائی عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی

زیارت کر کے آ رہی ہوں' میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پہلے حضور نے منع فرمایا تھا' بعد میں آپ نے زیارتِ قبور کا حکم فرمایا۔

بعض علماء نے بوڑھی اور جوان عورتوں میں فرق کیا ہے' اور صرف زیارت اور مردوں سے اختلاط میں فرق کیا ہے' علامہ قرطبی مالکی نے کہا: جوان عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا حرام ہے' اور رہیں بوڑھی عورتیں تو ان کا زیارتِ قبور کے لیے جانا جائز ہے' بہ شرطیکہ وہ مردوں سے اختلاط نہ کریں' اور ان شاء اللہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا' نیز علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں ''زوّارات'' (بہت زیادہ زیارت کرنے والیوں) پر لعنت ہے اور ''زوارات'' مبالغہ کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: جو بہ کثرت زیارتِ قبور کے لیے جاتی ہوں' اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت نہیں ہے اور نہ ان کو ممانعت ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو بہ کثرت زیارت کرنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ ان کے قبرستان میں زیادہ جانے سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اس کی پوشیدہ زینتوں کا اظہار ہوتا ہے اور عورتوں کا باہر نکلنا مشہور ہو جاتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے جو قبروں کی تعظیم کی وجہ سے قبروں کے ساتھ لازم رہتے ہیں' اور عورتوں کے قبروں پر جانے سے ان کے رونے' چلانے اور واویلا کرنے کا بھی خدشہ ہے' اس کے علاوہ اور بھی خرابیاں ہیں (مثلاً عورتوں کے زیادہ آنے جانے سے لوگ بھی فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور عورتوں کی عزت اور ناموس کو بھی خطرہ ہوتا ہے) اس اعتبار سے ''زائرات'' اور ''زوّارات'' (کبھی کبھی زیارت کرنے والیوں اور بہت زیادہ زیارت کرنے والیوں) میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

''توضیح'' میں مذکور ہے کہ حضرت بریدہ کی حدیث میں زیارتِ قبور کی ممانعت کے منسوخ ہونے کی تصریح ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ شعبی اور نخعی کو اجازت کی احادیث نہیں پہنچیں' اور شارع علیہ السلام سال کی ابتداء میں شہداء کی قبروں پر جاتے تھے اور فرماتے تھے:

السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار. — تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام ہو اور دارِ آخرت کیا ہی اچھا ہے۔

اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے اور حضرت شارع علیہ السلام نے ایک ہزار اصحاب کے ساتھ فتح مکہ کے دن اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی' ابن ابی الدنیا نے اس روایت کو بیان کیا ہے' اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت علی' حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے زیارتِ قبور کی اجازت روایت کی ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد کی قبر کی زیارت کرتے تھے' وہاں ٹھہرتے اور ان کے لیے دعا کرتے' اور امام عبد الرزاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کرتی تھیں اور ان کی قبر مکہ میں تھی' ابن ابی حبیب نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے' وہاں بیٹھنے اور قبروں کے پاس سے گزرتے وقت سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ افعال کیے ہیں' امام مالک سے زیارتِ قبور کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس سے منع کیا تھا' پھر اس کی اجازت دے دی' سو اگر انسان ایسا کرے اور صرف نیک کلمات کہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے' نیز ''توضیح'' میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کے استحباب پر تمام امت کا اجماع ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی سفر سے آتے تو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی قبر مکرم پر آتے اور عرض کرتے: ''السلام علیك یا رسول اللّٰه ' السلام علیك یا ابا بکر' السلام علیك یا ابتاه ''۔

صرف ابتداء اسلام میں زیارتِ قبور سے منع کیا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت بتوں کی عبادت اور قبروں پر سجدہ کرنے کا رواج قریب تھا اور لوگ نئے نئے اس عہد سے نکلے تھے اور جب لوگوں کے دلوں میں اسلام مستحکم اور قوی ہو گیا اور 1
قبروں کی عبادت کرنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا خطرہ نہیں رہا تو آپ نے قبروں کی زیارت کی ممانعت کو منسوخ کر دیا' کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور طاؤس سے منقول ہے کہ دفن کے بعد لوگ سات دن تک قبر سے جدا نہ ہونے کو مستحب قرار دیتے تھے کیونکہ مُردوں سے قبروں میں سات دن حساب اور آزمائش ہوتی ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے' بلکہ اس زمانہ میں حرام ہے' خصوصاً شہر کی عورتوں کا جانا حرام ہے' کیونکہ وہ بطورِ فتنہ اور فساد نکلتی ہیں (یعنی بہت زیادہ خوشبو لگا کر اور میک اَپ کر کے نکلتی ہیں اور راستہ میں آنے جانے والے مردان کو دیکھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں) زیارتِ قبور کی اجازت تو صرف اس لیے دی گئی ہے کہ لوگ آخرت کو یاد کریں' ماضی کی بداعمالیوں پر غور کر کے ان سے بچیں اور توبہ کریں اور دنیا سے دل نہ لگائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۸۰۔ ۶۹' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقیل تحرم علی النساء والاصح ان الرخصة ثابتة لهما.

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵' مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا حرام ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رخصت ثابت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا حرام ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کے لیے بھی قبروں کی زیارت جائز ہے۔ (البحر الرائق) اور ''شرح المنیۃ'' میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے' علامہ خیر الدین رملی نے کہا ہے کہ اگر عورتیں غم کی تجدید' مُردے کی خوبیاں بیان کرنے اور رونے اور واویلا کرنے کے لیے جائیں تو یہ جائز نہیں ہے اور حدیث میں زوارات قبور پر جو لعنت کی گئی ہے' وہ اسی پر محمول ہے اور اگر رونے اور واویلا کرنے کے بجائے اعتبار آخرت اور میت پر دعا کرنے کے لیے جائیں یا صالحین کی قبروں کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لیے جائیں تو جائز ہے' بوڑھی عورتوں کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جوان عورتوں کے لیے جانا مکروہ ہے' جس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کے مسجدوں میں جانے کا حکم ہے اور یہ بہت اچھی توفیق ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۸۴۳' مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

زیارتِ قبور کے مسئلہ کی زیادہ تحقیق اور مذاہب ائمہ ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۴۲۔ ۳۴۷ میں بیان کیے ہیں۔

التکاثر: ۴۔ ۳ میں فرمایا: یقیناً تم عنقریب جان لو گے ○ پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گے ○

التکاثر: ۳ اور التکاثر: ۴ کے محامل

فراء نے کہا: ان آیتوں کا معنیٰ ہے: جن چیزوں پر تم تفاخر اور تکاثر کر رہے ہو وہ کوئی قابل فخر چیزیں نہیں ہیں اور عنقریب تم ان پر فخر کرنے کا انجام جان لو گے' آیت: ۴ میں پھر اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: آیت:۳ کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب تم جان لو گے اس تفاخر کا جو عذاب قبر میں نازل ہوگا اور آیت:۴ کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب تم جان لو گے اس تفاخر کا جو عذاب آخرت میں نازل ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ التکاثر:۳ کا معنیٰ ہے: عنقریب جب تم موت کے وقت عذاب کا مشاہدہ کرو گے تو جان لو گے کہ میری دعوت برحق تھی' اور آیت:۴ کا معنیٰ ہے: عنقریب جب تم کو موت کے بعد زندہ کیا جائے گا تو تم جان لو گے کہ میرا پیغام برحق تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ جب فرشتے تمہاری روح قبض کریں گے تو تم میرے پیغام کا صدق جان لو گے اور دوسری آیت کا معنیٰ ہے: جب تم کو قبر میں دفنایا جائے گا اور منکر نکیر تم سے سوال کریں گے تو تم کو میرے قول کی صداقت پر یقین آ جائے گا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ قیامت کے دن تم کو اپنے دوبارہ زندہ کیے جانے پر یقین آ جائے گا' اور دوسری آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے دن تم کو اس پر یقین آ جائے گا کہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں کفار سے خطاب فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! کاش تم علم یقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے O بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا O (التکاثر:۸۔۵)

''علم الیقین' عین الیقین'' اور ''حق الیقین'' کی تعریفیں

اس آیت کا معنیٰ ہے: تم مال کی کثرت پر فخر نہ کرو کیونکہ تم کو اس فخر کرنے پر آخرت میں عذاب دیا جائے گا' اور یہ جو فرمایا ہے: کاش! تم علم الیقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے' اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آج تم آخرت میں اپنے عذاب کو جان لیتے تو مال و دولت پر فخر کرنا چھوڑ دیتے۔

کسی خبر کو سن کر یا دلائل میں غور و فکر کرنے سے یقین حاصل ہو' اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو اس کو عین الیقین کہتے ہیں اور تجربہ سے جو یقین حاصل ہو' اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔

ہم کو جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے' وہ علم الیقین ہے' اور صحابہ کرام کو جو آپ کی نبوت پر یقین تھا' وہ عین الیقین تھا اور آپ کو جو اپنی نبوت پر یقین تھا' وہ حق الیقین تھا۔

دوزخ کو دیکھنا کفار کے ساتھ خاص ہے یا مومنین بھی دوزخ کو دیکھیں گے؟

التکاثر:۶۔۷ میں فرمایا: بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ دوزخ کو دیکھو گے O

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیتیں کفار کے ساتھ خاص ہیں' وہ آخرت میں ضرور دوزخ کو دیکھیں گے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیتیں کفار اور مومنین دونوں کے لیے عام ہیں' کیونکہ مومنین بھی قیامت کے دن دوزخ کو دیکھیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم:۷۱) — تم میں سے ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا۔

مومن کا دوزخ سے گزر ہوگا' سو وہ اس کی گزرگاہ ہے اور کافر کا ٹھکانا ہے' وہ وہیں رہے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' اس میں یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر ایک پل بچھا دیا جائے گا' تم میں سے بعض اس کے اوپر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے' بعض بجلی کی طرح اور بعض آندھی کی طرح' بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح گزر جائیں گے' ان میں سے بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے' یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا' تم آج مجھ سے حق کے معاملہ میں اس قدر سخت نہیں جتنے اس دن اللہ کے سامنے ہو گے' جب مومنین دیکھیں گے کہ اپنے بھائیوں میں

سے صرف ان کو نجات ملی ہے تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے بھائی بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ دوسرے نیک اعمال کرتے تھے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں ایک دینار کا مثقال بھر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو اور اللہ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام کر دے گا' پس وہ ان لوگوں کے پاس جائیں گے' ان میں سے بعض تو اپنے قدموں تک دوزخ میں غائب ہو چکے ہوں گے اور بعض آدھی پنڈلیوں تک دوزخ میں غائب ہو چکے ہوں گے' سو جن کو وہ پہچان لیں گے' ان کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٤٣٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٣' مسند احمد ج ٣ ص ٥٦)

التکاثر: ٨ میں فرمایا: پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گاO

نعمتوں کے متعلق سوال صرف کفار سے ہو گا یا مؤمنین سے بھی ہو گا

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی کفار سے خطاب ہے یعنی جو کافر مال و دولت پر فخر کرتے تھے' ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ان سے کہا جائے گا کہ چونکہ تم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس لیے تم کو یہ عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے حساب کے وقت نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے کہ کیا تم نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا؟

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت مؤمنین اور کفار دونوں کے لیے عام ہے' اگر کافروں سے سوال ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں لیکن تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لائے اور تم نے اس کے رسول کا انکار کیا اور اس کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور اگر یہ سوال مؤمنین سے ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ اے مؤمنو! تم نے جو نیک اعمال کیے تھے' وہ تو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی کافی نہ تھے' جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کی تھیں' تاکہ مؤمنین یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی خطاؤں سے درگزر فرمایا ہے اور ان کو ثواب میں جنت عطا فرمائی ہے' یہ محض اللہ کا ان پر فضل ہے' ورنہ ان کے نیک اعمال تو ان نعمتوں کے شکر کے لیے بھی کافی نہ تھے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھیں۔

درج ذیل حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نعمتوں کے متعلق سوال مؤمنین سے بھی کیا جائے گا۔

مؤمنین سے نعمتوں کے سوال پر دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی دن یا کسی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئے تو آپ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ملے' آپ نے ان سے پوچھا کہ تم اس وقت باہر کیوں نکلے ہو؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میں بھی اسی سبب سے باہر آیا ہوں جس سبب سے تم آئے ہو' پھر فرمایا: تم میرے ساتھ چلو' پھر آپ ایک انصاری کے گھر گئے' اس وقت وہ انصاری گھر میں نہیں تھا' جب اس کی اہلیہ نے آپ کو دیکھا تو کہا: مرحبا! آپ اپنے لوگوں میں آئے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے' اتنے میں وہ انصاری آ گیا' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی طرف دیکھا' پھر کہا: الحمد للہ! آج سے پہلے میرے گھر اتنے مکرم اور معظم مہمان نہیں آئے' پھر وہ اٹھ کر گیا اور ادھ پکی اور تازہ پکی ہوئی کھجوروں کے خوشے اور چھوارے لے کر آیا اور کہا: آپ حضرات ان کو تناول فرمائیں' پھر اس نے چھری پکڑی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: دودھ دینے والی بکری کو ذبح نہ کرنا' اس نے بکری ذبح کی اور انہوں نے اس بکری کا گوشت کھایا اور ان خوشوں سے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا اور خوب سیر ہو گئے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم سے آج کی ان نعمتوں کے متعلق سوال

کیا جائے گا' تم اپنے گھروں سے بھوک کے نکلے' پھر گھروں میں لوٹنے سے پہلے تم کو یہ نعمتیں مل گئیں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۹)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روٹی کا وہ ٹکڑا جو تمہاری بھوک دور کرے اور اتنا کپڑا جس سے تمہاری شرم گاہ چھپ سکے اور وہ غار جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچائے' ان تین نعمتوں کے علاوہ باقی نعمتوں کا تم سے سوال کیا جائے گا۔
(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸)

جن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' ان کے متعلق آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین

جن نعمتوں پر سوال کیا جائے گا' وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ امن اور صحت ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا: وہ صحت اور فراغت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت لوگ فریب خوردہ ہیں' صحت اور فراغت۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ سماعت اور بصارت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۶)
بے شک کان اور آنکھ اور دل' ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بندے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے کان اور آنکھ اور مال' اولاد نہیں دیئے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۰)

(۴) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ کھانے اور پینے کی جگہ ہے۔

(۵) حسن بصری نے کہا: وہ صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا ہے۔

(۶) مکحول نے کہا: وہ سیر ہو کر کھانا اور پینا ہے' اور سایا دار مکان اور میٹھی نیند ہے۔

(۷) مجاہد نے کہا: دنیا کی ہر لذت کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

ان نعمتوں پر سوال کے متعلق احادیث سے استدلال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ" (التکاثر: ۸) تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس نعمت کے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا' یہ تو صرف کھجور اور پانی ہے اور دشمن موجود ہے اور تلواریں ہمارے کندھوں پر ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک یہ سوال کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو بلائے گا اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس سے اس کی عزت اور وجاہت کے متعلق اس طرح سوال کرے گا' جس طرح اس سے اس کے مال کے متعلق سوال کرے گا۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۵۱' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۸' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا صرف ان چیزوں میں حق ہے' اس کی رہائش کا گھر ہو' وہ کپڑا جس سے اس کی شرم گاہ چھپ جائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱)

یہ تمام وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ بندہ نے ان کا شکر ادا کیا ہے یا نہیں' اور شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس لیے دی ہے' اس نعمت کو اس مقصد میں خرچ کیا جائے اور اس نعمت پر دل سے' زبان سے اور دیگر اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تعظیم کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے بندہ سے قیامت کے دن جس نعمت کا سوال کیا جائے گا وہ یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہارا تندرست جسم نہیں بنایا تھا اور تم کو ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا تھا؟ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۸' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۷۳۶۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۳۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابن آدم دو قدم بھی نہیں چل سکے گا حتیٰ کہ اُس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا: (۱) اُس نے اپنی عمر کن کاموں میں خرچ کی؟ (۲) اُس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں گنوایا؟ (۳) اُس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا؟ (۴) اُس نے اپنا مال کن کاموں میں خرچ کیا؟ (۵) اُس نے اپنے علم کے موافق کتنا عمل کیا؟ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' معجم کبیر رقم الحدیث: ۹۷۷۲' معجم صغیر رقم الحدیث: ۷۶۰' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۶۳' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۰)

سورۃ التکاثر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ التکاثر کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے ربِ کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری تصانیف کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب کی' میرے تلامذہ کی اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ العصر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام العصر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالْعَصْرِ ۙ (العصر:۱) زمانہ کی قسم ○

امام طبرانی نے ''اوسط'' میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ابوملیکہ دارمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ ملتے تو علیحدہ نہ ہوتے' حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے سورۃ العصر پڑھتے' اس کے بعد وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سے پہلی سورت التکاثر میں یہ بیان فرمایا تھا کہ دنیاوی اُمور میں زیادہ مشغول ہونا مذموم ہے اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مؤمنین کو اعمالِ صالحہ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی میں مشغول رہنا چاہیے۔

☆ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے العصر کی قسم کھائی ہے' اس سے مراد دہر ہے یا زمانہ ہے جو بہت عجائب پر مشتمل ہے۔

☆ اس سورت میں بہت اختصار کے ساتھ اسلام کے بنیادی اصول بتادیئے ہیں اور وہ ایمان' اعمالِ صالحہ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا ہے۔

سورۃ العصر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور ثواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۴ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ العصر ۱۰۳ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تین آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زمانہ کی قسم O بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع

اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمانہ کی قسم O بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O (العصر: ۳۔۱)

زمانہ کی قسم کھانے کی وجوہ

(۱) زمانہ بہت عجیب وغریب چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے' اس میں خوشی اور غم کا' اور صحت اور بیماری کا' خوش حالی اور تنگ دستی کا ظہور ہوتا ہے' عقل حیران ہے کہ زمانہ کو موجود کہے یا معدوم کہے' معدوم اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ سال' مہینہ' ہفتہ' دن اور گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور زمانہ کم اور زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز اس طرح ہو وہ معدوم نہیں ہو سکتی اور موجود اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ یا ماضی ہے یا مستقبل' ماضی گزر چکا ہے وہ موجود نہیں ہے اور مستقبل ابھی آیا نہیں وہ بھی موجود نہیں ہے اور رہا حاضر تو وہ نا قابلِ تقسیم ہے۔

(۲) انسان ساری زندگی گناہ کرتا رہے اور عمر کے آخری لمحہ میں توبہ کر لے تو اس کو جنت مل جائے گی' جس میں وہ ابد الآباد تک رہے گا' تو انسان کی پوری زندگی کا وہی قیمتی لمحہ ہے اور اس سے پہلے کی زندگی کو انسان محض ضائع کرتا رہا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿﴾ (الفرقان: ۶۲)

اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہو O

(۳) لوگوں کی عادت ہے کہ ان پر جو مصائب آتے ہیں یا ان کو جو نقصان ہوتے ہیں وہ ان کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' اس میں کوئی عیب نہیں ہے' عیب تو انسان میں ہے' وہ اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے اور اس نقصان کی نسبت زمانہ کی طرف کر دیتا ہے۔

(۴) زمانہ کے گزرنے سے انسان کی عمر کم ہوتی رہتی ہے' اگر وہ اس زمانہ میں نیک کام نہیں کرے گا تو اس کو سراسر نقصان ہو گا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

''العصر'' کی تفسیر میں اقوال

''العصر'' کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

روایت ہے کہ''العصر'' سے مراد دہر اور زمانہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: رب عصر کی قسم ہے' ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد دن اور رات ہے' حسن بصری نے کہا: اس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروبِ شمس تک کا وقت ہے' قتادہ نے کہا: اس سے مراد دن کی ساعات میں سے آخری ساعت ہے' مقاتل نے کہا: اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مقاتل نے جو کہا ہے کہ''والعصر'' سے مراد عصر کی نماز ہے' اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم کھا کر اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کی نماز میں بہت فضیلت ہے' اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے:''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' (البقرہ:۲۳۸) تمام نمازوں کی حفاظت کرو' خصوصاً درمیانی نماز کی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عصر کی نماز کی بہت فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور اس کا مال ہلاک ہوگیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۸۵)

حضرت بریدہ نے ایک ابر آلود دن میں فرمایا: عصر کی نماز جلدی پڑھ لو' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا اس کا عمل ضائع ہوگیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰۔۳۴۹)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' آپ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے' جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو' تم کو اسے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' اگر تم سے ہو سکے تو طلوعِ شمس اور غروبِ شمس سے پہلے کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرو' یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں' پھر جو فرشتے تمہارے پاس رات میں تھے وہ اوپر جاتے ہیں' ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے' وہ فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے' اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۸۷۔۴۸۶)

(۳) عصر کے وقت نماز پڑھنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس وقت کاروباری لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور جو عبادت بھاری ہو' اس کو ادا کرنے کا بہت ثواب ہوتا ہے۔

(۴) عصر کی نماز کے بعد دن کی عبادت ختم ہو جاتی ہے' سو اس وقت نماز پڑھنا مرتے وقت توبہ کرنے کے مشابہ ہے۔

(۵) عصر کا وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقدس ہے' اس وقت جھوٹ بول کر سودا بیچنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناراضگی کا

موجب ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ کا فالتو پانی ہو اور وہ اپنے پڑوسی کو دینے سے منع کرے' دوسرا وہ شخص جو کسی حاکم سے دنیاوی غرض کی خاطر بیعت کرے' اگر وہ اس کو دنیا میں سے کچھ دے تو وہ اس سے راضی ہو اور اگر وہ اس کو نہ دے تو اس سے ناراض ہو اور تیسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد سودا فروخت کرے اور کہے: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' مجھے یہ چیز اتنے اتنے کی ملی ہے اور اس کی خریدار تصدیق کر دے اور اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں' ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

''والعصر'' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہونا

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی قسم کھائی ہے اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں اور یہود اور نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے' جیسے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو اجرت پر کام کے لیے رکھا اور ان سے کہا: رات تک کام کرنا' انہوں نے آدھے دن تک کام کیا' پھر کہا: ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں اور کام چھوڑ کر چلے گئے' پھر اس نے دوسرے آدمیوں کو لگایا اور ان سے کہا: تم بقیہ دن تک کام کرنا اور تم کو وہ اجر ملے گا' انہوں نے عصر کی نماز کے وقت تک کام کیا اور کہا: بس ہم اتنا ہی کام کر سکتے ہیں' پھر اس نے اور لوگوں کو بلایا اور انہوں نے بقیہ دن غروبِ آفتاب تک کام کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور انہوں نے دونوں فریقوں کا اجر حاصل کر لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۶۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر وہ زمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے ساتھ مختص ہے لہٰذا ''والعصر'' کا معنیٰ ہے: اس زمانہ کی قسم جس میں آپ ہیں' یہ آپ کے زمانہ کی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم کھائی: ''اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝'' (البلد: ۲) اس شہر کی قسم جس میں آپ مقیم ہیں اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی: ''لَعَمْرُكَ'' (الحجر: ۷۲) پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے زمانہ کی قسم! آپ کے شہر کی قسم! آپ کی زندگی کی قسم!' سوچیے! اللہ تعالیٰ آپ کی نسبتوں کی قسم کھا رہا ہے اور آپ کی نسبتیں اللہ کے نزدیک اتنی مکرم ہیں تو خود آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر مکرم ہو گی! (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

العصر: ۲ میں فرمایا: بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے ۝

تمام انسانوں کا خسارے میں مبتلا ہونا

اس آیت میں ''الانسان'' پر الف لام کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ الف لام استغراق کے لیے ہے جیسا کہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: بے شک ابن آدم ہلاکت اور نقصان میں ہے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۷۱) دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ الف لام عہد کا ہے اور معہود کفار ہیں۔

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس سورت کو پڑھا اور آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں' اس آیت کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''والعصر'' سے مراد ہے دن کا آخری حصہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ'' سے مراد ہے: ابوجہل بن ہشام ''الا الذین امنوا'' سے مراد ہے: ابوبکر صدیق اور ''عملوا الصلحت'' سے مراد ہے: عمر بن الخطاب ''وتواصوا بالحق'' سے مراد ہے: عثمان بن عفان ''وتواصوا بالصبر'' سے مراد ہے: علی بن ابی طالب۔

امام ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بعینہٖ یہی تفسیر نقل کی ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۸۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں ''الانسان'' سے مراد کافر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد مؤمنین کا استثناء فرمایا ہے' فرمایا ہے: بے شک انسان خسارہ میں ہے' اور خسارہ کا معنیٰ ہے: انسان کا اصل مال ضائع ہو جائے یعنی انسان خود بھی ہلاک ہو جائے اور اس کی تمام عمر گناہوں میں ضائع ہو جائے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

''خسر'' کا معنیٰ ہے: اصلی مال کا ضائع ہو جانا یا کم ہو جانا' پس انسان نے جب اپنے نفس کو ان کاموں میں استعمال نہیں کیا' جن سے دائمی نفع ہوتا ہے تو وہ خسارہ میں ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو ہلاک کرنے کا عمل کیا۔

(زادالمسیر ج ۹ ص ۲۲۵' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

انسان خسارہ سے الگ نہیں ہو سکتا' کیونکہ خسارہ کا معنیٰ ہے: اصل مال کا ضائع ہو جانا اور انسان کا اصل مال اس کی عمر ہے اور وہ بہت کم اپنی عمر کے ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے کیونکہ انسان کے اوپر جو ساعت بھی گزر رہی ہے' اس میں اگر وہ گناہوں میں مصروف ہے تو اس کے نقصان میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر اس کی وہ ساعت مباح کاموں میں گزر رہی ہے' پھر بھی اس کا نقصان اس لحاظ سے ہے کہ اس کو ان کاموں پر ثواب نہیں ملا' اور اگر اس کی وہ ساعت اطاعت اور عبادت میں گزر رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے' اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ معرفت ہوگی' اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوگا اور جتنا زیادہ خوف ہوگا' وہ اتنی زیادہ تعظیم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اعلیٰ عبادت کو ترک کرنا اور ادنیٰ عبادت کو اختیار کرنا یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے' پس واضح ہو گیا کہ ہر انسان کسی نہ کسی قسم کے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے۔

اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر انسان اصل میں خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے' کیونکہ انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ آخرت سے محبت رکھے اور دنیا سے اعراض کرے اور وہ اسباب جو آخرت کے داعی اور محرک ہیں' وہ مستور اور غیر ظاہر

ہیں' اور وہ اسباب جو دنیا کی محبت کے داعی ہیں' وہ ظاہر ہیں' وہ انسان کے حواسِ خمسہ اور شہوت اور غضب ہیں' اس وجہ سے زیادہ لوگ دنیا کی محبت اور اس کو طلب کرنے میں مستغرق ہیں' اس لیے سب لوگ خسارے اور نقصان میں ہیں سوائے مؤمنین صالحین کے۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ص ۲۸۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

العصر: ۳ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O

حق اور صبر کی نصیحت کے محامل

اس آیت کا معنیٰ ہے: سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اور عبادت کا اقرار کیا اور نیک اعمال کیے یعنی فرائض اور واجبات کو ادا کیا اور سنن اور مستحبات پر کار بند رہے اور معاصی کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے مجتنب رہے اور دوسروں کو بھی کتاب اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے رہے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

''وتواصوا بالحق '' کی تفسیر میں تین قول ہیں: یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دوسروں کو بھی توحید پر ایمان لانے کی تلقین کرتے رہے' قتادہ نے کہا: وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے' سدی نے کہا: وہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کی تلقین کرتے رہے۔

''وتواصوا بالصبر '' کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں: قتادہ نے کہا: وہ اللہ کی فرماں برداری کی نصیحت کرتے رہے' ہشام بن حسان نے کہا: وہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے فرائض پر عمل کرنے کی تائید کرتے رہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام کام کرنے کی خواہش پر صبر کرنے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ (النکت والعیون ج۶ص ۳۳۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

افعال میں حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی؟

اللہ تعالیٰ نے اس استثناء میں تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے میں جو انسان کی عمر اور جوانی خرچ ہوتی ہے' انسان اس پر ملال نہ کرے کیونکہ اللہ کی عبادت میں عمر کا تھوڑا سا حصہ اس کو دائمی اور ابدی جنت تک پہنچا دیتا ہے اور دوزخ کے دائمی عذاب سے بچا لیتا ہے۔

(۲) ہر وہ شخص جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دے وہ اس کا خیر خواہ ہے اور وہ شخص جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی دعوت دے' وہ اس کا بدخواہ ہے۔

(۳) ماتریدیہ کہتے ہیں: اعمال میں فی نفسہٖ حسن یا قبح ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے حسین کاموں کا حکم دیا ہے اور قبیح کاموں سے منع فرمایا ہے' مثلاً نماز پڑھنا فی نفسہٖ حسین کام ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور زنا کرنا فی نفسہٖ قبیح کام ہے کیونکہ اس سے نسب محفوظ نہیں رہتا' اس لیے اس سے منع فرمایا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور بُرے کاموں سے روکا ہے اور اشاعرہ کہتے ہیں کہ فی نفسہٖ کسی کام میں حسن یا قبح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا ہے وہ حسین ہے اور جس سے منع کیا ہے وہ قبیح ہے' اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے' اس لیے وہ حسین ہے اور زنا کرنے سے منع کیا ہے' اس لیے وہ قبیح ہے' اگر اللہ تعالیٰ نماز سے منع کرتا تو نماز پڑھنا قبیح ہوتا اور اگر زنا کرنے کا حکم دیتا تو زنا کرنا

حسین کام ہوتا۔

انسان کا خود نیک ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نیک بنائے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود نیک کام کرنے کے علاوہ یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نیک بنائے' انہیں دین حق پر عمل کرنے کی وصیت کرے اور مشکلات اور مصائب میں صبر کرنے کی وصیت کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. (التحریم:٦)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے' پس ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' ملک کا سربراہ اپنی رعایا کا نگہبان ہے' اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا' گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا محافظ ہے' اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا' عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا' نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا' تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٥٥٤' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٨٢٩' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٧٠٥)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمام لوگ خسارے میں' سوا ان کے جو چار چیزوں سے متصف ہوں: ایمان' اعمالِ صالحہ' لوگوں کو اطاعت اور عبادت کی وصیت کرنا اور لوگوں کو صبر کی تلقین کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کرے بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو بُرائی سے روکے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران:١١٠)

تم بہترین امت ہو' ان سب امتوں سے جن کو لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے' تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

سورۃ العصر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ١٦ ذوالقعدۃ ١٤٢٦ھ/ ١٩ دسمبر ٢٠٠٥ء بہ روز پیر سورۃ العصر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں۔ (آمین)

آج کل کراچی میں سردی کافی پڑ رہی ہے اور مجھے ٹھنڈ زیادہ لگتی ہے' سردی کے موسم میں معمول کے مطابق کام نہیں ہو پاتا' بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں تک کام ہوگیا ہے' ان شاء اللہ آئندہ بھی ہو جائے گا۔

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھے اور میری اور میرے والدین کی اور میرے اساتذہ کی اور میرے احباب اور تلامذہ کی اور جملہ قارئین کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الھُمَزۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الھمزۃ ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الھُمَزۃ'' کا لفظ ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ﴿الھمزۃ:۱﴾ ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۶۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۲ اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۴ ہے۔

اس سے پہلے سورۃ العصر میں یہ بتایا تھا کہ مؤمنین صالحین کے سوا ہر انسان خسارہ اور نقصان میں ہے اور اس سورت میں ایک مثال اس شخص کی بتائی ہے جو آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہے اور وہ شخص طعنہ زن اور عیب جو ہے۔

اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص لوگوں کو طعنے دیتا ہے اور ان کے عیوب تلاش کرتا ہے' وہ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

پھر ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے' جو اس خیال سے مال جمع کرتے رہتے ہیں' جیسے انہوں نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے ربِ کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور ثواب پر قائم کرنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۶ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰیَاتُھَا ۹ رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ الھمزۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں نو آیتیں اور ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢

ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝٣ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤

وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گا O

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِيْ

اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟ O وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے O جو دلوں پر

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِيْ

چڑھ جائے گی O وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی O لمبے

ع ۱ ۹ ۲۹ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

لمبے ستونوں میں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا O (الھمزہ: ۳۔۱)

سورۃ الھمزۃ کا شانِ نزول

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سورت میں طعنہ زن اور عیب جو کے لیے جو وعید ذکر کی گئی ہے وہ ہر طعنہ زن اور عیب جو کے لیے ہے' یا مخصوص طعنہ دینے والوں کے لیے ہے' محققین نے کہا: یہ وعید ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہے' کیونکہ کسی آیت کے سبب کی خصوصیت عام حکم سے مانع نہیں ہوتی۔

دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ وعید مخصوص لوگوں کے لیے ہے۔

عطاء اور کلبی نے کہا: یہ وعید اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص طعنے دیتا تھا اور آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دیگر لوگوں کی بالعموم عیب جوئی کرتا تھا اور انہیں طعنے دیتا تھا' اور امام محمد بن اسحاق نے کہا: ہم ہمیشہ سے یہ سنتے رہے ہیں کہ سورۃ الھمزۃ امیہ بن خلف جمحی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو پس پشت آپ کے عیب نکالتا تھا اور آپ کے منہ

پر آپ کو طعنے دیتا تھا۔(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۱۷'دار الکتب العلمیہ'بیروت'۱۴۲۴ھ)
مجاہد نے کہا: یہ آیت ہر اس شخص کے متعلق عام ہے' جس میں یہ وصف پایا جائے۔
(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۳'دار احیاء التراث العربی'بیروت'۱۴۲۰ھ)

''الھمزۃ''اور''اللمزۃ''کے معانی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دونوں لفظوں کا معنیٰ ہے: چغلی کھانے والے اور دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے۔

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے اچھے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں' یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آ جائے' پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے بُرے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بَری ہوں' ان میں عیب نکالتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۵ ص ۵۷۵۔رقم الحدیث: ۲۷۵۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے' المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۴۲۳' الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۳۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۷' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی متعدد ائمہ نے توثیق کی ہے اور شہر بن حوشب کے علاوہ تمام رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۳)

اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ''ھمزۃ''چغل خور ہے اور''لمزۃ''عیب نکالنے والا ہے اور ابو العالیہ' حسن' مجاہد اور عطاء بن ابی رباح نے کہا:''ھمزۃ''وہ ہے جو انسان کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرے اور''لمزۃ''وہ ہے جو انسان کے پسِ پشت اس کی بُرائی بیان کرے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۶۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار کی عام روش یہ تھی کہ جب وہ کسی کمزور اور غریب آدمی سے بات کرتے تو اس کے منہ پر اس کو بُرا کہتے تھے اور جب کسی طاقت ور اور امیر آدمی سے بات کرتے تو منہ پر اس کی تعریف کرتے تھے اور اس کے پسِ پشت اس کے عیوب بیان کرتے تھے' غرض وہ''ھمزۃ''بھی تھے اور''لمزۃ''بھی تھے' چونکہ کسی کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرنے میں یہ امکان تھا کہ وہ اپنی مدافعت کرے گا اور پسِ پشت اس کی بُرائی بیان کرنے میں یہ خطرہ نہ تھا' اس لیے وہ پسِ پشت بُرائی زیادہ کرتے تھے۔غیبت کے متعلق ہم نے الحجرات کی تفسیر میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔

الھمزۃ: ۲ میں فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھاO

ضحاک نے کہا: وہ مال اس لیے گن کر جمع کر کے رکھتا ہے تا کہ اس کی اولاد اس مال کی وارث ہو جائے اور اس سے مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے' جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے اور اس کو بچا بچا کر رکھتے ہیں۔

الھمزۃ: ۳ میں فرمایا: وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گاO

سدی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور یہ مال اس کے کام آتا رہے گا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اس کے سامنے بے شمار آدمی مرتے رہتے ہیں تو وہ یہ گمان کیسے کر سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس نے مرنا ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گاO اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟O وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہےO جو دلوں پر چڑھ جائے گیO وہ (آگ) ان پر ہر

طرف سے بند کی ہوئی ہوگی O لمبے لمبے ستونوں میں O (الھمزۃ:۹-۴)

''الحطمة'' کا معنیٰ

الھمزۃ:۴ میں ''الحطمة'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے چورا چورا کرنے والی کیا ہے۔

کتب لغت میں اس کے یہ معنیٰ مذکور ہیں: ریزہ ریزہ، چورا چورا، جو چیز ٹوٹ پھوٹ کر چورا چورا ہو جائے، یہ ''حطم'' سے بنا ہے، جس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا ''الحطمة'' دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ 62

(القاموس المحیط ص ۱۰۹۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۴ھ، مختار الصحاح ص ۹۶، داراحیاء التراث العربی الاسلامی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: ہرگز نہیں! اس میں اس کافر کے مزعوم کا ردّ فرمایا ہے یعنی نہ وہ خود دنیا میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کا جمع کیا ہوا مال باقی رہے گا اور اس کو رُسوا کرتے ہوئے ''الحطمة'' میں جھونک دیا جائے گا ''الحطمة'' دوزخ کی آگ کا وہ طبقہ ہے جہاں اس کو توڑ پھوڑ کر پیس ڈالا جائے گا اس طبقہ کو ''الحطمة'' اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیتا ہے۔

الھمزۃ:۵ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟ O

یہ ''الحطمة'' کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس طرح فرمایا ہے، مقاتل نے کہا: یہ دوزخ کا وہ طبقہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ دے گا اور گوشت کو کھا جائے گا، طعنہ زن اور عیب جو کو اس طبقہ میں اس لیے ڈالا جائے گا کہ وہ بھی غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھا جاتا تھا، اس لیے اس کو ''حطمة'' میں ڈالا جائے گا جو اس کی ہڈیاں توڑ کر اس کا گوشت کھا جائے گی۔

الھمزۃ:۶ میں فرمایا: وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے O

دوزخ کی آگ کی شدت

یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے، جو بالآخر بجھ جاتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا ستّرواں حصہ ہے، کہا گیا: یارسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی، آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ پر انہتر درجہ زیادہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا، حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، پوچھا گیا: یارسول اللہ! شقی کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ (کی رضا) کے لیے کوئی طاعت نہ کرے اور اللہ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

کفار کے عذاب کی کیفیت

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے پیٹ میں داخل ہوگی، پھر ان کے سینہ تک پہنچ جائے گی، پھر ان

62

کے دل پر چڑھ جائے گی اور انسان کے جسم میں دل سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور تھوڑی سی اذیت سے بھی دل میں بہت تکلیف ہوتی ہے' پس اس وقت کافر کا کیا حال ہوگا جب اس کو دوزخ میں جھونکا جائے گا' پھر دوزخ کی آگ اس کے دل پر چڑھ جائے گی' دل کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا ہے کہ شرک' کفر' تمام عقائد خبیثہ اور تمام بُری نیات کافر کے دل میں ہوتی ہیں۔

الھمزۃ:۸ میں فرمایا: وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی O

الھمزۃ:۴ میں فرمایا تھا: ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا' یعنی دوزخ میں کوئی بہت گہری جگہ ہے جیسے کوئی اندھا کنواں ہو اور اس میں کافروں کو جھونک دیا جائے گا' اور اس جگہ سے نکلنے کا کوئی دروازہ ہوگا لیکن وہ دروازہ ان پر بند کر دیا جائے گا' اس سے ان کی حسرت اور ناامیدی میں اور اضافہ ہوگا۔

جب کسی دروازے کے کواڑوں کو زور سے بند کر دیا جائے اور اس میں کنڈی لگا کر قفل لگا دیا جائے اور ان بند دروازوں کے کھلنے کی بہ ظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں: ''اصدت الباب '' اس سے ''مؤصدة '' بنا ہے' گویا ان کافروں کو حطمہ نام کے دوزخ کے طبقہ میں ڈال دیا جائے گا اور اس طبقہ کے دروازوں کو مضبوطی سے بند کر دیا جائے گا' ان کو کوئی کھول نہیں سکے گا اور اس دردناک عذاب سے نجات کی ان کے لیے کوئی صورت نہیں ہوگی۔

الھمزۃ:۹ میں فرمایا: لمبے لمبے ستونوں میں O

اس آیت میں ''عمد '' کا لفظ ہے' یہ ''عمود '' کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ستون ہے اور '' ممدة '' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: طویل' لمبے یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی طرح بلند ہوں گے' نہ وہ بجھیں گے نہ ان کی ایذاء رسانی میں کوئی کمی ہو گی۔

اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ ان لمبے لمبے ستونوں سے ''حطمة '' کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا اور یہ آگ کے لمبے لمبے ستون اس قدر زیادہ ہوں گے کہ گویا وہی بند دروازہ ہیں۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ''حطمة '' کو ان پر اس حال میں بند کر دیا جائے گا کہ وہ آگ کے ان لمبے لمبے ستونوں سے باندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے ہوں گے۔

''الھمزۃ'' کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۸ ذوالقعدة ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز بدھ سورۃ الھمزۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب کریم! تفسیر تبیان القرآن کو مکمل فرما دے اور اس تفسیر کو اور میری دیگر تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب اور تلامذہ کی اور قارئین کی اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما۔ (آمین)

والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین شفیعنا یوم الدین

و علی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الفیل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الفیل ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ''اصحاب الفیل'' کا ذکر ہے' وہ آیت یہ ہے:

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِؕ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟۝ (الفیل:۱)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج۸ص۵۷۲'داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

اس سورت کا ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۹ ہے۔

اس سے پہلی صورت الھمزۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جن طعنہ زن اور عیب جو کافروں نے مال جمع کیا' وہ مال ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکا' اب اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے اس سورت میں فرمایا کہ ابرھہ جو مال و دولت اور قوت اور طاقت کے اعتبار سے ان سے بہت زیادہ تھا' وہ ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ بڑی سے بڑی قوت اور طاقت کفار کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

یہ مکی سورت ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یمن کا گورنر ابرھہ بڑے کروفر سے ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا تھا' چھوٹے چھوٹے پرندوں نے کنکریاں مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ابرھہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا' اس نے صنعاء نامی شہر میں ایک کلیسا بنایا تھا' اس نے شاہِ حبشہ کو خط لکھا: میں نے آپ کے لیے ایک بہترین گرجا تعمیر کیا' میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب کے لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس معبد میں حج اور طواف کیا کریں' جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آ کر اس گرجا میں بول و براز کر دیا' یہ دیکھ کر ابرھہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا: اگر میں نے کعبہ کو نہ گرایا تو میرا نام ابرھہ نہیں' وہ اسی وقت ہاتھیوں کی ایک فوج کے ساتھ کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا' وہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ٹھہرا' اس نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا کہ مکہ کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرے' سو وہ سردارِ قریش کے اونٹ اور دوسرے مویشی چھین کر لے آیا' جن میں دو سو اونٹ حضرت عبد المطلب کے بھی تھے' اس کے بعد ابرھہ نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا' ابرھہ نے حضرت عبد المطلب کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعہ ان میں یہ بات چیت ہوئی' ابرھہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبد المطلب نے کہا: تم میرے اونٹ

واپس کر دو' ابرہہ نے تعجب سے کہا: تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں' جس کو میں گرانے آیا ہوں' حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں' اس لیے اپنے اونٹ مانگ رہا ہوں' خانہ کعبہ کا مالک اللہ ہے' وہ اپنا گھر خود بچائے گا' اس گفتگو کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں لوٹ آئے اور قریش سے کہا کہ تم لوگ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لے لو' اور خود چند آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں گئے اور وہاں یہ دعا کی: اے اللہ! ہر شخص اپنا گھر بچاتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا' ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر' تیری تدبیر پر غالب آ جائے اور اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنا چاہتا ہے تو تُو جو چاہتا ہے وہ کر۔

حضرت عبدالمطلب اس دعا کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کے درے میں پناہ گزین ہو گئے' دوسری صبح کو ابرہہ کعبہ کو گرانے کے لیے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر روانہ ہوا' جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا اور بہت کوشش کے باوجود نہ اٹھا' پھر اس نے ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا تو وہ تیز بھاگنے لگا' پھر جب وہ اس کا منہ مکہ کی طرف کرتا تو وہ بیٹھ جاتا اور دوسری طرف اس کا منہ کرتا تو وہ چل پڑتا' اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے پرندوں کے غول بھیجے' ان کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں' انہوں نے وہ کنکریاں برسانی شروع کر دیں' جس شخص پر وہ کنکریاں گرتیں' وہ ہلاک ہو جاتا' ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا' وہ کنکری اس کے سر میں گھستی اور اس کی مقعد سے نکل جاتی' یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن سے اپنا گھر بچا لیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۲۱۔۱۱۹ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۸۹۔۲۸۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الفیل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں راہِ راست پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۸ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الفیل مکیۃ ۱۰۵ آیاتھا ۵ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفیل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اَلَمْ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O کیا اس نے

يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ

ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟ O اور ان پر پرندوں کے

طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④

جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے O جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے O

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤

سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟ O (الفیل: ۲۔۱)

''اصحاب الفیل'' کو آپ کا دیکھنا متصور نہیں تھا پھر کیوں فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

الفیل: ۱ میں فرمایا ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ حالانکہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے چالیس سال پہلے ہوا تھا' تو جو واقعہ آپ کی پیدائش سے پہلے رونما ہوا ہو' اس کو آپ کیسے دیکھ سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پرندوں کے کنکریاں پھینکنے کا واقعہ تواتر سے ثابت تھا اور اس کا علم عرب میں ہر کس و ناکس کو ہو چکا تھا اور اس کا علم ایسا ہی یقینی تھا جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ کر علم ہوتا ہے' پس کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یہ اس معنیٰ میں ہے: کیا آپ نے نہیں جانا؟ لیکن چونکہ اس کا علم مشاہدہ کی طرح یقینی تھا' اس لیے فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

پرندوں سے ابرہہ کے لشکر کو فنا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارہاص تھا

پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلافِ عادت اور خلافِ معمول امر ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں۔

کفار پر جو آسمانی عذاب آتے رہے ہیں' مثلاً قومِ عاد کو آندھی سے ہلاک کر دینا اور کفار کی بعض قوموں کو زلزلوں سے ہلاک کر دینا' بعض دہریے ان کا انکار کرتے ہیں' لیکن پرندوں نے جو اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لی ہوئی تھیں اور ان کو انہوں نے ابرہہ کی فوج پر اس طرح مارا کہ وہ کنکر جس کے سر پر لگتا اس کی مقعد سے نکل جاتا اور ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا

تھا' جس کے سر پر وہ کنکر مارا جاتا تھا اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کوئی شعبدہ یا کوئی حیلہ ہے' اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا' اسی سال ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کے کچھ دن بعد ہی مکہ میں یہ سورت نازل ہوئی' اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے' وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' نہ ابرہہ ہاتھیوں کے ساتھ فوج لے کر آیا تھا نہ اس کی فوج کے اوپر پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں' ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہو گیا یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور معروف تھا' لہٰذا یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ظاہر ہوا۔

ہم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے چالیس سال پہلے ہوا تھا' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھیوں کے لشکر والے سال میں پیدا ہوئے تھے' ہماری پیدائش ایک سال میں ہوئی ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۴۲۲۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۹۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۹' الاحاد والمثانی ج ۱ ص ۴۷۸' المعجم الکبیر ج ۱۸۔ رقم الحدیث: ۸۷۲' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۳' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۸۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۷۔ ۷۶' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۱)

''اصحاب الفیل'' سے انتقام لینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے نکات

امام رازی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ نے یا رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ بلکہ لکھا ہے: آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفارِ مکہ نے دیکھا کہ جو لوگ کعبہ گرانے آئے تھے' ان سے اللہ سبحانہ نے کس طرح انتقام لیا' پھر بھی انہوں نے بت پرستی نہیں چھوڑی' اور اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا' پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کر کے اس کا شکر ادا کیا اور اس کی اطاعت اور عبادت کی' پس گویا کہ آپ نے اللہ سبحانہ کا یہ انتقام دیکھا' سو آپ ان کفار سے بری ہو گئے اور میں نے سب لوگوں میں سے آپ کو پسند کر کے چن لیا' پس میں کہتا ہوں: ''ربک'' یعنی میں آپ کا رب ہوں اور آپ کا حامی اور ناصر ہوں' نہ کسی اور کا' اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ میں نے اصحاب الفیل سے جو یہ انتقام لیا ہے' وہ محض آپ کے اکرام اور آپ کی تعظیم کے لیے لیا ہے اور آپ کی آمد کی عزت افزائی کے لیے' پس جب میں نے آپ کی آمد سے پہلے آپ کی تکریم کی ہے تو آپ کے ظہور کے بعد میں آپ کی حمایت اور نصرت کیوں نہ کروں گا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بشارت ہے کہ آپ ضرور فتح مند اور کامیاب اور سرخ رو ہوں گے۔

فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کعبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے' کعبہ صدف اور سیپی کی طرح ہے اور آپ اس میں موتی کی طرح ہیں' سو جب کسی نے کعبہ کو نقصان پہنچانے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا' تو ولید بن مغیرہ اور اخنس بن شریق جو آپ کو طعنے دے کر اور آپ کے عیب نکال کر آپ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور آپ کا دل دکھاتے ہیں' حالانکہ آپ باعثِ تخلیق کائنات ہیں تو میں ان کو کیوں نہ سزا دوں گا اور ان کی گرفت کیوں نہ کروں گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کعبہ آپ کی نمازوں کا قبلہ ہے اور آپ کا دل آپ کی معرفت رب کا قبلہ ہے تو جب میں نے آپ کے اعمال کے قبلہ کی دشمنوں سے حفاظت کی ہے تو میں آپ کے

عقائد کے قبلہ کی دشمنوں سے حفاظت کیوں نہ کروں گا اور آپ کی ذات سے عداوت رکھنے والوں کو ملیامیٹ کردوں گا۔

ابرھہ کے لشکر کا ہاتھیوں سے بھی کم درجہ ہونا

اس آیت میں "اصحاب الفیل" فرمایا ہے "ارباب الفیل" (ہاتھیوں کے مالکوں) نہیں فرمایا کیونکہ "اصحاب" جب کسی چیز کی طرف مضاف ہو تو وہ مضاف الیہ کی جنس سے ہوتا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر ہاتھیوں کی جنس سے تھا یعنی جس طرح ہاتھی حیوان اور بے عقل ہیں اسی طرح ابرھہ اور اس کا لشکر بھی حیوانوں کی طرح بے عقل تھا ورنہ وہ اللہ سبحانہ کے گھر کو گرانے کے لیے نہ آتا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب دو شخصوں میں مصاحبت ہو تو ان میں سے ادنیٰ کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کا صاحب ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ہیں یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ ان کے صاحب ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت میں رہے ان کو صحابہ کہا جاتا ہے پس ابرھہ اور اس کے لشکر کو "اصحاب الفیل" فرمایا یعنی وہ ہاتھیوں سے بھی ادنیٰ درجہ کے ہیں کیونکہ جب انہوں نے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف چلانا چاہا تو ہاتھی بیٹھ گئے اور ان کی ہزار کوشش کے باوجود وہ مکہ کی طرف ایک قدم بھی نہیں چلے اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھیوں کو یہ معرفت تھی کہ خالق کی معصیت اور اس کے خلاف بغاوت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی اور ابرھہ اور اس کا لشکر اس معرفت سے خالی تھے وہ خالق سے بغاوت کرنے اور اس کا گھر گرانے چلے تھے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔ (الاعراف:۱۷۹) یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

کعبہ میں بت پرستی کرنے والوں کو فوراً عذاب نہیں دیا تو ابرھہ کے لشکر کو فوراً عذاب کیوں دیا؟

کفار کعبہ میں بت پرستی کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام نہیں لیا اور ابرھہ نے کعبہ کی دیواروں کو گرانے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کعبہ میں بت پرستی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی اور تعدی کرتے ہیں اور کعبہ کی دیواریں گرانے سے مخلوق کے حق میں کمی اور تعدی تھی اور بعض اوقات مخلوق کے حق میں کمی اور تعدی کو برداشت نہیں کیا جاتا جیسے ڈاکو باغی اور قاتل خواہ مسلمان ہوں ان کو قتل کر دیا جاتا ہے اور جہاد میں جو کافر بوڑھا ہو یا اندھا ہو یا بچہ ہو یا عورت ہو اس کو قتل نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مخلوق کو ضرر نہیں پہنچاتے۔

مصنف کے نزدیک اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ جو لوگ کعبہ میں بت پرستی کرتے تھے وہ لوگ اگرچہ مشرک تھے لیکن بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور چونکہ ان کی نیت بیت اللہ کی تعظیم تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو آخرت میں رکھا اور دنیا میں مؤخر کر دیا اور ابرھہ اور اس کے لشکر کی نیت بیت اللہ کی توہین اور اس کی تخریب تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کو پرندوں سے ہلاک کرا دیا۔

الفیل: ۲ میں فرمایا: کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟ ○

ابرھہ تو علانیہ فساد کرنے آیا تھا پھر اس کو "کید" کیوں فرمایا؟

اس آیت میں "کید" کا لفظ ہے "کید" کا معنیٰ ہے: کسی کو خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانے تو نہیں آئے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو "کید" کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے علانیہ کہا تھا کہ وہ کعبہ کو گرانے آئے ہیں لیکن وہ دل میں کعبہ کی تعظیم اور اس کی پذیرائی سے جلتے تھے اور حسد کرتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو تعظیم کعبہ کی کی جارہی ہے وہ ان کے بنائے ہوئے کلیسا کی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ○ جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ○ سو

انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیاO(الفیل: ۵۔۳)

''ابابیل'' کا معنیٰ

اس آیت میں''ابابیل'' کا لفظ ہے''ابابیل'' کا معنیٰ ہے: متفرق پرندے جو ساتھ مل کر اڑتے ہیں اور اڑنے میں ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں۔ابوعبدی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: جماعات متفرقۃ' اگر مختلف گھوڑے بھی جماعت کے ساتھ آئیں تو ان کو بھی''ابابیل'' کہا جاتا ہے''ابابیل'' کے واحد میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس کا واحد نہیں آتا اور بعض نے کہا: اس کا واحد''ابول'' یا''ابیل'' ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو پرندے جھنڈ بنا کر آئے تھے' ان کی سونڈ بھی تھی اور ان کے پنجے بھی تھے' یہ پرندے سبز' زرد یا سیاہ رنگ کے تھے اور یہ سمندر کی جانب سے آئے تھے' ان کے منہ اور پنجوں میں کنکر تھے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۸۲' معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۸)

الفیل: ۴ میں فرمایا: جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھےO

''سجیل'' کا معنیٰ

اس آیت میں''سجیل'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:''سجیل'' کا لفظ فارسی میں سنگ و گل کا مجموعہ ہے' یعنی وہ کنکریاں مٹی کی بھی تھیں اور پتھر کی بھی تھیں۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۳۹۸)

قتادہ نے کہا: یہ سفید رنگ کے پرندے تھے' جو سمندر کی طرف سے آئے تھے' ہر پرندہ کے ساتھ تین پتھر ہوتے تھے' دو پتھر اس کے پنجوں میں تھے اور ایک پتھر اس کی چونچ میں تھا' جس کو بھی وہ کنکر لگتا تھا' اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۴۰۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کے کسی جانب وہ کنکر لگتا تو اس کی مقابل جانب سے نکل جاتا' اگر سر پر لگتا تو اس کی مقعد سے نکل جاتا۔(معالم التنزیل ج ۵ ص ۹)

''سجیل'' کے دیگر معانی حسب ذیل ہیں:

کاغذ کا بنڈل' صحیفہ' محضر' وثیقہ''سجیل'' کا معنیٰ مکتوب بھی ہے' امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے:''سجل'' ایک پتھر ہے' جس پر لکھا جاتا تھا' بعد میں ہر وہ چیز جس پر لکھا جاتا تھا' اس کو''سجل'' کہا جانے لگا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۷۔۲۹۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

الفیل: ۵ میں فرمایا: سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیاO

''عصف'' کا معنیٰ

اس آیت میں''عصف'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: بھوسا' بھوسی' چھلکا' کھیت کے پتے' وہ بھوسا جس کو ہمارے مویشی استعمال کرتے ہیں' پودے کے پتے جس کے اطراف میں ڈنٹھل ہوں اور اس ڈنٹھل کے اطراف میں پتے ہوں' جیسے خوشے کے اوپر پتے ہوتے ہیں' کھائے ہوئے پھل کا چھلکا' گندم' جو وغیرہ کے دانے سے جب چھلکا الگ کر لیا جائے تو اس چھلکے کو بھوسا کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔ جانور جب بھوسے کو کھا لیتا ہے تو وہ جگالی کر کے اس کو مزید پیستا ہے' مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کا کھایا ہوا بھوسا بالکل ریزہ ریزہ ہوتا ہے' اس طرح کنکریاں لگنے کے بعد ان کے اجسام بالکل گل کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

سورۃ الفیل کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۹ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/۲۲ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ الفیل کی تفسیر مکمل ہو گئی اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل فرما دے' میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ اور میری مغفرت فرما دے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وافضل المرسلین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة القريش

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام القریش ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''القریش'' کا لفظ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ (القریش:۱) قریش کو رغبت دلانے کے لیے ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۹ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۶ ہے۔

سورۃ القریش اور سورۃ الفیل ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں' سورۃ الفیل میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دشمن کو ہلاک کر دیا' جو بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا' جس کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں ان کی عزت اور ان کا وقار تھا' اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ایک اور نعمت یاد دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں ان کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا' جس کی وجہ سے وہ خوش حال ہو گئے' گرمیوں میں وہ شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے۔

اس سورت کا سورۃ الفیل کے ساتھ شدید اتصال ہے ''لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ'' جار مجرور ہے اور یہ اس مقدر جملہ کے متعلق ہے: ''اھلک اللہ اصحاب الفیل لایلف قریش ''اللہ تعالیٰ نے قریش کو رغبت دلانے کے لیے 'اصحاب الفیل'' کو ہلاک کر دیا اور اس شدتِ اتصال کی وجہ سے حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک سورت قرار دیا گیا ہے اور ان کے درمیان 'بسم اللہ الرحمن الرحیم ''نہیں لکھی گئی' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دو سورتیں ہیں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف رائج کیا تھا' اس میں یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

یہ مکمل سورت قریش پر اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کے بیان میں ہے' اللہ تعالیٰ کی قریش پر نعمتِ عظمیٰ یہ تھی کہ قریش جو پہلے بکھرے ہوئے اور منتشر تھے' ان کو مجتمع اور متحد کیا اور ان میں باہم محبت پیدا کی اور ان کو گرمیوں میں شام کی طرف تجارتی سفر پر تیار کیا اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر پر آمادہ کیا' جس کی وجہ سے ان کی ضرورتیں پوری ہو گئیں اور وہ خوش حال ہو گئے اور ان کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے امن کا گہوارہ بنا دیا۔

سورۃ القریش کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! اس مہم میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

(۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ (۲۹) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۴ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ القریش مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چار آیات اور ایک رکوع ہے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۞ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۞

قریش کو رغبت دلانے کے لیے O انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۞ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ

پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O جس نے انہیں بھوک میں کھانا

جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۞

کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قریش کو رغبت دلانے کے لیے O انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O (القریش: ۴۔۱)

قریش کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دین میں لوگ قریش کے تابع ہیں' مسلمان مسلمان کے تابع ہیں اور کافر کافر کے تابع ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۸' مسند احمد ج ۱ص ۱۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد ج ۳ص ۳۷۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام بارہ خلفاء تک مسلسل غالب رہے گا' وہ کل خلفاء قریش سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱' مسند احمد ج ۵ص ۱۰۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا' اللہ اس کو ذلیل کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۵' مسند احمد ج ۱ص ۱۷۱)

حضرت ام ہانیء بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات وجوہ سے قریش کو فضیلت دی ہے: (۱) میں قریش میں ہوں (۲) نبوت ان میں ہے (۳) حجابت ان میں ہے (۴) زمزم سے پانی پلانے کا منصب ان میں ہے (۵) ''اصحاب الفیل'' کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی (۶) انہوں نے دس سال اللہ سبحانہ کی عبادت کی' اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی عبادت نہیں کرتا تھا (۷) اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق قرآن مجید کی ایک سورت نازل کی' پھر آپ نے اس کی تلاوت کی: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۞ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۞ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۞ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۞'' (القریش: ۴۔۱) حاکم

نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مگر شیخان نے اس کو روایت نہیں کیا' ذہبی نے کہا: اس کی سند میں یعقوب ضعیف راوی ہے اور ابراہیم کی روایات منکر ہیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳٦ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۷۵' المکتبۃ العصریہ' کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷)

القریش: ۱ میں فرمایا: قریش کو رغبت دلانے کے لیے O

القریش کا الفیل کے ساتھ مربوط ہونا

زجاج اور ابو عبیدہ نے کہا: ''لایلف قریش'' پہلی سورت کے ساتھ مربوط ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الفیل'' کو اس لیے ہلاک کیا تاکہ قریش باقی رہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الفیل کو ہلاک کر دیا اور ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا تو وہ ان کے کفر کی سزا تھی' نہ اس لیے کہ اس سے قریش کی حمایت مقصود تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کے کفر کی سزا نہیں تھی کیونکہ کفر کی سزا تو اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت تک کے لیے مؤخر کی ہوئی ہے' اگر یہ کوئی سزا ہوتی تو اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو یہ سزا دیتا' اللہ تعالیٰ نے ابرھہ کے لشکر کو جو ہلاک کیا تھا وہ قریش کی قدر افزائی کے لیے کیا تھا۔

القریش اور الفیل الگ الگ سورتیں ہیں یا نہیں؟

بعض علماء نے کہا کہ ''لایلف قریش'' اس سے پہلی سورت ''الم تر کیف'' کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ سورۃ القریش الگ سورت نہیں ہے' بلکہ الفیل اور القریش دونوں مل کر ایک سورت ہیں اور القریش مستقل سورت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان دونوں کو ایک سورت قرار دیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے مصحف کا اعتبار نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کا اعتبار ہے اور اس پر اجماع ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے مغرب کی پہلی رکعت میں والتین پڑھی اور دوسری رکعت میں الفیل اور القریش ملا کر پڑھیں' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو ملا کر پڑھے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دونوں ایک سورت ہیں۔

القریش: ۲ میں فرمایا: انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O

قریش کو تجارتی سفر پر راغب کرنے کی توجیہ

اس میں دوسری بحث یہ ہے کہ قریش کو تجارتی سفر پر راغب کرنے کے لیے ''اصحاب الفیل'' کو ہلاک کیا گیا' اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ غیر زرعی شہر تھا اور مکہ کے سردار سردی اور گرمی میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور اسی تجارت پر ان کا معاشی انحصار تھا' وہ اس تجارت کے ذریعہ اہل مکہ کی ضرورت کی چیزیں خرید کر لاتے تھے' اور مکہ کے گرد و نواح کے لوگ اہل مکہ کی بہت تعظیم کرتے تھے' وہ کہتے تھے: یہ بیت اللہ کے پڑوسی اور حرم کے رہنے والے ہیں اور کعبہ کے متولی ہیں اور ان کو اہل اللہ کہا جاتا تھا' اگر ابرھہ کا لشکر کعبہ کو گرا دیتا تو ان کی یہ عزت اور حرمت جاتی رہتی اور اہل حبشہ مکہ میں لوٹ مار مچا دیتے اور یہ شہر ویران اور کھنڈر ہو جاتا اور چونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شہر میں پیدا ہونا تھا اور اسی شہر میں مبعوث ہونا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی شہر میں آپ کی بعثت کی دعائیں کی تھیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں کو سردی کے موسم میں یمن کے سفر کی طرف مائل کیا اور گرمی کے موسم میں شام کے سفر کی طرف مائل کیا۔

قریش کی وجہ تسمیہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

قریش کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرش سمندر کے ایک بڑے جانور کا نام ہے' جو کشتیوں سے کھیلتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے کہا: قریش

قرش کی تصغیر ہے' قرش سمندر کا ایک طاقتور جانور ہے' جو دوسرے جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھاتا' وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوتا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبیلۂ قریش میں پیدا ہوئے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت واثلہ سے کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا' اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

القریش: ۳ میں فرمایا: پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O

قریش پر انعام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں

اللہ تعالیٰ کے انعامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرر کو دور کرنا (۲) نفع عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ نے قریش پر دونوں قسم کے انعامات فرمائے اور چونکہ دفع ضرر' حصولِ نفع پر مقدم ہے' اس لیے سورۃ الفیل میں ان سے ان کے دشمن ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا اور سورۃ القریش میں ان کو تجارتی سفر کے لیے راغب کرنے کا بیان فرمایا اور ہر نعمت پر اس کا شکر کرنا واجب ہوتا ہے' اس لیے فرمایا: چونکہ ہم نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں۔

اس عبادت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عجز اور تذلل کا اظہار کریں یا اس بیت اللہ کے رب کی توحید کا اعتراف کریں کیونکہ صرف اسی نے اس گھر کی حفاظت کی ہے' نہ کہ ان بتوں نے جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور اس آیت میں ''رب'' کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا ایک رب ہے' جو اس کی حفاظت کرے گا اور کعبہ کی حفاظت کو بتوں کے حوالے نہیں کرے گا' سو اب قریش پر لازم تھا کہ اعتراف اور اقرار کی بناء پر صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش سے فرمایا کہ چونکہ تم نے کعبہ کی حفاظت کے لیے صرف اللہ وحدہٗ پر اعتماد کیا ہے' لہٰذا تم اس بیت میں صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو۔

القریش: ۴ میں فرمایا: جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O

قریش کو کھانا کھلانے اور امن میں رکھنے کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے قریش کو جو بھوک میں کھانا کھلایا' اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جب قریش کو حرم میں مامون کر دیا تو ان کو اپنے تجارتی سفر میں کوئی خطرہ نہ رہا' وہ امن اور چین کے ساتھ تجارتی سفر کرتے اور شام اور یمن سے غلہ خرید کر لاتے اور اپنی معیشت اور خورد و نوش کا انتظام کرتے۔

(۲) کلبی نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو آپ نے ان کے خلاف یہ دعا کی: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ آپ کی دعوتِ ایمان سے روگردانی کر رہے ہیں تو آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کے اوپر قحط کے ایسے سات

سال مسلط کر دے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال قحط آیا تھا' پھر ان پر ایسا قحط آیا' جس نے ہر چیز کو ختم کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں کی کھالیں' مُردے اور مُردار کھا لیے' پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ اللہ کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے' آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ الحدیث (پھر آپ کی دعا سے مکہ میں بہت بارش ہوئی)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۱)

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور یہ سورت مکی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اگر جانوروں کو بھی کوئی شخص کھلائے اور پلائے تو جانور اسی کی اطاعت کرتے ہیں' گویا مشرکینِ مکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک میں کھلایا اور یہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قریش جہالت کی بھوک میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی نازل فرمائی' جس سے ان کی جہالت دور ہو گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے قریشِ مکہ! تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جاہل لوگ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر وحی نازل فرمائی' جنہوں نے تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دی حتیٰ کہ اب تم کو اہل علم کہا جاتا ہے' پھر کھانا کھلانا جسم کی غذا ہے جو کھانا کھلانے والے کے شکر کو واجب کرتا ہے تو جو طعام روح کی غذا ہے' اس طعام کا شکر ادا کرنا کیوں کر شکر کا سبب نہیں ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو خوف سے امن میں رکھا' اس کی بھی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) قریش' مکہ سے مختلف شہروں کا سفر کرتے تھے اور ان کو اپنے سفر میں کسی ڈاکے یا لوٹ مار کا خطرہ نہ تھا' ان کو اپنے سفر میں کسی خطرے کا سامنا نہیں ہوتا تھا جب کہ دوسرے لوگ جو دور دراز کے شہروں کا سفر کرتے تھے' ان کو بہت خطرات پیش آتے تھے' اس معنیٰ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ (العنکبوت: ۶۷)

کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پُرامن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں (یعنی قتل وغارت کا شکار ہو جاتے ہیں)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے "اصحاب الفیل" کو ہلاک کر کے ان کے شہر کو اور ان کے سفر کو مامون بنا دیا ہے۔

(۳) ضحاک اور ربیع نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو جذام کی بیماری سے مامون کر دیا' اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کے باشندوں پر کبھی جذام نہیں آیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۰۰۔ ۲۹۵ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورت القریش کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۰ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ القریش کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الماعون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الماعون ہے' کیونکہ اس سورت کی آیت: ۷ میں ''الماعون'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ○ (الماعون: ۷) اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ○

جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور ھبۃ اللہ نے کہا: اس سورت کا نصف مکہ میں عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوا اور اس سورت کا باقی نصف عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی سورت قریش میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتے تھے اور اس میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا: اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں اور اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سستی اور کاہلی سے نماز پڑھتے تھے' تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو دی ہوئی نعمتیں بتائیں اور وہ اس کے باوجود مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور آخرت میں جزا اور سزا کا انکار کرتے تھے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

اس سورت کی ابتداء مکی ہے اور اس میں دین کی تکذیب کرنے والے کافر کا ذکر ہے اور اس کی انتہا مدنی ہے اور اس میں استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرنے والے منافق کا ذکر ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں دین کی تکذیب کرنے والے کافر کا ذکر ہے اور اس کی دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ یتیم کو دھتکارتا ہے اور دوسری یہ کہ وہ لوگوں کو یتیم کے کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا۔

اور اس سورت کے آخر میں منافق کی مذمت کی ہے اور اس کی تین صفات ذکر فرمائی ہیں: (۱) وہ نماز سے غفلت کرتا ہے اور سستی اور کاہلی سے نماز پڑھتا ہے (۲) وہ ریاکار ہے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرتا ہے (۳) وہ اپنے پڑوسیوں کو استعمال کی معمولی چیز دینے سے بھی منع کرتا ہے اور کافر اور منافق دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

سورۃ الماعون کا تلاوت کے اعتبار سے نمبر ۱۰۷ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۷ ہے۔

سورۃ الماعون کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! اس مہم میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ ۲۱ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۴ دسمبر ۲۰۰۵ء

سورۃ الماعون — مکیۃ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۷ — رکوعہا ۱

سورۃ الماعون مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں سات آیات اور ایک رکوع ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ ○ پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو

الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ

دھکے دیتا ہے ○ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا ○ سو ان نمازیوں کے

لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ

لیے ہلاکت ہے ○ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ○ جو ریاکاری

هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷ ع

کرتے ہیں ○ اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ○

ع ۷/۳۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ ○ پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا ○ (الماعون: ۳۔۱)

الماعون کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف اور پہلی تین آیتوں کے مکی ہونے پر دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نزول میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور مقاتل اور مجاہد اور ایک جماعت نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ مکہ میں نازل ہوا ہو کیونکہ اس کے شروع میں اس کا ذکر ہے جو دین کی تکذیب کرتا تھا اور وہ عاص بن وائل تھا اور دین کی تکذیب کرنے والے لوگ مکہ میں تھے اور اس سورت کا آخری حصہ مدینہ میں نازل ہوا کیونکہ اس سورت کے آخر میں منافقین کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں ان میں ذکر ہے کہ وہ ریاکاری اور دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے بھی منع کرتے ہیں۔

''ارأیت'' کا لفظ سوال اور استفہام کی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے اور جس چیز کے متعلق سوال کیا جائے یہ اس کی تقریر اور تاکید کے لیے آتا ہے گویا کہ یوں فرمایا: جو شخص یتیم کو دھکے دیتا ہے اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا، وہی شخص دین کی تکذیب کرتا ہے اور دین کی تکذیب سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، حساب میزان اور جزاء اور سزا کا انکار کرتا ہے اور یہ شخص وہی ہو سکتا ہے جو علانیہ دین اسلام کی مخالفت کرتا ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص منافقین میں سے تھا کیونکہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مؤمنین کی موافقت کو ظاہر کرتے تھے۔

رؤسائے کفار دین کی تکذیب کرتے تھے اور اپنے پیروکاروں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کا موقف برحق ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام سنا رہے ہیں وہ باطل ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے یہ فرمایا: تم یتیم پر ظلم مت کرو اور اس کے حق سے منع نہ کرو اور یتیم کے ساتھ بدسلوکی نہ کرو' جیسے دین کی تکذیب کرنے والے کرتے ہیں اور تم مسکین کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو برانگیختہ کرو' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ یہ کفار کتنے بخیل تھے اور یتیم اور مسکین کی کس طرح توہین کرتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے' پس مؤمنین کو نصیحت فرما رہا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔ 63
چونکہ یتیم کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اور کافر کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہوتا' کیونکہ اس کا آخرت پر کوئی ایمان نہیں ہوتا اور کسی پر ظلم کرنے سے اس لیے باز رہتا ہے کہ یا تو اس کو آخرت میں جزاء کی طرف رغبت ہوتی ہے یا اس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس نے کسی پر ظلم کیا تو دنیا میں اس پر بھی ظلم کیا جائے گا' اور مساکین کے دنیا میں ایسے حامی اور مددگار نہیں ہوتے کہ اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ اس کا بدلہ لیں اور نہ یتیم کے حامی اور مددگار ہوتے ہیں' جو اس پر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیں اور کافر کو آخرت کے ثواب میں کوئی رغبت نہیں ہوتی اور نہ اس کو آخرت کے عذاب کا کوئی خوف ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی تصدیق نہیں کرتا' اس لیے وہ یتیم اور مسکین پر بے دھڑک ظلم کرتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۲۴۔۶۲۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

یتیم کی پرورش پر بشارت اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے پر وعید اور الماعون: ۱ کا شانِ نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہےO علامہ ابوعبداللہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے' ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے' کلبی اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے' اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے' سدی نے کہا: یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' ابن جریج نے کہا: یہ ابوسفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ ہر ہفتہ ایک اونٹ ذبح کیا کرتا تھا' ایک یتیم نے اس سے کچھ گوشت مانگا تو اس نے اس کو لاٹھی مار کر ڈرایا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔
الماعون: ۲ میں ''یدعّ'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: اس کو دھکا دیتا ہے' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اس پر قہر کرتا ہے اور اس پر ظلم کرتا ہے۔
حضرت مالک بن عمرو قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا' وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے فدیہ ہو جائے گا' اس غلام کی ہر ہڈی اس کی ہڈی سے فدیہ ہو جائے گی اور جس نے کسی یتیم بچے کو مسلمان ماں باپ کے ساتھ ملایا' اس کے کھانے پینے تک حتیٰ کہ اللہ نے اس یتیم کو غنی کر دیا' اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۱ ص ۳۷۵۔ رقم الحدیث: ۱۹۰۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۰۳۱' المعجم الکبیر ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۶۶۶)
نیز فرمایا: اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا' یعنی وہ اپنے بخل کی وجہ سے اور آخرت کا انکار کرنے کی وجہ سے کسی کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ مسکین کو کھانا کھلائے' جو شخص اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے مسکین کو کھانا نہ کھلا سکے' یہ مذمت اس کو شامل نہیں ہے' یہ مذمت ان لوگوں کو شامل ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے پر قادر ہوں' مگر اپنے بخل کی وجہ سے نہ خود کھلائیں اور

63

نہ کسی اور سے کہیں کہ اس مسکین کو کھانا کھلا دو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہےO جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیںO جوریا کاری کرتے ہیںO اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیںO (الماعون: ۷۔۴)

جن نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ نمازی ہیں جو نماز سے ثواب کی امید نہ رکھیں اور نماز نہ پڑھنے سے ان کو عذاب کا ڈر نہ ہو اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کا وقت گزرنے کے بعد پڑھیں' ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو وقت پر نماز نہ پڑھیں اور اس کا رکوع اور سجود مکمل نہ کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۙ (مریم: ۵۹)

پھر (نیک لوگوں کے بعد) ایسے بُرے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی' ان کو عنقریب دوزخ میں جھونک دیا جائے گاO

وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ (النساء: ۱۴۲)

اور منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں' وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیںO

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز ہے' وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگھوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس نماز میں اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: منافق وہ ہے جو تنہائی میں نماز نہیں پڑھتا اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے۔

الماعون: ۵ میں فرمایا: جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیںO

سہو کی تحقیق

ایک چیز ہے نمازوں سے غفلت کرنا' یعنی کبھی نماز پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی' یہ منافقوں کا شعار ہے اور ایک چیز ہے نمازوں میں غفلت کرنا یعنی کبھی نماز میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے یا انسان نماز میں کسی کام کے متعلق سوچنے لگتا ہے اور اس کا منصوبہ بنانے لگتا ہے کہ اس سے بہت کم مسلمان خالی ہوتے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نماز میں سہو ہو جاتا تھا چہ جائیکہ اور لوگوں کو' اسی وجہ سے فقہاء نے اپنی کتابوں میں سجود السہو کا باب قائم کیا ہے' قاضی ابن العربی نے کہا ہے: سہو سے سلامتی محال ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو اپنی نمازوں میں سہو ہوا ہے اور جس شخص کو نماز میں سہو نہیں ہوتا' یہ وہ شخص ہے جو نماز میں غور و فکر کرتا ہے' نہ قرأت میں تدبر کرتا ہے اور اس کی فکر نماز کے ارکان اور رکعات کو گننے میں لگی رہتی ہے' یہ وہ شخص ہے جو چھلکے کھاتا ہے اور مغز چھوڑ دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوتا تھا تو آپ کی فکر اس سے بہت عظیم تھی' ہاں! کبھی نماز میں اس شخص کو سہو ہوتا ہے جو شیطان کے وسوسہ کو قبول کر لیتا ہے' شیطان اس سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کو یاد کر' فلاں چیز کو یاد کر' جو چیز اس کو پہلے یاد نہیں آتی تھی' وہ اس کو نماز میں یاد آ جاتی ہے' حتیٰ کہ وہ شخص بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک ہمارے سہو میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو میں بہت فرق ہے ہم دنیا کے خیال میں ڈوب جاتے ہیں اور نماز کی رکعات کی طرف ہماری توجہ نہیں رہتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن الوہیت کے جلوؤں میں منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور نماز کی رکعات کی تعداد سے آپ کی توجہ ہٹ جاتی ہے ہمارا سہو نقص ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو کمال ہے۔

الماعون: ۶ میں فرمایا: جو ریا کاری کرتے ہیں O

ریا کاری کی تعریف

یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ وہ اطاعت کرتے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ تقیہ سے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں جیسے فاسق اس لیے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو نمازی کہا جائے اور ریا کار عبادت سے دنیا طلب کرتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناتا ہے اور وہ لوگوں سے تعریف اور تحسین کی توقع کرتا ہے ریا کار کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ موٹے کپڑے پہنتا ہے تاکہ یہ ظاہر کرے کہ اس کو دنیا میں کوئی رغبت نہیں ہے اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں سے ریا کاری کرتا ہے وہ اہل دنیا کی مذمت کرتا ہے اور نیکی اور عبادت کے ضائع ہونے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے اور چوتھا طریقہ یہ ہے کہ وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے اور لوگوں کو دکھا کر بہت خیرات اور صدقات دیتا ہے۔

فرائض کو دکھا کر ادا کیا جائے اور نوافل کو چھپا کر

جو اعمالِ صالحہ فرائض میں سے ہیں ان کو دکھا کر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ فرائض کا حق یہ ہے کہ ان کو دکھا کر ادا کیا جائے اور ان کی تشہیر کی جائے کیونکہ فرائض اسلام کی علامات ہیں اور دین کے شعائر ہیں اور فرائض کا تارک ملامت اور مذمت کا مستحق ہوتا ہے پس فرائض کو دکھا کر ادا کیا جائے تاکہ اس پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے اور نفلی عبادات کا حق یہ ہے کہ ان کو چھپا کر ادا کیا جائے کیونکہ نوافل کو ادا نہ کرنے پر انسان کو ملامت نہیں کی جاتی اور نہ اس پر کوئی تہمت لگتی ہے اور اگر کوئی شخص قصداً نفلی عبادات دکھا کر کرے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے تو یہ اچھی بات ہے ریاء اس وقت ہوتا ہے جب اس کا قصد یہ ہو کہ لوگ اس کی نفلی عبادات دیکھ کر اس کی تعریف اور تحسین کریں اور اس کی عزت اور احترام کریں۔

الماعون: ۷ میں فرمایا: اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں O

''الماعون'' کی تعریف میں بارہ اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے: الماعون کی تفسیر میں بارہ اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اس سے مراد ان کے اموال کی زکوٰۃ ہے۔

(۲) ابن شہاب اور سعید بن المسیب نے کہا: اس سے مراد مال ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد گھر میں استعمال ہونے والی کار آمد چیزیں ہیں جیسے کلہاڑی دیگچی اور آگ وغیرہ۔

(۴) زجاج اور ابوعبید نے کہا: ''الماعون'' ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی منفعت ہو جیسے کلہاڑی ڈول اور بڑا پیالہ۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے: جو چیز عاریۃً لی جائے۔

(۶) محمد بن کعب اور کلبی نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کا لوگ آپس میں لین دین کرتے ہوں۔

(۷) اس سے مراد پانی اور گھاس ہے۔
(۸) اس سے مراد صرف پانی ہے۔
(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کسی شخص کا حق ہے۔
(۱۰) طبری نے کہا: اس سے مراد کوئی بھی تھوڑی سی چیز ہے۔
(۱۱) اخفش نے کہا: اس سے مراد اطاعت اور فرماں برداری ہے۔
(۱۲) الماوردی نے کہا: اس سے مراد ایسا کام ہے جس میں کم مشقت ہو۔

منافق میں یہ تین اوصاف ہوتے ہیں: وہ نماز کو ترک کرتا ہے' ریا کاری کرتا ہے اور معمولی سی چیز دینے میں بھی بخل کرتا ہے اور مسلمان میں ان اوصاف کا پایا جانا بہت بعید ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۹۱۔۱۹۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الماعون کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار سورۃ الماعون کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری مغفرت فرمادیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین شفیعنا یوم الدین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وعترته وامته اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الکوثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الکوثر ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ (الکوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ہے ○

یہ خیر کثیر آپ کو دائمی طور پر دنیا اور آخرت میں حاصل ہے اسی خیر کثیر کا ایک فرد حوضِ کوثر ہے جو آپ کو محشر میں حاصل ہو گا اور اسی کا ایک فرد نہر کوثر ہے جو آپ کو جنت میں حاصل ہو گی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۵ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۸ ہے۔

سورۃ الکوثر کا مکی یا مدنی ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ '' اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ '' مکہ میں نازل ہوئی ہے نیز امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۵۸۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ سیوطی نے الاتقان ج ۱ ص ۷۰ میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ سورۃ الکوثر مدنی ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے اور اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ کو اونگھ آ گئی آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیا اور فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے پڑھا: '' بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ '' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہو گی اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ از خود نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۴ سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۰۴ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۷۰۲)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے اور یہ کہ اپنے

اصحاب کے سامنے سونا جائز ہے اور یہ کہ انسان اپنے اصحاب کے سامنے کسی بات پر مسکرائے تو اس کا سبب بیان کرنا جائز ہے' لیکن علامہ نووی نے اس کی شرح میں یہ نہیں لکھا کہ سورۃ الکوثر مکی ہے یا مدنی ہے' جیسا کہ حافظ سیوطی نے فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۵۵۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام بخاری نے کوثر کے متعلق جو احادیث روایت کی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الکوثر مکی ہے کیونکہ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو نہر کوثر شب معراج میں عطا کی گئی اور معراج آپ کو ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے مکہ میں ہوئی تھی' اس سے واضح ہوا کہ سورۃ الکوثر مکی ہے۔ امام بخاری نے سورۃ الکوثر کی تفسیر میں جو احادیث درج کی ہیں' وہ یہ ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: میں ایک نہر (دریا) پر آیا' جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے' میں نے کہا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۴۔ ۳۵۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے " اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ " (الکوثر: ۱) کے متعلق سوال کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے' اس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی ہیں اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوثر کی تفسیر میں فرمایا: یہ وہ خیر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے' ابوبشر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ "الکوثر" جنت میں نہر ہے' سعید نے کہا: جو نہر جنت میں ہے وہ بھی اس خیر کا فرد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ "الکوثر" خیر کثیر ہے' یہ ان لوگوں کے قول کے خلاف نہیں ہے' جنہوں نے کہا ہے: اس سے مراد جنت میں نہر ہے' کیونکہ جنت میں نہر بھی خیر کثیر کے افراد میں سے ہے اور شاید کہ سعید بن جبیر نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کی تاویل اپنے عموم کی وجہ سے اولیٰ ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے "الکوثر" کی نہر کے ساتھ تخصیص ثابت ہے' لہٰذا اس سے عدول نہیں کرنا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ نے لکھا ہے کہ اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کے صاحب زادے حضرت قاسم فوت ہو گئے تھے تو ابوجہل لعنہ اللہ نے یا عاص بن وائل نے آپ کو معاذ اللہ ابتر کہا تھا' اس وقت یہ سورت نازل ہوئی تھی' اس قول کی بناء پر یہ سورت مکی ہے اور یہی قول مشہور ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰) کی بناء پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۵۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سورۃ الکوثر کی سورۃ الماعون سے مناسبت

امام رازی نے فرمایا ہے کہ سورۃ الکوثر اس سے پہلی سورت الماعون کے بہ منزلہ مقابلہ ہے کیونکہ سورۃ الماعون میں منافق یا مشرک کے چار وصف بیان فرمائے تھے' پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ بخیل ہوتا ہے' کیونکہ فرمایا: مشرک بخیل ہوتا ہے کیونکہ وہ

یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا (الماعون:۳۔۲) اور اس سورت میں بخل کے مقابلہ میں فرمایا: ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے (الکوثر:۱) یعنی آپ بھی بہ کثرت عطا کیجئے' اور الماعون میں منافق کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا (الماعون:۵) اس کے مقابلہ میں اس سورت میں فرمایا ہے: سو آپ نماز پڑھتے رہیے (الکوثر:۲) یعنی ہمیشہ نماز پڑھتے رہیے اور الماعون میں منافق کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ریا کاری کرتا ہے (الماعون:۶) اس کے مقابلہ میں الکوثر میں فرمایا ہے: ''لِرَبِّكَ'' (الکوثر:۲) یعنی اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھیے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے' اور الماعون میں منافق کا چوتھا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں ادا کرتا (الماعون:۷) اس کے مقابلہ میں الکوثر میں فرمایا: ''وَانْحَرْ'' (الکوثر:۳) یعنی آپ قربانی کیجئے اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ آپ قربانی کا گوشت لوگوں میں تقسیم کیجئے اور سورۃ الکوثر کے آخر میں فرمایا: ''اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ'' (الکوثر:۳) یعنی منافق جو ان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے' وہ عنقریب مر جائے گا اور دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ جائے گا اور آپ کا ذکر جمیل دنیا میں قیامت تک ہوتا رہے گا اور آخرت میں آپ کو ثوابِ جزیل حاصل ہوگا۔

نیز اس سورت کے لطائف میں سے یہ ہے کہ عارفین اور عابدین کے تین درجات ہوتے ہیں: (۱) وہ اپنے دلوں اور روحوں سے اللہ تعالیٰ کے نورِ جلال میں مستغرق ہوتے ہیں اور ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ'' (الکوثر:۱) میں اس درجہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ تمام ارواحِ بشریہ سے ممتاز ہے کیونکہ وہ باقی ارواح کی بہ نسبت بہت جلد اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے (۲) عارفین اور عابدین ہمیشہ اطاعت اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ'' (الکوثر:۲) میں اس درجہ کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے (۳) عارفین اور عابدین اپنے نفس کو دنیاوی لذات اور جسمانی شہوات کے حصول سے باز رکھتے ہیں اور اس درجہ کی طرف ''وَانْحَرْ'' (الکوثر:۳) سے اشارہ فرمایا کیونکہ نفس کو ان لذتوں سے روکنا اس کو ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الکوثر کا اس سے پہلی سورتوں کے لیے تتمہ ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

سورۃ الکوثر سے پہلے جو سورتیں تھیں' سورۃ الکوثر ان کا بہ منزلہ تتمہ ہے اور سورۃ الکوثر کے بعد جو سورتیں ہیں' سورۃ الکوثر ان کا بہ منزلہ مقدمہ ہے' سورۃ الکوثر سے پہلی سورتوں کا بہ منزلہ تتمہ ہونے کی تفصیل یہ ہے:

سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرمائی ہے' فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا' نہ آپ سے بے زار ہوا (الضحیٰ:۳) اور فرمایا: آپ کی ہر بعد والی ساعت' اس سے پہلی ساعت سے افضل ہے (الضحیٰ:۴) اور فرمایا: عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے (الضحیٰ:۵) یہ آخرت کی نعمتیں ہیں اور دنیاوی نعمتوں کے متعلق فرمایا: کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا (الضحیٰ:۶) اور فرمایا: آپ کو حبِ الٰہی میں سرشار پایا تو مخلوق کی طرف متوجہ کیا اور آپ کو ضرورت مند پایا تو آپ کو غنی کر دیا۔ (الضحیٰ:۸۔۷)

سورۃ الانشراح کی تین آیتوں میں آپ کی مدح فرمائی: اے رسولِ مکرم! کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیاO جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر رکھا تھاO اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیاO (الانشراح:۴۔۱)

سورۃ التین میں آپ کی تین طرح تکریم فرمائی: آپ کے شہر کی قسم کھائی' فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسمO

(التین:۴) اور آپ کی امت کے لیے دوزخ سے نجات کی بشارت دی' فرمایا: پھر ہم نے انسان کو سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دیاO سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیےO (التین:۶-۵) اور آپ کی امت کے لیے غیر متناہی اجر کی بشارت دیO (التین:۶)

سورۃ العلق میں بھی تین قسم کی تکریمات ہیں' فرمایا: اے رسولِ مکرم! اپنے رب کے نام سے پڑھیے (العلق:۱) یعنی اپنے رب کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے قرآن پڑھیے' پھر آپ کے دشمن پر اظہارِ قہر کیا' فرمایا: اس (دشمن) کو چاہیے کہ اپنے ہم مجلس کو پکارےO ہم دوزخ پر مقرر فرشتوں کو بلائیں گےO (العلق:۱۸-۱۷) آپ کو قربِ کامل کے ساتھ خاص کیا' فرمایا: آپ سجدہ کریں اور ہم سے مزید قریب ہو جائیںO (العلق:۱۹)

سورۃ القدر میں آپ کی امت کے لیے تین قسم کی فضیلت ہے: شب قدر میں عبادت ہزار ماہ سے بہتر ہے (القدر:۳) اس میں فرشتوں اور جبریل کا نزول ہوتا ہے (القدر:۴) اس شب میں طلوعِ فجر ہونے تک سلامتی ہے (القدر:۵)۔

سورۃ البینۃ میں آپ کی امت کے لیے تین فضیلتیں ہیں: آپ کی امت کو کل مخلوق سے بہتر فرمایا (البینۃ:۷) ان کا ثواب ان کے رب کے پاس دائمی جنتیں ہیں (البینۃ:۸) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے (البینۃ:۸)۔

سورۃ الزلزال میں بھی آپ کی امت کے لیے تین فضیلتیں ہیں' فرمایا: اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی (الزلزال:۴) اس کا تقاضا یہ ہے کہ زمین آپ کی امت کی اطاعت اور عبادت کی خبر دے گی' نیز فرمایا: اس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے تاکہ ان کے اعمال دکھائے جائیں (البینۃ:۶) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے سامنے ان کی اطاعت اور عبادت پیش کی جائے گی' جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہو گی' اور فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا (البینۃ:۷) اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے عظیم عبادت ہے' پس وہ اس کا عظیم ثواب پائیں گے۔

سورۃ العادیات میں آپ کی امت کے مجاہدوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی اور یہ ان کی بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کا ذکر تین آیات میں ہے: ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئےO پھر سم مار کر پتھر سے چنگاریاں اڑاتے ہیںO پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیںO (العادیات:۳-۱)

سورۃ القارعۃ میں آپ کی امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں' فرمایا: جس کی نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گےO تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گاO (القارعۃ:۷-۶) اور ان کے دشمنوں کے متعلق فرمایا: وہ دہکتی ہوئی آگ کے گڑھے میں ہوں گےO (القارعۃ:۱۱)

سورۃ التکاثر میں آپ کے دین سے اعراض کرنے والوں پر تین قسم کا عذاب بیان کیا' ان سے فرمایا: تم ضرور دوزخ کو دیکھو گےO تم ضرور اس کو یقینی طور پر دیکھو گےO پھر اس دن تم سے ضرور نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گاO (التکاثر:۸-۶)

سورۃ العصر میں آپ کی امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں: ان کے ایمان کا ذکر فرمایا اور ان کے اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ مخلوق کو اعمالِ صالحہ کی اور حق کی اور صبر کی وصیت کرتے ہیں (العصر:۳)

سورۃ الھمزہ میں یہ بتایا: آپ کا جو دشمن آپ پر طعنہ زن ہے اور آپ کا عیب جو ہے' اس کو تین قسم کا عذاب دیا جائے گا: وہ اپنے دنیا کے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا: وہ زعم کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا (الھمزہ:۳) اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گاO (الھمزہ:۴) اور دوزخ کے اس طبقہ کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہ اس سے باہر نکلنے کی

کوئی راہ نہ پائے گاO (الھمزہ: ۹)

سورۃ الفیل میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو تین طرح رد فرمایا: ان کی سازش کو ناکام کر دیاO ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجےO ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیاO (الفیل: ۵۔۲)

سورۃ القریش میں بتایا کہ آپ کے قبیلہ کی اللہ تعالیٰ نے تین طرح رعایت کی: ان کو آپس میں محبت کرنے والا بنا دیاO ان کو بھوک کی حالت میں کھلایاO ان کو خوف سے امن میں رکھاO (القریش: ۴۔۲)

سورۃ الماعون میں آپ کو مشرف کیا کہ آپ کے دین کی تکذیب کرنے والوں کی تین صفات مذمومہ بیان کیں' ان کی خساست اور بخل کو بیان کیا' فرمایا: وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتاO (الماعون: ۳) اور بتایا کہ وہ خالق کی تعظیم نہیں کرتا' فرمایا: وہ اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیںO جو ریاکاری کرتے ہیںO (الماعون: ۶۔۵) اور بتایا: وہ مخلوق کو فائدہ نہیں پہنچاتے' فرمایا: وہ استعمال کی معمولی چیز نہیں دیتےO (الماعون: ۷)

پھر اللہ سبحانہ نے اس کے بعد سورۂ کوثر میں آپ کی بہت عظیم فضیلتیں بیان فرمائی ہیں' فرمایا: ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے' یعنی وہ عظیم فضیلتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر فضیلت دنیا اور مافیہا سے افضل ہے' سو آپ اپنے رب کی عبادت اور مخلوق کو نیکی کی راہ دکھانے میں مشغول ہوں' رہا بدنی عبادت کا ذکر تو وہ اس میں ہے: آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور مالی عبادت کا ذکر اس میں ہے: اور قربانی کیجئے' پس سورۃ الکوثر اس سے پہلی سورتوں کا تتمہ ہے۔

اور ہم نے یہ کہا تھا کہ سورۃ الکوثر اس کے بعد کی سورتوں کے لیے مقدمہ ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

سورۃ الکوثر کا بعد کی سورتوں کے لیے مقدمہ ہونا

اس کے بعد سورت کافرون ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہلوایا کہ تمام دنیا والے کافر ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام لوگ اپنے دین پر شدت سے وابستہ ہوتے ہیں اور سخت متعصب ہوتے ہیں اور وہ اپنے دین اور مذہب کی نصرت کے لیے جان اور مال بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اور جو شخص ان کے دین کے خلاف کوئی بات کرے یا ان کے دین کی مذمت کرے تو وہ بہت سخت غیظ و غضب میں آ جاتے ہیں' پس جب آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ تمام دنیا والوں کو کافر کہیں اور ان کے دین کو باطل کہیں تو اس سے یہ لازم آیا کہ تمام دنیا والے آپ کے جانی دشمن ہو جائیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف ایک دشمن تھا' جو فرعون تھا اور آپ کو تمام دنیا والوں کی دشمنی کا سامنا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ کافرون سے پہلے سورۃ الکوثر نازل فرمائی' تا کہ آپ کے دل میں دنیا والوں کی دشمنی کا خوف نہ رہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی یعنی دین اور دنیا کی خیر کثیر عطا کی' پس گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ وہ آپ کی نصرت اور حفاظت کرے گا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ . (الانفال: ۶۴) اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط . (المائدہ: ۶۷) اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ . (التوبہ: ۴۰) اگر تم نے نبی کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ نے ان کی مدد کر دی ہے۔

اور جس کی حفاظت کا اللہ سبحانہ کفیل اور ضامن ہو اس کے دل میں کسی دشمن کا خوف نہیں ہو گا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی اور یہ لفظ دنیا اور آخرت کی تمام خیرات

اور محاسن کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں آپ کو تمام خیرات اور اچھائیاں حاصل نہیں ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے خلاف ہو نہیں سکتا تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک سلامت رکھے جب تک یہ وعدہ پورا نہ ہو جائے اور آپ کا کوئی دشمن آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے تمام دنیا والوں کو کافر کہا تو سب لوگ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور کہا: اگر آپ یہ کام مال و دولت کے لیے کر رہے ہیں تو ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائیں گے اور اگر آپ کا مطلوب زوجہ ہے تو ہم آپ کی شادی عرب کی سب سے مکرم عورت سے کر دیتے ہیں اور اگر آپ کا مطلوب ریاست ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے تو جب آسمانوں اور زمینوں کے خالق نے آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام خیرات عطا کر دی ہیں تو آپ ان کی پیش کش کی طرف سر مو التفات نہ کریں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ '' تو اس سے یہ مستفاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام فرمایا ہے اور آپ ''وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا'' (النساء:۱۶۴) کے قائم مقام ہیں بلکہ اس سے افضل ہیں کیونکہ جب مولیٰ اپنے بندہ کو انعام دیتے ہوئے کلام کرے تو وہ دوسری جہت کے کلام سے افضل ہے' پس اس کلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اتنی زبردست قوت اور طاقت حاصل ہوئی کہ جب آپ نے تمام دنیا کے انسانوں کو کہا: ''يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' تو آپ کو ذرہ برابر بھی خوف نہ ہوا' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الکوثر کو الکافرون پر مقدم رکھا تا کہ آپ بے دھڑک تمام جہان کے کافروں کو کافر کہہ سکیں اور ان کے معبودوں سے براءت کا اظہار کر سکیں' پس جب آپ نے میری فرماں برداری کی تو دیکھئے میں نے کیسے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور آپ کو بہ کثرت پیروکار عطا کیے اور تمام دنیا کے لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے' پھر جب آپ کی دعوت اور شریعت کا اظہار مکمل ہو گیا تو پھر قلب اور باطن کے احوال شروع ہو گئے کیونکہ طالب کا مقصود صرف دنیا ہو گی یا صرف آخرت ہو گی اور جس کا مقصود صرف دنیا ہو گی' وہ دنیا میں رسوا ہو گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہو گی اور سورۂ تبت سے یہی بتانا مقصود ہے' اللہ تعالیٰ تک رسائی یا مخلوق کے ذریعہ سے ہوتی ہے یا بندہ پہلے خالق سے واصل ہوتا ہے پھر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ افضل طریقہ ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا بیان شروع کیا اور سورۂ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں اس کا بیان ہے' پھر اس کے بعد سورۂ ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' میں مخلوق کے مراتب کا ذکر کیا اور نفس انسانیہ کے مراتب پر سورۂ ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' میں اپنی کتاب کو ختم فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۱۰۔۳۰۷ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الکوثر کے اس مفصل تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الکوثر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۶ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰

۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱

(۱۰۸) سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۵) | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

ع ۱ ۲ ۲۲

شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ؑ

بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O (الکوثر: ۳۔۱)

اس آیت میں ''انا'' اور ''اعطاء'' کے فوائد اور نکات

اس آیت کے شروع میں لفظ ''انّا'' ہے اور یہ جمع کا لفظ ہے اور اس لفظ سے کبھی جمعیت مراد ہوتی ہے اور کبھی تعظیم مراد ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس لیے اس سے جمعیت مراد نہیں ہو سکتی' تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کوثر عطا فرمائی ہے' اس میں کئی افراد وسیلہ ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو اہل مکہ میں رسول بنا کر بھیجنے کی دعا کی:

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ . (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے بنا دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی:

وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ (الصف: ۶) اور میں اپنے بعد ایک آنے والے رسول کی تم کو بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

لفظ ''انّا'' میں جمع کے لفظ کی دوسری وجہ تعظیم ہے یعنی آپ کو کوثر عطا کرنے والا تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہے اور جب آپ کو عطا کرنے والا اس قدر عظیم ہے تو اس کا عطیہ بھی بہت عظیم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ سے فرمایا ہے: ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دی اور مستقبل کے صیغہ سے نہیں فرمایا کہ ہم آپ کو کوثر عطا کریں گے' یہ اس کی دلیل ہے کہ کوثر آپ کو ماضی میں حاصل ہو چکی ہے اور اس میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جس کو ماضی میں بہت عظیم نعمت حاصل ہو چکی ہو وہ اس سے بہت افضل ہے جس کو مستقبل میں وہ نعمت حاصل ہو' اسی لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: اس وقت جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹)

(۲) گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ہم نے آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی سعادت کے اسباب مہیا کر دیئے تھے تو

ہم آپ کی ولادت اور آپ کی عبادت کے بعد آپ کو کب فراموش کرنے والے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو کوثر عطا کرنے کا ذکر کیا' اس کے بعد آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو کوثر عطا کرنا محض اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل اور احسان ہے' آپ کی کسی عبادت اور ریاضت کا معاوضہ نہیں ہے۔

(۴) نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے کوثر آپ کو دی ہے' یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے یہ کوثر نبی کو دی ہے یا رسول کو دی ہے کیونکہ اگر فرماتا: یہ کوثر نبی کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر نبوت کا مقتضیٰ ہے' سو جو بھی نبی ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہو گی اور اگر فرماتا: یہ کوثر رسول کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر رسالت کا تقاضا ہے' سو جو بھی رسول ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہو گی اور جب فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے تو پتا چلا کہ یہ کوثر نہ نبوت کا تقاضا ہے نہ رسالت کا تقاضا ہے' یہ کوثر تو صرف آپ کی ذات کا تقاضا ہے۔

(۵) عربی میں ''اعطاء'' اور ''ایتاء'' دونوں کا معنیٰ دینا اور نوازنا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ''اعطاء'' کا لفظ فرمایا ''ایتاء'' کا لفظ نہیں فرمایا کیونکہ ''اعطاء'' کا متبادر معنیٰ ہے: محض اپنے فضل سے دینا' نیز ''اعطاء'' کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا مالک بنا دینا اور ''ایتـــاء'' سے یہ متبادر نہیں ہوتا' پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کوثر کا مالک بنا دیا ہے' آپ جس کو چاہیں اس کوثر میں سے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا تو فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ . (ص:۳۹) یہ ہماری عطاء ہے' اب آپ کسی پر احسان کر کے اس کو دے دیں یا روک کر رکھیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر عطا کی تو آپ کو اس کا مالک بنا دیا' چاہے آپ کسی کو دیں یا نہ دیں۔

لفظ ''کوثر'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الـکـوثـر'' جنت میں نہر ہے' اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں' اس میں موتی اور یاقوت جاری ہیں' اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبو دار ہے' اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۱' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(۲) کوثر سے مراد حوض ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ کو اونگھ آ گئی' آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیا اور فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے پڑھا: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۞ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ '' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' اس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہوگی' اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں' اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا' میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ از خود نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰)

اس حدیث سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ما کان وما یکون'' کا علم نہیں تھا ورنہ

آپ کو ازخود معلوم ہوتا کہ یہ شخص آپ کے دین اور آپ کی امت سے نکل چکا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (الوفاص ۸۱۰' مطبوعہ مصر' ۱۳۶۹ھ) سو جس شخص نے دین میں نیا کام نکالا اس کا عمل بھی آپ پر پیش کیا گیا تھا' لہٰذا اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی' البتہ اس میں آپ کی توجہ کی نفی ہے۔

کوثر سے مراد حوض ہو یا جنت میں نہر' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر ہے' اس لیے یہ تفسیر تمام اقوال پر راجح اور فائق ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر خیر کثیر آپ کو عطا کر دی' اور اسلام' قرآن' نبوت اور دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین اور ثناء جمیل خیراتِ کثیرہ ہیں اور جنت کی سب نعمتیں خیر کثیر ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۶)

(۴) عکرمہ نے کہا: کوثر سے مراد نبوت اور کتاب ہے۔

(۵) حسن بصری نے کہا: کوثر سے مراد قرآن ہے۔

(۶) المغیرہ نے کہا: کوثر سے مراد اسلام ہے۔

(۷) الحسین بن الفضل نے کہا: کوثر سے مراد قرآن کو آسان کرنا اور احکامِ شرعیہ میں تخفیف ہے۔

(۸) ابوبکر بن عیاش نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے اصحاب' آپ کی امت اور آپ کے متبعین کی کثرت ہے۔

(۹) ابن کیسان نے کہا: کوثر سے مراد ایثار ہے۔

(۱۰) الماوردی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۱۱) ''الکوثر'' سے مراد آپ کے دل کا وہ نور ہے' جس نے آپ کو اللہ کے ماسوا سے منقطع کر دیا۔

(۱۲) کوثر سے مراد شفاعت ہے۔

(۱۳) الثعلبی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے معجزات ہیں' جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(۱۴) ہلال بن یساف نے کہا: کوثر سے مراد ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' ہے اور ایک قول ہے: کوثر سے مراد دین کی فقہ ہے اور ایک قول ہے: پانچ نمازیں ہیں۔

ان اقوال میں سے صحیح ترین قول اوّل اور ثانی ہے یعنی کوثر سے مراد جنت میں ایک نہر ہے یا حوض ہے' جو محشر میں قائم ہوگا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۹۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حوضِ کوثر کے متعلق یہ ایمان افروز حدیث ہے:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے شہداء اُحد پر نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ منبر پر گئے' پس فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا' اور بے شک اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اب بھی ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۰۔ ۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸)

الکوثر: ۲ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں ○

تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کے متعلق ضعیف روایات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر ایسی عظیم نعمت عطا کی ہے تو آپ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہمیشہ نماز پڑھتے رہیں اور قربانی ادا کرتے رہیں' اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ وہ آپ کو اس قدر خوش حال کر دے گا کہ آپ قربانی کرتے رہیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز سے مراد عید کی نماز ہے اور ''وانحر'' سے مراد عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا ہے۔

مجاہد' عطاء اور عکرمہ سے روایت ہے کہ نماز سے مراد مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھنا اور اس کے بعد منیٰ میں قربانی کرنا ہے۔

ابو الاحوص سے روایت ہے کہ اونٹ کو نحر کرتے وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کریں۔

امام ابن ابی حاتم' حاکم' ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا: یہ کون سا نحیرہ ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے تو حضرت جبریل نے کہا: یہ نحیرہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ پڑھیں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع کریں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع سے سر اٹھائیں تو رفع یدین کریں کیونکہ یہی ہماری نماز ہے اور آسمانوں کے فرشتوں کی نماز ہے اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ص ۳۴۷۰' المستدرک ج ۲ص ۵۳۸' ذہبی نے کہا: اس کی سند میں اسرائیل غیر معتمد ہے اور امام نسائی کے نزدیک متروک ہے۔)

حاکم نے ''مستدرک'' میں اور دار قطنی نے ''الافراد'' میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے: اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں' پھر نماز میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھیں۔ (المستدرک ج ۲ص ۵۳۷' حافظ ذہبی نے اس سے سکوت کیا ہے۔)

حافظ جلال الدین سیوطی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے متعلق کہا ہے: اس کو امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے ''مستدرک'' میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے اس حدیث کے متعلق کہا: یہ شدید منکر ہے بلکہ امام ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں درج کیا ہے اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی دوسری حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا: اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم حاکم نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترک رفع یدین اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر دلائل شرح صحیح مسلم' جلد اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ ''نحر'' کا لفظ اونٹوں کو نحر کرنے میں استعمال ہوتا ہے' نہ کہ ان معانی میں اور قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد زکاۃ کا ذکر کیا جاتا ہے اور قربانی کرنا اور اونٹوں کو نحر کرنا زکاۃ کے معنیٰ کے قریب ہے' بہ خلاف ان مذکورہ معانی کے' علاوہ ازیں مکہ کے مشرکین بتوں کے آگے سجدہ کرتے تھے اور ان کے لیے اونٹوں کو نحر کرتے تھے تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت کو اس پر محمول کیا جائے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر نماز پڑھیں اور اس کی رضا کے لیے قربانی کریں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۴۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الکوثر: ۳ میں فرمایا: بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O

''شانئ'' اور ''ابتر'' کے معنیٰ

اس آیت میں ''شانئ'' اور ''ابتر'' کے دو لفظ ہیں' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''شنأ'' کا معنیٰ ہے: کسی شخص سے بغض کی بناء پر اس کو ناپسند کرنا' قرآن مجید میں ہے: ''شَنَاٰنُ قَوْمٍ'' (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی دشمنی اور اس سے بغض "شانئك" کا معنیٰ ہے: آپ سے بغض رکھنے والا' آپ کا دشمن۔ (المفردات ج اص ۳۵۲)

"ابتر" کا لفظ "بتر" سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: جس کی جڑ کٹی ہوئی ہو' پھر اس کا استعمال اس شخص کے لیے ہونے لگا' جس کے بعد اس کی نسل جاری نہ ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کام سے پہلے اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ "ابتر" ہے یعنی ناتمام اور نامکمل ہے (تلخیص الحبیر ج اص ۷۶) قرآن مجید میں ہے: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○" (الکوثر: ۳) یعنی جس کا ذکر اس کے بعد نہ چلے' اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار کا زعم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر منقطع ہو جائے گا' جب آپ کی عمر ختم ہو جائے گی کیونکہ آپ کی نسل منقطع ہو جائے گی' اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا: جس کا ذکر منقطع ہوگا' وہ آپ کا دشمن ہے اور رہے آپ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (الانشراح: ۴) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

کیونکہ آپ تمام مؤمنین کے بہ منزلہ باپ ہیں اور تمام مؤمنین حکماً آپ کی اولاد ہیں' اللہ عزوجل نے آپ کا ذکر بلند کیا ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا ہے۔ (المفردات ج اص ۴۶)

الکوثر: ۳ کا شانِ نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص نے آپ کو ابتر کہا تھا' وہ العاص بن وائل السہمی تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۳)

ابن زید نے کہا: وہ شخص یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جڑ کٹ گئی اور ان کی نسل آگے نہیں چلے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۸)

شمر بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل باقی نہیں رہے گی اور وہ ابتر ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعب بن اشرف مدینہ آیا تو قریش اس کے پاس گئے اور کہا: ہم حرم کا انتظام اور حفاظت کرنے والے ہیں اور زمزم کے پانی پلانے والے ہیں اور تم اہل مدینہ کے سردار ہو' یہ بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا یہ شخص جو اپنی قوم سے کٹ چکا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے افضل ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: بلکہ تم اس سے افضل ہو' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۲)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے' پھر حضرت زینب تھیں' پھر حضرت عبد اللہ تھے' پھر حضرت ام کلثوم تھیں' پھر حضرت فاطمہ تھیں' پھر حضرت رقیہ تھیں' پس حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور وہ مکہ میں سب سے پہلے آپ کی اولاد میں سے فوت ہونے والے تھے' پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' اس وقت العاص بن وائل السہمی نے کہا: ان کی نسل منقطع ہو گئی اور یہ ابتر (جڑ کٹے) ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○" (الکوثر: ۳)۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت) (الطبقات الکبریٰ ج اص ۱۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں محمد بن علی سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت قاسم رضی اللہ

عنہ جب اتنی عمر کو پہنچ گئے کہ وہ سواری پر سوار ہو سکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا' اس وقت عاص بن وائل نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج صبح ابتر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۸۹' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۵)

امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے آپ کو ابتر کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

شمر بن عطیہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد باقی نہیں رہے گی' اور وہ جڑ کٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○'' (الکوثر: ۳)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو العاص بن وائل' ابوجہل' عقبہ بن ابی معیط اور کعب بن اشرف تمام دشمنانِ مصطفیٰ نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا' جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہو جائے تو اس کے ہم وطن اور رشتہ دار اس کی تعزیت کرتے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہیں' یہ کیسے ہم وطن اور رشتہ دار تھے' جو ایسے رنج و غم کے موقع پر آپ کو تسلی دینے کے بجائے آپ کو طعنے دے رہے تھے اور آپ کو ابتر کہہ رہے تھے' اس جاں کاہ وقت میں آپ کو صرف رب ذوالجلال نے تسلی دی اور فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے ○ سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں ○ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے ○ (الکوثر: ۳۔۱)۔

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت فرمانا

کفار نے جب آپ کو طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے بلاواسطہ مدافعت کی اور فرمایا: بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر (مقطوع النسل) ہے اور یہی محبین کا طریقہ ہے کہ جب ان کے محبوب کو کوئی طعنہ دے تو وہ اپنے محبوب کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اور اس کی قرآن مجید میں اور بھی کئی مثالیں ہیں' جب کفار نے آپ کی شان میں یہ بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ (سبا: ۸۔۷)

اور کفار نے کہا: آؤ ہم تمہیں ایسا شخص بتائیں' جو تمہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ جب تم پورے پورے ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری ضرور نئی تخلیق کی جائے گی ○ اس نے یا تو اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔

جب کفار نے آپ کو جھوٹا اور دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کی مدافعت کی اور فرمایا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ○ (سبا: ۸)

بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے' وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ○

اسی طرح جب ولید بن مغیرہ نے آپ کو دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدافعت میں فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ (القلم: ۲)

آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں ○

اور القلم: ۱۳۔۸ میں ولید بن مغیرہ کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور دسواں عیب یہ بیان کیا کہ وہ بد اصل ہے۔

اسی طرح منکرین نے آپ کے متعلق کہا:

لَسْتَ مُرْسَلًا (الرعد: ۴۳)

آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں فرمایا:

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰسٓ: ۳۔۱)

یٰس ۝ قرآن حکیم کی قسم ۝ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ۝

اسی طرح کفار کے اس قول کو نقل فرمایا: 64

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت: ۳۶)

کیا ہم شاعر دیوانے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۳۷)

(نہیں نہیں) بلکہ وہ تو سچا دین لے کر آئے ہیں اور انہوں نے سب رسولوں کی تصدیق کی ۝

پھر آپ کے دشمنوں کو وعید سنائی:

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۳۸)

بے شک تم ضرور دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو ۝

اسی طرح کفار کے اس قول کو نقل فرمایا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۝ (الفرقان: ۷)

اس رسول کو کیا ہوا کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

تو اللہ نے ان کے رد میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۝ (الفرقان: ۲۰)

ہم نے آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھی بھیجا وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنی قوم کو توحید کا پیغام سنایا اور فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے گھوڑ سواروں کا ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا' آپ نے فرمایا: تب میں تم کو یہ خبر دیتا ہوں کہ اگر تم اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے تو تم پر بڑا عذاب آئے گا' یہ سن کر ابولہب نے کہا: ''تبًّا لك'' تمہارے لیے ہلاکت ہو' کیا تم نے اس لیے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ جب ابولہب نے آپ سے کہا: ''تبًّا لك'' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت اور ابولہب کی مذمت میں پوری سورت نازل فرما دی:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۚ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ (اللہب: ۵۔۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ اسے اس کے مال اور اس کی کمائی نے کوئی فائدہ نہ دیا ۝ وہ عنقریب زبردست شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا ۝ اور اس کی بیوی (بھی)' لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ۝ اس کی گردن میں درخت کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی ۝

انبیاء سابقین کا خود اپنی مدافعت کرنا

پہلے نبیوں کی شان میں اگر کافر کوئی ناگفتنی بات کہتا تو وہ خود اپنی مدافعت کرتے تھے۔

64

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ان کی ناگفتنی بات کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (الاعراف:٦٠)

حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم تم کو ضرور کھلی ہوئی گم راہی میں دیکھتے ہیں○

تو حضرت نوح علیہ السلام نے خود اپنی مدافعت فرمائی:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف:٦١)

حضرت نوح نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گم راہی نہیں ہے، لیکن میں رب العٰلمین کی طرف سے رسول ہوں○

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے ان کے متعلق بدگوئی کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ (الاعراف:٦٦)

حضرت ھود کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم تم کو بے وقوفی میں دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں○

تب حضرت ھود نے از خود اپنی مدافعت فرمائی:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف:٦٧)

حضرت ھود نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی کم عقلی نہیں ہے لیکن میں رب العٰلمین کی طرف سے رسول ہوں○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محبوبیت

یہ تو انبیاء سابقین تھے، لیکن جب محبوب رب العٰلمین کو مبعوث فرمایا اور کفار نے آپ کی شان میں بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ خود اپنی مدافعت فرمائیں بلکہ جیسے ہی کسی نے آپ کی شان کے خلاف کوئی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا رد فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے چند دن آپ پر وحی نازل نہیں فرمائی تو کافروں نے کہا: (سیدنا) محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فوراً سورۃ الضحیٰ نازل فرمائی، جس میں یہ آیات ہیں:

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ (الضحیٰ: ۳۔۱)

چاشت کے وقت کی قسم○ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے○ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے○

اسی طرح جب کافروں نے آپ کو ابتر کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں پوری سورۂ کوثر نازل فرمادی۔

الکوثر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۷ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵ء کو سورۂ کوثر کی تفسیر کی تکمیل ہو گئی، اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے، باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں، میری تمام تصانیف کو تاقیامت فیض آفریں رکھیں اور میری، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین و علیٰ آله و اصحابه و ازواجه و ذریاته و امته اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الکافرون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ الکافرون ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ آپ ان بتوں کی عبادت نہیں کریں گے' جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اور اس سورت کی پہلی آیت یہ ہے:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ (الکافرون:۱) آپ کہیے: اے کافرو! ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۹۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

اس سے پہلے سورۃ الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ آپ اخلاص سے اپنے رب کی عبادت کریں اور اس سورت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ مشرکین کے خود ساختہ بتوں کی عبادت نہیں کریں گے اور آپ ان کے معبودوں سے بے زاری کا اظہار کر دیں۔

اس سورت میں مشرکین کے اعمال سے بے زاری کا اظہار کیا گیا ہے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سورت میں کفار کی اس طمع کو منقطع کر دیا گیا کہ کبھی مسلمان دین اور عبادت کے معاملہ میں ان سے سمجھوتا کر لیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ'' چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (فردوس الاخبار للدیلمی رقم الحدیث: ۴۶۵۸)

حضرت فروہ بن نوفل اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کچھ وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم سوتے وقت ''قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ'' پڑھا کرو' کیونکہ یہ سورت شرک سے بری کرتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۵' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۹)

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۹ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۸ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور ثواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/ ۴۴/۲۰۲۱۷-۲۰۲۱-۰۳۲۱

سورۃ الکافرون مکی ہے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ آیاتہا ۶ رکوعہا ۱

سورۃ الکافرون مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھ آیات اور ایک رکوع ہے

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ

آپ کہیے: اے کافرو! O میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O اور نہ تم اس کی

عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے O اور

عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ﴿۵﴾ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ﴿۶﴾ ع ۱ ۶ ۳۴

نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے کافرو! O میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے O اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O (الکافرون: ۶۔۱)

''قل یایھا الکافرون'' کا شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص ہو جائیں گے اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں گے' وہ اس سے آپ کی شادی کر دیں گے' بس آپ ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو ہم آپ کے سامنے ایک اور پیش کش کرتے ہیں' آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں یعنی لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے' آپ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے' پھر اس کے جواب میں سورۂ کافرون نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۸)

آپ نے ان کی پیش کش کو از خود رد نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ آپ کو نورِ نبوت سے یہ معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں پوری سورت نازل ہونے والی ہے۔

ابو البختری کے غلام سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ الولید بن مغیرہ' العاص بن وائل' الاسود بن المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور انہوں نے کہا: یا محمد! آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں' ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم اور آپ تمام معاملات میں مشترک ہو جائیں' پھر اگر ہمارا مؤقف آپ کے مؤقف سے زیادہ صحیح ہو تو آپ ہمارے مؤقف سے حصہ لے چکے ہوں گے اور اگر آپ کا مؤقف ہمارے مؤقف سے زیادہ صحیح ہو تو ہم آپ کے مؤقف سے

حصہ لے چکے ہوں گے' تب اللہ تعالیٰ نے سورۂ کافرون نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۴)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت ان ضدی اور سرکش کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور وہ بت پرستی کو ترک کر کے توحید اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے' کیونکہ ایسا نہیں تھا کہ ہر کافر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرے گا' کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کافر ہو اور دوسرے وقت میں اسلام لے آئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سورت صرف ان ہی کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ تادم مرگ کافر ہی رہیں گے اور اسلام نہیں لائیں گے اور واقع میں ایسا ہی ہوا اور اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے خبر دی تھی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے۔ اس سورت میں آپ کی رسالت کی دلیل کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ کفار مکہ جو آپ کو اپنے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ مایوس ہو جائیں کیونکہ آپ کبھی بھی ان کے بتوں کی طرف موافقت کرنے والے نہ تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

''یایھا الکافرون'' سے پہلے ''قل'' لانے کے متعلق امام رازی کی توجیہات

امام رازی نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''قــل'' کیوں فرمایا' یعنی آپ کہیے' اور صرف اسی پر اکتفاء کیوں نہیں کیا کہ اے کافرو!؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ ''قــل'' نہ ہوتا تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازخود فرما رہے ہیں: اے کافرو! حالانکہ آپ بہت نرم مزاج' شفیق اور رحیم و کریم ہیں اور ایسا سخت لفظ کہنا آپ کے مزاج کے مناسب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں آپ کی نرمی اور رحم دلی کے متعلق یہ آیات ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ . (آل عمران: ۱۵۹) اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ۝

اور آپ کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ آپ کافروں کو نہایت اچھے طریقہ سے دین کی طرف بلائیں اور عمدہ جواب دیں' فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ . (النحل: ۱۲۵) لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیں اور نہایت اچھے طریقہ کے ساتھ ان سے بحث کریں۔

سو آپ کو لوگوں کے ساتھ خلق اور نرم گفتاری کا حکم دیا گیا اور پھر آپ ان سے فرماتے: اے کافرو! تو لوگ کہتے: یہ سخت کلام نرم گفتگو کے کیسے لائق ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ''قــل'' فرمایا یعنی آپ کہیے: اے کافرو! گویا آپ ازخود مشرکین مکہ کو اے کافرو! نہیں کہہ رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم کی تعمیل میں ان سے سخت کلام فرما رہے ہیں اور نرم گفتاری کر رہے ہیں یعنی آپ کی رحمت اور نرم مزاجی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء:۲۱۴) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ۝

اور آپ اپنے قرابت داروں سے بہت محبت کرتے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۔ (الشوریٰ:۲۳) آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔

اور جب کہ رشتہ داری اور نسب کی وحدت سخت کلام کرنے سے مانع ہوتی ہے تو آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے رشتہ داروں سے سختی سے کلام کریں اور کہیں: اے کافرو!

امام رازی نے اس کی تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (المائدہ:۶۷) اے رسول! آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے ذمہ جو پیغام تھا وہ نہیں پہنچایا۔

تو چونکہ آپ کے اوپر ”قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝“ کا مجموعہ نازل کیا گیا تھا اس لیے آپ نے ”قل“ سمیت یہ پورا کلام پہنچا دیا۔

امام رازی نے ”قـل“ کہنے کی چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان اپنے مالک اور مولا کی تو ہر بات برداشت کر لیتا ہے خواہ وہ سخت ہو یا نرم لیکن دوسرے کی سخت بات برداشت نہیں کرتا اور مشرکین یہ مانتے تھے اور یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ ان کا خالق اور ان کا رازق ہے اور وہی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ (لقمان:۲۵) اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔

اور انسان اپنے مالک اور مولیٰ کی وہ باتیں برداشت کر لیتا ہے جن کو وہ دوسروں سے سننا گوارا نہیں کرتا پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً فرماتے: ”يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝“ اے کافرو! تو ہوسکتا تھا کہ وہ یہ قرار دیتے کہ یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو شاید وہ اس کو برداشت نہ کرتے اور آپ کو ایذاء پہنچاتے لیکن جب انہوں نے سنا ”قـل“ (آپ کہیے) تو انہوں نے جان لیا کہ یہ درشت اور سخت کلام آسمانوں اور زمینوں کے خالق کی طرف سے ہے تو انہوں نے اس سخت کلام کو برداشت کر لیا اور ان کو یہ ناگوار نہ لگا۔

امام رازی نے ”يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝“ سے پہلے لفظ ”قـل“ ذکر کرنے کی اسی طرح کی تینتالیس (۴۳) تاویلات اور توجیہات ذکر کی ہیں آخری تاویل اور توجیہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں سختی اور درشتی تھی سو جب ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا گیا تو ان دونوں سے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔ (طٰہٰ:۴۴) آپ دونوں فرعون سے نرمی سے بات کریں۔

اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا تو آپ کو سختی کرنے کا حکم دیا لہٰذا فرمایا:

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ (التوبہ:۷۳) ان پر سختی کیجئے۔

کیونکہ آپ میں انتہائی نرمی اور رحم دلی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝ '' (الکافرون:۲۔۱) آپ کہیے: اے کافرو!○ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو○ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۲۹۔۳۲۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی توجیہات پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی قدس سرہ نے یہ توجیہات اور تاویلات اس لیے کی ہیں کہ مشرکین مکہ کو کافر کہنا گویا سبّ وشتم کی بات تھی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہ تھی' اس لیے ''یٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝ '' سے پہلے ''قل'' لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ازخود ان کو کافر نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم دینے سے ان کو کافر فرمایا ہے۔

مصنف کے نزدیک فی نفسہٖ کافر کے لفظ میں کوئی سختی یا سبّ وشتم کی بات نہیں ہے' کافر کا معنی ہے: منکر' مشرکین چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے' اس لیے ان کو کافر کہا جاتا ہے یعنی منکرین' اسی طرح مسلمان چونکہ بتوں کی پرستش اور شیطان کی اطاعت کا انکار کرتے ہیں' اس لیے اس معنیٰ میں ان پر بھی کفر کا اطلاق فرمایا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ. (البقرہ:۲۵۶)

سو جو شخص شیطان (کی اطاعت) کا کفر کرتا ہے اور اللہ (کی توحید) پر ایمان رکھتا ہے' اس نے مضبوط دستے کو تھام لیا۔

جس طرح مشرکین اللہ تعالیٰ کی توحید کے کافر اور منکر ہیں' اسی طرح مسلمان بھی شیطان کی اِطاعت کے کافر اور منکر ہیں' اس لیے اس اعتبار سے مسلمان کو کافر کہنے میں کوئی سخت بات ہے نہ مشرک کو کافر کہنے میں کوئی سخت اور ناروا بات ہے۔

قرآن مجید کی بہت آیات میں مشرکوں کو خطاب کر کے کفر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور اس سے پہلے لفظ ''قل'' نہیں ہے' چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ. (البقرہ:۲۸)

تم اللہ کا کیوں کر کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے' سو اس نے تم کو زندہ کیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے مشرکوں نے کہا:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ○ (الاعراف:۷۶)

متکبر لوگوں نے کہا: تم جس ذات پر ایمان لائے ہو' ہم اس ذات کے کافر ہیں (یعنی اس کے منکر ہیں)○

اس آیت میں مشرکین نے خود اپنے اوپر کافر کا اطلاق کیا ہے' پس مشرکین کو کافر کہنا ان کے حق میں سخت بات کیسے ہو گئی۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○ (التوبہ:۳۲)

مشرکین چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے کے سوا انکار کرتا ہے' خواہ کافروں کو ناگوار ہو○

لہٰذا مصنف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین مکہ کو ''کافرون'' فرمانا کوئی ایسی سخت اور سنگین بات نہیں ہے' جس کی تینتالیس (۴۳) توجیہات کی ضرورت ہو' ویسے امام رازی بہت عظیم اور متبحر مفسر ہیں' وہ جس کی چاہیں اور جتنی چاہیں توجیہات کر سکتے ہیں۔

الکافرون: ۵۔۲ میں فرمایا: میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو○ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں○ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے○ اور نہ تم اس کی

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O

سورۃ الکافرون کی آیات میں تکرار کا جواب

ان آیات پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت: ۳۔۲ اور آیت: ۵۔۴ کا ایک ہی معنیٰ اور مفہوم ہے اور یہ تکرار ہے اور تکرار غیر مفید ہوتا ہے اور بلیغ کے کلام میں کوئی چیز غیر مفید نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ۵۔۴' آیت ۳۔۲ کی تاکید ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت ۳۔۲ حال کے زمانہ پر محمول ہیں اور آیت: ۵۔۴ مستقبل کے زمانہ پر محمول ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ میں زمانہ حال میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ زمانہ مستقبل میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا' اسی طرح کفار کے متعلق فرمایا: نہ تم زمانہ حال میں اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ تم زمانہ مستقبل میں اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

اور یہ آیات ان ہی کافروں کے ساتھ مخصوص ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

الکافرون: ۶ میں فرمایا: تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O

''لکم دینکم ولی دین'' کے محامل

اس کا معنیٰ یہ ہے: تمہارا مؤقف اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرنا ہے اور میرا مؤقف اخلاص کے ساتھ اللہ سبحانہ کی توحید کو ماننا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا یہ معنیٰ ہے کہ مشرکین کو شرک کرنے کی اجازت دے دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو شرک کی بیخ کنی کے لیے ہوئی' آپ شرک کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

اور رہی یہ آیت تو اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت سے مراد تہدید (دھمکانا) اور زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O تم جو چاہو کرتے رہو' بے شک وہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والا ہے O (حٰم السجدہ: ۴۰)

یہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے مقصود عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کو شرک اور کفر اور معصیت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے' سو اسی طرح الکافرون: ۵ ہے۔

(۲) گویا آپ نے فرمایا: میں تمہیں توحید کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں' اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرتے اور میری پیروی نہیں کرتے تو مجھ کو چھوڑ دو اور مجھے شرک اور بت پرستی کی دعوت نہ دو۔

(۳) دین کا معنیٰ ہے: حساب' یعنی تم سے تمہارے اعمال کا حساب ہوگا اور مجھ سے میرے اعمال کا حساب ہوگا اور کسی سے دوسرے کے اعمال کا حساب نہیں ہوگا۔

(۴) تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملے گی اور مجھ کو میرے اعمال کی جزا ملے گی۔

(۵) دین سے مراد ہے: عادت' تمہاری وہ عادت ہے جو تم کو شیاطین سے ملی ہے اور میری وہ عادت ہے جو مجھے وحی الٰہی سے حاصل ہوئی ہے' لہٰذا تم اتباع شیاطین کی وجہ سے دوزخ میں جاؤ گے اور میں اتباعِ وحی کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا۔

سورۃ الکافرون کی تکمیل

آج ۲۹ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ یکم جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز اتوار سورۃ الکافرون کی تفسیر مکمل ہوگئی' الحمد للہ رب العلمین۔ اے

میرے رب کریم! اپنی رحمت اور فضل و کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تکمیل بھی کرا دے' اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ اور میرے احباب کی اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دے اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین
و علٰی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ و امتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الكريم

سورة النصر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام النصر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''نصر'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۝ (الفتح:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ۝

اس ''نصر'' سے مراد بہت بڑی مدد ہے اور اس فتح سے مراد بہت بڑی فتح ہے اور وہ فتح مکہ ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ'' مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۶۰۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس سے پہلی سورت میں یہ بتایا تھا کہ دین اسلام کفار کے دین کے خلاف ہے' اور اس سورت میں یہ بشارت دی ہے کہ کفار کا دین عنقریب مٹ جائے گا اور دین اسلام غالب آ جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عنقریب بہت بڑی فتح اور بہت بڑی نصرت حاصل ہوگی' مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا اور اردگرد کے قبائل فوج درفوج اسلام میں داخل ہوں گے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن پورا ہو رہا ہے اور عنقریب آپ کی وفات ہو جائے گی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۴ ہے اور یہ آخری سورت منٰی میں حجۃ الوداع کے دوران نازل ہوئی ہے اور چونکہ یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے' اس لیے اس سورت کا مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۰ ہے۔

یہ سورت بالاجماع مدنی ہے' اور اس میں فتح مکہ اور مشرکین کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ تمام جزیرہ عرب میں اب اسلام پھیل جائے گا اور بت پرستی اور شرک کے اندھیرے اب چھٹ جائیں گے اور اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رب عزوجل کی حمد اور اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں' سو اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اس کی تسبیح اور اس سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

سورۃ النصر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے ربِ کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

یکم ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۲ جنوری ۲۰۰۶ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

النصر (۱۱۰) سورۃ مدنیۃ — آیاتہا ۳ — رکوعہا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النصر مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں تین آیات اور ایک رکوع ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں

فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ

فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں'

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ع

بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O (النصر: ۳۔۱)

فتح سے مراد فتح مکہ ہونا

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

عام اہل تفسیر نے یہ کہا ہے کہ سورۃ النصر مکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نصرت کی گئی تھی' وہ اہل مکہ کے خلاف تھی' علامہ ابوبکر اصم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ فتح مکہ ہجرت کے آٹھ سال بعد ہوئی ہے اور یہ سورت ہجرت کے دس سال بعد نازل ہوئی ہے' اس پر یہ سوال ہو گا کہ اس آیت میں ''اذا'' کا لفظ ہے اور یہ لفظ مستقبل کے لیے آتا ہے' اس لیے اس سے مراد خاص فتح مکہ نہیں ہے' بلکہ اسلام کی دیگر فتوحات ہیں' لیکن اس سوال کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ''اذا'' کا لفظ ''اذ'' کے معنیٰ میں ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے' اس لیے اس آیت میں فتح کو فتح مکہ پر محمول کرنا درست ہو گا' پس یہ سورت نازل تو ہجرت کے دس سال بعد ہوئی ہے اور یہ آخری سورت ہے' لیکن اس سورت میں فتح مکہ کی نعمت کو بیان کیا گیا ہے' جو فتح ہجرت کے آٹھ سال بعد حاصل ہوئی تھی۔

''اذا جاء نصر اللہ'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات پوری ہونے پر استدلال

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلے لوگ ایک ایک کر کے یا دو دو کر کے اسلام میں داخل ہوتے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو پوری پوری فوج اور پورے پورے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے' نیز اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی وفات کی خبر دی اور اس پر حسب ذیل اُمور سے استدلال ہے:

(۱) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ آپ کا مشن اب پورا ہو چکا ہے' لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔

آقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ۳۵ ع ۳ — ۱

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری ہونے کی کچھ علامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی تھیں' ان علامات سے آپ نے جان لیا تھا کہ اب آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔

(۳) جب لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے سے اب تبلیغ اسلام میں مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ نے جان لیا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہوگئی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۳۵۔۶۳۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝'' کی تفسیر میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے گویا اس سال میری روح قبض کر لی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۰۷' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۶۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۷۱۲)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝'' نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنی امت میں چالیس سال گزارے اور میرے بیس سال پورے ہو چکے ہیں اور میں اس سال میں فوت ہو جاؤں گا' پس حضرت سیدہ فاطمہ رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی' پھر آپ مسکرانے لگیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۲۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ مجھ سے ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝'' کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل ہے' اس کے بعد دوسری روایت میں ہے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل ہے' جس کی اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی تھی اور بتایا تھا' یہ آپ کی وفات کی علامت ہے' سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۶۱۷۔۱۰۶۱۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۰۔۴۹۶۹۔۴۴۳۰۔۳۶۲۷۔۳۲۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۰)

حمد اور تسبیح کا معنیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے محامل

النصر: ۳ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ۝

تسبیح کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور حمد کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے ثناء کرنا' جن کی اس نے آپ کو تعلیم دی ہے۔

اس آیت کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ''سبحان اللّٰه وبحمده'' پڑھتے رہیں کیونکہ یہ دو کلمات حمد اور تسبیح کے جامع ہیں۔

اس آیت میں آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے' اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ سے کوئی تقصیر یا تفریط ہوئی تھی' جس کی بناء پر آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہر لحظہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ نعمتیں ہیں بلکہ غیر متناہی نعمتیں ہیں جن کا زبان و بیان سے شکر نہیں ادا کیا جا سکتا تو اس لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا کماحقہ جو آپ شکر ادا نہیں کر سکتے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی معصوم جب اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کے

درجات اور مراتب بلند کیے جائیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے استغفار کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کریں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ سب کاموں اور مؤمنین اور مؤمنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ (محمد:۱۹)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہو کہ جب آپ دائماً استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''توّاب'' فرمایا ہے یعنی وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے' بندہ ایک بار گناہ کر کے توبہ کرتا ہے' وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' بندہ پھر گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو وہ پھر توبہ قبول فرمالیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے (گناہ کے بعد) استغفار کر لیا' اس نے اصرار نہیں کیا' خواہ وہ دن میں ستر بار (بھی) گناہ کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۰)

سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ کثرت حمد اور تسبیح اور استغفار کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے مشائخ بدر میں داخل کرتے تھے' ان میں سے بعض مشائخ کو یہ ناگوار ہوتا تھا' انہوں نے کہا: آپ ان کو ہمارے درمیان کیوں رکھتے ہیں حالانکہ ان کی عمر کے برابر تو ہمارے بیٹے ہیں' حضرت عمر نے فرمایا: یہ اس حیثیت سے ہیں جس کا تمہیں علم نہیں ہے' پھر ایک دن حضرت عمر نے ان کو بلایا اور مشائخ بدر میں داخل کیا اور میرا یہی اندازہ تھا کہ آج حضرت عمر ان پر میری حیثیت واضح کریں گے' پھر حضرت عمر نے ان سے پوچھا: آپ لوگ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' کے متعلق کیا بیان کرتے ہیں؟ ان میں سے بعض نے کہا: ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب جنگ میں ہمیں فتح حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور جب ہمیں شکست ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور دوسرے بعض مشائخ خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا' پھر حضرت عمر نے کہا: اے ابن عباس! آپ کے نزدیک کیا اس سورت کی یہی تفسیر ہے؟ میں نے کہا: نہیں' حضرت عمر نے پوچھا: پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دی تھی' ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' آپ کی وفات کی علامت تھی' حضرت عمر نے فرمایا: اس سورت کے متعلق مجھے اس سے زیادہ علم نہیں ہے' جو آپ نے بتلایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۷۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۲' مسند احمد ج۱ ص۳۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بہت زیادہ پڑھتے تھے: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ' استغفر اللّٰہ واتوب الیہ'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ یہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ' استغفر اللّٰہ واتوب الیہ''؟ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے یہ خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا' پس جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو میں بہ کثرت پڑھوں: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ'' پس بے شک میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے' وہ علامت ہے: ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' (النصر:۱) یعنی

فتح مکہ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۹۳۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورۂ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' کے بعد جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ''سبحانك ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي ''تو سبحان ہے اے ہمارے رب اور تیری حمد کے ساتھ اے اللہ! تو میری مغفرت فرما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورت نصر نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخر میں تسبیح اور استغفار بہت زیادہ کرتے تھے آپ جب بھی کھڑے ہوتے یا بیٹھتے یا آتے یا جاتے تو یہ پڑھتے تھے: ''سبحان اللّٰه وبحمده استغفر اللّٰه واتوب اليه'' اور فرماتے: مجھے یہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے پھر آپ نے سورت النصر پوری پڑھی۔ بعض روایات میں ہے: آپ اس طرح پڑھتے تھے: ''سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك''۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۷۸، الدر المنثور ج ۸ ص ۶۰۵)

النصر: ۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے بہت زیادہ استغفار کیا ہے اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ استغفار کا ذکر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت استغفار کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سبحانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۱)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے قلب پر (رحمت کا) حجاب آ جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ سبحانہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲۔ باب استحباب الاستغفار۔ رقم الحدیث: ۴۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

نیز حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲، باب الاستغفار رقم الحدیث: ۴۲)

امام رازی کے بعض نکات پر مصنف کا تبصرہ

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے آپ کی نصرت فرمائی، آپ کو فتح مکہ عطا فرمائی اور آپ کے دین میں لوگوں کو فوج در فوج داخل فرمایا، پھر پہلی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے فرمایا: اپنے رب کی تسبیح کیجئے، اور دوسری نعمت کا شکر ادا کرنے کے متعلق فرمایا: اپنے رب کی حمد کیجئے اور تیسری نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے فرمایا: اپنے رب سے مغفرت طلب کیجئے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۴۴)

پھر استغفار کے حکم کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۴) آپ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے اپنے دل میں یہ گمان نہ کریں کہ آپ اللہ کی وہ اطاعت کر رہے ہیں، جو اس کے لائق ہے بلکہ اس حالت میں بھی یہ گمان کریں کہ میں اللہ سبحانہ کی ایسی حمد اور تسبیح نہ کر سکا، جیسی تسبیح اور حمد کرنا اس کا حق تھا، پھر اس تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔

(۵) گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: اے محمد! آپ معصوم ہیں یا معصوم نہیں ہیں' پس اگر آپ معصوم ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کریں اور اگر آپ معصوم نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اللہ کی عبادت کرنے کے حکم سے فارغ نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۴۲)

اس عبارت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے کہ آپ معصوم ہیں یا معصوم نہیں ہیں اور اس معنیٰ کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے اور اگر اس عبارت کا کوئی اور معنیٰ ہے تو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکا' خود امام رازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کے قائل اور معتقد ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں بہت جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اس عبارت کے دو صفحے بعد امام رازی نے لکھا ہے: جن علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوئی' ان کے نزدیک آپ کو استغفار کا حکم دینے کے حسب ذیل محامل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق امام رازی کی توجیہات

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار آپ کی تسبیح کرنے کے قائم مقام ہے' کیونکہ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ غفار ہے۔

(۲) آپ نے استغفار اس لیے کیا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے' کیونکہ کوئی مکلف اس خطرے سے خالی نہیں ہے کہ اس سے عبادت میں کوئی تقصیر ہوگئی ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ معصوم تھے اور عبادت مین بہت کوشش کرتے تھے' اس کے باوجود جب آپ استغفار سے مستغنی نہیں ہیں تو کوئی دوسرا استغفار کرنے سے کیسے مستغنی ہوسکتا ہے۔

(۳) آپ ترک افضل کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) بندہ جو عبادت بھی کرتا ہے' جب اس عبادت کا مقابلہ اپنے رب کی نعمتوں سے کرتا ہے تو اپنی عبادت کو اس کی نعمتوں کے شکر کے مقابلہ مین بہت کم پاتا ہے تو اس تقصیر شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے۔

(۵) جب سالک ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنی پہلی عبادت کو قاصر پاتا ہے' لہٰذا اس قصور پر استغفار کرتا ہے اور اللہ کی طرف سیر کے مراتب غیر متناہی ہیں' اس لیے استغفار کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں۔

(۶) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کیجئے اور جب آپ کی امت دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے تو آپ کے استغفار کی بھی زیادہ ضرورت ہے' سو آپ زیادہ سے زیادہ استغفار کیجئے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۴۵۔۳۴۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق دیگر مفسرین کی توجیہات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائماً ترقی کرتے رہتے تھے' جب آپ ترقی کر کے اگلے مرتبہ پر پہنچتے تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے۔

(۲) آپ اپنے بلند مرتبہ کے اعتبار سے جس کام کو اپنے مرتبہ کے خلاف سمجھتے' اس پر استغفار کرتے۔

(۳) استغفار کا تعلق ان اُمور سے ہے' جو آپ سے سہواً صادر ہوئے' خواہ اعلانِ نبوت سے پہلے۔

(۴) کوئی شخص بھی کما حقہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کر سکتا' اس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوتی ہے وہ اتنے ہی حقوق ادا کر سکتا ہے اور عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے کہیں زیادہ ہیں' جتنے وہ ادا کر رہا ہے تو اس کو اپنے عمل

سے حیا آتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر کر رہا ہے' سو اس کو جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل سے اتنی زیادہ حیا آتی ہے اور وہ اتنا زیادہ استغفار کرتا ہے۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے استغفار کرتے ہوں کہ آپ کو اللہ سبحانہ کی عظمت اور جلال کی سب سے زیادہ معرفت ہے اور آپ کو یہ علم ہو کہ ہر چند کہ آپ کی عبادت تمام عابدین کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن اللہ عزوجل کی کبریائی اور اس کی عظمت اور جلال کے مقابلہ میں پھر بھی کم ہے اور اس کمی پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۶۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۷ھ نے آپ کے استغفار کرنے کی درج ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں کہتے تھے: اے اللہ! میری خطاء اور میرے جہل کو معاف فرما اور تمام معاملات میں میرے اسراف کو معاف فرما' اور جن کاموں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' ان کو معاف فرما' اے اللہ! جو کام میں نے خطاءً کیے یا عمداً کیے اور جو جہلاً کیے اور جو مذاقاً کیے ان سب کو معاف فرما دے اور یہ سب کام وہ ہیں جو میرے نزدیک ہیں' اے اللہ! میرے پہلے کاموں کو اور میرے بعد کے کاموں کو اور جو کام میں نے لوگوں کے سامنے کیے اور جو کام میں نے لوگوں سے چھپ کر کیے' ان سب کو معاف فرما دے' تو ہی مقدم کرنے والا ہے اور تو ہی مؤخر کرنے والا ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۸' نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ ہماری تعلیم کے لیے یہ دعا کرتے تھے)

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان کے مقابلہ میں آپ اپنی عبادات کو بہت کم خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے تھے۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استغفار کے حکم دینے کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے وابستہ رہیں' اس سے سوال کرتے رہیں' اس سے رغبت کرتے رہیں' اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی پر اس کے سامنے گڑگڑاتے رہیں۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو بہ طور عبادت استغفار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا بھی عبادت ہے اور آپ کو مغفرت طلب کرنے کے لیے یہ حکم نہ دیا ہو۔

(۵) آپ کی امت کو متنبہ کرنے کے لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہو تا کہ آپ کی امت بے خوف ہو کر استغفار کو ترک نہ کرے۔

(۶) آپ کو امت کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے یعنی آپ امت کی شفاعت کریں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے یعنی وہ تسبیح کرنے والوں' استغفار کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی بہت توبہ قبول فرماتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' پھر بھی آپ کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے تو دوسروں کو توبہ اور استغفار کرنے کی کس قدر زیادہ ضرورت ہوگی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۲۰۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت کی طرف متوجہ ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً تسبیح' حمد اور استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں زیادہ مشغولیت آپ کو امت کے کاموں میں زیادہ مشغولیت سے مانع ہوگی' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ کی تبلیغ کا کام مکمل اور تمام ہو چکا ہے اور یہ آپ کی وفات کی طرف اشارہ کرتا ہے' یعنی اب آپ کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

نیز جب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح حاصل ہو گئی اور لوگ دین اسلام میں فوج درفوج داخل ہو گئے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کا امر تمام اور کمال کو پہنچ گیا اور اب آپ کی رحلت کا وقت آ گیا ہے۔

آپ کو استغفار کا حکم دے کر اس پر متنبہ کیا کہ جب انسان کی وفات قریب ہو تو اس کو زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے اور احادیث میں ہے: جب سورت نصر نازل ہوئی تو آپ نے خود خبر دی کہ یہ میری وفات کی علامت ہے اور اس سال میری روح قبض کر لی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی خیر تو حاصل کر لی' اب آخرت کی خیر کے حصول کا وقت آ گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۳۳۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المتوفی ۱۰۴ھ اس سورت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوں گے تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس وقت آپ کی وفات ہوگی۔

(تفسیر مجاہد ص ۳۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسّی (۸۰) دن زندہ رہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۳۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاتل کے قول کے مطابق ایک سال زندہ رہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق دو سال زندہ رہے' اس کے اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. (المائدہ:۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اس کے بعد آپ اسّی (۸۰) دن زندہ رہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ. (التوبہ:۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

اس کے بعد آپ پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ. (البقرہ:۲۸۱) اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مقاتل نے کہا: اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۳۶۲)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورۃ النصر منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (المائدہ:۳) اس کے بعد آپ اسّی (۸۰) دن زندہ رہے' پھر آپ پر آیت کلالہ

(النساء:۱۷۶) نازل ہوئی‘ اس کے بعد آپ پچاس دن زندہ رہے‘ پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: ”لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ“ (التوبہ:۱۲۸) اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے‘ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ”وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ“ (البقرہ:۲۸۱) اس کے بعد آپ اکیس (۲۱) دن زندہ رہے‘ مقاتل نے کہا: اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۲۰۸۔۲۰۷‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

سورت النصر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۳ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/۴ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز بدھ سورۃ النصر کی تفسیر مکمل ہوگئی‘ اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل فرمایا ہے‘ باقی سورتوں کو بھی مکمل فرمادیں اور میری‘ میرے والدین کی‘ میرے اساتذہ کی‘ میرے احباب‘ میرے تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرمادیں اور میری تمام تصانیف کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین‘ سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك.

اے میرے رب کریم! اب میرا بھی وقت آخر آرہا ہے‘ میرا ایمان پر خاتمہ فرمانا اور میری زبان پر کلمہ طیبہ اور استغفار جاری کردینا۔ (آمین یارب العلمین)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلى و نسلم على رسوله الكريم

سورة اللهب

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام اللہب ہے اور اس سورت کا نام تبت بھی ہے اور اس سورت کا نام المسد بھی ہے کیونکہ تینوں لفظ اس سورت میں وارد ہیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس' حضرت ابن الزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابونعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابولہب کفار قریش میں سے تھا' جب کفارِ قریش نے ہم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تو ایک دن ابولہب ایک گھاٹی سے نکلا اور اس کی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہوئی' ابولہب نے اس سے کہا: اے عتبہ کی بیٹی! کیا تم نے لات اور عزیٰ کی مدد کی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ تم کو جزائے خیر دے' اے عتبہ کے باپ' ابولہب نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو ایسی سزاؤں سے ڈراتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ سزائیں بعد میں ملیں گی' وہ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے' حتیٰ کہ ہم میں سے جس نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۶۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ اللہب سے پہلے سورۃ النصر ہے' سورت النصر میں اطاعت گزاروں کے لیے ثواب کی بشارت ہے اور اس سورت میں نافرمانوں کے لیے عذاب کی وعید ہے' یوں ان دونوں سورتوں میں وعد اور وعید کی مناسبت ہے۔

اس سورت میں ابولہب عبد العزیٰ بن عبد المطلب کا انجام بتایا گیا ہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ تھی' جو ابوسفیان کی بہن تھی' وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتی تھی اور اپنے شوہر کی طرح لوگوں کو اسلام لانے سے روکتی تھی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۱ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے ربِ کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۴ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۵ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سُورَةُ اللَّهَبِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — آیاتها ٥ رکوعها ١

سورۃ اللہب مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿١﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O اس کے مال نے اور

مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ

اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O وہ عنقریب سخت شعلوں والی

لَهَبٍ ﴿٣﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿٤﴾ فِىْ جِيْدِهَا

آگ میں جائے گا O اور، اس کی بیوی بھی، لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O اس کی گردن

حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾ ع ٥ / ٣٦

میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا O اور اس کی بیوی بھی، لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی O (اللہب: ٥۔١)

سورت اللہب کا شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O (الشعراء: ٢١٤) اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے پکارا: یا بنی فہر! یا بنی عدی! یہ قریش کے خاندان تھے، حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے اور جو خود نہیں آ سکے انہوں نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ دیکھیں کہ انہیں کس لیے بلایا گیا ہے۔ ابولہب بھی آ گیا اور دیگر قریش بھی آ گئے، آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس وادی میں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر آیا ہوا ہے تو آیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کی خبر کا سچ کے سوا تجربہ نہیں کیا، فرمایا: تو میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے آگے شدید عذاب آ پہنچا ہے، تب ابولہب نے کہا: تم پر سارا دن ہلاکت ہو، کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی: ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ O مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ O''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٧٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٨، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٣٦٣، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١٠٨١٩)

ایک اور سند سے حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' (الشعراء: ٢١٤)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے حتیٰ کہ صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ندا کی: ''یا صباحاہ'' (ہوشیار ہو جاؤ صبح ہوگئی ہے' کسی خطرہ سے خبردار کرنے کے لیے ''یا صباحاہ'' کہا جاتا ہے) لوگوں نے کہا: یہ کون ہے؟ اور سب آپ کے پاس جمع ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھڑ سواروں کا ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے آپ سے کبھی جھوٹی خبر نہیں سنی' تب آپ نے فرمایا: میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے سامنے عذابِ شدید ہے' ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو' کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا' اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی: ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۵۔۲۰۸' ابن مندہ رقم الحدیث: ۹۵۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۸۲۔۱۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

''تبت'' کا معنیٰ

اللھب: ۱ میں ''تبت'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تب'' اور ''تباب'' ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں' اس کا معنیٰ ہے: دائمی نقصان' ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ'' کا معنیٰ ہے: ابولہب دائمی نقصان میں رہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○ (ھود: ۱۰۱) اور انہوں نے اپنا نقصان ہی زیادہ کیا ○

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ ○ (المؤمن: ۳۷) اور فرعون کی ہر سازش نقصان میں رہی ○

(المفردات ج ۱ ص ۹۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''تب'' کا معنیٰ ہلاکت اور ٹوٹنا بھی ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۶)

ابولہب کا نام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی عداوت

اللھب: ۱ میں ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ○

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب اس کی کنیت ہے اور اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب ہے' اس کی ماں خزاعیہ ہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا' ابولہب کنیت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس کا بیٹا لہب تھا' یا اس کے رخسار بہت سرخ تھے' الفاکہی نے کہا ہے کہ اس کی کنیت ابولہب اس وجہ سے تھی کہ لہب کا معنیٰ ہے: شعلہ اور اس کا چہرہ اس کے حسن کی وجہ سے شعلے کی طرح بھڑکتا تھا' نیز اس کا مآل یہ تھا کہ یہ دوزخ کے شعلوں میں جھونکا گیا' اس لیے قرآن مجید نے اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے' اس کے اسم کا ذکر نہیں کیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی کنیت کے بجائے اپنے اسم کے ساتھ زیادہ مشہور تھا' نیز قرآن مجید نے اس کا اسم اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا اسم عبد العزیٰ تھا' اور العزیٰ بت تھا' جس کی پرستش کی جاتی تھی اور عبد العزیٰ کا معنیٰ ہوا: عزیٰ کا بندہ' اور قرآن میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا ذکر مناسب نہ تھا' یہ تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلانِ نبوت سے پہلے یہ اور ابوطالب لڑ پڑے اور ابولہب' ابوطالب کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو آپ نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کو زمین پر دے مارا' اس نے کہا: ہم دونوں تمہارے چچا ہیں' پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے دل میں تمہاری محبت کبھی بھی نہیں رہی' ابولہب یہ سن کر غضب ناک ہوا اور ہمیشہ آپ سے عداوت رکھتا رہا' غزوۂ بدر میں ابولہب نہیں گیا تھا اور اس نے اپنی جگہ بدیل کو بھیج دیا تھا اور جب اس کو قریش کی عبرت ناک شکست کا پتا چلا تو یہ غم سے مر گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ابولہب آپ سے بدترین عداوت رکھتا تھا' اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

ربیعہ بن عباد دیلمی پہلے زمانۂ جاہلیت میں تھے' پھر اسلام لے آئے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں کے ساتھ ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا' آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! ''لا الہ الا اللہ'' کہو تم کامیاب ہو جاؤ گے' آپ اس کے راستوں میں جا رہے تھے اور لوگ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے' میں نے دیکھا کوئی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا' اور آپ خاموش نہیں ہو رہے تھے' آپ یہی کہہ رہے تھے: اے لوگو! ''لا الہ الا اللہ'' کہو تم آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے' اور بے شک آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی تھا' وہ بہت خوب صورت تھا اور اس کی دو چوٹیاں تھیں' وہ کہہ رہا تھا: یہ شخص اپنا دین بدل چکا ہے اور جھوٹا ہے' میں نے کہا: یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ محمد بن عبد اللہ ہیں اور یہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں' میں نے پوچھا: اور یہ کون شخص ہے جو ان کو جھوٹا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ان کا چچا ابولہب ہے' راوی نے کہا: تم اس وقت کم عمر تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں! میں عقل مند تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۴۰۵۔۴۰۴' مؤسسۃ الرسالۃ' الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۹۶۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۵۸۲' المستدرک ج ۱ ص ۱۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۰۰' سنن نسائی ج ۸ ص ۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۶۲' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۱۹)

ابولہب کی عبرت ناک موت

اللھب: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O

ابولہب نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بددعائیہ کلمہ کہا تھا' ''تبا لک'' آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا آپ ہلاک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں صورۂ بددعائیہ کلمہ فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں' ورنہ اللہ تعالیٰ بددعا دینے سے پاک ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی' وہ ہلاک ہو گیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس کی ہلاکت کے احوال میں لکھتے ہیں:

ابورافع بیان کرتے ہیں: جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا' حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا' اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا' اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے' اسی بیماری میں وہ مر گیا' اس کے جسم سے سخت بدبو آ رہی تھی' تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی' لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے' حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا: تم کو حیاء نہیں آتی' تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی لاش سے بدبو پھیل رہی ہے اور تم اس کو دفن نہیں کرتے' انہوں نے کہا: ہم ڈرتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگانے سے کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے' اس نے کہا: تم اس کو دفن کرو' میں بھی تمہاری مدد کروں گا' ابورافع نے کہا: پس اللہ کی قسم! انہوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے (نعوذ باللہ منہ)۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۷۔۷۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۳۔۳۵۲)

اللھب: ۲ میں فرمایا: اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O

ابولہب کے بیٹے عتیبہ کا انجام

یعنی اس کا مال اور اس کی کمائی' اس کو دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے' اس آیت میں ہم نے کسب کا معنیٰ کمائی کیا ہے اور کسب کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک سب سے پاکیزہ طعام جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی سے ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۴۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۰، مسند احمد ج ۶ ص ۳۱)

ابولہب کے دو بیٹے تھے: عتبہ اور عتیبہ اور ان دونوں کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیوں سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد کی وجہ سے ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دیں، اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

قتادہ بن دعامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے ہوا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمادیا اور دوسری صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اس کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''تبت یدا ابی لھب'' نازل فرمائی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتیبہ اور عتبہ سے کہا: میرا سر تم دونوں کے سر کے لیے حرام ہوگا، اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی اور ابولہب کی بیوی اروی بنت حرب بن امیہ نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ان دونوں کو طلاق دے دو، سو ان دونوں نے آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دی، اور جب عتیبہ نے حضرت ام کلثوم کو طلاق دے دی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عتیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں آپ کے دین سے کفر کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی کو چھوڑتا ہوں، نہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے نہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ کی قمیص پھاڑ دی، وہ اس وقت تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے، وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ وہ سب رات کو شام میں ایک جگہ ٹھہرے، اس جگہ کا نام الزرقاء تھا، اس رات ان کے پاس شیر آیا اور ان کے درمیان چکر لگاتا رہا، عتیبہ نے کہا: ہائے میری ماں کا عذاب! اللہ کی قسم! یہ مجھے پھاڑ کھائے گا جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا کی تھی، پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا، اس کے سر کو پکڑ کر اس کو مار ڈالا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۴۳۶۔۴۳۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۸۳۔۳۸۱۔۳۸۰، تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۰، روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۱)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ ابولہب کے تین بیٹے تھے: عتیبہ، عتبہ اور معتبہ، عتبہ اور معتبہ فتح مکہ کے دن اسلام لے آئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو مخفی رکھا اور ان کے حق میں دعا کی اور یہ دونوں جنگ حنین اور جنگ طائف میں حاضر ہوئے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہب: ۳ میں فرمایا: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا○

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلائل

امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں تین وجوہ سے غیب کی خبر ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ابولہب خسارہ میں رہے گا اور ہلاک ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وہ اپنے مال اور اپنی اولاد سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے اور ایسا ہی ہوا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۳۔۳۵۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

دراصل یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر تین دلیلیں ہیں کیونکہ آپ نے قرآن مجید کی وساطت سے یہ

تین پیش گوئیاں فرمائیں اور یہ تینوں پیش گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

اللہب: ۴ میں فرمایا: اور اس کی بیوی بھی' لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O

ابولہب کی بیوی کی مذمت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی کانی تھی' اس کی کنیت ام جمیل تھی' اس کا نام تھا اروی بنت حرب بن امیہ یہ حضرت معاویہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ کانی نہیں تھی' امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ'' نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ایک طرف ہو جائیں' آپ نے فرمایا: عنقریب میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے گی (میں اس کو دکھائی نہیں دوں گا)' اس نے کہا: اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر نے میری ہجو کی ہے' حضرت ابوبکر نے کہا: اس کعبہ کے رب کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں' اس نے کہا: تم ان کی تصدیق کرتے ہو' جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا: اس نے آپ کو نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: جب تک وہ پیٹھ پھیر کر چلی نہیں گئی' ایک فرشتہ مجھے چھپائے ہوئے تھا اور امام ابویعلیٰ اور امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ'' نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی سے کسی نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری ہجو کی ہے' تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہنے لگی: کیا آپ نے مجھے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے میری گردن میں رسی دیکھی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ' المستدرک ج ۲ ص ۳۶۱)

امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں' جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی' اس وقت آپ کے پاس حضرت ابوبکر بھی تھے' حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ایک طرف ہو جائیں تا کہ آپ کوئی مکروہ بات نہ سنیں' جس سے آپ کو رنج ہو' ابولہب کی بیوی آ رہی ہے اور وہ سخت بدزبان ہے' آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی' وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی' اس نے حضرت ابوبکر سے کہا: تمہارے پیغمبر نے ہماری ہجو کی ہے' حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں' اس نے کہا: تم ان کی تصدیق کرتے ہو' جب وہ چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے آپ کو نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ تھا جو مجھے چھپائے ہوئے تھا۔ (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۰۳)

اس آیت میں ''حمالة الحطب'' کا لفظ ہے' ''حمالة'' کا معنیٰ ہے: اٹھا کر لانے والی اور ''الحطب'' کا معنیٰ ہے: لکڑیاں' وہ اپنے بخل کی وجہ سے جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لاتی تھی اور کانٹے لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ڈال دیتی تھی تا کہ آپ کو وہ کانٹے چبھیں' ''حمالة الحطب'' کا معنیٰ چغلیاں کھانے والی بھی ہے' وہ لوگوں کی چغلیاں کرتی تھی اور ادھر کی بات اُدھر لگاتی تھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۹۹' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳' فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷)

اللہب: ۵ میں فرمایا: اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی O

ابولہب کی بیوی کے لیے دوزخ کی وعید

اس آیت میں ''جید'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: گردن اور اس آیت میں ''مسد'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ کھجور کی

چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ (القاموس المحیط ص ۲۷۵ القاموس ص ۳۱۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

الواحدی نے کہا ہے کہ درخت کی چھال سے جو بہت عمدہ طریقہ سے رسی بٹی جائے اس کو "مسد" کہتے ہیں۔

یہ وہ مضبوط رسی تھی جس سے وہ اپنی لکڑیوں کا گٹھا باندھتی تھی قیامت کے دن اسی یا اس جیسی رسی کا پھندا اس کے گلے میں پڑا ہوگا اس آیت سے مقصود اس کو اور اس کے خاوند کو ایذاء پہنچانا ہے۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں وہ ایسی حالت میں ہوگی کہ اس کی پیٹھ پر درخت زقوم کی کانٹے دار لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور اس کی گردن میں آگ کی زنجیروں کا پھندا ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ درخت کی چھال سے بٹی ہوئی رسی کا پھندا دوزخ کی آگ میں کیسے باقی رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح دوزخ کی آگ میں اس کی کھال اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی اسی طرح وہ رسی بھی ہمیشہ رہے گی اور جس طرح اس کو جلنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح وہ رسی بھی بار بار بنتی رہے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بٹی ہوئی رسی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوہے کی زنجیر ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی شدید مذمت

جب کسی شریف اور مہذب انسان کو کوئی شخص برا کہے یا گالی دے تو وہ برداشت کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے عزیز دوست یا محبوب کو کوئی شخص برا کہے تو پھر وہ ضبط نہیں کرتا اور ایک کی دس سناتا ہے ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا دفاع کیا اور فرمایا: اللہ کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں پھر اس کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور آخری عیب یہ بیان فرمایا کہ وہ بد اصل ہے یعنی ولد الحرام ہے۔

اسی طرح کوئی کسی معزز شخص کے محبوب کو برا کہے تو وہ اس کی بھی مذمت کرتا ہے اور اس کے متعلقین کی بھی مذمت کرتا ہے کہ تم ایسے ہو اور تمہاری اولاد ایسی ہے اور تمہاری بیوی ایسی ہے اسی نہج پر جب ابولہب نے آپ کے متعلق کہا کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود ہلاک ہو گیا اور اس کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا اور آخرت میں وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جائے گی اور اس کے گلے میں رسی ہوگی۔

اس سورت سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگر ہمیں برا کہا جائے تو ہم اس پر صبر کر لیں لیکن اگر کوئی بدبخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہے تو ہم اس پر بالکل صبر نہ کریں اور برا کہنے والے کو ایک کی دس سنائیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں کی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز عبارات تھیں ان پر صبر نہیں کیا اور ایک کے بجائے دس سنائیں ان کی زبردست تکفیر کی اور ان کے خلاف الکوکبۃ الشہابیہ تمہید ایمان اور حسام الحرمین وغیرہ لکھیں اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مؤقف پر قائم رکھے۔ (آمین)

سورت اللہب کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ ذوالحج ۱۴۲۶ھ / ۷ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز ہفتہ کو اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اے میرے رب کریم! میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھ میری اور قارئین کی اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وافضل المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلي و نسلم علىٰ رسوله الكريم

سورۃ الاخلاص

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں'اس کا زیادہ مشہور نام الاخلاص ہے' کیونکہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی توحید خالص کو بیان کرتی ہے اور یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ عزوجل ہر نقص سے بَری ہے اور ہر شریک سے پاک ہے اور اس سورت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے انسان شرک اور دائمی عذاب سے خلاص اور نجات پالیتا ہے'اس سورت کے دیگر نام یہ ہیں:

سورت التفرید'سورۃ التوحید'سورۃ النجات'سورۃ الولایۃ'سورت المعرفۃ اور سورت الاساس وغیرہ'اس سے پہلے سورۃ الکافرون میں اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر معبودوں کی پرستش کی نفی کی تھی اور اس سورت میں اللہ سبحانہ کی الوہیت کا اثبات ہے۔

اس سورت میں اسلام کے سب سے اہم عقیدہ کا ذکر ہے اور وہ اللہ سبحانہ کی توحید ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال سے متصف ہونے کا ذکر ہے اور اس سورت میں نصاریٰ کا رد ہے' جو تین خداؤں کے قائل ہیں اور مشرکین کا رد ہے' جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں باطل خداؤں کو شریک کرتے ہیں۔

سورت الاخلاص کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا' ابن آدم کی تکذیب یہ ہے کہ اس نے کہا: وہ اس کو دوبارہ نہیں پیدا کر سکے گا جیسے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ پہلے پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے'اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا: اللہ نے بیٹا بنالیا حالانکہ میں ''الاحد الصمد'' (واحد اور بے نیاز) ہوں' حالانکہ میری اولاد ہے نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا کفو (ہم سر) ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۵۔۴۹۷۴)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞'' پس صمد وہ ہے جو کسی کی اولاد نہ ہو' نہ اس کی کوئی اولاد ہو کیونکہ ہر ولد عنقریب مرجائے گا اور جو مرتا ہے اس کا عنقریب کوئی وارث ہوتا ہے اور بے شک اللہ عزوجل مرے گا نہ اس کا کوئی وارث ہوگا'' ''وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ'' آپ نے فرمایا: اس کا کوئی مشابہ ہے نہ کوئی ہم سر ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھے' صحابہ نے کہا: ہم کیسے تہائی قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ''

تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۱ الرقم المسلسل:۱۸۵۵)

اسی سند سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین حصے کیے ہیں اور ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' کو قرآن مجید کا ایک حصہ بنایا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۱ (بلاتکرار) الرقم المسلسل:۱۸۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ جمع ہو جاؤ' میں عنقریب تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا' پھر جنہوں نے جمع ہونا تھا' وہ جمع ہو گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے سورۂ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھی' پھر آپ چلے گئے' پھر ہم میں سے بعض نے کہا: میرے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے خبر آئی ہے' اس وجہ سے آپ گھر چلے گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا' سنو! بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر میں بھیجا اور وہ اپنے اصحاب میں نماز پڑھاتے تھے' وہ سورت ملانے کے بعد آخر میں سورۂ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے تھے' جب لشکر کے لوگ واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: ان سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے' اس لیے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: ان سے کہو کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۳۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص (حضرت کلثوم بن ہدم) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے' وہ جب بھی نماز میں کوئی سورت ملاتے تو ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' سے ابتداء کرتے' پھر اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تھے' ان کے اصحاب نے کہا: آپ پہلے یہ سورت پڑھتے ہیں اور اس کو کافی نہیں سمجھتے اور کوئی اور سورت ملاتے ہیں' آپ یا تو اسی سورت کو پڑھیں یا اس کو چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھیں' انہوں نے کہا: میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں' تم کو پسند ہو تو میں تم کو امامت کراؤں اور پسند نہ ہو تو امامت نہ کراؤں' اور لوگ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور کسی اور کو امام بنانا' ناپسند کرتے تھے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے تو انہوں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا' آپ نے ان صاحب سے فرمایا: تم اپنے اصحاب کی بات کیوں نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو لازماً پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۹۲' مسند احمد ج۳ ص۱۴۱)

سورت الاخلاص کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورت الاخلاص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۶ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۷ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

(۱۱۲) سورۃ الاخلاص مکیۃ (۲۲) — آیاتہا ۴ — رکوعہا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاخلاص مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتاہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چار آیات اور ایک رکوع ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳

آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے O اللہ بے نیاز ہے O اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے O

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ ع

اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے O اللہ بے نیاز ہے O اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے O اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے O (الاخلاص: ۴۔۱)

مطالب کی تین قسمیں اور پوری تفسیر کبیر کا امام رازی کی تصنیف ہونا

الاخلاص: ۱ میں فرمایا: آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے O

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتادیا کہ بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور آپ کو اس مشقت میں نہیں ڈالا کہ آپ دلائل عقلیہ سے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو معلوم کریں۔

امام رازی فرماتے ہیں: مطالب تین قسم کے ہیں: ایک وہ مطالب ہیں جن کو خبر کے ذریعہ نہیں معلوم کیا جاسکتا' یہ وہ مطالب ہیں کہ خبر کی صحت ان مطالب کی صحت پر موقوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم اور اس کے علم اور اس کی قدرت کا علم اور معجزات کی صحت کا علم (کیونکہ عقل یہ کہتی ہے کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہیے اور یہ ضروری ہے کہ وہ عالم اور قادر بھی ہو کیونکہ بغیر علم اور قدرت کے وہ اس جہان کو بنا نہیں سکتا اور نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ معجزہ دکھائے ورنہ سچے نبی اور جھوٹے نبی میں امتیاز نہیں ہوسکتا) اور مطالب کی دوسری قسم وہ ہے جس کا بغیر خبر کے محض عقل سے علم نہیں ہوسکتا (جیسے دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس (۱۹) ہے) اور مطالب کی تیسری قسم وہ ہے جس کا علم عقل سے بھی ہوسکتا ہے اور خبر سے بھی ہو سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہم درج ذیل آیت کی تفسیر میں مفصل دلائل پیش کرچکے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ — اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا متعدد خدا ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہوجاتا۔ (الانبیاء: ۲۲)

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۳۵۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے' تب ہی تو انہوں نے سورت الاخلاص کی تفسیر میں سورت الانبیاء کا حوالہ دیا ہے اور علامہ ابن خلکان' حافظ ذہبی' حافظ عسقلانی اور حاجی خلیفہ کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی کی لکھی ہوئی نہیں ہے اور اس کو علامہ احمد قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا ہے' دراصل ان علماء نے پوری تفسیر کبیر پڑھی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا ہے' اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی توحید پر چند سادہ اور عام فہم دلائل پیش کیے جائیں۔

(۱) اگر اس کائنات کے متعدد پیدا کرنے والے ہوتے تو فرض کیجئے ایک خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا کیا جائے اور دوسرا خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا نہ کیا جائے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے کہ زید پیدا بھی ہو اور نہ بھی ہو' کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے تو جس کا ارادہ پورا ہو گا وہی خدا ہو گا' دوسرا خدا نہیں ہو گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے پیدا کرتے ہیں اور ان میں اختلاف نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف ممکن تو ہے تو جب ان میں اختلاف ہو گا تو پھر کس کا ارادہ پورا ہو گا؟ سو جس کا ارادہ پورا ہو گا' وہی خدا ہو گا دوسرا خدا نہیں ہو گا' نیز جب وہ دونوں اتفاق سے پیدا کرتے ہیں تو ضروری ہو گا کہ ایک خدا دوسرے خدا کی موافقت کرے تو جس کی موافقت کی جائے گی وہ متبوع ہو گا اور جو موافقت کرے گا وہ تابع ہو گا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا تو پھر دو خدا نہیں ہو سکتے اور جب دو خدا نہیں ہو سکتے تو دو سے زیادہ بھی نہیں ہو سکتے۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت' اور تغیر و تبدل نظامِ واحد پر چل رہا ہے' سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہو جاتا ہے' اسی طرح چاند اور ستارے بھی نظامِ واحد کے موافق طلوع اور غروب کر رہے ہیں' زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور موت ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے' اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام متعدد ہوتے' ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں نظامِ واحد ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم اور خالق اور موجد بھی واحد ہے۔

(۳) اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے' تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے' اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے' صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے' وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم واحد ہوتا ہے اور جس ملک میں صدارتی نظام ہو وہاں صدر ایک ہوتا ہے' تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں' رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا' اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق تھا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا' جو آکر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے' لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا' ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کا دعویٰ سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم نہیں ہے۔

جب اللہ واحد ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور ایک شر کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں: اللہ تعالیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم' اور مشرکینِ مکہ کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔

الاخلاص: ۴ میں فرمایا: اللہ بے نیاز ہے۔

''الصمد'' کے معانی اور محامل

اس آیت میں ''صمد'' کا لفظ ہے' ''صمد'' کا معنیٰ ہے: اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جائے اور اسے کسی کی طرف حاجت اور ضرورت نہ ہو' الاصم نے کہا: ''الصمد'' وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو' السدی نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس کا مرغوبات کے حصول میں قصد کیا جائے اور آفات اور مصائب میں اس سے فریاد کی جائے' الحسین بن فضل البجلی نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو جس چیز کو بھی چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہ ہو' ''صمد'' وہ ہے جو غنی ہو' قرآن مجید میں ہے: ''هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝'' (الحدید:۲۴) وہ مستغنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے' ''صمد'' وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو' ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' (الانعام:۱۸) وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے' قتادہ نے کہا: وہ کھاتا پیتا نہیں ہے' ''وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ'' (الانعام:۱۴) وہ کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا' نیز قتادہ نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے اور اس کے سوا ہر چیز فانی ہے: ''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ'' (الرحمٰن:۲۶۔۲۷) زمین پر ہر چیز فانی ہے ۝ اور آپ کا رب باقی ہے' ابو مالک نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس کو اونگھ اور موت نہیں آتی: ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' (البقرہ:۲۵۵) اس کو نہ نیند آتی ہے نہ موت' مقاتل بن حیان نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو' ربیع بن انس نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے' سعید بن جبیر نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو' امام جعفر صادق نے کہا: جو ہمیشہ غالب ہو اور کبھی مغلوب نہ ہو' ''صمد'' وہ ہے جو تمام نقصانات اور تغیرات سے منزہ ہو اور زمان و مکان کے احاطہ سے مبرا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۶۳۔۳۶۲' ملخصاً و موضحاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الاخلاص: ۳ میں فرمایا: اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ۝

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اولاد کی نفی کی ہے اور پھر دوسرے حصہ میں اس کی نفی کی ہے کہ وہ خود کسی کی اولاد ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے' البتہ اس کے کئی فرقے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے' مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اور یہود یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد اس لیے نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتی اور جو پیدا ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ممکن اور حادث ہو گا۔

عیسائی یہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کو اس کا باپ کہتے ہیں' یہ اطلاق مجازی ہے' اور یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی طور پر مسیح کا باپ ہے بلکہ اس کو عزت اور بزرگی کے طور پر باپ کہا جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسے اسماء کا اطلاق کیا جاتا ہے جن میں نقص کا پہلو نہ ہو اور ان صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہوں اور باپ ہونے میں نقص کا پہلو ہے کیونکہ اس سے جسمانی رشتہ سے باپ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے' موجودہ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو باپ کہتے تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا برگزیدہ نبی کب اس بات سے ناواقف ہو گا کہ باپ ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں' لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کو باپ نہیں کہہ سکتے۔

الاخلاص: ۴ میں فرمایا: اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ۝

یہ بھی الاخلاص: ۳ کا تتمہ ہے کیونکہ کوئی شخص اسی کو بیوی بناتا ہے جو اس کی کفو ہو اور اس کی ہم پلہ ہو اس کائنات میں کوئی اس کا ہم پلہ ہی نہیں ہے تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ. (الانعام: ۱۰۱)

اللہ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

الاخلاص کا خلاصہ

الاخلاص: ۱ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے الاخلاص: ۲ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ صمد ہے یعنی وہ رحیم و کریم ہے سب اس کا قصد کرتے ہیں اور وہ کسی کا قصد نہیں کرتا' الاخلاص: ۳ میں فرمایا: وہ والد ہے نہ مولود ہے یعنی ممکنات کی صفات سے مجرد اور منزہ ہے۔

الاخلاص: ۱ میں فرمایا: اللہ احد ہے تو ان کا رد ہو گیا جو متعدد خدا مانتے ہیں جیسے مشرکین اور عیسائی' اور الاخلاص: ۲ میں فرمایا: اللہ صمد ہے' سب اسی کا قصد کرتے ہیں تو ان کا رد ہو گیا جو اپنی حاجات میں بتوں کا قصد کرتے ہیں اور الاخلاص: ۳ میں فرمایا: وہ والد نہیں ہے تو یہود کا رد ہو گیا' جو کہتے تھے: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں کا رد ہو گیا جو کہتے تھے: مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور مشرکین کا رد ہو گیا جو کہتے تھے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور الاخلاص: ۴ میں فرمایا: اللہ کا کوئی کفو اور ہم سر نہیں تو ان مشرکین کا رد ہو گیا جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر مانتے تھے۔

یہ سورت' سورۃ الکوثر کے مقابلہ میں ہے' سورۃ الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی تھی اور جس نے آپ کو ابتر کہا تھا' اس کی مذمت کی اور آپ کی شان بیان کی تھی' اس سے پہلے ''قل'' (آپ کہیے) نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ از خود آپ کی مدافعت کر رہا ہے اور آپ کی شان بیان کر رہا ہے اور اس سورت میں پہلے ''قل'' فرمایا' یعنی آپ کہیے اور اللہ تعالیٰ کی مدافعت کیجئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف اس کا شریک' اس کا بیٹا اور اس کی بیوی مانتے ہیں' ان کا رد کیجئے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدافعت کر رہے ہیں' الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہنے والے کا رد کیا تھا اور الاخلاص میں فرمایا کہ آپ کہیے اور ان کا رد کیجئے جو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے ہیں' اس کا بیٹا مانتے ہیں' اس کی بیوی مانتے اور اس کی شان کے خلاف اس کی صفات بیان کرتے ہیں۔

شرک کی تعریف اور مشرکین مکہ کا شرک کیا تھا؟

سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کا رد کیا ہے' اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے' اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے' سو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب اور قدیم ماننا یا اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا شرک ہے' اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں یا اسناد مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں جیسے حضرت ھاجر نے صفا' مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبریل کی آواز سنی تو کہا:

اغث ان کان عندك خیر. اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳)

یا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا:

قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (مریم:۱۹)

جبریل نے کہا: میں آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں ○

جب حضرت جبریل بیٹا دینے کی اپنی طرف نسبت کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے' ورنہ حضرت ھاجرؑ اور حضرت جبریل کو بھی مشرک قرار دینا ہوگا۔ العیاذ باللہ!

مخالفین اس نوع کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں' نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے یا ان کی عبادت کرتے تھے' قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ کی' جنات کی' ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے۔

مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ إِنٰثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهٰدَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُونَ ○ وَقَالُوا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۞ (الزخرف: ۲۰۔۱۹)

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں مؤنث قرار دیا' کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعلق بازپرس کی جائے گی ○ اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کوئی علم نہیں' وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیں ○

اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُونَ ○ (الانعام: ۱۰۰)

اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیا اور بغیر علم کے ان کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنالیا' اللہ ان کی بیان کی ہوئی صفات سے بہت بلند ہے ○

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ (الصّٰفّٰت: ۱۵۸)

اور انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا۔

مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں سے کوئی چیز بھی صالح انسان نہیں ہے' قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔

مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے' ان کی نذر کو ایصالِ ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے' ہمارے نزدیک نذر اللہ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفا دے دی تو میں تیری رضا کے لیے اتنا طعام صدقہ کروں گا' پھر اس طعام کو صدقہ

کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

سورۃ الاخلاص کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۸ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/ ۹ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز پیر سورۃ الاخلاص کی تفسیر مکمل ہوگئی۔اے میرے رب کریم! باقی دو سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دے' اس تفسیر کو مقبول بنا دے اور میری مغفرت فرما۔(آمین) 66

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین

66

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الفلق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفلق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الفلق'' کا لفظ مذکور ہے' وہ آیت یہ ہے:

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ (الفلق:۱) آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' حسن بصری' عکرمہ' عطاء اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور ایک جماعت کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلے سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا تھا اور یہ کہ جو چیزیں اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' اس کی ذات اور صفات ان سے منزہ ہے' اور اس سورت الفلق اور اس کے بعد کی سورت الناس میں یہ بتایا ہے کہ اس جہان میں جو بھی شر ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے' اسی طرح شیاطین' انس اور جن جو انسان کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور انسان کے دل میں بُرائی کے وسوسے ڈالتے ہیں' ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

المعوذتین (الفلق اور الناس) کی فضیلت میں احادیث

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر ایسی سورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل کبھی نہیں دیکھی گئی ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' اور ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ''۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۵۳۔۹۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۳۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۴)

حضرت حابس جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حابس! کیا میں تمہیں ان کلمات کی خبر نہ دوں جو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے میں سب سے افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں' یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' اور ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' اور یہی المعوذتان ہیں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۳۲)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سورۂ یوسف اور سورۂ ھود کو پڑھوں' آپ نے فرمایا: اے عقبہ! ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' کو پڑھو' تم کوئی سورت نہیں پڑھو گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بلیغ ہو' اگر تم کر سکتے ہو تو اس کو (پڑھنے سے) فوت نہ ہونے دو۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۴۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۸۸' الذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی نظر سے اور انسانوں کی نظر سے پناہ طلب کرتے تھے' حتیٰ کہ المعوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو شروع کر دیا اور ان کے سوا کو ترک کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۵۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۱۱)

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۳ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۰ ہے۔

آیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے یا نہیں؟

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو مصاحف سے کھرچ دیتے تھے اور کہتے تھے: یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۷۔ رقم الحدیث:۲۱۱۸۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث:۹۱۵۰' مسند البزار رقم الحدیث:۱۵۸۶)

حضرت زر بن جیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے؟ انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ حضرت جبریل نے آپ سے کہا: آپ پڑھیے: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' تو میں نے اس کو پڑھا' پھر انہوں نے کہا: آپ پڑھیے: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' تو میں نے اس کو پڑھا' حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم وہی پڑھتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۹۷' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۶)

زر بن جیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی المعوذتین کو مصحف سے کھرچ دیتے ہیں' سفیان بن مسعود سے کہا گیا تو انہوں نے اس واقعہ کا انکار نہیں کیا' حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے ان کو پڑھا' حضرت ابی نے کہا: ہم اسی طرح پڑھتے ہیں' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے' سفیان نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو کھرچ دیتے تھے اور وہ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں نہیں ہیں اور ان کا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر یہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ یہ دونوں اللہ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ہیں اور انہوں نے اپنے گمان پر اصرار کیا اور باقی صحابہ کی یہ تحقیق تھی کہ یہ دونوں سورتیں قرآن سے ہیں' انہوں نے ان دونوں سورتوں کو قرآن مجید میں رکھا۔

شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۸۔ رقم الحدیث:۲۱۱۸۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۳۷۴' سنن البیہقی ج ۲ ص ۳۹۴' صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۷۶' صحیح بخاری میں اس حدیث کا خلاصہ ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے پڑھا' سو تم بھی اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث:۳۵۱۵' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن مسعود کے انکارِ معوذتین کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ لکھتے ہیں:

وہ قرآن جو اس وقت شرقاً غرباً تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے' اس میں سورۂ فاتحہ سے لے کر معوذتین تک جو مصاحف میں بیان کیا گیا ہے' وہ سب اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی ہے' جو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا ہے' جس شخص نے اس میں سے ایک حرف کا بھی انکار کیا وہ کافر ہے' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ المعوذتین نہیں تھیں' سو وہ جھوٹ ہے' موضوع ہے' صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ زر بن حبیش' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین تھیں۔

(المحلی بالآثار ج ١ ص ٣٢' مسئلۃ: ٢١' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں واضح دلیل ہے کہ المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا' اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۸۲' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

کتب قدیمہ میں یہ منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے' اور اس مسئلہ میں بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں سورۂ فاتحہ کے قرآن ہونے پر نقل متواتر حاصل تھی اور حضرت ابن مسعود کو اس کا علم تھا اور پھر انہوں نے اس کے قرآن ہونے کا انکار کیا تو یہ انکار ان کے کفر کو یا ان کی عقل کی کمی کو واجب کرے گا' اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں ان کے قرآن ہونے پر نقل متواتر نہیں تھی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصل میں قرآن مجید نقل متواتر سے ثابت نہیں ہے اور اس سے قرآن مجید حجت یقینیہ نہیں رہے گا اور ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ مذہب منقول ہے' یہ نقل کاذب اور باطل ہے اور اسی بات سے اس اشکال کا حل نکل سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ١ ص ١٩٠' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں اس پر واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور حضرت ابن مسعود سے جو اس کے خلاف منقول ہے' وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ لکھتے ہیں:

المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس شخص نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا' اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتان کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور روایاتِ صحیحہ کا انکار کرنا درست نہیں ہے' البتہ حضرت ابن مسعود کے قول کی تاویل کرنا ضروری ہے' قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتان کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کرتے تھے' ان کے نزدیک اسی سورت کو قرآن میں لکھا جائے' جس کو لکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو اور ان تک رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہیں پہنچی تھی' یہ عمدہ تاویل ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے اس قول میں کتاب اللہ سے مراد مصحف ہے' لہٰذا تاویل صحیح ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کے زمانہ میں بھی معوذتین متواتر تھیں لیکن حضرت ابن مسعود کے نزدیک ان کا تواتر ثابت نہ تھا' اس لیے ان کا انکار کفر نہیں ہے' البتہ معوذتین کا تواتر معروف ہو چکا ہے' لہٰذا اب جو ان کا انکار کرے گا' وہ کفر ہو گا' اس کی نظیر یہ ہے کہ اب اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ کا انکار کفر ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ اجماع واضح نہیں تھا' اس لیے آپ نے منکرین زکوٰۃ کو کافر نہیں قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱ ملخصاً' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

معوذتین کے قرآن ہونے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جو اختلاف منقول ہے' اس سے بعض ملحدین نے قرآن مجید کے اعجاز میں طعن کیا ہے' انہوں نے کہا: اگر قرآن مجید کی بلاغت حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہوتی تو قرآن مجید غیر قرآن سے ممتاز ہوتا' پھر اس میں یہ اختلاف نہ ہوتا کہ یہ قرآن ہے یا نہیں' اور تم کو معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہے اور فقہاء اسلام نے کہا ہے کہ اب معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے اور شاید کہ حضرت ابن مسعود نے اپنے انکار سے رجوع کر لیا تھا۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود کے رجوع کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے خود حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے پڑھا' سو تم بھی اس طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

سورۃ الفلق کے اس تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۰ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۳ — ۲۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۵ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الفلق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ

آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ

کے شر سے جب وہ چھا جائے O اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O اور

شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵ ع ۱ ۵ ۳۸

حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے O اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے O (الفلق: ۵۔۱)

اللہ سے پناہ طلب کرنے میں صبح کے وقت کی تخصیص کی توجیہات

الفلق: ۳۔۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے O

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ فلق سے مراد صبح کا وقت ہے' زجاج نے کہا: رات کو پھاڑ کر صبح نمودار ہوتی ہے' اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جو ذات رات کے اس شدید اندھیرے کو اس جہان سے زائل کرنے پر قادر ہے' وہ ذات پناہ طلب کرنے والے سے اس چیز کو ضرور زائل کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ڈر رہا ہے اور خوف زدہ ہے۔

(۲) صبح کا طلوع ہونا کشادگی کی نوید کی مثل ہے' پس جس طرح انسان رات میں صبح کا منتظر ہوتا ہے' اسی طرح خوف زدہ انسان اپنی مہم میں کامیابی کا منتظر ہوتا ہے۔

(۳) صبح کے وقت کی تخصیص کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت مظلوم اور بے قرار لوگ اپنی حاجات میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں' گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں' جو ہر رنج اور فکر سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔

(۴) ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت کو اس لیے خاص کیا ہو کہ فجر کی نماز قیامت کے تمام احوال کی جامع ہے' کیونکہ فجر کی نماز میں انسان طویل قیام کرتا ہے اور یہ طویل قیام اس کو قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پچاس ہزار سال کے قیام کی یاد دلاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ جس دن تمام لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے○ (المطففین:۶)

اور انسان جب نماز میں امام کی قرأت سنتا ہے تو وہ اس کو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ کی قرأت کی یاد دلاتا ہے:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ (الجاثیہ:۲۹) یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے سامنے سچ سچ بول رہی ہے۔

اور جب انسان نماز میں رکوع کرتا ہے تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب مجرم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے:

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ. (السجدہ:۱۲) وہ اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔

اور جب وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو وہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب کافروں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا اور وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ○ اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا' سو وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے○ (القلم:۴۲)

اور جب وہ قعدہ میں دوزانو بیٹھا ہوگا تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلائے گا جب تمام امتیں گھٹنوں کے بل گری ہوں گی:

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ (الجاثیہ:۲۸) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی۔

پس گویا کہ اللہ سے پناہ طلب کرنے والا یہ کہتا ہے: اے میرے ربِ کریم! جس طرح تو نے مجھے رات کے اس اندھیرے سے نجات دی ہے مجھے ان ہولناک مصائب سے بھی نجات عطا فرما۔

(۵) صبح کا وقت بہت سعادت اور استجابت کا وقت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا○ بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنے میں (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں○ (بنی اسرائیل:۷۸)

اس وقت میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں' اس لیے اس وقت پناہ طلب کرنے والے کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کرنے اور استغفار کرنے کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے بہت مناسب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ. (آل عمران:۱۷) اور جو لوگ سحر کے وقت اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷۲-۳۷۱ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

صبح کے وقت اللہ سے پناہ طلب کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر ہلکی بارش ہوئی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا' ہم صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے آئے' آپ نے فرمایا: پڑھو' میں نے عرض کیا: کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: پڑھو" قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ " اور معوذتین' جب شام ہو اور جب صبح ہو تین تین بار پڑھو' ان کی تلاوت تم کو ہر چیز سے کافی ہوگی۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۵۴۴۳)

الفلق :۴ میں فرمایا: اورگرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O

''نفثٰت'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''نفثٰت'' کا لفظ ہے''نفث'' کا معنیٰ ہے: منہ سے ایسی پھونک مارنا جس میں کچھ لعاب کی آمیزش ہو اور بعض نے کہا: اس سے مراد صرف پھونک ہے اور''العقد''''عقدة'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ گرہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب جادوگر جادو کے الفاظ پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ ایک دھاگا پکڑ لیتا ہے وہ اس دھاگے میں ایک گرہ لگاتا ہے اور جادو کے الفاظ پڑھ کر اس گرہ میں پھونک مارتا ہے پھر اس طرح گرہیں لگاتا جاتا ہے اور اس میں پھونکیں مارتا جاتا ہے۔ اس آیت میں پھونک مارنے والے جادوگر کے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جادو کا عمل زیادہ تر عورتیں کرتی ہیں کیونکہ وہ گرہ لگاتی جاتی ہیں اور پھونک مارتی جاتی ہیں اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ یہ عمل دل سے کیا جائے اور عورتیں یہ کام زیادہ توجہ سے کرتی ہیں کیونکہ ان کا علم کم ہوتا ہے اور ان میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) مؤنث کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مراد جادوگروں کی جماعت ہے کیونکہ جب کئی جادوگر مل کر جادو کریں گے تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔

(۳) ابوعبیدہ نے کہا:''نفاثات'' (پھونک مارنے والیاں) سے مراد ہے: لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا (لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر نہیں ہوا تھا اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ سعیدی)۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق امام رازی کا مؤقف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ گرہوں میں جادو کیا تھا اور اس دھاگے کو ذروان نامی کنویں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور تین دن آپ پر سخت گزرے پھر اس وجہ سے معوذتین نازل ہوئیں اور حضرت جبریل نے آ کر آپ کو جادو کی جگہ کی خبر دی تب آپ نے حضرت علی اور حضرت طلحہ کو بھیجا اور وہ اس دھاگے کو لے کر آئے اور حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ آیت پڑھتے جائیں اور گرہ کھولتے جائیں اور جب آپ آیت پڑھنے لگے تو گرہ کھلنے لگی اور آپ کی طبیعت ٹھیک ہوتی گئی۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ معتزلہ نے اس کا سرے سے انکار کیا ہے قاضی نے کہا: یہ روایت باطل ہے یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدہ:۶۷) اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:''وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى'' (طٰہٰ:۶۹) جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا' اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ماننے سے نبوت میں طعن ہوتا ہے اور اس لیے کہ آپ پر جادو کا اثر ہونا اگر صحیح ہو تو ضروری تھا کہ جادوگر تمام انبیاء اور صالحین کو جادو سے نقصان پہنچاتے اور وہ اس پر قادر ہوتے کہ اپنے لیے کوئی بڑا ملک حاصل کر لیتے اور یہ تمام لوازم باطل ہیں اور اس لیے کہ کفار آپ کو عار دلاتے تھے کہ آپ جادو زدہ ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو کفار اپنے اس طعن میں صادق ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عیب ہوتا' اور معلوم ہے کہ آپ میں عیب جائز نہیں ہے' ہمارے اصحاب نے کہا: یہ قصہ جمہور اہل نقل کے نزدیک صحیح ہے' اور جن وجوہ کا معتزلہ نے ذکر کیا ہے' ہم ان پر سورۂ بقرہ

میں کلام کر چکے ہیں' رہا ان کا یہ کہنا کہ کفار آپ پر عیب لگاتے تھے کہ آپ جادو زدہ ہیں تو اگر آپ پر جادو کیا جاتا تو کفار اپنے اس طعن میں صادق ہوتے' اس کا جواب یہ ہے کہ مسحور کہنے سے کفار کی مراد یہ تھی کہ آپ مجنون ہیں اور جادو کے ذریعہ آپ کی عقل زائل کر دی گئی ہے' اسی وجہ سے آپ نے کفار کے دین کو ترک کر دیا' رہا یہ کہ جادو کے اثر سے آپ کے بدن میں کوئی درد ہو گیا ہو تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر کسی شیطان' کسی انسان اور جن کو اس طرح مسلط ہونے نہیں دے گا کہ وہ آپ کے دین' آپ کی شریعت اور آپ کی نبوت میں کوئی ضرر پہنچا سکے اور رہا آپ کے بدن میں ضرر پہنچانا تو وہ بعید نہیں ہے' ہم سورۃ البقرہ میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق مصنف کا مؤقف

امام رازی کی اس عبارت میں حسب ذیل اُمور لائقِ توجہ ہیں:

(۱) امام رازی نے یہاں سورۃ الفلق کی تفسیر میں سورۃ البقرہ کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ پوری تفسیر امام رازی کی لکھی ہوئی ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ پوری تفسیر امام رازی کی نہیں ہے اور علامہ قمولی نے اس کو مکمل کیا ہے جیسا کہ ہم بہت جگہ اس پر تنبیہ کر چکے ہیں۔

(۲) امام رازی نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم سورۂ بقرہ میں معتزلہ کے دلائل کا جواب لکھ چکے ہیں' یہ امام رازی کا تسامح ہے' امام رازی نے سورۃ البقرہ کی تفسیر میں معتزلہ کی کسی دلیل کا جواب نہیں دیا' دیکھئے تفسیر کبیر ج اص ۶۲۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت۔

(۳) امام رازی نے یہاں صرف جادو زدہ کے طعن کا جواب دیا ہے اور اس کو بہت مفسرین نے لکھا ہے لیکن معتزلہ کی قوی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ''وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى O'' (طٰہٰ: ۶۹) جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہو جاتا تو جادوگر آپ کو ضرر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے' سو آپ پر جادو سے ضرر ماننا قرآن مجید کی اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۵ ص ۸۱۔۷۹ میں' جادو پر بحث کی ہے اور معتزلہ کی اس دلیل کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا' ہم نے بنی اسرائیل: ۴۷ میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے' ہمارے نزدیک یہ تو ہو سکتا ہے کہ لبید بن اعصم یا اس کی بیٹیوں نے آپ پر جادو کیا ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس جادو کا آپ پر اثر ہوا ہو' آپ نے کوئی کام نہ کیا ہو اور آپ کے دل میں یہ خیال ڈالا گیا ہو کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے' آپ اس سے مامون ہیں کہ آپ کے دل میں کوئی خلافِ واقع خیال ڈالا جائے' یا العیاذ باللہ! آپ دیکھیں کچھ اور آپ کو نظر کچھ آئے یا آپ کی قوت مردمی متاثر ہو' ہمارے نزدیک اس قسم کی تمام باتیں بعض راویوں کی کارستانی ہے' ہم نے ذکر کیا ہے کہ المعوذتان کے شانِ نزول میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور جس قول کی بناء پر یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں' ان روایات کا غیر صحیح ہونا اور بھی واضح ہو جاتا ہے' نیز اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ معجزہ کے اثر کا سبب بھی مخفی ہوتا ہے اور سحر کے اثر کا سبب بھی مخفی ہوتا ہے' معجزہ کا صدور نبی سے ہوتا ہے اور اس کا سبب اللہ سبحانہ سے قرب اور دعائیہ کلمات ہیں اور سحر کا صدور کافر سے ہوتا ہے اور اس کا سبب شیطان سے قرب اور شرکیہ اور کفریہ کلمات کا پڑھنا ہے تو اگر نبی پر سحر کا اثر مان لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ شیطان کا مقرب رحمان کے مقرب پر اثر انداز ہو گیا اور اس کو بیمار کرنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى O'' (طٰہٰ: ۶۹)۔

قرآن مجید کی سورتوں سے دم کرنے کا جواز

الفلق: ۴ میں گرہوں میں پھونک مارنے کا ذکر ہے' جادو کے کلمات پڑھ کر گرہوں میں پھونک مارنا باطل اور حرام ہے' لیکن اللہ کا کلام پڑھ کر کسی بیماری پر پھونک مارنا مستحب ہے اور اس کے استحباب میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹتے تو آپ اپنی ہتھیلیوں پر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور معوذتین پڑھ کر پھونک مارتے' پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر ملتے اور ان ہتھیلیوں کو جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے' وہاں تک اپنے جسم پر ملتے' حضرت عائشہ نے کہا: جب آپ بیمار ہو گئے تو آپ مجھے اس طرح پھونک مار کر اپنی ہتھیلیوں کو ملنے کا حکم دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک سفر میں گئے اور عرب کے کسی قبیلہ میں پہنچے' انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا: ہماری مہمانی کرو (یعنی کھانا کھلاؤ)' قبیلہ والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کیا' اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مارا ہوا تھا' انہوں نے اس کے علاج کے بہت جتن کیے' لیکن کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا' ان میں سے کسی نے کہا: یہ لوگ جو تمہاری بستی میں آئے ہیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفا ہو جائے' سو ان لوگوں نے صحابہ سے کہا: اے نو واردوں کی جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈنک مارا ہے' ہم نے اس کے علاج کی پوری کوشش کر لی لیکن اس کو فائدہ نہیں ہوا' کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں ہے' اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور دم کرتا ہوں' لیکن اللہ کی قسم! ہم نے تم سے مہمانی طلب کی تھی' تم نے ہماری مہمانی نہیں کی' لہٰذا اب میں تمہیں دم کرنے والا نہیں ہوں حتیٰ کہ تم ہمیں معاوضہ دو' پس انہوں نے بکریوں کے ریوڑ پر صلح کر لی (وہ تیس بکریاں تھیں۔ ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲) پھر وہ صحابی گیا اور سورت الفاتحہ پڑھ کر اس سردار پر لعاب آمیز پھونک ماری' حتیٰ کہ وہ ایسے ہو گیا جیسے رسی سے (بندھا ہوا) کھل گیا ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی' پھر قبیلہ والوں نے ان کو بکریوں کا ریوڑ دے دیا' بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو' دم کرنے والے صحابی نے کہا: نہیں! حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق معلوم کر لیں' ہم آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے' پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے' تم نے درست کیا' ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶)

بعض روایات میں دم کرنے کی ممانعت ہے' اس سے مراد شرکیہ کلمات پڑھ کر دم کرنا ہے۔

الفلق: ۵ میں فرمایا: اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے O

حسد کی تعریف' اس کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ اس کے پاس سے وہ نعمت زائل ہو جائے' خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے' اگر اس کی قدرت میں اس نعمت کو چھیننا ہو تو وہ اس نعمت کو چھین لے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے' اور اس سورت میں ہر وہ شر داخل ہے' جس کا انسان کے دین یا اس کی دنیا میں خطرہ ہو۔

اگر انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت

عطا کر دے تو اس کو رشک کہتے ہیں' رشک کرنا جائز ہے اور حسد کرنا حرام ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حسد کرنے سے باز رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مؤمن کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کی حرارت جمع نہیں ہوں گی اور نہ کسی بندہ کے دل میں ایمان اور حسد جمع ہوگا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں میں اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا' ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا' حسد میں پانچ خرابیاں ہیں:

(۱) حاسد ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے' جس کو کوئی نعمت دی گئی ہو (۲) حاسد اللہ کی تقسیم سے راضی نہیں ہوتا (۳) حاسد اللہ کے فضل سے بخل کرتا ہے کہ اللہ جس پر چاہے اپنا فضل کرتا ہے (۴) حاسد اولیاء اللہ کا برا چاہتا ہے اور ان سے نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے (۵) حاسد ابلیس کا متبع ہوتا ہے۔

سورۃ الفلق کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/۱۲ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز جمعرات سورۃ الفلق کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے رب کریم! سورۃ الناس کی تفسیر بھی مکمل کرادے اور اس تفسیر کو قیامت تک کے لیے مقبول اور فیض رساں بنا دے اور میری مغفرت فرما دے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین
و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الناس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الناس ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الناس'' کا لفظ ہے اور اس سورت میں ''الناس'' کا لفظ پانچ مرتبہ مذکور ہے۔

جیسا کہ ہم نے سورۃ الفلق کی تفسیر میں ذکر کیا تھا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک سورۃ الفلق اور سورۃ الناس مکی ہیں اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

سورۃ الناس قرآن مجید کی آخری سورت ہے' قرآن مجید کی ابتداء سورۃ الفاتحہ سے ہوئی تھی' اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا ذکر ہے اور سورت الناس میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے اور اس کا مآل بھی اللہ سے مدد طلب کرنا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی اوّل آخر ہدایت یہ ہے کہ صرف اللہ سے ہی مدد طلب کی جائے اور اسی سے پناہ طلب کی جائے اور ہر مشکل اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سورۃ الفلق میں مخلوقات کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے اور جادوگرنیوں کے جادو کے شر سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم تھی اور یہ شرور ظاہر ہیں اور سورۃ الناس میں شیاطین کے وسوسوں سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم ہے اور یہ شرور خفیہ ہیں' ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں لفظ ''قل'' ہے یعنی آپ کہیے' بہ ظاہر یہ صرف آپ کو خطاب ہے اور حقیقت میں اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے۔

اس سورت سے مقصود یہ ہے کہ آپ وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں جو تمام انسانوں کا رب ہے اور یہ بتانا ہے کہ تمام لوگوں کو شیاطین کے وسوسوں سے پناہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے' اس کے دل پر وسواس ہوتا ہے' اگر وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو (شیطان) پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ غافل ہوتا ہے تو پھر وہ اس کو وسوسہ ڈالتا ہے اور ''الوسواس الخناس'' سے یہی مراد ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۴۱ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۹۱' المکتبۃ العصریہ' ذہبی نے کہا: یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے۔)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۲۱ ہے۔

اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الناس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھیں۔ (آمین) غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۲ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/ ۱۳ جنوری ۲۰۰۶ء

سورة الناس ۱۱۴ مکیۃ ۲۱ آیاتہا ۶ رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الناس مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھ آیات اور ایک رکوع ہے

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾

آپ کہیے: میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں O سب لوگوں کے بادشاہ کی O سب لوگوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) O

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ

پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے O جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ

النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾

ع ۱ / ۲۹

ڈالتا ہے O جو جنات اور انسانوں میں سے ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں O سب لوگوں کے بادشاہ کی O سب لوگوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) O پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے O جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے O جو جنات اور انسانوں میں سے ہے O (الناس: ۶۔۱)

انسان کی باقی مخلوق پر فضیلت

الناس: ۳۔۱ میں فرمایا: آپ کہیے: میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں O سب لوگوں کے بادشاہ کی O سب لوگوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) O

اس آیت میں انسانوں کے رب کی پناہ لینے کا حکم ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک' مربی اور مصلح ہے' اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان' ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کا ذکر فرمایا' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں' لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ ہے' اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے' لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں' عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے' وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے' وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے' پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَلِکِ النَّاسِ'' (الناس: ۲) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے' اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے' اس نے ارشاد فرمایا:

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ (الانعام: ۵۷) حکم دینے کا حق صرف اللہ کا ہے۔

جب سب انسانوں کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے' اسی نے ان کی پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں

حکم دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

نیز فرمایا: "اِلٰهِ النَّاسِ ۝" (الناس: ۳) یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے' خواہ انسان کسی کی عبادت کریں لیکن تمام لوگوں کی عبادت کا مستحق وہی واحد لاشریک ہے۔

الناس: ۴ میں فرمایا: پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے ۝

"خناس" کا معنیٰ

اس آیت میں "خناس" کا لفظ ہے "خناس" کا معنیٰ ہے: پیچھے ہٹ جانے والا' چھپ جانے والا' یہ لفظ "خنس" سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: پیچھے ہٹنا اور چھپ جانا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ (التکویر: ۱۶) میں چھپنے والے (ستاروں) کی قسم کھاتا ہوں ۝

یہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے اور نظر نہیں آتے یا اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

"خناس" مبالغہ کا صیغہ ہے' اور یہ شیطان کا لقب ہے' جب انسان غافل ہو تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کو یاد کر رہا ہو تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جیسے ہی اللہ کی یاد سے رُک جائے تو پھر وسوسہ ڈالنے آ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر بیٹھا رہتا ہے' جب اس کو سہو ہو یا غفلت ہو تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۶۷۸)

ابن زید نے کہا: "خناس" وہ ہے جو ایک بار وسوسہ ڈالتا ہے اور دوسری بار پیچھے ہٹ جاتا ہے اور موقع کا منتظر رہتا ہے اور یہ شیطان الانس ہے' یہ انسانوں پر شیطان الجن سے زیادہ شدید ہوتا ہے' شیطان الجن وسوسہ ڈالتا ہے اور تم اس کو دیکھتے نہیں ہو اور شیطان الانس کو تم دیکھتے رہتے ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۶۸۳)

قرآن مجید میں شیطان الانس اور شیطان الجن دونوں کا ذکر ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (الانعام: ۱۱۲) اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے دشمن شیاطین الانس اور شیاطین الجن بنا دیئے ہیں' جن میں سے بعض بعضوں کو خوش نما وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ ان کو دھوکا دیں۔

الناس: ۵ میں فرمایا: جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے ۝

وسوسہ کا معنیٰ

اس آیت میں "یوسوس" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "وسواس" ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی بُرے خیال یا گناہ کے کام کو دل میں ڈالنا۔ شیطان انسان کے دل میں اللہ کی معصیت کو القاء کرتا ہے اور اس معصیت کو خوش نما لباس پہنا کر اس کو اس کام کی طرف راغب کرتا ہے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

وسوسہ ایک امر معروف ہے' شیطان انسان کے دل میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جن سے وہ اپنے دین میں حیران ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بُری خواہشات ڈالتا ہے اور اس کو بُرے کام کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب شیطان انسان کو بُرائی کی طرف راغب کرے تو انسان کو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ٢٠١-٢٠٠)

اور اگر شیطان آپ کو کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں' بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۝ بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ لکھتے ہیں:

''الوسواس'' کی تحقیق ہم نے الاعراف: ٢٠ میں بیان کر دی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ٣٧٧' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ ھ)

امام رازی کی اس عبارت میں یہ واضح تصریح ہے کہ سورۃ الناس تک تفسیر ان ہی کی لکھی ہوئی ہے' میں ان بڑے بڑے علماء پر حیران ہوتا ہوں' جنہوں نے یہ کہا ہے کہ امام رازی اپنی تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تھے۔

الناس: ٦ میں فرمایا: جو جنات اور انسانوں میں سے ہے ۝

دین کی سلامتی جسم کی سلامتی سے زیادہ اہم ہے

جنات میں سے جو شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے' اس کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٠٣٨' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٤٧١)

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان کسی شخص کو بُرے کاموں کی طرف مائل کرے تو وہ بھی شیطان ہے اور اس کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

سورۃ الفلق میں اندھیرے کے غلبہ یعنی آفات اور مصائب' جادو کرنے والی عورتوں اور حاسدین کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور اس سورت میں صرف ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور وہ وسوسہ ہے' سو سورۃ الفلق میں نفس اور بدن کی شر سے سلامتی مطلوب ہے اور سورۃ الناس میں شر سے دین کی سلامتی مطلوب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دین کا ضرر دنیا کے ضرر سے بہت اہم ہے۔

سورۃ الناس کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ١٢ ذوالحج ١٤٢٦ھ/ ١٣ جنوری ٢٠٠٦ء بہ روز جمعہ بعد از نمازِ جمعہ سورۃ الناس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ میں نے ١٠ رمضان المبارک ١٤١٤ھ/ ٢١ فروری ١٩٩٤ء کو تفسیر تبیان القرآن لکھنے کا آغاز کیا تھا' یہ لمبا سفر تھا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ سفر پورا کرا دیا اور تقریباً بارہ سال کے عرصہ میں بارہ جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر مکمل ہو گئی' میں علمی طور پر بھی بہت بے بضاعت ہوں اور گونا گوں امراض کی وجہ سے بہت نحیف اور ناتواں ہوں' مجھے یہ امید نہ تھی کہ میں اس تفسیر کو مکمل کر سکوں گا' لیکن اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور بے حد کرم ہے کہ اس نے اس گناہ گار اور کم ترین بندہ سے اپنے دین کی یہ عظیم خدمت لے لی۔

تفسیر تبیان القرآن کی تکمیل اور کلماتِ تشکر

آج بارہ ذوالحج ہے اور عید الاضحیٰ کا دن ہے' اور جمعہ کا دن بھی عید ہے اور جس دن مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے کوئی نعمت ملے' وہ دن بھی عید ہے اور مجھے اللہ کی یہ نعمت ملی کہ آج تفسیر تبیان القرآن مکمل ہوئی اور ہر جائز خوشی کا دن بھی عید ہوتا ہے' سو

آج کا دن میرے لیے کئی وجوہ سے عید کا دن ہے' میں اس نعمت پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں ' فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه کما یحب ربنا ویرضی '' اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے بندوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۱۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۵۴)

اس لیے میں اپنے محسن گرامی پروفیسر مفتی منیب الرحمان دام لطفہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں' جنہوں نے ہر مرحلہ میں میری معاونت کی اور بے لوث دوستی کا حق ادا کیا اور مخالفوں کے سامنے ہمیشہ میری پر جوش وکالت کی اور میری ضرورت کی کتابوں کی فراہمی میں ہمیشہ میرے کام آئے اور سفر میں اور حضر میں ہر دم مجھے یاد رکھا' ان کے علاوہ مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ اور مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ کی دعائیں میرے شامل حال رہیں' اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو اور مفتی منیب الرحمان کو ہمیشہ اپنے انعام اور اکرام سے نوازتا رہے۔

میرے احباب اور تلامذہ میں سے مفتی محمد اسماعیل نورانی' مولانا محمد صابر نورانی' سید عمیر الحسن برنی اور بالخصوص مولانا عبداللہ نورانی جو تفسیر تبیان القرآن کا خلاصہ انوارِ تبیان القرآن کے نام سے کر رہے ہیں' تاکہ اس کو میرے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر شائع کیا جائے' ان شاء اللہ عنقریب وہ شائع ہو کر منصۂ شہود پر آ جائے گا اور مولانا حافظ محمد اویس نقشبندی' مولانا محمد اکرام اللہ ہزاروی' مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی اور محترم محمد شمیم خان بھی میرے شکریہ کے خاص مستحق ہیں' میں ان سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین و دنیا کی سعادتیں اور راحتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

تبیان القرآن کی طباعت کا اصل سہرا سید اعجاز احمد رحمہ اللہ کے سر ہے' جنہوں نے تبیان القرآن کی تصنیف کا مجھ سے معاہدہ کیا اور یہ تردد نہیں کیا کہ اس شخص کی عمر ۵۸ سال ہو چکی ہے اور یہ کئی دائمی بیماریوں میں مبتلا ہے' پتا نہیں! یہ اتنا عرصہ جیے گا یا نہیں' اگر یہ درمیان میں مر گیا تو ہماری کتاب نامکمل رہے گی اور پھر چل نہیں سکے گی' سید اعجاز احمد رحمہ اللہ کی تو معاہدہ کے چار سال بعد ۹ ستمبر ۱۹۹۸ء میں وفات ہو گئی' اُن کے بعد ان کے صاحبزادے سید محسن اعجاز شکر اللہ سعیہ نے انتہائی ولولہ انگیز جذبہ کے ساتھ تبیان القرآن کی طباعت کرائی اور بہت محنت' جاں فشانی اور باریک بینی کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا اور اپنے والد رحمہ اللہ کے مشن کو عروج پر پہنچا دیا' میرے علم میں ایسا کوئی ناشر نہیں ہے جو کسی مسودہ کی طباعت میں اتنی گہری دلچسپی لے اور اس پر اتنی محنت کرے' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائے۔ (آمین)

ملک اور بیرونِ ملک میں اللہ تعالیٰ نے بعض احباب کے دلوں میں میری ایسی محبت ڈال دی ہے کہ وہ مسلسل میری خدمت کرتے رہتے ہیں' ملک میں ان محبین گرامی میں الحاج شیخ نجیب الدین' الحاج محمد شفیق اور الحاج غلام محمد ہیں اسعدہم اللہ تعالیٰ فی الدارین اور بیرونِ ملک میں صاحبزادہ حبیب الرحمان فیض پوری بریڈ فورڈ' مولانا حافظ عبدالمجید شرق پوری برسٹل اور محترمہ ثمینہ بہن (برسٹل میں) ہیں اکرمہم اللہ تعالیٰ فی الدارین' اللہ تعالیٰ ان سب کو دین اور دنیا کی سعادتیں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

تبیان القرآن کی تصنیف کے دوران میں نے جن تفاسیر سے استفادہ کیا ہے' ان میں سرفہرست امام رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام القرآن ہے' اس کے بعد روح المعانی اور روح البیان ہیں اور استدلال میں تائید اور تقویت کے لیے تقریباً تمام دستیاب تفاسیر کے حوالے رہے ہیں' علامہ جلال الدین سیوطی کی الدر المنثور سے بھی میں نے بہت استفادہ کیا ہے' امام ابو منصور ماتریدی کی تفسیر تبیان کی بارھویں جلد کے دوران طبع ہو کر آئی' اس سے بھی میں جس قدر استفادہ کر سکا' وہ میں نے کر لیا ہے۔ تبیان القرآن میں میری خواہش یہ رہی کہ قرآن مجید کی تفسیر میں' میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثارِ صحابہ کو

درج کروں، مجھ سے پہلے مفسرین نے بھی ایسا کیا ہے لیکن میری انفرادیت یہ ہے کہ میں نے تمام احادیث کو ان کے مکمل اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ درج کیا ہے اور ہر حدیث کی بھرپور تخریج کی ہے، یہ ایک ضروری اور فطری امر ہے کہ جب کوئی شخص کسی موضوع پر لکھتا ہے تو اس کو بعض مقامات پر اپنے پیش رو مصنفین سے اختلاف بھی ہوتا ہے اور تقریباً سب ہی مفسرین نے بعض مقامات پر اپنے پہلوں سے اختلاف کیا ہے، سو یہ چیز ناگزیر ہے لیکن میں نے جہاں بھی جس سے اختلاف کیا، ادب اور احترام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اس تفسیر کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ میں نے اس کو بہت آسان اور اس دور کی مروج اُردو میں لکھا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کے قارئین کا حلقہ دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے، انسان کی معلومات میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کی سوچ بدلتی رہتی ہے، ابھی چونکہ میری زندگی میں تبیان القرآن اور شرح صحیح مسلم چھپ رہی ہیں، اس لیے جب کسی مقام پر میری رائے بدل جاتی ہے تو میں اس میں ترمیم کر دیتا ہوں، لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے، ایسے کل پندرہ مقامات ہیں، جن کی تفصیل میں نے شرح صحیح مسلم کی چھٹی جلد کے آخر میں بیان کر دی ہے۔ 67

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ میری، میرے والدین کی، میرے اساتذہ کی، میرے احباب اور معاونین کی، میرے تلامذہ اور میرے قارئین کی، سید محسن اعجاز صاحب کی اور تمام مؤمنین کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو سعادت اور فلاحِ دارین عطا فرمائے۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیعنا یوم الدین و علٰی آله واصحابه وازواجه وذریاته وامته اجمعین.

لا اِلٰه الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین. سبحانك وبحمدك استغفرك واتوب الیك.

ان سطور کے پڑھنے والے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ میرے لیے ایمان پر خاتمہ اور مغفرت کی دعا کریں۔

اللھم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر نفسی ابوء لك بنعمتك علی وابوء لك بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت.

امیدوارِ عفو و کرم
غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ ۳۸
۲۴ ذوالحج ۱۴۲۵ھ / ۴ فروری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

تبیان القرآن جلد ثانی عشر کی مفصل ڈائری

ہجری تقویم	عیسوی تقویم	دن	صفحات کی مکمل تعداد	ایک ماہ کے صفحات	مطلوبہ اوسط	موجودہ اوسط
۲۲ ذوالحج ۱۴۲۵	۲ فروری ۲۰۰۵	بدھ	افتتاح		۱.۱۹	
۱۹ محرم ۱۴۲۶	یکم مارچ ۲۰۰۵	منگل	۶۱	۶۱		۵.۸
۲۱ صفر ۱۴۲۶	یکم اپریل ۲۰۰۵	جمعہ	۱۶۶	۱۰۵		۳.۷۴
۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۶	یکم مئی ۲۰۰۵	اتوار	۲۳۰	۶۴		۳.۴۷
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶	یکم جون ۲۰۰۵	بدھ	۲۹۶	۶۶		۳.۲۳
۲۳ جمادی الاوّل ۱۴۲۶	یکم جولائی ۲۰۰۵	جمعہ	۳۷۷	۸۱		۱.۳۸
۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۶	یکم اگست ۲۰۰۵	پیر	۴۴۶	۶۹		۱.۱۹
۲۶ رجب ۱۴۲۶	یکم ستمبر ۲۰۰۵	جمعرات	۵۱۲	۶۶		۱.۳۰
۲۶ شعبان ۱۴۲۶	یکم اکتوبر ۲۰۰۵	ہفتہ	۶۱۶	۱۰۴		۱.۴۹
۲۸ رمضان ۱۴۲۶	یکم نومبر ۲۰۰۵	منگل	۷۳۵	۱۱۹		۱.۴۰
۲۸ شوال المکرم ۱۴۲۶	یکم دسمبر ۲۰۰۵	جمعرات	۸۱۴	۷۹		۲.۳۰
۲۹ ذیقعد ۱۴۲۶	یکم جنوری ۲۰۰۶	اتوار	۹۲۳	۱۰۹		۲.۰۰
۱۲ ذوالحج ۱۴۲۶	۱۳ جنوری ۲۰۰۶	جمعہ	۹۶۷	۴۴		۲.۰۱

تبیان القرآن کی تصنیف کی ڈائری

تبیان کی جلد نمبر	فہرست اور ماخذ کے بغیر مسودہ کے صفحات	مطبوعہ صفحات	تصنیف کی کل مدت	ابتداء کی تاریخ	انتہاء کی تاریخ
۱	۹۸۸	۱۰۴۲	۱۸ ماہ	۲۱_۲_۹۴	۱۰_۸_۹۵
۲	۷۹۸	۹۰۸	۱۴ ماہ	۱_۹_۹۵	۱۸_۹_۹۶
۳	۶۷۹	۷۲۰	۱۲ ماہ	۲۲_۱۱_۹۶	۱۸_۹_۹۷
۴	۷۰۴	۷۳۳	۱۴ ماہ	۱_۱۲_۹۷	۱۴_۳_۹۹
۵	۷۹۷	۸۹۹	۱۲ ماہ	۷_۳_۹۹	۱۵_۳_۲۰۰۰
۶	۷۵۲	۸۳۲	۹ ماہ ۱۳ دن	۱۸_۳_۲۰۰۰	۲۰_۱۲_۲۰۰۰
۷	۸۱۱	۹۴۰	۸ ماہ ۱۵ دن	۲۸_۱۲_۲۰۰۰	۱۲_۹_۲۰۰۱
۸	۷۶۵	۸۸۲	۹ ماہ ۳ دن	۱۷_۹_۲۰۰۱	۲۰_۶_۲۰۰۲
۹	۸۵۰	۹۹۱	۱۰ ماہ ۲۵ دن	۲۳_۶_۲۰۰۲	۱۸_۵_۲۰۰۳
۱۰	۷۵۶	۸۴۳	۱۰ ماہ ۵ دن	۱۵_۵_۲۰۰۳	۲۴_۳_۲۰۰۴
۱۱	۸۳۱	۹۴۰	۱۰ ماہ ۷ دن	۲۴_۳_۲۰۰۴	۱_۲_۲۰۰۵
۱۲	۹۶۷	۱۰۷۸	۱۱ ماہ ۱۲ دن	۲_۲_۲۰۰۵	۱۳_۱_۲۰۰۶

مآخذ ومراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۳ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام سلیمان بن داؤد الجارود المتوفی ۲۰۴ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۴- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۵- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۶- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸- امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۹- امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۱- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۲- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت

۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۵- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۲۶- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ، ۱۴۱۷ھ

۲۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۹- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء

۳۱- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۳۲- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۳- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ دار الرایہ ریاض، ۱۴۱۱ھ

۳۴- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت

۳۵- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۶- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۷- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۸- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۹- امام احمد بن علی المثنی التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون التراث بیروت، ۱۴۰۴ھ

۴۰- امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۱- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ

۴۲- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز

۴۳- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۴۴- امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ

۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض، ۱۴۲۰ھ

۴۷- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

۴۸- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۹- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ

۵۰- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۵۱- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۳ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۵۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۵۷- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ
۵۸- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۶۰- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶۱- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۳- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض، ۱۴۲۳ھ
۷۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۳- امام عبدالوصاب بن محمد ابن مندہ، متوفی ۴۷۵ھ، الفوائد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ

۷۴- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ جامع بیان العلم وفضلہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۷۵- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' المتوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۷۶- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۷۷- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۷۸- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۷۹- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۸۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ 'مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ

۸۱- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب 'مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۲- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ 'مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ

۸۳- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح 'مطبوعہ دارخضر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۸۴- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ 'مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دارارقم بیروت

۸۵- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ 'مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۸۶- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن 'دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۸۷- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ 'مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۸۸- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد 'مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ

۸۹- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۹۰- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۱- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ 'دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۹۲- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین 'مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۹۳- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۴- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۹۵- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

۹۶- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۸- امام عبدالروف بن علی المناوی' التوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۷- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۸- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء' متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۱۰- ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی' متوفی ۱۰۴ھ' تفسیر مجاہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۱۱- امام حسن بن عبداللہ البصری' التوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۲- امام مقاتل بن سلیمان' متوفی ۱۵۰ھ' تفسیر مقاتل بن سلیمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۱۱۳- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۱۴- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۱۶- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دار الکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۷- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دار الفکر بیروت
۱۱۸- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۹- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۲۰- امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی' متوفی ۳۳۳ھ' تاویلات اہل السنۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۲۱- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ

۱۲۲- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ

۱۲۳- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۲۴- امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ

۱۲۵- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ

۱۲۶- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۷- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۱۲۸- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۲۹- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' المتوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۳۰- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دار الوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ

۱۳۱- علامہ عماد الدین طبری الکیا الہراسی' متوفی ۵۰۴ھ' احکام القرآن' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ

۱۳۲- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' المتوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۳۳- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۳۴- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۳۵- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۳۶- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ

۱۳۷- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زاد المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۳۸- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار و عدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۳۹- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۴۰- شیخ ابو محمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نو لکشور لکھنؤ

۱۴۱- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء

۱۴۲- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۴۳- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۴۴- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۴۵- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۴۱ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۴۶- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۷- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۱۴۸- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۴۹- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۵۰- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی متوفی ۷۵۶ھ الدر المصون مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۵۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ تفسیر القرآن مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
۱۵۲- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی متوفی ۸۶۰ھ حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
۱۵۳- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ تفسیر الثعالبی مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۵۴- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۱۵۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نظم الدرر مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ ۱۴۱۳ھ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۵۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جلالین مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۵۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لباب النقول فی اسباب النزول مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۵۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ منہج الصادقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۶۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ تفسیر ابوالسعود مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۶۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ عنایۃ القاضی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۱۶۳- علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ التفسیرات الاحمدیہ مطبع کریمی بمبئی
۱۶۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۶۵- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ حاشیۃ القونوی علی البیضاوی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۱۶۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ الفتوحات الالٰہیہ مطبوعہ المطبع البہیۃ مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶۷- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ تفسیر صاوی مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۶۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۹- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ تفسیر عزیزی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۷۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ فتح القدیر مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت دارالوفا بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۷۱- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ

کتب شروح حدیث

کتب شروح حدیث

١٩٧- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ

١٩٨- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی' متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

١٩٩- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

٢٠٠- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی' متوفی ۴۷۴ھ المنتقی' مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ

٢٠١- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

٢٠٢- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القبس فی شرح موطا ابن انس' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

٢٠٣- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بفوائد مسلم' مطبوعہ دارالوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ

٢٠٤- علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ کشف المشکل علی صحیح البخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ

٢٠٥- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

٢٠٦- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن النورپشتی' متوفی ۶۶۱ھ' کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنۃ' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۲۲ھ

٢٠٧- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' المتوفی ۶۵۶ھ المفہم' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ

٢٠٨- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ

٢٠٩- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ

٢١٠- علامہ ابن رجب حنبلی' متوفی ۷۹۵ھ فتح الباری' دار ابن الجوزی ریاض' ۱۴۱۷ھ

٢١١- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

٢١٢- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری' مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

٢١٣- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دار ابن کثیر' بیروت

٢١٤- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ' دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

٢١٥- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ

٢١٦- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

٢١٧- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ

٢١٨- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۱۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ
۲۲۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر الحوالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۲۱- علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ
۲۲۲- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشمائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۲۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۲۲۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۹- شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۳۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
۲۳۱- شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنہ ملتان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۷۵ھ
۲۳۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۳۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ التعلیق الصبیح مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۳۵- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی اوجز المسالک الی موطا مالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۳۶- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ التاریخ الکبیر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۲۳۸- امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۳۹- علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناھیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
۲۴۰- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۴۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۴۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۴- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۴۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۴۸- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۴۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۵۰- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۴ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۵۱- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۵۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۵۳- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۵۴- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۵۵- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۵۶- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۸- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد الغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۰- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۶۱- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۲۶۲- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۶۳- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۶۴- لوئیس معلوف الیسوعی' متوفی ۱۸۶۷ء' المنجد' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۶۵- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۶۶- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۶۷- قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۶۸- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۶۹- امام عبد الملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۷۰- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۷۱- امام ابوسعید عبد الملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۲۴ھ
۲۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، داراحیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۷۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۷۴- حافظ ابوعمر و یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۶- علامہ ابوالقاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۷۷- علامہ عبد الرحمٰن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۸- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۰- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۸۱- علامہ علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ کراچی
۲۸۲- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تاریخ الاسلام، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۸۴- شیخ ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۸۵- علامہ تاج الدین ابونصر عبد الوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۸۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۸۷- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ، تاریخ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۹۰- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۹۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۹۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۹۴- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۹۶- علامہ محمد عبد الباقی زُرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۹۷- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۸- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

68

۲۹۹- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۰۰- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ
۳۰۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۳۰۲- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ
۳۰۳- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ
۳۰۴- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۵- علامہ حسین بن منصور اوز جندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۶- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین و آخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۳۰۷- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ' المحیط البرہانی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ
۳۰۸- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق' مطبوعہ ایچ - ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ
۳۰۹- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۱۰- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ
۳۱۱- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۳۱۲- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۱۳- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۱۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۱۵- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۱۶- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۱۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ' شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۱۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ
۳۱۹- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ' جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' ۱۲۹۱ھ
۳۲۰- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۲۱- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ
۳۲۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۲۳- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النہر الفائق مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۲۴- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسۃ التاریخ العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۳۲۵- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۳۲۶- علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۲۷- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۸- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۳۲۹- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۳۳۰- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۳۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۳۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۳۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۶- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۷- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۸- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۹- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۴۰- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۴۱- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۴۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۶- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۸- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۹- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۳۵۰- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دارالفکر بیروت
۳۵۱- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاح' لیبیا
۳۵۳- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۴- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت
۳۵۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۶- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۵۷- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۵۸- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۵۹- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۶۰- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۳۶۱- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۶۲- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۶۳- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۴- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۵- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۶۶- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۶۷- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام - قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۶۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۷۰- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۷۱- امام ابوالقاسم رحبۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۷۲- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۷۳- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، التوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۳۷۴- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۴ھ

۳۷۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۶- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران

۳۷۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران

۳۷۸- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۷۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، التوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ

۳۸۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی، التوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۸۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۸۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۳۸۴- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری، التوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ

۳۸۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح وتلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۸۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۸۷- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۸۸- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۸۹- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۹۰- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی التوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۹۱- شیخ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ

۳۹۲- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ

۳۹۳- امام ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی' متوفی ۵۹۷ھ' ذم الهوٰی' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۹۴- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
۳۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ
۳۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر
۳۹۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۹۸- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۹۹- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۴۰۰- علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ
۴۰۱- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۴۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۵- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۴۰۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۴۱۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۴۱۱- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۴۱۲- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۴۱۳- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۴۱۴- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ
۴۱۵- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۴۱۶- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۴۱۷- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۴۱۸- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۴۱۹- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۳۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۴۲۰- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۲۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمٹیڈ لاہور
۴۲۲- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۲۳- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کی کتب

☆عشق رسول ﷺ استحکام ایمان کا واحد ذریعہ☆
☆روض الجنان فی مناقب عثمان بن عفان☆
☆خشیت الٰہی اور اس کے تقاضے☆
☆مقصد بعثت انبیاء کی جامعیت وہمہ گیریت☆
☆اسلام میں انسانی حقوق☆
☆مناظرہ ڈنمارک☆
☆شان اولیاء☆
☆مسئلہ استغاثہ اور اسکی شرعی حیثیت☆
☆اسمائے مصطفٰی ﷺ☆
☆تربیتی نصاب مکمل چار جلدیں شانِ اولیاء☆
☆ایصال ثواب کی شرعی حیثیت☆
☆فلسفۂ معراج النبی ﷺ☆
☆حیات النبی ﷺ☆
☆عقیدۂ شفاعت☆
☆ایمان کا محور ومرکز (ذاتِ مصطفٰی) ☆
☆فلسفہ شہادت حضرت امام حسین☆
☆سلوک وتصوف کا عملی دستور☆
☆منہاج السوی☆
☆حقیقت تصوّف☆
☆میلاد نبی ﷺ☆
☆حصول مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیز☆
☆عشق رسول وقت کی اہم ضرورت☆
☆پیغمبر انقلاب اور صحفیہ انقلاب☆
☆القول الوثیق فی مناقب الصدّیق☆
☆آداب نماز☆
☆سورۂ فاتحہ اور تعمیر شخصیت☆
☆مومن کون ہے☆
☆قرآن اور شمائل نبوی ﷺ☆

ادبی دنیا 510 مٹیا محل دہلی-6